وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا (القرآن)

اور قرآن پاک کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرو (القرآن)

تفسیر سراجِ مُنیر

پارہ اول جلد اول

بحر العلوم امام المفسرین سند المحدثین
مفسر اعظم جامع المعقول والمنقول حاوی الاصول
والفروع ابو لمکارم علامہ

حافظ سید غلام حسین مصطفٰے رضا

رضوی رازی قادری

دوکان نمبر 13 پنجاب پلازہ سرکلر روڈ بالمقابل
جلال الدین ہسپتال نزد چوک اردو بازار لاہور
Ph: 042-7311042,7311131

مغل دار الکتب

٢٩٧٥١٦
م ٧ ٨ ٩ ت
GIFT BOOK
ACC. No. 1717....
Date. 16/10/2001
P.U LIBRARY LHR.

وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا (القرآن)

اورقرآنِ پاک کوٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرو (القرآن)

65675
DATA ENTERED

تفسیر سراجِ منیر

پارہ اول جلد اول

بحر العلوم امام المفسرین سند المحدثین

مفسر اعظم جامع المعقول والمنقول حاوی الاصول

والفروع ابولمکارم علامہ

حافظ سید غلام حسین مصطفٰے رضا

رضوی رازی قادری

مصنف کے آباؤ اجداد چھبیس پشتوں
سے مفسر اور محدث چلے آرہے ہیں۔

Marfat.com

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

نام کتاب

تفسیر سراج منیر

حکومت پنجاب سے منظور شدہ

انجمن خدام القرآن

مصنف

بحر العلوم المفسرین سند المحدثین مفسر اعظم جامع المعقول والمعقول حاوی الاصول
والفروع ابو المکارم علامہ **حافظ سید غلام حسین مصطفےٰ رضا** رضوی رازی قادری

صدر

عبد الحمید اعوان ولد محمد عبد اللہ تحصیل میونسپل آفیسر چک نمبر 108/12-L تحصیل چیچہ وطنی ضلع ساہیوال

ارکین

✦ رانا عبد الوحید چک نمبر 60 ج ۔ب ۔شہباز پور فیصل آباد Ph: 797151 ✦ ڈاکٹر محمد عاشق فیصل آباد Ph: 655936

✦ حاجی عبد الرشید علوی ولد محمد عبد اللہ چک نمبر 108/12L تحصیل چیچہ وطنی ضلع ساہیوال ✦ پروفیسر عبد الغنی عمر پارک امامیہ کالونی لاہور

✦ جاوید بٹ نیشنل دری سٹور اندرون حرم گیٹ ملتان صدر ملتان آل جموں وکشمیر مسلم کانفرنس آزاد کشمیر ملتان انجمن کشمیر برادری ملتان صدر انجمن تاجر برادری حرم گیٹ ملتان ممبر ملی یکجہتی کونسل ملتان ✦ ملک شاہ نواز کریم پارک راوی روڈ لاہور Ph: 7703637

✦ ملک محمد یونس کریم پارک راوی روڈ لاہور Ph: 7703977 ✦ رانا امان اللہ ولد رانا جعفر خان چک نمبر 139/EB عارف والا

✦ خلیفہ مولانا نعمت علی صاحب مصنف تنویر القرآن عمر پارک امامیہ کالونی لاہور ✦ رانا ثناء اللہ ولد جعفر خان واپڈا ٹاؤن لاہور

✦ لیاقت علی ولد رانا عباد علی سرائے سدھو ✦ ہیڈ ماسٹر علی جان سرائے سدھو

کمپوزنگ: حافظ محمد فرحان حمید اعوان چک نمبر 112/L تحصیل چیچہ وطنی ضلع ساہیوال

اہتمام کنندہ: عبد المنان قادری علوی ولد عبد الرزاق چک نمبر 3/MR ڈاکخانہ مخدوم رشید ضلع ملتان
سید احمد رضا ★ سید کاشف رضا ★ محمد عثمان علوی ★ محمد حنان علوی (یہ چاروں مشترک رہیں گے)

ناشر و پبلشر: حافظ محمد فرحان حمید اعوان

ہدیہ کتاب: 550 روپے

ملنے کا پتہ:
چک نمبر 3/MR ڈاکخانہ مخدوم رشید ضلع ملتان
چک نمبر 108/12-L تحصیل چیچہ وطنی ضلع ساہیوال

Marfat.com

نحمدهٗ و نصلی علی رسولہ الکریم

اما بعد : قرآن تفسیر، سراج منیر جس کے مصنف حافظ سید غلام حسین مصطفیٰ رضا رازی رضوی، قادری ہیں۔ مصنف علمی گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ تفسیر کے علاوہ مصنف نے کئی کتب تحریر کی ہیں۔ بندہ نے اس تفسیر کو کئی بار شائع کیا ہے۔ یہ پارہ اول کی تفسیر ہے۔ ہر سپارے کی علیحدہ تفسیر ہوگی۔

مصنف ہمارے اس پاکستان پرنٹنگ ورکس سے کافی عرصے سے منسلک ہیں۔ قارئین میرے لئے دعا فرمائیں کہ قرآن کریم اس عظیم تفسیر کی خدمت سرانجام دوں جو میرے لئے توشہ آخرت ہو اور اللہ مجھے روزہ آخرت صلحین سے اٹھائے۔

والسلام

محمد شجیع

پاکستان پرنٹنگ ورکس لاہور

Marfat.com

فہرست مضامین تفسیر سراج منیر

مضمون	صفحہ
مفسرین کے لئے شرائط (صفحہ نمبر ۱ تا ۴۸)	
تفسیر سورۂ فاتحہ (صفحہ نمبر 1 تا 246)	
تفسیر الٓم پارہ اوّل (حروف تہجی پر بحث اور دو مسائل)	247
تفسیر ذالک الکتاب	249
تفسیر لاریب فیہ	268
تفسیر ھدی للمتقین (پر کچھ لوگوں کے اعتراضات وجوابات)	269
تفسیر الذین یومنون (علم غیب پر اعتراضات وجوابات)	275
ویقیمون الصلوٰۃ (نماز کے مسائل)	286
رزقنا پر بحث	291
تفسیر والذین یؤمنون بما انزل پر مسائل (قرآن کریم کے وحی من اللہ ہونے پر بحث)	293
لفظ رزق پر بحث	297
تفسیر اولٰئک علی ھدی من ربھم پر مسائل	301
تفسیر ان الذین کفرو پر بحث ومقدمات واعتراضات اور جوابات	304
تفاسیر ختم اللہ علی قلوبھم، ومن الناس من یقول پر اعتراضات وجوابات (مسئلہ قضاء وقدر اور لفظ انسان پر بحث وتحقیق اور مفسرین کے اختلافات)	315
تفسیر یخدعون اللہ	328
تفسیر واذا قیل لھم (منافقین کی خباثت اور لفظ قیل پر بحث)	332
تفسیر واذا قیل لھم اٰمنوا	334
تفسیر واذا لقوا الذین اٰمنوا (لفظ شیاطین پر بحث اور منافقین کا مسخرا پن پورا بیان ہے)	337
تفسیر فی طغیانھم ویعمھون، اولٰئک الذین اشتریٰ (منافقین کی خباثت اور لفظ ضلال پر بحث)	339
تفسیر مثلھم کمثل الذی	341
تفاسیر صم بکم، او کصیب من السماء (سائنسدانوں کے اعتراضات وجوابات)	348

مضمون	صفحہ
تفسیر یاایھا الناس پر بحث (اللہ کے وجود پر بحث اور منکرین کے اعتراضات وجوابات، لفظ خلقکم پر بحث، سائنسدانوں کے زمین ساکن یا متحرک یا مستدیرہ پر دلائل اور ان کا رد، زمین وآسمان کے درمیان فضائل کا امتیاز اور مشرکین کی خباثت اور لفظ یارسول اللہ پر بحث نیز شمس و قمر پر بحث اور زمین کے فوائد)	353
تفسیر فان لم تفعلوا (نبوت کا اثبات اور قرآن کریم پر شک کرنے والوں کا رد اور اعتراضات اور مشرکین ومنکرین کو قرآن کریم کا چیلنج اور لفظ شھداء پر بحث)	389
تفسیر وبشر الذین امنوا (لفظ جنت اور اعمال صالحہ، جنت میں رہنے پر بحث اور لفظ خالدون پر اعتراضات وجوابات)	405
تفسیر ان اللہ لایستحی (مشرکین کے اعتراضات کہ اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں کہ وہ مچھر کی مثال بیان فرمائے، لفظ یضل ومسئلہ قضاء وقدر پر بحث، اس کی عملی تحقیق وتدقیق، مشرکین کا عہد توڑنا، ان کے اعتراضات وجوابات)	412
تفسیر کیف تکفرون باللہ (اس آیت میں کفار کے کفر کا ذکر ہے اور حیات بڑی نعمت ہے)	426
تفسیر ھو الذی خلق لکم ما (آسمان کی حقیقت اور وھو بکل شیٔ علیم پر مکمل بحث)	428
تفسیر واذ قال ربک (آیت میں معتزلہ کے اعتراضات وجوابات، ملائکہ کی حقیقت، آدمؑ کا خلیفہ ہونا اور فرشتوں کے سوالات وجوابات کا ذکر	432
تفسیر وعلم ادم الاسماء (آدمؑ کی فرشتوں پر علمی برتری، زبانیں لفظ علم اور اس کی فضیلت پر بحث قرآنی آیات وعلماء کے فضائل اور بزرگان کی حکایات)	443
تفسیر قالوا سبحانک (فرشتوں کا تسبیح کرنا، اللہ کے حضور عاجزی کا اظہار کرنا پر بحث، تفسیر ماکنتم تکتمون، حضرت آدمؑ کا علم الٰہی	466

Marfat.com

فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کا سمجھنا پر بحث)

تفسیر واذ قلنا للملائکۃ (آدمؑ کو فرشتوں کا سجدہ کرنا اور نہ کرنا، شیطان جن تھا یا فرشتہ، عبادت کرتا تھا یا نہیں، فرشتے بسیط ہیں یا مرکب، معتزلہ کے اعتراضات اور ان کا رد) — 468

تفسیر وقلنا یا ادم اسکن (آدمؑ وحوا کا جنت میں رہنا اور نکلنا اور حوا کا آدمؑ کی پسلی یا شکم سے پیدا ہونا پر مکمل بحث) — 484

تفسیر فازلهما الشیطن (آدمؑ کو شیطان کا دھوکہ دینا اور جنت سے باہر آنے کا ذکر) — 487

تفسیر فتلقی ادم (لفظ لقیٰ پر بحث اور آدمؑ کی توبہ کا ذکر اور بحث) — 495

تفسیر فقلنا اهبطوا (کا دوبارہ نازل ہونا اور ہدایت پر مکمل بحث) — 500

تفسیر والذین کفروا وکذبوا (کفار کا جھٹلانا، انکا دائمی جہنمی ہونا) — 502

تفسیر یبنی اسرائیل اذکروا (اللہ کا بنی اسرائیل سے خطاب فرمانا اور ان پر انعامات اور عہد پر مکمل بحث ہے) — 502

تفسیر وامنوا بما انزلت (قرآن کے ساتھ کفر نہ کرنے، یہودیوں کی خباثت کا پورا بیان اور قرآن کے مصدق ہونے کا ذکر ہے) — 509

تفسیر ولا تلبسوا الحق (حق کے ساتھ باطل کو نہ ملانا، یہودیوں کو مکمل تنبیہ ہے، حق کو چھپاتے تھے حق کو چھپانے کی وجہ پر بحث) — 511

تفسیر واقیموا الصلوٰۃ (نماز کے بارے میں خطاب ہے) — 511

تفسیر اتامرون الناس (یہودیوں کی خباثت، لوگوں کو حکم دیتے لیکن خود عمل نہ کرتے، کے بارے میں ذکر) — 511

تفسیر واستعینوا بالصبر (نماز، صبر، اللہ کا دیدار، روز قیامت پر بحث، مخالفین کے اعتراضات وجوابات، اللہ کا دیدار محشر میں بلا حجاب ہوگا) — 513

تفسیر یبنی اسرائیل (یہودیوں کو خطاب، ان پر انعامات اور بزرگی کا ذکر) — 516

تفسیر واتقوا یوماً (اللہ کا ڈرانا، نبیؐ کا شفیع ہونا، روز محشر اور معتزلہ کے اعتراضات وجوابات) — 517

تفسیر واذ نجینا کم (لفظ نجینا، آل پر بحث، آل صرف سادات کیلئے مخصوص ہے یا عام، فرعون وفرعون کے زمانہ میں لڑکوں کا مارنا اور لڑکیوں کو زندہ رکھے جانے پر بحث) — 529

تفسیر واذ فرقنا بکم البحر (دریا کا پھاڑنا، قوم موسیٰ کو فرعون سے نجات دلانا، فرعون کا بمعہ لشکر غرق ہونے کا ذکر) — 532

تفسیر واذ واعدنا موسیٰ (موسیٰ سے اللہ کا چالیس راتوں کا وعدہ) — 534

تفسیر واذ اتینا موسی الکتاب (موسیٰ کو کتاب دینے کا ذکر) — 536

تفسیر واذ قال موسیٰ لقومه (موسیٰ کا قوم سے خطاب، ان کی نافرمانی اور لفظ فاقتلوا پر بحث) — 537

تفسیر واذ قلتم یا موسیٰ لن نؤمن (موسیٰ سے قوم کا باغی ہونا، اللہ کا دیدار ظاہری آنکھ سے طلب کرنا، ان پر موت آنا، بجلی کا پکڑنا دوبارہ زندہ ہونے کا ذکر) — 538

تفسیر وظللنا علیکم الغمام (بنی اسرائیل پر انعام، بادل کا سایہ اور من وسلویٰ کا اترنا پر مکمل بحث) — 540

تفسیر واذ قلنا ادخلوا هذه القریة (بنی اسرائیل کو قریہ میں داخل ہونے کا حکم، قریہ اور لفظ حطة پر بحث) — 541

تفسیر واذ استسقی موسیٰ لقومه (موسیٰ کا قوم کو جنگل سے نکالنا، پانی کا طلب کرنا، بارہ چشموں کا پھوٹنا پر مکمل ذکر) — 544

تفسیر واذ قلتم یا موسیٰ لن نصبر (قوم موسیٰ کا ایک کھانے پر صبر نہ کرنا، شہر میں اترنا، انبیاء کا قتل کرنا، لفظ بغیر الحق پر بحث) — 547

تفسیر ان الذین امنوا والذین هادوا (ایمان والوں کا ذکر، یہود ونصاریٰ بے دین، ایمان مجمل ومفصل اور مسئلہ تراویح پر جامع بحث) — 550

تفسیر واذ اخذنا میثاقکم ورفعنا (لفظ میثاق، یہودیوں پر طور کا کھڑا ہونا اور خسارے میں ہونا پر بحث) — 555

تفسیر ولقد علمتم الذین اعتدوا (یہودیوں کو ہفتہ کے دن شکار نہ کرنا، ان کی نافرمانی کرنا، ان کا بندر بننا، موجودہ بندر ہیں یا نہیں پر بحث) — 557

تفسیر واذ قال موسیٰ لقومه ان الله یامرکم (قوم موسیٰ سے آدمی قتل ہونا، گائے ذبح کرنا، گائے کی رنگت، مقتول کا زندہ ہونا اور گائے کو تلاش کرنا کہ کس کی تھی) — 559

تفسیر ثم قست قلوبکم (لفظ قلوب، حجارة پر بحث ہے) — 566

تفسیر افتطمعون ان یومنوا لکم (بنی اسرائیل، لفظ فریق، قرآن کے ازلی ہونے، پہلی کتب آسمانی کو تحریف کرنے، لفظ تحریف پر مکمل بحث) — 569

تفسیر واذا لقوا الذین (یہودیوں کی ایک خباثت، مسلمانوں سے مسخرہ پن، ایمان لائے لیکن دل سے نہ لائے، نبیؐ کی تعریف کو مٹانے کا ذکر) — 578

تفسیر ومنهم امیون (لفظ امّی پر بحث، جاہل یہودیوں، علمائے یہود جو اپنے نوشتوں کو آسمانی کہتے تھے اللہ نے ان کو رد فرمایا) — 579

تفسیر وقالوا لن تمسنا النار (یہودیوں کا پھر دعویٰ کہ انہیں جہنم کی — 581

Marfat.com

مضمون	صفحہ
آگ چھوئے گی لیکن چند دن، لفظ ایام، حدیث خیر واحد کا ذکر اور معتزلہ کے اعتراضات کے جوابات)	
تفسیر بلی من کسب (لفظ من، حضور کا شفیع ہونے پر اعتراضات، لفظ فساق، کفار کے عذاب، قاتل کا دائمی جہنمی ہونا، مومن قاتل جہنم سے رہا ہوگا یا نہیں پر مکمل دلائل اور بحث)	584
تفسیر والذین امنوا وعملوا الصلحت ((ایمان والوں، نیک عمل کرنے والوں کے لئے جنت کا وعدہ ہے)	597
تفسیر واذ اخذنا میثاق بنی اسرائیل (بنی اسرائیل میں میثاق، اللہ کے ساتھ شریک نہ کرنے، والدین کے ساتھ احسان کرنا، مسئلہ میراث، یتیم اور مسکین پر بحث اور نماز کا ذکر ہے)	598
تفسیر واذاخذنا میثاقکم لاتسفکون دماء کم (بنی اسرائیل سے میثاق، بڑے لوگ غریب لوگوں کو گھروں سے نکال دیتے، کا ذکر)	603
تفسیر ثم انتم ھٰؤلاء تقتلون (یہودیوں کی خباثت، بڑے یہودیوں کو گھر سے نکال دینا، بعض کتابوں پر ایمان رکھنا بعض پر نہ رکھنا، قیامت کے دن کے عذاب سے ڈرانا کا ذکر)	604
تفسیر اولئک الذین اشتروا الحیوٰۃ الدنیا (یہودیوں کی خباثت کا ذکر ہے کہ ان پر عذاب ہلکا نہ ہوگا ان پر جو وعید ہے اس پر مکمل بحث)	607
تفسیر ولقد اتینا موسٰی الکتاب (کتاب سے مراد تورات ہے بینات اور روح القدس پر مکمل بحث)	607
تفسیر قالوا قلوبنا غلف (لفظ غلف پر بحث)	609
تفسیر لما جاء ھم کتاب (اس کتاب سے مراد قرآن پاک ہے اس کی حکمت اور نبیؐ کی توصیف، یہودیوں کا عناد، انکا کفر اس میں ذکر ہے)	609
تفسیر بئسما اشتروا بہ انفسھم (لفظ بئس پر بحث ہے یہودیوں کا کفر اور اللہ کا غضب پر بحث)	611
تفسیر واذا قیل لھم امنوا (یہودیوں کے ایمان، کفر، انبیا کا قتل پر بحث)	614
تفسیر ولقد جاء کم موسٰی بالبینات (لفظ بینات اور عمل پر بحث)	615
تفسیر واذ اخذنا میثاقکم ورفعنا (لفظ میثاق، طور، دونوں آیات میں مومنوں کو تسلی اور بنی اسرائیل کا خاص ذکر)	615
تفسیر قل ان کانت لکم الدار الآخرۃ (لفظ دار، لفظ موت پر بحث)	616
تفسیر ولتجدنھم احرص الناس (لفظ احرص الناس، مشرکین کی خباثت کا ذکر اور مشرکین بھی زندگی سے زیادہ پیار کرتے ہیں)	617
تفسیر قل من کان عدوًا لجبریل (لفظ جبریل، قرآن کے فضائل، یہودیوں کی خباثت اور ملائکہ سے دشمنی کے مکمل حالات)	618
تفسیر ولقد انزلنا (لفظ بینات، بینات سے مراد قرآن ہے یا کچھ اور)	622
تفسیر اوکلما عھدوا (یہودیوں کے ساتھ عہد اور نافرمانی کا ذکر)	623
تفسیر ولما جاء ھم رسول (لفظ رسول پر بحث اور یہودیوں کی خباثت ان کا کتاب اللہ کو پس پشت ڈالنے کی حکمت)	624
تفسیر واتبعوا ما تتلوا الشیاطین (لفظ تتلوا، سحر، سحر کی اقسام، کون ساحر کفر ہے، معتزلہ کے اعتراضات، فلسفیوں کی بحث، ہاروت و ماروت کا نزول زہرہ عورت تھی یا ستارہ، احادیث کی روشنی میں بحث اور مخالفین کے اعتراضات کا رد)	625
تفسیر ولو انھم اٰمنوا واتقوا (ایمان کی حقیقت، یہودیوں کا ایمان لانا)	638
تفسیر یاایھا الذین اٰمنوا لا تقولوا راعنا (لفظ راعنا، انظرنا اور نبیؐ کے ساتھ یہودیوں کی طنز کرنے کی حقیقت پر بحث)	639
تفسیر مایود الذین کفروا (یہودیوں کے ساتھ دوستی نہ لگانے کا حکم اور قرآن کریم کا رحمت عام ہونا)	640
تفسیر ماننسخ من ایۃ (لفظ ننسخ، ننسخ کے لغوی معنی منسوخ کی تعریف، قرآن میں منسوخ کے معنی پر مکمل بحث اور قرآن کے کسی آیت کے منسوخ نہ ہونے پر دلائل۔ مفسرین کی رائے اور احادیث سے ثبوت)	640
تفسیر الم تعلم ان اللہ لہ (لفظ ملک معتدورات پر بحث)	648
تفسیر ام تریدون (لفظ ام، لفظ سوال پر بحث رسولؐ پر امت نے سوال کیا یا یہودیوں نے)	649
تفسیر ودکثیر من اھل الکتاب (اہل کتاب کا مسلمانوں کو ورغلانا اور لفظ حسد کی تعریف اور بچنے کا طریقہ)	650
تفسیر واقیموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ (نماز کے بارے میں اور	657

Marfat.com

مضمون	صفحہ
اعمال کے بارے میں ذکر ہے کہ آگے اعمال پہنچتے ہیں یا گناہ پہنچتے ہیں)	
تفسیر وقالوا لن یدخل الجنة (یہودیوں کا یہ کہنا کہ ہم جنت میں جائیں گے اور نصاریٰ فرقہ باطل ہے، لفظ نیت مقدم ہے یا اعمال پر بحث)	657
تفسیر وقالت الیھود (یہود و نصاریٰ فرقوں کے بارے میں بحث)	660
تفسیر ومن اظلم ممن منع (مسجد سے روکنے والوں کی سخت مذمت، مسجد کے فضائل، مسجد سے روگردانی کرنے والوں کی خواری کا ذکر)	661
تفسیر وللہ المشرق والمغرب (لفظ مشرق ومغرب، آیت کی وجہ نزول، اللہ کی ذات پر لفظ حاضر ناظر کا اطلاق ہوسکتا ہے یا نہیں پر بحث)	669
تفسیر وقالوا اتخذ اللہ (مشرکین کا رد، اللہ کی اولاد نہ ہونا، دلائل فلسفی ومنطقی اور لفظ کن فیکون پر بحث)	673
تفسیر وقال الذین لایعلمون (یہودیوں کی یہ بات کہ اللہ تعالیٰ ہم سے کلام کیوں نہیں کرتا پر مکمل بحث)	677
تفسیر انا ارسلنک بالحق (نبیؐ کا مبعوث ہونا اور ان کے والدین کے بارے میں بحث)	678
تفسیر ولن ترضیٰ عنک الیھود (یہودیوں کی حرکت خبیثہ کا ذکر اور نبیؐ کو تسلی دینے کا ذکر)	678
تفسیر الذین اتینھم الکتاب (قرآن کی فضیلت اور لفظ تلاوت پر بحث)	679
تفسیر یبنی اسرائیل اذکروا (اس پر بحث پہلے آچکی ہے)	680
تفسیر واذ ابتلیٰ ابراھیم (حضرت ابراہیمؑ کی چند آزمائشوں، اللہ کے علم تفصیلی کا ذکر اور لفظ امام پر بحث)	680
تفسیر واذ جعلنا البیت (لفظ بیت، حجر اسود کی فضیلت، حج کے مسائل اور صحابہ کے فضائل پر بحث)	689

مضمون	صفحہ
تفسیر واذ قال ابراھیم (حضرت ابراہیمؑ کا حضرت ہاجرہ کو گھر سے جنگل چھوڑنے اور اس جگہ کے آباد ہونے کی دعا کا ذکر)	696
تفسیر واذ یرفع ابراھیم القواعد (حضرت ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کا کعبۃ اللہ کا تعمیر کرنا، لفظ مسلمین، مناسک حج، نبیؐ کے والدین کے ایمان کے بارے میں تحقیق، نبوت کے فرائض منصبی کا ذکر)	698
تفسیر ومن یرغب عن ملة ابراھیم (حضرت ابراہیمؑ کے دین کے ساتھ رغبت کرنا اور لفظ ملت پر بحث)	708
تفسیر اذقال لہٗ ربہٗ (اللہ کا ابراہیمؑ کو اپنے فرمانبردار ہونے کا ذکر)	710
تفسیر ووصّٰی بھا ابراھیم (حضرت ابراہیمؑ کا اولاد کو وصیت کرنا اور لفظ وصّٰی پر بحث)	711
تفسیر ام کنتم شھداء (لفظ ام، اس آیت کا خطاب رسولؐ کے زمانے کے یہودیوں کو تھا یا ان کے اسلاف کو، اس میں حضرت یعقوبؑ کا بیٹوں سے وصیت کرنا، اور لفظ ء پر بحث)	711
تفسیر وقالوا کونوا ھوداً (یہودیوں کا یہ کہنا کہ حضرت ابراہیمؑ ''نعوذ باللہ'' یہودی تھے کا مکمل رد)	717
تفسیر قولوا آمنا باللہ (یہودیوں کو ایمان لانے کا حکم، کتب آسمانی کا ذکر اور انبیاءؑ کی نبوت پر ایمان لانے پر کا ذکر)	718
تفسیر فان آمنوا بمثل ما آمنتم (ایمان کی تاکید، لفظ مثل پر بحث)	719
تفسیر صبغة اللہ ج ومن احسن (لفظ صبغة کی حقیقت بیان کی گئی)	721
تفسیر قل اتحاجوننا (یہودیوں کا اللہ کی شان میں جھگڑا کرنا پر بحث)	721
تفسیر ام تقولون (یہودیوں کی خباثت کا ذکر، لفظ شہادت پر بحث)	722
تفسیر تلک امة قد خلت (پارہ کی آخری آیت ہے اس کے دوبارہ نازل ہونے کی وجہ اس میں بیان کی گئی ہے)	723
قارئین سے التماس	724

⌘⌘⌘⌘⌘

Marfat.com

ترجمۃ المصنف

از: سید فیض عباس قمر ایم۔ اے علوم اسلامیہ

عصر حاضر میں جن صاحبان اخلاص اور ارباب علم نے اپنی حیات مستعار کے شب و روز کو صلہ وستائش سے بالاتر ہو کر دین اسلام کی خدمت کے لئے وقف کر رکھا ہے اور ہمہ وقت یہی فکر دامن گیر ہے۔

تمنا ہے کہ دنیا میں کچھ کام کر جائیں
گر ہو سکے تو خدمت اسلام کر جائیں

بلاشبہ ان حضرات میں مفسر قرآن حضرت علامہ سید غلام حسین مصطفٰے رضا صاحب دامت برکاتہم العالیہ بھی ایک ہیں۔ آپ ایک ایسے علمی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں کہ جس میں ۲۶ پشتوں سے ممتاز محدث اور بلند پایہ مفسر ہوتے چلے آرہے ہیں۔ اور شاہ صاحب ممدوح بھی۔ بقول اَلْوَلَدُ سِر لابِیہِ اسی مبارک سلسلے کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔ آپ تمام علوم عقلیہ ونقلیہ وغیرہ پر کامل دسترس رکھتے ہیں۔ جب بھی کسی موضوع پر اظہار خیال کرتے ہیں تو ایسے علمی انداز میں گفتگو کرتے ہیں کہ انسان انگشت بدنداں رہ جاتا ہے۔ اور بے ساختہ زبان سے تحسین وآفرین کے کلمات نکلتے ہیں۔

حضرت شاہ صاحب موصوف کی علمی اور اسلامی خدمات کا ذوق وشوق جنون کی حد تک ہے۔ اس کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ آپ ۶ ۔ پانچ سال سے ظاہری بصارت سے محروم ہیں۔ (اللہ آپکی بصارت کو بحال فرمائے۔ آمین) تاہم خدادادنور بصیرت کے باعث نو بہ نو ولولے اور جذبے کے ساتھ خدمت دین متین میں مصروف ہیں۔ آپ کا یہ جذبہ عمل نہ صرف لائق صد تحسین ہے بلکہ غبطہ بھی ہے۔ جو صاحبان بصارت کو اس سلسلے میں دعوت فکر دیتا ہے لاریب یہ قابل قدر جذبہ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت اور حضور سید عالم ﷺ کی خصوصی چشم عنایت کا ثمرہ اور نتیجہ ہے یہی وجہ ہے کہ بقول (خود موصوف کے) تقریباً ڈیڑھ لاکھ احادیث نبویہ عَلیٰ صاحبِہا الصَّلوٰۃُ والسَّلام حفظ ہیں۔ (اللہ تعالیٰ ہمارے سینوں کو بھی انوار واحادیث سے مستفید فرمائے۔ آمین۔) بفضلہٖ تعالیٰ مفسر علامہ حضرت شاہ صاحب میں وہ تمام شرائط وکوائف بتمام وکمال موجود ہیں جن کا ایک مفسر قرآن کے لیے ہونا ازبس ناگزیر ہے۔

ابتدائی حالات:

حضرت شاہ صاحب کی ولادت باسعادت ۱۹۵۰ میں ملتان شریف کے مضافاتی قصبہ مخدوم رشید میں ہوئی۔ جو مخدوم الاولیاء حضرت عبدالرشید حقانی رحمۃ اللہ علیہ کے نام نامی اسم گرامی سے منسوب ہے۔

تعلیمی مراحل:

حضرت شاہ صاحب نے قرآن حکیم کے ناظرہ اور حفظ کی تعلیم اپنے ہی آبائی گاؤں (مخدوم رشید) میں استاد الحفاظ حضرت قاضی نعمت اللہ شاہ صاحب قدس سرہ العزیز سے حاصل کی۔ قرآن کریم کے حفظ کی سعادت سے بہرہ ور ہونے کے بعد آپ نے علوم وفنون کی تحصیل کی خاطر متعدد جلیل القدر اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذتہ کرنے کا شرف حاصل کیا۔ چنانچہ ابتدائی طور پر فارسی۔ صرف اور نحو کی تعلیم قصبہ حضرو میں شیخ الصرف والنحو حضرت علامہ مولانا عبدالغفور صاحب سے پائی بعد ازاں علم منطق مولانا محمد صدیق صاحب (جو مولانا دین محمد بدھاں والا کے اولین تلامذہ میں سے تھے) سے پڑھا۔ اور پھر علم معانی۔ علم فقہ۔ علم ادب۔ علم فلسفہ کی خصوصی تعلیم حضرت علامہ سید نظام الدین کشمیری رحمۃ اللہ علیہ صدر المدرسین مدرسہ غوثیہ مظفر آباد سے حاصل کی۔

معقول کی دو شہرہ آفاق اور معرکۃ الآراء کتابیں قاضی مبارک اور حمد اللہ مولانا عبدالعزیز صاحب پشاوری سے پڑھیں۔ واضح رہے کہ حضرت شاہ صاحب کو منطق کے اس عظیم امام کی زیر نگرانی حمد اللہ پڑھانے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔ اس سے ایام تحصیل ہی میں معقولات پر دسترس کا خوب اظہار ہوتا ہے۔ شمس بازغۃ اور صدرا

Marfat.com

مولانا محمد ابراہیم صاحب (جو فلسفہ میں اپنی مثال آپ تھے) سے پڑھا۔ اور علم حدیث کی تعلیم شیخ المحد ثین حضرت سید نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی۔ جو مجدد دین مؤید شرع متین زین الآئمۃ المتاخرین امام الفقہا والمحد ثین الشاہ احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کے اولین تلامذہ میں سے تھے۔

اس طرح حضرت شاہ صاحب اعلیٰحضرت عظیم البرکتہ فاضل بریلوی نور اللہ مرقدہ کے ایک واسطہ سے شاگرد قرار پاتے ہیں اور یہ شاہ صاحب کے لئے بہت بڑا اعزاز ہے۔ اس پر جتنا ناز کریں بجا ہے۔ علاوہ ازیں آپکی سند حدیث دو واسطوں سے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے ہے۔ آپ کو شرف بیعت حضرت حسن میاں قادری سجادہ نشین مہریرہ شریف (انڈیا) سے حاصل ہیں (جو اعلیٰ حضرت الشاہ احمد رضا خان صاحب کے مرشد گرامی سید احمد نوری رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے ہیں)۔

تدریسی خدمات:

حضرت شاہ صاحب نے علوم وفنون کی تحصیل کے بعد تدریس کا آغاز مدرسہ اشاعت العلوم کراچی سے کیا جہاں حدیث شریف اور منطق کے اسباق پڑھاتے رہے۔ اور اس مذکورہ مدرسہ میں عرصہ پانچ سال تک بحسن وخوبی تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے۔

بعد ازاں چار برس تک مدرسہ غوثیہ لاہور نزد مقبرہ جہانگیر کریم پارک میں مختلف علوم وفنون کے اسباق پڑھاتے رہے۔ اور اب تین سال سے مدرسہ اشاعت العلوم قصبہ نورگڑھ (نزد تبہ سلطان پور) صدر المدرسین کی حیثیت سے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ بلاشبہ ایک بہترین مدرس ہونے کا اندازہ تو صرف انھیں ہوسکتا ہے جنہیں حضرت شاہ صاحب کے حلقہ درس میں بیٹھنے کی سعادت نصیب ہوئی ہو اور علم وحکمت سے لبریز گفتگو سننے کا موقع ملا ہو۔

تصانیف پر ایک نظر

مبارک القرآن:

آپ کی تصانیف میں قرآن حکیم کی تفسیر سرفہرست ہے۔ جو اکتیس ۳۱ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔ جسکی پہلی جلد تعوذ وتسمیہ اور سورۃ فاتحہ کی تفسیر پر مشتمل ہے جو مبارک القرآن کے نام سے زیور طبع سے مرصع ومزین ہو کر منظر عام پر آچکی ہے جسے اصحاب نظر ارباب علم نے بڑی قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھا اور بے حد سراہا ہے۔ اس پر غزالی زماں رازی دوراں علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت پیر کرم شاہ الازہری ایسے مقتدر علماء تقریظ لکھ چکے ہیں۔ یہ تفسیر علمی تحقیقات اور عرفانی نکات کا حسین مرقع ہے۔ عوام الناس کے لئے بالعموم اور اہل علم کے لئے بالخصوص معلومات کا ایک خزانہ ہے۔ موصوف نے اس میں بے شمار مسائل پر روشنی ڈالی ہے۔ تقریباً چالیس ہزار مسائل کا استنباط کیا گیا ہے۔

سراج منیر:

اسی عظیم الشان تفسیر کا دوسرا حصہ ہے۔ اس کا نام تبدیل کر کے سراج منیر تجویز کیا گیا ہے۔ یہ تفسیر الٓمّٓ سے یَعۡمَلُوۡن تک ہے۔ جو ضخامت کے لحاظ سے چھ سو (۶۰۰) صفحات پر مشتمل ہے۔ اور یہ بقول مصنف پونے دولاکھ مسائل کو محیط ہے۔

فاضل مصنف آیت سے متعلقہ جملہ مضامین ومسائل کی وضاحت وصراحت دیگر آیات قرآنیہ۔ احادیث نبویہ علیٰ صاحبھا التحیۃ والثناء۔ آثار صحابہ کبار، مستند مفسرین کرام کے ارشادات اور دلائل عقلیہ کی روشنی میں جس محققانہ انداز میں کرتے ہیں وہ اپنی مثال آپ ہے۔ اور جہاں کہیں کسی کا قول ضعیف پاتے ہیں تو اس کی احسن طریقے سے نشاندہی کر دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ متعدد مقامات پر امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ جیسے مفسر سے اختلاف کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔

Marfat.com

بلاشبہ حضرت شاہ صاحب کی یہ تصنیف معلومات کا عظیم ذخیرہ اور نوادرات کا عدیم النظیر مرقع ہے۔اور اپنی نوعیت کی جداگانہ اور منفرد حیثیت کی حامل ہے۔ اس میں علوم قدیمہ کے ساتھ ساتھ علوم جدیدہ کے حوالے سے بھی مسائل کو واضح کیا گیا ہے۔اور آپ نے هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ کے ماتحت اس حقیقت کو بھی اجاگر کیا ہے۔کہ زمین حرکت پذیر نہیں بلکہ ساکن ہے اور اس پر خوب دلائل نقلیہ کے علاوہ دلائل عقلیہ پیش فرماتے ہیں اور یہ بڑی دلچسپ بحث ہے۔

امید ہے کہ اس معرکۃ الآراتفسیر کی دوسری جلد کو بھی اہل نظر قدرومنزلت کی نگاہ سے دیکھیں گے۔اور اس سے بھرپور فائدہ اٹھائیں گے۔

مقالات:

حضرت شاہ صاحب نے دومقالے بھی سپرد قلم فرمائے ہیں۔ایک حضور شاہد کائنات فخر موجودات ﷺ کے حاضروناظر ہونے کے موضوع پر ہے۔اور دوسرا علم غیب النبی ﷺ کے عنوان پر ہے۔ان دونوں موضوعات پر فاضل مصنف نے قرآن وحدیث اور علوم امت کی تصریحات کی روشنی میں جس انداز سے بحث کی ہے وہ بڑی قابل دید ہے۔اور یہ دونوں مقالے مطبوعہ ہیں مگر اب نایاب ہیں۔

سراج منیر:

یہ تصنیف منیف حضور اکرم ﷺ کے میلادمبارک کے موضوع پر ہے۔جس کے ایک ایک لفظ سے حب رسول ﷺ کی بومہکتی محسوس ہوتی ہے۔اور عظمت مصطفیٰ ﷺ کے جھنڈے لہراتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔اس کتاب میں حضور اکرم نور مجسم ﷺ کی نورانیت پر جامع انداز میں بحث کی گئی ہے۔اور بالخصوص آپ کے عدم سایہ پر ایمان افروز اور روح پرور اسلوب کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے۔اور آخر میں حضور اکرم ﷺ کے والدین کریمین کے ایمان کے بارے میں تحقیقی بحث کی گئی ہے۔

فاضل مصنف نے مذکورہ بالا امور کو دلائل قاہرہ اور براہین ساطعہ سے ثابت کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے یہ بھی مطبوعہ ہے مگر اب نایاب ہے۔

عظمت مصطفیٰ ﷺ:

اس میں حضرت شاہ صاحب نے حضور معلم انسانیت سراپا شفقت ورحمت ﷺ کی سیرت طیبہ، علم غیب النبی ﷺ اور بالخصوص عظمت انبیاء پر دل نشین اور دلآویز انداز میں گفتگو فرمائی ہے۔اور اس مسئلہ کو دلائل نقلیہ کے علاوہ دلائل منطقیہ سے ثابت کیا گیا ہے۔اور یہ غیر مطبوعہ ہے۔عنقریب زیورطبع سے مزین ہوکر منظر عام پر آنے والی ہے۔

خصائص العقول:

یہ معقول کی شہرہ آفاق کتاب حمد اللہ کی شرح ہے۔یہ بھی غیر مطبوعہ ہے یہ بھی عنقریب منظر عام پر آنے والی ہے۔

ان مذکورہ تصانیف کے علاوہ بخاری شریف کی شرح رحمت الباری کے نام سے لکھ رہے ہیں۔اللہ تعالیٰ فاضل ممدوح کو عمر خضر عطا فرمائے اور مزید توفیق ارزانی فرمائے کہ وہ اپنے مطبوعہ مقاصد حسنہ کو عملی جامہ پہنا سکیں۔آمین ثم آمین۔

خاکپائے علماء (محتاج دعا) سید فیض عباس قمر ایم۔اے علوم اسلامیہ

مہتمم مدرسہ عربیہ حزب الرسول ٹھٹھہ صادق آباد (خانیوال)۔ ۱۶جون ۱۹۸۸ء

Marfat.com

تقریظ

قرآن کریم ایک بحر بے کنار ہے اس کا ہر پہلو اتنا دلکش ہے کہ اپنے پڑھنے والوں کو مسحور کر دیتا ہے۔ اس گلستان معنی میں گل چینی کرنے والوں نے عمریں گزار دیں۔ لیکن کسی نے یہ نہ کہا کہ میں نے سب پھول چن لیے ہیں بلکہ سب نے عجز کا اعتراف کیا۔ اور ان کا یہ اعتراف تواضع وانکساری کی وجہ سے نہ تھا۔ بلکہ اظہار حقیقت ہے۔ مولانا سید غلام حسین صاحب نے قرآن کریم کی جو تفسیر سراج منیر لکھی ہے۔ میں نے اس کے چند اوراق کا مطالعہ کیا۔ موصوف نے اپنے فہم وادراک کے مطابق نہایت ہی آسان اور اردو میں تفسیر قرآن لکھنے کی سعی بلیغ کی ہے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی اس سعی کو قبول فرمائے اور اپنے محبوب کریم رحمت دو عالم ﷺ کے طفیل سے اپنی رضا کا باعث بنائے۔ آمین ثم آمین۔

حضرت موصوف ستائیس پشتوں سے مفسر قرآن چلے آرہے ہیں۔ مصنف کے آباؤ اجداد کی دو تفسیریں بہت ضخیم ہیں بحر العلوم سو جلد میں ہے ہر جلد پانچ ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ تفسیر حضرت امام محمد باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وَ عَزًّا بَاعۃُ المکرام کے استحباب قلم کا فیضان ہے۔ دوسری تفسیر خزینۃ القرآن چالیس جلدوں میں ہے ہر جلد تین ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کے مصنف موسیٰ المبرقع بن امام محمد تقی الجداد قدس سرۃ ہیں۔

دُعا گو

محمد کرم شاہ الازہری

سجادہ نشین، بھیرہ، ضلع سرگودھا

۱۲ شوال المکرم ۱۴۰۸ھ ۲۹ مئی ۱۹۸۸ء

Marfat.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قارئین کرام!

فقیر نے بحمد اللہ تعالیٰ قرآن پاک کی تفسیر کے پارہ اول کی تفسیر مکمل کر کے آپ تک پہنچادی ہے فقیر کو تفسیر لکھنے کی ضرورت یوں محسوس ہوئی کہ قرآن کی تفسیر کے اندر اکثر لوگوں نے اپنی رائے کو دخل دیا ہے حالانکہ یہ کفر ہے قرآن کی تفسیر قرآن سے ہو اور حدیث مصطفےٰ ﷺ سے ہو کیوں کہ قرآن مجید کی اصل تفسیر حدیث مصطفےٰ ﷺ ہے اور قرآن کی اصل عملی تفسیر سیرت طیبہ ہے اور استنباط جائز ہے جو قرآن و حدیث سے کیا گیا ہو۔ اسلاف مفسرین نے ایسا کیا ہے اور فقیر نے اسی طرز کو اختیار کیا ہے ایسی تفسیر کی اس وقت اشد ضرورت ہے۔ آپ سے اپیل ہے کہ آپ براہ کرم غور و فکر کے ساتھ اس کا مطالعہ فرمائیں اگر کوئی غلطی ہو تو معاف فرمائیں اور اپنی رائے کا اظہار بھی فرمائیں۔ جن علماء کرام نے اس پر نظر ثانی کی ہے۔ اُن کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

(۱) شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد عبد اللہ صاحب جامع معقول والمنقول مدرسہ جامعہ حنفیہ فریدیہ قصور۔ نے اس تفسیر کا بنظر عمیق مطالعہ فرمایا ہے اور اپنی رائے کا اظہار بھی فرمایا ہے۔

(۲) اس تفسیر پر پاکستان کی عظیم شخصیت غزالی زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ یوں رقمطراز ہیں۔ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡم۔ زیر نظر تفسیر بعض مقامات سے دیکھی۔ زبان سے بے ساختہ سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم جاری ہوا۔ ماشاء اللہ قرآنی مطالب و مسائل اور اقوال علماء کو پسندیدہ طریقے سے بیان کیا گیا ہے اور علمی تحقیق کی حلاوت پیدا کی گئی ہے یہ عامۃ المسلمین سب کے لئے نہایت مفید ہے۔ اللہ تعالیٰ مصنف علامہ کو جزائے خیر عطا فرمائے اور اپنے بندوں کے لئے اس تفسیر کو نافع بنائے۔

(آمین)

سید احمد سعید کاظمی مہتمم مدرسہ انوار العلوم رجسٹرڈ کچہری روڈ ملتان

۲۱ شوال المکرّم ۱۹۸۱ء

Marfat.com

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم وعلی آلہ واصحابہ اجمعین

امابعد خالق کائنات نے کائنات کو پیدا فرمایا اور انسان کو زمین میں انسانی آبادی کا انتظام کرنے کے لئے اپنا خلیفہ مقرر فرمایا انسان کو چونکہ اپنی صفات جلالیہ و جمالیہ کا مظہر بنایا تھا۔ لہٰذا اسے اپنی عبادت کا حکم فرمایا تا کہ وہ عبادت کے وسیلہ جلیلہ سے اپنی انسانیت کی تکمیل کر کے اپنے مقصد اعلیٰ مظہریت حق کو حاصل کر کے دنیا میں خلافت الٰہیہ کا منصب حاصل کر سکے اور آخرت میں جنت الفردوس میں رفقائے اعلیٰ انبیاء ورسل کے ساتھ رفاقت حاصل کر سکے جنت النعیم اور جنت دیدار حبیب صمد جل جلالہٗ حاصل کر سکے لازوال حیات طیبہ سے ابدالآباد تک سرفراز رہے اس سلسلہ کو سرفراز کرنے کے لئے خالق کائنات نے یہ قانون مقرر فرمایا کہ ہر زمانہ میں ایک خاص امت کو تمام انسانوں کی امامت پر متعین کیا جاتا رہا آخری زمانہ میں آخری رسول حبیب محمد مصطفیٰ ﷺ کی امت کو اس منصب جلیل پر متعین فرمایا اور ام الکتاب قرآن مجید عطا فرمائی تا کہ اس عظیم الشان کتاب کی روشنی میں تمام انسانوں کی امامت اور پیشوائی کا عظیم فریضہ سرانجام دے سکے چنانچہ اس امت مرحومہ نے اس کتاب لازوال کی لازوال، شاندار تعلیمات کی روشنی میں نبی اکرم ﷺ کی وفات اقدس کے بعد پورے ایک ہزار سال تک اس خطہ ارض پر خلافت الٰہیہ کا علم بلند کئے رکھا اور دنیا کی عظیم پر وقار اور رہنما قوم کے طور پر فرائض سرانجام دے کر اس خطہ ارض کو جنت نظیر بنائے رکھا لیکن پچھلی چند صدیوں سے مسلم قوم اپنی سستی کی وجہ سے اس کتاب ہدایت کی گہرائیوں میں غوطہ زنی سے محروم ہوگئی اور اس طرح امامت انسانیت کے فریضہ کو کماحقہٗ سرانجام دینے سے قاصر رہی۔ اور دنیا اس کی وجہ سے قانون قدرت کے تحت ظہر الفساد فی البر والبحر کا نمونہ بن گئی اس خاکسار (محمد نعمت علی) نے پورے اسلامی لٹریچر، احادیث، فقہ خصوصاً تفاسیر قرآنی کا گہرا مطالعہ کیا جن میں امام رازیؒ کی تفسیر کبیر شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی تفسیر فتح العزیز، تفسیر روح المعانی، تفسیر ابن کثیر، تفسیر مظہری اور کتاب الابریز شاہ عبدالعزیز دباغ، مغربی افریقوی، وارث علم لدنی شامل ہیں۔ جس سے اس نتیجہ پر پہنچا کہ اس سستی کا سبب قرآنی محکمات کی محققانہ تفسیر اور اس پر عمل نہ کرنا ہے۔ جس کی وجہ سے گرمی عمل اور روشنی ایمان ماند پڑ گئی۔ امراء اور حکمران طبقہ اس ماحول میں اسلام سے لاپرواہ اور دنیوی جاہ و مال کا دلدادہ بن گیا نتیجتاً غیر مسلم اقوام علمی اور عملی طور پر مسلمانوں پر حاوی کیں۔ چونکہ پہلے مسلمان محکمات قرآن پر عمل کر کے ہی دنیا کی امامت پر فائز تھے اور موجودہ زمانے کے مسلمان قرآنی محکمات سے غفلت برتنے کی بناء پر ہی پست ہو گئے جیسا کہ اس زمانہ کے ایک علمی محقق، شاعر ملت، حکیم الامت علامہ محمد اقبال نے فرمایا ہے۔

وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

لہٰذا خاکسار کے باطن نے گواہی دی کہ اس پستی کا علاج یہ ہے کہ قرآن مجید کا اب نئے سرے سے گہرا مطالعہ کیا جائے کیونکہ زندہ قوموں کی نشانی یہ ہے کہ وہ اپنے تاریخی سرمایہ سے بہرہ اندوز ہوتی ہیں لہٰذا قرآنی عالی شان محققانہ تفاسیر کا گہرا مطالعہ کر کے اور جدید علوم، سائنس، منطق، فلسفہ اور جدید سیاسیات کا مطالعہ کر کے قرآن مجید کا قرآنی روح کی روشنی میں ایک جامع اور ہر اعتراض سے پاک ترجمہ و تفسیر مرتب کی جائے جسے علمائے فقہاء صوفیاء اور اسلامی حکمران مطالعہ کریں اور اسلام کو تمام اعتراضات سے پاک کر کے دنیا کے سامنے پیش کریں تو یقین کامل ہے کہ امت مسلمہ دوبارہ امامت اقوام عالم کے منصب پر فائز ہو جائے گی اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے خاکسار نے گیارہ سال کی محنت شاقہ کے بعد قرآن مجید کی ایسی ہی صفات والی تفسیر تنویر الایمان مرتب کر لی ہے جسے دور حاضرہ کے محقق علماء نے بہترین تفسیر قرار دیا ہے لیکن وہ دن میرے لئے روز عید سے بڑھ کر تھا جبکہ امام اصول وفروع سید المحدثین والمفسرین جامع معقول ومنقول ابوالمکارم سید غلام حسین شاہ صاحب ملتانی مدظلہ العالی نے مجھ سے میری تفسیر پر مذاکرات کر کے اس تفسیر کو بحر محیط قرار دیا۔ اور خاکسار کو بحر العلوم کا لقب دیا یہ اوپر کی تمام سطور صرف طولاتی تمہید تھی۔

ترا در ہو میرا سر ہو میرا سر ہو تیرا در ہو
تمنا مختصر سی ہے مگر تمہید طولانی

Marfat.com

عرض یہ کرنا ہے کہ جوہری، جوہری کو پہچانتا ہے۔ شاہ صاحب ولی کامل ہیں حافظ القرآن والحدیث ہیں موجودہ دور میں آپ کے پایہ کا کوئی عالم دین میری نظر میں بلکہ دوسرے محقق علماء نے بھی تسلیم کیا ہے کہ موجود نہیں ہے آپ چند سال سے ظاہری بینائی سے عاری ہو چکے ہیں اس کے باوجود آپ کو ہزاروں احادیث مکمل متن کے ساتھ ازبر ہیں۔ اور قرآن مجید کی گہرائیوں میں ایسے غوطہ زن ہیں کہ دوسرے کی مجال نہیں آپ نے تیس جلدوں میں تفسیر سراج منیر لکھی ہے جو کہ سچ مچ ہی سراج منیر یعنی چمکانے والا سورج ہے چونکہ میں فضل الٰہی اور فضل رسول الٰہیؐ کی بناء پر شکراً مختصراً تفسیر القرآن کے سلسلہ میں ایک جوہری ہوں لہٰذا برملا کہتا ہوں شاہ صاحب مدظلہ العالی کی تفسیر ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا علمی و تحقیقی سمندر ہے آپ نے تفسیر القرآن میں ایسے ایسے دقیق نکات اٹھائے ہیں کہ علماء کی آنکھیں روشن ہو جاتی ہیں منطق، فلسفہ، صرف ونحو، معانی اور حقائق شریعت وحقیقت کا بہترین مجموعہ ہے اگر سراج منیر کو بحر محیط کہا جائے تو بجا ہوگا چنانچہ یہ تفسیر بحر محیط اور خاکسار کی تفسیر تنویر الایمان اس کے مقابلہ میں ایک تالاب میں بحر محیط بند ہے لہٰذا مسلمانوں سے عرض ہے کہ علماء اور محققین شاہ صاحب کی تفسیر ضرور پڑھیں ساتھ ہی خاکسار کی تفسیر بھی پڑھیں تاکہ علم کے سمندر کے ساتھ اس کا خلاصہ بھی حاصل ہو۔ انشاء اللہ ان دونوں تفاسیر کے چھپ جانے کے بعد اسلام علمی و سائنسی وضاحت کے ساتھ دنیا کے سامنے جلوہ گر ہوگا اور امید کامل ہے کہ قوم مسلم اپنا کھویا ہوا وقار دوبارہ حاصل کر کے امامت اقوام عالم پر دوبارہ فائز ہو جائے گی۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ العزیز)

یاد رہے کہ شاہ صاحب کا خاندان 26 پشتوں سے مفسر قرآن چلا آ رہا ہے یہ ایک ایسی سعادت ہے جو کسی دوسرے مفسر کو حاصل نہیں ہے اس تفسیر کے علاوہ ایک زبردست علمی کام شاہ صاحب اور بھی کر رہے ہیں وہ یہ ہے کہ چند بلند پایہ کتب کی شروحات لکھ رہے ہیں یہ شروحات مندرجہ ذیل ہیں۔

1- فضل اللہ شرح حمد اللہ
2- تحفہ نعمانیہ شرح قاضی مبارک
3- خصائص العقول شرح ملا جلال، جلال الدین
4- الوافیہ شرح قافیہ
5- شرح الصدور فی شرح جامی
6- فضل الکمال شرح متن متین
7- فضائل الکمال شرح شمس بازغہ

یہ شروح درس نظامیہ کے اساتذہ اور طلبہ پر ایک احسان عظیم ہے ان کے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت شاہ صاحب کا علمی تحقیقی اور شفقتی سایہ عرصہ دراز تک امت مسلمہ پر قائم ودائم رکھے۔

محمد نعمت علی
صدر انجمن احیائے اسلام (رجسٹرڈ) پاکستان
جامعہ اسلامیہ فتح العلوم
عمر پارک امامیہ کالونی
مؤلف تفسیر تنویر الایمان وتفسیر خلاصۃ القرآن وتنویر
الابصار فی حیات سید الابرار وقانون سیر الی اللہ

Marfat.com

تفسیر سراج منیر

حامداً و مصلیاً و مسلّماً ۔ اما بعد فقیر ابوالعلا محمد عبداللہ قادری اشرفی رضوی قصوری ذمہ داری سے کہتا ہے کہ قرآن حکیم کی تفسیر وترجمہ کرنے میں وہی جرات کر سکتا ہے جو علوم رئیسہ اور علوم دینیہ اور علوم عقلیہ ونقلیہ اور علوم ظاہری و باطنی سے مُحلّی اور مزین ہوا اور یہ حقیقت ہے کہ حضرت علامہ فہامہ قبلہ وکعبہ سید المحدثین وسید المفسرین، عمدۃ الواصلین، زبدۃ العارفین جامع الزہد والتقویٰ، حاوی الاصول والفروع، جامع المنقول پیر طریقت شہباز معرفت نبرۃ السید موسیٰ المبرقع الحافظ مولانا ابوالمکارم مخدومی السید غلام حسین القادری البخاری دامت برکاتہم العالیہ ولا زالت شموسہ القدسیۃ شیخ الحدیث وشیخ الجامعہ جامعہ مخدوم رشید ملتان شریف پاکستان کا یہ مقام ہے کہ وہ میدان تفسیر میں اپنے خیل اصیل کو ایڑھ لگائیں ۔ اور فن تفسیر کی شہسواری کے انداز کا اظہار فرمائیں ۔

پھر کیوں نہ ہو آپ خاندان سادات موسیٰ المبرقع علیہ الرحمۃ کے خانوادہ امام محمد باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حُسینی سید ہیں ۔ اور اس خاندان میں ۲۶ پشتوں سے مفسر اور محدث چلے آرہے ہیں ۔ آپ اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِاَبِیْہِ کا پورا پورا مظہر اور منظر ہیں ۔ یہ تفسیر اس خاندان عالیہ کی ستائیسویں تفسیر ہے ۔ آپ مفسر ابن مفسر علیٰ ہذا القیاس ہیں اور محدث بن محدث بن محدث علی ہذا القیاس ہیں ۔ میں نے اس تفسیر کا من وعن من اولہ الی اخرہ مطالعہ وملاحظہ ومعائنہ کیا ۔ واللہ باللہ یہ تفسیر بحر ذخار ہے بے پایاں و بے کنار ہے ہر مسئلہ پر موسلا دھار بارش کی طرح دلائل کی بھر مار ہے ۔ حقیقت ہے کہ اگر اس تفسیر کو بحر محیط کہیں تو بے جا نہ ہوگا ۔ اور اگر اسے مجمع البحرین کہیں تو نامناسب نہ ہوگا ۔ پھر اس تفسیر کا مقام کمال یہ ہے ۔ جب میں نے امام السید المبرقع کی تفسیر کا ذکر پڑھا ۔ تو اس رات مجھے امام السید موسیٰ مخدومی المبرقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیارت نصیب ہوئی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ بِفَضْلِہٖ تَعَالٰی مولیٰ تعالیٰ اپنے محبوب اکرم سرور دو عالم ﷺ کے صدقہ جلیلہ میں آپ کی اور اس سعی بلیغہ کو قبول فرمائے اور خاص وعام کو آپ کی اس تفسیر سے افادہ واستفادہ اور افاضہ واستفاضہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے ۔

(آمین ثم آمین بحرمۃ النبی الامین)

از فقیر ابوالعلا محمد عبداللہ قادری اشرفی رضوی

خادم الحدیث والافتا وناظم دار العلوم جامعہ حنفیہ رجسٹرڈ قصور (پاکستان)

Marfat.com

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

عرضداشت

ملک عبدالحمید ولد محمد عبداللہ اللہ تعالیٰ نے (فقیر کے لئے) خدمتِ قرآن کے لئے اس شخص کو مامور کیا ہے۔قبل ازیں بندہ تفسیر کی طباعت میں خود تگ و دو کرتا تھا لیکن الحمدللہ اب میرے اس مرید خاص نے طباعت کا تمام ذمہ اپنے ذمے لیا ہے۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ اس کے دینی دنیاوی امور بہتر فرمائے اور اس کے قلب میں اپنے حبیب علیہ السلام اور اولیاء اللہ کی محبت پیدا فرمائے۔ ان کے ایمان اور عمل میں برکت فرمائے۔

(آمین)

سید غلام حسین رضوی رازی

⌘⌘⌘⌘⌘

Marfat.com

نحمدہ و نصلّی علی رسولہٖ الکریم

اما بعد بندہ کے مرشد جناب جامع المعقول والمنقول حاوی الی الاصول والفروع ابو المکارم مفسر قرآن علامہ سید حافظ غلام حسین مصطفٰی رضا رازی رضوی قادری (سلسلہ قادریہ کے فیض یاب ہیں۔ میرے مرشد کا سلسلہ نسبت امام اہل سنت مولانا شاہ احمد رضا خان فاضلِ بریلویؒ کے پیرومرشد (جن کا نام نامی سید حسن میاں قادری ہے) کے پوتے سجادہ نشین مہریرہ شریف (انڈیا) سے ہے۔ بندہ کے مرشد نابغۂ روز گار شخصیت ہیں۔ پر وجاہت علمی خاندان سے تعلق ہے۔ ان کے آباء کرام چھبیس (26) پشتوں سے مفسر و محدث چلے آرہے ہیں۔ موصوف نے اپنے آباء کے سلسلۂ تفسیر کو جاری رکھا ہے۔ بندہ کے مرشد اس پر کٹھن دور میں تدریس اور تصنیف محنتِ شاقہ سے فرما رہے ہیں۔ موصوف نے قرآنِ کریم کی تفسیر لکھی ہے۔ اس کا ایک سپارہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ ان شاء اللہ ہر سپارے کی الگ جلد ہوگی۔ میرے لئے عظیم سعادت ہے کہ میں اپنے مرشد کی اس محنت شاقہ کو عوام الناس کی نذر کرتا ہوں۔ مرشد کریم کی تفسیر پر جن نابغۂ روز گار اکابرین اہل سنت نے تاثرات لکھے ان میں سے جماعت اہل سنت کے صدر علامہ سید احمد سعید کاظمی علیہ الرحمہ، شیخ الحدیث مولانا محمد عبداللہ (مرحوم) جامعہ حنفیہ فریدیہ قصور اور پیر محمد کرم شاہ صاحب الازہری (مرحوم) صاحب ضیاءُ القرآن اور پاکستان کی عظیم شخصیت استاذ الاساتذہ مولانا عطا محمد بندھیالوی علیہ الرحمہ نے اپنے تاثرات میں موصوف کو رازی لکھا ہے۔ موصوف قرآن کے علاوہ درسی کتب پر شروحات لکھ رہے ہیں۔ علما اہل سنت میں سے کسی نے بھی پہلے یہ کام نہیں کیا۔ یہ موصوف کا منفرد مقام ہے مثلاً حمد اللہ جو منطق کی مشکل کتاب ہے۔ اس کو موجود علماء پڑھا ہی نہیں سکتے جو بہت ادق ہے۔ اس پر شرح فضل اللہ کے نام پر لکھی ہے جو عنقریب زیورِ طباعت سے آراستہ ہوگی۔ اس کے علاوہ قاضی مبارک، ملاّ جلال، ملاّ حسن، فلسفہ میں سے شمس بازغہ اور مفتاح العلوم وغیرہ۔ نحو میں جامی اور قافیہ اللہ نے ہمت دی تو موصوف کا ارادہ شروحات میں جال بچھانے کا ہے موصوف (میرے مرشد) کے دو صاحبزادے ہیں سید احمد رضا اور سید کاشف رضا دعا ہے کہ اللہ تعالٰی مرشد کی عمر میں برکت فرمائے اور بندہ کو قیامت کے دن اپنے صالحین بندوں میں شامل فرمائے۔

والحمد للہ رب العالمین

ملک عبدالحمید اعوان

Marfat.com

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

مقدمہ تفسیر سراج منیر

اس مقدمہ میں ایک باب اور تین فصلیں ہوں گی:

الحمد للہ الّذی سبحانہ وظاھرہ وباطنہ والصلوٰۃ والسلام علٰی من لانّبیَّ بعدہٗ اما بعد

مختصر مقدمہ زیرِ خدمت ہے وہ ذات باری تعالیٰ سبحانہٗ ازلی وابدی سرمدی ودائمی ہے۔ اس کے تمام صفات ازلی وابدی ہیں ان کی صفات میں کوئی شریک نہیں۔ وہ ہر چیز پر کلی قابض ہے۔ وہ ایسا اول ہے کہ اس کے ماسواء کوئی اول نہیں وہ ایسا آخر ہے کہ اس کے بعد کوئی آخر نہیں۔ معدومات کو ہست فرمایا اور ہست سے معدومات فرماتا ہے۔ معدومات اور موجودات کا وہی خالق ہے۔ پہلے معدوم سے موجود کیا پھر موجودات کو ہست فرمایا۔ اس کے موجودات سے جو اعلیٰ مخلوق ہے وہ اعلیٰ مخلوق انسان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو زیادہ ذی شعور بنایا۔ اور ان کی عقل کو اعلیٰ کیا اور اسے تاج کرامت بخشا۔ یعنی مخلوقات سے جنات اور حیوانات کو چلنا پھرنا سکھایا۔ اور طیوروں کو اڑنا سکھایا اور کائنات کی تمام اشیاء کو انسان کے تابع کیا اور انسان کو تمام مخلوقات پر فوقیت بخشی۔ پھر انسان کے لئے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو انسانوں ہی سے مبعوث کیا۔ ان کے ذریعے اپنی ہستی کا پتہ دیا کہ تمام کائنات اللہ تعالیٰ کی دلیل ہے۔ ہمیشہ یہ اصول ہے کہ دلیل کے لئے دعوے کا ہونا ضروری ہے اور دعویٰ مکمل دلیل سے ہوتا ہے۔ یہ کائنات اللہ تعالیٰ کی دلیل ساکت ہے اور اس دعوے کی دلیل ناطق بھی ہونی چاہئے تھی اللہ پاک نے اپنے دعوے کے لئے دلیل ناطق اپنے حبیب جناب محمد رسول اللہ ﷺ کو ٹھہرایا۔ تو اب اللہ تعالیٰ کے الــہ ہونے کا پتہ ہمیں دلیل ناطق جناب حضور اکرم ﷺ سے ملتا ہے کیونکہ موجودات کو معدومات سے ہست کرنا یہ ذات سبحانہٗ کا کمال ہے کیونکہ معدومات اور موجودات حادث ہیں وہ ذات ازلی وابدی قدیم ہے۔ اب موجودات کا معدومات سے ہونا اس کا دعویٰ ہے۔ اس دعوے کی دلیل ناطق جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات پاک ہے۔ کیونکہ ہمیں معلوم نہیں تھا کہ موجودات کو معدومات سے کون ہست کرتا ہے۔ لیکن دعویٰ اپنے مقام پر قطعی مبنی تھا لیکن ذات باری تعالیٰ نے اپنے دعویٰ کا اظہار فرمانا تھا کیونکہ یہ دعویٰ ساکت تھا اس دعویٰ کے لئے دلیل ناطق چاہئے تھی کیونکہ دعویٰ ساکت کے لئے دلیل ناطق کا ہونا ضروری ہے کیونکہ تمام موجودات ساکت ہے اور دلیل ناطق اس دعویٰ کے لئے حبیب کردگار ہیں اس ذات نے یہ بہتر سمجھا کہ انسانوں ہی سے انبیاء کو مبعوث کیا جائے۔ اللہ پاک نے اپنی تجلی کا مظہر اپنے حبیب پاک کو ٹھہرایا۔ فرمایا کہ اے حبیب میں وہ ہوں کہ جس نے موجودات کو معدومات سے ہست فرمایا۔ میرے اس دعویٰ کی اے حبیب تو دلیل ناطق ہے۔ فقیر تو یہ کہے گا کہ ہمیں الــہ کے الــہ ہونے کا پتہ کس سے ملتا ہے۔ حضور ﷺ جلوہ الٰہی میں علم الٰہی کے کامل مظہر ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے اللہ ہونے میں بے مثل ہے۔ یہ اپنی رسالت میں بے مثل ہیں۔ آپ ﷺ کی رسالت اللہ تعالیٰ کی صفات کی مظہر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی صفات کا پتہ بھی ہمیں رسالتِ مصطفیٰ سے ملتا ہے۔

جیسا کہ صاحب نور القرآن نے حدیث با اسناد حضرت ابوبکر صدیق درج کی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تبارک وتعالیٰ کی تمام صفات ازلی وابدی ہیں جیسا کہ وہ ازلی وابدی ہے۔ اس کی صفات غیر متناہی ہیں۔ میں ان کا مظہر ہوں۔ یہ روایت صاحب تفسیر طبری وصاحب تفسیر جوائنی نے بیان کی ہیں۔ فقیر یہی عرض کرے گا کہ ذات باری کی تمام صفات حقیقی وازلی وابدی ہیں۔ کچھ لوگوں نے یہ کہا ہے کہ صفات سلبیہ وصفات کونیہ وصفات اضافیہ میں کچھ اختلاف ہے تو فقیر ان شاء اللہ تفسیر کے اوراق میں بیان کرے گا۔ اب آپ انتظار کیجئے۔ (واللہ الہادی)

Marfat.com

دیباچہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ تمام محامد و جملہ ثناء وستائش اس ذات کو سزاوار ہیں، جس ذات نے ہمیں پیدا فرمایا اور ہمیں رزق دیا اور ہمیں چلنے کی قوت بخشی اور انسانی عقل وحواس اس ذات نے عطا فرمائے۔ ہم تمام امور و اوامر بھلائی کے کاموں کی ابتداء بسم اللہ سے کرتے ہیں وہ ذات ارض وسماء پر کلی قابض ہے۔ لفظ (رَبِّ الْعٰلَمِیْن) اس کا معنی تمام عالم کو پالنے والا (الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم) رحمت عام اور رحمت خاص اے رَبِّ الْعٰلَمِیْن تو تمام کائنات کا رحمان اور رحیم ہے۔

مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْن ۔ (مالک جزاء کے دن کا) اس دن تمام نیکوں اور متقیوں کے بلند درجات ہوں گے۔ بداعمالوں کو ان کے کئے ہوئے پر سزا ہوگی۔ جزا اور سزا کا مالک تو ہی ہے۔

اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنَ ۔ ہم خاص تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور خاص تجھ سے ہی مدد طلب کرتے ہیں۔

اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۔ اے پروردگارِ عالم ہمیں سیدھی راہ پر چلانا۔

صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ ۔ وہ راستہ جس پر تیرے انعام یافتہ برگزیدہ لوگ چل رہے ہیں۔

غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ۔ اے اللہ ہمیں ان کے راستے سے محفوظ رکھ جن پر تیرا غضب ہوا ہے اور گمراہوں کے راستے سے بچا۔ اے اللہ تو ہم پر اپنی رحمت کا مینہ برسا اور تمام امت محمدیہ پر اپنا رحم وکرم فرما اور ہمیں ہر برے راستے سے محفوظ رکھ۔ فقیر کو تمام قرآن پاک کی تفسیر کی مکمل خدمت کرنے کی توفیق عطا فرما۔

برادرانِ اسلام! یہ تفسیر فقیر ہر عام وخاص کے لئے ترتیب دے رہا ہے۔ یہ میرا پیغام حضور کی امت کے نام ہے۔ اللہ تعالیٰ سرکار دو عالم کی امت کو ہر گمراہی سے محفوظ رکھے۔ حدیث پاک میں وارد ہے نبی پاک علیہ السلام نے فرمایا کہ میری امت میں ۷۳ فرقے ہوں گے۔ ناجی وہی ہوگا جو میرے صحابہ کی پیروی کرے گا۔ یہ فرقہ قطعی طور پر فرقہ اہل سنت ہوگا۔ باقی فرقے اپنے اعمال وکردار کی بناء پر جہنمی ہوں گے۔ یاد رہے کہ فی الوقت کئی ہزار فرقہ ہو چکا ہے۔ یاد رہے کہ حقیقت قرآن و حدیث پر مبنی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ انبیاء ملائکہ تمام کتب ویوم آخرت پر ایمان مبنی ہے۔

مجھ پر میری والدہ (مبارک بی بی) نے بڑا احسان کیا ہے۔ مجھے علم میں پوری طرح انہوں نے محنت کرائی۔ جس کی بدولت فقیر اس مقام تک پہنچا۔ اللہ تعالیٰ میری والدہ اور والد تمام آباؤ اجداد اور تمام مریدین پر اپنا رحم وکرم فرمائے۔ ان کی دین ودنیا بہتر فرمائے اور آخرت میں بھی جنت الفردوس کے آخری درجہ میں مقام عطا فرمائے۔ فقیر کی پانچ ہمشیرگان ہیں جن میں ایک حافظہ قرآن ہے۔ ایک بڑے بھائی تھے جن کا نام محمد رمضان تھا وہ بچپن میں ہی فوت ہو گئے تھے۔ فقیر کی چار (4) بیٹیاں اور دو (2) صاحبزادے ہیں مجھے تفاسیر سے جو تفسیر پسند ہے وہ خزینۃ القرآن ہے۔ مصنف مجتہد مفسر تھے۔ جمہور مفسرین کا اسی پہ اتفاق ہے کیونکہ صاحب تفسیر خزینۃ القرآن حضرت امام حسینؓ کی اولاد میں سے ہیں کیونکہ وہ عامل قرآن تھے۔ یہی حضرت موسیٰ المبرقع، یہ خود بھی اپنے جد امجد کی طرح عامل قرآن تھے۔ بھلا کیوں نہ ہوں کیونکہ قرآن انہیں کے گھر میں اترا۔

(واللہ الہادی)

Marfat.com

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

مفسرین کے لیے شرائط

نَحۡمَدُهٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِهِ الۡکَرِیۡم

اَمَّا بَعۡدُ قارئین حضرات!

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے فقیر کو قرآن پاک کی تفسیر لکھنے کی ہمت عطا فرمائی۔ تفسیر سراج منیر (جس کا پہلا نام مبارک القرآن تھا۔ اب تبدیل ہوا) کا پہلا حصہ شائع ہو چکا ہے جو سورۃ فاتحہ پر مشتمل ہے اور دوسری جلد آپ حضرات کے ہاتھوں میں ہے اور معارف جلد اول میں فقیر نے منطق، فلسفہ اور معقول و احادیث کو بیان کیا ہے۔ تفسیر کی حقیقت پر جلد اول میں جو بحث ہو چکی ہے وہ بیان نہیں کروں گا۔ اب مفسرین پر جو فرائض عائد ہوتے ہیں وہ بیان کروں گا۔ مفسرین پر چند شرائط عائد ہیں:

شرط اول:

قرآن مجید کے معارف و معانی اور علوم پر گہری نظر رکھتا ہو۔

شرط دوم:

صرف، نحو، منطق، معقول، فلسفہ، لغات، علم معانی، علم فقہ اور علم حدیث پر پوری مہارت رکھتا ہو۔ کیونکہ قرآن مجید اللہ کا وہ کلام ہے جس کے ایک ایک حرف سے علوم و معرفت کا بے بہا سمندر نکلتا ہے۔ قرآن کریم میں جب مفسرین غوطہ زن ہوتے ہیں تو اس بے کنار سمندر سے ہیرے اور جواہرات نکال کر اللہ کی مخلوق کی نذر کرتے ہیں۔ علوم قرآن کی نہ ابتدا ہے اور نہ انتہا۔

شرط سوم:

قرآن کی تفسیر لکھتے وقت ایک مفسر کو چاہیے کہ وہ اپنی رائے قائم نہ کرے کیونکہ حدیث نبوی میں ہے حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس نے قرآن کی تفسیر اپنی رائے کے مطابق کی، اس نے کفر کیا۔

شرط چہارم:

صاحب تفسیر خزینۃ القرآن الٓـمّٓ کی بحث میں صفحہ ۵۵۹ جلد ۴ پر رقمطراز ہیں کہ قرآن کی تفسیر لکھتے وقت مفسر تاویل کو اختیار نہ کرے کیونکہ تاویل سے اصل حقائق معلوم نہیں ہوتے۔ اور جس آیت کے احکام مبہم ہوں وہ حدیث کی طرف رجوع کرے۔ کیونکہ جس پر تاویل کی جائے وہ خیالات بن جاتے ہیں۔

شرط پنجم:

مفسر کے لیے ہمہ وقت تقوی و طہارت لازم ہے۔ وہ جتنا متقی ہوگا اور طہارت کا خیال رکھے گا اتنے ہی اسرار و رموز قرآن اس پر واضح ہوتے جائیں گے۔ وہ کسی کے رعب و دبدبہ میں نہ آئے اور صرف اپنے رب سے ڈرے۔ دل کو وسیع رکھے اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے۔ حضور اکرم ﷺ کی محبت اس کے دل میں جاگزیں ہو۔ حرص و طمع سے بچے اور تقوی کو خود پر غالب رکھے۔ قرآن مجید کی تفسیر قرآن بالقرآن ہو۔

Marfat.com

شرط ششم:

جب قرآن مجید کے حقائق بیان کرے تو وہ قرآن کے متعلقہ ہوں، حقائق پر مبنی ہوں اور فرقہ بندی سے مستثنیٰ ہوں۔

شرط ہفتم:

مفسر جب قرآن کی تفسیر کرے تو چاہئے کہ ایک آیت کو جب دوسری آیت پر کوئی عارضہ لاحق ہوتا معلوم کرے تو احادیث سے اس کی وضاحت کرے یا کسی تیسری آیت سے اس کی تفسیر کرے۔ کیونکہ حدیث نبوی ہے کہ قرآن کریم اپنے بعض کی خود تفسیر کرتا ہے۔

شرط ہشتم:

جب مفسر قرآن کی تفسیر کرے تو طرفداری سے باز رہے اور حقائق ظاہر کرے۔ اگر اس نے اپنی طرف سے ذرا بھی طرفداری کی تو دردناک عذاب کا مستحق ہوگا۔

اب فقیر عرض کرتا ہے کہ قرآن کی تفسیر میں اول درجہ کونسا ہے؟ تو عرض ہے کہ قرآن کی تفسیر خود قرآن سے ہو اور احادیث بھی ساتھ شامل ہوں تو یہ تفسیر بدرجہ اولیٰ ہے۔ کیونکہ قرآن پاک نبی آخرالزماں ﷺ پر اترا اور آپ ﷺ نے اسے من وعن بیان فرمایا جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے وَاَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الذِّکْرَ "ہم نے آپ ﷺ پر ذکر نازل فرمایا تا کہ آپ ﷺ لوگوں پر ظاہر فرمائیں۔" اس آیت سے واضح ہوا کہ قرآن کریم کی اصل تفسیر اور وضاحت تو خود رسول پاک ﷺ نے فرمائی اور قرآن کے ہر حرف کی تفسیر لوگوں پر بیان فرمادی۔ تفسیر امام محمد باقرؒ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کے جم غفیر میں فرمایا کہ میں نے قرآن کے لفظ لفظ کے حقائق و تفسیر تم تک پہنچادی ہے۔ جیسا کہ مجھے حکم ہوا۔ تم سب اس پر گواہ رہنا اور مذکورہ بالا آیت تلاوت فرمائی۔ پھر فرمایا مجھے حکم ملا کہ قرآن کو لوگوں پر کھول کر بیان کروں تو میں نے اسے پورا پورا بیان کردیا جیسا کہ اسکا حق تھا اور اس میں ذرہ برابر کمی بیشی نہیں کی۔ اس پر میرا رب گواہ ہے۔ (حدیث لکھنے کا طریقہ حضور ﷺ کے زمانہ میں ہی شروع ہوگیا تھا۔ آپ ﷺ کی حدیث وہی قرآن کی تفسیر ہے اور پہلے مفسرین حدیث سے ہی تفسیر کرتے تھے)

کُتب تفاسیر (قرن اوّل)

امام محمد باقرؒ فرماتے ہیں کہ قرآن کے اصل مفسر تو نبی پاک ﷺ ہیں کیونکہ قرآن کریم کو جتنا آپ ﷺ جان سکتے ہیں کوئی دوسرا نہیں جان سکتا کیونکہ قرآن مجید آپ ﷺ پر نازل ہوا۔

تفسیر اول: حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت امام محمد باقر فرماتے ہیں کہ قرآن کی پہلی تفسیر جو ضابطہ تحریر میں لائی گئی۔ اُسے میرے دادا جان حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لکھا۔ جب کوئی آیت آپ ﷺ پر نازل ہوتی تو موصوف اس آیت کے بارے میں لفظ لفظ کی تفسیر جناب رسول اللہ ﷺ سے دریافت کر کے لکھ لیتے۔ علم وہی ہے جو لکھ لیا جائے۔ تا کہ علم ایک امانت ہو۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ قرآن کریم کی تفسیر میرے ارشاد کے مطابق کرو جس نے میرے ارشاد سے ہٹ کر قرآن کی تفسیر کی۔ اس نے گمراہی اختیار کی۔ حضرت امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ میرے دادا حضرت علیؓ کی لکھی ہوئی تفسیر کا مجموعہ امت محمد مصطفیٰ ﷺ کے لیے نافع ہے۔ اور تفسیر کے بارے میں آپ ﷺ کے

Marfat.com

ارشادات سے دلائل منطق، معقول اور فلسفہ وغیرہ بہترین طور پر نکالے جا سکتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ اگر تفسیر میں کوئی قول ہو تو وہ بھی حدیث کے موافق ہونا چاہیے۔ اگر حدیث کے مطابق نہ ہو تو اسے اختیار نہ کیا جائے۔ فرمایا میرے دادا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے قرآن کے شروع الحمد سے والناس تک حرف حرف کی تفسیر دریافت کر کے لکھ دی ہے جو امت محمدیہ کے لیے بے پایاں سمندر اور بیش بہا خزانہ ہے۔ اس مجموعہ کے ہوتے ہوئے کسی اور قول کی ضرورت نہیں جبکہ ہمیں حضور ﷺ کی زبان مبارک سے قرآن کا مجموعہ مل چکا ہے۔ پھر فرمایا کہ اس کے علاوہ کسی نے کوئی قول یا تاویل کی تو وہ باطل ہوگی۔ فرمایا حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس مجموعہ تفسیر کو مجمع صحابہ میں دیکھا اور فرمایا: "لوگو! علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امت کے لیے یہ بیش بہا خزانہ عطا کیا ہے جو تفسیر قرآن کا مجموعہ ہے۔ فرمایا اس کے خلاف سے باطل ہوگا کیونکہ علیؓ نے آنحضرت ﷺ کے ارشادات عالیہ کو نقل کیا ہے جو قرآن کے حرف حرف کی تفسیر ہے۔"

حضرت امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ اس مجموعہ حدیث و تفسیر میں پونے تین لاکھ احادیث درج ہیں جو رسول اللہ ﷺ سے فی نفسہ مروی ہیں۔ پس اصل تفسیر قرآن کی یہی ہے اور صحابہؓ اسے دیکھ کر خوش ہوتے تھے۔ اور صحابہ کے علاوہ باقی اجماع کا بھی اسی پر اتفاق ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت بڑے مفسر اور محدث تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ قرآن کے بارے میں میرے بعد علیؓ سے پوچھنا کہ میں نے لفظ لفظ کی تفسیر علیؓ کی بتا دی ہے اور انھوں نے لکھ لی ہے۔ یہ قول بھی بہت مشہور ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میں نے قرآن مجید کے ہر لفظ کی تفسیر رسالتمآب ﷺ سے دریافت کر کے لکھ دی ہے۔ اگر مزید اس کی شرح و تفسیر بیان کروں تو سو اونٹ صرف سورہ فاتحہ کی تفسیر کو نہ اٹھا سکیں۔ لیکن جتنا حضور ﷺ نے فرمایا۔ میں نے لکھا۔

حضرت علیؓ کی شخصیت صحابہ کرامؓ میں نمایاں تھی۔ صحابہ کو کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو وہ حضرت علیؓ سے پوچھتے۔ حضرت ابوبکرؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے علیؓ کو قرآن کا علم عطا فرمایا۔ اور موصوف نے رسول اللہ ﷺ سے قرآن کے لفظ لفظ کی تفسیر لکھ لی ہے۔ کیونکہ یہی لوگ حامل قرآن ہیں۔ قرآن ان کے گھر میں اترا اور یہ لوگ اَدْرٰی بِمَا فِی بَیْتِھَا ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے بعد قرآن کے بارے میں جتنا حضرت علیؓ جانتے ہیں کوئی نہیں جانتا اس لیے کہ انھوں نے قرآن کی تفسیر خود رسول اللہ ﷺ سے پڑھی ہے اور لکھی ہے۔ پس جو تفسیر حضور ﷺ نے بتائی ہو، اس سے بڑھ کر اور کون سی تفسیر ہو سکتی ہے۔ اس مجموعہ کو حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ و صحابہ کرامؓ چوما کرتے تھے اور اسی سے مسائل کا حل دیکھتے تھے۔

تفسیر دوم از حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپ ایک جلیل القدر صحابی تھے آپ نے جو تفسیر لکھی اس میں حضرت علیؓ کے مجموعہ سے کافی بیان فرمایا اور احادیث کو جمع کیا اور جو احادیث بذاتہ حضور ﷺ سے سنی تھیں انھیں بھی درج کیا۔ تفسیر کے بیان میں بہترین انداز اپنایا اور صحابہؓ سے بھی نقل کیا۔ آپ کی یہ تفسیر ایک عظیم نسخہ مانا جاتا ہے اور مفسرین نے اس پر کافی اعتماد کیا ہے۔ تفسیر کے بارے میں حضرت علیؓ سے کافی استفادہ کیا۔ حضرت علیؓ بڑے محدث و مفسر تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں۔ ابی بن کعب فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علیؓ کا شاگرد ہونے کا شرف حاصل کیا۔ آپ کی تفسیر کی ضخامت اٹھارہ سو (۱۸۰۰) صفحات پر مشتمل ہے۔ اب یہ نایاب ہے۔ حضرت ابی بن کعبؓ کی وفات ۳۵ ہجری میں ہوئی اور حضرت علیؓ کی وفات ۴۰ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر سوم از حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپ نواسہ رسول ﷺ اور صحابی تھے۔ کچھ روایات اپنے نانا رسول مقبول ﷺ سے سنیں۔ آپ بڑے حلیم الطبع اور عظیم عالم تھے۔ بقیہ علوم حضرت علی سے اور کچھ احادیث اکابر صحابہ سے لیں۔ آپ نے قرآن پاک کی تفسیر لکھی اور اپنے والد کی تفسیر کو اپنی تفسیر میں ڈھالا۔ یہ تفسیر بھی ضخیم ہے اس کے ۲۱۰۰ صفحات ہیں۔ اس میں منطقی دلائل ہیں اور وہ اقوال درج ہیں جو حدیث کے موافق ہیں۔ امام فخر الدین رازیؒ نے تفسیر کبیر میں بہت سے حوالہ جات دیئے ہیں۔ امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ میرے

Marfat.com

نانا رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کے اجتماع میں حضرت حسنؓ کے بارے میں فرمایا کہ اے اللہ! میرے نواسے حسنؓ کو قرآنی علم کے خزانوں سے بھر دے اور اسے معرفت قرآن عطا فرما۔ میرا یہ بیٹا بڑا حلیم الطبع ہوگا اور میری طرح فیصلہ کرے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ آپ اپنے نانا کے موافق فیصلے فرماتے جب مدینہ کے بازاروں میں چلتے تو لوگ بے خود کہہ دیتے کہ دیکھو رسول اللہ ﷺ آرہے ہیں۔ جامع ترمذی میں ہے کہ حضور ﷺ نے حسنؓ کو گود میں لیا اور فرمایا کہ میرا یہ بیٹا سردار اور بہادر ہے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتیں آپس میں لڑیں گی تو یہ ان میں فیصلہ کرے گا۔ دوسری حدیث میں فرمایا کہ میرے بعد خلافت حقہ تیس برس تک رہے گی اور میرا یہ بیٹا آخر میں ہوگا۔ حضرت حسنؓ چھ ماہ تک خلافت پر ماموررہے اور آپ کی تفسیر پر مفسرین کی عظیم جماعت نے اعتماد کیا ہے۔ یہ نسخہ بھی نایاب ہے۔ آپ کی وفات ۵۰ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر چہارم حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپ حضور ﷺ کے چچا کے بیٹے تھے۔ والد کا نام عباس تھا۔ حضور ﷺ کو آپ سے بہت پیار تھا۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ اے اللہ ابن عباسؓ کو قرآن کا علم عطا فرما۔ آپ حضرت علیؓ سے جملہ علوم پڑھے اور فرمایا کرتے تھے۔ کہ میں نے حضرت علیؓ کی تفسیر سے زیادہ رجوع کیا کیونکہ انھوں نے خود حضور ﷺ سے قرآن کے ہرلفظ کی تفسیر لکھی۔ اس لیے آپ کی تفسیر سے بڑھ کر کوئی اور تفسیر نہیں ہوسکتی۔ آپ کی تفسیر میں اقوال بہت ہیں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ ابن عباسؓ رئیس المفسرین ہوگا۔ اور ابن عباسؓ کا قول ہے کہ حضرت علیؓ سے بڑا کوئی مفسر نہیں کیونکہ جید صحابہ بھی آپ سے مسائل دریافت کرتے تھے۔ اسی طرح ابن عباسؓ سے بھی لوگ مسائل پوچھا کرتے تھے۔ ابن عباسؓ کی تفسیر پر مفسرین نے بہت اعتماد کیا ہے۔ آپ کی تفسیر چار ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں سے کچھ تلخیص کر کے نسخے طبع ہوئے ہیں۔ مکمل نہیں چھپ سکی۔ جتنی طبع ہوئی وہ موجود ہے۔ آپ کی وفات ۷۵ ہجری میں ہوئی۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ابوبکرؓ وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا کہ حضور ﷺ نے فرمایا۔ میں نے قرآن کی تفسیر الحمد سے والناس تک علی کو بتادی ہے اور انھوں نے لکھ لی ہے۔ تم میرے بعد تفسیر میں علیؓ کو امام ماننا۔ تمھیں کوئی دقت نہ ہوگی۔ یہ حدیث حضور ﷺ نے صحابہ کے جم غفیر میں ارشاد فرمائی۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اولین مفسر قرآن خود رسول اللہ ﷺ ہیں۔ پھر حضرت علیؓ اور پھر ابن عباسؓ مشہور مفسر ہیں۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ یہ حالات میں نے اپنے دادا حضرت امام باقرؓ کی تفسیر سے بیان کیے ہیں۔

تفسیر پنجم از حضرت امام محمد باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

امام محمد باقر بن علی بن حسین بن علی علیہم السلام

امام محمد باقرؓ حضرت حسینؓ کے پوتے اور امام زین العابدینؓ کے فرزند تھے آپ خانوادہ رسول ﷺ کے چشم و چراغ تھے۔ آپ کی والدہ فاطمہ بنت حسنؓ تھیں۔ آپ کی تفسیر کا نام بحرالعلوم ہے۔ آپ نے اپنے والد اور بزرگ صحابہؓ سے تعلیم پائی۔ آپ تفسیر وحدیث کے بہترین امام ہیں۔ آپ کی تفسیر کو مفسرین کی عظیم جماعت نے سراہا ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آپ خاندان سادات کے ممتاز فرد اور بے مثال مفسر ومحدث ہیں۔ یہ جو تفسیر تحریر کر رہے ہیں وہ اپنے دادا حضرت علیؓ کی طرح ہوگی اور ضخیم ہوگی۔ تفسیر امام باقرؓ کا اپنوں نے ہی نہیں بلکہ دشمنوں نے بھی اعتراف کیا ہے۔ آپ نے اپنی تفسیر میں حضرت علیؓ کی تفسیر کو پوری طرح ڈھال دیا ہے اور صحابہؓ سے بھی روایات اخذ کی ہیں۔ آپ نے تفسیر کو بہ روایت لکھا ہے۔ فرماتے ہیں کہ جب ہمارے پاس تفسیر کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے ارشادات موجود ہیں تو پھر قول اور تاویل کو اختیار کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ میں روضہ رسول ﷺ پر بیٹھ کر لکھتا ہوں اگر کوئی مسئلہ درپیش ہو تو خود حضور ﷺ میری رہنمائی فرمادیتے ہیں اور جب حضور ﷺ سے پوچھ کر لکھتا ہوں تو وہی ارشاد میں دادا حضرت علیؓ کے مجموعہ میں موجود پاتا ہوں۔ جو آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو بتائے تھے۔ بلکہ آپ ﷺ کچھ نئے علوم کا بھی

Marfat.com

انکشاف فرماتے ہیں۔ ابن عباسؓ کی روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ میرے بیٹے حسینؑ کو صاحبزادہ عطا فرمائے گا جس کا نام علیؑ ہوگا۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے ساجدین کے نام سے پکارے گا۔ پھر اسے صاحبزادہ عطا فرمائے گا اس کا نام محمدؐ ہوگا۔ وہ میری امت کے لیے امام ہوگا اور حبل الامت ہوگا۔ تم میں سے جو کوئی اسکا زمانہ پائے اسے میرا اسلام دے۔ حضرت جابرؓ اور ابن عباس رضی اللہ عنہم نے امام محمد باقر کو حضور ﷺ کا پہنچایا اور آپ کے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ امام باقرؓ ایک عظیم مفسر اور مجتہد تھے۔ ایک بار آپ مکہ میں حج کرنے آئے۔ تو تیس ہزار لوگوں نے آپ سے تیس ہزار سوال لیے۔ آپ نے سب کے جوابات دیئے۔ تو لوگوں نے آپ کو بحر العلوم اور باقر العلوم کہنا شروع کر دیا۔ یہ خطاب سارے عالم میں مشہور ہوا۔ آپ منطق، فلسفہ اور معقول کے موجد تھے۔ تمام مفسرین کا قول ہے کہ قرآن کریم کی تفسیر کے علاوہ آپ نے ہر چیز کو بیان کیا ہے اور کچھ نہیں چھوڑا۔ آپ نے حضرت علیؓ اور حضرت حسن علیہما السلام کی تفاسیر کو اپنی تفسیر میں پوری طرح مدغم کر دیا۔ امام رازیؒ نے آپ سے بہت سے حوالے دیئے ہیں۔ صاحب تفسیر طاؤس، ابو العالیہ اور ابو سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ امام باقرؓ جیسا مفسر ہونا ممکن نہیں رہا۔ آپ کی تفسیر سو ۱۰۰ جلدوں میں ہے اور ہر جلد ۵ ہزار صفحات پر مشتمل ہے، آپ جیسی ضخیم تفسیر کوئی نہیں لکھ سکے گا۔ ابن عباسؓ آپ کو حبل الامت کہہ کر پکارتے اور امام باقرؓ ابن عباسؓ کو حبل الامت کہتے تھے۔ ابن عباسؓ آپ کی تفسیر کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ ضخیم تفسیر بے مثال ہے اور امام باقرؓ بے مثل مفسر ہیں۔ اور اپنے دادا حضرت علیؓ کی طرح ہیں اور کیوں نہ ہوں کہ قرآن انہی کے گھر میں نازل ہوا اور یہی لوگ حاملین قرآن ہیں۔ ان سے زیادہ قرآن کو کون جان سکتا ہے۔ یہی لوگ اپنے نانا کے علوم کے وارث ہیں۔ امام صدی لکھتے ہیں کہ امام باقرؓ اپنی تفسیر روضہ رسول ﷺ پر بیٹھ کر لکھا کرتے تھے۔ فرماتے ہیں کہ جب مجھے اپنے دادا امام حسینؑ کی یاد ستاتی تو حضور ﷺ مجھے اپنی آغوش رحمت میں پناہ دیتے اور میری نگہداشت فرماتے اور فرماتے کہ بیٹا آپ کی لکھی ہوئی تفسیر ام العلوم ہوگی۔ آپ ﷺ میرے دہن میں اپنا لعاب دہن ڈالتے تو مجھ پر قرآن کی حکمتوں کا از خود القا ہو جاتا۔ یہ تفسیر میں نے دس سال میں مکمل کی۔ صاحب تفاسیر، طاؤس، ابو العالیہ، صدی، سعید بن جبیر رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ بے شک امام باقرؓ کی تفسیر بحر العلوم ہے اور آپ کی علمی شہرت پورے عالم پر چھا گئی ہے اور آپ امام الآئمہ ہیں۔ تفسیر میں ہر مسئلے پر آپ نے بحث کی ہے اور کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا۔ مسند زہریؒ میں امام زہریؒ لکھتے ہیں کہ میں بھی آپ کا شاگرد ہوں اور آپ کے بہت سے شاگرد ہیں۔ محدثین نے لکھا ہے کہ امام زہریؒ حدیث کے پہلے مدون ہیں اور امام زہریؒ نے سند حدیث میں امام باقرؓ کی سند کو ثقہ اور قوی مانا ہے۔

امام محمد باقرؓ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ جب میں روضہ رسول ﷺ پر بیٹھ کر تفسیر لکھتا ہوں تو پہلے اپنے نانا جان ﷺ سے پوچھ لیتا ہوں نیز آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ میرے یہاں بیٹھ کر لکھنے سے حضور ﷺ ٹھنڈک محسوس فرماتے ہیں۔ امام باقرؓ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک تفسیر ابن عباسؓ بہت بہتر ہے کیونکہ میرے نانا ﷺ نے ابن عباسؓ کے حق میں دعا فرمائی تھی۔ امام باقرؓ تفسیر ابی بن کعبؓ کو بھی بہترین فرماتے ہیں۔ تفسیر امام باقرؓ کے متعلق صاحب تفسیر حضرت عطا خراسانیؒ، امام مالکؒ، ابو العالیہ، صدی، یزید بن ہارون اور نخعی فرماتے ہیں کہ یہ جامع تفسیر ہے اور اس سے صحابہ کرامؓ کی بھی عقدہ کشائی ہوئی ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ تفسیر ام العلوم ہے اور کیوں نہ ام العلوم ہو کہ امام کی تربیت خود رسول اللہ ﷺ نے فرمائی۔ مذکورہ تمام اصحاب کا فیصلہ ہے کہ امام باقر کو بیس لاکھ احادیث زبانی یاد تھیں۔ آپ کی تفسیر سے آپ کے شاگردوں نے کچھ تلخیص طبع کی تھی جو کہ آجکل نایاب ہے۔ حضرت علیؓ، ابی بن کعبؓ اور حضرت حسنؓ ان تینوں کی تفسیروں کو آپ نے مکمل اپنی تفسیر میں سمو دیا ہے۔ آپ کی تفسیر سو جلدوں میں ہے جو کہ شہر میراں جیو کی لائبریری میں غیر طبع قلمی نسخے میں موجود ہے۔ محدثین کا متفقہ قول ہے کہ امام باقرؓ جیسا حافظہ کسی کا نہیں ہوا۔ جب شکم مادر سے پیدا ہوئے تو قرآن مجید از خود سنا دیا کسی سے پڑھا نہ تھا۔ دہریے آپ کے سامنے نہ آتے تھے اور کوئی دم نہ مارتا تھا۔ آپ کا علمی رعب سب پر غالب تھا۔ آپ نے دین متین کی بہت خدمت کی ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن سید موسیٰ البرقع، امام محمد باقرؓ کی اولاد سے ہیں۔ آپ کی اولاد میں نسل در نسل مفسر ہوئے ہیں۔ آپ کی تفسیر ۸۵ ہجری میں مکمل ہوئی۔ امام باقرؓ کو اپنی سند پر بڑا ناز تھا کیونکہ زمانہ بالکل قریب ہے۔ پھر آپ کو اپنے دادا حضرت علیؓ کی مکمل تفسیر ملی ہے۔ اس کے سامنے کسی دوسری سند کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ آپ کی وفات ۱۱۲ ہجری میں ہوئی اور مزار جنت البقیع مدینہ شریف میں ہے۔

تفسیر ششم حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت عکرمہ صحابی رسول ﷺ تھے۔ آپ کی تفسیر مختصر ہے جو ایک ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔ آپ نے حضرت علیؓ کے مجموعہ سے بھی استفادہ کیا۔ اور امام باقرؓ کی

Marfat.com

تفسیر سے بھی۔ آپ کی وفات ۱۰۵ ہجری میں ہوئی۔ آپ ایک جلیل القدر صحابی تھے۔

تفسیر ہفتم ابی قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپ بھی صحابی رسول ہیں۔ آپ کی تفسیر کے ۱۳۰۰ صفحات ہیں۔ اس میں اقوال زیادہ ہیں۔ آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کے مجموعہ کو بھی سامنے رکھا اور تفسیر امام باقرؒ سے بھی شرف حاصل کیا۔ وفات ۱۱۷ ہجری میں ہوئی۔ آپ آنکھوں سے نابینا تھے۔

تفسیر ہشتم، تفسیر طاؤس

حضرت طاؤس امام محمد باقرؒ اور ان کے والد علی بن حسین اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کے شاگرد تھے۔ یہ تفسیر ۲۲۰۰ صفحات میں ہے۔ اس میں اقوال بھی ہیں لیکن احادیث زیادہ ہیں۔ مفسرین میں آپ کی بہت شہرت تھی۔ امام باقرؒ کو آپ سے بہت پیار تھا۔ اور سلسلہ بیت بھی امام زین العابدینؒ سے تھا۔ وفات ۱۰۶ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر نہم قیس بن مسلم کوفی

یہ بڑی مشہور تفسیر ہے۔ آپ امام محمد باقرؒ کے شاگرد تھے اور ابن عباسؓ کے بھی شاگرد تھے۔ تفسیر کے ۳۲۰۰ صفحات ہیں۔ اس میں نحوی بحث بہت ہے۔ دلائل عقلیہ بھی ہیں اور حقائق بھی بہت ہیں۔ امام رازیؒ ان کے حوالے بھی دیتے ہیں اور تفسیر میں تاویلات ہیں۔ ابو مسلم بڑے جلیل القدر مفسر تھے۔ آپ کا وطن کوفہ تھا۔ وفات ۱۲۰ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر دہم۔ حضرت سعید بن جبیرؓ

حضرت سعید بن جبیرؓ امام حسنؓ اور ابن عباسؓ کے شاگرد تھے۔ اور امام باقرؒ سے بھی تفسیر میں بعض مقامات دریافت کیے۔ موصوف کو بھی تفسیر کا امام مانتے ہیں۔ یہ تفسیر ۹۰۰ صفحات کی ہے۔ مختصر بحث ہے۔ شان نزول اور احادیث بیان کی ہیں۔ آپ کی وفات ۹۵ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر یازدہم۔ ابوالعالیہ

ابوالعالیہ امام محمد باقرؒ و ابن عباسؓ کے شاگرد تھے۔ آپ کی تفسیر ۲۳۰۰ صفحات پر ہے۔ تفسیر میں وسعت کے مطابق امام باقرؒ، حضرت علیؓ، ابی بن کعبؓ حضرت حسنؓ اور ابن عباسؓ کی تفاسیر سے بیان کیا ہے۔ اس زمانہ میں انہی تفاسیر کو عظیم مانا جاتا تھا۔ تفسیر میں زیادہ تر اقوال، احادیث اور تاویلات ہیں۔ ان سے مبرۃ تفسیر امام محمد باقرؒ اور ان کے پوتے موسیٰ المبرقعؒ کی ہے۔ ابوالعالیہ کی وفات ۹۰ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر دوازدہم۔ اسود بن یزید تابعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

Marfat.com

اسود بن یزید تابعی امام باقرؓ وابن عباسؓ کے شاگرد تھے۔ زیادہ امام باقرؓ کے شاگرد تھے۔ موصوف کی تفسیر ۱۴۰۰ صفحات پر ہے اس میں اقوال و احادیث زیادہ ہیں۔ ابن عباسؓ اپنے شاگردوں کو امام باقرؓ کے پاس بھیجا کرتے تھے تاکہ انھیں ان سے بھی شرف حاصل ہو جائے۔ کیونکہ پہلی صدی میں امام باقرؓ کی بہت شہرت تھی اور آپ کو عظیم امام مانا جاتا تھا۔ یہی بات اسود بن یزید تابعی نے بھی اپنی تفسیر میں لکھی ہے۔ اسود بن یزید تابعی بہت بڑے مفسر تھے۔ وفات ۹۵ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر محمد بن کعب قرظی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپ امام محمد باقرؓ کے شاگرد تھے اور ابو العالیہؒ کے بھی۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں اپنی تفسیر میں امام محمد باقرؓ، ابن عباسؓ، ابی بن کعبؓ اور امام حسنؓ کی تفاسیر سے حوالے بیان کر رہا ہوں۔ پہلے مفسرین کا طریق کار یہ تھا کہ پہلے آیات قرآنی لکھتے۔ پھر احادیث اور اقوال لکھتے۔ بعض تفاسیر میں منطق اور فلسفہ زیادہ ہے۔ آپ کی تفسیر ۱۸۰۰ صفحات پر مشتمل ہے اور بہت مشہور تفسیر ہے۔ امام رازیؒ اور صاحب خزینۃ القرآن نے آپ کے اکثر حوالے درج کیے ہیں۔ وفات ۱۲۰ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر امام اذحاق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپ بھی امام محمد باقرؓ وابو العالیہ کے شاگرد تھے۔ یہ تفسیر دو ہزار صفحات کی ہے اور معتبر ہے۔ کچھ اقوال غیر معتبر بھی ہیں۔ امام رازیؒ و صاحب خزینۃ القرآن نے ان کے حوالے دیئے ہیں۔ وفات میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک ۱۲۸ ہجری اور بعض کے نزدیک ۱۳۰ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر ابراہیم نخعی

ابراہیم نخعی امام محمد باقرؓ وابن عباس رضی اللہ عنہم کے شاگرد ہیں۔ یہ تفسیر ۱۹۰۰ صفحات کی ہے۔ اس میں تفسیر کے اصول کو بیان کیا گیا ہے۔ اور احادیث بھی بیان کی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ مجھے تفسیر پڑھنے کا شوق امام محمد باقرؓ سے ہوا۔ ان سے بڑھ کر قرآن کو کون سمجھ سکتا ہے کہ قرآن انہی کے گھر میں اترا۔ اور یہی لوگ ادری بما فی بیتھا ہیں۔ فرماتے ہیں کہ امام محمد باقر کی تفسیر کی تصدیق خود رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں۔ ابراہیم نخعی بہت بڑے مفسر تھے۔ وفات ۹۵ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر خواجہ حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

صاحب موصوف نے حضرت امام حسنؓ، ابن عباسؓ اور امام محمد باقرؓ سے شرف تلمذ حاصل کیا اور نسبت بیعت حضرت علیؓ سے ہے۔ سلسلہ چشتیہ، سہروردیہ اور قادریہ کا تعلق آپ سے ملتا ہے۔ یہ ۱۹۰۰ صفحات کی بڑی مشہور تفسیر ہے۔ اس میں اقوال و احادیث کو زیادہ بیان کیا گیا ہے۔ حضرت علیؓ، ابن عباسؓ، حضرت حسنؓ اور ابی بن کعبؓ کی تفاسیر سے بہت سے حوالہ جات ہیں۔ آپ نے امام باقرؓ کی تفسیر کو بہترین مانا ہے۔ خواجہ کی تفسیر سے امام رازیؒ و صاحب خزینۃ القرآن نے بہت حوالے دیئے ہیں۔ آپ نے تصوف کو بہت بیان فرمایا ہے۔ خواجہ حسن بصریؒ کی وفات ۱۱۰ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر قتادہ بن دعامہ تابعیؒ

آپ کی تفسیر ۱۲۰۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ آپ امام محمد باقرؓ وابو العالیہ کے شاگرد تھے۔ تفسیر میں احادیث کو زیادہ بیان کیا ہے۔ شان نزول کو بھی کافی بیان کیا

Marfat.com

ہے۔آپ کی وفات ۱۱۷ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر حضرت عطا ابن ابی رباح تابعی

آپ بھی ابن عباسؓ اور امام محمد باقرؑ کے شاگرد تھے۔تفسیر کے ۹۰۰ صفحات ہیں۔احادیث اور مسائل فقہی بہت ہیں۔اس زمانہ میں یہی طرز رائج تھی۔تفسیر بہترین انداز میں ہے۔وفات ۱۱۴ یا ۱۱۶ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر مجاہدی

حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تفسیر بہت مشہور ہے ۱۶۰۰ صفحات پر طبع ہے۔امام محمد باقرؑ وابن عباسؓ کے شاگرد ہیں۔تفسیر میں اقوال زیادہ ہیں اور احادیث کم۔تاویلات زیادہ ہیں لیکن حقائق زیادہ معلوم ہوتے ہیں۔تفسیر میں امام باقرؑ، ابی بن کعبؓ، ابن عباسؓ اور حضرت حسنؓ سے زیادہ تر حوالے دیئے ہیں۔آپ کے حوالہ جات کو تمام مفسرین بیان کرتے ہیں۔وفات ۱۲۳ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر صدیؒ

حضرت صدی امام محمد باقرؑ کے شاگرد تھے تفسیر میں امام باقرؑ کے حوالہ جات زیادہ بیان کیے ہیں اور اسے عظیم تفسیر مانا ہے۔نیز فرماتے ہیں جو کوئی تفسیر لکھے تفسیر امام محمد باقرؑ کو سامنے رکھے تو علوم کے بیش بہا خزانے معلوم ہوں گے امام باقرؑ سے موصوف کا کافی تعلق ہے۔وفات ۱۲۷ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر حضرت عطا خراسانیؒ

حضرت عطا خراسانیؒ نے امام محمد باقرؑ اور ان کے صاحبزادے امام جعفر صادقؑ اور ان کے شاگردوں سے بھی شرف حاصل کیا امام محمد باقرؑ کے بھائی زید بن علی سے بھی شرف تلمذ حاصل کیا۔تفسیر میں اقوال زیادہ ہیں احادیث بھی ہیں۔ان کے حوالہ جات صاحب خزینۃ القرآن و امام رازیؒ نے بھی دیئے ہیں۔آپ کی وفات ۱۳۵ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر امام جعفر صادقؑ

اپنے جلیل القدر والد کے شاگرد ہیں۔آپ کی تفسیر ۲۶۰۰ صفحات پر محیط ہے۔کچھ حصہ مطبوعہ ہے جس میں فلسفہ و منطق کا بیان ہے۔دلائل عقلیہ بھی ہیں۔تفسیر امام باقرؑ، حضرت علیؑ، حضرت حسنؓ، ابی بن کعبؓ اور ابن عباسؓ سے کافی حوالے دیئے ہیں اور اپنے والد اور دادا حضرت علیؑ کی تفسیر کو عظیم مانا ہے اور امت کے لیے یہ بے بہا خزانہ مانا ہے۔آپ فرماتے ہیں کہ ان تفاسیر کے ایک ایک لفظ سے علوم کے بحر ذخار نکلتے ہیں۔فرماتے ہیں کہ میرے والد کو رسول اللہ ﷺ سے بہت محبت تھی اور مجھے بھی بہت محبت ہے۔آپ دو مجالس فرمایا کرتے۔ایک خاص اور ایک عام منطق، فلسفہ، معقول، تفسیر و حدیث بہت پڑھایا کرتے۔تدریس کا بہت سا کام انجام دیا۔قرآن کی تفسیر پڑھانے سے بہت محبت تھی حتیٰ کہ جب وفات ہوئی تب بھی تفسیر پڑھا رہے تھے۔محدثین لکھتے ہیں کہ آپ کو بیس لاکھ احادیث زبانی یاد تھیں اور آپ کے دس ہزار شاگرد تھے۔جن میں امام مالکؒ جیسے کئی شاگرد شامل ہیں۔رسول اللہ ﷺ سے محبت کا یہ عالم تھا کہ جب زبان پر آپ ﷺ کا نام آتا تو آنکھوں سے بے اختیار

Marfat.com

آنسو نکل پڑتے۔آپ حدیث وتفسیر پڑھانے میں دن رات مصروف رہتے۔ وفات ۱۴۸ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر علی بن طلحہؒ

آپ امام جعفر صادقؒ اور ان کے والد کے شاگرد تھے تفسیر میں اقوال، نحو اور منطق کو کافی بیان کیا ہے اور امام باقرؒ اور ابن عباسؓ کے حوالے زیادہ بیان کیے ہیں۔ابی بن کعبؓ کے حوالے بھی ہیں لیکن تفسیر امام باقر کو بہت سراہا ہے۔اور کہا ہے کہ یہ ایک عظیم تفسیر ہے جو نافع الخلائق ہے۔آپ کی وفات ۱۴۴ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر شکیل بن عبادؒ

آپ امام جعفر صادقؒ کے شاگرد تھے آپ نے تفسیر میں منطق، اقوال، نحو اور حقائق کو زیادہ بیان کیا ہے۔کچھ احادیث بھی ہیں۔امام محمد باقرؒ کی تفسیر کو زیادہ پسند کیا ہے۔مفسرین ومحدثین نے آپ کو امام مانا ہے۔اور ابن عباسؓ، ابی بن کعبؓ، خواجہ حسن بصریؒ اور امام حسن رضی اللہ عنہم کے کافی حوالہ جات درج کیے ہیں۔آپ نے شان نزول بھی بیان کیا ہے۔وفات ۱۴۸ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر حضرت ابوسفیان ثوریؒ

حضرت ابی سفیان ثوری امام محمد باقرؒ کے شاگرد تھے اور ولی کامل تھے۔نسبت بیعت بھی امام باقرؒ سے تھی۔فرماتے ہیں کہ میں نے تمام علوم امام باقرؒ سے پڑھے۔آپ امام الآئمہ ہیں۔آپ کو بحر العلوم کہتے تھے اپنی تفسیر میں حضرت حسنؓ اور حضرت علیؓ کے حوالہ جات زیادہ بیان کیے ہیں۔فرماتے ہیں کہ یہ عظیم انسان ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے وارث ہیں۔لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے اہل بیت قرآن کو نہ چھوڑیں گے۔اور نہ قرآن ہی انھیں چھوڑے گا۔یہ قرآن سے محبت رکھیں گے اور قرآن ان سے۔پھر فرماتے ہیں کہ امام باقرؒ کی تفسیر بے مثال ہے۔کیونکہ آپ ہر لفظ کی تفسیر رسول اللہ ﷺ سے پوچھ کر لکھتے تھے۔فرماتے ہیں اس امر میں شک کرنا درست نہیں بلکہ ایمان کے لیے خسارہ ہوسکتا ہے کیونکہ امام باقرؒ علوم کے بیش بہا سمندر تھے اور ان کی تفسیر بے مثل ہے جس میں ہر دور کا حل موجود ہے آئندہ نسلوں اور کل امت کے لیے اس میں نفع ہے۔پھر فرمایا کہ ابو ہریرہؓ اور ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہؓ میں حضرت حسینؓ کے بارے میں فرمایا کہ اللہ انھیں ایک صاحبزادہ عطا کرے گا جس کا نام علی ہوگا۔یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے اور اس کے آخری الفاظ میں آنحضرت ﷺ نے امام محمد باقر کے لیے دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ان کے سینے کو قرآن کے علم سے معمور فرمائے۔صحابہ فرماتے ہیں کہ یہ تفسیر رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق ہے۔اس میں وہ دلائل ہیں جو پہلے ہمارے ذہنوں میں موجود نہ تھے۔امام باقرؒ نے ہر دور کے مسائل کو حل کر دیا ہے۔نیز ایک اور حدیث میں آنحضرت ﷺ نے ان کے لیے دعا فرمائی کہ اے اللہ میرے اس بیٹے (امام محمد باقر) کو کسی کا محتاج نہ کرنا صرف اپنا محتاج رکھنا۔اور اسے قرآن مجید کے علوم کی معرفت عطا فرمانا اور میری سنت پر قائم رکھنا۔سرکار دو عالم ﷺ کی یہ دعا آپ کے لیے اکسیر ہوئی اور آپ کا علمی رعب چہار دانگ عالم پر چھا گیا۔ابی سفیان ثوری لکھتے ہیں کہ میرے استاد امام محمد باقر نے مجھ سے فرمایا کہ یہ سب رسول اللہ ﷺ کی برکت ہے کہ میں نے دس سال کے قلیل عرصہ میں سو ۱۰۰ جلدوں کی تفسیر لکھ دی۔ابوسفیان ثوری فرماتے ہیں کہ بیشک یہ آپ کی کرامت ہے۔کہ سو ۱۰۰ جلدوں میں تفسیر لکھنا جس کی ہر جلد پانچ ہزار صفحات پر مشتمل ہو۔انسانی فہم وادراک سے باہر ہے اور یہ محض اللہ تعالیٰ کا آپ پر احسان ہے۔جب آپ لکھتے تو ایک ایک لفظ سے کئی کئی حکمتیں بیان فرماتے جن سے انسانی عقل وشعور دنگ رہ جاتا ہے۔اس تفسیر میں قیامت تک کے لوگ فائدہ اٹھاتے رہیں گے۔

فائدہ اول:

Marfat.com

ابوسفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کی اصل تفسیر جو رسول اللہ ﷺ سے ہر لفظ کے بارے میں ہوئی اسے حضرت علیؓ نے اپنے مجموعہ میں لکھا۔ پھر امام باقرؒ نے اس مجموعہ کو اپنی تفسیر میں سمو دیا۔ اور اس سے بیش بہا حکمتیں نکالیں۔

فائدہ دوم:

آپ لکھتے ہیں کہ امام محمد باقرؒ ہر لفظ کی تفسیر رسول اللہ ﷺ سے براہ راست دریافت کر کے لکھتے ہیں۔ امام باقرؒ کا قول ہے کہ میں اس وقت تک نہیں لکھتا تھا جب تک سرکار دو عالم ﷺ کا ارشاد نہ ہوتا۔ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کے علوم ہمیں خود رسول اللہ ﷺ نے ودیعت فرمائے۔ لکھتے ہیں کہ میرا قلم اس وقت اتنا تیز چلتا کہ کوئی حد نہ رہتی۔ ابی سفیان ثوریؒ نے اپنی تفسیر میں زیادہ تر تفسیر امام باقرؒ کے مندرجات نقل کیے ہیں اور ابن عباسؓ کے حوالے بھی دیئے ہیں۔ اسی طرح ابی بن کعبؓ، حضرت حسنؓ اور حضرت علیؓ کے حوالہ جات بھی بیان کیے ہیں۔ یہ تفسیر ۲۷۰۰ صفحات کی ہے اس میں منطق، اقوال، نکات اور صوفیانہ انداز بھی ہے۔ مسلک صوفیا کو خوب بیان کیا ہے۔ آپ کی تفسیر جامع ہے امام رازیؒ اور صاحب خزینۃ القرآن نے آپ سے بہت سے حوالے دیئے ہیں۔ وفات ۱۶۱ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر ابونصر کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپ امام جعفر صادقؓ اور ابوسفیان ثوریؒ کے شاگرد تھے آپ کی تفسیر کے ۲۲۰۰ صفحات ہیں۔ آپ نے امام باقرؒ کے حوالہ جات زیادہ دیئے ہیں اسی طرح حضرت حسنؓ، ابی بن کعبؓ اور ابن عباسؓ کے حوالہ جات بھی ہیں۔ اس میں نحو، منطق، اقوال کو خوب بیان کیا ہے اور تاویلات زیادہ کی ہیں۔ شان نزول بھی بیان کیا۔ تفسیر امام باقرؒ کو زیادہ سراہا ہے اور آپ کو عظیم امام تسلیم کیا ہے۔ یہ تفسیر جامع ہے۔ وفات ۱۴۶ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر شیخ عبدالملک بن عبدالعزیز المعروف ابن جزیح

آپ امام جعفر صادقؓ اور علی بن طلحہؒ سے شاگرد تھے۔ تفسیر ۱۷۰۰ صفحات ہیں۔ امام باقرؒ، ابی بن کعبؓ، ابن عباسؓ، مجاہدی اور حسن بصری کے حوالہ جات زیادہ دیئے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ حضرت علی، حضرت حسن، ابن عباس اور امام محمد باقر علم تفسیر کے مجتہدین ہیں۔ اور اپنی تفسیر میں نحو اور فقہ کو زیادہ بیان کیا ہے اور فقہ میں امام اعظم کو امام مانا ہے۔ آپ کی وفات ۱۵۰ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر مقاتل بن سلیمانؒ

آپ امام جعفر صادقؓ، علی بن طلحہؒ اور عطا خراسانی رضی اللہ عنہم کے شاگرد تھے۔ آپ کی تفسیر ۱۶۰۰ صفحات ہیں۔ آپ نے امام جعفر صادق، امام باقر، خواجہ حسن بصری، امام حسن، ابی بن کعب، سعید بن جبیر، حضرت عکرمہ، ابوالعالیہ اور طاؤس رضی اللہ عنہم کے حوالہ جات بیان کیے ہیں۔ تفسیر امام باقر کو زیادہ پسند کیا ہے کہ اس میں حضرت علی کا مجموعہ ہے جو وہ رسول اللہ ﷺ سے سنتے تھے اور لکھ لیتے تھے۔ یہ تمام ارشاد رسول اللہ ﷺ کا فرمودہ ہے۔ اور اسے امام باقرؒ نے اپنی تفسیر میں لکھا اور امام باقرؒ بھی براہ راست رسول اللہ ﷺ سے پوچھ کر لکھتے تھے۔ اس لیے میں اس تفسیر کو پسند کرتا ہوں۔ مقاتل بن سلیمان نے اپنی تفسیر میں نحو، منطق، اقوال اور احادیث پر زیادہ زور دیا ہے اور کہا ہے کہ امام باقر کی تفسیر قرآن بالقرآن ہے۔ آپ کی وفات ۱۵۰ ہجری میں ہوئی۔

Marfat.com

تفسیر شیبہ بن عبادؒ

امام جعفر صادقؒ، علی بن طلحہ، ابوسفیان ثوریؒ اور عطا خراسانی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے شاگرد تھے۔ تفسیر ۲۳۵۰ صفحے ہیں جن میں ابن عباس، ابی بن کعب، ابو العالیہ، اسود بن یزید تابعی اور قیس بن مسلم کوفی رضی اللہ عنہم کے حوالہ جات بیان کیے ہیں۔ امام باقر اور ابن عباس کی تفاسیر کو زیادہ پسند کیا ہے۔ تفسیر میں منطق اور معقول زیادہ ہے احادیث بھی ہیں اور شان نزول بھی۔ تفسیر جامع ہے۔ وفات ۱۶۰ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر ابو وراق ہمدانیؒ

آپ نے امام جعفر صادق کا بہت تھوڑا زمانہ پایا۔ آپ علی بن طلحہ شیبا بن عباد کے شاگرد ہیں۔ تفسیر میں ابی بن کعب، حضرت حسن ابن عباس، امام باقر، ابو العالیہ اور طاؤس رضی اللہ عنہم کے زیادہ حوالے دیئے ہیں۔ تفسیر امام باقر کی تعریف کی ہے۔ یہ تفسیر ۱۹۰۰ صفحات پر ہے۔ اس میں فقہ، اقوال شان نزول اور بہترین مباحث ہیں۔ وفات ۱۷۰ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر امام مالکؒ

امام جعفر صادقؒ کے شاگرد تھے۔ آپ کی شخصیت بڑی عظیم ہے۔ مفسرین اور محدثین میں آپ کا لقب شیخ المحدثین تھا۔ اور ظاہری طور پر زیارت رسول اللہ ﷺ کی سعادت حاصل کی۔ آپ نے پہلے ۱۴۳ ہجری میں مؤطا امام مالک کے نام سے حدیث کی کتاب لکھی جس میں ساڑھے تین ہزار سے زائد احادیث ہیں۔ لکھتے ہیں کہ مجھے میرے استاد محترم امام جعفر صادقؒ نے حکم دیا کہ میں تفسیر قرآن لکھوں چنانچہ حسب الحکم میں نے یہ تفسیر لکھی ہے جو ۲۴۰۰ صفحات کی ہے۔ اس میں احادیث و اقوال زیادہ ہیں۔ آپ نے امام باقر، ابن عباس، ابی بن کعب، حضرت حسن، خواجہ حسن بصری، عکرمہ اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہم کے حوالہ جات زیادہ دیئے ہیں لیکن تفسیر امام باقر کو ام العلوم مانا ہے۔ امام مالک کو رسول اللہ ﷺ سے بہت محبت تھی۔ مدینہ کے بازاروں میں جوتے پہن کر نہ چلتے تھے کہ کہیں رسول اللہ ﷺ کے قدم مبارک نہ لگے ہوں اور بے ادبی ہو جائے۔ امام مالک نے آنحضرت ﷺ سے محبت کرنا اور ادب کرنا امت مسلمہ کو سکھایا اور پوری زندگی دین کے لیے وقف کر دی۔ منطق اور معقول اور روایات کو زیادہ جمع کیا۔ وفات ۱۷۹ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر حجاج بن محمدؒ

آپ امام جعفر صادق و علی بن طلحہ کے شاگرد تھے۔ آپ نے اوپر والی مذکورہ تمام تفاسیر کے حوالے زیادہ بیان کیے ہیں۔ اور ان میں ابی بن کعب، حضرت حسن اور امام باقر کے حوالہ جات کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ امام باقر کی تفسیر ام التفاسیر اور ام العلوم ہے۔ یہی فیصلہ ابو العالیہ طاؤس اور مجاہد کا ہے۔ موصوف نے اپنی تفسیر میں منطق اور فلسفہ زیادہ بیان کیا ہے۔ وفات ۱۶۸ ہجری میں ہوئی۔

Marfat.com

قرنِ ثانی

تفسیر امام کسائیؒ

آپ امام جعفر صادقؒ اور علی بن طلحہ کے شاگرد تھے۔ علم لغات اور قرأت کے قوانین اور احادیث لکھیں۔ منطق و معقول بھی ہے۔ تفسیر امام باقرؒ کے حوالہ جات زیادہ ہیں۔ ابن عباسؓ کو بھی بیان کیا ہے۔ امام باقرؒ کو فن حدیث و تفسیر میں امام مانا ہے اور ابن عباسؓ کی بہت تعریف کی ہے۔ یہ تفسیر ۳۳۰۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن اور امام رازیؒ نے آپ کے بہت سے حوالہ جات دیئے ہیں۔ مشہور تفسیر ہے۔ وفات ۱۸۹ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر ابوعبداللہ ابن ثور صنعانیؒ

آپ حضرت حجاج بن محمد اور امام کسائیؒ کے شاگرد تھے۔ تفسیر کا انداز صوفیانہ ہے اور علم کلام پر بحث کی ہے۔ منطق بھی بہت ہے۔ امام باقر کا منطق اور فلسفہ پڑھاتے تھے اور آپ کو عظیم امام مانتے ہیں۔ لکھتے ہیں کہ جمہور مفسرین کا یہی فیصلہ ہے کہ امام محمد باقر ہر فن کے بادشاہ تھے۔ ابن عباس کی بھی تعریف کی ہے اور تفسیر قیس بن مسلم کوفی کو پسند فرماتے ہیں نیز لکھتے ہیں کہ امام محمد باقر اور ابی بن کعب کی تفاسیر عظیم الشان تفسیریں ہیں۔ اور ان کا ایک منفرد مقام ہے۔ ابوعبداللہ صنعانی کی تفسیر ہزار صفحات کی ہے۔ آپ کی وفات ۱۹۰ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر امام وکیعؒ

آپ ابورواق حجاج بن محمد اور امام کسائی کے شاگرد تھے۔ امام وکیع بڑے محقق اور مدقق تھے۔ مفسر و محدث اور فقیہ تھے۔ آپ کو سب علوم میں مہارت تھی۔ تفسیر کے چار ہزار صفحات ہیں۔ ان میں فقہ، احادیث، اقوال، منطق اور معقول کو بیان کیا ہے بہترین انداز میں بحث کی ہے۔ امام باقر کی تفسیر زیادہ پسند ہے۔ فرماتے ہیں کہ یہ تفسیر صحابہ کرام میں بہت مقبول ہوئی۔ اس کے اور ابن عباسؓ کے حوالہ جات زیادہ دیئے ہیں۔ فقہ میں بھی بڑی قابلیت تھی آپ نے فقہ پر اور بھی کتابیں لکھی ہیں۔ آپ موسیٰ کاظم بن جعفر صادق سے بیعت تھے۔ آپ بڑے متقی اور جلیل القدر بزرگ تھے۔ آپ کے کافی شاگرد ہوئے ہیں۔ وفات ۱۹۶ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر سفیان بن عقبہؒ

آپ امام کسائی اور حجاج بن محمد کے شاگرد تھے آپ کی تفسیر ۱۶۰۰ صفحات پر ہے۔ تفسیر میں احادیث اور شان نزول پر زیادہ لکھا ہے۔ مذکورہ تمام تفاسیر سے حوالہ جات دیئے ہیں اور ان میں ابی بن کعب، ابن عباس، ابی قتادہ، سعید بن جبیر، طاؤس اور امام باقر کی تفاسیر کو زیادہ پسند کیا ہے امام محمد باقر کے حوالہ جات زیادہ ہیں۔ آپ کو امام اعظم سے بہت محبت تھی اور انہی کے مسلک پر تھے۔ وفات ۱۹۸ ہجری میں ہوئی۔

Marfat.com

تفسیر ہاشم بن بشیرؒ

آپ امام وکیع، شیخ حجاج بن محمد اور امام کسائی کے شاگرد تھے آپ کی تفسیر ۱۶۰۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ آپ نے امام کسائی کی تفسیر کو بہت سراہا ہے۔ تفسیر میں علم منطق، معقول اور احادیث ہیں۔ مقاتل، ابومسلم اور ابووراق ہمدانی کی تفاسیر کو زیادہ سامنے رکھا۔ علم الحدیث پر زیادہ زور دیا ہے اور محدثین حدیث پر کافی اعتراضات کیے ہیں۔ امام محمد باقرؒ، ابن عباسؓ اور طاؤس کی تفاسیر کو تفسیروں میں اول قرار دیا ہے۔ آپ کی وفات ۱۹۹ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر ابن وہب فہمیؒ

آپ ابووراق ہمدانی، امام کسائی اور حجاج بن محمد کے شاگرد تھے۔ یہ تفسیر ۱۵۰۰ صفحات کی ہے اس میں علم ادب، کلام، منطق اور احادیث بیان کی ہیں علم کلام پر زیادہ زور دیا ہے۔ تفاسیر میں ابن عباسؓ، ابی بن کعب، ابوالعالیہ اور امام محمد باقر کی تفسیر کو زیادہ پسند فرمایا ہے۔ یہ تفسیر جامع ہے۔ وفات ۱۹۹ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ

آپ فن فقہ میں امام محمد کے شاگرد تھے اور فن تفسیر میں اپنے مرشد امام وکیع اور امام کسائی کے شاگرد تھے۔ آپ کی شخصیت بڑی عظیم ہے۔ آپ مجتہد اور فن فقہ میں بے مثال ہیں امام اعظم سے آپ کو بہت محبت تھی۔ امام شافعی علم حدیث وفقہ میں بھی بے مثال مجتہد ہیں۔ بعض مسائل میں امام صاحب اعظم کے ساتھ ان کا اختلاف ہے۔ آئمہ فقہا میں ان دونوں کو عظیم مانا جاتا ہے۔ پہلے نمبر پر امام اعظم اور دوسرے پر امام شافعی ہیں۔ امام اعظم بھی سراج الامت ہیں علماء کرام زیادہ تر انہی دونوں کے مسلک پر ہیں۔ امام شافعی کی تفسیر کا نام احکام القرآن ہے۔ جو ۱۹۰۰ صفحات پر ہے اور جامع ہے۔ آپ نے اپنی تفسیر میں ابن عباس، امام باقر، ابوالعالیہ، ابی سفیان ثوری رضی اللہ عنہم کے زیادہ تر حوالہ جات دیئے ہیں۔ تفسیر میں نحوی قوانین بیان کیے ہیں۔ تفسیر امام باقر کو امہات التفاسیر اور ام العلوم لکھا ہے اور فرماتے ہیں کہ یہ تفسیر ہر دور کے مسلمانوں کے لیے ایک بیش بہا خزانہ ہے اور ہر آنے والے مفسر کو چاہیے کہ اس تفسیر کو سامنے رکھے کیونکہ امام باقر نے کوئی کمی نہیں چھوڑی امام شافعی کی وفات ۲۰۴ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر ابن عبادہؒ

آپ امام کسائی اور امام وکیع کے شاگرد تھے۔ تفسیر ۵۰۰ صفحات کی ہے۔ اس میں منطق اور اقوال بہت ہیں شان نزول بھی ہے۔ ابن عباس، امام باقر، حسن بصری، ابوالعالیہ اور طاؤس رضی اللہ عنہم کے حوالہ جات زیادہ دیئے ہیں اور انہیں زیادہ پسند کیا ہے۔ تفسیر جامع ہے ابن عبادہ کی وفات ۲۰۵ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر یزید بن ہارونؒ

آپ فن تفسیر میں ابووراق ہمدانی اور امام کسائی کے شاگرد تھے اور حافظ الحدیث تھے۔ ایسا قوت والا حافظہ اس زمانے میں کسی کا نہ تھا۔ آپ کو ۱۴ لاکھ احادیث

Marfat.com

زبانی یاد تھیں۔ امام باقر کا منطق اور فلسفہ بہت پڑھاتے تھے۔ آپ کی تفسیر اڑھائی ہزار صفحات پر ہے۔ فرماتے ہیں کہ تفسیروں میں امام باقر کی تفسیر زیادہ پسند ہے کہ یہ قرآن بالقرآن ہے مطابق احادیث اور ام العلوم ہے ابن عباسؓ کے متعلق فرماتے ہیں کہ اس تفسیر میں اقوال زیادہ ہیں۔ امام باقر کے بارے میں لکھتے ہیں کہ آپ بحرالعلوم ہیں۔ کہ ہر علم پر بحث فرمائی ہے۔ آپ ماہر قرآن تھے اور ہر فن میں مہارت تھی۔ امام باقر کی تفسیر کو زیادہ سمجھا اس میں تلخیص کی اور اسے عظیم الشان تفسیر مانا ہے۔ آپ نے امام باقر، ابوالعالیہ، ابوسفیان ثوری، حسن بصری، ابن عباس اور امام حسن رضی اللہ عنہم کے بہت حوالہ جات دیئے ہیں۔ امام بخاری آپ کی تعریف کرتے ہیں اور آپ کے شاگردوں کے شاگرد ہیں۔ آپ مسلک امام اعظم پر تھے۔ تفسیر میں منطق، معقول اور احادیث پر زیادہ زور دیا ہے۔ آپ کی وفات ۲۰۵ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر فرایابی شیخ محمد بن یوسف بن واقدؒ

امام کسائی و یزید بن ہارون کے شاگرد تھے۔ آپ کی تفسیر ۱۶۰۰ صفحات پر ہے۔ تفسیر میں علم کلام اور منطق پر زور دیا ہے۔ اس زمانے میں جدید فن پیدا کیا۔ امام باقر کی تفسیر کے بارے میں فرماتے ہیں کہ میرے استاد نے اس تفسیر کو سمجھا ہے اور اس سے جدید انداز نکالا ہے۔ تفسیر فرایابی جامع ہے اس میں امام باقر، ابوالعالیہ، ابی بن کعب اور ابن عباس کی تفاسیر کے حوالے بیان کیے ہیں۔ وفات ۲۱۷ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر ابی بن ایاسؒ عسقلانی

آپ یزید بن ہارون اور احمد بن شجاع کے شاگرد تھے۔ تفسیر ۱۱۰۰ صفحات پر ہے۔ اس میں علم کلام، اقوال، منطق اور احادیث ہیں۔ تفسیر میں ابی بن کعب، امام باقر اور ابن عباس کے حوالہ جات بیان کیے ہیں۔ اور تفسیر امام باقر کو سراہا ہے۔ وفات ۲۲۰ ہجری میں ہوئی۔

Marfat.com

قرنِ ثالث

تفسیر سعید بن داؤد المصیفیؒ

آپ یزید بن ہارون اور امام کسائی کے شاگرد تھے۔ تفسیر ۱۳۰۰ صفحات کی ہے۔ اس میں منطق، فقہ اور حدیث کو بیان کیا ہے۔ ابی بن کعب، حسن بصری، ابو العالیہ اور امام باقر کے حوالہ جات دیئے ہیں اور تفسیر امام باقر کو سراہا ہے۔ وفات ۲۲۰ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر خزینۃ القرآن

یہ تفسیر امام المفسرین والمحدثین موسیٰ المبرقع بن امام تقی بن علی رضا بن موسیٰ کاظم بن جعفر صادق بن امام محمد باقر بن زین العابدین بن امام حسین بن علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی ہے جو چالیس جلدوں میں ہے۔ ہر جلد کے تین ہزار صفحات ہیں۔

موصوف فرماتے ہیں:

کہ میری پانچ برس کی عمر تھی کہ قرآن پاک حفظ کر لیا۔ جید علماء و مفسرین سے علم حاصل کیا۔ اور میری سند تفسیر و حدیث اپنے دادا امام محمد باقر سے وابستہ ہے۔ آپ کے بارے میں آپ کے صاحبزادے احمد اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ امام باقر فرماتے ہیں کہ میری اولاد میں ایک بہترین فرزند ہوگا۔ جس کا نام موسیٰ ہوگا وہ تفسیر قرآن کا امام ہوگا۔ اور جو کچھ میں نے تفسیر میں لکھا ہے اسے سمجھے گا اور میرے علم کا وارث ہوگا۔ اس دعا کی برکت سے صاحب خزینۃ القرآن کو بیس لاکھ احادیث زبانی یاد تھیں جیسا کہ فرماتے ہیں کہ میں نے تفسیر امام باقر کی تلخیص لکھی ہے کیونکہ وہ امہات التفاسیر اور ام العلوم ہے۔ جس میں ہر فن موجود ہے اور اس کے ہوتے ہوئے کسی دوسری تفسیر کی حاجت نہیں رہتی۔ کیونکہ اس میں وہ مجموعہ بھی شامل ہے جو حضرت علی نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کر کے لکھا اور اسے اپنی تفسیر میں شامل کر کے امام محمد باقر نے علوم کا ایک سمندر نکالا ہے۔ اور پھر آپ بھی روضہ رسول ﷺ پر حضور ﷺ سے دریافت کر کے لکھتے تھے۔ اور رسول اللہ ﷺ براہ راست آپ کی تربیت فرماتے۔ پھر اس سے بڑھ کر اور کون سی تفسیر ہو سکتی ہے۔ فرمایا کہ قرآن بالقرآن اور مطابق احادیث صرف امام باقر کی تفسیر ہے۔ باقی تفاسیر میں اقوال زیادہ ہیں ایسی تفسیر کے سامنے اقوال کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے۔ فرمایا کہ مفسرین میں یہی خامی ہے جسے میں نے اپنی تفسیر میں محال کر دیا ہے۔ اگر مفسرین کو تفسیر لکھنے کی ضرورت تھی تو تفسیر امام باقر کو سامنے رکھتے اور اسی سے تفسیر کے فن کا مظاہرہ کرتے فرمایا کہ مفسرین نے اس تفسیر موسوم کو سامنے رکھا اور پھر بھی اقوال کو بیان کرتے گئے۔ یہ ان کی خامی ہے اور ان سب کے بارے میں میں نے بیان کر دیا ہے اور باقی تفاسیر جو مجھے پسند ہیں وہ ابی بن کعب اور امام حسن کی ہیں جن میں احادیث زیادہ ہیں اور اقوال بھی احادیث سے ملتے ہیں۔ پھر فرماتے ہیں کہ ابن عباس کی تفسیر بہترین ہے مگر اس میں اقوال زیادہ ہیں۔ انھوں نے بھی حضرت علی کی تفسیر کو سامنے رکھتے ہوئے یہی خامی کی۔ فرماتے ہیں کہ امام باقر کی تفسیر مکمل ابی بن کعب کی تفسیر مکمل اور حضرت حسن کی مکمل اور ابن عباس کی مکمل اور مجموعہ ابن زہری مکمل میرے پاس موجود ہیں۔ تفسیر خزینۃ القرآن سے پہلوں کی بھی عقدہ کشائی ہوئی ہے کہ قرآن کی تفسیر قرآن کے موافق ہو اور احادیث سے موافقت رکھتی ہو۔ جیسے کہ میرے دادا امام محمد باقر کی تفسیر ہے۔ جس کے متعلق اکثر مفسرین لکھتے ہیں کہ اس میں کوئی لفظ ایسا نہیں جو قرآن بالقرآن نہ ہو اور حدیث سے موافقت نہ رکھتا ہو۔ اور قرآن و حدیث کے موافق یہی تفسیر ہے۔ کیونکہ پہلے آپ

Marfat.com

قرآن کے لفظ کی تفسیر موافق بحث قرآن سے کرتے ہیں پھر اس لفظ سے حقیقت کو نکالتے ہیں اور پھر حدیث کے مطابق بیان کرتے ہیں۔ نیز آپ فرماتے ہیں کہ مفسرین کا یہ فیصلہ ہے کہ تفسیر امام محمد باقر ایک منفرد تفسیر ہے اور ہر طوز سے عظیم الشان ہے اور اس پر مکمل اعتماد کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ مجھے تفسیر خزینۃ القرآن لکھنے کی ضرورت یوں پیش آئی کہ اس کی روشنی میں ذرا جدت اختیار کروں اور اسے سامنے رکھ کر مفسرین کی خامیوں کی نشان دہی کروں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے وسعت عطا فرمائی اور میں نے اپنی تفسیر مکمل کی۔ جو کوئی تفسیر لکھے وہ امام باقر کو سامنے رکھے کہ اس میں حدیث تواتر حقیقی ہیں اور ان سے فوائد نکالے۔ صاحب خزینۃ القرآن بے مثل مفسر تھے۔ آپ کے بارے میں جلد اول میں بیان کر چکا ہوں۔ امام رازی نے آپ سے کافی حوالے دیئے ہیں۔ صاحب تفسیر کشف الاسرار نے بھی انھیں مفسرین کا عظیم امام مانا ہے۔ اوپر والے تمام مفسرین کا ذکر تفسیر خزینۃ القرآن کی جلد اول میں ہے۔ موصوف کی وفات ۲۶۰ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر محمد بن مصتیز قطرب بصریؒ

آپ صاحب تفسیر فرایابی اور ابن ہارون کے شاگرد تھے آپ کی تفسیر ۱۵۰۰ صفحات پر ہے اور نہایت جامع ہے۔ اس میں قواعد نحوی اور منطق بہت ہیں۔ اور تفسیر امام باقر کو بہت سراہا ہے۔ ابن عباسؓ، ابی بن کعبؓ اور ابو العالیہؒ سے حوالہ جات دیئے ہیں۔ نہایت معتبر تفسیر ہے۔ امام رازیؒ نے اس سے بہت حوالے دیئے ہیں۔ وفات ۲۱۶ ہجری میں ہوئی۔

الجامعہ سنن ابو الولید

یہ کتاب حدیث پر جامع ہے۔ احادیث کا بہت بڑا مجموعہ ہے۔ وفات ۱۵۱ ہجری میں ہوئی۔

کتاب الآثار

یہ بھی حدیث کا بڑا مجموعہ ہے۔ اس کے مصنف امام اعظم ہیں اس میں آپ فرماتے ہیں کہ اگر میں دو سال امام باقرؒ کے پاس نہ بیٹھتا تو ہلاک ہو جاتا۔ بعض لوگوں کا اس میں اختلاف ہے کہ کتاب الآثار امام اعظم کی نہیں ہے لیکن یہ بات غلط اور بے بنیاد ہے۔ تیسری صدی سے نویں صدی تک کے مفسرین و محدثین نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ کتاب الآثار امام اعظم کی ہے۔ البتہ اسے شہرت نہ ملی اور موطا امام مالک کو شہرت مل گئی۔ حالانکہ سند کے اعتبار سے یہ زیادہ مستند ہے۔ امام اعظم فرماتے ہیں کہ مجھے یہ کتاب لکھنے کا حکم امام محمد باقرؒ سے ملا۔ امام اعظم امام باقرؒ کو امام الآئمہ مانتے ہیں۔ امام اعظم فن حدیث و فقہ کے بہت بڑے مجتہد تھے۔ اور اکثر علماء نے انہی کے مسلک کو تسلیم کیا ہے۔ آپ کی وفات ۱۵۰ ہجری میں ہوئی۔

امام شہاب ابن زہریؒ

حدیث کی سند کو وضع کرنے والے پہلے محدث ہیں۔ عمر بن عبد العزیز ثانی کے دور میں تدوین حدیث کا کام شروع ہوا۔ یہ حدیث کا بہت بڑا مجموعہ ہے۔ پھر اسی طریقہ کو آپ کے شاگردوں نے بھی اختیار کیا جو آج تک جاری ہے۔ آپ امام باقرؒ کے شاگرد ہیں۔ وفات ۱۲۴ ہجری میں ہوئی۔

Marfat.com

تفسیر شیخ ابو حنیفہ بن داؤد نحوی

یہ تفسیر بھی بہت مشہور ہے۔اس میں نحو پر قواعد لکھے ہیں۔فرایابی کے شاگرد ہیں۔وفات ۲۰۹ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر بحار القرآن شیخ ابو عبیدہ معمر بن مثنیٰ بصری

فرایابی کے شاگرد تھے تفسیر ۱۱۰۰ صفحات کی ہے۔اس میں قواعد نحوی اور احادیث کافی ہیں اور سابقہ مفسرین کے بہت سے حوالے ہیں۔وفات ۲۱۰ ہجری میں ہوئی۔

نوٹ:

اس سے پہلے قرن اول وقرن ثانی کے مفسرین اوران کی تفاسیر کا تعارف درج کیا گیا ہے۔اب عرض ہے کہ صاحب خزینۃ القرآن کی سند کو قوی مانا جاتا ہے۔

آپ کے ۱۶ ہزار شاگرد تھے ان میں سے چیدہ چیدہ شاگردوں کی فہرست حسب ذیل ہے۔

محمد ابن جریر صاحب تفسیر طبری رحمۃ اللہ علیہ

آپ کے بھتیجے حسن عسکری، محمد بن اسماعیل بخاری، اسحٰق بن سعید اور سعید بن مبارک وغیرہ سب صاحب خزینۃ القرآن کے شاگرد تھے۔ان میں محمد بن جریر صاحب تفسیر طبری بھی ہیں۔تفسیر طبری بہت مشہور ہے اس میں احادیث زیادہ ہیں اور موصوف نے اپنے استاد کے طرز تحریر کو اپنایا ہے۔منطقی دلائل بہت کم ہیں جو بالروایت ہیں تفسیر خزینۃ القرآن، مقاتل، ابی سفیان ثوری، ابی بن کعب، امام محمد باقر، ابن عباس، مجاہدی، ابوقتادہ، ابوالعالیہ اور اسود بن یزید تابعی رضی اللہ عنہم کے حوالے بیان کیے ہیں۔تمام کتب تفاسیر میں تفسیر امام محمد باقر اور خزینۃ القرآن کو سراہا ہے۔اور انھیں جامع تفاسیر مانا ہے۔فرماتے ہیں کہ یہی لوگ حامل قرآن اور وارث قرآن ہیں۔تفسیر طبری بھی ضخیم ہے اور کتب خانوں میں موجود ہے اس کے تیس ہزار اوراق ہیں اور ۱۴ جلدوں میں مرقوم ہے۔اس میں تین ہزار اوراق کو خلاصہ کر دیا ہے۔آپ کی وفات ۳۱۰ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر تنزیل القرآن

اس کے مصنف احمد بن موسیٰ المبرقع ہیں جو اپنے والد اور دوسرے علماء کے شاگرد تھے۔تفسیر میں منطق، معقول، فلسفہ اور احادیث پر زور دیا ہے اور حدیث متواتر نقل کی ہیں۔آپ بھی اپنے اجداد کی طرح بے مثال مفسر تھے۔تفسیر میں اپنے والد کی تفسیر سے تلخیص کر کے اسے جدت دی ہے۔علم نحو اور لغات کو تفصیلاً بیان کیا ہے۔آپ کی بیعت اپنے والد سے تھی۔موصوف نے احادیث پر بھی کتاب لکھی۔منطق اور فلسفہ پر بھی آپ کی کئی کتابیں ہیں۔امام اعظم کے مسلک پر تھے۔آپ کی احادیث سے مسلک امام اعظم کو خاصی تقویت پہنچتی ہے۔والد کی تفسیر سے اس لیے تلخیص کیا کہ طلباء کے لیے آسانی ہو۔موصوف بہت ریاضت فرماتے تھے۔اور ولی کامل تھے۔بخارا میں تدریس کا کام انجام دیا۔علماء بخارا اور علماء مدینہ آپ کے علم کا اعتراف کرتے تھے۔آپ کی شہرت پورے عالم میں تھی۔آپ کو اور آپ کے والد صاحب کو مفسرین کا استاد مانا جاتا ہے آپ پر ولایت غالب تھی خلفائے بنو عباسیہ آپ سے دبتے تھے۔ایک مرتبہ معتصم باللہ نے فتویٰ کی غرض سے آپ کو بذریعہ قاصد اپنے دربار میں بلوایا۔جب قاصد نے حاضر ہو کر خلیفہ کا حکم سنایا تو آپ نے تھپڑ مارا اور نامہ کو پھاڑ کر اپنے پاؤں تلے روندا اور فرمایا کہ جا کر اپنے خلیفہ سے کہو کہ میں اپنے علم کا دروازہ طمع کے لیے نہیں کھولوں گا۔قاصد نے جا کر ویسے ہی کہہ دیا۔دوسرے دن خلیفہ وقت اپنے مشیروں وزیروں کے ہمراہ آپ کے آستانہ پر حاضر ہوا۔آپ اس وقت

Marfat.com

حدیث وتفسیر پڑھا رہے تھے۔ خلیفہ کو وقت نہ دیا۔ جب آپ فارغ ہوئے تو خلیفہ نے اجازت چاہی لیکن فرمایا کہ میں ذکر الٰہی میں مشغول ہوں۔ حتیٰ کہ چار روز تک مسلسل آتا رہا اور آپ نے وقت نہ دیا۔ پانچویں دن اسے باریابی ہوئی تو اس نے آپ کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ دیا۔ آپ نے فرمایا۔ یہ کیا کر رہا ہے۔ رک جا کہ کہیں میرے نفس میں یہ بات نہ آجائے کہ خلیفہ وقت میرے گھٹنوں کو ہاتھ لگا رہا ہے اور میرے نفس میں تکبر پیدا ہو۔ عرض کیا۔ حضرت! مجھے نصیحت فرمائیے۔ آپ نے فرمایا عدل کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دو۔ محتاجوں کی دستگیری کرو۔ اس نے کہا۔ میں آپ کی خدمت میں قاضی القضاۃ کا عہدہ پیش کرتا ہوں اور ایک حکمنامہ لکھا۔ آپ نے اس پرچے کو پھاڑ ڈالا اور فرمایا کہ کیا تجھے یاد نہیں کہ تیرے والد نے بھی میرے والد گرامی کے ساتھ ایسا کرنے کی کوشش کی تھی اور اب تو بھی یہ چاہتا ہے کہ میں علم کے دروازے لوگوں پر بند کردوں اور خود حرص وطمع کی لپیٹ میں آجاؤں۔ معاذ اللہ! ایسا کبھی نہ سوچنا۔ صاحب طبری آپ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ آپ نے دو ہزار سے زائد کتابیں تصنیف کیں۔ آپ کی اولاد انڈیا اور عرب میں پھیل چکی ہے۔ آپ کی اولاد میں بھی اکثر مفسرین ومحدثین ہوئے ہیں۔ جن کے حالات آئندہ اوراق میں بیان ہوں گے۔ فقیر کا نسبی تعلق بھی آپ سے ہی وابستہ ہے۔ آپ کی وفات ۳۰۰ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر سعید بن مبارک اصفہانیؒ

آپ صاحب خزینۃ القرآن کے شاگرد تھے۔ یہ تفسیر دو ہزار صفحات کی ہے۔ تفسیر میں منطق، فلسفہ اور احادیث کو بھی خوب بیان فرمایا ہے۔ آپ مسلک امام اعظم پر تھے۔ صاحب خزینۃ القرآن کے بارے میں فرماتے ہیں کہ آپ نے سابقہ مفسرین کی بھی عقدہ کشائی کردی۔ تفسیر میں احادیث پر زیادہ زور دیا ہے۔ آپ کی وفات ۲۸۶ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر حسن عسکریؒ

حسن عسکری بن علی بن محمد بن علی بن موسیٰ کاظمؒ۔ آپ صاحب خزینۃ القرآن کے بھتیجے تھے۔ اور شاگرد بھی تھے۔ یہ تفسیر ۱۳۰۰ صفحات کی ہے آپ نے اپنے استاد اور چچا کی طرز اختیار کی اور تفسیر امام محمد باقر سے تلخیص کی۔ یہ تفسیر بھی جداگانہ رنگ میں ہے۔ آپ بھی امام اعظم کے مسلک کو سراہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ میرے جدامجد امام جعفر صادق اور امام اعظم کا فقہ میں کوئی اختلاف نہیں تھا۔ اور جو اختلاف کرتا ہے وہ صرف فتنہ کو اختیار کرتا ہے۔ آپ نے یہ بحث شروع تفسیر کے مقدمہ میں فرما دی ہے اور ابن عباس اور ابی بن کعب کے بہت سے حوالے دیئے ہیں اور اپنے دادا امام باقر اور چچا کی تفسیروں کو عظیم الشان قرار دیا ہے۔ یہ تفسیر تہران (ایران) میں طبع ہوئی ہے اور مسلک اہلسنت کے حق میں یہ بہترین ہے۔ اس سے ہم اپنے مسلک حقہ کا دعویٰ مسلک شیعہ پر کر سکتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ ہم ابوبکر وعمر وعثمان وعلی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی سنت پر ہیں۔ یہ چاروں رسول اللہ ﷺ کی آنکھوں کے تارے ہیں۔ جس نے انھیں چھوڑا وہ گمراہ ہوا۔ یہ بحث سورۃ واللیل پارہ ۳۰ کے آخر میں ہے۔ اور تفسیر حسن عسکری میں کافی گمراہ فرقوں کا رد ہے۔ اسی سورۃ مذکورہ کی آخری بحث میں فرماتے ہیں کہ روافض ہماری محبت کا جھوٹا دعویٰ کرتے ہیں۔ حالانکہ شیعہ اس کو اپنی تفسیر سمجھتے ہیں۔ اس بحث کا بغور مطالعہ کریں تو انھیں اپنا رد معلوم ہوگا۔ اپنے والد اور چچا سے لے کر حضرت علی تک جتنے بھی آئمہ اہل بیت گزرے ہیں ان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ ان چار یاروں کو نبی پاک ﷺ کے تارے کہتے تھے۔ جس نے بھی انھیں چھوڑا وہ گمراہ ہوا۔ موصوف اپنے چچا سے بیعت تھے۔ دین کی بڑی خدمت کی۔ آپ کی تفسیر کے حوالے فقیر اپنی تفسیر میں دے چکا ہے۔ آپ کی وفات ۳۴۰ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر فرقان القرآن

یہ تفسیر ۲۲۰۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کے مصنف محمد عبداللہ بن احمد بن موسیٰ المبرقع ہیں۔ آپ علوم وفنون میں اپنے والد کے شاگرد تھے۔ تفسیر میں علوم منطق،

Marfat.com

نحو، معانی، لغات اور احادیث پر کافی زور دیا ہے اور لکھنے میں اپنا جداگانہ رنگ رکھا ہے اور مذکورہ تمام تفاسیر سے حوالہ جات دیئے ہیں۔ جن میں تفسیر امام باقر، ابن عباس اور خزینۃ القرآن رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے حوالہ جات زیادہ ہیں۔ آپ کی اولاد انڈیا اور روس میں آباد ہے۔ آپ کے بھائی محمد اور بدرالدین رحمۃ اللہ علیہما مفسر اور محدث تھے۔ وفات ۳۲۵ ہجری میں ہوئی۔ نیز آپ نے منطق پر بھی کتابیں لکھی ہیں۔ یہ تفسیر پانچ جلدوں میں ہے اور بیروت سے شائع شدہ ہے۔ آپ بھی امام اعظم کے مسلک پر تھے۔ تفسیروں میں امام باقر کی تفسیر کی عظیم مانتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اس میں علوم کے بیش بہا سمندر ہیں۔

تفسیر فرقان القرآن کا طرز تحریر جداگانہ اور بہت اعلیٰ ہے۔ اپنے اجداد کی تفاسیر کو سامنے رکھا ہے۔ فرماتے ہیں کہ مجھے اپنے والد نے تفسیر خزینۃ القرآن اور تفسیر امام باقر کی حفاظت کا حکم فرمایا ہے اور میں اپنے آباؤ اجداد کی کتب کی پوری حفاظت کرتا ہوں۔ فرماتے ہیں کہ یہ منطق و فلسفہ کا دور ہے اس لیے میں نے ان تینوں تفسیروں کو سامنے رکھ کر ان سے منطق اور فلسفہ کو تلخیص کر دیا ہے۔

تفسیر احمد بن سعید بن داؤدؒ

یہ تفسیر ۵۰۰ صفحات پر ہے۔ آپ نے کافی فیض عام کیا ہے اور بہت سے علماء آپ کے شاگرد ہیں۔ آپ احمد بن موسیٰ کے شاگرد تھے۔ تفسیر میں احادیث اور منطق پر زور دیا ہے۔ آپ علم تفسیر و احادیث کو بہترین انداز میں پڑھاتے تھے۔ وفات ۳۴۴ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر اسحٰق بن عبداللہ

آپ کی تفسیر چار سو صفحات کی ہے۔ آپ محمد بن عبداللہ بن احمد بن موسیٰ کے شاگرد تھے۔ آپ نے بھی اپنے دادا استاد کی تفسیر خزینۃ القرآن سے بقدر وسعت علم منطق اور فلسفہ بیان کیا ہے۔ آپ ایک ممتاز مفسر تھے۔ تفسیر میں احادیث پر زور دیا ہے۔ اس میں نحوی فوائد بھی ہیں۔ ابوالعالیہ، اسود بن یزید تابعی اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے کافی حوالے دیئے ہیں۔ آپ نے اور بھی کئی کتابیں لکھی ہیں۔ آپ کی وفات ۳۵۸ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر نور القرآن

یہ تفسیر احمد ثانی بن محمد عبداللہ بن احمد بن موسیٰ کی ہے۔ آپ نے علوم وفنون اپنے والد سے پڑھے۔ یہ تفسیر چار جلدوں میں ہے اس میں منطق، فلسفہ، احادیث، علم نحو اور لغات پر کافی زور دیا ہے۔ اور تفسیر کو جامع انداز میں بیان کیا ہے۔ تفاسیر ابن عباس، امام باقر، ابوالعالیہ، ابی بن کعب اور خزینۃ القرآن سے بہت حوالے دیئے ہیں۔ اور خزینۃ القرآن اور تفسیر امام باقر کو بہت سراہا ہے۔ فرماتے ہیں کہ یہ دونوں ام العلوم ہیں۔ فرماتے ہیں کہ میرے اجداد میں مفسرین و محدثین ہوئے ہیں وہ حامل قرآن اور وارث قرآن تھے اور خاندان رسول ﷺ کے ممتاز فرد تھے اور میرے آباؤ اجداد خانوادہ حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہیں اور میرے جد امجد امام جعفر صادق کے بعد ہمارے خاندان پر کافی مصیبتیں گزری ہیں۔ ہمارے جد اعلیٰ امام موسیٰ کاظم ہجرت کر کے کاظمین آئے اور آپ کے بیٹے علی رضا کاظمین سے ہجرت کر کے مشہد آئے۔ پھر ان کے بیٹے محمد واپس کاظمین ہجرت کر گئے۔ مزار وہیں پر ہے۔ ان کے بیٹے موسیٰ صاحب خزینۃ القرآن ہجرت فرما ہوئے اور وہیں تفسیر لکھی۔ کچھ عرصہ کے لیے بخارا تشریف لے گئے پھر واپس قم تشریف لائے اور وہیں آپ کا انتقال ہو گیا۔ آپ کی اولاد انڈیا، قم اور کاظمین میں آباد ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ میرے آباؤ اجداد نے دین کی بڑی خدمت کی۔ میرے دادا احمد کچھ عرصہ قم میں رہے۔ پھر بخارا تشریف لے گئے اور پھر واپس قم تشریف لے آئے۔ ان کے چار صاحبزادے تھے۔ جن کی اولاد دنیا بھر میں موجود ہے۔ میرے بھی تین بھائی ہیں۔ محمود مفسر و محدث۔ نصیر الدین مفسر و محدث اور فخر الدین مفسر و محدث۔ موصوف احمد ثانی کامل ولی اللہ تھے۔ آپ نے بھی دین کی بہت خدمت کی ہے۔ آپ کی وفات ۳۸۰ ہجری میں ہوئی۔

Marfat.com

تفسیر عبد الرزاقؒ

آپ ابو العالیہ اور ابی سفیان ثوری کے شاگرد تھے۔ یہ تفسیر جامع ہے۔ اس کے چار ہزار ورق ہیں۔ تفسیر میں احادیث کو بہت جمع کیا۔ اور مسند عبد الرزاق کے نام سے سند بھی مشہور ہے۔ امام عبد الرزاق کی شخصیت بڑی عظیم ہے۔ آپ حافظ الحدیث تھے۔ امام شافعی کے استاد تھے۔ نبی پاک ﷺ سے بہت محبت تھی۔ آپ کی وفات ۲۱۱ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر علی بن مدینیؒ

آپ صاحب خزینۃ القرآن کے شاگرد تھے۔ تفسیر تین جلدوں میں ہے۔ نحو، منطق اور حدیث کو بیان کیا ہے۔ آپ حنفی العقیدہ تھے۔ وفات ۲۳۴ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد کوفیؒ

آپ صاحب خزینۃ القرآن کے شاگرد تھے۔ تفسیر دو جلدوں میں ہے۔ احادیث، اقوال اور تصوف کو بیان فرمایا ہے۔ آپ حنفی تھے۔ امام باقر کی تفسیر کو پسند کرتے تھے۔ ابن عباسؓ کے حوالے بھی دیئے۔ تفسیر امام باقر اور خزینۃ القرآن کو بہت مانتے اور فرمایا کہ یہ قرآن کی اصل تفسیر ہے اور فرماتے ہیں کہ محمد بن علی بن موسیٰ بن جعفر صادق بہت بڑے عالم تھے۔ اور خلیفہ مامون الرشید آپ کا معترف تھا۔ حتیٰ کہ اپنی بیٹی ام الفضل کا نکاح بھی آپ سے کر دیا۔ ایک دفعہ قاضی یحییٰ بن اقم سے آپ کا مناظرہ کرایا۔ آپ نے اسے شکست دی۔ پھر ہر سو آپ کے علم کا چرچا ہو گیا۔ آپ کو دو صاحبزادے تھے۔ علی و موسیٰ جو صاحب خزینۃ القرآن ہیں جو میرے استاد ہیں اور اس صدی میں بھی آپ کی شہرت ہے آپ بھی امام الآئمہ ہیں۔ امام موصوف نے آپ کی بہت تعریف کی ہے اور عظیم الشان کہا ہے۔ امام موصوف کی وفات ۲۳۵ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر رغائب القرآن

اس کی پانچ جلدیں ہیں مصنف شیخ ابی مردان عبد الملک بن حبیب مالکی قرطبی۔ آپ بھی صاحب خزینۃ القرآن کے شاگرد تھے۔ آپ مالکی تھے۔ تفسیر میں امام مالک کے بہت سے حوالے دیئے۔ کچھ درایت بھی اختیار کی۔ تاویلات بھی ہیں۔ ابن عباس کی تفسیر سے بہت اختلاف تھا۔ وفات ۲۳۹ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر ابو یعقوب اسحٰق بن ابراہیم بن مخلد حنظلیؒ

یہ تفسیر سات جلدوں میں ہے۔ آپ صاحب خزینۃ القرآن کے شاگرد تھے۔ مسلک شافعی تھا۔ تفسیر میں امام شافعی کے بہت حوالے ہیں۔ لیکن منصف تھے۔

Marfat.com

امام اعظم کو بہت سراہتے تھے۔ لیکن امام اضحاد سے بہت اختلاف ہے۔ تفسیر میں کچھ درایت بھی فرمائی۔ تاویلات بھی کی ہیں۔ ابن عباس کی تفسیر کے ساتھ آپ کو بہت اختلاف ہے۔ انکی تفسیر بہت جامع ہے۔ وفات ۲۲۸ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر ابوالحسن علی بن حجر سعدیؒ

آپ صاحب خزینۃ القرآن کے شاگرد تھے۔ تفسیر سات سو صفحات پر ہے۔ مسلک حنفی تھا۔ تفسیر گو مختصر ہے۔ مگر جامع ہے۔ نحوی قواعد اور احادیث کافی ہیں۔ طرز تحریر عظیم الشان ہے۔ وفات میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک ۲۴۴ ہجری اور بعض کے نزدیک ۲۴۸ یا ۲۴۹ ہجری ہے۔

تفسیر احکام القرآن قاضی ابی اسحٰق اسمٰعیل بن اسحٰق ازدی

یہ تفسیر تین جلدوں میں ہے۔ آپ صاحب خزینۃ القرآن کے آخری شاگرد ہیں۔ مسلک حنفی تھا۔ تفسیر میں تصوف اور احادیث کو بیان کیا اور تفسیر خزینۃ القرآن اور تفسیر امام محمد باقر کو زیادہ پسند فرمایا۔ تفسیر صدی سے اختلافات بھی کیے ہیں۔ آپ نے تصوف کو احادیث سے بیان فرمایا ہے۔ آپ کی وفات ۲۸۲ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر سجود القرآن احمد عربی

آپ صاحب خزینۃ القرآن کے شاگرد تھے۔ تفسیر چار جلدوں میں ہے۔ مسلک شافعی تھا۔ آپ نے تفسیر میں اقوال، احادیث اور منطق پر زور دیا۔ ابن عباس، حضرت حسن، امام باقر، ابوالعالیہ اور خزینۃ القرآن کی تفسیروں کو زیادہ پسند فرمایا۔ آپ کی وفات ۲۵۰ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر کتاب الشواذ شیخ ابوالعباس احمد بن یحییٰ ثعلب نحوی

آپ حضرت احمد بن موسیٰ المبرقع کے شاگرد تھے۔ تفسیر آٹھ جلدوں میں ہے۔ تفسیر میں آپ نحو کے امام ہیں اور تفسیر خزینۃ القرآن اور امام محمد باقر کو زیادہ چاہا اور باقی تفسیروں کے مختصر حوالے دیئے ہیں۔ آپ کے مسلک پر اختلاف ہے۔ بعض نے حنفی اور بعض نے شافعی کہا ہے۔ لیکن تحریر سے پتہ چلتا ہے کہ حنفی تھے۔ آپ کے حوالے بھی امام رازی نے بہت دیے۔ وفات ۲۹۱ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر نسفی امام ابراہیم بن قاضی ابراہیم بن معقل نسفیؒ

آپ بھی احمد بن موسیٰ کے شاگرد تھے۔ تفسیر ۸۰۰ صفحات کی ہے اس میں منطق، نحو اور احادیث کو بیان کیا ہے۔ تفسیر امام محمد باقر، خزینۃ القرآن، مقاتل، ابن عباس اور ابوالعالیہ کو زیادہ پسند کیا اور ان کے بہت سے حوالے دیے ہیں۔ مسلک شافعی تھا۔ وفات ۲۹۵ ہجری میں ہوئی۔

GIFT BOOK
ACC. 0...1776.......
Date...16-10-2024.....
P.U. LIBRARY LHR.

Marfat.com

قرنِ رابع کے مفسرین

تفسیر انماطی امام ابواسحٰق ابراہیم بن اسحٰق نیشاپوری

یہ تفسیر سات جلدوں میں ہے۔ آپ بھی احمد بن موسیٰ کے شاگرد تھے۔ تفسیر میں احادیث اور آیات قرآنی کی کئی طرح سے تفسیر کی ہے۔ خزینۃ القرآن، امام باقر، امام جعفر صادق، ابن عباس، ابی بن کعب اور حضرت حسن رضی اللہ عنہم کی تفاسیر کو زیادہ پسند کیا اور حوالے دیے ہیں اور باقی تفاسیر سے مختصر حوالے دیئے ہیں۔ وفات ۳۰۵ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر قمی شیخ ابوالحسن علی بن موسیٰ بن یزدار قمیؒ

یہ تفسیر غیر معتبر ہے اس میں آئمہ اہل بیت کے حوالہ جات غلط بیان کیے ہیں جن کا وجود آئمہ اہل بیت کی تفاسیر میں نہیں ہے بلکہ اپنے مسلک کی پیروی میں غلط اقوال کے حوالے دیے ہیں۔ لوگ اس تفسیر سے بہت سے حوالے دیتے ہیں۔ اس کے کچھ اقوال نحوی ہیں اور بعض ایسے بھی ہیں جو مسلک احناف کے موافق ہیں۔ مصنف کی وفات ۳۰۵ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر اعجاز القرآن محمد بن یزید واسطیؒ

آپ احمد بن موسیٰ کے شاگرد تھے۔ تفسیر پانچ جلدوں میں ہے۔ اس میں منطق اور فلسفہ زیادہ بیان کیا اور احادیث پر بھی کافی زور دیا ہے۔ تفسیر خزینۃ القرآن اور سابقہ تفاسیر کے بہت سے حوالے دیئے ہیں۔ وفات ۳۰۶ ہجری میں ہوئی۔ اس کا حاشیہ ہرجرجانی نحوی نے لکھا۔ اس میں تصوف اور احادیث زیادہ ہیں۔ امام رازی نے لکھا ہے کہ آپ حنفی تھے۔

تفسیر معنی القرآن معروف بہ تفسیر ازجاج

یہ تفسیر دو جلدوں میں ہے اسکے مصنف بھی احمد بن موسیٰ کے شاگرد تھے۔ اس میں منطق کو بیان کیا گیا ہے اور تفسیر ازحاق پر اعتراضات ہیں۔ تفسیر نہایت جامع ہے۔ وفات ۳۱۰ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر ابواسحاق ابراہیم بن نسریؒ 66675

Marfat.com

آپ احمد بن موسیٰ کے شاگرد تھے۔ تفسیر ۱۲۰۰ صفحات ہیں۔ اس میں شان نزول کا بیان ہے اور آیت کے ساتھ مختصر تفسیر کی ہے۔ نہایت جامع ہے۔ مسلک حنفی تھا۔ وفات ۳۱۰ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر احکام القرآن از علامہ طحاویؒ

احمد بن موسیٰ کے شاگرد تھے تفسیر ۹ جلدوں میں ہے۔ احادیث بکثرت ہیں۔ مفسرین کے اقوال پر بہترین بحث کی ہے۔ ابن عباسؓ اور ابی بن کعبؓ کے حوالے زیادہ دیے ہیں باقی مفسرین کے حوالے بھی دیے ہیں۔ تفسیر از حاق پسندیدہ ہے۔ البتہ کچھ اقوال غیر معتبر بھی ہیں۔ امام طحاوی بہت بڑے مفسر، محدث اور فقیہہ تھے۔ اور ان کے حوالے بہت سے لوگ دیتے ہیں۔ مسلک حنفی تھا اور وفات ۳۲۱ ہجری مین ہوئی۔

تفسیر مصادر القرآن ابراہیم بن یزید حنفیؒ

احمد بن موسیٰ کے شاگرد تھے۔ تفسیر چھ جلدوں میں ہے۔ اس میں نحو، منطق اور فلسفہ کو بیان کیا ہے۔ احادیث اور فقہ پر کافی زور دیا ہے۔ امام باقر، ابن عباس، حضرت حسن، حسن بصری اور خزینۃ القرآن کے حوالے زیادہ ہیں۔ آپ کی وفات ۳۲۵ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر ابن ابی حاتم رازیؒ

آپ بھی احمد بن موسیٰ کے شاگرد تھے۔ اس تفسیر کے ۱۴۰۰ صفحات ہیں۔ منطق پر نکات بیان کیے ہیں۔ تفسیر میں تاویلات بہت ہیں۔ خزینۃ القرآن اور طبری کے حوالے زیادہ دیے ہیں۔ آپ شافعی تھے اور وفات ۳۲۷ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر ابن المنذر رامام ابوبکر بن ابراہیم نیشاپوری

احمد بن موسیٰ کے شاگرد تھے۔ تفسیر ۱۸۴۰ صفحات کی ہے اس میں احادیث اور فقہ کا بیان ہے۔ فقہی مسائل کا نچوڑ قرآن اور حدیث سے کیا ہے۔ ضعیف احادیث کی نشاندہی بھی کی ہے۔ تفسیر طبری، امام محمد باقر، خزینۃ القرآن، قطرب اور تفسیر ثعلبی کے کافی حوالہ جات دیئے ہیں اور انہی کو معتبر مانا ہے۔ مسلک شافعی تھا۔ وفات ۳۱۸ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر کعبی شیخ ابوالقاسم عبداللہ بن احمد معتزلی معروف بہ کعبی

یہ تفسیر ۱۲ جلدوں میں ہے۔ آپ احمد بن موسیٰ کے شاگرد تھے۔ لکھا ہے کہ آپ نے فرمایا تھا کہ میرا یہ شاگرد فرقہ معتزلہ کا امام ہوگا۔ تفسیر میں منطقی دلائل بہت دیے ہیں لیکن تفسیر مین خاصی گڑبڑ کی ہے خاص کر ابن عباسؓ سے اختلاف کیا ہے۔ اور ان کو رئیس المفسرین ماننے سے انکار کیا ہے۔ تفسیر امام باقر کو پسند کیا ہے لیکن ان کے منطق اور فلسفہ کو بیان کرتے وقت اس کا صحیح مفہوم اخذ نہیں کر سکے۔ حالانکہ ان کے حوالے بہت دیے ہیں۔ اس تفسیر کی تعریف کی ہے اور امام باقر کو امام الآئمہ مانا ہے۔ باقی مفسرین پر تنقید کی ہے لیکن ان کی تنقید غلط اور بے بنیاد ہے۔ خزینۃ القرآن کی تعریف کی لیکن پھر معتزلہ کو کیوں اختیار کیا؟ خصوصاً رسول اللہ ﷺ کے شفیع محشر

Marfat.com

ہونے سے انکار کیا اور آپ نے اپنے سابقہ علماء معتزلہ کو بیان کیا اور انھیں سراہا۔ امام احمد بن حنبل پر بہت زیادہ نکتہ چینی کی ہے۔ اور انھیں بھی معاف نہیں کیا۔ موصوف کی وفات ۳۱۹ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر جامع التاویل محمد بن بحر اصفہانی

آپ احمد بن موسیٰ کے شاگرد تھے۔ تفسیر گیارہ جلدوں میں ہے۔ احادیث کو زیادہ بیان کیا ہے خزینۃ القرآن کا طرز تحریر ہے۔ منطق اور فلسفہ کافی بیان کیا ہے۔ ابن عباس، امام باقر، محمد بن کعب قرظی، ابی بن کعب اور حضرت حسن رضی اللہ عنہم کے زیادہ حوالے دیے ہیں۔ خزینۃ القرآن کے حوالے بھی ہیں۔ تفسیر میں اقوال آئمہ، فقہا کو زیادہ بیان کیا ہے۔ فقیر کو بہت پسند ہے۔ مسلک شافعی تھا۔ وفات ۳۲۲ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر امام ابوالحسن اشعری امام اہل سنت

احمد بن موسیٰ کے شاگرد تھے۔ تفسیر آٹھ جلدوں میں ہے۔ احادیث زیادہ بیان کی ہیں اور اقوال آئمہ کے دلائل کو روشنی میں امام اعظم کے مسلک کو بہترین مانا ہے۔ جو آئمہ وفقہا کے لیے علم کا سمندر ہے۔ آپ کے استاد بھی آپ سے بہت خوش رہتے تھے۔ تفسیر امام باقر، ابن عباس، ابی بن کعب، ابوالعالیہ، شکیل بن عباد، امام وراق، طبری اور خزینۃ القرآن کے حوالے زیادہ دیے ہیں۔ اور انہی تفاسیر کو معتبر مانا ہے۔ لغات کو بھی بیان فرمایا۔ آپ حنفی مسلک پر تھے۔ وفات ۳۲۰ ہجری میں ہوئی۔

اختلاف المصاحف امام ابوحاتم سہیل بن محمد بجستانیؒ

صاحب خزینۃ القرآن کے شاگرد تھے تفسیر تین جلدوں میں ہے۔ آپ سے جو تفسیر درایت ہوئی ہے اس کی مخالفت کی اور احادیث کی اقسام بیان کیں۔ تفسیر میں فقہ کو زیادہ بیان کیا۔ ابن عباس، امام باقر، ابوالعالیہ، صدی اور اسود بن یزید کے کافی حوالے دیے ہیں۔ اقوال کو بھی کافی بیان کیا ہے۔ وفات ۲۴۸ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر عبد بن حمید رحمۃ اللہ علیہ

آپ صاحب خزینۃ القرآن اور ابن داؤد المصیفی کے شاگرد تھے تفسیر ۱۳۰۰ صفحات پر ہے نحوی قواعد اور منطقی قواعد اور ترکیب کو کافی بیان کیا ہے۔ مفسرین پر ایک جائزہ بھی لکھا ہے۔ وفات ۲۴۹ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر عبدالرحمٰن یقی بن مخلد قرطبی

صاحب خزینۃ القرآن کے شاگرد تھے۔ تفسیر چھ جلدوں میں ہے۔ اس میں منطق، فلسفہ، نحو اور احادیث کو کافی بیان کیا ہے۔ اقوال آئمہ خوب بیان کیے۔ آپ حنفی تھے۔ وفات ۲۷۶ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر العزیز شیخ ابوبکر محمد بن عزیز بجستانی

Marfat.com

احمد بن موسیٰ کے شاگرد تھے تفسیر دو جلدوں میں ہے نحو، قواعد اور منطق کافی بیان کیے۔ اقوال زیادہ لکھے ہیں اور احادیث مختصر ہیں۔ مسلک حنفی تھا۔ وفات ۳۳۰ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر الحزقی شیخ ابوالقاسم عمر بن حسین دمشقی حنبلی

احمد بن موسیٰ اور دیگر علماء کے شاگرد تھے تفسیر تین جلدوں میں ہے تفسیر میں منطق فقہ پر زور دیا لیکن اقوال آئمہ کو بیان کرتے ہوئے مسلک امام احمد بن حنبل کو زیادہ بیان کیا ہے۔ ایک بات اور ہے کہ آپ حدیث خبر واحد کو زیادہ بیان کرتے ہیں اور مسلک کو اس سے زیادہ بیان کرتے ہیں۔ وفات ۳۳۸ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر النحاس شیخ ابوجعفر احمد بن محمد نحوی مصری رحمۃ اللہ علیہ

آپ احمد بن موسیٰ کے شاگرد تھے تفسیر تین جلدوں میں ہے۔ نحوی قواعد ہیں۔ فقہی مسائل ہیں۔ مختصر احادیث ہیں جامع تفسیر ہے۔ وفات ۳۳۸ ہجری میں ہوئی۔

احکام القرآن شیخ ابومحمد قاسم بن اصبغ قرطبیؒ

احمد بن موسیٰ کے شاگرد تھے۔ تفسیر چار جلدوں میں ہے۔ نہایت جامع ہے۔ منطق، فلسفہ، اقوال آئمہ اور احادیث کو زیادہ بیان کیا ہے۔ سابقہ مفسرین کے حوالے دیئے ہیں۔ امام باقر، ابن عباس، خزینۃ القرآن کی تفسیریں پسند ہیں۔ وفات ۳۴۰ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر ابن مقسم شیخ محمد بن حسن معروف ابن مقسم رحمۃ اللہ علیہ

احمد بن موسیٰ کے شاگرد تھے۔ تفسیر تین جلدوں میں ہے۔ تاویلات کو زیادہ اختیار کیا۔ اقوال بہت ہیں۔ مختصر احادیث ہیں۔ آپ حنفی تھے وفات ۳۴۱ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر ابن دستوی شیخ عبداللہ بن جعفر نحوی رحمۃ اللہ علیہ

آپ محمد عبداللہ بن احمد بن موسیٰ کے شاگرد تھے تفسیر کی چار جلدیں ہیں۔ تفسیر میں نحو اور منطق زیادہ بیان کیا۔ نحو میں مدقق ہیں۔ احادیث بھی ہیں۔ ان کے نحوی حوالے بہت دیے ہیں۔ آپ شافعی تھے۔ وفات ۳۴۷ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر شفاء الصدور شیخ ابوبکر محمد بن حسین معروف نقاش موصلی

محمد بن عبداللہ بن احمد بن موسیٰ کے شاگرد تھے۔ تفسیر ۳ جلدوں میں ہے۔ انہوں نے تصوف، منطق، فلسفہ اور احادیث کو زیادہ بیان کیا ہے۔ منطقی دلائل کو احادیث سے ثابت کیا ہے۔ حنفی تھے۔ وفات ۳۵۱ ہجری میں ہوئی۔

Marfat.com

تاج المعانی فی تفسیر سبع المثانی شیخ ابونصر منصور بن سعید بن حسنؒ

آپ محمد عبداللہ بن احمد بن موسیٰ کے شاگرد تھے۔ تفسیر پانچ جلدوں میں ہے۔ منطق اور فلسفہ کو بہترین طور پر بیان کیا۔ مسائل فقہ پر بہت بحث کی ہے۔ احادیث کو کافی بیان کیا ہے۔ سابقہ مفسرین کے حوالہ جات دیئے ہیں۔ آپ شافعی تھے۔ وفات ۳۵۳ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر نیشاپوری شیخ احمد بن محمد نیشاپوری

آپ محمد عبداللہ بن احمد کے آخری شاگرد تھے۔ تفسیر چھ جلدوں میں ہے۔ تفسیر میں سابقہ مفسرین کے حوالوں کے ساتھ ساتھ جدت بھی اختیار کی ہے۔ وفات ۳۸۳ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر ابن حبان شیخ عبداللہ محمد بن جعفر البستی

آپ محمد عبداللہ بن احمد کے شاگرد تھے۔ تفسیر دو جلدوں میں ہے۔ آیات کے ساتھ مختصر تفسیر اور شان نزول بیان کیا ہے۔ آپ حنفی تھے۔ وفات ۳۵۴ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر بن حبان شیخ ابوعبداللہ محمد بن حبان معروف بہ ابن الشیخ حنفیؒ

محمد عبداللہ بن احمد کے شاگرد تھے تفسیر کے ۱۵۰۰ صفحات ہیں۔ تصوف، نحوی قواعد اور اقوال فقہ اور احادیث بیان کی ہیں۔ وفات ۳۶۹ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر شیخ ابی منصور محمد بن احمد ازہریؒ

محمد عبداللہ بن احمد کے شاگرد تھے۔ تفسیر دو جلدوں میں ہے۔ احادیث اور منطق زیادہ بیان کیا ہے۔ کچھ اختلافات بھی ہیں لیکن تفسیر بہتر ہے۔ وفات ۳۷۰ ہجری میں ہوئی۔

احکام القرآن شیخ ابوبکر احمد بن محمد جصاص رازیؒ

آپ محمد عبداللہ بن احمد کے شاگرد تھے۔ تفسیر چھ جلدوں میں ہے۔ اس میں علم کلام، منطق، فلسفہ، علم احادیث اور فقہ کو زیادہ بیان کیا ہے۔ اقوال آئمہ پر خوب بحث کی ہے۔ وفات ۳۷۰ ہجری میں ہوئی۔

Marfat.com

تفسیر ابی اللیث ثمر قندی شافعیؒ

آپ محمد عبداللہ بن احمد کے شاگرد تھے۔ تفسیر دو جلدوں میں ہے۔ تفسیر میں تصوف۔فقہ۔احادیث اور تاویلات کو پسند کیا ہے۔مفسرین کے حوالے بہت دیے ہیں۔وفات ۳۸۳ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر ابن عطیہ قدیم شیخ ابو محمد عبداللہ بن عطیہ دمشقی رحمۃ اللہ علیہ

آپ بھی محمد عبداللہ بن احمد کے شاگرد تھے۔ یہ تفسیر چار جلدوں میں ہے۔ مفسرین سابقہ کے حوالہ جات بیان کر کے اس میں جدت اختیار کی ہے۔ تفسیر امام محمد باقر سے زیادہ حوالے دیے ہیں۔آپ کی وفات ۳۸۳ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر الرمائی شیخ ابی الحسن علی بن عیسیٰ نحوی رحمۃ اللہ علیہ

آپ محمد عبداللہ بن احمد کے شاگرد تھے۔تفسیر چھ جلدوں میں ہے۔اس میں نحوی قواعد اور احادیث زیادہ ہیں۔اور نحویوں نے آپ کو امام مانا ہے۔آپ شافعی تھے۔وفات ۳۸۴ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر الافوی شیخ محمد بن احمد المقری الحنفیؒ

آپ کی تفسیر کا نام الاستغانی علوم القرآن ہے۔آپ محمد عبداللہ بن احمد اور ان کے بیٹے احمد ثانی کے شاگرد تھے۔آپ کی تفسیر ۱۲۰ جلدوں میں ہے۔ ہر جلد میں دو ہزار صفحات ہیں۔تفسیر میں منطق، فلسفہ، نحو، معقول، احادیث اور فقہ کو خوب بیان کیا ہے۔اپنی تفسیر میں امام محمد باقر اور خزینۃ القرآن سے زیادہ حوالے دیئے ہیں۔ سابقہ تمام مفسرین کے حوالے دیئے ہیں لیکن تفسیر امام باقر کو زیادہ سراہا ہے۔فرماتے ہیں کہ ان سب کی تفاسیر کو سامنے رکھ کر تب اپنی تفسیر کو ضخیم لکھ رہا ہوں۔ کیونکہ ان جیسی ضخیم تفسیر کسی نے نہیں لکھی۔آپ کے بارے میں فرماتے ہیں (عبارت یہ ہے) آپ کی تفسیر کے اڑھائی لاکھ اوراق ہیں اور پانچ لاکھ صفحات ہیں فرماتے ہیں کہ یہ امہات التفاسیر ہے اور ام العلوم ہے۔فرماتے ہیں کہ امام اعظم کے بھی استاد ہیں۔فرماتے ہیں کہ کتاب الآثار میں امام اعظم نے اس کا خود اعتراف کیا ہے جو ایک مستند کتاب ہے۔امام اعظم فرماتے ہیں کہ میرا ایک ہزار استاد ہے۔لیکن میں اگر ابو جعفر علی بن محمد کی خدمت میں نہ بیٹھتا تو ہلاک ہو جاتا۔اور میرا علم بیکار رہتا کیونکہ آپ امام الآئمہ ہیں۔فرزند رسول ﷺ ہیں اور قرآن کے وارث ہیں۔اور حامل قرآن ہیں۔فرمایا کہ امام باقر میرے نانا کی امت کے چراغ ہیں۔صاحب تفسیر الاستغنا فرماتے ہیں کہ جب میں تفسیر لکھتا تھا تو امام محمد باقر اور صاحب خزینۃ القرآن میری مدد فرماتے تھے اور مجھے لکھنے کا لطف آتا تھا اور میں ایک دن میں کافی لکھ جاتا تھا۔تفسیر الاستغنا بہت اعلیٰ تفسیر ہے۔فرماتے ہیں کہ میں امام باقر کی اولاد کا شاگرد ہوں اور الحمدللہ کہ میری سند آپ سے وابستہ ہے۔آپ نے اپنی تفسیر میں خزینۃ القرآن اور تفسیر امام محمد باقر کو سامنے رکھ کر بیش بہا علوم کو بیان کیا ہے اور جدت پیدا کی ہے۔یہ تفسیر بیروت میں چھپی ہے۔آپ کی وفات ۳۸۸ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر حقائق الاسلام

تفسیر کا اصل نام اسباب نزول ہے۔مصنف محمود بن احمد ثانی ہیں۔آپ نے علوم اپنے والد سے حاصل کیے۔آپ منطقی اور فلسفی تھے۔تفسیر ۶۰ جلدوں میں

Marfat.com

ہے۔تفسیر کے اندر احادیث پر کافی زور دیا ہے۔اور اپنے اجداد کے حوالے دیے ہیں۔احادیث پر بھی ایک کتاب لکھی۔جو فضائل حدیث کے نام پر ہے۔ منطق اور فلسفہ پر بھی کئی کتابیں لکھیں۔بڑے بڑے اولیاء اللہ اور علماء بزرگ آپ کی خدمت میں بیٹھا کرتے تھے۔تفسیر میں ابو العالیہ، ابن عباس، سفیان ثوری، ابی بن کعب، طاؤس اور قطرب کے بہت حوالے دیئے ہیں۔تفسیر کے اندر جدت بھی پیدا فرمائی ہے۔آپ کی وفات ۴۰۰ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر اعجاز القرآن خطابیؒ

صاحب اعجاز القرآن خطابی علامہ محمد عبداللہ بن ہارون بن احمد ثانی بن محمد عبداللہ اور ان کے فرزند محمود بن احمد کے شاگرد تھے۔یہ تفسیر تین جلدوں میں ہے۔ تفسیر میں علم ادب اور علم کلام سابقہ مفسرین کے دلائل سے بیان کیا ہے اور علم کلام کے اندر نئی جدت اختیار کی ہے۔تفسیر کے اندر لغات اور حقائق بیان کیے ہیں۔آپ کا مسلک حنفی تھا۔وفات ۳۸۸ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر سمادق شیخ ابی الحسن بن عراقی خوارزمی

آپ بھی محمود بن احمد بن عبداللہ بن احمد کے شاگرد تھے۔تفسیر دو جلدوں میں ہے۔تفسیر میں اقوال بہت بیان کیے ہیں اور تاویلات بھی کافی ہیں۔مسلک احناف اور حنابلہ کی بہت مخالفت کی ہے۔تفسیر میں علماء معتزلہ کے حوالے دیئے۔معتزلہ کے دلائل سے اپنے مسلک کو ثابت کیا۔امام از حاق کے بارے میں لکھا کہ وہ مفسر نہیں تھے حالانکہ اس سے ان کی کم علمی کا ثبوت ملتا ہے۔وفات ۳۹۰ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر عسکری شیخ ابو ہلال حسن بن عبداللہؒ

آپ احمد ثانی اور ان کے بیٹے محمود کے شاگرد تھے۔تفسیر چھ جلدوں میں ہے تفسیر میں تاویلات بھی ہیں اور اقوال بھی۔انھوں نے اپنے بہترین انداز میں تاویلات کو حدیث کے موافق ڈھالا ہے۔نحوی قواعد بھی ہیں۔اصول فقہ کو بھی بیان کیا ہے۔امام محمد باقر، ابی بن کعب، ابن عباس، حسن بن علی بن ابی طالب، ابو العالیہ، خزینۃ القرآن، قطرب، محمد بن کعب قرظی، عطا بن رباح کے کافی حوالے دیئے ہیں۔آپ مسلک حنفی پر تھے۔وفات ۳۹۵ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر خلف شیخ خلف بن احمد سجستانیؒ

آپ احمد ثانی اور محمود ابن احمد ثانی کے شاگرد تھے۔تفسیر گیارہ جلدوں میں ہے۔ان کی تفسیر بھی نہایت جامع انداز میں ہے۔منطق، فلسفہ پر زیادہ زور دیا ہے۔منطق، فلسفہ کو احادیث کے موافق جدت اختیار کر کے بیان کیا ہے۔مسلک حنفی تھا۔وفات ۳۹۹ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر مات القرآن ابو الفرح احمد بن علی المفری الہمدانی

آپ شیخ محمود ابن احمد ثانی کے شاگرد تھے۔تفسیر ۹ جلدوں میں ہے۔تفسیر میں ابن جریر اور خزینۃ القرآن کے حوالے زیادہ دیئے ہیں اور تفسیر امام باقر کو تمام تفسیروں پر فوقیت دی اور ام العلوم کہا ہے۔فرمایا۔جو تفسیریں لکھی جائیں اسی کی پیروی میں ہوں۔علم کلام پر ایک کتاب لکھی اور ایک فتاویٰ بھی لکھا ہے۔وفات ۴۰۰ ہجری میں ہوئی۔

Marfat.com

قرن خامس کے مفسرین

تفسیر احکام القرآن

حامد ابن محمود بن احمد ثانی اپنے والد کے شاگرد تھے۔ تفسیر ۱۰۰ جلدوں میں ہے۔ تفسیر میں نحو، منطق اور احادیث پر زیادہ زور دیا ہے۔ تفسیر کے علاوہ کافی کتابیں تصنیف کیں۔ اسماء الرجال بھی لکھی۔ اور بخاری شریف پر شرح بھی لکھی جو بہت جامع انداز میں ہے اور منطق و فلسفہ پر کتابیں لکھیں۔ اوپر والے جتنے مفسر گزر چکے ہیں ان کے حالات کو یکجا کر دیا۔ جن تفاسیر کو زیادہ پسند کیا۔ ان میں تفسیر امام حسن، امام باقر، طاؤس، ابومسلم کوفی، ابووراق ہمدانی، ابی بن کعب، ابوسفیان ثوری، خزینۃ القرآن، تنزیل القرآن، نور القرآن اور حقائق الاسلام ہیں۔ اسماء الرجال پر جو کتاب لکھی اس میں اپنے جدامجد صاحب خزینۃ القرآن کی اسماء الرجال کو سامنے رکھا۔ تفسیر میں امام محمد باقر اور خزینۃ القرآن سے تلخیص کی اور اس سے جدت پیدا کی۔ فرمایا کہ یہ دونوں تفسیریں ہیں جو نبی پاک ﷺ کے ارشادات کے مطابق ہیں اور باقی تفاسیر میں اقوال زیادہ ہیں اور یہودیوں کے اقوال کو اور واقعات کو بیان کیا ہے لیکن آپ کے نزول کے اعتبار سے تو یہودیوں کے واقعات درست ہیں آپ کے شاگردوں کی تعداد کافی ہے آپ کے ایک بھائی محمد عبداللہ مفسر اور محدث تھے۔ آپ کی وفات ۴۶۰ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر اسباب النزول شیخ عبدالرحمٰن بن محمد فطین معروف بہ ابن مطرف اندلسی

آپ حامد ابن محمود ابن احمد ثانی کے شاگرد تھے۔ تفسیر ۸ جلدوں میں ہے۔ اور علم فقہ، حدیث اور علم ادب کا بیان ہے۔ علمائے شوافع اور احناف کے دلائل کو تفسیر میں بہترین انداز میں تحریر کیا ہے اور ابن عباس، ابی بن کعب، ابوالعالیہ، طاؤس، ابومسلم کوفی، قطرب، تفسیر صنعانی، فرایابی اور خزینۃ القرآن کی تفسیروں سے بہت حوالے دیئے ہیں اور فقہ پر کتابیں بھی لکھی ہیں۔ وفات ۴۰۲ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر امثال القرآن

شیخ عبدالرحمٰن بن محمد بن حسین السلمی نیشاپوری۔ آپ کی تفسیر تین جلدوں میں ہے۔ آپ شیخ حامد ابن محمود اور محمود ابن احمد ثانی کے شاگرد تھے۔ تفسیر میں نحو اور منطق کو بیان کیا ہے۔ تصوف بھی ہے۔ مسلم شریف کی شرح بھی لکھی۔ وفات ۴۰۶ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر ابن فوزک ابوبکر محمد حسن نیشاپوری شافعی رحمۃ اللہ علیہ

Marfat.com

تفسیر دو جلدوں میں ہے آپ شیخ حامد اوران کے والد محمود ابن احمد ثانی کے شاگرد تھے تفسیر میں اپنے استاد اوران کے آباؤ اجداد کی تفاسیر اور دیگر تفاسیر کے حوالے بھی دیئے ہیں اور علم میراث کو کافی بیان کیا ہے۔ وفات ۴۰۶ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر نیشا پوری شیخ ابوالقاسم حسن بن محمد واعظؒ

آپ بھی حامد اوران کے والد شیخ محمود بن احمد ثانی کے شاگرد تھے علاوہ ازیں دیگر علماء کے بھی۔ تفسیر چھ جلدوں میں ہے۔ آپ وعظ بہت فرماتے تھے۔ تفسیر بھی واعظانہ رنگ میں ہے۔ واقعات کافی ہیں۔ حنفی مسلک تھا۔ وفات ۴۰۶ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر ابن مردوی شیخ ابوبکر احمد بن موسیٰ اصفہانیؒ

آپ شیخ حامد بن محمود کے شاگرد تھے۔ تفسیر دس جلدوں میں ہے۔ اسکے علاوہ شرح بخاری بھی لکھی۔ تفسیر میں خزینۃ القرآن، ابی بن کعب اور ابن عباس کے حوالے زیادہ دیے ہیں۔ وفات ۴۱۰ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر السلمی شیخ ابی عبدالرحمٰن بن محمد بن حسین السلمیؒ

آپ شیخ حامد ابن محمود ابن شیخ احمد ثانی کے شاگرد تھے۔ تفسیر چھ جلدوں میں ہے ابن عباس، ابوالعالیہ، عکرمہ اور طاؤس سے زیادہ حوالے دیئے ہیں۔ ایک فتاوٰی بھی لکھا۔ مسلک حنفی تھا۔ وفات ۴۱۲ یا ۴۱۴ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر معوذتین شیخ الرئیس بوعلی سیناؒ

شیخ حامد ابن شیخ محمود کے شاگرد تھے۔ تفسیر چار جلدوں میں ہے۔ لیکن ایک جلد معوذتین اور سورۃ اخلاص پر مشتمل ہے۔ آپ کی شخصیت بڑی عظیم ہے۔ سابقین نے آپ کو علم کا بادشاہ کہا ہے آپ نے زیادہ تر منطق اور فلسفہ بیان فرمایا ہے۔ اور حکمت پر کئی کتابیں لکھیں۔ حکماء نے کہا کہ آپ کی کتابیں لقمان حکیم کے پایہ سے کم نہ تھیں۔ امام رازی نے آپ کے بہت سے حوالے دیے ہیں۔ ایک بحث بھی لکھی جو عالم حادث یا قدیم پر ہے۔ فقیر اس پر سورۃ فاتحہ کی تفسیر میں بحث کر چکا ہے۔ اور بوعلی سینا کے نظریے کو بھی بیان کیا ہے۔ بوعلی سینا بہت بڑے حکیم، منطقی اور فلسفی تھے۔ علماء کا اختلاف ہے کہ آپ حنفی ہیں یا شافعی؟ اس میں کوئی محقق رائے نہیں مل سکی۔ واللہ اعلم۔ وفات ۴۲۷ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر ابن منصور شیخ عبدالقادر بن طاہر بغدادیؒ

شیخ حامد ابن محمود کے شاگرد تھے اور دیگر علماء کے بھی۔ تفسیر تین جلدوں میں ہے اس میں واقعات اور تاویلات زیادہ ہیں احادیث مختصر اور فقہی مسائل زیادہ ہیں۔ سابقہ مفسرین کے حوالے بہت ہیں۔ بغداد یونیورسٹی کے صدر مدرس تھے مسلک حنفی تھا۔ وفات ۴۲۹ ہجری میں ہوئی۔

Marfat.com

تفسیر البرہانی شیخ ابوالحسن علی بن ابراہیم بن سعید خوانیؒ

شیخ حامد ابن شیخ محمود کے شاگرد تھے۔تفسیر گیارہ جلدوں میں ہے۔ایک جلد صرف سورۃ فاتحہ پر ہے اور باقی دس کئی طرح کے علوم تفسیر پر منطق، فلسفہ اور حدیث کو بہترین انداز میں بیان کیا۔آپ کو عاشق رسول کا لقب ملا۔آپ نے تفسیر امام باقر کو بہت سراہا۔اور ام العلوم کہا ہے۔خزینۃ القرآن اور قطرب کے حوالے زیادہ دیے ہیں۔تفسیر امام باقر کو سامنے رکھا اور اسی کی طرز اختیار کی۔وفات ۴۳۰ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر الضریر شیخ اسماعیل بن محمد عبداللہ نیشاپوری الضریر رحمۃ اللہ علیہ

شیخ حامد ابن شیخ محمود کے شاگرد تھے۔تفسیر ۱۴ جلدوں میں ہے۔شرح ترمذی بھی لکھی۔محدثین میں سے امام ترمذی کو اولیت دی۔تفسیر میں اکثر مفسرین کے حوالے دیے۔وفات ۴۳۱ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر جامع العلوم شیخ ابوالعباس احمد بن عمار المہدیؒ

آپ شیخ حامد ابن محمود اور دیگر علماء کے شاگرد تھے۔تفسیر ۲۰ جلدوں میں ہے جس طرح تفسیر کا نام جامع العلوم ہے۔حقیقت میں بھی جامعہ العلوم ہے۔تفسیر میں امام محمد باقر، ابن عباس اور خزینۃ القرآن کے حوالے زیادہ دیے ہیں۔اور انہی کو زیادہ پسند کیا ہے۔وفات ۴۳۱ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر فناری شیخ شمس الدین محمد بن حمزہ فناری رحمۃ اللہ علیہ

شیخ حامد بن شیخ محمود کے شاگرد تھے۔تفسیر ۱۶ جلدوں میں ہے۔اس میں واقعات، منطق، تصوف، قواعد نحوی اور علم احادیث کا بیان ہے۔وفات ۴۳۴ یا ۴۳۷ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر ابی ذر شیخ عبد بن احمد بن فروی مالکیؒ

شیخ حامد کے شاگرد تھے۔تفسیر چھ جلدوں میں ہے۔اس میں منطق و فلسفہ زیادہ ہے اور نحوی بہت ہے۔وفات ۴۲۷ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر مکی شیخ ابومحمد مکی ابن ابی طالب قیس مقریؒ

آپ شیخ حامد اور ان کے والد شیخ محمود ابن احمد کے شاگرد تھے۔تفسیر تین جلدوں میں ہے۔سابقہ مفسرین کے حوالے بہت دیے ہیں۔وفات ۴۲۷ ہجری میں ہوئی۔

Marfat.com

تفسیر الجوینی شیخ ابی محمد عبداللہ بن یوسف نیشا پوریؒ

آپ شیخ حامد اوران کے والد شیخ محمود بن احمد ثانی کے اور دیگر علماء کے شاگرد تھے۔تفسیر ۳۸ جلدوں میں ہے۔ ہر آیت کی سولہ طرح سے تفسیر کی ہے۔تفسیر میں ابن عباس، ابی بن کعب، حضرت حسنؒ ،امام باقر، ابوالعالیہ، طاؤس، امام جعفر صادق، ابووراق، قطرب، خزینۃ القرآن، طبری اور عطا خراسانی کے حوالے زیادہ ہیں اور تفسیر میں ایک آیت کی تفسیر میں منطقی حوالے پھر صوفیا کے انداز میں پھر مفسرین کے اقوال کو بیان کر کے بحث کی ہے۔ یہ بہترین انداز ہے۔ وفات ۴۲۸ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر ضیاء القلوب شیخ ابی الفتح سلیم بن ایوب رازیؒ

آپ بھی شیخ حامد اوران کے والد اور دیگر علماء کے شاگرد تھے۔تفسیر ۲۰ جلدوں میں ہے اس میں منطق، فلسفہ اور احادیث کو بیان کیا ہے اور سابقہ مفسرین کا انداز ہے۔ مؤطا امام مالک کی شرح بھی لکھی۔ وفات ۴۲۷ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر الماوردی امام ابوالحسن علی بن حبیب شافعیؒ

آپ شیخ حامد کے شاگرد تھے۔تفسیر ۲۸ جلدوں میں ہے۔ اس میں منطق اور فلسفہ زیادہ ہے۔ مسلک شوافعی پر زیادہ بحث کی ہے۔ وفات ۴۵۰ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر موعظۃ القرآن

شیخ محمود ثانی ابن حامد ابن محمود ابن احمد اپنے والد اور دیگر علماء کے شاگرد تھے۔تفسیر ۲۱ جلدوں میں ہے۔ بخاری و مسلم کی شرحیں بھی لکھیں۔ ذکر میلاد پر بھی کتاب لکھی۔ تفسیر میں منطق، فلسفہ زیادہ بیان کیا ہے۔ آپ مادر زاد ولی تھے۔ کئی مشرک آپ کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اپنے آباء کی طرح مسلک حنفی تھا۔ تصوف پر کئی کتابیں لکھیں۔ بغداد میں قاضی بھی رہے۔ غوث الاعظمؒ سے ملاقاتیں ہوتی تھیں۔ آپ نے تفسیر میں لکھا ہے کہ شیخ عبدالقادر جیلانی ابومحمد محی الدین غوث الاعظم امام الاولیاء اور غوث اعظم ہیں۔ فرماتے ہیں کہ خواب میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دن اور رات ابومحمد محی الدین سے اجازت لے کر طلوع ہوتے ہیں۔ آپ نے غوث الاعظم کی بہت تعریف کی ہے۔ حضرت موسیٰ المبرقع نے غوث الاعظم کے بارے میں وصیت فرمائی تھی کہ میرے بعد ایک شخص محی الدین عبدالقادر ابن ابی صالح پیدا ہوگا۔ پس جو کوئی میری اولاد سے اس کا زمانہ پائے تو میری ٹوپی اسے دیدے۔ چنانچہ شیخ محمود ثانی نے یہ زمانہ پایا اور آپ کو حضرت کی ٹوپی دے دی۔ اور کہا کہ ہمیں وصیت ہوئی تھی کہ یہ امانت آپ تک پہنچا دوں۔ جسے میں نے پورا کر دیا۔ غوث الاعظم نے فرمایا۔ شیخ محمود آپ پر اور آپ کے آباء پر اللہ کا احسان ہے کہ سب کے سب مفسر و محدث ہوئے ہیں اور آپ کی اولاد میں بھی مفسر اور محدث ہونگے۔ چنانچہ یہی ہوتا آیا ہے کہ آپ کی اولاد سے مفسر و محدث ہوتے آرہے ہیں۔ آپ کے بھائی محمد عبداللہ بھی مفسر و محدث تھے۔ وفات ۵۰۰ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر ابی بکر شیخ ابوبکر عتیقی بن محمد الدوسی فارسی رحمۃ اللہ علیہ

آپ شیخ محمود ابن حامد ابن محمود کے شاگرد تھے۔ تفسیر تین جلدوں میں ہے۔ آیات کے نیچے مختصر تفسیر ہے۔ مسلک حنفی تھا۔ وفات ۴۵۳ ہجری میں ہوئی۔

Marfat.com

تفسیر العیون فی القرأت از شیخ ابو طاہر اسمٰعیل بن خلف الصقلی رحمۃ اللہ علیہ

آپ محمود ثانی کے شاگرد تھے۔ تفسیر چھ جلدوں میں ہے۔ فقہ اور حدیث زیادہ بیان کی ہے۔ فقہ پر دیگر کتابیں لکھیں۔ فضائل رسول ﷺ اور فضائل میلاد پر بھی کتاب لکھی۔ وفات ۴۵۵ ہجری میں ہوئی۔

احکام القرآن ابو بکر احمد بن حسین بیہقیؒ

آپ شیخ محمود ثانی کے شاگرد تھے۔ آپ مفسر بھی ہیں اور محدث بھی۔ تفسیر احکام القرآن گیارہ جلدوں میں ہے۔ حدیث پر آپ کی کتاب سنن بیہقی مشہور ہے۔ آپ مشہور امام ہوئے ہیں۔ منطق وفلسفہ پر حاوی تھے۔ کئی کتابیں لکھیں۔ حافظ الحدیث تھے۔ آپ کی کتاب کو صحاح ستہ میں ہونا چاہیے تھا۔ اس صدی کے علماء نے بھی تائید کی ہے۔ سند کے اعتبار سے اس میں مستند احادیث ہیں۔ امام بیہقی کا معیار بہت بلند ہے شیخ محمود ثانی فرماتے ہیں کہ بخاری ومسلم کے بعد بیہقی کا نمبر ہے۔ امام بیہقی کی وفات ۴۵۸ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر اصفہانی قدیم از شیخ ابو مسلم محمد بن علی معتزلی ادیب

شیخ محمود ثانی کے شاگرد تھے۔ تفسیر تین جلدوں میں ہے۔ اس تفسیر میں دلائل عقلی کو بہت دخل ہے لیکن تفسیر میں بہت گڑ بڑ کی ہے۔ وفات ۴۵۹ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر البیان از شیخ ابو عمر یوسف بن عبداللہ عبدالبر قرطبیؒ

شیخ محمود ثانی اور دیگر علماء کے شاگرد تھے۔ تفسیر ۱۶ جلدوں میں ہے۔ بہت عاشق رسول ﷺ تھے۔ احادیث پر بھی ایک کتاب لکھی اور نبی پاک ﷺ کے فضائل پر کافی ابواب تحریر کیے۔ آنحضرت ﷺ پر قبل از اذان اور اذان کے بعد درود پڑھنا واجب فرمایا ہے۔ سابقہ مذکورہ مفسرین کے حوالہ جات بھی دیے ہیں۔ وفات ۴۵۹ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر معروف از امام ابو القاسم عبدالکریم بن موازن رحمۃ اللہ علیہ

آپ شیخ محمود ثانی اور دیگر علماء کے شاگرد تھے۔ تفسیر ۹ جلدوں میں ہے۔ شرح بیہقی بھی لکھی۔ آپ کی وفات ۴۶۵ ہجری میں ہوئی۔ مسلک حنفی تھا۔

تفسیر حاوی از شیخ ابی الحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری

شیخ محمود ثانی کے شاگرد تھے۔ تفسیر ۱۶ جلدوں میں ہے۔ تفسیر میں منطق، فلسفہ، احادیث اور مسائل فقہی کو بہترین انداز میں بیان کیا ہے۔ شرح بخاری بھی لکھی۔ جس میں میلاد النبی ﷺ پر ایک باب لکھا ہے۔ آپ شیخ محمود ثانی کے مرید تھے۔ وفات ۴۶۸ ہجری میں ہوئی۔

Marfat.com

تاج التراجم از امام شاہور ابوالمظفر طاہر بن محمد اسفرائینیؒ

آپ بھی شیخ محمود ثانی کے شاگرد تھے۔ تفسیر اٹھارہ جلدوں میں ہے۔ شرح نسائی بھی لکھی۔ فقہ پر فتاویٰ بھی لکھا۔ میلاد النبی ﷺ پر ایک کتاب لکھی۔ جس کا نام میلاد خصائص النبی ﷺ ہے۔ مسلک حنفی تھا۔ ۴۷۱ ہجری یا ۴۷۵ ہجری میں وفات پائی۔

تفسیر جرجانی از عبدالقاہر الجرجانیؒ

آپ شیخ محمود ثانی کے شاگرد تھے۔ تفسیر ۹ جلدوں میں ہے۔ نحو کے قواعد بہت لکھے ہیں۔ نحو پر کئی اور کتابیں بھی تحریر کی ہیں۔ علمائے نحو آپ کے بہت حوالے دیتے ہیں۔ آپ نے فراء اور سیبویہ پر کافی اعتراضات کیے ہیں۔ صاحب تفسیر جرجانی نحو کے بھی امام مانے جاتے ہیں۔ الجرجانی کی وفات ۴۷۴ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر ابی معشر شیخ ابی معشر عبدالکریم بن عبدالصمد الطبریؒ

آپ بھی شیخ محمود ثانی کے شاگرد تھے۔ مسلک حنفی تھا۔ تفسیر چھ جلدوں میں ہے۔ شرح طحاوی بھی لکھی ہے۔ ذکر رسول ﷺ پر بھی کتاب لکھی۔ جس میں آپ ﷺ کا نام مبارک سن کر چومنے پر بہترین بحث ہے۔ وفات ۴۷۴ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر امام الحرمین

امام ابوالمعانی عبدالمالک بن عبداللہ جوینیؒ

شیخ محمود ثانی اور دیگر علماء کے شاگرد تھے۔ تفسیر ۱۹ جلدوں میں ہے۔ صحاح ستہ پر ایک مکمل شرح بھی لکھی۔ ایک اسماء الرجال بھی لکھی۔ حضور انور ﷺ کے خصائص پر ایک کتاب لکھی۔ اس میں میلاد کا ذکر بھی ہے۔ وفات ۴۷۸ ہجری میں ہوئی۔ آپ کا مسلک حنفی تھا۔

تفسیر حدائق ذات البہجہ

شیخ ابویوسف عبدالسلام بن محمد قزوینیؒ

شیخ محمود ثانی کے شاگرد تھے۔ تفسیر ۱۲ جلدوں میں ہے۔ منطق، فلسفہ اور احادیث زیادہ بیان کی ہیں۔ وفات ۴۸۳ ہجری میں ہوئی۔

Marfat.com

تفسیر الجان فی تشبیہات القرآن

شیخ عبدالباقی بن محمد بن حسین (ابن باقیا)

شیخ محمود ثانی کے شاگرد تھے تفسیر سات جلدوں میں ہے۔شرح نسائی وابوداؤد بھی لکھی۔تفسیر بھی بہترین ہے۔وفات ۴۸۵ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر البرہان شیخ ابوالمعالی عزیزی بن عبدالملک معروف بہ

شیخ محمود ثانی کے شاگرد تھے تفسیر چھ جلدوں میں ہے۔شرح مؤطا ابومحمد بھی لکھی اور ایک فتاوٰی بھی تحریر کیا۔وفات ۴۹۴ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر حلوائی شیخ ابوعبداللہ سلیمان بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ

شیخ محمود ثانی کے شاگرد تھے۔تفسیر ۹ جلدوں میں ہے۔تصوف پر بحث کی ہے۔نحوی قواعد بہت ہیں۔اور مفسرین پر ایک تبصرہ بھی لکھا۔خزینۃ القرآن کے بعد جتنے مفسر گزرے ہیں جن کے حالات مذکور ہیں۔اسی تبصرہ سے تلخیص کیے ہیں۔صاحب تفسیر حلوائی کی وفات ۴۹۴ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر درۃ التاویل المفردات القرآن

امام حسین بن محمد بن المفضل راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ محمود ثانی کے شاگرد تھے۔آخری شاگرد تھے۔یہ تفسیر گیارہ جلدوں میں ہے۔یہ بہترین جامع تفسیر ہے۔علاوہ ازیں مفردات بھی لکھی جو لغات پر مبنی ہے۔الفاظ ومعانی اس میں بیان ہیں۔تفسیر میں منطق،فلسفہ اور احادیث پر زور دیا ہے۔امام محمد باقر،ابن عباس اور خزینۃ القرآن سے زیادہ حوالے دیے ہیں۔وفات ۵۰۰ ہجری میں ہوئی۔

Marfat.com

قرن سادس کے مفسرین

تفسیر البینات محمد عبداللہ ابن شیخ محمود ثانی ابن حامد رحمۃ اللہ علیہ

آپ اپنے والد کے شاگرد تھے۔ تفسیر ۱۶ جلدوں میں ہے۔ تفسیر میں اپنے والد کی طرح منطق، فلسفہ اور احادیث پر زور دیا شرح صحاح ستہ بھی لکھی۔ نبی پاک ﷺ کے ذکر پر بھی ایک کتاب لکھی۔ نحو پر ایک جامع کتاب لکھی۔ حضرت غوث الاعظم کے ہاتھ پر بیعت کی۔ مسلک حنفی تھا۔ آپ کی وفات ۵۸۰ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر السمعانی امام ابوالمظفر منصور بن محمد مروزیؒ

آپ شیخ محمد عبداللہ ثانی اور ان کے والد کے شاگرد تھے۔ تفسیر ۹ جلدوں میں ہے۔ تفسیر میں منطق، فلسفہ اور تصوف کو بیان کیا گیا ہے۔ آپ نے نسائی شریف کی شرح بھی لکھی۔ آپ کی وفات ۵۰۲ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر الشیر ازی شیخ ابومحمد عبدالوہاب بن محمد شافعی رحمۃ اللہ علیہ

آپ شیخ محمد عبداللہ ثانی اور ان کے والد محمود ثانی ابن حامد کے شاگرد تھے۔ یہ تفسیر ۴ جلدوں میں ہے۔ اس میں مسائل فقہ بہت ہیں۔ بڑی عمدہ تفسیر ہے۔ خزینۃ القرآن سے بہت حوالے دیے ہیں۔ آپ کا مسلک حنفی تھا۔ وفات ۵۰۵ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر ابی بکر شیخ ابوبکر بن عبد بن حمید رحمۃ اللہ علیہ

آپ بھی شیخ محمد عبداللہ ثانی کے شاگرد تھے۔ تفسیر ۳ جلدوں میں ہے۔ حضور ﷺ کے معراج پر بھی ایک کتاب لکھی۔ مسلک حنفی تھا۔ وفات ۵۰۱ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر لباب تاب القراء شیخ برہان الدین ابوالقاسم محمود بن حمزہ الجریانیؒ

آپ شیخ محمد عبداللہ اور دوسرے علماء کے شاگرد تھے۔ تفسیر ۳۲ جلدوں میں ہے۔ علوم کے سمندر بہا دیئے ہیں۔ جامع ترمذی کی شرح بھی لکھی اور تصوف پر بھی کتابیں لکھیں۔ وفات ۵۰۲ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر البدیع والبیان شیخ حسن بن فتح بن حمزہ ہمدانیؒ

Marfat.com

آپ شیخ محمد عبداللہ ثانی کے شاگرد تھے۔تفسیر چھ جلدوں میں ہے اس میں واقعات اور تاویلات ہیں۔مسلک شافعی تھا۔وفات ۵۰۶ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر خطیب تبریزی شیخ ابوزکریا یحییٰ بن علی ادیب رحمۃ اللہ علیہ

آپ شیخ محمد عبداللہ ثانی ابن محمود ثانی کے شاگرد تھے۔تفسیر ۶ جلدوں میں ہے۔اچھے انداز میں ہے۔وفات ۵۰۷ ہجری میں ہوئی۔

احکام القرآن شیخ ابوالحسن علی بن محمد المعروف کاھراس بغدادیؒ

شیخ محمد عبداللہ ثانی کے شاگرد تھے۔تفسیر دو جلدوں میں ہے۔وفات ۵۰۴ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر یاقوت التاویل حجۃ الاسلام شیخ امام محمد غزالی شافعیؒ

آپ شیخ محمد عبداللہ ابن محمود ثانی کے شاگرد تھے۔آپ کی تفسیر ۴۰ جلدوں میں ہے۔آپ نے کافی کتابیں لکھیں خزینۃ القرآن کے مقدمہ کی جلد دوم بھی لکھی۔ تفسیر میں تمام علوم پر بحث فرمائی ہے اور تفسیر امام باقر اور خزینۃ القرآن کو سراہا ہے۔فرمایا کہ دراصل یہی دو تفسیریں ہیں جو امہات التفاسیر اور ام العلوم ہیں اور حامل قرآن بھی یہی لوگ ہیں اور قرآن انہی کے گھر میں اترا۔تفسیر میں حجۃ الاسلام نے ہر علم کو بیان کیا ہے آپ اس صدی کے عظیم امام تھے۔لکھتے ہیں کہ تفسیر میں میں نے اپنے استادگرامی کے والد کا انداز اختیار کیا ہے۔یہ عظیم خاندان ہے۔پشت در پشت محدث ہوئے ہیں۔فرمایا کہ مجھے پڑھنے کا لطف جتنا شیخ محمد عبداللہ سے آیا اتنا کہیں نہیں ملا۔امام غزالیؒ نے دین کی بڑی خدمت کی۔آپ کی تفسیر پر مفسرین کو بہت اعتماد ہے اور اسے عظیم الشان مانا ہے۔آپ کی وفات ۵۰۵ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر انصار شیخ ابوالقاسم عبداللہ بن محمد عسکری رحمۃ اللہ علیہ

آپ شیخ محمد عبداللہ کے شاگرد تھے۔تفسیر چھ جلدوں میں ہے۔قواعد نحوی بہت ہیں۔احادیث پر بھی زور دیا ہے۔وفات ۵۱۶ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر معالم التنزیل شیخ ابی محمد حسین بن مسعود الفراء البغدادیؒ

آپ شیخ محمد عبداللہ کے شاگرد تھے۔تفسیر معتبر ہے لیکن اس میں کچھ اقوال ضعیف بھی ہے۔وفات ۵۱۶ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر ابن ابی حمزہ امام حافظ عبداللہ بن سعید ازدی رحمۃ اللہ علیہ

آپ بھی شیخ محمد عبداللہ کے شاگرد تھے۔تفسیر تین جلدوں میں ہے۔ابن ماجہ کی شرح بھی آپ نے لکھی۔وفات ۵۲۵ ہجری میں ہوئی۔

Marfat.com

تفسیر کشاف علامہ ابوالقاسم جاراللہ محمود بن عمرالذمخشری معتزلی

تفسیر کشاف میں آراء بہت کی گئی ہے لیکن بہت غیر معتبر ہے۔امام رازی نے اس کے حوالے دیے ہیں لیکن ان سے غلطی ہوئی ہے۔وفات ۵۳۰ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر ابن حکم شیخ ابوالمظفر محمد بن اسعد رحمۃ اللہ علیہ

آپ شیخ محمد عبداللہ کے شاگرد ہیں تفسیر کی ۱۴ جلدیں ہیں۔شرح مسلم بھی لکھی۔تصوف پر بھی کتابیں لکھیں۔وفات ۵۲۹ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر الرحمٰن مفاتیح العلوم شیخ حامد بن محمد عبداللہ ثانی رحمۃ اللہ علیہ

تفسیر ۲۲ جلدوں میں ہے شرح بخاری بھی لکھی۔اپنے والد کے انداز پر تفسیر میں منطق، فلسفہ اور احادیث پر زور دیا۔تصوف پر بھی کتابیں لکھیں اور منطق اور معقول پر بھی لکھیں۔آپ نے بیس حج کیے۔وفات ۶۰۰ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر مفاتیح الغیب تفسیر کبیر امام رازی فخر الدین محمد بن عمر الرازیؒ المعروف امام رازیؒ

امام فخر الدین رازی چھٹی صدی کی مشہور ترین شخصیت ہیں۔آپ شیخ حامد ثانی کے شاگرد تھے۔آپ نے قرآن کریم کی دو تفسیریں لکھیں۔ایک کا نام مفاتیح الغیب اور دوسری کا نام مفاتیح العلوم ہے۔منطق اور فقہ پر بھی کافی کتابیں لکھیں میلاد پر بھی ایک رسالہ لکھا۔تفسیر کبیر میں سورۃ انبیاء تک پہنچے تو آپ کا انتقال ہوگیا۔باقی تکمیل تفسیر کبیر شیخ نجم الدین احمد بن محمد نے تفسیر مکمل کی لیکن وہ طرز نہ اختیار کر سکے جو امام رازی کی تھی۔رازی کی تفسیر نے پانچویں صدی سے چودھویں صدی تک کے لوگوں کی عقدہ کشائی کر دی ہے۔اس میں منطق اور فلسفہ کو بیان کیا ہے۔اس میں دقائق بہت ہیں لیکن مفسرین نے کہا ہے کہ اس میں سب کچھ ہے لیکن شوقانی اور نواب بھوپالی کہتے ہیں کہ تفسیر کبیر میں انجیل اور تورات کی بھی تفسیر ہے۔لیکن دراصل ان دونوں کو تفسیر رازی کی سمجھ نہیں آئی۔ان کا علم وہاں تک کہاں؟ بلکہ ان کے مسلک کو تو یہ تفسیر رد کرتی ہے۔یہ تفسیر بڑی معتبر ہے اور امام رازی کی تفسیر مفاتیح العلوم میں رازی نے تفسیر امام باقر اور خزینۃ القرآن کو سامنے رکھا ہے۔احادیث پر کافی بحث ہے۔تفسیر کبیر میں بھی احادیث کافی ہیں اور اسے بھی خزینۃ القرآن کے انداز پر لکھا ہے۔آپ عاشق رسول ﷺ تھے۔وفات ۶۰۶ ہجری میں ہوئی۔

تکملہ قاضی القضاۃ شہاب الدین بن خلیل الخولی دمشقی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ حامد ثانی ابن محمد عبداللہ ثانی کے شاگرد تھے۔یہ تکملہ تین جلدوں میں ہے۔بہترین تفسیر ہے۔وفات ۶۳۶ ہجری میں ہوئی۔

مختصر تفسیر رازی شیخ برھان الدین محمد بن محمد النسفی رحمۃ اللہ علیہ

آپ بھی حامد ثانی کے شاگرد تھے۔تفسیر چار جلدوں میں ہے۔احادیث کے ساتھ ساتھ منطق اور فلسفہ بھی زیادہ ہے۔وفات ۶۸۳ ہجری میں ہوئی۔

Marfat.com

تفسیر تبیان القرآن احمد ثالث ابن حامد ثانی

آپ کے دو بھائی تھے محمد اور محمود دونوں مفسر اور محدث تھے۔ تفسیر ۱۴ جلدوں میں ہے تصوف پر کافی کتابیں لکھیں تفسیر میں منطق وفلسفہ کو اپنے اجداد کی طرح بیان کیا اور احادیث وفلسفہ پر زیادہ زور دیا۔ امام رازی کی باقی تفسیر کو مکمل کیا اور اس پر حاشیہ بھی لکھا۔ وفات ۵۷۶ ہجری میں ہوئی۔

قرن سابع

تفسیر ابن اثیر ابن الاثیر شیخ ابوالسعادات مبارک بن محمد بن اثیر جوزیؒ

آپ شیخ احمد ثالث اور ان کے والد شیخ حامد ثانی ابن محمد عبداللہ کے بھی شاگرد تھے۔ تفسیر چھ جلدوں میں ہے۔ بہترین انداز میں ہے۔ وفات ۶۰۶ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر عرائس البیان شیخ الشیوخ سہروردی رحمۃ اللہ علیہ

تفسیر چار جلدوں میں ہے۔ تصوف کافی بیان کیا ہے۔ وفات ۶۰۶ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر دہرانی تفسیر البیان

تفسیر دو جلدوں میں ہے۔ بہترین تفسیر ہے۔ اس کے مصنف بھی شیخ حامد ثانی کے شاگرد تھے۔ وفات ۶۱۴ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر شیخ نجم الدین کبریٰؒ

شیخ احمد ثالث کے شاگرد تھے۔ تفسیر چار جلدوں میں ہے۔ تصوف کو بہت بیان کیا اور تفسیر امام رازی پر حاشیہ بھی لکھا۔ وفات ۶۱۸ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر ابن عربی شیخ اکبر محی الدین ابن عربی

شیخ احمد ثالث کے شاگرد تھے۔ تفسیر گیارہ جلدوں میں ہے۔ اس میں منطق، فلسفہ، تصوف اور مسئلہ وحدت الوجود پر بحث کی ہے۔ یہ تفسیر بے مثل اور لاجواب ہے۔ خزینۃ القرآن اور تفسیر امام باقر سے بہت حوالے دیئے ہیں۔ اس تفسیر کو سمجھنا معمولی بات نہیں بلکہ جب کوئی تمام علوم پر حاوی ہو تو موصوف کی تفسیر کو سمجھ سکتا ہے۔ ابن عربی کی شخصیت بڑی کامل تھی۔ بعد میں آنے والے کچھ لوگوں نے موصوف پر اپنی کم علمی کی وجہ سے اعتراضات کیے ہیں جو بالکل بے بنیاد ہیں۔ موصوف ابن عربی اپنے وقت کے امام تھے۔ وفات ۶۱۸ ہجری میں ہوئی۔

Marfat.com

تفسیر بغیہ البیان شیخ الشیوخ سہروردیؒ

آپ شیخ احمد ثالث کے شاگرد تھے۔ تفسیر چار جلدوں میں ہے۔ آپ کی وفات ۶۳۲ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر امریسی ابوالفضل شرف الدین محمد بن عبداللہ بن محمد رحمۃ اللہ علیہ

آپ شیخ احمد ثالث کے شاگرد تھے۔ تفسیر ۶ جلدوں میں ہے۔ مسلک حنفی تھا۔ آپ نے شرح نسائی بھی لکھی۔ وفات ۶۴۰ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر ابوالفضل شافعی

ان کی تین تفسیریں ہیں۔ پہلی تیس جلدوں میں، دوسری دس جلدوں میں اور تیسری تین جلدوں میں ہے۔ آپ شیخ احمد ثالث کے شاگرد تھے۔ پہلی تفسیر میں علم منطق، فلسفہ اور احادیث کو کافی بیان کیا۔ تفسیر امام باقر، خزینۃ القرآن اور تنزیل القرآن سے زیادہ حوالے دیئے ہیں۔ دوسری میں تصوف اور علم کلام پر بحث کی ہے اور تیسری میں مسائل فقہ بیان کیے ہیں۔ وفات ۶۵۵ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر المہیمن شیخ محمد اکبر ابن احمد ثالث

ستر (۷۰) جلدوں میں ہے۔ اس میں اپنے آباؤ اجداد کا انداز اختیار کیا ہے۔ منطق، فلسفہ اور احادیث پر کافی زور دیا ہے۔ شرح بخاری بھی لکھی۔ نحویوں پر اعتراضات بھی کیے ہیں۔ نحو پر ایک کتاب بھی لکھی۔ آپ کا اصل نام علی تھا۔ والد علی بھی پکارتے اور محمد اکبر بھی کہتے تھے۔ آپ اپنے والد کے مرید تھے۔ مسلک حنفی تھا۔ آنحضرت ﷺ کے فضائل پر کافی زور دیا ہے۔ اپنے اجداد کی تفاسیر کے حوالے بھی دیئے ہیں اور دوسری تفاسیر کے بھی۔ وفات ۶۸۵ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر قرطبی شیخ ابوعبداللہ محمد بن احمد ابی بکر قرطبی رحمۃ اللہ علیہ

آپ شیخ علی محمد اکبر ابن احمد ثالث کے شاگرد تھے تفسیر ۱۲ جلدوں میں ہے آپ نے مفسرین کے نام سے طبقات المفسرین بھی لکھی ہے جو ۹ جلدوں میں ہے۔ آپ کی تفسیر بہترین مباحث پر مبنی ہے۔ اس میں نحوی اور منطقی قواعد ہیں۔ امام قرطبی بہترین مفسر تھے۔ آپ نے تمام مذکورہ مفسرین کے حالات کو اپنی طبقات میں لکھا ہے۔ آپ کی وفات ۶۷۱ ہجری میں ہوئی۔

Marfat.com

قرن ثامن کے مفسرین

تفسیر مدارک التنزیل امام ابوالبرکات عبداللہ حافظ الدین نسفی بن احمد بن محمود حنفی رحمۃ اللہ علیہ

آپ شیخ محمد اکبر ابن احمد ثالث کے شاگرد تھے۔ آپ نے دین کی بہت خدمت کی۔ تفسیر میں احادیث کافی ہیں۔ نبی پاک ﷺ سے آپ کو بہت محبت تھی تفسیر میں آپ ﷺ کے فضائل بہت ہیں۔ آپ کی وفات ۷۱۰ ہجری میں ہوئی۔ معتبر تفسیر ہے۔

تفسیر احسن البیان شیخ محمد تقی الحنفی المقریؒ ابن شیخ علی ابن احمد ثالث رحمۃ اللہ علیہ

آپ کے بھائی عبدالوہاب اور عبدالرزاق بھی مفسر و محدث تھے آپ کی تفسیر سات جلدوں میں ہے۔ موصوف شیخ محمد تقی نے بھی اپنے اجداد کے تفسیروں سے تلخیص فرمائی اور اس میں خوب جدت پیدا کی منطق اور فلسفہ کو خوب بیان کیا۔ جامع ترمذی کی شرح بھی لکھی۔ وفات ۷۵۰ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر خازن شیخ علاؤالدین علی بن محمد بن ابراھیم بغدادی الحنفی رحمۃ اللہ علیہ

آپ شیخ محمد تقی بن محمد اکبر کے شاگرد تھے تفسیر میں اقوال زیادہ ہیں لیکن بہترین انداز میں ہے۔ وفات ۷۲۵ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر السمنانی شیخ ابوالکلام علاؤالدین دولہ احمد القاضی الشافعیؒ

آپ شیخ محمد تقی بن محمد اکبر کے شاگرد تھے۔ تفسیر ۹ جلدوں میں ہے۔ منطق، فلسفہ، تصوف، علم معانی اور علم الکلام پر خوب بحث کی ہے لیکن کشاف کے حوالے دیے ہیں جو غیر معتبر ہیں۔ وفات ۷۲۷ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر بیضاوی علامہ نصیر الدین ابوالخیر عمر البیضاوی رحمۃ اللہ علیہ

تفسیر بیضاوی مکمل ہے۔ اس میں نحوی بحث بہت ہے۔ نکات کافی ہیں امام فخر الدین رازی کے حوالے بہت ہیں اور باقی تفسیروں سے بھی حوالے دیے ہیں۔ آپ کے پہلے اڑھائی پارے درسوں میں پڑھائے جاتے ہیں اور طالب علموں کے ذہنوں کو تازہ رکھنے کے لیے بہترین تفسیر ہے۔ آپ کی وفات ۷۸۵ ہجری میں ہوئی۔

Marfat.com

تفسیر اسباب النزول شیخ احمد رابع بن محمد تقی رحمۃ اللہ علیہ

یہ تفسیر ۲۱ جلدوں میں ہے۔ تفسیر میں منطق، فلسفہ اور احادیث ہیں۔ اپنے اجداد کی تفاسیر میں تلخیص کی ہے۔ آپ نے احادیث پر بھی ایک کتاب مرتب کی۔ موصوف بہت عظیم مفسر تھے۔ آپ کا مسلک حنفی تھا۔ آپ کے بہت سے شاگرد ہوئے ہیں۔ آپ کی وفات ۷۶۹ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر علائی شیخ محمد بن عبدالرحمٰن بخاریؒ

تفسیر ہذا ایک ہزار جلدوں پر مشتمل ہے ہر جلد ایک ہزار صفحہ پر مشتمل ہے موصوف فقیر کے جد امجد سید احمد رابع ابن سید محمد تقی کے شاگرد رشید تھے موصوف نے اپنی تفسیر میں یعنی امام محمد باقر کی پوری تفسیر کو ڈھالا ہے بہترین جدت اختیار کی ہے۔ آپ اپنے وقت کے امام الآئمہ تھے گویا کہ آپ نے اپنے استاد کے آباؤ اجداد کی طرز اختیار کی۔ وفات ۸۰۸ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر الاستغناء مصنف ابوبکر محمد

آپ کی تفسیر ۱۰۰۱ جلدوں پر مشتمل ہے۔ موصوف بھی فقیر کے جد امجد سید احمد رابع ابن سید محمد تقی کے شاگرد تھے۔ موصوف کی تفسیر ۱۰۰۱ جلدوں پر ہے امام باقر کی تفسیر کا حاشیہ ہے استاد محترم کے حکم پر یعنی ان کے جد امجد امام باقر کی تفسیر پر یہ حاشیہ معرکۃ الآراء ہے کیونکہ امام باقر کی تفسیر بہت مشکل ہے اور دقیق ہے اور اس کو آسان کیا ہے۔ وفات ۸۰۸ ہجری میں ہوئی ان کی تفسیر کا ایک حوالہ بھی ملا ہے۔ تاریخ القرآن عبدالصمد صارم الازہری ۱۹۷۱ء لاہور۔

مطبوعہ معین الدین صفحہ ۱۳۵

تفسیر جلالین جلال الدین محمد بن احمد محلیؒ

آپ نے ۱۵ پاروں کی تفسیر لکھی جو بہترین انداز میں ہے۔ آپ کی وفات ۸۶۴ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر فضائل القرآن فی علوم القرآن شیخ محمد ابن احمد رابعؒ

آپ کی تفسیر ۲۲ جلدوں پر محیط ہے۔ شرح مسلم شریف بھی لکھی۔ آپ کامل ولی تھے۔ متکلمین پر کافی اعتراضات کیے ہیں۔ آپ کے بھی کافی شاگرد ہیں۔ آپ نے ۸۳۵ ہجری یا ۸۴۰ ہجری میں وفات پائی۔

تفسیر حکمت القرآن شیخ محمد عبداللہ ابن محمد ابن احمد رحمۃ اللہ علیہ

تفسیر ۲۱ جلدوں میں ہے۔ آپ نے منطق کو تخلیق کیا اور منطق پر کافی کتابیں لکھی ہیں۔ مسلک حنفی تھا۔ آپ نے کافی لوگ مسلمان کیے۔ وفات ۸۳۲ ہجری میں ہوئی۔

Marfat.com

تفسیر البرہان شیخ محمد ثانی ابن محمد عبد اللہ

یہ تفسیر ۹ جلدوں میں ہے آپ اپنے والد کے شاگرد تھے تصوف پر آپ نے کئی کتابیں لکھیں۔ آپ نے شرح ترمذی بھی لکھی۔

تفسیر فتح مبین شیخ احمد خامس ابن شیخ محمد ابن محمد عبد اللہؒ

یہ تفسیر گیارہ جلدوں میں ہے۔ آپ شیخ عبد الحق محدث دہلوی کے استاد تھے۔ آپ نے دین کی کافی خدمت کی اور کافی کتابیں لکھیں۔ وفات ۹۴۰ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر حسینی ملا کمال الدین کاشفی رحمۃ اللہ علیہ

آپ بھی شیخ احمد بن محمد کے شاگرد ہیں۔ آپ کی تفسیر میں صوفیانہ رنگ ہے۔ وفات ۹۰۰ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر الجواہر المبین شیخ محمود ابن احمد خامسؒ

آپ کی تفسیر ۱۶ جلدوں میں ہے۔ آپ نے ترمذی کی شرح بھی لکھی۔ تفسیر میں منطق، فلسفہ اور احادیث پر کافی زور دیا ہے۔ فتاویٰ بھی تحریر کیا ہے۔ آپ کو رسول اللہ ﷺ کی کئی بار زیارت نصیب ہوئی۔ اور لوگ آپ کے وجود سے نور کی شعاعیں دیکھتے تھے۔ آپ کی وفات ۹۸۰ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر خلاصۃ التفاسیر شیخ محمد ثالث بن شیخ محمود رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی تفسیر ۸ جلدوں میں ہے۔ اس میں بہترین بحث ہے اور تمام تفاسیر کو چیدہ چیدہ بیان کیا ہے۔ وفات ۱۰۳۰ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر ذکر المبین شیخ محمود خامس بن شیخ محمد ثالث رحمۃ اللہ علیہ

یہ تفسیر گیارہ جلدوں میں ہے۔ شرح بخاری بھی لکھی۔ امام جلال الدین سیوطی بھی آپ ہی کے شاگرد تھے۔ آپ نے علم لغات پر بھی کئی کتابیں لکھیں۔ آپ کی وفات ۱۰۶۰ ہجری میں ہوئی۔ اپنے والد کے شاگرد تھے۔

تفسیر جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ

آپ نے آخری پندرہ پاروں کی تفسیر لکھی ہے۔ آپ کی وفات ۹۱۱ ہجری میں ہوئی۔ آپ شیخ محمود کے دادا کے شاگرد تھے۔

Marfat.com

تفسیر خصائص القرآن شیخ حامد ابن محمودؒ

یہ تفسیر چھ جلدوں میں ہے۔آپ نے شرح بخاری بھی لکھی۔وفات ۱۱۳۰ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر الفوائد القرآن شیخ محمد رابع ابن شیخ حامدؒ

تفسیر ۹ جلدوں میں ہے۔تفسیر میں منطق اور فلسفہ پر کافی بیان کیا ہے۔مشکوٰۃ شریف کی شرح بھی لکھی۔اور اپنے آباء واجداد کی تفسیر سے تلخیص کی۔وفات ۱۱۸۰ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر شیخ الاحمد یہ ملا احمد جیون

تفسیر چھ جلدوں میں ہے۔آپ نے فتاوٰی عالمگیری میں کام کیا اور آپ کے مشوروں پر کام ہوتا تھا۔فتاوٰی میں علماء آپ ہی سے مسائل دریافت کرتے۔آپ شیخ حامد بن محمود کے شاگرد تھے۔وفات ۱۱۳۰ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر الاستغنا شیخ میراں جیو بن شیخ محمد رابعؒ

شیخ میراں جیونوری برقعی قادری ابن شیخ محمد رابع آپ کے بھائی کا نام احمد مفسر ومحدث تھا۔آپ کا اصل نام علی بن محمد ہے۔لقب میراں تخلص جیو تھا۔علماء آپ کو بحرالعلوم مانتے تھے۔آپ کی تفسیر گیارہ جلدوں میں ہے۔نہایت عمدہ تفسیر ہے۔آپ نے ابن ماجہ اور نسائی شریف کی شرحیں بھی لکھیں اور اپنے جدامجد شیخ احمد ثانی ابن محمد عبداللہ ابن احمد ابن موسیٰ کی تفسیر نورالقرآن پر حاشیہ لگایا جو فارسی میں ہے۔میراں جیو ممتاز عالم دین اور علمی گھرانے کے فرد تھے آپ نے تفسیر میں منطق، فلسفہ اور احادیث پر زور دیا ہے۔منطق اور فلسفہ پر کئی کتابیں لکھیں۔جن میں سے ایک کتاب کا نام بحرالعقول ہے جو چودہ جلدوں میں ہے۔اور بڑی دقیق ہے۔آپ کے بارے میں ملا احمد جیون لکھتے ہیں کہ شیخ علی بن محمد لقب میراں جیو ایک ممتاز عالم دین تھے۔ان کے آباؤ اجداد تمام مفسرین ومحدثین تھے اور بڑے بڑے شہرت یافتہ محدثین و مفسرین آپ کے اجداد کے شاگرد تھے اور آپ کے آباؤ اجداد نے تفاسیر کے علاوہ بھی بہت سی کتابیں لکھیں۔شیخ میراں جیو کو ہر رات جناب رسول اللہ ﷺ کی زیارت نصیب ہوتی تھی۔ملا جیون اپنی کتاب حقیقت الاسرار فی رموز القرآن میں لکھتے ہیں کہ عالم اسلام پر میراں جیو اور ان کے آباؤ اجداد کا بہت بڑا احسان ہے اور میں بھی ان کے باپ اور دادا کا شاگرد ہوں۔کہ جب وہ حدیث پڑھاتے تھے تو کئی بار ہمیں بھی رسول اللہ ﷺ کی زیارت ہو جاتی تھی۔اور میراں جیو بھی ایسی ہی شخصیت ہیں۔آپ بھی جب حدیث کا درس دے رہے ہوتے تو آپ کے طلباء بھی کئی بار رسول اللہ ﷺ کی زیارت سے شرف یاب ہوئے۔فرماتے ہیں کہ شہنشاہ عالمگیر آپ کی بہت عزت کرتا تھا۔جب وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو عرض کرتا کہ

جناب! میں بھی آپ کے تلامذہ میں ہوں۔

فرماتے کہ عالمگیر کو فتاوٰی عالمگیری لکھنے کا حکم آپ نے ہی دیا تھا۔اور فقیر کے بارے میں رائے دی کہ دیگر علماء کو اکٹھا کیا جائے اور فقیر احمد سے مسائل دریافت کیے جائیں۔اور ان کی نگرانی میں یہ فتاوٰی تحریر ہو۔گو فقیر اس قابل نہ تھا جو حضرت نے مجھے حکم دیا۔اسی صفحہ پر ملا جیون آگے لکھتے ہیں کہ آپ جناب بحرالعلوم جب حدیث پڑھا رہے ہوتے تو ان کے والد انہیں دیکھ کر خوش ہوتے اور فرماتے جیو، جیو بیٹے جیو۔تو اس طرح میراں کے ساتھ آپ کا تخلص جیو ہو گیا۔آپ اولاد امام

Marfat.com

حسینؓ سے ہیں۔آپ کے اجداد کسی تعارف کے محتاج نہیں۔آپ نے دین کی بہت خدمت کی۔آپ نے اپنی تفسیر اول کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ ۲۵ پشتوں سے ہم مفسر قرآن آرہے ہیں اور میرا بیٹا عبداللہ بھی اپنے آباء کی طرح مفسر ہوگا۔اس کے بعد ہمارے خاندان سے یہ علمی کیفیت ختم ہو جائے گی۔جہالت وارد ہوگی۔ میری اولاد پر مصائب و آلام ٹوٹ پڑیں گے۔اور دور مغلیہ پر سخت زوال آئے گا اور خاندان مغلیہ بھیک مانگے گا۔میراں جیو قادری بحر العلوم آپ اپنے آبا کی طرح عاشق رسول تھے۔اور محبت رسول اللہ ﷺ آپ کو ورثے میں ملی۔آپ نے اپنے زمانے کے گمراہ فرقوں کا رد کیا اور اپنی تفسیر میں عشق مصطفیٰ ﷺ کے جواہر پاروں سے پرو دیا۔ میلاد مصطفیٰ ﷺ پر اسی نام سے کتاب لکھی جو کہ فارسی زبان میں ہے۔آپ اپنی تفسیر الاستغنا کے مقدمہ میں صفحہ ۱۶۴ پر فرماتے ہیں کہ اب مغلیہ خاندان فساد کے دور میں ہے اور اسلام سے بے رخی برت رہا ہے۔ایک قوم تاجر کی حیثیت میں یہاں داخل ہوگی جو اس ملک پر قبضہ کر لے گی۔مغلوں کا قتل عام ہوگا۔اور دیگر مسلمان بھی قتل ہوں گے۔چنانچہ ایسے ہی ہوا۔میراں جیو کو شاہ عبدالحق محدث دہلوی کی اولاد سے بہت محبت تھی۔فرماتے ہیں کہ میرے جد امجد شیخ احمد خامس جن کا اوپر ذکر آچکا ہے انھیں بخارا سے اس خطہ میں لے آئے اور شیخ میرے جد امجد کے شاگرد بھی تھے۔علماء میں شاہ عبدالرحیم بھی آپ کے تلامذہ میں سے تھے اور بہت سے علماء آپ کے شاگرد تھے۔ جناب میراں جیو کو برقعی اس لیے کہتے ہیں کہ آپ صاحب خزینۃ القرآن موسیٰ المبرقع کی اولاد سے تھے۔آپ نے اپنی تفسیر کے مقدمہ میں اوپر مذکور تمام مفسرین کے حالات کو یکجا کیا ہے اور اس میں اپنے آباؤاجداد کی تفاسیر سے ہی زیادہ تر حوالے دیئے ہیں۔قارئین! آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ میراں جیو کے آباؤاجداد کتنے عظیم مفسر تھے اور کتنے ہی مفسران کے شاگرد تھے۔جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے اور ابھی کئی حضرات کا ذکر فقیر نے نہیں کیا۔جناب میراں جیو خادم دین متین ۱۱۶۰ ہجری میں انتقال فرما گئے۔

تفسیر انوار التنزیل شیخ محمد عبداللہ ابن شیخ میراں جیو ابن شیخ محمد رابع رحمۃ اللہ علیہ

یہ تفسیر ۱۳ جلدوں میں ہے اس خاندان کی یہ آخری تفسیر ہے۔تفسیر کے علاوہ اور بھی بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔آپ بھی اپنے آباء کی طرح عاشق رسول ﷺ تھے۔علم و ادب پر بھی کافی مضامین لکھے۔آپ بڑے جید عالم تھے۔ایک فتاویٰ لکھا جو احسن البرکات کے نام سے موسوم ہے۔آپ نے بھی دین کی بہت خدمت کی اور بہت سے علماء ان کے شاگرد تھے۔شاہ ولی اللہ اور عبدالرحیم آپ کے شاگرد تھے۔موصوف شیخ عبداللہ بہت عظیم محدث و مفسر تھے اور فقیہ تھے۔اعلیٰ حضرت امام اہلسنت مولانا شاہ احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کے دادا بھی آپ کے شاگردوں کے شاگرد تھے۔حضرت شیخ محمد عبداللہ کی وفات ۱۲۲۵ ہجری خیر آباد میں ہوئی۔

تفسیر مظہری قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ

آپ دیگر علماء کے علاوہ شیخ محمد عبداللہ ابن میراں جیو کے شاگرد تھے۔فرماتے ہیں کہ میں نے جب دیکھا کہ متقدمین مفسرین جمہور ان کے آباؤاجداد کے شاگرد ہیں تو میری سند بھی ان سے وابستہ ہو جائے۔تفسیر مظہری بہترین تفسیر ہے۔لیکن نئے چھاپوں میں عبارتوں میں کچھ گڑ بڑ کی گئی ہے۔آپ کا سلسلہ نقشبند تھا۔آپ حضرت مظہر جان جاناں دہلوی کے خلیفہ تھے۔آپ کو اپنے شیخ سے بے پناہ محبت تھی۔اسی لیے تفسیر کا نام بھی مظہری رکھا۔شیخ قاضی ثناء اللہ نے اپنے استاد شیخ محمد عبداللہ کو بیہقی وقت لکھا ہے۔قاضی صاحب کی وفات ۱۱۲۵ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر عزیزی شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ

یہ تفسیر بھی اچھی ہے۔کچھ اقوال غیر معتبر ہیں۔آپ احمد بن حسین مراد آبادی کے شاگرد تھے اور احمد بن حسین مراد آبادی شیخ محمد عبداللہ بن میراں جیو کے شاگرد تھے۔شاہ عبدالعزیز کی وفات ۱۲۸۴ ہجری میں ہوئی۔

Marfat.com

تفسیر یا محمد از شیخ محمد عبداللہ بن میراں جیو

اس تفسیر میں صوفیانہ رنگ غالب ہے۔ آپ کی پہلی تفسیر دقیق اور دوسری سادہ ہے۔ اس کا نسخہ کتب خانہ نواب سالار جنگ حیدر آباد دکن میں موجود ہے اور دیگر خیر آباد میراں جیو شہر میں ہے۔ لائبریری میراں جیو میں ہے جس میں چار کروڑ کتابیں موجود ہیں۔

تفسیر روح المعانی از شہاب الدین محمود آلوسیؒ

تفسیر میں نحوی قواعد بہت ہیں۔ عمدہ تفسیر ہے۔ آپ کی وفات ۱۲۷۰ ہجری میں ہوئی۔

تفسیر قادری

بہترین تفسیر ہے اس کے مصنف سلسلہ قادریہ کے بزرگ ہیں۔ فارسی زبان میں یہ لاجواب تفسیر ہے۔ آپ کی وفات ۱۳۲۰ ہجری میں ہوئی۔

تراجم

ترجمہ: عبدالعلی رامپوری رحمۃ اللہ علیہ

آپ احمد بن مبارک کے شاگرد تھے۔ جو شیخ محمد عبداللہ بن میراں جیو کے شاگرد تھے۔ آپ نے سورہ یٰس کی تفسیر لکھی رام پور میں مدرسہ عالیہ کے شیخ تھے۔ اعلیٰ حضرتؒ کے استاد بھی تھے۔

ترجمہ: ابوالخیر نصیر الدین دکنی رحمۃ اللہ علیہ

آپ نے سورہ والضحٰے کی تفسیر لکھی۔ وفات ۱۳۲۵ ہجری میں ہوئی۔

ترجمہ: محمد عبداللہ خیر آبادی فارسی

اردو تراجم میں پہلا ترجمہ لاجواب، بے نظیر ترجمہ عالم بے بدل اعلحضرت امام اہل سنت الشاہ احمد رضا خاں رضی اللہ عنہ نے لکھا۔ اعلیٰ حضرت کے بارے میں فقیر کچھ نہیں کہتا۔ اتنا ضرور ہے کہ آپ ہر فن میں ماہر تھے۔ آپ بحر العلوم تھے۔ دشمنوں نے بھی یہ اعتراف کیا۔ آپ نے محبت مصطفیٰ ﷺ کو بہترین ادبی انداز میں لوگوں کے سامنے پیش کیا۔ یہ گمراہ فرقوں کا دور تھا مگر آپ نے نہایت مختصر عرصہ میں گمراہ فرقوں کو تتر بتر کر دیا۔ امام اہلسنت اپنے وقت کے غوث زماں تھے تقویٰ اور طہارت میں بے مثل تھے۔ آپ کی ہر ادا سنت مصطفیٰ ﷺ کے مطابق تھی۔ حضور ﷺ کے نام پر آپ کی آنکھیں اشکبار ہو جاتیں۔ آپ نے پندرہ سو سے زائد کتابیں لکھیں۔ آپ کی زندگی کا ہر لحہ امت محمدیہ ﷺ کے لیے قیمتی تھا۔ آپ نے شرح بخاری لکھی جو لاجواب ہے۔ آپ کے سامنے مخالف علماء بول نہ سکتے تھے۔ آپ کی شہرت تمام عالم اسلام میں پھیل گئی اور علمائے مصر اور مدینہ نے آپ کو امام تسلیم کیا۔ آپ کا قلم اتنا شہ زور تھا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں امت کو علم کا بیش بہا خزانہ عطا کیا۔ آپ کی تحریر کا سکہ پوری دنیا میں ہے۔ آپ کے بارے میں جلد ایک کتاب لکھوں گا۔ جس میں آپ کی علمی کاوشوں سے عوام الناس کو روشناس کروں گا۔ اور آپ کے علم کے بارے میں عرض کروں گا۔ آپ کی وفات ۱۳۴۰ ہجری میں ہوئی۔ اس کے بعد فقیر کچھ اپنے خاندان کے بارے میں عرض کرے گا۔ اوپر بیان کیا ہے کہ میراں جیو کا تخلص جیو تھا۔ اس لیے اب ان کی اولاد کے ساتھ بھی لفظ جیو منسلک رہے گا۔

Marfat.com

شیخ محمد عبداللہ بن میراں جیو

آپ کے دو صاحبزادے تھے۔ محمد سمیع اللہ و بہادر۔ جوانی کے عالم میں جب والد شہید ہو گئے تو اس اثناء میں مستورات کو بھی شہید کرنے کی کوشش کی گئی۔ پاکدامن مستورات نے جب دیکھا کہ یہ لوگ ہمارے گھروں میں داخل ہو رہے ہیں تو انھوں نے خود اپنے آپ کو شہید کر لیا تا کہ غیر محرموں کے ہاتھوں ہمارا قتل اور بے پردگی نہ ہو۔ مولانا عبدالعلی رامپوری فرماتے ہیں کہ یہ وہ مستورات تھیں جن سے سورج بھی حیا کرتا تھا۔ دونوں صاحبزادوں نے جب یہ حال دیکھا تو پہلے مراد آباد کی جانب نکلے لیکن لوگوں نے جب ان کا پیچھا کیا تو یہ کسی ویران علاقے میں پہنچ گئے۔ کچھ عرصہ وہیں رہے جب مغلیہ خاندان کا خاتمہ ہوا تو پھر یہ لوگ ریاست پٹیالہ میں آئے۔ لیکن انگریز ابھی انہیں نہیں بھولے تھے اور سرگرمی سے تلاش کر رہے تھے۔ ان دونوں بھائیوں کو خطرہ تھا کہ انگریز والد صاحب کی طرح ہمارے ساتھ بھی وہی سلوک کریں گے اور پکڑ کر شہید کر دیں گے۔ رسالہ محبّ الاولیاء میں تحریر ہے جسے فضل حق خیر آبادی نے تحریر کیا ہے کہ پہلے تو یہ دونوں ایک سکھ کے پاس ملازم رہے۔ پھر جب اس سکھ نے بھی بدسلوکی کی اور انھیں قید میں رکھا۔ چھ ماہ کی قید کے بعد اللہ تعالیٰ کی مدد سے یہ ریاست پٹیالہ سے نکل پنڈی بھٹیاں چلے آئے۔ اور وہاں رہائش اختیار کر لی اور شادیاں کیں۔ انگریز برابر ان کی بو سونگھ رہے تھے آخر کار انھوں نے پنڈی بھٹیاں سے دونوں بھائیوں کو گرفتار کر لیا۔ تب تک ان دونوں کے ہاں اولاد بھی ہو چکی تھی۔ بہادر کے ہاں ایک لڑکا اسرار شاہ نامی پیدا ہوا اور سمیع اللہ کے تین بیٹے ہوئے۔ نامدار، صاحب یار اور دلاور۔ انگریزوں نے ان دونوں کو قتل کر دیا۔ ایک قول کے مطابق ملتان میں قتل کیا اور ایک قول یہ ہے کہ پنڈی بھٹیاں میں قتل کیا ہے۔ اور معتبر قول یہی ہے۔

انگریزوں نے جہاں محمد سمیع اللہ اور بہادر کی شادیاں ہوئی تھیں اس سسرال کے پورے خاندان کو بھی قتل کر دیا۔ یہ تینوں بچے اس وقت کم سن تھے۔ نامدار کی عمر ساڑھے چھ سال دلاور کی ساڑھے چار سال اور صاحب یار تین سال کے تھے۔ خوش قسمتی سے یہ تینوں بھائی اور ان کا چچازاد اسرار شاہ زندہ بچ گئے۔ ان کی پرورش ایک سکھ نے کی۔ لیکن ان کی فطرت اسلامی تھی اور یہ ایک ممتاز علمی گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ جب یہ جوان ہوئے تو سکھوں نے دیکھا کہ یہ تو اسلام کی طرف مائل ہیں تو انھوں نے بھی سختیاں کرنا شروع کر دیں اور انھیں سکھ بننے کی ترغیب دی۔ ان بچوں کو اپنے خاندان کا کچھ علم نہ تھا۔ جب سکھوں نے زیادہ تنگ کیا تو یہ کسی طرح نکل کر ملتان پہنچے۔ انھیں اپنے ماں باپ اور خاندان کا کوئی علم نہ تھا۔ ان کے چچازاد بھائی اسرار شاہ نکل کر بہاولپور کی جانب علاقہ چیلہ دان میں آ گئے۔

باقی تینوں بھائی ملتان میں نانی وال پتی نواب پور کے قریب آ گئے اور ایک بھٹی خاندان میں ملازم ہو گئے۔ اور ایک معتبر قول اس طرح ہے کہ احمد علی سہانپوری، فضل حق خیر آبادی اور فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی کے قول کے مطابق اس سکھ سے ایک شخص نے بطور غلام انھیں خرید لیا اور وہ ملتان سے تجارت کی غرض سے آیا تھا۔ اس نے ملتان آ کر یہ بھٹی کے ہاتھ فروخت کر دیے اور بھٹی نے انھیں اپنی اولاد کی طرح پالا۔ حتیٰ کہ کوئی نہ جان سکتا تھا کہ یہ لڑکے غیر ہیں بلکہ یہی لگتا تھا کہ اس کے اپنے ہیں۔ اس نے ان تینوں کو اپنے بیٹے اور وارث قرار دیا اور ان سے کہا کہ میں ہی تمہارا باپ ہوں۔ اور وہ بھی اس کو ہی اپنا باپ سمجھنے لگے۔ کیونکہ کم سنی کے باعث انھوں نے اپنا باپ نہ دیکھا تھا اور خاندان دل سے محو ہو چکا تھا اس لیے وہ بھی اسے حقیقی باپ ہی سمجھنے لگے۔ پھر جب بھٹی فوت ہو گیا تو یہ تینوں اس کی جائیداد کے وارث ہوئے۔ لیکن بھٹی خاندان نے زور استعمال کر کے یہ جائیداد ان سے واپس چھین لی۔ اور انھوں نے پھر سے نواب پور میں ملازمت کر لی۔ پھر اپنے چچازاد بھائی اسرار شاہ سے بھی ملاقات ہوئی۔ اس نے کہا کہ تم ہمارے چچازاد ہو۔ اور انہیں صرف ایک لفظ جیو یاد تھا کہ ہم جیو ہیں۔ باقی کی کچھ خبر نہ تھی۔ پھر یہی لفظ جیو مستعمل ہوا۔ جو آج تک رائج ہے۔ جہالت کا زور بھی اس خاندان میں کچھ زیادہ ہو گیا۔ کیونکہ شیخ میراں جیو نے پیش گوئی کر دی تھی کہ میرے بیٹے کے بعد میری اولاد میں سے عالم نہ ہوں گے اور فرمایا

Marfat.com

کہ کچھ عرصہ کے بعد یہ سلسلہ دوبارہ جاری ہو جائے گا۔تفسیر الاستغنا صفحہ ۲۶۲ جلد اول میں یہی تحریر ہے اور اب سلسلہ یہ ہے کہ ہم نامدار کی اولاد ہیں اور اسرار شاہ کی اولاد بھی یہیں کہیں آباد ہے۔لیکن لاعلمی کا دور ہے۔کھیتی باڑی ذریعہ معاش ہے۔اب فقیر نے پھر تفسیر لکھنا شروع کی ہے تا کہ اس خاندان کی یاد تازہ ہو۔ کیونکہ فقیر کا نسبی تعلق نامدار سے اس طرح سے ہے۔

غلام حسین بن اللہ دتہ بن محمد بن محمد رمضان بن نامدار بن سمیع اللہ۔

اب فقیر کی بارگاہِ خالق کائنات میں التجا ہے کہ مجھے قرآن کریم کی مکمل تفسیر لکھنے کی توفیق بخشے کیونکہ ۔

ایں سعادت بزور بازو نیست

تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

فقیر نے اس تفسیر کا نام سراج منیر رکھا اور مفسرین کے یہ مختصر حالات اس لیے تحریر کیے ہیں کہ معلوم ہو سکے کہ ہمارے خاندان میں کتنے بڑے بڑے مفسرین و محدثین گزرے ہیں اور ان لوگوں کا تعارف بھی جو کہ علوم اسلام کے نامور فرزند تھے اور انہوں نے اپنی زندگیاں اسلام کے لیے وقف کر دی تھیں۔اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے اور بدلے میں انہیں بہترین مقامات سے نوازے۔آمین۔

عرض کرتا ہوں کہ فقیر کے آباؤ اجداد کے حالات جناب شیخ المحدثین سید احمد خیر آبادی نے لکھ کر انڈیا سے بھیجے تھے جو پہلی جلد میں درج ہیں۔میں ان کا بہت ممنون ہوں۔وہ حالات مختصر تھے اب فقیر نے مکمل آپ کی خدمت میں عرض کر دیے ہیں۔مفسرین کے طبقات فقیر نے مختصر مقدمہ میں تحریر کیے ہیں جو بہت مختصر ہیں۔ قارئین اگر کچھ غلطی ہو تو معاف کر دیں۔دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے اس عزم کو پورا فرما دے۔کیونکہ یہی میری تمنا ہے۔فقیر نے یہ مقدمہ اپنے دوست ماسٹر قائم الدین جاہل سے تحریر کروایا۔دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے اور ان کے قلوب کو نبی پاک ﷺ کی محبت سے بھر دے۔

(آمین)

Marfat.com

حصہ اوّل باب اوّل

الفاظ معنی پر مختلف طریق سے دلالت کرتے ہیں۔ یاد رہے کہ لفظ کی حقیقت معنی کا اصل وجود ہے اور معنی لفظ کا حاصل ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ لفظ اصل معنی کی ذات ہے پھر اس میں دو حقیقتیں وارد ہوتی ہیں۔ جو لفظ کا معنی اس کی اصل حقیقت پر وارد ہو تو وہ اصل ہی حقیقت ہوگا یا مختلف فرق اختیار کریں تو پھر وہ ان کی اصلاح ہوگی۔

اس کے معنی اس کی وجوہات سے بیان ہو سکتے ہیں لیکن اس کی وجوہ معنی کی حقیقت سے ہی مراد ہونگی۔

لیکن ان تمام سے طریقہ اشتقاق کا ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ لفظ کا طریقہ اصل اشتقاق ہے کیونکہ اشتقاق اسے ظاہر کرتا ہے جب تک کہ کسی لفظ کا مشتق معلوم نہ ہو۔ صاحب خزینۃ القرآن کے نزدیک تو یہ ہے کہ لفظ اصل میں ہوگا ہی وہی جو کسی سے مشتق ہو۔ تب اس کے معنی کی اصل دلالت ہوگی۔ اشتقاق کے معنی کسی لفظ سے ظاہر ہونا۔ تاوقتیکہ اس کا مشتق معلوم نہ ہو۔ یعنی مشتق ہونا یہ لفظ کے لئے ضروری ہے۔ جب تک مشتق نہ ہوگا اس وقت تک وہ لفظ مکمل نہ ہوگا یہی بات صاحب خزینۃ القرآن کے نزدیک اور تفسیر کبیر میں بھی یہی ہے۔ ایک اشتقاق تو یہی ہے کہ فعل ماضی مضارع، فاعل، مفعول یعنی مشتق کا اصل مرکز فعل ماضی ہے یا مضارع ہے یا فاعل ہے یا مفعول یا مصدر، فعل ماضی مضارع کو بنانا۔ اس کا تعلق مصدر سے ہے اور مصدر فعل ماضی مضارع فاعل وفعل کا مجموعہ ہے کیونکہ فعل سے زمانہ مراد ہو سکتا ہے یا گزرا ہو یا آنے والا اور فاعل سے کرنے والا ہے اور مفعول ہے جس پر کیا جائے۔ یہ اصل لغت عربی کی حقیقت ہے۔ ہر ایک فعل کا کوئی نہ کوئی مصدر مشتق ہوتا ہے اس قسم کے اشتقاق کو اشتقاق اصغر کہتے ہیں۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ اس کا اصغر ہونا اس کی حقیقت پر مبنی ہوتا ہے۔

مثال جیسے (ضَرْبًا) تو یہ ضربًا مصدر چھوٹا ہے اگر اس سے ماضی نکالنی ہو تو دوسرے الفاظ ملانے پڑیں گے جیسے (ضرب) اس کے برخلاف کافی الفاظ ہیں جو مصدر سے مشتق نہیں ہوتے۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں اور امام رازی نے بھی یہی بات خزینۃ القرآن سے نقل کی ہے بلکہ خود ان سے تغیر وتبدل کرنے سے ایک نیا لفظ بنایا جاتا ہے تو اسے اشتقاق اکبر کہتے ہیں، یہ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں اور علماء لغت کا بھی یہی قول ہے۔ چونکہ الفاظ کی ترکیب میں اجزاء کم وبیش ہوتے ہیں اختلاف پایا جاتا ہے۔ لفظ میں اختلاف ہونا یہ تغیر وتبدل پر منحصر ہے۔ فقیر کی بھی یہی رائے ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن وامام رازی کا اتفاق ہے مثلاً ایسے الفاظ دو ترکیبیہ اجزاء کے دو حروف ہوتے ہیں ایسے ہی الفاظ بعض تین حروف سے بعض چار حروف سے بعض پانچ حروف سے مرکب ہوتے ہیں۔ لیکن اس کے آگے کوئی ایسا درجہ نہیں۔ جس کے اجزاء ترکیبیہ پانچ سے زائد ہوں تو ان الفاظ کی موجودہ ترتیب کو یکے بعد دیگرے بدل دیا جائے تو ہر ایک تبدیلی نیا لفظ پیدا کرے گی۔ مثلاً دو حروف سے الفاظ مرکب۔ جیسے من میں پہلی تبدیلی سے لفظ نم بنے گا یاد رہے کہ اسم اور فعل کی حرکت بتا دوں فعل اور اسم اور حرف کسے کہتے ہیں۔

فعل : اس سے زمانہ اور معنی معلوم ہو تو اسے فعل کہا جائے گا۔

اسم : اس سے معنی معلوم ہو اور زمانہ معلوم نہ ہو۔

حرف: وہ ہے نہ جس سے زمانہ معلوم ہو اور نہ معنی معلوم ہو۔

جیسے مِنْ لیکن اس قسم کے الفاظ سے دو (۲) لفظ بنتے ہیں زیادہ نہیں اور سہ حرفی الفاظ ہیں چھ تغیرات اور چھ الفاظ چار حرفی ہیں۔ چوبیس اور پانچ حرفی میں ایک سو بیس (۱۲۰) تبدیلیاں اور اسی قدر الفاظ بنتے ہیں۔

اشتقاق اکبر کا قاعدہ یہ ہے کہ لفظ کی ترتیب حرفی کو اس طرح بدل دیا جائے کہ اس کے ہر ایک حروف کو حرف اوّل کی جگہ رکھ دیا جائے بعد ازاں حرف اوّل کے

Marfat.com

ماسواء جس قدر حروف باقی رہیں۔ ان حروف کی تعداد تغیری کو اصل عدد میں ضرب دی جائے تو حاصل ضرب میں تعداد تغیری ہوں گے کیونکہ تغیر ہونا یہ اس کا حصہ ہے بعض دفعہ ہر تغیر معنی پر آتا ہے یا مصدر پر۔

مثلاً سہ حرفی لفظ میں چھ تبدیلیاں ہوتی ہیں جیسے (حمد) کیونکہ ترتیب موجودہ کو بگاڑا اور (م) کو بجائے (ح) رکھا، کیونکہ (م) اصل میں لفظ کے تغیر کا ایک جزو اوّل ہے اسی وجہ سے ترتیب کو بگاڑا گیا تو حمد بنا۔ اسی طرح (د) کو بجائے (ح) رکھا تو دوسری تبدیلی رونما ہوئی اور ایک اس کی اصل حالت حمد تو یہ تین تبدیلیاں وار ہوئیں اور پیچھے معلوم ہو چکا ہے کہ دو حرفی الفاظ میں دو تبدیلیاں ہی ہوتی ہیں یاد رہے عرض کر چکا ہوں کہ تبدیلی جب بھی وارد ہوگی تو مصدر کی اصطلاح سے کیونکہ مصدر میں تغیر وتبدل ضرور ہوتا ہے اور حمد کی تین تبدیلیوں کے بعد صرف دو حرف (مد) باقی رہے تھے اس کی تعداد کو اس کی تبدیلیوں میں ضرب دیا گیا تو حاصل ضرب چھ (۶) نکلا اور یہی اس کے اعداد تغیری ہیں یاد رہے کہ لفظ حمد مصدر ہے ("ر" ہذا ہوالمطلوب) اور (ح) ہذا بھی ہوالمطلوب ہے۔ چہار حرفی میں چوبیس (۲۴) تبدیلیاں رونما ہوں گی یہ اس کا اصل قاعدہ ہے کیونکہ بطریق مذکور ترتیب کو بگاڑنے سے چار عدد حاصل ہوتے ہیں یہ اس کی اصل خاصیت ہے۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ چھ حرفی میں چھ تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں۔ چھ کو چار میں ضرب دینے سے حاصل چوبیس نکلا۔ پنج حرفی لفظ (صغیر) ہیں۔ ایک سو بیس تبدیلیاں ہوں تو معلوم ہوا کہ تغیر وتبدل ہونا یہ لفظ کو اس کی حقیقت ضرب سے معلوم کرنا یہ لفظ کی خاصیت ہے بطریق مذکور ترتیب کو بگاڑنے سے ۵ عدد حاصل ہوں گے۔ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ چار حرفی میں ۲۴ تبدیلیاں ہوتی ہیں۔ یہ اس لفظ کی حقیقت پر منحصر ہے۔ ۲۴ کو ۵ میں سے ضرب دیا تو ۱۲۰ حاصل نکلا۔

پس مذکورہ بالا تقریر سے ثابت ہوا کہ ایک کلمہ کے معنی اس کے اشتقاق سے معلوم ہو سکتے ہیں۔ یاد رہے کہ لفظ کا ظاہر کرنا اس کے اشتقاق کا ہونا ضروری ہے بلکہ لفظ بنے گا ہی اشتقاق سے ورنہ نہیں کیونکہ اشتقاق کے بغیر تو کوئی لفظ بن ہی نہیں سکتا بسا اوقات الفاظ کی شکل میں ظاہراً فرق نہیں ہوتا لیکن ہر ایک کے معنی جدا جدا ہوتے ہیں کیونکہ معنی کا تعلق لفظ سے ہے اور معنی کا ظاہر ہونا یہ لفظ کی اصل ذات ہے اور ایک لحاظ سے معنی لفظ کی صفت ہیں۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کیونکہ لفظ ہی سے معنی نکلے گا۔ اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ اشتقاق ایک نہ تھا ورنہ وجہ امتیاز نہ ہوگی۔

مسئلہ دوسرا:

مذکورہ بالا ہر دو اشتقاق میں سے اشتقاق اصغر زیادہ مروج مقدمہ اول اور سہیل الحصول ہے عرض کر چکا ہوں کہ فعل ماضی مضارع، فاعل مفعول۔ اسی اشتقاق اصغر سے تعلق رکھتے ہیں اور عربی لغت کا مجموعہ یہی ہیں۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ اشتقاق اصغر عربی لغت کا مجموعہ ہے کیونکہ ماضی مضارع فاعل مفعول اسی سے بنتے ہیں۔ اشتقاق اکبر تو صرف تغیر وتبدل ہی سے ہے اصل مجموعہ تو اشتقاق اصغر ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ اشتقاق اکبر استعمال نہیں ہوتا اس کی وجہ یہ کہ فعل ماضی مضارع۔ فاعل مفعول اس سے ثابت نہیں ہوتے۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ اشتقاق اکبر سے کافی دشواریاں اور مشکلات پیدا ہو جاتی ہیں۔ گو سہ حرفی الفاظ میں چنداں ضرورت محسوس نہیں ہوتی لیکن چہار حرفی اور پنج حرفی کا استخراج مشکل ہوتا ہے یاد رہے کہ ان مذکورہ بالا سہ حرفی چہار حرفی اور پنج حرفی سے نہ ماضی بن سکتی ہے نہ مضارع۔ علاوہ اس کے اس اشتقاق سے جس قدر الفاظ بنتے ہیں ضروری نہیں کہ سب سے یہی معنی اخذ ہوں بلکہ مہمل وغیرہ مستعمل ہوتے ہیں۔

مہمل وغیر مستعمل عید ضروری ہیں کہ نہ ان سے معنی وزمانہ معلوم ہو سکتا ہے۔

مسئلہ تیسرا:

کلمہ سہ حرفی لفظ ہے اس میں سے چھ الفاظ نکلتے ہیں اس میں صرف ایک لفظ غیر معتبر ہے اور باقی پانچوں الفاظ کے معانی سے صریحاً قوت اور شدت مفہوم ہوتی ہے۔ کیونکہ اوّل ل ک م جو اس موقع پر استعمال ہوتا ہے جہاں شدت اور سختی ظاہر کرنا مقصود ہو۔ کلام کا یہی مادہ ہے اور کلام سے کانوں کو تنبیہ ہوشیار کیا جاتا ہے کیونکہ کلام کا تعلق کان سے ہوتا ہے اس کے علاوہ ذہن میں بالواسطہ معانی مؤثر ہوتا ہے اور کلام ٹھوس ذہن کو بھی کہتے ہیں۔ کلم بمعنی زخم اسی مادہ سے مشتق ہے پس زخم کرنا اور مؤثر کرنا۔ دیگر را مؤثر گردانیدن واستواری ذہن سے ہر ایک شخص اندازہ لگا سکتا ہے کہ اس سے شدت اور قوت مفہوم ہوتی ہے یا نہیں کیونکہ شدت قوت کا تاثر ذہن سے ثابت ہو سکتا ہے ہر قسم کی قوت وشدت اس سے ظاہر ہے۔ امام راغب اصفہانی فرماتے ہیں کہ شدت قوت کا مفہوم ثابت کرنا ہو تو ذہن سے۔

Marfat.com

دوسرا لفظ ک، ل، م ل: جس سے کامل مشتق ہے۔ کامل مشتق کا ہونا ک، ل، م سے ہے۔ ک، ل، م کامل کے لئے اس کا سبب موجب ہے بلاَ رَیۡبَ کامل کو ناقص پر قوت حاصل ہوتی ہے کیونکہ با کامل ہے اور یہ ہر ناقص پر حاوی ہے۔

تیسرا لفظ ل، ک، م بمعنی مکہ (دُن) میں قوت مفہوم ہوتی ہے۔

چوتھا لفظ م، ک، ل جس سے بیر مکول چاہے کہ اب قلیل وارد ماخذ ہے۔ کنوئیں کی گہرائی پانی کی کمی اور بیشی پر ہے کیونکہ کنوئیں کے لئے کنوئیں کو ظاہر کرنا اس کا پانی ہی سبب ہے اگر پانی تھوڑا ہوتو کنوئیں کی گہرائی بہت زیادہ ہوگی۔ جس کے باعث اس تک پہنچنا دشوار ہو جائے گا۔

پانچواں لفظ م، ل، ک جس سے املکت الجارۃ (لونڈی بدست من در آمد) اور ملک الانسان (مقبوضہ انسان) ماخذ ہے ان دونوں میں یہی شدت اور شخصی مفہوم ہوتا ہے کیونکہ مرد کو عورت پر قدرت ہوتی ہے مرد عورت کے لئے حاکم ہے اور عورت محکوم ہے انسان کو اپنے مقبوضات پر قدرت حاصل ہے کیونکہ قدرت تحتی کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی۔

قرآن کریم میں خود وارد ہے۔ رب العزت فرماتا ہے کہ میں نے زمین و آسمان کی ہر چیز تمہارے لئے مسخر کر دی ہے، تو انسان کو اللہ تعالیٰ نے بہت کامل بنایا ہے۔ پس معلوم ہو گیا کہ کلمہ میں جس قدر تبدیلیاں ہوتی ہیں ان میں سے ایک مہمل اور باقی مستعمل کیونکہ وہ کلمہ ایک حقیقت پر مبنی نہیں ہوتا اور ان میں شدت پائی جاتی ہے۔ اس مسئلہ سے سابقہ مسئلہ کی بھی تائید ہوتی ہے۔

مسئلہ چوتھا:

لفظ کلمہ سے عام طور پر مرتب اجزاء والی مسلسل کلام مراد لی جاتی ہے۔ کیونکہ ان کا تسلسل قوی مضبوط ہوتا ہے اور کلام کی مضبوط کڑی ہے جیسا کہ قصیدہ کے کل اجزاء پر کلمہ بولا جاتا ہے جیسا کہ کلمہ شہادت کلمہ طیبہ سے لمبی کلام جو چلانے کے جوہر سے آراستہ و پیراستہ مراد ہوتی ہے کیونکہ جملہ کلمہ شہادت باعتبار کلام کے زیادہ ہے۔ لیکن اس میں غور طلب یہ امر ہے کہ بہت سے جملوں سے مرکب کلام پر کلمہ کا اطلاق بطریق مجاز ہے یا حقیقت؟ اس کا جواب یہ ہے کہ امر مسلمہ مجاز کا درجہ اشتراک سے فائق ہے لیکن صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ اشتراک سے قوی فائق ہے وہ حقیقت ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کلام مرکب کو کلمہ بطریق مجاز بولتے ہیں۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ کلمہ کا مجاز ہونا اس کا امر مسلمہ ثبوت ہے، مرکب کہتے ہیں۔ مجموعہ مفردات کو مرکب کے اجزا سمجھنا چاہئے۔ کلمہ کا اطلاق ایسا ہی ہے جیسا جز کو کل پر۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں۔ جواز قبیل مجاز ہے اور نیز کلام جو طول طویل ایک لڑی ارتباطی میں منسلک ہو۔ مفرد کے بالکل مشابہ ہوتی ہے اور منجملہ اسباب مجاز حسنہ ایک سبب مشابہت بھی ہے پس ثابت ہو گیا کہ مرکب کلام کو کلمہ مجاز کہتے ہیں اور اسی طرح طول طویل کلام پر کلمہ کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ کلمہ کا اطلاق ہوتا ہی طول طویل کلام پر ہے۔ کیونکہ کلمہ کلام کی گہرائیوں کو ظاہر کرتا ہے تو اس کے لئے طول طویل کلام کا ہونا لازمی ہے۔

مسئلہ پانچواں:

مذکورہ بالا معنی کے علاوہ قرآن کریم کلمہ کو دیگر معنی میں بھی استعمال کیا گیا ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ کلمہ کو دیگر کلام میں استعمال ہونا اس کی یہ بھی خاصیت ہے جیسے موسیٰ کو کلیم اللہ کہتے ہیں۔ جس کا مطلب اس کے راز کو ظاہر کرتا ہو۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ کلمہ کلام میں کسی وقت بعید کو ظاہر کر دیتا ہے جیسا کہ عیسیٰ کی پیدائش قلیل وقت میں ہوئی ہوسکتا ہے کہ یہ مطلب ہو کہ خداوند کریم نے لفظ کُن کہا اور اس کے وجود مبارک نے دنیا کو مشرف و مزین کیا۔ صاحب خزینۃ القرآن بیان فرماتے ہیں جس کے راوی حضرت علی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ جب عیسیٰ کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا تو کلمہ کن فرمایا جبرائیل کے واسطہ سے کیونکہ جبرائیل نے جب روح پھونکا تو اصل میں قدرت کی طرف سے وہ کلمہ کُن تھا۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں چار چیزیں ہیں۔ (۱) ذات، (۲) صفات، (۳) اسما (۴) افعال۔ ان چاروں کے علاوہ پانچواں کوئی نہیں ہے۔ عرض کر چکا ہوں کہ ذات کا تعلق اللہ سے ہے اللہ کی ذات اور اس کی صفات اس کے اسما، افعال یاد رہے کہ صفات کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ ذاتی تجلی، ۲۔ صفاتی تجلی۔ اللہ کی صفاتی تجلی ذاتی تجلی سے ہے اور ذاتی تجلی کا مظہر نبی پاک علیہ السلام ہیں اور صفاتی تجلی کے مظہر انبیاء کرام ہیں

Marfat.com

حضور ﷺ ذاتی تجلی کے مظہر ہیں اور باقی تمام انبیاء علیہم السلام صفاتی تجلی سے ہیں۔

حدیث پاک میں وارد ہے نبی پاک علیہ اسلام نے فرمایا، میں اس وقت سے ہوں جس وقت سے نہ لوح تھا نہ قلم تھا، نہ زمین تھی نہ آسمان تھا حتیٰ کہ کوئی چیز نہ تھی صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں پھر سرکار کہاں رہے؟ اللہ تعالیٰ نے حضور کو اپنی رحمت کی آغوش میں لیا۔ یاد رہے کہ اس ساری کائنات کا ہونا اللہ تعالیٰ کا فعل ہے اس کا منبع نبی پاک علیہ السلام کی تجلی کا عکس ہے۔

مذکورہ بالا حدیث کو صاحب خزینۃ القرآن نے درج کیا۔ شفاء شریف والوں نے مدارج النبوت اور طبرانی شریف میں۔ جو کلمہ کی بحث ہو رہی ہے تو دوسری جگہ کلمہ اللہ کا فعل کہا گیا ہے فقیر کو یہ کہنا ہے کہ ہر چیز اللہ کا فعل ہے۔ قُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِكَلِمٰتِ رَبِّي لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ غرض کہ ان معنوں پر بھی کلمہ کو بطریق مجاز ہی استعمال کیا گیا ہے جیسا کہ پہلے پہلے ثابت ہو چکا ہے۔ (وَالعِلْمُ عِنْدَ اللهِ)

مسئلہ چھٹا:

(لفظ قول کی تحقیق میں) جس طرح کلمہ سے مختلف تبدیلیوں کے باعث الفاظ مشتق ہوئے تھے اسی طرح لفظ قول میں بھی چھ تبدیلیوں سے چھ مادے پیدا ہوتے ہیں جن سے سبکساری اور ہلکا پن ظاہر ہوتا ہے اور ان کو وہیں استعمال کرتے ہیں جہاں ہلکا پن ظاہر کرنا مقصود ہو۔ ان دونوں میں فرق صرف یہی ہے کہ کلمہ کے چھ الفاظ میں لفظ مہمل ہے۔ لیکن قول میں ایسا نہیں جیسا کہ تفصیل ذیل میں معلوم ہوگا۔

اوّل ق، و، ل: جس سے قول مشتق اور لفظ قول کو بولنے سے زبان پر کسی قسم کا ثقل معلوم نہیں ہوتا جیسا کہ ظاہر ہے۔

دوم ق، ل، و: جس سے قلو (حمار وحشی) مشتق ہیں اور یہ جانور سبک رفتاری میں ضرب المثل ہیں نیز بولتے ہیں (قَلَوْتُ اللَّحْمِ السریق فھا مَقْلُوَانٌ) سوختہ ہونے کے باعث رطوبات زائل ہو جاتی ہیں۔ ثقل دور ہو کر وزن میں کمی ہو جاتی ہے بولنے میں اقادل الطائر (جانور بر ہوا بلند بر آمد) ان معنوں میں بھی حقیقت پائی جاتی ہے۔

سوم و، ق، ل: وقل کے معنی ہیں پناہ جستن و ملجاء گزیدن، اور بولتے ہیں توقل فی الجبل (شخص بر بلائے کوہ رفت) ان دونوں میں حرکت اور رفتار کے معنی پائے جاتے ہیں۔ کیونکہ یہ جملہ مختصر ہے۔ حرکت کے بغیر جائے پناہ نہیں مل سکتی اور نہ ہی کوئی پہاڑ پر چڑھ سکتا ہے جب تک حرکت نہ ہوگی تو پہاڑ پر چڑھنا کیسے ممکن ہوگا۔ معلوم ہوا حرکت ضروری ہے۔

چوتھا و، ل، ق: ولق کے معنی ہیں تیز روی اور اس سے ہے قول اللہ تعالیٰ اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ حدیث شریف میں آیا ہے لا اکل الطعام الا ولو کانت الآ اخری

پانچواں ل، و، ق: (یعنی نمی خورم طعام مگر طعامیکہ مطبوخ من باشد) واز دست خود ہمہ ضروریات او را اسیر انجام رسید، باشد کو کہتے ہیں جھاگ جس کو خفت لازم ہے۔

چھٹا ل، ق، و: اس سے لقوہ بمعنی عقاب ہے، عقاب کی تیز روی و سبکساری مشہور ہے نیز لقوہ ایک مرض کا نام ہے یہ مرض لقوہ کا اصطلاحی معنی ہے لیکن اصل معنی عقاب ہے لغت میں لقوہ عقاب کو کہتے ہیں یا لقوہ اس مرض کو چونکہ عقاب کے معنے تیز روی کے ہیں۔ جب لقوہ کی مرض آتی ہے وجود پر تو وہ بھی فوراً تیز ہو جاتی ہے اور سارے وجود کو گھیر لیتی ہے۔ لقوہ کے باعث چہرہ میں کجی واقع ہوتی ہے۔ لقوہ اس اس کے اصطلاحی دوسرے معنی میں زیادہ دودھ دینے والی اونٹنی کو کہا جاتا ہے۔ پس مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہو گیا کہ لفظ قول کو بولنے سے ثقل محسوس نہیں ہوتا اسی طرح اس کے جملہ مشتقات سے بھی خفت اور ہلکا پن مفہوم ہوتا ہے۔

مسئلہ ساتواں:

ابن جنی فرماتے ہیں لغت پر وزن فِعْلَ مِنْ لُغْتِ ذاۃِ كَلِمَتٍ سے ماخذ ہے یہ عبارت ابن جنی نے خزینۃ القرآن سے نقل کی ہے اس کا اصل لقوہ مانند کرۃ اور کلمنۃ کیونکہ کرہ سے باکثرت كَلِمَتٌ مَن قَلَه سے معلوم ہوتا ہے کہ ان سب کا اصل کلمہ داد بنا۔ بعض نے لقلتمما کے بمعنی لغو (بیہودہ گفتن) سے مشتق کیا ہے۔

Marfat.com

آیت وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا اسی قبیل سے ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ابن جنی نے کلمہ اور قول میں تو اشتقاق اکبر کو ملحوظ رکھا ہے اور لغت میں اس کو ملحوظ نہیں رکھا۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ اس سے رعایت ہوسکتی ہے جیسا کہ ذیل تفصیل سے ظاہر ہوگا۔ کیونکہ ذیل کی تفصیل بھی اس کے لئے مکمل ہے۔

لفظ اول ل، غ، و: درلغت فعل لغو اور کلام لغو صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں یہ تینوں اسی سے مشتق ہیں لفظ ثانی ل، غ، و۔ لیکن یہ غیر مستعمل ہے۔

غ، ل، و: فلاں فلاں کذا غلوۃ (فلاں کس از حد گزشت دریں امر)

غ، و، ل: غول کے معنی ہلاک کردن یعنی زیادتی کرنا لاَ فِيْهَا غَوْلٌ لیس فی غائمۃ السداع نیست دراں چیز ہلاک کنندہ برندہ عقل

و، غ، ل: اس سے ہے فلاں وغل فی کذا

و، ل، غ: ولغ کے معنی ہیں یعنی پانی پینا، سگ باطراف زبان خود جیسا کہ عربی بولتے ہیں۔ وَلَغَ الْكَلْبُ فِي الْاِنَاءِ یعنی آشامید سگ از کوزہ۔ مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوگیا کہ لغت کے تمام مشتقات سے مصروفیت اور کسی امر میں غور وخوض کرنا مفہوم ہوتا ہے۔

مسئلہ آٹھواں:

شروع میں بیان ہو چکا ہے کہ اصوات اور حروف سانس کو روکنے سے پیدا ہوتے ہیں۔ لفظ اور حروف کا تعلق سانس سے ہے۔ یعنی اندرونی سانس کو باہر نکالتے وقت کچھ دیر رک کر اس کو باہر نکالا جاتا ہے تو اس رکاوٹ کے آخری وقت پر حروف اور اصوات پیدا ہوتے ہیں اور لغت سے ثابت ہوتا ہے کہ لفظ کے معنی افگندن وانداختن ہے۔ جیسا کہ اَكَلْتُ التَّمْرَةَ وَلَفَظْتُ النَّوَاةَ کھجور میں کھا گیا اور گٹھلی میں نے پھینک دی۔ لفظ کے معنی پھینکنے کے ہیں۔ غرض یہ کہ اصوات اور حروف کو لفظ بطریق مجاز کہتے ہیں۔ جب انسان اپنی سانس کو روکتا ہے اور اندر سے باہر کی طرف پھینکتا ہے۔ دم کو باہر کی طرف نکالنے اور حروف اصوات پیدا ہونے کا باعث ہے۔ اور حروف پیدا ہونے کا سبب سینہ کے اندرونی جانب سے سانس کا باہر نکلنا ہے۔ جنہیں انسان اپنے مافی الضمیر مطالب ومقاصد کو دوسرے پر ظاہر کرنے کے لئے جمع کرتا ہے اس کے بعد ان کو باہر نکالتا ہے تو معلوم ہوا کہ حروف کا پیدا ہونا اور ان کا ظاہر ہونا باہمی مشابہ ہیں پہلے بھی لکھا گیا ہے کہ مشابہت منجملہ اسباب مجاز حسنہ ایک سبب ہے۔

مسئلہ نواں:

لفظ عبارت کا مادہ عبر ہے اس کے مشتقات مفصلہ ذیل سے نقل مکانی اور کسی شئے پر سے عبور کر جانا مفہوم ہوتا ہے۔

مشتق پہلا: ع، ب، ر، گزشتن از آب اور عبارت بھی اس سے مشتق ہے کیونکہ عبارت کہتی ہے۔ کلام کی ترتیب الحروف کو انسان بولنے، پڑھنے کے وقت کلام کو طے کرتا ہوا ختم کرتا ہے، علاوہ اس کے معنی ذہنیہ سے بذریعہ عبارت مخاطب کو مستفیض کیا جاتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ عبارت کے معنی میں انتقال موجود ہے۔ کیونکہ وہ اول میں تو وہ ایک حرف سے دوسرے حرف کی طرف انتقال ہے اور دوسرے میں ذہن سے سامع کی طرف انتقال کیا گیا ہے عبرہ بمعنی اشک باریدن پند گرفتن اور معبر معنی پل اور خواب کا نمودار ہونا ان سب کا ایک مادہ ہے اور ان میں انتقال موجود ہے۔ کیونکہ آنسو آنکھ کی اندرونی جانب سے بیرونی جانب کو آتے ہیں۔ عبرت میں موجود سے غائب کا تدارک ہوتا ہے۔ پل کے ذریعے دریا کے آر پار جاسکتا ہے اور تعبیر خواب سے باطن کا علم ملتا ہے۔

مشتق دوسرا ع، ر، ب: عرب کہتے ہیں عربوں کی رہائش کو چونکہ عرب کے باشندے کبھی ایک جگہ مقیم ہوکر سکونت نہیں کرتے تھے۔ آج مشتق دوسرا (ب) ایک جگہ میں کل دوسری جگہ ان کی کوئی مستقل سکونت گاہ نہیں۔ موسم سرما ایک جگہ گزارا اور گرما دوسری جگہ جا بسے۔ لہٰذا عرب، عرب کہنے لگے۔ علاوہ اس کے کہنے میں فلاں اعراب فی کلام یعنی اس نے اپنی کلام پر اعراب لگائے، ہر ایک کو معلوم ہے کہ الفاظ بغیر اعراب بالکل مجہول ہوتے ہیں ان کا تلفظ معلوم نہیں ہوسکتا۔ لیکن باعراب الفاظ میں یہ نقص نہیں ہوتا تو معلوم ہوا کہ اعراب کے سبب مجہولیت اٹھ گئی اور معقولیت اس کی جگہ آگئی۔

مشتق تیسرا ب، ر، ع: برع کامل شدن وفائق شدن فرزند ہا در دانش بولتے ہیں فلاں بَرَعَ فی قری فلاں کس کامل گردید در فضل واز یاران سبقت برد در دانش۔

مشتق چوتھا ب، ع، ر:

Marfat.com

مشتق پانچواں ر، ع، ب: بمعنی خوف وہیبت۔ اس میں انتقال موجود ہے کیونکہ خوف سے حالت کانپ جاتی ہے۔

مشتق چھٹا ر، ب، غ: ربع منزل فرددگاہ۔ لوگ منزلوں میں ٹھہرتے ہیں اور وہاں سے کوچ کرتے ہیں یہی انتقال ہے۔

مسئلہ دسواں:

نحویوں اور اصولیوں میں اختلاف ہے۔ آیا کلمہ اور کلام ایک دوسرے کے مخالف ہیں یا نہیں۔ نحوی انہیں دو مختلف چیزیں سمجھتے ہیں اور اصولی اس میں کوئی فرق نہیں کرتے۔ ابن جنی نے نحویوں کے خیال کو ترجیح دی ہے۔ لیکن جہاں تک فقیر نے سوچا مجھے ان کے رائے درست معلوم نہیں ہوئی کیونکہ ہر ایک رائے کی صحت دلائل کی کثرت اور عمدگی پر موقوف ہے۔ ابن جنی ثبوت وجوہ میں سیبویہ کا قول نقل کرتے ہیں جس سے بے شک فرق معلوم ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ قول نقل کئے ہیں لیکن یہ سب ضعیف اور کمزور ہیں۔ برخلاف اس فرق کے دلائل طاقت ور اور زیادہ ہیں۔ سب سے زیادہ قوی دلیلیں صاحب خزینۃ القرآن کی ہیں۔

پہلی دلیل:

کلام کے معنی بولنے کے ہیں خواہ انسان کلمہ مرکب یا مفرد منہ سے نکالے اس کو کلام کہا جائے گا۔

دوسری دلیل:

کلام کلم سے مشتق ہے جس کے معنی اثر کرنے کے ہیں اور جرح کرنے کے ہیں لاریب موثر بنانے ہیں کلمہ مفرد اور مرکب دونوں برابر ہیں پس ان میں فرق ماننے کی کیا وجہ ہے؟

دلیل تیسری:

عام طور پر کہتے ہیں مَاتکلم اِلاَّ کَلِمَۃ وَاحِدَۃ وفلان تکلم نکلمۃ واحدۃ اس نے صرف ایک کلمہ کہا اس نے ایک کلمہ کہا، اس محاورے سے ثابت ہوگیا کہ ان میں کوئی فرق نہیں ورنہ محاورہ کو غلط ٹھہرانا ہوگا۔

دلیل چوتھی:

بولتے ہیں فلاں، لَا تَکَلَّمَ بکلام تام اس نے کلام پورا نہ کیا۔ صرف استعمال ہی نہیں ہوتا بلکہ درست ہے۔ پس معلوم ہوا جس طرح کلمہ مفید تام نہیں ہوتا اسی طرح کلام میں اس کی ضروری شرط نہیں۔

دونوں خیالوں سے معلوم ہوگیا کہ نحویوں کا خیال غلط ہے اور اصولیوں کا خیال درست ہے کیونکہ صاحب خزینۃ القرآن کلام کے معنی تکلم سے بولنے اور ظاہر کرنے اور جرح کرنے کے فرماتے ہیں اور مذکورہ بالا تقریر کلمہ اور کلام کے مابین اصولیوں کے خیال کو قوی ترجیح دیتی ہے۔ صاحب تفسیر کبیر بھی اس پر اتفاق کرتے ہیں۔

مسئلہ گیارھواں:

مذکورہ بالا مسئلہ فقہیہ میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ مسئلہ یہ کہ اپنی عورت غیر مدخولہ کو تین دفعہ اِنْ کَلَّمْتُکِ فَانْتِ طَلِّق کہنے سے طلاق ہو جاتی ہے یا نہیں۔ اس مسئلہ کے متعلق طلاق ہونے میں کوئی اختلاف نہیں۔ اختلاف اس امر میں ہے کہ دوسری دفعہ جب اس نے کلمتک کہا تو اس وقت طلاق ہوگئی یا نہیں۔ امام ذاکرؒ کا جواب ثابت ہونے میں ہے کیونکہ کلام صرف اسی ملحوظ کو کہتے ہیں جو مفید معنی ہو۔ خواہ اس سے فائدہ ہو یا نہ ہو۔ پس اِنْ کَلَّمْتُکِ کہنے سے طلاق ہوگئی کیونکہ وقوع طلاق شرط پر تھا۔ کلام سے اب شرط تو حاصل ہوگئی۔ کوئی وجہ نہیں کہ جزاء حاصل نہ ہو اور اس کے بعد فَانْتِ طَلِّق کہنے سے وہ عورت اس کے نکاح سے خارج ہو جائے گی۔ کیونکہ یہ علیحدہ کلام ہے پس طلاق ہوگئی۔

امام ابوحنیفہ، امام اعظم صاحبین کا جواب نفی میں ہے تاوقتیکہ کوئی کلام معنی تامہ کو مفید نہ ہو اسے کلام نہیں کہا جا سکتا اور صرف اِنْ کَلَّمْتُکَ کہنے سے معنی تامہ حاصل نہیں ہے طلاق اِنْ کَلَّمْتِکِ فَانْتِ طَلِّق پورا جملہ کہنے سے طلاق ہوگی۔ اگر کلام میں جملہ تامہ کو شرط قرار دیا جائے تو امام اعظم کا خیال درست ہوگا اور اگر جملہ

Marfat.com

تامہ کی شرط نہ ہو۔ تو امام ذاکر پر اتفاق رہوں گے۔ امام ذاکر کے خیال کو اس صورت سے اور بھی تقویت حاصل ہے۔ اگر کوئی اَن کلمتک کہہ کر خاموش ہو جائے آگے کچھ نہ کہے تو طلاق ہو جائے گی۔ پس اگر صرف اَن کلمتک وقوع طلاق کے لئے کافی نہ ہوتا تو صورت ہذاء میں طلاق ہو جانے کی کوئی وجہ نہیں اور امام اعظم صاحب کے خیال کو ایک دوسری تقویت ملتی ہے وہ یہ کہ اگر کوئی شخص کلمہ کلمتک فانتَ طَلّقٌ ایک دفعہ کہہ کر دوبارہ پھر کہے اور کلمہ تکرار کو چاہتا ہے تو اگر کلمہ کو کلام کہا جاتا تو یقیناً دوسری دفعہ کلمہ کلمتک پر سکوت اختیار کرنے کی صورت میں تین طلاقیں ہو جائیں۔ کیونکہ یہ خود کافی سارے کلمات کا مجموعہ ہے لیکن چونکہ ایسا نہیں۔ لہٰذا صورت زیر بحث مسئلہ میں یہی ماننا پڑا کہ کلام کا اطلاق جملہ پر ہوتا ہے تاوقتیکہ جملہ نہ ہو طلاق نہ ہوگی۔ ممکن ہے امام ذاکر وقوع طلاق کو تسلیم کر لیتے۔

مسئلہ نمبر 12:

چونکہ کلام اور کلمہ کے مفہوم میں اختلاف ہونے کے سبب فقہا میں بھی ایک مسئلہ کے متعلق اختلاف ہو گیا ہے۔ ضروری ہے کہ فقیر فقہاء کے اختلاف کو صرف اَنْ کلمتک فانتْ طَلّقٌ سے مخصوص رکھے کَلِمتِک بکلمہ فَانتْ طَلّقٌ یا اَنْ لَفْظت نفظۃً یا اَن قلتُ قولاً فانتِ طَلّقٌ وغیرہ صورتوں سے اس کا تعلق نہ ہو کیونکہ ان صورتوں میں اتفاق کے ساتھ طلاق ہو جائے گی اور میدان امام ذاکر کے ہاتھ رہے گا۔

مسئلہ نمبر 13:

بعض کہتے ہیں کہ مہمل کو کلمہ اور کلام کہنا جائز ہے کیونکہ عام مشہور قول ہے۔ الکلام مہمل و مستعمل علاوہ اس کے کلام سے سامعین کو متاثر کیا جاتا ہے اسی طرح مہمل بھی تاثر پیدا کرتا ہے۔ بعض کے نزدیک جائز نہیں ورنہ جانوروں پرندوں حیوانوں وغیرہ کی آواز کو کلمہ اور کلام کہنا چاہئے اور نیز انسان اور جانوروں کے کلام میں کچھ امتیاز نہ ہوگا۔ یہ دلیل بہت قوی ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ کلام اس آواز سے منسلک ہے جس آواز میں صفائی ہو اور سامعین تک اس کلام کی مکمل رسائی ہو سکے وہ صرف انسان کی آواز اور کلام ہے اللہ تعالیٰ نے یہ خاصیت انسان میں رکھی۔

مسئلہ نمبر 14:

بعض آواز طبعاً ایسی ترتیب سے مرتب ہوتی ہے جیسے خاص خاص الفاظ معنی خیز سمجھے جاتے ہیں انہیں کلمہ اور کلام کہا جاتا ہے۔ جیسے کھانسی سے اَح اَح اور درد سے اخ اخ یا ہائے ہائے الفاظ سمجھے جاتے ہیں اسی طرح بعض جانوروں کی بولی سے بھی جیسا کہ کتا جانور کی آواز سے کت کتا اور لق لقا جانور کی آواز سے لق لق الفاظ سمجھے جاتے ہیں۔ غرض یہ کہ بعض اصوات طبعی ترتیب سے مرتب ہوتی ہیں جس کو سن کر کسی بولنے والے کو شبہ پیدا ہوتا ہے۔ لیکن دونوں میں فرق ہے ترتیب صوتی اقتضاء طبعی سے مرتب ہو کر پیدا ہوتی ہے اور ترتیب لفظی وضع سے بنتی ہے بعض لوگوں نے اس ادنیٰ سی مشابہت کے باعث ان دونوں کو کلمہ اور کلام کی ذیل میں شمار کیا ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ کلمہ کلام کی مطابقت پر منحصر ہے اور بعض مشابہت کی کچھ پرواہ نہیں کرتے وہ کہتے ہیں جب کلمہ بنتا ہی جملہ کلام سے ہے تو پھر مشابہت کس سے۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں مگر جہاں تک میں نے غور کیا اپنے دعویٰ کے ثبوت میں کوئی معتبر اور قوی دلائل پیش نہیں کئے۔ البتہ اس میں شک نہیں کہ یہ تحقیق مفید ضرور ہے خاص کر جس صورت میں یہ سوال ہو کہ اگر کوئی شخص اپنے غلام کو ان سمیت کلمہ فانت حُر کہا تو مذکورہ بالا آوازوں کو سننے سے وہ آزاد ہو گیا۔ بس سوال ہذاء کا جواب وہی ہوگا جو تحقیق کا نتیجہ نکلے۔ یہ صاحب خزینۃ القرآن و امام فخر الدین نے قوی دلائل دیئے ہیں جو حق پر مبنی ہیں۔

مسئلہ نمبر 15:

ابن جنی ؒ نے قول اور کلام میں فرق کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ لفظ قول ایک کلمہ کو البتہ مجازی طور پر کلام تام پر بھی اس کا اطلاق کیا جاتا ہے کیونکہ قول کی ترکیب سے خفت اور ہلکا پن مفہوم ہوتا ہے تو اس کے لئے ایک کلمہ کا ہونا زیادہ مناسب ہے اور نیز شاعر کہتا ہے فَلتُ لَهَا قِفِيْ فَقَالَتْ قاف سے ہمارے خیالات کی تائید ہوتی ہے کیونکہ اس میں شاعر نے صرف ایک کلمہ قاف کو قول سے تعبیر کیا ہے۔ اور کلام صرف جملہ تام کو کہتے ہیں مفرد کو نہیں۔ کیونکہ کلام کے معنی تاثر نمود ن ہے کلام ہوتی وہی ہے جو ظاہر ہو بولنے سے یا لکھنے سے جملہ تام کے بغیر تاثیر کھلی نہیں ہو سکتی کیونکہ کلام میں جملہ تام ہونا ضروری شرط ہے۔ پس کلام کے لئے جملہ کا ہونا ضروری ہے تب وہ

Marfat.com

کلام ہوگی لیکن میرے خیال میں اس تحقیق کے باعث لفظ کلمہ سے رہائی مشکل ہوگی۔

مسئلہ نمبر 16:

نیز علامہ ابن جنی کا خیال ہے کہ لفظ قول کا استعمال اس موقع پر ہوتا ہے جہاں رائے اور اعتقاد ظاہر کرنا مقصود ہو، جیسا کہ عام طور پر بولتے ہیں۔ فلاں قول بقول ابوحنیفہؒ اگر کوئی شخص ... یت خداوندی اور جلوہ نمائی ایزدی کے متعلق سوال کرے۔ آیا دیدار الٰہی ہوگا یا نہیں، اس کا جواب اگر نفی میں دیا جائے تو ہم کہتے ہیں ھذا قول المنقول اور ہذا کلام المنقول نہیں کہتے پس ان تینوں مثالوں سے ثابت ہوگیا کہ لفظ اس موقع پر بولا جاتا ہے جہاں اعتقاد اور خیالات کو ظاہر کرنا مقصود ہو اور قول کو اعتقاد اور خیالات کے معنی پر مجازی طور پر بولا جاتا ہے اس کے بعد ابن جنی نے وجہ تحقیق مجاز یہ بیان کی ہے کہ اعتقاد اور خیالات کو بذریعہ بولنے کے ظاہر کیا جا سکتا ہے ورنہ نہیں، پس ادنیٰ مشابہت کے باعث جو منجملہ اسباب حسنہ مجاز ایک سبب ہے قول کو اعتقادات خیالات پر مجاز استعمال کرتے ہیں کیونکہ قول ہوتا ہی مجاز پر استعمال ہے۔

مسئلہ نمبر 17:

بہت سی آیاتِ قرآنی اقوال شعراء محاورات عربیہ اور احادیث سے بہت سی نظیریں ملتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ لفظ قول انسان کے کلام سے مخصوص نہیں بلکہ جانوروں و درندوں کو بھی لکھنا جائز ہے۔ ابوالنجم کا شعر تفسیر کبیر میں دیکھئے۔ ایک اور شاعر کہتا ہے۔

امتلا الحوص ووقال قطنی
مهلاً و بدا قد ملات لطنی

پس مذکورہ بالا اقوال سے معلوم ہوگیا کہ لفظ قول کسی خاص شئے سے مخصوص نہیں بلکہ حیوانات ناطق ہوں یا غیر ناطق، طیور پرندے اور جمادات پر بھی بولا جاتا ہے۔

مسئلہ نمبر 18:

کلام نفسی میں اختلاف ہے کیا معنی ذہنیہ کو کلام کہہ سکتے ہیں؟ یا صرف الفاظ وکلمات کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ ان کو نہ تو کلام اور نہ قول۔ بلکہ کلمات مترتبہ کو ہی قول اور کلام کہتے ہیں۔ کیونکہ گونگا وہ شخص جس میں قوت گویائی نہیں اسے متکلم نہیں کہا جا سکتا اگر معنی ذہنیہ کو بھی کلام کہنا جائز ہوتا تو اسے متکلم کہنا چاہئے تھا کیونکہ اس کے دل میں بھی خیالات پیدا ہوتے ہیں۔ برخلاف اس کے۔ بعض معنی ذہنیہ کو بھی کلام کہتے ہیں کیونکہ قرآن کریم کی آیت واللہ یشھد ان المنافقین لکذبون میں معنی ذہنیہ کو کلام کہا گیا ہے کیونکہ ان کے ملفوظ کلام غلط نہیں۔ اس لئے کہ پیغمبر الٰہی واقع میں رسول تھے اور واقع میں وہ منافق بھی سچے تھے لہٰذا یہ کلام ذہنیہ ہے۔ باوجود اس کے کہ منافقوں کو جھوٹا کہا گیا ہے لیکن واقع میں تو وہ سچے تھے لیکن دل سے انہوں نے تسلیم نہیں کیا تھا ان کے دل مطابق فرمان نہ تھے گویا ان کو بلحاظ معنی ذہنیہ جھوٹا کہا گیا ہے۔ اگر کوئی اس کو تسلیم نہ کرے اور یہ کہے کہ منافقوں کی اس خبر کو کاذب کہا گیا جو کہتے تھے کہ محمد اللہ کے رسول ہیں۔ اس کا جوب یہ ہے کہ منافق لوگ صرف خبر میں ہی جھوٹے نہیں بلکہ خبر نی شہادت میں بھی جھوٹے تھے جیسا کہ سلسلہ کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ محمد اللہ کے رسول ہونے کی خبر کی شہادت دیتے تھے۔ ہر ایک جانتا ہے کہ شہادت کے لئے علم ضروری ہے اور علم کا حاصل کرنا دل کا کام ہے اور یقینی بات یہ ہے کہ منافق لوگ سرکار دو عالم کو دل سے رسول تسلیم نہیں کرتے تھے بلکہ زبانی باتیں تھیں غرض یہ کہ منافق لوگوں کے ملفوظ کلام کو آیت مذکورہ میں جھوٹا قرار نہیں دیا گیا بلکہ ان معانی ذہنیہ کو جن کی تعبیر بذریعہ الفاظ کی گئی اور حدیث شریف میں آیا ہے۔ حضرت عمر کے نزدیک کلام معانی کلام ذہنیہ مراد ہے فرمایا حضرت عمر نے ثقیفہ کے دن کلام وہی ہوتی ہے جو ذہن میں پیدا ہو۔ حضرت ابوبکر اس کلام میں اسی پر سبقت رکھتے ہیں معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر وحضرت عمر فاروق کے قول سے، کلام وہی ہوتی ہے جو ذہن سے پیدا ہو۔ اور اس کا تعلق ذہن سے ہوتا ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ کلام اسے کہا جاتا ہے جو ذات سے تعلق رکھے تو وہ کلام لفظی و نفسی ایک ہی ٹھہریں گے ان میں فرق بالکل نہیں ہے۔ عرض کر دوں کہ کلام اللہ لفظی و نفسی ایک ہے جس کی آگے چل کر مکمل بحث ہوگی۔ اس کا کوئی تفرقہ نہیں۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ متقدمین مشائخ وصحابہ وسرکار دو عالم ﷺ سے ثابت ہے کہ کلام اللہ لفظی و نفسی ایک ہے یہی کلام قدیم ہے۔ ہمارا پڑھنا اور ہماری آوازیں حادث ہیں اور الفاظ اللہ تعالیٰ کے ہیں خدا کی تمام صفات ازلی ہیں۔

Marfat.com

مسئلہ نمبر 19:

کلمات اور عبارات کو حدیث کہتے ہیں کیونکہ قرآن کریم کی آیت جس کا ترجمہ یہ ہے کہ مثلاً میں نے کلمات کو حدیث سے تعبیر کیا کلام کو حدیث کہنے کی وجہ تسمیہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ کلمات حروف مترتبہ کے مجموعے کا نام ہے اور حروف یکے بعد دیگرے علی سبیل التعاقب حادث ہوتے ہیں نیز یہ وجہ بھی ہوسکتی ہے کہ کلمات حروف اور الفاظ کی سماع سے ذہن میں ان کے معنی مطالب اور علوم پیدا ہوتے ہیں۔ قرآن کریم کے حروف حادث نہیں صرف ان کا لکھا جانا اور کاغذ وغیرہ حادث ہے کیونکہ کلام بنتی حرفوں سے ہے جب حروف میں آئے گی تو کلام بنے گی امام رازی کا بھی یہی قول ہے ثابت ہوا کہ جو حروف کلام اللہ کے ساتھ قائم ہیں وہ قدیم ہیں۔

مسئلہ نمبر 20:

گزشتہ اوراق میں کلمہ، کلام، قول، لفظ اور عبارات کی تشریح وتفصیل ہو چکی ہے اب صرف لفظ نا قابل تشریح ہے یہ کس سے مشتق ہے؟ دیگر الفاظ کا مترادف ہے؟ یا مبائن؟ بصورت ثانی وجہ بتائیں کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 21:

زمخشری نے آغاز کتاب مفصل میں کلمہ کی تعریف یوں قلمبند کی هُوَ لَفظَة دَالة وعَلَى المعنِى مُفرد با الُوضِع لفظیت کہ دلالت بر معانی مقررہ بسبب وضع کند لیکن تعریف ماضی پر صادق نہیں آتی اور نہ ہی اسماء افعال پر۔ اس لئے کہ فعل ماضی حدث اور زمانہ پر دلالت کرتا ہے۔ اور تعریف معنی مفرد کی قید سے مقید ہے اور اسماء افعال کی دلالت بالوضع نہیں اور تعریف میں بالوضع کی شرط ہے کاش علامہ زمخشری مفرد کو لفظ کی صحت قرار دیتا تو یہ خرابی ہرگز ظاہر نہ ہوتی اور نہ ہی تعریف میں کسی قسم کا نقص پیدا ہوتا۔ لیکن اس نے ایسا نہیں کی۔ اس تعریف میں اعتراضات کی بوچھاڑ شروع ہوگئی۔

مسئلہ نمبر 22:

لفظ کی دو قسمیں ہیں مہمل، مستعمل، قسم اول کو ہر ایک جانتا ہے رہی قسم ثانی اُس کی تین قسمیں ہیں۔

اوّل مفرد: ایسا لفظ جس کے اجزاء میں کوئی جزوی معنی نہ ہو مثلاً فرس جمل

دوم مرکب: یعنی جس کے اجزاء ایک اعتبار سے معنی دیں اور دوسرے اعتبار سے بے معنی ہوں جیسے عبداللہ، اسم علم ہونے کے اعتبار سے بے معنی ہے اور اگر علم کا اعتبار نہ کیا جائے تو اس کی دونوں جز و معنی خیز ہوں گے عبد بمعنی غلام، اللہ بمعنی ذات، قادر مطلق۔

سوم مؤلف: یعنی وہ لفظ جس میں کسی اعتبار ولحاظ کی ضرورت ہو لیکن معنی خیز ہوں جیسے العالم حادث، زید ناطق خواہ انھیں علم بنائیں۔ خواہ مضاف، دونوں حالتوں میں معنی خیز ہوگا اور کسی قسم کی رکاوٹ نہ ہوگی۔

مسئلہ نمبر 23:

وہ الفاظ جن کے معنی سماع سے ہمارے ذہن نشین ہوتے ہیں۔ ان کی چار قسمیں ہیں۔

اوّل لفظ مؤلف: اور اس کے معنی بھی مؤلف ہوں مثلاً الانسان، حیوان، غلام، زید

دوم لفظ مفرد: اور اس کے معنی بھی مفرد ہوں مثلاً وحدت، نقطہ، بلکہ حق سبحانہٗ

سوم لفظ مطلق: اس کے معنی مؤلف ہوں مثلاً الانسان لفظ مفرد ہے لیکن معنی مفرد نہیں بلکہ مؤلف ہیں کیونکہ انسان ناطق کو کہتے ہیں۔

چہارم لفظ مؤلف: اس کے معنی مفرد ہوں لیکن ایسے الفاظ کا وجود ناممکن ہے۔ ہو ہی نہیں سکتا۔ جیسا کہ ظاہر ہے کہ مفرد کے مؤلف معنی ہو تو سکتے ہیں لیکن مؤلف کے معنی مفرد ہونا محال ہے۔

Marfat.com

مسئلہ نمبر 24:

تعریف کلمہ، کلمہ لفظ مفرد ہے جو از روئے اصطلاح معنی پر دلالت کرتا ہے، تعریف ہذا چار قیود سے مقید ہے لہٰذا اول کلمہ لفظ ہو دوئم یہ کہ مفرد ہو۔ ان دونوں کا تو پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ سوئم یہ کہ معنی پر دال ہو۔ اس قید سے مہملات کلمہ کی حد سے خارج ہو گئے چہارم معنی پر بالوضع دلالت کرتا ہوں دلالت ذاتی نہیں۔

مسئلہ نمبر 25:

بعض نے کلمہ کی تعریف یہ ہے کی ہے کلمہ معنی پر بالوضع دلالت کرنے والی صوت مفرد کو کہتے ہیں لیکن ابوعلی سینا نے اس کو کتاب اوسط میں ناجائز قرار دیا اس کے نزدیک صوت مادہ ہے جس سے الفاظ نکلتے ہیں اور الفاظ جنس۔ لہٰذا صوت کے بجائے الفاظ کہنا چاہئے تھا کیونکہ تعریفات میں جنس مقدم ہوتی ہے علاوہ اس کے ابوعلی سینا نے بہت سے دلائل حقیہ سے جنس اور مادہ میں فرق ثابت کیا ہے۔ لیکن وہ سب کے سب ضعیف ہیں اور قابل اعتماد نہیں ہیں۔ عقلیات میں اس کے دلائل کو قوی وجوہات اور دلائل سے ضعیف ثابت کیا ہے۔ ان کے مطالعہ سے صاف طور پر معلوم ہو جائے گا کہ جنس اور مادہ کو ثابت کرنے کے وجوہات سے ان میں فرق محسوس نہیں ہو سکتا۔ میرے نزدیک ان دونوں میں فرق ہونے کی قوی وجہ یہ ہے کہ صوت ایک عام لفظ ہے جو حیوانی انسانی اور طیوری سب کو شامل ہے یہ بات صاحب خزینۃ القرآن و امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں اور ہر قسم کی آواز پر اس کا اطلاق ہو سکتا ہے لیکن مسئلہ زیر بحث صوت انسانی ہے لہٰذا مناسب ہوا جملہ اصوات کو مسقوط النظر کیا جائے اور صرف صوتِ انسانی پر غور ہو۔ انسانی آواز کے مخارج مختلف ہیں۔ بعض آوازیں حلق سے نکلتی ہیں اور بعض حلق کے سوا اور جگہ سے اس قسم سے اعراض کر کے قسم اول بعض حلق سے نکلنے والی آوازیں (اول پر غور کرتے ہیں) اس قسم سے بعض آوازیں ایسی ہوتی ہیں جن سے جنسی حروف اور الفاظ بنتے ہیں اور ان سے مشتق ہوتے ہیں بعض آوازیں ایسی ہیں جو کسی خاص عارضہ کے لاحق ہونے کے باعث طبعی طور پر نکلتی ہیں جیسے خروج ریح۔

مذکورہ بالا تقریر سے معلوم ہوا کہ صوتِ انسانی کی دو جنس ہیں۔ الفاظ و صوت نیز یہ بھی معلوم ہو گیا کہ الفاظ جنس قریب اور صوت جنس بعید ہے۔

مسئلہ نمبر 26:

معتزلہ کلمہ کو مشروط مانتے ہیں ان کا خیال ہے کہ کلمہ دو یا دو سے زیادہ حروف سے بالضرور مرکب ہونا چاہئے۔ دو حرف سے کم کلمہ نہیں کہنا چاہئے۔ دو حروف سے کم تو کلمہ ہو سکتا ہی نہیں متکلمین کہتے ہیں کہ کلمہ دو حروف کا ہوتا ہے ورنہ ق، و، ع کو بھی کلمہ کہنا ہوگا۔ حالانکہ مخالفین بھی اسے کلمہ نہیں کہتے۔ جواب یہ ہے کہ حروف پیش کردہ دراصل فی وعی ہیں کیونکہ انہیں انفاظ کو مبتہ کے وقت قیا وعیا کہتے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ وہ مرکب ہیں۔ یہ اصل وصل کو نہیں جانتے بظاہر وہ مرکب نہیں ہیں تو انہیں مفرد نہ ماننے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس لئے انہوں نے دوسرا اعتراض پیش کیا کہ لام تعریف تنوین اور اضافت یہ تینوں معنی خیز حروف ہیں اور حروف انواع کلمہ میں سے ایک نوع ہیں۔ نوع جنس میں داخل ہوتا ہے نیز نوع جہاں صادق ہو وہاں جنس بھی صادق ہوتی ہے۔

مسئلہ نمبر 27:

سب سے بہتر اور عمدہ تعریف یہ ہے کل منطوق بہ افادشیأ بالوضع فہو کلمۃ تعریف ہذاء میں کسی قسم کا اعتراض وارد نہیں ہو سکتا بلکہ بالکل صاف اور مفرد و مرکب دونوں کو شامل ہے۔ لیکن خطوط اور اشارات کو جامع نہیں ہیں۔ کیونکہ وہ منطوق کی ذیل سے خارج ہیں۔

مسئلہ نمبر 28:

کیا الفاظ اپنے معنی پر ذاتی دلالت کرتے ہیں؟ یا بالوضع اصل بات یہی ہے کہ الفاظوں کو معنی پر ذاتی دلالت نہیں ہے۔ کیونکہ زمانہ اور محل وقوع کے تغیر سے معنی میں تبدیلی دیکھی جاتی ہے۔ امام رازی فرماتے ہیں کہ گذشتہ صدی میں جو معنی تھے آج انہیں کوئی جانتا ہی نہیں اور ذاتیات میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔ اور نہ اسے ذاتی کہیں گے۔ یہ بات امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں یہ صرف بالوضع ہی کا کام ہے، برخلاف اس کے بعض لوگوں نے اس کو تسلیم نہیں کیا وہ کہتے ہیں کہ اگر ذاتی دلالت نہ مانی جائے تو معانی میں ہونے کی کیا وجہ ہے؟ کیوں دوسرے معنی مراد نہیں لئے جاتے۔ پس معلوم ہوا کہ الفاظ اور معانی میں طبعی مناسبت ہوتی ہے۔ جس

Marfat.com

کے باعث تعین ہے اس کا جواب یہ دیا گیا کہ یہ اعتراض بالکل ویسا ہے جیسے کوئی یہ کہے کہ دنیا ایک خاص وقت پر پیدا کیوں نہ ہوئی؟ آگے پیچھے کیوں ہوئی؟ اس خاص وقت میں کوئی سی وجہ ترجیح دی یا کسی منطقی سے منطقی ہونے کی وجہ ترجیح دریافت کی جائے۔ غرض یہ کہ یہ اعتراض بالکل فضول اور محض بیہودہ ہے۔ خیال کرنے کا مقام ہے کہ اگر ہر ایک امر میں وجہ ترجیح کا ہونا ضروری ہو تو اس میں بڑی مشکلات اور سخت سے سخت دشواریاں پیش آئیں گی اور معترض صاحب کا قافیہ تنگ ہو جائے گا۔

مسئلہ نمبر 29:

ہاں بعض بعض الفاظ میں مناسبت طبعی کو مانتے ہیں اور ان میں دلالت ذاتی تسلیم کرتے ہیں جیسے قطع تعلق ہر دو جانوروں کی آواز سے بھی یہی الفاظ مفہوم ہوتے ہیں۔ اسماء اور ان کی آوازوں میں مناسبت پائی جاتی ہے ایسا ہی لفظ خضم خشک چیز چبانے کو کہتے ہیں کیونکہ خ کی آواز اور تر چیز کو چبانے کی آوازیں باہمی مناسبت ہے ایسا ق اور خشک چیز کی آواز میں باہمی مشابہ ہیں۔ ابن جنیؒ نے کتاب خصائص میں اس کی بہت سی مثالیں جمع کی ہیں۔

مسئلہ نمبر 30:

ہم یقیناً نہیں کہہ سکتے کہ الفاظ کی دلالت توقیفی ہے لیکن بعض اصحاب نے توقیفی اور محدود مانا ہے اگر توقیفی مانا جائے تو تسلسل لازم آتا ہے کیونکہ ہر ایک لفظ بالوضع دلالت کرتا ہے اور توقیفی مانتے نہیں تو ممکن ہے کہ ہر وضع سے پہلے ہر خاص وضع ہو اور یہی تسلسل ہے۔

دلیل دوم: کا جواب یہ ہے کہ علم بمعنی الہام ہوسکتا ہے نیز یہ کہ شاید کلیہ سے ان جملہ الفاظ کی طرف اشارہ ہو جن کو اقوام سابقہ نے وضع کیا تھا پس کلیہ ان الفاظ کو شامل ہے۔

مسئلہ نمبر 31:

ہم یہ بھی یقیناً نہیں کہہ سکتے کہ الفاظ کی دلالت توقیفی نہیں بلکہ اصطلاحی ہے البتہ معتزلہ کے نزدیک اصطلاحی ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ ایک عام مسئلہ ہے۔ علم صفت سے علم موصوف ضروری ہوتا ہے کیونکہ موصوف کے لئے صفت لازمی ہے۔ امام جعفر صادق فرماتے ہیں کہ صفت موصوف کے لئے خاصہ ہے اور صفت موصوف کے لئے مجموعہ چیز ہے اگر اصطلاح نہ مانیں اور سمجھیں کہ خداوند کریم ہر ایک عاقل کے دل میں معنی ڈالتا ہے تو مسئلہ مذکورہ کے مطابق علم خداوندی میں ہونا چاہئے تھا اس کا جواب یہ دیا گیا کہ ہم خداوند کریم کو عاقل کے دل میں معنی ڈالنے والا تسلیم کرتے ہیں یہ تو اسی کا کمال ہے لیکن ان معنوں سے وہ بتلا دیتا ہے کہ فلاں لفظ کو فلاں معنی کے لئے واضح کیا ہے۔ ان الفاظ کو ان کے خاص معنی کے لئے بنایا ہے اور ان معنوں پر خداوندی علم ضروری نہیں البتہ واضع کو علم ہونا ضروری ہوگا اور وہ ہمیں من وجہ حاصل ہے اسی ایک جواب سے دیگر تمام سوالات کا جواب ہوگیا۔

مسئلہ نمبر 32:

چونکہ مسئلہ مذکورہ کے ہر دو پہلوؤں کے دلائل قابل تسلیم ہیں لہٰذا ان دونوں پہلوؤں کی درمیانی صورت اختیار کرتے ہیں یعنی توقیفی بھی ہیں اور نہیں بھی اور اصطلاح بھی ہیں اور نہیں بھی۔

مسئلہ نمبر 33:

لفظ مفرد سے اس کے مسمیٰ کا پتہ نہیں معلوم ہوتا کیونکہ تاوقتیکہ لفظ کے معنی معلوم نہ ہوں کسی قسم کا فائدہ حاصل نہیں ہوتا اور الفاظ کے معنی کے لئے موضوع ہونے کا علم دراصل اس نسبت کا علم ہے جو مابین لفظ اور اس کے معنی میں موجود ہے کیونکہ یہ دونوں ایک ہی تصور کئے جائیں گے معنی کی خاصیت لفظ میں مقید ہے اور یہ نسبت ان دونوں سے مقدم موجود ہوتی ہے پس ہم ہرگز نہیں کہہ سکتے کہ فلاں لفظ فلاں معنی کو مقید ہے۔

مسئلہ نمبر 34:

مفرد اور مرکب میں فرق ہے اول تو مفرد کی طرح مرکب پر کوئی اعتراض وارد ہی نہیں ہوتا کیونکہ اس قسم کے الفاظ کی دلالت عقلاً ہوتی ہے برخلاف مفرد کے کیونکہ وہ بالوضع دلالت کرتا ہے پس عقل مفردات کو سن کر ان کی ترکیب پر نظر انداز ہوتی ہیں ترکیب عقلیہ سے مرکبات کو معلوم کر لیتی ہے کیونکہ مرکب اس کے خاصے کو

Marfat.com

ظاہر کرتی ہے تب وہ مسئلہ مسلمہ ثابت ہوتا ہے۔

مسئلہ نمبر 35:

بلحاظ موجودات ذہنی الفاظ کی دلالتیں بے شمار ہیں لیکن واقع میں ایسا نہیں کیونکہ واقع مجموعہ ہوتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ الفاظ کی تعریف میں، معنی بصیغہ جمع لایا گیا۔ کیونکہ از روئے لغت معانی کہتے ہیں اس شے کو جس کا احساس بذریعہ امورات ذہنیہ ہو۔ ہمارا دعویٰ دلائل پر مبنی ہے۔

اول دلیل: ہم دور سے کسی شئے کو دیکھ کر اس کو بے حس وحرکت خیال کرتے ہوئے پتھر کہہ دیتے ہیں لیکن تھوڑا سا فاصلہ آگے دیکھیں تو وہ شے حرکت کرتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ جس کے باعث ہم اس کو جانور سمجھتے ہیں اور جب اس کے پاس پہنچ کر ہمیں یقین ہو جاتا ہے کہ وہ شئے مذکورہ بالا ہر دو خیالات ذہنیہ کے برخلاف (انسان) ہے۔ تو ہم اپنے پہلے خیال سے رجوع کر لیتے ہیں تقریر ہذا سے معلوم ہوا کہ اسمائے اختلاف صرف تخیلات کے مختلف ہونے پر مبنی ہے جس سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ الفاظ کی دلالت حقیقتاً موجودات ذہنیہ پر ہوتی ہے خارجیہ پر نہیں۔

دلیل دوم: ذہنی امورات پر الفاظ کو دال نہ مانا جائے بلکہ نفس الامر پر تو اس سے امر محال لازم ہو جائے گا کیونکہ مثلاً ایک شخص العالم حادث کہتا ہے اور دوسرا اس کے برخلاف (العالم قدیم) تو زمانہ میں قدامت اور حدوثیت دونوں متضاد امر جمع ہو گئے۔ حالانکہ ایک چیز میں دو متضاد چیزیں جمع نہیں ہو سکتیں۔ ذہنی خیالات کے مطابق بالکل ٹھیک اور درست ہے۔

مسئلہ نمبر 36:

یہ امر ناممکن ہے کہ الفاظ تمام ماہیات موجودہ کے مادہ ہوں اور وہ اس کے مسمیٰ بن سکیں کیونکہ ماہیات کا دائرہ اس قدر وسیع ہے جس کی انتہا نہیں اور لامتناہی ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ یہ لامتناہی کے لئے تعین کرنا بھی لامتناہی ہے لامتناہی چیز کا علم تفصیلی ناممکن الحصول ہے خزینۃ القرآن فرماتے ہیں وہ مسمیٰ بننے کے کیسے لائق ہوگا اور کیسے اس کا نام تجویز ہو سکتا ہے۔

مسئلہ نمبر 37:

تمام وہ معانی جن کی تعبیر از حد ضروری ہے مثلاً حکم کرنا منع کرنا عموم اور خصوص تو ایسے معانی کے لئے اللفظ کو وضع کرنا بھی وجوہات سے ہوتا ہے کیونکہ انسانی حاجات اور ضروریات کے امضاء کا اسی پر انحصار ہوتا ہے کیونکہ یہ لازم ہے۔

مسئلہ نمبر 38:

جن معنی کو خاص خاص جانتے ہیں اور عوام الناس کو معلوم نہیں ہوتے ان کی تعبیر مشہور ومعروف اور کثیر الاستعمال سے ہونی چاہئے بلکہ ان کی تعبیر کے لئے خاص الفاظ ہونے چاہئیں۔ مثلاً حرکت ہر ایک کو معلوم ہے لیکن بقول متکلمین جسم کو منتقل کرنے والا باعث عام لوگوں کو معلوم نہیں بلکہ اس سے خاص خاص لوگ واقف ہیں پس حرکت کو اس کے مشہور معنی پر ہونا چاہئے۔ کیونکہ اس کا معنی اس کی حقیقت کے لئے ظاہر ہوتا ہے۔ نہ اس کے باعث پر جس سے عام لوگ محض ناواقف ہیں۔

مسئلہ نمبر 39:

معنی لفظ کی صورتِ خارجیہ کو نہیں کہتے بلکہ ذہنیہ صورت کو کہتے ہیں کیونکہ لغت میں معنی کہتے ہیں، اس چیز کو جس کا ارادہ یا خیال کیا جائے کیونکہ یہ حقیقت پر مبنی ہے اور ان کا تعلق امورات ذہنیہ پر ہے بے شک امورات خارجیہ بھی مطلوب ہوتے ہیں لیکن بالذات نہیں بلکہ مقصود بالعرض ہوتے ہیں مثلاً اگر کوئی شخص یہ کہے کہ فلاں شخص نے فلاں الفاظ کے خاص معنی کر دیئے تھے تو اس لفظ کو بیان کرنے سے اس شخص کو اپنے تصورات ذہنیہ کو بیان کرنا مقصود اصلی تھا۔

مسئلہ نمبر 40:

Marfat.com

بعض تصورات ذہنیہ ایسی بھی ہیں جن کو بذریعہ الفاظ تعبیر نہیں کیا جا سکتا بلکہ ان کو بطریق نسبت بیان کرتے ہیں جیسے کہ تربوز اور نباتات کی شیرینی کے مابین امتیاز کو باوجود اس کے کہ ہر ایک جانتا ہے لیکن بذریعہ الفاظ بیان نہیں کرسکتا۔ البتہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ تربوز کی مٹھاس، انگور کی مٹھاس اس کی یہ وجہ نہیں کہ ان کے لئے واضح الفاظ نہیں ملتے حالانکہ کافی الفاظ موجود ہیں بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ شروع سے واضح نہیں ہے صرف بطریق نسبت امتیاز بیان کرنے کو کافی سمجھا۔ ویسے الفاظ بے شمار تھے نیز کیفیت مخصوصہ سے سبھی عوام واقف نہیں ہوتے بلکہ جب اس پر گزرے اس کو معلوم ہوتی ہے۔ تصورات ذہنیہ کی طرح ان کی تعبیر بھی بذریعہ الفاظ نہیں ہوسکتی۔ یاد رہے کہ دو چیزیں ہیں تصورات و تصدیقات تصورات منطق میں اور تصدیقات علم کلام میں۔ تصورات پھر دو قسم کے ہیں۔ (۱) تصورات حسی (۲) تصورات بدیہی۔ لیکن مسئلہ تصدیقات اپنی خاصیت کا حامل بے مثال ہے اور تصدیقات تصورات پر غالب ہیں۔ منطقیوں اور معقولیوں نے اپنے علم کو تصورات و تصدیقات میں اپنایا ہے۔ مذکورہ کلمہ جس کی بحث ہو رہی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا عوام کو علم نہیں ہوتا۔ صرف ذات واحد میں محدود ہوتی ہیں۔

مسئلہ نمبر 41:

اس امر کے بیان میں کہ الفاظ کو معنی کے لئے وضع کرنا کس حکمت پر مبنی ہے انسان مدنی الطبع ہے ہر ایک کو اپنی اپنی ضروریات اور امضائے حاجات کے لئے دوسرے شخص کی احتیاج ہوتی ہے کیونکہ اپنی اپنی ضروریات کا ہر ایک بذات خود کفیل نہیں ہوسکتا لیکن ایک ایسے طریق کار کا ہونا ضروری ہوا۔ جس کے باعث ایک دوسرے پر اپنی اپنی حاجات کا اظہار ہو سکے اور ضروریات بہم پہنچیں۔ گو تالی بجانے اشارات اور کنایات وغیرہ صورتوں سے یہ ضرورت پوری ہوسکتی ہے مگر اس کے استعمال میں دشواریاں اور مشکلیں تھیں۔ جو الفاظ میں نہیں پائی جاتیں اس میں اس قدر سہولتیں آسانیاں ہیں جن کو قلمبند نہیں کیا جا سکتا۔ الفاظوں میں سہولتیں ہونے کی وجوہات مندرجہ ذیل ہیں:

دلیل اول: اندرونی ہوا کا باہر نکالنے سے آواز کا پیدا ہونا ظاہر ہے اور سانس کو روک روک کر نکالنے سے حروف بنتے ہیں یہ اس کی خاص وجہ ہے۔ یہی وجہ اس کی حکمت پر مبنی ہے اور ان کی ترکیب سے الفاظ بن جاتے ہیں۔

دلیل دوئم: آواز دینا نہ دینا ایک اختیاری امر ہے جونہی اظہار مافی الضمیر کی ضرورت پیش ہوئی اس وقت آواز کی جاسکتی ہے۔ ضرورت پوری ہونے کے بعد آواز بند بھی کردی جاتی ہے۔

دلیل سوئم: چونکہ الفاظ کی بناوٹ اصوات کی رکاوٹ سے ہوتی ہے۔ الفاظ کے لئے اصوات کا ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ اصوات الفاظ پر غالب ہیں۔ اصوات ہوگی تو الفاظ وجود میں آئیں گے تو ظاہر ہے مخارج حروف میں مختلف رکاوٹوں سے مختلف الفاظ بن سکتے ہیں جس کے باعث ہمیں الفاظوں کو غیر متناہی کہنا ناجائز نہ ہوگا۔ اور معانی کثیرہ کے لئے بلا دقت و دشواری الفاظ وضع ہو سکتے ہیں۔ چونکہ تالی بجانے اشارات، خطوط، کتابت، کنایات میں یہ سہولتیں نہ تھیں۔ لہٰذا عقل سلیم نے ان کو حکم صادر فرمایا اور الفاظ کی منظوری بخشی۔

مسئلہ نمبر 42:

اللہ تعالیٰ کی ذات کو پہچاننا اچھے کاموں میں جن میں نیکی اور بھلائی تصور کی جاسکتی ہو۔ اس کے لئے سب سے پہلے اپنا نفس کنٹرول کرنا یہ ضروری ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی پہچان کا تعلق نفس سے ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ انسان فی نفسہ ان دونوں کمالات سے بالکل عاری ہوتا ہے کیونکہ کمالات ہی نفس کے لئے وارد ہیں۔ صاحب تفسیر کبیر فرماتے ہیں کہ نفس دو چیزوں پر متعین ہے برائی و اچھائی تو اس کی حقیقت کمالات پر ہوتی ہے جس کا تعلق روحانیت سے ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ نفس کو کمالات میں لانا یہ روحانیت میں سب سے بڑا اہم کام ہے۔ کمالات اور نفس یہ دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ یہ قول ہے مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ جس نے اپنے آپ کو پہچانا پس گویا کہ اس نے اپنے رب کو پہچانا، اور بعد میں انہیں بذریعہ اکتساب حاصل کیا جاتا ہے پھر کوئی دشواری پیش نہیں آتی لیکن بدون جسم و بدن کی مدد کے اکتساب ہو نہیں سکتا تھا۔ اللہ تعالیٰ لایزال نے اس کو جسم عطا فرمایا تاکہ اس کی اصلی حقیقت پر وہ اس کو پہچان سکے۔ بدن مثال انجن ہے اس کو حرارت کی ضرورت ہے۔ صاحب تفسیر کبیر فرماتے ہیں کہ بدن ایک انجن کی مثال ہے اس کی حرارت کا ہونا ضروری ہے۔ صاحب خزینۃ

Marfat.com

القرآن فرماتے ہیں کہ بدن اس کے لئے ایک بڑا خزانہ ہے اور حرکات اس کے چشمے ہیں کیونکہ چشموں کا تعلق منبع سے ہوتا ہے جسم ہوگا تو حرارتیں لازم آئیں گی۔ صاحب تفسیر کبیر کی مثال بھی بالکل قوی ہے اور صاحب خزینۃ القرآن کی مثال اعلیٰ مقام رکھتی ہے۔ کیونکہ فقیر اپنی تفسیر میں یہ عرض کرنا چاہتا ہے کہ ابن عباس کے بعد سید موسیٰ المبرقعہ کہ مجتہد مفسر ہیں اور تمام مفسرین کے صدر ہیں بلکہ سید المفسرین ہیں۔ دقیق ہونے کے لحاظ سے موصوف کی تفسیر ابن عباس کی تفسیر سے اعلیٰ مقام رکھتی ہے۔ کیونکہ یہ ہر ایک کا اپنا اپنا خاصہ ہوتا ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن بے شک امام المفسرین اور سید المفسرین ہیں۔

نوٹ:

یاد رہے کہ اس میں حضرت ابن عباس کی فضیلت کم نہ ہوگی کیونکہ وہ صحابی رسول ہیں اور یہ تیسری صدی کی شخصیت ہیں لیکن یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو انعام کر دے۔ عرض کر دوں کہ موصوف کی تفسیر کے متعلق فقیر ہی نہیں کہتا بلکہ امام راغب اصفہانی نے مفسرین کے حالات میں عربی میں ایک رسالہ لکھا ہے جن میں وہ فرماتے ہیں کہ دنیا میں سب سے اعلیٰ معیار کی تفسیر اور قرآن کریم کو سمجھنے کا خزانہ خزینۃ القرآن ہے اس سے بڑھ کر کوئی اعلیٰ تفسیر نہ ہوئی، نہ آخر میں ہوگی بلکہ فرماتے ہیں کہ یہ تفسیر ابن عباس کی تفسیر کی حقیقتاً شرح ہے کیونکہ ابن عباس کے حق میں حضور کی دعا ہے کہ اللہ میرے ابن عباس کے علم کو بڑھا۔ لیکن تفسیر خزینۃ القرآن کو امام راغب اصفہانی فرماتے ہیں اعلیٰ سمجھ لینا اس دعا کی مخالفت نہ ہوگی کیونکہ علم کا عطا کرنا یہ اللہ کے ہاتھ ہے۔ خدا خود فرماتا ہے (سورت یوسف میں) نرفع درجت من نشاء وفوق كُلِ ذی علمٍ علیم اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم درجات بلند کر دیتے ہیں جو ہم چاہتے ہیں اور او پر صاحب علم کے ایک بڑے علم والا ہے، لیکن یہاں علم کے درجات کو بلند کیا جا رہا ہے۔ اس میں ابن عباس کی صحابیت میں کوئی کمی نہ آئے گی کیونکہ حضرت موسیٰ المبرقعہ کہ حضور کی آل سے ہیں صاحب خزینۃ القرآن ایک حدیث اپنی تفسیر میں بیان کرتے ہیں اس حدیث کو امام راغب اصفہانی نے بھی اپنی تفسیر میں درج کیا ہے۔ حضور نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ میری آل کے سینے قرآن کریم کے خزانوں سے بھر دے گا انہیں دنیا کی کسی چیز کی خواہش نہ رہے گی تو ثابت ہوا کہ حضور کی دعا۔ آل کے حق میں کامل ثابت ہوئی۔ یہ حضرت موسیٰ المبرقعہ کہ آپ کی آل میں سے بہت بڑے مفسر ہوئے ہیں جنہوں نے چالیس جلدوں پر مشتمل تفسیر لکھی اتنی ضخیم تفسیر کوئی نہیں لکھ سکتا۔

اب بات چل رہی تھی کہ بدن انجن کی مثال ہے اس میں حرارت پیدا ہوتی ہے بدن کو حرارت کی از حد ضرورت ہے ورنہ وہ بالکل بے کار رہے گا۔ امام راغب اصفہانی فرماتے ہیں کہ بدن بغیر حرارت کے ہل ہی نہیں سکتا۔ صاحب خزینۃ القرآن بھی یہی فرماتے ہیں۔ یاد رہے کہ میری تفسیر میں مفسرین کے بعد فتوی خزینۃ القرآن سے ہوگا۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ دل حرارت غریزی کا منبع ہے اسی بات کو صاحب تفسیر کبیر نے اخذ کیا ہے لیکن حرارت میں کمی بیشی ممکن تھی جس کے باعث اعتدال قائم نہ رہتا۔ لہٰذا علاوہ مذکورہ بالا ضرورت کو پورا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے دل میں ایک دوسری قوت پیدا فرمادی جس کے سبب دل کی اندرونی ہوا خارج ہوتی ہے اور بیرونی تازہ ہوا پہنچتی ورنہ اعتدال قائم نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ اعتدال ان دونوں قوتوں سے پیدا فرمادی جس کے سبب دل کی اندرونی ہوا خارج ہوتی ہے اور بیرونی تازہ ہوا ہوتی ہے۔ صاحب تفسیر کبیر فرماتے ہیں اس وقت تک تازہ ہوا کیسے اندر داخل ہوگی جب تک اندرونی ہوا خارج نہ ہو کیونکہ پہلے جگہ پر اس قوت کا ہونا از حد ضروری تھا یہی وجہ حیوان تنفس کی ہے پس مذکورہ بالا تقریر سے معلوم ہوگیا کہ تخلیق بدن دوسرے مقصود کے مرتبہ پر ہوا۔ دل اور اس کو سرچشمہ حرارت غریزی بنانا تیسرے مرتبہ میں ہوا چوتھے مرتبہ میں دل میں بیرونی ہوا قبول کرنے والی طاقت پیدا ہوگی۔ پانچویں مرتبہ ہر دل کی اندرونی گرم ہوا کو باہر نکالنے والی طاقت پیدا ہوئی اور ان دونوں قوتوں سے آواز پیدا کرنا چھٹے درجے پر ہوا اور آوازوں سے الفاظ کا بننا اظہار مافی الضمیر میں کارآمد ہونا ساتویں مرتبہ پر ہوا کیونکہ مدبر رحم نے حلق، زبان، دانت اور لبوں میں مجالس اور مقاطع بنا رکھی ہیں جن کے سبب آواز پیدا ہوتی ہے جس سے حروف بن کر اور ان کو باہمی ترکیب دینے سے غیر متناہی الفاظ کلمات بنائے جاتے ہیں۔ از اں بعد اللہ کریم نے کلمات اور گویائی کو بے شمار اسرار و رموز کا مخزن فرمایا ہے جن کی گنتی ناممکن ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ بڑے بڑے دانا عاجز ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی قوت کے انعامات کی کون گنتی کر سکے، بڑے بڑے تیراک اس سمندر میں غوطہ زن ہو کر رہ گئے کچھ ہاتھ نہ آیا۔ وہ تدبیروں کو جاننے والا اور حکمت والا ہے۔ جس کی قدرت کی کچھ انتہا نہیں۔

مسئلہ نمبر 43:

Marfat.com

مذکورہ بالاتقریر سے معلوم ہوگیا کہ گفتگو کے صرف یہی معنی ہیں کہ لوگوں نے آوازوں اور حروف مرکبہ کو اظہار مافی الضمیر کا اصل کیا ہے وگرنہ ان کے علاوہ اگر کوئی دوسری چیزوں کو مافی الضمیر ظاہر کرنے کے لئے مقرر کردیتے تو ان سے یہی مطلب حاصل ہوجاتا اوران چیزوں کو کلام کہنا جائز ہوتا۔اس سے فقیر اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ کلام علم وقدرت اور ارادات کی طرح صفت حقیقی نہیں بلکہ صفت وضعی اصطلاحی ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ کلام کہتے ہیں اس فعل مخصوصہ کو جسے انسان مافی الضمیر کو ظاہر کرنے کی غرض سے صادر کرے اور مافی الضمیر میں ارادات اعتقادات وغیرہ بھی شامل ہیں۔کیونکہ ان کا اظہار بھی کلام کے ذریعے ہوتا ہے پس معلوم ہوا کہ انسان متکلم کے یہ معنی ہیں کہ وہ غرض مخصوصہ کا فاعل ہے اور علم قدرت ارادت وغیرہ یہ سب کلام صفت حقیقی کی ذیل میں ہیں۔

امام رازی وامام راغب اصفہانی اور ابن عباس وصاحب خزینۃ القرآن سید موسیٰ المبرقعۃ کہ یہ سب کلام اللہ کو صفت ازلی پر مکمل کرتے ہیں صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں مذکورہ بالاتقریر سے معلوم ہوگیا کہ کلام اللہ صفت ازلی ہے۔

مسئلہ نمبر 44:

مقرر الذکر تقریروں سے معلوم ہوگیا کہ الفاظ سے مافی الضمیر اعتقادات ارادات وغیرہ ظاہر کئے جاتے ہیں۔اس مسلمہ امر کو ملحوظ رکھ کر معتزلہ الفاظ کا مدلول علیہ ارادات واعتقادات انسانی قرار دیتے ہیں اور خواہشات انسانی ارادات امورات ذہنیہ عقائد کو ایک ہی چیز سمجھتے ہیں فرق نہیں کرتے وہ کہتے ہیں کہ تمام خبری صیغے اعتقادی گواہی دیتے ہیں اور فعل کے صیغے ان ارادوں کو ظاہر کرنے کے لئے موضوع ہیں جو کسی فعل کے متعلق ہوں لیکن معتزلہ کے ماسوا باقی سب الفاظ کا مدلول علیہ اعتقادات وغیرہ کو قرار نہیں دیتے اور خواہشات وامورات ذہنیہ ارادات اور عقائد میں فرق کرتے ہیں دعویٰ اصل کی یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ کفار کو ایمان کا حکم ہوا۔ ایک مسلمہ امر ہے۔پس معتزلہ کی رائے کے مطابق اس کے یہ معنی ہوئے کہ خداوند کریم کے ارادہ میں ہے کہ کفار لوگ ایمان لائیں بقول رکن نیک کفار کو ایمان لے آنا چاہتے تھا حالانکہ ایسا نہیں اور ارادہ نہ کرنے کی درج ذیل وجوہات ہیں۔

اوّل: اگر کفار میں ایمان لانے کا دعویٰ یا قابلیت موجود نہ مانی جائے اور تسلیم کرلیا جائے کہ کفار میں کفر پر جمے رہنے کی دائمی قابلیت ہے تو اس طاقت کو پیدا کرنے والا بھی اللہ تعالیٰ ہے کیونکہ وہ ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے۔یہ قوت بھی تو اسی کی ہے کفار کی اپنی قوت تو نہیں اور اگر مطلب یہ ہے کہ کافر میں کفر اور ایمان دونوں کو قبول کرنے کی قابلیت ہے اور موجودہ حالات کفر کے سبب ترک نہیں ہوسکتے،اب سوال یہ ہے کہ یہ سبب اللہ کی طرف سے ہوگا یا کافر سے۔صورت اول پر پھر وہی سابقہ تقسیم ہوگی جو موجب تسلسل ہے۔ایسی صورت ثانی میں قدرت اور مرجع کا مجموعہ بحکم مرید العلۃ مرید المعلول خداوند کریم کو مرید الکفر ماننا پڑے گا۔

دوسری دلیل: خداوند کریم کو معلوم ہے کہ کافر کفر نہیں چھوڑے گا،باوجود اس کے اس کا پھر ایمان کا حکم کرنا بے وجہ ثابت ہوتا ہے۔قاعدہ کی بات ہے امرِ واقع کا ارادہ نہیں ہوسکتا اور شرعی کتابوں میں کافروں کے لئے جابجا ایمان کا حکم ثابت ہے اور یہ ثابت ہوچکا ہے کہ خداوند تعالیٰ کو امر بالا یمان سے طلب ایمان ثابت نہیں پس معلوم ہوا کہ امر خداوندی کا مدلول ارادہ نہیں بلکہ اس کے علاوہ کوئی دوسری چیز ہے۔

صورت ثانی کی دلیل میں ایک مثال پیش کی گئی ہے مثلاً ایک شخص نے العالم قدیم کہا جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص اس عالم کو قدیم مانتا ہے اور بسا اوقات ایسا ہی کہا جاتا ہے کہ زبان کے مطابق دل نہیں ہوتا۔بااعتقاد دی عالم کو ماہیت مانتا ہے پس معلوم ہوا کہ اعتقاد اور چیز ہے۔اور امر ذہنیہ دوسری چیز کیونکہ امر اور اعتقاد کا کوئی تعلق نہیں۔ادامر کا تعلق ذہن سے ہے اور اعتقاد کا تعلق دل سے۔

مسئلہ نمبر 45:

ضروری نہیں کہ مسمیات اور الفاظ باہمی مغائر یا موافق نہ ہوں بلکہ دونوں صورتیں پائی جاتی ہیں۔بہت سے الفاظ مسمیات کے مغائر ہوئے ہیں۔جیسے آسمان زمین بہت سے موافق ہوتے ہیں جیسے اسم فعل اور حرف۔عام خاص مجمل مبین وغیرہ کیونکہ ان کے مسمیات ہی الفاظ ہیں۔

مسئلہ نمبر 46:

ازروئے تفہیم لغات کی تین طریقوں سے شناخت ہوسکتی ہے عقل نقل واحد نقل متواتر لیکن ان تین طریقوں سے اوّل خلاف ہے اور باقی دو صحیح الاستعمال ہیں۔

Marfat.com

بلکہ بعض لوگ ان دونوں پہ انحصار نہیں رکھتے بلکہ وہ کہتے ہیں کہ ان دونوں طریقوں کے مجموعہ سے بھی شناخت ہوسکتی ہے۔ کیونکہ نقل متواتر میں صرف من کا استشار آنا ثابت ہے اور نقل سے ثابت ہو چکا ہے کہ مستثنیٰ منہ کے سواء باقی سب استثناء سے خارج ہوتے ہیں۔ ان دونوں کے مجموعے سے عقل اس نتیجہ پر پہنچتی ہے کہ استثناء بغرض عمومیت وضع ہوا ہے کیونکہ نقل سے عموم ہونا ثابت ہوا۔ لیکن مذکورہ بالا استدلال غلط ہے کیونکہ اس طریق کا جواز اس صورت میں ہوسکتا ہے کہ ہمیں یہ معلوم ہو کہ واضعین کی اصل غرض کے مخالف فعل اختیار کیا ہے گویا یہ الزام بھی اٹھ سکتا ہے مگر اس صورت میں واضع خداوند کریم ہے انسان نہیں لیکن یہ مقدمہ بھی سرے سے مشکوک ہے لہٰذا اصل مقدمہ بھی مشکوک ثابت ہوگا جو نا جوازی استدلال کے ثبوت میں کافی ہے۔

مسئلہ نمبر 47:

ہمیں دو طریق سے لغات ملتی ہے نقل متواتر، نقل آحاد فقیر کے نزدیک تو دونوں طریق جائز اور برحق ثابت ہیں۔ لیکن بعض نے صحیح تسلیم نہیں کیا۔ وہ کہتے ہیں بہت سی لغات ایسی موجود ہیں جن میں نقل متواتر سے ثابت ہونے کے باوجود اختلاف پایا جاتا ہے چنانچہ لفظ اللہ جیسے مشہور لفظ میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض نے اسے عبرانی کہا اور بعض نے عربی کہا کوئی اسے اصلاً علم کہتا ہے اور دوسرا اسماء مشتقہ سے بتاتا ہے طرفہ یہ ہے کہ ہر ایک نے اپنے دعوے میں بڑے بڑے ثبوت دیئے ہیں لیکن پھر بھی فیصلہ نہ ہوسکا اور ایسا ہی لفظ ایمان اور کفر سے نہیں چھوٹا علاوہ اس کے روزمرہ کے مستعمل الفاظ اختلاف سے محفوظ نہیں ہیں جیسے صیغہ امر، نہی، عموم اور خصوص تو ایسی صورت کے ہوتے ہیں ہم نہیں سمجھتے کہ ان کے سواء دیگر الفاظ میں کس درجہ کا اختلاف ہوگا کیونکہ کوئی صورت ہی نہیں رہی جبکہ آحاد نقل اور نقل متواتر سے ثابت شدہ الفاظ کی حالت درست نہیں ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اختلاف ہم مانتے ہیں لیکن لغات اور الفاظ میں کوئی اختلاف نہیں بلکہ ان کی ماہیت اور اعتبار کے متعلق آراء میں اختلاف ہوا ہے جو ہمارے مسلمہ قاعدہ کے کسی صورت مخالف نہیں۔

مسئلہ نمبر 48:

اس زمانہ میں مذکورہ بالا الفاظ میں بعض معترضین نقل متواتر کو تسلیم کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ گزشتہ زمانوں کا ہمیں علم یقینی نہیں ہوسکتا ممکن ہے نقل متواتر کسی زمانہ میں نقل آحاد ہوگئی ہو چونکہ تصرفات الفاظ بالکل معمولی باتیں ہیں ہمارا مقدمہ بڑے بڑے وقائع سے تعلق رکھتا ہے۔ لہٰذا کسی کو یہ کہنا درست نہ ہوگا کہ وہ مقدمہ بالکل سماعت نہیں ہوا مقدمہ قطعی ہے ان کو بڑے بڑے محققین نے بڑے دعویٰ کے ساتھ بیان کیا ہے یہ تسلیم بھی کیا ہے اور رائج العمل بھی ہے کیوں کہ اول تو ایسا ہوتا نہیں اور اگر ہو بھی تو مشہور ہونے کے باعث حد تواتر تک پہنچ جاتا ہے غرض یہ کہ اصل بات یہی ہے کہ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو لیکن ہماری ضرورت کے مطابق بہت ذخیرہ موجود ہے۔ اور یقیناً ہمیں معلوم ہے کہ لفظ جدار، دار، ارض و سما کی حالت موجودہ ہیں کسی قسم کا تغیر نہیں۔ نہ آسمان بدلا ہے نہ زمین تبدیل ہوئی ہے۔

مسئلہ نمبر 49:

بے شمار لغات کا بطریق آحاد ثابت ہونا امر مسلمہ ہے جس کے صدق و کذب کا دارومدار راویوں کے چال چلن پر موقوف ہے درست چال چلن ہوگا تو قابل تسلیم ورنہ نہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ محدثین کے قیود مقررہ راویان لغات پر بھی عائد ہوسکتی ہیں یا نہیں۔

نوٹ:

اس لئے امام بخاریؒ اپنے کچھ قیود مقرر فرماتے ہیں۔ راوی سے خود ملاقات کرنا اور ان کے چال معلوم کرنا یہ اُن کے قیود میں ایک قاعدہ ہے محدثین میں سے ایسے لوگ کم ملتے ہیں۔ ہم کو محدثین کے رویے کی خانہ جنگی اور باہمی ایک دوسرے کو بڑے بڑے خطبات اور القابوں سے یاد کرنا معلوم ہے اور ہم جانتے ہیں کہ محدثین کی طرح ادیبوں میں بھی اختلاف اور جھگڑے ہوتے ہیں جن کے باعث ایک دوسرے کو جاہل فاسق اور طرح طرح کی برائیوں مذمتوں سے منسوب کیا جاتا ہے جیسا کہ بصریوں اور کوفیوں کی عداوت نیز ادیبوں نے محدثین کو برا بھلا کہنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ پس ان واقعات کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ بہت سی لغات قابل قبول نہیں۔ ان کا وجود عدم برابر ہے۔ عرض کرتا جاؤں کہ محدثین نبی پاک کی حدیث کی تدوین کرنے والے ہیں ان میں دو گروہ ہیں اول وہ جنہوں نے حدیث کو اکٹھا کیا اور اس پر جرح کی اور اپنی عمر کو اس میں وقف کیا۔ دوسرا گروہ جو ان کی پیروی کرنے والا ہے ان میں اختلافات و خانہ جنگی اختیار کرگئی ہے جو آج تک چلی آ رہی

Marfat.com

ہے۔صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ میرے سامنے دہ محدثین گزرے ہیں جب وہ حدیث پڑھاتے تھے اور معلوم ہوتا تھا سرکار دو عالم ﷺ سامنے ہوتے معلوم ہوئے اور محدثین پر آپ کا تصرف ہوتا۔اور وہ علم حدیث سے مالا مال ہوتے لیکن دوسرا گروہ جو اس تصرف سے خالی ہے خانہ جنگی کا شکار ہے فتنے بھی زیادہ اس لئے رونما ہو گئے ہیں کیونکہ نام نہاد محدثین پیدا ہو گئے ہیں۔صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ حضوؐر کی حدیث تب ہی دل میں اُتر سکتی ہے کہ پہلے حضوؐر کی محبت دل میں بھری ہوئی ہو موصوف فرماتے ہیں کہ جس طرح صحابہ کرامؓ کے دل میں حضوؐر کی محبت تھی ویسا ہی حضوؐر کی حدیث ان کے دل میں گھر کر جاتی تھی۔معلوم یہ ہوا کہ سب سے پہلے حضور کی محبت اصل ہے اسی لئے اعلیٰ حضرت امام اہل سنت فرماتے ہیں۔ثابت ہوا کہ جملہ فرائض فروع ہیں۔اصل الاصول بندگی اس تاجور کی ہے۔امام تفسیر کبیر فرماتے ہیں کہ مجھے محدثین کے باہمی اختلاف کے متعلق معلوم ہے کہ وہ جس طرح ایک دوسرے کو برا بھلا کہتے ہیں۔امام راغب اصفہانی فرماتے ہیں جن کو فقیر مفسرین کا قائد تصور کرتا ہے فرماتے ہیں کہ میں اسے محدث ہرگز تسلیم نہیں کروں گا۔جن کا دل نفرت اور خانہ جنگی سے بھرا ہوا ہو۔یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ادھر تو حدیث کی رحمت دل میں وارد ہو اور ادھر بغض حسد خانہ جنگی وارد ہو یہ ناممکن ہے۔کیونکہ حضور نے فرمایا میری رحمت غضب پر غالب ہے معلوم ہوا کہ ان پر یہ رحمت آئی نہیں۔اصل محدث وہی ہے جو بغض حسد کینہ سے پاک ہو۔شاگردان نے پوچھا کہ کوئی شخص مثال دیں آپ نے فرمایا صحابہؓ پھر فرمایا امام مالک صحابہؓ میں بھی اختلاف ہوتا تھا لیکن افہام وتفہیم پر موجودہ محدثین کو یہ پیغام عرض کرتا ہوں کہ اپنے دلوں کو بغض اور کینہ سے پاک رکھو اور محبت مصطفیٰ کو دل میں مقام دو تب تمہاری فلاح اور کامرانی ہے۔

مسئلہ نمبر 50:

گزشتہ تقریر سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ لغات کا علم بذریعہ نقل ہوسکتا ہے نقل نہ ملے تو ان کا علم نہیں ہوتا اسی طرح حرکات اور ان کی تبدیلیوں کو سمجھنا چاہئے نیز پہلے معلوم ہو چکا ہے اوّل نقل آحاد ہوتی ہے۔جو غیر یقینی ہونے کے باعث مشکوک ہوتی ہے۔علاوہ اس کے ہمیں ہر ایک الفاظ کے متعلق اس امر کا معلوم ہونا ضروری ہے۔ کہ وہ مجاز نقل، مشترک تخصیص اجمال اور معارض عقلی کے معنی میں مستعمل نہیں ہے بلکہ معنی متعارفہ والا ہمیں ان الفاظ کو مجاز وغیرہ صورتوں میں استعمال کرنے کا کوئی حق نہیں مذکورہ بالا مقدمات ظنی ہیں اور ظنی امور پر موقوف ہر امر ہی ظنی ہوتا ہے۔پس الفاظ کے معنی ہیں۔

⌘⌘⌘⌘⌘

Marfat.com

باب دوئم

ان مباحث کے بیان میں جن کا حروف اور اصوات سے تعلق ہے اور ان کے احکام کے بیان میں:

اسی حروف اور اصوات کے بیان میں صاحب خزینۃ القرآن نے کئی باب تحریر کئے ہیں جن میں چند مسائل عرض ہوں گے جو کلام اللہ قدیم ہونے کے اثبات میں ہیں اسی میں صاحب تفسیر کبیر کا موقف بھی درج ہوگا۔

مسئلہ نمبر 1:

ماہیتِ صوت کا احساس بذریعہ قوت سماعت جامعہ کے ہوتا ہے اور جن وجوہ کا احساس بذریعہ حواس خمسہ ہوسکتا ہے۔ وہ دوسروں کی نسبت زیادہ قوی ظاہر ثابت ہوتا ہے جس کو قوت حاسہ کے ذریعے پہچان لیتے ہیں کیونکہ اس کے اصل کے لئے قوت حاسہ ضروری ہے پس معلوم ہوا کہ رئیس ابوعلی سینا حروف آوازوں کو کہتے ہیں۔ صوت کے متعلق الصوت کیفیۃ تحدث من تموج الھواء المنتظمہ میں قاری ومقرر کہہ کر اس کی تعریف نہیں کی بلکہ اس کے حرکات ہونے کا سبب بیان مقصود ہے۔

مسئلہ نمبر 2:

کہتے ہیں کہ حروف متکلم آوازوں کے اجسام ہیں لیکن یہ محض غلط ہے کسی آواز میں اجسام کی کوئی صفت نہیں پائی جاتی۔ کیونکہ اجسام لطیف چیز ہے اور آواز بہ نسبت اجسام کے دقیق ہے نہ ہم اس کو دیکھ سکتے ہیں۔ نہ اس کا کوئی ایسا وجود ہے جو ہم ہاتھ میں پکڑ سکیں یہ دیکھنے اور پکڑنے میں بالاتر ہے تو اس کا تعلق اجسام سے کیسے ہوگا۔ اور نہ ہی وہ مشترک فی الجسمیہ ہے کیونکہ اجسام سے تعلق تو تب ہوا گر اس کا اشتراک کسی وجود سے پیدا ہو۔ اسی بات کو امام محمد راغب اصفہانی نے نقل فرمایا ہے اور نہ ہی وہ بعد از حدوث باقی رہنے والی چیز ہے اور اجسام میں مذکورہ بالا امورات موجود ہوتے ہیں۔ فقیر کا خیال یہ ہے کہ نظام جیسے نکتہ ورذکی الطبع عالم معتبر سے ایسی فحش غلطی ناممکن ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حدوث صوت کا سبب بیان کرتے ہوئے اس نے تموج الھواء لکھا ہے عوام نے مغالطہ سے یہ سمجھا کہ اس کے نزدیک صوت عین ہوا ہے۔

مسئلہ نمبر 3:

بعض نے صوث کی تعریف الصوت استحقاق الاجسام لکھی ہے لیکن درست نہیں کیونکہ استحقاق مخصوص اشیاء میں ہوا کرتا ہے اور مشاہدہ سے کامل ثابت ہے کہ وہ مخصوص نہیں اور بعض نے صوت کو صوت القلع اور القرع لکھا ہے اور تموج الحرکت کو صوت کہتے ہیں مگر سب غلط ہے کیونکہ بالا وجہ حرکات اوصاف مخصوصات کے ہیں آج تک کسی شخص نے بیان نہیں کیا کہ میں نے صوت کو دیکھا ہے۔

مسئلہ نمبر 4:

حدوث کے معنی بن کر مٹ جانے کے ہیں۔ مدافعت صوت کا سبب تقریباً تموج الھوا کہا گیا ہے لیکن تموج الھوا سے حرکت کا مبداء واحد سے منتقل ہو کر بعینہ منتہاء تک پہنچنا ضروری نہیں۔ بلکہ ان کے نزدیک وہ حالت مراد ہے جو تموج الھواء کے مشابہ ہوا کرتی ہے کیونکہ وہ ایسی چیز ہے جو آہستہ آہستہ حرکت کرتی ہے اور مختلف سکونوں کے بعد پیدا ہوتی ہے اور تموج کا سبب قرع (پڑھنا) سے ہے اور یا قلع (چھوڑنا) سے ہے۔ علماء کے نزدیک یہ دونوں سبب مستحکم ہیں۔ ہماری تصنیف کردہ علوم عقلیہ کی کتابوں میں بالتفصیل درج ہے یہی بات قوی مضمر ہے۔

Marfat.com

مسئلہ نمبر 5:

شیخ رئیس نے صرف ایک تعبیر لکھی ہے کہ حروف آواز کی اس شکل (ہیئت) کو کہتے ہیں جو قوت سامعہ میں دیگر تمام اصوات سے خفت اور ثقل میں متمیز ہوتی ہے۔

مسئلہ نمبر 6:

جن حروف کو نحو میں حروف مدولین کہتے ہیں اور جن سے ابتداء نہیں ہوتی کیونکہ جن کی ابتداء جنس سے علیحدہ ہوتی ہے انہیں مفتوح کہتے ہیں ان کے ماسواء باقی سب کو سامعہ بولتے ہیں۔حروف منقولہ میں سے ہیت (شکل) صوتی ہوسکتی ہے۔لیکن جن حروف صوامت کی تمدید نہیں ہوسکتی کیونکہ ان کے حالات مختلف قسم کے ہوتے ہیں مثلاً کاروبار اور جنس نفس کے زبان کی آن آخر اور ارسال نفس کے زبان کی ابتداء میں ان کو نہ تو اصوات اور نہ ہی ہیئت (شکل) اصوات کہتے ہیں کیونکہ زبان کی ابتداء میں حروف کا نکلنا اصوات کی ہیئت نہیں ہوتی بلکہ یہ ایک حالت میں ہے جو حدوث اصوات کے اوپر پیدا ہوتی ہیں اگر چہ ان کے اور اصوات کے درمیان نکتہ اور خط یا زبان اور آن کی سی نسبت ہے لیکن تاہم انہیں حرف سے نامزد کرنا مناسب امر ہے کیونکہ ان کا مادہ ان کی اصل حقیقت میں ہی موجود ہے کیونکہ حرف کے معنی طرف یا کنارہ ہے اور اصوات کی اطراف ہی تو حروف ہوتے ہیں جن حروف کی ظاہراً تمدید ہوسکتی ہے ان کی تین قسمیں ہیں:

دلیل اوّل: ایک تو وہ جنہیں بلحاظ نفس امری عندالوجود کہتے ہیں لیکن بلحاظ حسن زبانی الوجود ہیں جیسا کہ حاء خاء کیونکہ ان حروف کو سنتے ہی ذہن کو آنی الوجود ہونے کا خیال گزرتا ہے چونکہ حس متواتر آنوں کے مابین امتیاز کو معلوم نہیں کرسکتی بایں وجہ ان کو حروف واحد اور زبانی خیال کرتا ہے۔

دلیل دوئم: دوسرے وہ حروف جو فی الحقیقت زبانی محض ہیں جیسے ش، س کیونکہ یہ ایک ایسی ہیت ہے جو صوت پر عارضی ہے اور تا قیام اس کے قائم مقام رہے گی کیونکہ یہ صفت اس کے لئے قوی ہے۔

مسئلہ نمبر 7:

حروف کی دو حالتیں ہوتی ہیں، ساکن و متحرک لیکن ان حالتوں سے یہ مراد نہیں کہ حرکات اور سکنات ان میں حلول کئے ہوئے ہیں کیونکہ حلول ان میں ضروری ہے حلول نہ ہو تو اس کی حالت نہیں بن سکتی کیونکہ حروف خاصہ اجسام ہیں بلکہ حروف سامعہ کے آخر کی خاص آواز کا نام ہے۔حرکت ہی سے آواز بنتی ہے۔

مسئلہ نمبر 8:

حرکات صوت کے اجزاء ہیں کیونکہ موصوفت میں کمی بیشی ہوسکتی ہے اور جانب نقصان میں حرکات ہیں نیز حرکات کو دراز کرنے سے موصوفات بن جاتے ہیں تو معلوم ہوا کہ حرکات ہی سے موصوفات کا بننا لازم آتا ہے جس سے ہمارے دعویٰ کی اصل کی خاصی تائید ہوتی ہے۔

مسئلہ نمبر 9:

حرکت سے موصوف مقدم ہوتی ہے کیونکہ حرکات کا تکلم موقوف ہی صامت کے تکلم پر لازم ہے اگر ان پر حرکات مقدم ہوتی تو دور لازم آتا۔ جو محال لازمی ہے۔

مسئلہ نمبر 10:

عقل مانتی ہے کہ حروف اور اصوات سے کلام کی ماہیت ہے کیونکہ عقل کی دلالت اس میں حالت پر موقوف ہے قدیم نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ (وجہ اوّل) مترتب حروف کا نام کلام ہے تو ترتیب کا پہلا حرف ضرور ماہیت ہوگا۔ کیونکہ قدم کو عدم نہیں۔ اور اس کے بعد والے حروف بھی تمام اسی طرح ماہیت ٹھہریں گے۔

وجہ ثانی: جن حروف سے کلمہ مرکت ہوتا ہے وہ واحداً موجود نہیں ہوتے کیونکہ کلمہ ثلاثیہ کی چھ (۶) صورتیں ہوسکتی ہیں تو دفعتاً واحدۃً ہونے کی صورت پر چھ صورتیں نہ ہو سکتیں۔ پس معلوم ہوا علی سبیل التفاوت یکے بعد دیگرے پیدا ہوتے ہیں اور یہی ماہیت ہے۔ اکثر لوگوں نے قرآن کو ازلی مانا ہے اور ان کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

Marfat.com

دلیل عقلی: ہر ایک حرف کی خاص ماہیت ہوتی ہے جس کے باعث وہ دوسروں سے اعلیٰ ممتاز ہے اور ہر ایک جانتا ہے کہ ماہیات کو زوال کبھی نہیں ہوتا۔

دلیل نقلی: خدا کا کلام ازلی ہے، ورنہ لازم آئے گا کہ خداوند کریم اوّل ناقص ہو اور بعد میں مکمل ہوا ہو لیکن یہ بالا جماع باطل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کلام انہی حروف کا مجموعہ ہے جیسا کہ آیت وَان احد من المشرکین استجارک فاجرہٗ حتیٰ یسمع کلام اللہ میں حروف سنانے کا حکم ہے۔ نہ کچھ اور اگر کوئی کلام اللہ نہ سننے پر حلف اٹھائے تو حروف قرآنی کے سننے سے اس کی قسم ٹوٹ جاتی ہے علاوہ اس کے نقل متواتر سے ثابت ہو چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قرآن کریم جو پڑھا جاتا اور سنا جاتا ہے وہ کلام ربانی ہے اور ازلی ہے۔

نوٹ:

صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ یہ حدیث قرآن پاک کلام اللہ کے ازلی ہونے کے حق میں کافی ہے کیونکہ حضور ازلی ہونے کے حق میں خود فرما رہے ہیں۔ یہ حدیث مجموع الکتاب میں جو حضرت علی نے لکھی درج ہے یہی حدیث تفسیر کبیر میں بھی موجود ہے۔ یہ امر مسلمہ ہے کہ فرمان آنحضرت کا منکر کافر ہوتا ہے۔ پس ان دلائل سے معلوم ہوا کہ کلام اللہ انہی حروف کا نام ہے۔

⌘⌘⌘⌘⌘

Marfat.com

باب سوئم

مباحث اسم، فعل، حرف

اس میں چند ایک مسائل ہیں۔صاحب خزینۃ القرآن نے جو اسم، فعل، حرف کے مباحث میں لکھا ہے وہ کئی ضخیم باب ہیں اس طرح باب دوسرا پہلا بھی ضخیم ہے لیکن فقیر نے چند اقتباسات باب پہلے اور دوسرے سے نقل کیے ہیں اور تفسیر کبیر سے کافی اس طرح باب تیسرے سے تفسیر خزینۃ القرآن سے چند اقتباسات لوں گا اور ہر باب سے چند اقتباسات کیونکہ یہ تفسیر بہت ضخیم ہے۔

مسئلہ نمبر 1:

کلمہ کو اسم فعل حرف پر تقسیم کرنے کی صاحب تفسیر کبیر فرماتے ہیں دو وجوہ ہیں۔صاحب خزینۃ القرآن اور باقی مفسرین بھی اس پر اتفاق کرتے ہیں۔اول یہ کہ کلمہ کی تین صورتیں ہوتی ہیں۔وہ یا تو مخبر عنہ اور مخبر بہ ہوتا ہے یا صرف مخبر عنہ اور نہ مخبر ہوتا ہے اور نہ مخبر عنہ اور نہ مخبر بہ ہے پس ان صورتوں کے مطابق اس کو تین صورتوں پر تقسیم کر دیا۔پہلی صورت اسم، دوسری صورت فعل، تیسری صورت حرف چونکہ تقسیم کا دارومدار صرف دو امور پر ہے کہ فعل اور حرف مخبر عنہ نہیں ہوتے اور اسم ہو سکتا ہے اس لئے ضروری ہے کہ ان دونوں کو مبحث فیہ قرار دیں اور ان کی تحقیق دو مسائل میں تحریر کی جاتی ہے۔

مسئلہ نمبر 2:

نحویوں کا اتفاق ہے کہ فعل اور حرف مخبر عنہ ہیں کیونکہ قَتَلَ، ضَرَبَ کہنا ناجائز ہے۔اگر کوئی یہ کہے کہ عام مسئلہ کو ثابت کرنے کے لئے ایک مثال کا پیش کرنا کافی نہیں علاوہ اس کے جدا جدا اسماء کہنا جائز ہے باوجود اس کے کہ ہم نہیں کہہ سکتے۔نحویوں کے برخلاف بہت سے دلائل پیش کر کے ثابت کیا ہے کہ فعل اور حرف مخبر نہ ہو سکتے ہیں کیونکہ:

دلیل نمبر 1: ضربَ یضربُ کے افعال ہونے کی خبر دینے سے اسم فعل حرف تینوں میں سے کوئی ایک ضرور مخبر عنہ (خبر دینے والا) ضرور ہوگا۔اسم حرف تو ہو نہیں سکتا۔ورنہ خبر ہی کاذب ہوگی۔کیونکہ اسم سے خبر ہونا ثابت نہیں ہے کیونکہ اسم سے صفت معنی معلوم ہو سکتا ہے اور زمانہ نہیں۔اب رہا فعل۔اس پر اگر کوئی یہ کہے کہ مخبر عنہ دراصل صیغہ ہے اور وہ اسم ہے لہٰذا وہی مخبر عنہ ثابت ہوگا لیکن یہ خیال لغو اور فضول ہے۔

دلیل نمبر 2: اگر ہم یہ دلیل دیں کہ فعل اور حرف اسم نہیں ہیں تو اس سے بھی بطریق سابق ہمارا مدعا ثابت ہوا۔

دلیل نمبر 3: خود فعل لامخبر نا میں فعل مخبر عنہ ثابت ہے کیونکہ یہ کہنا کہ فعل مخبر عنہ نہیں ہو سکتا۔از قسم خبر ہے تو فعل مخبر عنہ ہوا جس سے تناقص لازم آئے گا۔جس کا جواب اگر یہ دیا جائے پیش کردہ قول میں لامخبر عنہ فجر نا ہے۔تو یہ ٹھیک نہیں کیونکہ لامخبر نا اسم فعل، حرف تینوں میں کون سا مخبر عنہ ہے۔اسم مخبر عنہ تو ہوتا ہے لہٰذا یہ تو نہ ہوا اور نہ ایک ہی چیز دو متضاد حکموں کا محکوم ماننا پڑے گا کیونکہ فعل اوّل اس کا خاصا ہے۔

دلیل نمبر 4: فعل اور حرف سے دو مختلف ماہیات مراد ہیں جو اپنے اپنے مادہ سے ممتاز ہیں تو معلوم ہوا دونوں مخبر عنہ ہو سکتے ہیں کیونکہ ہر ایک ماہیت کی نسبت یہ کہنا صحیح ہے کہ وہ اپنے مادہ سے ممتاز ہے تو اسی طریق کے مطابق فعل بھی ممتاز مخبر عنہ ہوگا کیونکہ فعل کے مخبر عنہ ممتاز ہونے میں کافی قوی دلیلیں گزر چکی ہیں جس کو صاحب خزینۃ القرآن نے رقم کیا ہے۔

دلیل نمبر 5: ہم پوچھتے ہیں فعل سے کیا مراد ہے؟ اس سے وہ صیغہ مراد ہے جو معنی مخصوصہ پر دال ہو یا دال معنی دار ہے۔جو اس کے خالص صیغہ کا مدلول ہے کیونکہ فعل

Marfat.com

چاہتا ہی خالص صیغہ کو ہے پس دونوں صورتوں میں ہمارا دعویٰ قوی ثابت ہے کیونکہ صورت اول میں فعل سے یہ خبر ہوگی کہ وہ معنی کی طرف رہنما ہے اور دوسری صورت پر یہ کہ وہ اپنے خالص صیغہ کا مدلول ہے مذکورہ بالا اعتراضات پیچیدہ ہونے کے باعث دشواری طلب ہیں اور جن کا جواب دینا کاردارد ہے۔

مسئلہ نمبر 3:

قوم نے نحویوں کے مشہور حکم الاسم ما یصح الاخبار عنہ پر اعتراض کیا ہے ان کا اعتراض اپنے مقام پر جائز ہے کہ باوجود یہ کہ کیف این اذ قسم الاسماء ہیں۔ مگر ان سے خبر ناممکن ہے عبدالقادر نحوی نے اس کا جواب یہ دیا ہے (الاسم کا جائز الاخبار عنہ) اس کا معنیٰ اسم جائز ہے ہمارے خبر دینے کے لئے اذا کے معنی سے خبر دی جاتی ہے کیونکہ اب تک اذا کے معنی سورج طلوع ہونے کے ہیں۔ ظاہر ہے کہ مخبر عنہ ہونا صحیح ہے۔ عبدالقادر کے قول سے ثابت ہوتا ہے کہ سورج کا طلوع ہونا یہ ظاہر کر رہا ہے کہ اسم ہمیں خبر دینے والا ہے جیسا کہ عام طور پر طاب الوقت بولتے ہیں۔ فقیر کے نزدیک یہ درست نہیں۔ کیونکہ اذ اوقت کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے اس وقت تک جب کہ وہ دوسرے کا ظرف ہو اس کا مخبر عنہ ہونا درست نہیں۔ اگر کہا جائے کہ اذا کے اجزاء اسم ماہیت کے نزدیک ایک جز و اسم ہے تو اس کو اسم کہنا چاہئے بلکہ واجب مگر یہ غلط ہے اگر اسم کو کہا جائے اس کا ایک جز و ہونا کافی ہوتا تو فعل کو اسم کہتے میں کیا مانع تھا حالانکہ اس کے اجزاء ماہیت میں ایک جز و مصدر ہے کیونکہ مصدر اس کے ظاہر کرنے کے لئے لازم ہے۔ معلوم ہوا کہ اسم اور مصدر کا آپس میں گہرا تعلق ہے جس طرح فعل کو اسم کہنا جائز نہیں اس طرح اذا کو اسم کہنا جائز نہیں۔

مسئلہ نمبر 4:

حکم کو تقسیم کی دوسری وجہ: حکم اپنے معنی پر بلا امداد غیرے بھی دلالت دیتا ہے اور نہیں بھی۔ دوسری صورت کو حرف کہتے ہیں۔ صورت پہلی میں اگر زمانہ مقرر مفہوم ہو تو فعل۔ ورنہ اسے اسم کہتے ہیں۔

نوٹ:

فعل سے دونوں چیزیں لازم آئیں۔ مانع اور زمانہ نہ ہو تو اسم ہے۔ مانع زمانہ دونوں ہوں تو فعل ہے اس کے متعلق بہت سے سوال و جواب ہیں جو ہم تحریر کریں گے۔

مسئلہ نمبر 5:

اسم کی تعریف میں: اسم کی مختلف تعریفیں کی گئی ہیں اوّل اسم وہ ہے جس کے معنی کی خبر صحیح دی گئی ہو اور معنی ظاہر ہوں۔ کیونکہ صحت الاخبار عن ما بذا شئ ایسا حکم ہے جو ماہیت کے بکلی تمام پر حاصل ہو سکتا ہے۔ معلوم ہوا مذکورہ بالا تعریف اسم کی حد نہیں بلکہ اس کی قسم ہے اور اس پر چند اعتراضات ہیں (۱) یہ کہ فعل اور حرف سے بھی خبر دی جاتی ہے (۲) یہ کہ اذا متیٰ کیف باوجود اسم ہونے کے مخبر عنہ نہیں ہو سکتے۔ گزشتہ سطور میں ان دونوں کے اعتراضات کی تفصیل ہو چکی ہے۔

دوسری تعریف: اسم وہ ہے جو فاعل مفعول اور مضاف ہو سکے۔ فاعل کرنے والا اور مفعول جس پر کیا جائے۔ مضاف اسے کہتے ہیں جس کا اشارہ دوسرے لفظوں کی طرف ہو۔ مضاف ہمیشہ زیر کی طرف پر جاتا ہے جیسے مِنّی من مضاف ہے نوں کی طرف اور نون کے نیچے زیر ہے۔ تعریف ہذا کا لب لباب ما یصح الاخبار عنہ ہے۔

تیسری تعریف: اسم کلمہ ہے جو اپنی ابتدائی بناوٹ میں اعراب کو قبول کرے۔ اعراب کا مقصد زیر، زبر، پیش کا پرکھنا یعنی جس پر زیر، زبر، پیش ہو اسے اعراب کہتے ہیں۔ اول فاعل سے معلوم ہوگا یہ بھی اسم کی حد نہیں ہے بلکہ اسم ہے کیونکہ قبولیت اعراب کی حالت تمام ما یت کے بعد رونما ہوتی ہے۔ تعریف ہذا میں ابتدائی بناوٹ سے یہ مراد ہے تاکہ مبنیات کلی کے کل مضارع اس سے خارج ہو جائیں۔ مبنیات کو اس لئے نکالنا مقصود ہے کہ ان کو حروف کے ساتھ خاصی مناسبت ہے جس کے باعث اعراب قبول نہیں کرتے۔ مناسبت ہوتی تو وہ ضرور اعراب کو قبول کرتے اور مضارع کو بذات اعراب قبول نہیں کرتا۔ بلکہ اس مشابہت کے باعث جو اس کو اسم کے ساتھ ہے یہ تعریف بھی کمزور ہے۔

چوتھی تعریف: زمخشری نے کتاب مفصل میں یہ تعریف لکھی ہے کہ الاسم مجرد دلّ علی معنًی فی نفسہٖ دلالۃً مجردۃً عن الاقتران (اسم وہ ہے

Marfat.com

جو دلالت کرے اور پر معنی کے یا دلالت کرے اور پر ذات یا مجرد اکے (پر ص 121 کے) لیکن یہ تعریف کئی وجوہ سے باطل ہے۔ پہلی یہ کہ اس نے کلمہ کی تعریف اللفظ الدال علیٰ معنی مفرد لکھی ہے اور مفصل کے حاشیہ پر لکھتا ہے کہ تعریف کلمہ میں لفظ کا ذکر کرنا واجب تھا ورنہ عقود، اشارات، کنایات بھی تعریف کلمہ میں داخل ہوتے حالانکہ ایسا نہیں۔ فقیر کہتا ہے کہ ان کا آخری کلام درست ہے تو اسم میں لفظ کلمہ کیوں چھوڑا گیا ہے) کیونکہ جو نقص کلمہ کی تعریف میں پیدا ہوتا ہے دوم یہ کہ تعریف میں لفظ فی نفسہ کی ضمیر کا مرجع کیا؟ دال یا مدلول یا ان دونوں کے ماسواء کوئی امر ہے۔

مذکورہ بالا ہر دو دلائل کا جواب یہی ہے کہ ماہیات سے استدلال کرنا درست نہیں کیونکہ دنیا میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کی خاص ماہیت نہ ہو تو اس لحاظ سے تمام موجودات کو قدیم ماننا چاہیئے حالانکہ ایسا نہیں۔ آیت نقل سے استدلال درست ہے لیکن اس کی مشاہدہ کے مقابلہ میں کچھ وقعت نہیں۔

مسئلہ نمبر 6:

کلام اللہ کو حروف مرتبہ اور اصوات ساختہ بطریق مجاز کہتے ہیں حقیقتاً اس کا مفہوم صفت خداوند قائم بالذات ہے اور اوپر والی حدیث کا بھی یہی مطلب ہے معنی علی الحروف ہے تو کلام اللہ کو ازلی کہنے کی صورت پر وہی صفت قائم بالذات مراد ہوتی ہے جس کو حروف اور الفاظ کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور جب کلام اللہ کو معجزۂ محمد رسول اللہ ﷺ کہتے ہیں تو اس وقت الفاظ اور حروف مراد ہوتے ہیں کیونکہ وہ تو قبلِ بعثتِ نبی ﷺ بھی موجود تھی تو وہ معجزہ رسولی کیسے ہو سکتا ہے؟ اس طرح کلام کو سورۃ و آیات کہنے سے حروف مراد ہوتے ہیں اور اس کو فصیح کہنے سے اس کے الفاظ مراد ہوتے ہیں اور جب تفسیر کلام اللہ مراد لی جائے تو اس وقت الفاظ بھی مراد ہوتے ہیں۔

مسئلہ نمبر 7:

فرقہ حشویہ کا خیال ہے کہ انسان کے منہ سے نکلنے والی آواز کا نام کلام اللہ ہے لیکن یہ ممکن نہیں۔ کیونکہ بداہتاً ہم دیکھتے ہیں کہ حروف الفاظ کا بولنا انسان کی صفت ہے اگر انہیں عین کلام اللہ تسلیم کر لیا جائے تو لازم آئے گا کہ ایک صفت میں خدا اور انسان دونوں شریک ہیں حالانکہ یہ درست نہیں اس کو مان لینے سے بڑی بڑی خرابی پیدا ہونے کا احتمال ہے خاص کر شرک جو فی الحقیقت عظیم خرابی ہے علاوہ اس کے یہ تو بالکل نصرانیوں کا خیال ہوگا۔ ان کے نزدیک کلام خداوندی عیسیٰ کے جسم میں حلول کیا ہوا تھا گویا ان کا کلام عین کلام اللہ ہے فرق صرف اس قدر ہے کہ فرقہ حشویہ نے خصوصیت نہیں رکھی اور ہر ایک انسان کی زبان میں کلام اللہ حلول کئے ہوئے مانا ہے۔ نصرانیوں نے صرف شخص واحد تک محدود رکھا ہے۔ نعوذ باللہ من اقوال التحمق

مسئلہ نمبر 8:

فرقہ مکرمیہ کے نزدیک قابلیت گویائی کا نام کلام ہے کیونکہ متکلم کے لئے فی الحال تکلم کرنا ضروری نہیں ہوتا بلکہ اس کو بحالت سکوت بھی متکلم کہا جاتا ہے اس میں قوت گویائی موجود ہے حالانکہ وہ کلام کر سکتا ہے علاوہ اس کے لفظ متکلم کا مقابل لفظ ساکت ہے جس کے معنی یہ ہے کہ اس کو طاقت گویائی نہیں۔ آخر الامر اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ کلام اللہ کو قدیم کہنے کا یہ مطلب ہے کہ خدا کی قابلیت تکلم ازلی ہے۔

مسئلہ نمبر 9:

فرقہ حشویہ نے فرقہ عشریہ پر یہ اعتراض اٹھایا ہے کہ القرآن کس لحاظ پر قدیم مبنی ہے کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ تمام منہیات تجربات اور موروات ماموروات کا حکم دینے والا ہے۔ اس صفت میں حال و استقبال کی کتابیں شامل ہیں جب تمہارے معنی کے مطابق ہر ایک سے متعلق ہو تو کیا ہر ایک میں کتابیں شامل ہیں اور ان کا کوئی نہ کوئی ضرور دعویٰ مدلول ہوتا ہے اور اس کے مدلولات کا مفہومات سے بھی تعلق ہے۔ اور ان کی خبر مطلق خبر دینے والا ہے۔ نتیجہ یہ کہ ساری کتابیں قدیم ہونی چاہئیں (نعوذ باللہ) حالانکہ مسلمہ امر کے برخلاف ہے۔ اور اگر قدم قرآن کا مطلب ہے تو اس کو واضح کرنا چاہیئے۔ اعتراض ہذا کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ قرآن تمام معجزات اور مدلول سے متعلق نہیں لیکن جواباً ہم کہتے ہیں کہ قرآن کریم کا تعلق تمام مدلولات اور معجزات کے مفہومات سے متعلق ہے اور یہ کہنا کہ اس کا بعض سے تعلق ہے اور بعض سے نہیں۔ سراسر غلط اور خلاف واقعہ ہے قرآن کریم میں کذب کا وجود محال ہے گو گزشتہ اقوام کے قصے اور ان کے واقعات قرآن کریم میں موجود ہیں لیکن کسی واقعہ کو بلحاظ

Marfat.com

کذب وصدق بیان کرنا عیوب میں داخل نہیں۔ جھوٹی خبر دینا البتہ عیب ہے اور اس کا خداوند کریم میں موجود ہونا محال ہے چونکہ حشویہ کے اس جواب سے ذات خداوندی پر امر محال لازم آتا ہے لہٰذا وہ جواب قابل اعتماد ناممکن ہے چونکہ حروف اور الفاظ اور ان کے مخارج کی بحث اور سوال و جواب متعلقہ قدامت قرآنی نہایت ہی پیچیدہ مسائل ہیں۔ قرآن کریم کے ازلی ہونے کے متعلق حشویہ نے فرقہ عشریہ کو جو جواب دیا ہے اس پر فقیر مختصر عرض کرے گا کہ قرآن کریم ہی قصے اور واقعات میں درست ہے۔ تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی امام راغب اصفہانی، ابن عباس، صاحب خزینۃ القرآن اور امام ابوحنیفہ اور امام محمد اور اکثر محدثین مفسرین فقہاء کا اتفاق ہے کہ قرآن کریم کلام اللہ ازلی ہے اور صفت ازلی ہے اور ہماری آواز حادث ہے کلام کے حروف ہیں۔ معنی لفظی ونفسی یہ ازلی ہیں۔ خدا کی قسم خدا کی صفات کلام اللہ قدیم ہے (بلا طلب دلیل کے) اس میں ذرا بھر فرق کرنے والا کافر، مرتد اور بے ایمان ہے۔ ہمارے متقدمین، مفسرین محدثین فقہاء کا یہی عقیدہ ہے۔ تواتر سے خدا تعالیٰ کا متکلم ہونا سے ثابت ہے خدا تعالیٰ انبیاء علیہم السلام سے متکلم ہوا اور خود قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا متکلم ہونا ثابت ہے۔

لیکن اس کا متکلم ہونا ہمارے جیسا نہیں اس کی شان کے مطابق ہے پس ثابت ہوا کہ خدا خود ازلی ہے اس کا متکلم ہونا ازلی ہے۔ اور اس کا کلام بھی ازلی ہے جو حروف ہم تلاوت کرتے ہیں یہی الفاظ وحروف منزل من اللہ ہیں۔ پس پارہ نمبر 10 سورت توبہ کے پہلے رکوع کی آخری آیت جو پیچھے گزر چکی ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ وہ ہی آیت کلام اللہ اور کلام کے ازلی ہونے میں بلا طلب دلیل کافی ہے وہ فرماتے ہیں کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں پس اس آیت سے کلام اللہ ازلی ثابت ہے مفسرین اور محدثین فقہاء کا عقیدہ بھی اسی آیت پر ہے فرماتے ہیں کہ فلسفیوں اور عقلیوں نے اس پر جو بحثیں لکھیں ہیں وہ سب فضول اور باطل ہیں امام رازی کا بھی یہی عقیدہ ہے تفسیر کبیر میں بھی اسی آیت سے استدلال کیا ہے فلسفیوں اور عقلیوں کے دلائل دیکھنا درست نہیں اسی طرح خدا اور خدا کے کلام میں انسان شکوک میں پہنچ جاتا ہے پس ہمارے لئے اس مسئلہ میں یہی آیت کافی ہے اور کلام اللہ کو قدیم اسی سے ثابت کرتے ہیں۔ قرآن کریم کا کلام اللہ ازلی ہونا اس آیت کے لحاظ سے خود قرآن کریم سے ثابت ہے صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ وہاں اجماع کی بھی کوئی ضرورت نہیں یہ مسئلہ واضح ہے واقعات اور امورات اللہ کی طرف سے ہیں، واقعات اور امورات حادث ہیں۔ جو کچھ اللہ نے حکم فرمایا ازلی ہے جیسا اس نے نماز کا حکم دیا، نماز پڑھنا ہمارا یہ حادث ہے لیکن اس کا حکم جو ہے وہ قدیم ہے تو گویا کہ عشریہ کا خیال بالکل غلط اور احمقانہ ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن اسی مسئلہ میں کافی بحث آگے فرماتے ہیں اور احادیث بھی درج کرتے ہیں لیکن ان میں سے کچھ احادیث درج کروں گا موصوف فرماتے ہیں کہ اسی مسئلہ میں پہلی حدیث وہ ہے جو بیان کی جا چکی ہے مجموعۃ الاحادیث سے ہے جو مولا علیؓ نے حدیث قلمبند کی تھی فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ درج کرتے ہیں حدیث دوسری: کہ رسول اللہ ﷺ ہم پر تشریف لائے اور یہی مذکورہ بالا آیت تلاوت فرمارہے تھے۔ بعد میں فرمایا کہ خدا کا کتنا احسان ہے کہ مجھ پر اپنا کلام نازل فرمایا پھر آپ نے فرمایا جو کلام قرآن کریم سنو، پڑھو یہی کلام ربانی ہے اور ازلی ہے۔ حضور نے نصرانیوں کے متعلق فرمایا کہ وہ اس کے کلام کو حادث تسلیم کرتے ہیں اور واقعات قصے کہانیاں بتاتے ہیں حضور نے نعوذ باللہ فرمایا کیا پہلے تکلم قدرت ناقص ہے اور پھر وہ کب کامل ہوا جب ایسا خیال کیا جائے تو فرمایا سخت کفر ہے خدا کا تکلم قدرت ازلی ہے جیسا کہ وہ خود ازلی ہے اس کا کلام ازلی ہے تو پھر عرض کیا کہ یہی الفاظ جو ہم پڑھتے ہیں یہی کلام لفظی نفسی ہے یہ کلام تو با محاورہ ہے حضور نے فرمایا نہیں کہ اللہ کا کلام ہمارے محاورہ کے تابع ہے کہ نہیں بلکہ ہمارا محاورہ اس کے کلام کے تابع ہے حضور نے یہ آیت تلاوت فرمائی: يُرِيدُونَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلَامَ اللهِ فرمایا کہ محاورہ والی بات اسی آیت پر ختم کردی یہی کلام اللہ جو حروف ہم پڑھتے ہیں سنتے ہیں یہی کلام ازلی اور لفظی ونفسی میں کوئی فرق نہیں۔ حدیث تیسری: حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ قرآن مخلوق ہے فرمایا نہیں یہ آیت تلاوت فرمائی وَاِنْ اَحَدٌ سے لے کر آخر آیت تک۔ پھر یہی مذکورہ آیت يُرِيدُوْنَ تا آخر دہرائی۔ فرمایا عائشہ یہ کلام اللہ ازلی ہے اور اس پر خیال کرنا بالکل غلط ہے یہ حدیث بھی مجموعۃ الاحادیث میں درج ہے مسئلہ فقیہہ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ مجھے ایک رسالہ ملا ہے جو شیخ ابراہیم بیزوری نے لکھا ہے اس میں یہ درج کیا ہے کہ شیخ ابراہیم بیزوری کا مناظرہ امام اعظم سے اسی مسئلہ پر ہوا شیخ ابراہیم بیزوری نے مذکورہ بالا احادیث اور آیات قرآن کریم کے ازلی ہونے کے ثبوت میں استدلال کیں اور امام اعظم نے شیخ بیزوری فرماتے ہیں میرے ساتھ اتفاق کیا اور امام محمد بھی موجود تھے۔ مسئلہ اسی پر ہوا کہ قرآن کو جو ''مخلوق'' مانے وہ بالکل کافر ہے۔ مجموعۃ الاحادیث سے ایک اور حدیث صاحب خزینۃ القرآن درج کرتے ہیں۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ مجھے رسول اللہ نے فرمایا جو قرآن کو ''مخلوق'' مانے وہ کافر ہے۔ خدا کا کلام ازلی ہے مذکورہ بالا آیات حضور نے تلاوت کیں تو مسئلہ واضح ہوا کہ خدا کا کلام ازلی ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن اپنے مقدمہ تفسیر کے جلد دوئم ص 428 سے ص 494 تک یہی بحث

Marfat.com

کرتے ہیں پھر سورۂ توبہ کے پہلے رکوع کی آخری آیت جلد 15 صفحہ 1116 پر بھی یہی بحث جاری ہے۔

جوابات:

قید یدل علیہ ثبوت المصدر کے چاروں اعتراض اور قید دوم کے پہلے تینوں سوالات کا جواب یہ ہے کہ لغت میں صدق وکذب کا لحاظ نہیں ہوتا۔صرف مفہوم کا علم ہونا کافی ہے لیکن یہ سوال کہ افعال ناقصہ سے تعریف ناقص ہوتی ہے۔جب افعال ناقص ہوں گے تو تعریف کیسے کامل ہوگی۔تو اس کی نسبت فقیر کی ذاتی رائے یہ ہے کہ لفظ کان بالاتفاق بے شک تامہ ہے لیکن چونکہ اس کا مسند الیہ اسم ہوتا ہے جو کبھی بالاستقلال مقررہ ماہیت واقع ہوتی ہے جیسے کان الشئے لیکن یہ استقلال ہے۔جیسے بمعنی حصل وحدث اور موصوف ہو کر جیسے کان ذالک الموصوف کہ زید صفت ذا سے موصوف ہے تو اس کے معنی بھی وہی ہوئے جو پہلی صورت پر تھے۔یعنی حدوث اور وقوع فرق صرف اس قدر ہے کہ یہ ماہیت از قسم نسبیات ہے جو منسوب اور منسوب الیہ کے سوا نہیں پائی جاتی۔سوال ششم کا جواب یہ ہے کہ ہم مانتے ہیں اسم فاعل صرف حال اور مستقبل پر ہی دلالت کرتا ہے کیونکہ نحویوں نے کہا ہے کہ اسم فاعل ماضی کا عمل فعل کا سا نہیں ہوتا اور بمعنی حال فعل کا سا عمل کرتا ہے تو اگر اسم فاعل زمانہ ماضی پر دلالت نہ کرتا تو نحویوں نے بمعنی ماضی کیوں کہا فعل کا تعلق ماضی اور مضارع دونوں کو لازم ہے۔

مسئلہ نمبر 1:

کلمہ اگر بلا امداد غیر اپنے معنی پر دال نہ ہو تو اسے حرف کہتے ہیں کہ معنی اور زمانہ دونوں پر دلالت کرے گا تو تب ہی یہ فعل ہوگا جیسے ضَرَبَ اس نے مارا۔تب یہ فعل ہے وگرنہ حرف ہے اگر اس کے معنی دوسرے لفظ کی احتیاج کے بغیر حاصل ہو سکیں لیکن اس میں زمانہ کا مفہوم نہ ہو تو اسے اسم اور اگر زمانہ کا مفہوم ہو تو اسے فعل کہتے ہیں کیونکہ زمانے کا تعین ہونا فعل کے لئے ضروری ہے۔حرف اپنے مادہ سے قید عدمی (یعنی مستقل مفہومیت ہونا) سے ممتاز ہے کیونکہ یہ اس کی خاصیت ہے۔اسی طرح اسم کو بھی قید عدمی (یعنی زمانہ معنیہ پر دال نہ ہونا تمیز رہتی ہے)۔لازم ہے۔

مسئلہ نمبر 2:

ضَرَبَ سے صرف یہ سمجھا جاتا ہے کہ ضرب کس سے صادر ہوئی لیکن بلحاظ لفظ شئے کی تعین نہیں سمجھی جاتی۔کیونکہ تعین کیسے سمجھا جائے کہ اس کا لحاظ نہیں رہا۔اس پر اگر کوئی یہ کہے کہ یہ محال ہے کیونکہ تعین نہ ہونے کی صورت سے فعل اور تعریف ہر دو میں صدق وکذب کا احتمال ہوگا حالانکہ ایسا نہیں۔ان دونوں سوالوں کا جواب یہ ہے کہ دراصل ضرب کو مبہم شئے کے لئے وضع نہیں کیا گیا بلکہ خاص شئے کے لئے موضوع ہے جو متکلم کے اختتامی کلام تک تام نہیں ہوتی اور نہ ہی اس میں صدق وکذب کا کوئی احتمال ہوتا ہے پس مذکورہ بالا سوالوں کا جواب مکمل ہوا۔

مسئلہ نمبر 3:

نحویوں نے حرف کی تعریف یہ لکھی ہے کہ وہ شئے جس کے معنی دوسرے میں ہوں لیکن یہ تعریف مبہم سی ہے کیونکہ اگر اس کا یہ مطلب ہے کہ حرف ایسے معنی پر دلالت کرے جو اس کے غیر میں موجود اور اس میں حلول کئے ہوئے ہوں یعنی علامت، تو لازم آتا ہے کہ اسماء الاعراض اور صفات بھی حرف کی ضمن میں آئے گا اور اگر یہ مراد ہے کہ وہ ان معنی پر دلالت کرتا ہے جو مدلول لفظ کے مطابق نہیں تو یہ صریحاً فاسد ہے اور نحویوں کی یہ تعریف فاسد ٹھہرے گی اور اگر کوئی تیسرے معنی مراد ہیں تو بیان کیجئے لیکن ایسا نہیں۔

مسئلہ نمبر 4:

ان تینوں کو باہمی ترکیب دینے سے چھ صورتیں ہو سکتی ہیں پہلی اسم مع الاسم جیسے مبتداء اور اس کی خبر کے مجموعے کا جملہ ہو دوسرا اسم مع الفعل ہے جیسے فعل اور فاعل کا جملہ ہو۔یہ دونوں صورتیں بالاتفاق مفید ہیں کیونکہ فعل فاعل کو چاہتا ہے۔فاعل کی شناخت بھی اصل فعل سے ہو سکتی ہے بلکہ فقیر کو یہ کہنا ہے کہ فاعل بنتا ہی فعل سے ہے۔تیسری صورت مع الحرف ہے۔اس میں اختلاف ہے حالانکہ اختلاف مختلف ہے۔بعض کے نزدیک یہ اختلاف فاسد ہے اور بعض کے نزدیک درست، دوسری

Marfat.com

صورت ہے زید فی الدار جملہ ہذاء میں زید مبتداء اور فی الدار اس کی خبر ہے جیسے فی الدار کا مفہوم ظرفیت ہے ویسا ہی فی المسجد کا مفہوم ہے لیکن دیگر تمام اقسام سے ممتاز بنانے کی غرض سے الدار کے ساتھ مخصوص کیا گیا ہے اگر کوئی یہ کہے کہ کلام ہذاء المعنی استقرا فی الدار و مستقر فی الدار ہونے کی جہت سے مقید ہے۔ فقیر یہ کہتا ہے کہ یہ خیال باطل ہے۔ علامہ رازی نے تفسیر کبیر میں اسے رد کیا ہے کیونکہ استقرا کے معنی حصل فی الاستقرار ہے اور حصول استقراء کا بھی حصول ہوگا اسی طرح نوبت تسلسل پر پہنچے گی جو محال ہے۔ پس معلوم ہوا کہ زید فی الدار بنفسہ کلام تام ہے۔ محذوف فعل سے متعلق ہو کر تام نہیں بنتی۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے کہ کلام میں محذوف ہونا یہ اس کی اصل وجہ نہیں رہتی۔

مسئلہ نمبر 5:

جملہ مرکبہ یا تو ترکیب اولیٰ میں ہی مرکب ہوتا ہے جیسے جملہ اسمیہ وفعلیہ یا ترکیب دوسری میں مرکب ہوتا ہے جیسے جملہ شرطیہ **اِنْ کَانَتِ الشَّمْسُ طَالِعَةً فَالنَّهَارُ** موجود ہیں الشمس طالعۃ ایک جملہ اور نہار موجود دوسرا جملہ ہے ان اسمیہ کا رتبہ بڑھ جائے گا کیونکہ اسمیہ بسیط چیز ہے اور فعلیہ مرکب، بسیط کا درجہ مرکب سے فائق ہوتا ہے کیونکہ حرف شرط اور اجزاء کی بحث کی جا چکی ہے یہ بھی ممکن ہے کہ فعلیہ کو اسمیہ پر وجہ متقدم مانا جائے کہ فعلیہ میں غیر کی طرف منسوب ہونے کی صلاحیت نہیں رہتی۔ واللہ اعلم بالصواب۔ لیکن صاحب خزینۃ القرآن اس پر فرماتے ہیں کہ جملہ فعلیہ کو ترکیب کے لحاظ سے اسمیہ پر اس لئے فوقیت ہے کہ کلام نہیں۔ جملہ فعلیہ زیادہ ہوتا ہے اور اس سے کلام کے ہر سبب ظاہر ہوتے ہیں۔ اور اسمیہ فعلیہ سے کم ہوتا ہے اور اس سے کلام کے ظاہر ہونے کے زیادہ سبب کم ہوتے ہیں اور جملہ فعلیہ کلام میں زیادہ استعمال ہوتا ہے۔ کیونکہ امام رازی نے واللہ اعلم بالصواب کہا ہے لیکن صاحب خزینۃ القرآن نے مسئلے کو عیاں کر دیا۔ امام رازی نے خود خزینۃ القرآن میں جو حاشیہ لگایا ہے مذکورہ بالا باب اسی باب میں بحث ہو رہی ہے۔ اسی نقطہ پر جو حاشیہ لگایا ہے۔ اس کلام کو قوی مانا ہے۔

⌘⌘⌘⌘⌘

Marfat.com

باب چہارم

دربیان تقسیم اسم اور وہ چند وجوہات سے ہوسکتی ہے۔اس پر صاحب خزینۃ القرآن نے کئی باب تحریر کئے ہیں اور میں بھی خزینۃ القرآن سے چند مسائل عرض کروں گا۔تقسیم اوّل: اگر اسم کے معنوں میں بلحاظ دیگر معنی کی شراکت پائی جائے یعنی اس میں کوئی دوسرے معنی شریک ہوں۔ تو اس کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں۔اول اس سے یہ کہ ان سے خاص ماہیت مفرد مفہوم ہونے سے اسماء اجناس (یعنی جنس کے نام) یا کسی شئے کا موصوف (جس سے وہ صفت کیا گیا ہو) سو اصفت کے معلوم ہو۔جیسے اسود سے کسی شئے کا سیاہ ہونا سمجھا جاتا ہے کیونکہ اسود سیاہ کو کہتے ہیں اور اس کو مشتق کہتے ہیں۔مشتق (جن سے وہ نکالا ہوا ہو) اور اگر اس کے معنی کا اطلاق ایک شئے پر ہوتا ہے اور شریک نہیں ہے تو اس سے اگر کسی امر کا علم ہوتا ہے تو اسے علم کہتے ہیں۔اگر ایسا نہیں بلکہ مضمر ہے (مضمر،ضمیر اشارے) تو اسے معلوم کیا جائے گا۔مذکورہ بالا تقریر سے معلوم ہو گیا ہے کہ اس کی تین قسمیں ہیں یعنی اسماء اعلام، اسماء اجناس، اسماء مشتقہ جن کا ہم ایک ایک کر کے ذکر کرتے ہیں:

قسم اوّل کے احکام: اسماء اعلام کے احکام بہت سے ہیں۔(حکم پہلا) کلام کرنے والوں کا خیال ہے کہ اسم علم سے کسی قسم کا فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔اگر اسم علم سے ہو تو فائدہ نہ ہوگا۔فقیر کہتا ہے کہ کلام کرنے والوں کا خیال یہاں تک تو درست ہے کہ علم سے مسمی ہیں۔وہ صفت نہیں آئی۔لیکن یہ درست نہیں کہ وہ مطلقاً خاصیت فائدہ نہیں دیتی۔کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ علم سے ذات خاص مقرر ہو جاتی ہے اور اس کے ذریعے اس کی پہچان ہو جاتی ہے۔

علم دوسرا: کیونکہ پیچھے اعلام کا ذکر کیا گیا ہے یعنی اعلام علم کی جمع ہے۔کلام کرنے والے اس امر پر متفق ہیں کہ اجناس کے بھی علم ہوا کرتے ہیں جیسے اسد اپنی حقیقت کا۔اسم جنس ہے۔اس حقیقت کا علم اسامہ ہے اور ایسا ہی ثعلب ماہیت کا اسم جنس اور ثعلبہ اس کا اسم علم ہے۔مگر فقیر کا خیال یہ ہے کہ ان دونوں میں فرق ہے۔اسم علم سے صرف شخص ہی ظاہر سمجھا جاتا ہے۔اسی طرح اگر ایک جماعت کا نام زید کہا جائے تو اس کا یہ مطلب نہ ہوگا کہ زید ان مشترک اشخاص کی قدر مشترک کو ظاہر کرنے کے لئے موضوع ہے بلکہ جس طرح اس سے شخص خاص کا مفہوم ہو جاتا ہے۔اسی طرح اس صورت میں جماعت مشترکہ مفہوم ہوگی۔جب یہ بات معلوم ہوگئی تو آپ کو یہ دیکھنا چاہئے کہ جب واضع نے کل افراد کے لئے لفظ اسامہ کو اسی طرح معنی سے مقرر کر دیا ہے کہ اس کے ہر ایک مفرد پر اسامہ صادق بحیثیت اشتراک لفظی ہے۔(معنی لفظ کی شرکت) لفظ زیادہ ہونے سے۔اس کو علم الحسن کہا جائے گا۔برخلاف اگر تعریف "**الاسم مادلّ علیٰ**" معنی حاصل فی اسم ہوتی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اسم اپنے معنی کے مدلول پر دلالت کرتا ہے۔

نوٹ:

دال مدلول عرض کردوں دال وہ جو دلیل ظاہر ہو۔مدلول وہ جس پر وہ دلیل کی گئی ہو لیکن یہ نحو ہے علاوہ اس کے فعل اور حرف کو اسم کہنا درست ہوگا۔ان کا لفظ بھی اپنے مدلول پر دلالت کرتا ہے۔مدلول ہونے کی صورت پر تعریف الاسم ماذل علی معنی حاصل فی نفس ذالک المعنی ہوگی۔لیکن یہ محال ہے کیونکہ ایک چیز خود اپنی ذات میں حاصل موجود نہیں ہوسکتی اور اگر حاصل فی نفسہ کے معنی یہ سمجھیں کہ دوسرے میں حاصل نہیں ہوسکتا تو اسماء صفاتی اور نسبتی اسماء نہ رہیں گے کیونکہ اصل حالت نہیں رہی۔کیونکہ یہ حاصل فی غیر ہا ہوتی ہے۔

مسئلہ نمبر 5:

الاسم کلمۃ دالۃ علی معنی مستقل بالمفھومیۃ عن غیر ان یدل علی الزمان الذی واقع فی ذالک المعنی اسم کلمہ ایست؟ دلالت

Marfat.com

کند بر معنی اسم کلمہ ہے دلالت کرتا ہے اوپر معنی مستقل کے معلومیت کے ساتھ، سوا غیر اس کے جو دلالت کرے اوپر زمانے کے۔ اس سے جو واقعہ ہوا اس سے ہی ضرورت پوری ہو جاتی ہے تو پھر اس کے چھوڑنے کی کیا وجہ ہے؟ فقیر یہ کہتا ہے کہ لفظ کلمہ کی جنس ہے اور کلمہ اسم کی جنس ہے کیونکہ اسم کلمہ سے ہی معلوم ہوتا ہے۔ مذکورہ پیش کردہ عبارت سے معلوم ہو گیا ہوگا۔ تعریف میں جنس قریب کو بیان کرنا ضروری سمجھا ہے۔ جنس بعید کو چھوڑ دیا گیا ہے۔ بعض نے مفہومیت کو مستقل کی قید سے مقید کرنے کو عقلاً و نقلاً باطل قرار دیا ہے کیونکہ عقلاً مفہوم چیز خود ہی مستقل ہوتی ہے اس طرح مفہوم الماہیت چیز کے ذریعہ بھی اس کا تصور نہیں ہو سکتا۔ تو جب اس کا تصور فی نفسہ غیر کے تصور سے مقدم ہے تو مفہومیت کو مستقل کی قید سے مقید کرنا فضول ہے۔

دلیل نقلی: کم کیف، متیٰ، اذا ما شرطیہ اور ما استفہامیہ کے معنی باجود اسماء ہونے کے مستقل مفہومیت ہیں کیونکہ استفہام اس کے لئے ضروری ہے معنی دینے میں دوسرے کی احتیاج ہی نہیں۔ خود نحوی معنی دیتے ہیں۔ اسی طرح جملہ معہ موصولات سمجھ لینا چاہئے۔ ہر دو قیود کے بعد۔ قید من غیر دلالتہ علے، الزمان کو تسلیم کرنے سے لفظ، غد، امس زماں اصطباح اور انطباق وغیرہ میں بڑی تکلیف کا سامنا ہوگا۔ سوال اول کا تو یہ جواب ہے کہ ''قول الصاق'' اور حرف (با) سے فرق معلوم ہوتا ہے۔ اور ہمیں اسی قدر استقلال مطلوب ہے۔ سوال دوسرے کا یہ جواب ہے کہ پیش کردہ الفاظ میں سے لفظ زماں، غد، یوم کا مسمی نفس زماں ہی ہے لیکن دوسرے زمانہ کے مسمی پر دلالت نہیں کرتے انطباق میں گویا ایک جزوِ زمانہ کی ہے لیکن فعل کے لئے ضروری امر یہ ہے کہ وہ اپنے مسمی کے سوا دوسرے زمانہ پر دلالت کرے۔ یعنی اس کی دلالت زمانے پر ضروری ہو اور معنی ضمیر کے اعتبار سے ظاہر ہو اور یہاں ایسا نہیں نَطَبَقَ یَنطَبِقُ سے ہمارے قول کی تائید ملتی ہے۔ عرب نے ان دونوں میں سے ماضی اور مستقبل بنا لئے ہیں۔

مسئلہ نمبر 6:

اسم کی علامتیں معنوی بھی ہوتی ہیں اور لفظی بھی، لفظی علامتیں اسم کے شروع میں پائی جاتی ہیں جیسے حرف، تعریف اور حرف جر درمیان بھی ہوتی ہیں یہ اس کی تعریف علامت کی خاصیت ہے جیسے تصغیر کی ی اور تکسیر کا حرف اسم کے بعد جیسے تشبیہ اور جمع کے حروف لیکن معنی علامت کے مختلف طریق ہوتے ہیں مثلاً مضاف، مضاف الیہ، صفت اور موصوف فاعل اور مفعول اور مخبر عنہ کے طور پر واقع ہوتے ہیں یا اس میں بلحاظ بناوٹ اصل قبولیت اعراب قابلیت موجود ہوتی ہے۔

مسئلہ نمبر 7:

نحویوں نے فعل کی بہت تعریفیں کی ہیں۔

تعریف اول: سیبویہ نے انہا مثل من لفظ احداث الاسماء اس کی تعریف میں لکھا ہے لیکن لفظ فاعل مفعول اسے ناقص کر دیتے ہیں۔

دوسری تعریف: ان الذی مسند لحاشہ ولا مسند الیہ تھی۔ لیکن اذا اور کیف، اس تعریف کو ناقص بتاتے ہیں۔ ان کے نزدیک مسند اور مسند الیہ میں اختلاف ہے کیونکہ ان کی دوسری طرف مسند ہو سکتی ہے اور خود مسند الیہ نہیں ہوتی۔

تیسری تعریف: زمخشری مادلّ علی الاقتراموں حدیث بزمان لکھتا ہے مگر تعریف ہذا بھی دو وجوہات سے ضعیف ہے کیونکہ وجہ اول تعریف میں لفظ کلمہ کو ضرور لانا چاہئے تھا کیونکہ وجہ اوّل کے لئے لفظ کلمہ مبنی تھا۔ زمخشری کی یہ غلطی ہے کیونکہ دلیل اول استعمال نہ کرنے کی صورت میں خود اقتران کو حدث بزمان کو فعل کہنا درست ہوگا لیکن یہ اس لئے کہ ان تینوں الفاظ کے مجموعہ پر تعریف صادق آتی ہے بر خلاف اس کے کلمہ کو ذکر کرنے سے یہ خرابی پیدا نہیں ہوئی اور مجموعہ پر ہر تعریف صادق نہیں ہوتی۔

دلیل دوم: اشارات خطوط وغیرہ بھی فعل کے ذیل میں داخل ہوتے ہیں۔

دلیل سوئم: کلمہ مذکورہ بالا الفاظ کی جنس قریب ہے اور تعریف میں قریب جنس کا ذکر ہونا از قسم وجوہات ہے ہم وجہ ثانی بعد میں ذکر کریں گے۔

تعریف چہارم: الفعل کلمۃ دالۃ علی الثبوت المصدر لشئی غیر من فی زمان۔ تعریف ہذا میں کلمہ بوجہ جنس قریب ہونے کے ذکر۔ فعل کلمۃ والۃ اوپر ثابت ہونے مصدر کے کسی شئے کے لئے کیونکہ کلمہ کا ہونا یہ جنس قریب کو ثابت کر رہا ہے۔ امام رازی نے قوی وجہ ثابت کی ہے کہ کلمہ جنس قریب کے لئے ضروری ہے فقیر بھی یہ کہتا ہے کہ جنس قریب

Marfat.com

ہوگی تب جب اس میں فعل کلمہ کی دلالت ہوگی اور چونکہ مصادر مصدر کی جمع ہے بعض مصادر امر اثباتی ظاہر کرتے ہیں جیسے قَتَلَ ، ضَرَبَ جیسے قتل کیا اور اس نے مارا اس
سے امر اثباتی ثابت ہو چکا ہے اور بعض عدمی کو جیسے فانی عدم کے مصادر فنا اور عدم تو ان دو قسموں کو فعل کے ذیل میں داخل کرنے کی غرض کی بجائے ثبوت الشی ۔ ثبوت
المصدر کیا گیا ہے اور بشی غیر من غیر کی قید سے مقدارِ ضرور یہ کو جتلانا مقصود ہے جس کی دلیل آئندہ اوراق میں بیان ہوگی اور زمانِ من کی قید سے اسماء کو نکالنا مقصود ہے
ازیں بعد اب ہم ان مباحث کو قلمبند کرتے ہیں ۔ جن سے ہر ایک قید مذکورہ بالا کی تحقیق کی جائے گی ۔ بحث اول قید اول کی تحقیق میں مصدر کے ثبوت کی قید سے بہت سی
مشکلات پیش آتی ہیں ۔ اول یہ کہ خَلَقَ اللّٰہ اَلعَالم میں لفظ خلق سے ثبوت الخلق کا پتہ ملتا ہے یا نہیں ۔ بصورت نفی قید لغو ہوئی ۔ ثابت کرنے کی صورت میں یہ سوال
ہے کیا حادث ہے یا قدیم حادث ہونے کی صورت میں خلق ثانی کی ضرورت ہوگی اور خلق ثانی کے لئے خلق ثابت ہوگی ۔ آخر الامر سلسلہ غیر متناہی لازم تسلسل جاری رہے
گا ۔ اور یہ محال ہے قدیم ماننے سے مخلوق بھی قدیم ہوگی حالانکہ ایسا نہیں ہے ۔ دوم ان کے وجود الشی سے الوجود الشئے مفہوم ہوتا ہے یا نہیں ۔ پہلی صورت میں ہمیں ماننا پڑا
کہ اس کے سوا دوسری شئے موجود ہوا اور اس کا وجود حاصل فی نفسہ ہو کیونکہ جس شئے کا وجود حاصل نفسہ نہیں ہوتا وہ دوسری شئے کو حاصل نہیں کرسکتی ۔ پس لازم آئے گا کہ
ایک شئے کا وجود حاصل ہونے سے پہلے دوسری چیز موجود ہو اسی طرح اور دوسری تیسری پر موقوف تیسری چوتھی شئے پر موقوف غیر متناہی شروع ہوگا ۔ جو محال ہے دوسری
صورت پر قید لغو ہوگی ۔ سوم یہ کہ عَدَمَ الشئے وفانی اس امر کا مقتضی ہے کہ اس شئے کی ماہیت کو فنا اور عدم حاصل ہو لیکن یہ محال ہے کیونکہ فنا اور عدم محض نفی ہیں اس ذات
کے لئے ممکن نہیں تو ہم نہیں سمجھ سکتے کہ معدوم کو موجود کس طرح حاصل کرسکتا ہے وہ ذات تو غیر متناہی ہوتی ہے ۔ چہارم ، فقیر کا قول حاصل الوجود لہٰذا الماہیۃ اسی وقت صحیح
ہوسکتا ہے اگر ماہیت کو وجود سے زائد چیز مانے ۔ لیکن زائد چیز تسلیم کرنے پر اس وجود کے لئے دوسرے وجود کی تلاش کرنی ہوگی اور دوسرے کے لئے تیسرے کی ۔ جو غیر
متناہی سلسلہ قائم رہے گا اور یہ بالکل محال ہے ہم وجود کو عین ماہیت سمجھیں تو حادث الزمان کو اصول الوجود الذالک الشئے کی ضرورت نہ ہوگی ہمیں ماننا پڑے گا ۔ کہ وجود
بکثرت ہیں لیکن ہماری گفتگو تو ماہیت کے عین الوجود پر تھی ۔ قید ثانی زمان مُن کی قید پر چند ایک سوالات ہیں ۔ اوّل یہ کہ وجود الزمان (یعنی زمانے کا وجود) وفانی الزمان
میں اصولِ زمانہ کے لئے دوسرے زمانہ کی ضرورت ہوتی ہے ۔ (زمانہ فنا ہو پھر دوسرا زمانہ) اور دوسرا تیسرے پر موقوف ہوگا ۔ آخر یہ سلسلہ شروع ہو کر غیر متناہی حد تک
پہنچ جائے گا جو محال ہے اور اگر یہ عذر اٹھایا جائے کہ صحت تعریف میں صرف زمانہ حصول ذہنی زمانہ میں بھی کافی ہوسکتا ہے تو یہ عذر ٹھیک ہوگا کیونکہ حادث الزمان وحاصل
بعد ان کان مصدر ہے بالا اتفاق سچا کلام ہے جو جھوٹا نہیں لیکن تمہارے خیال کے مطابق غیر صادق ہوگا ۔ دوم یہ کہ کان العالم معدو مافی الازل ہے اور فعل میں زمانہ موجود
ہوتا ہے تو ازل میں بھی زمانہ کا ہونا لازم آئے گا ۔ حالانکہ یہ محال ہے ۔ چہارم یہ کہ افعال ناقصہ کو فعل کہنا چاہئے ۔ اگر کان سے کسی چیز کا زمانہ میں موجود ہونا ثابت ہوتا ہے
تو کان کو ناقصہ کہنے کے کیا معنے اور اگر زمانہ میں کسی شئے کا موجود ہونا مفہوم نہیں ہوتا تو اسے فعل کہنے کے کیا معنے پھر تو وہ بے معنی ثابت ہوگا ۔ لیکن فعل کا تعلق تو زمانہ سے
ہے فعل کی تعریف تو اس پر صادق نہیں آئے گی ۔ پنجم یہ کہ اسماء فعل سے ایسے الفاظ مفہوم ہوتے ہیں جن میں سے مِنُ زمانہ مفہوم ہوتا ہے کیونکہ زمانے کا من ہوتا تو تب ہی
فعل کو ظاہر کرنا ہوگا اور با قاعدہ دال علے الشئے دال یعنی دلیل کو کسی چیز کی دلیل پر لازم کرنا علیٰ ذالک شئے اور کسی شئے کے مطابق اسماء افعال بھی زمانہ من پر دلالت کریں
گے لہٰذا انہیں فعل کہنا چاہئے حالانکہ ایسا نہیں تمہارا قید مذکورہ سے مقید کرنا باطل ہوگا ۔ چھٹا سوال یہ ہے کہ اس فاعل میں زمانہ من پایا جاتا ہے ۔ کیونکہ اس سے زمانہ حال یا
استقبال مفہوم ہوتا ہے لیکن زمانہ ماضی نہیں ہے کیونکہ اسم فاعل سے صرف زمانہ استقبال ہی ثابت ہوسکتا ہے ۔ ضمیر کے لحاظ سے ۔

اس کے اگر شرکت ماہیت ان دونوں کے درمیان افراد اسد کا نام بلا خصوصیت ایک فرد لفظ اسد مقرر کردے تو اس صورت میں اسم جنس کیا جائے گا ۔ دوسری
وجہ فرق یہ ہے کہ کلام کرنے والوں نے پہلے پہلے اسامہ کو غیر منصرف قرار دیا ۔ مگر غیر منصرف کے لئے دو اصل اسباب کا ہونا ضروری تھا ۔ اور اس میں سوائے ماہیت کے
انہیں دوسرا سبب معلوم نہیں ہوسکا ۔ انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ یہی علم ہے ۔ مذکورہ بالا دونوں دلیلوں سے اسماء اور جنس کے درمیان فرق ثابت ہوگیا ۔

کلمہ تیسرا: اعلام کے بنانے میں یہ حکمت ہے کہ بسا اوقات دیکھا جاتا ہے کہ کسی قسم میں ایک خاص بات ہوتی ہے جو اس کے سوا دوسروں میں نہیں پائی جاتی اگر ایک قسم
کے لئے علیحدہ علیحدہ اعلام بنایا جائے تو ہم کیسے بیان کرسکتے ہیں کہ فلاں امر فلاں قسم سے مخصوص ہے یا اس میں فلاں بات موجود ہے ۔ یہ خرابی اسی طرح دور ہوسکتی ہے کہ
قسموں کے علم مقرر کئے جائیں ۔

کلمہ چوتھا: ہر ایک شخص کو مختلف حاجتیں پیش آتی ہیں جن کا ایک دوسرے سے ظاہر کرنا انسانوں کے لئے ضروری ہے ۔ یہ امر بدون تشخیص ہوتا ہی نہیں ۔ پس ہر ایک فرد

Marfat.com

کے لئے علم مقرر کئے گئے ۔اس کے خلاف حیوانوں کے لئے مذکورہ بالا چنداں ضرورت نہیں ۔

کلمہ پنجم: (اعلام کی قسم میں) اعلام کی تقسیم کافی ہوسکتی ہیں ۔اوّل طریق اس طرح علم اسم ہوگا جیسے ابراہیم ،موسیٰ اور عیسیٰ وغیرہ یا لقب جیسے اسرائیل یا کنیت جیسے ابولہب ، اس کے بعد معلوم کرنا چاہئے کہ تقسیم بالا کے متعلق بہت سارے حکم ہیں کہ اسم معلوم ہوگیا کہ یہ نام سے خاص خاصیت رکھتا ہے جیسے ابراہیم موسیٰ یہ اسم ہیں ۔ ہر ایک شئے کے لئے یا صرف اسم ہوتا ہے یا لقب یا کنیت ہوتی ہے یا اسم اور لقب یا اسم اور کنیت یا لقب اور کنیت مذکورہ بالا صورتوں میں سے صرف اسم مع کنیت تین صورتوں کی مثالیں یہاں تحریر ہیں ،یعنی اسم کنیت کے ساتھ جیسے خصاجر ضبع کا نام ہے اور ضبع اس کی کنیت ہے ۔اسد کا نام اسامہ اور اس کی کنیت ابوالحارث ہے اور ثعلب کے ثعلبہ اور ابوالحصین کے لئے اور عقرب کے لئے شیوہ ،دوم صرف اسم ہی ہے جیسے ضبع کے مذکر کا نام قاسم مگر کنیت نہیں ہے ۔سوم صرف کنیت جیسے حیوان کو ابوابراقش بولتے ہیں کنیت ماں باپ ، بہن بھائی ،کی طرف مضاف کرنے سے بنائی جاتی ہے جیسے سفید اولیٰ کو ابوجندہ وابوالجون کہتے ہیں اور مصیبت کو ام حبوکری شراب کو ام لیلیٰ لڑکے کو ابن ، گونج کو ابنۃ الجبل اور کنکریوں کو بنت الارض بولتے ہیں ۔اونٹنی بچہ پیدا کرنے کے بعد پھر اگر حاملہ ہوجائے اور ایک سال گزر جائے اس کو مخاض بولتے ہیں ۔حمل پہلے کے نر کو تو ابن المخاض اور اگر مادہ ہو تو بنت المخاض بولتے ہیں اور جب حمل دوسرے سے بچہ پیدا ہوا اور دوبارہ اسے دودھ اترے تو اس کے نر بچہ کو ابن للبون اور مادہ کو بنت لبون کہتے ہیں ۔یعنی ان کے معنی دودھ پینے والے ثابت ہوا ابن للبون وغیرہ میں ابن کا تعلق (نسبت) ہمیں معلوم ہے ۔

چھٹا کلمہ: کنیت کہنا کئی وجوہات پر پیدا ہوتا ہے پہلے جوامر واقع ہو ۔جیسے ابوطالب ،مکنی نے اپنے بیٹے پر کنیت کہی ۔دوم اظہار تفاول جیسے وہ شخص جو زیادہ عمر والا لڑکا چاہتا ہو ۔ابوعمر وابوالفضل جو جامع الفضائل لڑکا چاہتا ہو یعنی جس میں فضائل اکٹھے ہوں ۔تیسرا کسی چیز کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہو جیسے یحییٰ موت کی طرف ایماء ہوتا ہے ۔ چہارم اگر کسی کا والد مشہور ومعروف ہو تو باپ بیٹا ایک دوسرے کے نام پر کنیت بنا لیتے ہیں ۔ جیسے یعقوب کی کنیت ابو یوسف ہے اور یوسف کی کنیت ابن یعقوب (یعنی باپ بیٹا ایک دوسرے کے نام پر مشہور ہوتے ہیں یا والد بیٹے کے کمالات سے مشہور ومعروف ہوجاتا ہے جس طرح مثال دی گئی ہے کہ یعقوب کو ابو یوسف اور یوسف کو ابن یعقوب پنجم ۔اگر کسی آدمی کی کوئی خاصیت مشہور ہو تو خصلت پر کنیت بنالی جاتی ہے ۔ ہمیشہ آدمی مشہور یا اچھی خصلت پر ہوتا ہے یا اس کے اندر علم وکمالات ہوں ۔صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ سب سے اعلیٰ خوبی علم اور کمالات کی ہے ۔فقیر یہ کہتا ہے کہ علم وکمالات ہوں گے تو تب ہی اچھی خصلت بنے گی ۔ جہالت سے اچھی خصلت نہیں ہوتی ۔ نیز قرآن کریم میں خود وارد ہے ۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ رحمٰن کے بندے وہ ہیں جب وہ زمین پر چلتے ہیں تو آہستہ آہستہ جب وہ کسی جاہل سے مخاطب ہوتے ہیں تو سلام کہتے ہیں ۔اسی لئے جاہل سے گفتگو کرنا بے سود ہے تو بات ہو رہی تھی کہ کوئی آدمی اپنی خاص خاص خصلت پر پہنچانا جاتا ہے ۔

اعلام کی دوسری تقسیم: علم مفرد جیسے زید ،علم ایسے دو حکموں سے مرکب ہوتا ہے جن میں کوئی باہمی علاقہ نہ ہو جیسے بعلبک مگر صرف بعلبک اضافت جیسے عبداللہ وابوزید یا بلبک اسناد جیسے جملہ اسمیہ یا فعلیہ اس باب سے فروعی امور ہے اگر جملہ کسی شخص کا اسم علم بنا دیا جائے تو اس جملہ میں کسی قسم کی تبدیلی واقع نہیں ہوتی بلکہ ویسا ہی رہتا ہے ۔

تیسری تقسیم: علم دو طرح کے ہوتے ہیں منقول اور مرتجل (منقول: جس سے کوئی چیز نقل کی جائے ۔ امرتجل: جس سے کسی چیز کا رجوع ہو ۔علم یا تو کسی فائدہ مند معنی سے کیا جاتا ہے یا غیر مفید سے ۔منقول عن المفید یا اسم یا فعل یا حرف سے یا ان تینوں میں سے کسی مرکب سے منتقل ہوتا ہے ۔صاحب تفسیر کبیر فرماتے ہیں کہ اسم چار طرح پر منتقل ہوتا ہے امام راغب اصفہانی بھی اتفاق کرتے ہیں لیکن صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ اسم اٹھہتر (۷۸) قسم پر منتقل ہے لیکن فقیر ان تمام کو بیان نہیں کرے گا کیونکہ یہ بات اہل علم لوگوں سے تعلق رکھتی ہے اب ان چار کا ذکر ضرور کیا جاتا ہے یا تو بعینہٖ اسم جیسے اسد وثور یا اس کے معنی جیسے فضل ونصر یا صفت حقیقی جیسے حسن یا صفت اضافیہ سے منقول ہوتا ہے ۔منقول عن الفعل صیغہ ماضی سے منتقل کیا جاتا ہے جیسے شمر یا صیغے مضارع سے جیسے یحییٰ (مضارع: اسے کہتے ہیں جس سے زمانہ حال وآنے والا پایا جائے ۔اور صیغہ امر سے منتقل کیا جاتا ہے جیسے اطرق ،صرف کے صیغوں میں سے ہے ۔دوسری صورت یعنی مرتجل یہ تو کبھی قیاس سے بنایا جاتا ہے عمران حمید اں کیونکہ یہ فی الحقیقت اسماء قیاس ہوتے ہیں جیسے سرحاں ندماں وغیرہ اور کبھی طریق شاذ جس کی بہت کم مثال ملتی ہے یہ علم مرتجل کی خاصیت بیان کی گئی ہے ۔تقسیم چوتھی: علم کی چار صورتیں ہوتی ہیں لیکن امام رازی کے نزدیک صاحب امام راغب اصفہانی بھی اس بات پر اتفاق کرتے ہیں لیکن تفسیر مجاہدی والے چھ صورتیں اور حضرت زجاجی وامام قرطبی آٹھ اور صاحب خزینۃ القرآن انیس قسمیں بیان فرماتے ہیں لیکن یہ بات بالکل قوی ہے فقیر کا اتفاق بھی اسی پر ہے وہ انیس کی انیس درج کروں تو دفتر درکار ہے

Marfat.com

لیکن امام رازی کی جو چار صورتیں ہیں وہ عیاں ہیں۔(۱) علم ذوات، (۲) علم جنس الذوات، (۳) علم معانی، (۴) علم جنس المعانی۔ مذکورہ صورتوں کی تشریح سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس امر کو واضح کر دیں کہ معانی کی نسبت ذوات کے لئے علم کہنا بکثرت ہوتا ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ علم تعین لا قامن بنا دیتا ہے اور اظہار واغراض شخصیہ اور اخیار عن احوال اور اشخاص کے لئے علم کا وجود بہ نسبت معانی بہت ضروری ہے یہ علم ذوات کی تعریف ہے۔ ذوات اس کو کہتے ہیں جس سے معنی کا علم ظاہر ہو امام قرطبی فرماتے ہیں لیکن فقیر کی رائے امام رازی کی طرف ہے باقی رہی صفات وہ بھی بالعموم ایسی نہیں ہوتیں پس مرقوم الصدر امر بیان کرنے کے بعد چاروں اقسام کے احکام بیان کرتے ہیں۔ پہلی قسم میں یہ ضروری شرط ہے کہ مسمی کا واضح محذوف ہو ظاہر ہے کہ محذوف دراصل انسان ہے کیونکہ اعلام کا استعمال انسان ہی پر ہوتا ہے اور غیر قسم کی نسبت اپنی قسم سے محبت زیادہ ہوتی ہے حالانکہ یہ واقع امر ہے انسان کے بعد اشیاء کا مرتبہ ہے کیونکہ انسان کو انسان سے ہی محبت ہوتی ہے اور بعد میں دوسری چیزوں کے ساتھ۔ بعد والی محبت انسان کے سواء دوسری چیزیں ہیں کیونکہ انسان کو چیزوں کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ سب سے پہلے امام قرطبی فرماتے ہیں دیکھئے کہ انسان کو جن چیزوں میں سے زیادہ محبت ہوتی ہے تو وہ دولت ہے اور بعد میں دوسری چیزیں۔ دولت کے نشے میں انسان کیا کچھ کر بیٹھتا ہے تو ظاہر ہوا کہ دولت کے بعد چیزوں کی محبت ضروری ہے اور پھر تیسرے نمبر پر کاروبار ہے کاروبار کرنے سے تجربہ زیادہ ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ اونچائی اور نیچائی گھوڑوں کے لئے ہے ایسا ہی شذقا اور علیا دو سانڈوں کے لئے قمران مقرر کی گئی جن چیزوں کی انسان کو ضرورت نہیں ہوتی ان چیزوں کے نام بہت کم ہیں لیکن فائدہ مند نہ ہونے کے باوجود وہ چیزیں بھی موجود ہیں۔ چوتھی قسم علم جنس کے لئے المعانی جن کا قاعدہ یہ ہے غیر متعرف کے دو اسباب کا ہونا ضروری ہے اور اگر کسی ایک لفظ کو صرف ایک ہی سبب کے ہوتے ہوئے غیر متعرف سمجھا جائے تو فقیر خیال کرے گا کہ اس لفظ کو بطور علم استعمال کیا گیا ہے۔

تقسیم پانچویں: بعض اسماء جنسوں کو اسم بنالیا گیا ہے جو ایسے لفظوں میں ہوا کرتے ہیں جن کا مفہوم امر کلی ہے اور مشابہت زیادہ قابل ہو جیسے لفظ النجم دراصل کل ستاروں پر آتا ہے مگر بعد میں ثریا سے مختص کیا گیا ہے ایسے ہی اسماءک اسم مشتق من اور ارتقاع ہے مگر ایک خاص سیارہ کا نام ہے ارتقاع ہے۔

⌘⌘⌘⌘⌘

Marfat.com

باب پنجم

دربیان جنسوں کے اسماء میں اور مشتقات کے اسماء میں اس پر صاحب خزینۃ القرآن نے کئی باب تحریر کئے ہیں۔
جنسوں کے اسماء میں چند حکم بیان کروں گا:

حکم پہلا: ماہیت مرکب بھی ہوتی ہے اور بسیط بھی عقلیات میں یہ ثابت ہو چکا ہے کہ مرکب بحالت جنس بسیط سے مقدم ہوتا ہے اور بصورت فصل بسیط مقدم ہوتا ہے۔ مرکب سے دلیل استقرائی نے واضح کر دیا ہے کہ شدت اور قوت میں جنسی کا پلہ قوت فصلی سے بھاری ہوتا ہے اور بسیط کمزور کو کہتے ہیں۔

حکم دوسرا: اسماء جنسوں کے ناموں کا رتبہ بہ نسبت اسماء مشتقات بڑھا ہوا ہے کیونکہ مشتق اسم مستفرع ہوتا ہے (پھرنے والا) مشتق منہ کا تو اس کا اسم بھی مشتق ہوگا۔ تو دور یا تسلسل لازم آئے گا اور یہ دونوں امر نہیں ہو سکتے۔ پس تمام اشتقاقات کے اسماء موضوعہ جامدہ کی طرف منتہی ہونا ضروری ہے۔ نتیجہ یہ کہ موضوع مشتق کا محتاج نہیں ہوتا بلکہ مشتق موضوع کا محتاج ہوتا ہے اس سے سلیس لفظوں میں واضح کر دوں کہ موضوع بنانے کو کہتے ہیں اور اسے مشتق کہتے ہیں جو اس سے نکلے اور جس سے دوسرا لفظ نکلے وہ مشتق منہ ہے اس لحاظ سے موضوع کا مشتق محتاج ہے۔ ظاہر ہے مشتق کا موضوع سے رتبہ بلند ہے۔ آخر محتاج اور محتاج الیہ کے رتبہ میں فرق ہوتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ نحوی اور لغوی عموماً ہر ایک لفظ کو کسی لفظ سے بنانے کے لئے سرتوڑ کوشش کرتے ہیں۔ آپ کو معلوم ہوگا لفظ کو دیکھئے۔ جیسے ضَرَبَ کو ضَرباً سے بنایا گیا ہے لیکن ان کی یہ کوشش ماضی ہونے سے زیادہ طاقت نہیں رکھتی اور یہ ایسا فعل ہے جس کا نتیجہ شرمساری کے سوا کچھ نہیں۔

حکم تیسرا: موجودات کی دو قسمیں ہیں، واجب اور ممکن: موجودات ممکنہ بدلنے والی ہوتی ہے۔ بعض کسی متحیز میں حلول کئے ہوئے ہے بعض نہ تو متحیز ہیں اور نہ کسی متحیز میں حلول کی ہوئی ہے (حلول کے معنی حل ہو جانے کے ہیں) اس سے ظاہر ہے کہ موجودہ ممکنہ کبھی بدل جاتی ہے اور بعض متحیز میں حل ہو جاتی ہے یا حل نہیں ہوتی یہ موجود ممکنہ کی تعریف ہے جو فقیر کے نزدیک اچھی ہے۔ لیکن ان تینوں صورتوں میں سے پہلی صورت کا شعور آ سکتا ہے۔ تیسری صورت کے خلاف اس کا شعور تو ہوتا ہے لیکن بہت کم، نیز دلائل سے ثابت ہو چکا ہے جو متحیزات ہیں۔ ان سب کی ماہیت ایک ہی ہوتی ہے۔ ماہیت شکل کو کہتے ہیں۔ البتہ صفات میں ضرور اختلاف ہے۔ جس قدر اجسام کی قسموں کے اسم ہیں۔ وہ ہر ایک اپنے اپنے اسم کا مسمی ہوگا۔ مسمی (نام رکھنے والا) جس میں اس کی ماہیت اور صفتیں دونوں شامل ہیں یا یوں سمجھ لیجئے کہ ہر ایک جسم کی قسم ذات اور اس کی صفات مخصوصہ۔ اس سب مجموعہ پر اسی اسم کا اطلاق ہوگا۔ اور یہ مجموعہ مسمی ہوتا ہے۔ اپنے اسم کی صفات اور ذات اپنی قسم جسمی سے جدا ہوتے ہیں۔ مسمی صرف قسم جسمی ہی ہوتا ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ مفہوم اسم سے مشتق ہے۔ علم نہ تو علم میں پایا جاتا ہے اور نہ ہی معلوم ہیں کیونکہ معلوم ہونا یہ علم کا خاصہ نہیں ہے۔

حکم چوتھا: جس صورت میں مشتق منہ ماہیت مرکبہ ہو تو ایسی صورت میں اس کے اجزاء ترکیبیہ علی سبیل الاجتماع ہوں گے۔ جیسا کہ کلام، قول، نماز، اسم مشتق اس وقت علی السبیل الحقیقہ ہوتا ہے۔ جب کہ ان اجزاء کے آخری اجزاء حاصل ہو جائیں۔

حکم پانچواں: ضَـرَبَ کا مفہوم صرف اس قدر ہے کہ کوئی ایسی چیز ہے جس میں ضرب کی خاصیت موجود ہے لیکن اس شئے کو پرکھنا کہ آیا وہ جسمی ہے یا غیر جسمی تو یہ امر ضَرَبَ کے مفہوم سے خارج ہے جس کی شناخت اور پرکھ دلالت کی وساطت سے ہو سکتی ہے۔

⌘⌘⌘⌘⌘

Marfat.com

باب ششم

اسم کی قسموں مُعرب اور مبنی کے بیان میں اور فرداً فرداً احکام بیان کرتے ہیں۔ اس میں بہت سے مسائل ہیں۔ صاحب خزینۃ القرآن نے اس پر کئی باب تحریر کئے ہیں:

معرب اور مبنی: اس پر ایک شعر عرض ہے ؎

مبنی آں باشد کہ مانند برقرار
مُعرب آں باشد کہ گردد بار بار

یعنی مبنی اپنی حالت پر قائم رہتا ہے۔ مبنی کہتے بھی اسے ہیں جو اپنی حالت پر قائم رہے اور معرب اپنی حالت پر نہیں رہتا۔ اب اس کے مسائل:

مسئلہ نمبر 1:

معرب اعراب والے کو کہتے ہیں۔ لفظ اعراب کی دو وجہ تسمیہ ہیں جس پر بالا جماع اتفاق ہے۔ ایک تو یہ کہ وہ عرب کے قول (اعرابا من نفسہ اذا بین مافی ضمیر) (اعراب من نفسہ اظہار کرد، مافی ضمیر خودرا) سے ماخوذ ہے۔ اعراب ذات سے جب درمیان ضمیر کے اعراب اس کے ذات سے ظاہر کرے ضمیر اپنی کو۔ معلوم یہ ہوا کہ معرب وہ ہے لفظ اعراب جو اپنی ذات سے صحیح ضمیر کو ثابت کرے جو اس کی اپنی صحیح ضمیر ہو۔ اعراب سے معنی کی وضاحت ہوتی ہے۔ دوسری وجہ یہ کہ اعراب کو عرب کے قول سے (عربت المعدۃ اذا اَفسدت) (عربت المعدۃ فاسد گردید معدہ) سے منقول سمجھا جائے۔ تو اس صورت میں اعراب کے معنی ازالہ اور فساد اور پوشیدہ کے دور کرنے والے ہوں گے۔

مسئلہ نمبر 2:

اگر کسی مختلف الاحوال ماہیت کے لئے کوئی لفظ موضوع کیا جائے تو اس کے لئے ایسا تلفظ ہونا لازم ہے۔ جو بیرونی مختلف حالات کا مورد بن سکے تاکہ احوال مختلفہ سے احوال مختلف (معنی) کا پتہ چل جائے۔ جیسا کہ لفظ جوہر سے چونکہ اصل ماہیت پر دال تھا۔ تو اس پر جس قدر مختلف حالات آئیں گے۔ وہ سب کے سب معنوی مختلف حالات سے خبر دیں گے۔ بیرونی احوال مختلفہ جو مختلف معنوی حالات پر ہیں۔ فقیر کی مراد ان سے اعراب ہے۔

مسئلہ نمبر 3:

کل افعال اور احوال کی یہ حالتیں ہیں جو ماہیات کے لئے عارض ہوتے ہیں یہ معمولی اصول ہے۔ جس قدر عوارضات ہیں ان پر کوئی اور عوارض عارض نہ ہونگے جس قدر احوال ہیں وہ صرف ذوات پر ہی عارض ہوتے ہیں اور ان ذوات کی پہچان بذریعہ اسماء ہوتی ہے۔

مسئلہ نمبر 4:

آخری حرف کو محل اعراب قرار دینے کی کیا وجہ ہے؟ ایک وجہ تو یہ کہ ذات پر حالاتِ عارضہ کا وجود ذوات کے بعد ہوگا اور اسی طرح لفظ کا وجود اس کے آخری حرف کے بعد موجود ہوگا۔ تو یہ ضروری تھا کہ ان حالات عارضہ کی علامت بھی آخیر پر مقرر کی جائے۔ کیونکہ اصول یہی ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ پہلا اور دوسرا حرف تو صرف اوزان کلمہ کے اختلاف کے لئے مخصوص ہوگا۔ اب حالاتِ اعرابیہ کے لئے کلمہ آخری حرف رہ گیا۔

Marfat.com

مسئلہ نمبر 5:

حرکات وسکنات جو کے آخری حرف میں پائی جاتی ہیں۔ان کا نام اعراب نہیں کیونکہ مبنیات میں بھی یہی صورت موجود ہے۔لیکن وہ اعراب نہیں کہلاتے بلکہ اعراب کہتے ہیں قبول حرکات کے استحقاق کو جو حرکت کے لئے قبول ہو۔یہ استحقاق محسوسات سے نہیں بلکہ معقولات سے ہے تو معلوم ہوا کہ اعراب ایسی حالت ہے جو عقل سے معلوم ہوسکتی ہے۔

مسئلہ نمبر 6:

حرف کو ساکن متحرک کہنا بطریق مجاز ہوتا ہے کیونکہ حرکت اور سکون خاصہ جسم ہے۔حرف جسم نہیں ہے تو ظاہر ہے ایسی صورت ہوتے ہوئے حرف پر ان دونوں کا اطلاق بطریق مجاز ہوسکتا ہے۔دراصل حرکت سے وہ خاص آواز مراد ہے جو تلفظ حرف کے بعد موجود ہوتی ہے کیونکہ یہی متحرک کا خاصہ ہے اور حرف کے تلفظ کے بعد اگر وہ آواز جس کو حرکت سے نامزد کیا جاتا ہے موجود نہ ہو تو اسے ساکن کہتے ہیں۔

مسئلہ نمبر 7:

حرکات کی دو (۲) قسمیں ہیں، صریحہ اور مختلطہ: صریحہ کی پھر دو قسمیں، مفرد اور غیر مفرد، مفرد کی تین حرکات ہیں، فتحہ، کسرہ، ضمہ۔فتحہ زبر کو، کسرہ زیر کو اور ضمہ پیش کو کہتے ہیں۔فتحہ اور کسرہ کی درمیانی آواز ایک حرکت، فتحہ اور ضمہ کی درمیانی آواز دوسری حرکت ہے۔کسرہ اور ضمہ کے درمیان والی آواز تیسری حرکت ہے۔کسرہ فتحہ کے درمیان والی آواز چوتھی حرکت ہے۔اسی طرح ضمہ کی صورت سمجھ لو۔غرضیکہ ان حرکات کا مجموعہ نو (۹) ہے پھر ہر ایک حرکت کی دو قسمیں ہیں (۱) مشابہہ، (۲) غیر مشابہ، مجموعہ نو (۹) کو دو (۲) سے ضرب دیا تو اٹھارہ (۱۸) ہوئے اور انیسویں حرکت مختلطہ ہے۔بذریعہ حس اس کا تمیز ہونا ضروری نہیں اس کو حرکت مجھولہ کہتے ہیں۔فتوبوا الیٰ بار نکم میں بار نکم کو ابن عمر مختلطہ الحرکت ہی پڑھتا ہے یعنی صراحت نہیں پڑھتا۔

مسئلہ نمبر 8:

کیونکہ حرکت اور ساکن کا اصل آواز مخصوصہ بیان کیا گیا ہے۔کوئی ضروری نہیں کہ حرکات کو مرقومۃ الصدر مقدار در پر منحصر کرایا جائے، بلکہ اس تعداد کے علاوہ اور بھی ہوسکتی ہیں۔ابن جنی کہتا ہے کہ کنجی کا فارسی میں کلید نام ہے لیکن اس کی حرکات وسکنات کی شناخت نہیں ہوسکی ابو علی سینا کہتے ہیں کہ مجھے ایک شہر میں جانے کا اتفاق ہوا۔یہ واقعہ تفسیر کبیر میں درج ہے تو میں نے دیکھا کہ وہاں کے لوگ فتحہ کو عجیب قسم سے ادا کر رہے ہیں جو پہلے کبھی نہیں سنی تھی۔اس اثناء میں میں کچھ ایام اس شہر میں ٹھہرا تو میں بھی اسی طرح سے فتحہ کو ادا کرنے لگا۔جب میں نے اس شہر کو چھوڑا تو وہ طرز بھول گیا۔اصل میں وہ لوگ فتحہ کو غلط پڑھتے تھے۔(یہ واقعہ تفسیر کبیر میں درج ہے)

مسئلہ نمبر 9:

حرکت اعرابیہ کو حرف سے وقتی تاثیر ہوا کرتی ہے کیونکہ تمام حروف مثلاً با، ثا، دال وغیرہ سب کے سب حبس دم اور ترسیل دم کے اوّل اور آخر میں پیدا ہوتے ہیں۔لیکن ان دونوں وقتوں کا درمیانی فاصلہ تقسیم کیا ہوا ہے اور حرکت اس آواز کو کہتے ہیں جو ترسیل دم کے وقت پیدا ہوتی ہے ظاہر ہے کہ حروف کی پیدائش کا وقت مقدم ہے۔حرکت کی پیدائش کے وقت سے دوسری وجہ یہ ہے کہ حروف صلبیہ تمدید کو قبول نہیں کرتے۔لیکن حرکت میں تمدید ہوسکتی ہے تو حرف اور حرکت دونوں ایک وقت میں موجود نہیں ہوسکتے۔لیکن ساتھ ہی یہ بات بھی ہے کہ حرکت حرف سے مقدم نہیں ہوتی تو معلوم یہ ہوا کہ حرف حرکت پر مقدم ہوتا ہے کیونکہ حرف ہوگا تو حرکت آئے گی بلکہ فقیر تو یہ کہتا ہے کہ حرکت بنتی ہی حرف کے دم سے ہے۔

مسئلہ نمبر 10:

حرکت صرف مدولین کا ایک ٹکڑا ہے کیونکہ ان حروف میں کمی بیشی کو قبول کرنے کی قابلیت ہوتی ہے تو ان پر دو (۲) اطراف میں کمی کی جانب میں حرکت ہوگی۔نیز یہ کہ حرکت کو اگر لمبا کیا جائے تو مدولین کی شکل پیدا ہو جائے گی تو معلوم ہوا کہ ان حروف کے ابتدائی حصوں میں حرکات موجود ہے، وجوہات بالا کے سوا، تیسری وجہ یہ

Marfat.com

ہے کہ اگر حرکات کو صرف مدولین کے حصے نہ مانا جائے تو صرف ان حروف کے لئے حرکات پر اتفاق کرنا جائز نہ ہوتا۔ کیونکہ مختلف ہونے کی صورت میں ایک کی بجائے دوسرا کیسے کارآمد ہوسکتا ہے جیسا کہ استقراء (پڑھنا) قرآنی، اور نثر ونظم سے ظاہر ہوتا ہے مانا کہ قریبی مخالفت کی پروا نہ کرتے ہوئے ایک دوسرے کی جگہ استعمال کیا جاتا ہے تاہم کسی چیز کو اس کے حصص میں کسی حصے کے ساتھ تبادلہ کر لینا اس شئے کی حقیقت معنی ظاہر ہوتا ہے حالانکہ تبادلہ معنی اور لفظ کی مخالفت میں کوشش جاری ہوتی ہے لیکن معنی لفظ کی اصل کو تلاش کرتا ہے۔

مسئلہ نمبر 11:

حرف ساکن کی ابتداء محال ہے لیکن نحویوں کے ماسوا دوسرے لوگ جائز سمجھتے ہیں کیونکہ حرکت تام ہے اس آواز کا جس کا تلفظ حرف کے بعد حاصل ہوتا ہے تو کسی شئے کو ایسی شئے پر موقوف کہنا جو اس کے بعد بھی حاصل نہ ہوسکے محال ہے۔

مسئلہ نمبر 12:

تمام حرکات سے ثقیل حرکت ضمہ کی ہے کیونکہ جب تک دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ نہ ملایا جائے۔ مکمل نہیں ہوسکتی اور دونوں لبوں میں ہم آہنگی پیدا نہیں ہو سکتی تاوقتیکہ وہ دونوں سخت بیٹھیں جن کا لبوں سے تعلق ہے حرکت نہ کریں۔ خلاف اس کے کسرہ کے لئے صرف ایک لب کا بیٹھنا حرکت کے لئے کافی ہوتا ہے اور فتحہ کو بہت ہی ہلکی حرکت کی ضرورت ہوتی ہے۔ مصدح بالا کی تشریح کی تصدیق تجربہ سے ہوسکتی ہے کہ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ مذکورہ بالا حالت میں اختلاف کے لحاظ سے تبدیلی ہوجاتی ہے کیونکہ ہم میں یک جہتی ہے کہ آذربائیجان کے باشندے تمام الفاظ کو بطریق اشمام بولتے ہیں، بہت ایسے ملک بھی ہیں جن کے باشندے کسرہ کو بطریق اشمام بولتے ہیں۔ واللہ اعلم، صاحب خزینۃ القرآن نے اس مسئلہ پر کافی بحث کی ہے۔

مسئلہ نمبر 13:

تینوں حرکات اور ساکن اگر تو اعرابیہ ہوں تو ان کا نام رفع نصب، خفض اور جزم ہوتا ہے اور اگر بیانیہ ہوں تو فتحہ ضمہ کسرہ اور وقف کے نام سے موسوم ہوتی ہیں۔

مسئلہ نمبر 14:

مُضرب کے نزدیک حرکات بیانیہ اور اعرابیہ میں اختلاف نہیں لیکن اس کے سوا باقی سب ان میں اختلاف مانتے ہیں دراصل یہ نزاع لفظی ہے۔ کیونکہ تمثل سے اگر تمثل ماہیت مراد ہے تو یہ درست ہے اور اگر تمثل سے یہ مراد ہے کہ جس طرح معربات عوامل مختلفہ کے باعث حرکات مستحق ہوتی ہیں۔ اسی طرح مبنیات میں بھی ہو تو عقل نہ مانے گی۔

مسئلہ نمبر 15:

ضمہ کا تلفظ اسی حالت میں ہوسکتا ہے اگر پہلے پہلے دونوں ہونٹوں کو ملا دیا جائے اور بعد میں علیحدہ کر دیئے جائیں اور فتحہ کا تلفظ اس حالت میں ہوسکتا ہے اگر منہ کو پورا کھولا جائے اور کسرہ کا جبکہ داڑھ نیچے کی طرف کھینچ جائے۔ پس اس لحاظ سے اس کو خفض کہا جائے گا۔ (جر کہتے ہیں زیر دینے والے لفظ کو) اور رفع ضم والے لفظ کو) کیونکہ زور کے ساتھ نیچے کھینچے سے کسرہ پیدا ہوتا ہے۔ اور مہمل چھوڑنے کو جزم کہتے ہیں مگر اس کو وقف اور ساکن سے نامزد نہیں کیا جاسکتا۔

مسئلہ نمبر 16:

بعض کا خیال ہے کہ فتحہ، ضمہ، کسرہ اور وقف احوال بیانیہ کا نام ہے۔ جیسے دوسرے چاروں احوال اعرابیہ کے نام ہیں اور بعض کا خیال ہے کہ پہلے چار تو حالات کا نام ہے۔ خواہ وہ بیانیہ ہوں یا اعرابیہ ہوں اور دوسرے چاروں حالات اعرابیہ کے نام ہیں تو اس خیال کے مطابق پہلے چاروں اور دوسرے چاروں کے درمیان قسم اور جنس کی نسبت ہوگی۔

Marfat.com

مسئلہ نمبر 17:

سیبویہ ان دونوں قسموں کو مجازی کے نام سے پکارتا ہے لیکن اس پر دو (۲) سوال (۱) پہلے حرکات کو مجازی کہنے کی کیا وجہ ہے۔ حالانکہ حرکت میں صرف اجزاء پائے جاتے ہیں اجزاء کو تو حرکت مجازی کہنا درست نہ ہوا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے ہم لکھ چکے ہیں۔ حرکت فی نفسہ حرکت نہیں ہے بلکہ وہ تو آواز ہے جس کا تلفظ حرف اوّل کے بعد ہوتا ہے تو کلام کرنے والا صرف مجاز ہی سے اس حرف کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ پس حرکت مجازی کہنا درست ہوا۔ (۲) مازنی کہتا ہے کہ سیبویہ کا حرکات کو مجازی کے نام سے یاد کرنا بالکل غلط ہے۔ کیونکہ جری اس وقت ہوتی ہے، کبھی مٹ جائے اور کبھی موجود ہو لیکن مبنی ایک حالت میں رہتا ہے جو پیچھے مبنی کی تعریف گزر چکی ہے۔ اس میں تبدیلی نہیں آتی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مبنیات بھی متغیر الاحوال ہیں تداخل کے وقت ان میں حرکت ہوتی ہے لیکن وقف کی حالت میں نہیں ہوتی تو متغیر الاحوال ہونا غلط نہ ہوا۔

مسئلہ نمبر 18:

اعراب اس حرفی یا حرکتی تبدیلی کا نام ہے۔ جو عوامل کے اختلاف کے باعث حکم کے آخر میں پیدا ہوتی ہے۔ خواہ تحقیقیہ ہو یا غیر تبدیلی اس امر کا نام ہے جو کلمہ کے آخر میں ایسی حرکت ہے جو اس میں سے نہ تھی۔ اختلاف عوامل کا یہ مطلب ہے کہ لفظ اگر اپنی ابتدائی حالت پر قائم رہے تو یہ مبنی ہوگا اور اگر اس کی حالت بدلتی رہے تو اس کی دو صورتیں ہیں اوّل یہ کہ خود بیرونی حالت میں تغیر ہو۔ اس لفظ کے معنی میں کسی قسم کی تبدیلی نہ آئے۔ جیسے اَخَذْتُ المالُ مِن ذید کی بیرونی حالت ساکن ہے اور اخزة المال منَ الرجال مفتوح و اخزة المال مِن ابنک میں مکسور ہے مَن مختلف احوال کا مورد ہے لیکن اس کو اعراب نہیں کہا جائے گا اس سے مفہوم معنی میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ دوسری صورت میں یہ ہے کہ اس لفظ کا آخری کلمہ مختلف احوال کا مورد ہو مگر ساتھ ہی اس کے معنوی حالات بھی متغیر ہوں اور اس کو اعراب کہتے ہیں۔

مسئلہ نمبر 19:

اعراب کی تین قسمیں ہیں ایک تو اعراب بالحرکت اور یہ قسم صرف تین مقامات پر آتی ہے ایک تو جہاں لفظ کا آخری کلمہ حروف علت میں نہ ہو۔ اس کے وسط اول میں حرف علت کا ہونا یا نہ ہونا برابر ہے۔ جیسے رَجُلُ، و ثُوب اس میں حرف علت نہیں ہے۔ اس لفظ کا درمیانی لفظ ساکن ہو اور یہ صورت بلحاظ تعاقب درست ہوتی ہے جیسے ظبی، غزو، وہ الفاظ جن کا آخری کلمہ معتل ہو جیسے کرسی اور عدد کیونکہ اور ادعام شدہ حروف ساکن ہوتے ہیں تو کرسی کی (ی)، عدد کا دال ساکن ہوئیں جس طرح ظبی کی (ب) اور غزو کی (زا) ساکن ہے۔ تیسرا یہ کہ آخری کلمہ کا پہلا حرف مکسور ہو تو وہ رفع اور جر دونوں حالتوں میں ساکن رہتا ہے لیکن منسوب ہونے کی صورت میں وہ مفتوح ہوتا ہے۔ دوسری قسم اعراب الحرف ہے یہ قسم تینوں جگہوں میں پائی جاتی ہے۔ ایک تو خاص چھ اسماء میں جب کہ وہ مضاف ہوں جیسے کہ، ابوہ وحموہ، وہنوہ، وفوہ، بیانیہ، لاعمیت اباہ مررت بابیہ باقی اسماء کو اسی پر قیاس کرنا چاہئے۔ تیسری قسم اعراب تقدیری ہے اور یہ قسم اس کلمہ میں پائی جاتی ہے۔ جس کے آخر میں الف ہو اور آخری لفظ کا پہلا حرف مفتوح ہو۔ (یعنی زبر والا) اس کا اعراب تینوں حالتوں میں ایک ہی صورت میں رہے گا جیسے ھذہٖ رحیٰ، رءیت رحیٰ، مررت بو حیٰ۔ اس میں پہلا لفظ مفتوح ہے۔

مسئلہ نمبر 20:

دراصل الفاظ کا اعراب بالحرکت ہوتا ہے کیونکہ فقیر یہ بیان کر چکا ہے کہ اعراب حقیقی مقصود اس تبدیلی کو ظاہر کرتا ہے جو بیرونی اختلاف حالات کے باعث معنوں میں پیدا ہوتی ہو۔ الفاظ پر آنے والی حالت حرکت ہے نہ کہ حرف۔ رہی وہ صورتیں جن کا اعراب بالحرکت نہیں ہوتا بلکہ بالحرف تو ایسی صورتوں میں وہ حروف دراصل جنس کی حرکات سے پیدا ہوتے ہیں۔ کیونکہ جنس کی حرکات اس کے لئے لازم ہیں اور ان سے یہی ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے۔

مسئلہ نمبر 21:

اسم معرب جس کو متمکن کہتے ہیں۔ اگر وہ اعراب، حرکات اور تنوین کو قبول کرتا ہے تو وہ منصرف ہے اور اسے متمکن بھی کہتے ہیں اور اگر تینوں قبول نہیں کرتا۔

Marfat.com

بلکہ اس کی جری حالت فتح سے بدل کر مفتوح ہو۔ تنوین کی حالت ہو تو لازم ہے کہ اسے حذف کر دیا جائے۔ تو اس کو غیر منصرف کہتے ہیں۔ البتہ اس کو کسی کے ساتھ مضاف کر دیا جائے یا اس پر لام تعریف لازم ہو جائے تو ان دونوں صورتوں سے اس کی جری حالت قائم رہتی ہے کیونکہ اس پر لام تعریف داخل ہو چکا ہے، مفتوح نہیں ہوتی۔ غیر متصرف میں تو اسباب میں سے دو اسباب کا موجود ہونا یا ایک ہی سبب کا تکرار ہونا ضروری ہے ورنہ وہ منصرف ہوگا۔ کیونکہ غیر منصرف کی یہی علامت ہے۔ یعنی علم تانیث معنی ہو خواہ لفظ مگر ہو لازمی وزن فعل جو اس کے لئے مخصوص ہو یا وہ بکثرت مروج وحقیقت عدل ایک ہی وزن پر استعمال ہونے والی جمع ترکیب عجمہ اور خاص کر اعلام اس کا ہونا لازم ہے اور الف ونوں زائدتان۔

مسئلہ نمبر 22:

غیر منصرف میں ایک یا قائمقام دو سبب کے ہونا کیوں ضروری ہے یہ اس لئے کہ ان کا ہر ایک سبب فرع ہے فعل فرع ہے۔ اسم کی اگر اس میں دو سبب پائے جائیں تو فعل کے ساتھ اس کی حقیقت اس کے مشابہ ہو جائے گی اور یہ مشابہت اس کو منصرف ہونے سے مانع ہوتی ہے۔ مذکورہ بالا مسئلہ میں تین امور کو بیان کیا ہے۔ اب فقیر ان تینوں کو دلیل کے ساتھ بیان کرنا چاہتا ہے۔

دلیل پہلی: نو (۹) سببوں سے ہر ایک سبب علیحدہ علیحدہ ہے اس کی وجہ یہ ہے علیت اس کے لئے علیحدہ ہے کہ ہر ایک چیز کے لئے اسم کا بنانا اس وقت ضروری ہوتا ہے جب کہ معلوم ہو جائے۔ پہلے پہلے کوئی چیز معلوم نہیں ہے۔ اس کا علم بعد میں ملتا ہے تو معلوم ہوا کہ علیت علیحدہ ہے۔ علم شئے کی تانیث کو علیحدہ قرار دینے کی دو وجوہات ہیں۔ ایک لفظی دوسری معنوی، معنوی کے لئے لفظی ضروری ہے وجہ تو یہ ہے کہ ہر ایک لفظ کی شکل کو بنایا جاتا ہے لیکن مذکر کی شکل میں لفظ بنانے کی زیادتی نہیں ہوتی۔ لیکن تانیث مین (مؤنث میں) علامت تانیث کی زیادتی ضروری ہے۔ معنوی وجہ یہ ہے کہ مذکر مونث کی نسبت سے زیادہ ممتاز کامل ہوتا ہے۔ مقصد ذات کے ساتھ کامل ہوتا ہے اور ناقص بالعرض مخصوص فعل کے ساتھ وزن کو علیحدہ قرار دینے کی یہ وجہ ہے کہ فعل کا وزن علیحدہ ہی وزن ہے اور اسم کی علیحدگی فعل ہے۔ ہر ایک جانتا ہے کہ علیحدگی کی علیحدگی بھی علیحدہ ہوتی ہے۔ صفت علیحدہ ہے۔ صفت اپنے موصوف سے علیحدہ ہوتی ہے۔ عدل علیحدہ ہے۔ ایک شئے کو چھوڑ کر دوسری شئے کو اختیار کرنے کو عدل کہتے ہیں کیونکہ عدل کے معنی علیحدہ علیحدہ کرنے کے ہیں۔ معدولہ (متروکہ) اصل ہوتی ہے اور دوسری شئے جس کو اختیار کیا گیا ہے وہ علیحدہ ہے ایک سے زیادہ جمع ہونے والی چیز علیحدہ ہے کیونکہ وہ وزن خاص سے علیحدہ ہے۔ اور واحد کی علیحدگی جمع سے ہے کیونکہ کثرت وحدت کی جمع ہے۔ ایک پر زیادتی کرنے سے جمع کثرت بنتی ہے لہٰذا واحد اصل نہ ہوا اور زیادتی اس سے علیحدہ ہوئی اور علیحدگی ہر ایک کو معلوم ہے یہی وجہ ترکیب کے لئے علیحدگی قرار ہے۔ عجمیت علیحدہ ہے۔ ہر ایک کا اپنی اپنی لغت سے گفتگو کرنا اپنے امر سے علیحدہ ہے اپنی لغت کو کسی دوسری لغت میں کلام کرنا علیحدگی ہے۔ الف نون علیحدہ ہے۔ کیونکہ سکران کلمہ الفاظ میں اصل کلمہ پر دونوں زیادہ کئے گئے ہیں اور زیادتی کے علیحدہ ہونے میں کیا شک ہے۔ پس فقیر کا دعویٰ درست ہے ہر ایک سبب اپنی علیحدگی پر ہے صحیح نکلا۔

(۲) دوسرا امر یہ تھا کہ فعل علیحدہ ہے اور فعل اس لفظ کو کہتے ہیں جو زمانہ مقرر میں مصدر کے واقع ہونے کو ظاہر کرے تو فعل مصدر سے علیحدہ ہوا۔

(۳) تیسرا امر یہ تھا کہ نو (۹) سببوں میں سے دو (۲) سبب اگر اسم میں جمع ہو جائیں تو فعل کے ساتھ مشابہت پیدا ہو جاتی ہے مذکورہ بالا تقریر سے ثابت ہو چکا ہے اور یہ بھی ثابت ہوا کہ بلحاظ ذاتی اسم ہونے کے وہ فعل کے مخالف ہوتا ہے۔ حقیقتاً فعل کا کوئی اعراب نہیں ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ ضروری ہوا کہ مذکورہ بالا قسم کے اسم میں دونوں ذکر شدہ اعتبار سے دو (۲) اثر موجود ہوں۔ یعنی اسم بوجہ چند اعراب کو قبول کرے اور چند کو قبول نہ کرے۔ اس لئے کہ دونوں اعتبارات پر وجہ فرعیت صادق آسکے۔ فعل کے ساتھ مناسبت سے فقیر کی یہی مراد تھی۔

مسئلہ نمبر 23:

غیر منصرف تنوین اور جر کو قبول نہیں کرتے اس کی وجہ یہ ہے۔ تنوین سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کی بدرجہ حالت زیادہ مکمل ہوتی ہے غیر منصرف کی کمالیت علیحدگی کے سبب زائل ہو جاتی ہے لہٰذا اسم کی حالت مکمل کو ظاہر کرنے والی علامت کی ضرورت نہیں رہتی۔ اس کو اٹھا دیا گیا۔ اور فعل صرف رفع نصب قبول کرتا ہے جر کو نہیں اور برخلاف اس کے اسماء اس کو قبول کرتے ہیں اور یہ ان کے خواص سے ہے اور غیر منصرف اسماء کو فعل کے ساتھ مشابہت ہو گئی ہے لہٰذا اس مشابہت کے سبب ان اسماء کے

Marfat.com

خاصہ جری کو چن لیا گیا ہے۔

مسئلہ نمبر 24:

غیر منصرف اسماء سے جر کو چن لیا گیا۔ اب ان کی حالت کیا ہوگی ساکن ہوں گے یا متحرک؟ متحرک ہونا افضل ہے تا کہ معلوم ہو جائے کہ حرکت کا وجود زیادتی نہیں ہے بلکہ عارضی اور دونوں حرکتوں میں سے منسوب ہونا بہتر ہے کیونکہ تثنیہ اور جمع سالم میں جر نصب کی جگہ لیتی ہے۔ تو بطریق معاوضہ یہاں پر اسے جر کی جگہ استعمال کیا گیا۔

مسئلہ نمبر 25:

سب باالاتفاق مانتے ہیں۔ غیر منصرف مضاف ہوئے اور اس پر الف اور لام آنے سے منصرف ہو جاتا ہے جیسا مَررتُ بالاحمر المساجد اور عمرکم اس کا سبب یہ بیان کرتے ہیں کہ فعل تو مضاف ہوتا ہے نہ اس پر الف لام آتا ہے۔ نیز مضاف ہونے کی حالت میں وہ فعل کے ساتھ مشابہ نہ ہوگا۔ عبدالقاہر جرجانی کہتے ہیں کہ یہ خیال توریگ سے کم وقعت نہیں رکھتا کیونکہ پیش کردہ اسماء کو فعل کے ساتھ اس لئے مشابہت ہوگی ان میں سبب وزن اور فعل اور اضافت پائے جاتے تھے اور یہ اسباب مضاف ہونے اور ان پر الف لام آنے کی صورت میں بھی موجود ہوں گے تو مشابہت کا ازالہ کیسے ہوگا؟ علاوہ اس کے فاعل اور مفعول اور مجرور ہونا یہ سب کے سب اسماء خاص ہیں۔ کیا وجہ ہے کہ ان کے حالات پر وارد ہونے پر بھی انہیں غیر متصرف کہا جاتا ہے۔ حالانکہ آپ کے خیال کے مطابق ازالہ مشابہت ہونے کے سبب انہیں متصرف کہنا چاہئے تھا تو جہاں ازالہ مشابہت نہیں ہوا تو کیوں مشابہت کو موجود نہیں مانا جاتا۔ سوال پہلے کا جواب ہے کہ مضاف ہونا اور الف لام کا آنا اسماء کے خواص ہیں اور گو پیش کردہ اسماء کے اسمیہ فعل کے ساتھ مشابہت ہونا کمزور ہو چکا ہے چونکہ اس کے اصلی خواص اس میں موجود ہیں لہٰذا اس کی اہمیت میں کمزوری نہیں رہی بلکہ قوی ہو گئی۔ اس کے بعد اب فقیر یہ کہتا ہے کہ باہمی وجوہات قبول اعراب کو پورا ہے۔ اس میں مشابہت معارض ہے تو یہ معارضہ دوسرے معارضے کے پیدا ہونے سے زائل ہو جائے گا۔ تو معارضہ کے اٹھ جانے سے اس کی اقتضاء کا عمل بدستور جاری رہے گا۔ دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ لام تعریف اور اضافت کی قوت فاعلیت اور مفعولیت زیادہ ہے اس کے مقابلہ میں پورے نہیں اتر سکتے۔ لام تعریف اور اضافت تنوین کے متضاد ہیں اور متضاد اشیاء قوت میں برابر ہوتی ہیں تو جس طرح تنوین کمالِ قوت کو ظاہر کرتی ہے۔ اسی طرح حرف تعریف اور اضافت کمال قوت کو ظاہر کرتی ہے۔

مسئلہ نمبر 26:

اگر کسی شخص کا نام احمر رکھا جائے تو باالاتفاق حکم منصرف میں ہوگا۔ کیونکہ علیت اور وزن فعل دو (۲) سبب موجود ہیں لیکن نکرہ ہونے کی صورت میں اختلاف ہے۔ سیبویہ نے اسے غیر منصرف قرار دیا ہے اور اخفش متصرف مانتا ہے۔ مذہب سیبویہ کی تصدیق میں جمہور نے مازنی کی نقل کردہ حکایت سے استدلال کیا ہے کہ میں نے اخفش سے ''مررت بنسوۃ اربع'' کے متعلق اس کی رائے دریافت کی اور اس نے اس کو منصرف بیان کیا ہے۔ وجہ یہ بیان کی کہ گو اس میں دو سبب وصفیت اور وزن فعل موجود ہیں مگر اصل میں وہ اسم ہے یعنی جواب میں یہ کہا کہ احمر کسی شخص کا نام ہے اگر اسے نکرہ کر دیا جائے تو اسے منصرف کہنا چاہئے کیونکہ اس کا اصل وصفیت ہے جس طرح وہاں پر اسمیت اصلی کو ملحوظ رکھ کر منصرف قرار دیا گیا ہے۔ یہاں پر بھی وصفیت کو ملحوظ رکھنا چاہئے۔ مازنی کہتا ہے کہ اس نے اس کا تسلی بخش جواب نہیں دیا۔ لیکن فقیر کہتا ہے کہ مازنی کا مذکورہ بالا خیال درست نہیں ہے کیونکہ ''مررت بنسوۃ اربع'' کا متصرف ہونا اصل کے مطابق ثابت ہو چکا ہے کیونکہ کسی شئے کو اپنے اصل کی طرف عود کرنے کے لئے ادنیٰ سبب کا موجود ہونا کافی ہو جاتا ہے۔ اس لئے قوی سبب کی ضرورت نہیں ہوتی لیکن منصرف ہونے کے لئے سبب قوی ضروری ہوگا کیونکہ یہ اس کے اصل کے خلاف ہے بلکہ سیبویہ کے مذہب کی صحت پر دلیل ہونی چاہئے۔ کیونکہ وزن اور فعل اور وصفیت موجود ہے لہٰذا غیر منصرف ٹھہرا۔ وزن فعل کا ہونا تو ظاہر ہے اس لئے دلیل کی ضرورت نہیں ہے یہ بات کہ اس میں وصیت موجود ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر نکرہ بنایا جائے تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ وہ شئے جس کو اسم سے موسوم کیا گیا ہے۔ رُبَّ زید رأیتہ کے معنی ہیں یا رب شخص مسمی باالاسم زید رأیتہٗ ہیں اور ہر ایک جانتا ہے کہ کسی شخص کا موسوم باالاسم ہونا امر صفتی ہے ذات نہیں۔ اور یہ بات اس کی صفت اصلی ہے یہ اس کی دلیل ہے کہ بحالتِ صفت لفظ احمر کے معنی ہوں گے کہ اوصیف حمرہ سرخی سے موصوف ہے اگر اسے بنا کر پھر نکرہ کر دیا جائے تو اس وقت اس

Marfat.com

کے معنی یہ ہوں گے کہ یہ اس کا یعنی اسم کا موسوم ہے لیکن یہ صفت اضافی ہے جو اس پر عارض ہوئی ہے پس اس کے ہر دو مفہوم صفت ہونے میں مشترک ہیں صفت ضروری مفہوم کے لئے مشترک ہوتی ہے اور مفہوم کا ہونا صفت کے لئے مطلق ہے۔ فرق یہ ہے کہ مفہوم میں صفت پہلے حقیقی اور دوسرے میں صفت اضافی یہ دونوں صفات ہونے میں مشترک ہیں۔ تقریر بالا سے معلوم ہوا کہ احمر میں وصفیت اصلی بھی موجود ہے اور وزن فعل بھی تو اسے غیر متصرف کہنے کی کوئی وجہ ہے۔ اسی پر اگر یہ کہا جائے کہ طریق مذکورہ پر عمل کرنے سے علم و معنی میں بہت مشکل پیش آئے گی کیونکہ وہ نکرہ ہو کر منصرف بن جاتا ہے حالانکہ اس کے اصول کے مطابق وصفیت کے معنی اس وقت بھی اس میں موجود ہوتے ہیں تو فقیر یہ کہتا ہے کہ معنی کے نکرہ ہونے کی حالت میں وصفیت موجود ہے لیکن یہ اصلی نہیں کیونکہ نکرہ ہونے پر اس میں وصفیت موجود نہ تھی۔ برخلاف اس کے جس سے پہلے بھی وصفیت پائی جاتی ہے تو جو چیز اپنی ہر دو مختلف حالتوں میں وصفیت کو چھوڑتی ہو وہ بہر حال اس کی وصفیت زیادہ قوی ہوگی۔ برخلاف اس کے کہ جس چیز کی حالت ماسبق میں وصفیت نہ ہو اور دوسری میں پائی تو اس وصفیت کے ضعیف ہونے میں کیا شک ہے۔ پس دونوں میں فرق ظاہر ہو گیا اور اعتراض مفقود۔ اخفش نے یہ دلیل پیش کی ہے کہ اسمیت کا موجود ہونا حقیقی ہے اس کے متصرف ہونے کو اور اس کو رکاوٹ جو بیان کی جاتی ہے اس کے اقتضاء میں مخل نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ علم منکرہ ہے۔ علم منکرہ اور صفت منکر موصوف ہے اور نیز وجود صفت تک موصوف پر بہر حال موجود رہتا ہے۔ صفت میں موصوف موجود نہ ہو تو صفت کی خبر نہ ہوگی۔ معلوم ہوا کہ اس خالص حالت میں علیت کا ازالہ نہیں ہوا بلکہ موجود ہے لیکن علیت اور وصفیت میں منقطع ہے لہٰذا وصفیت قائم نہیں رہ سکتی پس وصفیت ظاہر ہوتے صرف ایک سبب وزن فعل موجود ہے اور غیر متصرف کے لئے دو (۲) اسباب کا ہونا ضروری ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ فقیر پہلے دلیل عقلی سے ثابت کر چکا ہے کہ علم نکرہ ہونے کے وقت وصف حقیقی ہو جاتا ہے پس اخفش کی دلیل درست ثابت نہ ہوئی۔

مسئلہ نمبر 27:

سیبویہ کہتا ہے کہ اگر ایک سبب موجود ہو تو غیر متصرف نہیں ہوتا۔ کیونکہ اسمیت موجود ہے تاوقتیکہ دو سبب موجود نہ ہوں اقتضاءً، اسمیت میں رکاوٹ پیدا نہیں ہو سکتی۔ اپنی اصل حالت پر قائم رہے گا۔ کوئی اس کے برخلاف میں اور کوئی موافق۔

مسئلہ نمبر 28:

سیبویہ نے لکھا ہے کہ غیر متصرف بحالت جری مفتوح ہوتا ہے۔ اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ فتح حرکت بنائی ہے تو معلوم ہوا کہ تمام غیر منصرف برفتحہ ہوں اس کا جواب یہ ہے کہ فتحہ صرف ذاتِ حرکت کا نام ہے۔ اعرابی یا بنائی کا تو اس میں لحاظ ہی نہیں ہوتا۔

مسئلہ نمبر 29:

اسماء کے تین اعراب ہوتے ہیں۔ رفع، نصب، جر۔ یہ تینوں اعراب اپنے اپنے خاص معنی کی علامتیں ہیں کیونکہ انہی تینوں سے ظاہر ہوتا ہے۔ رفع علامت ہے فاعلیت کی۔ نصب مفعولیت ہے اور جر علامت ہے اضافت کی اور تابع کی حرکات اپنے متبوع کے تابع ہوتی ہے۔

مسئلہ نمبر 30:

فاعل کا مرفوع ہونا منسوب اور اضافت کا مکسور ہونا چند ایک وجوہات پر مبنی ہے۔

(۱) وجہ پہلی یہ ہے کہ فاعل ایک ہوتا ہے اور مفعول میں کثرت ہوتی ہے بعض فعل تو صرف ایک مفعول متعدی کی طرف ہوتے ہیں۔ بعض دو کی طرف اور بعض تین مفاعیل کو چاہتے ہیں۔ پھر انہیں مفعول (ر) کی بھی ضرورت نہیں۔ ظرف زماں، ظرف مکاں اور مصدر حال کو بھی ہونا چاہتے ہیں تو کثرت مفاعل کے باعث ان کے لئے ہر سہ حرکات میں سے خفیف حرکت یعنی نصب تجویز کی گئی تو فاعل کے لئے اس کی قلت کو مدنظر رکھ کر ثقیل حرکت یعنی رفع قرار پائی تاکہ ان دونوں میں مساوات ہو جائے مفعول میں، تعداد کی زیادتی تھی تو یہاں مقدار میں زیادتی کر دی گئی۔

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ موجودات کے تین درجے ہیں ایک تو یہ کہ مؤثر۔ لیکن متاثر نہ ہو۔ یہ درجہ سب سے قوی ہے اور یہی فاعل کا درجہ ہے۔ دوم یہ کہ متاثر ہو مؤثر نہ ہو۔ یہ بہت کمزور درجہ ہے یہی مفعول کا درجہ ہے۔ سوم یہ کہ ایک اعتبار سے مؤثر ہو اور دوسرے اعتبار سے متاثر ہو۔ یہ درمیانی درجہ ہے یہی اضافت کا

Marfat.com

درجہ ہے۔ اسی طرح حرکات بھی تین ہیں جن میں سے زیادہ قوی ضمہ ہے زیادہ کمزور فتحہ ہے اور درمیانی حالت کسرہ ہے۔

(۳) تیسری وجہ یہ ہے فاعل بلحاظ رتبہ مفعول سے مقدم ہے کیونکہ فاعل سے فعل کسی صورت علیحدہ نہیں ہوسکتا۔ لیکن بسا افعال کو مفعول کی ضرورت نہیں ہوتی۔ تو گویا تمام گفتگو میں فاعل کا بولا جانا ضروری ہوا چونکہ دم (سانس) ایک قوی چیز ہے لہٰذا ہر سہ حرکات میں سے ثقیل حرکت کو فاعل کے لئے تجویز کیا گیا ہے اور چونکہ فاعل کے بغیر مفعول کو بولتے ہیں لہٰذا تینوں حرکات میں سے ہلکی حرکت اس کے لئے قرار پائی۔ کیونکہ اس وقت سانس میں بھی کچھ کمزوری ہو جاتی ہے۔

مسئلہ نمبر 31:

مرفوعات کی سات (۷) قسمیں ہیں۔ فاعل، مبتداء، خبر، اسم کان، اسم ماولا، مشبہان، ابلیس، خلیل کا یہ خیال ہے کہ مرفوعات میں رفع کا اصل مستحق فاعل ہے اور باقی میں بلحاظ مشابہت رفع ہوتی ہے۔ سیبوائے نے مبتداء کو اصل کا اور باقیوں کو اس کے مشابہ قرار دیا ہے۔ کیونکہ اصل مبتداء ہے۔ اخفش کہتا ہے کہ ساتوں کے ساتوں اصل مستحق ہیں۔ خلیل کی دلیل یہ ہے کہ رفع کو فاعل کا اعراب قرار دینا اولیٰ ہے۔ معلوم ہوا کہ فاعل کو اعراب کی زیادہ ضرورت ہے تو وہی اصلی مستحق ہوا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حالت رفع میں مبتداء اور خبر دونوں مشترک ہیں۔ تو اس میں خصوصیت کسی قسم کا مفہوم نہیں ہوتی یعنی رفع سے ہرگز معلوم نہیں ہوتا کہ آیا دہ مبتداء کے ساتھ مخصوص ہے یا خبر کے ساتھ۔ برخلاف اس کے فاعل میں رفع اس کی خصوصیت ظاہر کرتی ہے تو معلوم ہوگیا کہ دراصل فاعل کا حق رفع ہے چونکہ مبتداء کو فاعل کے ساتھ مسند الیہ ہونے میں مشابہت تھی لہٰذا اس مشابہت کو ملحوظ رکھ کر مبتداء کو بھی رفع دی۔ سیبوائے نے یہ دلیل پیش کی ہے کہ جملہ اسمیہ کا رتبہ فعلیہ سے مقدم ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کا اعراب بھی اعراب فعلیہ سے مقدم ہونا چاہئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ دراصل غیر کی طرف فعل ہی مسند ہوتا ہے تو جملہ فعلیہ ہوا۔ اس لحاظ سے سیبوائے کی پیش کردہ دلیل خلیل کی دلیل سمجھنی چاہئے۔

مسئلہ نمبر 32:

مفعول کی پانچ قسمیں ہیں کیونکہ فاعل کے لئے مفعول کا ہونا ضروری ہے پیچھے بھی بیان کر چکا ہوں۔ فعل کو زمانہ اور فاعل کو عرض کرنا ہے۔ بسا اوقات فعل کا واقع ہونا کسی دوسری چیز پر ہوتا ہے یا کسی مکان میں ہوتا ہے یا کسی دوسرے کے ساتھ مل کر واقع ہوتا ہے۔ پہلی صورت کا نام مفعول بہ اور دوسری کا مفعول فیہ اور تیسری صورت کا نام مفعول معہٗ۔ اب ان کے متعلق چند ایک عقلی مباحث ہیں۔ اول بسا اوقات پہلے مصدر مفعول بہ ہوتا ہے۔ جیسے (خَلَقَ اللّٰہُ الْعَالَم) اس میں عالم مفعول بہ۔ خلق عالم کے مغائر نہیں ہیں اور نہ اسے بھی مغائر ہونا چاہئے اور قدیم ماننے کی صورت میں اس قدامت سے عالم کو بھی قدیم ماننا پڑے گا۔ حالانکہ ایسا نہیں کیونکہ وہ تو مخلوق ہے۔ مخلوق کو قدیم کہنے کا کیا مطلب اللہ تعالیٰ کی ذات نے عالم کو پیدا کیا ہے۔ لیکن پیدا کرنا چاہئے کسی وقت بھی ہو تو اس کے لئے وقت مقرر ہے لفظ قدیم کے لئے تو کوئی وقت نہیں اللہ تعالیٰ نے وقت اور عالم کو پیدا کیا، تو معلوم ہوا کہ قدیم صفت اللہ کی ہے اور اس کی کلام اور اس کی گویت قابلی قدیم ہے لیکن انسان اور دوسری چیزوں میں سانس وغیرہ ہیں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی گویت قابلی انسان کی گویت قابلی کی طرح ہے (نعوذ باللہ) یہ تو بالکل شرک ہے کیونکہ انسان کو گویت قابلی تو اللہ تعالیٰ نے ہی پیدا کی ہے اور اللہ تعالیٰ کی گویت قابلی اس کی مثال تو اس کی شان کے مطابق ہے لیکن اس کا علم جو جہان یا جو مخلوق پیدا ہوئی ہے یا ہو چکی یہ سب کی سب ازل سے ہے اس کی گویت قابلی میں موجود ہے اور خدا کی گویت قابلی بھی ازل ہے اور ہر چیز کا بنانا، مخلوق کا پیدا کرنا یہ بھی ازل سے اس کی گویت قابلی میں ہے اور اس کے علم میں ہے۔ اس کی گویت قابلی اور اس کا علم قدرت اور اس کی ذات اور صفات ازلی ہیں اور اس کا تمام کلام ازلی ہے۔ یہاں یہ عرض کردوں کہ قرآن کریم میں خود ارشاد ہے: اللہ تعالیٰ پارہ نمبر ۷ میں فرماتا ہے: ولا رطب ولا یابس الافی کتاب مُبین (ترجمہ) اور نہ خشکی نہ تری تھی لیکن وہ پہلے کتاب مبین میں موجود تھی لیکن یہاں لانکرہ میں ہے اور جہاں لانکرہ ہو تو وہ عموم کا فائدہ دیتا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ سب کائنات یعنی کلی، جزوی، کل مخلوق یعنی زمین و آسمان اس کے اندر تو ہر شئے جو اس کے علاوہ علم جن کی کوئی حد نہیں لیکن کلی، جزوی تک علم محدود نہیں اور علم کائنات بھی علم کی حد نہیں۔ اس کے علاوہ بھی علم ہیں جو غیر محدود ہیں ابھی وہ پیدا نہ تھے وہ محفوظ ہیں موجود تھے۔ اس کے پیدا ہونے سے قبل ہر شئے لوحِ محفوظ میں موجود تھی۔ لیکن لوح محفوظ قرآن میں جو کلام اللہ ہے تو معلوم ہوا یہ سب کے سب اللہ کی گویت قابلی میں موجود تھے اور اللہ کی گویت قابلی جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ وہ ہر وقت ازلی ہے۔ کوئی ماہیت کی صورت اس پر خاص نہ آئے گی نہ ہی عقلیات کے دلائل اس پر لازم آئیں گے پہلے یہ کہ اللہ تعالیٰ کی

Marfat.com

گویت قابلی پہلے ناقص بعد میں کامل ایسا بالاجماع باطل ہے اور اللہ کی گویت قابلی ازلی ہے اور ایسا خیال کرنے والا کافر، مرتد اور بے ایمان ہے۔ اللہ کی تمام صفات ازلی۔ ذات و صفات ایک ہے۔ اللہ کی ذات اللہ کی صفات سے پہچانی جاتی ہے اور صفات ذات سے۔ اس کی گویت قابلی ذات صفات بے شک کلام اللہ یہ تمام قدیم وازلی ہے۔ حضرت علیؓ کی روایت ہے اور حضرت عائشہؓ کی روایت ہے، صاحب خزینۃ القرآن اپنی تفسیر میں درج کرتے ہیں۔ صاحب فتح الباری نے بھی درج کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ خداوند عالم کی ذات صفات کے لئے ہے اور صفات ذات کے لئے ہے بلکہ ذات بھی اس کی صفات بن جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کا ذاتی نام ہے تو اللہ ہونا بھی اس کی ذاتی صفت ہے معلوم ہوا ذات وصفات یہ ایک ہیں یہ کلام بھی اس کا ذاتی ہے جیسا کہ کہا جائے کہ اللہ کی ذات نے فرمایا یہ نہیں کہا جائے گا کہ اللہ کی صفت نے فرمایا۔ معلوم ہوا کہ ذات کا فرمانا بھی صفت ہے اسی لئے فرمایا یہ کلام اللہ اس کی صفت ذاتی ہے فرمایا کہ قرآن کے تمام حروف بے شک ہی کلام اللہ ہیں۔ ہم نے پڑھا تو قدیم پڑھا اور سنا تو قدیم سنا معلوم ہوا کلام اللہ بھی اللہ کا ذاتی ہے جیسا کہ کہا جا چکا ہے کہ اس نے فرمایا فرمان ذات ہے جو افعال ہم کریں گے وہ بھی حادث اور ہم بھی حادث لیکن جو بھی فرمان ہے وہ اسی ذات کا ہے۔ وہ قدیم ہے اور لازوال ہے۔ اسی پر اجماع کا اتفاق ہے۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ وہ کلام ذاتی اس میں مدلول ہے وہ صریحاً شدید غلطی پر ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قرآن کے حروف کلام اللہ ہیں اور قرآن پاک میں بھی ثابت ہے۔ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّبَدِّلُوْا کَلٰمَ اللّٰہِ (ترجمہ: چاہتے ہیں کہ کلام اللہ کو بدل دیں) اس آیت سے ثابت ہوا، یہی کلام اللہ جو پڑھتے ہیں۔ یہی ذاتی ہے، اللہ کا کلام، اعلیحضرت احمد رضا خان کا بھی کلام ذاتی پر اتفاق ہے اور محدثین ومفسرین کا بھی اتفاق ہے۔ اگر مدلول ہوتا تو ان یبدلوا کلام اللہ کیوں کر آتا حالانکہ دیکھئے کہ وہ بدلنا بھی انہیں حروفوں کو چاہئے تھا۔ جو ہم پڑھتے ہیں نہ کہ مدلول یہ بالکل باطل ہے لوگ دال مدلول کہتے ہیں وہ کلام اللہ کو ٹھیس پہنچاتے ہیں لیکن وہ کلام اللہ میں حروف کلام اللہ ہیں اور کلام ذاتی ہیں لیکن دال مدلول کہنے والے بالکل باطل ہیں وہ توبہ کریں لیکن بات ہو رہی تھی کہ کیسے قدیم؟ وہ تو مخلوق ہے قدیم اللہ کی ذات وصفات ہیں۔ مخلوق کو قدیم کہنے کا کیا مطلب۔ اگر اسے حادث مانا جائے تو اس کی پیدائش چاہئے اسی طرح سلسلہ غیر متناہی طور پر جاری رہے گا اور تسلسل محال ہے۔

نوٹ:

جو لوگ کلام اللہ کو صفت مخلوق کہتے ہیں۔ مخلوق اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہے لیکن ان کا بولنا شعور اسی نے دیا ہے تو پھر ثابت ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کو پہلے بولنے کی قابلیت نہ تھی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے میں بولنے کی قابلیت پیدا کی یہ باطل بالاجماع ہے اس لحاظ سے کلام اللہ کی صفت مخلوق کہنا بالکل کفر ہے اور خدا تعالیٰ سے جنگ ہے۔ اس کی گویت قابلی کو وہ مخلوق سمجھتے ہیں (نعوذ باللہ) جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کلام اللہ ذاتی ہے اور اللہ کی ذات سے تعلق رکھتا ہے اللہ کی ذات ہے تو بے شک کلام اللہ قدیم ہے۔

دوم: خداوندی افعال زمانہ کے محتاج نہیں، حالانکہ زمانہ تو وہ خود پیدا کرتا ہے۔ زمانہ کی پیدائش کے لئے تو ایک اور زمانہ چاہئے۔ تو ایسا سلسلہ غیر متناہی ہے۔ تسلسل محال ہے۔

سوم: افعال خداوندی زمانہ سے بے نیاز ہیں۔ وہاں زمانے کی ضرورت نہیں ورنہ وہ عرض قدیم ہے تو فعل بھی قدیم ہوگا۔ حادث مانا جائے تو تسلسل لازم آئے گا یہ محال ہے۔

مسئلہ نمبر 33:

مفعول کے عمل میں چار مختلف رائیں ہیں۔ پہلے بصری کہتے ہیں۔ رفع فاعل اور نصب مفعول کا مقتضے ہے کوفی کہتے ہیں کہ فعل اور فاعل کا مجموعہ نصب مفعول کا مقتضے ہے کوفیوں میں سے ہشام بن بصری کہتا ہے کہ عامل صرف فاعل ہی ہے اور کوفیوں میں سے ایک شخص خلف الاحمر نامی کہتا ہے کہ فاعل کا عمل اس کے معنی فاعلی ہیں اور مفعول کا عامل اس کے معفولی معنی ہیں۔ بصریوں کی دلیل معمول کے ساتھ عامل کا تعلق ہونا چاہئے۔ تو ہر دو اسموں فاعل اور مفعول کو باہمی ایک دوسرے کے ساتھ کوئی نسبت نہیں تو وہ ایک دوسرے کے عامل نہیں ہو سکتے تو اب صرف فعل باقی رہا اور وہی عامل ہوگا۔ کوفی کہتا ہے ایک عامل دو مختلف عملوں کو صادر نہیں کر سکتا۔ کیونکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ایک شخص ایک وقت میں صرف ایک ہی کام کر سکتا ہے۔ فقیر یہ کہتا ہے کہ مذکورہ بالا کا صرف ماہیات سے تعلق ہے۔ معرفت سے اس کا اجرا درست نہیں کہ فاعلیت اور مفعولیت یہ دونوں ایسی صفتیں ہیں جو اپنے موصوف کے ساتھ قائم رہتی ہے اور لفظ فعل ان دونوں کے درمیان ہے اس کا جواب یہ ہے کہ تمہارا کہنا درست ہے لیکن فاعل کی فاعلیت اور مفعول کی مفعولیت بوجہ آخر معارض یہی ہیں۔ فعل امر ظاہر ہے اور فاعلیت امر مخفی کیونکہ فعل کے ساتھ فاعل امر مخفی ہوتا ہے (یعنی پوشیدہ) یہ نسبت اس کے صفت خفیہ کو علت میں پیش کیا جائے۔

(واللہ اعلم بالصواب)

Marfat.com

باب ساتواں
(اعراب اور فعل کے مابین)

اس پر صاحب خزینۃ القرآن نے کئی باب تحریر کئے ہیں۔اعوذ میں چونکہ فعل اور فاعل دونوں موجود ہیں۔لہٰذا ان کی تحقیق کو قلمبند کرنا نامناسب معلوم ہوتا ہے لیکن یہ بات امام رازی نے لکھی ہے اور صاحب خزینۃ القرآن نے اس پر بہت کثیر رقم کیا ہے۔لیکن تفسیر میں فقیر عرض نہیں کرے گا۔

مسئلہ نمبر 1:

نحو میں فعل اور فاعل کا جہاں ذکر آیا ہے وہاں معنی مراد نہیں ہیں۔جیسا کہ بات زیدھو علم بفعلٍ کی ترکیب بطریق فعل یہ ہوگی کہ بات فعل زیدٌ اس کا فاعل بلکہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ فعل ایک لفظ مفرد ہوگا یعنی اکیلا جو کسی غیر مقرر زمانہ میں غیر مقرر زمانہ حصول مصدر کی خبر دیتا ہے۔اس غیر مقرر شئے کو یقیناً ضروری بیان کر دیا جائے تو اسے فاعل کہتے ہیں۔مذکورہ بالا تقریر سے یہ معلوم ہوگیا کہ غیر مقرر شئے کو مصدر کا حاصل ہونا ایجاد اختیار کی قید سے مقرر نہیں۔بلکہ عام ہے۔کسی طریق میں حاصل ہونے میں اس سے بحث نہیں۔فقیر کا مسئلہ صرف مصدر سے ہوگا۔خواہ اسے اپنے ایجاد و اختیار کے باعث ملا ہو۔جیسے تمام اور خواہ اپنے اختیار کے ظاہر مانا۔اس پر اگر کوئی یہ کہے کہ جس طرح فعل میں فاعل ضرور ہوتا ہے اسی طرح بعض اوقات مفعول میں بھی پایا جاتا ہے تو فعل کے ساتھ فاعل کو کیا خصوصیت ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کا کہنا درست ہے لیکن ان دونوں امروں میں بہت فرق ہے۔صیغہ فعل ساتھ ذات فاعل کے پورا ہوتا ہے لیکن مفعول کی یہ صورت نہیں ہے ورنہ افعال لازمیہ مفعول سے بے نیاز نہ ہوتے۔

مسئلہ نمبر 2:

فعل کو فاعل سے مقدم ہونا چاہئے کیونکہ فعل نفی ہو یا غیر نفی اس کو ایسے یقین کی ضرورت ہوتی ہے جو اس کا مسندالیہ ہو سکے جب ماہیت فعل کا وجود ہوگا۔تو فوراً ذہن کو اس کے لئے اسی چیز کی تلاش ہوگی۔جس کی طرف وہ فعل کی اسناد کر سکے۔یا فعل اور فاعل کے درمیان لازم و ملزوم کی نسبت ہو اور منتقل ہونے والا ہمیشہ منتقل عنہ کے بعد ہوتا ہے تو جب فعل کا فاعل پر مقدم ہونا ثابت ہوگیا تو لامحالہ اس کو ظاہر حالت میں بھی مقدم ہونا چاہئے۔اس پر اگر یہ کہا جائے کہ عقلاً ضَرَبَ زَیْدًا ضَرَبَ زیدا میں کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا۔پس تقدیم فعل کو ضروری کہنا فضول امر ہے فقیر کہتا ہے کہ ان دونوں میں بذات فرق ہے۔کیونکہ زید بولنے سے ہمیں اس کے معنی کے متعلق کسی دوسری چیز کی ضرورت نہیں رہتی۔لیکن خلاف اس کے ضرب بولنے سے ہمیں اس کے مسندالیہ کی انتظار ہوتی ہے۔کیونکہ مسندالیہ ضروری ہے۔پہلے پہلے ضرب زید میں ذہن ضرب مفہوم ضرب کسی شئے کی طرف ظاہر کرتا ہے اور بعد میں اس شئے کو خاص بیان کر کے خبر دیتا ہے کہ جس چیز کا پہلے ذکر ہو چکا ہے وہ زید ہے تو زید مخبر عنہ ہوگا کیونکہ ذہن اس شئے کی طرف مفہوم ضرب کے اسناد سے معلوم ہوتی تھی خبر دیتا ہے کہ وہ زید ہے تو زید مبتداء اور ضرب فعل اور فاعل سے مرکب جملہ اس کی خبر دیتا ہے۔

مسئلہ نمبر 3:

نحوی فاعل کو فعل کا جزو مانتے ہیں۔لیکن مفعول کو جزو فعل نہیں تسلیم کرتے کیونکہ ضَرَبْتُ کے لام کلمہ کو ساکن کرنے کی یہ وجہ پیش کرتے ہیں کہ ساکن نہ ہونے کی صورت میں چار حرکات ایک ہی کلمہ میں جمع ہو جاتی ہیں اور یہ درست نہیں۔خلاف اس کے قرأت کے ساتھ چاروں حرکات اکٹھی کو اس طرح جائز کیا ہے کہ اس کی (ت) زائدہ ہے تو گویا کلمہ اکیلا نہ رہا اور ضَرَبَتَ میں بھی بوجہ مذکورہ حرکات اکٹھی

Marfat.com

اس سے یہ نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ فاعل مکمل فعل کے جزو ہیں۔ لیکن مفعول اس کے جزؤں سے خارج ہے ورنہ کیا وجہ تھی؟ کہ ضَرَبْتُ میں لام کلمہ کو ضابطہ کے خلاف ساکن نہیں کیا گیا۔ تیسری عقلی دلیل یہ ہے کہ ضَرَبْتَ کا مفہوم اس قدر ہے کہ زمانہ گزشتہ میں کسی سے قرأت صادر ہوا تو ظاہر ہے کہ جس چیز کو ضربت حاصل ہوئی مفہوم کا جزو ہے۔ پس معلوم ہوا کہ فاعل فعل کا جزو ہے۔

مسئلہ نمبر 4:

پہلی ضمیروں کے چند ایک اصول ہیں ایک تو یہ کہ نقطہ اور معنی ضمیروں کے ذکر سے پہلے ہوں جیسے (ضَرَبَ ، غُلامَہ ، زیدٌ) عام طور پر اس صورت کو جائز کیا جاتا ہے کیونکہ غلامہ باعث ضرب کے مفعول ہونے کے اپنے محل پر قائم ہے۔ اور جو چیز اپنے مناسب موقع پر قائم ہوا اس کو وہاں سے ہٹانا درست نہیں۔ پس معلوم ہوا کہ غلامہ کی ضمیریں پہلے ذکر ہیں اور بقولِ کے نابغہ

جزی ابہ عنی عدی بن حاتم

جزاء الکلاب الفادیات و قد فعل وقد

اس کا مطلب یہ ہے کہ ابہ کی 'ہا' امر مسبوق الذکر کی طرف راجع ہے جمہور کے برخلاف ابن جنی" عدی کی طرف 'ہا' ابہ ہونے کی طرف راجع ہونے کو جائز سمجھتا ہے اور اس کے ثبوت میں بہت سی بحث لکھی ہے جو بیان کرنا ناممکن ہے۔ فقیر کہتا ہے کہ امر زیر بحث کے متعلق اس طرز پر تقریر ہونی چاہئے کہ بذات مفعول کی حاجت نہیں ہوتی لیکن وہ معتد یہ ہرگز مفعول سے بے نیاز نہیں ہو سکتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فاعل تو مؤثر ہوتا ہے اور مفعول اس تاثیر کو قبول کرنے والا ہوتا ہے۔ تو فعل ان دونوں کا محتاج ہوا اور اس صورت میں ان دونوں میں کوئی تفاوت نہیں۔ زیادہ سے زیادہ فاعل کو مؤثر ہونے کی حیثیت سے مفعول پر تقدیم ہوگی بہر حال مؤثر ہونا متاثر سے زیادہ افضل ہے فقیر بیان کر چکا ہے کہ فعل کو مؤثر ہونے کی ضرورت اور فعل مؤثر کا محتاج نہیں ہوتا۔ ویسے ہی مفعول کرنے والے کو اثر کی ضرورت ہے تو جس طرح فاعل کو مفعول پر مقدم کرنا جائز ہے اس طرح مفعول کو فاعل پر مقدم کرنا جائز ہوگا۔ کیونکہ دونوں میں محتاج ہونے کی حیثیت سے برابری موجود ہے۔

دوسرا اصول یہ ہے کہ مفعول فاعل پر مقدم ہو جیسے (ضرب غلامہ زید) میں اس کا فاعل بعد میں ہے۔ لیکن بلحاظ معنی زید غلامہ سے مقدم ہے گو بظاہر بعد میں ہے۔ تیسرا اصول یہ ہے کہ مفعول صرف معنی پر مقدم ہو۔ واذ ابتلٰی ابراھیم ربہٗ بکلمتٍ میں ضمیریں ظاہراً پہلے تو نہیں ہیں لیکن معنی میں ہیں۔ کیونکہ فاعل معنی میں مقدم ہے اگر اسے یقیناً مقدم کیا جائے گا تو ضمیریں ذکر سے پہلے لازمی آئیں گی۔

مسئلہ نمبر 5:

فاعل کو کلام میں ظاہر بھی کیا جاتا ہے۔ جیسے ضَرَبَ زیدٌ اور ظاہر بھی نہیں کیا جاتا۔ جیسے ضَرَبْتَ میں فاعل مضمر ہے اور کبھی مضمر مستکن کیا جاتا ہے جیسے زید ضَرَبَ۔ لیکن ایسی صورت میں زید کو معہ تنوین پڑھا جائے گا اور جملہ ضَرَبَ کو زید کی خبر اور اذا کان غداً فانتھی میں بھی فاعل مخفی رکھا گیا ہے کیونکہ دراصل عبارت یوں ہے اذا کان مانحن علیہ غداً فانتھی۔

مسئلہ نمبر 6:

فعل کو بھی مضمر کیا جاتا ہے، جیسے کوئی پوچھے یہ کام کس نے کیا؟ (من فعل ھذا) تو اس کے جواب میں صرف زید کہا جائے گا کیونکہ اصل میں و ان احدٌ من المشرکین استجارک فاجرہٗ ہے کیونکہ اصل میں و ان استجارک احد من المشرکین ہے۔

مسئلہ نمبر 7:

جس کلام میں دو فعل یکے بعد دیگرے ایک دوسرے پر معطوف ہو کر واقع ہوں یعنی ان کا عطف (اشارہ) ان کے بعد ایسا اسم ہو جو ان دونوں کا معمول بن سکے تو ایسی صورت کی دو قسمیں ہوں گی ایک تو یہ کہ ان دونوں افعال کا عمل ایک ہی ہو۔ دوسری یہ کہ علیحدہ علیحدہ عمل ہوں۔ فعلوں کے بعد ایک اسم بھی ہوتا ہے اور دو بھی۔ غرض یہ کہ ان چاروں قسموں کو علیحدہ علیحدہ بیان کیا جاتا ہے۔

Marfat.com

پہلی قسم یہ ہے کہ ہر دو افعال کا عمل ایک ہی ہو اور ان کا اسم بھی ایک ہی ہو اس قسم کو عام طور پر ناجائز قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ حکم واحد کا ظاہراً مدلول ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ قریبی فعل کو ایک طرف قرار دینا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ لہٰذا محل وقوع اصلی حکم وہی ہوگا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ معرفۃ کی پہچان ضروری ہے فراء کہتا ہے کہ مذکورہ بالا علیتین کا لحاظ موثرات میں ضروری ہوتا ہے معرفہ میں نہیں اس کا یہ جواب یہ ہے کہ معرفہ کی پہچان ضروری ہوتی ہے وہی انہار بذالک العظیم، آئے گا۔ (۲)

دوسری قسم یہ ہے کہ افعال کے بعد اسم مفرد اکیلا نہ ہو۔ جیسے قام اذا قعدا اخواک اس صورت میں فعل اوّل کو دراصل عامل قرار دے کر مرفوع کیا جائے تو اس کی یہ صورت قام وقعد اخواک ضروری ہوگی۔ دراصل اس کی صورت تام اخواک وقعدہ ہے اور اگر دوسرے فعل کو عامل قرار دیا جائے تو فعل پہلے میں فاعلی ضمیر کا ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ فعل ظاہراً فاعل نہیں ہوتا۔ خواہ ضمیر والا ہو یا ظاہر۔ اس کی کوئی پرواہ نہیں۔ لیکن فاعل ضرور ہونا چاہیئے تو ایسی صورت میں قاما وقعدہ اخواک پڑھا جائے گا۔ بصری فعل دوسرے کو عامل بنانا ضروری سمجھتے ہیں۔ اور کوفیوں نے اس کے خلاف پہلی صورت کہی ہے بصریوں کی یہ دلیل ہے کہ دونوں فعل عامل نہیں ہو سکتے۔ عامل ایک ہی ہوگا۔ تو قریبی فعل کو اولیت دی جائے گی۔ کوفیوں کی یہ دلیل ہے کہ قریبی فعل کو عامل بنانے کی صورت میں فعل پہلے کے لئے ضمیر فاعلی کی ضرورت پڑتی ہے۔ جس کے سبب سے ضمیروں کا ذکر لازم ہوتا ہے تو کیوں نہ ایسی صورت اختیار کی جائے جس سے نہ ضمیر فاعلی کی ضرورت ہو نہ ضمیروں کا پہلے ذکر۔

تیسری قسم یہ ہے کہ دونوں فعلوں کی تاثیر علیحدہ علیحدہ ہو۔ ان کے بعد اسم مفرد ہو تو بصری قریبی فعل کو عامل تجویز کرتے ہیں۔ پہلی دلیل قرآن کی آیت واتونی افرغ علیه قطراً میں تو فعل مفعول کو چاہتے ہیں تو اتونی کو قطراً ناصب قرار دینا ٹھیک نہ ہوگا تو اس صورت میں اس کی تقدیر اتونی قطراً ہوگی۔ جس کے لئے افرغ علیه کہنا ضروری ہوگا۔ لیکن دراصل ایسا نہیں ہوا لامحالہ ظاہر ہے کہ دوسرا فعل ناصب ہوا۔ دلیل تیسری یہ تو نہیں ہوسکتی کہ دونوں کو عامل نہ قرار دیا جائے اور دونوں عامل بھی نہیں ہو سکتے۔ بہرحال ایک کے لئے باعث ترجیح ہونا ضروری ہے۔ دلیل چوتھی کہ ماجآء من احدٍ میں فعل رافع ہے اور من حروف جار ہے، اور باوجود اس کے حرف من کو ترجیح دی گئی ہے۔ اس کی کیا وجہ تھی؟ یہ کوفیوں کے نزدیک قریب تھا۔ پہلا فعل کامل ہوگا۔ پہلی دلیل میں فقیر بیان کر چکا ہے کہ فعلین کے بعد اسم منتھیٰ مجموع ہوتا ہے۔ تو ضمیریں پہلے ضرور آئیں گی جس سے بچنا ضروری ہے۔ دوسری دلیل یہ کہ پہلا فعل کسی رکاوٹ کے بغیر عامل ہوسکتا ہے کیونکہ فعل کو مفعول کی ضرورت ہوتی ہے، رہا فعل دوسرا تو ترتیب کے لحاظ سے کامل نہیں ہوسکتا۔ اس وقت تک کہ فعل کا پہلا عمل معمول نہ ہو چکے۔ گویا فعل دوسرے کے عمل میں پہلے فعل کی رکاوٹ ہے۔ ظاہر ہے کہ عامل ہونے کا حق اس کو پہلے ہوگا۔ جس کو عامل کرنے میں کسی رکاوٹ کا سامنا نہ ہو لہٰذا بوجہ بالا ضروری ہوا کہ پہلے فعل کو عامل قرار دیا جائے اور بصریوں کی دو پہلی دلیلوں کا جواب یہ ہے کہ ان دلائل سے فعل وعمل کا قرب جائز معلوم ہوتا ہے اس میں تو نزاع ہی نہیں ہے نزاع صرف اس امر میں ہے کہ پہلے فعل کو عامل بنانا چاہیئے اور آیات پیش کردہ میں فعل پہلے کو عامل نہ قرار دینے کی کوئی ممانعت نہیں ہے۔ قسم چوتھی مختلف العمل فعلوں کے بعد اسم مثنیٰ اور مجموع ہو تو دوسرے فعل کو عامل بنانے کی صورت میں ضربت وضربت الزیدان کہنا چاہیئے۔ اور پہلے فعل کو عامل بنانے کے لئے ضربت و ضربانی زیدان اور ضربت وضربونی الزیدین کہنا چاہیئے۔

مسئلہ نمبر 8:

شاعر امر القس کے مشہور شعر:

فلو انّما اسعی لا دنی معیشة — کفانی ولم اطلب قلیل من المال

ولکنما اسعیٰ لمجد موثل — وقد یدرک المجد الموتل امثال

میں اطلب اور کفانی ہر دو فعلوں کا عمل ایک نہیں قلیل من المال تو معمول ہے کفانی کا۔ لیکن وہ اطلب کا معمول نہیں، ورنہ معنی غلط ہو جائیں گے کیونکہ اس صورت میں عبارت یہ ہوگی ولو انما اسعیٰ لادنی معیشة لم اطلب قلیل من المال حالانکہ اس میں ایک کی نفی ہے۔ دوسرے کی نفی کو لازم آتا ہے۔ عبارت مذکورہ کے معنی ہوئے مختصر گزارہ کا متلاشی نہیں اور قلیل مال کو تلاش کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ (نون) معنی میں ناقص پایا جاتا ہے پس معلوم ہوا کہ قلیل من المال کفانی کا معمول نہیں ہے تو اس کے اب درست معنی یہ ہوئے کہ اگر میں مختصر گزارہ کی کوشش کرتا ہوں تو اس کے لئے گو مجھے تھوڑا سا مال کفایت کرتا لیکن ملک ہاتھ میں نہ آتا۔

علوم عربیہ کے یہ چند مسائل جو تحریر کئے جا چکے ہیں۔ فقیر کافی سمجھتا ہے لہٰذا اس سلسلہ کو ختم کر کے تفسیر کی طرف اپنی توجہ دلاتے ہیں۔

Marfat.com

حصہ دوم

باب اوّل

(قسم دوسری اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم کی تفسیر اور چند بحثیں عقلیہ اور نقلیہ کے بیان میں جو کئی ایک باب کو لازم ہے)

ان مسائل فقیہہ کے بیان میں جو اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم سے حاصل کئے گئے

مسئلہ نمبر 1:

اکثر لوگوں کا اس امر پر اتفاق ہے کہ اعوذ باللہ سورۃ الفاتحہ سے پہلے پڑھنا چاہئے امام نخعیؒ کا خیال اس کے خلاف ہے اور داؤد اصفہانی وابن سیرین کی ایک روایت بھی موصوف امام کے حق میں ہے۔ ان کا خیال ہے کہ جو آدمی سورۃ الفاتحہ شروع سے آخر تک پڑھنے کے بعد آمین کہہ چکے تو اس وقت اعوذ باللہ پڑھنا چاہئے۔ اکثر لوگوں کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ ابتداء نماز میں اللہ اکبر کبیراً تین بار اور الحمدللہ کثیراً تین بار اور سبحان اللہ پڑھا کرتے تھے۔ اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم من همزه ونفحه ونغشه پڑھا کرتے فریق مخالف نے آیت قرآنی فاذا قرأت القرآن فاستعذ باللہ من الشیطان الرجیم سے استدلال کیا ہے۔ اس طرح نص میں قرأت القرآن شرط اور استعذ باللہ جزاء ہے۔ اور جزا آخر میں ہوتی ہے اور شرط پہلے۔ کیونکہ قرآن کریم کی قرأت شرط ہے۔ پس استعاذہ کو فاتحہ کے بعد پڑھنا واجب ہوا۔ دلیل نقلی کے علاوہ دلیل عقلی سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ سورۃ الفاتحہ پڑھنے سے بہت بڑا ثواب ملتا ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے نبی پاک ﷺ نے فرمایا جو سورۃ الفاتحہ ایک بار پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے نامہ اعمال میں ایک ہزار سال کی نیکیاں درج فرما دیتا ہے۔ ایک اور حدیث شریف میں آیا کہ جو کوئی آدمی صبح فرضوں سے قبل سورۃ الفاتحہ کو بکثرت پڑھتا ہے۔ دنیا کی کوئی تکلیف اس کے قریب نہیں آسکتی۔ اللہ تعالیٰ اس کو اپنی پناہ میں لے لیتا ہے۔ بزرگوں کا یہ قول ہے کہ سنتوں کے بعد اکتالیس (۴۱) مرتبہ جو کوئی سورۃ الفاتحہ پڑھے تو وہ ہر بیماری پر اگر وہ دم کرے تو وہ فوراً شفایاب ہو جائے گا۔ حلال رزق کھائے اور پرہیزگار رہو۔ پھر دم کے وقت ایک مرتبہ پڑھے تو فوراً شفایاب ہوگا۔ انسان کی عبادت کو ضائع کرنے والی تین چیزیں ہیں۔ جن میں سے ایک غرور بھی ہے۔ (۱) شیاطین، (۲) تکبر، (۳) غرور۔ پس رفع تکلیف کے لئے اللہ تعالیٰ نے اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم فرمایا۔ پڑھنے والا شیطان سے منسلک نہ ہو بلکہ کوئی جب بھی اچھی کلام پڑھے تو اعوذ باللہ پڑھنے سے نبی پاک علیہ اسلام نے فرمایا شیطان اور تمام شیاطین بھاگ جاتے ہیں۔ وہ جواب دیتے ہیں کہ پیش کردہ آیت کا یہ معنی ہے کہ جب قرآن پڑھے تو اعوذ باللہ پڑھ لیا کرے اذا قمتم الی الصلوٰۃ فاغسلوا وجوھکم کے معنی جب تم ارادہ کرو نماز کے لئے پس دھولو اپنے منہ کو۔ یہ مسلم امر ہے کہ دلیل کے موقع پر ظاہری معنی کو چھوڑنے سے دیگر مقامات میں بھی بغیر دلیل ترک معنی ظاہری لازم نہیں آتا۔ جماعتِ فقہاء کا یہ خیال ہے کہ آیت قرآنی میں ایسا احتمال پیدا ہو گیا ہے جو حدیث کے معنوں سے مطابقت کرتا ہے اس لئے ضروری ہے کہ آیت کے معنی اذا اردت ہی کئے جائیں یعنی جب ارادہ کرے اس میں سے، علاوہ ازیں اس کے عقل اس حکم کو ماننے کہ اعوذ باللہ کا مقصد اصلی حکم کے ساتھ کما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی الا اذا تمنی القی الشیطٰن فی امنیتہ فینسخ اللہ مایلقی الشیطٰن محض انسان کے دل کو شیطان کے ہر وسوسے سے محفوظ رکھنا اللہ تعالیٰ نے اس کو توی مبنی فرمایا ہے۔ فقیر کے خیال کے نزدیک ان دونوں قولوں کے ماسوا تیسرا قول بھی ہے اعوذ باللہ پہلے بھی آخر میں بھی پڑھی جائے اس پر کچھ احادیث رقم کرتا ہوں۔ صاحب خزینۃ القرآن باب استعاذہ میں حضرت علیؓ کی روایت نقل کرتے ہیں۔ حضرت علی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب قرآن پڑھا کرتے تھے تو پہلے اعوذ باللہ پڑھا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ جب تم قرآن پڑھو تو پہلے اعوذ باللہ پڑھ لیا کرو تا کہ شیطان اور ہر قسم کے وسوسے ختم ہو جائیں۔ اور حضور جب سورۃ الفاتحہ پڑھتے تو اعوذ باللہ پڑھتے تھے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور (ﷺ) جب قرآن

Marfat.com

کریم کی کوئی آیت پڑھتے تو پہلے اعوذ باللہ پڑھتے اور آخر میں بھی اعوذ باللہ پڑھتے تھے۔ کیونکہ قرآن کریم پڑھنے سے انسان اللہ کے ساتھ ہم کلام ہوتا ہے۔ اعوذ باللہ اس لئے کہ تا کہ شیطان اور ہر قسم کے وسوسے سے محفوظ رہے۔ اعوذ باللہ پہلے پڑھنے سے اور آخر پڑھنے سے یعنی پہلے بھی انسان اللہ کی پناہ میں رہے اور آخر میں بھی اللہ کی پناہ میں رہے۔ صاحب خزینۃ القرآن کے نزدیک وہ پہلے دو قول امام نخعی، داؤد اصفہانی صاحب خزینۃ القرآن کے بعد میں ہیں لیکن انہوں نے ایک (۱) دو (۲) اماموں کا قول بیان کیا ہے۔ جن کی مطابقت داؤد اصفہانی ابن سیرن و امام نخعی سے بیان کیا گیا ہے وہ دو (۲) امام، امام ابراہیم ابن شہاب، ابوسعید ابن المنصور، ابراہیم اور ابن المنصور کے مطابق امام نخعی اور داؤد اصفہانی ابن سیرن ان دونوں کا بھی یہی قول ہے جن کو امام رازی اپنی تفسیر کبیر میں بیان کرتے ہیں۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ یہ دونوں قول غلط ہیں پھر تو یہ ماننا جائے گا کہ سورۃ الفاتحہ قرآن کا جز نہیں ہے نہ ان چاروں آئمہ کے حق میں کوئی حدیث ہے۔ یہ قول بالکل ضعیف ہے۔ تیسرا قول جو بیان ہوا ہے وہ درست ہے اور جماعت کا بھی اسی پر اتفاق ہے۔ اور حدیث کے مطابق ہے۔

مسئلہ نمبر 2:

حضرت عطاء اللہؒ فرماتے ہیں کہ جو انسان نماز میں ہو یا غیر نماز میں تلاوت قرآن میں اعوذ باللہ پڑھنا واجب ہے ابن سیرن کہتے ہیں کہ واجب تو ہے لیکن انسان تمام عمر میں اگر ایک دفعہ پڑھ لے تو کفارہ ہو جاتا ہے ان کے سوا باقی تمام کا خیال ہے کہ واجب نہیں ہے۔ جمہور امت کا یہ اتفاق ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک اعرابی کو نماز کے واجبات بتلائے۔ لیکن ان میں اعوذ باللہ کا کہیں ذکر نہ آیا تو معلوم ہوا کہ نماز میں اعوذ باللہ پڑھنا واجب نہیں ہے۔ فقہاء کا خیال ہے کہ اگر کوئی پڑھ لے تو مستحب ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ حدیث تمام واجبات صلاتی سے آگاہ نہیں کرتی پس اس سے ذکر نہ کرنے سے وجود کی نفی نہیں ہوتی۔ وجوب میں عطاء اللہؒ نے اپنے دلائل بیان کئے ہیں۔ پہلے تو یہ ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ کا اعوذ باللہ پڑھنے سے ہمیشہ عمل رہتا۔ اس کے وجوب پر یہ دلیل ہے۔

دوم: لفظ فاستعذ باللہ امر ہے جس سے وجوب (واجب ہوتا) فعل لازم آتا ہے۔ و اذا قرأت القران۔ اسے ہر ایک تلاوت پر پڑھنا واجب ہے۔ اس سے ایک امر بیان کرنے کے بعد حکم بیان کرنے سے یہ مقصد ہوتا ہے کہ وہ امر حکم کی علت ہے پس جہاں علت موجود ہو گی حکم لازم آئے گا۔

سوم: فاستعذ باللہ من الشیطن الرجیم سے معلوم ہوتا ہے کہ خداوند کریم کا حکم وسوسہ اور شر شیطان سے رفع کرنے کے لئے مبنی ہے۔ شیطان کی برائیوں سے بچنا واجب ہے اور جب وجوب استعاذہ کو بجا لانا مبنی ہے تو مبنی علیہ بھی واجب ہو گا۔

چہارم: از روئے احتیاط اس کا جواب لازم ہے۔ مذکورہ بالا مسئلہ خالصتاً بیان ہے۔ امام رازی اسی پر اتفاق کرتے ہیں۔ لیکن صاحب خزینۃ القرآن اس امر کو فرض فرماتے ہیں قرآن کریم کی تلاوت کے لئے اعوذ باللہ پڑھنا۔ اللہ تعالیٰ کا حکم امر قطعی ہونا ہے۔ جیسا کہ لفظ و اذا قرأت القران فاستعذ باللہ کیونکہ اذا قرأت شرط ہے اور قرآن کا پڑھنا اور سیکھنا ہر مرد و عورت پر فرض ہے لیکن یاد رہے ایک بات کہ قرآن کا سنانا سنت ہے اور سننا فرض ہے لیکن قرآن کا سیکھنا یہ فرض ہے تو جب سیکھنا فرض ہوا تو اعوذ باللہ بھی قرأت قرآن کے لئے فرض ٹھہری اور پڑھنا واجب۔ موصوف اپنی تفسیر میں ابن عباس کا قول نقل فرماتے ہیں۔ سیدنا ابن عباس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قرآن پاک کی تلاوت کے لئے پہلے اعوذ باللہ پڑھنا قطعی ہے۔ کیونکہ قطعی کا لفظ فرض کے لئے ہے۔ سیدنا حضرت علی و سیدنا حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ بھی اسی پر اتفاق کرتے ہیں اور امام صاحب کا خیال بھی تقریباً ملتا ہے تو مسئلہ مخلصاً صاحب خزینۃ القرآن کے حق میں ہوا۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں اعوذ باللہ کا حکم فرض اور پڑھنا واجب، امام صاحب کی بھی یہی رائے ہے۔

مسئلہ نمبر 3:

اکثر کے نزدیک اعوذ باللہ تلاوت قرآن سے پہلے واجب ہے اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ رمضان کے قیام میں پڑھنا چاہئے (یہ مسئلہ نماز کے اندر اعوذ باللہ پڑھنے کے لئے ہے) کیونکہ اکثر کا اتفاق ہے کہ نماز میں تلاوت قرآن سے پہلے پڑھنا مستحب ہے۔ صرف قیام رمضان اور مفروضہ نماز میں نہیں۔ فقیر کی دلیل پہلی حدیث پر ہے۔ جس سے وجوب ثابت ہوتا ہے اور وجوب نہیں تو مفروضہ نماز میں بھی مستحب سے تو کم نہیں ہے۔

Marfat.com

مسئلہ نمبر 4:

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ ابن عمرؓ قرأت کے وقت اعوذ باللہ آیت پڑھا کرتے تھے حضرت ابو ہریرہؓ پڑھا کرتے تھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اونچا پڑھو یا آہستہ پڑھو درست ہے۔انہوں نے اپنی املا میں لکھا ہے کہ نعوذ باللہ اونچا پڑھا کرتے تھے۔اونچا پڑھنے سے کوئی نقصان نہیں ہے۔فقیر کے نزدیک اعوذ باللہ فاتحہ سے پہلے اور بعد میں پڑھا جاتا ہے۔اگر ابن سے پہلے پڑھا جائے تو یقیناً لازم ہے۔اگر فاتحہ سے ملائیں تو اونچا پڑھنا ضروری ہے۔اس کے آخر میں درمیان والا عمل لازم ہے کیونکہ فقہاء کے نزدیک دونوں نفل ہیں اونچا پڑھنا وجوبی ہے اور اقتداء عدمی اور عدم وجود سے پہلے ہوا کرتا ہے۔نماز کے اندر فاتحہ سے قبل اعوذ باللہ پڑھنا مستحب ہے اور فاتحہ کے بعد اعوذ باللہ نہیں پڑھنی چاہئے۔نماز میں فاتحہ کے بعد اعوذ باللہ پڑھنا یہ شوافع کے نزدیک ہے۔احناف کے نزدیک ابتداء میں اعوذ باللہ پڑھنا مستحب ہے سورۃ الفاتحہ کے بعد نہیں۔امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک آمین کے بعد اعوذ باللہ پڑھنا نہیں ہے۔امام مالک کی بھی یہی رائے ہے کہ رمضان کے قیام میں اور مفروضہ نماز میں نہیں اور امام اعظم کے نزدیک پہلے مستحب ہے اور بعد میں نہیں ہے، صاحب خزینۃ القرآن نے اپنی تفسیر میں ایک حدیث رقم کی ہے۔سیدنا علیؓ فرماتے ہیں کہ حضور آمین کے بعد نماز میں اعوذ باللہ نہ پڑھتے تھے فرمایا! ''اے علی جب تم نماز میں ہو تو سورۃ الفاتحہ سے پہلے اعوذ باللہ پڑھ لو۔خدا تعالیٰ تمہیں اپنی پناہ میں لے گا اور تمہاری نماز کی حفاظت کرے گا'' عرض کیا کہ سورۃ الفاتحہ کے بعد پڑھوں۔فرمایا نہیں پس وہی کافی ہے۔تو ثابت ہوا کہ اعوذ باللہ فاتحہ سے پہلے پڑھنا مستحب ہے۔اور بعد میں کوئی ضروری نہیں۔

مسئلہ نمبر 5:

امام شافعی فرماتے ہیں کہ نماز کی ہر رکعت سے پہلے اعوذ باللہ پڑھنا چاہئے۔انہوں نے لکھا ہے۔امام صاحب کو چاہئے کہ وہ دلیل دیں۔فقیر کا یہ خیال ہے کہ صرف پہلی رکعت میں پڑھنا چاہئے۔میرے نزدیک امام صاحب کو یہ دلیل پیش کرنی چاہئے اصل تو عدم ہے قرآن پاک کی آیت تو ہمیں اعوذ باللہ پڑھنے کا حکم دیتی ہے لفظ اذا استعمال ہوا ہے اور کلمہ میں عمومیت نہیں پائی جاتی۔ممکن ہے کہ کوئی اعتراض کرے کہ کسی امر کے بعد حکم کا بیان کرنا علیت پر دال ہوتا ہے اور تکرار علت پر تکرار حکم ہوگا جو ثابت ہوا۔

امام صاحب کے نزدیک صرف پہلی رکعت میں پڑھنا درست ہے لیکن دلیل کے طور پر اذا قرأت القرآن حکم ہے لیکن اس کا استدلال حدیث سے جو امام بیہقیؒ نے حدیث بیان کی ہے۔حضور نے فرمایا کہ اعوذ باللہ پڑھنا صرف تلاوت قرآن میں ہے اور نماز کے اندر ایک مرتبہ پہلی رکعت میں فرمایا کہ پہلی رکعت میں پڑھنا تمام رکعتوں پر دال آئے گا۔احناف کے نزدیک بھی یہ مسئلہ درست ہے۔

مسئلہ نمبر 6:

اللہ تعالیٰ نے سورہ نحل میں فرمایا ہے **فاذا قرأت القرآن فاستعذ باللہ من الشَیطٰنِ الرجیم** اور دوسری سورت **اِنَّہٗ سمیعٌ علیم** فرمایا ہے تیسری جگہ **انہ ھو السمیع العلیم** فرمایا ہے۔اب اس امر میں علماء کا اختلاف ہے کہ کیا پڑھنا چاہئے۔امام شافعی اور امام اعظمؒ **اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم** واجب فرماتے ہیں۔کیونکہ اس کی ترتیب اور جبریل معلم کو ظاہر کرتے ہیں اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک **اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم اِنَّہٗ سمیعٌ علیم** پڑھنا چاہئے تاکہ دونوں آیتوں پر عمل درآمد ہو اور بعض اصحاب کا خیال ہے کہ **اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطن الرجیم** پڑھنا چاہئے اور اس میں بھی دونوں آیتوں پر عمل ہو جائے گا۔کتاب سنن میں امام بیہقیؒ نے باسناد ابوسعید خدری سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ فداہ ابی وامی راتوں کے قیام میں تین بار تکبیر کہہ کر **اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطن الرجیم** پڑھا کرتے تھے۔امام ابوسفیان ثوری و امام اوزاعی رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں **اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم انہ ھو السمیع العلیم** پڑھتے تھے۔امام ضحاک نے ابن عباس سے بیان کی ہے کہ پہلے پہلے جب جبرائیل آمین حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔تو پہلے فرمایا **فاستعذ باللہ السمیع العلیم من الشیطن الرجیم** اور پھر فرمایا **بسم اللہ الرحمٰن الرحیم** پھر فرمایا **اقرأ باسم ربک الذی خلق** یہ قرآن کریم کی پہلی وحی ہے۔اس پر تمام محدثین، محققین اور متفکہین مفسرین کا اتفاق ہے۔حاصل کلام یہ ہے کہ اعوذ باللہ سے دلوں کو پاکیزگی ملتی ہے اللہ تعالیٰ کا رعب دل پر چھا جاتا ہے

Marfat.com

اور ہر قسم کے وسوسے باطل ہو جاتے ہیں۔ان تینوں مذکورہ بالا آیتوں پر عمل کرنا چاہئے۔

مسئلہ نمبر 7:

کیا قرأت تعوذ نماز کی خاطر ہے؟ یا جہتِ بلیآتِ امام اعظم اور امام محمد جہت بلیآت فرماتے ہیں اور امام ابو یوسف بغرض نماز اب اصول سے دو فروع پیدا ہوتے ہیں۔

فروع اوّل: کیا مقتدی بھی امام کے پیچھے تعوذ پڑھے یا نہ، امام اعظم اور امام محمد منع کرتے ہیں کیونکہ قرآن کریم میں فاذا قرات القران فاستعذبالله من الشيطن الرجيم صرف تلاوت قرآن پاک کے لئے ہے اور مقتدی کو امام کے پیچھے خاموش رہنا چاہئے۔امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ مقتدی کو پڑھنا چاہئے اس لئے اگر تعوذ صرف قرأت کے لئے بنی ہوتی تو پھر ہر قرأت پر تعوذ کا پڑھنا لازم آتا۔حالانکہ ایسا نہیں بلکہ نماز کے تکرار میں اس کی تکرار ہوتی ہے

شاخ دوسری: کیا عیدین کی نماز میں تکبیرات سے پہلے تعوذ پڑھنی چاہئے یا بعد میں۔امام اعظم و امام محمد رحمہم اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ تکبیرات کے بعد اور تلاوت سے پہلے پڑھنا چاہئے اور امام ابو یوسف اس کے عکس کے قائل ہیں۔سورۃ الفاتحہ کے متعلق چند مسائل ہیں جو ہم بیان کرتے ہیں۔

مسئلہ نمبر 8:

قرآن کریم کو بحکم ورتل القران ترتيلا آہستہ آہستہ پڑھنا سنت طریقہ ہے کیونکہ ترتیل کے معنی آہستہ کے ہیں۔اگر انسان ٹھہر ٹھہر کر پڑھے گا تو خود بھی معنی سمجھے گا اور سننے والے بھی سمجھیں گے۔یاد رہے کہ آج کل حفاظ قرآن بہت تیز پڑھتے ہیں۔شد، مد کھڑا، زیر، زبر درست نہیں پڑھتے تو حضور نے فرمایا ایسے پڑھنے والوں کو قرآن لعنت کرتا ہے۔قاعدہ یہ ہے کہ قرآن کریم آہستہ آہستہ پڑھے تاکہ اس کے معنی کو خود سمجھ سکے اور معنی کو قلب و ذہن میں ٹکا سکے۔اسی طرح سننے والوں کو بھی یہی فائدہ ہوگا۔باسناد امام ابوداؤد نے ابن عمرؓ سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ قاری سے فرمائے گا کہ اسی ترتیل سے قرآن کریم کو پڑھ جس سے تو دنیا میں پڑھتا تھا۔ابوسلیمان قطابی بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جنت کا عرض وطول قرآن کی آیتوں کے مطابق ہے تو جس نے پورا قرآن کما حقہ سنا دیا تو وہ تمام جنت کا مالک ہوگا۔کیسا عظیم قاعدہ ہے کہ ایک تو خدا اپنے بندے سے خود قرآن سنے گا دوسرا یہ کہ وہ جنت کا مالک ہوگا۔ایک اور حدیث میں حضور نے فرمایا کہ جو دنیا میں قرآن کو درست پڑھتا ہے اور قرآن سے محبت کرتا ہے قیامت کے دن وہ اللہ کا ہر وقت دیدار کرتا رہے گا اور اس کی آنکھیں ہر وقت دیدار کرتی رہیں گی۔دوسرا کسی چیز کی خواہش نہ ہوگی۔بھلا جسے دیدار الٰہی حاصل ہوگا اسے اور کس چیز کی ضرورت ہوگی؟

مسئلہ نمبر 9:

کیا قرآن کریم کی تلاوت بلند آواز سے ہونی چاہئے یا آہستہ، سنت طریقہ جہر ہے۔برار بن عازب سے ابوداؤد نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قرآن کریم کو اونچی آواز سے پڑھو۔(ابوداؤد)

مسئلہ نمبر 10:

فقیر کے نزدیک پسندیدہ عمل یہ ہے کہ ضاد کو ظ پڑھنا نماز کو باطل نہیں کرتا۔یہ امر مشکل ہے اور مشابہت موجود ہے۔پس ان دونوں میں فرق کرنے کی تکلیف برداشت کرنے کی ضرورت نہیں۔

پہلی وجہ: یہ دونوں مجہورہ حروف ہیں۔دوم یہ کہ وہ دونوں حروف رخوہ ہیں۔سوم یہ کہ حروف مطبقہ ہیں۔چہارم یہ کہ اگر ضاء کا مخرج گوشہ زبان اور دانتوں کے اعراب سے ہے اور زبان کا ابتدائی حصہ جو داڑھوں سے چمٹا ہے مخرج ضاد ہے مگر ضاد میں اس کی رکاوٹ کے سبب انبساط ہے اس لئے مخرج طاء مخرج ضاد کے قریب ہے۔پانچویں وجہ یہ ہے کہ تلفظ ضاد عرب سے مخصوص ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ان الفتح من تطب باالضاد فرمایا ہے۔پس ثابت ہوا کہ ان دونوں کے درمیان فرق کرنا مشکل امر ہے۔اس کے بعد فقیر کا یہ خیال ہے کہ اگر ان دونوں میں فرق ہوتا تو بلاشک رسول اللہ ﷺ سے سوال ہوتا یا صحابہ کرامؓ کے زمانے میں جس میں عجمیوں

Marfat.com

کا اختلاف شروع نہ ہوا تھا۔ لہٰذا فرق کرنے کے واسطے زحمت اٹھانی بے فائدہ ہے۔

مسئلہ نمبر 11:

لام مغلظہ کو لغت میں فصیحہ قرار دینے میں اختلاف ہے مگر اسے لغت فصیحہ کہنا ناممکن ہے کیونکہ یہ متفقہ مسئلہ ہے اسے بحالت مکسور مغلظ نہیں پڑھنا چاہئے کسرہ کے ساتھ لام مغلظہ کا تلفظ زبان پر دشوار ہوتا ہے معلوم ہوا کہ وہ لغت غیر فصیحہ ہے۔

مسئلہ نمبر 12:

یہ امر بالاتفاق ہے کہ نماز میں تلاوت قرآن وجوہات شاذہ سے نہیں ہونی چاہئے جیسے الحمد للہ میں دال کو مکسور پڑھنا یا اللہ کے لام کو مضموم پڑھنا شاذ ہے اس لئے اگر ان کا پڑھنا جائز ہوتا تو ان کی حد تواتر تک پہنچ جاتی مگر ایسا نہیں ہوا۔ برخلاف اس کے نماز کے علاوہ وجوہ شاذہ سے تلاوت کرنی جائز رکھی گی ہے اور مذکورہ بالا دلیل کو اس جگہ دلیل تسلیم نہیں کیا۔ پس ضروری ہے کہ نماز میں اسے اصلی حالت پر ہی پڑھنا چاہئے۔

مسئلہ نمبر 13:

اکثر کا اس پر اتفاق ہے کہ مشہور قرأت نقل تواتر سے لی گئی لیکن اس میں چند مشکلات ہیں۔ ہم پوچھتے ہیں کہ جس قدر قرأت مشہور ہے نقل متواتر سے منقول ہے یا نہیں؟ درست ثبوت سے فقیر یہ کہتا ہے کہ یہ نقل متواتر سے ثابت ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرأت مشہورہ میں اختیار دیا ہے اور سب مرتبہ جوازیت پر ہیں تو ان میں سے بعض کو بعض پر ترجیح دینا خلاف حکم ہوگا۔ ترجیح دینے والوں کو اپنا قول واپس لینا چاہئے۔ ورنہ نوبت کفر تک پہنچ جائے گی۔ اس کے خلاف فقیر یہ کہتا ہے کہ ایک قاری نے اپنی مقررہ قرأت کو دستور العمل بنالیا ہے۔ دوسروں کو اس پر عمل کرنے کے لئے پابند کرتا ہے۔ اس کے سواء اسے روکتا اور منع کرتا ہے۔ پس ان پر اس نتیجہ کو مذکورہ بالا ترتیب کفر تک ہوا۔ اگر یہ کہا جائے کہ قرأت بالا تواتر سے ثابت ہے یا نہیں بلکہ ایک اصول کے ساتھ۔ تو قرآن مجید دائرہ تعین جزم اور یقین سے خارج ہوگا اور یہ بالا جماع باطل ہے۔ ہوسکتا ہے کہ کوئی یہ جواب دے کہ بعض تو تواتر سے ثابت ہوئی ہیں اور اس سے کسی کو اختلاف نہیں ہے اور انہیں بہت سے قاریوں نے اپنی اپنی قرأت مقرر کر لی ہے اور بعض طریق آحاد سے حاصل ہوئی ہیں۔ مگر بعض کا اصول آحاد اور بعض کا طریق آحاد قرآن کریم کو خارج عین الیقین نہیں بتاتا۔ قرآن کریم حق الیقین ہے اور عین الیقین حدیث ہے۔ اور قرآن کا حق الیقین ہونا خود قرآن کریم سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے انہٗ الحق الیقین اس پر جمہور کا اتفاق ہے۔

⌘⌘⌘⌘⌘

Marfat.com

باب دوسرا

(ان مباحث عقلیہ کے بیان میں جو اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم سے حاصل ہوئیں)

اس باب میں پانچ امور پر بحث ہوگی، لفظ استعاذہ کی تحقیق، مستعیذ، مستعاذ منہ مستعاذ بہ اور استعاذہ کس غرض پر مبنی ہے۔

پہلا رکن استعاذہ کی تحقیق میں جس کے متعلق کافی مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1:

پہلا اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم اعوذ مشتق ہے اعاذہ سے، دوسرے امر پر اعوذ سے بھی مشتق کی گئی ہے اس کے دو معنی ہیں (۱) پناہ مانگنا، (۲) دوم الصادق، پہلے معنی کے مطابق اعوذ باللہ کے یہ معنی ہوئے کہ میں پناہ مانگتا ہوں اللہ کے ساتھ کہ اس کی رحمت میں داخل ہوں اور شیطان مردود سے نجات ہو اور دوسرے معنی صدق اللہ کے اللہ فضل اور اللہ کی رحمت اور شیطان سے پرہیز ہے جس کے معنی دوری اور بعد کے ہیں۔ یعنی شیطان سے دور ہونا اور شیطان کو ہم سے دور کرنا یہی معنی امام راغب اصفہانی نے پسند کیا ہے اس لفظ کے معنی کا اطلاق شیطان سے ہوگا اور جنس سے اور انسان سے بھی، معلوم ہوا کہ انسانوں میں بھی شیطان ہوتا ہے کیونکہ وہ نیکی سے دور ہوتے ہیں۔ سرکش گھوڑے کو شیطان کہا گیا ہے کیونکہ سرکش اور گمراہ شخص اپنی بھلائی اور اپنی بہبود کے کاموں سے بے خبر رہتا ہے اور انہیں ترک کر دیتا ہے (چھوڑ دیتا ہے) اس لئے انہیں شیطان کہا گیا ہے اور رجیم کے معنی مردود کے ہیں یعنی فاعل بمعنی مفعول جیسے نصیب میں ضیب بمعنی محضوب ہے اور رجل لعین میں لعین بمعنی مرحوم ہے اور شیطان کو مرحوم کہنے کی دو وجوہات ہیں۔

اول: لعنتی ہونا اللہ کی طرف سے جیسا کہ فاخرج منھا فانک رجیم کو رجیم سے تعبیر کیا گیا ہے اور رجیم بمعنی اخراج کے ہیں اخرج امر ہے۔ تو گویا کہ رجیم کے معنی نکلے ہوئے یا رو کے ہوئے کے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے خود حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ بیان فرمایا۔ لئن لم تنتہِ لا رجمنکَ بعض کا خیال ہے کہ سے مراد رجیم قول ہے۔ ایسا ہی اللہ تعالیٰ نے قوم نوح کا قصہ بیان فرمایا قالوا لئن لم تنتہ ینوح لتکونن من المرجومینَ اور سورۃ یٰسین میں ہے لنرجمنکم اور شیطان کو رجیم کہنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا تھا کہ شیطان کی طرف ستارہ اور شہاب ثاقب پھینکو تا کہ وہ آسمانوں پر نہ آئے اور ھو السمیع العلیم کا ذکر دو وجہ پر ہے۔

پہلی وجہ: چونکہ استعاذہ انسانی دل کو شیطانی وسوسہ سے پاک بناتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ وسوسہ حروف خفی کو کہتے ہیں جن سے دوسرے کو اطلاع نہیں ہوتی۔ اور اس غرض سے انسان یہ کہتا ہے کہ اے ذات بابرکات میرے دل میں جو وسوسے پیدا ہوتے ہیں تو انہیں دور کر کیونکہ تو خفی و جلی کا مالک ہے۔ تجھے اسے دور کرنے کی طاقت ہے اور میرے دل کو ان سے پاک صاف کر دے پس اس موقع پر دیگر تمام آیتوں سے ھو السمیع العلیم زیادہ موزوں ہے۔

دوسری وجہ: اس کے ذکر کی قرآن کی تابعداری ہے جیسا کہ خلاق عالم نے فرمایا واما ینزغنک من الشیطٰن نزغ فاستعذ باللہ انہ سمیع علیم اور سورۃ سجدہ میں السمیع العلیم فرمایا۔

مسئلہ نمبر 2:

ماہیت استعاذہ میں عقلی ثبوت: استعاذہ بعد حصول علم حال اور عمل ہو سکتا ہے علم سے یہ مطلب ہے کہ انسان اپنے آپ کو عاجز اور ناکارہ دینی اور دنیاوی کاموں میں سمجھے۔ اور بلیات ومضرات (دنیاوی کام) اور تکلیف دینی کے کرنے میں اپنے آپ کو قاصر سمجھے اور اللہ تعالیٰ کو تمام دینی فوائد میں نفع دینے والا اور قوت والا

Marfat.com

سمجھے۔انسان کو جب ان باتوں کا پورا علم ہو جائے گا تو اس کے دل میں ایک حالت پیدا ہوگی جو اللہ کے ذکر میں اسے مستغرق کردے گی اس حالت کو انکساری حالت کہتے ہیں جب انکساری ہوگئی تو وہ اپنے آپ کو اللہ کی رحمت میں پائے گا اور دنیا کے ہر کام سے وہ بے نیاز ہو جائے گا بے نیازی کا یہ مطلب کہ دنیا کا لالچ نہ رہے گا۔اس حالت کے پیدا ہونے سے ایک صفت دل میں اور ایک زبان پر پیدا ہو جاتی ہے۔صفت کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ وہ آدمی اپنے آپ کو اللہ کا مطیع اور فرمانبردار سمجھتا ہے اور زبان کی صفت سے انسان اپنی دلی آرزو کو زبان کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے عرض کرتا ہے۔اللہ تعالیٰ کو اور اپنے نفس کو پہچاننا استعاذہ کا بڑا رکن ہے۔انسان اللہ تعالیٰ کو تمام چیزوں کا ظاہر کرنے والا سمجھے وگرنہ اللہ کی توجہ اس سے ہٹ جائے گی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانی مقصد سے عاجز ہو نیز اسے قادر مطلق سمجھنا ضروری ہے اور اس امر پر یقین ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اس کا کوئی مددگار نہیں۔یہ خیال اللہ تعالیٰ کو ایک ماننے سے پیدا ہوتا ہے فقیر کی یہ مراد ہے کہ توحید مطلق سے کسی کو شریک نہ مانے اور اپنے آپ کو اپنے تمام کاموں میں بلا اختیار سمجھے جب انسان اپنے آپ کو مستقل سمجھے تو استعاذہ کا کیا فائدہ ہوگا۔مذکورہ بالا تقریر سے معلوم ہوا کہ انسان اپنے آپ کو ذلیل وخوار سمجھے اپنے دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت و بزرگی کو جگہ دے تو پھر استعاذہ اس کے لئے بالخیر ہوگا۔بعض کہتے ہیں کہ مقدمات میں طول کی کچھ ضرورت نہیں۔اللہ تعالیٰ کو بالا جمال ماننا تعوذ کے لئے کافی ہے یہ غلط ہے اور کمزور ہے۔حضرت ابراہیم نے اپنے چچا سے کہا لم تعبد مالا یسمع ولا یبصر ولا یغنی عنک شیأ (بعض لوگ والد بیان کرتے ہیں انشاء اللہ جب اس آیت کی باری آئے گی زندگی ہوئی تو فقیر اس پر مکمل بحث کرے گا)۔

اور اگر اللہ تعالیٰ کو قادر مطلق اور تمام چیزوں کے علم والا نہ مانا جائے تو ان کا سوال ایسی چیزوں سے ہوگا جو سننے والا دیکھنے سے کم ہے اور حضرت ابراہیمؑ ان خیالات میں خبر کرنا چاہتے تھے اور اپنے دل کو اللہ تعالیٰ کی صفات سے مطمئن کرنا چاہتے تھے۔امام رازی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اسی عیب میں مبتلا تھے بالکل نہیں۔کیونکہ پیغمبر کے لئے عیب نہیں ہوتا اور پیغمبر کا دل خلاق عالم عیب سے پاک بناتا ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ پہلے حضرت ابراہیم خدا کو قادر مطلق نہ مانتے تھے ہر شئے کے لئے لیکن بعد میں وہ تسلیم کر گئے ایسا نہیں۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دل پہلے بھی تسلیم کرتا تھا کہ خداوند عالم ہر چیز کے علم والا ہے اور اپنے دل کی صفتوں کو کاملیت میں اللہ تعالیٰ کی صفتوں کو صرف دیکھنا چاہتے تھے۔نبی دو عالم ﷺ کے دل کو اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء سے ممتاز فرمایا اور اللہ تعالیٰ کی تمام صفات تسلیم کرتے تھے اور اسی قسم کا حضور نے کبھی کوئی سوال نہیں کیا۔معلوم ہوا کہ حضور اللہ تمام صفات اللہ کے مظہر ہیں اسی لئے حضور نے کبھی کوئی سوال نہیں کیا۔صاحب خزینۃ القرآن بھی اسی حق میں ہیں اور دلیل عقلیہ کو نقلیہ کے قریب لے جاتے ہیں وہاں امام رازی نے ابراہیم علیہ السلام کے لئے عیب تسلیم کیا ہے لیکن نہیں۔آپ کو میری تقریر مذکورہ بالا سے معلوم ہو گیا ہوگا۔باقی رہی یہ بات کہ انسان کا دنیا و آخرت میں عاجز ہونے کی کیا وجہ ہے۔ثابت ہوا کہ انسان سے دو چیزیں صادر ہوتی ہیں۔عمل اور علم۔غور سے دیکھنے سے انسان کی اس میں بے چارگی اور بے بسی معلوم ہوتی ہے۔اب رہی یہ بات کہ حصول علم اور معترضین کی استعاذہ کے لئے کیوں ضرورت ہے اس کی کچھ دلیلیں ہیں۔

پہلی دلیل: ہم نے بہت سے داناؤں اور نکتہ وروں کو ایک ہی چیز کے شعبہ میں ساری عمر صرف کرتے ہوئے دیکھا ہے لیکن پھر بھی اپنے مقصد پر نہ پہنچے اور خالی رہے۔آخر ان کا عمر کا قیمتی وقت گزرنے پر ایک دوسرا گروہ پیدا ہوا جس نے ان کی غلط فہمی کی خبر دی اور وجوہات سمجھائے اور لوگوں کو ان کا خیال غلط اور خلاف واقع ثابت ہوا۔انہوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ تمام لوگ اسی طرح ایک وقت میں غلط فہمی کا شکار ہو جائیں گے یہی باعث ہے کہ امورات دینی میں علماء کے بہت اختلاف ہیں تو معلوم ہوا کہ خدا کی مدد کے بغیر انسان نکما اور ناچیز ہے اور کوئی ایسا وجود نہیں جو اپنی عقل وفکر اور قیاسات کی کشتی سے گمراہی کے دریا کو عبور کرے۔

دوسری دلیل: اس میں تو کسی کو بھی کلام نہیں۔ہر ایک کو حصول حق اور طلب اعتقاد کی دھن ہے اور کوئی آدمی کفر اور جہالت کو پسند نہیں کرتا اس کے مقابلے میں ہر کوئی محقق بن بیٹھا ہے۔فقیر کا یہ نتیجہ ہے کہ کوئی شخص مدد کو ظاہر کرنے کے لئے سوا اس ذات کے جس کے قبضہ میں زمین و آسمان ہے اپنی کوششوں میں فیض یاب نہیں ہو سکتا اور نہ ہی گمراہی کے گڑھے سے نجات پا سکتا ہے۔

تیسری دلیل: اگر انسان کسی قضیہ کی صحت کا متلاشی ہو تو ظاہر ہے کہ اس کی حداوسط چھوٹی اور بڑی سے ٹھیک نتیجہ کا ملنا مشکل ہے۔اب ہم سوال کرتے ہیں کہ حداوسط کا ذہنی علم سے تعلق تھا یا نہیں۔علم ہونے کی صورت میں انسان کو نتیجہ کا معلوم ہونا ضروری ہے اور عقل کو صداقت قضیہ کا یقین ہوگا۔کیونکہ فقیر نے حقیقت کو غیر مکمل اور قابل

Marfat.com

تحقیق فرض کیا تھا۔ اور علم نہ ہونے کی صورت میں وہ طلب ممکن ہے یا نہیں۔ جس چیز کی ہمیں ضرورت نہیں اسے ہم نہیں جانتے تو ہم کیسے اس کی خواہش کر سکتے ہیں اور کس طرح ہمیں اس کی پوری پہچان ہوگی۔ معرفت مکمل تو اس چیز کی ہو سکتی ہے۔ جیسے ہم جانتے ہوں اور اگر یہ کہا جائے کہ یہ سابقہ واقفیت ہے تو یہ تحصیل حاصل ہوگی اور حاصل کی تلاش لغو ہوگی اور غیر ممکن ہونے کی صورت میں صداقت کی تلاش ہونا ہرگز فائدہ مند ثابت نہ ہوگا اور کسی طرح ٹھیک نتیجہ حاصل نہ ہوگا بلکہ انسان اس کی حیرانی اور پریشانی میں غرق رہے گا۔ پس ثابت ہوا کہ انسان چاروں طرف سے عاجز ہے۔

چوتھی دلیل: اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو فرمایا وقل ربّ اعوذبک من همزات الشیطین کی تعلیم دی گئی ہے مگر کسی قید پر پابند نہیں کیا گیا۔ جس سے عقیدوں کا حاصل کرنا اور انسانوں کے علموں میں کمزوری پائی جائے۔ باقی رہا انسان کے ظاہری اعمال سے بے بس ہونا اور بے چارہ ہونے کے سبب دینی و دنیاوی فائدے حاصل کرنے میں بھی کوئی چیز نہ ہونا۔ اس میں کچھ دلیلیں ہیں۔

اہل بصیرت کو معلوم ہو چکا ہے کہ انسان کا بدن دوزخ کی طرح ہے جس میں انیس (١٩) فرشتے مقرر کیے گئے ہیں۔ پانچ خواص جو ظاہری و باطنی اور غضب شہوت اور سات فوائد سبعیہ مقرر کیے گئے ہیں اور یہ ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں ہیں بلکہ ملے ہوئے ہیں ان میں ہر ایک کو ایسا عدد ہے جس کا شمار ختم ہی نہیں ہوتا بلکہ غیر محدود اور امتیاز کے بغیر سلسلہ چلا جاتا ہے قوتِ باصرہ (دیکھنے والی طاقت) جو چیزیں بصیرت میں طاقتور ہیں وہ انسان کے علم سے باہر ہیں۔ جن کے استعمال سے دل پر علیحدہ علیحدہ اثر ہوتا ہے اور اس کے اثر کے باعث دل کی پرواز روحانی عالم سے لے کر (اسفل الجسمانیات) جسمانیات کی گہرائی تک پہنچ جاتی ہے اور جب معلوم ہو گیا کہ حقیقت کا دائرہ اس قدر وسیع ہے جو کھینچا نہیں جا سکتا۔ اور اس کی کوئی حد نہیں ہے۔ خدا کی رحمت اور فضل اور اس کی قدرتوں کا سلسلہ بے حد وسیع ہے تو ہمارے لئے استعاذہ فرض ہوا۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ استعاذہ اس لحاظ سے فرض ہے اسے ہم فرض سمجھ کر اپنا دستور العمل بنائیں۔ اور اپنے ہر فعل و قول اور عمل پر ہر گھڑی بلکہ دن رات اس کے پڑھنے کے بغیر نہ گزرے۔

پانچویں دلیل: زندگی عارضی ہے اور دنیا کی ناپائیدار لذات دو (٢) طرح پر ہوتی ہیں جسمی لذت اور دل کی لذت۔ انسان کا دونوں لذتوں سے بے خبر رہنا اور انہیں حاصل نہ کرنا اس کی لاپرواہی اور کم خواہشی کا ثبوت دیتا ہے اگر انسان لذت کو حاصل کرنے کے لئے سرتوڑ کوشش کرتا ہے اور اس میں مستغرق رہے تو لذیذ چیزوں کے حاصل کرنے کا شوق بڑھتا جائے گا۔ اور حرص کی طاقت زیادہ ہو جائے گی۔ القصہ انسان جوں جوں اپنے مقصد میں کامیاب ہوتا جائے گا اس کی حرص بڑھتی جائے گی حتیٰ کہ ہر وقت انسان زیادتی پر سوچتا رہے گا۔ جس طرح کمالات کی کوئی حد نہیں اسی طرح حرص کی بھی کوئی حد نہیں۔ جس طرح بہت زیادہ کمالات کا حاصل کرنا مشکل ہے اسی طرح حرص کے شوق کا دل کو چین دینا ناممکن ہے۔ پس معلوم ہوا کہ یہ خطرناک بیماری ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اس کا علاج نہیں کر سکتا۔ پس ہمیں چاہئے کہ ہم مالک حقیقی کے دربار میں حاضر ہو کر اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم کا ورد جاری رکھیں یہی ہمارے لئے باعث نجات ہے۔

دلیل چھٹی: قرآن پاک کی چند آیتیں مثلاً ایاک نعبد وایاک نستعین، استعینوا بالصبر والصلٰوۃ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو فرمایا استعینوا باللہ واصبروا انّ الارض للہ یورثھا، من یشاءُ من عبادہٖ والعاقبۃُ للمتقین مذکورہ تقریر میں مدد ہماری آئمہ کی کتب سے بھی ملتی ہے ایک کتاب میں لکھا ہے خالق عالم اپنی عزت وعظمت کی قسم کھا کر فرماتا ہے کہ میں انسان کی ہر تکلیف کو اگر وہ نیت نیک سے دعا کرے تو میں مصیبتوں کو بدل دوں گا اور اگر اس نے نیت خراب کی تو میں اس کو لوگوں کی نظروں سے ذلیل وخوار کر دوں گا اور اسے اپنے قرب سے محروم کر دوں گا۔ کتنا ہی وہ بیوقوف شخص ہے جو تکالیف ومصائب میں میرے سواء کسی اور کو بلاتا ہے حالانکہ میں زندہ ہوں۔

نوٹ:

یہ مذکورہ بات امام رازی نے اپنی تفسیر کبیر میں لکھی ہے تو ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کی مدد ناممکن ہے۔ یہ بات اپنی حد تک قائم ہے۔ کیونکہ یہ توحید کے باب میں سلسلہ چل رہا ہے پھر اس میں اس کا کوئی اطلاق نہ ہوگا کہ بزرگوں سے مدد مانگنا جائز ہے یا نہیں کیونکہ یہ توحید کے لئے مسئلہ ہے۔ امام رازی چونکہ توحید کی صفت بیان کر رہے ہیں یہ واقع ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مدد نہیں کر سکتا اس کا ایک اصول جو صاحب خزینۃ القرآن اپنی تفسیر میں نقل کرتے ہیں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حیّ

Marfat.com

قیوم ہے اور ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے تقدیر کو بدلنے والا ہے کیونکہ وہ بدلنے پر قادر ہے وہ مالک ہے لیکن اہل سنت بزرگوں سے مدد مانگنے کا طریقہ یہ ہے کہ بزرگ لوگ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے ہوتے ہیں ہم ان کا توسل پیش کرتے ہیں۔ امام رازی نے مذکورہ بالا آیات پیش کیں ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی صفت میں کی ہیں مددتوسل صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں اگر ناجائز ہے تو لفظ صراط الذین انعمت علیھم کیوں وارد ہوا۔ ہر فعل قوی متعدی ہے انعمت اس کے معنی صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں اللہ کے انعام خاص ان لوگوں پر ہوئے ہیں جو صالحین مقربین ہیں اور گناہ گاروں کو لفظ صراط فرمایا اور (الذین) جو کہ وہ موصولہ ہے تو معلوم ہوا کہ گناہ گاروں کے لئے سیدھا راستہ صالحین کا ہے (الذین) پر دیکھئے۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ (الذین) موصولہ ہے تو معلوم ہوا کہ انسان پنجگانہ نماز میں (صراط الذین) دہراتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے انعام یافتہ لوگوں کے راستے کو گناہ گاروں کے لئے مددگار فرمایا اور ان کے لئے یہ راستہ قوی مددگار ثابت ہوا۔ فقیر کہتا ہے دیکھئے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ہماری پنجگانہ نماز کے اندر انعام یافتہ لوگوں کے راستے کو ہمارے لئے مدد ٹھہرایا تو گویا کہ مذکورہ بالا آیات اس کے خلاف نہیں۔ خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ پارہ نمبر ۲۶ میں فرماتا ہے! اے ایمان والوں، تم اللہ کی مدد کرو اور وہ تمہاری مدد کرے گا۔ صاحب خزینۃ القرآن اس پر فرماتے ہیں کہ اس سے مراد تو دین ہے لیکن ظاہری الفاظ و ظاہری معنی کو دیکھئے اس میں تو کہیں دین کا ذکر نہیں تو معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ کیا اس بات پر قادر نہیں کہ وہ بندوں سے اپنے دین کا حکم بجا لائے وہ تو اس پر قادر ہے نہ ہی اس کا دین ہمارا محتاج ہے تب بھی وہ فرماتا ہے کہ اللہ کی مدد کرو۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ اللہ کے دین کی مدد کے لئے بندوں کو حکم ہورہا ہے تو بندے بھی بندوں کی مدد کر سکتے ہیں۔ صاحب خزینۃ القرآن مذکورہ بالا آیت سے تشریح کر رہے ہیں لیکن میں آیت کی شرح کے آخری کلمات عرض کرتا ہوں وہ یہ ہیں:

ابن عباسؓ اللہ تعالیٰ کا قول سعید کے حوالے سے نقل کرتے ہیں۔ ابن عباس فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے قرب تک پہنچنا اور خدا کے قرب کے کمالات کو حاصل کرنا ہو تو صالحین اور اولیاء کاملین کی امداد طلب کیا کرو تو ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم ایاک نعبد جو پڑھتے ہیں تو حضور نے فرمایا کہ (ایاک نعبد) یہ بالکل صحیح ہے لیکن اس کا پڑھنا حق ہے اور وہ ذات مدد دینے کے لئے ہے لیکن مدد تب حاصل ہوگی کہ جب صراط الذین انعمت علیھم پر عمل ہو۔ اس کے بعد حضور نے فرمایا ایاک نعبد پر تب عمل ہے کہ جب انعام یافتہ لوگوں کا راستہ اختیار کریں۔ اور امام رازی بزرگانِ دین کی مدد کے خلاف نہیں۔ وہ صرف توحید کے اصول پر صفت باندھ رہے ہیں لیکن انہوں نے پارہ نمبر ۹ والی جو مثال دی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے قوم سے فرمایا استعینوا تم اللہ سے مدد مانگو حالانکہ موسیٰ علیہ السلام کا سمجھنا بھی تو قوم کی مدد تھی انہوں نے اپنے آپ خود کیوں نہ دعاء کی اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے کا طریقہ تو موسیٰ علیہ السلام نے ان کو فرمایا حالانکہ وہ نااہل تھے، حدیث پاک میں آتا ہے کہ دعاء مانگی گئی موسیٰ علیہ السلام نے ہاتھ اٹھائے اور قوم نے یہ دعاء کی اے اللہ! تو موسیٰ علیہ اسلام کے طفیل ہماری مدد فرما۔ چنانچہ انہوں نے جب یہ توسل دیا تو اللہ تعالیٰ نے قوم موسیٰ کو اس زمین کا وارث بنایا تو ثابت ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام قوم کے مددگار ثابت ہوئے۔

انشاء اللہ (ایاک نعبد) کی جب باری آئے گی تو اس پر کچھ عرض کیا جائے گا۔ اب آپ انتظار کیجئے۔

مسئلہ نمبر 3:

مذہب جبریہ اور قدریہ پر استعاذہ کا پڑھنا کس طرح صحیح ہوگا؟ معتزلہ کہتے ہیں کہ مسئلہ جبر کو اعوذ باللہ باطل بنا دیتا ہے۔

وجہ اوّل: قرأت اعوذ باللہ سے بندہ متعارف ہوتا ہے کہ میں نے تعوذ کیا اور اگر خداوند تعالیٰ کو اعمال کے پیدا کرنے والا مانا جائے تو اعوذ باللہ پڑھنا منع ہوگا اس لئے تحصیل حاصل اس سے پہلے مشکل ہے جب خدا تعالیٰ انسان کے لئے کسی امر کو مقرر کر دیتا ہے یا واپس لے لیتا ہے تو مقرر کیا ہوا نہ رک سکتا ہے نہ چھینا ہوا واپس آسکتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ انسان اپنے کاموں کو خود کرنے والا ہے۔

دلیل دوم: خدا تعالیٰ سے پناہ اسی صورت میں مانگی جاسکتی ہے کہ یہ مانا جائے کہ وہ اعمالوں کو پیدا نہیں کرتا ورنہ اللہ تعالیٰ سے انہیں کاموں سے پناہ طلب کرنی ہوگی۔

دلیل تیسری: استعاذہ گناہ سے بندے کی ناراضگی پائی جاتی ہے۔ اگرچہ قضاو جزاء اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تو بندہ کو اس پر راضی ہونا چاہئے۔ جیسا کہ بالا جماع ثابت ہو چکا ہے۔ بے شک رضا و قضاء اللہ کی طرف سے ہے۔

Marfat.com

دلیل چوتھی: اللہ تعالیٰ سے تعوذ اس امر پر مستحسن ہوسکتی ہے کہ تمام برائیاں اور وسوسے شیطان کی طرف سے ہوں نہ کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کا نتیجہ ہو اور شیطان کا اس میں کوئی دخل نہ مانا جائے تو مناسب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شر سے پناہ طلب کی جائے۔

دلیل پانچویں: اہل جبر کہتے ہیں کہ شیطان یہ کہے گا الہ العالمین مجھ میں یہ کیسے طاقت ہے اور میں بالکل بے قصور ہوں جو کچھ مجھ سے وسواس ہوا تو اس سے بے خبر نہیں ہے اور مجھ میں تیری مخالفت کی کیا طاقت ہے؟ اے اللہ! اندرونی و بیرونی تیری حکمت مجھے رحمت سے کس کے لئے محروم وملعون رکھتی ہے۔

دلیل چھٹی: جرم ہونے کی وجہ سے مجھے ملعون ومرجوم بنایا ہے تو جبر لازم آئے گا۔ اور اگر یہ نہیں تو مجھ پر سخت ظلم ہوا اور کہیں تجھ سے کوسوں دور ہوں تو نے خود فرمایا ہے وما اللہ یرید ظلمًا للعبادہ ایک اور جگہ فرمایا وما اللہ یرید ظلماً للعالمین ان دونوں آیات کا ترجمہ یہ ہے، اللہ نہیں چاہتا ہے اپنے بندوں پر ظلم کرنا، اور نہیں اللہ ظلم چاہتا جہان والوں پر، لیکن ان دونوں آیتوں سے مراد بندوں کی فطرت پر ہے جب وہ برے فعل کریں گے تو لازماً سزا ہوگی یہاں ظلم کے معنی ظلم کے آئے ہیں یعنی اللہ جب چاہتا ہے کئے ہوئے برے عمل پر سزا دیتا ہے۔ بات تو شیطان کی ہورہی ہے۔ ان اعتراضوں کی بوچھاڑ ہم پر کچھ بھی اثر نہیں کرسکتی۔ یہ بالکل غلط خیال ہے ہم یہ پوچھتے ہیں کہ انسان کا اپنے کاموں پر مستقل اثر ہوتا ہے یا نہیں صورت پہلی تو معتزلہ کے خیال کے مطابق ہے۔ دوسری دلیل جبر کرنے والوں کے حق میں ہے۔ پارہ نمبر ۲۳ میں وارد ہوا ہے اللہ تعالیٰ نے انسان کے اعمال کو پیدا فرمایا ہے۔ سوالات اسی گروہ پر تھے فرقہ اہل السنّت والجماعت نے یہ جواب دیا ہے کہ جو اعتراضات ہم پر کئے گئے ہیں وہ دو (۲) دلیلیوں سے ہیں۔

پہلی دلیل: اسی مسئلہ میں انسان اپنے کاموں میں دونوں پہلوؤں پر قادر ہوگا یا ایک پر۔ دوسری صورت سے تو جبر لازم آتا ہے۔ باقی صورت پہلی ہم پوچھتے ہیں کہ ان دونوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرنا مرجح ہے یا نہیں۔ اگر مرجح اسی پر ہے تو کیا انسان خود ہے یا اللہ تعالیٰ؟ اگر انسان ہے تو پہلی صورت رجوع ورنہ تمام اعتراضات تم پر ہی ہوں گے۔ اس لئے مسئلہ یہ ہوا کہ اگر وہ جو کچھ کرے گا یقیناً ہو جائے گا اور نہ کرنے کی صورت پر اس کا کوئی کام نہ ہوگا مرجح پر منحصر نہ ہوتا۔ یہ بھی دو (۲) وجوہ سے باطل ہے۔

دلیل پہلی: اس صورت پر دونوں صورتوں میں سے کسی ایک صورت کو اختیار کرنا اتفاقیہ ہوگا۔ ایک پہلو کا امر ہونا اتفاقی ہوگا اور بندہ کو اس میں ذرا بھی دخل نہیں ہوگا۔ پس جبر لازم آیا، اس تقریر سے معلوم ہوا کہ جو اعتراض کئے گئے ہیں وہ انہیں پر ہوئے۔

دلیل دوسری: آپ اس چیز کو مانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا علم ہے۔ لیکن کسی فعل کا اس کے علم کے خلاف ہونا اللہ تعالیٰ کی جہالت ظاہر کرتا ہے حالانکہ تمام عالموں کو انسانوں کو اور ان کے عملوں کو پیدا کرنے والا وہ خود ہے۔ عرض کیا جاچکا ہے سورۃ صٰفٰت کا رکوع تیسرا دیکھئے واللہ خلقکم وما تعملون قضا اور تقدیر کے مسئلہ میں جو کچھ دلائل ہم پر دیئے گئے ہیں اعتراض کے طور پر۔ وہ سب کے سب اعتراض تم پر ہیں اور ان کا ثبوت دینا تمہارے لئے محال ہے فرقہ اہل السنّت والجماعت نے قضا وقدر کا مسئلہ یوں ثابت کیا ہے (اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم) سے مسئلہ قدر باطل ہوتا ہے۔

دلیل پہلی: استعاذہ کا مطلب یہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ شیطان کو نہی وتنبیہ کے وساوس کے عمل سے روک دے خواہ جبر وقہر سے۔ اصول پہلا: خداوند تعالیٰ کرے گا۔ اب اس کا اللہ تعالیٰ سے طلب کرنا اس سے پہلے مشکل ہے کیونکہ اس تحصیل کا حاصل کرنا مشکل ہے دوسرا اصول ناجائز ہے کیونکہ اس امر کے منافی آیا ہے کہ شیطان ایسے کاموں پر ہوں جو ان کی طاقت سے باہر ہیں معتزلہ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ استعاذہ سے ایسا فعل مطلوب ہوتا ہے جو انسانوں کو اچھے اچھے کاموں کی طرف لائے اور برے کاموں سے روکے توفیق سے فقیر کی یہ مراد نہیں ہے کہ اچھے کاموں کا ہونا صرف توفیق پر مبنی ہے بلکہ توفیق دعا کے ساتھ اچھے کاموں کے لئے اچھا سبب ہے اگر برا کام کرنے سے پہلے دعا نہ کی گئی تو کام اچھا نہ ہوگا۔ اہل السنّت والجماعت کا یہ جواب ہے کہ وہ کام جس سے توفیق طلب کی گئی ہو اس توفیق سے فعل کی طرف عدم چھوڑنے پر کوئی اثر ہوگا یا نہیں؟ اگر اثر ہے تو ترجیح حاصل ہونے پر فعل واقع ہوگا یا نہیں اور یہ مشکل ہے۔ پس معلوم ہوا کہ وجوب کی طرف سے وجوب کا رجحان حاصل ہوتا ہے تو قول جھوٹا ثابت ہوا۔ اور اگر فعل توفیق کی طرف سے وجود کا رجحان حاصل نہیں ہوتا تو وہ فعل بالکل بے اثر ہے اور جس فعل سے کچھ اثر نہ ہو وہ فعل لغو اور فضول ہوا اور یہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں کہنا ناممکن ہے۔

Marfat.com

دلیل دوم: کیا اللہ تعالیٰ کا ارادہ انسان کی اصلاح کرنے کے لئے ہے یا نہیں؟ اگر صورت پہلی کو درست مانا جائے تو کیا شیطان باوجودیکہ اللہ تعالیٰ حالِ انسانی کا اصلاح کرنے والا ہے ان کے کاموں میں خرابی پیدا کرسکتا ہے یا نہیں؟ خرابی پیدا کرسکنے کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے ایسی شیئے کو جو اس کے ارادوں میں دخل دے اگر پیدا کیا تو پھر اس پر یہ ظاہر کیوں ہوا۔ اگر شیطان سے فساد ڈالنے کی توقع نہیں تو پھر تعوذ پڑھنے کی کیا ضرورت ہے؟ باقی رہی یہ صورت کہ اللہ تعالیٰ انسان کی اصلاح کا ارادہ نہیں رکھتا تو پھر اعوذ باللہ پڑھنا کس طرح لازم ہوا۔

دلیل تیسری: شیطان اگر برائی پر مجبور ہے تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور منشاء کے مطابق اس کا فعل ہوتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ اصلاح کرنے کے لئے نہیں ہے اگر اسے مجبور نہ مانا جائے اور یہ کیا جائے کہ شیطان کو شر، برائیوں کی طاقت حاصل ہے تو ان کو اختیار کرنے کی صورت مرجح کے بغیر نہیں ہوسکتی۔ بہرحال مرجح اللہ کی طرف سے ہوگا۔ جب یہ بات ہے کہ پھر تعوذ سے کیا فائدہ ہوسکتا ہے؟

دلیل چوتھی: ہم یہ فرض کرتے ہیں کہ انسان شیطانی وسواس سے گناہ کا مرتکب ہوتا ہے مگر شیطان کا گناہ کا مرتکب ہونا کس سبب سے ہے؟ اگر یہ کہا جائے کہ ایک شیطان سے دوسرا شیطان گناہ کا مرتکب ہوتا ہے تو تسلسل لازم آئے گا جو کہ مشکل ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ ایک شیطان دوسرے شیطان کی وجہ سے گناہ کا مرتکب نہیں ہوتا تو کیا وجہ ہے کہ انسان کو ایسا نہ کہا جائے اور اس صورت پر پھر تعوذ ضروری ہوگا۔ اگر کوئی یہ کہے خداوند کریم کی مرضی یہ ہے کہ شیطان کو انسان کے لئے مقرر کیا جائے تو تمام گناہوں کا بوجھ اللہ تعالیٰ پر آتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ ظالم اور انسان مظلوم ٹھہرتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی صفت کریمی و رحیمی و ناصری کے بالکل منافی ہے۔

دلیل پانچویں: اگر انسان کو فعل مستعاذ منہ کے واقع ہونے کا علم ہے تو وہ فعل ہر حال میں ہوگا اور اگر نہیں تو فعل نہیں ہوگا۔ ان دونوں صورتوں پر تعوذ بے فائدہ ہوگا۔ مندرجہ بالا تقریر سے یہ نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ تاوقتیکہ انسان یہ نہ سمجھ لے کہ تمام موجودات کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور اسی سے یہ قائم ہیں اعوذ باللہ محض بے حقیقت ہے اور کچھ فائدہ نہیں دے سکتا۔ حاصل کلام وہی ہے جو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا **اعوذ برضاک من سخطک و اعوذ بعفوک من غضبک واعوذبک لا احصی ثناء علیک کما انت اثنیت علی نفسک** (ترجمہ) میں پناہ مانگتا ہوں تیری رضا کے ساتھ، لیکن پناہ مانگتا ہوں کہ مجھے اپنے غضبوں سے بچا اور پناہ مانگتا ہوں تیرے عفو کے ساتھ تیرے غضب سے میں تیری تعریف کا احاطہ نہیں کرسکتا جیسا کہ تو نے اپنی ذات کی تعریف کی ہے۔

دوسرا رکن استعاذ باللہ کا: معلوم ہونا چاہئے کہ قرآن اور حدیث میں دو طرح آیا ہے ایک تو **اعوذ باللہ** دوسرا **اعوذ بکلماتِ اللہ** ہے تو بسم اللہ کی تفسیر کرتے ہوئے کہا جائے گا اور دوسرے یعنی **اعوذ بکلمات اللہ** کی مراد اذا ارونا ہ قول رکن ہے۔ رکن کے معنی ہیں کہ اپنی قدرت اور مشیت کو ممکنات اور موجودات میں ایسے اصول سے جاری کرنا جو کسی رکاوٹ سے نہ رک سکے اور بلاشک یہ ممکن ہے کہ طلب اعوذ اللہ تعالیٰ سے اس وقت اچھا ہوسکتا ہے۔ جبکہ وہ مذکورہ صفت سے موصوف ہو۔ نیز اشیاء جسمیہ کی پیدائش حرکت کے ساتھ ہوتی ہے اور وہ طاقت سے کام میں آہستہ آہستہ آتی ہے اور روحانیت طاقت سے کام میں یک دم داخل ہوجاتی ہے۔ ان کے وجود کا رونما ہونا ان حروف سے جو غیر وقت میں تقسیم شدہ ہیں وجود پکڑتا ہے ملتا جلتا ہے اور ایک دوسرے کے ہم شکل ہیں۔ پس کلمات سے وہی پاک صاف ارواح مراد ہیں جن کے متعلق ایک چھوٹا سا نکتہ فقیر بیان کرتا ہے کہ اعوذ بکلمات اللہ اسی وقت مناسب ہوگا۔ اگر چنداں میلان طبع انسانی اللہ تعالیٰ کے سواء دوسرے کی طرف بھی ہو لیکن توحید کے سمندر میں اور حقائق کی گہرائیوں میں غوطہ لگانے سے بندہ پر ایک ایسی حالت آتی ہے جو انسان کی نظروں میں اللہ تعالیٰ کے سوا تمام چیزوں کو حقیر اور معمولی بنا دیتی ہے۔ اور اسے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی چیز نظر نہیں آتی اور اس کے سواء کسی سے استعاذہ نہیں کرتا اور اپنی تمام ضروریات کے لئے اور حاجات کے لئے اللہ تعالیٰ کو قاضی الحاجات سمجھتا ہے اور اسی کے آگے گڑگڑاتا ہے۔ اور حالت بے خودی سے اس کا دل اس قدر موثر بن جاتا ہے کہ اس کی زبان سے اعوذ من اللہ باللہ جاری ہو جاتا ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ **اعوذ باللہ منک** فرمایا کرتے تھے۔

جاننا چاہئے کہ انسان اس مقام پر پہنچ کر بھی اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے کی طرف ہوتا ہے۔ کیونکہ اعوذ باللہ کی غرض کسی چیز سے بھاگنا اور کسی کو طلب کرنا ہوتی ہے۔ لیکن جب اس مقام سے ترقی کرکے فنافی النفس کے درجہ تک پہنچ جاتا ہے بلکہ اپنے فنافی النفس سے بھی بے خبر ہوجاتا ہے تو مقام اعوذ باللہ سے گزر کر بسم اللہ میں محو ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سرکار دوعالم ﷺ جب اعوذ باللہ کے مقام کو عبور کر گئے تو پھر **کما اثینت انت نفسک** فرمایا۔

Marfat.com

تیسرا رکن مستعیذ: معلوم ہونا چاہئے کہ طلبِ اعوذ باللہ کا حکم کسی خاص شخص کے لئے نہیں ہے۔ کل مخلوق کے لئے ہے۔ کیونکہ قرآن کریم میں انبیاء اور اولیاء سے استعاذہ ثابت ہے جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام نے انی اعوذ بک ان اسئالک مالیس لی بہ علم کہا اور خداوند کریم نے یا نوح اھبط بسلام منا وبرکات علیک فرما کر سلام اور برکت سے سرفراز فرمایا معزز اور ممتاز کیا۔ زلیخاء کے بہکانے کے وقت یوسف علیہ السلام نے فرمایا معاذ اللہ انہٗ ربی احسن مثوٰی کہا اور ایسا ہی بھائیوں کے سوال ''فخذ اخذنا مکانہ'' کے جواب میں معاذ اللہ ان ناخذ الا من وّجدنا متاعنا عندہٗ کہا اللہ تعالیٰ نے ان کے مرتبہ کو بلند اور دلکش الفاظ سے بلند فرمایا:

حضرت موسیٰ علیہ اسلام نے قوم کو گائے ذبح کرنے کے لئے جب حکم فرمایا تو قوم نے مذاق کیا اور ٹھٹھا کیا۔ آپ نے فرمایا ''اعوذ باللہ ان اکون من الجاھلین'' فرما کر اللہ تعالیٰ سے اس مقتول کے زندہ ہونے کے لئے دعاء کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''فقلنا اضربوہٗ ببعضھا کذلک یحی اللہ الموتی ویریکم آیتہٖ'' جب قوم نے موسیٰ علیہ السلام کو قتل کی دھمکی دی اور اپنے راستے سے منع کیا تو جواباً فرمایا و انّی عُذتُ (آیت کے آخر تک) اسی طرح پارہ نمبر ۲۴ میں بھی فرعون کے قتل کی دھمکی دینے پر وانّی عُذت آیت کے آخر تک جواباً فرمایا اللہ تعالیٰ نے ان کی تمنا سے ان کی دعاء کو پورا کیا اور ان کے دشمنوں کو تباہی کے گڑھے میں ڈالا جب حضرت مریم نے جبرائیل امین کو انسانی شکل میں اپنے پاس آتے ہوئے دیکھا تو فرمایا انّی اعوذ بالرحمٰن ...... آخر تک فرمایا۔ تو اللہ تعالیٰ نے قدرت کاملہ سے ممتاز بچہ بغیر باپ کے عطا فرمایا اور اس بچہ کو ''انّی عبد اللہ'' بنا کر اس کی عصمت بیان فرمائی اور بدی کے داغ سے پاک فرمایا اور قرآن کریم میں رسول اللہ ﷺ کو اعوذ باللہ بار بار پڑھنے کی تاکید ارشاد فرمائی جیسا کہ قُل اعوذ برب الفلق اور قُل اعوذ برب النّاس فرمایا۔ سورۂ اعراف میں اللہ عزّ و جل فرماتا ہے خذ العفو ط سے لے کر دوسری آیت کے اختتام تک فرمایا ہے اور سورۂ سجدہ میں بھی ادفع سے لے کر تیسری آیت کے اختتام تک فرمایا ہے۔

پس مذکورہ بالا آیات اور اقوال سے ثابت ہوا کہ تعوذ کا پڑھنا ہر ایک شخص کے لئے ضروری ہے بلکہ فرض ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن اسے پڑھنا قطعی فرض فرماتے ہیں وہ آگے چل کر فرماتے ہیں کہ لفظ واجب میں نے تحریر کیا ہے لیکن اس کا پڑھنا فرض ہے اور اللہ تعالیٰ کے احکام فرض ہوتے ہیں انبیاء علیہم السلام تعوذ کو ہر شر کے لئے ہمیشہ پڑھتے تھے کیونکہ ان کے پڑھنے سے امت کو فائدہ پہنچتا ہے۔ وگرنہ انبیاء علیہم السلام کے پاس تو کوئی شر نہیں آسکتا وہ تو معصوم ہوتے ہیں یا یہ کہ شر ان کے پاس سے بھی ہرگز نہ گزر سکے۔ یا یہ کہ وہ اعوذ باللہ اس لئے پڑھتے تھے کہ ان کا تعلق اللہ تعالیٰ سے وابستہ رہے اور دنیا کا کوئی شر بھی ان تک پہنچنے نہ پائے۔ علاوہ آیات کے احادیث میں باکثرت ثابت ہے جن سے چند بیان کی جاتی ہیں۔

حدیث اوّل: معاذ بن جبل سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ کی بارگاہِ قدس میں دو شخص آئے۔ انہوں نے آہ وزاری سے توبہ طلب کی۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے ایسی چیز معلوم ہے اگر وہ دونوں اسے پڑھیں تو دونوں کے گناہ معاف ہو جائیں۔ پھر فرمایا وہ چیز اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ہے۔ فقیر یہ کہتا ہے کہ مذکورہ بالا قول خلاف عقل نہیں۔ بلکہ کئی وجوہات سے عقل اسے تسلیم کرتی ہے۔

دلیل پہلی: انسان تمام دنیا کے وسائل اور فوائد دنیاوی سے بے خبر ہے وہ جانتا ہے کہ وسائل معلوم کرنے کا ذریعہ صرف عقل ہے۔ عقل بہت کمزور ہوتی ہے اور کم تعداد غضب اور خوش ہونے کے وقت عقل کے پرواز کرنے سے تمام کام اور قول حد کے اعتدال سے قانوناً خارج ہوتے ہیں اگر انسان مذکورہ بالا مقامات اپنے ذہن میں ہر وقت موجود رکھے تو افعال و اقوال پر کبھی بھی جرأت نہیں کرسکتا۔ مصیبتوں کو دور کرنے اور اچھائی کو حاصل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کے سواء کوئی چارہ نہیں ہے پس تعوذ ضروری ہوا۔

دلیل دوسری: انسان اس امر سے بے خبر ہے کہ حق کس طرف ہے آیا خصم سچائی پر ہے یا نہیں۔ تب یہ سوچ کر کہ میں حق بجانب ہوں تو اللہ تعالیٰ خصم کو اس کی توفیق دے اور اگر خصم حق بجانب ہے تو مجھے اس پر ہاتھ نہیں اٹھانا چاہئے تو اللہ تعالیٰ پر سب کچھ چھوڑ دیتا ہے اور اعوذ باللہ کو اختیار کر لیتا ہے۔

دلیل تیسری: جب قوت وہمی اور غضبی جوش پر ہوتی ہے تو انسان اپنے خصم کو غضب آلودہ نگاہوں اور سرخ آنکھوں سے دیکھتا ہے اور خصم پر غضب و قہر کرنے کے لئے تل جاتا ہے جب اسے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے زیادہ طاقتور ہے تو اپنے برے اعمال اور برے افعال دیکھ کر سخت شرمسار ہو کر اپنے خصم سے جنگ و جدال کو

Marfat.com

چھوڑ دیتا ہے اور اس سے معافی مانگ کر تعوذ پڑھنا شروع کر دیتا ہے۔ جب انسان بھلائی اور نیکی کی راہ کو اختیار کر لیتا ہے تو تمام جھگڑے اور رنجش چھوڑ کر قضائے الٰہی پر شکر گزار رہتا ہے۔

حدیث دوم: کہ جو شخص صبح کے وقت تین بار تعوذ پڑھے اور سورۃ حشر کی تین آخری آیات پڑھے تو خدا تعالیٰ اس کے لئے ستر فرشتے مقرر فرما دیتا ہے جو اس کے لئے رحمت کی دعا کرتے ہیں اگر وہ اسی حالت میں مرجائے تو شہادت کا رتبہ مل جاتا ہے اگر تمام کو پڑھے تو ویسا ہی رتبہ پائے گا فقیر یہ کہتا ہے کہ مذکورہ بالا حدیث سے ثابت ہوا کہ انسان اپنے گناہ کا اعتراف کر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ہیبت، عظمت اور جلالت کا پتہ سورۃ حشر کی آخری آیات سے ملتا ہے۔

تیسری حدیث: حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص دن کو دس مرتبہ تعوذ پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے فرشتہ مقرر کر دیتا ہے۔ فقیر یہ کہتا ہے جب انسان کو یہ علم ہو جاتا ہے نقصان ہونے کا تو وہ اپنے نفس کی پیروی چھوڑ دیتا ہے۔ اصل یہ ہے کہ شیطان بڑا شاطر ہے۔ پس تعوذ کے پڑھنے سے شیطان انسان سے دور بھاگ جاتا ہے۔

حدیث چوتھی: خولہ بنت حکیم فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، کوئی شخص کسی مکان میں داخل ہو یا کسی جگہ داخل ہو تو تعوذ پڑھے اور جاتے وقت بھی تعوذ پڑھے تو تمام تکلیفوں سے محفوظ رہتا ہے۔ فقیر کہتا ہے کہ دلائل سے معلوم ہو چکا ہے کہ ارواح اشخاص کی نسبت زیادہ ہیں اور پاک ارواح سے آسمان بھرا ہوا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ پاک ارواح سے آسمان اس قدر بھرا ہوا ہے کہ تل دھرنے کی جگہ نہیں۔ کہیں فرشتے بیٹھے ہوئے ہیں اور کھڑے ہوئے ہیں حتیٰ کہ جو بھر جگہ بھی خالی نہیں ہے یہ ارواح پاک اور مقدس ہی نہیں۔ بلکہ بعض خبیث رذیل اور بری روحیں بھی ہیں۔ جب انسان اعوذ بکلماتِ اللّٰہ التّامات کہتا ہے تو گویا پاک ارواح کے ذریعے درست طریقے سے پناہ طلب کی جاتی ہے۔ نیز چونکہ بکلمات اللہ سے امر کن مراد ہے جن کے معنی قدرت کے نافذ ہوتے ہیں جو شخص تعوذ قدرت کے ساتھ پڑھے تو کوئی چیز اسے نقصان نہیں دے سکتی۔

حدیث پانچویں: حضرت عمر بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اعوذ باللہ بکلمات اللّٰہ التامّات پڑھے کوئی چیز اسے نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ خود بھی پڑھتے تھے اور اپنے غلاموں کو اس کی تبلیغ کیا کرتے تھے اور کاغذ پر لکھ کر گردن میں لٹکا دیتے تھے۔

حدیث چھٹی: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے وہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام حضرت حسنین کریمین کو اعوذ باللہ سکھایا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ جس طرح میں اعوذ بکلمات اللہ التامات من کل شیطانٍ وھامۃ ومن کل عین لامّۃ سے استعاذہ کرتا ہوں اس طرح تعوذ ہے اور فرماتے کہ حضرت ابراہیم بھی حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق علیہما کو تعوذ سکھاتے تھے۔

حدیث ساتویں: رسول اکرم ﷺ استعاذہ ضروری امر خیال کیا کرتے تھے حتیٰ کہ جب آپ کی شادی ہوئی تو اس حرم نے آپ کے ہمراہ داخل ہوتے وقت اعوذ باللہ منک پڑھا تو آپ نے فرمایا کہ تو نے مناسب چیز سے پناہ مانگی۔ اس لئے اپنے گھر والوں سے مل جا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص کا دل نور الٰہی سے منور ہوتا ہے تو اسے دنیا سے کچھ غرض نہیں ہوتی بلکہ اس کی توجہ قول کی طرف ہوا کرتی ہے اور جب اس حرم نے اعوذ باللہ پڑھا تو آپ کا دل اسی میں مشغول ہو گیا۔ اور اس کی کچھ پرواہ نہ کی کہ آیا اس حرم نے عمداً اسے پڑھا ہے یا ایسا ہی۔

حدیث آٹھویں: حضرت سیدنا امام حسنؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص اپنے غلام کو زدوکوب کر رہا تھا اور غلام نے اعوذ باللہ پڑھنا شروع کر دیا اتنے میں حضور اکرم ﷺ فداہ ابی و اُمّی آپہنچے اور غلام نے اعوذ برسول اللہ کہنا شروع کر دیا اور اس کے آقا نے مارنا چھوڑ دیا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کے نام پر اسے چھوڑنا زیادہ مناسب اور افضل تھا اس نے جواب دیا کہ اے پیغمبر میں آپ کو اس امر کا گواہ بناتا ہوں کہ آج سے میں نے اللہ کی راہ میں اس کو آزاد کر دیا۔ آپ نے جواب دیا کہ قسم اس ذات کی کہ جس کے قبضہ میں مجھ (محمد رسول اللہ ﷺ) کی جان پاک ہے اگر یہ آیات نہ کہتا تو آگ کے شعلے تیرے منہ کو جلا دیتے۔

حدیث نویں: ابن مسعودؓ کہتا ہے کہ میں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو منبر پر اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم کہتے سنا اور فرماتے تھے کہ میں نے رسول اللہ کو شیطان سے پناہ مانگتے سنا ہے جب تک میری زندگی ہے میں اسے ہرگز نہ چھوڑوں گا۔

Marfat.com

حدیث دسویں: رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے۔ اعوذ برضاک من سخطک سبحنک واعوذ بعفوک من غضبک واعوذ بک منک

رکن چوتھا مستعاذ منہ

مستعاذ منہ سے مراد شیطان ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ شیطان کی شرارتوں سے پناہ مانگتا ہوں اور شیطان شر وسواس کے ذریعے پہنچاتا ہے اور علاوہ اس کے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کما یقوم الذی یتخبّطہ الشیطٰن من المس میں کہا ہے اس باب میں بہت سارے عقلی علم ہیں اور مکاشفات ہیں۔

مسئلہ نمبر 1:

شیطان کے وجود کے متعلق علماء کا اختلاف ہے بعض نے وجود تسلیم کیا ہے اور بعض نے نہیں۔ اس سے پہلے کہ فقیر اس کے وجود پر بحث کرے۔ ان کی ماہیت پر غور کرنا ضروری ہے جو انسانوں اور حیوانوں کی طرح چلتے پھرتے ہوں لیکن ایسا نہیں۔ بلکہ ان کا جسم لطیف ہوتا ہے۔ کئی شکلیں اختیار کر سکتے ہیں۔ حیوان کی شکل بھی انسان کی شکل بھی اور دوسری چیزوں کی شکل بھی یہ اختیار کر سکتے ہیں صاحب خزینۃ القرآن نے ان کی کئی قسمیں لکھی ہیں۔

پہلی قسم: یہ ہے کہ ہواؤں میں اڑتے ہیں اور وہ جو کام مشکل بھی ہو کر سکتے ہیں لیکن وہ کسی کو تکلیف نہیں دیتے۔

دوسری قسم: یہ قبرستان میں رہتے ہیں وہ صرف عورتوں پر عاشق ہو جاتے ہیں بلکہ عورت پر اگر وہ عاشق ہو جائیں تو وہ بری خواہش بھی اس پر استعمال کرتے ہیں یہ صرف یہی کام کر سکتے ہیں۔

تیسری قسم: یہ عام مقامات پر رہتے ہیں لیکن وہ صرف سائے کی شکل میں انسان پر غالب ہوتے ہیں۔ دوسرا خیال یہ ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ کسی موجودہ چیز کے وہ محتاج نہیں ہوتے ان کا جسم انسانی جسم سے علیحدہ ہوتا ہے اور بالکل خالی ہوتا ہے امام رازی بھی یہی بحث لکھتے ہیں۔ موجودات کے کئی مرتبے ہیں ان میں بعض پاک ہیں اور بعض ایسے بعض فرشتوں کی طرح سے اور ان کے لئے خدا تعالیٰ نے خود فرمایا ہے جو عرش پر رہتے ہیں فرشتے جن کو حاملین عرش کہا گیا ہے۔ وہ رُتبے میں افضل ہیں دوسرے وہ بلند مرتبہ ہیں جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا، پارہ نمبر 24 سورۃ زمر کی آیت آخری دیکھئے۔ تیسری فرشتوں کی اور قسم ہے۔ چوتھی قسم آسمانوں میں ہیں جو ایک دوسرے سے ممتاز ہیں۔ پانچویں درجہ میں کرۂ اثیری۔ چھٹے درجہ میں کرۂ ہوا کے فرشتے ہیں۔ ساتویں درجہ میں ملائکہ کرۂ زمہریری ہیں۔ آٹھویں درجہ میں وہ فرشتگان ہیں جن کا تعلق دریا کے ساتھ ہے۔ نویں درجہ میں وہ ارواح ہیں جن کا تعلق پہاڑوں کے ساتھ ہے اور دسویں درجہ میں اجسام سفلیہ کے فرشتے ہیں جو نباتات اور حیوانات میں تصرف کرتے پھرتے ہیں ان میں سے بعض ارواح نیک خیر سعادت نورانی شکل رکھتے ہیں اور یہ جنات میں صالحین سے ہیں اور بعض ان میں سے بدبخت رذیل خبیث شریر روحیں ہیں جن کو شیاطین سے تعبیر کیا گیا ہے اب فقیر اپنی توجہ اپنے اصل مقصد کی طرف لے جانا چاہتا ہے جن لوگوں نے دیو جنات وشیاطین سے انکار کیا ہے۔ ان کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

دلیل پہلی: اگر جنوں اور شیاطین کا وجود ہوتا۔ تو کثیف ہوتا یا لطیف ہوتا لیکن یہ باطل ہے۔ لہٰذا انکار ہے اگر ان کا وجود ہوتا تو سب کو نظر آتا۔ اس لئے کثیف کے معنی ہیں جو چیزیں نظر آئیں۔ اگر یہ تسلیم کریں کہ کثیف تو ہیں نظر نہیں آتے تو یہ بے عقلی ہے۔ کیا عقلمند انسان یہ مان سکتا ہے کہ پہاڑ، بجلی اور سورج نظر نہیں آتے؟

دلیل دوسری: اگر دنیا میں جنوں کے وجود کو مان لیا جائے تو ظاہر ہے کہ زیادہ تعلقات اور مساوات سے دو کام پیدا ہوتے خلوص ومحبت یا دشمنی انسان ان سے نہ تو کوئی فائدہ حاصل کر سکتا ہے نہ خلوص ومحبت، بہت سے آتش پرست لوگوں اور شعبدہ کھانے والے لوگوں نے اس بے بنیاد خیال سے کام لیا ہے۔ لیکن ہمیں جنات کا کبھی بھی مشاہدہ نہیں ہوا۔ اس خیال کی کوئی قابل تسلیم دلیل نہیں ملی ان دونوں باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جنوں کا کوئی وجود نہیں۔ یہ ایسا خیال ہے جس کا کوئی ثبوت نہیں۔

دلیل تیسری: اگر یہ لطیف ہوتے تو انہیں تیز ہوا سے جدا جدا ہونا چاہئے تھا کیونکہ لطیف، طاقتور چیز کو کہا جاتا ہے ان میں اعمال مخالفت اور تمام کاموں کے کرنے کی طاقت ہوتی حالانکہ فریق مخالف کو مشکل کاموں کے کرنے کی طاقت کو ماننا چاہئے۔ القصہ جب ان کا وجود کسی چیز میں سے نہیں تو جن نہیں ہیں۔

دلیل چوتھی: ان پہچان کرنے والے گروہوں کی تین دلیلیں ہیں۔ حس، خبر اور دلیل۔ لیکن ان تین اصولوں سے کسی سے بھی ان کی پہچان نہیں ہوتی۔ حس دو طرح سے

Marfat.com

ہوتی ہے یا آواز سے یا صورت دیکھنے سے ہمیں۔ نہ تو کبھی ان کی شکل نظر آتی ہے اور نہ آواز معلوم ہوئی تو ہم کیسے ان کے وجود کو تسلیم کر سکتے ہیں۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے ان کی آوازیں سنی ہیں اور انہیں دیکھا ہے وہ بے عقل ہیں مجنون ہیں یا تو ان کی بیماری ان کو مختلف چیزوں میں نظر آتی ہے یا وہ جھوٹ بولتے ہیں یا ان کا دماغ خراب ہوتا ہے یا وہ لوٹنے والے ہوتے ہیں۔ دوسرا اصول انبیاء علیہم السلام کا فرمان ہے اگر ہم انہیں نہ مانیں تو ثبوت کوئی چیز نہ ہوگی (ثم معاذ اللہ) ہم کہہ سکتے ہیں کہ معجزات خراب عادتیں یہ ساری جنوں اور شیطان سے منسلک ہیں۔ جو امور اصل کو باطل کرے وہ خود باطل ہوتا ہے اس کی مثال یہ ہے کہ باطل انسان میں نفوس جنات کو جائز رکھا گیا ہے جیسے بکری کے بچے کی آواز کو حق کی آواز کہا جائے۔ اونٹنی کو رسول اللہ ﷺ کو باتیں کرنے اور اونٹنی کی آواز کو جن نہ کہا جائے اور درخت کا جڑ سے اکھڑنا شیطان سے نتیجہ ہے پس جنات کے وجود سے نبوت غلط ٹھہری (معاذ اللہ) باقی رہی طریق دلیل اور وجود شیطان۔ جس پر نہ کوئی دلیل ملتی ہے نہ ہی عقل رہنمائی کرسکتی ہے تو معلوم ہوا کہ قول بالوجود باطل ہے۔ شبہات وجود جن اور شیطان کے بیان کرنے کے بعد فقیر جواب دیتا ہے۔

جواب پہلے شبہ کا: آپ کے پہلے شبہ کی دلیل سے جنات اور شیاطین کا وجود نہیں ہے۔ پس کیا وجہ ہے کہ ان کا وجود بر ملا جسمی نہ مانا جائے۔ اس خیال کے ماننے والوں نے مختلف خیالات ظاہر کئے ہیں بعض کا خیال ہے کہ جو جن انسان کے وجود میں بولتے ہیں بعض شریر ہوتے ہیں اور بعض نہیں جیسا کہ پیچھے بیان کر چکا ہوں اچھے بولنے والوں کو ملائکہ (فرشتے) کہتے ہیں اور برے شریروں کو شیاطین کہتے ہیں یہ نفوس اچھے اور نورانی معلوم ہوتے ہیں اگر اچھے ہوں تو انہیں الہام تصور کیا جاتا ہے برے ہوں تو انہیں برے خبیث شریر، رذیل کہا جاتا ہے۔ اس کے نزدیک یہی مسئلہ ہے کہ الہام اور وسواس جو کہ بیان ہو چکا ہے دوسرے گروہ کا خیال یہ ہے کہ جنوں و شیاطین کا جسم نہیں ہوتا اور جنس کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔ اگر اچھے ہوں تو ملائکہ اور اگر برے ہوں تو خبیث رذیل کے نام سے پکارے جاتے ہیں۔

مذکورہ بالا تقریر ذہن نشین کرانے کے بعد اب فقیر یہ کہتا ہے کہ جنس ملاپ کے ذریعے ہوتی ہے وہ ارواح پاک بشریہ سے ہوتے ہیں اور ان سے نیک کام ہوتے ہیں اور بھلائی ہوتی ہے اور ایسے ہی برے اور ناپاک روحیں خبیث نفس بشریہ سے ہوتی ہیں جن سے برے اعمال ظاہر ہوتے ہیں۔ تیسرا گروہ ارواح فوقانی کو مانتا ہے اور سفلی کو نہیں مانتا تو کہتے ہیں جس طرح بشریہ جسم ہوتے ہیں اسی طرح آسمان میں بھی بشر کے لئے ارواح جسم ہوتا ہے پہلے پہلے ارواح بشریہ کا تعلق دل سے ہوتا ہے اور بعد میں اس کا اثر سارے وجود میں پھیل جاتا ہے اس لئے ارواح فلکیہ آسمانی ستاروں سے اپنا اثر جماتا ہے جس طرح دماغ میں ارواح لطیف پیدا ہو کر اعصاب اور شریانوں سے گزر کر اجزائے بدن میں پہنچ جاتے ہیں پھر قوت حیات حسیہ اور حرکت دینے والی قوت پر ایک بار پھیل جاتی ہیں۔ اسی طرح ستاروں سے جرم کرتے ہوئے سارے جہاں میں پھیل جاتے ہیں اور ان کی طاقت شعاعوں کے ذریعے سارے جہان میں پھیل جاتی ہیں۔ جس طرح ارواح دل و دماغ سے اجزائے بدن کی طرف اُتر کر مختلف طاقتیں قوت غاذیہ نامیہ اور مولدہ پیدا ہوتے ہیں یہ قوت بدن مضبوط کے لئے بجائے اولاد کے نتائج پیدا کرتی ہیں اسی طرح ستاروں سے خطوط شعاعیہ اطرافِ عالم میں پھیل کر اجزاء عالم میں خاص خاص نفس مثلاً نفس زید نفس عمر پیدا کر دیتے ہیں۔ اور ان نفوس کو نفوس فلکیہ کی اولاد تصور کیا جاتا ہے چونکہ ہر ایک نفس فلکیہ کی شکل علیحدہ علیحدہ ہے اس لئے ان کے اثر بھی مختلف ہوتے ہیں جیسا کہ وہ نفوس جو فلک زحل سے پیدا ہوتے ہوں۔ ان کے جنسی سلسلہ محبت اچھے ہوں گے اور اس کے خلاف نفوس فلکِ مشتری جنس نفوس فلک زحل سے علیحدہ ہوگی اور باعث اختلاف جنس محبت نہ ہوگی۔

فقیر مذکورہ بالا بیان سے یہ کہتا ہے کہ فلسفی علت کو معلول سے قوی مانتے ہیں تو ہر ایک نفس بشریہ کی طبیعت خاص ارواح فلکیہ سے کسی روح کی معلول ہوا کرتی ہے اور اس روح کی طبیعت نفس بشری سے زیادہ طاقتور ہوگی اور ان دونوں سے ظاہر ہے کہ رعیت اور بادشاہ کا سا سلوک ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ ارواح فلکیہ ارواح بشریہ کو اس کی اولاد تصور کرتے ہیں۔ کبھی خواب کی حالت میں کبھی ظاہری الہام سکھاتے ہیں کبھی نفوس بشریہ کو اُس کی طبیعت کے ہم جنس طاقت کے ساتھ اتفاق ہو جانے سے اس کا رابطہ روح فلکی کے ساتھ زیادہ مضبوط ہو جاتا ہے تو عجیب عجیب عادتوں کے کرشموں کا مشاہدہ کرتا ہے۔ جو فرقہ وجود شیاطین اور جنات کو تسلیم کرتا ہے انہیں موجودات جسم کے بغیر مانتا ہے اور اب جاننا چاہئے کہ بعض فلسفیوں نے اس مذہب کو غلط مانا ہے وہ کہتے ہیں کہ مجردات مدرک جزئیات فاعل افعال جزیات نہیں ہو سکتے مگر ان کا یہ خیال غلط ہے۔

دلیل اول: یہ امر ممکن سے دور نہیں ہے کہ کسی خاص شخص پر یہ حکم لگایا جائے کہ وہ انسان ہے ذہن تسلیم نہیں کرتا قضی علی الشئی کے واسطے شئے مفعولہ علیہ کو پیش کرنا ضروری امر ہے۔

Marfat.com

دلیل دوسری: ہم بااصول فرض نفس مجردہ کو حالتِ ابتدائی میں ادراک جزئیات کا نہ ہونا تسلیم کر لیتے ہیں بواسطہ علت جسمانیہ نفس مجردہ کا ادراک جزئیات امر ہے۔ فقیر یہ کہتا ہے کہ کیا وجہ ہے کہ ان جواہر مجردہ کے لئے جو شیاطین اور جنات سے تعبیر کئے گئے ہیں۔ علت جسمانیہ سے طبقہ اثیریہ اور زمہریریہ جائز نہ رکھے جائیں۔ امام رازی اور صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں جن کی وساطت سے ادراک جزئیات اور ظاہری تصرف پر قادر ہوں۔ باقی رہا وہ گروہ جن کا خیال ہے کہ جنات جسمانیہ حیوانیہ ہیں اور مادیہ ہیں۔ وہ اجسام میں برابر ہوا کرتے ہیں اس سے یہ نتیجہ ہے کہ کل اجسام ان عوارضات کو قبول کرنے میں یکساں ہوتے ہیں۔ اس لئے اختلاف ماہیت بعض لوازمات میں شرکت کو مضر نہیں ہوتا۔ کیا وجہ ہے کہ ہم اجسام کو ذات اور ماہیت میں مان کر قبول حجم و مقدار میں برابر نہ تسلیم کریں۔ اس کے بعد فقیر یہ کہتا ہے کہ بعض قسم کے جسم لطیف اور امر کرنے کے قابل اپنی ذات کو زندہ رکھنے اور اپنی ذات کو پہچاننے کی صلاحیت رکھنے والے اعمال مخالفہ کو جدا جدا کرنے کے قابل ہوتے ہیں جب ایسے اجسام کا وجود ہو سکتا ہے تو وہ مختلف شکلیں اختیار کر سکتے ہیں اور سخت ہوا سے ٹکرا کر ریزہ ریزہ نہیں ہوتے۔ کوئی وجہ نہیں کہ ہم ان کے وجود کو نہ مانیں۔ ہم جانتے ہیں کہ فلسفی یہ جانتے ہیں کہ بجلی سے آگ نکل کر بہت تھوڑے عرصہ میں لوہے اور پتھروں میں ایک طرف سے ہو کر دوسری طرف سے نکل جاتی ہے۔ کیا وجہ ہے کہ ہم اجسام میں ایسا نہ مانیں اور نظروں کی موجودگی میں خواہ مخواہ انکار کریں۔ جنات میں انسان کے باطن میں داخل ہونے کی طاقت ہوتی ہے۔ اس میں پھرتے رہتے ہیں۔

دوسرے شبہ کا جواب: ایک کے ماسوا نفس خود دوسرے کے کاموں میں محض بے خبر ہوا کرتی ہے ہر ایک میں دشمنی اور سچائی کا حصول معلوم نہیں ہوتا۔ فقیر اس کے متعلق کوئی رائے قبول نہیں کرتا لیکن صاحب خزینۃ القرآن نے اس پر مبنی بحث کی ہے وہ یہاں بیان نہیں کروں گا کیونکہ وہ بہت لمبی ہے لیکن فقیر اپنی رائے بیان کر چکا ہے امام رازی بھی اسی پر اتفاق کرتے ہیں۔ جہاں تک فقیر نے ذکر کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 2:

اب نقل سے دلائل پیش کئے جاتے ہیں صاحب خزینۃ القرآن نے اپنی رائے کے آخر میں اسی بحث میں ص ۱۴۵۵ جلد ۵ پر لکھا ہے کہ میری رائے عقل سے بھی جنات اور شیاطین کے وجود کو ثابت کرتی ہے قرآن و حدیث کی رو سے قرآن کریم میں جنات اور شیاطین کے متعلق کافی جگہ ثبوت ہے جیسا کہ آیت اوّل پارہ نمبر ۸ یا معشر الجن سورۃ انعام میں آیا ہے لیکن پارہ نمبر ۸ میں ابتدائی آیت میں شیاطین الجن آیا ہے۔ پارہ نمبر ۲۶ سورۃ احقاف میں ذکر ہے۔ ''واذ صرّنا'' سے لے کر الٰی طریق مستقیم تک اور پارہ نمبر ۱۵ میں بھی شیاطین اور جنوں کا بھی ذکر آیا ہے جیسے شیطان کے بارے میں کان من الجن آیا ہے اور جن آگ سے ہیں جیسے پارہ نمبر ۸ میں سورۃ اعراف میں شیطان نے خود کہا انا خیرٌ مّنہُ آیت کے آخر تک۔ اس سے شیطان کا آگ سے ہونے کا خود دعویٰ ہے یہی ذکر پارہ نمبر ۲۳ سورۃ زمر کے تیسرے رکوع میں دیکھئے۔ اور پھر جنوں کا ذکر سورۃ الرحمٰن میں کیا گیا ہے یامعشر الجن والانس شیطان کا دعویٰ آگ سے ہونے کا درست ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے کہ میں نے انسان کو مٹی سے اور جنوں کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا ہے یہ بات سورۃ الرحمٰن میں ذکر ہے۔ پارہ نمبر ۱ میں واتبعوا ماتتلوا الشیاطین آیا ہے۔ قصہ حضرت سلیمان علیہ السلام میں جابجا ان کا ذکر ہے۔ یعملون له مایشاء پارہ نمبر ۲۲ سورۃ سباء میں یعلمون سے لے اعملوا تک دیکھئے۔ پھر پارہ نمبر ۲۳ سورۃ صٓ میں والشیاطین سے لے کر آیت کے آخر تک (صٓ) کا دوسرا رکوع دیکھئے۔ پھر سورۃ سباء میں دوسرے رکوع میں ولسلیمان الریح سے لے کر من الجن تک فرمایا پھر انا زینا السماء سورۃ صافات پارہ نمبر ۲۳ میں فرمایا پھر سورۃ نمل میں دوسرے رکوع میں سلیمان علیہ السلام کے قصے میں جنوں کا بہت ذکر ہے بلکہ جنوں کے سردار کا نام قرآن نے عفریت فرمایا ہے سورۃ جن خاص جنوں کے لئے نازل ہوئی ہے اس پر احادیث بکثرت ہیں۔

حدیث پہلی: موطا، امام مالک نے سیفلی بن افلح سے روایت کیا ہے کہ ابی سائب مولذین ہشام ابن زہری ابی سعید خدری کے ہاں گئے۔ انہیں نماز میں مصروف دیکھ کر بیٹھ گئے جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو اتنے میں تخت کے نیچے سانپ کی آواز سنائی دی میں نے اس قتل کرنا چاہا لیکن ابی سعید نے مجھے اشارہ کیا کہ قتل نہ کرو۔ آپ نے مجھے اپنے ایک مکان کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا کہ اس مکان کو تو نے دیکھا ہے؟ کہا ہاں، فرمایا کہ اس مکان میں ایک جوان رہا کرتا تھا۔ حدیث تو لمبی ہے، مختصر یہ کہ اس نے اپنی عورت کو لوگوں میں کھڑی دیکھ کر غیرت کھائی اور اسے قتل کرنے پر تل گیا۔ عورت نے کہا کہ جلدی مت کرو پہلے اپنے گھر میں جاؤ وہاں دیکھو کہ کیا چیز ہے جب وہ گھر پہنچا تو دیکھتا ہے کہ اس کے بستر پر سانپ ہے اس نے سانپ کو نیزہ مارا اور اسے زخمی کر دیا اور وہ جوان بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑا۔ معلوم نہیں کہ ان دونوں

Marfat.com

میں سے پہلے کون مرا، ہم نے جب رسول اللہ ﷺ کو خبر دی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس شہر میں جن رہتے ہیں اور اسلام قبول کر چکے ہیں۔ اگر تم میں سے کوئی سانپ کو دیکھے تو تین مرتبہ اسے کہے کہ چلا جا۔ اگر باز نہ آئے اور پھر تمہیں دکھائی دے تو سمجھو کہ وہ شیطان ہے اور اسے قتل کر دو۔ صاحب خزینۃ القرآن ایک اور حدیث درج کرتے ہیں کہ اس حدیث کا مقصد یہ ہے کہ جنات جب بوڑھے ہوتے ہیں یا ان کو جب موت آتی ہے تو یہ سانپ کی شکل اختیار کر کے مرتے ہیں اس حدیث کی تائید مذکورہ بالا حدیث موطاء والی سے ہوگئی۔

حدیث دوسری: موطاء امام مالکؒ یحییٰ ابن سعید سے بیان کرتے ہیں کہ شب معراج کی رات کو رسول اللہ ﷺ نے عفریت جن کو دیکھا جو شعلہ آگ کے ساتھ آپ کو ٹٹول رہا تھا اس طرف منہ اٹھا اٹھا کر دیکھتا تھا تو جبرئیل نے کہا۔ کیا میں آپ (ﷺ) کو ایسی کلام عرض کر دوں۔ لیکن ایک اور حدیث میں آیا ہے میں اللہ کی طرف سے آپ کو کلام عرض کر دوں۔ لیکن موطاء نے یہ بیان کیا کہ میں کلام سکھاؤں۔ اس سے یوں نہ سمجھ لیجئے کہ جبرائیل حضور ﷺ کے استاد ہیں بلکہ حضور ﷺ استاد ہیں۔ پھر کلام سکھانے کی کیا وجہ۔ صاحب فتح الباری اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ بعض کلام ایسے ہیں کہ جو حضور (ﷺ) کو جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ میں سکھاؤں لیکن اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ حضور شاگرد ہوئے ایسا نہیں ہے۔ حضور ﷺ خود دیکھنا چاہتے ہیں کہ جبرائیل کو بھی ان کلمات کا علم ہے یا نہیں جیسا کہ قابل شاگرد استاد کے سامنے علم کی قابلیت سے خود بخود کافی موقف خود بخود بیان کرجاتا ہے اور استاد خاموش رہتا ہے اور استاد کہتا ہے کہ فلاں چیز یا فلاں مسئلہ بتاؤ۔ اگر شاگرد صحیح بتلا دے اس کا یہ مطلب نہیں ہوگا کہ شاگرد اپنے استاد کا استاد ہوگیا ہے وہ شاگرد ہی رہے گا۔ بلکہ شاگرد کی قابلیت پر استاد خوش ہوتا ہے۔ جب سورۃ مریم کی پہلی آیت آئی کھٰیٰعٓصٓ تو حضور ﷺ نے فرمایا میں جانتا ہوں۔ لیکن آیت کے آخر تک یہی سلسلہ رہا۔ جبرائیل نے کہا یا رسول اللہ میں تو نہیں جانتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا جو علم تو نہیں جانتا وہ میں جانتا ہوں تو موطاء کی حدیث بیان ہو رہی تھی کہ جبرائیل نے کہا کہ میں آپ ﷺ کو ایسا کلام بتاؤں کہ وہ شعلہ منہ کے بل نیچے گر جائے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہو تو جبرئیل نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ کلمات عرض کئے قُل اعوذ بوجهه الكريم وبكلمات التامات التى لا يجاوز عنّ برًا ولا فاجرًا من شرما ينزل من السماء ومن شرما يعرج فيها ومن شرماينزل ٥ الى الارض ومن شرّما يخرج منها ومن شرعين الليل والنهار من شر تارك الليل والنهار الاّ تارك نيزك يا رحمٰنُ صاحب خزینۃ القرآن اسی حدیث کو درج کرتے ہوئے اس کے فوائد فرماتے ہیں جو کوئی شخص رات کو اسے ایک مرتبہ پڑھے اللہ تعالیٰ اس کو شیاطین اور جنات کے ہر شر سے امان دے گا۔ صبح کی نماز کے بعد سورۂ مزمل ایک مرتبہ پڑھے اور اسے سات مرتبہ پڑھے۔ نہ اس پر کوئی جن شیاطین قریب آئیں گے یا وہ جس پر پڑھے تو اس کے وجود سے بھی ہمیشہ کے لئے نکل جائیں گے۔ فرماتے ہیں کہ مجھے اپنے جد امجد سیدنا علیؓ کی طرف سے اجازت آرہی ہے یہ میرے آبا واجداد کا معمول تھا اور میری طرف سے اجازت ہے کہ جو کوئی اس پر عمل کرے جنات اور شیاطین پر غالب رہے گا بلکہ وہ اس سے خوف کھائیں گے۔

حدیث تیسری: موطاء امام مالک روایت کرتے ہیں کہ کعب الاحبار کہتا ہے رسول اللہ ﷺ اعوذ بوجه الله العظيم الذى ليس بشئٌ عظيم منه وبكلمات الله التامات الّتى لايجاوز عن برّوٍ ولا فاجراً باسماء كلها ماقد علمت منها. وَ مالم يعلم من شرّما خلق ٥ پڑھا کرتے تھے۔

حدیث چوتھی: حضرت امام مالک روایت کرتے ہیں کہ حضرت خالد بن ولید نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھے نیند نہیں آتی ہے اور میں نیند میں جاگتا رہتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ سونے سے پہلے اعوذ بالله بكلمات الله التامات من غضب و عقابِ شرّعباده ومن همزاتِ الشياطين و اعوذ بك رَبّ ان يحضرُون۔ پڑھا کرو۔

حدیث پانچویں: یہ لیلۃ الجن والی مشہور حدیث ہے اسے بخاری ومسلم نے بھی نقل کیا ہے جو عام لوگوں کو معلوم ہے اور وہ حدیث حد تواتر تک ہے۔ کہ حضور (ﷺ) نے جنوں کو اس رات کچھ پڑھ کر سنایا اور دعوت اسلام دی۔

حدیث چھٹی: قاضی ابو بکر علیہ الرحمہ نے ہدایہ میں بیان کیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ جو انسانوں کے دلوں میں شیطان ہے اس کو دیکھنے کی خواہش ہے تو دعاء قبول ہوئی جب دیکھا تو انسان کے دل پر سانپ اپنا سر رکھے ہوئے ہے جب اللہ کا ذکر ہوتا ہے یہ سر اٹھا لیتا ہے جب اللہ کا ذکر نہ ہو تو سر دل پر رکھے رہتا ہے۔ اور دل کو بند رکھتا ہے۔

Marfat.com

حدیث ساتویں: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ انسان کے جسم میں جس طرح خون دوڑتا ہے۔ شیطان بھی انسان کے جسم میں اسی طرح دوڑتا ہے۔ حضور (ﷺ) نے فرمایا ہر ایک شخص کا علیحٰدہ علیحٰدہ شیطان ہوتا ہے۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے عرض کیا کہ آپ ﷺ میں بھی اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ہاں، لیکن میں قابو پالیتا ہوں۔

نوٹ:

اس حدیث نمبر ۷ کا پہلا حصہ تو بالکل درست ہے لیکن آخری حصہ ضعیف ہے کیونکہ راوی کو آخری کلمات شاید یاد نہ رہے ہوں گے۔

صاحب خزینۃ القرآن ایک حدیث درج کرتے ہیں سعید بن حارث ابن عباس سے۔ سیدنا ابن عباس فرماتے ہیں کہ میرے والد نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ ہر ایک انسان میں تو شیطان ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے جسم میں بھی رکھا ہے تو اس روایت میں حضور ﷺ نے فرمایا انبیاء علیہم السلام کے جسم میں ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ حفاظت فرماتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے میرے دل کو تمام انبیاء سے ممتاز فرمایا ہے اور مجھے الٰہی کریم کا وہ قرب نصیب ہوا ہے جو کسی کو نصیب نہیں ہوا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جسے خدا کا قرب بے بہا نصیب ہو تو اس کے پاس شیطان کیسے آسکتا ہے۔ الٰہی قرب بھی بے بہا ہو اور شیطان بھی آئے یہ نہیں ہوسکتا۔ یاد رہے کہ حضور بھی ممتاز اور حضور کا قرب بھی خدا تعالیٰ کے قریب ہونے سے ممتاز قرب ہے تو حدیث سے ثابت ہوا کہ حضور ﷺ شیطان سے مستثنیٰ ہیں۔ صاحب خزینۃ القرآن کی حدیث کو صاحب فتح الباری اپنے رسالے میں درج فرماتے ہیں۔ پہلی حدیث اکثر محدثین نے بیان کی ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہاں اکثریت ہے ادھر صرف دو روایت ہیں تو پہلی حدیث قوی نہیں گزری دوسری حدیث قوی گزری۔ کیونکہ پارہ نمبر ۶ میں اللہ جل شانہٗ فرماتا ہے واللہ یعصمک اعتراض ہوگا کہ یعصمک تو لوگوں کے لئے ہے۔ شیطان کے لئے کیسے ہوگا۔ یاد رہے کہ یعصمک کی ظاہری شرط تو لوگ ہیں تو جب ظاہری شرط لوگ ہیں تو اللہ تعالیٰ حضور ﷺ کے ظاہر کو لوگوں سے محفوظ رکھتا ہے تو یعصمک کا اطلاق حضور ﷺ کے باطن مقدس پر بھی ٹھہرے گا۔ معلوم ہوا کہ مذکورہ بالا حدیث درست اور قوی ٹھہری۔ اس کے ذکر میں اور بھی بہت سی احادیث ہیں لیکن اتنی کافی ہیں۔

مسئلہ نمبر 3:

جنوں کے آگ سے پیدا ہونے کی تحقیق پیچھے بیان کر چکا ہوں مزید دلائل کے لئے پارہ نمبر ۱۴ کے تیسرے رکوع کی دوسری آیت دیکھئے کہ جن آگ سے پیدا کئے گئے ہیں۔

مسئلہ نمبر 4:

وجہ تسمیہ جن میں منقول ہیں۔ پہلا یہ کہ اللہ تعالیٰ کی دلیل سے یعنی قرآن سے لئے گئے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جیسے چاہتا ہے بناتا ہے اور زمین بھی اسی سے اور جن بھی اسی سے پیدا کئے گئے ہیں۔ کیونکہ جن ہماری آنکھوں سے نظر نہیں آتے۔ اور جنین بھی اسی سے ہے کیونکہ پیٹ میں چھپا ہوا ہوتا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ جن شروع میں جنت کے خزانچی تھے۔

مسئلہ نمبر 5:

مکلفین (تکلیف دیئے ہوئے) چار (۴) گروہ ہیں۔ ملائکہ، انسان، جنات، شیاطین دوسرے دو (۲) گروہوں میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ یہ دو (۲) علیحٰدہ جنس ہیں بعض کا خیال ہے کہ جنات میں شریر اور نیک بھی۔ شریر جنات کا نام شیاطین ہے گویا دونوں ایک ہی جنس ہیں۔

مسئلہ نمبر 6:

مشہور یہ ہے کہ شیاطین انسانوں کے اندر دوڑتے ہیں یا حرکت کرتے ہیں اور یہ دلیل پیش کرتے ہیں۔ اگر جن وجود غیر مجسم کو کہتے ہیں تو اس میں انسان کے اندرون میں حرکت کرنے کی قابلیت ثابت ہوتی ہے یہ کوئی عجیب عمل نہیں اور نہ قیاس سے دور ہے نیز قرآن کریم کی یہ آیت لا یقومون الا کما یقوم الذی

Marfat.com

یتخبطہ الشیطن من المس سے حرکت مراد ہے اور حدیث میں سرکارِ دوعالم کا فرمان کہ بنی آدم کے جسم میں شیطان حرکت کرتا ہے مگر معتزلہ اسے نہیں مانتے وہ کہتے
ہیں کہ اللہ کا فرمان ہے۔ ہمارے لئے نہیں کہ تم پر کوئی غلبہ ہو مگر جب میں تمہیں پکاروں پس تم میرے لئے قبول کرو۔ آیت مذکورہ بالا معتزلی پیش کرتے ہیں۔ پارہ نمبر ۱۳
میں ہے۔ شیطان کو وسوسہ کے سواء کچھ نہیں۔ علماء بالاتفاق اس پر لعنت کرتے ہیں تو ظاہر ہوتا ہے کہ ان دونوں فرقوں میں ظاہرہ دشمنی ہے۔ اگر جنوں میں حرکت کرنے یا
تکلیف پہنچانے کی طاقت ہوتی تو وہ انبیاء اور اولیاء کو تکلیف پہنچا سکتے نیز انبیاء علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں اور ان پر خداوند عالم کا ذکر طاری ہوتا ہے جن اور شیاطین ان
سے ڈرتے ہیں اور اولیاء کاملین شیطان سے محفوظ ہوتے ہیں اللہ کا ذکر کرنے سے کیونکہ جن کا حرکت کرنا تو دل سے ہوتا ہے اور انسان کا دل بند ہو جاتا ہے اور بے سکونی
پیدا ہو جاتی ہے لیکن نبی پاک علیہ اسلام نے فرمایا کہ میری امت کے اولیاء کاملین پر جنات کا کوئی اثر نہ ہوگا بلکہ جنات ان کے مغلوب ہو جائیں گے اور ان کا دل اللہ کے
ذکر سے بھرا ہوا ہوگا اور سکون ہوگا۔ قرآن کریم میں بھی اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ یادرکھو! اللہ کا ذکر دلوں کو سکون دیتا ہے ذکر سے مراد قرآن
کریم ہے اور اولیاء کاملین ہر وقت قرآن سے مشغول رہتے ہیں اور جنات ان کے تابع ہو جاتے ہیں۔

مسئلہ نمبر 7:

ملائکہ شادی اور کھانے پینے اور تمام انسانی ضروریات سے پاک ہیں۔ خدا کی عبادت تسبیح اور ذکر میں دن رات مشغول رہتے ہیں۔ مگر شیاطین کو ان تمام چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے کھاتے پیتے بھی ہیں شادی کرتے ہیں اور ان کی اولاد پیدا ہوتی ہے۔ حضور (ﷺ) نے فرمایا کہ ہڈیاں اور گوبر جنوں کا کھانا ہے۔

مسئلہ نمبر 8:

تحقیق وسوسہ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ شیطان انسان کے اندر داخل ہو کر اپنا سر انسان کے دل پر رکھ کر وسواس ڈالنا شروع کرتا ہے۔ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ شیطان ابن آدم کے وجود میں ایسے جاری ہوتا ہے جیسے بنی آدم کے وجود سے خون جاری ہوتا ہے مگر جس طرح وسواس جاری ہوتے ہیں خون کی طرح۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر شیطان نہ دوڑتا بنی آدم کے دلوں پر تو بنی آدم کی نظر ملکوت آسمان تک ہوتی۔ بعض کہتے ہیں کہ ان احادیث میں تاویل ہونی چاہئے۔ ظاہری معنوں میں شیطان کا انسان کے جسم میں داخل ہونا لازم آتا ہے اور یہ مشکل ہے۔ اگر تقدیراً تسلیم التساع مجاری انسانی یا مداخل اجسام کا ہونا ضروری معلوم ہوتا ہے یہ مشکل ہے کیونکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ان دونوں فرقوں کے درمیان آپس میں دشمنی ہے۔ اگر حرکت کرنا تسلیم کیا جائے تو انسان کو کافی سخت مصیبتوں کا سامنا کرنا ہوگا۔ تیسرا یہ کہ شیاطین آتشی مخلوق ہیں۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ شیطان کا حرکت کرنا محسوس ہوتا۔ حالانکہ ایسا نہیں۔ آگ کا بدن میں جانا اور محسوس نہ ہونا ایسا نہیں ہے کہ وہ اثر نہ کرے۔ چوتھا یہ کہ شیاطین کفر وفسق وفجور اور گناہ کے عاشق ہیں۔ بعض اوقات قسم قسم کے فسق وفجور دیکھنا چاہا لیکن وہ نظر نہ آسکے۔ ہمیں نہ ان کی دوستی سے کوئی نفع ہے نہ ان کی دشمنی سے کچھ تکلیف۔ فریق پہلا کہتا ہے کہ ثابت ہوا کہ شیطان کا حرکت کرنا لطیف مجرد ہوا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے دست قدرت سے یہ کچھ دور نہیں ہو سکتا۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ میں ڈالے گئے تو آگ سرد اور امن والی ہو گئی۔ چوتھا یہ کہ کچھ برے کام کرتے ہوں اور کچھ اپنی مرضی پر اچھے کاموں کو پسند کرتے ہیں۔

مسئلہ نمبر 9:

امام غزالی علیہ الرحمہ نے اپنی مشہور کتاب احیاء العلوم میں وسوسہ کی تحقیق یوں فرمائی ہے کہ انسان کا دل گنبد کی طرح دیکھائی دیتا ہے جس کے بہت دروازے ہیں ہر ایک دروازے سے خبریں ملتی رہتی ہیں یا تمام تیروں کا نشانہ ہے یا اس منصوبے کا آئینہ ہے جس میں دلوں کی آمد ورفت مختلف صورتوں میں دیتی ہیں۔ یا حوض ہے جس میں قسم قسم کا پانی رگوں میں سے جاری ہوتا ہے۔ غرض یہ کہ دل کی طرف حواس خمسہ ظاہر اور حواس خمسہ باطنی مثلاً غضب شہوت خیال اور اختلافات کے ذریعے پہنچتی رہتی ہے جن سے دل پر اثر ہوتا ہے اور ایک حالت پر نہیں رہتا۔ بلکہ ہر وقت اس کی کیفیت بدلتی رہتی ہے اور تغیرات ہوتے رہتے ہیں۔ حواس خمسہ کے ذریعے دل پر خیال کرنے کے لئے ایک حالت پیدا ہوتی ہے۔ جان کی خواہش مختلف غضب شہوت مختلف حالات سے مختلف تاثرات پیدا کرتے رہتے ہیں۔ اگر حواس خمسہ ظاہری کے خیالات نہ پیدا کیئے جائیں تو بھی خیالات حاصل کرنے والی مشین جاری رہتی ہے کبھی بند نہیں ہوتی۔ اور کئی قسم کے خیالات پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ ایک ہی شیئے پر کھڑا

Marfat.com

نہیں ہوتا بدلتا رہتا ہے جس سے دل کی حالت بھی تبدیل ہوتی رہتی ہے اور ہمیشہ سبب بننے کے اثر میں متاثر رہتا ہے مگر ان تمام خیالات سے خاص خاص خیالات کام آتے ہیں جن کو خاطر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ خاطر سے فقیر کی مراد اس ادراک پر ہے جو فکر کرنے اور سوچنے کے خیالات ہوتے ہیں اور معلوم شدہ حالات کی جانچ سے حاصل کئے جاتے ہیں یا خود دل پر پیدا ہو جاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ انہیں نتائج اور معلومات کو خاطر کہا جاتا ہے دل پہلے ان سے بے خبر ہوتا ہے اور بعد میں معلوم کر لیتا ہے اور خاطر سے قوت اور تحریک پیدا ہوتی ہے۔ یہ علیحدہ بات ہے بعض خاطر سے اچھے ارادے اور بعض خاطر سے برے ارادے پیدا ہوتے ہیں۔ ان کی علیحدہ علیحدہ قسمیں ہیں۔ جو خاطر اچھے ارادے پیدا کرے اسے الہام کہا جاتا ہے اور بروں کو وسوسہ کہا جاتا ہے۔ ارادات حسنہ سے مراد وہ ارادے ہیں جن سے عاقبت سنور جائے اور جو آخرت کو بگاڑ دیں وہ حوادث ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ خاطر حوادث ہوتے ہیں اس لئے ان کی حد مقرر ہونی چاہئے۔ ورنہ تسلسل لازم آئے گا جو محال ہے۔

مسئلہ نمبر 10:

امام غزالی کی مزید تحقیق امام صاحب نے مقصد حاصل کرنے کی کوشش تو کی ہے مگر مقصد تک نہیں پہنچتے بلکہ اس کے قریب قریب رہے۔ انسان جب تک اپنے مقصد میں پورا چارہ نہ کرے تو کامیاب نہیں ہو سکتا اور کامل نہیں ہو سکتا لہٰذا اہم چھان بین کرنے سے پہلے مقدمات بیان کرنے کی ضرورت ہے۔

مقدمہ پہلا: انسان بعض چیزوں کو اپنی طبیعت کے مطابق پسند کرتا ہے اور انہیں حاصل کرنے کی پوری کوشش کرتا ہے اور بعض چیزوں سے انسان نفرت کرتا ہے اور اسے دفع کرنے کے لئے سرتوڑ کوشش کرتا ہے اور مطلوبات کو انسان کی طبیعت کے ساتھ قرار دینے کی یہ وجہ ہے کہ انہیں بالطبع قرار دیا جائے دور میں تسلسل لازم آئے گا۔

مقدمہ دوسرا: دلیل استقرائی سے ثابت ہو چکا ہے کہ مطلوب بالذات چیز سے سرور اور لذت ہوتی ہے اور جن ذرائع سے انہیں حاصل کیا جاتا ہے وہ بالطبع ہوتی ہیں۔ اس طرح غم اور الم سے بالطبع گریز ہوتا ہے۔

مقدمہ تیسرا: نفسانی طاقتوں میں ہر ایک طاقت کو لذت دینے والی علیحدہ چیز ہے دیکھنے والی طاقت کو جس چیز سے لذت حاصل ہوتی ہے۔ وہ سامع کو نہیں بلکہ اسی جیسی ایک دوسری چیز ہوتی ہے۔ اسی غضبی طاقت کو تیسری چیز اور شہوت کی طاقت کو چوتھی چیز سے لذت پہنچتی ہے اور عقل والی طاقت کو ان چاروں چیزوں سے لذت نہیں پہنچتی۔ بلکہ وہ کسی پانچویں طاقت سے لذت حاصل کرتی ہے۔

مقدمہ چوتھا: قوت باصرہ کو جب موجودات میں سے کسی چیز کا خیال ہوتا ہے تو ذہن کو چھان بین کے بعد تین کاموں میں سے کسی ایک سے خبر ہوتی ہے کہ شئے لذت یا غم پہنچانے والی ہے یا نہ تو وہ لذیذ اور نہ غم پیدا کرتی ہے۔ پہلے علم سے اس شئے کے حاصل کرنے کا شوق پیدا ہوتا ہے اور دوسرے علم کا نتیجہ نفرت اور گریز سے ہوتا ہے اور تیسرا علم نہ تو وہ سکون پیدا کرتا ہے اور نہ نفرت۔

مقدمہ پانچواں: کسی چیز کا لذیذ اور سرور بخش ہونا تب ہی دل اس کو سالک بناتا ہے۔ اگر کوئی رکاوٹ اور اعتراض کرنے والا نہ ہو لیکن اگر کسی رکاوٹ کا علم ہو جائے تو دل کبھی اس کا فریضہ نہیں ہو گا جیسے کہ لذیذ اور نفیس کھانے کو دیکھ کر انسان کا دل خواہ مخواہ کھانے کو چاہتا ہے لیکن برخلاف اس کے یہ معلوم ہو جائے کہ اس کا نتیجہ ہلاکت ہے یا اس میں زہر ملی ہوتی ہے تو شوق کی بجائے نفرت پیدا ہو جائے گی۔ اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ انسان اپنے آپ کو بلند مقام پر پہنچا کر پھر نیچے گرا دیتا ہے۔ کیا وجہ ہے کہ اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہو جاتا ہے کہ مجھے اس بھاری تکلیف سے تکلیف رفع ہو جائے گی۔ یا موجودہ تکلیف سے فائدہ اور آسانی حاصل ہوتی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ لذت اور نفرت اعتقادی کام ہے۔ اعتقاد میں اگر کوئی ایسا امر پیدا ہو جائے جو کہ خطرناک ہو تو لذیذ چیز بھی لذیذ نہیں رہتی۔ اسی طرح شق دوسری۔ پس جب تک اعتقاد کا امر اعتراض سے خالی ہے نفرت اور لذت پیدا کر سکتا ہے۔

مقدمہ چھٹا: مذکورہ بالا تقریر سے یہ معلوم ہو گیا کہ کافی سارے حیوانی کام لازمی ذاتی اور عقلی ربط سے جڑے ہوئے ہیں۔ ان افعال کا مصدر وہ طاقتیں ہیں جو اعضاء اور پٹھوں میں موجود ہیں لیکن ان طاقتوں میں کام کرنے یا نہ کرنے کی صلاحیت اس وقت تک پیدا نہیں ہوتی جب تک ارادے ساتھ شامل نہ ہوں اور ارادے کسی چیز کو لذیذ یا غیر لذیذ ہونے کے علم کے سواء پیدا نہیں ہو سکتے اگر انسانی کام علم حاصل کرنے کے سبب مذکور نہیں ہو سکتا۔ تو تسلسل یا دور لازم آتا ہے جو کہ محال ہے علوم خیالات اور تصورات جنہیں نفس کا جواہر حاصل کر سکتا ہے۔ جہت کے سبب کے ساتھ خارجی ہوتا ہے بعض نے ان سببوں کو القصلات فلکی مانا ہے اور بعض حقیقی سبب قرار دیتے

Marfat.com

ہیں۔بعض مرتبہ اللہ تعالیٰ ان علوم اور اعتقادات کو دل میں ڈال دیتا ہے۔اس سوال کا جواب کہ افعال کس طرح سرزد ہوتے ہیں جب افعال کا مسئلہ معلوم ہو گیا تو جاننا چاہئے کہ شیطان اور وسوسہ کی نقاہت کے بارے میں خیال کیا گیا ہے۔کسی چیز کے لذیذ اور غیر لذیذ ہونے کے علم میں اور علم یا تو بواسطہ سبب اور مراتب یا بلاواسطہ القاء الٰہی سے ہوتا ہے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ یہ جملہ مراتب عقلی لازمی اور ذاتی ہیں اور ہر ایک اپنے مرتبہ ترتیب سے باہر نہیں ہوتا کیونکہ کسی چیز کے احساس سے اس چیز کا موافق طبیعت ہونا مفہوم ہوا ہے تو طبیعت اس طرف رجوع ہوتی ہے تو گویا ان مراتب کے بعد وقوع فعل ہوتا ہے۔پس اگر شیطان کو خارجی چیز مانیں اور فرض کر لیں کہ اسے وسوسہ حاصل ہے تو اس صورت میں وسوسہ کا دل پر کوئی اثر نہ ہوگا۔کیونکہ مراتب مذکورہ حاصل ہونے پر وقوع فعل ناممکن ہوگا خواہ شیطان اور اس کا وسوسہ ہو یا نہ ہو تو معلوم ہوا کہ وجود شیطان اور وسوسہ کا خیال بالکل لغو اور باطل ہے۔بلکہ درست ہے کہ ان مراتب مذکورہ کو اگر یہ کام نفع دینے والے ہیں تو یہ الہام ہے۔اگر تکلیف دینے والے ہیں تو وسوسہ ہے۔جواب میں جس قدر بیان کیا گیا ہے وہ حق اور صادق ہے لیکن کسی وقت انسان کسی چیز سے بے خبر ہو جاتا ہے کیا یہ کوئی اور امر ہے کہ بھولی ہوئی بات کو یاد کرا دے اور طبیعت میں اس چیز کی رغبت پیدا ہونے سے فعل سرزد ہو جائے۔پس شیطان کا خارجی فعل صرف یاد دہانی کے لئے ہے اور قول ابلیس سے بھی اللہ تعالیٰ کا اس طرف اشارہ ہے وما کان لی علیکم من سلطان سورۃ ابراہیم پارہ نمبر ۱۳ چوتھے رکوع کو دیکھئے البتہ ایک شبہ باقی رہا کہ فعل کی طرف انسان کا اقدام بوجہ یاد دہانی شیطان ہوا۔شیطان اگر بھول جائے تو کیا دوسرا شیطان یاد دہانی کراتا ہے یا نہیں؟ صورت پہلی سے تسلسل لازم آتا ہے جو محال ہے۔باقی رہی دوسری صورت کہ پہلے شیطان کا اقدام صرف اسی وجہ سے ہے تاکہ پہلے دل میں اعتقاد قائم ہو چکا تھا اور حدوث اعتقاد کے لئے کسی سبب کا ہونا لازم ہے اور وہ سبب حقیقی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اس مسئلہ کا لب لباب سید الانبیاء علیہ تحیۃ والثناء کے فرمان سے ہے۔اعوذ بک منک واللہ اعلم بالصواب۔

مسئلہ نمبر 11:

انسان کے دل پر خیالات کے بادل اس قدر چھا جاتے ہیں اور دل و دماغ میں حروف اور الفاظ اس قدر پیدا ہو جاتے ہیں گویا کہ کوئی کلام کر رہا ہے اور یہ وجد کی حالت ہوتی ہے۔جو ہر ایک پر علیحدگی کے وقت میں طاری ہوتی ہے۔محققین کا اس خاطر کے حالات پر اختلاف ہے۔فلسفی کہتے ہیں کہ دراصل یہ حرف اور آوازیں نہیں ہوتی۔بلکہ یہ ان کے خیالات ہیں یعنی ذہن میں خیالی حالات کی مثالیں پیدا ہوتی ہیں جیسے کہ ہم پہاڑوں دریاؤں اور دوسری شکلوں کو خیال میں پیدا کر لیتے ہیں۔دراصل وہ ذہن میں نہیں ہوتیں لیکن وہ خیالات میں پوری طرح مقرر ہو جاتی ہیں جس طرح شیشے میں سورج چاند اور آسمان دیکھا جاتا ہے۔اس کی یہ وجہ نہیں کہ وہ شیشے میں موجود ہوتے ہیں کیونکہ یہ مشکل ہے بلکہ ان کا عکس ان میں موجود ہوتا ہے اسی طرح دل و دماغ میں بھی خیالات کا عکس ہوتا ہے اس طرح وہ الفاظ حروف اور آوازیں نہیں ہوتیں۔یہ فلاسفروں کی بڑی جماعت کا خیال ہے اس پر کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ تخیلات حروف یا اشکال سے تمہاری کیا مراد ہے؟ کیا یہ تخیلات اور حروف کی اصل شکل ایک ہی ہوتی ہے یا نہیں۔اگر برابر ہے تو اس کا یہ مطلب ہوگا کہ حروف اور اصوات اور بحر و جبال کے حقائق اور شکلیں ذہن میں ہیں۔اگر مساوات نہیں ان کے سواء ذہن میں کوئی دوسری چیز پیدا ہوتی ہے تو ہم نہیں سمجھ سکتے کہ دوسری چیز سے کس طرح نقص پیدا ہوگا کہ وہی چیزیں ہیں جن سے عبارات اور کلام ترتیب سے مرتب ہو جاتے ہیں۔فلاسفروں کا خیال ختم ہوا۔اہل علم جمہور کا خیال ہے کہ خیالات مطلقاً اور حقیقتاً حروف اور آواز ہوا کرتے ہیں۔ان کا خیال یہ ہے کہ ان حروف وغیرہ کا فاعل جن و ملائک اور اللہ تعالیٰ ہے کیونکہ خود انسان فاعل نہیں ہو سکتا اس لئے کہ جس کو کوئی امر کرنے کی طاقت ہوتی ہے وہ اس امر کو چھوڑ بھی سکتا ہے۔اختیار بھی کر سکتا ہے جب چاہا کیا اور جب چاہا نہ کیا۔لیکن انسان ان خیالات کو روک نہیں سکتا بلکہ مجبور ہوتا ہے بعض اوقات انسان ان تخیلات کے ہجوم سے بچنے کی کوشش سے کامیاب نہیں ہو سکتا اور سلسلہ جاری رہتا ہے۔باقی رہا یہ کہ کوئی انسان فاعل ہے، یہ باطل ہے، تو معلوم ہوا کہ خیالات کسی روحانی فعل کا نتیجہ ہیں۔جو القاء پر قدرت رکھتا ہے۔وہ جن و ملائک اور اللہ تعالیٰ ہے۔جاننا چاہئے کہ فرقہ ثنویہ دو خدا مانتا ہے ایک اچھے کام اور اچھے فعلوں کا مالک ہے اور دوسرا برے کاموں کا اور امورات شر کا مالک ہے جن و شیاطین اس کی فوج ہیں۔ہر ایک کام پر دونوں کی کشمکش رہتی ہے۔جس کی لاٹھی اس کی بھینس جن خیالات سے برے کاموں کی ترغیب ہو۔فوج شیطانی ان کی موجد ہوتی ہے اور اچھے خیالات فرشتوں کے فعل کا نتیجہ ہیں۔بہت سے دلائل قاطعہ اور براہین ساطعہ سے ثابت ہو چکا ہے دو خدا نہیں ہیں۔کلام تمام ہوا۔

مسئلہ نمبر 12:

Marfat.com

بعض لوگ شیاطین اور جنات میں زندہ کرنے اور مارنے کی طاقت کو مانتے ہیں انہیں میں سے بعض نے انکار کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جنات میں یہ طاقتیں نہیں ہیں یہ کسی پہ قادر نہیں۔ ہمارے علماء نے بے شمار دلائل سے ثابت کیا ہے کہ پیدا کرنے اور مارنے کی طاقت اور جلانے کی طاقت اللہ وحدہٗ لاشریک کو ہے انہوں نے اس مذہب کو دلائل کماحقہ کے ساتھ باطل اور بے بنیاد قرار دیا ہے فرقہ معتزلہ انسان میں صرف بعض اشیاء کو ایجاد کرنے کی طاقت کو تسلیم کرتا ہے پس شیاطین کو خلق اجسام اور حیات پر قادر ماننا پڑے گا۔ اس دلیل کے ساتھ کہ شیطان ایک جسم ہے اور ہر ایک جسم طاقت کے ساتھ قادر ہوتا ہے اور قدرت میں اجسام کے پیدا کرنے کی طاقت نہیں ہوتی۔ یہ تین مقدمے ہیں جن کا علیحدہ علیحدہ بیان ہوتا ہے۔

مقدمہ پہلا: شیطان جسم ہے اور یہ مقدمہ اس بناء پر بنایا کہ اللہ تعالیٰ کے سواء ہر چیز تحلیل ہوتی ہے یا کسی شئے میں حل ہوتی ہے انہیں اس پر کوئی اعتراض نہیں۔

مقدمہ دوسرا: یعنی ہر ایک جسم قادر اور اپنے اندازے کے ساتھ قدرت رکھتا ہے اور یہ اس بناء پر ہے کہ وہ اجسام جو باہمی ایک دوسرے سے متماثل ہوتے ہیں اگر اجسام کو قادر لذاتہٖ مانا جائے تو ہر ایک کا قادر لذاتہٖ ہونا ضروری ہے یہ مقدمہ تماثل اجسام پر مبنی ہے۔

مقدمہ تیسرا: ان کا خیال ہے کہ ہماری قدرت خلق اجسام پر قادر نہیں ہے پس ضروری ہے کہ قدرت محدثہ کو بھی اجسام کے پیدا کرنے کی طاقت نہ ہو۔ لیکن یہ بھی کمزور ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ہماری قدرت میں مخالفت ہو۔ جو اجسام کو پیدا کرنے میں طاقت رکھے۔ کیونکہ کسی چیز کے فی الحال معدوم ہونے سے ان کا وجود بالکل ممتنع نہیں ہوتا۔ مسئلہ مکمل ہوا۔

مسئلہ نمبر 13:

قرآن کریم میں ہے سلیمان علیہ السلام کی وفات کے بعد بہت سے جن قید میں رہے اور انہیں ان کی وفات کا علم نہ ہوا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جنات علم غیب نہیں جانتے۔ بعض انہیں علم غیب ہونا تسلیم کرتے ہیں اس کے بارے میں خبریں دیتے ہیں بعض کہتے ہیں کہ وہ علم غیب جانتے ہیں۔ اس قسم کی بحثوں میں جنوں کا فاسد خیال ہو جاتا ہے۔ جن سے نوبت گمراہی تک پہنچ جاتی ہے اصل بات یہ ہے کہ چیزوں کی حقیقتیں صرف اللہ تعالیٰ کو ہی معلوم ہیں یا اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم اسلام کو غیب عطا فرماتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے علم غیب پر مسلک اہل سنت کا عقیدہ قرآن وحدیث کی رو سے انشاء اللہ ذالک الکتبُ کے ضمن میں فقیر عرض کرے گا۔ اب آپ انتظار کیجئے۔ انسانی ضرورتوں کا دائرہ اس قدر وسیع ہے کہ اس کا احاطہ نہیں ہوسکتا۔ کوئی بھلائی یا فائدہ مند چیز نہیں جس کا وہ محتاج نہ ہو کوئی برائی اور تکلیف ایسی نہیں جن کے دفع کرنے کی اس کو ضرورت نہ ہو۔ حاجتوں اور خواہشوں کا دفع اگر ممکن ہے تو صرف اعوذ باللہ سے۔ فقیر کی توجہ بری اشیاء کے بارے میں ہے علم روحانیت اور جسمانیات کے لاتعداد شروں (برائیوں) سے بچنے کے لئے صرف کلمہ اعوذ باللہ ہے فقیر کہتا ہے کہ عقائد سے پہلے دل کے اعمال رُتبہ کے ساتھ ہوا کرتے ہیں۔

دلیل پہلی: پہلی دلیل جھوٹے مذہب باطل ہیں اس سے ہوسکتا ہے کہ ایک اعتقاد کو درست مانتا ہے اور دوسرے کی وجہ سے کثرت اعتقاد کو درست نہ مانتا ہو۔ اسی طرح اگر ایک کے نزدیک اعتقاد برا ہے تو دوسرا اسے درست مانے۔ ہر ایک اعتقاد دوسرے کی طبیعت میں مختلف ہوسکتا ہے اس لئے ہر ایک اعتقاد درست بھی ہوسکتا ہے اور غلط بھی۔ اس تقریر سے ہماری امت کے 72 گمراہ فرقے اور اس کے ماسوا سات 700 سو مشرک شق اول میں داخل ہو گئے اور کلمہ اعوذ باللہ کے ذریعے ان سب سے پناہ ہوتی ہے۔ اعمال بدنیہ دو قسم کے ہیں۔ ایک ایسی تکلیف جس کے سبب انسان معذور سمجھا جاتا ہے اور احکامات دینی کی تعمیل معاف ہو جاتی ہے اور انسان غضب الٰہی سے بچ جاتا ہے دوم ایسے امراض مثلاً غم، جلنا، غرق ہونا، اندھا ہونا وغیرہ وغیرہ۔ اس قدر ہیں جو غیر متناہی درجہ تک پہنچے ہوئے ہیں تو کلمہ اعوذ باللہ ان دونوں قسموں پر حاوی ہے اس کے وسیلہ سے پناہ حاصل ہوتی ہے۔ برائیوں کی تین قسمیں ہیں اور ہر قسم ایک غیر متناہی درجہ میں ہوتی ہے پہلی قسم جہالت، دوسری قسم فسق، تیسری قسم مکروہات اور آفات خوف دلانے والی۔ اعوذ باللہ کے ذریعہ ان سب سے پناہ ملتی ہے۔ جو شخص ان تمام امراض اور بلیات سے واقف ہونے کا شائق ہے تو اسے طب کی کتاب کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ معلوم ہوگا کہ ایک ایک کتاب میں طرح طرح کی بیماریاں کا ذکر ہے۔ انسان کے لئے ضروری ہے کہ جب اعوذ باللہ پڑھے ذہن میں ان تینوں اقسام اور اقسام کی قسمیں ذہن میں رکھے اور یہ بھی خیال رکھے کہ ان غیر محدود اور محدود قسموں میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جو مجھ کو ہٹا سکے اگر ان دونوں باتوں کا خیال ذہن میں بٹھا لے تو اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کا رجوع پیدا ہو جائے گا اور عقل اسے مجبور کرے گی کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اس غیر متناہی سلسلہ کے محفوظ رہنے سے پناہ مانگے اور کہے اعوذ

Marfat.com

باللہ اب فقیر اعوذ باللہ کے متعلق اسی قدر بحث کافی سمجھ کر ختم کرتا ہے کہ ہدایت اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔

اعوذ باللہ کے معنی: جو صاحب خزینۃ القرآن سے قوی ثابت ہو چکے ہیں۔'' یہ ہیں کہ میں صدق دل سے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے شیطان مردود کے تمام وسوسے اور شر باطلہ ظاہری و باطنی سے پناہ مانگتا ہوں۔

ظاہری معنی: اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ۔ اعوذ : عاذہ سے مشتق ہے۔ واحد متکلم کا صیغہ ہے معنی یہ ہوا میں پناہ مانگتا ہوں۔

من الشیطٰن الرجیم: کے معنی شیطان مردود سے۔ باب ختم ہوا۔

جن کا وجود ہونے سے یہ دلیل کافی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو وہ سرد ہوگئی اس طرح جنات کے وجود پر بھی قیاس کر لینا چاہیے۔

⌘⌘⌘⌘⌘

Marfat.com

باب تیسرا

(اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ط کے لطائف میں)

نکتہ اول:

اعوذ باللہ سے خلقت سے خالق اور ممکنات سے واجب کی طرف ترقی ہوتی ہے اور ابتداء کے کاموں میں یہی طریقہ استعمال ہوتا ہے۔مخلوق کو اپنی حاجتوں سے غنی قادر مطلق کی طرف رجوع ہونا ضروری ہے تمام استدلال اسی سے حاصل ہو سکتے ہیں تو کلمہ اعوذ میں تمام حاجات کی طرف اشارہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ غنی ہے کیونکہ اعوذ میں انسان اپنے ضروریات اور فکر کا اقرار کرتا ہے۔اللہ تعالیٰ کو اپنے ہر معاملے میں خیر وسیع سمجھتا ہے اور اس کو تمام مصیبتوں کو دفع کرنے کے لئے قادر مطلق سمجھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے سواء کسی کو مصیبت کے ٹالنے والا خیرات دینے والا نہیں سمجھتا۔اس حالت کے احساس سے انسان پر ایک ایسی حالت طاری ہو جاتی ہے کہ وہ تمام موجودات حتیٰ کہ اپنے نفس سے بھی گریز کر کے اللہ تعالیٰ کے بے شمار اسرار کا مشاہدہ کرتا ہے جب انسان اس مرتبہ سے بھی ترقی کر جاتا ہے تو بارگاہِ حق اور جلالِ حق کے نور میں محو ہو جاتا ہے حتیٰ کہ مرتبہ قل اللہ ثُم ذرھُم میں پہنچ کر خدا کی بارگاہ میں اعوذ باللہ پیش کرتا ہے۔

نکتہ دوسرا:

جب کوئی اعوذ باللہ پڑھتا ہے تو وہ اپنی عاجزی اور انکساری کا اعتراف کرتا ہے اور اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کی ذات میں معراج کا حصول بارگاہِ خداوندی سے حاصل کر لیتا ہے ورنہ نہیں۔پیغمبر کو خدا کا فرمان من عرف نفسہ فقد عرف ربَّهٗ یعنی جس نے اپنے آپ کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچانا۔

نکتہ تیسرا:

من الشیطٰن الرجیم کے اقرار سے خدا کی عبادت اور اطاعت حاصل ہوتی ہے اور قرار بذریعہ استعاذہ ہو چکا ہے اور چونکہ استعاذہ بھی ایک قسم کی عبادت ہے استعاذہ کے لئے بھی استعاذہ ہونا چاہئے اسی طرح سلسلہ جاری رہنے سے تسلسل لازم آتا ہے جو کہ محال ہے اور استعاذہ کے لئے دوسرے استعادہ کا مقدم ہونا اقرار نہ پائے تو استعاذہ مفید نہیں ہو سکتا۔اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ خدا تعالیٰ انسان کو استعاذہ میں عاجز دیکھتا ہے اور فرماتا ہے کہ تو اپنی طاقت کا امتحان کر چکا آخر ناکام ہو کر اپنی انکساری اور ناتوانی کا تصور کرتا ہے۔میری طرف آ۔۔میں۔تجھے اطاعت پر صلہ دوں گا بس تو کہہ اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم۔

نکتہ چوتھا:

انسان اپنے معبود حقیقی کی طرف راجع ہو کر قرآن کریم کی تلاوت کرنے لگ جاتا ہے اور اپنے اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرماں برداری کرنے لگ جاتا ہے۔اس سے شیطان کے دل میں حسد کی آگ بھڑک جاتی ہے چونکہ استعاذہ سے ہر مصیبت اور تمام بلیات دفع کرنے میں مدد ملتی ہے اور عبادت یاد رحمان ہے اور وسوسہ شیطان کے باعث پیدا ہوتا ہے ظاہر ہے کہ تمام عبادتوں سے افضل عبادت تلاوتِ قرآن کریم ہے۔انسان کو قرآن کریم کی تلاوت سے روکنے کے لئے شیطان کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتا۔اس تلاوت قرآن کریم کو روکنے کے علاج کا انسان زیادہ محتاج تھا۔اس لئے خدا تعالیٰ نے اس مرض کو دفع کرنے کا علاج فرما دیا کہ قرآن کریم کی تلاوت سے پہلے اعوذ باللہ پڑھ لیا کرو۔

Marfat.com

نکتہ پانچواں:

خداتعالیٰ فرماتا ہے اِنّ الشیطٰن لکم عدو فاتخذوہ عدواً بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے تو تم اسے دشمن ہی قرار دو۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کا مشکل کشا اور دستگیری کرنے والا ہے۔ چونکہ انسان عبادت کے وقت اپنے دشمن سے خوف کھاتا ہے۔ لہٰذا انسان کو اپنے مولیٰ کی رضامندی دشمن کی دشمنی سے زیادہ ضروری ہے جب وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچتا ہے تو اس کی ذات کے عجیب کرشمے دیکھتا ہے تو اپنے دشمن کا خیال بھول جاتا ہے اور اپنے حبیب کی یاد میں محو ہوکر اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم کو عبور کر کے دوسرے مقام یعنی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا شرف حاصل کر لیتا ہے۔

نکتہ چھٹا:

خدا کے سواء کسی غیر سے دل لگانا اور زبان پر کسی غیر کا ذکر آنے سے دل میں پلیدی پیدا ہو جاتی ہے اور اس کا ازالہ ضروری ہے اور اعوذ باللہ پڑھنے سے دل کی پلیدی ونجاست دور ہو جاتی ہے تو اس طرح بسم اللہ کے ادا کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔

نکتہ ساتواں:

ارباب اشارات کہتے ہیں کہ انسان کے دو (۲) دشمن ہیں۔ ایک ظاہر کا دوسرا باطن کا۔ اور خداتعالیٰ نے ان دونوں سے جنگ کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔ دشمن ظاہر کے بارے میں فرمایا۔ قاتلوا الذین لایومنون باللہ اور دوسرے باطنی دشمن کے بارے میں فرمایا ان الشیطٰن لکم عدو جو شخص ظاہری دشمن کے لئے جنگ کرے اللہ تعالیٰ مدد فرماتا ہے اور پانچ ہزار فرشتے اس کی مدد کے لئے مقرر کر دینے کا وعدہ فرماتا ہے اور ایسا ہی دشمن باطنی کے مقابلہ کے وقت خود خداوند کریم اس کی مدد کے لئے کھڑا ہو جاتا ہے جیسا کہ لیس لک علیھم سلطان سے معلوم ہوتا ہے۔ چونکہ ظاہری دشمن کی دشمنی مال و دولت دنیاوی پر ہوتی ہے اور دشمن باطن کی دشمنی کا اثر دین اور عقائد پر ہوتا ہے۔ حالانکہ دشمن باطنی دشمن ظاہری سے سخت دشمن ہوتا ہے۔ اگر ظاہری دشمن کا مقابلہ نہ کرسکیں تو اللہ تعالیٰ آخرت میں ثواب دے گا۔ دشمن باطن ہماری عقل کو ختم کر کے پاگل بنا دیتا ہے۔ دشمن ظاہری اگر قتل کرے تو اس کے قتل سے درجہ شہادت حاصل ہوتا ہے اور دشمن باطن کے قتل سے درجہ قرآت ملتا ہے اس لئے افضل یہی ہے کہ انسان دشمن باطن کی زد سے بچے اور اس کا مقابلہ پورا کرے اور جان کا بچاؤ اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم کے پڑھنے سے ہوسکتا ہے۔

نکتہ آٹھواں:

میدانِ دل کی رونق شرافت کے مقابلہ میں بارونق اور صاف شہر اور بڑے بڑے رونق دار باغات اور تروتازہ گلشن بازی نہیں جیت سکتے اور کوئی تاب نہیں لاسکتا۔ مومن کا دل اس قدر شفاف ہے جیسے شیشہ بلکہ اس سے بڑھ کر آئینہ عوارضات سے محجوب ہو کر اندھا ہو جاتا ہے۔ مگر دل ایسی چیز ہے کہ آسمان و زمین عرش و کرسی اس پر حائل نہیں ہوسکتی۔ جناب سرکار دو عالم ﷺ فرماتے ہیں کہ القبر روضۃ من ریاض الجنۃ یعنی قبر جنت کے گلشنوں میں سے ایک گلشن ہے۔ اس کی وجہ صرف یہی ہوسکتی ہے کہ نیک شخص کا مکان اور محل ہے۔ جب انسان کا دل معرفت الٰہی اور تجلی الٰہی کا تخت ہو تو اس کے افضل بزرگ ہونے میں کیا شک رہا۔

وجہ دوسری: ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندے سے یوں فرماتا ہے۔ اے میرے بندے تیرا دل میرا گلشن ہے اور میری جنت تیرا گلشن ہے۔ اگر تو اپنے باغ میں بخل اور کنجوسی سے کام نہ لے گا بلکہ اس کو میری معرفت اور منزل کی قرارگاہ بنا دے گا تو میں تجھے اپنے باغ کی سیر کرانے میں ذرا بھی کنجوسی نہ کروں گا۔

وجہ تیسری: اللہ تعالیٰ نے انسان کے جنت میں داخل ہونے کا نقشہ کھینچا ہے کہ فی مقعد صدقٍ عند ملیکٍ مُقتدرٍ اس میں ملیک پر ہی اکتفاء نہیں کیا بلکہ لفظ مقتدر اضافہ فرمایا جس کے یہ معنی ہوئے کہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں آج کے دن بادشاہ قادر مطلق ہوں اور میرے بندے میری قدرت کے نیچے ہیں۔ اس مقدمہ کے بعد فقیر کہتا ہے کہ اس تمام کلام کا یہ مطلب ہوا کہ خدا کہ اللہ تعالیٰ کہے گا اے بندے، تو نے اپنا باغ مجھے دے دیا لیکن تو نے انصاف نہیں کیا۔ کیا اس وقت تو نے میری جنت کو دیکھ لیا اور اس میں داخل ہوا۔ بندہ کہے گا نہیں۔ یا اللہ فرمائے گا کیا میں تیری جنت میں داخل ہوا۔ پس لاچار بندہ جواب دے گا ہاں۔ خداتعالیٰ فرمائے گا کہ جب تو میرے باغ میں داخل ہونے کا تھا تو میں نے تیرے داخل ہونے کے لئے شیطان سے پاک کر دیا اور کہہ دیا اخرج منھا مذئوماً مدحوراً تو تیرے آنے سے پہلے

Marfat.com

شیطان نے جگہ خالی کر دی۔ کیا تجھے مناسب نہ تھا کہ میری منزل سے شیطان کو نکال دیتا۔ مجھے یہاں فروکش ہوئے ستر (۷۰) برس گزر گئے تو نے اس کو میرے دشمن سے نہ بچایا تو بندہ جواب میں عرض کرے گا یا الٰہی میں بندہ عاجز مسکین ناتواں ہوں مجھ میں اس کے نکالنے کی طاقت کہاں۔ اے قادر مطلق تجھے اس کے نکالنے کی طاقت ہے اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ اے بندہ کچھ فکر نہ کر تو نے مجھ سے مدد مانگی اور ملک قہار کا سایہ چاہا۔ میں تیرا مددگار ہوں۔ تیرے بازوؤں کی طاقت ہوں پس میری حمایت میں داخل ہو۔ اس کے نکالنے کی قدرت حاصل کر۔ علاج سیکھ فرمایا کہہ اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم اگر کوئی یہ کہے کہ دل اللہ کا باغ ہے تو شیطان کو اس سے نکالنے کی کیا وجہ ہے؟ فقیر کہتا ہے کہ اہل اشارہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بندے سے یوں مخاطب ہوتا ہے۔ اے بندے تو نے مجھے اپنے دل میں فروکش کیا۔ تجھے لازم تھا کہ تو اس کو شیطان کی نجاست سے پاک وصاف رکھتا۔ بادشاہ کا یہ کام نہیں ہوتا بلکہ خدمت گزاروں کی ڈیوٹی ہے پس اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم کا جھاڑو دے اور اسے صاف کر۔

نکتہ نواں:

خدا تعالیٰ کہتا ہے اے بندے تو نے انصاف نہیں کیا۔ کیا تجھے معلوم نہیں کہ شیطان مجھے اچھا نہیں لگتا اور مجھے اس سے نفرت آتی ہے؟ حالانکہ پہلے وہ بھی فرشتوں کی طرح میری تسبیح اور عبادت میں مشغول رہتا تھا۔ پس اس نے میرے حکم کی نافرمانی کی اور تیرے باپ حضرت آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کیا اور میری خدمت سے تکبر کیا اس لئے میں نے اسے راندہ درگاہ کر دیا اور میں نے اپنی خدمت چھین لی۔ اے میرے بندے! میں اس وجہ سے اسے نفرت کی آنکھ سے دیکھتا ہوں اور وہ تجھ سے دشمنی رکھتا ہے اور تیرے نیک کاموں میں دخل دیتا ہے تو نے اس سے پیار ڈال رکھا ہے اور تو اس کے ارادوں کو کامیاب بناتا ہے تجھے لازم ہے تو اس کے پیچھے نہ لگ۔ اور تجھے اس برے فعل کو چھوڑ دینا چاہئے اور اس کا دشمن بن کر اعلانیہ اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم کہنا چاہئے۔

نکتہ دسواں:

کیا تو اپنے باپ کی کہانی بھول گیا۔ شیطان نے اپنے آپ کو خیر خواہ اور مخلص ثابت کر کے تیرے باپ کو جنت سے نکلوا دیا اور اپنے وعدہ اور قسم کی ذرا پرواہ نہ کی۔ اے انسان تو اس سے عبرت حاصل کر۔ کیونکہ معلوم نہیں کہ تیرے ساتھ کیسا سلوک کرے۔ اس نے تجھے راہ راست سے بہکانے اور گمراہ بنانے کا ٹھیکہ لے رکھا ہے۔

نکتہ گیارہواں:

اعوذ باللہ دراصل اعوذ بالقادر العلیم کے قائم مقام ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ چور باوجود بادشاہ کی طاقت کے چوری کا مرتکب ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ خواہ اسے کتنا ہی اختیار ہے۔ لیکن اس کو اس کا علم نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ رعب کے لئے صرف قدرت ہی کافی نہیں۔ ہوسکتا ہے کہ علم ہو اور پھر روکے یا نہ روکے مگر حکمت نہ بیان کرے اور کچھ مرتب نہ ہو۔ معلوم ہوا کہ علم قدرت اور حکمت دل پر بہت اثر کرتا ہے تو معلوم ہوا کہ بندہ قائم مقام ہے اعوذ باللہ بالقادر العلیم الحکیم الذی لایرفع شئی من المنکرات کے پڑھے تو اجر کامل حاصل ہوتا ہے۔

نکتہ بارہواں:

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قاری شیطان کی دوستی کو پسند نہیں کرتا۔ چونکہ نفرت اس بات پر مبنی ہے کہ شیطان دشمنی زیادتی میں مبتلا ہے اس سے معلوم ہوا کہ انسان جس طرح شیطان گناہ گار کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اسی طرح نفس عاصی کو بھی نفرت سے دیکھتا ہے۔

نکتہ تیرھواں

شیطان اسم ہے اور رجیم اس کی صفت ہے اس کلمہ میں صرف اسم پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ صفت بھی بیان کی گئی ہے تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اے بندے دیکھ! شیطان کئی ہزار برس میری خدمت اور اطاعت میں رہا لیکن تو نے سنا کہ اس نے مجھے کس طرح تکلیف دی۔ اس نے ایسا فعل کیا جس سے مجھے کچھ برائی

Marfat.com

نہ پہنچی۔ اس کے باوجود اس کو مردود مرجوم بنا دیا گیا۔

یاد رکھ کہ اس کی ایک گھڑی کی دوستی تجھے ہمیشہ کے لئے جہنم میں رہنے کا سبق دے گی۔ کیا وجہ کہ تو اس کی دوستی کو نہیں چھوڑتا۔ اور اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم نہیں پڑھتا۔

نکتہ چودھواں:

اگر کوئی یہ کہے کہ اللہ کے ساتھ اعوذ کو ملایا حالانکہ اعوذ بالملائکہ سے غرض پوری ہوسکتی ہے تو جواب یہ ہے کہ اللہ کے ذکر سے اللہ فرماتا ہے اے میرے بندے تجھے شیطان دیکھتا ہے مگر تو اسے نہیں دیکھ سکتا وہ تجھ پر مکر چلا سکتا ہے کیونکہ وہ تجھے دیکھتا ہے۔ لیکن تم مکر کا بدلہ نہیں لے سکتے اس ذات کی طرف متوجہ ہو جو اس کو دیکھتی ہے اور شیطان اسے نہیں دیکھ سکتا۔ یعنی اللہ تعالیٰ، پس کہہ اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم۔

نکتہ پندرھواں:

شیطان پر الف لام اختصاص جنس کی غرض سے لایا گیا ہے لیکن شیطان کی بہت اقسام ہیں۔ مرئی و غیر مری شیطان مرئی زیادہ ہوتے ہیں۔ بعض حکایت کرنے والے بیان کرتے ہیں کہ جب انسان صدقہ دینے کا ارادہ کرتا ہے تو ستر (۷۰) شیطان اس کے دست و پا اور دل سے لپٹ کر اس کے ارادے کو روکنے کی کوشش کرتے ہیں اور صدقہ سے منع کرتے ہیں یہ سن کر ایک شخص بول اٹھا کہ میں سب کو ختم کر ڈالوں گا۔ یہ کہہ کر وہ مسجد سے نکل کر گھر چلا گیا اور صدقہ کے لئے گندم لے کر نکالنے کو تھا کہ اس کی عورت اس کے دامن سے لپٹ گئی اور اس قدر جھگڑی کہ گندم چھین لی۔ پس وہ شخص لاچار ہو کر مسجد میں پہنچا۔ بیان کرنے والے نے پوچھا، سناؤ کیا کر آئے ہو۔ اس نے جواب دیا کہ ستروں (۷۰) کو میں نے مغلوب کر لیا مگر میری بیوی نے مجھے مغلوب کر لیا۔

خلاصہ: شیطان خداوند کریم کے قرب سے محروم رہے گا اور اس کے نزدیک نہ آسکے گا اور نیک لوگ خدا کے قرب اور وصال کو حاصل کرتے رہیں گے اور اس چشمے سے ہمیشہ فیض یاب رہیں گے۔ اور خدا تعالیٰ اپنے بندوں کو مٹھاس اور خلق سے کبھی محروم نہیں فرمائے گا جیسا کہ ولن تجد لسُنّتِ اللہ تبدیلاً سے معلوم ہوتا ہے ورنہ خدا کا فرمان غلط ٹھہرے گا۔ لیکن یہ ناممکن ہے۔

نکتہ سولھواں:

حضرت امام جعفر صادق بن امام محمد باقرؓ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کی تلاوت سے پہلے اعوذ باللہ پڑھ لیا کرو ضروری ہے باقی عبادتوں میں اتنی ضرورت نہیں۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ بعض اوقات انسان غیبت چغلی اور جھوٹ بولنے سے زبان ناپاک کر بیٹھتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے تعوذ کا حکم دیا۔ یہ قول امام جعفر صادق کا بڑا مستند ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن نے بھی درج کیا ہے اور تفسیر کبیر میں بھی درج ہے۔

نکتہ سترھواں:

اللہ تعالیٰ یہ یقین دہانی کراتا ہے کہ شیطان مردود ہے اور میں رحمٰن و رحیم ہوں۔ پس مصاحبت طالع چھوڑ دے اور ذات مہربان کی مقاربت اختیار کر۔

نکتہ اٹھارھواں:

شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے لیکن انسان اسے نہیں دیکھتا بے خبر ہے۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی غیبت میں بڑا دشمن ہے۔ تیرا دوست اللہ کی قسم غالب ہے تو فوراً اپنے محبوبِ حقیقی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر۔

⌘⌘⌘⌘⌘

Marfat.com

باب چوتھا

(اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم کے مسائل میں)

مسئلہ نمبر 1:

اعوذ باللہ اور باللہ اعوذ میں فرق ہے۔ تقدیم لفظ اللہ سے حصر پایا جاتا ہے اور تاخیر میں نہیں۔ کیا وجہ ہے کہ باوجود دوسری وجہ کے مفید اور زیادہ کامل ہے۔ صورت پہلی کو ترجیح دی گئی ہے۔ نیز الحمد للہ اور للہ الحمد دونوں طرح آیا ہے لیکن اعوذ باللہ ایک ہی صورت میں بیان کرنے کی کیا وجہ ان دونوں کلاموں میں کیا فرق ہے۔

مسئلہ نمبر 2:

بظاہر اعوذ باللہ خبر ہے اور معناً دعائیہ کلمہ ہے اللھم عزنی جیسا کہ انی اعوذ بک وذریتھا من الشیطٰن الرجیم سے معلوم ہوتا ہے ایسے ہی استغفرُا کے معنی اللھم اغفرلی ہے۔ دلیل اس کی یہ کہ اعوذ باللہ کلمہ سے اپنے فعل کی خبر دی گئی ہے (یعنی پناہ) اس لئے حصول بقدر طریق مفید نہیں لیکن فائدہ دعاء ہے۔ پس معلوم ہوا کہ اس کلمہ کے معنی دعائیہ ہیں باقی رہا یہ سوال کہ مئول کی کیا وجہ ہے؟ کہ اللھم اغفرلی کی تعلیم نہیں دی گئی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ واوفوا بعھداللہ اذا عھدتم اور واوفوا بعھدی اوفِ بعھدکم اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان اور اللہ تعالیٰ کے مابین معاہدہ ہے تو قاری اس عہد کے متعلق خبر دیتا ہے یا الٰہی میں باوجود نقصانات بشری اور انسانی کمزوری کے مابین حق عبودیت ادا کر چکا ہوں یعنی تعوذ کہنے سے تو اپنے فضل رحمت اور رحمت کے ساتھ حق ربوبیت کو اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم کا اطمینان بخش۔

مسئلہ نمبر 3:

اعوذ فعل مضارع ہے جو حال اور مستقبل دونوں معنی دیتا ہے۔ کیا مضارع ان دونوں معنوں سے مشترک ہے؟ نہیں اصل بات یہ ہے کہ مضارع کے معنی حال حقیقی ہے اور مستقبل کے معنی مجازی ہیں۔ کیا وجہ ہے کہ مضارع میں حال اور مستقبل کے معنی مشترک ہیں اور ماضی میں کیوں نہ آئے۔ فعل مضارع کا ہونا بلاشبہ درست ہے تو عامل کی کیا کیفیت؟ اور اسم و مضارع میں کیسی مشابہت؟ لفظ اعوذ باللہ کے یہ معنی ہیں کہ انسان حال اور استقبال دونوں میں مستفید ہوتا ہے اور یہی اس میں کمال ہے تو کیا جنت تک بھی استعاذہ باقی رہے گا۔ اعوذ اپنے نفس سے حکایت ہوتی ہے۔ اعوذ باللہ میں صدق کی۔ اور اس کے متعلق کافی مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1:

بصری تو اسے (ب) الصاق کی کہتے ہیں۔ کوفی (با) آلہ مانتے ہیں جس کا نام (با) تضمین ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ لامحالہ (با) کا متعلق فعل ہی ہوگا۔ اس میں یہ فائدہ ہے کہ اس فعل کا تعلق بغیر واسطہ اس شئے کے (با) واقع ہے نہیں ہوسکتا اور اسے (با) الصاق اس لئے کہتے ہیں کہ اس کے ذریعے دونوں میں لگاؤ پیدا ہوتا ہے۔ اور (با) آلہ اس لئے کہ وہ ایسی چیز پر داخل ہے جو آلہ ہے۔

مسئلہ نمبر 2:

یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ فعل یا ضمیر ہوتا ہے کیونکہ بالقلم کہتے سے کسی قسم کا فائدہ نہیں ہوتا اور کتبتُ بالقلم سے فائدہ ہوگا اور اس سے پتہ ملتا ہے کہ حروف فعل کے ساتھ

Marfat.com

با ضمیر ہے اور اس کا تعلق قولِ الٰہی سے ہے جس کے معنی اخلف باللہ ہے چونکہ سیاق کلام سے معلوم ہوسکتا ہے اس لئے اخلف کو حذف کر دیا گیا۔ اسی طرح کتبت بالقلم وغیرہ میں فعل محذوف ہے ایسا ہی استعاذ منہ کو علیٰ اسم اللہ کہتے ہیں۔ جس کے معنی سیر علی اسم اللہ ہیں۔

مسئلہ نمبر 3:

جب فعل محذوف رکھنا ثابت ہو چکا تو ہم کہتے ہیں کہ ایسی صورتوں میں کلام حذفِ فعل سے فصیح بن جاتا ہے۔ کیونکہ فعل محذوف رکھنے کا انسان کو اختیار ہوتا ہے جو مناسب ہو خود سمجھ لے۔ گویا فائدہ عمومیت کا ہوتا ہے۔ یعنی تمام ضروریات ممکنہ کو بواسطہ اعوذ حل کیا جاتا ہے اللہ کے نام سے ابتداء کرنے سے۔ برخلاف اس کے اگر فعل کی تصریح کر دی جائے تو عمومیت نہیں رہتی بلکہ مصرح فعل رہ جاتا ہے اور ذہن اس کے سواء کسی طرف نہیں جاتا جیسا کہ اللہ اکبر میں بغرض اختصاص تصریح کر دی ہے کیونکہ یہاں عمومیت مقصود نہیں۔

مسئلہ نمبر 4:

سیبویہ کہتا ہے کہ باء چونکہ حرف جر ہے اس لئے اس کو مکسور پڑھا گیا اگر کوئی یہ کہے کہ کاف تشبیہ بھی جر ہے۔ لیکن وہ منصوب پڑھا جاتا ہے اس کی کیا وجہ؟ ہم کہتے ہیں کہ دراصل یہ کاف اسم کے قائم مقام ہے اور عمل میں کمزور ہوتا ہے برخلاف اس کے چونکہ حروف کا وجود بجہت عمل ہے اس لئے وہ قوی ہوتا ہے۔

مسئلہ نمبر 5:

اکثر اوقات باء اصلی ہوتی ہے جیسے کہ نص ہے در قل ما کنت بدعا من الرسل میں بدْعاً کی باء اصلی ہے زائدہ بھی ہوتی ہے اور اس کی چار صورتیں ہیں۔ پہلی باء الصاق جیسے اعوذ باللہ اور بسم اللہ، دوسری امام شافعیؒ کے نزدیک تبعیض کی باء، تیسری باء تاکید نفی کی، چوتھے باتعدیہ، پانچویں باء بمعنی فی جیسے باللہ۔ یہ (باء) الصاق کی قسم ہے۔

مسئلہ نمبر 6:

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ برءُوسِکُم کی باء مفید تبعیض ہے۔ دلیل بہت وجوہ سے پیش کرتے ہیں۔

پہلی وجہ: کیونکہ کلام الٰہی سے اظہار فائدہ مقصود ہے۔ اس لئے باء زائد نہیں ہوسکتی ورنہ لازم آئے گا کہ احکم الحاکمین کا کلام لغو ہے اور یہ کلام فضول ہے۔ (معاذ اللہ)۔ اللہ تعالیٰ کی ذات سے یہ ناممکن ہے تو معلوم ہوا کہ (باء) زائد فائدہ مند ہے۔

دوسری وجہ: مسحت بیدی المندیل اور مسحت بدی بالمندیل میں فرق کیا گیا ہے۔ دوسرے قول میں ب کے یہ معنی ہیں کہ مندیل کے کسی جزو سے ہاتھ صاف کیا تو اس فرق سے ہمارے خیال کی تائید ہوگئی۔

تیسری وجہ: بعض اہل لغت نے لکھا ہے کہ (باء) بمعنی تبعیض بھی ہوا کرتی ہے۔ بعض نے انکار کیا ہے۔ لیکن پہلی روایت راجح ہے اور باء بمعنی تبعیض میں مقدار کسی نے مقرر نہیں کی تو معلوم ہوا کہ کوئی سی مقدار ہو اسے بعض کہیں گے۔ پس یہ لازم آیا کہ سر کے کسی حصہ پر مسح کرنے سے مسح سر ہو جائے گا۔ اس پر اعتراض ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے فاغسلو او جوھکم وایدیکم آپ کے خیال کے مطابق ہاتھ منہ کے کسی جزو پر مسح کر لینا تیمم کے لئے کافی ہو جانا چاہئے تھا۔ حالانکہ آپ اس جگہ تبعیض کو نہیں مانتے بلکہ تیمم کو واجب ٹھہراتے ہیں۔ امام شافعی کی طرف سے یہ جواب ہوسکتا ہے کہ نص ہذاء کے تبعیضی معنی نہ ہونے پر بہت سے دلائل موجود ہیں۔ جن سے ہاتھ اور منہ پر مکمل تیمم کرنا ثابت آتا ہے۔ لیکن مسح سر کے واجب ہونے پر کوئی دلیل نہیں۔ اس لئے وہاں مقدار مذکورہ کافی ہوسکتی تھی۔ اور یہاں نہیں۔

مسئلہ نمبر 7:

امام اعظم ابوحنیفہ (باء) الصاق سے چند مسائل اخذ کرتے ہیں۔

اوّل: امام محمدؒ یادداشت میں لکھتے ہیں۔ انت طلق ان شاء اللہ سے طلاق نہیں ہوتی انت طلق بمشیت اللہ تعالیٰ کے کہنے سے عورت مطلقہ نہیں ہوتی بخلاف

Marfat.com

کے المثیت اللّٰہ سے طلاق ہو جائے گی۔ کیونکہ اب اس کے معنی تعلیلی ہو گئے۔

دوم: اگر کوئی اپنی عورت سے طلّقی نفسک ثلاثا بالف کہے تو عورت کے ایک دفعہ کہنے سے ایک طلاق ہو جائے گی اگر کوئی بجائے بالف کے طلّقی نفسک ثلاثا علی الالف کہے اور عورت نے ایک دفعہ طلاق کہہ دی۔ امام اعظم فرماتے ہیں طلاق نہ ہوگی کیونکہ علی حرف شرط ہے۔ اور کلام میں شرط مفقود صاحبینؒ کے نزدیک ایک طلاق ہو جاتی ہے۔ فقیر کہتا ہے کہ اس مقام پر (ب) کے متعلق کافی مسائل ہیں۔ (الف) امام اعظم کے نزدیک (ب) کے ذریعے ثمن اور سم میں ترک ہو جاتا ہے۔ جیسے کوئی بائع کذا بکذا کہے تو جس پر (باء) داخل ہوئی وہ صرف سم ہوگا۔ اور ربیع فاسد بھی اس اصول پر مبنی ہے۔ صورت پہلی میں سم اور دوسری صورت میں ثمن اور خمر ثمن تو ہو سکتی ہے لیکن ثمن کہیں۔ (ب) شافعیؒ منک هذا الثوب بهذا الدرهم میں تعین درہم سمجھتے ہیں مگر امام اعظم تعین نہیں فرماتے۔

اصولِ فقہ کے چند مسائل: (الف) سبب کے معنی دیتی ہے جیسے قول خداوندی ذالک بانهم شاقوا الله میں ب سبب ظاہر کرتی ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ درست نہیں کیونکہ لفظ سبب پر بھی ب کالانا جائز ہے جیسے سُبِّبَتُ هذا الحكم بهذا السّبب۔

(ب) اگر (باء) سے اظہار سبب ہوتا ہے تو باء سببیہ اور لام سببیہ میں فرق بیان کرنا چاہئے۔

(ج) کہتے ہیں کہ تمام علوم کتب چاروں کتابوں میں موجود ہیں اور ان کے علوم قرآن کریم میں اور قرآن مجید کے علوم سورۃ الفاتحہ میں اور سورۃ الفاتحہ کے علوم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں اور اس کے علوم (باء) بسم اللہ میں موجود ہیں۔ فقیر کے خیال میں اس کی یہ وجہ معلوم ہوتی ہے کہ تحصیل علوم کی اصل غرض وصول الی اللہ ہے اور بسم اللہ کی بے الصاق کے معنی بھی دیتی ہے تو وہ بندے کو رب سے ملا دیتی ہے یہ اعلیٰ و بلند درجے کا کمال ہے۔

تیسری قسم: اس باب کی بحث میں سے (حروف جر کی بحث میں) کلمہ اعوذ بالله من الشيطن الرجيم دو قسم کے حرف جر کو شامل ہے یعنی باء اور من۔ تو فقیر من کے متعلق بحث کرتا ہے۔ ب پر بحث ہو چکی ہے۔

(ا) اخذت المال من ابنك میں نون کو مکسور (یعنی زیر کے ساتھ) پڑھا گیا ہے اور اخذت المال من الرجل میں مفتوح سے ظاہر ہوتا ہے کہ من حرف معرب ہے (یعنی اعراب قبول کرنے والا) کیونکہ حرکات کا مختلف ہونا۔ عامل کے سبب کے ساتھ ہوتا ہے اور اس امر کو عامل کہتے ہیں جو کسی خاص حرکت پر دلالت کرے اور معمول کے آخری حرف میں تبدیلی پیدا کرے۔

(ب) من کی چار قسمیں ہیں۔ (۱) تبعیضیہ، (۲) زائدہ، (۳) بیانیہ، (۴) ابتداء اور انتہاء کو ظاہر کرنے والا۔

(ج) مبرد چوتھی قسم کو اصل قرار دیتا ہے۔ باقیوں کو اس کی شاخیں اور مبرد کے سواء باقی تبعیضیہ کو اصل قرار دیتے ہیں۔

(د) بعض تیسری قسم کو نہیں مانتے اور قول خداوندی یغفر لکم من ذنوبکم میں من سے ایک زائدہ فائدہ سمجھتے ہیں۔ یعنی خداوند کریم کچھ تمہارے گناہ بخشے گا اور جس نے کچھ گناہ بخش دیئے گویا تمام ہی بخش دیئے۔

(ہ) من کا فرق قابل ذکر ہے جیسا کہ ثم لآتينهم من بين ايديهم و من خلفهم و عن ايمانهم و عن شمائلهم میں دو (۲) جگہ تو من آیا ہے۔ اور دو (۲) جگہ عن آیا ہے۔ اس میں دو سوال پیدا ہوتے ہیں۔

پہلا سوال: کیا وجہ ہے کہ پہلی دونوں جگہوں میں من خاص کیا گیا ہے اور پچھلی دونوں جگہوں میں عن؟

دوسرا سوال: جب شیطان نے اپنے کلام میں من اور عن دونوں کو استعمال کیا ہے تو کیا وجہ ہے کہ اعوذ بالله من الشيطن الرجيم میں من لایا گیا اور عن نہیں۔

چوتھی قسم: لفظ شیطان کی تحقیق۔ شیطان شیطن کا مبالغہ ہے جیسے رحمان رحمۃ کا اور رجیم بمعنی شیطان فاعل بمعنی مفعول ہے۔ اور اللہ کے بارے میں رحیم بھی فاعل ہے تمہید مابعد قرار من الشيطن الرجيم الى الرحمان الرحيم کی مقتضی ہے جو ان دونوں میں مساوات پیدا کر دیتی ہے تو یہ اس طرح وہی بات ہوگی جو فرقہ ثنویہ کہتے ہیں کہ اللہ اور ابلیس دونوں بھائی ہیں اللہ کریم رحیم ہے اور شیطان موذی خبیث لعین ہے۔ عاقل ہمیشہ برے شر سے بھاگ کر کریم اور رحیم کی طرف جاتا ہے اگر اللہ کریم و رحیم تھا تو شیطان کو کیوں پیدا کیا اور بندوں پر اس کو کیوں مسلط کیا اور اگر نہیں تو اس کی طرف رجوع کرنا اور شیطان سے پناہ مانگنے کا کیا فائدہ ہوا۔

Marfat.com

(ج) کیا آسمانوں میں فرشتے بھی اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم پڑھتے ہیں۔ اگر پڑھتے ہیں تو ان کا استعاذہ شیطان سے نہ ہوگا بلکہ خود اپنے سے۔

(د) کیا جنتی جنت میں اعوذ باللہ کہیں گے۔

(ہ) انبیاء او صادقین کیوں اعوذ باللہ پڑھتے ہیں؟ جب کہ شیطان ان سے خود بھاگ جاتا ہے۔ فبعزتک لاغوینھم اجمعین الا عبادک منھم المخلصین سے معلوم ہوتا ہے اور ان کے سواء باقی سب آدمی جب اس کی دعوت کو خود قبول کرتے ہیں جیسا کہ شیطان کہتا ہے۔ وما کان لنا علیکم من سلطان سے انفسکم تک دیکھیے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ وہ شیطان سے پناہ مانگتے ہیں انہیں اپنے آپ سے پناہ مانگنی چاہیے تھی۔

فقیر اعوذ باللہ کی تفسیر کو ختم کر چکا ہے کوئی غلطی ہو تو عفو و درگزر کرنا۔ اب بسم اللہ کی تفسیر

نوٹ:۔ من اور عن کا فرق بیان نہیں کیا۔ شیطان کو کیوں مسلط کیا اس کا جواب بھی نہیں لکھا گیا۔

(ج) مفھوم واضح نہیں۔ (د) کا جواب نہیں لکھا۔ (ہ) جواب نہیں لکھا۔

⌘⌘⌘⌘⌘

Marfat.com

کتاب دوسری

باب اوّل

(بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط کے بیان میں اور اس میں کئی باب ہیں، باب اوّل اور اُس کے مسائل میں جو مقدمات ہیں)

مسئلہ نمبر 1:

فقیر بیان کر چکا ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں باء سے پہلے یا بعد مضمر ہے پس فقیر یہ کہتا ہے کہ محذوف فعل بھی ہو سکتا ہے اور اسم بھی یہ دونوں بسم اللہ کے پہلے محذوف ہو سکتے ہیں اور بعد میں بھی۔ اب چار صورتیں ہو گئیں۔ صورت پہلی یعنی مضمر فعل ہو اور مقدم جیسے ابتداء الاد اَشرع باسم اللہ۔ ابتداء الکلام بسم اللہ ہو تیسری صورت فعل مضمر ہو مگر بسم اللہ کے بعد اور ابتداء چوتھی صورت مضمر اسم ہو اور مؤخر جیسے باسم اللہ ابتداء اس کے بعد دیکھنا ہے کہ تقدیم اولیٰ ہے بعد میں عام طور پر دونوں کو اچھا سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ قرآن کریم میں دونوں طرح آیا ہے جیسے بسم اللہ (مجرے ہا) و (مرسا ہا) میں تقدیم ہے اور اقراء باسم ربک میں تاخیر مگر فقیر کے نزدیک تقدیم تاخیر سے بہتر ہے۔ کیونکہ:

دلیل پہلی: اللہ تعالیٰ واجب الوجود لا یزال لذاتہ ہے تو اللہ تعالیٰ کا وجود تمام دوسرے وجودوں سے پہلے ہے جو مقدم بالذات ہو اس کا ذکر بھی مقدم ہونا چاہئے۔

دلیل دوسری: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ھو الاول و الأخر للہ الامر من قبل و من بعد ذکر بھی مقدم ہونا چاہئے۔

دلیل تیسری: مقدم ذکر کرنے سے تعظیم و تکریم زیادہ ہوتی ہے۔

دلیل چوتھی: ایّاک نعبدُ میں فعل اسم کے بعد ہے تو باسم اللہ میں بھی بعد میں ہونا چاہئے یعنی باسم للہ ابتداء۔

دلیل پانچویں: امام رازی کہتے ہیں کہ میں نے شیخ ضیاء الدین، عمرؒ کو کہتے سنا کہ فرمایا کہ میں نے شیخ ابو القاسم انصاریؒ کو کہتے سنا کہ شیخ ابو سعید بن ابو الخیر المہینی اپنے استاد ابو القاسم القشیری کے ہمراہ میرے پاس آئے اور استاد قشیری فرمانے لگے کہ محققین فرماتے ہیں کہ ہم نے کبھی کوئی چیز نہیں دیکھی جس کے آخر اللہ نہ ہو۔ ابو سعید بن ابی الخیر نے سن کر جواب دیا کہ یہ مریدوں کا مرتبہ ہے لیکن محققوں کو کوئی شئے دکھائی نہیں دیتی۔ مگر اللہ کو پہلے دیکھتے ہیں فقیر کہتا ہے کہ اصل بات یہ ہے مخلوق سے خدا کی طرف اشارہ انتقال ہے۔ انیّ کی طرف اور خالق سے مخلوق کی طرف انتقال اشارہ لمی کا ہوتا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ لی۔ انیّ سے افضل ہے اگر کوئی فعل شروع میں مضمر بتائے تو اس نے پہلے اپنے فعل کو واجب جانا اور پھر خدا سے استقامت مانگی اور جو فعل کو بسم اللہ کے بعد محذوف کرتا ہے۔ وہ اوّل استقامت من اللہ کو واجب سمجھتا ہے۔ بعد میں اپنے آپ لکھ لیتا ہے اور پڑھ لیتا ہے۔

مسئلہ نمبر 2:

کیا اضمار فعل اچھا ہے یا اضمار اسم، شیخ ابو بکر رازی اضمار فعل کو اولیٰ سمجھتے ہیں کیونکہ سیاق قرآنی سے یہی معلوم ہوتا ہے جیسے ایّاک نعبد و ایّاک نستعین اور اصل یوں ہے قول ایّاک نستعینُ قول بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ فقیر کہتا ہے اس پر کوئی کہہ سکتا ہے کہ اسم اولیٰ ہے کیونکہ باسم اللہ ابتداء کل شئے کہنے سے اس امر کا پتہ مل جاتا ہے کہ وہ ذات تمام کائنات کا اصل مبداء ہے یہ علیحدہ بات ہے کہ پڑھنے والا اس کا ذکر کرے یا نہ کرے اور اس میں شک نہیں کہ یہ احتمال درست ہے۔ اور اس بحث کی پوری تحقیق عنقریب ہوگی۔ جہاں فقیر ثابت کرے گا کہ قول الحمد للہ اور قول للہ الحمد سے کون سا اولیٰ ہے۔ کیونکہ اس سے بھی

Marfat.com

اس امر کا پتہ چلتا ہے کہ وہ ذات بذاتِ خود تعریف کی مستحق ہے اس میں کہنے والے کے کہنے کا کوئی لحاظ نہیں۔

مسئلہ نمبر 3:

حرف باء جر دیتا ہے۔یعنی زیر، جیسے بسم اللہ اضافت سے بھی جر آتی ہے جیسے بسم اللہ میں لفظ اللہ مجرور ہے یعنی زیر والا ہے۔اور الرحمٰن الرحیم کا مجرور ہونا یہ طبعیت موصوف ہے۔

اوّل: حرف جر کیوں جر دیتے ہیں۔دوم اضافت سے جر کیوں آتی ہے۔سوم جر حرفی قوی ہے یا اضافی۔چہارم کتنی قسم کی اضافت ہے۔اضاف الشئ الیٰ نفسہ کوتو مشکل مانا گیا ہے۔اب دو صورتیں ہیں۔

پہلی صورت: اضافت جزؤ کا سبب ہے جیسے حدیدِ ختمَ ذِہب انگھوٹی سونے کی جزو ہے اور دروازے لوہے کا۔

دوسری صورت: اضافت الشئے الے خارجہ جیسے غلامَ زید کیونکہ مضاف الیہ مضاف کا ہوتا ہے۔باقی رہی نسب کی قسمیں۔کیونکہ اضافت کی نسبتیں بے شمار ہیں۔اس لئے ان کا شمار اور حد بندی نہیں ہوسکتی۔

مسئلہ نمبر 4:

لفظ اسم اور ذات مسمی میں ایک نسبت ہوتی ہے۔جس سے مسمی کی پہچان ہو جاتی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے مسمی نے کسی کو یہ کہا کہ جب تم کوئی لفظ سنو تو مجھے سمجھ لو پس معلوم ہوا کہ اس کو مسمی کی طرف اضافت کرنا جائز ہے جیسے بسم اللہ۔

مسئلہ نمبر 5:

ابو عبیدہ بسم اللہ میں اسم کا ذکر زائد سمجھتا ہے اصل باللہ ہی ہے کہ اسم کو یا تو تبرک کی خاطر بیان کیا گیا ہے یا قسم کا مغالطہ دور کرنا مقصد ہے۔فقیر یہ کہتا ہے کہ ابو عبیدہ کا خیال درست نہیں۔اصل کلام یوں ہے۔ابداء بسم اللہ۔کیونکہ ہمیں ابتداء کا حکم ہے اور ابتداء ہمارے ایک فعل پر صادق آتی ہے اور فعل ہمارے الفاظ اور قول ہے۔پس معلوم ہوا کہ ابداء بذکر اللہ اور ابداء بسم اللہ مراد ہے نیز اس میں یہ فائدہ ہے کہ جیسے خدا کی ذات بزرگ و برتر ہے۔جیسے اللہ کی ذات سب سے پہلے ہے اسی طرح اس کا ذکر اور اسم تمام ذکروں اور اسموں سے پہلے ہے۔

پس اس تقریر میں لفظ اسم کے بہت فوائد ہوئے۔

⌘⌘⌘⌘⌘

Marfat.com

باب دُوسرا

(ان کلمات کی کتابت اور قرأت کے متعلق فائدہ نوٹ قرأت کے متعلق بہت سے مسائل ہیں)

مسئلہ نمبر 1:

یہ متفقہ امر ہے کہ بسم اللہ پر وقفہ جائز نہیں اور مفید معنی نہیں اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پر ٹھہرنا درست ہے اور کفایت کرتا ہے۔ اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پر وقف کرنا بالکل درست اور وقف پورا ہے۔ جاننا چاہئے کہ مذکورہ بالا وقف کی تینوں صورتیں یعنی ناقص کافی اور تام ہو سکتی ہے۔ اگر ایسے کلام پر وقفہ کیا گیا ہے۔ جو مفید معنی نہ ہو تو وہ ناقص ہے اور کلام مفید معنی اور مابعد ماقبل سے متعلق ہو۔ اس پر وقفہ کرنا وقف کافی ہوگا اور ایسے کلام تام پر ٹھہرنا جس سے ربط نہ ٹوٹے اور مابعد سے بالکل علیحدہ ہو تو وقف تام ہوگا۔ اس پر کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ الحمد للہ ربّ العالمین۔ کلام پورا ہے لیکن الرحمٰن الرحیم کلام پورا نہیں ہے اس لئے کہ مالک یوم الدین کا اس سے صفتی تعلق ہے اور صفت موصوف کے تابع ہوا کرتی ہے۔ موصوف ہوگا تو صفت ہوگی۔ اگر صفات کو موصوف سے جدا کرنا جائز ہے تو بسم اللہ الرحمٰن کو مستقل آیت کیوں نہیں مانا جاتا اور الرحیم کو دوسری آیت۔ اگر جدا کرنا جائز نہیں تو الرحمٰن الرحیم کو مستقل آیت کیوں نہیں بنایا۔ اس اعتراض کا جواب دینا ضروری ہے۔

مسئلہ نمبر 2:

تمام پڑھنے والے یک زباں ہو کر کہتے ہیں کہ بسم اللہ اور الحمد للہ میں لام پر زیادہ زور نہیں دینا چاہئے۔ کیونکہ کسرہ سے لام مفخمہ کی طرف آسانی سے انتقال نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ کسرہ مقتضی تسفل ہے اور لام مفخمہ مستعمل ہے ظاہر ہے کہ نشیب سے فراز کی طرف جانا مشکل ہے البتہ منصوب و مرفوع ہونے کے وقت امالہ سے نہ پڑھنا اور لام پر زور دینا زیادہ اچھا ہے جیسے اللہ لطیف بعبادہ اور قل ھو اللہ احد اور ان اللہ اشتریٰ من المؤمنین انفسھم۔

مسئلہ نمبر 3:

کلمہ مذکورہ کو تفخیم کے ساتھ پڑھنے سے کئی امور مقصد ہیں۔ پہلا کلمہ لاہ سے فرق کرنا۔ دوم تفخیم کے معنی تعظیم بھی ہیں اور کلمہ اللہ تعظیم کا مستحق ہے۔ سوم لام رقیقہ کنارہ زبان سے ادا ہوتا ہے اور مغلظہ پوری زبان سے اور زیادہ عمل ثواب کا سبب ہے نیز تورات میں لکھا ہے اے موسیٰ کامل دل سے اپنے رب کو جواب دے اور انسان کا تمام زبان سے ذکر کرنا۔ تمام دلوں پر دلالت کرتا ہے پس معلوم ہوا کہ تمام زبان کے پڑھنے سے زیادہ تعظیم ہے۔

مسئلہ نمبر 4:

لام رقیقہ اور لام مغلظہ میں وہی نسبت ہے جو دال اور طاء یا سین اور صاد میں ہے کیونکہ دال طرف زبان سے اور طاء تمام زبان سے اور ایسا ہی سین طرف زبان سے اور صاد پوری زبان سے ہوتی ہے۔ جب ثابت ہو گیا کہ لام رقیقہ اور غلیظہ کے درمیان سین اور صاد کی نسبت ہے ہم دیکھتے ہیں کہ دال کو ایک حرف طاء کو دوسرا ایسا ہی سین کو ایک حرف صاد کو دوسرا حرف کہا جاتا ہے۔ ضروری ہوا کہ لام غلیظ کو ایک حرف اور دقیقہ کو دوسرا حرف قرار دیا جائے۔ لیکن قوم انہیں علیحدہ علیحدہ نہیں کہتی۔ مگر فرق ضرور ہونا چاہئے۔

مسئلہ نمبر 5:

لفظ اللہ کا لام مشدد ہے اور لفظ اللہ میں دو (۲) لام ہیں ایک لام تعریف اور دوسری اصلی۔ لیکن یہ متحرک ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ ایک ہی جنس کے دو حرف جب

Marfat.com

ایک جگہ جمع ہو جائیں۔ پہلا ساکن اور دوسرا حرف متحرک ہو تو حرف ساکن متحرک میں مدغم کر دیتے ہیں ضروری نہیں کہ ایک کلمے میں ہو بلکہ دو کلموں میں بھی ہوتا ہے۔ جاننا چاہئے کہ واو یا الف اور لام اگر ساکن ہوں تو اجتماع مثلیں نہ ہو تو ادغام درست ہے۔

مسئلہ نمبر 6:

ارباب مجاہدہ اور صاحب اشارات کے مطلب کا اس مقام سے ایک باریک نقطہ نکلتا ہے کہ لام تعریف اور لام اصلی لفظ اللہ میں جمع ہو گئے تو لام پہلا دوسرے لام میں مدغم ہونے سے لام اصلی رہ گیا اس لئے یہ اشارہ ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دربار سے معرفت حاصل ہونے کے بعد معرفت تو فنا ہو جاتی ہے اور صرف معروف ازلی جو پہلے زیادتی ونقصان سے پاک تھا۔ ویسا ہی رہ جاتا ہے۔

مسئلہ نمبر 7:

لفظ اللہ کے الف کو حذف کرنا جائز نہیں۔ لیکن ضرورت کے لئے وقف کرنا جائز ہے اس سے چند مسائل شرعیہ نکلتے ہیں۔

اوّل: کیا لفظ باللہ کے کہنے سے قسم ہو جاتی ہے یا نہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ قسم نہیں ہوتی۔ کیونکہ باللہ تری کو بھی کہتے ہیں باقی تمام کے نزدیک قسم ہو جاتی ہے کیونکہ اصل لغت کے موافق اس کے معنی قسم کے ہیں پھر اس پر نیت وجہ عدم جوازی کی کیا۔

دوم: کیا ذبیحہ حلال ہوگا اگر ذبح کے وقت باللہ پڑھا جائے۔

سوم: کیا صرف اللہ کہنے سے نماز جائز ہوگی یا نہیں؟

مسئلہ نمبر 8:

کسی نے امالہ لفظ اللہ میں جائز نہیں رکھا بعض روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ فقیہہ نے جائز سمجھا ہے۔

مسئلہ نمبر 9:

الرحمن الرحیم میں راء اس لئے شد کے ساتھ ہے کہ لام تعریف راء میں مدغم ہے اور تمام قراء بالاتفاق مانتے ہیں کہ لام تعریف کا راء میں ادغام ہو سکتا ہے راء کے ساتھ تیرہ دوسرے حرفوں میں اس کو مدغم کرنا جائز ہے۔ وہ حرف صاد، ضاد، سین، شین، دال، ذال، راء، زاء، طا، ظا، تاء، ثاء اور نون ہیں اور جواز ادغام کی وجہ قرب مخارج ہے۔ کیونکہ لام اور دیگر حروف کا مخرج طرف لسان اور اس کا قریب قریب حصہ ہے۔ پس ادغام اچھا ثابت ہوا اور قراء سب ثابت کرتے ہیں کہ لام تعریف مذکورہ کا بالا تیرہ حرف کے سواء باقی حرفوں میں ادغام نہیں کرنا چاہئے

مسئلہ نمبر 10:

رحمان میں امالہ قراء کے نزدیک منع ہے لیکن جواز امالہ میں نحویوں کا اختلاف ہے۔ سیبویہ درست سمجھتا ہے اس کی وجہ الف کا نون کے بعد مکسور ہوتا ہے۔ باقی سب نحویوں کے نزدیک ناجائز ہے۔

مسئلہ نمبر 11:

الرحمٰن الرحیم کا اعراب اتفاق کے ساتھ کسرہ ہے۔ کیونکہ یہ دونوں مجرور کی صفتیں ہیں۔ مگر نحویوں کے قوانین میں رفع نصب دونوں ان کا اعراب ہو سکتا ہے رفع میں خبر مبتدائے محذوف کی ہوگی اور کلام اصلی یوں ہے۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم اور نصب بلحاظ محذوف فعل کے مفعول ہونے کے ہوگا۔ اصلی کلام یوں ہوگا۔ بسم اللہ اعنی الرحمن الرحیم۔

قسم دوسری: ان مباحث میں جس کا تعلق رسم خط حث سے ہے اس میں چند ایک مسائل ہیں:

Marfat.com

مسئلہ نمبر 1:

بسم اللہ کی (ب) لمبی شکل میں لکھنی چاہئے مگر اس کے دوسری جگہ نہیں اس کی دو (۲) وجہ ہیں۔

وجہ اوّل: (ب) کے بعد الف وصلی حذف کیا گیا ہے تو ب بسم اللہ کی لمبی شکل کھینچنے میں الف محذوف پر دلالت ہوگی جس طرح اقراء باسم ربک میں ب اصلی کو اس کی اصلی حالت میں لکھتے ہیں۔

وجہ دوسری: قتیبی کہتا ہے کہ کلام الٰہی کو بڑے حرف سے شروع کرنا چاہئے۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز فرماتے تھے کہ ب کو لمبی شکل میں لکھو اور سین کو ظاہر کرو اور میم کو مدور لکھو کیونکہ کلام الٰہی کی تعظیم ہوتی ہے اور تعظیم کلام ہم پر فرض ہے۔ کیونکہ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں ابن عباس کے قول سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تمام فرضوں میں سے قرآن کریم کی تعظیم ممتاز فرض ہے۔

مسئلہ نمبر 2:

اہل اشارات کہتے ہیں کہ ب بڑا حرف ہے لیکن اللہ سے مل جاتا ہے تو اس کا اثر بلند ہو کر اعلیٰ قدر ہو جاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دل اگر اللہ تعالیٰ کی خدمت میں وقف ہو جائے تو بلند مرتبے پائے۔

مسئلہ نمبر 3:

بسم اللہ میں الف خدف کیا گیا مگر اقراء باسم میں ایسا نہیں ہوا اس کی دو (۲) وجہیں ہیں۔

وجہ اوّل: یہ کہ بسم اللہ کا استعمال بہت زیادہ ہے ہر ایک کام سے پہلے اس کا پڑھنا ضروری ہے لیکن اچھے کام سے پہلے تخفیف کی ضرورت ہوتی ہے جو پوری کی گئی چونکہ دوسرے مقامات کا استعمال نہیں اس لئے وہاں تخفیف کی ضرورت نہیں تھی۔

وجہ دوسری: خلیل اس کی یہ وجہ بیان کرتا ہے کہ ابتداء میں سین ساکن ناممکن پڑھنے کی وجہ سے الف زیادہ کیا گیا (ا، ب)، (ب) نے یہ شکل دور کردی تو اس کی ضرورت نہ رہی۔ اس لئے تحریر میں گرایا گیا اور اقراء باسم میں الف اس لئے حذف نہیں ہوا کہ بسم اللہ سے ب جدا نہیں ہوسکتی ورنہ معنی غلط ہو جائیں گے لیکن اقراء باسم کا گرجانا ممکن ہے۔ اس صورت میں اقراء باسم کے معنی غلط نہیں ہوں گے بلکہ درست رہیں گے۔ (قطہر الفرق)

مسئلہ نمبر 4:

لفظ اللہ کو دو (۲) لام سے اور الذی کو ایک لام سے لکھا جاتا ہے۔ حالانکہ بظاہر ان دونوں میں کوئی فرق معلوم نہیں ہوا بلکہ بلحاظ لام تعریف تلفظ اور کثرت استعمال دونوں میں یکساں ہیں۔ لیکن حقیقتاً ان میں فرق ہے۔ اس کی تین وجہ ہیں۔

وجہ اوّل: اللہ اسم معرب ہے دیگر اسماء کی طرح اس کا اعراب بدلتا رہتا ہے اس لئے اسے اصلی حالت پر چھوڑا گیا۔ لیکن الذی صلہ کے سواء معنی نہیں دے سکتا گویا یہ کلمہ کا ایک حصہ ہے اور کلمہ بعض حصہ مبنی ہونا ہے تو الذی بھی بوجہ نقصان مبنی ہوا۔ تو اس وجہ پر اس میں کمی سے کام لیا گیا ہے۔ الذان۔ بوجہ تثنیہ ہونے کے حرف سے مشابہ نہیں رہا کیونکہ حرف کا تثنیہ یہ نہیں ہوتا اس کی کمی زیادتی میں بدل گئی۔ اور دو لام سے لکھا گیا۔

وجہ دوسری: اگر لام سے اللہ کو لکھا جاتا تو اسم اور اللہ میں کچھ فرق نہ ہوتا اور التباس بڑھ جاتا۔ لیکن الذی میں التباس نہیں ہوتا۔

وجہ تیسری: جب تلفظ میں تفخیم جائز ہے تو خط میں بھی ہونا چاہئے اور حذف تفخیم کے خلاف ہے لیکن چونکہ الذی کے معنی میں تفخیم نہیں اس لئے خط میں بھی ترک کردی گئی۔

مسئلہ نمبر 5:

لفظ اللہ میں (ب) سے پہلے الف کو حذف کردینے کی وجہ یہ ہے کہ ایک شکل کے دو (۲) حرف کتابت میں برے معلوم ہوتے ہیں جس طرح حرف متماثلہ کا

Marfat.com

تلفظ مکروہ معلوم ہوتا ہے۔

مسئلہ نمبر 6:

لفظ اللہ دراصل اَلْاِلٰـهُ تھا اور اس کے چھ (۶) حرف ہیں تعلیل کے بعد اللہ رہ گیا۔ اب چار حرف ہیں۔ ہمزہ، دو لام، اور ہا ہمزہ کا مخرج آخری حصہ حلق ہے۔ لام کا طرف زبان اور ہا کا آخری حصہ حلق ہے۔ اس ترتیب سے ایک عجیب حالت کا اشارہ ملتا ہے کیونکہ حلق کا آخری حصہ حروف کے تلفظ کی جگہ ہے۔ پھر یہاں سے آہستہ آہستہ ترقی کرتے ہوئے زبان کی طرف پہنچ جاتا ہے یہاں سے پھر اصلی محمل کی طرف لوٹ جاتا ہے یعنی حلق کی طرف۔ پس انسان کی بھی یہی حالت ہے کہ جہالت سے ترقی کرتے ہوئے سیڑھی بہ سیڑھی مقام عبودیت تک پہنچ جاتا ہے اور ترقی کے انتہائی درجہ میں عالم مکاشفات اور انوارات کا مشاہدہ کرتا ہے۔ پھر اس مقام سے تھوڑا تھوڑا آگے بڑھتا ہے یہاں تک کہ توحید کے سمندر میں غرق ہو جاتا ہے۔

مسئلہ نمبر 7:

نون رحمٰن سے پہلے الف کو تحریر میں حذف کرنا بغرض تخفیف جائز رکھا گیا ہے لیکن لکھا جائے تو بہتر ہے اور رحیم کی۔ (یاء) حذف کرنا جائز نہیں کیونکہ رحمٰن کا الف حذف کرنے سے اس کے معنی میں کوئی خلل نہیں ہوتا اور نہ ہی التباس پیدا ہوتا ہے۔ اس کے خلاف رحیم کی (یاد) حذف کرنے سے معنی بھی بدل جاتے ہیں اور التباس لفظی بھی پیدا ہو جاتا ہے۔

⌘⌘⌘⌘⌘

Marfat.com

باب تیسرا

(اسم کی بحث بیان کرتے ہیں۔ان کی دو قسمیں ہیں، پہلی قسم مباحث نقلیہ کے بیان میں اور دوسری قسم مباحث عقلیہ کے بیان میں)

پہلی قسم میں کافی مسائل ہیں

مسئلہ نمبر 1:

لفظ اسم کے دو مشہور لغات ہیں ایک اسم دوسرے وسم، عرب کے نزدیک قرآن کریم کی ایک سورت کا نشان، اس کی علامت ہے۔بعض نے ان کے علاوہ دو اور لغتیں تحریر کی ہیں۔سم اور وسم، کسائی کہتا ہے کہ عرب کبھی تو اسم کے الف کو مکسور پڑھتے ہیں۔اور کبھی مضموم تو الف کو گرا دینے کے وقت جن لوگوں کے نزدیک الف مکسورہ ہے وہ سم پڑھیں گے اور جن کے نزدیک ان کا الف مضموم ہے تو وہ وسم کہیں گے۔ثعلب کہتا ہے کہ جن لوگوں نے اس کا اصل الف قرار دیا ہے۔وہ تو اسم اور سم پڑھتے ہیں اور مبرد کہتا ہے کہ میں نے عرب سے سنا ہے کہ وہ کہتے ہیں ہذا اسمہ وسمہ۔اسمہ وسمہ وسمہ۔

مسئلہ نمبر 2:

اسم کی تصغیر بالا جماع سمی ہے اور اس کی جمع اسماء اسامی ہے۔

مسئلہ نمبر 3:

اسم کے اشتقاق کے متعلق دو قول ہیں۔بصری تو اسے سمو یسمی علو سے مشتق سمجھتے ہیں۔جس طرح بلندی سے کوئی چیز زیادہ ظاہر ہو جاتی ہے۔اسی طرح اسم بھی اپنے موسوم بہ کو دوسروں پر ظاہر کر دیتا ہے۔فقیر کہتا ہے کہ الفاظ سے معنی پہچانے جاتے ہیں جس سے کسی شئے کی شناخت ہو اس کا علم مقدم ہونا چاہئے۔شناخت تب ہی ہوگی۔اگر علم ہوگا ورنہ نہیں۔معلوم ہوا کہ معنی پر الفاظ مقدم ہیں کیونکہ الفاظ سے ہی معنی نکلتے ہیں۔کوفیوں کے نزدیک وسم یسم سمۃً سے مشتق ہے اور سمۃً کے معنی نشان یا علامت ہے۔بصریوں کی یہ دلیل ہے اگر اسم سمۃ سے مشتق ہوتا تو اس کی تصغیر وسیم اور جمع اوسام ہونی چاہئے تھی حالانکہ ایسا نہیں۔

مسئلہ نمبر 4:

جو صاحب وسم یسم سے مشتق بناتے ہیں۔ان کے نزدیک اسم دراصل وسم تھا۔واؤ کو حذف کر کے اس کی جگہ وصل ہمزہ لگایا گیا جس طرح زنۃ، عدۃ اور صفۃ دراصل وزن وعد اور وصف تھا۔بعد میں واؤ کو گرا دیا اور اس کے بدلے (ہا) زیادہ کر دی جو سمو یسمی علو سے مشتق کرتے ہیں۔ان کے دو قول ہیں۔پہلے تو یہ کہ اصل میں سما یسمو یا سما یسمی کا امر ہے۔جس طرح دعا یدعو کا امر اور رمی یرمی کا امر ارم ہے بعد ازاں اسے حذف کر کے افعال سے نکال کر اور وجوہات اعرابیہ چھپاں کر کے اسم بمعنی نام مقرر کر دیا۔جس طرح اونٹ کو یعملاً کہتے ہیں حالانکہ یہ اصل میں فعل ہے اب بطور اسم بھی استعمال ہوا۔اخفش اسے الان کی طرح خیال کرتا ہے۔کیونکہ اصل میں وہ ان یا ان بمعنی حضر سے ہے بعد میں ماضی پر الف لام داخل کر کے مفتوح ہی رہنے دیا دوسرا قول یہ ہے کہ دراصل سَمْو ہے جیسا کہ حَمْو۔چونکہ عام طور پر یہ زیادہ استعمال ہوتا ہے اور متواتر حرکات کا جمع ہونا موجب ثقل تھا۔اس لئے واؤ کو حذف کر کے اس کی جگہ میم کو منتقل کر دی۔اب چونکہ سین ساکن تھا اور ساکن سے ابتداء مشکل ہے۔رفع تعذر کے لئے اس پر ہمزہ زیادہ کر دیا وجہ خاص ہمزہ ہے کہ وہ حروف زائد میں سے ہے۔

دوسری قسم مسائل عقلیہ کے بیان میں: اسم کی تعریف اس کے اقسام کا ذکر تو پہلے ہو چکا ہے۔اب اس کے متعلق چند مسائل:

Marfat.com

مسئلہ نمبر 1:

فرقہ حشویہ کرامیہ اور حشریہ کہتے ہیں کہ اسم اور مسمی ایک چیز ہے اور تسمیہ اسم سے علیحدہ چیز ہے اور معتزلہ اس کے خلاف مانتے ہیں اور ہم تسمیہ اور مسمی دونوں کو اسم سے علیحدہ مانتے ہیں۔ دلائل سے پہلے ایک مقدمہ ذہن نشین کرادوں۔ یہ کہنا کہ اسم مسمی کا عین ہے یا نہیں۔ اس وقت درست ہوسکتا ہے۔ جب ہمیں ان دونوں کی کیفیت اور ماہیت معلوم ہو جائے ورنہ رائے کبھی قائم نہیں ہوسکتی بلکہ مشکل ہے۔ فقیر کہتا ہے کہ اگر اسم سے اصوات متقطعہ اور حروف مؤلف مراد ہیں۔ اور مسمی سے ذات موجودات نفس الامریہ اور اعیان واقعیہ تو ان دونوں کا علیحدہ علیحدہ شئے ہونا تو صاف ظاہر ہے اس میں چھان بین کرنی بے سود ہے اگر اسم سے ذات مسمّٰی اور مسمّٰی سے بھی وہی ذات مراد ہے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ اسم مسمی ہے۔ جس کے معنی یہ ہوئے کہ ذات شئے عین شئے ہے تو معلوم ہوا کہ اس مسئلہ میں فکر کرنا مشکل اور لغو ہے کیونکہ پہلی صورت صاف تھی اور صورت دوسری درست ہے مگر اس میں کوئی شک نہیں۔

مسئلہ نمبر 2:

جن لوگوں کا خیال ہے کہ اسم اور مسمی ایک چیز ہے اس میں عجیب وغریب خیال کیا ہے اسم ہر ایسے لفظ کا نام ہے جو صرف معنی پر دلالت کرے زمانہ مقرر اور وقت پر نہ کرے اور خود اس پر یہ تعریف صادق آتی ہے۔ ضروری ہوا کہ لفظ اسم ہی ذات کا اسم ہو اور لفظ اسم اسم کا مسمی ہو تو معلوم ہوا کہ اسم عین مسمّٰی ہے لیکن اس پر ایک اعتراض ہے کہ اسم کا مسمی صفات سے پہلے اسم ہوتا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ مضاف اور مضاف الیہ ایک دوسرے کے مخالف ہوا کرتے ہیں۔

مسئلہ نمبر 3:

یہ بات کا ثبوت ہے کہ اسم عین مسمی نہیں ہوسکتا۔ اس کی چند وجوہات ہیں:

پہلی وجہ: بعض اوقات اسم موجود ہوتا ہے مگر مسمی معدوم کیونکہ عدم نفی کے معنی میں ظاہر ہے کہ الفاظ موجود ہیں مگر مسمی موجود نہیں ایسا ہی کسی وقت مسمی ہوتا ہے مگر اسم نہیں ہوتا جیسے وہ موجودات جن کا نام مقرر نہیں ہوتا۔ پس ان دونوں میں سے ایک کا موجود ہونا اور دوسرے کا نہ ہونا مخالفت ثابت کرتا ہے۔

دوسری وجہ: اسماء کی زیادتی اور مسمی کی قلت جیسے الفاظ مترادف ایسا ہی مسمی کی کثرت اور اسماء کی قلت جیسے اسماء مشترک اُس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔

تیسری وجہ: یہ بات کہ اسم کا مسمّٰی اسم ہے اور مسمّٰی اسم کا مسمی ہے اس سے اضافت ہے جیسے اور مملوکیت مضاف اور مضاف الیہ کا باہمی مخالف ہونا مسلمہ امر ہے۔ کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ کون عالم نفس میں جز و پیدا کرسکتا ہے؟

چوتھی وجہ: اسم اصوات مقطعہ ان کو کہتے ہیں جن سے مسمیات کی پہچان ہوتی ہے مگر اصوات عوارضات سے ہیں جن کے لئے آخر فنا ہے لیکن اس کے خلاف ہم دیکھتے ہیں کہ کئی مسمّٰی موجود رہتے ہیں لیکن ان کا وجود ذات کے ساتھ واجب ہوتا ہے۔

پانچویں وجہ: جب ہم لفظ نار اور ثلج بولتے ہیں تو اس وقت ہماری زبان پر نار اور ثلج ہوتے ہیں حالانکہ چاہئے تھا کہ وہ بھی موجود ہوں کیونکہ اسم اور مسمی ایک چیز ہے۔ یہ بات ایسی ہے جو کسی عاقل کو اچھی نہیں لگتی۔

چھٹی وجہ: اسم اللہ اور اسم الاسم اور اللہ اللہ سے فرق معلوم ہوتا ہے جس سے اسم اور مسمی کا ایک شئے ہونا لازم آتا ہے۔

ساتویں وجہ: قول الٰہی بسم اللہ اور ''تبارک اسم ربک'' سے معلوم ہوتا ہے کہ اسم اللہ کی طرف مضاف ہوسکتا ہے۔

آٹھویں وجہ: ہم اسماء کی دو (۲) قسمیں بیان کرتے ہیں۔ اسماء عربیہ اور فارسیہ جیسے اللہ کو اسم عربی اور خدا کو اسم فارسی کہتے ہیں لیکن ذات الٰہی اس فرق سے پاک ہے۔

وجہ نویں: قول الٰہی وللہ الاسماء الحسنیٰ فادعوہ بھا ۔اور پیغمبر الٰہی کا فرمان ان اللہ تعالیٰ تسع وتسعین اسماء میں اسم بہت اور مسمّٰی فقط ایک یعنی اللہ تعالیٰ ہے۔

Marfat.com

مسئلہ نمبر 4:

فقیر اسم اور تسمیہ میں مخالفت سمجھتا ہے اس لئے کہ تسمیہ ذاتِ مقررہ کی شناخت کے لئے لفظ مقرر کرنے کو کہتے ہیں۔ بیان کرنے والوں کا واضح ارادہ مقصد ہے۔ اور اسم مقررہ الفاظ کو کہتے ہیں۔ پس اب ان دونوں کا فرق معلوم ہو گیا۔

مسئلہ نمبر 5:

معلوم ہوا کہ الفاظ معنی پر اس وقت دلالت کر سکتے ہیں جب لفظوں میں ربط موجود ہو ترتیب کے ساتھ یہی وجہ ہے کہ اسماء اور افعال کو حروف سے پہلے بنایا گیا۔ باقی رہی یہ بات کہ اسماء افعال میں سے کون پہلے ہے۔ بہت سی وجوہات کے ساتھ اسماء پہلے معلوم ہوتے ہیں۔

وجہ اوّل: اسم ایسا لفظ ہے جس کی ماہیت پر دلالت ہوتی ہے، فعل ایسا ہے جو کسی مقررہ زمانے سے ماہیت کا کوئی طریقہ اور ذریعہ سے حاصل ہونا ظاہر کرتا ہے۔ معلوم ہوا کہ اسم مفرد ہے اور فعل مرکب اور مفرد مرکب سے پہلے ہوا کرتا ہے۔

وجہ دوسری: فعل بدون فاعل نہیں ہو سکتا مگر فاعل بدون فعل ہو سکتا ہے۔ معلوم ہوا کہ فاعل فعل کا محتاج ہے اور محتاج الیہ بلحاظ رتبہ پہلے ہوتا ہے۔

وجہ تیسری: اوسموں کی ترکیب معنی کے لئے قاعدہ مقرر ہے جیسے مبتداء اور خبر، لیکن دو فعلوں کی ترکیب سے مکمل فائدہ نہیں ہوتا۔ ان تمام دلائل سے اسم کا پلہ بھاری ہے جس سے لازم آتا ہے کہ بلحاظ وضع بھی مقدم ہو۔

مسئلہ نمبر 6:

تمہیں معلوم ہے کہ اسم کبھی تو ماہیت کا نام ہے اور کبھی اسم مشتق اسم مشتق کسی چیز کا موصوف صفت کے ساتھ ظاہر کرتا ہے جیسا کہ عالم قادر، یہ ظاہر ہے کہ اسماء ماہیت کا درجہ اسماء مشتقات سے زیادہ ہے کیونکہ ماہیات مفردات ہوتے ہیں یعنی انفرادی طور پر۔ صفات مرکبات اور مفرد مرکت سے پہلے ہوتا ہے۔

مسئلہ نمبر 7:

خیال گزرتا ہے کہ اسماء صفات اسماء ذات جو نفس کے ساتھ قائم ہیں اسماء صفات کے بعد ہیں۔ کیونکہ ہمیں ذات کی شناخت صفات سے ہوگی اور شناخت کنندہ کا علم مسمیات کے لحاظ سے شناخت شدہ سے اچھا ہوتا ہے جس چیز کی شناخت پہلے ہو ذکر پر بھی پہلے ہوگی۔

مسئلہ نمبر 8:

بلحاظ مسمیات اسم کی نو (۹) اقسام ہیں۔ پہلی اسم ذات دوسرا کسی چیز کا نام اس کے اجزاء میں سے کسی جزو کے لحاظ سے جیسے دیوار کو ہم جسم یا جوہر کہیں۔ تیسرا کسی چیز کا نام اس کی صفت کے لحاظ سے۔ چوتھا بلحاظ اسم صفت کے پانچواں اسم سبب کے لحاظ سے جیسے نابینا اور فقیر چھٹا اسم بلحاظ حقیقت اور اضافت جیسے کسی عالم کو کہا جائے ساتواں اسم بلحاظ صفت حقیقیہ وسبیہ آٹھواں اسم بلحاظ صفت اضافیہ نواں بلحاظ مجموعہ صفت حقیقیہ، اضافیہ اور سبیہ

مسئلہ نمبر 9:

کیا اللہ کریم کا اسم بلحاظ ذات مخصوص ہے یا نہیں؟ اس مسئلے کو بیان کرنے سے پہلے کچھ مقدمات:

مقدمہ پہلا: خالق اور مخلوق میں اقتضائے ذات فرق ہے نہ بلحاظ صفات، ذات الٰہی کو اس کی صفتوں سے قطع نظر دیکھا جائے۔ معلوم ہوگا کہ وہ مخلوق سے مبائن ہے اگر مساوات مانی جائے تو اس کی ذات دوسروں سے زیادہ صفتوں کی وجہ سے مخالف ہوگی تو اس صفت کی وجہ سے اس کی ذات میں تمیز کی خصوصیات پیدا ہوگئیں۔ کسی دوسرے امر کی وجہ سے ہے یا نہیں؟ صورت پہلی سے تسلسل لازم آتا ہے جو مشکل ہے۔ دوسری صورت میں ترجیح بلا مرجح لازم آتی ہے۔ اگر مانا جائے کہ صفت کا وجود اقتضائے ذات خود ہے تو اس سے لازم آتا ہے کہ اس صفت کی خصوصیت دوسری صفت کی طرف سے ہو اس سے بھی تسلسل لازم آئے گا جو محال ہے۔

Marfat.com

مقدمہ دوسرا: فقیر کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نہ جسم ہے نہ جوہر ہے کیونکہ جسمیت اور جوہریت کا نہ ہونا یہ امر سلبی ہے، اور صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں، کہ اللہ تعالیٰ کی ذات خاص امر ایجابی۔ سلب اور ایجاب کے درمیان مغائرت کا ہونا یقینی ہے۔

مقدمہ تیسرا: اللہ تعالیٰ کی ذات مخصوصہ موجود الوقت میں ہمیں معلوم نہیں اس کی چند وجوہ ہیں:

پہلی وجہ: جب ہم عقل کے ساتھ غور وفکر کرتے ہیں تو چار اموروں میں سے ایک امر کا پتہ ملتا ہے۔ یا یہ کہ اللہ کریم موجود ہے اس کا وجود دائمی ہے یا وہ موصوف بصفات الجلال ہے یا وہ موصوف بصفات جمال ہے۔ ان چاروں میں سے پہلے تین امور سبیہ سے ہیں۔ آخری اعتبارات اضافیہ کے قبیل سے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات مذکورہ بالا چاروں امور سے مغائر ہے کیونکہ دلیل نے ثابت کر دیا کہ اس کی حقیقت اس کے وجود کی غیر ہے اس سے اس کا دائم الوجود ہونا بھی اس کی حقیقت کے مغائر ہے اور آخری دو امورات سبیہ اور اضافیہ میں سے ہیں۔

دوسری وجہ: استقراء پوری نے یہ واضح کر دیا کہ ایک چیز کا ادراک چار اصولوں سے ہمیں ہوسکتا ہے۔ حواس خمسہ کے ذریعے بعض حالات کا ادراک ہوسکتا ہے اور بعض احوال کو ہم اپنے ظاہر میں محسوس کرتے ہیں جیسے غم، لذت، بھوک، پیاس اور سرور اور خوشی بعض حالات عقل کے ذریعے معلوم ہوتے ہیں جیسے کثرت وحدتِ وجوب غرض یہ کہ ان چاروں اموروں کا ادراک بشری طاقت میں ہونا ثابت ہے اور تحقیق سے ثابت ہو چکا ہے کہ حقیقت الٰہی ان چاروں کے مخالف ہے نتیجہ یہ ہوا کہ مخلوق سے اللہ کی حقیقت کا ادراک نہیں ہوسکتا۔

تیسری وجہ: جملہ تمام صفات حقیقیہ سلبیہ اور اضافیہ حقیقت مخصوصہ کی معلول ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ معلول سے پہلے علت کا علم ہوا کرتا ہے اگر اللہ تعالیٰ کی حقیقت مخصوصہ ہمیں معلوم ہوتی تو اس کی تمام صفت کا علم ہمیں ہونا چاہئے تھا۔ حالانکہ ایسا نہیں۔

مقدمہ چوتھا: حقیقتِ الٰہی کا علم ہمیں معلوم نہیں تو کیا علم کا امکان ہوسکتا ہے یا نہیں۔

مقدمہ پانچواں: اگر حقیقت مخصوصہ کا علم ممتنع ہے اور انسان معلوم نہیں کرسکتا تو کیا ملائکہ کو یا ان میں سے کسی فرد کو بھی معرفت کا حصول ہے یا نہیں۔ انصاف کی بات یہ ہے کہ یہ مسئلہ بہت مشکل ہے اور عقل ان عقدوں کو کھولنے سے عاجز ہے۔ یہ سمندر عقل کے ذریعے عبور نہیں ہوسکتا۔ بعض کا خیال ہے کہ عقل انسانی متناہی ہے اور بعض کا خیال ہے کہ غیر متناہی ہے۔ سب چیزوں سے ذاتِ الٰہی بزرگ و برتر ہے ایسا ہی اس کا علم تمام علموں سے بزرگ و برتر ہے۔

مقدمہ چھٹا: ہر چیز کے متعلق ہمیں دو طرح کا علم اور معرفت ہوسکتی ہے۔ علم عارضی اور علم ذاتی۔ علم عارضی کی مثال یہ ہے کہ کسی عمارت کو دیکھ کر ہمیں اس کے بنانے والے کا علم ہو جاتا ہے لیکن ماہیت بانی کی کیفیت اور اس کی قسم کا پتہ اس کی بنی ہوئی عمارت سے نہیں مل سکتا اور علم ذاتی کی مثال یہ ہے کہ ہم کسی خاص رنگ کو دیکھتے ہیں یا ہمیں لمس سے حرارت اور سن کر آواز کی شناخت ہوتی ہے۔ ان تینوں صورتوں میں ہمیں جو کچھ معلوم ہوا ہے وہ ان کی کیفیت ہے۔ حرارت اور برودیت کی کیفیت وہی ہے جو لمس سے ہمیں حاصل ہوئی اور سیاہی یا سفیدی کی ماہیت وہی کیفیت ہے جو قوت باصرہ کے ذریعے دیکھی گئی۔ اس تمہید سے معلوم ہوا کہ مخلوق اپنے خالق کی محتاج ہے اور موجودات سے ہمیں اللہ تعالیٰ کی معرفت ہو جاتی ہے۔ جس عمارت کو دیکھ کر اس کے بنانے والے کا پتہ چل جاتا ہے تو یہ علم عارضی ہے اب تک جس کی تردید میں سرگرم رہے وہ علم ذاتی کی نفی تھی پس اس فرق کو یاد رکھنا چاہئے مبادا غلطی میں رہیں۔

مقدمہ ساتواں: مشاہدہ سے معلوم ہوتا ہے کہ علم ذاتی کی دو (۲) حالتیں ہوا کرتی ہیں۔ ایک تو علم دوسرا بصارت۔ اشیاء کو دیکھنے سے ایک حالت اور پھر اس میں نظر عمیق سے ایک اور حالت پیدا ہو جاتی ہے مگر ان دونوں حالتوں میں فرق معلوم ہوتا ہے۔ ثابت ہوا ہے کہ علم اور چیز ہے اور بصارت اور چیز ہے۔ ہم فرض کر لیتے ہیں کہ مخلوق کو خالق کا علم ذاتی ممکن ہے اور اسے اس کی حقیقت کا علم ہوسکتا ہے۔ تو ہم پوچھتے ہیں کہ کیا اس علم ذاتی کی بھی دو (۲) ہی حالتیں ہیں۔ یعنی علم اور بصارت یا صرف ایک ہی اگر دونوں حالتیں فرض کی جائیں کیا ان دونوں میں مقصور ہے یا ان کے علاوہ اور حالت اور مختلف مرتبے ہوتے ہیں بات اصل یہی ہے کہ اس قسم کی تمام بحثوں میں عقل کبھی بھی یقینی اور قطعی فیصلہ نہیں دے سکتی اور محض عاجز ہے۔ یہ ساتوں مقدمات فقیر نے خزینۃ القرآن سے اخذ کئے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی صفات کے متعلق اور ذات کے متعلق ایک ہزار صفحہ لکھا ہے۔ لیکن تمام یہاں بیان کرنا مشکل ہے کیونکہ بہت ضخیم ہے۔ آپ کو جاننا چاہئے کہ خزینۃ القرآن بہت ضخیم تفسیر ہے صفات کو ختم کرتے وقت

Marfat.com

آخری باب میں فرماتے ہیں کہ معقولیوں نے جوہراور جسم کا اللہ تعالیٰ کی ذات پر اطلاق کیا ہے۔ پھر وہ یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ ہر شئے کا خالق وہی ہے تو پھر جسم اور جوہر کو کس نے تخلیق کیا ہوگا۔ کیونکہ جسم اور جوہراس پر دلالت کرتے ہیں لیکن پھر فرماتے ہیں کہ بعض کہتے ہیں کہ جسم اور جوہر کا ہونا اس کی شان کے مطابق ہے ہم تو صرف اس کے وجود کی مثال اور لامثالہ جوہر جسم بیان کرتے ہیں یہ ناممکن ہے اور تسلسل محال ہے اللہ تعالیٰ کا وجود قدیم واجب الوجود ہے اور اس کے وجود کی کوئی مثال دینا کسی چیز سے لغو ہے اور عقل عاجز ہے بلکہ جب عقل تسلیم کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ قدیم اور واجب الوجود ہے تو پھر اس کی ذات ایسی ذات ہے جو بے مثال ہے، جیسا کہ اس کا ارشاد عقل کو تسلیم کرانے کے لئے خود کافی ہے پھر فرماتے ہیں کہ معقولیوں نے ایسے مسئلے میں بحث کر کے اپنی عقل کو پاگل بنادیا ہے بلکہ عقل نے انہیں گمراہی کے گڑھے میں غرق کردیا۔ انسان جب اس بارے میں خیال کرے تو یہی سوچے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات ایک ہیں اور وہ غیر متناہی ہیں انکے ادراک سے عقل عاجز ہے۔ پر خیال کرے۔ پھر فرماتے ہیں کہ خالق کا مخلوق کو علم ہونا تو مخلوق عاجز ہے عقل عاجز ہے اس کی ذات ایسی قدیم واجب الوجود ہے نہ اس کی ابتداء نہ انتہاء اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے ''ولا یحیطون بشیٔ من علمہ سے اس کا ادراک مشکل ہے۔ تو درست یوں ہے لیس کمثلہ شیٔ

مسئلہ نمبر 10:

اللہ تعالیٰ کا بلحاظ ذات اور کنہ کے بھی کوئی اسم ہے یا نہیں؟ متقدمین فلسفیوں کا انکار ہے وہ کہتے ہیں وضع اسم اس غرض کے سے ہے کہ مسمّی کی طرف اشارہ ہو جائے یہ کافی ہے۔ حالانکہ یہ امر پایا ثبوت کو پہنچ چکا ہے کہ اس کی ذات کی معرفت کسی فرد کو نہیں ہوسکتی۔ جس کے ضمن میں فقیر آیت پیچھے عرض کر چکا ہے پس معلوم ہوا کہ اسم ذاتی نہیں ہوسکتا البتہ اس حقیقت کے لوازمات کے اسماء ہیں مثلاً وہ ذات ازلی ہے اس کو زوال نہیں وہ واجب ہے اس میں قابلیت عدم نہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ منعم حقیقی کی رحمت اور عنایت سے کچھ دور نہیں اگر وہ اپنے مقربین کو اپنی معرفت کی حقیقت کا علم بخش کر ممتاز فرمائے اس صورت میں وضع اسم مفید ہوگا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اس کا دارو مدار ذات مقدسہ پر ہے۔

مسئلہ نمبر 11:

جب اسم ذاتی ممکن نہ ہو جو اسم تمام اسماء پر فوق اور اعلیٰ درجہ کا ہوگا اس کا ذکر تمام ذکروں سے بزرگ واعلیٰ ہے کیونکہ علم وذکر کی برتری علو منزلت سے ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ تمام معلومات اور مذکورات سے اللہ کریم کی ذات بلند پایہ ہے تو اس کی ذات کی معرفت اور علم تمام علوم سے بڑھ کر اور اس کا ذکر تمام ذکروں سے اعلیٰ اور اسم تمام اسماء سے بلند افضل ہے اور مشہور قول ہے کہ اسم اعظم بسم اللہ ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن نے بسم اللہ کے اسم اعظم ہونے پر کافی دلائل دیئے ہیں اور تین سو (۳۰۰) مستند احادیث بیان کی ہیں۔

مسئلہ نمبر 12:

بعض حضرات اسم اعظم کو مانتے ہیں لیکن تابعین کا اس میں اختلاف ہے:

پہلا قول: بعض ذوالجلال والاکرام کو اسم اعظم خیال کرتے ہیں کیونکہ رسول مقبول کا فرمان انسطوا بیا ذو الجلال شاہد ہے۔ لیکن امام رازی کہتے ہیں کہ میرے نزدیک یہ ضعیف ہے کیونکہ جلال سے صفات سلبیہ اور اکرام سے صفات اضافیہ کا مفہوم پیدا ہوتا ہے اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ سلب اور اضافت اللہ تعالیٰ کے مغائر ہیں۔ اس میں کوئی بڑی عظمت نہیں پائی جاتی۔ (فما معنی بہذا)

دوسرا قول: ابی ابن کعب نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ تمام آیات قرآنی میں سے کون سی آیت بزرگ ہے۔ آپ نے فرمایا لا الہ الا ھو الحیی القیوم کو اسم اعظم قرار دیا ہے لیکن میرے نزدیک یہ درجہ بھی عارضی ہے امام رازی فرماتے ہیں۔ کیونکہ حیی فعل وادراک کا مبالغہ ہے۔ اور قیام کا مبالغہ قیوم ہے جس کے معنی ہے کہ وہ ذات اپنے قیام میں کسی کی محتاج نہیں۔ لیکن دوسروں کو اس امر میں اس کی محتاجی ہے۔ معلوم ہوا کہ قیوم صفت سلبی اور اضافی دونوں کے مجموعہ کا نام ہے بدلیل سابق یہ بھی اسم اعظم نہ ہوا۔

تیسرا قول: بعض سب اسماء کو ایک درجہ میں مانتے ہیں کچھ تمیز نہیں کرتے۔ وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سب اسماء اعظم اور مقدس ہیں ورنہ بقیہ اسماء میں نقصان ماننا

Marfat.com

پڑے گا۔امام رازی کہتے ہیں میرے نزدیک اس قول کی کچھ وقعت نہیں ہے کیونکہ ہم نے دلائل سے ثابت کر دیا ہے کہ اسماء کی نو اقسام ہیں۔ان میں سے اسم ذاتی کا پلہ بھاری ہے پھر انکار کی کیا وجہ۔

قول چوتھا: بعض کے نزدیک اسم اعظم اللہ ہے اور میں بھی اسے درست مانتا ہوں اور آئندہ صفحوں میں ہم ثابت کریں گے کہ اللہ عزوجل اسم اعظم ہے۔یہی نام ذات مقدسہ مخصوصہ پر دلالت کرتا ہے۔

مسئلہ نمبر 13:

اللہ کریم کا اسم ہے جزئی بھی نہیں ہوسکتا۔بلکہ محال ہے کیونکہ اسم جزئی سے وہ ماہیت ہوسکتی ہے جو اجزاء سے مرکب ہو اور وہ ذات اجزاء سے پاک اور ان کا وجود محال ہے۔اس لئے کہ اجزاء مرکبہ کا ہر ایک جزو دوسرے کا محتاج ہوتا ہے اور محتاج الیہ حاجت علیہ کا غیر ہوا کرتا ہے تو ہر ایک مرکب اپنے غیر کا محتاج ہوا۔نتیجہ یہ ہوا کہ ہر ایک مرکب کا امکان لذاتہ ہے جو ممکن لذاتہ نہ ہو وہ مرکب نہیں جو مرکب نہ ہو اس کا اسم جزوی نہیں ہوسکتا۔

مسئلہ نمبر 14:

اللہ تعالیٰ کا ایسا اسم جو اس کی ذات پر دلالت کرے ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ کے متعلق تو بیان ہو چکا ہے کہ لوگوں میں اختلاف ہے اور اللہ تعالیٰ کا اسم جزئی دلائل سے باطل ہو چکا ہے۔اب رہی سات قسمیں۔فقیر کہتا ہے کہ جو اسم بلحاظ صفت حقیقہ قائمہ بذاتہ المخصوص مقرر کیا گیا ہو وہ صفت وجودی ہے۔کیفیات وجودی کی کیفیت، یا ان دونوں کے علاوہ کوئی دوسری صفت ہوگی۔پس اب فقیر ان مسائل کی قسموں کو قلمبند کرتا ہے جو مفرع معنی خیز ہوسکتے ہیں (واللہ الہادی)۔

⌘⌘⌘⌘⌘

Marfat.com

باب چوتھا

(ان اسماء کے مباحث میں جو اللہ تعالیٰ کی صفات حقیقیہ کو ظاہر کرتے ہیں)

سابقہ تقریر سے معلوم ہو چکا ہے یہ بحث تین اقسام پر منقسم ہوسکتی ہے پہلے وہ اسم جو وجود پر دلالت کرتے ہیں اس کے متعلق چند مسائل۔ صاحب خزینۃ القرآن نے ایک ہزار صفحہ رقم کیا ہے۔ لیکن فقیر صرف چند مسائل بیان کرے گا۔

مسئلہ نمبر 1:

جمہور کا یہ خیال ہے کہ لفظ شئے کا اطلاق خدا کی ذات پر جائز ہے اور اس کا نام شئے ہوسکتا ہے مگر جہم بن صفوان اور صاحب خزینۃ القرآن بھی اس کو ناجائز سمجھتے ہیں۔ جمہور دعویٰ کے ثبوت میں چند دلائل پیش کرتے ہیں:

دلیل پہلی: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قُل ایُّ وشیٍٔ اکبَرَ شھادۃً قل اللّٰہ ط سے تسمیہ اللہ باسم الشئے معلوم ہوتا ہے۔ اس پر کوئی یہ کہے کہ آیت شریف سے استدلال اس وقت صحیح ہوسکتا ہے۔ سلسلہ کلام قل اللہ پر ختم ہوسکتا تھا۔ مگر یہاں ایسی صورت نہیں بلکہ قل اللہ مستقل کلام کا ایک جزو ہے۔ پورا کلام قل اللہ شھیدٌ بینی و بینکم

دلیل دوسری: کُل شیٔ ھالِکٌ الا وجھہٗ میں سے وجہ سے ذات الٰہی مراد ہے (ورنہ کل شیٔ ھالک) سے اسے مستثنیٰ بنانا جائز نہ ہوتا۔ اس سے بھی فقیر کی دلیل ثابت ہوئی۔

دلیل تیسری: رسول خدا کا ارشاد کان اللہ ولم یکن شیٔ سے بھی جواز نکلتا ہے۔

دلیل چوتھی: کتاب موسوم ''الفاروق'' میں عبداللہ انصاری حضرت عائشہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ فداہ ابی وامی کو فرماتے سنا۔

دلیل پانچویں: اللہ کریم پر شئ کی تعریف صادق آتی ہے کیونکہ شئ اسے کہتے ہیں جس کا کچھ علم ہو سکے۔ ظاہر ہے کہ تعریف صادق آتی ہے۔ اللہ شئ ہوا۔ جہم کے دلائل یہ ہیں:

نوٹ:

صاحب خزینۃ القرآن نے مذکورہ بالا دلائل پیش کئے جن سے اللہ تعالیٰ کو لفظ شئ کہنا درست لیا ہے۔ موصوف کے آخری دلائل قوی ہیں:

دلیل پہلی: اللہ خالق کل شیٔ اور وھو علٰی کل شیٔ وکیل سے ثابت ہوتا ہے کہ تمام اشیاء اور مقدورات مخلوق ہیں۔ لیکن خداوند تعالیٰ کی نسبت ایسا نہیں کہا جا سکتا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ شئ نہیں۔ اس پر اگر کوئی یہ کہے کہ آیت پیش کردہ کا عام مفہوم ہے لیکن خدا تعالیٰ اس سے مخصوص ہے۔ فقیر کہتا ہے کہ اس کا جواب دو طرح سے ہوسکتا ہے پہلے یہ کہ تخصیص اصل امر کے مخالف ہے اور دلائل لفظیہ میں اس قدر تقریر کفایت کرتی ہے۔ دوسرے یہ کہ تخصیص ان صورتوں میں ہوسکتی ہے جہاں بلحاظ اکثریت کے حکم کیا گیا ہو جیسا کہ طریقہ اہل عرف سے ثابت ہوتا ہے اور اکثر کو بمنزلہ کل اس وجہ سے قرار دیا گیا کہ حکم سے نکلی ہوئی صورتیں حقیر اور کم تعداد ہیں تو ان کا وجود بمنزلہ عدم قرار دے کر ایک کلی حکم قائم کر دیتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ ہر دو آیت میں تخصیص نہیں پائی جاتی بلکہ محال ہے ورنہ نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کو حقیر اور کم درجہ ماننا پڑے گا۔ حالانکہ اگر اللہ تعالیٰ کو بالفرض شئے مان لیا جائے تو اس شئے کا مرتبہ اور درجہ تمام اشیاء سے بلند واعلیٰ ہوگا۔

دلیل دوسری: یہ متفق امر ہے کہ ہر چیز اپنی مثال آپ ہوا کرتی ہے جس کو ہم شئے سے تعبیر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ بھی کوئی شئے ہے حالانکہ آیت لیس کمثلہ شیٔ وھو

Marfat.com

السمیع البصیر سے اس کی نفی ثابت ہوتی ہے نتیجہ یہ ہوا کہ خدا تعالیٰ شئے کا مسمیٰ نہیں۔ اگر کوئی یہ کہے کہ کاف زائدہ ہے تو جواب یہ ہے کہ تمہارا کہنا ٹھیک نہیں کیونکہ خدا تعالیٰ کے کلام میں کوئی حرف بھی فضول اور لغو نہیں اور تمہارے خیال کے مطابق اس کے کلام میں لغو حرف ہونا ٹھیک معلوم ہوتا ہے۔ پس ہماری دلیل میں کچھ کمزوری نہ ہوئی بلکہ قوی رہی۔

دلیل تیسری: جملہ اسماء الٰہی ایسے ہونے چاہئیں جن سے اس کی صفت یا مدح وثناء مفہوم ہو سکے کیونکہ اللہ کریم نے تمام اسماء میں سے اپنے اسماء کو حسنیٰ بیان فرمایا ہے اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ اسماء مقید صفات ہوں اور ان کی خوبی ان میں ہے کہ موسوم بہ مدح وثناء اور اظہار جلال کریں نیز اللہ کریم کو اسماء حسنیٰ سے پکارو۔ جو شخص ایسا نہیں کرے گا بلکہ من گھڑت اور ان اسماء سے جو ملحدوں کے الحاد کا نتیجہ ہیں اسے یاد کرے تو وہ ملحد ہوگا۔ پس ثابت ہوا کہ انسان ہمیشہ اسماء حسنیٰ اسے جن سے اس کی صفات اور جلال اور تجلیات ظاہر ہوں، سے یاد کیا کرے اور پکارے، یہ نتیجہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو شئے کا موسوم کر دینا جائز نہیں باطل ہے اور اس پر شئے کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ شئے اس قدر مشترک کو کہتے ہیں جو ذرہ حقیر سے لے کر بڑی اشیاء کے درمیان پایا جائے تو معلوم ہوا کہ لفظ شئے کو اگر اسم الٰہی قرار دیا جائے تو اس سے صفت الٰہی اور اس کی عظمت وجلال اور مدح وثناء کا فائدہ حاصل نہیں ہوتا تو اسماء حسنیٰ سے نہ ہوا بلکہ وذروا الذین یلحدون فی اسمائہ کے قبیل سے ہوگا اگر اسے اسم قرار دیا جائے۔

دلیل چوتھی: باوجود ہم نے کہیں نہیں دیکھا نہ سنا کہ رسول اللہ ﷺ یا آپ کے کسی صحابی نے اللہ تعالیٰ کو یا شئے سے مخاطب کیا ہو اور اسے پکارا ہو تو کیا وجہ ہے کہ شئے کا موسوم قرار دیں بلکہ ثابت ہوتا ہے کہ اصحاب یا منشئی الاشیاء منشی الارض والسماء کہہ کر اللہ کریم سے خطاب کرتے تھے اصل بات یہی ہے کہ شئے کا لفظ بہت ہی حقیر ہے اور اس کی شان کے لائق نہیں۔ جاننا چاہئے، بحث نزاع لفظی پر مبنی ہے کیونکہ تمام اشخاص بالاتفاق خدا کو موجود ذات اور حقیقت تسلیم کرتے ہیں۔ جھگڑا صرف لفظ شئے میں ہے کیا اصل ذات باوجود کو مسمیٰ بالشئے بنانا جائز ہے یا نہیں جب نزاع لفظی ہے کفر اور فسق تک نوبت پہنچانی نادرست اور خلاف عقل ہے۔ یہ ایک باریک نقطہ ہے جس کا انسان کو ہمیشہ خیال رہنا چاہئے۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں۔ مبادا غلطی کر بیٹھے۔ یہ جتنے مذکورہ دلائل دیئے گئے ہیں صاحب خزینۃ القرآن کے فتویٰ پر یہی اتفاق ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو لفظ شئے کہنا بالکل کفر اور فسق ہے اور شئے کا لفظ حقیر ہے اس کی شان کے مقابلے میں۔

مسئلہ نمبر 2:

اس مسئلہ میں یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ کیا لفظ موجود کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر ہو سکتا ہے یا نہیں۔ اس مسئلہ کے بیان کرنے سے پہلے ایک مقدمہ ہے: جاننا چاہئے کہ لفظ وجود بالاشتراک دو معنوں میں آتا ہے ایک تو وجود بمعنیٰ ادراک اور شعور اس معنی پر اس کا مطلب ہوگا ایسی شئے جس کا شعور اور ادراک ہو سکے۔ دوسرے یہ معنی ہیں کہ ایسی چیز جو فی نفسہ محقق اور حاصل ہو۔ غرض ان دونوں معنوں میں فرق ہے۔ واقع میں کسی چیز کا معلوم الحصول ہونا اس شئے کے حاصل فی النفس ہونے پر نفیس ہے اور اس کے خلاف نہیں۔ اس لئے حصول فی النفس کے لئے الفنق میں معلوم الحصول پر موقوف ہونا ضروری نہیں اور عقل تسلیم نہیں کرتی کہ ایک چیز حاصل فی نفس ہے مگر کسی ایک کو بھی معلوم نہ ہو باقی رہی یہ بات کہ کیا وجود بمعنی وجدان وادراک پہلے وضع ہو کر بعد میں دوسرے معنی کی طرف متصل ہو یا اس کے برعکس یا ایک ہی وقت کے لئے دونوں معنوں کے لئے بنایا گیا ہے۔ تو فقیر کہتا ہے کہ بحث لفظی ہے درست یہی ہے کہ پہلے معنی وجود وجدان اور ادراک کے ہیں۔ اس کے بعد دوسرے معنی کی طرف منتقل کیا گیا ہے۔ اگر انسان میں قوت شعور وجدان ادراک مفقود ہوتا تو کیونکر کسی چیز کے حاصل فی النفس ہونے کی شناخت اور اس کا علم حاصل کر سکتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وضع بمعنی ادراک اور شعور معلوم ہوتے ہیں اور دوسرے حصول شئے بالذات ہیں۔ اس مقدمہ کو قلمبند کرنے کے بعد فقیر کہتا ہے کہ لفظ وجود کا اطلاق واجب الوجود پر دو وجوہ سے ہو سکتا ہے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ اس کا شعور اور علم ہو سکتا ہے دوسری وجہ یہ کہ وہ فی نفسہ متحقق ثابت ہے۔ پہلی وجہ تو خود قرآن کریم سے ثابت ہے دوسری وجہ قرآن کریم میں موجود نہیں ہے اگر کوئی یہ کہے کہ اس کا وجود متحقق وجدان وثابت فی النفس ہو سکتا ہے کیونکہ عدم کی صورت پر وجدان وعرفان بے محل ثابت ہوگا۔ فقیر کہتا ہے کہ ان دونوں وجوہ سے خیال ضعیف ہے کیونکہ وجود بھی عرفان ووجدان کے حاصل ہونے سے متحقق اور ثابت فی النفس ہونا لازم نہیں آتا۔ ہم دیکھتے ہیں بہت سی چیزیں معدوم ہونے کے باوجود بھی معلوم ہوتی ہیں نیز پہلے کہہ چکا ہوں کہ یہ بحث لفظی ہے۔ معنوی نہیں ہے پس کسی اسم کے ایک معنی معلوم ہونے سے اس کے

Marfat.com

دوسرے معنی کا علم ضروری نہیں۔ نتیجہ سے معلوم ہوا کہ پہلی دونوں وجوہات کے علاوہ باجماع اہل اسلام بھی لفظ وجود اللہ تعالیٰ پر صادق آسکتا ہے اس ذات بابرکات کو موسوم بالوجود بنانا ناجائز اور عقل کے خلاف نہیں۔ اس پر اگر کوئی یہ کہے کہ فیصلہ پہلے ہو چکا ہے کہ اسماء مقید مدح وثناء ہونے چاہئیں اور لفظ وجود سے کسی قسم کی مدح وثناء نہیں ہوتی جیسے شئے۔ پس وجہ ترجیح کیا اور کیا فرق۔ جواب یہ کہ پہلی وجہ حجت اجماع ہے۔ اور اجماع کے لحاظ سے اس پر خاموشی اختیار کر دی۔ غور سے معلوم ہوتا ہے کہ شئے اور وجود میں کافی فرق ہے۔ لفظ شئے جس طرح موجود پر صادق آتا ہے اسی طرح معدوم پر بھی۔ لیکن اس کے برخلاف موجود کا معدوم پر اطلاق نہیں ہوسکتا۔ گویا وجود سے معدوم کی نفی ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ معدوم نہ ہونا بھی ایک صفت ہے نیز موجود بھی ہے۔ اس سے یہ فائدہ نکلتا ہے کہ وہ ذات ایسی ذات ہے جس کا وجود کثرت دلائل کے ساتھ ہر ایک کو معلوم ہے اور عقل اس کا انکار نہیں کرسکتی۔ کسی وجود سے وہ پوشیدہ نہیں اس سے ظاہر ہے کہ ان دونوں لفظوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔

مسئلہ نمبر 3:

گزشتہ مسئلہ میں ظاہر ہے کہ ذات کا اطلاق وجود ازلی پر ہوسکتا ہے۔ کتاب الفاروق مصنفہ عبداللہ انصاری ہروی میں کافی روایات ان ثبوت میں موجود ہیں مثلاً حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ وہ وزیر نیک شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات کی اطاعت میں اپنے امیر کو لگائے۔

(۲) بخاری شریف میں ایک حدیث پاک ہے۔ ابو ہریرہؓ اس کے راوی ہیں۔ جس کا مفہوم لفظی یہ ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے تین جھوٹ بولے جن میں سے دو جھوٹ خدا کی ذات کے لئے ہیں۔ اس حدیث کو امام رازی نے بھی اپنی تفسیر کبیر میں درج کیا ہے اب اس پر تھوڑی سی شرح: یاد رہے کہ پیغمبر سے جھوٹ سرزد ہونا یہ بالکل ناممکن ہے اور قرآن کی رو سے صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ پیغمبر کو جھوٹا کہنا یا اس سے جھوٹ کی بات منسوب کرنا بالکل غلط اور بے بنیاد ہے سیدنا ابراہیم علیہ السلام۔ جو لوگ ان کا جھوٹ خدا کی ذات کے بارے میں بیان کرتے ہیں وہ بالکل ناممکن ہے لیکن سیدنا ابراہیم علیہ اسلام پیغمبر تھے اور وہ اللہ کی معرفت اور اس کی ذات کو پوری طرح پہچانتے تھے۔ سورج اور چاند ان چیزوں سے جب انہوں نے تشبیہ دی تو وہ صرف مسئلہ ادراک تھا ان شاء اللہ جب وہ آیت کریمہ آئے گی تو فقیر مکمل بحث کرے گا۔ اب آپ انتظار کیجئے۔ لیکن یہ بخاری والی حدیث بالکل ضعیف ہے اور صاحب خزینۃ القرآن اس کو خارج کرتے ہیں۔ حضرت مجاہد بھی اس حدیث کو بالکل ضعیف فرماتے ہیں۔ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ وہ دراصل جھوٹ کی شکل تھی۔ جھوٹ نہ تھا۔ پیغمبر کی بات نہ تو جھوٹ ہوسکتا ہے نہ اس کی شکل۔ لیکن واقعات سے لوگوں کو جھوٹ یا جھوٹ کی شکل نظر آتی ہے۔

(۳) حضور ﷺ نے فرمایا کہ علیؓ کو برا مت کہو وہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔

(۴) حضرت ابوذر غفاریؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ فداک ابی وامی تمام جہادوں سے افضل واعلیٰ جہاد کون سا ہے حضور ﷺ نے فرمایا کہ نفس کو مغلوب کرنا اور اللہ تعالیٰ کی ذات سے دل لگانا ہی افضل جہاد ہے۔

(۵) نعمان بن بشیر رسول اللہ ﷺ سے عرض کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ شیطان کے مکر ہمیشہ کے لئے موجود ہیں۔ ان تمام مکروں سے جو اللہ کے عطیات و انعامات الٰہی سے انکار اس کی اطاعت سے تکبر اور اپنے دل کو ذات کردگار کے سوا کسی غیر کی تابعداری میں لگانے سے سرشار رہتا ہے۔ فقیر کہتا ہے کہ یہ امر کسی شئے کے متعلق ہوتا ہے۔ تو لفظ جو کسی شئے پر دلالت کرتا ہے اگر مذکر ہے تو انہ ذالک الامر کہتے ہیں اور اگر مؤنث ہو تو انہا ذالک الامر کہتے ہیں معلوم ہوا کہ لفظ کی بناوٹ نسبت مذکورہ کو ظاہر کرنے کے لئے بنی ہے اور اس اضافت کے وجود پر دلالت کرنا مقصود ہے تو ایک خاص صفت کو دوسری صفت سے ملانا اور دوسری کو تیسری سے اور پھر چوتھی سے پانچویں کو اسی طرح اس سلسلہ کو غیر متناہی چلانا محال ہے۔ اس لئے اس سلسلہ کا کسی حقیقت مستقل بذاتہ پر منتہی ہونا ضروری ہے اس وقت اس حقیقت کو انہا ذات ملک الصفات کہنا درست ہوگا اور اس ماہیت مستقلہ پر انہا ذات کذا و کذا کہنا ناجائز نہ ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ نحویوں نے اس لفظ کو اس مفرد لفظ کی طرح رکھا جو حقیقت مفردہ پر دال ہو کیونکہ حق سبحانہ قیوم فی الذات ہے اس لئے لفظ ذات کا اطلاق بالکل ٹھیک اور درست ہوگا اس دلیل سے اس کا جواز ثابت ہوتا ہے ورنہ مذکورہ بالا احادیث سے اس کا جواز ثابت نہیں ہوسکتا اور ان میں سے ایک سے بھی جواز نہیں نکلتا کیونکہ اس جگہ ذات سے رضائے الٰہی طلب کرنا مقصود ہے۔ نہ حقیقت کردگار نہ ماہیت، جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام کے متعلق فرمایا کہ ان سے بھی خلاف واقع بات سرزد نہیں ہوئی مگر تین موقع پر ان سے ضرور چوک ہوئی۔ (فی ذات اللہ) ان میں دو (۲) تو اللہ تعالیٰ کی رضا طلب کرنے کے لئے تھیں تمام

Marfat.com

احادیث میں یہی مراد ہے۔عرض کر چکا ہوں کہ پہلی بخاری والی حدیث ضعیف ہے۔قرآن کے ظاہر اور معنوی اصول کے ساتھ یہاں امام رازی نے اتنے بڑے فلسفی ہو کر خیال نہیں کیا۔

نوٹ: امام رازی نے اس حدیث کو اپنی تفسیر میں رد کیا ہے فرمایا ہے کہ راوی کو جھوٹا کہنا آسان ہے اس سے کہ نبی کی طرف جھوٹ منسوب کیا جائے۔

مسئلہ نمبر 4:

لفظ نفس پر غور ہوگا کہ کیا اس کا اطلاق اللہ کریم پر ہوسکتا ہے۔قرآن کریم میں تو اس کا استعمال ہوا ہے جیسے ویحذرکم اللہ نفسہ یعنی ڈراتا ہے تم کو اللہ اپنی ذات سے تو یہاں نفس بمعنی ذات کے ہے۔احادیث میں بھی اس کا ذکر موجود ہے:

(۱) حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پہلو میں آرام کر رہی تھی کہ میں نے آپ ﷺ کو اپنے پہلو میں نہ پایا اور ادھر ادھر ٹٹولنا شروع کیا اس اثناء میں میرا ہاتھ حضور (ﷺ) کے قدم مبارک پر پہنچا۔اس وقت آپ سجدے میں تھے۔اور فرمارہے تھے یاالٰہی میں تیری رضا کے ذریعے تیرے قہر و غضب سے پناہ مانتا ہوں۔تیری معافیوں اور درگزروں کے ساتھ تیرے عذاب سے پناہ اور تیرے ساتھ تجھ ہی سے پناہ مانگتا ہوں۔میری وسعت سے تیری مدح و ثناء باہر ہے۔تو ہی خود اپنی تعریف فرما سکتا ہے۔(انت کما اثنیت اعلیٰ انفسک)

(۲) سیدنا ابوہریرہ حبیب خدا ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس وقت میرا بندہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے پاس ہوتا ہوں۔اگر وہ اپنے دل میں مجھے یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے دل میں یاد کرتا ہوں۔پس اگر وہ مجھے بلندی سے یاد کرتا ہے تو میں اس سے بہتر بلندی سے یاد کرتا ہوں۔بندہ میری طرف ایک بالشت بڑھے تو میں ایک ہاتھ اس کی طرف بڑھتا ہوں۔اگر وہ ایک ہاتھ بڑھے تو میں ایک گز اگر وہ میری طرف آہستہ چلے تو میں اس کی طرف بھاگ کر جاتا ہوں۔

(۳) ابی صالح سیدنا ابوہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کما خلق اللہ الخلق و کتب فی کتابہ علیٰ نفسہ وھو مرفوعٌ فوق العرش" انّ رحمتی غلت علیٰ غضبی" (معنی) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جیسا اللہ تعالیٰ نے خلقت کو پیدا کیا اور لکھا اپنی کتاب میں یعنی ذات سے وہ عرش پر ٹھہرا۔"بے شک میری رحمت غضب پر غالب ہے"۔

(۴) حضرت عبداللہ ابن مسعود روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی مدح و ثناء کرنے کا بہت شوق ہے اس لئے اس نے اپنی تعریف آپ فرمائی ومن اجل ذالک مدح نفسہ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی اعلیٰ عزت والا نہیں ہے اور اسی لحاظ سے اس نے ظلم کو حرام فرمایا نبیوں کو بھیجا اور کتابیں اتاریں۔

(۵) سیدہ عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے تسبیح سکھائی سبحان اللہ وبحمدہ عدد خلقہ ومداد کلماتہ ورضا نفسہ زنۃ عرشہ۔

(۶) سیدنا ابوذر غفاری رسول اللہ ﷺ سے اور سرکار دو عالم اللہ تعالیٰ سے روایت فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں ظلم نہیں کرتا حرمت الظلم علیٰ نفسی یعنی اپنے نفس پر ظلم کو حرام کیا اور تمہارے لئے اس کو حرام کر دیا۔پس ایک دوسرے پر مت ظلم کرو۔

(۷) حضرت عبداللہ ابن عمر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن منبر پر کھڑے ہو فرمایا "وما قدرُاللہ حق قدرہ" پڑھا اور اس کے بعد خدا کی تمجید کی ثم اخذ پھر پکڑا یحمد اللہ نفسہ انہی الفاظ کے ساتھ انا الجبار انا المتکبر انا العزیز انا الکریم شروع فرمایا، پس منبر کانپ اٹھا ہمیں آپ کے گرنے کا خدشہ ہوا۔

(۸) ابوہریرہ رسول کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ ایک دن حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات ہوئی۔موسیٰ نے کہا کہ آپ وہی ہیں کہ جنہوں نے لوگوں کو بدبخت کیا اور جنت سے نکلوایا۔آپ نے فرمایا ہاں۔حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا کیا آپ وہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو برگزیدہ پیغمبر بنایا اور" واصطفیتک" فرمایا کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو تورات نہیں دی؟ اسی تورات میں میرے پیدا ہونے سے پہلے میری تقدیر

Marfat.com

میں یہ لکھا ہوا تھا کیا تو نے نہیں پڑھا۔حضور نے فرمایا کہ موسیٰ کے آدم کے ساتھ تین جھگڑے ہوئے۔

(۹) سیدنا جابر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ دین مجھے پسند ہے۔اس کی اشاعت سخاوت اور خلق سے ہوتی ہے تم دونوں کے ذریعے دین کی تبلیغ کردے۔

(۱۰) حضرت انس بن مالک رسول اللہ ﷺ سے اور آپ اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے دوست کی توہین کرنا میرے ساتھ جنگ کرنا ہے مجھے اسے دوزخ میں ڈالنے اور دنیا کی کسی وادی میں ہلاک کرنے میں ذرا پرواہ نہ ہوگی۔کسی چیز کو پورا کرنے میں مجھے ذرہ بھی تردد نہیں ہوتا لیکن اپنے بندے کی روح قبض کرنے کے وقت حالانکہ وہ اسے پسند نہیں فرماتا مجھے تردد پیدا ہوتا ہے اگرچہ موت سے میرے بندے کو کچھ چارہ نہیں ہوسکتا اور میں اس کی ہر برائی کو ناپسند کرتا ہوں۔

(۱۱) حضرت عبداللہ بن مسعود رسول کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جو شخص غم اور مصیبت میں یہ دعا پڑھتا ہے۔اے اللہ میں تیرا بندہ ہوں اور تیرے بندے آدم کا بیٹا ہوں اور تیرے نبی کی امت میں سے ہوں میری پیشانی تیرے حکم پر چلنے والی ہے تیرا ہر حکم عدل پر مبنی ہے۔اور تیرے ان اسماء کے وسیلے سے جن کو تو نے اپنے لئے مقرر فرمایا اپنی کتاب میں یا ان اسماء کے ذریعے کہ جن کی تو نے کسی کو خبر دی۔ان اسماء ذریعہ جن کا تو نے کسی کو واقف بنایا۔یا علم غیب کے لئے کسی کو برگزیدہ فرمایا۔تجھ سے پناہ مانگتا ہوں کہ اپنے قرآن شریف کو جو تیرا پاک کلام ہے میرے دل کا باغ بنادے اور میرے سینے کو نور اور میرے غم کو دور کرنے والا اور مصیبت کو دور لے جانے والا بنادے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل میں بجائے غم اور مصیبت کے راحت پیدا فرما دیتا ہے۔

(۱۲) حضرت ابی سعید حذری روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے دنیا کے رہنے والوں کے لئے باعث رحمت اور مورتوں کے کسر کے لئے مبعوث فرمایا ہے اور میں اپنے رب کی قسم اٹھا کر کہتا ہوں کہ جس شخص نے شراب پی اور اللہ سے معذرت و توبہ نہ کی تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے جہنمیوں کی پیپ پلائے گا۔جاننا چاہئے کہ نفس اجزاء مرکب کے جزو کو نہیں کہتے۔بلکہ ماہیت حقیقت اور ذات الشئے کو کہتے ہیں کیونکہ ہر ایک جسم مرکب ہے اور ہر ایک مرکب ممکن ہے اور ممکن حادث ہوتا ہے نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا حادث ہونا محال ہے۔پس معلوم ہوا کہ نفس کے معنی وہی درست ہیں جو فقیر نے لکھے ہیں۔

مسئلہ نمبر 5:

لفظ شخص پر غور،سعید بن عبیدہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ سے زیادہ غیرت مند نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ اس نے خواہشات مخفیہ اور ظاہریہ کو حرام فرمایا ہے کوئی شخص اللہ تعالیٰ سے زیادہ عذر قبول کرنے والا نہیں ہے اسی باعث نبیوں کو خوش خبری دینے والے اور ڈرانے والے بنا کر بھیجا اور کوئی شخص اپنی تعریف کا خواہاں اللہ سے بڑھ کر نہیں ہے شخص کے معنی جسم شخصی اور ذی جسم مراد نہیں ہیں بلکہ ذات مخصوصہ اور ماہیت مراد ہے جو اس میں اور دوسری ماہیات میں تمیز پیدا کردیتی ہے یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے لفظ شخصی ذاتی کہنا ناممکن ہے۔صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ اس کی ذات کے لئے صرف ذات کہنا مخصوص ہے۔لہٰذا قرآن کریم میں اس کی کہیں مثال نہیں ملتی۔ہاں الذی آیا ہے لیکن الذی کے معنی تو ی ذات کے ہیں تو اگر شخص بھی اپنے لئے اللہ تعالیٰ موزوں سمجھتا تو اس کی مثال قرآن میں ضرور واضح ہوتی۔جاننا چاہئے کہ جیسا کہ پیچھے عرض کر چکا ہوں کہ شخصیت ذاتی مراد ہے جسم اور حجم پر نہیں لیکن امام رازی کا قول اپنے مقام پر ہے لیکن صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے لفظ ذات ہی بابرکت ہے بمقابلہ شخص کے کیونکہ اس کی ذات کے مقابلہ میں شخص بھی حقیر چیز ہے اور ذات اعلیٰ بلند ہے نتیجہ یہ نکلا کہ ذات کہنا ہی اس کی ذات کے لئے مخصوص ہے۔

مسئلہ نمبر 6:

کیا لفظ نور کا اطلاق خدا تعالیٰ پر ہوسکتا ہے۔خدا تعالیٰ فرماتا ہے اللہ نور السمٰوات والارض اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ عبیداللہ بن عمرؓ سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ انسان ماں کے پیٹ میں شقی یا بدبخت ہوتا ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو اندھیرے میں پیدا فرمایا اور پھر اس پر اپنے نور کا عکس ڈالا اور اس چشمہ فیض سے جو فیض یاب ہوا وہ ہدایت پا گیا اور جو محروم رہا وہ گمراہ رہا۔اس وجہ پر فقیر کہتا ہے کہ قلم اللہ کے علم میں خشک ہو گیا یعنی

Marfat.com

جو کچھ ہونا تھا قلم لکھ چکا اور اس کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے جاننا چاہئے کہ نور کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر بمعنی عام مقابل ظلمت ہو یہ سراسر غلط اور بے بنیاد ہے کیونکہ:

وجہ اوّل: ان معنوں پر نور کو یا تو اللہ کا جسم ماننا پڑے گا یا کیفیت جسمی، چونکہ جسم حادث ہے اس لئے کیفیات جسمی بھی حادث ہوئیں۔ ذات الٰہی حدوث سے پاک اور بالاتر ہے۔

وجہ دوم: نور کے مقابل ظلمت ہے۔ روشنی اور اندھیرا باہم دونوں متضاد ہیں۔ اللہ کریم کا کوئی مقابل نہیں۔

وجہ سوم: اجالا زائل ہونے والی چیز ہے مگر اللہ کو زوال اور فنا نہیں ہے اور اللہ نور السمٰوات والارض آیت متشابہات (ف ا) میں سے ہے نور کی خدا کے ساتھ وہی نسبت ہے جو ملکیت کی مالک کے ساتھ ہے جیسے ملک کی بادشاہ سے نسبت، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فی ذاتہ نور نہیں بلکہ نور کو پیدا کرنے والا ہے:

اوّل: قرآت اللہ نور السمٰوات والارض پر تو یہ شبہ ہی نہیں رہتا۔ (ف ا) متشابہ آیت وہ ہوتی ہے جس کا صحیح مفہوم کوئی شخص نہ سمجھ سکے۔ یہ آیت متشابہ نہیں کیونکہ محقق مفسرین کے نزدیک اس کا معنی ہے زمین و آسمان کو وجود عطا فرمانے والا روشنی دینے والا رونق بخشنے والا ظاہر کرنے والا۔

دوم: نور سے مراد نورانیت بخشنے والا اس کا موجد اور مبداء ہے یہی معنی نور کا مستحسن و اعلیٰ ہوا۔

سوم: اللہ کریم موجودات کی بھلائی کی تدبیر کرنے والا سلسلہ نظام عالم کو مزین و آراستہ بنانے والا ہے۔ دنیا اور آخرت کی مہمات کو سرانجام دینے والا ہے۔ نظام عالم کی مشین اس کی حکمت اور تدبیر پر چل رہی ہے۔ ظاہر ہے کہ ناظم امورات اور بہبودی اور بھلائی کے کاموں میں کوشش کرنے والے کو نور سے تعبیر کیا جاتا ہے جیسا کہ اس موقع پر (فلاں نور ہذاء البلا) بولتے ہیں اس مضمون کے متعلق احادیث کافی ہیں:

(۱) ابوامامہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مومن کی فراست سے ڈرو وہ تمہیں اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔

(۲) انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی جانتا ہے کہ کون تم میں سے زیادہ ظریف ہے۔ عرض کیا اللہ اور اس کا رسول اچھی طرح جانتے ہیں جواب میں فرمایا، وہ ظریف ہے جو موت کے لئے دعا کرے اور موت کے لئے خوب مستعد ہو۔ حاضرین نے سوال کیا۔ کیا اس کی کوئی علامت بھی ہے، آپ نے جواب میں فرمایا بے شک علامت ہے۔ کبر و نخوت کے اسباب سے کنارہ کشی اور آخرت سے میلان ہو۔ انسان کا دل نور داخل ہونے پر فراخ اور وسیع ہو جاتا ہے موت کی آمد سے پہلے ہی وہ دعا کرتا ہے۔

(۳) حضرت عبداللہ ابن مسعود روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ آیت افمن شرح اللہ سے لے کر علیٰ نور من ربہ تک پڑھی۔ میں نے حضور سے شرح صدر کے بارے میں عرض کیا۔ آپ نے جواب دیا، انسان کا دل نور کے سبب فراخ ہو جاتا ہے۔ میں نے عرض کیا یا حضرت اس کی کیا علامت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا آخرت سے میلان تکبر و غرور سے بچنا اور موت کے لئے دعا کرنا۔

(۴) حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ہمرکاب تھا۔ راستے میں حارث مل گیا۔ حضور (ﷺ) نے سوال کیا کہ تو نے کیسی صبح کی؟ اس نے جواب دیا خدا کی قسم مومن کی طرح۔ آپ نے فرمایا ہر ایک شئے کی حقیقت ہوا کرتی ہے، اپنے ایمان کی حقیقت بتا۔ اس نے عرض کیا کہ میں نے اپنے آپ کو دنیا سے علیحدہ رکھا۔ شب بیداری اختیار کی۔ گویا کہ اللہ کریم کے عرش کا آنکھوں سے مشاہدہ کرتا ہوں۔ بہشتیوں کو ایک دوسرے سے ملاقات کرتے اور ان کے باہمی مکالمے کا نظارہ کرتا ہوں اور جہنمیوں کو جہنم میں ایک دوسرے سے بکواس کرتے دیکھتا ہوں۔ پس آپ (ﷺ) نے فرمایا اس پر مستقل جے رہو۔ پھر فرمایا جس کسی کو خواہش ہو اس جواں مرد مومن کو دیکھ لو۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا دل نور ایمانی سے منور فرما دیا ہے۔ اس کے بعد حارث نے کہا میرے لئے شہادت کی دعاء فرمائیے۔ آپ (ﷺ) نے دعا فرمائی اور لڑائی کا وقت آیا اور آواز آئی اے بہادر گھوڑوں پر سوار ہو جاؤ تو اس جواں مرد نے سب سے پہلے اس آواز کی فرمانبرداری کی۔ گھوڑے پر قدم رکھا۔ آخر شہید ہو گیا۔

(۵) حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بیٹھے تھے اوپر سے آواز آئی۔ فداک ابی و امی آپ نے اپنے سر کو اٹھایا اور آسمان کی طرف دیکھا، فرمایا کہ آسمان کا دروازہ کھل گیا ہے۔ مجھے فرشتہ کہتا ہے کہ اے محمد (ﷺ) میں تجھے دو (۲) نوروں کی خبر دیتا ہوں۔ جو پہلے کسی کو نہیں دیئے گئے

Marfat.com

ایک تو فاتحہ الکتاب اور دوسری سورت بقرہ کی آخری تین آیتیں۔

(۶) یعلی بن منبہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مومن جب پل صراط سے گزرے گا تو آگ پکارے گی۔ اے مومن! تیرے نور نے میری خاصیت کو تبدیل کر دیا ہے۔ میری تیزی اور شدت اور جلانے والی جنبش کم ہوگئی۔

(۷) نافع عبداللہ بن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے۔ اے اللہ! ہم تیرے دامن میں صبح و شام صرف کرتے ہیں اور تیرے حکم پر چلتے ہیں۔ تیرے حکم سے جینا مرنا ہے۔ مجھے اپنے ان بندوں میں سے بنا کر رکھ کہ جو تیرے نزدیک معزز اور اچھی قسمت بنانے والے ہیں جنہیں تیری قسمت میں سے بھلائی کا بہت بڑا حصہ ہے خواہ نور ہو رحمت ہو یا ہدایت ہو۔

(۸) حضرت مولا علی بن ابو طالبؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔ میں نے جنتیوں کے بارے میں حضور ﷺ سے سوال کیا۔ آپ نے فرمایا کہ جنتیوں کے سر غبار آلودہ اور کپڑے موٹے ہوں گے لیکن اگر ان کا نور دنیا کے رہنے والوں میں تقسیم کیا جائے تو وہ وسیع فراخ ہو جائے گا۔

(۹) حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جنت کے رہنے والوں کے سر غبار آلودہ ہوں گے۔ بال بکھرے ہوئے ہوں گے دو کہنہ چادریں ان کے پاس ہوں گی انہیں امیروں کے پاس نہ جانے دیا جائے گا ان کے سینوں میں جو حاجتیں ہوں گی وہ بھی پوری نہ کی جائیں گی بلکہ ان کی سفارش کسی کے حق میں مقبول نہ ہوگی اگر ان کے نور کو دنیا والوں میں تقسیم کر دیا جائے تو انہیں سما جائے۔

(۱۰) انس بن مالک بیان کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرا نور میری رہبری ہے لآ الٰہ الا اللہ میرا کلمہ ہے جو شخص اسے پڑھے گا تو میں اسے اپنی حفاظت میں لے لوں گا جو اس کے زیر نگرانی ہے اسے امن ملا۔

(۱۱) ہشام بن عروہ کہتے ہیں میں نے اپنے باپ سے انہوں نے سیدہ عائشہ صدیقہ سے روایت کی آپ فرماتی ہیں رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے۔ یا اللہ میں تیرے کامل کلموں اور تیرے نور جس کے سبب تو نے زمین کو روشن فرمایا اور اندھیرے کو روشنی میں تبدیل ہونے کے ذریعہ تیرے انعام کے بند ہونے عافیت کے چلے جانے بدبختی اور گزشتہ شروں کے لاحق ہونے سے پناہ مانگتا ہوں۔

(۱۲) رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے یا اللہ میرے دل میرے کان اور میری آنکھوں کو منور فرما۔ یہ حدیث مشہور ہے اور لمبی ہے اور بخاری میں ہے۔

نوٹ:

مذکورہ بالا تقریر سے معلوم ہوگیا کہ نور اللہ تعالیٰ کی ذات نہیں بلکہ نور کو اللہ تعالیٰ پیدا فرماتا ہے جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے۔ مذکورہ بالا آیت سے صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ (اللہ نور السموٰات والارض) اللہ زمین و آسمان کو منور فرمانے والا ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن کی یہی رائے ہے۔ اسی باب میں اللہ تعالیٰ کی صفات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو منور فرمایا تو وہ نور کی تجلی محمد مصطفیٰ ﷺ تھی جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنی ذاتی تجلی کا مظہر اپنے حبیب پاک کو ٹھہرایا اور آپ کے عکس تجلی سے زمین و آسمان کو منور کیا اور ظلمت کو ختم کیا اور قرآن کریم بھی فرماتا ہے وسراجاً منیراً معلوم ہوا کہ حضور کی ذات سراج منیر ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں سراج منیر وہ ہو سکتا ہے جو خود چمکے اس کے ساتھ جو مل جائے اس کو بھی چمکا دینے والا بنا دے۔ تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کی ذات کو (سراج منیر) زمین و آسمان کو چمکا دینے والا نور بنایا ہے وہی نور السموٰات والارض ہے۔ معلوم ہوا کہ زمین و آسمان کو منور کرنے والے اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے سراج منیر پسند کو فرمایا تو حضور ﷺ گویا کہ اللہ کے ''سراج منیر'' زمین و آسمان کو منور کرنے والے نور ٹھہرے۔ جس پر اعتراض کرنا صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں محال ہے۔ آپ دیکھئے دنیا کا کتنا بڑا مفسر اعظم جن کا اتباع امام رازی جیسے لوگ بھی کرتے ہیں اس فلسفہ کو کتنے سلیس انداز سے سمجھایا۔ امام رازی اپنی تفسیر کبیر میں نور کے متعلق جو بحث کی صفات بیان کرتے ہوئے لکھی ہے وہ سارا مکالمہ بعینہ باللفظ خزینۃ القرآن کی عبارت نقل سے کیا ہے۔ لیکن صاحب خزینۃ القرآن کے اس پر پچیس (۲۵) باب ہیں۔ باب پچیس سے تھوڑا سا حصہ عرض کرتا ہوں۔ موصوف فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نور کو پیدا فرماتا ہے۔ نور کی دو قسمیں ہیں۔ نور حقیقی اور نور تجلی۔ اس کی بڑی مثالیں دیتے ہیں لیکن آخر میں فرماتے ہیں یہ دونوں نور اللہ کی تخلیق ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو سب سے پہلے نور کی تجلیات سے منور فرمایا پھر اسی نور سے زمین و آسمان کو بنایا اور زمین و آسمان کو منور کیا۔ آپ (صاحب خزینۃ القرآن) فرماتے ہیں کہ مجھے والد کی یاد داشت ملی جو اس ضمن میں سات سو

Marfat.com

(۷۰۰) احادیث مرقوم ہیں۔ موصوف نے ساری درج کی ہیں۔ لیکن ان میں سے ایک حدیث عرض کروں گا۔ میرے والد امام محمد نقی فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد علی رضا سے انہوں نے اپنے والد امام موسیٰ کاظم سے اور انہوں نے اپنے والد امام جعفر صادق اور انہوں نے اپنے والد امام محمد باقر سے انہوں نے اپنے والد امام زین العابدین اور انہوں نے اپنے والد امام حسینؓ سے اور انہوں نے اپنے والد حضرت علی مرتضیٰ سے انہوں نے فرمایا کہ حضور ﷺ نے جب یہ حدیث فرمائی تو حضرت عائشہ بھی موجود تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سب مخلوق سے پہلے میرے نور کو تجلیات و انوارات سے پیدا فرمایا جو اس کی تجلیات تخلیق ہیں پھر فرمایا کہ میرے نور سے زمین و آسمان جنت دوزخ جن و انس حتیٰ کہ ہر شئے میرے نور سے پیدا کی گئی پھر منور کی گئی۔ تو حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ اللہ نور السمٰوٰت والارض میں جو نور ہے اس سے کیا مراد ہے۔ حضرت علی فرماتے ہیں میں نے کہا کہ اچھا سوال ہوا ہے۔ جواباً فرمایا اس نور سے اللہ تعالیٰ کا زمین و آسمان کو منور کرنا مراد ہے یعنی زمین و آسمان کو منور کیا۔ فرمایا اس نور سے مراد یہی ہے کہ اللہ نے زمین و آسمان کو روشن کیا۔ اللہ تعالیٰ نور کو پیدا کرنے والا ہے۔ پھر فرمایا یہ نور پیدا کیا ہوا اس سے مراد وہی ہے جو سراج منیر ہے۔ سیدہ عائشہ مسکرائیں اور مولانا علی فرماتے ہیں میں بھی مسکرا پڑا۔ حضور (ﷺ) نے تبسم فرمایا۔ ہم دونوں نے عرض کیا کہ ''سراج منیر'' تو آپ ہی ہیں، فرمایا کہ وہ نور بھی اسی سراج منیر سے نکلا ہے۔ فرمایا ہاں میں ''سراج منیر'' بھی ہوں اور نور بھی ہوں۔ یاد رہے صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں جو ذات ''سراج منیرا'' ہے وہ نور کیسے نہیں۔ کیونکہ نور تو ''سراج منیر'' کا عکس ہے یعنی سراج منیر ہی اس کا چشمہ ہے۔ نور تو صرف چمکتا ہے۔ ''سراج منیر'' وہ ہے جو خود بھی چمکتا ہے اور چمکانے والا بنا دیتا ہے۔ معلوم ہوا کہ حضور ﷺ وہ نور ہیں جو سراج منیر ہیں۔ لفظ سراج منیرا پر کوئی انکار نہیں کر سکتا وہ تو اس کا عکس ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن نے بہت بہترین لکھا ہے اللہ تعالیٰ ان پر کروڑوں رحمتیں کرے۔ یہ حدیث ابن عباس کے قول سے بھی نقل فرماتے ہیں یہ مسئلہ اوصاف باری تعالیٰ کے متعلق ہے۔

مسئلہ نمبر 7:

لفظ صورت پر نظر: اس مضمون کی بہت سی احادیث ہیں:

(۱) سیدنا ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ان اللہ خلق ادم علیٰ صورتہ (رواہ بخاری متفق علیہ)۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر بنایا۔

(۲) حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ اپنے چہروں کو برا نہ کہا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی صورت کی طرح آدم کو بنایا ہے۔

اسحاق بن راہویہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر بنایا۔ علماء نے ان احادیث کی مختلف تاویل کی ہیں:

اوّل: ان اللہ خلق ادم علیٰ صورتہ کی ضمیر مفعول کی طرح راجح ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی تجویزی صورت پر پیدا فرمایا۔ پس اس کے مجوزہ چہروں کو برا مت کہو۔

دوم: ان اللہ خلق ادم علیٰ صورتہ التی کان فی آخر مرہ یعنی آدم کو بغیر نطفہ کے اور بغیر جنین کے بغیر شیر خوار بننے کے یکدم کامل پیدا فرمایا۔

سوم: صورت سے صفت مراد ہے۔ علامہ صاحب فتح الباری صورت سے صفت مراد فرماتے ہیں۔ علامہ عینی نے اس پر بڑی تحقیق کی ہے۔ امام رازی نے بھی بہت بڑا فلسفیانہ مکالمہ تحریر کیا ہے۔ تو خلق اللہ ادم علی صورۃ الرحمن کے معنی یہ ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صفت پر پیدا فرمایا۔ جس سے اس کے عالم جسمانیات میں انسان کو تصرف کرنے کے لئے اپنا خلیفہ بنایا۔

مسئلہ آٹھواں:

فلسفیوں نے لفظ جوہر کا اللہ تعالیٰ پر اطلاق کیا ہے ایسا ہی نصاریٰ نے لیکن متکلمین اسے ناجائز سمجھتے ہیں۔ فلاسفر کہتے ہیں کہ جوہر کے معنی ایسی ذات جو محل وموضع سے مستغنی ہو اور اللہ تعالیٰ پر یہ صادق آتا ہے پس جوہر کہنے میں کیا حرج ہے۔ جوہر کا وجود ظاہر ہے مگر جمعیت وہ نفس جوہر نہیں بلکہ ظہور وجود ہے۔ اصلی یہی ہے کہ اللہ کریم کثرت دلائل کے ساتھ اور اس کا وجود تمام موجودات سے ظاہر ہے اور کل اشیاء سے باہر ہے۔ حالانکہ ہر شئے کا وہی خالق ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ فلسفیوں کی بات کتنی احمقانہ ہے جو اشیاء اس کی تخلیق ہیں ان میں سے کسی چیز کو اس کی ذات پر اطلاق کرتے ہیں۔ حالانکہ ہر شئے اس کی ذات کے سامنے حقیر ہے تو

Marfat.com

تمام اشیاء سے جوہریت کا زیادہ مستحق ہے تمام متکلمین اہل اسلام نفی جوہر کے اطلاق میں یک زباں ہیں اس لئے صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ حکم امتناع ضروری ہے امام رازی بھی موصوف کی پیروی کرتے ہیں۔

مسئلہ نمبر 9:

اکثر فرقہ کرامیہ اللہ تعالیٰ کو جسم کہتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس معنی میں جسم نہیں کہ وہ اجزاء سے مرکب ہے لیکن وہ اس معنی سے جسم ہے کہ وہ موجود قائم بذات ہے اور محل و مکان کا محتاج نہیں۔ اس کے علاوہ باقی تمام فرقوں کو انکار ہے فقیر کہتا ہے کہ طول و عرض و عمق اس جسم میں نہیں۔ کرامیوں کا یہ خیال غلط ہے بلکہ وہ اللہ کو عرش پر مانتے ہیں لیکن نیچے نہیں جیسے کہ جوہر فرد اور جز لا یتجزی بلکہ ان کے نزدیک تو اللہ عرش سے بھی بڑا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ اس کی یہ صورت ہو سکتی ہے اللہ تعالیٰ عرش میں کسی جانب بیٹھا ہوا ہو پس ثابت ہوا کہ ان کا یہ کہنا اس میں جسم نہیں سراسر غلط اور دھوکہ دہی پر مبنی ہے علاوہ اس کے لفظ جسم میں معنی باطل کا الھام پایا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں اس کا کہیں استعمال نہیں یہ بالکل لغو ہے۔ پس کیا وجہ ہے کہ ہم اسے منع نہ سمجھیں۔ نئے مسئلہ کو بیان کرنے سے پہلے عرض کر دوں۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات موجود ہے قائم بالذات ہے۔ ہر جگہ پر نہ اس کی جہت ہے نہ دائیں ہے نہ بائیں ہے وہ ساری کائنات کو محیط ہے۔

مسئلہ نمبر 10:

''اَنِیَّت'' پر نظر۔ جاننا چاہئے کہ فلسفیوں نے اس لفظ کو اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے عام استعمال کیا ہے۔ فقیر کے نزدیک اس کی یہ وجہ ہے کہ لغت عرب سے ثابت ہوتا ہے کہ اَنا تاکید اور قوت وجودی کو ثابت کرتا ہے۔ کیونکہ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا وجود بذاتہ ہے اور اس وجہ پر وہ تمام موجودات کی نسبت وجود اور قوت وجود میں اکمل اجود ہے۔

مسئلہ نمبر 11:

لفظ ماھیت پر غور۔ بلحاظ لغت لفظ ماہیت مفرد لفظ نہیں بلکہ مرکب کو مفرد بنایا گیا ہے۔ کیونکہ مختلف حقیقتوں میں سے کسی حقیقت کو دریافت کرنا مقصود ہوتا ہے۔ تو ما الحقیقت یا ماہی سے سوال کرتے ہیں۔ رسول کریم ﷺ فرمایا کرتے تھے ''اَرِنَا الاشیٔ کَمَاھِی'' مجھے چیزوں کی حقیقت بتلاؤ چونکہ ان الفاظ کے ذریعے حقائق کو کثرت سے دریافت کرنا شروع ہوا تو مجموع ماہی لفظ مفرد بنا کر حقیقت کے مقابل بنا دیا گیا اور حقیقت مخصوصہ اور ذات مخصوصہ کو ماہیت الشی تعبیر کرنے لگے۔

مسئلہ نمبر 12:

کیا لفظ حق کا اطلاق جائز ہے اس لفظ کا اگر ذات پر اطلاق ہو تو معنی ہوں گے کہ یہ شئے موجود بوجود حقیقی یعنی قائم بالذات ہے اس لئے حق کہ باطل کا مقابل ہے۔ باطل معدوم کو کہتے ہیں۔ فقیر کہتا ہے کہ جب یہ ثابت ہو گیا کہ حق کا مقابل عدم ہے (ف ۲) تو حق موجود ہوا۔ اگر یہ لفظ اعتقاد کے ساتھ استعمال کیا جائے تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ وہ اعتقاد درست اور واقع کے مطابق ہے۔ اگر اسے قول و خبر کے پہلو میں جگہ دی جائے تو یہ معنی ہوں گے کہ خبر واقع سے موید اور صادق ہونے کے باعث واجب الابقاء ثابت ہے اس تمہید کے بعد فقیر کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کا موسوم نہ بنانا زیادہ قوی مناسب ہے بلحاظ ذات بایں جہت کہ وہ موجود ہے جیسے عرض کر چکا ہوں جس کو عدم و زوال نہیں اور بلحاظ اعتقاد اس معنی سے کہ اس کو موجود اور واجب ماننا خلاف واقع نہیں بالکل ٹھیک اور درست اعتقاد ہے او خبر و قول کے لحاظ سے کہ اس ذات کے موجود اور واجب الوجود ہونے کی خبر بالکل ٹھیک اور درست ہے جھوٹ نہیں بلکہ تمام صادق اخباروں سے بڑھ کر صادق ہے۔ پس ثابت ہوا کہ وہ ذات موصوف بہمہ صفات بہمہ وجوہ حق ہے۔ (واللہ الہادی وھو الموفق) صاحب خزینۃ القرآن نے اس پر لمبی بحث کی ہے لیکن اتنا کافی ہے مسئلہ ثابت ہو گیا۔

(ف ۲) لیکن لفظ حق کا مقابل لفظ ''باطل'' ہے

⌘⌘⌘⌘⌘

Marfat.com

قسم دُوسری

(کیفیت وجود باری تعالیٰ پر دلالت کرنے والے اسماء کے بیان میں)

اس باب کو بیان کرنے سے پہلے چند مقدمات ضروری ہیں جو فقیر رقم کرتا ہے:

مقدمہ پہلا: جاننا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے ازلی وابدی ہونے میں زمانے کا کوئی اطلاق نہیں کیونکہ کسی دائم الوجود بذاتہ چیز کا موجود ہونا اگر زمانہ پر موقوف ہے تو ہم پوچھتے ہیں کہ کیا یہ زمانہ ازلی ہوگا یا نہ پہلی صورت میں زمانہ ازلی ہونے کے لئے ایک اور زمانہ چاہئے تو تسلسل لازم آتا ہے جو محال ہے۔ دوسری صورت پر اللہ تعالیٰ ازلی بغیر زمانہ سے ثابت ہوتا ہے دوسرے زمانہ کا محتاج نہیں۔ یہی مطلوب ہے اگر یہ کہا جائے کہ زمانہ پر موقوف نہیں پس یہی مقصود ہے۔ کیونکہ اس صورت پر اللہ تعالیٰ دوسرے زمانے کا محتاج ہونے کے سوا ہی ازلی وابدی ہوگا۔ حالانکہ زمانوں کو اسی نے بنایا ہے۔ زمانے کا تعلق وقت سے ہے وقت کو اسی نے پیدا فرمایا۔

مقدمہ دوسرا: جو چیز ازلی ہوگی اسے بقاء ہوگا اور بایں جہت کہ جس چیز کو ہلاکت نہیں اسے بقاء ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو سب سے اول فرمایا ہے اور جو چیز اپنے ماسواسب سے پہلے نہیں ہوسکتا ورنہ خود اس کا ممتنع ہوگا ایسا ہی اگر اس کا آخر بھی ہوتا تو خود اس کا آخر ہونا منع ہوگا۔ پس جب یہ ثابت ہوگیا کہ وہ اپنے ماسواء سب کے لئے اول ہے ایسا ہی سب سے آخر ہے اس سے نہ تو کوئی پہلے ہے نہ آخر ہے پس معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ازلی ہے جس کی ابتداء نہیں اور ابدی ہے جس کی انتہا نہیں۔

نوٹ:

اتنا عرض کردوں کہ اللہ تعالیٰ ازلی ہے اس کی ابتداء نہیں اور ابدی ہے اس کی کوئی انتہا نہیں لیکن قرآن کریم میں جو ارشاد ہے (ھو الاوّل) اس سے اول مظہر صفت نبی پاک علیہ السلام کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے آپ کو پیدا فرمایا صاحب خزینۃ القرآن بھی اسی بات پر اتفاق کرتے ہیں۔ شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے اپنی کتاب مدارج النبوت کے خطبہ میں یہی بات درج کی ہے۔ دیکھئے (ھو الاول) جو قرآن میں ہے اس کا مفہوم یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے سب ماسوا سے پہلے ہے ایسا ہے کہ اس کا کوئی اول نہیں۔

مقدمہ تیسرا: اگر عالم کو بنانے والا حادث ہوتا تو اس کے لئے دوسرا خالق چاہئیے تھا اسی طرح غیر متناہی سلسلہ جاری رہے گا تسلسل لازم آتا ہے جو محال ہے۔ پس معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ازلی قدیم ہے اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ کو عدم اور زوال نہیں حالانکہ عدم وزوال کو وہ بنانے والا ہے کیونکہ یہ فیصلہ شدہ امر ہے کہ قدامت کو زوال نہیں ہوتا۔ پس ان مقدمات کے بعد اب اسماء کا بیان شروع کرتا ہوں۔ جس طرح اللہ قدیم ہے اس کی تمام صفات بھی ازلی قدیم ہیں اور ابدی ہیں۔

اسم پہلا قدیم: قدیم کے لفظ سے نفی پہلے کی نہیں ہوتی بلکہ اس سے دراز مدت مفہوم ہوتی ہے جیسا کہ دار القدیم وبناء القدیم بولتے ہیں یعنی ایسا گھر بنانا جس پر ایک دراز عرصہ گزر چکا۔

اسم ثانی ازلی: اس لفظ سے ازل کی طرف ہونا پایا جاتا ہے جس سے وہم گزرتا ہے کہ ازل ایک چیز ہے جس میں اللہ تعالیٰ موجود ہوتا ہے لیکن یہ باطل ہے کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ محتاج ہو۔ حالانکہ وہ ذات احتیاج سے پاک ہے بلکہ اس لفظ کے یہ معنی ہیں کہ ایسا وجود جس کی ابتداء نہیں اور جس سے کوئی اول نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا کلام ازلی ہے اس کی کوئی ابتداء نہیں جیسے متکلم کی کوئی ابتداء نہیں تو کلام کیسے ہوگی یہی حروف قرآن کریم کے جو ہم جو پڑھتے ہیں یہی کلام ازلی ہیں۔ صاحب خزینۃ القرآن ایسا ہی اس مقدمہ کو ختم کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ (کیا فرماتے ہیں؟)

Marfat.com

اسم تیسرا، لا اوّل له : اس کے معنی تو صاف ہیں اختلاف اس امر پر ہے کیا یہ صفت عدمی ہے یا وجودی۔ بعض کا خیال ہے لہ یہ صفت بظاہر عدمی ہے لیکن حقیقۃ وجودی ہے کیونکہ لا اوّل لہ سے پہلے عدم کی نفی مراد ہے اور نفی کا نفی سے اثبات ہوتا ہے اور بعض کے نزدیک عدمی ہے کیونکہ اس کا یہ مطلب ہے کہ کوئی چیز عدم سے پہلے نہیں ہو سکتی۔ عدم اور پہلے عدم میں فرق ہے پہلا عدم ہونا کیفیت ثبوتی ہے اور لا اوّل لہ اس سے کیفیت ثبوتی کی نفی ہوتی ہے معلوم ہوا کہ لا اوّل لہ کا مفہوم عدمی ہے ثبوتی نہیں۔ پہلا فریق اس کا یہ جواب دیتا ہے کہ اگر پہلا عدم زائد کو اللہ تعالیٰ کی ذات سے ایک زائد کیفیت ثبوتی مانا جائے تو اس زائد کیفیت کو حادث ماننا پڑے گا۔ پس وہ سابقہ عدم ہوئی جو علیحٰدہ صفت ہے اسی طرح یہ سلسلہ غیر متناہی چلا جائے گا جو محال ہے فریق اول صاحب خزینۃ القرآن ہیں یہ وضاحت بالکل احسن ہے جمہور کا اسی پر اتفاق ہے۔

اسم چوتھا، ابدی: اس کے معنی ہمیشہ کے ہیں یعنی دوام، جس کی زمانہ استقبال میں انتہاء نہیں۔

اسم پانچواں، سرمدی: یہ لفظ سرد بمعنی متواتر اور متعاقب سے نکلا ہے رسول اللہ ﷺ نے حرم شریف کے مہینوں کے متعلق فرمایا (واحد فرد ثلاثہ سَرُد) تین تین یکے بعد دیگرے ہوتے ہیں چونکہ زمانہ کا بقاء بجہت تعاقب اجزاء اور بسبب تلافی حصص اور تواقب طوالی کے معنی میں سرد استعمال ہوتا تھا اس لئے مبالغہ اظہار کے ساتھ میم زائد کر دی گئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس کا اطلاق اس شئے پر ہوتا ہے جس کے اجزاء یکے بعد دیگرے پیدا ہوتے جائیں مگر اللہ تعالیٰ میں یہ معنی محال ہے اس کا اطلاق مجاز ہوگا۔ بشرطیکہ قرآن کریم اور حدیث میں ثابت ہو جائے ورنہ نہیں۔

اسم چھٹا، مستمر: یہ باب استفعال سے ہے مرور اور ذہاب اس کے معنی ہیں اور زمانہ کو مستمر اس لئے کیا جاتا ہے کہ اس کے اجزاء میں ترتیب کے ساتھ آمد و رفت کا سلسلہ جاری رہتا ہے زمانہ پر اس کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا وجود چونکہ تعاقب اور اجزاء پر موقوف نہیں بلکہ بذات ہے اس لئے اس پر اس کا اطلاق محال ہے۔

اسم ساتواں، ممتد: وجہ تسمیہ ممتد یہ ہے کہ وہ اجزاء حصص کے مترتب ہونے سے دراز ہوتا جاتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ وجود کا اطلاق حقیقۃً زمانہ اور موجودات زمانہ پر ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لئے مجاز کے ساتھ۔

اسم آٹھواں، الباقی: اللہ عزوجل فرمایا ہے ''ویبقی وجہ ربک'' پہلے بھی لکھ چکا ہوں کہ ازلی باقی ہوتا ہے اس کے خلاف نہیں اور ہو سکتا ہے کہ کوئی چیز باقی تو ہو مگر ازلی وابدی نہ ہو جیسے اجسام اور اعراض باقی۔ بعض کا خیال ہے کہ باقی دوام کے معنی دیتا ہے ان کے خیال کے مطابق اجسام کو باقی کہنا درست نہ ہوگا حالانکہ ایسا نہیں عام طور پر اس کا استعمال ہوتا ہے جیسے کہتے ہیں الباقی باللہ۔

اسم نواں، الدائم: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''اکلھا دائم'' کیونکہ اللہ تعالیٰ تمام چیزوں سے زیادہ دوام کا مستحق ہے اس لئے (الدائم ھو اللہ) کہنا درست ہے۔

اسم دسواں، واجب الوجود لذاتہ: اس کا معنی یہ کہ اللہ تعالیٰ کا وجود حسب اقتضائے ماہیت حقیقت ہے ایسے وجود کے لئے فنا اور عدم منع ہے اور واجب الوجود لذاتہ کا قدیم اور ازلی ہونا ضروری ہے لیکن اس کے برعکس نہیں یعنی قدیم ازلی کو واجب الوجود لذاتہ ضروری نہیں کیونکہ یہ ممکن ہے کہ کسی شئے کی علت ازلی وابدی ہو اور بجہت علت معلول بھی ازلی وابدی ضروری ہوگا۔ معلوم ہوا کہ وہ شئے ازلی وابدی تو ہے مگر واجب الوجود نہیں اور خدائے فارسی کے معنی واجب الوجود لذاتہ ہے کیونکہ یہ لفظ دو لفظوں سے مرکب ہے ایک تو خود جس کے معنی ذات اور دوسرا ''آ'' جس کے معنی آئندہ ہیں پس اس کے معنی ہوئے ایسی ذات جو بذاتہ موجود ہو اور اپنے وجود میں کسی کا محتاج نہ ہو تو خدائے کے معنی یہ ہوئے کہ وہ بذاتہ موجود ہے۔

اسم گیارہواں، الکائن: قرآن کریم میں جابجا لفظ صفات کے ساتھ موجود ہے جیسے وکان اللہ علی کل شئ مقتدرا ان اللہ کان علیمًا حکیما قرآن کریم میں بلحاظ ذات کے استعمال نہیں ہوا البتہ حدیث میں موجود ہے ادعیہ ماثورہ نبی پاک علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں (یا کائناً قبل کل کون ویاحاضر امع کل کون دیا باقیا بعد انقضاء کل کون) یا ایسا ہی اور لفظ جو مذکور کے قریب قریب ہو، اس کے بعد فقیر عجیب وغریب نحوی بحث کا ذکر کرتا ہے۔ نحویوں کے نزدیک اتفاق کے ساتھ کان کی دو قسمیں ہیں۔ پہلے (کان تامہ) جس کے معنی پیدا شدہ یا موجود شدہ کے ہیں جیسے کنتم خیر امۃ کے معنی یہ ہیں کہ تم اچھی امت پیدا ہوئے اور وجود میں آئے۔

Marfat.com

دوم کان ناقصہ: جیسے (کان علیماً حکیما) کیونکہ اس تغیر کے مطابق کوئی نہ کوئی منصوب یا مرفوع ہونا چاہئے اور نحوی اتفاق کے ساتھ ان دونوں قسموں کو فعل تسلیم کرتے ہیں پہلی صورت میں فعل تام اور دوسری صورت میں فعل ناقص، صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ اس قوم پر متفقہ مسئلہ کے متعلق ایک اعتراض ہے کہ کان کو ناقصہ کہنے کی کیا وجہ ہے حالانکہ اگر اسے کسی اسم کی طرف منسوب کیا جائے تو معنی پورے دیتا ہے اور منسوب الیہ میں کسی زمانہ کا موجود ہونا پایا جاتا ہے اور فعل کی بھی یہی صورت ہوتی ہے کیا وجہ ہے کہ اس کو فعل تام نہ کہا جائے بلا وجہ اس کو فعل ناقصہ کہا جاتا ہے۔ اور منصوب مرفوع کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے۔ بلکہ اس وقت اسے دوسرے افعال کی طرح اس کی احتیاج نہیں ہونی چاہئے پس معلوم ہوا کہ کان ناقصہ بلحاظ ثبوت کان ناقصہ نہیں رہتا بلکہ اس سے اس کی نفی ہو جاتی ہے۔ اور فعل تام ناقص ہو گیا اور یہ قاعدہ ہے کہ جس چیز کی نفی اس کے ثبوت سے ہو جائے وہ چیز باطل ہوا کرتی ہے نتیجہ یہ ہوا کہ (کان) کو ناقصہ کہنا خلاف واقع ہے۔ بڑے دانا نکتہ رس نحویوں کے اس اعتراض پر حیران رہ گئے۔ یہ بحث امام رازی بھی اپنی تفسیر کبیر میں درج کرتے ہیں لیکن آخر کسی سے جواب نہ دیا گیا آخر خود مجھے اس کے جواب کی تلاش ہوگئی اور غور و فکر شروع۔ تو مجھے ایسا جواب ملا جس نے شبہ کو ختم کر دیا اور بالکل ازالہ ہو گیا وجہ یہ ہے کہ لفظ (کان) حدوث ثبوت اور وجود کے معنی دیتا ہے مگر اس کی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ (کان) جو بدون استمداد و غیر وقوع شئے کی خبر دیتا ہے۔ دوسرے یہ کہ اس سے کسی چیز کا کسی صفت سے موصوف ہونا پایا جاتا ہے۔ پس قسم پہلی کو تو صرف کسی ایک شئے کی طرف منسوب کرنا کافی ہے اور کلام پورا ہو جاتا ہے لیکن دوسری قسم ایسی نہیں۔ جب چیز کا کسی صفت سے موصوف ہونا (کان) سے مفہوم ہوتا ہے تو لامحالہ صفت و موصوف دونوں کا ذکر ہونا چاہئے ورنہ کلام کسی طرح معنی کو فائدہ مند نہیں ہو سکتا بلکہ ناقص اور مہمل ہے۔

قسم تیسری

(صفات حقیقیہ میں سے اس صفت کا بیان جو وجود اور کیفیات وجود کے مخالف ہے)

معتزلہ کو ایسی صفات الٰہی سے سخت انکار ہے جو وجود اور کیفیات وجود کے مخالف ہوں۔ اس پر چند دلائل پیش کرتے ہیں:

دلیل پہلی: کیونکہ یہ ضروری ہے کہ صفت کا وجود دونوں صورتوں میں سے کسی ایک صورت پر ہو واجب لذاتہ تو نہیں ہو سکتی کیونکہ حکماء سے ثابت ہے کہ واجب الوجود صرف ایک ہی ہے اور واجب الوجود کے یہ معنی ہیں کہ دو کا محتاج نہیں اور بے نیاز ہے لیکن صفت اپنے موصوف کی محتاج ہوا کرتی ہے پس وجوب ذاتی اور صفت غیری کا احتیاج محال ہے باقی رہی دوسری صورت یعنی ممکن الذات یہ بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ جو ممکن الذات کسی سبب کے بدون نہیں ہو سکتا تو اس کا سبب ذات الٰہی کا غیر بھی نہیں ہو سکتا اس لئے نفس ذات سے صفت کا جدا ہونا منع ہے اور صفت محتاج غیر ہے اس سے لازم آتا ہے کہ ذات بھی دوسرے کی محتاج ہو اور احتیاج ممکنات کا نام ہے یہ محال ہے کیونکہ واجب الوجود ممکن الوجود نہیں ہو سکتا اور سبب خود ذات الٰہی نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ تو اس صفت کو قبول کرنے والی ذات ہے تو اس ذات کو سبب ماننے سے ضروری ہوگا کہ وہ موثر ہو جیسا کہ اسباب میں دیکھا جاتا ہے تو اس سے لازم آتا ہے کہ ایک ہی چیز فاعل بھی ہو اور قابل بھی یہ محال ہے کیونکہ اہل حکمت کا مسلمہ اصول ہے کہ ایک سے دو مختلف اثر ثابت نہیں ہو سکتے نیز اثر اپنے موثر کا محتاج ہوا کرتا ہے ہم پوچھتے ہیں کہ اثر کو موثر پیدا ہونے کے بعد احتیاج ہوئی یا اس کے پیدا ہوتے ہی یا اس سے پہلے اس واقعہ سے پہلی صورت تو مشکل ہے ورنہ موثر کے ایجاد تاثیر سے تحصیل حاصل لازم آئے گی باقی رہی آخری دونوں صورتیں یہ دونوں مقتضی اس امر کی ہیں کہ ہر ایک موثر حادث ہو اور جو موثر حادث نہیں ہو سکتا اس کا اپنے غیر پر اثر نہ ہوگا۔ معلوم ہوا کہ صفات مذکور تسلیم کرنا باطل امر ہے۔

دلیل دوسری: کیا وہ صفات ازلی قدیم ہیں یا حادث۔ صورت پہلی تو نہیں ہو سکتی کیونکہ قدامت صفت ثبوتی ہے جیسا کہ پہلے ثابت ہو چکا ہے تو صفات موصوف سے

Marfat.com

قدامت میں مساوی ہوں گی اور بلحاظ اختلاف ماہیات دونوں ایک دوسرے سے مخالف ہوں گی اور چونکہ ایک طرف سے ان دونوں میں شرکت ہے اور دوسری طرف سے مخالفت تو لامحالہ ہمیں ان دونوں کو دو دو جزو سے مرکب ماننا پڑے گا نیز ہر ایک کے دونوں جزؤں کو قدیم ازلی ہونا چاہئے کیونکہ قدیم چیز کے ماہیت اجزاء بھی قدیم ازلی ہوتے ہیں۔ پس دونوں جزوؤں میں دو دو جہتیں ہونی چاہئیں ایک تو جہت قدامت کی وجہ سے دونوں شارک ہوں۔ دوسرے جہت جس سے ایک دوسرے سے مخالف۔ پس لازم آیا ان دونوں جزؤں میں سے ہر ایک جزو دو جزوؤں سے مرکب ہو یہ مشکل ہے اس لئے اس سے لازم آتا ہے کہ حقیقت ذات وصفات غیر متناہی اجزاء سے مرکب ہوں یہ مشکل ہے باقی رہی دوسری صورت وہ بھی چند دلائل سے باطل ہے:

دلیل پہلی: ذات الٰہی کا حادث سے تعلق نہیں ہوسکتا کیونکہ اگر وجود ذات کے لئے صفات کافی ہوسکتی ہیں تو اس صورت میں دوام عدم الذات سے دوام وجود الصفات لازم ہوگا یا دوام عدم الصفات سے ہے دوام ذات ہوگا غرض یہ کہ ان دونوں کے دوام عدمی سے دوسرے کے لئے دوام وجودی ہوگا اور عکس کے ساتھ اور اگر کافی نہیں تو صورت میں ذات کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ وجود صفت یا اس کے عدم میں سے کسی ایک کے ساتھ موصوف ہوا اور وجود عدم دونوں کسی چیز پر موقوف ہوں گے جو چیز ایسی چیز پر موقوف ہو جو خود غیر پر موقوف ہے تو وہ بھی غیر پر موقوف ہوگی اور غیر پر موقوف ہونا یہ ممکنات کا خاصہ ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ واجب لذاۃ ممکن ہے اور یہ مشکل ہے۔

دلیل دوسری: ہم نے مانا کہ حوادث شئے واجب الوجود کے متعلق ہونے کی قابلیت ہے اس قابلیت کا لوازم ماہیت ذات واجب الوجود سے ہونا ضرور ہوگا اور چونکہ ذات ازلی ہے اس لئے اس کے لوازمات کو ازلی ہونا چاہئے لیکن لوازمات قابلیت کا ازلی ہونا منع ہے اس لئے کہ حوادث کی قابلیت اس وقت ہوسکتی ہے جب وجود حوادث ممکن ہو ورنہ نہیں۔ وجود حادث کا امکان محال ہے پس ان کی قابلیت بھی ازل میں محال ہوں گی۔

دلیل تیسری: صفات چونکہ حادث ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ صفات عالیہ سے ان صفات کے حدوث سے پیشتر موصوف ہوگا نتیجہ یہ ہوا کہ صفات حادثہ کے ثبوت الیہ میں کچھ ضرورت نہیں بلکہ اس سے بے نیاز ہے تو یہ صفات بے سود ہوئیں۔ پس ان کی نفی وجوباً ہونی چاہئے۔ مذکورہ بالا تقریر سے ثابت ہوا کہ وجود صفات اگر مان بھی لیا جائے تو ان کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں۔ قدیم اور حادث۔ مگر یہ دونوں صورتیں دلائل سے باطل ہوگئیں۔ پس صفات کا وجود ممتنع ہوا۔

دلیل چوتھی: کیا ان صفات سے وجود ماہیت کی تکمیل اور تتمیم ہوتی ہے یا نہیں۔ دوسری صورت میں ان کا وجود بے فائدہ محض اور زائد ہوگا۔ پس کیا وجہ ہے کہ وجود زائد کو مانا جائے اور منع نہ سمجھا جائے۔ صورت پر اللہ تعالیٰ تکمیل خدائی میں غیر کا محتاج ہوگا اور غیر صفت کی ضرورت ہوگی اللہ محتاج نہیں ہوسکتا۔ تعالیٰ اللہ عن ذالک علواً کبیرا۔

دلیل پانچویں: کیا ذات عزوجل کی صفات جن کا مدح وثناء اور کمالات میں لحاظ ہوتا ہے بالکل کامل ہیں یا کچھ ناقص۔ باقی رہی صورت پہلی۔ ان صفات کے وجود کو ماننے کی کوئی ضرورت نہیں ورنہ مکمل کے کیا معنی دوسری صورت پر ذاتِ الٰہی ناقص ٹھہری اور رفع نقص باختیار غیر اور اللہ عزوجل کی شان سے کوسوں دور ہے۔

دلیل چھٹی: اگر اللہ تعالیٰ کو ذات اور صفات کا مجموعہ مانا جائے تو اللہ تعالیٰ کے جزو اور حصص ہوں گے اور اسے قابل انقسام ماننا پڑے گا لیکن یہ عقل سے دور ہے اور عقل تسلیم نہیں کرتی کیونکہ ترتیب خاصہ ممکن ہے اور اللہ واجب الوجود ہے ممکن نہیں۔

دلیل ساتویں: خدا تعالیٰ نے نصاریٰ کو اس بناء پر کافر قرار دیا ہے کہ وہ تثلیث کو مانتے ہیں تو اس کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں یا تو نصاریٰ ذوات ثلاثہ کے قائل ہوں یا ذات مع الصفات پہلی صورت تو ہو ہی نہیں سکتی کیونکہ نصاریٰ کا یہ خیال نہیں اس لئے اللہ تعالیٰ کفر کا فتویٰ بھی نہیں فرما سکتا باقی رہی دوسری صورت ذات مع الصفات تو یہ موجب کفر نصاریٰ ہوئی اور جو خبر دینے والا کفر پر ہوا ان سے پرہیز کرنی چاہئے تو ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ ایسے اسماء سے موسوم نہیں ہوسکتا جو اس کے صفات حقیقیہ کے سبب اوروں کا سبب ہوں۔ معتزلہ کے علاوہ باقی سب ایسی صفات کو جو وجود یا کیفیات وجودی کے مخالف ہوں تسلیم کرتے ہیں۔ اور چند دلائل پیش کرتے ہیں:

دلیل پہلی: اللہ تعالیٰ کو عالم قادر اور حیّ مانتے ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ اس کا علم اور قدرت عین ذات ہیں کیونکہ ہمیں ہدایت اور تدبیر وتفکر کے بغیر ہی ذات اللہ اور عالم وقادر میں فرق معلوم ہوتا ہے اور ان دونوں کا علیحدہ علیحدہ ہونا یقیناً معلوم ہوتا ہے۔

Marfat.com

دلیل دوسری: یہ ممکن ہے کہ اپنی ذات کو اپنے وجود کا علم ہو لیکن قادر عالم ہونے کو بھول جائے ہمارے اور ان سے بے خبر ہو جائے ایسا بھی ممکن ہے کہ اسے قادر ہونے کا تو علم ہو مگر عالم ہونے کو بھول جائے اور اس کے برعکس۔ پس معلوم ہوا کہ قدرت اور علم ذات کے مخالف ہیں ایک چیز نہیں۔

دلیل تیسری: بالحاظ واجب ممتنع اور ممکن کے عالم ہونا ایک عام امر ہے بلکہ اس کے خلاف قادریت عام چیز نہیں بلکہ مذکورہ تینوں اقسام کی نسبت خاص ہے پس اگر قادر اور عالم ہونا نفس ذات ہوتا تو علم اور قدرت میں فرق نہ ہوتا۔

دلیل چوتھی: اس ذات کا قادر ہونا وجود مقدور میں اثر پیدا کرتا ہے لیکن عالم وجود معلوم میں موثر نہیں ہوتا۔ پس یہ دونوں باہمی مخالفت کی وجہ سے عین ذات نہ ہوئے۔

دلیل پانچویں: موجود اور لیس بموجود باہم نقص والے ہیں لیکن لیس عالم کے ساتھ ناقص نہیں پس اس سے معلوم ہوا لیس بموجود سے جس چیز کی نفی ہوتی ہے وہ لیس دلائل سے اللہ تعالیٰ کی صفات کا وجود ثابت ہو گیا اور ضرور ماننا پڑے گا باقی رہی یہ بات کہ کیوں ان صفات کو اضافت سے پہلے نسبت تسلیم نہ کیا جائے تو قادر ہونے کے یہ معنی کہ اس میں مادہ ایجاد ثابت ہے۔ ذات ثبوت کی علت ہے۔ ایسا ہی عالم بمعنی شہود اور یہ حالت نسبتی ہے جس کی ذات مخصوصہ علت ہے اور حالت اس کی معلول۔

مسئلہ نمبر 2:

صفات حقیقیہ جب ثابت ہو چکیں تو اب ہم دیکھتے ہیں کہ صفت حقیقیہ کو نسبت اور اضافت لازم ہو گی جیسے عالم اور قادر۔ ان دونوں صفات کا معلوم اور مقدور سے تعلق واجب ہے علم کا معلوم سے تعلق ہونا لازم ہے اور صفت قدرت کا صحت ایجاد و مقدور سے منسوب ہونا لازم ہے تو یہ صفات گویا بظاہر صفات حقیقیہ ہیں لیکن دراصل لوازمات نسبتی اور اضافی سے خالی نہیں غرض کوئی بھی ایسی صفت نہیں جو نسبتیہ لوازمات سے علیحدہ ہو البتہ صفت حیات ضرور ایسی ہے جس میں اضافت نہیں۔ اب فقیر اس کی تحقیق کرتا ہے، فلاسفر کہتے ہیں کہ حی کے معنی ادراک افعال کے ہیں یعنی افعالوں کو جاننا اس خیال کے مطابق یہ صفت علم و قدرت کے خلاف نہ ہوئی اور کلامیہ والے کہتے ہیں کہ یہ صفت ہے جس کے اعتبار سے قادر اور عالم ہونا درست ہوتا ہے کیونکہ ذوات ذواتیہ میں برابر ہیں اور صحۃ مذکورہ میں مختلف۔ پس ضروری ہوا کہ ذوات بذاء صفت حیات قبول کرنے میں مختلف ہوں۔ پس وہ بلحاظ صفت زائد ہونے کے درست ہو اس پر یہ کہا گیا ہے کہ پہلی دلیل سے ثابت ہو گیا ہے کہ ذات الٰہی تمام دیگر ذوات سے اپنی ذات مخصوصہ میں مخالف ہے پس تمہارا استدلال غلط ہوا ذوات کا قبول صفت حیات میں مختلف ہونا درست ہوا تو یہ صحت کسی دوسری صفت کی وجہ سے ہونی چاہئے اسی طرح غیر متناہی سلسلہ جاری رہے گا جو محال ہے ظاہر ہے اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ قبول حیات کے لوازمات ذات مخصوصہ میں سے ہیں اپنی صحت عالمیت میں ان دونوں گروہوں کے علاوہ ایک تیسرا گروہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے حی ہونے کا یہ معنی بیان کرتا ہے کہ اس کا قادر اور عالم ہونا ممتنع نہیں۔ پس اس معنی کے ساتھ حیّ سے امتناع کی نفی ہوئی اور امتناع عدم کو کہتے ہیں تو گویا نفی امتناع سے عدم العدم کی صورت ہوئی اور عدم العدم سے اثبات ثابت ہے ہم کہتے ہیں کہ تمہارا کہنا مسلم ہے لیکن کیا وجہ ہے کہ اس ثبوت کو کیوں نہ کہا جائے اگر وہ دلیل پیش کریں کہ ہمیں ذات کا حیّ ہونا مشکوک ہے پس ضروری ہوا کہ اس کا ذی حیات ہونا ذات کے مخالف ہو۔ فقیر کہتا ہے کہ دلیل سے ثابت ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا ذاتی طور پر ہمیں علم نہیں ہو سکتا بلکہ عقل معارض ہے اس باب میں کلام تمام ہوئی۔

مسئلہ تیسرا:

لفظ حیّ قرآن مجید میں بہت جگہ آیا ہے۔ جیسے (اللہ لا الٰہ الا ھو الحی القیوم) (عنت الوجوہ للحی القیوم) (ھو الحی لا الٰہ الا ھو فادعوہ مخلصین لہ الدین) اگر کوئی یہ کہے کہ حیّ کے معنی ادراک الافعال ہے یا جس کا عالم و قادر ہونا ممتنع نہ ہو۔ تو اس میں کوئی بڑی تعریف نہیں پائی جاتی۔ پس کیا وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس لفظ کو مدح عظیم کے موقع پر استعمال کیا ہے۔ جواب یہ ہے کہ ذی حیات ہونا صرف مدح نہیں بلکہ حی کے الحی القیوم کا مجموعہ مدح ہے کیونکہ قیوم کے معنی ہیں۔ کہ وہ اپنے ماسواء کی اصلاح حال پر کمربستہ ہے اور یہ علم تام قدرت تام کے بغیر ہو نہیں سکتا۔ یعنی افعال اور عالم ممکنات تمام ممکنات کا مصلح ہے جس میں ذی حیات ہونا یعنی ادراک الافعال اور قیوم یعنی سارے عالم ممکنات کا مصلح محدثات۔ ممکنات کے مجموعہ سے مدح ہوتی ہے۔

صاحب خزینۃ القرآن نے اس پر کافی باب تحریر کئے ہیں لیکن فقیر یہاں ختم کرتا ہے۔

Marfat.com

باب پانچواں

(ان اسماء کے بیان میں جو صفات اضافیہ کو ظاہر کرتے ہیں)

اس باب کو بیان کرنے سے پہلے ایک عقلی مقدمہ کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ کیا تکوین اور کون باہم مخالف ہیں یا ایک ہی چیز معتزلہ اور اشعریہ تکوین کو عین کون سمجھتے ہیں اور باقیوں کے نزدیک مخالف ہیں منکرین کے دلائل یہ ہیں:

دلیل پہلی: کیا صفت تکوینی با اصول حدث موثر ہوتی ہے یا اصول وجوب۔ اصول پہلے پر تکوین اور قدرت میں کچھ فرق نہ ہوا اور نہ مخالفت ہے اور دوسرے اصول پر اللہ تعالیٰ واجب بالذات ہوگا فعل مختار نہیں۔

دلیل دوسری: اگر صفت تکوینی قدیم ہے تو اس کے اثر بھی قدیم ہوں گے۔ اگر قدیم نہیں تو دوسرے تکوین کی محتاج ہوگی یہ سلسلہ غیر متناہی جاری رہے گا جو محال ہے۔

دلیل تیسری: کیا صفت قدرت میں تمام شرطیں یعنی علم اور ارادہ وغیرہ کے امضاء کے بعد صلاحیت تاثیر ہوگی یا نہیں اگر صلاحیت ہے تو قدرت کو عدم سے وجود کی طرف جانا آسان ہوگا اور اسے دوسری صفت کی ضرورت نہ ہوگی۔ دوسری صورت میں قدرت میں تاثیر نہ ہوگی پھر قدرت کو قدرت کہنا ضروری نہ ہوگا اور یہ تناقص پیدا کرتا ہے اور صفت کو قدیم ماننے والے یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ قادر علی الفعل کو صدور فعل کا اختیار ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کو ہزار ہا شمس و قمر بنانے کی قدرت ہے باوجود اس کے اس کا ظہور نہیں ہوا۔ پس نفی اور اثبات مذکورہ کے درست ہونے سے معلوم ہوتا ہے کہ موجد اور قادر میں فرق ہے۔ اس کے بعد فقیر کہتا ہے کہ موجد کے معنی موثر فی الوجود ہیں یا کوئی زائد امر۔ پہلے معنی تو باطل ہیں کیونکہ فقیر کہتا ہے کہ وجود میں کسی فاعل موجد کی جہت سے اثر ہے اور موثر فی الوجود ہونا معلول ہے۔ فاعل موجد کا جیسے کوئی لـم وجد العالم کہے یعنی ہم نے جہان کو نہیں پایا تو فقیر اس کے جواب میں کہے گا کہ اللہ اوجدہ پس اگر موجد ہے اس کا موجد نفس کے ساتھ تاثیر مانا جائے تو وجود اثر کو موجدیت کا معلول ہونے سے لازم آئے گا کہ وجود اثر خود ہی معلل اور علۃ ہو اس صورت پر اسے غیر سے منسوب کرنے کی ممانعت ہوگی۔ ثابت ہوا کہ موجدیت کو وجود اثر کا معلل بنانے سے موجدیت کی نفی ہوتی ہے اور جس چیز کی نفی اس کے ثبوت سے ہو وہ باطل ہوتی ہے پس معلوم ہوا کہ موجدیت کو وجود اثر کا معلل بنانا باطل ہے اور موجد کا موجد ہونا اور فاعل کو وجود اثر پر قادر ہونا۔ یہ دونوں باہم مخالف ہیں نتیجہ یہ ہوا کہ تکوین کون کے مخالف ہے۔ اسی اصول کو ذہن میں بٹھانے کے بعد اب یہ دیکھنا ہے کہ ان دونوں گروہوں کے نزدیک یہ معنی ہوئے۔ اللہ تعالیٰ خالق اور رازق اور نافع ہے وہ فریق جو تکوین اور کون میں مخالفت سمجھتے ہیں وہ اس کے یہ معنی کرتے ہیں کہ اس سے نسبت خاص اور اضافت مقررہ ہے اور وہ قدرت اللہ تعالیٰ کی وجود اشیاء میں موثر ہوتا ہے۔ اور دوسرا فریق جن کے نزدیک ان دونوں میں مخالفت نہیں وہ خالق اور رزاق وغیرہ سے اس صفت حقیقیہ کو مراد لیتے ہیں جو صفت اضافیہ سے موصوف ہے صفات اضافیہ کی چند قسمیں ہیں:

قسم پہلی: وہ ذات معلوم مذکور مسبح اور ممجد ہے اس ذات کو ان اسماء سے یوں پکارا جاتا ہے اے وہ ذات جس کی تسبیح ہر ایک زبان کرتی ہے اور اے وہ ذات جو سب کی ممدوح اور تمام کا مرجع اور ماوا ہے اور اس قسم کی اضافات کا دائرہ وسیع ہونے کے سبب اللہ تعالیٰ کے اسماء کا سلسلہ بھی غیر متناہی ہے۔

قسم دوسری: اللہ تعالیٰ افعال کا فاعل ہے یہ صفت اضافیہ ہے اس طرح کہ چیزوں کا وجود میں لانا صفت زائدہ نہیں اب رہی یہ بات کہ مخبر عنہ سے کیا صرف موجد ہونا مراد ہے یا یہ کہ فلاں قسم کا موجد ہے اور فلاں حکمت پر مبنی ہے۔ قسم پہلی کے متعلق تو کافی زیادہ الفاظ ہیں جو تقریباً سب کے سب مترادف ہیں مثلاً موجد، محدث، مکون، منشی، مبدع، مخترع، صانع، خالق، فاطر اور باری یہ دس الفاظ بظاہر سب متقارب المعنی ہیں مگر ان میں فرق ہے۔ موجِد کے معنی وجود میں اثر پیدا کرنے والا۔ محدِث مٹی ہوئی چیز کو اور محدث موجَد سے وجود میں لانے والا خاص ہے اور مکون تقریباً موجد کا مترادف ہے۔ منشی نشاء سے نکلا ہے آہستہ آہستہ نشو و نما دیتا ہے۔ مبدِع بلکہ دفعۃً وجود

Marfat.com

میں لانا یہ جنس موجد کے دو اقسام ہیں مخترع مبدع کے قریب ہے۔ صانع اس فاعل کو کہتے ہیں جس سے فعل تکلیف کے بغیر صادر ہو خالق اندازہ کرنے والا اور بلحاظ علم اللہ تعالیٰ کا اسم ہے۔ فاطر فطر سے نکلا ہے کچھ تعجب نہیں کہ اس کے معنی معدوم کو یکدم موجود کرنا ہوں۔ باری جو حسب اقتضائے مصلحت کسی چیز کو عدم سے وجود میں لائے جیسے کہتے ہیں (بوئ القلم) یعنی قلم کو حسب ضرورت خود بنانا یہ تو الفاظ کا ذکر تھا جو ایجادِ معدوم بہ کو ظاہر کرتے ہیں۔ اب رہے وہ الفاظ جن سے شئے موجدہ کے موافق مفہوم ہوتا ہے۔ ایسے الفاظ کافی ہونے کی وجہ سے تقریباً غیر متناہی درجہ تک پہنچ گئے۔ اب فقیر چند اقسام پیش کرتا ہے:

مثال پہلی: بخشندہ زندگی کو محی سے موسوم کیا گیا ہے۔ ممیت یعنی موت دینے والا۔

مثال دوسری: اکرام سے مخصوص کیا تو لطیف ہوا۔ غضب وقہر کو اختیار کیا۔ قہار و جبار ہوا۔

مثال تیسری: نافع پیدا کیا، نافع ہوا غم واند پیدا کیا۔ تو ضار ہوا۔

مثال چوتھی: بخشش کم کی موسوم بہ قابض ہوا۔ عطاء بکثرت کی باسط ہوا۔

مثال پانچویں: گنہگاروں کو عذاب دیا انتقام لینے والا ہوا اور اگر گناہوں سے درگزر کی۔ رحیم ورحمان ''عفو اور غفور'' سے موسوم ہوا۔

مثال چھٹی: اموال میں متصرف وقابض ہونے کی طاقت ہوئی تو قابض اور باسط سے موسوم ہوا۔ اور قدر ومنزلت اور عزت وذلت کا مالک ہوا۔ صفات کے اعتبار سے غیر متناہی حد تک پھیلے ہوئے ہونے کی وجہ سے اسماء الٰہی بے شمار ہیں اور ختم نہیں ہو سکتے۔ اس مقام کے متعلق چند باریک نکتے ہیں جن کا اظہار ضروری ہے:

نکتہ پہلا: ہر ایک شئے کا کوئی نہ کوئی مقابل ہوتا ہے بعض چیزوں کے مقابلہ میں تو اس کی ضد ہوتی ہے اور بعض کے مقابلہ میں اس کا عدم، اس اصول کے مطابق معز و مذل اور محیی وممیت میں تضاد کے قابل ہے یعنی وہ چیزیں جو ایک جگہ جمع نہیں ہو سکیں جیسے پانی اور آگ عزت وذلت باسط وقابض ان میں عدم وجود قابل ہے کیونکہ قبض کے معنی بہت بخشش نہ کرنی اعزاز واذلال دو متضاد چیزیں ہیں کیونکہ معزز کرنا اور ذلیل کرنا ان دونوں باتوں میں فرق ہے۔

نکتہ دوسرا: بعض الفاظ مترادف ہوتے ہیں لیکن نظر عمیق سے معلوم ہوتا ہے ان میں ترادف نہیں بلکہ فرق ہے جیسے الرّوف، الرحیم دونوں قریب معلوم ہوتے ہیں مگر کامل ہے کیونکہ روف نفع رسانی اور رحم دفع تکلیف کو کہتے ہیں ایسا ہی فاتح، فتاح، نافع، نفاع اور واہب وہاب سے بھلائی کے سبب کا موجود ہونا مفہوم ہوتا ہے مذکورہ بالا اصول ذہن میں بیٹھنے سے ممکن ہے کہ دوسرے اسماء غیر متناہیہ پر اطلاع ہو اور واقفیت پیدا ہو جائے۔

⌘⌘⌘⌘⌘

Marfat.com

باب چھٹا

(صفات سلبیہ کے اسماء کے بیان میں)

قرآن کریم میں صفات تعریف سلبیہ کا ذکر کئی جگہوں میں پایا جاتا ہے اور چونکہ اس قسم کی صفات بااصول بے شمار ہیں تعداد بیان نہیں ہوسکتی۔ اس لئے بالاجماع ان تمام صفات سلبیہ کی بااصول دریا کو کوزہ میں بند کر کے دکھاتا ہوں۔ صفات سلبیہ کا تعلق تین چیزوں سے ہے صاحب خزینۃ القرآن نے اس پر لمبی بحث کی ہے لیکن اب مختصر ہوگی۔ (۱) ذات، (۲) صفات (۳) مثالیں۔ صفات سلبیہ متعلقۂ ذات ہیں کہ اللہ تعالیٰ نہ جوہر ہے نہ جسم نہ مکانی ہے نہ وہ حال ہے نہ حمل وغیرہ وغیرہ، پہلے لکھ چکا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اپنی مخصوص ذات کے لحاظ سے دوسری تمام ذوات اور صفات سے مختلف ہے اور چونکہ اس کی ذات کے مغائر صفات اور ذوات کے اقسام غیر متناہی ہیں۔ پس اس اعتبار سے الٰہی صفات سلبیہ بے حد وحساب ہوں گی اس کے بطور تمامی جیسے واللہ الغنی وانتم الفقراء اور وربک الغنی ذوالرحمۃ ہے کیونکہ اس سے یہ مراد ہے کہ وہ ذات بابرکات اپنی ذات اور صفات حقیقہ سلبیہ میں کسی دوسرے کی محتاج نہیں اور لم یلد ولم یولد بھی اسی حقیقت پر ہے اور صفات سلبیہ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام صفات متناقضہ سے پاک اور ان سے موصوف ہیں پس وہ تمام صفتیں جن سے ذاتِ الٰہی میں کسی طرح کا نقص یا عیب لازم آتا ہوگا ان میں سے ہر ایک کی سلب اللہ تعالیٰ کی صفت سلبیہ ہوگی۔ جس طرح اضداد علم، وقدرت استغناء، وحدت، اضداد علم کی کافی قسمیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لاتاخذہ سنۃ ولا نوم دوسری قسم نسیان کی نفی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وما کان ربّک نسیا تیسری قسم جہالت کی نفی جیسے لا یعزب عنہ سے لے کر ولا فی الارض تک۔ چوتھی قسم اللہ تعالیٰ کو بعض چیزوں کا علم دوسری چیزوں کے علم سے نہیں روکتا کیونکہ کوئی بھی اللہ تعالیٰ کو اپنا مشغول نہیں بناسکتی۔ اضداد وقدرت کی بھی قسمیں ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ اپنے کاموں میں لقب ونسب سے منزہ وپاک ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وما مسّنا من العوب دوسری قسم اس کے افعال آلات اسباب نظائر اور موت کے محتاج نہیں جیسے فرمایا انّما قولنالشئ اذا اردنہ انّ نقول لہ کُن فیکون تیسری اس کے کاموں میں قلت اور کثرت میں کچھ تفاوت نہیں جیسے فرمایا وما امرالسّاعۃ الاّ کلمح البصرا وھوا اقرب (قسم چوتھی) محتاج نہیں اس کی قدرت متنہی نہیں جیسے لقد سمع اللہ قول الّذین قالو انّ اللہ فقیرٌ ونحن اغنیاء (ترجمہ) البتہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ بات سنی ہے جو کہتے ہیں کہ بے شک اللہ محتاج ہے اور ہم دولت مند ہیں تو معلوم ہوا اس قول سے اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ بات لکھ دی ہے اور اضداد واستغناء معنی بے نیاز۔ اب رہی اضداد ان کی وحدت کی نفی تو قرآن کریم میں جابجا ہے نہ ہی اس کا کوئی شریک نہ ہی اس کو کوئی ضد نہ ہی اس کی نظیر نہ ہی اس کی کوئی مثل صفات سلبیہ یہ بھی کثرت کے ساتھ قرآن کریم میں موجود ہیں۔ مثلاً پہلے یہ کہ باطل کو پیدا کرنا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وما خلقنا السمٰوات والارض وما بینھما باطلا ذالک ظن الذین کفروا (ترجمہ) اور ہم (ف ا) نے زمین اور آسمان کو پیدا نہیں کیا۔

لوگ تو ثابت ہیں دوسری جگہ مومنین (ایمان والے) سے حکایت فرمائی ہے جیسے ویتفکرون فی خلق السمٰوات والارض ربّنا ماخلقت ھذا باطلا (ترجمہ) فکر کرتے ہیں۔ اے ربّ ہمارے نہیں پیدا کیا تو نے اسے باطل۔ (ف ا) اور وہ آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں

دوم: یہ کہ کھلونا پیدا نہ کرتا جیسے وما خلقنا السمٰوات والارض وما بینھما لا عبین وما خلقنا ما الّا بالحق (ترجمہ) اور نہیں پیدا کیا ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ہے۔ ان کے درمیان ہے کھیل تماشے کے طور پر اور نہیں پیدا کیا ہم نے ان دونوں کو سوائے حق کے۔

سوم: یہ کہ فضول اور بے ہودہ چیزیں پیدا نہ کرنا جیسے (پارہ نمبر ۱۸) سورۂ مومنون کی آخری آیت سے ماقبل آیت کو افحسبتم سے دوسری آیت تک ترجمہ دیکھئے۔

چہارم: کہ کفر کو پسند نہیں فرماتا جیسے ولا یرضیٰ لعبادہ الکفر (ترجمہ) اور پسند نہیں فرماتا اپنے بندوں کے لئے کفر۔

پنجم: یہ کہ وہ ظلم نہیں کرتا وما اللہ یُرید ظلماً للعباد (ترجمہ) اور اللہ نہیں چاہتا اپنے بندوں پر ظلم کرنا یعنی معنی یہ نکلا کہ اللہ نہیں چاہتا ظلم کرنا اپنے بندوں کے لئے۔

Marfat.com

یہ تو بندے ہیں۔ اور جگہ فرماتا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے۔ اور اللہ نہیں چاہتا ظلم کرنا تمام جہان والوں کے لئے (پارہ نمبر ۴ دوسرا رکوع دیکھئے)

ششم: فساد کو بھی اچھا نہیں سمجھتا ہے جیسے واللہ لایحب الفساد (ترجمہ) اور اللہ فساد کو پسند نہیں فرماتا۔

ہفتم: جب تک کوئی ظلم ظاہر نہ ہو تو سزا نہیں دیتا۔ پارہ ۵ کی آخری آیت ما یفعلُ اللہ کو دیکھئے۔

ہشتم: فرمانبرداری کی تابعداری اور نافرمانوں کی نافرمابرداری اُسے نہ کوئی نفع دیتی ہے نہ نقصان جیسے اِن اَحسنتُم پارہ ۱۵ پہلے رکوع میں اس آیت کا ترجمہ دیکھئے۔

نہم: اس سے حکموں اور کاموں کی کوئی پُوچھ گچھ نہیں لا یُسئَلُ پارہ ۱۷ دوسرے رکوع میں دیکھیے۔

دہم: اس کے وعدے وعید کا جھوٹ نہیں پارہ ۲۴ سورۃ ق دوسرا رکوع ما یُبدَّلُ القول اس آیت کو دیکھیے پس نتیجہ کلام یہ ہوا کہ اللہ جل شانہ کی سیلمی صفات بے شمار ہیں ان کا کوئی حساب اور حد نہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ جل شانہ کے صفات سلبیہ کی کوئی حد نہیں وہ بہت وسیع ہیں۔ فقیر اب اس اصول کو بیان کرنے کے بعد ان الفاظ کا ذکر کرے گا جن کا مطلب صفات سلبیہ کے مشابہ ہے۔

مثلاً پہلے (قدوس السلام) (قدوس کے معنی پاک) جو نقص اور عیب کی شکل پیدا کرنے سے خالی ہو جس میں عیب کی شکل نہ آسکے تو اللہ تعالیٰ جل شانہ قدوس ہے تو السلام سے یہ مراد ہے کہ وہ ذات نقائص اور عیبوں سے نہیں تعبیر ہو سکتی پس قدوس یعنی پاک ذات، ذات سے متعلق ہے اور سلام صفات سے۔

دوسرے (عزیز) اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کی کوئی نظیر اور مثال نہیں۔ (عزیز کا معنی ہے غالب۔ صاحب غلبہ واقتدار)

تیسرے (غفار) یعنی گنہگاروں سے درگزر کرنے والا اور عذاب نہ دینے والا۔

چوتھے (حلیم) بردبار حوصلے والا۔ بدلے میں اس طرح اپنی رحمت کو کسی پر بند نہیں فرماتا۔

پانچویں (الواحد) ایک ہے اس ذات کی خاص حقیقت صفت جس پر صفت کیا گیا ہے روحوں اور جسموں کو پیدا کرنے والا اور جہان کی اصلاح میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

چھٹا (غنی) حاجات اور ضروریات سے پاک اور بے نیاز ہے۔

ساتویں (الصبور) حلیم اور صبور میں یعنی صبر والے میں یہ فرق ہے کہ مجرم کو قادر ہونے کے باوجود اسی وقت سزا نہیں دیتا اور حلیم سزا نہ دینے کے علاوہ رحمت بھی نازل فرماتا ہے اسی طرح دوسرے الفاظ کو بھی خود بخود قیاس کر لینا چاہیے (واللہ الہادی)

⌘⌘⌘⌘⌘

Marfat.com

باب ساتواں

(ان اسماء کے بیان میں جو صفات حقیقیہ اور اضافیہ دونوں کو ظاہر کرتے ہیں اس کی چند فصلیں ہوں گی)

فصل پہلی:

ان ناموں کے بیان میں جو قدرت کا مفہوم دیتے ہیں۔ صفت قدرت پر کافی سارے نام دلالت کرتے ہیں:

پہلے: (قادر) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے پارہ نمبر ے میں قُلْ هُوَ الْقَادِرُ سے لے کر دوسری آیت کے آخر تک دیکھئے اسی طرح سورۂ قیامت میں فرماتا ہے اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانَ سے لے کر دوسری آیت کے آخر تک دیکھئے۔

دوسرے: (قدیر) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے سورۂ ملک کے ابتداء میں وھو علیٰ کُل شئ قدیر اور دوسری جگہ انہٗ علیم قدیر فرمایا۔

تیسرے: پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وکان اللہ علی کُل شئ مقتدرا ط (سورۂ قمر) کا آخر دیکھئے اس میں مقتدر فرمایا گیا۔ پارہ نمبر ۵ میں دیکھئے فرمایا وکان اللہ علی ذالک قدیرا اور ان اللہ علی کل شئٍ قدیر اور کان علیماً قدیرا۔

چوتھے: قرآن کریم میں اس صفت کو صیغہ جمع کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے۔ سورۃ المرسلات فقدرنا سے آخر تک آیت دیکھئے لفظ ملک سے بھی عظمت پائی جاتی ہے ایک خاص شرط پر فرقان حمید میں اس لفظ کا مختلف صورتوں سے بیان فرمایا گیا ہے:

پہلے: المالک جیسے مالک یوم الدین۔ مالک کے معنی بادشاہ یعنی اس کی ملکیت میں جو چیز پائی جائے۔ سارا جہان اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے وہ مالک حقیقی اور مالک مجازی بھی ہوتے ہیں۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مالک ہے حقیقی یعنی بادشاہ۔ اس کی بادشاہی میں کوئی دوسرا حقیقی مالک نہیں ہے سو اس کے اور اپنی ملکیت میں جو وہ کسی ذات کو مختار کرے تو اس کی حقیقی ملکیت میں کوئی فرق نہ آئے گا جیسا کہ مثال کے طور پر بادشاہ ملک میں گورنر، وزیر اور مشیر مقرر کرتا ہے حالانکہ وہ بااختیار ہوتے ہیں کلی حکم اس بادشاہ کا ہوتا ہے اس کے کلی اختیار میں کوئی فرق نہیں آتا اور اس کے گورنر اور مشیر وغیرہ بھی بااختیار ہوتے ہیں حالانکہ حقیقت میں مالک وہی ہوتا ہے چاہے تو اپنے مشیروں کو برخواست کردے یا رکھے تو اس سے فائدہ یہ ہے اللہ تعالیٰ حقیقی بادشاہ ہے اور مجازی اس کے حبیب ہیں لیکن حضور (ﷺ) کا سارے عالم کا بادشاہ ہونے سے اللہ تعالیٰ کی حقیقی بادشاہی میں کوئی فرق نہ آئے گا کیونکہ اس ذات نے خود مقرر فرمایا ہے جیسا کہ حبیب الٰہی نے فرمایا کہ میں زمین وآسمان کا بادشاہ ہوں میرے چار وزیر ہیں۔ دو (۲) زمین پر اور دو (۲) آسمانوں پر، زمین کے دو (۲) وزیر حضرت ابوبکر وعمرؓ ہیں آسمان کے دو (۲) وزیر جرائیل ومیکائیل ہیں تو اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ حقیقی مالک ہے اور اپنے حبیب (ﷺ) کو زمین وآسمان کا بادشاہ بنایا تو بحث چل رہی تھی مالک یوم الدین کی۔

دوسرے: (مَلِک) جیسے فتعالی اللہ ملک الحق پس بلند ذی شان۔ اللہ تعالیٰ سچا بادشاہ ہے اور مَلِک کے معنی بادشاہ کے ہیں دوسری جگہ فرمایا الملک القدوس یعنی پاک ہے وہ بادشاہ تیری جگہ ملک الناس یعنی لوگوں کا بادشاہ۔

تیسرے: مالک الملک جیسے پارہ نمبر ۳ میں مالک الملک ارشاد ہوا (ملک کا مالک)

چوتھے: اب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ملیکٍ مّقتدر (سورۂ قمر)

پانچویں: فرماتا ہے الملک یومئذِن الحق للرحمٰن یعنی آج کے دن اس وقت رحمٰن کے لئے سارا ملک ہے دوسری جگہ فرمایا لہ ملک السمٰوات والارض یعنی اسی کے لئے زمین وآسمان کی بادشاہت لفظ تقریباً قوت قریب قدرت کے معنی کی طرح ہے قرآن شریف میں اس کو مختلف شکلوں میں بیان کیا گیا ہے۔

Marfat.com

پہلے قوی: جیسے ان اللہ لقوی عزیز بے شک اللہ البتہ طاقت والا غالب ہے۔

دوسرے ذوالقوۃ جیسے ذوالقوۃ المتین فرمایا۔

فصل دوسری:

اللہ کے وہ نام جو علم سے حاصل ہوتے ہیں اس کے کچھ الفاظ ہیں:

پہلا لفظ: (العلم) اس کے تمام اشتقاق میں لفظ کا مختلف شکلوں میں ذکر ہوا ہے۔ اول اللہ تعالیٰ کے علم ہونے کا ثبوت جیسے ولا یحیطون بشیء من علمہ اور نہیں احاطہ کر سکتے کسی چیز کے ساتھ اس کے علم سے۔ دوسری جگہ فرمایا ولا تضع الا بعلمہ تیسری جگہ فرمایا قد احاط بکل شیٔ علما یعنی وہ ذات بلاشبہ ہر چیز کے علم کو احاطہ کئے ہوئے ہے چوتھی جگہ فرمایا ان اللہ عندہ علم الساعۃ

اسم دوسرا: (العالم) جیسے عالم الغیب والشھادہ تیسرا (العلیم) قرآن کریم میں یہ نام جابجا موجود ہے چوتھے (علام) اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کے قول سے حکایت فرمائی۔ علام الغیوب پانچویں اللہ (ف ۱) چھٹے (علم) ماضی کے صیغے کے ساتھ فرمایا ساتویں (یعلم) مستقبل کے صیغے کے ساتھ فرمایا وما تفعلوا من خیر یعلمہ اللہ آٹھویں (علم باب تفعیل کے ساتھ) اور فرشتوں کے حق میں فرمایا سبحانک لا علم لنا الا ما علمتنا پاک ہے تو ہمارے لئے نہیں علم۔ مگر جو ہم نہیں علم رکھتے (ف ۲) بے شک تو جاننے والا اور حکمت والا ہے فرشتوں نے کہا۔ دوسری جگہ فرمایا وعلمک مالم تکن تعلم (ترجمہ) اے حبیب پاک تجھ کو وہ علم سکھایا جو آپ ظاہرانہ جانتے تھے۔ تیسری جگہ الرحمٰن علم القرآن (ترجمہ) وہ رحمٰن جس نے سکھایا قرآن اللہ تعالیٰ کو تفعیل باب کے ساتھ معلم کہنا درست نہیں کیونکہ معلم کے معنی سکھانے والا تو اللہ ہر کسی کو سکھاتا ہے کیونکہ اس سے مفہوم کا ہلکا نقص پیدا ہوتا ہے۔ نویں لفظ علامہ، کو بھی اللہ پر استعمال کرنا درست نہیں گو اس میں مبالغہ ہے لیکن ساتھ ہی یہ معلوم ہوتا ہے کہ مبالغہ تکلیف اور مشقت کے بعد حاصل ہوا ہے اللہ تعالیٰ کو یہ ناممکن ہے خبر عَلِمَ کے مترادف ہے بلکہ بعض نے تو عَلِمَ کو خبر ہی بیان کیا ہے علیمٌ خبیر خدا کے لئے کافی جگہ استعمال ہوتا ہے اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ علم اور خبر دونوں مترادف ہیں۔

لفظ تیسرا: شہود مشاہدہ والا اگر شہود کے معنی مشاہدہ کرنے والا اور عالم کریں تو یہ لفظ بھی اللہ تعالیٰ کے ناموں سے ہوگا اس کے خلاف اگر شہادت مراد لی جائے تو یہ کلام کی صفت ہوگی لفظ شاہد اس کے لغوی معنی موجود کے ہیں اور شہود کے معنی مشاہدہ تو مشاہدہ آنکھ سے ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے لئے لفظ شاہد استعمال فرمایا اور حضور ﷺ کے لئے بھی لفظ شاہد اور شہود استعمال ہوا ہے۔ امام راغب اصفہانی شاہد کے معنی موجود کے کرتے ہیں۔ امام فخر الدین رازی شہود کے معنی مشاہدہ کے کرتے ہیں۔ صاحب خزینۃ القرآن شاہد کے معنی موجود اور سر کی آنکھ سے مشاہدہ کرنے والا کرتے ہیں۔ لیکن اللہ کے لئے جو شاہد استعمال ہوا ہے پہلے یہ کہ وہ اپنی قدرت کے ساتھ موجود ہے دوسرا یہ کہ مشاہدہ کے (ف ۳) معنی علم کی صفت ہے۔ لفظ شاہد جو حضور ﷺ کے لئے استعمال ہوا ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ شاہد اور ساری کائنات حضور ﷺ کے عین مشاہدہ میں ہے اور اللہ تعالیٰ نے حضور کے لئے شاہد سے آپ کی صفت اتم فرمائی ہے جو کسی کو حاصل نہیں لفظ شاہد حضور ﷺ کی ذات کے لئے استعمال ہوا ہے اور لفظ شہید بھی دیکھئے ان دونوں لفظوں کی نسبت لفظ شہادۃٌ بھی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے والشھادہ استعمال فرمایا لیکن وہ شہادہ علم کی صفت پر ہے لیکن شاہد اور شہید اسے کہا جاتا ہے جو موجود ہو اور اپنی آنکھ سے کسی چیز کا مشاہدہ کرے اسی لئے صاحب خزینۃ القرآن اس آیت کو بیان فرماتے ہیں۔ ومن شھد منکم الشھر۔ دیکھئے یہاں مشاہدہ موجود ہونا اور آنکھ سے دیکھنا یعنی چاند کو تو اس کے لئے لفظ مشاہدہ استعمال ہوا ہے یعنی کوئی اور لفظ استعمال نہیں اور لفظ مشاہدہ ایک ہے یعنی دونوں مطلب مراد ہیں موجود ہونا اور آنکھ سے دیکھنا یعنی موجود ہونے کے دیکھنے کے لئے مشاہدہ استعمال کیا گیا ہے، فرماتے ہیں، معلوم ہوا کہ شاہد اسے کہا جاتا ہے جو موقع پر بھی موجود ہو اور آنکھ سے بھی مشاہدہ کرے تو نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کو ساری کائنات کے لئے شاہد بنا کر بھیجا ہے تو معلوم ہوا کہ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کائنات کے لئے شاہد اور شہید اور زندگی اخروی کے لئے بھی تمام انسانوں کے شاہد اور شہید ہیں۔ شاہد اسے کہا جاتا ہے موصوف فرماتے ہیں کہ جو موجود ہو اور افعال کا عینی شاہد ہو اور حضور ﷺ سب کے افعال کے عینی شاہد ساتھ ہیں۔ امام رازی نے شہید کے معنی مشاہدہ کرنے والا سے تعبیر کئے ہیں۔ معلوم ہوا کہ حضور ﷺ ساری کائنات کا مشاہدہ کرنے والے ہیں۔

Marfat.com

(ف ۱) اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ۔

(ف ۲) ہم کوتو نے سکھا دیا۔

(ف ۳) مشاہدہ بمعنی علم ہے۔

لفظ چوتھا: (حکمت) اس لفظ سے کبھی مراد اور کبھی ترک مراد ہوتا ہے نامناسب کاموں کو چھوڑنا اور لائق مناسب کاموں کو کرنا مراد ہوتا ہے۔

لفظ پانچواں: (لطیف) کبھی اس کے معنی باریک باتوں کو جاننے کے اور کبھی عجیب وغریب ذریعوں سے پوشیدہ طور پر بندوں کو نفع پہنچانا مراد ہوتا ہے۔

فصل تیسری: ان ناموں کو بیان میں جو کلام اور اس کے قریب کرنے والے الفاظ سے حاصل ہوتے ہیں:

لفظ پہلا: اس لفظ کا استعمال قرآن کریم میں مختلف صورتوں میں بیان ہوا ہے پہلے کلام جیسے حتی یسمع کلام اللہ استعمال ہوا ہے دوسرے ماضی کے صیغے کے ساتھ جیسے وکلم اللہ موسیٰ تکلیما (ترجمہ دونوں آیات کا) اے حبیب پاک ﷺ مشرکوں میں سے اگر کوئی آپ کے پاس پناہ لینے کے لئے آئے پس اسے پناہ دے دیجئے یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے (دوسری آیت کا ترجمہ) اور اللہ نے موسیٰ سے کلام فرمائی دیکھئے اس سے ماضی کا صیغہ ثابت ہوا ہے اور کلام اللہ اس کے قریب لفظ ہے کلام کلم سے بنا ہے جس کے معنی جرح کرنا یا مؤثر کرنا ہے صاحب خزینۃ القرآن نے بہترین معنی کیا ہے۔

لفظ دوسرا: (قول) یہ مختلف مقامات پر وارد ہوا ہے پہلے ماضی کے صیغہ کے ساتھ جیسے واذ قال ربک للملائکۃ (ترجمہ) اور جب فرمایا تیرے پروردگار نے فرشتوں کے لئے قَالَ ماضی کے صیغے کے ساتھ ہے۔ دوسرے مستقبل صیغے کے ساتھ جیسے انہٗ یقول انھا بقرۃٌ بےشک فرماتا وہ ہے بےشک وہ گائے تو دیکھئے یہاں یقول مستقبل صیغے کے ساتھ ہے۔ تیسرے قیل اور قول جیسے ومن اصدق من اللہ قیلا قیل کے معنی بات کے ہیں۔ معنی یہ ہوا کہ قیل اور قال میں باتوں میں اللہ سے زیادہ کون سچا ہے تو اللہ کے لئے لفظ قیلا بھی استعمال ہوا اور قول جیسے قولہٗ الحق اس کا قول سچا ہے۔ قول کے معنی کہنے کے ہیں جیسے دوسری جگہ بھی ارشاد ہوا۔ انما قولنا لشئ

لفظ چوتھا: (شکر) اللہ تعالیٰ بندوں کا شکر گزار ہے جیسے فرمایا فاولئک کان سعیھم مشکورا اور وکان اللہ شاکرا علیما۔

فصل چوتھی:

لفظ ارادہ کے معنی کے قریب قریب الفاظ ہیں:

لفظ پہلا: جیسے یرید اللہ بکم الیُسر اولا یریدبکم العسرا (ترجمہ) اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے اور تنگی نہیں چاہتا۔

لفظ دوسرا: (رضا) اللہ تعالیٰ نے فرمایا وان تشکرون یرضہ لکم (ترجمہ) اور اگر تم شکر کرو تو وہ تمہارے لئے پسند فرماتا ہے۔

لفظ تیسرا: المحبت فرمایا یحبھم ویحبونہ ویحب المتطھرین فرمایا۔

لفظ چوتھا: الکراہۃ کراہت فرمایا کل ذالک کان سیئہٗ عند ربک مکروھا اشعریہ کراہتہ کے یہ معنی کرتے ہیں کہ فعل نہ کرنے کا ارادہ کرنا۔ معتزلہ ارادہ اور کراہتہ دو علیحدہ صفتیں مانتے ہیں۔ (واللہ اعلم)

فصل پانچویں:

الفاظ سمع وبصر جس کے معنی سننے اور دیکھنے کے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جیسے لیس کمثلہ شئ وھو السمیع البصیر نہیں مثال کوئی چیز اس کی وہی سننے اور دیکھنے والا ہے دوسری جگہ انّی معکما اَسمَعُ واَرٰی تیسری جگہ فرمایا تعبد مالا یسمع ولا یبصر (ترجمہ) کیا عبادت کرتا ہے تو اس کی جو نہ سنتا نہ دیکھتا ہے تو معلوم ہوا اللہ سنتا اور دیکھتا ہے اپنی شان قدرت کے مطابق چوتھی جگہ فرمایا لاتدرکہ الابصار وھو یدرکہ الابصار صفات حقیقہ اور اضافیہ کے ساتھ اس کا بیان ختم کرتا ہوں۔

Marfat.com

فصل چھٹی:

ان صفات کے بیان میں جو اضافیہ وسلبیہ کے ساتھ ہیں:

پہلے تو وہ مراد ہے جو اپنے اصل سے پہلے ہو اور اس سے کوئی بھی پہلے نہ ہو پس دوسروں سے پہلے ہونا یہی اضافت ہے اور کسی کا اس سے پہلے نہ ہونا یہی سلب ہے پس لفظ پہلا اضافت اور سلب سے ترکیب دیا گیا ہے (آخر) جو سب سے بعد میں ہو اور اس کے بعد کوئی نہ رہے۔ پس پہلی صفت اضافی اور دوسری سلبی ہے۔ آخر ان دونوں سے ترکیب ہے بظاہر اس لفظ میں صرف اضافت ہی پائی جاتی ہے کیونکہ اس کے معنی کی دلالت سے ظاہر ہوتا ہے۔

باطن: یہ لفظ صرف سلبی معنی ظاہر کرتا ہے کیونکہ بلحاظ شکل پوشیدہ ہونے کو باطن کہتے ہیں لفظ قیوم دونوں لفظ سلب اور اضافت سے ترکیب ہے کیونکہ اس لفظ میں مبالغہ پایا جاتا ہے مبالغہ دو (۲) کاموں کے سوا نہیں ہوسکتا کہ وہ اپنے اصل سے جس سے وہ نکلا ہے اس کا محتاج نہ ہو یہ کام واجب الوجود ذات وصفات پر ہوسکتا ہے ورنہ نہیں۔ دوسرے یہ اس کا اصل سب کے سب ذات وصفات میں ان سب کا محتاج ہو اور وہ اصل اس کے محتاج ہوں یعنی اپنے سواء وہ سب کے ساتھ ظاہر ہو پس پہلی صورت سلبی ہے دوسری صورت اضافت اور ان دونوں کے اکٹھے ہونے کو قیوم کہتے ہیں۔

فصل ساتویں:

ان ناموں کے بیان میں جو ذات وصفات حقیقیہ اور اضافیہ سلبیہ کو ظاہر کرتے ہیں:

ان تمام سے وہ لفظ اعلیٰ ہے جس میں چاروں کام ذکر کیے جاتے ہیں کیونکہ اعلیٰ سے اس ذات کا موجود ہونا اور اس وجود کی کیفیات مثلاً ازلی وابدی اور واجب الوجود لذاتہ ہونا اور صفات سلبیہ ہر عیب اور نقص سے پاک ہونا اور صفات اضافیہ (ف ۱) قدرت کا ایجاد ہونا اور تکوین غرض یہ کہ یہ لفظ ان چاروں پر دلالت کرتا ہے اس میں اختلاف ہے کہ کیا اس لفظ کا اطلاق اللہ تعالیٰ کے اصل پر ہوسکتا ہے یا نہیں۔ کفار قریش تو بتوں کو اللہ پکارتے تھے دین میں اس کی اجازت ہے یا نہیں مشہور یہی ہے کہ جائز نہیں۔ بعض جائز کہتے ہیں کیونکہ بعض وظائف میں یااللہُ اَلِهَة آتا ہے مگر یہ عقل سے دور ہے۔ لفظ اللہ کا ذکر ان شاء اللہ عنقریب ہوگا۔ کہ وہ اللہ تعالیٰ کا نام ہے لیکن کیا اس صفت پر اطلاق جائز ہے اس میں تو کوئی شک نہیں کہ جو نام اعلام سے ہیں ان ناموں سے اشارہ ملتا ہے لیکن اگر اللہ تعالیٰ کی طرف اشارہ کرنا درست ہوتا تو اس کے لئے یہ لفظ کافی مستحق تھا۔ اب اس میں اختلاف ہے کیا ذات مخصوص کی طرف اشارہ کرنے اور قائم بذات صفات کی طرف بھی اشارہ ہوتا ہے یا نہیں اگر اشارہ تسلیم کیا جائے تو بلاشبہ لفظ آلہ ان صفتوں کو مشکل نہ ہوگا فقیر کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف اشارہ عقلی ہوسکتا ہے وہ اشارہ حسنیہ سے معرّا اور پاک ہے اور اشارات عقلیہ صفات سلبیہ کو شامل ہوا کرتے ہیں مگر کبھی کبھی۔

فصل آٹھویں:

ان ناموں کے بیان میں جن کے متعلق دانا لوگوں کا اختلاف ہے کہ کیا وہ ذاتی ہیں یا صفاتی:

یہ بحث اس وقت چلی کہ جب اہل تشبیہ اور اہل تنزیہ کے درمیان مباحثہ ہوا۔ اہل تشبیہ کا یہ خیال ہے کہ موجود کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں ایک تو یہ کہ وہ کسی اچھے کام میں خود موجود ہو دوسرا یہ کہ خود اچھا ہو ان دونوں صورتوں کے سواوہ موجود نہیں ہوسکتا۔ تیسری صورت نہ کہ وہ عدم ہو اور کچھ نہیں گویا ان تینوں صورتوں میں سے کسی ایک کو اللہ تعالیٰ کے لئے تسلیم کرتے ہیں اور ایک دوسرا گروہ کہتا ہے کہ ہر ایک اچھائی تقسیم کے قابل ہوتی ہے اور قابل تقسیم محتاج ہوتا ہے پس ہر ایک اچھا کام محتاج ہوگا اور جو محتاج ہے وہ اچھا کام نہیں ہوسکتا باقی رہی دوسری صورت تو یہ اچھے کام میں حال ہوگا اور وہ یقیناً زیادہ ہی محتاج ہوگا اور جو محتاج ہے وہ اچھا کام نہیں ہوسکتا ہوگا۔ واجب الوجود لذاتہ ذات محتاج نہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ تو وہ خود بہتر ہے اور یہی کسی بہتری میں اس کا دخل ہے پس اس اصول کو لکھنے کے بعد فقیر اس طرف متوجہ ہوتا ہے ظاہر ہے کہ کئی نام ایسے ہیں جن کا اچھے کام میں دخل ہونا مفہوم ہوتا ہے جیسے عظیم فرقہ اہل تشبیہ اس کے یہ معنی کہتا ہے کہ اس کی ذات عرش پر ہے اور جو کچھ عرش کے نیچے ہے جسم

(ف ۱) ایجاد کی قدرت ہونا۔

Marfat.com

میں اور مقدار میں اس سے بڑی ہے ایسا ہی لفظ کبیر اور اس سے لفظ اکبر بھی ہے اور متکبر بھی۔ امام رازی کہتا ہے کہ میں نے کسی محقق کی زبان میں عظیم اور کبیر میں فرق نہیں دیکھا لیکن غور کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ ان میں فرق ہے۔

دلیل پہلی: حدیث قدسی میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کبریائی میری چادر ہے اور عظمت میرا تہبند ہے تو اس جگہ اللہ تعالیٰ نے کبریاء کو چادر کے قائم مقام بنایا اور عظمت کو تہبند کے اور یہ ظاہر ہے کہ چادر کا مرتبہ تہبند سے اونچا ہے پس معلوم ہوا کہ کبریائی کا درجہ عظمت سے بلند ہوتا ہے صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ عظیم اور کبر لفظاً اور (ف ۱) معناً کوئی فرق نہیں لیکن اصطلاحاً اور مفہوماً فرق ہے لیکن لفظ عظیم اور کبیر اللہ تعالیٰ کے لئے دونوں استعمال ہوئے ہیں وجہ یہ کہ لفظ عظیم اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے لئے استعمال فرمایا یا کفار کو عذاب دینے میں عذاب عظیم سے فرمایا اور لفظ کبیر بھی اپنی ذات کے لئے فرمایا مومنوں کو اجر دینے کے لئے اجر کبیر فرمایا جو قرآن کریم میں کثرت سے ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے کبریائی کو پسند فرمایا ہے پارہ نمبر ۲۵ کی آخری آیت کو دیکھئے زمین و آسمان کی کبریائی اسی کی ذات کے لئے ہے۔

دلیل دوسری: اسلام ان دونوں میں فرق کرتا ہے کیونکہ نماز میں تکبیر تحریمہ اللہ اکبر سے ہوتی ہے۔ لیکن اللہ عظیم سے نہیں اگر دونوں میں فرق نہ ہوتا۔ تو تمیز کا کیا مطلب یہ دلائل خزینۃ القرآن کے ہیں۔

(ف ۱) لفظی فرق تو بالکل ظاہر ہے ایک ع، ظ، ی اور م ہے دوسرا ک، ب، ی اور ر ہے۔

دلیل تیسری: کبیر سے جس قدر الفاظ نکالے گئے ہیں وہ سب اللہ کے لئے استعمال ہوتے ہیں جیسے اکبر، متکبر وغیرہ لیکن عظیم کا لفظ اللہ کی ذات کے لئے آیا ہے۔ لیکن (ف ۲) بلکہ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ یہ دونوں لفظ ایک دوسرے کے قائمقام ہیں۔ امام رازی بھی صاحب خزینۃ القرآن کی اتباع کرتے ہیں پس ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس عقدہ کو حل کیا جائے اور کامل بحث ہو فقیر کہتا ہے کہ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ کبیر اپنی ذات کے ساتھ استعمال ہوتا ہے ضروری نہیں کہ دوسرے کبیر کہیں یا نہ کہیں یہ صفت عام خاص کے علم میں ہو یا نہ ہو لیکن عظمت میں اس امر کا ضرور لحاظ ہوتا ہے۔ دوسرا اسے عظیم کہے تو معلوم ہوا کہ کبیر صفت ذاتی ہے اور عظمت عارضی صفت ہے اور صفت ذاتی عارضی سے بلاشبہ اس سے بالاتر ہوتی ہے پس صفت کبیر کا درجہ صفت عظیم سے بالاتر ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ اس سے بڑھ کر کچھ نہیں کہا جا سکتا تفسیر کبیر میں بھی امام رازی نے اسی پر اتفاق کیا ہے۔ امام راغب اصفہانی اما اسحاق ابن عباس اور تمام مفسرین کا اسی پر اتفاق ہے۔ بعض اللہ تعالیٰ کو عرش پر بیٹھا ہوا مانتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ وہ عرش سے کسی حد تک جدا ہے اور بعض عرش اور اس کے درمیان بہت زیادہ دوری کے قائل ہیں فرقہ مشبھہ عظیم کے معنی جسمیت اور مقدار میں بڑا ہونا اور علو اور اعلیٰ کو مکان و جہت پر محمول کرتا ہے جنہیں جسمیت اور مقدار لازم نہیں آتے۔

(ف ۲) اس سے بنے والا دوسرا لفظ قرآن مجید میں نہیں ہے۔

وجہ پہلی: اللہ تعالیٰ عظیم کبیر بلحاظ مدت وجود کہا جاتا ہے کیونکہ وہ ذات ازلی و ابدی ہے۔

دوسری وجہ: اس کا علم اور عمل کافی ہے۔

تیسری وجہ: اس کی رحمت اور حکمت وسیع ہے۔

چوتھی وجہ: اس کی ذات کامل درجہ سے بھی بڑھ کر ہے اور علو نقصوں اور عیبوں سے پاک ہوا کرتے ہیں۔

فصل نویں:

ان ناموں کے بیان میں جو ضمیروں سے حاصل ہوتے ہیں:

ضمیروں والے نام یہ ہیں اَنَا، اَنْتَ، ھو، اَنَا کے معنی میں اَنْتَ کے معنی تو ھُو کے معنی وہی۔ اَنَا پہلے درجہ پر ہے۔ اَنْتَ اس سے درمیانہ درجہ پر اور ھُو ادنی درجہ پر ہے کیونکہ اَنَا سے خود کلام کرنے والے کی ذات کی طرف اشارہ ہوتا ہے اور ہر ایک شخص اس لفظ سے اپنے سے آپ کو کہہ سکتا ہے اور اَنْتَ سے دوسرے کی طرف اشارہ اور ظاہر ہے کہ مخاطب کلام کرنے والے کا دوسرا ہوتا ہے اور تمام موجودات سے ہر ایک شخص اپنے آپ کو خوب پہچانتا ہے چونکہ مخاطب غیر ہوتا ہے اس

Marfat.com

لحاظ سے تو اَنا سے کم ہے اور چونکہ مخاطب میں موجود اور حاضر کی شرط لازم ہے اس لئے اس کا رتبہ ھُو سے بڑھ کر ہے کیونکہ ھُو غیر متکلم اور غائب دونوں کے لئے ہوتا ہے ثابت ہوا یہ تینوں الفاظ کلمہ توحید میں استعمال ہوتے ہیں جیسے سورۂ نحل کی ابتداء میں فرمایا ان انذر وانّہ لا الٰہ الا اَنَا فاتقون اور سورۂ طٰہٰ میں لا الٰہ الاّ اَنَا اللہ تعالیٰ نے فرمایا فنادٰی فی الظلمٰت ان لا الٰہ الاّ اَنْتَ باقی رہا لفظ ھُو یہ قرآن شریف میں جابجا موجود ہے جیسے سورۂ بقرہ میں لا الٰہ الاّ ھو الرحمٰن الرحیم اور سورۂ مزمل میں فرمایا لا الٰہ الاّ ھو فاتّخذہٗ قرآن شریف میں ان چار ناموں کے ساتھ کلمہ توحید کو بیان کیا گیا جیسے فرعون کے قول کو حکایتاً فرمایا قال آمنت انّہٗ لا الٰہ الا الذی آمنت بہ اس آیت سے آگے چل کر اللہ کریم نے فرمایا کہ فرعون کا یہ کہنا قبول نہیں ہوا بلکہ نامنظور ہوا۔ اس کے بعد فقیر مذکورہ قسموں کے حکموں کو بیان کرتا ہے لا الٰہ الاّ اَنَا جس پر یہ ثبوت کیا گیا ہے جو اسی کو پورا ہے اللہ کا ثبوت مفہوم ہوتا ہے اس لئے ہی کسی فرد بشر کو اپنے لئے استعمال کرنا درست نہیں البتہ اگر حکایت کے طور پر بیان کیا جائے تو اس میں کچھ حرج نہیں ذکر شدہ کلمہ کی معرفت اور پہچان اس وقت ہو سکتی ہے اگر کلمہ اَنَا کی پہچان ہو جائے۔ اس کی پہچان و معرفت اللہ کے سوا کسی کو نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ ایک ذات کو اپنی ذات مخصوصہ کی پہچان اور اس کا علم بہ نسبت دوسرے کے زیادہ کامل اور اتم ہوتا ہے۔ خاص ہوتا ہے۔ خاص کر اللہ کی ذات کا علم انسانی طاقت سے باہر ہے پس معلوم ہوا کہ اس کلمہ پر صرف اللہ تعالیٰ ہی حاوی ہے۔ درمیانی مرتبہ لا الٰہ الاّ انت کو اپنی زبان سے کہہ سکتا ہے چونکہ مخاطب میں حاضری شرط ہے اس لئے وجود حاضر پر اس کا بولنا درست ہوگا۔ غائب کی صورت پر نہیں۔ یہ حالت تو صرف یونس علیہ السلام کو نصیب ہوئی انہوں نے اپنے دل کو تمام دنیاوی خواہشات سے علیحدہ رکھا اور لذات سے خالی اس ذات میں مستغرق ہو کر یہ مرتبہ حاصل کیا اس سے یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ انسان تاوقتیکہ لذات دنیاوی اور خواہشات سے پوشیدہ نہ ہو اب رہا تیسرا مرتبہ یعنی لا الٰہ الاّ ھُو تو اس کا بولنا کافی درست ہے۔ یاد رکھنا چاہئے کہ حضوری کے مختلف درجے ہیں ہر ایک درجہ دوسرے سے مختلف کہلاتا ہے مرتبہ خاص سے جس قدر کم درجے ہوتے ہیں وہ سب ایک دوسرے سے چھپے ہوئے ہوں گے مثلاً پہلا دوسرا تیسرا اور چوتھا درجہ وغیرہ تو درجہ پہلا درجہ خاص سے چھپا ہوا ہے ایسا ہی پہلا دوسرے سے اور دوسرا تیسرے سے اور تیسرا چوتھے سے۔ اسی طرح جتنے درجے ہوں ان میں آخر تک یہی نسبت رہے گی اور مراتب حضوری کی انتہاء نہ ہونے کے سبب کمالات اور نقصانات کے درجے بھی ان گنت ہیں چونکہ غیبت اور حضوری کمالات نقص پر قائم ہے اس لئے غیبت اور حضوری کے درجے بھی ان گنت ہوں گے پس معلوم ہوا کہ ان مراتب سے کوئی مرتبہ حاصل ہو وہ دوسرے مرتبوں کے لحاظ سے چھپا ہوا ہوگا اور حاضر بھی۔ اگر کسی کو مرتبہ حضوری حاصل ہے تو وہ اپنی بالائی درجوں کی نسبت چھپا ہوا ہوگا اور اسی طرح غائب بہ اعتبار نچلوں درجوں کے حاضر۔ اسی امر کی طرف ایک شاعر کا اشارہ ہے۔

یا غائباً حاضراً فی الفؤاد

سلام علی الغائب الحاضر

شبلی رحمۃ اللہ سے حکایت ہے کہ جب آپ کی وفات کا وقت آیا تو حاضرین میں سے کسی نے کلمہ پڑھنے کی تلقین کی تو آپ نے جواباً کلمہ فرمایا جس میں ھو کے عجیب و غریب راز سربستہ اور اسرار عالیہ ہیں لیکن بعض اسرار کے پردے اٹھا کر ان کی تشریح اور توضیح ہو سکتی ہے بعض کے متعلق کچھ خیال کرنا انسانی طاقت سے باہر اور خارج از امکان ہے۔ ایک قرآن کریم کی تفسیر مصنف نے مجھ سے کہا کہ میں نے لفظ ھُو کے مختلف اسرار اور اس کے رموز کے متعلق ایک کتاب لکھی تھی لیکن بعد میں ان رازوں کی کیفیت کو جو لفظ ھُو کے پڑھنے کے وقت میرے دل میں پیدا ہوتے ہیں مقابلہ کرنے پر ان رازوں کی کچھ کیفیت معلوم نہ ہوئی نہ وہ لذت تھی، نہ روحانیت نہ اسی جیسی برکت بلکہ محض حقیر دکھائی دیتی تھی امام رازی فرماتے ہیں، اس سے ثابت ہوا کہ ھُو میں عجیب و غریب راز پوشیدہ ہیں۔ صاحب خزینۃ القرآن ھُو کے متعلق فرماتے ہیں کہ اس کے اندر تمام راز پوشیدہ ہیں جو شخص عشاء کی نماز کے بعد ہزار مرتبہ اس کا ورد رکھے عجیب و غریب راز بھی حاصل ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے بھی قرب اور کائنات کا ہر خطہ اس کے تصرف میں آسکتا ہے اور دوسرے انسانوں کے راز عین شیشے کی طرح اس کے سامنے آجاتے ہیں۔ چند راز فقیر قلمبند کرتا ہے۔

پہلا راز: جس وقت انسانوں کی زبان سے یا ھُو نکلتا ہے اس وقت انسان اپنے آپ کو کوئی شئے نہ ہونا اقرار کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی ذات میں فنائیت کا مقام حاصل کر لیتا ہے یا اللہ میری کیا ہستی جو تیری ذات کو پہچانوں اور تیرا مخاطب بنوں۔ میں کوئی چیز نہیں ہوں ربّ الارباب سے مٹی کی کیا نسبت جس کا اصل خون نطفہ ہو۔ بھلا ذات ازلی و ابدی کے مقابلہ میں اس کی کیا ہستی ہے۔ چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک۔ تیری ذات میری تمام مناسبات سے بالاتر ہے اور تمام عقلی اور خیالی رشتوں سے پاک ہے مجھ ناچیز میں تجھے مخاطب کرنے کا صرف یارا ہی نہ تھا اس لئے تیرا بندہ تجھے غیبی اصول کے ساتھ پکارتا ہے۔

Marfat.com

دوسرا راز: جس طرح انسان اس لفظ کے ذریعے اپنی عاجزی اور انکساری ظاہر کرتا ہے۔ اسی طرح اس کام کی طرف بھی یاھُو سے اشارہ ہوتا ہے اے اللہ تیرے سواء کوئی چیز باقی نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ جب انسان یاھُو کرکے پکارتا ہے تو اگر واقع میں دو چیزیں ہوئیں تو لفظ ھُو کو دونوں پر حاوی ہونا چاہئے۔ دونوں میں سے ہر ایک مقرر نہ ہو لیکن وہ ھُو کہہ کر پکارتا رہا جو مفید یقینی ہے اور اس تعین سے کل ماسواء اللہ تعالیٰ کو عدم قرار دیتا ہے۔

تیسرا راز: جس وقت انسان صفت اللہ تعالیٰ سے اس کی عبادت میں مصروف ہوتا ہے تو اس وقت وہ معرفت اللہ تعالیٰ میں مستغرق نہیں ہوتا۔ کیونکہ یارحمٰن سے اس کی رحمت یاد کرتا ہے اور اس کا دل حصول رحمت کے سواء دوسری طرف مائل نہیں ہوتا اس کی طلب سے آگے نہیں بڑھتا بلکہ رحمت کا امیدوار ہوتا ہے اور اپنے مقسوم کو چاہتا ہے۔ پس انسان جس صفت کے ذکر کو شروع کرتا ہے تو اسی صفت کا طالب بن جاتا ہے۔ جب ھُو کہہ کر پکارے گا تو وہ تمام زمین وآسمان کے موجودات سے اپنی روح کو پھیر کر صرف اسی ذات کی معرفت اور اسی کو چاہے گا اس کا دل تمام موجودات سے بے باک ہو کر اس کی ذات کا طالب اور اس کے حصول میں مصروف ہو کر باقیوں کو نیچی نگاہ سے دیکھے گا اس وقت اس کے دل میں ایک خالص نور پیدا ہو جاتا ہے جو اس کو تمام دنیاوی ضرورتوں سے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کے سواء کسی دوسرے کے ذکر سے پاک وصاف طاہر ومنور بنا دیتا ہے۔

چوتھا راز: اللہ تعالیٰ کی صفتیں مخلوق کو جس قدر معلوم ہیں وہ یا تو جلالی ہیں یا کرامی ہیں یا تعظیمی صفات جلالی جیسے وہ ذات جسم اور جوہر سے خالی ہے نہ اس کا کوئی مکان نہ محل ان صورتوں میں ایک باریک راز ہے کیونکہ اگر کوئی شخص بادشاہ کی مدح وتعریف برے کام اور ان صفتوں سے جو خیالی ہوں ان کی نفی کر کے جیسے کوئی کہے کہ تو اندھا نہیں بہرہ نہیں اسی طرح مختلف عیبوں اور نقصوں کی تردید سے بادشاہ کی صفت میں شروع ہو تو بلاشبہ وہ سزا وگوشمالی کا مستحق ہوگا حالانکہ اس نے تعریف کی ہے برے لفظوں سے دوسری قسم صفات لفظی جیسے وہ ذات مخلوق خالق ہے موجودات کو اچھا سلسلہ اور اعلیٰ نظام میں پرونے والی ہے اور فلاح وبہود کے سبب پیدا کرنے والی عمدہ ترین مخلوق کو آراستہ بنانے والی ہے ان صفات میں عجیب راز پوشیدہ ہیں اس کی دو (۲) وجہیں ہیں:

وجہ پہلی: بلاشک یہ تحقیق شدہ امر ہے کہ کمالات الٰہی کمالات مخلوقی سے بالاتر اور ان گنت درجوں پر فوقیت رکھتے ہیں۔ لیکن اگر ہم صفات الٰہی کو مخلوقی کمال کی طرح شمار کرنے سے محدود بنا دیں یا جن کو کل کمالات سے ذرہ بھر بھی نسبت نہیں تو کمالات کردگاری لغت اور صفت نہیں اور یہ بے ادبی میں داخل ہے۔

وجہ دوسری: اگر ہم کسی بادشاہ کی یوں تعریف کریں کہ اس نے فلاں محتاج کو روٹی کھلائی اور تھوڑا سا پانی دیا اس سے تضحیک ہوگی اور یہ معلوم ہے کہ عرش سے فرش تک کی مخلوقات الٰہی کو خزانوں کی موجودات میں وہ نسبت بھی نہیں ہے جو روٹی کے ٹکڑے اور پانی کی ایک بوند کو دنیا کے خزانوں سے نسبت ہے یہ بالکل ناممکن ہے کیونکہ اس کی ذات وسیع ہے پس مذکورہ بالا اصولوں سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی تعریف جو درود ووظائف کے ساتھ ہے اس کی تعریف کون کر سکے جہاں کے نفوس اس خیال میں غرق ہیں جب انسان اپنے نفس کو عالم حسی اور خیالی کے دربار سے نکال کر عالم مقدسہ کی طرف لے جاتا ہے تو اسے اس امر کی ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ وہ اس بارگاہ عالیہ کی صفتیں خوب بیان کرے جو اس دربار کا اسے مشتاق بنا دیں لیکن انسان کی ضرورت برآئی جو صفات اجلالی اور کرامی (تعظیمی) کے ظاہر نہیں ہو سکتی اس لئے وہ انہیں پر ہمیشگی اختیار کر لیتا ہے حتیٰ کہ نفس عالم قدس کا خوب مشتاق اور پورے طور پر اس دربار پر راغب ہو کر عالم حسی سے اپنی توجہ ہٹا لیتا ہے اس کے بعد نفس انسانی ذکر شدہ اعتراضات کو محسوس کرنے لگ جاتا ہے اور ان پر خبردار ہو کر ان ذکروں کو چھوڑ کر (یاھُو) کا نعرہ بلند کر دیتا ہے جس کا مطلب یہ ہے اللہ تعالیٰ تیری درگاہ میری تعریف سے بالا ہے اور تیری تعریف میں مجھ سے نہیں کچھ ہو سکتا ہے میں جانتا ہوں تیری حضوری عالی اور مخلوقات سے بالاتر ہے۔ پس معلوم ہوا کہ یہ چھوٹا سا کلمہ مقام تجلی اور مکاشفہ میں کس قدر اسرار اور رموزات سے آگاہ کر دیتا ہے تمام ذکروں سے اس کا ذکر بہت بزرگ اور بلند ترین ہے بشرطیکہ ان تمام رموز سے باخبر ہو۔

پانچواں راز: اس کلمہ ذکر سے انسان کے دل میں قربت الٰہی کا شوق پیدا ہوتا ہے دیکھئے غوث قطب اولیاء اسی کلمہ کی بدولت غوث قطب اولیاء ہوئے ہیں جو فنافی اللہ کے مقام تک پہنچے ہیں اس کلمہ کے ذریعے بعض بزرگ ذکر خفی کرتے ہیں بعض ذکر جلی اور بعض ھُو کو صرف دل کا نقش بناتے ہیں وہ ھُو میں محو ہو جاتے ہیں اور بارگاہ الٰہی کا شوق تمام دیگر مقامات سے خوش اثر اور سعادت سے لبریز ہے۔ فقیر کا یہ کہنا ہے کہ اس کلمہ کا شوق دل میں حقیقت پیدا کرتا ہے اس کی یہ وجہ کہ ھُو ضمیر غائب ہے نیز جب زبان سے نکلتا ہے تو وہ اپنے آپ کو حق سے پوشیدہ جانتا ہے اس کے بعد انکشاف راز ہوتا ہے جب معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ تمام صفات جو ممکنات اور مخلوق میں پائی جاتی ہے اور کل

Marfat.com

محدثات حق سبحانہ ہو کے قرب سے دور اور محروم ہیں تو وہ تاڑ جاتا ہے کہ غیب اس سبب پر مبنی ہے کہ ہمارے کمالات وصفات نقائص سے پُر ہیں ہم محتاج ہیں وہ مستغنی اور ضرورتوں سے پاک ہے اس کے ساتھ ہی اسے اس بات کا یقین پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ ذات قسما قسم کی کمالات کی جامع اور مخلوقات کو اس پاک ذات سے نہ بلحاظ صفات اور نہ بلحاظ کمالات کچھ بھی نسبت نہیں اور اس کا تصور عقل وفکر وذکر کی آنکھوں سے پوشیدہ ہے۔ اب اس مرتبہ پر پہنچ کر انسان کمالات ایزدی سے اس وجہ سے واقف ہوتا ہے لیکن واقف ہوتے ہی تمام وجوہات سے کمالات مرتبے اور درجات کے شوق کا دامن گیر ہو جاتا ہے لیکن ان مراتب اور درجات کی کثرت کے سبب شوق کے درجوں کی بھی انتہاء نہ ہوگی چونکہ انسان کا ان مرتبوں تک پہنچنا آسانی سے بالاتر ہے اس لئے دوسری طرف شوق کی طاقت اور استقامت بڑھتی جائے گی پس مذکورہ تقریر سے ثابت ہوا کہ لفظ ھُـــو محرک شوق کے لئے ہے اور فقیر کا یہ کہنا الٰہی تمام مقامات سے بالاتر ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ شوق میں لذت مزہ بھی ہوتا تو جس قدر اس کی طرف پہنچے گا اتنی ہی لذت حاصل ہوگی۔ تکلیف کے بعد خوشی اور بدمزگی کے بعد لذت حاصل ہونے سے انسان کے دل میں سرور اور شگفتگی اور لذت زیادہ ہوا کرتی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے اعظم مقامات شوق اللہ کی سے طرف ہے۔ ثابت ہوا کہ اس مختصر کلمہ پر ہمیشگی اختیار کرنے سے شوق پیدا ہوتا ہے اور اللہ کی طرف شوق تمام مقامات سے بڑا ہے نتیجہ یہ ہوا کہ اس کلمہ کی وجہ سے بلند مقامات شان اور بلند مرتبوں کی سیر ہوتی ہے۔

چھٹا راز: اس کلمہ کے ذکر کے جلال کو بیان کرنا مقصود ہے لیکن دو مقدموں کے ذکر کرنے کے بغیر اس کا مقصد پورا نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا:

پہلا مقدمہ: علم کی دو قسمیں ہیں، (۱) تصورات، (۲) تصدیقات، تصور اس ذہنی صورت کو کہتے ہیں جس کے متعلق عدم کے وجود کا حکم نہ ہو۔ اور تصدیق اس خاص ذہنی صورت کو کہتے ہیں جس کے متعلق وجود یا عدم میں سے کوئی ایک حکم لگایا گیا ہو پس تصور توحید کا مرتبہ اور تصدیق کثرت کا مرتبہ ہے۔

دوسرا مقدمہ: تصور کی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ تصور جس میں عقلی تصرف ہو۔ ایک وہ تصور جس میں عقل تصرف نہ کر سکے۔ قسم پہلی ان کی شکلوں کا تصور ہوتا ہے جب تک مرکب کی جزویں علیحدہ علیحدہ ذہن میں موجود نہ ہوں نہیں ہوسکتا باقی دوسری قسم جو شکل بسیطہ سے مرکب جزویں نہیں تصور ہوتا ہے تو انسان ایسی شکلوں میں تصرف رکھنے سے عاجز ہوتا ہے جس کے ذریعے اس کا استحضار ہو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تصدیق تصور کی نسبت مرتبہ توحید میں ہے تـنـزیـہ بسیطہ کی شکل میں غایت درجہ کی توحید ہوتی ہے اور کثرت سے بہت دور ہے اس تمہید کے بعد فقیر کہتا ہے کہ کلمہ یا ھُو صرف تصور ہے، تصدیق نہیں یہ اس کی ذات کا تصور ہے۔ جو تمام طرفوں سے خالی ہے تو اس ذات کی توحید کلمہ یا ھُو سے غایت درجہ کی توحید میں ہوگا یہ مقام تمام مقامات سے بزرگ ترین مقام ہے۔

ساتواں راز: اس امر میں کہ ہر چیز کی تعریف اس کی عین تعریف کے بیان کر دینے سے یا ان جزوں کو بیان کرنے سے جو اس چیز کی ذات میں داخل ہوں یا ان کاموں سے جو اس کی ذات سے خارج ہیں ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تعریف صرف اس کی ذات بیان کر دینے سے تو نہیں ہوسکتی کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ اس کی تعریف سے پہلے ہمیں اس ذات کا علم ہو اور یہ اللہ تعالیٰ کے حق میں محال ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ جزوں سے مرکب نہیں ہے اس سے اس کی تعریف کو جزوں سے پاک ہے جزوں سے ایک ماننا ہوگا اب رہی یہ صورت کہ اس ذات کے امورات خارجیہ سے اس کی تعریف ہو یہ بھی محال ہے کیونکہ مخلوق کے مختلف احوالوں میں سے کوئی ایک بھی احوال نہیں جو ذات واجب الوجود قدیم ازلی سے ذرا بھی نسبت رکھتا ہو اس لئے کہ اس ذات کی شکل اور حقیقت اپنے تمام مبداء سے خلاف ہے اور ایک جیسی نہیں ظاہر ہے کہ مخلوق کے احوال سے ذات الٰہی کا علم نہیں ہوسکتا اب کوئی طریقہ نہیں جس کے ذریعے ذات الٰہی کی تعریف کی جائے البتہ ایک صورت ہے جس کے وسیلہ سے اس شکل مقررہ حقیقت خاص کی تعریف ہوسکتی ہے اس طریقہ کے ساتھ کہ انسان اپنے آپ کو اس ذات کے مبداء نور کی طرف اس امید کے ساتھ کامل طور پر متوجہ بنائے اس طرح حالت توجہ اس نور کی جھلک سے منور ہو کر معرفت الٰہی سے شرف حاصل کرے۔ پس جب کوئی یاھُـــو پڑھتا ہے گویا وہ اپنے دل وجان، عقل وروح کو اس ذات کی طرف متوجہ بنا کر اسی میں غرق ہو جاتا ہے ممکن ہے کہ امید کا گوہر ہاتھ آئے اور وہ سعادت مند ہو۔

آٹھواں راز: انسان جب بڑے جلیل القدر دبدبہ بارعب بادشاہ کے دربار میں پیش ہوتا ہے اور اس کی عقل اس کے جاہ وجلال کو محسوس کر کے اس قدر متاثر ہوتی ہے کہ اس کے ہوش وحواس قائم نہیں رہتے اس پر ایک حالت پیدا ہو جاتی ہے جو اسے ماعدا سے غافل بنا دیتی ہے حتیٰ کہ سخت سے سخت درد کیوں نہ ہو، بھلا دیتی ہے۔ باپ وبیٹے کی شناخت ختم کر دیتی ہے اسی طرح انسان جب یـــاھُـو پڑھے اور اس ذات کے جلال کے نور سے تھوڑی سی جھلک ذاکر کی عقل اور روح کو حیران اور بے ہوش بنا دے اور تمام

Marfat.com

ماعداہ سے بے خبر ہو جائے۔ اس وقت اس حالت کے طاری ہونے پر فنافی الذات ہو کر عقل و زبان سے ھُو کے سواء کچھ نہیں نکلتا اگر انسان ھُو کے ذکر پر ہمیشہ کاربند رہے اس میں وہی حالت پیدا ہو جانے کی توقع ہو سکتی ہے۔

نواں راز: حدیث شریف سے بھی اس کلمہ کے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا تمام غموں سے فارغ ہو کر صرف ایک امر کا غم رکھے تو اللہ تعالیٰ اسے تمام دنیاوی و اخروی غم سے نجات دیتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ انسان یہ کہتا ہے کہ میرے دنیاوی اخروی غموم اور حاجات ان گنت ہیں انہیں دور کرنے کی طاقت اس کو ہی لائق ہے جس کی قدرت اور رحمت وسیع ہے پس انسان اپنے تمام غموں کو چھوڑ کر صرف ذکر الٰہی ہی میں اپنے دل اور زبان کو مشغول کرے جو انسان کی تمام ضرورتوں کو (دنیاوی و اخروی) کو کافی ہوگا۔

راز دسواں: انسان استغراق کے وقت اپنی عقل کو دوسرے کاموں میں نہیں لگا سکتا اور جس علم میں مستغرق ہے اس کی عقل اس کام میں لگی رہتی ہے جب انسان تمام چیزوں سے فارغ ہو کر اپنی توجہ کو صرف ایک چیز کے لئے وقف کر دے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہر وقت میں نے اپنے ذہن کو کسی ایک کام میں لگایا تو اس وقت میرے ذہن میں اس کے سواء باقی سب علم نکل گئے چونکہ یہ مجھے لازم معلوم ہوتا ہے اس لئے فقیر اس کو بہتر سمجھتا ہے کہ اپنے دل کو فکر اور عقل کو زیادہ اچھی معلومات میں صرف کرے اور اپنی زبان اچھے ذکروں پر جاری رکھے یہی سبب تھا کہ فقیر نے یاھُو پر ہمیشگی اختیار کی۔

گیارہواں راز: تمام باتوں سے ذکر اچھا ہے۔ نبی پاک علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے حکایت بیان فرماتے ہیں کہ جب بندہ اپنے دل میں مجھے یاد کرتا ہے تو میں اسے اپنے دل میں یاد کرتا ہوں۔ اگر وہ مجلس میں بیٹھ کر یاد کرے تو میں اس سے بہتر مجلس میں اس کا ذکر کرتا ہوں اس کے بعد فقیر کہتا ہے کہ تمام ذکروں سے اس ذکر کی فضیلت بلند ہے جس میں کسی چیز کا سوال نہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کو جو میرے ذکر میں کسی سوال کے بغیر مشغول رہتا ہے تو میں اسے تمام سائلوں سے بڑھ کر عطیہ دیتا ہوں اس مقدمہ کے بعد فقیر کہتا ہے کہ انسان محتاج اور فقیر ہے اگر وہ اپنے حاجت روا کو ایسے الفاظ سے یاد کرے جس سے کسی چیز کی طلب معلوم ہو مگر ظاہر لفظوں میں سوال پیش نہ کرے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اصل میں کچھ مانگ رہا ہے مثلاً اگر کوئی فقیر غنی کو یا کریم کہہ کر یاد کرے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ سخاوت کر اور یا نفاع کہے گا تو اس کے معنی نفع طلب کرنے کے ہوں گے۔ ایسا ہی اگر یا رحمٰن کہے گا تو اس کی مراد یہ ہوگی کہ رحم کر۔ پس معلوم ہوا کہ اس قسم کے ذکر سوال ہوتے ہیں۔ فقیر پہلے کہہ چکا ہے کہ تمام ذکروں سے وہی ذکر افضل ہے جو سوال سے خالی ہو نتیجہ یہ ہوا کہ یاھُو چونکہ سوال اور طلب ضرورت سے خالی ہے اس لئے اس ذکر کی تمام ذکروں پر فوقیت ہوگی اب فقیر اس ذکر کو ختم کرتا ہے۔ اس فصل کے لطائف میں سے ایک یہ بھی ہے کہ شیخ امام غزالیؒ فرمایا کرتے تھے کہ لا الہ الا ھو (ف ۱) عوام کے لئے کلمہ توحید ہے اور خواص کا لا الہ الا ھو کلمہ توحید ہے شیخ کا یہ قول امام رازی کہتے ہیں مجھے پسند ہے یہی فرمان تفسیر خزینۃ القرآن سے بھی نقل ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن لا الہ الا ھو کا کلمہ توحید فرمایا کرتے تھے۔ امام غزالی نے بھی موصوف کی عبارت اور قول نقل فرمایا ہے۔ فقیر بھی اسی کو بہت پسند کرتا ہے۔ یہ عقلی اور نقلی دونوں دلائل سے ثابت ہے: (ف ۱) لا الہ الا اللہ

دلیل نقلی: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے سورۃ قصص میں لا الہ الا ھو کل شیٔ ھالک اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اعلیٰ درجے کی توحید اسی کلمہ میں ہے۔

دلیل عقلی: بعض کا خیال ہے کہ فاعل کی تاثیر ثابت شکل میں نہیں ہوا کرتی۔ اس میں صرف شکل کو موجود کرنے کی طاقت ہوتی ہے۔ فقیر کہتا ہے کہ وجود بھی ایک شکل ہے پس اس میں بھی اس کی تاثیر نہیں ہونی چاہئے اگر وہ اس کو تسلیم کر کے یہ کہیں کہ شکل صرف موصوف کو وجود کے ساتھ کر دینا ہے۔ فقیر کہتا ہے کہ اگر شکل موصوف کے مخالف نہیں ہے تو فاعل کی طرف اس کی نسبت کرنا منع ہوگی۔ مگر مخالف کے لئے بھی وجود ہونا چاہئے۔ پس ثابت ہوا کہ شکل سے تاثیر نہ تسلیم کرنے سے بنانے والے اور اس کے سنانے کا کچھ وجود نہیں رہتا بلکہ بالکل ختم ہو جاتا ہے اور یہ باطل ہے معلوم یہ ہوا کہ مؤثر کی تاثیر میں شکل ہوا کرتی ہے جس چیز کا وجود کسی دوسری چیز پر مبنی ہے۔ جس پر وہ مبنی ہے اس کی نفی سے مبنی کی نفی ہوگی یعنی دونوں میں سے ایک چیز کے مٹنے سے دونوں مٹ جائیں گی اگر مؤثر نہ ہوگا تو شکل شکل نہ رہے گی۔ اور حقیقت حقیقت نہ ہوگی تو گویا ماہیت کو ماہیت مؤثر یا دوسرے لفظوں میں فاعل بنا سکتا ہے ورنہ مؤثر کی تاثیر کے بغیر نہ شکل رہی، نہ وجود نہ حقیقت ظاہر ہو گیا کہ (لاھو) (الا ھو) سچا ٹھہرا۔ کیونکہ اس کے یہ معنی ہیں کہ کوئی چیز اور شکل یا حقیقت مقرر اور ثابت نہیں ہو سکتی اور کوئی وجود وجود نہیں ہو سکتا اس وقت تک کہ وہ ذات اپنی تاثیر سے مؤثر نہ بنے۔ یہ عقلی دلائل امام رازی نے تفسیر خزینۃ القرآن سے نقل کئے ہیں۔ امام غزالی کے بھی یہی دلائل ہیں تو عقلی دلائل سے بھی یہ کلمہ توحید لا الہ الا ھُو ثابت ہوا، اب اس کا معنی بھی معلوم ہو گیا۔

Marfat.com

باب آٹھواں

(اللہ تعالیٰ کے ناموں کے مباحث میں ، اس میں چند مسائل ہیں)

مسئلہ نمبر 1:

علماء کا اختلاف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام توفیقی ہیں یا اصطلاحی بعض کا خیال ہے کہ کسی نام کا اطلاق اللہ تعالیٰ کی ذات پر جائز نہیں تاوقتیکہ حدیث اور قرآن کریم سے ثابت نہ ہو دوسرے گروہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے تمام نام جو اللہ تعالیٰ کی جلالت کو ظاہر کرتے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ سے منسوب کرنا جائز ہے۔ شیخ امام غزالیؒ فرماتے ہیں اور صاحب خزینۃ القرآن بھی کہ اس کی صفات اور ناموں میں فرق ہے مثلاً محمد ابوبکر قبیل ناموں میں سے ہے "یا ہو" فقیہہ ہونا یہ سب صفات ہیں۔ اللہ تعالیٰ پر وہی نام جائز ہیں جن کا قرآن کریم میں ذکر ہو اور صفات کے لئے کوئی شرط نہیں مثلاً اصطلاحی ہیں۔ فریق پہلے کی یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دوسرے کل ناموں سے مثلاً عالم مقرر کر لیا ہے لیکن طبیب فقیہہ نہیں۔ کیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام اصطلاحی نہیں بلکہ توفیقی ہیں۔ جواب یہ ہے کہ حدیث شریف سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کو طبیب کہتے ہیں سیدنا ابوبکر صدیقؓ بیمار ہو گئے تو کسی نے عرض کیا، کیا طبیب کو بلا لیا جائے۔ آپ نے فرمایا کہ طبیب نے ہی تو مجھے بیمار کیا ہے۔ فقیہہ اس کو کہتے ہیں جو کلام کرنے والے کے کلام سے اس کی اصل غرض کو شبہ کے بعد سمجھ لے اللہ تعالیٰ کے لئے قید شبہ نہیں یقین اس علم کو کہتے ہیں جو متواتر علامات اور دلائل کے مجموعہ سے فائدہ مند ہو۔ اللہ تعالیٰ کے حق میں محال ہے۔ تعین کسی چیز کے علم نہ ہونے کو کہتے ہیں اور امانت دو ملی ہوئی چیزوں کو جدا کرنے کو کہتے ہیں۔ دوسرے فریق کی طرف سے یہ دلیلیں ہیں:

دلیل پہلی: اللہ تعالیٰ کے نام فارسی ترکی ہندی میں بھی موجود ہیں لیکن قرآن کریم وحدیث شریف میں موجود نہیں اور انہیں اتفاق کے ساتھ جائز کیا گیا ہے۔

دلیل دوسری: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **وللہ الاسماء الحسنیٰ فادعوہ بھا** اسم کی خوبی اسی میں ہوتی ہے۔ (ترجمہ) اور اللہ کے لئے تمام نام خوب صورت ہیں پس ان کے ساتھ تم اس کو پکارو۔

دلیل تیسری: الفاظ میں تو صرف معنی کا لحاظ ہوتا ہے اگر معنی نہیں تو لفظ کسی قابل نہیں۔ پس جن الفاظ کے معنی درست ہوں ان پر ناجائز کا فتویٰ نہیں۔ امام غزالیؒ کی یہ دلیل ہے کہ ہم میں سے اگر کوئی کسی کا نام تراشنا شروع کر دے تو سوادبی میں شمار ہوتا ہے لیکن بخلاف اس کے صفات میں کچھ حرج نہیں سمجھا جاتا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے بارے میں سمجھ لو۔

مسئلہ نمبر 2:

بعض مقام پر قرآن کریم میں ایسی صفتوں کا ذکر ہے جو اللہ پاک کی ذات کے لائق نہیں، ان میں سے چند کو بیان کرتا ہوں۔

پہلا: الاستہزاء، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، جہالت استہزا کو لازم ہے جیسے موسیٰ کی قوم نے **اتخذنا ھزواً** سے خطاب کیا۔ پکڑا ہمیں ٹھٹھا مسخری تو آپ نے جواب میں **اعوذ باللہ ان اکون من الجاھلین** فرمایا۔

دوم: مکر جیسے **مکروا ومکر اللہ** مکر کے معنی خفیہ تدبیر سوچنے کے ہیں اور لفظ مکر اس کی ذات کے لئے ناجائز ہے۔ یہ رب تعالیٰ نے صرف تعبیر کے لئے فرمایا۔ تیسرے الغضب جیسے **وغضب اللہ علیھم** چوتھے العجب جیسے **بل عجبت ویسخرون** پانچوں التکبر جیسے فرمایا یہ صفات ذمیمہ سے ہیں چھٹے الحیاء جیسے ان

Marfat.com

اللہ لا یستحیی انّ یّضرب حیاء تغیر کو کہتے ہیں جو برے کام کے بعد انسان کے چہرے اور دل میں پیدا ہوتا ہے۔ مثلاً جس پر غضب کیا گیا ہو اس کی طبیعت میں تخی اور خون کا دل میں جوش مارنا غضب کی دل میں حالت پیدا کرتا ہے۔ اور جس پر غضب کیا گیا ہو اس کو نقصان پہنچانا غضب کا نتیجہ ہوتا ہے۔ جب اللہ کی طرف غضب کی نسبت ہو تو اس کے نتائج کو خیال کرنا چاہئے ابتدائی کام ہرگز نہیں سمجھنے چاہیں ایسے ہی دوسری صفتوں میں خود قیاس کرو۔

مسئلہ نمبر 3:

امام رازی فرماتے ہیں کہ مجھے بعض کتابوں سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے چار ہزار نام ہیں۔ قرآن اور حدیث میں ایک ہزار، زبور میں ایک ہزار، انجیل میں ایک ہزار، اور تورات میں ایک ہزار ہے لیکن ان کے علاوہ لوح محفوظ میں بھی ایک ہزار درج ہیں جن سے انسان ناواقف ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن اپنی تفسیر میں ایک حدیث درج کرتے ہیں۔ حضرت علیؓ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ (ﷺ) لوحِ محفوظ پر اللہ تعالیٰ کے کتنے نام ہیں۔ حضور (ﷺ) نے فرمایا بے شمار اور فقیر کا اتفاق بھی اسی پر ہے جس شخص کو عالم سفلی اور علوی دونوں میں تدبیر الٰہی کی حکمتوں کا جس قدر علم ہوگا۔ اسی قدر اسے ناموں کی بھی واقفیت ہوگی۔

تشریح:

انسان کے بدن کے مطالعہ سے ثابت ہوگا کہ پیدائش بدن انسانی میں اللہ تعالیٰ کی حکمت اور رحمت کی دس ہزار قسمیں موجود ہیں تو مطالعہ کرنے والے کی عقل دنگ رہ جاتی ہے جب اللہ تعالیٰ کے دس ہزار نام کی مدح وثناء اور توصیف کا علم ہو جائے گا اور معلوم ہو جائے گا کہ تمام حکمتیں اور تدبیریں جن سے وہ اس وقت لاعلم ہے ان حکمتوں سے بہت زیادہ ہیں جن کا اسے علم ہے جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وان تعدوا نعمة اللہ لا تحصوھا (ترجمہ) اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو شمار نہ کر سکو گے۔ تو فوائد حکمتوں کو ہر ایک کو کسی ایک حکمت سے فائدہ ہے چونکہ اللہ کے مرتبہ حکمت کا سلسلہ ان گنت ہے اس کے خوب صورت نام بھی ضرور ان گنت ہیں۔ جالینوس نے کتاب منافع الاعضاء میں لکھا ہے کہ جب میں اس کتاب کو تصنیف کرنے سے فارغ ہوا۔ منافع اعضاء تو لکھ دیئے مگر میں نے نور کے مجموعہ فائدوں کو اس خیال سے درج نہ کیا کہ وہ بہت بلند پایہ چیز ہے میں کمزور اور حقیر ہوں ایک رات مجھے آسمان سے فرشتہ اترتا ہوا دکھائی دیا مجھے مخاطب کر کے یوں بولا کہ اے جالینوس تیرا خالق تجھے کہتا ہے کہ تو نے میری حکمتوں کو میرے بندوں سے کیوں چھپا رکھا ہے تو میں نے مجمع النور کے فوائد میں بڑی شرح کے ساتھ ایک علیحدہ کتاب تحریر کی۔ پس ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے خوب صورت ناموں کی کوئی تعداد نہیں۔

مسئلہ نمبر 4:

امام رازی کہتے ہیں کہ میں نے تعویذ گنڈہ کی کتابوں میں کافی ذکر اور وظیفے دیکھے ہیں جو سمجھ میں نہیں آسکتے چونکہ ایسے ذکروں کے معنی معلوم نہیں تو اسی طرح ان کی کتابت بھی ہوئی ہوگی۔ اب فقیر کہتا ہے کہ کتاب سے لفظ ذہنہ کو واقف کرتے ہیں۔ مذکورہ بالا ذکر اگر فائدہ مند نہیں تو بالکل لغو ہے اگر مفید معنی ہیں وہ صفات الٰہی اس کی کبریائی پر دلالت کرتے ہوں گے یا اس کے سوا کوئی تیسرے معنی ہوں گے، مگر تیسرے معنی سے کسی قسم کا فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ کیونکہ ذکر خداوندی کے اصل ماعدا سے نہ تو ترغیب ہو سکتی ہے نہ ہی ترہیب پس معلوم ہوا کہ وہ اذکار مدح وتعریف الٰہی پر مشتمل ہیں چونکہ ذکر ایزدی پر کسی قسم کی زیادتی نہیں ہو سکتی تو یہی بات تھی کہ ان کلمات کے احوال بھی لغت سے اختلاف پیدا کرتے ہیں وہ چنداں مضر نہیں۔ اکثر لوگوں کی پیدائش کمزور ہوتی ہے تو معنی تو سمجھ لیں گے مگر چونکہ ان کے نفوس قوی اور بلند خیال نہیں ہوتے تو ان کے ذکر سے بھی متاثر نہیں ہوں گے۔ پس نہ تو ان میں طاقت پیدا ہوگی نہ دوسرے کے مؤثر کرنے کی طاقت ہے لیکن اس کے خلاف اس کے اگر لفظ مجہولۃ المعنی کو اس عقدہ کے ساتھ کہ وہ بڑے بزرگ کلمات ہیں، پڑھے گا تو اسے ان لفظوں سے کچھ سمجھ نہ آئے گا تاہم ان کے دل پر خوف پیدا ہو جائے گا اور وہ مرعوب ہوگا تو اس وقت انہیں ایک قسم کی رفعت حاصل ہو سکتی ہے اور عالم بالا کی طرف اس کی توجہ ہونے سے اس کا دل طاقت ور ہوگا۔ اس میں اثر کرنے والے کی طاقت بھی ختم ہو جائے گی۔

مسئلہ نمبر 5:

مخلوقات اور اللہ کے ناموں میں عجیب نسبت پائی جاتی ہے۔ جو ہر ایک عقلمند کو معلوم ہونی چاہئے تاکہ وہ ذکر سے مستفید ہو، اس مسئلہ سے پہلے ایک مقدمہ عقلی

Marfat.com

ضروری ہے طبیعۃ میں اختلاف ایک مسلمہ امر ہے۔ بعض کی طبیعت کا میلان سخاوت بخش ہوتا ہے اور بعض کی طبیعت کنجوس ہوتی ہے بعض میں رحم زیادہ ہوتا ہے بعض سخت طبیعت ہوتے ہیں بعض کو موجودات سے کچھ بھی محبت اور رغبت نہیں ہوتی۔ بعض کی طبیعت میں بلند پروازی اور حکومت کرنے کا شوق ہوتا ہے غرض یہ کہ تمام انسانی طبائع یکساں نہیں بلکہ مختلف ہیں اس کے بعد اور تھوڑا سا غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ احوال طبیعت سے اس قدر چمٹے ہوئے ہیں کہ وہ علیحدہ نہیں ہو سکتے۔ اگر کوئی خاص کام سے رغبت رکھتا ہے یہ معمولی نہیں بلکہ ریاضت اور مجاہدہ سے بھی تبدیل نہیں ہو سکتے بلکہ اپنے اصلی احوال پر قائم رہتے ہیں البتہ ریاضت سے ان میں ضعف ممکن ہے مگر ان سے انسانی طبیعت مغلوب ہو کر نہیں بدل سکتی بلکہ مشکل ہے اس کی طرف رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے الناس معاون الذھب اس کے بعد فقیر کہتا ہے کہ ملاپ کی اصل وجہ علت اتحاد حسّی ہے اللہ تعالیٰ کے نام کا ہر ایک اسم خاص معنی پر دلالت کرتا ہے جو انسانی طبیعت میں سے جس طبیعت کا ان معنی میں کسی خاص معنی کے ساتھ قدرتی تعلق ہوگا اس کو وہ قبول کرے گی بلکہ اسی پر کار بند رہے گی۔ اگر انسان اس نام کے ذکر پر استقلال کے ساتھ مداومت اختیار کرے گا تو ضرور مستفید ہوگا امام رازی کہتے ہیں کہ میں نے سنا ہے کہ شیخ نجیب بغدادی کہتے ہیں، ہر ایک شخص جو آپ کا مرید ہونا چاہتا تھا۔ تو حسب اقتضائے مصلحت (ف ا) ایک دفعہ یا دو دفعہ پڑھنے کی تلقین فرماتے تھے اور خود اس کے بعد ننانوے نام پڑھتے تھے اور حالت قرأت میں چالیس نام اس کے چہرے کو دیکھتے رہتے تھے اگر اس کے چہرے پر کوئی تبدیلی نہ ہوتی۔ اور فرماتے کہ بازار میں جاؤ اور دنیا کے کاموں کو سر انجام دو، تم اس اصول کے لئے نہیں پیدا کئے گئے۔ اگر حالت قرأت میں کسی خاص نام کو پڑھنے پر اس کا چہرہ بدل جاتا تو آپ اس کو اس نام پر مواظبت سے پڑھنے کی تلقین فرماتے۔ امام رازی کہتے ہیں کہ یہ بالکل ٹھیک بات ہے، فقیر کا بھی اسی پر اتفاق ہے کہ پیر کی توجہ سے مرید کے چہرے کا رنگ اور دل اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہو جائے لیکن آج کل ایسے قلیل ہیں کیونکہ اختلاف طبیعت کا پورا ہونا یہی ہے کہ کسی کو کسی ایک خاص حالت سے نسبت ہو اور کسی کو دوسرے سے طبیعت کو اپنی مناسب حالت میں مشغول ہو کر قوت سے کام میں آنا زیادہ آسان ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ناموں کی تحقیق ختم ہوئی، اللہ ہدایت دینے والا ہے۔

(ف ا) آپ سے ہر ایک اسمِ الٰہی

⌘⌘⌘⌘⌘

Marfat.com

باب نواں

(ان بحثوں کو بیان کرنے میں جن کا اللہ تعالیٰ سے تعلق ہے، اس میں کچھ مسائل ہیں)

مسئلہ نمبر 1:

فقیر کے نزدیک لفظ اللہ اسم عَلَم ہے یہ کسی لفظ سے نہیں نکلا خلیل اور سِیبَوَیہ فقہاء اور اکثر اصولی اس میں ہمارے ساتھ متفق ہیں، اور اس کے متعلق کافی دلائل ہیں:

دلیل پہلی: اگر لفظ اللہ کسی لفظ سے نکلا ہوا ہوتا تو اس کے معنی عام ہونے چاہئیں تھے۔ شرکت کو مانع نہ ہوتے کیونکہ جس لفظ سے کوئی لفظ مشتق ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ اپنے مشتق منہ سے نکل کر بلحاظ معنی کے تمام پر اختصاص اطلاق ہو پس ثابت ہوا کہ لفظ اللہ کسی لفظ سے نہیں نکلا نہیں ورنہ ماننا پڑے گا کہ لا الہ الا اللہ کلمہ توحید نہیں بلکہ اور اشخاص کی شمولیت لازم ہوگی کیونکہ لفظ اللہ کسی سے مشتق ہو تو وہ دوسرے اشخاص کو شرکت سے مانع نہ ہوگا اور لا الـه الا الله کلمہ توحید نہ رہے گا حالانکہ تمام دانا اسی کو کلمہ توحید مانتے ہیں نتیجہ یہ ہوا کہ لفظ اللہ اسم اعظم ہے جو کسی سے نہیں نکلا۔

دلیل دوسری: عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ پہلے ذات مقررہ کا نام اور بعد میں صفتوں کا ذکر کیا جاتا ہے مثلاً زید فقیہ نحوی اور اصولی ہے تو اس میں پہلے زید ایک نام بیان کیا گیا ہے اور بعد کو صفت کو ذکر میں لایا گیا ہے چنانچہ اللہ کریم کی صفات بیان کرنے کے وقت سے پہلے نام لایا جاتا ہے اور بعد میں صفات کا ذکر ہوتا ہے مثلاً اللہ عالم ہے قادر ہے حکیم ہے اس کے خلاف کبھی نہیں سنا گیا کسی نے عالم قادر حکیم اللہ نہیں کہا اللہ، کو پہلے اور قادر عالم حکیم بعد میں اللہ اسم ہے، عالم قادر حکیم اس کی صفات ہیں۔ اسم پہلے اور صفات بعد میں ظاہر ہوتی ہیں۔ سورۃ ابراہیم میں صفات کے بعد اللہ کا لفظ آیا ہے عـزیـز الحمید الله الذی آپ کا یہ کہنا کہ صفت سے اسم پہلے ہوتا ہے درست نہ ہوا، جواب یہ ہے کہ پیش کردہ آیت میں دو فرائض ہیں۔ ایک قرأت میں لفظ اللہ مرقوم ہے دوسری قرأت میں خبر ہے اس صورت پر آیت کی مثال یوں ہوگی جیسے ہذہ دار الملک اور لا فاضل، العالم زید، اس مثال میں زید گو آخر پر ہے لیکن عالم و فاضل کی صفت نہیں۔ (ترجمہ) یہی گھر اور ملک فاضل عالم زید کا ہے اس میں زید اسم کے طور پر ہے۔

دلیل تیسری: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے هـل تـعـلم له سميا (ترجمہ)(ف ا)۔ آیت ہذا میں اسم سے مراد صفت نہیں بلکہ اسم علم ہے جن لوگوں نے اس ذات کے لئے اسم علم قرار دیا ہے وہ لفظ اللہ کو اسم علم مانتے ہیں جو لوگ لفظ اللہ کو اسم عَلَم نہیں مانتے ان کے دلائل یہ ہیں:

(ف ا) کیا تو اس (اللہ تعالیٰ) کا کوئی نام جانتا ہے؟

دلیل نمبر 1: قرآن کریم میں آیا ہے وهـو الله فى السموٰت ، هو الله الذى لا اله الاّ هو ان دونوں آیتوں میں لفظ اللہ ہے۔ لیکن اس کے خلاف صفات سے صنف ہو کر مقدم کرنا درست ہے جیسے هو العالم الزّاهدفى البلد (ترجمہ) وہی عالم زاہد ہے شہر میں پس ثابت ہوا کہ اللہ صفت ہے اسم عَلَم نہیں۔ اسی طرح نحویوں کا قول ضمیر نہ تو موصوف ہوتی ہے نہ صفت۔

دلیل نمبر 2: اسم عَلَم اشارہ سے ہوتا ہے اور ذات خداوندی کی طرف اشارہ چونکہ منع ہے تو اسم عَلَم اس ذات میں نہ ہوا۔

دلیل نمبر 3: اسم عَلَم سے مراد حقیقت اور ماہیت کو ایک دوسرے سے ممتاز بنانا مقصود ہوتا ہے اور موجودات میں سے کوئی بھی موجود نہیں ہوتا۔ جس کی حقیقت اللہ تعالیٰ کی ذات کی شکل میں متحد ہو بلکہ محال ہے اس ذات کے لئے اسم علم کی کیا ضرورت۔

Marfat.com

دلیل نمبر 1 کا جواب: کیا وجہ ہے کہ پیش کردہ آیت کو ھذا زید الذی لانظیر له فی العلم والذهد کے مطابق نہ مان لیں (ترجمہ) ترجمہ یہ ہے۔ وہ زید جس کی نظیر علم اور زہد میں نہیں ہے۔

دلیل نمبر 2 کا جواب: اسم عَلَم سے مخصوص ذات مقرر ہوتی ہے یہ کوئی ضروری نہیں کہ مسمی اشارہ حسّی کے قابل ہو دلیل نمبر 3 کا جواب بھی یہی ہے۔ یہ دونوں دلائل امام رازی نے دیئے ہیں اور تفسیر صاحب خزینۃ القرآن سے لئے ہیں۔ بحث لمبی ہے لیکن فقیر مختصر کرتا ہے۔

جولوگ لفظ اللہ کو کسی سے نکلا ہوا لفظ کہتے ہیں انہوں نے اور بھی چند امور لکھے ہیں:

امر پہلا: اصل میں اللہ وہی ہے جس کی عبادت کی جائے اس حکم کے لحاظ سے کہ معبود ہوتا ہے۔ حق یا پھر باطل۔ معبود حق کو ہی اللہ تعالیٰ کہتے ہیں معبود حقیقی وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے کیونکہ وہی عبادت کے لائق ہے۔ وجود یا تو واجب ہوتا ہے یا ممکن وجود۔ پہلے تو ذات الٰہی پر لازم ہے اس کے سواء سب وجود ممکن ہیں جو موجد کے محتاج ہیں تو ہر ایک ممکن یا تو اصل موجد کی ایجاد کا نتیجہ ہوگا یا واسطہ کے ساتھ، تمام چیزیں خواہ واسطہ کے ساتھ ہوں یا بغیر واسطہ ہوں انسان پر اللہ تعالیٰ کے انعام ہیں۔ چونکہ ثابت ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی منعم حقیقی ہے پس لازم ہوا کہ عبادت کا مستحق اللہ ہو اور اسی کے آگے سر جھکے۔

دوسرا حکم: بعض لوگ ثواب حاصل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں یہ جہالت ہے کیونکہ:

دلیل پہلی: اگر اللہ کی عبادت ثواب حاصل کرنے کے لئے کی جائے تو عبادت کرنے والوں کا معبود اصل میں الٰہ نہ ہوگا بلکہ ثواب اور الٰہ محض اس کے حاصل کرنے کا وسیلہ ہوگا، یہ سخت جہالت ہے۔

دلیل دوسری: اگر نماز خوف کے لئے یا عذاب کی خاطر ڈر کر پڑھی جائے تو اس کا کوئی ثواب نہیں ہے۔

دلیل تیسری: جو عمل غرض پر مبنی ہو اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ عمل حاصل ہو جائے کیونکہ ہر شخص عمل کرنے میں ہی تو کچھ کام کرتا ہے اگر وہ وسیلہ کے حصول سے حاصل ہو جائے تو یہ بات بالکل لازم ہے اس عمل کی ضرورت نہ سمجھی جائے گی عمل صالح میں مصروف ہونے میں حصول اجر اور ثواب کے لئے اگر اجر عبادت کے علاوہ کسی دوسرے ثواب کے لئے کی جائے تو عبادت نہ ہوگی اور چھوڑ دی جائے گی کیونکہ مقصود حاصل ہے اور جان لینا چاہئے کہ ایسا عقیدہ کہ اس شخص کے دل میں اللہ تعالیٰ کی کوئی محبت نہیں کیونکہ عبادت صرف رضائے الٰہی کے لئے کرنی چاہئے بعض لوگ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور خدمت کے لئے عبادت کرتے ہیں اور یہ غرض عرض مطالبہ ہے یعنی طمع کی غرض ہے اور اس سے رضائے اللہ تعالیٰ کو طلب کرنا اعلیٰ واشرف۔ جب انسان نماز میں خدا کو یاد کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے جلال اور عزت کو تسلیم کرتا ہے اور اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے دربار میں عاجز و ناتواں سمجھتا ہے حدیث شریف میں ہے حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب انسان نماز پڑھے تو اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنے آپ کو ضعیف و ناتواں سمجھے اس کو دلی یقین نیت کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے اور اظہار مافی الضمیر ہے اور اس کی خدمت میں اپنے مکمل اعضاء کے ساتھ حاضر ہو جاتا ہے اور اس کا ہر جز ظاہری و باطنی اپنے آپ کو مالک حقیقی کے لئے پیش کر دیتا ہے اس صورت میں بندہ کا اسی خدمت میں شرف حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے نہ کہ ثواب۔

نوٹ:

صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ جب انسان اپنے ضمیر کو کامل نہ کرے گا تو اطاعت کامل نہ ہوگی۔ امام رازی کی یہ مذکورہ بالا عبارت خزینۃ القرآن کے موافق ہے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عبارت خزینۃ القرآن سے اخذ کی گئی ہے۔

دلیل چوتھی: الالـه المعبودُ اس کو کہتے ہیں جس کی عبادت کی جائے اور جو عبادت کے لائق ہو، عبادت کے لائق اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اس پر کچھ خیال ایسے ہیں جو طعنہ زنی کے طور پر اعتراض پر ہیں:

اعتراض پہلا: اله الا اللہ نہیں حالانکہ ان کی عبادت ہوتی ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں ایسا خیال باطل ہے۔ (عبارت مبہم ہے)

اعتراض دوسرا: اللہ تعالیٰ جمادات اور نباتات کا بھی اله ہے حالانکہ ان سے عبادت صادر ہونا مشکل ہے۔

Marfat.com

اعتراض تیسرا: اللہ تعالیٰ مجنونوں کا اور بچوں کا بھی الٰہ ہے حالانکہ وہ عبادت نہیں کر سکتے۔

اعتراض چوتھا: صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں اور امام رازی کی بھی یہی دلیل ہے الٰہ کا معبود کے سوا کوئی معنی نہیں حالانکہ یہی معنی ہیں کہ ہر کوئی اس کا ذکر کرتا ہے اپنے ارادہ سے اس کی خدمت میں لگا رہتا ہے، اپنے علم سے اس کو جانتا ہے ان معنوں میں کوئی حقیقت نہیں۔ پس معلوم ہوا (یہ مبہم ہے) کہ الٰہ کی صفت نہیں۔

اعتراض پانچواں: لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وجود اصل میں نہ ہو۔

اعتراض چھٹا: بعض لوگوں نے الٰہ کے یہ معنی کئے ہیں ''جو عبادت کا مستحق ہو یاد رکھنا چاہئے کہ اس معنی پر لازم آتا ہے کہ جمادات نباتات مجنونوں اور بچوں کا الٰہ ازلی نہ ہو بعض نے یہ معنی کئے ہیں کہ جس میں افعال کو صادر کرنے کی قابلیت ہو اگر موجودات میں صادر کرے جو عبادت کر سکتے ہوں اسے عبادتِ کا مستحق سمجھیں الـــٰـــہ کے معنوں میں سے دو معنی پر اللہ کا ازلی نہ ہونا صادق آتا ہے لیکن تیسرے معنی سے اس کا ازلی ہونا مفہوم ہوتا ہے۔

دوسری تفسیر: صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں۔ امام رازی نے بھی یہی عبارت تحریر کی ہے الٰـہ الھت الی فلاں بمعنی سکنت الیہ سے مشتق ہے چونکہ اللہ تعالیٰ کے ذکر اذکار سے لوگوں کو تسکین وراحت ہوتی ہے اور اس کی معرفت سے روحوں کو عروج حاصل ہوتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کو الـــٰـــہ کہتے ہیں کہ وجہ تسکین یہ ہے کہ کمال پر ایک محبوب ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا باقی تمام اعمال ناقص ہوتے ہیں ممکن معدوم ہوتا ہے اور عدم ناقص چیز ہے اور ناقص جب کہ تکمیل کو نہ پہنچے کامل نہیں ہو سکتا یہ ثابت ہو چکا ہے کہ اکمل کامل اللہ تعالیٰ کی ذات ہے صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ وہ جسے چاہتا ہے کامل بنا دیتا ہے اور ضروری ہے کہ وہی محبوب حقیقی ہے اللہ تعالیٰ کے سواء باقی سب ممکن ہیں۔ ممکن کا وجود دوسرے پر منحصر ہوتا ہے اور بقاء میں دوسرے کا محتاج ہوتا ہے کیونکہ اس کا فعل غیر کا نتیجہ ہے پس معلوم ہوا کہ ممکن اپنے بقاء میں واجب الوجود کا محتاج ہوتا ہے اس کا وجود غیر کا محتاج ہوتا ہے نتیجہ یہ کہ واجب الوجود کا محتاج ہے کیونکہ وہ غیر کے فعل کا نتیجہ ہے اسی طرح عقلی وجود بھی محتاج ہوا۔ عقولِ بارگاہ الٰہی کی طرف سیڑھی بہ سیڑھی چڑھتی ہیں اور دل اس ذات کے دامن سے چنگل مارے ہوئے ہے اور اس کو سکون اللہ کے ذکر سے ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں الابذکر اللہ تطمئن القلوب اسی پر مبنی ہے۔

تفسیر تیسری: الالـــٰـــہ بمعنی رفتگی عقل سے نکلا ہے یہ معنی صاحب خزینۃ القرآن نے کئے ہیں اور رازی نے بھی یہی معنی کئے ہیں مخلوق دو طرح کی ہے ایک معرفتِ الٰہی کے دریا کو عبور کر کے کنارہ پر پہنچ کر بقعۂ نور اور جلال کبریائی کے خوشگوار میدانوں میں ٹہل رہے ہیں اور گلزار وحدانیت میں چمنستانِ فردیت کی خوشبو سے ان کے دماغ تر و تازہ ہو رہے ہیں لیکن دوسرا فریق بحر معرفت سے ناآشنا اور محروم ہو کر جہالت کے گڑھوں میں غرق ہے اور اس کی حالت مخبوط الحواس اور مسلوب العقل ہے۔ جیسی پس ثابت ہوا کہ سب مخلوقات اللہ تعالیٰ کی معرفت میں حیران ہیں اور وہی ذات الـــٰـــہ ہونے کی مستحق ہے اسی طرح بشر اللہ تعالیٰ کو تلاش کرنے میں بھاگتے رہے کوئی تلاش کر گئے اور کوئی باقی رہ گئے حالانکہ سرتوڑ کوشش ہر بھاگنے والے نے کی ہے بعض بازی لے گئے اور بعض ہار گئے جو بازی ہار گئے اندھیروں میں پھنس گئے اور جو بازی جیت گئے وہ عالم کرامات کے نورانی دریاؤں میں تیرتے اور پھلانگتے پھر رہے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب انسان نفس پر قابو پالیتا ہے تو معرفت الٰہی کو مکمل طور پر پالیتا ہے مذکورہ بالا جملہ کی بھی تائید ہوگئی یہ بات خزینۃ القرآن میں درج ہے۔ حدیث تفسیر خزینۃ القرآن اور تفسیر طبری میں ہے رسول اللہ ﷺ نے ابن مسعود سے فرمایا کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی توحید کو تلاش کرتے ہیں جب انہیں میسر آ جاتی ہے تو وہ اس نورانی سمندر میں تیرتے ہیں۔

تفسیر چوتھی: الالـــٰـــہ بمعنی بلند ہونے کے ہیں اللہ تعالیٰ لوازمات بشریہ انسانیہ سے بالاتر ہے اور مکمل وہی ہے جو ممکنات کا موجد ہے۔ وہی واجب الوجود لذاتہ ہے وہی ماہیت میں اکیلا ذات ہے نیز وہ ذات مجمع الصفات ہے بلکہ اس سے بھی بلند تر ہے جو بلندی مکان کی جہت سے حاصل ہوتی ہے تو وہ مکان کی ذات کے لئے ہے اور متمکن کے بالعرض کیونکہ متمکن کو بلندی اس مکان کی وجہ سے ہے تو مکان متمکن کی جہت سے اشرف ہوا اگر اللہ تعالیٰ کو مرتفع بلحاظ مکان بلند مانا جائے تو لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ سے مکان اشرف ہے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے لئے یہ محال ہے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ بلند بلحاظ مکان اشرف اور اعلیٰ ہے اور عالم امکان موجودات ہونے کی طرف سے وہ اس سے بالاتر ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن نے یہی تفسیر کی ہے اور امام رازی نے اس سے اخذ کیا۔

تفسیر پانچویں: الـــٰـــہ فی الشیٔ اذا تحیر فیہ ولم شھدا علیہ سے مشتق ہے انسان اس ذات پر غور کرتا ہے تو حیران رہ جاتا ہے کیونکہ انسان کی قوت تصور جب خیال

Marfat.com

کرتی ہے تو اسے اس ذات کی مخالف پاتی ہے اور عقل اس کے وجود کا انکار کرے تو کاذب ٹھہرتی ہے کیونکہ ذات ازلی کے سواء سب اس کے محتاج ہیں اور محتاج کا بدون محتاج الیہ کا ہونا محال ہے اور اگر قوت حاسہ اور قوت خیالیہ سے حاصل کردہ کو ذات الٰہی کو تسلیم کرے تو پھر بھی کاذب ہوگا کیونکہ جو کچھ حس اور خیال سے معلوم ہوسکتا ہے ان میں حادثیت کے خیال پیدا ہوتے ہیں پس عقل ختم ہوگئی بدون اس کے کہ وہ اپنے عجز اور درماندگی اور ذات کے وجود و کمالات کی فکر نہ ہو اور کچھ چارہ نہیں۔ پس عقل کی موجودات صرف یہی ہے کہ اس ذات کے ادراک کو بلا شبہ ہے جس میں بڑے بڑے کارنامے کرنے والے عقل اور دانا دنگ رہ جاتے ہیں یہ عقلیں محتاج ہیں۔

تفسیر چھٹی: لا یلوہ اذا احتجب سے مشتق ہے کیونکہ وہ ذات کئی وجوہ سے محجوب ہے۔ اول وہ عقول سے پوشیدہ ہے، دوم وسط آسمان میں سورج کو دیکھ کر خیال کرتے ہیں کہ وہ حرکت نہیں کرتا بلکہ ایک ہی جگہ پر قائم ہے اور اس کے ساتھ ہی دیواروں کی روشنی کو زائل نہ ہونے والی سمجھ کر ہمیں شک گزر جاتا ہے کہ دیوار کی ذاتی روشنی ہے حالانکہ وہ روشنی تو سورج ہی کی ہوتی ہے جوں ہی سورج غروب ہوتا ہے تو ہم سمجھ لیتے ہیں کہ یہ دیوار کی روشنی نہیں سورج کی ہے پس اسی طرح موجودات کی مثال ہے اسی ذات کی بدولت وجود موجودات میں پہنچتا ہے اگر اللہ تعالیٰ کسی ذات میں طلوع و غروب ہوتا تو موجودات کا بھی وہی حال ہوتا جو دیوار کی روشنی میں تھا اللہ تعالیٰ طلوع فرماتا تو موجودات موجود ورنہ مفقود اور اس صورت میں ہمیں معلوم ہوجاتا کہ نور انوار الٰہی سے ہے وجود کا نور ہے کیونکہ طلوع و غروب اللہ تعالیٰ کی ذات میں محال ہے ممکن ہے ایسے دماغ کے مالک جو خس و خاشاک سے پر ہیں یہ سمجھ بیٹھیں موجودات کا وجود ذاتی ہے عارضی نہیں پس معلوم ہوا کہ وہ ذات کسی پردہ کسی کے حائل ہونے کی وجہ سے محجوب نہیں ہے بلکہ اپنے کمال نور سے ہماری آنکھوں سے پوشیدہ ہیں اسی وجہ سے محققین نے کہا ہے کہ پاک ہے وہ ذات جو باوجود ظاہر ہونے کے عقول سے محجوب ہے اور اپنے کمال نور سے عقلوں سے پوشیدہ ہے محققین سے مراد امام رازی صاحب خزینۃ القرآن کو لیتے ہیں غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ کی حقیقت عقلوں سے پوشیدہ رہنے والی ذات ہے وہاں عقل کا ادراک نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ کو محجوب کہنا درست نہیں کیونکہ یہ صفت مقہور کی ہے اور مقہور بندہ ہے اور خدا قاہر ہے اور حاجب ہے پس اللہ تعالیٰ محتجب ہے اور مخلوق محجوب الیہ ہے۔

تفسیر ساتویں: الہ الفصیل اذ ولا بامہ سے نکلا ہے معنی یہ ہے کہ اس ذات کو جھکتے ہیں۔

اوّل: جب انسان کسی ناگہانی آفت میں مبتلا ہوجاتا ہے اور کوئی مدد کے لئے تیار نہیں ہوتا تو اس وقت وہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے اور مدد کے لئے پکارتا ہے اور جب مصیبتوں کے بادل چھٹ جاتے ہیں تو پھر اپنے مشاغل میں مشغول ہوجاتا ہے اور اس پر پرانی کیفیت طاری ہوجاتی ہے جب وہ مصیبت سے نکل جاتا ہے تو نجات دہندہ کو بھول جاتا ہے اور اپنی رہائی کو وہ کدھر منسوب کرتا ہے؟ وہ کسی دوسری طرف منسوب کرتا ہے تو مصیبت کے وقت بھی انہیں کو پکارنا چاہئے تھا نہ کہ ضرورت کے وقت واجب الوجود کو پکارا اور چین کے وقت اس سے اعراض کیا و ھذا یاا رباب الھدایات لابلیق۔

دوم: خوشیاں اور بھلائیاں اللہ تعالیٰ سے مانگی جاتی ہیں۔

سوم: ظاہر حال میں بھی احسان اور اچھا سلوک کرنے والا ہی محسن حقیقی ہے اس کے سواء کوئی دوسرا احسان کرنے والا نہیں ہوسکتا کہ کوئی ہم جنسوں میں سے احسان کرے گا تو دراصل اس کے دل میں مادۂ احسان پیدا کرنے والا تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور وہی احسان کرنے کے لئے سب سے بڑا محرک ہے وہی محسن حقیقی تمام کا ماویٰ و ملجاء ہے اور تمام مخلوقات اس کی طرف مائل ہوتے ہیں اور جھکتے ہیں اسی سے دل کو خوش رکھتے ہیں۔ تفسیر کبیر میں امام رازی فرماتے ہیں کہ چند مریدوں نے حضرت غوث الاعظم کی خدمت میں عرض کیا کہ ہمارے دلوں میں بہت وسوسے اٹھتے ہیں مرشد نے کہا کہ دس برس تک لوہاروں کا پیشہ اختیار کرو تو انہوں نے دس برس دربانوں کا وطیرہ اختیار کیا اور دس برس گھاس کا، انہوں نے کہا کہ ہمیں وہ دیدار تو دیکھنا نصیب نہ ہوا جو فنائیت کے مقام پہ ذات واجب الوجود کا دیدار نہ ہوا مرشد نے جواب دیا کہ بے شک تمہیں دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا لیکن میں نے یہ کام ضرور کئے ہیں۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ دل کی مثال لوہے کی ہے تو خوف الٰہی کی آگ متواتر پہچان کر لوہاروں کی طرح اسے فرم بنانے میں دس سال صرف ہوئے پھر اسے میل کچیل صاف کرنے میں دس برس لگ گئے۔ بعد ازاں دل کے دروازہ کی دربانی اختیار کی اور لا الـہ الا اللہ کی تلوار ہاتھ میں پکڑے حفاظت کرتا رہا مبادا غیر اللہ دل میں داخل نہ ہوجائے اور دس برس تک اسی پرکار بند رہا آخر کار دل محبت غیر اللہ تعالیٰ سے صاف ہوکر آئینہ کی طرف شفاف ہوگیا اور اللہ تعالیٰ کی محبت خوب اچھی طرح دل میں جم گئی تو عالم جلال کے سمندر سے نور کا ایک قطرہ لیا اور دل کو اسی میں غرض کردیا حتیٰ کہ فنافی القطرہ ہوگیا اور اس میں لا الہ الا اللہ کے کچھ نہ رہا۔

تفسیر آٹھویں: تمام ضروریات کو پورا کرنے والا اور تمام تکلیفات سے محفوظ رکھنے والا وہی اللہ عزوجل ہے۔ خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وھو یجیر ولا یجارُ علیہ کیونکہ منعم حقیقی

Marfat.com

وہی ذات ہے وما بکم من نعمة فمن اللہ اور وہی غذا اور خوراک دینے والا ہے جیسے فرمایا وھو یطعم و لا یطعم اور وہی موجد ہے جیسے فرمایا قل کل من عند اللہ پس حق سبحانہ تعالیٰ عدم کو موجود کرنے والا ہے فقیر کو امیر اور غنی کرنے والا ہے ایسی ذات جامع الصفات کے سواء کوئی اور ماویٰ وملجانہ ہے اور مقام سے چند فوائد نکلتے ہیں۔

پہلا فائدہ: عام طور پر مقروض قرض خواہ کو دیکھ کر بھاگنے کی کوشش کرتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ ایسا کریم ہے باوجودیکہ ہم اس کے قرض دار ہیں اور گناہوں میں مبتلا ہیں پھر وہ ہمیں اپنی طرف بلاتا ہے اور فرماتا ہے ففروا الی اللہ پس اللہ تعالیٰ کی طرف دوڑ واللہ تعالیٰ اپنی طرف بلاتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھ سے مت بھاگو اور میری طرف بھاگتے آؤ تمہارے قرض کی ادائیگی میرے ذمہ ہے اور میں تمہارے گناہوں کو بخش دوں گا اور معاف کر دوں گا موجودہ دنیا میں بادشاہوں کے دروازے امیروں کے لئے کھلے اور غرباء مساکین کے لئے بند رہتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کا دروازہ ہر وقت ہر مسکین غریب امیر کے لئے کھلا رہتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی ایک سو رحمتیں ہیں (ف ۱) جانوروں جنوں اور انسانوں اور حشرات الارض میں تقسیم کر دیا ہے یہ حدیث تفسیر کبیر میں ہے۔ تفسیر خزینۃ القرآن میں دو (۲) حدیثیں اسی ضمن میں اور ہیں۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ حضرت علی مجموعۃ الاحادیث میں حدیث درج کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ) خدا کی کتنی رحمتیں ہیں تو فرمایا جیسے وہ ذات بے حد ہے اس کی رحمتیں بھی بے حد ہیں اور اس کی رحمتیں جنوں انسانوں حیوانوں اور حشرات الارض میں ہیں اور یہ آیت تلاوت کی وسعت رحمتی کل شیٔ یہی حدیث تفسیر مجاہدی والوں نے بھی لکھی ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن مذکورہ بالا تفسیر کبیر کی حدیث کو ضعیف قرار دیتے ہیں اس لحاظ سے کہ اس حدیث میں تعداد مقرر کر دی گئی ہے جو قرآن کریم کی مذکورہ بالا آیت کے خلاف ہے ۔ یا تو مذکورہ بالا حدیث صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں اگر مستند ہو تو اس کا مقصد یہ ظاہر ہوگا کہ اس دنیا میں ایک حصہ اور باقی ننانوے قیامت کے دن صالحین کے لئے صاحب تفسیر کبیر فرماتے ہیں، میں یہ کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ان گنت ہیں۔ سرکار دو عالم ﷺ نے صرف سمجھانے کے لئے فرمایا ہے۔

فائدہ سوم: حضور ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ گناہ گار بندوں سے ہم کلام ہو کر فرمائے گا کیا تم نے میری ملاقات کو تسلیم کیا تھا وہ کہیں گے ہاں ہم تیرے فضل وعفو کے امیدوار تھے اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جاؤ میں نے تمہیں معاف کیا۔

فائدہ چہارم: حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اعمال کی ننانوے کتابیوں سے ایک کتاب بندے کو دکھائے گا وہ اتنی بڑی ہوگی کہ نظر کام کرنا چھوڑ دے گی اور اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ یہ تیرے اعمال ہیں ان سے تجھے انکار نہیں کیا کراماً کاتبین نے تجھ پر کوئی ظلم تو نہیں کیا وہ کہے گا کہ نہیں یہ ٹھیک ہیں اور اپنا دل نکال کر آگے پر رکھ دے گا پس اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ مجھے تیری نیکی بھی یاد ہے۔ اللہ تعالیٰ ایک پرزہ نکالے گا جس پر اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمد رسول اللہ لکھا ہوگا۔ بندہ کہے گا کہ اتنی کتابوں کے سامنے اس پرزے کا کیا وزن ہے تو جب اسے ترازو پر کتابوں کے مقابلے میں تولا جائے گا تو اس کا وزن بھاری ہوگا اللہ تعالیٰ کا ذکر ہر وزن سے بھاری ہے۔ مذکورہ حدیث امام رازی نے خزینۃ القرآن سے اخذ کی ہے۔

فائدہ پنجم: ایک بچہ جنگ میں بلند آواز سے رو رہا تھا گرمی کی شدت تھی اور لوگوں کو اپنی ہمدردی کی طرف بلاتا تھا کیا کوئی ایسا شخص ہے جو معصوم بچے کو گرمی کی شدت سے بچائے۔ اس کی آواز سن کر ایک عورت بھاگتی ہوئی آئی اسے اٹھایا اور سینے سے لگایا اور پیار بھرے انداز میں اسے میرا بچہ! میرا بچہ! کہا اور بین کر کے فرط محبت سے رونے لگی اور حاضرین اس کی طرف متوجہ ہوئے اور متاثر ہوئے اور روئے بغیر نہ رہ سکے اور اتنے روئے کہ ان کی آنکھیں آنسو دینے سے رک گئیں اتنے میں رسول اللہ ﷺ تشریف لائے لوگوں نے یہ واقعہ سنایا آپ (ﷺ) نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ماں سے بھی بڑھ کر اپنے بندوں کو پیار فرماتا ہے یہ محبت تو اس کی محبت سے کچھ علاقہ نہیں رکھتی۔ حاضرین نے جب یہ بات سنی تو ان میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور خوشی سے پھولے نہ سمائے بعد میں ادھر ادھر منتشر ہو گئے ۔ یہ حدیث بھی خزینۃ القرآن میں ہے۔ امام رازی بھی درج کرتا ہے۔

(ف ۱) جن میں سے صرف ایک کو

مسئلہ نمبر 3:

لفظ اللہ کی تحقیق میں بلحاظ اس کے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ عربی لفظ نہیں عبرانی یا سریانی ہے الہ رحمن مرحبانا جب اسے لایا گیا اللہ الرحمن الرحیم بنالیا گیا بعید از قیاس ہے کیونکہ دونوں زبانوں کے لحاظ سے اس کو اصل عربی میں مشتق نہیں قرآن کریم میں ہے ولئن سالتھم من خلق السموات والارض لیقولن اللہ دوسری جگہ فرمایا ھل تعلم لہ سمیا آیت ہذا میں لفظ سمیا سے لفظ اللہ مراد ہے اور اکثر نے اس لفظ کو عربی تسلیم کیا ہے اور جو لوگ اسے اسم علم جانتے ہیں تو نہیں اس قسم کے

Marfat.com

تحقیقوں سے رہائی ہے اور جواسے اسم علم نہیں جانتے وہ دو مذاہب ہیں کوفیوں کے نزدیک وہ اصل میں الاہ تھا اس میں الف لام زیادہ کردیا تو الالـہ ہوا چونکہ ہمزہ ثقیل تھا باعثِ کثرت حذف کردیا گیا تو دو لام جمع ہوئے انہیں ایک دوسرے میں ادغام کردیا تو اللہ ہوا۔ بصریوں کا یہ خیال ہے کہ وہ اصل میں لاہ تھا تو الف لام زیادہ کردینے سے اللہ بن گیا اور دلیل میں یہ شعر پیش کرتے ہیں ۔

کحلفہ من ابی رباح

یسمعہا لا الکبار

صاحب خزینۃ القرآن یہ مسئلہ بیان کرتے ہوئے مذکورہ بالا کو حدیث سے استدلال کرتے ہیں فرماتے ہیں، حدیث شریف میں ہے کہ سرکار نے حضرت عبداللہ بن عمر سے فرمایا کہ نصرانی اور یہودی لفظ اللہ میں تاویلیں کرتے ہیں وہ تاویلات سے پاک ہے وہ اللہ ہی ہے۔ جس نے اس کے ساتھ لفظ اللہ کے ساتھ تاویل کی وہ کافر ہے مذکورہ بالا حدیث کے مطابق اس کی تاویل درست نہیں۔ کوفیوں اور بصریوں کی تاویل بالکل غلط ہے لفظ اللہ بدستور ویسے ہی ہے جیسے وہ اللہ ہے۔

مسئلہ نمبر 4:

خلیل نے لکھا ہے کہ جمہور کا اتفاق ہے کہ اللہ ذاتِ الٰہی سے مخصوص ہے اور ایسا ہی الاہ اور جو لوگ مخصوص نہیں مانتے بلکہ اللہ تعالیٰ کا ماعدا سے بھی اس کا اطلاق کرتے ہیں تو وہ اضافت کے ساتھ بھی ذکر کرتے ہوں گے جیسے الـہ کذا بدون اضافت نہیں اللہ تعالیٰ قوم موسیٰ کی درخواست کو بطریق حکایت فرماتا ہے اجعل لنا الٰھا کمالھم الھۃ ؕ قال انکم قومٌ تجھلون آیت ہذاء میں الہ بدون اضافت نہیں بیان کیا گیا اس سے استدلال کرسکتے ہیں۔

مسئلہ نمبر 5:

الہ میں چند خصوصیات عجیب وغریب ہیں جو دیگر اسماء میں مفقود ہیں:

خاصیت پہلی: لفظ اللہ سے ہمزہ کو حذف کردیں تو لِلّٰـہِ رہ جائے گا اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وللہ جنوُد السمٰوات والارض دوسری جگہ فرمایا (ف ا) لـہ الملک ولہ الحمد اور لہ سے لام حذف کردیا جائے تو "ھو" رہ جائے گا اور یہ بھی ذاتِ الٰہی پر دلالت کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا قل ھو اللہ احد دوسری جگہ فرمایا ھو الحی لا الہ الاّ ھو اور ھو میں واؤ زایدہ ہے کیونکہ حالت تثنیہ وجمع میں گر جاتی ہے جیسے ھماھم میں واؤ نہیں رہی اصل ہوتی تو نہ گرتی پس ثابت ہوا کہ لفظ اللہ میں باعتبار لفظ ہی خصوصیت میں موجود نہیں بلکہ بلحاظ معنی بھی اس میں خصوصیت موجود ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو رحمٰن سے پکارا گیا تو گویا اسے ہم نے صفتِ رحمت سے موصوف کیا مگر وصفِ قہر سے نہیں اور جب علیم کہہ کر پکارا تو علم کی صفت ظاہر ہوئی اگر اللہ پکارا جائے تو گویا تمام صفات سے موصوف ہو ورنہ الہ ہونے کا مستحق نہیں ہوگا۔ پس معلوم ہوا کہ لفظ اللہ میں بلحاظ معنی اور بلحاظ لفظ ایسی خاصیت موجود ہے جو دیگر اسماء میں نہیں پائی جاتی۔

خاصیت دوسری: کلمہ شہادت کافر کو اہل اسلام میں داخل کردیتا ہے اور نجاستِ کفر سے پاک صاف بنا کر اس کو زمرۂ اسلام میں داخل کردیتا ہے۔ کلمہ ہذاء میں لفظ اللہ ہے اور اشھد انّ لا الہ الاّ اللہ کی بجائے الرحمن یاالرحیم یاا لمنک یا القدوس بوقت قبول اسلام پڑھا جائے تو کبھی زمرۂ کفار سے خارج نہ ہوگا اور زمرۂ اسلام میں داخل نہ ہوگا لیکن اس کے خلاف اگر اشھد ان لا الـہ الا اللہ پڑھا جائے تو بالضرور اہل اسلام میں شمار ہوگا اور کافر نہ رہا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ خاصیت شریفہ لفظ اللہ ہی میں موجود ہے اوروں میں نہیں۔ یہ قول صاحب خزینۃ القرآن کے ہیں اور رازی نے بعینہٖ نقل کئے ہیں۔ (واللہ الہادی)

(ف ا) عبارت چھوٹ گئی ہے اصل یوں چاہئے لا پھر اگر پہلا لام حذف کردیں تو لہٗ رہ جائے گا۔

⌘⌘⌘⌘⌘

Marfat.com

باب دسواں

(الرحمٰن الرحیم ط کی تحقیق میں).

دنیا میں چار قسم کی چیزیں ہیں ایک تو وہ جن کی ہمیں سخت ضرورت ہوتی ہے اور مفید بھی ہیں۔ دوسری وہ جن کی ہمیں کوئی ضرورت نہیں مگر وہ بھی فائدہ مند ہیں۔ تیسری وہ جن کی ہمیں سخت ضرورت ہے مگر وہ بھی مفید نہیں۔ چوتھی وہ جن کی ہمیں نہ تو ضرورت ہے اور نہ ہی وہ سود مند ہیں:

قسم پہلی: مثال: جیسے جان جس کی ہمیں سخت ضرورت ہے اس کی ایک پل کی جدائی سے انسان مردہ ہو جاتا ہے اور جیسے معرفت الٰہی اس کی بھی ہمیں آخرت میں بے حد ضرورت ہے۔

نوٹ:

جان سے معرفت الٰہی کی زیادہ ضرورت ہے کیونکہ یہ دنیا عارضی ہے اور جہان بھی عارضی اور آخرت دائمی ہے تو معرفت الٰہی آخرت کے لئے زیادہ فائدہ مند ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کا بہت خیال رکھو وگرنہ تم معرفت الٰہی کے بغیر مردہ ہو۔

قسم دوسری: دنیا میں مال اور علوم و معرفت، دنیا میں مال کی بھی ضرورت ہے اور علوم و معرفت کی بھی ضرورت ہے۔ (شروع) کے کلام سے یہ مخالف ہے۔

قسم تیسری: جیسے دنیا میں بیماری فکر مندی بڑھاپا غرض یہ کہ دنیا کی ہر تکلیف جن پر انسان کا کوئی چارہ نہیں۔ یہ دنیا میں ہی ہے اور آخرت میں تکلیفات کا کوئی نام و نشان بھی نہیں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ انسان نیک صالح آخرت میں ہر تکلیف سے چھٹکارا پا جائے گا جیسے پرندہ پنجرے میں آزاد ہو جاتا ہے مذکورہ بالا تقریر سے ظاہر ہوا جان ان تمام اشیاء سے زیادہ ضروری اور سود مند ہے بلکہ اس کی جدائی مردہ بنا دیتی ہے اور ابدالاباد کے خیالات میں ڈال دیتی ہے ان دونوں امورات سے پہلی موت سب سے زیادہ آسان ہے وہ ایک ہی لحظہ میں کام تمام کر دیتی ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کی جان ایسے قبض ہوگی جیسے آٹے سے بال نکال لیا جاتا ہے۔ موت کا غم ہمیشہ تر و تازہ رہتا ہے جیسا کہ سانس میں دو (۲) خاصیتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ بیرونی تر و تازہ ہوا دل کو پہنچا کر اعتدال قائم رکھتی ہے اور اندرونی ہوا فاسد ہو کر دل سے خارج کرتی ہے اسی طرح تفکرات میں بھی دو (۲) خاصیتیں موجود ہیں ایک تو دل کو دلیل برہان کی صاف ہوا پہنچا کر اللہ تعالیٰ کی معرفت انسان کے ایمان کو کمی بیشی سے محفوظ رکھتی ہے دوسرا وہ کہ دل سے بدبودار اور فاسد ہوا کو نکالنے میں مصروف رہتا ہے مگر یہ نعمت اس وقت حاصل ہوتی ہے کہ جب اچھی طرح ذہن میں بیٹھ جائے کہ کل موجودات اور محسوسات کا انجام فنا ہے اور ان کا وجود عدم کی طرف منتقل ہوگا تو جس شخص کو اس مذکورہ بالا تقریر کی معلومات ہوگی تو وہ تمام آفات و بلیات سے محفوظ رہے گا اور کبھی غم بھولے سے بھی محسوس نہ کرے گا اگر انسان ان امورات کو معلوم کرلے تو سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ کے نور سمندر سے ایک قطرہ حاصل ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ کے انوارات کے احسان کا ایک ذرہ ہے اب اس کے دل پر واضح ہوگا کہ اللہ تعالیٰ رحمٰن اور رحیم ہے اگر اس اجمال کی تفسیر یاد رکھنی ہو تو انسان نفس اور روح کے مجموعہ کا بدن ہے۔ قرآن کریم میں ثابت ہے کہ انسان نفساً فطرتاً جاہل تھا اور علم سے بے بہرہ فرمایا عزوجل نے واللہ اخرجکم من بطون امھٰتکم لاتعلمون شیأ وجعل لکم السمع ولا بصار الا فئدہ ط لعلکم تشکرون ۔ (ترجمہ) اور اللہ تعالیٰ نے تم کو نکالا تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے تم کچھ نہ جانتے تھے اور تمہارے کان آنکھیں اور دل بنائے تاکہ تم شکر کرو۔ تو ثابت ہوا کہ انسان فطرتاً جاہل تھا بعد میں اس نے اپنی قوت محرکہ، حساسہ مدرکہ اور عاقلہ میں غور و خوض شروع کیا اور پھر موجودات کے مراتب اور ان کی جہالت میں سوچ و بچار شروع کیا مگر موجودات عالم نفس اور انسانی موجودات کوئی معمولی سی چیز نہ تھی جس پر ایک دم وہ حاوی ہو جاتا بلکہ اسکے سلسلہ کی کوئی انتہاء نہیں اگر عاقل بھی اس میدانِ وسیع میں علوم کو حاصل کرنے میں خواہ اپنا کتنا چارہ لگائے تو اس میدان علوم میں دنگ رہ

Marfat.com

جائے گا اور جمیع علوم کبھی حاصل نہ کر سکے اس کی طویل جدو جہد اسے صرف تھوڑے سے علوم دے سکے گی پھر وہ اس معلوماتِ علوم میں سر توڑ کوشش کرنے کے بعد نا آشنا و محروم رہے گا علوم حاصل کردہ اور غیر حاصل کردہ کو ایسے نسبت ہوگی جیسے سمندر سے ایک قطرہ اس وقت انسان کو فرمانِ الٰہی ما اوتیتم من العلم الا قلیلا کی تصدیق ہو جائے گی اور آیت کے معنی خوب جان لے گا بدن انسانی کی چار خصلتیں ہیں جن سے کام لیا جائے گا اور ان کی ترکیب و تشریح کے اجزاء اور مختلف اعضاء کے جوڑ توڑ میں تفصیلی نظر ڈالی جائے پھر ان کے فوائد اور مختلف خاصیتوں میں آنکھوں کی دوربین استعمال کی جائے تو اس وقت انسان کو روشن ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں کس قدر بے انداز ہیں اور الٰہی وان تعدوا نعمة الله لا تحصوها کا مطلب پورے طور سے ذہن نشین ہو جائے گا نہ صرف اسی قدر بلکہ انسان پر ظاہر ہو جائیگا کہ اس ذات بابرکات کے متعلق معلوم ہو جائے گا کہ انسان پر اس ذات میں قدر رہنمائی اور مہربانی ہے الرحمٰن الرحیم کے مفہوم کو سمجھ لے گا تھوڑا سا بھی اگر یہ خیال کرے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ بھی کسی میں رحمت کا مادہ ہوگا تو جواب نفی میں ہوگا بفرض تسلیم اللہ تعالیٰ کی رحمت سب سے کامل و اکمل ہے اب فقیر ان دونوں امور کو بدلائل ثابت کرتا ہے۔

دلیل پہلی: بخشش یا سخاوت کے معنی ہیں کہ بے عوض فائدہ پہنچایا جائے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ذاتِ باری کے سوا کوئی نہیں ہے باقی سب بخششیں کسی نہ کسی عوض پر مبنی ہوتی ہیں مگر عوض کی بہت قسمیں ہیں منجملہ ان کے عوض جسمانی ہے مثلاً روپیہ دیا اور اس کے عوض کوئی چیز لے لی اور عوض روحانی بھی ہوتا ہے مگر یہ عوض کئی طرح سے ہوسکتا ہے مثلاً (اول) خدمت کے لئے روپیہ (دوم) روپیہ بغرض حصول مدد دیا جائے (سوم) روپیہ کے عوض میں مدح و ثناء کرائی جائے (چہارم) بغرضِ ثواب روپیہ خرچ کیا جائے (پنجم) روپیہ صرف کیا جائے تا کہ اس کی محبت دل سے ختم ہو جائے (چھٹا) روپیہ خرچ کیا جائے کہ الفت جنبیہ دور ہو۔ مفصلہ بالا قسمیں تمام روحانی عوض سے ہیں۔

نوٹ:

یاد رہے کہ یہ روحانی فوائد امام رازی نے لکھے ہیں جو روپے پیسے سے حاصل ہوتے ہیں مگر یہ تاویل ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن اس ضمن میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان نقل کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ دنیا پیسہ اور روپیہ کے لالچ میں ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت پھر کیسے آسکتی ہے فرمایا کہ روحانیت کو تلاش کرو یہ روحانیت ہر طمع سے انسان کو پاک کر دیتی ہے۔

حدیث دوسری: سیدنا ابو سعید خدری فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے قریب پہنچ جاؤں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت مجھے اپنے سائے میں لے لے تو فرمایا کہ تو روحانیت کو اختیار کر جو ہر قسم کے طمع و حرص سے تمہیں پاک کر دے گی اور اللہ تعالیٰ کی رحمت میں غرق کر دے گی موصوف صاحب خزینۃ القرآن نے تو کافی احادیث اس سلسلے میں درج فرمائی ہیں لیکن فقیر یہاں بات کو سمجھنا چاہتا ہے کہ عبادت کا مقصد ہر گز یہ نہیں کہ روحانیت بھی پیسہ اور روپیہ سے حاصل ہوتی ہے اور برکتوں سے نوازتا ہے اور امام رازی کی مذکورہ بالا تقریر فقیر کے اس فقرے میں مل گئی جو حدیث سے بھی تائید ہوگئی غرض یہ کہ ہر شخص کی عطاء کسی نہ کسی عوض پر ہوتی ہے خواہ بغرضِ حصول کمال کیوں نہ ہو روپیہ صرف کیا جائے دراصل وہ معاوضہ ہوتا ہے بتقضائے بشریت نہ عطیہ ہے نہ پیسہ ہے نہ بخشش مگر ذات رحیمی بنفس خود کامل و اکمل ہے اسے کمال پیدا کرنے کی بھی ضرورت نہیں وہ عطا فرماتا ہے بلا معاوضہ پس معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ جواد مطلق اور رحیم مطلق ہے اور کوئی نہیں۔

دلیل دوسری: ذات الٰہی کے سواء باقی سب ممکن ہیں قول ممکن واجب الوجود فعل کا نتیجہ ہوتا ہے اور اس کا وجود موجدِ حقیقی کی ذات کے سوا نہیں ہوسکتا پس اللہ تعالیٰ کے سوا جس سے صدور رحمت ہوگی تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کے فعل کا نتیجہ ہوگا۔ صاحب خزینۃ القرآن نے کتنی پیاری بات فرمائی ہے پس ثابت ہو کہ حقیقی رحیم اللہ تعالیٰ ہے۔

دلیل تیسری: انسان فعل اور ترک فعل پر قادر ہے لیکن ایک فعل دوسرے فعل کو ترک کرنے میں بغیر پختہ سبب کے عمل نہیں ہوتا اس سے رحمت نہ ہوئی تو ہم یہ پوچھتے ہیں کہ انسان کے دل میں کون رحمت پیدا کرنے والا ہے لامحالہ لازمی جواب ہوگا کہ باری تعالیٰ ہے معلوم ہوا کہ حقیقی رحیم وہی ہے۔

دلیل چوتھی: مانا کہ فلاں شخص کو فلاں شخص نے گندم دی لیکن معدہ میں قوت ہاضمہ نہ ہوگی تو وہ شخص ہر گز ہی گندم کو استعمال نہیں کر سکتا پس اصل بات یہی ہے کہ بغیر ذاتِ الٰہی کے کچھ نہیں ہوسکتا اگر وہ آفات اور بلیات سے محفوظ نہ رکھے تو استفادہ ناممکن ہے گندم کے پیدا کرنے والا وہی ہے وہی حقیقی منعم وہی رزاق وہی رحیم ہے رہا امر دوم

Marfat.com

یعنی بالفرض اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی رحیم ہے تو پھر بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت سب پر فائق اور اکمل ہوگی ثبوت دعویٰ کی تقریر چند وجوہات پر منحصر ہے۔

وجہ اوّل: انعام سے منعم کی خوشحالی اور منعم علیہ کی بدحالی اور ذلت پائی جاتی ہے تو ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے آگے ذلت مخلوق کی ذلت اٹھانے سے بہر حال بہتر اور افضل ہے۔

وجہ دوم: اللہ تعالیٰ انعام دے گا تو ایسے اعمال صالح کی تحریک ہوگی جن کے ذریعہ وہ آخرت میں انعام کا مستحق ہوگا۔ اس ذات کا انعام اس حکم پر ہے کہ تم سعادت ابدی کو حاصل کرو اور ایسے عمل کرو جن میں ابداً آباد تک فائدہ پہنچتا رہے لیکن اس کے بغیر بندہ کے انعامات کسی حصولِ مقصد پر منحصر ہوتے ہیں اور انعام کے ذریعے کوئی نہ کوئی خدمت لیتا ہے پس ظاہر ہے کہ پہلی حالت اعلیٰ و افضل ہے۔

وجہ سوم: انعام انسان کو حلقہ بگوش بنا دیتا ہے اور منعم کو منعم کا غلام بنا دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی غلامی بندے کی غلامی سے فائق ہے۔

وجہ چہارم: بادشاہ کو چونکہ حالت انسانی کا علم نہیں ہوتا بسا اوقات انعام عطاء کرتا ہے مگر منعم علیہ کو ضرورت نہیں ہوتی اور کبھی بخشش نہیں کرتا اور عموماً انعام مستحق کی بجائے غیر مستحق لے جاتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ حاجت مند اور مستحق کو انعام سے نوازتا ہے پس ظاہر ہے کہ پہلی صورت دوسری صورت سے افضل و اعلیٰ ہے۔

وجہ پنجم: انعام سے احسان مندی ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا احسان اٹھانا بندہ کا احسان اٹھانے سے اعلیٰ و افضل ہے۔ پس ان تمام وجوہات سے ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اکمل و اشرف ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن نے تو کافی بحث کی ہے لیکن فقیر یہیں ختم کرے گا۔ (واللہ الہادی)

⌘⌘⌘⌘⌘

Marfat.com

باب گیارہواں

(ان نکات کے بیان میں جو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں موجود ہیں)

نکتہ پہلا:

ایک دفعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بیمار ہوگئے اور آپ کو پیٹ درد نے بہت ستایا حق تعالیٰ سبحانہٗ کی بارگاہ میں عرض کی اللہ تعالیٰ نے فرمایا جنگل کی طرف جاؤ اور فلاں بوٹی کھاؤ، بوٹی کھائی تو صحت یاب ہوگئے پھر وہ عارضہ ہوا۔ آپ نے وہی بوٹی استعمال کی لیکن افاقہ کی بجائے درد میں زیادتی ہوگئی۔ عرض کیا باری تعالیٰ اب تو مجھے درد زیادہ ہوگیا ہے باری تعالیٰ نے فرمایا کہ اوّل تو نے میرے حکم پر کھائی تھی بعد میں تو نے مجھے چھوڑا۔ تجھے معلوم نہ تھا کہ دنیا کی ہر چیز زہر قاتل ہے اور تو نے میرا نام چھوڑ دیا اور میرا نام لینے سے شفا ہوتی ہے، میرا نام تریاق ہے۔

نکتہ دوسرا:

حضرت رابعہ بصری تمام رات نماز تہجد میں مصروف رہیں جب وہ سوئیں تو ان کے گھر چور آ گیا۔ چور نے ان کے کپڑے اٹھا لئے جب دروازہ تک آیا دروازہ گم ہو گیا پھر وہ کپڑے وہیں رکھ دیئے جہاں سے اٹھائے تھے تو پھر آیا تو دروازہ نظر آ گیا اس طرح یہ عمل تین بار دہرایا پھر ایک کونے سے آواز آئی کہ کپڑے وہیں رکھ دو اور فوراً چلے جاؤ اگرچہ ہمارا حبیب نیند میں ہے تو بادشاہ تو بیدار ہے۔

نکتہ تیسرا:

ایک عارف بکریوں کا ریوڑ چرا رہا تھا کہ بھیڑیا آیا اور بھیڑیے نے بکریوں میں سے ایک بکری کو اٹھانا چاہا، کامیاب نہ ہو سکا تو ایک دیکھنے والے راہی نے سوال کیا کہ بھیڑیے اور بکریوں میں کیا موافقت ہے اس نے کہا ان کی گٹھڑی اللہ کے ہاتھ ہے۔ مذکورہ بالا روایات تفسیر خزینۃ القرآن اور تفسیر کبیر میں موجود ہیں۔

نکتہ چوتھا:

بسم اللہ اَبْتَدِئُ سے شروع ہے ابتداء فعل ہے تو بسم اللہ کے معنی یہ ہوئے کہ میں شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے۔ تو بغرض تسہیل و آسانی ابتداء کو حذف کر دیا انسان جب اسے پڑھتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ میں اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان اپنے ہر کام میں سہل پسند ہے تو اللہ تعالیٰ نے بندہ کو عبادت میں مشغول ہونے سے پہلے بتا دیا کہ میں درگزر کرنے والا اور معاف کرنے والا ہوں۔

نکتہ پانچواں:

فرعون نے جب ربوبیت دعویٰ کیا تو اس نے ایک بلند اور عالیشان محل تعمیر کیا جب اس نے اپنے آپ کو أنا اللہ کہا تو محل کے دروازے پر بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھا اور موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے جب بھیجا تو جب موسیٰ علیہ السلام نے نصیحت کی تو اس نے نہ مانا مایوس ہو کر حاکم اعلیٰ کے دربار میں حاضر ہو کر عرض کیا حکم ہوا اے موسیٰ تو اس کے اس فعل کو دیکھتا ہے اور میری نظر بسم اللہ پر ہے جو اس نے اپنے محل پر لکھی ہے میں اسے عذاب میں تو مبتلا کر دوں لیکن صرف بسم اللہ الرحمن الرحیم کی وجہ سے عذاب ٹال رکھا ہے۔ یاد رہے کہ بسم اللہ کی اتنی برکت ہے کہ اس کی وجہ سے کافر بھی بچ جاتا ہے جب وہ اپنے دروازے پر لکھ دے قیاس کر لیا جائے جب کافر بسم اللہ کی برکت سے بچ سکتا ہے تو مسلمان اس کے پڑھنے سے کتنا مستفیض ہو سکتا ہے ہر بلا و بیماری سے محفوظ رہ سکتا ہے۔

Marfat.com

نکتہ چھٹا:

جب اللہ تعالیٰ نے اپنا نام رحمٰن ورحیم رکھا ہے تو پھر کیونکہ اپنی رحمت نہ فرمائے گا۔ایک سوالی نے ایک دوست کے دروازے پر خیرات مانگی اس نے خیرات دے کر رخصت کیا دوسرے دن وہ پھر آیا تو اس نے اپنے دروازے کو کریدنا شروع کیا۔اس نے کہا ایسا کیوں کرتا ہے کہا دروازہ کو عطیہ کے برابر کردوں ورنہ دروازہ کے مطابق عطیہ کی حیثیت ہو۔اے اللہ تعالیٰ تو رحمٰن اور رحیم ہے تیری رحمت بے بہا ہے۔مجھے اپنی رحمت وسیع سے محروم نہ فرمانا۔

نکتہ ساتواں:

لفظ اللہ سے قدرت اور قہر مفہوم ہوتا ہے اس کے بعد رحمٰن رحیم کا ذکر کرنے سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ میری رحمت کی فراوانی غضب پر غالب ہے۔

نکتہ آٹھواں:

جب کسی بادشاہ کے لئے گھوڑا یا کوئی چیز خریدی جاتی ہے اس پر نشان کی کوئی علامت ضروری ہوتی ہے تاکہ بادشاہ کی شئے دشمن کی دست بُرد سے محفوظ رہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب بندوں کو نماز کا حکم فرمایا کہ پہلے بسم اللہ کی علامت مقرر کردی۔مبادا کہ آپ کی عبادت پر شیطان دشمنی نہ کرے۔وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

نکتہ نواں:

ہر ایک کو چاہئے کہ اپنے دل میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے تاکہ قیامت کو اس کے لئے فائدہ مند ہو۔رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے فرمایا کہ مہر بنوا کر لاؤ جس پر لا الہ الا اللہ کندہ ہو،آپ نے پورا کلمہ لکھوا دیا جب حضور ﷺ کی بارگاہ میں پیش کیا تو پورا کلمہ کندہ کیا ہوا تھا اور حضرت ابوبکر صدیق کا نام بھی کندہ کیا ہوا تھا۔ آپ (ﷺ) نے فرمایا،اے ابوبکر،اس پر تو کچھ نقش زائد ہیں۔عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ) میں اللہ تعالیٰ کے نام سے آپ کے نام کو کیسے علیحدہ کر دیتا جب کہ وہ آپ (ﷺ) کے نام کو اپنے نام سے جدا نہیں کرتا پھر فرمایا اپنا نام بھی ساتھ کندہ کر دیا ہے خاموش ہو گئے اور شرمندہ ہوئے۔جرائیل علیہ السلام حضور (ﷺ) کی بارگاہ میں حاضر ہوا،عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس طرح تیرے نام کو میرے نام سے صدیق نے علیحدہ کرنا مناسب نہیں سمجھا تو میں نے بھی تیرے نام کو اس کے نام کے ساتھ مناسب سمجھا اور علیحدہ رکھنا مناسب نہ سمجھا۔تو اس حدیث سے یہ نکتہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کے نام کے ساتھ ملا ہوا صدیق کے نام کو پسند فرماتا ہے یاد رہے کہ بسم اللہ کے پڑھنے سے رحمت بے بہا نفع پہنچاتی ہے اللہ کا نام نفع کن ہے،یہ مذکورہ بالا حدیث تفسیر خزینۃ القرآن،تفسیر کبیر اور طبرسی مجاہدی میں بھی مذکور ہے۔بخاری کی شرح عینی میں بھی ہے۔

نکتہ دسواں:

نوح علیہ السلام جب کشتی پر سوار ہوئے تو پہلے بسم اللہ مجرھا و مرسھا پڑھا تو نجات ہوئی حالانکہ یہ آدھا کلمہ ہے۔جو کوئی پورا کلمہ پڑھے اور اس کو کبھی ترک نہ کرے تو کوئی چیز اس کو تکلیف نہیں دے سکتی جو چاہے وہی ہوسکتا ہے۔دیکھئے جب سلیمان علیہ السلام نے یہ پڑھا انہ من سلیمان وانہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم تو سارے جہان کی سلطنت حاصل ہوگئی یہ اس کلمہ پاک کی برکت ہے۔صاحب خزینۃ القرآن ایک حدیث درج فرماتے ہیں جو مجموعہ الاحادیث سے اقتباس کی گئی ہے۔حضرت علی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی پورے بسم اللہ کا ورد جاری رکھے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آجاتی ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بے بہا رحمت والے خزانے تیرے لئے ہیں میں نے تیرے تابع کر دیئے ہیں۔یہ حکم مجھے بے حد پیارا ہے۔

نکتہ گیارہواں:

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ سلیمان علیہ السلام نے اس کلمہ میں پہلے اپنا نام مقدم کیا اور بعد میں یہ کلمہ تو اس اعتراض کا جواب کئی وجوہ سے ہے:

اوّل: بلقیس اپنے تکیہ کے نیچے خط دیکھ کر حیران ہوگئی۔سوچا کہ یہ خط سلیمان نے یہاں تک کیسے پہنچایا یہاں تو کسی کو آنے کی مجال نہیں۔دیوار پر ہُد ہُد کو بیٹھے ہوئے دیکھا

Marfat.com

تو لفافہ کے اوپر انّہ من سلیمان تھا اور خط میں وانّہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم تھا اور انّہ من سلیمان یہ بلقیس کا قول ہے خط میں تو وانّہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم تھا یہ جواب صاحب خزینۃ القرآن اور امام رازی نے مشترکہ طور پر دیا ہے۔

دوسرا: یہ ہوسکتا ہے کہ لفافہ کے بیرونی جانب انّہ من سلیمان تھا جیسے عام طور پر رواج ہے کہ لفافے کے باہر نام لکھا ہوا ہوتا ہے جب خط کو کھولا تو سلیمان علیہ السلام نے اپنا مضمون وانّہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع فرمایا تو بلقیس پڑھ کر بول اٹھیں۔

تیسرا: سلیمان علیہ السلام نے پہلے اپنا نام لکھا کیونکہ بلقیس کافر تھی یہ خیال فرمایا کہ پہلے اللہ تعالیٰ کا نام لکھوں تو وہ اللہ تعالیٰ کو برا بھلا کہنا نہ شروع کر دے، میں اپنا نام لکھوں۔ مجھے جو کچھ کہنا ہے تو کہہ لے اللہ تعالیٰ کی ذات پر اس کا حملہ نہ ہو۔

نکتہ بارہواں:

بسم اللہ کی باء سے بَرّ مراد ہے جس کے معنی شفقت کرنے والا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مومنین پر اپنی شفقت فرمائے گا، انہیں اپنی نعمتوں سے نوازے گا، خاص کر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کا دیدار بڑی نعمت ہے جو ہر مومن اپنے سر کی آنکھ سے مشاہدہ کرے گا۔ ایک شخص بیان کرتا ہے کہ میرا ہمسایہ بیمار ہوگیا تو میں اس کی عیادت کے لئے گیا تو میں نے اسے کہا اسلام قبول کر لو اس نے جواب دیا کہ خوف نار سے اسلام قبول کرلوں۔ ہرگز نہیں میں نے کہا جنت ملے گی اس نے کہا مجھے پرواہ نہیں، مجھے تو اللہ تعالیٰ کا دیدار چاہئے میں نے کہا کہ یقین رکھو دیدار ہوگا۔ اس نے کہا لکھ دو میں نے لکھ دیا تو وہ مسلمان ہوگیا۔ کچھ عرصہ کے بعد وہ فوت ہوگیا تو میں نے اسے خواب میں دیکھا تو وہ بڑا خوش وخرم ہے۔ میں نے دریافت کیا کہ تیرا حال کیا ہے تو اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس نام کی برکت سے میرے گناہ معاف کر دیئے ہیں۔ اس سے اس کا نام سمیع ہے وہ ہر کی بات سننے والا ہے اور دعا کو مستجاب فرماتے والا ہے۔ امام رازی نے یہ بات تفسیر کبیر میں لکھی ہے روایت ہے کہ زید بن حارث ایک منافق کے ساتھ طائف کو جا رہے تھے خربہ کے مقام پر جب پہنچے تو منافق نے کہا کہ تھوڑا سا آرام کر لینا چاہئے۔ غار میں آرام کرنے کی غرض سے داخل ہوگئے۔ زید بن حارث کو نیند آگئی منافق نے ان کے بازوؤں کی مشکیں باندھ دیں اور تلوار نکال لی اور قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ حضرت زید نے کہا کہ تم مجھے کیوں قتل کرتے ہو اس نے کہا کہ تجھے حضرت محمد ﷺ سے پیار ہے اس لئے میں تجھے نہیں چھوڑوں گا۔ حضرت زید نے یا رحمٰن اغثنی کہا تو منافق کے کان میں آواز آئی کہ قتل نہ کرو جب وہ باہر آئے تو کوئی آدمی موجود نہ تھا پھر قریب گیا تو پھر آواز آئی کہ افسوس ہے قتل مت کرو پھر باہر آیا تو کوئی آدمی نہ تھا پر قریب آیا اور مارنا چاہا تو آواز آئی کیوں قتل کرتے ہو پھر غار سے باہر آیا اور ایک آدمی کو گھوڑے پر سوار نیزہ ہاتھ میں لئے ہوئے دیکھا اس نے اس کا کام تمام کر دیا اور غار کے اندر جا کر حضرت زید کو آزاد کیا اور کہا کہ میں جبرئیل ہوں جب تو نے اللہ کو پکارا تو اس وقت میں اپنے مقام پر تھا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم فرمایا میں نے اپنے مقام سے اسے پہلی آواز دی پھر دوسری آواز آسمان پر تیسری آواز پھر زمین پر۔ میم سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش سے لے کر اسفل السافلین تک اس کا قبضہ ہے۔ سدی کہتا ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں قحط سالی پڑ گئی۔ لوگوں نے کہا یا حضرت نماز استسقاء پڑھاؤ اور اللہ تعالیٰ سے دعاء مانگو۔ حضرت سلیمان نماز استسقاء پڑھانے کے لئے تشریف لا رہے تھے کہ راستے میں ایک چیونٹی پر نظر پڑی جو پاؤں کے بل کھڑی دعاء کر رہی تھی کہ اللہ تعالیٰ ہم بھی تیری مخلوق ہیں تو اللہ تعالیٰ نے بارش نازل فرما دی۔ سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ تمہاری دعا غیر مخلوق سے پوری ہوگئی۔ دیکھئے حضرت سلیمان علیہ السلام بھی غیر مخلوق کی دعا کے قائل تھے۔ اب رہا لفظ اللہ تو آپ (ﷺ) اے لوگو! میں ہر وقت اللہ ہی کو یاد کروں گا۔ پُلصراط سے گزرتے وقت بھی اللہ کو جب نامۂ اعمال ہاتھ میں آئے گا تو اس وقت بھی اللہ کیونکہ اعمال کے وزن سے اللہ کا وزن بھاری ہے جب میں جنت میں داخل ہوں گا تو تب بھی اللہ ہی کہوں گا اور جب اللہ کا دیدار ہوگا تو اس وقت بھی پہلے اللہ کہوں گا۔

نکتہ تیرہواں:

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے تین شخصوں کو مخاطب فرماتا ہے۔ فرماتا ہے: فمنهم ظالم لنفسه ومنهم مقتصد ومنهم سابق بالخيرات تو اس کلمہ میں تین نام بیان کرنے کا ظاہراً مقصد یہ ہے کہ نیکی میں بڑھنے والوں کا اللہ ہوں درمیانہ درجے والوں کا رحمٰن ہوں اور ظالموں کا رحیم ہوں نیز اللہ تعالیٰ عطیات بخشنے والا رحمٰن ہے اپنے گناہ گار بندوں کی لغزشوں سے چشم پوشی کرنے والا رحیم ہے۔ ظلم نہ کرنے والوں سے کہتا ہے کہ یاد رکھو کہ مجھے تمہارے وہ حالات معلوم ہیں کہ اگر والدین

Marfat.com

کو ان کا علم ہو جائے تو وہ تمہیں عاق کر دیں۔ تمہاری عورتوں کو پتہ چل جائے تو وہ قطع تعلق کر دیں اور اگر تمہاری لونڈیوں کو معلوم ہو جائے تو وہ تم سے کوسوں دور ہو جائیں۔ تمہارے ہمسایوں کو پتہ چل جائے تو وہ تمہارا گھر ویران کر دیں سب اس کے باوجود مجھے معلوم ہے میں تجھ پر کرم و بخشش کرتا ہوں اور میں تیرا معبود حقیقی رحیم ہوں۔

نکتہ چودھواں:

اللہ تعالیٰ ہمارا دوست ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اللہ ولی الذین امنوا رحمٰن ہمارا محبّ ہے جیسے فرمایا ان الذین امنوا و عملوا الصلحت سیجعل لھم الرحمٰن ودًا وہ مومنوں سے رحیم ہے جیسے فرمایا و کان بالمومنین رحیما۔

نکتہ پندرھواں:

رسول اللہ نے فرمایا کہ جو شخص زمین پر پڑا ہوا وہ کاغذ جس پر بسم اللہ لکھی ہوا ٹھالے۔ جلال الٰہی سے خوف زدہ ہو کر تو اللہ تعالیٰ اس کا نام صدیقین میں درج کرے گا اور والدین کے عذاب کو ہلکا کر دے گا وہ مشرک ہی کیوں نہ ہو بشر حافی کا قصہ مشہور ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وضو کرتے وقت بسم اللہ شریف پڑھ لیا کرو وضو ختم ہونے تک نیکیاں درج فرماتا رہتا ہے جب بیوی کے قریب جاؤ تو جنابت سے پہلے بسم اللہ پڑھ لیا کرو تو اللہ تعالیٰ جو اولاد نرینہ عطا فرمائے گا۔ تمہارے نامۂ اعمال میں فرشتہ نیکیاں درج فرماتا رہے گا اور تمہاری سانس آتے جاتے وقت تک اور تمہاری اولاد اور ان کی اور ان کی اولادوں تک بھی ان نیکیوں کا سلسلہ جاری رہے گا۔ ابو ہریرہ سواری کے وقت بسم اللہ اور الحمد للہ پڑھا کرو تو اللہ تعالیٰ ہر قدم کے بدلے نیکیوں کی تحریر جاری رکھے گا۔ حضرت انس بن مالک سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کپڑے اتارتے وقت بسم اللہ پڑھ لیا کرو کیونکہ وہ بنی آدم اور جنوں کے درمیان حائل ہو جاتی ہے اور یہ دشمن مخلوق بنی آدم کی شرمگاہوں کو نہیں دیکھ سکتے اس حدیث سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ دنیا جب انسان اور اس کے دشمن جنوں کے مابین یہ کلمہ بمنزلہ حجاب ہو جاتا ہے تو کیا روز قیامت زبانیہ (دوزخ کے فرشتوں کا نام ہے) سے محجوب نہ کرے گا۔

نکتہ سولھواں:

شاہ قیصر نے حضرت عمرؓ کو لکھا کہ اسے سخت سر درد رہتا ہے تو حضرت عمر نے اپنی ٹوپی بطور علاج سر درد بھیج دی جب اس نے سر پر رکھی تو فوراً درد جاتا رہا لیکن جب وہ ٹوپی اتارتا تھا تو پھر درد واپس لوٹ آتا تھا اس نے ٹوپی کو دیکھنا شروع کیا تو ایک پردہ ملا جس پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھی ہوئی تھی۔

نکتہ سترھواں:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وضو کرتے وقت بسم اللہ پڑھ لیا کرو اگر نہ پڑھی گئی تو وہی اعضاء پاک ہوں گے جو وضو والے ہیں بسم اللہ پڑھنے سے سارا بدن پاک ہو جاتا ہے اس حدیث سے نتیجہ یہ نکلا کہ وضو کرتے وقت بسم اللہ پڑھنے سے بدن پاک ہو جاتا ہے اگر خالص دل سے پڑھے تو کیوں نہ کفر اور بدعت سے پاک ہو جائے بلکہ فقیر تو کہتا ہے کہ بسم اللہ پڑھنے سے روحانیت اور اللہ تعالیٰ کی معرفت کے سمندر میں غوطہ زن ہو جاتا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص دن کو بسم اللہ خوب بکثرت پڑھتا ہے تو قیامت کے دن وہ اللہ تعالیٰ کے دیدار سے کبھی محروم نہ رہے گا

نکتہ اٹھارواں:

کسی نے خالد بن ولید سے کہا کہ تم اسلام اسلام کرتے ہو کوئی کرامت تو دکھاؤ۔ آپ نے فرمایا کہ زہر کا پیالہ لاؤ جب وہ لائے آپ نے بسم اللہ شریف پڑھ کر پی لیا۔ بحکم الٰہی آپ صحیح و سلامت رہے اور مجوسی یہ دیکھ کر مسلمان ہو گیا (دیکھئے! ہم پہ کیوں اثر نہیں ہوتا ہم خالص دل سے کلمات کو ادا نہیں کرتے)۔

نکتہ انیسواں:

عیسیٰ علیہ السلام ایک قبر سے گزرے تو وہاں میت پر عذاب ہو رہا تھا۔ واپس آئے تو پھر عذاب ختم ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی کہ یہ کیا ماجرا ہے اللہ

Marfat.com

تعالیٰ نے فرمایا کہ جب یہ فوت ہوا تھا تو اس کی بیوی حاملہ تھی اس سے بچہ پیدا ہوا آج اس نے درس میں بسم اللہ شریف پڑھی ہے میں نے اس کے والد کے عذاب کو ختم کر دیا ہے۔ یہ حدیث تفسیر کبیر اور خزینۃ القرآن اور اکثر دوسری کتب میں بھی درج ہے۔

نکتہ بیسواں:

کسی نے عمرہ فرغانیہ سے پوچھا جو بڑے عارف تھے کہ جنبی اور حائضہ کو تلاوت قرآنی منع ہے لیکن بسم اللہ کیوں منع نہیں فرمایا کہ حبیب، حبیب کا ذکر کرنے سے نہیں روکتا کیونکہ بسم اللہ محبوب کا ذکر ہے۔

نکتہ اکیسواں:

کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ چھ جگہوں پر اپنی رحیمی کو بندوں پر ظاہر فرمائے گا۔ قبر میں کیڑے مکوڑوں سے قیامت کے دن اس کے اندھیروں سے اور تول میں اس کے وزنی درجوں سے۔ تلاوت قرآنی کی لغزشوں سے۔ پلصراط پر اس کے خوف ناک ہول سے آگ اور اس کے طبقات سے۔

نکتہ بائیسواں:

ایک عارف کا ذکر ہے کہ اس نے وصیت کی کہ میں مروں تو میرے کفن پر بسم اللہ لکھ کر میرے ساتھ دفن کرنا۔ وجہ دریافت کرنے پر کہا کہ روز قیامت میں اللہ تعالیٰ سے عرض کروں گا کہ اے اللہ تعالیٰ تو نے کتاب نازل کی جس کا عنوان بسم اللہ شریف سے فرمایا میرے ساتھ اپنی نازل کردہ کتاب کے عنوان کا سا سلوک فرما۔ یہ روایت تفسیر کبیر میں ہے۔ تو نتیجہ یہ ہوا کہ بسم اللہ کفن پر لکھنی چاہئے اور امام قائل ہیں۔

نکتہ تیئسواں:

کہتے ہیں کہ بسم اللہ کے انیس حروف ہیں۔ اور دوزخ کے دوروغہ بھی انیس ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ ان حروف کی برکت سے جہنم سے بندے کو دور رکھے گا۔ دوسری یہ کہ اللہ تعالیٰ نے لیل ونہار کے چوبیس گھنٹے بنائے ہیں ان میں سے پانچ گھنٹوں میں تو نماز کو مقرر فرمایا باقی رہے انیس۔ ان انیس گھنٹوں میں جو گناہ سرزد ہوں گے بسم اللہ کے انیس حروف ان کا کفارہ ہوگا۔

نکتہ چوبیسواں:

سورۃ توبہ میں قتال کا مضمون ہے اس کی ابتداء میں بسم اللہ نہیں پڑھنی چاہئے۔ تفسیر خزینۃ القرآن میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب سورۃ توبہ نازل ہوئی تو جبرائیل نے بسم اللہ نہیں پڑھی خود لے حضور نے فرمایا کہ اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ کے سخت دشمنوں کا ذکر ہے دوسری وجہ یہ ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سورۃ انفال اور توبہ کے مضمون ایک ہیں تو سورۃ توبہ کے شروع میں بسم اللہ پڑھنے کی ضرورت نہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تلاوتِ کلام پاک کو شروع ہی کرنا ہو اور منزل کا حصہ سورۃ توبہ ہو تو پھر بسم اللہ شریف پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ایک اور وجہ بھی ہے۔ منزل پڑھتے پڑھتے اگر کسی سے ہم کلام ہو پھر منزل کو شروع کیا اور شروع سورۃ توبہ آ گئی تو پھر بھی بسم اللہ شریف مانع نہیں نیز ذبح کے وقت بسم اللہ اللہ اکبر پڑھنا درست ہے۔ لیکن بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا درست نہیں کیونکہ رحمت غضب پر غالب ہے وہ غضب کا وقت ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دن میں سترہ (۱۷) دفعہ نماز مفروضہ میں بسم اللہ پڑھنے کی توفیق فرمائی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ذات نے انسان کو قتل وقتال کے لئے پیدا نہیں فرمایا بلکہ رحمت فضل اور احسان کے لئے پیدا کیا ہے۔ بسم اللہ شریف کی تفسیر صاحب خزینۃ القرآن نے کافی کی ہے لیکن فقیر اسے یہیں پر ختم کرے گا۔

(واللہ الہادی الی الصواب)

⌘⌘⌘⌘⌘

Marfat.com

سورۃ ہذاء کے اسماء اس ضمن میں کئی باب ہوں گے

باب اوّل

(سورۃ الفاتحہ کے بہت نام ہیں۔اسماء کی کثرت سے مسمّٰی کی بزرگی مفہوم ہوتی ہے)

اوّل: پہلے سورۃ فاتحہ کے ساتھ وجہ تسمیہ یہ ہے کہ قرآن کی تعلیم کی ابتداء اس سورت سے ہوتی ہے اور نماز کی قرأت بھی اسی سے کی جاتی ہے۔بعض کہتے ہیں کہ ہر ایک کلام جملہ سے شروع کیا جاتا ہے (اس کی تفصیل آئندہ ہوگی) اس لئے اس صورت کا نام فاتحہ رکھا گیا ہے یہ سورت مکہ شریف میں نازل ہوئی۔صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ ایک روایت ہے کہ یہ دوبارہ مدینہ میں بھی نازل ہوئی لیکن وہ روایت ضعیف ہے۔حضرت علی و حضرت عبداللہ ابن مسعود ابن عباس ابوسعید خدری عبداللہ ابن کعبؓ فرماتے ہیں کہ سورۃ الفاتحہ مکہ شریف میں نازل ہوئی لیکن وہ روایت مدینہ شریف والی اگر مستند ہوتی تو اس کا بھی بار بار تذکرہ ہوتا لیکن اس کے لئے بکثرت روایت نہیں ہے لہٰذا جماعت کا اسی پر اتفاق ہے کہ سورۃ الفاتحہ مکہ شریف میں نازل ہوئی۔بعض نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ سب سے پہلی سورت یہی تھی جس کا نزول ہوا۔

دوسری: سورۃ حمد کیونکہ اس کا پہلا لفظ الحمد ہے۔

تیسری: سورۃ الفاتحہ قرآن کی ماں ہے،اس کی چند وجوہات ہیں:

وجہ پہلی: ام الشئ کے (ام القرآن) ہیں کیونکہ قرآن کریم میں چار امور کے متعلق تذکرہ مقصود ہے۔الٰہیات،امورِ معاد نبوت اور قضاء وقدر کا غیر کی نفی اثبات اور ان چاروں امور کا ذکر بالاجمال سورۃ الفاتحہ میں آچکا ہے کیونکہ مالک یوم الدین سے روز قیامت کے مالک کا مفہوم ہوتا ہے ایاک نعبد میں صبر وقدر کی نفی مفہوم ہوتی ہے اور ایاک نستعین سے قضاء وقدر معلوم ہوتی ہے اور اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین سے اثبات نبوت مفہوم ہوتا ہے الحمد للہ ربّ العالمین الرحمٰن الرحیم سے مضامین الٰہیہ ثابت ہوتے ہیں۔فقیر ان شاءاللہ ان چاروں امور پر بحث کرے گا۔غرض یہ ہے کہ قرآن کریم میں چاروں مطالب تھے اور سورت ہذاء ان چاروں امور پر ہے اس طرح اسے ام القرآن کا لقب دیا گیا ہے۔

وجہ دوسری: سب کلی الہامی کتابوں کا لب لباب تین امور ہوا کرتے ہیں زبان سے ثناء الٰہی کرنا اپنے آپ کو خدمت اور فرمانبرداری میں لگانا اور کشف اور مشاہدہ کو طلب کرنا تو سورۃ الفاتحہ میں یہ تینوں امور موجود ہیں الحمدللہ ربّ العالمین الرحیم مالک یوم الدّین اللہ تعالیٰ کی تعریف ہے ایاک نعبد و ایّاک نستعین سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اظہار عبودیت ہے اور ایاک نعبد کو مقدم کرنے سے عجز وانکسار کا اظہار اور مسکین وغریب اور رجوع الی اللہ کا اقرار کرنا ہے اھدنا الصراط المستقیم کے ساتھ کشف ومشاہدہ اور ہر قسم کی ہدایت طلب کی جاتی ہے۔

وجہ تیسری: تحصیل علوم سے یہ غرض ہوتی ہے کہ پروردگار کی عزت اور عبد کی ذلت کا کما علم ہو جائے تو الحمد للہ ربّ العالمین مالک یوم الدین سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام امور دنیاوی واُخروی غالب ہے اور ایاک نعبد سے لے کر ایّاک نستعین تا آخر سورت تک انسان کی بے بسی اور بے کسی معلوم ہوتی ہے تاوقتیکہ انسان کو اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال نہ ہو وہ عبادت اور اعمال پر قادر نہیں اور کشف باطنی اور ہدایات بدون ربّ العزت نہیں ہو سکتی۔

وجہ چوتھی: علم ذات صفات اور افعالِ اللہ تعالیٰ کو علوم اصول کہتے ہیں احکام اور امرِ الٰہی کو فروع کہتے ہیں۔حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ذات صفات اور انعامات سارے علوم کا مجموعہ ہے اور احکامات دینی ودنیاوی فروع ہیں نتیجہ بالا کی حدیث سے تصدیق ہوگئی پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ بعض کہتے ہیں کہ پہلے سورۃ الفاتحہ نازل ہوئی۔صاحب خزینۃ القرآن اس پر رقمطراز ہیں ایک حدیث بیان کرتے ہیں کہ سیفلی بن عبیدہ بیان

Marfat.com

کرتا ہے کہ میں نے ابو موسیٰ اشعری سے سنا کہ حضورﷺ نے فرمایا کہ مجھ پر پہلی وحی اللہ تعالیٰ کی حمد سے شروع ہوئی۔ دوسری حدیث: یہ حدیث یوں بیان کرتے ہیں، اسحاق بن راہویہ کہتا ہے کہ میں نے عبداللہ بن جبیر سے سنا کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ مجھ پر اللہ کا شکر ہے کہ مجھ پر حمد سے وحی کی گئی۔ تیسری حدیث: حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ حضورﷺ نے فرمایا کہ آسمان سے مجھ پر حمد سے وحی شروع ہوئی ہے۔ اور اس ضمن میں حدیث کافی بیان ہوئی ہیں۔

نوٹ:

اس ضمن میں جتنی احادیث سورۃ الحمد کی پہلی وحی ہونے کے متعلق بیان کرتے ہیں آخر میں فرماتے ہیں یہ تمام احادیث ضعیف ہیں وجہ یہ ہے کہ حمد جملہ تعریفیہ ہے لیکن وحی پہلے اللہ تعالیٰ کے نام ربوبیت سے شروع اور اللہ تعالیٰ کے نام کو پڑھنے کا حکم ثابت ہے اس لئے لفظ اقراء استعمال ہوا ہے، الحمد میں تو صرف جملہ تعریفیہ ہے تو رسول اللہﷺ کو سب سے پہلے پڑھنے کا حکم ہونا ضروری مقصود تھا کہ سب سے پہلے حضورﷺ اللہ تعالیٰ کے نام سے ہی پڑھیں۔ اس اعتبار سے اقراء پہلی وحی درست ہے۔ سیدہ خدیجہ سے روایت ہے صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں (ف ۱) کہ جب رسول اللہﷺ غار حرا سے میرے حجرے میں تشریف لے آئے تو زبان پر اقـراء بـاسـم ربـک کا جملہ جاری تھا۔ اس سے میرے قلب کو سرور سا محسوس ہوا اور جی چاہا کہ بار بار سنتی رہوں لیکن سرکار دو (۲) عالم نے مجھے فرمایا کہ خدیجہ چادر اوڑھاؤ لیکن زبان پر یہی الفاظ جاری تھے، ان شاء اللہ آئندہ صفحات میں اس کی مکمل وضاحت ہوگی موصوف فرماتے ہیں کہ جماعت کا اسی پر اتفاق ہے پہلی وحی اقـرا بـاسـم ربـک ہے۔

تو بات چل رہی تھی مشاہدات انوار خالقیہ کا مشاہدہ علم تصفیۃ الباطن کے علم سے ہوتا ہے اور تینوں علوم کو علوم بشریہ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور قرآن کریم کی غایت یہی تینوں علوم ہیں۔ سورۃ الفاتحہ ان علوم کا مطلب بخوبی بیان کرتی ہے الـحـمـد للہ ربّ الـعـالـمـیـن الرحمن الرحیم ط مـالـک یوم الدّین سے اصول علم کا اشارہ ملتا ہے کیونکہ مخلوقات وموجودات وجود ایزدی پر دال ہیں اور آیت ربّ العالمین سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اطلاق اسی پر ہوسکتا ہے اور الحمد للہ سے اس امر کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ وہ ذات حمد وثناء کے لائق ہے اور استحقاق اسی کو حاصل ہے جو تمام موجودات کے ذرہ ذرہ سے واقف ہو ثابت ہو گیا کہ اس ذات کو بلا وجہ حق حمد حاصل نہیں بلکہ مستحق جدا ہونے کی شرط اس میں موجود ہے۔ آگے چل کر رحمان ورحیم سے رحمت بے غایت کا اظہار فرمایا ہے اور مالک یوم الدین سے اپنی قدرت کو ثابت فرمایا ہے اور ظاہر کر دیا ہے کہ وہ ذات ظالم نہیں بلکہ حق داروں کو ان کا پورا پورا حق دیا جائے گا اور ذرہ بھی ظلم نہ ہوگا یہاں تک تو علم اصول یعنی ذات وصفات اور اس کے افعال کا ذکر ہے۔ اب ایـاک نعبد سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مخدوم ومعبود ہے اور ہم اس کے فرمانبردار اور مطیع ہیں یہ علم فروع ہے اور اس کے بعد ایـاک نستعین سے دوبارہ علم اصول کو بیان کر دیا کہ عبادت اور عبودیت کی تکمیل بے اعانتِ پروردگار نہیں ہوسکتی ان دونوں علوم کی تفصیل کے بعد درجات مکاشفات اور مشاہدات کو بیان کرنا شروع کیا۔ اگرچہ ان درجات کی تعداد زیادہ ہے لیکن ان تینوں امور کے ذریعے بالا جمال سب پر محاصرہ ہوسکتا ہے۔

پہلا: دل میں نور حاصل ہونا۔ اھدنا الصراط المستقیم سے یہی مراد ہے۔

دوسرا: پاک اور صاف باطن اصحاب کے مراتب کا مشاہدہ کرنا اور یہ وہ لوگ ہیں جن کا باطن جذبات الٰہی اور اشواق الٰہی اور بڑے بڑے انعامات ایزدی سے بھرا ہوا ہے۔ یہاں تک کہ متواتر تجلیات اور انوار الٰہی کے باعث ارواحِ قدسیہ بن گئے۔ اب آئینہ کے موافق شفاف ہو کر دوسروں کو اپنے عکس سے مستفیض اور منور کرتے ہیں۔

پس صراط الذین انعمت علیھم سے مراد یہی لوگ مراد ہیں۔ا

(ف ۱) کہ حضرت بی بی خدیجہ فرماتی ہیں۔ (ف ۲) جو شخص فجر کی سنت اور فرض کے درمیان سورۃ الفاتحہ

تیسرا: شہوانی نقصانات سے مامون ومحفوظ رکھنا غیر المغضوب علیھم سے ظاہر ہوتا ہے شبہات اور وسوسوں کے گناہوں سے پاک رہنا ولا الضالین سے یہی جتلانا مقصود ہے پس مذکورہ بالا تقریر سے معلوم ہو گیا کہ سورۃ الفاتحہ کامل مکمل اکمل ہے۔ حدیث شریف میں وارد ہے، نبی کریمﷺ نے فرمایا کہ سورۃ الفاتحہ اللہ تعالیٰ سے رابطہ پیدا کرتی ہے اس کے پڑھنے سے انسان ہر قسم کی برائی اور صغیرہ وکبیرہ گناہ سے محفوظ رہتا ہے۔ حضور غوث الاعظم فرماتے ہیں کہ (ف ۲) اکتالیس مرتبہ پڑھے تو ہر قسم کی بیماری سے محفوظ رہے گا۔ اس کے تصرف سے مخلوق بھی فائدہ اٹھا سکتی ہے فقیر یہ کہتا ہے کہ سورۃ الفاتحہ کا عامل جس پر عمل کرے ہر بیماری ختم ہوسکتی ہے۔ صاحب

Marfat.com

خزینۃ القرآن حدیث درج کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مجموعہ الاحادیث سے اخذ کی گئی ہے جو حضرت علی نے تحریر کی ہے۔ حضرت علی فرماتے ہیں کہ جب کوئی مریض حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوتا تو سرکار دو عالم ﷺ فرماتے کہ ہر مرض کے لئے سورۃ الفاتحہ علاج ہے۔ آپ بھی سورۃ الفاتحہ کا مریض پر دم فرماتے تھے سوال ہوتا ہے کہ کیا دم کرنا تعویذ لکھنا جائز ہے یا نہیں؟ دم کے متعلق تو اکثر احادیث میں آیا ہے لیکن تعویذ کے بارے میں سنن ابوداؤد میں ایک حدیث درج ہے کہ رسول اللہ ﷺ تعویذ سے منع کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ تعویذ لینا شرک ہے۔ مسند امام احمد حنبل میں بھی اس قسم کی ایک روایت موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی کو تعویذ پہنا ہوا دیکھتے تو اتروا دیتے۔ حدیث تیسری اس ضمن میں ہے۔ علامہ برک صاحب اپنی کتاب (الاو دیتواب) میں لکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود سے روایت ہے کہ ایک اعرابی حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور سر پر کوئی تعویذ باندھا ہوا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے یہ کیا شرک پہن رکھا ہے اس اعرابی نے عرض کیا کہ کیا یہ ناجائز ہے؟ فرمایا کہ میں اس قسم کے شرک کو توڑنے کے لئے آیا ہوں یاد رہے کہ آج کل تعویذ لکھے جاتے ہیں اور سابقہ بزرگان دین بھی لکھتے آئے ہیں اس کی کیا وجہ ہے، کیا وہ مسئلہ سے ناواقف تھے؟ صاحب خزینۃ القرآن اور صاحب تفسیر طبری اس پر رقم طراز ہیں۔ صاحب خزینۃ القرآن سورۃ الفاتحہ باب نمبر 5 اسماء کے ذکر میں یہی بات تحریر کرتے ہیں جلد نمبر ۳ ص ۵۵۵ پر مذکورہ بالا احادیث کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ وہ تعویذ جو لکھے جاتے تھے اس کے لکھنے والے کاہن جادوگر ہوتے تھے اس پر وہ بتوں کے نام لکھتے تھے لہٰذا اس وجہ سے حضور (ﷺ) نے شرک فرمایا۔ صاحب موصوف اس ضمن میں حدیث درج کرتے ہیں کہ یہ حدیث اس مسودہ سے ہے جو حضرت عمر بن عبدالعزیز ثانی کے زمانے میں تدوین ہوا۔ حضرت امام مالک حضرت انس سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس بنوھوازن کے قبیلے کا ایک شخص حاضر ہوا یہ وہ قبیلہ ہے جو حلیمہ سعدیہ کے خاندان سے تعلق رکھتا ہے اس شخص نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ میری بکریوں کے ریوڑ میں بہت بیماری پیدا ہوئی ہے تو سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ سورۃ الفاتحہ کے ہوتے ہوئے تمہیں کیا تکلیف ہے فرمایا کہ سورۃ الفاتحہ کو لکھ کر پانی میں حل کر کے ان بکریوں کو پلاؤ چنانچہ اس نے ایسا کیا، وہ کہتا ہے بخدا میری بکریاں پھر کبھی بھی بیمار نہ ہوئیں تو اس حدیث سے تعویذ لکھنے کا جواز پیدا ہوتا ہے۔ صاحب طبری اس حدیث کو خزینۃ القرآن سے اپنی تفسیر میں نقل کرتے ہیں۔ صاحب خزینۃ القرآن آگے چل کر ص ۵۷۰ پر رقمطراز ہیں کہ حضرت عمر کے پاس جب کوئی مریض آتا تو وہ قرآن پاک کی کوئی سورت اسے لکھ دیتے تو شفا ہو جاتی یہ روایت حضرت امام مالک سے ہے آگے موصوف پھر درج کرتے ہیں کہ سیدنا علیؓ فرماتے ہیں کہ سورۃ الفاتحہ ہر مرض کے لئے علاج ہے چاہے اسے گھول کر پلا دیا لکھ کر تو اس سے بھی تعویذ کے لکھنے کا جواز پیدا ہو گیا اور دم کرنے کا بھی اسی مجموعہ الاحادیث سے صاحب خزینۃ القرآن اور حدیث درج کرتے ہیں فرماتے ہیں، حضرت علی مرتضیٰ نے فرمایا کہ میں اور حسنین کی والدہ حضرت عائشہ ام المومنین کے حجرے میں تھے تو سرکار دو عالم تشریف لے آئے تو کچھ دیر بعد ایک عورت آئی اس نے عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ میرا خاوند تجارت کرتا تھا اب وہ بیمار ہے اور اس کو کہیں سے بھی شفاء نہیں ملی اور وہ بیماری کی وجہ سے بہت تنگ ہے اور آپ (ﷺ) کے دیدار کا بہت مشتاق ہے تو سرکار (ﷺ) نے بکری کے دودھ پر سورۃ الفاتحہ دم کی اور فرمایا لے جاؤ اور وہ لے گئیں تو حضرت علی فرماتے ہیں کہ اس شخص کو شفاء ہو گئی بھلا کیوں شفاء نہ ہوتی۔ یہ سورۃ الفاتحہ تھی اور دم کرنے والی ذات مصطفیٰ (ﷺ) کی تھی۔ حضرت علی نے عرض کیا کہ اس کے بعد کوئی اور طریقہ بھی ہے۔ آپ (ﷺ) نے فرمایا کہ لکھ کر حل کر کے پلایا کرو۔ مولا علی فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ تعویذ کا لکھنا تو آپ (ﷺ) نے شرک فرمایا کہ وہ تعویذات جن پر بتوں کے نام لکھے ہوئے ہوتے ہیں یا کوئی اور چیز لکھی گئی ہو وہ جائز نہیں بلکہ شرک ہے آپ (ﷺ) نے فرمایا یہ تو قرآن ہے قرآن تو ہر ظاہری و باطنی مرض کے لئے شفاء ہے۔ حضور (ﷺ) نے یہ آیت تلاوت فرمائی و اشفاءٌ لِمَافِی الصدوْر تو دم کرنے اور قرآنی آیات کے تعویذ لکھنے کے لئے جواز ثابت ہوئی موصوف فرماتے ہیں کہ حدیث مستند ہے، اور مولانا علی کے مجموعہ سے ہے اور امام شافعی کے املاء میں بھی ہے نیز قرآنی آیت کے علاوہ بھی کوئی اور چیز لکھی جا سکتی ہے؟ جواب کہ قرآن سب سے اوّل و بزرگ کلام ہے اس کے سوا باقی کسی چیز کا لکھنا مناسب نہیں۔ ہاں اگر اللہ تعالیٰ کے کوئی اسماء یا حضور (ﷺ) کے اسماء گرامی کے اسماء میں سے کوئی نام لکھا جائے وہ بھی درست ہے اس سے شفا ہو گی۔ بات ہو رہی تھی غیر المغضوب علیھم ولا الضالین کی تو اس کے پڑھنے سے ہر قسم کے ظاہری و باطنی گناہ ختم ہو سکتے ہیں۔ سورۃ الفاتحہ تمام مطالب و مقاصد سے بڑھ چڑھ کر بلند رتبہ ہے۔ امام رازی بھی یہی بات فرماتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اس کا نام ام الکتاب رکھا گیا ہے رسول اللہ ﷺ خود اس سورت مبارک کو ام الکتاب فرماتے ہیں۔ صاحب خزینۃ القرآن اُمّ کے معنی اصل فرماتے ہیں تو مقصد یہ نکلا کہ قرآن کریم کا مجموعہ اصول ہے کیونکہ باب یعم امّا و امَاماً دونوں مصدر ہیں اماً کے معنی لغت میں اصل کے ہیں یا کسی چیز کی بنیاد کے ہیں جس طرح دماغ کو طاقت بدنیہ اور حواس حسیہ اور منافع سے تعلق پذیر ہونے کے

Marfat.com

باعث ام الراس سے موسوم کیا گیا ہے تو یہی صورت سورۃ الفاتحہ کی ہے۔مذکورہ بالا دلیل امام رازی کی ہے اور فقیر کے نزدیک بہترین دلیل ہے جو اوپر عرض کر چکا ہوں۔

پانچواں: امام رازی فرماتے ہیں کہ ثعلبی نے مجھے کہا کہ میں نے ابوالقاسم بن حبیب سے سنا کہ ابوبکر استصال بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابوبکر بن درید کی زبانی سنا ہے کہ اہل عرب لشکری جھنڈے کو ام کہتے ہیں جیسے قیس بن الحطیم اپنے شعر میں کہتا ہے:

یقینا امنا حتی عندأوا

وصاروبعده لفتهم سلالا

پس معلوم ہوا کہ جس طرح جھنڈے پر لشکر کا دارومدار ہوتا ہے اسی طرح اہل ایمان کا دارومدار سورۃ الفاتحہ پر ہوتا ہے امام رازی نے کیا خوب لکھا ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن اس شرح کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن تمام مخلوق میرے ام یعنی جھنڈے کے نیچے ہوگی۔صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ انسان کے اعمال میزان پر تولے جائیں گے تو جس نے زندگی میں سورۃ الفاتحہ ایک بار ہی پڑھی ہوگی تو اس کے وزن کا پلہ گناہوں کے پلڑے سے بھاری ہوگا۔اسی طرح اہل عرب ارض کو ام بولتے ہیں کہ حیات و ممات میں مخلوق کی بازگشت ہے اور نیز بولتے ہیں کہ فلاں فلا آم ای قصد۔

چوتھا: سبع مثانی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **ولقد آتیناک سبعً مّن المثانی و القراٰن العظیم** اور مثانی کہلانے کے چند وجوہ ہیں:

وجہ پہلی: اس کے دو حصے ہیں۔ایک حصے میں اللہ تعالیٰ کی تعریف دوسرے حصے میں انسان پر اللہ تعالیٰ کے انعامات کا ذکر ہے اور مثانی دو (۲) حصوں کو کہتے ہیں۔

وجہ دوسری: اس کے لئے کہ نمازی ہر رکعت میں اسے دہراتا ہے۔صاحب خزینۃ القرآن یہی فرماتے ہیں۔اور امام رازی کا بھی اس پر اتفاق ہے۔

وجہ تیسری: تمام کتابوں سے یہ سورت مستثنیٰ ہے۔حضور (ﷺ) فرماتے ہیں کہ بخدا تورات، انجیل، زبور اور فرقان میں کوئی سورت سبع مثانی نہیں اتاری گئی۔

وجہ چوتھی: اس سورت کی سات آیتیں ہیں۔اس کی قرأت قرآن پاک کے ساتویں حصہ کے مساوی ہے تو کامل سورت پڑھنے والا وہی ثواب پاتا ہے جو تمام قرآن کے ختم کرنے سے ملتا ہے۔

وجہ پانچویں: سورۃ الفاتحہ کی آیات بھی سات ہیں اور دوزخ کے دروازے بھی سات ہیں اس کے پڑھنے سے وہ دروازے بند ہو جاتے ہیں۔دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جبرئیل نے عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ) مجھے خوف تھا کہ مبادا آپ (ﷺ) کی امت پر عذاب نہ ہو جائے لیکن سورۃ الفاتحہ کے نزول کے بعد میرا یہ خوف جاتا رہا۔رسول ﷺ نے فرمایا کیسے۔تو جبرائیل نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔**وان جھنم لموعدھُم اجمعین لھا سبعۃ ابواب لکلِ باب منھم جزاءٌ مقسوم** تو سورۃ الفاتحہ کی سات آیتیں ہیں اس کی ہر ایک آیت دوزخ کے ہر دروازے کو بند کر دے گی اور آپ ﷺ کی امت ان سے صحیح و سلامت گزر جائے گی۔

وجہ چھٹی: یہ سورت اللہ تعالیٰ کی مدح و ثناء سے پُر ہے۔

وجہ ساتویں: سورت ہذا مع دوسری کے نماز کی ہر رکعت میں پڑھی جاتی ہے۔

وجہ آٹھویں: اس سورت کا نزول دو (۲) بار ہوا ہے اس کی تحقیق فقیر پیچھے عرض کر چکا ہے نیز جب سورۂ حجر کی باری آئے گی فقیر زندہ رہا تو مکمل عرض کرے گا۔

اسم پانچواں: وافیہ اور سفیان بن عینیہ اسے اسی نام سے پکارا کرتے تھے۔ثعلبی نے اس کی یہ وجہ لکھی ہے کہ اس میں تنصیف نہیں ہوسکتی۔قرآن کریم کی سورتوں کو اگر دو حصہ کر دیا جائے اور ایک حصہ ایک رکعت اور دوسرا حصہ دوسری رکعت میں پڑھ لیا جائے تو جائز ہے مگر اس سورت کو دو رکعتوں میں نصف نصف کر کے پڑھنا جائز نہیں۔حدیث میں وارد ہے۔صاحب خزینۃ القرآن درج کرتے ہیں کہ حضور نے فرمایا کہ میری امت کے لئے سورۃ الفاتحہ کو ایک رکعت میں پڑھنا لازم کیا گیا ہے اور دو رکعت میں دو مرتبہ تو حدیث سے بھی اس بات کی تائید ہوگئی۔

اسم چھٹا: الکافیہ کیونکہ اس کا پڑھنا دوسرے سے کفایت کرتا ہے مگر اس کے ماعدا اس کے لئے کافی نہیں ہوسکتے۔حدیث میں آیا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ ام

Marfat.com

القرآن اپنے ماعدا سب کا عوض ہو سکتی ہے مگر ماعدا اس کے عوض نہیں ہو سکتے وجوہات درج ہیں:

وجہ پہلی: یہ قرآن کریم کی پہلی سورت ہونے کی وجہ سے بمنزلہ اساس ہے۔

وجہ دوسری: عمدہ عمدہ مضامین اس میں شامل ہیں جیسے بیان ہو چکا ہے و ذالک هو الاساس۔

وجہ تیسری: ایمان کے بعد باقی تمام عبادتوں سے نماز کی فضیلت زیادہ ہے اور سورۃ ہذا میں کل ایمانی وجوہات موجود ہیں۔ خاص کر اس کے بغیر تو نماز جائز ہی نہیں ہوتی۔

اسم ساتواں: سیدنا ابو سعید خدری فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سورۃ الفاتحۃ الکتاب تمام زہروں کا تریاق ہے۔ آپ (ﷺ) نے ایک صحابی جس کو مرگی کی مرض تھی اس پر سورۃ الفاتحہ کا دم کیا تو وہ فوراً شفایاب ہو گیا۔ اس سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جیسے پہلے عرض کر چکا ہوں کہ سورۃ الفاتحہ تمام امراض کے لئے شفاء ہے۔ مذکورہ بالا حدیث تفسیر کبیر میں ہے اور خزینۃ القرآن میں بھی ہے۔ حضور ﷺ کو اطلاع دی گئی کہ وہ شفایاب ہو گیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ سورۃ الفاتحہ ام الکتاب ہے اور ہر مرض کے لئے شفاء ہے۔ فقیر کہتا ہے کہ امراض کی دو قسمیں ہیں۔ روحانی امراض اور جسمانی امراض صاحب تفسیر کبیر اور صاحب خزینۃ القرآن حتیٰ کہ سبھی کا اسی پر اتفاق ہے۔ اس تقسیم کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کفر کو مرض سے تعبیر کیا ہے اللہ تعالیٰ نے جیسا کہ فرمایا فی قلوبهم مرض تو اس سورت میں مطالب اصولیہ اور فروعیہ ہیں اور مکاشفات کا ذکر ہے تو یہ سورت دونوں مقامات میں دل کو پاک کرتی ہے۔

اسم نواں: اس کا نام الصلوٰۃ ہے جیسے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے بندے کے درمیان الصلوٰۃ کو نصف نصف تقسیم کر لیا ہے۔

اسم دسواں: السوال ، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو شخص میری یاد میں اس قدر مشغول ہو کہ وہ سوال بھول جائے تو میں اسے دوسرے سائلوں سے زیادہ سیراب کرتا ہوں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایسا خیال کیا جیسے کہ خلقنی فهو یهدین سے لے کر الحقنی بالصالحین تک (پارہ نمبر ۲۳) سے ظاہر ہوتا ہے اور اس سورت میں بھی یہی موجود ہے۔ اوّل الحمد سے لے کر مالک یوم الدین تک حمد ربانی ایاک نعبد سے لے کر نستعین تک عجز انسانی ہے۔ اور اهدنا الصراط المستقیم سے لے کر آخر سورت تک نور ایمانی کی استدعا ہے معلوم ہوا کہ تمام مطالب سے مکمل مطلب دینی ہے اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ معرفت کی جنت مشہود جنت سے ہزار ہا درجہ بہتر ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو معرفت الٰہی اور دیدار الٰہی کو چاہتا ہے تو سورۃ الفاتحہ پڑھے جب اسے معرفت الٰہی کے مکاشفات ہوں گے تو مشہود جنت سے زیادہ لطف اندوز ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی معرفت سب سے زیادہ بہتر و افضل ہے اللہ تعالیٰ نے کلام کو اِهدِنَا پر ختم کیا ہے۔ رزقنا الجنه پر نہیں کیا۔

اسم گیارہواں: حرف پر بحث ہے کیونکہ اس سورت میں انعامات الٰہی اور اس کے احسانات کا بااصول ثناء شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔

اسم بارہواں: الدعاء کیونکہ اهدنا الصراط المستقیم پر سورت ہذا مشتمل ہے پس یہ کلام تمام ہوا، اس باب میں اس سورت کا نام سورۃ نور بھی ہے، سورۃ مصرفہ بھی ہے سورۃ ذکر بھی ہے سورۃ شفاء بھی ہے سورۃ الخیر بھی ہے۔ سورۃ المبارک بھی ہے سورۃ البرکت بھی ہے۔ سورۃ الہدایت بھی ہے سورۃ نافع بھی ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن نے اپنی تفسیر میں یہی اسماء بیان فرماتے ہیں اور اسماء کی خاصیت میں کئی باب تحریر فرمائے ہیں اگر تمام کو رقم کروں تو دفتر درکار ہے۔

(واللہ الہادی)

⌘ ⌘ ⌘ ⌘ ⌘

Marfat.com

باب دوسرا

(سورۃ کے مسائل وفضائل کے بیان میں)

مسئلہ نمبر 1:

امام فخر الدین رازی کے سورۃ ہذاء کے نزول میں تین قول ہیں:

اوّل: یہ سورت مکی ہے ثعلبی سے حضرت علی ابن ابی طالب کی اسناد سے ذکر کرتے ہیں۔ صاحب خزینۃ القرآن اپنی تفسیر ہیں حضرت علی کے مجموعہ الاحادیث میں سے دو درج کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ حضرت علی نے لکھا کہ سورۃ الفاتحہ جب نازل ہوئی۔ عرش کے خزانہ سے زمین پر مکہ میں اتری اور خدیجہ الکبریٰ نے سنی فرماتے ہیں یہی مشہور قول ہے۔ سورۃ الفاتحہ عرش کے خزانہ سے نکال کر مکہ میں نازل کی گئی اس کے بعد ثعلبی کہتے ہیں کہا اکثر علماء کا اس پر اتفاق ہے نیز عمر بن شرجیل کی اسناد سے روایت ہے کہ اوّل آیت الحمد للہ ربّ العالمین۔ نازل ہوئی وذالک ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم آلی انی خدیجہ فقال لقد خشیت ان یکون خالطنی شئے فقالت وما ذاک قال انی اذا خلوت سمعت النداء بِاقرأ ثم ذھب الی ورقۃ بن نوفل و سأله عن تلک الواقعۃ فقال لہ ورقۃ اذا اتاک النداء خاشیت لہ فاتاہ جبرئیل علیہ السلام و قال لہ قل بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الحمد للہ ربّ العالمین۔ یہ حدیث خزینۃ القرآن وتفسیر کبیر وثعلبی میں درج ہے اور کافی مشہور ہے اور اس کی اسناد سے ابی صالح ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کھڑے ہو کر بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھا تو قریش سن کر بولے تیرا منہ اللہ تعالیٰ ریزہ ریزہ کرے (معاذ اللہ) صاحب خزینۃ القرآن مذکورہ بالا حدیث میں ابن عباس کا قول اپنی تفسیر خزینۃ القرآن میں درج کرتے ہیں فرماتے ہیں یہی روایت میرے دادا حضرت علی سے ہے وہ اپنے مجموعہ الاحادیث میں درج کرتے ہیں حضرت خدیجہ کتنی خوش بخت تھیں کہ سب سے پہلے انہوں نے سورۃ الفاتحہ حضور ﷺ سے سنی اور پھر یہ واقعہ ورقہ بن نوفل سے فرمایا۔

دوسرا قول جو حضرت ابن عباس کا ہے۔ حضرت علی فرماتے ہیں کہ میں بھی موجود تھا (معاذ اللہ) جب قریش نے کہا کہ تیرا منہ اللہ ریزہ ریزہ کرے حالانکہ حضور ﷺ تمام سورۃ الفاتحہ پڑھ چکے تھے ولا الضالین تک تو مشرکین نے اس وقت یہ کلمہ کہا تو اسی وقت ان کے منہ کالے ہو گئے۔ سب گھروں کو بھاگے جیسی لومڑی فوراً بل میں گھس جاتی ہے آگے موصوف فرماتے ہیں اگر یہ سورت مدنی ہوتی تو مولا علی اپنی مجموعہ الاحادیث درج کیوں نہ درج فرماتے کیونکہ انہیں تو کافی قربت حاصل ہوئی۔ حالانکہ حضرت علی نے اپنے مجموعہ میں باقی ہر آیت کے نازل ہونے کے بارے میں واقعہ درج فرمایا ہے، ان شاء اللہ ہم اپنی تفسیر خزینۃ القرآن میں ہر آیت میں حضرت علی کا قول نقل کریں گے کیونکہ انہوں نے اپنے مجموعہ میں ہر آیت کے بارے میں لکھا ہے۔ موصوف فرمائے ہیں کہ وہ دو قول بھی بیان کرتے ہیں جن کے متعلق لوگ کہتے ہیں کہ سورۃ ہذاء مدنی ہے۔

قول دوسرا: یہ سورت مدنی ہے ثعلبی مجاہد کی اسناد گز سے بیان کرتا ہے کہ فاتحۃ الکتاب مدینہ میں اتری ہے اس پر حسین بن فضل نے کہا کہ ہر ایک۔ لم سے کوئی نہ کوئی فروگزاشت ہو جاتی ہے تو مجاہد نے اس امر میں فروگزاشت کی ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن کہتے ہیں کہ مجاہد سے غلطی ہوئی اور امام جعفر صادق کا قول بھی یہی ہے۔ تمام علماء کے نزدیک یہ سورت مکی ہے اور اس پر امام رازی کا بھی اتفاق ہے۔ اس پر دو دلیلیں ہیں:

دلیل پہلی: صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ سورۃ حجر مکی ہے اور ولقد اتینا سبعاً من المثانی اس سورت کی ایک آیت ہے اور سبعاً من المثانی فاتحۃ الکتاب کا ہی نام ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ پر یہ سورت مکہ میں نازل فرمائی ہے۔

Marfat.com

دلیل دوسری: رسول اللہ ﷺ کا بلا فاتحۃ الکتاب مکہ میں کئی سال ٹھہرنا بعید از قیاس معلوم ہوتا ہے۔

دلیل تیسری: بعض کا خیال ہے کہ یہ سورت ایک دفعہ تو مکہ میں نازل ہوئی اور دوسری بار مدینہ میں اس لحاظ سے اس سورۃ کو مکی مدنی کہنا چاہئے یہی باعث ہے کہ سورۃ ہذاء کو اللہ تعالیٰ نے مثانی کہا ہے کیونکہ دو دفعہ نازل ہوئی ہے اور اس سے اس کی فضیلت کا مبالغہ ظاہر ہوتا ہے۔ حضرت علی بھی اس سورت کو مکی مدنی کہتے ہیں۔ لیکن صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ سورۃ الفاتحہ کا نزول مدینہ میں کہنا درست نہیں ہاں مکی مدنی کہنا درست ہے۔ حضرت علی فرماتے ہیں کہ بالفرض مدنی ہی مانا جائے تو نماز کا حکم تو مکہ میں ہوا ہے تو قیاس کر لینا چاہئے کہ اس وقت پھر نماز میں کیا پڑھتے تھے ظاہر ہے سورۃ الفاتحہ۔ تو ثابت ہوا کہ پہلے مکہ میں نازل ہوئی۔

مسئلہ نمبر 2:

سورۃ ہذاء کے فضائل کے بیان میں: ابوسعید خدری رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ فاتحۃ الکتاب ہر قسم کے زہر کا تریاق ہے۔ حذیفہ بن یمان رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یقیناً ایک قوم کو عذاب میں گرفتار کرنا ہے لیکن ان کے لڑکوں میں سے ایک لڑکا الحمد للہ رب العالمین پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ اسے سن کر قوم سے چالیس برس کے لئے عذاب ملتوی کر دے گا۔ حضرت حسین ابن علی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک سو چار کتابیں نازل کیں ہیں اور ان تمام علوم کو تورات، زبور، انجیل اور فرقان میں درج کر دیا ہے ان چاروں کتابوں کے علوم کو فرقان میں اور فرقان کے علوم کو مفصل طور پر سورۃ الفاتحہ میں درج کیا ہے تو جس شخص کو علوم سورۃ الفاتحہ پر آگاہی ہوئی تو گویا تمام آسانی کتابوں سے واقفیت ہوگئی تو جس نے اسے پڑھ لیا تو گویا اس نے تورات زبور انجیل اور فرقان کو پڑھ لیا یہ حدیث صاحب خزینۃ القرآن اپنی تفسیر میں درج فرماتے ہیں۔ موصوف فرماتے ہیں کہ میرا خیال یہ ہے کہ اس حدیث سے تمام جزوی وکلی ہر قسم کے عجائب اور لوح محفوظ کے علوم سورۃ الفاتحہ میں ہونا ثابت ہے۔ امام رازی بھی اپنی تفسیر میں یہی فرماتے ہیں۔ امام رازی کہتے ہیں میرے نزدیک حضرت امام حسینؓ کے اس خیال کی یہ وجہ معلوم ہوتی ہے کہ کل آسمانی کتابوں کی غایت اور مقصد اصل صرف تین امور یعنی علم اصول علم فروع اور علم مکاشفات ہیں اور پہلے ثابت ہو چکا ہے کہ سورت ہذاء ان مذکورہ علوم پر حاوی ہے تو چونکہ یہ تینوں علوم بلحاظ اختصاص رتبہ بمنزلہ اساس ہیں تو لامحالہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ سورۃ ہذا میں سات حروف یعنی جیم، ثاؤ خاء زاء، شین، ظاء، فا موجود نہیں ہیں۔ اس کے باعث یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان سے عذاب مفہوم ہوتا ہے ثاء ثبور بمعنی ویل سے ہے۔ اللہ کریم فرماتا ہے لا تدعوا الیوم ثبورا واحدًا وادعوا ثبوراً کثیرا اور جہنم کا پہلا حرف جیم ہے۔ ربّ تعالیٰ نے فرمایا وان جهنم لموعدهم اجمعين نیز فرمایا ولقد ذرانا لجهنم كثير من الجن والانس اور بمعنی ذلت خواری کا پہلا حرف ہے۔ حق سبحانہٗ نے فرمایا یوم لا يخزى الله النبى والذين امنوا معهٗ (ترجمہ) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس دن نبی اور جو ان کے ساتھ ایمان لائے ہیں ان کی کوئی گرفت (خواری) نہ ہوگی۔ دوسری جگہ فرمایا انّ الخزى اليوم والسوء على الكافرين (ترجمہ) بے شک اس دن خواری اور برائی ہوگی کافروں پر۔ زاء اور شین کو زفیر وشہیق (زفیر گدھے کی ابتدائی آواز کو کہتے ہیں اور شہیق آخری آواز کو) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لهم فيها زفير و شهيق آیت ہذاء میں دوزخیوں کی آواز مراد ہے نیز زاء سے زقوم کا ایہام ہوتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے انّ شجرة الزقوم طعام الاثيم زقوم ایک درخت کا نام ہے جو جہنمیوں کی خوراک ہوگی جسے ہندی میں تھوہر کہتے ہیں بلحاظ لغت زقوم کھجور کو مکھن کے ساتھ ملا کر کھانے کو کہتے ہیں جس وقت یہ آیت اتری ابن عباس فرماتے ہیں کہ ابوجہل سن کر بہت خوش ہوا کہ ہم لقمہ لقمہ کر کے کھائیں گے تو اللہ کریم نے یہ آیت نازل کی انها شجرةٌ تخرج فى اصل الجحيم تو ثابت ہوگیا کہ یہ درخت تھوہر جہنمیوں کا ہے اور شین سے شقاوت یعنی بدبختی کا وہم گزرتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اما الّذين شقواً ففى النار اور ظاء سے آیت انطلقوا الا ظلٍ ذى ثلاثِ شعب لا ظليل و لا يغنى من اللهب اور نیز لظی بمعنی آتش کا خیال گزرتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا كلا انها لظىٰ نزاعة الشوىٰ فاء فراق بمعنی جدائی کا خوف دلاتی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا يومئذٍ يتفرقون اور نیز فرمایا لاتفتروا على الله كذبا فيسحتكم بعذاب وقد خاب من افترىٰ مذکورہ بالا وجہ پر اگر یہ کہا جائے کہ تقریباً سب ہی حروف ایسے ہی ہیں اور ایسے لفظ میں موجود ہوتے ہیں جن سے عذاب مفہوم ہوتا ہے پھر وجہ تخصیص اور فائدہ کیا۔ جواب یہ کہ فائدہ سے خالی نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جہنم کی یوں صفت بیان کی ہے لها سبعة ابواب لكل بابٍ منهم جزءٌ مقسوم اسی نسبت سے سورۂ ہذاء میں سات حروف کا ذکر نہ کیا اور ان حروف سے ان الفاظ کی ابتداء ہوتی ہے جو عذاب کے معنوں میں ہے تو اب جتلانا یہ مقصود ہے کہ جو شخص سورۃ الفاتحہ کو پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ جہنم کے ساتوں طبقات سے محفوظ رکھے گا۔ (واللہ الہادی بالحقیقت)

Marfat.com

باب تیسرا

(ان اسرارِ عقلیہ کے بیان میں جو سورۂ ہذا سے حاصل ہوئے اور اس میں چند مسائل ہوں گے)

صاحب خزینۃ القرآن نے اس پر کئی باب تحریر کئے ہیں لیکن میں چیدہ چیدہ عرض کروں گا اور تفسیر کبیر سے بھی اقتباسات عرض ہوں گے۔ دنیا میں دو (۲) ہی تو تفاسیر ہیں جو عقلیات پر ہیں۔ تفسیر کبیر تو صرف عقلیات پر ہے اور خزینۃ القرآن زیادہ تر عقلیات و روایات پر ہے۔

مسئلہ نمبر 1:

اللہ تعالیٰ نے الحمد للہ فرمایا ہے اسی پر دو سوال پیدا ہوتے ہیں:

سوال نمبر 1: اللہ تعالیٰ کی کیا دلیل ہے؟ سوال نمبر 2: وجہ استحقاق حمد کیا ہے؟

ان پر دو سوالوں کا جواب ضروری تھا تو اللہ تعالیٰ نے الحمد للہ کو ایسے کلام سے مرتب کیا جن سے ان پر دو سوالات اٹھانے کی گنجائش نہ رہی صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ لفظ ربّ العالمین نے تو پہلے سوال کو اڑا دیا اور الرحمن الرحیم مالک یوم الدین دوسرے سوال کا جواب ہے پہلے جواب کی تقریر میں چند مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1:

موجودات کے بارے میں ہمارا علم دو طرح کا ہو سکتا ہے علم ضروری اور علم نظری۔ وجود اللہ تعالیٰ کا علم ہمیں علم ضروری نہیں کیونکہ وہ ہماری آنکھوں سے غائب ہے اور اس کی شناخت نہیں ہو سکتی علم ضروری اسی کو کہتے ہیں کہ معلوم کو اپنی آنکھ سے دیکھا جائے اور اس کی پہچان بھی ہو باقی رہا علم نظری اور یہ علم بدون دلیل حاصل نہیں ہو سکتا اور وجود باری تعالیٰ سوائے اس کے کوئی اور دلیل ہمارے پاس موجود نہیں کہ دنیا میں جس قدر موجودات ہیں مثلاً آسمان پہاڑ زمین دریا کانیں نباتات جمادات اور چارپایوں کو دیکھ کر یہ خیال کریں کہ کل موجودات عالم کا کوئی نہ کوئی موجد اور بالفاظِ دیگر خالق ضرور ہوگا جس کی تدبیر کے نتیجہ کو ہماری آنکھیں محسوس کر رہی ہیں اور بالضرور ان کی پرورش کرنے اور زندگی دینے والا اور ان کی ضروریات کو پورا کرنے والا ہے پس معلوم ہوا کہ ربّ العالمین سے اللہ تعالیٰ کو اپنے وجود کی شناخت کرانی مقصود تھی کہ موجودات دنیا کا مربی اللہ تعالیٰ ہو سکتا ہے اور میں وہ ہوں اور میرے ہی دستِ قدرت میں ان کی باگ ڈور ہے۔ حسب اقتضائے حکمت جس طرف چاہتا ہوں ان کو پھیر دیتا ہوں اس مقام پر چند لطائف ہیں:

لطیفہ پہلا: لفظ عالمین سے مادۂ الہیہ کی طرف اشارہ ہے اور چونکہ ذاتِ الٰہی سب کی خالق ہے اور مربی تو لامحالہ عالمین سے یہ نتیجہ ہوا کہ کل موجودات عالم کیا بلحاظ روزی اور کیا بلحاظ بقاء و ہستی اپنے موجد اور مربی کے دستِ نگر اور محتاج ہیں تو اللہ تعالیٰ نے اس اشارہ سے یہ جتلا دیا کہ موجوداتِ دنیا بڑے سے لے کر جز۔ لا یتجزیٰ و عوارضات اور جوہر فرد میرے وجود کی دلیل قاطع اور برہانِ ساطع ہیں اور میرے شاہد ہیں جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا وان من شئ الا یسبح بحمدہٖ ولکن لا تفقھون تسبیحھم یاد رہے کہ امام رازی ''جز لا یتجزیٰ عقلیہ طور پر اللہ تعالیٰ کو فرد جوہر تصور کر رہے ہیں۔ صاحب خزینۃ القرآن عقلی مثال دیتے ہوئے اس ضمن میں کہتے ہیں کہ جز کو لا یتجزیٰ کے اثبات میں اگر جز ثابت کیا جائے تو پھر جوہر کا اطلاق اشارۃً ہو سکتا ہے اس قول سے امام رازی کی تصدیق ہو سکتی ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ اس نسبت سے لا یتجزیٰ کو جز و نسبت لا یتجزیٰ خود نفی جز کی ہے تو جز و تب ہی پیدا ہوتی ہے جب اس کا اثبات ہو تو نتیجہ یہ ہوگا کہ جز لا یتجزیٰ کی اثبات ہے تو پھر نفی کی کیا ضرورت تو نتیجہ یہ ہوا کہ لا یتجزیٰ کی نسبت بالکل باطل ہے''۔ جز لا یتجزیٰ کی بحث بڑی مشکل ہے اور منطق فلسفی

Marfat.com

اس کی بحث میں اگر خزینۃ القرآن کا بغور مطالعہ کیا جائے تو تمام مسائل بخوبی حل ہو جائیں گے (باب اسرار عقلیہ جلد دوئم ص ۱۲۰۰ سے لے کر ص ۱۸۰۰ تک دیکھئے) حالانکہ فقیر تو یہ کہے گا کہ موصوف ہی فلسفہ منطق اور فلسفہ کے موجد ہیں۔ آپ خود فرماتے ہیں کہ میرے دادا جان امام جعفر صادق اپنے زمانے میں معقول منطق و فلسفہ کے موجد تھے اور اس علم کو پڑھانے کا سلسلہ ان سے جاری ہوا اور پہلے آئمہ کی بھی عقدہ کشائی ہوئی نیز موصوف فرماتے ہیں کہ موصوف قرآن وحدیث اور فقہ میں بہت کامل شخصیت تھے اور تمام آئمہ کے استاد تھے۔ آپ کے استاد آپ کے والد امام محمد باقر تھے آپ خود فرماتے ہیں کہ میں قرآن وحدیث کی تشریح براہِ راست رسول اللہ ﷺ سے حاصل کرتا ہوں اور اصل استاد وہی ہیں۔ تو اس پر صاحب موصوف نے کافی بحث کی ہے آخر پر وہ فرماتے ہیں کہ جزلا یتجزیٰ کی مثال سے جو لوگ اللہ تعالیٰ کو جوہر سے اشارۃً تشبیہ دیتے ہیں وہ بالکل باطل ہے کیونکہ و ان من شئ میں ابتدائی مِنۡ ہے اور حدیث شریف میں آتا ہے بقول صاحب خزینۃ القرآن یہ حدیث مجموعۃ الاحادیث سے لی گئی ہے حضرت علی فرماتے ہیں کہ میں اور حضرت ابوبکر موجود تھے۔ قیصر کے ملک سے دو معقولی آئے تو انہوں نے حضور ﷺ سے عقلیات سے اللہ تعالیٰ کے وجود سے بحث کی انہوں نے کہا کہ جب تم کہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کا وجود ہے ہر شئے کو اسی نے پیدا کیا ہے تو پھر اس کو کامل جوہر کیوں نہ کہا جائے جو اس کی شان کے مطابق ہو تو حضور نے معاذ اللہ فرمایا۔ فرمایا کہ کتنا ہی کوئی اعلیٰ سے اعلیٰ بلند ہو تو اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف حقیر ہوگی تو اللہ تعالیٰ کے وجود کو کسی چیز سے تشبیہ دینا بالکل باطل ہے، سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا اس کا وجود اپنی شان کے لائق کسی چیز کی مثل نہیں۔ حضور ﷺ نے مثال دی کہ چاند خوب صورت ہے اور روشن ہے اس کے مقابلے میں کوئی دوسرا چاند نہیں جو اس کے وجود کے برابر ہو تو چاند نہیں چاہتا کہ میری طرح کسی اور کا بھی روشن وجود ہو پھر حضور نے سورج کی مثال دی فرمایا کہ سورج ہر جگہ ایک ہی ہے وہ روشن ہے اس کے سامنے اس جیسی کوئی مثال نہیں حالانکہ وہ طلوع وغروب ہوتا ہے اور وہ مخلوق ہے تو خالق جو ازلی ہے اس کا وجود بے مثال ہے وہ کب چاہتا ہے کہ اس کی تخلیق کردہ چیز اس کی مثل ہو تو وہ عقلی یہ سن کر دنگ رہ گئے اور بعدہٗ مسلمان ہو گئے۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو جوہر یا (ایسی ہی چیز سے تشبیہ دینا) گمراہی ہے فرماتے ہیں۔ مذکورہ بالا حدیث سے معلوم ہو گیا ہوگا۔ تو فقیر کہتا ہے کہ کیا وجہ کہ امام رازی نے اس پر کیوں خیال نہیں کیا ہاں آخر انسان ہے عالم سے بھی فروگزاشت ہو جاتی ہے۔

لطیفہ دوسرا: یہ متفق الیہ امر ہے کہ کل موجودات حالت ایجاد یا حدوث کے وقت موجد کے محتاج ہیں لیکن اختلاف اس امر میں ہے کہ کیا پیدائش کے بعد ان کی احتیاج زائل ہو جاتی ہے یا نہیں بعض کا خیال ہے کہ بعد از حدوث سبب کی دست نگری نہیں تو وہ خود اس کا فرض ہے جس کو بلا احتیاج پورا کر رہا ہے اور ان کی تربیت ہو رہی ہے دوسرے فریق کا یہ خیال ہے کہ موجودات کسی وقت بھی اس ذات سے مستغنی نہیں ہو سکتی ہیں بلکہ جس طرح پیدائش سے پہلے اس کے ہاتھ میں تھی اسی طرح پیدائش کے بعد بھی انہیں اس کی احتیاج ہے سابقہ تقریر سے یہ ثابت ہو گیا کہ صورت پہلی میں تو مخلوق کا محتاج ہونا بالاتفاق مسلم ہے البتہ جھگڑا اس امر پر ہے کہ تربیت اور دیگر ضروریات میں بھی مخلوقات بعد از خلقت محتاج رہتی ہے یا نہیں تو اللہ تعالیٰ نے رب العالمین سے پہلے اس اختلاف کو ختم کر دیا کیونکہ اس نے خالق العالمین نہیں کہا بلکہ بجائے خالق کے رب کہا تو اس سے یہ بتلانا مقصود تھا کہ موجودات عالم ہر وقت میرے ہیں اور جس طرح پیدائش کے وقت میرے محتاج تھے اسی طرح بعد از پیدائش تربیت و امضاء ضروریات میں محتاج ہیں پس رب العالمین کہنے کی وجہ معلوم ہو گئی۔

لطیفہ تیسرا: سورۂ ہذا ام القرآن سے موسوم ہے تو گویا یہ سورت بمنزلۂ اصل ہوئی یہ پہلے ہی عرض کر چکا ہوں اور اس کے سواء باقی سب اس کی شاخیں تو دعوے کو ثابت کرنا ضروری ہے معلوم ہو چکا کہ رب العالمین سے یہ جتلانا مقصود ہے کہ کل موجودات وجود الٰہی کی دلیل ہیں قرآن کریم میں نظر دوڑانے سے معلوم ہوتا ہے کہ چار سورتوں کا افتتاح الحمد سے ہوا ہے ان میں سے اول سورۂ انعام ہے جیسے فرمایا الحمد للہ الذی خلق السمٰوات والارض وجعل الظلمات والنور یہ آیت رب العالمین کی ایک شاخ ہے کیونکہ عالم کا لفظ اللہ کے ماسواء سب کو شامل ہے اور آسمان و زمین نور و ظلمات ماسوائے اللہ کے مختلف اقسام میں سے ایک قسم ہے تو معلوم ہوا کہ سورۂ انعام کی اول آیت میں رب العالمین کی مختلف شاخوں میں سے ایک شاخ کا ذکر موجود ہے نیز اس میں اللہ تعالیٰ نے خلق السمٰوات والارض کہا ہے اور سورۃ الفاتحہ کی ابتداء میں رب العالمین مذکور ہے اور پہلے بیان ہو چکا ہے کہ موجودات اللہ تعالیٰ کی ہر حال و ہر وقت میں قبل از پیدائش اور پیدائش کے بعد محتاج ہے تو اس سے بھی ثابت ہو گیا کہ سورۂ انعام کی ابتدائی آیت ہذاء سے معارف کے ساتھ ارواح کی تربیت مقصود ہے کیونکہ کتاب جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص عبد مقدس حبیب محمد ﷺ پر نازل کیا ہے ذریعہ ہے حصول مکاشفات اور مشاہدات کا تو معلوم ہوا کہ تربیت روحانی اس کا مقصود اصلی ہے اور سورۃ الفاتحہ میں رب العالمین میں تربیت

Marfat.com

وہ شہید ہیں ان کا تصرف با الوجود موجود ہے ان کا روح ہر وقت ہے۔ ہر جگہ حاضر ناظر ہے فرماتے کہ حاضر ناظر کا اطلاق متشکل مع الجسم پر ہوتا ہے تو کملی والے کا جسم ساری کائنات سے لطیف ہے آپ (ﷺ) کا تصرف ساری کائنات میں موجود ہے۔ یاد رہے کہ سارا عالم حاضر ہے اور حضور ناظر ہیں ہم حاضر ہیں اور حضور ناظر ہیں۔ ایک اور حدیث صاحب خزینۃ القرآن مجموعہ الاحادیث سے درج فرماتے ہیں۔ حضرت علی فرماتے ہیں کہ میں اور رسول اللہ ﷺ حضرت ام سلمہ کے حجرے سے مسجد کی طرف آ رہے تھے کہ راستے میں حضرت عبداللہ بن مسعود ملے حضور ﷺ درمیان میں ہو گئے ایک ہاتھ حضرت عبداللہ بن مسعود کے ہاتھ میں دیا اور دوسرا میرے ہاتھ میں دیا اور مسجد میں تشریف فرما ہوئے عبداللہ بن مسعود سے فرمایا تم مجھے قرآن کریم سناؤ اس نے عرض کیا کہ میں آپ کے سامنے کیسے قرآن سنا سکتا ہوں آپ ﷺ تو امام الانبیاء ہیں حضور ﷺ نے فرمایا کہ مجھے دوسروں سے قرآن سننے میں لطف آتا ہے تو حضرت عبداللہ بن مسعود نے یہی آیت انا ارسلنک شاھداً تلاوت فرمائی تو حضور ﷺ کی آنکھوں مبارک میں آنسو آ گئے فرمایا میری امت گناہ گار ہے میں سب اولین و آخرین کا شاہد ہوں اور میرے سامنے ساری کائنات ایسی ہے جیسے ہتھیلی پر رائی کا دانہ ہو فرمایا ساری کائنات میرے تصرف میں موجود ہے اور میں مومن کو مومن کی جان سے زیادہ قریب ہوں اس لئے کہ مومن کی جان کا تعلق اس کے مرنے کے بعد اس سے ختم ہو جاتا ہے اور میرا تعلق مومن کے وجود سے مرنے کے بعد بھی رہتا ہے حضور ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی النبی اولیٰ بالمومنین یہ فرما کر پھر یہ فرمایا و ما من مومن الا وانا مولا بہ فی الدنیا والآخرۃ اقراء ان شئتم النبی اولیٰ بالمومنین من انفسہم آخر حدیث تک یہی حدیث صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ ابو ہریرہ کی اسناد سے ہے اور مذکورہ بالا اس سے پہلی حدیث موصوف فرماتے ہیں کہ میں نے علامہ ابن الرزاق سے بھی سنی اور یہ حدیث بھی ان سے سنی وہ بہ اسناد علی وابو ہریرہ بیان کرتے ہیں مذکورہ بالا حدیث امام بخاری نے بھی بخاری شریف میں ص ۳۲۳ پر درج فرمائی ہے تو نتیجہ کلام یہ ہوا کہ حاضر ناظر کا تعلق متشکل مع الجسم سے ہے اور امام جعفر صادق کا مذکورہ بالا قول صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ میں نے امام زہری سے بھی سنا اور اس کے بھانجے یونس بھی بیان کرتے تھے تو مسلک اہل سنت رسول اللہ ﷺ کو بالروحانیت اور بالتصرف حاضر و ناظر تسلیم کرتے ہیں تو مذکورہ بالا حدیث کے حضرت علی والی حدیث کے آخری لفظ یہ ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا اے علی وابن مسعود میں قیامت کے دن تمام مخلوق کے افعال کا شاہد ہوں گا اور ذرہ ذرہ میرے دماغ میں محفوظ ہو گا میری رحمت کا تصرفٌ ساری کائنات میں ہے اور اس حدیث کو امام مُلاں علی قاری اپنے مشہور رسالہ تسکین القلوب جو دہلی ولکھنو ۱۹۳۶ء میں طبع ہوا۔ اس کو طبع کروانے والے مولانا فضل حق خیری آبادی تھے اس رسالہ میں بھی یہ حدیث درج ہے امام مُلاں علی قاری ثناء شریف شرح شفاء شریف جلد نمبر ۲ ص ۲۱۹ پر رقم طراز ہیں۔ فرماتے ہیں انّا روح النبی حاضرٌ فی کل لبیوت اھل الاسلام یہ عبارت مرقوم ہے۔ صاحب فتاویٰ شامی جلد نمبر ۲ ص ۵۱۹ پر دیکھئے وہ بھی۔ حضور ﷺ کی روحانیت کو حاضر ناظر درج کرتے ہیں تو یہ بات امام ملاں علی قاری اور صاحب شامی کی متفق ہوئی لفظ شاہداً پر صاحب خزینۃ القرآن نے سات سو صفحات تحریر کئے ہیں۔ پارہ نمبر ۲۶ میں سورۃ الفتح لفظ شاہداً پہلے رکوع میں آیا ہے ج ۳۲ اور پارہ نمبر ۲۲ جلد نمبر ۲۴ رکوع نمبر ۲ آیت نمبر ۳ یاایھا النبی سے آخر آیت تک شرح میں ایک ہزار صفحات رقم فرمائے ہیں مزید ضرورت ہو تو تفسیر خزینۃ القرآن کو دیکھئے آخری روایت اسی سلسلے میں درج کرتے ہیں حضرت علی مجموعہ الاحادیث میں درج کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا نماز کے اندر اللہ کے سواء کسی کا خیال دل میں لانا درست نہیں تو جب ہم التحیات پڑھیں السلام علیک ایھا النبی آئے تو کیا خیال کریں سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ اس وقت انسان بارگاہ ایزدی میں حاضر ہوتا ہے اور دو رکعتیں جو پڑھتا ہے یہ اس کے معروضات اللہ کی بارگاہ میں ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوتا ہے کہ بیٹھ جاؤ وہ منظوری کا وقت ہوتا ہے اللہ تعالیٰ انسان کی درخواست کو میرے ہی تصور سے قبول کرتا ہے تو میرا تصور تم التحیات میں بالتصور کیا کرو وگرنہ نماز نہ ہوگی۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ دیکھئے انسان کتنی عجز و انکساری کے ساتھ اللہ کی بارگاہ میں اپنے معروضات پیش کرتا ہے تو التحیات اس کے لئے منظوری کا وقت ہوتا ہے۔ درخواست منظوری بغیر تصور توسل نبی کریم ﷺ نہیں ہوتی تو اپنی محنت کی ہوئی درخواست کو انسان خواہ مخواہ ضائع نہ کرے اور درخواست کو قبول کروانے میں حضور ﷺ کا تصور و توسل یہ ہو تو نماز نہ ہوگی کیونکہ یہ جملہ اللہ کو محبوب ہے تو فرماتے ہیں جب انسان اللہ کی بارگاہ میں التحیات میں حاضر ہوتا ہے تو ۱ حضور کی روح مبارک آسمان سے تنزل کرتی ہے اور اس کی درخواست کو اللہ کی بارگاہ میں قرب کا ذریعہ بخشا جاتا ہے تو بغیر ۲ حضور کی روح کے نماز معلق ہو جاتی ہے۔ فرماتے ہیں کہ میرے جدامجد مولا علی کا یہی قول ہے۔ حدیث کو بیان کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں نور یہی قول امام محمد غزالی اپنی کتاب احیاء العلوم شریف میں بھی لکھتے ہیں۔ امام غزالی صاحب موصوف خزینۃ القرآن کے صاحبزادے سید احمد کے شاگرد بھی تھے آپ نے اپنی کتاب میں لکھا ہے سید احمد بن موسیٰ المبرقیہ کہ میرے بہترین کامل استاد تھے تو یاد

Marfat.com

رہے کہ مسلک اہل سنت کا مؤقف اس بات پر متفق ہے۔امام غزالی نے وضاحت کردی ہے اور مسئلہ التحیات صاحب فتح الباری علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی کا اشارہ بھی اسی طرف راجع ہے تو الحمدللہ یہ مسئلہ شاہداً محققین کی دلائل سے ثابت ہو گیا نیز ہم کسی مسلک کو یہ زور نہیں دیتے کہ تم رسول اللہ ﷺ کو حاضر ناظر جانو یہ ہمارا محبت کا تقاضا ہے اور دلائل بھی ہمیں قرآن وحدیث سے اور اخبار سے تو اتر مل سکتے ہیں ہم تو اسی پہ قائم رہیں گے کسی کے نہ ماننے سے حضور ﷺ کے شاہد ہونے کی عظمت ختم نہ ہو جائے گی وہ تو قرآن میں باقی ہے اللہ تعالیٰ سمجھنے کی توفیق دے۔واللہ الموفق۔

مسئلہ نمبر 3:

اس کلمہ سے نصاریٰ کے خیال کی بھی تردید ہوتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کو محل میں حلول کئے ہوئے تسلیم کرتے ہیں کیونکہ رب العالمین سے موجودات کا خالق ہونا ثابت ہوتا ہے اور خالق مخلوق سے پہلے ہوا کرتا ہے تو معلوم ہوا کہ محل سے اوّل اللہ تعالیٰ کی ذات موجود تھی تو اس ذات کا محل سے مستغنی ہونا ظاہر ہے حالانکہ محل بھی مخلوق ہے۔

مسئلہ نمبر 4:

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ موجب الذات نہیں بلکہ فعل مختار ہے کیونکہ موجب الذات اپنے افعال کی حمد وثنا تعظیم وتکریم کا مستحق نہیں ہوتا ظاہر ہے کہ انسان پانی وآگ سے مستفیض ہو کر ان کی تعریف نہیں کرتا کیونکہ آگ کی تاثیر حرارت اور پانی کی تاثیر برودت اس کے ذاتی اختیار سے نہیں بالکل بالطبع ہے اس خیال طبیعت سے مطابق ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے افعال کو حمد وثناء کا مستحق گردانا ہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فعل مختار ہے باقی یہ رہی بات کہ ہمیں کیسے شناخت ہوئی کہ وہ کیسے فعل مختار ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر وہ فعل مختار نہ ہوتا بلکہ موجب بالذات تو ضروری تھا کہ وہ وجود مؤثر تک آثار اور معلومات باقی رہتے اور ان میں کبھی تغیر و تبدل نہ ہوتا اور ایک جیسی حالت پر قائم رہتے لیکن ان میں تغیر ہر روز مشاہدہ ہوتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ذات فعل مختار ہے اور اسے حمد وثناء کا حق حاصل ہونے کی یہی وجہ ہے۔

مسئلہ نمبر 5:

اللہ تعالیٰ نے دنیا کو ایسے ڈھانچہ پر بنایا ہے جو ضروریات انسانی اور حصول منافع کے بالکل مطابق ہے اور انسان مرضی کے مطابق اس سے مستفیض ہوتا ہے تو اس کے متعلق امر ونواہی کا ظاہر ہونا ضروری تھا یعنی ایسے امورات عالم اسفل واعلیٰ میں ظاہر کئے گئے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ فلاں امر سے بچنا مفید ہے فلاں امر کا کرنا مفید ہوسکتا۔تو ظاہر ہے ان امورات اور حفاظت کا رہنما بالضرور ان سے واقف ہوگا اور وجوباً اسے ضروریات ومضار وغیرہ سے واقف ہونا چاہئے تھا پس اس سے ثابت ہوا کہ الحمدللہ وجود اللہ کا پتہ دیتا ہے اور نیز یہ کہ وہ ذات مکاں وحیز سے پاک ہے کسی محل میں حلول کئے ہوئے نہیں ہے وہ قدرت کاملہ اور عالم الجمیع الموجودات اور صاحب حکمت کاملہ ہے۔سوال ثانی کے جواب میں مفصل تقریر:

حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا اللہ تعالیٰ کہاں رہتا ہے اس کی جہت وسمت بھی ہے، سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا وہ زماں ومکاں سے پاک ہے اور کسی محل میں حلول کئے ہوئے موجود نہیں وہ اوّل موجود ہے زماں مکاں محل سب اسی کی تخلیق ہے وہ اپنی قدرت کاملہ کے ساتھ جمیع العالم میں موجود ہے حدیث سے بھی اس امر کی تائید ہوگئی یہ حدیث تفسیر خزینۃ القرآن میں ہے۔

سوال ثانی پر مفصل تقریر یہ ہے کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کا وجود تو مان لیا مگر استحقاق حمد وثناء کی کیا دلیل ہے بالا جمال اس کا جواب الرحمن الرحیم مالک یوم الدین ہے۔اب فقیر اس جواب کو تفصیلاً بیان کرتا ہے جس سے ثابت ہوگا کہ الرحمن الرحیم سے واقعی وہ حمد وثنا۔کے لائق ہے دنیا میں انسان کی دو حالتیں ہوسکتی ہیں راحت وفراخی غنا وسلامتی یا فقر وتنگدستی اور غم والم یہی دو حالتیں ہیں جن کا عام طور پر مشاہدہ ہوتا ہے اگر انسان راحت وفراخی میں ہے تو وہ جملہ اسباب وذرائع جن کے باعث اسے تونگری وغنا اور راحت حاصل ہوتی ہے ان کا سبب اللہ تعالیٰ ہے اسباب بنانے میں ذرائع کو وہی مہیا کرنے والا ہے کیونکہ سبب حقیقی کی طرف سے اسے راحت نصیب ہوئی ہے تو بلا شبہ اسے رحمٰن ورحیم کہنا زیبا ہوا۔اگر انسان آفات وتنگدستی میں مبتلا ہے تو تنگدستی کا باعث انسانی بھائیوں پر ظلم وتعدی ہے تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ

Marfat.com

عاملہ کا اظہار مقصود ہے جو ملائکہ و انفس و جان کی روحانی تربیت اور نیز آسمان و زمین و مافیہا کی تربیت دونوں کو شامل ہے پس معلوم ہوا کہ سورۃ انعام میں رب العالمین کی شاخ کا ذکر ہے تیسرا مقام سورۃ النساء کا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے للہ ما فی السمٰوات و الارض سورۃ انعام میں تو یہ ظاہر کیا تھا کہ زمین و آسمان اللہ تعالیٰ کے ہیں اور اس سورت میں زمین و آسمان کی موجودات کو اس کی ملکیت ہونا ظاہر کیا گیا ہے تو اس میں بھی من جملہ اقسام رب العالمین ایک قسم کا ذکر ہوا۔ چوتھا مقام الحمد للہ فاطر السمٰوات و الارض ہے اور سورۃ انعام میں اللہ تعالیٰ کا خالق ہونا جتلایا تھا اور اس میں فاطر و موجد ہونا جتلایا گیا ہے گویا دونوں ایک دوسرے کے مخالف ہیں لیکن پھر بھی من جملہ اقسام رب العالمین ایک قسم ہے اس کے بعد اب یہ دیکھنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ انعام میں آسمانوں اور زمین کا خالق ہونا اور ظلمات اور نور کا جاعل ہونا اپنے آپ کو ظاہر فرمایا ہے اور سورۃ فاطر میں فاطر السمٰوات و الارض کہا تو آگے جاعل الملائکہ رُسلاً فرمایا تو سورۃ انعام میں تخلیق ارض و سماء کو جتلا کر پھر ان میں نور و ظلمات کے ہونے کو اپنی طرف منسوب کیا ہے اور اسی طرح اوّل زمین و آسمان کا ہونا بتلا کر پھر اشیائے روحانیہ کو اپنی طرف منسوب فرمایا ہے یہ وہ عجیب و غریب سمندر ہے جو الحمد للہ ربّ العالمین کے کوزے میں بند کیا گیا ہے یہ رموزات دلکش سمندر الحمد للہ ربّ العالمین کے دریا ہیں جو مختلف اطراف عالم میں پھیل کر لوگوں کے خشک دلوں کو سیراب کرتے ہیں وجود اللہ کے ثبوت کا سرسبز باغ ان میں لگا دیتے ہیں پس مسئلہ مذکورہ بالا کلام سے بالتفصیل واضح ہوگیا کہ رب العالمین سے سوال اوّل کا جواب دینا مقصود ہے اور یہ وجود اللہ تعالیٰ کے ثابت ہونے میں بمنزلہ دلیل ہے۔

مسئلہ نمبر 2:

کلمہ زیر بحث نے جس طرح وجود اللہ کی دلیل بیان کردی ہے اسی طرح اس ذات کا حیز و مکاں اور جہت سے پاک ہونا بھی بیان کردیا ہے کیونکہ عالمین کا لفظ ذات اللہ تعالیٰ کے سوا باقی تمام پر اطلاق پذیر ہوتا ہے اور من جملہ اُن کے حیز و مکان اور جہت بھی ہے اور مکاں فضاء حیز و فراخ ممتد کا نام ہے اور زمان اس مدت کا نام ہے جس کے باعث قبلیت اور بعدیت حاصل ہوتی ہے تو رب العالمین سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ زمان و مکان کا خالق موجد اور ربّ ہے۔

نوٹ:

بعض لوگ اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر کہتے ہیں یہ بالکل کفر ہے کیونکہ لفظ حاضر ناظر کا تعلق بھی لفظ زماں سے ہے زمانے کا خالق ہے اللہ تعالیٰ مکان کا خالق بھی اللہ تعالیٰ ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن مجموعہ الاحادیث سے ایک حدیث درج کرتے ہیں۔ حضرت علی فرماتے ہیں کہ سیدہ ام المومنین نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کی ذات حاضر ناظر ہے ہر زمان میں آپ ﷺ نے فرمایا معاذ اللہ تعالیٰ کیونکہ زمان و مکان کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور حاضر ناظر کا بھی زمان سے ہے تو حاضر و ناظر کا تعلق جسمی شکل پر اطلاق ہوتا ہے وہ ذات موجود ہے اور زمان و مکان کی خالق ہے اور حاضر و ناضر کا تعلق زمان و مکاں سے ہے۔

یہ بات معلوم ہے کہ خالق مخلوق سے اوّل ہوا کرتا ہے تو ذات اللہ تعالیٰ کا مکان و زمان کے موجود ہونے سے پہلے موجود ہونا ثابت ہوا اور فضاء کے اجزاء میں سے کسی ایک جز میں ذات اللہ تعالیٰ کا موجود ہونا محال ہے۔ یہ قول صاحب خزینۃ القرآن کا ہے اور تائید میں حدیث کتنا پیارا وزنی جواب، امام رازی بھی اپنی تفسیر میں نقل کرتے ہیں۔ فقیر کے مذکورہ بالا نکتے کی تائید امام رازی سے بھی ہوگئی پس فقیر کے طریقہ تقریر سے معلوم ہوگیا کہ رب العالمین سے حیز و مکان و زمان سے اللہ تعالیٰ کا پاک ہونا ظاہر ہوتا ہے۔

صاحب خزینۃ القرآن اس ضمن میں جلد نمبر ۲ ص ۱۹۰۰ پر یہی سوال کرتے ہیں کیا لفظ حاضر ناظر کا اطلاق کسی پر ہو سکتا ہے؟ زمانے کو تو اللہ تعالیٰ نے تخلیق کیا اور زمانے سے پہلے بھی کوئی چیز اس نے تخلیق کی فرماتے ہیں ہاں نور وہ نور رسول اللہ ﷺ ہیں (جو اللہ تعالیٰ کی صفات کے مظہر ہیں) اور زمانے کا اظہار بھی اسی نور کے عکس سے ہے اور زمانہ حضور ﷺ کے نور میں محیط ہے کیونکہ اس نور سے سب زمانے کو محیط کیا ہوا ہے کیونکہ آپ کی ذات مقدس میں رحمت کے لئے چار شرائط ضرور ہونی چاہئیں (۱) رحمت اسے کہا جاتا ہے جو مہربانی کرنے پر قدرت رکھتا ہو (۲) وہ موجود ہو (۳) اسے اختیار ہو (۴) اسے علم ہو۔ ان چار (۴) شرائط پر حضور ﷺ کی ذات حاوی ہے تو نتیجہ یہ ہوا کہ رب العالمین نے عالم کو پیدا فرمایا اور سارے عالم پر حضور ﷺ کی رحمت کو غالب کیا اس لئے وما ارسلنک الا رحمۃ للعالمین فرمایا اور رحمۃً مبنی ہے اور مبنی دوام ہوا کرتی ہے۔ مبنی کے ہونے سے نتیجہ یہ ہوا کہ حضور سید عالم ﷺ رحمت کرنے والے ہیں یعنی عالم پر رحمت کرنے کا حضور ﷺ کو اختیار ہے تو

Marfat.com

آپ ﷺ کی رحمت عالم پر حاوی ہوگئی تو آپ ﷺ کی رحمت میں سارا عالم وسارا زمان ایسے ہے جیسے سمندر سے چڑیا پانی کا ایک قطرہ اپنی چونچ میں لے لے تو حضور ﷺ کا وجود اور روح مبارک مجسمہ رحمت ہیں اور سارا عالم اس رحمت کے اندر محیط ہے اگر رحمت (اگر رحمت کو عالم محیط مانا جائے) تو واقع کے خلاف ہوگا معاذ اللہ آیت کی تکذیب ہو جائے گی تو معلوم ہوا کہ سارے عالم کے لئے رب العالمین ہے تو حضور ﷺ رحمۃ العالمین ہیں۔ آپ ﷺ کا وجود سارے عالم کے لئے رحمت ہے رحمت وہی ہوسکتا ہے جو موجود ہو اس پر صاحب خزینۃ القرآن نے کافی بحث رقم کی ہے مجموعہ الاحادیث سے ایک حدیث درج کرتے ہیں حضرت علیؓ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے انا رحمت انا شاھدانا موجودفی العالمین انا رحمۃ للعالمین کما قال سبحانہ تعالیٰ یہ حدیث مسودہ عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ میں تدوین ہوا ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ یہ حدیث علامہ عبدالرزاق کے اسناد سے بھی اور امام زہری کے اسناد سے بھی ہے یہ دونوں بزرگ حضرت علی وحضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کی اسناد سے بیان کرتے ہیں مذکور بالا حدیث کے الفاظ کے یہ ہی انا رحمہ انا شاھدانا موجود حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ میں رحمت ہوں میں شاہد ہوں میں موجود ہوں فی العالمین تمام جہانوں میں۔ تمام جہانوں کا معنی فقیر اس لئے کر رہا ہے کہ حضور کی شان کے متعلق رحمۃ اللعالمین استعمال ہوا ہے اور یہ عالمین تمام جہانوں کو کہا گیا ہے جیسے رب العالمین سارے عالم کا رب ہے ویسے ہی حضور ﷺ سارے عالم کے لئے رحمت ہیں تو معنی یہ ہوئے کہ میں رحمت ہوں میں شاہد ہوں میں موجود ہوں جہان والوں میں جیسے حق سبحانہ تعالیٰ نے فرمایا وما ارسلنک الاّ رحمۃ للعلمین صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ دیکھئے حضور کے یہ الفاظ مبارک رحمت وشاہد قرآن سے ہی استدلال ہے بذات خود نہیں فرمایا اور شاہد کے معنی موجود کے ہیں۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں شاہد اسے کہا جاتا ہے جو موجود ہو جو سر کی آنکھ سے دیکھے۔ اہل عرب جب بھی لفظ شاہد استعمال کرتے تھے تو کہتے تھے کہ اے فلاں تو فلاں جگہ موجود تھا تو اس کے لئے موجود ہونے کے لئے لفظ شاہد کو استعمال کرتے تھے جب کسی بات میں گواہی ہوتی تو کہتے کہ کیا تو موجود تھا تو نے یہ بات اپنے سر کی آنکھ سے دیکھی اسے لفظ شاہد سے تعبیر کرتے تھے۔ صاحب خزینۃ القرآن حدیث مجموعہ الاحادیث سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی فرماتے ہیں کہ انصار میں جھگڑا ہوا تو وہ لوگ حضور ﷺ کے پاس آئے تو آپ ﷺ نے انہیں فرمایا ایھا الناس اے لوگو! کیا تم میں علی شاہد تھا۔ انہوں نے کہا ہاں۔ حضرت علی فرماتے ہیں جب میں پہنچا تو مجھے حضور ﷺ نے فرمایا یا علی لھم انت شاھد فی الواقعہ کیا علی اس واقعہ میں ان میں موجود تھا حضرت علی فرماتے ہیں، میں نے کہا کہ کنت شاھداً یا رسول اللہ ﷺ میں موجود تھا تو فرماتے ہیں کہ دیکھئے لفظ شاہد وجود کے ساتھ موجود ہونے کو کہا جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو شاہد فرمایا ہے۔ حضرت علی فرماتے ہیں جب بھی رسول اللہ ﷺ مشرکوں سے کوئی بات کرتے وہ انکار کرتے تو رسول اللہ ﷺ فرماتے اللہ تمہارے اور میرے درمیان شاہد ہے اور قرآن کریم میں بھی ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو شاہد فرمایا اور اپنے حبیب ﷺ کو بھی لفظ شاہداً سے تعبیر فرمایا۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں (سوال) کیا شاہد کے معنی قرآن کریم میں ذاتی طور پر موجود ہونے کے ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے رسول کریم ﷺ فرماتے تھے چاند آنے کے متعلق کہ روزہ اس وقت رکھو جب تم چاند کو دیکھ لو یا تم میں سے کوئی مسلمان شاہد ہو جو سر کی آنکھ سے چاند کو دیکھے تو اس حدیث سے نتیجہ یہ ہوا کہ شاہد کے معنی موجود کے ہیں اور شاہد اسے کہا جاتا ہے جو سر کی آنکھ سے دیکھ کر گواہی دے اسی لئے حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو تم میں سے موجود ہو اور چاند کو اپنے سر کی آنکھ سے دیکھ کر تمہیں بتائے تو پھر روزہ رکھا کرو قرآن کریم میں ارشاد ہے فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ (تو دیکھئے یہاں قرآن میں بھی شاہد کے معنی موجود کے کئے گئے ہیں کیونکہ اگر شاہد کے معنی کوئی دوسرے ہوں اگر وہ چاند آنکھ سے نہ دیکھے تو اس کے کہنے پر کوئی روزہ نہ رکھے گا تو نتیجہ یہ ہوا کہ شاہد کہا ہی اسے جاتا ہے جو موجود ہو اور سر کی آنکھ سے دیکھے) تو رسول اللہ ﷺ یہ آیت بار بار تلاوت فرماتے تھے کہ چاند کو دیکھنے میں آدمی موجود ہو اس لئے لفظ من شرط ہے اس کا شاہد ہونا اس کی قوی دلیل ہے تو نتیجہ یہ ہوا کہ شاہد کے معنی موجود کے ہیں۔ امام محمد راغب اصفہانی اپنے بے نظیر بے مثال ترجمہ مفردات القرآن میں بھی یہی ترجمہ فرماتے ہیں شاھد بمعنی الموجود اما ببصر کیسے پیارے معنی فرمائے ہیں۔ صاحب خزینۃ القرآن مجموعہ الاحادیث سے حدیث درج کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے میں شاہد ہوں اور میرا تصرف سارے عالم میں ہے تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ پر میرے ماں باپ قربان ہو جائیں کہ آپ بھی ہر وقت شاہد ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں قرآن نے مجھے شاہد فرمایا ہے۔ اور میرا رب شاہد ہے میں اس کے شاہد ہونے کا مظہر ہوں وہ شہید ہے میں اس کے شہید ہونے کا مظہر ہوں۔ اس کے یہ صفاتی نام ہیں اور مجھ میں یہ صفات مظہر اتم میں موصوف فرماتے ہیں یہ حدیث میرے جد امجد حضرت امام جعفر صادق کی املا میں بھی موجود تھی جب یہ حدیث بیان کرتے تو آپ کی آنکھوں میں آنسو آجاتے اور فرماتے میرے محمد (ﷺ) ساری دنیا کے لئے شاہد ہیں۔ عالم میں ان کا تصرف موجود ہے۔

Marfat.com

یہ کہ ہر امر بدون سبب کے موجود نہیں ہوسکتا۔ ضرور کسی نہ کسی فاعل کا نتیجہ ہوتا ہے۔ یہ ایک ایسی بات ہے جس سے ذرہ سی عقل کا آدمی بھی انکار نہیں کرسکتا جب تغیرات احوال کا کسی نہ کسی موجد پر منحصر ہونا پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا تو ظاہر ہے کہ سبب حقیقی اور موجد اصلی وہ ذاتِ اللہ تعالیٰ ہی ہے چونکہ تغیرات میں غالب خیر ہے تو لامحالہ اللہ تعالیٰ کو محسن وکریم رحمٰن ورحیم ماننا پڑے گا کیونکہ حکم کا دارومدار کثرت اور غلبت پر ہوا کرتا ہے اور محسن رحیم حمد کا مستحق ہوتا ہے۔ متذکرہ بالا امور چونکہ چنداں دشوار اور دقیق نہ ہونے کے باعث تقریباً ہر ایک کو ان سے واقفیت ہوتی ہے اور کوئی ذہن ان معلومات سے ناواقف نہیں ہوتا تو لامحالہ ہر شخص کے ذہن میں اس ذات کا مستحق حمد وثناء ہونا حاضر ہوگا یہی وجہ ہے کہ طریقہ حمد کی تعلیم دی گئی ہے اور فرمایا الحمدللہ تعلیم حمد کے بعد اس کے بالا مقام کی طرف توجہ دلائی یاد رکھو کو اللہ تعالیٰ نے جو مستحق حمد وثناء ہے افرادِ بشری کے ایک فرد کا اللہ نہیں بلکہ ربّ العالمین سے یہ ظاہر کر دیا کہ وہ کل افرادِ انسانی کا اللہ ہے اور اس کا معبود محمود کیونکہ جس طرح ایک فرد حادث ممکن اور درگاہِ الٰہی کا اپنے جملہ ضروریات وحاجات میں محتاج اور سائل ہے اسی طرح تمام مخلوقاتِ ارضی وسفلی وناری وخاکی ان صفات سے موصوف اور اس کے دست نگر ہیں۔ ظاہر ہے کہ انہی وجوہات پر وجود اللہ کا اعتقاد پیدا ہوسکتا ہے اور یہی اس کی دلیل تھی تو کیا وجہ ہے کہ وجوہات میں مشترک ہونے پر کل کا اللہ نہ ہو۔ حالانکہ جس طرح ایک فرد مختلف تغیرات حرکات وسکنات کا محل ہے اسی طرح باقی تمام افراد انسانی انہیں اوصاف سے موصوف ہیں اور وجہ احتیاج ان میں بھی موجود ہے اور اشتراک علت سے اشتراک فی المعلول ضروری ہوتا ہے پس ثابت ہوا کہ وہ ذات جامع الصفات رب العالمین ہے اور زمین وآسمان کا اللہ ہے مذکورہ بالا تقریر سے اللہ تعالیٰ کا خالق ہونا محقق ہونے کے بعد یہ نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ جس ذات کو کل موجودات کیا زمین اور کیا آسمان کیا سیارے وعرش وغیرہ وغیرہ بنانے کی قدرت ہے اسے ان سب کو چشم زدن میں نیست ونابود کرنے کی طاقت ہے اور اسے ان کی کچھ پرواہ نہیں اور چونکہ وہ ذات بڑی شان والی ہے اور صاحب شوکت رفیعہ ہے ممکن ہے کہ ان معلومات کثیرہ سے انسان کے دل میں یہ خیال پیدا بھی ہوا کہ ایسے قادر وغنی اور صاحب ہیبت وجلالت کے دربار تک مجھ ناچیز ناکارہ کی رسائی کیسے ممکن ہوسکتی ہے اور باریابی کیونکر ممکن ہے تو حکیم مطلق نے ساتھ ہی اس کے لئے ایک مجرب نسخہ بتلایا کہ اے انسان بے شک تو حقیر اور ضعیف ہے اور بڑی قدرت اور ہیبت ورعب کے مقابلہ میں تیری کچھ بھی تاب وطاقت نہیں لیکن اطمینان رکھ کہ رعب داب کے ساتھ میں اس قدر عظیم رحمت والا بھی ہوں (بے شک رحمٰن الرحیم بے شک مالک یوم الدین) جب تک تیسرے وجود میں جان باقی ہے اور زندہ ہے میں ہرگز اپنی رحمت سے تجھے محروم نہیں کروں گا۔ میرے فضل وکرم سے ضرور بہرہ یاب رہے گا اور موت کے بعد میں روز جزاء کا مالک ہوں اور مالک یوم الدین ہوں کوئی عمل ضائع نہیں کروں گا جیسا کرو گے ویسا پاؤ گے اگر تمہارے اعمال نیک ہوں گے تو بے انداز ثواب اور انعامات حاصل کرو گے اگر اعمال برے ہوں گے تو بھی میری رحمت تم پر مسدود نہ ہوگی بلکہ درگزر اور چشم پوشی کروں گا یہاں تک اموراتِ ربوبیت کو خوب طور پر ذہن نشین کرانے کے بعد تین امور کی طرف توجہ دلائی اور ان پر کاربند رہنے کی نصیحت کی۔ اوّل یہ کہ مقام شریعت یعنی اعمال ظاہرہ کو کبھی ہاتھ سے نہ دینا لگاتار اس میں مصروف رہنا چاہئے جیسے فرمایا ایاک نعبد دوم یہ کہ اس مقام کو حاصل کرنے کے بعد مقام طریقت میں عالم مشاہدہ عالم غیبی کی سیر نصیب ہوتی ہے تو دیکھئے کہ عالم ظاہری عالم غیبی کا پابند ہے اور فرمانبردار ہے تجھے معلوم ہو جائے گا کہ اعمال راسخہ اور افعال ظاہرہ بدون استمداد لم یزلی ہرگز صادر نہیں ہوسکتے اور بدون رہبر یہ دشوار اور غیر سہل الوصول راستہ عبور نہیں ہوسکتا اور عالم غیب کی سیر نہیں ہوسکتی پس یاد رکھو کہ وہ رہبر ایاک نستعین ہے۔ تیسرا یہ کہ تمام موجودات کو مسقوط منظر بنا کر عالم کا مشاہدہ کیا جائے تو چاروں طرف اللہ کے سواء کوئی اور دکھائی نہ دے گا اس وقت تیری زبان سے **اھدنا الصراط المستقیم** کا نعرہ بلند ہوگا اور تیرے دل میں اگر کوئی تمنا ہوگی تو صرف وہی حیرت ہوگی اور مقام میں ایک باریک نکتہ ہے کہ روح واحد کی قوت بمقابلہ ارواح کثیرہ کم ہوتی ہے اور جس امر کے حاصل کرنے میں بے شمار ارواح مل کر کوشش کریں تو سہل الحصول اور قریب الوصول ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ مقام مذکورہ پر انسان اپنے آپ کو حصول مقصود میں غیر متکفی سمجھ کر پاک اور ستھرے ارواحِ مقدسہ کی شامل کر کے ان کے ہمراہ مکاشفات روحانی اور انوارِ ربانی کے حاصل کرنے میں مشغول ہوتا ہے اس کی طاقت اور استعداد کامل ہو جاتی ہے اور جمعیت کے ہمراہ ان امور میں کامیاب ہو جاتا ہے جن میں تنہا ہونے کی صورت میں کامیاب ہونے سے عاجز تھا یہی وجہ ہے کہ انسان **اھدنا الصراط المستقیم** کے ساتھ **صراط الذین انعمت علیھم** کی تمنا ظاہر کرتا ہے چونکہ ارواح مطہرہ کی جمعیت میں شامل ہونے سے کامیابی اور سرخروئی حاصل ہوتی تھی تو ساتھ اس کے یہ ظاہر کر دیا کہ فساق اور ارواح خبیثہ کی صحبت میں ناکامی اور خسارہ ہے اور ہر چہار اطراف سے محرومی ہی محرومی دکھائی دیتی ہے پس کہا **غیر المغضوب علیھم ولا الضالین** مذکورہ بالا تینوں مقامِ شریعت ہیں جس کو ایاک نعبد سے تعبیر کیا گیا ہے اور مقام طریقت وہ جس میں **ایاک نستعین** سے خطاب کیا اور مقام مکاشفہ اور مطہرہ بہ **اھدنا الصراط المستقیم** سے ہو چکے

Marfat.com

اور جمعیت مظہرہ میں داخل ہو کر استعداد نامہ حاصل ہو چکا اور فسق و فجور کی دوری کے باعث کامل و اکمل بن گیا تو اس وقت معارج بشریہ اور کمالات انسانیہ اس کے چاروں طے ہو گئے۔

مسئلہ نمبر 2:

سورۃ ہذاء کے لطائف کا بیان بطریق ثان، انسان طبقہ لذت اور بھلائیوں کا شائق اور خوفناک وغیرہ لذیذ اشیاء سے گریزاں ہے اور چونکہ دنیا عالم اسباب ہے کوئی چیز ہو بدون اسباب مہیا نہیں ہو سکتی لیکن ساتھ ہی اس کے ہر چیز کے اسباب جداگانہ ہیں عیش و نشاط کا حصول معینہ اسباب سے ہی ہوگا اور مضرات اور خوف ناک اشیاء بھی اپنے مقررہ اسباب سے دور ہو سکتی ہیں۔ اور چونکہ منافع کو حاصل کرنا اور مضرات کو دفعہ کرنا قدرتی بات ہے اور ساتھ ہی اس کے ان امور کا اظہار مختلف اور معینہ ذرائع سے ہے نیز یہ بھی مسلم ہے کہ محبوب کے حاصل کرنے کا ذریعہ بھی محبوب و مرغوب ہوا کرتا ہے اور یہ بات محقق ہے کہ انسان عزت اور لذات عیش و نشاط امراء وزراء اہلکاران اور اختیار داران کی خدمت سے ہی حاصل کرتا ہے تو ظاہر ہے کہ انسان کے دل میں کس قدر الفت و محبت ہوگی اور علوم حکمیہ نے ثابت کر دیا ہے کہ تکرار فعل سے خاص ملکہ پیدا ہو جاتا ہے کیونکہ اگر انسان اپنے آپ کو کسی خاص صفت میں مصروف کر دے اور اس سے وہ صفت متواتر صادر ہوتی رہے تو اس میں ایک ملکہ پیدا ہو جاتا ہے جس کے باعث آئندہ آسانی ہو جاتی ہے تو جس قدر صفت کا صدور ہوگا اسی قدر ملکہ کی قدر بھی بڑھ جائے گی نیز علوم حکمیہ نے ثابت کر دیا کہ طبع انسان تاثرات کو بہت جلد قبول کر لیتی ہے اور طبعی امورات مختلف تاثرات سے مغلوب ہو جاتے ہیں کیونکہ بدی صحبت اور مجلس سے بری عادات پیدا ہوتی ہیں اور اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ انسان جبلی طور پر دیکھا دیکھی کسی طرف بہت جلد مائل ہو جاتا ہے۔ مذکورہ بالا تقریر سے ثابت ہو گیا کہ انسان منافع کو حاصل کر کے مضرات سے دو طریق سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ اول تو اپنے دل کو ان کے مختلف اسباب میں محور کھے اور جس قدر ان پر کاربند رہے گا اسی قدر اس کے دل میں ان کی محبت قوی ہے اور مضبوط ہو جائے گی اور خواہش و رغبت کا دائرہ وسیع ہوتا جائے گا۔ دوم یہ کہ انسان کے دل میں دیکھا دیکھی سے بھی محبت زیادہ ہو جاتی ہے جیسا کہ بہت سے لوگوں کو ایسا دیکھا گیا ہے کہ وہ اپنے جبلی طبع کے مطابق تاثرات اسے متاثر ہو کر انہیں میں محو ہو گئے اور ان کے دلوں میں محبت کے قدم خوب طور پر جم گئے۔ ان دونوں طریقوں سے یہ نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ انسان کے دل میں دنیا کی محبت اسباب کی کمی بیشی پر منحصر ہے اگر اسباب سے دل میں زیادہ تعلق پیدا ہوگا تو محبت بھی قوی ہوگی اگر نہیں تو نہیں۔ مذکورہ تمہید سے ثابت ہو گیا کہ اگر انسان کو ایسا ذریعہ مل جائے جو اسے سیدھے راستہ پر لگا دے تو ضروری ہے کہ اس کا دل ان اسباب و ذرائع میں تامل کرے گا اور سوچے گا کہ کیا بادشاہ کو اس قدر مال و متاع اور تمام دنیا پر تسلط وسائل اور قدرت کے باعث ہے یا نہیں۔ جان لے گا کہ امارت و حکمرانی اس قوت بازو کا نتیجہ نہیں ہے اور نہ ہی اپنی عقل سلیم کا بلکہ یہ تقسیم ازل کی قسمت ہے اور حکیم علام کی بتائی ہے جس کی تقسیم کو کوئی بھی نامنظور نہیں کر سکتا اور جس کے حکموں سے سرتابی کی کسی کو مجال نہیں ازاں بعد وہ اس خیال کو مختلف امورات اور عبارات سے تقویت پہنچانے کے بعد اس کا دل عالم اسباب کے ذرائع کی محبت سے بالکل صاف ہو کر ہر ایک ضرورت اور حاجت پر دشوار امور کے امضاء کے لئے مسبب حقیقی کی طرف مائل ہو جائے گا اور اسی قسم کے اعتبار جوں جوں ترقی کرتے جائیں گے اور اسی لحاظ سے اس کا میلان طبع بڑھتا جائے گا اور اس کے دل میں اسباب ظاہریہ سے نفرت بیٹھتی جائے گی یہاں تک کہ ہر ایک برائی اور بھلائی کو مسبب حقیقی کی طرف منسوب کیا کرے گا اور کہے گا وہی نافع ہے وہی ضار ہے اور اپنے ہر فعل پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء سے رطب اللسان رہے گا اور ہر ضرورت اور مشکل کے وقت اسی ذات مقدسہ کی طرف اس کی توجہ ہوگی اور کل محامد کو اسی کا مستحق سمجھ کر کہے گا الحمد للہ یاد رکھنا چاہئے کہ مذکورہ بالا حالات کی موجودگی پر انسان سمجھ سکتا ہے کہ یہ مختلف احوال بتمامہا صرف حکم اللہ تعالیٰ سے جاری ہیں بذریعہ فراست یہاں تک ترقی ہوگی کہ عالم علوی اور سفلی کے مابین اسی معنی سے مطابقت سمجھ لے گا کہ ہر دو عالم کی منظم صرف ذات اللہ تعالیٰ ہے پس کہے گا الحمد للہ رب العالمین عالم سفلی اور علوی کے مابین مطابقت سمجھ کر ان دونوں کے مختلف احوال میں تامل کرنے کے بعد دونوں جہان کے احوال عمدہ لڑی میں پروئے ہوئے اور خوش ترتیب پر مرتب اور جہانوں میں رہنے والے کو ذات الٰہی کی حکمت اور فضل کے محتاج دیکھ کر بے ساختہ الرحمٰن الرحیم بول اٹھے گا اور اس کے ذہن میں یہ بات بیٹھ جائے گی کہ دنیا کے تمام مصالح کا دارو مدار صرف ذات اللہ تعالیٰ کی حکمت و فضل اور احسان پر ہی ہے اس وقت انسان کے دل میں یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ بعد از ممات مجھ پر کیسے گزرے گی اور کیا کیفیت پیش آئے گی تو اس خیال کو گو یا یوں روک دیا گیا کہ مطمئن رہو روز جزاء کا مالک بھی وہی ہے جس کو تم الرحمن الرحیم کہتے ہو اس آواز غیبی سے تسکین و اطمینان پا کر اسے

Marfat.com

ہے کہ روزِ جزاء مظلوموں کو ان کا پورا حق دیا جائے گا اور ظالموں کو ان کے ظلم کا بدلہ ملے گا اور اگر تنگدستی کسی کے ظلم وجبر کا نتیجہ نہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہنچی ہے تو اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ میں ایسے لوگوں کو روز جزاء بڑے بڑے مراتب اور نعمتوں کی کشائش اور اعلیٰ درجات سے سرفراز کروں گا پس ثابت ہوا کہ وہ ذات کے عنایات بنیات بندوں پر بے شمار و بے حساب ہیں اپنے بندوں پر مہربانی سے سلوک فرماتا ہے وہ بلاشبہ حمد وثنا کے لائق ہے اور جس قدر مدح سرائی ہو اس کے احسان کے مقابلہ میں ہیچ ہے اور اس سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ الحمد للہ ربّ العالمین الرحمٰن الرحیم مالک یوم الدین کا ہر ایک لفظ گوہر بے بہا ہے جن کو ایسی ترتیب سے پرو دیا گیا ہے جس کا خواب بھی ممکن نہیں وہ ایک سلک مروارید ہے جس سے بڑھ کر کوئی دوسرا کلام نہیں ہو سکتا غرض یہ کہ یہ کلام اپنی مختلف خوبیوں سے لاثانی و بے نظیر ہے یاد رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے ربوبیت کی صفات کا ذکر فرما کے ساتھ ہی عبودیت کے لوازمات کو بیان فرما دیا ہے انسان کی اصل عبودیت کن لوازمات سے پیدا ہو سکتی ہے۔

یہ بات بھی یاد رکھنا چاہئے کہ انسان جسم وروح سے مرکب ہے لیکن دراصل جو کچھ ہے روح ہی ہے جسم محض روح کی ضروریات کو بہم پہنچانے کا آلہ ہے لامحالہ جسم کا بڑا فرض یہی ہے کہ وہ ایسے اعمال وافکار کو اختیار کرے جن کے باعث روح کو سعادت روحانیہ میسر آسکے اور ایسے ذریعے بہم پہنچائے جن سے روح کو سرور وراحت پہنچے ظاہر ہے کہ وہ ایسے اعمال اگر ممکن الوجود ہیں تو ضروری ہے کہ جملہ حرکات وافعال کو خدمتِ اللہ تعالیٰ میں مصروف کرے اور ہمہ تن اس کی عبادت میں مشغول رہے اور دراصل عبادت پر مداومت اختیار کرنے سے بڑھ کر کوئی دوسری بہتری کی صورت انسان کے لئے نہیں ہو سکتی اور یہی سعادت انسان کا اول درجہ ہے پس ایاک نعبد سے اسی درجہ کی طرف اشارہ مقصود تھا کیونکہ اگر اس درجہ پر کمربستہ ہو کر استقلال کے ساتھ قائم رہے تو لامحالہ وہ ایسے انوارِ غیبی کا مشاہدہ کرے گا جس سے معلوم ہو جائے گا کہ عبادت اور اطاعت بغیر مدد اللہ تعالیٰ ممکن نہیں اور انسان بدون اس کے محض جسد بے روح ہے اب انسان کمالات کے درجہ وسطیٰ پر پہنچا ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے ایاک نستعین کا اشارہ فرمایا ہے اور جب اس مقام کو عبور کر گیا تو اس پر منکشف ہو جاتا ہے کہ ہدایت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور وہی رہنماء ہے اور عالم مکاشفات اور تجلیات کا حاصل ہونا بدون رہنمائی الٰہی ناممکن ہے اور اھدنا الصراط المستقیم سے یہی جتلانا مقصود ہے۔ آیت ہذا کے متعلق چند لطائف ہیں:

لطیفہ اوّل: اعتقادات اور اعمال حاصل کرنے کا ٹھیک طریق صراط المستقیم ہے صورت اوّل کا بیان چند طریقوں سے ہو سکتا ہے:

اوّل: جو شخص تنزیہ الٰہی میں ہمہ تن مصروف ہو جائے اور سب سے قطع نظر اختیار کرے تو اس طریق سے صفات متروک ہو جائیں گی اور اگر اثباتِ الٰہی میں لگ جائے تو اثبات درکنار نوبت بانیجا خواہد کہ اللہ تعالیٰ کو ثابت کرتے کرتے جسمیت اور مکان کے اثبات میں مصروف ہو جائے گا تو ظاہر ہے کہ یہ دونوں طریقے حق سے دور ہیں اور ٹیڑھے ہیں رہا دونوں کے درمیان تو وہی سیدھا راستہ صراط المستقیم ہے جس سے نہ تو جسم ثابت ہوتا ہے اور نہ ترک صفات ہی لازم آتا ہے۔

دوسرا: اگر انسان یہ خیال کرے کہ تمام افعال وحرکات کا صادر کرنا بندہ کے اختیار میں ہے تو یہ فرقہ قدریہ کا خیال ہے اور اگر صدور افعال کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جائے تو یہ جبریہ کا خیال ہے اور یہ دونوں طریق راہ راست سے دور ہیں اور ان کے مابین صورت الصراط المستقیم میں داخل ہے اور وہ یہ کہ انسان اپنے افعال پر مختار بھی ہے۔ اور نہیں بھی۔ اب رہے اعمال تو اعمال شہواتی میں منہمک شدہ شخص کو لامحالہ فسق وفجور لازم ہوگا اور انہیں بالکلیہ ترک کر دینے سے بے کاری لازم ہوگی۔ پس ان دونوں کے مابین صورت عفت ہے اور وہی صراط مستقیم ہوگی اسی طرح اگر انسان اعمال غضبیہ میں مبالغہ کے ساتھ مشغول ہو جائے تو یہ بے باکی میں داخل ہے اور اگر انہیں بالکلیہ چھوڑ دے تو اس کا نتیجہ بزدلی ہوگا اور ان دونوں کے مابین شجاعت ہے وہی صراط مستقیم ہوگی۔

لطیفہ دوسرا: صراط مستقیم دو متضاد صفات سے موصوف کیا گیا ہے ایک ایجابی دوسری سلبی ہے۔ صفت پہلی تو صراط الذین انعمت علیھم ہے یعنی ان لوگوں کا راستہ جو انبیاء اولیاء صالحین صدیقین شہدا ہو چکے اور انعام الٰہی ان کے شامل حال تھا تو یاد رہے کہ صراط الذین انعمت علیھم میں گناہ گاروں کے لئے صراط مستقیم وہی راستہ ہے جو انبیاء اور صالحین اور صدیقین وشہداء کا ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن اس ضمن میں ایک حدیث درج کرتے ہیں۔

حضرت علی اپنے مجموعہ الاحادیث میں فرماتے ہیں کہ صراط الذین انعمت علیھم کے متعلق حضور ﷺ فرماتے تھے ہر زمانے میں جس نے بھی میرا راستہ اختیار کرنا ہو اور میری سنت کو پورا کرنا ہو تو وہ اولیاء اللہ کی پیروی کرے تو یہی میری سنت ہوگی اور وہی فرقہ جو مقبولانِ الٰہی کے راستے پر چلے گا وہی قیامت کے دن ناجی

Marfat.com

فرقہ ہوگا جو صالحین کی مخالفت کرے گا میرے ساتھ اور ربّ کے ساتھ جنگ کے لئے تیار ہوا تو تمہاری مدد کے لئے اللہ تعالیٰ نے انعام یافتہ لوگوں کا راستہ مقرر فرمایا ہے۔ یاد رہے کہ حق راستہ استقامت والا راستہ اولیاء کاملین کا ہے حدیث کی رو سے ثابت ہوگیا کہ ان کی مخالفت اللہ تعالیٰ اور رسول سے جنگ ہے اس شدید دور میں ہمیں اپنے ایمان کو محفوظ رکھنا چاہئے اور اولیاء کاملین وصالحین کے راستہ ہی کو اپنا راستہ اختیار کرنا چاہئے۔ مسلک اہل سنت اسی کا خواہاں ہے فقیر تو یہ کہے گا کہ قیامت کے دن وہی فرقہ ناجی ہوگا جس نے انعام یافتہ صالحین کی پیروی کی وہی سرکار دو عالم ﷺ کے قریب ہوگا جو اولیاء کاملین کے راستہ سے ہٹ گیا تو وہ سرکار دو عالم ﷺ کے راستہ سے ہٹ گیا یہی بات ہمارے مجدد ملت امام اہل سنت اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مولانا شاہ احمد رضا خان سراج الامت کا عقیدہ ہے جو حدیث مذکورہ کے عین مطابق ہے پس ہم نے اپنے ایمان کو محفوظ رکھنا ہے تو (اولیائے کامل دامن تھامنا ضروری ہے) اولیائے کاملین کے روحانی فیض سے عرض کردوں کہ صالحین وہ ہیں کہ ان کا طریقہ حضور ﷺ کی ہر سنت کے عین مطابق ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ انہی کے راستہ کو ہم اختیار کریں اور اسی راستہ کو اپنے لئے نعمت سمجھیں تو رہی مذکورہ صورت ثانی یعنی اس راستے سے بچنے کی آرزو کرنا جن کے اعمال فاسد ہیں اور ان کے قویٰ بباعث کثرت ارتکاب امورات شہوانی معطل ہو چکے ہیں جس کے باعث مورد غضب الٰہی تھے اور جن کے قوائے عقلیہ زائل ہوگئے ہیں تو ہستی صادقہ اور معارف نے الٰہیہ سے بہرہ ہوگئے۔

لطیفہ تیسرا: بعض نے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اهدنا الصراط المستقیم پر کفایت نہیں کی بلکہ ساتھ ہی صراط الذین انعمت علیهم کا اضافہ کر دیا اس لئے کہ یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ کوئی مرید مقام ہدایت اور مکاشفہ کو بدون اقتداء شیخ بالفاظ دیگر پیر و مرشد حاصل نہیں کرسکتا اور نہ غلطیوں اور گمراہیوں سے دور ہوسکتا ہے۔ امام رازی کا بھی یہی خیال ہے کہ اولیاء کاملین و پیر و مرشد کا راستہ چھوڑنا گمراہی ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن اپنی تفسیر میں حضرت مولا علی کا قول مجموعہ الاحادیث سے درج کرتے ہیں کہ حضرت علی فرماتے ہیں کہ انسان جب تک کامل شیخ و رہنماء تلاش نہ کرے اس وقت تک اسے الصراط المستقیم حاصل نہیں ہوسکتا وہ کفر اور گمراہی کے گڑھے میں غرق رہتا ہے اور شیخ کے ذریعے ہی وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور قرب حاصل کرسکتا ہے یہ وصیت آپ نے حضرت خواجہ حسن بصری کو فرمائی۔ امام رازی فرماتے ہیں کہ صرف خاص خاص لوگوں کی عقل کامل ہوتی ہے باقی عقلوں میں حقانیت کو شناخت کرنے کی پہچان نہیں ہوتی یہ بات امام رازی نے حق کہی ہے کہ اولیاء کرام کی عقل کامل ہوتی ہے ان کی عقل کی پہچان کرنا ناقص عقل کے لئے دشوار ہے اولیائے کرام اپنی نگاہ فراست سے غلط اور صحیح میں تمیز کرسکتے ہیں۔ صاحب خزینۃ القرآن حضرت علامہ عبدالرزاق سے باسند حضرت عبداللہ بن عمر سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اتقوا فرسة المومنین فانه ینظرون بنور اللہ یہی حدیث تفسیر طبری میں بھی ہے اور ابن عباس کا قول بھی ہے اور امام مجاہد نے بھی اپنی تفسیر مجاہدی میں درج کیا ہے تو نتیجہ یہ ہوا کہ ولی کی نگاہ کامل ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کے نور معرفت سے تیز ہوتی ہے اچھائی اور برائی سب ان کے سامنے عیاں ہوتی ہے پس سورہ ہذاء نے وہ کامل طریقہ ہمیں بتلا دیا جس سے اوفوا بعهدی اوف بعهدکم کے دونوں عہد یعنی عہد ربوبیت اور عبودیت کی شناخت ہوگئی ان دونوں سے ایک دوسرے کی تمیز ہوگئی۔

مسئلہ نمبر 3:

سورۂ ہذا کے لطائف سے ہے کہ عام طور پر دنیا میں دو قسم کی چیزیں موجود ہیں مرغوب وغیر مرغوب، بھلائی اور برائی میں اگر بظاہر برائی کا زیادہ زور معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقۃً غور کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ بھلائی کا دائرہ وسیع ہے بیماریاں بھی ہیں مگر ان کی نسبت صحت زیادہ ہوتی ہے بھوک بے شک بکثرت موجود ہے لیکن سیری اس سے دوگنا موجود ہے انسان اگر اپنی عقل سے کام لے اور اپنے وجود ہی میں سوچے تو بہت سارے تغیرات اور تبدیلی وحالات موجود پائے گا اور تغیرات میں زیادہ تر سلامتی اور صحت ہی ہوگی اور لذت وانبساط بکثرت پائے گا فقیر یہ نہیں کہتا کہ ناپسند امور موجود نہیں بے شک موجود ہیں مگر نسبتاً بہت قلیل ہوتے ہیں۔ اس تمہید کے بعد فقیر یہ کہتا ہے کہ تغیرات سے وجود الٰہی ثابت ہوتا ہے اور چونکہ راحت وانبساط کی جانب غالب ہے اس سے اللہ تعالیٰ کا رحمٰن، رحیم اور محسن ہونا مفہوم ہوتا ہے وجود کا ثبوت تغیرات سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک عقل سلیم کا مالک تغیرات حالات سے قیاس کرسکتا ہے کہ بدون کسی سبب اور باعث کے تغیرات نہیں ہو سکتے ضرور کوئی نہ کوئی سبب ہے جس نے ایک حالت سے دوسری حالت قائم کردی بطور مثال یوں سمجھنا چاہئے کہ تو تعمیر عمارت کی خبر سن کر غافل کے دل میں تعمیر کرنے والے کا خیال پیدا ہو جاتا ہے اور وہ کبھی نہیں تسلیم کرسکتا کہ عمارت خود بخود موجود ہوگئی۔ وگرنہ اس کا دوام لازم آئے گا اور اسے واجب بالذات ماننا پڑے گا حالانکہ مشاہدہ اس کے خلاف ہے غرض

Marfat.com

نہیں سمجھتے۔ پیشانی کے مسح کی حدیث جس سے امام صاحب کا استدلال ہے، یہ ہے کہ مغیرہ بن شعبہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ کسی کے مکان میں تشریف لے گئے اور ضروری حاجات سے فارغ ہو کر آپ ﷺ نے وضو فرمایا اور پیشانی اور موزوں پر مسح فرمایا اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ خاص مقدار کے لئے شرط ہے۔ مقدار سے کم ہونے کی صورت پر نماز جائز نہ ہوگی۔

دلیل دوسری: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اقیموا الصلوٰۃ لفظ صلوٰۃ (نماز) مفرد ہے اس پر الف لام عہد ذہنی کا ہے جو رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہوئی اور رسول اللہ ﷺ نماز میں سورۃ الفاتحہ پڑھا کرتے تھے تو اقیموا الصلوٰۃ سے وجوب ثابت ہوگیا کیونکہ اقیموا الصلوٰۃ کا یہ مطلب ہوا کہ نماز پڑھو، جس طرح تمہیں میرا رسول بتائے۔ علاوہ اس کے لفظ صلوٰۃ کا ذکر تقریباً قرآن کریم میں ایک سو کے قریب آچکا ہے اس سے بھی وجوب ثابت ہوتا ہے۔

دلیل تیسری: خلفائے راشدین کی اتباع بموجب فرمان واجب الاذعان مرسل منان واجب ہے جیسا کہ فرمایا علیکم بسنتی وسُنة الخلفاء الراشدین من بعدی دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا اقتدوا بالذین من بعدی ابوبکر وعمرؓ نماز کو الحمد للہ ربّ العالمین کی قرأت سے شروع کیا کرتے تھے پس یہاں سے وجوب ثابت ہوگیا۔ کیونکہ خلفائے راشدین کی اقتداء بحکم رسالتمآب ﷺ واجب ہے۔

نوٹ:

امام رازی کو مذکورہ بالا احادیث میں حضرت ابوبکر وعمرؓ کا نماز میں سورۃ الفاتحہ پڑھنا تو ثابت ہوگیا۔ یہ امام رازی امام کے پیچھے سورۃ الفاتحہ کا پڑھنا اس حدیث سے ثابت نہیں کر سکتے ہاں (ہاں فاتحہ خلف الامام رازی کو متواتر حدیث ثابت کرنا ہوگی۔) احادیث ثابت کرنی ہوگی کیونکہ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ جہاں مسئلہ میں اختلاف ہو تو پہلے تواتر روایات تلاش کریں اگر یہ نہ ہو سکے تو پھر روایات کا موازنہ کرو پھر راویوں کی شخصیت پھر صحابہؓ میں افضل صحابہ کی روایت تلاش کرو مذکورہ بالا دلیل حق ہے امام رازی کو حضرت ابوبکر وحضرت عمرؓ کا خلف الامام سورۃ الفاتحہ پڑھنا ثابت کرنا ہوگا۔ اس ضمن میں صاحب طبری بحوالہ تفسیر خزینۃ القرآن حدیث درج کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ کا سیدنا ابوبکر کے پیچھے آپ کا کئی بار نماز پڑھنا ثابت ہوتا ہے۔ حضرت انس فرماتے ہیں کہ جب رسول کریم ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیق کے پیچھے آخری بار نماز پڑھی تو اس وقت حضرت ابوبکر صدیق سورۃ الرحمٰن تلاوت فرما رہے تھے لیکن جب حضرت ابوبکر صدیق سورۃ الفاتحہ نماز میں بلند آواز سے پڑھ رہے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ رسول کریم ﷺ خاموش ہیں۔ یہ حدیث صاحب تفسیر طبری فرماتے ہیں میں نے یہ حدیث تفسیر خزینۃ القرآن پارہ نمبر ۱۵ جلد نمبر ۱۸ ص ۱۹۹۹ آیت اقم الصلوٰۃ لدلوک الشمس اس آیت کے ماتحت حدیث درج ہے۔ نہایت ہی تعجب کا مقام ہے کہ امام صاحب باوجودیکہ عبدالرحمٰن اور عبد اللہ بن زبیر کی مخالفت ثابت ہونے کے مسئلہ کے ارشادات میں صرف حضرت عثمان کی روایت سے تمسک کیا ہے۔ امام رازی کہتے ہیں کہ امام اعظم نے حضرت عثمان والی روایت سے تمسک کیا ہے اور قرآن کو چھوڑا ہے اور دوسرے صحابہ کی مخالفت کی ہے، فقیر کو امام رازی پر تعجب ہے اوپر تو حدیث درج کر چکے ہیں علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین من بعدی تو خلفائے راشدین کی سنت جب ہم پر لازم ہے تو کیا حضرت عثمان خلفائے راشدین میں سے نہیں ہیں امام رازی پر تعجب ہے جب خلفائے راشدین کی سنت ہم پر لازم ہوئی تو حضرت عثمان بھی تو خلفائے راشدین میں سے ہیں۔ امام رازی نے یہ بھی کہا ہے کہ حضرت امام اعظم نے قرآن کو چھوڑا۔ کیا جب انہوں نے حضرت عثمان کی روایت سے تمسک کیا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت عثمان بھی قرآن کو چھوڑ دیتے ہیں، ایسا نہیں ہو سکتا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں کسی ایک کی پیروی کرو گے تو کامیابی پا جاؤ گے۔ حدیث کے لفظ ہیں فبایٔ هم اقتدیتم اهتدیتکم تو معلوم ہوا کہ صحابہ کی اقتداء ہدایت ہے ان دونوں اصحاب کی مخالفت کے علاوہ نص قرآنی سے محروم الارث ہونا ثابت ہے لیکن تمام اصحابؓ سے قرأت فاتحہ کی مداوت ثابت ہونے پر بھی اسے واجب نہیں مانتے حالانکہ قرآن وحدیث اور عقل کے نزدیک بالکل درست ہے۔ مذکورہ بالا دلائل امام رازی کے ہیں لیکن امام رازی نے اپنے امام شافعی کے اقوال کو تقویت دینے کی کوشش کی ہے حدیث اور عقل کے نزدیک بالکل درست ہے۔ مذکورہ بالا دلائل امام رازی کے ہیں لیکن امام رازی نے اپنے امام شافعی کے اقوال کو تقویت دینے کی کوشش کی ہے اور عقل کو مردج کیا ہے۔

پہلی بات: امام رازی نے کہا ہے کہ اقیموا الصلوٰۃ میں الف لام عہد ذہنیہ ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ یہاں عہد ذہنیہ نہیں ہے بلکہ الف لام استغراقی

Marfat.com

ہے۔حکم ہوتا ہے کہ نماز پڑھو۔حدیث صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں حضرت علی حضرت عائشہ وہ حضرت عمر کی اسناد سے یہ مجموعہ الاحادیث میں درج ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے کہ مجھ پر قرآن بلحاظ ہر حکم فرض ہے مجھ پر قرآن کے احکامات کو فرض کر دیا گیا ہے، مجھ پر اس کی تبلیغ فرض ہے۔آیت یہ تلاوت فرماتے ان الـذی فرض علیک القران جس کا مقصد یہ ہے کہ بلاشبہ جس ذات نے اے حبیب پاک ﷺ آپ پر قرآن فرض کیا تو ثابت ہوگیا کہ قرآن کے احکامات فرض ہیں دوسرا یہ قرآن کریم کا جابجا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول حکم ہے۔میرا سوال امام رازی پر کہ اطاعت رسول کو تو واجب مان لیا اور اطاعت رسول کو قبول کیا اسے بھی واجب تو امام رازی اس پر یہ سوال کر سکتے ہیں کہ اللہ کی اطاعت تو فرض پھر اطیعوا الرسول میں اطیع کا لفظ دوبارہ ہوا ہے یہ تو اللہ تعالیٰ کی شان کے لئے فرمایا ہے تو اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اللہ کی اطاعت فرض ہے سب کا اتفاق ہے قرآن کریم دوسرے مقام پر فرماتا ہے ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ اس سے ثابت ہوگیا کہ رسول کی اطاعت فرض ہے سیدہ عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور میری اطاعت تم پر فرض ہے تو اطاعت بالحکم قرآن ہے تو نتیجہ یہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت فرض ہے۔مذکورہ بالا آیت امام اعظم کی دلیل فاتبعونی سے بھی حضور ﷺ کی اطاعت فرض ثابت ہوئی دوسری جگہ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے (پارہ نمبر ۱۲ سورۃ ہود) حکم ہوتا ہے فاستقم کما امرت صاحب خزینۃ القرآن حدیث درج کرتے ہیں حضرت ابن عباس کی اسناد سے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے سورۃ ہود نے مجھے بوڑھا کر دیا ہے مجھ پر اور میری امت پر قرآن کا ہر حکم فرض ہے تو مذکورہ بالا دلیل سے ثابت ہوا کہ امام صاحب کا قول حق پر ہے۔امام رازی نے سورۃ الفاتحہ کے وجوب کے متعلق نماز کے لئے یہ دلیل دی ہے علیکم بسنتی لیکن اس حدیث سے تاویل ہرگز جائز نہیں کیونکہ یہاں تو سنت بمعنی دستور کے ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جو دستور خلفائے راشدین کو عطاء فرمایا اس پر قائم رہو حالانکہ دوسرے صحابہ بھی تو موجود تھے یہاں تو عظمت اور بزرگی کا اظہار ہے۔انہیں صاحبان نے حضور ﷺ کے بعد ملک کی باگ ڈور کو سنبھالا تو امام رازی کی یہ تاویل ہے تاویل پر قیاس کرنا بالکل درست نہیں امام رازی پھر کہتے ہیں کہ ادھر وجوب کے متعلق بکثرت تواتر سے روایات ہیں لیکن قرآن کریم کی اس حکم میں بکثرت آیات موجود تو وہ وہاں وہ تواتر والی روایات کا سکہ نہیں چلے گا۔حضرت علی فرماتے ہیں جو تفسیر خزینۃ القرآن میں ہے کہ قرآن کریم کے ایک حکم کے لئے بکثرت آیات ہوں تو وہاں تواتر کی روایات کو ترک کیا جائے گا یہ اصول ہے حالانکہ تواتر والی روایات قرآن کی تفسیر ہوں گی اگر فرائض نص کے خلاف چاہے تواتر کیوں نہ ہو تو تسلیم نہیں کیا جائے گا۔صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ گردن کا مسح کرنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دو سو روایات بہ اسناد مستند ہیں۔ان شاء اللہ فقیر پارہ نمبر ۶ کی جب باری آئے گی تو وہاں وضو کے متعلق جو آیت ہے اس کے ماتحت درج کروں گا اب آپ انتظار کیجئے اور امام رازی نے یہاں بہت تاویل کی ہے پس سورۃ الفاتحہ نماز میں فرض ٹھہری۔امام صاحب کے قول کے مطابق۔

مسئلہ نمبر 4:

اگر چہ امت مسلمہ میں قرأت فاتحہ کے وجوب وغیرہ میں اختلاف ہے لیکن تاہم بلحاظ عمل بالاتفاق سب کے سب پڑھتے ہیں اور مشرق سے لے کر مغرب تک کوئی بھی ایسا شخص نہ ملے گا جو نماز میں سورۃ الفاتحہ نہ پڑھتا ہو تو اب فقیر کہتا ہے کہ نماز میں قرأت نہ پڑھنے سے طریقہ مومنین کا ترکِ لازم آئے گا کیونکہ نماز میں قرأت فاتحہ سب مومن پڑھتے ہیں اور بلاشبہ نہ پڑھنے والا یہ آیت من یتبع غیر سبیل المؤمنین آخر آیت تک اس کا مصداق ٹھہرے گا۔اس پر اگر یہ کہے کہ وجوب قرأت کے منکر سورۃ الفاتحہ کو واجب سمجھ کر نہیں پڑھتے بلکہ علی سبیل الجواز پس اجماع وجوب قرأت پر کیسے ہوا تو اس کا جواب یہ ہے کہ ظاہری اعضاء کے اعمال و لی اعمال کے مغائر ہیں اور ہم بیان کر چکے ہیں مسلمان نماز میں سورۃ الفاتحہ پڑھتا ہے تو ظاہر ہے کہ نہ پڑھنے والا اس خاص عمل میں طریقہ مومنین کا تارک ہوگا پس مستحق وعید ہوا اور صرف پڑھنا جب بالاجماع ثابت ہوگیا تو وجوب وغیرہ وجوب کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔یہ ثابت کرنے کی حاجت ہے کہ اس کا پڑھنا باعتبار وجوب ہے یا نہیں کیونکہ ہمیں صرف قرأت سورۃ الفاتحہ کا ثبوت چاہئے اور وعید سے بچنا ضروری ہے۔

مسئلہ نمبر 5:

ایک مشہور حدیث میں آیا ہے کہ حق سبحانہٗ نے فرمایا کہ میں نے اپنے بندہ کے لئے نماز کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے تو جب بندہ زبان سے الحمد للہ ربّ العالمین نکالتا ہے تو اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ میرے بندے نے میری تعریف و توصیف کی ہے اور وجہ استدلال یہ ہے کہ اللہ نے بلاتخصیص کل نمازوں کو اپنے اور بندہ کے

Marfat.com

روشن ہو جائے گا کہ روز آخرت وہی جملہ مہموں اور امورات کا سرانجام دہندہ ہے اور ان کا کفیل صرف اللہ تعالیٰ ہے اور یہ سمجھ کر وہ اپنے دل کو کل ماسواء اللہ سے خالی اور منقطع کر کے صرف اللہ ہی اللہ کو اپنا الرحمن الرحیم بنانا پسند کرے گا اس وقت وہ پچھتائے گا کہ ہائے افسوس اپنی عمر کا وہ حصہ جو میں نے اپنی حاجات اور ضروریات کے امضاء کی غرض سے امیر و وزیر کی خدمت میں صرف کر چکا ہوں کیا ہی اچھا ہوتا کہ اگر اپنے حقیقی مولا کی خدمت میں صرف کرتا تو کہے گا ایاک نعبد یعنی اے اللہ! پہلے پہل اپنی بے خبری اور لاعلمی کے باعث تیرے در سے دور رہا اور امیر و وزیر کی خدمت میں مصروف رہا لیکن اس وقت مجھے سمجھ آئی ہے لہذا میں ان سب سے اعراض کر کے میری طرف رجوع کرتا ہوں اور تیری خدمت میں اپنے آپ کو لگاتا ہوں میں اپنی ضروریات کے لئے کبھی ان سے اعانت طلب نہ کروں گا بلکہ میں اب تجھ سے اعانت مانگتا ہوں اور تو ہی معین و ناصر ہے اور کہے گا و ایاک نستعین چونکہ امیر و وزیر کی خدمت سے مقصود اصلی صرف طلب مال و جاہ تھی جس کو دوام نہیں بلکہ کو فناء ہے اور جسے مطلق استقلال و استقرار نہیں اس وقت انسان انگشت بدندان ہو کر کہے گا کیا ہی اچھا ہوتا اگر ان دونوں اشیاء کی بجائے آسمان و زمین کے بادشاہ سے ہدایت اور اس کی معرفت طلب کرتا جس سے دونوں جہانوں میں فائدہ پہنچتا تو اس سوچ و بچار کے بعد اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں اهدنا الصراط المستقيم کی درخواست پیش کرے گا چونکہ دنیا میں دو (۲) قسم کے آدمی پائے جاتے ہیں۔ ایک تو وہ فریق ہے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی سے طلب امداد اور اپنی ضروریات و حاجات کو اسی سے طلب کرتے ہیں اور انہیں غیر اللہ کا مطلق خیال نہیں ہوتا اور دوسرا فریق وہ ہے جو مخلوق کی خدمت کرتے ہیں اور انہیں سے اعانت اور اپنا مفاد طلب کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کو بھولے بیٹھے ہیں تو ان دونوں فریقوں کو مشاہدہ کرنے سے ضروری تھا کہ انسان الصراط المستقیم پر ہی کفایت نہ کرے بلکہ اس کے ساتھ ایک اور قید کا اضافہ کر دے اور یوں ہو کہے صراط الذین انعمت علیهم غیر المغضوب علیهم و لاالضالین یا الٰہی مجھے فرقہ اولیٰ کی جماعت میں داخل کرا اور اس کے زمرہ میں داخل کر لو جسے تو نے اپنے انوار جلالیہ و نورانیہ کے انعامات سے ممتاز فرمایا اور اس گروہ سے بچا جو تیرے غضب کے مستحق ہیں اور تیری راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں کیونکہ اس گروہ کے اتباع و اقتداء میں خسارہ اور ناکامی ہے جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا لم تعبد ما لایسمع و لایبصر لا یُغنی عنک شیاء ط (واللہ الہادی)

⌘⌘⌘⌘⌘

Marfat.com

باب چوتھا

(ان مسائل فقہ کے بیان میں جو اس سُورت سے تعلق رکھتے ہیں)

مسئلہ نمبر 1:

اکثر کا اس امر پر اتفاق ہے کہ نماز میں سورۃ الفاتحہ کا پڑھنا واجب ہے۔ عاصم اور حسن بن صالح نے لکھا ہے کہ سورۃ الفاتحہ کے وجوب کے متعلق جس قدر ہم نے دلائل لکھے ہیں وہاں اصل قرأت مراد ہے اور اس کے متعلق فقر دلائل سابقہ کے علاوہ چند اور دلائل کا اضافہ کرتا ہے۔ اوّل: اللہ تعالیٰ نے فرمایا اقم الصلوٰۃ لدلوک الشمس الی غسق الّیل وقرآن الفجر آیت ہذاء میں قرآن سے قرأت مراد ہے امام رازی فرماتے ہیں صاحب خزینۃ القرآن حضرت علی کی اسناد سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے لکھا ہے کہ سرکار دوعالم ﷺ فرماتے تھے کہ کتنی بابرکت نماز ہے کہ اس میں قرآن کے پڑھنے کا حکم ہوا ہے آیت ھذا اقم الصلوٰۃ سے آخر آیت تک تلاوت فرماتے تھے اصل میں یوں عبارت ہے اقم قرأت الفجر تو اس سے وجوب ثابت ہوتا ہے دوسرے ابودردا روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ نماز میں قرأت ہے آپ نے فرمایا بے شک سائل نے پھر عرض کیا کہ واجب ہے؟ فقراء النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ذالک اللہ خل علی قولہ وحیت ۔تیسرے ابن مسعود نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ کیا نماز میں قرأت فاتحہ ہے یا نہیں۔ آپ ﷺ نے جواب دیا کہ بدون قرأت نماز جائز ہوسکتی ہے، یعنی نہیں۔ امام رازی کہتے ہیں میں نے یہ دونوں روایتیں شیخ ابی حامد الاسفرائتی سے نقل کی ہیں۔ عاصم نے یہ دلیل پیش کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نماز پڑھو جس طرح مجھے پڑھتے دیکھو۔ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے نماز کو اشیائے امرئیہ سے قرار دیا ہے۔ امام رازی کہتے ہیں لیکن قرأت اشیاء امرئیہ سے نہیں پس معلوم ہوا کہ قرأت قائمہ امام کے پیچھے خارج ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ رویت دو مفعولوں کی طرف متعدی ہونے سے بمعنی علم ہوجاتا ہے۔

مسئلہ نمبر 2:

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ نماز میں سورۃ الفاتحہ پڑھنی واجب ہے اسے مستحسن سمجھ کر ایک طرف نہ پڑھنے سے نماز ادا نہ ہوگی اور بھی بہت سے لوگ امام صاحب مذکور کے ساتھ ہم کلام ہیں لیکن امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ واجب نہیں۔ ہمارے دلائل یہ ہیں:

اوّل دلیل: رسول اللہ ﷺ نے نماز میں تادم حیات قرأت فاتحہ کو نہیں چھوڑا تو کیا وجہ ہے کہ ہم پر اس کا پڑھنا فرض نہ ہو حالانکہ اللہ کریم نے ان کی اطاعت اور اتباع کرنے کی سخت تاکید کی ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن اس ضمن میں حدیث درج کرتے ہیں، حضرت علی اپنے مجموعہ میں لکھتے ہیں کہ نماز کے اندر سورۃ الفاتحہ پڑھنا واجب ہے۔ آپ نے فرمایا نہیں، فرض ہے۔ سورۃ الفاتحہ میں تادمِ آخرا سے نہ چھوڑوں گا اور میری اتباع تم پر فرض کی گئی ہے۔ حضرت علی حضرت عائشہ کی سند سے بیان کرتے ہیں سیدہ عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے کہ نماز میں سورۃ الفاتحہ کا پڑھنا مجھ پر حق تعالیٰ سبحانہٗ نے فرض کیا ہے تو صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ یہ امام اعظم کا مؤقف حق پر ہے یہ دونوں احادیث آپ کے قول کی تائید میں ہیں۔ دوسری جگہ فرمایا ویحذر الذین یخالفون عن امر تیسری جگہ فرمایا فاتبعونی یُحْبِبکُم اللہ'' امام رازی کہتے ہیں کہ مجھے امام صاحب پر تعجب ہے کہ پیشانی کے مسح کے متعلق تو صرف ایک حدیث کو وجوب کے لئے کافی سمجھ لیا لیکن باوجودیکہ قرأت فاتحہ کے متعلق بکثرت روایات موجود ہیں اور مختلف متواتر احادیث سے رسالتمآب ﷺ کا قرأت فاتحہ کو تادمِ آخر نہ چھوڑنا ثابت ہوتا ہے مگر قرأت فاتحہ کے متعلق یہی فرماتے جاتے ہیں کہ واجب نہیں حالانکہ اسے بطریق اولیٰ واجب کہنا چاہئے اس سے بڑھ کر حیرت کی یہ بات ہے کہ آپ صحت نماز کو بھی اس پر موقوف

Marfat.com

اللہ ﷺ سے مواظبت ثابت ہے رہی پہلی صورت تو اب فقیر کہتا ہے کہ نماز میں سورۃ الفاتحہ نہ پڑھنے سے بغیر کسی وجہ کے لگے۔ فضیلت سے انکار ہوتا ہے حالانکہ ایسا فعل بلحاظ عرف امورات قبیحہ میں داخل ہے تو بلحاظ شرع بھی ترک کرنا قبیحہ ہوگا۔ امام اعظم اپنے دعویٰ میں قرآن وحدیث کی دلیل پیش کرتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فاقرؤ ماتیسر من القرآن اور حدیث شریف میں ابوعثمان الہندی ابو ہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس امر کی منادی کرنے کا حکم دیا کہ نماز میں کوئی ایک سورت قرآنی ضروری ہونی چاہئے خواہ سورۃ الفاتحہ کیوں نہ ہو ورنہ نماز مقبول نہ ہوگی، دلیل قرآنی کا یہ جواب ہے امام رازی کہتے ہیں ہم پہلے بھی عرض کر چکے ہیں کہ آیت ہذاء ہمارے قول کی موئید ہے بایں طریق کہ ماتیسر من القران سے کیا مراد ہے سورۃ الفاتحہ یا کوئی دوسری سورت یا ان دونوں میں اختیار دیا گیا ہے یعنی عامؔ ہے اگر سورۃ الفاتحہ مراد ہے تو چونکہ اقرواء صیغہ امر ہے اور امر وجوب کو چاہتا ہے اس لئے سورۃ الفاتحہ کا پڑھنا واجب ہوا اور یہی ہمارا مقصد ہے دوسری سورت پر غیر فاتحہ کا واجب ہونا ثابت ہوا لیکن یہ امر بالاتفاق باطل ہے رہی تیسری صورت یعنی سورۃ الفاتحہ اور دوسری سورتوں میں اختیار ہو جو بھی چاہے پڑھے اور یہ بھی بالاتفاق باطل ہے کیونکہ امت سورۃ الفاتحہ کے پڑھنے کو بہ نسبت دوسری سورتوں کے اولیٰ مانتی ہے اور امام صاحب بھی بدون قرأت فاتحہ نماز کو ناقص مانتے ہیں تو ظاہر ہے کہ کامل اور ناقص امر میں اختیار جائز نہیں ہوسکتا کیونکہ کامل میں وجہ ترجیح موجود ہے اب یہ دیکھنا چاہئے کہ ماتیسر من القران سے کیوں سورۃ الفاتحہ کو تعبیر کیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ سورۃ الفاتحہ عام طور پر سب کو یاد ہوتی ہے لیکن دوسری سورتیں عام طور پر ہر ایک کو یاد نہیں ہوتی کسی کو حفظ ہوتی ہیں اور کسی کو نہیں بلکہ اس میں بھی یہ صورت ہے کہ بمقام قرآنی سورتیں خاص خاص لوگوں کو یاد ہوتی ہیں تو چونکہ فاتحہ الکتاب عام لوگوں کو یاد ہوتی ہے تو ظاہر ہے کہ اس میں آسانی ہے۔ بخلاف دوسری سورتوں کے حدیث کا یہ جواب ہے کہ اول تو حدیث پیش کردہ یعنی عن ابوھریرہ انہٗ قال امرنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ان اخرج و انادی لا صلٰوۃ بفاتحۃ الکتاب دوسری حدیث کے مورد ہے اگر مان بھی لیا جائے تو کیا وجہ ہے کہ اس حدیث کا یہ مطلب نہ لیا جائے کہ کسی صورت کے بدون نماز نہیں ہوتی خواہ سورۃ الفاتحہ پر ہی کیوں نہ اکتفاء کیا جائے اور ان معانی پر تعارض حدیث نہیں رہتا اور مطابقت پیدا ہو جاتی ہے اور احتیاط بھی اسی مضمون کی مقتضی ہے نیز فضیلت بھی ہے پس ثابت ہوا کہ امام صاحب نے جو معنی مراد لئے ہیں مرجح بلکہ تعارض پیدا کرتے ہیں یہ امام رازی کا امام اعظم کے متعلق خیال ہے۔ متعارض احادیث سے بچنا چاہئے۔ امام اعظم کے متعلق صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں اس ضمن میں مجموعہ الاحادیث میں تقریباً دوسو احادیث ہیں امام رازی نے یہاں تاویلیں کی ہیں۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ نمبر 3:

چونکہ امام اعظم قرأت فاتحہ الکتاب کو واجب نہیں مانتے انہیں مقدار قرأت کو مقرر کرنا ضروری تھا تو وہ کہتے ہیں کہ قرأت کے لئے ایک آیت کا پڑھنا کافی ہے جیسے الم، حم، والطور اور مدھا متان اور ابو یوسف اور محمد فرماتے ہیں کہ کم از کم تین چھوٹی آیات اور ایک بڑی آیت ضرور ہونی چاہئے جیسے آیۃ دین صاحب خزینۃ القرآن اس ضمن میں امام عبدالرزاق اور ابو ہریرہ کی اسناد سے حدیث بیان کرتے ہیں کہ ابو ہریرہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ قرأت میں کبھی ایک بڑی آیت اور کبھی چھوٹی تین آیات پڑھ لیا کرتے تھے مجموعہ الاحادیث سے حدیث بیان کرتے ہیں کہ سیدنا علی لکھتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے علی! قرأت میں بڑی آیات بھی پڑھ لیا کرو اور اگر چھوٹی ہوں تو تین پڑھ لیا کرو۔ صاحب خزینۃ القرآن امام زہری حضرت عائشہ کی اسناد سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ قرأت میں ایک ہی بڑی آیت پڑھا کرتے تھے۔ حضرت عمر فرماتے ہیں کہ میں حضور ﷺ کے ہمرکاب تھا نماز مغرب ہوئی تو حضور ﷺ نے مجھے نماز پڑھائی اور صرف آیت الکرسی تلاوت فرمائی اور بعد میں فرمایا کہ اے عمر میری طرح نماز پڑھا کرو اور ایک بڑی آیت نماز میں قرأت کیا کرو۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ امام اعظم اور امام محمد و امام یوسف کے اقوال کو بھی تقویت ملتی ہے ایک آیت بھی پڑھی جاسکتی ہے اور تین آیات بھی لیکن فرماتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ تین آیات پڑھنا زیادہ فضیلت ہے۔

مسئلہ نمبر 4:

امام شافعی بسم اللہ الرحمن الرحیم کو سورۃ الفاتحہ میں قرآن کی ابتدائی آیت مانتے ہیں اسی بناء پر سورۃ الفاتحہ کے ساتھ اس کے پڑھنے کو بھی واجب کہتے ہیں۔ امام اعظم اور امام غزالی اس کے خلاف ہیں ان کا خیال ہے کہ سورۃ نمل کے سواء کسی جگہ بھی بسم اللہ جز و قرآن نہیں۔ اس بناء پر ماسواء قیام رمضان نہ تو پوشیدہ اور نہ بلند آواز سے پڑھتے ہیں اور امام اعظم نے اس کے متعلق کوئی حکم نہیں فرمایا البتہ ان سے بسم اللہ کو آیت پڑھنا ثابت ہے اور نہ ہی یہ معلوم ہوا کہ آیا امام صاحب بسم اللہ

Marfat.com

کو ابتدائی آیت مانتے ہیں یا نہیں۔ حضرت علی بن حسین فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے بھائی محمد بن حسن سے بسم اللہ کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ جو کچھ طبق میں ہے وہ سب قرآن ہے میں نے کہا اس کے پوشیدہ پڑھنے کی کیا وجہ ہے تو انہوں نے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ کرخی کہتے ہیں کہ ہمارے سلف کے پوشیدہ پڑھنے کا حکم دینے سے ثابت ہوتا ہے کہ بسم اللہ سورۃ الفاتحہ کی آیت نہیں ہے بعض فقہاء حنفیہ کا یہ خیال ہے کہ چونکہ زیر بحث مسئلہ یعنی بسم اللہ جزوِ قرآن ہے یا نہیں۔ عظیم الشان ہے اس واسطے امام اعظم نے اس مسئلہ کے متعلق رائے زنی مناسب نہ سمجھ کر سکوت اختیار کیا ہے لیکن یہ صرف امام رازی کا کہ امام اعظم نے بسم اللہ کے لئے سکوت اختیار کیا لیکن مذکورہ کو دیکھئے۔ صاحب خزینۃ القرآن مجموعہ الاحادیث سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی یا رسول اللہ (ﷺ) بسم اللہ الرحمن الرحیم ط جزوِ قرآن ہے۔ آپ (ﷺ) نے فرمایا ہاں اور آپ نے سورۃ نمل والی آیت تلاوت فرمائی فرمایا کہ جب جبرائیل میرے پاس آتا ہے تو ہر سورت کے ساتھ بسم اللہ الرحمٰن تلاوت کرتا ہے یہ عظیم الشان قرآنی آیت ہے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ قرآن کی ہر سورت سے پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم فرماتا ہے۔ رب سبحانہ کو یہ کلمہ بے حد پسند ہے فرمایا حُمیرہ بسم اللہ الرحمٰن میں نے اپنی آنکھ سے لوحِ محفوظ پر جزوِ قرآن لکھی ہوئی دیکھی۔ سیدہ عائشہ فرماتی ہیں میں نے عرض کیا نماز کے اندر قبل سورۃ الفاتحہ پڑھ لوں فرمایا ہاں پڑھا کرو لیکن پوشیدہ حق تعالیٰ سبحانہ کا یہی حکم ہے اور امام صاحب اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے دادا جان حضرت امام موسیٰ کاظم کی یادداشت دیکھی جن میں امام صاحب کے قول اس ضمن میں بکثرت تھے آخر پر فرماتے ہیں کہ یہ دونوں مذکورہ بالا احادیث اس یادداشت میں موجود تھیں۔ امام صاحب نے فرمایا بسم اللہ جزوِ قرآن ہے۔ اسے قبل سورۃ الفاتحہ خاموشی سے پڑھ لیا کرو۔ مؤقف امام صاحب سے ثابت ہوگیا کہ بسم اللہ جزوِ قرآن ہے لیکن امام رازی اپنی تفسیر میں امام صاحب کی رائے نہیں لکھ سکے ان کو یہ رائے موصول نہیں ہوئی جان لینا چاہئے کہ مسئلہ ہذا تین مسائل کو شامل ہے۔

اوّل: کیا یہ مسئلہ قابل اجتہاد ہے جس میں بذریعہ اخبار الآحاد یا ظاہری حالت کے استدلال سے کوئی رائے زنی ہو سکے یا اجتہادی نہیں بلکہ قطعی ہے۔

دوسرے: اگر اجتہادی ہے تو کون سی عمدہ رائے ہے۔

تیسرا: کیا بلند آواز سے پڑھنی چاہئے یا دل میں پس اب ہم تینوں مسائل پر تفصیلی بحث کرتے ہیں:

مسئلہ نمبر 5:

اس مسئلہ میں یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ مسئلہ زیر نظر قطعیہ مسائل سے نہیں بلکہ اجتہادی ہے قاضی ابوبکر قطعیہ مسائل سے قرار دے کر یہ کہتے ہیں کہ اجتہادی ماننے پر اگر غلطی ہو جائے تو کفر تک نوبت نہ پہنچے مگر کم از کم فاسق ضرور ہو جاتا ہے کیونکہ اگر بسم اللہ قرآن کی جزو مانی جائے یا تو یہ تواتر سے ثابت ہونا چاہئے آحادیث سے ثابت ہونا چاہئے اوّل صورت تو باطل ہے بایں جہت کہ ثبوت تواتر سے اگر قرآن سے ہونا یقینی تھا تو رائے زنی کی گنجائش نہ ہوتی اور جھگڑے کا خاتمہ ہی ہوتا۔ صورت ثانی بھی باطل ہے کیونکہ خبر واحد مفید ظن ہوتی ہے اگر اسے اثباتِ قرآن میں حجت مانا جائے تو لازم آئے گا کہ قرآن کا ثبوت یقینی دلیل سے نہ ہوا اور قرآن ظنی ہوا اگر اسے مان بھی لیا جائے تو رافضیوں کی طرح قرآن شریف میں کمی بیشی وتغیر وتبدل ماننا پڑے گا اور یہ ایسا خیال ہے جس سے اسلام کی بیخ کنی ہو جاتی ہے امام غزالی قاضی صاحب سے بطریقِ معارضہ پیش آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قرآن سے بسم اللہ کو نہ ماننا اگر تواتر سے ثابت ہے تو نزاع نہ ہونی چاہئے اور اگر آحاد سے ثابت ہے تو قرآن ظنی ہوا۔ یہ کہہ کر خود ہی سوال فرماتے ہیں کہ اس کو قرآن کریم کی جزو نہ ماننا تو عدم ہے اور عدم کو ثابت کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ ہر امر کی ابتدائی حالت عدم ہی ہوتی ہے اور اگر بسم اللہ کو قرآن سے مان لیا جائے تو یہ امر ثابت ہے کہ نقل کی کیا ضرورت ہے پھر اس سوال کا خود ہی جواب دیتے ہیں کہ گو اوّل صورت پر عدم ہے لیکن بسم اللہ کا خط قرآنی کے مطابق مرقوم ہونے سے وہم پیدا ہوتا ہے کہ وہ قرآن کی جزو ہے پس ضروری ہوا کہ قرآن کے جزو ماننے پر کوئی جداگانہ دلیل پیش کی جائے تو اس وقت سابقہ تقسیم کی طرف رجوع کرنا پڑے گا یعنی کیا استدلال خبر متواتر سے لیا گیا یا خبر آحاد سے پس ثابت ہوا کہ قاضی صاحب نے جو کچھ بیان کیا ہے اس کا مورد خود آپ ہی ہیں۔ دوسروں کے خیالات کا اظہار تو ہو چکا فقیر کی یہ رائے ہے کہ نقل تواتر سے یہ بات ثابت ہے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم اللہ نے اتاری ہے اور اس کی تحریر بھی بخطِ قرآنی ہے پس مسئلہ صاف ہے۔ امام رازی نے بھی اپنی تفسیر کبیر میں امام غزالی کا قول تحریر کیا ہے امام غزالی اپنی کتاب فضائل البرکات فی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں

Marfat.com

مابین دو حصوں میں تقسیم کیا ہے اور اس کے بعد یہ ظاہر کیا ہے کہ تصنیف آیات کے باعث ہے۔اب فقیر یہ کہتا ہے کہ تصنیف ہمیشہ تک چلے گی۔ خاص زمانہ تک ہی محدود نہیں اور تصنیف بدون سبب ہونہیں سکتی کیونکہ لازم وملزوم میں سے ایک کی عدم موجودگی پر دوسرا موجود نہیں ہوسکتا اور یہ بھی قاعدہ ہے کہ امر لازمی کا لازم بھی لازم ہوتا ہے تو ضروری ہوا کہ سورۃ الفاتحہ نماز کے لوازمات سے ہو اور یہ اسی صورت میں حاصل ہوسکتا ہے اگر صحت نماز کو سورۃ الفاتحہ سے مشروط سمجھا جائے۔

مسئلہ نمبر 6:

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا **لا صلوٰۃ یفتح الکتاب** اس حدیث کی یوں تاویل کی گئی ہے کہ حرف نفی (لا) لفظ صلوٰۃ پر لایا گیا ہے کیونکہ یہ غیر ممکن ہے اس لئے احکام صلوٰۃ کے متعلق سمجھنا ضروری ہے اور صحت نماز کے ساتھ متعلق کرنے کی نسبت اولیٰ بات یہی معلوم ہوتی ہے اسے تکمیل نماز سے متعلق کیا جائے یعنی نماز بدون فاتحہ صحیح اور درست ہوسکتی ہے مگر کامل نہیں ہوگی۔تاویل ہذا کئی طرح سے جواب ممکن ہے۔پہلا: اسی مضمون کی دوسری حدیث یہ ہے کہ **لا صلوٰۃ لمن لا یقراء لاصلوٰۃ الابفاتحۃ الکتاب** تو اس حدیث میں صرف نفی صلوۃ پر داخل نہ ہوا بلکہ نفی اس امر کی ہے کہ کوئی شخص نماز کو بدون فاتحہ حاصل کرسکتا ہے ظاہر ہے کہ حصول سے مراد انقطع ہے یعنی وہ شخص نماز سے مستفیض نہ ہوگا اور آسائش نہ پاسکے گا پس ان معنی پر ظاہری الفاظ پر حرف نفی لا داخل ہونے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ حرف نفی کو ظاہر پر جاری رکھ سکتے ہیں۔دوسرے جس شخص کا یہ اعتقاد ہو کہ قرأت فاتحہ ماہیت نماز کے اجزاء میں سے ایک جز ہے تو ایک اعتقاد کے مطابق فاتحہ نہ پڑھنے کی صورت میں اس کی نماز نہ ہوئی کیونکہ ماہیت ایک جز کے معدوم ہونے سے موجود نہیں ہوسکتی اس تمہید کے بعد مخالفین کا یہ خیال کہ حرف نفی کا مسمی نماز پر داخل ہونا ممکن نہیں اس وقت صحیح ہوگا،اگر اس وقت یہ ثابت ہو جائے کہ سورۃ الفاتحہ ماہیت نماز کا جز نہیں ورنہ ممکن ہوگا اور یہی تو اس مسئلہ کا ابتدائی حصہ ہے۔پس ثابت ہوا کہ بلحاظ ظاہر ہر نفی صلوٰۃ پر عائد ہوسکتی ہے تیسرے ماناصرف نفی ممکن الدحول نہیں مگر یہ مسلمہ امر ہے کہ جب معنی حقیقی میں مشکل پڑے اور اس کے دو معنی مجازی بھی ہوں جن میں سے ایک تو حقیقی معنی کے قریب قریب اور دوسرے بعیدی معنی ہوں تو ایسی صورت میں قریبی مجاز کو ترجیح ہوگی اور اس لفظ کو قریبی پر ہی حمل کیا جائے گا تو اب فقیر یہ کہتا ہے کہ اس موجود اور معدوم کے مابین مشابہت جو صحیح نہ ہو کامل ہوتی ہے اس موجود اور معدوم کے مابین سے جو صحیح تو ہو مگر کامل نہ ہو پس ثابت ہوا کہ حرف نفی کو صحت نماز پر حمل کرنا زیادہ مناسب اور اولیٰ ہے دوسرا صحت نماز پر نفی کو حمل کرنا زیادہ اولیٰ ہے کیونکہ اس صورت میں تاویل کی ضرورت نہیں ہوتی نیز جانب حرمت راجح ہوتی ہے تیسرے یہ کہ احتیاط اسی میں ہے۔

دلیل ساتویں: ابوہریرہ رسول اللہ ﷺ سے راوی ہیں کہ آپ نے فرمایا **کل صلوٰۃ یقراء فیھا بفاتحۃ الکتاب** تا آخر تک حدیث خداج نقصان کو کہتے ہیں مطلب یہ ہوا کہ نماز بدون قرأت فاتحہ ناقص رہتی ہے اس حدیث سے جواز ثابت نہیں ہوتا بلکہ عدم جواز ثابت ہوتا ہے کیونکہ نماز کی تکلیف تو موجود ہے لیکن بطریق کامل نہیں ناقص حکم یہ ہے کہ نماز کامل ادا ہو تو نماز میں نقصان واقع ہونے کی صورت پر حکم اصلی کا مقصود تو حاصل نہ ہوا۔ہماری دلیل سے امام رازی کہتا ہے کہ امام اعظم کے اس قول کو اور بھی تقویت پہنچتی ہے عید کے دن نفلی روزہ جائز ہے البتہ ماہِ رمضان کے فرض روزوں کی قضاء عید کے دن صحیح نہیں کیونکہ قضاء روزہ میں کامل روزہ ہونا چاہئے اور روز عید کا روزہ ناقص ہوتا ہے پس ضروری ہوا کہ رمضان کے روزوں کی اس دن قضاء نہ کی جائے کیونکہ مقصد حاصل نہیں ہوتا تو فقیر کہتا ہے کہ سورۃ الفاتحہ میں یہی صورت کیوں نہ قائم کی جائے۔

دلیل آٹھویں: شیخ ابوحامد نے تالیق میں ایک حدیث نقل کی ہے کہ ابومنظر ابی ہریرہ کی اسناد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نماز میں سورۃ الفاتحہ نہ پڑھی جائے اس کی جزاء نہیں۔

دلیل نویں: رافعہ بن مالک روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے مسجد میں آ کر نماز پڑھی جب فارغ ہو چکا تو اس نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں نماز کے بارے میں سوال کیا۔آپ (ﷺ) نے فرمایا پہلے قبلہ کی طرف منہ کرنا چاہئے پھر تکبیر پڑھنی چاہئے۔بعدہٗ سورۃ الفاتحہ وجہ استدلال یہ ہے کہ اس حدیث میں سائل کو بطریق امر جواب دیا گیا ہے اور امر کی تعمیل واجب ہوتی ہے نیز سائل نے **علمنی الصلوٰۃ** سے سوال کیا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے جو کچھ جواب فرمایا وہ نماز کے لوازمات سے ہی ہوگا کیونکہ سوال یہی ہے تو قرأت فاتحہ الکتاب واجب ثابت ہوئی اور نماز کی جز وہوئی۔

Marfat.com

دلیل دسویں: روایت ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ میں ایسی سورت کی خبر نہ دوں جس کی تورات، زبور اور انجیل میں نظیر نہیں ملتی۔ حاضرین نے عرض کیا بے شک آپ نے فرمایا، نماز میں کیا پڑھا کرتے ہو لوگوں نے جواب دیا یا حضرت (ﷺ) الحمد للہ رب العالمین پڑھتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہی وہ سورت ہے۔ وجہ استدلال یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سوال ماتقرؤن فی صلوٰتکم میں الحمد للہ رب العالمین جواب عرض ہوا۔ اس سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ تمام صحابہ کے مابین سورۃ الفاتحہ کو پڑھنا مشہور تھا تو اس کا پڑھنا امر اجماعی ہوا۔

دلیل گیارھویں: قرآن کریم میں ہے فاقرؤا ماتیسر من القرآن وجہ استدلال یہ ہے کہ آیا آیت ہذا میں فاقرؤا صیغہ امر ہے اور امر وجوب کو ظاہر کرتا ہے تو معلوم ہوا کہ تلاوت قرآنی جس قدر ہو سکے واجب ہے۔ فقیر کہتا ہے کہ ماتیسر من القرآن سے کیا مراد ہے؟ دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں یا سورۃ الفاتحہ یا کوئی سورت دوسری یا ان سورتوں میں اختیار ہو۔ صورت اول پر قرأت سورۃ الفاتحہ واجب ہوئی اور یہی ہمارا مقصد ہے صورت دوسری قرأت غیر فاتحہ واجب عینی ہوگی اور یہ بالاجماع واجب ہے تیسری صورت بھی بالاتفاق واجب ہے کیونکہ اُمت بالاتفاق مانتی ہے کہ قرأت فاتحہ دوسری سورتوں کی نسبت اولیٰ و افضل ہے۔ امام اعظم سورۃ الفاتحہ کے بغیر نماز کو ناقص مانتے ہیں۔ ناقص اور کامل میں اختیار جائز نہیں ہے۔ بس اب یہ دیکھنا ہے کہ قرأت فاتحہ الکتاب کو مایتسر سے کیوں تعبیر کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ تقریباً ہر مسلمان کو یہ سورۃ حفظ ہوتی ہے تو اس میں سب کو آسانی ہے بخلاف دوسری سورتوں کے وہ عام طور پر سب لوگوں کو یاد نہیں ہوتی ہیں بلکہ کسی کو یاد ہوتی ہے اور کسی کو نہیں ہوتی تو سب کے لئے آسان نہ ہوئی۔

دلیل بارھویں: نماز کا حکم تو موجود ہے اور یہ بات بھی احادیث سے ثابت ہو چکی ہے کہ دیگر تمام سورتہائے قرآنی سے سورۃ الفاتحہ کی فضیلت زیادہ ہے اور نیز تمام مسلمان متفق ہیں کہ نماز میں سورۃ الفاتحہ پڑھنے سے نماز کامل ہوتی ہے اور جس نماز میں نہ پڑھی جائے وہ ناقص ہے۔ تو اگر ہم سورۃ الفاتحہ کو نماز میں ترک کر دیں تو حکم کی تعمیل ویسی کی ویسی باقی نہ رہے گی اور اس کو لازماً کرنا ہوگا۔

دلیل تیرھویں: یقیناً سورۃ الفاتحہ کو پڑھنے سے فرض سے سبکدوشی تو ہو جاتی ہے مگر اس میں زیادہ وہ ہو تو یہ احتیاط ہوئی۔ لہٰذا قرأت فاتحہ کو واجب کہنا ضروری ہوا۔ یہ قول امام رازی کے ہیں۔ مؤقف وضاحتاً پیچھے درست ہو چکا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ مشکوک امر کو چھوڑ دو اور یقینی کو اختیار کرو۔ اس حدیث سے سورۃ الفاتحہ امام اعظم کی دلیل کو تقویت ملتی ہے۔ سورۃ الفاتحہ کا پڑھنا وسوسوں اور نفس کے نقصانات سے محفوظ کرتا ہے اور مفید ہے اور بلاشبہ وسوسوں کا رافع واجب ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں فرض ہے۔ امام رازی کے نزدیک واجب ہے اگر اس پر یہ کہا جائے کہ اگر ہم وجوب کو مان لیں تو اس میں خطا ممکن پس ازالہ خوف نہ ہوا۔ فقیر کہتا ہے کہ وجوب کے ماننے سے احتمال خوف ہے تو یہ دونوں باہمی مقابل ہوئے لیکن دیکھنا یہ ہے دونوں میں سے کون سا بڑھ کر ہے کیونکہ عمل میں تو قرأت فاتحہ سے خوف نہیں رہتا البتہ ترک عمل پر بالضرور ازالہ خوف نہیں ہوتا اس سے ثابت ہوا کہ صورت عمل میں زیادہ احتیاط موجود ہے۔

دلیل چودھویں: اگر بدون سورۃ الفاتحہ اور اس کا پڑھنا جواز نماز میں برابر ہوتا تو اس کا پڑھنا اولیٰ نہ ہوتا کیونکہ اس کی مواظبت سے دیگر تمام سورتوں کا ترک کر دینا لازم آتا ہے اور وہ درست نہیں لیکن خاص اس سورت کو نماز میں پڑھنا بالاتفاق اولی ہے پس ثابت ہوا کہ بدون فاتحہ الکتاب ہرگز نماز نہیں ہو سکتی۔

دلیل پندرھویں: احتیاط اس میں ہے کہ جس طرح رکوع وسجود میں بالاتفاق تبدیلی نہیں ہو سکتی اسی طرح قرأت فاتحہ میں بھی وجوباً تبدیلی نہ ہونی چاہئے۔

دلیل سولھویں: بقاء حکم تو اصل ہے لیکن یہ کہنا کہ نماز میں سورۃ الفاتحہ نہ پڑھی جائے تو بھی تعمیل حکم ہو جاتی ہے اس کے لئے آیت قرآنی اور قیاس ہونا چاہئے۔ آیت پیش کردہ فاقرؤا ماتیسّر من القرآن کے متعلق تو ہم تفصیلاً لکھ چکے ہیں یہ حقیقتاً ہماری دلیل ہے اور ہمارے دعویٰ کی مؤید ہے امام رازی کہتے ہیں اب رہا قیاس اور یہ بھی باطل ہے کیونکہ تعبدات نماز پر غالب ہیں۔ اور ایسی صورت پر قیاس کو ترک کر دینا ہی واجب ہے۔

دلیل سترھویں: رسالت مآب حضرت محمد ﷺ سے جب مداومت قرأتِ فاتحہ ثابت ہو چکی ہے پھر سورۃ الفاتحہ کے علاوہ کوئی دوسری سورت پڑھنا لامحالہ بدعت اور ترکِ اتباع ہوگی اور یہ حرام ہے کیونکہ آپ نے فرمایا ہے۔ اتبع ولا تبتع اور نیز فرمایا واحسن الھدی ھَدیٰ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

دلیل اٹھارھویں: کیا نماز بدون قرأت سورۃ الفاتحہ کا رتبہ زیادہ ہے یا پڑھنا یا نہ پڑھنا فضیلت میں برابر ہیں۔ صورت ثانی تو باطل ہے۔ کیونکہ بالاجماع رسول

Marfat.com

فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے استاد سید حامد مفسر سے سنا فرماتے ہیں کہ میرے والد نے اپنے ایام میں مجھے لکھوایا کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں علماء کا آج کل کافی اختلاف ہے اور یہ خزینۃ القرآن میں بھی ہے اور تو بھی اسے لکھ لے، فرماتے ہیں کہ یہ تواتر سے ثابت ہے اس بارے میں چند مسائل شریعہ ضروری ہیں مثلاً یہ کہ کیا اسے نماز میں پڑھنا واجب ہے یا نہیں یا جنبی پڑھ سکتا ہے یا بے وضو ہاتھ لگانا جائز ہے یا نہیں تو ظاہر ہے کہ امام رازی کے بقول یہ مسائل اجتہادی ہیں قطعی نہیں تو چونکہ ان مسائل کا مخرج بسم اللہ ہی ہے۔ جس کے کلام الٰہی کے جزو ہونے میں نزاع تھی پس یہ ثابت ہوا کہ یہ بحث قطعی نہیں ہے اور قاضی صاحب کا خوف دلانا ساقط ہو گیا۔

مسئلہ نمبر 6:

اس مسئلہ میں یہ ثابت کرنا ہے کہ کیا بسم اللہ قرآن کی جزو ہے اور کیا منجملہ آیات فاتحۃ الکتاب ایک آیت ہے۔ مدینہ شریف اور بصرہ کے قاری اور کوفی کے فقہاء اسے فاتحہ کی آیت تسلیم نہیں کرتے لیکن مکہ شریف اور کوفہ کے قاری اور حجاز کے فقہاء اسے آیت تسلیم کرتے ہیں ابن مبارک اور ثوری کا بھی یہی خیال ہے اور اس کی چند دلائل ہیں: دلیل پہلی: شافعی نے مسلم سے وہ ابن خریج سے اور وہ اسے ابی ملکیہ سے اور ام سلمٰی سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سورۃ الفاتحہ کو پڑھا اور **بسم اللہ الرحمن الرحیم** کو آیت شمار کیا **الحمد للہ ربّ العالمین** کو دوسری آیت **الرحمن الرحیم** کو تیسری آیت **مالک یوم الدین** کو چوتھی آیت **ایاک نعبد و ایاک نستعین** کو پانچویں آیت **اھدنا الصراط المستقیم** کو چھٹی آیت **صراط الذین** تا آخر کو آخری آیت قرار دیا ہے یہی حدیث تفسیر کبیر میں ہے اور تفسیر خزینۃ القرآن میں بھی ہے۔ مولا علی کرم اللہ وجہہ کے مجموعہ الاحادیث میں ہے کہ حضرت علی فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ **بسم اللہ الرحمٰن الرحیم** قرآن کی آیت ہے تو آپ (ﷺ) نے فرمایا ہاں سورۃ الفاتحہ کی بھی سات آیتیں اور جہنم کے بھی سات دروازے ہیں۔ حضور ﷺ نے خود بسم اللہ سے لے کر **ولا الضالین** تک سات آیات شمار کیں۔ مولا علی فرماتے ہیں کہ سیدہ عائشہ موجود تھیں اور حضرت ابوبکر صدیق بھی موجود تھے اور ام سلمٰی بھی تھیں۔ تو اس حدیث میں صاف الفاظ میں بیان کر دیا گیا۔ دلیل دوسری: سید المبرقعہ کی اپنے والد سے راوی ہیں کہ ابوہریرہ نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کی کہ آپ (ﷺ) نے فرمایا کہ فاتحۃ الکتاب کی سات آیات ہیں جن میں سے پہلی آیت **بسم اللہ الرحمن الرحیم** ہے۔ دلیل تیسری: ثعلبی نے اپنی تفسیر میں ابوہریرہ کی اسناد سے بحوالہ تفسیر خزینۃ القرآن لکھا ہے کہ اس کے والد نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کیا میں تجھے ایسی شئے کی خبر دوں جو بعد سلیمان کے کسی کو نہیں ملی۔ میں نے عرض کیا کہ ہاں یا حضرت تو آپ نے فرمایا کہ نماز کے وقت قرأت قرآن سے اوّل کیا پڑھا کرتے ہو میں نے عرض کی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم آپ (ﷺ) نے جواب دیا کہ یہ وہی آیت ہے۔ اس حدیث سے بھی بسم اللہ کا قرآن شریف سے ہونا ثابت ہو گیا ہے۔ دلیل چوتھی: ثعلبی نے موسیٰ البرقیہ سے وہ اپنے جد امجد حضرت جعفر صادق بن امام محمد باقر سے وہ جابر بن عبداللہ سے راوی کہ رسول اللہ ﷺ نے دریافت کیا کہ نماز شروع کرنے میں کیا پڑھا کرتے ہو میں نے عرض کی کہ الحمد للہ، آپ ﷺ نے فرمایا نہیں نہیں بلکہ بسم اللہ سے شروع کرنا چاہئے نیز اسی اسناد سے ام سلمہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اوّل بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بعدہٗ الحمد للہ رب العالمین پڑھا کرتے تھے امام محمد باقر اپنے والد سے حضرت امام زین العابدین سے، وہ اپنے والد امام حسین سے اور وہ اپنے والد علی بن ابو طالب کی اسناد سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ہمیشہ سورت پڑھنے سے پہلے **بسم اللہ الرحمن الرحیم** پڑھا کرتے تھے اور نیز یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ اس کو ترک کرنے سے نقص رہتا ہے فرماتے ہیں یہ آیت قرآنی ہے یہ تفسیر خزینۃ القرآن اور تفسیر کبیر میں بھی موجود ہے۔ تفسیر خزینۃ القرآن کی جلد نمبر ۲ ص ۹۴۹ اور تفسیر کبیر سورۃ الفاتحہ کے مسائل میں لیا۔ حضرت ابن عباس سے سعید بن جبیر نے روایت کی ہے کہ انہوں نے **ولقد اتینک سبعاً من المثانی** کے بارے میں **سبعاً من المثانی** سے سورۃ الفاتحہ مراد ہے لوگوں نے کہا کہ ساتویں آیت کون سی ہے آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یہی حدیث حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اسناد سے بیان کرتے ہیں، حضرت علی فرماتے ہیں کہ میں بھی اسی وقت موجود تھا۔ ابوہریرہ کی اسناد سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ام القرآن پڑھتے وقت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو ترک نہ کرنا چاہئے کیونکہ یہ اسی سورت میں سے ابتدائی آیت ہے اسی اسناد سے ابوہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ میں نے سورۃ الفاتحہ کو اپنے اور بندے کے مابین تقسیم کر دیا ہے جب بندہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہتا ہے تو میں کہتا ہوں کہ میرے بندہ نے میری مدح سرائی کی اور جب الرحمٰن الرحیم کہتا ہے تو اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میری بہت بڑائی بیان کی اور جب **مالک یوم الدین** کہتا ہے تو **اللہ** تعالیٰ لایزال فرماتا ہے کہ بندہ نے اپنے آپ کو میرے سپرد کر

Marfat.com

دیا اور جب ایاک نعبد و ایاک نستعین کہتا ہے تو حیُّ القیوم کہتا ہے کہ یہ میرے اور میرے بندہ کے مابین تقسیم عہد ہے اور جب بندہ اھدنا الصراط المستقیم کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ عزوجل فرماتا ہے کہ میرے بندہ نے مجھ سے التجا کی اور میں نے اس کے سوال کو پورا کیا نیز یہ تینوں احادیث حضرت عائشہ کی اسناد سے بھی بیان کی گئی ہیں اسی اسناد سے ابو ہریرہؓ سے بھی روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں مسجد میں رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ آپ حاضرین سے باتیں فرما رہے تھے کہ ایک آدمی آیا اور نماز میں مصروف ہو گیا اس نے تعوذ کے بعد الحمدللہ ربّ العالمین شروع کر دی۔ آنحضرت ﷺ نے سن کر اس سے کہا اے شخص تو نے اپنی نماز کو ناقص کر دیا کیا تجھے معلوم نہیں کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الحمد کی ایک آیت ہے یاد رکھنا نماز بدون سورۃ الفاتحہ ہمراہ بسم اللہ، ناقص رہ جاتی ہے تو جو شخص اس کی ایک آیت کو ترک کرے گا اس کی نماز باطل ہو گی اور اسی اسناد سے ابو طلحہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص بسم اللہ کو ترک کرے گویا اس نے قرآن شریف کی ایک آیت ترک کر دی۔ اسی اسناد سے ایک اور حدیث ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن اپنی تفسیر میں درج کرتے ہیں کہ حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ میں اور ام الحسنین کریمین حضرت عائشہ کے حجرے میں گئے تو کافی عورتیں جمع تھیں اور حضرت عائشہ سے مسئلہ پوچھ رہی تھیں کہ حضور ﷺ سے دریافت کر دو کہ ہم کیسے نماز ادا کریں، تو آپ نے فرمایا پہلے کیسے پڑھتی ہیں؟ ان عورتوں میں سے ایک عورت نے حضرت عائشہ کے کان میں کہا کہ آپ کیسے پڑھتی ہیں تو آپ نے فرمایا کہ میں پہلے سبحانک اللہ پڑھتی ہوں پھر تعوذ پھر بسم اللہ اور پھر الحمد اللہ پڑھتی ہوں۔ انہوں نے کہا کہ ہم تو تکبیر کے بعد الحمدللہ شروع کر دیتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یاد رکھو کہ جس نے بسم اللہ کو ترک کیا اس نے قرآن کو تکلیف پہنچائی اور اللہ تعالیٰ کو تکلیف پہنچائی اور سورۃ الفاتحہ کی آیت کم کر دی تو گویا سارے قرآن کو ترک کر دیا اور اپنی نماز کو بھی ناقص کیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا یاد رکھو قرآن کریم کی چھ ہزار دو سو سنتالیس (۶۲۴۷) آیات ہیں اور آخری آیت قرآن کی قل اعوذ بربّ الناس فرمائی۔ فرمایا بسم اللہ سے لے کر اسی آیت تک (۶۲۴۷) آیات ہیں۔ حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ حضرت رسالت مآب ﷺ کی وفات سے تقریباً ڈیڑھ ماہ قبل کا ہے۔ تو مذکورہ بالا جس قدر احادیث شیخ ابو اسحاق سلبیؒ کی تفسیر سے نقل کی گئی ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی تفسیر میں خزینۃ القرآن سے نقل کی ہیں۔ امام رازی نے مذکورہ بالا احادیث اپنی تفسیر کبیر میں ابو اسحاق سلبی سے نقل کی ہیں۔ دلیل پانچویں: سورۃ الفاتحہ سے پہلے بسم اللہ پڑھنی واجب ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۃ الفاتحہ کی آیات میں بسم اللہ بھی ایک آیت ہے۔ واجب ہونے کی یہ دلیل ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اقراء باسم ربّک چونکہ قرآن کریم کا کوئی حرف بے فائدہ نہیں ہے اس لئے باسم کی با زائد نہیں ہو سکتی تو زائد نہ ہونے کی صورت میں اس کا متعلق محذوف نکالنا پڑے گا اور وہ مخفی ہے کیونکہ اقراء صیغہ امر وجوب کو مخفی ہے تو اللہ تعالیٰ کے نام سے افتتاح کرنا واجب ٹھہرا۔ صاحب خزینۃ القرآن اسے فرض مانتے ہیں اور نماز کے ماسوا اسے دوسری جگہ وجوباً پڑھنے کا ثبوت نہیں ملتا۔ اس لئے ضروری ہوا کہ نماز میں اس کا پڑھنا واجب ہے ورنہ آیت کی مخالفت ہو گی۔ دلیل چھٹی: بسم اللہ کو بخطِ قرآن لکھا جاتا ہے اور وہ تمام الفاظ جو قرآن میں داخل نہیں، انہیں قرآنی خط کے مطابق نہیں لکھا جاتا ورنہ اختلاط پیدا ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ سورتوں کے نام اور علامتوں کو قرآنی خط کے مطابق نہیں لکھا جاتا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن قرآنی آیت ہے ورنہ بالاتفاق اسے قرآنی آیت لکھنے کی کیا وجہ ہے۔ دلیل ساتویں: اس میں جو کچھ ہے بالاتفاق جملہ اہل اسلام قرآن ہے اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا موجود ہونا ظاہر ہے پس کیا وجہ ہے کہ اسے قرآن سے نہ مانا جائے یہی وجہ تھی محمد بن الحسن سے یعلی نے بسم اللہ کے بارے میں جب سوال کیا تو انہوں نے جواب میں سکوت اختیار کیا ابو بکر رازی کی اس امر کے متعلق یہ رائے ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم قرآن شریف سے ہے لیکن سورۃ الفاتحہ کی آیت نہیں بلکہ اسے نازل کرنے سے سورتوں میں علیحدگی ظاہر کرنا مقصود ہے مذکورہ بالا دونوں دلیلوں سے ابطال قول مذکور (ابو بکر رازی) لازم نہیں آتا۔ دلیل آٹھویں: فاتحہ الکتاب کی سات آیتیں بالاتفاق مسلم ہیں۔ امام شافعی بسم اللہ الرحمن الرحیم کو ایک اور صراط الذین انعمت علیھم تا آخر کو بھی ایک آیت مانتے ہیں اور امام اعظم بسم اللہ الرحمن الرحیم کو آیت تسلیم نہیں کرتے۔ البتہ صراط الذین انعمت علیھم کو ایک آیت اور غیر المغضوب علیھم ولا الضالین کو دوسری آیت مانتے ہیں اور عنقریب جداگانہ بحث میں امام اعظم کے خیال کو ضعیف ثابت کریں گے۔ امام رازی کہتے ہیں۔ غرض یہ کہ اس صورت پر سورۃ الفاتحہ سات آیتوں کا مجموعہ نہ رہا۔ سات آیتیں بسم اللہ الرحمن الرحیم کو مستقل ایک آیت ماننے پر ہی ہو سکتی ہیں ورنہ نہیں۔ دلیل نویں: فقیر کہتا ہے کہ سورۃ الفاتحہ سے پیشتر بسم اللہ کا پڑھنا واجب ہے۔ امام اعظم اس کو افضل مانتے ہیں جس کا پہلے جواب دیا جا چکا ہے کہ وہ آیت قرآن مانتے ہیں اور نماز میں آہستہ آہستہ پڑھتے تھے اور رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ اسے پڑھا

Marfat.com

کرتے تھے تو بحکم فاتبعونی آنحضرت ﷺ کے فعل کی اتباع واجب ہوئی الحاصل جب اس کا پڑھنا واجب ہے تو اس کے آیت قرآنی ہونے میں کیا شک رہا۔ بلاشبہ وہ سورۃ الفاتحہ کی آیت ہے۔ اس کے علاوہ کوئی مسلمان بھی اس کی علیحدگی کا قائل نہیں۔ دلیل دسویں: فرمان نبی علیہ السلام کُلّ امرٍ ذی بال لم یبدأ بسم اللہ فھو ابتر یہ حدیث صاحب تفسیر خزینۃ القرآن نے مجموعہ الاحادیث سے حضرت مولا علی وحضرت عائشہ کی اسناد سے نقل کی ہے۔ مولا علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جو کام بھی شروع کرتے تھے تو ابتداء بسم اللہ سے کرتے۔ ہر امر جس کا افتتاح بسم اللہ سے ہو۔ اسے ابتر سے تعبیر کیا گیا ہے اور لفظ ابتر خلل اور نقصان کے مبالغہ میں آتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس لفظ کو کفار کی مذمت میں بیان فرمایا ہے جو حضور سید عالم ﷺ کے دشمن تھے انّ شانئک ھو الابتر لفظ امر میں فعل کے لحاظ سے تمام امور شرعیہ اور اعمال دنیویہ شامل ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایمان کے بعد اگر کسی کو فضیلت ہو سکتی ہے تو صرف نماز ہی کو ہے اور کسی کو نہیں۔ تو معلوم ہوا کہ تسمیہ سورۃ الفاتحہ کی جزو ہونے کے علاوہ اسے نماز میں وجوباً پڑھنا چاہئے ورنہ نماز بوجہ نقصان فاسد ہوگی۔ دلیل گیارھویں: روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ فداہ ابی وامی نے ابی بن کعب سے دریافت کیا کہ قرآن شریف میں سب سے زیادہ بزرگ آیت کون سی ہے تو انہوں نے جواب میں بسم اللہ الرحمن الرحیم تلاوت کی اور آپ نے اس کی تصدیق فرمائی۔ وجہ استدلال یہ ہے کہ الرحیم تک مستقل آیت ہے لیکن انہٗ من سلیمان و انہٗ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں آیت تامہ نہیں بلکہ جزءِ آیت ہے تو دوسری جگہ اس کا آیت کامل ہونا ضروری ہوا اور جو لوگ اسے آیت مانتے ہیں وہ سورۃ الفاتحہ کے پہلے بھی آیت تامہ ہی مانتے ہیں، ناقص نہیں مانتے۔ دلیل بارھویں: معاویہ بن یزید مدینہ منورہ میں تشریف لے گئے اور لوگوں کو نماز پڑھانے کے وقت سورۃ الفاتحہ کو بلند آواز سے پڑھا لیکن بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہ پڑھی نماز سے فارغ ہونے کے بعد کل مہاجرین اور انصار اپنی اپنی جگہ سے بول اٹھے، اے معاویہ! کیا افتتاح قرآن کے وقت بسم اللہ کا مقام بھول گیا تھا تو معاویہ نے نماز کو دہرایا اور اس میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کو پڑھا۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ تمام اصحاب بسم اللہ الرحمن الرحیم کو قرآن شریف سے آیات سورۃ الفاتحہ کو ایک آیت مانتے تھے نیز یہ کہ اس کو بلند آواز سے پڑھنا اولیٰ ہے۔ دلیل تیرھویں: تمام انبیاء علیہم السلام اعمال کو بسم اللہ سے شروع کرتے تھے اس سے لازم آتا ہے کہ ہمارے رسول مقبول ﷺ پر بھی اعمال کو بسم اللہ سے ابتداء کرنا واجب ہوا۔ اور جب ان پر واجب ہوا تو لامحالہ آپ (ﷺ) کی امت پر بھی واجب ہوگا۔ پس اس کا آیت ہونا ثابت ہوگیا۔ مقدمہ اولیٰ کی یہ دلیل ہے کہ نوح علیہ السلام نے کشتی پر سوار ہونے سے پہلے بسم اللہ مجرھا و مرسھا انّ ربی لغفور رحیم پڑھا اور سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کو خط لکھا تو پہلے بسم اللہ لکھی اس پر اگر یہ کہا جائے کہ انہ من سلیمان و انہ بسم اللہ الرحمن الرحیم میں ابتداء میں بسم اللہ کہاں بلکہ انہ من سلیمان مقدم ہے ایسا ہو نہیں سکتا بلکہ اصل بات یوں ہے کہ بلقیس کا محل اس قدر محفوظ تھا کہ وہاں کوئی نہیں جا سکتا تھا۔ تمام اطراف پر لشکر کا پہرہ تھا۔ ہُدہُد نے سلیمان علیہ السلام کا خط بلقیس کے سینے پر رکھ دیا وہ حیران ہوئی کہ میرے محل کے باہر تو فوج کا پہرہ ہے وہ جان گئی کہ یہ خط حضرت سلیمان علیہ السلام کا ہے اور حضرت سلیمان کا نام پہلے سن چکی تھی کہ جن، پرندہ، درندہ تمام اسی کے تابع وفرمانبردار ہیں اور اسے معلوم ہوگیا کہ یہ خط سلیمان علیہ السلام کا ہے اس کی نظر کھولتے ہی تسمیہ پر پڑی تو یوں اٹھی انہٗ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ پس معلوم ہوا کہ یہ مقولہ بلقیس کا ہے اور سلیمان علیہ السلام کا نہیں تو معلوم ہوگیا کہ انبیاء علیہم السلام کا ہر عمل بسم اللہ سے شروع ہوتا تھا اور دوسرا مقدمہ کی یہ وجہ ہے بحکم قرآن اولٰئک الذین ھدی اللہ فبھدٰھم اقتدہ سے رسول اللہ ﷺ پر انبیاء سلف کی اقتداء واجب تھی اور چونکہ انبیاء سے ثابت ہو چکا ہے کہ اعمال سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھا کرتے تھے تو بحکم آیت مذکور ہمارے رسول مقبول ﷺ پر واجب کیا کچھ شک نہیں رہتا، ہرگز نہیں اور امت پر فاتّبعُوا جناب کے ہر ایک فعل کے اتباع واجب ہونے کا ثبوت ملتا ہے لیکن صاحب خزینۃ القرآن فاتبعوا سے حضور ﷺ کی اتباع فرض قرار دیتے ہیں جب اتبعوا آیت نازل ہوئی تو حضور (ﷺ) نے فرمایا اے لوگو میری اتباع تم پر فرض ہے لیکن نماز کے متعلق اعمال وجوب ہے ورنہ قرآن کا ہر حکم فرض ہے۔ اس ضمن میں پہلے آیت لکھ چکا ہوں اور جو فعل ہمارے فعل پیغمبر ﷺ پر واجب ہوگا تو آپ کی اُمت پر بھی واجب ہے تو چونکہ بسم اللہ سے ہر فعل کو شروع کرنا ہم پر واجب ہے اس سے تسمیہ کا واجب ہونا ثابت ہوتا ہے کیونکہ علیحدگی کا کوئی بھی قائل نہیں۔ دلیل چودھویں: تمام موجودات سے اللہ تعالیٰ عزوجل کا وجود مقدم ہے کیونکہ وہ ذات ازلی ہے اور اس کے ماسوا سب اس کی مخلوق ہیں اور ظاہر ہے کہ ازلی حادث سے پہلے ہوا کرتا ہے اور خالق کا وجود سب سے اول ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ بلحاظ وجود سب سے مقدم ہے تو افکار اور عبادات اور کل امور میں بھی اس کا ذکر مقدم ہونا چاہئے۔ کیونکہ بطریق عقل تمام امور سے اللہ تعالیٰ کا

Marfat.com

ذکر کرنا واجب ثابت ہوتا ہے تو بحکم رسول مقبول ﷺ ما راء المسلمون حسنا فھو اعند اللہ حسنٌ سے ثابت ہوا کہ قرأۃ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو قرآن کا جزو ماننے میں کسی کو بھی کلام نہیں لیکن علاوہ اس کے جہاں جہاں قرآن شریف میں اس کا ذکر آیا وہاں قرآنی خط کے مطابق لکھا ہے تو اس کو قرآن کا جزو ماننا ثابت ہوا جیسا کہ فبای الاءِ ربکما تکذبان اور ویل یومئذٍ للمکذبین بصورت خط قرآنی دیکھ کر ان کو قرآنی جزو قیاس کیا جاتا ہے اسی طرح بسم اللہ کو بھی قیاس کر لینا چاہئے۔

دلیل سولھویں: روایت ہے کہ رسول مقبول ﷺ ہر ایک تحریر سے پیشتر برسم قریش اللّٰھم باسمک لکھا کرتے تھے لیکن آیت ارکبوا فیھا بسم اللہ مجرھا و مرسھا کے نازل ہونے پر اسے ترک کر دیا اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھنا شروع کر دیا۔ قل ادعوا اللہ او ادعوا الرحمٰن کے نزول پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھنا شروع کر دیا یہاں تک کہ آیت انہ من سلیمان و انہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے بھی جملہ تحریروں سے پیشتر ویسا ہی شروع کر دیا وجہ استدلال یہ ہے کہ تسمیہ کے کل اجزاء قرآنی ہیں اور علاوہ اس کے تسمیہ خود قرآن میں بھی اسی طرح موجود ہے پس اس کا قرآنی آیت ہونا قطعی امر ہوا کیونکہ اس قدر دلائل اور واجبات اور شہرت پر بھی اسے خارج از قرآن سمجھنا جائز ہو تو دیگر آیات کا خارج از قرآن بطریق اولیٰ جائز ہوگا اور اس سے قرآن کریم مورد طعن ہوگا۔ دلیل

سترھویں: ہم بیان کر چکے ہیں رسول اللہ ﷺ پر اس کا نازل ہونا اور اس کو بخط مصحف تحریر کرنا تواتر سے ثابت ہے اور نیز یہ بھی بیان کیا جا چکا ہے کہ اختلاف کا ماحصل صرف اسی قدر ہے کہ کیا وہ خارج از قرآن تو نہیں تو اس کا مآل انہیں احکام شرعیہ کی طرف ہوگا کہ کیا اس کا پڑھنا واجب ہے، کیا اس کو جنبی پڑھ سکتا ہے اور کیا بے وضو اسے ہاتھ لگا سکتا ہے تو فقیر کہتا ہے کہ ان احکام کے ثابت ہونے میں احتیاط پائی جاتی ہے پس بحکم خاتم النبین (ﷺ) دع ما یریبک الی مالا یریبک پر کاربند ہونا واجب ہوا۔ مخالفین کے دلائل یہ ہیں:

دلیل اوّل: ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول مقبول ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے نماز کو اپنے میں اور بندے میں دو (۲) حصوں پر تقسیم کر دیا ہے تو جب بندہ الحمد للہ ربّ العالمین کہتا ہے تو میں کہتا ہوں کہ میرے بندہ نے میری مدح سرائی کی اور جب بندہ مالک یوم الدین کہتا ہے تو میں کہتا ہوں کہ میرے بندے نے میری تمجید بیان کی اور جب بندہ ایاک نعبد و ایاک نستعین کہتا ہے تو میں کہتا ہوں کہ میرے اور میرے بندہ کے مابین تقسیم ہے حدیث ہذا سے وجہ استدلال دو (۲) طرح ہو سکتی ہے۔ اوّل: اس حدیث میں بسم اللہ کا ذکر ہی نہیں، اگر آیت ہوتی تو اس کا ذکر ضرور ہوتا۔ دوم: اللہ تعالیٰ نے نماز کو دو حصوں میں تقسیم کرنا فرمایا ہے اور سورۃ الفاتحہ ہی مراد ہے کماھو الظاھر تو بسم اللہ کو خارج از قرآن ماننے کے سوا تصنیف درست نہیں ہوتی کیونکہ سورت فاتحہ کی سات (۷) آیات ہیں تو الحمد للہ سے لے کر ایاک نستعین تک ساڑھے تین آیتیں اللہ تعالیٰ کی ہیں اور ایاک نستعین سے لے کر تا آخر تک بندہ کی ہوں گی اور اگر بسم اللہ کو بھی آیت تسلیم کر لیا جائے تو اللہ تعالیٰ کے حصہ کی ساڑھے چار آیات ہوئیں اور بندہ کے حصہ میں اڑھائی آتی ہیں۔ فانقطع المساوات۔

حضرت عائشہ صدیقہ روایت کرتی ہیں کہ نماز کو تکبیر اور پھر الحمد للہ سے شروع کیا کرتے تھے پس اس حدیث سے بھی اس کا مفہوم ہونا ثابت ہوتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم آیت ہوتی تو الحمد للہ کے بعد الرحمن الرحیم سے تکرار لازم آتا حالانکہ ایسا نہیں، ان ہر تین (۳) دلائل کے جواب:

دلیل اوّل کا جواب پانچ طریقوں سے ہو سکتا ہے۔ اوّل: فقیر نے ان میں سے شیخ ابو اسحاق سلبی کی اسناد سے ایک روایت کی تھی کہ رسول مقبول ﷺ نے حدیث قدسی میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو سورۃ الفاتحہ کی آیت شمار کیا۔ چونکہ حدیثوں میں تعارض پیدا ہو گیا ہے اس لئے ہمارا خیال مرجح ہوا کیونکہ اثبات نفی کی روایت سے بہر حال مقدم ہے۔ دوسرے ابو داؤد السختیانی عن المعی عن مالک عن العلا ابن عبد الرحمٰن عن ابیہ نے ابو ہریرہ سے روایت کی ہے کہ رسول مقبول ﷺ نے فرمایا کہ جس وقت بندہ مالک یوم الدّین کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندہ نے میری تمجید کی اور یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان حد تقسیم ہے تو فقیر کہتا ہے کہ مالک یوم الدین کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے ھذا بینی بین عبدی کہا ہے تو بینی و بین عبدی سے تقسیم ہی مراد ہے اور تقسیم اسی صورت پر ہو سکتی ہے کہ اگر آیت ہذاء کے بعد تین آیات ہوں اور تین پہلے اور مالک یوم الدین سے پہلے تین آیتیں بسم اللہ کو قرار دینے پر ہی ہو سکتی ہیں پس حدیث ہذاء سے بھی ہماری صحت ہوئی۔ تیسرے جس طرح لفظ نصف عدد آیات میں ہوتا ہے اسی طرح معنی میں بھی نصف ہو سکتا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا الفرائض نصف العلم اسی فرمان میں دلیل کی فرائض کا نصف بلحاظ معنی علم قرار دیا ہے کیونکہ فرائض میں اموال موتی پر بحث ہوتی ہے اور حیات کی دو (۲) قسمیں ہیں اور شرعی کہتے ہیں اصحبت نصف الناس علی

Marfat.com

غضبان انہوں نے نصف کا اطلاق بلحاظ معنی ناس پر کیا ہے کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ بعض اس پر خوش تھے اور بعض ناراض۔ چوتھے فقیر نے جس قدر احادیث ثبوت دعویٰ میں پیش کی ہیں ان سے ہمارا دعویٰ صریحاً ثابت ہوسکتا ہے اور ان کی پیش کردہ نفی میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا سورۃ الفاتحہ کا ہونا یا نہ ہونا بیان کرنا مراد نہیں کہ اس کے علاوہ دوسرا امر بیان کرنا مراد ہے۔

نوٹ:

یہ کہ حضرت عائشہ والی روایت مخالفین نے جونفی میں پیش کی ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن علامہ عبدالرحمٰن کی سند سے بیان کرتے ہیں بی بی صاحبہ نے بسم اللہ سورۃ الفاتحہ سے پہلے پڑھی اس سے پہلے بھی بی بی صاحبہ کی اسناد سے دو احادیث بیان کر چکے ہیں۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک ہی راوی سے دو (۲) قسم کی روایات ثابت ہوں ایک نفی میں اور ایک اثبات میں، فرماتے ہیں میں نے ایک اسماء الرجال لکھی ہے جس میں میں نے حدیث کے اصول وضع کر دیئے ہیں جو امت مسلمہ کے حق میں بہتر ہوں گے پس ہمارے دلائل قوی اور واضح ہیں۔ صاحب تفسیر فرماتے ہیں مجھے اپنے دادا موسیٰ کاظم کی یادداشت ملی جس میں یہ ہے کہ شیخ ابراہیم بزوری نے امام صاحب سے اسی مسئلہ پر بحث کی تو امام صاحب بھی بعد میں رجوع کر گئے اور بسم اللہ کو سورۃ الفاتحہ کی آیت ابتدائی لکھوایا جو میرے دادا موسیٰ کاظم کی یادداشت میں موجود ہے۔ پانچویں: فقیر بیان کر چکا ہے کہ میرا قول اقرب الی الاحتیاط ہے۔

دلیل دوسری کا جواب: امام شافعیؒ نے یوں دیا ہے ہوسکتا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ نے الحمد للہ رب العالمین کو بطور اسم کہا ہو جیسے کہتے ہیں فلاں یقراءُ الحمد للہ الذی خلق السمٰوٰت اور مراد اس سورت کا پڑھنا ہوتا ہے اور اسی طرح اس موضوع پر بھی سمجھ لینا چاہئے اور کامل جواب حضرت انس کی حدیث سے عنقریب دیا جائے گا۔

دلیل تیسری کا جواب: یہ ہے کہ بغرض تاکید قرآن شریف میں تکرار بکثرت موجود ہے اور اللہ کے رحمان و رحیم ہونے کو مکرر بیان کرنا تو بہت ہی اچھی بات ہے۔ (واللہ اعلم)

مسئلہ نمبر 7:

سورۃ الفاتحہ کی تعدادِ آیات پر نظر تحقیق: امام رازی فرماتے ہیں کہ شاذ روایات میں سے یہ روایت میری نظر سے گزری کہ حسن بصریؒ سورۃ الفاتحہ کی آٹھ آیتیں مانتے ہیں لیکن اکثر کے نزدیک بالاتفاق سات آیتیں ہیں اور قول اللہ تعالیٰ ولقد اتینک سبعاً من المثانی کی تفسیر بھی اسی تعداد سے کی گئی ہے تو جو حضرات بسم اللہ الرحمن الرحیم کو آیت تسلیم کرتے ہیں وہ صراط الذین انعمت علھیم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین کو مستقل ایک آیت مانتے ہیں لیکن امام اعظم چونکہ بسم اللہ کو آیت نہیں سمجھتے انہیں مجبوراً صراط الذین انعمت علیھم کو ایک آیت اور غیر المغضوب علیھم کو ایک آیت اور غیر المغضوب علیھم ولا الضالین کو دوسری آیت ماننا پڑا ورنہ سات کی تعداد پوری نہ ہوتی جیسے پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ شیخ ابراہیم بزوری کا مناظرہ امام صاحب سے ہوا تو امام صاحب بعد میں رجوع کر گئے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم سورۃ الفاتحہ کی آیت ہے۔ امام فخر الدین امام صاحب کے پہلے مذکورہ فتویٰ کو بیان کرتے ہیں آخرہ الاقول انہیں نہیں ملا۔ اب فقیر یہ بیان کرتا ہے کہ امام شافعیؒ کا اور امام اعظمؒ کا قول متفقہ ہوگیا لیکن امام رازی کو یہ بات موصول نہ ہوئی۔ صاحب خزینۃ القرآن نے اس پر کافی بحث کی ہے کیونکہ سورۃ ق کے کل مقاطع متقاربہ ہیں۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ سورۃ ق کے مقاطع متقاربہ اور سورۃ القمر کے سب متشاکلہ ہیں اور انعمت علیھم کا وقف ان دونوں قسموں سے جدا ہونے کے باعث مقاطع سے نہیں ہوسکتا۔ دوسرے غیر المغضوب علیھم ولا الضالین کو اگر جداگانہ آیت تسلیم کیا جائے تو لامحالہ ''غیر'' کو یا تو کلام اوّل کا مستثنیٰ ماننا پڑے گا۔ اور (مستثنیٰ اور مستثنیٰ منہ ایک ہی شے ہوگی) مستثنیٰ اور مستثنیٰ منہ میں جدائی نہ رہے گی اور ایک کلام رہے گا اور عقل بھی اس کو تسلیم کرتی ہے۔ تیسرے دراصل مبدل محذوف کے حکم میں ہوتا ہے اور معنی میں اس کا لحاظ ترک نہیں کیا جاتا تو صراط الذین چونکہ دو شرائط سے مشروط ہے ہدایت یافتہ گروہ سے ہو اور مغضوب علیہ کے گروہ سے نہ ہو وجہ یہ ہے کہ اس شرط کو مسقوط النظر کر دینے سے طالب ہدایت کو ہدایت نہیں مل سکتی۔ آیت الم تر الی الذین بدلوا انعمة اللہ کفراً سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ موردِ انعام ہوئے لیکن پھر وہ گمراہ ہوں اور

Marfat.com

مغضوب علیھم کے زمرے میں جا ملے اس لئے انہیں ہدایت نصیب نہ ہوئی پس ثابت ہوا کہ صراط الذین سے آخر تک میں تفریق نہیں ہونی چاہئے بلکہ ان دونوں کا مجموعہ کلام تام ہے پس لامحالہ اسے آیت واحدہ ماننا واجب ہوا۔ اس پر اگر کوئی یہ کہے کہ الحمد للہ رب العالمین اور الرحمن الرحیم جدا جدا دو آیتیں ہیں لیکن بایں ہمہ الرحمن الرحیم اپنے مقابل کے متعلق ہے مستقل بالنفس نہیں ہے تو انہیں علیحدہ علیحدہ دو آیات ماننے کی کیا وجہ ہے۔ فقیر کہتا ہے ان دونوں باتوں میں بڑا فرق ہے کیونکہ الحمد للہ الرحمن الرحیم کے بدون ہی کلام تام ہے کوئی نقص نہیں رہتا پورے معنی حاصل ہو جاتے ہیں بخلاف اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم کے تاوقتیکہ دوسرا کلام یعنی غیر المغضوب علیھم و لا الضآلین نہ ملے تو کلام تام نہیں ہو سکتا اور کامل معنی مفہوم نہیں ہوتے اور صرف اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم کو غیر المغضوب علیھم و لا الضآلین کے بغیر کلام تام کہنا صحیح نہ ہوگا۔ فظہر الفرق۔

مسئلہ نمبر 8:

کیا تسمیہ کل قرآنی سورتوں کی ابتدائی آیت ہے یا نہیں۔ اس مسئلہ میں امام رازی نے کہا کہ میرے امام بھائیوں نے امام شافعی کے دو قول بیان کئے ہیں لیکن محقق امام بھائی بالاتفاق تمام سورتوں میں بسم اللہ کو قرآن شریف میں داخل سمجھتے ہیں البتہ اس امر میں کہ کیا وہ سورت فاتحہ کی طرح دوسری جگہ بھی مستقل ایک آیت ہے یا مابعد سے مل کر ایک آیت بنتی ہے ان کے بھی دو ہی قول ہیں بعض حنفیہ نے امام شافعی پر اس مسئلہ پر اجماع کے مخالف ہونے کا اعتراض کیا ہے کیونکہ بزرگان سلف سے کوئی بھی بسم اللہ کو کل سورتوں کی آیت نہیں مانتا۔ امام رازی کہتے ہیں کہ میری دلیل یہ ہے کہ تمام سورتوں کے اول تسمیہ کو بخطِ قرآنی لکھا جاتا ہے پس خارج از قرآن کے کیا معنی فریق مخالف دلیل میں ایک حدیث پیش کرتا ہے۔ ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سورۃ ملک کی تیس (۳۰) آیات ہیں اور کوثر کی تین (۳) آیتیں اور بالاجماع ان سورتوں کی تعداد فرمودہ کو بلا تسمیہ پوری مانتے ہیں پس لامحالہ ان سورتوں میں تسمیہ کو آیت نہیں ماننا چاہئے۔ جواب یہ ہے کہ اگر بسم اللہ کو دیگر تمام سورتوں میں بعض آیت سب مانا جائے اور دوسری آیت کو ملانے والی دوسری آیت سمجھی جائے تو کوئی بھی مشکل نہیں رہتی اس پر کوئی یہ کہے کہ تم نے آیت تامہ اسے قرار دیا ہے پھر اسے بعض آیت کہنے کا کیا حق ہے تو فقیر کہے گا کہ یہ بعید بات نہیں ایسا ہوا کرتا ہے جس طرح الحمد للہ رب العالمین ایک مستقل آیت ہے لیکن و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین میں مستقل نہیں بلکہ جزو آیت ہے ایسا ہی اس جگہ سمجھ لو نیز فرمودہ رسالت پناہ (سورۃ الکوثر ثلاثۃ آیات) کا یہ مطلب ہے کہ اس سورت کی بلا اشتراک تسمیہ تین ہی آیتیں ہیں لیکن تسمیہ تمام سورتوں میں مشترک ہے پس سوال کی گنجائش نہ رہی۔ صاحب خزینۃ القرآن ایک حدیث درج کرتے ہیں علامہ عبدالرزاق کی سند سے انہوں نے امام عزائی سے انہوں نے عبداللہ بن عمر سے انہوں نے اپنے والد سے۔ حضرت عمر فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ سورۃ یٰسین زید بن ثابت سے لکھوا رہے تھے تو اس نے یٰسین سے ہی شروع کیا۔ آپ (ﷺ) نے فرمایا کہ تو مستقل آیت چھوڑ رہا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اتاری ہے۔ اللہ تعالیٰ نازل کردہ آیت کے ساتھ بسم اللہ اتارتا ہے۔ یہ مستقل قرآن کی آیت ہے فرمایا تو اسے ایسے لکھ جیسا قرآن کی دوسری آیتوں کو لکھتا ہے۔ حضرت امیر معاویہ بھی موجود تھا۔

مسئلہ نمبر 9:

امام احمد بن حنبل سے روایت ہے کہ آپ ﷺ سورۃ الفاتحہ کی آیات میں سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو بھی آیت مانتے ہیں مگر آپ کے نزدیک اسے نماز کی ہر رکعت میں بلند آواز سے نہیں پڑھنا چاہئے بلکہ آہستہ بخلاف اس کے امام شافعی تسمیہ کو سورۃ الفاتحہ کی آیت مان کر بلند آواز سے پڑھنا فرماتے ہیں اور امام اعظم بعد میں اسے قرآن کی آیت تسلیم کرتے تھے اور نماز میں پڑھنے کا آہستہ حکم فرماتے تھے کہ سبحانک اللہ کے بعد ایک بار پڑھ کر لیا کرو کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ نماز سے پہلے بسم اللہ پڑھ لیا کرو۔ عرش پر اسے ایسا ہی سمجھا جائے گا جیسا تم بلند آواز سے پڑھ رہے ہو صرف پہلی رکعت میں پڑھ لیا کرو بقیہ رکعتوں میں ایک ہی بار پڑھنے سے پڑھنا ثابت ہو جائے گا۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں پھر ایسا ہی کیا کرتے آخری عمر کے حصے میں۔ خزینۃ القرآن جلد دوئم ص ۱۴۸۴ کو دیکھئے۔ فقیر کہتا ہے کہ سبحانک اللہ کے بعد ایک بار پڑھنا سنت ہے۔ حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ اپنے مجموعہ الاحادیث میں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تکبیر کے بعد ایک بار ہی بسم اللہ پڑھتے تھے۔ یہ حدیث تفسیر خزینۃ القرآن میں درج ہے۔

Marfat.com

دلیل پہلی: پہلے فقیر بدلائل کثیرہ تسمیہ کو سورۃ الفاتحہ کی آیت ہونا ثابت کر چکا تو حسبِ اقتضاء دلیل استقرائی خواہ کوئی سورت ہی کیوں نہ ہو وہ نماز میں جہری ہوگی یا سرّی ہوگی۔ رہی تیسری صورت یعنی کچھ حصہ تو سرّی ہوا اور کچھ حصہ جہری ہو تو قرآن کریم میں کوئی بھی ایسی صورت نہیں پائی جاتی جس میں تیسری صورت مراد ہو پس صورت جہریہ ضروری ہے کہ وہ کل کی کل بلند آواز میں پڑھی جائے اور تسمیہ کا سورۃ الفاتحہ کی آیت ہونا ثابت ہو چکا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اسے آہستہ پڑھا اور بقیہ بلند آواز سے۔

دلیل دوسری: بلاشبہ تسمیہ ذات ذوالجلال کی ثناء اور تعظیمی ذکر ہے پس بحکم اذکروا اللہ کذکرکم اٰباءکم او اشد ذکرا اسے بلند آواز سے پڑھنا ضروری ہوا۔ ظاہر ہے کہ انسان اپنے آباء واجداد پر فخر کرنے کے وقت ان کے اوصاف اور مدح سراء کو دلی پسندیدگی سے علی الاعلان بیان کرتا ہے اور کھلم کھلا ہر ایک پر ان امور کا اظہار کرتا ہے لیکن بخلاف اس کے دل پسندیدگی کی عدم موجودگی کی صورت میں انسان کبھی بھی اعلان کو پسند نہیں کرتا بلکہ حتی الامکان ان حالات کو چھپانے اور پوشیدہ رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ پس آباء واجداد کے کارناموں اور اوصاف کا اظہار بیان کرنے والا افتخار سمجھتا ہے تو کیا وجہ کہ ہم اوصاف الٰہی اور اس کے ذکر کو علی الاعلان بیان نہ کریں اور اذکروا اللہ کذکرکم اٰباءکم او اشد ذکرا کی تعمیل کیوں نہ بجالائی جائے۔

دلیل تیسری: ذکر خداوندی کو بلند آواز سے پڑھنا دلالت کرتا ہے کہ پڑھنے والا منکرین اور مخالفین کے اعتراض سے بے پرواہ ہو کر اسے فخریہ بیان کر رہا ہے اور بلاشبہ یہ امراز روئے عقل بھی مستحسن اور قابل مرح ہوا بحکم علیہ التحیۃ والسلام ماراہ المومنون حسناً فھو عند اللہ حسناً ازروئے شرعیہ بھی مستحسن ہوگا علاوہ اس کے ہمارے خیال کو اس امر سے زیادہ تقویت ملتی ہے کہ عموماً اخفاء اور پوشیدگی عیبی اور ناقص ہونے میں ہوا کرتی ہے عیب دار چیز کو بخوف عیب دار ہونے کے ہمیشہ پوشیدہ رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے اور اسے کبھی ظاہر نہیں کیا جاتا۔ بخلاف اس کے خالص اور بے عیب چیز کو علی الاعلان اور کھلم کھلا پیش کیا جاتا ہے تو بھلا عقل اس چیز کو کیسے پوشیدہ رکھ سکتی ہے تاکہ باعث افتخار وشرف وفضل اور اظہار مناقب کو مفید ہو ابہمہ وجوہ کامل واکمل اور بارآور ہو یہ ہر ایک جانتا ہے کہ انسان کے لئے اگر کوئی امر باعث فضیلت اور حصول شرف وافتخار ہو سکتا ہے تو یہی کہ ذات ابدی کے ذکر میں دلی عظمت کے ساتھ مشغول اور مصروف رہے یہی تو باعث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا طوبی لمن مات ولسانه رطب من ذکر اللہ اور حضرت مولا علی فرمایا کرتے تھے یامن ذکرہ للذاکرین۔ غرض یہ کہ ایسی مفید چیز کو نہ پڑھا جائے اور معرض اخفاء لکھا جائے جائز نہیں رکھتی اسی وجہ سے حضرت علی بن ابی طالب تسمیہ کو ہر نماز میں بلند آواز میں پڑھا کرتے تھے یہ حدیث مجموعہ الاحادیث میں بھی ہے اور آہستہ آہستہ نہ پڑھنا آپ کا مسلک اور مذہب تھا اگرچہ اثبات دعویٰ کے لئے جہاں تک فقیر خیال کر سکتا ہے ایک دلیل کافی ہے جس کے سامنے مخالفین کے اعتراضات کچھ وقعت نہیں رکھتے اور میری عقل فتویٰ دیتی ہے کہ مخالف گروہ کے کلمات صرف اسی ایک دلیل کے مقابلے سے قاصر ہیں اور اس کی قوت اور مضبوطی کو توڑ نہیں سکتے۔

دلیل چوتھی: امام شافعی سے روایت ہے کہ امیر معاویہ نے مدینہ طیبہ میں نماز پڑھانے کے وقت نہ تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھی اور نہ ہی رکوع وسجود میں جانے پر تکبیر کہی۔ نماز سے سلام پھیرنے پر مہاجرین اور انصار نے کہا کہ اے معاویہ کہ تو نے نماز میں سرقہ کیا ہے سجود ورکوع کے وقت تکبیر کیوں نہیں کہی اور بسم اللہ الرحمن الرحیم کیوں نہیں پڑھا تو اس وقت انہوں نے نماز کا اعادہ کیا اور تکبیر وتسمیہ پڑھی اس سے امام شافعیؒ اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ امیر معاویہ بلحاظ اپنی قوت لشکر اور جاہ وجلال اور ہیبت وجلال اپنے زمانہ کے عظیم الشان بادشاہ تھے باوجود اس کے مہاجرین اور انصار اس کی غلطی اور فراموشی پر اعتراض کرنے سے باز نہ رہے چونکہ اگر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم جمیع اصحاب انصار ومہاجرین کے نزدیک بلند آواز سے نہ پڑھا کرتے تو وجہ اعتراض کوئی نہ تھی اور ایسے جلیل القدر بادشاہ کو بلاوجہ ٹوکنے کی جرأت نہ پڑتی اور گنجائش انکار نہ تھی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تمام اصحاب انصار ومہاجرین تسمیہ کو بلند آواز میں پڑھا کرتے تھے۔

دلیل پانچویں: سنن کبیر میں امام بیہقی ابو ہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ نماز میں تسمیہ کو بلند آواز سے پڑھا کرتے تھے پس ہمارا دعویٰ ازروئے تواتر بھی پایہ ثبوت کو پہنچا۔

دلیل چھٹی: کلمہ طیبہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے پہلے کوئی فعل ضرور مضمر ہے یعنی باعانۃ اسم اللہ اشرع اسی کے قائم مقام کوئی دوسرا فعل اور بلاشبہ یہ امر ظاہر ہے کہ اس کلمہ کے سننے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ توفیقِ الٰہی کے ماسواء معاصی سے اجتناب نہیں ہو سکتا اور بدون اعانت ناصر حقیقی طاعت اور تمسک بحبل اللہ نہیں ہو سکتی نیز یہ کہ

Marfat.com

کوئی فعل اور کام مبارک اور موجب بھلائی اور حصول برکات بدون ابتداء ذکرالٰہی ناممکن الوقوع ہے اور ظاہر ہے کہ عبادات اور جملہ افکار کی مراد اصلی اور غایت صرف انہیں معنوں کا ذہن نشین کرتا ہے اور کوئی نہیں تو چونکہ اس کلمہ مبارک کے سننے سے بڑی بڑی برکات اور خیرات ہاتھ آتی ہیں تو لامحالہ اس کے پڑھنے والا زمرہ وکنتم خیرا امۃ اخرجت للناس تامرون باالمعروف وتنھون عن المنکر کی شرکت سے مشرف ہوگا۔ کیونکہ اس کلمہ طیبہ کو بلند آواز سے کہہ کر بہترین طریق سامعین کو امر بالمعروف کی ترغیب دی اور الٰہی کی طرف رجوع کرنے اور اس سے طلب خیرات اور استعانت لینے کی تحریک اور جوش پیدا کر دیا پس کوئی وجہ نہیں کہ ایسی مفید اور اتباع کلام ربانی کو بدعت قرار دیا جائے مخالفین اثباتِ دعویٰ میں مندرجہ وجوہات بیان کرتے ہیں۔

دلیل اوّل: امام بخاری بہ اسناد انس بیان کرتے ہیں کہ اس نے کہا میں نے رسول کریم ابوبکر عثمان اور عمرؓ کے پیچھے نماز پڑھی یہ سب قرآت کو الحمد للہ رب العالمین سے افتتاح کیا کرتے تھے اس حدیث کو امام مسلم نے بھی بایں الفاظ کہ وہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے قرأت کو شروع نہیں کیا کرتے تھے۔ تیسری روایات میں یوں وارد ہے کہ میں نے ان تینوں سے کسی کو بسم اللہ کو بلند آواز سے پڑھتے نہیں سنا۔

دلیل دوسری: عبداللہ بن مغفل بیان کرتے ہیں کہ میرے والد نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہتے سنا تو کہا بیٹا دین میں بدعت سے بچو، میں رسول اللہ ﷺ حضرتِ ابوبکر، عمر اور عثمانؓ کے پیچھے نماز پڑھی انہوں نے بسم اللہ قرأت میں نہ پڑھی اور الحمد للہ سے قرات بلند آواز میں شروع کی پس تجھے بھی الحمد للہ سے قرأت کا افتتاح کرنا چاہئے۔ یہ احادیث صاحب خزینۃ القرآن نے بھی اپنی تفسیر میں درج کی ہیں اسماء الرجال میں یہ ہے کہ امام بخاری نے بھی یہ احادیث موسیٰ المبرقیہ سے بھی روایت کی ہیں۔ امام رازی کہتے ہیں کہ ہر دو روایت مذکورہ میں انس اور ابن مغفل دونوں نے بسم اللہ نہ پڑھنے میں رسول اللہ ﷺ اور تین خلیفوں کا ذکر مخصوص کیا ہے مگر حضرت علی ابن ابی طالب کا ذکر نہ کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ بالاتفاق سب آپ کا تسمیہ کو صوت جہری سے پڑھنا تسلیم کرتے ہیں۔

دلیل تیسری: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ادعوا ربکم تضرعا وخفیہ دوسری جگہ فرمایا وذکر ربک فی نفسک تضرعا وخفیہ اور بلاشبہ بسم اللہ الرحمن الرحیم اذکار الٰہی میں شامل ہے پس لامحالہ اسے آہستہ پڑھنا ضروری ہوا، دلیل ہذا فقہاء کے استنباط کا نتیجہ ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن مذکورہ بالا احادیث اپنی تفسیر میں درج کرتے ہیں۔ حضرت امام جعفر صادق کی اسناد سے فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ماموں قاسم سے انہوں نے اپنے والد محمد سے انہوں نے اپنے والد حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پیچھے نماز پڑھی اور آپ نے قرأت الحمد للہ سے شروع فرمائی کہتے ہیں میں نے پوچھا کہ اے ابا جان آپ نے بسم اللہ اونچی آواز سے کیوں نہ پڑھی حالانکہ وہ بھی قرآن کی آیت ہے فرمایا ہاں بے شک قرآن کی آیت ہے اور رسول اللہ ﷺ بھی اسے قرآن کی آیت فرماتے ہیں اور یہ آیت فرماتے تھے واذکر ربک فی نفسک تا آخر اس میں رسول اللہ ﷺ کو اونچے ذکر کرنے کا اور خفیہ ذکر کرنے کا حکم ہے اور بسم اللہ الرحمن الرحیم آہستہ پڑھنی ثابت ہوگی۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں بہ اسناد حضرت جعفر صادق وہ اپنے والد محمد باقر اور وہ اپنے والد حضرت امام علی زین العابدین سے وہ اپنے والد حضرت امام حسین سے۔ حضرت امام حسینؓ جگر گوشہ بتول فرماتے ہیں کہ مجھے یاد ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مغرب کی نماز پڑھائی اس نے مہاجرین وانصار چچا عمر اور چچا عثمانؓ جیسے جلیل القدر صحابہ اور والد بزرگوار بھی موجود تھے خلیفۃ المسلمین نے نماز پڑھائی اور قرأت بلند آواز سے الحمد سے شروع فرمائی بعد میں سب مہاجرین وانصار سے کچھ لوگ بولے کہ بسم اللہ آپ نے بلند آواز سے کیوں نہیں پڑھی۔ حضرت مولا علیؓ نے فرمایا جو کچھ خلیفۃ المسلمین کیا نے ٹھیک کیا ہے تو حضرت ابوبکر صدیق نے یہ آیات تلاوت فرمائیں ادعوا ربکم سے آخر تک اور واذکر ربک سے آخر تک اور ولا تجھر بصلوتک ولا تخافت بھا اس آیت سے بسم اللہ کا آہستہ پڑھنا ثابت ہوگیا ولا تجھر اس امر کی قطعی دلیل ہے دوسری بھی اسی اسناد سے روایت ہے حضرت مولا امام حسین حضرت امام حسن سے کہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں جب حجۃ الوداع کے بعد مدینہ شریف میں تشریف لائے تو دور دراز علاقوں سے لوگ حضور ﷺ کو ملنے کے لئے آئے بہت اجتماع تھا رسول اللہ ﷺ نے صبح کی نماز پڑھائی تو سورۃ الفلق وسورۃ الناس تلاوت کیں اور قرأت کا افتتاح الحمد للہ سے کیا ابن مغفل کہتے ہیں کہ میرے والد کھڑے ہوئے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کچھ لوگ بسم اللہ کی قرأت کو اونچی آواز میں پڑھتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بسم اللہ قرآن کی آیت ہے اسے آہستہ پڑھا کرو یہ مذکورہ بالا آیتیں رسول اللہ ﷺ نے تلاوت فرمائیں ولا تجھر بالصلوتک آخر آیت تک آپ نے فرمایا بسم اللہ آہستہ پڑھا کرو صرف پہلی رکعت میں دیکھئے۔ امام رازی نے تو امیر معاویہ کی سند بیان کی کہ وہ

Marfat.com

عظیم الشان بادشاہ حالانکہ یہ وہ سند ہے جو امام الانبیاء جو روئے زمین و آسمان کا بادشاہ ہے جو صاحب شریعت ہے مذکورہ بالا حدیث تواتر سے ثابت ہوگئی جو امام رازی کی روایت سے زیادہ قوی ہے یہ روایت تفسیر خزینۃ القرآن جلد نمبر ۲ صفحہ نمبر ۲۰۰۵ پر درج ہے۔ اور جو مذکورہ بالا انس والی روایت بھی درج کی جو امام بخاری اور امام مسلم نے اپنی کتب احادیث میں درج کی ہیں۔ یاد رہے کہ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ امام اعظمؒ بسم اللہ کو قرآنی آیت سمجھتے تھے اور ابتدائے قرأت میں آہستہ پڑھتے تھے فرماتے ہیں میرے دادا امام موسیٰ کاظم نے بھی ان کے پیچھے نمازیں پڑھیں وہ بسم اللہ نماز میں آہستہ پڑھا کرتے تھے۔ صاحب خزینۃ القرآن ج ۲ ص ۲۰۰۶ پر لکھتے ہیں کہ میرے دادا امام موسیٰ کاظم فرماتے ہیں کہ مجھے میرے استاد امام ابو یوسف نے فرمایا کہ میرے استاد حضرت امام اعظم نے اپنے استاد امام جعفر صادق کے پیچھے نماز پڑھی انہوں نے قرأت کی ابتداء الحمد للہ سے کی بسم اللہ آہستہ پڑھی بعد میں فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ ہمارے مسلک کی تائید میں مذکورہ دلائل کافی ہیں۔ امام رازی کی پیش کردہ حدیث کا جواب کئی طرح سے ہوسکتا ہے۔ امام رازی کہتے ہیں:

طریق اوّل: شیخ ابو حامد اسفرائینی لکھتے ہیں کہ دراصل زیر غور مسئلہ میں انس سے چھ روایات موجود ہیں مگر احناف نے صرف تین ہی کو بیان کیا ہے:

پہلی: انس بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ، حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر و حضرت عثمانؓ کے پیچھے نماز پڑھی تو انہوں نے قرأت الحمد للہ سے شروع کی۔

دوسری: ان میں کسی نے بھی بسم اللہ بلند آواز سے نہیں پڑھی۔

تیسرے: یعنی ان میں سے کسی کو بھی بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھتے نہیں سنا غرض یہ کہ تینوں روایتیں دعویٰ احناف کے مؤید ہیں اور باقی تین روایتیں ان کے خلاف ہیں یعنی پہلی، وہی جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں امام رازی فرماتے ہیں کہ انس روایت کرتے ہیں کہ امیر معاویہ کے نماز میں بسم اللہ کو ترک کرنے پر موجود کل مہاجرین و انصار نے اعتراض کیا ہم روایت ہذا نقل کرنے کے بعد لکھ چکے ہیں کہ اس سے تسمیہ کا جہری ہونا ثابت ہے اور یہ روایت درجہ تواتر کے قریب ہے۔

نوٹ:

امام رازی کی مذکورہ بالا روایت کے مقابلے میں صاحب خزینۃ القرآن کی مذکورہ بالا دونوں روایات زیادہ قوی و وزنی ہیں ایک حضرت ابو بکر صدیق کا مہاجرین و انصار کو نماز پڑھانا اور دوسرا حجۃ الوداع کے بعد رسول اللہ ﷺ کا خود نماز پڑھانا یہ دونوں روایات تواتر سے ہیں۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ یہ دونوں روایات حضرت علی کے مجموعہ الاحادیث میں ہیں اور حضرت عمر بن عبد العزیز ثانی کے زمانے میں جو احادیث تدوین ہوئیں میرے پاس وہ مسودہ ہے اس میں بھی ہیں اور امام جعفر صادق کی املاء میں بھی ہیں۔ علامہ عبد الرزاق کی سند میں بھی ہیں اور امام زہری کی سند سے علامہ عبد الرزاق انہی دونوں حدیثوں کی اس طرح سند بیان کرتے ہیں انہوں نے امام عزائی انہوں نے ابن عباس سے انہوں نے اپنے والد حضرت عباس سے اور حضرت ابن عباس خود فرماتے ہیں کہ حجۃ الوداع کے بعد جب رسول اللہ ﷺ نے مجمع کو نماز پڑھائی میں بھی موجود تھا امام زہری حضرت عائشہ کی اسناد سے بیان کرتے ہیں امام بغوی حضرت عثمان کی اسناد سے بیان کرتے ہیں امام ضحاک بن عباس اور عبا بن کعب کی اسناد سے بیان کرتے ہیں تو یہ مذکورہ بالا احادیث تواتر سے ہیں رہی امام رازی کی وہ بات امیر معاویہ والی تو صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں یہ مرسل روایت ہے میری روایت کردہ حدیث اس سے قوی ہے کیونکہ شارع اسلام سے ثابت ہے تو مذکورہ بالا حدیث اب واضح ہوگئی ہوگی لیکن فرماتے ہیں کہ بسم اللہ کو خارج از قرآن نہ سمجھا جائے اور قطعی قرآن کی آیت ہے۔ تو بسم اللہ آہستہ پڑھنا پہلی رکعت میں سنت ہے۔ دوسری حضرت ابو قلابہ حضرت انس سے بیان کرتے ہیں وہ فرماتے کہ حضرت ابو بکر، عمر و عثمان رضوان اللہ علیہم اجمعین نماز میں بسم اللہ بلند آواز سے پڑھا کرتے تھے۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ اصول یاد رکھو تو پھر حضرت انس والی ساری روایات ضعیف ہو جائیں گی۔ کیونکہ انس سے پہلے نفی ثابت ہوتی ہے۔ پھر اثبات کہتے ہیں کہ مخالفین کو چاہئے کہ دعویٰ میں دلیل کسی دوسرے راوی سے پیش کریں ایک ہی راوی دو (۲) طرح کی بات نہیں کر سکتا تو پھر تو کلام لغو ہو جائے گا جو اصول حدیث کے خلاف ہے فرماتے ہیں کہ ابو قلابہ کی تو حضرت انس سے ملاقات ہی نہیں ہوئی صرف ایک ہی مرتبہ ملاقات کا ہونا ثابت ہوا۔ جب حضرت انس ضعیف تھے اور بیمار تھے تو ابو قلابہ نے ان سے کیسے بات کر لی ہوگی۔ موصوف فرماتے ہیں کہ صرف دعویٰ ثابت کرنے کے لئے یہ لوگ حضرت انس کو ملوث کرتے ہیں۔ ایسا درست نہیں۔ تیسرے یہ کہ امام رازی بھی کلام انس میں گڑ بڑ ثابت کر رہے ہیں حالانکہ امام بخاری نے بھی اس کی کوئی وضاحت نہیں کی۔ موسیٰ المبرقیہ کی اپنی تفسیر خزینۃ القرآن میں فرماتے ہیں۔ میں نے ابن اسماعیل (یعنی امام

Marfat.com

بخاری) سے کہا کہ تجھے انس والی روایت پہنچی، کہا ہاں، میں نے کہا کہ ابو قلابہ والی روایت پہنچی ہے کہا ہاں لیکن وہ درست نہیں۔ امام رازی حضرت مولا علی مشکل کشا کے قول کو پیش کرتے ہیں اور حضرت انس کے قول کو بھی پیش کرتے لیکن جواب یہ ہے کہ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ درست ہے پہلے مولا علی بلند آواز سے بسم اللہ پڑھتے تھے۔ بعد میں آہستہ کیونکہ مذکورہ بالا آیتیں جو گزر چکی ہیں ادعوا ربکم یا وذکر ربک موصوف فرماتے ہیں کہ حضرت علی کو ان کا علم نہ تھا حالانکہ حضرت مولا علی تو قرآن کی ہر ہدایت کے عامل تھے ان میں خفیہ اور اونچے ذکر کرنے کا بھی ذکر موجود ہے لہٰذا مولا علی اونچا اور آہستہ بھی پڑھتے تھے۔ حضرت علی امام حسن فرماتے ہیں کہ میرے والد آخری عمر کا حصہ سورۃ الفاتحہ سے قبل بسم اللہ آہستہ آواز میں پڑھا کرتے تھے تاکہ ہر دو مذکورہ بالا آیت سے بھی عمل ہو سکے تو نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت مولا علی پر مخالفین جو دعویٰ پیش کرتے ہیں وہ اعتراض گرد و غبار سے پاک ہو گیا اور یاد رہے کہ بسم اللہ بالاتفاق قرآن کریم کی آیت ہے تو پس ہماری بحث آہستہ پڑھنے پر ہے تو دعویٰ ثابت ہو گیا کہ مخالفین کے دلائل بالکل ہم پر کوئی اثر نہیں رکھتے۔ امام رازی چونکہ شافعی المسلک ہیں وہ اپنے دعویٰ کو ثابت کرنے کے لئے دلائل دیتے ہیں لیکن ایسا نہیں ہونا چاہئے۔ غیر جانبدار ہونا چاہئے تھا کیونکہ جس قدر اپنے دلائل ثابت ہیں وہ تواتر سے ہی ہیں۔ امام رازی کو انہیں بھی مکمل طور پر بیان کرنا چاہئے تھا لیکن ایسا نہیں کیا۔ امام رازی اپنی سند میں حضرت مولا علی، ابن عباس، ابن عمر اور ابو ہریرہ (رضوان اللہ علیہما اجمعین) کے دلائل پیش کرتے ہیں اور احناف کے ابن مغفل کی روایت کو ترجیح نہیں دیتے۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ ابن مغفل نے پینتیس (۳۵) سال کا وقت حضرت انس کے ساتھ گزارا اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بھی لیکن امام رازی نے اس پر کوئی خیال نہیں کیا اور ابو قلابہ والی روایت بار بار پیش کرتے ہیں اور حضرت مولا علی، ابن عباس، ابن عمر اور حضرت ابو ہریرہ (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کی فضیلت کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ بزرگ افضل تھے لیکن بے شک ٹھیک ہے احناف کے دعویٰ حضرت ابو بکر صدیق کی روایت ہے جو حضور ﷺ اور انبیاء علیہم السلام کے بعد سب مخلوق پر قطعی فضیلت رکھتے ہیں اور حضرت مولا علی بھی مذکورہ روایت کی تصدیق کرتے ہیں جیسے پہلے بیان ہو چکا ہے تو اب امام رازی کا کوئی چارہ نہ چلے گا۔ امام رازی اپنے دعویٰ کو عقل پر لے جاتے ہیں۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں جہاں عقل نقل کے خلاف ہو تو اسے ترک کر دو۔ حالانکہ ہماری روایات بکثرت موجود ہیں اور رازی عقل پر ہیں۔ عقل بھی وہ ہو جو نقل کے مطابق ہو۔ امام رازی نے آگے کافی بحث کی جس کا جواب پہلے عرض ہو چکا ہے جو کمزور اور ضعیف ہے تو مزید عرض کرنے کی ضرورت نہیں۔

نوٹ:

امام رازی سے یہ پوچھتا ہوں کہ وہ پہلے بیان کر چکے یہ حدیث کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اقتدوا بالذین من بعدی ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما تو حضور ﷺ کا یہ حکم جب ہو رہا ہے کہ ابو بکر و عمرؓ کی اقتداء کرنا حکم مطلق ہو گیا تو سب مخلوق کے لئے ان کی اقتداء لازمی ہے یہی مذکورہ بالا حدیث ہمارے دعویٰ کو تقویت دیتی ہے۔

مسئلہ نمبر 10:

مسئلہ فروعات بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بیان میں اور اس کی بہت سی شاخیں ہیں:

فرع اوّل: شیعہ کا خیال ہے کہ بسم اللہ کو نماز جہری اور سری دونوں میں بلند آواز سے پڑھنا سنت ہے مگر جمہور وفقہاء اس کے خلاف ہیں۔

فرع دوسری: جو لوگ تسمیہ کو قرآنی سورتوں کی ابتدائی آیت نہیں مانتے تو قرآن کریم میں اس کے موجود ہونے کے ان کے دو قول ہیں (۱) قول پہلا تسمیہ قرآن سے خارج ہے۔ اب اس میں دو (۲) فریق ہیں۔ ایک فریق کہتا ہے کہ قرآن کریم میں تسمیہ کا وجود صرف سورتوں کے درمیان باہمی فصل ظاہر کرنے کے لئے تھا اور اب چونکہ ہر شخص کو واقفیت ہوگئی اس لئے اس کے لکھنے کی چنداں ضرورت نہیں رہی اگر نہ لکھی جائے تو جائز ہے۔ دوسرا فریق کہتا ہے کہ اس کا سورتوں کے اول لکھنا واجب ہے اور یہ کبھی متروک نہیں ہونا چاہئے (۲) قول دوسرا: تسمیہ منزل من اللہ ہے خارج از قرآن کریم نہیں ہو سکتی لیکن ایک مستقل آیت ہے اور کسی سورت قرآنی کی ابتدائی آیت نہیں اس میں دو فریق ہیں۔ ایک فریق کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر سورت کی ابتداء میں تسمیہ کو علیحدہ علیحدہ اتارا ہے۔ دوسرا فریق کہتا ہے کہ ایسا نہیں ایک دفعہ اسے اتارا ہے اور اسے ہر ایک سورت کے اوّل میں لکھنے کا حکم فرمایا ہے اس امر کی دلیل کہ ''وہ منزل من اللہ اور خارج از قرآن نہیں'' ام سلمٰی کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ بسم

Marfat.com

اللہ کو آیت فاصلی شمار کیا کرتے تھے نیز ابراہیم بن یزید بیان کرتے ہیں کہ میں نے عمر بن دینار سے ذکر کیا کہ معقل رقاشی بسم اللہ کو خارج از کلام اللہ تصور کرتا ہے اس نے جواب دیا سبحان اللہ رقاشی نے کیسی جرأت سے کام لیا۔ میں نے سعید بن جبیر کو کہتے سنا کہ میں نے ابن عباس کی زبانی سنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر بسم اللہ نازل ہوتی تو سمجھ لیتے کہ پہلی سورت ختم ہوگئی اور ایسا ہی عبداللہ بن مبارک کہا کرتے تھے کہ بسم اللہ کو ترک کرنے سے ایک سو تیرہ (۱۱۳) آیات کا ترک کرنا لازم آتا ہے ابن عمر اور ابی ہریرہ سے بھی ایسی روایت آئی ہے۔

فرع تیسری: جو لوگ تسمیہ کو سورۃ الفاتحہ کی آیت مانتے ہیں اور سورۃ الفاتحہ کو نماز میں پڑھنا واجب قرار دیتے ہیں۔ بلاشبہ ان کے نزدیک قرأت بسم اللہ بھی واجب ہے لیکن اس کے خلاف فریق دوسرے کا اختلاف ہے۔ امام اعظم اور آپ کے تابعین اور حسن بن صالح بن حبی سفیان ثوری اور ابن ابی لیلی کے نزدیک بسم اللہ کو آہستہ پڑھنا چاہئے۔ بخلاف اس کے امام مالک کا یہ خیال ہے کہ فرض نمازوں میں تسمیہ کو بلند اور آہستہ دونوں طرح سے نہیں پڑھنا چاہئے اور نوافل میں اختیار ہے چاہے پڑھے چاہے ترک کرے۔

فرع چوتھی: وجوباً پڑھنا چاہئے لیکن اس امر کے متعلق امام اعظم کی دو (۲) روایتیں ہیں۔ روایت پہلی، ابو یوسف سے بعلی روایت کرتے ہیں کہ امام اعظم اسے ہر رکعت میں پڑھا کرتے تھے۔ دوسری روایت امام یوسف اور امام محمد اور حسن بن زیاد تینوں امام اعظم سے نقل کرتے ہیں کہ اگر ابتدائی رکعت میں قرأت سے پہلے تسمیہ پڑھی جائے تو اس نماز میں تا فراغت دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں اور اگر ہر سورت کے ساتھ پڑھی جائے تو یہ امر مستحسن ہے۔

فرع پانچویں: امام اعظم کے قول سے ظاہر ہوتا ہے کہ سورۃ الفاتحہ کی ابتداء میں بسم اللہ پڑھنے سے دوسری سورتوں کے ساتھ اعادہ کرنے کی ضرورت نہیں رہتی مگر امام شافعی کے نزدیک بحکم کل امر ذی بالٍ لم یبداء ببسم اللہ فھو ابتر اعادہ افضل ہے۔

فرع چھٹی: کیا حائضہ اور جنبی کو تسمیہ پڑھنا جائز ہے اس میں اختلاف ہے مگر امام اعظمؒ کہتے ہیں ہمارے مطابق صحیح نہیں۔ صاحب خزینۃ القرآن سے امام رازی کا یہ دعویٰ درست ہوتا ہے کہ مجموعۃ الاحادیث میں ہے حضرت مولا علی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ سے فرمایا کہ اے حمیرہ حیض اور جنبی حالت میں ہاتھ لگانا اور تسمیہ کا پڑھنا جائز نہیں کیونکہ یہ کلام اللہ ہے اور یہ آیت تلاوت کی۔ (پارہ نمبر ۲۷ سورۃ واقعہ کے تیسرے رکوع کی پہلی آیات تلاوت فرمائیں) نیز حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ اس میں عورتوں کو سخت تاکید فرمایا کرتے تھے۔ حضرت ام سلمیٰ فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ عورتیں بحالت جنبی وحیض میں بسم اللہ پڑھ سکتی ہیں؟ فرمایا نہیں یہ کلام اللہ ہے۔ ان دونوں روایات سے تصدیق اور تائید ہوتی ہے۔ امام اعظم کے متعلق صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ میرے امام کا بھی یہی مؤقف ہے۔ میری بعلی سے ملاقات ہوئی اور انہوں نے مجھے یہ قول امام یوسف کی روایت سے امام اعظم کا قول پہنچایا ہے ہاں البتہ یہ ہے کہ جنبی وحیض والی عورت پاک کپڑے سے چھو سکتی ہے لیکن پڑھنا منع ہے۔

فرع ساتویں: بالاجماع علماء وضو میں بسم اللہ کو واجب یا مندوب جانتے ہیں لیکن عام علماء فرمان سرور کائنات ﷺ الف الف مرات ''توضاء کما امرک اللہ بہ'' غیر واجب قرار دیتے ہیں کیونکہ قرآن کریم میں جہاں وضو کی ترتیب بیان کی گئی ہے وہاں تسمیہ کا ذکر نہیں کیا گیا ورنہ ضرور ہوتا۔ اہل ظواہر کا خیال ہے کہ اس کا پڑھنا واجب ہے بسم اللہ کو عمداً یا سہواً دونوں صورتوں میں ترک کرنے سے نماز جائز نہیں ہوتی اور اسحاق کے نزدیک قصداً ترک کرنے سے نماز صحیح نہیں ہوتی اور سہواً سے ہو جاتی ہے۔

فرع آٹھویں: کیا بسم اللہ کے بدون ذبیحہ کا کھانا جائز ہے یا نہیں یہ مسئلہ مشہور و معروف ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''فاذکروا اسم اللہ علیھا صواف'' دوسری جگہ فرمایا ولا تاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ۔ (لہٰذا تسمیہ کے بغیر ذبیحہ کا کھانا جائز نہیں)

فرع نویں: یہ مسئلہ علماء کا ہے ہر کام کی ابتداء بسم اللہ سے ہونی چاہئے حتیٰ کہ سوتے وقت جلوس وقیام عبادت میں مصروف ہونے سے پہلے گھر میں داخل ہونے، نکلنے اور لین دین کے وقت بسم اللہ پڑھنی چاہئے۔ دایہ بچے کو پیدائش کے وقت اٹھاتے ہوئے بسم اللہ پڑھے اور یہ تو مولود کے حالات دنیاوی میں سے اوّل حالت ہے اور مرنے کے وقت قبر میں رکھتے ہوئے بسم اللہ پڑھنی چاہئے حتیٰ کہ قبر میں اٹھتے وقت حشر کے میدان میں حاضری کے وقت بسم اللہ پڑھنی چاہئے کیونکہ کلمہ مبارک کی برکت سے

Marfat.com

آگ کوسوں دور بھاگتی ہے۔

مسئلہ نمبر 11:

امام شافعی کے نزدیک قرآن کریم کو دوسری زبان میں پڑھنا صحت نماز کے کافی نہیں ہوتا بلحاظ اس امر کے کہ قاری عربی زبان کو اچھی طرح ادا کرسکتا ہو یا اس سے عاجز ہو۔امام اعظم فرماتے ہیں کہ قادر ہو یا عاجز دونوں کو دوسری زبان میں پڑھنا صحت نماز کے لئے کافی ہے۔صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ بعلی سے میں نے اس قسم کا سوال کیا انہوں نے فرمایا کہ میں نے امام ابویوسف سے سنا پہلے امام صاحب کا یہی خیال تھا کہ قرآن دوسری زبانوں میں چاہے عاجز ہو یا قادر پڑھ سکتا ہے نماز ہو جاتی ہے۔امام جعفر صادق کی خدمت میں جب یہ سوال ہوا، آپ نے فرمایا، اے نعمان ابن ثابت میں نے سنا کہ تو نے قرآن کریم کو دوسری زبان میں پڑھنا درست کہا۔آپ نے فرمایا ہرگز نہیں یہ بالکل باطل ہے انہوں نے فرمایا میں نے اپنے والد محمد باقر کو بیان کرتے ہوئے سنا وہ اپنے والد زین العابدین اور وہ اپنے والد حضرت امام حسین اور وہ اپنے والد امام علی کرم اللہ وجہہ اور وہ حضرت عائشہ سے حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں فارس کے دو مسلمان آدمی آئے انہوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ ہماری زبان دوسری ہے۔نماز میں اگر ہمیں قرآن عربی میں پڑھنا نہ آئے تو ہم نماز میں اسے اپنی زبان میں پڑھ لیا کریں؟ جواب میں حضور ﷺ نے فرمایا یہ بالکل درست نہیں۔کہ معنی و مفہوم قرآن کے عین مطابق کیوں نہ ہو۔ہوسکتا ہے کہ تم معنی و مفہوم کو قرآن کے کسی لفظ کے خلاف کردو اور اللہ تعالیٰ کا کلام کی شان کے خلاف ہو جائے تو پھر حضور ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی **ولو جعلناہ قرآناً** پارہ نمبر ۲۴ میں ہے تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ قرآن کو یاد کرو اور وہی نماز میں پڑھو تو ثابت ہوا کہ دوسری زبان میں نماز میں قرآن کریم پڑھنا قطعاً ناجائز ہے قرآن کریم کو نماز میں عربی میں ہی پڑھنا ضروری ہوا تو امام اعظم اس کے بعد امام جعفر صادق کے خیال کی طرف راجع ہو گئے۔مذکورہ بالا ذکر تفسیر خزینۃ القرآن جلد دوم صفحہ نمبر ۲۲۳۲ پر ہے۔امام ابویوسف و امام محمد بھی اسی بات کے قائل ہیں کیونکہ حضور ﷺ اپنی زندگی مبارک میں کلام اللہ منزل من اللہ جو عربی میں نازل ہوا اسی ہی کو پڑھتے رہے اور نبی کریم علیہ السلام کے بعد صحابہ کرام خلفائے راشدین بھی کلام اللہ جو عربی میں نازل ہوا پڑھتے رہے ہمیں بفرمانِ رسول اللہ ﷺ ان کی اتباع کرنا لازم ہے حضور ﷺ نے فرمایا کہ میری امت میں ستر فرقہ ہوگا۔ایک ناجی ہوگا اور باقی سارے جہنمی ہوں گے صحابہ نے عرض کیا کہ وہ کون سا فرقہ ہے۔حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس نے میری اور میرے صحابہ کی اتباع کی وہی فرقہ جنتی ہوگا۔رسول کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ قرآن کریم کو عربی ہی میں پڑھا کرتے تھے وہ جس نے اس کے خلاف پڑھا وہ ما انا علیہ واصحابی کے سلسلہ میں نہ ہوگا۔کل اہل اسلام یک زبان ہیں کہ قرآن کریم نماز میں ان الفاظ سے پڑھنا چاہئے جیسے وہ نازل ہوا، اس سے منہ پھیرنے والا **ویتبع غیر سبیل المومنین** کے خلاف ہوگا انسان کو نماز میں قرآن کریم پڑھنے کا حکم ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **فاقرؤا ماتیسر من القران** رسول اللہ ﷺ نے اعرابی کو **اقرأ ماتیسر من القران** پڑھنے کا حکم فرمایا ہے تو عربی زبان کے علاوہ کسی دوسری زبان میں نماز میں قرآن کریم پڑھنے والا اس کا عامل نہ ہوگا کیونکہ اول یہ کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **وانہ لتنزیلُ ربّ العالمین** سے لے کر **بلسانٍ عربیٍ مبین** تک۔دوسری یہ کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **وما ارسلنا من رسولٍ الاّ بلسان قومہ** تیسری یہ کہ **ولو جعلنٰہُ قرآناً اعجمیا** میں کلمہ حسب مسلمہ نحو میں **انتقال لشئ لا نقا** غیرہ کو مقتضی ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ لایزال نے قرآن کریم کو عجمی نہیں بنایا بلکہ عربی زبان میں نتیجہ یہ ہوا کہ عجمی زبان میں لفظ قرآن کا اطلاق نہیں ہوسکتا۔چوتھی یہ کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ پارہ نمبر ۱۵ **اقل لئن اجمعت الانس والجن** سے لے آخر آیت تک تو کلام ہذاء کو اگر فارسی زبان میں لایا جائے تو ہم پوچھتے ہیں کہ کیا اسے عین کلام عربی کہا جائے گا یا اس جیسا اور یا نہ عین کلام نہ مثل کلام۔پہلی صورت تو بـــداہۃً باطل ہے اور ایسے ہی دوسری صورت کیونکہ فارسی کلام کو مثل کلام عربی کہنے سے **علی ان یاتوا بمثل ھذا القرآن لا یاتون بمثلھم** کے دعوے میں سقم لازم آئے گا اور اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے پس جب کلام فارسی پر کلام عربی کے مثل کا اطلاق باطل ہوا تو ثابت ہوگیا کہ فارسی کلام پڑھنے والے کو قاری قرآن نہیں کہا جاسکتا بلکہ غیر قاری قرآن کہا جائے گا اور حکم کی پابندی نہیں کی بلکہ خلاف حکم کو اختیار کیا ہے تو حکم کی خلاف ورزی سے اجتناب اور پرہیز کرنا ضروری ہے اور اپنے اصل فرض سے ادھر ادھر نہیں پھرنا چاہئے ابن منذر ابی ہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نماز بدون سورۃ الفاتحہ کے مقبول نہیں وجہ استدلال یہ ہے کہ سورۃ الفاتحہ کو فارسی زبان میں نہیں لایا جاسکتا۔

Marfat.com

نوٹ:

ایک آدمی (عبداللہ بن ابی کہتا ہے) کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھ میں قرآن حفظ کرنے کی طاقت نہیں تو آپ نے اسے سبحان اللہ و الحمد للہ پڑھنے کا حکم فرمایا۔ یہ حدیث صاحب خزینۃ القرآن علامہ عبدالرزاق کی سند سے فرماتے ہیں۔ عبداللہ ابن ابی اونی علامہ عبدالرزاق کے نزدیک قابل آدمی نہیں لہٰذا یہ حدیث حجت نہیں ہوسکتی۔ کہتے ہیں کہ انجیل کا کلام بسم الا مار حمانا مرحیانا تسمیہ کا بالکل ترجمہ ہے اگر اس کو مان لیا جائے تو پھر یہ مان لینا ضروری ہوگا کہ قرآن انجیل سے اخذ ہے جو بالکل درست نہیں دلیل: آیت سے لے کر آخر آیت تک دیکھئے سورۃ کہف چوتھا رکوع جس کا فارسی میں یہ ترجمہ ہوگا۔ بفرتید کسے از ثما بانقرہ پشہر پسی بنگرد کہ کدام طعام بہتر است پارہ از اں بیاورد تو ظاہر ہے کہ کلام بعینہٖ لوگوں کے کلام سے ملتا جلتا ہے تو بحکم رسالت مآب ﷺ ان صلاتنا ھذا لا یصلح فیھا شیٔ من کلام الناس کلام مذکورہ صحت نماز میں کافی نہ ہوگا اسی طرح تمام قرآنی آیات کے ترجمہ سے نماز درست نہ ہوگی کیونکہ آیات قرآنی میں کوئی تفریق کا قائل نہیں نیز بعینہٖ یہی تقریر قول اللہ تعالیٰ مطلقاً بعد الیوم سے لے کر بعد ذالک زنیم تک میں بھی جاری ہوتی ہے کیونکہ فارسی زبان میں اس کا ترجمہ کیا بلحاظ معنی اور کیا بلحاظ عام لوگوں کے کلام کی طرح گالی ہی میں ہوگا۔ ایسا ہی فرمودۂ اللہ تعالیٰ فادع ظ لنا ربک پارہ نمبرا رکوع چھٹا کا ترجمہ بھی معنی والفاظ میں عام لوگوں ہی کی طرح ہوگا لیکن اگر انہی آیات کو بعینہٖ عربی الفاظ میں پڑھا جائے تو یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا کیونکہ قرآن کریم کے الفاظ کی بندش عاجز کرنے والی اور اپنی عمدہ ترکیب کی وجہ سے لوگوں کے کلام سے خود بخود ممتاز ہے۔ دلیل: جناب رسالت مآب ﷺ فرماتے ہیں۔ انزل القرآن علیٰ سبعۃ احرف کلھا شافٍ کافٍ تو اگر عربی کے ماسواء عجمی میں ترجمہ کرنے سے قرآن کا اطلاق ہوسکتا ہے تو نزولِ قرآنی سات حروف پر منحصر نہ رہے گا بلکہ حروف کی تعداد بڑھ جائے گی کیونکہ ہر ایک زبان میں علیحدہ قرآن ہوگا۔ دلیل: اگر ترجمہ بزبان عجمی کو قرآن کہنا جائز ہوتا تو حضور ﷺ سلمان فارسی کو فارسی میں قرآن پڑھنے کا حکم فرماتے کیونکہ حضرت سلمان کی زبان فارسی تھی نیز حبیب رومی کو رومی زبان میں اور بلال حبشی کو حبشی زبان میں اجازت ہوتی۔ کل اہل اسلام اس سے باخبر ہوتے کہ اپنی زبان میں نماز و قرآن پڑھنا جائز ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو دوسرے مسلمانوں کو اس میں مشکلات کا ازالہ ہو جاتا نیز وہ اس چیز پر فخر بھی محسوس کرتے وہ کلامِ الٰہی کو اپنی مخصوص زبان اور لغت میں منظوم کر لیتے اور اہل عقل سلیم جانتے ہیں کہ اس طرح قرآن نیست و نابود ہو جاتا۔ یاد رکھو کہ یہ ایسا خیال ہے جس کو قبول کرنے کے لئے کوئی مسلمان تیار نہیں حالانکہ قرآن کریم میں ہے افلا یتدبرون القرآن سورۃ نساء پارہ نمبر ۵ میں اس آیت کو دیکھئے جس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر کسی غیر کا کلام ہوتا تو بہت اختلاف ہوتا اگر دوسری زبان میں اس کو پڑھنا رائج ہوتو اس کی حقیقت بدل جاتی جس طرح عیسائیوں نے انجیل کو بدل ڈالا۔ قرآن کی حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ رکھی ہے۔ فقیر کا یہ کہنا کہ عربی زبان میں قرأت ممنوع ہوتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ عربی زبان سے محض نا آشنا اور جو قرآن شریف کو سمجھنے کی عربی زبان سے جاہل ہونے کے باعث ذرا بھی قابلیت اور اسعداد نہیں رکھتا اور معانی کلام اللہ کو صرف فارسی زبان ہی میں سمجھ سکتا ہے اور اسی کے ذریعہ اپنے مطالب و مقاصد اور ستھرے اصولوں سے اپنے دل و دماغ کو روشنی پہنچا سکتا ہے اور مضامین متعلقہ اموراتِ عقلیہ اور ثناء الٰہی و ترغیب آخرت اور دنیا سے نفرت کرنے کے مطالب کو صرف فارسی زبان ہی میں حاصل کر سکتا ہے تو ایسے شخص کے لئے بلاشبہ قرآن کریم کو عربی میں پڑھنا مفید نہیں ہوسکتا کیونکہ نماز کی اصل غرض انہی فوائد کو حاصل کرنا ہے جو اسے فارسی زبان سے معلوم ہو چکے جیسا کہ اقم الصلوٰۃ الذکری اور افلا یتبدون القرآن سے ہوتا ہے بخلاف اس کے عربی زبان میں اسے ان فوائد میں سے ذرہ بھر بھی فائدہ نہیں مل سکتا تو کوئی وجہ نہیں کہ ایسے شخص کے لئے عربی میں پڑھنا ممنوع نہ ہو کیونکہ عربی زبان سے اصلی مفہوم زائل ہو جاتا ہے اور اس کے پڑھنے سے بڑے بڑے فوائد اور عجائبات سے محرومی ہوتی ہے لیکن چونکہ فارسی زبان قرآن شریف کی اصلی زبان کے قائم مقام نہیں او نہ ہی کوئی اس کا قائل ہے لامحالہ ہمیں فارسی زبان میں پڑھنے کو ناجائز بلکہ حرام و کفر تسلیم کرنے میں کچھ بھی تامل نہ ہوگا۔

مسئلہ نمبر 12:

نماز پڑھنے کا استمراری حکم تو موجود ہے اور امر فارق بالکل ظاہر ہے صورت اول اس لئے کہ تکلیف ثابت ہے اور اصل میں امر ثابت کو بقاء لازم ہے رہی دوسری صورت تو اس کا ظاہر ہونا بایں طریق ہے کہ قرآن عربی کی تلاوت جس طرح بغرض حصول معانی ہوا کرتی ہے اسی طرح حصولِ الفاظ کے لئے بھی ہوتی ہے کیونکہ

Marfat.com

اول: قرآن کریم کی صفت اعجازی صرف بجہت فصاحت کاملہ ہی ہے اور ظاہر ہے فصاحت کا تعلق الفاظ سے ہوتا ہے۔ دوسرے صحت نماز کا قرآنی الفاظ کے پڑھنے پر موقوف ومنحصر ہونا بعینہٖ انہی الفاظ کو حفظ کرنے کو واجب ٹھہراتا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے، صاحب خزینۃ القرآن درج کرتے ہیں کہ مجموعہ الاحادیث سے حضرت مولا علی مشکل کشا فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قرآن کریم کے الفاظ محفوظ کرنا تم پر فرض ہے ویسے ہی یاد کرو جیسے مجھ پر منزل من اللہ ہوا ہے۔ مولا علی فرماتے ہیں کہ جس آدمی کو عربی زبان نہ آتی ہو تو وہ دوسری زبان سے یاد کر سکتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا معاذ اللہ دوسری قومیں اسی طرح تباہ ہوئیں انہوں نے اللہ تعالیٰ کے کلام کو تحریف کیا۔ تم ویسا ہی حفظ کرو جیسا کہ مجھ پر نازل ہوا ہے۔ فرمایا، میں خوش ہوں کہ میں مکہ میں پیدا ہوا اور میری زبان بھی عربی، قریش کی زبان بھی عربی اور جنت میں ساری مخلوق کی زبان بھی عربی ہوگی اور میں اس بات پر خوش ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا اعلیٰ وافضل کلام ازلی مجھ پر عربی میں نازل ہوا ہے، اور یہ آیت تلاوت فرمائی تنزیل من رب العالمین مذکورہ بالا حدیث سے ثابت ہوا کہ قرآن کسی دوسری زبان میں یا نماز میں پڑھنا حرام ہے اور پڑھنے والا المردود ہے۔ حدیث دوسری: صاحب خزینۃ القرآن حضرت امام جعفر صادق کی اسناد سے انہوں نے اپنے والد محمد باقر سے، انہوں نے اپنے والد علی زین العابدین بن حسین نے انہوں نے جناب عائشہ صدیقہ ام المومنین سے، جناب سیدہ عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے رسالت پناہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان جائیں جنت میں عبادت تو نہ ہوگی وہاں لوگ کیا کریں گے تو فرمایا رسول اللہ ﷺ نے یا عائشہ جنت میں لوگ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے سرفراز ہوں گے جو مجھ پر کلام اللہ نازل ہوا ہے اس کی تلاوت کرنے کا حکم ہوگا اور جو لوگ قرآن کریم کی بار بار تلاوت کریں گے انہیں دیدار الٰہی حاصل ہوتا رہے گا جب وہ دیدار الٰہی سے مشرف ہوں گے تو وہ بار بار کلام الٰہی کو تلاوت کریں گے۔ فرمایا عائشہ یہ کتنا پیارا کلام ہے جو اللہ تعالیٰ نے میری وجہ سے عربی زبان میں نازل فرمایا اور ہر ہر لفظ کے بدلے بے بہا نیکیاں ملتی ہیں یہ دونوں مذکورہ احادیث امام رازی بھی درج کرتے ہیں اور صاحب خزینۃ القرآن انہی دونوں مذکورہ احادیث کو پندرہ سو صحابہ کی اسناد سے بیان کرتے ہیں۔ جن میں حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علیؓ اور سیدہ عائشہ، سیدہ ام سلمٰی وسیدہ فاطمۃ الزہرہ جیسی جلیل القدر ہستیاں شامل ہیں تو لہٰذا مذکورہ بالا تقریر سے بات قوی ہوگئی تلفظ عربی ہر ایک کے سینے میں آسانی سے محفوظ رہ سکتا ہے پارہ نمبر ۲۱ میں خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے بل آیات بینات فی صدور الذین اوتوا العلم ثابت ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ نے خود اسی زبان (عربی) کو لوگوں کے سینوں میں محفوظ کر دیا ہے حالانکہ دیکھیے کہ دوسری کتابیں سینے میں محفوظ نہیں رہ سکتیں ہاں اگر کوئی رکھے گا تو صرف چند دن کے لئے یہ وجہ صرف (عربی) زبان کو اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ کی وجہ سے ہے۔ اگر نماز میں اس طرح نہ پڑھا جائے تو کافی خطرات لاحق ہو سکتے ہیں اور اس کے تحریف ہونے کا خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔ دلیل: حضرت عبداللہ بن مسعود نے ایک شخص عجمی کو قرآن کا حفظ کرانا شروع کیا جب انّ شجرة الزقوم طعام الاثیم کو وہ طعام التلیم پڑھنے لگا تو آپ نے طعام الفاجر پڑھنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ قرآن کریم میں علیم وحکیم پڑھنے سے کوئی حرج نہیں ہوتا۔ حرج اس وقت ہوتا ہے جب رحمت والی آیت کو عذاب کی جگہ پڑھا جائے۔ یاد رہے کہ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ مذکورہ بالا حدیث عبداللہ بن مسعود والی تسلیم کر لی جائے تو پھر شیعہ کا اعتراض صادق ہو سکتا ہے کہ صحابہ نے قرآن کریم کے اندر تغیر وتبدل کیا۔ اس طرح تو پھر اعتراضات کی بوچھاڑ ہو جائے گی اور قرآن کی حقانیت اور حفاظت کو ٹھیس پہنچے گی اور حضرت عبداللہ بن مسعود کو یا کسی اور کو کیا حق کہ اثیم کی بجائے الفاجر پڑھائیں تو پھر تو انہیں اختیار حاصل ہوگیا کہ پھر وہ اپنی مرضی سے تغیر وتبدل کرتے رہیں تو پھر مذکورہ بالا آیت جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لوجدوا فیہ اختلافاً کثیرا مذکور بالا حدیث سے تو اختلاف واقع ہوگیا۔

نوٹ:

یاد رہے یہ تو عبداللہ بن مسعود ہیں۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں پارہ نمبر ۲۹ سورۃ الحاقۃ کی اس آیت کو دیکھیے ولو تقول علینا بعد الا قاویل آخر آیت تک مفہوم یہ ہے کہ مشرکین اور تمام اقوام کو کہا جا رہا ہے کہ اگر میرا حبیب (ﷺ) میری طرف سے کوئی بات اپنے آپ بنا لیتا جو میرے اقوال میں نہ ہو میں اس کا ہاتھ پکڑ لیتا اور اس کی رگ پکڑ لیتا دیکھیے جو پیغمبر الٰہی کو یہ حکم ہو رہا ہے اور پیغمبر الٰہی نے بھی کلام پاک کو اسی طرح پہنچایا جس طرح آپ (ﷺ) پر نازل ہوا۔ تو اگر صحابہ ایسا کرتے تو اللہ تعالیٰ ان کی رگ وہاتھ نہ پکڑ لیتا؟ یا چھوڑ دیتا؟ ایسے دلائل کو مسلط کرنا بالکل ناجائز و باطل ہے۔ موصوف فرماتے ہیں۔ رہی بات عبداللہ بن مسعود کی تو یہ روایت کرنے والے یہودی ہیں اور محدثین نے اس بات کا خیال نہیں فرمایا۔ میری ملاقات محدث ابراہیم سے ہوگی وہ امام زہری سے حدیث پڑھا کرتے تھے تو امام نے

Marfat.com

جب یہ حدیث بیان کی اور معاذ اللہ فرمایا۔ فرمایا رات کو مجھے حضورﷺ کی زیارت ہوئی اور آپ نے فرمایا اے زہری یاد رکھو جس نے میرے عبداللہ بن مسعود پر یہ بہتان باندھا خدا اسے ذلیل وخوار کرے۔ امام صاحب کہتے ہیں وہی عجمی میرے ایک استاد کو ملا کہتا ہے میں نے ایران میں اپنی زبان کو آسان سمجھا ہے اور لوگوں نے کہا کہ پھر تو طعام الاثیم کو طعام الفاجر کیوں پڑھتا ہے کبھی کبھی تو فارسی میں پڑھ لیتا ہے میں نے کہا کہ مجھے عبداللہ بن مسعود نے حکم دیا ہے وہ پھر کہتا ہے کہ حکم والی بات کا میں نے سہارا لیا ہے۔ چاہتا ہوں کہ قرآن کریم میری زبان میں رائج ہو جائے۔ ابن مسعود کا تو فقط سہارا لیا ہے تاکہ بات بن جائے نیز امام زہری فرماتے ہیں کہ جب وہ شخص فوت ہوا تو اسے بری موت آئی۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ یہ حدیث بالکل موضوع ہے اور اس کو بیان کرنے والا فاسق اور احمق ہے۔ قرآن کریم کے متعلق فرمایا کہ وانہ لفی زجرًا الاوّلین اس آیت میں سابقہ کتابہائے میں موجود ہونا ثابت ہو گیا لیکن یہ نہ سمجھ لینا چاہئے۔ سیدہ عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ قرآن سابقہ کتب میں بھی موجود تھا انہیں زبانوں میں یا اسی زبان میں۔ فرمایا قرآن کا ان کتب میں قصہ موجود تھا اسی زبان میں تسلیم کرنا بالکل غلط ہے۔ بعینہ انہیں میں قصہ موجود تھا جیسا کہ ربط کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے بلسان عربی مبین حضورﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی تو اس سے ثابت نہیں ہوا کہ وہ وانہٗ لفی زبرا لاولین کا مقصد ہے بات تو تب بن سکتی ہے کہ اگر اس آیت کے ساتھ بلسان عربی مبین نہ ہوتا تو پھر جواز ثابت ہو سکتا تھا کہ قرآن سابقہ کتب میں اسی طرح موجود تھا جس طرح وہ کتب تھیں قرآن کی اس آیت نے باطل کر دیا کیونکہ قرآن سب کلاموں سے افضل اور مصدق ہے اگر سابقہ کتب کی عبارت کی طرح ہوتا تو پھر فضیلت کیسے ثابت ہوتی اسی طرح حضورﷺ کو بھی سب پر فضیلت ہے اور آپ کی زبان کو بھی سب پر فضیلت کیسے ہوتی کہ حضورﷺ بھی فضیلت والے ہوں اور زبان بھی فضیلت والی ہو تو پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ سابقہ کتب کی طرح یہ عبارت اسی طرح ہو حالانکہ ان کتابوں میں قرآن قصہ کے طور پر رکھ کر قرآن کی فضیلت یاد دلانی مقصود تھی قرآن کریم کو تمام کتب سے افضل بتانا مقصود تھا اگر اسی طرح ہو بعینہ تو فضیلت میں پھر امتیاز نہیں ہو سکتا اسی لحاظ سے بلسان عربی مبین فرمایا۔

نوٹ:

وہ لوگ ''واُوحی اِلیّ ھذا القراٰن لِا نذر کُم بہ'' سے ثابت کرتے ہیں کہ قرآن کا مقصد ومطالب عجمی نہیں سمجھ سکتے تو انہی کی زبان میں اس کا مطلب ومقصد سمجھانا چاہئے یاد رہے کہ اگر یہی بات تسلیم کر لی جائے تو پہلے لکھ چکا ہوں کہ قرآن کریم کی عربی میں تبدیلی ہو جائے گی اور اصل ختم ہو جائے گا حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہﷺ کی خدمت میں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عرض کیا یا رسول اللہﷺ قرآن کریم کو ہر جگہ پہنچانا مقصود ہو گیا ہے اگر کوئی اسے عجمی مفہوم میں بیان کرتے تو ہو سکتا ہے؟ حاضرین مہاجرین وانصار بھی موجود تھے، رسول اللہﷺ نے فرمایا معاذ اللہ فرمایا اوحیَ اِلَیّ جس طرح مجھ پر وحی نازل ہوئی ہے ویسے ہی پہنچاؤ کہ لوگ اس کی برکتوں سے نفع اٹھائیں ورنہ لوگ اپنے مفہوم میں اس سے تغیر وتبدل کر دیں گے پھر فرمایا ھذا القرآن یہی قرآن عربی زبان میں کائنات میں پہنچایا مقصود ہے ورنہ وہ لوگ اس کی برکت سے محروم ہو جائیں گے صاحب خزینۃ القرآن حدیث درج کرتے ہیں۔ حضرت مولا علی فرماتے ہیں کہ دو ہزار صحابہ کا مجمع تھا رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ جبرائیل آیا ہے اور مجھے کہا کہ اے محمدﷺ بے شک اللہ نے آپ کی امت پر قرآن پاک عربی کے سوا دوسرے مفہوم میں نماز میں پڑھنا حرام کر دیا ہے کیونکہ جنت میں میں نے تمام مخلوق کی زبان کو عربی ہی قرار دیا ہے اور جو شخص قرآن جس طرح پڑھنا ہے۔ اسی طرح پڑھے گا تو قیامت کے دن میں اسے اپنے قریب کرلوں گا تو یہ حدیث قدسی ہمارے دعویٰ کے حق میں ہے۔

امام رازی فرماتے ہیں کہ ابن مسعود کے عجیب حالات سنے گئے ہیں کہتے ہیں کہ وہ ہمیشہ ''انا مومنٌ ان شاء اللہ'' کہا کرتے تھے حالانکہ کسی صحابی سے بھی اس کی تائید نہیں ملتی۔ امام اعظم فرماتے ہیں کہ اس کلمہ کو کہنے والا دین میں مذبذب ہوتا ہے۔ امام رازی کہتے ہیں کہ امام اعظم جب اس کلمہ کو مذبذب سمجھتے ہیں تو پھر ان کے اقوال مذکورہ کو کیوں ترجیح دیتے ہیں اس کا جواب پہلے دیا جا چکا ہے کہ امام اعظم بعد میں دوسرے گروہ کی طرف راجع ہو گئے نیز حضرت ابن مسعود سورۃ الفاتحہ، سورۃ الفلق اور سورۃ الناس کو قرآن کا جز نہ مانتے تھے۔ اس کے جواب میں خزینۃ القرآن فرماتے ہیں درست ہے کہ تمام صحابہ اور امت مسلمہ فلق، الناس اور فاتحہ کو قرآن کا جز سمجھتے ہیں۔ صاحب خزینۃ القرآن علامہ عبدالرزاق کی اسناد سے فرماتے ہیں کہ پہلے عبداللہ بن مسعود کا یہی خیال تھا جب انہوں نے جماعت سے انہی تین سورتوں کو قرآن کی آیت صحابہ سے سنا تو بعد میں تائب اور راجع ہو گئے یہ بات حضرت عقبہ بن عامر فرماتے ہیں اور دیگر صحابہ سے بھی یہی بات منقول ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں علامہ عبدالرزاق کی سند سے سیدہ عائشہ نے عرض کیا یا رسول اللہﷺ لفظ زُبَر قرآن میں استعمال ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا سابقہ کتب میں قرآن کا قصہ مذکور

Marfat.com

ہے تو اس حدیث سے یہ بات بھی مستند ہوگئی کہ ان کتب میں قصہ مذکور ہے اور لانذر کم بہ سے حضرت مولا علی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس سے وہ عجمی مفہوم و معنی بیان کر سکتے ہیں لیکن تلاوت قرآن انہیں الفاظ میں پڑھیں یہ ضروری ہے۔ معنی اور مفہوم لینا جائز ہے۔

مسئلہ نمبر 13:

امام شافعی نے پہلے پہلے مقتدی کو امام کے پیچھے سورۃ الفاتحہ خفیہ نماز کے بغیر بقیہ نمازوں میں امام کے پیچھے اونچا پڑھنا یا خفیہ پڑھنا ناجائز فرمایا ہے۔ ابن مبارک اور امام مالک امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہم کا بھی یہی خیال ہے لیکن دوسرے قول میں آپ نے دونوں طرح کی نمازوں میں قرأت فاتحہ کو واجب قرار دیا ہے۔ بخلاف اس کے امام اعظم اور کل حالات یعنی سری اور جہری میں مقتدی کے قرأت خلف الامام کو درست نہ سمجھتے ہیں مندرذیل دلائل سے ہمارے دعویٰ کو تائید ملتی ہے۔

دلیل پہلی: امام رازیؒ فرماتے ہیں، خداتعالیٰ نے فرمایا فاقرؤا ماتیسر من القران حکم ہذا مخصوص نہیں بلکہ عام ہے مقتدی اور دونوں کو شامل ہے۔

دلیل دوسری: بحکم فاتبعُه ہمیں رسول اللہ کی پیروی اور اتباع واجب ہے کہ آنجناب نماز میں پڑھا کرتے تھے البتہ یہ خیال کہ اوّل تو آپ امام کو مقتدی بننے کا اتفاق ہی کم ہی ہوا ہوگا اور اگر ایسا بھی ہو تو آپ نے ترک کر دیا ہو مگر دراصل یہ امر از قبیل معارضہ ہے۔

دلیل تیسری: فقیر بیان کر چکا ہے کہ حکم اقیموا الصلوٰۃ سے رسول مقبول ﷺ کے کل افعال متعلقہ نماز کا مجموعہ مراد ہے اور منجملہ افعال رسول کریم قرأت فاتحہ بھی ایک فعل ہے۔ پس لامحاله اقیموا الصلوٰۃ میں سورۃ الفاتحہ کے پڑھنے کا حکم بھی پایا گیا ہے۔ فلذا التعمیل

دلیل چوتھی: حدیث لا صلوٰۃ الا بفاتحہ الکتاب میں صاف طور پر حکم موجود ہے جیسا کہ وجہ استدلال علی سبیل التوضیح بیان ہو چکا اگر اس پر حدیث ہذا کو بحالت انفراد مخصوص ہونا بروائیت جابر کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جو شخص نماز میں سورۃ الفاتحہ نہ پڑھے تو اس کی نماز مقبول نہیں ہوتی مگر بحالت اقتداء مقبول ہے بیان کیا جائے تو اس کے جواب میں صرف اسی قدر کہنا کافی ہے کہ حدیث پیش کردہ مطعون ہے اور بس۔

دلیل پانچویں: رسول اللہ ﷺ نے ایک اعرابی کو ارکان نماز کو تعلیم دیتے ہوئے بلا تخصیص ثم اقرا ماتیسر من القران فرمایا اور حکم ہذا حالت اقتداء اور امامت دونوں کو شامل ہے ورنہ تخصیص کی ہوتی۔

دلیل چھٹی: ابوعیسیٰ امام ترمذی اپنے جامع ترمذی میں بہ اسناد محمود بن ربیع روایت کرتے ہیں۔ عابدہ بن صامت نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے صبح کی نماز میں قرأت شروع کی اور آپ پر پڑھنا بوجھل سا ہوا تو آپ ﷺ نے بعد از فراغت نماز فرمایا کہ کیا وجہ ہے کہ تم امام کے پیچھے نماز پڑھتے ہو ہم نے عرض کی کہ بخداء ہم سے ایسا ہی ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا امام کے پیچھے سوائے سورۃ الفاتحہ کے کچھ نہ پڑھا کرو کیونکہ بدون قرأت نماز مقبول نہیں۔ ابوعیسیٰ نے اس حدیث کو احسن کہا ہے۔

دلیل ساتویں: امام مالکؒ موطاء میں علاء بن عبد الرحمٰن سے روایت کرتے ہیں کہ اس نے ابو سائب مولائے ہشام سے سنا کہ میں نے ابوہریرہ سے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص نماز میں سورۃ الفاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز ناقص ہوتی ہے وہ کہتا ہے کہ اس پر میں نے ابوہریرہ سے پوچھا کہ حالت اقتداء میں بھی کیا یہی حکم ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں اسے خاموشی سے اپنے دل میں پڑھ لیا کرو اس حدیث سے دو طرح سے استدلال پیدا ہوتا ہے۔ اول خصم تسلیم کرتا ہے کہ مقتدی کی نماز بدون قرأت ناقص ہوتی ہے حالانکہ یہ نص کے خلاف ہے۔ دوسرے حدیث مذکورہ میں سائل نے بعد سماعت حکم من صلوٰۃ لم یقراء فیھا بام القرآن فھی خداج۔ ابوہریرہ کی خدمت میں تخصیصاً قرأت خلف الامام کے متعلق سوال پیش کیا جس پر آپ نے وجوب قرأت کا فتویٰ دیا ہے پس اس سے ہمارے مطلوب کی تائید ہوتی ہے۔

دلیل آٹھویں: ابوہریرہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے اپنے بندے کے درمیان نماز کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ حدیث ہذا میں تنصیف نماز کے لوازمات سے ہونا معلوم ہوگیا اور ظاہر ہے کہ جس طرح تنصیف منفردہ کی نماز سے متعلق ہے اسی طرح بحالت اقتداء بھی ہوگی۔

دلیل نویں: امام دارقطنی بہ اسناد عبادہ بن سامت روایت کی ہے کہ رسول اللہ نے جہری نمازوں میں ایک نماز پڑھائی۔ نماز سے فارغ ہو کر آپ نے چہرہ مبارک کو

Marfat.com

مقابل کر کے فرمایا قرأت جہری کے وقت بھی کیا کچھ پڑھا کرتے ہو حاضرین میں سے بعض نے عرض کی ہاں ایسا کیا کرتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا مالی انازع فی القران قرأت جہری کے وقت بجز سورۃ الفاتحہ کے کچھ نہ پڑھا کرو کیونکہ بدون قرأت فاتحہ نماز مقبول نہیں ہوتی۔

دلیل دسویں: بہت سی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۃ الفاتحہ کے پڑھنے سے ثواب عظیم ملتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ منفرد اور مقتدی دونوں کو شامل ہے تو ضروری ہوا کہ امام کے پیچھے سورۃ الفاتحہ کا پڑھنا ثواب عظیم حاصل ہونے کا موجب ہو اور جو لوگ اس طرف گئے ہیں انہوں نے قرأت کو واجب ہی بیان کیا۔

دلیل گیارھویں: بدون قرأت فاتحہ نماز باطل نہ ہونے کو امام اعظم بھی تسلیم کرتے ہیں لیکن ہمارے نزدیک اس کا نہ پڑھنا موجب ابطال نماز ضرور ہے پس معلوم ہوا کہ سورۃ الفاتحہ پڑھنے میں احتیاط زیادہ پائی جاتی ہے اور بحکم دع ما یریبک الی ما لا یریبک واجب ٹھہری۔

دلیل بارھویں: اگر بوجہ بعد یا کسی اور وجہ سے امام کی قرأت مقتدی تک نہ پہنچ سکے اور خود وہ بالکل ساکت اور خاموش کھڑا رہے تو ایسی صورت میں اس کے مہمل ہونے میں کیا شبہ ہوا کیونکہ قراۃ الامام قراۃ کی صورت رہی نہیں بہر حال ساکت کی نسبت قاری کی فضیلت بحکم افضل الاعمال قراۃ القرآن زیادہ ہوئی مذکورہ بالا حالت میں ساکت پر قاری کی زیادہ فضیلت ثابت ہونے سے اس کا واجب ہونا معلوم ہو گیا کیونکہ کوئی بھی قائل بالفرق نہیں۔

دلیل تیرھویں: اگر اقتداء کو قرأۃ سے مانع ہونا تسلیم کر لیا جائے تو اقتداء ممنوع بلکہ حرام ہونی چاہئے کیونکہ قرآن کریم کا پڑھنا عبادت عظیم ہے اور عبادت سے روکنے والی چیز حرام ہوتی ہے لیکن چونکہ ایسا نہیں بلکہ اس کے برعکس ہے تو معلوم ہوا کہ اقتداء قرأت کو منافی نہیں۔

دلائل امام اعظم: امام صاحب اثبات دعویٰ میں قرآن وحدیث کو پیش کرتے ہیں۔ آیت قرآنی واذاقریٔ القران فاستمعولہ وَاَنصِتُوا ہے۔ جس کے متعلق ہم نے آئندہ اوراق میں اسی آیت کے ذیل میں کامل بحث کرنے کے بعد وضاحت سے بیان کیا ہے کہ آیت مذکورہ امام صاحب کے مطلب میں مفید نہیں لہٰذا تفسیر ہذاء کے اس مقام کو مطالعہ کر لینا چاہئے اور اگر گفتہ بیہقی کے خلاف انہیں صحیح بھی مان لیا جائے تو چونکہ ہمارے دعویٰ کے ثبوت میں بھی احادیث ہیں تو تعارض احادیث کے وقت وجہ ترجیح کا وجود ضروری ہے اور ہم کئی وجوہ سے وجہ ترجیح بیان کر سکتے ہیں:

وجہ پہلی: ہمارے خیال کے مطابق نماز میں قرآن کریم پڑھنے کا شغل ہوتا ہے جو عظیم اطاعت اور عبادت ہے بخلاف اس کے فریق مخالف کے قول پر بالکل مہمل اور ساکت ہونا لازم آتا ہے۔ امام رازی کہتے ہیں پس ہمارا قول افضل ہوا دوسرا احتیاط اسی میں پائی جاتی ہے تیسرا ہم نماز کے کل اجزاء کو عبادت اور اذکار جمیلہ سے خالی نہیں چھوڑتے لیکن فریق مقابل ایک جز میں اطاعت اور ذکر بالکل ترک کر دیتا ہے۔

مسئلہ نمبر 14:

امام شافعیؒ ہر رکعت میں قرأت فاتحہ کو واجب قرار دیتے ہیں اگر ایک رکعت میں اسے چھوڑ دیا جائے تو نماز باطل ہو گی شیخ ابو حامد اسفرائنی کہتا ہے کہ ابو بکر، عمر، علی اور ابن مسعود نے یہی قول اصحاب پیش کیا تو انہوں نے اس پر اتفاق کیا۔ مسئلہ ہذاء کے متعلق چھ (۶) قول ہیں۔ پہلا قول عاصم اور حضرت امام حسین ابن علی سورۃ الفاتحہ کے پڑھنے کو مطلقاً واجب نہیں مانتے۔ دوسرا قول حسن بصریؒ صالح بن حنبی صرف ایک رکعت میں واجب مانتے ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے فرمان لاصلوٰۃ بفاتحۃ الکتاب میں نفی سے استثناء بالضرور نماز صحیح ہو گی تیسرا قول امام اعظم پہلی دو رکعت واجب کہتے ہیں اور آخری دو رکعتوں میں اختیار ہے چاہے اسے پڑھے خواہ تسبیح کہے اور خواہ خاموش رہے اور کتاب استجاب میں لکھا ہے کہ قرأۃ فاتحہ بلاتعین دو رکعتوں میں واجب ہے قول چوتھا ابن صباح نے کتاب شامل میں سفیان سے نقل کیا ہے کہ اس کا پڑھنا پہلی دو رکعتوں میں واجب ہے اور آخری میں مکروہ پانچواں قول امام مالک نماز کی اکثر رکعتوں میں واجب جانتے ہیں سب میں نہیں۔ چار رکعتی نماز میں صرف تین رکعتوں میں پڑھنا کافی ہے اور نماز صبح کی دو رکعت میں پڑھنی چاہئے قول چھٹا امام شافعیؒ سب رکعتوں میں واجب قرار دیتے۔ آپ کے خیال کے مطابق صحت کے چند دلائل سے پتہ چلتا ہے۔

دلیل پہلی: رسول اللہ ﷺ تمام رکعتوں میں پڑھا کرتے تھے تو ہم پر بحکم واتبعوا ویسا کرنا واجب ٹھہرا۔

Marfat.com

دلیل دوسری: جناب رسالت مآب ﷺ نے اعرابی کو اعمال نماز کی تعلیم دیتے ہوئے قرأتِ قرآن کا حکم دیا تھا اور اس کے بعد آپ ﷺ نے وکذالک فعل فی کل رکعۃ فرمایا ظاہر ہے کہ امر وجوب کے لئے ہوتا ہے اس پر اگر یہ کہا جائے کہ مذکورہ حدیث افعال سے متعلق ہے اقوال سے نہیں تو فقیر کہتا ہے کہ قول زبان کا فعل ہے۔ پس یہ بھی افعال ہی میں داخل ہوگا۔

دلیل تیسری: شیخ ابونصر بن صالح نے کتاب شامل میں ابوسعید خدری سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ہر نماز میں ہر رکعت میں سورۃ الفاتحہ پڑھنے کا حکم فرمایا چاہے فرض ہو یا دوسری نماز۔

دلیل چوتھی: احتیاط اسی میں ہے کہ سب رکعتوں میں پڑھی جائے۔

دلیل پانچویں: نماز کا حکم تو ثابت ہی ہے اور ثابت امور میں بقاء ہوتا ہے پس اگر سب رکعتوں میں سورۃ الفاتحہ پڑھی جائے تو حکم کی تعمیل ہوگی کیونکہ ایسی طرح نماز کامل ہوتی ہے لیکن کل رکعتوں میں فاتحہ نہ پڑھنے سے حکم کی تعمیل نہ ہوگی مخالفین حضرت عائشہ صدیقہ کی روایت سے استدلال پکڑتے ہیں کہ آپ نے فرمایا دراصل نماز کی دو ہی رکعتیں ہیں جیسے سفر میں کیا جاتا ہے لیکن حضر میں زیادہ کی گئی ہے تو اب ہم کہتے ہیں کہ آخری دو رکعتیں تابع ہیں اصل نہیں تو تابع میں تخفیف ہونی چاہئے یہی تو وجہ ہے کہ ہمارے دلائل زیادہ قوی اور بکثرت ہونے کے علاوہ ہمارے مذہب میں احتیاط پائی جاتی ہے۔ لہٰذا ہمارا مسلک مرجح ہوا۔

مسئلہ نمبر 15:

جب یہ ثابت ہو چکا کہ قرأت سورۃ الفاتحہ من جملہ شرائط نماز میں سے ایک شرط ہے تو مسئلہ ہذا کی چند فروعات کا ذکر کیا جاتا ہے:

فرع اوّل: پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اگر سورۃ الفاتحہ عمداً بالکلیہ نہ پڑھی جائے یا قصداً اس کا کوئی حرف چھوڑ دیا جائے تو نماز باطل ہو جاتی ہے۔ رہی بات سجدہ سہو۔ امام شافعیؒ نے اول تو صورت سہو میں نماز کو فاسد نہیں مانتے تھے کیونکہ ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ عمر بن خطابؓ نے مغرب کی نماز پڑھائی تو آپ قرأت کو چھوڑ گئے۔ نماز سے فراغت کے بعد ایک شخص نے ترک قرأت کی اطلاع دی تو آپ نے کہا کہ رکوع وسجود کیسے تھے۔ حاضرین نے جواب دیا کہ درست تھے آپ نے فرمایا کچھ حرج نہیں۔ امام شافعی کہتے ہیں یہی واقعہ مجلس صحابہ میں پیش ہوا تو سب نے اتفاق کیا۔ بعد میں امام شافعیؒ نے اس قول سے رجوع کر کے نماز کو باطل قرار دیا ہے کیونکہ مذکورہ بالا دلائل بلاتخصیص حالتِ سہو اور عمد دونوں کو شامل ہیں اور آپ نے مذکورہ بالا واقعہ عمر بن خطاب سے دو (۲) طرح کا جواب دیا ہے۔ اول امام شعبیؒ سے روایت ہے کہ بعد میں عمر بن خطاب نے نماز میں اعادہ کیا تھا۔ دوسرا ممکن ہے انہوں نے بلند آواز سے نہ پڑھا ہو مگر آہستہ پڑھا لیا ہو، امام شافعی کہتے ہیں کہ یہ میری عمر کا پہلا گمان ہے۔

فرع دوسری: ترتیب قرأت کی ضرور کہنی چاہئے اگر نصف ثانی کو اوّل اور اوّل کو بعد میں پڑھے تو نصف اول ادا ہوا اور نصف دوسری نہیں۔

فرع تیسری: جو شخص کل قرأت کو درست نہیں پڑھ سکتا بایں وجہ کہ کامل حفظ نہیں یا بالکل ہی اسے یاد نہیں تو صورت اول پر ان آیات یاد کردہ کو پڑھنے کے علاوہ ملتی جلتی چھ آیات اور پڑھ لے اور دوسری صورت پر جس قدر اسے اور آیتیں یاد ہوں پڑھ لے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فاقرؤا ما تیسر اور اگر کوئی بھی یاد نہیں تو حمد اور تسبیح ہی پڑھ لے۔ امام اعظم فرماتے ہیں کہ ایسے شخص کو کچھ لازم نہیں خاموش رہے۔ امام شافعیؒ کی یہ دلیل ہے رفاعہ بن مالک روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ نماز پڑھنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی تعلیم کے مطابق وضو کرنا چاہئے پھر تکبیر۔ بعد ازاں جس قدر قرآن شریف یاد ہو اسے پڑھنا چاہئے اور اگر کچھ بھی یاد نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کی حمد اور تکبیر پڑھ لے۔ اب رہی ایک بات کہ اگر کسی کو نہ تو سورۃ الفاتحہ نہ قرآن کا کوئی حصہ اور نہ کوئی غیر ہی زبان میں ذکر اور دعائیہ کلمات یاد ہوں تو اس صورت میں کیا کرنا چاہئے کیا وہ اپنی اصلی زبان میں اللہ تعالیٰ کی تمجید وتکبیر کرے میرے نزدیک بحکم نبی کریم ﷺ اذا امرتکم بامر تا توامن مستقیم اپنی زبان میں تمجید وتکبیر اور ذکر الٰہی کر لینے کی اجازت ہونی چاہئے۔

مسئلہ نمبر 16:

Marfat.com

پرانی کتابوں میں لکھا ہے کہ ابن مسعود سورۃ الفاتحہ اور معوذتین کو خارج از قرآن مانتے تھے لیکن ایسا ہونا بہت ہی مشکل ہے پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ وہ بعد میں جماعت کی طرف رجوع کر گئے اور تائب ہو گئے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس زمانہ میں اس کے متعلق نقل متواتر تھی تو اس پر لازم آتا ہے فی الحقیقت قرآن کریم نقل متواتر نہ ہو اور اس سے قرآن کریم کا حجت یقینی اور قطعی ہونا باقی نہیں رہے گا و ہذاء محال معاذ اللہ ایسا خیال کرنا کفر ہے اور قرآن کریم نقل تواتر ہے بلکہ حضرت مولا علی فرماتے ہیں کہ قرآن اللہ کا ایسا کلام ہے کہ یہ خبر میں کسی کا محتاج نہیں یہ سب پر حاوی ہے یہ حق الیقین ہے خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وانہ الحق الیقین ابن مسعود پر یہ جھوٹا الزام لگایا گیا ہے بموجب صاحب خزینۃ القرآن، امام رازی بھی یہی کہتے ہیں پس اعتراض لایقفی سے رہائی بدون اس کے کہ اس خبر کو جھوٹا الزام قرار دیا جائے اور کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتی اور ظن غالب بھی یہی ہے کہ ابن مسعود پر تہمت لگائی گئی ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ مجھے اپنے جدامجد امام جعفر صادق کا قول موصول ہوا ہے بعلی سے۔ بعلی کہتا ہے کہ میں نے امام ابو یوسف سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام اعظم سے اور امام موسیٰ کاظم سے وہ فرماتے ہیں کہ مجھے یاد ہے کہ میری عمر بارہ (۱۲) سال کی تھی کہ والد صاحب کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا۔ اس وقت امام اعظم بھی موجود تھے حضرت امام کی خدمت میں عرض کیا کہ ابن مسعود کے متعلق سنا ہے کہ وہ سورۃ الفاتحہ، سورۃ الفلق اور سورۃ الناس کو خارج از قرآن سمجھتے ہیں۔ جدامجد امام جعفر صادق نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کہنے والے پر لعنت کرے۔ جس نے ابن مسعود پر الزام لگایا حالانکہ وہ تو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہر وقت رہتے تھے اور ہر وقت قرآن سنتے تھے اور انہیں قرآن یاد تھا فرماتے ہیں کہ میرے والد امام محمد باقر فرماتے ہیں کہ میرے والد علی بن حسین فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت ابن مسعود رمضان شریف میں قرآن سنایا کرتے تھے اور بسم اللہ سے لے کر والناس تک اور فرماتے تھے یہ تینوں سورتیں جیسی اللہ تعالیٰ نے پہلی کتابوں میں نازل نہیں فرمائی اور ماہِ رمضان میں وہ کثرت سے تلاوتِ قرآن فرماتے تھے۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ میرے دادا جان امام جعفر صادق کی سند تمام اسناد پر غالب ہے میں نے تمام روایات سے جو الزام ہیں ان کا موازنہ کیا ہے جن لوگوں نے ان کے متعلق روایات دی ہیں ان لوگوں کی خامیاں ہیں اللہ تعالیٰ ان پر گرفت کرے فقیر کی بھی یہی رائے ہے تمام مذکورہ بالا روایات جو ابن مسعود کے متعلق ہیں بہتان ہیں کیونکہ امام جعفر صادق کی سند قوی ہے۔ امام رازی بھی درج کرتے ہیں۔ مسائل فقیہہ سے یہ آخری مسئلہ ہے جو سورۃ الفاتحہ سے تعلق رکھتا ہے لیکن صاحب خزینۃ القرآن نے تو اس پر بڑی مستند بحث لکھی ہے۔ لیکن فقیر تمام کو رقم کرنے سے قاصر ہے جی تو چاہتا ہے کہ بحث کروں لیکن وسعت نہیں۔ مذکورہ بالا دلائل امام رازی کے تھے اب فقیر اس طرف رجوع کرتا ہے۔

اس پر پہلے سوال عقلیہ پھر نقلیہ سورۃ الفاتحہ نماز کے اندر اسے امام بھی دہراتا ہے اور یوں سمجھ لیجئے کہ جب کوئی وفد بادشاہ کے دربار میں حاضر ہو وہ تمام وفد اپنی بات کی نمائندگی کے لئے کسی ایک کو نامزد کر دیتے ہیں حالانکہ موقف سب کا ایک ہی ہوتا ہے۔ جب وہ مؤقف بیان کر دیتا ہے تو وہ بادشاہ کے حکم صادر ہونے کا انتظار کرتا ہے حالانکہ وہ جماعت اللہ کی بارگاہ میں وفد کی شکل میں حاضر ہوتی ہے وہ سب ہی امام کو اشرف سمجھتے ہیں اور سب کا مؤقف نماز کے اندر اپنے گناہوں کی معافی طلب کرنا ہوتی ہے یا اللہ تعالیٰ کی تعریف کے لئے جملہ۔

سوال: کیا پھر سبحانک اللہ مقتدی اور امام دونوں پڑھتے ہیں تو پھر امام کو ہی اشرف سمجھا گیا تو پھر امام ہی سبحانک اللہ پڑھے۔ مقتدی کے پڑھنے کی کیا ضرورت ہے؟

جواب: جب کوئی وفد بادشاہ کے حضور حاضر ہوتے ہیں تو اس کی تعریف سب ہی کرتے ہیں کیونکہ ایک کے تعریف کرنے سے سب کا مؤقف نہ ہوگا حالانکہ ہر شخص بادشاہ کی الگ الگ تعریف کرتا ہے اور درخواست میں وہ ایک ہی نمائندہ مقرر کر دیتے ہیں جب وہ وفد اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوتا ہے تو وہ یہ سبحانک اللہ اس کی پاکیزگی اور حمد ہے پھر ایاک نعبد و ایاک نستعین سے انسانی معروضات ہیں تو اس میں پھر امام کو ہی اشرف نمائندہ سمجھا جاتا ہے۔

مثال دوسری: جیسے کوئی جج کے دربار میں کوئی اپنا مقدمہ پیش کرتا ہے تو وہ کوئی وکیل اپنی طرف سے مقرر کرتا ہے حالانکہ وہ مؤکل اپنے مقدمہ کو وکیل سے بہتر جانتا ہے پھر بھی وکیل مقرر کرتا ہے تاکہ اس کی طرف سے وہ اس کا مؤقف بیان کر سکے تو بفاتحۃ نماز میں۔ امام بھی مقتدیوں کی طرف سے بارگاہ ایزدی میں وکیل ہوتا ہے حالانکہ بہت بھاری مقدمہ ہے۔ اس کی دلیل نقلیہ: حدیث شریف میں آیا ہے لا صلوٰۃ اِلّا بفتحِ الکتاب نماز سورۃ الفاتحہ کے بغیر نہیں ہوتی۔ صاحب فتح الباری شرح بخاری میں فرماتے ہیں کہ سورۃ الفاتحہ نماز کے اندر دہرانا ضروری ہے اس سے امام کے پیچھے مقتدی کے پڑھنے کا کوئی اطلاق نہیں اسی پر امام اعظم کا مؤقف ہے اور

Marfat.com

امام شافعی اتفاق نہیں کرتے اور امام محمد کا اتفاق ہے کہ جو شخص سورۃ الفاتحہ امام کے پیچھے پڑھے اس کا منہ آگ سے بھرو اور امام احمد بن حنبل اس کے قائل نہیں اور امام ابو یوسفؒ امام کے پیچھے سورۃ الفاتحہ پڑھنے کے قائل تھے۔ صاحب خزینۃ القرآن اپنی تفسیر میں سورۃ الفاتحہ کے مسائل کو بیان کرتے ہوئے باب نمبر ۹ جلد ۲ صفحہ ۲۵۸ پر رقمطراز ہیں فرماتے ہیں کہ یہ احادیث مسودہ جو عمر بن عبدالعزیزؒ ثانی کے زمانے میں تدوین ہوا اس میں سے ہیں حضرت امام مالک اور محدث طاؤس بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن زبیر فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول (ﷺ) سورۃ الفاتحہ امام کے پیچھے مقتدی کو پڑھنی چاہئے کیونکہ وہ بزرگی کے لحاظ سے اشرف ہے آپ نے فرمایا ہاں پڑھا کرو۔

حدیث دوسری: حضرت امام مالکؒ حضرت انس سے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن زبیر سے سنا کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں معاذ بن جبل کے ساتھ طائف جا رہا تھا راستے میں عصر کی جماعت ہوئی اس کے بعد اس آدمی نے حضرت معاذ بن جبل سے عرض کیا کہ حضرت آپ بڑے فقیہہ ہیں۔ میں نے سنا ہے سورۃ الفاتحہ امام کے پیچھے پڑھنی چاہئے یا نہیں۔ آپ نے فرمایا ہاں پڑھا کرو مجھے رسول اللہ ﷺ پڑھنے کا حکم فرماتے تھے۔ موصوف صاحب خزینۃ القرآن اس حدیث کو ضعیف فرماتے ہیں۔

حدیث تیسری: یہ حدیث بھی مذکورہ بالا مسودہ سے ہے طاؤس کہتا ہے کہ میں نے امام عزائی سے انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر سے حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ میں سورۃ الفاتحہ امام کے پیچھے پڑھتا تھا دل میں خیال آیا کہ سرکار دو عالم (ﷺ) سے پوچھ لوں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا امام کے پیچھے سورۃ الفاتحہ مقتدی پڑھے۔ آپ (ﷺ) نے فرمایا ضرور پڑھے۔

حدیث چوتھی: یہ حدیث صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ مجموعۃ الاحادیث سے ہے جو حضرت علی نے حضور (ﷺ) کے زمانے میں تحریر کی تھی۔ حضرت علی تحریر فرماتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن زبیرؓ سے یہ سنا کہ وہ امام کے پیچھے سورۃ الفاتحہ پڑھتے ہیں تو میں نے خود سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ امام کے پیچھے مقتدی کو سورۃ الفاتحہ پڑھنی چاہئے کیونکہ عبداللہ بن زبیر پڑھتے ہیں۔ آپ (ﷺ) نے فرمایا کہ امام کے پیچھے جو سورۃ الفاتحہ پڑھے اس کا منہ آگ سے بھر دو۔

حدیث پانچویں: سیدنا علیؓ اپنی کتاب مجموعۃ الاحادیث میں درج کرتے ہیں۔ حضرت علی فرماتے ہیں کہ بہت بڑا مجمع تھا۔ رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان موجود تھے تو سیدنا ابو بکر صدیق کھڑے ہوئے اور حضور کے قریب پہنچے اپنا ہاتھ حضور ﷺ کے زانوں مبارک پر رکھا کچھ کہا اے علی تم صدیق سے پوچھو یہ کیا کہتے ہیں حالانکہ یہ آواز اپنی آواز سے اونچا کرنا نہیں چاہتے فرماتے ہیں میں نے پوچھا حضرت صدیق نے فرمایا سورۃ الفاتحہ امام کے پیچھے مقتدی کے پڑھنے کے بارے میں پوچھو جب میں نے پوچھا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کیا سورۃ الفاتحہ امام بلند آواز سے نہیں پڑھتا تو سب نے کہا ہاں بلند آواز سے۔ تو پھر حضور ﷺ نے فرمایا تم پر قرآن سننا فرض ہے جو بھی امام کی قرأت ہوگی وہی قرأت مقتدی کی ہوگی۔

حدیث چھٹی: یہ بھی حضرت علی کے مجموعۃ الاحادیث میں درج ہے۔ حضرت علی فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان کے زمانے میں اسی مسئلہ پر اختلاف ہوا۔ حضرت عثمان کہتے تھے کہ امام کے پیچھے مقتدی سورۃ الفاتحہ ضرور پڑھے جب میں اس جماعت میں شامل ہوا لوگوں نے مجھ سے پوچھا تو میں نے مذکورہ بالا حدیث ذکر کی۔ تو حضرت عثمان نے فرمایا کہ علی سچ کہتا ہے امام کے پیچھے بھی اگر مقتدی سورۃ الفاتحہ پڑھے تو پھر امام کی کیا ضرورت ہے۔

حدیث ساتویں: حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ صدیقہ کے حجرے میں موجود تھا کہ حضرت علی اور سرکار ﷺ موجود تھے تو حضرت عائشہ یہ آیت تلاوت کر رہی تھیں واذا قرء القران حضور نے فرمایا کہ مجھ پر کتنا بہترین کلام اترا جو کسی پر نہیں اترا اور نماز میں بھی اس کو پڑھنے کا حکم ہے اس میں سورۃ الفاتحہ کتنی برکت والی ہے جو ہر رکعت میں دہرائی جاتی ہے۔ حضرت عائشہ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ امام کے پیچھے بھی مقتدی اسے دہرائے آپ (ﷺ) نے فرمایا نہیں یہ آیت پڑھی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فاقرؤا ما تیسر منہ اس میں یہ حکم ہے کہ نماز میں تمہیں چاہئے کہ جو آسان آیت ہو وہی پڑھو۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ اقراء حکم امر ہے اور امر سے اظہار وجوب لازم آتا ہے تو پھر سورۃ فاتحہ امام کے پیچھے پڑھنی چاہئے۔ فرماتے ہیں کہ جواب یہ ہے کہ: اقراء امر اس کا اظہار وجوب لازم ضرور آتا ہے لیکن مذکورہ بالا اوپر والی آیت واذا قرء القران میں فاستمعوا ہے تو استمعوا امر ہے اس کے بعد انصتوا ہے یہ بھی امر ہے تو یہاں دونوں امر

Marfat.com

اکٹھے ہیں تو ان کا اظہار فرض ہوگا یادر ہے کہ عقل بھی اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ جہاں قطعیہ دو امر آ جائیں تو پھر اظہار فرض لازم آتا ہے قرآن کا سننا فرض لازم آیا جب فرض کو پورا کیا تو وہ رحمت کا مستحق ہوا۔ سیدہ عائشہ کی اسناد سے صاحب خزینۃ القرآن حدیث درج کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے کہ مذکورہ بالا آیت میں دو احکام ہیں ایک قرآن کو سننے کا دوسرا خاموش رہنے کا یہ حکم ہم پر مقرر ہیں تو یادر ہے کہ اس فرمان نبی (ﷺ) سے بھی قرآن کی سماعت اور خاموش رہنے کی فرضیت ثابت ہوگئی اس لئے قرآن کا سننا فرض اور خاموش رہنا بھی فرض جس طرح اس کا سننا اور خاموش رہنا فرض ہے اس طرح پیغمبر الٰہی پر اس کے احکامات فرض ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان الذی فرض علیک القرآن تو نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن کا سننا فرض اور خاموش رہنا فرض خود قرآن اللہ کی طرف سے فرض تو وہ اقراء جو ہے وہ فاستمعوا له و انصتوا کے ماتحت ہے امام جعفر صادق حضرت عمر کی اسناد سے حدیث درج کرتے ہیں۔ حضرت عمر نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ قرآن میں فاقرؤا آیا ہے تو نماز میں پڑھتا رہوں فرمایا اگر تم جماعت میں ہو تو فاستمعوا له و انصتوا پر عمل کرو تا کہ تم ہماری رحم کے مستحق ہو سکو نیز موصوف خزینۃ القرآن میں فرماتے ہیں کہ فاقرؤا کے مذکورہ بالا جو دلائل دیئے وہ بالکل کمزور ہیں مذکورہ بالا حدیث نے ان کے اعتراض کو ختم کر دیا موصوف اس پر آگے کافی بحث کر رہے ہیں لیکن ہمارا مدعا ثابت ہوگیا امام رازی جو اس پر عقلی دلائل دیتے ہیں اور نقلی دلائل دیتے ہیں صاحب خزینۃ القرآن کی بحث سے اُن کا سارا اثر غائب ہوگیا۔

مذکورہ بالا پہلی آیت جو حضرت عائشہ صدیقہ پڑھ رہی تھیں وہی تلاوت فرمائی، فرمایا کہ قرآن سننا فرض ہے اسے خاموش ہو کر سنو تا کہ تم پر رحم ہو پھر فرمایا کہ سورۃ الفاتحہ خاموش ہو کر سنو تا کہ تم اس کی برکات اور فیوض سے نفع اٹھاؤ۔

حدیث نویں: صاحب خزینۃ القرآن درج فرماتے ہیں یہ بھی مجموعۃ الاحادیث میں ہے۔ حضرت علی فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ سے عورتیں نماز کے متعلق پوچھتی تھیں کہ ہم کیسے پڑھیں وہ انہیں ترکیب فرماتی تھیں، فرماتی تھیں کہ جب تم جماعت کے ساتھ نماز پڑھو تو سورۃ الفاتحہ خاموش ہو کر سنا کرو کیونکہ رسول اللہ ﷺ امام کے پیچھے سورۃ الفاتحہ نہ پڑھنے کا حکم فرماتے تھے نیز بی بی صاحب نے فرمایا کہ جس نے سورۃ الفاتحہ امام کے پیچھے پڑھی اس نے اپنا منہ آگ سے بھرا اور امام کی مخالفت کی اور امام کی پیروی کو توڑ دیا۔ صاحب خزینۃ القرآن اس ضمن میں کافی احادیث درج کرتے ہیں۔ آخر پر فرماتے ہیں کہ میرے امام اعظم کا زیادہ حق ہے کہ اس مسلک کو ام المومنین حضرت عائشہ کی تائید حاصل ہے فرماتے ہیں کہ سیدہ عائشہ تمام صحابہ میں سے بڑی محدثہ تھیں اور سرکار ﷺ کے بعد تمام صحابہ حضرت عائشہ سے ہی فتویٰ پوچھتے تھے اس مسئلہ کے متعلق صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ میرے دادا جان حضرت جعفر صادق سے دو آدمیوں نے مسئلہ دریافت کیا کہ امام کے پیچھے سورۃ الفاتحہ مقتدی پڑھے، آپ نے فرمایا خوب یاد رکھو کہ جس نے امام کے پیچھے سورۃ الفاتحہ پڑھی اس نے امام کی پیروی توڑ دی اور اپنا منہ آگ سے بھرا اور امام اعظم کو آپ کے استاد حضرت امام جعفر صادق کی بھی تائید حاصل ہوگئی اور حدیث مستند ہوئی اور یہ مسئلہ اب قارئین پر اچھی طرح واضح ہوگیا ہوگا۔ اس مسئلہ میں احناف اسی پر کاربند ہیں۔

نوٹ:

ایک حدیث ہم پر حضرت عبادہ بن صامت کی روایت سے پیش کرتے ہیں جو سنن ابو داؤد میں ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ نماز میں تم ہمارے پیچھے کچھ نہ پڑھا کرو سوائے ام القرآن کے تو اس سے سورۃ الفاتحہ امام کے پیچھے لازم ہوگئی۔

دوسری حدیث پیش کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے صبح کی نماز پڑھائی تو فرمایا تم میرے پیچھے کیا پڑھ رہے تھے کہ مجھ پر وزن آگیا کہ قرآن جھگڑا کر رہا تھا بعض نے کہا کہ ہم پیچھے سورۃ الفاتحہ پڑھ رہے تھے اور بعض نہیں پڑھ رہے تھے۔ صاحب خزینۃ القرآن نے ان دونوں حدیثوں کو امام زہری کے شاگرد کے شاگرد سے سنا اور فرماتے ہیں کہ وہ شاگرد کہتا ہے کہ یہ بات مجھے یاد نہیں رہ سکی کہ وہ انہوں نے صبح کی نماز کہی ہے یا عشاء کی کہی ہے۔ میں نے ان سے کہا اس روایت میں مجھے کافی شک ہے کہ ہو سکتا ہے کہ یہ ساری ضعیف ہو اور فرماتے ہیں کہ امام زہری کے تین شاگرد اسی کے قائل تھے لیکن میں نے عبداللہ بن عثمان سے کلام کی جو بڑا محدث تھا میں نے اس سے کہا کہ تو نے امام زہری کے شاگرد شہابی سے کافی ملاقاتیں کی ہیں اور ان سے احادیث سنی ہیں اس نے کہا تو میں نے مذکورہ بالا حدیثیں ان سے پوچھیں تو انہوں نے کہا کہ مجھے عبدالرحمٰن بن یحییٰ نے یہی بات کہی تھی اس کے مطابق میں نے ان تینوں سے پوچھا انہوں نے کہا واللہ ہم نے نہ یہ روایت امام زہری سے سنی ہے نہ ہم نے بیان کی۔ بلکہ امام زہری کو ہم نے یہ حدیث بیان کرتے سنا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب مکبر تکبیر کہے تو تم تکبیر کہو جب وہ پڑھے تم خاموش رہو جب وہ غیر

Marfat.com

المغضوب علیھم ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو۔امام زہری اس حدیث کی سند حضرت عبداللہ بن عمر سے بیان کرتے ہیں اور امام زہری اس کی سند امام محمد باقر بن علی زین العابدین سے بیان کرتے ہیں وہ اپنے والد ماجد حضرت امام حسین سے۔حضرت امام حسین سیدہ عائشہ سے۔سیدہ عائشہ بھی یہی فرماتی ہیں کہ جب تکبیر کہی جائے تو تم تکبیر کہو اور جب امام پڑھے تو تم خاموش ہو جاؤ جب امام غیر المغضوب علیھم ولا الضآلین کہے تو تم آمین کہو۔یاد رہے اسی حدیث کو امام مسلم شریف نے بھی بیان کیا ہے اور اس پر جرح کی ہے۔اور حدیث کو مستند کہا ہے۔اب آیئے حضرات سنن ابوداؤد کی حدیث پر امام ابوداؤد نے جس سے یہ روایت کی ہے۔ان میں امام زہری کے تین شاگردوں کا حوالہ ہے وہ سند کمزور ہے کیونکہ موسیٰ المبرقع نے اس بات کی تحقیق ہے امام داؤد بعد میں اور صاحب خزینۃ القرآن پہلے کی شخصیت ہیں موصوف صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ میری امام زہری کے ایک شاگرد سے ملاقات ہوئی جو بوڑھا تھا میں نے ان سے ان روایتوں کا ذکر کیا تو جواباً اس نے کہا واللہ یہ امام زہری پر بہتان ہے فرماتے ہیں واللہ میں نے انہی حدیث کی تحقیق میں تین سال صرف کئے اور مجھے ایران سے بغداد میں جانا پڑا بعد یہ بزرگ یمن میں تھے جن کا نام احمد محدث یمنی ہے۔امام زہری فرماتے ہیں ابوموسیٰ اشعری کی روایت سے کہ حضرت مولا علی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز کی قرأت کی ابتداء الحمدللہ سے فرماتے تھے اور مقتدیوں کو خاموش رہنے کا حکم فرماتے تھے حضرت مولا علی فرماتے ہیں کہ میں نے صبح کی نماز حضور ﷺ کے پیچھے پڑھی تو حضور نے اس وقت سورۃ الرحمٰن تلاوت فرمائی۔تو حضرت عبادہ بن سامت آہستہ آہستہ سورۃ الفاتحہ پڑھ رہے تھے تو جب نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں نے عبادہ بن سامت کو سورۃ الفاتحہ پڑھتے سنا ہے۔آپ (ﷺ) نے فرمایا امام کے پیچھے سورۃ الفاتحہ نہ پڑھا کرو جو میں پڑھوں اسے سنا کرو تو اس حدیث سے ثابت ہو گیا کہ امام کے پیچھے سورۃ الفاتحہ پڑھنا منع ہے اور اس کی سند بھی امام زہری سے ہوگئی۔بلکہ امام مسلم سلیمان تیمی سے بیان کرتے ہیں کہ سلیمان تیمی کا بہت بڑا حافظہ تھا جس کو تمام محدثین اعتراف کرتے ہیں اور امام مسلم فرماتے ہیں سلیمان جیسا حافظہ کسی کا نہیں ہوا۔سلیمان تیمی امام زہری کی سند سے ایک حدیث بیان کرتے ہیں اس حدیث کو صاحب خزینۃ القرآن بھی درج کرتے ہیں۔سلیمان امام زہری سے اور امام زہری محمد باقر سے، محمد باقر حضرت عبداللہ بن عمر سے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ امام کے پیچھے کیا پڑھیں۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تکبیر کہنے کے بعد خاموش ہو جاؤ جو میں پڑھوں اسے سنو اور اس کی اقتداء کرو اور فرماتے ہیں، حضور ﷺ نے قرأت کی افتتاح الحمدللہ سے کی اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد فرمایا کہ مسئلہ سمجھ میں آگیا ہے کہ میری قرأت الحمدللہ سے شروع ہوا کرتی ہے جب میں پڑھوں تو سورۃ الفاتحہ کو سنا کرو۔تو لہٰذا یہ سند بھی امام زہری سے ہوئی اور امام تیمی کی سند بھی ہوگئی۔صاحب خزینۃ القرآن ایک اور حدیث درج کرتے ہیں۔حضرت عبداللہ بن مسعود کی سند سے فرماتے ہیں کہ جب انسان امام کے پیچھے ہو تو صرف دل سے ذہن کرے اور زبان سے کچھ نہ کہے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ دل سے ذہن رکھے اور زبان سے کچھ نہ کہے۔موصوف فرماتے ہیں یہ روایت قابل وقعت نہیں کیونکہ اس کی سند بالکل کمزور ہے جب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جیسے میں سورۃ الفاتحہ پڑھوں اسے سنو اور سننا دل اور ذہن سے تو لہٰذا یہ صورت قابل نہیں۔ایک اور قول ابوہریرہ کا موصول ہوا ہے انہوں نے کسی کو کہا کہ ہم نے وہ تمہیں سنایا جو حضور اکرم ﷺ سے سنا جو رسول اللہ ﷺ نے مخفی رکھا ہے وہ ہم نے بھی مخفی رکھا۔حضور قرأت میں سورۃ الفاتحہ پڑھتے تھے لیکن اسے چھوڑنے کو نہ کہتے تھے فرماتے ہیں کہ یہ قول مجھے ابن مغفل کی سند سے ملا ہے لیکن فرماتے ہیں کہ اس میں صداقت نہیں امام زہری کے دو (۲) شاگردوں نے اسے رد کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ امام زہری کے سامنے جب یہ قول جب پیش ہوتا تھا تو فرماتے تھے کہ میں نے ابوہریرہ کو یہ فرماتے سنا ہی نہیں۔صرف اس قول کی تائید میں ایک شاگرد ہے جبکہ گیارہ اس کے برعکس ہیں۔یاد رہے کہ جہاں گیارہ ہوں گے وہاں ایک کی بات نہ چلے گی تو لہٰذا سنن میں ابوداؤد جو احادیث ہیں ان پر شرح اسماء الرجال مصری جلد نمبر۲ صفحہ نمبر۳۸۳ میں سلیمان تیمی کا قول اور موسیٰ المبرقع کی جرح ہے جن میں ثابت کیا گیا ہے کہ امام زہری کے تین شاگردوں نے اوپر والی حدیث بیان نہیں کی لیکن ابوداؤد کی سند میں بہت اختلاف ہے۔امام ابن جوزی نے بھی اسے خارج کیا ہے۔دعویٰ میں فریق دوسرے کو چاہئے کہ ہمیں مرفوعاً حدیث بیان کریں اور سنن ابوداؤد والی روایت قابل قبول نہیں اور بخاری والی روایت میں صرف فاتحہ پڑھنے کا حکم ہے لیکن ان میں امام کا کہیں ذکر نہیں۔منکرین ہمیں خلف الامام کا رسالہ دکھاتے ہیں اور وہ رسالہ امام بخاری کی جانب منسوب کیا گیا ہے اس کی کوئی سند نہیں اس بات کو شرح الرجال مصری میں دیکھئے (ص ۴۵۲ جلد۲) دیکھئے! ان پر پانچ سو محدثین نے بحث کی ہے جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ یہ رسالہ امام بخاری کا نہیں۔

Marfat.com

باب پانچواں

(سورۃ الفاتحہ کی تفسیر میں۔اس میں چند مسائل وفضائل ہیں)

صاحب خزینۃ القرآن نے تو بہت بحث رقم کی ہے لیکن فقیر اس بارے میں خزینۃ القرآن سے چیدہ چیدہ عرض کرے گا:

(فصل اوّل)

الحمدللہ کی تفسیر میں اور اس کی تفسیر کئی طرح ہو سکتی ہے: اوّل بظاہر حمد و ثناء اور شکر ان تینوں الفاظ میں کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا لیکن ان میں کئی وجوہ سے فرق ہے:

وجہ پہلی: مدح کا لفظ عام ہے۔ جاندار وغیر جاندار پر اس کا اطلاق ہو سکتا ہے جیسا کہ گوہر یکتا اور عمدہ یاقوت کو دیکھ کر اس کی مدح کی جاتی ہے مگر حمد نہیں ہوا کرتی۔ پس معلوم ہوا کہ حمد کی نسبت مدح عام ہے۔

وجہ دوسری: مدح قبل از احسان اور بعد از احسان دونوں وقت میں ہو سکتی ہے لیکن حمد صرف بعد از احسان ہوا کرتی ہے۔

تیسری وجہ: بہت سی مدحوں سے روکا گیا ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا احثوا التراب فی وجوہ المداحین لیکن حمد کی مطلقاً ہر حالت میں اجازت ہے۔ حضرت محمد ﷺ نے فرمایا من لم یحمد الناس لم یحمد اللہ۔

وجہ چوتھی: مدح سے ممدوح کا بلا تحقیق کسی ایک وصف سے موصوف ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ بخلاف اس کے حمد سے محمود کے خاص وصف انعام واحسان کا پتہ ملتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ حمد کی بہ نسبت مدح عام ہے اور مدح اور شکر میں یہ فرق ہے کہ مدح عام ہے اور شکر خاص کیونکہ مادح کو انعام ملنا ضروری نہیں بلکہ غیر کی طرف سے بھی ہو سکتی ہے بخلاف اس کے شکر غیر کی طرف سے نہیں ہو سکتا بلکہ جب ہی ہوگا اگر خود شاکر پر انعام یا احسان ہو مذکورہ بالا تقریر سے معلوم ہو چکا ہے کہ مدح کا اطلاق جاندار اور غیر جاندار دونوں پر ہو سکتا ہے اور مدح فعل مختار اور غیر مختار دونوں کی ہو سکتی ہے اب فقیر یہ کہتا ہے اگر بجائے الحمدللہ المدح اللہ کہا جاتا تو اس سے اللہ تعالیٰ کا فاعل مختار ہونا مفہوم نہ ہوتا لیکن بخلاف اس کے الحمدللہ کہنے سے ہمیں اس ذات کا فاعل مختار ہونا مفہوم ہوا اور اس سے یہ بھی پتہ مل گیا کہ الحمدللہ کہنے والا فلسفیوں کی طرح اللہ تعالیٰ عزوجل کو صرف واجب نہیں مانتا بلکہ اسے اس ذات کے فاعل مختار ہونے کا اقرار ہے انکار نہیں۔ نیز الحمدللہ شکر اللہ سے زیادہ موزوں ہے کیونکہ شکر تب ہی ہوتا ہے اگر شاکر کو انعام ملے ورنہ نہیں۔ صاحب خزینۃ القرآن حدیث درج کرتے ہیں۔ حضرت مولا علی کے مجموعہ الاحادیث میں ہے۔ حضرت مولا علی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تعریف کے لئے اور شکر کرنے کے لئے الحمدللہ کو پسند فرمایا جب وہ الحمدللہ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ہزار سال کے گناہ معاف کر دیتا ہے فرمایا یہ کلمہ شکر اللہ سے افضل ہے اللہ تعالیٰ نے اسے پسند فرمایا اور یہ اللہ تعالیٰ کا حمد یہ وصف ہے۔ بخلاف اس کے مدح میں ایسا نہیں حمد خواہ غیر پر انعام ہو یا خود پر دونوں حالتوں میں ہو سکتی ہے پس معلوم ہوا شکر سے افضل ہے کیونکہ الحمدللہ سے یہ اقرار ہوتا ہے کہ یا اللہ تعالیٰ تیرے انعام کا دروازہ میرے لئے کھلا ہو تو مجھے کچھ دے یا نہ دے مگر تیرے انعامات اور عطیات کل دنیا کو پہنچ رہے ہیں اور مجھے اس کا اقرار ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن یوں فرماتے ہیں کہ حامد جب الحمدللہ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے بے بہا سمندر انعامات سے حاصل کر لیتا ہے اور اپنے آپ کو کلمہ تعریف میں عاجز سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام تیری ہی تعریف ہے۔ تیرے انعامات وسیع ہیں۔ مجھ پر عطا ہو یا نہ ہو تو بے نیاز ہے اور میرے حمد کہنے سے تیرے حمد کا کیسے حق ادا ہو سکتا ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب انسان الحمدللہ کہے اپنے آپ کو پھر بھی عاجز و ناتواں سمجھے آپ جب الحمدللہ پڑھا کرتے تھے فرماتے تھے میرے منہ میں ایسی زبان کہاں جو تیری حمد کے لائق ہو سکے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ حمد رفع بلیات ہوتی ہے انعامات اور نعمتوں کے ملنے پر شکر ہوتا ہے اگر کوئی یہ کہے کہ قلیل کو کثیر پر ترجیح دینے کی کیا وجہ ہے حالانکہ دفعہ بلیات کی نسبت عطاء کی قدر و قیمت سے

Marfat.com

زیادہ ہے بایں جہت شکر اللہ زیادہ موزوں تھا فقیر کہتا ہے کہ اس کے چند وجوہ ہیں:

وجہ اوّل: جب کہ سائل ہر دو نعمتوں میں سے چھوٹی نعمت حاصل ہونے پر شکر گزار ہے تو بھلا زیادتی پر کیسے شاکر نہ ہوگا۔ حدیث شریف میں آیا ہے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ انسان ہر چھوٹی و بڑی نعمت پر شکر اللہ کرے۔

وجہ دوسری: نہ دینا امر غیر متناہی ہے اور دینا امر متناہی ہے۔

وجہ تیسری: حصول نفع کی نسبت تکالیف اور مصائب کا دور ہونا امر عظیم ہے اس کو مقدم کرنا زیادہ عمدہ ہے۔

فائدہ:

اللہ تعالیٰ عزوجل نے الحمد للہ فرمایا ہے لیکن احمد اللہ نہیں فرمایا اور اس لئے کہ عبارت افضل اور اولیٰ ہے کیونکہ پہلا اگر احمد للہ کہا جاتا تو اس کے یہ معنی ہوتے کہ قائل حمد پر قادر ہے اور بس لیکن الحمد للہ کہنے سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ وہ ذات ازل ہی سے محمود اور مشکور ہے حمد کرنے والوں اور شکر کرنے والوں کے شکر کی اسے ضرورت نہیں آدمیوں کا اس کے لئے حمد کرنا نہ کرنا شکر کرنا نہ کرنا دونوں برابر ہیں اور وہ ذات اپنے کلام ازلی قدیم اور حمد ازلی قدیم کے باعث ازل سے لے کر ابد تک محمود ہے یہ معنی صاحب تفسیر کبیر اور صاحب خزینۃ القرآن کا متفقہ ہیں دونوں سورۃ الفاتحہ کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں سورۃ الفاتحہ جلد اول تفسیر کبیر، خزینۃ القرآن جلد دوم سورۃ الفاتحہ، وہ ذات بلاشبہ بباعث جود وسخا اور انعامات بے انتہاء حمد وثناء کی مالک اور مستحق ہے اس کے سواء کسی کو حمد حاصل نہیں احمد سے اگر کچھ مفہوم ہوتا تو صرف اسی قدر کہ فرد واحد اس کی حمد کر رہا ہے اور جس لفظ سے اظہار استحقاق اور ملکیت ظاہر ہو اس کی اولویت سے کس کو خبر نہیں۔

احمد اللہ سے عزوجل کی شان کے مطابق نہیں ہو سکتی لیکن الحمد للہ میں متکلم کا عجز اور حمد کرنے والوں کی حمد سے اللہ تعالیٰ کا مستغنی ہونا قرار پایا جاتا ہے اس کو اس طرح سمجھئے کہ اگر کسی سے پوچھا جائے کیا فلاں شخص سے تجھے نعمت ملی تو اس کے جواب میں اگر جواب ہاں کہے تو اس جواب سے مدح تو پائی جائے گی مگر کمزور بخلاف اس کے اگر یہ کہتا کہ اس کی نعمتوں سے تو تمام مخلوق مالا مال ہے تو یہ کامل درجہ کی مدح اور تمام تعریفوں سے بڑھ کر تعریف ہوگی۔

دراصل حمد کا تعلق قلب سے ہوتا ہے اور یہ صفات قلبیہ سے ہے اس سے محمود کے بجہت انعام کثیرہ مستحق حمد اور اس کے مالک ہونے پر دلی اعتقاد کا اظہار ہوتا ہے تو تعظیمی معانی اور جلالی مطالب سے بالکل غافل ہونے کی صورت پر صرف زبان سے الحمد للہ کہنا قائل کو کاذب ٹھہراتا ہے کیونکہ متکلم نے اپنے دل سے حامد ہونے کی خبر دی ہے حالانکہ ایسا نہیں بلکہ اس کا دل تو بالکل غافل ہے لیکن الحمد للہ کے کہنے سے کسی صورت پر بھی کذب لازم نہیں آتا خواہ فاعل کا دل غافل ہو یا ما التعظیمیہ اس کے ذہن میں موجود ہوں دونوں صورتوں پر صادق ہوگا کیونکہ فاعل اپنے دلی واقعہ کی اطلاع نہیں دیتا بلکہ امر واقع سے یعنی کہ اللہ تعالیٰ مستحق حمد وثناء ہے خبر دے رہا ہے اور واقعی ہے بھی ایسا پس الحمد للہ کا اولیٰ و افضل ہونا ظاہر ہو گیا اس کی نظیر بعینہ لا الہ الا اللہ کی سی ہے کیونکہ اس کلمہ سے تکذیب لازم نہیں آتی بخلاف اس کے اگر دل غفلت کی حالت میں اشھد ان لا الہ ہے تو غافل کا یہ کہنا کہ میں شہادت دیتا ہوں۔ امر واقعہ کے خلاف ہوگا یہی تو وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عزوجل نے منافقین کی شہادت کو جھوٹ قرار دیا اور فرمایا واللہ یشھد ان المنافقین یہی تو وجہ ہے کہ اذان کی ابتداء میں اشھد کہنے کا حکم ہوا اور اختتام میں صرف لا الہ الا اللہ پر کفایت رکھی گئی۔

فائدہ ۳:

الحمد للہ کا الف کئی قسم کا ہو سکتا ہے۔ اول: لام تعریف جیسے الجل للفرس، دوم: لام تملیکی جس سے ملکیت کا اظہار ہو جیسے الدار لزاید، تیسرے: غلبہ اور قوت ظاہر کرنے والا جیسے البلد للسلطان تو احمد کا الف لام مذکورہ بالا تینوں قسموں میں سے ایک ہو سکتا ہے:

قسم پہلی: یعنی لام سے تخصیص تو ظاہر ہے کہ حمد وثناء ماسواء اس ذات کے دوسرے کو زیبا نہیں اس کے انعامات احسانات بے انداز اور بے حساب ہیں وہ بڑے جلال کا مالک ہے اور لام تملیکی بھی ہو سکتا ہے کیونکہ کل موجودات ارضی سماوی کا مالک وہی ہے اور سب پر قابض ہے تو حمد وثناء کے مالک ہونے میں کیا شک رہا ہے بے شک وہ اس قابل ہے کہ لوگ اس کی حمد وثناء کریں رہی تیسری استیلاء تو سب ہی جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ واجب الذات ہے اور اس کے ماسواء سب ممکن الذات ہیں۔ یہی معنی تفسیر کبیر وخزینۃ القرآن میں ہیں تو ظاہر ہے واجب الذات ممکن الذات پر غالب ہوا کرتا ہے غرض یہ کہ الحمد للہ کے یہ معنی ہوئے کہ سزاوار حمد وہی ذات ہے اور وہی اس

Marfat.com

کا مالک ہے اور وہ اللہ عزوجل کل ممکنات و موجودات پر غالب اور سب سے بلند ہے۔

فائدہ ۴:

الحمد للہ کے آٹھ (۸) حروف ہیں اور جنت کے دروازے بھی آٹھ ہی ہیں تو جو شخص خلوصِ قلب اور صاف دل سے اس کو پڑھے گا بلا شک جنت کے آٹھوں دروازوں کا مستحق ہوگا۔

فائدہ ۵:

الحمد لفظ مفرد ہے جس پر ال داخل کیا گیا تو اس کے متعلق دو (۲) آراء ہیں۔ رائے پہلی: اگر پہلے معہود فی الذہن ہو تو الف لام عہد ہوگا اور نہ لام استغراق اور یہ اس لئے کہ کلامِ اجمال سے محفوظ رہے۔ رائے دوسری: یہ لام عمومیت کو ظاہر نہیں کرتا بلکہ اس سے محض ماہیت اور حقیقت خاصہ کا فائدہ ملتا ہے اب یہ دیکھنا ہے کہ ان دونوں آراء کے مطابق الحمد للہ کے کیا معنی ہوئے۔ پہلی رائے کے مطابق تو اس کے یہ معنی ہوا کہ کل محامد اور تعریفوں کا مالک مستحق اور حق دار اللہ تعالیٰ ہے۔ اس معنی کی وجہ سے یہ کہنا ضروری ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے ماعداء کو محامد اور تعریفات مطلقاً کا استحقاق نہیں۔ دوسری رائے کے مطابق یہ معنی ہوئے کہ ماہیت حمد اور حقیقت ثناء کا مالک اور حقدار ذات واحدانی ہی ہے اور ماہیت ہذاء کے افراد میں سے ایک فرد بھی غیر اللہ کو حاصل نہیں ہوسکتا غرض یہ کہ دونوں معنوں پر معلوم ہوگیا کہ حمد کا اطلاق اللہ تعالیٰ کے ماسوا کسی دوسرے پر نہیں ہوسکتا اگر کوئی کہے کہ مستفیض کے لئے اپنے منعم و محسن کی تحمید ضروری ہوتی ہے۔ بادشاہ رعایا کی حمد کا مستحق ہے اور استاد شاگرد کی حمد کا مصداق ہے نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا **من لم یحمد الناس لم یحمد اللہ** پس آپ کا حمد کو صرف ذات الٰہی ہی میں محدود رکھنا، واقعات کی تائید سے خالی ہے اور فقیر کہتا ہے یہ ٹھیک ہے۔ مگر سوال تو یہ ہے کہ محسن اور منعم کے دل میں انعام و احسان کرنے کی خواہش کس نے پیدا کی ہے انعام و احسان کی توفیق دینے والا کون ہے ظاہر ہے کہ منعم حقیقی دراصل وہی ذات ہے اور تمام انعام اس کی طرف سے پہنچتے ہیں ورنہ اگر منعم ظاہری کے دل میں اللہ تعالیٰ خواہشات اور توفیق پیدا نہ کرتا تو صدور نہ انعام ہرگز ممکن نہ تھا یا منعم ظاہری کو نہ دیتا اور اگر وہ منعم ظاہری کو نعمت نہ بخشتا یا ایسے اشخاص کو پیدا ہی نہ کرتا جو انعام لینے کے مستحق ہیں تو سب کے سب منعم کہلانے کے مستحق ہوتے اس سے معلوم ہوگیا کہ دراصل منعم حقیقی صرف اللہ ہی ہے اور منعم ظاہری کی ستائش و حمد دراصل اس کی حمد ہے اور پیش کردہ حدیث کا بھی یہی مطلب ہے۔

فائدہ ۶:

جس طرح الحمد للہ سے یہ معلوم ہوا کہ محمود صرف اللہ ہی ہے اسی طرح ذات کا مستحق حمد ہونا بھی معلوم ہوگیا ہے اور اس کا بیان چند وجوہ سے ہے:

وجہ پہلی: اگر اللہ تعالیٰ منعم کے دل میں خواہش انعام نہ ڈالتا تو اس سے صدور انعام نہ ہوتا تو معلوم ہوا کہ منعم حقیقی دراصل میلان پیدا کرنے والا یعنی اللہ تعالیٰ ہے۔

وجہ دوسری: انعامات کا سلسلہ دراصل کسی نہ کسی غرض اور عوض پر مبنی ہوتا ہے خواہ حصولِ ثواب کی غرض ہو یا بڑائی کی خواہ بخیل نہ کہلانے کی نیت ہو یا تحصیل حق مدنظر ہو۔ بہرحال منعم کے مدنظر کوئی نہ کوئی عوض ضرور ہوتا ہے تو ایسا شخص منعم کہلانے کا مستحق نہ ہوا۔ منعم وہی ہوسکتا ہے جو عوض کا خواہشمند نہ ہو۔ اور یہ صفت ذاتِ الٰہی ہی میں موجود ہے۔ اور کسی میں نہیں پائی جاتی کیونکہ وہ ذات اپنے کمال ذاتی کے باعث کمال کی آرزو سے مبراء اور پاک ہے ورنہ تحصیل حاصل لازم آتی ہے جو محال ہے تو اس کے عطیات محض بخشش و کرم اور احسان ہی پر مبنی ہیں۔ پس ثابت ہوگیا کہ استحقاق حمد و ثناء صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔

وجہ تیسری: ظاہر ہے کہ ہر نعمت موجودات ممکنہ سے ہوا کرتی ہے اور ممکن الوجود حق سبحانہٗ کی ایجاد کے بدون موجود نہیں ہوسکتا بالواسطہ ہو یا بلا واسطہ دونوں صورتوں پر اعجاز اللہ تعالیٰ ہی کا نتیجہ ہوگا کیونکہ مسبب الاسباب وہی ہے تو معلوم ہوا کہ ہر نعمت اللہ تعالیٰ ہی سے پہنچتی ہے آیت **وما بکم من نعمۃٍ فمن اللہ** سے ہمارے قول کی تائید ہوتی ہے اور انعامات ملنے پر منعم کی ثناء خوانی ہی کو حمد کہتے ہیں تو چونکہ انعامات اللہ تعالیٰ سے ملتے ہیں۔ لہٰذا معلوم ہوگیا کہ حمد و ثناء کی مستحق ذات صرف وہی ہے اور کوئی نہیں۔

وجہ چوتھی: تین امور سے نعمت کامل بنتی ہے اول منفعت ہو اور کسی چیز کا نفع حاصل کرنا ہی مدارک ہونے پر مبنی ہے اور حق مدارک کرنا صرف موجد حقیقی کا کام ہے غیر کی

Marfat.com

قدرت سے باہر ہے۔ دوسری منفعت تب ہی نعمتِ کاملہ ہوسکتی اگر غم واندوہ تکالیف وضرر سے خالی ہو اور منافع میں حرارت کا نہ رکھنا الٰہی فعل ہے تیسری منفعت تب ہی نعمتِ کاملہ کہلانے کی مستحق ہوگی اگر دائمی ہو اور اس میں اس کے منقطع ہونے کا خوف نہ ہو اور اس کام کو اللہ تعالیٰ ہی کرسکتا ہے۔

تقریر مذکورہ بالا سے معلوم ہوگیا کہ نعمتِ کاملہ اللہ تعالیٰ ہی سے مل سکتی ہے تو حمد کامل کا استحقاق اسی کو حاصل ہوا اور وہی حقدار ہے الحاصل مذکورہ بالا دلائل سے الحمدللہ کا صحیح ہونا ثابت ہوگیا۔

فائدہ ۷ :

سابقہ تقریر سے معلوم ہوگیا کہ حمد منعم کو منعم بزرگ جان کر اس کی ستائش کرنے کو کہتے ہیں اور حمد وشکر پر وہی مجبور ہوسکتا ہے جس کو نعمت کے ملنے کا شعور ہو اور جسے وصول کا علم ہی نہ ہو وہ مجبور نہیں ہوسکتا اسی بناء پر فقیر یہ کہتا ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کرنے سے عاجز ہے اور شکر بجالانا اس کی طاقت سے باہر ہے کیونکہ اول: اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اس قدر بے انداز ہیں کہ عقل انسانی اس پر حاوی نہیں ہوسکتی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وان تعدو نعمة الله لا تحصوها تو جب انسان کو اس کی نعمتوں کا پورا پورا علم نہیں تو حمد وشکر پر کیسے قادر ہوسکتا ہے دوسرا انسان بدون توفیق اللہ تعالیٰ متعال حمد وشکر پر قادر نہیں ہوسکتا تو حمد وشکر کی بجا آوری کی توفیق پیدا ہونا اور دل کا تمام حائل شدہ موالفات اور رکاوٹوں سے دل کو پاک صاف ہونا بھی تو علیحدہ علیحدہ انعامات ربی ہیں تو ان پر بھی حمد وشکر ہونا چاہئے لیکن یہ اسی وقت ہوسکتا ہے اگر غیر متناہی طور پر بار بار شکر کرتا رہے اور یہ محال ہے تو جو امر محال پر موصوف ہو وہ خود بھی محال ہوا کرتا ہے اس سے معلوم ہوگیا کہ انسان اس ذات کے انعامات کے لائق اور مناسب حمد وشکر بجالانے سے بے بس ہے تیسری حرف زبان سے الحمدللہ کہہ دینا حمد وشکر نہیں ہوتا بلکہ ساتھ ہی اس کے منعم کے صفات کمالیہ اور جلالی کا پورا پورا یقین ہونا چاہئے لیکن قوت تخیلہ جس قدرت صفاتِ الٰہیہ اور کمالاتِ ایزدی سے انسان کو آگاہ کرنے میں مدد دے سکتی ہے ان سب سے کمالاتِ ربی اعلیٰ و برتر ہوں گے تو ایسی صورت میں انسان اس کی حمد وثناء کا دم بھلا کیسے مار سکتا ہے۔ چوتھے حمد وثناء میں ہمہ تن مصروف ہونے سے منعم علیہ کا بوساطت حمد وشکر اپنے منعم کے انعامات سے مقابلہ کرنے سے مفہوم ہوتا ہے لیکن یہ امر دشوار ہے کیونکہ اول اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا سمندر بے کنارہ ہے تو اس چھوٹے سے لفظ سے اس کے مقابلہ کا خیال لغو نہیں تو اور کیا ہے دوسرے حمد وشکر کو انعامات الٰہی کے برابر سمجھنے سے شرک تک نوبت پہنچتی ہے اور قول واسطی ''الشکر شرک'' کا بھی یہی مطلب ہے۔ تیسرے انسان بحیثیت صفات وذات اور احوال الٰہی انعامات سے مستغنی نہیں ہوسکتا بلا شبہ اسے ان کی بہت ضرورت ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے انعامات کے مقابل شکر نہیں ہوسکتا۔ پس ثابت ہوا کہ انسان سے حمد و شکر کی بجا آوری نہیں ہوسکتی اور وہ اس فعل کے صادر کرنے میں قاصر ہے۔ الحمدللہ کو احمد اللہ پر ترجیح دینے میں یہی تو راز سربستہ تھا کیونکہ احمد اللہ کہنے پر تکلیف مالا یطاق ہوتی لیکن الحمدللہ کے فرمانے سے خدشہ نہ رہا بلکہ یہ معنی ہوئے کہ انسان خواہ کماحقہٗ مدح وثناء بیان کرسکے یا نہ مگر کل محامد اور تعریفات کا مالک وہی اللہ ہے۔ کمال حمد اسی کو زیبا اور سزاوار ہے۔ حضرت داؤد نے بارگاہ صمدانی میں عرض کی یا الٰہی تیرا انعام بے بہا ہیں میں کیسے شکر کروں۔ اپنے آپ کو تیرے شکر کرنے میں عاجز و ناتواں جانتا ہوں۔ جواب ملا، اے داؤد! تو نے اپنی طاقت کے مطابق میرا شکر کیا۔

فائدہ ۸ :

رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ انسان حصول نعمت کے وقت جب الحمدللہ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس بندے کی طرف دیکھو میں نے اسے بے انداز نعمت عطا فرمائی اور اس نے مجھے بے بہا تحفہ پیش کیا۔ حدیث ہذاء کی تفسیر یوں ہے کہ انسان کی روزمرہ کی ضروریات میں سے ایک کا پورا کرنا نعمت الٰہی ہے۔ تمام حمد کرنے والوں کی تعریفیں اور تمام وہ محامد جن کا وجودِ عقل انسانی میں آسکتا ہے وہ سب اللہ ہی کو سزاوار ہے تو اس کے ضمن میں عرش وکرسی اور طبقات سماوی کے ملائکہ کی کل تعریفیں اور آدم سے لے کر خاتم النبیین تک کل انبیاء علیہم السلام کے محامد اور علماء واولیاء کرام اور تمام مخلوقات سب کی ستائش اور ابتدائے زمانہ سے لے کر اس وقت تک کی سب ثنائیں جس وقت دعواهم فيها سبحانك اللهم سے لے کر رب العالمين تک پکارا جائے گا اسی ذات کو زیبا ہیں یہ محامد تو متناہی تھیں لیکن جو محامد ابدالآباد اور دہرالداہرین میں پیدا ہونے والی ہیں ان کی تو انتہاء ہی نہیں اور انسان کا الحمدللہ کہنا تمام محامد متناہیہ اور غیر متناہیہ کو شامل ہے اسی وجہ سے تو اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ میرے بندے کو دیکھو میں نے اسے بے اندازہ نعمت دی اور اس نے بے حد وبے حساب شکر کیا اس مفہوم سے ایک اور نکتہ نکلتا ہے کہ انسان کو دنیا میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے محدود

Marfat.com

ورمتناہی انعامات ہی پہنچے ہیں۔اور الحمدللہ میں محامد غیر متناہی موجود ہیں نیز بشر جانتا ہے کہ غیر متناہی سے متناہی کو ساقط کرنے کے بعد جو باقی رہے گا وہ بھی غیر متناہی ہوگا تو اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے سے یہ فرماتا ہے کہ اے بندے تو نے میری نعمت متناہیہ کے مقابلے میں الحمدللہ کہا تو کلمہ میں سے تیرے لئے کلمہ غیر متناہی عبادتیں بچی ہیں اور مجھے ان کا مقابلہ نعمت غیر متناہی سے کرنا لازمی ہے پس یاد رکھ کہ تجھے اس کے معاوضہ میں ثواب ازلی اور خیر ابدی کا حق دیا گیا ہے اس تمام تقریر نے ثابت کر دیا کہ صرف الحمدللہ کہنے سے انسان بے انتہاء سعادتوں اور بے حساب بھلائیوں کا مستحق ہو جاتا ہے۔

فائدہ ۹ :

عدم کی نسبت وجود کے بہتر ہونے میں کسی کو کلام نہیں ہوسکتا کیونکہ ہم دیکھتے ہیں موجودات میں سے کوئی ذی حیات ممات کو پسند نہیں کرتا تو اگر وجود عدم کی نسبت پیارا نہیں تو وجہ ناپسندیدگی ممات کیا ہے اس کے بعد فقیر کہتا ہے کہ وجود الٰہی کے سوا کل موجودات موجد حقیقی کی ایجاد کی ہوئی ہیں اور اس کی بخشش وفضل سے حاصل ہوئی ہیں۔ پہلے وجود کا نعمت ہونا ثابت ہو چکا ہے تو اس سے نتیجہ یہ نکلا کہ عالم ارواح واجسام علوی وسفلی کے کل موجود اللہ تعالیٰ کی نعمت رحمت اور احسان سے بے بہرہ نہیں اور یہ سب باتیں منعم اور محسن اور رحمت کنندہ تمہید وشکر کو واجب ٹھہراتی ہیں تو الحمدللہ کہنے سے صرف انہیں نعمتوں کی حمد مراد نہیں جو خود حامد کو پہنچی ہوں بلکہ ان تمام نعمتوں کی حمد ہے جو اس ذات لامکانی کی طرف سے کل موجودات عالم کو پہنچی ہوں اور تمام مخلوقات جن کو اس نے پیدا فرمایا نیست سے ہست کیا نور ہو یا ظلمت سکون وحرکت عرش ہو یا کرسی۔ جنی یا انسی ذات ہو یا صفت جسم یا عرض غرض یہ کہ کل ممکنات کی نعمتوں کی حمد ہوتی ہے جو انہیں عطا ہوئی ہوں اور اقرار ہوتا ہے کہ کل محامد کا حق دار وہی ذات ازلی ہے اور اس میں کسی کو شرکت نہیں اور کسی کو انکار نہیں۔

فائدہ ۱۰ :

کون کہہ سکتا ہے کہ سبحان اللہ والحمدللہ کے مطابق تحمید سے ابتداء کرنے کی کیا وجہ ہے؟ جواب یہ ہے کہ تحمید سے تسبیح ہوتی ہے کیونکہ تسبیح سے ذات وصفات میں نقصان سے خالی اور آفات سے مبرا ہونا سمجھا جاتا ہے اور تسبیح سے التسبیح کا تام کامل ہونا ہوتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تحمید سے اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرو۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ مذکورہ بالا تقریر کا عنوان حدیث سے ثابت ہو گیا۔ تحمید من لہ الحمد کے کامل ہونے کے علاوہ ایک زائد امر بتلاتی ہے تو اس سے معلوم ہو گیا کہ چونکہ تحمید تسبیح کے معنی کو بھی شامل ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کو اسی سے شروع فرمایا مذکورہ بالا وجہ قوانین حکمیہ سے ماخذ ہے اور قوانین اصولیہ کے مطابق یہ وجہ ہوسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ محسن عباد اس وقت ہوسکتا ہے اگر وہ تمام موجودات سے آگاہ اور قادر مطلق ہوتا کہ بندوں کی مختلف ضروریات کو پورا فرما سکے اور ان کی حاجات کو حاصل کر سکے اور نیز اس کا بذات خود حاجات اور ضروریات سے مستغنی ہونا ضروری ہے ورنہ اس کی ذاتی ضروریات انسانی حاجات کے امضاء کرنے میں مانع ہوں گی اور اپنی ضروریات کے امضاء کی فکر مخلوقات سے غافل کر دے گی پس معلوم ہوا کہ اس ذات کا محسن ہونا تب ہی ہوسکتا ہے جب کہ وہ نقائص اور آفات سے پاک وصاف ہوا اور یہ ثابت ہے کہ سبحان اللہ کی نسبت الحمدللہ سے شروع کرنا زیادہ اولیٰ اور انسب ہے۔

فائدہ ۱۱ :

الحمدللہ زمانہ ماضی اور مستقبل دونوں سے تعلق رکھتی ہے زمانہ ماضی سے تو اس طرح کہ انعاماتِ سابقہ کا شکر ہوتا ہے شکر بحکم لئن شکرتم لا زیدنکم زمانہ آئندہ میں باعث ازدیاد اور تجدید انعام ہوتا ہے انہی معنوں میں زمانہ مستقبل سے اس کا تعلق ہے ہمارے مذکورہ بالا قول سے عقل کو انکار نہیں بلکہ ہمارے موافق ہے کیونکہ عقل گزشتہ انعامات سے عبادت اور فرمانبرداری کی تحریص اور ترغیب پیدا ہونے کو مانتی ہے۔ الحاصل شکر کرنے سے انسان کے دل ودماغ کے لئے انعامات اور معرفت کر دے گا اور محبت ایزدی کا دروازہ کھل جاتا ہے اور یہ بڑی بھاری نعمت ہے انہی معنی کے باعث حمد زمانہ ماضی کے تعلق کی جہت سے آگ کے دروازوں کو مسدود اور زمانہ مستقبل کے تعلق کے جہت سے جنت کے دروازوں کو مفتوح کر دیتی ہے۔ زمانہ ماضی میں حمد کی یہ تاثیر ہوئی کہ وہ ذات الٰہی سے پردوں کو اٹھا دیتی ہے اور زمانہ مستقبل میں معرفت ذوالجلال کے دروازوں کو مفتوح کرتی ہے اور جس طرح اللہ تعالیٰ کے جلال کے مراتب اور درجات بے انتہاء اور غیر متناہی ہیں اسی طرح اس کی معرفت کی تحصیل میں بھی بے انتہاء مشکلات ہیں جن کو الحمدللہ کے مفتاح کے سوا کھولنا دشوار ہے یہی تو وجہ ہے کہ سورۃ ہذا کو فاتحہ سے موسوم کیا گیا ہے۔

Marfat.com

فائدہ ۱۲ :

گوالحمدللہ بزرگ اور مبارک کلمہ ہے مگر تاہم اس کے بے محل ذکر سے پرہیز کرنا چاہئے اور موقع ، بے موقع کا خیال رکھنا ضروری ہے ورنہ محل کی رعایت نہ رکھنے سے مستفیض ہونا ناممکن ہے۔ حضرت سری سقطیؒ سے کسی نے دریافت کیا کہ عبادات اور اطاعت الٰہی میں مصروف ہونے کی کیا صورت ہے، آپ نے جواب دیا صرف الحمدللہ کے بے محل ذکر کرنے سے استغفار کرتے ہوئے تیس برس گزر گئے ہیں۔ سائل نے وجہ استغفار دریافت کی آپ نے جواب دیا کہ ایک دفعہ بغداد کی دکانوں اور مکانوں میں آگ لگ گئی کہ سب جل کر خاکستر ہو گئے مجھے خبر ملی کہ میری دکان آگ کے اثر سے محفوظ رہی میں نے اسی خبر کو سن کر الحمد کہا مطلب یہ تھا کہ گویا لوگوں کے مکانوں کے جلنے اور اپنے مکان کے محفوظ رہنے سے خوشی ہے لیکن یہ ہمدردی اور اخوت دینی کے خلاف تھا مشیت الٰہی یہ تھی کہ میں خوش نہ ہوتا الحمدللہ پڑھنے کا یہ موقع نہ تھا اس لئے اس خطاء کی پشیمانی اور ندامت میں تیس برس سے استغفار میں مصروف ہوں پس حکایت مندرجہ بالا سے ثابت ہو گیا کہ ہمیشہ الحمدللہ کہنے سے پہلے موقع محل کا خیال رکھنا ضروری ہے کیونکہ انعامات یا دینی ہوتے ہیں یا دینوی اور بہت سے دلائل سے ثابت ہو چکا ہے کہ دوقسموں سے قسم ثانی یعنی انعامات دینی افضل و اعلیٰ ہیں تو انسان کو حصولِ انعامات دنیاوی کے وقت کلمہ الحمدللہ کے پڑھنے سے پرہیز کرنی چاہئے بلکہ دینی نعمتوں سے مشرف ہونے پر پڑھا جائے دینی نعمتوں کی بھی دو (۲) اقسام اعمال جوارح اور اعمال قلوب اور ان دونوں میں قسم ثانی افضل ہے۔ جس طرح انعامات دینیہ دوقسموں میں منقسم ہیں اسی طرح دنیاوی نعمتوں کی بھی دو اقسام ہیں بعض اوقات انہیں بحیثیت نعمت دیکھا جاتا ہے اور بعض اوقات انہیں الٰہی انعام اور عطیہ سبحانی اعتبار کیا جاتا ہے، بہرحال ان دونوں حیثیتی قسموں سے قسم ثانی کو زیادہ فضیلت ہے۔ غرض یہ کہ ہر وقت و ہر مقام میں امورات کو پہلے مدنظر رکھنا چاہئے ایسا نہ ہو کہ الحمدللہ غیر مناسب جگہ پر استعمال ہو جائے۔

فائدہ ۱۳ :

اوّل جو کلمہ ہمارے باپ حضرت آدم علیہ السلام نے زبان مبارک سے فرمایا وہ الحمدللہ ہی تھا اور جنت میں آخری کلمہ یہی ہوگا۔ کیونکہ حضرت آدم کے ڈھانچے میں روح ڈالتے وقت آپ کو چھینک آئی تو الحمدللہ فرمایا اور دوسرے امر کا ثبوت قرآن شریف سے ملتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا واخر دعواھم ان الحمد للہ رب العالمین تو معلوم ہوا کہ آغاز دنیا اس کلمہ مبارک سے ہوا اور انتہا بھی الحمدللہ پر ہوا تو اے انسان تجھے ہر اپنے عمل کی ابتداء و انتہا کو مقرون حمد بنانے کی کوشش کرنی چاہئے کیونکہ انسان عالم صغیر ہے تو اس کے جملہ احوال عالم کبیر کے موافق و مطابق ہونا امر واجبی ہے۔

فائدہ ۱۴ :

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ دراصل قولہ الحمدللہ ہے لیکن میرے نزدیک امام رازی کا یہ خیال قابل اعتماد نہیں کیونکہ تصحیح کلام کے لئے اضمار کی ضرورت ہوا کرتی ہے اور یہاں اضمار سے کلام فاسد ہو جاتا ہے کیونکہ اوّل: الحمدللہ سے یہ جتلانا مقصود ہے کہ وہ مالک اور مستحق حمد ہے یہ کلام مقصود اصلی کے جتلانے میں ادھوری نہیں بلکہ ایک زائد امر نکالنا ضروری ہوا۔ دوسرے: الحمدللہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی حمد کریا نہ کرے وہ بلحاظ ذات وصفات اور افعال مستحق حمد ہے کیونکہ محمود ذاتی ہونا محمود غیر سے بالاتر ہوتا ہے۔ تیسرے: معاملات کے متعلق یہ مسئلہ بھی بیان کرتے ہیں کہ والد ہمیشہ بیٹے کو بطریق امر نصیحت کیا کرے کبھی یہ کر دیا وہ کر و نہیں کہنا چاہئے بلکہ اس سے ہونا چاہئے کہ یہ کام کرنے کے لائق ہے۔ ونہ ہو سکتا ہے کہ وہ نہ مانے تو دونوں صورتوں میں گناہ گار تو ہوتا ہے لیکن دوسری صورت میں کم گناہ گار رہو گا اور پہلی صورت میں زیادہ۔ یہ اور بات ہے کہ بیٹا سعادت مند ہو اور باپ کے حکم کی سرتابی نہ کرے بلکہ اطاعت و فرمانبرداری کو موجب فلاح سمجھے۔ لیکن عاق ہونے کی صورت میں وہ کبھی حکم نہ مانے گا تو بطریق کنایہ حکم دینے سے یہ فائدہ ہوا کہ بیٹا زیادہ گناہ گار نہ ہوگا اسی طرح الرحم الراحمین نے بجائے قولو الحمدللہ کے، الحمدللہ کہا فرمانبردار شخص اس امر کو سنتے ہی مصروف ہو جائے گا لیکن عاصی تو سرتابی کی وجہ سے گناہ گار رہو گا مگر کم۔

فائدہ ۱۵ :

فرقہ جبریہ اور قدریہ دونوں اپنے اپنے دلائل مختلفہ سے الحمدللہ کو مانتے ہیں۔ فرقہ جبریہ الحمدللہ کو بایں وجوہ تسلیم کرتا ہے کہ اوّل: پسندیدہ افعال اور برگزیدہ انعامات دینے والا مستحق حمد و ثناء ہوا کرتا ہے ظاہر ہے کہ موجودات عالم میں ایمان کا رتبہ بڑھ چڑھ کر ہے تو اگر ایمان کو فعل انسانی قرار دیا جائے تو لازم آتا ہے

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کی نسبت حمد وثناء کا زیادہ مستحق ہو لیکن چونکہ واقعہ میں ایسا نہیں پایا جاتا ہمیں معلوم ہو گیا کہ ایمان فعل انسانی نہیں بلکہ فعل رحمٰنی ہے اور من جملہ مخلوقات عالم یہ بھی بندہ اسی کا پیدا کیا ہوا ہے۔ دوسرے کل امت الحمد للہ کو نعمت ایمانی کے لئے مانتی ہے تو اگر ایمان کو فعل الٰہی نہ مانیں بلکہ فعل انسانی تو امت کا یہ کہنا کہ الحمد للہ نعمت ایمان پر لا جاتا ہے، باطل ہوگا کیونکہ جب ایمان اللہ کا فعل نہیں تو پھر حمد کیسے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ویحبون ان یحمدوا بمالم یفعلوا والا مر کذالک فالمحامد لله تیسرے: سابقہ اوراق میں ثابت ہو چکا ہے کہ الحمد للہ صرف ایک ہی حمد کو شامل نہیں بلکہ ماضی مستقبل کی کل محامد کو شامل ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا مستحق محامد نہیں ہوسکتا تو یہ کہنا اسی وقت صحیح ہوسکتا ہے جب تمام نعمتوں کو الٰہی کی طرف سے مانا جائے اور ایمان چونکہ انعامات میں سے بڑی افضل اور اعلیٰ نعمت ہے لہٰذا ایمان فعل الٰہی ہوا۔ چوتھے: الحمد للہ مدح نفسی ہے اور عام طور پر مدح نفسی قبیح شمار ہوتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا اپنی کلام کی مدح نفسی سے ابتداء کرنا ہمیں بتلاتا ہے کہ اس کے احوال مخلوقات سے جداگانہ ہیں۔

نوٹ:

یہ بات فقیر پہلے عرض نہیں کر سکا اب عرض کر رہا ہے کہ مولانا احمد رضا خان بریلوی کلام باری میں لفظی ونفسی کا تفرقہ تسلیم نہیں کرتے فرماتے ہیں کہ یہ متاخرین کی سخت غلطی ہے کلام لفظی ونفسی ایک ہی ہے کلام اللہ ازلی ہونے کی بحث پہلے کی جا چکی ہے۔ ملفوظات اعلیحضرت حصہ چہارم صفحہ نمبر ۲۵۔ انسان سے جن افعال کا صادر ہونا قبیح شمار ہوتا ہے وہ ذات الٰہی سے مستحسن ہوتا ہے اور اس کے تمام افعال مستحسن ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ افعال الٰہی کو افعال مخلوقات پر قیاس کرنا ٹھیک نہیں بسا امور کا انسان سے صادر ہونا قبیح شمار ہوتا ہے مگر وہی امور اگر اللہ تعالیٰ سے صادر ہوں تو قبیح نہیں ہوتے بلکہ پسندیدہ اور اس سے اصول معتزلہ کا بالکل نیست ونابود ہو جاتا ہے۔ پانچویں: معتزلہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے افعال کا مستحسن ہونا اور علاوہ اس کے ان میں کوئی زائد خوبی ہونی ضروری ہے زائد خوبی نہ ہونے کی صورت میں وہ سب کے سب بے فائدہ ہوں گے وہ کہتے ہیں کہ زائد خوبی کی دو صورتیں ہوں گی یا تو امر واجب ہوگا یا از قبیل تفصیل ثواب دینا مکلفین کو تکلیف برداشت کرنے کا معاوضہ بنا یہ تو انہی وجوہ سے ہے قدر استحقاق سے بڑھ کر دینا بطریق احسان از قبیل تفضل ہے لیکن معتزلہ کا خیال باطل ہے کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ حمد کا مستحق نہیں رہتا اور الحمد للہ کہنا صحیح نہ رہا کیونکہ واجبات کی ادائیگی باعث حمد نہیں ہوتی تو قرضے کا ادا کر دینا مشکوری کا باعث ہوسکتا ہے، ہرگز نہیں۔ اتنا فائدہ ضرور ہے کہ ندامت اور مذمت نہیں رہتی اسی طرح اللہ تعالیٰ اگر انسان کو تکلیف برداشت کرنے کے معاوضہ میں دے تو اس کا امر لازمی تھا جس کو ادا کیا نہ کہ احسان جو باعث مشکوری ہو البتہ مواجبات کے ادا کرنے سے مذمت ضرور اٹھ جائے گی اور بس رہی صورت تفضل کی تو فریق مخالف کا یہ مطلب ہے کہ مواجبات سے بطور احسان کچھ زائد دینا موجب حمد ہے ورنہ نہیں۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھنا چاہئے کہ اگر اللہ تعالیٰ زائد از مواجبات نہ دے تو وہ زیادتی حمد کا مستحق نہیں ہوسکتا تو گویا اللہ تعالیٰ بالذات ناقص ہوا اور غیر کے کامل بنانے کا مل ہوا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ امر استحقاق حمد کے منافی ہے اور اللہ تعالیٰ کو مستحق حمد نہیں بناتا۔ چھٹا: الحمد للہ سے اللہ تعالیٰ کا محمود ہونا مفہوم ہوتا ہے تو ہم پوچھتے ہیں کیا اس کا مستحق حمد ہونا امر ذاتی ہے یا نہیں۔ پہلی صورت پر تو اللہ تعالیٰ کے افعال مستحق حمد نہ ہوئے کیونکہ وہ بالذات مستحق حمد ہے اسے تحمید غیر کی کیا حاجت اور کیا ضرورت اسی طرح اس کا کوئی فعل بھی قابل مذمت نہ ہوگا کیونکہ ذاتی امر کا اٹھانا ناممکن ہے تو چونکہ اس کے افعال نہ تو مستحق حمد ہی ہیں اور نہ قابل مذمت اور کوئی امر اس پر واجب نہیں ہوسکتا تو لازم ہوا کہ اللہ تعالیٰ پر بندوں کا حق نہ ثواب ہو نہ کسی قسم کا معاوضہ تو تقریر بالا سے معتزلہ کا اصول بالکل باطل ہو گیا۔ رہی دوسری صورت یعنی اللہ تعالیٰ مستحق حمد بالذات نہیں تو اس کا بالذات ناقص ہونا اور بسبب غیر کامل ہونا لازم آتا ہے لیکن ذاتِ الٰہی میں ایسا ہونا محال ہے معتزلہ کہتے ہیں کہ الحمد للہ کی صحت اور کمالیت صرف ہمارے خیال کے مطابق سے اس کا ہی ہوسکتی ہے کیونکہ ہمارے نزدیک مستحق حمد وہی ہوسکتا ہے جس کے افعال قبیح نہ ہوں اور اس کے احکام اور فیصلے تعدی کی آلودگی سے پاک ہوں تو چونکہ ہم اللہ تعالیٰ کو مذکورہ بالا صفات سے موصوف مانتے ہیں لہٰذا وہ بڑی بڑی حمدوں اور ستائشوں کا مستحق ہے لیکن مذہب جبریہ کے مطابق کوئی بڑا امر نہیں جو اللہ تعالیٰ کا فعل نہ ہو اس کے احکام وافعال ظلم وتعدی سے پُر اور اس کی صنعتیں عبث سے خالی نہ ہو کیونکہ خود بنا کر خود عذاب دیتا ہے اور حیوانات کے لئے آئندہ کوئی معاوضہ نہیں رکھا تو ایسے حالات کی موجودگی میں کیسے مستحق ہوسکتا ہے نیز اللہ تعالیٰ کو بحیثیت اعلیٰ ہونے کے مستحق حمد ماننے کا کیا مطلب ہے کہ انسان اسے حمد کا مستحق جانتا ہے یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو مستحق قرار دے رکھا ہے۔ پہلی صورت پر انسان کو مجبور کہنا باطل ہوا کیونکہ اس سے انسان کا مختار ہونا پایا جاتا ہے اور یہ

Marfat.com

کہ صدور فعل پر قادر ہے رہی دوسری صورت اور وہ باطل ہے تو مذکورہ بالا تقریر سے ثابت ہو گیا کہ اگر اللہ تعالیٰ مستحق حمد ہے تو صرف ہمارے مذہب کے مطابق۔ جبریہ کے مطابق اللہ تعالیٰ بالکل مستحق حمد نہیں ہو سکتا۔

فائدہ ۱۶ :

وجوب شکر میں اختلاف ہے بعض نے شکر کو واجب سماعی قرار دیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے رسلاً مبشرین و منذرین لئلا یکون للناس علی اللہ حجۃ بعد الرسل فریق ثانی وجوب عقلی مانتا ہے۔ کہتا ہے کہ شکر، شریعت نازل ہونے سے پہلے اور بعد میں دونوں وقتوں میں وجوب شکر کا وجود مطلقاً پایا جاتا ہے کیونکہ اول: الحمد للہ سے اللہ تعالیٰ کا مالک حمد ہونا مطلقاً مفہوم ہوتا ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ شریعت سے پہلے بھی مستحق حمد تھا۔ دوسرا: اصول فقہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وصف اور اس کے حکم کے درمیان علت و معلول کی نسبت ہوتی ہے اور وصف اپنے حکم کی علت ہوا کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے الحمد للہ میں اپنے آپ کو موصوف حمد ظاہر کر کے اپنی صفات یعنی مخلوقات کا مربی ہونا اور یوم قیامت کا مالک ہونا بیان فرمایا ہے اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے الحمد للہ میں اپنے آپ کو استحقاق حمد ان اوصاف کی وجہ سے ظاہر کیئے کہ اوصاف الٰہی کسی وقت و ساعت اس سے جدا نہیں ہو سکتے بلکہ بلا تخصیصِ وقت ہر لحظہ و ساعت اس کی ذات میں موجود رہتے ہیں لہٰذا بلا شبہ اللہ تعالیٰ رسول کے آنے سے پہلے اور پیچھے دونوں حالتوں میں مستحق حمد و شکر ہوا۔

فائدہ ۷ :

حمد اور اس کی کیا ماہیت ہے اب مجھے حقیقت حمد اور اس کی ماہیت پر غور کرنا ہے کہ اس سے کیا مراد ہے الحمد للہ چونکہ حصول حمد کی خبر ہے اور خبر و مخبر عنہ میں مغائرت ہوا کرتی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تحمید صرف الحمد للہ کہنے کا نام نہیں بلکہ الحمد للہ تحمید کے مخالف ہے اور دونوں ایک دوسرے سے جدا ہیں حمد ایسے افعال اختیار کرنے کا نام ہے جس سے منعم کی فضیلت اور بڑائی ظاہر ہو اور دل سے اعتقاد ہونا چاہئے کہ منعم صفات کمالیہ اور جلالیہ دونوں سے موصوف ہے زبان پر ایسے الفاظ جاری ہوں جن نے منعم کے کمال اور جلال کا پتہ ملے۔ اعضائے ظاہری سے ایسے افعال صادر ہوں جو منعم کے صفات کمالیہ اور جلالیہ کو ظاہر کریں غرض یہ کہ دل و زبان او اعضائے ظاہریہ کے افعال کے مجموعہ کا نام حمد ہے۔ اہل علم کے دو فریق ہیں ایک فریق کا یہ خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کو تحمید و ثناء کا حکم نہیں دے سکتا کیونکہ اوّل: تحمید مبنی بر انعامات واصلہ تو ہو نہیں سکتی اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے کریم و سخی ہونے میں خلل آتا ہے کریم وہی ہو سکتا ہے جس سے بلا کسی غرض و مقصد بخشش صادر ہو اور سخاوت بے جزاء ہو اور اگر مبنی بر انعامات نہ سمجھا جائے تو ابتدائی حالت میں گرفتار رنج و حزن کرنے سے اللہ تعالیٰ ظالم ٹھہرتا ہے۔ دوسرے: یہ کہ تحمید فعل باطلہ ہے اور انسان کا مصروف حمد ہونا محمود کو نفع نہیں پہنچاتا کیونکہ بالذات وہ کامل ہے اور بالذات کامل اپنے کمال میں محتاج غیر کا نہیں ہوتا پس معلوم ہوا کہ مصروف حمد ہونا امر مشروع نہیں بلکہ لغو اور خواہ مخواہ کی بے سود تکلیف ہے۔ تیسرے: امر واجب کا یہ مطلب ہے کہ نہ کرنے کی صورت میں باعث عذاب ہو تو اللہ تعالیٰ کے حمد کو واجب ٹھہرانے کا یہ مطلب ہوا کہ اے انسان اگر تو مصروف حمد نہ ہو تو میں تجھے گرفتار عذاب کروں اور حقیقت حال یہ ہے کہ حمد میں اللہ تعالیٰ کو کچھ نفع نہیں ہوتا تو نتیجہ یہ ہوا کہ فعل بالکل غیر مفید ہوا اور غیر مفید اور لغو فعل کے پیچھے اللہ تعالیٰ کا عذاب میں مبتلا کرنا شانِ ایزدی سے دور ہے فریق دوسرا مصروف حمد ہونے کو سوء ادبی شمار کرتا ہے بایں وجوہ اول یہ کہ اس میں احسان ایزدی کا مقابلہ پایا جاتا ہے دوسرا مصروف شکر ہونے کی دوسری شرط انعامات منعم کا حاضر فی الذہن ہونا اور استحضار انعام کی صورت پر معرفت الٰہی کا استغراق رکاوٹ ہو جاتی ہے تیسرے شکر حصول نعمت پر کیا جاتا ہے اور منعم کی ثناء خوانی نعمتوں کے ملنے پر کی جاتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ عبادت کا مقصود اصلی اور مطلوب حقیقی صرف انعامات میں کامیابی ہے تو گویا اس کا معبود اللہ تعالیٰ نہ ہوا بلکہ نعمتیں اور خواہشات نفسانی ہوا اور یہ بات ہر ایک پر روشن ہے۔

مذکورہ بالا فصل کے دلائل تفسیر خزینۃ القرآن اور تفسیر کبیر سے اخذ کئے گئے ہیں۔

Marfat.com

(فصل دوسری)

(تفسیر ربّ العالمین کے بیان میں)

کلام ہذاء بہت سے فوائد پر مشتمل ہے:

فائدہ اوّل:

موجودات کی دو قسمیں ہیں اول یعنی واجب الذاتہ صرف ذاتِ الٰہی تک محدود ہے۔ دوسری ممکن الذات وہ ماسوائے ذات کے کل موجودات یعنی عالم کو کہتے ہیں۔ کیونکہ متکلمین کہتے ہیں کہ لفظ عالم کا اطلاق ذات الٰہی کے علاوہ باقی سب موجودات پر صادق آتا ہے اور چونکہ موجودات سے ذاتِ الٰہی کا علم حاصل ہوتا ہے اس لئے اسے عالم کا کہا جاتا ہے۔ تمہید بالا کے بعد اب فقیر یہ کہتا ہے، حدیث میں آیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمام عالموں کو پیدا کرنے والا ہے وہ خود عالم سے پاک ہے عالم کا لفظ اس پر اطلاق نہیں ہوتا جو اس کا خیال کرے صریحاً کفر ہے تو موجودات کی تین قسمیں ہیں۔ پہلی موجودات متحیزّ ہ، دوسری صفتِ متحیزّ ہ موجودات کی تیسری نہ متحیزہ اور نہ صفتِ متحیزہ ہے۔ قسم اوّل کی دو صورتیں ہیں بعض تو تقسیم کو قبول کرتی ہیں اور بعض میں تقسیم نہیں ہو سکتی پہلی صورت کی مثال جیسے جسم تو اگر وہ جسم اجسام علویہ میں ہے تو وہ کواکب افلاک ہیں اور نیز وہ اشیاء جن کا وجود شریعت سے ثابت ہوتا ہے مثلاً عرش کرسی سدرۃ المنتہیٰ لوح وقلم و جنت دوزخ یہ سب اسی کے ذیل میں ہوں گی اور اگر اجسامِ سفلیہ سے ہو تو ان اجسام کی دو صورتیں ہیں بعض تو بسیط ہوتے ہیں جیسے چار عنصر جن میں سے کرۂ ارض بھی ہے جس میں پہاڑ بلاد عامرہ وغیرہ سب موجود ہیں دوسرا عنصر کرہ مائی ہے اور اس میں ربع سکون کے دریا سمندر اور بڑی بڑی نہریں جن کی تعداد اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے یا اس کے رسول۔ سب آ گئے۔ تیسرا کرۂ ہوائی ہے اور چوتھا عنصر کرۂ ناری ہے اور بعض اجسام مرکبہ ہوتے ہیں جو نباتات حیوانات معاون اور ان سب کی کل قسموں اور انواع کو شامل ہے دوسری قسم یعنی وہ موجودات متحیز کی صفت ہوتی ہے وہ اعراض ہیں جو متکلمین نے ان کی جنسوں کی تعداد قریب قریب چالیس سے بیان کی ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن نے ان کی پوری تقسیم بیان کی ہے۔ تیسری قسم یعنی وہ موجودات جو نہ تو متحیرہ اور نہ صفت متخیرہ ہوتی ہیں وہ ارواح ہیں اور ارواح کی دو قسمیں ہیں۔ سفلیہ اور علویہ ارواح۔ ارواح سفلیہ جیسے جنات لیکن چونکہ جنات سب کے سب شریر نہیں ہوتے بلکہ صالح اور بے ضرر ہوا کرتے ہیں تو انہیں نیک جنات کہا جاتا ہے اور ان کے ماسواء باقی کو شیاطین سے تعبیر کیا جاتا ہے اور ارواح علویہ جیسے ارواح فلکیہ لیکن یہ وہ ارواح ہیں جن کا تعلق اجسام سے بھی ہوتا ہے اور بعض وہ ہیں جن کا اجسام سے تعلق نہیں ہوتا انہیں پاک ارواح کہتے ہیں تو مذکورہ بالا کل موجودات عالم کو بالا جمال بیان کیا گیا لیکن حقیقت حاصل یہ ہے کہ اگر انسان موجودات عالم کو تفصیل اور شرح و بسیط سے لکھنا چاہے تو دفتروں کے دفتر سیاہ ہو جاتے ہیں تاہم اس بحر بے پایاں کا ایک حصہ بھی ختم نہ ہوگا اور منزل مقصود تک نہ پہنچ سکے گا البتہ اس میں شک نہیں کہ جب ہمیں معلوم ہو گیا کہ واجب الوجود لذاتہ کا فرد ایک ہی ہے ہم اس سے سمجھ سکتے ہیں کہ اس کے ماعدا سب ممکن لذاتہ ہیں وہ سب بحیثیت وجود خود ایجاد واجب الوجود لذاتہ کی محتاج ہیں علاوہ اس کے ہمیں یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ممکن الوجود ہونے کے بعد ہی حالت بقاء میں موجد حقیقی کے محتاج اور اس کے دست نگر ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ بایں جہت کہ ہستی عطا کرنے کے بعد حالت بقاء میں اس سلسلہ کو موجود اور باقی رکھتا ہے اور استقرار کو نہیں توڑتا رب العالمین کہلایا اس قدر بیان کے بعد تمہیں بہت ہی قلیل تفسیر سے فرد واحد اللہ تعالیٰ کا پتہ مل گیا تو چونکہ موجوداتِ عالم کے حالات بے حد و بے حساب ہیں جس قدر ان سے کسی کو واقفیت حاصل ہو گی اس نسبت سے تفسیر قول مذکورہ کا زیادہ پتہ مل جائے گا۔

فائدہ دوسرا:

تربیت کی دو (۲) قسمیں ہیں ایک تربیت ذاتی نفع حاصل کرنے پر مبنی ہوتی ہے اور دوسری قسم کی تربیت میں ذاتی نفع مقصود نہیں ہوتا بلکہ صرف تربیت یافتہ کو فائدہ پہنچتا ہے مخلوقات کی طرف سے کسی کی تربیت اول قسم میں داخل ہے اور ان کی تربیت اپنے ذاتی نفع پر مبنی ہوتی ہے خواہ نفع از قبیل ثواب ہو یا شہرت بخلاف اس کے

Marfat.com

دوسری قسم کی تربیت ذاتِ الٰہی ہی کا حق ہے۔ وہ اپنی مخلوق کی تربیت کرتا ہے لیکن ذاتی نفع کی اسے حاجت اور پرواہ نہیں اس کا فرمان یہ ہے کہ وہ پرورش اور احسان کرتا ہے لیکن اس کی تربیت تمام مربیوں کی تربیت سے جدا رنگ میں ہوتی ہے اور اس کا احسان تمام محسنوں کے احسان سے نرالا ہوتا ہے، مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ کی تربیتِ مخلوق کی تربیت سے جداگانہ ہے اور یہ دونوں تربیتیں باہم ایک دوسرے کے مخالف ہیں کیونکہ اول وہ غرضِ ذاتی کے بغیر اپنے بندوں کی پرورش کرتا ہے لیکن مخلوق ایک دوسرے کی تربیت کو اپنی ذاتی منفعت کی غرض سے اختیار کرتے ہیں۔ دوسرے اللہ تعالیٰ کے خزائن عامرہ ہیں۔ ان میں کبھی کمی واقع نہیں ہوتی کل مخلوقات کی تربیت اس سے مستفیض ہوتی ہے مگر اس کے خزائن ہمیشہ لبریز رہتے ہیں بخلاف اس کے مخلوق کی تربیت میں مال وخزانے میں کمی پائی جاتی ہے۔ تیسرے بندہ کے آگے فقیر بہت آہ وزاری کے بعد کچھ مانگتا ہے اور وہ اسے جھڑک کر نا کام لوٹا دیتا ہے لیکن ذاتِ الٰہی کے دروازہ سے کوئی محروم نہیں رہ سکتا جس قدر زیادہ آہ وزاری ہو اسی قدر اس کا عطیہ بڑھتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ان اللہ یحب الملحین فی الدعاء چوتھے دنیا میں بدون مانگے بخشش نہیں ہوتی لیکن ذاتِ الٰہی سے بن مانگے ملتا ہے۔ ماں کے پیٹ میں بچے کی پرورش فرماتا ہے کیا تمہیں معلوم نہیں کہ عالم طفلیت میں پرورش اور تمہاری نگہبانی وہی کرتا تھا حالانکہ تم اس وقت عقل وشعور سے فارغ اور محض جاہل تھے تم میں سوال کرنے کی مطلقاً لیاقت نہ تھی۔ پانچویں دنیا کے محسنوں کا احسان دائمی نہیں بلکہ انتقالِ مکانی فکر اور موت کے باعث منقطع ہو جاتا ہے مگر ذاتِ الٰہی کے احسانات کا سلسلہ لگاتار جاری رہتا ہے اور کسی وقت منقطع نہیں ہوتا چھٹا بندوں کا احسان عام نہیں ہوتا بلکہ ایک خاص قوم یا فرد تک محدود ہے اور تعمیم ان کے امکان سے باہر ہے مگر ذاتِ الٰہی کا احسان عام ہے ہر کس وناکس کو ملتا ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا ورحمتی وسعت کل شیٔ تو مذکورہ بالا دلائل سے اللہ تعالیٰ کا رب العالمین ہونا پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا اور معلوم ہو گیا کہ وہ کل مخلوق کا محسن اور مشفق ہے یہی وجہ ہے کہ اس نے اپنے آپ کو رب العالمین فرمایا۔

فائدہ نمبر 3:

دنیا معزز وممدوح ومحمود ہونے کا دار ومدار چار امور پر ہوتا ہے۔ اول ذات وصفات میں کامل اور آفات سے محفوظ ہونے کی وجہ سے بڑا سمجھا جاتا ہے خواہ وہ احسان کرے یا نہ کرے۔ دوسرے محسن ومنعم ہونے کے باعث۔ تیسرے زمانہ مستقبل میں احسان وانعام کے حاصل ہونے کی اُمید وابستہ ہوتی ہے۔ چوتھے رعب ودبدبہ سے معزز شمار ہوتا ہے۔ غرض یہ کہ ان چاروں حالتوں میں بڑائی اور ممدوح ہونے کا دار ومدار ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے بندو! اگر تم کمال ذاتی کو باعث مدح وحمد سمجھتے ہو تو میری حمد میں سرگرمی اختیار کرو کیونکہ میں رب العالمین ہوں جیسا کہ الحمد للہ سے ظاہر ہوتا ہے اور اگر تمہارے نزدیک احسان باعث اعزاز ہے تو میں رب العالمین ہوں اور اگر تمہاری مدح سرائی زمانہ مستقبل کی طمع وحرص کے دامن گیر ہونے کے باعث ہے تو میں رحمان ورحیم ہوں اور اگر ثناء خوانی جاہ وجلال سے خوفزدہ ہونے پر مبنی ہو تو میری طرف متوجہ ہو میں مالک یوم الدین ہوں۔

فائدہ نمبر 4:

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو مختلف طریق سے پرورش کرتا ہے اور ہم اس کی چند مثالیں پیش کرتے ہیں:

مثال نمبر 1: عورت کے پیٹ میں قطرۂ منی کو مختلف تبدیلیاں اور تغیرات لاحق ہوتے ہیں خیال کرنے کا مقام ہے کہ وہی قطرہ رحم میں کیا کیا اشکال تبدیل کرتا ہے اول اس کا خون بنتا ہے پھر پارۂ گوشت ازاں بعد مختلف اعضاء ہڈیاں رگیں معدہ پانی کی نالیاں وغیرہ وغیرہ تیار ہو کر باہم ایک دوسرے سے متصل ہو جاتی ہیں ازاں بعد ہر ایک میں علیحدہ علیحدہ قوت پیدا ہوتی ہے آنکھ میں قوت باصرہ کان میں قوت سماعت زبان میں قوت ناطقہ وغیرہ جو تفصیل بحث کی گئی اس سے الٰہی تربیت کا پتہ ملتا ہے۔

مثال نمبر 2: ایک دانہ زمین میں بویا جاتا ہے اس کی اسفل پھٹ جاتی ہے۔ جانب اعلیٰ کے پھٹنے سے اس میں سے مختلف شاخیں نکلنی شروع ہو جاتی ہیں شاخوں پر پتے نمودار ہو جاتے ہیں بعد ازاں بور اور پھل آنا شروع ہو جاتا ہے اور پھل کثافت اور لطافت دونوں موجود ہوتی ہیں اس پر چھلکا پھر مغز ازاں بعد اس میں فراخی اسی طرح جانب اسفل سے پھٹنے پر جڑیں زمین میں چلی جاتی ہیں اور زمین سے خوراک حاصل کرتے ہیں علاوہ اس کے انہیں اللہ تعالیٰ نے قوت جاذبہ عطاء کی ہے۔ جو غذا مہیا کرنے کا کام دیتی ہے۔ ان تمام تدبیرات میں بھی حکمت مضمر ہے انسان اپنی جملہ ضروریات کو پورا کرنے پھل اور میوے کھانے اور ان کا نچوڑ پینے کو جڑیں اور بوٹیاں دوا کے لئے مغزیات قوت دماغی اور تیل مختلف طریق سے استعمال کرنے کو غرض یہ کہ کوئی بھی ایسی شئے نہیں جس سے انسان فائدہ اٹھاتا ہو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے انا صببنا

Marfat.com

الماء صبًّا ثم شققنا الارض شقًا۔

مثال نمبر 3: اللہ تعالیٰ نے آسمان اور ستاروں کو پیدا فرمایا صرف اس لئے کہ انسان اپنی ضروریات کو حاصل کر سکے رات پیدا کی کہ آرام کر کے تھکان دور کر سکے دن کو روزِ معاش تلاش کرنے کے لئے بنایا غور سے سنو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وھو الذی جعل الشمس ضیاءً والقمر نوراً وقدرہ منازل لتعلمو اعدد السنین والحساب دوسری جگہ فرمایا ھو الذی جعل لکم النجوم لتھتدوا تا آخر آیت۔ نباتات حیوانات اور معاون کے عجائبات میں اگر انسان غور کرے تو معلوم ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کی تربیت اور اسباب وطریق کی کوئی بھی انتہا نہیں اور اس کی رحمت کا پورا پورا ثبوت مل جائے گا اور یہ سب اللہ تعالیٰ کے اسرار سمندر بے پایاں میں ایک قطرہ ہوگا۔ حدیث شریف میں بھی آیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا انسان کا پالنا جمادات نباتات تمام عالم موجودات اللہ تعالیٰ کے بے پایاں سمندر کا ایک قطرہ ہے وہ قطرہ بھی وسیع ہے اور الحمد للہ رب العالمین کے رموزات سے ایک دانہ ہوگا۔

فائدہ نمبر 5:

الحمد للہ میں اللہ تعالیٰ نے حمد کو منسوب کرنے کے بعد عالمین کو منسوب کیا اس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ اے بندو! میں حمد پسند کرتا ہوں اس لئے میں نے اسے اپنی طرف منسوب کیا کیونکہ وہ میری ملکیت ہے اس کے بعد میں نے اپنے آپ کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ میں ربّ العالمین ہوں، ظاہر ہے کہ عمدہ خوبیوں کو دوسروں سے بیان کرتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کامل صفتوں سے ربّ العالمین ایک صفت معلوم ہوتی ہے اور دراصل ہے بھی ایسا کیونکہ تام ہونا اور کامل سے بڑھ کر ہونا بڑی خوبی ہے اور لفظ اللہ سے اس کا واجب الوجود بالذات ہونا ظاہر ہوتا ہے جو صفت تام ہے اور رب العالمین سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ماسواء باقی سب کے سب اس کے چشمۂ فیض سے مستفیض اور اس کے احسان وتربیت سے مستفیض ہیں اور یہ صفت تام سے بڑھ کر صفت ہے۔

فائدہ نمبر 6:

ومایعلم جنود ربّک الا ھو سے دوسری مخلوق کا وجود معلوم ہوتا ہے ظاہر ہے ماسوائے ذات کبریائی کے کوئی دوسرا الٰہ نہیں اور وہ ذات ہمیں اس طرح پرورش کرتی ہے گویا قابلِ پرورش ہم ہی ہیں اور کوئی نہیں لیکن ہم ہیں کہ اس کی خدمت اس طرح بجالاتے ہیں کہ ہمارا معبود کوئی دوسرا بھی ہے تو غور کرنے کا مقام ہے کہ اس کی تربیت کس درجہ کی ہے۔ دن کی کل بلیات سے بلاکسی معاوضہ کے ہمیں محفوظ رکھتا ہے اور رات کے وقت کل خوف ناک چیزوں سے بلاکسی معاوضہ کے ہماری پاسبانی فرماتا ہے۔ بے شک پاسبان بادشاہ ہی کی پاسبانی کرتے ہیں مگر کیا حشرات الارض کے کاٹنے سے وہ اسے بچاسکتے ہیں یا بلیات آسمانی سے نجات دے سکتے ہیں ہرگز نہیں لیکن محافظ حقیقی آدھی رات کے وقت جب کہ ہر طرف اندھیرا ہوتا ہے کل خوف ناک اور ہر طرح کی آفتوں بلاؤں دشمنوں اور جملہ مکروہات سے محفوظ رکھتا ہے اور اس پر کچھ ضروری نہیں تو کیا کم یہ تربیت اور احسان ہے یہ بہت بڑا احسان ہے جس کا کوئی مقابلہ نہیں ہوسکتا کیا یہ تربیت نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ انسان اللہ تعالیٰ کی بنیان ہے اور اللہ تعالیٰ کی بنیان کو کون گراسکتا ہے آیت قل من یکلؤکم (پارہ نمبر ۱۷ رکوع چوتھا آیت پہلی) کے یہی معنی ہیں کہ اگر ہمیں لیل ونہار کی آفات سے محفوظ رکھ سکتا ہے تو صرف وہی ذات واحدانی وجباری بچاسکتی ہے جس کے ہاتھ تصریف اور قلوب کی طاقت ہے اور جو دلوں کو مخفی دمخفی اسرار ورموز سے مطلع کرتا ہے۔

فائدہ نمبر 7:

قدریہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اسی وقت ربّ العالمین ہونے کا مستحق ہوسکتا ہے اگر وہ تربیت کرے احسان کرے ضرر اور نقصان سے محفوظ رکھے لیکن خود ہی کافر بنائے اور پھر عذاب کرے اور پھر خود ایمان لانے کا حکم فرمائے تو ایسی صفات کا مالک ربّ العالمین ہی ہے اور ربّ العالمین کہلانے کا مستحق ہے بلکہ اسے موذی اور ضرررساں کہنا مناسب ہوگا اس کے مقابلہ میں فرقہ جبریہ کہتا ہے کہ ربّ اور مربی وہی ہوسکتا ہے جس سے صدورِ انعامات ہو اور وہ لطیف ورحیم ہو۔ ایمان سب نعمتوں سے بڑی نعمت ہے اور ایمان اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے کسی دوسرے کی کیا طاقت کہ وہ ایمان جیسی نعمت کسی کو لے دے سکے تو لامحالہ وہ ربّ العالمین اور محسن مخلوق کہلانے کا مستحق ہے۔

Marfat.com

فائدہ آٹھواں:

لفظ رب کی نسبت لفظ اللہ اشرف وافضل ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن حضرت سیدنا مولا علی کے مجموعہ الا حادیث سے حدیث درج کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ لفظ اللہ کا ذاتی نام ہے اس کی انتہاء تک کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ جس کی نہ ابتداء ہے نہ انتہاء ہے فرمایا باقی تمام اسماء اس کے صفاتی ہیں اور ممتاز نام اللہ ہے اور حضرت امام حسن بن علی فرماتے ہیں کہ میں کھجور پر چڑھا ہوا کھیل رہا تھا اور زبان پر اللہ اللہ کہہ رہا تھا اور نانا جی (ﷺ) نے مجھے کھجور سے اتارا اور اپنے کندھوں پر بٹھایا فرمایا حسن بیٹے یہی اللہ کا ذاتی اور تمام ناموں سے ممتاز نام ہے یہ حدیث حضرت امام حسین بن علی کی اسناد سے بھی درج کرتے ہیں۔ دعا کے وقت مجیب الدعوات کو یارب یارب کہہ کر پکارا جاتا ہے اس کے نکات اور وجوہات کو بھی اسی جگہ بڑی شرح وبسیط سے بیان کر دیا گیا ہے لہٰذا اعادہ کی ضرورت نہیں۔

(فصل تیسری)

(الرّحمٰن الرّحیمُ کے بیان میں)

اس میں بہت سے نکات ہیں:

فائدہ اوّل:

رحمٰن اسی منعم کو کہتے ہیں جس کی نعمتوں کی سی نعمت بندوں سے صادر نہ ہو سکے ابراہیم بن ادہم بیان کرتے ہیں کہ میں کسی قوم کے ہاں مہمان ہوا اور دستر خوان بچھایا گیا، ایک کوّا آیا اور روٹی کا ٹکڑا اٹھا کر چلا گیا مجھے تعجب ہوا اور میں نے اس کا تعاقب کیا تو وہ ایک پہاڑ کی چوٹی پر پہنچا وہاں ایک شخص بیٹھا ہوا تھا جس کے ہاتھ پاؤں جکڑے ہوئے تھے۔ کوّے نے روٹی کے ٹکڑے کو اسی کے آگے پھینک دیا۔ بیان کرتے ہیں کہ ذوالنون نے فرمایا ایک مرتبہ گھر میں بیٹھے ہوئے دفعتاً میرے دل میں ایک ولولہ اٹھا جس نے میری عقل وہوش زائل کر دی اسی گھبراہٹ سے گھر سے نکل کر نیل کے کنارے پر پہنچا ایک بچھو کو دوڑتے ہوئے دیکھ کر اس کے پیچھے ہولیا وہ نیل کی ایک جانب پہنچ کر مینڈک کی پشت پر سوار ہو گیا۔ مینڈک خوف زدہ ہو کر تسبیح پڑھتے ہوئے بھاگنے لگا میں کشتی میں سوار ہو کر اس کے ساتھ ساتھ ہولیا۔ میں نے ایک نوجوان درخت کے نیچے سویا ہوا دیکھا جس کی طرف ایک بڑا زہریلا سانپ بڑھا آ رہا تھا یہاں تک کہ وہ اس نوجوان کے بالکل قریب پہنچ گیا اتنے میں بچھو بھی پہنچ گیا تو ان دونوں میں لڑائی شروع ہو گئی ایک دوسرے کو کاٹتے ہوئے آخر دونوں مر گئے اور وہ نوجوان سانپ کے نقصان سے محفوظ رہا۔ بیان کرتے ہیں کہ کوّے کا بچہ جس وقت انڈے سے نکلتا ہے اس کے جسم پر پر وبال نہیں ہوتے بلکہ پارۂ گوشت سرخ رنگ کا ہوتا ہے کوّا اور اس کی مادہ اس کو چھوڑ کر چلے جاتے ہیں اس کی پرورش نہیں کرتے مگر مچھر اسے گوشت کا ٹکڑا سمجھ کر اس کے قریب آنا شروع ہو جاتے ہیں وہ انہیں کھا لیتا ہے یہاں تک کہ وہ طاقت پکڑ جاتا ہے اس کے بدن پر بال وپر نمودار ہو جاتے ہیں اور اس کا گوشت بالکل چھپ جاتا ہے اور اس وقت اسکے ماں باپ دونوں اس کے پاس آ جاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ بعض دعاؤں میں یارزاق الغراب فی عشہ دیکھا جاتا ہے، غرضیکہ ان تینوں حکایتوں سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فضل عام ہے ہر ایک کو پہنچتا ہے اور اس کی رحمت کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ حوادثات کی دو (۲) قسمیں ہیں بعض امور کو انسان موجب رحمت سمجھتا ہے لیکن درحقیقت وہ موجب عذاب اور تکالیف ہوا کرتے ہیں اسی طرح بعض امور کو باعث تکلیف خیال کیا جاتا ہے لیکن دراصل وہ باعث رحمت اور فرحت ہوا کرتے ہیں پہلی قسم کی مثال یہ ہے کہ والد فرط محبت میں بیٹے کو اپنی مرضی پر چھوڑ دیتا ہے اس کے کسی فعل پر تادیب زجر نہیں کرتا بظاہر اگرچہ یہ بھلا معلوم ہوتا ہے مگر فی نفسہ عمدہ نہیں اور اس کا نتیجہ تکلیف ہے۔ دوسری قسم کی مثال یہ ہے کہ والد اپنے لڑکے کو بغرض تعلیم مدرسہ میں بٹھاتا ہے روزمرہ کی مار پیٹ گالی گلوچ بظاہر برا معلوم دیتی ہے۔ لیکن وہ گالیاں دراصل گھی کی نالیاں ہوا کرتی ہیں اور اس کا نتیجہ خوشی ومسرت ہوتی ہے اس تمہید کے بعد فقیر یہ کہتا ہے کہ دنیا میں انسان کو محنت ومشقت اور طرح طرح کی صعوبتیں اور غم واندوہ کا سامنا ہوتا ہے جس سے انسان گھبرا جاتا ہے اور انہیں حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے مگر کتب طب کے مطالعہ سے

Marfat.com

معلوم ہوتا ہے کہ ان میں بڑی بڑی حکمتیں پوشیدہ ہوتی ہیں اور اس میں حکیم علی الاطلاق کی رحمت مضمر ہے اہل حکمت کا قول ہے کہ تھوڑی سی تکلیف کے عوض میں بہت سی راحتوں اور بھلائیوں کو چھوڑنے میں بہت سی تکلیفیں ہیں۔ غرض یہ کہ ان تکالیف سے روح جسمانی کو آلائش سے پاک وصاف بنانا مقصود ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان احسنتم احسنتم (پندرہواں پارہ، پہلا رکوع) اور دوزخ کے بداعمال سے ہٹا کر اعمال صالح کی طرف لے جانا اس کی اصل غرض ہے۔ دار فانی سے دار بقاء کی طرف جانے کی ترغیب ہوتی ہے جیسا کہ ففروا الی اللہ سے ظاہر ہوتا ہے اور خضر اور موسیٰ علیہ السلام کا قصہ اس مطلب کو پورے طور پر ذہن نشین کر دیتا ہے اور حضرت موسیٰ حقیقت حال اور فوائد مضمرہ سے آشنا تھے انہیں حضرت خضر کے جملہ افعال برے دکھائی دیئے انہیں کشتی کو توڑنا اور لڑکے کو قتل کرنا، گری ہوئی دیوار کو بنانا بقیاس ظاہر برا معلوم ہوا لیکن خضر علیہ السلام اسرار و رموزات مخفیہ سے پورے طور پر واقف تھے۔

نوٹ:

خضر علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ پارہ نمبر ۱۶ میں جب پہنچا تو صاحب خزینۃ القرآن کسے استدلال سے جو انہوں نے احادیث کو درج کیا، بیان کروں گا کہ خضر نبی تھے یا ولی؟ انہیں ان افعال کے سرانجام دینے میں حضرت موسیٰ کا تشدد ذرا بھی مانع نہ ہوا اور آخر الامر حضرت موسیٰ گویا یوں ہوئے اما السفینۃ سے لے کر رحمۃ من ربک تک پارہ نمبر ۱۶ ارکوع پہلا میں دیکھئے۔ قصہ ہذاء سے معلوم ہوگیا کہ حکیم حاذق کے جملہ افعال مبنی بر ظاہر نہیں ہوا کرتے بلکہ ان میں بہت سی حکمتیں اور اسرار عجیبہ مخفی ہوتے ہیں۔ انسان کو ہمیشہ اس امر کو مدنظر رکھنا چاہئے۔ تکلیفات اور مکروہات طبعیہ کے پیش آتے وقت بالکل گھبرانا نہیں چاہئے کیونکہ ہم حقیقت حال سے محض ناآشنا ہیں۔ ہمیں ظاہری حالت پر حکم نہیں لگانا چاہئے ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے کہ یہ سب تکالیف اور ناکامیاں منشائے اللہ تعالیٰ کے بالکل مطابق ہیں اور ان میں کوئی نہ کوئی حکمت ضروری ہوتی ہے اس وقت آپ کو الرّحمٰن الرّحیم کے اسرار کا کچھ تھوڑا سا پتہ مل گیا ہوگا۔

فائدہ نمبر 2:

رحمٰن صرف ذاتِ الٰہی سے مخصوص ہے انسان پر اس کا اطلاق نہیں ہوسکتا اور رحیم کا اطلاق بندوں پر بھی ہوسکتا ہے اس پر اگر کوئی یہ کہے کہ اعلیٰ چیز کے بیان کرنے کی کیا وجہ ہے تو جواب یہ ہے کہ بڑے آدمیوں سے معمولی وحقیر چیز طلب نہیں کی جاتی۔ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے ایک رئیس سے کہا کہ آپ کے حضور میں ایک چھوٹے سے کام کی غرض سے حاضر ہوا ہوں۔ اس نے کہا کہ چھوٹے کام کے لئے چھوٹے آدمیوں کے پاس جاؤ۔ چھوٹے کام بڑوں کے سامنے حقیر ہوتے ہیں غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ شہنشاہوں کا شہنشاہ ہے اس سے چھوٹی چیز مانگنا دشوار تھا اور انسان اپنی معمولی حاجات کو اس کے سامنے پیش نہ کرسکتا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے الرحمٰن الرحیم کہہ کر اجازت دے دی کہ میرے بندے تو مجھے رحمٰن جان کر مجھ سے بڑے بڑے امور طلب کرتا ہے اسی طرح میں رحیم ہوں مجھ سے اپنی حاجات پیش کرنے سے مت رک۔ تمہارے پاس نمک نہ ہو تو مجھ سے طلب کرو، جوتی کا تسمہ نہ ہو تو مجھ سے مانگو جیسا کہ ہنڈیا کا نمک اور بکری کا چارہ وغیرہ۔

فائدہ نمبر 3:

اس نے اپنے آپ کو رحمٰن ورحیم بیان فرمایا ہے۔ حضرت مریمؑ کو ایک رحمت عطا فرمائی جیسا کہ فرمایا رحمۃ منا جو ان کے لئے باعث نجات اور کفار کی گوشمالی کا موجب ہوئی اور ہم روزمرہ دن میں چونتیس (۳۴) مرتبہ رحمٰن ورحیم کہتے ہیں ایک تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے پڑھنے کے وقت اور دوسری دفعہ الحمد کے بعد الرحمٰن الرحیم کہتے ہیں تو جب مریم کی نجات اور ازالہ مکروہات صرف ایک دفعہ رحمت کے ذکر سے ہوگیا تو کیا دن میں چونتیس مرتبہ رحمٰن ورحیم کہنا مسلمانوں کی نجات اور دوزخ سے بچانے کا موجب نہ ہوگا، بے شک ہوگا۔

فائدہ نمبر 4:

اللہ تعالیٰ رحمان ہے کیونکہ انسان کی طاقت سے باہر امورات مہیا کرنے والا ہے، رحیم ہے اس لئے کہ اس سے ایسے افعال صادر ہوتے ہیں جن پر انسان قادر نہیں تو گویا اللہ تعالیٰ یہ کہتا ہے کہ اے بندے میں رحمٰن ہوں تو بدبودار نطفہ تھا میں نے تجھے اچھی صورت عطا فرمائی جیسا کہ فرمایا وصورکم فاحسن صورکم میں رحیم ہوں۔ تو معمولی سی خدمت بجالاتا ہے اور میں تجھے پاکیزہ اور خوشنما جنت عطاء کرتا ہوں۔

Marfat.com

فائدہ نمبر 5:

لکھا ہے کہ کسی نوجوان کی زبان مرنے کے وقت بند ہوگئی اور وہ اشھد ان لا الٰہ الا اللہ کہنے سے عاجز ہوگیا تو کسی نے سرور کائنات کی خدمت میں عرض کیا تو آپ اٹھ کھڑے ہوئے اور آپ اس نوجوان کے پاس گئے اور کلمہ شہادت پڑھنے کی تلقین کی۔ ہر چند اس نے جدوجہد کی مگر ناکام رہا اور ایک بھی لفظ زبان سے نہ نکال سکا۔ آپ (ﷺ) نے فرمایا کہ والدین کا نافرمان تو نہیں تھا تو حاضرین نے عرض کیا کہ ہاں۔ آپ نے فرمایا کہ اس کی ماں کو بلاؤ تو اس سے آپ نے فرمایا کیا تو اپنے بیٹے کی خطا کو معاف کرتی ہے اس نے جواب دیا ہرگز نہیں، اس نے طمانچوں سے میری آنکھ سرخ کر دی تھی۔ آپ نے فرمایا آگ اور ایندھن لے آؤ۔ عورت نے پوچھا، حضرت آپ اسے کیا کریں گے۔ آپ نے فرمایا اسے آگ میں جلائیں گے تو اس نے کہا میں اسے معاف کرتی ہوں تو فوراً اس میں حرکت آگئی اور کلمہ شہادت زبان پر جاری ہوگیا۔ اس سے یہ نکتہ نکلتا ہے کہ وہ عورت باوجود کہ رحیم تھی لیکن اس قلیل مقدار کی رحمت کا یہ تقاضا تھا کہ آگ میں جلنا پسند نہ کیا اور قصور معاف کر دیا تو کیا وہ ذات جو بڑی رحمتوں کی مالک اور رحمان ہے وہ کیسے اپنے بندوں کو جن کی زبانیں ہر وقت کلمۂ شہادت سے مرطوب رہتی ہیں، کیسے دوزخ کی آگ میں جلتا ہوا دیکھ سکتا ہے۔

فائدہ نمبر 6:

یہ واقعہ مشہور ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے قوم کی نافرمانی و حکم عدولی پر یہ فرمایا اللھم اھد قومی فانھم لا یعلمون اور قیامت کے دن امتی امتی پکاریں گے۔ دراصل یہ سب باتیں دنیا و آخرت میں بہت بڑی نعمتیں ہیں ایسا کیوں تھا اس لئے کہ جناب پاک بحکم لم یزلی وما ارسلنک الا رحمۃ للعالمین امت کے لئے رحمت ہیں۔ جب ایک رحمت کا نتیجہ یہ ہے تو اس ذات کی نعمت اور مہربانیوں کی کیا حد ہوسکتی ہے۔ جو الرحمن الرحیم ہے۔ لکھا ہے کہ آپ نے فرمایا اے خدا میری امت کا حساب میرے سامنے کیجیو نیز آپ نے ایک شخص کا جو دو درہم کا مدیون ہو کر مر گیا تھا اس کا نماز جنازہ پڑھنے سے منع فرمایا ایسا ہی آپ نے بی بی عائشہ کو تہمت کے باعث ان کے والدین کے گھر بھیج دیا تھا تو گویا اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک ﷺ سے یوں مخاطب ہوتا ہے۔ اے حبیب تو ایک رحمت کا مالک ہے جیسا کہ وما ارسلنک الا رحمۃ للعالمین سے ظاہر ہے اور اصلاح دنیا کے لئے ایک رحمت کافی نہیں ہوسکتی پس اپنی امت اور میرے بندوں کو میرے سپرد کر دے کیونکہ میں رحمان و رحیم ہوں اور بہت سی رحمتوں کا مالک ہوں۔ صاحب خزینۃ القرآن مجموعہ الاحادیث سے حدیث درج کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ مذکورہ بالا آیت تلاوت فرما رہے تھے، فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے سب کے لئے رحمت بنایا ہے جنوں پر انسانوں پر جمادات عرش و کرسی مخیّرات و غیر مخیّرات سب کل عالم مودات میری رحمت میں شامل ہے اور میری رحمت کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمانیت کا مظہر فرمایا ہے۔ حدیث سے نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ نے لفظ رحمۃ فرما کر سرکار کی رحمت کو ساری کائنات پر غالب فرمایا اور آپ کی رحمت کا ساری کائنات کو مستحق فرمایا۔ حضور رحیم مومنوں کے لئے ہیں۔ اسی حدیث میں فرمایا کہ میری رحمت سب پر عام ہے اور میں رحیم مومنوں کے لئے ہوں۔ صاحب خزینۃ القرآن مجموعہ الاحادیث سے ایک حدیث درج کرتے ہیں۔ غزوہ احد میں صحابہ نے ایک بکرا ذبح کیا تو کلیجہ کو بھونا اور کہا کہ یہ سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں جب وہ کلیجہ پیش کیا گیا تو حضرت مولا علی فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے وہی کلیجہ لوگوں میں تقسیم کر دیا انہوں نے کہا یہ تو آپ کا تھا۔ آپ نے فرمایا میں رحمت عام ہوں۔ تمام رحمت اللہ تعالیٰ نے میرے سپرد فرمائی ہے اور رحمت کا کل مجموعہ مجھے بنایا ہے اور یہ الفاظ فرمائے ان ما انا قاسم واللہ معطی رب دینے والا اور میں تقسیم کرنے والا ہوں۔ صاحب خزینۃ القرآن اس حدیث کو علامہ عبدالرزاق اور حضرت ابوہریرہ کی اسناد سے نقل کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ اس اسناد میں یہ مذکورہ بالا رحمت والے الفاظ نہیں ہیں صرف انما انا قاسم ہے فرماتے ہیں۔ مجھے علامہ عبدالرزاق کی سند سے مولا علی کی سند زیادہ مضبوط ہے۔ ہوسکتا ہے کہ علامہ عبدالرزاق کے راوی کو وہ الفاظ یاد نہ رہے ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میری رحمت وسیع ہے اور میرے بندوں کے گناہ لامتناہی ہیں اسی طرح تیری امت کی بدکرداریاں میری رحمت کے سمندر میں غرض ہو جائیں گی اور میری رحمت انہیں ڈھانپ لے گی کیونکہ میں رحمان و رحیم ہوں۔

شرط پہلی: کہ رحمت کرنے والا رحمت کرنے پر قدرت رکھتا ہو۔

شرط دوسری: جس پر وہ رحمت کرے اس کی حقیقت سے واقف ہو۔

شرط تیسری: وہ موجود ہے۔

Marfat.com

شرط چوتھی: کہ رحمت وسیع ہو۔

یہ چاروں شرائط اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک کو عطا کیں۔ اور حضور ﷺ سارے عالم کے لئے رحمت ہوئے۔ اور رحمت ہیں۔ اب بھی سارا عالم حضور ﷺ کی رحمت میں ہے۔ سارے عالم پر حضور ﷺ کی رحمت حاوی ہے اور سرکار ﷺ ساری کائنات پر سایہ ہیں اور سائے کے لئے سایہ نہیں ہوا کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے میرے محبوب میں نے سارے عالم کے لئے تجھے سایہ بنایا ہے۔ اس لئے تیرا سایہ نہیں بنایا لہٰذا حضور ﷺ کی رحمت اب بھی موجود ہے کیونکہ حضور سارے عالم کے لئے رحمت ہیں اور آپ ﷺ کا تصرف ساری کائنات میں موجود ہے۔

فائدہ نمبر 7:

قدریہ کہتے ہیں کہ نار و جہنم کو پیدا کرنے والا اور مخلوق کو ابدالآباد تک عذاب میں رکھنے والا خود ہی کافر بنانے والا اور پھر عذاب پہنچانے والا۔ اور خود ہی ایمان لانے کا حکم دینے والا خود ہی ایمان سے روکنے والا کیسے رحمان رحیم ہو سکتا ہے؟

اس کے مقابلے میں فرقہ جبریہ کہتا ہے کہ تمام نعمتوں اور مہربانیوں سے بڑی مہربانی ایمان ہے۔ تو اگر ایمان فعل ثانی کا نتیجہ ہوتا تو وہ رحمان رحیم کہلاتا حالانکہ ایسا نہیں۔

(فصل چوتھی)

(تفسیر مالک یوم الدین کے بیان میں)

اس کے متعلق بہت سے نکات ہیں:

فائدہ پہلا:

مالک یوم الدین یعنی وہ ذات جو یوم حشر کی مالک ہے۔ تفسیر اس کی یہ ہے کہ محسن اور محسن کش۔ تابعدار اور نافرمان۔ مطابق اور مخالف میں کسی قسم کا فرق ضرور ہوتا ہے۔ مگر اظہار فرق روز جزاء ہی میں ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ آیات قرآنی سے ظاہر ہوتا ہے۔ لِيَجْزِيَ الَّذِينَ اسَاؤُا بِمَا عَمِلُوا. ويجزى الذين احسنوا بالحسنى۔ ہر ایک جانتا ہے کہ ظالم کو ظلم کرتے دیکھ کر اسے مظلوم پر بے انتقام چھوڑے رکھنا دلیل عجز یا جہالت یا رضامندی ہوا کرتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ ان صفات سے موصوف نہیں اور ایسا ہونا مشکل ہے تو ضروری ہوا کہ اللہ تعالیٰ مظلوموں کی طرف سے ظالموں کو ان کے ظلم کا بدلہ دے۔ لیکن چونکہ انتقام دنیا میں نہیں مل سکتا لامحالہ انتقام آخرت میں لیا جائے گا۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ قیامت کے دن ایک ایسا شخص پیش کیا جائے گا جس نے دنیا میں رہ کر کوئی نیکی نہیں کی۔ اسی پشیمانی میں اسے ایک طرف سے آواز آئے گی۔ لوفلاں شخص اپنی فلاں نیکی کے بدلے میں جنت میں داخل ہوا۔ یہ آواز سن کر وہ شخص کہے گا۔ یا الٰہی مجھ سے کوئی نیک کام صادر نہیں ہوا۔ وہ کون سی میری نیکی ہے جس کے بدلے میں آج مجھے جنت میں داخل کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تو نے رات کے وقت سوتے ہوئے پہلو بدلتے پر اللہ کا لفظ کہا تھا جس کو تو نے بالکل فراموش کر دیا لیکن میں نیند اور نیم خوابی سے پاک ہوں مجھے وہ واقعہ نہیں بھولا۔

نیز ایک دوسرا شخص حاضر کیا جائے گا اس کی نیکیوں اور بدیوں کا موازنہ کیا جائے گا بدیوں کا پلہ بھاری ہوگا اور نیکیوں کا پلہ ہلکا اس وقت نیکیوں کے پلہ میں ایک چھوٹا سا پرزہ جس پر اشهد ان لا اله الا الله لکھا ہوگا ڈالا جائے گا جس کے بوجھ سے نیکیوں کا پلہ بھاری ہو جائے گا اور بدی کا ہلکا۔ یہ تو ایک دفعہ کہنے کا سبب ہے۔ لیکن جس کی زبان پر ہر وقت یہ کلمہ جاری رہے اس کا کیا حساب ہوگا۔ دنیا میں انسان کے دو حق ہیں حقوق اللہ اور حقوق العباد۔ اللہ تعالیٰ غنی عن العالمین ہے۔ اس لئے حقوق اللہ میں چشم پوشی ہو سکتی ہے۔ لیکن حقوق العباد سے فروگزاشت نہیں ہونی چاہئے۔ اور ان کے حقوق میں کسی طرح کا توقف جائز نہیں۔

Marfat.com

امام اعظمؒ کا ذکر ہے۔ایک مرتبہ آپ اپنے مقروض کے مکان پر مطالبہ قرض کے لئے تشریف لے گئے۔مکان کے قریب پہنچ کر اتفاقاً آپ کی جوتی پر نجاست گری۔آپ نے نجاست دور کرنے کے لئے دیوار سے اس جوتی کو جھاڑا۔نجاست مجوسی کے مکان کی دیوار پر جا لگی۔آپ کو اس سے بہت پشیمانی ہوئی اور حیران تھے کہ کیا کیا جائے۔اگر نجاست دور نہ ہو تو دیوار کی زیبائش میں فرق آتا ہے اور کریدنے سے مٹی گرے گی۔اسی سوچ بچار میں آپ نے دروازہ کھٹکھٹایا۔لونڈی آئی۔آپؒ نے اس سے کہا۔مالک سے کہو کہ ابوحنیفہ دروازے پر کھڑا ہے تو مجوسی نے خیال کیا کہ آپ مطالبہ قرض کے لئے تشریف لائے ہیں۔آتے ہی معذرت شروع کردی تو امام اعظمؒ نے معذرت کا مناسب جواب دینے کے بعد دیوار کا سارا قصہ سنایا اور دریافت فرمایا کہ دیوار سے نجاست کس طرح دور ہوسکتی ہے۔مجوسی نے آپ کو سوال اور تمام واقعہ سن کر کہا کہ دیوار کو صاف کرنے سے پہلے میرے دل کی صفائی زیادہ مناسب ہے۔

چنانچہ اسی وقت اس نے اسلام قبول کرلیا تو اللہ تعالیٰ کے علم کے لئے کنارہ کشی کے سبب مواجبات راحت کیا کم ملیں گے۔

فائدہ دوسرا:

قاریوں میں اختلاف ہے۔بعض آیت ہذا کو (مالکِ یوم الدین) اور بعض (مَلکِ یوم الدین) پڑھتے ہیں۔فریق اول یہ دلیل پیش کرتا ہے۔

اوّل: مالک میں ایک حرف زیادہ ہے۔تو اس کے پڑھنے میں ثواب زیادہ ملے گا۔

دوم: قیامت کے روز بادشاہ تو بکثرت موجود ہوں گے لیکن حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہوگا۔

سوم: مَــــلِک کا لفظ مختصر ہے اور مخفی نہیں۔اس لفظ کو با آسانی پڑھا جاتا ہے۔اور پورا کرلیا جاتا ہے لیکن مالک کا لفظ طویل ہے۔ممکن ہے کہ وہ پورے طور پر ختم نہ کر سکے۔ایسا ہی حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے۔کسائیؒ نے جواب دیا ہے۔اگرچہ کلمہ ہذا کو ذکر کرنے سے اپنے ارادہ میں کامیابی نہ ہوسکے۔لیکن کم از کم ارادہ ہوگا۔اور یہی کافی ہے۔

مسائل شرعیہ میں سے ایک مسئلہ کو بطور مثال پیش کرتا ہوں۔

ایام رمضان میں اگر کوئی غروب آفتاب سے پہلے بحالت روزہ آئندہ دن میں روزہ رکھنے کی نیت کرے اور رات کو مرجائے تو ماجور نہ ہوگا کیونکہ وہ بوقت نیت روزہ دار تھا۔تو اس وقت دوسرے دن میں روزہ رکھنے کی نیت تطویل میں ہوگی۔بخلاف اس کے اگر بعد از غروب آفتاب روزہ کی نیت کرے اور رات میں مرجائے تو کہا جاسکتا ہے اگرچہ اسے دوسرے دن روزہ رکھنے کی مہلت نہ ملی۔مگر روزہ رکھنے کا ارادہ تو کیا تھا۔لہٰذا ماجور ہوگا۔اگرچہ اس میں بھی تطویل عمل موجود ہے لیکن اس وقت وہ روزہ دار نہیں۔اسی طرح مالک کو سمجھ لیا جائے۔اگرچہ پورا پڑھا گیا۔تو معتبر ورنہ مہلت نہ ملنے کی صورت پر اس کے دل میں پورا کرنے کا ارادہ تو ضرور ہوگا۔یہ حصول اجر کے لئے کافی ہے۔

اب فقیر کہتا ہے کہ دونوں صورتوں کے لوازمات مختلف ہوں گے بصورت ملک مندرجہ ذیل لوازمات ہیں:

حکم پہلا: سیاست کی چار قسمیں ہیں (سیاست املاک، سیاست ملوک، سیاست ملائکہ، سیاست ملک، ملک الملوک الملکوت) سیاست تملیکی کی ہیئت میں صفت ملوک کو زیادہ قوت حاصل ہے کیونکہ ملوک کا جم غفیر شاہی طاقت کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔حدیث پاک میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ مالک صرف اللہ کی ذات ہے اس کے لئے لفظ مالک لائق ہے اور لفظ ملک اس کے لئے مناسب نہیں کیونکہ یہ اس کی مخلوق کے لئے ہے۔فرمایا ملک اسے کہا جاسکتا ہے جس کی عارضی بادشاہت ہو۔حقیقی بادشاہت تو اللہ کی ہے۔اس لئے کہ وہ مالک ہے۔حضور ﷺ نے اس ذات کو مالک الملک کہا۔

امام اعظم کے نزدیک سردار حد قائم کرنے کا مجاز نہیں۔بخلاف اس کے بادشاہ لوگوں پر حد قائم کرسکتا ہے۔اس طرح سیاست ملائکہ ملوکی کی نسبت زیادہ زبردست ہے۔ظاہر ہے کہ بڑے بڑے بادشاہوں کے گروہ کو بھی ایک فرشتہ کے مقابلہ کی طاقت نہیں۔

جبکہ فقیر تو یہ کہے گا کہ سارے جہاں کے بادشاہ اکٹھے ہو جائیں تو ایک فرشتے سے مقابلہ نہیں کرسکتے۔اور سیاست ملک الملوک سیاست ملائکہ سے زیادہ قوی ہے حالانکہ وہ اسی ذات کو لائق ہے جس نے سارے عالم کو پیدا کیا۔یہ اسی کی بادشاہت ہے۔اے بادشاہ تجھے اپنے مال و جاہ پر مغرور نہیں ہونا چاہئے۔کیونکہ مــــالک

Marfat.com

یوم الدین کا قبضہ تم پر مسلط ہے اور تم اس کے قبضہ سے باہر نہیں جاسکتے۔ اور اے بادشاہو! تمہیں شاہی سیاست کا خوف ہے تو کیا اس ذات سے بے خوف ہو سکتے ہو جو تمام شہنشاہوں کا شہنشاہ ہے اور مالک یوم الدین ہے۔

حکم دوسرا: وہ ذات ایسی بادشاہ ہے جو تمام دنیا کے بادشاہوں سے ممتاز ہے اور ان کا بھی بادشاہ ہے۔

دنیا کے بادشاہوں کے خزانے مال و دولت سے بھرے ہوئے ہیں مگر سلطان السلاطین کے خزانے میں احسانات اور صدقات سے ذرا بھی کمی نہیں ہوتی۔ بلکہ زیادہ بھرپور ہوتے ہیں کیونکہ اگر شہنشاہ حقیقی کسی کو خزانے عطا فرمادے یا اس سے زیادہ تو یہ سب کے سب اس کے حکم کے تابع اور اس سے باہر نہیں ہوں گے۔ تو معلوم ہوا کہ جس قدر اس کی عطا زیادہ ہوگی۔ اس کی ملکیت اتنی ہی وسیع ہوگی۔

حکم تیسرا: منجملہ لوازمات شاہی کمالِ رحمت ہے جیسا کہ مختلف آیات کریمہ سے ثابت ہوتا ہے۔

پہلے: سورۃ فاتحہ سے اس کا رحمان اور رحیم ہونا پایا جاتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا: میں جور وستم سے پاک وہ ذات ہوں جس نے اپنے بندوں کو ظلم وستم سے سلامت رکھا۔ اس کے بعد فرمایا: میں نگہبان ہوں۔ میں وہ ذات ہوں جس نے اپنے بندوں کو ظلم سے محفوظ رکھا۔ تو ثابت ہوا کہ شہنشاہوں کے حقیقی شہنشاہ ہونے کے لئے کمال رحمت ضروری شرط ہے۔

تیسرے: المُلکُ یومَئِذٍ الحق لِلرحمٰن آیت ہذا میں اول اپنے آپ کو بادشاہ ظاہر فرمایا اس کے بعد اس کی شرط رحمان فرمادی۔ مطلب یہ کہ اگر روز جزاء میں بادشاہ ہوں یہ صفت قہاری کو ظاہر کرتا ہے۔ تو اطمینان رکھو اور خوف مت کھاؤ۔ میری صفت رحمانی بھی ہے اور میری رحمت سے بہرہ ور کئے جاؤ گے۔

چوتھے: قُل اَعُوذ بِرب النّاس، مالک النّاس۔ آیت ہذا میں اول یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ میں رب الناس یعنی لوگوں کا رب ہوں اور لوگوں کا بادشاہ ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ بادشاہ وہی ہوسکتا ہے۔ جو محسن اور رحیم ہو۔ ورنہ نہیں۔ تو اے بادشاہو ان باتوں کو ہمیشہ کے لئے مدِ نظر رکھو۔ اور اپنے زیردست مساکین پر رحم کھاؤ۔ اور شہنشاہ حقیقی سے آگے بڑھنے کی فضول حرص مت کرو۔

حکم چوتھا: دنیا میں شاہی رعیت کو اپنے بادشاہ کی اطاعت وفرمانبرداری کرنی لازمی ہے۔ ورنہ انتظام دنیا میں بڑا خلل ہوگا۔ اطمینان اور تسکین نہ ہونے سے خرابی پیدا ہوتی ہے آخر الامر نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ رعایا برباد ہو جاتی ہے اور سلطنت تباہ ہو جاتی ہے۔ اور بغاوت کا لازمی نتیجہ ہلاکت رعایا اور تباہی سلطنت ہوتا ہے۔ اور اصلاح کا ہونا دشوار ہو جائے گا۔ اجمال ہذا کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں آگاہ فرمایا۔ اے بادشاہو تمہارے لئے انتظام دنیا براحرج ہے۔ اور ظاہر فرمادیا کہ میری اطاعت اور فرمانبرداری سے ہی سلامتی قائم رہ سکتی ہے۔

اے رعیت تجھے اپنے شہنشاہ حقیقی کی فرمانبرداری اور اطاعت سے ایک قدم بھی باہر نہیں نکلنا چاہئے۔ اے بادشاہ تجھے ملک الملوک کی اطاعت اور حکم برداری کو ہاتھ سے نہ جانے دینا چاہئے۔ یادرکھو کہ دنیا کا نظام خرابی سے بدل جائے گا۔

حکم پانچواں: اللہ تعالیٰ نے وصف مَلکِ یوم الدین سے موصوف ظاہر کرنے کے بعد مطمئن کر دیا کہ میں بڑا عادل ہوں جیسا کہ فرمایا (وَمَا رَبُّکَ بِظلّامٍ للعَبید) اس کے بعد کیفیت عدل وانصاف بھی بیان فرمائی۔ ان آیات بیّنات سے معلوم ہوگیا کہ ذاتِ الٰہی مالک یوم الدین اسی وقت ہوسکتی ہے۔ اگر عدل اور انصاف پر ہو۔ تو مجازی بادشاہ عدل کو ہاتھ سے نہ جانے دینے سے ہی اصل بادشاہ ہوسکتا ہے۔ اور اس کے عدل وانصاف کی برکت سے رعایا خوشحال ہوسکتی ہے۔ بخلاف اس کے اگر شاہانِ عالم کا شیوہ عدل وانصاف نہ ہوگا۔ بلکہ ظالمانہ ہوگا تو حقیقت میں بادشاہ کہلانے کے مستحق نہیں۔ برائے نام بادشاہ اور حقیقی معنوں سے دور ہیں۔ ان کی رعایا میں بدحالی ہوگی اور ان کی سلطنت سے مسرتیں اور راحتیں اور سب بھلائیاں کافور ہو جائیں گی۔

بیان کرتے ہیں کہ نوشیرواں شکار کو نکلا۔ تیز رفتاری کے سبب لشکر سے جدا ہوگیا۔ پیاس کی شدت سے بے چین ہو کر ایک باغ میں پہنچا۔ اناروں کو دیکھ کر ایک لڑکے جو اس وقت باغ میں موجود تھا۔ ایک انار مانگا اور اس نے ایک انار توڑا۔ اور اس کے دانے سے پانی نکلا۔ اور نوشیرواں کو دیا۔ نوشیرواں پی کر خوش ہوا۔ اس کے دل میں اس باغ کو اپنی ملکیت بنانے کی خواہش پیدا ہوگئی۔ پھر دوسری دفعہ انار مانگا مگر اس کے دانوں سے پہلے جتنا پانی نہ نکلا اور خوش ذائقہ بھی نہ تھا۔ اس نے متعجب ہو

Marfat.com

کرلڑکے سے وجہ پوچھی کہ اس کا ذائقہ کیوں برا ہے۔لڑکے نے جواب دیا۔ایسا معلوم ہوتا ہے،آپ کے دل میں ظلم کا خیال پیدا ہوگیا۔ظلم کے خیال کی نحوست سے اس کا مزہ بدل گیا۔ یہ سن کر نوشیرواں نے باغ کو اپنی ملکیت بنانے کا خیال ترک کر دیا اور پھر انار مانگا۔اس انار کا پانی بہت میٹھا اور خوشگوار پا کر لڑکے سے پھر سبب پوچھا۔ لڑکے نے جواب دیا کہ بادشاہ نے اپنے دل کو ظلم کے سے پاک وصاف کرلیا۔نوشیرواں نے یہ سن کر لڑکے کے جواب کو درست پایا اور ظلم کے خیال سے توبہ کی اور اس خیال کو دل سے دور کیا۔نتیجہ یہ ہوا کہ اس کا عدل دنیا میں مشہور ہوگیا۔اور تا قیامت اس کا نام زندہ رہے گا۔ یہاں تک کہ حبیب پاک فداابی وامی سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں بادشاہ عادل کے زمانے میں پیدا ہوا۔ ذات الٰہی کے مالک ہونے کے لوازمات چار ہیں:

حکم اوّل: قرأت مالک ملک کی نسبت زیادہ قریب معلوم ہوتی ہے کیونکہ بادشاہ سے زیادہ عدل وانصاف کی امید ہونی چاہئے لیکن مالک نان ونفقہ پرورش غرض یہ کہ مملوک کی کل حاجات کا کفیل ہوتا ہے۔تو گویا اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ اے انسان میں تیرا مالک ہوں اور تیری پرورش نان نفقہ اور ثواب وجنت کا میں ذمہ دار ہوں۔

حکم دوسرا: بادشاہ کو اگر چہ مالک کی نسبت زیادہ تمنا ہوتی ہے۔لیکن بادشاہ کو رعیت سے امید ہوتی ہے۔اور غلام کو مالک سے۔اللہ تعالیٰ ہمارا مالک ہے۔ہماری عبادتیں اور بندگی اللہ تعالیٰ کو کچھ نفع نہیں دیتیں۔ بلکہ ہم کو روزِ جزاء میں اس کی عنایت،فضل وکرم اور عفو ومغفرت اور حصول جنت کی خواہش ہے۔یہی وجہ ہے کہ کسائی نے قرأت مالکِ یوم الدین کو زیادہ موزوں قرار دیا ہے۔

ظاہر ہے کہ اس سے وسعت رحمت اور فراوانی فضل واحسان زیادہ مفہوم ہوگی۔صاحب خزینۃ القرآن واکثر صحابہ کا بھی اسی پہ اتفاق ہے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی کو موزوں قرار دیا۔

حکم تیسرا: بادشاہ اپنے لشکریوں میں سے اس کو انعام سے سرفراز کرتا ہے جو زیادہ مضبوط اور قوی الجثہ ہو۔بیمار اور نحیف میدانِ لشکر میں نہیں رکھے جاتے۔اور نہ انعام سے سرفراز کئے جاتے ہیں۔بلکہ واجبات سے بھی محروم رکھے جاتے ہیں۔لیکن مالک اپنے غلام کا علاج معالجہ کرتا ہے اور ہر طرح سے اس کی خبر گیری کرتا ہے اور اس کی مصیبت رفع کرنے کی کوشش کرتا ہے۔تو معلوم ہوا کہ قرأت مالک میں مسکنت اور ثمریت کا زیادہ احساس ہے۔

حکم چوتھا: بادشاہ کو رعب ودبدبہ قائم رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔لیکن اس ذات کو مہربانی اور شفقت منظور ہے۔وگرنہ اس ذات کا رعب ودبدبہ کون برداشت کر سکے۔یہ تو مجازی بادشاہ ہیں جو اپنا رعب ودبدبہ دکھاتے ہیں۔وہ ذات تو بے پروا اور بے نیاز ہے۔لیکن ہمیں شفقت والتفات کی رعب ودبدبہ کی نسبت زیادہ احتیاج ہے۔

فائدہ تیسرا:

مـالِک النـاس کے معنی قدرت اور اختیار کے ہیں۔اللہ تعالیٰ کا مالک اور ملک ہونا سے قدرت پر دال ہے اس مقام پر ایک باریک نکتہ ہے۔کیا اللہ تعالیٰ موجودات پر قادر ہے؟ یا معدومات پر موجودات کا تو ہو ہی نہیں سکتا۔کیونکہ موجود کو موجود کرنا امر محال ہے۔موجودات پر قادر ہونے کے یہ معنی ہوں گے۔کہ اللہ تعالیٰ انہیں معدوم کر سکتا ہے اور موجود بھی کر سکتا ہے۔پس ثابت ہوا کہ وہ معدومات پر بھی قادر ہے اور موجودات پر بھی۔اللہ تعالیٰ موجودات کا مالک بھی ہے اور بادشاہ بھی۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ اسے موجود کو عدم کی طرف منتقل کرنے کی طاقت ہے۔اس قسم کی قدرت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور میں نہیں ہے۔یہ اسی ذات کے لئے ہے۔خود قرآن کریم میں ارشاد ہے۔انّا خلقنہ مِن قَبل ولم یک شیئا یعنی مَاکان وما یکون پہلے عدم تھا پھر اس ذات نے موجود کیا۔

یہ تو معلوم ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ لایزل شہنشاہ حقیقی ہے۔تو اب فقیر یہ کہتا ہے کہ قیامت کے دن کا بادشاہ بھی وہی ہے اور کوئی نہیں۔کیونکہ موت کے بعد زندہ کرنا اسی کا خاصہ ہے۔وہ ازل سے ابد تک کا بادشاہ ہے۔حشر ونشر اور قیامت کا دار ومدار تمام موجودات سے واقف ہونے اور کل ممکنات پر پورے طور پر قادر ہونے پر ہے تو معلوم ہوگیا کہ مالِکِ یوم الدین اللہ تعالیٰ ہی ہوسکتا ہے اس کے سوا اور کوئی نہیں۔

فصل ہذا کا آخری مضمون مسئلہ حشر نشر ہے۔

مذکورہ بالا بیان پر اگر کوئی یہ کہے کہ ملکیت موجود چیز پر تو ہوسکتی ہے۔قیامت موجود نہیں۔تو مالک یوم الدین کے کیا معنی ہوئے۔اور اللہ تعالیٰ روز جزاء کا مالک نہ ہوا۔بلکہ تمہیں دعویٰ با ایں دلیل ثابت کرنا مناسب تھا کہ انا قاتل زیداً۔کہنے سے صرف اقرار قتل مفہوم ہوتا ہے۔

Marfat.com

اصل حقیقت میں یہ مفہوم ممکنات و موجودات پر ہے۔ اللہ تعالیٰ جب چاہے وہ ممکنات اور موجودات کو قائم رکھ سکتا ہے۔ تو قیامت ابدالآباد ہے۔ اس کے ممکن کرنے میں اسے کوئی دشواری نہیں کیونکہ اس سے زجر و توبیخ مفہوم ہوتی ہے۔ فقیر کہتا ہے کہ قیامت کا آنا یقینی امر ہے اور ایک نہ ایک دن قیامت آئے گی۔ اس طرح اس کا انکار کرنا چنداں مفید نہیں۔

فائدہ چوتھا:

اللہ تعالیٰ کو سورۃ ہذا میں اپنے پانچ اسماء گرامی، اللہ، رب، رحمٰن، رحیم، مالک، بیان کرنے سے یہ جتلانا مقصود ہے کہ اے انسان میں نے تجھے اول پیدا کیا تو میں اللہ ہوا۔ بعد میں طرح طرح کی نعمتوں سے تجھے پرورش کیا تو میں تیرا رب ہوا۔ تو نے میری نافرمانی کی میں نے چشم پوشی کی لہٰذا میں رحمان ہوا۔ تو نے اپنے گناہوں اور خطاؤں سے توبہ کی تو میں نے یہ توبہ قبول کی۔ اور گناہوں کو معاف کر دیا تو میں رحیم ہوا۔ لیکن تیرے افعال کی جزا بھی ہونی چاہئے تھی۔ یاد رکھو کہ میں مالک یوم الدین ہوں۔ اس پر اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ ہذا میں ایک دفعہ تسمیہ میں اور دوسری دفعہ الحمد للہ رب العالمین کے بعد الرحمٰن الرحیم فرمایا لیکن دوسرے اسماء کو نہیں دوہرایا، اس کی کیا وجہ ہے۔ فقیر یہ کہتا ہے کہ رحمان اور رحیم کو دو دفعہ بیان کرنے سے یہ جتلانا مقصود ہے کہ تمام امور پر میری رحمت کو زیادہ فوقیت حاصل ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ رحمت کے خیال میں محو ہو کر مغرور نہ ہو بیٹھو۔ یاد رکھو کہ میں مالکِ یوم الدین ہوں۔ میری پکڑ بہت سخت ہے اور اس کی تائید قول الٰہی سے ملتی ہے۔

فائدہ پنجم:

فرقہ قدریہ کہتا ہے کہ اگر اعمال انسانی کا پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ کو مانا جائے تو لازم آتا ہے کہ ثواب و عذاب اور جزا کی کچھ خبر نہ ہو۔ کیونکہ ایسے فعل پر ثواب جن کا انسان مرتکب نہیں بیہودہ بات ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کو مالکِ یوم الدین کہنا غلط ہوا۔ جبریہ کہتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کو اعمال انسانی پر قادر مانا جائے تو قدرت الٰہی میں خلل لازم آتا ہے۔ چونکہ امت اللہ تعالیٰ کو بندوں کا مالک تسلیم کرتی ہے لہٰذا وہ ذات باری عز اسمہ خالق اعمال اور مقدر افعال انسانی ہوئی۔ یاد رہے کہ یہ پانچ نام اللہ تعالیٰ کی رحمت پر دال ہیں۔ ادھر حضور ﷺ کے لئے پانچ اسماء گرامی درج ہیں۔ محمدؐ، احمد، حمد، حامد و محمود، یہ پانچ نام رحمت پر دال ہیں۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے پانچ نام مومنوں کے پیچھے ہوں گے اور میرے پانچ نام آگے ہوں گے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں پھر کیا غم اور خوف ہو سکتا ہے جب آپ کے پانچ نام آگے اور اللہ تعالیٰ کے پانچ نام پیچھے ہوں۔ فرمایا یا رسول اللہ پھر تو ہم درمیان میں ہوں گے۔ فرمایا پھر کوئی تکلیف نہ ہو گی۔

(فصل پانچویں)

(در بیان اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ)

آیت ہذا بہت سے فوائد پر حاوی ہے:

فائدہ پہلا:

عبادت اس فعل کا نام ہے جس سے کسی کی انتہائی تعظیم ظاہر ہو۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عبادت اللہ تعالیٰ کے لئے اس کی تعظیم قطعی ہے۔ اور لفظ ہذا قول عرب طَرِیْقٌ مُعَبَّدٌ سے ماخوذ ہے جس کے معنی ذلیل و خوار ہوئے۔ تو ایاک نعبد کے یہ معنی ہیں کہ ہم خاص تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ آیت ہذا کے معنی حصری پر کئی وجوہ ہیں جن کے سبب ہمیں ہر معنی معلوم ہوتا ہے۔

اوّل: عبادت بے حد تعظیم کرنے کو کہتے ہیں لیکن غائب تعظیم کا استحقاق اسی کو حاصل ہو سکتا ہے جس کے بے انداز و بے حد [illegible] کہ وہ خود فرماتا ہے۔ وان

Marfat.com

تعدوا نعمة الله لا تحصوها ۔ ترجمہ: اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنے لگو تو نہ کر سکو گے۔ دنیا میں انسان کے لئے حیات بڑی نعمت ہے جس کا مقابلہ کوئی نعمت نہیں کر سکتی۔ حیات ہی ایسی چیز ہے جس کے ذریعے انسان موجودات سے مستفید ہو سکتا ہے ورنہ نہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ایسی اشیاء کو پیدا کرنا جس سے انسان کو کسی قسم کا فائدہ اور نفع پہنچے۔ نعمت عظمیٰ ہے۔ تو حیات کا نعمت ہونا خود قرآن کریم میں ثابت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا (وَقَدْ خَلَقْتُکَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ یَکُ شَیْئًا) یعنی اشیاء پہلے نہ ہونا خود ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا (ھو الّذی خلق لکم مافی الارض جمیعا) ترجمہ: اور وہی تو ہے کہ تمہارے لئے جو کچھ زمین میں ہے سب کو پیدا کیا۔ مذکورہ بالا تفسیر سے ثابت ہو گیا کہ تمام نعمتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہنچتی ہیں۔ تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ عبادت صرف اللہ تعالیٰ کو ہی زیبا ہے۔ اسی بناء پر اِیاکَ نعبد فرمایا ہے۔

وجہ دوسری: اللہ تعالیٰ نے سورہ ہذا میں اپنے ذاتی اسماء اللہ، رب، رحمان، رحیم، مالک بیان فرمائے ہیں۔ انسان کے تین حال ہیں۔ ماضی، حال، مستقبل، اس کی حالت پہلے معدومی تھی۔ پہلے نیست تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے ہست فرمایا۔ جاہل تھا۔ عالم بنایا۔ انسان کو نیست سے ہست، ممات سے حیات، جہالت سے علمیت اور عجز سے قدرت کی طرف منتقل کرنا اسی سبب پر مبنی ہے کہ وہ ذات قادرِ مطلق اور قدیم ازلی ہے۔ اپنی قدرت ازلی اور علم ازلی کے زور سے انسان کی ایک حالت کو دوسری حالت سے بدل دیا یاد رہے کہ اس پر سب کا اتفاق ہے۔ اللہ کا تمام علم ازلی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں وگرنہ اللہ تعالیٰ کے علم میں حدوث لازم آئے گا جو محال ہے۔ جس ذات نے عدم کو ہست فرمایا۔ تو اس کا سارا علم وقدرت ازلی ہے۔ پھر قرآن کریم میں لفظی نفسی کا کیا جھگڑا۔ کیا یہ الفاظ جو ہم پڑھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ازل میں نہ تھے بے شک یہ کلام اللہ ہی ازلی ہے۔ اس میں لفظی ونفسی کا کوئی فرق نہیں۔ جس طرح علم وقدرت ازلی ہے تو اللہ تعالیٰ کے تمام علم سے قرآن افضل علم ہے۔ یہ ازلی ہے۔ جس طرح کہ اس پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ کا تمام علم ازلی ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کیا پھر قرآن اس کے علم سے باہر ہے تو یہ کلام اللہ ازلی ہے جو اس کے متعلق مخلوق ہونے کے بارے میں ذرا بھر خیال کرے وہ بالاتفاق مرتد وکافر وبے ایمان ہے۔

قرآن کلام اللہ ازلی ہے۔ اور غیر مخلوق ہے۔ یہی الفاظ جو ہم پڑھتے ہیں۔ یہی کلام اللہ نفسی وازلی ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں اور حضرت ابن عباس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ سرکارؐ نے یہ آیت پڑھی: اِنَّا خلقتهٗ من قبل و لم یک شیئا یعنی ہم نے پیدا کیا اس کو اس سے پہلے وہ کوئی چیز نہ تھی تو لہٰذا ما کان و ما یکون کا علم پہلے علم وقدرت میں ازلی ہے اس کا خلق ہونا مخلوق ہے علم کا ہونا ازلی ہے۔ ہر شئے جو ہوتی ہے اس کے نہ ہونے سے پہلے وہ اللہ تعالیٰ کے علم وقدرت اور علم ازلی میں موجود تھی۔ اللہ تعالیٰ کا علم ازلی ہے۔ فرمایا یہی کلام اللہ قرآن نفسی ازلی ہے۔ اسی روایت کو صاحب خزینۃ القرآن سے با اسناد امام زہری، امام زہری نے امام محمد ابن علی ابن حسین ابن علی سے انہوں نے حضرت عبد اللہ ابن عمر سے، حضرت عبد اللہ ابن عمر نے جناب ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ سے انہوں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ امام زہری سے دوسری سند حضرت علی وحضرت ابو بکرؓ وعمرؓ سے۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ یہ حدیث تواتر سے ثابت ہے۔ نیز قرآن کریم کے ازلی ہونے کے متعلق پہلے بحث کر چکا ہوں۔ بس جمہور کا فتویٰ اسی پر ہے کہ قرآن کلام اللہ نفسی وازلی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا علم وقدرت بھی ازلی ہے۔ یاد رہے کہ مَا کَانَ وَمَا یکون کا علم لوح محفوظ میں ہے اور لوح محفوظ کا علم قرآن میں ہے۔ اس کی تفصیل ان شاء اللہ یومنون بالغیب میں آئے گی۔ اب آپ انتظار کیجئے۔ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مولانا شاہ احمد رضا خان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی کلام نفسی ولفظی کو علیحدہ نہیں مانتے۔ ایک ہی تصور کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا علم وقدرت ازلی ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں یہی کلام نفسی ہے۔ ملفوظات اعلیٰ حضرت حصہ چہارم میں درج ہے۔ تو بات ہو رہی تھی معدومات کی۔ جو معدوم تھا اسے وجود بخشا۔ یہ سب کا سب پہلے علم وقدرت میں ازلی تھا۔ معلوم ہوا کہ وہ ذات الٰہ العالمین ہے۔ اور احوال حالیہ میں انسان ذات الٰہی کا از حد محتاج ہے اور اس کی حاجات کا میدان بہت وسیع ہے۔ کیونکہ حالت معدوم میں رب العالمین کا محتاج تو تھا۔ اب اس کی وہ حاجت تو مل گئی اور عالم وجود میں مقدم رکھا تو اس کی حاجات کے دروازے کھل گئے۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ اس کی تمام ضروریات کے سامان مہیا ہو گئے۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اے انسان میں معبود حقیقی ہوں۔ کیونکہ تجھے جامہ ہستی میں نے ہی پہنایا اور پھر تیری ہستی کی تمام ضروریات کو میں نے ہی پورا فرمایا۔ تو تیرا رب، رحمان، رحیم میں ہوں۔ احوال استقبالیہ سے دو حالات مراد ہیں جو انسان کو مرنے کے بعد لاحق ہوں گے۔ اس حالت کے متعلق اللہ تعالیٰ نے (مالک یوم الدین) فرمایا۔ تو تقریر بالا سے ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کے پانچوں اسماء انسان کی تینوں حالتوں کے متعلق ہیں اس کی جملہ ضروریات اور ان کے حل کرنے کے اسباب کسی حالت میں ماضی ہو یا مستقبل یا حال ذات الٰہی کے بدون مہیا نہیں ہو سکتے اور تاوقتیکہ ذات لم

Marfat.com

بزتی کا فضل واحسان شامل انسان نہ ہو ان میں کسی صورت کامیابی ممکن نہیں تو ایسے حالات کی موجودگی میں انسان کو قاضی الحاجات کی عبادت کے سوا کسی دوسرے کی عبادت ہرگز جائز نہیں تو لامحالہ اسے ایاک نعبدوایاک نستعین بطریق اولی کہنا چاہیے۔

وجہ تیسری: بدلائل قاطعہ اور براہین ساطعہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ قادر، عالم محسن، جواد کریم اور حلیم ہے۔اس کے سوا کوئی دوسرا ان صفات سے متصف نہیں ہو سکتا۔اور امر مشکوک ہے۔دنیا میں کوئی شر ایسا موجود نہیں جس کو فلک کو ایک عقل و نعمین اور طبیعت سے منسوب کیا جائے۔لیکن ساتھ ہی اس کا ذات الٰہی کی طرف مضاف ہونے کا عمل پایا جاتا ہے۔باوجود احتمال پھر بھی منسوب کرتے ہیں۔مشکوک موجود رہتا ہے۔اور چونکہ اللہ تعالیٰ کا معبود و مطلق حقیقی ہونا امر یقینی ہے اور اس کے ماسوا معبود ہونا امر شکی و باطل ہے۔لامحالہ مشکوک امر کو ترک کر کے یقینی کو مضبوطی سے پکڑ لینا چاہیے۔نتیجہ یہ ہوا کہ معبود حقیقی ذات ربانی ہے۔اور کوئی نہیں۔انہی معنی کی طرف ایاک نعبدوایاک نستعین اشارہ کرتا ہے۔

وجہ چوتھی: ظاہر ہے کہ عبودیت میں ذلت اور سبکی ضرور ہوتی ہے لیکن عبودیت کے مالک کے شرف اور علویت کے موافق کچھ نہ کچھ عزت ضرور ہوتی ہے۔اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کسی وجوہ وشرف وکمال اور مرتبت میں اللہ تعالیٰ کو فوقیت حاصل ہے تو اس فائدہ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی عبودیت میں فضیلت وشرف زیادہ ہوا نیز ذات الٰہی کی قدرت سب پر غالب ہے اور اس کا علم زیادہ اکمل۔اس کی بخشش تمام بخششوں سے زیادہ افضل ہے اسی بناء پر ایاک نعبدوایاک نستعین فرمایا۔

وجہ پانچویں: واجب لذاتہ کے ماسوا سب کے سب ممکن لذاتہ ہیں۔اور ممکن لذاتہ کو احتیاج وفقر لازم ہے۔ظاہر ہے جو خود محتاج ہو اسے اپنی حاجت براری کی دھن سے فرصت نہیں تو وہ دوسروں کی حاجت کو کیسے پورا کر سکتا ہے۔دوسرے کی حاجات وہی ذات ابدی وازلی پورا کر سکتی ہے۔تمام عبادات کی مستحق وہی ذات ہے۔ایاک نعبد و ایاک نستعین کہنے کی یہی وجہ ہے۔

وجہ چھٹی: عبادت اور بندگی کا مستحق وہی ہے جس کی قدرت کاملہ ہو اور ہر شئے اس کے قبضہ قدرت سے باہر نہ جا سکے۔اور ہر چیز اس کے اختیار میں ہو۔اس کا اختیار کامل ہو۔آسمان ستونوں کے بغیر زمین کسی سہارے کے بغیر اپنی اپنی جگہ پر قائم ہیں۔شمس وقمر اور سیاروں کو بنایا قطبین کو ساکن رکھا۔بادلوں سے بجلی بھی نکالتا ہے۔بارش بھی اور ہوا بھی زمین میں کبھی پتھروں سے پانی اور کبھی پانی سے پتھر یعنی اولے نکالتا ہے۔نیز زمین میں ایسے اجسام پیدا فرمائے جو مقررہ جگہ سے ادھر ادھر نہیں ہو سکتے یعنی پہاڑ اور بعض ایسے اجسام بھی ہیں جو ایک جگہ پر مقیم نہیں یعنی نہریں۔قارون کو زمین میں غرق کر دیا۔سرور کائنات کو قاب قوسین سے بھی بلند فرمایا۔او ادنیٰ کی منزل پر پہنچایا قوم فرعون اور فرعون کے لئے آگ اور پانی برسایا۔ابراہیمؑ کے لئے آگ کو لالہ زار بنایا۔موسیٰ علیہ السلام کو طور پر (فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ) کا حکم دیا۔حضرت موسیٰ کی قوم کے اوپر طور کھڑا کر دیا۔جیسا ~~کہ~~ ورفعنا فوقکم الطور سے ہویدا ہے۔خشک تنور سے اس قدر پانی کا طوفان جاری کر دیا۔تمام دنیا اس میں غرق ہو گئی جیسا کہ وفار التنور سے ظاہر ہے۔موسیٰ کے لئے دریا کو خشک کر دیا تو جس ذات کی قدرت کے یہ نمونے ہوں۔اس کے مقابلہ میں عبادت کے استحقاق کا کون دم مار سکتا ہے۔جمادات، نباتات، حیوانات، انسان، افلاک اور ملائکہ میں سے کس کو طاقت ہے کہ اس کی عبادت میں کسی اور کو شریک کریں۔کیونکہ ناقص وکامل میں خسیس ونفیس میں مساوات پیدا کرنے کا خیال جہالت اور سفاہت نہیں تو اور کیا ہے۔

فائدہ دوسرا:

ایاک نعبدُ سے معلوم ہوتا ہے کہ معبود صرف اللہ ہی ہے۔تو ایسی صورت میں لامحالہ اللہ کے معبود ہونے میں کیا شک باقی رہتا ہے ہرگز نہیں۔اس تمہید کے بعد اب مشرکین کی پڑتال ضروری ہے۔غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شک کی بہت سی صورتیں ہیں کیونکہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ کا شریک مقرر کیا جائے تو اس کی دو ہی صورتیں ہیں۔یا تو وہ از قبیل اجسام ہوتا ہے یا نہیں۔جو لوگ شریک کو از قبیل اجسام جانتے ہیں تو شریک جسمانی اجسام سفلی سے بھی ہو سکتا ہے اور اجسام علوی سے بھی اور جو لوگ شریک کو اجسام سفلیہ سے قرار دیتے ہیں تو یہ شریک مرکب ہو گا یا بسیط مرکب ہونے کی صورت میں شریک معاون نباتات حیوانات وانسان میں سے ہو گا تو جو لوگ معاون کو شریک الٰہی قرار دیتے ہیں تو وہ پتھروں، سونے اور چاندی کے بت بنا کر ان کی پرستش کرتے ہیں۔اور نباتات کو شریک ماننے والے کسی درخت کو مقرر کرنے کے بعد اس کی بندگی کرتے ہیں حیوانات کو شریک ماننے والا گروہ بچھڑے پوجتا ہے۔جو لوگ بندوں میں سے کسی کو شریک بنا لیتے ہیں۔یہ وہ گروہ ہیں جنہوں نے مسیح اور

Marfat.com

عزیز علیہا السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا بنا دیا اور مجوسیوں کا ایک گروہ ہے جو آگ کی پرستش کرتے ہیں اور جو اجسام علوی سے شریک قرار دیتے ہیں۔ وہ لوگ سورج چاند اور ستاروں کی عبادت کرتے ہیں اور سعادت ونحوست انہی سے طلب کرتے ہیں اسی فرقہ کا نام صابئ ہے بعض منجمین بھی اسی فرقہ میں داخل ہیں جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کا شریک اجسام سے قرار نہیں دیا تو ان کی بہت سی اقسام ہیں۔ ایک فریق تو نور وظلمت کو مدبر عالم سمجھتا ہے۔ اس فرقہ کا نام ثنویہ اور مانویہ ہے۔ دوسرا فرقہ ملائکہ کو ارواح سے تعبیر کرتا ہے۔ اس گروہ کے نزدیک ہر شہر اور ملک کے لئے علیحدہ روح فلکیہ ہوتے ہیں۔ جن کے ہاتھ میں اپنی اپنی مقرر جگہ کا انتظام سپرد ہے اور دنیا کے کل انواع پر ایک ایک روح فلکی مقرر ہے جو ان کے لئے مناسب تدابیر سوچتا رہتا ہے۔ یہ فریق ارواح فلکیہ (ہمزاد) فرضی کی شکلیں اور صورتیں بنا کر ان کی پرستش کرتے ہیں اور انہیں فرشتوں کی لونڈیاں قرار دیتے ہیں۔ تیسرا گروہ دوالہٰ مانتا ہے۔ یعنی ایک نفع دینے والا اور دوسرا نقصان پہنچانے والا۔ وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور ابلیس بھائی بھائی ہیں۔ دنیا میں کل بھلائیاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور کل برائیاں ابلیس کی طرف سے ہیں۔ تفصیل ہذا کے بعد فقیر یہ کہتا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کو شریک جانتے ہیں وہ بھی بغرض حصول منافع اور شرک کے نقصانات سے خوفزدہ ہو کر اللہ تعالیٰ کی پرستش کو شرکاء پر ترجیح دیتے ہیں۔ حالانکہ وہ چیزیں مٹ جاتی ہیں۔ بناتے ہی خود ہیں اور سورج، چاند، آگ وغیرہ۔ سورج عارضی ہے چاند بھی عارضی۔ ان کی عقل کتنی حماقت پر ہے۔ جو لوگ مطلقاً اللہ تعالیٰ کا شریک نہیں مانتے اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور اسی سے مدد اور اعانت طلب کرتے ہیں وہ ایاک نعبدُو ایاک نستعین پکار پکار کر کہہ رہے ہیں اس سے ثابت ہو گیا کہ ایاک نعبدُ وایاک نستعین کلمہ توحید لا الہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الاّ باللہ العلی العظیم ہے۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ الحمد للہ میں سبحان اللہ موجود ہے کیونکہ سبحان اللہ سے اللہ تعالیٰ کا کامل وتام فی الذات ہونا مفہوم ہوتا ہے اور الحمد للہ کے یہ معنی ہیں کہ وہ اپنے محامد کو کامل اور تام بنانے والا ہے۔ حسب تفسیر کبیر اور صاحب خزینۃ القرآن یہی معنی ہیں اور فقیر کی بھی یہی رائے ہے کہ یہ معنی قوی ہیں۔ ہر ایک جانتا ہے کہ دوسرے کو وہی کامل بنا سکتا ہے جو خود کامل تھی اور تام ہو ورنہ جو خود ناقص ہو وہ دوسرے کو کامل کیسے بنا سکتا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ الحمد للہ کو سب ستائش شامل ہے اور الحمد للہ چونکہ کل محامدٌ ماکان وما یکون (یعنی جو چیز اور ہونے والی ہے) سب پر حاوی اور پیدا کرنے والا ہے۔ لہٰذا الحمد للہ کہنے سے ذات الٰہی نے ظاہر کر دیا کہ میں تمام محامد اور ستائشوں کا مالک ہوں لیکن صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ الحمد اللہ کے جملہ انواع کے اثبات میں ایک ایسا امر بیان کر دیا جو بمنزلہ علت تھا لہٰذا اپنے آپ کو پانچ صفات سے موصوف ہونا ظاہر کر دیا۔ پہلے ثابت ہو چکا ہے کہ انسان کے اوقات کی ضروریات انہیں پانچ صفات ربانی سے حاصل ہوتی ہیں تو مالک یوم الدین تک سبحان اللہ والحمد للہ کی صفت معلوم ہوئی۔ اس کے آگے (ایاک نعبد) فرمایا جس کے متعلق بیان ہو چکا ہے کہ یہ کلمہ توحید کا قائمقام ہے۔ اس کے بعد ایاک نستعین فرمایا جس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی اعانت اور نصرت کے بغیر کوئی غرض حاصل نہیں ہو سکتی۔ لاحول ولا قوۃ الاّ باللہ العلی العظیم کے یہی معنی ہیں غرض یہ کہ مذکورہ بالا تقریر سے ظاہر ہو گیا کہ سورہ فاتحہ شروع سے لے کر آخر تک کلمہ مشہود ہے یعنی سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ کے عین مطابق ہے اور سورہ فاتحہ کی کل آیات مذکورہ کو ان پانچوں مراتب کی علیحدہ علیحدہ تشریح اور تفصیل کے قائمقام سمجھنا چاہئے۔

فائدہ تیسرا:

ایاک نعبد میں ایاک کا مقدم کرنا چند وجوہ پر مبنی ہے۔ وجہ پہلی: اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو پہلے ذکر کرنے سے مشغول عبادت کو متنبہ کر دیا کہ معبود صرف میں ہوں۔ عبادت کا استحقاق بجز میرے کسی دوسرے کو حاصل نہیں تو تمہیں پوری رغبت اور میلان طبع سے عبادت الٰہی میں مصروف ہونا چاہئے اور اس کی عظمت و عزت میں ذرا بھی تساہل نہ ہونا چاہئے اور ادھر ادھر نہ دیکھنا چاہئے۔ بیان کرتے ہیں کہ ایک پہلوان کا دوسرے سے مقابلہ ہوا۔ اس نے کئی مرتبہ اپنے حریف کو چاروں شانے چت گرایا۔ لوگوں نے گرانے والے کو کہا کہ یہ تو فلاں مشہور پہلوان ہے۔ یہ سن کر اس کے دل میں اس قدر دہشت پیدا ہو گئی کہ مقابلہ میں گر گیا۔ اسی طرح سمجھنا چاہئے کہ ذات الٰہی سے اگر اوّل اوّل میں شناخت ہو جائے تو پھر انسان کا دل فکر سے عبادت میں لگا رہتا ہے اور غافل نہیں ہوتا۔ دوسرا: رکوع وسجود اور قیام کی وجہ سے انسان پر مصروف عبادت ہونا گراں گزرتا ہے اور مشکل دکھائی دیتا ہے لیکن ایاک نعبد کے پڑھنے سے ذاتِ الٰہی کی معرفت کے آثار نمودار ہو کر انسان کے دل میں ذات ابدی کی عظمت اس قدر بیٹھ جاتی ہے کہ وہ اسے اپنا مالک اور اپنے آپ کو اس کا بندہ سمجھ لیتا ہے تو اس پر عبادات کی دشواری اور مشکل سہولت اور آسانی سے بدل

Marfat.com

جاتی ہے۔اس کی مثال یوں سمجھئے کہ انسان بھاری چیز اٹھانے سے پہلے ایسی چیز ضرور استعمال کرتا ہے جس سے اس کی قوت بڑھے اسی طرح عبادت کا بوجھ اٹھانے سے پہلے ایاک نعبد کے مربہ دان سے معرفتِ ربوبیت کی معجون کے استعمال سے انسان کی روحانی قوت بڑھ جاتی ہے اور ضعف دل سے اتر جاتا ہے۔ دوسری مثال: یہ سمجھئے کہ ایک عاشق معشوق کی مار پیٹ کو بڑی خوشی اور مسرت کے ساتھ قبول کر لیتا ہے اسے عین راحت سمجھتا ہے۔اسی طرح انسان معبود حقیقی کی عبادت خوشی اور مسرت کے ساتھ قبول کر لیتا ہے امور کو آسان سمجھ کر عبودیت کی بھاری گٹھڑی کو بخوشی قبول کر لیتا ہے۔تیسری: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان الذین اتقوا (پارہ نمبر ۹ سورہ اعراف آخری آیت تک) تو انسان شیطانی وسوسہ سے متاثر ہو کر عبادت میں کاہلی وغفلت کرتا ہے اور اس سے دل چراتا ہے تو فوراً ایاک نعبد کے مشرق سے جلال الٰہی کی درگاہ کو جھانکنے سے سستی وغفلت کو چھوڑ کر فی الفور عبادت میں مستعد ہو جاتا ہے۔ چوتھا: اگر نعبدُ کہا جاتا تو اس صورت میں عبادت انسانی کا تو اول ذکر ہو جاتا۔مگر یہ معلوم نہ ہوتا کہ عبادت کس کی ہے۔ممکن ہے شیطان اس کی توجہ کو بتوں یا شمس وقمر کی عبادت کی طرف مبذول کرتا لیکن ایاک نعبد سے یہ خرابی نہیں پیدا ہوتی۔اور نہ ہی شیطان کا دل میں کوئی احتمال پیدا ہو سکتا ہے۔ بلکہ ایاک سے پہلے ہی اللہ کے ماسوا سب معبودوں کی نفی ہو گئی تو معلوم ہوا کہ یہ ترتیب اظہارِ توحید کو مفید ہے اور احتمال شرک کو جڑ سے اکھاڑ دیتی ہے۔ پانچواں: ازلی واجب لذاتہ بلحاظ وجود ممکن لذاتہ سے مقدم ہوتا ہے تو اسے ذکر میں بھی تمام اذکار سے مقدم ہونا چاہئے۔اسی بناء پر ایاک نعبد میں اس کا ذکر مقدم کیا گیا۔ چھٹا: محققین نے لکھا ہے کہ انعامات کے وقت جس شخص کی نظر نعمت کو عبور کر کے منعم تک پہنچتی ہے تو اس کی نظر حقیقت کمال تک پہنچتی ہے۔ان محققین میں سے امام رازی کا نظریہ سب سے زیادہ وقیع نظریہ ہے۔ان کا ووٹ اس مسئلہ میں صاحب خزینۃ القرآن کے حق میں ہے بعینہ ان کی عبارت سے مفہوم اخذ کر رہے ہیں۔مصیبت اور نزول بلا کے وقت اسے بلا کی کچھ پرواہ نہیں ہوتی بلکہ بلا کو نازل کرنے والے کی طرف دھیان کرتا ہے اور ہر حالت میں معرفت سبحانی کے سمندر میں تیرتا پھرتا ہے۔تو ایسا شخص سعادت کی اعلیٰ منازل پر پہنچا ہوا ہوتا ہے بخلاف اس کے جسے صرف نعمت ہی مرغوب ہو اور اس کا منعم کی طرف مطلقاً خیال نہ ہو تو ایسا شخص مصیبت کے وقت صرف مصیبت ہی کی فکر میں لگا رہتا ہے۔اس کا دل مصیبت بھیجنے والے کی طرف ذرا بھی توجہ نہیں کرتا اور غیر اللہ کے تنگ وتاریک جنگل میں بھٹکا پھرتا ہے اور بدبختی کے دریا میں ڈوبا رہتا ہے کیونکہ ایسے شخص کا دل ہمیشہ زوال نعمت کے خیال سے ہراساں اور ترساں رہتا ہے۔تو ایسا شخص ہر وقت کے عذاب میں گرفتار رہتا ہے۔اور زوال نعمت کے بعد زنجیروں اور ہتھکڑیوں میں جکڑا ہوا ذلت وخواری اور بڑے گرزوں کے حوالے کیا جائے گا۔یہی تو باعث ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی قوم کو (اذکروا نعمۃ اللہ) اور حبیب پاکؐ کی امت کو (فاذکرونی اذکرکم) پ نمبر ۲ رکوع نمبر ۲ آخری آیت سے خطاب کیا گیا اس تمہید کے بعد فقیر کہتا ہے کہ ایاک کو نعبدُ پر مقدم کرنے سے جلالِ ربانی کے مشاہدے میں محو کر کے انسان کو عبادت میں مصروف ہونے کے وقت فردوس کے عین وسط کی سیر کرانی مقصود ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انسان ہمیشہ نوافل کے ذریعے میرے قرب کو حاصل کرنے کی کوشش میں مصروف رہتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اسے دوست بنا لیتا ہوں اور بمنزلہ اس کے آنکھ اور کان بن جاتا ہوں۔اس کی ہر بات میری طرف سے ہوتی ہے اور میں اس کے ہاتھ اور پاؤں بن جاتا ہوں۔ساتواں: صرف نعبدُ کہنے سے عبادت غیر اللہ کی نفی نہیں پائی جاتی۔ہو سکتا ہے کہ مشرکین کی طرح عبادت غیر اللہ بھی ہو اور عبادت اللہ بھی کیونکہ کوئی مانع موجود نہیں لیکن ایاک نعبدُ میں ایسی صورت نہیں پائی جاتی۔اس میں عبادت الٰہی کی تخصیص اور عبادت غیر اللہ کی نفی پائی جاتی ہے۔ آٹھواں: نعبدُ کا نون عظمت کو ظاہر کرتا ہے۔گویا یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ اے انسان خواہ تیرے پاتحت ہزارہا غلام کیوں نہ ہوں تجھے نحن کا استعمال کرنا جائز نہیں لیکن مصروف عبادت ہونے کے وقت اگر عبودیت کو ظاہر کرنا پایا جائے۔اس وقت تجھے نحن کا استعمال کرنا جائز ہے۔اس لئے ہر شخص کو معلوم ہو جائے کہ ہماری درگاہ کا بندہ دنیا وآخرت کا بادشاہ ہو جاتا ہے۔ نانواں: ایاک نعبدُ کی بجائے اگر ایاک اعبد کہا جاتا تو اس میں تکبر ومغروری پائی جاتی کیونکہ ایاک نعبد میں کسی کا بھی تکبر نہیں پایا جاتا بلکہ اظہارِ تواضع ہے۔حق سبحانہٗ تواضع کو پسند کرتا ہے اور متواضع کا درجہ اللہ کے نزدیک اعلیٰ ہوتا ہے اور متکبر اس کی درگاہ میں ذلیل وخوار۔اس پر اگر کوئی یہ کہے کہ الحمدللہ میں بھی تو تکبر پایا جاتا ہے۔اور اس پر طرہ یہ کہ الحمد کو مقدم اور اللہ کو مؤخر تو اس سے زیادہ تکبر مفہوم ہوا۔جواب صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ ان دونوں کلاموں میں فرق ہے۔الحمد کا اطلاق ذات الٰہی اور غیر اللہ دونوں پر ہو سکتا ہے لیکن منسوب الی اللہ ہونے کے وقت عمومیت نہیں رہتی بلکہ تخصیص پائی جاتی ہے۔بخلاف اس کے ایاک نعبدُ کی ہیئت کذائی کو تبدیل کرنے کے بعد نعبد ایاک کہنے میں تو عمومیت پائی جاتی ہے اور یہ احتمال موجود ہوتا ہے کہ عبادتِ الٰہی کے ساتھ دوسرے کی بھی عبادت ہو سکے لیکن یہ صورت کفر کی ہے۔اور

Marfat.com

پہلے کلام میں ایسا نہیں۔ علاوہ اس کے اس میں ایک عجیب نکتہ مضمر ہے کہ الحمد کا اطلاق چونکہ اللہ اور غیر اللہ دونوں پر ہو سکتا ہے۔ لہٰذا اسے اللہ پر مقدم کرنا معیوب نہ ہوگا۔ لیکن چونکہ استحقاق عبادت صرف ذات رحمانی کو حاصل ہے۔ کوئی دوسرا مستحق عبادت نہیں لہٰذا اسے مقدم کرنا یقیناً محبوب ہوگا لہٰذا ایاک کو نعبد پر مقدم کرنا ضروری ہوا۔ تاکہ عبادت غیر اللہ کے احتمال سے بھی مبرّا ہو جائے۔ امام رازی نے بھی یہ اس عبارت کو رقم کیا ہے اور اسے سراہا ہے۔

فائدہ چوتھا:

یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ نعبدُ کا نون جمع کا نہیں کیونکہ قائل شخص واحد ہے۔ ایسا ہی نون تعظیمی بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ مشغول عبادت ہونے کے وقت عجز و مسکنت کا اظہار مناسب ہوتا ہے نہ تعظیم و تکریم کا۔ امام رازی کہتے ہیں سوال ہذا کا جواب کئی طریق سے دیا جا سکتا ہے۔ جن میں کا ہر ایک فی نفسہٖ حکمت کاملہ کو ظاہر کرتا ہے۔

طریق اوّل: نعبد میں جمع کا نون ہے اور اس امر پر متنبہ کرنا مقصود ہے کہ انسان کو نماز با جماعت پڑھنا زیادہ مناسب ہے۔ با جماعت نماز پڑھنے کی تفصیل تو اپنے موقع پر مرقوم ہے مختصراً فرمان نبی ﷺ (التکبیرة الأولیٰ فی الصلوٰہ بالجماعة خیر من الدنیا وما فیھا) سے فوائد کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ کہاں تک ہوں گے۔ اور یہ بھی حکم ہے کہ پیاز، لہسن کھا کر جماعت میں شریک نہ ہونا چاہئے۔ مبادا نمازیوں کو اس کی بُو سے تکلیف پہنچے تو گویا حق سبحانہٗ کو یہ ظاہر کرنا ہے کہ جبکہ پیاز و لہسن کی بُو سے مسلمانوں کو تکلیف پہنچنے سے نماز کا ثواب نہیں مل سکتا اور مقدم رکھا جاتا ہے تو مسلمان کے ساتھ فحش کلامی سے پیش آنا اور عیب گوئی و چغلی اور بدخلقی کے وطیرہ سے کیسے نماز ثمر آور ہو سکتی ہے اور کیوں نہ ثواب عظیم سے محروم رکھا جائے گا۔

طریق دوم: نماز با جماعت پڑھنے سے نعبدُ سے جماعت کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ اور بحالت انفراد ملائکہ کی طرف۔ مطلب یہ کہ اس وقت انسان کل عبادت کرنے والے فرشتوں کو شریک نماز سمجھ کر یہ کہتا ہے کہ یاالٰہی یہ بندہ اور کل ملائکہ تیری عبادت میں مصروف ہیں صاحب خزینۃ القرآن حدیث درج کرتے ہیں۔ حضرت علی کی اسناد سے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب تم اکیلے نماز پڑھتے ہو تو اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ فرشتوں کو شریک کر دیتا ہے تو مذکورہ بالا جملہ کی تائید حدیث سے بھی ہو گئی۔

طریق تیسری: قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا (انّما المومنون اخوہ) تو ایاک اعبد سے صرف اپنی ہی عبادت کا اظہار ہوتا اور دیگر مسلمانوں کا ذکر تک نہ پایا جاتا بخلاف اس کے نعبد میں اپنی عبادت کو ظاہر کرنے کے علاوہ شرق سے غرب تک کے کل مسلمانوں کا بھی ذکر ہو جاتا ہے تو گویا نعبد کے کہنے سے تمام مسلمانوں کی مشکلات کو آسان کرنے کی کوشش ہوئی نتیجہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ صرف اس کلمہ کے کہنے سے بحکم من قضا المسلم (آخری حدیث تک دیکھئے) تمام مومنین کو ضروریات اور حوائج میں کامیابی اور سرخروئی عطا فرمائے گا۔

طریق چوتھا: ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ اے بندے تو نے الحمدللہ رب العالمین، مالک یوم الدین کے کہنے سے اس قدر مدح سرائی کی مجھے کہ دنیا و آخرت کی کل تعریفوں اور توصیفوں کا مالک بنا دیا ہے۔ لہٰذا اس وقت میرے نزدیک تیرا رتبہ بلند اور تیرا اعزاز قدر زیادہ ہے تو مقبول درگاہ ہے اور ہم تجھ پر بہت مہربان ہیں مانگ جو کچھ چاہتا ہے لیکن اس کے ساتھ تجھے اپنے دوسرے بھائیوں کی مشکلات آسان ہونے کی التجا بھی کرنی چاہئے۔ صرف اپنی ذات کی مہمات کو پیش نہیں کرنا چاہئے۔ لہٰذا (ایّاک نعبد و ایاک نستعین) کہنا ضروری ہوا۔

طریق پانچواں: ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ اے پروردگار عالم میری مجال نہیں کہ میں اپنی عبادت کا ذکر جو فروگزاشتوں سے پُر ہے تیری درگاہ میں کر سکوں۔ میری عبادت اس قدر خطاؤں سے پُر ہے کہ تیری درگاہ میں پیش کرنے کے قابل نہیں۔ لہٰذا میں نے اپنے ساتھ دیگر جمیع مسلمانوں کی عبادتوں کو شامل کر کے اور ان سب عبادتوں کو ایک ہی عبادت میں پیش کرنے کی غرض سے ایاک نعبدُ کہہ کر تجھے پکارا۔ اس مقام کے متعلق ایک شرعی مسئلہ درج کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص دس درم فروخت کرے تو بیع ہذا میں مشتری کو اختیار نہیں ان میں سے کچھ کو خریدے اور باقی کے لینے سے انکار کرے بلکہ اسے کل کو خریدنے کا یا انکار کرنے کا اختیار ہے۔ اسی طرح انسان ایاک نعبد کہہ کر اللہ تعالیٰ کی درگاہ عالیہ میں اپنی ذاتی عبادت کے ہمراہ کل عبادت کو پیش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے کرم و فضل کو ہرگز زیبا نہیں کہ

Marfat.com

عبادات میں سے کچھ کو قبول کرے اور باقی کو قبول نہ کرے اور چونکہ نعبدُ میں ملائکہ اور انبیاء اولیا غوث وقطب کل مقربان درگاہ کی عبادات کو نامنظور کرے تو لامحالہ ان تمام عبادات کی برکت اور ایمان سے ناقص کی عبادت کو شرف قبولیت بخشا جائے گا۔ اصل مضمون یوں ہوگا۔ الٰہی اگر میری عبادت مقبول درگاہ نہیں تو عبادت ہذا میں تیرے بہت سے بندوں کی عبادتیں شامل ہیں اگر میری عبادت کو شرف قبولیت سے ممتاز نہیں کیا جاتا تو تمام عابدوں کی عبادات کو شفیع بنا کر امیدوار قبولیت ہوں۔

فائدہ چھٹا:

جس شخص کو فوائد عبادات سے آگاہی ہو۔ اسے عبادت میں مصروف رہنے کے سوا کسی دوسری مصروفیت سے راحت وانبساط نہیں ہوتی بلکہ اس کا دل تمام مصروفیتوں سے متنفر ہو جاتا ہے عبادت کے سوا ہر قسم کا شغل اس پر گراں گزرتا ہے۔ اس کا ثبوت کئی وجوہ سے ملتا ہے:

وجہ اوّل: انسان کو فطرتاً کمال بہت مرغوب ہے اور بلحاظ سعادت اور کل انسانی کمالات سے مشغول عبادت ہونا بڑا کمال ہے کیونکہ عبادت ہی ایسی چیز ہے جس سے انسان کا دل نورانیت سے بھرپور ہوتا اور ذکر الٰہی کے شرف سے زبان مشرف ہوتی ہے۔ قربت ذوالجلال کے جمال سے اعضاء آراستہ وپیراستہ ہوتے ہیں یہ تمام احوال مراتب انسانی اور درجات بشری کے جملہ احوال کو مشرف وممتاز بناتے ہیں تو اس صورت میں عبادت سے انسان زمان حال میں بڑی بڑی سعادتوں کا مالک بن جاتا ہے جن کا اثر صرف دنیا تک ہی محدود ہی نہیں رہتا بلکہ زمانہ مستقبل میں بھی اعلیٰ سے اعلیٰ سعادتوں سے مشرف ہوگا تو کیا ایسے احوال مفیدہ اور نتائج برگزیدہ سے واقف ہو کر بھی ہو سکتا ہے کہ انسان دوسری طرف مائل ہو بلکہ انسان کے دل میں حلاوت عبادت اس قدر تاثیر کر جاتی ہے کہ اسے عبادات کی تکلیف ذرا بھی مشکل ودشوار معلوم نہیں ہوتی۔

وجہ دوسری: بفرمان منزل قرآن اِنَّا عرضنا الامانة علی السمٰوٰت عبادت ایک قسم کی امانت ہے۔ امانت کا ادا کرنا واجب ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا (اِنَّ اللہ یامرکم اَنْ تُؤدُّوا الاَمانات اِلٰی اَھلِھَا) اور ادائے امانت کی صفت صفات کمالیہ میں سے ہے اور امانت ادا کرنے کو ہر شخص بالطبع پسند کرتا ہے نیز ادائے امانت ایسا باعث ہے جو فریق ثانی کو ادائے امانت پر مجبور کرتا ہے روایت ہے کہ ایک اعرابی مسجد میں اونٹنی سے اتر کر نماز پڑھنے کے لئے داخل ہوا۔ جب نماز سے فارغ ہوا تو اس کی اونٹنی مسجد کے باہر موجود نہ تھی۔ عرض کیا اے اللہ میں نے تو تیری امانت کو ادا کر دیا لیکن میری امانت کہاں ہے۔ راوی کہتا ہے تعجب ہے کہ اس کے اس جملہ کہنے سے اونٹنی پر ایک آدمی سوار ہو کر آیا جس کے ہاتھ کٹے ہوئے تھے۔ اس نے اونٹنی اس کے حوالے کر دی۔ روایت مذکور الصدر سے یہ نکتہ معلوم ہوا کہ امانت الٰہی کے ادا کرنے کا یہ ثمرہ ہوتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ اس کی امانت کو محفوظ رکھتا ہے اور بعینہ یہی مطلب ہے اس حکم کا جو نبی علیہ السلام نے عباسؓ کو دیا تھا۔ اے غلام تنہائی میں الٰہی حقوق اور امانت کی نگہداشت رکھو اللہ تعالیٰ تجھے جنگلوں اور بیابانوں میں محفوظ رکھے گا۔

وجہ تیسری: عبادت میں مشغول ہونے سے انسان کا دل غرور وتکبر سے متنفر ہو کر انوار الٰہی کی طرف اور مخلوقات سے گزر کر درگاہ صمدی کی جانب منتقل ہو جاتا ہے جس سے اسے بہت لذت ملتی ہے۔ بیان کرتے ہیں کہ امام اعظم نماز پڑھ رہے تھے تو چھت سے سانپ اترا۔ لوگ خوفزدہ ہو کر منتشر ہو گئے۔ اور آپ نماز میں محو رہے۔ سانپ نے زبیرؓ کو کاٹ کھایا۔ اور لوگوں کا سانپ نے کئی جگہ سے گوشت کا ٹکڑا کاٹ دیا لیکن ان کو کچھ بھی نہ معلوم ہوا۔ وہ اس قدر محو عبادت تھے۔ علاوہ اس کے رسول کریم کے سینہ مبارک سے بحالت نماز ہنڈیا کے موافق جوش کی آواز سنائی دیتی۔ ممکن ہے کہ کوئی شخص ان واقعات کو بعید از قیاس سمجھے لیکن اگر وہ یوسف علیہ السلام کے قصہ میں سے آیت (فلما راینہ سورۂ یوسف رکوع چوتھا میں دیکھئے) ایک نظر غور سے دیکھئے تو اسے سوائے سمعاً واطاعۃً کے کہنے کے کچھ نہ بن پڑے کیونکہ یوسف علیہ السلام کا جمال اس قدر دل فریب تھا کہ عورتوں کے دل ایسے متاثر ہوئے کہ انہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے اور ذرا بھی درد محسوس نہ ہو جب ایک بشر دوسروں کو اس حالت میں پہنچا سکتا ہے تو کیا جس کے دل میں محبت الٰہی خوب مستحکم ہو جائے۔ وہاں پر ایسی حالت کا پیدا ہونا کیا بعید ہے؟

نوٹ:

یاد رہے کہ یہ تو حضرت یوسف کا جمال تھا کہ عورتیں اپنے ہاتھ کاٹ بیٹھیں حالانکہ درد کا ہونا فطرت تھا جمال حضرت یوسف کو دیکھنے کے بعد نہ درد رہا نہ درد کی فطرت رہی۔ حضرت یوسفؑ کے جمال نے ان کو ایسے مقام پر پہنچا دیا۔ حضرت ام المومنین فرماتی ہیں (لو امی زلیخا لو رأینا جبینہ لحرنا بقطع القلوب

Marfat.com

عَلَی الیَدِی) نتیجہ یہ کہ یوسفؑ کو دیکھنے سے عورتوں کے ہاتھ کٹ گئے اور وہی عورتیں اگر جمال مصطفیٰ دیکھتیں تو بجائے ہاتھوں کے دل کٹ جاتے۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ جمال یوسفؑ کو دیکھنے سے صرف مصر کی عورتوں کے ہاتھ کٹ گئے لیکن جمال محمدؐ کی ساری کائنات شیدا ہوگئی حضورﷺ نے ساری کائنات کے دل کو جیت لیا۔ صاحب خزینۃ القرآن حضرت علی کی اسناد سے حدیث درج کرتے ہیں کہ مومن جب دل سے محبت کرے تو میرا تصرف اس کے ساتھ ہر وقت رہتا ہے اور میرا جمال اس کو مرنے کے وقت نصیب ہوگا۔ اسے جان کنی کی کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ حضورﷺ نے مثال فرمائی جیسے یوسف کے جمال کو دیکھنے سے ان کے ہاتھ کٹ گئے تو درد نہ ہوا۔ اور میرے جمال کے مشاق تجھے بھی جان کنی کی تکلیف نہ ہوگی۔ حدیث مذکور اسی ضمن میں صفحہ نمبر ۲۹۰ جلد نمبر ۲ میں تحریر ہے۔ فرماتے ہیں یہ حدیث امام زیدی اور علامہ عبدالرزاق ابوبکر ابن شعبہ اور امام شافعیؒ کی اسناد سے بھی ملی ہے۔ جو حضرت عائشہؓ کی سند سے منسلک ہیں۔ فرماتے ہیں کہ بعینہٖ الفاظ اسی سند سے ہیں۔ جو مولا علی کی اسناد سے ہیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ مرعوب و مہیب بادشاہ کے حضور میں بسا اشخاص اس قدر متاثر ہو جاتے ہیں کہ اگر والدین اور اس کی اولاد بھی اس کے پاس سے گزر جائے تو وہ انہیں گزرتے ہوئے دیکھتا ہے۔ مگر پھر بھی نہیں پہچانتا۔ اس کی کیا وجہ ہے یہی کہ اس کا دل شاہی رعب سے مغلوب ہو جاتا ہے اور انہیں سدھ بدھ نہیں رہتی۔ آخر جگر کے ٹکڑوں اور والدین کو بھی نہ پہچاننا بلا وجہ نہیں ہوسکتا تو جس صورت میں دنیا کے بادشاہ کے رعب میں اس قدر محو بنا دینے کی طاقت ہے تو کیا شہنشاہ حقیقی اور رب العالمین سے ایسی حالت کا پیدا ہو جانا بعید از قیاس ہے۔ ہرگز نہیں۔

اس کے بعد اب فقیر یہ بیان کرتا ہے کہ اہل تحقیق نے عبادت کو تین درجوں میں تقسیم کیا ہے:

وجہ اوّل: حصول ثواب کی طمع یا عذاب سے خوفزدہ ہو کر عبادت کی جائے تو اگرچہ عبادت ہے لیکن اس کا درجہ بہت ہی گرا ہوا ہے۔ کیونکہ عبادت ہذا کا مقصد اصلی ثواب اور خوف عذاب ہے، نہ مقصود اللہ تعالیٰ ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کو ان مطالب کو حاصل کرنے کا وسیلہ اور واسطہ بنایا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ذاتی نفع کے لئے وسیلہ بنانا نہایت خسیس اور رقیق امر ہے۔

وجہ دوسری: عبادت قبول تکالیف کے شرف کو یا اس ذات کی طرف منسوب ہونے کے شرف کو حاصل کرنے کی غرض سے عبادت کی جائے۔ اور یہ درجہ بھی کامل نہیں کیونکہ عبادت ہذا سے مقصود اصلی غیر اللہ ہے۔

وجہ تیسری: اللہ تعالیٰ کو خالق اور رب العالمین جان کر اور اپنے آپ کو بندۂ درگاہ سمجھ کر عبادت کی جائے اور یہ عبادت تمام عبادتوں سے بلند پایہ ہے اور فوقیت رکھتی ہے کیونکہ الوہیت کے خیال سے دل میں ہیبت اور عزت الٰہی چھا جاتی ہے اور عبودیت سے دل میں انکساری اور خضوع و خشوع پیدا ہوتا ہے تو یہ حالت تمام حالتوں سے بہتر اور سب درجوں سے بالاتر ہے۔ اور یہی حقیقی عبودیت ہے اور ابتدائے نماز میں پڑھنے والے کا یہ مقولہ اُصَلِّی لِلّٰہِ اسی پر مبنی ہے ورنہ اگر اصلی للہ کی بجائے اصلی لثواب اللہ او لھرب من عتاب اللہ کہے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ درجات عبادت کے بیان کرنے کے بعد اب یہ ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ بہت سی آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ عبادت اور عبودیت دونوں بڑے عالی مقام ہیں۔ آیت پہلی (واعبُــد ربّک سورہ حجر کی آخری آیت دیکھئے) آیت ہذا میں اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تا وفات ہمیشہ مصروف عبادت رہنے کا حکم فرمایا جس کا مطلب یہ ہوا کہ عبادت سے کوئی وقت بھی خالی نہیں ہونا چاہئے تو اس سے ثابت ہوسکتا ہے کہ عبادت کا حکم کس قدر زبردست ہے۔ آیت دوسری: (وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّکَ یَضِیْقُ صَدْرُکَ بِمَا یَقُوْلُوْنَ) اللہ تعالیٰ نے چار امور کا حکم فرمایا ہر وقت اللہ تعالیٰ کی تسبیح و حمد کیا کرو۔ اور سجدہ کیا کرتا دم وفات اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کرو تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عبادت سے ضیق قلب کی شکایت دور ہو جاتی ہے۔ اور اس کی جگہ دل میں فراخی آجاتی ہے آخر یہ کیوں۔ اسی لئے کہ عبادت سے انسان کا دل مخلوقات سے متنفر ہو کر حق سبحانہ کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور اس میلان کے باعث ضیق القلب کی شکایت جاتی رہتی ہے۔ آیت تیسری: عبودیت کی بزرگی میں فرمایا (سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلاً) اس سے سمجھا جاتا ہے کہ اگر عبودیت میں خوبی نہ ہوتی تو معراج کی سیر سے موصوف کرنا کیسے ہوسکتا تھا۔ بعض تو یہاں تک کہتے ہیں کہ عبودیت کا درجہ رسالت سے بھی بڑھ کر ہے کیونکہ عبودیت مخلوقات سے واجب الوجود کی طرف میلان پیدا کرتی ہے اور رسالت اللہ تعالیٰ کی طرف سے مخلوق کی طرف لاتی ہے۔ نیز عبودیت کے باعث تصرفات نہیں کرسکتا۔ اور رسالت تصرفات کے قابل بناتی ہے۔ بندے کے مناسب حال تصرفات کے ناقابل ہونا ہے اور علاوہ اس کے بندہ تو اپنی مہمات کا رب الارباب کو کفیل بناتا ہے اور رسول اپنی امت کی مہمات کی درستی کا طالب ہوتا ہے تو ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ امام رازی کے نزدیک۔

Marfat.com

نوٹ:

امام رازی کے نزدیک جن لوگوں نے یہ خیال نقل کیا ہے کہ عبودیت کا درجہ رسالت سے بڑھ جاتا ہے۔ قبل ازیں بھی اس نظریہ کے حامل لوگ تھے۔ صاحب خزینۃ القرآن نے ان پر سخت نکتہ چینی کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ میرے وقت میں بھی ایسے احمق لوگ موجود ہیں۔ جو عبودیت کو رسالت سے افضل تسلیم کرتے ہیں اور اپنی عقل کی دھن میں لگے ہوئے ہیں۔ میں ان سے یہ پوچھتا ہوں کہ رسالت لازم ہے یا عبودیت۔ رسالت کے معنی پہنچانے کے ہیں لیکن عبودیت پہلے ہے اور رسالت بعد میں عبادت محنت ومشقت کرنے سے اس نتیجہ تک پہنچتا ہے۔ بغیر عبادت ان درجات کو حاصل نہیں کر سکتا۔ اگر ان کے اس خیال کو مدنظر رکھا جائے کہ عبودیت بھی ایک کسب ہے اللہ تعالیٰ کے قریب پہنچاتا ہے تو پھر اس وجہ سے عبودیت میں جب وہ ممتاز ہو گئے تو پھر انہیں رسالت سے بڑھ کر اور خطاب ہونا چاہئے۔ کیونکہ ان کا درجہ اس وجہ سے رسالت سے اشرف ہے تو پھر رسالت بھی کسب ٹھہرے گی لیکن ایسا بالا جماع باطل ہے۔ سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں، رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ رسالت الٰہی کوئی کسب نہیں کہ محنت سے حاصل ہوتی ہے۔ باقی تمام اعمال کو ممتاز کرتے ہوئے قرب الٰہی حاصل کر سکتا ہے۔ رسالت اور نبوت یہ اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے جسے چاہے وہ عطا کرے۔ یہ اس ذات کا اعلیٰ وافضل منصب ہے۔ موصوف فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کی آیت بھی اس کی تائید میں ہے۔ اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہ۔ اگر ان کے خیال کو یونہی سمجھا جائے کہ رسالت سے عبودیت افضل ہے اور وہ اس سے زیادہ اعمال حاصل کر سکتے ہیں۔ تو لفظ رسالت کی کوئی وقعت نہ رہی یہ بالکل باطل ہے اور وہ فرقہ گمراہ ہے آیت کریمہ کے صریحاً خلاف ہے۔ فقیر امام رازی سے پوچھتا ہے کہ کیا رسالت بھی کسب ہے جو درجہ عبادت سے حاصل ہو سکتا ہے۔ امام رازی کے اس خیال کے مطابق تو اعمال میں لفظ رسالت سے وہ افضل ہوگا۔ یا میرے نزدیک امام رازی کی عبارت کا مقصد یوں ہو سکتا ہے کہ رسالت رسول کے پیغام کو بھی کہا جا سکتا ہے۔ لفظ رسول ولفظ نبوت چونکہ اس عبادت کا اطلاق منصب نبوت کی طرف نہیں لفظ رسالت کی طرف ہے۔ ارسال کہتے ہیں کہ مراسلہ کو تو لفظ مراسلہ سے عبودیت کا درجہ فائق ہے۔ پھر امام رازی کی عبارت اس حصول پر قائم ہو سکتی ہے۔ اب مذکورہ بالا دلیل کی طرف راجع آیت چوتھی۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو یوں حکم فرمایا (اِنِّیْ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ) آیت ہذا میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو توحید کے بعد عبودیت اختیار کرنے کا حکم دیا ہے لیکن کیوں۔ اس لئے کہ عبودیت توحید کی شاخ ہے۔ توحید درخت ہے تو عبودیت اس کا پھل تو یہ دونوں ایک دوسرے کے لازم وملزوم ہوئے اور کبھی ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتے۔ الحاصل مذکورہ بالا تقریر سے عبادت کو فضیلت ہے لیکن لفظ رسالت ونبوت پر نہیں انسان کے اپنے اعمال پر۔ اب بطریق عقل تو یہی امر ہے کیونکہ انسان حادث ہے اور اس کا وجود ممکن لذاتہ ہے تو اگر قدرت الٰہی کی اس میں تاثیر نہ ہوتی تو ممکن نہ تھا کہ ظلمات عدم سے نکل کر وجود کے نورانی بقعہ میں داخل ہو سکتا چہ جائیکہ کمالات وجود کو حاصل کرتا۔ غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور اس کی ایجاد بخشش کے سمندر بے بہا کے طفیل انسان کو وجود ملا اور اسی پر کمالات وجود عطا کئے گئے۔ تو قدرت الٰہی اور ایجاد کردگاری پر انسان کا مبنی ہونا صاف طور پر عبودیت کو ظاہر کرتا ہے اور عبودیت کے باعث ہر قسم کی شرافت کمال فضیلت اور منقبت بندے کو عطا کی گئی ہیں تو دلائل عقلیہ ونقلیہ سے ثابت ہو گیا کہ عبودیت بلند قدر چیز ہے۔ اور درجات کی مشرق سعادتوں کی عنوان کل بھلائیوں کی مفتاح اور فضائل کی مخزن ہے تو اسی وجہ پر انسان (اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ) کہتا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرمایا کرتے تھے یا اللہ مجھے یہی فخر کافی ہے کہ میں تیرا بندہ ہوں اور مجھے یہ فخر کافی ہے کہ تو میرا مربی ہے یا اللہ میں نے تجھے ویسا اللہ پایا جیسا میں چاہتا تھا تو بھی مجھے ایسا عبد بنا جیسا تو چاہتا ہے۔

فائدہ چھٹا:

دو مقام ہیں معرفت ربوبیت، دوسرا معرفت عبودیت اور ان دونوں کے اجتماع پر (اَوْفُوْا بِعَهْدِیْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ) عہد کی تکمیل ہو جاتی ہے معرفت، ربوبیت تو الحمد للہ رب العالمین الرحمٰن الرحیم مالک یوم الدین تک کامل طور پر ہو چکی ہے تو انسان کو اپنی سابقہ عدمی صورت کو چھوڑ کر وجودی صورت کو اختیار کرنا وجود اللہ کی پوری دلیل ہے اور اس کا ہر قسم کی ضروریات اور حوائج حاصل کرنا اللہ تعالیٰ کے مربی اور رحمان ہونے کی خبر دیتا ہے۔ اسی طرح انسان کا عالم ثانی کو کوچ کرنے سے آگاہی ملتی ہے کہ حق سبحانہٗ مالک یوم الدین ہے۔ تو تمام صفات جس وقت کامل طور پر ذہن نشین ہو جاتے ہیں تو اس وقت معرفت ربوبیت پورے طور پر ہو جاتی ہے۔ اب اس کے بعد عبودیت کا مرتبہ ہے اور اس کی بھی ابتداء اور انتہاء اور اوّل وآخر ہے۔ عبودیت میں مشغول ہونا اس کی ابتداء ہے اور یہی مراد ایاک

Marfat.com

نعبد سے ہے اور کمال عبودیت یہ ہوگا کہ انسان دل میں پختہ طور پر ٹھان لے کہ اللہ تعالیٰ کے ماسوا کوئی دوسرا معین و مددگار نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری اسی کی توفیق سے ہوسکتی ہے اور اللہ تعالیٰ ہی بچائے تو ذنوب و معاصی سے انسان بچ سکتا ہے ورنہ ممکن نہیں تو اس یقین اور راسخ الاعتقادی کا یہ نتیجہ ہوگا کہ انسان کل ضروریات اور حوائج میں اللہ تعالیٰ سے استقامت کا خواستگار رہوگا۔ یہی ایاک نستعین کے معنی ہیں۔ تو جب عہد ربوبیت اور عہد عبودیت کا ایفا ہو چکا تو اب اس کا فائدہ اور نتیجہ بیان فرمایا کہ (اھدِ نا الصراط المستقیم) تو یہ ترتب کلامی نہایت ہی پاکیزہ اور نہایت دلپذیر اور اعلیٰ ہے۔ انسانی عقول جس کی نظیر و مثال لانے سے قاصر و عاجز ہیں۔

فائدہ ساتواں:

اگر کوئی یہ کہے کہ الحمد للہ سے مالک یوم الدین تک تمام خلاصہ کو بالفاظ غائب بیان کیا گیا ہے اور ایاک نعبدُ وَ ایاک نستعین میں غائب سے خطاب کی طرف انتقال کیا گیا ہے۔ اس میں کیا فائدہ ہے تو فقیر کہتا ہے کہ یہ چند وجوہ پر مبنی ہے۔

وجہ اول: نماز میں انسان کی ابتدائی حالت اجنبیت کی تھی لہٰذا اسے الٰہی مدح سرائی میں طریق مغائبت کو اختیار کرنا ضروری ہوا الحمد للہ سے لے کر مالک یوم الدین تک غائبانہ طریق سے اللہ تعالیٰ کی مدح و توصیف کر چکا تو اللہ تعالیٰ گویا یوں ارشاد فرماتا ہے۔ اے بندے تو نے میری ستائش کی اور تو نے اقرار کیا کہ میں معبود مربی اور رحمان رحیم اور مالک یوم الدین ہوں لہٰذا تو مجھے بہت پیارا معلوم ہوتا ہے۔ اب میں نے تجھ سے حجاب کا پردہ اٹھا دیا اور بُعد کو قرب سے بدل دیا۔ اب تجھے بطریق خطاب کلام کرنا چاہئے اور ایاک نعبد کہنا چاہئے۔

وجہ دوسری: پسندیدہ سوال وہی ہوتا ہے جو بالمشافہ کیا جائے۔ تمام انبیاء جب کبھی اللہ تعالیٰ سے کچھ مانگتے تھے تو اسی طریق کو اختیار کرتے تھے جیسا کہ ربنا ظلمنا آخر آیت تک دیکھئے اور رب ازلی سے ظاہر ہے۔ اس کا باعث یہ ہے کہ سخی وکریم سے بالمشافہ مانگا جائے تو کچھ نہ کچھ ضرور مل ہی جاتا ہے۔ سخی کو ایسی صورت میں محروم کرنا بُرا معلوم دیتا ہے نیز عبادت کہتے ہیں خدمت کو اور خدمت میں حضوری زیادہ بہتر ہوتی ہے۔

وجہ تیسری: ابتداء سورت سے لے کر ایاک نعبد تک تو ثناء چلی آئی ہے اور اولویت اسی میں ہے کہ ثنائے غیب میں کی جائے اور ایاک نعبدو و ایاک نستعین سے تا آخر سورت دعا چلی جاتی ہے اور دعا حضوری میں بہتر ہوتی ہے۔

وجہ چوتھی: انسان نماز پڑھنے سے پہلے تقرب الی اللہ کے حصول کی نیت باندھتا ہے۔ اور اس نیت کے بعد مختلف اوصاف سے مدح سرائی شروع کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی دلی خواہش کو پورا کر کے تقرب الی اللہ کے مرتبہ سے مشرف بنا کر غیبیہ سے مقام حضوری تک پہنچا دیتا ہے لہٰذا وہ ایاک نعبد و ایاک نستعین میں غائبانہ روش کو چھوڑ کر مخاطبانہ روش کو اختیار کرتا ہے۔

(فصل چھٹی)

(وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کے بیان میں)

دلائل عقلیہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی امداد تاوقتیکہ شامل حال نہ ہو گناہ و معاصی سے بچاؤ اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری نہیں ہوسکتی۔ ان دلائل عقلیہ کے علاوہ اور بھی وجوہ عقلیہ ونقلیہ ہیں جن سے توفیق الٰہی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے ان وجوہ عقلیہ کا بیان یہ ہے:

وجہ پہلی: قادر کہتے ہیں جسے فعل و ترک فعل پر پورا اختیار ہو۔ قاعدہ کی بات ہے کہ ہر فعل و ترک فعل رجحان کے بدون نہیں ہوتا۔ اول وجہ ترجیح پیدا ہوتی ہے اور اس کے بعد رجحان ہوتا ہے تو یہ مرجح انسان کی طاقت سے باہر ہے لامحالہ رجحان پیدا کرنے والے کی تلاش ہوئی اور وہ اللہ ہی ہے تو معلوم ہوا کہ ہر فعل پر اقدام اعانت قیوم کے

Marfat.com

بدون ہو ہی نہیں سکتا۔

وجہ دوسری: ہر بشر کو اعتقاد صادق اور حق مذہب کی جستجو رہتی ہے اور تمام افراد انسانی طلب و کوشش اور قدرت و عقل میں برابر نہیں ہوتے ہیں۔ بعض کو کامیابی ملتی ہے اور بعض کو نہیں ملتی۔ پہلی قسم کی کوشش میں توفیق شامل ہے۔ اور معین اللہ تعالیٰ ہے کیونکہ اگر جن و ملائکہ اور کوئی بشر ہوتا تو اس صورت وہی سوال پیدا ہوگا اور سلسلہ غیر متناہی ہو جائے گا۔ جو محال ہے۔

وجہ تیسری: انسان بسا اوقات کسی فعل کا ارادہ کرتا ہے مگر مدت دراز تک اپنے ارادے میں کامیاب نہیں ہوتا آخر اسی ارادہ میں ایسا وقت پہنچتا ہے کہ فعل صادر ہو جاتا ہے۔ قاعدہ کی بات ہے کہ ہر ارادہ کسی خاص غرض پر مبنی ہوتا ہے تو امر و نواہی کا دل میں ڈالنا اور غرض کی تکمیل کے موانعات کو ہٹائے رکھنا کس کی طاقت ہے۔ اسی کی طاقت ہے جسے ارحم الراحمین کہتے ہیں اور اعانت سے فقیر کی یہی مراد ہے۔ وجوہ نقلیہ کا بیان۔ آیت پہلی وایاک نستعین ، دوسری استعینوا باللہ ۔ آیت ہذا میں جبریہ اور قدریہ کو تردد کرنا پڑا۔ جبریہ کہتا ہے کہ اگر انسان فعل مختیار ہے اور اسے اپنے افعال پر پورا اختیار ہے تو کسی فعل پر استعانت و استمداد بے فائدہ ہے۔ فقیر کہتا ہے کہ قدرت اسی پر کارآمد و موثر ہو سکتی ہے جس کی تحریک ہو بدون تحریک قدرت کسی کام نہیں آنے کی۔ مدد سے ہماری مراد اس سے زیادہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ انسان کے دل میں تحریک پیدا کردے اور تحریک کی اور رکاوٹوں کو ہٹائے رکھے۔ اب فقیر اسی کلمہ کے فوائد اور نکات عجیبہ کو بیان کرتا ہے۔ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ جبریہ و قدریہ کا خیال باطل ہے جیسے مِن شرِّ ما خَلَقَ برائی و اچھائی اسی ذات کی تخلیق ہے۔ پھر فطرت پر دارومدار ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ بچہ نومولود ایک فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کے ماں باپ یہودی، نصرانی یا مجوسی ہوں تو پھر فطرت اسی طرف راغب ہوگی۔ وگرنہ سب کو اللہ تعالیٰ اپنی فطرت پر پیدا فرماتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا اور مخلوق کا لفظ فطرت اللہ سے نکالا ہے تو فطرت کو درست کرنے کے لئے انبیاء اور رسل آئے۔

فائدہ پہلا:

کوئی کہہ سکتا ہے مدد فعل کے شروع میں ہوا کرتی ہے تو کیا وجہ ہے کہ ایاک نعبدُ کو اول بیان کیا گیا اور بعد ازاں وایاک نستعین تو اس کا جواب چند وجوہ سے ہو سکتا ہے۔ وجہ پہلی: گویا نمازی یہ کہتا ہے کہ میں عبادت میں شروع ہوا ہوں تو اے اللہ تجھ سے تمام عبادت کی مدد طلب کرتا ہوں مجھے ہر قسم کے مرض موت اور دلی وسوسوں سے محفوظ رکھیو۔ مبادا میری عبادت ناقص رہے۔ ایسا ہی میرے دلی ارادوں اور خواہشات کو نہ بدل دیا جائے۔ دوسری: گویا نمازی یہ کہتا ہے کہ یا الٰہی تیری عبادت میں مصروف تو ہو گیا ہوں مگر میرا دل قابو سے باہر ہوا جاتا ہے تو تجھ سے مدد طلب کرتا ہوں۔ میرا دل مستقل اور برقرار ہو جائے۔ حدیث شریف سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ (قال رَسُولُ اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم قلب المومن بین اصبعین من اصابع الرحمٰن) تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر دل کو قابو میں نہیں رکھ سکتے۔ تیسری: اے اللہ تعالیٰ میں تیرے سوا جبرائیل و میکائیل سے مدد نہیں مانگتا بلکہ تجھ ہی سے میری استمداد ہے ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ اختیار کیا ہے کیونکہ نمرود مردود نے دست و پا باندھ کو آگ میں پھینکا تو جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ میں تیری مدد کروں۔ آپ نے فرمایا کس نے بھیجا ہے۔ کہا میں اپنی طرف سے آیا ہوں۔ فرمایا کہ میں جس کا خلیل ہوں وہ مجھے نہیں دیکھ رہا۔ آگ میں تیری مدد کی کوئی ضرورت نہیں یا اللہ میں تو خلیل سے بھی بڑھ کر تیری حضوری کا مقید ہوں۔ ان کے تو صرف ہاتھ پاؤں جکڑے ہوئے تھے لیکن میری یہ حالت ہے کہ میں نے اپنے پاؤں کو ایسا جکڑا ہے کہ وہ ادھر ادھر نہیں جاتے۔ اپنے ہاتھوں سے حرکت نہیں کرتا۔ آنکھوں سے ادھر ادھر نہیں دیکھتا۔ کانوں سے دوسرے کی بات نہیں سنتا۔ زبان سے کوئی کلمہ نہیں نکالتا۔ خلیل کو نمرود کی آگ میں ڈالا گیا تھا اور میں نار جہنم کے کنارے کھڑا ہوں۔ اور جس طرح انہوں نے ایسی نازک حالت میں بھی تیرے سوا کسی سے مدد نہیں مانگی میں بھی تیری ہی عبادت کرتا ہوں اور تجھ سے ہی مدد کا طلب گار ہوں تو اللہ تعالیٰ یہ جواب فرماتا ہے کہ اے بندے تو نے میرے خلیل کی اقتداء کی ہے۔ امام رازی نے یہاں لکھا ہے کہ تو خلیل سے بھی بڑھ گیا لیکن فقیر یہ سمجھتا ہے کہ رازی نے وہاں عقل کا سہارا لیا ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ پیغمبر سے بڑھ جائے تو پھر وہ اپنی فضیلت و بزرگی کا زیادہ اظہار کر سکتا ہے یا رازی کی عبارت کا یہ مقصد ہے کہ میں نار جہنم کے کنارے پر ہوں اور میں ناقص ہوں اور ابراہیم خلیل کامل تھے اور میرے نقص ان کی کاملیت سے زیادہ ہیں کیونکہ وہ تو کامل اکمل تھے تو کاملیت پر نقص زائد کا اظہار ہو سکتا ہے۔ امام رازی کی عبارت کا یہ نتیجہ بھی ہو سکتا ہے۔ حالانکہ یہ بات خود ظاہر ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے سخت نازک حالت میں اللہ

Marfat.com

تعالیٰ کو یاد فرمایا تو آگ ان کے لئے لالہ زار ہوگئی۔ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسا سکون آگ میں فرمایا جیسا سکون بچے کو ماں کی گود میں بھی نہ آ سکتا ہو لیکن انسان نماز پڑھتا ہے تو پھر بھی اس کا دل غلاظت دنیا کی ہیرا پھیری و چکر میں رہتا ہے۔ اور اس کو نماز میں بھی قرار نہیں آتا۔ جو مومن کو آنا چاہئے۔ جب یہ قرار نہیں آتا تو درجہ میں حضرت خلیل سے کیسے بڑھ جائے گا۔ یہ تو امام رازی نے اپنے عقل کے مطابق بات کہہ دی حالانکہ پیغمبر کی عظمت ہر لحاظ سے فوقیت کی حامل ہے۔ خلیل کے لئے یہ حکم دیا گیا تھا (قلنا یا نار کونی آخر آیت تک دیکھئے۔ پارہ نمبر ۱۷) تجھے ہم نار جہنم سے نجات دے کر جنت میں داخل کریں گے۔ مزید برآں ہم تجھے اپنا ازلی کلام سنائیں گے اور جس طرح ہم نے نار نمرود کو حکم دیا تھا (یا نار کونی بردا و سلاما علیٰ ابراھیم) اسی طرح نار جہنم تجھ سے کہے گی سلامتی سے گزر جا کیونکہ تیرے نور کے باعث میرے شعلے بجھے جاتے ہیں۔ چوتھا: ایاک نستعین یعنی میں تیرے سوا کسی سے استمداد طلب نہیں کرتا۔ کیونکہ تیرا غیر اسی وقت مدد دے سکتا ہے جب تو اس کے دل میں میری مدد کا خیال ڈالے تو جب غیر کی مدد کا دارومدار بھی تجھی پر ہے۔ تو میں ایسے واسطوں کو چھوڑ کر صرف تیری اعانت پر ہی شاکر و صابر رہتا ہوں۔

پانچواں: ایاک نعبد اس امر کا مقتضی ہے کہ عبادت کو اپنی عظیم کامیابی تصور کیا کرے۔ تو تعجب ہوگا تو ایاک نعبد کے بعد ایاک نستعین اس امر پر دلالت ہے کہ جب تک انسان اپنے ہر خیالات کو نفس سے کامل نہ سمجھے اور نفس پر ترجیح نہ دے کہ نفس کو روحانیت سے کامل کرنا یہ توفیق الٰہی سے ہوتا ہے۔ تعجب اور غرور و تکبر دور کرنا مقصود اصلی ہے۔

نوٹ:

طلب مدد تو ذات حقیقی سے ثابت ہوا۔ کیا دوسروں سے مدد جائز ہے۔ جواب: مدد حقیقی سوائے اللہ کے کوئی نہیں کر سکتا۔ ہاں اگر جس کو وہ اپنا تصرف عطا کرے وہ مدد کرنے کے لائق ہو سکتے ہیں تو ایسا تصرف صالحین سے ہوتا ہے تو اسے مدد مجازی کہا جاتا ہے۔

(فصل ساتویں)

(اھدنا الصراط المستقیم اور اس کے چند فوائد)

فائدہ اوّل:

آیت ہذا سے اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ نمازی وہ ہو سکتا ہے جو مومن ہو۔ مومن کے لئے اہتداء کی ضرورت نہیں بلکہ مومن کے معنی یہی ہیں کہ وہ ہدایت یاب ہو اور اسی بنا پر نمازی ہو (اھدنا الصراط المستقیم) کہنا تحصیل حاصل ہے اس امر محال سے لازم آتا ہے اور وہ ایسے امر کی استدعا کرنا ہے جو پہلے سے حاصل ہے۔ اعتراض ہذا کے رفع کرنے میں علماء نے مختلف وجوہات سے کام لیا ہے۔

نوٹ:

امام رازی کے جوابی دلائل پیش کریں گے ان علماء میں سے صاحب خزینۃ القرآن کا اشارہ راجح ہے۔

وجہ پہلی: وجہ اول میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ استدعا مذکور سے اسلاف کی ہدایت مطلوب ہے جس طرح وہ لوگ بڑی بڑی مشکلات محض رضا مندی اللہ تعالیٰ حاصل کرنے کے لئے برداشت کرتے تھے۔ اسی طرح ہمیں بھی ویسی ہدایت فرما کہ ہم ان کے نقش قدم پر چلیں۔ بیان کرتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کو ان کی قوم دن میں کئی بار اتنا زدوکوب کرتی کہ آپ بے ہوش ہو جاتے اور آپ ہر مرتبہ (اللھم اھد قومی فانھم لا یعلمون) کہا کرتے تھے۔ اس پر اگر کوئی یہ کہے کہ ہمارے ہادی اعظم برحق رسول اکرم ﷺ نے کلمہ مذکورہ صرف ایک بار ہی پڑھا اور نوح علیہ السلام تو دن میں کئی بار کہا کرتے تھے۔ اس سے یہ نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت نوحؑ کی آپ سے زیادہ فضیلت ہوئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قیاس درست نہیں کیونکہ اھدنا الصراط المستقیم کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے وہی اوصاف حمیدہ و اخلاق حسنہ کی

Marfat.com

استدعا مراد ہے جو اللھم اھد قومی فانھم لایعلمون میں مضمر تھی۔ آنحضورﷺ دن میں کئی بار سورۃ فاتحہ پڑھا کرتے تھے تو آپ کا کلمہ مذکورہ یعنی اللھم اھد قومی حضرت نوح سے بھی کئی گناہ زیادہ ثابت ہو گیا۔

دوسری وجہ: بعض علماء نے اعتراض مذکور کو اس طریق سے رفع کیا ہے کہ ہر امر افراط و تفریط سے گھرا ہوتا ہے۔ لیکن یہ دونوں پہلو مذموم اور ناپسندیدہ ہیں۔ بحکم رب کریم (وکذالک جعلنٰکم امة وسطاً) پسندیدہ امر صرف ان دونوں پہلوؤں کی درمیانی صورت یعنی وسط ہے اور درمیانی صورت ہی عدل و صواب ہے دلائل قاطعہ سے مؤثر ہو کر جب انسان ہدایت یاب ہو جاتا ہے تو اس حالت کے پیدا ہو جانے کے بعد اس امر وسطی کی تلاش ہوتی ہے۔ اعمال شہوانی اور افعال حیوانی نیز صرف مال میں افراط و تفریط کی میانی صورت کو اختیار کرنا اسے امر لابدمنہ تھا۔ بس اسی غرض و غائیت کو مدنظر رکھ کر مومن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ ابدی میں صراط مستقیم یعنی اپنے ہر عمل میں اس کی درمیانی صورت کو اختیار کرنے کی توفیق کا خواستگار رہتا ہے۔ تقریر مذکورہ سے سوال زائل ہو گیا۔

وجہ تیسری: دنیا کی کل موجودات کا ذرہ ذرہ اللہ تعالیٰ کی حکمت و قدرت اور اس کی ہستی کا پتہ دیتا ہے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ انسان تمام دلائل چھوڑ کر صرف ایک ہی دلیل پر اپنے مذہب کو صحیح تسلیم کرتا ہے اسی بناء پر جب مومن کو ایک ہی دلیل سے وجود الٰہی کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے تو موجودات میں سے کوئی سی چیز ہو وہ ان سے ذات باری تعالیٰ کے وجود حکمت وغیرہ پر دلیل قائم کر سکتا ہے۔ مگر وہ ان سے غافل ہوتا ہے اور صرف ایک ہی دلیل کو جس سے وہ متاثر ہو چکا ہے دل میں بٹھائے رکھتا ہے تو اھدنا الصراط المستقیم کے یہ معنی ہوئے کہ اے اللہ تیری ہستی علم و قدرت اور حکمت کو شناخت کرنے والی ہے۔ خاصیت جو کل موجودات میں موجود ہے ہمیں اس کا علم معلوم ہو جائے اس وجہ پر بھی ازالہ سوال ہو گیا۔

وجہ چوتھی: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اے انسان تجھے صراط مستقیم جو اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف جانے والا راستہ ہے۔ جو زمین و آسمان اور جملہ مافیہا کا مالک ہے دکھایا جائے گا۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں اور امام رازی کا اشارہ بھی اسی طرف ہے۔ اسحاق سلمی کا اشارہ بھی اسی طرف ہے۔ نیز رسول کریم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ (وَاَنَّ ھذا صراطی مستقیماً) صراط مستقیم سے یہی مراد ہے کہ انسان دل سے ذاتِ الٰہی کی طرف مشغول ہو کر باقی جملہ ماعدا سے اعراض کرے اور اسی کا ہو جائے اھدنا الصراط المستقیم کے یہ معنی ہوئے کہ اللہ تعالیٰ انسان کو ایسی صراط مستقیم پر چلائے جو موصوف بصفت مذکور ہو اس کی مثال یوں سمجھئے کہ انسان اپنے آپ کو ذات واجب الوجود کا اس قدر فرمانبردار بنالے کہ اگر لڑکے کے ذبح کرنے کا حکم ہو تو حضرت ابراہیم کی طرح اس کی تعمیل میں فوراً مستعد ہو جائے اپنے آپ کو ذبح ہونے کے لئے سپرد کر دینے کا حکم ہو تو حضرت اسماعیل کی طرح اس کو بجالائے۔ دریا میں اگر گرنے کا حکم ہو تو حضرت یونس کی طرح طریقہ اختیار کرے۔ مذکورہ بالا طریق اگر سپرد کرنا ہو تو ایسا جس طرح حضرت امام حسین اور آپ کے صاحبزادوں بھتیجوں اور دوستوں نے میدان کربلا کے اندر گرم دھوپ پر اپنے کو سپرد کیا۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ اصل ذات کی طرف اس راہ پہ چلنا عین اس راستے کا نقشہ سامنے کرنے کا طریقہ میرے دادا جان حضرت امام حسین کو دیکھو کہ انہوں نے اپنے شش ماہے بچے کو بھی اپنے ہی ہاتھ سے اللہ کے سپرد کر دیا۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں یہی وہ صراط ہے جس کے متعلق آپ کے نانا کو حکم ہوا۔ منصب اور اعلیٰ مراتب علمیہ پر حاوی ہونے کے باوجود اگر اپنے سے زیادہ عالم کی شاگردی کرنے کی ہدایت ہو تو بلا چون و چرا اس پر کاربند ہو جائے جیسا کہ حضرت موسیٰ نے تعمیل حکم میں حضرت خضر کی شاگردی اختیار کی اور اسی طرح قید و بند اور نوبت بقتل پہنچتے ہوئے اگر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا حکم ہو تو بلا حجت حضرت یحییٰ اور زکریا علیہما والسلام کی طرح پیروی کرے۔ غرض یہ کہ اھدنا الصراط المستقیم کی غرض اصلی یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی طرح شدائد اور آفات ناگہانی اور بلیات آسمانی کے وقت صبر و استقلال سے کام لیا جائے اس میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا کہ ایسا کرنا سخت خوفناک دشوار اور مشکل ہے۔ اکثر آدمیوں میں صبر کرنے کی طاقت نہیں ہوتی۔ تھوڑی سی تکلیف نہیں اٹھا سکتے مگر تاہم لوگوں کے لئے رنج و غم اٹھانے کا موقع نہیں کچھ ایسے ہوتے ہیں جو صبر کی انتہاء کو عبور کر کے صبر کا جام لبریز کر کے ثابت قدم رہتے ہیں جیسے حضرت امام حسین علیہ السلام تکلیفات اور مصائب کی بھرمار کے باوجود ثابت قدم رہے حالانکہ ہر چہار سو آپ پر ظلم و جور کی انتہا تھی لیکن آپ کے صبر کے سامنے یہ کچھ نہ تھا اور آپ ایک طریقہ مخلوق کے لئے وضع کر گئے۔ لوگوں کو چاہئے کہ کسی قسم کا خوف نہ کریں دینی امور میں جس قدر دشواریاں پیش آتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت جلد مشکل کشائی ہو جاتی ہے کیونکہ آیت ہذا کے آئندہ الفاظ صراط الذین انعمت علیھم سے سہولت و آسانی اور کشائش کی خوشخبری ملتی ہے ورنہ انعمت علیھم کی بجائے

Marfat.com

صراط الذین قتلوا و اضربوا ہونا چاہئے تھا لیکن ایسا نہیں کیا گیا تو آیت ہذا کو پڑھنے کے وقت انسان کو دل ہی دل میں ہی خیال رکھنا چاہئے کہ الٰہی میں نے اپنے والد کو انہیں اعمال کبائر کا مرتکب اور بڑی بڑی نافرمانیوں کو اس سے سرزد ہوتے ہوئے دیکھا جن کا میں بھی مرتکب رہا ہوں۔ لیکن چونکہ موت کے قریب میں نے اسے اپنی بدکرداریوں سے توبہ و استغفار کرتے ہوئے دیکھا میں نے یقین کیا کہ وہ آگ سے نجات پائے گا اور جنت میں داخل ہوگا۔ تو یہ شخص انعمت علیہم کی ذیل میں داخل ہے کیونکہ تو نے اسے توبہ کی توفیق عطا فرمائی۔ ثانیاً قبول نعمت سے اسے سرفراز فرمایا اسی طرح مجھے بھی اس صراط مستقیم پر چلا تا کہ تائبین کا مرتبہ ملے۔ اس مرتبہ کے حاصل ہو جانے پر انسان کو انبیاء علیہم السلام کے درجات کی استدعا کرنی چاہئے۔ یہ اھدنا الصراط المستقیم کی تفسیر ہے۔

وجہ پانچویں: گویا انسان یہ کہتا ہے راستے بے شمار ہیں۔ میرے احباب مجھے ایک راستہ پر کھینچتے ہیں میرے دشمن دوسرے راستے پر لے جانا چاہتے ہیں۔ شیطان ان دونوں کے سوا تیسرے راستہ پر چلانا چاہتا ہے اسی طرح شہوت و غضب کینہ و حسد مجھے اپنے اپنے راستہ پر لگانا چاہئے ہیں۔ اعتقاد تعطیل و تشبیہ جبر و قدر رجا۔ وعید اور رافضی و خارجی اپنے اپنے جداگانہ طریق پیش کرتے ہیں۔ ادھر عقل نہایت کمزور عمر کوتاہ راہ پر از خطرات ایسے سخت و نازک وقت میں ایک ایسا راستہ اختیار کرنا میرے لئے بہت دشوار امر ہے۔ الٰہی تو مجھے ایسے راستہ پر چلا جو مجھے سیدھا جنت میں پہنچا دے تا کہ مجھے تیرے دیدار کا نفع پہنچے۔ مستقیم کہتے ہیں اس سیدھے راستے کو جو پتھروں اور کنکروں سے صاف ہو۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں رازی کہتے ہیں جس سے پتھر اور کنکر نقصان نہ دے سکیں اس سے خالی ہو بیان کرتے ہیں کہ ابراہیم بن ادھم بیت اللہ کو جا رہے تھے۔ راستہ میں ایک دیہاتی ملا اس نے سوال کیا اے شیخ کدھر کا ارادہ ہے جواب دیا بیت اللہ کو جا رہا ہوں۔ اس نے کہا کیا تم دیوانے ہو نہ تمہارے پاس سواری نہ سامان، سفر بہت لمبا ہے۔ آپ نے فرمایا میرے پاس ایک سواری تو کیا بہت سواریاں موجود ہیں مگر افسوس تجھے ان کو دیکھنے کی قابلیت نہیں۔ اس نے کہا فرمایئے کیسی سواریاں ہیں۔ آپ نے فرمایا مصیبت و مشکل پیش آنے پر صبر کی سواری پر بیٹھ جاتا ہوں۔ حصول نعمت اور راحت کے وقت شکر کی سواری اختیار کرتا ہوں۔ قضیہ آسمانی صادر ہونے کے وقت رضا کی سواری پر سوار ہوتا ہوں۔ اگر دل کو کسی چیز کی خواہش ہوتی ہے تو میں اس امر سے مطمئن ہو جاتا ہوں کہ حیات مستعار کے بقیہ ایام گزشتہ ایام سے بہت قلیل باقی ہیں۔ یہ سن کر اعرابی نے کہا بحکم الٰہی سفر کیجئے جائیے، بے شک آپ سوار ہیں اور میں پیادہ ہوں۔

وجہ چھٹی: بعض کا خیال ہے کہ صراط مستقیم اسلام ہے اور بعض کے نزدیک قرآن کریم ہے لیکن یہ درست نہیں کیونکہ صراط الذین انعمت علیہم صراط مستقیم کا بدل ہے تو اصل عبارت اھدنا الصراط من انعمت علیہم من المتقدمین ہوئی یعنی اے خدا ہمیں متقدمین اور اسلاف کے راستہ پر چلا جن پر تو نے انعام فرمایا۔ ظاہر ہے کہ گذشتہ اصولوں میں نہ تو قرآن کریم تھا اور نہ یہ اسلام پھر قرآن و اسلام کیسے مراد ہو سکتا ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں گزشتہ مستحقین کی راہ پر چلا۔ رہی یہ بات کہ لفظ سبیل و طریق کو چھوڑ کر لفظ صراط کیوں استعمال کیا گیا۔ حالانکہ تینوں الفاظ کے ایک ہی معنی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ لفظ صراط صراط جہنم کو یاد دلاتا ہے۔ جس کے باعث انسان کے دل میں خوف و خشوع زیادہ ہوتا ہے۔ مذکورہ بالا قول امام رازی کا ہے لفظ صراط سے مراد امام رازی نے نہ تو اسلام لیا نہ قرآن کریم۔ ایک بات درست ہے کہ صراط سے مراد انعام یافتہ لوگوں کا راستہ ہے۔ یہ بات درست کہی ہے صاحب خزینۃ القرآن و علامہ اسحاق سلمی نے۔ صاحب خزینۃ القرآن حدیث درج کرتے ہیں حضرت علی کی اسناد سے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں۔ میں اور عبداللہ ابن کعب سورۂ فاتحہ پڑھ رہے تھے۔ تو صراط الذین انعمت علیہم تک پہنچے تو ابن کعب نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ انعام یافتہ لوگ کون ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ انبیاء صدیقین شہداء صالحین لیکن اس سے مراد میرا اور میرے صحابہ کا راستہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام انبیاء پر چن لیا ہے اور میری امت کو تمام امتوں پر فوقیت دی ہے تو لہٰذا میری امت کا راستہ سب سے کامل ہوگا۔ کیونکہ قیامت کے روز انبیاء کے لئے گواہی میری اور میری امت کے برگزیدہ لوگوں کی گی۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ لفظ صراط سے مراد امت مصطفیٰ ﷺ اور انبیاء علیہم السلام اور صدیقین۔ شہدا صالحین سب کا راستہ مراد ہے لیکن کامل و اکمل راستہ نبی کریم کا ہے اور حضور کی امت کے لوگ ہی تمام امتوں سے ممتاز ہیں۔ فرمایا کہ دنیا میں اور آخرت میں کامل راستہ ہے۔ اگر کامل راستہ ہے تو ذات محمد رسول اللہ اور صحابہ کا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا میرے صحابہؓ کی سنت کو قائم رکھنا ان کے تابع رہیں۔ ان کے راستے کو قائم رکھنا تو حضور ﷺ کی امت کے فقہا کا راستہ حق ہے لیکن ان میں سے امام اعظمؒ سب سے کامل و اکمل ہیں۔ حضرت انسؓ کی اسناد سے حدیث درج کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ معراج شریف کی رات اللہ تعالیٰ نے میری امت میں سے ایک روح کو کھڑا کیا فرمایا کہ یہی تیری امت کے لئے باعث افتخار ہوگا۔ تو حضور ﷺ نے مجھے کچھ ان کی علامتیں بتائیں کہ ان کا چہرہ سفید رنگ کا ہوگا۔ ان کے ماتھے پر نورانیت کی شعاعیں جھلکیں گی۔ آپ نے دو کھجوریں حضرت انس کو عطا فرمائیں اور فرمایا کہ

Marfat.com

یہ معراج شریف کی رات کو مجھے عطا ہوئی تھیں ۔اے انسؓ یہ امانت تم اس شخص کو پہنچا دینا جس میں مذکورہ بالا علامتیں دیکھو۔حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں بغداد میں وعظ کر رہا تھا تو امام اعظم کے والد میری نصیحت سننے کے لئے ایک بچے کو ساتھ لائے تو میں نے مذکورہ بالا علامتیں اس بچے میں پہچان لیں تو میں نے مذکورہ واقعہ سنایا اور یہ کھجوریں ان کو دے دیں۔موصوف فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے مراد بے شک حضرت امام اعظم امت کے چراغ ہیں اور آپ کا راستہ عین مطابق اسلام ہے اور بمطابق صحابہؓ ہے امام اعظم کا قول فقیر کو قرآن وسنت سے باہر دکھائی نہیں دیتا۔یادرکھو کہ وہی فرقہ ناجی ہوگا جس نے صحابہ اور اولیاء کاملین کی پیروی کی۔جس نے اولیاء کرام اور صحابہ کی مخالفت کی وہ جہنمی ہے۔فقیر یہ کہتا ہے کہ بے شک کامل راستہ انبیاء شہدا،صدیقین اور صالحین کا ہے۔اسی راستے پر نجات ہے۔اولیائے کاملین کی محبت صحابہ کی محبت اہل بیت کی محبت یہی اصل نجات کا راستہ ہے جس نے اس کو چھوڑا وہ اس دنیا میں اور آخرت میں ذلیل وخواہ ہوگا اور یہی وجہ ہے کہ چودھویں صدی میں صحیح معنوں میں اولیاء اللہ صحابہ اور اہل بیت کا راستہ جنھوں نے صحیح معنوں میں ہمیں دکھلایا تو وہ ہمارے مجدد ماءۃ حاضرہ امام اہل سنت مولانا شاہ احمد رضا خاںؒ ہیں۔انہوں نے صالحین،صحابہؓ اور حضور ﷺ کی محبت عین ایمان فرمائی وگرنہ آپ کو کسی سے کیا مخالفت ہے۔لوگ آپ کے خلاف کچھ کہتے ہیں آپ کو بدعتی کہا جاتا ہے تو صرف اسی وجہ سے کہ آپ سرکار ﷺ سے محبت کرتے ہیں اور کاملین کا راستہ دکھلاتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کی قسم فقیر ناقص گناہگار ہے۔واللہ واللہ مجھے دومرتبہ زیارت رسول مقبول ﷺ ہوئی۔سرکار دوعالم ﷺ نے فرمایا ہے اور میرے ناقص کانوں نے آپ ﷺ کے یہ ارشادات سنے ہیں۔فرمایا موجودوقت میں میری امت نے اگر صحیح راستہ اختیار کرنا ہو تو میرے احمد رضا کا راستہ اختیار کرو یہی میرا راستہ ہے۔تو یادر ہے کہ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام اہل سنت ہی کی ذات ہے جس نے ہمیں حضور ﷺ اور اولیائے کرام کی محبت کا طریقہ بتلایا اور ادب کی تعلیم فرمائی تو یادر ہے یہی راستہ صالحین کا ہے۔

اھدنا کی تفسیر میں دوسرا قول یہ ہے کہ اے اللہ تعالیٰ ہمیں اس موہوبہ ہدایت پر ثابت رکھ۔دوسری جگہ فرمایا ربنا لا تزغ قلوبنا تا آخر دیکھئے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ بڑے بڑے عالموں اور فاضلوں کے دلوں میں طرح طرح کے شکوک اور شبہات پیدا ہوئے آخرالامر وہ گمراہ ہوگئے اور ان کا قدم دین مستقیم سے پھسل گیا اور انہوں نے سیدھے راستہ کو چھوڑا۔ٹیڑھے راستہ کو اپنا مسلک بنالیا حالانکہ سیدھا راستہ صالحین اور کاملین کا ہے۔

فائدہ دوسرا:

یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ اھدنا کہتے ہیں کیا حکمت ہے اھدنی کیوں نہیں کہا گیا۔تو اس کا جواب دوطرح سے ہوسکتا ہے۔

اوّل: دعا جس قدر عام ہو اسی قدر جلد مقبول ہوتی ہے ایک عالم کا ذکر ہے کہ اس نے اپنے شاگردوں سے فرمایا کہ جس وقت خطبہ سبق میں رضی اللہ عنک ومن جماعۃ المسلمین پڑھا کرو تو اس وقت اگر جملہ رضی اللہ عنک میں میرا خیال نہیں کیا تو کوئی حرج نہیں۔یادرکھو کہ مقولہ عن جماعۃ المسلمین میں میرا خیال ضرور کر لیا کرو رضی اللہ عنک میں تخصیص ہونے کی وجہ سے ممکن ہے کہ اس دعا کی قبولیت نہ ہو۔لیکن عنک و جماعۃ من المسلمین عام کلمہ دعائیہ ہونے کی وجہ سے ضروری ہے کہ تمام مسلمانوں میں سے کسی مستحق مسلمان کے لئے وہ دعا قبول ہو جائے۔بعض کے حق میں جب دعا قبول ہوگئی۔تو باقی مسلمانوں کے حق میں اللہ تعالیٰ دعا کو ضرور منظور کرے گا۔یہ مذکورہ واقعہ امام رازی نے کتاب فیوض البرکات فی بسم اللہ الرحمن الرحیم سے نقل کیا ہے۔یہ کتاب امام غزالیؒ نے لکھی ہے۔امام غزالیؒ فرماتے ہیں یہ وہ ممتاز عالم بزرگ میرے استاد حضرت سید حامد بخاری جو موسیٰ المبرقع صاحب خزینۃ القرآن کی اولاد سے ہیں علاوہ سبب مذکورہ مسنون طریقہ یہ ہے کہ انسان کو دعا کے اول و آخر رسول کریم ﷺ پر درود بھیجنا چاہئے۔امام رازی کہتے ہیں۔کہ اللہ تعالیٰ حضور ﷺ پر درود وسلام قبول کرتا ہے تو دعاء کے دونوں پہلوؤں کے نامنظور ہوتے ہوئے امر وسطی کو نامنظور کرنا دشوار معاملہ ہوتا ہے۔

دوسری: اعوذ باللہ من سنۃ اللہ الیٰ آخرہٖ

تیسری: گویا اللہ تعالیٰ یہ تعلیم دیتا ہے تو نے اے بندے جس طرح ابتداء میں الحمد للہ کو احمد اللہ پر ترجیح دے کر تمام حمد کرنے والوں کی حمدوں اور ستائشوں کا ذکر کر دیا ہے اسی طرح دعاء کے وقت اپنے تمام بھائیوں کو شریک کرنے کی غرض سے اُھدنی کے بجائے اِھدِنَا کو اختیار کرو۔

چوتھا: گویا انسان یہ کہتا ہے مجھے معلوم ہوگیا کہ اتفاق باعث رحمت اور تفریق موجب عذاب وزحمت ہے۔لہٰذا بوقت حمد کُلُّ حامدین کی حمد کو بیان کرنے کی غرض

Marfat.com

سے الحمدللہ کہتا ہوں ایسا ہی عبادت کے وقت جَمِیعَ عابدین کی عبادت کو بھی بیان کرنے کی غرض سے ایاک نعبدُ کہہ کر پکارتا ہوں۔ طلب مدد کرنے کے وقت تمام مددگیروں کو شامل کرتا ہوں۔ ایاک نستعین کہتا ہوں تو جب مذکورہ بالا تینوں حالتوں کے وقت تمام مسلمین کو بھی اپنے ساتھ شریک کرتا رہا ہوں تو دعا میں شریک نہ کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ لہٰذا میں نے اس طریقہ کو نہ چھوڑنے کی غرض سے اھدنا الصراط المستقیم کہا ایسا ہی صالحین اور اولیاء اللہ کے نقش قدم پر چلنے کی استدعا کرنے کے وقت تخصیص نہیں کی بلکہ کُلّ صالحین کی اقتداء کو صراط الذین انعمت علیهم کہہ کر طلب کی اور مرتدین اور سرکش لوگوں سے بھاگنے اور دور رہنے کی آرزو کرنے کے وقت کل سرکشوں اور گمراہوں سے فرار طلب کیا اور غیر المغضوب علیهم ولاالضالین کہتا ہوں تو انبیاء و صالحین سے دنیا میں علیحدہ نہ ہونے کے باعث مجھے کامل یقین ہے کہ آئندہ آخرت میں بھی مجھے ان سے جدائی نہ ہوگی جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان (اُولٰٓئِکَ الذین انعم اللہ تا آخر آیت) سے ظاہر ہوتا ہے۔

فائدہ تیسرا: اہل ہندسہ کہتے ہیں دو نقطوں کے درمیانی خطوط میں سے خط مستقیم بہت چھوٹا ہوتا ہے غرض یہ کہ کل ٹیڑھے خطوط سے خط مستقیم زیادہ چھوٹا ہوا تو گویا انسان کا اھدنا الصراط المستقیم کہنا ان وجوہ پر مبنی ہوا۔ پہلی وجہ: میں ضعیف اور عاجز ہوں لہٰذا میرے مناسب حاصل خط مستقیم ہی ہے کیونکہ یہ باقی تمام خطوط سے چھوٹا اور قریب الوصول ہے۔ دوسری: خط مستقیم صرف ایک ہے اس کے سوا باقی سب خطوط ٹیڑھے ہیں اور بعض خطوط ٹیڑھے ہونے میں ایک دوسرے سے بالکل مشابہ ہوتے ہیں تو اگر خط منحنی کو اختیار کروں تو ممکن ہے کہ اشتباہ پیدا ہو جائے۔ بخلاف اس کے خط مستقیم میں کسی قسم کی مشابہت نہ ہونے کے باعث اس کو اختیار کرنے سے امن و سلامتی بہت جلد پہنچتی ہے خوف اور آفات اس سے کوسوں دور ہوتے ہیں۔ تیسرا: طریق مستقیم منزل مقصود تک پہنچاتا ہے اور غیر مستقیم مقصود اصلی سے کوسوں دور پھینکتا ہے۔ چوتھا: مستقیم میں تغیر و تبدل نہیں ہوتا بخلاف اس کے غیر مستقیم تغیر و تبدل سے محفوظ نہیں ان وجوہات کے باعث صراط المستقیم کی استدعا کرتا ہوں واللہ اعلم۔

(فصل آٹھویں)

(صراط الذین انعمت علیهم کے بیان میں اور چند فوائد)

فائدہ پہلا:

انعمت کے بیان کرنے میں نعمت کی تعریف میں علماء کا اختلاف ہے بعض علماء اس مَنفِعَت کو کہتے ہیں جو بغرض احسان دوسرے کو پہنچائی جائے وہ کہتے ہیں کہ نعمت پر شکر ضروری ہوتا ہے۔ تو اگر ہم منفعت کے ساتھ عمدگی کی قید نہ لگائیں بلکہ عام چھوڑ دیا جائے۔ تو لازم آتا ہے کہ منفعت قبیحہ پر شکر ہو حالانکہ ایسا نہیں لیکن اصل بات یہی ہے کہ اس جگہ فائدہ مذکورہ کی کچھ ضرورت نہیں کیونکہ استحقاق شکر اور جہت سے ہے اور استحقاق عذاب و عتاب دوسری جہت سے منفعتیں ملتی ہیں خواہ وہ از قبیل انعام ہوں یا از قبیل دفعِ نقصان تکلیف ہوں ان سب کا مصدر بحکم وَما بکم من نعمت فمن اللہ اللہ تعالیٰ ہے نعمت کی تین اقسام ہیں۔ قسم پہلی میں وہ نعمتیں شامل ہیں جن کا حاصل ہونا صرف ذاتِ الٰہی ہی سے ہو سکتا ہے جیسے پیدا کرنا رزق دینا وغیرہ۔

نوٹ:

رازق دنیا اللہ ہے۔ لیکن اس نعمت کی تقسیم حضور کی ذات سے ہوتی ہے۔ دوسری تقسیم کے ذیل میں وہ نعمتیں ہیں جو بظاہر اللہ تعالیٰ کے ماسواء دوسروں سے ملتی ہیں لیکن ان نعمتوں کا عطا فرمانے والا فی الحقیقت اللہ تعالیٰ ہی ہے کیونکہ اس نعمت کو اور منعم اور منعم کے دل میں انعام دینے کی تحریک پیدا کرنے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے تو معلوم ہوا کہ دراصل ایسے انعامات بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملتے ہیں رہی یہ بات کہ ایسے انعامات پر مشکور کون ہوگا چونکہ اللہ تعالیٰ نے انعامات اس آدمی کے ہاتھ سے دوسرے آدمی کو پہنچا دیے ہیں لہٰذا بظاہر تو وہی منعم مشکور ہوگا مگر حقیقی مشکور وہ منعم حقیقی ہے (اِن شکر لی ولوالدیک والی المصیر) کہنے کی بھی یہی

Marfat.com

وجہ ہے اور آیت ہذا میں اول اپنی ذات کو شروع کرنے سے اس امر پر خبردار کرنا مقصود ہے کہ یاد رکھو مخلوقات کے انعامات الٰہی انعامات کے بغیر کبھی نہیں ہو سکتے۔ حدیث شریف میں ہے رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہر نعمت اللہ کی طرف سے ہوتی ہے اگرچہ وہ کسی دوسرے ہاتھ سے موصول ہو فی الحقیقت وہ نعمت اللہ ہی کی سمجھو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ تحریک اس کے دل میں پیدا فرما دی ہے۔ تیسری قسم میں وہ انعامات ہیں جو بندگی اور عبادت سے ملتے ہیں۔ یہ انعامات بھی اللہ تعالیٰ کی جانب سے پہنچتے ہیں کیونکہ اگر وہی ذات اس کی توفیق دیتی ہے اور اس کو سرانجام کرنے میں ہماری مدد کرتی ہے اور ہمارے دلوں میں اس کی تحریک پیدا کرتی ہے اگر اس کے موالغات اور عذرات کو نہ روکتی تو کبھی عبادت و اطاعت ممکن نہ تھی۔ تقریر ہذا سے معلوم ہو گیا کہ منعم حقیقی اللہ تعالیٰ ہے۔ فرع دوسری: اللہ تعالیٰ کی طرف سے سب سے پہلی نعمت جو انسان کو ملی وہ حیات ہے۔ جیسا کہ عقل و نقل سے ثابت ہوتا ہے۔ عقل مانتی ہے کہ غیر مفید چیز نعمت نہیں ہوسکتی تو زندگی نہ ہونے کی صورت پر انسان کی حالت بالکل جمادات اور مردوں کی سی ہوتی جس طرح وہ دیگر موجودات سے کسی قسم کا فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ اسی طرح وہ بھی محروم رہتا تو معلوم ہوا کہ زندگی سب نعمتوں کی اصل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا (کَیف تکفرونَ تا آخر آیت) اور اس کے بعد فرمایا ھُوَ الذی خَلَقَکُم مَافی الاَرض جَمیعًا اللہ تعالیٰ کا اول اول حیات کا بیان کر کے بعد میں ان کل اشیا کو بیان کرنا جو استفادہ کے قابل ہیں اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ تمام نعمتوں کی اصل زندگی ہے۔ ورنہ تقویم کا کیا فائدہ۔ فرع تیسری: کیا کافر کو بھی انعامات ملتے ہیں۔ اس میں اختلاف ہے۔ اہلسنت والجماعت کی طرف سے نفی ہے معتزلہ کے نزدیک کافروں کو دینی و دنیاوی دونوں طرح کی نعمتیں اللہ تعالیٰ سے پہنچتی ہیں۔ اہلسنت والجماعت اثباتِ دعویٰ میں عقلی و نقلی دونوں قسم کے دلائل سے استنباط کرتے ہیں۔ حق تعالیٰ سبحانہٗ فرماتا ہے صراط الذین انعمت علیھم اگر انعاماتِ الٰہی کفار کو بھی پہنچتے تو لامحالہ وہ اَنعَمتَ عَلَیھِم کے ذیل میں داخل ہوتے حالانکہ ایسا نہیں ورنہ لازم آتا کہ اِھدِنا الصراط المستقیم صراط الذین سے کفار کے طریقہ کی استدعا ہو اور یہ باطل ہے اس پر اگر کوئی یہ کہے کہ الزام مذکورہ کو لفظ صراط رد کر رہا ہے تو اس کا جواب یہ ہے چونکہ صراط الذین الآخر صراط المستقیم کا بدل ہے لہٰذا لفظ صراط سے خدشہ مذکور کا ازالہ نہیں ہوسکتا بلکہ وہ قائم رہتا ہے کیونکہ اصل عبارت یوں ہوگی اھدنا الصراط الذین انعمت علیھم دوسری جگہ فرمایا لاتحسبن الذین کفروا آخر آیت پارہ نمبر ۴ سورہ عمران میں دیکھئے) غرض یہ کہ دونوں آیتوں سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو نعمت نہیں پہنچاتا علاوہ ان مذکورہ بالا آیتوں کے عقل بھی کفار کے لئے نعمت کا ہونا تسلیم نہیں کرتی۔ صاحب تفسیر خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ کفار کو جو کچھ عطاء ہوتا ہے اسے نعمت نہیں کہا جاتا انہیں رزق عطا ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے۔ قُل مَن یَرزُقُکم پارہ نمبر ۱۱۔ نصف حصہ پر یہ آیت دیکھئے۔ حالانکہ اس میں اللہ تعالیٰ ساری مخلوق کا اپنے آپ کو رازق ہونا ثابت فرما رہا ہے۔ کیونکہ یہ تو ظاہر ہے کہ دنیا کی نعمتوں کو آخرت کی دوامی نعمتوں سے وہی نسبت ہے جو پانی کی ایک بوند کو سمندر سے اور اس قسم کی نعمت، نعمت نہیں ہوسکتی چلو اگر نعمت ہے لیکن زہر آلود حلوا کبھی نعمت نہیں ہوسکتا چلو اگر نعمت ہے تو بھی زہر آمیختہ کبھی نعمت نہیں ہوسکتا اس کے نفع کے مقابلہ میں ضرر کی مقدار بہت بڑھی ہوئی ہے اسی طرح کفار کی نعمتوں کو سمجھنا چاہئے یہ دلائل امام رازی کے ہیں۔ معتزلہ مندرجہ ذیل آیات پیش کرتے ہیں۔ (اوّل) یا ایھا النّاس اعبدوا ربّکم الّذی خلقکم والذین من قبلکم لعلکم تتقون الذی جعل لکم الارض فراشا والسماء بناءً آیت ہذاء میں اللہ تعالیٰ نے بڑی بڑی نعمتوں کو بیان کر کے ہر فرد بشر کو ان کے عوض میں اطاعت و عبادت کا حکم دیا ہے۔ (دوسری) کیف تکفرون باللہ وکنتم امواتاً فاحیاکم آیت میں انعامات بیان کرنا احسان جتلانا مقصود ہے۔ (سوم) یا بنی اسرائیل اذکروا نعمتی التی انعمت علیکم (چوتھی) وقلیل من عبدی الشکور اور ابلیس کا قول ولا تجد کثر ھم شاکرین شکر نعمتوں کا ہی ہوتا ہے اگر کفار کے لئے انعامات نہ ہوتے لزوم شکر بھی نہ ہونا اور شکر نہ کرنے کی صورت میں محل اعتراض ہوتا کیونکہ انعامات ملنے پر شکر ہوا کرتا ہے۔

فائدہ دوسرا:

اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی امانت ثابت ہوتی ہے فقیر پہلے بیان کر چکا ہے کہ صراط الذین چونکہ صراط المستقیم کا بدل ہے لہٰذا آیت ہذاء کی تقدیر اھدنا الصراط الذین انعمت علیھم ہے۔ دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اولٰئک الذین انعم اللہ علیھم اس جگہ ایک سوال پیدا ہوتا تھا کہ وہ منعم علیھم کون لوگ ہیں جواب ملا من النبین والصدیقین اولٰئک الذین اور اس امر میں

Marfat.com

کسی کو کلام نہیں کہ کل صدیقین کے سردار اور رئیس حضرت ابوبکر صدیقؓ ہی ہیں اور کوئی نہیں تو آیت کے یہ معنی ہوئے اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم اس ہدایت کی استدعاء کریں جو حضرت ابوبکر صدیقؓ اور نیز جملہ صدیقین کو عطا فرمائی گئی تو اگر حضرت ابوبکر صدیق ظالم ہوتے تو ہرگز ہرگز ان کی اقتداء جائز نہ ہوتی چونکہ آپ کی اقتداء جائز ہے لہٰذا آیت ہٰذاء سے آپ کا مستحق انعام ہونا ثابت ہوگیا۔

مذکورہ بالا حدیث خزینۃ القرآن سے ہے۔ حضرت علی کی اسناد سے حدیث درج کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے آخری وقت میں فرمایا کہ میرے صدیقؓ کا صادق ہونا ثابت ہوگیا کیونکہ ان کے پیچھے نبی (ﷺ) نے نماز پڑھی ہے۔ موصوف امام جعفر صادق کا قول بیان کرتے ہیں کہ میرے جدامجد حضرت جعفر صادق فرمایا کرتے تھے کہ میں شکر کرتا ہوں اس نعمت کا کہ میرے دادا حضرت علی ہیں اور ننہال سے صدیق اکبر نانا ہیں۔ دادا شہید اور نانا صدیق ہے تو اس لحاظ سے یہ میرے لئے نعمت کبریٰ کہ میری دادی فاطمہ بنت رسول ہے۔ جس نے صدیق کی مخالفت کی گویا اس نے سارے قرآن کی مخالفت کی اور کفر کو اپنے اوپر مسلط کیا اور مخالف صدیق ہرگز اپنے آپ کو مسلمان نہ سمجھے موصوف امام جعفر صادق فرماتے ہیں کہ یہ بات میں نے زیارت میں رسول ﷺ سے خود سنی کہ میرا صدیق زمین پر خدا کی مخلوق کو پسند ہے اور آسمان والے کو عرش پر پسند ہے۔ فرماتے ہیں کہ مجھے ہر رات نانا محمد ﷺ کی زیارت ہوا کرتی ہے میں قرآن کی تفسیر اور حدیث براہ راست حضور ﷺ سے سنتا ہوں اور مخلوق تک پہنچاتا ہوں میں نے اس وقت تک حدیث کبھی بیان نہیں کی جب تک حضور ﷺ مجھے حدیث کی تصدیق نہ فرمادیں۔ موصوف صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ مجھ پر بھی حضور کا کرم ہے کہ میں بھی ہر رات حضور ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوتا ہوں اور ہر حدیث کی تصدیق ان سے کروالیتا ہوں۔ اور قرآن پاک کی آیت کی تفسیر جب لکھتا ہوں تو رات کو حضور کی بارگاہ میں پیش کرتا ہوں اور حضور ﷺ آیت کی تفسیر کی تصدیق فرما دیتے ہیں، فرماتے ہیں یہی تفسیر حق ہے۔ جبکہ سورۃ الناس کے آخر پر فرماتے ہیں کہ تفسیر اختتام ہوگئی تو حضور ﷺ نے تفسیر پر بوسہ دیا فرمایا کہ میری امت کے لئے یہی تفسیر مستحکم ہے اور میری امت اسی سے فائدہ اٹھائے گی تو کبھی گمراہ نہ ہوگی۔ تفسیر کے دیباچہ میں آپ کے صاحبزادے سید احمد ابن سید موسیٰ المبرقعہ فرماتے ہیں کہ والد گرامی کو ہر رات حضور ﷺ کی زیارت ہوا کرتی تھی اور میں والد گرامی کو سرکار سے باتیں کرتا ہوا سنتا تھا۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری نے ایک کتاب لکھی جس کا نام حفظ الایمان ہے فقیر کے پاس موجود ہے اس کے صفحہ نمبر ۱۴ سے ص ۶۰ تک مفسرین ومحدثین کے حالات درج ہیں ص ۲۰ پر موصوف کے متعلق امام بخاری فرماتے ہیں کہ دنیا میں امام حضرت موسیٰ المبرقعہ مفسر اعظم ہیں انہوں نے متقدمین کی بھی عقدہ کشائی کردی ہے۔ مجھے جب بھی آپ سے ملنے کا اتفاق ہوتا تو آپ کے ذریعے کئی بار میں نے حضور ﷺ کی زیارت کی اور ہر وقت میں آپ کو تفسیر لکھتے ہوئے دیکھتا تھا، کیسا کمال ہے اس شخصیت کا کہ ہر آیت کی تفسیر کی تصدیق سرکار دوعالم ﷺ سے ہوتی ہے اور یہی تفسیر میرے نزدیک قرآن کریم کی حتمی تفسیر ہے، خزینۃ القرآن کے دیباچہ کا نصف حصہ امام رازی نے لکھا ہے امام رازی کہتے ہیں کہ میرے نزدیک امام المسفرین حضرت موسیٰ المبرقعہ ابن محمد ہیں۔ آپ ہر وقت حضور ﷺ کے فیوضات اور تصرفات میں وقت گزارتے تھے آپ کی صحبت حضور ﷺ سے ہوتی ہے یہ دیباچہ میں اپنی تفسیر کبیر لکھنے کے بعد لکھ رہا ہوں اب مجھے صاحب کامل کی تلاش ہے اور عقلیت کا مجھ پر زور ہا لیکن میں نے موسیٰ المبرقعہ کو فن تفسیر کا امام اور اولیاء کا بھی امام سمجھتا ہوں تو بات ہو رہی تھی صدیقین کی تو حضرت ابوبکر کا صدیق ہونا ثابت ہوگیا کہ انہوں نے امامت کرائی اور امام الانبیاء نے نماز پڑھی۔

فائدہ تیسرا:

انعمت علیھم کے ذیل میں وہ تمام منعم علیھم شامل ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کے انعامات ملے لیکن دیکھنا یہ ہے کیا انعامات سے مراد دنیاوی نعمتیں ہیں یا صرف دینی۔ انعامات دنیاوی کا ابطال تو پہلے ہو چکا تو ثابت ہوگیا۔ انعمت علیھم میں صرف انعام دینی مراد ہیں دنیاوی نہیں لیکن ایمان کے سوا کل دینی انعامات کا ملنا مبنی بر حصول ہے اور ہوسکتا ہے کہ ایمان کی نعمت ملے مگر باقی تمام دینی انعامات نہ ملیں اس سے انعامات مطلق حقیقت پر مبنی ہیں۔ نتیجہ یہ کہ انعمت علیھم میں صرف نعمت ایمان مراد ہے اور اھدنا سے انعمت علیھم تک ایمان کی استدعاء ہوتی ہے۔ اصول مندرجہ بالا کو ثابت کرنے کے بعد اب چند احکام بیان کئے جاتے ہیں:

حکم پہلا: معتزلہ کا یہ کہنا کہ انسان ایمان کو خود پیدا کرتا ہے، غلط ہے کیونکہ نعمت سے نعمت ایمان مراد ہونا تو پہلے ثابت ہو چکا ہے اور اللہ تعالیٰ کا منعم حقیقی ہونا آیت کے صریح الفاظ سے معلوم ہوتا ہے تو نتیجہ یہ ہوا کہ معتزلہ کا قول سراسر لغو اور بے ہودہ ہے بلکہ ایمان کا خالق اور اس کا عطا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ علاوہ اس کے اگر ہم

Marfat.com

انسان کو خالق تسلیم کرلیں تو لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اپنی حکمت وجلال ظاہر کرنے کے وقت انعامات کا ذکر کرنا غیر مستحسن ہو کیونکہ سب نعمتوں سے بڑی نعمت تو ایمان ہی ہے اور چونکہ اس کا خالق انسان مانا گیا ہے اس سے یہ نتیجہ ہوا کہ انسان کی نعمتوں کا درجہ بمقابلہ انعامات الٰہی بلند اور ان کا پایہ عالی ہوا اور یہ باطل ہے۔

حکم دوسرا: وجوبا مومن کو دوزخ میں ہیشگی نہیں ہوگی کیونکہ **انعمت علیهم** کو اس خاص انعام کی عظمت اور اس کی بڑائی بیان کرنے کے موقع پر بیان کیا گیا ہے اگر اس نعمت (ایمان) کے ہوتے ہوئے دائمی عذاب سے رہائی نہیں تو فائدہ بہت ہی قلیل ٹھہرا خفیف فائدہ بخش نعمت کو عظمت کے مقام میں ذکر کرنا شان الٰہی کو زیبا نہیں ہے۔

نوٹ:

صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ کفّار کو جو بھی اللہ تعالیٰ سے عطا ہوتا ہے مال ورزق وغیرہ وہ نعمت نہیں ایک عارضی چیز ہے، کیونکہ سب کا خالق اللہ ہے۔ نعمت تو جنت کے انعامات دائمیہ ہیں یہ تو اس کے سامنے ایسے ہے جیسے سمندر کے پانی کی ایک بوند، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ کی جنت میں بے بہا انعامات ہوں گے دنیا کے انعامات اس کے سامنے ایسے ہیں جیسے سمندر کے پانی کی ایک بوند۔

حکم تیسرا: آیت ہذا سے معلوم ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ پر انسان کو ایماندار بنانا واجب نہیں کیونکہ اگر اسے واجب مانا جائے تو یہ انعام رہے گا کیونکہ واجب کو ادا کرنا نعمت ذیل میں نہیں آسکتا اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو انعام سے تعبیر کیا ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ انسان کو ایماندار بنانا اللہ تعالیٰ پر واجب نہیں۔

حکم چوتھا: ایمان سے یہ نہ سمجھ لینا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان کی قدرت دے کر اور اس کے موانعات کو دور کر کے اس کی طرف رہنمائی کی ہے۔ کیونکہ یہ بات تو کفار کو بھی حاصل ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے باوجود اس کے کہ قدرت اور موانعات وغیرہ کا غیر موجود ہونا عام بات ہے اور سب میں موجود ہے پھر خاص خاص لوگوں کو اس نعمت سے مخصوص کیا ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ انعام سے صرف ایمان پر قدرت دینا اور موانعات کو دور رکھنا مراد نہیں ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن نے انعامات کی بحث میں کئی فصلیں تحریر کی ہیں مزید خزینۃ القرآن سے دیکھئے۔

(فصل نویں)

(تفسیر غیر المغضوب علیهم و لا الضآلین اور اس میں چند فوائد کے بیان میں)

فائدہ پہلا:

مشہور یہ ہے کہ **مغضوب علیهم** سے بحکم من لعنہ اللہ وغضب کے تہود اور ضآلین سے بحکم **قد ضلوا من قبل واضلوا کثیرا وضلوا عن سواء السبیل** کے نصاریٰ مراد ہیں لیکن بعض نے اس خیال کو ضعیف قرار دیا ہے کیونکہ وجود الٰہی سے انکار کرنے والا گروہ اور مشرکوں کا گروہ بمقابلہ یہود ونصاریٰ کے زیادہ خراب اور ناپاک ہونے کی وجہ سے مناسب ہے کہ ان کے خیال اور مسلک سے احتراز کیا جائے بلکہ اوّلیت اس میں ہے کہ **مغضوب علیهم** پر ان لوگوں کو محمول کیا جائے جو اعمال ظاہر میں خطاکار ہیں جیسے فاسق اور ضالین پر ان لوگوں کو محمول کیا جائے جو اعتقاد حسنہ نہیں رکھتے بلکہ یہ لفظ عمومیت کو ظاہر کرتا ہے اس کو مفید بنانا عمومیت کے خلاف ہے ہوسکتا ہے کہ **مغضوب علیهم** سے کفار اور **ضالین** سے منافق مراد ہوں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سورہ بقرہ کی ابتدائی پانچ آیتوں میں مومنوں کا ذکر اور ان کی ستائش کرنے کے بعد کفار کا ذکر کیا ہے جیسا کہ **انّ الذین کفروا** سے ظاہر ہے کفار کے بعد منافقوں کا بیان ہے جیسا کہ **ومن الناس من یقول** سے ظاہر ہے اسی ترتیب کے مطابق اوّل **انعمت علیهم** سے مومنین کا ذکر شروع کیا ہے، **مغضوب علیهم** سے کفار اور اس کے بعد ضالین سے منافقین کو بیان کیا ہے۔

فائدہ دوسرا:

Marfat.com

چونکہ اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا فرقہ کے متعلق فرمایا ہے وہ گمراہ ہیں لہٰذا ان کا مومن ہونا امر ناممکن ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کی صادق خبر کذب سے بدل جائے گی لیکن یہ امر محال ہے اور جس امر سے محال لازم ہو وہ خود محال ہوتا ہے۔

نوٹ:

ضالین کے معنی اگر ضلاً یا ضلو یا ضلاً سے ہو تو گمراہ کے معنی بھٹکنے کے ہوں گے اگر ضالاً ہو تو پھر راستے سے گم ہونا یا کسی حقیقت میں گم ہونا اس کے یہی معنی ہیں۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ یہاں ضـالـیـن ضلاً سے ہیں تو اس سے پہلے مذکورہ آسکتے ہیں۔ اگر ضالین سے ہو تو معنی بعد والے آسکتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ پہلے مذکورہ معنی بھٹکنا گمراہ ہونا یہ معنی وَوَ جـدک ضـالا فهدا سے مراد لی جائے تو صریحاً کفر لازم آئے گا کیونکہ راستہ گم ہوئے سے سیدھے راستے پر آنا اس کا احتمال پیغمبر پر نہیں ہوسکتا تو یہاں معنی یوں ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو جس حقیقت پر لے جانا چاہتا تھا اسی راستے سے آپ کو ہدایت یاب فرمایا فرماتے ہیں کہ جب ووجدک ضالا کی باری آئے گی تو مکمل بحث کروں گا فقیر اس آیت کے بارے میں خزینۃ القرآن سے اقتباس نقل کرے گا۔

فائدہ تیسرا:

غیـر المغضوب علیهم و لا الضالین سے ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور ملائکہ سے کوئی عمل ایسا صادر نہیں ہوا جو افعال انعم الله علیهم کے مخالف ہو اور نہ ہی انہوں نے ایسے اعتقاد کا ارتکاب کیا جو انعم الله علیهم کے اعتقاد سے جدا ہو کیونکہ اگر ایسے افعال و اعتقاد کا صادر ہونا تسلیم کر لیا جائے تو بحکم و ما ذا بعد الحق الا الضلال کے انہیں گمراہ ماننا پڑے گا گمراہ ماننے کی صورت میں یہ خارج از احاطۂ انعم الله علیهم ہونگے اس بناء پر ان کے افعال کی اقتداء اور ان کی اقتداء کی استدعا ناجائز ہوگی۔ لیکن چونکہ ایسا نہیں۔ لہٰذا آیت ہذاء سے عصمت انبیاء اور ملائکہ علیہم السلام کا مضمون ثابت ہو گیا۔

فائدہ چوتھا:

غضب اس تغیر کو کہتے ہیں جو بغرض انتقام خون دل کے جوش زن ہونے کے وقت ظاہر ہوتا ہے مگر اس صورت کا وجود ذات الٰہی کریم میں محال ہے اس مقام کے متعلق بطور قاعدہ کلیہ یاد رکھنا چاہئے کہ کل اعراض نفسانیہ جیسے رحمت، فرحت، سرور، غضب، حیاء، غیرت، مکر، فریب، تکبر اور استہزاء ان سب کی ابتداء بھی ہے انتہاء بھی بطور مثال یوں سمجھنا چاہئے کہ دل کے خون کا جوش زن ہونا غضب کی ابتداء ہے اور مغضوب علیہ کو ضرر پہنچانے کا ارادہ اس کی غایت ہے تو اللہ تعالیٰ کے حق میں غضب کی ابتداء یعنی خون دل کا جوش زن ہونا مراد نہیں بلکہ اس کی غایت یعنی ارادہ ضرر رسانی مراد ہوا کرتی ہے اسی طرح دل میں انکسار پیدا ہونا حیاء کی ابتداء اور ترک فعل اس کی غایت ہے تو اللہ تعالیٰ کے لئے حیاء کو انکسار نفس پر محمول نہیں کرنا چاہئے بلکہ اس کی غایت یعنی ترک فعل۔ اس عجیب و غریب قاعدہ کو ہمیشہ مدنظر رکھنا نہایت ضروری ہے۔

فائدہ پانچواں:

غضب الله علیهم سے معتزلہ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ مغضوب علیهم اعمال سیئہ میں فعل مختار ہیں ورنہ انہیں اللہ تعالیٰ کا مغضوب علیهم قرار دینا ظلم میں داخل ہوگا اہل سنت والجماعت کا یہ مسلک ہے کہ غـضـب الله علیهم کو ظاہر کرنے کے بعد و لا الـضـالین کہنے سے معلوم ہوتا ہے کہ غـضـب الله علیهم ہے ان کے گمراہ ہونے کی۔ تو بندے کی صفت میں صفت اللہ تعالیٰ مؤثر ٹھہری بخلاف اس کے یہ کہا جائے کہ ان کا گمراہ ہونا غضب الٰہی کا موجب ہے تو لازم آئے گا کہ صفت انسانی صفت الٰہی میں مؤثر ہو۔ حالانکہ یہ محال ہے۔

فائدہ چھٹا:

سورت کو الحمد للہ اور ذات رحمانی کی حمد و ثناء سے شروع کرنے اور ایمان سے اعراض کرنے والوں کی اور نافرمانوں کی مذمت پر اس کو ختم کرنا ظاہر کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے سے بڑی بڑی نیکیاں اور بھلائیاں پہنچتی ہیں اور حق سبحانہ کی طرف متوجہ نہ ہونا عبادت سے بھاگنا اس کی خدمت اور فرمانبرداری سے گریز

Marfat.com

کرنا باعث ہے تمام مصائب اور آفات وبلیات پہنچنے کا۔

فائدہ ساتواں:

آیت ہذاء سے معلوم ہوتا ہے کہ مکلفین کے تین فرقے ہیں۔ اہل طاعت جن کا انعمت علیهم سے اشارہ ملتا ہے اہل معصیت غیر المغضوب علیهم سے انہیں کی طرف اشارہ ہے تیسرے فرقہ میں کفار ہیں اور ولا الضالین سے اسی فرقہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اس پر اگر کوئی یہ کہے کہ کفار پر عاصیوں کو مقدم کرنے کی کیا وجہ ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ عموماً ہر ایک کو کفر سے بچنے کی کوشش ہوتی ہے۔ لیکن بسا اوقات فسق سے اجتناب نہیں کیا جاتا لہٰذا اس کو اول بیان کرنا ضروری تھا۔

فائدہ آٹھواں:

آیت ہذاء کے متعلق ایک اعتراض ہے۔ الٰہی غضب کا پیدا ہونا اسی پر مبنی ہے کہ امورات قبیحہ سرزد ہوں اور گناہوں کا ارتکاب ہو اس کے علم میں تھی تو یہ علم قدیم ہے یا حادث قدیم ہونے کی صورت میں اس امور کو بنانے اور معرض عدم سے وجود میں لانے کی کیا وجہ ہے۔ اس پر صاحب خزینۃ القرآن یہ بات رقمطراز ہیں باوجود یہ کہ وہ جانتا تھا کہ وجود میں لانے کی صورت میں علم کسی قسم کا فائدہ نہ دے گا بلکہ بجائے فائدہ کے عذاب دوامی کا موجب ہوگا نیز ناپسند چیز حادث ہونے کی صورت پر اللہ تعالیٰ حوادثات کا محل ٹھہرا نیز اس سے لازم آتا ہے کہ اس علم کے پیدا کرنے میں دوسرے علم کی احتیاج ہو اسی طرح غیر متناہی سلسلہ چلا جائے گا اور تسلسل محال ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یفعل اللہ مایشاء انّ اللہ یحکم مایرید۔

نوٹ:

خدا کا علم ازلی ہے اور اس کا پیدا کرنا اور مخلوق کا ہونا حادث ہے۔

فائدہ نواں:

آیت ہذاء کے متعلق دوسرا اعتراض یہ ہے جو لوگ انعمت اللہ علیهم کے ذیل میں داخل ہیں ان کا ضالین اور مغضوب علیهم ممتنع ہے تو انعمت علیهم کو ذکر کر کے اس کے بعد غیر المغضوب علیهم ولا الضالین کہنے کی کیا ضرورت تھی اس کا جواب یہ ہے کہ ایمان رجاء وخوف سے مکمل ہوتا ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''لو وزن خوف المومن ورجاه لا عتدل'' مومن کے خوف اور اس کی رجاء کو اگر وزن کیا جائے تو دونوں برابر اتریں گے بس انعمت علیهم سے رجاء اور غیر المغضوب علیهم الخ سے خوف بڑھتا ہے جس کے باعث مومن کا ایمان اپنے دونوں پلڑوں کے مضبوط ہونے سے انتہا کمال تک پہنچتا ہے۔

فائدہ دسواں:

آیت ہذا کے متعلق تیسرا اعتراض: مقبولین کو ایک گروہ اور مردودین کو دوسرا گروہ یعنی مغضوب علیهم ولا الضالین بنانے کی کیا ضرورت تھی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ لوگ انعم اللہ علیهم کے انعامات سے کامل طور پر سرفراز ہو چکے۔ وہی ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو پہچان کر اپنے اعمال صالحہ کے باعث خیرات کو حاصل کیا تو اس کے دو پہلو ہیں ایک تو عمل دوسرا علم۔ علم کے پہلو کو ناقص رکھنے والا فرقہ فساق اور مغضوب علیهم ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ومن یقتل مومناً متعمداً افجزائه جهنم و غضب اللہ علیهم ولعنه علمی پہلو کو ناقص رکھنے والا گمراہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وما ذا بعد الحق الا الضلال یہاں تک تو سورۃ الفاتحہ کی ہر آیت کی تفصیلی تفسیر ہو چکی۔

نوٹ:

ولا الضالین فرقہ گمراہ اور فرقہ مغضوب علیهم وہی ہے جو قرآن وسنت کا تارک اور انعام یافتہ لوگوں سے اعراض کرے انعام یافتہ نبیین صدیقین شہداء وصالحین ہیں تو حضور کی حدیث ہے جو صاحب خزینۃ القرآن ولا الضالین کے ماتحت جلد چوتھی صفحہ نمبر ۷۰۰ پر حضرت علی وابوبکر وعمرؓ کی اسناد سے درج کرتے

Marfat.com

ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ انعام یافتہ لوگ نبیین اور صدیقین اور شہداء اب تم تینوں کے درمیان میں نبی ہوں۔ ایک وہ ہے جو صدیق ہے دو (۲) وہ ہیں جو شہید ہیں پھر آپ ﷺ نے دعاء کی کہ اے اللہ میرے بعد میری امت قرآن اور میری سنت کو نہ چھوڑے اور ان تینوں کی سنت کو نہ چھوڑے کیونکہ ایک صدیق اور دو شہداء ہیں پھر فرمایا یاد رکھو کہ میری دعاء مستجاب ہوگئی جو قرآن اور میری سنت اور تمہاری سنت کو نہ چھوڑے گا اور وہ قیامت کے دن جنت کا وارث ہوگا حضرت عمر نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ کہ بعد والے لوگوں کو آپ ﷺ کی اور ہماری سنت کی کیسے پہچان ہوگی فرمایا میری امت کے صالحین اولیاء اللہ کے ذریعے سے جنہوں نے ان کی اتباع کی اور وہی جماعت سوادِ اعظم ہوگی اور ان پر اللہ کا ہاتھ ہوگا۔ دیکھئے کہ آج کل سوادِ اعظم کون سی جماعت ہے دیکھنے میں یہی آتا ہے کہ جو لوگ اولیائے اللہ کی تابعداری کر رہے ہیں وہی جماعت سوادِ اعظم ہے اور اولیاء کے فیوض و برکات سے ایمان کا نفع حاصل کر رہے ہیں۔ جس نے صالحین کی جماعت کو چھوڑا وہ ذلیل وخوار ہوگا اور وہ اپنے آپ کی نجات کا خیال نہ رکھے۔ انہی کی رفاقت کو اللہ تعالیٰ نے احسن رفاقت فرمایا ہے وہ کون سی جماعت ہے اور ان میں کون سے لوگ شامل ہیں۔ حضرت سیدنا داتا گنج بخش اور حضور غوث الاعظم خواجہ معین الدین اجمیری اور اس جملہ اولیائے کاملین کی رفاقت احسن رفاقت ہے۔ انہی کی رفاقت نجات کا ذریعہ ہے۔ یوں سمجھ لیجئے کہ صراط الذین انعمت علیھم سے صرف راستے کا طلب کرنا مقصود ہے جیسے تم جاتے وقت کسی سے راستہ پوچھ لو تو جب جاؤ گے ہوسکتا ہے راستے میں دشواری ہو تو ایک آدمی یہ کہے کہ میں آپ کو اس مقام پر پہنچادوں جہاں تم پہنچنا چاہتے ہو کیا کسی سے راستہ پوچھنا بہتر ہوا یا وہ خود پہنچا دے بہتر ہے تو نتیجہ یہ ہوا انعمت علیھم تو صرف راستہ طلب کرنا ہے یہ تو دشوار ہوگا جب ہم ان کی اتباع کریں گے تو پھر انہی کا راستہ ہمارے لئے کامل وموزوں ٹھہرے گا دنیا میں بھی ان کے ساتھ اور آخرت میں بھی یہ ہمیں ساتھ لے جائیں گے اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وحسن اولئک رفیق تو پھر دنیا میں ان کی رفاقت طلب کرو اور آخرت میں بھی انہی کو تو مسلک اہل سنت والجماعت کا اسی پر عقیدہ ہے پس ہمارے لئے حجت جناب شیخ الاسلام شیخ الشیوخ اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت حضرت سیدی وسندی حضرت مولٰنا سید شاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی ہیں اور میرے پیر ومرشد سید حسن میاں قادری اولادِ غوث الثقلین کی اولاد اور فاطمۃ الزہرہ کے باغ کے پھول اور مصطفیٰ (ﷺ) کے نور نظر اور مولا علی کے دلبند اور حضرت حسن کے گوشۂ جگر ہیں اور اس وقت اولیائے کاملین کے صدر ہیں اگر ولایت کامل دیکھنا ہو تو آپ ہی کی ذات ہے۔ آپ کے دادا مقدس اعلیٰحضرت کے پیر ومرشد تھے۔ آپ کا مسکن ضلع اٹک ہندوستان ہے۔ سجادہ نشین اٹک سید حسن میاں مدظلہٗ العالی ہیں انہیں اچھے میاں اعلیٰحضرت فرمایا کرتے تھے اور پاکستان میں اولیائے کاملین میں سے اس وقت حضرت سجادہ نشین خواجہ قمر الدین پیر سیال شیخ الشیوخ ہیں۔ آپ صاحب تقویٰ ہیں۔ اللہ تعالیٰ فقیر کو بھی اور جملہ مسلمانوں کو بھی انہی کاملین کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دے۔

(واللہ الہادی)

⌘⌘⌘⌘⌘

Marfat.com

قسم دوسری

باب پہلا

(سورۂ ہذاء کی تفسیر علی سبیل المجموع اور اس میں چند فصلیں ہیں)

اس پر صاحب خزینۃ القرآن نے کئی باب تحریر کئے ہیں اور فقیر چیدہ چیدہ عرض کرے گا۔

(فصل اوّل)

سُورت ہذاء کے اسرار عقلیہ کے بیان میں: دنیا کی موجودات وپراز ناپاکی و آلودگی ہے اور کائنات آخرت وپراز صفائی و پاکیزگی ہے دنیا کو آخرت سے وہی نسبت ہے جو فرع و اصل یا جسم و سایہ میں ہے۔ دنیا کی کل موجودات کا اصل آخرت میں ضرور ہونا چاہئے ورنہ اس کی کچھ وقعت نہ ہوگی۔ اس کا وجود بے ہودہ خیال یا سراب کی طرح ہوگا اسی طرح عالم آخرت کی تمام موجودات کی مثال دنیا میں ضرور ہوگی ورنہ وجود نخل بے ثمر کی طرح سمجھنا چاہئے یا مدلول بدون دلیل کی طرح غرض یہ کہ عالم ارواح انوار اور طرح طرح کی خوشیوں شگفتگیوں لذات و سرور کا مکان ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ اس میں درجات کی کمی و بیشی کا سلسلہ ضرور پایا جاتا ہے۔ ایک ادنیٰ درجہ پر ہے تو دوسرا اعلیٰ درجہ پر۔ ایک چھوٹے رتبہ کا ہے تو دوسرا بلند رتبہ لیکن تاہم ان سب میں ممتاز وجود کا ہونا ضروری معلوم ہوتا ہے جو نعت عظمت شرافت و کمالیت لطافت بجانب کی سیڑھیوں کو عبور کئے ہوئے اور عالی پایگاہ صاحب حشمت و جاہ اور حکمران ہوگا اس کے ماسواء باقی سب اس کے فرمانبردار خدمت گزار امر و نہی کے تابع ہوں گے جیسے فرمان الٰہی ذی قوۃ سے جبرائیل مراد ہے ذی قوۃ عند ذی العرش مکین مطاع ثم امین سے ثابت ہوتا ہے اسی طرح دنیا میں بھی ایک برگزیدہ وجود کا ہونا ضروری ہے جو کامل و مکمل اور اعلیٰ و اشرف ہونے کے باعث بلند پایہ اور عالی جاہ ہو اس کے ماسوا سب کے سب اس کے حلقہ بگوش اور امر و نہی کے تابع اور مطیع و منقاد ہوں۔ اول کو روحانیات کی حکمرانی دوسرے کو جسمانیات کی فرماں روائی پہلا عالم اعلیٰ کا مخدوم ہے ابتدائے تقریر میں فقیر بیان کر چکا ہے کہ عالم سفلی اور علوی میں جسم اور اس کے سایہ کی نسبت موجود ہے اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وقتاً فوقتاً ان دونوں حکمرانوں کے مابین میل جول ضرور ہوگا اور باہم ایک دوسرے سے ملاقی اور ان میں نسبت ضرور موجود ہے مخدوم علوی مصدر ہے اور مخدوم سفلی اس کا مظہر پس اس مصدر کو رسول ملکی اور اس کے مظہر کو رسول انسانی سمجھنا چاہئے اور یاد رکھنا چاہئے کہ ان دونوں مصدر و مظہر کے باعث دنیا و آخرت میں سعادات مل سکتی ہیں اور تمام بھلائیوں اور بہتریوں کا دار و مدار انہی دو وجودوں پر مبنی ہے۔

تمہید بالا کو ذہن نشین کرنے کے بعد اب یہ دیکھنا ہے کہ رسول بشری کے کمال معلوم کرنے کے لئے کون سا معیار ہوسکتا ہے۔ رسول کا کمال دعوت الی اللہ کی کمالیت پر منحصر ہے۔ تاوقتیکہ دعوت الی اللہ میں ان سات امور کا وجود جن کو اللہ تعالیٰ نے سورۂ بقرہ کے اختتام پر آیت والمومنون کلٌّ امن باللہ میں فرمایا ہے موجود نہ ہو مکمل نہیں کہلا سکتی اور آیت لانفرق بین احدمن رسلہ الخ احکام رسول کے متعلق ہے لیکن یہ چاروں معرفت ربوبیت کے احکام سے مخصوص ہیں ان کے بعد معرفت عبودیت کے متعلقات کو بیان کر کے ان دو امور کو بیان کیا ہے جن پر ان کا انحصار ہے پہلا تو مبداء ہے۔ جس کو سمعنا و اطعنا میں ظاہر کیا گیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے سے بیشتر اس کا موجود ہونا ضروریات میں سے ہے امر ثانی یعنی کمال توکل علی اللہ کو کہتے ہیں اس ذات پر بالکلیہ متوجہ ہو کر ہمہ تن اسی کا ہو رہے جیسے کہ غفرانک ربنا سے ظاہر ہو رہا ہے یعنی انسان کی وہ حالت جس کے باعث اعمال بشری اور عبادات انسانی کو مسقوط النظر کر کے اسی کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو کر صرف اسی کا ہو رہے اور اس کی بارگاہ صمدانی سے رحمت کا خواستگار اور مغفرت کا طلبگار رہے۔ مذکورہ بالا چاروں اصولوں کے توسل سے معرفت ربوبیت کو درجہ کمال تک پہنچانے

Marfat.com

اورآخری دونوں اصولوں کی وساطت سے معرفت عبودیت کوعلی وجہ الاتم معلوم کرنے کے بعد بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہونے اور معاد کے لئے مستعد رہنے کے سوا کوئی دوسرا امر باقی نہیں رہتا غرض یہ کہ والیک المصیر کی منزل قابل عبور رہ جاتی ہے۔

گزشتہ تقریر سے معلوم ہوگیا کہ درجات تین ہیں مبداء وسط اور میداء، کی معرفت چار امور یعنی معرفت الٰہی ملائکہ اور کتب ورسل سے کامل ہوتی ہے اور وسطی درجہ کی معرفت دو امور سمعنا واطعنا سے ہوسکتی ہے لیکن یہ تو عالم جسمانیات کے ساتھ مخصوص ہے اور غفرانک ربنا عالم ارواح کے لئے رہا درجہ معاد تو اس کی شناخت والیک المصیر سے ہوسکتی ہے گویا شروع میں چار امور کی ضرورت ہوتی ہے درمیانی میں دو اور آخرالامر صرف ایک ہی باقی رہ گیا۔ ان ساتوں مراتب کو طے کرنے کے بعد ان میں سے دعا و تفرع کی سات شاخیں نکلتی ہیں پہلی شاخ تو ربنا لاتواخذنا ان نسینا او اخطانا اور نیز اس کا مخالف پہلو یعنی ذکر جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یاایھا الذین آمنو ا ذکروا اللہ ذکراً کثیراً دوسری جگہ ارشاد فرمایا واذ کر ربک اذا نیست تیسری جگہ فرمایا تذکرو افاذاھم مبصرون نیز فرمایا واذکر اسم ربک لیکن اس پہلو کا حاصل ہونا۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بدون ہرگز ممکن نہیں دوسری شاخ ربنا ولا تحمل علینا اصرا کما حملتہ علی الذین من قبلنا ہے جیر واصرار یعنی نقل کا دفعیہ مدح سرائی کے سواء ہرگز نہیں ہوسکتا اور ثناء خوانی کا طریق الحمدللہ رب العالمین سے بڑھ کر کوئی دوسرا موجود نہیں۔ تیسری شاخ رَبَّنَا ولا تحمّلنا مالا طاقۃ لنابہ ذریعہ ہے رحمت کردگار کو طلب کرنے کا اور الرّحمٰن الرّحیم کا یہی مطلب ہے چوتھی شاخ واعف عنا ہے کہ اے اللہ تعالیٰ یوم الدّین کا تو ہی مالک اور تجھ ہی کو اس دن کی حکومت اور قضاء حاصل ہے۔ جیسا کہ مالک یوم الدین سے ظاہر ہوتا ہے۔ پانچویں شاخ واغفرلنا ہے کیونکہ اے خدا ہم نے دنیا میں تیری عبادت کی اور مشکلات آنے پر تجھی ہی سے استعانت کے طلبگار رہے اور یہی مطلب ایاک نعبد وایاک نستعین سے ہے چھٹی شاخ انت مولنا فانصرنا علی القوم الکافرین ہے اور غیر المغضوب علیھم ولا الضالین کا بھی یہی مطلب ہے غرض یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے معراج کو جاتے ہوئے انہیں سات شاخوں کو جو سورۂ بقر کے خاتمہ پر مرقوم ہیں۔ عالم روحانیات میں پڑھا تھا اور پس از نزول معراج عالم مصدری سے اس کا اثر تمام عالم مظہری میں پھیل گیا اور آخرالامر اس کو سورۃ الفاتحہ سے تعبیر کیا گیا تو اس کو نماز میں پڑھنے کے باعث عالم مظہری سے عالم مصدری تک اس کے انوار و تجلیات کا پرتو پہنچ کر روحانیات کو مؤثر کرے گا جس طرح رسول اللہ ﷺ کے زمانہ مبارک میں عالم مصدری سے ان انوار و برکات کا عالم مظہری میں ظہور ہوا یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے الصلوۃ معراج المومنین میں نماز کو مومن کے لئے معراج قرار دیا ہے۔

(فصل دوسری)

شیطان کے مداخل کے بیان میں: منافذ شیطانی جن کے ذریعے سے وہ انسان میں داخل ہوجاتا ہے۔ تین ہیں۔ اوّل شہوت، دوسرے غضب، تیسرے ہوس شہوت خاصیت بہائم، غضب خاصیت، سوابع اور ہوس مشترکہ خاصیت ہے ان تینوں میں سے ہر ایک بجائے خود بہت سخت موذی ہے لیکن ہوس اول درجہ پر ہے اور ہوس سے دوسرے درجہ پر غضب ہے فرمان الٰہی ہے ان الصلوٰۃ تنھٰی عن الفحشاء والمنکر میں فحشاء سے اثرات شہوت سن کر نتائج غضب بمعنی سے تاثرات ہوائیہ جتلانا مقصود ہیں۔ شہوت ایسی چیز ہے جس کا اثر صرف ذات انسانی تک محدود رہ کر خود اپنی ذات پر ظلم کرتا ہے۔ غضب سے دوسرے پر ظلم ہوتا ہے بخلاف ان کے ہوس سخت موذی ہونے کے باعث اس کا ظلم اللہ تعالیٰ عزوجل تک پہنچتا ہے۔ فرمان رسول اللہ ﷺ الظلم ثلاثہ نظلم لا یغفرو ظلم لا یترک وظلم عیسی اللہ ان یترکہ کا بھی یہی مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک بنانا ایسا ظلم ہے جس کی بخشش نہیں۔ بندوں پر ظلم کرنا ایسا ظلم ہے جس سے چھوٹ نہیں اس سے غضب مراد ہے اور وہ ظلم جس سے چھوٹ ممکن ہے وہ شہوت ہے از یں بعد ان تینوں کے علیحدہ علیحدہ نتائج ہیں۔ حرص اور بخل تو شہوت کا نتیجہ ہوتے ہیں کبر و نخوت نتائج ہیں غضب کے اور کفر و بدعت ہوس کا نتیجہ ہوتے ہیں لیکن ان چھ چیزوں کے جمع ہونے سے فرد انسانی میں ساتویں چیز پیدا ہوجاتی ہے جس کا نام حسد ہے حسد تمام اخلاق ذمیمہ کی جڑ اور اصل الاصول ہے۔ بدترین وجودوں کا خاتمہ شیطان پر ہوتا ہے۔ اسی طرح تمام بری عادتیں حسد پر ختم ہوجاتی ہیں اسی باعث سے اللہ تعالیٰ نے ومن شر حاسد اذا

Marfat.com

حسد پر تمام شرور کے انسانی بیان کا خاتمہ کر دیا ہے اور خبائث شیطانی کو یوسوس فی صدور الناس من الجنة والناس میں وسوسہ پر ختم کر دیا غرض یہ کہ جس طرح شیطان کا وسوسہ بلحاظ شر و ایذاء رسانی تمام دیگر وساوس سے بڑھا ہوا ہے اسی طرح نوع بنی آدم کے حسد کو تمام بری عادتوں پر فوقیت حاصل ہے بلکہ بعض وجوہ حسد کو ابلیس سے بھی بالاتر قرار دیا ہے وہ لوگ جنہوں نے حاسد کا رتبہ شیطان سے بالا سمجھا ہے وہ دلیل میں ایک روایت پیش کرتے ہیں کہ شیطان ایک دفعہ فرعون کے دروازہ پر پہنچا اور دستک دی فرعون نے پوچھا کہ تو کون ہے اس نے جواب دیا اگر تو فی الواقع الٰہ ہوتا تو تجھے ہرگز مجھ سے سوال کرنے کی ضرورت نہ ہوتی اور فوراً مجھے تاڑ جاتا یہ کہہ کر وہ اندر فرعون کے پاس پہنچ گیا تو فرعون نے پوچھا کیا دنیا میں کوئی ایسی بھی چیز ہے جو مجھ سے اور تجھ سے شرارت میں زیادہ ہو اس نے جواب دیا حسد سب سے زیادہ شر انگیز چیز ہے میری دربدری اور مشقت برداری صرف حسد کا نتیجہ ہے۔ یہ حدیث خزینۃ القرآن اور تفسیر طبری اور مدارک میں بھی ہے۔

الحاصل اخلاق قبیحہ اور عادات ذمیمہ کے لئے مذکورہ بالا تینوں چیزوں کو بمنزلہ اصل سمجھنا چاہئے اور ان ساتوں کو ان کی شاخیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان ساتوں آفات سے محفوظ رکھنے کی غرض سے سورۂ فاتحہ جس کی سات آیتیں ہیں نازل فرمایا اور چونکہ سورۃ ہذا کا اصل تسمیہ ہے جس میں تین اسمائے الٰہی موجود ہیں یہ تینوں اخلاق سیۂ کے مقابل ہوئیں۔ ان ساتوں عادات کا بچاؤ سورۃ فاتحہ کی سات آیات سے ہوا اور اخلاق ذمیمہ کے اصل کے مقابل میں تسمیہ کو اس پر قائم کر دیا چونکہ کل قرآن شریف سورۃ الفاتحہ کی شاخیں ہیں اور دنیا میں جس قدر اخلاق ذمیمہ پائے جاتے ہیں وہ سب کے سب ان ساتوں کی شاخیں ہیں۔ لہٰذا قرآن شریف ان سب کا علاج ہے رہی یہ بات کہ کیونکہ تسمیہ ان تینوں اخلاق ذمیمہ (جن کو اصل قرار دیا گیا ہے) سے محفوظ رکھتی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ معرفت الٰہی کے بعد یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف ایک ہی ہے اس کا کوئی شریک نہیں جس کے باعث انسان سے شیطان اور ہوا و ہوس دور ہو جاتی ہیں کیونکہ آیت قرآنی افرأیت من اتخذ الٰھه ھواہ میں اللہ تعالیٰ نے ھوی کو آلہ قرار دیا ہے۔ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کو ہوا و ہوس سے مخالفت کرنے کا حکم دیا ہے اور ساتھ ہی اس کے فرمایا کہ اے موسیٰ کہ ہوا و ہوس کے سوا کوئی دوسرا وجود زمین و آسمان میں موجود نہیں جو میرے ملک میں کسی طرح دست انداز ہو سکے تو معلوم ہوا کہ معرفت سے ہوا و ہوس دور ہو جاتی ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی صفت رحمانی معلوم ہونے کے بعد غضب کا خوف ہو جاتا ہے کیونکہ اصل منشاء غضب کا طلب ولایت ہوتی ہے اور بحکم الٰہی الملک یومئذٍ الحق للرحمٰن ولایت صرف ذات رحمان ہی کو سزاوار ہے۔ اللہ تعالیٰ کو رحیم جان لینے کے بعد بغرض اقتداء ان حالات اور خصائل کو اختیار کرنا ضروری ہوتا ہے جن سے اس کا دل بھی رحیم ہو جائے رحیم ہونے کے بعد اپنی ذات پر بھی ظلم نہ کرے گا اور اپنے آپ کو افعال قبیحہ کی آلودگی سے بچائے گا اور یہ سوال کہ کیونکر سورۃ الفاتحہ کی ساتوں آیات ساتوں اخلاق ذمیمہ سے محفوظ رکھتی ہیں قبل اس کے کہ اس سوال کو حل کیا جائے ہم عجیب نکتہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا تینوں اسماء کو سورۃ الفاتحہ کی تسمیہ میں بیان کرنے کے بعد ساتھ ہی اور دو اسماء کو بیان کیا ہے یعنی ربّ اور مالک تو رب رحیم سے قریب ہے جیسا کہ فرمان الٰہی سلام قولاً رب رحیم سے ظاہر ہوتا ہے اور بموجب فرمان الملک یومئذٍ الحق للرحمٰن مالک رحمٰن سے قریب ہے تو اب ہمیں تین اور اسماء مل گئے یعنی ملک، ربّ، الٰہ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف کی آخری سورت کو انہی تین ناموں پر ختم کیا ہے جس سے یہ تعلیم دینی مقصود ہے کہ اے انسان اگر شیطان تیرے پاس از طرف شہوت پہنچے تو اس وقت قل اعوذ برب الناس پڑھا کر اور جو غضب کی جانب سے آئے تو ملک الناس اور اگر ہوا و ہوس کی طرف سے پہنچے تو الٰہ الناس پڑھا کر۔ نکتہ مذکورہ کو بیان کرنے کے بعد اب ہم سوال کا جواب دیتے ہیں الحمد للہ انعامات منجانب اللہ اور موجود الوقت عطیہ پر شکر ادا کیا جاتا ہے تو اس کے ذریعہ سے ازالۂ شہوت ہوا اور اس کی صفت رب العالمین معلوم کرنے کے بعد غیر موجود چیز کی تو حرص رہتی ہے نہ موجود شئے میں بخل تو شہوت اور اس کی لذات سے بچاؤ ہوا اور الرحمٰن الرحیم کے بعد مالک یوم الدین ہونے کا علم غضب کو نہیں رہنے دیتا ایاک نعبد اور ایاک نستعین سے عجب مفقود ہو جاتا ہے آفات غضبیہ اور اس کی شاخوں سے نجات مل جاتی ہے اور تب اھدنا الصراط المستقیم کہا تو ہوا و ہوس کا شیطان نکل گیا صراط الذین انعمت علیھم سے اس کے مکائد اور وساوس اور کفر سے دل صاف ہو گیا غیر المغضوب علیھم ولا الضالین کو پڑھنے سے آس کی بدعات دل سے خارج ہو گئیں تو ثابت ہوا کہ سورۃ الفاتحہ کی ساتوں آیات ساتوں اخلاق ذمیمہ کا علاج ہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ شیطان انسان کے وجود میں ایسے حرکت کرتا ہے جیسے خون تو اس کو اللہ تعالیٰ کے ذکر یعنی قرآن کریم سے دور کرو اور قرآن کریم بکثرت پڑھا کرو یہی اس کا حل ہے۔

Marfat.com

(فصل تیسری)

(اس امر کے بیان میں کہ انسان کو مبداء وسط اور معاد کے لئے جن امور کی ضرورت ہے وہ سب سورۃ الفاتحہ میں موجود ہیں)

فصل ہذاء میں یہ دکھانا مقصود ہے کہ مبداوسط اور معاد کے متعلق جن امور کی انسان کو احتیاج ہو سکتی ہے وہ سب کے سب سورۃ الفاتحہ میں موجود ہیں۔ الحمدللہ سے مختار حقیقی اور صانع لم یزلی کے وجود کا اشارہ ملتا ہے کیونکہ قرآن شریف میں وجود صانع کو ثابت کرنے کے لئے پیدائش انسانی سے استدلال کیا گیا ہے جیسے کہ ابراہیم کے قول قال ربی الذی یحیی ویمیت اور الذی خلقنی فھو یھدین سے ظاہر ہوتا ہے موسیٰ نے فرمایا ربنا الذی اعطیٰ کل شئ خلقه ثم ھدیٰ دوسری جگہ فرمایا ربکم ورب اباء کم الاولین اللہ تعالیٰ نے آغاز سورت بقر میں فرمایا یا ایھا الناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم والذین من قبلکم لعلکم تتقون اور رسول اللہ ﷺ کو فرمایا اقرا باسم ربک الذی خلق ۝ خلق الانسان من علق ان آیات سے ثابت ہوا کہ وجود الٰہی کو خلقت انسانی سے زیادہ تر ثابت کیا گیا۔ علاوہ اس کے اگر قرآن شریف میں غور وخوض کیا جائے تو اور بہت سی ایسی آیات ملتی ہیں جن میں یہی دلیل پیش کی گئی ہے تو جس طرح وجود انسانی عظیم الشان شہنشاہ کے وجود کی دلیل ہے اسی طرح انسان کا وجود منجملہ انعامات عظیمہ ہے۔ غرض یہ کہ ہر ایک ہی چیز اختلاف حیثیت کے باعث دو مختلف حکموں کا محل ہوئی وجود آلہٰ کی شناخت ہونے کی حیثیت سے وجود انسانی دلیل ٹھہرا اور بایں جہت کہ اللہ تعالیٰ نے ایک مفید چیز انسان کو عطاء فرمائی ہے انعام ہوا ظاہر ہے کہ منعم کو اس وقت استحقاق حمد حاصل ہوتا ہے جبکہ وہ انعام کو انعام سمجھ کر عنایت کرے ورنہ نہیں بدن انسانی کا عطیہ اسی جہت پر مبنی ہے کیونکہ ایک حقیر چیز قطرہ منی سے اعضاء مختلف الطبائع پیدا کرنا پھر مختلف شکلوں سے آراستہ وپیراستہ کرنا اس کا مقصود اصلی تھا غرض یہ کہ ان اعضاء سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا بنانے والا ایک ذات بے چون و بے مثال ہے جو کل موجودات سے آگاہ اور کل مقدورات پر قادر ہے اس نے اپنے احسان ورحمت کے جتلانے کے ارادہ سے ان اعضاء کو ہمارے مصالح کے مطابق منافع اور ضروریات کے موافق بنایا ہے تو ایسی ذات بلاریب حمد وثناء کی مستحق ہوئی تقریر بالا سے معلوم ہو گیا کہ الحمد للہ اللہ تعالیٰ کے وجود اور قدرت وحکمت ورحمت اور نیز اس امر پر دال ہے کہ حمد وثناء کا مستحق وہی ہے اسی طرح رب العالمین سے وجود الٰہی کا واحد لاشریک ہونا مفہوم ہوتا ہے پھر دو جہان اس کی ملکیت ہیں وہ ان کا مالک ہے اس کے ماسواء کوئی وجود ایسا نہیں جو پرستش وعبادت کے لائق ہو الرحمن الرحیم ظاہر کرتا ہے کہ وہ ذات جس کی یکتائی میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہر وقت قبل از موت و بعد از موت اور عین موت کے وقت رحمت وفضل اور احسان وکرم کی صفات سے موصوف ہے مالک یوم الدین سے اس امر کی آگاہی ہوتی ہے کہ حسب اقتضاء حکمت حق سبحانہ موجودہ وقت کے بعد ایک ایسا وقت بھی ضرور ہونا چاہئے جس میں بدکردار کو نیک کردار سے امتیاز کیا جائے بروں بھلوں میں فرق ہو مظلوموں کو انتقام ملے کیونکہ ایسے بعث ونشر کو نہ ماننے کی صورت میں اس کی صفت رحمانی ورحیمی میں نقص لازم آئے گا۔

تقریر ہذا سے معلوم ہو گیا کہ الحمد للہ سے وجود صانع مختار حقیقی کا علم حاصل ہوتا ہے اور رب العالمین سے اس کی وحدانیت اور یگانگت اور الرحمٰن الرحیم سے دنیا وآخرت میں اس کا رحمٰن ورحیم ہونا اور مالک یوم الدین سے معلوم ہوتا ہے کہ دار آخرت کو پیدا کرنا مبنی بر رحمت کاملہ وحکمت بالغہ ہے یہاں تک ان کا مایحتاج انسانی کا ذکر ہوا جن کو معرفت ربوبیت سے تعلق ہے ایاک نعبد سے لے کر ختم سورت تک ان ضروریات کا بیان ہے جن کا عبودیت کے ساتھ تعلق ہے عبودیت کے دو نوع ہیں ایک وہ اعمال ہیں جن کا انسان مرتکب ہوتا ہے دوم ان اعمال کے آثار نوع اوّل کے دو رکن ہیں۔ (اوّل) انسان کو عبادت کرنی چاہئے جیسا کہ ایاک نعبد سے ظاہر ہوتا ہے، (دوسرا) وہ بدون اعانت الٰہی ہرگز ہرگز عبادت پر قادر نہیں ہو سکتا ایاک نستعین اس کو بیان کرتا ہے اور یہاں سے جبر وقدر کا بے پایاں سمندر بہتا ہے اور نوع ثانی یعنی اعمال کے آثار یہ ہیں کہ ہدایت یاب ہو۔ کشف وتجلیات حاصل ہو اھدنا الصراط المستقیم سے انہی آثار کا اشارہ ملتا ہے دنیا میں تین گروہ ہیں گروہ اول وہ راست گو اخلاص پسند اور کامل لوگ ہیں جنہوں نے اپنے اعمال برگزیدہ کے باعث حق تعالیٰ کو پہچان لیا اور جملہ بھلائیوں کو حاصل کیا انعمت علیھم میں انہی لوگوں کو بیان کیا گیا ہے۔ دوسرا گروہ فاسقوں کا ہے جو اعمال صالحہ سے بالکل معرا اور تہی دست ہیں غیر المغضوب علیھم کا اسی گروہ کی

Marfat.com

طرف اشارہ ہے۔ تیسرا گروہ بدعتیوں اور کفار کا ہے جن کے جملہ اعتقادات بہت خراب ہیں اور صحیح نہیں ہیں ولا الضالین کا اسی فرقہ کی طرف اشارہ ہے۔

اس کے بعد اب میں یہ کہتا ہوں کہ نفس انسانی کو علوم و معارف کی وساطت سے دو طریق پر کمالیت حاصل ہوسکتی ہے۔ اول ہمیشہ غور و خوض اور استدلال کو اپنا شیوہ بنا دے۔ دوسرا متقدین اور گذشتہ بزرگوں کے اعمال صالحہ کو حاصل کرنے کی کوشش کرنے کے بعد انہیں ذرائع اور طریقوں سے اپنے نفس کو کمالیت کے درجہ پر پہنچا دے اھدنا الصراط المستقیم میں طریقۂ اوّل کی تعلیم ہے اور انعمت علیھم میں طریقۂ ثانی کی تعلیم دی گئی ہے لیکن طریقۂ ثانی کو اختیار کرنے کے لئے یہ ضروری امر ہے کہ گزشتہ بزرگوں کی اقتداء ان برگزیدہ وجودوں کے عقول کے انوار سے منور ہو کر کی جائے جن کے دل خلوص اور راستی سے پُر اور عقائد صحیحہ اور اعمال حسنہ کے مالک ہوں۔ ان لوگوں سے دوری اختیار رکھنی چاہئے جن کے اعمال غیر صحیح ہوں یعنی وہ لوگ جو غیر المغضوب علیھم میں شامل ہیں نیز ولا الضالین میں وہ لوگ مراد ہیں جن کے عقائد راستی سے معراء ہیں۔ سورت ہذاء کی یہاں تک تفسیر ہو چکی ہماری مذکورہ بالا تقریر کو غور و خوض کی آنکھ سے دیکھنے والے کو بخوبی معلوم ہو جائے گا کہ سورت ہذا جملہ مقامات عبودیت اور ربوبیت کو حاوی ہے۔ جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔

(فصل چوتھی)

حدیث شریف میں رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے روایت کی ہے کہ میں نے اپنے اور بندے کے مابین نماز کو دو حصوں پر تقسیم کر دیا ہے۔ جس وقت میرا بندہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے مجھے یاد کیا ہے اور جب بندہ الحمد للہ ربّ العالمین کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میری ثناء و توصیف بیان کی اور الرحمن الرحیم پڑھنے کے وقت اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ میرا بندہ میری تعظیم و تکریم بجالایا اور جب مالک یوم الدین کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میری تمجید بیان کی۔ اور دوسری روایت میں بجائے تمجید بیان کرنے کے لکھا ہے کہ بندہ نے اپنے آپ کو میرے سپرد کر دیا ہے ایاک نعبد پڑھنے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میری پرستش کی و ایاک نستعین پڑھنے کے وقت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے مجھ پر بھروسہ کیا دوسری روایت میں لکھا ہے کہ انسان جب ایاک نعبد و ایاک نستعین کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ معاملہ میرے اور میرے بندے کے ساتھ وابستہ ہے اھدنا الصراط المستقیم کہنے پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ میرے بندے کا سوال ہے اور اس کا سوال پورا کیا جائے گا۔ حدیث ہذاء کے فوائد مندرجہ ذیل ہیں:

فائدہ اوّل:

فرمان اللہ کریم ہے کہ ''میں نے اپنے بندے کے لئے نماز کے دو حصے کر دیئے ہیں'' سے معلوم ہوتا ہے کہ کل امور شرعیہ انسانی مصالح پر مبنی ہیں جیسا کہ فرمایا ان احسنتم احسنتم لا نفسکم و ان اساتم فلھا کیونکہ انسان کی تمام دشواریوں سے زیادہ دقیق یہی ہے کہ اپنے دل کو معرفت ربوبیت کے نور سے منور بنانے کے بعد معرفت عبودیت سے منور کرے کیونکہ پیدائش انسانی کا حقیقی منشاء ایفائے وعدہ ہے جیسا کہ فرمایا وما خلقت الجن والانس الالیعبدون دوسری جگہ فرمایا انا خلقنا الانسان من نطفة امشاج نبتلیه فجعلنه سمیعاً بصیراً نیز فرمایا یا بنی اسرائیل اذکروا نعمتی التی انعمت علیکم و اوفوا بعھدی اوف بعھدکم غرض یہ کہ ایسی صورت کے ہوتے ہوئے ضروری تھا کہ حضرت محمد ﷺ پر سورت ہذاء کو نازل کر کے اس کو دو حصوں پر تقسیم کر کے نصف اوّل میں معرفت ربوبیت اور نصف ثانی میں معرفت عبودیت کو بیان کیا جائے۔ دو حصوں پر سورت ہذاء کو تقسیم کرنے کی ضرورت اس لئے تھی کہ وہ ان جملہ امور کو حاوی ہو جن سے عہد مذکور کا ایفاء ہو سکے۔

فائدہ دوسرا:

اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفاتحہ کو صلوٰۃ کے نام سے موسوم کیا ہے جس سے چند احکام کی رہنمائی ہوتی ہے۔ (حکم اوّل) سورۃ الفاتحہ کے بغیر نماز ادا نہیں ہوتی اور اس

Marfat.com

سے یہ ثابت ہوا کہ سورۃ الفاتحہ کا پڑھنا منجملہ ارکان صلوٰۃ ایک رکن ہے جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ کا خیال ہے اور اس خیال کو اور بھی بہت سے دلائل تقویت دیتے ہیں (اول) رسول اللہ ﷺ اسے ہمیشہ پڑھا کرتے تھے تو بحکم فاتبعونی اور نیز فرمان علیہ السلام صلوا کما رائتمونی اصلی ہمارے لئے اس کا پڑھنا واجب ٹھہرا۔ (دوم) تمام خلفائے راشدین ہمیشہ اس کو پڑھتے رہے لہٰذا ہمیں ان کی اقتداء واجب ہوتی جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا علیکم بسنتی وسنتہ الخلفاء الراشدین من بعدی جیسا کہ پہلے دلائل عرض کر چکا ہوں کہ امام کے پیچھے مقتدی کو سورۃ الفاتحہ پڑھنی جائز نہیں حدیث شریف میں ہے قرأۃ الامام قراۃ لہ یہ حدیث خزینۃ القرآن میں ہے اور امام بیہقی اپنی سنن میں لکھتے ہیں۔

نوٹ:

امام رازی کا سے سوال ہے کہ مسلک شوافع کی تمام روایات تو درج کی ہیں لیکن امام اعظم صاحب کی درج نہیں کی ہیں حالانکہ امام بیہقی بھی تو شافعی ہے لیکن انہوں نے سب کے دلائل کو درج کیا ہے تو یہ جانبداری ہے۔

(تیسرا) مشرق سے لے کر مغرب تک کل مسلمان نماز میں سورۃ الفاتحہ کو پڑھتے ہیں تو ضروری ہوا کہ ان کی متابعت وجوباً کو ہاتھ سے نہ دیا جائے ورنہ فرمان الٰہی یتبع غیر سبیل المومنین تولہ ماتولی ونصلہ جھنم کا مستحق ٹھہرے گا۔ (چوتھا) رسول اللہ ﷺ کا حکم لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب نماز بدون سورۃ الفاتحہ مقبول نہیں ہوتی۔ ہمارا اتفاق ہے کہ امام کے پیچھے مقتدی سورۃ الفاتحہ نہ پڑھے اور قرآن کو سنے کیونکہ قرآن سننا فرض ہے۔

حدیث شریف میں آیا ہے، اور حضرت ابوبکر صدیق کی اسناد سے خزینۃ القرآن طبری وتفسیر مجاہدی میں ہے حضرت ابوبکر صدیق فرماتے ہیں کہ قرآن پاک کی جہاں تک آواز سنائی دے سننے والا خاموش ہو جائے کیونکہ اس وقت اس پر قرآن سننا فرض ہو جاتا ہے فرمایا جس نے ایسا نہ کیا وہ ظالم ہوا، قرآن کو نہ سننا یہ کفار کی رسم ہے فرمایا ابوبکر دیکھو جب قرآن سنایا جاتا ہے تو کفار شور وغل کرتے ہیں کانوں میں انگلیاں دیتے ہیں اس لئے وہ بے خبر ہیں اور قرآن کی رحمت سے محروم ہیں، یہ آیت تلاوت فرمائی وقال الذین کفروا ولا تسمعوا لھذا القران آیت سے یہ فائدہ نکلا کہ قرآن کو خاموشی سے سنا کرو اسی طرح اللہ تعالیٰ نے کفار کی حکایت کو نقل کیا تو لہٰذا حدیث سے یہ فائدہ نکلا کہ قرآن کو خاموش ہو کر سنیں۔ اگر فاتحہ نماز میں امام کے پیچھے پڑھی ایک تو اقتدائے امام نہ رہے گی دوسرا وہ قرآن کی سماعت کا تارک ہو جائے گا (پانچواں) فرمان الٰہی فاقرؤا ما تیسر من القران اور آیت ہذاء میں لفظ قرؤا صیغہ امر ہے ظاہر جن کا منشا اظہار وجوب ہوتا ہے تو ماتیسر من القران کا پڑھنا واجب ہوا۔ چونکہ سورۃ الفاتحہ کے ماعدا کا پڑھنا واجب نہیں لہٰذا لامحالہ قرأۃ سورۃ الفاتحہ کو واجب ماننا پڑے گا یہ اس لئے کہ امر ظاہری کی تعمیل ہو جائے۔ (چھٹا) کم از کم مقتضائے احتیاط یہی ہے کہ سورۃ الفاتحہ کو پڑھا جائے اور بحکم دع ما یریبک الی مالا یریبک احتیاط کو ہاتھ سے نہیں دینا چاہئے۔

(ساتواں) رسول اللہ ﷺ اس کو ہمیشہ پڑھتے تھے۔ آپ کے اختیار کردہ فعل کو ترک کرنا عدول حکم میں داخل ہوگا جو بلا ریب حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمایا ہے فلیحذر الذین یخالفون عن امرہ۔ (آٹھواں) کل اہل اسلام بالاتفاق نماز میں سورۃ الفاتحہ کو پڑھنا بہ نسبت دوسری آیات کے زیادہ افضل اور اکمل سمجھتے ہیں۔ اب میں یہ کہتا ہوں کہ حکم نماز کا محکوم انسان ہی ہے اور حکم نماز تو امر ثابت ہے ایسے امر کے لئے قاعدہ بقاء ہے لہٰذا اگر کوئی شخص نماز میں صرف سورۃ الفاتحہ پڑھے گا تو اس کے ذمہ فرض ادا ہو چکا اور ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ ایسی نماز کو زیادہ فضیلت ہوتی ہے بہ نسبت اس نماز کے جس میں سورۃ الفاتحہ نہ پڑھی جائے تو فرض ادائیگی اسی وقت ہوگی جب کہ عمل کامل اختیار کیا جائے، لیکن عمل کامل کے ساتھ ہرگز نہیں ہوگا تو چونکہ سورۃ الفاتحہ ایک ایسا عمل ہے جس کے باعث نماز کامل ہوتی ہے اور اس کی فضیلت میں بیشی کرتی ہے پس اگر نماز میں سورۃ الفاتحہ کو نہ پڑھا جائے تو اس کے ذمہ سے فرض ادا نہ ہوگا۔ (نواں) نماز کا مقصود اصلی صرف ذکر قلبی ہے جیسا کہ اقم الصلوٰۃ لذکری شاہد ہے اسی لئے کل احکامات سے صرف عبودیت اور ربوبیت کے منازل ومعارف پر بالکلیہ حاوی ہے اس کے سوا کوئی دوسری آیت یا سورت ایسی نہیں جو ان تمام معارف کو حاوی ہو یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف اسی سورت اور باقی تمام قرآن شریف کے مابین مساوات بیان کی جیسا کہ ولقد اتیناک سبعا من المثانی والقران العظیم سے ظاہر ہوتا ہے غرض یہ کہ سورت فاتحہ کا پلہ تمام دوسری سورتوں سے بھاری ہے اور کوئی دوسری سورت اس کے قائم مقام نہیں ہو سکتی۔ (دسواں) حدیث مرقومہ بالا سے ظاہر ہوتا ہے کہ سورۃ الفاتحہ کے سوا نماز ادا نہیں ہوتی۔

Marfat.com

فائدہ تیسرا:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ''جب انسان بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہتا ہے تو میں کہتا ہوں کہ میرے بندے نے مجھے یاد کیا'' چند احکام پر مشتمل ہے۔ (حکم اوّل) فاذکرونی اذکرکم سے معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ انسان اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے میں پیش قدمی اختیار کرتا ہے تو لامحالہ وہ ذات اس کے عوض میں اپنے بندے کو اعلیٰ محفل میں یاد کرتی ہے۔ (حکم دوسرا) مقامات عبودیت میں سے مقام ذکر کا رتبہ بہت زیادہ ہے کیونکہ اس کو ابتدا میں بیان کیا گیا ہے۔ علاوہ اس کے آیات قرآن سے بھی اس کی کمالیت اور افضلیت کا پتہ ملتا ہے۔ فاذکرونی اذکرکم اور یا ایھا الذین آمنوا اذکروا اللہ ذکرا کثیرا میں ذکر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ایک جگہ فرمایا الذین یذکرون اللہ قیاماً وقعوداً وعلی جنوبھم دوسری جگہ ارشاد فرمایا ان الذین اتقوا اذا مسھم طائف من الشیطان تذکروا فاذا ھم مبصرون غرض یہ کہ قرآن مجید میں مقامات عبودیت میں سے جس قدر مقام ذکر کے لئے تاکیدی احکام ہیں۔ اس قدر دوسرے کسی مقام کے لئے نہیں پائے جاتے۔ حضرت علی اور حضرت عمر و حضرت ابوبکر رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اسناد سے صاحب خزینۃ القران حدیث درج کرتے ہیں کہ رسول کریم نے فرمایا کہ قرآن کریم میں لفظ ذکر جتنی دفعہ استعمال ہوا اس میں سے زیادہ ذکر سے مراد قرآن ہے تو سب اذکار سے زیادہ افضل و ممتاز ذکر الٰہی تلاوت قرآن ہے فاذکرونی قرآن پڑھنے سے بڑھ کر دوسرا کوئی ذکر اللہ تعالیٰ نے پسند نہیں فرمایا۔ (حکم تیسرا) ''میرے بندے نے مجھے یاد کیا'' مقولہ ہذا سے معلوم ہوتا ہے کہ لفظ اللہ ذات الٰہی کا اسم عَلَم ہے جو صرف اسی ذات کے لئے خاص ہے کیونکہ اسم مشتق ماننے کی صورت پر اس کا مفہوم کلی ہوگا مفہوم کلی کی صورت میں ضروری تھا کہ ذات مخصوصہ معینہ کو اس لفظ سے بیان نہ کیا جاتا لہٰذا قول مذکور سے لفظ اللہ کا اسم عَلَم ہونا ثابت ہوگیا البتہ رحمان و رحیم یہ دونوں لفظ کلی ہیں اور قول الحمد للہ پڑھنے کے وقت اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ میرے بندہ نے میری تحمید کی'' سے ثابت ہوتا ہے کہ مقام حمد کی مقام ذکر سے زیادہ فضیلت ہے کیونکہ مخلوقات عالم کو بیان کرنے سے پہلے اس کا ذکر کیا گیا ہے جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پیشتر فرشتوں کا ونحن نسبح بحمدک ونقدس لک کہنا ہمارے قول کی تائید کرتا ہے اور جس طرح خلق عالم سے پیشتر اگر کوئی کلام تھا تو وہ صرف الحمد للہ تھا اسی طرح فناء عالم کے وقت بھی الحمد للہ ہی کہا جائے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی تعریف بیان کرتے ہوئے فرمایا واخر دعواھم ان الحمد للہ رب العالمین نقل کے علاوہ عقل بھی ہماری مؤید ہے کیونکہ ذات الٰہی میں فکر کرنا ناممکن ہے جیسا کہ فرمان نبی علیہ السلام تفکروا فی الخلق ولا تفکروا فی الخالق مخلوقات اور موجودات عالم میں غور وخوض کیا کرو ان کے خالق میں غور وخوض مت کرو، سے ظاہر ہوتا ہے علاوہ اس کے کسی چیز میں فکر کرنے سے پیشتر یہ ضروری ہے کہ اس چیز کا ذہن میں تصور حاصل ہو ورنہ غور نہیں ہوسکتا لیکن ذات الٰہی کی کنہ کا تصور حاصل ہونا ناممکن ہے لہٰذا اس کی ذات میں فکر کرنا غیر ممکن ہوا اس کی ذات میں تو فکر ہو نہیں سکتا تو لامحالہ اس ذات کے افعال اور مخلوق میں فکر ہوسکے گا دلائل سے یہ امر ثابت ہو چکا ہے کہ بھلائی مطلوب ذاتی ہے اور برائی مطلوب عرضی تو مخلوقات اور افعال میں غور وفکر کرنے سے خالق کی رحمت وفضل اور اس کے احسانات سے بڑی آگاہی ہوگی تو لامحالہ اس وقت خالق کے احسانات اور عجائب امور کو دیکھ کر اس کا حمد وشکر بہت کیا جائے گا۔ اس بناء پر الحمد للہ رب العالمین کہا اس وقت اللہ کریم ''حمدنی عبدی'' کہہ کر گواہی دیتا ہے کہ میرے بندے نے زمین و آسمان کی عمدہ نرالی وضع بنانے میں میرے فضل واحسان کو معلوم کرلیا اور نیز یہ امر کہ میرے بندے کی زبان اس کی عقل کے بالکل مطابق اور موافق ہے تو اگر اس کے ایمانی سمندر میں غرق ہو جائے اور اس کے فضل وکرم کا دل وجان زبان وعقل اور بیان سے مقرر ہو جائے تو سبحان اللہ یہ کیسی اعلیٰ حالت ہوگی اور قول ''الرحمن الرحیم'' کہنے کے وقت اللہ تعالیٰ کہتا ہے میوے بندے نے میری عظمت بیان کی' اس پر کوئی یہ اعتراض کرسکتا ہے کہ پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم کے وقت بھی تو انسان الرحمٰن الرحیم کہتا ہے تو کیا وجہ ہے کہ وہاں پر ''میرے بندے نے میری عظمت بیان کی'' کے بجائے ''میرے بندے نے مجھے یاد کیا'' کہا حالانکہ دونوں مقام میں کچھ فرق نہیں۔ بسم اللہ کے وقت بھی ''عظمنی عبدی'' کہنا چاہئے تھا۔ جواب اس کا یہ ہے کہ کلمہ الحمد للہ سے انسان اپنی زبان سے اقرار کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بذاتہ کامل ہے اور دوسروں کو کمال بخشنے والا ہے اور ازاں بعد رب العالمین کہہ کر یہ بیان کیا کہ وہ ذات کامل ومکمل واحدہ لاشریک لہ ہے اور اس کے بعد الرحمٰن الرحیم کہنے سے یہ ظاہر کیا کہ وہ ذات بذاتہ کامل اور دوسروں کو کامل بنانے والی شریک ونظیر سے پاک ہے اس کا کوئی مثل نہیں اور نہ کوئی اس کا مخالف ہے اس کی رحمت اور فضل وکرم تمام بندوں پر وسیع ہے بلاریب انسان کی عقل وذہن فہم ووہم میں اگر الٰہی جلال وکمال کا تصور ممکن ہے تو صرف اسی مقام سے حاصل ہوسکتا ہے ورنہ نہیں اس بناء پر کلمہ ہذا کو پڑھنے کے وقت عظمنی عبدی کہا گیا اور قول ''مالک یوم الدین'' کہنے کے وقت اللہ تعالیٰ کہتا ہے میرے

Marfat.com

بندے نے میری تحمید وتقدیس بیان کی'' یعنی میرے بندے نے مجھے تمام امور وافعال مالایعنی سے منزہ اور پاک بیان کیا اس کی تفصیل یہ ہے روزمرہ دنیا میں عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ ظالموں کو ان کے تشدد وجبر کرنے کے باعث مظلوموں پر پورا تسلط حاصل ہوتا ہے طاقتور کمزور پر غالب ہے شب زندہ دار کی حالت خستہ اور کافر و بے دین بڑے آرام وعیش سے زندگی بسر کر رہا ہے مگر یہ روش ذات ارحم الراحمین واحکم الحاکمین کو زیبا و شایاں نہیں اور اگر یوم معاد اور بعث ونشر جس میں مظلوموں کو ظالموں سے انتقام دلایا جاتا عبادت کرنے والوں کو ثواب اور بے دین وکافر کو عذاب ملتا بھی نہ ہوتا تو لامحالہ اللہ تعالیٰ بہت بڑا ظالم کہلانے کا مستحق ہوتا لیکن چونکہ ایسی صورت نہیں بلکہ روز جزاء آنے والا ہے جس میں حق داروں کو ان کا حق دلایا جائے گا لہٰذا اللہ تعالیٰ کی ذات میں ظلم وتعدی کا وہم وگمان بھی نہیں ہوسکتا۔ آیت لیجزی الذین اساء وا بما عملوا ویجزی الذین احسنوا بالحسنیٰ اسی امر پر مبنی ہے اور قول حق سبحانہٗ ''میری تحمید بیان کی'' کا بھی یہی مطلب ہے یعنی میرے بندے نے مجھے ظلم وتعدی جور وتعدی سے پاک اور منزہ سمجھا اور قول ''ایاک نعبد و ایاک نستعین کے وقت اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے'' تو اس میں مسئلہ جبر وقدر کے پیچ در پیچ راز کو بیان کرنا مطلوب ہے کیونکہ ایاک نعبد سے آدمی ظاہر کرتا ہے کہ میں نے عبادت وطاعت کا اقدام کیا۔ یہاں یہ بحث پیدا ہوتی ہے کہ کیا انسان مختار کلی نہیں کیونکہ انسانی قدرت کی دو ہی صورتیں ہوسکتی ہیں یا اس میں فعل وترک دونوں کی قابلیت ہوگی یا نہیں۔ اثباتی صورت کو حق ماننے پر قدرت سے صرف فعل کا صادر ہونا اور ترک کا نہ صادر ہونا وجہ ترجیح کی موجودگی کے سوا ممتنع ہے اور وجہ ترجیح موجود ہونے کی صورت پر کیا ترجیح دہندہ خود انسان ہے یا کوئی دوسری طاقت انسان کو ترجیح دہندہ مانا جائے تو پھر اس میں وہی بحث شروع ہوگی اور دوسری طاقت اگر کوئی ہوسکتی ہے تو وہ صرف ذات باری تعالیٰ ہے اور کوئی نہیں غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ نے نفس انسانی میں ایک ایسی تحریک پیدا کر رکھی ہے جو معارض سے خالی اور جس کو کوئی روک نہیں سکتا اور اسی تحریک کا نام اعانت وتوفیق ہے اور ایاک نستعین سے یہی مقصود ہے اور نیز ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذهديتنا کا یہی مطلب ہے یعنی اے اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں ایسی تحریک کو پیدا نہ کر جو ہمیں عقائد باطلہ اور اعمال فاسدہ پر اقدام کی ترغیب دے بلکہ وهب لنا من لدنك رحمة ہمیں اپنی رحمت یعنی ایسی تحریک عطاء فرما جو ہمیں اعمال صالح اور عقائد صادقہ کی ترغیب دے اعانت واستعانت کے یہی معنی ہیں ان معنوں کو تسلیم نہ کرنے والا ہرگز ہرگز ایاک نعبد و ایاک نستعین کا مطلب بیان نہیں کر سکتا اور وہ نہیں سمجھ سکتا کہ اس کی کیا مراد ہے۔

الحاصل مذکورہ بالا تقریر سے مقولہ اللہ تعالیٰ ''هذا بيني و بين عبدي'' کی صحت معلوم ہوگئی تو اللہ تعالیٰ انسان کے دل میں تحریک خواہش وقدرت پیدا کرتا ہے اور انسان سے قدرت اور تحریک دونوں کے اثر واقع میں صادر ہوتے ہیں مضمون ہذا کسی قدر دقیق ہے غور وفکر کے بدون ذہن میں نہیں آسکتا اور قول ''اهدنا الصراط المستقيم'' کہنے کے وقت مقولہ الٰہی ''یہ میرے بندے کے لئے ہے جو کچھ دعا مانگے'' اس کا یہ مطلب ہے کہ کیا مسائل الٰہیہ اور کیا مسئلہ نبوت اور نیز آخرت کے کل مسائل کے متعلق ان کے نفی واثبات میں اختلاف چلا آتا ہے ایک نفی کا فاعل ہے تو دوسرا ان کے اثبات میں دلائل پیش کر رہا ہے غرض یہ کہ مسائل کے متعلق ہر ایک مختلف الخیال ہے کوئی بھی ایسا مسئلہ نہیں جو نزاع سے خالی ہو علاوہ اس کے شبہات واعتراضات اس قدر موجود ہیں جن کا شمار وحساب نہیں۔ بہت سے تاریک در تاریک اندھیروں کے حائل ہونے کے باعث خاص خاص اشخاص ہیں جنہیں کسی امر کی صحت کا پتہ ملا ہو ورنہ سب کے سب ان تہ بتہ اندھیروں اور رکاوٹوں کی اصل حقیقت کو معلوم کرنے سے بے بہرہ ہیں باوجودیکہ ہر شخص غور وخوض اور نظر غامض سے اصلیت معلوم کرنے کی جدوجہد کرتا ہے لیکن پھر بھی اصلیت کا راز خاص خاص لوگوں پر منکشف ہونے کی کیا وجہ ہے یہی وجہ ہے کہ ایسے لوگوں کی کوششوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اعانت اور ہدایت شامل ہوتی ہے جس کے باعث ان کی عقل صحیح نتیجہ پر پہنچتی ہے اور باطل سے علیحدہ ہو کر صداقت کے زیور سے آراستہ وپیراستہ ہوجاتی ہے جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ولكن الله حبب اليكم الايمان وزينه في قلوبكم وكره اليكم الكفر والفسوق والعصيان ورنہ اگر کسی ایک فرد بشر کو بھی ہدایت الٰہی مدد ومعاون نہ ہوتی تو یقیناً کوئی فرد ایسا نہ ہوتا جو صداقت اور اصلیت سے مزین ہوتا تو اهدنا الصراط المستقيم سے اسی خاص حالت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور نیز غور سے معلوم ہوتا ہے کہ گمراہ اور فاسق بھی ذلالت اور باطل کو پسند نہیں کرتا بلکہ اعتقاد مذہب راسخ اور امر صحیح کا طالب ہوتا ہے اس سے یہ نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر ہدایت اور راہ یابی میں انسان فعل مختار ہوتا تو ضروری تھا کہ کوئی بھی صداقت سے گمراہ نہ پایا جاتا تھا بلکہ تمام افراد انسانی خطا سے پاک اور راستی سے مزین ہوتے تو کیا فی الواقع ایسی صورت موجود ہے ہرگز نہیں بلکہ بجائے اس کے بہت سے لوگ گمراہی کے پھندوں میں جکڑے ہوئے دیکھے جاتے ہیں تو معلوم ہوا کہ اصل حقیقت اور ہدایت یابی توفیق ربانی کے ماسوا ہرگز ہرگز نہیں ہوسکتی یہاں تک کہ

Marfat.com

ملائکہ سے لے کرانبیاء تک سب کے سب اعانت الٰہی کے محتاج ہیں وہ بھی اس کی مدد کے بغیر ذرّہ بھر ہدایت یاب ہونے سے عاجز وقاصر ہیں ملائکہ نے اپنی درماندگی و بے بسی کے متعلق پکار کر کہہ دیا کہ سبحانک لا علم لنا الا ماعلمتنا انک انت العلیم الحکیم آدمؑ نے وان لم تغفرلنا لنکونن من الخاسرین سے عجز کا اعتراف کیا۔ ابراہیمؑ نے کہا لئن لم یھدنی ربی لاکونن من القوم الضالین یوسفؑ نے توفنی مسلماً والحقنی باالصالحین کی التجاء کی، موسیٰؑ رب اشرح لی صدری الخ میں ناتوانی ظاہر کرتے ہیں۔ ہمارے ہادی برحق سرورکائنات ﷺ فداء ابی وامی درگاہ لم یزلی میں یوں خواستگار ہیں ربنا لا تزغ قلوبنا بعداذھدیتنا وھب لنا من لدنک رحمۃ انک انت الوھاب توجب انبیاء اور فرشتے بدون امداد الٰہی ہدایت یابی اور منزل رسی کی طاقت نہیں رکھتے تو عوام کس شمار میں آسکتے ہیں ممکن نہیں کہ اس کی اعانت کے بغیر ہدایت پاسکیں۔ الحاصل حدیث مذکور میں بے شمار لطیف باتیں ہیں جن میں سے مختصراً چند لطائف کو بیان کیا گیا ہے۔

نوٹ:

حدیث شریف میں آیا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے عائشہ صدیقہ اللہ تعالیٰ ہدایت کو پیدا کرنے والا ہے اور میں تقسیم کرنے کے لئے آیا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے ہادی بنا کر اور ہدایت دے کر بھیجا آیت تلاوت فرمائی ھوالذی ارسل رسولہ تا آخر تو نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہدایت کو بناتا ہے اور حضور ﷺ اس کو تقسیم کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے روزازل سے جس کے لئے ہدایت کو بنایا ہے حضور ﷺ نے اس کو تقسیم کیا ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے مقرر نہیں کی حضور ﷺ نے تقسیم ہی نہیں فرمائی۔ مذکورہ بالا حدیث طبری اور بزوری مجاہدی میں درج ہے۔

فائدہ چوتھا:

حدیث مذکورہ کا چوتھا فائدہ یہ ہے کہ سورۃ الفاتحہ اور نماز کے اعمال محسوسہ یعنی قیام رکوع بعداز رکوع سجدہ اوّل قعود بعداز سجود اور سجدہ ثانی اور قعود بعداز سجدہ ثانی ان دونوں کی تعداد مساوی ہے اس کی آیات سات ہیں اور اعمال بھی سات ہیں تو معلوم ہوا کہ اعمال بمنزلۂ جسم ہیں اور سورۃ الفاتحہ اس کی روح کے ہے بدون جسم ناقص ہوتا ہے کامل اس وقت ہوتا ہے کہ اگر اس میں روح ہو تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو بمنزلۂ قیام سمجھنا چاہئے۔ جیسے کہ بسم اللہ کی (ب) اسم اللہ کے ساتھ ملنے کے باعث بلند اور کھڑی لکھی جاتی ہے نیز جس طرح بسم اللہ سے امورات کی ابتداء ہوتی ہے جیسے نبی علیہ السلام نے فرمایا کل امرذی بال لم یبداء بسم اللہ فھو ابتر اللہ تعالیٰ نے فرمایا قد افلح من تزکی وذکر اسم ربہ فصلی اسی طرح تمام اعمال کی ابتداء قیام سے ہوتی ہے تو ان وجوہ کے لحاظ سے تسمیہ اور قیام کی مناسبت معلوم ہوگئی اور الحمدللہ ربّ العالمین بمنزلۂ رکوع ہے کیونکہ مقام تحمید میں انسان کی نظر خالق اور مخلوق دونوں کی جانب ہوتی ہے اور یہ اس لئے کہ تحمید کہتے ہیں منعم کے انعامات پر ثناء کرنے کو اس وقت منعم اور انعامات دونوں کی طرف دیکھتا ہے کہ انسان کی حالت تو بدرجۂ استغراق ہوتی ہے اور نہ ابتدائی حالت بلکہ وہ ان دونوں حالتوں کی مابینی حالت میں ہوتا ہے رکوع بھی قیام وسجود کی مابینی حالت کا نام ہے نیز حمد سے انعامات کی تہبات مفہوم ہوتی ہے انعامات کی کثرت انسان کی پیٹھ کو رکوع کے لئے تختی بنادیتی ہے اور الرحمٰن الرحیم قیام بعداز رکوع کے قائم مقام ہے کیونکہ رکوع میں خضوع خشوع کرنے کے وقت ضروری ہے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے مستفید فرما کر اس کی پیٹھ کو سیدھا کردے یہی باعث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سمع اللہ لمن حمدہ کہنے کے وقت اللہ تعالیٰ انسان کو رحمت کی نظر سے دیکھتا ہے اور مالک یوم الدین کو سجدہ اولیٰ سے مناسبت ہے کیونکہ آیت ہذاء سے قہر وجلال ربانی کا نقشہ آنکھوں کے سامنے موجود ہونے کے باعث خوف پیدا ہو کر انسان کو عجز وزاری کی طرف مائل کرتا ہے اور یہی سجدہ کے معنی ہیں اور ایّاک نعبد وایّاک نستعین کو قعود بعداز سجدہ اوّل مناسبت ہے کیونکہ ایّاک نعبد سے سجدۂ اوّل میں مصروف ہونے کی خبر ملتی ہے ایّاک نستعین سے سجدہ ثانی کی توفیق حاصل ہونے کی استعداد ہوتی ہے تو اھدنا الصراط المستقیم میں چونکہ ایک اہم امر کا سوال ہے لہٰذا اپنی التجاء حاصل کرنے کے لئے خضوع وخشوع زیادہ ہونی چاہئے تھی۔ سجدہ ثانی اس خشوع وخشوع کو ظاہر کرتا ہے صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم الضالین کو قعدہ سے مناسبت ہے کیونکہ انتہائے درجہ کی تواضع کے بعد اللہ تعالیٰ نے انسان کے تواضع کو قبول فرما کر قعود بین یدیہ کا حکم دے کر اس کی تواضع کو تعظیم وتکریم سے بدل دیا اور یہ اللہ تعالیٰ کے انعامات سے عالی رتبہ انعام ہے تو انعمت علیھم سے بہت ہی مناسبت ہے اور نیز

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ نے قاب قوسین سے سرفراز ہونے کے وقت التحیات المبارکات الصلوات الطیبات للہ فرمایا تھا نماز کو مومن کی معراج کہا گیا ہے تو انسان معراج صلواتی کو جاننے کے بعد انتہائی درجہ تکریم وتعظیم پر پہنچ کر یعنی اس وقت جب درگاہ الٰہی کے سامنے دوزانو ہو کر بیٹھ جائے تو اس وقت اس کو ضروری ہے کہ وہ اپنی زبان سے انہی کلمات کو نکالے جو سرور کائنات ﷺ کی زبان سے نکلے تھے اس سے اس امر پر متنبہ کرنا مقصود ہے کہ مؤمن کی معراج (نماز) رسول اللہ ﷺ کی معراج کے سورج کی ایک کرن ہے اور اس کے سمندر سے ایک قطرہ ہے فاولئک مع الذین انعم اللہ علیھم من النبیین الخ کا یہی مطلب ہے۔

تقریر بالا سے معلوم ہو چکا کہ سورۃ الفاتحہ کی ساتوں آیتیں اعمال کے لئے بمنزلۂ روح ہیں لیکن یہ ساتوں اعمال خلقت انسانی ولقد خلقنا الانسان من سلالۃ من طین سے لے کر فتبارک اللہ احسن الخالقین کے ساتوں مراتب کے لئے بمنزلۂ روح ہیں اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ دنیا میں اجسام اور ارواح کے مختلف مراتب ہیں لیکن روح الارواح اور نور الانوار وہ ذات الٰہی ہی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وان الیٰ ربک المنتھیٰ۔

(فصل پانچویں)

(اس امر کے ثبوت میں کہ نماز کیونکر عارفوں کی معراج ہے)

رسول اللہ ﷺ کو دو (۲) قسم کی معراج ہوئی۔ معراج عالم ظاہری اور معراج عالم روحی۔ معراج عالم ظاہری میں دو معراج تھیں ایک تو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک دوسرے مسجد اقصیٰ سے لے کر بارگاہ ربانی کے بالا سے بالا درجات تک۔ اسی طرح معراج عالم روحی میں بھی دو (۲) معراج تھیں ایک تو عالم شہادت سے عالم غیب تک دوسری عالم غیب سے عالم غیب الغیب تک انہی دونوں کو بمنزلۂ قاب قوسین سمجھنا چاہئے اور یہ دونوں باہم ایک دوسرے کے متصل اور باہم ملی ہوئی ہیں جن کو رسول اللہ ﷺ نے عبور کیا۔ ''فکان قاب قوسین او ادنیٰ'' میں اسی کو ظاہر کیا گیا ہے اور (او ادنیٰ) سے آپ کی اس حالت کا پتہ ملتا ہے جس کو فناء النفس کہتے ہیں۔ عالم شہادت سے عالم غیب کی طرف جانے کا یہ مطلب ہے کہ تمام وہ اشیاء جن پر جسم کا اطلاق ہو سکتا ہے وہ سب عالم شہادت کہلاتے ہیں انہیں آنکھوں سے دیکھا جا سکتا ہے تو عالم شہادت سے عالم غیب کی طرف جانے کو الفاظ دیگر یوں سمجھنا چاہئے کہ عالم شہادت سے عالم ارواح کو تشریف لے گئے لیکن عالم ارواح بلحاظ اپنے مراتب مختلفہ کے متناہی نہیں بلکہ اس کی وسعت غیر متناہی حد تک پھیلی ہوئی ہے کیونکہ عالم ارواح کے سب سے آخری مراتب میں ارواح بشریہ کا درجہ ہے اور اس مرتبہ سے ترقی کرتے کرتے آسمان اول کے ارواح میں جا ملتا ہے ازاں بعد دوسرے آسمان کی ارواحوں میں اسی طرح ترقی کرتے کرتے مراتب عالیہ کو طے کرنے کے بعد وہ ساتوں آسمانوں کے ارواح میں جا پہنچتا ہے ان ارواح سے عبور کر کے پھر ان ارواح میں جاگزین ہوتا ہے جو درجات کرسی کے باشندے ہیں لیکن اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ سب ارواح بلحاظ درجات مساوی نہیں بلکہ ان میں بھی درجات کا اختلاف ہے تو ان سب درجات کے بعد بلند مقام پر پہنچتا ہے جو ان ملائکہ کا مسکن ہے جن کو وتری الملائکۃ حافین من حول العرش میں بیان کیا گیا ہے اس کے بعد وہ اس سے بھی زیادہ بلند مقام والوں میں پہنچتا ہے جن کی تعریف ویحمل عرش ربک فوقھم یومئذ ثمانیہ میں بیان کیا گیا ہے۔ آیت ہذاء میں عرش اٹھانے کے لئے فرشتوں کی تعداد آٹھ بیان کی گئی ہے جس میں عجیب وغریب اسرار مخفی ہیں لیکن ان اسرار کو اس مقام سے تعلق نہ ہونے کے باعث قلم بند نہیں کیا جاتا۔ لیکن ان سب کو صاحب خزینۃ القرآن نے قلم بند کیا ہے۔ اس مقام پر پہنچ کر پھر ترقی کی سیڑھیوں کو طے کرتا ہوا ان پاک ارواح میں جا ملتا ہے جن پر جسم وبدن کا اطلاق نہیں ہو سکتا اور جنہیں تسبیح وتحمید کھانے اور کو محبت الٰہی کا آب زلال پینے کو ملتا ہے ثناء الٰہی سے ان کو پیار ہے اور اسی سے مانوس رہتے ہیں۔ خدمت ربانی میں انہیں لذت ملتی ہے انہیں پاک ارواح کے حق میں ایک مقام پر فرمایا ومن عندہ لا یستکبرون عن عبادتہ دوسری جگہ فرمایا یسبحون اللیل والنھار لا یفترون لیکن ان مقدس ارواح میں تبائن درجات اور علو مراتب کا اختلاف ہے جن کا سلسلہ اس قدر غیر متناہی چلا جاتا ہے جن پر احاطہ کرنا اور ہر ایک کی صفات تفصیلیہ سے آگاہ ہونا ایسا امر ہے جو عقول بشریہ کی طاقت سے باہر ہے۔ یہ ایسا بحر ناپید کنار ہے جس میں عقل انسانی غوطہ زن نہیں ہو سکتی البتہ وفوق کل ذی علم علیم سے اس قدر ضرور معلوم ہوتا ہے کہ ترقی اور صعود کا سلسلہ جاری رہتا ہے اور بند نہیں ہوتا یہاں تک مآل کار مسبب الاسباب منور

Marfat.com

الانوار چشمۂ رحمت وفضل اور جملہ بھلائیوں کے مصدر تک جا پہنچتا ہے یعنی درگاہ لم یزلی اور حضرت ربانی کا شرف حاصل کرتا ہے وہ خاصہ صرف نبی کریم ﷺ کی ذات بابرکات کا ہے جنہوں نے اپنے سَر کی آنکھ سے مشاہدہ فرمایا۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ مجھے دو قسم کا معراج ہوا سَر کی آنکھ اور دل کی آنکھ سے۔

تقریر بالا سے معلوم ہو گیا کہ عالم ارواح کا دوسرا نام عالم غیب ہے اور جلیل سے ربوبیت کی بارگاہ غیب الغیب ہے اگر انہیں اٹھا دیا جائے تو اس کے چہرہ کی چمک دمک (جلال) سے مقابل کی سب چیزیں جل جائیں حجابات کو ستر ہزار عدد سے معدود کرنا صرف ذات نبی کریم ﷺ ہی کا خاصہ ہے کمالِ نورانیت کے ساتھ آپ ﷺ نے اپنے نورانی کمال سے طے پایا۔ مسبوقہ تقریر سے واضح ہو گیا کہ معراج کی دو (۲) قسمیں ہیں۔ (اوّل) عالم شہادت سے عالم غیب کو جانا یہ معراج آسمانی ہے۔ (دوسرا) عالم غیب سے عالم غیب الغیب کو جانا یہ سدرۃ المنتہیٰ تک ہے۔ ان دو قسموں میں تو کسی قسم کا شک نہیں اور دلائل سے ثابت ہونے کے باعث اس قدر یقینی ہیں جن میں کلام کی گنجائش نہیں۔ فقیر نے مطالعہ کیا ہے اس فصل کے مندرجہ بالا دلائل امام رازی اور صاحب خزینۃ القرآن کے ہیں بعینہٖ یہ وہی عبارت امام رازی نے اپنی تفسیر میں نقل کی ہے کیونکہ صاحب خزینۃ القرآن معراج دو قسموں میں بیان کرتے ہیں۔ (اوّل) عالم شہادت سے غیب کی طرف۔ (دوسرا) عالم غیب سے غیب الغیب کی طرف موصوف صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ دونوں اقسام میں حدیث سے استدلال کیا ہے موصوف حضرت علی کی اسناد سے مجموعۃ الاحادیث سے روایت کردہ حدیث درج کرتے ہیں۔ حضرت علی فرماتے ہیں کہ میں اور ابوبکر صدیق وعبدالرحمٰن بن عوف موجود تھے سرکار دو عالم ﷺ سورۂ نجم تلاوت فرما رہے تھے تو جب اس آیت پر پہنچے لقد رای من آیت ربہ الکبریٰ تو ابوبکر صدیق نے سوال کیا کہ یارسول اللہ ﷺ آپ کا معراج کیسے ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا میرا معراج دو (۲) قسم کا ہے۔ (۱) عالم شہادت سے عالم غیب تک اور (۲) عالم غیب سے عالم غیب الغیب تک وہ مقام کہ تمام حجابات ہٹائے گئے اور میں نے دیدار الٰہی کیا۔ جہاں ستر ہزار پردہ ہے اگر ان میں سے ایک ہٹ جائے تو ربّ تعالیٰ کے چہرہ کے جلال کی چمک دمک سے تمام عالم زمین و آسمان جل کر راکھ ہو جائے۔ حضرت علی فرماتے ہیں کہ پھر آپ (ﷺ) نے اللہ تعالیٰ کا دیدار کیسے کیا؟ فرمایا کہ میرے ربّ نے اپنی توفیق سے مجھے اپنا دیدار کرایا یہ دیدار اس عالم میں میرا خاصہ ہے اور میری ہی نسبت سے تمام مومنین عالم آخرت میں دیدار الٰہی سے مشرف ہوں گے اور یہ آیت تلاوت فرمائی وجوۃ یومئذٍ ناظرۃ الیٰ ربھا ناصرۃ فرمایا جملہ اہل اسلام کو دیدار ہو گا۔ حضرت علی فرماتے ہیں، میں نے عرض کیا کہ را من آیاتِ ربہِ الکبریٰ سے کیا مراد ہے سن لو اس سے مراد بڑی نشانی میرے لئے دیدار الٰہی ہے کیونکہ تمام عجائبات سے ربّ کا دیدار ہی بڑی اعلیٰ وعجیب نعمت تھی وہی میرے لئے مخصوص ہوئی۔ موصوف صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ الحمدللہ مذکورہ بالا آیت سے اور حدیث سے یہ ثابت ہو گیا کہ ربّ کی بڑی نشانی اس آیت سے مراد اپنے حبیب ﷺ کو دیدار کرانا ہی مقصود ہوا اور گرنہ قیامت کو اس کے دیدار کی چمک دمک کون برداشت کر سکتا ہے تو نتیجہ یہ ہوا کہ اس عالم میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو اپنا دیدار کرایا کیونکہ بتقاضاء بشری کل قیامت کو لوگ میرا دیدار نہ برداشت کر سکیں گے تاکہ میرے حبیب ﷺ کے دیدار کرنے سے ان کا حوصلہ بڑھ سکے اور ان کی مشکل آسان ہو سکے روز آخرت کو، اور حبیب خدا ﷺ نے جملہ اہل اسلام و جملہ انبیاء علیہم السلام کو آخرت میں دیدار کرنے کے لئے راہ ہموار کر دی (نتیجہ دوسرا) صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آخرت کو اپنا دیدار کرانا اہل اسلام کے لئے قطعی فرما دیا اس لئے اگر اس کے حبیب ﷺ نے دیدار نہ کیا ہوتا تو پھر قیامت کے روز حبیب ومحبّ کا امتیاز کیسے ہوتا کیونکہ اس وقت تو جملہ اہل اسلام اور انبیاء علیہم السلام نے بھی دیدار کرنا ہے اور حضور ﷺ نے بھی کرنا ہے پھر جملہ اہل اسلام و انبیاء علیہم السلام اور حبیب خدا کے درمیان کیا امتیازی فرق رہا اسی لئے قدرت کاملہ نے اس عالم میں نے اپنے دیدار کے لئے کسی کو مخصوص نہ کیا اور نہ ہی کسی میں ایسی طاقت ہے جو برداشت کر سکے تو نتیجہ یہ ہوا کہ اس عالم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرا کوئی دیدار نہیں کر سکتا کسی کو حق نہیں ہاں اس عالم میں پہلے میرے حبیب ﷺ کا حق ہے اور اس عالم میں سب سے پہلے میرے حبیب ﷺ نے ہی دیدار کیا اور عرض کی یا الٰہ العالمین میں تو تیرا دیدار کر چکا اور تیرے دیدار سے مشرف ہو چکا ہوں اور سوائے میرے کسی کی طاقت نہ تھی کہ تیرا دیدار کرے سب نعمتوں سے اعلیٰ نفع و نعمت کبریٰ تیرا دیدار ہے اے باری تعالیٰ اس عالم میں میرا حق تھا جو مجھے حاصل ہوا اور قیامت کے دن بلا حجاب میری امت اور جملہ انبیاء علیہم السلام اور میری امت اور دوسری امتوں کو اپنے دیدار سے مشرف فرمانا تو فرمایا حبیب اس عالم میں پہلے تیرا حق تھا۔ دیدار کرنا اور اب تیری سفارش کو میں نے قبول کر لیا اور قیامت کے دن تیرے ہمراہ سب انبیاء تیری امت اور دوسری امتیں بلا حجاب بلا کیف میرا دیدار کریں گی، یاد رکھو کہ آخرت میں اللہ کا دیدار ہونا بطفیل نبی کریم ﷺ ہو گا۔ سورۂ قیامت کے پہلے رکوع کی آخری آیتوں میں دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار بلا کیف بلا حجاب نص قطعی سے ثابت ہے۔ لوگ اپنے سَر کی آنکھ سے دیدار کریں گے۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ معراج کی مکمل بحث پارہ نمبر ۱۵ کے

Marfat.com

آغاز قرآن اور حدیث کی رو سے سورۂ نجم سے بیان کر چکا ہوں۔ ان شاء اللہ فقیر جب پارہ نمبر ۱۵ پر پہنچے گا تو خزینۃ القرآن سے مکمل استدلال کرے گا۔ اب انتظار کیجئے اور معراج کے متعلق کافی قطعی مسئلہ بیان ہو چکا ہے۔ امام رازی بھی حضور علیہ السلام کی سر کی آنکھ سے اللہ کا دیدار کرنا ثابت فرماتے ہیں اپنی تفسیر کبیر میں بحوالہ تفسیر خزینۃ القرآن، یہ مذکورہ بالا حدیث تفسیر مجاہدی میں بھی ہے اور تفسیر ابن عباس کے قول میں ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن ابن عباس کی اسناد سے بھی یہی حدیث درج کرتے ہیں۔ موصوف صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ کا دیدار سر کی آنکھ سے کرنا اس کے ثابت کرنے والے گروہ میں یہ لوگ ہیں: حضرت ابو بکر صدیق، سیدنا علی، سیدنا ابن عباس اور سید عبد الرحمان بن عوف و دیگر صحابہؓ یاد رہے کہ یہ تو ثابت ہو چکا تواتر سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار بلا کیف بلا حجاب ہوگا۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ حضرت علی فرماتے تھے کہ اگر اس عالم میں حضور پرنور علیہ السلام اگر اللہ کا دیدار نہ کرتے تو آخرت میں کوئی اللہ تعالیٰ کا دیدار نہ کر سکتا اسی لئے اللہ تعالیٰ نے پہلے اس عالم میں اپنے حبیب کو دیدار فرمایا تاکہ سارے عالم کے دیدار کرنے سے پہلے میرا حبیب دیدار کرے بعد میں دوسری مخلوق واہ کیسی بات ہے کہ پہلے آپ علیہ السلام کو دیدار فرمایا یہ حق آپ ہی کا تھا اور بعدۂ آپ کے طفیل دیدار کا حق مخلوق کو دیا گیا۔ قارئین پر اب مسئلہ سمجھ میں آ گیا ہوگا۔ اب فقیر اپنے مقصد کی طرف لوٹتا ہے۔

رسول اکرم علیہ السلام جب معراج میں تشریف لے گئے تو واپسی کے وقت آپ کو اپنی امت اور امیدواران درگاہ کے لئے اس مبارک سفر کا تحفہ لانا حسب دستور ضروری تھا اللہ تعالیٰ کو اسی اصول کے مطابق اپنے حبیب کو اس کی امت میں بے تحفہ دیئے واپس کرنا منظور نہ ہوا تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کو نماز کا تحفہ دے کر رخصت فرمایا کیونکہ نماز میں جسمانی اور روحانی دونوں قسم کی معراج ہیں افعال کے ذریعہ سے تو معراج جسمانی اور اذکار کی جہت سے معراج روحانی حاصل ہوتی ہے تو اے انسان تجھے یاد رکھنا چاہئے کہ معراج (نماز) میں مشغول ہونے سے پہلے طہارت کامل کر لینا چاہئے۔ کیونکہ اس وقت تجھے مقام برگزیدہ اور تبرک میں جانا ہے تیرا بدن اور کپڑے پاک ہونا چاہئے۔ اس لئے کہ یہ معمولی جگہ نہیں ہے بلکہ یہ وادی مقدس طویٰ مبارک اور بلند مقام ہے علاوہ اس کے تیرے ساتھ فرشتہ بھی ہے اور شیطان بھی ان دونوں میں ایک کو تجھے چھوڑنا چاہئے اور دوسرے کو اپنی مصاحبت میں رکھنا چاہئے لیکن ترک و اختیار میں فکر سے کام لینا ہوگا۔ تیرے پاس دین بھی ہے اور دنیا بھی۔ پس ان دونوں میں بعد غور ایک کی مصاحبت اختیار کر۔ تیرے پاس عقل و ہوس دونوں ہیں غور کر لے کہ ان دونوں میں سے کس کی صحبت تجھے اختیار کرنی چاہئے تیرے نزدیک برائی بھی ہے نیکی بھی، سچ بھی ہے جھوٹ بھی، صداقت بھی باطل بھی، حلم بھی ہے طیش بھی، قناعت بھی ہے حرص بھی، اسی طرح اور سب اخلاق متضادہ اور صفات متباینہ کو نظر میں انداز رکھنا چاہئے تو اے انسان تجھے ان صفات متضادہ میں ایک کو اختیار کرنا ہے لیکن اختیار کرنے سے پہلے تجھے دونوں پہلوؤں کا اچھی طرح فکر کرنا چاہئے۔ مفید کو اختیار کر غیر مفید کو چھوڑ کیونکہ ایک پہلو کو اختیار کرنے کے بعد اور استحکام ہو چکنے پر تجھے اس کی مفارقت اور اسے چھوڑنا مشکل و دشوار ہو جائے گا تجھے معلوم ہے کہ صدیق اکبر نے رسول اکرم علیہ السلام کی مصاحبت اختیار کی مآل کار اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دنیا و قبر و قیامت و جنت ہر جگہ میں لازم و ملزوم کی طرح آپؐ کے ساتھ ہی رہے۔ اصحاب کہف کی صحبت میں کتا رہا۔ اس کے باعث دنیا و آخرت دونوں میں ان سے جدا نہ ہوا۔ فرمان ایزدی یا ایھا الذین امنوا تقوا اللہ و کونوا مع الصادقین اسی حکمت پر مبنی ہے غرض یہ کہ اے انسان پاک و صاف ہونے کے بعد اپنے دونوں ہاتھوں کو بلند کر کے اپنے دلی میلان کو دنیا و آخرت سے ہٹا کر عقل و فہم قلب و جان ذکر و فکر سب کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کر جیسا دونوں ہاتھوں کو بلند کرنے میں اسی مضمون کی طرف اشارہ ہوتا ہے دل و جان سے متوجہ ہونے کے بعد اللہ اکبر کہنا چاہئے یعنی اس ذات کا رتبہ کل موجودات ارضی و سماوی سے بالاتر ہے وہ ذات تمام موجودات سے اعلیٰ و ارفع برتر از قیاس و گمان بلکہ مقولہ ''اللہ اکبر'' سے بھی برتر اس کی ذات ہے۔ اللہ اکبر کہنے کے بعد سبحانک اللھم و بحمدک کہنا چاہئے اس مقام پر تجھے جلال ربانی کے نور کا مشاہدہ ہوگا تسبیح سے ترقی کرتا ہوا تحمید تک پہنچنے کے بعد تجھے تبارک اسمک سے رطب اللسان ہونا چاہئے مقام ہذا پر ازل و ابد کا نور تجھے روشنی ڈالے گا اور ظاہر ہوگا کیونکہ تبارک دوام کا جس کو فناء و عدم نہیں پتہ دیتا ہے تو اس سے حقیقت ازل اور بقاء ابد کی معلوم ہو جاتی ہے بعد ازاں و تعالیٰ جدک کہہ یعنی اس ذات پاک کی صفات جلالی اس قدر کثیر ہیں جن کا شمار نہیں ہو سکتا لاتعد ولاتحصیٰ ان کی تعداد ہے اس کے بعد ولا الہ غیرک پڑھا کر یعنی وہ ذات کامل مکمل ہونے کے باعث کل صفات جلالیہ کی مالک ہے وہ منزہ ہے اس کے سوا کوئی دوسرا نہیں اور وہی معبود ہے اے انسان یہ ایسا مقام ہے جہاں عقل جواب دیتی ہے زبان میں لکنت پیدا ہو جاتی ہے فہم ہی نہیں رہتا خیال پر پراگندگی چھا جاتی ہے لہٰذا تجھے پھر اپنی ذات کی طرف لوٹ آنا چاہئے اور کہنا چاہئے انی وجھت وجھی للذی فطر السموات والارض سبحانک اللھم و بحمدک بارگاہ کے

Marfat.com

مقرب فرشتوں کا وظیفہ ہے جیسا کہ ونحن نسبح بحمدک ونقدس لک سے ظاہر ہوتا ہے نیز یہ رسول اکرم ﷺ کی بھی معراج ہے کیونکہ آپ ﷺ کے معراج کی ابتداء سبحانک اللّٰھم وبحمدک سے تھی اور وجھت وجھی تو یہ ابراہیم خلیل اللہ کی معراج ہے اور ان صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ حبیب پاک محمد رسول اللہ ﷺ کی معراج ہے غرض یہ کہ ان دونوں کلموں کے پڑھنے سے تجھے مقرب فرشتوں اور انبیاء علیہم السلام میں سے دو بڑے جلیل القدر نبیوں کی معراج حاصل ہوگی اس حالت میں خود پسندی اور تکبر پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہے لہٰذا تجھے اس کے ضرر سے محفوظ رہنے کے لئے اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم پڑھنا چاہئے۔ جنت کے آٹھ دروازے ہیں اس وقت جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ یعنی باب المعرفت تیرے لئے کھل گیا اور بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھنے سے دوسرا دروازہ یعنی باب الذکر کھل جاتا ہے۔ الحمدللہ ربّ العالمین سے جنت کا تیسرا دروازہ یعنی باب الشکر وا ہوتا ہے الرّحمٰن الرحیم پر چوتھا دروازہ رجاء کا مفتوح ہوتا ہے اور مالک یوم الدین سے پانچواں دروازہ باب الخوف کھل جاتا ہے ایّاک نعبدو ایّاک نستعین پر چھٹا دروازہ اخلاص کا جو معرفت ربوبیت اور معرفت عبودیت کے حاصل ہونے کے باعث ہوا ہے مفتوح ہوتا ہے اھدنا الصراط المستقیم سے ساتواں دروازہ امن یجیب المضطر اذا دعاہ اور ادعونی استجب لکم کا یعنی باب الدعاء والتضرع کھل جاتا ہے صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین سے آٹھواں دروازہ یعنی برگزیدہ اور پاک روحوں کی اقتداء اور اس کے نور سے ہدایت یابی کا دروازہ مفتوح ہوتا ہے۔ مذکورۂ بالا طریق کے ساتھ سورۃ الفاتحہ کے پڑھنے سے یہ فائدہ ہوا کہ جنت کے آٹھوں دروازے کھل گئے یہی مطلب ہے آیت جنات عدن مفتحۃ لھم الابواب کا تو معارف ربانی کی جنتوں کا انفتاح سورۃ الفاتحہ کی آیات کے ذریعہ سے جو بمنزلہٗ مفاتیح روحانی کے ہیں ہوگیا۔ نماز سے معراج روحانی حاصل ہونے کا یہی مطلب تھا رہی یہ بات کہ معراج جسمانی کیونکر حاصل ہوئی نماز میں اول اصحاب کہف ساتھ ہی طرح الٰہی حضور میں کھڑا ہونا چاہئے جیسا کہ فرمایا یوم یقوم الناس لرب العالمین بعد از قیام سبحانک اللّٰھم وبحمدک اور اس کے وجھت وجھی للذی فطر السمٰوات والارض پس ازیں سورۃ الفاتحہ اور اس کے بعد ماتیسر من القراٰن پڑھنا چاہئے لیکن ضرور ہے کہ واجتھد فی ان نظر من اللہ الی عبادتک حق یستحقر ھا وایّاک ان تنظر من عبادتک الی اللہ کیونکہ ایسا کرنے پر ہلاکت کا سامنا ہے ایّاک نعبدو ایّاک نستعین میں یہی تو راز مضمر ہے۔ اس وقت نفس انسانی بمنزلہ لکڑی ہے جس کو جلال ربانی کی آگ کے نزدیک رکھا گیا ہے جسے اس کی حرارت نے اس کی سختی کو نرمی میں بدل دیا ہے لہٰذا اپنے آپ کو رکوع کے لئے ٹیڑھا بنا کر اس میں سمع اللہ لمن حمدہ اور قلیل وقفہ کے بعد سیدھا کھڑا ہو جا کیونکہ دین متین میں سہولت سہل روی اختیار کرنا چاہئے اور اپنے نفس کو عبادت الٰہی میں مشقت نہیں دینی چاہئے فان المنبت لا ارضا قطع ولا ظھرا ابقی سیدھا ہو کر پھر تجھے نہایت تواضع اور عجز کے ساتھ زمین کی طرف سجدہ کے لئے جھک جانا چاہئے اور سبحان ربی الاعلیٰ کہہ کر اللہ تعالیٰ کی رفعت کو بیان کر کے دونوں سجدوں کو ادا کرنے کے بعد تو تین قسم کی طاعتوں سے سرفراز ہوا۔ ایک رکوع اور دو سجدے انہیں تین بندگیوں کے باعث تین موذی آفتوں سے محفوظ ہوگیا رکوع کے ساتھ تو شہوات کے عذاب سے رہائی ملی۔ سجدۂ اوّل سے غضب سے جو موذیوں کی مراد ہے نجات پائی سجدۂ ثانی نے ہوا وہوس سے نجات دی اور یہ ایسی ضرر رساں ہے کہ تمام مہلک امور میں پھنسا دیتی ہے ان تینوں سے نجات اور مخلصی ہو چکی تو اب مراتب علیہ تک رسائی ہوگئی اور باقیات الصالحات مملوک ہوگئیں اور زمین و آسمان کے مدبر کی حضوری نصیب ہوگئی۔ اب تجھے التحیات المبارکات الصلوات الطیبات للہ پڑھنا چاہئے التحیات المبارکات تو زبان سے صلوٰۃ بذریعہ ارکان اور الطیبات قوت ایمانی اور دل کے ساتھ ادا ہو چکی قیام ہذاء میں تیری روح کا نور صعود کرے گا ادھر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی روح مبارک کا نور نزول فرمائے گا یہاں تک کہ ان دونوں روحوں کی ایک جگہ ملاقات ہو کر روح راحت اور ریحان کا حصول ہوگا۔

نوٹ:

صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ جب انسان التحیات پڑھتا ہے تو ادھر روح محمد (ﷺ) اپنے نور سے التحیات پڑھنے والے کو اپنی نورانیت میں سمو لیتی ہے اور ہر قسم کی آفت اور موذی وسوسوں سے محفوظ رہ جاتا ہے تو وہ سرکار دو عالم ﷺ کو تصور میں حاضر سمجھے۔ یہی بات مولا علی نے فرمائی ہے۔ مولا علی فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ انسان جب التحیات پڑھتا ہے تو میرا اس پر تصرف ہوتا ہے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ چاہے کہیں بھی ہو، فرمایا چاہے مشرق میں پڑھے یا مغرب میں پڑھے تو میرا اس پر تصرف رہتا ہے میری وفات کے بعد بھی یہی سلسلہ جاری رہے گا اور میری ہی وجہ سے شرف قبولیت ہوگی اسی جملہ التحیات کو ادا

Marfat.com

کرنے سے یاد رہے امام رازی بھی اسی پر اتفاق کرتے ہیں کہ ادھر حضور ﷺ کی روح مبارک کا نورنزول فرمائے گا اوران دونوں روحوں کی ملاقات ہو جائے گی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ امام رازی بھی التحیات میں حضور ﷺ کے تصرف کو ضروری قرار دیتے ہیں اور آپ کی روح کو حاضر ناظر قرار دیتے ہیں ورنہ ایسے خیال کے بغیر نماز قبول نہ ہوگی جب تک کہ وہ حضور کا تصرف کے خیال دل میں قائم نہ کرے کہ حضور ﷺ میرے سامنے ہیں اور میری روح سے باہم ملاقات ہو رہی ہے تو یہ نتیجہ ہوا کہ حضور ﷺ کا حاضر ناظر ہونا امام رازی کی عبارت سے ثابت ہو گیا۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کی روح مثالی مجسمہ بن کر ساری کائنات کو عبور کرسکتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے میری روح میں یہ توفیق فرمائی ہے کہ مثالی بن کر بیک وقت ساری کائنات میں موجود ہوسکتی ہے جیسے چاہوں عبور کروں۔ یہ حدیث صاحب خزینۃ القرآن حضرت علی کے مجموعہ الاحادیث سے درج کرتے ہیں اور علامہ عبدالرزاق ابو ہریرہ کی اسناد سے پھر امام جعفر صادق ابوبکر صدیق وعمر کی اسناد سے اسی فصل یعنی الصلوٰۃ المعراج المومنین میں صاحب خزینۃ القرآن جلد نمبر ۳ صفحہ ۲۸۰۹ میں درج کرتے ہیں۔ امام محمد غزالی یہی حدیث اپنی کتاب فضائل البرکات فی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں درج کرتے ہیں اور امام رازی اپنے ایک رسالہ میں یہی حدیث درج کرتے ہیں رسالہ کا نام نور المومنین ہے جو مطبوعہ دہلی ہے ایسی نعمت کے حصول پر ضرور ہے کہ سرور کائنات کی روح مبارک کو سلام کا تحفہ پیش کیا جائے لہٰذا تجھے **السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ** کہنا چاہئے اس کے جواب میں حضور ﷺ فرمائیں گے **السلام علینا وعلی عباداللہ الصالحین** امام رازی کی اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضور ﷺ اس جملہ کو سننے کے بعد ہی جملہ **السلام علینا** فرمائیں گے صاحب خزینۃ القرآن امام محمد ابن علی بن حسین کا قول نقل کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے سنا انہوں نے حضرت عبداللہ ابن عمر و ابو ہریرہ سے سنا کہ جب کوئی التحیات پڑھتا ہے تو **السلام علیک ایھا النبی** کہتا ہے تو رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ میں یہ جملہ سنتا ہوں اور اس کا جواب دیتا ہوں چاہے وہ کسی کونے سے سلام کرے پھر فرمایا شرق سے غرب تک حتیٰ کہ کسی کونے سے بھی ہو۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں اسی ضمن میں ص ۲۸۱۴ پر فرماتے ہیں۔ سوال کہ نماز کے بعد ویسے حضور ﷺ پر کیسے سلام بھیجے **الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ** یہ کہے کہنا درست ہے؟ فرماتے ہیں صحابہ کے زمانے میں بھی حضور کے سامنے یہی جملہ صحابہ ادا کرتے تھے حضرت علی اپنے مجموعہ الاحادیث میں تحریر کرتے ہیں کہ میں رسول کریم کے ساتھ ایک دن عصر کی نماز کے بعد ہمرکاب ہوا۔ جب حضور ﷺ نے سیر کرنے کا ارادہ فرمایا، فرمایا اے علی **قل سیروفی الارض** کے ماتحت میں بھی اونٹنی پر سرکار کے ساتھ ہمرکاب تھا، مدینہ سے نکل کر طائف کی جانب روانہ ہوئے کچھ سفر کرنے پر جنگل شروع ہو گیا تو اس میں سب پہاڑ ہی پہاڑ تھے لیکن جب پہاڑوں کی حدود شروع ہوئی تو میرے کان میں یہی الفاظ سنائی دیئے **الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ** میں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہاں انسان تو کوئی نہیں لیکن آواز کہاں سے آرہی ہے فرمایا کہ تجھے معلوم نہیں کہ یہ پہاڑ مجھ پر درود وسلام پڑھ رہے ہیں اور ہر وقت ان سے یہی صدا آتی رہے گی۔ میں نے عرض کیا، **لنا حقّ علیک صلی اللہ علیک وسلم یا رسول اللہ قالؐ صلی اللہ علیہ وسلم نعم کنت یا رسول اللہ بعد کنت سُو قالؐ النبی صلی اللہ علیہ وسلم واجب لھم علی صلی اللہ علیہ وسلم علیک یا نبی اللہ** اسی جملہ سے ثابت ہوا کہ بعد والے لوگوں کے لئے بھی ایسا پڑھنے کا حکم صادر ہوا صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں نیز حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے **ان اللہ وملئکۃ یصلون علی النبی** تا آخر آیت حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو مجھ پر درود شریف پڑھنے کا حکم فرما رہا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس میں شامل ہے تو مذکورہ بالا آیت سے اور اس حدیث سے ثابت ہو گیا کہ درود وسلام پڑھنا ضروری اور واجب ہے نیز صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ آیت پر عمل کرنا اسی پر اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ ساری عمر میں ایک بار درود وسلام پڑھنا فرض ہے اس آیت سے ایک بار درود وسلام فرض ہے دوسری بار عمر میں پڑھنا واجب اور تیسری بار پڑھنا سنت اور پھر مستحب ہے فرماتے ہیں کہ ان پر تعجب ہوتا ہے کیونکہ یہاں لفظ ان استعمال ہوا ہے نحویوں کے نزدیک ان مشابہ فعل ہے اور جس جملہ پر بھی اس کی دلالت ہو تو وہ جملہ دائمی ہو جاتا ہے جملہ چاہے ماضی ہو یا مستقبل ہو تو لفظ **اِنّــا** کے ہونے سے جملہ دائمی ہو گیا تو حکم کا اطلاق بھی دائمی ٹھہرا تو نتیجہ یہ ہوا کہ ان کا خیال مہمل ہے آیت پر ہر وقت عمل اسی پر قائم ہے جس جملہ ان جس پر ہو تو کلام کو تام کر دیتی ہے۔ لفظ ان کا داخل ہونا جملہ کے لئے تام ہے تو نتیجہ یہ ہوا جب جملہ تام ہوا تو کلام بھی تام ہوا، اس مقولہ سے کیا اب اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ پر رحمت وسلام نہیں فرما رہا تو اس سے اگر جملہ کو کلام تام نہ کہا جائے تو پھر تو یوں ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت وسلام اپنے حبیب پر نہیں یہ لغو خیال ہے۔ موصوف فرماتے ہی کہ اس آیت کو دیکھئے **والسلام علیّ یوم ولدو یوم یموت** یہاں ''و'' کی تخصیص ہے کیونکہ یہاں تو صرف سلام پیدائش کے دن کے لئے اور مرنے کے دن کے لئے، دوبارہ زندہ ہونے کے دن کے لئے تو اگر اسی پر ہی ختم کر دیا تو کیا خ اللہ تعالیٰ کے لئے اس

Marfat.com

وقت کہنے کو دشوار ہے یہ تو بالکل محال ہے بات ہو رہی تھی کہ جملہ انّ اللہ وملٰئکتہ تا آخر جملہ کلام تام ہے اور اس کلام کا تسلسل لا متناہی ہے۔ حدیث شریف صاحب خزینۃ القرآن حضرت علی کے مجموعہ الاحادیث سے درج کرتے ہیں حضرت علی فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ فرماتے تھے کہ مجھے درود وسلام کا تحفہ پسند ہے کیونکہ قیامت کے دن ساری مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تحفہ سلام ہوگا اس سے بڑھ کر اعلیٰ تحفہ کوئی نہیں۔ حضرت علی نے سوال کیا کہ آپ (ﷺ) کی وفات کے بعد بھی درود وسلام ہے فرمایا ہاں جہاں سے بھی وہ پڑھے گا میں اپنی قبر میں سنوں گا اور جواب دوں گا حتی کہ وہ مجھے اپنے قریب پائے گا۔ یہ حدیث امام غزالی نے بھی فضائل البرکات فی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں درج کی ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ امام جعفر صادق فرمایا کرتے تھے کہ جب بھی حضور کا نام لو درود وسلام پورا پڑھو یہ حضور ﷺ کے لئے تحفہ ہے اور آپ ﷺ کو پکارو تو ادب سے اور درود وسلام پڑھتے ہوئے آپ (ﷺ) کا نام لو۔ آپ جب بھی حضور ﷺ کا نام لیتے تو آنکھیں اشکبار ہو جاتیں اور یہ آیت تلاوت فرماتے تھے لاتجعلوا دعاء الرسول پارہ نمبر ۱۸ سورۃ نور کی آخری آیت اس آیت سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے محبوب کے نام کو ایسے نہ پکارو جیسے تم اپنے بعض کو پکارتے ہو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی حضرت علی اپنے مجموعہ الاحادیث میں درج کرتے ہیں اور صاحب خزینۃ القرآن نے اپنی تفسیر میں نقل کی ہے۔ حضرت علی فرماتے ہیں کہ صحابہ کا مجمع تھا۔ حضور ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی، میری اور حضرت ابوبکر صدیق کی آنکھوں سے آنسو آ گئے اور دیگر صحابہ بھی رونے لگ گئے عرض کیا کہ ہم آپ کو کیسے پکاریں فرمایا یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم پکارا کرو اور ہر کلام اچھی کرنے سے پہلے مجھ پر درود وسلام پڑھا کرو ورنہ وہ کلام ابتر رہ جائے گی فرماتے ہیں کہ معیہ بات مضمر ہے کہ رسول اللہ کے نام شرعاً و اعتقاداً اور ادب سے پکارا جائے اور درود وسلام کے ساتھ ادب حضور ﷺ کے لئے فرض ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن علامہ عبداللہ بن عمر کی روایت درج کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جب کوئی غریب آتا تو کوئی نہ کوئی تحفہ پیش کرتے حضور (ﷺ) نے فرمایا کہ تم مجھے درود وسلام کا بہتر تحفہ دیا کرو جو مجھے دنیا کی مافیہا چیزوں سے زیادہ محبوب ہے تو میں بھی واپس تمہیں سلام کا تحفہ دوں گا پھر اس سے کوئی افضل تحفہ دینا چاہئے یا طاقت۔ ہو تو پھر وہی تحفہ دو جو تمہیں حاصل ہو فرمایا میرے لئے افضل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ بھی قیامت کے دن مخلوق کو دے گا تو حضور ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ واذا حییتم بتحیۃ (پارہ نمبر ۵ سورۃ النساء) فرمایا کہ تحۃ سے تحفہ سلام ہے پھر دوسری آیت تلاوت کی تحیتھم یوم یلقونہ سلام فرمایا کہ تحفہ اصل سلام یہی ہے باقی سب تحائف عارضی و فانی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو بھی یہی تحفہ مقبول ہے اور میں بھی یہی پسند کرتا ہوں مجھے بھی یہی تحفہ دیا کرو۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ ہمارا حق نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان کیا تو ہم اپنا ناقص تحفہ اپنی زبان سے حبیب الٰہی ﷺ کو کیوں نہ درود وسلام سے پیش کریں یہی کہا کریں۔ صلی اللہ علیک وسلم یا رسول اللہ ۔ مذکورہ عبارت اگر دیکھنی ہو تو صفحہ نمبر ۲۶۰۴ جلد نمبر ۲ سورۃ الفاتحہ فضل الصلوٰۃ معراج المومنین قسم بارہویں۔ تفسیر خزینۃ القرآن، فقیر اب یہ کہتا ہے کہ درود وسلام ہم پڑھتے ہیں دیکھئے ہمارے مقدمین مفسرین کا بھی یہی عقیدہ تھا۔ صاحب خزینۃ القرآن کے متعلق امام غزالی" اپنی کتاب فضائل البرکات فی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں فرماتے ہیں کہ موصوف جیسا محقق مدقق شاید ہی کوئی ہوسکے، مشکل ہے۔ موصوف بے مثال مفسر اعظم ہیں مجھے رسول اللہ ﷺ مجھے خواب میں فرمایا ہے کہ اے غزالی تمہیں کسی مسئلہ کی ضرورت ہو تو میرے بیٹے کی تفسیر خزینۃ القرآن پڑھ لیا کیونکہ اس میں رموز کا بے بہا سمندر ہے اور ہر مسئلہ کی وضاحت ہے اس تفسیر کو لکھنے کا میں نے خود حکم دیا ہے اپنے بیٹے کو۔ اسی بات کو صاحب خزینۃ القرآن مقدمہ کی تیسرے جلد کے آخری صفحہ پر فرماتے ہیں کہ میں تفسیر خود بخود نہیں لکھ رہا مجھے سرکار (ﷺ) نے خود حکم فرمایا ہے میں نے عرض کیا کہ نادان میری زبان ناقص ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کلام ازلی و کامل ہے میں کیا لکھ سکوں فرمایا لکھو اور اپنا منہ کھول۔ آپ ﷺ نے میرے منہ میں اپنا لعاب مبارک طیب ومعطرہ میرے منہ میں ڈالا اور میرے سینے میں علوم کے سمندر رہو گئے۔ لعاب ہی کی بدولت فرماتے ہیں کہ مجھے حضور ﷺ کی زیارت اکثر ظاہری ہوا کرتی تھی جب بھی میں تفسیر لکھتا تھا اور مجھے حاضری ہو جاتی تھی جب بھی تفسیر لکھنے کا حکم فرمایا، فرمایا بیٹا تو تفسیر لکھ میں تیرا خود ہی خیال کروں گا فرماتے ہیں کہ اب مجھے کیا پرواہ کہ جب میرے نگہبان حبیب مصطفیٰ ﷺ ہیں۔ دُعا کرتے ہیں کہ اے اللہ جو کچھ میں تیرے کلام کے ماتحت لکھوں اسے ساری مخلوق کے لئے نفع فرمانا کہ وہ اس سے فائدہ اٹھائیں اور میری غلطیوں پر عفو ودرگزر فرما۔ نتیجہ بالا یہ ہوا کہ مفسر اعظم موسیٰ المبرقعہ محمد رسول اللہ نے تفسیر لکھی اور موصوف کو تفسیر لکھنے کا حکم فرمانے والی ذات محمد رسول اللہ ﷺ ہیں تو باقی اس میں کیا شک رہ سکتا ہے یہ تفسیر خزینۃ القرآن سارے عالم کے لئے نفع ہے اور تمام مفسرین کے لئے جامع ہے یہی الفاظ امام غزالی و امام رازی بھی فرماتے ہیں۔ عالم اسلام کو اس تفسیر سے استفادہ کرنا چاہئے۔ مصر سے نئی اسماء الرجال شائع ہوئی جس میں موصوف کی تفسیر کو سراہا گیا ہے اور آپ کو مفسرین کا مجتہد کہا گیا ہے کتاب اسماء الرجال فقیر کے پاس موجود ہے۔ جلد دوئم صفحہ نمبر ۴۰۶ پر موصوف کے حالات تحریر ہیں اور نیا اسماء الرجال کراچی و لاہور کے

Marfat.com

بڑے کتب خانوں میں موجود ہے۔ مزید حالات اسی کتاب سے پڑھئے۔ الحمدللہ مسئلہ صلوٰۃ والسلام بڑی قویہ دلائل سے ثابت ہوگیا یہ محبت کی بات ہے کہ کوئی پڑھے یا نہ پڑھے لیکن درود وسلام واجب ہے۔

سوال: مسلک اہل سنت حضرت محمد ﷺ کا نام مبارک آنے پر انگوٹھے چومتے ہیں کیا اس کے بارے میں چومنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: حضور ﷺ کے نام مبارک کو چومنا بتقاضا محبت ہے اور لوگ اسے بدعت کہتے ہیں اور بدعت کی بھی کئی اقسام ہیں لیکن وہ بدعت جس کے متعلق فرمان رسالت ہے کل بدعة ضلال و کل ضلالة فی النار یاد رہے کہ اس حدیث کے لفظ ضلال سے مراد گمراہی ہے جو آگ جہنم کی طرف لے جاتی ہے اور وہ بدعت جو دین میں نئی رائج کی جائے جس سے دین کو نقصان پہنچے بھلا دیکھئے یہ تو حضور ﷺ کے نام کو چومنا ہے اس میں کیا نقصان ہے بلکہ فقیر تو کہے گا کہ اگر کوئی اسے نفع سمجھ کر چومے تو نفع ہے۔

مثال:

حجر اسود کو لوگ بوسہ دیتے ہیں حالانکہ وہ بوسہ دینا بوسے لینے والے کے لئے نفع ہے اگر اس کا بوسہ نہ لے تو حج کا رکن خالی رہ جائے گا؟

سوال: اس کے لئے تو قطعی امر حدیث سے ثابت ہے تو پھر ایسا حضور ﷺ کے نام کے لئے بھی انگوٹھا چومنا بھی تو حدیث سے قطعی ثابت ہونا؟

جواب: جی ہاں! یاد رہے کہ سنگ اسود کا مقابلہ حضور ﷺ کے نام سے کیسے ہوسکتا ہے وہ سنگ اسود ہے وہ اللہ تعالیٰ کا حبیب ہے تو حضور ﷺ رحمت ہیں۔ رحمت کا حکم قطعی ہو چکا ہے جو رحمت سمجھ کر چومے گا اس کا نفع ہوگا اگر نہ چومے تو اس میں حضور ﷺ کے نام کی فضیلت کم نہ ہوگی۔ آپ ﷺ کے نام کی فضیلت تو کامل و اکمل ہے لیکن یہ تو انسان فقط اپنے لئے ہی نفع کمانا ہے حدیث میں ہے حضرت بلال نے اذان کہی اور جب حضور ﷺ کا نام مبارک آیا تو حضرت ابوبکر صدیق نے اپنے انگوٹھے کو چوما تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس نے میرے صدیق کی سنت کو پورا کیا قیامت کے دن میں اسے اپنے قریب لا کھڑا کروں گا۔ یہ حدیث تفسیر جلالین جلد دوئم صفحہ نمبر ۴۶۴ حاشیہ پر ہے بعض لوگ اس حدیث کو ضعیف کہتے ہیں لیکن ضعیف حدیث بھی فضائل اعمال میں مقبول ہے۔ امام دارقطنی کے استاد اپنی کتاب الفردوس میں یہی حدیث درج کرتے ہیں ابن مغفل کی اسناد سے لیکن انہوں نے بھی ضعیف کہا ہے لیکن عرض کر چکا ہوں کہ ضعیف حدیث بھی فضائل اعمال میں مقبول ہے۔

سوال: انگوٹھے چومنے کی حضور ﷺ کے نام سے کیا نسبت ہے حالانکہ حضور ﷺ کا نام پاک ہے اور انگوٹھے ناپاک ہیں تو کیسے نسبت ہوئی؟

جواب: فقیر کہتا ہے انگوٹھے کیا انسان کا تو سارا جسم ناپاک ہوتا ہے زبان بھی ناپاک ہے علامہ جامی فرماتے ہیں کہ ہمارے منہ میں ایسی زبان کہاں کہ ہم اسے ہزار بار عطر سے معطر کریں تو پھر بھی ہماری زبان حضور ﷺ کا نام لینے کے قابل نہیں۔ ہماری زبان بھی ناقص انگوٹھے بھی ناقص پھر کیا نسبت ہاں ہم رحمت کے طلب گار ہیں کہ جب ہمارے انگوٹھے حضور ﷺ کے نام کو چومنے کے لئے اٹھیں گے تو اللہ تعالیٰ خوش ہوگا۔ کہ یہ انگوٹھے میرے محبوب کے نام کی تعظیم کے لئے اٹھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آئے گی اللہ تعالیٰ فرمائے گا یاد رکھ کہ تیرے انگوٹھے میرے محبوب کے نام کی تعظیم کے لئے کھڑے ہوئے ہیں میں تجھے جنت کا وارث بناتا ہوں اور اعلیٰ نعمتوں سے سرفراز کرتا ہوں۔

مثال:

صحیح بخاری میں ہے کہ جب سرکار دو عالم ﷺ کی ولادت ہوئی تو ثوبیہ ابولہب کی لونڈی دوڑتی ہوئی ابولہب کے ہاں گئی کہا کہ اے ابولہب تیرے بھائی عبداللہ بیٹا محمد (ﷺ) پیدا ہوا ہے تجھے مبارک ہو وہ خوش ہوا اور انگلی کے ساتھ اشارہ کیا اور لونڈی کو آزاد کر دیا حالانکہ وہ انگلی اشارہ کے لئے کھڑی ہوئی۔ حضرت عباس کہتے ہیں کہ ابولہب مجھے خواب میں ملا میں نے پوچھا دشمن رسول تمہارا کیا حال ہے۔ اس نے کہا سات راتوں تک تو عذاب رہتا ہے اور آٹھویں رات کو عذاب ہلکا کر دیا جاتا ہے اور میری انگلی سے فوارہ جاری کر دیا جاتا ہے، نتیجہ یہ ہوا کہ ابولہب نے آپ ﷺ کی خوشی میں لونڈی کی انگلی کو اشارہ سے آزاد کیا۔ بھتیجے کی پیدائش کی خوشی، نہ کہ نبی سمجھ کر۔ یاد رہے کہ جب کافر کی خوشی اللہ تعالیٰ کو اتنی پسند آئی کہ اس کا عذاب ہلکا کر دیا جاتا ہے اور اسی انگلی سے فوارہ جاری کر دیا جاتا ہے اگر آپ ﷺ کا امتی آپ کے نام

Marfat.com

کی تعظیم کے لئے انگوٹھا کو کھڑا کرتا ہے تو کیا اس کو کوئی نفع نہ ملے گا۔

مثال:

امام مسلم عبداللہ ابن حاکم نیشاپوری کا رسالہ موصول ہوا ہے جس کا نام نور المبارک ہے اس کے صفحہ نمبر ۳۶ پر حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی اسناد سے حدیث درج کرتے ہیں کہ کافی سارے صحابہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے ایک آدمی نے آپ کی خدمت میں انار پیش کیا آپ ﷺ نے انار پر بوسہ دیا صحابہ نے عرض کیا کہ آپ اسے کیوں بوسہ دے رہے ہیں فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اس کی تعظیم کرنا ضروری ہے۔ صحابہ نے عرض کیا کہ سب سے اعلیٰ افضل اور نعمت کبریٰ اللہ کی طرف سے تو آپ ہی ہیں ہم آپ ﷺ کے نام کی تعظیم پر کیوں نہ چومیں فرمایا ہاں ایسا کرلیا کرو حالانکہ بخاری شریف میں یہ ہے فمحمد نعمت الله تو ثابت ہوگیا کہ حضور ﷺ اللہ کی نعمت کبریٰ ہیں، اللہ تعالیٰ کی ہر نعمت کی تعظیم کرنی چاہئے اور خوشی کرنی چاہئے اور لیکن زیادہ تعظیم و خوشی حضور ﷺ کی کرنی چاہئے تا کہ زیادہ فائدہ ہو کیونکہ حضور ﷺ کی ذات عظیم الشان و اعلیٰ نعمت ہے تو بس مسئلہ کو اسی پر اکتفاء کرتا ہوں فقط اتنا عرض کرتا ہوں کہ محبت کا مقام ہے جو نعمت سمجھ کر آپ ﷺ کے نام مبارک کی تعظیم کرے گا تو اس کے لئے نفع ہوگا۔ امام اعظم فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے فضائل بیان کرنے سے یا تعظیم کرنے سے یوں نہ سمجھو کہ ہم حضور ﷺ کی فضیلت کو بڑھا رہے ہیں بلکہ ہم آپ ﷺ کے نام سے ہی اپنے اعمال کو بلند کرسکتے ہیں حضور ﷺ کی فضیلت اور مقام تو اللہ تعالیٰ ہی بلند فرماتا ہے ہم جو کچھ بھی تعظیم کریں صرف اپنے ہی نفع کے لئے پس ہم سرکار ﷺ کے نام کو نعمت کبریٰ سمجھ کر چومتے اور تعظیم کرتے ہیں۔ آپ کی ذات سے پہلے مولانا روم فرماتے ہیں جس کا مفہوم یہ ہے کہ آپ ﷺ کا نام آپ کی ولادت سے پہلے نصرانی بھی چوما کرتے تھے۔ کافی دلائل سے مسئلہ ثابت ہوگیا اب فقیر اصل مقصد کی طرف آتا ہے۔

بات یہ تھی کہ اے انسان تجھے یہ برکات اور خیرات کیسے اور کس وسیلہ سے نصیب ہوئیں وہ کون سا طریق تھا جس کے باعث ایسے اعلیٰ و اشرف مقام پر پہنچا اس کا جواب ضروری تھا لہٰذا تجھے اشھد ان لا الہ الا الله واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ کہنا چاہئے چونکہ محمد رسول اللہ ﷺ کی رہنمائی اور ان کے وسیلہ سے تجھے ہدایت دی ہے لہٰذا اپنے برگزیدہ ہادی اور مرشد کی خدمت میں ہدیہ ضروری تھا لہٰذا اللّٰھم صلی علی محمد وعلیٰ اٰل محمد کی نذر پیش کرنی چاہئے۔ اے انسان تجھے معلوم ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بعد تیری ہدایت کے لئے بعثت محمد رسول اللہ ﷺ کی التجاء کی تھی تو تجھے اس کے عوض میں کما صلیت علی ابراھیم وعلیٰ اٰلِ ابراھیم کہنا چاہئے۔ یہاں پر ایک سوال ہوسکتا ہے کہ کیا ان بھلائیوں اور سعادتوں کے جو تجھے ملی ہیں مصدر و مخزن محمد رسول اللہ ﷺ یا ابراہیم علیہ اسلام لہٰذا اوّل ابراہیم کے بعد انک حمید مجید یعنی ان سب سعادتوں کا عطا کرنے والا حمید و مجید ہے۔

نوٹ:

سب برکتیں اور سعادتیں حضور ﷺ کے طفیل ملیں۔ آپ نہ ہوتے تو کائنات نہ ہوتی یہاں امام رازی نے عقل سے کام لیا ہے کیونکہ ابراہیم علیہ السلام نے ہی تو آپ ﷺ کے آنے کے لئے استدعاء کی بس یہی نتیجہ افضیلت کا ہے۔

اس قسم کے مجاہد اور ثناء کرنے سے اللہ تعالیٰ فرشتوں کی مجلس میں انسان کا ذکر کرتا ہے جب حدیث قدسی سے ظاہر ہوتا ہے جس کا مضمون یہ ہے بندہ جس وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بڑی اعلیٰ جماعت میں اس کو یاد کرتا ہے غرض یہ کہ اس وقت فرشتوں کے دلوں میں اس شخص کی زیارت کا شوق پیدا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرمایا ہے کہ اے بندے آسمانوں کے فرشتے تیری زیارت کے مشتاق ہیں اور تیری قربت کی خواہش رکھتے ہیں، اس وقت وہ تیرے پاس ہیں لہٰذا ان سے سلام علیک میں پیش قدمی کرنی چاہئے تا کہ تیرا نام سابقین میں لکھا جائے اس وقت بندے کو اپنے دائیں اور بائیں منہ پھیر کر السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہنا چاہئے یقیناً دخول جنت کے وقت تیرے دروازے سے فرشتے آئیں گے اور السلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار) سے مخاطب ہوں گے۔

Marfat.com

(فصل چھٹی)

(الفاظ عظمت و کبریاء کی تحقیق میں)

بلحاظ وسعت و عظمت مکان و زماں کا پیمانہ دیگر تمام مخلوقات سے بڑھا ہوا ہے اور ہیت انداز مکان نام ہے غیر متناہی فضاء اور خلاء کو زمان کہتے ہیں اس موہوئی امتداد کو جو عالم ازل کی ظلمات سے نکل کر ابد تک پھیلی ہوئی ہے یا یوں کہنا چاہئے کہ وہ نہر ہے جو ازل کے پہاڑوں سے نکل کر ابد میں جا ملی ہے نہ تو مبداء کی شناخت ہے اور نہ اس کے جائے استقرار کا علم حاصل ہو سکتا ہے تو معلوم ہوا کہ اوّل و آخر ہونا زماں کی صفتیں ہیں اور ظاہر و باطن ہونا صفات ہیں مکان کی اور ان چاروں کو مکمل کرنے والا الرّحمٰن الرّحیم ہے غرض یہ کہ ذات سبحانی مکان کے ظاہر و باطن کو اور زمان کے اول و آخر دونوں کو احاطہ کئے ہوئے ہے تمہید ہذا کو ذہن نشین کرانے کے بعد فقیر یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے عرش بھی ہے کرسی بھی تو اس نے کرسی کو مکان کے ساتھ چسپاں کر دیا جیسا کہ وسع کرسیه السمٰوات و الارض سے ظاہر ہوتا ہے ۔صاحب خزینۃ القرآن دلائل دے رہے ہیں اور انہیں کے دلائل تفسیر کبیر اور سلبی نے بھی نقل کئے ہیں اور صاحب خزینۃ القرآن کو اس معاملے میں اپنا امام مانتے ہیں ۔ صاحب امام سلبی کہتے ہیں کہ تفسیر خزینۃ القرآن تمام تفسیروں کی جامع ہے اور سارے مفسرین موصوف کو امام مانتے ہیں ۔اور عرش کو زمان کے ساتھ وابستہ کر دیا جیسا کہ فرمایا وکان عرشهٔ علی الماء کیونکہ زمانہ کی رفتار کو سیلان آب کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے تو معلوم ہوا کہ کرسی کے بعد کوئی مکان نہیں عرش کے بعد کوئی زمان نہیں ۔ اور علو کرسی کی صفت ہے جیسا کہ وسع کرسیه السمٰوات و الارض سے مفہوم ہو رہا ہے اور عظمت صفت ہے زمان کی جیسا کہ آیت فقل حسبی اللہ لا الٰه الا هو علیه توکلت و هو رب العرش العظیم سے ثابت ہوتا ہے کہ عظمت و علو دونوں کا انتہائی درجہ ذات رحمانی کے ساتھ مختص ہے جیسا کہ و لا یؤده حفظهما و هو العلی العظیم میں ظاہر فرمایا گیا ہے۔

حاصل کلام یہ کہ کمال کے مختلف درجوں میں سے دو درجوں کا نام عظمت و علو ہے باوجودیکہ ایک ہی اصل کی دو شاخیں ہیں لیکن تاہم ان دونوں میں مساوات نہیں پائی جاتی بلکہ بلحاظ رتبہ ایک ادنیٰ ہے دوسرا اعلیٰ۔

نوٹ:

یہ مذکورہ عبارت امام رازی نے اپنے عقل کے مطابق بیان کی ہے اور خزینۃ القرآن سے ملتی جلتی ہے ۔صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ کیا عظمت کا درجہ بلند ہے یا علو کا۔ دیکھئے قرآن کریم میں آیا ہے ۔و هو العلی العظیم علو کو پہلے اور عظمت کو بعد میں موصوف فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ علو سے عظمت بلند ہے اور عظمت کا درجہ بلند ہے کیونکہ معنی عظیم کو استعمال کیا گیا ہے تو امام رازی نے بجا فرمایا ہے کہ ایک درجہ اعلیٰ اور ایک ادنیٰ اور اس سے تیسرا درجہ کبیر کا ہے موصوف صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ عظیم اور کبیر کے معنی ایک ہیں لیکن رتبہ کے لحاظ سے کبیر بڑا ہے ، فرماتے ہیں کیونکہ عظمت بیان کرنے سے اور پہچاننے سے ہی معلوم ہوتی ہے اور کبیر بغیر پہچاننے یا بیان کرنے کے بغیر بھی کبیر ہوتا ہے ۔موصوف حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت علی کی اسناد سے حدیث درج کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ جماعت صحابہ میں اکثر فرماتے تھے اللہ تعالیٰ عظیم بھی ہے اور کبیر بھی اور اعظم بھی ہے اور اکبر بھی فرماتے تھے کہ اس کی عظمت بیان کرنے سے ہی محسوس ہوتی ہے لیکن اکبر تو اس کی ذات کبیر ہی ہے موصوف فرماتے ہیں کہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کبیر اس پر کیسے بولا جا سکتا ہے حالانکہ یہ تو مخلوق اور حادث کی طرف راجع ہوتا ہے ۔موصوف جواب دیتے ہیں کہ جو حادث کو بنا کر حادث کرے اور اس سے پہلے خود موجود ہو تو وہی کبیر ہوتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو و هو العلی الکبیر فرمایا اس لئے لفظ علو پہلے ہے وہ ایسا علو ہے کہ اس کے بعد کوئی نہیں ۔ وہ ایسا کبیر ہے جس کے بعد اس کے ماسواء کوئی کبیر نہیں ۔امام رازی نے بھی موصوف خزینۃ القرآن کی عبارت کو اپنی تفسیر میں بعینہٖ قلم بند کیا ہے اگر اہل دانشمند تفسیر کبیر و خزینۃ القرآن کا مطالعہ کریں تو معلوم ہو جائے گا کہ تفسیر کبیر ساری کی ساری تفسیر خزینۃ القرآن کا نچوڑ امام رازی نے بھی چیدہ چیدہ باتیں نقل کی ہیں ۔صاحب خزینۃ القرآن نے اس پر کافی بحث رقم کی ہے لیکن فقیر اس کو یہیں پر ختم کرتا ہے اور جتنا امام رازی

Marfat.com

نے تفسیر خزینۃ القرآن سے اخذ کیا میں نے بھی اتنا ہی رقم کیا ہے مگر کچھ اضافت ضرور کردی ہے ان شاء اللہ کچھ بحث عظیم کبیر کی ذالک الکتب میں جب قرآن کریم کے اسماء کو بیان کروں گا تو پھر اس پر کچھ بحث تفسیر خزینۃ القرآن سے نقل کروں گا۔ اب دوبارہ امام رازی کے دلائل کی طرف۔ علو کا درجہ ایک قوی اور کامل درجہ ہے لیکن عظمت کا پایہ اس سے بہت بڑھا ہوا ہے ان دونوں درجوں کے اوپر ایک تیسرا درجہ کبریاء ہے جیسا کہ فرمایا ''الکبریا روائی والعظمة ازاری'' بے شک تہ بند کی نسبت چادر بڑی ہوتی ہے ان تینوں صفتوں سے بالاتر صفت جلالی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ذات بلحاظ اپنی حقیقت مخصوصہ اور ہویت معینہ کے تمام مناسبات مخلوق سے پاک اور عوارضات ممکناتی سے منزہ ہے اور اسی ہویت مخصوصہ کے باعث اللہ صفت الٰہیہ کا مستحق ٹھہرا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حکم انطوا بیا ذاالجلال والاکرام میں یہی حکمت مضمر تھی۔ قرآن شریف میں فرمایا ویبقیٰ وجہ ربک ذوالجلال والاکرام دوسری جگہ ارشاد کیا فتبارک اسم ربک ذوالجلال والاکرام اصول بالا کو بیان کر کے اب میں کہتا ہوں کہ انسان بحالت نماز منجملہ ان اصحاب کے ہو جاتا ہے جن کو یریدون وجہ کے معزز خطاب سے نامزد کیا گیا ہے لیکن بارگاہ سلطانی میں حاضر ہونے سے پہلے جسم کو پاک وصاف کرنا امر لابدمنہ ہے۔ بدن پر کسی قسم کی پلیدی اور نجاست نہ ہونی چاہئے۔ طہارت کی بہت سی قسمیں ہیں۔ ایک طہارت تو یہ ہوئی کہ توبہ کے آب زلال سے گناہوں کی نجاست کو دور کردیا جائے جیسا کہ فرمان ہے یا ایھا الذین آمنوا توبوا الی اللہ توبۃ نصوحا حلال و حرام دونوں کو ترک کرنا زاہد کی طہارت ہے مقام اخلاص والوں کی طہارت یہی ہے کہ اپنے اعمال کی طرف التفات نہ کریں اور مقام محسنین والوں کی طہارت یہی ہے کہ اپنے حسنات اور احسانوں کی طرف سے نظر اٹھالیں۔ ذات باری تعالیٰ کے سواء تمام کو مسقوط النظر اور متروک القلب بنانا صدیقین کی طہارت ہے مختصر یہ کہ مقامات اور درجات کا دائرہ اس قدر بڑھا ہوا ہے کہ اگر انہیں غیر متناہی کہا جائے تو تعجب انگیز بات نہ ہوگی جیسا کہ فرمایا و اقم وجھک للدین حنیفا فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا لا تبدیل لخلق اللہ غرض یہ کہ اے انسان اگر تجھے یریدون وجہ کے معزز زمرہ کی شمویت مطلوب ہو تو تجھے لازم ہے کہ اپنے ذہن میں تمام موجودات ارضی وسماوی کو حاضر رکھ کر سیدھا کھڑا ہو جا تمام موجودات اجسامی وارواحی کو ذہن میں حاضر کرنے کا یہ طریقہ ہے کہ اپنے جسم کے کل مفردہ ومرکبہ دونوں قسم کے اعضاء کو اور نیز تمام قوائے حیوانی وشہوانی طبعی وانسانی کو ذہن نشین کر کے دنیا کے کل موجودات نباتات حیوانات اور معاون کا تصور باندھ کر ساتھ ہی اس کے دریاؤں پہاڑوں چوٹیوں کھنڈروں میدان اور ان کے کل عجائبات از قسم نباتات وحیوانات اور ذرات ہوائی کو خیال میں لا کر پھر اس سے ترقی کر کے آسمان اول کی عظمت وسعت پر نظر دوڑائی جائے اسی طرح ساتوں آسمان کے منازل کو طے کرتے ہوئے سدرۃ المنتہیٰ اور رفرف لوح وقلم۔ جنت ودوزخ عرش وکرسی ان سب پر نظر دوڑائی جائے بعد ازاں عالم اجسام سے عالم ارواح کی طرف منتقل ہو کر تمام ارواح سفلی بشری یا غیر بشری کو مسخر الذہن کر کے ان تمام ارواح کا استحضار ہونا چاہئے جن کا تعلق پہاڑوں دریاؤں سے ہو جس طرح رسول علیہ السلام نے دریاؤں اور پہاڑوں دونوں کے فرشتوں سے خطاب کیا بعد ازاں آسمان اول سے لے کر ساتویں آسمان تک کل ملائکہ کو ذہن میں حاضر کرنا چاہئے کہ خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ آسمانوں میں فرشتوں سے ایک بالشت کے برابر بھی جگہ خالی نہیں ہے۔ اس کی ہر جگہ ملائکہ سے پُر ہے کوئی بیٹھا ہوا ہے کوئی کھڑا ہوا اس کے بعد عرش کے حاشیہ نشین فرشتوں اور حاملان عرش وکرسی کو حاضر کیا جائے بعد ازاں عنان خیال کو اس عالم کی طرف پھیرا جائے جس کی بابت اللہ تعالیٰ نے وما یعلم جنود ربک الا ھو فرمایا ہے ان تمام موجودات جسمی وروحی کو حاضر وموجود فی الذہن کر کے صدائے اللہ اکبر کرنا چاہئے لیکن لفظ اللہ کہنے سے تیرا یہ منشاء ہونا چاہئے کہ اللہ وہ ذات ہے جس نے ان تمام موجودات از قسم روحانیات وجسمانیات کو وجود میں لایا اور اس کے صفات اور افعال سب کے سب کمالات سے پر اور مملو ہیں اور اکبر سے یہ منشاء ہو کہ وہ ذات مشابہت اور مشاکلت ممکناتی سے پاک بلکہ بیرون از قیاسات ومناسبات ہے اللہ اکبر کے یہی معنی ہیں۔

وجہ دوسری: یعنی اللہ اکبر کی دوسری توجیہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مستحسن وبہتر امر یہ ہے کہ انسان اس طرح اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے گویا وہ اس کی آنکھوں کے سامنے ہی ہے اور اگر علی رائے العین نہیں تو یہ سمجھے کہ میں اس کے سامنے موجود ہوں۔ اللہ اکبر کے کہنے کے یہ معنی ہوئے کہ وہ ذات مجھے نہ دیکھنے اور میرا کلام نہ سننے سے بالاتر ہے۔

وجہ تیسری: اللہ اکبر یعنی اللہ عقول واوہام مخلوقی کی رسائی سے بھی زیادہ بلند وبالا ہے علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ توحید احاطہ وہم سے باہر ہے یہ قول تفسیر خزینۃ القرآن وتفسیر طبرسی میں درج ہے۔

Marfat.com

وجہ چوتھی: اللہ اکبر یعنی وہ ذات اس قدر بلند تر ہے کہ مخلوقات کی عبادتوں اور بندگیوں سے حق عبودیت کی ادائیگی نہیں ہوسکتی ان کی عبادتیں اس کی خدمت عالی سے قاصر اور اس کی کبریائی کے مقابل میں ان کی مدح سرائیاں ہیچ اس کی صمدیت کی اصل وکنہ تک پہنچنے سے ان کے علوم عاجز اور درماندہ ہیں اے انسان اگر تیری عقل کو تمام وکمال موجودات ارواحی واجسامی کو اپنے احاطہ میں لانے کی قدرت ہوجائے تو بھی تو اپنے دل میں ہرگز ہرگز اس خیال کو بھی جگہ نہ دے کہ جلال الٰہی کے میدانوں کے مبادی کو پہنچ گیا چہ جائیکہ ان کے انتہاء اور گہراؤ تک پہنچ سکے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؂

اسامیالم تزده معرفة

ونمالذة ذكر ناها

اور حبیب پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعائیں اس مضمون سے پر ہیں آپ اکثر فرمایا کرتے تھے لا ینالک غوص الفکر تجھ تک فکر کا غوطہ نہیں پہنچ سکتا ولا ینهي اليك نظر ناظر دیکھنے والے کی نظر تجھ تک نہیں پہنچ سکتی ارتفعت عن صفت المخلوقين صفات قدرتک یعنی صفات مخلوقی سے بلند تر ہے تو اے انسان اللہ اکبر کہہ کر اپنی عقل کی آنکھ کو جلال الٰہی کی بلندی کی طرف جولان دے اور اس وقت اپنی زبان کو کلام سبحانک اللھم وبحمدک اور بعد ازیں وجهت وجهي الخ سے رطب اللسان بنا اب تجھے یہاں سے گزر کر عالم امر وتکلیف کی طرف آنا چاہئے اور سورۃ الفاتحہ کی عینک کے ذریعہ سے دنیا وآخرت کے عجائبات کو مشاہدہ کرنا چاہئے اس آئینہ کے توسل سے اسماء الٰہی اور اس کی صفات کے انوار دکھائی دیں گے اور ادیان سابقہ مذاہب ماضیہ اور کتب الٰہیہ کے رموز اور نبوی شرائع سے آگاہی ہوگی شریعت اور اس کی دونوں شاخیں حقیقت اور طریقت سے اور افکار انبیاء اور رسولوں کے درجات سے خبردار مرد ودوں اور ملعونوں اور گمراہوں کے گروہوں سے مطلع کردیں گے۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے توسل سے باغ دنیا کی سیر کرلے کیونکہ اسی ذات کے نام سے دنیا وآسمان کی موجودات کا قیام ہے الحمدللہ ربّ العالمین کے وساطت سے زاد عقبہ کو دیکھ لے کیونکہ کلمہ حمد کی برکت سے آخرت کی بنا قائم ہوئی جیسا کہ فرمایا وآخر دعواهم ان الحمدلله ربّ العالمين الرحمن الرحيم کے ذریعے سے عالم جمال یعنی رحمت وفضل اور احسان کا چکر لگا، اور مالک یوم الدین کے وسیلہ سے عالم جلال اور اس کے احوال اور اموال کو مشاہدہ کر ایاک نعبد کے باعث عالم شریعت کا مطالعہ کر ایاک نستعین کی سواری سے عالم طریقت کو پہنچ جا اهدنا الصراط المستقيم کی رہنمائی سے عالم حقیقت کا معائنہ کرنے صراط الذين انعمت عليهم غير المغضوب عليهم ولا الضالين کے طفیل اصحاب کرامات سعادت والوں یعنی انبیاء اتقیاء صدیقین شہداء وصلحاء کے درجات سے واقفیت پیدا ہوجاتی ہے غير المغضوب عليهم کے آئینہ سے فساق کے مراتب دیکھ لے اور ولا الضالين کی دوربین سے اہل شقاوت اور منافقوں گمراہوں کے درجات مختلفہ اور مراتب کثیرہ اور ان کے ہر پہلو پر نظر ڈالے لیکن ان حالات عجیبہ اور امور غریبہ سے آگاہ ہوکر ان حالات کے انجام وانتہاء سے واقف ہونے اور موجودات دنیاوی وسماوی کے حالات پر بالکلیہ آگاہ ہونے کے بیہودہ خیال کو ہرگز دل میں جگہ نہ دینا چاہئے کیونکہ یہ ایسا بحر بے پایاں ہے جس کی گہرائی تک تو کیا اس کے ابتدائی حصہ تک پہنچنا بھی محال ہے بلکہ اس وقت اے انسان تجھے حق سبحانہٗ کے کبریائی صفت سے موصوف ہونے کا اقرار کرتے ہوئے اور اپنے آپ کو ذلیل وخوار سمجھتے ہوئے اس کی درگاہ میں اللہ اکبر کی صدا بلند کرکے صفت کبریائی کا مقر ہوکر صفت عظمت کی طرف رجوع کرتے ہوئے سبحان ربّی العظیم سے رطب اللسان ہو اگر تجھے اس کی صفت عظمت کی اجزاء میں سے ایک جز کی معرفت کا شوق ہو تو یقین جان تجھ میں اس کو حاصل کرنے کی قدرت نہیں ہم پہلے بیان کرچکے ہیں کہ عظمت عرش کی صفت ہے جہاں انسانی عقول کا پہنچنا کنہ اور حقیقت عرش کو معلوم کرنا گو اس حصول میں سینکڑوں برسوں کی سعی بلیغہ اور کوشش شاقہ ہی کیوں نہ برداشت کی جائے اور آخر دنیا تک اسی دھن میں لگا رہے لیکن ہرگز اپنی آرزو میں کامیاب نہیں ہوسکتا۔ غور کا مقام ہے کہ جب الٰہی عظمت کے مقابلہ میں عظمت عرش کو قطرہ اور سمندر کی نسبت ہونے کے باوصف اس قطرہ کی ماہیت معلوم کرنے سے انسانی عقول عاجز اور قاصر ہیں تو بھلا اس سمندر کے ناپیدا کنار کی کنہ معلوم کرنا کیسے ممکن ہوسکتا ہے غرض یہ کہ اے انسان اس ارادے میں کامیابی نہیں ہوسکتی اور تیری طاقت سے بالکل باہر ہے مقام ہذا کے متعلق اس بارے میں کیوں سبحان ربّی العظيم وسبحان ربی الاعلی نہیں فرمایا گیا اور کیوں سبحان ربّی العظیم وسبحان ربی الاعلی فرمایا گیا۔ بہت سے عجیب وغریب رموز اور اسرار مخفی ہیں جن کا اس وقت قلم بند کرنا مناسب نہیں لیکن اس کے تمام اسرار ورموز دیکھنے ہوتو تفسیر خزینۃ القرآن جلد نمبر ۳ فصل عظمت وکبریائی کے بارے میں صفحہ نمبر ۲۹۰۴ دیکھیں۔ رکوع میں سبحان ربّی العظیم پڑھنے کے بعد سیدھا ہوکر بحالت قیام ان اشخاص کے حق میں جو تیری طرح قیام کئے ہوئے تیری سی حمد کررہے ہیں درگاہ

Marfat.com

صدی میں بایں الفاظ سمع اللہ لمن حمدہ التجاء کر کیونکہ اپنی ذات کے سواء دوسروں کے حق میں التجاء کرنے سے خود تیری ذات کو بھی بہت کچھ دستیاب ہوگا۔ حدیث لا یزال اللہ فی عون العبد مادام العبد فی عون اخیه المسلم کا یہی مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ اس وقت تک مددگار رہتا ہے جب تک وہ اپنے بھائی مسلمان کا مددگار رہتا ہے۔ اس پر اگر یہ کہا جائے کہ اس جگہ تکبیر کو کیوں ترک کیا گیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ تکبیر دراصل کبریاء سے ماخوذ ہے جو ہیبت وخوف کو ظاہر کرتا ہے لیکن بخلاف اس کے یہ موقع خوف دلانے کا نہیں بلکہ یہ مقام شفاعت ہے اور ان دونوں موقع کا باہم کوئی لگاؤ نہیں بلکہ ایک دوسرے کے متبائن ہیں۔ شفاعت سے فارغ ہوکر تکبیر کہہ اور صفت علوی کو یاد کر کے سبحان ربی العظیم کو زبان پر جاری کر کیونکہ سجدہ میں رکوع کی نسبت زیادہ تواضع کے باعث ذکر ہذاء میں لفظ مبالغہ یعنی اعلیٰ استعمال کیا صرف عظیم پر اکتفاء نہ ہوئی۔ روایت ہے کہ عرش کے نیچے ایک فرشتہ صرقیل نام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر وحی نازل فرمائی کہ اے فرشتے پرواز اختیار کر چنانچہ وہ پہلی پرواز میں بھی تیس ہزار برس کی مسافت اور دوسری اور تیسری پرواز میں بھی اسی قدر مسافت طے کرنے کے باوجود عرش کی ایک جانب سے دوسری جانب تک نہ پہنچ سکا دوبارہ القاء ہوا کہ اے فرشتے نفخ صور تک بھی اسی طرح اگر پرواز جاری رہے تو بھی عرش کی دوسری طرف تک پہنچنا محال ہوگا اس وقت فرشتے نے سبحان ربی الاعلیٰ کہا۔ دو سجدے وجوہ پر مبنی ہے:

وجہ پہلی: سجدہ اوّل ازل کو ظاہر کرتا ہے اور سجدہ ثانی ابد کو۔ دونوں سجدوں کے مابین قعود سے ازل وابد کی درمیانی حالت یعنی دنیا کی طرف اشارہ ہوتا ہے کیونکہ بلحاظ ازلی ہونے کے اللہ تعالیٰ کا اوّل لازوال قبلہ ہونا ہر ایک کو معلوم ہے۔ اس غرض کے لئے سجدہ اول ہوا اسی طرح بلحاظ ابدیت اس کا اخر لا آخر بعدہ ہونا معلوم ہے تو اس واسطے سجدہ ثانی ہوا۔

وجہ دوسری: کہتے ہیں کہ سجدہ اول سے دنیا کا آخرت میں فنا ہونا مراد ہے اور سجدہ ثانی سے جلال الٰہی کے ظہور پر آخرت کا فنا ہونا مراد ہے صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ سجدہ ثانی انسان کو آخرت کی طرف لے جاتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ اسی بات پر اکثر محدثین اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اتفاق ہے۔

وجہ تیسری: سجدہ اوّل تو فناء الکل فی نفسہا کا سجدہ ہے اور دوسرا سجدہ اس امر کا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب کو باقی رکھا ہے کل شیٔ ہالک الا وجهه ظاہر کرتا ہے کہ عالم ارواح اللہ تعالیٰ کا منقاد ہے جیسا کہ فرمایا الا له الخلق والامر۔

وجہ چوتھی: جس قدر ہمیں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات وصفات کی معرفت عطاء فرمائی ہے۔ سجدہ اولیٰ سے ان کا شکر ادا کیا جاتا ہے اور سجدہ ثانی عجز وخوف کو ظاہر کرتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے جلال وکبریائی کے حقوق کو پورا پورا ایفاء کرنے میں کوتاہی واقع ہونے سے خوفِ سزا اور انہیں ادا کرنے سے عاجز اور قاصر ہونے کا اظہار ہے۔ عام طور پر عظمت سے جثہ کا بڑا ہونا اور علو سے جہت کی بلندی اور کبر سے درازی مدت مراد لی جاتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ ان سب سے پاک اور منزہ ہے وہ عظیم ہے لیکن جثہ نہیں رکھتا۔ عالی ہے مگر جہت سے پاک، کبیر ہے لیکن مدت سے منزہ اور اس کی ذات میں ان امور کا وجود کیسے ممکن ہے حالانکہ وہ فرد یگانہ ہے تو جثہ کہاں اس میں جسم موجود نہیں پھر عالی بالجہت ہونا کیسے وہ جہت سے پاک ایسی حالت میں اس کا کبیر بالمدت ہونا کیسے ہوسکتا ہے۔ مدت ساعۃ بعد ساعۃ تغیر کو قبول کرنے والی چیز ہے اور ایسی چیز محدث ہوتی ہے اور محدث کو حادث کرنے والے کا وجود حادث شدہ چیز سے پہلے ہوتا ہے تو معلوم ہوا کہ وہ ذات کبیر بالمدت نہیں ہوسکتی اور وہ مکان سے بالا ہے مگر نہ بوساطت مکان، زمان سے پہلے ہے مگر نہ بوساطت زمان عظمت کی کبریائی اس کی کبریائی ہے اس کے علو کی عظمت اس کی عظمت ہے اس کے جلال کا علو اس کا علو ہے۔ وہ تو تخیلات کی مناسبات اور محسوسات کی مشابہتوں سے پاک ہے وہ تمام توہمات وتخیلات سے بالاتر اور مدح کرنے والوں کی مدح سے زیادہ ممدوح اور تمجید کرنے والوں کی تمجید سے زیادہ فائق ہے تو اے انسان جس وقت حس تیرے سامنے کوئی مثال پیش کرے اس وقت اللہ اکبر کا نعرہ لگا اور تیرا خیال اگر کوئی شکل پیش کرے تو سبحانک اللھم پڑھ اور تفریغ کے کیچڑ میں اگر تیری طلب کا پاؤں پھسل جائے تو وجهت وجهی للذی فطر السموٰت والارض پڑھ اگر تیری روح عزت وجلال کے میدانوں میں تیز گام ہوتی ہوئی صفات علیاء اور اسمائے حسنیٰ تک ترقی کرتی ہوئی پہنچ جائے اور سطح لوح پر مکتوبات قلم کے آثار کو دیکھے اور مقربین کی تسبیحات کو سن کر بے حس وحرکت ہوجائے تو ان احوال کو مشاہدہ کرنے کے وقت سبحان ربک رب العزة عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمدللہ رب العالمین پڑھا کر۔

Marfat.com

(فصل ساتویں)

(الحمد للہ ربّ العالمین کے نکات اور سورۂ ہذاء میں پانچ اسماء کوذکر کرنے کے فوائد کے بیان میں)

صاحب خزینۃ القرآن نے اس پر کافی بحث رقم کی ہے لیکن فقیر اس سے چیدہ چیدہ عرض کرے گا۔ اور تفسیر کبیر سے مکمل بحث کرے گا:

الحمدللہ رب العالمین میں چار نکات ہیں۔

نکتہ اوّل: رسول اکرم ﷺ سے روایت ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا حمد کرنے والے کی کیا جزاء ہے۔ جواب آیا کہ شکر کا آغاز اور انجام الحمدللہ سے ہوتا ہے اہل تحقیق اس سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں۔ امام رازی کی نظر خزینۃ القرآن پر ہے۔ عرض کروں کہ امام رازی نے خزینۃ القرآن سے کافی اقتباسات نقل کئے ہیں۔ دونوں تفاسیر کے تقابلی مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے حالانکہ امام رازی نے کافی اقتباسات تفسیر مذکورہ کے دقیق ہونے کی وجہ سے چھوڑ دیئے ہیں چونکہ افتتاح شکر الحمد للہ سے ہونے کے باعث اس کا خاتمہ بھی اسی پر کیا گیا۔ جیسا کہ فرمایا و آخر دعواھم ان الحمد للہ ربّ العالمین حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے عقل کو اپنے سابق علم کے محفوظ ذخیرہ سے پیدا کر کے علم کو اس کا نفس فہم کو اس کی روح زہد کو اس کا سر حیاء کو اس کی آنکھیں حکمت کو اس کی زبان بھلائی کو اس کے کان سلامت روی کو دل مہربانی کو اس کا فعل اور صبر کو اس کا شکم قرار دے کر بولنے کا حکم دیا۔ یہ حدیث تفسیر کبیر، تفسیر طبری، تفسیر مدارک اور تفسیر خزینۃ القرآن میں درج ہے تو اس نے اپنے کلام کو اس طرح شروع کیا، سب تعریفیں اسی ذات کو زیبا و سزاوار ہیں جس کا نہ کوئی شریک نہ ہمسر نہ مثل ہے اور وہ ذات پاک ایسی ہے جس کی عزت کے مقابلہ میں تمام اشیاء ذلیل وخوار اور محض ہیچ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کہا مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم ہے کہ میں نے کوئی چیز پیدا نہیں کی جو مجھے تجھ سے زیادہ پیاری ہو۔ علاوہ اس کے آدم علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپ نے چھینک کے وقت الحمد للہ فرمایا اور یہی آپ کا پہلا کلام تھا تمہید بالا کے بعد اب فقیر کہتا ہے کی اقسام مخلوقات سے پہلی مخلوق عقل تھی اور سب سے آخر آدم علیہ السلام پیدا ہوئے اور تمہید میں معلوم ہو چکا کہ عقل کا پہلا کلام الحمد للہ تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ تمام مخلوق کی پیدائش کا افتتاح اور انجام پیدائش بھی اسی کلمہ پر ہوا۔ ایسے حالات کے موجود ہونے سے یہ امر نہایت ضروری تھا کہ کتاب اللہ کی ابتداء بھی اسی کلمہ سے کی جاتی۔ لہٰذا قرآن مجید الحمدللہ ربّ العالمین سے شروع کیا گیا۔ علاوہ اس کے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا بھی پہلا کلام یہی تھا اور تمام انبیاء علیہم السلام کے آخری پیغمبر رسول کریم حضرت محمد ﷺ تھے تو اوّل و آخر دونوں میں مناسبت کا ہونا ضروری تھا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ پر نازل کردہ کتاب کا افتتاح الحمد للہ سے کیا۔ اسی بناء پر حمد سے دو (۲) الفاظ احمد اور محمد وضع کر کے ان دونوں کو آپ ﷺ کا نام ہونا تجویز فرمایا۔

نوٹ:

صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ یہ اللہ کی ذات کے لئے تعریفی کلمہ ہے جو ماسواء اس کے کسی اور کو لائق نہیں اور اپنے حبیب ﷺ کا نام محمد واحمد بھی اسی کلمہ سے وضع فرمایا۔ اسی واسطے آنحضرت فداہ ابی وامی نے فرمایا میں آسمانوں میں تو احمد ہوں اور زمین میں محمد یعنی ساکنان آسمان اللہ تعالیٰ کی تحمید کرتے ہیں لیکن آپ ان سب سے زیادہ تعریف کرنے والے (احمد) ہیں۔ اللہ تعالیٰ زمین کے رہنے والوں کی تعریف کرتا ہے جیسا کہ فرمایا فاولٰئک کان سعیھم مشکورا لیکن آپ سب سے زیادہ تعریف کئے گئے (محمد) ہیں۔ امام رازی کی اس عبارت سے یہ مفہوم مقصود ہے کہ حضور ﷺ کے نام محمد واحمد اللہ کی حمد کے صفاتی مظہر ہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کے یہ نام منتخب فرمائے کیونکہ حضور ﷺ ساری مخلوق سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی حمد فرماتے ہیں۔

نکتہ دوسرا: نعمت و رحمت کے حاصل ہونے کے وقت حمد کی جاتی ہے ورنہ نہیں حمد چونکہ تمام کلمات سے پہلا کلمہ ہے تو ضروری ہے تمام افعال اور احکام میں سے پہلا فعل اور حکم رحمت کا ہو اسی بناء پر فرمایا سبقت رحمتی غضبی یعنی میری رحمت غضب پر سبقت لے گئی۔

Marfat.com

نکتہ تیسرا: رسول اللہ ﷺ کا نام احمد ہے۔ جس کے یہ معنی ہیں کہ تمام حمد کرنے والوں میں سے میں زیادہ حمد کرنے والا ہوں اور چونکہ نعمت باعث ہوتی ہے حمد کی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بہ نسبت تمام کے آپ کو زیادہ انعامات ملتے تھے اور اسی طرح نزول رحمت بھی آپ پر زیادہ تھی لہٰذا فرمایا وما ارسلنک الا رحمة للعالمین۔

نکتہ چوتھا: اللہ تعالیٰ کے اسماء میں رحمان اور رحیم بھی دو (۲) نام ہیں جو رحمت سے مشتق اور مفید مبالغہ کے ہیں اسی طرح اس کے رسول کے بھی دو (۲) نام احمد اور محمد ہیں لیکن دراصل ان دونوں ناموں کا ماخذ بھی رحمت ہی ہے کیونکہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ حصول حمد کے لئے اولاً حصول رحمت از بس ضروری ہے ان دونوں میں شرط و اشروط کا تعلق ہے تو معلوم ہوا کہ احمد ومحمد دراصل ارحم ومرحوم کی جگہ ہیں علاوہ ان کے بعض روایتوں سے آپ کے تین اور نام معلوم ہوتے ہیں حمد، حامد اور محمود اب آپ ﷺ کے پانچ نام ہوئے۔ صاحب خزینۃ القرآن دواسناد کے حوالہ سے حدیث درج کرتے ہیں۔ ایک حضرت علی مجموعۃ الاحادیث سے اور دوسری علامہ عبدالرزاق حضرت عائشہ کی اسناد سے موصوف فرماتے ہیں کہ ان دونوں میں حدیث ایک جیسی ہے ترجمہ یہ ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، اے علی انا محمد انا احمد انا حمد انا حامد انا محمود فرمایا میں محمد ہوں میں احمد ہوں میں حمد ہوں میں حامد ہوں اور محمود ہوں جن میں یہ نام پانچ ہوں تو وہ رحمت مفہوم ہوتی ہے یہ پانچوں میرے نام ہیں فرمایا انا رحمة کاملة میں رحمت کامل ہوں ان پانچوں ناموں کی نسبت سے مذکورہ حدیث کی اسناد حضرت عائشہ سے بھی اسی طرح ہے علامہ امام اسحاق سلبی اسی حدیث کو اپنی تفسیر سلبی میں درج کرتے ہیں علامہ اسحاق یہی حدیث امام ظہری حضرت ابوبکر صدیق کی اسناد سے درج کرتے ہیں لیکن ان دو الفاظ کا اضافہ حضور ﷺ نے فرمایا اے ابوبکر اللہ تعالیٰ نے مجھے مجموعہ رحمت کامل بنایا جو میری رحمت ساری کائنات کے لئے عام ہے ان پانچ ناموں کی بدولت جن سے رحمت مفہوم ہوتی ہے اس کے بعد فقیر یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا نبیٔ عبادی انی انا الغفور الرحیم (حجر ۴۹) آیت ہذا میں نبی کے مخاطب رسول اللہ ﷺ ہیں جس کو عباد سے پہلے بیان کیا گیا ہے۔ عبادی کی (ی) ضمیر ہے جس کا مرجع اللہ ہے انی کی (ی) اور (انا) ان دونوں کا مرجع بھی اللہ ہی ہے الغفور الرحیم یہ دونوں صفتیں اللہ تعالیٰ کی ہیں تو آیت ہذا میں پانچ الفاظ ہیں جو ذات رحیمی وکریمی پر دال ہیں۔ قیامت کے دن جب انسان چلے گا تو رسول کریم ﷺ مع پانچ ناموں کے اس کے آگے ہوں گے اور اسماء الٰہی میں سے جو پانچ نام رحمت پر دال ہیں اس کے پیچھے ہوں گے۔ حضرت علیؓ کی اسناد سے صاحب خزینۃ القرآن حدیث درج فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ صحابہؓ کا مجمع تھا رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں رحمت ہوں قیامت کے دن جب انسان چلے گا تو میں اپنے پانچ ناموں کے ساتھ اس کے آگے ہوں گا اور اسمائے الٰہی کے پانچ اسماء جو رحمت پر موقوف ہیں وہ اس کے پیچھے ہوں گے اور اس کو کسی قسم کا غم نہ ہوگا۔ سب صحابہؓ نے شکر یہ ادا کیا کہ ہمیں کوئی غم نہیں کہ اللہ کا حبیب ﷺ اپنے کمالات وصفات والے پانچوں ناموں کے ساتھ ہمارے آگے ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ کے پانچ اسماء جو رحمت پر موقوف ہیں وہ ہمارے پیچھے ہوں گے ہم ان کی برکتوں سے محظوظ ہوں گے۔ صحابہ نے عرض کیا کہ وہ آپ کے کون سے اسماء ہیں جو انسان کے آگے ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کے کون سے اسماء ہیں جو رحمت پر موقوف ہیں اور جو انسان کے پیچھے ہوں گے فرمایا اللہ، رب، رحمٰن، رحیم، مالک اور میرے نام محمد، احمد، حمد، حامد، محمود یہ انسان کے آگے ہوں گے۔ پھر آپ (ﷺ) نے فرمایا کہ میری رحمت بکثرت ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مظہر ہے جو رحمتی وسعت کل شیئ ہے وما ارسلنک الا رحمة للعالمین سے رحمت رسول اللہ ﷺ کی کثرت مفہوم ہوتی ہے اور رحمتی وسعت کل شیئ سے اللہ تعالیٰ کی رحمت کا غیر متناہی ہونا معلوم ہوتا ہے تو عقل اس کو روا رکھتی ہے کہ ان دس بحر ہائے رحمت کے موجود ہوتے ہوئے گنہگار محروم و مایوس از رحمت چھوڑا جائے ہرگز نہیں۔

سورت ہذا میں اللہ تعالیٰ کے پانچ اسماء موجود ہیں اور ان میں بہت سے نکات مخفی ہیں:

نکتہ اوّل: سورۃ الفاتحہ میں ان امور کو بیان کیا گیا ہے جو صفات ربوبیت سے علاقہ رکھتے ہیں یعنی اللہ، رب، رحمٰن، رحیم اور مالک باقی پانچ متعلق ہیں صفات عبودیت کے یعنی عبودیت استعانت طلب ہدایت طلب استقامت اور طلب نعمت جیسا کہ فرمایا صراط الذین انعمت علیھم تو ان دونوں قسموں میں بلحاظ تعداد باہمی مطابقت پیدا ہوگئی جس کی تقریر اس طرح ہو سکتی ہے۔ انسان کہتا ہے ایاک نعبد کیونکہ تو معبود ہے۔ ایاک نستعین کیونکہ تو تربیت کندہ ہے اھدنا الصراط المستقیم اس لئے کہ تو رحمٰن ہے وارزقنا الاستقامة ہمیں استقامت کی توفیق عطا فرما کیونکہ تو رحیم ہے وانض علینا سجال نعمتک و کرمک ہمیں انعام و اکرام کا پانی دے کیونکہ تو روز جزاء کا مالک ہے۔

Marfat.com

نکتہ دوسرا: انسان پانچ چیزوں سے مرکب ہے بدن، نفس شیطانیہ، نفس شہوانیہ، نفس غضبیہ، جوہر ملکی وعقلی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے پانچواں اسماء کی شعاع کا عکس ان پانچوں اشیاء پر ڈال کر انہیں منور کر دیا اور ان کے ضرروں سے انسان کو بچایا جونہی اسم اللہ کا عکس روح ملکی وعقلی وقدسی پر نور افگن ہوا فوراً خضوع وخشوع کو اختیار کر کے اس کی اطاعت اور فرمانبرداری میں مصروف ہوگئی جیسا کہ فرمایا الا بذکر اللہ تطمئن القلوب یقین رکھ کہ اللہ کا ذکر دلوں کو مطمئن بناتا ہے۔اسم ربّ کی شعاع پڑنے سے نفس شہوانی اس قدر متاثر ہوا کہ اسے نافرمانیوں کے چھوڑنے اور مذہبی احکامات کی اقتداء کے سواء کوئی چارہ نظر نہ آیا رحمان جودو(۲) اجزاء قہر اور لطف سے مرکب ہے اسم رحمٰن کی روشنی نفس غضبیہ سبعیہ پر پڑی فی الفور اس نے اپنی خاصیت یعنی خصومت کو چھوڑ کر سلامت روی اختیار کی۔نفس شہوانیہ پر اسم رحیم کا نور پڑا تو اس نے بموجب احل لکم الطیبات پر کاربند ہو کر نرمی اختیار کی۔اور سرتابی احکام کی عادت کو ترک کر کے پاک اور مباح اشیاء اپنے استعمال میں لانے لگا اور حسب اقتضائے کثافت بدن مالک یوم الدین کے قہر کا اثر اجساد وابدان پر ڈالا تو وہ اسی وقت اس کے قہر سے متاثر اور خوف زدہ ہوگیا غرض یہ کہ انسانی ترکیب کے پانچوں اجزاء اللہ تعالیٰ کے پانچوں اسماء کی تیز روشنی سے منور ہو چکے تو فوراً جنت کے دروازے کھل گئے اور دوزخ کے دروازے بند ہو گئے تقریر بالا سے معلوم ہوگیا کہ ان پانچوں اجزاء کی ابتداء رجوع پر ہوئی ہے تو ابدان نے اطاعت قبول کرتے ہوئے ایاک نعبد کا نعرہ بلند کیا۔نفوس شہوانیہ نے اطاعت قبول کی تو بالفاظ ایاک نستعین ترک لذات اور شہوات سے روگردانی کے لئے استعانت کا خواستگار ہوا۔نفوس غضبیہ نے اطاعت اختیار کرتے ہوئے اھدنا وارشدنا علی دینک فتبتنا کی التجاء کی نفس شیطانی اطاعت قلادہ پہنے ہوئے استقامت اور دین خداوندی سے منحرف نہ ہونے کی درخواست بالفاظ اھدنا الصراط المستقیم پیش کی۔ روح ملکی قدسی نے تواضع اور خضوع اختیار کرتے ہوئے ارواح مقدسہ عالیہ مطہرہ کی صحبت اور ہم نشینی مانگی اور یہ کہا۔ صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین۔

نکتہ تیسرا: رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ اسلام کی بناء پانچ امور پر رکھی گئی ہے۔اول اس امر کا یقین کرنا کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں وہی اکیلا معبود ہے اور خاتم الانبیاء محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔دوسرے نماز پڑھنا۔تیسرے زکوٰۃ دینا۔چوتھے حج کرنا۔پنجم ماہِ رمضان المبارک میں روزے رکھنا تو اسم اللہ کے نور کی روشنی سے امر اول کا یقین حاصل ہو جاتا ہے۔رب کے پرتو سے امر ثانی کیونکہ رب ماخوذ ہے تربیت سے اور انسان کے ایمان کو نماز پرورش کرتی ہے اسم رحمٰن کے شعاع سے امر ثالث مل جاتا ہے کیونکہ رحمٰن رحمت کا مبالغہ ہے اور زکوٰۃ کا ادا کرنا صرف فقیروں محتاجوں پر مہربانی کرنے پر مبنی ہے اسم رحیم کی چمک دمک کے باعث (امر چہارم) دستیاب ہو جاتا ہے کیونکہ روزہ داری سے انسان کی بھوک کی تکلیف کا اندازہ ہو جاتا ہے تو اس وقت محتاجوں اور ناداروں کی احتیاج اور ضرورت کو رفع کرتا ہے علاوہ اس کے روزہ سے محسوسات سے لذت نہیں کر سکتا اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ موت کے وقت دنیا کی لذتوں کو چھوڑنا اسے چنداں دشوار نہ ہوگا مالک یوم الدین کی بجلی سے پانچواں امر مل جاتا ہے کیونکہ حج کا لازمی نتیجہ ترک وطن اور عیال واطفال کی مفارقت ہے سفر تو قیامت کے سفر سے ملتا جلتا ہے نیز حاجی برہنہ سر و پا اور برہنہ بدن چلتا ہے اور اسی طرح قیامت میں صورت ہوگی غرض یہ کہ حج اور سفر قیامت کے مابین بہت سی مناسبتیں اور مشابہتیں ہیں۔

نکتہ چوتھا: قبلہ کے پانچ نام ہیں ان میں سے حسِ بصری کو تو فاعتبروا یا اولی الابصار سے تادیب اور سامعہ کو الذین یستمعون القول فیتبعون احسنه کی ذائقہ کو یا ایھا الرسل کلوا من الطیبات واعملوا صالحا کی۔شامہ جس کو انی لاجد ریح یوسف لولا ان تفندون کی اور لمسی کو والذین ھم لفروجھم حافظون کی تعلیم دینی چاہئے اور ان پانچوں دشمنوں کی دشمنی سے بچنے کے لئے ان پانچوں آیتوں کی ڈھال بنانی چاہئے۔

نکتہ چھٹا: سورۃ الفاتحہ کا نصف اول تو پانچ اسماء پر مشتمل ہے جن کے انوار کا سمندر اسرار کی طرف بہہ نکلتا ہے اور نصف ثانی پانچ صفات کو شامل ہے جن کے اسرار ان انوار کے مصاعد کی طرف صعود کرتے ہیں۔نصف اول میں تو نزول ہے اور نصف ثانی میں صعود اور ان دونوں کے درمیانی حد مشترک ہے مالک یوم الدین اور ایاک نعبد کے مابین حد فاصل ہے اجمال ہذاء کی تفصیل یہ ہے کہ دنیا میں انسانی حاجات دو طرح کی ہوتی ہیں ایک ضرروں اور آفتوں سے بچنا دوم حصول منافع اسی طرح وہ حاجات جن کا تعلق آخرت سے ہے دو(۲) طرح کی ہیں۔ایک شدائد یعنی نار جہنم سے محفوظ رہنا۔دوسرا حصول منافع یعنی جنت کا ملنا تو ان سب کا مجموعہ چار ہوتا ہے لیکن ان چاروں خواہشوں سے جو اعلیٰ ہے تو وہ پانچویں حاجت ہے یعنی صرف خدمت الٰہی وطاعت سبحانی کا اس طرح آرزومند ہونا کہ اس میں خوف وامید کی بوتک

Marfat.com

نہ ہو۔نورالٰہی کے مشاہدہ کے بعد اگر کسی چیز کی آرزو ہوتی ہے تو صرف اللہ تعالیٰ کے نور ربانی کے انوار کو دیکھ کر جنت میں بھلائیوں کے ملنے کی طلب پیدا ہو جاتی ہے۔نور رحمانی کے مطالعہ سے دنیا کی بھلائیاں حاصل ہونے کی خواہش پیدا ہوگی نور رحیمی کی زیارت سے یہ امنگ پیدا ہوگی کہ دنیا کی آفتوں اور اعمال سیۂ سے محفوظ رہوں اور یہ اس لئے کہ عذاب آخرت کی بلا میں گرفتار نہ ہوں۔

نکتہ ساتواں: ممکن ہے کہ ان پانچوں اسماء کے نزول میں وہ پانچ امور بھی ملحوظ ہوں جو مشہور ذکر سبحان اللہ والحمد ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم میں بیان کئے گئے ہیں۔سبحان اللہ سے صرف ایک سورہ یعنی سبحان الذی اسری بعبدہ لیلا کا آغاز ہونا۔الحمدللہ سے صرف پانچ سورتوں کا لا الٰہ الا اللہ سے ایک سورت کی ابتداء ہوتی ہے یعنی الٓمّ اللہ لا الٰہ الا ھو، اللہ اکبر قرآن شریف میں صراحۃ کہیں موجود نہیں البتہ دو مقام میں ضمناً موجود ہے ایک مقام پر تو ذکر کا مضاف واقع ہے یعنی ولذکر اللہ اکبر دوسرے مقام پر رضوان کا مضاف واقع ہے ورضوان من اللہ اکبر لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم اللہ اکبر۔قرآن شریف میں صراحتاً کہیں موجود نہیں۔اس کا ذکر بالصراحتاً کیسے کیا جاتا ہے جبکہ اس کا محل گنجہائے جنت میں ہے۔اگر صراحتا ذکر کیا جاتا تو اس پر گنج کے لفظ کا اطلاق نہ ہوتا۔اگر صراحتاً ذکر کیا جاتا تو اس پر گنج کے لفظ کا اطلاق جائز نہ ہوتا کیونکہ گنج پوشیدہ ہوتا ہے کھلا کبھی نہیں رکھا جاتا تو یہ پانچواں جن کو سورۃ فاتحہ میں ذکر کیا گیا ہے۔پانچواں اذکار کے مابعد ہوئے اللہ مبدا سبحان اللہ کا ہے اور رب مبدا الحمدللہ کا ہے۔رحمان مبدا لاَ اِلٰہ الا اللہ کا۔کیونکہ لاَ اِلٰہ اِلا اللہ کی صفت سے موصوف وہی ذات ہو سکتی ہے جس میں کمال قدرت اور کمال رحمت کا وصف موجود ہو۔حدیث شریف میں آیا ہے امام سلمی عبداللہ بن عمرؓ کی اسناد سے حدیث درج کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس لئے معبود برحق ہے کہ وہ موجود ہے۔اس میں کمال رحمت اور جمال جلالیت موجود ہے یہ سورہ فاتحہ اللہ تعالیٰ کے پانچ اسماء سے موسوم ہے اللہ رب رحمان رحیم مالک قیامت کے دن میری امت انہیں اسماء کی برکت و رحمت سے فیض یاب ہوگی تو امام رازی کے جملہ کی تائید اسی حدیث سے ہوگئی۔امام رازی کہتے ہیں کہ رحمان کے یہی معنی ہیں۔رحیم مبداء ہے اللہ اکبر کا جس کے یہ معنی ہیں کہ اپنے ضعیف بندوں پر رحم نہ کرنے سے بالاتر ہے اور مالکِ یوم الدین مبداء ہے لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم کا۔رسول اللہ ﷺ بھی مالکِ یوم الدین کو لاحول ولا قوۃ کا مبدا فرمایا کرتے تھے تو امام رازی کی بات حق ہے اور یہ اسی لئے کہ مَلِک اور مالک کہلانے کا وہی حقدار ہو سکتا ہے جس کے ارادوں کے خلاف کوئی بھی امر افعال و اعمال کی طاقت نہ رکھتا ہو۔صاحب تفسیر خزینۃ القرآن نے اس پر کافی بحث فرمائی ہے مزید دیکھنی ہو تو تفسیر خزینۃ القرآن سے دیکھئے مگر فقیر یہیں پر اختتام کرتا ہے۔ (واللہ الہادی)

(فصل آٹھویں)

(اس امر کے ثبوت میں کہ کیوں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں تین اسماء رکھے گئے ہیں)

مذکورہ بالا کے بارے میں تفسیر خزینۃ القرآن نے کافی بحث کی ہے لیکن فقیر مختصراً بحث کرے گا۔

ان اسماء میں کئی وجوہ ہیں: وجہ پہلی: بلاشبہ یہ امر محقق ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوقات کی عقلوں کو بنا کر منور کر دیتا ہے۔رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ انسان کے دماغ میں اللہ تعالیٰ شعور پیدا کر دیتا ہے۔پھر اسے اپنی رحمت سے منور کر دیتا ہے لیکن تین صورتوں سے جلوہ دار ہوتے ہیں ایک تو یہ کہ وہ ذات اپنے افعال اور آیات کے ذریعے انہیں جلوہ دار بنا دیتا ہے۔امام رازی فرماتے ہیں دوسرے بذریعہ صفات تیسرے بوساطت ذات خود۔بعض محققین کہتے ہیں کہ عوام الناس کی عقلوں کو آیات اور افعال کے ذریعہ منور کیا جاتا ہے جیسا کہ فرمایا ومن آیتہِ الْجَوَارِ فِی الْبَحْرِ کَالْاَ عْلَامِ دوسری جگہ فرمایا ان فی خلق السمٰوات (پارہ نمبر ۴ سورۂ عمران کے آخری رکوع کی پہلی آیت کو دیکھئے) اور اولیائے اللہ کے عقلوں کو بذریعہ صفات خود فرمایا ویتفکرون فی خلق السمٰوات والارض تا آخر دیکھئے یہ بھی مذکورہ بالا رکوع میں ہے۔حدیث شریف میں ہے رسول کریم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کی عقلوں کو اپنے وصف کاملہ سے منور فرماتا ہے۔یہ حدیث کنز الاعمال میں ہے۔اور تفسیر سخاوی شریف میں ہے۔بلند پایۂ انبیاء اور ملائکہ کے سرداروں کی عقلوں کو بوساطت اپنی ذات کے روشن کرتا ہے۔صاحب تفسیر خزینۃ القرآن حضرت عائشہ

Marfat.com

کی اسناد سے ایک حدیث درج کرتے ہیں اُم المومنینؓ فرماتی ہیں کہ رسول کریم نے فرمایا کہ انبیاء اور ملائکہ کی عقل کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے مظاہر وصفات وکمالات سے روشن فرمایا ہے۔ جیسا کہ فرمایا قل اللہ ثم ذرھم تا آخر آیت پارہ نمبر ۷ تمہید بالا کے بعد اب یہ فقیر کہتا ہے کہ تمام اسماء میں سے لفظ اللہ عزوجل میں اپنی ذات کی تجلی زیادہ طاقت موجود ہے کیونکہ بلحاظ لفظ ہونے کے تمام اسماء سے زیادہ ظاہر ہے اور زیادتی بایں معنی ہے کہ اس حقیقت کے متعلق کچھ کہا نہیں جاسکتا وہ تو ظاہر بھی ہے باطن بھی جس کا انکار کسی طرح نہیں ہوسکتا اور نیز اس کے اسرار سے آگاہی نہیں ہوسکتی۔ حسین بن منصور حلاج کہتا ہے جس کے اشعار کا مفہوم یہ ہے کہ رحمان حق سبحانہٗ کی تجلی صفات میں مقید ہیں۔ یہی تو وجہ ہے کہ فرمایا قُلِ ادعوا اللہ اَو ادعوا الرّحمن تا آخر آیت پارہ نمبر ۱۵ سورۂ بنی اسرائیل آخری آیت دیکھئے۔

اللہ تعالیٰ کا نام رحیم اور حق سبحانہٗ کی تجلی بالا فعال والآیات مقید ہے۔

نوٹ:

پہلے امام رازی کی عبارت نقل کر آیا ہوں کہ امام رازی اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء کو اسم اعظم نہیں مانتے اور صرف لفظ اللہ کو اسم اعظم مانتے ہیں۔ یاد رہے کہ تفسیر خزینۃ القرآن جلد نمبر ۲ صفحہ نمبر ۵۵۶ پر موصوف رقمطراز ہیں اور حضرت علیؓ کے مجموعہ سے حدیث درج کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کا کون سا نام اسم اعظم ہے آپ ﷺ نے فرمایا اسماء الحسنیٰ اللہ تعالیٰ کے تمام نام احسن ہیں اور سارے ہی نام اسم اعظم ہیں اور سیدہ عائشہ کی اسناد سے حدیث درج کرتے ہیں سیدہ ام المومنین فرماتی ہیں کہ میں نے رسول کریم کی خدمت میں عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کا کون سا نام برکت والا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے تمام نام بابرکت اور عظمت والے ہیں تو اس حدیث سے بھی تمام نام اسم اعظم ثابت ہوئے۔ حضرت انس بن مالک کی اسناد سے حدیث درج کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء کو عظمت والے نام تصور کرو۔ حضرت عائشہ کی اسناد سے ایک اور حدیث درج کرتے ہیں۔ سیدہ ام المومنین فرماتی ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اللہ تعالیٰ کے کتنے اسماء ہیں فرمایا ایک ہزار لوح محفوظ میں ایک ہزار زبور میں ایک ہزار تورات میں ایک ہزار انجیل میں اور ایک ہزار قرآن کریم میں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے لاتعداد نام ہیں۔ صاحب خزینۃ القرآن نے (۱۰۰) سو قسم بیان کے ساتھ وضاحت کی ہے جو مدقق ہیں۔ معقول کی اصل بنیاد ہیں۔ امام رازی کے عقلیہ دلائل جو پہلے اسی ضمن میں اللہ تعالیٰ کی اسم اعظم کے متعلق جو بحث ہوئی۔ عقل کے مطابق اس کا موازنہ اگر کرنا ہو تو تفسیر خزینۃ القرآن کو پڑھئے اور عقدہ کشائی ہوگی نیز مذکورہ کتب میں جو تعداد بیان کی گئی اگر ان اسماء کو دیکھنا ہو تو تفسیر خزینۃ القرآن کا بغور مطالعہ کیجئے۔ انہوں نے ان اسماء کی تحقیق میں کافی احادیث رقم کی ہیں اب فقیر اپنے مقصد کی طرف رجوع کرتا ہے کیونکہ ربّنا وسعتَ کل شئٍ رحمةً وعلماً اسی وجہ پر مبنی ہے۔

(فصل نانویں)

(اس امر کے ثبوت میں کہ سورۂ فاتحہ میں پانچ اسماء کو کیوں شامل کیا گیا ہے)

اس سوال کا جواب کہ سورۂ فاتحہ ان پانچ اسماء پر کیوں مشتمل ہے یہ ہے کہ مخلوقات کے حالات کے درجات پانچ قسم کے ہیں۔ پہلا پیدائش۔ دوسرے مصالح دنیا کے طریق پر پرورش کرنا۔ تیسرے معرفت الٰہی میں تربیت ہو۔ چوتھے تربیت کے ساتھ ساتھ یوم معاد کی معرفت ہوتی ہے۔ پانچواں ارواح کو عالم اجساد سے دار معاد کی طرف منتقل کرنا۔ تو ان پانچوں درجوں کو مدنظر رکھ کر ان کے مقابلہ میں ایسے پانچ امور کو بیان کیا گیا۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ سورۂ فاتحہ کے پانچ نام کیوں رکھے گئے ہیں اس لئے مخلوق کی تربیت صالحیت پر معاش اور آخرت کی جانب روانگی اور حصول نفع اور آخرت کا نفع تمام نفعوں سے بہتر ہے۔ جن امور کے باعث معلوم ہو جائے کہ وہ ذات ان پانچوں درجات کو علی السبیل الاسم پورا کر رہا ہے اس میں رحمان ظاہر کرتا ہے کہ تربیت کے ساتھ ساتھ حصول معرفت الٰہی کے اسباب بھی موجود رکھے گئے ہیں رحیم سے روز آخرت کی پہچان ہوتی ہے اور یہ اسی لئے ہے کہ مالا ینبغی افعال کے ارتکاب سے فروکش رہے اور

Marfat.com

یَنبغی کا اقدام اور اس میں ملک ظاہر کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک نہ ایک دن دار دنیا سے دوسرے مسکن کی طرف لے جائے گا جس کا نام دار جزاء ہے ان مقامات پر پہنچ کر کلام کی روش کو بدل دیا۔غیبت کو چھوڑ کر کلام خطابی اختیار کر کے ایاک نعبدُ کہا جس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اے انسان چونکہ تو اسمائے حُسنی کی برکت سے پہلے محروم تھا لہٰذا تجھے بطریق غنیمت کلام کرنا مناسب تھا۔لیکن اب یہ صورت نہیں ہے بلکہ ان پانچوں اسماء سے استفادہ کرنے کے بعد آخر الامر روز جزاء کی طرف منتقل ہو گیا ہے۔اب تیسری حالت بالکل یہ ہے کہ گویا تو اللہ تعالیٰ کو سامنے دیکھ رہا ہے لہٰذا اب تجھے اس راستے سے خطاب گفتگو کرنی چاہئے۔اور ایاک نعبد و ایاک نستعین کہنا چاہئے۔جس کا مطلب یہ ہوا کہ ایاک نعبد کیونکہ تو خالق ہے۔ایاک نستعین کیونکہ تو مربی اور رازق ہے ایاک نعبد اس لئے کہ تو رحمان ہے ایاک نستعین اس لئے کہ تو رحیم ہے۔ایاک نعبد اس واسطے سے کہ تو مالک ہے۔مالک یوم الدین سے یہ معلوم ہوا کہ انسان دار دنیا سے دار آخرت کی طرف منتقل ہوگا۔پُرے گھر کو چھوڑ کر اچھے اور سرور والے گھر کو اختیار کرے گا۔کیونکہ مسافت کے لئے زاد راہ ضروری ہونا چاہئے تھا اس لئے فرمایا ایاک نعبد تیرا زاد راہ عبادت ہے۔کیونکہ انسان کمزور ہے اس کی موجودہ قوت استعداد اور اس قدر قلیل ہے جو یوم جزاء کی طول وطویل مسافت کے لئے کافی نہیں ہوسکتی۔اس غرض کے لئے ایاک نستعین وساطت استمداد چاہئے کہ اے اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت وفضل کے توشۂ خانہ سے اس قدر مسافت طویل اور دشوار گزار مسافت کیلئے زادرہ دے تاکہ اس زاد راہ سے سفر کی مسافت کو طے کر سکے اللہ تعالیٰ سے سفر کی مسافت کو طے کر سکے۔اللہ تعالیٰ سے ٹھیک راستہ کی استدعا کرے جو دشوار گزار نہ ہو اور تاکہ منزل مقصود پر پہنچا دے لہٰذا اھدنا الصراط المستقیم کی التجا کی راستہ بھی مل گیا۔لیکن رہنمائے کامل کی ضرورت تھی تو صراط الذین انعمت علیھم سے رفع ضرورت کی استدعا کی انعمت علیھم میں تمام انبیاء صدیقین شہدا صالحین کو شامل ہے۔انبیاء تو راہنما ہیں۔صدیقین کامل راستہ دکھانے والے ہیں۔شہداء اور علماء دوست ہیں چونکہ دور کاوٹوں کا اللہ تعالیٰ تک پہنچنے سے مانع ہونے کا اندیشہ باقی تھا۔ایک رکاوٹ ناری یعنی علم دنیا اور دوسری رکاوٹ نوری یعنی عالم ارواح تو اسی نے ان دونوں رکاوٹوں سے محفوظ رہنے کی غرض سے آخر پر غیر المغضوب علیھم ولا الضالین عرض کیا مبادا ان دونوں میں سے کسی ایک کے ساتھ مشغول ہو جائے سے اصل مطلب فوت ہو جائے صاحب تفسیر خزینۃ القرآن ابھی اس پر کافی بحث فرما رہے ہیں۔فقیر نے وہی دلائل اخذ کیے ہیں جو امام رازی نے کیے لیکن انہوں نے اس پر کئی فصلیں تحریر کی ہیں۔

(فصل دسویں)

سورۃ ہٰذاء دو کلموں کا مضاف ہے۔امام رازی اور صاحب تفسیر خزینۃ القرآن یہی بیان کرتے ہیں یعنی بسم اللہ اور الحمد للہ۔ بسم اللہ تو افعال کے شروع میں پڑھی جانی چاہئے۔اور اختتام افعال پر الحمدللہ کہنا چاہئے۔کہ زیادہ رحمت کا استحقاق ملتا ہے۔حدیث شریف میں آیا ہے کہ رسول کریم فرماتے ہیں کہ تمام افعال کی ابتداء میں بسم اللہ پڑھے۔اس سے رحمان کی رحمت سے استفادہ حاصل ہوگا۔اسی لئے یا رحمان الدنیا یا رحیم الاخرۃ کہا جاتا ہے۔اسی طرح سورہ ہٰذ میں الٰہی اسماء میں سے دو اسموں کو لفظ اللہ کے سوا اور لفظوں کی طرف مضاف کیا گیا ہے یعنی رب العالمین الرحمن الرحیم مالک یوم الدین تو یاد رکھنا چاہئے کہ آغاز حالت انسانی کے لئے ربوبیت ہے جیسا کہ فرمایا اَلَستُ بِربکم قالوا بلیٰ اور صفت رحمانی درمیانی حالت کے لئے انتہائی کمالات پر منحصر ہے۔جیسا کہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے لئے صفت ملکی مالک یوم الدین ہے فرمایا لِمَنِ الملک الیوم ہے صاحب تفسیر خزینۃ القرآن آگے سورۃ فاتحہ کی تفسیر بہت لمبی فرما رہے ہیں جو فقیر یہاں رقم نہیں کر سکتا۔کم از کم مزید سات سو صفحات ہیں۔آخری صفحہ کی تھوڑی سی عبارت جو جلد نمبر ۳ صفحہ نمبر ۳۰۰۰ پر ہے سورۃ فاتحہ کی جلد آخر موصوف فرماتے ہیں کہ سورۃ فاتحہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنی پاک کلام کا آغاز فرمایا ہے اور جنت میں آخری کلمہ بھی یہی ہوگا۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب یہی آخری کلمہ میری امت کا ہوگا تو اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آئے گی اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے بندے میں تیرے گناہوں کا خیر مقدم کرتا ہوں کہ تو گناہگار تھا اور میرا کلمہ الحمدللہ تو نے یاد کیا اور الرحمن الرحیم کہا میری رحمت غضب پر غالب ہے۔اب مانگ جو تو چاہتا ہے تجھے دیا جائے گا رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس نے قرآن کی کوئی آیت بھی یاد نہ کی ہو تو وہ انسان مردے کے برابر ہے۔کم از کم سورۃ فاتحہ تو یاد کرے۔اگر ساری یاد نہ کرے تو ابتدائی کلمہ تو یاد ہو پھر فرمایا کہ انسان کا شرک نہ ہو تو اللہ تعالیٰ انسان کے گناہوں کے

Marfat.com

باوجود اس کلمہ مبارک اسے خوش آمدید کہے گا اور بخش دے گا۔ تو فقیر یہاں سورۂ فاتحہ کی تفسیر ختم کرتا ہے۔ فقیر نے تفسیر خزینۃ القرآن، تفسیر کبیر، مدارک سلبی سے اخذ کیا ہے مگر ان تمام سے تفسیر خزینۃ القرآن جامع تفسیر ہے جو چالیس جلدوں پر مشتمل ہے۔ ہر جلد تین ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ بات امام غزالی اور امام رازی بھی کہتے ہیں۔ امام غزالی نے اپنی کتاب فضائل البرکات فی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں یہی بات درج ہے۔ امام سید موسیٰ المبرقعہ ابن امام محمد تقی جو امام حسین کی آٹھویں پشت سے ہیں۔ مفسرین کے صدر اور تاج ہیں اور مجتہدین مفسرین کے امام ہیں۔ اور انہی کی تفسیر کو پڑھ کر انسان اپنے ایمان کو محفوظ اور عقل کو جلا بخش سکتا ہے۔ یہ تفسیر مؤلف نے ۲۲۵ھ میں لکھنی شروع کی اور ۲۴۵ھ میں مکمل ہوئی آپ کی پیدائش ۲۰۵ھ اور وفات ۲۶۰ھ کو ہوئی۔ مقدمہ کی پہلی جلد ان کے بیٹے احمد نے لکھی، دوسری جلد امام غزالیؒ نے لکھی اور تیسری جلد امام فخر الدین رازی نے لکھی۔ اس میں موصوف نے کافی حالات لکھے ہیں۔ انہوں نے بھی یہی خیال اظہار فرمایا ہے۔ فقیر بھی یہی کہے گا کہ تفسیر خزینۃ القرآن جامع ہے اور موصوف صاحب تفسیر خزینۃ القرآن تمام مفسرین کے صدر ہیں اور مجتہد ہیں۔ آپ نے پہلے والے مفسرین کی بھی عقدہ کشائی فرمائی۔ کیوں نہ ہو ایسی شخصیت کہ یہ خاندانِ رسالت کے چشم و چراغ ہیں اور حضرت امام حسین کی آنکھوں کا نور ہیں۔ موصوف کے بقول ان کے تفسیر لکھنے کا حکم خود حضور ﷺ نے دیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں دن کو لکھا کرتا۔ حضور ﷺ رات کو اس کو ملاحظہ فرما کر تصدیق کرتے۔ جب تفسیر ختم ہوئی تو رسول مقبول ﷺ خواب میں تشریف لائے اور تفسیر کو بوسہ زن ہوتے ہوئے فرمایا کہ، اے میرے صحابہ میری امت کے لئے یہ تفسیر کافی ہے اور اس سے مکمل راہنمائی حاصل کرے گی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بزرگوں کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

فقیر کہتا ہے لہٰذا موسیٰ المبرقع ابن امام محمد تقی جواد اپنے جد امجد امام جعفرؓ صادق و امام محمد باقر کی طرح بے مثال تھے۔ آپ کی تفسیر خزینۃ القرآن دنیا میں بے مثال تفسیر ہے۔ یہ تفسیر موصوف نے ۲۴۵ھ میں ختم کی۔ یہ تفسیر چالیس جلدوں پر مشتمل ہے اور ہر جلد کا تین ہزار صفحہ ہے۔ موصوف کے جد امجد امام محمد باقرؒ بہت بڑے محدث اور مفسر تھے۔ عالمِ اسلام پر آپ کا بہت بڑا احسان ہے۔ آپ کے شاگردوں میں سے مشہور شخصیت امام زہری کی ہے جنہوں نے حدیث تدوین کی۔ امام زہری تمام محدثین کے استاد کامل تھے اور آپ کے تیس ہزار شاگرد رشید تھے۔ امام بخاریؒ، امام زہری کے شاگردوں کے شاگرد تھے۔ امام محمد باقرؒ تمام مفسرین و محدثین کے استاد کامل تھے۔ ان کے پوتے امام موسیٰ المبرقع صاحب تفسیر خزینۃ القرآن بھی اپنے جد امجد کی مانند تھے اور ان کی اولاد نسل در نسل مفسرین و محدث ہوتے رہے ہیں۔ ان تمام لوگوں کا تمام عالم اسلام پر احسان ہے۔ ان کی اولاد مصر و شام، ایران و عراق اور پاک و ہند میں پھیل گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ قارئین کو اس تفسیر کو پڑھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ یہاں پر سورۂ فاتحہ تمام ہوئی۔ (واللہ الہادی الی الارشاد)

سید غلام حسین المعروف مصطفیٰ رضا رازی رضوی

بریلوی قادری

⌘ ⌘ ⌘ ⌘ ⌘

(یہاں پر سورۂ فاتحہ کی تفسیر اختتام پذیر ہوتی ہے اور آگے سورۂ البقرہ کی تفسیر کا آغاز ہوتا ہے)

Marfat.com

والحمدللّٰہ رب العلمین

نَحۡمَدُهٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِهِ الۡکَرِیۡم

تفسیر پارہ اوّل

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الٓـمّٓ اس میں دو مسئلے ہیں۔ پہلا مسئلہ یہ ہے کہ حروف تہجی یعنی الف، ب، ت در حقیقت اسم ہیں۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ مولا علی رضی اللہ عنہ ان کو اسم فرمایا کرتے تھے۔ امام رازی فرماتے ہیں کہ یہ دراصل اسم ہیں۔ ان حروف میں سے ہر ایک اسم کا مسمیٰ الف، ب، ت کا ایک ایک حرف بسیط ہے جس کے اجزاء نہیں ہوتے۔ مثلاً ضاد کا کلمہ ایک ایسا مفرد لفظ ہے جو بطور مطابقت کے مستقل معنی پر دلالت کرتا ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ مستقل معنی پر دلالت کرنا اس کی خاصیت ہے اور اس کے ساتھ زمانے کا مقرر ہونا سمجھ میں نہیں آتا۔ اور وہ معنی مثلاً لفظ ضرب کا حرف اول ہے۔ اس بیان سے ثابت ہوا کہ الف، ب، ت! در حقیقت اسم ہیں۔ دوسری دلیل ان کے اسم ہونے کی یہ ہے کہ ان کے اندر امالہ وتفخیم اور تعریف وتنکیر اور جمع وتصغیر اور وصف واسناد وغیرہ سب کچھ ہوتا ہے۔ اور یہ باتیں اسم میں پائی جاتی ہیں۔ پس یہ بھی لامحالہ اسم ہوئے۔ اگر کوئی اعتراض کرے کہ ابوعیسیٰ ترمذی نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ قال رسول اللہ ﷺ من قرء حرفا من کتاب اللّٰہ تعالی فلہ حسنۃ والحسنۃ بعشر امثالھا لا اقول (الٓمّٓ) حرف لکن الف حرف ولام حرف ومیم حرف الی آخر الحدیث یعنی جس نے کتاب اللہ کا ایک حرف پڑھا اس کے لیے ایک نیکی ہے اور ایک نیکی کا بدلہ اس کی مثل دس ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ الٓمّٓ ایک حرف ہے بلکہ الف ایک ہے۔ لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے۔ پس یہ حدیث تمہارے دعویٰ کے خلاف ہے۔ کیونکہ اس سے الف ب ت وغیرہ کا حروف ہونا ثابت ہوتا ہے۔ فقیر اس کا یہ جواب دیتا ہے۔ کہ آنحضرت ﷺ نے مجاز کے طور پر ان کو حروف کے ساتھ تعبیر فرمایا ہے کیونکہ ان حروف کے لیے نام اور اسماء ہیں ہر ایک متلازم کے اوپر دوسرے متلازم کا بولنا بطور مجاز کے ایک دستور عام ہے۔ اس مقام پر چند فروع ہیں۔ (۱) یہ کہ ان حروف مخصوصہ کے جو نام رکھے گئے ہیں۔ تو نام رکھنے والے نے اس تسمیہ میں چند معانی لطیفہ کی رعایت کی ہے۔ وہ یہ ہیں کہ ان الفاظ کے مسمیات بھی چونکہ اپنے اسماء کی طرح الفاظ ہی تھے مگر ان کے اجزا نہ تھے بلکہ وہ حروف مفردہ تھے اور اسماء کی ترکیب زیادہ سے زیادہ تین تین حرفوں سے تھی لہٰذا ان کو یہ اصول سوجھا کہ ہر اسم کے اندر مسمیٰ کا نمونہ رکھا جائے۔ اس کی یہ صورت ہے کہ ہر اسم کے شروع میں وہی حرف جو مسمیٰ تھا لگا دیا۔ بجز الف کے کہ اس کا مسمیٰ یعنی حرف (ا) ہمیشہ ساکن رہتا ہے اس لیے مجبوراً اس کے مسمیٰ کے شروع میں بجائے اس کے ہمزہ کو مفتوح رکھنا پڑا (۲) ان اسماء کے حکم یہ ہے کہ اگر ان کے ساتھ کوئی عامل نہ ہو تو آخر کا حرف ہمیشہ ساکن رہے گا جس طرح اسماء کا عدد کا حاصل ہے کہ شمار کنندہ کہتا ہے واحد، اثنی، ثلاثہ اربعۃ وغیرہ اسی طرح بغیر عامل پڑھتے وقت الف لام میم اور عامل کے ساتھ ان پر جس قسم کا عامل ہوگا۔ اعراب آجائے گا۔ مثلاً ھٰذِہٖ الف و کَتَبۡتُ الفًا و نَظَرۡتُ اِلَی الفٍ کچھ انہی کی تخصیص نہیں بلکہ جب کسی اسم سے محض اس کے مسمیٰ کا اظہار مقصود ہوتا ہے تو اعراب نہیں آتا کیونکہ لفظ جو ہر معنی کے لیے موزوں ہوتا ہے اور لفظ کے حرکات معنی کے حالات پر دلالت کرتے ہیں۔ اسی تقدیر پر جو ہر معنی کا بیان کرنا مقصود ہوتا ہے۔ حرکات سے لفظ کو خالی کرنا ضروری ہوتا ہے (۳) یہ صاحب خزینۃ القرآن کا قول ہے کہ یہ اسماء معرب ہیں مگر چونکہ اعراب کا موجب اور باعث نہیں پایا جاتا اسی لیے اور اسماء کی طرح ہمیشہ ساکن رہتے ہیں اور اس بات کی دلیل کہ ان کے آخر کا سکون وقف کے طور پر ہے بناء کے طور پر نہیں کیونکہ اگر یہ مبنی ہوتے تو ان کا حال کَیۡفَ اَیۡنَ اور ھٰؤُلَآءِ کا سا ہوتا۔ یعنی مبنی علی السکون ہوتے۔ اور اجتماع ساکنین نہ رکھا جاتا اور بیشتر ان میں اجتماع ساکنین ہے مثلاً صاد، قاف، نون وغیرہ۔ ان کے معرب ہونے میں امام رازی کا بھی اتفاق ہے مذکورہ بالا مسئلہ پر صاحب خزینۃ القرآن (اپنے دادا امام محمد باقر کی تفسیر سے) بھی کافی بحث کر رہے ہیں لیکن فقیر یہاں ختم

Marfat.com

کرے گا۔ مسئلہ دوم: صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ سورتوں کے شروع میں مثل الٓمٓ وغیرہ کے جو کلمات (حروف مقطعات) واقع ہیں ان کے لیے علماء کے دو قول ہیں: پہلا قول: یہ ایک علم مخفی ہے اور ایک راز مستور ہے جس کو بجز اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا۔ اس کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس رکھا ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مجموعہ سے حدیث درج کرتے ہیں بحوالہ تفسیر امام باقر اور تفسیر ابوالعالیہ سدی فرماتے ہیں کہ میں اور حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ وعثمانؓ موجود تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ الف، لام، میم کا مخفی علم ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس ہی رکھا ہے۔ مجھ پر انکشاف ہوا ہے مگر بتانے کا حکم نہیں۔ صاحب خزینۃ القرآن لکھتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ ہر کتاب میں اللہ کا راز مستور ہے اور قرآن مجید میں اوائل سورہ ہیں۔ صاحب خزینۃ القرآن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ کی اسناد سے درج کرتے ہیں۔ کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے کہ الف لام میم کا قرآن کریم میں ایک ایسا راز ہے کہ جن میں اللہ تعالیٰ کے علوم کا سمندر ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہر کتاب میں اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی چیز رکھی ہے جس کا علم صرف اسی کے پاس ہے اور اس کتاب میں ایسے حروف تہجی ہیں۔ یہی تفسیر امام باقر، ابن عباس، ابوالعالیہ، مقاتل بن سلیمان اور قیس بن مسلم کوفی میں ہے اور بعض عاقلوں کا قول ہے کہ عالم بمنزلہ ایک سمندر ہے۔ جس میں سے ایک دریا نکلتا ہے اور اس دریا سے نہریں اور نہروں سے راجباہ اور پھر کیاری نکلی ہے پس اگر یہ دریا سیدھا کیاری میں آن پڑے تو اسے غرق کردے گا۔ اسی طرح سمندر دریا کی طرف پھیل پڑے تو دریا کو غرق کردے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً الخ ہم نے آسمان سے پانی برسایا اور پھر اندازے کے مطابق نالے بہہ نکلے۔ اسی طرح علم کے سمندر صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں۔ اللہ نے ان سمندروں میں سے اپنے پیغمبروں کی طرف دریا بہا دیئے۔ پھر پیغمبروں نے ان دریاؤں سے علماء کی طرف نہریں بہا دیں۔ پھر علماء نے تمام مخلوق کی طرف بقدر اپنی وسعت کے جوئے بار بہا دیئے۔ پھر ان لوگوں نے اپنے اہل وعیال کی طرف ان جوئے باروں کو کاٹ دیا اور مثل کیاریوں کے پانی ان میں پہنچ گیا۔ یہ قول امام رازی نے تفسیر خزینۃ القرآن سے نقل کیا ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ علماء کے لیے راز ہوتا ہے اور خلفاء کے لیے بھی راز ہوتا ہے اور انبیاء اور ملائکہ کے لیے بھی پھر سب کے بعد اللہ تعالیٰ کے لیے بھی راز ہوتا ہے۔ امام رازی علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ اگر جہلاء کو علماء کا راز پہنچ جائے تو وہ علماء کو ہلاک کردیں اور اگر علماء کو خلفاء کے راز کی خبر ہو جائے تو علماء ان کو چھوڑ کر کنارہ کشی اختیار کرلیں۔ اور خلفاء کو انبیاء کا راز معلوم ہو جائے تو وہ متحیر اور ہلاک ہو جائیں۔ اور اگر انبیاء کو ملائکہ کی خبر ہو جائے تو انبیاء ان پر تہمت لگا دیں اور اگر ملائکہ کو اللہ تعالیٰ کے راز کی خبر ہو جائے تو وہ متحیر اور ہلاک ہو جائیں۔ اس کی وجہ در حقیقت یہ ہوتی ہے کہ عقول ضعیفہ میں اسرار قویہ کی برداشت کرنے کی طاقت نہیں ہوتی۔ جس طرح چمگادڑ کی بینائی آفتاب کی روشنی کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ پس اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کی عقل کو مرتبہ کمال میں پیدا فرمایا ہے۔ اس لیے وہ اسرار نبوت کے متحمل ہوتے ہیں دوسرے لوگ نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح بہ نسبت عامہ مخلوق کے علماء کو زیادہ عقل عطا ہوتی ہے اور وہ اس کی وجہ سے اسرار علوم کا ادراک کر لیتے ہیں۔ اسی قیاس پر علمائے باطن یعنی حکماء کو زیادہ عقل عطا ہوئی ہے جس کی وجہ سے علماء باطن ان اسرار کے متحمل ہو سکتے ہیں جن کے علماء ظاہر متحمل نہیں ہو سکتے۔ حضرت شعبی رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا (ان حروف کی نسبت) تو آپ نے فرمایا: سر اللہ فلا تطلبہ۔ یعنی یہ اللہ تعالیٰ کا راز ہے اس پر مت خیال کرو۔ حضرت طبیان ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ علماء ان کا ادراک نہیں کر سکتے۔ حسین بن فضل کہتے ہیں یہ متشابہات میں سے ہیں۔ امام رازی علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ انبیاء کو ملائکہ کا راز نہیں ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن ابن عباس کا قول درج کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے تمام انبیاء اور ملائکہ کا راز عطا کر دیا گیا ہے اور مجھ میں اسرار و رموز کے برداشت کرنے کی استعداد پیدا کر دی گئی ہے اور اگر یہ راز انبیاء کو معلوم ہوتا ہے تو ان پر تہمت ہوتی تو آپ نے فرمایا یہ راز میرے دل میں اللہ تعالیٰ نے عطا فرما دیا ہے۔ دوسرا قول حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مجموعے سے درج کرتے ہیں حضرت علی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے کہ الف لام میم متشابہات میں سے ہیں۔ میرے سوا ان کا ادراک کوئی نہیں کر سکتا۔ یہ راز اللہ تعالیٰ اور میرے درمیان ہے۔ اگر ان کا راز مجھے معلوم نہ ہوتا تو اس کا میرے اوپر اترنے کا کیا مقصد تھا۔ یہی روایت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور امام باقر اور ابوالعالیہ اور ابوقتادہ رضی اللہ عنہم سے بھی ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن اسی ضمن میں ایک اور حدیث درج کرتے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مولا علی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ الف لام میم کے بے بہا علوم ہیں۔ موصوف فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علوم کی مثال اور تشبیہ سمندر سے دینا بالکل غلط ہے کیونکہ وہ تو علوم کو خود پیدا کرنے والا ہے لہٰذا سمندر سے تشبیہ کیسے ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علم کی نہ کوئی ابتدا ہے اور نہ کوئی انتہا۔ بیان مذکورہ بالا کا متکلمین نے انکار کیا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ یہ بات نہیں ہو سکتی کہ کتاب اللہ میں کوئی ایسا مضمون وارد ہوا ہو جسے مخلوق نہ سمجھ سکے۔ اور انھوں نے اپنے اس قول پر آیات اور حدیث اور دلائل عقلیہ سے

Marfat.com

استدلال کیا ہے۔قرآن مجید کی چودہ آیات سے اپنے قول کو ثابت کرتے ہیں۔(۱)اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ۔یعنی کیا وہ قرآن کے اندر فکر نہیں کرتے یا دلوں پر قفل لگے ہوئے ہیں جو قفل دلوں کے لیے مخصوص ہیں۔دیکھئے اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے اندر تدبر و تفکر کرنے کا حکم دیا ہے۔پس اگر قرآن مجید کا مضمون ان کی احاطہ فہم سے باہر ہوتا اور اس کا فہم کرنا ان کو ناممکن ہوتا تو یہ حکم کیوں دیا جاتا؟(۲)اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ (سورہ نساء پارہ ۵)یعنی کیا وہ قرآن کو نہیں سوچتے۔کہ اگر قرآن مجید غیر اللہ کے پاس سے آیا ہوتا تو اس میں ان کو بہت کچھ تناقص معلوم ہوتا۔اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کو نفی اختلاف اور تناقض کو معلوم کرنے کے لیے فکر اور غور کرنے کا حکم دیا ہے اور اگر قرآن مجید غیر مفہوم چیز ہوتی تو یہ حکم کیوں دیا جاتا۔(۳)وَاِنَّهٗ لَتَنْزِیْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ...تا عَرَبِیٍّ مُّبِیْنٍ ۔ملاحظہ فرمائیں۔بے شک یہ قرآن پاک پروردگار کا اتارا ہوا ہے جس کو روح الامین نے آپ ﷺ کے قلب پر اتارا ہے کہ تم ڈر سناؤ روشن عربی زبان میں۔پس اگر قرآن خارج از فہم ہوتا تو قرآن مجید کا نزول رسول اللہ ﷺ کا قرآن کے احکام سے ڈر سنانے والا ہونا صحیح نہ ہوتا۔علاوہ ازیں بِلِسَانٍ عَرَبِیٍّ مُّبِیْنٍ ۔سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن مجید کا نزول عرب کی لغت میں ہوا ہے اس سے بھی خود ثابت ہوتا ہے کہ اس کا مفہوم ہونا ضروری ہے۔(۴)یَعْلَمُهُ الَّذِیْنَ یَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْهُ یعنی جو لوگ قرآن مجید سے اس کا استنباط کرتے ہیں وہ اس کو جان لیتے ہیں اور یہ بات ظاہر ہے کہ قرآن پاک سے مسائل کا استنباط بدوں اس کے پورے طور پر قرآن کریم کا علم نہیں ہو سکتا۔(۵)تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ ۔یعنی اس کتاب میں ہر چیز کا بیان ہے۔وَقَوْلُهٗ تَعَالٰی مَا فَرَّطْنَا فِی الْکِتٰبِ مِنْ شَیْءٍ ۔یعنی اس کتاب میں ہم نے کسی چیز کی کمی نہیں چھوڑی۔(۶)هُدًی لِّلنَّاسِ اور هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ ۔یعنی قرآن کریم ہدایت ہے پرہیزگاروں کے لیے۔اور جو چیز معلوم ہی نہ ہو وہ ہدایت کس طرح ہو سکتی ہے۔(۷)حِکْمَةٌ بَالِغَةٌ ۔یعنی حکمت ہے پوری پوری اور فرماتا ہے وَشِفَاءٌ ...... لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ تا آخر آیت پارہ ۱۱ سورۃ یونس۔یعنی قرآن مجید میں سینوں کے امراض کی شفا اور مومنین کے لیے ہدایت و رحمت ہے۔اور یہ تمام چیزیں (صفات) نامعلوم نہیں ہو سکتیں۔(۸)قَدْ جَآءَکُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ کِتٰبٌ مُّبِیْنٌ ۔یعنی تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور کتاب روشن آئی۔(۹)اَوَلَمْ یَکْفِهِمْ پارہ ۲۱ آیت پہلا رکوع۔یعنی ان کے لیے کیا اتنی بات کافی نہیں کہ ہم نے آپ ﷺ پر کتاب اتاری ہے جسے آپ ان کے سامنے تلاوت کرتے ہیں بیشک اس میں رحمت اور نصیحت ہے ایمان والی قوم کے لیے۔یہ بات ظاہر ہے کہ نامعلوم چیز کافی یا نصیحت یا رحمت کچھ نہیں ہوتی۔(۱۰)هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِیُنْذَرُوْا بِهٖ ۔یہی لوگوں کو پہنچا دیا گیا ہے اور اس سے ان کو ڈرا دینا چاہیے۔اور نامعلوم چیز لوگوں کو کیونکر پہنچ سکتی ہے اور اس سے کس طرح لوگوں کو ڈرا سکتے ہیں اور اس آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلِیَذَّکَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ یعنی عقل مندوں کو اس سے نصیحت پکڑنا چاہیے اور یہ بات بھی ظاہر ہے کہ نامعلوم چیز سے نصیحت کس طرح پکڑی جا سکتی ہے۔(۱۱)قَدْ جَآءَکُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَاَنْزَلْنَا اِلَیْکُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا ۔یعنی تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس ایک دلیل آ گئی ہے اور ہم نے تمہاری طرف روشن کرنے والا نور اتار دیا ہے اور ظاہر ہے کہ نامعلوم چیز دلیل اور نور نہیں ہو سکتی۔(۱۲) فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا یَضِلُّ پارہ ۱۶ رکوع آخری یعنی جس نے میری ہدایت کی تابعداری کی وہ گمراہ نہ ہو گا نہ بے نصیب رہے گا اور جس نے میری یاد سے منہ موڑا اس کی زندگی تنگ ہے اور ظاہر ہے کہ جو چیز نامعلوم ہے اس کی نہ اتباع ہو سکتی ہے اور نہ اعتراض اور نہ روگردانی ہو سکتی ہے۔(۱۳) اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ ۔یعنی قرآن کریم سیدھی راہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ نامعلوم چیز سے رہنمائی نہیں ہو سکتی۔(۱۴)اٰمَنَ الرَّسُوْلُ سَمِعْنَا تک پارہ ۳ سورۃ البقرۃ کا آخری رکوع۔یعنی اس کو ہم نے سنا اور اطاعت کی اور ظاہر ہے کہ نامعلوم چیز کی اطاعت نہیں ہو سکتی۔اور احادیث شریفہ جن سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے یہ ہیں کہ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں۔تَرَکْتُ فِیْکُمْ اَمْرَیْنِ کِتَابَ اللّٰهِ وَسُنَّتِیْ لَنْ تَضِلُّوْا مِنْ بَعْدِیْ اِنْ تَمَسَّکْتُمْ بِهِمَا ۔رواہ مؤطا امام مالک۔یعنی میں نے تمہارے اندر دو چیز چھوڑ دی ہے کہ اگر اس کو پکڑے رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے اور وہ ہے اللہ کی کتاب اور میری سنت اور ظاہر ہے کہ اسی چیز کو پکڑ سکتے ہو اور اس سے تمسک کر سکتے ہیں جو معلوم ہو۔نامعلوم کے ساتھ ایسا نہیں کر سکتے۔اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قرآن میں تمہارے پہلے اور آخر کے حالات ہیں۔تمہارا آپس کا فیصلہ بھی اس میں موجود ہے۔وہ ایک قول فیصل ہے مسخرہ پن نہیں ہے۔جو کوئی سرکش بن کر اس کو چھوڑ دے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی کمر توڑ دے گا۔اور جو شخص قرآن کریم کے سوا کسی دوسری چیز میں ہدایت کی جستجو کرے گا تو اللہ تعالیٰ اسکو گمراہ کر دیگا۔وہ اللہ تعالیٰ کی ایک مضبوط رسی حکمت آمیز یاد دہانی اور راہ راست ہے اور ایسی چیز ہے کہ خواہشوں کو اس کے سبب سے ٹیڑھا پن نہیں ہوتا۔علماء کا دل اس سے سیر نہیں ہوتا۔تکرار کرنے سے اس کی لذت میں فرق نہیں آتا۔اور اس کے عجائبات ختم نہیں ہوتے جو

Marfat.com

شخص اسکے مطابق کہے گا سچ کہے گا اور جو شخص اس کے موافق جھگڑا کرے گا، کامیاب ہوگا۔ اور جو شخص اس کی طرف بلائے گا راہ راست کی طرف بلائے گا۔ دلائل عقلی اس بات کے یہ ہیں۔ (۱) یہ کہ اگر قرآن کریم کے اندر کوئی ایسی چیز موجود ہو جس کا علم نہ ہو سکے تو مخلوق کو اس کے ساتھ مخاطب کرنا ایسا ہوگا جیسے عرب کے رہنے والے سے زنگی زبان میں بات چیت کرنا اور جب یہ جائز نہیں ہے تو وہ بھی جائز نہ ہوگا۔ (۲) یہ کہ مقصود کلام سے دوسرے کو سمجھانا ہوتا ہے اور جب کلام سمجھنے کے قابل ہی نہ ہو تو ایسے کلام سے خطاب کرنا بیکار ہوگا۔ جو اللہ تعالیٰ کی شان عالی سے دور ہے۔ (۳) یہ کہ فصاحت اور بلاغت میں تمام کفار عرب کے ساتھ قرآن کریم کا مقابلہ کیا گیا اور جو چیز معلوم ہی نہ ہو۔ اس سے کیا مقابلہ ہو سکتا ہے۔ یہاں تک جو بیان کیا گیا یہ متکلمین کا کلام تھا۔ ان کے مخالفین بھی آیت اور حدیث اور دلیل عقلی سے استدلال کرتے ہیں۔ آیات یہ ہیں: وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللهُ میں لفظ اللہ پر وقف کرنا چند وجوہ سے واجب ہے۔ (۱) یہ کہ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ کو اگر اللہ تعالیٰ کے لفظ پر معطوف کیا جائے تو يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ کے جملہ کو اس سے کچھ تعلق نہ رہے گا اور یہ جائز نہیں ہے اس لیے کہ فقط اس سے کوئی مطلب نہیں نکلتا اور اس کو حال بھی نہیں کہہ سکتے کیونکہ اگر حال ہوا تو پورے اللهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ سے حال ہوگا اور اس سے لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی راسخون فی العلم کی طرح آمَنَّا بِهِ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا کے قائل ہوں اور یہ بات کہنا کفر ہے۔ (۲) اگر رَاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ یعنی علمائے کاملین کو متشابہت کی تاویل ہو تو پھر ان کی ایمان کے ساتھ خاص کرنے کی کوئی وجہ نہیں اس لیے کہ جب اللہ تعالیٰ کے بتلا دینے سے ان کو متشابہات کا علم ہو گیا تو ان کے نزدیک وہ متشابہات بمنزلہ محکمات کے ہو گئے اور ان کا ان متشابہات پر ایمان لانا کوئی کمال خوبی کی بات نہ ہوئی۔ (۳) یہ کہ اگر متشابہات کی تاویل کا جاننا ضروری ہوتا تو اس سے تاویل کا تلاش کرنا موجب مذمت نہ ہوتا اور ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے تلاش کرنے والوں کی مذمت بیان فرمائی ہے اور فرمایا ہے کہ فاما الذين فى قلوبهم زيغ فيتبعون ما تشابه تا آخر آیت پارہ ۳ سورہ آل عمران پہلا رکوع۔ یعنی جن کے دلوں میں کجی (ٹیڑھاپن) ہے وہ قرآن کے متشابہات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں۔ اس سے ان کو فتنہ و تاویل مقصود ہوتی ہے یہ دلائل امام رازیؒ و امام محمد باقرؒ نے بیان فرمائے ہیں انہوں نے اسی آیت پر کافی بحث کی ہے۔ اب احادیث متکلمین کی تشریح مجملہ کی جاتی ہے۔ ان کی ایک حدیث تو وہ ہے جو اس مسئلہ کے شروع میں اسرار الٰہی اور رموز قرآن میں بیان کی گئی ہے اس سے ہمارے مطلب کو ثبوت ہوتا ہے۔ (۲) یہ کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ بعض علوم ایک صورت پوشیدہ کی مثل ہیں ان علوم کو وہی لوگ جانتے ہیں جو اللہ کے جاننے والے ہیں اگر وہ ان علوم کو بیان کر دیں تو جو لوگ اللہ کے بارے میں دھوکہ میں پڑے وہ ان باتوں سے انکار کرنے لگیں یہ حدیث کبیر خزینۃ القرآن اور تفسیر امام محمد باقر میں ہے۔ علاوہ ازیں بڑے بڑے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے یہ بات مروی ہے کہ سورتوں کے شروع میں جو یہ حروف آئے ہیں ان کا علم کسی کو نہیں ہو سکا۔ پس ضروری ہے کہ یہ قول حق ہوگا۔ اسی لیے آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ میرے صحابہ مثل ستاروں کے ہیں کہ تم ان میں سے جس کی بھی پیروی کرو گے ہدایت کو پہنچ جاؤ گے۔ صاحب خزینۃ القرآن اس ضمن میں حدیث درج کرتے ہیں۔ حضرت عائشہؓ اور ابن عباسؓ کی اسناد سے ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے کہ قرآن کریم میں متشابہات و محکمات ہیں۔ متشابہات کا علم صرف مجھ تک محدود ہے تو حدیث پاک سے بھی ہمارا دعویٰ ثابت ہو گیا۔ جب یہ سورۃ كهيعص نازل ہوئی تو حضور ﷺ نے فرمایا۔ میں جانتا ہوں جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا میں تو نہیں جانتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا جو تو نہیں جانتا وہ میں جانتا ہوں۔ یہ روایت بھی ابن عباسؓ کی اسناد سے صاحب خزینۃ القرآن درج کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور میرے دادا امام باقرؒ کی تفسیر میں ہے۔ دلیل عقلی اس میں یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ جن افعال کا بندوں کو حکم دیا گیا ہے وہ دو قسم کے ہیں ایک تو وہ ہیں جن کی خوبیاں اور حکمتیں کسی قدر ہماری عقل میں آتی ہیں۔ مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ۔ نماز میں سراسر نیازمندی اور اپنے خالق کے سامنے عاجزی اور تواضع کا اظہار ہوتا ہے اور زکوٰۃ میں فقیروں کی حاجت روائی ہوتی ہے اور روزہ سے شہوت شکم کے توڑنے میں کوشش ہوتی ہے اور دوسرے افعال وہ ہیں جن کی حکمت عملی کا معلوم ہونا ہماری عقل سے باہر ہے۔ مثلاً حج کے افعال میں کنکریوں کو پھینکنا، صفا و مروہ پر دوڑنا اکڑ کر چلنا اور چادر کا لوٹانا وغیرہ ایسے افعال ہیں کہ بظاہر ان کی حکمت و خوبی معلوم کرنا ہمارے فہم و ادراک سے باہر ہے۔ پھر اسی طرح تمام محققین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ جیسے پہلی قسم کے افعال کے ساتھ بندوں کو حکم دینا اللہ کی طرف سے ایک فعل احسن ہے اسی طرح دوسری قسم کے ساتھ بھی حکم دینا فعل احسن ہے۔ اس میں کوئی قباحت نہیں اس لیے کہ پہلی صورت میں حکم کی اطاعت کرنا اس طرح کمال تابعداری پر دلالت نہیں کرتا جس طرح دوسری صورت میں دلالت کرتا ہے۔ اس لیے کہ پہلی صورت افعال میں ہو سکتا ہے کہ بندہ نے اس فعل کی خوبی اپنی عقل سے معلوم کر کے اور اسے اپنے حق میں مناسب سمجھ کر خالق کی فرمانبرداری کی ہو۔ بخلاف دوسری قسم کے کہ اس فعل کی بھلائی اس کی سمجھ سے بالاتر ہے۔ تاہم وہ اطاعت

Marfat.com

کرتا ہے اور جب افعال میں یہ خیال ہے تو احکام میں بھی یہی صورت متصور کیوں نہیں ہو سکتی یعنی یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو بعض احکام تو ایسے فرمائے ہیں جن کے معنی پر ہم کو آگاہی ہے اور بعض وہ چیزیں ہیں جن سے آگاہی نہیں لیکن بندوں کی اپنے خالق کے لیے تابعداری کرنا مقصود ہو۔ بلکہ اس میں ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ جب انسان کو ایک چیز کے معنی معلوم ہو جاتے ہیں اور وہ پورے طور سے اسے سمجھ جاتا ہے تو اس چیز کی وقعت اس کے دل سے نکل جاتی ہے یا کم ہو جاتی ہے اور جس چیز کے مقصود پر اسے آگاہی نہیں ہو پاتی اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ یہ احکم الحاکمین کا کلام ہے تو اس کا دل ہر وقت اسی کی طرف متوجہ اور نگراں رہتا ہے اور عبادت کا مدعٰی۔ خلاصہ یہ کہ انسان کا باطن ذکر الٰہی کی طرف متوجہ رہے اور اس کے کلام میں فکر کرتا رہے۔ پس کیا بعید ہے کہ اللہ نے یہ بات معلوم فرما کر کہ بندے کو ہمہ وقت متوجہ اور نگران رہنے میں بڑی مصلحت ہے بندوں کو اس کا حکم دیا کہ یہ مصلحت حاصل ہو جائے یہاں تک ہم نے جو بیان کیا۔ فریقین کا اس میں اختلاف کلام تھا۔ قول دوسرا: اس بات میں ہے کہ ان حروف سے جو مراد ہے وہ معلوم ہے۔ مگر اس میں چند وجوہ سے اختلاف ہے۔

۱۔ اول یہ کہ سورتوں کے نام ہیں اکثر متکلمین کا یہی قول ہے اور خلیل سیبویہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے قفال علیہ الرحمۃ نے بیان کیا ہے کہ عرب کا دستور تھا کہ انھوں نے ان حروف کے نام پر بعض چیزوں کے نام رکھ دیئے تھے۔ چنانچہ ایک شخص حارثہ تھا اس کے باپ کا نام لام تھا اور وہ حارثہ بن لام الطائی کے نام سے پکارا جاتا تھا اور تانبہ کو صاد اور ہنر کو عین ابر کو غین پہاڑ کو قاف اور مچھلی کو نون کہتے تھے۔ (۲) یہ کہ یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء ہیں حضرت علیؓ سے مروی ہے وہ کہا کرتے تھے یا کٓھٰیٰعٓصٓ یاحٰمٓ عٓسٓقٓ (۳) یہ کہ یہ حروف اللہ تعالیٰ کے ناموں کے جزو ہیں۔ سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ الرحمٰن کا مجموعہ الٓمٓ ہوتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کا نام ہے مگر ہم باقی کو ترکیب نہیں دے سکتے کہ یہ کیونکر ہوگی یہ دونوں روایات تفسیر کبیر و خزینۃ القرآن و تفسیر امام محمد باقرؒ میں ہیں۔ قیس بن مسلمہ کوفی و صاحب خزینۃ القرآن ایک اور حدیث درج کرتے ہیں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی اسناد سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا الٓمٓ حٰمٓ عٓسٓقٓ اللہ تعالیٰ کے اسماء کے جزو ہیں۔ (۴) یہ کہ یہ قرآن کریم کے نام ہیں کلبی سدی اور قتادہ کا یہی قول ہے اور صاحب خزینۃ القرآن کا یہی قول ہے۔ (۵) یہ کہ ان میں سے ہر ایک اللہ تعالیٰ کے نام سے اور ایک ایک صفت پر دلالت کرتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے الٓمٓ کی تفسیر میں فرمایا کہ الف اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ وہ احد اول و آخر ازلی ابدی ہے۔ اور لام میں لطیف کی طرف اور میم میں اس بات کی طرف کہ وہ مالک مجید منان ہے اور کٓھٰیٰعٓصٓ کی تفسیر میں انھوں نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی ثناء فرمائی ہے۔ کاف کافی اور ھ ھادی پر عین عالم پر اور صاد صادق پر دلالت کرتے ہیں اور ابن جریر نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ انھوں نے کاف سے کریم اور کبیر پر اور یا کو یجیر پر یعنی وہی پناہ دیتا ہے۔ اور عین کو عزیز اور عدل پر محمول کیا ہے اور ان دونوں صورتوں میں فرق یہ ہے کہ پہلی صورت میں ہر حرف کو ایک نام کے ساتھ مخصوص کیا ہے اور دوسری صورت میں ویسا نہیں ہے۔ یہ دونوں قول تفسیر خزینۃ القرآن و تفسیر امام محمد باقر میں ہیں اور ابن جریر نے بھی تفسیر خزینۃ القرآن سے نقل کیا اور صاحب تفسیر کبیر نے بھی اسی تفسیر سے نقل کیا ہے۔ تفسیر امام جعفر صادق کی اسناد سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ فرماتے تھے کہ الف سے اللہ تعالیٰ اپنا احد ابدی ازلی ہونا فرماتا ہے اور لام سے کائنات میں اس کا لطیف ہونا جیسے لطیف بعبادہ اور میم سے اس نے اپنا مجید منان ہونا جیسے حمید مجید اور کاف سے اس کی کبریائی اور ھا سے ساری کائنات کا ہادی اور عین سے سارے عالم پر اس کا تصرف ہے۔ صاد سے صادق (اس سے بڑھ کر کوئی سچا نہیں ہے) یہ حدیث تفسیر امام محمد باقرؒ میں ہے۔ (۴) یہ کہ بعض حروف اسم ذات پر اور بعض اسماء صفات پر دلالت کرتے ہیں چنانچہ حضرت ابن عباس نے الٓمٓ کی تفسیر میں فرمایا ہے انا اللہ اعلم اور الٓمٓصٓ کی تفسیر میں ان اللہ افضل اور الٓرٰ کی تفسیر میں ان اللہ اعظم اسی قول کو ابو صالح اور سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ (۵) یہ کہ ان میں سے ہر ایک صفت افعال پر دلالت کررہا ہے۔ پس الف سے آلاء یعنی نعمتیں اور لام سے اس کا لطف و کرم اور میم سے اس کا مجید ہونا مراد ہے محمد بن کعب قرظی کا قول ہے اور ربیع بن انس کہتے ہیں ان میں جو حروف ہیں اللہ کے انعامات کے بیان میں ہیں۔ (۶) یہ کہ بعض حروف اللہ کے ناموں پر دلالت کرتے ہیں اور بعض دوسروں کے ناموں پر۔ چنانچہ ضحاک نے بیان کیا ہے کہ الٓمٓ کو جبرائیل علیہ السلام اور میم سے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مراد ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو جبرائیل علیہ السلام کی زبانی محمد ﷺ پر اتارا ایک حدیث صاحب خزینۃ القرآن حضرت علیؓ کے مجموعہ سے درج کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب الٓمٓ پڑھا کرتے تھے تو فرماتے تھے اے اللہ تیرے احد ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ تو ابدی و ازلی ہے۔ موصوف فرماتے ہیں کہ الٓمٓ سے یہ مراد ہے کہ اللہ ایک ہے وہ ازلی و ابدی ہے اور اس سے یہ ثابت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کتاب جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے اتاری اور حضور ﷺ کی

Marfat.com

زبانی ہم نے سنی تو الٓمٓ سے تینوں مراد ہو سکتے ہیں۔(۷) یہ کہ ان حروف میں سے ہر ایک حرف ایک ایک فعل پر دلالت کرتا ہے الف سے مراد ہے اللہ یحب محمد او بعثہ نبیا یعنی اللہ نے محمد ﷺ سے محبت کر کے ان کو نبی بنا کر بھیجا ہے۔اور لام سے مراد یہ ہے لمۃ المجاھدین یعنی منکرین نے آپ ﷺ پر ملامت کی اور میم سے مراد ہے میم الکافرون یعنی کافر ظہور حق کے سبب غصہ میں بھر گئے اور خوار ہوئے۔یہ قول امام رازیؒ نے تفسیر خزینۃ القرآن سے اخذ کیا ہے۔صاحب خزینۃ القرآن حضرت علیؓ کے مجموعہ سے حدیث درج کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔الٓمٓ میرا اللہ کتنا رحیم ہے کہ میرے ساتھ محبت فرمائی مجھے نبی بنا کر بھیجا اور کافروں نے مجھ پر ملامت کی اور انکار کیا اور وہ خوار ہوئے۔یہی حدیث موصوف امام زہریؒ کی اسناد سے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے بھی مروی ہے حدیث سے مذکورہ بالا قول کی تائید ہو گئی ہے اور بعض صوفیا کہتے ہیں الف سے مراد انا لام سے لی اور میم سے مراد منّی ہے۔(۸) وہ قول جس کا مبر و قائل ہوا ہے اور محققین کے ایک عظیم گروہ نے اسے پسند کیا ہے۔اس گروہ کے صدر صاحب خزینۃ القرآن و امام محمد باقرؒ لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان حروف کو کفار پر محبت قائم کرنے کے لیے ذکر فرمایا ہے۔اس طرح پر کہ جب رسول اللہ ﷺ نے ان کے سامنے یہ بات فرمائی کہ قرآن کی مثل یا اس کی دس سورتوں کی مثل۔یا ایک ہی سورت کی مثل لا کر دکھاؤ تو وہ سب کے سب اس بات سے عاجز رہے۔اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان حروف کو نازل فرمایا اس بات پر مطلع کرنا مقصود تھا کہ قرآن مجید کی ترکیب انہی حروف سے ہے اور تم ان حروف پر قادر ہو اور فصاحت کے قوانین سے واقف ہو تو ضروری تھا کہ تم اس قرآن کی مثل لا کر دکھاتے اور جب تم سے یہ نہ ہو سکا تو خود بخود ثابت ہو گیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے کسی شاعر کا کلام نہیں ہے صاحب خزینۃ القرآن اسی کو بیان کرتے ہیں اور مجموعۃ الحدیث سے حدیث درج کرتے ہیں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ نے کفار سے فرمایا کہ تم مجھے یہ کہتے ہو کہ قرآن کو تو از خود بنانے والا ہے۔یا جنات تمہیں بنا کر دیتے ہیں یا کوئی اور آدمی تمہارا مددگار ہے۔یہ بات ابوجہل نے کہی تھی۔آپ ﷺ فرماتے ہیں تم اس کی مثل بنا کر لاؤ کیونکہ تم اس زبان کے اسرار سے واقف ہو۔پھر جب وہ عاجز آ گیا تو یہ حروف نازل ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اے کفار آج تمہاری کمریں ٹوٹ گئیں اور آج کے بعد ہمیشہ کے لیے تم یہ نہ کہہ سکو گے کہ یہ بشر کا کلام ہے اس کی فصاحت و بلاغت سے ثابت ہو گیا کہ یہ اللہ کا ازلی کلام ہے اور میں محمد ﷺ اس کا عبد مقدس ہوں۔مذکورہ بالا قول کی حدیث سے بھی تائید ہو گئی۔حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ حدیث الٓمٓ کے متعلق قوی حجت ہے۔حضرت ابوبکر صدیقؓ فرماتے تھے کہ بے شک یہ قوی حجت ہے۔اسی مذکورہ قول کو تفسیر خزینۃ القرآن و تفسیر امام محمد باقرؒ سے بڑے بڑے محققین نے قلمبند کیا ہے۔اور عظیم مفسرین نے اسی قول کو درج کیا ہے تفسیر طبری میں بھی درج ہے مذکورہ بالا حدیث کی سند میں موصوف فرماتے ہیں کہ یہی حدیث میرے جد امجد امام جعفر صادق نے اپنے والد باقر سے انہوں نے اپنے والد حضرت علی بن حسین سے انھوں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عباسؓ سے یہ حدیث سنی اور حضرت امام جعفر کا بھی یہی قول ہے۔آپ فرماتے ہیں کہ اللہ احد ہے ازلی ہے ابدی ہے اور الٓمٓ سے کفار کے عزائم باطلہ ختم ہو گئے۔(۹) وہ قول جسے عبدالعزیز بن یحییٰ نے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان حروف کو جو بیان فرمایا ہے تو درحقیقت اللہ نے لوگوں سے یہ فرمایا ہے کہ پہلے تم ان حروف کو الگ الگ سن لو تا کہ جب یہ حروف ملا کر تمہیں سنائے جائیں تو اس سے قبل تمہیں ان سے کچھ واقفیت اور تعارف حاصل ہو جائے۔جیسا کہ بچے حروف ابجد کو جدا جدا سیکھتے ہیں پھر مرکبات کو رفتہ رفتہ یاد کرتے ہیں صاحب خزینۃ القرآن ایک حدیث درج کرتے ہیں علامہ عبدالرزاق کی اسناد سے حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے الٓمٓ پڑھتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کے لیے اپنے کلام میں آسانی چاہتا ہے۔اور یہ حروف آسانی کے لیے ہیں تا کہ دوسرے کلام میں دشواری نہ ہو۔تو اس قول کی حدیث سے بھی تائید ہو گئی ہے کہ بچے پہلے الف سے ہی شروع کرتے ہیں۔پھر کلام کی ترتیب میں آہستہ آہستہ آسانی پیدا ہو جاتی ہے۔(۱۲) وہ قول جس کے ابن رواق اور قطرب قائل ہوئے ہیں وہ یہ ہے کہ جب کفار نے باہم قرآن مجید کی نسبت یہ کہا کہ اس قرآن کو مت سنو اور شور و غل کرنے لگو شاید اس ترکیب سے تم جیت جاؤ۔ایک دوسرے کو قرآن مجید سے منہ پھیرنے کی نصیحت کرو تو اللہ تعالیٰ کو ان کی بہتری اور نفع پہنچانا مقصود تھا۔اس واسطے اللہ نے یہ ارادہ کیا کہ پہلے انھیں ایسی چیز سنائی جائے جو ان کی سمجھ سے بالاتر ہو تا کہ ان کا شور و غل مٹ جائے اور اس طرح قرآن کریم کے معانی و مضامین میں ان کے کانوں میں پڑ جائیں۔اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان حروف کو نازل فرمایا پھر ان کا دستور بن گیا۔کہ جب ان حروف کو سنتے تھے تو ایک دوسرے کو کہتے تھے ذرا سنو تو محمد ﷺ پر کیا کلام اتارا ہے۔جب وہ ذرا اس طرف کان لگاتے تھے تو قرآن مجید کے مضامین فوراً ان کے دل پر اثر کر جاتے تھے۔غرض اس طرح قرآن کریم کے احکام ان کے کانوں تک پہنچ جاتے تھے۔اسی طریقہ سے وہ فائدہ حاصل کر سکتے تھے۔اس قول کی تصدیق اس حدیث سے ہوتی ہے جو صاحب خزینۃ القرآن نے عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے

Marfat.com

الٓمّٓ کو مجھ پر اس لیے اتارا کہ کفار مضامین قرآن کو نہیں سمجھ سکتے تھے۔ کیونکہ قرآن کریم سنتے وقت شور وغل کرتے تھے۔ ان حروف کا یہ فائدہ ہوا کہ کفار سن کر تعجب کرنے لگے کہ کیسا کلام اترا ہے۔ نیز ابن عمرؓ فرماتے ہیں جب الٓمّٓ کو کفار نے سنا تو ان کے وجود پر لرزہ طاری ہو گیا اور قرآن کے مضامین ان کے دلوں میں گھر کر گئے۔ اس قول کی اس حدیث سے تصدیق اور تائید ہوتی ہے۔ یہی حدیث تفسیر امام محمد باقرؓ ابوالعالیہ ابی بن کعب اور تفسیر علی بن طلحہ اور اسود بن یزید تابعی تفسیر نخعی میں موجود ہے۔ (۱۳) ابوالعالیہ کا قول ہے کہ ان میں سے ہر حرف کے اندر قوموں کی موت اور بقا کا بیان ہے۔ نیز صاحب خزینۃ القرآن ابن عباسؓ کا قول درج کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ابو یاسر اخطب آیا تو اس وقت رسول اللہ ﷺ سورہ بقر کی تلاوت فرما رہے تھے۔ اتنے میں اس کا بھائی حیی بن اخطب اور کعب بن اشرف بھی آ گئے۔ انھوں نے حضور ﷺ سے الٓمّٓ کے بارے میں سوال کیا۔ کہ ہم آپ ﷺ کو اللہ کی قسم دلا کر پوچھتے ہیں کہ کیا یہ بات سچ ہے کہ یہ کلام آپ ﷺ کے پاس آسمان سے آیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں آسمان سے ہی اس کا نزول ہوا ہے۔ یحییٰ بن اخطب نے کہا کہ اگر اس بات میں آپ سچے ہیں تو مجھے معلوم ہو گیا کہ اس امت کی بقا کی مدت کتنے سال ہے۔ اس کے بعد حیی نے کہا کہ ہم اس شخص کے دین میں کیوں داخل ہوں کہ جس کی امت کی بقا ان حروف کے عدد نکالنے سے صرف اکہتر برس بنتی ہے۔ آپ ﷺ اس کی یہ بات سن کر مسکرانے لگے۔ حیی نے کہا کہ ان کے سوا کیا اور بھی حروف ہیں آپ ﷺ نے فرمایا الٓمّٓصٓ اس نے کہا یہ پہلے سے بہت زیادہ ہیں ان کے حساب سے ایک سو اکسٹھ برس نکلتے ہیں۔ پھر اس نے کہا کہ اس کے سوا اور بھی ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں الٓرٰ حیی نے کہا۔ یہ تو پہلے دونوں سے زیادہ ہیں ہم اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ اگر آپ ﷺ سچے ہیں تو آپ ﷺ کی امت کی دو سو اکتیس برس سے زیادہ حکومت نہ ہو گی پھر اس نے پوچھا کہ اور بھی ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں الٓمّٓرٰ حیی نے کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ ہمارے انبیاء نے خبر دی تھی کہ اس امت کی حکومت ہو گی مگر یہ نہیں فرمایا کہ کب تک ہو گی۔ پس اگر محمد ﷺ اپنے قول میں صادق ہیں تو میں ان آنکھوں سے دیکھتا ہوں کہ یہ سب کچھ انہی کا ہو جائے گا اس وقت یہودی یہ کہہ کر کھڑے ہو گئے کہ ہمیں آپ کی سب باتوں پر شبہ ہو گیا ہے۔ ہم نہیں سمجھ سکتے کہ قلیل مدت کا اعتبار کریں یا طویل مدت کا۔ اس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ ھو الذی انزل علیک الکتاب یہی قول امام رازیؒ نے تفسیر خزینۃ القرآن سے نقل کیا ہے۔ اور امام لغوی نے اپنی تفسیر معالم التنزیل میں نقل کیا۔ صاحب خزینۃ القرآن بحوالہ امام باقر فرماتے ہیں یہ قول ضعیف ہے۔ باقی آئندہ اوراق میں بیان کروں گا۔ (۱۴) یہ کہ یہ حروف اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ ایک کلام یہاں تک تمام ہو گیا اور دوسرا شروع ہوا چنانچہ احمد بن یحییٰ بن ثعلب نے بیان کیا ہے۔ عرب کا دستور ہے کہ جب وہ کلام کو جدا جدا کر کے بیان کرتے ہیں تو درمیان میں ایک ایسی چیز لے آتے ہیں جو آئندہ کلام کے لیے غیر ہوتی ہے اور اس غیر کے لانے سے ان کو مخاطب کر کے آگاہ کرنا مقصود ہوتا ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن اس قول کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ بالکل ضعیف ہے۔ کیونکہ ایسا ہوتا تو پھر ہر سورت کے اول میں الٓمّٓ آنا چاہیے تھا۔ اس لحاظ سے یہ قول ضعیف ہے۔ (۱۵) یہ کہ احمد بن جوزی نے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے ان حروف سے اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی ثناء بیان فرمائی ہے امام محمد باقر علی بن طلحہ صفوان بن عقبی امام ابوسفیان ثوری حضرت عکرمہ اور صاحب تفسیر ابومسلم کوفی نے بھی ایسا ہی فرمایا ہے۔ (۱۶) اخفش نے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی عظمت کے ساتھ ان کے شرف وفضیلت کے سبب سے قسم کھائی ہے اور بڑا سبب ان کی فضیلت کا یہ ہے کہ آسمان سے جس قدر کتابیں مختلف زبانوں میں نازل ہوئیں ان سب کی ترتیب انہی حروف سے ہے۔ اور اللہ کے تمام اسماء وصفات کی ترتیب بھی انہی حروف سے ہے اور تمام امتوں کے کلاموں کی ترتیب بھی انہی حروف سے ہوئی ہے۔ انہی حروف سے ان کی باہم شناسائی ہوتی ہے۔ اور انہی حروف کو ترتیب دے کر اللہ کی حمد وثناء اور وحدانیت بیان کی جاتی ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے تمام الفاظ کا ذکر نہیں فرمایا بلکہ بعض کا فرمایا ہے۔ اگرچہ مراد تمام حروف ہیں۔ ان کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی شخص کہے کہ میں نے الحمد پڑھ لی۔ تو الحمد سے صرف الحمد لفظ پڑھنا مراد نہیں ہوتا بلکہ پوری سورہ فاتحہ کا پڑھنا مراد ہوتا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے ان حروف سے قسم کھا کر فرمایا ہے کہ یہ کتاب وہی ہے جو لوح محفوظ میں موجود ہے۔ (۱۷) ان حروف کو اگرچہ سب لوگ زبان سے نکالتے ہیں مگر ان کے نام وہی شخص جانتا ہے جو پڑھنا شروع کرتا ہے۔ پس جب آنحضرت ﷺ نے بغیر تعلیم وتعلم کے ان حروف کو اپنی زبان سے ارشاد فرمایا تو گویا آپ ﷺ نے یہ غیب کی خبر دی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان حروف کو سورتوں کے اول میں ذکر فرمایا۔ تاکہ اول سنتے ہی سورت کا معجزہ اور نبی کی سچائی کی دلیل ہونا ثابت ہو جائے حدیث ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے الٓمّٓ کو اپنی ثناء کے لیے فرمایا ہے اور قسم فرماتا ہے کہ یہ کتاب لوح محفوظ میں درج ہے اور اللہ کا کلام ہے۔ تو مذکورہ بالا اقوال کی تائید حدیث سے ہو گئی۔ یہ تفسیر امام محمد باقر و تفسیر امام جعفر صادق، تفسیر الکتاب تفسیر ابن وہب فہمی تفسیر شکیل بن عباد محمد بن حجاج نے بھی درج کی ہے۔ (۱۸) ابوبکر تبریزی کا قول ہے کہ اللہ کو پیشتر سے علم تھا کہ اس امت کا ایک گروہ قرآن کو قدیم بنائے گا۔ اس لیے اللہ

Marfat.com

نے ان کے رد کے لیے ان حروف کو بطور تنبیہہ کے ذکر فرمایا کہ یہ قرآن ان حروف سے مرکب ہے پھر کس طرح قدیم ہو سکتا ہے۔ابوبکر تبریزی کا یہ قول لغو ہے اور جمہور مفسرین ومحدثین کے خلاف ہے۔امام رازیؒ نے اس پر شدید نکتہ چینی کی ہے۔(۱۹) قاضی ماوردی کا قول ہے کہ الٓمٓ سے مراد ہے الٓمٓ بکم ذلک الکتاب یعنی تمہارے اوپر اس کتاب کو نازل کیا گیا ہے اور الٓمٓ کے معنی اصل لغت میں زیارت کے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے الٓمٓ کو اسی لیے تعبیر فرمایا ہے کہ جبرائیل علیہ السلام زیارت کرنے والوں کی طرح قرآن کو آنحضرت ﷺ کے پاس لائے۔(۲۰) الف میں استقامت کی طرف اشارہ ہے یعنی اول امر میں استقامت ضروری ہے اور استقامت سے شریعت کی رعایت مراد ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان الذین قالو ربنا اللہ ثم استقاموا یعنی جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر وہ اپنی بات پر جے رہے اور لام میں اشارہ ہے الحنا یعنی (جھکنے کی طرف) جو مجاہدات کے عمل میں لانے سے حاصل ہوتا ہے اور مجاہدہ دراصل رعایت طریقت کا نام ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے والذین جاھدوا فینا لنھد ینھم سبلنا یعنی جنہوں نے ہمارے اندر مجاہدہ کیا۔بلاشبہ ہم ان کو اپنے راستے بتلادیں گے اور میم میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بندہ محبت کے مقام میں دائرہ کی طرح ہو جائے۔جس کی نہایت بعینہٖ بدائیت اور بدائیت بعینہٖ نہایت ہوتی ہے۔اور یہ مقام ذات باری تعالیٰ میں فنا ہو جانے سے حاصل ہوتا ہے اور یہی حقیقت کا درجہ ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قُلِ اللہُ ثُمَّ ذَرھُم فِی خَوضِھِم یَلعَبُون۔یعنی فرمادو کہ اللہ نے پھر اُن کو اُن کے خیالات کے اندر کھیلتا ہُوا چھوڑ دیا۔

(21) الف کا مخرج فتح ہائے خلق سے ہے حروف م کا داخل کی طرف کو اخیر مخرج ہے اور لام طرف زبان سے نکلتا ہے اور یہ درمیان کا مخرج ہے اور میم دونوں لبوں سے خارج ہوتا ہے اور یہ باہر کی طرف اخیر مخرج ہے۔اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بندے کا اول ذکر اور وسط ذکر اور آخر ذکر اللہ ہی اللہ ہو۔چنانچہ اللہ فرماتا ہے فَفِرُّوا الی اللہ یعنی اللہ کی طرف دوڑو اور اکثر محققین کے نزدیک ان سب اقوال میں سے پسندیدہ قول یہی ہے کہ یہ سب سورتوں کے نام ہیں اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ الفاظ دو حال سے خالی نہیں غیر مفہوم ہوں گے یا مفہوم والے۔غیر مفہوم ہونا چند وجوہ سے باطل ہے اس لیے کہ اگر یہ جائز ہوتا تو عرب کے رہنے والوں کے ساتھ زنگی زبان میں بات کرنا جائز ہوتا۔دوسری وجہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے تمام قرآن کے متعلق ارشاد فرمایا ہے کہ وہ ہدایت اور بیان ہے اور یہ بات اس کے غیر مفہوم ہونے کے خلاف ہے۔صاحب خزینۃ القرآن حضرت علیؓ کے مجموعہ سے درج کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قرآن مجھ پر کل کلام کا مجموعہ ہے اس کا کوئی لفظ بھی غیر مفہوم نہیں اور تفسیر امام محمد باقر امام مالک امام وکیع اور امام شافعیؒ کی تفسیر میں بھی موجود ہے موصوف فرماتے ہیں کہ اگر غیر مفہوم ہو تو پھر اس کے اترنے کا کیا مقصد؟ اللہ نے اپنے کلام میں کوئی لفظ بے مقصد نہیں اُتارا اگر یہ لفظ بامفہوم ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ ان سے اللہ تعالیٰ کی مراد اسمائے القاب ہوگی یا اسمائے معانی۔اسمائے معانی ہونا تو باطل ہے کیونکہ یہ ان معانی کے لیے موضوع نہیں ہیں۔حضرت عائشہؓ کی اسناد سے حدیث درج کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا الٓمٓ اسمائے القاب کی طرف اشارہ ہے جن کو مفسرین نے ذکر کیا ہے لہٰذا ان معانی پر محمول کرنا ممنوع ہوگا کیونکہ قرآن کا نزول بہ لغت عرب ہُوا ہے۔پس جو معانی لغت عرب میں کسی لفظ کے نہ ہوں ان معانی پر قرآن کو محمول نہیں کر سکتے۔صاحب خزینۃ القرآن عبداللہ بن عمرؓ کی اسناد سے حدیث درج کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قرآن کے مفہوم میں جو الفاظ تمہیں سمجھ میں نہ آئیں تو اپنی رائے قائم نہ کرنا حالانکہ وہ لفظ بے مقصد نہیں، تمہاری سمجھ سے باہر ہوں گے۔یہ حدیث تفسیر امام محمد باقر تفسیر اکلانی تفسیر مصائفی اور تفسیر ابوعبداللہ میں موجود ہے۔علاوہ ازیں مفسرین نے مختلف احتمال بیان کئے ہیں جن میں سے کسی کو بمقابلہ دوسرے کی مراد لینے پر ترجیح نہیں ہے جس کے سبب سے ایک احتمال پر دلالت کریں دوسرے پر دلالت نہ کریں۔لہٰذا ان الفاظ کو یا تو سب احتمالات پر محمول کرنا چاہئے اور یہ بات بالاتفاق ممنوع ہے۔اس لئے کہ ہر مفسر نے ایک ایک احتمال پر ان الفاظ کو محمول کیا ہے سب پر کسی نے محمول نہیں کیا۔یا ان الفاظ کو کسی احتمال پر بھی محمول نہ کیا جاوے اور ان الفاظ کو بدستور اپنی حالت پر رکھا جائے۔
بہرصورت یہ الفاظ اسمائے معانی نہیں ہو سکتے جب نہ ہو سکے تو لازم ہے کہ اسمائے القاب ہوں گے۔اگر کوئی اعتراض کرے کہ ہو سکتا ہے یہ الفاظ غیر مفہوم ہوں اور ان کے اندر یہ خرابی بیان ہوئی کہ اگر غیر مفہوم ہونا جائز ہوتا تو عرب کے رہنے والوں کے ساتھ زنگی زبان میں بات کرنا بھی جائز ہوتا تو ہم اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ اس میں کچھ امر محال نہیں۔یہ قول صاحب خزینۃ القرآن کا ہے اور مذکورہ بالا اقوال بھی انہیں کے ہیں جو امام رازیؒ نے نقل کیے ہیں۔یہ اقوال تفسیر امام محمد باقرؒ میں موجود ہیں۔قرآن مجید میں مشکوٰۃ اور سجیل استبرق کے الفاظ آئے ہیں حالانکہ مشکوٰۃ حبشہ کی زبان کا لفظ ہے اور یہ دونوں فارسی کے ہیں اور یہ جو بیان کیا ہے اللہ نے تمام قرآن کو ہدایت اور بیان کے ساتھ موصوف فرمایا تو جواب میں فقیر کہتا ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن کریم مجملات، متشابہات، مفصلات پر مشتمل ہے جب اس بات

Marfat.com

سے قرآن کی ہدایت بیان ہونے میں نقصان نہ آیا تو ان الفاظ کے مفہوم نہ ہونے سے بھی نقصان لازم نہیں آتا اور اگر ہم یہ بھی تسلیم کریں کہ یہ الفاظ مفہوم ہیں تو اس تقدیر پر تمہارا یہ کہنا کہ یہ الفاظ اسمائے القاب ہوں گے یا اسمائے معانی تب صحیح ہوگا جب یہ بات ثابت ہو جائے کہ یہ الفاظ کسی امر کے لئے مفید ہیں۔ مگر ہم اس کو نہیں مانتے۔ ہوسکتا ہے کہ اللہ نے کسی اور حکمت کے لئے ان الفاظ کے ساتھ کلام کیا ہو چنانچہ قطرب نے بیان کیا ہے کہ شروع اسلام میں مشرکین نے یہ بات مقرر کر رکھی تھی کہ قرآن کی طرف رُخ نہ کریں اس لئے اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو شروع میں ان حروف کے ساتھ کلام کرنے کا حکم دیا تا کہ وہ لوگ ان حروف کو سن کر متعجب ہو کر سکوت اختیار کر لیں اور پھر قرآن کے احکام خوب اچھی طرح سے ان کے کانوں میں پڑ جائیں۔ اگر ہم اس بات کو بھی تسلیم کریں کہ یہ الفاظ کسی چیز کے لئے موضوع ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ یہ اسمائے معانی میں سے ہوں پھر اس پر تمہارا یہ کہنا کہ لغت میں یہ کسی چیز کے لئے موضوع نہیں ہیں ہم تسلیم نہیں کرتے۔ اس لئے کہ یہ الفاظ تنہا بلاشبہ کسی چیز کے لئے موضوع نہیں ہیں مگر ہوسکتا ہے کہ خاص خاص قرائن کے ساتھ خاص خاص معانی پر دلالت کریں اور اس بات کے چند دلائل موجود ہیں۔

(1) یہ کہ آنحضرت ﷺ بار باران سے قرآن کے مقابلہ کے لئے فرمایا کرتے تھے اور یہ حروف جب ذکر کئے گئے تو قرآن سے یہ بات ثابت ہوئی کہ ان کے ذکر کرنے سے اللہ کی مراد یہ ہے کہ قرآن انہیں حروف سے مرکب ہے جن پر تم قادر ہو۔ اگر یہ بشر کا کلام ہوتا تو لازم تھا کہ تم بھی اس کی مثل لا سکتے۔

(2) یہ کہ ان حروف کے شمار کرنے کا لوگوں میں عرفاً اور عادتاً دستور جاری ہے۔

(3) یہ کہ یہ حروف چونکہ کلام کے لئے بمنزلہ اصول کے ہیں کہ کلام کی ترکیب انہیں سے ہوتی ہے۔ بہ این معنی ان حروف میں ایک قسم کا شرف اور عزت پائی جاتی ہے پس جس طرح کہ اللہ نے بعض اشیاء کے ساتھ قسم فرمائی ہے اسی طرح ان حروف کے ساتھ بھی قسم فرمائی ہو۔ صاحب خزینۃ القرآن حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی اسناد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ الٓمٓ قسمیہ حروف ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کی قسم انہیں حروف سے فرماتا ہے۔ مذکورہ بالا اقوال امام رازیؒ نے تفسیر خزینۃ القرآن سے نقل کئے ہیں۔ یہ حدیث تفسیر امام محمد باقر طاعوس، ابوالعالیہ، ابومسلم، علی بن طلحہ، ابوعبداللہ میں موجود ہے تو اس حدیث سے بھی تائید ہوگئی کہ یہ قسمیہ حروف ہیں۔

(4) یہ کہ اس اسم کے حروف میں سے کفایت کا دستور جاری ہے اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے اسماء پر تنبیہ کرنے کے لئے ان حروف کا ذکر فرمایا ہے۔

اب اگر ہم تمہارے دلائل کو تسلیم بھی کریں تو بچند وجوہ سے اس پر معارضہ ہوتا ہے۔ (1) یہ کہ بہت سی سورتوں کے اوّل میں ایک ہی لفظ آیا ہے مثلاً الٓمٓ، حٰمٓ۔ جب ایک لفظ واقع ہوا تو تعین اسم میں اشتباہ پڑ گیا اور اسم علم کے ذکر کرنے سے اشتباہ کا دور کرنا مقصود ہوتا ہے۔ اگر کوئی اعتراض کرے کہ یہ بات تو بہت سے اسمائے اعلام میں ہوتی ہے مثلاً سینکڑوں لوگوں کے نام محمد ہوتے ہیں اور نام میں شریک ہونے سے علمیت میں کوئی نقصان نہیں لازم آتا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ تمہارا یہ قول درست ہے کہ الٓمٓ ایسے الفاظ ہیں کہ ان سے کوئی اور معانی نہیں معلوم ہوتے اگر ان کو علم کہا جائے تو بجز تعین اور اشتباہ کے دور کرنے کے اور کوئی فائدہ نہیں اور جب کوئی غرض بھی ان سے حاصل نہ ہوئی تو ان کا علم کہنا بھی فضول ہوا بخلاف محمد کے نام کے۔ کہ علاوہ علمیت اور تعین کے اس کے اندر اور بھی مقاصد ہیں یعنی اس سے برکت حاصل کرنا کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ کا نام مبارک ہے اور بڑی پاکیزہ صفت پر دلالت کرتا ہے۔ پس ہوسکتا ہے کہ محمد کے نام رکھنے میں سوائے تعین کے یہ چیزیں بھی مقصود ہوں بخلاف الٓمٓ کے کہ اس میں سوائے تعین کے اور کوئی فائدہ نہیں نکلتا۔ اور جب تعین بھی ہوا تو اس کے ساتھ نام رکھنا محض عبث ہوا۔ (2) یہ کہ اگر یہ الفاظ سورتوں کا نام ہوں تو یہ ضرور تھا کہ بطور تواتر کے یہ امر آنحضرت ﷺ اور صحابہ سے مروی ہوتا کیونکہ یہ نام اسمائے عرب کے قوانین کے مطابق تو ہیں نہیں اور جو امر خلاف قاعدہ ہو اور عجیب ہو اس کی نقل کرنے والے بہت ہوتے ہیں اور اسکی نقل کی ضرورت بھی بہت زیادہ ہوتی ہے۔ خصوصاً وہ امور جن کے اخفا کرنے میں کوئی غرض نہ نکلے اور جب اس کی نقل کے دواعی بکثرت ہوتے تو ضرور تھا کہ بطور تواتر کے اس کی نقل پائی جاتی پھر کسی کا اختلاف بھی اس میں نہ ہوتا اور ہم دیکھتے ہیں کہ یہ بات نہیں ہے یعنی متواتر طور پر اس کی نقل نہیں پائی جاتی۔ اس سے خود ثابت ہو گیا کہ یہ سورتوں کے نام نہیں ہیں۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ اگر سورتوں کے نام ہوتے تو پھر تمام سورتوں کے ساتھ ان کا آنا ضروری تھا۔ (3) قرآن کا نزول عرب کی زبان میں ہوا اور ہم دیکھتے ہیں کہ عرب جب کسی چیز کا نام رکھتے ہیں زیادہ سے زیادہ دو ناموں کو ملا کر کسی چیز کا نام رکھ دیتے ہیں۔ معدی کرب اور بعلبک ایسا کسی نے نہیں کیا کہ تین یا چار یا پانچ نام ملا کر کسی ایک چیز کا نام رکھ دیا اور یہ الفاظ اگر سورتوں کے نام ہوں تو یہی بات لازم آتی ہے۔ پس ان سورتوں کا نام بتلانا دراصل عربی لغت سے خارج ہونا ہے جو ایک ناممکن امر ہے۔ (4) اگر یہ الفاظ سورتوں کے نام ہوتے تو

Marfat.com

ضرور تھا کہ سورتیں انہیں ناموں سے ہوتیں دوسرے ناموں سے ان کی شہرت نہ ہوتی۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ اگر سورتوں کے نام ہوتے تو پھر تواتر سے یہ بات ثابت ہوتی لیکن ایسا نہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ دوسرے ناموں سے سورتوں کی شہرت ہے اور تواتر سے ثابت ہے مثلاً سورۃ آل عمران وغیرہ۔ (5) یہ الفاظ سورتوں کے اندر داخل ہیں اور ہر چیز کا جز واس چیز سے رتبہ میں مقدم ہوا کرتا ہے اور ہر چیز کا نام رتبہ میں اس سے مؤخر ہوتا ہے۔ پس اگر یہ سورتوں کا نام ہوں تو لازم آتا ہے کہ مؤخر بھی ہوں اور مقدم بھی۔ یہ بات محال ہے۔ یہ صاحب خزینۃ القرآن کا قول ہے، امام رازی کا بھی اور اور تفسیر امام محمد باقر کا بھی اسی پر اتفاق ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ دیکھو صاد ایک حرف کا نام ہے جو حرف اسی نام کا پہلا جزو ہے یعنی ص۔ اور جب یہ ہو سکا کہ ایک مرکب اپنی ایک جزو کا نام ہو تو یہ ہو سکتا ہے کہ ایک جزو بھی اپنے مرکب کا نام ہو۔ تو اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اس میں اور اوپر کی صورت میں فرق ہے اس واسطے کہ مرکب اپنے جزو سے مؤخر ہوا کرتا ہے۔ اور اسم بھی اپنے مسمّی سے مؤخر ہوتا ہے۔ پھر اگر مرکب اپنے ایک جزو کا نام ہو تو اس وقت بھی اس کا اپنے جزو سے مؤخر ہونا ہی لازم آتا ہے۔ جس کا انجام یہ ہوا کہ بدوں وجہ اپنے جز سے مؤخر ہوا اور اس میں کچھ وقعت ہی نہیں ہے البتہ اگر کوئی جز اپنے مرکب کا نام ہو تو وہاں استحالہ لازم آتا ہے یعنی نام ہونے کی وجہ سے تو اسکا مؤخر ہونا لازم ہے اور جز ہونے کی صورت میں مقدم ہونا لازم ہے اور یہ بات محال ہے۔ مذکورہ دلائل جو صاحب خزینۃ القرآن و امام رازیؒ کے ہیں، بہت معقول ہیں۔ یہی دلائل امام محمد باقرؒ کے ہیں۔ (6) اگر یہ حروف سورتوں کے نام ہوں تو لازم ہے کہ قرآن پاک کی کوئی سورت اس قسم کے نام سے خالی نہ ہو اور ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سی سورتوں میں یہ الفاظ نہیں ہیں اور یہ جو بیان کیا ہے کہ مشکوٰۃ اور زنجبیل کا لفظ عربی نہیں تو اس کے ہم دو جواب دیتے ہیں لیکن صاحب خزینۃ القرآن اس کے دس جواب دیتے ہیں لیکن فقیر صرف دو ہی بیان کرے گا جو امام رازیؒ نے لکھے ہیں اور دس جواب تفسیر امام محمد باقر میں درج ہیں اور انہوں نے کافی بحث کی ہے۔

(۱) یہ کہ یہ سب الفاظ عربی زبان کے ہیں مگر دوسری زبانوں میں بھی رائج ہیں اور ایسا ہو جاتا ہے کہ ایک ہی لفظ کئی زبانوں میں مشترک ہو۔ (۲) یہ کہ یہ الفاظ جن چیزوں کے نام ہیں وہ چیزیں اولاً عرب ممالک میں نہیں پائی جاتیں لیکن جب وہ انہیں پہچاننے لگے تو نام بھی لینے لگے اور ان ناموں کا استعمال کرنے لگے بایں معنی یہ الفاظ بھی عربی زبان کے ہو گئے اور یہ جو بیان ہوا کہ قرآن مجید میں مجملات کے پائے جانے سے قرآن کے بیان ہونے میں کچھ نقصان نہیں ہوا تو اس کا جواب یہ ہے کہ کتاب اللہ میں جو مجملات ہیں ان کا بیان عقل یا کتاب یا سنت میں پایا جاتا ہے۔ اس وجہ سے ان کو غیر مفید نہیں کہا جا سکتا البتہ بیان کی صورت وہاں ہے جن کی مراد معلوم نہیں ہوتی اور یہ جو بیان کیا ہے کہ ان الفاظ کے ذکر کرنے سے ہو سکتا ہے کہ ان کا شور وشغب سے ساکت کرنا مقصود ہو تو اس کے جواب میں فقیر یہ کہتا ہے کہ صرف اس غرض کے لئے ان الفاظ کا ذکر کرنا جائز ہو تو تمام بے معنی اور مہمل الفاظ کا ذکر اس غرض کے لئے درست ہوتا حالانکہ یہ بالاتفاق باطل ہے۔ اور جتنے احتمالات الٓمّٓ کے اندر بیان کئے گئے ہیں ہم دیکھتے ہیں کہ لغت عربی میں ان معنی میں سے کسی معنی میں بھی الٓمّٓ کا لفظ موضوع نہیں ہے۔ پھر چونکہ ان معنی میں اس کا استعمال ہو سکتا ہے اس لئے کہ قرآن کا نزول بہ لغت عربی ہوا ہے علاوہ بریں وہ احتمالات باہم ایک دوسرے کو معارض ہیں اور یکساں ہیں پھر بعض کو چھوڑ کر بعض کو محمول کرنا ترجیح بلا مرجح ہے۔ علاوہ ازیں اگر تاویلات کا دروازہ کھول دیا جائے تو فرقہ باطنیہ کی تمام تاویلات کے ابواب اور تمام ہذیانات کے دروازے کھل جائیں گے اور اس میں جو قباحت ہے وہ ظاہر ہے۔ پہلے معارضہ کا جواب یہ دیا گیا کہ یہ بات ناممکن ہے کہ بہت سی سورتوں کا نام ایک ہی رکھا جائے اور پھر ہر ایک کی تمیز کسی اور علامت سے کر دی جائے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی کوئی حکمت پوشیدہ ہو۔ دوسرے معارضہ کا جواب یہ ہے کہ ایک سورت کا نام کسی لفظ معین کے ساتھ رکھنا کوئی عظیم الشان امر نہیں۔ لہٰذا ہو سکتا ہے کہ مشہور ہو کر حد تواتر تک نہ پہنچے۔ تیسرے معارضہ کا جواب یہ ہے کہ تین اسم ملا کر کسی چیز کا نام رکھنے میں کلام عرب سے خارج ہونا تب لازم آتا ہے جب بطور حضر موت کے ایک نام رکھا جائے۔ اور اگر ان کو مرکب نہ کیا جائے بلکہ اسمائے اعداد کی طرح جدا جدا رکھا جائے تو کئی نام ملا کر ایک نام رکھ دینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ چنانچہ سیبویہ نے تشریح کی ہے کہ جملہ یا کسی شعر یا حروفِ تہجی کے چند نام ملا کر نام رکھنا درست ہے۔ چوتھے معارضہ کا جواب یہ ہے کہ ایک چیز کے اصلی نام کی نسبت ہو سکتا ہے کہ اس کے لقب کو زیادہ تر شہرت ہو جائے۔ اس طرح ان سورتوں کے اصلی نام یہی الفاظ ہیں مگر شہرت ان کی نہ ہوئی پانچویں معارضہ کا جواب یہ ہے کہ اسم اس لفظ کا نام ہے جو ایک امر مستقل بنفسہٖ پر دلالت کرتا ہے اور کسی زمانہ معین پر اسکی دلالت نہیں ہوتی اور خود اسم کا لفظ بھی ایسا ہی ہے جس سے لازم آتا ہے کہ اسم بھی اپنی ذات کا اسم ہو جائے اور جب اس میں کچھ قباحت نہ ہو جائے تو ایک چیز کا جز اسکا اسم بھی ہو سکتا ہے۔ چھٹے معارضہ کا جواب یہ ہے کہ ان اسمأ کا سورتوں کے مقابل واضح کرنا اقتضاء حکمت کے ہوگا اور ہو سکتا ہے کہ بعض سورتوں کے لئے اسم وضع کرنے کی حکمت عملی مقتضی ہو اور بعض کے لئے مقتضی نہ ہو۔ علاوہ ازیں اللہ کو اختیار ہے کہ جو چاہے سو

Marfat.com

کرے۔ یہاں تک جو بیان کیا گیا اس مذہب کی تائید میں انتہائی کلام تھا۔ اب معلوم کرنا چاہئے کہ اس مذہب کے بعد جس کی فقیر نے اقوالِ مذکورہ سے تائید کی ہے۔ قطرب کا قول: یہ کہ مشرکین نے باہم یہ بات کہہ رکھی تھی کہ قرآن کو مت سنا کرو بلکہ شور مچا دیا کرو پھر جب رسول اللہ ﷺ سورتوں کے شروع میں یہ الفاظ پڑھتے تھے تو اس سے ان کی سمجھ میں نہ آتا تھا اور یہ قاعدہ ہے۔ الانسان حریص فیما منع کہ انسان کو جس چیز سے منع کیا جائے اس میں وہ حریص ہو جاتا ہے اور اس کے درپے ہو جاتا ہے۔ اسی سبب سے وہ قرآن کی طرف کان لگاتے تھے اور اس کے مطالعہ اور مقاطعہ میں فکر و تدبّر کرتے تھے اس امید پر کہ شاید اس کے بعد کوئی ایسا کلام آجائے جس سے اس کا مبہم حال کھلے اور اس مشکل کا حل ہو غرض اس ترکیب سے وہ قرآن پاک کو نہایت غور و خوض سے سننے لگتے تھے اور اس مذہب کی تائید اس امر سے ہوتی ہے کہ یہ حروف جس قدر آئے سورتوں کے شروع میں آئے ہیں جس سے اس غرض کی طرف اشارہ ہوتا ہے جس کو فقیر نے بیان کیا ہے۔ یہ کہ علمائے شریعت نے متشابہات کے نازل کرنے کی حکمت یہ بیان کی ہے کہ علّت کا تلاش کرنے والا جب اس بات کو جان لیتا ہے کہ قرآن کے اندر متشابہات بھی موجود ہیں تو قرآن کے اندر تامل کرتا ہے اور فکر کرنے میں اپنی ہمت کو صرف کرتا ہے اسی امید پر کہ شاید اس کو اپنے قول کی امید اور قوت کی دھن میں کوئی بات معلوم ہو جائے اور اس ذریعہ سے اس کو محکمات کا علم ہو جائے جن کی وجہ سے گمراہی سے خلاصی ہو جاتی ہے پھر جب اس غرض کے لئے متشابہات کا نازل کرنا جائز تو باوجودیکہ متشابہات میں لوگوں کی گمراہی بھی پیدا ہو سکتی ہو تو ان حروف کا اس غرض کے لئے نازل کرنا بطریق اولیٰ درست ہوگا کیونکہ ان میں خطا اور گمراہی کا احتمال نہیں ہوتا بڑی سے بڑی خرابی یہ لازم آتی ہے کہ اگر یہ جائز ہو تو یہ لازم آتا ہے کہ عربی کے ساتھ زنگی زبان میں کلام کرنا اور غرض کے لئے ہذیانات کے ساتھ کلام کرنا درست ہوا۔ اور نیز قرآن کی ہدایات اور بیان ہونے میں اس لئے نقصان لازم آتا ہے لیکن ہم کہتے ہیں کہ اگر اللہ اس قسم کی مصلحت کے لئے عرب کے رہنے والوں کے ساتھ زنگی زبان میں کلام کرے تو اس میں کچھ نقصان نہ ہوگا اور اس کی تحقیق یہ ہے کہ کلام ایک فعل ہے منجملہ افعال سے، اور اس سے مقصود کا بھی افادہ ہوتا ہے اور یہ جو بیان کیا تھا کہ ہذیان ہونا لازم آتا ہے تو ہم یہ کہتے ہیں کہ ہذیان سے ہماری کیا مراد ہے۔ اگر وہ فعل مراد ہے کہ جو مصلحت سے بالکل خالی ہو تو یہ بات یہاں نہیں ہے اور اگر وہ الفاظ مراد ہوں جو افادہ سے خالی ہوں تو ہم کہتے ہیں کہ اگر وہ الفاظ اور مصالح پر مشتمل ہوں اور افادہ سے خالی ہوں تو یہ حکمت سے کچھ مضر نہیں ہے۔ اور قرآن کا ہدایات اور بیان کے ساتھ متصف ہونا ہمارے قول کے مخالف نہیں ہے۔ اس لئے کہ جب ان الفاظ سے یہ امور مقصود ہوں تو ان الفاظ کا سننا بیان اور ہدایات کا بڑا ذریعہ ہوگا۔ صاحب خزینۃ القرآن نے اس پر کافی بحث رقم کی ہے اسی سے تین ہزار مسائل نکالے ہیں مزید ضرورت ہو تو تفسیر امام محمد باقرؒ و خزینۃ القرآن کو دیکھیے واللہ اعلم۔

ان الفاظ کے اسمائے سُور ہونے سے جو فروعات نکلتی ہیں ان کا بیان

یہ اسماء دو قسم کے ہیں ایک وہ جن پر اعراب آتا ہے۔ وہ اسماء یا تو اسماء سے نکلتے ہیں جیسے صٓ، قٓ، نٓ وغیرہ۔ صاحب خزینۃ القرآن کا یہی اتفاق ہے، یا وہ اسماء جن کا مجموعہ کسی وزن پر آتا ہے مثلاً حٰمٓ، طٰسٓ، یٰسٓ۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں ہابیل اور قابیل کے وزن پر ہیں امام رازیؒ کا بھی یہی خیال ہے اور تفسیر امام باقر میں بھی مذکور ہے۔ مثلاً طٰسٓمٓ تین لفظوں سے مرکب ہے۔ موصوف فرماتے ہیں مگر وہ کسی مقرر کے وزن پر نہیں جیسا کہ دارالبجرو وغیرہ۔ اور غیر منصرف ہیں۔ اس میں دو سبب پائے جاتے ہیں ایک علمیت دوسرا تانیث۔ دوسرے اسماء وہ اسماء جن پر اعراب نہیں آتا جیسے کٓھٰیٰعٓصٓ، الٓمٓ۔ جب آپ کو یہ معلوم ہو گیا تو اب فقیر بیان کرتا ہے کہ اسماء مفردہ میں دو قرأتیں ہیں۔

(۱) ان کی قرأت جو صٓ، نٓ، قٓ کو فتح کے ساتھ پڑھتے ہیں اور یہ حرکت ہو سکتی ہے۔ فعل مقدر کی وجہ سے ہے مثلاً اُذکر وغیرہ اور تنوین اس پر اس لئے نہیں آئی کہ یہ غیر منصرف ہیں چنانچہ اس کا بیان پہلے ہو چکا ہے اور سیبویہ نے اس کی مثال نصب کے ساتھ پڑھنا سے دی ہے مثلاً طٰہٰ، طٰسٓ اور یٰسٓ میں بھی یہی تجویز کیا ہے اور عقلانی نے نقل کیا ہے۔ بعض قراء نے یٰسٓ کے نون کو فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور فتح جر کی جگہ پر اسی طرح فعل مقدر کی ہے چنانچہ اہلِ لغت سے اَللّٰہُ لَا فَعَلَنَّ بھی آیا ہے۔ مگر چونکہ یہ غیر منصرف ہے اس لئے جو کی جگہ فتح دیا گیا ہے اور اس کی تائید اس قول محولہ بالا سے ہوتی ہے کہ اللہ نے ان حروف کے ساتھ قسم کھائی ہے۔

Marfat.com

(۲) قرأت یہ ہے کہ بعض قراء نے صٓ کو کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے اور دو ساکنوں کے اکٹھے ہونے کی وجہ سے حرکت دے کر اسطرح پڑھا گیا ہے۔ قسم دوسری وہ الفاظ ہیں جن پر اعراب نہیں آتا ان کو یہ کہنا چاہئے کہ انکا اعراب حکائی ہے جسطرح اسکی پہلی صورت ہے اسی طرح منقول کر کے اسی حالت میں رکھا گیا ہے۔

کفرلک عنّی من طھرتان۔

فرع دوم:

اللہ تعالیٰ نے حروف تہجی میں سے پورے نصف حروف ان سورتوں کے شروع میں فرمائے ہیں یعنی کل چودہ حروف۔ الف، لام، میم، صاد، را، کاف، ھا، یا، عین، طا، سین، حا، قاف، نون اور انتیس سورتوں میں ان کو بیان فرمایا ہے۔

فرع سوم:

یہ الفاظ مختلف الاعداد معلوم ہوتے ہیں۔ کہیں ایک حرف جیسے صٓ، قٓ، نٓ کہیں دو ہیں جیسے طٰہٰ، طٰسٓ، یٰسٓ وغیرہ۔ کہیں تین حروف الٓمّٓ، الٓرٰ کہیں چار جیسے الٓمّٓصٓ، الٓمّٓرٰ کہیں پانچ پانچ جیسے کٓھٰیٰعٓصٓ، حٰمٓ عٓسٓقٓ اس میں نقطہ یہ ہے کہ عرب کے کلمات کی بنا پر کم از کم ایک حرف اور زیادہ سے زیادہ پانچ حروف پر ہوتی ہے۔ اسی طرح یہاں بھی واقع ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن مولا علیؓ کا قول نقل کرتے ہیں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ عرب کے کلمات کی بنا ایک حرف سے پانچ حروف تک ہے۔ آپ نے یہ بات خواجہ حسن بصری سے کہی۔ یہ قول تفسیر امام محمد باقرؒ، تفسیر شیخ عبدالملک ابن جوزیؒ اور ہاشمؒ بن بشیر میں بھی ہیں۔

فرع چہارم:

آیا ان الفاظ کو اعراب ہیں؟ یعنی کس قول میں اعراب واقع ہوئے ہیں اس کا بیان یہ ہے کہ اگر یہ سورتوں کے نام ہیں تو بلاشبہ ان کے لئے محل اعراب نکلتا ہے اور تین احتمالات کا امکان پیدا ہوسکتا ہے یا تو رفع۔ اس لئے کہ ترکیب میں مبتدا واقع ہوئے ہیں یا نصب یا جر کی بناء پر اور ہر قسم کا بیان کیا جاچکا ہے اور جن سورتوں کے نام یہ ہیں ان کے نزدیک ان کے لئے محل اعراب نہیں نکلتا جس طرح ان جملوں کے لئے کوئی محل اعراب نہیں ہوتا جن سے کلام شروع کیا جاتا ہے اور جملے مستقل ہوتے ہیں یا مفردات محدودہ کے لئے قول اعراب نہیں ہوتا۔ الٓـمّٓ کی بحث فقیر نے جتنی کی ہے کافی ہے ان سے سورتوں کے نام نہ سمجھے جائیں اس پر بحث مکمل ہو چکی ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن حضرت عائشہؓ کی اسناد سے حدیث درج کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ الٓمّٓ، الٓمّٓرٰ، الٓمّٓصٓ، طٰہٰ، کٓھٰیٰعٓصٓ، حٰمٓ عٓسٓقٓ یہ تمام اسم ہیں اور ان کا راز مجھے یا میرے رب کو معلوم ہے۔ فقیر اتنی بحث کو کافی سمجھتا ہے لیکن صاحب خزینۃ القرآن نے اس پر پانچ سو صفحہ رقم کیا ہے اور امام باقرؒ نے بھی کافی بحث فرمائی ہے جو میں یہاں عرض نہیں کرسکتا۔

اب ذٰلِکَ الکِتٰبُ کی تفسیر۔ اس میں کئی مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر ۱:

اگر کوئی کہے کہ یہاں مشار الیہ حاضر ہے چند وجوہ سے۔ (۱) اس وجہ سے کہ جو عاصم کوفی نے بیان کیا ہے کہ اللہ نے کتاب کو اچانک نازل نہیں فرمایا بلکہ بعض کو بعض کے بعد اتارا ہے۔ چنانچہ سورہ بقرہ کو بہت سی سورتوں کے بعد نازل فرمایا جو مکہ مکرمہ میں اتری ہیں ان میں توحید اور فساد، شرک و نبوت اور معاد کے اثبات پر بیان ہے۔ پس لفظ ذٰلِکَ کا اشارہ انہیں سورتوں پر ہے جو اس سورت سے پہلے اُتری ہیں اور قرآن کے ایک حصے پر لفظ قرآن بولا گیا ہے تو کچھ مضائقہ نہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْالَہٗ اور دوسری جگہ جنات سے حکایت فرمائی اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا اور دوسری جگہ پر اِنَّا سَمِعْنَا کِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْ بَعْدِ مُوْسٰی فرمایا۔ حالانکہ جنوں نے پوری کتاب کو کہاں سنا تھا۔ جو اس وقت نازل ہوئی تھی۔

مسئلہ نمبر ۲:

یہ کہ اللہ نے اپنے نبی کو مبعوث کرتے وقت یہ وعدہ فرمایا تھا کہ میں ایسی کتاب نازل کروں گا جس کو کوئی مٹانے والا نہ مٹا سکے گا۔ اور آپ ﷺ نے اس

Marfat.com

کتاب کی اپنی امت کو خبر دی اور امامت نے آپ ﷺ سے اس اَمر کی روایت کی اور اس امر کی تائید میں اللہ تعالےٰ کا یہ قول اِنَّا سَنُلْقِی عَلَیْکَ قَوْلاً ثَقِیلاً ۔ سورہ مزمل میں فرمایا اوپر والی روایات تفسیر خزینۃ القرآن سے ہیں تفسیر امام محمد باقرؒ اور ابن عباسؓ و ابی بن کعبؓ میں ہیں جو امام رازیؒ نے بھی درج کی ہیں ایک اور حدیث خزینۃ القرآن سے سیّدنا ابوبکر صدیقؓ و عبداللہ بن عمرؓ کی اسناد سے درج کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پہلے جتنی کتابیں نازل ہوئیں ان میں قوموں نے تحریف کی اور انہیں بدل دیا لیکن جو کتاب مجھ پر نازل ہوئی اس کا اللہ نے مجھ سے وعدہ کیا کہ اس کتاب کو کوئی نہیں مٹا سکے گا اس کی حفاظت میرے ذمّے ہے۔ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْن یہ کلام ثقیل ہے اور دیگر کتابوں میں لفظ ثقیل نہیں استعمال ہوا۔ مذکورہ قول سرکار دو عالم ﷺ نے تلاوت فرمایا۔ یہ حدیث تفسیر امام باقرؒ، ابوالعالیہ، امام جعفر صادقؒ ابوسفیان ثوریؒ، شیخ محمد بن حجاجؒ اور شیب بن عبادہؓ میں ہیں یہ سورہ مزمل آپ ﷺ پر مبعوث ہوتے ہی یعنی اعلانِ نبوّت کے فوراً بعد نازل ہوئی۔ صاحب خزینۃ القرآن لکھتے ہیں کہ یہ بات قوی ہے کہ اس کتاب کو کوئی بھی نہیں مٹا سکے گا جو اس کے مٹانے کا خیال بھی کرے گا وہ خود ذلیل و خوار ہو جائے گا۔

مسئلہ نمبر ۳:

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے خطاب فرمایا ہے۔ یہ سورہ بقرہ مدینہ میں نازل ہوئی ہے مکّی نہیں کیونکہ اس کا زیادہ تر حصہ یہودیوں پر حجت اور الزام پر ہے اور بنی اسرائیل کو حضرت موسیٰؑ و عیسیٰؑ نے خبر دی تھی کہ اللہ تعالیٰ محمد رسول اللہ ﷺ کو رسول بنا کر بھیجے گا اور ان پر کتاب نازل فرمائے گا۔

مسئلہ نمبر ۴:

یہ کہ اللہ نے اپنے قول کے ساتھ فِیْ اُمِّ الْکِتٰبِ لَدَیْنَا کی خبر دی کہ قرآن لوح محفوظ کے اندر ہے۔ وَاِنَّہٗ فِی لَوْحٍ مَحْفُوظٍ یاد رہے کہ صاحب خزینۃ القرآن محمد ابن علی بن حسین بن علیؓ بسند امام زہریؒ بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ قرآن لوح محفوظ میں اس طرح لکھا ہے کہ پہلے سورہ فاتحہ پھر بقرہ ــــــ الخ اسی طرح حضور ﷺ نے والنّاس تک بتایا۔ فرمایا کہ پہلے بڑی سورتیں ہیں اور بعد میں چھوٹی اور یہ ہمیشہ سے قانون ہے کہ بڑی چیز پہلے آتی ہے۔ فرمایا کہ مجھ پر صرف واقعات کی بنا پر قرآن جزوی طور پر اُترا ہے جس میں مذکورہ بالا آیت تلاوت فرمائی جو اس حدیث کے حق میں ہے آنحضرت ﷺ نے اپنی اُمّت کو اس کی خبر دی پس ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ذٰلِکَ الْکِتٰبُ کہہ کر بیان فرمایا۔ یہ کتاب وہی ہے جو لوح محفوظ پر درج ہے۔

مسئلہ نمبر ۵:

یہ کہ ذٰلِکَ کا اشارہ الٓمّٓ پر ہے جب الٓمّٓ کے ساتھ تکلم ہو چکا تو وہ بعید کے حکم میں ہو گیا۔ صاحب خزینۃ القرآن حضرت ابی قتادہؓ کا قول درج کرتے ہیں۔ فرمایا کہ ذٰلِکَ کا اشارہ الٓمّٓ پر ہے اس لئے امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ گزری ہوئی چیز بعید کے حکم میں ہوتی ہے۔ امام باقر بھی یہی فرماتے ہیں۔

مسئلہ نمبر ۶:

یہ کہ جب اللہ کا کلام سرکار دو عالم ﷺ تک پہنچا تو اس میں ایک قسم کا بُعد پیدا ہو گیا جیسے کوئی شخص کسی کو کوئی چیز دے چکا ہو اور پھر اس سے کہے کہ اس چیز کی حفاظت رکھنا۔

مسئلہ نمبر ۷:

یہ کہ قرآن بڑی بڑی حکمتوں اور بے بہا علوم کے سمندر اس میں درج ہیں۔ صاحب خزینۃ القرآن ایک حدیث درج کرتے ہیں کہ میں نے ابراہیم بن عثمان سے سنی انہوں نے شہاب سے اور انہوں نے محمد بن مسلم امام زہریؒ سے انہوں نے حضرت انسؓ سے انہوں نے حضرت علیؓ سے حضرت علیؓ نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا۔ فرمایا کہ تمام علوم جن کی نہ ابتدا ہے اور نہ ہی انتہا وہ لوح محفوظ میں ہیں اور لوحِ محفوظ کے تمام علوم جن کی نہ ابتدا ہے نہ انتہا سب قرآن مجید میں ہیں فرماتے ہیں کہ یہی حدیث میں نے محدث سلیمان خطابیؒ سے بھی سنی اور یہ تفسیر امام باقرؒ اور ابوالعالیہ میں بھی ہے جن کا حافظہ اول سے آخر تک ذرا بھی کم نہ ہوا۔ اس حدیث کی سند

Marfat.com

وہ بھی بیان کرتے ہیں یہی بات امام رازیؒ تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں اور موصوف تیسری سند اس حدیث کی حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے بھی بیان فرماتے ہیں۔

قرآن کریم اگر چہ ظاہری صورت کے اعتبار سے حاضر ہے لیکن اپنے حقائق کے اعتبار سے غائب ہے۔ امام رازیؒ لکھتے ہیں کہ صاحب خزینۃ القرآن حدیث درج کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ میں نے سلیمانؒ سے انہوں نے شہابؒ سے انہوں نے امام زہریؒ سے انہوں نے حضرت انسؓ سے انہوں نے حضرت علیؓ سے انہوں نے حضرت ابوبکرؓ، حذیفہؓ اور حضرت جابرؓ کی موجودگی میں رسول اللہ ﷺ سے سُنا آپ نے فرمایا کہ قرآن حاضر ہے لیکن اس کے راز غائب ہیں جو مجھے معلوم ہیں لہذا رازیؒ کے قول کی تائید اس حدیث سے بھی ہوگئی۔ یہ حدیث امام باقرؒ و مقاتل اور تفسیر عقلانی میں بھی مذکور ہے۔ موصوف صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مجموعۃ الکتاب میں بھی مرقوم ہے۔

جواب دوسرا:

ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ اس مقام پر مشار الیہ حاضر ہے لیکن اس امر کو ہم تسلیم نہیں کرتے کہ ذٰلِکَ کا اشارہ بعید ہی کی طرف ہوتا ہے اس کی تحقیق یہ ہے کہ ذٰلِکَ اور ھٰذا اشارہ کے الفاظ ہیں اور ان کی اصل ذا ہے۔ اس لئے یہ حروف اشارہ میں سے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مَن ذَا الَّذِی یُقرِضُ اللّٰہ قَرضاً حَسَناً۔ وہ کون ہے جو اللہ کو اچھا قرض دیتا ہے اور لفظ ھا صرف تنبیہ کے لئے ہے۔ جس وقت مشار الیہ قریب ہوتا ہے اس کی طرف اشارہ کرنا مطلوب ہوتا ہے تو وہاں ھٰذا کے ساتھ اشارہ ہوگا۔ یعنی اے مخاطب تو متنبہ ہوجا کہ میں نے جس چیز کی طرف اشارہ کیا ہے وہ تیری نگاہ کے سامنے حاضر ہے اور کاف ذا کے اوپر اور لام کا اشارہ کی تائید کے لئے داخل ہوکر غائب ہوگیا پس گویا متکلم نے تنبیہ کے اندر اس امر کا مبالغہ کیا کہ مشار الیہ اس سے دور ہے۔ پس ثابت ہوگیا کہ ذٰلِکَ کا لفظ اصل اعتبار سے بعید نہیں ہے بلکہ عرف میں مشار الیہ بعید کے لئے بوجہ اسی مرتبہ کے جس کا فقیر نے ذکر کیا پس اس کا وہی حال ہوا جو لفظ دابہ کا حال ہے۔ وہ عرف کے لحاظ سے گھوڑے کے لئے خاص کرلیا ہے ورنہ اصل وضع کے اعتبار سے تمام حیوانات کو شامل کیا ہے جو زمین پر حرکت کرتے ہیں۔ جب سراسر ثابت ہوگیا تو فقیر کہتا ہے کہ ذٰلِکَ کو وضع لغوی پر محمول کیا گیا ہے نہ وضع عرفی پر۔ پس اس توجیہہ پر وہ بعید کے لئے نہ ہوگا یہ قول اللہ تعالیٰ کا کہ وَاذکُر عِبَادَنَا اِبرَاھِیمَ اِلیٰ قَولہ تعَالیٰ کُلّ مِنَ الاَخیَار اس کے بعد فرمایا ذکر یعنی یہ قرآن نصیحت ہے۔ وَعِندَھُم قٰصِرَاتُ الطَّرفِ اَترَاب ھٰذَا مَا تُوعَدُونَ لِیَومِ الحِسَاب۔ یعنی ان کے پاس نگاہیں نیچی رکھنے والی ہیں ایک عمر کی ہیں جن کے متعلق قیامت کے دن کا وعدہ کیا ہے۔ دوسری جگہ فرمایا وَ جَاءَت سَکرَۃُ المَوۃ آخر تک آیت دیکھئے۔ فَاَخَذَہُ اللّٰہُ نَکَالَ الاٰخِرَۃِ وَالاُولیٰ آخر تک آیت دیکھئے۔ اللہ نے اس کو دنیا اور آخرت میں پکڑ لیا بیشک اس میں خبرداری ہے۔ پارہ ۱۷ وَلَقَد کَتَبنَا فِی الزُّبُورِ سے لے کر آخر تک آیت دیکھئے اللہ تعالیٰ نے زبور میں نصیحت کرنے کے بعد فرمایا کہ جنت کی زمین آخر کار میرے نیک بندوں کو ملے گی۔ اس کے بعد فرمایا اِنَّ فِی ھٰذَا لَبَلٰغ لِقَومِ عَابِدِین۔ یعنی اس میں علم کا پہنچا دینا ہے نیک عابد بندوں کے گروہ کو۔ اور فرمایا وَمَا تِلکَ بِیَمِینِکَ یَا مُوسیٰ یعنی اے موسیٰ تیرے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟ امام رازی یہاں واللہ عالم کہتے ہیں لیکن صاحب خزینۃ القرآن نے اس مسئلہ کی بڑی لمبی وضاحت کی ہے اور تفسیر امام باقرؒ سے نقل کیا ہے لیکن اتنا ضرور ہے کہ ذٰلِکَ یہ سب قریب و بعید کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔

مسئلہ دوسرا:

اگر کوئی یہ کہے کہ یہاں اشارہ کا لفظ مذکر کے لئے کیوں لایا گیا ہے مؤنث ہونا چاہئے تھا اس لئے کہ مشار الیہ یعنی سورت مونث ہے۔ اس لئے اسکا جواب فقیر یہ دیتا ہے کہ مشار الیہ کے مؤنث ہونے کو تسلیم نہیں کیا جاتا اور فقیر دریافت کرتا ہے کہ تم خود سورت کو مؤنث کہتے ہو یا اس کے نام کو خود مؤنث کہنا باطل ہے اس لئے کہ سورہ خود قرآن کا جزو ہے صاحب خزینۃ القرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں اور امام باقرؒ ابوالعالیہ، طاؤس، ابی بن کعبؓ سے سورت کو نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر سورہ قرآن کا جزو ہے ایک دوسری حدیث میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر سورہ قرآن کا جزو ہے اور قرآن مؤنث نہیں ہے۔ الٓمٓ نہ وہ اسم ہے جو مؤنث ہے یعنی سورۃ۔

Marfat.com

اسمائے قرآن مجید

مسئلہ تیسرا:

جاننا چاہئے کہ اسمائے قرآن جو کثرت میں ہیں اور ان کی حکمتیں صاحب تفسیر کبیر، خزینۃ القرآن علامہ عبدالرزاق امام زہریؒ کی اسناد سے بیان کرتے ہیں۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ وحضرت علیؓ کی روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کا کلام قرآن مجید بہت عظیم الشان ہے اس کے بہت سے نام ہیں ابی بن کعبؓ اور امام رازیؒ بھی اس بات پر متفق ہیں۔ یہ حدیث تفسیر امام باقرؒ طاؤس ابی بن کعبؓ ابوالعالیہ ہاشم بن بشیر مجاہدیؒ تفسیر امام مالکؒ عطا خراسانیؒ میں درج ہے۔ اس کا ایک نام کِتَاب ہے جو مصدر ہے جس طرح کہ قیام وصیام۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ کِتَاب بمعنی مکتوب کے ہے جس طرح لباس بمعنی ملبوس کے ہے لیکن مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کتاب سے یہاں قرآن مراد ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن حضرت عبداللہ ابن عمرؓ وحضرت علیؓ کی اسناد سے روایت درج کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ذٰلِکَ الْکِتَابُ یہ قرآن کا نام ہے جو لوح محفوظ پر لکھا ہے۔ یہی حدیث مجموعۃ الکتاب سے ہے اور تفسیر امام محمد باقرؒ میں مذکور ہے اور یہی امام زہریؒ کے مجموعہ احادیث میں بھی درج ہے اور دوسری جگہ فرمایا کِتَابٌ اَنْزَلْنَا اِلَیْکَ۔ کتاب کے کئی معنی ہیں پہلا معنی لکھنا اور فرض کرنا ہے دوم دلیل حجت کے معنی میں ہے سوم وقت اور اجر کے معنیٰ ہیں، چوتھا غلام کو مخاطب کرنے کے معنیٰ میں۔ یہاں پر مصدر بمعنی کاتب کے ہیں جیسے جدال اور حصام اور قتال مجادلت اور مخاصمت اور مقاتلت کے معنی میں آتے ہیں اس میں یہ کتب الشیء سے ماخذ ہے۔ جب کسی چیز کو جمع کرلیں تو اسی طرح بولا جاتا ہے لشکر کو کتیبہ بھی اسی لئے کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں لوگ جمع ہوجاتے ہیں اور قرآن کو بھی اسی لئے کتاب کہتے ہیں کہ اس کے اندر علوم کا اجتماع ہے تو اس حدیث سے امام رازیؒ کے قول کی تائید ہوگئی کہ علوم کی دو قسمیں ہیں علمِ عرضی اور علمِ ذاتی۔ قرآن کے اندر علوم ذاتی ہیں علمِ عرض قرآن کا حصہ ہی نہیں بنتا ہے۔ مفسرین کے اس کے متعلق دو قول ہیں (۱) وہ کہتے ہیں کہ قرآن اور قراءت ایک ہی چیز ہے جیسے خسران اور خسارہ۔ (۲) حضرت قتادہؓ کا قول ہے کہ قرآن مصدر اس ماخذ ہے۔ قرآت الماء فی الحوض اور صفیان بن عقبہ کا قول ہے کہ قرآن کو قرآن اس لئے کہتے ہیں کہ جب حروف کو جمع کیا گیا تو وہ کلمات بن گئے، کلمات کو جمع کرنے سے آیات اور آیات کو جمع کرنے سے سورتیں اور سورتیں جمع کرنے سے قرآن بن گیا۔ پھر اس میں اولین اور آخرین کے تمام علوم جمع کیے گئے۔ یہی قول امام محمد باقرؒ کا بھی ہے الحاصل قرآن کا لفظ یا تو قرأت سے لیا گیا ہے یا جمیعت سے۔ صاحب تفسیر خزینۃ القرآن و امام باقرؒ کی اسناد سے حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ وعلیؓ سے روایت درج کرتے ہیں کہ صحابہؓ کا اجتماع تھا تو حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ لفظ قرآن کے بارے میں کچھ ارشاد فرمائیے۔ آپ نے فرمایا کہ سنو قرآن حکمات کا مجموعہ ہے اس مجموعہ میں چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ (۶۶۶۶) آیات ہیں اور آیات سے سورتیں ہیں پھر اس میں تمام علوم کلی ما فیہا اس میں موجود ہیں اور یہ وہ علوم ہیں جن کی نہ ابتدا ہے نہ انتہا۔ اس حدیث کو کافی مفسرین نے بیان کیا ہے ایک اور حدیث حضرت عائشہؓ کی اسناد سے درج کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قرآن مجید کلام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں کُلُّھُم علوم نازل فرمادیئے ہیں اور وہ علوم بھی اس میں ہیں جو لوحِ محفوظ سے زائد ہیں اور لوحِ محفوظ کے علوم تو اس کا ہی ایک حصہ ہیں نیز فرمایا کہ وہ تو قرآن کا ایک حصہ بھی نہیں بنتے۔ یہ حدیث خواجہ حسن بصریؒ کے مسودہ میں بھی ہے اور تفسیر امام محمد باقرؒ، ابی بن کعبؓ، امام حسنؓ اور حضرت علیؓ کے مجموعہ میں بھی ہے۔ پھر تیسری حدیث حضرت علیؓ کی اسناد سے بیان کرتے ہیں کہ سرکار دوعالم ﷺ نے فرمایا کہ قرآن میں تمام علوم جمع کردیئے گئے ہیں اللہ تعالیٰ نے پہلے سب کا سب لوحِ محفوظ میں اٹھا رکھا پھر وہی علوم قرآن میں آئے۔

اس کا تیسرا نام فرقان ہے۔ امام رازیؒ کہتے ہیں کہ فرقان کی تفسیر میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ فرقان اسکا نام اس لئے ہوا کہ اس کا نزول جدا جدا طور پر ہوا کیونکہ امام رازیؒ کے بقول پورا قرآن بیس برس سے کچھ اوپر وقت میں نازل ہوا۔ صاحب خزینۃ القرآن حضرت علیؓ کے مجموعہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھ پر قرآن کو نازل ہوتے ہوتے بائیس برس اور کچھ دن لگے۔ اس حدیث کو تواتر سے بیان کیا گیا ہے۔ باقی تمام کتب سماوی یکبارگی نازل ہوئیں

Marfat.com

اس کے اندر جو حکمت ہے سورہ فرقان رکوع ۳ کی آخری آیت ہے فقیر نے بیان کیا ہے۔ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ لَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً سے فُؤادَكَ تک پڑھیئے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ فرقان اس لئے کہا گیا کہ کفر وایمان کے درمیان فرق کرتا ہے۔ حلال وحرام، مجمل ومفصل اور مبین ومحکم میں فرق کر دیتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ فرقان کے معنی نجات کے ہیں عکرمہؒ اور سدی کے قول بھی یہی ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ خلقت گمراہی کی تاریکیوں میں ڈوبی ہوئی تھی فرقان کی وجہ سے ان کو نجات ملی۔ اس نام کی وجہ یہ بھی ہے کہ اللہ نے اپنے بندوں کو اس نام سے یاد کیا ہے اور ان کو اپنی تکالیف واوامر ونواہی بتلا دیئے ہیں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ جو قرآن پر ایمان لائے قرآن اس کے لئے باعثِ ذکر، شرف اور باعثِ فخر ہوتا ہے اس قرآن میں سرکار دو عالم ﷺ اور آپ کی امت کا شرف ہے۔ کچھ اس پر احادیث ہیں صاحبِ خزینۃ القرآن امام تفسیر میں مجموعہ احادیث امام زہریؒ، خواجہ حسن بصریؒ، امام باقرؒ کی تفاسیر سے حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی روایت سے درج کرتے ہیں۔ کہ حضور ﷺ نے فرمایا یہ قرآن فرقان ہے مجھ پر جدا جدا ہو کر نازل ہوا جبکہ پہلی سماوی کتابیں یکبارگی اتریں لیکن قرآن کے متعلق میں نے بارگاہِ الٰہی میں دعا کی کہ اے اللہ یہ قرآن تیرا کلام ہے تو اسے میری مرضی سے نازل فرما اور میرے دل کو ثابت رکھ۔ چنانچہ میری دعا قبول ہوئی اور قرآن جدا جدا ہو کر نازل ہوا اور پہلی کتابیں یکبارگی اُتریں۔ صاحبِ خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو سرکار دو عالم ﷺ کی مرضی پر اُترا چنانچہ صحابہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ آپ اللہ کے حبیب ہیں اللہ آپ کے دل کو کیوں نہ راضی رکھتا۔

دوسری حدیث: اسی ضمن میں نافع بن یزیدؒ کی سند سے بیان کرتے ہیں اور یہی حدیث سلیمان خطابیؒ کی سند سے، وہ امام زہریؒ سے اور وہ علی ابنِ حسینؓ کی اسناد سے اور وہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کی کافروں کی ایک بڑی جماعت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور دریافت کیا کہ اے محمد! پہلے سماوی کتابیں تو یکبارگی نازل ہوئیں یہ قرآن کیوں تھوڑا تھوڑا نازل ہو رہا ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرا دل اسی طرح چاہتا تھا اور اس کے ضمن میں سورہ فرقان کی وہ آیت نازل ہوئی اور آپ ﷺ نے تلاوت فرمائی۔ موصوف صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ قرآن کا نام فرقان رحمت دو عالم ﷺ کی وجہ سے ہوا کیونکہ حضور ﷺ نے دعا کی کہ قرآن میری مرضی پر نازل ہو (جدا جدا ہو کر)۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور یہی دعا آپ ﷺ نے اعلانِ نبوت کی ابتداء میں کی تھی جو منظور ہوئی۔

تیسری حدیث: اس ضمن میں صاحب خزینۃ القرآن تفسیر امام باقرؒ، ابوالعالیہ، مقاتل بن سلیمان ازدیؒ، اسود بن یزیدؒ تابعی تفسیر امام وقیع عسقلانیؒ تفسیر شیخ عبدالملک المعروف بن جزی اور عبداللہ بن عباسؓ کی اسناد سے درج کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ قرآن فرقان ہے کفر اور ایمان کے مابین امتیاز کرنے والا ہے اور میری امت اور میرے لئے ذکر، شرف اور فخر ہے۔ یہ فرقان میری امت کے لئے نجات ہے۔ موصوف فرماتے ہیں کہ ایسے ہی قول ابی قتادہؓ اور دوسرے بزرگوں کے بھی ہیں۔ لہٰذا امام رازیؒ کی رائے اور ابی قتادہؓ کے قول کی تائید بھی اس حدیث سے ہوگئی۔ موصوف فرماتے ہیں کہ یہ روایات مستند ہیں اور یہ راوی بھی مستند ہیں۔ اور یہی روایات امام زہریؒ کے مسودہ وتفسیر امام باقر، امام حسنؓ اور خواجہ حسن بصریؒ، مجاہدی، ابی بن کعبؓ اور حضرت علیؓ کے مجموعۃ الکتاب میں بھی موجود ہیں۔ فرقان اور حفظِ قرآن پر موصوف کی بحث جاری ہے۔

قرآن کا پانچواں نام تَنْزِيل ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْن۔ تنزیل کے معنی اُتارنے کے ہیں۔ صاحب خزینۃ القرآن امام باقرؒ، علی بن طلحہؒ اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ جیسے اونچی جگہ سے کوئی نیچے آئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کی قرآن لوحِ محفوظ سے نیچے اُترا اس پر بھی کافی بحث رقم کی ہے۔ چھٹا نام حَدِيث ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ۔ اللہ نے قرآن کا نام حدیث اس لئے رکھا کہ قرآن کا پیغمبر ﷺ تک پہنچنا ایک نئی بات ہے۔ یا اللہ نے قرآن کو ایسے کلام سے تشبیہ دی ہے جس کا لوگ چرچا کرتے ہیں۔ حدیث قدسی میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ قرآن میرا وہ کلام ہے کہ قیامت تک اس کا چرچا ہوتا رہے گا۔ یہ حدیث قدسی تفسیر خزینۃ القرآن امام محمد باقرؒ، ابوالعالیہ، اسود بن یزید تابعیؒ اور ابنِ عباسؓ میں درج ہیں۔ کیونکہ اللہ نے مکلفین کو اس کے ساتھ خطاب کیا ہے۔

قرآن کا ساتواں نام مَوْعِظَت ہے۔ کیونکہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور جبرائیلؑ اسے لے کر آئے اور رسول اللہ ﷺ نے اسے لکھا کر رکھا، پھر کیا وجہ ہے کہ اس سے نصیحت نہ ہو۔ حالانکہ یہ نصیحت کا مجموعہ ہے۔

اس کا آٹھواں نام حُكْم، حِكْمَت، حَكِيم اور مُحْكَم ہے۔ پہلی آیت میں قرآن کو حکم۔ دوسری اور تیسری میں حکمت، چوتھی میں حکیم اور پانچویں

Marfat.com

میں اسے محکم فرمایا۔ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پہلے حکم پھر حکیم اور پھر اللہ نے ان آیات کو محکمات فرمایا۔ تو آپ نے فرمایا کہ قرآن نام کا حکم ہے۔ حکمت اور حکیم بھی ہے اور حکمت کے معنی میں اختلاف ہے خلیل کہتا ہے کہ حکمت کا لفظ اصل میں احکام اور الزام سے ماخوذ ہے یعنی مضبوط اور لازم کرنے والی چیز۔ مؤرخ نے بیان کیا کہ وہ حکمت اللجام سے ماخوذ ہے کیونکہ جس طرح لگام جانور کو روک لیتی ہے اسی طرح حکمت انسانوں کو بے ہودہ باتوں سے روک لیتی ہے۔ حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قرآن حکمت ہے۔ یہ قرآن احکام کو خوب بیان کرتا ہے اس کے احکام مضبوط ہیں۔ یہ حدیث امام باقرؑ، ابن عباسؓ، ابی بن کعبؓ، امام حسنؓ اور خزینۃ القرآن میں درج ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن ایک اور حدیث بھی درج کرتے ہیں جو امام زہریؒ اور امام باقرؑ کی اسناد سے ہے کہ حضرت عثمانؓ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قرآن حکمت اس لئے ہے کہ اس میں مضبوط احکام ہیں۔

اس کا نواں نام شفاء ہے۔ قرآن کے شفا ہونے کی دو صورتیں ہیں امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ ایک تو یہ کہ قرآن کے سبب سے جسمانی امراض دور ہو جاتے ہیں اور دوسری یہ کہ مرضِ کفر اس سے دور بھاگتا ہے۔ یہ قول امام رازیؒ نے تفسیر امام باقرؑ کے حوالے سے کہا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کفر و شرک کو بھی بیماری سے تعبیر فرمایا ہے صاحبِ خزینۃ القرآن مجموعۃ الاحادیث سے درج کرتے ہیں کہ حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ میں اور ابو بکرؓ اور صحابہؓ کا جم غفیر تھا کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ آج ہمیں یہ بتایئے کہ کفر و شرک کی بیماری سے انسان کیسے بچے؟ اس کا حل فرمایئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کفر کی بیماری کا علاج قرآن ہے حتیٰ کہ کوئی بھی بیماری چاہے وہ جسمانی ہو یا روحانی۔ اور حضور ﷺ نے آیت تلاوت فرمائی۔ یٰاَیُّھَا النَّاسُ قَد جَاءَتکُم تا آخر آیت (پارہ گیارہ) فرمایا قرآن کو خود اللہ تعالیٰ نے شفا فرمایا ہے کیونکہ یہ اس کا افضل کلام ہے اس سے کفر و شرک اور ہر بیماری کی جڑ اُکھڑ جاتی ہے۔ تفسیر امام باقرؑ، ابن عباسؓ، ابوالعالیہ، طاؤس، شیخ محمد بن حجاجؒ، شیبہ بن عبادؒ، ابوسفیان ثوریؒ حتیٰ کہ امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ قرآن سے تمام بیماریاں رفع ہو جاتی ہیں تو حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

دسواں نام ھادی اور ھُدٰی ہے۔ ھُدٰی کے لفظ سے اللہ نے قرآن کو ان آیات میں تعبیر فرمایا۔ ھُدًی لِلمُتَّقِین۔ ھُدًی لِلنَّاس۔ اور ھادی کا لفظ بھی واقع ہوا۔ چنانچہ ارشاد ہے اِنَّ ھٰذَا القُراٰنَ یَھدِی لِلَّتِی ھِیَ اَقوَمُ۔ حدیث میں ہے۔ صاحبِ خزینۃ القرآن تفسیر امام باقرؑ و حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی اسناد سے درج کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قرآن ھُدٰی اور ھادِی ہے تمام عالم کے لئے، جیسے میں رسول ہوں اسی طرح قرآن تمام عالم کے لئے ھدٰی اور ھادی ہے۔ اِن دونوں الفاظ کے بارے میں صاحبِ خزینۃ القرآن کی بڑی لمبی بحث ملتی ہے۔ اگر مزید دیکھنی ہو تو تفسیر خزینۃ القرآن و تفاسیر امام باقرؑ اور ابوالعالیہ میں دیکھیں۔

گیارھواں نام صراط مستقیم ہے۔ ابن عباسؓ اس کی تفسیر فرماتے ہیں کہ اس سے مراد قرآن ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَاَنَّ ھٰذا صراطاً مُستَقِیماً۔ صاحبِ خزینۃ القرآن حضرت علیؑ کی اسناد سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قرآن کا نام صراطِ مستقیم بھی ہے پھر مذکورہ آیت کی تلاوت فرمائی۔ عرض کیا گیا کہ اسلام کا نام بھی تو صراط ہے، فرمایا کہ اسلام تو قرآن سے ہے، بڑا راستہ تو قرآن ہے۔ یہ حدیث امام محمد باقرؑ، تفسیر الافودی، عطا بن رباحؒ قتادہ بن دعامہ اور فتح المبین میں درج ہے۔

بارھواں نام حبل ہے۔ فرمایا وَاعتَصِمُوا بِحَبلِ اللّٰہِ جَمِیعاً وَّ لَا تَفَرَّقُوا۔ اس کی تفسیر میں مفسرین لکھتے ہیں کہ حبل سے مراد قرآن ہے اور حبل کے ساتھ قرآن کہ وجہ تسمیہ یہ ہے کی جو شخص امور دینی میں قرآن کو تھام لیتا ہے اور اسے ہاتھ سے نہیں چھوڑتا اسے دنیا اور آخرت کی مصیبتوں سے نجات مل جاتی ہے صاحبِ خزینۃ القرآن و امام باقرؑ، ابی بن کعبؓ اور ابی قتادہؓ فرماتے ہیں کہ جس طرح کنویں یا دریا میں ڈوبتے وقت رسی کو پکڑ کر انسان اپنے آپ کو تھام لیتا ہے یہی مثال امام رازیؒ نے بھی دی ہے۔ حدیث شریف میں صاحبِ خزینۃ القرآن اور ابوالعالیہ درج کرتے ہیں۔ حضرت علیؑ اور عبداللہ بن عمرؓ کی اسناد سے رسول پاک ﷺ نے فرمایا اِنَّ ھٰذَا القُراٰنَ حَبلُ مَتِینٍ وَ نُورٌ مُبِینٍ وَ شِفَاءٌ نَافِعٌ لِلنَّاسِ وَ مَنِ اتَّبَعَ نجا۔ یعنی یہ قرآن دین کی مضبوط رسی ہے، نور مبین ہے اور لوگوں کے لئے شفا اور نفع ہے۔ اور جس نے قرآن سے پناہ مانگی، قرآن پناہ دیتا ہے اور جس نے اسکی پیروی کی وہ نجات پا گیا اور اسکا نام عصمت بھی ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ فرماتے ہیں۔ اِنَّ ھٰذَا القُراٰنَ عِصمَۃَ اِلٰی آخِرہ۔ اور قرآن گناہوں سے بچاتا بھی ہے۔ اور لوگوں کی عصمتوں کی حفاظت کرتا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قرآن گناہ سے بچاتا بھی ہے اور حفاظت بھی کرتا ہے اور ہر گناہ پر قرآن کی حسرت بھی ہے۔ یہی حدیث امام محمد باقرؑ، ابوالعالیہؒ، ابن جریر، الاستغنا۔ اور تفسیر

Marfat.com

تجود القرآن میں درج ہے۔صاحب خزینۃ القرآن حدیث درج کرتے ہیں۔عبداللہ بن مسعود کی اسناد سے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قرآن انسان کو گناہوں سے بچاتا ہے اور حفاظت بھی کرتا ہے۔اگر انسان قرآن کے قریب ہو تو اس کے دل کو پاک کر دیتا ہے۔اور قریب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ محبت سے قرآن پاک کو پڑھے یہی حدیث ابوالعالیہ ابی بن کعب کی تفسیروں میں بھی درج ہے اور تفسیر امام محمد باقر میں بھی موجود ہے۔

تیرہواں نام رحمت ہے وَ نُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ اور حقیقت میں جہالت اور گمراہی سے پاک کرنے کے برابر کوئی اور رحمت نہیں۔صاحب خزینۃ القرآن حضرت ابوبکر صدیقؓ کی اسناد سے حدیث درج کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے رحمت نازل فرمائی ہے جو کہ ہر گمراہی اور جہالت کو دور کرتی ہے اور گمراہی سے پاک کرنے کے برابر کوئی اور رحمت نہیں۔صاحب خزینۃ القرآن حضرت ابوبکر صدیقؓ کی اسناد سے حدیث درج کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے رحمت نازل فرمائی ہے جو کہ ہر گمراہی اور جہالت کو دور کر دیتی ہے۔پھر فرمایا کہ قرآن جیسی رحمت والی کوئی کتاب نہیں۔دوسری حدیث حضرت علی کی اسناد سے درج کرتے ہیں جو مجموعۃ الاحادیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی عظیم رحمت قرآن پاک ہے جس سے مومنین سیراب ہوتے ہیں تیسری حدیث عبداللہ بن عباس کی اسناد سے درج کی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ قرآن کی رحمت سے بے کنا رسمندر نکلتے ہیں جو اس کے قریب آئے گا وہ اللہ تعالیٰ کی بے پناہ رحمت سے بہرہ ور ہوگا۔پھر حضور ﷺ نے مذکورہ بالا آیت تلاوت فرمائی۔یہ حدیث تفسیر امام محمد باقر، ابوقتادہ، حضرت حسنؓ، طاؤسؒ، مقاتل، امام جعفر صادقؒ، علی بن طلحہؓ، سعید، فرایابی، الاوفوی اور حقائق الاسلام میں ہے۔صاحب خزینۃ القرآن نے اس ضمن میں کافی بحث کی ہے۔قرآن پاک میں قرآن کے رحمت ہونے کے متعلق بہت سی آیات ہیں۔دوسری آیت يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ تا وَ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ تک پڑھیے پارہ نمبر ۱۱ اسی طرح اور جگہ پر بھی آیا ہے۔

امام رازی کے نزدیک چودھواں نام رُوح ہے ارشاد باری ہے وَ كَذٰلِكَ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ رُوْحًا اور فرمایا تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِنَا۔امام رازیؒ کہتے ہیں کہ قرآن کا نام روح اس لیے ہے کہ قرآن کے سبب ارواح کی زندگی ہوتی ہے۔جبرائیلؑ کا نام بھی اللہ نے روح رکھا ہے۔چنانچہ ارشاد فرمایا فَاَرْسَلْنَاۤ اِلَيْهَا رُوْحَنَا اور عیسیٰؑ کو بھی اللہ نے روح کے نام سے یاد کیا۔قرآن کا نام روح ہونے کے متعلق امام رازیؒ کا یہ قول ہے لیکن فقیر کو اس قول سے اتفاق نہیں)فقیر اس کا جواب دو وجوہ سے دیتا ہے (۱) اگر قرآن کو روح کہا جائے تو قرآن مخلوق ہو جائے گا جس کے متعلق سورۃ فاتحہ کے مسائل کی ابتدا میں بحث ہو چکی ہے۔لہٰذا قرآن تو غیر مخلوق ہے۔اور کلام ازلی ہے لیکن روح مخلوق ہے اور نہ ہی امام رازی نے قرآن کے روح ہونے کے متعلق کوئی حدیث درج کی ہے۔

نمبر۲۔دوسری وجہ یہ ہے کہ مذکورہ بالا آیت وَ كَذٰلِكَ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا۔ابن عباسؓ روح سے مراد جبرائیل امین لیتے ہیں۔صاحب خزینۃ القرآن اس آیت کے ماتحت حضرت علی کی اسناد سے جو مجموعۃ الحدیث سے حدیث درج کرتے ہیں۔کہ رسول اللہ ﷺ سے اصحاب نے دریافت کیا کہ روحًا مِّنْ اَمْرِنَا سے کیا مراد ہے۔تو آپ ﷺ نے فرمایا جبرائیل پھر یہ آیت تلاوت کی۔تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ الرُّوْحُ دوسری حدیث حضرت عبداللہ بن عمر سے ہے۔کہ رسول اللہ ﷺ نے جب یہ آیت تلاوت فرمائی تو فرمایا کہ جبرئیل کی کیا شان ہے۔کہ اللہ نے اسے روح فرمایا۔تیسری حدیث انس بن مالک سے ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے میں نے لیلۃ القدر کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ اسے رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔اور پھر یہ آیت پڑھی۔وَ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ الرُّوْحُ فرمایا کہ اس رات (لیلۃ القدر) کو فرشتے جبریل امین کے ساتھ نازل ہوتے ہیں اور آیت بھی تلاوت فرمائی۔

حدیث چوتھی: صاحبِ خزینۃ القرآن، عبداللہ بن مسعود کی اسناد سے درج کرتے ہیں حضور ﷺ جب یہ آیت تلاوت فرماتے وَ كَذٰلِكَ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا تو فرماتے کہ میری طرف ہی اللہ نے جبریل (روح الامین) کے ذریعے نازل فرمایا۔یہ تمام احادیث تفسیر امام محمد باقرؒ، ابی بن کعبؓ، امام شافعیؒ، ابن وہب فہمی، ابن عبادہ، ابن ہارونؒ اور مجاہدؒ حضرت ابوقتادہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا یعنی اپنے حکم کو جبرئیل روح الامین کے ذریعے نازل فرمایا۔حدیث حضرت علی کی اسناد سے درج کرتے ہیں اور حضرت عائشہ کی اسناد سے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے دو شخصوں کو روح فرمایا ہے۔حضرت جبریل (۲) عیسیٰؑ کو پھر حضور ﷺ نے یہ آیت پڑھی وَ كَذٰلِكَ اَوْحَيْنَا قرآن نے ان تینوں آیات میں جبرائیل کو روح فرمایا ہے اور پارہ (۲) میں عیسیٰؑ کے متعلق یوں ارشاد فرمایا ہے وَ اِلٰى مَرْيَمَ رُوْحٌ مِّنْهُ دیکھیے۔مسئلہ ثابت ہو گیا کہ جن آیات سے امام رازی نے قرآن کو روح کہا ہے وہ

Marfat.com

ان کے خلاف جاتی ہیں حدیث کی رو سے مراد جبرائیل ہیں۔امام بغوی اپنی تفسیر معالم میں روح سے مراد جبرائیل لیتے ہیں۔اس پر مفسرین نے کچھ اور اقوال بھی بیان کیے ہیں جو درست نہیں۔صاحب خزینۃ القرآن نے ان کو درج کیا ہے پھر مذکورہ احادیث کی بنیاد پر انھیں ضعیف قرار دیا ہے اور فقیر کا بھی یہی فیصلہ ہے کہ روح سے مراد جبریل ہے قرآن نہیں ہے۔

نوٹ:

چودھواں نام قرآن کا قصص ہے۔روح نہیں بلکہ اوپر جو چودھواں نام روح بیان ہوا ہے وہ رازی کے نزدیک ہے۔فقیر کے نزدیک نہیں۔اور فقیر کے نزدیک چودھواں نام قصص ہے۔

قصص اس لحاظ سے اس میں انبیاءؑ اور پہلی اقوام کے قصے ہیں۔قصص کے لغوی معنی قدم بقدم چلنے کے ہیں اور ہم پر قرآن کی اتباع فرض ہے لیکن رازی کے نزدیک واجب ہے۔آیت نحن نقص علیک سورۃ یوسف آیت ۳۔صاحب خزینۃ القرآن حدیث درج کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قرآن کی اتباع مجھ پر اور میری امت پر فرض ہے اس کے احکام کے قدم بقدم چلنا لازمی ہے اور یہ آیت تلاوت فرمائی اِنَّ الَّذِی فَرَضَ عَلَیکَ القُراٰنَ یہ حدیث امام محمد باقر،ابوالعالیہ،عطا بن رباح،سفیان عنیبہ،سفیان ثوری،امام مالک،تفسیر نور،ابن عباس کا قول بھی اس آیت کے متعلق یہی ہے۔صاحب خزینۃ القرآن حضرت ابو بکر صدیق سے روایت درج کرتے ہیں۔کہ آپ ﷺ نے فرمایا احکام قرآن کے ساتھ قدم بقدم چلنا ہم پر فرض ہے۔ نَحنُ نَقُصُّ علیک جبکہ مذکورہ اتباع کے خلاف نہیں کیونکہ اس میں صراحتاً وجوب کا علم نہیں ہے۔قصص سے مراد یہاں یوسفؑ کا قصہ ہے اور یا قرآن کے متعلق سمجھا جائے تو اس میں صراحتاً وجوب کا حکم نہیں ہے۔ جبکہ مذکورہ بالا آیات میں پیغمبر اسلام ﷺ پر قرآن فرض کیا ہے۔یعنی احکامات قرآن کی تبلیغ فرض ہے۔اور اس کے حق میں ایک دوسری آیت بھی ہے یاَیھا الرسو ل بلغ ما انزل الیک من ربک دیکھیے اس آیت میں بلغ کا امر صیغہ ہے اور مذکورہ بالا آیات میں فرض ہے۔حدیث میں حضرت علی کی اسناد سے درج کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قرآن کی تبلیغ جو مجھ پر فرض کی گئی تھی میں نے پوری کر دی۔امام باقر،عکرمہ،صدی،الادفوی اور تفسیر میراں جیو میں درج ہے۔ امام رازی کی روایت سے بھی مذکور ہے انھوں نے حضرت عبداللہ بن عمر سے یہ تفصیل سنی اس ضمن میں حضرت عائشہ کی اسناد سے ایک اور حدیث درج کی ہے۔آپ فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ میرا رب جس نے مجھ پر قرآن فرض کیا وہی مجھے توفیق دے گا کہ میں اسے پورا کروں۔لہٰذا ثابت ہوا کہ قرآن کے احکامات اور تبلیغ فرض ہے۔اور ہمارا اس پر عمل کرنا بھی فرض ٹھہرا۔

پندرہواں نام تبیان اور سولہواں نام مبین ہے۔ھذا بیان للناس و نزّل علیک الکتاب تبیان لکل شئی تلک آیات الکتاب المبین۔سورۃ یوسف سورۃ یٰس میں بھی قرآن مبین آیا ہے۔اس کو تبیان کیوں کہا گیا کیونکہ تبیان بیان سے ہے صاحبِ خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ قرآن ہر چیز کو اور کلھا علوم کو بیان کرتا ہے ایسا کوئی علم نہیں جو اس سے باہر ہو اسی آیت کے متعلق فرماتے ہیں وَ نَزّلَ علیک الکتابُ و المرادُہٗ وَھٰذا القرآن تبیا نَ لکلِ شیئ اما مفصلاً وما مجملَ بل و غیرہ ذالک العلوم ولمجود ومن کلھا وھو العلم بینی فی ہے۔ ھٰذا الشبدن لا بدایۃ لہٗ ولا نھایۃ لہ اس آیت سے ظاہر ہے کہ موصوف فرماتے ہیں کہ قرآن ہر چیز ہر علوم کو ظاہر کرتا ہے۔ مجمل اور مفصل طور پر تفسیر امام باقر ابن عباس طبری وراق۔ابوبکر۔طاؤس۔امام طلحاوی اور البرہان میں بھی درج ہے۔ان کے علاوہ بھی کل علوم قرآن میں موجود ہیں جن کی نہ ابتداء ہے اور انتہاء۔آپ حضرت علی کی اسناد سے درج کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے جب یہ آیت سنی تو فرمایا کہ اللہ نے مجھ پر کلام نازل فرمایا اور کوئی چیز اس سے چھپا نہیں رکھی سب علوم اس میں بیان کر دیے ہیں بلکہ لوح محفوظ کے تمام علوم بھی اس میں ہیں۔پھر یہ آیت تلاوت فرمائی۔ ما فرّطنا فی الکتاب فرمایا کہ آج اس کی تفسیر ہوگئی کہا اللہ تعالیٰ نے اس قرآن میں وہ علم بیان فرما دیئے جن کی نہ ابتدا ہے نہ انتہا۔پھر یہ آیت تلاوت فرمائی۔ لا رطب و لا یابس الا فی کتاب مُبین فرمایا شے کے پیدا ہونے سے پہلے بھی وہ لوح محفوظ میں تھی فرمایا تمام علوم لوح محفوظ میں ہیں۔اور لوح محفوظ کے تمام علوم قرآن مجید میں ہیں پھر یہ آیت تلاوت فرمائی: وَ ما کان ھٰذا القراٰن اَن یُفتر آخر تک ابوحنیفہ ابن داؤدؒ۔الافوی۔محمد بن احمد مقریؒ تفسیر البرہان اور فتح مبین میں بھی درج ہے۔اسی لیے اللہ تعالیٰ۔۔

Marfat.com

نے یہ فیصلہ سنا دیا ہے۔ کہ لوح محفوظ قرآن میں ہے تو معلوم ہوا کہ اس حدیث کے مطابق قرآن تمام علوم کا جامع ہے۔ موصوف لکھتے ہیں کہ یہ حدیث سرکار مدینہ نے صحابہ کے بھاری مجمع میں بیان فرمائی پھر ایک اور حدیث میں فرمایا جس کے راوی حضرت عمرؓ ہیں کہ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ ہر چیز قرآن میں تلاش کرو۔ میں نے عرض کیا کہ اگر قرآن میں نہ ملے تو یوں سمجھ لیں کہ قرآن میں نہیں ہے۔ فرمایا نہیں، قرآن میں ہر چیز موجود ہے اگر تم تلاش نہ کرسکو تو یہ تمہاری عقل کی کمزوری ہوگی۔ پس پھر میری احادیث میں تلاش کرو وہ بھی قرآن کی تفسیر ہوگی۔ یہ حدیث تفسیر امام باقرؒ۔ مقاتل۔ عطا۔ محمد بن کعب۔ قرطبی۔ ثعلبی۔ طحاوی اور قطرب میں بھی موجود ہے۔

سولھواں نام بصائر ہے۔ وجہ تسمیہ یہ کہ نور بصر سے انسان اپنی خلاصی کا راستہ دیکھ سکتا ہے فرمانِ الٰہی ہے۔ ھذا بصائر من ربکم۔ سرکار مدینہ ﷺ فرماتے ہیں قرآن اللہ کی ط سے بصائر ہے۔ کیونکہ قرآن سے حق معلوم ہو جاتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ حق قرآن سے تلاش کرو اور اسے اپنا امام اور رہنما سمجھو۔

سترھواں نام فصل ہے فرمانِ الٰہی ہے۔ انہ لقول فصل و ما ھو بالھزل۔ فصل میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں۔ کہ اس کے معنی ہیں حکم دینا یعنی اللہ تعالیٰ قرآن کے مطابق لوگوں کو حکم فرماتا ہے۔ دوسرا یہ کہ فصل سے مراد چھانٹ کر الگ کرنا ہے۔ یعنی قیامت کے دن قرآن ایک گروہ کو الگ کرکے جنت میں داخل کرائے گا۔ اور ایک گروہ کو جس نے قرآن کو پسِ پشت ڈالا جہنم میں ڈلوائے گا۔ صاحب خزینۃ القرآن عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عباسؓ اور امام باقرؒ کی اسنا د سے درج کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قرآن کے ذریعے لوگوں سے فیصلہ فرماتا ہے جس نے قرآن پر عمل کیا تو قرآن اسے پناہ میں لے کر قیامت کے دن جنت میں لے جائے گا۔ اور جس نے روگردانی کی قرآن اسے جہنم میں داخل کرے گا۔ پھر یہ آیت پڑھی۔ وَ مَن اعرض عن ذکری۔ آخر آیت تک۔ امام رازی کے قول کی تصدیق حدیث سے ہوگئی۔ یہ حدیث تفسیر مقاتل، ابوالعالیہ، حضرت حسن، طبری اور حقائق الاسلام میں درج ہے۔

اٹھارھواں نام نجوم ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے فلا اقسم بمواقع النجوم اور والنجم اذا ھویٰ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کا نزول آہستہ آہستہ ہوا ابنِ عباسؓ کا قول ہے کہ نجم سے مراد نبی کریم ﷺ کی ذات ہے یا علماء مراد ہیں ابی قتادہ کا قول ہے کہ اس سے مراد قرآن ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن حضرت علیؓ کی اسناد سے حدیث درج کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ قرآن کو نجوم فرمایا کرتے تھے یہ حدیث امام محمد باقرؒ، ابی بن کعب، مجموعہ حضرت علیؓ، سفیان ثوریؒ میراں جیوؒ، امام جعفر صادقؒ، قطربؒ، ابی بن طلحہؒ سعید میں موجود ہیں۔

انیسواں مثانی ہے۔ مثانی کے معنی مکرر ہونے کے ہیں۔ قرآن کے مثانی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں قصے اور خبریں بار بار بیان کی گئی ہیں۔ حدیث نبوی ﷺ ہے قرآن مثانی اس لیے ہے کہ یہ قصوں اور خبروں کا مجموعہ ہے۔ یہ حدیث تفسیر امام باقرؒ، ابوالعالیہؒ، ابی قتادہؓ، عکرمہ، الافویؒ اور طحاویؒ میں مذکور ہے۔

بیسواں نام نعمت ہے۔ و اما بنعمت ربک فحدث۔ حدیث پاک ہے کہ قرآن نعمت کبریٰ ہے۔ اس سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں تمام انعامات اسی قرآن کی وجہ سے حاصل ہوتے ہیں۔

اکیسواں نام برھان ہے۔ ارشاد تعالیٰ ہے۔ قد جاء کم برھان من ربکم۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ قرآن اللہ کی طرف سے برہان ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن ایک اور حدیث عبداللہ بن عمرؓ کی سند سے درج کرتے ہیں۔ کہ حضور ﷺ نے فرمایا قرآن بھی برہان ہے اور قرآن کی وجہ سے میں بھی برہان ہوں بیشک آپ ﷺ کی ذات بھی برہان ہے اور قرآن بھی برہان کیونکہ قرآن ہمیں آپ ﷺ ہی کی ذات سے ملا ہے یہ حدیث تفسیر امام باقرؒ، وراقؒ، علی بن طلحہؒ سعید، امام وکیعؒ میں مذکور ہے۔

بائیسواں نام بشیر و نذیر ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ قرآن بشیر ہے جس نے اس پر عمل کیا اسے یہ جنت کی بشارت دیتا ہے۔ اور جس نے روگردانی کی اسے دوزخ کے عذاب سے ڈراتا ہے۔

تئیسواں نام قیّم ہے۔ سورۃ کہف میں دیکھیے حضور ﷺ قرآن کو قیّم بھی فرمایا کرتے تھے۔

چوبیسواں نام مھیمن ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ قرآن کو مھیمن فرمایا کرتے تھے۔ مھیمن دراصل آمین سے ہے قرآن کو مھیمن کے ساتھ وصف کرنے کی وجہ یہ ہے کہ جو شخص قرآن کے ساتھ تمسک کرتا ہے اور اس قرآن کو اپنا مقتدا بنالیتا ہے تو قرآن اسے دنیا اور آخرت کی تمام تکالیف اور نقصانات سے بچالیتا ہے۔

Marfat.com

پچیسواں نام ھا دی ہے۔ارشاد ہوا ھذا القرآن یھدی۔

چھبیسواں نام نور ہے۔اللہ کے ناموں میں سے ایک نام نور ہے۔لیکن یاد رہے کہ نور ذاتی نام نہیں ہے نور سے وہ خود کائنات کو روشن فرماتا ہے اور قرآن کا بھی ذاتی نام نور نہیں ہوسکتا ہے کیونکہ نور مخلوق ہے اور قرآن غیر مخلوق۔لیکن قرآن نور بمعنی روشنی ہے یعنی قرآن روشن کرتا ہے۔جس نے قرآن پر عمل کیا وہ ظلمت کے گڑھے سے نکل گیا۔

ستائیسواں نام حق ہے۔حق اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے جو حدیث میں بھی وارد ہے۔الباعث الشھید الحق۔خود قرآن میں حق کا لفظ کئی جگہ وارد ہوا وانہ لحق الیقین۔حضور ﷺ قرآن کو حق الیقین فرماتے اور مذکورہ آیت تلاوت فرماتے تھے یہ حدیث بحوالہ امام باقرؒ، کافی تفاسیر میں موجود ہے۔

اٹھائیسواں نام عزیز ہے۔اللہ کا نام بھی عزیز ہے۔سورۃ الشعراء پارہ انیس میں عزیز الرحیم جابجا آیا ہے۔اور قرآن کا نام عزیز خود قرآن میں وارد ہے فرمان الٰہی ہے ان الذین کفروا بالذکر لما جاء ھم۔سورۃ سجدہ پارہ چوبیس (۲۴) آخری رکوع میں ہے اسی آیت کے آخر میں عزیز ہے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قرآن عزیز ہے بیشک یہ باطل کو مٹا دیتا ہے اور تمام علوم پر حاوی ہے۔فرمایا اس کے عزیز ہونے کی دو صورتیں ہیں اوّل اللہ تعالیٰ نے مجھے فرمایا کہ قرآن عزیز ہے میں ہر چیز پر غالب ہوں اور یہ میرا کلام ہے۔یہ بھی غالب ہے گویا قرآن کا غالب ہونا دراصل میرا ہی غالب ہونا ہے۔صاحب خزینۃ القرآن اسماء قرآن کو بیان کرتے ہوئے اسم عزیز کے تحت لکھتے ہیں اور اس نام پر انھوں نے کافی بحث کی ہے۔لیکن فقیر اتنی ہی کافی سمجھتا ہے۔یہی حدیث تفسیر امام باقرؒ، ابن عباسؓ، ابی بن کعبؓ، حضرت حسنؓ، جعفر ابن محمدؒ، علیؓ، طلحہؒ اور سفیان ثوریؒ میں بھی مذکور ہے۔

انتیسواں نام کریم ہے۔ارشاد ہے وانہ لقرآن کریم۔اللہ نے سات چیزوں کو کریم فرمایا ہے۔اوّل اپنی ذات کو دوئم قرآن کو سوئم حضرت موسیٰ کو چہارم جبرئیل کو پنجم رسول کریم ﷺ کو چھٹا حضرت سلیمانؑ کو اور ساتواں انی القی الیّ کتاب کریم۔بلقیس نے اپنے درباریوں سے کہا کہ میرے پاس مکتوب گرامی آیا ہے تو بیشک یہ قرآن بھی کتاب کریم ہے۔

تیسواں نام عظیم ہے اللہ نے اپنی ذات کو عظیم فرمایا اپنے حبیب کو اور آپ ﷺ کے خلق کو عظیم فرمایا یاد رہے کہ جب سرکار ﷺ کا خلق اتنا عظیم ہے تو آپ کی ذات کتنی عظیم ہوگی اللہ نے کفار کے لیے عذاب عظیم فرمایا ہے یاد رہے صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ اللہ بھی عظیم ہے اس کا قرآن بھی عظیم ہے اور کفار کے لیے عذاب کو بھی عظیم فرمایا ہے۔تو عظیم عظمت سے پہچانا جاتا ہے۔اللہ نے اپنے لیے وھو العلی العظیم۔فرمایا اور قرآن بھی عظیم ہے لیکن قرآن کبیر بھی ہے۔پارہ پندرہ میں ارشاد ہے ان فضلہ کان علیک کبیرا۔تو یہاں قرآن کے لیے بھی کبیر استعمال ہوا یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے وھو العلی الکبیر۔بھی فرمایا لیکن کبیر اللہ تعالیٰ اپنے لیے فرماتا ہے یا جہنمیوں کے متعلق یوم کبیر فرمایا یعنی قیامت کے دن کے ساتھ کبیر استعمال ہوا یا اللہ جب اپنے نیک بندوں کو جنت میں داخل فرمائے گا تو فرمایا ذالک ھو الفضل الکبیر۔لیکن باقی سب جہنمیوں کے لیے عذاب میں بھی لفظ کبیر استعمال ہوا لفظ کبیر اس کی شان میں ہے جو اسی کا خاصہ ہے وہی علی الکبیر ہے صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ قرآن میں مذکورہ لفظ کبیر بیان ہوا ہے وہ جنتی اور جہنمی دونوں کے لیے ہے یعنی جہنمیوں کے لیے عذاب کبیر اور جنتیوں کے لیے فضل کبیر ہوگا۔تو پھر قرآن کو بھی کبیر فرماتے ہیں۔جیسے وہ ذات العلی الکبیر ہے تو اس کے کلام کو بھی اس صفت سے موصوف ہونا چاہیے۔صاحب خزینۃ القرآن حضرت علیؓ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کی اسناد سے درج کرتے ہیں۔کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ھذا القرآن الحکم العلی الکبیر۔یہ آیت تلاوت کی اور فرمایا فالحکم للہ العلی الکبیر۔پارہ ۲۴ قرآن کا نام حکم بھی ہے یہ وہ حکم ہے جو العلی الکبیر ہے جس طرح وہ ذات باری العلی الکبیر ہے اس کا حکم قرآن بھی العلی الکبیر ہے۔کیونکہ حکم کرنے والا جو العلی الکبیر تو اس کا حکم کیوں نہ العلی الکبیر ہو پس یہ صفت العلی الکبیر اللہ کی ہے یا اس کے حکم قرآن کریم کی۔بیشک اللہ العلی الکبیر ہے۔اور قرآن بھی العلی الکبیر ہے۔اور قرآن کا العلی الکبیر ہونا خود قرآن سے ثابت ہے۔مذکورہ بالا حدیث اس کے ثبوت میں ہے یہ حدیث اور بحث تفسیر امام باقرؒ، ابوالعالیہ، مقاتل، امام جعفر صادقؒ اور علی بن طلحہؒ میں بھی درج ہے۔

Marfat.com

اکتیسواں نام مبــا رك ہےحدیث میں ہے کہ قرآن برکت والا ہے۔نفع دینے والا ہے۔خودقرآن میں مبارک نام ہونا کافی مقامات پرثابت ہے۔جیسے ارشادہوا وھذا کتاب انزلنٰہ مبا رك ۔اورعیسیٰؑ کا نام بھی مبارک ہے۔صاحب خزینۃ القرآن وامام باقرؒ،حضرت عائشہؓ کی اسناد سے حدیث درج کرتے ہیں کہ سرکارﷺ نے فرمایا میں بھی مبارک ہوں۔یادرہے کہ قرآن میں آپ کومبارک کیوں نہیں کہا گیا۔وجہ یہ ہے کہ حضورﷺ پوری کائنات کے لیے ہیں اور جوچیز مشہور ہووہ اپنی شہرت سے ہی مشہور ہوجاتی ہے۔اللہ نے ساری کائنات کوحضورﷺ کے لیے پیدافرمایا پھر آپﷺ کے مبارک ہونے میں کیا شک ہے امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ قرآن وہ کتاب مبارک ہے جسے جبرئیل فرشتہ مبارک،مبارک رات کومبارک امت کے لیے،مبارک نبیﷺ کے پاس لایا پس معلوم ہوا کہ عیسیٰؑ توصرف مبارک ہیں لیکن کملی والاخودبھی مبارک رات کوآیااور قرآن بھی مبارک آیااورامت بھی مبارک ہوئی سیدنا ابوبکرؓ فرماتے ہیں کہ حضورﷺ نے فرمایا کہ میری امت قرآن کی وجہ سے مبارک ہوگئی۔سیدنا صدیق اکبرؓ نے عرض کیا یہ سب برکات تو آپﷺ کی ہیں اصل میں مبارک تو آپﷺ ہیں۔

قرآن کے اورنام بھی ہیں موعظہ اورذکرحدیث میں اوربھی کئی نام ہیں کل ۴۷ نام قرآن سے ثابت ہیں ان ناموں کے علاوہ قرآن کا نام کلام بھی ہے۔اور خودقرآن میں قرآن سے ثابت ہے۔قرآن کوفضل بھی کہا گیا ہے۔اورفضل عظیم اورفضل کبیر بھی اور نزلنا،انزلنا۔قرآن کا نام صدق اورمصدق بھی ہے۔

مسئلہ چہارم:

الٓمّٓ کوذٰلک الکتٰب سے کیارابطہ ہےصاحب کشاف بیان کرتے ہیں اگر الٓمّٓ سورۃ کا نام ہےتواس کااپنے مابعد سے کئی طریقوں سے رابطہ ہوسکتا ہےایک توالٓمّٓ مبتدا ہےاورذالک دوسرا مبتدا ہےاورکتاب اس کی خبرہے۔اورخبرمل کرجملہ مبتدااوّل کا جزوہوااورمعنی یہ ہوئے کہ’’کتاب دراصل یہی ہے‘‘ جس کی کوئی برابری نہیں کرسکتا۔حدیث میں ہے کہ حضورﷺ نے فرمایا کہ یہ کتاب بےمثل ہےاس کے علاوہ کتنی کتابیں ہیں جوسب اس سے ادنیٰ ہیں۔کتابِ کامل کی قابلیت صرف اسی کوحاصل ہے۔دوسرارابطہ یہ ہوسکتا ہے کہ ذالک موصوف کتاب اس کی صفت ہوکرالٓمّٓ کی حیثیت میں واقع ہوتومعنی یہ ہوں گے کہ’’جس کتاب کاوعدہ کیا گیاتھاوہ یہی کتاب ہے‘‘اورکتاب کوصفت کہیں تومعنی یہ ہوں گے کہ ھذا ذالک الٓمّٓ مبتدا سے محذوف ہوکریعنی ھذا کی خبرہوکرجملہ ہوگیااورذالک الکتاب دوسراجملہ ہوااگر الٓمّٓ کوترکیب میں کچھ نہ کہیں بلکہ وہ صورت اورآواز کےاور ذالک مبتدااورکتاب اس کی خبرہوتومعنی یہ ہوں گے کہ’’وہ کتاب جواتاری گئی وہ کامل کتاب ہے‘‘۔یاکتاب کوذالک کی صفت کرکے مبتداکہیں اوراس کامابعداس کی خبرہوجائے یا ذالک الکتاب کومبتدامحذوف یعنی ھذا کی خبرکہیں اور ھذا سے ھذا لحروف مرادہواورعبداللہ نے اس مقام پرالٓمّٓ تنزیل الکتاب لا ریب فیه۔ پڑھاہےاوراس وقت میں اس کی ترکیب ظاہر ہے۔مسئلہ چہارم صاحب خزینۃ القرآن نے بیان کیا ہےرازیؒ نے اس سے نقل کیا ہے اللہ تعالیٰ کاارشاد ہےلا ریب فیه۔یعنی اس میں کوئی شک نہیں۔اس مقام پردومسئلے ہیں۔

مسئلہ اوّل: (ا) یہ کہ ریب اورشک کے معنی قریب قریب کے ہیں مگرریب میں ایک قسم کی زیادتی پائی جاتی ہے۔گویاریب کرنے والی کسی چیز کے ساتھ ایک قسم کی بدگمانی طبعی ہوتی ہے۔کیا کہتے ہیں (رابنی امرفلاں)اس سے مراد یہ ہوگی کہ فلاں شخص کی طرف سے مجھے بدگمانی ہے۔اوراسی طرح حدیث مین ہے مـا یر بیک الـی مـا لا یر یبک۔اگرکوئی اعتراض کرے کہ ریب کی نسبت کبھی زمانہ کی طرف اورکبھی دہرکی طرف ہواکرتی ہےاوراس سے حوادث مراد ہیں۔چنانچہ کفار سے بطورحکایت فرمان الٰہی ہے۔ اَم یَقُولُونَ شاعِرٌ نَتَربَّصُ بِه ریب المنون۔اورکسی کے دل میں دوسرے کی طرف سےغصہ ہواوراس غصہ کے سبب بھی جودل کوکھٹکتا ہویہ ریب کہتے ہیں۔چنانچہ شاعرکہتا ہے(ترجمہ)ہم نے خیبراورمقامہ سے ہرریب اورخطرہ کافیصلہ کرڈالا۔اس کے بعداپنی تلوارکواکٹھا کرکے رکھا تواس شبہ کاجواب یہ ہے کہ ریب کے یہ معنی جوتم نے بیان کیے ہیں دراصل شک کے معنی میں مستعمل ہیں اورسب کے اندرشک کے معنی پائے جاتے ہیں اس واسطے کہ زمانہ کی گردش سے لوگوں کوجوخوف رہتا ہےتووہ بھی محتمل چیز ہےجس طرح کسی چیز میں شک ہواکرتا ہےاسی طرح اسباب غضب کاجودل میں خطرہ ہوتا ہے وہ بھی یقینی نہیں ہوتا۔اس میں انسان کوفکرواندیشہ ہواکرتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے قرآن میں جونصیحت فرمائی کہ اس میں ریب نہیں ہےتواس سے مراد یہ ہے کہ قرآن میں کسی قسم کاشک وشبہ یاریب نہیں ہے۔یہ اس قسم کی کتاب نہیں کہ جس میں شک وریب ہوسکے اس مقام پرکئی سوال ہیں۔تفسیرخزینۃ القرآن،امام رازی،امام باقرمیں اس کے متعلق سوال وجواب ہیں۔

Marfat.com

سوال اوّل:

بعض ملحدوں نے اس میں طعن کیا ہے کہ قرآن میں شک ہونے سے کیا مراد ہے؟ ہمارے نزدیک شک نہیں ہے تو یہ کہنا صحیح نہیں۔ اس لیے کہ ہم کو قرآن میں شک ہے۔ اگر مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک شک نہیں تو یہ کہنے کا کیا نتیجہ ہے؟

جواب:

شک نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ قرآن میں فصاحت و بلاغت اس درجہ ہے کہ کسی شک کرنے والے کو اس کے اندر شک کا کوئی موقع ہی نہیں ملتا اور فی الحقیقت بھی یہی بات ہے۔ اس لیے کے اہل عرب باوجود اس کے کہ وہ فصاحت کے انتہائی درجہ پر پہنچ گئے تھے۔ تاہم قرآن کی چھوٹی سورۃ کے برابر بھی نہ لا سکے۔ یہ امر خود اس بات کا شاہد ہے۔ کہ قرآن اپنی روشن خیالی اور فصاحت میں اس درجہ کو پہنچ گیا ہے کہ کسی عاقل کو اس میں شک کرنے کی کوئی گنجائش نہیں۔ حضرت عبداللہ، ابن عباس، امام باقر اور ابوالعالیہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ریب کے معنی شک کے ہیں جو دل میں ابھرے۔ فرمایا کہ قرآن میں فصاحت و بلاغت ہے قرآن اپنے نہ ماننے والوں کو بار بار فرماتا ہے کہ قرآن کی ایک آیت کی مثل ہی بنالاؤ اور اس سے وہ عاجز ہیں۔ چونکہ یہ اللہ کا کلام ہے یہ امر اس بات کا شاہد ہے کہ وہ عاجز ہیں حالانکہ وہ عرب ہیں اور عربی زبان میں بڑی فصاحت و بلاغت رکھتے ہیں لیکن وہ بھی اس کی مثل بنانے سے عاجز ہیں اس لحاظ سے لاریب فرمایا گیا۔

سوال دوم:

لَا رَیبَ فیه سے کیونکر ثابت ہوتا ہے کہ قرآن میں کسی طرح کا شک نہیں ہے؟

جواب:

اس میں دو قرائیتیں ہیں۔ پہلی قرایت مشہور ہے اور دوسری رفع کے ساتھ ہے یعنی لَا رَیبَ فیه مشہور قرأت کے موافق ہے۔ لا ریب میں ماہیت ریب کی نفی ہے اور ماہیت کی نفی ہر فرد کو لازم ہے۔ اس لئے فرد کا ثبوت ہوگا تو ماہیت کا ثبوت ہوگا اور یہ ثبوت ماہیت کی نفی کے خلاف ہے۔ اس نقطہ کے موافق لا الـٰـه الا اللـه میں اللہ کے سوا تمام معبودوں کی نفی ہے۔ اور رفع کی قراءت کے مطابق اسی کی ریب کی نفی ہوتی ہے اور لا ریب دراصل لا ریب فیه کی نقیض ہے اور ریب فیہ سے ریب سے ایک فرد کا ثبوت ہوتا ہے لہٰذا ریب فیہ سے جمیع افراد کی نفی ہوگی۔ صاحب خزینۃ القرآن، امام باقرؒ اور کافی مفسرین لا الہ الا اللہ کے معنی یوں بیان کرتے ہیں کہ کوئی وجود نہیں اس کے سوا۔ تو اگر معبودوں کی نفی کی جائے تو اس سے پہلے معبودوں کا اثبات لازم آئے گا اور اللہ یہی فرماتا ہے کہ میں موجود ہوں اور دائمی ہوں ازلی اور ابدی ہوں ہر شے کا خالق اور رزاق ہوں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ لا الہ الا اللہ وہی ذات موجود دائمی ہے باقی ہر شے فانی ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ فرمانِ الٰہی ہے کہ میں موجود ہوں پس میری پرستش لائق ہے اس لئے کہ میں ازلی اور ابدی ہوں باقی ہر شے فانی ہے رازیؒ بھی اسی خیال کو ترجیح دیتے ہیں اور صاحب خزینۃ القرآن امام باقرؒ کی طرف سے فرماتے ہیں۔ علماء نے بڑی بڑی تاویلیں کی ہیں جو کچھ وقعت نہیں رکھتیں فرماتے ہیں کہ میرے زمانہ کے مشہور بزرگ حضرت سری سقطیؒ بھی یہی معنی لیتے تھے اور امام جعفر صادقؒ بھی یہی معنی لیتے تھے اور کہا کہ میرے امام اعظم کی بھی یہی رائے ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن اس دعویٰ کے ثبوت میں ایک آیت بھی بیان کرتے ہیں۔ فرمان ہوا ولا تَدعُ مَعَ اللهِ الٰهاً آخَرَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هو اس کے معنی یوں بیان کرتے ہیں کہ کسی کو نہ پکارو اللہ کے ساتھ کوئی موجود نہیں اس کے سوا یعنی الہ کے معنی یہاں موجود کے کئے ہیں لیکن ایک اعتراض ہے کہ الٰہ دو مرتبہ آیا ہے فرماتے ہیں کہ اس اعتراض کے جواب میں تم میری تفسیر میں پارہ ۲۰ میں اس آیت کے ماتحت دیکھو۔ یہاں اتنا کہا کہ الٰہ عربی زبان میں اسے کہتے ہیں جس کی پوجا کی جائے فرمایا کہ جس کی پوجا کی جائے وہ موجود ہوگا تو ہی پوجا ہوگی۔ جیسے مشرکین میں سے کوئی بت کو پوجتا ہے اور کوئی ستاروں کی پوجا کرتا ہے لیکن وہ موجود ہوتے ہیں اسی لحاظ سے اللہ نے مشرکین سے فرمایا کہ ان کی موجودگی تو فانی ہے پس تم مجھے پکارو کہ میں موجود ازلی اور ابدی ہوں باقی تمام موجودات یعنی ہر شے حوادث ہیں دیکھیے الٰہ کے معنی صاحب خزینۃ القرآن نے کتنے بہترین اور پیارے انداز میں بیان کئے ہیں مزید بحث پارہ ۲۰ میں جب اس آیت کی باری آئے گی تو فقیر مکمل بحث کرے گا (انشاء اللہ)۔ وہاں صوفیائے کرام اور علماء کے مذہب اور مسلک کو خوب بیان کیا جائے گا۔

Marfat.com

مسئلہ دوم:

یہاں پر فیہ کے اوپر وقف ہے اور قراءت مشہور یہی ہے۔ نافع اور عاصم سے منقول ہے کہ وہ لاریب پر وقف کرتے ہیں اور اس تقدیر پر وقف کرنے والے کو خبر مقدر کی نیت کرنی چاہئے اسی طرح کلام عرب میں بکثرت آیا ہے جیسے لا خیر لا باس وغیرہ پس اصل عبارت یہ ہوگی۔ لا ریب فیه، فیه هدی اور معلوم کرنا چاہئے جو قراءت مشہور ہے یعنی فیہ پر وقف کرنا زیادہ مناسب ہے کیونکہ اس قراءت کے مطابق اس ہدایت پر مستعمل ہونا ثابت ہوتا ہے۔ لیکن حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فیہ پر وقف فرمایا کرتے تھے کہ قرآن ہدایت ہے اور کبھی کبھی دوسری قرأت بھی فرماتے تھے لیکن اگر فیہ پر وقف ہو تو۔ اس کا خود ہدایت ہونا اولیٰ ہے۔

مسئلہ اوّل:

یہ کہ ہدایت کیا ہے پس معلوم کرلو کہ ہدایت کے معنی بتلا دینا ہے۔ امام باقرؒ، ابوالعالیہ صاحب خزینۃ القرآن درج کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے کہ قرآن جو حکم تمہیں دے وہی حکم ہے۔ امام راغب اصفہانیؒ لکھتے ہیں کی ہدایت کے معنی معرفت کے ہیں اللہ کے حکم کو مان لینا اور اسے صحیح معنوں میں پہچان لینا یہ بھی ہدایت ہے لیکن امام رازیؒ ہدایت کے معنی بتلانا کرتے ہیں یہ صاحب خزینۃ القرآن سے اتفاق کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے باوجود ان کے ہدایت یاب نہ ہونے کے فرمایا کہ ہم نے ان کو ہدایت کی علاوہ بریں لغت عرب میں یہ کہنا صحیح ہوگا ''ہدایت فلم یهتد''۔ اس بیان سے ہمارا مسئلہ حل ہوگیا۔

۲۔ مدح کے مقام پر جس طرح یھدی کہتے ہیں اسی طرح مہدی کہتے ہیں اگر ہدایت کے اندر مقصود کا حاصل ہونا معتبر نہ ہوتا تو مہدی کے اندر کوئی مدح اور تعریف نہ ہوتی۔ اس لئے یہ احتمال باقی رہتا ہے کہ ہدایت پائی گئی ہو مگر ہدایت یاب نہ ہوا ہو۔

۳۔ اهتدیٰ کا لفظ هدیٰ کے بعد بطور متابع کے واقع ہوا ہے اور بولتے ہیں هدیته فاهتدیٰ جیسے کہتے ہیں کسرته فانکسر پس جس طرح توڑنے اور کاٹنے کے لئے ٹوٹنا اور کٹ جانا ضروری ہوتا ہے اسی طرح ہدایت کے لئے ہدایت یاب ہونا لازمی ہوگا پہلی دلیل یہ ہے کی ہدایت اور استھد امیں فرق ہے اس واسطے کہ ہدایت کا مقابل اضلال ہے جبکہ استھد اکا مقابل ضلال ہوتا ہے پس ہدایت کو ضلال کے مقابل کہنا غلط ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ مہدی اس شخص کو کہتے ہیں جس کو ہدایت سے نفع ہوتا ہے۔

مسئلہ دوم:

متقی اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ وقاہ فاتقی سے مشتق ہے یعنی باب افتعال سے ہے اور وقائیت کے معنی لغت میں فرط صیانت اور پورے طور پر محفوظ رکھنے کے ہیں جب آپ کو یہ بات معلوم ہوگئی تو فقیر کہتا ہے کہ اللہ نے اس جگہ متقین کو مدح کے طور پر ذکر فرمایا ہے لہذا دنیا کے امور میں اپنی حفاظت اور نگرانی کرنا متقی کے لئے بایں اولیٰ ہوئے بلکہ آخرت کے امور میں بھی پرہیز گاری کرنا از روئے لغوی معنی کے مناسب ہوگا۔ تاکہ حفاظت اور دیانت کے مناسب ہو۔ امور دین میں متقی اور پرہیز گار ہونے اور اپنی حفاظت کے یہی معنی ہوں گے کہ عبا... کی بجا آوری کرے اور جن امور سے اسے روکا گیا ہے ان سے پرہیز کرے علماء کا اس بات پر اختلاف ہے کہ تقویٰ کے اندر صغائر (مراد چھوٹے گناہ) سے بچنا بھی معتبر ہے یا نہیں۔ بعض فرماتے ہیں کہ تقویٰ کے اندر صغائر سے بچنا بھی معتبر ہے اس واسطے کے وعید کے اندر صغائر بھی داخل ہیں یعنی صغائر سے مراد چھوٹے گناہ۔ بعض مذاہب کے نزدیک تقویٰ کے اندر صغائر سے بچنا ضروری نہیں یعنی متقی اسے کہیں گے جو کبائر سے احتراز کرے اگرچہ صغائر سے نہ رکتا ہو۔ اس بات میں تو سب کا اتفاق ہے کہ جس طرح کبائر سے توبہ کرنا واجب ہے اسی طرح صغائر سے بھی واجب ہے۔ نزاع صرف اس امر میں ہے کہ جو شخص صغائر سے احتراز نہیں برتا اس کو متقی کہہ سکتے ہیں یا نہیں۔ حدیث میں تو اس طرح آیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ بندہ متقین کے درجے کو نہیں پہنچتا جب تک مضائقہ چیزوں کو صغائر کے خوف سے ترک نہ کردے۔ یہ حدیث تفسیر امام باقرؒ، ابوالعالیہ، ابی بن کعبؓ اور مقاتل میں ہے جن کے اندر مضائقہ نہیں ہے۔ اور حضرت عباسؓ سے مروی ہے کہ متقی وہ لوگ ہیں جو عذاب الٰہی کے خوف سے اس چیز کو ترک کردیتے ہیں جن کی طرف ان کی خواہش کا میلان ہوتا ہے اور جو چیز اللہ کی طرف سے

Marfat.com

نازل ہوئی ہے اس کی تصدیق کر کے اللہ تعالیٰ کی رحمت کے امیدوار ہوتے ہیں (امام باقرؒ)۔ اور یاد رکھنا چاہیے کہ تقویٰ کے معنی دراصل خوف کے ہیں۔ چنانچہ اللہ نے سورہ نساء کے شروع میں فرمایا۔ یَآ اَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمْ اور اسی کی مثل سورہ الحج کے شروع میں ارشاد ہے۔ سورہ شعراء میں ہے۔ اِذْ قَالَ لَھُمْ سے تَتَّقُوْنَ تک دیکھیے۔ یعنی جب ان سے ان کے بھائی نوحؑ نے کہا کیا تم ڈرتے نہیں اور اسی طرح ہودؑ، لوطؑ، شعیبؑ اور صالحؑ نے اپنی اپنی قوموں سے فرمایا معلوم ہونا چاہیے کہ تقویٰ کے معنی دراصل وہی ہیں جو فقیر بیان کر چکا ہے۔ مگر قرآن میں تقویٰ کا لفظ بار بار آیا ہے اور اس سے مقصود کہیں ایمان ہے کہیں توبہ ہے کہیں اطاعت ہے کہیں گناہ کا ترک کرنا ہے کہیں اخلاص ہے تقویٰ سے مراد توبہ بھی ہے اور گناہ کا ترک کرنا بھی۔ اس آیت کے اندر جو سورہ الحج میں واقع ہے تقویٰ سے مراد خلاصی ہے۔ فَاِنَّھَا مِنْ تَقْوَی الْقُلُوْبِ۔ اس آیت میں اخلاص مراد ہے۔ ابنِ عباسؓ اور امام باقرؒ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جو شخص لوگوں میں بزرگ بننے کی خواہش رکھتا ہو اسے چاہیے کہ اللہ پر توکل کرے۔ صاحب خزینۃ القرآن امام باقرؒ اور ابی قتادہؓ حضرت علیؓ کی اسناد سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تقویٰ کی حیثیت یہی ہے کہ گناہ کے اوپر اڑ نہ جائے اور اطاعت پر گھمنڈ نہ کرے۔ امام حسنؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تقویٰ کی حیثیت یہ ہے کہ اللہ کے مقابلے میں کسی چیز کو اختیار نہ کرے اور اس امر کو سمجھ لے کہ سب کام اسی کے قبضے میں ہیں۔ حضرت علیؓ کی اسناد سے تیسری حدیث درج کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ انبیاء کے بعد سب مخلوق میں سب سے زیادہ تقویٰ والا شخص ابوبکر صدیقؓ ابنِ ابی قحافہ ہے۔ تم اس شخص کے تقویٰ کو دیکھ کر تقویٰ اختیار کرنا۔ پھر صاحب خزینۃ القرآن لکھتے ہیں کہ تقویٰ کا لفظ قرآن میں جابجا ہے اور اللہ کو سب سے زیادہ وہی شخص پسند ہے جو صاحبِ تقویٰ ہو، متقی ہو۔ قرآن نے اسی بات پر زور دیا ہے اور حدیث میں ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا بے شک تمھارا رب ایک ہے۔ تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم تمھارا باپ ہے کسی عربی کو عجمی پر فضیلت حاصل نہیں اور نہ عجمی کو عربی پر۔ نہ گورے کو کالے پر اور نہ کالے کو گورے پر مگر تقویٰ کے سبب، کیونکہ تقویٰ اللہ کو بہت پسند ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے بے شک تم میں اللہ کے نزدیک زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ متقی ہے۔ انّ اکرمکم عند اللہ اتقاکم۔ یہاں لفظ اتقی آیا ہے اسم تفضیل کے ساتھ جو ہر متقی کے لئے ہے۔ لیکن اَتْقٰی دوسرے مقام پر صرف حضرت ابوبکر صدیقؓ کے لئے آیا ہے۔

صاحب خزینۃ القرآن امام باقرؒ، ابوالعالیہ اور طاؤس فرماتے ہیں کہ یہ تواتر سے ثابت ہے کہ انبیاء کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ تمام مخلوق پر فضیلت رکھتے ہیں اور تمام صحابہؓ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں حضرت ابراہیم بن ادھمؒ امام محمد باقرؒ کی تفسیر سے بیان کرتے ہیں کہ تقویٰ کی حیثیت یہ ہے کہ خلقت تیری زبان میں کوئی عیب نہ دیکھے اور فرشتے تیرے افعال میں کوئی عیب نہ دیکھیں اور اللہ تعالیٰ تیرے باطن میں کوئی عیب نہ دیکھے۔

واقدیؒ بحوالہ امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ تقویٰ کی یہ حیثیت ہے کہ انسان اپنے باطن کو اسطرح آراستہ کرے جیسے ظاہر کو خلقت سے آراستہ کرتا ہے۔ یعنی بزرگوں نے تقویٰ کی حقیقت یہ بیان کی ہے کہ جس جگہ سے تجھے تیرے مولا نے منع کیا تو اس سے رک جا متقی وہ ہے جس میں یہ اوصاف ہوں۔ صاحب خزینۃ القرآن بحوالہ امام باقرؒ، ابوالعالیہ، اور طاؤس حضرت علیؓ کی اسناد سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ متقی دراصل وہ ہے جس کی گفتگو سے لوگ عیب نہ نکالیں اور اس کا باطن پاک ہو کیونکہ مومن کے باطن میں اللہ کا تخت ہے متقی کو چاہیے کہ باطن کو صاف رکھے اور اپنے افعال کو پاک رکھے۔ مذکورہ بالا قول حضرت ابراہیم ادھمؒ کی تائید میں حدیث ہے اور مذکورہ تفسیر کبیر، امام باقرؒ، خزینۃ القرآن اور ابوالعالیہ میں موجود ہے۔ لیکن متقی پر صاحبِ خزینۃ القرآن نے کافی بحث کی ہے فرماتے ہیں کہ میں اکثر حضرت سرّی سقطیؒ سے ملتا رہتا ہوں کیونکہ ان کی بیعت ہمارے دادا امام علی رضا ابن موسیٰ کاظمؒ سے ہے۔ میں نے ایک دن متقی کے بارے میں پوچھا کہ کون ہے؟ آپ نے میرے دادا جان امام جعفر صادقؒ اور امام محمد باقرؒ کا قول دہرایا کہ متقی وہ ہے جس کا تقویٰ اس پر غالب ہو باطن صاف ہو افعال پاک ہوں جب یہ بات ہو جائے تو اسے دوسروں کے گناہ نظر آئیں گے۔ صاحبِ خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ یہی بات تھی کہ امام اعظم جب وضو کرتے فرماتے کہ مجھے اپنے وضو والے بازو کے گناہ نیچے گرتے نظر آتے ہیں اور جب لوگ وضو کرتے ہیں تو مجھے ان کے گناہ بھی گرتے نظر آتے ہیں۔ خود فرمایا کہ میری رائے بھی یہی ہے کہ متقی اپنے باطن کو پاک رکھے گفتگو کو عیبوں سے پاک رکھے اور اپنے افعال کی حفاظت کرے یعنی ہر چھوٹے بڑے گناہ سے اپنی حفاظت رکھے۔ جب یہ بات ہوگی تو اسے اللہ تعالیٰ کا قرب نصیب ہوگا اسی لئے سرکار دو عالم ﷺ فرماتے ہیں کہ مومن کی نگاہ سے ڈرو کہ وہ تمھیں اللہ کے نور سے دیکھتا ہے آخر میں فرماتے ہیں کہ شریعت کے خلاف نہ ہو پابند شریعت رہ۔ اللہ اور رسول ﷺ نے جس بات کا حکم دیا ہو وہ کرے اور جس سے روکا ہو، رک جائے۔ آگے متقیوں کی منازل بیان کرتے ہیں۔ میں یہاں نہیں بیان کر سکوں گا کیونکہ یہ بہت لمبی تفسیر

Marfat.com

ہے اس کی چالیس جلدیں ہیں اور ہر جلد کے تین ہزار صفحات ہیں اور تین جلدیں تو صرف مقدمہ پر ہیں۔ متقی کی مزید بحث دیکھنے کے لئے تفسیر خزینۃ القرآن دیکھئے۔

اب ھُدی للمتقین کی تفسیر بیان کرتا ہوں۔ اس پر کچھ سوال جو امام رازیؒ نے تفسیر کبیر میں کئے ہیں۔

سوال نمبر ا:

ایک شے کا ہدایت اور دلیل ہونا کسی خاص چیز کے ساتھ مختص نہیں ہے پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ قرآن صرف متقیوں کے لئے ہدایت ہے۔ قرآن کا ہدایت ہونا کسی گروہ کے لئے مخصوص نہیں ہے بلکہ جس طرح متقیوں کے لئے اس میں ہدایت ہے۔ اسی طرح دوسروں کے لئے بھی ہے اس کے علاوہ متقی تو وہ ہوتا ہے جسے ہدایت ہو چکی ہو۔ اور دوبارہ اس کے ہدایت یاب ہونے کے کیا معنی؟ پس قرآن کریم کا متقیوں کے لئے ہدایت ہونا کیونکر ہوا؟

جواب:

قرآن کا ہدایت ہونا کسی گروہ کے لئے مخصوص نہیں بلکہ جس طرح متقیوں کے لئے اس میں ہدایت ہے دوسروں کے لئے بھی ہے۔ اسی طرح کافروں کو بھی رہنمائی دیتا ہے مگر یہاں اللہ تعالیٰ نے مدح کے طور پر متقیوں کے لئے فرمایا ہے۔ تاکہ معلوم ہو کہ قرآن سے متقی لوگ ہدایت یاب اور منتفع ہوتے ہیں۔ حالانکہ حضور اکرم ﷺ تو سب لوگوں کو ڈراتے تھے لیکن صرف ان لوگوں کا ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کے ڈرانے سے صرف انہی لوگوں کو نفع ہوا نہ کہ دوسروں کو۔ کچھ لوگ ہدایت کے یہ معنی کرتے ہیں کہ جو رہنمائی مقصد کی طرف پہنچا دے وہ ہدایت ہے۔ ان پر یہ اعتراض وارد ہی نہیں ہوتا۔ اس لئے قرآن سے مقصود کو پہنچنے والے یہی متقی لوگ ہیں صاحبِ خزینۃ القرآن اور امام باقرؒ حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت علی کی اسناد سے حدیث درج کرتے ہیں کہ صحابہ حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ میں موجود تھے۔ حضرت عابدہ بن صامتؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ میرے ماں باپ آپ پر قربان۔ قرآن میں ھدی للمتقین آیا ہے۔ تو قرآن صرف متقیوں کے لئے ہی ہدایت ہے۔ اور تمام صحابہ نے رجوع کیا اور عرض کیا یا رسول اللہ ہمیں اس کی وضاحت چاہیے۔ آپ نے فرمایا۔ قرآن سب لوگوں کی لئے ہدایت ہے لیکن متقیوں کا ذکر یہاں مدح کے طور پر ہوا ہے کیونکہ متقی معرفت الٰہی کے خزانوں کو حاصل کر لیتے ہیں اور اس سے نفع لے لیتے ہیں۔ یوں تو قرآن سب کے لئے ہدایت ہے دیکھو ھدی للناس وبینت من الھدیٰ۔ فرمایا کہ متقی قرآن کی ہدایت حاصل کر کے اہل اللہ بن جاتے ہیں فقیر بھی عرض کرتا ہے کہ متقی قرآن سے ہدایت کی معرفت حاصل کر کے خزانے تلاش کر لیتے ہیں کیونکہ دوسرے لوگ معرفت سے خالی ہوتے ہیں تو معرفت قرآن صرف متقیوں کا خاصہ ہے۔ اسی معرفت سے تو غوث و قطب ہوئے اور خلق اللہ کو راہِ راست پر لگایا۔ یہ متقیوں کا خاصہ ہے اور قرآن دوسری جگہ ارشاد فرماتا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ بے شک وہی قرآن متقیوں کے لئے نصیحت ہے۔

سوال:

اللہ نے یہاں تمام قرآن کو ہدایت فرمایا ہے حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن کے اندر بہت سے مجمل اور متشابہات ہیں اگر عقل کی راہنمائی نہ ہو تو محکم اور متشابہات کی تمیز بھی نہ ہو سکے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہدایت عقل کی راہنمائی سے ہے نہ کہ قرآن سے۔ حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ جب انہوں نے خارجیوں کے پاس آدمی بھیجا تو ان سے فرمایا کہ قرآن کے ساتھ ان سے حجت نہ کرنا کہ قرآن خصم ہے۔ یعنی دونوں فریق اس سے اپنا اپنا مدعا حاصل کر لیتے ہیں اور اس کے دو رخ ہیں اور اگر قرآن ہدایت ہوتا تو حضرت علیؓ ان سے کیونکر فرماتے۔ اس کے علاوہ ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام کے تمام فرقے اسی قرآن سے اپنی اپنی حجت پکڑتے ہیں اور قرآن میں بہت سی آیات ہیں۔ بعض آیات سے صریح طور پر جبر اور بعض سے صریحاً قدر ثابت ہوتا ہے اور نہایت محنت اور دقت کے ساتھ اس میں تحقیق کی جاتی ہے۔ پھر قرآن کس لئے ہدایت ہوا۔ یہ عبارت رازیؒ نے خزینۃ القرآن اور تفسیر امام محمد باقرؒ سے اخذ کی ہے۔

جواب:

یہ متشابہات اور مجملات جو قرآن میں ہیں۔ ان سے جو کچھ مراد ہے وہ متعین ہے خواہ اس کا تعین عقل کی راہنمائی سے ہو یا سمع نقل سے۔ جب مراد متعین ہو گئی تو اس کے ہدایت ہونے میں کیا کلام باقی رہا۔ حدیث پاک ہے بقول صاحبِ خزینۃ القرآن اور امام باقرؒ ابی بن کعبؓ اور ابنِ جریرؒ میں ہے اور کیا کلام باقی رہا بقول صاحبِ

Marfat.com

خزینۃ القرآن عبداللہ بن عمرؓ نے حضورﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ قرآن میں مجملات اور تشابہات ہیں تو آپﷺ ہدایت کا واضح مطلب سمجھائیے۔ آپﷺ نے فرمایا کہ یہی سوال یہودیوں کا بھی ہے۔ سرورِ دو عالمﷺ نے فرمایا یہ قرآن متشابہات، مجملات اور مفصل بھی ہے لیکن اس سے ہدایت بے بہا ہے اور ہر انسان کی عقل اور ادراک پر منحصر ہے تو ادھر والی روایت پر یہ حدیث غالب گزری اور سوال کرنے والوں کا سوال اس سے رد ہو گیا۔

سوال:

جس چیز کے حجت ہونے پر قرآن کا حجت ہونا موقوف ہے قرآن اس کے اندر ہدایت نہیں ہے اس بنا پر اللہ تعالیٰ کی معرفت ذات وصفات اور معرفت نبوت میں ہدایت نہ ہو اس پر یہ ظاہر ہوا کہ یہ مطالب اشرف المطالب ہوا۔ جب ان چیزوں میں قرآن کریم ہدایت نہ ہوا تو پھر ہر طور پر اس کو کیوں ہدایت کہا گیا؟

جواب:

صاحب خزینۃ القرآن بحوالہ امام باقرؒ وتفسیر واقدی فرماتے ہیں کہ تمام امور کے اندر ہدایت ہو بلکہ بعض امور میں ہدایت ہونا ہی کافی ہے اس بنا پر قرآن احکام شرعی کے معلوم کرنے میں ہدایت ہو یا جو چیز عقل کے اندر ہے اس کی تائید میں ہدایت ہو اور ھدی للمتقین سے نہایت قوت کے ساتھ یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مطلق عموم کو نہیں چاہتا اس لئے کہ اللہ نے قرآن کو ھدی للمتقین فرمایا ہے اور لفظ کے اندر کوئی قید نہیں فرمائی پھر ہم دیکھتے ہیں کہ اثبات صالحہ اور اسکی صفات اور اثبات نبوت میں قرآن کا ہدایت ہونا اجمال ہے۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ مطلق سے عموم کا فائدہ نہیں ملتا۔ صاحب خزینۃ القرآن بحوالہ امام باقرؒ، حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ کی اسناد سے حدیث درج کرتے ہیں کہ حضورﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قرآن ہدایت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہادی ہے تو لوگ قرآن سے ہدایت پائیں چونکہ قرآن میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ قرآن ھدی للناس ہے۔ یہاں ہدایت مدح کے طور پر ہے۔ اوپر والا جواب امام رازیؒ کے جواب میں ہے اس حدیث نے قوی طور پر واضح کر دیا اور قرآن کا ھادی ہونا ثابت ہوا کیونکہ مخلوق کو اللہ تعالیٰ قرآن کے ذریعے ہی ہدایت فرماتا ہے۔

سوال:

ہدیٰ وہ چیز ہو سکتی ہے جو اس قدر ظاہر اور واضح ہو کہ اس سے دیگر اشیاء بھی ظاہر ہو جائیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن میں یہ بات نہیں ہے اسی لئے مفسرین جب ایک آیت کا ذکر کرتے ہیں تو اسکے ساتھ ساتھ کئی قول مختلف معارض بیان کرتے ہیں اور جو چیز ایسی ہو جو خود ہی ظاہر نہیں ہو سکتی تو وہ دیگر اشیاء کے لئے کیا ہدایت ہو سکتی ہے؟

۴ جواب:

جو مفسر اقوال متعارض اور مختلف ذکر کرتے ہیں اور ایک قول کو دیگر اقوال پر ترجیح نہیں دیتے اس پر اعتراض وارد ہو سکتا ہے ہم پر نہیں اس لئے رازیؒ ایک قول کو دیگر اقوال پر ترجیح دیتے ہیں تو یہی بات ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن بحوالہ امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ اصل میں تفسیر وہ ہوتی ہے کہ خود قرآن سے اخذ ہو۔ یا حدیث سے اسکی تطبیق ہو لیکن ایسا کم ہے فرماتے ہیں میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ جو تفسیر میں نے لکھی ہے اس میں قرآن سے قرآن کی تفسیر ہوگی یا حدیث سے اور ہر آیت کے ساتھ حدیث کی تطبیق کروں گا اصل تفسیر وہی ہوتی ہے جو قرآن سے ماخوذ ہو اور اسکے ساتھ حدیث کی تطبیق ضرور ہو۔ قول ہو تو بھی بمطابق حدیث ہو اگر قول حدیث کے خلاف ہو تو بیان ہی نہیں کرنا چاہئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قرآن کی تفسیر کے مطابق قرآن پڑھو اور میری حدیث کے مطابق اسکی تائید کرو۔ فرمایا کہ زیادہ فرقے اس لئے بن گئے ہیں کہ مفسرین نے زیادہ تر اقوال پر انحصار کیا ہے جنکی تطبیق حدیث نہیں کرتی۔ فرماتے ہیں کہ جو تفسیر میں لکھتا ہوں سرکار دو عالمﷺ اسکی تصدیق فرما دیتے ہیں۔ موصوف فرماتے ہیں کہ قرآن کی تفسیر کلام مصطفیﷺ سے کرو یا خود قرآن میں غور وخوض کے بعد اسکی تفسیر کرو۔ تفسیر صرف اپنی رائے پر نہیں ہونی چاہئے کیونکہ یہ اللہ کا کلام ہے اپنی رائے سے تفسیر کرنا کفر ہے۔ کافی احادیث اس پر ہیں فرمایا میں دیکھتا ہوں کہ تفاسیر میں زیادہ تر اقوال اپنی رائے کے مطابق ہوتے ہیں عرض کرتا ہوں کہ تفسیر خزینۃ القرآن اور تفسیر امام باقرؒ سب سے جامع تفسیریں ہیں۔ مؤلف نے قوم پر بڑا احسان کیا ہے۔ موصوف کی پیدائش ۲۰۵ ہجری میں ہوئی۔ موصوف فرماتے ہیں

Marfat.com

ہدایت کے متعلق مذکورہ بالا سوال گمراہ کن ہے۔قرآن کا ہدایت ہونا خودقرآن سے ثابت ہے۔ایک سوال کے جواب میں کہا گیا تھا کہ قرآن میں ایک چیز کے علاوہ دوسری چیزیں نہیں ہوتیں فرمایا کہ یہ بالکل غلط ہے۔خودقرآن میں ایسی آیات اس ضمن میں ہیں جو اس سوال کے رد کرنے میں ہیں۔

پہلی آیت:

ان هٰذا القراٰن یهدی للتی۔دیکھیے یہدی مضارع کا صیغہ ہے۔اس سے ثابت ہوا کہ بے شک قرآن ہدایت دیتا ہے۔یعنی ہرزمانہ اور ہروقت تاقیامت قرآن یہدی ہے۔

آیت نمبر۲:

هٰذا بیان للناس و هدی۔ یہاں بیان صریح ہے۔یعنی قرآن تمام لوگوں کے لیے بیان صریح اور ہدایت ہے۔یعنی یہاں یہ بیان میں حکم عمومیت کا ہے۔یعنی معلوم ہوا کہ اس بیان میں ہر چیز ہے۔اور وہ ہدایت ہے۔

آیت نمبر۳:

وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْئٍ وَّهُدًى۔دیکھیے یہاں قرآن میں ہر چیز کی تفصیل ہے اور بعدہ ہدایت ارشاد ہوا ہے۔

آیت نمبر۴:

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْئٍ وَّهُدًى ۔دیکھیے یہاں تبیان ارشاد ہے اور کلمہ اور کل عمومیت کے لیے ہے۔اور كلّ شيئٍ کے بعد ہدایت کا لفظ ہے۔یہی تو خاصہ ہے۔کہ قرآن نے یہاں تبیا نا كلِّ شيئ فرمایا۔تو ساتھ ہی هدیً کا لفظ بھی موجود ہے۔تو ثابت ہوا کہ قرآن ہدایت ہے۔صاحب خزینۃ القرآن بحوالہ امام باقروزهری لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر،عبداللہ بن مسعود حضرت عائشہ صدیقہؓ سب فرماتے ہیں کہ حضورﷺ نے فرمایا کہ قرآن میں ہر چیز موجود ہے اور قرآن میں بے بہا ہدایت ہے تم اپنی عقل وفکر سے اس میں غور کرو گے تو ہدایت ملے گی۔یادرکھیں کہ قرآن سے ہدایت وہی پاسکتا ہے جو قرآن میں غور وفکر کرے اور تعصب کو چھوڑ دے چنانچہ ارشاد ہوا وما یعقلها الا العالمون ۔یعنی علماء کو تو ہدایت ملی قرآن سے لیکن جہلاء کو بھی ملی تو قرآن ہی سے مگر علماء کے واسطے سے لیکن علماء معرفت نبوت جب حاصل کریں گے تب انھیں قرآن سے ہدایت ملے گی۔یہ تو عقل کی بات ہے پہلے عرض کر چکا ہوں رازی نے جو سوال پہلے کیا ہے کہ سب لوگ قرآن سے حجت پکڑتے ہیں تو پھر قرآن کیسے ہدایت ہوا یہ بالکل غلط ہے عرض کرتا ہوں کہ قرآن ہدایت ہے اور خوداس کی کئی آیات سے ثابت ہے لیکن ہماری عقول محدود ہیں عقل نے جس طرف رجوع کیا ہم اسی طرف چل پڑے ورنہ قرآن تو ہدایت ہے۔

پنجم: صاحب کشاف نے تفسیر خزینۃ القرآن کے حوالہ سے کہا ہے کہ هدی للمتقین محل رفع میں اس لیے کہ وہ ترکیب میں مبتدا محذوف کی خبر ہے لاریب فیہ کے ساتھ مل کر ذالک کی خبر ہے یا تصرف کو خبر ملتزم کہا جائے تو اس کا مبتدا ہے اور نصب بھی ہو سکتا ہے۔بایں ہمہ اس کو حال کہیں۔اور اس کے اندر عامل اشارہ کا معنی یا ظرف ہوگا اور جس میں سب سے زیادہ بلاغت پائی جائے وہ یہ کہ ان سے سب احتمالات کو چھوڑ کر یہ کہا جائے کہ الـم خود مستقل جملہ ہے۔یا حروف تہجی کا ایک حصہ ہے۔جس کو ماقبل مابعد سے کچھ تعلق نہیں اور ذالک الکتاب جملہ ثانیہ ہے۔اور لاریب فیه تیسرا جملہ،اور هدیً للمتقین چوتھا جملہ ہے اس سورۃ میں ایک عجیب منظم طور پر ان جملوں کی ایک ترتیب ہوگی اور سلک مرداریدکی طرح سب جملے الگ الگ اور منظم رہیں گے بیچ میں ان کے اندر کوئی حرف رابطہ نہیں ہے پھر یہ ایک جملہ اپنے مابعد اور ماقبل سے باعتبار تعلق معنوی پیوستہ ہورہا ہے۔اس کا بیان یہ ہے۔کہ اللہ نے اس بات سے آگاہ فرمایا کہ یہ وہ کلام ہے جس سے معارضہ کیا گیا ہے پھر اثبات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔کہ یہ وہی کتاب ہے جس کی اس کمال درجہ کی تعریف فرمائی گئی۔پس کشاف نے گویا سب معارضہ کو ثابت کر دیا بعد ازاں اس سے اس بات کی نفی کر دی کہ اس میں شک وشبہ واقع نہیں ہوسکتا۔تو یہ اس کمال کی شہادت ہوگی۔اس کے بعد اسے یہ خبر دی گئی۔کہ متقیوں کے لیے ہدایت ہے اس سے قرآن کا ایسا یقینی ہونا ثابت ہوا کہ شک اس کے اردگرد بھی نہیں ٹھہر سکتا پھر یہ چاروں جملے اپنے کمال بلاغت اور ایک نادر ترتیب کے عجیب وغریب نکتوں سے بھرے ہوئے ہیں

Marfat.com

پہلے جملے میں حذف ہے۔اور مقصود کی طرف نہایت نازک طور پر اشارہ پایا جاتا ہے۔دوسرے جملے میں قرآن کریم کی عظمت وشان کامل طور پر ثابت ہوتی ہے۔تیسرے جملے میں لفظ ریب کے مقدم کرنے سے وہی نکتہ پایا جاتا ہے۔جسے فقیر بیان کر چکا ہے۔چوتھے جملے میں ایک تو حذف ہے دوسرا مصدر ہے یعنی ہدیٰ کو وصف یعنی بنی للفاعل ہادی کے قائم مقام کیا گیا ہے تیسرے سے معرف باللام نہیں کیا گیا بلکہ نکرہ رکھا گیا ہے یہ بیان رازی نے تفسیر کبیر میں کشاف سے نقل کیا ہے۔اور کشاف نے صاحب خزینۃ القرآن سے اس پر کافی بحث کی ہے جسے میں یہاں بیان نہیں کروں گا۔

الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ ۔

ترجمہ: جولوگ دیکھے بغیر ایمان لائے اور نماز کو قائم کرتے رہے اور ہم نے جو ان کو دیا اس میں سے خرچ کرتے رہے یہ ترجمہ امام رازی نے کیا ہے صاحب خزینۃ القرآن نے بھی ایسے فرمایا ہے اس آیت میں چند مسائل ہیں جن پر صاحب خزینۃ القرآن نے کافی بحث فرمائی ہے۔

مسئلہ پہلا:

بحوالہ تفصیل خزینۃ القرآن امام رازی امام باقر ابوالعالیہ صاحب کشاف نے بیان کیا ہے۔الذین یو منو ن کا تعلق یا تو متقین سے ہے کہ اس کی صفت اور مدح ہے منصوب یا مرفوع۔اصل عبارت یوں ہے اعنی الذین یو منو ن یا ھم الذین یو منو ن ۔یا متقین سے کچھ تعلق نہیں بلکہ مبتدا واقع ہے اور اولٰئک علیٰ ھدی جملہ اس کہ خبر ہے پس اگر متقین کے ساتھ اس کا تعلق ہو اور متقین پر اسکا وقف کرنا حسن اور خبر تام ہے۔اور اگر اس سے تعلق نہ ہو تو متقین ان پر تام ہوگا۔صاحب خزینۃ القرآن اور امام باقرؒ حدیث درج کرتے ہیں۔امام باقرؒ کی اسناد سے اور انہوں نے عبداللہ بن عباسؓ سے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ الذین یومنون بالغیب یہ متقین کا وصف ہے۔تو اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اس سے مراد متقین ہیں۔

دوسرا مسئلہ:

بعض کہتے ہیں الذین یومنون بالغیب متقین کے لئے تفسیر ہوسکتی ہے اس لئے کہ متقی وہی شخص ہوگا جو حسنات پر عمل کرے اور سیئات کو ترک کر دے نیز نیکی اختیار کرے اور بدی کو چھوڑ دے۔نماز بدنی عبادت ہے اور زکوٰۃ مالی عبادت ہے۔صاحب خزینۃ القرآن بحوالہ امام باقرؒ حضرت عائشہؓ کی اسناد سے حدیث درج کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بدنی عبادتوں میں نماز اعلیٰ عبادت ہے اور مالی عبادات میں اعلیٰ زکوٰۃ ہے جس نے ان دونوں کی طاقت رکھتے ہوئے ان کو چھوڑا اس نے گویا اپنا گھر جہنم میں بنایا۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ نماز دین کا ستون ہے اور زکوٰۃ اسلام کا پُل ہے اور برائیوں کا ذکر کرنا خود نماز میں داخل ہے۔اس لئے کہ فرمانِ الٰہی ہے۔اِنّ الصلوٰۃ تنھی عنِ الفحشاءِ والمنکر ۔کہ جن چیزوں کو ترک کرنا چاہئے ان کو ترک کیا جائے اور جن کو عمل میں لانا چاہئے ان کو عمل میں لایا جائے۔پس نامناسب چیزوں کو ترک کردینے کا نام تقویٰ ہے یہاں تقویٰ کو دراصل نماز اور زکوٰۃ پر متعین کیا گیا ہے کہ دل کا حال ایک آئینے جیسا ہے۔جس کے اندر عقائد حقہ اور اخلاقِ حسنہ کے نقوش قبول کرنے کی قابلیت ہے۔آئینہ کے اندر عقائد حقہ اور اخلاق حسنہ درج ہوں گے اگر اس سے پہلے بدنما نقوش سے اسے صاف کرلیا جائے لہٰذا اللہ نے اس سے پہلے تقویٰ کا ذکر فرمایا جس میں ناشائستہ افعال کا چھوڑنا ہے اس کے بعد شائستہ اور پاکیزہ افعال کا ذکر فرمایا۔حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے دین میں زیادہ تقویٰ کو مخلوق کے لئے پسند فرمایا دوسری حدیث میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ نماز حضورِ قلب کے بغیر نہیں ہوتی۔

تیسرا مسئلہ:

صاحبِ تفسیر کشاف نے بیان کیا کہ "ایمان" بروزنِ افعال آمن سے مآخوذ ہے۔آمن بمعنی صدق کے آتا ہے اس کے اصل معنی تکذیب ومخاصمت سے امن میں ہونے کے ہیں۔ایمان کے معنی وثوق اور اعتماد کے بھی ہیں۔وثوق کے اندر امن وسکون اور طمانیت ہوتی ہے حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو کوئی اللہ اور اسکے رسولوں اور یوم آخرت پر ایمان لایا وہ سکون میں ہے۔یومنون بالغیب میں دونوں معنی علیحدگی کے ساتھ ہوسکتے ہیں یعنی غیب کی باتوں کی تصدیق کرتے ہیں یا اسکی حقانیت پر اعتماد رکھتے ہیں۔اب یہاں سے معلوم ہوا کہ اہلِ قبلہ نے اس بات میں اختلاف کیا ہے کہ ایمان کی حقیقت شرع کے اندر کیا ہے؟ اس کے اندر چار فرقے ہیں۔

Marfat.com

پہلا فرقہ:

کہتا ہے کہ ایمان کی حقیقت زبان سے اقرار کرنا اور قلب و جوارح سے افعال کا عمل میں لانا ہے۔ تمام معتزلہ، خارجی، زیدیہ اور محدثین اسی کے قائل ہیں۔ یہ بات امام رازیؒ نے چار فرقوں کے متعلق تفسیر کبیر میں لکھی ہے ان میں سے خارجیوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اللہ پر ایمان لانے میں اتنی چیزیں داخل ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس چیز کی معرفت جس چیز پر اللہ نے دلیل عقلی یا نقلی قائم کی ہو خواہ وہ کتاب ہو یا سنت۔ اور اللہ کے تمام اوامر و نواہی میں اطاعت خواہ وہ بڑے ہوں یا چھوٹے۔ وہ کہتے ہیں کہ ان سب کے مجموعہ کا نام ایمان ہے۔ اور ان خصلتوں میں سے ایک خصلت کا ترک کرنا بھی کفر ہے۔ اور معتزلہ کا اس پر اتفاق ہے کہ جب ایمان کا تعدیہ با کے ساتھ ہے تو ایمان سے مراد تصدیق ہوتی ہے۔ اس واسطے جب کہتے ہیں کہ فلاں امن باللہ والرسول تو اس سے تصدیق مراد ہے۔ اس لئے کہ جس صورت میں ایمان اداء واجبات کے معنوں میں آتا ہے تو اس وقت یہ تعدیہ ممکن نہیں ہوتا۔ مثلاً جب کوئی نماز پڑھے یا روزے رکھے تو یہ نہیں کہہ سکتے کہ اٰمَنَ بکذا بلکہ اٰمَنَ باللہ کہیں گے۔ اہلِ لغت کے طریقہ پر اس کے معنی وارد ہوتے ہیں۔ جب اس کا مطلق طور پر بلا کسی حرف کے ذکر کرتے ہیں تو معتزلہ کا اس بات پر اتفاق ہے۔ قاضی عبدالجبار بن احمد کا قول ہے کہ ایمان تمام اطاعات کے عمل میں لانے کا نام ہے۔ دوسرے یہ کہ ایمان صرف واجبات کے عمل میں لانے کا نام ہے نہ کہ نوافل کے عمل میں لانے کا نام ایمان ہے۔ ابو علیؒ اور ابو ہاشمؒ کا بھی یہی قول ہے۔ تیسرے یہ کہ ایمان تمام امورِ بد سے بچنے کا نام ہے وہ کہتے ہیں کہ مومن وہ شخص ہے جو تمام بڑے گناہوں سے پرہیز کرے اور اتقی النّاس وہ شخص ہے جو ان تمام چیزوں سے پرہیز کرے جو وعید پر مشتمل ہوں۔ نظام کا قول یہ ہے کہ ایمان کامل اور اصل ایمان کی حقیقت معرفت ہے اس کے بعد ہر اطاعت جدا جدا ایمان ہے۔ یہ اطاعت اس وقت ایمان ہو سکتی ہے جب ایمان کے اصل اصول یعنی معرفت کے ساتھ پائی جائے۔ وہ کہتے ہیں کہ اصل کفر دل سے ضروریات دین کے انکار کرنے کا نام ہے۔ غرض یہ کہ جب تک معرفت قلبی نہ ہو، کوئی اطاعت ایمان نہیں ہے۔ اور جب تک انکار قلبی نہ ہو کوئی گناہ کفر نہیں ہے۔ اس واسطے کہ فرع کا ثبوت بغیر اصل کے نہیں ہوتا۔ عبداللہ بن سعید بن کلاب کا مذہب یہی ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ایمان اصل میں تمام اطاعت کا نام ہے۔ اور تمام اطاعات مل کر ایک ایمان قائم ہوتا ہے اور تمام فرائض و نوافل ایمان کے اندر داخل ہیں۔ مگر اتنا فرق ہے کہ اگر کوئی شخص کسی فرض کو ترک کر دے تو اس کے ایمان میں فرق آ جائے گا اور نوافل کو ترک کرنے سے ایمان میں فرق نہیں آتا۔ بعض کہتے ہیں کہ ایمان دراصل فرائض کا نام ہے نوافل اس میں داخل نہیں ہیں۔

دوسرا فرقہ:

ایمان کا دارومدار دل پر بھی ہے اور زبان پر بھی۔ اس طبقہ میں کئی فرقے شامل ہیں۔ ایک فرقہ یہ ہے کہ ایمان کی حقیقت زبان سے اقرار کرنا اور دل سے یقین کرنا ہے۔ امام اعظم اور عام فقہا کا مذہب یہی ہے۔ پھر ان میں دو طرح کا اختلاف ہے ایک یہ کہ اس معرفت کی حقیقت کیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ معرفت اعتقاد قطعی کا نام ہے۔ خواہ وہ اعتقاد تقلید کے طور پر ہو خواہ دلیل سے۔ اکثر لوگ اسی امر کے قائل ہیں۔ اس بناء پر وہ کہتے ہیں کہ جو بطور تقلید کے ایمان لائے وہ بھی مسلمان ہیں۔ صاحب خزینۃ القرآن امام زہری کی اسناد سے حدیث درج کرتے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایمان دراصل اللہ اور اس کے تمام رسولوں، کتب، یومِ آخرت اور ملائکہ پر دل اور صدق یقین سے اور زبان سے اقرار کرے اس حدیث سے امام صاحب کے قول کو تقویت پہنچتی ہے۔

دوسری حدیث درج کرتے ہیں کہ جناب ام المومنین حضرت عائشہؓ کی اسناد سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو کچھ اللہ سے تمہیں رسول کے واسطے سے ملے اس پر زبان اور دل سے اقرار کرے اور جو کچھ رسول ﷺ تمہیں فرائض اور واجبات فرمائیں اس پر محکم یقین رکھو اور معرفت قطعی کو تلاش کرو۔ میرے آئمہ فقہا کی تقلید کرنا یہ بہتر ہے۔ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث سلیمان خطابیؒ ابو ہریرہؓ کی اسناد سے بیان کرتے ہیں۔ بات ہو رہی تھی معرفت کی۔ معرفت اس یقین کا نام ہے جو استدلال سے پیدا ہو اور دوسرا اختلاف یہ ہے کہ ایمان کے اندر جن چیزوں کا علم اور یقین معتبر ہے وہ کون کون سی ہیں۔ بعض متکلمین کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اسکی ذات و صفات کا کامل طور پر علم ایمان کے لئے ضروری ہے۔ پھر چونکہ صفاتِ الٰہیہ میں لوگوں کا کثرت سے اختلاف ہے اس لئے ہر گروہ دوسرے گروہ کو کافر کہتا ہے۔ امام رازیؒ اور صاحب کشاف نے اہل انصاف میں صاحب خزینۃ القرآن کو چنا ہے امام باقرؒ اور امام غزالیؒ کی رائے بھی یہی ہے کہ ایمان کے اندر ان چیزوں کا علم معتبر ہے جن کا دین میں داخل ہونا ضروری سمجھا گیا ہے۔ اس قول کے موافق بہت سے اقوال ہیں جن کا ایمان کے اندر داخل ہونا ضروری نہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا اپنے علم کے اندر ہونا یا اپنی ذات

Marfat.com

کے لئے عالم ہونا یا اللہ تعالیٰ کا مرئی یا غیر مرئی ہونا۔

صاحب خزینۃ القرآن نے بہت اچھا لکھا ہے۔ اسی ضمن میں حضرت علیؓ کی اسناد سے حدیث درج ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم اللہ کی ذات و صفات کو مانو جس طرح تیری ذات صفات کمالات کے لائق ہے تو ہی جانتا ہے ہم عاجز اور ناتواں ہیں تیرا علم لامحدود ہے تیری ذات کے لئے۔ تو خود ہی اسے جانتا ہے پس یہی آیت ہے۔ سُبۡحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الۡعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُوۡنَ۔ پھر صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ ہم تسلیم کریں گے کہ جس طرح اسکی ذات صفات اس کے لائق ہے ہمیں کسی گروہ کی پرواہ نہیں ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ ایمان دل اور زبان کے ساتھ اقرار کرنے کا نام ہے بشر بن عتاب موسیٰ اور ابو موسیٰ اشعریؓ کا یہ قول ہے کہ دل کی تصدیق کرنے سے وہ کلام مراد ہے جو ذہن میں قائم ہوا ہے۔ تیسرا قول صوفیاء کے ایک گروہ کا ہے کہ ایمان دو چیزوں کے مجموعے کا نام ہے۔ زبان سے اقرار کرنا اور خلوص دل کے ساتھ ماننا۔ حضرت ابن عربیؒ جو گروہِ صوفیاء کے امام ہیں فرماتے ہیں کہ پہلے انسان اخلاص سے قلب کو مضبوط کرے بعد میں زبان سے اقرار کرے کیونکہ دل کو پاک کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ انسان کا دل ایک حوض کی مثال ہے۔ حوض اگر گندہ ہو تو کوئی اسے دیکھنا پسند نہیں کرے گا تو یہی مثال دل کی ہے۔ دل پاک ہو تو ایمان اس میں خوب اچھی طرح سما سکتا ہے۔

تیسرا فرقہ:

اس بات کا قائل ہے کہ ایمان فقط عمل قلبی کا نام ہے اور اس فرقہ میں دو گروہ ہیں ایک فرقہ کہتا ہے کہ ایمان صرف دل سے اللہ تعالیٰ کو پہچاننے کا نام ہے حتیٰ کہ کسی شخص نے دل سے اللہ کو پہچان لیا اور زبان سے انکار کیا اور اسی حالت میں مر گیا یعنی مرتے دم تک اقرار نہ کیا تو وہ تحقیق مومن ہوگا اس کے ایمان میں نقصان نہ ہوگا۔ جہم بن صفوانؒ کا یہ قول ہے۔ اس کے نزدیک کتابوں، رسولوں اور یوم آخرت کو پہچاننے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اور کعبی نے جہم بن صفوان سے روایت کیا ہے کہ اس کے نزدیک ایمان اللہ تعالیٰ کے پہچاننے اور چیزوں کو معلوم کرنے کا نام ہے اور جن کا بالضرور دینِ محمدی میں سے ہونا معلوم ہے۔ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ ایمان صرف تصدیق قلبی کا نام ہے۔ حسین بن افضل بجلی کا قول یہی ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن بحوالہ امام باقرؒ و مقاتل، علی بن طلحہ، عبداللہ بن عمرؓ کی اسناد سے درج کرتے ہیں۔ عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میرے ماں باپ آپ پر نثار ہوں، اگر کوئی شخص اللہ کے وحدہ لاشریک ہونے کی دل سے تصدیق کرے اور مرتے دم تک زبان سے اقرار نہ کرے تو کیا وہ مومن ہے یا کفر پر مرا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ بے شک وہ مومن ہے افضل تو یہ ہے کہ اقرار کرے تاکہ دوسرے بھی اس کے گواہ بنیں۔ پھر فرمایا کہ اسے مجبوری ہو تو پھر اسی حالت میں مرا تو وہ مومن ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن کے مطابق امام رازیؒ کا اتفاق ہے۔

چوتھا فرقہ:

یہ کہتا ہے کہ ایمان صرف زبان سے اقرار کرنے کا نام ہے۔ دو گروہ ہیں مگر ایمان ہونے میں معرفت قلبی کا ہونا شرط ہے اگر چہ وہ ایمان کی حقیقت میں داخل نہیں۔ میلان بن مسلم دمشقی اور فضل رقاشی یہی کہتے ہیں اگر چہ کعبی نے بیان کیا ہے کہ ایمان صرف زبان سے اقرار کرنے کا نام ہے کرامیہ کا قول بھی یہی ہے ان کے نزدیک منافق ظاہر میں مومن اور باطن میں کافر ہے لہٰذا دنیا میں اس کو مومن کا حکم اور آخرت میں کافر کا حکم ہوگا۔ یہاں تک جو فقیر نے بیان کیا ہے لوگوں کے اقوال تھے بقول امام رازیؒ جو ایمان کی حقیقت شرعی میں مختلف ہیں اور ہمارا مذہب یہ ہے کہ ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے اور ہم کو اس مقام پر تصدیق قلبی کی ماہیت بیان کرنا ضروری ہے پس اگر کوئی شخص کہے کہ عالم حادث ہے تو اس کا ماحصل یہ نہ ہوگا کہ عالم حادث ہے بلکہ یہ ہوگا کہ وہ شخص عالم کے حدوث کا قائل ہے اور عالم کا حادث ہونا اور بات ہے۔ اس کے حدوث کا حکم کرنا اور بات ہے۔ پس یہ حکم ذہنی خواہ ثبوت کے ساتھ ہو یا انتزاع کے ساتھ۔ ایک ایسا امر ہے جس کو ہر زبان میں ایک خاص لفظ کے بغیر ادا کیا جاتا ہے صفیوں اور عبارتوں کا مختلف ہونا باوجودیکہ حکم ذہنی پر دلالت کرتے ہیں اور دال والوں کے غیر ہوا کرتے ہیں۔ پھر فقیر یہ کہتا ہے کہ یہ امر ذہنی علم کے بھی غیر ہے اس واسطے کہ جو شخص ایک چیز سے جاہل ہو کبھی وہ بھی اس چیز کا حکم کر دیتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ حکم ذہنی دوسری چیز ہے اور حکم دوسری چیز۔ اب فقیر کہتا ہے کہ تصدیق قلبی سے یہی حکم ذہنی مراد ہے۔ پھر اس مقام پر ایک لفظی بحث رہ گئی ہے وہ یہ کہ لغت میں اس حکم ذہنی کا نام تصدیق ہوتا ہے۔ یا ان الفاظ کا نام ہوتا ہے جو اس حکم

Marfat.com

ذہنی پر دلالت کرتے ہیں۔تصدیقات کا مسئلہ پچھلی سورہ فاتحہ میں فقیر بیان کر چکا ہے۔امام رازیؒ کے نزدیک تصدیقات دو قسم کی ہیں۔باقی مذاہب کے نزدیک چودہ تک ہیں۔کئی کے نزدیک چھیاسٹھ ہیں لیکن صاحب خزینۃ القرآن نے اس پر سو آراء بیان فرمائی ہیں اور امام باقرؒ نے پانچ سو آراء بیان کی ہیں فقیر کا بھی اسی پر اتفاق ہے۔موصوف نے معقولات وفلسفہ پر کئی کتابیں لکھی ہیں جن کا انکشاف ایک رسالے میں صاحب حمد اللہ نے کیا ہے اور صاحب حمد اللہ نے اس رسالے میں یہ کہا ہے کہ موصوف فلسفہ اور معقول کے موجد تھے اور میں نے حمد اللہ کی کتاب سے مطالعہ کر کے مختصر خلاصہ اپنی کتاب شرح حمد اللہ میں بیان کیا ہے۔موصوف صاحب حمد اللہ فرماتے ہیں کہ موصوف کی کتابیں فلسفہ اور معقولات پر بہت دقیق ہیں۔موصوف صاحب خزینۃ القرآن نے فلسفہ اور معقولات کو بہت ضخیم قلمبند کیا ہے اور موصوف صاحب حمد اللہ نے یہی بات حمد اللہ کے دوسرے حصے میں لکھی ہے جو غیر مطبوعہ ہے۔کیونکہ صاحب حمد اللہ نے پہلے حصے میں تصدیقات کو بیان کیا ہے ان میں مذہبوں کی آراء لکھی ہیں جو درسِ نظامی میں پڑھائی جاتی ہیں۔دوسرا حصہ طبع نہیں ہوا کیونکہ یہ کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے۔علامہ فضل حق خیر آبادیؒ نے بھی موصوف کے معقول وفلسفہ کے بارے میں آیت کے بارے میں لکھا ہے کہ موصوف معقول اور فلسفہ میں لاثانی تھے۔بلکہ معقول وفلسفہ موصوف نے ایجاد کیا۔مذکورہ کتاب کا نام علم العقول ہے۔امرتسر میں ۱۹۴۹ء میں طبع ہوئی۔موصوف فضلِ حق خیر آبادیؒ فلسفہ اور معقول کے بادشاہ تھے،ان کی زوجہ محترمہ بھی معقول وفلسفہ کی ملکہ تھیں۔مجھے ایک دوست سے معلوم ہوا ہے کہ طلبہ خواہش رکھتے تھے کہ کبھی مائی صاحبہ ہمیں خود معقول کا سبق پڑھائیں تو کتنی اچھی بات ہے۔موصوف فضلِ حق خیر آبادیؒ نے حمد اللہ پر حاشیہ لکھا ہے جو بہت لاجواب ہے۔

عرض ہو رہا تھا صاحب خزینۃ القرآن کے متعلق۔موصوف صاحب خزینۃ القرآن نے تصدیقات اور تصورات کو معقول کی بنیاد فرمایا ہے اسی پر انہوں نے کتابیں لکھی ہیں۔فقیر اس قول کی فقہی تحقیق کرتا ہے۔جب تم کو معلوم ہو گیا تو فقیر یہ کہتا ہے کہ ایمان اعتقاد کے ساتھ ان کی تصدیق کا نام ہے جن سے فراست کے ساتھ دینِ محمدی سے ہونا معلوم ہو گیا ہے،اس مذہب کے ثابت کرنے میں چار قید کو ثابت کرنے کی ضرورت ہے۔

پہلی قید:

یہ کہ ایمان تصدیق سے عبارت ہے اس کا ثبوت

(۱) اصل لغت میں ایمان کے معنی تصدیق کے ہیں پس اگر طرف شروع سے تصدیق کا نام نہ ہو تو لازم آتا ہے کہ جس کلام میں یہ ایمان پایا جائے وہ کلام عربی نہ ہو یہ بات قرآن کے عربی ہونے کے منافی ہے۔

(۲) ایمان ایسا لفظ ہے جو شب وروز مسلمانوں کی زبان پر رہتا ہے۔پس اگر اس کے لغوی معنیٰ سے منقول ہو کر دوسرے معنیٰ میں آیا ہو یعنی تصدیق کے علاوہ کوئی اور معنی مراد ہوتے تو یہ ایسا نہیں تھا کہ اس پر لوگ سکوت کرتے۔اور اس امر کا کچھ ذکر نہ کرتے۔کیونکہ ایسے امور کے نقل کرنے کی سخت ضرورت ہوتی ہے۔دوسرے معنی میں اس کا معقول ہونا مشہور ہو جاتا ہے بلکہ حد تواتر کو پہنچ جاتا ہے۔جب یہ بات نہیں ہے تو ہم کو معلوم ہو گیا کہ وہ اصلی معنی پر باقی ہے۔

(۳) اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ ایمان کا تعدیہ صرف حرف باء کے ساتھ ہوتا ہے اس وقت اسکے لغوی معنی مراد ہوتے ہیں بنابریں فقیر کہتا ہے کہ جب اسکا تعدیہ نہ ہو تو پھر وہی معنی مراد ہوں گے۔

(۴) اللہ تعالیٰ نے جس مقام پر ایمان کا ذکر فرمایا ہے دل کی طرف اسکی نسبت فرمائی۔اللہ نے جابجا ایمان کے ساتھ ساتھ عمل کا ذکر فرمایا اگر عمل صالح ایمان کے اندر داخل ہوتا تو عمل صالح بیان کرنے کی ضرورت کیا تھی۔حضرت ابنِ عباسؓ نے اس امر پر آیت يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى سے تین طور پر استدلال فرمایا ہے۔

(1) اس آیت کے معنی یہ ہیں۔اے ایمان والو! مقتولین کے بارے میں تمہارے اوپر قصاص مقرر کیا گیا ہے۔یہ مسئلہ کہ قصاص قصداً قتل کرتے والے پر واجب ہوتا ہے۔پھر باوجود قتل کے اللہ تعالیٰ يَآ اَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا کے ساتھ خطاب فرماتا ہے۔اس سے ثابت ہوا کہ قصداً قتل کرنے والا ایمان سے خارج نہیں ہوا۔بالکل مومن باقی رہا۔

(2) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے : فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيهِ شَيْءٌ ۔یعنی جس کے لئے اس کے بھائی کی طرف سے کچھ چھوڑ دیا جائے یہ بات ظاہر کرتی ہے کہ

Marfat.com

اللہ تعالیٰ نے ان کو جو بھائی فرمایا ہے تو یہ فقط قوت ایمان کی وجہ سے فرمایا ہے۔ قولہ تعالیٰ: اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ ۔ یعنی ایمان والے تو بھائی بھائی ہیں اور مشہور حدیث بھی ہے کہ کل مومن اخوة۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا ۔ اس آیت میں اللہ نے ہجرت کرنے والوں کو بھی مومن فرمایا ہے۔ باوجودیکہ ترک ہجرت کے بارے میں سخت وعید آچکی تھی۔ ظاہر ہے کہ بے گناہ کے لئے توبہ کا حکم نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وَتُوْبُوْآ اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ ۔ اگر کوئی کہے کہ اس سے لازم آتا ہے کہ ہر مومن گنہگار ہو۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک یہ آیت گنہگاروں کے حق میں ہے اور بے گناہ اس سے مستثنیٰ ہیں مگر ہم کہتے ہیں کہ انہیں گنہگاروں کے اعتبار سے یہ آیت ہماری حجت ہے۔

دوسری قید:

ایمان زبانی تصدیق کا نام نہیں ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۔ اور لوگوں میں سے بعض کہتے ہیں کہ اللہ پر اور یوم آخرت پر ہمارا ایمان ہے لیکن وہ مومن نہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو اس آیت میں فرمایا کہ وہ مومن نہیں ہیں۔ اور اگر تصدیق زبانی کا نام ایمان ہوتا تو وہ زبان سے تو اقرار کر ہی رہے تھے۔ پس تصدیق ایمانی زبان کا نام ہوتا تو پھر ایمان کی نفی کیوں ہوتی۔

تیسری قید:

ایمان مطلق تصدیق کا نام نہیں اسلئے جو شخص بت کی یا شیطان کی تصدیق کرے اس کو مومن نہیں کہہ سکتے۔

چوتھی قید:

یہ کہ ایمان میں تمام صفاتِ الٰہی کی تصدیق کرنا شرط نہیں ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس شخص کے لئے بھی ایمان کا حکم دیا کرتے تھے جو اللہ تعالیٰ کو عالم بالذات یا عالم العلم ہونے سے خالی ذہن ہوتا تھا۔ اگر اس قسم کی چیزوں کا علم اور تصدیق ایمان کے لئے شرط ہوتی تو رسول اللہ ﷺ کیونکر مومن فرماتے۔ البتہ اس وقت ایمان یا عدم ایمان کا حکم دیتے کہ جب پیشتر آپ اس کا امتحان لے لیا کرتے۔ یہ ان امور کو جانتا ہے یا نہیں۔ یہاں تک فقیر نے جو کچھ بیان کیا ہے ایمان کی تحقیق تھی۔ امام رازیؒ نے یہ چار قیدیں بیان کی ہیں۔ صاحب خزینۃ القرآن نے بیس قیدیں بیان کی ہیں۔ تمام بیان نہیں کروں گا لیکن اتنا ضرور عرض ہے کہ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ اللہ کی صفات کو لامحدود سمجھے اور یہی مانے کہ اللہ کی صفات لامحدود ہیں۔ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ تم اللہ کی صفتوں کو غیر محدود مانو۔ یہ حدیث تواتر سے ثابت ہے پس اللہ کی صفات کو مومن لامحدود مانے۔ یہ بھی ایمان کے لئے ضروری شرط ہے۔ یہی ایمان کی تحقیق تھی اب اگر اس مقام پر کوئی اعتراض کرے کہ یہاں دو صورتیں پائی جاتی ہیں ایک صورت تو یہ ہے کی اگر کسی شخص نے اللہ کو دلیل اور برہان سے پہچانا اور جس وقت اس کی معرفت پوری ہو چکی اس وقت وہ شخص مر گیا اتنا زمانہ جہالت کا پایا کہ زبان سے کلمہ شہادت نکلتا۔ ایسے شخص کو فقیر دریافت کرتا ہے کہ وہ مومن ہے یا کافر؟ اگر تم اسکو مومن کہتے ہو تو اسکا مومن کہنا درحقیقت اس بات کا قائل ہونا ہوا کہ ایمان کی حقیقت میں زبانی اقرار معتبر نہیں ہے اور یہ بات اجماع کے خلاف ہے اگر کہتے ہیں کہ یہ شخص کافر ہے تو یہ کہنا بھی غلط ہے اس واسطے کہ حدیث میں آیا ہے کہ جس شخص کے دل میں ذرہ بھر بھی ایمان ہے وہ دوزخ سے نکل آئے گا۔ ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر کسی شخص کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہے تو اگر وہ جہنم میں گیا تو میں اسے جہنم سے نکلوا کر جنت میں لاؤں گا اور اس شخص کا دل تو ایمان سے پرہور ہا ہے پھر تم کس طرح کہہ سکتے ہو کہ وہ مومن نہیں ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے اللہ تعالیٰ کو دلیل سے پہچانا اور اتنا وقت بھی پایا کہ زبان سے کلمہ شہادت بھی نکال سکتا تھا مگر نکالا نہیں تو اس شخص کو بھی فقیر دریافت کرتا ہے کہ مومن ہے یا نہیں؟ اگر مومن ہے تو اجماع کے خلاف ہے اگر کہتے ہو کہ مومن نہیں تو یہ بھی غلط ہے کہ گزشتہ سطور میں جیسا کہ ذکر کیا گیا تو اس کے جواب میں شیخ الشیوخ حجت الاسلام امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ ان دونوں صورتوں میں اجماع کو تمہید تسلیم کیا ہے۔ ان دونوں شخصوں کو معرض کیا ہے ان دونوں کا زبان سے کلمہ شہادت نہ پڑھنا پس گناہ کے برابر ہوگا۔ جو ایمان کے ساتھ جمع ہوئے ہیں۔ صاحب خزینۃ القرآن ایک حدیث درج کرتے ہیں مجموعۃ الاحادیث سے حضرت علیؓ فرماتے۔

Marfat.com

ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میرے ماں باپ آپ پر قربان جائیں۔ اگر کسی نے اللہ کو دل میں دلیل کے ساتھ مانا جب اس کی معرفت پوری ہوگئی تو اس کے پاس وقت بھی ہے لیکن کلمہ شہادت منہ سے نہیں نکالا تو کیا وہ مومن ہے یا کافر؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کی تصدیق قلب کے ساتھ ہے۔ دل میں تو اس نے مان لیا اور زبان سے اقرار نہیں کیا تو وہ گنہگار مومن ہے۔ امام غزالیؒ نے اسی حدیث پر فتویٰ دیا ہے یہ حدیث تفسیر امام باقر، قطرب ملک ابن جریج میں مذکور ہے۔

مسئلہ چوتھا:

بعض کا قول ہے کہ غیب مصدر کا صیغہ ہے اس کو قائم مقام اسم تام کے کر دیا ہے جس طرح صوم بھی صائم کے اور زور بھی زائر کے آجاتا ہے۔ یُؤمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ میں دو قول ہیں۔ (۱) وہ قول جسے ابو مسلم اصفہانی نے اختیار کیا ہے کہ بالغیب دراصل مومن کی صفت ہے یعنی ایمان والے جس طرح حضور ﷺ کے ہاتھ میں اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں اسی طرح غیب میں اللہ پر ان کو ایمان ہے۔ بخلاف منافقین کے ایمان والوں سے ان کی ملاقات ہوتی ہے تو اٰمنّا کہتے ہیں۔ اور اپنے سرداروں کے پاس جا کر کہتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں مسلمانوں سے تو ہم ٹھٹھا کرتے تھے اس کی نظیر یہ آیت ہے۔ ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّیْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَیْبِ یعنی حضرت یوسفؑ فرماتے ہیں کہ یہ اس واسطے ہوا کہ عزیز مصر کو معلوم ہو جائے کہ غیب کی حالت میں میں نے اس کی خیانت نہیں کی اسی طرح کہا کرتے ہیں کہ فلاں شخص تیرا اچھا دوست ہے پس پشت بھی تیرے ساتھ دوستی رکھتا ہے اس میں مومنین کی مدح پائی جاتی ہے ان کا ظاہر اور باطن یکساں ہے منافقین کی طرح انکی حالت نہیں ہے۔ (۲) جمہور مفسرین کا قول ہے کہ غیب وہ چیز ہے جو پوشیدہ ہو پھر اس غیب کی امام رازیؒ نے بحوالہ امام باقرؒ دو قسمیں فرمائی ہیں۔ ایک وہ جس پر دلیل قائم ہو سکتی ہے دوسری وہ جس پر دلیل قائم نہیں ہو سکتی۔ صاحب خزینۃ القرآن نے بحوالہ امام باقر غیب کی اٹھارہ قسمیں بیان کی ہیں جو بہت لمبی ہیں یہاں بیان نہیں کروں گا۔ جن کا ثبوت دلیل اور فکر سے ہوتا ہے۔ اس میں متقیوں کی بڑی مدح پائی جاتی ہے اس غیب میں اتنی چیزوں کا علم داخل ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات، آخرت و نبوت، احکام و شریعت۔ اسی واسطے متقی لوگ ثنائے عظیم کے مستحق ہیں۔

اگر یومنون بالغیب سے غائب چیزیں مراد ہوں تو یہ کہنا صادق ہو جائے گا۔ امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ انسان کو علم غیب ہو جائے گا یہ بات اس آیت کے خلاف ہے۔ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ اور جس طرح پر یہ مراد لیا جائے کہ غیب کی حالت میں اللہ پر ایمان رکھتے ہیں تو یہ قباحت لازم نہیں آتی۔

امام رازیؒ فرماتے ہیں غیب کا اطلاق اسی چیز پر ہو سکتا ہے جس پر حضور ﷺ کا بھی اطلاق ہو سکتا ہے۔ اس بناء پر اللہ کی ذات اور صفات کو غیب نہیں کہہ سکتے۔ پس اگر یومنون بالغیب سے اشیاء غیب پر ایمان مراد ہو تو اللہ کی ذات اور صفات پر ایمان لانا اس میں داخل نہ ہوگا۔ لیکن ایمان بالآخرت باقی رہے گا۔ یہ نہیں ہو سکتا اس واسطے کہ ایمان کا رکنِ اعظم اللہ کی ذات پر ایمان لانا ہے پس ایک لفظ کا ایسے معنی پر محمول ہونا اس پر جائز ہوگا۔ جس میں مقصود بالذات کا خارج ہونا لازم آئے۔ اور تفسیر مذکورہ بالا پر یہ قباحت لازم نہیں آتی۔

پہلے کا جواب: یہ کہ یومنون بالغیب میں تمام غیب چیزوں کا ایمان لانا شامل ہے اور اس کے بعد یاد رہے کہ عرض کر چکا ہوں امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ غیب کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو دلیل پر قائم ہو اور دوسری وہ جو بغیر دلیل کے ہو۔ اللہ تعالیٰ اس سے پیغمبر کی ذات کو مطلع فرماتا ہے کیونکہ غیب کی سترہویں اور اٹھارویں قسم فرماتے ہیں کہ ایک عالم غیب کے غیب الغیب۔ کیونکہ یہ علوم (غیب الغیب)، اللہ تعالیٰ ہی انکا خالق ہے لیکن غیب الغیب کا مقام لامکان ہے۔ اللہ تعالیٰ کے تمام علوم ازلی ہیں اس سے تو کوئی چیز پوشیدہ نہیں جبکہ وہ ہر چیز کا خالق ہے۔ اور ہم سے جو چیزیں پوشیدہ ہیں وہ غائب ہیں تو اللہ تعالیٰ علوم غیب کے لئے پیغمبروں میں سے کسی پیغمبر کو چن لیتا ہے۔ سوال: کیا پیغمبر کے لئے علم حقیقی ہوتا ہے یا عطائی؟ فرماتے ہیں کہ انبیاء کے پاس علم عطائی ہوتا ہے اس میں جمہور مفسرین اور محدثین کا اتفاق ہے تمام انبیاء میں سے اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو سب پر فوقیت دی۔ کمالات میں بھی اور علم میں بھی۔ تو حضور ﷺ کے علمِ غیب کی کیا نوعیت ہے؟ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے بہا علم عطا کیا ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ نبی انبا ینبی سے مشتق ہے۔ انبا کے معنی خبر کے ہیں اور نبیؐ کے معنی پہنچانے والا یعنی اللہ کے غیب کی خبریں اللہ کی مخلوق تک پہنچانے والا۔ یہ انبا ایسا فعل ہے جو اپنے معنی کے لئے مبنی ہے۔ موصوف فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں کچھ مقامات ایسے ہیں جن میں حضور ﷺ کے علم کی نفی کی گئی ہے۔ مثلاً:

Marfat.com

پہلی آیت:

وَعِندَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ۔ یعنی غیب کی کنجیاں اسی کے پاس ہیں۔ اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ فرماتے ہیں کہ دراصل یہ آیت کریمہ مشرکین کے لئے تنبیہ ہے اس میں وضاحت ہورہی ہے کہ غیبی علوم کی صفت ذاتی اسی کے لئے ہے تاکہ کوئی دوسرا حقیقی ذاتی علم کا دعویٰ نہ کرسکے۔ ظاہراً اس آیت میں حضورﷺ کے علم کی نفی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس معاملہ میں اپنے علمِ ذاتی کا اظہار فرمایا ہے کہ اصلی علم اسی کے پاس ہے کیونکہ علمِ ذاتی سے وہی متصف ہے۔ مولا علیؓ مجموعۃ الحدیث سے حدیث درج کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ حضورﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا علم اتنا وسیع ہے کہ اس کی نہ کوئی ابتدا ہے اور نہ انتہا۔ اصل ذاتی علم اسی کے لئے ہے۔ پھر مذکورہ بالا آیت تلاوت فرمائی اس ضمن میں دوسری حدیث شہاب ابنِ زہری کی اسناد سے ہے بحوالہ امام باقرؓ۔ وہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی اسناد سے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہﷺ فرماتے ہیں کہ علم کی کوئی حد نہیں ہے۔ ذاتی علم اور ذاتی خزانوں کا مالک وہی ہے اور مذکورہ بالا آیت تلاوت فرمائی فرمایا بے شک اے اللہ! مجھے قسم ہے تیری ذات کی جس میں تو نے فرمایا ہے کہ علم میرے پاس ہے میرے سوا اسے اور کوئی نہیں جانتا۔ لفظ یعلم اللہ کے لئے آتا ہے تو لوگ اس کے معنی معلوم کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ یہ معنی اصل میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے درست نہیں ہیں۔ اگر یعلم غیبی معلوم کے لئے ہو تو پھر یوں ہوگا کہ اللہ تعالیٰ چیزوں کو یعنی غیب کو معلوم کرتا ہے۔ حالانکہ غیب سے متصف تو وہی ہے تو اس کے لئے یعلم غیبی معلوم کیسے آئے گا۔ کیونکہ چیز بھی اسی کی ہو معلوم بھی وہی کرے جیسے کہ زید کا گھر ہو اسے اس نے خود بنایا ہوا اور وہ کہے کہ میں اپنے گھر کو جانتا ہوں تو یہ کلمہ اس کے لئے کچھ مہمل سا ہوگا کیونکہ ماننے میں اور ملکیت میں فرق ہے یہاں یعلم بمعنی ظاہر کے ہوگا۔ اور معنی یوں ہوں گے کہ غیب کی کنجیاں اسی کے پاس ہیں۔ اس کے سوا کوئی ظاہر نہیں ہوسکتا۔ فرماتے ہیں یہ معنی درست ہیں تو اس آیت سے اللہ تعالیٰ کا ذاتی علم مراد ہے۔

دوسری آیت:

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ۔ یعنی اے حبیب پاکؐ! آپ ان مشرکین سے فرمادیجئے کہ میں تم کو یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ ہی میں غیب جانتا ہوں۔ دیکھئے یہاں بھی لفظ اعلم استعمال ہوا ہے جب مخلوق کے لئے لفظ اعلم یا یعلم ہو تو وہاں جاننے کے معنی ہیں یعنی اس آیت سے علم صفاتی اور ذاتی ظاہر ہے صاحبِ خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ رسول اللہﷺ از خود علم نہیں جانتے اس آیت میں نفی ہورہی ہے کہ مشرکین کو وضاحت کردی جائے کہ میرے پاس اللہ کے سوا کوئی علم نہیں ہے۔ کیونکہ اصل علم اللہ کا ہے اور پیغمبر اگر علمِ ذاتی ہونے کا دعویٰ کرے تو پیغمبریت کا دعویٰ کیسے ہو۔ اسی لئے حضورﷺ مشرکین کو بتانا چاہتے تھے کہ میں نہ از خود پیغمبر بنا ہوں اور نہ میرے پاس اپنا کوئی ذاتی علم ہے نہ میرے پاس اپنا پیدا کردہ کوئی خزانہ ہے۔ مشرکین یہ کہتے تھے کہ محمدﷺ خود بخود باتیں بناتے ہیں اور غیب کی خبریں دیتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو فرمایا کہ ان مشرکین سے کہہ دو کہ اے مشرکو! میں از خود اپنی طرف سے تمہیں کچھ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں یا علمِ غیب ہے۔ یہ سب چیزیں تو اصل میں اللہ کی ہیں صاحبِ خزینۃ القرآن حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور ابی قتادہؓ کی اسناد سے حدیث درج کرتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا لَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ۔ اس آیت کے بعد فرمایا بل انی اوتیتُ من ربی۔ فرمایا نہیں میرے لئے کہ میں تم سے یہ کہوں کہ میرے پاس اللہ کا خزانہ ہے اور نہ میں غیب جانتا ہوں۔ ہاں مگر دیا گیا ہوں میں اپنے رب سے۔ تو صاحبِ خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ حضورﷺ نے مذکورہ بالا آیت تلاوت فرمائی لیکن حدیث مذکورہ بالا میں اوتیتُ من ربی فرمایا گیا ہے۔ اس میں دونوں باتیں شامل ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضورﷺ کو علمِ غیب بھی عطا فرمایا اور خزانہ بھی۔

تیسری آیت:

(پارہ ۹) قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ۔ یعنی اے حبیب پاکﷺ آپ ان سے فرمادیجئے کہ میں اپنی ذات کے لئے نفع ونقصان کا مالک نہیں ہوں مگر اللہ جو چاہے۔ اور میں علمِ غیب بھی نہیں جانتا نہ میرے پاس کوئی خزانہ ہے۔ صاحبِ خزینۃ القرآن

Marfat.com

فرماتے ہیں کہ ملکیت کی وجہ یہ ہے کہ اللہ نے نفع ونقصان اور ہر چیز یعنی جاندار کا ذاتی مالک وہی ہے اور اصل غیب اسی کا ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ جسے کوئی چیز ملکیت میں عطا فرمائے اور وہ فرما سکتا ہے۔ حقیقی مالک وہی ہے اور مجازی مالک بھی ہوتے ہیں جس طرح عام لوگ کہتے ہیں کہ میری زمین میری ملکیت ہے فلاں چیز میری ملکیت ہے۔ بادشاہ کہتا ہے یہ ملک میرا ہے لیکن جب وہ ملک چھوڑ جاتا ہے تو وہ اس ملک کے لئے اپنا ملک ہونے کا دعویٰ نہیں کرتا اسی طرح جس کے پاس زمین ملکیت ہے جب وہ مر جاتا ہے تو ملکیت ختم ہو جاتی ہے تو معلوم ہوا کہ اصل ملکیت اللہ تعالیٰ کی ہے اپنی ملکیت سے وہ کسی کو ملک عطا کر دیتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ ملکیت مجازی بھی ہے تو یہاں قرآن نے لَآ اَمۡلِکُ لِنَفۡسِیۡ الایہ فرمایا ہے۔

صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ اس مقام پر اللہ نے اپنے حبیب ﷺ کو کسر نفسی سکھائی ہے کیونکہ سرکار جتنی کسر نفسی فرمائیں گے اللہ تعالیٰ اتنے ہی آپ کے مراتب بڑھائے گا نفع نقصان کا از خود پیغمبر مالک نہیں اور اللہ تعالیٰ انہیں اپنے نفس کا اور نفع کا مجازی مالک بناتا ہے صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کی حکایات کو بیان فرمایا۔

قَالَ رَبِّ اِنِّیۡ لَآ اَمۡلِکُ اِلَّا نَفۡسِیۡ وَاَخِیۡ ۔ یعنی حضرت موسیٰ نے کہا پروردگار بیشک میں مالک نہیں ہوں (ان کا جو میرے خلاف ہیں) مگر اپنی ذات کا اور اپنے بھائی کا تو اللہ تعالیٰ نے اس پر کوئی اعتراض نہیں فرمایا کہ مالک تو میں ہوں تو نے اپنا اور اپنے بھائی کی ذات کا ذمہ کیوں لیا تو یہاں بھی لَا اَمۡلِکُ ہے۔ حالانکہ آپ نے دوسروں کے نفع نقصان کی ذمہ داری اور ملکیت کی نفی کی اور اپنے بھائی اور اپنا ذمہ اپنے پر رکھا۔

صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں اس سے ثابت ہوا کہ جو پیغمبر پر ایمان لائے تو پیغمبر اس کے نفع ونقصان کا اللہ کی طرف سے ذمہ دار ہے تو صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ اسی طرح جناب رسول مقبول ﷺ بھی قیامت کے دن اپنی امت کے اور نفع ونقصان کے ذمہ دار ہوں گے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بے بہا خزانے عطا فرمائے ہیں موصوف فرماتے ہیں کہ یہ لفظ بے بہا جو میں نے کہہ دیا ہے اس پر اگر تعجب ہو تو رسول اللہ ﷺ کے گھر تو کئی کئی دن فاقہ رہتا تھا۔ بے بہا خزانے کہاں؟

جواب: فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کی زندگی ہمارے لئے کامل نمونہ تھی۔ آپ ﷺ نے کھایا بھی تو ہمارے لئے، پیا بھی تو ہمارے لئے۔ وگرنہ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ میرا کھانا پینا اور سونا سب رب کے پاس ہے۔ موصوف فرماتے ہیں کہ بیشک حبیب باری کے پاس بے بہا خزانے ہیں اب بھی قیامت تک آپ ﷺ کے توصل سے ہمیں ملے گا۔ امام زہریؒ کی اسناد سے حدیث درج کرتے ہیں وہ محمد ابن علی سے وہ اپنے والد علی ابن حسین سے اور وہ ابو قتادہؓ سے وہ حضرت علیؓ سے، حضرت علیؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے رب نے مجھے خزانوں کی کنجیاں عطا کی ہیں میں جس طرح چاہوں تقسیم کروں۔ پھر فرماتے ہیں یہی حدیث میں نے علامہ عبدالرزاق کی اسناد سے بیان کی ہیں۔ ایک اور حدیث امام زہری کی اسناد سے بیان کرتے ہیں، وہ ابو سعید خدریؓ سے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو کوئی میرے پاس مراد لے کر آئے میں اسے غنی کروں گا چاہے وہ علم میں غنی ہونا چاہے یا رزق میں۔ یہ تفسیر امام محمد باقرؒ، ابی بن کعبؓ، حسن ابن علیؓ، حسن بصریؒ، صدی، قرطبی، قلبی، فتح المبین، المہیمن الادی، سفیان ثوریؒ، اور شافعی میں بھی درج ہے۔

صاحب خزینۃ القرآن ہر دو احادیث کی تطبیق اس آیت کریمہ سے کرتے ہیں۔ وَ مَا نَقَمُوۡٓا اِلَّاۤ اَنۡ اَغۡنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗ مِنۡ فَضۡلِهٖ ۔ فرمایا کہ اس آیت سے رسول اللہ ﷺ کا غنی ہونا اور دوسروں کو غنی کرنا ثابت ہے۔ یعنی یہ کہ اللہ نے غنی کیا ان کو اور اس کے رسول نے بھی اپنے فضل سے۔ فرماتے ہیں کہ اللہ نے اپنے محبوب کو دوسروں کو غنی کرنے کا اختیار دیا ہے علم میں اور رزق میں۔ ابن عباسؓ کی اسناد سے حدیث درج کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب یہ آیت تلاوت فرماتے تو فرماتے کہ جسے چاہوں غنی کر دوں اپنے فضل سے اور میں فخریہ طور پر نہیں کہتا۔ فرماتے ہیں کہ یہی حدیث ان تمام مذکورہ تفاسیر میں ہے۔ یہی حدیث عمر فاروقؓ کی اسناد سے بھی ہے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ یارسول اللہ ﷺ آپ ہر وقت غنی فرماتے ہیں۔ فرمایا کہ ہاں۔ قرآن نے اسی لئے تو اس آیت میں پتہ لگا دیا ہے۔ پھر یہ حدیث فرمائی۔ انا قاسم واللہ یعطی ۔ آیت دوسری پارہ نمبر ۱۰ میں فرماتے ہیں اللہ نے فرمایا وَلَوۡ اَنَّهُمۡ رَضُوۡا مَاۤ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗ ۔ ترجمہ: کاش کہ یقیناً بہتر تھا وہ راضی ہوئے جو کچھ ان کو اللہ نے دیا اور اس کے رسول ﷺ نے۔ کہتے ہیں کہ اللہ ہم کو کافی ہے۔ عنقریب اللہ ان کو دے گا اپنے فضل سے اور اس کا رسول ﷺ اپنے فضل سے۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ انما جس جملے پر داخل ہو وہ جملہ دوامیہ ہوتا ہے اور عموم کا ہے تو معلوم ہوا کہ اعطی ماضی کا صیغہ ہے اور یعطی مضارع کا صیغہ۔ یعنی اللہ نے ان کو دیا اور رسول ﷺ نے بھی دیا۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ رسول اللہ کو بھی فضل کرنے کا اختیار ہے کیونکہ من

Marfat.com

فضل ہے تو ہمیں معلوم ہوا کہ ہمیں اب بھی جو ملتا ہے وہ حضور پاک ﷺ کی ذات بابرکات سے ہی ملتا ہے ایک اور حدیث میں ہے جسے امام زہریؒ عبداللہ بن عمرؓ کی اسناد سے درج کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ انسان کو رزق دیتا ہے تو تقسیم میں ہی کرتا ہوں ۔ یہ حدیث امام باقرؒ، اوقوی، مقاتل، قیس، بن مسلم کوفی، ثوری حکمت قرآن وراق اور تفسیر علی بن مدینی میں ہے۔

یہ بات حدیث سے ثابت ہوگئی کہ رزق دینے والا اللہ اور تقسیم کرنے والے رسول اللہ ﷺ ہیں (اپنے فضل سے)۔ معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کو فضل کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔ ایک اور حدیث امام زہریؒ کی اسناد سے وہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے ہے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ نے مجھے بے بہا خزانے عطا کئے ہیں اور میں جسے چاہوں غنی کردوں (اپنے فضل سے) کیونکہ میرا اللہ بھی غنی کرتا ہے اور مجھے بھی اسی ذات نے غنی کرنے کا حکم دیا ہے اور اختیار دیا ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ نے ہمیں وہ نبی عطا کیا جو ہمیں اللہ کے دیئے ہوئے فضل سے غنی کرتا ہے۔ پس حضور ﷺ غنی فرماتے ہیں۔ فرمایا کہ مشرک اس بات کو تسلیم کر لیتے تو ان کے حق میں کتنا بہتر ہوتا۔ پھر یہ آیت تلاوت کی: وَمَا نَقَمُوٓا اِلآ اَنْ اَغْنٰھُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ مِنْ فَضْلِہٖ ۔ ترجمہ: اور انھوں نے صرف اس بات کا بدلہ دیا ہے۔ اللہ نے اور اس کے رسول ﷺ نے ان کو اپنے فضل سے غنی کردیا ہے۔ یہ آیت اس حدیث کے حق میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو غنی کرنے اور فضل کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ اللہ نے ہمیں وہ نبی عطا کیا جو ہمیں اللہ کے دیئے ہوئے فضل سے غنی کرتا ہے۔ پس حضور ﷺ جسے چاہتے ہیں غنی فرماتے ہیں۔ بات ہو رہی تھی علم کی۔ کیا انبیاء علیہم السلام کا علم قطعی نہیں ہوتا۔ دعویٰ میں یہ آیت پیش کرتے ہیں۔ اِنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَۃِ وَیُنَزِّلُ الْغَیْثَ وَیَعْلَمُ مَا فِی الْاَرْحَامِ۔ وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَکْسِبُ غَدًا۔ وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ۔ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ ۔ ترجمہ: بے شک قیامت کا علم اللہ کے پاس ہے۔ وہ مینہ برساتا ہے اور جانتا ہے جو کچھ رحموں میں ہے اور نہیں جانتا کوئی شخص کہ کل کیا عمل کرے گا اور نہیں جانتا کوئی شخص کہ کس زمین میں مرے گا۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ جاننے والا اور باخبر ہے۔ تو وہ گروہ مذکورہ بالا آیت کو اپنے دعویٰ میں پیش کرتا ہے کہ ان پانچ چیزوں کی نفی ہوگئی تو علم قطعی نہ رہا۔ یاد رہے کہ یہ علم ذاتی کے لئے ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ قیامت کا پوچھنا کہ قیامت کب آئے گی اسکا منتخب کرنا اللہ کے ذمے ہے کیونکہ وہ مالک ہے یعنی اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ قیامت کا قائم کرنا یہ اسی ذات کے لئے ہے کیونکہ وہ مالک ہے اور بارش برساتا ہے یہ اسکی قدرت کاملہ ہے۔ ماں کے رحم میں ظاہر کرنا، پیدا کرنا یہ اسی کا کام ہے اگر وہ کسی کو یہ خبر دے دے تو اس کو کوئی منع نہیں کرسکتا۔ کیونکہ یہ بات اللہ رب العزت کے اختیار میں ہے۔ پیغمبر کا علم از خود ذاتی نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن حدیث درج کرتے ہیں۔ امام زہریؒ کی اسناد سے، وہ حضرت علیؓ و حضرت ابو ہریرہؓ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت میرے ایسے قریب ہے جیسے دو انگلیاں ایک دوسرے کے قریب ہیں۔ ظاہر ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کو قیامت کا علم ہے لیکن بتایا نہیں۔ یہ حدیث امام باقرؒ، ابوالعالیہ، قتادہؒ، سعید بن جبیر، تفسیر واقدی، تفسیر برہان، الفوائد، الخصائص میں موجود ہے۔ یہ حدیث بہت مشہور ہے کئی محدثین کی اسناد سے یہ درج ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن ایک اور حدیث سلیمان طائی کی اسناد سے، وہ ابن عباسؓ کی اسناد سے درج کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کا علم مجھے عطا کیا گیا ہے لیکن میں بتاؤں گا نہیں۔ اس میں حکمت ہے۔ یہ حدیث کئی اسناد سے درج ہے۔ تفسیر طبری نے بھی درج کی ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ پیغمبر کا علم از خود ذاتی ہوتا ہے نہیں۔ پیغمبر کو علم اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے اور جو علم اللہ نے حضور ﷺ کو عطا فرمایا وہ بے بہا ہے۔ کیونکہ اس میں علم ذاتی کا تعلق ہے۔ پھر کوئی یہ کہے کہ جب کل کے علم کے بارے میں نفی کی گئی ہے کہ کوئی نہیں جانتا کہ کل کیا کرنا ہے اس میں بھی علم ذاتی ہے۔ اپنے طور پر کوئی نہیں کہہ سکتا۔ ہاں جس کے دل میں خود اللہ تعالیٰ تصرف فرمادے حدیث پاک میں ہے کہ حضور ﷺ نے غزوہ بدر کے موقع پر حضرت علیؓ سے فرمایا کہ فلاں کا فر کل فلاں جگہ پر قتل ہوگا اور انگلی سے اشارہ فرمایا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جس جگہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ تمہیں قیامت کا حال بتا سکتے ہیں کہ کب آئے گی، بارش کو کون برساتا ہے، ماں کے رحم میں کون جنم لیتا ہے۔ یہ سب باتیں مشرکین سے تھیں یہ اللہ کی ذاتی صفت ہے کیونکہ یہ کام اللہ کا ہے کہ قیامت کو کب لانا ہے۔ نیست سے ہست کرنا اور بارش کو اسی وقت پیدا کرنا۔ ماں کے رحم میں پیدا کرنا یہ تو قدرت کاملہ کا نظام ہے۔ اس میں علم کی قطعی نفی کا سوال کہاں ہے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ اپنے اختیارات ثابت فرمارہا ہے۔ پیغمبر کو قیامت کے علم سے آگاہ کرنے سے اس کے علم میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔ کیونکہ اس کا علم وسیع و لامحدود ہے۔ اس آیت کو رسول اللہ ﷺ کے علم میں نفی کرنے سے حضور ﷺ کے علم میں کوئی فرق نہیں آتا کیونکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کے ذاتی علم کے بارے میں ہے اور ہم تو عطائی کے

Marfat.com

قائل ہیں جیسے کہ وہ یہ آیت بھی پیش کرتے ہیں۔ وَعِنْدَہٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ اور وَلَوْ کُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ۔ یہ جتنی نفی کی آیات قرانی ہیں علم کے لئے تو ان سب کا مقصد یہی ہے کہ ان آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ کا ذاتی علم مراد ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ منافقوں نے کہا ہم نبی کے پاس اُٹھتے بیٹھتے ہیں۔ انھیں یہ بھی پتہ نہیں کہ ہم ان پر ایمان لائے بھی ہیں کہ نہیں۔ جمعہ کے روز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قوم کا کیا حال ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ نبی کو منافقوں کی خبر نہیں حضرت عمرؓ کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ ہمارے نبی ہیں قرآن ہمارا راہنما ہے۔ حضور ﷺ نے تمام منافقین کا نام لے لے کر پکارا۔ یا فلاں ابن فلاں قُم انک منافق۔ اے منافقو! مسجد سے نکل جاؤ۔ ان کو مسجد سے ہاتھ پکڑ پکڑ کر نکالا۔ یہی حدیث خزینۃ القرآن، تفسیر طبری، تفسیر مظہری، قاضی ثناء اللہ پانی پتی، تفسیر امام محمد باقرؓ اور تفسیر میراں جیو میں درج ہے۔ ایک اور حدیث جو حضرت عبادہ بن صامتؓ سے ہے کہ صحابہؓ کا جم غفیر تھا۔ آپ ﷺ تشریف لائے فرمایا یہ میرے ہاتھ میں کتاب ہے تم جانتے ہو اس میں کیا لکھا ہے۔ انھوں نے کہا کہ اللہ اور اس کا رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا کہ آدم سے لے کر میری امت تک جو آخری شخص جنت میں جائے گا اس کا نام اس میں درج ہے اور آدمؑ سے لے کر میری امت کے آخری شخص تک جو شخص جہنم میں جائے گا اسکا اور اس کے باپ کا نام اس میں درج ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن اس حدیث کو لفظ بہ لفظ امام زہریؒ کی اسناد سے بیان کرتے ہیں۔ انھوں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کتاب کے علاوہ میرے ذہن میں تمام نام موجود ہیں یعنی جنتیوں کے اور جہنمیوں کے، یعنی آدم سے لے کر آخر تک۔ دوسری حدیث حضرت عبدالرزاق کی اسناد سے، وہ حضرت علی کی اسناد سے درج کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے کہ عیسیٰؑ لوگوں کو بتا دیتے تھے کہ جو کچھ وہ گھر سے کھا کر آتے تھے۔ اور مجھے تو اللہ نے بے بہا علم عطا فرمایا ہے۔ جو پوچھو میں بتا دوں۔ پارہ ۴ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُطْلِعَکُمْ عَلَی الْغَیْبِ۔ امور غیبیہ پر تم میں سے کسی کو مطلع نہیں فرماتا لیکن رسولوں میں سے اللہ جسے چاہے منتخب کر لیتا ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں فَاِنَّہٗ ﷺ یَعْلَمُ الغیبَ مِن کُلِ شَئی۔ یہ حدیث صاحب خزینۃ القرآن حضرت علیؓ کی اسناد سے درج ہے۔ تفسیر ابو مسلم، تفسیر امام باقرؓ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں اللہ کا حبیب ہوں۔ اللہ نے مجھے ہر چیز کے لئے چن لیا ہے خاص کر علم غیب کے لئے چن لیا ہے۔ اسی لئے پارہ ۵ میں فرمایا وَکَانَ فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکَ عَظِیْمًا۔ ترجمہ: اور جو کچھ آپ ﷺ نہ جانتے تھے وہ تجھے سکھا دیا۔ اور اللہ کا تجھ پر بڑا فضل ہے۔

صاحب خزینۃ القرآن کی عبارت ملاحظہ ہو۔ (بحوالہ امام باقر ابو العالیہ وراق مقاتل وثوری)

من الاحکام الشریعۃ ومن الغیب من الامور من کل شیءِ و الغیب قطعی قال امام زہری حدّثنا انس بن مالک قال سمعت علیؒ قال قال رسول اللہ ﷺ اوتیت من الاحکام الشریعۃ والغیب من کل شیئ وانا اعلم وتلا وعلمک مالم تکن تعلم وکان فضل اللہ علیک عظیماً قال نعم ان فضل اللہ علی اوتیت من الاحکام الشریعت والغیب من کل شیءِ انی اعلم مالا تعلمون۔

امام فخر الدین رازیؒ تفسیر کبیر پارہ نمبر ۵ اسی آیت کے تحت رقمطراز ہیں اما من الاحکام الشریعۃ والغیب ترجمہ: فرماتے ہیں اس سے مراد احکام شریعت ہر قسم کے امور اور غیب قطعی مراد ہے اور ہر شے کا غیب امام زہریؒ کی اسناد سے حدیث درج کرتے ہیں وہ انس بن مالکؓ سے بیان کرتے ہیں حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علیؓ سے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے علم ہے احکام شریعت اور علم غیب ہر چیز کا میں جانتا ہوں یہ مذکورہ بالا آیت تلاوت کی فرمایا ہاں بیشک یہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ مجھے اس نے احکام شریعت اور ہر قسم کا علم غیب عطا فرمایا بے شک جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے۔ یہ تفسیر امام محمد باقر ابو العالیہ قیس بن مسلم کوفی طاؤس اسود بن یزید تابعی عطا بن رباح اور قتادہ بن دامہ میں ہے امام رازی کی مراد یہی ہے احکام شریعت و علم غیب تو لہٰذا تفسیر مدارک والوں نے بھی یہی لکھا ہے مذکورہ بالا آیت تفسیر طبری میں بھی درج ہے۔ سید میراں جیو تفسیر نور القرآن اور الاستغنا کے فارسی ترجمہ میں یہ حدیث درج کرتے ہیں صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو جو علم عطا کیا وہ قطعی ہے میرے دادا امام باقر نے فرمایا پہلی صدی اور دوسری صدی کے مفسرین نے لکھا فرماتے ہیں کہ علم ما کان کائن وما یکون کے علم کا تعلق کائنات سے ہے۔ اللہ نے حکم دیا قلم کو کہ اُکْتُبْ لکھ ماکان ومایکون سورۃ فاتحہ میں لکھ چکا ہوں صرف کلمہ الحمد للہ کلمہ ماکان کائنٌ وما یکون پر ہے تو علم کلی وجزوی کا تعلق بھی ماکان وما یکون سے ہے اللہ کا علم تو بے بہا ہے قرآن کریم میں ارشاد

Marfat.com

ہوتا ہے۔ مَا فَرَّطْنَا فِی الْکِتٰبِ مِنْ شَیْءٍ ہم نے قرآن میں کوئی چیز نہیں چھوڑی ہر چیز لکھ دی ہے۔ یہاں ما عموم کا ہے۔ فی الکتاب من شیء من استغراقیہ اور شیء مفعول بہ ہے۔ اور کتاب سے مراد قرآن کریم ہے بعض مفسرین کے نزدیک اس سے مراد لوح محفوظ ہے صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ اکثر جمہور مفسرین کا اتفاق اسی پر ہے کہ اس سے مراد قرآن کریم ہے۔ حدیث جامع ترمذی میں ہے رسول اللہ ﷺ نے آنے والے فتنوں کے متعلق فرمایا تو صحابہ نے ان فتنوں سے خلاصی کے متعلق عرض کیا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم سے پہلے لوگوں کے واقعات بھی قرآن میں ہیں اور بعد والوں کے بھی اور جو تمہارے مابین علم ہے وہ بھی اور فتنوں سے خلاصی کے متعلق بھی قرآن کریم میں ہے حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ جو علم بھی تم پر لازم کرنا چاہو وہ قرآن سے لازم کرو۔ صاحب خزینۃ القرآن اسی ضمن میں تیسری حدیث بحوالہ امام باقر ابوالعالیہ طاؤس اسود بن یزید تابعی مجاہدی اور حسن بصری درج کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ماکان وما یکون کا علم تو لوح محفوظ میں ہے۔ اور قرآن کریم کا تو اس سے ماوراء ہے جس کا کوئی احاطہ نہیں کر سکتا۔ قرآن کریم کے علم کی نہ تو ابتدا ہے اور نہ ہی انتہا ہے۔

حدیث چوتھی: حضرت مجاہد کی اسناد سے درج کرتے ہیں انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباس سے اور حضرت ابن عباس نے رسول اللہ ﷺ سے آپ ﷺ نے فرمایا کہ سارا علم ماکان ویکون کا حتیٰ کہ تمام عالم میں جو چیزیں اور علم ہے وہ سب کی سب قرآن میں ہیں نیز فرمان الٰہی ہے۔ لا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین لا کے ماتحت رطب اور یابس نکرہ ہیں اور جنس نفی میں واقع ہو تو یہ عموم کا فائدہ دیتا ہے تو معنی یہ ہوئے کہ نہ خشکی نہ تری ابھی پیدا ہوئی تھی۔ اس کے پیدا ہونے سے قبل وہ لوح محفوظ میں موجود تھی تو نتیجہ یہ ہوا کہ لوح محفوظ ماکان ومایکون کا مجموعہ ہے۔ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے قلم سے فرمایا کہ لوح پر لکھو ماکان ومایکون تو وہ لکھا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جو کچھ پہلے ہو چکا ہے اور جو ہو رہا ہے اور جو ہونا ہے وہ سب لوح محفوظ میں ہے۔ تفسیر امام باقر میں ہے نیز اللہ فرماتا ہے۔ وما من غائبۃ فی السماء والارض الا فی کتب مبین تمام غائبات زمین و آسمان کے وہ ایک بتانے والی کتاب میں درج ہیں اللہ جسے چاہتا ہے لوح محفوظ کے غائبات اور چیزوں کو دکھا دیتا ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام غائبات اور تمام چیزیں جو لوح محفوظ میں ہیں۔ مجھے دکھائیں یہ حدیث تفسیر طبری میں ہے۔ یہ حدیث امام باقرؓ ابوالعالیہ صدی اور طاؤس میں درج ہے۔ اور نور القرآن میں ہے اور خزینۃ القرآن میں ہے۔ حضرت علی وحضرت عمر کی اسناد سے بیان کی گئی ہیں تو نتیجہ یہ ہوا کہ تمام غائبات اور تمام امورات حتیٰ کہ ہر چیز کا مجموعہ لوح محفوظ ہے اور لوح محفوظ کا مجموعہ قرآن ہے۔ نیز اللہ فرماتا ہے وماکان ھذا القرآن ان یفتریٰ من دون اللہ ولکن تصدیق الذی بین یدیہ و تفصیل الکتب لاریب فیہ من رب العالمین ۝ نہیں ہے یہ قرآن کی شان کہ اس کو کوئی خود بنائے اللہ کے سوا اور یہ پہلی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے اور لوح محفوظ کی تفصیل ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ پروردگار عالم کی طرف سے اتارا گیا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن کریم لوح محفوظ کی تفصیل ہے۔ اب اس پر کوئی اعتراض کرے کہ قرآن کریم تو خود لوح محفوظ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے بل ھو قرآن مجید فی لوح محفوظ بلکہ وہی قرآن مجید تو لوح محفوظ میں ہے۔ اب تمہارا دعویٰ کیسے ثابت ہوگا کہ قرآن مجید لوح محفوظ کا مجموعہ ہے جب کہ قرآن مجید تو خود لوح محفوظ میں ہے۔

اس اعتراض کا جواب کئی طریق سے ہو سکتا ہے کہ ہمارا دعویٰ قرآن کریم کے الفاظ پر نہیں علوم قرآن پر ہے۔ الفاظ تو واقعی لوح محفوظ میں ہیں لیکن جو کچھ اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ پر لکھا ہے وہ تو مخلوق ہے لیکن قرآن کریم لفظاً و معناً غیر مخلوق ہے۔ لیکن لوح محفوظ میں تو ماکان وما یکون کا علم ہے اور ماکان وما یکون پر کلمہ الحمدللہ حاوی ہے تو سارا قرآن کا علم اس سے ماوریٰ ہے۔ اور بے انتہا ہے جس کی کوئی حد نہیں جیسا کہ قرآن مجید میں خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ونزّلنا علیک الکتٰب تبیانا لکل شیء اے حبیب ﷺ ہم نے یہ قرآن آپ پر اتارا یہ ہر چیز کو بیان کرنے والا ہے۔ لہٰذا قرآن تمام ہر علوم پر غالب ہے اور حاوی ہے۔ سارے علوم اس میں ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قرآن کریم ہر علم پر حاوی ہے۔ خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ انّ الّذین کفروا بالذّکر لمّا جاءھم وانّہ لکتٰب عزیز لا یاتیہ الباطل بے شک جو لوگ انکار کرتے ہیں۔ قرآن کے ساتھ جب آیا ان کے ہاں۔ بے شک البتہ یہ کتاب ضرور غالب ہے نہیں آتا اس کے پاس باطل۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قرآن ہر باطل پر غالب ہے اور تمام علوم پر حاوی ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ امت کا علم حدیث کی شرح میں ہے حدیث کی شرح قرآن کی شرح ہے۔ حضور ﷺ نے جو حکم فرمایا۔ آپ ﷺ کا حکم قرآن سے مفہوم ہوتا ہے۔ یہی قول بحوالہ تفسیر امام باقرؓ بھی ہے۔ حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میری ہر حدیث قرآن کی شرح میں ہے اور تمام علوم قرآن میں ہیں قرآن تمام کتابوں اور لوح محفوظ کا مفصل مجموعہ ہے۔ یہ تفسیر امام باقرؓ پہلی

Marfat.com

اور تیسری صدی کے تمام مفسرین نے بیان کی ہے قرآن خود فرماتا ہے۔ تفصیلاً لکل شیء ہر چیز کی تفسیر قرآن میں ہے۔ لہٰذا قرآن تمام علوم پر حاوی ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ (سورۃ النساء) جس کا ترجمہ یہ ہے: اور تجھے سکھا دیا جو آپ نہ جانتے تھے تو معلوم ہوا کہ پہلے حضور ﷺ کا علم محدود تھا پھر اللہ نے اسے بے بہا کر دیا۔ کیونکہ آیت میں ظاہری الفاظ یہی ہیں اور تجھے سکھا دیا جو آپ ﷺ نہ جانتے تھے، وہ آپ ﷺ کو عطا کر دیا گیا۔ لہٰذا حضور ﷺ کا علم بتدریج ظاہر ہوا۔ جو لوگ نفی کے واقعات کو پیش کرتے ہیں جن آیات کریمہ میں نفی کی گئی ہے۔ ان سب کا مقصد یہی ہے تفسیر امام باقرؒ میں ہے لہ وہ مجموعۃ الحدیث جو تفسیر علی المرتضیٰ کی ہے سے فرماتے ہیں کہ حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے قرآن کی فضیلت میں فرمایا کہ قرآن کے ہر لفظ سے علوم کے بے بہا سمندر نکلتے ہیں۔ لوح محفوظ ام الکتاب یعنی ہر علم کی اصل ہے پھر فرمایا کہ قرآن کریم کی ہر آیت ام الکتٰب ہے۔ اس کے علم کی نہ ابتدا ہے نہ انتہا ہے۔ اور قرآن کے علوم سے بے بہا سمندر سے ایک قطرہ ملا ہے۔ یہ حدیث متواتر ہے اور ہمارا مدعا صرف یہ ہے کہ حضور ﷺ کو ما کان و ما یکون کا علم ہے۔ اور حضور ﷺ کا علم بتدریج ظاہر ہوا ہے۔ سرکار دو عالم کے کمالات کا وجود پہلے اور اظہار بعد میں ہے۔ عموماً دو چیزیں ہوتی ہیں۔ وجوہ اور ظہور اور وجود ظہور سے مقدم ہوا کرتا ہے۔ لہٰذا حضور ﷺ کی حقیقت آپ ﷺ کے اظہار سے پہلے ہے اور سب سے اول حضور کی حقیقت ہے۔ اور اب بھی آپ ﷺ کی حقیقت ہے قیامت تک رہے گی۔ میں تو یوں کہوں گا کہ جس دل کے اندر حقیقت مصطفی ﷺ نہ ہو وہ دل پاک ہو سکتا ہے اور نہ وہ مومن ہو سکتا ہے تو حضور ﷺ کی حقیقت کا تخت جو ہے۔ وہ مومن کا قلب ہے اور مومن کا سکون حقیقت مصطفی ﷺ ہے اسی لحاظ سے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ النبی اولی بالمومنین من انفسھم (پارہ۲۱ سورہ احزاب) جس کا ترجمہ یہ ہے کہ نبی مومن کی جان سے زیادہ قریب ہے اسی لیے اللہ نے جان سے زیادہ عزیز فرمایا کہ جان تو وجود سے نکل جائے گی اور میرے حبیب ﷺ کا تعلق مومن سے باقی رہے گا۔ اسی لیے قرآن نے فرمایا: قَدْ جَآءَكُم مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ۔ بے شک اللہ کی طرف سے تمہارے پاس ایک نور آ گیا ہے اور کتاب روشن تو دیکھیے کہ نبی کریم ﷺ کی حقیقت نور ہے۔ ہمیشہ نور سے ہی ظلمت مٹتی ہے۔ جب سرکار آئے تو ہر طرف سے ظلمت و تاریکی ختم ہو گئی۔ صاحب تفسیر خزینۃ القرآن حضرت علیؓ اور حضرت عمرؓ کی اسناد سے حدیث درج کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں اللہ کی جانب سے نور ہوں۔ میری حقیقت نور ہے اور میں اول نور ہوں اور میں وہ نور ہوں جو ظلمت کو مٹانے آیا ہے اور آیت مذکورہ تلاوت فرمائی۔ ایک اور حدیث درج کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب جہان پر پورے طور پر ظلمت چھا جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے مٹانے کے لیے روشن نور بھیجتا ہے۔ حدیث درج کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں اللہ کے نور سے ہوں اور خلقت میرے نور سے ہے۔ چوتھی حدیث عبدالرزاق کی اسناد سے لکھتے ہیں کہ اس کی اسناد امام زہریؒ سے بھی ہے یہ تمام احادیث امام محمد باقرؒ ابوالعالیہ کی تفاسیر میں درج ہیں اور مجموعۃ الاحادیث حضرت علیؓ میں بھی ہیں۔ تواتر ہے خواجہ حسن بصری کے ذخیرہ احادیث میں ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ! میرے ماں باپ آپ پر قربان جائیں آپ ﷺ مجھے خبر فرمائیں کہ سب سے پہلے اللہ نے کون سی چیز پیدا فرمائی؟ تو فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے تیرے نبی کے نور کو اپنے نور قدرت سے پیدا فرمایا۔ جس طرح اس نے چاہا۔ اس وقت لوح و قلم نہ تھے۔ شمس و قمر نہ تھا جن و انس نہ تھے زمین و آسمان نہ تھے حتیٰ کہ کائنات کی کوئی چیز نہ تھی۔ تو اللہ نے ان سب چیزوں کو تیرے نبی کے نور کے عکس سے پیدا فرمایا۔ موصوف صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہیں جس طرح آدمؑ کے روح کو اللہ تعالیٰ نے اپنے روح سے پیدا فرمایا۔ تو اس سے مراد فیض قدرت ہے تو اس طرح نبی کا نور بھی قدرت کے فیض سے جو اس کی قدرت کاملہ اکمل و کامل ہے لہٰذا نبی کے نور کو اللہ کی قدرت کے فیض سے تصور کرنا چاہیے۔ لہٰذا ہمارا مدعا اسی پر ہے۔ مذکورہ بالا حدیث طبرانی میں ہے اور تفسیر فوائد القرآن میں بھی ہے۔ امام فخر الدین رازی کا تفسیر کبیر میں یہی موقف ہے کہ سب سے پہلے نور محمدی ﷺ ہے۔ جو لوگ آیت مذکورہ سے مراد قرآن لیتے ہیں وہ بالکل ضعیف موضوع ہے تو بے شک نبی کریم ﷺ کی حقیقت اور آپ کا مقدس وجود نور ہے اور آپ کی حقیقت اور تصرف ساری کائنات میں ہے اور آپ ﷺ اور آپ ﷺ کی طفیل ساری کائنات کو پیدا فرمایا۔ ہمارا مدعا یہی ہے کہ سرکار کی حقیقت ساری کائنات پر عیاں ہے۔ اور مومن کا سکون اسی پر ہے۔ اور مومن کی حقیقت تب ہی ہو سکتی ہے جب اس کا ایمان ظاہر سے بھی کامل ہو اور باطن سے بھی کامل ہو اور چونکہ ایمان کی بحث شروع ہے پہلے عرض کر چکا ہوں کہ ایمان کا تعلق زبان سے نہیں دل سے ہے۔ جب تک دل کے اندر ایمان کا نور نہ ہو تو ظاہری زبان سے ایمان کا کوئی تعلق نہیں۔ یہی حال منافقوں کا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ایمان کی یہی خاصیت ہے کہ اس کا تعلق دل سے ہے اور زبان سے نہیں کیونکہ یہ دل کی خاصیت ہے۔ اس کے بعد فرمایا و الذین یومنون علم کی بحث ہو رہی ہے۔ علم دو قسم پر ہے۔ علم ذاتی اور علم عرضی۔ علم ذاتی چار اقسام پر منقسم ہے۔ علم ذوات، علم جنس الذوات و تعلم المعانی، علم جنس المعانی، علم ذاتی وہ علم ہے جو دائمی ذاتی

Marfat.com

ہوتا ہے۔ علم عرض وہ ہے جو کبھی کبھی تبدیل بھی ہو جاتا ہے قرآن کریم کے اندر تو علم ذاتی ہے علم عرضی پر تو صرف کلمہ الحمد للہ تریاق ہے اور علم عرضی کا تعلق تو علم ماکان وما یکون سے ہے عمر بن خطاب انصاری بیان کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے صبح کی نماز کے بعد خطبہ فرمایا جو غروب آفتاب تک جاری رہا۔ اور عصر وظہر اپنے معمول کے مطابق ہوتی رہیں جب مغرب کی نماز کا وقت ہوا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ آج میں نے علم ماکان وما یکون تم پر بیان کر دیا ہے۔ اصحابہ کہتے ہیں کہ جو ہم سے یاد رہا سو یاد رہا جو بھول گئے سو بھول گئے۔ یہ حدیث صحیح مسلم جلد دوم نمبر ۳۹۰ پر مذکور ہے اور تفسیر امام باقرؒ میں ہے اس حدیث سے یہ نتیجہ ہوا کہ علم ماکان ومایکون نبی کریم ﷺ کے علم کا ایک حصہ ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ قرآن پاک کے اندر تمام علم ذاتی ہے اس پر حدیث عرض ہے حضرت علیؓ عبداللہ ابن مسعود فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ قرآن میں اللہ کا علم ذاتی ہے اور لامحدود ہے کیونکہ اس کے علم کی نہ ابتدا ہے نہ انتہا ہے۔ علم ماکان ومایکون علم مخلوق ہے اور قرآن کریم غیر مخلوق۔ پھر عرض مخلوق کو غیر فانی سے کیا نسبت کیونکہ علم ماکان ومایکون تو لوح محفوظ میں ہے۔ لوح محفوظ کا علم تورات میں ہے تورات کا علم انجیل میں ہے اور انجیل کا علم زبور میں ہے زبور کا علم قرآن میں ہے اور قرآن کا علم سورۃ فاتحہ اور سورہ فاتحہ کا علم بسم اللہ میں اور بسم اللہ کا علم ب کے لفظ میں ہے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ نبی کریم ﷺ موجود تھے۔ سرور کائنات نے فرمایا سلونی ماشئتم تم مجھ سے جو پوچھنا چاہو پوچھ لو۔ ایک آدمی کھڑا ہوا کہ میرا نام کیا ہے؟ اور میرے باپ کا نام کیا ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تیرا نام فلاں ہے اور تیرے باپ کا نام فلاں ہے۔ دوسرا کھڑا ہوا۔ اس نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! میں کہاں جاؤں گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تیرا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ اسی حدیث پر جناب صاحب فتح الباری شارح بخاری علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی رقمطراز ہیں کہ سلونی ماشئتم کی جو ما ہے اس میں عموم ہے۔ کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو کچھ پوچھنا چاہو مجھ سے پوچھ لو۔ کیونکہ جہاں ماعموم کا داخل ہو تو عموم کا فائدہ دیتا ہے لہٰذا ثابت ہو گیا کہ نبی پاک ﷺ کا علم ماکان وما یکون سے بالاتر ہے۔

صاحب تفسیر خزینۃ القرآن اپنی تفسیر کی جلد چہارم ۱۲۵۵ پر یومنون بالغیب کے ماتحت رقمطراز ہیں کہ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں موجود تھا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ تشریف لائے۔ ان کے بعد سرکار دو عالم ﷺ تشریف فرما ہوئے۔ آپ ﷺ نے پارہ ۱۴ کے ۱۸ رکوع کی آخری آیات تلاوت فرمائیں جن کا ترجمہ یہ ہے کہ اے حبیب ﷺ ہم نے آپ ﷺ پر جو کتاب اتاری وہ ہر شے کو بیان کرنے والی ہے پھر فرمایا کہ اللہ نے مجھ پر کروڑہا مہربانی فرمائی کہ اپنا بہترین کلام مجھ پر اتارا جس میں لامحدود علم ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ کی علم کے نہ کوئی ابتدا ہے نہ کوئی انتہا ہے۔ اسی طرح قرآن کے علم کی نہ ابتدا ہے اور نہ انتہا کیونکہ اللہ کا علم ازلی ہے اور میرے علم کی ابتدا اللہ سے ہے نہ میرے علم کی انتہا ہے کہ مجھ پر اللہ کا کلام اترا ہے جس کا علم لامحدود ہے۔ قرآن کے ہر لفظ سے علوم کے بیش بہا سمندر نکلتے ہیں۔ ماکان ومایکون قرآن کے ایک لفظ کے علوم سمندر کا قطرہ ہے۔ ماکان وما یکون میں جانتا ہوں۔ امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث تواتر ہے یہ وہ کلام ہے کہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو اللہ نے اس سے علیحدہ رکھی ہو۔ سب کا سب اسی میں ہے۔ قرآن مجید کے اندر علوم ظاہری و باطنی موجود ہیں علم ظاہری کا تعلق مخلوق سے ہے یہی حدیث امام محمد باقرؒ، ابو العالیہ مقاتل سفیان ثوری عطا خراسانی اوفوی میں ہے علم باطن کا تعلق ماوریٰ سے ہے اور قائم بھی بذات اللہ ہے تو نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن کریم کے علوم ماوریٰ ہیں اس ظاہری علم سے تعلق علما اور اولیاء اللہ کا ہے۔ اور باطنی علم سے تعلق ماوریٰ ہیں کیونکہ قائم بذات ہے۔ اگر اس کی حد قائم کی جائے تو پھر حد قائم ہو جائے گی۔ کہہ چکا ہوں کہ قرآن پاک کے علوم لامحدود ہیں یہی مذکورہ بالا حدیث ذکر الاحادیث جو اسماء الرجال کے نام پر موسوم ہے۔ جلد ۲ صفحہ ۲۶۸ پر یہ حدیث درج ہے۔ امام بخاری نے اس پر حاشیہ لگایا ہے اور اسے مستند کہا ہے اور مذکورہ بالا بخاری والی درج شدہ حدیث وہ بھی اسی صفحہ پر مذکور ہے یاد رہے یہ اسماء الرجال جو تیسری صدی میں لکھی گئی۔ اس کے مصنف بھی صاحب خزینۃ القرآن ہیں اور اس پر حاشیہ امام بخاری نے لگایا ہے۔ تو یاد رہے کہ مدعا اہلسنت یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کا علم ماکان وما یکون سے ماوریٰ ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ پر اللہ نے قرآن کریم اتارا۔ یہ وہ کلام ہے کہ تمام علوم پر تریاق ہے اور علوم جزوی وکلی مخلوق ہیں لیکن قرآن کا علم ذاتی ہے۔ پھر ذاتی کو علم جزوی وکلی سے کیسے تطبیق کرو گے وہ تو بالکل محال ہے۔ کیونکہ علم جزوی وکلی یہ تو مخلوق کے لیے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی سب مخلوق سے افضل ذات، ذات محمد رسول اللہ ﷺ کی ہے۔ علوم جزوی وکلی کہ پھر اللہ نے اپنے حبیب ﷺ کے لیے چن لیا۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ علم کلی بھی اللہ کی صفت ہے یہ بالکل محال ہے کیونکہ اگر کلی کو قائم کر لو تو کلی کے لیے ایک اور کلی ہونی چاہیے جو اس کے لیے علم کو ظاہر کرے اور پھر اس کے لیے ایک اور چاہیے۔ اسی طرح تسلسل لازم آئے گا۔ جو محال ہے۔ جزوی وکلی مخلوق ہیں یہ سب علم اللہ تعالیٰ نے پیدا کیے ہیں تو اللہ کا علم تو اس سے پاک ہے۔ جو علم کو خلق فرمانے والا ہو تو اس کے علم کی حد کیسے ہو سکتی ہے۔ جیسے وہ لامحدود ذات ہے اسی طرح

Marfat.com

اس کا علم بھی لامحدود ہے۔صاحب خزینۃ القرآن اسی ضمن میں ایک اور حدیث درج کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ حضرت عائشہؓ اور حضرت علیؓ سے فرماتے ہیں کہ اللہ کی ذات نے مجھ پر یہ کلام اتارا جو لامحدود ہے اور یہ علم دائمی ہے۔باقی تمام علوم اس کی شاخ ہیں یہ حدیث امام باقرؒ اور دوسری صدی کے تمام مفسرین نے بیان کی ہے۔قرآن کے ہر لفظ سے علم کے بے بہا بے کنار سمندر نکلتے ہیں۔اب اس حدیث سے یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جب قرآن کے ایک ایک لفظ سے بے بہا بے کنار سمندر نکلتے ہیں تو قرآن کے علوم کا پھر کیا کہنا۔بلکہ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلک اہل سنت کا عقیدہ یہی ہے کہ تمام علوم کی حیثیت قرآن پاک ہے اور اس کی حقیقت ظاہری و باطنی اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے۔اور تمام اشیاء اور علوم کا قبضہ اللہ کے پاس ہی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ سمیع وبصیر ہے۔علم کی بحث یہاں تک ہوئی۔وہ ذات موجود ہے۔اس طرح خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ولا یحیطون بشیء من علمہٖ اس سے یہ مفہوم نکلا کہ نہ کوئی اس کی ذات کا احاطہ کر سکتا ہے۔نہ اس کے علم کا حدیث قدسی ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ فرماتا ہے کہ نہ کوئی میرا احاطہ کر سکتا ہے نہ میرے علم کا اور نہ میرا لامحدود علم اس قرآن میں ہے۔اس کا کوئی احاطہ نہیں کر سکتا۔یہ علم میں نے قرآن میں بیان کر دیا ہے۔اس حدیث قدسی علم ذاتی قرآن کریم میں اس کا موجود ہونا ثابت کر دیا۔یہ حدیث تفسیر خزینۃ القرآن وتفسیر امام محمد باقرؒ میں موجود ہے ثابت ہوا کہ علم اللہ تعالیٰ کی کوئی حد نہیں وہ بیحد ہے۔اس حدیث کے مطابق وہ سارے کا سارا علم قرآن میں موجود ہے جب کہ حدیث قدسی نے اسے ثابت کر دیا ہے۔الحمد للہ ثم الحمد للہ کہ ہم اس مسئلے کو قرآن وحدیث سے صحیح ثابت کر سکے۔اب والذین یومنون کی تفسیر عرض کی جاتی ہے۔الذین موصولہ ہے یومنون پر دال ہے یومنون کیونکہ پہلے ایمان کے متعلق بحث ہو چکی ہے کہ ایمان کن خاصیتوں میں ثابت ہو سکتا ہے کیونکہ یہ الذین جو ہے۔اس کا اشارہ متقین کی طرف ہے کہ یہ یومنون ان متقیوں کی مدح سرائی کے لیے ہے اور ان کی تفسیر ہے اور ان میں ان کے ایمان کی حقیقت ہے پہلے اوراق میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ ایمان کا تعلق قلب سے ہے اگر وثوق قلب سے نہ ہو تو زبان سے ہزار مرتبہ کہتا رہے۔اس کو مومن نہیں کہا جائے گا۔بلکہ اسے منافق کہا جائے گا۔کیونکہ یہ بیان ہو چکا ہے کہ ایمان کا دل سے تعلق ہے پہلے اوراق میں ایک حدیث بیان ہو چکی ہے کہ صحابہ کرامؓ نے حضور پاک ﷺ کی بارگاہ عالیہ میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ایک شخص اگر چہ وہ اپنے مومن ہونے کا اظہار اپنی زبان سے نہیں کرتا تو قلب سے وہ مومن ہے۔اگر وہ مر جائے تو کیا وہ مومن ہے؟ فرمایا کہ ہاں وہ مومن تو ہے لیکن وہ مجرم ہے۔کیونکہ اس نے زبان سے اقرار نہیں کیا۔وہ مومن گنہگار ہے کیونکہ ایمان کی حقیقت قلب سے ہے جس طرح اس کی مثال سمجھے سورۃ منافقون کی پہلی آیت کو سمجھے کہ جب منافق رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تو انھوں نے کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ بیشک اللہ کے رسول ﷺ ہیں لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس امر کا میں گواہ ہوں کہ انھوں نے آپ ﷺ کو رسول نہیں مانا۔یہ جھوٹے ہیں اسی امر کو سمجھئے کہ منافق رسالت کا زبان سے اقرار کر رہے ہیں واقعہ میں وہ سچے تھے کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور ان کی زبان نے گواہی دی لیکن ان کی زبان کی گواہی کو قبول نہ کیا گیا۔اس لیے کہ ان کا قلب نور ایمان سے خالی تھا اور ناپاک تھا۔تو نتیجہ یہ ہوا کہ ایمان کی اصل حقیقت جو ہے وہ قلب ہے۔امام اعظم کا فتویٰ بھی اسی امر پر مسلمہ ہے۔لہٰذا گواہی کو مردود کہا گیا ہے۔اگر چہ وہ سچا بھی ہو۔منافق کی سچی گواہی کو جھوٹا کہا گیا ہے سوال پیدا ہوتا ہے کہ شرعاً زانی مرد و زانیہ عورت یا کنواری عورت کی گواہی بھی شرعاً قبول ہے یا مانع ہے۔حدیث صحیح میں ہے کہ زانی مرد اور زانیہ عورت کی گواہی کو قبول نہ کرو کیونکہ وہ جھوٹ بولتے ہیں زانی جھوٹا ہوتا ہے اور زانی کی گواہی کو شرعاً قبول نہیں کیا گیا۔فقہا فرماتے ہیں کہ زانی کا ایمان کمزور ہوتا ہے۔زنا ایمان کی جڑ کو اکھاڑ دیتا ہے حدیث میں آیا ہے کہ زانی مرد اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک اپنی ماں، بہن، بیوی ان میں سے کسی ایک سے زناء ہوتا ہوا اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لے تب تک اسے موت نہیں آئے گی۔امام شافعی فرماتے ہیں کہ زنا بے غیرتی کی علامت ہے کیونکہ ایک تو ایمان کو ختم کر دیتا ہے دوسرے یہ کہ موت اس وقت تک نہیں آتی جب تک وہ اپنے گھر میں زنا ہوتا ہوا نہ دیکھ لے۔یہ کتنی بدترین مثال ہے کہ زنا بہت بری علامت ہے ایمان کا خاتمہ کر دیتی ہے زانی کی بات بالکل بے بنیاد اور لغو ہوتی ہے چہ جائیکہ وہ اچھی ہی کیوں نہ ہو۔لہٰذا زانی مرد و عورت کی گواہی کو ہی مردود کہا گیا ہے۔امام شافعی فرماتے ہیں کہ گواہی کا تعلق ایمان سے ہے کہ گواہی جب کوئی دے تو اللہ کی رضا کے لیے اور اللہ کی رضا کے لیے وہی گواہی دے گا جس کا ایمان قلب میں مضبوط ہوگا۔کیونکہ اعمال کا دارومدار ایمان پر ہے۔اعمال بہترین ہوں گے مگر ایمان ناقص ہو تو وہ بہترین اعمال کو ضائع کر دیتا ہے۔تو سب سے بہتر یہ ہے کہ انسان ایمان کی پختگی کرے اور پختگی قلب سے کرے اور ایمان کا جو گھر ہے وہ قلب ہے تو عموماً انسان اپنے گھر کو بری حالت میں نہیں دیکھ سکتا۔اور گھر کی صفائی کرتا ہے کہ سکون حاصل ہو ایمان کا گھر قلب ہے۔اور ایمان بھی یہی چاہتا ہے کہ میرا گھر صاف ستھرا ہو ہر قسم کی آلائشوں سے اگر قلب پاک رہے گا تو ایمان صحت مند رہے گا ورنہ بیمار ہوگا۔کیونکہ ایمان کے لیے کینہ، بغض، حسد سب بیماریاں ہیں۔ایمان کی سب سے بڑی بیماری حسد ہے۔نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ جس قلب میں حسد ہے وہاں ایمان

Marfat.com

مر چکا ہے۔ایمان کی ضد جب ... لہذا پہلے مومن کو اپنے قلب کو صاف رکھنا چاہئے ورنہ ایمان بیمار ہوگا۔اور قیامت کے دن بارگاہ رب العزت میں شکایت کرے گا کہ اے اللہ تو نے مومن کے گھر کو یعنی جنت کو تمام ناپاکیوں سے پاک رکھا اور شیطان کو اس کے گھر نہ آنے دیا اور تو نے فرشتوں کو اس کے گھر کے لیے جھاڑو کش مقرر کیا۔لیکن اس نے میرے گھر کو تمام گندگیوں سے بھر دیا مولا یہ اتنے بڑے پاک صاف گھر میں رہ سکتا ہے؟ حالانکہ اس نے اس گھر میں تو میری بدولت آنا تھا لیکن میرے ساتھ اس نے بگاڑ دی اور میرے گھر کو خراب کر دیا۔وہاں اتنی بڑی بارگاہ میں سوائے ندامت کے کچھ نہ ہوگا۔مومن تجھے چاہئے جس طرح قلب کو تیرے ایمان کے لیے مخصوص کیا گیا ہے تو اسے ویسا رکھ۔مومن کی دو قسمیں ہیں۔مومن زال اور مومن ثابت۔مومن ثابت اسے کہتے ہیں کہ جس کے قلب کے اندر تقویٰ وطہارت موجود ہو اور تقویٰ اس کا شعار ہو بلکہ تقویٰ اس پر غالب آجائے۔تو اس وقت اسے مومن ثابت کہتے ہیں۔پھر مومن زال وہ ہے کہ ایمان والا ہو لیکن تقویٰ اس کا شعار نہ ہو۔مومن تو ہوگا لیکن گنہگار مومن ہے لیکن مومن کی حقیقت ایمان قلب سے ہے۔

یاد رہے کہ کنواری عورت بھی شرعاً گواہی دے سکتے ہے یا نہیں۔تو فقیر کا خیال ہے کہ کنواری عورت کو گواہی نہ دینا چاہئے کہ اپنے شرم وحجاب میں ہے۔اس طرح فقہا فرماتے ہیں کہ کنواری عورت جب چلے تو اس کے چلنے کی رفتار ایسی ہونی چاہئے کہ دیکھنے والا محسوس کرے کہ وہ بوڑھی عورت ہے اور یہ اس کا بہترین شعار ہے۔انشاء اللہ اس کی حقیقت آئندہ اوراق میں بیان ہوگی۔اب حقیقت ایمان جو مومن کے قلب سے ہے وثوق کے ساتھ۔اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بیان ہو چکا ہے کہ ایمان قلب پر ہے۔قلب ایمان کا مسکن ہے اور ایمانی حقیقت قلب ہے اور اس کا مجاز زبان کا اظہار ہے اور زبان سے جو بات نکلے گی وہ ایمان کی حقیقت ہوگی۔حدیث میں آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ایمان کا گھر مومن کا قلب ہے اور زبان اس کا اظہار ہے اور زبان سے نکلنے والی گفتگو کا نام ایمان ہے۔یہاں بِمَآ اُنْزِلَ بعض غائب چیزوں پر ایمان لانے کا بالتفصیل بیان فرمایا گیا ہے۔پس اس میں تفصیل کا عطف اجمال پر پایا گیا ہے۔اور اس قسم کا عطف درست ہے جس طرح اس آیت میں ہے۔ملائکتہ وجبرئیل ومیکائیل۔

دوسرا جواب:

یہ ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم کو بہت سی غائب چیزوں پر ایمان ہے۔پس یہ تخصیص ہر صورت میں لازم ہوگی۔اگر کوئی یہ کہے کہ تم بندے کو عالم الغیب کہتے ہو یا نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ فقیر پہلے غیب کی بحث میں بیان کر چکا ہے۔ایک وہ جس کا ثبوت دلیل سے ہو سکتا ہے دوسرا وہ جس کا ثبوت دلیل سے نہیں ہو سکتا۔جس غیب کا ثبوت دلیل سے نہیں ہو سکتا۔اللہ کے سوا کوئی اس کو نہیں جان سکتا اور جو امور غیبی اس قسم کے ہیں جو دلیل سے معلوم ہو سکتے ہیں تو ان کی نسبت ہم کہہ سکتے ہیں کہ دلیل سے ہم کو ان کا علم ہو سکتا ہے۔پس اب کوئی التباس لازم نہیں آتا۔اس بناء پر علما کا قول ہے کہ شاید کا مشاہدہ سے غیب پر استدلال کرنا ایک قسم کی دلیل ہے۔

تیسرا جواب:

یہ ہے کہ فقیر اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ غیب کا لفظ اس چیز پر استعمال ہوتا ہے کہ جو حاضر کے ساتھ بھی قائم ہو سکے۔اس کی دلیل یہ ہے کہ متکلمین اپنی کتابوں میں کہتے ہیں کہ ھذا من باب الحاق الغائب بالشاھد اور غائب سے اللہ کی ذات اور صفات مراد لیتے ہیں۔واللہ اعلم۔میں پہلے یہ بتا چکا ہوں کہ بندے کو عالم الغیب کہنا درست ہے یا نہیں؟ جواب: امام رازی کے دلائل مندرجہ بالا ہو چکے ہیں جو انھوں نے خزینۃ القرآن سے ماخذ کئے ہیں۔صاحب خزینۃ القرآن نے بحوالہ امام محمد باقرؒ پانچ سو صفحات رقم کئے ہیں۔کہ اللہ فرماتا ہے کہ عالم الغیب قرآن میں کئی بار آیا ہے اور یہاں عالم بمعنی علم کے نہ ہے عالم بمعنی اظہار کے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ غیب اور مشاہدات کا خالق ہے۔جیسے کہ وہ خود فرماتا ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ تا آخر سورہ آل عمران آیت ۵ پہلا رکوع۔اللہ نے اپنے سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں رکھی۔چنانچہ پوشیدہ کیسے ہو سکتی ہے کیونکہ وہ ہر پوشیدہ اور ظاہری چیز کا خالق ہے لہذا اللہ غیب وحاضر کا خالق ومالک ہے جو پہلے کہہ چکا ہوں جو غیب دلیل کے ساتھ قائم ہو۔یہ پہلی قسم ہے۔دوسری قسم بغیر دلیل کے اللہ کے علم کا کوئی احاطہ نہیں۔جس طرح وہ لامحدود ہے اسی طرح اس کا علم لامحدود ہے۔اللہ کی صفات اللہ کی ذات سے جدا نہیں تو علم بھی اللہ کی صفت ذاتی ہے۔حدیث صاحب خزینۃ القرآن بحوالہ امام محمد باقر مجموعۃ الکتاب سے حدیث بیان کرتے ہیں۔حضرت علی فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر، حضرت عثمان، اور حضرت انسؓ پہلے موجود تھے کہ سرکار دو عالم ﷺ تشریف لائے۔بعد میں صحابہؓ کا جم غفیر ہو گیا۔سرکارؐ اللہ کی صفات بیان فرمانے لگے

Marfat.com

آپ ﷺ نے فرمایا اللہ کی صفات مجھ سے سنو کہ اللہ کی ذات لامحدود ہے اور اس کی کتاب بھی لامحدود ہے اس کا علم بھی لامحدود ہے جواز لی ہے۔ یہی حدیث کافی مفسرین نے بیان کی ہے۔ غائب کی دو قسمیں ہوتی ہیں ایک وہ جس کا ثبوت دلیل سے قائم ہو۔ ایک وہ جو بغیر دلیل کے ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ دونوں قسمیں قرآن میں موجود ہیں قرآن کا علم لامحدود ہے۔ فرمایا کہہ چکا ہوں کہ اللہ کی ذات وصفات لامحدود ہیں۔ اور علم لامحدود ہے فرمایا جو غائب اللہ نے مجھے عطا فرمایا۔ یہ دونوں قسم کے غائب ہیں دلیل کے ساتھ بھی اور بغیر دلیل کے بھی۔ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث بڑی مشہور ہے۔ امام باقرؒ نے بیان کی ہے۔ اسے امام زہریؒ با استاد محمد بن علیؓ ابن حسینؓ فرماتے ہیں جو میرے جد امجد ہیں یہ حدیث مسند عبدالعزیز میں بھی ہے اور اسے ابن عباس بھی بیان کرتے ہیں۔ اور خواجہ حسن بصریؒ کی کتاب میں بھی موجود ہے فرماتے ہیں کہ اسے اپنی مسند میں بھی لکھوں گا۔ چنانچہ آپ نے اپنی مسند میں لکھا اور اس پر امام بخاریؒ نے حاشیہ لگایا۔ نتیجہ یہ نکالتے ہیں کہ اللہ غیوب کا خالق و مالک ہے۔ اور اپنے حبیب ﷺ کو غیوب کا عالم بنایا اور وہ قرآن آپ پر اتارا جو علم میں لامحدود ہے مجموعۃ الکتاب سے صاحب خزینۃ القرآن بحوالہ امام باقر ابوالعالیہ حسن بن علی ابی بن کعب اسود بن یزید تابعی بیان کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عائشہؓ اور فاطمہؓ میری زوجہ تینوں موجود تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے مجھے غیوب کا عالم بنایا ہے مجھ پر وہ قرآن اتارا جو علم میں لامحدود ہے انشاء اللہ بقیہ بحث پارہ نمبر ۴ میں بیان کروں گا۔

مسئلہ پنجم:

بعض شیعہ کا قول ہے کہ یؤمنون بالغیب میں غیب سے مراد مہدی علیہ السلام ہیں۔ جن کا قرآن اور حدیث میں سرکار دو عالم نے ذکر فرمایا ہے۔ پارہ نمبر ۱۸ سورہ نور کے ساتویں رکوع کی یہ آیت وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ الایۃ اور حدیث میں آیا ہے کہ اگر دنیا کا صرف ایک ہی دن باقی رہ جائے تو بھی اللہ اس کو دراز کر دے گا۔ حتیٰ کہ اہل بیت میں سے ایک شخص نکلے گا جس کا نام میرے نام کے مطابق ہوگا۔ جس کی کنیت میری کنیت کے مقابل ہوگی وہ شخص زمین کو عدل و انصاف سے بھر دے گا۔ جس طرح وہ ظلم وستم کے لیے پر ہوگی۔ اس قول کا جواب امام رازی یہ دیتے ہیں کہ بلا دلیل ایک مطلق کو مقید کر لینا باطل ہے۔ تفسیر خزینۃ القرآن سے امام رازی نے شیعہ کا یہ قول نقل کیا ہے۔ موصوف اس پر بڑی بحث کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ میرے پاس دو ہزار شیعہ آئے اور میرے بھائی نقی ہادی کے بیٹے حسن کو میرے سامنے کھڑا کیا جو بچے تھے اور مجھ سے بحث کرنے لگے۔ کہ اے امام المفسرین ہم تجھے مفسرین کا پیشوا مانتے ہیں اور تم ہماری باتوں کو غلط کہتے ہو اور امام مہدی تمہارے اس بھتیجے کا بیٹا ہوگا۔ جو تمہارا متبنیٰ بیٹا ہے۔ میں نے اپنے بیٹے کو ان سے چھین لیا اور کہا کہ اللہ تمہارے جھوٹ پر لعنت کرے کہ تم اللہ اور رسول ﷺ کے حکم کے خلاف بات کہتے ہو جس کی اللہ نے کوئی سند نازل نہیں کی۔ تو میری اس آواز کے ساتھ میرے نانا نبی کریم ﷺ نے میری شہادت دی اور شیعہ کے بڑے عالم اسمٰعیل جعفری کو اسی وقت حضور ﷺ کی زیارت ہوئی اور فرمایا کہ میرا بیٹا سچ کہتا ہے تم جھوٹ پر ہو۔ وہ دو ہزار کے دو ہزار حضور ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے اور مذہب اہلسنت اختیار کیا میں موسیٰ المبرقع ابن محمد تقی فقیر سچ کہتا ہوں کہ قرآن کی حقیقت کو قرآن ہی سے سمجھو۔ تم میرے پاس آؤ میں سرکار دو عالم ﷺ اپنے نانا جان کی ذات سے تصدیق کرا دوں وہ ہر وقت میرے پاس رہتے ہیں جب میں تفسیر لکھتا ہوں وہ خود دیکھتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ ایسا گروہ پیدا ہوگا۔ اس صدی کے آخر میں جو میرے بیٹے حسن کو بدنام کریں گے۔ اور انھیں امام مہدی (کوان کا) مصنوعی بیٹا کہیں گے بلکہ میرے اس بھتیجے کی اولاد نہ ہوگی۔ یہ میرا متبنیٰ ہے۔ کیونکہ میرا حقیقی بیٹا احمد ہے جو اکیلا ہے اور حسن میرا متبنیٰ ہے۔ اللہ اسے ان کی نظروں سے محفوظ رکھے۔ یہ صدی تیسری ہے اور میں فقیر اس قرآن کی تفسیر کے خاتمے کے بعد بیس سال تک زندہ رہوں گا یعنی ۲۶۰ ھجری میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملوں گا۔ چوتھی صدی کے آخر میں محمد نامی ایک آدمی پیدا ہوگا جو بڑا امام ہوگا۔ جس کی بشارت میرے نانا جان محمد ﷺ نے معراج کی رات بشارت دی تھی۔ اور اس کی روح کا مکالمہ جناب موسیٰ علیہ السلام سے ہوا۔ وہ شخصیت میری وفات کے بعد پانچویں صدی میں پیدا ہوگی۔ اس کے بعد ایک اور شخصیت آئے گی جس کا نام عبدالقادر ہوگا۔ وہ پانچویں صدی میں ہوگا۔ اور چھٹی کے ۵۶۱ ھجری میں اس کی وفات ہوگی اور اس کی پیدائش ۴۷۶ ھجری میں ہوگی۔ وہ خاندان اہل بیت سے ہوگا۔ اور اولیاء کا امام ہوگا۔ میں اپنی طرف سے اپنی خلافت اپنے بیٹے کے سپرد کر رہا ہوں کہ جو تیری اولاد میں ہے یا تو اسے دیکھے یا تیری نسل سے کوئی اسے دیکھے۔ یہ میری امانت اس تک پہنچا دے۔ ان دونوں شخصیتوں کے بارے میں مجھے میرے نانا جان محمد ﷺ نے فرما دیا اور حضور ﷺ کے دربار میں یہ دونوں شخصیتیں موجود ہوتی ہیں۔ یاد رہے کہ ان دونوں شخصیتوں کے بارے میں عرض کر دوں جو پانچویں صدی میں پیدا ہوئیں جن کی پیشگوئی صاحب

Marfat.com

خزینۃ القرآن نے کی۔ آپ پر قربان جاؤں آپ کی روحانیت پر قربان جاؤں وہ شخصیت امام محمد غزالی تھے اور دوسری شخصیت جن کے بارے میں حضرت نے پیش گوئی فرمائی وہ جناب غوث الاعظم عبدالقادر جیلانی پیران پیر شہنشاہ بغداد کی ذات تھی۔ (یہ عبارت فقیر نے خزینۃ القرآن صفحہ ۴۹۵ و ۵۰۰ سے لی ہے) چار صفحات کی عبارت چھوڑ دی ہے جو کہ بہت لمبی ہے۔ صفحہ ۵۰۰ کی عبارت کی بھی آخری سطور کا ترجمہ کیا ہے۔

مسئلہ ششم:

نماز قائم کرنے کی مفسرین نے کئی طریق سے تفسیر کی ہے۔

۱۔ نماز قائم کرنا یہ ہے کہ ارکان کو تعدیل کے ساتھ ادا کرے اور اس بات سے نماز کو محفوظ رکھے کہ اس کے فرائض وسنت اور آداب میں خلل واقع نہ ہو۔ یہ قیام العود سے نکلا ہے۔ لکڑی کے ٹیڑھے پن کو نکال کر درست اور سیدھا کرنے کو اقامت کہتے ہیں۔

۲۔ اقامت صلوٰۃ سے نماز کی پابندی اور مداومت مراد ہے چنانچہ فرمان الٰہی ہے کہ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ اور فرماتا ہے وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ اس وقت قامت السوق سے ماخوذ ہوگا۔ یہ اس وقت کہتے ہیں جب بازار گرم ہوتا ہے اور چلتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب ایک چیز کی حفاظت اور نگرانی کی جاتی ہے تو وہ چیز قابل اطاعت اور قابل رغبت ہوتی ہے جب اس چیز کے خیال کو اور نگرانی کو چھوڑ دیا جائے تو وہ چیز ناقص اور ردی سمجھی جاتی ہے اور اس کی طرف لوگوں کی رغبت باقی نہیں رہتی۔

۳۔ اقامت صلوٰۃ سے مراد ہے کہ سب کاموں سے فراغت اور طہارت حاصل کر کے نماز کو ادا کرے اور اس کے ادا کرنے میں کسی قسم کی سستی واقع نہ ہو۔ غرض یہ کہ نماز کو نہایت اہتمام کے ساتھ ادا کرے۔ جب کوئی شخص ایک کام کے لیے آمادہ ہو جاتا ہے تو سب باقی کام چھوڑ دیتا ہے۔

۴۔ اقامت نماز سے مراد صرف نماز کا ادا کرنا ہی مراد ہے۔ اس کو اقامت کے ساتھ اس لیے تعبیر کیا ہے کہ قیام نماز کا ایک رکن ہے اسی طرح نماز کو قنوت، سجود، رکوع، تسبیح کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے۔ تسبیح سے نماز مراد ہے معلوم ہوا کہ اسی معنی پر محمول کرنا زیادہ مناسب ہوگا جس میں متقین کی بڑی صفت اور ثناء پائی جاتی ہے۔ اللہ کی صفت قائم وقیوم ہے کیونکہ ہمیشہ کے لیے اس کا وجود دائمی وواجب ہے اور ہمیشہ کے لیے بندوں کو روزی بعد از طریقہ اس کی سرکار سے عطا ہوتی ہے۔

مسئلہ ساتواں:

مفسرین نے صلوٰۃ کے چند معنی ذکر فرمائے ہیں (۱) ایک یہ کہ صلوٰۃ کے معنی لغت میں دعا کے ہیں۔ (۲) فارانجی کا قول ہے کہ صلوٰۃ کا لفظ صلے سے مشتق ہے جو آگ کے معنی میں ہے جب لکڑی کو آگ پر سینک کر سیدھا کرتے ہیں اس وقت کہتے ہیں صلیت العصا پس اسی طرح نماز پڑھنے والا نمازی کی حالت میں اپنے ظاہر و باطن کو درست کرنے میں سعی کرتا ہے جس طرح کوئی شخص آگ پر لکڑی کو سیدھا کرتا ہے۔

۳۔ صلوٰۃ کے اصل معنی ملازمت کے ہیں چنانچہ اللہ فرماتا ہے تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً اور فرمایا سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ اور گھڑ دوڑ میں جو گھوڑا دوسرے نمبر پر رہتا ہے اسے بھی یَصْلٰى کہتے ہیں کہ اگلے گھوڑے کے پیچھے پیچھے چلا جاتا ہے۔ (۴) صاحب کشاف کا قول ہے کہ صلوٰۃ صلی سے نکلا ہے جو حالت بیان کرنے کے لیے آتا ہے جس طرح زکوٰۃ زکا سے مشتق ہے۔ اسی طرح صلوٰۃ کے اصل معنی دونوں سرین ملانے کے ہیں۔ دعا کرنے والے کو بھی مصلی کہتے ہیں اس واسطے کہ خشوع اور نیاز مندی میں اس کو رکوع اور سجدہ کرنے والے کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے۔ فقیر کہتا ہے کہ اس مقام پر دو بحثیں ہیں (۱) یہ اشتقاق ہے کہ جس کو صاحب کشاف نے ذکر کیا ہے۔ اس سے قرآن کو حجت ہونے میں طعن عظیم لازم آئے گا وہ یہ کہ صلوٰۃ کا لفظ حد درجہ مشہور لفظ ہے۔ شب وروز مسلمانوں کی زبان پر رہتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں یہ الفاظ اسی معنی کے لیے موضوع تھے اور اللہ کی مراد ان الفاظ سے وہی ہے۔ امام رازیؒ کہتے ہیں کہ امام باقر کا موقف بھی یہی ہے مگر ہمارے زمانے میں وہ معنی پوشیدہ اور نیست ونابود ہو چکے ہیں۔

(۲) دوسری صلوٰۃ شرع کے اندر افعال مخصوصہ کے مجموعہ کا نام ہے جو ترتیب کے ساتھ ادا کئے جاتے ہیں جس کی ابتدا تکبیر تحریمہ سے اور اختتام تحلیل ہوتا ہے۔ اور صلوٰۃ کا اطلاق جس طرح فرض پر آتا ہے اسی طرح نفل پر بھی آتا ہے لیکن یہاں خاص خاص فرض مراد ہیں اس لیے کہ خلاصی فرض پر موقوف ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے

Marfat.com

جب ایک اعرابی کونماز فرض کا طریقہ بیان فرمایا تو اس نے عرض کیا۔ واللہ نہ میں اس سے زیادہ کروں گا اور نہ کم۔ آپ ﷺ نے اسکے جواب میں فرمایا اَفْــلَـحَ اِنْ صَــدَقَ یعنی اگر اس نے یہ بات سچ کہی تو اپنی مراد کو پہنچ گیا۔ جونماز کے معنی ابن عباسؓ نے بیان کئے ہیں درست ہیں۔ امام محمد باقر ابی بن کعب ابوالعالیہ قتادہ طاؤس نے بھی یہی فرمایا ہے اور خزینۃ القرآن سے نقل کیا ہے۔ وہ لغت میں نماز کو دعا فرماتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نماز اللہ کی بارگاہ میں مومن کی دعا ہے۔ جس کے ذریعے انسان اپنے ظاہر و باطن کو پاک کرسکتا ہے اور مشکلات سے نجات حاصل کرسکتا ہے۔

مسئلہ آٹھواں:

رزق کے معنی کلام عرب میں حصہ اور نصیب کے ہیں چنانچہ اللہ فرماتا ہے۔ وَتَـجْـعَـلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْن اور حصہ سے مراد وہی حصہ ہے جو ایک شخص کے لیے خاص ہو۔ دوسرے کی اس میں شرکت نہ ہو۔ یعنی دوسرے کو اس قسم کا حصہ نہ ملے۔ بعض کہتے ہیں کہ حصہ وہی ہے جو کھالیا جائے اور استعمال کرلیا جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہمارے دیے ہوئے رزق میں سے خرچ کرو۔ پس اگر رزق وہی ہو جو صرف کھالیا جائے تو اس کا صرف کرنا ناممکن ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ رزق وہ چیز ہے جو آدمی کے ملک میں داخل ہو۔ یہ قول باطل ہے آدمی دعا مانگتا ہے اَللّٰهُـمَّ رْزُقْـنِىْ وَلَدًا صَالِحًا زَوْجَةً صَالِحَةً ترجمہ: اے اللہ! مجھے رزق عطا فرما۔ اولاد نیک، بیوی نیک، حالانکہ وہ اولاد اور زوجہ کا مالک نہیں ہوتا۔ اس واسطے دعا مانگتا ہے۔ اَللّٰهُـمَّ رْزُقْـنِىْ عَقْلًا اَعِيْشُ بِهٖ یعنی اے اللہ! مجھ کو عقل عطا کر۔ جس سے میں زندگی بسر کرسکوں۔ یہاں بھی رزق کے ساتھ تعبیر کرتا ہے حالانکہ عقل ملک میں داخل نہیں۔ مال حرام کا اللہ کی راہ میں خرچ کرنا مدح وثناء کا موجب نہیں۔

(۲) اگر حرام رزق ہو تو کسی کا مال غصب کر کے اللہ کی راہ میں اس کا صرف کرنا جائز نہیں اس واسطے کہ اللہ فرماتا ہے کہ جو رزق ہم نے تمہیں عطا کیا ہے اس میں صرف کرو اور مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ غصب کیا ہوا مال اللہ کی راہ میں صرف کرنا جائز نہیں۔

(۳) اللہ نے ان لوگوں کو مفتری فرمایا ہے جو اللہ کے دیے ہوئے رزق کو حرام کرتے ہیں اس لیے ثابت ہوا کہ رزق حرام نہیں ہوتا اور حدیث سے اسی طرح ثابت ہے کہ ابوالحسن نے کتاب العرض میں بحوالہ امام باقر اپنی اسناد کے ساتھ صفوان بن امیہ سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت عمرو بن قسرہ آپ ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا کہ اللہ نے میری قسمت میں شقاوت لکھی ہے دیکھتا ہوں کہ فقیرا اپنے ہاتھ سے دف بجائے۔ مجھ کو رزق نہیں ملتا۔ مجھے آپ ﷺ گانے کی اجازت دیجئے۔ اس طرح کہ میرے لیے اس میں گناہ نہ رہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تیرے لیے ہرگز اجازت نہ دوں گا اور تجھ پر انعام نہ کروں گا۔ اے دشمن اللہ تو جھوٹ بولتا ہے تجھے اللہ نے رزق طیب عطا فرمایا ہے۔ اللہ نے تیرے لیے رزق حلال کیا تھا، مگر تو نے اسے اختیار کیا جو رزق تیرے لیے حرام کیا تھا۔ خبردار اگر تو نے قصہ کے بعد مجھ سے کچھ کہا تو میں تمہیں دردناک مار لگاؤں گا۔ دلیل عقلی یہ ہے کہ اللہ نے حرام سے منع فرمایا اور اسے اٹھانے کی ممانعت کردی۔

حضور ﷺ نے ایک شخص سے فرمایا کہ تو نے اس رزق کو اختیار کیا جو اللہ نے تیرے اوپر حرام کیا۔ اس سے ثابت ہوا کہ جس طرح رزق حلال ہوتا ہے اسی طرح حرام بھی ہوتا ہے۔

مسئلہ نہم:

انفاق کے اصل معنی ہاتھ سے مال کو نکالنے کے ہیں اسی طرح جب کسی چیز کے خریدار زیادہ ہوں تو کہتے ہیں نفق المبین نفاقاً جب جانوروں کی روح نکل جاتی ہے تو کہتے ہیں لفقة الدابة اس واسطے کہ سوراخ کو نافقا اور سرنگ کو نفق کہتے ہیں جو قرآن میں وارد ہے یعنی اگر زمین میں سرنگ لگا سکے۔

مسئلہ دسواں:

و ممَّا رَزَقْنٰهُم میں چند فائدے ہیں (۱) زکوٰۃ (۲) اپنی ذات پر اور ان لوگوں پر جن کا نفقہ اس پر واجب ہے۔ (۳) جہاد میں صرف کرنا مستحب ہے اس

Marfat.com

کو بھی انفاق کہہ سکتے ہیں بجالانا چاہئے کہ یومنون بالغیب میں ہر وہ شخص داخل ہے جو حضور ﷺ پر ایمان لایا۔ اور یہ لفظ اس کے لیے عام ہے خواہ پیشتر سے حضرت موسیٰ یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لا چکا ہو۔ مثلاً حضرت عبداللہ بن سلام وغیرہ ارشاد ہوتا ہے وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ اس واسطے کہ خاص طور پر بیان کرنے میں ان کا زیادہ شرف پایا جاتا ہے۔ جس طرح حضرت جبریل اور حضرت میکائیل علیہ السلام کا ذکر خاص طور پر ہے۔ پھر عبداللہؓ بن سلام اور ان کے ہمراہیوں کو اس شرف کے ساتھ خاص کرنے میں اہل کتاب کو دین محمدی میں داخل ہونے کی طرف ترغیب دلاتا ہے۔ اس وجہ سے اس عام کے بعد اس خاص کا ذکر آیا۔ پہلے یہ ہے کہ مندرجہ بالا آیت کریمہ حضرت عبداللہؓ بن سلام اور ان کے ہمراہیوں کے اسلام قبول کرنے پر نازل ہوئی۔ صاحب خزینۃ القرآن مجموعہ الاحادیث بحوالہ امام باقر اور ابو وراق خواجہ حسن بصری کی روایت اور مسند عبدالعزیز سے حضرت علیؓ کے مجموعہ سے درج کرتے ہیں۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ جب حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کے ہمراہی مسلمان ہوئے تو الٓمٓ سے یوقنون تک کی یہ آیات نازل ہوئیں اور ابن عباسؓ نے بھی روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ عبداللہ بن سلام پر اللہ کا خاص انعام ہے۔ ان کے مسلمان ہونے پر اللہ نے مجھ پر یہ آیات نازل فرمائیں۔ فرمایا کہ قرآن کے نزول کا حکم ہے چہ جائیکہ خاص کے لیے بھی ہو لیکن حکم کا اطلاق عام پر ہوتا ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ نے جب یہ آیت سنی تو خوش ہوئے کہ اللہ نے ایسی آیات کسی اور پیغمبر پر نہیں اتاریں۔ تو صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ اس آیت میں اللہ نے متقیوں کا خاص وصف بیان کر دیا۔ یعنی ایک تو نماز قائم کرتے ہیں اور دوسرے انفاق فی سبیل اللہ کرتے ہیں۔ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ پر چند مسائل ہیں یاد رہے کہ ان آیات کریمہ کا شان نزول امام رازی نے بھی یہی بیان کیا ہے۔

مسئلہ اول:

ہمارے اصحاب اور معتزلہ کا اس میں اختلاف ہے کہ جب ایمان کا تعدیہ حرف با سے ہوتا ہے تو اس سے تصدیق ہو جاتی ہے کہ فلان امن بکذا اس سے مراد ہے کہ روزہ رکھا نماز پڑھی اس بناء پر یہاں ایمان سے تصدیق مراد ہوگی مگر اس تصدیق کے ساتھ معرفت کا ہونا لازم ہے اس واسطے کہ یہاں ایمان کو مدح و ثناء کے طور پر بیان فرمایا ہے۔ شک کے ساتھ جب تصدیق پائی جائے تو وہاں اس تصدیق کرنے والے کو کذب کا احتمال رہتا ہے۔ پس اس کا تصدیق کرنے والا کاذب ہوگا۔

مسئلہ دوم:

وحی نازل فرمانے یا قرآن کے منزل من اللہ یا بامنزل یا منزل نہ ہونے کی صورت یہ ہے کہ امام محمد باقرؒ فرماتے ہیں کہ جبرائیلؑ نے اللہ سے کلام کو سنا اور وہی کلام اور اس کے الفاظ حضور ﷺ تک لے آئے جیسے کہ قصر سلطنت سے بادشاہ کا حکم جاری ہو۔ حالانکہ وہ بادشاہ خود نازل نہیں ہوتا۔ وہ اس کا حکم ہوتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ بادشاہ کا حکم ہے۔ حالانکہ وہ بادشاہ کے حکم کی نقل کرتا ہے۔ جس طرح کوئی شخص کسی شخص کا کلام سنے اس کلام کو لوگوں تک پہنچائے اور کہے کہ یہ فلاں کا کلام ہے۔ اس کا کلام سن کر انہی لفظوں میں اپنی زبان سے اعادہ کرتا ہے۔ امام محمد باقرؒ فرماتے ہیں کہ پہلے اس کا جواب دلائل عقلیہ پھر حدیث تواتر سے پہلا جواب عقلی یہ ہے کہ اللہ نے جبریل کو اپنا کلام سنانے کے لیے بغیر حروف اور آواز کے قدرت پیدا کر دی۔ اور باوجود حروف اور آواز کے نہ ہونے کے وہ اللہ کے کلام کو سن سکتے ہیں۔ پھر اللہ نے جبریل میں یہ قدرت پیدا فرمائی کہ اس کے کلام ازلی کی عبارت تعبیر کر لیتے تھے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ امام محمد باقرؒ فرماتے ہیں کہ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ اللہ نے قرآن پاک کو لوح محفوظ پر ترتیب کے ساتھ لکھ دیا اور جب جس آیت کا حکم ہوتا جبریل اسے یاد کر کے نبی پاک ﷺ تک پہنچاتے۔ امام محمد باقرؒ فرماتے ہیں کہ یہ قول بالکل باطل ہے جو خلاف حدیث ہے۔ امام محمد باقرؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کسی جسم خاص میں ترتیب خاص اور نظم خاص کے ساتھ الفاظ و حروف کی آوازوں کو جو خوب سمجھ میں آسکتی تھیں، پیدا فرمادیں۔ جبریل اس کو معلوم کر لیتے تھے۔ یہ امر قطعی ہے یہ وہی حروف اور الفاظ اور آوازیں ہیں جو اللہ کے کلام ازلی کو ادا کرتی ہیں۔ امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ یہ دونوں جواب اول وآخر میرے دادا حضرت علیؓ کے مجموعہ میں موجود ہیں۔ امام باقرؒ کی اسی بحث کو صدی اول سے لے کر اکثر مفسرین نے سراہا اور اپنی اپنی تفسیروں میں نقل کیا۔ اور امام زہریؒ نے خاص طور پر وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ کی بحث میں نقل کیا۔ اب امام محمد باقرؒ اس پر احادیث نقل فرماتے ہیں اپنے دعویٰ کے حق میں یہ بحث بہت بہترین ہے جسے اکثر مفسرین نے پسند کیا اور نقل کیا ہے۔

Marfat.com

صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں:

کتب جدّی علیٌّ فی مجموعۃ الاحادیث نحن قلنا یارسول اللہ ﷺ کیف جبریل یسمع القرآن من اللہ تعالیٰ قال رسول اللہ ﷺ سئلتُ یاجبریل کیف تسمع القرآن من اللہ تعالیٰ قال جبریل یارسول اللہ ﷺ اذا اسمع القرآن من اللہ تعالیٰ سبحانہ یخلق القوۃ الجسمیۃ ماسمعت الفاظ القرآن من اللہ تعالیٰ قال یایھا النا س ان ھذا القرآن ام الکتب وللوح المحفوظ الذی کان ام الکتب من کل علوم ھذا القرآن کان اصل لہ ایھا الناس انتم تقرؤن وتسمعون ھذاالقرآن مُنزّلٌ من اللہ تعالیٰ ماتلوت علیکم بغیر مخلوق ھذا الحدیث قال علیٌّ قال رسول اللہ ﷺ فی خطبۃ حجۃ الوداع قال امام محمد الباقر وابوسفیان الثوری وابو العالیہ وابی بن کعب وطاؤس وصدی و شیخ عبد المالک المعروف ابن الجزی امام وراق وابن عبادۃ و ابن وھب فھمی وسفیان عینیہ قالوا ھذا الحدیث نقلاً متواتر عنہ بلاشبہ۔

صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں میرے دادا علی المرتضی نے اپنے مجموعہ میں لکھا ہے کہ ہم صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ جبرائیل قرآن کو اللہ تعالیٰ سے کیسے سنتا ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے جبرائیلؑ سے دریافت کیا کہ اے جبرائیلؑ تو قرآن کو اللہ تعالیٰ سے کیسے سنتا ہے؟ جبرائیلؑ نے عرض کیا جب میں قرآن کو اللہ تعالیٰ سے سنتا ہوں تو میرے جسم میں اللہ تعالیٰ سننے کی قوت پیدا فرما دیتا ہے۔ تو میں قرآن کے الفاظ سن لیتا ہوں۔ اور آپ ﷺ تک پہنچا دیتا ہوں آپ ﷺ نے فرمایا کہ لوگو! یہ قرآن ام الکتاب ہے۔ لوح محفوظ کے لیے اور لوح محفوظ ہر علم کے لیے ام الکتاب ہے اور قرآن اس کے لیے اصل ام الکتاب ہے۔ لوگو، جو تم سنتے ہو اور پڑھتے ہو یہ قرآن ہے۔ منزل من اللہ ہے جو میں تم پر تلاوت کرتا ہوں۔ یہ ازلی ہے۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاد ہوئی اور یہ حدیث بلاشبہ متواتر ہے بہت سے مفسرین نے اسے نقل کیا۔

حدیث نمبر۲:

خزینۃ القرآن عن علی و ابی بن کعب و عبداللہ بن عمر و رضی اللہ تعالیٰ عنھم قالوا قال رسول اللہ ﷺ فی خطبۃ حجۃ الوداع ان ھذا القرآن ام الکتاب ولام لکتب الذی کان ام الکتب ولا رطب ولا یا بس الا فی کتاب مبین ایھا الناس سبحانہ تعالیٰ من قبل کل شئ خلق علمہ فی ام کتب ھذا القرآن کان اصلٌ لہ ام الکتاب وھو القرآن وکان کل شئ علم فیہ ولا بدایۃ لہ ولا نھایۃ لہ ھذاالقرآن منزل من اللہ تعالیٰ ماتلوت علیکم بغیر مخلوق قال ابو جعفر محمد بن علی وابو العالیہ وقیس بن مسلم کوفی قتادہ بن دعامۃ و ابو سفیان ثوری رضی اللہ تعالیٰ عنھم قالوا ھذا الحدیث نقلاً متواترٌ عنہ بلا شبھۃ۔

ترجمہ:

حضرت علیؓ وابی بن کعب ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھم فرماتے ہیں کہ حجۃ الوداع کے خطبہ میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ قرآن ام الکتاب ہے ام الکتاب کے لیے اور ام الکتاب جو لوح محفوظ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی ہر شے کا علم اس شئے کے پیدا ہونے سے پہلے اس میں موجود ہے اور لوح محفوظ کے لیے قرآن ام الکتاب ہے۔ اس میں ہر شے کا علم ہے جس کی نہ ابتدا ہے نہ انتہا ہے۔ یہ قرآن منزل من اللہ ہے جو میں تم پر تلاوت کرتا ہوں یہ ازلی ہے۔ مذکورہ بالا مفسرین بتاتے ہیں کہ یہ حدیث بلاشبہ متواتر ہے اور نص ہے۔ حضور ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع میں طویل خطبہ دیا۔ پہلے امام رازیؒ کا قول بیان ہو چکا ہے۔ کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کی وحی جبرائیل کو سنانا چاہی تو حکم ہوتا تھا۔ اے جبرائیلؑ تو فلاں آیت کو لوح محفوظ سے یاد کر لے امام موصوف فرماتے ہیں کہ یہ قول بھی ممکن ہو سکتا ہے۔ مذکورہ قول خزینۃ القرآن میں بھی ہے موصوف نے اس قول کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے نزدیک اس قول کی کوئی وقعت نہیں کیونکہ مذکورہ حدیث تواتر سے ہے فرماتے ہیں کہ

Marfat.com

اگر ایسا ہوتا تو بقیہ کتب آسمانی تحریر شدہ نازل ہوئیں تو قرآن بھی اسی طرح تحریر شدہ آتا۔ موصوف پارہ نمبر ۷ میں اپنے دعویٰ کے حق میں یہ آیت بیان کرتے ہیں۔

ترجمہ: اگر ہم یہ کتاب کاغذ پر اتارتے اور کافر ہاتھ سے اسے چھو بھی لیتے تو بھی اسے جادو قرار دیتے۔ فرماتے ہیں کہ اس آیت سے ثابت ہوا کہ اللہ نے جبریل کو اپنا ازلی کلام سنایا جو معنی اور الفاظ کے ساتھ ازلی ہے اور جبریل نے اسے پڑھا اور حضور ﷺ کو پڑھ کر سنایا جو معنی اور الفاظ کے ساتھ ازلی ہے اور جبریل نے اسے پڑھا اور حضور ﷺ کو پڑھ کر سنایا فقیر یہ کہتا ہے کہ لکھے ہوئے سے پڑھا ہوا افضل ہوتا ہے۔

حدیث نمبر ۲:

صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ میں نے یہ روایت ابو اسحاق محدث سے سنی انھوں نے علامہ عبدالرزاق سے انہوں نے امام زہریؒ سے انھوں نے امام محمد ابن علی ابن حسین ابن علی و امام باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے انھوں نے ابن عباسؓ سے۔ ابن عباس فرماتے ہیں کہ میں اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ موجود تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے مذکورہ بالا آیت تلاوت کرتے ہوئے فرمایا کہ مجھ پر یہ قرآن پڑھا ہوا اترا اور جبریل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے سن کر مجھے سنایا۔

حدیث نمبر ۳:

ترجمہ: حضرت علیؓ اپنے مجموعۃ الحدیث میں لکھتے ہیں میں ابوبکر، عمر، عثمان، مجلس رسول اللہ ﷺ میں بیٹھے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا جب جبرائیل علیہ السلام مجھ پر قرآن اتارتا ہے تو مضامین اور الفاظ اللہ کی طرف سے ہیں جیسے وہ اللہ کا کلام اللہ تعالیٰ سے سنتا ہے۔ یہ حدیث تفسیر امام باقر کے علاوہ کافی تفاسیر میں وارد ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن آگے فرماتے ہیں کہ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ جبریل جب قرآن اللہ تعالیٰ سے سنتا ہے تو وہ معنی ہوتا تھا اور عبارت وہ خود بخود اپنے دماغ میں محفوظ کر لیتا اسی قول کو صاحب خزینۃ القرآن سے نقل کیا ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن یہ قول بیان کر کے فرماتے ہیں کہ ان لوگوں نے اس پر غور نہیں کیا پھر اس کا مطلب یہ ہوا کہ معنی اللہ کے اور الفاظ جبرائیل علیہ السلام کے ہوئے۔ یعنی جبریل علیہ السلام نے اس کا ترجمہ کیا۔ پھر جبرئیل علیہ السلام کا اس کلام میں حصہ ثابت ہوا جیسے کوئی کہے کہ فلاں شخص فلاں کا کلام نقل کرتا ہے۔ تو اس کلام کا تعلق اس کی ذات سے ہوگا۔ اگر وہ دوسرے لفظوں میں بیان کرے گا تو مطلب یہ ہوگا کہ وہ کلام اس شخص کا ہے اور دوسرے نے اس کا ترجمہ کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ ایسا محال ہے۔ حالانکہ معنی الفاظ سے بنتے ہیں یعنی الفاظ پہلے موجود ہوتے ہیں پھر ان کے معنی بنتے ہیں حالانکہ اللہ اپنے کلام میں جابجا فرماتا ہے کہ میں نے اس کلام کو عربی زبان میں نازل فرمایا پھر فرمایا اِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ایک جگہ فرمایا۔ بے شک پروردگار نے اس کو اتارا ہے نازل کیا ہے روح الامین کے ساتھ اوپر قلب محمد ﷺ پر تاکہ تو لوگوں کو اس سے ڈرائے۔ یہ زبان عربی ہے تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو روح الامین کے ذریعے سے اتارا ہے۔ یہ آیت اس امر کی دلیل ہے کہ قرآن پاک کے الفاظ مضامین اللہ کے پاس ہیں۔ فرماتے ہیں کہ تم مانتے ہو کہ معنی جبریل سنتا تھا۔ پھر الفاظ سے کیا مخالفت ہے حالانکہ الفاظ تو معنی کا وجود ہیں پھر ہر شے کا علم اللہ کے علم میں ہے اور اس کا علم ازلی ہے پھر کیا یہ اس کے علم میں نہ تھے۔ ہاں بے شک ضرور تھے جیسا کہ حدیث شریف سے ثابت ہو چکا ہے پھر اگر کوئی یہ کہے کہ حدیث سے کلام اللہ سننا اللہ سے خود جبریل کا ثابت ہو گیا تو قرآن مجید میں بھی ہے۔ ہاں قرآن مجید میں کافی جگہ آیا ہے مثلاً پارہ نمبر ۳ کی پہلی آیت میں مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللّٰهُ تک۔ ترجمہ یہ ہے یہی رسول ہیں کہ ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی۔ ان میں کچھ ایسے ہیں کہ جن سے اللہ نے کلام کیا تو معلوم ہوا کہ اللہ کا کلام کرنا رسولوں سے خود قرآن سے ثابت ہو گیا۔ اس سے انکار تو صریحاً کفر ہے۔ موسیٰ علیہ السلام سے اللہ کا کلام کرنا قرآن سے ثابت ہے قرآن میں ہے وَكَلَّمَ اللّٰهُ موسىٰ تكليما دوسری جگہ ہے فلما كلمه ربه پس جب کلام کی اس سے اس کے پروردگار نے۔

حدیث ۴:

حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام طور پر اللہ کا کلام سنتے تھے ان میں اللہ کی آواز سننے کی قدرت پیدا ہو جاتی تھی۔ اس حدیث کے راوی سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور حدیث امام باقر مقاتل ابی بن کعب خزینۃ القرآن طبری مصحف جوینی اور نور القرآن میں درج ہے۔ نیز اللہ فرماتا ہے وما كان لبشر ان يكلمه الله الا وحيا او من ورآء حجاب اور نہیں کسی بشر کے لیے کہ وہ اللہ سے کلام کرے مگر وحی کی وساطت ہے یا پردے کے ساتھ

Marfat.com

تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنا کلام وحی کے ذریعے فرماتا ہے یا پردے سے۔ رہا سوال اس بات کا کہ جو پہلے بیان ہو چکا کہ قرآن پاک لوح محفوظ میں ہے تو کہہ چکا ہوں کہ لوح محفوظ کو شرف بخشنے کے لیے قرآن کو لکھا گیا کہ ہر شے لوح محفوظ میں درج ہے۔ جبریل خود اللہ سے اس کا کلام سنتا اور رسول اللہ ﷺ کو سناتا یہی الفاظ جو ہم قرآن میں پڑھتے ہیں منزل من اللہ ہیں۔

حدیث ۵:

صاحب خزینۃ القرآن بحوالہ امام باقر قیس بن مسلم کوفی البرہان اور الفوائد فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ اپنے مجموعہ الاحادیث میں لکھتے ہیں کہ ہم دو ہزار صحابہ موجود تھے کہ حضور ﷺ نے فرمایا۔ مجھ پر اللہ کا کتنا احسان ہے کہ جبریل علیہ السلام کے ذریعے وہی الفاظ کلام ازلی کے ہم تک پہنچائے جیسے کہ جبریل علیہ السلام نے اللہ کے کلام ازلی کے سنے۔ اسی طرح اس امانت کو مجھ تک پہنچایا اور قرآن نے میری فضیلت کو ممتاز کر دیا یہ حدیث کافی مفسرین نے بیان کی ہے اللہ تعالیٰ کا متکلم ہونا تواتر سے ثابت ہے۔ اور صحابہ کرام کا یہی عقیدہ تھا۔ کچھ لوگوں نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قرآن کریم کے الفاظ وحروف سب سے افضل ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ حضور ﷺ سے افضل ہیں کیونکہ قرآن کلام اللہ اور اللہ کا حکم ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی پیر اپنے مرید کو حکم کرے تو مرید یہ کہے کہ میں پیر کو افضل مانتا ہوں مگر اس کے حکم کو افضل نہیں مانتا۔ پھر خود ہی فیصلہ کر لو کہ پیر کے حکم کو افضل ماننا کہ ناقص کیونکہ حکم کا تعلق ذات سے ہے۔ جیسا کہ امام رازیؒ نے تفسیر کبیر میں مثال دی ہے کہ سلطان قصر سلطنت میں جلوہ فگن ہو تو وہاں سے حکم جاری کرے اور حکم لانے والا محل سے نیچے آ کر حکم کو پہنچائے تو وہ حکم خود بخود نہیں آیا۔ حکم کا تعلق کسی ذات سے ہے۔ لہٰذا کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ کعبہ اور قرآن کو دیکھنے والا صحابی نہیں ہوتا بلکہ حضور ﷺ کو دیکھنے والا صحابی ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو کلام اللہ سے افضل مانا۔ یہ بات غیر منطقی ہے کیونکہ حضور ﷺ کو قرآن نے ممتاز کیا ہے اگر قرآن نہ آتا تو حضور ﷺ کا مقام کس طرح بلند ہوتا کیونکہ کلام اللہ کلام ازلی ہے اور رسول اللہ ﷺ مخلوق ہیں۔ قرآن غیر حادث ہے اور حضور ﷺ بہ نسبت مخلوق ہونے کے حادث ہیں قرآن چونکہ اللہ کا حکم ہے اور اللہ سب سے العلی الکبیر ہے اور سوائے اس کے مخلوق میں کوئی نہیں اور قرآن اللہ کا حکم ہے۔ اور اللہ اور قرآن دونوں العلی الکبیر ہیں۔ قرآن خود فرماتا ہے فالحکم للہ العلی الکبیر تو اس سے ثابت ہوا کہ قرآن اللہ کا حکم ہے جس طرح اللہ تعالیٰ العلی الکبیر ہے اسی طرح اس کا حکم بھی العلی الکبیر ہے۔ پس قرآن بھی حکم العلی الکبیر میں ہے قرآن کی روح سے تو حکم میں لفظی ونفسی کا کیا تعلق حکم نفسی ہوتا ہے۔ پس نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ کے بعد سب مخلوق سے حضور ﷺ افضل اور مختار کل ہیں مختار کل کی بحث آئندہ اوراق میں ملاحظہ کریں۔ (انشاء اللہ)

صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ معتزلہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس جب جبریل علیہ السلام آتے تھے تو وہ گھنٹی کی شکل ہوتی تھی وہ فرماتے ہیں کہ ایک روایت ملی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ جب آپ ﷺ پر وحی ہوتی ہے تو کس حالت میں ہوتی ہے۔ فرمایا کہ گھنٹی کی شکل میں وحی سنتا ہوں۔ میرے دماغ سے وحی محو ہو جاتی ہے جو جبریل کے جانے کے بعد دوبارہ قائم ہو جاتی ہے۔ موصوف فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک یہ حدیث ضعیف ہے اگرچہ امام بخاریؒ اس کو نقل کرتے ہیں صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ پھر اس کا مقصد یہ ہوگا کہ جبریل آتا ہے تو گھنٹی ہوتی ہے گویا حضور ﷺ نے جبریل علیہ السلام کو دیکھا ہی نہیں۔ دوسرے یہ کہ جب آپ ﷺ جبریل علیہ السلام سے وحی سنتے ہیں تو آپ ﷺ کے دماغ میں نہیں بیٹھتی۔ جبریل کے جانے کے فوراً بعد بیٹھ جاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ پر جبریل کا رعب طاری ہوتا ہے اور قوت میں وہ زیادہ ہے حالانکہ جبریل علیہ السلام تو ہر پیغمبر کا خادم بلکہ ادنیٰ خادم ہے۔ موصوف فرماتے ہیں کہ یہ حدیث نہ تو تواتر سے ثابت ہے اور نہ ہی اس کی خبر مستند ہے۔ یہ حدیث خبر واحد ہے۔ حدیث خبر واحد پر اعتقاد کرنا اصول حدیث کے خلاف ہے۔ میں نے اپنے نانا جان سے کئی مرتبہ دریافت کیا اور انھوں نے جواب میں فرمایا ہے کہ میں نے یہ حدیث نہیں فرمائی۔ بلکہ میں جبریل علیہ السلام کو دیکھتا ہوں اور وہ مجھے دیکھتا ہے۔ موصوف فرماتے ہیں کہ نہ ہی اس کو آئمہ محدثین نے بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ اس صدی کی یہ نئی من گھڑت اختراع ہے حالانکہ متعدد مثالیں حدیث شریف سے موجود ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور انھوں نے موٹے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ دوزانو بیٹھ کر جبریل علیہ السلام نے حضور ﷺ کے دست مبارک کو بوسہ دیا اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ دین اور ایمان کیا ہیں؟ حضور ﷺ نے اسے جواب دیا اور وہ چلا گیا۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ صاحب کون تھے؟ آپ ﷺ نے فرمایا یہ تمہارا بھائی جبرائیل علیہ السلام فرشتہ تھا۔ حضور ﷺ کے توسط سے اسے صحابہؓ نے بھی دیکھا۔ موصوف مزید فرماتے ہیں کہ اس مثال نص قطعی سے سماعت کرو۔ یعنی جب سیدہ مریمؓ کے پاس جبریل آئے قرآن میں ہے فتمثل لھا بشرا سویا تو اس سے مریمؑ نے فرمایا کہ مجھے تو آج تک کسی بشر نے مس نہیں کیا حالانکہ جبریل علیہ السلام

Marfat.com

نے تو سیدہ مریم کا بازو پکڑا۔نتیجہ یہ ہوا کہ جبریل مریم کے پاس ظاہری طور پر بشری حالت میں آئے اور حضور ﷺ کے پاس گھنٹی میں آئے۔حالانکہ وہ اللہ کے حبیب ﷺ ہیں۔لہٰذا یہ روایت مذکورہ بالا حبیب ﷺ اللہ کی شان کے منافی ہے۔صرف اس پر معتزلہ خوش ہیں' حدیث میں ہے کہ جبریل علیہ السلام جب حضور ﷺ کے پاس پہلی دفعہ وحی لے کر آئے اور کہا اقراء تو آپ ﷺ نے فرمایا مـا انا بقاری پھر جبریل نے کہا اقراء تو آپ ﷺ نے وہی جواب دیا تیسری مرتبہ جبریل علیہ السلام نے کہا اقراء باسم ربک الذی خلق آپ ﷺ نے پڑھ لیا۔پڑھنے کے بعد فرمایا میں پڑھنے والا نہیں ہوں۔میں پڑھانے والا ہوں۔یہ حدیث ان لفظوں کے ساتھ ساتھ صاحب خزینۃ القرآن نے مجموعہ الاحادیث سے رقم کی ہے۔یہی تفسیر امام محمد باقرؒ، ابی بن کعبؓ، حسن بن قتادہؓ، عطا بن زیاد، ابوالعالیہ، عکرمہ، سعید بن جبیر، قیس بن مسلم کوفی اور انھوں نے حضور ﷺ سے سنی اور لکھی۔صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ یہی حدیث عبداللہ بن عمرابن العاص نے جو حدیث کی کتاب لکھی اس میں بھی درج ہے خواجہ حسن بصریؒ کے مجموعہ روایات میں بھی موجود ہے۔جو کتاب امام زہریؒ نے محدثین کے تعاون سے تدوین کی ہے اس میں بھی مرقوم ہے۔تفسیر طبری تفسیر اصفہانی تفسیر سبکی میں بھی یہ حدیث درج ہے۔لہٰذا ثابت ہوا کہ جبریل علیہ السلام کے حضور ﷺ استاد ہیں۔اور جبریل علیہ السلام آپ ﷺ کے شاگرد ہیں۔اس ضمن میں صاحب خزینۃ القرآن مجموعۃ الاحادیث سے نقل کرتے ہیں فرمایا کہ مجھے عمرو بن راخی نے سنایا کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ مجھے قرآن دو مرتبہ عطا کیا گیا۔ایک مرتبہ عالم ارواح میں اور دوسری مرتبہ دنیا میں۔میں نے حضور ﷺ کی اس بات کی تصدیق خود ان کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر کی۔چنانچہ فرمایا کہ یہ درست ہے۔عمرو بن راخی نے سچ بیان کہا ہے۔میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ پھر آپ ﷺ نے ہمیں سنایا کیوں نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا اگر میں سنا دیتا تو لوگ انکار کر دیتے اور کہتے کہ پہلے انبیاء پر تو جبریل علیہ السلام کے ذریعے وحی آتی تھی۔لہٰذا اس اصول کو پورا کرنے کے لیے خاموش رہا اور چاہتا تھا کہ قرآن کی آیت کے واقع کے مطابق نازل ہو۔فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو کافی محدثین نے بیان کیا ہے۔یہ حدیث امام کو باقر اور جمہور مفسرین نے بیان کیا ہے۔مسند عزیزی میں بھی یہ حدیث درج ہے لہٰذا حضور ﷺ کے ذہن سے محو ہونے کا خدشہ اس حدیث نے ختم کر دیا۔حضرت علی کی سند سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔فرماتے ہیں کہ اس صدی میں نئے نئے مسائل جنم لے رہے ہیں۔فقیر کہتا ہے کہ قرآن میں انـزلـنـا اور نـزلـنـا جو آئے ہیں۔ان میں کیا فرق ہے نـزلـنـا کے معنی ہم نے آہستہ آہستہ اتارا۔ انـزلـنـا کے معنی ہم نے یکبارگی اتارا مراد اس سے یہ ہے کہ نزول قرآن کی دو ترتیب ہیں۔ترتیب اول اور تو یہی ہے کہ جیسا قرآن اب موجود ہے۔اور ترتیب دوم یہ ہے کہ قرآن واقعہ کے مطابق نازل ہوا۔سرکار مدینہ ﷺ نے خود حکم دیا کہ بڑی سورتوں کو پہلے اور چھوٹی سورتوں کو بعد میں لکھو۔یہ تفسیر امام محمد باقرؒ اور تفسیر حسن عسکری میں درج ہے۔یہی بات طبری نے جلد نمبر ۱۱ میں درج کی ہے۔امام رازیؒ کا بھی اسی پر اتفاق ہے۔یکبارگی اور آہستہ آہستہ میں کیا اصول ہے۔اللہ نے اپنی مرضی سے لوح محفوظ سے آسمان پر یکبارگی اتار دیا اور اس کو آہستہ آہستہ واقعہ کے مطابق حضور اکرم ﷺ پر اتارا۔اس کی بحث فقیر پارہ ۲۵ سورہ زخرف کی پہلی آیت میں کرے گا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ سورہ زخرف آیت نمبر ۲ میں درج ہے اور بیشک یہی قرآن لوح محفوظ میں ہے اور ہمارا قرآن بلند حکمت والا ہے تو اس سے نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ نے اپنے کلام کو خود بلند حکمت فرمایا ہے۔اور اللہ کے کلام کا بلند حکمت ہونا خود اللہ تعالیٰ کا بلند حکمت ہونا ہے۔کچھ لوگ کہتے ہیں کہ وحی آنے سے حضور ﷺ کے قلب مقدس پر وحشت طاری ہوتی تھی۔حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ لوگ ایسا کہتے ہیں مگر ایسا نہیں ہے۔فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ پر جب وحی آتی تو آپ ﷺ حالت استغراق میں ہو جاتے اور آپ کی نگاہ لوح محفوظ پر ہوتی اور توجہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کی طرف مبذول ہوتی لوگ سمجھے کہ شاید حضور ﷺ کو وحی کے وقت تکلیف ہوتی ہے۔کچھ لوگوں نے اپنے دعویٰ میں ارشاد باری قـولا ثـقـيـلا کو پیش کیا۔قول کا وزن بھاری ہے اس قول کو اٹھانا حضور ﷺ کا کمال ہے دوسرے کسی کا نہیں۔حضور ﷺ دعا کے بعد خود فرماتے تھے کہ یا اللہ تیرا قول ثقیل ہے میری امت کو اس کے اٹھانے کی توفیق بخش۔فقیر نے اس بحث کو اختصار سے یہاں عرض کیا ہے کہ مسئلہ انفاق فی سبیل اللہ بیان ہو رہا تھا۔تو اس میں لکھ چکا ہوں کہ انفاق فی سبیل اللہ جہاد میں مستحب ہے۔امام رازیؒ نے بھی یہ لکھا ہے۔اسی طرح فقیر کہتا ہے کہ کئی ایسے کام ہیں کہ جن میں جہاد فی سبیل اللہ مستحب ہو سکتا ہے۔جس طرح عروس میں لوگ خرچ کرتے ہیں اور لوگ کہتے ہیں کہ فضول خرچی ہے۔دیگر کئی کاموں میں لوگ بے جا مصرف کرتے ہیں۔مگر عوام ان پر کوئی اعتراض یا طعن و تشنیع نہیں کرتے حالانکہ شادی اور دیگر دنیاوی رسوم پر بے دریغ دولت خرچ ہوتی ہے۔مگر کسی نے فتویٰ نہیں لگایا۔لیکن صرف اولیائے عظام کے عروس پر اعتراض کرتے ہیں۔حالانکہ مسلک اہل سنت کے نزدیک جس طرح وہ خرچ کا حکم دیتے ہیں وہ یوں ہے کہ مخلوق کا اجتماع ہو اور علماء وعظ و تبلیغ کریں اور اس طریق پر اگر خرچ ہو تو کیا قباحت ہے۔حالانکہ اللہ تعالیٰ خود پارہ نمبر ۱۳ میں فرماتا ہے۔اے محبوب ﷺ! تم موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے دلوں کو یاد کراؤ تو ہمارے

Marfat.com

اوپر لازم ہے کہ ہم اپنے اسلاف یعنی بزرگانِ دین اولیائے عظام کے دنوں کو یاد کریں ان کی زندگی کو یاد کریں اور ان کی زندگی کا اسلامی مصرف دیکھیں تاکہ ہماری قوم ان کے حالات وواقعات سن کر ان کے نقش قدم پر گامزن ہو سکے۔ اس نیت سے خرچ کرنا عنداللہ کارِ خیر ہے۔ صلوٰۃ کے معنی پیچھے لکھ چکا ہوں کہ احسن معنی لغت کے لحاظ سے دعا کے ہیں۔ اس کی مثال قرآن میں یوں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ الٰی آخِرہ اے محبوب ﷺ آپ ان پر دعا فرمادیں کہ بلاشبہ آپ کی دعا ان کے لیے سکون ہے تو معلوم ہوا کہ صلی کے معنی دعا کے ہیں اور انسان نماز میں پکارتا ہے نماز اللہ کی بارگاہ میں انسان کی فریاد ہے اللہ نے یہ احسان فرمایا کہ پنجگانہ اپنے دروازے کو کھول کر رکھا ہے۔ اور فرماتا ہے کہ اے انسان! میں متکبر حقیقی ہوں اور تو میرا بندہ ہے جو عاجز ہے تو اپنے عجز کو میری بارگاہ میں پھیلا اور میرے تکبر کو بیان کرنا۔ تیرا عجز ثابت ہوگا۔ جب تو ایسا کرے گا تو اپنی محبت کا آب زلال تجھے پہلے عطا کروں گا۔ نماز کے اندر رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ انسان خشوع وخضوع کرے اور رکوع وسجود میں آہستگی کرے۔ امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ جب کوئی نماز پڑھے تو اس کے اپنے لفظ اس کے کان میں سماعت کریں۔ نماز باجماعت کے ساتھ ملنے میں پہل کرے اور تکبیر تحریمہ میں جلدی کرے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ جس نے تکبیر تحریمہ میں پہل کی اس نے اپنے روبرو جنت کو واجب کیا اور جس نے اس میں سستی کی اس نے اپنے لیے اللہ کا عذاب خریدا۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ میرے جد امجد امام علی رضا یعنی میرے دادا جان کے مرید حضرت سری سقطیؒ مجھے فرماتے تھے کہ اے میرے شیخ کے بیٹے! جب کوئی تکبیر تحریمہ میں تاخیر کرے تو میری چیخ نکل جاتی ہے مجھے اس پر اللہ کا غضب آتا نظر ہے۔ موصوف مزید فرماتے ہیں کہ میرے بعد ۴۷ ھجری میں جس کے بارے میں پہلے بتا چکا ہوں کہ عبدالقادر ابن صالح پیدا ہوگا۔ اور اس کی وفات ۵۶۱ ھجری میں ہوگی اور میں دیکھتا ہوں کہ اس کے وقت میں جو تکبیر تحریمہ میں تاخیر کرے گا وہ اپنے غضب سے اسے برباد کردے گا۔ اس صدی میں دین کے لیے قحط سالی ہوگی یہ شخص میرے نانا کی امت میں دین کو زندہ رکھنے کے لیے ہوگا۔ اور تمام صالحین اس کے قدموں میں بیٹھیں گے اور سورج اور چاند بھی اس کی شرافت کا حیا کریں گے۔ میں نے اپنے بیٹے احمد کو اس کے لیے خلافت نامہ سپرد کردیا ہے۔ کہ وہ اپنے بیٹے کو وصیت کردے تاکہ یہ امانت اس تک پہنچ جائے۔ اسی طرح ایک اور شخص محمد نامی ہوگا جس کی بشارت کا ذکر پہلے کرچکا ہوں۔ اس کی روح نے شب معراج موسیٰ علیہ السلام سے مکالمہ کیا۔ اس کے لیے بھی خلافت نامہ لکھ دیا ہے۔ چنانچہ امام غزالیؒ اپنی تفسیر یاقوت التاویل جلد نمبر ۴ صفحہ ۵۵۹ مطبوعہ مصر وبیروت میں فرماتے ہیں کہ کاش میں صاحب خزینۃ القرآن کے وقت ہوتا اور ان کا مرید ہوتا جن کا خلافت نامہ لکھا ہوا مجھ تک پہنچا ہے اور میں نے ان کی تفسیر خزینۃ القرآن میں اپنا نام پڑھا۔ نادم ہوں اس قابل کہاں ہوں؟ کہتا ہوں کہ اگر قرآن کو سمجھنا ہے تو تفسیر خزینۃ القرآن پڑھو۔ نماز کے متعلق جس طرح کہا جاچکا ہے کہ قیام نماز کا رکن ہے اسی طرح تکبیر تحریمہ بھی رکن ہے۔ اس رکن کو انسان جان بوجھ کر ضائع نہ کرے یعنی کوتاہی نہ کرے نماز کے باقی مسائل آئندہ اوراق میں ہوں گے۔

مسئلہ سوم:

قرآن مجید پر ایمان لانا فرض ہے کیونکہ قرآن کے ذریعے ہم فلاح پاتے ہیں رسول اللہ ﷺ کی حدیث پاک ہے کہ قرآن میرے اور میری امت کے لیے فرض ہے اور آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی۔ اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ اے حبیب ﷺ! بے شک جس ذات کامل نے آپ ﷺ کی ذات کامل پر قرآن فرض فرمایا۔ سورہ قصص پارہ نمبر ۲۰ میں یہ مذکورہ آیت مرقوم ہے یہی حدیث امام باقرؒ ابن عباس ابی بن کعب میں بھی ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ جو احکام پیغمبر پر وارد ہوتے ہیں وہ پہلے پیغمبر پر فرض ہوتے ہیں پھر پیغمبر کی امت پر کیونکہ پیغمبر کا اس پر عمل کرنا ہی سیرت دین ہوتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوا لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ بلاشبہ تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ میں اسوہ کامل موجود ہیں معلوم ہوا کہ رسول کا اسوہ کامل کیا ہے؟ صاحب خزینۃ القرآن مجموعۃ الاحادیث سے حدیث درج کرتے ہیں کہ کتب جدی علی انا دعا ئشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نحن موجود قال رسول اللہ ﷺ اسوہ حسنہ الاسلام کیف عامل القرآن ان هٰذا القرآن اسوہ حسنہ یہ حدیث امام باقر وراق ثوری میں موجود ہے۔

ترجمہ:

میرے دادا جان حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہم دونوں موجود تھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرا اسوہ حسنہ اسلام ہے۔ اسی طرح میں قرآن کا عامل ہوں اور میرا اسوہ حسنہ قول ہے سیدہ فرماتی ہیں کہ جس نے حضور ﷺ کو نہ دیکھا ہو وہ قرآن دیکھ لے۔ قرآن سے آپ ﷺ کی صورت و

Marfat.com

سیرت اور حق نظر آئیگا۔ تو معلوم ہوا کہ حضورﷺ کی سیرت عین الاسلام ہے۔ تو کہہ چکا ہوں کہ قرآن پر ایمان لانا فرض ہے جس طرح ایمان لانا فرض ہے اور اس کے احکام پر عمل کرنا بھی ویسا ہی فرض ہے۔ کیونکہ غوث اور قطب قرآن سے بنتے ہیں لیکن آج کل معاملہ برعکس ہے۔ حالانکہ سورہ ہود کی جب یہ آیت نازل ہوئی فاستقم کما امرت تو حضورﷺ بیٹھتے بھی تھے اور اٹھتے بھی تھے۔ تو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ آپ تو جوان ہیں اس طرح کیوں اٹھتے بیٹھتے ہیں۔ آپﷺ نے فرمایا کہ سورہ ہود نے مجھے بوڑھا کر دیا ہے۔ پہلے لکھ چکا ہوں کہ آیت مذکورہ بالا یعنی سورہ نور کے پانچویں رکوع کی آیت وعد اللہ الذین امنو اس آیت کو بعض شیعہ امام مہدی کے شان نزول کے بارے میں بیان کرتے ہیں اور آیت والذین یؤمنون بما انزل سے یہ استدلال بیان کرتے ہیں کہ اس غیب پر ایمان لانا مہدی علیہ السلام کے لیے ہے۔ اور وہ امام مہدی کو امام حسن عسکری کا بیٹا بیان کرتے ہیں۔ حضرت احمد ابن موسیٰ المبرقع صاحب خزینۃ القرآن کی جلد اول کے مقدمہ صفحہ ۱۲۵۹ پر رقمطراز ہیں فرماتے ہیں کہ میرے بھتیجے متبنّٰی عسکری سے فرمایا کہ اے میرے بیٹے لوگوں کی نظروں سے بچ کر رہنا۔ لوگ تجھ پر الزام لگائیں گے اور امام مہدی کو تیرا بیٹا بنائیں گے اور تیری اولاد نہ ہوگی کیونکہ میں نے لوح محفوظ کو دیکھا ہے۔ کہ تیری اولاد نہ ہوگی تیرے تین بھائیوں جعفر، محمد اور حسین کی اولاد ہوگی۔ ساتھ ہی فرمایا کہ ابھی ابھی نانا جان حضورﷺ حضرت علی حضرت امام حسین کی امام زین العابدین امام باقر امام جعفر صادق اور ان کے بیٹے موسیٰ کاظم ان کے لیے علی رضا اور ان کے بیٹے امام محمد تقی میرے والد یہ سب سرکارﷺ کے ہمراہ آئے ہیں اور میرا بھائی علی بھی ان کے ہمراہ ہے حضورﷺ نے فرمایا کہ یہ میرا بہترین باغ ہیں اور میرا بیٹا موسیٰ المبرقع اس باغ کا بہترین پھول ہے۔ اور ان کی اولاد کی کافی تعداد مفسرین قرآن ہوگی۔ پھر انھوں نے فرمایا کہ مہدی کے بارے میں حدیث ہے انھوں نے فرمایا کہ وہ قریش خاندان سے ہوگا اور ان کی ماں کو بہشت سے دودھ آئے گا۔ اور وہ قرب قیامت میں پیدا ہوگا۔ یعنی قیامت سے چالیس سال قبل ہوگا۔ وہ میرا ہم نام ہوگا۔ اس کے والد عبداللہ اور والدہ کا نام آمنہ ہوگا۔ صحابہ نے پوچھا۔ کہاں پیدا ہوگا؟ آپﷺ نے فرمایا بیت المقدس کے قریب یہ حدیث تواتر سے ہے اور کافی احادیث اس ضمن میں مرقوم ہیں جن کو انشاء اللہ آگے بیان کیا جائیگا۔

قرآن مجید اللہ کا وہ کلام الٰہی ہے جس کے ذریعے انسان اللہ کا قرب اور اس کی معرفت حاصل کرسکتا ہے۔ بیان ہو چکا ہے کہ قرآن پر ایمان لانا فرض ہے پہلے وحی کا بیان ہو چکا ہے یہ مسئلہ یاد رہے کہ نبی کریمﷺ پر جب پہلی وحی ہوئی تو حضورﷺ کو جبریل علیہ السلام سے تعارف تھا۔ اگر یہ تسلیم نہ کیا جائے تو وحی مشکوک ہوگی۔ کیونکہ اگر تعارف نہ ہوتا تو جبریل کے آتے وقت حضور پاک اسے پوچھتے کہ تم کون ہو؟ لیکن فرمایا کہ میں پڑھنے والا نہیں ہوں۔ قرآن کریم کی تعلیم حضورﷺ کے ذہن میں پہلے بھی موجود تھی۔ اللہ نے خود فرمایا ہے کہ جیسا کہ قرآن میں موجود ہے قال انی عبداللہ الیٰ آخرہ کہ پنگھوڑے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ میں کتاب لے کر آیا ہوں اور نبی بن کر آیا ہوں۔ اس آیت سے کئی نکات نکل سکتے ہیں۔ نکتہ پہلا کہ عیسیٰ علیہ السلام کا پنگھوڑے میں ہونا اور کتاب کا دل میں پہلے ہی موجود ہونا اور نبوت کا دعویٰ کرنا۔ کوئی اگر اس پر یہ کہے کہ یہ خاصہ عیسیٰ علیہ السلام کا ہے تو حبیبﷺ کے لیے بھی ایسا خاصہ قرآن سے ثابت کرنا چاہئے تو فرماتا ہے الرحمٰن علم القرآن الرحمٰن کے بعد عَلَّمَ کا استعمال ہوا ہے جو کہ ماضی مطلق کا صیغہ ہے باب تفعیل کے ساتھ علم بمعنی عَلَّمَ صاحب خزینۃ القرآن اسی آیت کے تحت رقمطراز ہیں مجموعۃ الحدیث سے حدیث درج کرتے ہیں۔ سیدنا علی لکھتے ہیں کہ ابوبکرؓ اور حضرت عائشہؓ سے سنا کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ قرآن کا علم خود اللہ نے میرے سینے میں محفوظ فرمایا اور جبریل علیہ السلام کو صرف ذریعہ بنایا کہ مخلوق اعتراض نہ کرے پھر سرکارﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ الرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ یہ حدیث امام باقرؒ اور سفیان ثوری میں بھی ہے۔ اس سے نکتہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ کا مقصد یہ ہے کہ میں مخلوق پر ظاہر کردوں کہ قرآن کی تعلیم میں نے اپنے حبیبﷺ کو خود دی ہے۔ مثال: کہ استاد کے کامل ہونے کا اظہار شاگرد کی قابلیت پر ہوتا ہے۔ استاد کامل ہو اور شاگرد محنت کرے تو وہ بھی کامل بن سکتا ہے اگر شاگرد محنت نہ کرے گا تو ناقص رہ جائے گا۔ اگر استاد ناقص ہو تو لامحالہ شاگرد بھی ناقص رہے گا۔ یہاں تو تعلیم فرمانے والی اللہ کی ذات ہے اور لینے والے حضورﷺ تو اس طرح وہ ذات سبحانہ تعلیم دینے میں کامل ہے اور رسول اللہﷺ تعلیم لینے میں کامل ہیں حضورﷺ کا علم کامل اللہ کے علم کامل کا مظہر ہے۔ حضورﷺ کی ذات نہ ہوتی تو ہمیں علم کا پتہ نہ ملتا کیونکہ وہ ذات لامحدود ہے۔ وہ واجب ہے ہم محدود ہیں ہم ممکن ہیں وہ قدیم ہے تو پھر قدیم کا ممکن سے کیسے رابطہ ہو؟ حضورﷺ اللہ کے مظہر ہیں۔ اللہ کے علم کا اظہار کملی والے سے ہوتا ہے۔ وگرنہ وہ تو گنج مخفی تھا۔ اور گنج مخفی بھی ایسا کہ لامحدود یہ گنج مخفی کھلا تو کملی والے کے سبب سے یہ قرآن ملا تو حضورﷺ کے صدقے میں یہاں یہ کہہ دوں کہ قرآن کریم سے حضورﷺ کو ایسے نسبت ہے جیسے روشنی کو سورج سے۔ لیکن آفتاب کی روشنی بھی عارضی اور وہ بھی عارضی۔ اور حضورﷺ تو سراجاً منیراً ہیں یہ روشنی دائمی ہے

Marfat.com

کہ اس کا تعلق کلام ازلی سے ہے جو واجب الذات ہے کیسا کمال ہے کہ ممکن کا تعلق واجب الذات ازلی سے ہے۔ نبی پاک ﷺ کی ذات حادث اور پھر یہ حادث ازلی وقدیم کا مظہر ہے۔ اس ذات کی صفات سبحان اللہ! اس ممکن حادث سے ظاہر ہیں جس نے کائنات کے طرز اطوار کو بدل دیا۔ زمین کو انصاف سے بھر دیا۔ لوگوں کے اذہان کو بدلا اور لوگوں کے قلوب پر ایسا انقلاب برپا فرمایا کہ قیامت تک اس انقلاب کو کوئی اور انقلاب تبدیل نہیں کر سکتا۔ ارشاد زبانِ رسالت کا ہے کہ میری ذات کو مجموعہ اخلاق بنا کر بھیجا گیا ہے۔ سرکار کے اخلاق کے بارے میں انشاء اللہ فقیر آئندہ اوراق میں بیان کرے گا۔ انتظار فرمایئے۔

پہلے کہہ چکا ہوں کہ قرآن کریم پر ایمان لانا فرض ہے کہ اللہ نے فلاح کو اس پر منحصر فرمایا ہے۔ چنانچہ اللہ فرماتا ہے وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ اس سے ثابت ہوا کہ جس میں ایمان نہیں وہ کامیاب نہیں ہو سکتا۔ جب قرآن پر ایمان لانا فرض ہوا تو حضور ﷺ پر جو احکام نازل ہوئے ان کو مفصل طور پر معلوم کرنا لازم ہے۔ اس واسطے کہ اللہ نے بندے پر جس چیز کا علم اور عمل فرض کیا ہے۔ ان کو مفصل طور پر معلوم کرنا چاہیے۔ جب تک بندہ مفصل معلوم نہیں کرے گا اس کی بجا آوری نہیں کر سکتا۔ مگر اللہ نے اس علم کو حاصل کرنا فرض کفایہ فرمایا ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔ طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَۃٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ وَّمُسْلِمَۃٍ کہ مسلمان مرد وعورت پر علم حاصل کرنا فرض ہے۔ زیادہ نہیں تو کچھ کچھ تو ضرور ہونا چاہیے مفسرین کہتے ہیں کہ شہر میں یا محلے میں ایک ایک عالم ہوتو فرض کفایہ پورا ہو سکتا ہے۔ بشرطیکہ وہ ان کی تبلیغ کا حق ضرور ادا کرے حالانکہ تمام لوگوں پر علم دین کو معلوم کرنا فرض نہیں اور وما انزل من قبلک میں انبیاء علیہم السلام کی کتابوں پر ایمان لانے کا ذکر ہے جو حضور ﷺ سے پہلے انبیاء علیہ السلام پر نازل ہوئیں ان کی کتابوں پر مجمل طور پر ایمان لانا فرض ہے۔ اس واسطے کہ اللہ نے امت محمد ﷺ کو ان احکام کے ساتھ مامور نہیں فرمایا۔ تاکہ مفصل طور پر امت محمد ﷺ کو ان کا معلوم کرنا ضروری ہو۔ البتہ جو احکام ہم کو مفصل طور پر معلوم ہو جائیں ان احکام پر انہیں تفصیل سے ایمان لانا فرض ہوگا۔ صاحب خزینۃ القرآن نے اس پر کافی بحث کی ہے۔ زیادہ عرض نہیں کروں گا۔ اب وَبِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَ پر چند مسائل۔

مسئلہ پہلا:

آخرت سے دارِ آخرت مراد ہے یعنی آخرت اصل میں دار کی صفت ہے اور آخرت کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ آخرت کا وجود دنیا سے موخر ہے اور دنیا کو دنیا اس واسطے کہتے ہیں کہ وہ آخرت کے مقابلہ میں ادنیٰ اور ردی چیز ہے۔

مسئلہ دوم:

یقین اس علم کو کہتے ہیں جو ایک چیز کے شک کے دور کرنے کے بعد حاصل ہوتا ہے اس واسطے کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ مجھ کو اپنی ذات کا یقین ہو گیا۔ یا آسمان کے اوپر ہونے کا یقین ہو گیا۔ کہ ہر علم شک کے بعد پیدا نہیں ہوتا۔ نیز یقین علم حادث کی صفت واقع ہوتا ہے خواہ وہ علم خود بخود پیدا ہو یا دلیل سے۔

مسئلہ سوم:

اللہ تعالیٰ نے متقیوں کی تعریف میں فرمایا ہے کہ وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں اور یہ بات ظاہر ہے کہ جس شخص کو صرف اس بات کا یقین ہو کہ آخرت کوئی چیز ہے تو وہ تعریف وثناء کا مستحق نہیں ہوگا بلکہ تعریف کا مستحق اس وقت ہوگا کہ جو چیزیں آخرت میں ہونے والی ہیں ان کا بھی یقین ہو۔ مثلاً حساب وسوال اور مومنین کا جنت میں اور کفار کا دوزخ میں داخل ہونا وغیرہ۔ آنحضرت ﷺ سے مروی ہے آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ بڑا تعجب ہے اس شخص پر جو کہ اپنی پیدائش کو دیکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے وجود پر شک کرتا ہے۔ اور اس شخص پر کہ پہلے پیدائش کو جانتا ہے اور آخری پیدائش کا انکار کرتا ہے اور تعجب ہے اس شخص پر جو حشر نشر سے انکار کرتا ہے اور وہ ہر دن اور ہر رات میں مرتا جیتا ہے یعنی سوتا اور جاگتا ہے اور تعجب ہے اس شخص پر کہ جنت اور اس کی نعمتوں پر یقین رکھتا ہے پھر دنیا کے گھر کے لیے متاع کے نفع کی کوشش کرتا ہے اور تعجب ہے تکبر اور فخر کرنے والے پر کہ اس کی پیدائش ایک نطفہ حقیر سے ہے اور اس کا انجام ایک مردار نجس ہے۔ یہ حدیث امام محمد باقرؒ اور کافی کی تفاسیر میں مرقوم ہے۔

قولہ تعالیٰ

اُولٰٓئِکَ عَلٰی ھُدًی مِّنْ رَّبِّھِمْ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ

Marfat.com

ترجمہ: یہی لوگ ہدایت پر ہیں اپنے رب کی طرف سے اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

مسائل آخرت پر صاحب خزینۃ القرآن نے کافی بحث کی ہے۔باقی وہاں دیکھیے کہہ چکا ہوں کہ یہ تفسیر بہت دقیق عربی میں ہے تمام اقتباس و مسائل کی قلت سے بیان نہیں کرسکوں گا۔جی تو چاہتا ہے کہ سب عرض کروں لیکن خیر و برکت کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔

ترجمہ: یعنی وہ لوگ ہدایت پر ہیں اپنے رب کی طرف سے اور وہی کامیاب ہیں۔تو معلوم ہوا کہ اس آیت میں چند مسائل ہیں:

مسئلہ پہلا:

اس آیت کا گزشتہ آیت سے کافی طریقوں سے تعلق ہے ایک یہ کہ اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ سے اس کا ربط سمجھا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی ہدایت کو متقیوں کے لیے خاص کیا اور فرمایا ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ تو کوئی سوال کرسکتا تھا کہ متقیوں کے ساتھ اس کو خاص ہونے کا کیا سبب ہے۔ اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ سے لے کر وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ تک اس کا جواب فرمایا گیا ہے۔پھر اُولٰٓئِکَ عَلٰی ھُدًی مِّنْ رَّبِّھِمْ سے ابتدا سمجھی جائے۔یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ موصوف بایں صفت کس لیے ہدایت کے ساتھ خاص ہوئے۔اس کا جواب یہ دیا گیا کہ اگر یہ لوگ ہدایت دنیاوی اور نجات اخروی کے ساتھ مستحق ہوں اور دوسرے لوگ نہ ہوں تو کچھ دور نہیں الذین یومنون بالغیب کو متقیوں کی صفت کہا جائے اور والذین یومنون بما انزل الیک کو مبتدا اور اُولٰٓئِکَ عَلٰی ھُدًی کو خبر قرار دیا جائے۔ان کو ہدایت اور فلاح کے ساتھ خاص کرنے میں ان اہل کتاب اور مشرکین مراد ہوں جو رسول اللہ ﷺ پر ایمان نہیں لائے۔ان کو اپنی ہدایت پر ہونے کا گمان ہے اور اس بات کے امیدوار ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں ان کو فلاح یا نجات ہوگی۔

مسئلہ دوسرا:

ان کے ہدایت پر ہونے سے مراد یہ ہے کہ اللہ نے ان کو ہدایت پر قدرت دی ہے اور ہدایت پر قائم کیا ہے جس طرح کوئی کسی چیز پر سوار ہو جاتا ہے اس طرح کہا کرتے ہیں کہ فلاں شخص حق کے اوپر یا باطل کے اوپر ہے یا کہا کرتے ہیں کہ گمراہی یا جاہلیت کے اوپر سوار ہے۔

مسئلہ تیسرا:

اولٰٓئک کو مکرر لانے میں اس بات کی تنبیہ ہے کہ جس طرح یہ لوگ ہدایت کے ساتھ خاص ہیں یعنی یہ لوگ ان دو خصوصیتوں میں سب سے ممتاز ہیں اگر کوئی یہ سوال کرے کہ یہاں اولٰٓئک میں حرف عطف کیوں لایا گیا ہے۔حالانکہ ایک جگہ اس قسم سے اولٰٓئک کا لفظ مکرر واقع ہوا ہے اور بیچ میں حرف عطف نہیں آیا۔یعنی اس آیت میں اولٰٓئک کَالْاَنْعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَلُّ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْغَافِلُوْنَ یعنی یہ کہ وہ لوگ مانند چارپایوں کے ہیں اور وہ گمراہ ہیں۔ایسے لوگ بے خبر ہیں۔

مسئلہ چوتھا:

ھم کی ضمیر فصل کے لیے واقع ہوئی ہے اس کے دو فائدے ہیں۔

۱۔ ضمیر فصل سے معلوم ہوگیا کہ اس کا مابعد ماقبل کے لیے خبر ہے صفت نہیں۔

۲۔ خبر کا مبتدا کے اندر فصل سے حصر سمجھا جاتا ہے مثلاً کوئی یہ کہے کہ الانسان ضاحک تو اس سے یہ نہیں سمجھا جاتا کہ ضاحک فقط انسان ہی ہے لیکن اگر یوں کہے کہ الانسان ھو الضحک تو اس سے ضاحک کا انسان کے اندر حصر سمجھا جاتا ہے۔

مسئلہ پانچواں:

اَلْمُفْلِحُوْنَ م پر الف۔لام تعریف کا داخل کرنے میں اس بات کی طرف دلالت ہے کہ پیغمبر متقی اور معصوم لوگ ہیں مثلاً اگر تمہیں معلوم ہو کہ تمہارے شہر

Marfat.com

والوں میں سے کسی ایک شخص نے توبہ کی ہے۔ پھر تم کسی سے پوچھو کہ وہ کون شخص ہے تو اس کا جواب دیا جائے کہ زید التائب تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ اس شخص کی توبہ کا علم ان کو ہوا ہے اور وہ زید ہے۔ تو یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اگر مفلحون کی صفت کسی کو حاصل ہے۔ تو یہ لوگ وہی ہیں جس طرح کوئی شخص کسی سے کہے کہ تو شیر ہے اور شیر کی خصلت کو جو اس کے وجود میں شجاعت داخل ہے، اگر تو جانتا ہے تو زید وہی شیر ہے۔

مسئلہ چھٹا:

افلح وہ شخص ہے جسے اپنے مطلوب پر فتح اور کامیابی حاصل ہو جائے اور فلاح کے معنی دراصل کھل جانے کے ہیں۔ گویا کہ فتح کے لیے ظفر و کامیابی کے طریقے کھل جاتے ہیں اور اس کے لیے بندش نہیں رہتی اور فتح کے معنی بھی اس کے قریب ہیں۔

مسئلہ ساتواں:

اس آیت سے ایک تو فرقہ وعیدیہ کا استدلال ہے اور ایک طور پر فرقہ مرجبہ کا۔ وعیدیہ دو طرح سے اپنے مدعا کو ثابت کرتا ہے۔ (۱) کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ اس آیت سے فلاح کا حصر اعمال مذکورہ میں ثابت ہوتا ہے۔ ضرور ہوا کہ جو شخص صلوٰۃ میں کوتاہی کرے فلاح یاب نہیں ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ بعض لوگ ایسے ہوں گے جو صلوٰۃ اور زکوٰۃ ادا نہ کریں گے اور اپنے آپ کو فلاح یہ تصور کریں گے۔ فرمایا اللہ کی قسم! ان کا یہ خیال باطل ہوگا حضور ﷺ نے فرمایا کہ انصار مجھے سب سے مفلحون نظر آتے ہیں۔ صاحب خزینۃ القرآن بحوالہ امام باقر مجموعۃ الحدیث سے حدیث درج کرتے ہیں حضرت علی لکھتے ہیں کہ جب آیت نازل ہوئی تو حضور ﷺ نے انصار کو بلایا اور ان کو یہ آیت سنائی۔ فرمایا اللہ کے نزدیک تم ممتاز اور مفلح ہو کہ تم صلوٰۃ اور زکوٰۃ میں تاخیر نہیں کرتے ہو۔ (۲) یہ کہ کسی وصف پر ایک حکم کا مرتب کرنا اس بات کی دلیل ہوتا ہے کہ وہ صفت اس حکم کی علت ہے۔ پس لازم آیا کہ فلاحیت کی علت ایمان اور نماز و زکوٰۃ ہے۔ اس بناء پر جو شخص ان افعال میں کوتاہی کرتا ہے۔ اس میں فلاحیت کی علت نہیں پائی جاتی کیونکہ اس کو فلاحیت نصیب نہیں ہو سکتی۔ اور فرقہ مرجبہ اس طور پر استدلال کرتا ہے کہ اللہ نے فلاحیت کا حکم ان لوگوں کے لیے کیا ہوتا ہے جو صفات مذکورہ کے ساتھ متصف ہیں۔ پس ضروری ہوا کہ جس شخص میں یہ اوصاف پائے جائیں وہ کامیاب ہے خواہ کتنے ہی گناہ کرے۔ مثلاً زنا، چوری، شراب وغیرہ۔ جب باوجود ان گناہوں کے بخشش کا پایا جانا موصوفین صفات کے ساتھ ثابت ہوا تو سب کے لیے ثابت ہو گیا۔ اس لیے ان میں اور دوسروں میں کسی کے نزدیک فرق نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہر ایک کا استدلال دوسرے کے استدلال کے لیے معارض ہے۔ دوسری کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ صرف ایک سبب کی نفی سے سب کی نفی نہیں ہوتی بلکہ تمام اسباب کے مرتفع ہو جانے سے مسبب کی نفی ہوتی ہے اور فقیر کے نزدیک ایک سبب فلاحیت کا اللہ تعالیٰ کا لطف ہے اور فرقہ مرجبہ کے استدلال کا جواب یہ ہے کہ تقویٰ کے ساتھ ان کا متصف ہونا حصول ثواب کے لیے کافی ہے اس لیے معاصی اور ترک واجبات سے پرہیز کرنا اس کے اندر داخل ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ زنا ایمان کو جڑ سے اکھیڑ دیتا ہے۔ شراب عقل کو ختم کر دیتی ہے بے حیائی کو مسلط کر دیتی ہے۔ نماز بے حیائی اور برائی کو ختم کر دیتی ہے۔ پارہ نمبر ۲۱ آیت نمبر ۱ میں ہے۔ نماز اللہ کا بڑا ذکر ہے حالانکہ وہ ان گناہوں کو ختم کرتا ہے۔ یہ گناہ نہ ہوں گے تب جا کر وہ خلاصیت پر ہوگا۔ فرقہ مرجبہ کا استدلال باطل ہے۔ اس کے متعلق چند مسائل ہیں:

مسئلہ پہلا:

انّ ایک حرف ہے دراصل حرف کے اندر عامل ہونے کی صلاحیت نہیں ہوتی۔ لیکن اس حرف کو صورتاً و معنیً فعل کے ساتھ مشابہت ہے۔ اس وجہ سے اس میں عامل ہونے کے معنی پیدا ہو گئے۔ اس کے اندر چند مقدمات ہیں۔

مقدمہ پہلا:

اس کی مشابہت کے بیان میں معلوم کرو کہ یہ مشابہت اس کو لفظ کے اندر بھی ہے اور معنی کے اندر بھی۔ لفظ کے اندر یہ مشابہت ہے کہ اس میں تین حرف ہیں اس کے آخر میں فتح ہے۔ جس طرح فعل کے ساتھ اسم ضرور ہوا کرتا ہے۔ اسی طرح انّ کے ساتھ ساتھ اسم ضرور ہوتا ہے۔

Marfat.com

مقدمہ دوسرا:

جب اس کی مشابہت فعل کے ساتھ ثابت ہوگئی تو ضروری ہوا کہ فعل کے ساتھ عمل میں مشابہت اس کو ضرور ہو۔اس واسطے کہ عمل کا دارومدار اسی لفظ اور معنی پر ہے۔اس لئے حرف انّ اور فعل قریب قریب ہوئے۔

مقدمہ تیسرا:

اس میں کیا نکتہ ہے کہ وہ اسم کو نصب اور خبر کو رفع کرتا ہے۔اس کا بیان یہ ہے کہ جب انّ کے اندر خبر کرنے کی صلاحیت ہو تو اس میں چار احتمال ہیں۔یا تو مبتدا اور خبر کو نصب کرتا ہے یا اس کے برعکس دونوں کا رد کرنا باطل ہے اس واسطے کہ مبتدا اور خبر انّ کے داخل ہونے سے قبل مرفوع تھے۔پس اگر اس حال پر بعد کو بھی باقی رہتے تو انّ دو اسموں کو کس طرح رفع کرسکتا ہے۔کیونکہ فرع کا علم اصل سے زیادہ نہیں ہوسکتا۔یہ بھی باطل ہے کہ دونوں اسموں کو نصب کردے اور کسی اسم کو رفع نہ کرے۔یہ بھی نہیں ہوسکتا تھا کہ اسم کو رفع کرے اور خبر کو نصب کرے کیونکہ اس میں اصل اور فرع کی برابری لازم آتی ہے کیونکہ فعل پہلے اسم یعنی فاعل کو رفع اور دوسرے اسم یعنی مفعول کو نصب کرتا ہے۔پس اگر انّ بھی اسی طرح کرتا تو اصل اور فرع کا برابر آنا لازم آتا ہے۔جب تینوں احتمال باطل ہوگئے اور صرف چوتھا احتمال باقی رہ گیا یعنی اسم کو نصب کرتا اور خبر کو رفع تو اس کو اس بات کی طرف بھی تنبیہ ہوتی کہ انّ مترادف کا عامل ہوتا ہے۔اصلی طور پر نہیں بلکہ خارجی طور پر ہے کیونکہ فعل کے اندر منصوب کی فرع کے اوپر کرنا خلاف اصل ہے اور ان حروف کا عمل خود اسی قسم کا ہے۔اس عمل سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ ان کا یہ عمل اصلی طور پر نہیں ہے۔بلکہ خارجی طور پر ہے۔انّ پر صاحب خزینۃ القرآن نے چار ہزار مقدمہ لکھا ہے جو علماء ہی سمجھ سکتے ہیں اور اس پر امام محمد باقر کے کئی ہزار مقدمات ہیں۔

مسئلہ دوسرا:

اہل بصرہ کہتے ہیں کہ یہ حرف اسم کو نصب اور خبر کو رفع کرتا ہے۔اہل کوفہ کہتے ہیں کہ خبر کو رفع کرنے میں ان کو کچھ دخل نہیں بلکہ وہ پہلے سے جس طرح مرفوع تھی اسی طرح اب بھی اس عامل سے مرفوع رہتی ہیں۔اہل بصرہ کی دلیل یہ ہے کہ حروف کو فعل کے ساتھ کامل طور پر مشابہت پائی جاتی ہے۔چنانچہ اس کا بیان ہوچکا ہے اور فعل تو خود رفع اور نصب کرتا ہے لہٰذا یہ حروف بھی اسی طرح رفع اور نصب کریں گے یہ دو طور پر استدلال کرتے ہیں۔

(۱) یہ کہ اس چیز میں خبر ہونے کے معنی جس سے پائے جاتے ہیں اسی طرح اب بھی پائے جاتے ہیں پس وہی معنی عامل ہونے کے زیادہ مستحق ہیں لہٰذا وہی خبر کے معنی ان کے اندر عامل ہونے لگے۔اور جب وہی معنی عامل ٹھہر گئے تو پھر یہ بات محال ہے کہ یہ حروف بھی اس خبر کو رفع کریں۔بس یہاں پر تین مقدمات ہیں:

(۱) فقیر یہ کہتا ہے کہ خبر کے معنی اب بھی اس میں باقی ہیں۔یہ امر از خود ظاہر ہے اس واسطے کہ خبر ہونے سے مراد وہی ہے کہ اس کی اسناد مبتدا کی طرف ہوتی ہیں اور انّ حروف کے داخل ہونے کے بعد اس اسناد میں کچھ نقصان واقع نہیں ہوتا۔

(۲) یہ بات کہ خبر ہونا رفع کا متقاضی ہے اس کا بیان یہ ہے کہ اِنَّ کے داخل ہونے سے پہلے خبر رفع کی متقاضی تھی اور صرف عامل کا معدوم ہونا اس متقاضی کے اندر داخل نہیں ہے اس واسطے کہ عدم علت کا جز نہیں ہوسکتا۔پس اِنَّ داخل ہونے کے بعد بھی خبر رفع کو متقاضی ہوگی۔اس واسطے کہ یہاں کے متقاضی پورے طور پر پایا جائے اور اثر نہ کرے تو یہ کسی ایک معنی کے سبب سے ہوگا اور مانع وہ چیز ہوتی ہے جو اصل کے خلاف ہو۔

(۳) یہ بات کہ خبر عامل ہونے کے لیے زیادہ تر مستحق ہے۔اس کا بیان دو طرح سے ہے۔

(۱) یہ کہ اس کا خبر ہونا اس کی حقیقت جو قبل اس سے اس میں پائی جاتی ہے۔یہ صرف ایک اجنبی چیز ہے۔جو اس سے علیحدہ ہوتا رہتا ہے اور علاوہ اس کے اس کے ساتھ متصل نہیں ہے۔اس واسطے کہ جز اِنَّ ہے۔حروف کے درمیان میں ایک اسم کا فاصلہ رہتا ہے۔

حجت دوسری:

خبر کو فعل کے ساتھ معنی کے اعتبار سے مشابہت حقیقی پائی جاتی ہے وہ یہ کہ جس طرح فعل مستند ہے خبر بھی مستند ہے مگر حرف کو معنی کے اعتبار سے فعل کے ساتھ

Marfat.com

مشابہت حقیقی نہیں ہے۔ کیونکہ حرف مشتق نہیں ہوتا۔ فعل کے ساتھ خبر کی مشابہت بہ نسبت حرف کی مشابہت کے قوی ہے۔ جب یہ ثابت ہو گیا تو ضروری ہوا کہ فعل کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے بہ نسبت حرف کے خبر کا عامل ہونا اولیٰ ہے۔ اس واسطے کہ اس کی مشابہت قوی ہے۔

مقدمہ چوتھا:

جب اقتضا رفع میں خبر کو قوت حاصل ہے تو اب اس خبر کا عامل ہونا محال ہو گیا اور خبر ہونے کا حکم اس کو پہلے ثابت ہے۔ پس ان حروف کے آنے کے بعد اگر یہ حکم حروف کی طرف نسبت کیا جائے تو تحصیل حاصل لازم آئے گی۔ اور وہ محال ہے۔

وجہ دوسری:

سیبویہ نے اس بات سے اتفاق کیا ہے کہ حروف کا عامل ہونا با اعتبار ذات نہیں ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ حروف کا عمل خلاف دلیل اور خلاف اصل ہے۔ جو چیز خلاف دلیل اور خلاف قیاس ہوتی ہے۔ بقدر ضرورت اس کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ یہ ضرورت صرف اسم کے اندر عمل کرنے سے پوری ہو جاتی ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ خبر کے اندر اس کا عمل نہ ہو۔

مسئلہ تیسرا:

انباری نے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ کندی فلسفی نے کہا کہ کلام عرب میں فضول لغت دیکھتا ہوں کہتے ہیں کہ مجنوں کے لفظوں میں فرق ہے اسی قدر مقصود میں بھی فرق ہے۔ عبدالقاہر نے اس بات کی صحت حرف اِنَّ سوال کے جواب میں یہ دلیل بیان کی ہے کہ جب اسمیہ کے لحاظ سے واقع ہوتا ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ حرف اِنَّ اس پر ضرور داخل کر رہے ہیں۔ قرآن کریم میں اس قسم کے بہت سے واقعات ہیں جن سے ان کا منکر کے جواب میں آنا ثابت ہوتا ہے۔ عبدالقاہر نے بیان کیا ہے۔ قول محقق یہی ہے کہ اِنَّ تاکید کے لیے آتا ہے جہاں ایسے امر کی خبر دی جاتی ہے جس کے خلاف مخاطب کو گمان نہیں ہوتا وہاں اِنَّ کی ضرورت نہیں ہوئی۔ جہاں سننے والوں کو اس خبر کے خلاف گمان ہوتا ہے۔ اس طرح جو خبر قیاس سے دور ہوتی ہے اِنَّ داخل ہونے سے اس کا حسن اور خوبی بڑھ جاتی ہے۔ اِنَّ پر نحوی مسائل چھ ہزار بیان کیے ہیں جن میں کچھ امام رازی نے بیان کیے ہیں اور یہی مسائل تفسیر امام محمد باقر میں مذکور ہیں اور عبدالقاہر سیبویہ نے بھی اسی تفسیر سے اخذ کیے ہیں۔ اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا کے اندر چند مسائل ہیں۔ اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا سَوَآءٌ عَلَيۡهِمۡ ءَاَنۡذَرۡتَهُمۡ اَمۡ لَمۡ تُنۡذِرۡهُمۡ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ ۔ بے شک جو لوگ کافر ہوئے ہیں آپ ﷺ انہیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

مسئلہ پہلا:

متکلمین کو کفر کی تعریف بیان کرنے میں بڑی دقت ہوئی ہے لیکن صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ مجھے کچھ دقت نہیں ہوئی کہ مجھے میرے نانا جان نبی کریم ﷺ نے عقدہ حل فرما دیا۔ اور تفسیر امام محمد باقر میرے سامنے ہے۔ قول محقق یہ ہے کہ کفر ان چیزوں کے انکار کا نام ہے۔ جن کی نسبت سرکار دو عالم ﷺ سے یہ بات منقول ہے کہ آپ ﷺ نے ان کو اختیار کیا یا ارشاد فرمایا۔ خواہ اس سے نقل کی حجت بالضرورت معلوم ہو۔ خواہ استدلال سے خبر واحد سے۔ پہلے فقیر ان امور کو بیان کرتا ہے جس کی پہلی قسم ہے۔ یعنی جن امور کو رسول اللہ ﷺ کا اللہ کی طرف سے سننا ضرورت کے ساتھ معلوم ہے۔ پس مومن وہی ہے جو ان سب امور میں رسول اللہ ﷺ سے تصدیق کر کے ان امور کو برحق سمجھے۔ جو ان امور کو برحق نہ سمجھے گا خواہ سب امور کو یا ایک کو تو وہ کافر ہو جائے گا۔ صاحب خزینۃ القرآن بحوالہ تفسیر امام باقر حدیث درج کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ یہ مذکورہ چاروں مکاتب احادیث میں درج ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرؓ و حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا کہ مومن وہی ہے کہ جو احکامات اللہ تعالیٰ نے میری طرف بھیجے ان کو تسلیم کرے اور برحق جانے۔ اگر ان میں سے کسی ایک کا بھی انکار کیا تو کافر ہو جائے گا۔ پس کفر رسول اللہ ﷺ کے ان امور کو تصدیق نہ کرنے کا نام ہو گا جن کا آپ ﷺ کو لے کر آنا، ضرورت کے ساتھ معلوم ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص اللہ کے وجود یا اس کے عالم، قادر یا مختار اور نقائص و عیوب سے پاک ہونے کا انکار کرے یا آنحضرت ﷺ کی نبوت یا قرآن کی صحت کا منکر ہو یا ان احکام سے انکار کرے جن کا ضرورت کے ساتھ دین محمدی میں سے ہونا ہم کو

Marfat.com

معلوم ہے جیسے وجوب صلوٰۃ وصوم وحج اور حرمت اور شراب وغیرہ کہ یہ شخص کافر ہو جائے گا اس واسطے کہ اس نے ان امور کے اندر حضورﷺ کی تصدیق نہیں کی جن کا ضرورت کے ساتھ آپﷺ کے دین میں سے ہونا معلوم ہے مثلاً اللہ تعالیٰ کا عالم بالعلم یا عالم لذاتہ مرئی یا غیر مرئی ہونا یا اعمال عباد کا خالق ہونا یا نہ ہونا۔ ہر امور اس قسم کے ہیں کہ تواتر قطعی سے حضورﷺ سے ان کا منقول ہونا ثابت نہیں ہے۔ آپﷺ سے ایک قول بالتواتر منقول ہو، دوسرا قول منقول نہ ہو بلکہ دونوں میں سے ایک کی قیت اور دوسرے کا میلان دلیل سے معلوم ہوا ہو۔ اس لیے ان امور کا اقرار یا انکار ایمان کی ماہیت میں داخل نہیں لہٰذا ایسے امور کے انکار سے کفر لازم نہیں آ سکتا۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر ان امور کا انکار یا اقرار ایمان داخل ہوتا تو ضروری تھا کہ حضورﷺ کے اوپر ایمان کا حکم اس وقت کرتے جب معلوم کر لیتے کہ یہ شخص اس مسئلے میں حق پر ہے۔ اور اگر آپﷺ ایسا کیا کرتے تو آپﷺ کی یہ بات تمام امت میں مشہور ہو جاتی اور متواتر طور پر اس بات کی آپﷺ سے روایت ہوتی۔ اس کا متواتر طور پر منقول نہ ہونا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ آنحضرتﷺ ایمان کو ان امور کے اوپر موقوف نہیں رکھتے تھے اور جب ان امور کے اوپر ایمان موقوف نہیں تو ضروری ہوا کہ ان امور کا جاننا ایمان کے اندر داخل نہ ہو بنا بریں اس امت کے کسی فرد کی تکفیر نہ کی جائے اور نہ ارباب تاویل کو کافر کہا جائے گا۔ جو مسائل اس قسم کے ہیں جن کی طرف رہنمائی صرف خبر سے ہو سکتی ہے ظاہر ہے کہ ان کے اوپر کفر و ایمان موقوف نہ ہوگا۔ یہاں تک تو کفر کی حقیقت کا بیان تھا۔ اگر یہاں کوئی یہ اعتراض کرے کہ تمہارا قول باطل ہے اس لیے کہ جنیبوں کا باندھنا اور اس کپڑے کا پہننا جو کفر کی علامت ہے۔ علیٰ ھذا القیاس بعض امور کفر ہیں اور تمہارے قول کے مطابق لازم آتا ہے کہ کفر نہیں اس لیے کہ ان میں ان امور کے اندر جن کا ضرورت کے ساتھ دین اسلام میں ہونا معلوم ہوا ہے رسول اللہﷺ کی تکذیب نہیں پائی جاتی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اشیاء درحقیقت کفر نہیں ہیں اس لیے کہ تصدیق کا ہونا اور نہ ہونا ایک باطنی امر ہے جس سے ہر خلق کو اطلاع نہیں ہوتی اور مشارع کی عادت ہے کہ اس قسم کے امور میں احکام کی بناء قوی حقیقت اور معنی پر نہیں کی جاتی کیونکہ باطنی امر پر مخلوق کے مطلع ہونے کا کوئی طریقہ نہیں بلکہ ایسے امور کے لیے شارع نے ظاہر علامات اور نشانیاں مقرر فرمائی ہیں۔ ان احکامات پر شارع کے احکام کی بنیاد قائم کی ہے۔ جنیبوں کا باندھنا اور اس لباس کا پہننا جو شعار کفر ہے۔ ایسے قبیل سے ہے۔ اس لیے قیاس یہی چاہتا ہے کہ جو شخص رسول اللہﷺ کی تصدیق کرے گا وہ بلاشبہ ان افعال کا مرتکب نہ ہوگا اور جب کوئی شخص ان افعال کا مرتکب ہوا تو یہ اس امر کی دلیل ہوگی کہ اس کو سرکار دو عالمﷺ کی تصدیق نہیں ہے۔ اس بناء پر ضروری ہوا کہ احکام شرعی متفرع کیے جائیں۔ نہ اس وجہ سے کہ یہ امور خود کفر ہیں۔ اس باب میں یہ کلام مختصر تھا جو بیان ہوا۔ صاحب خزینۃ القرآن نے کافی بحث کی ہے۔ یہ دلائل مذکورہ بالا امام فخر الدین رازی کے تھے۔ جو تفسیر خزینۃ القرآن میں موجود ہیں۔ امام رازی نے تمام نقل کی ہے۔ جی چاہتا ہے کچھ ان پر عرض کروں پہلے یہ کہ حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ اللہ کا عالم قادر مرئی اور غیر مرئی ہونا یہ اس کی صفات میں سے ہے۔ جو میری شریعت پر ایمان لایا تو اس کا ایمان اس پر خود ہو گیا۔ کیونکہ عام کو اس کی اطلاع نہیں ہو سکتی خاص لوگوں کو ہے۔ پس تم اللہ کو اللہ تسلیم کرو اور میری نبوت پر ایمان لاؤ۔ اور قرآن پر اللہ مختار ہے۔ امام باقر فرماتے ہیں کہ یہ حدیث تواتر سے ہے۔ علامہ رازی نے ہو سکتا ہے غور سے نہ دیکھا ہو۔ اس پر کافی بحث کی ہے جو کفر کی حقیقت پر ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن نے کافی بحث کی ہے۔

مسئلہ دوسرا:

اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا میں ماضی کے ساتھ ان کے کفر کی خبر دی ہے اور ماضی کے صیغہ سے کسی چیز کی خبر دینا اس امر کا متقاضی ہے کہ وہ چیز اس خبر دینے سے پہلے موجود تھی۔ اب معلوم کرو کہ معتزلہ نے ان تمام آیات سے جن میں اللہ نے اشیاء گزشتہ کی خبر دی ہے۔ اس بات پر استدلال فرمایا کہ اللہ کا کلام حادث ہے خواہ وہ کلام انہی حروف واصوات کا نام ہو۔ یا کسی دوسری اشیاء کا۔ اوّلاً آیات سے اس مقام پر چند بیان کیے جاتے ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا اور فرمایا اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ ۔ اور فرمایا اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰہُ فِیۡ لَیۡلَۃِ الۡقَدۡرِ اور فرمایا اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا ۔ اس استدلال کا مقصد یہ ہے کہ اس قسم کی خبر کا صادق ہونا اس بات پر موقوف ہونا کہ جس چیز کی خبر دی گئی ہے وہ اس خبر کے دینے سے پہلے موجود ہو اور جو چیز قدیم ہو اس پر کوئی چیز قدیم نہیں ہو سکتی۔ پس یہ کلام قدیم نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا ضروری ہوا کہ حادث ہو۔ جو لوگ کلام الٰہی کو ازلی کہتے ہیں انھوں نے بدو وجوہ اس کا جواب دیا۔

(1) صاحب خزینۃ القرآن بحوالہ امام محمد باقر و امام رازی فرماتے ہیں کہ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ اللہ کو ازل میں اس بات کا علم تھا کہ عالم موجود ہونے والا

Marfat.com

ہے۔ پھر جب اللہ نے عالم کو موجود کر دیا تو بجائے اس کے کہ زمانہ مستقبل میں عالم کا وجود ہوگا۔ اب اس بات کا علم ہوگیا کہ زمانہ ماضی میں عالم کا وجود ہو گیا۔ اس علم کے بدلنے سے علم الٰہی کا حادث ہونا لازم نہیں ہے۔ اس طرح یہ کہہ سکتے ہیں کہ ازل کے اندر اللہ تعالیٰ کو اس امر کی خبر تھی کہ یہ لوگ کافر ہوں گے۔ جب وہ کافر ہو گئے تو بجائے اس کے اس بات کی خبر ہوگئی کہ وہ کافر ہو گئے۔ کہ اس سے بھی اللہ تعالیٰ کی خبر کا حدوث لازم نہیں آتا۔

(۲) دوسرے اللہ نے فرمایا ہے۔ بلاشبہ تم مسجد الحرام میں داخل ہو گے۔ جب وہ مسجد الحرام میں داخل ہو گئے تو ضروری ہے کہ یہ خبر اس خبر کی طرف پھیر لی جائے کہ وہ مسجد الحرام میں داخل ہو گئے۔ بدوں اس کے کہ پہلی خبر میں کچھ تغیر پیدا ہو۔ جب یہ ثابت ہو گیا تو اس صورت میں کیا ایسا نہیں ہو سکتا۔ جو لوگ حادث کے قائل ہیں۔ وہ سوال اول کا جواب یہ دیتے ہیں کہ ابوالحسین بصری اور ان کے اتباع کے نزدیک معلومات کے تغیر سے علم بھی متغیر ہو جاتا ہے اور قیاس بھی یہی چاہتا ہے۔ اس واسطے کہ عالم کے بالفعل موجود ہونے اور اس کے زمانہ استقبال میں موجود ہونے کا علم اگر عالم کے موجود ہونے کے بعد باقی رہے تو یہ علم نہ ہو گا۔ بلکہ جہل ہو گا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ وہ علم بھی متغیر ہو جائے۔

دوسرے کا جواب یہ ہے کہ اللہ کی خبر اور اس کا کلام حادث مخصوص ہے کہ مسجد میں داخل ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا۔ بلکہ مسجد میں داخل ہونے سے قبل فرمایا۔ علی ھذا القیاس متنازعہ فیہا صورت میں یہ کہیں گے کہ اس سے کفر صادر ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فرمایا ہے۔ ہمارا مقصود یہ تھا کہ یہ کلام حادث ہے، قدیم نہیں ہے۔ امام باقر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا خبر دینا کہ عالم پیدا ہونے والا ہے۔ ازل میں ہو گا یا نہ ہو گا۔ یہ خبر نہ ہو تو جہل لازم آ جائے گا۔ اور یہ کفر ہے۔ یہ دلائل عقلی صاحب خزینۃ القرآن کے تھے جو بحوالہ امام باقر بیان ہوا اور دیگر مفسرین نے بیان کیے ہیں اور صاحب تفسیر کبیر نے بھی نقل کئے ہیں۔ ابھی کافی دلائل عقلیہ موجود ہیں جو دوسرے صفحے پر ہیں اب فقیر دلائل عقلیہ کے متعلق کچھ عرض کرتا ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَوَلَا یَذْکُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰہُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ یَکُ شَیْئًا۔ اس میں اللہ نے انسان کو خبردار فرمایا کہ پہلے کوئی چیز نہ تھی۔ ہم نے یہ سب پیدا کیا۔ ثابت ہوا کہ اس کی خبر پہلے موجود ہے۔ حضرت عمر، عثمان اور علی نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کچھ نصرانی اللہ کے علم کے بارے میں چہ میگوئیاں کر رہے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ سارے عالم کا ہونا اللہ کے علم ازل میں تھا اور اس نے جب چاہا، عالم کو موجود کر دیا۔ فرمایا اللہ کا علم لامحدود ازلی ہے۔ اگر اس کو نہ مانا جائے تو اللہ پر جہل لازم آئے گا۔ اور یہ کفر اکبر ہے۔ فرماتے ہیں کہ میرے پاس یہ جو چار کتابیں موجود ہیں ان میں موجود ہے تواتر ہے۔ اس ضمن میں حدیث درج کرتے ہیں۔

حدیث نمبر ۳:

قال الامام محمد باقر کتب جدی علی فی مجموعۃ الاحادیث کنا فی المسجد جاء فینا رسول اللّٰہ ﷺ قلنا یا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیک وسلم بنینا اختلاف و بعضنا قالوا ھذا القرآن مخلوق نحن قلنا غیر مخلوق قال رسول اللّٰہ ﷺ ھذا القرآن ماتلوت علیکم بغیر مخلوق انت فارون ما حکمک قال رسول اللّٰہ ﷺ ایھا الناس سمعتم قبل اقول منکم فی خطبۃ من یوم الجمعۃ ھذا القرآن ماتلوت علیکم بغیر مخلوق کان صفۃ نفسہ ما کانت صفاتہ و علومہ غیر محدود و غیر مخلوق علم العالم ما کان قبل فی علمہ و علمہ کان صفۃ نفسہ نقلاً متواتر بلا شبھۃ

ترجمہ: امام محمد باقر فرماتے ہیں کہ حضرت علی فرماتے ہیں کہ ہم سب صحابہ مسجد میں تھے ہمارے درمیان رسول اللہ ﷺ جلوہ فرما ہوئے ہم نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان اختلاف ہے ہم میں سے بعض کہتے ہیں کہ قرآن مخلوق ہے۔ ہم نے انہیں کہا رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ یہ قرآن جو میں تم پر تلاوت کرتا ہوں ازلی ہے۔ پس آپ ﷺ فرمائیے کہ اس کے بارے میں آپ کا کیا حکم ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ لوگو! ایک جمعہ کے خطبہ میں ہم تم پر بیان کر چکے ہیں۔ یہ قرآن جو میں تم پر تلاوت کرتا ہوں۔ ازلی ہے کائنات کا علم سب پہلے سے اس کے علم میں ہے اور علم اس کی ذاتی صفت ہے۔ یہ حدیث بلاشبہ متواتر ہے۔

صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ اب بات ختم ہوگئی کہ اللہ کا علم ازلی ہے۔ اس کی صفات ازلی ہیں۔ اور اس کی صفات لامحدود ہیں۔ اور حدیث بحوالہ

Marfat.com

امام باقر، مقاتل، تفسیر جرتج، ابن عباس، ابن جریر، الالوفی اور تفسیر میراں جیو درج کرتے ہیں عبداللہ ابن عمر کی کتاب سے اور مجموعہ الاحادیث سے کہ حضرت علی لکھتے ہیں کہ میں ابوبکر، عمر اور عثمان اور جم غفیر صحابہ موجود تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ دیا اور فرمایا۔ لوگو! سن لو کہ میرا رب وہ ذات ہے جو اللہ ازلی ہے۔ اس کا علم ازلی لامحدود ہے اور عالم کا علم اس کے علم لامحدود سے ایسے ہے جیسے چڑیا سمندر سے ایک بوند پانی لے لے تو اس بوند سے سمندر کو کیا نسبت ہو سکتی ہے؟ اسی طرح عالم کو اللہ کے علم لامحدود و ازلی سے کیا نسبت ہو سکتی ہے۔ فرمایا سرکار دو عالم نے کہ ایسے کئی لاتعداد عالم آجائیں، موجود ہو جائیں تو اللہ کے علم لامحدود و ازلی کے سمندر سے ایک بوند کی نسبت کے مقابلہ میں بھی کم ہیں۔ پھر فرمایا کہ دنیا کی زبانوں کا محرک بھی اللہ ہے۔ یہ زبانیں بھی ان کے علم ازلی میں تھیں تو لہٰذا جو کلام ازلی ابدی مجھ پر نازل ہوا ہے جو ہم پڑھتے سنتے ہیں۔ یہی کلام بہ الفاظ ربانی و ازلی ہے۔ یہی حدیث تفسیر طبری میں ہے تفسیر نور القرآن میں بھی ہے اور تفسیر فرقان میں بھی۔ سب نے خزینۃ القرآن سے نقل کی ہے۔

کفر کی حقیقت پر ایک اور حدیث۔ صاحب خزینۃ القرآن بحوالہ امام محمد باقر فرماتے ہیں۔ یہ بھی تواتر سے ہے۔ حضرت ابوبکر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں فرمایا کہ جب تم اللہ پر ایمان لاؤ تو فرض ہے کہ اس کی تمام صفات پر ایمان لاؤ۔ کیونکہ ہم ان پر بھی ایمان لائے جو ہمارے علم میں ہیں اور ان پر بھی ایمان لائے جو ہمارے علم میں نہیں کیونکہ وہ ذات لامحدود ہے۔ اس کی صفات بھی لامحدود ہیں اور اس کا علم بھی لامحدود۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں پس اب اللہ تعالیٰ کا مرئی اور غیر مرئی ہونا بھی انہی صفات میں سے ہے۔

اس تواتر حدیث کے مطابق اللہ کی تمام صفات پر جو علم میں ہوں اور جو علم میں نہ ہوں، سب پر ایمان لائے۔ یہ کہے کہ اے اللہ! جو تیری صفات میرے علم میں ہیں ان پر بھی ایمان لایا اور جو میرے علم میں نہیں ان پر بھی ایمان لایا۔ اب اللہ کے علم ازلی و کلام ازلی کے متعلق دلائل قاطع و براہین ساطع سے ثابت ہو گیا۔ پس فقیر کہتا ہے کہ تفسیر خزینۃ القرآن ہی اصل قرآن کی تفسیر سمجھنے کی حقیقت ہے قرآن کو اسی تفسیر سے سمجھو۔ امام فخر الدین رازی و امام غزالی و امام بغوی صاحب تفسیر طبری بھی یہی ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ قرآن کی تفسیر اصل خزینۃ القرآن و تفسیر امام باقر ہیں۔ مسئلہ مذکورہ پیچیدہ تھا۔ آپ نے تواتر سے احادیث بیان کیں۔ آگے بھی کافی بحث موجود ہے۔

تیسرا مسئلہ:

انّ الذین کفرُوا جمع کا صیغہ ہے۔ اس پر لام تعریف داخل ہے بظاہر استغراق مراد نہیں کہ کافی مشرکین مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اس سے فقیر کو معلوم ہوا کہ کبھی اللہ کے کلام ازلی میں عام سے خاص مراد ہوتا ہے تو اس طور پر رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ظاہری طور پر اس بات کا قرینہ ہے کہ عام سے خاص مراد ہے۔ ایسے قوت میں کچھ قبیلیں لازم آتی ہیں نہایت عمدگی سے مقصد ظاہر ہو جاتا ہے اس کی مثال یہ ہے کہ جیسے کسی شخص کے ایک شہر میں کچھ لوگ دشمن ہوں اور وہ شخص کہے کہ لوگ مجھ کو تکلیف دیتے ہیں تو ہر شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ اس کلام سے اس کی یہ مراد نہ ہوگی کہ تمام دنیا یا شہر کے تمام لوگ ایذا دیتے ہیں مگر صرف وہی لوگ ہوں گے جو دشمن ہیں۔ یہ اس لئے ایسا ہوتا ہے کہ عام بول کر خاص کا مراد لینا جائز ہے اگر اس کلام کے ساتھ بیان نہ پایا جائے بلکہ یہ اس کے نزدیک ہے جو خطاب کے وقت سے بیان تخصیص کے مؤخر ہونے کی تجویز کرتا ہے۔ جب یہ ثابت ہو گیا تو لازم آتا ہے کہ عام کے صیغوں سے قطعی طور پر تمام افراد کا مراد لینا ممکن نہیں ہے اس واسطے کہ اس سے کوئی خاص فرد ہونے کا احتمال موجود ہے آنحضرت ﷺ کے زمانے میں اس امر کا قرینہ ظاہر طور پر موجود تھا جس سے وہ خاص سمجھ میں آ سکتا تھا لہٰذا اس طرح سے مراد لینا بھی خوب ہو گا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر یہ قرینہ پایا جاتا تو ہم کو بھی معلوم ہو جاتا فقیر کو تو اس قرینے کا ہونا ثابت نہیں ہوا۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ قرینہ نہیں ہے مگر یہ کلام کمزور ہے اس واسطے کہ کسی چیز کے موجود ہونے پر استدلال کرنا ایسی ضعیف دلیل ہے جس سے پورے طور پر گمان نہیں ہوتا۔ چہ جائیکہ قطعی طور پر یقین ہو۔ اس سے ثابت ہوا کہ معتزلہ کے وعیدات کے عام ہونے سے ہر شخص کے لئے وعید کے یقین ہونے پر استدلال کرنا نہایت درجہ ضعیف ہے۔ انّ الذین کفرُوا جمع کا صیغہ ہے۔ اسی طرح لَا یُؤْمِنُونَ بھی جمع کا صیغہ ہے جب ایک جمع دوسری جمع کے مقابل ہوتی ہے اور اس کا ہر ہر فرد دوسری کے ہر ہر فرد کے مقابل ہوتا ہے اور لَا یُؤْمِنُونَ کے معنی یہ ہوں گے کہ کوئی فرد ایمان نہ لائے گا اور اس تقدیر کی ضرورت ہوگی جس کو فقیر بیان کر چکا ہے۔

چوتھا مسئلہ:

Marfat.com

اہل تفسیر کا اس بات میں اختلاف ہے کہ ان الذین کفروا سے کون مراد ہے۔ بعض مفسرین کے نزدیک اس سے رؤسا یہود مراد ہیں جن کو مسلمانوں کے ساتھ سخت دشمنی تھی جن کے حق میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یکتمون الحق و هم یعلمون۔ یعنی وہ جان بوجھ کر حق کو چھپاتے ہیں۔ یہ حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے بعض کہتے ہیں کہ اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا سے مراد مشرکین کا ایک گروہ ہے۔ مثلاً ابولہب، ابوجہل اور ولید بن مغیرہ وغیرہ۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے معجزات دیکھنے کے بعد بھی آنحضرت ﷺ کا انکار کیا۔ اور کہتے تھے کہ جس چیز کی طرف تو ہمیں بلاتا ہے اس سے ہمارے دل پردوں میں ہیں اور حضور ﷺ اس بات کے حریص تھے کہ آپ کی سب قوم ایمان لے آئے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس طمع کو قطع کرنے کے لئے سرکار دو عالم ﷺ کو مطلع فرما دیا کہ وہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے تاکہ آپ کو انتظار کی زحمت نہ کرنی پڑے۔ یعنی مثل مشہور ہے کہ جس طرح ایک چیز کے مل جانے سے راحت ہوتی ہے اسی طرح جب کسی چیز سے ناامیدی ہو جائے تب بھی اس قسم کی راحت نصیب ہوتی ہے۔ اس آیت کے شان نزول میں امام رازیؒ کے دلائل بیان ہو چکے ہیں۔ صاحب خزینۃ القرآن نے اس آیت کے شان نزول میں پچپن (۵۵) احادیث بحوالہ امام باقرؓ بیان فرمائی ہیں جن میں سے چند عرض کروں گا فرماتے ہیں مجموعہ احادیث عبداللہ بن عمرؓ اور ابن عباسؓ کی تفسیر میں حضرت علیؓ لکھتے ہیں کہ میں ابوبکرؓ، عمر فاروقؓ اور عبیدہ بن صامتؓ پہلے مسجد میں آئے تو رسول اللہ ﷺ کے پاس پہلے سے کافی لوگ موجود تھے اور آپ اس بات کا غم کر رہے تھے کہ میری قوم کے لوگ اور یہ رؤسا یہود ایمان کیوں نہیں لاتے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کی کہ آپ پریشان نہ ہوں۔ حالانکہ وہ آپ کے عظیم معجزات دیکھ چکے ہیں اور حضرت علیؓ کی نماز کے لئے سورج کو واپس ہوتا ہوا دیکھ چکے ہیں تب بھی وہ ایمان نہیں لائے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے یہ الفاظ کہنے پر یہ آیت نازل ہوئی تو ہم اس آیت کو سن کر بہت خوش ہوئے اور حضرت علیؓ بھی خوش ہوئے۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ یہ آیت مدینہ منورہ میں نازل ہوئی۔ فرماتے ہیں کہ ایک سوال ہے کہ حضرت علیؓ کی قضائے نماز کا واقع وقوع ہو چکا تھا کہ یہ آیت نازل ہوئی چنانچہ سورہ بقرہ تمام تر مدینہ منورہ میں نازل ہوئی۔ امام باقرؓ بھی یہی فرماتے ہیں اور کافی مفسرین نے اس بات پر اتفاق کیا ہے۔ دوسری حدیث اس ضمن میں حضرت علیؓ کے مجموعہ سے ہے کہ حضور ﷺ نے ابولہب، ابوجہل اور ولید بن مغیرہ کو اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے کہا کی ہم مان تو لیں لیکن ہمارے دلوں پر پردے ہیں پھر ہم سردار مکہ ہیں ابولہب نے کہا کہ تو میرا بھتیجا ہے اور کیا میں بھائی کے بیٹے کی پیروی کروں۔ لوگ کیا کہیں گے۔ آئندہ کے لئے ہمارے بارے میں ایسا خیال نہ رکھنا۔ فرماتے ہیں کہ تمام باتیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ آیت مبارکہ انہیں کے حق میں نازل ہوئی اور یہود بھی شامل ہیں۔ ایک تیسری حدیث اور بیان کرتے ہیں خواجہ حسن بصریؒ کی روایات اور ابن عباسؓ اور امام باقرؓ کی تفاسیر سے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت جعفر طیارؓ اپنے گھر سے مسجد کی طرف آتے ہوئے حضور ﷺ سے راہ میں ملاقات ہوئی تو آپ نے میرا ہاتھ پکڑا اور اپنے ساتھ مسجد میں لائے۔ مسجد میں حضرت ابوہریرہؓ موجود تھے آپ ﷺ بیٹھ گئے پھر آہستہ آہستہ لوگ آنا شروع ہوئے۔ سب کے بعد حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ آئے۔ ان کے آنے سے پہلے سرکار ﷺ فرما رہے تھے کہ میں نے ابولہب، ابوجہل اور ولید بن مغیرہ کو دعوت اسلام بھیجی ہے اور انہوں نے سخت انکار کیا ہے تو چاروں صحابہؓ بھی آموجود ہوئے۔ انہوں نے یہ بات سنی تو ان میں سے حضرت عمرؓ بولے یا رسول اللہ آپ ﷺ نے ان کو بڑے بڑے معجزات دکھائے ہیں۔ چاند دو ٹکڑے ہوا، حضرت علیؓ کی قضائے نماز پر سورج واپس ہوا ہے تب بھی انہوں نے نہیں مانا تو اب کہاں مانیں گے۔ حالانکہ آپ ﷺ کے سوا کوئی ایسے معجزے نہیں دکھا سکتا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ غزوہ بدر سے کچھ پہلے نازل ہوئی۔ اس دوران میں حضرت عمرؓ کے ان الفاظ کے کہنے پر کافی احادیث موجود ہیں۔ اور مذکورہ حدیث تو ہے۔ اب چند مسائل پیش خدمت ہیں۔

پہلا مسئلہ:

سَوَآءٌ اسم ہے۔ بمعنی استوا اور برتری کے جس طرح مصدر کو صفت کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ اسی طرح یہاں بھی وہ صفت واقع ہوا ہے۔ علیٰ ھذا القیاس دوسرے مقام پر استواء کہا ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَوَآءٌ کے معنی یہ ہیں کہ کافروں کے لئے تیرا ڈرانا یا نہ ڈرانا برابر ہے۔

دوسرا مسئلہ:

سَوَآءٌ کو رفع کے ساتھ پڑھنے میں دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ اِنَّ کی خبر ہونے کی وجہ سے اس کو رفع ہے۔ اور ءَ اَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ قوم رفع میں ہے۔ گویا اصل عبارت یوں ہے اِنَّ الَّذِیْنَ کافروا مستو علیهم انذراك وعدمه معلوم ہوا کہ دونوں قولوں میں سے صاحب خزینۃ القرآن فرماتے

Marfat.com

ہیں کہ دوسرا قول بہتر ہے جسے امام باقرؒ نے اختیار کیا ہے اور اکثر مفسرین نے اسے پسند فرمایا ہے۔ سواء اسم ہے اور اسے قائم مقام فعل کے طور پر استعمال کرنا ظاہر کے خلاف ہے اور قائم مقام کرنے کی ضرورت بھی نہیں اور بلاضرورت خلاف ظاہر کے کرنا روا نہیں ہے۔

تیسرا مسئلہ:

اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ فعل مسند الیہ نہیں ہوتا لیکن بعض نے اس پر چند وجوہ سے اعتراض کیا ہے۔ جو حسب ذیل ہیں۔

(۱) یہ کہ انذرتھم ام لم تنذرھم فعل ہے اور سواء علیھم اس کی خبر واقع ہے یعنی یہاں فعل مسند الیہ اور مخبر عنہ واقع ہو گیا۔

(۲) فعل کی خبر بیان کر سکتے ہیں کہ وہ فعل ہے۔ پس فعل مخبر عنہ ہو گا اگر کوئی یہ کہے کہ فعل کا لفظ مراد ہو گا معنی مراد نہ ہوں گے۔ مثلاً کوئی یہ کہے کہ فعل ضرب فعل ہے اور اس سے ضرب کا لفظ مراد ہوتا ہے معنی مراد نہیں ہوتے اور لفظ اسم ہے پس فعل کا مسند ہونا لازم نہیں آتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر لفظ مراد ہو اور خود فعل مراد نہ ہو تو یہ کہنا غلط ہو گا کہ وہ فعل ہے کیونکہ لفظ اسم ہی فعل نہیں ہے اور تحقیق یہ ہے کہ ضرب فعل جسے فعل لیا گیا ہے در حقیقت اسم ہے اور اگر فعل ہے تو فعل مخبر عنہ اور مسند الیہ ہو گا۔

(۳) جب ہم کہیں گے کہ فعل مخبر عنہ نہیں ہوتا اور اس کلام میں فعل مخبر عنہ ہو گیا اگر یوں کہیں کہ فعل مخبر عنہ نہیں ہوا بلکہ اس سے اسم مراد ہے تو لازم آئے گا کہ یہ کلام ہی غلط ہے۔ پھر لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ فعل مخبر عنہ ہو سکتا ہے تو اس بات کی کیا ضرورت ہے کہ ظاہر کے خلاف تاویل کی جائے اور خواہ مخواہ یہ کہیں کہ فعل مخبر عنہ نہیں آتا۔

چوتھا مسئلہ:

صاحب کشاف نے بیان کیا ہے کہ اَم اور ہمزہ خاص استفہام کے لئے موضوع کئے گئے ہیں مگر یہاں ان کو استفہام کے معنی سے بالکل خالی کر دیا گیا ہے۔ سیبویہ نے یہ کہا ہے کہ یہاں استفہام کی صورت ہے مگر استفہام مراد نہیں جس طرح اللھم اغفرلنا سیّئاتنا میں ندا کی صورت ہے ندا کے معنی مراد نہیں ہیں۔ یعنی اے اللہ ہمارے گناہ معاف فرما دے۔

پانچواں مسئلہ:

ءَاَنْذَرْتَھُمْ کے اندر چھ قرائتیں ہیں۔ صاحب خزینۃ القرآن بحوالہ امام باقرؒ اور امام رازیؒ فرماتے ہیں۔ ایک یہ کہ دو ہمزوں کے ساتھ پڑھیں اور ان دونوں کے درمیان الف ہو۔ دوسری یہ کہ درمیان میں الف نہ ہو۔ تیسرے یہ کی پہلے ہمزہ قوی اور دوسری بین بین ان کے درمیان میں الف ہو۔ چوتھے یہ کہ درمیان میں الف نہ ہو۔ پانچویں یہ کہ حرف استفہام کو دور کر دیا جائے۔ چھٹے یہ کہ ہمزہ استفہام کو دور کر کے ماقبل کے ساکن کو حرکت دے دی جائے۔ لا یومنون کے متعلق تفسیر امام رازیؒ کے اندر دو مسئلے ہیں لیکن صاحب خزینۃ القرآن نے پانچ سو بیان کئے ہیں۔

چھٹا مسئلہ:

اس میں مزید دو مسئلے ہیں یہ دونوں بھی خزینۃ القرآن سے اخذ ہیں۔

(۱) صاحب کشاف نے خزینۃ القرآن سے بحوالہ امام باقرؒ اخذ کیا ہے یا تو یہ کہ ماقبل کے جملہ کے لئے تاکید ہے یا ان کی خبر ہے اور ماقبل کا جملہ معترضہ ہے۔

(۲) اہل سنت نے اس آیت سے جو آیات اس کی مثل ہیں یعنی ان میں سے زیادہ کے اوپر ہمارا قول ثابت ہو گیا ہے۔ پس وہ ایمان نہ لائیں گے چھوڑ دو مجھ کو اور اس شخص کو جسکو میں نے پیدا کیا یعنی میں عنقریب ان کو چھوڑ دوں گا اللہ کی طرف سے بشر کو ان چیزوں کا حکم ہو سکتا ہے اس کا بیان یہ ہے کہ اللہ نے جب ایک شخص کی نسبت فرما دیا کہ وہ ہرگز ایمان نہ لائے گا اب اگر وہ ایمان لے آئے تو اس خبر اور بیان کا کاذب ہونا لازم آتا ہے۔ اور کذب سب کے نزدیک فعل قبیح واقع ہوا ہے جو جہل اور جہالت کا مستلزم ہے اور یہ دونوں باتیں جناب باری تعالیٰ کے حضور محال ہیں۔ جس چیز سے محال لازم آتا ہو وہ چیز خود محال ہوتی ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں پس اس شخص سے ایمان کا صادر ہونا محال ہوا اور اس کے لئے ایمان کا حکم دینا تکلیف دہ ہے اور خبر دی ہے کہ وہ ہرگز

Marfat.com

ایمان نہیں لائیں گے۔ ظاہر ہے کہ ایمان کے اندران تمام چیزوں کی تصدیق ضروری ہے جن کی اللہ نے خبر دی ہے۔ منجملہ ان چیزوں کے جن کی اللہ نے خبر نہیں دی۔ جب ان لوگوں کو ایمان لانے کا حکم دیا گیا تو گویا اس بات کا بھی حکم دیا کہ ایمان نہ لانے کا یقین کریں یہ بات محال ہے کیونکہ اس میں نقص لازم ہے۔ اللہ نے کفار کی مذمت فرمائی ہے جس طرح کہ اللہ نے خبر دی ہے وہ اس کے خلاف کر کے دکھانا چاہتے تھے یعنی اللہ کی بات کو بدلنا چاہتے تھے۔ جس چیز کے نہ ہونے کی خبر اللہ نے دی اس چیز کے عمل میں لانے کا ارادہ کرنا اللہ کی بات کے بدلنے کا ارادہ کرنا ہے اور یہ امر حرام ہے۔ اس طرح جہاں بھی دیکھو کہ اللہ نے ان کی نسبت خبر دی ہے کہ یہ ہرگز ایمان نہ لائیں گے پھر اگر ایسے وقت میں وہ ایمان کا ارادہ کریں تو وہ ازلی کلام الٰہی کے بدلنے کا ارادہ ہوگا۔ اور وہ حرام ہوگا اگر ایمان کا ارادہ نہ کریں تو بھی امر الٰہی کی مخالفت ہوگی۔ پس وہ لوگ ہر حالت میں مذمت میں ہیں خواہ ایمان کا ارادہ کریں یا نہ کریں۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں ہمارے دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ کو کسی کے عدم ایمان کا علم ہو تو یہ علم یا خبر اس کے ایمان کا مانع نہ ہوگا۔ دوسرا امر یہ ہے کہ مستقل طور پر اس کا عقلی جواب کیا ہے۔ پہلے امر کی نسبت وہ کہتے ہیں کہ اس کا ثبوت کئی وجہ سے ہوسکتا ہے۔ مثلاً

(۱) یہ کہ قرآن میں کثرت کے ساتھ اس قسم کی آیات موجود ہیں کہ کوئی چیز کسی کے ایمان کے لئے مانع نہیں صاحب بن عباد نے اس باب میں ایک فصل میں بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو ایمان سے منع کر چکا ہے تو پھر ایمان کا حکم کیوں دیتا ہے جب کفر پر برانگیختہ کر چکا تو پھر کفر سے منع کیوں فرماتا ہے جب انہیں ایمان سے روگردان کر دیا تو پھر کیوں فرماتا ہے کہ اَنّٰى تُؤْفِكُوْنَ۔

(۲) اور حق اور باطل کو جب ان کے اندر بہتان پیدا کر دیا تو پھر کیوں فرماتا ہے اَنّٰى تُؤْفِكُوْنَ ۔ اسی طرح کفر کو پیدا کر کے کیوں فرماتا ہے لِمَ تكفرون اور حق و باطل کے مخلوط کرنے کی صفت ان کے اندر پیدا فرما کر کیوں فرماتا ہے لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ اور راہِ راست سے روک کر ان کو کس لئے فرماتا ہے لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۔ پس اگر اللہ کا ان کے کفر کے ساتھ عالم ہونا اور ان کے کفر کی خبر دینا۔ ان کے لئے ایمان سے مانع ہوتا تو یہ ان کے لئے بہت بڑا عذر ہو جاتا اور عذاب کے رفع کرنے کا بڑا قوی ذریعہ ہوتا۔ جب یہ بات نہیں ہے تو ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کا اس بات کی خبر دینا، اس بات کو جاننا کہ ایمان نہیں لائیں گے ایمان کے مانع نہیں ہے۔

(۳) اللہ نے کفار کے حال میں سورہ السجدہ میں بیان فرمایا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ ۔ اور یہ بات اللہ نے مذمت کے طور پر بیان فرمائی ہے پس اگر اللہ کا علم ایمان لانے کے لئے مانع ہوتا تو یہ قول سچا ہوتا اور مذمت کے قابل نہ ہوتا۔

(۴) اللہ نے ان کی مذمت اور ان کی شناخت کا حال بیان کیا ہے پس اگر وہ ایمان پر قادر نہ ہوتے تو کسی طور پر مذمت کے قابل نہ تھے بلکہ وہ کفر میں معذور ہوتے جس طرح کہ نابینا آدمی چلنے پھرنے سے معذور ہوتا ہے۔

(۵) قرآن کریم اللہ نے اس لئے نازل فرمایا کہ منکرین پر اسلام کی حجت قائم ہو نہ یہ کہ اللہ اور رسول پر منکرین کی حجت قائم ہو جائے اور یہاں بھی قباحت لازم ہے اس لئے اگر علم اور خبر ایمان سے مانع ہوتو منکر لوگ یہ کہہ سکتے ہیں کہ جب تجھ کو ہمارے کفر کا علم تھا اور تو نے ہمارے کفر کی خبر دی تھی تو ہم کو ایمان لانا محال تھا۔ پھر ہم سے کس لئے محال چیز کا مطالبہ اور اس کا حکم ہوا۔ اور یہ خرابی اس وقت لازم آتی ہے کہ علم اور خبر ایمان ایمان کا مانع ہو۔

(۶) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ اور اگر باوجود ایسی چیز کے جو ایمان سے مانع ہو اللہ کا کسی کی طرف ایمان کی خبر دینا اور اس بات کا علم ہونا ایمان سے مانع نہیں ہے۔

دوسرا امر:

اس بات پر کئی دلیلیں موجود ہیں کہ علم بعدم الایمان ایمان کے مانع نہیں ہے اگر ایسا ہوتا تو باری تعالیٰ کا عجز لازم آتا ہے۔ اس لئے چیز کے واقع ہونے کا اللہ کو علم ہے۔ اس کا پایا جانا منع ہے اور واجب مقدور نہیں آتا۔ اس لیئے کہ جب وہ واجب الوقوع ٹھہرا تو قدرت کا پایا جانا اور نہ پایا جانا یکساں ہے۔ جب ایسا ہو تو قدرت کو اس میں اثر نہ ہوا۔ پس لازم آیا کہ اللہ کو کسی چیز پر قدرت نہ ہو اور یہ بات بالاتفاق کفر ہے پس اس سے ثابت ہو گیا کہ علم بعدم الشئ ہے اس کے لئے امکان

Marfat.com

موجود کا مانع نہیں ہے۔

(۲) علم کا تعلق معلوم کے ساتھ اور امر کے مطابق ہوتا ہے اگر معلوم ممکن ہوتا تو علم کے اندر بھی وہ ممکن ہوتا ہے اگر واجب ہوتا تو علم کے اندر بھی واجب ہوتا ہے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ ایمان وکفر اپنی ذات کے اعتبار سے ممکن ہیں پس اگر علم کی وجہ سے واجب الوجود ہو جائیں تو معلوم کے اندر علم کا موثر ہونا لازم آتا ہے۔ یہ امر باطل ہے۔

(۳) اگر خبر اور علم مانع ہو تو لازم آتا ہے کہ بندہ کسی چیز کے اوپر قادر نہ ہو اس لئے کہ جس چیز کے واقع ہونے کا اللہ کو علم ہے اس کا پایا جانا واجب ہو گا جس چیز کے عدم کا علم ہے اس کا پایا جانا منع ہو گا پس لازم آیا کہ بندہ کسی چیز پر قادر نہ ہوا اور اس کی تمام حرکات وسکنات جمادات کی طرح ہوں گی مگر ہم ظاہر طور پر جانتے ہیں کہ ان دونوں میں بہت فرق ہے دیکھو اگر کسی شخص نے اینٹ مار کر کسی دوسرے کو زخمی کر دیا تو اینٹ پر کوئی ملامت نہیں کرتا بلکہ پھینکنے والے پر ملامت کرتے ہیں اگر علم بالعدم وجود کا مانع ہو تو لازم آتا ہے کہ اللہ نے کفار کو جو حکم دیا ہے کہ ایمان لاؤ اس کے یہ معنی ہوئے کہ اللہ کے علم کو معدوم کر دو اور جس طرح اللہ کی ذات کا علم محال ہے اسی طرح اس کے علم کا معدوم ہونا محال ہے اور بندوں کو اس کے معدوم کرنے کا حکم دینا بے وقوفی میں داخل ہو جائے گا حدیث تواتر سے ہے صاحب خزینۃ القرآن بحوالہ امام باقر درج کرتے ہیں اور صاحب تفسیر طبری کے مطابق صحابہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے صفات اللہ تعالیٰ کے بارے میں خطبہ دیا فرمایا اللہ کی ذات ازلی وابدی ہے اس کے لیے عدم محال ہے بلکہ اس نے عدم العدم کو پیدا فرمایا اس کا علم ازلی وابدی ہے اس کے علم کو عدم سمجھنا محال ہے عدم العدم کا علم اس کے علم کے سامنے ایسے ہیں جیسے سمندر سے ایک قطرہ پانی اس کا علم ازلی وابدی ودائمی ہے اس کا ازل ایسا ہے جو دائمی ہے اس کا ابد دائمی ہے اس کا کلام بھی اپنے ہی ازلی وابدی ودائمی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اُکُلُهَا دَائِمٌ جیسے اسکی چیزیں دائمی ہیں تو وہ ذات خود دائمی ہے فرمایا اس کا علم کیسے معدوم ہو سکتا ہے علم اس کی ذاتی صفت حقیقی ہے جیسے وہ ازلی وابدی ہے اور دائمی ہے بیشک اس کا علم وکلام ازلی وابدی دائمی ہے اس طرح کا خیال کرنا کہ اس کا علم عدم ہے تو پھر یہ لازم آئے گا کہ وہ بھی اپنے میں پہلے علم کو پیدا کرتا ہے فرمایا یہ خیال باطل ہے اور کفر ہے اگر ایسا خیال کیا جائے تو پھر کئی رب ہو سکتے ہیں فرمایا کہ وہ اس سے پاک ہے وہ ذات ازلی وابدی ودائمی ہے اسکا علم بھی ازلی وابدی ودائمی ہے آپ نے یہ آیت پڑھی هُوَ الْاَوَّلُ فرمایا وہ ایسا ازلی اول ہے کہ اس کے سوا کوئی ازلی اول نہیں اور وہ ایسا ابدی ہے کہ اس کے بعد کوئی دائمی وابدی نہیں جیسا کہ وہ حدیث قدسی میں فرماتا ہے کہ میں جیسے ذات ازلی وابدی ودائمی ہوں ویسے ہی میرا علم ازلی وابدی ودائمی ہے۔ میرا علم لامحدود ہے عدم العلوم اور عالم کو میں نے ہی وجود دیا اسکا علم میرے علم ازلی وابدی ودائمی کے سامنے ایسے ہے جیسے سمندر سے ایک بوند پانی۔ پھر اللہ فرماتا ہے كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ۔ عالم کی ہر شے ہلاک ہو جائے گی مگر اسکی ذات باقی رہے گی۔ تو علم کا تعلق ذات سے ہے پھر اس کے علم کے معدوم کے بارے میں خیال کرنا کفر ہے اس بات پر سب کا اتفاق ہے۔

(۴) ایمان فی نفسہ ایک ممکن جائز چیز ہے پس ضروری ہے کہ اللہ کو اس کے ممکن ہونے کا علم ہو ورنہ جہل آئے گا۔ یہ بات جناب باری کے حضور میں محال ہے۔ جب اللہ کو اسکے ممکن ہونے کا علم ہوا تو اسکا وجود اور عدم ہرگز منع نہیں ہو سکتا۔ پس اگر علم کی وجہ سے ایمان کا وجود واجب ہو جائے گا تو لازم آتا ہے کہ ایک ہی چیز ممکن بھی ہو اور ناممکن بھی یہ بات محال ہے۔

(۵) محال چیز کا حکم دینا بے وقوفی ہے پس اگر شرع کے اندر ایسے امور پائے جائیں تو لازم آتا ہے کہ جیسے بے وقوفی کے امور میں سب کا شرع کے اندر پایا جانا جائز ہو۔ مثلاً نبی کاذب کے ہاتھ پر معجزے کا ظاہر ہونا یا جھوٹی اور باطل چیزوں کا نازل ہونا محقق نہ ہو۔ اس تقدیر پر انبیاء کی نبوت اور قرآن کی حجت سے ایمان جاتا ہے بلکہ ہو سکتا ہے اگر اس امر کو ممکن بنایا جائے تو کافی خدشات لازم آئیں گے جو محال ہیں۔

(۶) اگر اس صورت میں امر کا با محال ہونا جائز ہو تو لازم آتا ہے کہ امت کے لئے اس حکم کا وارد ہونا قرآن میں اعراب لگائے یا بے دست و پا کے لئے اس حکم کا وارد ہونا جائز ہو تو ہوا میں اڑے یا جس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر پہاڑ کی چوٹی سے گرایا گیا ہو۔ اس سے یہ کہنا روا ہو کہ تو اڑ یوں نہیں اڑتا جب یہ سب چیزیں ناروا ہوں تو معلوم ہو گیا کہ امر بالمحال روا نہیں ہے اور یہ بھی ثابت ہو گیا کہ امر بالعدم وجود کا مانع نہیں۔

(۷) اگر ایسے امور کا حکم دینا ہو جو بندوں کے اعتبار سے ناجائز ہو تو لازم آتا ہے کہ جمادات کی طرف انبیاء کا بھیجنا ان کے اوپر کتابوں اور فرشتوں کا تبلیغ احکام کے

Marfat.com

لئے یکے بعد دیگرے نازل کرنا یہ سب امور روا اور ظاہر ہیں۔ یہ دین کے ساتھ مذاق ہے۔

(۸) اگر کسی چیز کے وجود کا علم اس چیز کے واجب ہونے کا مقتضی ہو اور پھر قدرت اور ارادہ کی ضرورت نہ رہے بلکہ یہی علم اس کے وجود کے لئے کافی ہو جائے۔ تو اس سے لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ قادر مرید نہ ہوا۔

(۹) قرآن کریم کی آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ جو چیز بندے کے اختیار سے باہر ہے اللہ تعالیٰ اس کا حکم نہیں دیتا۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کسی نفس کو مشقت میں نہیں ڈالتا مگر اسکی طاقت کے موافق۔

تیسرا امر:

اسکا جواب مفصل طور پر یہ ہے کہ معتزلہ نے اس کے دو جواب دیئے ہیں۔ ابوعلی، ابوہاشم اور قاضی عبدالجبار نے جواب دیا ہے کہ ہم نے جو کہا تھا اگر معلومات الٰہی کے خلاف وقوع میں آئے تو علم کا منقلب بجہل لازم آئے گا جو محال ہے۔ یہ بات غلط ہے کہ منقلب بجہل نہیں ہوتا بلکہ دونوں باتوں سے زبان کو باندھ دیا جائے۔

(۲) کسی نے جواب دیا اور ابوالحسنین بصری نے یہی اختیار کیا ہے وہ یہ ہے کہ علم درحقیقت معلوم کے تابع ہوتا ہے۔ پس اگر فرض کریں کہ کسی بندے سے ایمان واقع ہو تو اس بات کو جان لینا چاہئے کہ اللہ کو ازل میں اس کے ایمان کا علم تھا۔ وہ جب ایمان کو خود پیدا کرتا ہے تو اس کے علم میں کیسے نہ ہو۔ یہی حدیث گزر چکی ہے کہ اللہ کا علم لامحدود ازلی وابدی ودائمی ہے صاحب خزینۃ القرآن امام محمد باقر اور کافی مفسرین کے حوالے سے اس حدیث کو بیان کر کے فرماتے ہیں کہ جو کوئی معتزلہ کی ایسی بات کو سنے اور معتزلہ ایسی باتیں کریں اللہ کے علم لامحدود ازلی وابدی ودائمی کے متعلق تو اس پر نقص لازم آئے گا فرماتے ہیں کہ واجب القتل اور مرتد اور کافر ہیں جو بادشاہ ان کو قتل نہیں کرتا وہ خود واجب القتل ہے فرمایا۔ میری اس صدی میں رسول اللہ میرے نانا جان کے زمانہ کو صرف ۲۵۰ سال گزرے ہیں اور یہ فتین لوگ کھڑے ہو گئے۔ کبھی اللہ کے کلام ازلی پر شک کرتے ہیں کبھی اللہ کے علم لامحدود پر باتیں کرتے ہیں جو اللہ کے علم لامحدود ازلی کو قرآن نے ثابت کیا ہے اور طرح طرح کی من گھڑت تاویلیں کرتے ہیں میرے نانا جان رسول اللہ ﷺ مجھے فرماتے ہیں کہ بیٹا ان خبیثوں کو جواب دو کہ ہم اللہ کے علم ازلی وابدی اور دائمی لامحدود کو بلا طلب دلیل مانتے ہیں جو قرآن سے ثابت ہے اور تمھارے یہ عقلی دلائل سب کفر ہیں جو تمھیں جہنم میں لے جائیں گے صاحب تفسیر الاقوی نے کعبی کو اہل تفسیر سے نکال دیا ہے جو ان کی باتوں کو سنے اور کرے وہ کافر ہے یہی فرض حقیقی ہے کہ ہم اللہ کو ازلی وابدی ودائمی جانیں اور اس کے کلام وعلم لامحدود کو ازلی وابدی ودائمی مانیں فرض کریں کہ بجائے ایمان کے اس سے کفر واقع ہوتا ہو تو جان لینا چاہیے کہ ازل میں بجائے ایمان کے اس کے کفر کا علم تھا بس یہاں ایک علم کا دوسرے علم کے عوض فرض کرنا ہوگا۔ علم کا تغیر نہ ہوگا اللہ کا علم کیسے تبدیل ہو سکتا ہے وہ تو دائمی اور ازلی ہے یہی کچھ قرآن ہے جس کو محمدؐ لے کر آئے وہ اس طرح سے طعن کرتے ہیں کہ حق آیات سے معتزلہ نے استدلال کیا ہے کہ علم اور خبر ایمان واطاعت کا مانع نہیں ہے یہ قرآن وہ قرآن نہیں ہے جو محمدؐ لے کر آئے اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر وہی قرآن ہوتا تو یہ اختلاف جو جبریہ اور قدریہ میں ہے، واقع نہ ہوتا ایک اور گمراہی یہ ہے کہ فرقہ کرامیہ جو نظر واستدلال پر طعن کرتا ہے اس نے اس مناظر سے حجت پکڑی ہے کہ اگر دلائل عقلیہ کے اوپر اعتماد کرنا جائز ہو تو نبوت میں نقصان لازم آتا ہے اسواسطے کہ فرقہ جبریہ نہایت مدلل طور پر جبر کو ثابت کر رہا ہے کہ اگر یہ جبر ثابت ہو جائے تو تکلیف بالکل باطل ہو جاتی ہے اور فرقہ قدریہ مدلل طور پر قدر ثابت کر رہا ہے غرضیکہ دونوں کے مجموعہ کلام سے تکلیف اور نبوت میں بہت بڑا شبہ پڑتا ہے اس سے ثابت ہو گیا کہ عقلیات کی طرف رجوع کرنے کا انجام امام رازی فرماتے ہیں کفر اور گمراہی ہے اور فقیر کا خیال بھی یہی ہے لوگوں کے استدلالات کافی ہیں کیونکہ فقیر بیان کر چکا ہے کہ علم بالعدم اسوقت ہوگا جب شے کا عدم ہو اگر اس کے ساتھ وجود بھی پایا جائے تو ایک وقت میں عدم اور وجود کا اجتماع لازم آئے گا اور عقل کے اندر اس سے زیادہ واضح تقریر کلام کی جس کے اندر مقدمات بھی کم ہوں گنجائش نہیں ہے اور کعبی کا قول نہایت ضعیف ہے اس واسطے کہ اگرچہ ہم کو معلوم نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ازل میں ان لوگوں کے وجود کا علم تھا جو عدم تھا مگر اتنا ضرور جانا چاہیے کہ ان دونوں میں ایک امر کا علم اسکو ضرور حاصل تھا اور اب بھی ہے اس باب کے اندر چند امور باقی ہیں مگر وہ اس قسم کے ہیں کہ خود مسئول ان کے اوپر قناعت کر سکتا ہے مخالف کو ان سے خاموش نہیں کر سکتے ان کا بیان کرنا بھی ضروری ہے وہ پانچ وجوہ ہیں۔

Marfat.com

نمبر ۱: وہ ہے جسے خطیبؒ نے تاریخ بغداد میں معاذ بن معاذ غبری سے روایت کی ہے اس میں بیان کیا ہے کہ میں عمرو بن جنید کے پاس بیٹھا ہوا تھا اس اثنا میں ایک شخص نے آکر ان سے کہا اے ابوعثمان اللہ کی قسم آج میں نے ایک کفر کی بات سنی ہے ابوعثمان نے اس سے کہا کہ اسے کفر نہ کہو، تو نے کیا سنا ہے اس نے کہا میں نے ہاشم اوقص کو یہ کہتے سنا ہے

تبّت یدآ ابی لهب قرآن میں داخل نہیں ہے اگر ہاشم کا قول کفر نہیں ہے تو کیا ہے؟ یہ سن کر ابوعثمان کچھ دیر خاموش رہے پھر میری طرف توجہ کر کے کہا اللہ کی قسم اگر درحقیقت ایسا ہے تو نہ ابولہب کے اوپر کچھ ملامت ہے اور نہ ولید کے اوپر اس شخص نے یہ بات سن کر کہا اے ابوعثمان کیا تم یہ کہتے ہو اللہ کی قسم یہی اس نے بھی کہا تھا پھر معاذ کہتے ہیں کہ وہ شخص مسلمان آیا تھا وہاں سے کافر بن کر گیا ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ ایک شخص نے عمرو بن عبید کے پاس آکر پڑھا: بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ٥ اس کے بعد یہ کہا مجھ کو بتاؤ کہ سورہ تبّت لوح محفوظ کے اندر تھی یا نہیں عمر نے کہا اس طرح نہیں تھی بلکہ اسطرح تھی تَبَّتْ يَدَا مَنْ عَمِلَ مِثْلَ مَا عَمِلَ بُوْ لَهَبٍ۔ اس شخص نے کہا پھر نماز میں بھی اسی طرح پڑھو یہ بات سن کر عمرو کو غصہ آ گیا اور کہا کہ اللہ کا علم میں کوئی نقصان نہیں ہے اللہ کا علم کسی کو نفع نقصان نہیں پہنچاتا اس سے ثابت ہوا کہ عمرو بن عبید کو قرآن پاک کی صحت میں تردد تھا۔

نمبر ۲: قاضی نے طبقات المعتزلہ میں ابن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر ان سے کہا اے ابوعبدالرحمٰنؓ! بعض لوگ زنا اور چوری کرتے ہیں اور شراب پیتے ہیں اور بعد میں معزز لوگوں کو قتل کرتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے حکم میں تھا لہٰذا ہم اس میں مجبور تھے یہ سن کر ابن عمرؓ کو غصہ آ گیا اور کہا سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ ٥ اگرچہ اس کے علم میں تھا کہ یہ لوگ یہ فعل کریں گے مگر اس کے علم نے ان لوگوں کو ان افعال پر برانگیختہ نہیں کیا میرے باپ حضرت عمرؓ نے مجھے بیان فرمایا ہے انھوں نے حبیب اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ کے علم کی مثال تمھاری نسبت ایسی ہے کہ جس طرح آسمان پردہ کرتا ہے جو تم پر سایہ کر رہا ہے اور زمین جو تم کو اٹھا رہی ہے۔ جس طرح تم آسمان اور زمین سے باہر نہیں جا رہے ہے اسی طرح تم اللہ کے علم سے بھی باہر نہیں جا سکتے جس طرح زمین و آسمان تم کو گناہ پر برانگیختہ نہیں کرتے اسی طرح اللہ کا علم بھی تمہیں گناہوں پر برانگیختہ نہیں کرتا یہ تفسیر امام محمد باقر میں موجود ہے اس باب میں دو حدیثیں مشہور ہیں ایک حدیث تو وہ جو صحیحین میں مروی ہے اور خزینۃ القرآن میں بھی ہے تفسیر امام باقر ابوالعالیہ۔ قتادہ۔ ابن عباس اور ابی بن کعب میں ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آدمی کی پیدائش اسطرح ہوئی ہے کہ چالیس دن تک ماں کے پیٹ میں نطفہ رہتا ہے پھر وہ علقہ ہو جاتا ہے پھر چالیس روز تک علقہ رہتا ہے پھر چالیس روز تک وقفہ رہتا ہے۔ پھر اللہ اس کے پاس ایک فرشتہ بھیجتا ہے وہ آکر اس میں روح پھونکتا ہے پھر اس کو چار باتوں کے لکھنے کا حکم ہوتا ہے: ۱۔ اسکا رزق ۲۔ اسکی عمر ۳۔ اس کے اعمال ۴۔ بدبخت ہے یا نیک بخت۔ قسم ہے اس اللہ کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ تم میں کوئی ایسا ہوتا ہے کہ جنت والوں کا کام کرتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے مابین جنت کا فاصلہ ایک گز رہ جاتا ہے پھر اس وقت اس کا لکھا ہوا سامنے آ جاتا ہے اور دوزخیوں کے کام کرتا رہتا ہے اور دوزخ میں داخل ہو جاتا ہے اور کوئی تم میں ایسا ہوتا ہے کہ دوزخیوں کے کام کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور دوزخ کے مابین ایک گز کا فاصلہ رہ جاتا ہے پھر اس وقت اس کا لکھا ہوا سامنے آ جاتا ہے اور وہ جنتیوں کے کام کر کے جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔ خطیب نے تاریخ بغداد میں اس حدیث کی نسبت عمرو بن عبیدہ سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے اعمش کو یہ کہتے ہوئے سنا تو اعمش کو جھوٹا بتلایا اگر زید بن ولید کو کہتے ہوئے سنتا تو دوستی ترک کر دیتا اگر عبیدہ بن مسعود کو کہتے ہوئے سنتا تو قبول نہ کرتا۔ اگر رسول اللہ ﷺ کو کہتے ہوئے سنتا تو اس کا جواب دیتا۔ اگر اللہ کو کہتے سنتا تو کہہ دیتا کہ اس کا تو نے ہم سے عہد نہیں لیا۔ مفسرین کے نزدیک عمرو بن عبیدہ کافر ہے۔ یہ کبھی قرآن پر شک کرتا ہے، رسول اللہ پر اور اللہ پر اعتراض کرتا ہے۔ پیچھے بیان ہو چکا ہے کہ ایمان کے کفر کے بارے میں کہ اللہ کو ان دونوں میں سے ایک کا علم ازل سے ضرور معلوم ہے۔ یہ بات بالکل کفر ہے۔ کیونکہ اللہ فرماتا ہے کہ میرا علم ازلی، ابدی، دائمی اور لامحدود ہے۔ عالم کا علم جو کچھ اس میں ہوتا ہے وہ میرے علم کے سامنے ایسے ہے جیسے سمندر میں ایک بوند پانی ہو۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ مجموعۃ الحدیث میں ہے کہ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ کے نازل ہونے کے بعد حضور ﷺ نے صحابہؓ کو اکٹھا کیا مسجد نبوی میں تمام صحابہ اکٹھے ہوئے حتیٰ کہ مدینہ سے کوئی پیچھے نہ رہا، بچے تک آئے اور مکہ کے لوگ بھی آئے ہوئے تھے حضور ﷺ نے فرمایا لوگو! سن لو۔ اللہ نے الحمد سے والناس تک اپنا کلام ازلی وابدی و دائمی مجھ پر اتارا اور میں نے تم تک پہنچا دیا اور اس میں چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ آیات ہیں۔ آپ

Marfat.com

نے فرمایا کیا تم تک پہنچ چکا ہے اور اکثر کے سینوں میں محفوظ ہو چکا ہے۔ فرمایا تم پر فرض ہے کہ اب سارے عالم میں اسے پہنچاؤ۔ یہ تم پر حقیقی فرض ہے اور فرمایا کہ اس کی ترتیب لوحِ محفوظ میں اس طرح ہے کہ بڑی سورتیں پہلے ہیں اور چھوٹی بعد میں۔ اور سورہ فاتحہ سب سے پہلے ہے کیونکہ اس میں اللہ کی حمد ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ جد امجد حضرت علیؑ نے قرآن کی چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ آیات اسی ترتیب سے جو ہم پڑھتے ہیں اپنے مجموعہ احادیث میں پورا لکھا ہے۔ الحمد سے والناس تک جس طرح آیات اتریں واقعہ کے مطابق۔ پھر فرماتے ہیں کہ قرآن کے تواتر ہونے کے متعلق یہ بڑی حدیث ہے پھر چھ ہزر چھ سو چھیاسٹھ آیات کا بھی اس میں ذکر ہے۔ پھر امام باقرؒ نے لکھا ہے۔ پھر حضور کے جانثار داماد حضرت علیؑ نے آیت کی اتباع کرتے ہوئے قرآن کو اپنی مجموعہ الحدیث میں لکھا ہے جسے حضرت عثمانؓ نے جمع کرایا تھا بعد میں لکھا۔ اور حدیث کو حضورﷺ کے زمانے میں ہی حضرت علیؑ جو سنتے تھے لکھ لیتے تھے۔ علم وہی ہے جسے لکھ لیا جائے۔

دوسری حدیث وہی ہے جس میں حضرت آدمؑ نے حضرت موسیٰؑ کے مناظر سے بیان کیا ہے۔ موسیٰؑ نے آدمؑ سے کہا کہ تم وہی ہو جنھوں نے لوگوں کو مشقت میں ڈال دیا اور ان کو جنت سے نکال دیا۔ حضرت آدمؑ نے کہا کہ تم وہ ہو نہ اللہ نے تمھیں اپنی رسالتوں اور کلام لے لئے برگزیدہ کیا اور تم پر تورات نازل کی۔ تمھاری تورات میں کیا یہ نہیں لکھا کہ اللہ نے میری تقدیر میں اسی طرح لکھا تھا۔ موسیٰؑ نے کہا ہاں بیشک تورات میں یہ موجود ہے۔ یہ حدیث امام باقرؒ، ابن عباسؓ، ابی بن کعبؓ الافوی میں ہے پس رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ اس سے آدم کی حجت موسیٰؑ پر غالب آ گئی۔ معتزلہ نے اس حدیث میں یہ چند وجوہ طعن کی ہیں۔ تفسیر یا محمد میں مذکور ہے۔

(۱) یہ کہ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ موسیٰؑ نے گناہ صغیرہ کے اوپر حضرت آدمؑ کو طعنہ دیا اس سے موسیٰؑ کا جہل لازم آتا ہے۔ یہ امر باطل ہے۔

(۲) بیٹا اپنے باپ سے اس طرح کی سخت کلامی کر سکتا ہے؟

(۳) اس حدیث میں ہے کہ موسیٰؑ نے حضرت آدمؑ سے کہا کہ تم نے لوگوں کو مشقت کر دیا ہے اور ان کو جنت سے نکال دیا ہے۔ حالانکہ موسیٰؑ جانتے تھے کہ خلقت کی بدبختی اور جنت سے یہ نکلنا حضرت آدمؑ کی طرف سے نہیں تھا بلکہ اللہ تعالیٰ نے خود حضرت آدمؑ کو جنت سے باہر کیا تھا۔

(۴) حضرت آدمؑ نے حجت بیان کی ہے کہ جو حجت ہونے کے قابل نہیں تھی۔ اس لئے کہ اگر یہ حجت صحیح ہو تو فرعون اور ہامان تمام کفار یہ حجت بیان کر سکتے ہیں۔ حالانکہ وہ معذور نہیں ہیں پس ثابت ہوا کہ یہ حجت فاسد ہے۔

(۵) رسول اللہﷺ نے آدمؑ کے قول کو صحیح قرار دیا، اسکی تصدیق کی۔ باوجودیکہ فقیر بیان کر چکا ہے کہ یہ قول خطا ہے۔ جب یہ ثابت ہو گیا تو ضروری ہوا کہ اس حدیث کو تین وجوہ میں سے ایک وجہ پر محمول کیا جائے۔

وہ تین وجوہ یہ ہیں:

(۱) رسول اللہﷺ نے یہ قول اپنی طرف سے یا اللہ کی طرف سے نہیں فرمایا بلکہ یہود کے قول کی آپ نے حکایت فرمائی ہے۔ آپ اس وقت اس قصہ کو بیان فرما رہے تھے روایت کرنے والا جس وقت وہاں آیا اس نے یہی کلام سنا۔ پہلے سے اس کو حال معلوم نہ تھا۔ مگر آپ اس کو نقل فرماتے ہیں اس واسطے وہ یہ سمجھا کہ آپ خود اپنی طرف سے فرما رہے تھے۔

(۲) فحاجَ اٰدمُ موسیٰ میں آپ نے آدم کو نصب کے ساتھ فرمایا یعنی موسیٰؑ حضرت آدمؑ پر حجت میں غالب آ گئے اور آدم کا عذر ٹھیک نہ ہوا۔

(۳) معتمد علیہ جواب یہ ہے کہ اس کے مناظرہ کے اندر حضرت موسیٰؑ کا مقصد یہ نہ تھا کہ حضرت آدمؑ کو ان کی مظاہر پر طعن دیں یا آدمؑ کا مقصود یہ نہ تھا کہ علم الٰہی سے اس کی معذرت اور اپنا بے قصور ہونا ثابت کریں بلکہ درحقیقت موسیٰؑ نے حضرت آدمؑ سے اس لغزش کا سبب دریافت کیا تھا جو ان سے واقع ہوئی اور جسکی وجہ سے وہ جنت سے باہر کئے گئے تو حضرت آدم نے گویا اس کا جواب دیا کہ جنت سے میرا باہر ہونا درحقیقت اس وجہ سے نہیں تھا بلکہ اللہ تعالیٰ نے میری نسبت ازل سے لکھ رکھا تھا جو اس کے علم ازلی ولامحدود میں تھا کہ میں جنت سے باہر ہو کر زمین پر لایا جاؤں گا اور زمین پر خلیفہ ہوں گا اور تورات میں بھی اسکا ذکر موجود تھا اس وجہ سے حضرت آدمؑ کی دلیل قوی ہو گئی اور موسیٰؑ مغلوب ہو گئے۔

امام رازیؒ کے نزدیک اس مسئلہ میں بہت کچھ گفتگو ہے اور قرآن پاک، اس سے بھرا ہوا ہے اگر اللہ کو منظور ہوا تو فقیر اس تفسیر میں اسے پورا پورا بیان کرے گا۔

صاحب خزینۃ القرآن نے اس بحث پر چار سو جواب دیئے ہیں جو امام باقرؒ کی تفسیر سے منقول ہیں، بڑے علمی ہیں۔ یہاں عرض کروں گا کہ امام رازیؒ نے حضرت آدم

Marfat.com

کے لئے خطا کا لفظ استعمال کیا ہے اور پیغمبر خطا سے پاک ہوتا ہے۔ اسکا بیان آئندہ اوراق میں کیا جائے گا۔ یہاں جس قدر بیان ہوا فقیر اسے کافی سمجھتا ہے۔ معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلی آیت میں بیان فرمایا تھا کہ آپ لوگوں کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

قال اللہ تعالیٰ:

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَ عَلٰى سَمْعِهِمْ وَ عَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ۔(۷)

(ترجمہ) مہر لگادی ہے اللہ نے انکے دلوں پر اور انکے کانوں پر اور انکی آنکھوں پر پردہ ہے۔ اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔

اب اس آیت میں ان کے ایمان نہ لانے کا سبب یہاں بیان فرمایا ہے وہ سب پر عیاں ہے کہ اللہ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے۔ یہاں چند مسائل ہیں اس سے پہلے عرض کردوں کہ یہ آیت بھی پچھلی آیت کے ساتھ نازل ہوئی۔ حضرت علیؓ اپنی مجموعہ الاحادیث میں لکھتے ہیں کہ جب سرکار ﷺ پریشان تھے تو حضرت عمرؓ نے آپ سے عرض کیا کہ آپ کوئی فکر نہ کریں تو فوراً یہ دونوں آیات نازل ہوئیں۔ فرماتے ہیں کہ ابنِ عباسؓ کی تفسیر میں بھی یہی اور اکثر و بیشتر روایات میں بھی یہی ہے اب اس پر چند مسائل ہیں۔

پہلا مسئلہ:

خَتم اور کَتم کے معنی قریب قریب ہیں۔ اس لئے جب ایک چیز کی مضبوطی اور استحکام کے لئے مہر لگادی جاتی ہے تو وہ چیز پوشیدہ ہو جاتی ہے پھر اس کے اوپر کوئی مطلع نہیں ہوسکتا اور غِشَاوَة کے معنی پردہ کے ہیں اور وہ غِشَاة سے ماخوذ ہے۔ جو لفظ اس وزن پر آیا ہے اس میں کسی چیز پر مشتمل اور محیط ہونے کے معنی پائے جاتے ہیں۔ مثلاً عصابة بمعنی پٹی اور عملہ وغیرہ۔

دوسرا مسئلہ:

اس مہر لگانے میں علماء کا اختلاف ہے جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ بندوں کے افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے ان کے مذہب کے موافق یہ امر ظاہر ہے مگر پھر انکے اس میں دو قول ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے مہر لگانے کے یہ معنی ہیں کہ کافروں کے دلوں میں اس نے کفر پیدا کر دیا۔ بعض کہتے ہیں کہ مہر لگانا یہ ہے کہ اللہ نے ان کے دلوں میں کفر کے اسباب پیدا کر دیئے اور اس قسم کا سبب پیدا کر دیا کہ جب اس کے ساتھ بندہ کی قدرت مل جائے تو وہ قدرت اس کے سبب کے ساتھ کفر کے لئے سبب موجب بن جائے۔ اسکا مفصل بیان یہ ہے کہ جس شخص کو کفر پر قدرت ہے وہ دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو وہ اس کے ترک پر قادر ہوگا یا نہ ہوگا۔ اگر ترک پر قادر نہیں تو کفر پر قادر رہو گا۔ اور یہ قدرت کفر کا موجب ہوگی۔ پس کفر پر قدرت پیدا کرنا کفر کے پیدا کرنے کا مقتضیٰ ہے اگر قادر ہے تو اس قدرت کی نسبت فعل کفر اور ترک کفر کی طرف برابری ہوگی۔ اور وہ دو حال سے خالی نہیں۔ ترک کے عوض اسکا فعل کے لئے مصدر اور سبب ہونا کسی مرجح کو لانے پر موقوف ہوگا یا نہ ہوگا۔ اگر موقوف نہیں ہے تو یہ ممکن ہے مرجح امر پایا گیا۔ اگر یہ بات جائز ہو تو پھر ممکن سے اس کے ساتھ مرجح پایا جائے اور وہ مرجح اللہ کیطرف سے ہوگا۔ پھر فقیر کہتا ہے کہ یہ مرجح جب اس قدرت کے ساتھ ملے گا تو اس قدرت کی تاثیر اس اثر میں تین حال سے خالی نہیں واجب ہوگی یا جائز یا ممتنع دوسرا اور تیسرا احتمال باطل ہے یعنی جائز اور ممتنع نہیں ہو سکتے۔ ضروری ہوا کہ واجب ہو، جائز نہ ہونے کی دلیل ہے۔ جائز ہو تو عقل کے اندر قدرت اس مرجح کا مجموعہ کبھی اس کے اثر کے ساتھ پایا جا سکے گا۔ پھر ایک وقت میں مرتب ہونا دوسرے وقت میں مرتب ہونا دو حال سے خالی نہیں یا تو یہ امر کسی ضمیمہ کے پائے جانے پر موقوف ہوگا یا نہ ہوگا۔ اگر موقوف ہوا تو درحقیقت محض مؤثر مجموعہ نہ ہوا بلکہ اس ضمیمہ کے ساتھ ہوا۔ ثابت ہوا کہ اس مرجح کے اس اثر کا جائز ہونا محال ہے اس کا ممتنع نہ ہونا ظاہر ہے۔ ورنہ لازم آئے گا کہ جو وجود کا مرجح ہے وہی عدم کا مرجح ہے اور جب دونوں قسمیں باطل ہوگئیں تو ثابت ہوگیا کہ جب وجود کا مرجح پایا جائے گا تو قدرت اور اس مرجح کے مجموعہ سے اثر کا پایا جانا لازم ہوگا۔ اس بناء پر قول بالجبر کا قائل ہونا لازم آئے گا۔ اس لئے کہ اس مرجح کے پائے جانے سے اس فعل کا پایا جانا ممتنع تھا۔ اور اس کے پائے جانے کے بعد فعل کا پایا جانا واجب ہوگا۔ اس بنا پر قلب کے اندر کفر کے سبب کا پیدا کرنا درحقیقت قلب پر مہر لگا دینا اور قبول اسلام سے قلب کا روک دینا ہوا۔ اس لئے اللہ نے یہ حکم دے کر کہ وہ ایمان نہ لائیں گے ایمان نہ لانے کا سبب بیان فرمایا کیونکہ علت کے معلوم ہونے سے معلول ہو جاتا ہے اور معلول کا علم کامل طور پر اسوقت ہو جاتا ہے جبکہ علت کا علم ہو جائے۔ یہ ان لوگوں کا قول ہے جو تمام حوادث کو اللہ

Marfat.com

کی جانب منسوب کرتے ہیں مگر معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ اس آیت کا مقصود یہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ نے ان کے دلوں کو ایمان قبول کرنے سے روک دیا ہے۔ اس بات کے دلائل انہوں نے یہی بیان کئے ہیں جنکا پہلی آیت میں فقیر ذکر کر چکا ہے۔ ان کے علاوہ انہوں نے ایک دلیل یہ بھی بیان کی ہے کہ اللہ نے کافروں کی اس بات کو روک دیا ہے کہ وہ کہا کرتے تھے ہمارے دلوں پر پردے ہیں وہ ہم کو ایمان قبول کرنے سے باز رکھتے ہیں چنانچہ اللہ فرماتا ہے یعنی انہوں نے کہا کہ ہمارے دل پردوں میں چھپے ہوئے ہیں بلکہ اللہ نے ان کے دلوں پر کفر کے سبب مہر لگا دی۔ پس تھوڑے ہی ایمان لائیں گے اور فرمایا ان میں سے بیشتر روگردان ہو گئے۔ یعنی انہوں نے کہا کہ تو جس چیز کی طرف ہمیں بلاتا ہے اس کی طرف ہمارے دل پردوں میں ہیں۔ الغرض اللہ نے بطور ان کی مذمت کے ان کے کلام کو رد کرنے کے لئے بیان فرمایا ہے پھر معتزلہ کہتے ہیں کہ اس مقام پر ختم اور غشاوۃ سے ضروری ہے کہ حقیقت مراد نہ ہو بلکہ مجاز مراد ہو۔ انہوں نے چند احتمال بیان کئے ہیں۔

(۱) جب کافروں نے قرآن سے اعراض کیا اور دلائل سے انہوں نے رہبری حاصل نہیں کی حتیٰ کہ رفتہ رفتہ ان کے دل میں یہ بات سما گئی اور بمنزلہ طبیعت ثانیہ کے ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے حال کو اس شخص کے حال کے ساتھ مشابہت دی جسکو ایک کام سے باز رکھا جائے اور روک دیا جائے۔ ان کا درحقیقت یہی حال ہو گیا تھا۔ ان کی آنکھیں حق کی جانب سے بالکل نابینا تھیں جسطرح کہ آنکھوں پر پٹی باندھنے کے بعد کچھ نظر نہیں آتا اسی طرح ان کو حق نظر نہیں آتا۔ جس طرح کانوں میں ڈاٹ لگا دینے سے بات سنائی نہیں دیتی اسی طرح حق کی آواز ان کے کانوں میں نہیں آتی۔ اللہ کی طرف سے مہر لگانے کی نسبت اس طرح سے ہو گئی جیسے کہ ان کی یہ حالت پیدائشی تھی۔ اللہ فرماتا ہے یعنی ان کے کفر کے سبب ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی ہے لہٰذا وہ ایمان نہ لائیں گے جیسے کہ حدیث شریف میں ہے کہ کفار کو ازل سے کفر کی مہر لگا دی گئی تھی سرکار ﷺ نے فرمایا جنھوں نے کافر رہنا ہے ازل سے ہی انکا کفر ہو چکا۔

(۲) ایک فعل کی نسبت فاعل کی طرف کرنے کے لئے ازلی سبب کافی ہوتا ہے پس درحقیقت کفار نے وہ مہر خود لگائی یا شیطان نے لگائی ہے مگر چونکہ مہر لگانے کی قدرت ان کو اللہ تعالیٰ نے دی ہے اس لئے وہ نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کر دی گئی ہے جس طرح فعل کو سبب کی طرف کر دیا کرتے ہیں۔

(۳) جب کفار نے قرآن کریم کے اندر غور نہیں کیا اور سرکار دو عالم ﷺ کی باتوں پر توجہ نہیں دی، حالانکہ اللہ کے دلائل و نشانات اور معجزات شب و روز دیکھتے تھے۔ اس لئے مہر لگانے کی نسبت اللہ کی طرف کی گئی۔ سرکار دو عالم ﷺ فرماتے ہیں کہ لوگو سن لو کہ کفار کو اللہ نے ازل سے مہر لگا دی ہے۔ ان کی آنکھ، کان اور دل حق کی طرف سے بند ہیں۔

(۴) وہ لوگ کفر میں اس درجہ کو پہنچ گئے کہ بجز اضطرار کے اور کوئی طریقہ ایمان لانے کا ان کے حق میں باقی نہیں رہا تھا مگر اللہ نے خود بھی انکے دل میں ایمان نہیں ڈالا۔ ان کے متعلق کفر لکھ دیا۔ اس سے ثابت ہوا کہ وہ گمراہی کے آخری درجہ کو پہنچ چکے ہیں جس کے بعد کوئی درجہ نہیں ہے۔

(۵) کافر کہتے تھے کہ جن باتوں کی طرف تم ہم کو بلا رہے ہو ہمارے دل ان باتوں سے پردہ میں ہیں اور تمھارے اور ہمارے درمیان دیوار حائل ہو رہی ہے۔ اللہ نے سرزنش کی۔ ان کی ایسی بات کا جواب دیا یعنی حق کو تم پردے میں بتاتے ہو وہی تم کو ایمان سے محروم رکھیں گے۔ اور پردے ہم نے خود پیدا کئے ہیں۔

(۶) کفار کے دلوں میں اور کانوں پر اللہ کی مہر لگنے کے معنی یہ ہیں کہ اللہ نے ان کے کفر کی شہادت دے دی کہ وہ کسی طرح ایمان نہیں لائیں گے۔ انکے دلوں کے اندر حق بات نہ ٹھہرے گی اور حق کی بات پر کان نہ لائیں گے۔ اللہ فرماتا ہے کہ ان کے ایمان نہ لانے کے ہم گواہ ہیں اور ان کا ایمان نہ لانا میرے علم ازلی میں ہے بعض علماء نے بیان کیا ہے کہ یہ بات کفار کے ایک خاص گروہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ اللہ نے بطور عذاب عظیم ان کے دلوں، کانوں اور آنکھوں پر پردہ ڈال کر گویا اسی دنیا میں ان کے کردار کی ان کو سزا دی ہے۔ پس جب اللہ نے عبرت پکڑنے کے لئے ان کا بیان فرمایا تا کہ سننے والے اپنی حالت درست کریں ان کے اس حال کو اللہ نے مہر سے تعبیر کیا ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن بحوالہ امام باقرؒ و ابن عباسؓ کی تفاسیر سے بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے ولید بن مغیرہ کو اور کچھ دیگر کافروں کو دعوت اسلام دی تو انہوں نے بڑی بکواس کی۔ اللہ نے اس وقت یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ حضرت علیؓ نے بھی اپنے مجموعہ میں یہی لکھا ہے۔ جو شخص وقت بلوغ متعلق نہیں ہوتا ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اللہ نے اس کے دل میں کوئی ایسی حالت پیدا کی ہو جو فہم اور عبرت پکڑنے سے مانع ہو اور اس بات کو اللہ ان کے لئے مناسب جانے اور انکے قول کو زائل کر دے۔ بیناؤں کو نابینا کر دے مگر اس حالت میں یہ دقت لازم آتی ہے کہ وہ اس حال میں مکلف ہوں گے۔

Marfat.com

(۷) ہوسکتا ہے اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہو ان کی بینائیوں پر پردے ڈال دیے ہوں مگر یہ امر ان کے ایمان کے اندر حائل اور مانع نہ ہو اور آنکھوں میں غبار اور کانوں میں گرانی پیدا ہو جاتی ہو اور یہ اللہ نے ان کے ساتھ اس لیے کیا کہ ان کے دل تنگ ہو جائیں اور کرب وغم کے اندر بسر کریں اور یہ ان کے ایمان سے مانع ہو جسطرح بنی اسرائیل کے ساتھ معاملہ کیا کہ وہ ملک میں سرگرداں ہو گئے مگر یہ معاملہ بعض کفار کے ساتھ واقع ہوا یہ حضور کے لیے ایک معجزہ ہو گا جس طرح قوم فرعون پر عذاب نازل ہوا تھا وہ فریاد کرتے تھے اور یہ سب اسوقت ہوا جب یہ بات ان کے لیے اللہ کے نزدیک حاصل ہو۔

(۸) ہوسکتا ہے کہ یہ مہر لگانا آخرت میں ہو جسطرح اللہ نے کافروں کے حالات میں ارشاد فرمایا کہ ہم انکو اندھا اٹھائیں گے حدیث میں ہے صاحب خزینۃ القرآن بحوالہ امام باقر درج کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے کفار کو ازل سے کفر کی مہر لگا دی ہے اور قیامت کو مہر لگا کر ان کو اندھا اٹھادے گا اللہ تعالیٰ ان کے متعلق اندھا، گونگا اور بہرہ ہونا فرماتا ہے مگر وہ کہتے ہیں کہ اس طرح کا مہر لگانا ایمان کے مانع نہیں ہوتا اس لیے کہ خط کے اوپر مہر لگانے کے بعد بھی اس مہر کو مٹا سکتے ہیں اور خط کو پڑھ سکتے ہیں دوسرے یہ کہ مہر لگانا ایسا ہے جیسے کافر کی پیشانی پر لکھ دیا جائے کہ یہ کافر ہے ظاہر ہے کہ یہ لکھا ہوا اسے ایمان سے نہیں روک سکتا بلکہ یہ کافر ایمان لا کر اس نشانی کو اپنے دل سے دور کر سکتا ہے اسواسطے کہ یہ نشانی اس کی حالت کی مظہر ہے جب تک وہ کافر ہے گا تب تک یہ نشان رہے گا اور جب مومن بن گیا تو نشان مٹ گیا اور اسکے بدلے میں ایمان کا نشان پیدا ہو گیا پھر وہ کہتے ہیں کہ خاص دل اور کانوں پر اس نشان کے پیدا کرنے کی وجہ یہ ہے کہ سمعیہ کا علم کانوں کے ذریعے سے ہوتا ہے اور عقلیہ کا قلب کے ذریعے سے۔ اگر کوئی یہ خیال کرے کہ آنکھوں پر پردہ ڈالنے سے تم کیا مراد لیتے ہو یہی علامت یا نشان یا اور کچھ؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ختم سے جو ہم نے علامت اور نشان مراد لیا ہے لغت میں ختم کے معنی حقیقی اس امر کے متقاضی ہیں اور کوئی امر اس کی داد لینے سے مانع نہیں ہوتا لہٰذا ضروری ہے کہ ختم کو اس کے حقیقی معنی پر ثابت کیا جائے اور غشاوۃ سے علامت مراد نہیں لے سکتے اسواسطے کہ اسکے حقیقی معنی یہ ہیں جو دیکھنے سے مانع ہو۔ اور ظاہر ہے کہ کفار کی آنکھوں پر پردے نہیں ہوتے لہٰذا ضروری ہوا کہ اسے مجازی معنی پر محمول کیا جائے یعنی یہ کہا جائے کہ انکو اس شخص کیساتھ مشابہت دی گئی ہے جسے آنکھوں سے کچھ نفع نہ ہو اور یہ تشبیہ ہدایت کے بارے میں ہے حدیث میں بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کافروں کے دل اور کانوں اور آنکھوں پر ظاہری پردہ نہیں حالانکہ وہ دیکھتے ہیں، چلتے ہیں، پھرتے ہیں وہ ہدایت سے خالی ہیں ان کے قلب ہدایت سے محروم ہیں مہر لگی ہوئی ہے کان سننے سے محروم ہیں آنکھیں ہدایت کو دیکھ نہیں سکتیں حدیث سے بھی تصدیق ہو گئی یہ حدیث تفسیر امام باقر اور دیگر کافی تفاسیر میں موجود ہے۔

تیسرا مسئلہ:

قرآن کریم میں چند الفاظ ایسے آئے ہیں جن کے معنی قریب قریب ہیں مثلاً خَتَمَ، طَبَعَ، رین علی القلب۔ یہ سب قلب کے متعلق ہیں اور ان کے معنی مہر کے ہیں دوسری قسم وہ آیات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی امر ایمان کے مانع نہیں ہے یعنی ایمان لانے سے لوگوں کو کس چیز نے روکا ہے جسکا دل چاہے ایمان لے آئے اور جسکا جی چاہے کفر کرے۔ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا یعنی اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ طاقت کے مطابق مشقت میں ڈالتا ہے اللہ نے دین کے اندر تمھارے لیے تنگی نہیں کی تو پھر کیوں اللہ کے ساتھ کفر کرتے ہو حق و باطل میں کیوں خلط کرتے ہو۔ علیٰ ھٰذا القیاس قرآن میں دونوں قسم کی آیات کثرت سے موجود ہیں اور ہر ایک قسم کی آیات سے ایک ایک گروہ اپنے اپنے مدعا کو ثابت کرتا ہے لیکن ایسی تاویلیں درست نہیں قرآن کی تفسیر، قرآن کی حقیقت یا حدیث سے ہو مفسرین فرماتے ہیں جیسے خزینۃ القرآن ہے اس پر جمہور مفسرین کا اتفاق ہے کہ قرآن کی صحیح حقیقت قرآن سے اور حدیث مصطفےٰ سے ہے اور ایسی تفسیر صرف خزینۃ القرآن سے ہی ملتی ہے کیونکہ جب وہ لکھتے تھے تو سرکار دو عالم خود ان کی نگرانی فرماتے تھے دلائل عقلیہ تو وہی ہیں جو گزر چکے ہیں اصل مسائل اسلامیہ میں ایک بڑا عظیم الشان مسئلہ بھی ہے اس کے شعبے بکثرت ہیں اور تمام فرقوں میں اس مسئلہ کا شور پڑا ہوا ہے امام ابو قاسم انصاری سے مروی ہے کہ ان سے کسی نے معتزلہ کے بارے میں پوچھا کہ اس مسئلہ میں ان کی تکفیر کرنا چاہیے انھوں نے کہا، نہیں اسواسطے کہ معتزلہ نے اللہ کی تنزیہ کی بناء پر اس مذہب کو اختیار کیا ہے اور اہل سنت کی نسبت سوال کیا گیا تو اہل سنت کی تکفیر سے بھی انھوں نے انکار کیا اور کہا کہ اللہ کی عظمت پر نظر کر کے اہلسنت اس بات کے قائل ہیں اسکا مطلب یہ تھا کہ دونوں فرقوں کو اللہ کی بزرگی اور کبریائی کا ثابت کرنا مطلوب ہے مگر اہل سنت اللہ تعالیٰ کی عظمت پر نظر کر کے اس بات کے قائل ہوئے کہ ان قباحتوں کا پیدا کرنا اس کی حکمت

Marfat.com

کے خلاف ہے فقیر یہ کہتا ہے کہ اس مقام پر ایک اور راز ہے اور وہ یہ کہ وجود باری تعالیٰ کے ثابت کرنے کے لیے قول بالجبر کی ضرورت پڑتی ہے اس واسطے کہ اگر فاعلیت دائمیہ پر موقوف ہو یعنی جب ممکن کے وجود کا کوئی مقتضی پایا جائے اس وقت میں تامل کا اثر مطلق ہو تو قول بالجبر لازم آتا ہے اس واسطے کہ رسول اللہ ﷺ کے لیے قول بالقدر کی ضرورت پڑتی ہے اس واسطے کہ بندہ اپنے افعال پر قادر نہ ہو تو انبیاء کی بعثت اور کتابوں کی ضرورت نہ ہو بلکہ یہاں ایک اور بڑا راز یہ ہے کہ جب ہم فطرت سلیمہ اور خاص عقل کی طرف رجوع کرتے ہیں تو یہ بات معلوم ہوئی کہ جس چیز کا وجود اور عدم ایک اعتبار سے یکساں ہو تو ضروری ہے کہ ایک کی ترجیح دوسرے کے کسی مرجح کی وجہ سے ہوگی حالانکہ سب افعال کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اور اس نے انسان کو اس پر قادر کیا ہے ان سب باتوں میں غور کرنے سے معتزلہ کا مذہب امام رازی کے نزدیک درست ہے علامہ صاحب تفسیر طبری امام غزالی اور امام لغوی اور بڑے بڑے آئمہ ومفسرین اور انکے امام یہ سب کہتے ہیں کہ معتزلی کافر ہیں ان کا مذہب کفر ہے اور قرآن کے خلاف باتیں کرتے ہیں صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں امام اعظم کا بھی یہی مسلک تھا اور میرے جد امجد امام جعفر صادق کا بھی یہی فتوے ہے صاحب خزینۃ القرآن لکھتے ہیں کہ میں نے اپنے نانا جان رسول اللہ ﷺ سے معتزلیوں کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا ہم دیکھ رہے ہیں کہ یہ تو اللہ کے کلام کو بھی ازلی نہیں مانتے کبھی اللہ کے علم ازلی کے بارے میں کچھ کہتے ہیں، فرمایا یہ دین سے خارج اور کافر لوگ ہیں پھر لکھتے ہیں کہ میرے متعلق آپ نے فرمایا (عاجز ہوں لیکن بمطابق حکم نانا جان کہ رہا ہوں) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ بیٹا تم میری امت کے امام ہو اور بہترین مفسر ہو اور میری آل سے ہو تم انھیں کافر کہو یہ تیرا فتوے تمام عالم میں گونج جائے گا،، لکھتے ہیں کہ جب میرے نانا جان نے یہ فرمایا تو اس وقت میرے تمام شاگرد ارد گرد موجود تھے عبداللہ بن حاکم نیشاپوری اور طبری انھوں نے بھی حضور کی زیارت کی اور یہ بات اپنے کانوں سے سنی اب میں یہ کہتا ہوں کہ بیشک معتزلی کافر ہیں اور جو انہیں کافر نہ کہے وہ بھی کافر ہے میرے نانا جان رسول اللہ ﷺ نے یہ فتوے دیا ہے اب فقیر کہتا ہے کہ امت کے لیے یہ فتوے حجت عظیم ہے، یہ دلائل رازی کے تھے گویا یہ مسئلہ علم بدیہہ اور علوم نظریہ کے اعتبار سے نیز اللہ کی عظمت اور قدرت اور اسکی حکمت کے اعتبار سے ہے علی ھذا القیاس دلائل سمعیہ کے اعتبار سے سمع میں دو احتمال ہیں۔

چوتھا مسئلہ:

صاحب کشاف نے بیان کیا ہے کہ لفظ کے اعتبار سے سمع میں دو احتمال ہیں یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ختم کے نیچے داخل ہوا اور یہ معنی ہوں کہ اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے اور علیٰ ابصارھم اس سے الگ ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ علیٰ قُلُوبِھِم پر جملہ قائم ہو۔ اور علیٰ سمعھم سے دوسرا جملہ شروع ہوتا ہو اور یہ معنی ہوں کہ اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے کانوں اور بینائیوں پر پردہ ہے نیز یہ کہ پردہ کا حکم بینائیوں کے ساتھ خاص کیا جائے یعنی علیٰ ابصارھم سے الگ جملہ سمجھا جائے اور علیٰ سمعھم کا علیٰ قُلُوبِھِم پر عطف کیا جائے۔

پانچواں مسئلہ:

حرف جر یعنی علیٰ کے مکرر ذکر کرنے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جس طرح ان کے دلوں پر نہایت مضبوط مہر لگی ہے اسی طرح کانوں پر بھی لگی ہوئی ہو۔

چھٹا مسئلہ:

قلوب اور ابصار کے جمع ہونے اور سمع کے واحد لانے میں چند نکتے ہیں:

نکتہ ۱: قوت سامع ہر شخص کی ایک ہوتی ہے اس طرح فرمایا کہ جس طرح کہا کرتے ہیں دو منڈھوں کا سر میرے پاس لے کر آیا۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ ایک کا سر لے آیا دوسرے یہ کھاتے وقت اپنا پیٹ بھر کر مت کھاؤ زندہ رہو گے یہاں بھی یہی مراد ہے کہ ہر شخص اپنا پیٹ بھر کر مت کھائے۔

(۱) سمع دراصل مصدر ہے اور مصدر کی جمع نہیں ہوتی۔

(۲) مضاف کو یہاں مقدر مان سکتے ہیں یعنی علی حواس سمعھم حواس جمع ہے یہ امام محمد باقرؓ کی تفسیر سے نقل کیا ہے۔

Marfat.com

(۳) سیبویہ نے بیان کیا ہے کہ جمع کے لفظ کو واحد کے ساتھ لانا۔ اوراس کے ماقبل اور مابعد کو جمع لانا خود دلالت کرتا ہے کہ اس سے بھی جمع مراد ہے جس طرح مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ میں نور سے مراد انوار ہیں۔

ساتواں مسئلہ:

غرائب القرآن میں ہے کہ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ سمع بصر سے افضل ہے اس لیے کہ قرآن نے پہلے سمع کا ذکر کیا ہے اور دوسری دلیل وہ یہ دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی نبی اور رسول ایسا نہیں بھیجا جو سماعت سے محروم رہا ہو جب کہ بعض انبیاء عارضی طور پر بصارت کھو بیٹھے جیسے یعقوب علیہ السلام تیسری دلیل یہ ہے کہ قوت سامع ہر شش اطراف سے تصرف کرتی ہے اور قوت باصرہ صرف ایک جانب کام دیتی ہے۔

آٹھواں مسئلہ:

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ سے معلوم ہوتا ہے کہ علم کی جگہ دل ہے۔

نواں مسئلہ:

صاحب کشاف نے بیان کیا ہے کہ بصر آنکھ کے نور کو کہتے ہیں جس کے ذریعے دیکھنے والے کو محسوس چیزوں کا ادراک ہوتا ہے اور بصیرت قلب کے نور کو کہتے ہیں جس کی وجہ سے دانائی اور فکر اور تامل حاصل ہوتا ہے۔ گویا بصر اور بصیرت دو جوہر لطیف ہیں جن کو اللہ نے ان کاموں کے لئے پیدا کیا ہے۔ معتزلہ صاحب کشاف کے اس قول کو ناپسند کرتے ہیں اور ابصار کے محققین کے لئے بڑی بڑی بحثیں درکار ہیں جنکا ذکر اس مقام پر مناسب نہیں ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن نے انکو کچھ یوں بیان کیا ہے جن سے معتزلہ کا رد ہوتا ہے ایک حدیث اس ضمن میں تواتر سے بحوالہ امام باقرؒ و مقاتل وابوالعالیہ مجموعہ الاحادیث صحابہؓ کہتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ علم کا محل قلب ہے۔ بصر آنکھوں کا نور ہے۔ بصر اور بصیرت اللہ کی نعمتِ کبریٰ ہیں۔ پس اس حدیث کے سامنے تمام دلائل عقلیہ رد ہیں۔ انشاءاللہ بقیہ بحث آئندہ اوراق میں ہوگی۔

دسواں مسئلہ:

غِشَاوۃ کا لفظ کئی طرح سے پڑھا گیا ہے۔ غِشَاوَۃ ، غُشَاوَۃ ، غِشْوَۃ ، غُشْوَۃ ان مشتقات کے ساتھ غشا اور غشاوۃ کے معنی عطا اور پردہ کے ہیں اور غاشیہ بھی اسی سے مشتق ہے۔ اور غشی آنے سے جو عقل پوشیدہ ہو جاتی ہے کہا کرتے ہیں کہ غش علیہ اور جماع کو بھی غشیان اس واسطے کہتے ہیں۔ صاحب خزینۃ القرآن نے بحث کی ہے لیکن فقیر نے مختصر بیان کی ہے۔ امام رازیؒ نے بھی اتنا ہی بیان کیا ہے۔

گیارہواں مسئلہ:

عذاب اور نکال کے ایک ہی معنی ہیں۔ دونوں کا وزن ایک ہی ہے جب کوئی شخص کسی چیز سے رک جائے تو کہا کرتے ہیں کہ اَعْذَبَ عَنْهُ۔ اسی طرح کہتے ہیں نَكَلَ عَنْهُ۔ اور آب شیریں کو نکال بھی کہتے ہیں اور نکال کے اصل معنی توڑنے والے ہیں۔ چونکہ آب شیریں پیاس کو روک دیتا ہے اس واسطے کہ پیاس کو قلب کے اوپر سے زائل کر دیتا ہے۔

بارہواں مسئلہ:

اہل اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اللہ کا کفار کو عذاب دینا اس کی شان کے مناسب ہے بعض کہتے ہیں کہ احسن نہیں ہے۔ وہ لوگ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ کی تکذیب کرتے ہیں کہ اگرچہ کافر عذاب کے مستحق ہیں مگر اللہ کا کرم اس امر کا موجب ہے کہ ان کو بخش دیا جائے۔ ہم اس پر چھان بین کر کے حقائق بیان کرتے ہیں۔ جو لوگ کفار کے حق میں عذاب کو تجویز نہیں کرتے انہوں نے چند دلائل دیئے ہیں۔

(۱) عذاب دینے میں نقصان ہی نقصان ہے۔ اس میں کسی قسم کا نفع نہیں اور جو امر اس قسم کا ہو وہ خواہ مخواہ قبیح اور برا ہوگا۔ عذاب کا نقصان ایسا واقع ہوا ہے کہ اس

Marfat.com

میں کسی کو کلام باقی نہیں رہی کہ اس میں کسی قسم کا نفع نہیں۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ عذاب کے اندر اگر کسی قسم کا نفع ہو تو ہم دریافت کرتے ہیں کہ وہ نفع چند دن کے لئے ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کے لئے یہ بات بالکل باطل ہے۔ اس میں اللہ کا کوئی نفع یا نقصان نہیں ہے۔ ہم میں سے جو کوئی کسی بات پر اپنے غلام کو سزا دے تو اسے سزا دینے میں اسکا دل خوش ہوتا ہے کیونکہ اس کے دل میں انتقام لینے کی خواہش ہوتی ہے اور انتقام لیتے وقت دل کو لذت اور سرور حاصل ہوتا ہے اس کے علاوہ جب کوئی شخص اپنے غلام کو ایک فعل قبیح کے اوپر سزا دیتا ہے تو اسکا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ غلام اپنی حرکت سے باز آجاتا ہے اور مالک کو نقصان پہنچاتا ہے۔ یہ احتمال بھی باطل ہے کہ اللہ کے عذاب دینے میں بندوں کو کچھ نفع ہو اس لئے کہ اس میں دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ نفع اسی کو ہو جسے عذاب دیا جائے یا کسی دوسرے کو۔ اس میں سے پہلی صورت تو بالکل محال ہے اس لئے کہ نقصان میں نفع کیسے ہو سکتا ہے۔ پس ایک شخص کے نفع پہنچانے کی خاطر دوسرے کو نقصان ہوتا ہے مگر اللہ تعالیٰ بغیر کسی کو نقصان پہنچائے نفع پہنچا سکتا ہے۔ پس ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے کا کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ پس ثابت ہوا کہ نقصان دینے میں نقصان ہی نقصان ہے۔

(۲) یہ اللہ کے علم ازلی لامحدود میں تھا کہ کافر لوگ ایمان نہیں لائیں گے چنانچہ فرماتا ہے انَّ الَّذِينَ كَفَرُوا ..... لَا يُؤْمِنُونَ تک۔ جب یہ بات ثابت ہوگئی تو ثابت ہوا کہ کفار کو اللہ نے احکام کے ساتھ مکلف کیا اور کفار نے احکام کو نہ مانا۔ پس یہ نافرمانی ان کے لئے عذاب کا سبب بنے گی۔ اس تکلیف کا نتیجہ استحقاق عذاب ہوگا۔

(۳) فقیر دریافت کرتا ہے کہ اللہ نے خلق کو نفع کے لئے پیدا فرمایا یا نقصان کے لئے۔ نقصان کے لئے کچھ مقصود نہیں۔ نہ نفع نہ نقصان۔ اگر نفع کے ارادہ سے کیا جائے تو ضروری ہے کہ انکو ایسی چیز کا حکم نہ دیا جائے جسکا انجام سراسر نقصان ہو۔ اس واسطے کہ حکیم صاحب جب اس امر کا ارادہ کرتے ہیں تو یہ بات محال ہو جاتی ہے کہ جان بوجھ کر ایسا فعل کرے جسکا نتیجہ اس کے مقصود کے خلاف ہو۔ اور جو اللہ کو معلوم تھا کہ اگر ان کافروں کو احکام کے ساتھ مکلف کیا تو نافرمانی کریں گے اور ان کے پیدا کرنے سے نفع رسانی مقصود تھی۔ اس واسطے کہ یہ بات پیدا نہ کرنے میں بھی حاصل تھی۔ پس پیدا کرنا عبث ہوگا۔ یہ احتمال بھی باطل ہے کہ نقصان کے ارادہ سے پیدا کیا گیا ہو۔ اس واسطے کہ یہ بات اس کے شانِ رحیمی و کریمی کے خلاف ہے۔

(۴) گناہوں کے اسباب اور دوام کے پیدا کرنے والا وہی ہے اور ان اسباب کے پیدا ہونے کے بعد خواہ مخواہ بندوں کو گناہ کرنا پڑتا ہے پس ان گناہوں پر عذاب دینا اسکی شان کے خلاف ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ اسباب کا خالق اللہ ہے کہ فعل کا قدرت سے صادر ہونا ایک امر مطلق ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے پیدا فرما دیتا ہے اس سے قول بالجبر ثابت ہوتا ہے اور مجبور کو عذاب دینا عقل کے نزدیک فعل قبیح ہے اور کبھی اس دلیل کی تقریر وہ لوگ اسطرح سے کرتے ہیں کہ شرع اوامر و نواہی جب دو شخصوں کے پاس آئی تو ایک نے ان کو قبول کیا اور دوسرے نے نہ کیا یہی کہ کر قبول کرنے والے نے ثواب کی خواہش کی اور عذاب سے ڈر گیا۔ اس لیے اس نے اطاعت کی اور مخالفت کرنے والے نے ثواب کو پسند نہ کیا اور نہ ہی عذاب سے ڈرا۔ اس لیے نافرمانی کی یا یہ کہو کہ اس نے نصیحت کو کان لگا کر سنا اور سمجھا اس لیے اطاعت کی۔ دوسرے نے توجہ نہ کی اور نہ سمجھا اس لیے نافرمانی کی تو فقیر کہے گا اس نے کیوں توجہ نہ کی اور کیوں محروم رہا اس میں شک نہیں کہ ہوشیاری اور چالاکی پیدائشی چیزیں ہیں کیا کوئی شخص کبھی غبی اور احمق بنا چاہتا ہے۔ یہ بھی وہی امور ہیں جن کو اللہ نے پیدا کیا اور بندے کا اس میں کچھ اختیار نہیں۔ یہ بات ناممکن ہے اگر وہ دونوں شخص سب امور میں برابر ہوں تو اطاعت اور نافرمانی میں کوئی فرق نہ رہا۔ جب یہ بات ثابت ہوگئی تو دریافت کیا جائے گا کہ عدل اور رحمت اور کرم کے یہ بات خلاف ہے یا نہیں۔ ایک شخص کے دل میں حرارت، غضب اور دماغ میں جوش و بیقراری پیدا کی جائے اور اس کے لئے کوئی ادب اور علم سکھانے والا یا نصیحت کرنیوالا نہ پیدا کیا جائے جو احکام کی تبلیغ کرنے میں اس پر متعین نہ کر دیئے جائیں جن کے افعال و اختلاف بدتر ہوں اور یہ شخص ان سے تعلیم پائے پھر اس سے اس طرح مواخذہ کیا جائے جس طرح اس شخص سے مواخذہ کیا جاتا ہے جس کو عقل اور ہوشیاری سے علم دیا گیا ہو اور اس کے دماغ میں گرمی پیدا نہیں ہوتی اور اس کا دل فراخ معتدل ہے اور روح میں بھی اس کی لطافت ہے۔ پھر اس کے لئے کوئی تعلیم کرنے والا اور شفقت کے ساتھ نصیحت کرنے والا بھی موجود ہے۔ یہ باتیں عدل، رحمت، کرم اور مہربانی سے دور ہیں پس ان دلائل سے معلوم ہوا کہ کفار کو عذاب دیا جائے گا یہ عقل کے خلاف ہے۔

Marfat.com

(۵) اللہ نے بندوں کو احکام کے ساتھ اس لیے مکلف کیا کہ اسکا نفع بندوں کو ہوا گر اچھا کام کرو گے تو اپنی ذات کے لئے اچھا ہوگا اگر برا کرو گے تو اپنی ذات کے لئے۔ جب بندے نافرمانی کرتے ہیں تو انہوں نے اپنی ذات کے لئے نفع کو ختم کر دیا۔ اب دریافت کیا جاتا ہے کہ عقل کے نزدیک یہ بات پسندیدہ ہے یا نہیں۔ اللہ تعالیٰ جسکی شان حکیم ہے کسی شخص سے مواخذہ کرے اور کہے کہ میں تجھ کو سخت عذاب دوں گا۔ اس لئے کہ تو نے اپنا نفع ختم کر دیا۔ یہ بات بھی ظاہر ہے کہ بہ نسبت تحصیل تصنع کے نقصان کا مقدم کرنا اول ہے۔ پس وہ شخص کہ سکتا ہے کہ بیشک میں نے اپنی ذات سے نفع کو ختم کر دیا مگر تو اس وجہ سے میرے لئے اعلیٰ درجے کی چیز کو کیوں ختم کرتا ہے تو عقل کے نزدیک یہ اچھی بات ہے یا نہیں۔ کوئی مالک اپنے ملازم سے مواخذہ کرے اور کہے کہ تو اس بات پر قادر تھا کہ اپنی ذات کے لئے مال حاصل کرتا اور اس سے نفع کھاتا۔ اس کے بدوں مجھے تیرے مال سے کچھ غرض نہیں مگر چونکہ تو نے مال حاصل نہیں کیا تھا اس سے نفع نہیں اٹھایا اسلئے میں ہاتھ پاؤں کاٹوں گا اور ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالوں گا۔ یہ بات وہی شخص کر سکتا ہے جو نہایت ہی بے وقوف ہو۔ پس ایسا فعل احکم الحاکمین کی شان سے بہت دور ہے۔ پھر یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر ہم تسلیم بھی کریں کہ کافروں کو عذاب دیا جائے گا تاہم یہ بات کہاں سے کہتے ہیں کہ وہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے۔ اس واسطے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی شخص کتنا ہی سنگدل اور سخت طبیعت اور بد مزاج ہو کوئی شخص اس کے ساتھ نہایت درجہ کی برائی کرے اور یہ شخص اس سے مواخذہ کرے اور اس کو سزا دے تو ہمیشہ سزا میں نہیں رکھتا بلکہ اس کی حد مقرر ہوتی ہے۔ خواہ دن ہو مہینہ ہو یا سال ہو۔ اسے سزا دینے سے اس کی طبیعت سیر ہو جاتی ہے پھر اسکو رنج دینے میں خوشی نہیں ہوتی۔ اگر ہمیشہ کے لئے کوئی سزا کا ارادہ کرے تو ہر شخص اس کو ملامت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر چہ تیرے ساتھ اس نے نہایت درجہ کی برائی کی۔ مگر کہاں تک تو وہ اسے مصیبت میں رکھے گا۔ یا تو اس کو قتل کر ڈال یا اس کو رہا کر دے۔ پس جب انسان کی ذات سے ایسا فعل قبیح معلوم ہوتا ہے۔ اس کے باوجود کہ انسان کو انتقام لینے سے لذت اور سرور حاصل ہوتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے کیسے مناسب ہوگا۔

(۶) اللہ نے بندے کو اس بات سے منع فرمایا ہے کہ بدلہ لینے میں زیادتی نہ کریں یعنی مقتول کا ولی قتل کرنے میں زیادتی نہ کرے اس کی مدد کی جائے وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِثْلُهَا یعنی برائی کا بدلہ برائی ہے۔ پھر کہتے ہیں کہ اگر بندے نے تمام عمر اللہ کی نافرمانی کی تاہم آباء واجداد سے اس کی عمر کو کچھ نسبت نہیں۔

(۷) اگر ایک بندہ تمام عمر کفر میں گزارے اور آخر وقت میں توبہ کر کے مرجائے تو اللہ اس کو بخش دیتا ہے۔ اور اس کی آرزو پوری کر دیتا ہے اور توبہ قبول کر لیتا ہے اب دریافت کرنا ہے کہ آخرت میں بھی وہی اللہ موجود ہے اور لوگوں کی وہی عقول جاتی رہیں گی تو توبہ کیونکر نہ کریں گے اور اللہ ان کی توبہ کیوں قبول نہ کرے گا اور ان کی چیخ و پکار کو کیوں نہ سنے گا۔ اور ان کو مایوس کیوں کرے گا؟ اس کی کیا وجہ ہے کہ دنیا میں اس کی رحمت اور کرم کا یہ حال ہے کہ مجھ کو پکارو، میں تمہاری پکار کا جواب دوں گا۔ یعنی جب کوئی اللہ کو پکارتا ہے تو کون اس کی پکار کا جواب دیتا ہے اور اس کا یہ حال ہو جائے کہ ہر چند تکلیف اور زاری کریں تو ان کو بھی جواب نہ ملے گا اور آخر کار یہ حکم ہوگا کہ دوزخ میں ذلت کے ساتھ پڑے رہو ہم سے بات مت کرو۔ ان لوگوں کا دعویٰ یہ ہے کہ کفار کو عذاب نہ ہوگا۔ یہ دلائل بیان کیے گئے ہیں۔

دلائل:

1- دلائل نقلیہ مفید نص کے نہیں ہوتے بلکہ گمان کے لیے فائدہ مند ثابت ہوتے ہیں اور دلائل عقلیہ یقین کے لیے ہوتے ہیں لیکن صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ دلائل عقلیہ نقلیہ کے سامنے باطل ہیں اور امام باقر کا بھی یہی خیال ہے۔ ہاں اگر ایسے دلائل عقلیہ ہوں جن سے دلائل نقلیہ کی سمجھ آجائے اس بات کا ثبوت کہ دلائل نقلیہ نص کے لیے فائدہ مند نہیں ہوتے یہ ہے کہ دلائل نقلیہ کی بناء ان اصولوں پر ہوتی ہے جو گمان کے لیے ہوتے ہیں جس کی بناء امر گمان پر ہو وہ گمان ہی ہوتا ہے اس بات کا ثبوت کہ دلائل نقلیہ کی بناء اصول ظنیہ پر ہوتی ہے ان دلائل کے اندر لغات کی نقل کرنے اور صرف ونحو کے قواعد نقل کرنے کی ضرورت ہوتی ہے ان باتوں کی نقل کرنے والے ضروری نہیں کہ تواتر سے پہنچ جائیں پس ان کی روایت گمان ہوگی۔ اس کے لیے ان دلائل کی بناء اس پر ہے کہ وہ لفظ مشترک نہ ہوں اور معنی مجازی مراد نہ ہوں کوئی چیز وہاں مقدر نہ ہو، تقدیم وتاخیر نہ ہو۔ یہ سب امور ظنی ہیں۔

۲- وعید سے درگزر کرنا ایسا امر ہے کہ لوگ اس کو مستحسن جانتے ہیں شاعر ایک شعر کہتا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے۔ جب اس سے وعدہ یا وعید کرتا ہوں تو میری وعید میں

Marfat.com

تخلف ہو جاتا ہے اور وعدہ پورا ہو کر رہتا ہے بلکہ وعید کے اوپر اصرار کو لوگ برا جانتے ہیں پس ضروری ہے کہ اللہ کی طرف سے وعید میں درگزر ہو۔ اس کی بناء اس بات پر ہے کہ اہل سنت کے نزدیک بجا آوری کی مدت گزر جانے سے قبل فعل ناسخ جائز ہے اور اس میں یہ کلام کرتے ہیں کہ امر کا حسن دو طرح پر ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ صرف مامور سے کوئی حکمت پیدا ہوتی ہے دوسرے یہ کہ امر فقط کسی حکمت پر مشتمل ہوتا ہے مثلاً کوئی مالک اپنے غلام سے کہتا ہے کہ کل کے دن تو فلاں کام کر اور مالک کے دل میں یہ ارادہ ہوتا ہے کہ کل اس کو اس کام سے منع کر دوں گا۔ اس حکم دینے سے مالک کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ غلام کی فرمانبرداری اس حکم سے ظاہر ہو جائے۔ اسی طرح جب اللہ کے علم میں ہے کہ فلاں شخص مر جائے گا تو اہل سنت کے نزدیک اللہ کی طرف سے اسے یہ حکم ہو سکتا ہے اگر تو زندہ رہے تو کل نماز پڑھ۔ اس حکم سے ماموز بہ ہونا ضروری نہیں ہوتا۔ اس واسطے کہ اس کا وجود محال ہے بلکہ مقصود ایک اور حکمت ہے جس کے اوپر خود یہ حکم مشتمل ہے۔ وہ یہ کہ اس کی اطاعت اور فرمانبرداری ظاہر ہو جائے۔ جب یہ ثابت ہو گیا تو ہم کہتے ہیں کہ خبر کے اندر بھی دو احتمال ہو سکتے ہیں یعنی کبھی ایسا ہو کہ خبر دینے سے اس شے کا پایا جانا مقصود ہو جس کی خبر دی ہے وہ شے وجود میں نہ آئے اس بناء پر وہ کہتے ہیں کہ اللہ نے جتنے وعدے کیے ہیں سب کا پورا کرنا لازم ہے مگر وعید کا پورا کرنا لازم نہیں۔ وعید سے مقصود صرف بندوں کی اصلاح ہے اس کی رحمت سب کے لیے شامل ہے۔ جس طرح کوئی شخص اپنے بیٹے کو کام سے ڈراتے وقت کہتا ہے کہ اگر تو نے ایسا کیا تو تجھے جان سے ختم کر دوں گا یا ہاتھ پاؤں کاٹ دوں گا۔ پس اگر بیٹا باپ کا حکم مانتا ہے تو اس کے لیے بہتر ہے۔ اگر نہیں مانتا تو باپ کی شفقت اور محبت بیٹے کو قتل کرنے پر اور ہاتھ پاؤں کاٹنے سے باز رکھتی ہے۔ اگر کوئی اس پر اعتراض کرے کہ وعید کے اندر تخلف پر خواہ کسی وجہ سے کذب لازم آتا ہے کذب فعل قبیح ہے مگر ہر کذب قبیح نہیں ہوتا بلکہ وہ کذب قبیح ہے جس میں کسی کا نقصان ہو۔ قرآن میں تمام عمومات مخصوص ہیں ان کو کذب نہیں کہہ سکتے۔ اسی طرح تمام متشابہات اپنے ظاہر سے بھرے ہوئے ہیں ان پر کذب کا خیال کرنا کفر ہے۔

۳۔ یہ بات سب کے نزدیک مسلّم ہے کہ گنہگاروں کے حق میں جو وعیدات وارد ہوئی ہیں وہ عدم توبہ کے ساتھ مشروط ہیں حالانکہ یہ شرط صریح نص میں مذکور نہیں ہے۔ اسی طرح فقیر کے نزدیک وہ وعیدات جو کفار کے حق میں وارد ہوئی ہیں عدم عضو کے ساتھ مشروط ہیں یعنی اللہ نے معاف نہیں فرمایا۔ ان کا دائمی جہنمی ہونا قرآن میں بکثرت موجود ہے۔ کافروں کو عذاب ہمیشہ کے لیے ضرور ملے گا۔ معلوم ہوا بقول امام رازی کہ مفسرین نے بالاتفاق فرمایا ہے کہ منافقین کے حالات ایسے ہیں کہ اللہ نے اس مقام پر تین قسم کے لوگوں کا ذکر فرمایا ہے۔ ۱۔ مومنین ۲۔ کافرین ۳۔ منافقین۔

(۱) مومنین وہی ہیں جو خالص ایمان دار ہیں۔ (۲) کافرین وہ جو ازلی کافر ہیں جن کے بارے میں اس آیت میں ان کا ازلی کافر ہونا فرمایا۔ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے کافروں کے دلوں، کانوں اور آنکھوں پر مہر لگا دی ہے پردہ ہے اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔ ثابت ہوا کہ کفار ازلی کافر ہیں اور دائمی جہنمی ہیں۔ اور بڑے عذاب کے مستحق ہیں۔ قَوْلُهٗ تَعَالٰی۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِیْنَ۔ اور لوگوں میں بعض ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اللہ کے ساتھ اور یوم آخرت کے ساتھ اور وہ ایمان والے نہیں (۳) منافقین وہ ہیں جو زبان سے تو اپنے آپ کو ایمان دار کہتے ہیں اور ان کے دل ایمان سے خالی ہیں۔ اس مقام پر چند مسائل ہیں۔ یہ آیت منافقوں کے حق میں نازل ہوئی۔

مسئلہ پہلا:

نفاق کی حقیقت صاف طور پر ایک تقسیم پر موقوف ہے جس کا فقیر یہاں ذکر کرتا ہے وہ یہ کہ دل کے چار حال ہوتے ہیں ایک تو اعتقاد جو واقع کے مطابق ہو۔ دوسرا وہ اعتقاد واقع کے مطابق ہو مگر دلیل کے بغیر پیدا ہو۔ تیسرا وہ اعتقاد جو واقع کے مطابق نہ ہو۔ اس اعتقاد کا نام جہل ہے۔ چوتھی صورت یہ ہے کہ قلب ان تمام باتوں سے خالی ہو۔ غرضیکہ یہ چار اقسام ہیں اور زبان کے تین حالات ہوتے ہیں ۱۔ اقرار ۲۔ انکار ۳۔ سکوت۔ جب ان سب کو باہم ترتیب دیا جائے تو بارہ صورتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔

پہلی صورت:

Marfat.com

یہ کہ عرفان قلبی پایا جائے۔ پھر اس میں تین احتمال ہیں ان کے ساتھ زبان سے اقرار پایا جائے یا انکار یا خاموشی۔

احتمال اوّل:

یعنی عرفان قلب کے ساتھ زبان کا اقرار پایا جائے۔ اگر یہ احتمال اختیاری ہو تو یہ شخص بالاتفاق مومن ہے حدیث شریف میں بھی اس کی یہی علامات پائی گئی ہیں اگر اضطراری ہو یعنی دل میں ان چیزوں کی معرفت ہے۔ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مومن کے قلب پر عرفان ہو اور زبان سے اقرار ہو تو وہ خالص مومن سمجھو۔ یہ حدیث تفسیر امام باقر، ابن عباس اور کافی دیگر تفاسیر میں بھی مذکور ہے مذکورہ صورتیں جو بیان کی گئی ہیں علامہ رازی نے خزینۃ القرآن سے ہی ذکر کی ہیں اور صاحب خزینۃ القرآن نے اس پر کافی بحث کی ہے یہاں امام رازی اور فقیر نے اپنی تفسیر میں مختصر بیان کیا ہے۔ مگر اس کے دل میں یہ بات مخصوص ہے اگر کسی کا خوف نہ ہو تو اقرار نہ کرے بلکہ انکار کردے یہ شخص منافق سمجھا جائے گا اور حدیث میں منافق کی سب سے بڑی نشانی یہ بیان ہوئی ہے کہ کسی کے ڈر کی وجہ سے تو اقرار کرے گا مگر دل سے نہ مانے گا اس لیے کہ دل سے وہ منکر ہے اس کو نفاق کہتے ہیں۔

احتمال دوم:

یہ ہے کہ عرفان قلبی کے ساتھ انکار زبانی پایا جائے تو اس انکار کو بھی دیکھنا ہوگا اگر اضطراری ہے تو وہ شخص مسلمان ہوگا کیونکہ اللہ فرماتا ہے کہ جس چیز پر جبر کیا گیا اس کے دل میں ایمان کی طرف سے اطمینان ہے صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ ایسی مثالیں حدیث میں بکثرت موجود ہیں ایک شخص کو کفار نے پکڑ لیا اور دھمکایا تو اس نے کہا میں نے وہ دین چھوڑ دیا۔ جب سرکار دو عالم ﷺ کو اس شخص نے یہ واقعہ سنایا تو کہا کہ دل کے اندر میرا ایمان مضبوط تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تو مومن ہے اگر ایسے حالات میں ایسا ہو جائے تو کوئی حرج نہیں لیکن اگر اختیاری انکار ہے تو پھر کفر ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے بھی یہی فرمایا۔

احتمال سوم:

یعنی عرفان قلبی کے بعد سکوت پایا جائے اور اس سکوت کو دیکھنا چاہیے کہ اختیاری ہے یا اضطراری۔ اگر اضطراری ہو یعنی زبان سے اقرار کرنے میں اسے قوت ہے تو وہ بلاشبہ مسلمان ہے۔ جس طرح کسی شخص نے اللہ کو دلیل سے پہچانا تاکہ جب اس کو دلیل اور فکر تمام ہو چکا تو دفعۃً مر گیا تو یہ شخص قطعی مومن نہیں ہوگا۔ حدیث میں بھی ہے ابو ہریرہ نے پوچھا۔ یا رسول اللہ ﷺ اگر کسی شخص کو کسی نے دھمکایا تو وہ خوف کی وجہ سے اس کے سامنے دب گیا اور اسی حالت میں مر گیا تو کیا وہ مسلمان ہے یا کافر؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر اختیاری ہے تو کافر اور اگر اضطراری ہے تو مومن ہے۔ اس واسطے کہ وہ جس چیز کا مکلّف ہے اس کو پورے طور پر عمل میں لے آیا پھر اس کے بعد اسے انکار یا اقرار کا زمانہ نہ ملا لہٰذا مجبور ہوگا۔ اور اگر اس کا سکوت اختیاری تھا مثلاً یہ صورت واقع ہو رہی ہے کہ ایک شخص نے اللہ کو دلیل سے پہچانا ہے مگر اس نے انکار نہیں کیا تو اس کے اندر بحث ہے۔ امام غزالی کا مذہب اس طرح ہے کہ یہ شخص مومن ہوا۔ اس واسطے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوا وہ بھی دوزخ کی آگ سے نکل آئے گا۔ امام غزالی نے یہ حدیث تفسیر خزینۃ القرآن سے اخذ کی۔ یہ تفسیر امام باقر اور دیگر تفاسیر سے ماخوذ ہے اور اس شخص کا دل تو نور ایمان سے معمور ہوا ہے۔ کیونکہ دوزخ سے خارج نہ ہوگا۔

قسم دوم:

یہ ہے کہ قلب میں اعتقاد تقلیدی پایا جائے۔ اس میں بھی تین احتمال ہیں اس اعتقاد کے ساتھ زبان سے اقرار ہوگا یا انکار یا سکوت ہوگا۔

احتمال اوّل:

یعنی اعتقاد تقلیدی کے ساتھ زبانی اقرار پایا جائے یہ اقرار اختیاری ہوگا یا اضطراری۔ اگر اختیاری ہے تو یہ مشہور مسئلہ ہے کہ مقلد مومن ہے کہ نہیں اور اگر اضطراری ہے تو اس کا حکم صورت اولیٰ پر متفرع ہے اگر وہاں کفر کا حکم دیا جائے تو یہاں بلاشبہ کفر کا حکم دیا جائے گا اگر وہاں ایمان کا حکم دیا جائے تو یہاں نفاق کا حکم دینا

Marfat.com

ضروری ہوگا اس واسطے کہ اس صورت میں معرفت قلبی بھی ہوتی تب بھی یہ شخص منافق ہوتا۔ اگر معرفت قلبی نہیں بلکہ شخصی تقلید ہے تو بطریق اولیٰ منافق ہوگا۔ اس شخص کی تقلید امام رازی کے نزدیک منافقت ہے۔

احتمال دوم:

یعنی اعتقاد اور تقلید کے ساتھ زبانی انکار پایا جائے تو اس انکار کو دیکھنا چاہئے کہ اختیاری ہے یا اضطراری۔ اگر اختیاری ہے تو اس کے کفر میں کوئی شک نہیں اور اگر اضطراری ہے تو مقلد کے ایمان کا اعتبار کیا جائے تو اس صورت میں بھی ایمان کا حکم دیا جائے گا۔

احتمال سوم:

اعتقاد تقلیدی کے ساتھ سکوت پایا جائے اور اس میں بھی دو صورتیں ہیں اختیاری ہوگا یا اضطراری اور اس احتمال میں قسم اول کے احتمال تیسرے کا حکم ہے۔ اگر مقلد کے ایمان کا اعتبار کیا جائے اور قسم تیسری یہ ہے کہ انکار قلبی ہو اور اس میں تین احتمال ہیں۔ اس انکار کے ساتھ اقرار زبانی ہو یا انکار یا سکوت۔ احتمال اول یہ ہے کہ اقرار زبانی پایا جائے اور اقرار کو دیکھنا چاہیے کہ اضطراری ہے یا اختیاری۔ اگر اضطراری ہے تو منافق ہوگا اور اگر اختیاری ہے مثلاً کسی شخص نے ایک شبہ کی بناء پر عالم کو قدیم ہونے کا اعتقاد کیا پھر اسے اختیار سے عالم کے حادث ہونے کا زبانی اقرار کیا اور یہ بات بعید از عقل نہیں ہے۔ اس واسطے کہ جب عرفان کے ساتھ انکار زبانی پایا جائے جس طرح کہ کفر عناد سے ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی ہوسکتا ہے کہ قلب میں اس چیز کا جہل ہو اور پھر زبانی اقرار پایا جائے۔ الغرض یہ صورت بھی نفاق میں داخل ہے۔

احتمال دوم:

انکار قلبی کے ساتھ انکار زبانی ہو تو ایسا شخص کافر ہے منافق نہیں ہے کیونکہ اس نے کوئی چیز اپنے باطن کے خلاف ظاہر نہیں کی۔

احتمال سوم:

انکار قلبی کے ساتھ سکوت پایا جائے یہ شخص کافر ہے منافق نہیں ہے کیونکہ اس نے کچھ ظاہر نہیں کیا۔

قسم چوتھی:

یہ کہ تمام اعتقادات سے قلب خالی ہو تو اس میں بھی تین احتمال ہیں یعنی اس صورت میں زبان سے اقرار ہوگا یا انکار ہوگا یا سکوت۔

احتمال اول:

یہ کہ زبانی اقرار پایا جائے تو یہ اقرار اختیاری ہوگا یا اضطراری۔ اگر اختیاری ہے تو وہ شخص دو حال سے خالی نہیں یا اس کو فکر اور نظر کی مہلت ہوگی یا نہیں اگر مہلت ہے تو کفر لازم نہ ہوگا مگر اس کا یہ فعل بے ہودہ ہوگا کہ اس نے یہ ایسی چیز کی خبر دی جس کے صدق اور کذب کا حال معلوم نہیں اور اگر اس کو فکر کی مہلت نہیں ملی تو اس کے کفر و ایمان میں توقف ہوگا۔ اگر اس کا یہ اقرار اضطراری تھا تو اس کو کافر نہیں کہہ سکتے کیونکہ اس کا توقف اگر فکر کی وجہ سے تھا اور اقرار کرنے میں اسے اپنی جان کا خوف تھا تو اس کا یہ فعل قبیح نہ ہوگا۔

احتمال دوم:

قلب تمام اعتقادات سے خالی ہو اور اس کے ساتھ زبانی اقرار پایا جائے اس کا حکم بھی اس صورت کے برعکس ہوگا۔

احتمال سوم:

Marfat.com

قلب اعتقادات سے خالی ہوا اور زبان سے سکوت ہو تو اس کو دیکھنا چاہئے اگر وہ شخص فکر کرنے میں مصروف ہے اس واسطے اس نے سکوت کیا تو یہ سکوت ضروری ہے اگر فکر کرنے میں مصروف نہیں ہے تو اس کو کافر کہنا ضروری ہے اور اس کو منافق ہرگز نہیں کہہ سکتے اس مقام پر جو احتمال ممکن تھے اور اس کو فقیر نے بیان کر دیا لیکن صاحب خزینۃ القرآن نے کافی احتمال بیان کیے ہیں جو اب ضروری ہیں اور اس سے نفاق کی حقیقت بھی کھل گئی کہ نفاق ظاہر کا باطن کے ساتھ مطابقت نہ ہونے کا نام ہے خواہ ظاہر باطن کے نام برعکس ہو یا جو چیز ظاہری بیان کی گئی ہو۔ باطن اس سے خالی ہو جب یہ تحقیق تم کو معلوم ہوگئی تو اس سے ظاہر ہو گیا کہ وَالنَّاسِ سے مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ اور بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ سے منافقین مراد ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

مسئلہ دوم:

اس بات میں اختلاف ہے کہ خالص کافر کا کفر بدتر ہے یا منافق کا نفاق۔ بعض کہتے ہیں کہ خالص کافر کا کفر بدتر ہے اس لیے کہ وہ دل سے بھی جاہل ہے اور زبان سے کاذب اور منافق اگرچہ دل سے کافر ہے مگر زبان سے صادق۔ اور بعض کہتے ہیں کہ منافق بھی زبان سے کاذب ہوا اس واسطے وہ اپنے آپ کو اس پر اعتقاد بتاتا ہے باوجودیکہ اس کا اعتقاد نہیں ہوتا۔ اس واسطے فرمانِ الٰہی ہے کہ قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا۔ الآخر یعنی کہ عرب کے لوگ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں۔ انہیں کہہ دو کہ تم ایمان نہیں لائے لیکن یہ کہ ہم ایمان لے آئے۔ اس واسطے کہ ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوگا۔ اور دوسری جگہ فرمایا: وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ۔ اور اللہ گواہ ہے بیشک یہ منافق جھوٹے ہیں۔ اسی بناء پر منافقین کی بہت سی خصوصیات ہیں اور بہت سی خباثتیں ایسی ہیں جو کھلے کافروں میں نہیں ہوتیں مثلاً:

۱۔ منافق کا تلبیس اور دھوکہ دینا مقصود ہوتا ہے۔ اور اصلی کافر کا یہ مقصود نہیں ہوتا۔

۲۔ اصلی کافر کی طبیعت میں مردانگی ہوتی ہے اور منافق کی طبیعت میں بزدلی ہوتی ہے جیسے کہ حدیث میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ منافق کو جب نیچا دکھاؤ تو وہ قسمیں زیادہ کھائے گا اور بزدل ہوگا وعدہ جھوٹا کرے گا۔ امانت میں خیانت کرے گا۔ یہ آیت کریمہ خزینۃ القرآن مجموعۃ الاحادیث اور امام باقر اور ابن عباس کی تفسیر سے اور مشہور محدثین کی روایات سے اس کا شان نزول بیان کرتے ہیں حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ عبداللہ ابن ابی کے ایک خاص گروہ کو حضور ﷺ ایمان کی تلقین فرماتے تھے۔ وہ زبان سے اقرار کرتے تھے لیکن جب وہ کفار سے ملتے تو انہیں کہتے کہ ہم حضرت محمد ﷺ کو دھوکا دیتے ہیں ہم محض ان کو خوش کرتے ہیں ہم تمہارے دین کو چھوڑ کر کہاں جا سکتے ہیں عبداللہ بن زبیرؓ نے ان کی یہ تمام گفتگو انہیں یہودیوں سے کہتے ہوئے سُنی اور آکر حضور ﷺ سے عرض کر دی۔ پھر تھوڑی دیر بعد وہ لوگ آگئے تو عبداللہ بن زبیرؓ نے ان سے وہ واقعہ بیان کیا تو انہوں نے انکار کر دیا کہ ہم نے یہ بات نہیں کی تو اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا آیت نازل فرمائی۔

۳۔ اصل کافر کو جھوٹ سے عار ہوتی ہے اور وہ صاف صاف کہہ دیتا ہے لیکن منافق صاف صاف نہیں کہتا اسے جھوٹ کی پرواہ نہیں ہوتی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کافر کفر میں بہادر ہوتے ہیں اور منافق منافقت میں بھی بزدل ہوتے ہیں۔

۴۔ منافق کے اندر کفر کے ساتھ ساتھ استہزاء بھی پایا جاتا ہے بخلاف اصلی کافر کے اس میں محض کفر پایا جاتا ہے جب کہ منافق کا کفر نہایت غلیظ اور شریر ہوتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ کافر اپنے کفر میں بدتر ہوتا ہے اور منافق اپنے نفاق، غلاظت اور شرارت میں بدتر ہوتا ہے۔ اس واسطے اللہ نے فرمایا ہے۔ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ۔ بیشک بعض منافق آگ کے نچلے گڑھے میں ہوں گے۔ حدیث شریف میں ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ فرماتے ہیں کہ جہنم میں سب سے زیادہ چیخ و پکار منافقوں کی ہوگی۔ یہ حدیث تفسیر امام باقر، مقاتل اور عطا خراسانی میں ہے۔

۵۔ مجاہد نے بیان کیا ہے کہ اللہ نے اس مقام پر سب سے پہلے چار آیات میں مومنین کا ذکر فرمایا پھر ان کے بعد دو آیات میں کفار کا اور پھر تیرہ آیات میں منافقین کا ذکر فرمایا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سب سے زیادہ سخت مجرم منافقین ہیں مگر یہ دلیل ٹھیک نہیں۔ اس واسطے کہ ان کے حالات کا زیادہ بیان کرنا اُن کے سب سے زیادہ مجرم ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتا بلکہ اور وجہ سے ان کا ذکر زیادہ آیات میں آیا ہے کہ انہوں نے اپنے کفر کے ساتھ اور بھی بہت سے برے

Marfat.com

افعال ملالیے ہیں۔ مثلاً دھوکہ دینا، استہزاء کرنا اور مسلمانوں کی بدخواہی کرنا وغیرہ۔ اس کا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ ان کا حال زیادہ بیان کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ کو بہ نسبت کفار کے منافقین کے شر سے مسلمانوں کا دفاع کرنے کا زیادہ اہتمام ہے۔ یہ دلائل صاحب خزینۃ القرآن کے ہیں جو رازی نے خزینۃ القرآن سے اخذ کیے ہیں اور انہوں نے تفسیر امام باقر سے لیے ہیں۔ امام باقر کے ان دلائل کو کافی مفسرین نے بیان کیا ہے۔

مسئلہ تیسرا:

یہ ہے کہ یہ آیت دو امر پر دلالت کرتی ہے:

امر اوّل:

وہ شخص جو اللہ کو پہچانے مگر اس کا اقرار نہ کرے وہ مومن نہیں ہوسکتا۔ اس واسطے کہ اللہ فرماتا ہے وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ۔ اور فرقہ کرامیہ کہتا ہے کہ وہ شخص مومن ہوگا۔ دوم اس آیت سے ان لوگوں کا قول باطل ہوتا ہے جو کہتے ہیں کہ تمام مکلف جو اللہ کو پہچانتے ہیں اور جو نہیں پہچانتے وہ مکلف نہیں ہوسکتے۔ امر اول کا بیان یہ ہے کہ اگر یہ منافقین اللہ کو پہچان کر اس کا اقرار کرتے تو ضروری تھا کہ ان کا یہ اقرار ایمان ہوتا۔ اس واسطے جو شخص اللہ کو پہچان کر اس کا اقرار کرے اس کا مومن ہونا ضروری ہے دوسرے امر کا بیان یہ ہے کہ اگر اللہ کو نہ پہچاننے والا اپنے جہل میں معذور ہوتا تو اللہ ان کے اس جہل پر ان لوگوں کی مذمت نہ بیان فرماتا۔ پس ان لوگوں کا قول باطل ہو گیا جو کہتے ہیں کہ ان اشیاء کے جہل میں انسان معذور سمجھا جائے گا۔

مسئلہ چوتھا:

مفسرین کا اس بات میں اختلاف ہے کہ انسان کا لفظ کس چیز سے مشتق ہے اس باب میں بھی چند قول ہیں:

۱۔ وہ قول یہ ہیں کہ ابن عباس سے مروی ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ ان کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس کے ساتھ عہد ہو چکا۔ وہ اس عہد کو بھول گیا اور اس پر نسیان طاری ہو گیا اور ایک شاعر کا شعر یہ ہے کہ میں نے سنا کہ جو کچھ انسان کی زبان سے نکلے اور اسے بھول جائے تو اسی لیے تیرا نام انسان رکھا گیا۔ اور ابوالفتح بستی کا شعر ہے۔ ترجمہ: یعنی سب سے زیادہ لوگوں پر احسان اور کرم کرنے والے تجھے اپنا وعدہ بھول گیا۔ اور بھول بخش کے قابل ہوتی ہے۔ تو بھی بھول کو بخش دے کہ پہلی بھول حضرت آدمؑ سے ہوئی تھی۔

۲۔ دوسرا قول یہ ہے کہ انسان کو چونکہ جنس کے ساتھ اُنس ہوتا ہے اس لیے اس کا نام انسان رکھا گیا۔

۳۔ تیسرا قول یہ ہے کہ انسان کو انسان اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ ظاہر ہوتا ہے اور اللہ نے انسان میں خاص صفات پیدا فرمائی ہیں اسے عقل سلیم سے نوازا ہے جس سے انسان اچھے بُرے کی پہچان کرتا اور سمجھ سکتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے: آنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا۔ یعنی موسیٰؑ نے کوہ طور کی طرف آگ کو دیکھا اسی طرح جن کو جن اس لیے کہتے ہیں کہ وہ پوشیدہ ہے۔ جنّان کے معنی پوشیدگی کے ہیں اور یہ بات ماننا بھی ضروری ہے کہ ہر لفظ میں اس بات کی ضرورت نہیں کہ خوانخواہ کسی چیز سے مشتق ہو۔ اس بناء پر اس بات کی ضرورت نہیں کہ لفظ انسان کو کسی چیز سے مشتق کیا جائے۔

مسئلہ پانچواں:

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ آیت منافقین اہل کتاب کے حق میں نازل ہوئی ہے جن میں سے یہ لوگ بھی ہیں۔ عبداللہ ابن ابی اور معتب بن قشیر وغیرہ ان لوگوں کا دستور تھا جب مسلمانوں سے ملتے تو ایمان و تصدیق ظاہر کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم اپنی کتاب میں رسول اللہ ﷺ کی نعت اور صفت پاتے ہیں لیکن جب آپس میں ملتے تو یہی کچھ باتیں کرتے۔ یہ روایت خزینۃ القرآن سے اخذ کی ہے اور انہوں نے تفسیر امام باقر و مقاتل سے بیان کی ہے۔

چھٹا مسئلہ:

Marfat.com

مَن کے لفظ میں تثنیہ جمع اور واحد سب کی صلاحیت ہے۔ واحد کی مثال یہ آیت ہے۔ وَمِنْهُم مَن يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ۔ اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو آپ ﷺ کی طرف کان لگاتا ہے۔ اور جمع کی مثال یہ ہے وَمِنْهُمْ مَن يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ یعنی ان میں سے بعض ایسے ہیں جو آپ ﷺ کی طرف کان لگاتے ہیں۔ اور اس کی یہ وجہ ہے کہ مَن کا لفظ اپنے اعتبار سے واحد ہے اور معنی کے اعتبار سے جمع ہے اس واسطے واحد لاتے وقت اس کا رجوع لفظ کی طرف ہو جاتا ہے اور اس آیت میں دونوں باتیں موجود ہیں اس واسطے کہ مَنْ يَّقُوْلُ۔ واحد کا صیغہ ہے اور اٰمَنَّا۔ جمع کا صیغہ ہے۔ اس آیت کے متعلق چند سوال باقی ہیں۔

سوال اوّل:

منافقین کو اللہ پر اور روز آخرت پر ایمان اور یقین تھا یہ آیت نبی کریم ﷺ کی نبوت کی تائید کے حق میں ہے۔ پھر ان کے اس دعویٰ کو کیوں جھوٹا کہا گیا ہے کہ اللہ اور آخرت پر یقین نہیں رکھتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ فقیر اس آیت کو منافقین اور مشرکین کے حق میں محمول کرتا ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ آیت منافقین کے حق میں ہے پس کوئی اعتراض نہیں ہے اس واسطے کہ انہیں سے اکثر منافق اللہ پر یقین رکھتے ہیں اور حشر نشر سے منکر تھے۔ اور اگر ہم اس آیت کو منافقین اہل کتاب یعنی یہودیوں کے حق میں محمول کریں گے تو اللہ کے انہیں جھوٹا بتلانے کہ وجہ یہ ہے کہ یہودیوں کو جو اللہ پر ایمان ہے وہ درحقیقت ایمان نہیں ہے اس واسطے کہ وہ اللہ کو مجسم مانتے ہیں اور عزیرؑ کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں۔ اسی طرح آخرت پر بھی جو ان کو ایمان ہے وہ بھی درحقیقت ایمان نہیں۔ پھر جب ایسی حالت میں انہوں نے کہا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ۔ یعنی ان میں سے ایک شخص نے کہا کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور یوم آخرت پر۔ اس سے ان کی خباثت ظاہر ہوگئی کیونکہ ان کے دلوں میں باطنی طور پر یقین نہ تھا اور زبان سے کہہ کر مسلمانوں کو گویا دھوکہ دیتے تھے کہ جیسے تمہارا ایمان ہے ویسا ہی ہمارا ایمان ہے اس واسطے اللہ نے ان کی تکذیب فرمائی۔

سوال نمبر۲:

وَمَا هُم بِمُؤْمِنِيْنَ و اٰمَنَّا بِاللّٰهِ۔ میں مطابقت نہیں معلوم ہوتی اس واسطے کہ پہلے قول وفعل کا ذکر ہے یعنی ایمان لانے کا انہوں نے بیان کیا اور وَمَا هُم بِمُؤْمِنِيْنَ۔ میں فاعل کا ذکر نہیں اور تطبیق کی صورت یہ ہے کہ جس طرح انہوں نے کہا تھا کہ ہم ایمان لائے ہیں اس کے جواب میں کہا جاتا کہ وہ ایمان نہیں لائے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص بیان کرے کہ فلاں شخص نے مسئلے میں مناظرہ کیا پھر اس کے جواب میں کوئی کہے کہ مسئلہ مذکورہ میں مناظرہ نہیں کیا تو اس قول میں صرف پہلے قول کی تکذیب ہوگی اور اگر اس کے جواب میں یہ کہا جائے کہ وہ مناظرین میں ہے یا نہیں تو یہ تکذیب مبالغہ کے ساتھ ہوگی یعنی وہ اس حقیقت میں داخل ہی نہیں پھر کیونکر اس سے ایسا گمان ہوسکتا ہے اس طرح یہاں واقعہ ہوا ہے کہ جب منافقین نے کہا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ۔ یعنی ہم اللہ پر ایمان لائے اگر اس کے جواب میں اللہ فرماتا مَا اٰمَنُوْا۔ یعنی وہ ایمان نہیں لائے تو اس قول میں صرف ان کی تکذیب پائی جاتی۔ جب فرمایا: وَمَا هُم بِمُؤْمِنِيْنَ۔ یعنی وہ مومنوں میں سے نہیں ہیں تو مبالغہ کے ساتھ تکذیب پائی گئی۔ اس کی مثال یہ ہے۔ اللہ فرماتا ہے: يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخَارِجِيْنَ مِنْهَا۔ اور وہ لوگ آگ سے نکلنے کا ارادہ کریں گے لیکن نکلنے والوں میں سے نہیں ہوں گے۔ اس میں مبالغہ پایا جاتا ہے۔ اگر ما یخرجون منھا۔ آتا۔ یعنی وہ آگ سے نہ نکلیں گے تو یہ مبالغہ نہ سمجھا جاتا۔

سوال نمبر۳:

یوم آخرت سے کیا مراد ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یوم آخرت سے ہوسکتا ہے وہ وقت مراد ہو جس کی حد نہ نکلے ابدالآباد دائمی جس کی مدت کا انقطاع نہ ہو اور ہوسکتا ہے کہ اس سے وقت محدود مراد ہو۔ یعنی نشور کے وقت سے اس وقت تک کہ جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں داخل ہو جائیں اس واسطے کہ اوقات محدود کا آخری وقت یہی ہے اور اس کے بعد کسی وقت کی حد نہیں نکلتی ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ (۹) فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ

Marfat.com

مَرَضًا وَلَھُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ بِمَا کَانُوۡا یَکۡذِبُوۡنَ (۱۰)

ترجمہ: وہ لوگ دھوکہ دیتے ہیں اللہ کو اور ایمان والوں کو۔مگر درحقیقت وہ اپنے آپ کو دھوکہ دیتے ہیں لیکن نہیں سمجھتے۔ان کے دلوں میں بیماری ہے پس زیادہ کیا اللہ نے ان کی بیماری کو اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔اس لیے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔

معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ نے منافقین کے افعال قبیحہ کو چار قسموں میں بیان کیا ہے۔

وہ خصلت جس کا اس آیت میں ذکر ہوا، یہ ہے کہ یہ لوگ دھوکہ باز ہیں اور اللہ اور ایمان والوں کو دھوکہ دیتے ہیں پہلے یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ مخادعت جس کا کہ اللہ نے ذکر فرمایا وہ کیا چیز ہے؟ دوسرے یہ معلوم کرنا کہ اللہ نے مخادعت کرنے سے کیا مراد لیا ہے۔تیسرے یہ معلوم کرنا کہ منافقین اللہ کے ساتھ کس حد تک مخادعت کرتے تھے اور چوتھے یہ کہ وَمَا یَخۡدَعُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡفُسَھُمۡ۔سے کیا مراد ہے۔

مسئلہ پہلا:

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مخادعت ایک مذموم فعل ہے اور جو چیز مذموم ہے اس کو دوسری چیز سے امتیاز کرنا ضروری ہے تا کہ اس سے احتراز کریں اور اس کے اصل معنی اخفا اور پوشیدہ کرنے کے ہیں اس واسطے خزانے کو بھی مخدع کہتے ہیں کہ وہ مخفی ہوتا ہے عرب کے لوگ کہتے ہیں۔جب سوسمار اپنے سوراخ میں پوشیدہ ہو جاتا ہے تو کچھ نظر نہیں آتا اور جب کوئی راستہ منزل مقصود کے خلاف جس کا پتہ نہ چل سکے تو اسے خیدعٌ و خادعٌ اور خادع کی تعریف یہ ہے کہ ظاہر میں ایسا کام کرنا جس میں سلامتی اور دوستی ہو اور بالمقابل دوسرے کے نقصان کا ارادہ کرنا۔پس خادعیہ کی مثال وہی ہے جس طرح کفر میں نفاق یا افعال حسنہ میں ریا ہوتا ہے۔یہ سب باتیں دین کے خلاف ہیں اس واسطے کہ دین کا مقصد یہ ہے کہ انسان راضی برضا ہو اور دھوکہ دہی اور نقصان پہنچانے سے گریز کرے۔اس طرح دین کا مقتضی یہ ہے کہ اللہ کی عبادت خلوص سے کی جائے۔جو شخص ریا کے لیے عبادت کرتا ہے اس کو مدلّس کہتے ہیں وہ اپنی داد کے خلاف ظاہر کرتا ہے اور حدیث میں جو تدلیس کا لفظ بولا جاتا ہے یعنی فلاں راوی مُدلّس ہے اس سے بھی مراد یہی ہے کہ وہ راوی اس شخص سے اپنا سماع جتلاتا ہے جس سے اس کو سماع نہیں ہوتا۔اگر اعلانیہ ایسا کرے تو اس کو مدلّس نہیں کہتے یہ واقعات امام باقر نے اپنی تفسیر میں لکھے اور بقیہ مفسرین نے بھی بیان کیا۔

مسئلہ ۲:

اللہ سے انہیں مخادعت کرنے کی کیا ضرورت ہے۔اس واسطے یہاں کوئی اعتراض کر سکتا ہے کہ اللہ سے مخادعت اور فریب کرنا کئی وجہ سے محال ہے ایک وجہ یہ کہ اللہ کے علم ازلی میں سب کے بھید موجود ہیں پھر اسے کوئی کیسے دھوکہ دے سکتا ہے اس واسطے کہ جو کام وہ لوگ کرتے ہیں اگر بیان کر دیتے کہ ہمارے دل میں یہ نہیں ہے جو زبان پر ہے تو ظاہر ہے کہ پھر دھوکہ اور مخادعت نہ ہوتی۔جب اللہ کے بھید وعلم ازلی میں ان کے بھید موجود ہیں پھر ان کے قول کو خداع کیسے کہہ سکتے ہیں۔اس سے ثابت ہوا کہ اس لفظ کو ظاہر معنی پر محمول نہیں کر سکتے بلکہ دو طرح سے اس کی تاویل کرنی چاہیے۔

تاویل اوّل:

اللہ نے اپنا ذکر فرمایا ہے اور مراد رسول کریم ﷺ کی ذات ہے اور اس میں حضور ﷺ کی عظمت اور شان پائی گئی اور قرآن میں جابجا اس طرح وارد ہے۔اللہ فرماتا ہے:۔ اِنَّ الَّذِیۡنَ یُبَایِعُوۡنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوۡنَ اللّٰہَ ۔یعنی اے نبی ﷺ جو لوگ تجھ سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں ایک اور جگہ آیا ہے۔وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَا غَنِمۡتُمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ فَاَنَّ لِلّٰہِ خُمُسَہٗ ۔پس جان لو کہ جو غنیمت تمہارے ہاتھ لگے پس اس میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لیے پانچواں حصہ ہے۔اسی طرح جب منافقین نے رسول اللہ ﷺ کو دھوکہ دیا تو اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دینے والے ہو گئے۔یہ دلائل خزینۃ القرآن کے تھے جو امام رازی نے بیان کیے ہیں۔

صاحب خزینۃ القرآن اس بات کو تاویل نہیں فرماتے بلکہ وہ خطابت سے ثابت کرتے ہیں لکھتے ہیں حضرت علیؓ اپنے مجموعہ کلام میں کہ ہم صحابہ موجود تھے تو

Marfat.com

حضرت عمر فاروقؓ نے جب آیتِ منافقین اور اہلِ کتاب کے حق میں نازل ہوئی تو عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ! یہ منافقین اللہ کو کیسے دھوکہ دے سکتے ہیں حالانکہ وہ تو جبار، قہار اور احکم الحاکمین ہے پھر سب کچھ اس کے علم ازلی میں ہے جیسا کہ آپ ﷺ فرماتے ہیں پھر یہ دھوکہ کیسے ہوا؟ سرکار ﷺ نے فرمایا کہ لوگو سمجھ لو میں اللہ کا حبیب ﷺ ہوں وہ میرے لیے ہے میں اس کے لیے ہوں تو اسے کوئی دھوکہ نہیں دے سکتا حالانکہ سب کا مالک و خالق ہے پھر اسے کوئی کیسے دھوکہ دے سکتا ہے وہ تو دھوکہ سے پاک ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا! یہ لوگ مجھے فریب دیتے ہیں اور جو مجھے فریب دے وہ یوں سمجھے کہ اس نے اللہ کو دھوکہ دیا ہے پھر آپ ﷺ نے مثال دی فرمایا تم نے قرآن میں نہیں پڑھا اللہ نے فرمایا ہے کہ اے حبیب ﷺ! جو لوگ آپ ﷺ سے بیعت ہوئے وہ اللہ سے بیعت ہوئے جس نے تیرے ہاتھ پر بیعت کی اس نے میرے ہاتھ پر بیعت کی ایک اور جگہ ارشاد فرمایا: بیشک اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو تکلیف دیتے ہیں اللہ ان پر لعنت بھیجتا ہے اور فرمایا کہ کیا اللہ کو بھی کوئی تکلیف پہنچا سکتا ہے؟ ہم سب نے کہا نہیں، پھر فرمایا جس طرح میری بیعت اللہ کی بیعت ہے جو کوئی مجھے ایذا دے، سمجھے اللہ کو ایذا دے رہا ہوں۔ کیونکہ مجھے تکلیف دینا اللہ کو تکلیف دینا ہے اور میرے ساتھ فریب کرنا اللہ کے ساتھ فریب کرنا ہے۔ ظاہراً اللہ تعالےٰ نے یہ اپنے لیے فرمایا لیکن باطن میں میرے لیے ہے۔ فرمایا۔ قرآن میں اس طرح کی کوئی مثال اگر تمہیں معلوم ہو تو میری طرح تصور کیا کرو۔ یہ حدیث صاحب خزینۃ القرآن درج کرتے ہیں اور تواتر سے ہے اور تفسیر امام باقر میں موجود ہے اس ضمن میں ۲۷۵ حدیثیں درج کی ہیں جو تفسیر امام باقر سے لی ہیں صاحب خزینۃ القرآن موسیٰ بن البرقع کی یہ علمی بصیرت ہے کہ کیسے احسن طریقے سے یہ مسئلہ واضح فرمایا۔ اپنی حکایت کو حدیث سے منطبق کیا اور امام رازی نے بھی اپنی تفسیر میں اس کو سراہا ہے۔

صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ ابن عباس و مولا علی اور سیدنا ابوبکرؓ فرمایا کرتے تھے کہ یہ آیت کریمہ رسول اللہ ﷺ کی عظمت اور مدح وثناء کے لیے نازل ہوئی ہے۔ امام رازی نے بھی صاحب خزینۃ القرآن کی مطابقت کرتے ہوئے لکھا ہے۔

تاویل ۲:

یہ اللہ کے ساتھ ان کی صورت حال کہ وہ دل میں کفر رکھتے ہیں اور زبان سے اسلام ظاہر کرتے ہیں اس طرح ہے جس طرح دوسروں کو دھوکہ دیتے ہیں اللہ ان کے ساتھ جو برتاؤ فرماتا ہے۔ برتاؤ کی صورت ایسی ہے جیسے کوئی دھوکہ دیتا ہے کہ وہ لوگ باوجودیکہ عند اللہ کافر ہیں مگر اللہ نے حکم صادر فرمایا ہے کہ ان پر مسلمانوں کے احکام جاری کیے جائیں اس طرح مسلمانوں کے ساتھ ان کا برتاؤ ہے۔ ان کے بارے میں اللہ کا حکم ہے اس کی بجا آوری کرتے ہیں اور اسلام کے احکام ان پر ظاہر ہیں۔ حدیث میں ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ منافق ظاہری طور پر اسلام کا دعوٰی کرتے ہیں اور باطن میں اسلام کی مخالفت کرتے ہیں اللہ کے نزدیک ایسا کرنا کفر ہے اور اللہ ان سے اس کفر کا انتقام لے گا لیکن اس میں پہلی تاویل جو گزر چکی ہے وہ بہتر ہے تاویل دوسری بھی ہے اس کی تطبیق بھی حدیث سے ہے یہ بھی درست ہے لیکن پہلی دلیل قوی ہے۔

مسئلہ ۳:

یہ کہ مخادعت میں ان کی غرض کیا تھی؟ اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے۔

۱۔ یہ کہ منافقین کو گمان تھا کہ نبی اور مسلمان لوگ ہمارے ساتھ اچھا برتاؤ کریں گے اور مسلمانوں کی طرح ہماری تعظیم و تکریم کریں گے اگرچہ ہمارے دل اس کے خلاف ہیں اس لیے مسلمانوں کو فریب و دھوکہ دیتے تھے۔

۲۔ ان کو یہ خیال تھا کہ نبی کریم ﷺ اپنے اسرار اور مسلمان اپنے دل کے راز ان پر ظاہر کر دیں گے۔ اور ہم ان کے رموز کفار کے سامنے بیان کر دیں گے۔

۳۔ یہ کہ ان کا مقصود تھا کہ کفار کے احکام مثل قتل وغیرہ کے ہمارے سے اٹھ جائیں گے اس لیے کہ سرکار ﷺ فرماتے ہیں مجھ کو لوگوں سے مقابلہ کرنے کا اس وقت تک حکم ہے جب تک کہ وہ لآ الٰہ الاّ اللّٰہ نہیں کہہ دیتے۔

۴۔ ان کو اموال غنیمت کی طمع تھی اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ اللہ نے حضور ﷺ کو ان کے مکر و فریب کا حال کیوں نہ بیان فرمایا کہ ان کا فریب ظاہر ہو جاتا۔ تو اس

Marfat.com

کا جواب یہ ہے کہ اللہ ابلیس اور اس کی ذریات کو بالکل استحصال کر کے نابود کر سکتا ہے۔ مگر اللہ نے انہیں چھوڑ رکھا ہے بلکہ قوت دے رکھی ہے یا تو اللہ جو چاہے حکم دیتا ہے اور یا اس میں کوئی حکمت ہے جسے وہی خوب جانتا ہے۔

مسئلہ ۴:

نافع اور ابن کثیر نے یہاں وَمَا یُخٰدِعُوْنَ۔ پڑھا ہے اور باقی قرآء وَمَا یَخْدَعُوْنَ پڑھتے ہیں اس میں حجت یہ ہے جس طرح پہلے فرمایا یُخٰدِعُوْنَ اللّٰہَ۔ اس طرح یہاں وَمَا یُخٰدِعُوْنَ ہونا چاہئے۔ تا کہ اس کی مطابقت ہو جائے اور دوسرے کی حجت یہ ہے کہ مخادعت دو شخصوں میں یعنی دو جانب ہوا کرتی ہے۔ پس ایک شخص اپنی ہی ذات سے مخادعت نہیں کر سکتا۔ پھر انہوں نے فرمایا وَمَا یُخٰدِعُوْنَ کے اندر دو ذکر ہیں ایک تو یہ کہ اللہ ان کو اس فریب کی جزا دے گا ان کو عذاب دے گا۔ یہ وجہ امام حسنؓ سے مروی ہے دوسری وجہ یہ ہے جسے اکثر مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ اس فریب کا زوال دنیا میں انہی کی طرف راجع ہونے والا ہے۔ پھر اللہ فرماتا ہے: اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰہَ وَھُوَ خَادِعُھُمْ۔ یعنی بیشک منافق اللہ کو فریب دیتا ہے اور اللہ ان کو فریب کی تدبیر کرتا ہے۔ حدیث میں بھی یہی ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا وَمَا یُخٰدِعُوْنَ اس لیے ہے کہ اللہ ان کو عذاب دے گا۔ اس کی حقیقت ان کی طرف راجع ہوگی۔ یہ حدیث امام باقر نے بیان کی ہے اور مذکورہ قول بھی انہی کا ہے جس کو جمہور مفسرین نے پسند کیا جس طرح وہ اللہ سے فریب کرتے ہیں اس فریب کی اللہ ان کے لیے تدبیر فرماتا ہے پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اللہ نے حضور ﷺ پر ان کا فریب کیوں نہ ظاہر کیا۔

جواب:

امام رازی نے جو جواب دیا ہے وہ بیان ہو چکا خزینۃ القرآن سے ایک دلیل ہے جو حدیث سے ہے رسول اللہ ﷺ سے سیدہ عائشہؓ پوچھتی ہیں کہ یا رسول اللہ ﷺ منافقوں کے بارے میں اللہ نے آپ کو کچھ نہیں بتایا تو آپ ﷺ نے فرمایا اللہ نے مجھے ان کے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہے مگر میں ظاہر نہیں کرتا تا کہ یہ جتنے گناہ کرنا چاہیں کر لیں۔ فرمایا اللہ نے مجھے وسیع علم عطا فرمایا ہے جیسے عیسیٰؑ کو اپنے امتیوں کے بارے میں یہ تک معلوم تھا کہ وہ گھر کیا چھوڑ آئے ہیں اور کیا کھا کر آئے ہیں۔ اور فرمایا میں اللہ کا حبیب ﷺ ہوں مجھ سے اللہ کچھ چھپا کر نہیں رکھتا جیسے کہ کوئی حبیب ﷺ اپنے محب سے نہیں چھپاتا۔ فرماتے ہیں یہ حدیث حضرت علیؓ نے حضرت عائشہؓ سے سُن کر اپنے مجموعہ میں رقم کی۔ عبداللہ بن عمرؓ بھی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں فرماتے ہیں میں نے یہ حدیث نافل بن یحییٰؒ سے سُنی جو بڑا محدث تھا۔ انہوں نے زاہد بن عثمانؓ سے، انہوں نے اسحاق سے، انہوں نے عبدالرحمن بن ابوبکرؓ سے انہوں نے اپنے والد ابوبکرؓ سے انہوں نے بعینہٖ یہی الفاظ رسول اللہ ﷺ سے حدیث مستند ہے۔ یہ حدیث تفسیر امام محمد بن باقر، ابی بن کعب، ابوالعالیہ، عطا اور قتادہ سے بن زعامہ میں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔ اَنَّمَا نَحْنُ مُسْتَھْزِءُوْنَ اَللّٰہُ یَسْتَھْزِئُ بِھِمْ۔ یعنی وہ کہتے ہیں کہ ہم ٹھٹھہ کرتے ہیں اللہ ان کے ساتھ ٹھٹھا کرتا ہے یعنی وہ کہتا ہے کہ جس طرح احمق لوگ ایمان لے آئے کیا ہم بھی ایمان لے آئیں۔ اے پیغمبر آگاہ ہو جا کہ احمق وہی ہیں یعنی کہ انہوں نے داؤ کیا اور ہم نے ان کے مطابق تدبیر کی اس کے علاوہ بعض باتیں بحث طلب رہ گئی ہیں جو یہ ہیں۔

۱۔ بعض قراء نے یہاں وَمَا یُخٰدِعُوْنَ پڑھا ہے۔

۲۔ نفس کے معنی شے کے ہیں یا ذات اور حقیقت کے ہیں اجسام کے ساتھ اس کو خصوصیت نہیں ہے۔

۳۔ شعور کسی چیز کے علم کو کہتے ہیں جو جس کے ذریعے حاصل ہوا سی واسطے حواس کو مشاعر کہتے ہیں در مقصود یہ ہے کہ ان کو نقصان پہنچنا ایسا ہے جیسے کوئی چیز آنکھوں کے سامنے نظر آتی ہے لیکن وہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں اس لیے ان کو نقصان محسوس نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَضٌ۔ ان کے دلوں میں بیماری ہے۔ اگر کوئی کہے کہ ہر چیز کی زیادتی اس کی جنس سے ہوا کرتی ہے پس اگر یہاں مرض سے کفر اور جہل مراد ہو تو فَزَادَھُمُ اللّٰہُ مَرَضًا۔ سے بھی کفر اور جہل مراد ہوگا۔ اس سے لازم آتا ہے کہ اللہ کفر اور جہل کا قائل ہو اور معتزلہ کہتے ہیں کہ اس زیادتی سے اللہ کی مراد نہیں ہو سکتا۔ یہ چند وجوہ ہیں:

۱۔ کہ کفار کو قرآن پر طعن کرنے کا بہت شوق رہتا تھا اور انہیں اس بات کی حرص تھی پس اگر اس آیت کے یہ معنی ہوئے تو وہ لوگ ضرور حضور ﷺ سے کہتے کہ جب

Marfat.com

اللہ تعالیٰ نے ہمارے اندر کفر پیدا کر دیا تو آپ ﷺ ہم کو ایمان کا حکم کس لیے فرماتے ہیں؟

۲۔ اگر اللہ کفر کا قائل ہو تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسی کاذب کے ہاتھ پر معجزہ کو ظاہر کر دے۔ اس وقت قرآن کی صداقت حجت سے باقی نہ رہے گی۔ پھر کیا ضرورت ہے کہ اس کی تفسیر اور توضیح میں مشغول رہیں۔

۳۔ اللہ نے ان آیات میں کفر پر ان کی مذمت فرمائی ہے اور جو چیز اللہ نے خود پیدا کی ہو اس کی مذمت اُس سے کس طرح ہو سکتی ہے؟

۴۔ اللہ فرماتا ہے کہ ان کے لیے عذاب الیم ہے چنانچہ اگر کفر اللہ نے پیدا کیا ہوتا جس طرح ان کا رنگ اور قد بناتا ہے، پھر ان کا کیا گناہ تھا جس کے عوض انہیں عذاب دیا جاتا۔

۵۔ اللہ نے اس کفر اور جہل کو انہی کی طرف منسوب کیا ہے چنانچہ فرمایا:۔ بِمَا كَانُوا يَكْذِبُونَ ۔ ان کو احمق اور بے وقوف فرمایا اور کہا کہ جب وہ اپنے شیطانوں کے پاس جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں جب یہ بات ثابت ہوگئی تو ہم کہتے ہیں کہ یہاں پر تاویل کرنی ضروری ہے اور یہ کئی طرح پر ہے ایک یہ کہ مَرَض ۔ سے رنج و غم مراد ہے۔ رنج پہنچنے پر کہتے ہیں کہ فلاں امر سے میرا دل مریض ہو گیا۔ یہاں پر یہ مراد ہے کہ جب منافقین نے حضور ﷺ کی شان میں روز بروز بلندی اور عظمت کو دیکھا تو اس سے ان کے دل کمزور پڑ گئے اور مریض ہو گئے۔ اس واسطے کہ جس طرح اسلام کی عزت بڑھتی تھی اسی قدر ان کی ریاست پر زوال آتا جاتا تھا چنانچہ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ رسول اللہ ﷺ اونٹنی پر سوار ہو کر عبداللہ بن ابی کے پاس گئے۔ اس نے کہا اے محمد ﷺ اپنی اونٹنی کو یہاں سے ہٹا لو۔ ہم کو اس کی بدبو سے تکلیف ہوتی ہے اس پر بعض انصار نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! اس کو اپنے سے دور رکھیں ہم نے اس بات کا ارادہ کیا تھا کہ آپ ﷺ کے تشریف لانے سے قبل ریاست کی طرف توجہ کریں جب ان کفار پر رنج والم نے اس قدر غلبہ کیا تو اللہ نے ان کے رنج و ملال کا حال اس مقام پر بیان کیا اور فرمایا فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضاً۔ یعنی اللہ نے روز بروز حضور ﷺ کی شان بڑھا کی ان کا غم بڑھا دیا۔

۲۔ جس قدر تکلیف شرعی کی زیادتی تھی اسی قدر ان کا مرض اور کفر اور زیادہ ہوتا گیا۔

۳۔ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضاً ۔ سے مراد یہ ہے کہ اللہ نے اپنی مہربانیوں کو ان سے روک لیا۔ ان کو ذلیل کر دیا۔ جس طرح دوسری جگہ فرمایا:۔ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ أَنّٰى يُؤْفَكُونَ ۔ اللہ نے انہیں قتل کر دیا۔ پس وہ کہاں پھرتے ہیں۔

۴۔ اہل عرب کا قاعدہ ہے کہ دیر میں فتح کو مرض کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فلاں لڑکی مریضہ الطرف ہے۔ یعنی نگاہ نیچی رکھتی ہے۔ جلد از جلد پلکیں نہیں جھپکاتی۔ یہ دلائل امام محمد باقر کے ہیں چنانچہ جریر کا ایک شعر ہے جس کا ترجمہ ہے: وہ آنکھیں جن کے اندر نگاہ نیچی رکھنے کی بیماری ہے، نے ہم کو قتل کر ڈالا پھر ہمارے مقتولین کو زندہ نہیں کیا۔

۵۔ مرض کو قلب کی تکلیف اور الم پر محمول کیا جائے تو اس کی وجہ یہ ہے جب انسان حسد اور ناگوار باتوں میں مبتلا ہو جاتا ہے اور رات دن دیکھا جاتا ہے تو بسا اوقات ایسے ہوتا ہے کہ اس کے باعث اس کے قلب کا مزاج متغیر ہو جاتا ہے اس وجہ سے دماغ ماؤف ہو کر رہ جاتا ہے اور مرض سے یہ مراد لینا مرض کے حقیقی معنی پر محمول کرنا ہے۔ معتزلیوں کا قول پہلے بیان ہو چکا ہے کہ کفر کا پیدا کرنا دل کے اندر یہ اللہ نہیں کرتا۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ یہ باطل اور کفر ہے۔ اللہ فرماتا ہے:۔ اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۔ اللہ ہر شے کا پیدا کرنے والا ہے تو پھر کفر بھی اشیاء میں ہے۔ رہی یہ بات کہ دو چیزیں ہیں ایک فطرت، دوسری حقیقت۔ اگر ان لوگوں نے اسلام کو پسند کر لیا تو ان کی حقیقت ہوگئی اور کفر ان کے لیے ازل میں تھا یہ فطرت ہے۔ ہر چیز کو اللہ نے فطرت پر پیدا کیا ہے لہٰذا یہ کفر ان کی حقیقت میں داخل تھا تو یہاں مرض سے مراد حدیث شریف میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ عزت اللہ اور رسول اللہ اور مومنوں کے لیے پہلے مسلمانوں سے فرمایا۔ یاد رکھو کہ اسلام جوں جوں بلند ہوتا ہے اللہ میری عزت کو اسی قدر بلند فرماتا ہے اور ان کی ریاستیں ان سے چھینی جا رہی ہیں اور اسلام گونج رہا ہے۔ ان کی بیماری بڑھ رہی ہے ان کے دل بیمار ہو چکے ہیں ان کی تکلیف زیادہ بڑھے گی۔ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب مدینہ کے قریب چھوٹی

Marfat.com

چھوٹی عام ریاستیں مفتوح ہوگئیں اور کافروں کو رنج ہوا۔ یہ دونوں آیتیں اتریں صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ الٓمٓ۔ سے لے کر مفلحون۔تک ان آیات سے میں نے اپنی تفسیر میں دو لاکھ مسائل نکالے ہیں اور میرے دادا امام باقر نے پانچ لاکھ مسائل نکالے اور ان آیات کی شان میں نوسو مستند احادیث بیان کی ہیں۔ مذکورہ حدیث تفسیر امام باقر سے پہلے اور پانچویں دور تک کے تمام مفسرین نے بیان کی ہے اور دو آیات جو کفار کے متعلق ہیں ان سے بیس ہزار مسائل اور چار سوا حادیث کو ان آیات کی شان میں بیان کیا ہے۔ امام باقر نے زیادہ احادیث بیان کی ہیں ان منافقین کے متعلق تیرہ آیات ہیں۔ ڈھائی لاکھ مسائل ہیں اور ان آیات سے متعلق بکثرت احادیث ہیں جو امام باقر نے بیان کی ہیں۔ لہٰذا ان دو آیات سے متعلق جو فقیر کہتا ہے۔کافی ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: وَاِذَا قِیۡلَ لَهُمۡ لَا تُفۡسِدُوۡا فِی الۡاَرۡضِ قَالُوۡۤا اِنَّمَا نَحۡنُ مُصۡلِحُوۡنَ (۱۱) اَلَاۤ اِنَّهُمۡ هُمُ الۡمُفۡسِدُوۡنَ وَلٰـكِنۡ لَّا يَشۡعُرُوۡنَ (۱۲)

ترجمہ: اور جب کہا گیا ان سے کہ زمین میں فسادات نہ کرو، کہتے ہیں کہ دراصل ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں۔ یاد رکھو بیشک وہی فسادی ہیں لیکن وہ شعور نہیں رکھتے۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے منافقوں کی دوسری خصلت قبیحہ اور دوسری حرکات کو بیان کیا ہے اور اس آیت میں کئی امور دریافت طلب ہیں:

۱۔ ان سے یہ بات کہنے والا کون ہے کہ زمین میں فسادات مت کرو؟

۲۔ زمین میں فساد ڈالنے والے سے کیا مراد ہے؟

۳۔ اِنَّمَا نَحۡنُ مُصۡلِحُوۡنَ۔ کہنے والے کون لوگ تھے؟

۴۔ اصلاح سے کیا مراد ہے؟

سوال نمبر ۱:

بعض کے نزدیک لَا تُفۡسِدُوۡا فِی الۡاَرۡضِ۔ کا قائل اللہ اور بعض کے نزدیک رسول اللہ ﷺ اور بعض کے نزدیک بعض مومنین ہیں یہ سب احتمالات صحیح ہیں۔ ان کا قائل کوئی اور نہیں ہوسکتا جس کو دین اور نصیحت سے کچھ واسطہ نہ ہو۔ اگرچہ قرین قیاس یہ ہے کہ بات کہنے والے لوگ وہی تھے جن سے منافقین کا مقابلہ اور بحث ہوتی ہے یا تو ایسا ہو کہ رسول اللہ ﷺ کو ان کے نفاق کا حال معلوم ہوا اور آپ ﷺ نے اس پر یقین نہ کر کے ان کو نصیحت کی پھر انہوں نے اس طرح اپنے آپ ﷺ کو جواب دیا کہ جس نے محقق کے طور پر مسلمانوں کی طرح ایمان لے آئے تو اس میں خیر اور فلاح ہوتی ہے۔ یا ایسا ہو کہ منافقین میں سے بعض لوگ آنحضرت ﷺ سے فساد اور عناد کا ارادہ رکھتے ہوں آپ ﷺ نے ان کو نصیحت فرمائی کہ فسادات مت کرو۔ اگر کوئی شبہ کرے کہ آنحضور ﷺ سے کیا لوگ ان کے فساد کا ذکر نہیں کرتے اور ان کا کہنا ممنوع ہوتا ہے کہ ہم فساد نہیں کرتے بلکہ اصلاح کرتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ بلاشبہ لوگ آپ ﷺ سے ان کے فساد کا بیان کرتے رہتے تھے مگر ان منافقین کی یہ عادت تھی کہ جب ان کے ساتھ عتاب کیا جارہا تھا تو اپنے آپ ﷺ کو مسلمان کہہ دیتے تھے اور اپنی شرمساری ظاہر کر دیتے تھے جو لوگ ان کی خبریں بیان کرتے تھے منافقین ان کو جھوٹا کہہ دیتے تھے اور اللہ کی قسمیں کھاتے تھے کہ ہم نے نہیں کہا۔ حالانکہ بلاشبہ انہوں نے کفر کی بات کہی ہے اور قسمیں کھاتے ہیں کہ تم ان سے راضی ہو جاؤ۔ حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔ قِيۡلَ لَهُمۡ۔ سے مراد اللہ کی ذات ہے اور میں اس کے حکم کو پہنچا رہا ہوں یہ حدیث تواتر سے ہے یہ حدیث امام باقر نے بیان کی۔ انہوں نے فرمایا کہ قِيۡلَ لَهُمۡ۔ کا قائل اللہ تعالیٰ ہے۔

Marfat.com

سوال نمبر۲:

فساد کے معنی یہ ہیں کہ ایک چیز نفع اٹھانے کے قابل نہ رہے اور زمین میں فساد واقع ہونے سے ایک امر زاید سمجھ میں آیا ہے۔ اس کے اندر تین قول ہیں:

۱۔ حضرت ابن عباسؓ اور امام حسنؓ قتادہ اور صدی فرماتے ہیں اور امام باقر بھی کہ فساد فی الارض یعنی اس زمین میں فساد کرنا منافقوں کے لیے یوں ہے کہ وہ اللہ کی نافرمانی کرتے ہیں اور اللہ کی نافرمانی کرنا زمین میں سب سے بڑا فساد ہے جس سے اللہ نے انہیں منع فرمایا ہے مذکورہ آیت تلاوت کی۔ ایک تو اس سے یہ ثابت ہوا کہ لفظ قِيْلَ اللہ نے کہا ہے دوسرا یہ کہ اللہ کی نافرمانی فساد ہے۔ یہی روایت امام باقر نے بیان کی ہے۔

۲۔ قفال نے اسے اس طرح بیان کیا کہ اللہ کی نافرمانی کرنے سے زمین میں فساد پڑ جاتا ہے اللہ نے بندے کے لیے احکام اور قاعدے مقرر فرمائے ہیں جب بندے ان احکام اور قواعد کی پابندی کرتے ہیں تو فساد اور ظلم اٹھ جاتا ہے ہر شخص اپنی اصلاح کرنے میں کوشاں رہتا ہے۔ اس وجہ سے لوگوں کی جانیں محفوظ رہتی ہیں ملک میں خون ریزی نہیں ہونے پاتی اور فتنے فساد ختم ہو جاتے ہیں ملک کی اصلاح اور درستی ہوتی ہے۔ اور جب احکام الٰہی کی پابندی چھوڑ دیتے ہیں اور ہر شخص اپنی خواہش کی پابندی کرتا ہے تو ملک میں خون ریزی اور پریشانی پھیل جاتی ہے۔ حضرت قفال نے حدیث کا ترجمہ کیا ہے اور یہی الفاظ حدیث خزینۃ القرآن میں بھی موجود ہیں جو حضرت علیؓ نے اپنے مجموعے میں لکھی ہے۔ اس حدیث کو تفسیر امام باقر سے کافی مفسرین نے بیان کیا ہے۔

۳۔ فساد کی یہ صورت تھی کہ منافقین لوگ کفار کی مدارات و خیر خواہی کرتے تھے ان کے ساتھ ان کا بہت میل جول تھا۔ اور اس سے فساد عظیم پیدا ہوتا تھا۔ کیونکہ بظاہر وہ لوگ مومن کہلاتے لیکن کفار کی طرف میلان رکھتے تو اس سے کفار کو رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرامؓ کی کمزوری کا علم ہو جاتا اور اس طرح سے رسول اللہ ﷺ سے عداوت اور جنگ کرنے کی جرات انہی منافقوں کی مخبری کی وجہ سے ہوتی تھی۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضرت علیؓ و ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ان کافروں نے حضور ﷺ سے جنگ کرنے کا ذریعہ منافقوں کو بنا رکھا تھا۔ اور ملک میں خون ریزی کراتے تھے۔ سرکار ﷺ نے فرمایا کہ خاموش رہو عنقریب یہ دونوں گروہ (کافر اور منافق) ختم ہو جائیں گے۔ ان کو ہر وقت مسلمانوں کی کمزوریوں کا دھیان رہتا ہے اور یہ فساد کراتے ہیں آپ ﷺ یہی الفاظ فرما رہے تھے کہ یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

سوال نمبر۳:

اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ کہنے والے یہی منافق تھے اور قرین قیاس یہ بات ہے کہ جس سے انہیں منع کیا گیا ہے یہ قول ان کی نقیض کے طور پر واقع ہوا کہ انکو زمین میں فساد کرنے سے منع کیا گیا تھا۔ لہذا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ اس کے مقابل سمجھا جائیگا اس میں دو احتمالات ہیں۔

(۱) ان کو اپنے مبع دین کے درست ہونے پر اعتقاد تھا اور اسی دین کی تقویت کے لئے کوشش کرتے تھے۔ اسی بنا پر انہوں نے کہا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ تو اس سے یہی مراد ہوگا۔ اس مدارات کرنے میں اہل اسلام اور کفار کی باہم اصلاح ہوتی ہے۔ اس لئے اللہ ان کی طرف سے فرماتا ہے ہم نے تو بھلائی اور موافقت پیدا کرنے کا ارادہ کیا تھا تو اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ سے یہ مراد ہوگا کہ ہم اپنے درمیان اصلاح کرتے ہیں۔ واللہ اعلم۔ اور اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ کے اندر تین احتمال ہیں۔

(۱) یہ کہ وہ مفسد ہیں۔ کفر کرنا گویا زمین میں فساد کرنا ہے۔ کیونکہ کفر میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری پائی جاتی ہے اور ہر شخص اپنی خواہش کے تابع ہوتا ہے کیونکہ جب ایک شخص اللہ کے وجود کا قائل ہی نہیں تو عذاب اور ثواب سے اسے کچھ بحث نہیں یہ ضرور لوگوں پر ظلم و ستم کرے گا۔ خونریزی پھیلائے گا۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ نفاق دراصل فساد ہے۔ اس واسطے ارشاد ہوا کہ فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ چنانچہ اس کا بیان اوپر ہو چکا ہے آیت مذکورہ میں کافی مسائل ہیں لیکن یہاں بقدر ضرورت بیان ہو چکا ہے۔

Marfat.com

قال اللہ تعالیٰ: وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ؕ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَ لٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ (۱۳)

ترجمہ: اور جب کہا جاتا ہے ان کو کہ ایمان لاؤ جیسے ایمان لائے لوگ (تو) کہتے ہیں کیا ہم ایمان لائیں جیسے ایمان لائے بیوقوف یادرکھو! بیشک وہی بے وقوف ہیں مگر جانتے نہیں۔

جاننا چاہیے کہ یہاں اللہ منافقین کی بری حرکت کو بیان فرماتا ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب اللہ نے پہلی آیت میں ان کو زمین میں فساد کرنے سے منع کیا تو اس آیت میں انہیں ایمان لانے کا حکم فرمایا اس لئے کہ انسان دو چیزوں سے مرتبۂ کمال کو پہنچتا ہے۔ ایک یہ کہ جو کام نہ کرنے کا ہو اس کو چھوڑ دے۔ جیسے لا تفسدوا اسکا حکم ہے دوسرے جس کام کو کرنا چاہیے اسے عمل میں لائے یعنی امنوا اس کا حکم ہے۔ اس مقام پر چند مسائل ہیں۔

مسئلہ اول:

اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ سے مراد یہ ہے کہ وہ ایسا ایمان لائے جس میں اخلاص پایا جائے۔ اور نفاق سے پاک ہو۔ اس آیت سے دلیل پکڑنے والا دلیل لاسکتا ہے کہ ایمان تو اقرار کا نام ہے اگر اس میں اخلاص کی ضرورت ہوتی تو صرف اٰمِنُوْا کہہ دینا کافی تھا کما اٰمن النّاس فرمانے کی ضرورت نہ ہوتی۔

مسئلہ دوم:

النــــاس میں جو الف لام ہے وہ عہد بھی ہوسکتا ہے اور جنس کا بھی۔ تو یہ معنی ہوں گے کہ جس طرح رسول کریم کے صحابہؓ میں جو چند مقرر شخص تھے ایمان لائے۔ اس طرح عبداللہؓ بن سلام اور ان کے اتباع مراد ہیں اس واسطے کہ یہ ان کے گروہ کے تھے اور اگر الف لام جنس کا لیا جائے تو دو صورتیں ہیں۔ اول یہ کہ قبیلہ اوس اور خزرج اکثر مسلمان تھے۔ امام محمد باقرؒ فرماتے ہیں کہ الف لام جنس کا ہے اور یہ کافر بھی انہیں قبیلوں میں رہتے تھے یہ تعداد میں بہت تھوڑے تھے۔ اور لفظ مومن کا اطلاق کبھی اکثر پر بھی آجاتا ہے۔ انسان دراصل وہی لوگ ہیں جو مومن ہیں اس لئے کہ انسانیت کا کمال انہیں لوگوں کو دیا گیا ہے حدیث شریف میں ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ انسان مومنوں کو کہتے ہیں اور مومنوں کے علاوہ جو لوگ ہیں وہ چوپایوں کی طرح ہیں اور مومن وہ ہیں جو میرے ساتھ محبت کریں۔ اور جن میں میری محبت نہیں ہے وہ انسان نہیں ہیں۔ جب یہ آیت اتری تو آپ نے قبیلہ اوس اور خزرج کو الحاق فرمایا اور فرمایا کہ میری محبت اللہ سے محبت ہے۔ اور جن میں میری محبت نہیں وہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں۔ یہ مسئلہ پارہ نمبر ۹ میں وارد ہے کہ یہ آیت اللہ نے تمہارے لئے نازل فرمائی ہے۔ کیونکہ تمہارے قبیلے میں کافر رہتے ہیں اور انہیں تمہاری مثال دی گئی ہے۔ پھر حضور ﷺ نے وہ آیت تلاوت فرمائی۔ اور فرمایا کہ انسانیت کو درجہ کمال حاصل ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا انسان کے معنی مومن کے ہیں جیسے کما امَنَ الناس ہے۔ یہ حدیث تفسیر امام باقرؒ میں ہے اور کافی مفسرین نے اسے بیان فرمایا ہے۔

مسئلہ سوم:

منافقین سے یہ بات کہنے والے کہ تم انسانوں کی طرح ایمان لاؤ، خود رسول اللہ ﷺ تھے یا مومن اور منافق آپس میں ایک دوسرے سے کہتے تھے کہ کیا ہم بھی اسی طرح ایمان لائیں جس طرح فلاں فلاں قبیلہ کے احمق لوگ ایمان لائے ہیں؟ اور امام رازی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو اس بات کا علم نہیں تھا تب اللہ نے آپ ﷺ کو اس امر کی اطلاع دی۔

مسئلہ چہارم:

صاحب خزینۃ القرآن بحوالہ امام باقر فرماتے ہیں کہ لغت میں سَفَہ۔ کے معنی خفت اور ہلکا ہونے کے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ میں نے تفسیر میں لغت بھی ساتھ ساتھ لکھی ہے جیسے کہ میرے دادا امام باقر نے لکھی۔ کیونکہ اُن کی زبان عربی تھی۔ کہا کرتے تھے کہ فلاں چیز کو ہوا نے حرکت دی۔ اس ضمن میں ایک شعر ہے جس کا ترجمہ یہ

Marfat.com

ہے کہ لغو اور بے ہودہ آدمی کو سفیہ اسی لیے کہتے تھے کہ وہ بھی خفیف العقل ہوتا ہے۔اس سے متانت اور بردباری نہیں ہوتی حضور ﷺ فرماتے ہیں شراب پینے والا بیوقوف ہوتا ہے اس کی یہ وجہ ہے کہ شراب پینے سے عقل خراب ہو جاتی ہے۔اور منافقین مسلمانوں کو سفیہ اس لیے کہتے تھے کہ وہ فقراء اور محتاج تھے جب کہ منافقین مالدار لوگ تھے ان کے سفیہ ہونے کی کئی وجوہ ہیں:۔

۱۔ یہ کہ جو شخص دلیل سے احتراز کرے اور دوسرے کو احمق کہے جو کہ دلیل سے حجت پکڑتا ہے تو وہ احتراز کرنے والا خود احمق ہوگا۔

۲۔ جس شخص نے دنیا کے بدلے آخرت کو بیچ ڈالا اس سے بڑا احمق اور کون ہوگا؟

۳۔ جس نے حضور ﷺ سے عداوت کی اس نے درحقیقت اللہ سے عداوت کی اور اس سے بڑھ کر احمق کون ہوگا۔ جو اللہ تعالیٰ سے عداوت کرے۔

مسئلہ پنجم:

یہ کہ اس آیت میں لا یعلمون۔فرمایا اور پہلی آیت میں لا یشعرون۔فرمایا ہے۔اس کی دو وجوہ ہیں۔ایک یہ کہ اس بات کا معلوم کرنا کہ ایمان والے حق پر ہیں اور منافقین باطل پر۔یہ ایسا امر ہے کہ جس میں عقل کو دخل دینے اور فکر کرنے کی ضرورت ہے مگر نفاق کی وجہ سے جو تضاد پھیلتے ہیں وہ ایک ظاہری امر ہے۔جس طرح کوئی چیز آنکھوں سے نظر آتی ہے اور سفاہت جہل کا نام ہے۔پس اس کی نسبت سے علم کا ذکر کرنا بہت موزوں ہوگا۔پہلے بیان ہو چکا ہے کہ یہ آیت منافقین کے حق میں نازل ہوئی۔کہ حضور ﷺ سے ان کی پوشیدہ طور پر مخالفت تھی۔صاحب خزینۃ القرآن مجموعہ الاحادیث سے بحوالہ امام باقر حدیث درج کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ مذکورہ آیت سے قبل والی آیت میں اللہ نے منافقین کی خباثت کو بیان فرمایا کہ جب اکابرین کفار دیکھتے تھے کہ اسلام زور پکڑتا جا رہا ہے اور حضور ﷺ کی عزت و طاقت بڑھتی جا رہی ہے جس سے ہماری ریاستوں پر اسلام کا قبضہ ہو جائے گا اور ابھی مسلمان کمزور ہیں لہٰذا طرح طرح کی خفیہ باتیں بنا کر فساد پھیلاؤ اور مسلمانوں سے کہو کہ ہم اپنی اصلاح کر رہے ہیں۔کفار نے درپردہ اپنا سردار عبداللہ بن ابی کو بنا رکھا تھا۔اور جب وہ دیکھتا تھا کہ اسلام زور پکڑتا جا رہا ہے تو کفار کو جنگ کی ترغیب دیتا رہتا۔ایک بار حضور ﷺ کے ساتھ میں اونٹنی پر تھا کہ عبداللہ بن ابی نے کہا: محمد ﷺ اونٹنی سے بدبو آتی ہے میں نے پہلے بھی ایک بار کہا تھا۔تب حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں نے تم سے یہی کہنا ہے کہ اندرونی طور پر تم قبائل کفار کو جنگ کی ترغیب دیتے ہو۔تو یہ آیت کریمہ اس وقت نازل ہوئی اور اس میں منافقین کی خباثتوں کو بیان کیا گیا۔پھر یشعرون تک آپ ﷺ نے اس آیت کو پڑھ کر سنایا۔اور فرمایا جب بھی ملک میں فتنہ و فساد اور خون ریزی ہوگی وہ انہی منافقین کی وجہ سے ہوگی اور یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کی عزت، میری عزت اور مومنوں کی عزت کو کامل فرمایا ہے پھر مذکورہ آیت وَاِذَا قِیْلَ لَھُمْ اٰمِنُوْ۔پر صاحب خزینۃ القرآن مجموعۃ الاحادیث سے اور ابن عباس کا قول مجموعۃ الاحادیث سے بیان کرتے ہیں۔حضرت علیؓ نے فرمایا۔میں اور عبدالرحمٰن ابن عوف موجود تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے قبائل بنی اوس و خزرج کو بلوایا اور ان میں سے اکثر مسلمان ہو چکے تھے۔اور باقی کافر تھے آپ ﷺ نے ان کو بھی بلوایا اور فرمایا کہ تمہارے قبیلوں کے بہت سے لوگ مسلمان ہو چکے ہیں۔تم بھی ایمان لے آؤ۔تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ لوگ تو بے وقوف ہیں تب ان کی خباثت پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ثابت ہوا کہ اس آیت کے نزول میں ایک نکتہ یہ نکلا کہ انسان کے درجات کو بڑے کمال کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔جیسا کہ فرمایا کَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ۔جیسے کہ ایمان لائے لوگ۔یہ حدیث تفسیر امام باقر میں موجود ہے۔صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اے قبیلہ خزرج کے لوگو! تم ایمان نہیں لاتے ہو۔قلیل لوگ ہیں جو میرے ساتھ ایمان لائے ان کی طرح ایمان لاؤ۔ورنہ آخرت کی زندگی ذلیل و خوار زندگی ہوگی۔صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ کَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ سے لے کر بنو اوس و خزرج حتیٰ کہ تمام مسلمان اس میں شامل ہیں۔فرماتے ہیں کہ ہمیں ویسا ہی ایمان لانا چاہیے جیسے صحابہ کرامؓ سرکار دو عالم ﷺ پر لائے تھے۔صحابہؓ اس طرح آپ ﷺ پر ایمان لائے تھے جیسے کہ آپ ﷺ خود اللہ تعالیٰ پر لائے۔فرماتے ہیں کہ ہمیں صحابہؓ کی طرح یہ عمل کرنا چاہئے جسے وہ رسول اللہ ﷺ اور اللہ کی محبت کہتے تھے۔اور رسول اللہ ﷺ سے دشمنی اللہ سے دشمنی جانتے تھے۔ہمیں چاہیے کہ تمام بلندیوں سے حضور ﷺ کی عزت کو بلند سمجھیں اور تمام بلندیوں کو آپ ﷺ کے مقابل ہیچ اور پست جانیں کیونکہ آپ ﷺ حبیب اکمل ہیں اور جو اکمل ہوتا ہے اس کی عزت بھی اکمل ہوتی ہے۔فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی

Marfat.com

عزت اللہ کی عزت ہے۔ کیونکہ اللہ کی عزت کا مظہر رسول اللہ ﷺ ہیں حدیث درج کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ خبردار! میں اللہ کا حبیب ہوں اور میری عزت کو اللہ نے بلند فرمایا کہ مجھ پر کلام اتارا۔ اس پر وہ کافی بحث کرتے ہیں۔ مختصراً یہ کہ ہمیں صحابہ کی طرح ایمان لانا چاہیے۔ حدیث تفسیر امام محمد باقر میں ہے۔ کیونکہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو مانا۔ اور آپ ﷺ کی عزت کی تو آپ ﷺ کے صدقہ میں اللہ نے ان کو بھی عزت بخشی۔ اللہ فرماتا ہے کہ ہر عزت اللہ تعالیٰ کے لیے رسول ﷺ کے لیے اور مومنوں کے لیے ہے اور منافق ان سے لاعلم ہیں اور مومن تب ہوئے کہ انہوں نے رسول ﷺ کی عزت کو بلند جانا اور آپ ﷺ کی ہر خوبی کو تسلیم کیا۔ اور آپ ﷺ کی عظمت میں کسی قسم کا نقص نہ جانا۔ آپ ﷺ کی عزت کو بلند اور بے عیب مانا۔ تب وہ مومن ہوں گے اور اللہ نے ان کی عزت کو بڑھا دیا۔ اور ان کے اندر محبت پیدا ہوگئی۔ مومن ایک دوسرے کی عزت کو مانتے ہیں اور جو خوبی کسی میں ہو اسے تسلیم کرتے ہیں۔ یہی بات تھی کہ منافقین اللہ اور یوم آخرت کو تو مانتے تھے لیکن نبوت اور رسالت سے انکار کرتے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے حبیب ﷺ! جو تیری نبوت کو نہیں مانتا وہ مومن نہیں۔ صرف میری وحدانیت کو ماننا ہی ایمان نہیں بلکہ ایمان اسے کہتے ہیں کہ جو میری توحید کے ساتھ ساتھ تیری نبوت وعظمت کو مانے۔ مومنوں نے سب خوبیاں تسلیم کیں تو ان کے کمالات بڑھتے گئے۔ لیکن آج کی دنیا میں بہت سے گروہ ہیں۔ کوئی نبوت کو مانتا ہے لیکن عظمت کو نہیں مانتا کوئی نبوت کا منکر ہے اور کوئی اولیاء کا منکر ہے۔ اور کوئی حدیث کا ہی سرے سے منکر ہے۔ انکار کا نام ایمان نہیں اقرار کا نام ایمان ہے جماعت اہل سنت ہی اس عقیدے پر قائم ہے۔ جو رسول اللہ ﷺ کی عظمت قرآن میں بیان ہوئی ہے اس پر ایمان لائے۔ آپ ﷺ کی نبوت پر ایمان لائے۔ اور آپ ﷺ کو ہر عیب سے پاک مانتے ہیں۔ اور قرآن نے جو کچھ بیان فرمایا ہے اس پر ایمان لائے اولیاء اللہ کی عظمت کو قرآن نے بیان فرمایا ہے اسے مانتے ہیں اگر نہیں مانیں گے تو قرآن پر کذب لازم آئے گا جو محال ہے۔ جماعت اہل سنت والے یہ سب کچھ مانیں گے تو قرآن کے حکم کو ایمان مانیں گے۔ قرآن نے اولیاء اللہ کی جو عظمت بیان کی ہے وہی عظمت جماعت اہل سنت بیان کرتی ہے۔ الغرض ایمان اس کا نام ہے کہ جو خوبی بھی قرآن بیان کرے اسے تسلیم کیا جائے۔ جب قرآن کہتا ہے کہ عظمت اولیاء کو تسلیم کرو تو ہم پر تسلیم کرنا لازم ہے۔ کیونکہ اٰمِنُوْا کَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ۔ میں تبھی شامل ہو سکتے ہیں جب ہم سب کے درجات وفضائل کو درجہ بدرجہ تسلیم کریں اور کسی کے اندر فرق نہ آنے دیں۔ لیکن یہاں کسی گروہ کو اللہ کے اولیاء سے انکار ہے جو قرآن کے منافی ہے اور کوئی عظمت رسالت سے انکار کرتا ہے۔ تو یہ بھی منافی ہے۔ جس طرح کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ امام رازی فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ سے عداوت اللہ سے عداوت ہے۔ اور آپ ﷺ سے محبت گویا اللہ سے محبت ہے۔ تو لازم ہے کہ ہمیں ایک کو ترک کرنا اور ایک کو قابو کرنا ہے۔ یہ مسئلہ بقدر ضرورت بیان ہو چکا ہے۔ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ تقلید کے متعلق امام رازی کے نزدیک تقلید شخصی جائز نہیں صاحب تفسیر طبری فرماتے ہیں کہ اگر تقلید شخصی سے انکار کیا جائے تو پھر ہمیں قرآن اور اسلام بھی اللہ تعالیٰ سے بلا واسطہ حاصل کرنا چاہیے۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ تقلید کے معنی پیروی اور اتباع کے ہیں۔ ایسی اتباع جو احکام شرعی کے امور میں ہو۔ صحیح ہے جیسا کہ فرماتے ہیں مجموعہ الاحادیث سے حضرت علیؓ لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ لوگوں کو مومنوں کی اتباع کرنا جائز ہے اور درست ہے۔ جس مومن کی ایسی اتباع ہو اس کا رجوع قرآن اور میری سنت کی طرف ہو۔ فرمایا کہ اگر وہ تمہیں قرآن اور میری سنت پر لائے تو تم اتباع کرنا اور اسے اپنا امام ماننا۔ ایک اور حدیث بیان کرتے ہیں۔ جو تفسیر امام باقر اور دیگر کافی تفاسیر میں موجود ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کے فقہی امام ہوں گے۔ لوگوں کے لیے ضروری ہے کہ ان کی اتباع کریں ایک اور مشہور حدیث درج ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دین کے ساتھ خیر خواہی کرو اور اللہ کے ساتھ خیر خواہی کرو یعنی اس کے دین کو مانو۔ صحابہؓ نے عرض کیا۔ کیسے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے دین کو ماننا بھی خیر خواہی ہے۔ فرمایا کہ پھر کتاب اللہ کے ساتھ خیر خواہی کرو اور اس کے ساتھ ہو۔ جو امت کے امام ہوں ان کے ساتھ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث بہت تواتر سے ہے۔ اور جامع ہے فرماتے ہیں کہ ایسے شخص کی تقلید ہرگز ضروری جائز نہیں جو قرآن اور حدیث کے خلاف اپنی رائے قائم کرے ہاں اس کی تقلید قرآن اور احادیث کی طرف لے جائے جیسا کہ قرآن میں ہے وَيَتَّبِعُ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ اس سے ثابت ہوا کہ مومنین کی اتباع لازم ہے کیونکہ ہر شخص تو عالم نہیں ہوتا۔ فرماتے ہیں کہ یہاں شخصی نہ ہوگی بلکہ ہم اس کی اتباع اس لحاظ سے کریں گے کہ ہم کو قرآن مجید اور احادیث کی طرف لے جائے گا۔ لہٰذا آئمہ دین قرآن وحدیث

Marfat.com

سے مسائل کا نچوڑ نکالتے ہیں۔ ان کی اتباع ضروری ہے۔ جو قرآن واحادیث کے خلاف کرے وہ کبھی امام نہیں ہوسکتا۔ بس بقدر ضرورت بیان کر دیا۔ واللہ الہادی۔

قال اللہ تعالیٰ: وَاِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰی شَیٰطِیْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَکُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ (۱۴) اَللّٰهُ یَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَیَمُدُّهُمْ فِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ (۱۵)

ترجمہ: اور جب وہ ایمان والوں کے ساتھ ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور جب اپنے شیطانوں کے پاس پہنچتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ ہم صرف ٹھٹھا کرتے ہیں۔ اللہ تدبیر کرتا ہے ان کے ساتھ اور انہیں ڈھیل دیتا ہے حالانکہ وہ اپنی سرکشی میں بہکے پھرتے ہیں۔

یہاں پر اللہ تعالیٰ نے منافقین کی چوتھی خباثت کو بیان فرمایا ہے۔ اور ملاقات کے معنی قریب اور سامنے آنے کے ہیں۔ امام صاحب نے اس کو وَاِذَا لَقُوْا۔ پڑھا ہے اور قَالُوْٓا اٰمَنَّا۔ سے مراد یہ ہے کہ ہم سچے دل سے ایمان لائے ہیں۔ اس امر کا ثبوت دو وجہ سے ہے۔ ایک تو یہ کہ زبانی اقرار اور دوسرے یہ کہ مومنین کے ساتھ ان کا اٰمَنَّا کہنا بالضرور اس کے خلاف پر محمول ہوگا جس امر کا شیاطین سے اظہار کرتے تھے اور یہ تو ظاہر ہے کہ وہ اپنے شیاطین سے تکذیب قلبی کا اظہار کرتے تھے۔ لہٰذا ضروری ہوا کہ مومنین سے جو انہوں نے کہا اس سے تصدیق قلبی مراد ہو۔ اور وَاِذَا خَلَوْا اِلٰی شَیٰطِیْنِهِمْ۔ کی تفسیر میں صاحب کشاف نے بیان کیا ہے کہ خلوت کے معنی تنہائی میں کسی کے پاس بیٹھنے کے ہیں خَلَوْا اپنے شیاطین کے پاس جا کر مسلمانوں کا مذاق اڑاتے ہیں۔ اور اِنَّا مَعَکُمْ۔ کے اندر دو سوال ہیں:

پہلا سوال یہ کہ اس بات کو کہنے والے سب منافقین تھے یا بعض؟

جواب:

اس امر کے اندر اختلاف ہے۔ اس واسطے کہ جن مفسرین کے نزدیک شیاطین سے منافقین مراد ہیں ان کے نزدیک اس بات کے کہنے والے ان کے اتباع تھے وہی مومنین سے اٰمَنَّا کہتے تھے اور جب اکابرین اور افسروں کے پاس آتے تھے۔ تو کہتے تھے کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں کہ ان کو ان کے اتباع سے الگ ہو جانے کا خیال نہ ہو۔ جن مفسرین کے نزدیک شیاطین سے کفار مراد ہیں ان کے نزدیک اس قول کی نسبت تمام منافقین کی طرف ہوسکتی ہے۔ اس میں شک نہیں ہے کہ یہاں شیاطین سے مراد ان کے اکابر ہیں۔ یا تو وہ کھلے کافر تھے یا وہ منافقین کے افسر تھے۔ اس واسطے کہ زمین میں فساد وہی لوگ ڈال سکتے تھے اور ادنیٰ درجے کے منافق فساد نہیں ڈال سکتے۔

دوسرا سوال:

یہ کہ مومنین کے ساتھ انہوں نے جملہ فعلیہ سے خطاب کیا اور شیاطین کے ساتھ جملہ اسمیہ کے ساتھ۔ اور پھر ان کے اوپر اِنَّا حرف تحقیق کو بھی داخل کیا ہے۔

جواب:

مومنین سے انہوں نے جس امر کا خطاب کیا ہے اس میں تاکیدی موقع نہیں تھا۔ اس واسطے کہ مومنین سے ان کا دعویٰ یہ تھا کہ ہم ایمان لے آئے یعنی حدوث ایمان کا دعویٰ کرتے تھے اس امر کا دعویٰ نہیں کرتے تھے کہ ہم مومن کامل ہیں یا تو اس لیے کہ خود ان کے دل اس بات کی گواہی دیتے تھے۔ اور مبالغہ اور کمال کے ساتھ اپنے ایمان کو بیان کریں۔ اس واسطے کہ جو بات نفاق اور کراہت کے ساتھ نکلتی ہے لیکن اس کو مبالغہ کے ساتھ بیان کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ اس میں مبالغہ کا موقع نہیں ہوتا۔ اس واسطے کہ وہ جانتے تھے کہ ہمارا ایمان کا دعویٰ کرنا ناقص ہوگا۔ مسلمان لوگ اس کو باور نہیں کر سکتے۔ اور اپنے شیطان بھائیوں کے ساتھ جو کلام کرتے تھے ان پر ان کا اعتماد اور بھروسہ تھا۔ اور جانتے تھے کہ ہم جو بات کہیں گے ہمارا افسر اس بات کو درست سمجھے گا۔ اس لیے وہاں تاکید کا موقع نہ تھا۔ وَاِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ۔ کے اندر دو سوال ہیں۔ سوال بیان کرنے سے قبل چند وجوہ: وجہ اول: یہ دونوں آیت کریمہ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ اکٹھی نازل ہوئیں۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ منافقین کی بڑی ہی خبیث خصلت یہ ہے کہ جب ہمارے پاس بیٹھتے ہیں تو ایمان لانے کا تذکرہ کرتے ہیں۔ اور اپنے بڑوں کے پاس جاتے ہیں تو انہیں کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس خصلت کا خیال رکھو۔ حدیث دوسری کہ رسول اللہ ﷺ نے منافقین کو ایک دن بڑی تلقین کی اور منافقین نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ ہم ایمان لائے۔ اس میں عبداللہ بن ابی کے رشتے دار کچھ لالچی لوگ تھے۔ پھر حضور ﷺ سے وعدہ کرنے کے بعد

Marfat.com

اپنے کفار کے پاس پہنچ کر انہیں کہا کہ محمد ﷺ ایمان لانے کا کہتے تھے کہ ایمان لاؤ ورنہ ذلیل وخوار ہو جاؤ گے۔اے ہمارے بڑو ہم بلاشبہ تمہارے ساتھ ہیں۔اور ہمیں محمد ﷺ سے کیا فائدہ؟ ہم تو انہیں مذاق ہی کرتے ہیں۔حضرت عبداللہ بن سلام نے جو یہ خباثت کی بات تھی سُن کر حضور ﷺ سے بیان کردی۔تو فوراً ہی یہ دونوں آیات نازل ہوئیں۔صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ یہ ان شیاطین میں ثابت ہوا کہ یہ سب منافقین تھے جو کہ اس حدیث سے خود واضح ہو گیا۔حضرت حسن بن علیؓ وعلی ابن ابی طالب فرمایا کرتے تھے کہ سب شیاطین کی خباثت اللہ نے ظاہر فرمادی ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ شیاطین سے مراد سب منافق ہیں۔

پہلا سوال:

استہزاء کی حقیقت کیا ہے؟ جواب: استہزاء کے معنی خفت اور سرعت کے ساتھ ڈرانے کے ہیں اور استہزاء کے معنی بیٹھے بیٹھے مر جانے کے ہیں استہزاء کی حقیقت یہ ہے کہ زبان سے موافقت کا ظاہر کرنا اور باطن میں نقصان پہنچانے کا ارادہ کرنا جس طرح مسخرا پن میں ہوتا ہے۔استہزاء کے معنی یہ بھی ہوں گے کہ ہم مسلمان کے دین پر موافقت ظاہر کرتے ہیں تاکہ ان کے شر سے محفوظ رہیں گے۔اور ان کے اسرار سے واقف ہو جائیں اور ان کے صدقات اور غنیمتوں میں حصہ لیں۔(۲) اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ۔میں اسلام کا رد پایا جاتا ہے اور ایک شے کی نقیض کا رد کرنا اس بات کی تاکید ہوا کرتا ہے۔یہ اس کے لیے بدل ہے اس واسطے کہ جو شخص اسلام کی تحقیر کرے گا بلاشبہ اس کے نزدیک کفر کی عظمت ہوگی۔یا یہ جملہ ہے اللہ تعالیٰ نے ان سے اس امر کی حکایت فرما کر ان کو چند جوابات دیئے۔

نمبر ۱۔یہ فرمایا کہ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ۔یعنی اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ان کے کیے ہوئے اس تمسخر کی تدبیر کرتا ہے اس پر چند سوال ہیں۔(۱) یہ کہ اللہ تعالیٰ کی صفت ٹھٹھا کرنا کیونکر واقع ہو سکتی ہے۔اس واسطے کہ استہزاء کے اندر بالضرور تلبیس اور دھوکا پایا جاتا ہے اور دھوکہ اللہ کی جانب سے محال ہے۔وہ تو دھوکہ کرنے سے پاک ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے انہوں نے کہا کیا تو ہم سے ٹھٹھا کرتا ہے؟ موسیٰ نے کہا کہ میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں حد سے تجاوز کرنے والوں میں سے ہو جاؤں۔اور جہل جناب باری تعالیٰ پر محال ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جاہل بنانا یا علم دینا یہ اللہ کی صفت ہے۔لہٰذا اس کا علم تو بے بہا ہے۔جس کی نہ ابتدا ہے نہ انتہا۔

جواب:

اس کی تفسیر امام رازی پانچ طور پر کرتے ہیں۔(۱) یہ کہ اللہ تعالیٰ جو کچھ ان کے ساتھ کرتا ہے ان کے استہزاء کی سزا ہے اور اس سزا کو استہزاء کے ساتھ اس واسطے تعبیر کرتا ہے کہ ایک چیز کی جزا کو اس چیز کے ساتھ تعبیر کر دیا کرتے ہیں۔جیسا کہ قرآن مجید میں ہے کہ وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تمسخر سے پاک ہے یہ استہزاء بمثل جزا کے فرمایا ہے کہ ان کے تمسخر کی ان کو جزا دی جائے۔لہٰذا صاحب خزینۃ القرآن نے کیسی پیاری دلیل قرآن وحدیث سے پیش کی ہے جس کو امام باقر نے اپنی تفسیر میں لکھا۔تو اس کا معنی یہ ہوا کہ اللہ استہزاء فرماتا ہے ان کے ساتھ۔(۲) یہ کہ منافقین میں سے جو ان کے ساتھ ٹھٹھا کرتے ہیں تو اس ٹھٹھے کی جزا تو انہی کی طرف ہوگی۔مسلمانوں کو اس میں کچھ نقصان نہیں۔پس ایسا ہو گیا کہ اللہ ان سے استہزاء فرماتا ہے۔نمبر ۳: استہزاء کا اثر یہ ہوتا ہے کہ دوسرے کو اس میں خفت اور حقارت اور ذلت اور تحقیر حاصل ہوتی ہے۔یہاں استہزاء کا ذکر فرمایا ہے مگر ان کو حقارت اور ذلت کا حاصل ہونا مراد ہے۔اور حدیث شریف میں بھی ہے کہ حبیب اللہ ﷺ نے فرمایا کہ منافقین نے اپنے آپ کو دنیا و آخرت میں ذلیل وخوار کر لیا۔نمبر ۴: اللہ کا ان کے ساتھ استہزاء کرنا یہ ہے کہ ان کے اوپر دنیا میں اللہ تعالیٰ نے وہ احکام جاری فرمائے ہیں کہ آخرت میں ان کے ساتھ جو وقوع میں آئے گا۔جس طرح انہوں نے رسول اللہ ﷺ اور مومنین کے لیے زبان سے اس امر کا اظہار کیا جو ان کے باطن کے خلاف ہے یہ تاویل کمزور ہے۔نمبر ۵: اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ایسا معاملہ فرماتا ہے جس طرح استہزاء کرنے والا کرتا ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔دنیا میں اس کی صورت یہ ہے کہ اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو ان کے اسرار پر مطلع فرمادیا۔اور آخرت میں ان کی صورت یہ ہوگی کہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔جب مومن جنت میں اور کافر دوزخ میں داخل کیے جائیں گے تو اللہ تعالیٰ اس مقام پر جو منافقین کا مسکن ہے دوزخ کے سامنے جنت کے دروازے کھول دے گا۔جب وہ منافقین وہ دروازہ کھلا ہوا دیکھیں گے تو دوزخ سے نکل نکل کر جنت میں جانے کا ارادہ کریں گے اور اہل جنت انہیں دیکھتے ہوں گے جب یہ منافق جنت کے قریب آئیں گے تو جنت کا دروازہ بند کر دیا جائے گا۔قیامت کے روز ایمان والے کافروں پر ہنسیں گے پس آخرت میں استہزاء کی شکل واقع ہوگی۔

Marfat.com

حدیث شریف میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ منافقین کے ساتھ ان کے استہزاء کا پورا پورا بدلہ لے گا۔ اوران کا مقام دوزخ میں جنت کے ایک دروازے کے قریب ہوگا۔ اوران کے وجود سے پسینہ کھولتا ہوا نکلے گا۔ اوروہ چیخ وپکار اور اپنے بڑوں پر لعنت ملامت کریں گے۔ میرا رب ویسے کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

دوسرا سوال:

اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ۔ کا عطف کلام سابق پر کس لیے نہیں کیا گیا؟ اوراس کا مستقل جملہ لانے میں کیا نکتہ ہے؟

جواب:

یہ جملہ مستانفہ ہے اوراس کے اندر نہایت مبالغہ اور سختی کے ساتھ ان کی بات کا جواب دیا گیا ہے بڑا ٹھٹھا وہی ہے جو اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ کرتا ہے۔ جس کے مقابلے میں منافقین کا ٹھٹھا کالعدم ہے۔ اس میں بھی نکتہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کا ان سے بدلہ لیا اور مومنین تک اس بات کی نوبت نہ آنے دی کہ منافقین سے بدلہ لیں اور استہزاء کریں۔ حدیث شریف میں ہے مجموعہ الاحادیث میں حضرت علیؓ لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے منافقوں سے مومنین کا انتقام خود لے لیا۔ بہترین تدبیر کے ساتھ۔ لہٰذا اس قول کی تائید حدیث سے ہوگئی ہے۔ (یہ حدیث امام محمد باقر کی تفسیر ابوالعالیہ مقاتل اور سدی میں ہے۔)

تیسرا سوال:

جس طرح منافقین نے اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ۔ کہا تھا اسی طرح اگر اس کے جواب میں اِنَّ اللّٰهَ مُسْتَهْزِئٌ بِهِمْ۔ کہا جاتا تو سوال جواب میں مطابقت ہوتی۔ اور یہاں بجائے اس کے اللہ تعالیٰ کے عذاب اور وبال جو ان کے ساتھ ہوتے تھے۔ ان کی یہی صورت تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ یہ نہیں دیکھتے کہ ہر سال ایک دومرتبہ ان کو جانچا جاتا ہے اور منافقین ہرچند اسرار ظاہر کرنے میں مصروف رہتے تھے اور اس بات سے ڈرتے تھے کہ ان کی بابت کوئی آیت نازل نہ ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وَاِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِى الْغَيِّ۔ یعنی کہ ان کے بھائی گمراہی میں ان کو کھینچتے ہیں اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے گمراہی کو ان کے بھائیوں کی طرف منسوب فرمایا ہے پھر اللہ کی طرف ان کی نسبت کیونکر ہوسکتی ہے اور پھر فرمایا: فِىْ طُغْيَانِهِمْ اور اگر یہ اللہ کی جانب سے ہوتا ہے تو ان کی طرف نسبت نہ فرماتا پس معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے طغیان کی اضافت ان کی طرف اس واسطے کی ہے تاکہ یہ جان لیا جائے کہ اللہ اس کا خالق نہیں ہے۔ اور اِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِى الْغَيِّ۔ کے اندر چونکہ مدکی نسبت شیاطین کی طرف فرمادی ہے اس لیے غَيٌّ۔ کی نسبت کسی کی طرف نہیں کی گئی۔ اوراس کو مطلق چھوڑا گیا ہے۔

نمبر۱: کعبی اور ابومسلم بن یحییٰ اصفہانی نے یہ تعبیر کی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر اپنا انعام فرمایا اور اُن کو اپنے انعام اور اطاعت سے محروم رکھا کفر اور اسرار کی وجہ سے ان کو ذلیل فرمایا تو اس کی تاریکی کی وجہ سے ان کے دل تاریک ہوگئے۔ اور مسلمانوں کے دل روز بروز نورانی ہوتے چلے گئے۔ اس زیادتی کا نام اللہ تعالیٰ نے مدّ فرمایا ہے۔ نمبر۲۔ ان کی سرکشی کو بڑھانے سے یہ مراد ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ سرکشی سے نہیں روکتا۔ جس طرح کہا کرتے ہیں کہ جب ایک احمق کو کسی امر کی بابت ممانعت نہ کی جائے تو وہ اپنے حال میں مامور ہوتا ہے۔ نمبر۳۔ یہ کہ وہ حقیقتاً شیطان کا فعل ہے مگر اللہ تعالیٰ نے اس کو بندوں کے گمراہ کرنے کی قدرت دی ہے۔ نمبر۴۔ یہ وہ تاویل ہے جس کو جبائی نے بیان کیا ہے وہ کہتا ہے وَيَمُدُّهُمْ۔ کے یہ معنی ہیں کہ اللہ ان کی عمر بڑھاتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ منافقوں کی عمر کو لمبا کرتا ہے تاکہ وہ گمراہی میں سرگرداں رہیں۔ آپ ﷺ نے وَيَمُدُّهُمْ۔ فرمایا صاحب خزینۃ القرآن يَمُدُّ کے معنی زیادتی کے فرماتے ہیں جو کہ حدیث میں درج کی گئی ہے۔ (امام محمد باقر نے اس حدیث کو بھی بیان کیا ہے اور اس کے معنی بھی یہی تحریر کیے ہیں)

زید بن علیؓ بن حسینؓ نے اس کو طُغْيَانِهِمْ (کسرہ کے ساتھ) پڑھا ہے اور طغیان کے اندر دونوں لغت آتے ہیں۔ صاحب خزینۃ القرآن بھی یہی لغت بیان کرتے ہیں۔ اس آیت پر صاحب خزینۃ القرآن کافی بحث فرماتے ہیں اور چارسو احادیث بھی بیان کرتے ہیں۔ بقدر ضرورت بیان ہوچکا۔ امام باقر نے احادیث بکثرت بیان کی ہیں اوران پر کافی بحث کی ہے۔

Marfat.com

قال اللہ تعالیٰ: اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ (١٦)

ترجمہ: وہ ایسے لوگ ہیں جنہوں نے بعوض ہدایت کے گمراہی کو خریدا ہے۔ان کی تجارت نے ان کو نفع نہ دیا اور نہ ہی وہ ہدایت پانے والے تھے۔

جاننا چاہیے کہ ہدایت کے عوض گمراہی خریدنے کے یہ معنی ہیں کہ انہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی کو اختیار کیا ہے۔پھر اگر کوئی شبہ کرے کہ وہ اس سے پہلے ہدایت پر کہاں تھے۔یا انہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی کو کیوں خریدا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ: اگر چہ ہدایت نہیں تھی پہلے مگر ہدایت کے اوپر ان کو قدرت حاصل تھی گویا ہدایت ان کے قبضے میں تھی۔مگر وہ ہدایت کو چھوڑ کر گمراہی میں جا پڑے۔اور فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ۔کے یہ معنی ہیں کہ ان کو اپنی تجارت میں نفع نہیں ہوا۔اس کے اندر چند سوال ہیں۔

سوال نمبرا:

نقصان کی نسبت تجارت کی طرف کی گئی حالانکہ اس کی نسبت تاجر کی طرف ہوئی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ نسبت مجازاً ہے۔کبھی کبھی یہ قاعدہ ہے کہ فعل کی نسبت فاعل کو چھوڑ کر ایسی طرف کر دیا کرتے ہیں کہ جس کے ساتھ فاعل متصف ہوتا ہے گویا بہترین فاعل وہی متصف ہوتا ہے۔جس طرح تجارت کے ساتھ مشتری موصوف ہوتا ہے اسی طرح تجارت کی طرف نقصان کی نسبت کر سکتے ہیں۔

سوال نمبر۲:

اس بات کو تسلیم کیا کہ ہدایت کے بدلے گمراہی کو اختیار کرنے کو یا خریدنے کے ساتھ مجازاً تعبیر کیا گیا ہے مگر نفع اور تجارت کے ذکر سے کیا مراد ہے کیونکہ در حقیقت وہاں خرید وفروخت نہیں پائی جاتی۔اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مجاز میں قوت ادراک کی خوبی پیدا ہوتی ہے۔چنانچہ اس کے متعلق ایک شعر ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ بڑھاپے کو کرگس کے ساتھ اور سیاہ بالوں کو زاغ کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔

جواب: اللہ تعالیٰ نے بیع کے خریدنے پر گمراہی کا ذکر کر کے بعد میں اس کی مناسبت سے ان کے نقصان کا ذکر کیا ہے۔تا کہ ان کے خسارہ اٹھانے کی صورت لوگوں کے ذہنوں میں اچھی طرح آجائے۔اور وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ۔کے معنی ہیں کہ تاجر لوگوں کو اپنی محنت سے دو باتیں مقصود ہوتی ہیں ایک تو یہ کہ اصلی سرمایہ سالم رہے اور دوسرے یہ کہ نفع ہو۔اور ان لوگوں نے ان دونوں باتوں کو ضائع کر دیا کیونکہ ان کا مال (سرمایہ) دراصل تھی عقل جسے انہوں نے ضائع کر دیا۔یعنی جب انہوں نے عقل سے کام نہ لیتے ہوئے ان گمراہیوں کو اختیار کیا تو یہ عقائد فاسدہ عقائد حقہ کی طلب میں مانع ہو گئے پہلے کوئی امر مانع نہیں تھا پس ان لوگوں کو تجارت میں نفع بھی نہیں ہوا اور اصل سرمایہ بھی باقی نہ رہا۔کیونکہ اصل مال وہ عقل سلیم تھی جو عقائد حقہ کی طرف رہبری کرتی ہے۔اور قتادہ نے اور امام محمد باقر نے اس کی تفسیر یہ کی کہ ان لوگوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی اور اطاعت کے بدلے مصیبت اور جماعت کے بدلے تفرقہ اور امن کے بدلے خوف اور سنت کے بدلے بدعت کو اختیار کیا۔اور اپنے دین کے اندر نئے نئے طریقے ایجاد کیے۔صاحب خزینۃ القرآن مذکورہ بالا آیت کریمہ کی شان نزول کے متعلق حضرت ابی قتادہ اور حضرت ابن عباسؓ کی روایت بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جب یہودیوں سے یہ فرمایا کہ تورات کے اندر قرآنی ہدایت کے بارے میں واضح بات اور ارشاد موجود ہے۔اور تمہارے دل اس بات کو تسلیم کر چکے ہیں جس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں کہ یہودیوں کی عقل گمراہی کو خرید چکی ہے۔اور انہوں نے تورات کے احکام کو بدل دیا ہے۔جس پر یہ مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی لکھ چکا ہوں کہ یہودیوں میں سے کچھ مسلمان ہو گئے اور بعد میں اپنے رؤسا کے ساتھ مل گئے۔ہدایت کو ترک کر گئے اور گمراہی کو اختیار کیا اور دین موسوی کے اندر تبدیلیاں کیں اور اپنی عقل کو کھو بیٹھے۔ہدایت اسے کہتے ہیں کہ جس پر عقل مطمئن ہو جائے حدیث صحیحہ میں ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا اپنی عقلوں کو ہدایت کے تابع رکھو ورنہ گمراہی چھا جائے گی۔(یہ حدیث تفسیر امام محمد باقر و خزینۃ القرآن اور مقاتل میں مذکورہ ہیں) لہٰذا یہودیوں کا طرز عمل یہ تھا کہ دین کے اندر نئی نئی باتیں ایجاد کرتے تھے جو ان کی طبیعت خواہش ہوتی اسی کو دین بنا لیتے نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر قسم کی بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں جائے گی۔نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ ایسی بدعت جس سے دین کو نقصان ہو یا دین کے اندر اللہ کا قول نہ ہو تو وہ بدعت گمراہی ہے۔لیکن ایسی چیز جس کا استدلال

Marfat.com

قرآن وسنت سے کیا جائے تو وہ بدعت حسنہ ہوگی۔ لہٰذا بدعت حسنہ بہتر عمل ہے۔ جماعت اہل سنت کو کچھ لوگ بدعتی کہتے ہیں۔ مثلاً درود وسلام پڑھنا بدعت۔ اولیائے کرام کے عروس کرنا بدعت۔ اسی طرح کی طریق سے اہل سنت کو بدعتی قرار دیتے ہیں۔ جواب اس کا یہ ہے کہ جن لوگوں نے درود وسلام کو بدعت کہا تو دیکھیں کہ اس بدعت کی دلیل جماعت اہل سنت۔ نے کہاں سے حاصل کی اور اس کا ماخذ کیا ہے؟ تو استدلال اس کا قرآن مجید میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے ایمان والو! تم درود وسلام کہو جس طرح درود وسلام کہنے کا حق ہے۔ یہ استدلال معناً اور لفظاً بھی درست ہے۔ کیا یہ قرآن کے حکم کی تعمیل ہے یا نیا طریقہ رائج ہے۔ گمراہی تو اس وقت ہوگی جب دین کے اندر اس کا وجود از خود پیدا کیا جائے۔ تو لہٰذا یا تو یہ اعلان کردیں کہ درود وسلام نبی پاک ﷺ پر کہنا بدعت اور گمراہی ہے۔ ان کے نزدیک تو قرآن حکیم بدعت ٹھہرا۔ معاذ اللہ۔ درود وسلام کے لیے دلیل قرآن مجید میں موجود ہے۔ صحابہ کرامؓ نے اس پر عمل کیا تابعین نے بھی عمل کیا اس بدعت کے اندر تو صحابہ کرامؓ تابعین بھی شامل ہیں۔ معاذ اللہ۔ بدعت تو اسے کہتے ہیں کہ جو دین کے اندر نئی موجود کی جائے۔ بلکہ درود وسلام کا تو قرآن نے حکم دیا ہے۔ اور قرآن کا حکم ہم پر فرض ہے۔ اور اس کا بجالانا اور درود وسلام نبی پاک ﷺ پر پڑھنا واجب ہے۔ دوسری بات اولیاء کرام کے جو عروس منعقد کیے جاتے ہیں ان کو بھی وہ بدعت کہتے ہیں۔ حالانکہ اس کی بھی دلیل موجود ہے۔ حضور انور ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنے بزرگوں کے دنوں کو یاد رکھو اور ان کے اچھے دنوں پر خوش ہوا کرو۔ جس طرح مجھے حکم باری ہے کہ تم موسیٰ کی قوم کے دنوں کو یاد کرو اور ویسے ہی میری امت پر حق ہے کہ قوم موسیٰ کی طرح اپنے بڑوں کے دنوں کو یاد کرو۔ اور حدیث میں ہے کہ ابو ہریرہؓ کا یہ معمول تھا کہ دوسرے تیسرے دن کھجوریں لے کر اور پہلے دعا مانگ کر کھجوریں تقسیم کرتے تھے۔ اور فرماتے کہ میرے آقا کو کھجوروں کے ساتھ محبت تھی اس حدیث سے عرس منانے کا استدلال موجود ہے۔ جس کی روشنی میں عرس منعقد کیے جاتے ہیں اگر کوئی ایسا نیا کام دین میں کیا جائے جس سے دین کا کافی نفع ہے اور اگرچہ قرآن وسنت میں اس کا حکم موجود نہیں تو وہ کرنا بہتر ہے۔ جیسے حضرت عثمانؓ نے قرآن پاک کو جمع کیا اور رکوع لگا کر اور پاؤ اور پارے وغیرہ مقرر کیے۔ حالانکہ قرآن وسنت میں اس کا کوئی حکم نہیں۔ یہ بدعت ہے۔ تو اس کو تمام امت نے قبول کیا ہے اگر ہر بدعت گمراہی ہے تو ان کے نزدیک حضرت عثمانؓ کا مقام کیا ہوگا۔ پھر حضرت عمر بن عبدالعزیز ثانی اور حجاج بن یوسف دونوں نے اپنے اپنے زمانے میں اس قرآن پر اعراب (زبر، زیر، پیش، وغیرہ) لگوائے حالانکہ یہ بھی تو بدعت ہے۔ پھر جب جنگ یمامہ ہوئی تو حضرت علیؓ اور حضرت عمر فاروقؓ نے عرض کیا کہ اے امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیقؓ جنگ کو روک دو۔ اور قرآن کو لکھوا دو تاکہ حفاظ کی شہادتوں سے قرآن کا اکثر حصہ ضائع نہ ہو جائے۔ تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت زیدؓ کو لکھنے کا حکم دیا تو انہوں نے انکار کر دیا۔ اور کہا کہ جو کام رسول اللہ ﷺ نے خود نہیں کیا اس کو کیسے کروں؟ آپؓ نے جواب دیا: زیدؓ ضرور کرو۔ کیونکہ اس میں عالم اسلام کی اصلاح ہے۔ اگر حضرت ابوبکر صدیقؓ یہ کام نہ کرتے تو حفاظ کی شہادت سے قرآن کا اکثر حصہ ضائع ہو جاتا۔ تو اس طرح قرآن کو لکھوانے سے عالم اسلام کو بہت فائدہ پہنچ رہا ہے۔ حالانکہ یہ بدعت ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِى اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّآ اَضَآءَتْ مَا حَوْلَهٗ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِىْ ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ (۱۷)

ترجمہ: ان کی مثال اس شخص جیسی ہے جس نے جلائی آگ۔ جب روشن ہوا اس آگ کی روشنی سے اردگرد اس کا تو اللہ نے ان کے نور کو مٹا دیا اور ان کو تاریکیوں میں چھوڑ دیا کہ ان کو نظر آتا۔

کہ اس آیت کریمہ کے الفاظ کی تفسیر سے فقیر دو امر ابیان کرتا ہے:۔

نمبر ۱: یہ کہ امثال کے بیان کرنے کا مقصود یہ ہے کہ جب ایک بات کو مثال دے کر بیان کیا جاتا ہے تو سننے والوں پر اس کا گہرا اثر ہوتا ہے۔ اور تعبیر مثال کے بغیر بیان کرنے سے وہ بات حاصل نہیں ہوتی۔ کیونکہ مثل کے اندر ایک امر خفی کو جلی کے ساتھ تشبیہ دینا ہوتا ہے اور ایک امر غائب کو امر حاضر کی صورت دکھلا کر اس کا ذہن نشین کرنا مقصود ہوتا ہے پس محسوس اور معقول میں مطابقت ہو جاتی ہے جو اس سے بڑھ کر اور کسی چیز سے نہیں ہو سکتی۔

اسی واسطے اللہ نے قرآن پاک اور تمام آسمانی کتابوں میں مثالوں کو کثرت سے بیان کیا ہے۔ چنانچہ فرمان الٰہی ہے۔ یعنی لوگوں کے لیے ہم باریک مثالیں

Marfat.com

بیان کرتے ہیں تا کہ وہ غور وفکر کریں حدیث شریف میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے کلام میں مثالیں اس لیے بیان فرماتا ہے تا کہ وہ آسانی سے سمجھ لیں اور غور وفکر کریں حدیث شریف میں ہے کہ انجیل کی سورتوں میں سے ایک کلام کا نام سورۃ الامثال ہے۔ اس کے اندر مثال بکثرت ہیں اس آیت کے اندر چند مسائل ہیں

پہلا مسئلہ:

صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ مثل کے معنی نظیر کے ہیں۔ رازی نے بھی یہی بتائے ہیں۔ دوسرا مسئلہ: جب اللہ تعالیٰ نے منافقین کا اصل حال بیان فرمایا اور اس کے بعد زیادتی کشف و وضاحت کے لیے دو مثالیں بیان فرمائیں۔ ایک تو یہی مثل ہے جو اس آیت کے اندر ہے۔ اس میں چند اشکال ہیں:

ا۔ منافقین کو اس شخص کے ساتھ مشابہت کس طرح ہے کہ اس کو تو نور حاصل ہو کر پھر اس سے وہ نور مٹا دیا گیا حالانکہ منافقین کو تو نور ایمان حاصل ہی نہیں ہوا۔

۲۔ یہ کہ جس شخص نے آگ کو جلایا اس آگ کی وجہ سے آگ کے اردگرد کی چیزیں روشن ہو گئیں تو اس جلانے والے نے اس روشنی سے کسی قدر نفع حاصل کیا جب کہ منافقین کو ایمان سے کوئی نفع بھی حاصل نہ ہوا۔ تو پھر مشابہت کی کیا صورت ہے؟

۳۔ آگ جلانے والے نے اپنے لیے روشنی کو حاصل کیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کی روشنی کو مٹا دیا اور اسے تاریکی میں چھوڑ دیا مگر منافقین نے تو کچھ حاصل نہیں کیا۔ اور ان کی جو ناکامی ہوئی گمراہی اور حیرت ہوئی۔ وہ سب ان کے اعمال اور ان کی ذات کی طرف سے ہوئی پھر اس کی منافق کے ساتھ تشبیہ کیونکر ہو سکتی ہے۔

جواب:

اس کا یہ ہے کہ علماء نے اس تشبیہ کو کئی طور پر ثابت کیا ہے۔

ا۔ سدی نے بیان کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ طیبہ میں تشریف لے گئے تو کچھ لوگ اسلام میں داخل ہوئے۔ پھر کچھ عرصے بعد وہ منافق ہو گئے۔ ان لوگوں کی تشبیہ اس آگ جلانے والے کے ساتھ نہایت ہی درست ہے۔ اس واسطے کہ پہلے انہوں نے مشرف بہ اسلام ہو کر روشنی حاصل کی پھر منافق ہو کر اس روشنی کو کھو بیٹھے اور ایک پریشانی میں پڑ گئے۔ کیونکہ دین کی حیرت اور گمراہی سے بڑھ کر اور کوئی گمراہی نہیں ہے۔ کیونکہ اگر ایک آدمی کو راہ چلتے چلتے تاریکی کی وجہ سے راستہ بھول جائے تو اس کو کوئی دنیاوی نقصان پہنچ سکتا ہے بخلاف اس شخص کے جو دین کے راستے سے علیحدہ ہو کر گمراہی میں جا پڑے۔ پس اس میں اس کی مکمل کو تاہی ہے۔

۲۔ اگر سدی کا قول درست نہ ہو اور چاہو کہ منافق لوگ پہلے ہی سے نفاق اور گمراہی میں پڑے ہوئے ہوں تو پھر اور تاویل ہو سکتی ہے۔ وہ یہ کہ جب انہوں نے اپنی زبان سے اسلام کا اظہار کیا تو اپنی جان و مال اور اولاد پر مسلمانوں کے تمام احکام ان پر جاری ہو گئے۔ اور یہ امور بمنزلہ ایمان کے نور اور ایک چمک کے ہوئے۔ دنیا میں ان کو اس قدر نفع حاصل ہوا مگر چونکہ یہ نفع نسبت عذاب کم ہوا۔ اس لیے ان کو اس آگ جلانے والے کے ساتھ تشبیہ دی گئی۔ کہ اس نے اس آگ سے بہت تھوڑا نفع اٹھایا اور پھر تاریکی کے پیدا ہونے سے اس کو حیرت اور پریشانی ہوگئی اور منافقین کو جو ایمان کو ظاہر کرنے سے نفع ہوا وہ نفع بھی اسی قسم کا ہے۔

۳۔ منافق کو اس شخص کے ساتھ تمام امور میں تشبیہ نہیں دی گئی جس میں منافق کے لیے بھی ایک وقت نور کا حاصل ہونا لازم ہو۔ بلکہ اسے حیرت اور پریشانی میں تشبیہ ہے جو کہ نور کے جاتے رہنے سے ہوئی۔

۴۔ جس چیز کا مسلمانوں سے اظہار کرتے تھے وہ چیز نور کے مثل تھی۔ اور جس چیز کا اپنے دوستوں سے اظہار کرتے تھے وہ مثل تاریکی کے تھی۔

۵۔ ہو سکتا ہے کہ آگ کو روشن کرنے سے منافق کے ایمان کو ظاہر کرنا مراد ہو پھر اس کو نور کے ساتھ اس لیے تعبیر فرمایا کہ اس کی وجہ سے ظاہری زینت مسلمانوں کے اندر ان کو حاصل ہوگئی اور اس وجہ سے وہ ظاہر مدح کے مستحق ہو گئے پھر اللہ تعالیٰ نے اس نور کو ہٹا دیا۔ یعنی منافقین کا صحیح اور درست حال پیغمبر ﷺ اور

Marfat.com

مسلمانوں کو بتایا۔ اور بجائے ایمان کے وہ نفاق کے نام سے مشہور ہو گئے۔ اور چونکہ یہ نور زائل ہو گیا اور وہ تاریکی کی حالت میں رہ گئے۔

۶۔ جب اللہ نے پہلے ان کی یہ صفات بیان فرمائیں کہ ان لوگوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی کو خریدا ہے ہدایت کی مثال مانند اس آگ کے جس سے گرد کی چیزیں روشن ہو جاتی ہیں اور جس گمراہی کو انہوں نے خریدا ہے اس کی مثال تاریکی کی مانند ہے جو آگ کے بجھ جانے سے پیدا ہوتی ہے۔

۷۔ ہوسکتا ہے کہ آگ روشن کرنیوالے سے وہ شخص مراد ہو جو اللہ کے خلاف آگ روشن کرتا ہے اور مقصود یہ ہے کہ منافقین کو یہ باور کرانا تھا کہ اس منافقت کی پائیداری نہیں ہے اور جس طرح آگ روشن کرنے کے بعد ہمیشہ باقی نہیں رہتی بلکہ تھوڑے سے عرصے کے بعد ختم ہو جاتی ہے یہی حال ان کی فتنہ پردازی کا ہے۔

۸۔ سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ یہ آیت یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے تشریف لانے سے پہلے آپ ﷺ کے وجود کے منتظر تھے۔ اور مشرکین عرب کے اوپر بطفیل آپ ﷺ کے فتح مانگا کرتے تھے۔ جب آپ ﷺ تشریف لائے تو انہوں نے آپ ﷺ کی تکذیب کی۔ پس ان کا انتظار اسی آگ روشن کرنے کی مانند تھا۔ اور بعد میں انہوں نے کفر کیا۔ اور آپ ﷺ کی نبوت کے منکر ہوئے۔ تو وہ مثل اس نور کے زائل ہونے کے ہوا۔

چوتھا مسئلہ:

قرآن کریم میں جابجا ایمان کو نور کے ساتھ اور کفر کو ظلمت کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا میں نور سے زیادہ کسی چیز سے رہبری نہیں ملتی۔ اور جس طرح نور سے پریشانی رفع ہوتی ہے۔ اور لوگ منافع حاصل کرتے ہیں اور کسی چیز سے حاصل نہیں کر سکتے۔ اسی طرح دین کے اندر جو رہبری ایمان سے حاصل ہوتی ہے اور منافع حاصل ہوتا ہے کسی اور چیز سے نہیں ہوتا۔ علیٰ ھٰذا القیاس کفر کو ظلمت کے مشابہت دینے کی بھی یہی وجہ ہے۔ اب چند سوال:

پہلا سوال:

فرمان الٰہی ہے کہ: مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا۔ یعنی ان کی مثل مانند اس شخص کے ہے جس نے آگ کو جلایا اور اس آیت کے اندر تو منافقین کی مثال کو آگ روشن کرنے والی مثال کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ پس دونوں کے لیے الگ الگ مثل کا ہونا چاہئے تاکہ ایک مثل کو دوسری کی طرف تشبیہ دی جائے۔

جواب:

مثل کا لفظ صفت یا قصہ کے لیے استعارہ کر لیا گیا ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ اس قصہ یا صفت میں کوئی نادر اور عجیب بات پائی جائے پس ان کا عجیب قصہ اس شخص کے قصہ کی طرح ہے جس نے آگ کو روشن کیا اور قرآن مجید میں جابجا مثل کا استعمال انہی معنوں میں ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُونَ اور وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی۔

سوال نمبر۲:

اس آیت میں جماعت کو واحد کے ساتھ کس طرح تشبیہ دی گئی ہے۔

جواب:

چار طور پر اس کی توجیہہ ہوسکتی ہے۔ ا۔ لغت میں صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں اَلَّذِیْ کو وَالَّذِیْنَ کی جگہ رکھ دینا جائز ہے جیسا کہ قرآن پاک میں ہے: وَخُضْتُمْ كَالَّذِي خَاضُوْا۔ یہاں الذی بجائے الذین کے استعمال کیا گیا ہے۔ چونکہ الذین کے ذریعے سے بیشتر معرفہ کی صفت حمد کے ساتھ کی جاتی ہے اسطرح کلام عرب میں بکثرت ہے۔ اس میں تخفیف کی ضرورت ہوتی ہے اس واسطے اہل عرب نے ی کو دو دو کر کے کرہ لگا دیا ہے۔ پھر رفتہ رفتہ اسم فاعل اور مفعول میں صرف حرف الف۔ لام پر اختصار کر دیا ہے۔

۲۔ آگ روشن کرنے والے سے ان لوگوں کی جنس یا جماعت مراد ہے جس نے آگ روشن کی۔

Marfat.com

۳۔ احتمال قوی یہ ہے کہ درحقیقت منافقین کی ذات کو آگ روشن کرنے والے کی ذات کے ساتھ تشبیہ نہیں دی گئی۔ تا کہ جماعت کی تشبیہ واحد کے ساتھ لازمی آئے بلکہ ان کے قصہ کو آگ کے روشن کرنے والے کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔

۴۔ مَثَلُهُمْ۔ سے مراد مَثَلُ واحدٍ مِنْهُمْ ۔ ہے یعنی منافقین میں سے ایک کی مثال آگ روشن کرنے والے کی طرح ہے اور اس وقت میں جماعت کی تشبیہ واحد کے ساتھ نہ ہوگی۔

تیسرا سوال:

آگ کیا چیز ہے اور وہ روشن کیونکر ہوتی ہے اور اس سے اور چیزیں کس طرح نظر آتی ہیں اور نور اور ظلمت کی حقیقت کیا ہے؟

جواب:

آگ کا روشن ہونا یہ ہے کہ اس کے شعلے بلند ہو کر اوپر کو چڑھ جاتے ہیں آگ ایک جوہر لطیف ہے اس سے روشنی پیدا ہوتی ہے اور نہایت گرم ہے گرمی کی وجہ سے جو کچھ اس پر پڑتا وہ نور سے مشتق ہے اس کے کئی معنی بھاگنے کے ہیں۔ کیونکہ آگ میں حرکت اور انقلاب ہوتا ہے اس لیے اس کا نام نار رکھا گیا ہے۔ اور نور بھی نار سے مشتق ہے۔ اس کے معنی روشنی کے ہیں۔

اضاء متعدی واقع ہوا ہے اور ماحول کسی شے کا وہ حصہ ہے جو اس شے کے ساتھ متصل ہوتا ہے ایک شخص سے دوسرے شخص کی طرف منتقل ہو جاتا ہے اور جو شخص کسی فعل سے احتراز کرنے کے بعد پھر اس کو طلب کرے اور طلب کو محاولت کہتے ہیں اور جس شخص کی آنکھ کی پتلی پھری ہوتی ہے اسے بھی اسی واسطے احول کہا جاتا ہے اور حول کے معنی انقلاب کے اور انتقال کے ہوتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا۔ یعنی جنتی لوگ جنت سے منتقل ہونے کی خواہش نہ کریں گے اور ظلمت کے معنی تاریکی کے ہیں جس چیز کی شان روشن ہونا ہو اس میں روشنی کا نہ ہونا اور اصل معنی ظلمت کے نقصان اور کمی کے ہیں۔ چنانچہ فرمان الٰہی ہے اٰتَتْ اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِنْهُ شَيْئًا۔ یعنی اس باغ نے اپنا پھل دیا اور اس میں کچھ کمی نہیں کی اور مثل مشہور ہے جس شخص نے اپنے باپ کی نصیحت پکڑی اس نے کچھ ظلم نہیں کیا۔ مراد یہ کہ اس نے اطاعت میں کمی نہیں کی اور برف کو بھی ظلم کہتے ہیں کیونکہ وہ بہت جلد نکل جاتا ہے اور کم ہوتا چلا جاتا ہے اور برف کی مشابہت سے دانتوں کی چمک اور صفائی کو بھی ظلم کہتے ہیں۔

چوتھا سوال:

اَضَاءَ متعدی ہے یا لازم؟

جواب:

اضاءَ لازم بھی آتا ہے اور متعدی بھی۔ اسی طرح اظلم بھی لازم اور متعدی دونوں طرح آتا ہے۔ کہا کرتے ہیں۔ اَضَاءَتِ النَّار واضاءَت تمیرها۔ یعنی آگ خود ہی روشن ہوتی ہے۔ اور دوسری چیزوں کو بھی روشن کرتی ہے لکھ چکا ہوں کہ نور نار سے ہے۔ امام رازی نے بھی یہی بات کہی ہے اور حقیقت آئندہ اوراق میں آئے گی اور اظْلَمُ الشيئ بنفسه واظلمه غيرهٗ یعنی یہ شئے خود بھی تاریک ہے اور دوسری چیزوں کو بھی تاریک کر دیا اور اس مقام پر اضاعت ظاہر متعدی معلوم ہوتا ہے مگر غیر متعدی بھی ہوسکتا ہے۔

Marfat.com

پانچواں سوال: قیاس چاہتا ہے جس طرح پہلے فَلَمَّآ اَضَآءَتْ مَاحَوْلَهٗ واقع ہوا ہے اسی طرح یہاں ذَهَبَ اللّٰهُ بضوءِ هِمْ ہوتا ہے بِنُوْرِهِمْ فرمانے کی کیا وجہ ہے؟

جواب: نور کی نسبت ضَو میں روشنی کی زیادتی پائی جاتی ہے اس واسطے کہ ضَوء درحقیقت نور کی زیادتی کو کہتے ہیں۔ پس اگر ذهب اللّٰه یضوءِ هِمْ ہوتا تو گمان ہوسکتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس نور کی زیادتی کو مٹا دیا۔ اگرچہ اصل نور باقی ہوا۔ مقصود یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ ان کا نور بالکل ختم کر دیا۔ اس واسطے اللہ تعالیٰ نے فرماتا ہے۔ وَتَرَكَهُمْ فِيْ ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ. اور ظلمت نور کے مٹ جانے کو کہتے ہیں۔

چھٹا سوال: ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ فرمایا اور اَذْهَبَ نہیں فرمایا اور اَذْهَبَ اللّٰهُ نُوْرَهُمْ نہیں فرمایا۔ اس کی کیا وجہ ہے۔

جواب: اَذْهَبَ اور ذَهَبَ میں یہ فرق ہے کہ اَذْهَبَ السُّلْطَانَ بِمَالِهٖ یعنی بادشاہ اس کا مال لے گیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرماتا ہے فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ پس وہ جب اس کو ساتھ لے گئے۔

ساتواں سوال: تَرَكَهُمْ کے یہاں کیا معنی ہیں؟

جواب: ترک کے بعد جب ایک مفعول ذکر کیا جاتا ہے تو اس کے معنی چھوڑنے کے ہوتے ہیں۔ جب دو مفعول ذکر کئے جاتے ہیں تو وہ بمنزل افعال قلوب کے ہوتا ہے اور اس وقت میں جملہ هُمْ فِيْ ظُلُمٰتٍ تھا اس کے اوپر داخل ہوا اور دونوں نمبر ۴ اس کے مفعول ہوں گے۔

سوال نمبر ۸: لَا يُبْصِرُوْنَ کے یہاں کیا معنی ہیں؟

جواب: یہاں اس کے دو مفعول بمنزل محذوف معنوی کے نہیں ہیں۔ بلکہ اسی قبیلہ سے ہیں غیر اسم یا اشارۃ ہونے کی وجہ سے چھوڑ دیا جاتا ہے کہ ان کی فکر سے کوئی نتیجہ نہیں نکلتا۔ اور ایسا سمجھا جاتا ہے کہ وہ فعل مفعول کو چاہتا ہی نہیں۔ اس سے آیت مذکورہ سے پہلے ماقبل والی آیت میں نور کی حقیقت کے بارے میں لکھ چکا ہوں۔ کہ اس کی حقیقت پر روشنی ڈالوں گا۔ بیان ہو چکا ہے کہ نور نار سے مشتق ہے۔ اور نور کے معنی روشنی کے ہیں۔ اور آگ جب جلائی جاتی ہے اور آگ کے شعلے جب نکلتے ہیں تو شعلوں سے روشنی ہوتی ہے۔ تو معلوم ہوا کہ روشنی کا تعلق گرمی سے ہے جیسے سورج کی تپش گرم ہے۔ تپش سے روشنی پیدا ہوتی ہے تو نور کے معنی روشنی کے ثابت ہوئے۔ لہٰذا اس قسم کی کئی قسمیں ہیں جنہیں نور حسی نور معنوی کہا جاتا ہے جو آگ اور سورج سے پیدا ہو۔ تیسری قسم نور کی عقلی ہے۔ یعنی عقل کے اندر روشنی جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ

ترجمہ: بھڑک اٹھے اگرچہ اسے آگ نہ چھوئے نور پر نور ہے۔

پس معلوم ہوا کہ نور کی تمثیل اور اس کا مادہ نار ثابت ہوا۔ اور نور عقلی یعنی عقل کے اندر علم کا آنا اور جہالت کا ختم ہونا یہ نور عقلی ہے۔ جہالت ظلمت ہے تو لہٰذا عقل جب علم کی روشنی سے سیراب ہو جاتی ہے تو جہالت ختم ہو جاتی ہے۔ لہٰذا یہ نور کی قسمیں ہیں جو تین بیان کی گئی ہے۔ جو بہت اعلیٰ ہیں۔ کیا لفظ نور کا اطلاق اللہ پر ہوسکتا ہے یا نہیں یہ بات ناممکن ہے کیونکہ روشنی کو اللہ نے پیدا کیا ہے۔ روشنی مخلوق ہے۔ اگر کوئی اس آیت کریمہ کو پیش کرے کہ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ تو اس کے بارے میں مفسرین کے دو قول ہیں۔ کہ اللہ نور ہے زمین اور آسمانوں کا۔ یعنی اللہ تعالیٰ زمین اور آسمان کی مخلوق کو ہدایت دیتا ہے۔ ابن عباس کا قول بھی یہی ہے۔ صاحب تفسیر خزینۃ القرآن و بحوالہ امام محمد باقرؒ۔ مجموعہ الاحادیث سے ان اقوال کی تائید میں چند اور احادیث ابی بن کعب و بحوالہ امام محمد باقر ابوالعالیہ اور قیس بن مسلم کوفی اور شیخ عبدالملک جزی حسن بن علی میں ہیں۔ صاحب تفسیر خزینۃ القرآن مجموعہ الاحادیث سے بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کی بہت تعداد موجود تھی رسول اللہ ﷺ سے دریافت فرمایا کہ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ سے کیا مراد ہے یا رسول اللہ؟ چنانچہ آپؐ نے اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ سے لے کر یہاں تک تلاوت فرمائی۔ پھر فرمایا۔ اللہ نے زمین اور آسمانوں کو منور فرمایا ہے تو جس سے منور کیا ہے وہ ایک روشندان ہے جس میں بہترین فانوس ہے اور اس فانوس روشن کرنے سے زمین و آسمان منور ہوتا ہے اور

Marfat.com

روشندان سے اللہ تعالیٰ نے تشبیہ دی ہے وہ روشندان میرا وجود ہے اور وجود نبوت مراد ہے میرا قلب وہ فانوس ہے بہترین شفاف کی طرح نور کی چمک ہوتی ہے جس سے سارے انبیا علیہ السلام کو عکس ملا۔ شجر میرا دادا ابراہیمؑ ہے۔

حدیث دوسری سیدنا حضرت عائشہ صدیقہؓ کی اسناد سے بیان کرتے ہیں۔ سیدہؓ فرماتی ہیں کہ میں سورہ نور تلاوت کر رہی تھی تو سرکار دو عالم ﷺ میرے حجرے میں جلوہ گر ہوئے تو یہی پڑھ رہی تھی نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ تو رسول اللہ ﷺ کی جانب میں نے دیکھا تو مجھے ایسے محسوس ہوا کہ اس نور سے پرنور آپ کی ذات ہو۔ تو آپؐ نے فرمایا۔ ہاں حمیرہ میں ہی ہوں۔ میں نے اپنے صحابہ کو مطلع کر دیا ہے کہ روشندان میرا وجود ہے اور اس سے وجود نبوت مراد ہے۔ میرا قلب فانوس کی طرح ہے اور وہ نہایت شفاف ہے۔ اور سب میں قندیل چمکتا ہے۔ جس سے زمین و آسمان منور ہو رہا ہے انبیاء کے ذریعے اپنے نور وہدایت کو پھیلاتا ہے اور زمین و آسمان کو منور کرتا ہے اور وہ میرے ہی نور سے ہے شجر حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں اور نہ شرق تھے نہ غرب تھے یعنی نہ یہود تھے نہ نصرانی تھے اور یہ شجر نور تھا اور اس نور سے میں پرنور ہوا ہوں۔ میرے نور سے ساری کائنات چمکتی ہے اور مجھے اللہ تعالےٰ نے سِرَاجًا مُّنِیْرًا فرمایا ہے۔ (امام محمد باقرؒ لکھتے ہیں کہ یہ حدیث تواتر سے ہے)۔ اور نور نار کے مادہ سے ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ نار کی تپش سے روشنی ہوتی ہے۔ یہ سب عارضی ہے۔ اللہ نے مثال دی کہ ہم سمجھ جائیں۔ میں سراج منیر ہوں۔ سراج منیر وہ ہوتا ہے جس کی روشنی عارضی نہ ہو۔ حضرت عائشہؓ سے صحابہ کرام نے سماعت کی۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے ان کی اسناد سے حدیث درج کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ ابن عباسؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور محمد بن کعبؓ اور امام باقرؒ کی تفسیر اسی کا ترجمہ ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن سورہ مائدہ پارہ نمبر ۶ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ترجمہ:

بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور آیا اور روشن کتاب کے ماتحت تین ہزار مسائل نکالتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ روشنی اس کو کہتے ہیں جو ظلمت کو دور کرے۔ مثلاً جیسے کمرہ میں کوئی بیٹھا ہوا ہو اور اندھیرا ہو تو کچھ نظر نہیں آئے گا۔ ہاتھ پر ہاتھ بجیں گے۔ پس سارا جہاں ایسے ہی کمرہ میں بند تھا کہ جس میں کوئی چراغ نہ تھا۔ قدرت کاملہ نے عالم کی ظلمت کو مٹا دیا ایک بہترین نور لا کر۔ صحابہ موجود تھے۔ نبی پاک ﷺ سے اس آیت اور دیگر مذکورہ آیت کے بارے میں پوچھا گیا۔ تو آپؐ نے فرمایا: اللہ تعالےٰ نے میرے وجود کو نور فرما کر ظلمت کو ختم کرنے کیلئے بھیجا اور مجھے روشن کتاب عطا کی۔ اور میں شجر ابراہیمی سے ہوں۔ جن کی نسل سے انبیا علیہ السلام آئے جنہوں نے زمین و آسمان کو نور کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ اس نور سے مجھے پرنور کر کے بھیجا۔ اب میرے بعد کوئی نور نہیں آئے گا۔ اور میرے بعد کسی نور کی ضرورت نہیں رہی۔ حضرت ابن عباسؓ اور ابی قتادہؓ اور حضرت ابو سعید خدریؓ اور امام باقرؒ۔ ابی بن کعب، حضرت جعفر صادق، حضرت علیؓ حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ حضرت ابن عمرؓ حضرت موسیٰ اشعریؓ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف حضرت جعفر طیارہؓ سب فرماتے ہیں کہ تواتر سے ہے کہ نور سے مراد حضورؐ نے اپنے وجود کو فرمایا۔ اور سراج منیر کے بارے میں صاحب تفسیر خزنیہ القرآن بحوالہ امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ میرے نانا جان حضرت محمد رسول اللہ ﷺ برحق سراج منیر ہیں۔ اور ان کو سراج منیر اللہ نے فرمایا۔ آفتاب کو شمس کہا گیا ہے اور سراج نہیں کہا گیا۔ کیونکہ شمس کی روشنی عارضی ہوتی ہے لیکن میرے نانا جان ایسے ہیں کہ جن کے دندان مبارک مسکراہٹ سے کروڑوں آفتاب پیدا ہو سکتے ہیں۔ جیسا کہ آپؐ نے صحابہ سے فرمایا تھا کہ اللہ نے مجھے وہ آفتاب بنایا ہے کہ میرے وجود کی روشنی تا قیامت جاری رہے گی۔ بلکہ ابدالآباد تک قائم رہے گی۔ فرمایا کہ میرے آنے سے پہلے تم وادی کفر میں تھے۔ اور تمہارے دلوں میں کفر جاگزین تھا۔ تم پر ظلمت محیط تھی۔ تمام ظلمات سے ظلمت کفر شدید ہوتی ہے۔ میں نے آ کر اس ظلمت کو ختم کر کے تمہارے قلوب کو پاک کیا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ آفتاب صرف چمکتا ہے۔ سراج وہ آفتاب ہوتا ہے جو خود چمکے اور دوسروں کو بھی چمکا دے۔ اور ہمہ وقت چمکے آپؐ نے فرمایا۔ وہ سراج منیر میں ہوں۔ اللہ نے مجھے اپنا کلام عطا فرمایا۔ اور پھر یہ آیت پڑھی: هُوَ الَّذِىْ جَعَلَ الشَّمْسَ سے لے کر نُوْرًا تک پڑھی اور فرمایا کہ یہ شمس و قمر جو ہیں ان کو میرے نور سے ہی روشنی ملی ہے۔ تم میری حقیقت کو آفتاب نور سراج منیر سمجھو جیسا کہ قرآن نے حکم دیا ہے۔ اور یہ آیت پڑھی۔ اور میری نبوت کا نور ہر وقت چمکتا رہے گا۔ امام باقر فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مجموعۃ الاحادیث میں موجود ہے اور تقریباً بیس ہزار محدثین نے اس کو بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ میرے نانا جان جو پُر لطف ہیں۔ اور آپؐ کی روشنی مخلوق کے قلوب پر پڑی جبکہ سورج کی روشنی صرف آنکھ تک محدود ہے۔ اور آپؐ کے نور کی روشنی قلوب پر پڑی۔ جس سے عظیم انقلاب رونما ہوا۔ فرماتے ہیں کہ بے شک بقول حضور انورؐ سراج وہ ہوتا ہے جو خود چمکے اور دوسروں کو بھی چمکا دے۔ بحوالہ امام باقر۔ ابن ابی کعب اور محمد احمد نے بھی بیان کیا ہے۔ اس ضمن میں امام زہری کی اسناد سے دوسری حدیث درج کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ میں نے ابوبکر بن موسیٰ سے انہوں نے یحییٰ بن ابراہیم سے انہوں نے امام زہری سے انہوں نے امام باقر ابن محمد ابن علی ابن حسین ابن علی سے انہوں نے ابن عباسؓ سے انہوں نے سیدہ فاطمہؓ سے اور عائشہ صدیقہؓ

Marfat.com

سے سنی۔ بنت رسول اللہ اور زوجہ رسول اللہ ﷺ فرماتی ہیں کہ ہم دونوں موجود تھیں کہ حضورؐ سورہ احزاب کی مذکورہ آیت کی تلاوت فرمار ہے تھے۔ جناب ام المومنین نے حضورؐ سے عرض کیا۔ کہ اللہ نے سراج منیر فرمایا ہے۔ دنیا والے اس سے کیا مراد لیں گے۔ سرکار دو عالم نے ارشاد فرمایا اے حمیرہؓ اور اے میری لخت جگر فاطمہؓ سن لو۔ تمام انبیاء کرام آفتاب تھے جیسے سورج اور سورج چمکتا ہے اور میں منیر ہوں اور سراج منیر وہ ہوتا ہے جو خود چمکے اور دوسروں کو بھی چمکا دے اور میری چمک سے جملہ انبیاء کرام چمکے اعلیٰ حضرت نے کیا خوب فرمایا ہے۔

چمک تجھ سے پاتے ہیں چمکانے والے
میرا دل بھی چمکا دے چمکانے والے

معلوم ہوا کہ حضورؐ سراج منیر ہیں۔ سراج منیر وہ ہوتا ہے جس کی روشنی ختم نہ ہونے پائے۔ فرماتے ہیں کہ میرے جد امجد حضرت علی اپنے مجموعۃ الاحادیث میں لکھتے ہیں کہ رمضان المبارک کا مہینہ تھا وہ حضورؐ پاک کا آخری رمضان تھا۔ ستائیسویں رات تھی کہ حضورؐ نے ہمیں صبح کو خطاب فرمایا اور یہی آیت جم غفیر پر تلاوت فرمائی۔ مدینہ کے ہر مرد وزن موجود تھے حضورؐ نے فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو منور کیا ہے اللہ نے انبیاء کو بھیجا انہوں نے زمین و آسمان کو منور کیا۔ آپؐ نے فرمایا میرا وجود بہترین روشندان کی مانند ہے۔ جس میں بہترین شفاف فانوس ہوں وہ چمکے تو وہ میں ہی ہوں۔ اور شجر سے مراد میرے دادا حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں اور نور کی طاق میرے دادا اسمٰعیل ہیں اور جس نور پر میں پر نور ہوا ہوں میری ذات سے اللہ تعالیٰ پورے عالم کو روشن فرماتا ہے۔ پھر آپؐ نے فرمایا کہ اللہ نے میرا آنا بہترین فرمایا۔ پھر آپؐ نے قَدْ جَاءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ○ پڑھا۔ آپؐ نے فرمایا کہ اللہ نے مجھے نور فرما کر بھیجا اور مجھے روشن کتاب دی۔ جس سے ظلمت اور کفر ختم ہوا۔ آپؐ نے فرمایا کہ کیا تم جس طرح آج مسجد میں موجود ہو میرے آنے سے پہلے بھی بیٹھے تھے۔ سب نے کہا۔ نہیں۔ اور آپؐ نے فرمایا کہ میں سارے عالم کے لئے سراج منیر ہوں اور نور ہوں اور اللہ نے بھی فرمایا ہے۔ آپؐ نے فرمایا میں ہی سارے عالم کے لئے سراج منیر ہوں اور نور ہوں اور اللہ نے بھی فرمایا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ تم دیکھتے ہو کہ آفتاب چمکتا ہے اور ظلمت ختم ہو جاتی ہے۔ فرمایا۔ سراج منیر وہ ہوتا ہے جس سے آفتاب چمکے۔ فرمایا کہ میری چمک سے انبیاء اکرام چمکے اور سارا جہاں میرے نور سے چمکتا رہے گا۔ (ابن عربی نے تفسیر میں لکھا ہے۔ امام محمد باقر نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے اور فرمایا یہ حدیث تواتر ہے جو کئی مفسرین نے بیان کی ہے۔) الحمد للہ کہ صحابہ کے ایک جم غفیر نے یہ آیات اور حضور ﷺ پر نور سے یہ خطبہ خود سنا اور مبینہ ثبوت زبان رسالت سے واضح ہو گیا مزید وضاحت کی گنجائش نہ رہی۔ ان آیات کے حضور ﷺ خود مفسر ہیں اور سماعت کرنے والے صحابہؓ موجود ہیں۔ یہ حدیث مکہ تک موجود تمام صحابہ تک پہنچی موصوف فرماتے ہیں کہ یہ حدیث جامع ہے صاحب خزینۃ القرآن نے یہ حدیث مجموعۃ الاحادیث میں درج دیکھی علاوہ کہ ازیں انہوں نے ۱۲ ہزار محدثین سے خود بھی سماعت کیا ہے ان کی زبان اور مجموعۃ الاحادیث میں مرموفرق نہیں ہے موصوف فرماتے ہیں کہ یہ حدیث بالا بہت سے فوائد کی حامل ہے۔ اس حدیث کی تصدیق میں نے اپنے نانا جان سے کی۔ اس کی حدیث کو امام اعظمؒ اور امام شافعیؒ نے بھی اپنی کتابوں میں درج کیا ہے۔ امام زہری کی مسند میں بھی ہے۔

عبدالرزاق کی مسند میں بھی ہے۔ خواجہ حسن بصریؒ نے بھی اس کو نقل کیا ہے۔ خواجہ حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ کے علاوہ میں نے چھ ہزار صحابہ کرام سے یہ حدیث خود سنی ہے۔ بے شک میرے نانا جان کا وجود سراج منیر ہے جسے اللہ تعالیٰ سراج منیر فرمائے اس کی مخالفت کون کر سکتا ہے۔ جیسے سورج کی روشنی کی مخالفت کوئی نہیں کر سکتا۔ حضور ﷺ تو سراج منیر ہیں اور حضور ﷺ اس کی اصل ہیں یہ آفتاب تو سراج منیر سے چمکا ہے۔ جس طرح اس سورج کی روشنی کی مخالفت کرنا محال ہے۔ اور سراج منیر کی روشنی کی مخالفت کرنا تو بہت ہی محال ہے۔

نوٹ:

بیان ہو چکا ہے کہ اللہ کو نور کہنا حقیقتاً درست نہیں کیونکہ اس طرح اس کی مثل قائم ہو جائے گی جبکہ اللہ تعالیٰ تو بے مثل ہے۔ اور نور کی مثل ہوا کرتی ہے اور اللہ کی کوئی مثل نہیں۔ کیا نور کا اطلاق قرآن پر ہو سکتا ہے؟ یہ بھی بالکل محال ہے کیونکہ اگر قرآن کو خلق مان لیں اور قرآن کو حقیقتاً نور مان لیں تو اس کا خلق ہونا ثابت ہوتا ہے جبکہ قرآن خلق سے پاک ہے۔ قرآن تو نور عطا کرتا ہے اور قرآن کی حقیقت نور نہیں۔ صاحب خزینۃ القرآن مجموعۃ الاحادیث سے حدیث درج کرتے ہیں [illegible] امام

Marfat.com

محمد باقرؒ حضرت علیؓ لکھتے ہیں کہ صحابہ کا جم غفیر تھا اور صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! قرآن سے ہمیں جو روشنی حاصل ہوتی ہے تو کیا یہ حقیقتاً نور ہے۔ فرمایا نہیں قرآن غیر مخلوق ہے۔ قرآن کلام اللہ ہے جیسے اللہ تعالیٰ ازلی ہے ویسے ہی اس کا کلام اور صفات ازلی ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ اگر کوئی قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ سے مراد قرآن کو لے تو اس کی بات کمزور ہوگی۔ امام رازی فرماتے ہیں کہ اس کی کوئی بنیاد نہیں۔ کیونکہ قرآن ازلی ہے اور نور مخلوق ہے۔ بھلا نور کو ازلی سے کیا نسبت؟ نور تو فانی چیز ہے اور قرآن غیر فانی ہے۔ تو اس نور سے مراد تمام مفسرین کا اجماع کہ حضور ﷺ کی ذات ہے۔ تو بس مسئلہ اسی پر مسلم ہے کہ نہ اللہ حقیقتاً نور ہے نہ اس کا قرآن حقیقتاً نور ہے تو معلوم ہوا کہ نور کی قسمیں پہلے بیان ہو چکی ہیں۔ عقلی نور ہے اور حسی نور ہے اور معنوی نور ہے تو انبیاء علیہ السلام کو ہم عقلی نور حضور ﷺ کے وجود کو سراپا نور اور روشنی مانتے ہیں اور اس کے دلائل میں پہلے حدیث گزر چکی ہے۔

قولهٗ تعالیٰ: صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ (۱۸)

ترجمہ: بہرے ہیں گونگے ہیں۔ اندھے ہیں پس وہ رجوع نہیں کریں گے۔ معلوم ہوا کہ وہ لوگ ایسے نہ تھے بلکہ سنتے تھے بولتے تھے اور دیکھتے تھے۔ اس سے ثابت ہوا کہ اس آیت میں الفاظ کو حقیقی معنی پر محمول نہیں کر سکتے بلکہ وہ لوگ رسول اللہ ﷺ سے غایت درجہ عناد رکھتے تھے اور قرآن کے احکام سے روگردانی کرتے تھے۔ اور معجزات اور آیات پر نظر نہ کرتے تھے اس لئے ان کو ایسے شخص کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو درحقیقت بہرہ ہو اور کسی کی بات نہ سنتا ہو۔ ظاہر ہے جو شخص کسی کی بات نہ سنے گا وہ بات کا جواب بھی نہ دے سکے گا۔ اس طرح وہ گونگا ہوگا۔ چونکہ معجزات اور دلائل سے ان کو نفع حاصل نہ تھا اور اس کامیابی کا راستہ ان کو نظر نہ آیا۔ اس طرح وہ نابینے ہوئے. فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ کے اندر کئی احتمال ہیں:۔

نمبر 1: کہ منافقین کی جن باتوں کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اس سے وہ رجوع نہ کریں گے۔ کیونکہ وہ نفاق پر جمے ہوئے ہیں۔ اور ایسی ایسی باتیں کرتے ہیں۔ ان کی باتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ نفاق پر دائم اور قائم رہیں گے۔

نمبر 2: جب وہ ہدایت کو فروخت کر چکے اور گمراہی کو خرید چکے تو ہدایت کی طرف نہ لوٹیں گے اور نہ ہی گمراہی سے ہٹیں گے۔

نمبر 3: یہ لوگ متحیر اور پریشان لوگ ہیں بوجہ پریشانی کے کسی جگہ پر ٹھہر جائیں۔ ان کی سمجھ میں نہ آیا کہ آگے کو بڑھیں یا پیچھے کو ہٹیں۔ واپس لوٹ آنا مشکل ہے۔ (بحوالہ امام محمد باقر، مقاتل، ابی بن کعب ابوالعالیہ، اس آیت کا شان نزول صاحب تفسیر خزینۃ القرآن مجموعۃ الاحادیث سے ابن عمرو کی کتاب سے یہ بیان کرتے ہیں۔ کہ حضرت علیؓ، حضرت ابن عمرؓ نے لکھا ہے کہ عبداللہ بن زبیرؓ نے نبی ﷺ کی شان کو یہودیوں کے گروہ پر بیان کیا اور منافقوں سے کہا کہ تم پہلے اکیلے تھے۔ جب حضور ﷺ مدینہ میں تشریف لائے انہیں قرآن کے احکام سنائے۔ عمرو بن العاص نے یہودیوں اور منافقوں سے کہا۔ ان کی کوئی بات نہ سنو اور ہمارے پاس ان کا کوئی جواب نہیں وہ ہنس کر چلے گئے۔ تو حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے یہ واقعہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں بیان کیا تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی اور حضور ﷺ نے پڑھ کر سنائی۔ صاحب خزینۃ القرآن اس آیت سے متعلق کافی احادیث رقم کرتے ہیں اور کئی دلائل عقلیہ اس پر بیان فرماتے ہیں۔ بقدر ضرورت بیان ہو چکا۔

قولهٗ تعالیٰ: اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّ رَعْدٌ وَّ بَرْقٌ ۚ يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِيْۤ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ؕ وَاللّٰهُ مُحِيْطٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ (۱۹) يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ ؕ كُلَّمَاۤ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ ۙ وَاِذَاۤ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (۲۰)

ترجمہ: یا مثل زوردار بارش کے کہ جو آسمان سے آئے۔ اس میں تاریکیاں اور بجلی کی گرج اور چمک ہے وہ کڑک کی وجہ سے موت کے ڈر کے مارے اپنی انگلیاں کانوں میں کر لیتے ہیں۔ اور اللہ ہر طرف سے کافروں کو گھیرے ہوئے ہے قریب ہے بجلی کہ اچک لے جائے ان کی آنکھ جب اس بجلی نے انہیں روشنی دی تو وہ چل پڑے اس میں اور جب ان پر اندھیرا کر دیا تو کھڑے رہ گئے۔ بجلی ان کی بینائیوں کو چھین لے اور اللہ چاہے تو ان کی شنوائی اور بینائی کو مٹا دے بے شک اللہ تعالیٰ جلّ شانہٗ ہر

Marfat.com

چیز پر قادر ہے۔ معلوم کریں کہ منافقوں کی دوسری قسم بیان کی گئی ہے اس شکل کی مشابہت کئی صورتوں میں نکلتی ہے۔

(۱) جب گھٹا کی آمد آمد ہوتی ہے تو اس کے اندر گرج بجلی اور اندھیرے کی کثرت کے ساتھ رات کا اندھیرا اور پھر اس کے ساتھ بادل کا اندھیرا ملتا ہے تو یہ کئی اندھیرے مل کر ایک خطرناک شکل وصورت اختیار کر لیتے ہیں۔ اس خوف سے کہ کانوں کے پردے پھٹ نہ جائیں۔ جو شخص اس مصیبت میں ہوتا ہے اس کا راستہ گم ہو جاتا ہے اس کا عجیب حال ہوتا ہے۔ بجلی چمکتی ہے تو اس کی روشنی سے اس کو اس کی چیزیں معلوم ہو جاتی ہیں۔ اور اس روشنی کے سہارے وہ چند قدم چلتا ہے۔ مگر جب پھر تاریکی چھا جاتی ہے تو وہ متحیر ہو کر کھڑا ہو جاتا ہے کیونکہ یہ تاریکی روشنی کے بعد ہوتی ہے اور اس وقت اس کی نظر میں اور زیادہ تاریکی چھا جاتی ہے بہ نسبت اس شخص کے جو مسلسل تاریکی میں چل رہا ہو۔ اس شخص کو تاریکی میں زیادہ پریشانی ہوتی ہے کیونکہ اس کی نظر چندھیا جاتی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ منافقین کا حال بھی یہی تھا۔ کہ ان کو دین کا راستہ نظر نہیں آتا تھا۔ اور راہبری نہیں ملتی تھی۔

(۲) بارش اگرچہ نہایت نفع بخش چیز ہے مگر جب ایسی کیفیت میں طوفان بن کر آتی ہے تو بجائے نفع کے نقصان ہوتا ہے یہی حال ایمان کا بھی ہے جو نہایت سودمند چیز ہے مگر جب اس کیفیت کے ساتھ پایا جائے کہ صرف زبان پر تو ہو اور دل اس سے خالی ہو تو اس سے کچھ فائدہ نہیں ہو سکتا۔

(۳) جو شخص اس طرح بارش اور بجلی اور گرج میں مبتلا ہوتا ہے اس سے اور تو کچھ نہیں ہوتا البتہ موت سے بچنے کے لئے یہی تدبیر کرتا ہے کہ انگلیوں کو کانوں میں ڈال لیتا ہے۔ مگر اس تدبیر سے بھی وہ بچ نہیں سکتا اور جب اللہ کو اس کا ہلاک کرنا منظور ہوتا ہے تو وہ ہلاک ہو کر رہتا ہے۔ یہ ایک ایسا امر ہے کہ اسے سب لوگ جانتے ہیں۔ اس واسطے اللہ تعالیٰ نے منافقین کو ایسے شخص کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔

(۴) منافقین کی عادت تھی کہ جہاد میں شریک نہ ہوتے تھے اور بہانے بناتے تھے۔ اپنی موت اور قتل ہو جانے کا ان کو خوف تھا۔ اس واسطے اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسے شخص کے ساتھ تشبیہ دی جو اپنے مصائب اور پریشانیوں میں گھر کر اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس کر خود موت سے بچنے کی تدبیر کرتا ہے مگر بچ نہیں سکتا۔

(۵) یہ لوگ جو اپنے کانوں میں انگلیاں دے لیتے ہیں اگر ان کو اس سے نجات بھی ہو جاتی تو موت سے نہ بچ سکتے اس واسطے کہ موت ان کے پیچھے لگی ہوئی تھی۔ منافقین کا حال بھی یہی ہے کہ وہ اپنی ان ترکیبوں سے نجات حاصل نہیں کر سکتے۔ اور دوزخ کی آگ سے محفوظ نہیں رہ سکتے۔

(۶) جو شخص ایسی ترکیبوں میں مبتلا ہو وہ حیرت کے کمال درجہ کو پہنچ جاتا ہے۔ یہی حال منافقین کا ہے ان کو دین کے اندر کمال پریشانیاں اور انتہائی خوف حاصل رہتا ہے۔ کیونکہ منافقین کا ہمہ وقت یہی تصور رہتا ہے۔ کہ اگر مسلمانوں کو ہمارا حقیقی حال معلوم ہو گیا تو وہ ہمیں مار ڈالیں گے۔ گویا ان کے نفاق کو قوت لازم ہے جب تک نفاق رہے گا۔ یہ باتیں ان کا پیچھا نہ چھوڑیں گی۔

(۷) حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایمان اور قرآن مانند زوردار بارش کے ہیں۔ امام رازی بھی یہی بات کہتے ہیں۔ صاحب خزینۃ العلم القرآن نے یہ حدیث درج کی ہے۔ ایمان اور قرآن کو بارش کے ساتھ تشبیہ دی ہے جو زور کے ساتھ برستی ہے۔ بجلی اور گرج سے وہ احکام شرعیہ مراد ہیں جن کا عمل میں لانا منافقین کے لئے تکلیف دہ ہے مثلاً نماز روزہ اور ماں باپ کے ساتھ جہاد کرنا اور والدین کو چھوڑ کر رسول اللہ ﷺ کی تابعداری کرنا۔ پس جس طرح انسان ایسی شدید بارش کے وقت جس میں اندھیرا اور گرج چمک وغیرہ شامل ہو، اپنی جان کی حفاظت کی کوشش کرتا ہے اور اپنی جان بچاتا ہے اسی طرح منافقین بھی ایمان لانے اور قرآن کریم پر عمل کرنے کی مشقت اور تکالیف کی وجہ سے اسلام سے اعراض برتتے ہیں۔

اب فقیر کچھ سوالات کے جوابات لکھتا ہے جو اس آیت کریمہ سے متعلق ہیں:۔

پہلا سوال: ان دونوں تمثیلوں میں سے زیادہ بلاغت کس میں پائی جاتی ہے؟

جواب: دوسری تمثیل میں زیادہ بلاغت پائی جاتی ہے اس واسطے کہ اس میں انتہائی درجہ کی حیرت انگیز غلطی اور گمراہی معلوم ہوتی ہے لہٰذا علم بلاغت کا قاعدہ ہے کہ ادنےٰ سے اعلےٰ کی اور ضعیف سے قوی کی طرف ترقی کرتے ہیں۔

دوسرا سوال: اس جگہ دوسری تمثیل کو پہلی تمثیل کے اوپر حرف اَوْ سے عطف کیا ہے جو شک کے لئے آتا ہے اس میں کیا نکتہ ہے؟

Marfat.com

جواب: اس کی کئی وجوہ ہیں۔اول یہ کہ اصل لغت میں حرف ''اَوْ'' اگر چہ دو یا دو سے زیادہ چیزوں کے شک کے اندر یکساں ہونے کیلئے موضوع ہو۔مگر اس کے بعد وسعت اور گنجائش دے کر بغیر شک کے یکساں ہونے کیلئے بھی عاریتاً استعمال کیا جاتا ہے۔

تیسرا سوال: بارش اور تاریکی گرج اور بجلی اور کڑک کے ساتھ کفار کے کن کن حالات کو تشبیہ دی گئی ہے؟

جواب: اس بارے میں علماء کے بیان کے دو قول ہیں۔ایک قول یہ کہ یہ تشبیہ متفرق ہے اور اس میں یہ ہوتا ہے کہ جس چیز کے ساتھ مشابہت دی جاتی ہے وہ بھی چند امور سے مرکب ہوتی ہے۔اور جس چیز کو مشابہت دی جاتی ہے وہ مرکب چیز ہوتی ہے اس میں یہ ہوتا ہے کہ مشبہ کی ہر چیز مشابہت کی ہر چیز سے مشابہ ہوتی ہے پس یہاں ایمان کو بارش سے اس لئے تشبیہ دی ہے کہ بارش سے زمین کو نئی زندگی ملتی ہے اور اسی طرح ایمان سے قلوب کو زندگی ملتی ہے۔اور دین کے اندر کفار کو شبہات در پیش ہوتے ہیں ان کو تاریکیوں کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔اور قرآن کے اندر جو وعدہ وعید ہیں ان کو بجلی اور گرج سے تشبیہ دی ہے۔حدیث شریف میں بھی ایسے ہی ہے۔ حضور اللہﷺ نے فرمایا کہ ایمان مثل بارش کے ہے۔جیسے سمجھو کہ زمین بارش سے سرسبز و شادات اور زندہ ہو جاتی ہے اور ایسے ہی ایمان کے نور سے دل زندہ ہو جاتے ہیں اور قرآن نے کفار کو جو وعدہ وعید کا حکم فرمایا ہے تو حضور اللہﷺ نے فرمایا وہ مانند بجلی، گرج اور تاریکی کے ہے۔حضور اللہﷺ کی اس بات پر حضرت علیؓ و ابن عباسؓ، امام محمد باقر، قیس بن مسلم کوئی مقاتل فرماتے ہیں کہ دونوں آیتیں اکٹھی نازل ہوئیں۔چونکہ منافقین جہاد سے ہمیشہ کتراتے تھے اور طرح طرح کے بہانے بناتے تھے اور اس سے اپنے آپ کو بچاؤ کرتے تھے۔تو حضور اللہﷺ نے فرمایا اور ان کی مثال ایسے شخص سے دی گئی ہے جیسے رات کو کوئی شخص مسافری میں جائے تو رات کو اندھیری اور بارش اور گرج ہو تو وہ اپنا دفاع کرے گا۔اپنے کانوں میں انگلیاں دے لے گا تو اس طرح احکام قرآن سے یہ منافقین بھاگتے ہیں اور اپنا بچاؤ کرتے ہیں۔حضور اللہﷺ نے اس آیت کی وضاحت فرمادی۔اہل ایمان کی طرف سے کفار پر جو مشکلات آتی ہیں ان کو صواعق یعنی کڑک کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔رسول اللہﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ مسلمان مجاہد کفار پر گرج اور بجلی کی طرح ہے۔

دوسرا قول:

یہ ہے کہ تشبیہ مرکب ہے اور تشبیہ مرکب کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ ایک مرکب کو دوسرے مرکب کے ساتھ تشبیہ دی جائے۔اگر چہ اس مرکب پر چیز دوسرے مرکب کی ہر چیز کے ساتھ مشابہت نہ رکھتی ہو...... '' فقیر اس جگہ منافقین کی حیرت اور پریشانی کو اس شخص کی پریشانی کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جس کی آگ روشن ہونے کے بعد گل ہو جائے یا اس شخص کو حیرت کے ساتھ جو ایسے اندھیرے اور گرج اور بجلی اور کڑک اور بارش کے اندر مبتلا ہو۔اگر کوئی کہے کہ جس طرح تشبیہ متفرق میں اَوْ کَصَیِّبٍ مِّنَ السَّمَاءِ کی حقیقت نکالی تھی۔اسی طرح تشبیہ مرکب میں بھی نکال سکتے ہیں یا نہیں۔تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تقدیر فقیر نے اس صورت سے نکالی ہے کہ یَجْعَلُوْنَ کی ضمیر کا مرجع ہونے کی ضرورت نہیں تھی۔

چوتھا سوال: صَیِّبٌ کے کیا معنی ہیں؟

جواب: صیب بارش کو کہتے ہیں یہ صَابَ سے ماخذ ہے۔جو اترنے کے معنی میں آتا ہے کہا کرتے ہیں کہ صَبَّ رَاْءُ سَہٗ یعنی اپنے سر کو نیچے کر لیا بعض کہتے ہیں کہ صَابَ یَصُوبُ سے ماخوذ ہے جو ارادے کے معنی میں آتا ہے اور صیب اس بارش کو کہتے ہیں جو خوب برستی ہو۔چنانچہ حضور اللہﷺ نے دعا فرمائی۔اَللّٰھُمَّ اجْعَلْہُ صَیِّبًا ھَنِیْئًا یعنی تو اس مینہ کو خوب برسنے والا بنادے۔اور بادل کو بھی صَیِّب کہہ دیتے ہیں۔صَیِّب کو نکرہ لانے میں یہ نکتہ ہے اس سے وہ بارش مراد ہے جو شدت اور زور کے ساتھ برستی ہے جس طرح نار کا کلمہ نکرہ وارد ہوا ہے بعض قراء نے او کصیب کی جگہ او کصائب پڑھا ہے۔لیکن کصیب میں زیادہ بلاغت پائی جاتی ہے۔اور مِنَ السَّمَاءِ سے مراد یہاں اصل آسمان مراد نہیں ہے بلکہ اوپر کی طرف مراد ہے۔

سوال پنجم: صَیِّب کے ذکر کرنے کے بعد مِنَ السَّمَاءِ کہنے میں کیا نکتہ ہے۔حالانکہ بارش ہمیشہ آسمان سے برستی ہے؟

Marfat.com

جواب: اس کی دو وجہ ہوسکتی ہیں۔ ایک یہ کہ اگر مِنَ السَّمَاء کا کلمہ نہ ہوتا بلکہ اَوْ کَصَیِّبٍ مِّنَ الظُّلُمٰتِ ہوتا تو اس سے وہ بارش بھی مراد لے سکتے تھے جو کسی ایک جگہ سے دوسری جگہ نہ برسے یعنی ابر محیط ہو۔ یا نہ ہو۔ دونوں اس سے مراد ہوسکتے ہیں بخلاف اَوْ کَصَیِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ کے اس سے خواہ مخواہ وہی بارش مراد لی جائے گی جو پورے علاقے میں پھیلی ہو اور آسمان پر ابر محیط ہو۔ پس جس طرح لفظ صیب کے اندر تنکیر اور ترتیب اعتبار سے بلاغت پائی جاتی ہے اسی طرح ابر کے مطلق اور عام ہونے سے اس تاکید ہوگئی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جب بخارات زمین سے اٹھ کر ہوا میں پہنچتے ہیں تو بارش کا مادہ تیار ہوتا ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن بحوالہ امام محمد باقر یہ اصول لکھا ہے کہ ہوا کی ٹھنڈک منجمد ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد پانی کا نزول ہوتا ہے اور اس کا نام بارش ہے۔ اس آیت میں مِنَ السَّمَاء کا لفظ فرما کر اس مذہب باطل کا رد کردیا ہے اور فرمایا کہ بارش کا نزول آسمان سے ہوتا ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن لکھتے ہیں کہ مذکورہ بات بالکل باطل ہے اسی طرح ایک دوسری آیت میں فرمایا وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرً یعنی ہم نے آسمان سے پاک پانی اتارا۔ اسی طرح ارشاد ہوا۔ آسمان کے نیچے جو پہاڑ ہیں آسمان سے ان پر اولے اتارے جاتے ہیں۔

چھٹا سوال: رعد اور برق کی حقیقت کیا ہے؟

جواب: رعد اس آواز کو کہتے ہیں جو بادل سے سنی جاتی ہے اس کے پیدا ہونے کی صورت یہ ہے کہ جب بادلوں کو ہوا حرکت دیتی ہے تو یہ پریشان ہو کر جدا ہو کر آپس میں ٹکرا جاتے ہیں اور ٹکر سے رگڑ پیدا ہوتی تو اس ٹکراؤ اور رگڑ سے ایک آواز پیدا ہوتی ہے۔ اسے رعد یعنی گرج کہتے ہیں۔ اور برق یعنی بجلی اس چمک کا نام ہے جو بادلوں میں نظر آتی ہے۔ اور یہ برق سے ماخوذ ہے جس کے معنی چمکنے کے ہوتے ہیں حدیث شریف میں بھی یہی مرقوم ہے۔

ساتواں سوال: صیب سے ابر مراد ہو یا بارش مگر ظلمات یعنی تاریکیوں سے کیا مراد ہے۔

جواب: ابر کی تاریکی یہ ہے کہ جس وقت موسلا دھار بارش، برستی ہے تو قطرات کے اجتماع اور ان کے گرنے سے تاریکی پیدا ہو جاتی ہے یہ حدیث تفسیر امام محمد باقر میں ہے، رسول ﷺ نے فرمایا کہ جب بارش ہوتی ہے تو دیکھو کیسے تاریکی ہو جاتی ہے خصوصاً جب رات کے وقت زور کی بارش ہوتی ہے۔

سوال نمبر ۸: بارش کا مرجع صیب واقع ہوا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اس بارش میں تاریکیاں، بجلی اور گرج ہے پس بارش کو ان تاریکیوں کا اور بجلی اور گرج کا ظرف مانا گیا ہے حالانکہ یہ سب باتیں بادل کے اوپر ہوتی ہے۔

جواب: چونکہ بارش اور ابر کے اندر غایت درجہ تعلق پایا جاتا ہے اس لئے ایک کو دوسرے کا قائم مقام کرنا جائز ہوا۔

سوال ۹: جس طرح ظلمات کو جمع کے صیغے سے فرمایا ہے اسی طرح رعد اور برق کو کیوں نہیں فرمایا گیا۔

جواب: چونکہ یہاں کئی طرح کی تاریکیاں پائی جاتی ہیں اس لئے ان کو جمع کے صیغے کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ گرج اور بجلی کے اقسام متعدد نہیں ہیں وہ ایک ہی قسم کے ہیں لہٰذا واحد کا صیغہ استعمال ہوا۔

سوال ۱۰: ان سب کے نکرہ لانے میں کیا نکتہ ہے؟

جواب: نکرہ لانے کی وجہ یہ ہے کہ ان سے انواع مراد ہیں۔ گویا ظلمات۔ رعد اور برق کے معنی یہ ہیں کہ اس میں ظلمتیں ہیں جن میں گرج اور تڑخنے اور چمکنے والی بجلی ہے۔

سوال ۱۱: کافرین کو اللہ تعالےٰ کے محیط ہونے کے کیا معنی ہیں؟

جواب: یہ بطور مجاز کے واقع ہوا ہے اور مراد یہ ہے کہ جس طرح احاطہ کرنے والی چیز سے وہ چیز جس کا احاطہ کیا جاتا ہے باہر نہیں ہوتی۔ اسی طرح وہ اللہ تعالےٰ کی

Marfat.com

سے باہر نہیں جاسکتے۔ رسول ﷺ نے فرمایا۔ کہ محیط کے معنی یوں سمجھو کہ کوئی چیز اللہ کے احاطہ سے باہر نہیں ہے۔ اس کا احاطہ وسیع ہے جس کی نہ ابتدا ہے نہ انتہا۔ اس کے اندر تین سوال ہیں۔

نمبرا: اللہ تعالیٰ علیم وعالم ہے چنانچہ فرماتا ہے: وَاَنَّ اللهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلما اللہ کی قدرت ان پر غالب ہے اور وہ قدرت سے باہر نہیں جاسکتے۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ وَلِلّٰهِ مَنْ وَّ رَائِهِم مُحِيطٌ۔ چنانچہ حضرت یعقوبؑ اپنے بیٹوں سے فرماتے ہیں مگر یہ کہ اَنْ اَيُحَاطَ بِكُم۔ ایک اور جگہ فرماتا ہے۔ وَلَا يُحِيطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ اسکے علم کا احاطہ کرنا محال ہے۔ نہ اسکی انتہا ہے نہ ابتدا ہے۔

سوال نمبر۱۲: يَخطَفُ کے کیا معنی ہیں؟

جواب: يخطف کے معنی کسی چیز کو جلدی لینے اور اٹھانے کے ہیں۔ مجاہد نے اس کو يَخطِفُ کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ مگر فتح کے ساتھ پڑھنا صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں۔ فصیح ہے اور ابن مسعود سے يخطفُ روایت کیا گیا ہے۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب بجلی چمکتی ہوگی اور پھر اندھیرا ہو جاتا ہوگا تو یہ لوگ کیا کرتے ہوں گے؛ اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح یہ لوگ شدّت خوف اور حیرت میں گرفتا ہوتے ہیں ان کو اس وقت سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کریں اور کیا نہ کریں۔ ان کی حیرت کا عجب حال ہوتا ہے جب بجلی کی چمک دیکھتے ہیں تو باوجود ان کو اپنی بینائیوں کے جاتے رہنے کا اندیشہ ہوتا ہے مگر اندھیرے کی شدت اور راستے کے گم ہو جانے کی وجہ سے اس بجلی کی چمک کو غنیمت جانتے ہیں اور چند قدم چل لیتے ہیں اور جب وہ چمک جاتی رہتی ہے پھر بدستور کھڑے ہو جاتے ہیں اور حرکت نہیں کرسکتے اگر اللہ کو ان کا بہرا کرنا منظور ہو تو گرج کی آواز کو کسی قدر اور بڑھا دے جس سے ان کے کانوں کے پردے پھٹ جائیں اور وہ بالکل بہرے ہو جائیں۔ اسی طرح اگر ان کا اندھا کرنا منظور ہو تو بجلی کی چمک کو زیادہ کردے اور وہ اندھے ہو جائیں۔

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ کے اندر مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ:

بعض لوگوں نے ان آیت سے یہ ثابت کیا ہے کہ اسلام بھی ایک شے ہے اس واسطے کہ اللہ نے ہر شے پر اپنی قدرت ثابت فرمائی ہے۔ ظاہر ہے کہ موجود کا موجود کرنا محال ہے۔ پس قدرت کے نیچے وہی داخل ہوگا جو کہ معدوم ہے پس ثابت ہوا کہ اسلام ایک شے ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر یہ بات صحیح ہے موجود شے نہ ہو تو لازم آتا ہے کہ اس مثل کی مثل ہو اور اس کی ذات کی مثل ہو۔ اس سے لیکن لَيْسَ كمثله شيء کا کذب لازم آتا ہے۔ پس ضروری ہوا کہ واجب شے نہ ہو اور جاننا چاہیے کہ یہ اختلاف صرف کے اندر ہے وہ ذات موجود ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن بحوالہ امام محمد باقر، ابی بن کعب اور امام حسن ابوالعالیہ عطا خراسانی اس ضمن میں حدیث درج کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ موجود ہے وہ کوئی شے نہیں وہ معدوم کو موجود کرتا ہے۔ وہ واجب تعالیٰ ہے اس کی کوئی چیز مثل نہیں وہ بے مثل ہے۔

مسئلہ ۲:

ہمارے علماء نے ثابت کیا ہے کہ جن اشیاء میں بندوں کو قدرت حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ کو بھی قدرت حاصل ہے۔ بخلاف ابو علی اور ابو ہاشم کے اور وجہ ثبوت یہ ہے کہ جس چیز پر بندوں کو قدرت حاصل ہے۔ لامحالہ وہ شے ہی ہوگی۔ اور جو شے ہے اللہ تعالیٰ اس پر ضرور قادر ہے پس ثابت ہوا کہ جس پر بندے کو قدرت ہے اللہ کو بھی قدرت ہے حالانکہ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ بندوں کے اندر چیزوں پر جو قدرت ہوتی ہے وہ اللہ اپنے بندے کے اندر پیدا فرماتا ہے۔ وگرنہ اللہ تعالیٰ اور بندے کی قدرت کو کیا نسبت ہے؟ کیونکہ اس کی قدرت ازلی ہے اور بندے اس کی مخلوق ہیں فرماتے ہیں کہ حدیث شریف میں بھی ہے کہ اللہ فرماتا ہے انسان جن چیزوں پر قدرت رکھتا ہے میں قدرت پیدا کردیتا ہوں مذکورہ قول ہمارے علماء نے تفسیر خزینۃ القرآن سے ثابت کیا ہے۔ امام رازی کا موقف بھی یہی ہے۔

مسئلہ ۳:

امام رازی فرماتے ہیں کہ ہمارے علماء نے ثابت کیا ہے کہ حدوث کے وقت بھی حادث پر اللہ کو قدرت ہوتی ہے بخلاف معتزلہ کے وہ کہتے ہیں کہ قبل از فعل

Marfat.com

قدرت کا ہونا محال ہے پس ہر شے اپنی قدرت کے نیچے داخل ہے اور ہمارے علماء اپنے مدعا کو اس طرح ثابت کرتے ہیں کہ بمطابق خزینۃ القرآن کے ہر حادث عینی موجود ہوتے وقت ایک شے ہوتا ہے مگر اس کے اوپر عمل نہیں ہے پس اس کے معمول بہ ہونے میں اختلاف ہے اس واسطے کہ حالت بقاء میں اس کی قدرت کے نیچے دخل ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کے معدوم کرنے پر قادر ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ وہ ایسا موجود ہے کہ اس کا معدوم ہونا محال ہے کیونکہ موجود اور معدوم کرنا یہ اس کی قدرت میں ہے۔ تو پھر معلوم ہوا کہ حدوث کے وقت جو شے ہوتی ہے اس کا موجود کرنا اس کی قدرت میں ہے فرماتے ہیں یہ حدیث شریف کا مفہوم رسول اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ ایسا موجود ہے کہ وہ معدومات اور موجودات کو پیدا کرنے والا ہے اور معدومات اور موجودات کو حدوث لازم ہے۔ یہ حدیث رتفسیر ہے۔ امام باقر میں ہے اور ابن عربی نے بھی لکھا ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن نے ان اللہ علی کل شیءٍ قدیر پر پندرہ سو مسائل بیان کیے ہیں جن میں سے فقیر نے بقدر ضرورت بیان کیا ہے۔ لیکن ایک مسئلہ ہے اگر یہ کہا جائے کہ اللہ جس طرح صدق پر قادر ہے ویسے ہی کذب پر بھی قادر ہو سکتا ہے؟ معاذ اللہ تو یہ احمقانہ خیال ہے۔ پہلے کہہ چکا ہوں کہ اللہ تعالیٰ لموجودات اور معدومات کو پیدا فرماتا ہے۔ تو صدق اور کذب بھی موجودات میں شامل ہیں یہ صدق اور کذب دونوں چیزیں مخلوق ہیں تو کذب بیانی تو ایک فطرت ہے۔ اس کے لیے یہ محال ہے یہاں شیءٍ قدیر کے معنی یہ ہوئے کہ وہ قادر ہے جس طرح وہ چاہتا ہے۔

توحید۔ نبوت اور معاد کا اثبات

اللہ تعالےٰ توحید کا بیان فرماتا ہے: یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (۲۱) الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (۲۲)

ترجمہ: اے لوگو! عبادت کرو اپنے رب کی جس نے تمہیں پیدا کیا اور ان کو بھی جو تم سے پہلے تھے۔ شاید تم ڈرو۔ وہ ذات جس نے بنایا تمہارے لیے زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت۔ اور اتارا آسمان سے پانی پھر نکالے اس پانی سے پھل تمہاری روزی کے لیے سو تم دیدہ دانستہ اللہ کے شریک مت بناؤ حالانکہ تم جانتے ہو۔

اس آیت کے اندر چند مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر ۱:

جب اللہ نے تینوں فرقوں یعنی کفار۔ مومنین اور منافقین کے حالات بیان فرمائے اور سب کو خطاب فرمایا کہ ایاک نعبدو ایاک نستعین. کے اندر غائب سے حاضر کی طرف التفات پایا جاتا ہے اسی طرح یہاں بھی ہے۔ اس کے اندر چند فوائد ہوا کرتے ہیں۔

(۱) جب غائب کے ساتھ ذکر کرتے کرتے حاضر کے ساتھ مخاطب ہوا جائے تو اس میں یہ ہوتا ہے کہ سننے والے کو ایک قسم کی تحریک اور تنبیہ ہوتی ہے گویا اس سے غفلت سے بیداری آ جاتی ہے۔ جو اس کو ایک قسم کا کلام سنتے سنتے پیدا ہو جاتی ہے۔ مثلاً اگر کسی دوسرے کے سامنے کسی کا حال بیان کرتے رہو۔ پھر بیان کرتے کرتے غائب اس شخص کو حاضر کے صیغے کے ساتھ خطاب کر کے کہو کہ اے شخص تجھ کو ایسا کرنا چاہیے اور راستبازی کو اپنے کاموں میں دخل دینا چاہیے۔ اس سے سننے والے کو اس قسم کا کلام سننے سے ایک قسم کی بیداری اور تحریک پیدا ہو جاتی ہے۔

(۲) گویا اللہ فرماتا ہے کہ اے لوگو! اس سے قبل میں نے بواسطہ رسول یہ احکام بھیجے تھے۔ اب میں تم سے بلاواسطہ کہتا ہوں تاکہ تمہیں عزت اور اکرام حاصل ہو اور شرف مقابلہ سے تمہیں سرفرازی ہو۔

(۳) اس سے معلوم ہوا کہ بندہ جس قدر اللہ کی عبادت کرتا ہے اسی قدر روز بروز اس کے لیے ترقی کے درجات بڑھتے جاتے ہیں۔

(۴) پیشتر کی آیات میں مومنین۔ کافرین اور منافقین کے حالات کو بیان فرمایا ہے۔ اس آیت میں ان کو مشقت کا حکم فرمایا ہے پس ایسے موقع پر ضروری ہے کہ اس مشقت کے مقابلہ میں ایک قسم کی راحت بھی پائی جائے تاکہ وہ مشقت آسان ہو جائے اور راحت یہ ہے کہ اس شہنشاہ حقیقی کے درمیانی واسطے کو بالکل اٹھا دیا

Marfat.com

اور بلا واسطہ کسی کے ان کو خود اپنا مخاطب فرمایا۔ جس طرح کسی غلام کو ایک امر شاق پر مامور کیا جائے۔ پھر اس کا مالک اپنی زبان سے اس کے سامنے آکر کہے میں یہ چاہتا ہوں کہ اس کام کو کرو تو وہ امر شاق اس وقت اس غلام کے اوپر امر سہل ہو جاتا ہے۔ بلکہ پھر اس کے کام کے کرنے میں اس غلام کو لطف آتا ہے۔

مسئلہ نمبر ۲:

علقمہ الاحسن سے مروی ہے کہ قرآن کے اندر جتنی آیات میں یا یھا الناس آیا ہے وہ سب مکی ہیں اور جن آیات کے شروع میں یا یھا الذین امنوا آیا وہ سب مدنی ہے۔

قاضی نے بیان کیا ہے کہ یہ قاعدہ کلیہ جوانھوں نے ذکر کیا ہے اگر اس کی بنا نقل کے اوپر ہے تب تو مسلم ہے اور اگر اس امر کی بنا یہ ہے کہ مکہ میں مومنین کی کثرت نہیں تھی اور مدینہ میں کثرت تھی۔ تو یہ قول ضعیف ہے اس واسطے ہوسکتا ہے کہ مومنین کو اللہ تعالے نے ایک وقت میں ایک صفت کے ساتھ موصوف کر کے خطاب فرمایا ہو اور دوسرے وقت اسم جنس کے ساتھ بیان فرمایا کہ جس طرح کافر کو عبادت کے ساتھ مامور کر سکتے ہیں اسی طرح بسا اوقات مومن کو اس بات کے ساتھ مامور کر سکتے ہیں۔ کہ عبادت کے اوپر مداومت کرے۔ اور روز بروز ترقی کرتا جائے۔

مسئلہ نمبر ۳:

معلوم کرو کہ بعض الفاظ اس قسم کے ہوتے ہیں کہ جب ان کو زبان سے نکالتے ہیں تو وہ دوسرے الفاظ پر دلالت کرتے ہیں مثلاً اسم فعل اور حرف ہے۔ تینوں الفاظ ہی ایسے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک ایسی چیز پر دلالت کرتا ہے جو خود فی نفسہ ایک لفظ مخصوص ہے اور بعض الفاظ اس قسم کے ہوتے ہیں جو الفاظ پر دلالت نہیں کرتے۔ یعنی جن چیزوں پر وہ دلالت کرتے ہیں وہ الفاظ اس قبیل سے نہیں ہوتے مثلاً پتھر۔ آسمان۔ زمین وغیرہ۔

مسئلہ نمبر ۴:

یا ایک ایسا حرف ہے۔ جو اصل میں ندائیہ کے لیے ہے تو ضروری تھا۔ اگر چہ اس کا استعمال ندا قریب میں ہوتا تھا مگر کسی اشد ضرورت کے تحت ایسا کرتے تھے۔ اور ندا قریب کے لیے ہمزہ آتا تھا۔ پس رفتہ رفتہ یا کا استعمال ندا قریب میں اس مقام پر ہونے لگا جہاں مخاطب کو غفلت ہوگئی۔ غفلت کی وجہ سے اس کو غائب کی طرح سمجھ کر حرف (یا) کے ساتھ اس کو ندا کرتے ہیں۔ جب کوئی شبہ کرے کہ جب یا حرف ندائے قریب کے لیے نہیں بلکہ ندائے بعید کے لیے ہے تو پھر دعا کے الفاظ جو یا اللہ اور یا رَبَّنَا واقع ہوتا ہے۔ بعید کے لفظ سے بندہ اللہ تعالے کو اس واسطے پکارتا ہے کہ اس کی ناقص دعا قبول ہوا ایسا بڑی مہمات سے ہوتا ہے ایسے موقع پر قریب کی ندا کے لیے بھی (یا) آجاتا ہے پس معلوم ہوا کہ لفظ یا ندائے قریب کے لیے بھی ہے۔ اور ندائے بعید کیلئے بھی۔ صاحب تفسیر خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ لفظ یا ایک ایسا لفظ ہے جو عزت کے ساتھ خطاب کے لئے آتا ہے جیسے یا یھا الناس یہ مطلق عام لوگوں کے لیے ہے لیکن جن کو اللہ تعالے نے عزت سے نوازا ہے وہ ایمان والے لوگ ہیں جنہوں نے توحید اور نبوت کو دل وجان سے مانا۔ اللہ تعالے ان کے لیے فرماتا ہے۔ یایھا الذین امنوا یعنی ان کو ایمان کی صفت سے خطاب فرماتا ہے پہلے یا سے خطاب فرماتا ہے پھر ایمان کی صفت سے۔ ان کو یہ عزت اس مرتبہ سے حاصل ہوئی ہے کہ یہ نبی پاک ﷺ کی امت میں داخل ہوئے اور ان کو اللہ نے ایمان کی صفت سے تعبیر فرمایا معلوم ہوا کہ اللہ مومنوں کی عزت کو بلند فرماتا ہے۔ ان سے ایسے خطابات نہیں فرماتا۔ جس طرح دوسری قوموں کو خطاب ہوا۔ یا بنی اسرائیل یا بنی آدم یعنی ان کو انبیا کے اپنے نبیوں کے نام سے خطاب ہوا اور نبی کریم ﷺ کی امت کو ایمان والے کہہ کر خطاب ہوا۔ اس لیے کہ اللہ نے فرمایا کہ یہ میرے حبیب کی امت ہے۔ اس کو مبارک صفت سے یاد کروں تو اللہ نے اس امت کو ایمان کی وجہ سے یاد فرمایا جو میری نسبت سے ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ یہ حدیث میرے موقف کے حق میں قوی ہے۔ یہ حدیث تفسیر امام محمد باقر میں اور کافی مفسرین نے اپنی اپنی تفسیروں میں نقل کی ہے۔ آگے فرماتے ہیں یہ تین درجے ہیں۔ نمبر ا: اللہ نے یاایھا الناس فرمایا یہ عام لوگوں کے لئے، نمبر ۲: یا ایھا الذین امنوا یہ درجہ ایمان والوں کے لئے ہے، نمبر ۳: پھر اللہ تعالیٰ انبیاء کو عزت سے نوازتا ہے جیسے فرمایا یاداؤد پھر فرمایا یموسیٰ اسی طرح کئی پیغمبر ہیں جن کو یا کے ساتھ خطاب کیا گیا ہے۔ جناب حبیب علیہ السلام کے لیے اللہ تعالیٰ ان کی صفتوں سے خطاب فرماتا ہے۔ اس سے ایک بات یاد رکھنی چاہیے اللہ تعالے فرماتا ہے وللہ العزت ولر سولہ یہاں عزت کے معنی غالب ہونے کے ہیں۔ عزت اسے کہتے ہیں جس

Marfat.com

سے انسان دوسرے پر غالب آجاتے ۔ یہ صفت اللہ تعالےٰ میں ہے۔ اللہ سب میں غالب اور ممتاز ہے۔ اس کے بعد اس کا حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہے جو اسی کی عزت کا مظہر ہے۔ آپکے بعد مومنوں کا نمبر ہے نتیجہ یہ ہوا کہ عزت اللہ اور اس کے رسول اور مومنوں کی ہے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ جس نے اللہ اور اس کے رسول کی عزت کی وہی انسان کامل ہوا۔ معلوم ہوا اللہ اور اس کے رسول کی عزت کرنا فرض ہے۔ جب مومن اس فریضہ کو نبھاتا ہے تو باقی سب مخلوق کے اوپر اس کی عزت بن جاتی ہے تو معلوم ہوا کہ عزت مومنوں کو رسول اللہ ﷺ کے طفیل سے ملتی ہے صاحب خزینۃ القرآن حضرت عائشہؓ کی اسناد سے حدیث درج کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یا عائشہ! اس مومن کی عزت اس دنیا اور آخرت میں بلند ہوگی۔ جس نے اللہ اور اس کے رسول کی عزت نہ کی وہ اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ذلیل وخوار ہوا۔

حضرت امام حسین نے کربلا کے اندر **یا رسول اللہ یا جدی ادر کنی** کہہ کر فرمایا کہ اے میرے نانا جان میری امداد کریں اور آپ کی امت جو مجھ سے سلوک کر رہی ہے وہ سب آپؐ کے سامنے ہیں۔ اس قول کی تائید میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنی کتاب اخبار الاخیار میں رقمطراز ہیں کہ امت کا بقیہ مسائل پر اختلاف ہے لیکن علماء کی اکثریت اس پر متفق ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات حقیقی ہے اور حضورؐ اپنی امت کے تمام افعال پر حاضر ناظر ہیں صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ ہمارے لیے ہمارے جد امجد امام حسینؓ کا فتوے حجت عظیم ہے کہ وہ یا رسول اللہ کہتے تھے اور تابعین میں بھی اس جملہ کو ادا کرتے تھے۔ فرماتے ہیں کہ لکھ چکا ہوں کہ یا کا خطاب عزت کے لیے ہے جیسے اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے **یا یھا المزمل. یاایھا المدثر** یہ خطاب عزت کے لیے ہے۔ اور اس میں حضورؐ کی صفات مخصوص کی گئی ہیں۔ یعنی حضرت علیؓ حضرت ابوبکر صدیقؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرمؐ موٹا کمبل پہنتے تھے۔ اللہ تعالےٰ نے اور کسی نبی کے لباس کی صفت کو ممتاز نہیں کیا جیسا کہ حضور اکرمؐ کے لباس کو بطور صفت ارشاد فرمایا۔ لہذا جب **یا یھاا لمزمل** اور **یا ایھا المد ثر** کہیں گے تو اس میں حضوؐ کی صفت بیان ہوگی تو یاد رہے کہ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا وانی ابد الدباد فرماتی ہیں کہ میرے ابا جان فرماتے ہیں کہ یہ اسماء قرآن میں جس طرح بیان ہوئے ہیں امت انہی لفظوں سے پکارے۔ جامع مسلم میں ہے کہ جب حضورؐ ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو حدیث **فصعد رجال و انساء فوق البیوت ینادون یا محمد** یعنی عورتوں اور مردوں نے جب اپنے گھروں کی چھتوں پر چڑھ کر یا محمدؐ کی ندا کی تو ثابت ہوا کہ یا کے لفظ کو صحابہ نے بھی پکارا اور تابعین نے بھی پکارا۔ فرماتے ہیں کہ لفظ یا اللہ تعالےٰ نے حضورؐ کی عزت کے لیے خطاب فرمایا ہمیں بھی چاہیے کہ حضورؐ کو اس خطاب سے پکاریں جیسا کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ **لَا تَجۡعَلُوا دُعَآءَ الرَّسُولِ بَیۡنَکُمۡ کَدُعَاءِ بعضکم بعضا**۔ ترجمہ: رسول کے پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھہرالو جیسے تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔ کیونکہ جس کو رسول اللہؐ پکاریں اس پر اجابت وتکمیل واجب ہو جاتی ہے اور ادب سے حاضر ہونا لازم ہوتا ہے۔ اور قریب حاضر ہونے کے لیے اجازت طلب کرے اور اجازت ہی سے واپس ہو۔ اس کے ایک معنی مفسرین نے یہ بھی بیان فرمائے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ندا کرے تو نہایت ادب وتکریم کے ساتھ آپؐ کے معظم القاب سے نرم الفاظ کے ساتھ تعظیمی لہجہ میں یا نبی اللہ۔ یا رسول اللہ یا حبیب اللہ پکارے صاحب خزینۃ القرآن اس آیت کے ماتحت فرماتے ہیں کہ دعا کے معنی پکارنے کے ہیں۔ دعا پر الف لام تعریف کا ہے۔ یہ تعریف حضورؐ کی مدح سرائی کے لیے ہے کچھ لوگ دعا سے کچھ اور مراد لیتے ہیں۔ فرماتے ہیں تاویل درست نہیں ہے بہ کثرت مستند روایات میرے حق میں ہیں۔ فرماتے ہیں کہ

حضرت علیؓ اپنے مجموعۃ الاحادیث اور ابن عمر اپنی کتاب میں خواجہ حسن بصری اور امام ابوسفیان ثوری وامام محمد باقر اور حسن بن علی اور ابی بن کعب نے اپنی تفاسیر اور امام زہری نے اپنی مسند میں فرماتا ہے کہ حضرت علیؓ نے لکھا ہے کہ صحابہ کا جم غفیر تھا۔ صحابہ نے عرض کیا۔ **قالوا یا رسول اللہ کیف ندعوک قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کما فی قولہ تعالیٰ لا تجعلوا دعاء الرسول بینکم قولوا یارسول اللہ** . صحابہ کہتے ہیں کہ یا رسول اللہ ہم آپؐ کو کس طرح پکاریں آپؐ نے فرمایا ارشاد ربانی ہے کہ جس طرح تم اپنے بعض کو پکارتے ہو۔ اس طرح اسے مت پکارو فرمایا جب تم مجھے پکارو تو یا رسول اللہ کہا کرو۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا بعد والے لوگ بھی پکاریں؟ فرمایا ہاں یہ قیامت تک کے لوگوں کے لیے ہے۔ قرآن کا حکم عام ہے۔ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ان کتابوں کے علاوہ بیس ہزار معتبرین محدثین سے سنی ہے شیخ بالی سے سنی اور انہوں نے عمار بن خویلد سے انہوں نے جعفر صادق سے انہوں نے اپنے ماموں حضرت قاسم سے اور انہوں نے اپنے والد عبدالرحمٰن سے انہوں نے حضرت عائشہ صدیقہؓ ابوبکر صدیقؓ سے فرماتے ہیں کہ چاروں کتابوں کے علاوہ جن کے حق میں سند ملی ہے۔ وہ بھی قوی ہے پھر اس کی سندیوں بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے والد محمد تقی علیہ السلام کے املاء میں یہ حدیث دیکھی انہوں نے اپنے والد علی رضا سے سنی انہوں نے حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے اور انہوں نے امام جعفر صادق سے سنی لہذا دوسری سند کی تائید بھی امام جعفر صادق سے ہوئی تیسری سند یہ ہے کہ میں نے غولہ بن فرح سے سنی انہوں نے موسیٰ بن ادریس

Marfat.com

سے سنی انھوں نے امام مالک سے سنی انھوں نے اپنے والد حضرت انسؓ سے سنی۔ وہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کا جم غفیر تھا۔ اور ہم نے آپؐ سے عرض کیا کہ ہم آپؐ کو کیسے پکاریں؟ آپؐ نے فرمایا اللہ تعالے نے جس طرح ارشاد فرمایا کہ لا تجعلوا دعاء لاالرسول. فرماتے ہیں کہ امام مالک سوتے وقت یارسول اللہ کہتے کہتے سوتے تھے اور نیند میں بھی یارسول اللہ پکارتے تھے فرماتے تھے کہ شاید میرا اس حدیث پر عمل مکمل ہو جائے فرماتے ہیں کہ یہ حدیث قوی ہے قوی اسناد سے ملی ہے جو میرے حق میں قوی ہے فرماتے ہیں کہ ثابت ہوا کہ نبی پاکؐ کے نام مبارک کو تعظیم وتکریم کے ساتھ پکارنا اس آیت کے حکم کی بجا آوری ہوگی۔ وتعذروہ وتوقروہ و تسبحوہ بکرۃ و اصیلا. اور رسول اللہ کی تعظیم وتکریم کرو اور صبح وشام اللہ تعالے کی پاکی بولو۔ تفسیر خزینۃ القرآن میں فرماتے ہیں کہ یہاں اللہ کی تسبیح سے قبل رسول کی تعظیم وتکریم بیان فرمائی ہے اللہ فرماتا ہے کہ مجھے وہی تسبیح قبول ہے جس میں پہلے میرے حبیب کی تعظیم وتکریم ہو تو معلوم ہوا کہ حضورؐ کی تعظیم وتکریم فرض ہے تو حضورؐ کو عزت کے خطاب سے پکارنا بھی فرض ہوا۔ فرماتے ہیں کہ شرعاً اور اعتقاداً رسول اللہ کو یارسول اللہ کہیے کیونکہ یہاں دونوں امر مسلمہ ہیں اور فرمان الٰہی سے انکار کفر ہے فقیر کے نزدیک یہ ہے کہ سابقہ مفسرین ومحدثین اور ان کے امام موصوف صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ اللہ رب العزت کے حکم پر عمل کرنا ضروری ہے کیونکہ ہمارے اسلاف کا یہی عقیدہ ہے بمطابق قرآن وحدیث جب اللہ نے آپؐ کو یارسول اللہ اور یا ایھا النبی فرمایا تو ہمیں ان دونوں لفظوں کی پیروی کر کے قرآن کے امر کو برقرار رکھنا لازم ہے کیونکہ قرآن پر عمل کرنا ہم پر فرض ہے لہٰذا حضورؐ کی تعظیم وتکریم بھی ہم پر فرض ہے سیدنا امام حسن بن علی المرتضٰے علیہ السلام فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالی نے جبرائیل کو بھیجا کہ جا کر میرے حبیب سے کہہ دو کہ میرے ذکر کے ساتھ تیرا ذکر ہونا چاہیے اور میری تعظیم کے ساتھ آپؐ کی تعظیم چاہیے اور آپ کی عزت کے ساتھ میری عزت چاہیے اور جو اس کے خلاف ہے میں بھی اس کا مخالف ہوں اور ان پر میرا غضب ہے یہ دونوں صاحب فرمایا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے میرے ذکر کے ساتھ اللہ کے ذکر کو ملایا اس نے مجھے اور اللہ کو دوست پایا اور جس نے اسے ترک کر دیا اس نے اللہ سے دشمنی کی۔ اس حدیث پر تبصرہ کرتے صاحب خزینۃ القران اور امام ابوسفیان ثوری فرماتے ہیں کہ اللہ تعالے کا منشا یہی ہے کہ میرا ذکر جو ہے وہ میرا حبیب کا ذکر ہے میرے ذکر کا مظہر میرے حبیب کا ذکر ہے میرے ذکر کا پتہ میرے حبیب کے ذکر سے ملے گا۔ تو معلوم ہوا کہ یہاں یا کا لفظ ندائیہ ہے جو مدح سرائی کے لئے لایا گیا ہے اور مسلمانوں کو اسے مدح سرائی کے ساتھ کہنا چاہیے فرماتے ہیں کہ مومن کا قلب حضورؐ کے نور سے خالی نہیں بلکہ قلب کی پاکیزگی یاد مصطفٰے کے بغیر نہ ہوگی۔

مسئلہ پانچواں:

(ایُّ) سے اس اسم کی ندا ہوتی ہے جو معرف باللّام ہوتا ہے۔ جس طرح کہ ذوا اور الذی اسم جنس کی صفت واقع ہوا کرتا ہے۔ یا جس طرح سے معرفہ کی صفت جملہ واقع ہوا کرتا ہے (ایُّ) ایک مبہم لفظ ہے۔ اس میں ایک ایسے اسم کی ضرورت ہوا کرتی ہے جو اس کے ابہام کو رفع کر دے لہٰذا اس کے بعد ایک جنس کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔ یا اسم جنس قائم مقام اور کسی اسم کا اور اسم جنس وغیرہ اس کی واقع ہوتا ہے۔ وہ اس کی صفت ہوتا ہے مثلاً یا زید الظریف. مگر اتنی بات ہے کہ جس طرح زید ایک مستقل بذاتہ چیز ہے اسی طرح (ایُّ) مستقل چیز نہیں ہے اس لیے کہ اس کو موصوف صفت کی ضرورت نہیں ہوتی۔

مسئلہ چھٹا:

معلوم کرو کہ یا یھا الناس اعبدوا اس امر کا مقتضی ہے کہ اللہ نے تمام لوگوں کو حکم دیا ہے۔ کہ وہ اس کی عبادت کریں پس اگر کچھ لوگ اس خطاب سے خارج سمجھے جائیں تو اس عام کی تخصیص ہو جائے گی۔ اس مقام پر چند بحثیں ہیں۔

بحث اول:

جب جمع کے لفظ پر الف لام تعریف داخل ہوتا ہے تو اس سے عموم کا فائدہ حاصل ہوا کرتا ہے مگر اشعری، قاضی ابوبکر اور ابو ہاشم کا اس میں اختلاف ہے فقیر کی دلیل یہ ہے۔ کہ جب جمع کے اوپر الف لام تعریف کا داخل ہوتا ہے تو اس حالت میں اس جمع کی تاکید ایسے لفظ سے جو عموم کے لیے آیا کرتا ہے درست ہوتی ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن نے اس پر کافی بحث فرمائی ہے بحوالہ محمد باقر جو بڑی دقیق ہے لیکن مکمل نہیں۔

Marfat.com

بحث دوم:

یہ بات تو ثابت ہوئی کہ یا ایھا الناس کا لفظ تمام لوگوں کو شامل ہوتا ہے حدیث شریف میں بھی ہے حضورؐ نے فرمایا یا ایھا الناس میں قیامت تک آنے والے تمام لوگ شامل ہیں۔ پھر آپؐ نے فرمایا قرآن کا شانِ نزول اگر خاص ہو تو حکم عام ہوتا ہے۔ قرآنی احکام سارے عالم کے لیے ہیں اب یہ بات دریافت طلب ہے کہ جو لوگ اس کے بعد پائے جاتے ہیں ان کو بھی شامل کیا ہے یا نہیں؟

قرین قیاس ہے کہ ان لوگوں کو شامل نہیں کیا گیا۔ امام رازی کہتے ہیں کہ اس واسطے کہ یا ایھا الناس میں سامنے والوں کے ساتھ خطاب ہے اور جو لوگ موجود ہی نہیں ان کو انسان نہیں کہہ سکتے۔ اور جب وہ اس وقت انسان ہی نہیں تھے تو پھر یا ایھا الناس کے اندر کیسے شامل ہو گئے۔ اگر کوئی اعتراض کرے کہ اسی سے تو یہ لازم آتا ہے کہ جتنے خطابات اس زمانے میں پائے گئے ہیں۔ ان میں سے کسی خطاب میں بھی وہ لوگ داخل نہ ہوں جو اس وقت موجود نہیں تھے۔ یہ بات بالکل باطل ہے اس کا جواب یہ ہے کہ بلاشبہ اگر کوئی خارجی دلیل اس بات کی نہ ہوتی کہ وہ لوگ ان خطابات میں داخل ہیں تو وہ داخل نہ ہوتے مگر چونکہ بالتواتر دین اسلام میں ہم کو یہ بات معلوم ہوگئی ہے کہ یہ تمام خطابات اور احکامات بعد کے لوگوں کو بھی تا قیام قیامت شامل اور ثابت ہیں امام رازی نے یہ خزینۃ القرآن سے ثابت کیا ہے اور خزینۃ القرآن نے بحوالہ محمد باقرؒ سب کا اتفاق ہے۔ اوپر تواتر والی حدیث گزر چکی ہے۔

بحث سوم:

یا ایھا الناس اعبدو اربکم کے اندر سب لوگوں کو عبادت کا حکم دیا گیا ہے اب یہ بات دریافت طلب ہے کہ اس سے یہ ثابت ہو سکتا ہے یا نہیں کہ سب لوگوں کو اللہ کی تمام عبادات کرنی چاہئیں یا نہیں۔ ثابت ہو سکتا ہے کہ حق یہی ہے اس سے یہ نہیں ثابت ہو سکتا کہ اعبدو کے معنی یہ ہیں کہ عبادت کی ماہیت کو مرتبہ وجود میں لاؤ پس جب ایک فرض عبادت کو بھی بندے نے عمل میں لا کر اٹھا دیا یا عبادت کی ماہیت موجود ہوگئی۔ کہ وہ ایک فرض عبادت کی ماہیت کے اوپر مشتمل ہے اس واسطے وہ فرض یعنی ایک خاص عبادت درحقیقت وہی عبادت ہے۔ اس میں تعیین کی قید الگ ہوگئی ہے۔ اور جب کوئی مرکب پایا جائے گا تو اس کی قیود اور اجزاء کا وجود ضروری ہوگا۔ پس جب ایک بندے نے کسی خاص عبادت کو ادا کر کے دکھا دیا تو فعل عبادت اس سے ظاہر ہو گیا جس سے عبادت ظاہر ہوگئی۔

بحث چوتھی:

کوئی اس مقام پر یہ شبہ کر سکتا ہے کہ یا ایھا الناس اعبدو اربکم کفار کے لیے شامل نہیں ہو سکتا۔ اس واسطے کہ کافر لوگ مامور بالا یمان نہیں ہو سکتے۔ اور جب مامور بالا یمان نہ ہوئے تو مامور بالعبادت بھی نہیں ہو سکتے۔ اس بات کی دلیل کہ وہ مامور بالا یمان نہیں ہو سکتے یہ ہے کہ اگر کفار کو معرفت الٰہی اور ایمان کا حکم دیا جائے تو ہم دریافت کرتے ہیں کہ ہر حکم ان کو کس وقت میں دیا جائے گا۔ یا اس وقت کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کو جانتے ہوں گے۔ اگر ان کو یہ حکم اس وقت دیا جائے کہ جب وہ اللہ کو نہ جانتے ہوں تو فقیر کہتا ہے کہ ایسے وقت میں ان کا امر الٰہی کو پہچاننا محال ہوگا۔ اس واسطے جہاں ذات سے جہالت ہوتی ہے حقیقت کا علم اس جگہ محال ہوتا ہے۔ پس اگر ایسی حالت میں ان کو حکم دے دیا جائے۔ تو یہ حکم دینا ایسے وقت میں ہوگا جب ان کو اپنے اس حکم کے ساتھ مامور ہونے کا علم نہیں ہو سکتا۔ اور یہ تکلف بالاتفاق ہے۔ اگر ان کو یہ حکم اس وقت دیا جائے کہ جب وہ اللہ کو پہچانتے ہوں تو فقیر کہتا ہے کہ اس وقت ان کو معرفت الٰہی اور ایمان کا حکم دینا محال ہوگا۔ اس واسطے کہ اس میں تحصیل حاصل کا حکم دینا ہوگا یہ بات ناممکن ہے پس ثابت ہو گیا کہ کافر کو تحصیل معرفت اور ایمان کا حکم نہیں ہو سکتا۔ جب ان کا حکم نہیں ہو سکتا تو ان کا مامور بالا یمان ہونا محال ہے۔ تو مامور بالعبادت ہونا بھی محال ہوگا۔ اس واسطے کہ امر بالعبادت ہونا بھی محال ہوگا۔ اس واسطے کہ امر بالعبادت دو حال سے خالی نہیں معرفت سے پہلے یہ امر واقع ہوگا۔ یا معرفت کے بعد امر بالعبادت کا پایا جانا محال ہے اس واسطے کہ جس کی شناخت اور معرفت ہی نہ ہو اس کی عبادت ناممکن ہے۔ البتہ معرفت کے بعد امر بالعبادت ہو سکتا ہے مگر اس تقدیر کے اوپر اگر بالعبادت امر بالمعروف کے اوپر موقوف ہوگا چونکہ امر بالمعرفت ناممکن تھا الہٰذا بالعبادت بھی ناممکن ہوگا۔ یہ بھی محال ہے کہ یہ خطاب مومنین کے ساتھ ہو اس واسطے کہ وہ تو اللہ کی عبادت کرتے ہیں پھر ان کو عبادت کا حکم دینا درحقیقت تحصیل حاصل کا حکم دینا ہوگا یہ امر ناممکن ہے۔

بحث پانچویں:

Marfat.com

جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کو امر بالتکالیف نہیں ہوسکتا اپنے اس دعوی پر وہ لوگ چند وجوہ سے استدلال کرتے ہیں (۱) کہ بندے کو اللہ کی طرف سے امر با تکلیف ہو۔ یعنی کسی مشقت کے عمل میں لانے کا حکم ہو تو یہ حکم دو حال سے خالی نہ ہوگا۔ اور اس وقت پایا جائے گا جب فعل و ترک کے دواعی یکساں ہوں گے یعنی کسی کو کسی دوسرے پر ترجیح نہ ہوگی۔ یا اس وقت جب ایک کے دواعی کو دوسرے کے دواعی پر ترجیح ہوگی۔ پہلی صورت میں حکم کا پایا جانا محال ہے اس واسطے کہ برابری کی صورت میں ترجیح کا پایا جانا محال ہے کیونکہ برابری میں اور ترجیح میں فرق ہے۔ اس لیے دونوں کا اکٹھا ہونا ناممکن ہے۔ ایسی صورت میں کسی فعل کے ساتھ ملانے میں تکلیف مالا یطاق ہوگی۔ اگر دوسری صورت میں حکم پایا جائے تو وہ راجح ہوگا۔ اس کا پایا جانا واجب ہوگا۔ اس واسطے کہ مرجوح کا پایا جانا اس وقت بھی ناممکن ہے۔ اگر وہ مرجوح نہ رہی بلکہ یکساں ہو۔ کیونکہ اگر یکساں ہونے کی صورت میں پایا جائے تو بلا کسی ممکن کے مرجح کا موجود ہونا لازم آئے گا۔ اور جب یکساں ہونے کی صورت میں اس کا وجود نہیں ہوسکتا تو مرجوح ہونے کے وقت بطریق اولی نہ ہوسکے گا۔ اور جب مرجوح کا پایا جانا ناممکن ہو تو راجح کا پایا جانا ضروری ہوگا۔ ورنہ ارتفاع اور نقائص لازم آئیں گے۔ جب یہ امر ثابت ہوگیا تو فقیر کہتا ہے کہ اگر تکلیف شرعی واقع ہے تو کس چیز کی واقع ہوگی۔ راجح یا مرجوح کی؟ اگر راجح کی طرف ہو تو اس تکلیف کے معنی ہوں گے کہ جس کا واقع ہونا واجب ہے اسے واقع کیا جائے۔ اگر مرجوح کی طرف ہو تو یہ معنی ہوں گے کہ جس چیز کا وجود ناممکن ہے۔ اس کو موجود کیا جائے اور ان دونوں صورتوں میں تکلیف مالا یطاق ہوگی۔

(۲) جس فعل کی طرف تکلیف شرعی واقع ہو تو تین وجوہ سے خالی نہیں (۱) اللہ کو عالم ازل میں اس فعل کے واقع ہونے کا علم ہوگا یا نہ ہوگا۔ اگر پہلی صورت ہے تو اس فعل کا واقع ہونا واجب ہوگا اور معدوم ہونا ممتنع ہوگا۔ جب اس کا یہ حال ہے تو حکم دینے میں کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ اگر واقع نہ ہونے کا علم ہے تو اس کا عدم واجب اور وجود ممتنع ہوگا۔ اس کا حکم دینا ایک امر ممتنع کا حکم دینا ہوگا۔ اگر کسی بات کا علم نہیں ہے نہ وقوع کا نہ عدم کا تو قول بالجہل لازم آئے گا جو محال ہے۔ اگر بفرض محال اس قسم کا امر واقع ہو تو مطیع اور عاصی میں تمیز کیسے ہوگی۔ اور اطاعت میں پھر کیا فائدہ نکلے گا۔ پہلے لکھ چکا ہوں اور احادیث سے ثابت ہوگیا ہے کہ اللہ کا علم ازلی ہے اور یہ عالم اور اس میں وقوعات سب اس کے علم میں ہیں۔ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ اللہ نے اپنے علم ازلی میں ان کو یہ حکم فرمایا تھا اور ان کی حقیقت و فطرت ایسی نہ تھی کہ وہ معبود حقیقی کے حکم کو بجالائیں (یہ حدیث تفسیر امام باقر اور دیگر تفاسیر میں بھی ہے) ابتداء ان کی فطرت ہی ایسی پیدا کی گئی تھی یہ حکم ان کو اتمام حجت کے طور پر ہے بلکہ یہ حکم سارے عالم کے لیے ہے۔

(۳) کسی فعل کے ساتھ اگر تکلیف شرعی وارد ہو تو دو حال سے خالی نہ ہوگی۔ یا تو وہ کسی فائدے کے ارادہ سے ہوگی یا بلا فائدہ اگر فائدہ ہے تو وہ دو حال سے خالی نہیں۔ عابد کا فائدہ ہوگا یا معبود حقیقی کا۔ لہٰذا معبود کا فائدہ تو ہو نہیں سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ تو بذات خود کامل خزانہ ہے اس کے سب کمالات فعلی ہیں اور وہ کامل ہے اور دوسروں کو کامل بناتا ہے کیونکہ وہ تو کامل ازلی ہے اس بنا پر یہ بات ہے کہ وہ معبود حقیقی جو تمام نقائص سے پاک ہے اور سب سے بلند و بالا ہے بندہ کے رکوع و سجود میں اس کا کیا فائدہ ہوسکتا ہے۔ باقی رہی یہ صورت کہ بندہ کا فائدہ ہو تو یہ محال ہے۔ اسواسطے کہ بندہ کے تمام فوائد اس بات میں مضمر ہیں کہ اسے لذت حاصل ہو اور رنج دور ہو۔ یہ امور ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قادر ہے اور اس بات کی ضرورت نہیں کہ بواسطہ ان مشقتوں کے ان کا ظہور ہو پس اس کے لئے مشقتوں کو ان فوائد کیلئے واسطہ گردانا عبث ہوگا اور حکیم سے فعل عبث کا ظہور نہیں ہوسکتا۔

(۴) بندہ اپنے افعال کا موجد نہیں اسواسطے کہ بندے کو بالتفصیل اپنے افعال کا علم نہیں ہوسکتا اور جسے ایک چیز کا تفصیلی علم ہی نہ ہو وہ اس کا موجد نہیں ہوسکتا اور جب بندہ اپنے افعال کا موجد نہیں تو اسکو ان افعال کا حکم دینا دو حال سے خالی نہ ہوگا یا تو وہ افعال کے پیدا کرنیکے بعد یا قبل ہوگا اگر بعد میں ہے تو یہ حکم تحصیل حاصل کا حکم ہوا اور اگر پہلے ہے تو امر بالمحال ہوا اور یہ دونوں باتیں باطل ہیں۔

چھٹی بحث:

آئمہ کہتے ہیں کہ امر بالعبادت اگرچہ سب لوگوں کیلئے عام ہے مگر اس حکم سے وہ لوگ مستثنیٰ ہیں جن میں فہم کے معنی نہیں پائے جاتے مثلاً بچہ، مجنون اور وہ شخص جسے قدرت نہ ہو کیونکہ فرمان الٰہی ہے لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا یعنی اللہ کسی کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ اور اسی قدر مشقت میں ڈالتا ہے

Marfat.com

جتنی کہ اس میں گنجائش ہوتی ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن مجموعۃ الاحادیث بحوالہ امام باقر ابوسفیان سے حدیث درج کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ میرے جد امجد حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو اس سے پہلے حضورؐ اکرم نے یہود کو اسلام لانے اور عبادت الٰہی کی دعوت دی کیونکہ یہودی بے نماز تھے تب یہ آیت نازل ہوئی جس میں اللہ نے اپنی توحید کا اظہار فرمایا اور اپنے خالق ہونے کا اظہار کیا اس آیت میں والذین من قبلکم کے امور دمشرکین او یہودی ہیں لیکن یہ حکم عام ہے حضورؐ نے فرمایا کہ اللہ نے اپنی توحید کا اعلان عام کر دیا ہے یہ تمام لوگوں کو عبادت کے متعلق حکم ہے لیکن کچھ اشخاص مستثنیٰ ہیں یعنی مجنون غافل بچے اور جو شخص بولنے کی قدرت نہ رکھتا ہو۔ باقی سب کے لیے یہی حکم ہے پس یہ نہیں ہو سکتا کہ آپؐ کی صفت کو دوام ہو اور آپؐ کے خطاب کو دوام نہ ہو کیونکہ یہ خطاب بھی تو اللہ کا عطا کردہ ہے لہٰذا وہ بھی دوامی ہے پس اللہ اپنے حبیب کو جو خطاب فرماتا ہے اسے بھی دوام ہوگا تو مسلمانوں کو فرماتے ہیں کہ اللہ کے اس خطاب کیساتھ مومنین کو لبیک کہنا چاہیے اور مسلک اہلسنت کا عقیدہ ہے کہ حکم قرآن کا منکر کافر اور ماننے والا مومن ہوتا ہے تو صحابہ آپؐ کو یارسول اللہ کہتے تھے تو (یا) کا لفظ ہم پر بھی آپؐ کو خطاب کرنا صادق آتا ہے کیونکہ اللہ خود بھی ایسے فرماتا ہے اور صحابہ نے اس صفت کو پورا کیا اور تابعین نے بھی کہ میرے جد امجد امام باقر فرماتے تھے کہ جب جناب حبیب پاک کو یاد کرو تو ایھا النبی کہو جیسا کہ التحیات میں آیا ہے السلام علیک ایھا النبیؐ (یارسول اللہ) کہو کہ یہ اللہ کی عطا کردہ صفت ہے۔ فرمایا یہ تابعین سے بھی ثابت ہو گیا اور ہر مسلمان نماز میں اس صفت کو پانچ وقت پڑھتا ہے تفسیر امام باقر میں ہے کہ اگر نماز کے باہر بھی اس کلمہ کو پڑھیں تو یہ حضورؐ کی مدح سرائی ہوگی پھر فرماتے ہیں کہ میرے جد امجد علی ابن حسین ابن علی نے بھی پکارا:۔

یارسول اللہ انظر حالنا یا حبیب اللہ اسمع قالنا . انني في بحر غم مغرق خذ يدی سهل لنا اشکالنا o پھر آگے صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ میرے دادا جان امام حسین علیہ السلام نے میدان کربلا میں پکارا یا رسو ل اللہ یا جدی ادر کنی.

مسئلہ ساتواں:

قاضی نے بیان کیا ہے کہ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ بندوں کے اوپر اطاعت الٰہی کے واجب ہونے کا سبب یہی ہے کہ اس نے ہم کو پیدا کیا اور ہم پر اپنے انعامات فرمائے ہمارے علماء نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ بندہ اپنے فعل کی وجہ سے ثواب کا مستحق نہیں ہے اس لیے کہ جب عبادت کے واجب ہونے کا سبب یہی ہے کہ اس نے ہم کو پیدا کیا اور ہم پر اپنے انعامات فرمائے تو ظاہر ہے کہ ہمارا اللہ کی عبادت میں مشغول ہونا اس حق واجبی کا ادا کرنا ہے جو شخص حق واجبی کو ادا کرے وہ کسی اجر کا مستحق نہیں ہو سکتا پس ثابت ہوا کہ بندہ اپنے اعمال وافعال کے سبب اس امر کا مستحق نہیں کہ اللہ تعالےٰ اسے ثواب دینا واجب کرے اس کے اندر چند مسائل ہیں:

مسئلہ (۱):

معلوم کرو کہ جب اللہ نے بیشتر چیزوں کا بیان فرمایا کہ بندے اپنے رب کی عبادت کریں تو اس کے بعد ایسا امر بیان فرماتا ہے جو اللہ کے موجود ہونے کی دلیل ہے اور وہ بات یہ ہے کہ اس نے سب مکلفین کو پیدا کیا اور نیز ان لوگوں کو جو پہلے ہو چکے ہیں اس سے ثابت ہوا کہ اللہ کی معرفت کا کوئی طریقہ بخلاف اس کے نہیں ہے کہ اس کی صفات میں غور واستدلال سے کام لیں مگر فرقہ شنویہ کے بعض لوگ اس سے انکار کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس علم میں مشغول رہنا بدعت ہے۔ ہم اپنے مدعا کو دلائل نقلیہ اور عقلیہ سے ثابت کر سکتے ہیں۔

(۱) اس بات کے بیان میں کہ اس علم کے اندر فضیلت پائی جاتی ہے اب معلوم کریں کہ اس علم میں کئی طور پر فضیلت پائی جاتی ہے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ علم کو جو شرف حاصل ہوتا ہے معلوم کے علم کی وجہ سے ہوتا ہے پس جس علم کا معلوم اشرف ہوگا وہ علم بھی اشرف ہوگا ظاہر ہے کہ سب مخلوق سے اشرف اللہ کی ذات ہے اور اس کی صفات ہیں پس ثابت ہوا کہ جو علم اس کے متعلق ہوگا وہ اشرف ہوگا۔ صاحب خزینۃ القرآن حدیث درج کرتے ہیں مجموعۃ الاحادیث حوالہ امام محمد باقر سفیان ثوری اور ابی بن کعب خواجہ حسن بصری کی روایت سے اور ابن عمر کی کتاب سے اور امام زہری کی سند سے اور سند عزیز یہ ہے ابن عمر اور حضرت علیؑ لکھتے ہیں کہ صحابہ کرام کا اجماع تھا حضرت ابن عمر فرماتے ہیں حضرت علی اور چاروں خلفاء حضرت علیؑ فرماتے ہیں میں حضرت ابوبکرؓ حضرت عثمانؓ حضرت علی اور صحابہ کا جم غفیر تھا رسول اللہ نے علم کی باتیں فرمائیں:

Marfat.com

فرمایا علم وہ اشرف اور برگزیدہ ہے جسکا معلوم کرنے والا اشرف اور برگزیدہ ہے آپؐ نے فرمایا مجھے معلوم ہے کون ہے وہ؟ ہم سب نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول خوب جانتے ہیں فرمایا اللہ ہے علم کو شرف اللہ سے ہے اور اللہ سب سے اشرف کامل ہے۔ اور علم کا معلوم اللہ ہے تو جس طرح معلوم ازلی ہے اور اشرف ہے تو علم کو بھی معلوم سے شرف ہے وہ بھی ازلی ہے اور اشرف کامل ہے اللہ کی تمام صفات ازلی ہیں قرآن بھی اللہ کا علم ازلی ہے اور یہ بھی اشرف ہے کیونکہ اسکا معلوم اشرف ہے۔ فرمایا علم معلوم کی صفت ہے تو اللہ کی صفات اشرف ہیں کیونکہ وہ معلوم اشرف کامل ہے اور جس طرح مجھے تمام نبیوں پر برتری ہے۔ یاد رکھو کہ علم سے معلوم اشرف ہو ہوتا ہے کیونکہ علم کا اظہار تو معلوم سے ہوتا ہے۔

امام رازی نے بھی یہی قول خزینۃ القرآن سے نقل کر کے تفسیر کبیر میں نقل کیا ہے۔

(۲) علم کی دو قسمیں ہیں ایک دینی اور دوسری غیر دینی صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ حدیث شریف میں ہے۔ حضورؐ نے فرمایا علم دو طرح کا ہے۔ علم دینی کو دوسرے علوم پر فضیلت ہے۔ اب صاحب خزینۃ القرآن و امام رازی فرماتے ہیں کہ علم دینی دو حال سے خالی نہیں یا تو علم اصول ہے۔ یا اس کے علاوہ کوئی اور علم۔ مگر فقیر دیکھتا ہے کہ علم دینی کی صحت علم اصول کے اوپر موقوف ہے۔

مثلاً مفسر قرآن کے معنی سے بحث کرتا ہے اور یہ اس کی منفرد بات ہے کہ اول اس صانع پاک کا وجود پایا جائے۔ جس کا یہ کلام ازلی ہے۔ اور کلام رسول سے محدث بحث کرتا ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ مجھے اپنے نانا کریم ﷺ کی برکت سے دونوں شرف حاصل ہیں یعنی علم تفسیر اور علم حدیث بھی فرمایا ان برکتوں سے مجھے دن رات اپنے نانا جان کی ظاہری طور پر دیدہ دانستہ زیارت ہوتی ہے۔ اور خواب میں دو ہزار مرتبہ اللہ کا دیدار اپنے نانا جان کی برکت سے کر چکا ہوں اپنے نانا جان کے ہمراہ کئی بار میرے نانا جان نے اللہ کی بارگاہ میں میرے لیے دعا کی کہ یہ میری اولاد سے ہے۔ تیرے کلام کا بہترین مفسر ہے۔ تو جانتا ہے اور میرے کلام کا محدث ہے یہ بھی تو جانتا ہے۔ فرماتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا کہ میں نے اسے اپنے برگزیدہ بندوں سے چن لیا یہ تیری امت کا بہترین مفسر ہے۔ فرماتے ہیں یہ کلام کے معانی کی برکت سے اور نبی پاکؐ کی مبارک برکت سے دو ہزار مرتبہ اللہ کا دیدار ہوا، اس کی فضیلت کا کیا کہنا علامہ صاحب تفسیر طبری لکھتے ہیں کہ حضرت کی دعا تیر بہدف ہوتی تھی۔ اللہ کا دیدار آپ کو ہوتا تھا تو آپ کے وجود پر جلال ہوتا تھا اور نور معرفت علامہ صاحب تفسیر طبری لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ حضرت کو بادشاہ وقت نے بلایا۔ جو بنو عباسیہ سے تھا۔ آپ نے انکار کیا۔ کہ میں دنیا داروں کے دربار میں آنا نہیں چاہوں گا بادشاہ چل کر آیا دروازے پر دستک دی لونڈی نے کہا کہ آپ درس میں تفسیر پڑھا رہے ہیں وہ درس کے دروازے پر آیا تو پچھوایا کون ہے؟ کہا میں بنو عباس کا خلیفہ ہوں ملنے کی اجازت چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا میں ان سے ہرگز نہیں ملوں گا۔ جو تخت پر بیٹھ کر اپنا خیال رکھتے ہیں دوسروں کا نہیں۔ کل کو انھوں نے اس بڑے عرش عظیم والے کے سامنے کھڑے ہونا ہے۔ مجھے ایسے گندے لوگوں سے نفرت ہے۔ جو اپنے آپ کو بادشاہ بناتے ہیں اور بادشاہ بن کر دوسروں کا خیال نہیں رکھتے۔ خلیفہ وقت نے مجھ سے کہا کہ حضرت کو رسول اللہ کا واسطہ دو کہ آپ اولاد رسولؐ ہیں آپ کا خاندان اشرف ہے مجھے بلایئے۔ لیکن آپ نے کچھ غور نہ کیا اور ایسی جلالت طاری ہوئی کہ چھ ہزار طلبہ بیٹھے تھے ان پر بھی جلالت طاری ہوگئی۔ بادشاہ نے پھر کہلوایا تو حضرت نے ایک شاگرد کو غصے کی نظر سے دیکھا اور کہا کہ اسے جا کر کہو کہ تم جاتے کیوں نہیں ہم کلام اللہ کی تفسیر پڑھانے میں مشغول ہیں۔ وہ طالب علم باہر نکلا۔ خلیفہ نے جب اس طالب علم کو دیکھا تو اس پر جلال تھا۔ بادشاہ کو پسینہ آ گیا اور اس کا پیشاب بھی خطا ہو گیا وہ شام تک وہیں پڑا رہا۔ شام کو جب حضرت اپنے مشاغل سے فارغ ہوئے تو باہر نکلے دیکھا بادشاہ دروازہ پر پڑا تھا۔ تب طالب علم نے واقع بیان کیا تو حضرت نے مجھے فرمایا کہ یہ بنو عباس کا وہی آدمی ہے۔ آپ نے سارا واقعہ مجھے بیان کیا جو طالب علم کی جلالت سے بادشاہ کو پیش آیا تھا۔ علامہ صاحب طبری فرماتے ہیں کہ آپ کے وجود پر اس وقت جلالت طاری تھی۔ آپ نے اس کی گردن کو اپنی جوتی کی نوک سے ٹھوکر لگائی جس پر وہ اٹھ بیٹھا اور بے ہوشی ختم ہوگئی۔ بادشاہ قدموں سے لپٹ گیا اور عرض کی کہ مجھ غلام سے کیا خطا ہوئی ہے اے ابن رسولؐ؟ آپ نے فرمایا یاد رکھ اللہ نے تجھے ملک اور نعمت دی ہے تو اس کا خیال رکھے گا یا مخلوق اللہ کا؟ یا تو اپنے پر شیطان سرکش کو سوار کریگا یا رحمان کی معرفت کو؟ فرمایا تجھے رحمٰن بادشاہ حقیقی دیکھ رہا ہے عباسی خلیفہ کے بدن سے پسینہ چھوٹ گیا کہنے لگا اے ابن رسولؐ میرے لیے دعا فرمایئے کہ مجھ سے اللہ وہ کام کرائے جو اس کی خوشنودی پر ہوں میں دل سے توبہ کرتا ہوں اور معافی مانگ رہا ہوں آپ نے فرمایا جا میں تیرا تیری زندگی تک کا ذمہ دار ہوں اس نے قدم پکڑ لیے اور بولا میری آخرت کی ذمہ داری بھی قبول کریں فرمایا جا فقیر تمہاری آخرت کا بھی ذمہ دار ہے لیکن خلق اللہ کو تنگ نہ کرنا اور مجھے کبھی دربار میں آنے کی دعوت نہ دینا یاد رکھ اگر خلاف کیا تو بادشاہت نہ رہے

Marfat.com

گی۔اس نے عرض کی آپ کو نہیں بلاؤں گا لیکن ایک گزارش ہے کہ آپ کے ان چھ ہزار طلباء کے وظائف اور خورد و نوش کا انتظام کر دوں فرمایا پھر غلطی کر رہا ہے۔اور فرمایا مجھے میرے نانا پاکؐ نے بے بہا خزانہ عطا کیا اور مجھے فیض تصرف سے نوازا ہے اگر دیوار کو ٹھوکر ماروں تو سونا بن جائے چنانچہ علامہ طبری لکھتے ہیں کہ ٹھوکر سے وہ دیوار سونا ہو گئی۔اور ایک عرصہ تک دیوار کی شکل میں رہی پھر پہاڑ کی مانند ہو گئی اور سونا بن گئی۔یہ جگہ بغداد شہر سے چار میل مغرب کی طرف واقع تھی۔بادشاہ نے معافی مانگی اور چلا گیا۔جاتے وقت آپ نے یہ حدیث سنائی۔انما انا قاسم واللہ یعطی علامہ طبری نے حضرت موسیٰ المبرقع کے حالات زندگی پر ایک کتاب لکھی ہے جسکا نام فضائل المبرقع ہے۔یہ واقعہ اس کے صفحہ ۴۸ پر درج ہے یہ واقعہ ہمیں سبق دیتا ہے کہ حکمران خلق اللہ کو تنگ نہ کریں ورنہ قیامت کو انھیں ذلت آمیز سزا ہو گی۔یاد رکھو کہ اگر اللہ کے ہاں اپنا کچھ معیار رکھنا ہے تو حقوق اللہ کو ادا کرو اور خلق الٰہی کو خوش رکھو اسی میں تمہاری کامیابی و کامرانی ہے یہ بادشاہت تمہارے لیے آزمائش ہے اسے فرض سمجھ کر نبھاؤ۔تو بات ہو رہی تھی کہ محدث کلام رسولؐ سے بحث کرتا ہے۔

کلام رسول کا ہونا بھی اس بات پر موقوف ہے کہ پیشتر اس کی نبوت ثابت ہو جائے اور کلام کے اثبات سے اللہ کا وجود ثابت ہو لہٰذا ہم اللہ کے وجود کو اس کے کلام ازلی سے ثابت کرتے ہیں۔حدیث شریف میں ہے۔مجموعۃ الحدیث میں صاحب خزینۃ القرآن بحوالہ امام محمد باقرؒ فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ لکھتے ہیں کہ صحابہ کا جم غفیر تھا سیدنا ابو بکر صدیقؓ نے عرض کیا کہ اللہ کے وجود کا اثبات کس سے ثابت ہونا ضروری ہے؟ تو آپ نے جواب دیا کہ اللہ کے وجود کا ثبوت ہمیں قرآن سے ملتا ہے۔جو اس کا کلام ازلی ہے اور مجھ پر نازل ہوا ہے اور میری نبوت کا ثبوت میرے احکام سے ہے۔تو احکام فقیہہ احکام الٰہی سے بحث کرتا ہے یہ توحید اور نبوت کی فرع ہے پس فقیر کے اس بیان سے ظاہر ہوا کہ یہ تمام علوم علم اصول کی طرف محتاج ہیں اور یہ بات ظاہر ہے کہ علم اصول کا پتہ کس سے چلتا ہے صاحب خزینۃ القرآن مجموعۃ الحدیث اور ابن عمر اور امام باقرؒ امام زہری کی سند میں اور سند عزیز میں تواتر سے حضرت علیؓ اور حضرت ابن عمرؓ لکھتے ہیں کہ صحابہ کا جم غفیر تھا حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اور حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ وہ کونسا علم ہے جسے تمام علوم پر فضیلت ہے؟ آپ نے فرمایا علوم اصول کو تمام علوم پر فضیلت ہے اور وہ قرآن سے نکلتا ہے۔اور باقی تمام علم اس کے محتاج ہیں پس معلوم ہوا کہ علم اصول قرآن سے چلتا ہے اور حدیث تواتر سے ہے صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ اسے پچپن ہزار محدثین نے درج کیا اور سند کیا بلکہ جمہور کا اتفاق ہے۔

(۳) ہر ایک چیز کی ضد سے اس کے اشرف ہونے کے بارے میں خصوصیت ظاہر ہوتی ہے جس قدر اس کی خساست اور دناءت کے معنی پائے گئے۔اسی قدر یہ چیز اشرف ہو گی۔علم اصول کی ضد کفر و بدعت ہے۔یہ دونوں نہایت ذلیل و حقیر اور ادنی درجہ کی چیزیں ہیں پس ضروری ہوا کہ علم اصول سب چیزوں میں اشرف ہو۔

(۴) علم کا شرف کبھی موضوع کی شرافت سے ہوتا ہے کبھی اس لیے کہ لوگوں کو اس کی حاجت زیادہ تر ہوتی ہے اور کبھی دلائل کی قوت کے سبب سے علم اصول کے اندر یہ سب باتیں موجود ہیں مثلاً علم ہیئت کو علم طب پر شرف ہے اس واسطے کہ علم ہیئت کا موضوع علم طب کے موضوع سے زیادہ افضل ہے اگرچہ علم ہیت پر طب کو فضیلت ہے کہ علم طب لوگوں کا محتاج الیہ زیادہ تر ہے اور علم حساب کو ان دونوں پر شرف ہے اس واسطے کہ اس کے دلائل زیادہ تر قوی ہیں اور علم اصول کی غایت اللہ کی ذات و صفات اور افعال کی معرفت اور تمام معلومات موجودات اور معدومات کی معرفت ہے اس میں شک نہیں ہے کہ اس سے زیادہ شرف کسی چیز میں نہیں اور اس سے زیادہ کسی چیز کی حاجت نہیں ہے اور اس واسطے کہ حاجت کی دو قسمیں ہیں دینی اور دنیاوی۔دینی میں اس کی حاجت اس درجہ ہے کہ اس کی وجہ سے انسان ثواب عظیم کا مستحق اور ملحق بالملائکہ ہوتا ہے جس شخص کو اس سے حصہ نہیں لا وہ عذاب عظیم کا مستحق اور شیطان کے ساتھ مل جاتا ہے۔اور دنیا میں بھی اس کی ضرورت اسقدر ہے کہ تمام عالم کی مصلحت کا انتظام اسوقت مستحق ہوتا ہے جب صانع اور حشر و نشر پر یقین ہوتا ہے اس واسطے کہ اگر لوگوں کو اس بات پر ایمان اور یقین نہ ہو گا تو ضرور ملک میں فتنہ و فساد اور خونریزی پھیلے گی اس علم کے دلائل بھی قطعی اور یقینی ہیں کیونکہ ان کی ترکیب مقدمات یقینیہ سے ہو گی پس ثابت ہوا کہ اس علم کے اندر ہر قسم کا شرف پایا جاتا ہے۔لہٰذا ثابت ہو گیا کہ تمام علوم پر اسے شرف حاصل ہے۔

(۵) اس علم کے اندر نسخ اور تغیر کو راہ نہیں ہے اور اختلاف امم اور اختلاف بلدان سے اس میں تغیر نہیں ہوتا بخلاف علم طب اور علم ہیئت کے ہے۔قرآن کے اندر بکثرت اللہ تعالیٰ نے دلائل بیان فرمائے ہیں جن سے اس صانع و قادر کے وجود کا ثبوت ملتا ہے (۱) اللہ نے قرآن پاک میں اس قسم کے استدلال کو اکثر انبیاء

Marfat.com

اکرام وملائکہ سے نقل فرمایا ہے ملائکہ سے اس کا بیان یہ ہے کہ جب ملائکہ نے جناب باری میں عرض کیا۔کیا زمین ایسا شخص پیدا فرمائیں گے جو اس میں خرابی ڈالے اس عرض سے فرشتوں کا مطلب یہی تھا کہ ایسی چیز کا پیدا کرنا اچھا نہیں ہے۔اور جو چیز اچھی نہ ہو حکم سے اس کا وقوع نہیں ہوتا۔اس کے جواب ارشاد باری تعالیٰ ہے: اِنِّیْ اَعْلَمُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ o یعنی میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے مقصود یہ ہے کہ مجھ کو چونکہ تمام معلومات کا علم ہے اس واسطے کہ آدم کے پیدا کرنے میں میری جو حکمت ہے اسے میں ہی جانتا ہوں تم کو اس کی خبر نہیں۔اس میں شبہ نہیں کہ یہ ایک طرح کا مناظرہ ہوا۔ابلیس لعین نے جناب باری پر جو اعتراض کیا تھا اور اسے جواب ملا تھا وہ بھی ایک قسم کا مناظرہ تھا اور انبیاء میں سب سے پہلے حضرت آدمؑ ہیں ان کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح بیان فرمایا کہ علم کے اندر آدم فرشتوں پر غالب آ گئے اور یہ خاص استدلال ہے نوح علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کافروں نے نوحؑ سے کہا کہ اے نوحؑ تو نے ہم سے جھگڑا کیا اور بہت زیادہ جھگڑا کیا ظاہر ہے کہ یہ جھگڑا اور مجادلہ دوسرے احکام شرعیہ کے بارے میں نہیں تھا۔بلکہ توحید ونبوت کے بارے میں تھا پس نصرت الٰہی میں اس علم کے اندر جھگڑا اور مجادلہ کرنا انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے جناب ابراہیم علیہ السلام کا قصہ اس باب میں بہت طویل ہے اور یہ مجادلہ انھیں کئی مقامات پر واقع ہوا ہے (۱) اپنی ذات کے ساتھ کہ جب رات کو ابراہیم نے ایک ستارہ دیکھا تو کہا یہ میرا پروردگار ہے پھر جب ستارہ چھپ گیا تو بولا کہ میں چھپ جانے والوں میں دل نہیں لگاتا متکلمین کا طریقہ بھی یہی ہے کہ عالم کے متغیر ہونے سے اس کے حادث ہونے کو ثابت کرتے ہیں۔پھر اللہ نے اس بات پر ابراہیمؑ کی مدح فرمائی۔یاد رہے کہ عالم کا متغیر ہونا حادث ہے لیکن عالم کا علم اللہ کے معلوم میں ہے رسول اللہ فرماتے ہیں وہ ازلی ہے اس پر متکلمین کا اتفاق ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ ہماری حجت تھی جو ابراہیمؑ کو اس کی قوم کے مقابل عطا فرمائی تھی۔

(۲) امام رازی فرماتے ہیں ابراہیم کا وہ واقعہ جو انکو اپنے باپ کے ساتھ پیش آیا اللہ سبحانہ تعالیٰ فرماتا ہے (ترجمہ) اے میرے باپ تو ایسی چیز کو کیوں پوجتا ہے جو نہ دیکھتی ہے نہ سنتی ہے نہ تیرے کسی کام آسکتی ہے

(۳) وہ واقعہ جو ابراہیمؑ کو اپنی قوم کے ساتھ پیش آیا تھا۔ایک بار زبان سے اور دوسری بار ہاتھ سے پہلی بار کا بیان یہ ہے: مورتیاں کیا چیز ہیں جن کے اوپر تم جھکے ہو دوسرا بیان یہ ہے کہ ابراہیمؑ نے ان بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا مگر بڑے بت کو چھوڑ دیا اس غرض سے کہ شاید وہ اس سے باز پرس کریں

(۴) وہ واقعہ جو ابراہیمؑ کو بادشاہ وقت کے ساتھ پیش آیا جب ابراہیم نے نمرود سے کہا کہ میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے نمرود نے کہا کہ میں بھی زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں۔

پس اللہ نے جسے فطرت سلیم عطا فرمائی ہو وہ بخوبی جانتا ہے کہ علم کلام کے اندر تمام انہی دلائل کا بیان ہے ان کے اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے اور اللہ کا وجود ثابت ہونے کے وہ قطعی دلائل ہیں۔یہاں تک جو بیان ہوا حضرت ابراہیمؑ کا مباحثہ تھا جو مناظرہ کی شکل میں واقع ہوا۔اور معاد کے بارے میں جو انھوں نے مخالفین سے مباحث کیا اس کا بیان اسطرح ہے۔اے پروردگار مجھ کو دکھلا دے کہ تو مردوں کو زندہ کیسے کرتا ہے؟ اب موسیٰ علیہ السلام کا حال دیکھیں۔

توحید کے اندر موسیٰؑ نے فرعون سے جو سوال جواب کیے ان کا ماحصل بھی ابراہیم کا سا تھا یعنی فرعون نے پوچھا کہ اے موسیٰ تم دونوں کا پروردگار کون ہے تو موسیٰؑ نے جواب دیا: میرا پروردگار وہی ہے جس نے ہر شے کو پیدا کیا اور پھر ہدایت دی یعنی ماحصل وہی دلیل ہے جو ابراہیمؑ نے نمرود کے سامنے پیش کی تھی اور کہا تھا کہ جس نے مجھ کو پیدا کیا تھا پھر وہی مجھ کو ہدایت فرماتا ہے۔یعنی تمہارا پروردگار اور تمہارے باپ دادوں کا پروردگار یہ دلیل بعینہ وہی دلیل ہے جو ابراہیمؑ نے بیان کی تھی۔اور فرمایا تھا کہ میرا رب زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔پھر جب فرعون نے اس دلیل پر اکتفانہ کیا تو موسیٰؑ نے فرمایا وہ مشرق ومغرب کا پروردگار ہے۔یہ دلیل بھی وہی ہے جو ابراہیم نے دی تھی کہ میرا رب سورج کو مشرق سے لاتا ہے تو مغرب سے لا کے دکھا۔پس ظاہر ہوا کہ ان دلائل کے ساتھ مخالفین کے ساتھ حجت کرنا انبیاؑ کا پیشہ ہے۔جس طرح انھوں نے اپنی اس عقل نورانی سے ان دلائل کو قائم کیا اسی طرح بعض دلائل کا اپنے اسلاف کرام سے استفادہ فرمایا۔اب فقیر اس دلیل کو بیان کرتا ہے جو موسیٰؑ نے اپنی نبوت پر قائم کی اس کا بیان اس آیت میں ہے (ترجمہ) یعنی اچھا اگر میں کوئی ظاہر بات تیرے سامنے کر دکھاؤں اس سے حضرت موسیٰؑ نے اپنی نبوت سے استدلال کیا اور جناب رسالتمآبؐ کو جو مباحثے درپیش ہوئے اور آپؐ نے توحید ورسالت پر جو دلائل قائم فرمائے وہ بغایت وجوہ محتاج بیان نہیں یہ امام رازی کا عقیدہ ہے۔قرآن کریم ان دلائل سے بھرا پڑا ہے کہ حضورؐ کا کفار کے تمام فرقوں کے ساتھ مباحثہ ہوا۔

Marfat.com

(۱) فرقہ دہریہ آپ کا مقابل تھا جن کا عقیدہ تھا کہ نہیں ہلاک کرتا ہم کو مگر زمانہ یعنی سب کچھ میٹریل ہے میٹریل ختم ہو گیا تو آگے ختم یعنی ہمیں پھر نہیں جینا۔ اللہ تعالیٰ نے اس فرقہ کو طرح طرح کے دلائل دے کر باطل فرمایا۔

(۲) وہ فرقے جو اللہ تعالیٰ کے قادر مطلق اور مختار ہونے کا انکار کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے قول کو بھی اس طرح باطل فرمایا کہ ہم قسم قسم کے حیوانات و نباتات پیدا کرتے ہیں باوجودیکہ یہ سب طبائع اور تاثیرات ان کے اندر مشترک ہیں۔ ان کا پیدا ہونا خود اس بات کی دلیل ہے کہ کوئی قادر مطلق ضرور ہے۔

(۳) وہ فرقہ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک مانتا تھا۔ بعض لوگ ان میں سے ایسے تھے۔ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ معبود علوی مانتے تھے مثلاً وہ لوگ جو کواکب کو اس عالم کے اندر موثر سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے اعتقاد باطل کا اس دلیل سے رد کیا۔ جس سے حضرت ابراہیمؑ نے کواکب کے معبود ہونے کو باطل قرار دیا تھا۔ جس کا بیان اس آیت میں ہے۔ فَلَمَّا رَاَالشَّمْسَ بَازِغَةً اور نصاریٰ مشرک سفلی چیزوں کو معبود مانتے تھے۔ یعنی حضرت مسیح کو معبود مانتے تھے اور بت پرست اپنے بتوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک کہتے تھے۔ جناب باری تعالیٰ نے کثرت کے ساتھ قرآن پاک میں ان خیالات وعقاید باطلہ کا ردّ فرمایا ہے۔

(۴) وہ فرقہ جو نبوت کے اندر طعن کرتے تھے۔ وہ دو گروہ تھے (۱) وہ لوگ جو دراصل نبوت ہی کے اندر کلام کرتے تھے کہ کوئی شخص نبی ہو ہی نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی بات کو رد فرما دیا۔ یعنی انھوں نے کہا کہ اللہ نے بشر کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔ یاد رہے کہ رسولوں کو اپنے جیسا بشر کفار نے سمجھا ہے۔ قرآن مجید میں کئی مقامات پر اس کا رد کیا گیا ہے۔

(۲) وہ گروہ جو اصل نبوت کو تسلیم کرتا تھا لیکن حبیبؐ باری تعالیٰ کی رسالت میں اسے کلام تھا۔ یہ یہود و نصاریٰ کا گروہ تھا۔ قرآن مجید میں ان کا جا بجا رد کیا گیا ہے۔ یاد رہے کہ یہود و نصاریٰ حبیب پاک کے متعلق چہ میگوئیاں کرتے تھے ان کے طرز و اطوار مختلف تھے۔ کبھی قرآن کریم پر طعن کرتے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ ان کے طعن کے جواب میں فرماتا ہے: **ان الله لا يستحيى ان يضرب مثلا مابعوضة فما فوقها** ۔ بے شک اللہ تعالیٰ اس بات سے گریز نہیں فرماتا کہ وہ کسی مچھر کی مثال دے یا اس سے بھی ادنی جاندار کی۔ اور کبھی کہتے کہ ایسے ایسے معجزے دکھاؤ کہ ہم ایمان لائیں: انہوں نے پیغمبر سے یہ بات کہی کہ ہم تجھ پر کبھی ایمان نہ لائیں گے تاوقتیکہ تو ہمیں زمین سے چشمہ نکال کر دکھا۔ یا تیرے لیے سونے کا ایک گھر ہو۔ یا تم آسمان پر چڑھ کر دکھاؤ۔ پھر کہتے کہ یہ قرآن تجھ پر تھوڑا تھوڑا کیوں اترا۔ اکٹھا کیوں نہیں اترا۔ اس لیے یہ شبہ ہے کہ یہ اللہ کا کلام نہ ہو۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس شبہ کا یوں جواب دیا (ترجمہ) ہم نے تم پر قرآن تھوڑا تھوڑا کر کے اس لیے اتارا کہ تیرے دل کو ثابت رکھیں اور صاف صاف ہم نے اسے پڑھ دیا ہے: ۔ تو نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن پاک کو اللہ نے اپنے حبیب پاک کی مرضی پر اتارا۔ قرآن کو فرمان اسی لئے کہتے ہیں کہ یہ جدا جدا اترا۔ حضور پاک ﷺ کی حدیث ہے۔ فرمایا کہ اللہ نے میرے دل کو ثابت رکھا اور قرآن میری مرضی پر اتارا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں دیکھتی ہوں کہ تمام انبیاء اللہ تعالیٰ کے ارادے پر چلتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ آپؐ کے ارادے پر چلتا ہے معلوم ہوا کہ اللہ نے حضورؐ کو اپنا ارادہ ٹھہرایا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کو اپنے حبیب کی رضا پر اتارا۔ چنانچہ حدیث قدسی ہے۔ فرمان الٰہی ہے کہ تمام خلقت میری رضا چاہتی ہے۔ لیکن اے میرے حبیب میں تیری رضا چاہتا ہوں۔ تو معلوم ہوا کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا آخری اور حتمی کلام ہے۔ اور اس کی مرضی میں کسی کو کیا دخل ہو سکتا ہے لیکن حضورؐ نے عرض کیا یا مولا! یہ کلام تیرا ہے لیکن اترے میری مرضی پر چنانچہ فرمان الٰہی ہے کہ میں نے اپنے کلام کو حضورؐ کی مرضی پر اتارا ہے۔ پھر باقی کونسی چیز ہے جو اللہ نے اپنے محبوب سے علیحدہ رکھی ہو گی۔ بلکہ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ حضورؐ کائنات کی اصل ہیں۔ اور کائنات حضورؐ کے طفیل ہوئی۔ اور سرکار دو عالم پوری کائنات کی جان ہیں حضورؐ جو ہر لطیف ہیں جبکہ کائنات کثیف ہے اور لطیف کا قاعدہ ہے کہ لطافت کثافت کو گھیر لیتی ہے۔ تو تمام لطافت کا مرکز حضورؐ کی ذات ہیں۔ یہ تمام ممکنات و کائنات کثافت ہے اس کائنات میں جو خوبیاں ہیں ان کا مرکز لطافت ہے جو ایسا لطیف ہے کہ کمال لطافت میں بے مثل ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ اور حضرت ابوبکرؓ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ کی ذات بے مثل ہے رسول اللہ اپنی رسالت میں بے مثل ہیں حضورؐ کو تمام مخلوق سے اللہ تعالیٰ کی ذات زیادہ قریب ہے اسی طرح حضورؐ کی ذات جب قرب حقیقی میں واصل ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے حبیبؐ! میں اپنے اللہ تعالیٰ ہونے میں جسطرح بے مثل ہوں تجھے رسالت میں بے مثل بنایا ہے۔

(۵) وہ فرقہ تھا جو حشر و نشر کے اندر کلام کرتا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے حشر و نشر کو ثابت کرنے کے لیے اور منکرین کے قول رد کرنے کے لیے طرح طرح کے دلائل بیان فرما

Marfat.com

ئے ہیں۔

(٦) وہ فرقہ جو تکالیف شرعیہ پر اعتراض کرتا تھا۔ اور کہتا تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی بندے کو کسی حکم کے ساتھ مکلف کرے تو اس میں کچھ فائدہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے خیال بیھودہ کا جواب اسطرح دیا کہ: اگر اچھا کرو گے تو اپنی ذات کے لیے اور اگر برا کرو گے تو بھی اپنی ذات کے لیے کبھی یہ لوگ کہتے کہ بندہ اپنے کام میں مجبور محض ہے اور جب مجبور ٹھہرا تو پھر تکلیف شرعی کیونکر ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب اسطرح دیا یعنی اللہ تعالیٰ جو کام کرے تو اس سے باز پرس کرنیوالا کوئی نہیں اور لوگ جو کام کرتے ہیں ان سے باز پرس ہوگی۔ اس مقام پر فقیر نے اشارات دیئے ہیں لیکن صاحب خزینۃ القرآن نے طویل بحث کی ہے یعنی اس کے اندر عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مذمت فرمائی جو غور وفکر نہیں کرتے بلکہ اسکی نشانیوں سے اعراض کرتے ہیں چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ آسمانوں اور زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں۔ جن پر ان کا گزر ہوتا ہے۔ اور ان نشانیوں کی طرف سے احتراز میں رہتے ہیں۔ دوسرے مقام پر بطور مذمت بیان فرمایا ہے۔ اور ان کے دل ایسے ہیں کہ ان دلوں سے سمجھتے ہی نہیں۔

(۵) اللہ تعالے نے تقلید کی مذمت فرمائی ہے چنانچہ کفار کے حال سے حکایت بیان کر کے ارشاد فرمایا یعنی ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک راستہ پر پایا ہے۔ اور ہم انہی کی پیروی میں قدم بقدم چلتے ہیں۔ دوسری جگہ ارشاد ہوا؛ بلکہ ہم اس چیز کا اتباع کرتے ہیں: جسکے اوپر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے۔ بلکہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایسے کرتے دیکھا ہے۔ یعنی اس نے تو ہم کو ہمارے معبودوں سے بچھاڑ ہی دیا ہوتا اگر ہم ان کے اوپر جمے ہوئے نہ رہتے۔ حضرت ابراہیم کے چچا نے ان سے کہا۔ کہ اگر تو باز نہ آیا تو میں یقیناً تجھ کو پتھروں سے ماردوں گا۔ اور کچھ دنوں کے لیے تو مجھ کو چھوڑ دے۔ امام رازی کہتے ہیں کہ میرے اس بیان سے ثابت ہو گیا کہ کسی کی دیکھا دیکھی باتوں پر عمل کرنا برا ہے۔ انسان کو دین کے معاملہ میں خوب غور وفکر کرنا چاہیے: اور استدلال سے کام لینا چاہیے۔ جو شخص لوگوں کو نظر واستدلال کی طرف بلائے وہ قرآن کے موفق اور انبیاء کا پیرو ہوگا اور جو تقلید کی طرف بلائے وہ قرآن کا مخالف ہوگا۔ اس بات میں کفار کے موافق ہوگا اور احادیث اس باب کے بارے میں بکثرتؒ ہیں۔ اس مقام پر ہم چند احادیث کا ذکر کرتے ہیں۔

ا: امام زہری نے سعید بن میتب سے اور انھوں نے ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں قبیلہ بنو خزرج میں سے ایک شخص حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے عرض کیا کہ میری بیوی کے ایک سیاہ رنگ لڑکا پیدا ہوا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ کیا تیرے سیاہ اونٹ بھی ہیں۔ اس نے کہا ہاں۔ فرمایا دوسروں کا رنگ کیسا ہے؟ عرض کیا سرخ رنگ کے ہیں فرمایا کوئی اور رنگ میں بھی ہیں؟ فرمایا وہ کہاں سے آگئے۔ عرض کیا کسی رنگ نے اس کو نکال دیا ہوگا۔ آپؐ نے فرمایا اس کو بھی کسی رنگ نے نکال دیا ہوگا۔ واضح ہو کہ حضورؐ نے قیاس کے طور پر اس پر الزام دیا اور اس کے شک کو رفع فرمایا۔

۲: حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے؛ بنی آدم نے میری تکذیب کی اور اسے میری تکذیب کرنا مناسب نہ تھا۔ آدمی نے مجھ کو گالی دی حالانکہ گالی دینا مناسب نہ تھا اس کا میری تکذیب کرنا تو یہ ہے کہ وہ (انسان) کہتا ہے کہ اللہ نے جس طرح ابتداء میں مجھے پیدا کیا تھا اسی طرح میرا اعادہ ہرگز نہ کرے گا۔ حالانکہ اس کا دوبارہ پیدا کرنا مجھ پر پہلے پیدا کرنے سے سہل ہے۔ اور آدمی کا مجھ کو گالی دینا یہ ہے کہ اللہ کی اولاد ہے حالانکہ میں ذات یکتا واحد ہوں سب میرے محتاج ہیں میں کسی کا محتاج نہیں۔ لم یلد ولم یو لد ٥ نہ میری کوئی اولاد ہے۔ نہ میں کسی کی اولاد ہوں ولم یکن لہ کفوا احد ٥ فقیر پر ان دلائل سے ثابت ہو گیا ہے کہ انبیاء علیہ السلام اور رسول اللہؐ کی سنت اور ان کا پیشہ تھا کہ کفار سے مقابلہ ہو کہ توحید اور نبوت اور تمام امور حقہ پر استدلال قائم کرنا دو حال سے خالی نہیں ہے یا تو یہ شخص جاہل ہوگا یا کافر۔ (نعوذ باللہ)

مقام دوسرا:

اس امر کے بیان میں اس امر کا تحصیل کرنا واجب اور ضروری ہے۔ واضح ہو کہ اس امر کا ثبوت عقل ونقل دونوں سے ہو سکتا ہے۔ دلیل عقلی یہ ہے کہ بعض کی دلیل کرنا باقی کی تقلید کرنے سے ادنیٰ نہیں ہے اب تین باتوں میں سے ایک کا ہونا لازم ہے یا تو سب کی تقلید کرنا لازم ہوگی و درست ہوگی اور اسطرح لازم آئے گا کہ کفار کی تقلید بھی درست ہو۔

(ii) یا کہو گے کہ بعض کی تقلید واجب ہے اور بعض کی لازم نہیں تو آئے گا کہ انسان کو بعض کی تقلید کا حکم ہوا اور بعض کا نہ ہو اس کی کوئی وجہ ہو گی کہ بعض کی تقلید کو کیوں

Marfat.com

اختیار کیا گیا اور بعض کی تقلید کو کیوں چھوڑا گیا۔ یہ اقدام آگے آئے گا کہ تقلید بالکل درست ہی نہ ہو فقیر کا مطب یہی ہے تو جب تقلیہ باطل ہوگئی تو یہی نظریہ باقی رہے گا کہ دلائل سے اپنے ہر دعوے کو ثابت کریں اور کسی کی تقلید نہ کریں اور دلائل عقلیہ اس پر کافی ہیں قرآنی آیات واحادیث سے اس کا ثبوت ملتا ہے ۔ان میں سے چند کا بیان درج ذیل ہے۔یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے پیغمبر! اپنے پروردگار کے راستہ کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ لوگوں کو بلاؤ اور اچھی بات کے ساتھ ان سے جھگڑا کرو۔اس میں کوئی شک نہیں کہ حکمت سے برہان اور دلیل مراد ہے پس اس بناء پر واجب ہوا کہ حجت اور برہان کے ساتھ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے راستے کی طرف بلایا جائے۔اور فروعات شرعیہ میں مجادلہ یا جھگڑا کرنا مراد نہیں ہے اسواسطے کہ جو لوگ پیغمبرؐ کی نبوت کے منکر تھے۔فروعات شرعیہ میں ان سے مجادلہ کرنے کا کوئی نتیجہ نہیں تھا۔اور جس کے نزدیک آپؐ کی نبوت ثابت ہوگئی وہ بلا دلیل و بلا مجادلہ شرعات شرعیہ کو تسلیم کرتا تھا اس سے ثابت ہوا کہ مجادلہ اور مباحثہ صرف توحید و نبوت کے اندر تھا پس ثابت ہوا کہ توحید و نبوت کے اثبات کے لیے کفار سے مباحثہ کرنے کو ہم اللہ کی طرف سے مامور ہیں۔اگرچہ یہ حکم قرآن پاک میں خاص پیغمبر حضرت محمدؐ کو ہوا تھا لیکن اسکا اطلاق عام پر بھی ہے بعموم الالفاظ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ یعنی اگر تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کرتے ہو تو میرا اتباع کرو۔اللہ تم سے محبت کرے گا۔دوسرے مقام پر ارشاد ہوا: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔یعنی تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کی اقتدا کرنا نیکی ہے۔

(۲) فرمانِ الٰہی ہے "بعض لوگ اللہ کی شان میں جھگڑا کرتے ہیں" اس آیت میں اس شخص کی مذمت کی گئی ہے جو بغیر جانے اللہ کے بارے میں جھگڑا کرتا ہے۔ آج کل لوگوں کا طرز عمل یہی ہے کہ علم ہو یا نہ ہو، ہر قسم کی بحث کریں گے یہ نہیں سوچتے کہ علم کے بغیر بحث کرنے میں کہیں ہمارا ایمان نہ جاتا رہے۔

(۳) اللہ نے لوگوں کو غور وفکر کرنے کا حکم فرمایا ہے فرمایا: وہ لوگ قرآن میں کیوں غور وفکر نہیں کرتے۔دوسری جگہ ارشاد ہوا: "کیا وہ اس بات کو نہیں دیکھتے کہ اونٹ کو کیسے پیدا کیا گیا ہے۔ارشاد ہوا کہ ہم ان کو اطراف میں اور ان کی ذاتوں میں اپنی نشانیاں دکھائیں گے تا کہ ان پر حق ظاہر ہو جائے اور ارشاد ہوا کہ "اے حبیب پاک ﷺ فرمادو کہ زمین اور آسمان کیا چیز ہے کیا انہوں نے زمین اور آسمان کی بادشاہت پر نظر نہیں ڈالی۔

(۴) اللہ تعالیٰ نے غور وفکر کرنے کو مدح کے طور پر بیان فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے تو اس ذات پاک کا حال جس کے ساتھ کسی کو کوئی مناسبت نہیں ہوسکتی، کیسے معلوم ہوسکتا ہے۔

چہ نسبت خاک را با عالم پاک:

یاد رہے کہ تصورات کے بارے میں بحث ہو رہی ہے امام فخر الدین رازی کے نزدیک چند اقسام پر ہے بعض معقولیوں کے نزدیک ان کی اقسام پانچ ہیں۔ بعض کے نزدیک سات۔ملاں باقر مجلسی سات کہتے ہیں اور سید میراں جیو تین قسمیں بتاتے ہیں۔ان کے بیٹے امام محمد عبداللہ محدث و مفسر چالیس فرماتے ہیں اور صاحب خزینۃ القرآن بحوالہ امام محمد باقر سو فرماتے ہیں جن کی بحث انہوں نے اپنی تفسیر میں مکمل کی ہے اسی ضمن میں فرماتے ہیں کہ یونانی حکماء علماء کا ان پر کچھ اختلاف ہے۔فقیر نے ان کو اس صدی میں ثابت کر دیا ہے ان کی اس تک رسائی نہیں۔فقیر نے تصدیقات و تصورات کی یہ سو (۱۰۰) اقسام اپنی کتاب شرح حمد اللہ میں بیان کر دی ہے اور عقلاء کی آراء بھی ساتھ بیان کر دی ہیں۔

مقام دوسرا:

یہ تھا کہ جس فکر سے علم یقینی حاصل ہو، وہ بندے کے اختیار سے باہر ہے اس کے بعد ان لوگوں نے کئی دلیلیں بیان کی ہیں:

Marfat.com

دلیل پہلی:

تصورات کا حاصل کرنا ہمارے اختیار میں نہیں ہے۔ پس تصدیقات بدیہی پر اختیار نہ ہوگا۔ اس سے لازم آیا کہ تمام تصدیقات پر اختیار نہ ہو۔ اس بات کی دلیل کہ تصورات غیر اختیاری ہیں یہ ہے کہ جس شخص کو اس کی تحصیل مطلوب نہ ہو۔ دو حال سے خالی نہ ہوگا۔ یا تو پہلے ان امور کا اس شخص کو علم ہوگا یا نہ ہوگا۔ اگر اس سے پہلے علم ہوگا تو پھر اس کی طلب محال ہوگی اس واسطے کہ تحصیل حاصل لازم آئے گا۔ اگر اس سے پہلے علم نہ ہوگا۔ تو طلب مجہول لازم آئے گی اگر کوئی یہ کہے کہ ایک شئے ایک طرف سے مجہول ہوسکتی ہے تو اس کا جواب مشکل ہے۔ جس وجہ سے اس کا علم ہے وہ اس وجہ سے غیر ہے جس سے اس کا علم نہیں ہے۔ ورنہ ایک شئے کے اوپر نفی اور اثبات کا صادق ہونا لازم آئے گا۔ یہ بات محال ہے۔ اس وقت ہم کہتے ہیں کہ جو وجہ معلوم ہے اس کی طلب محال ہے کیونکہ یہ تحصیل حاصل ہے۔ ہم نے اس واسطے کہی ہے کہ قضایا بدیہیہ کے موضوع اور مجہول یعنی کہ مبرا کے ذہن میں موجود ہونے کی حالت میں یا تو ایسا ہوگا کہ ان دونوں کے فقط ذہن کے اندر حاضر ہونے سے ذہن کو اس بات کا یقین ہوجائے گا کہ دوسرے کے ساتھ نفی یا اثبات کی نسبت ہے۔ یا یہ بات لازم نہ ہوئی اگر یہ بات لازم نہ ہوئی تو یہ قضیہ بدیہی نہ ہوگا بلکہ مشکوک ہوگا اگر یہ بات لازم ہوگی تو اس تصدیق کا پایا جانا موضوع اور مجہول کے تصور کے ساتھ ضروری ہوگا کہ ان کا تصور پایا جائے یا پایا جانا ممتنع ہوگا۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ جس چیز کا مدار ایک ایسے امر پر ہو جس کا وجود عدم اختیار سے باہر ہو تو وہ چیز بھی ایسی ہوتی ہے یعنی وہ بھی اختیار سے باہر ہو جاتی ہے اس سے ثابت ہوا کہ تصدیقات بدیہیہ جس قدر ہیں وہ نظریہ نہیں ہوسکتیں۔ فقیر نے یہ بیان کیا ہے کہ جب یہ تصدیقات نظریہ نہ ہوں گے تو کوئی تصدیق بھی نظری نہ ہوگی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جو تصدیق بدیہی نہ ہوگی تو ضروری ہے کہ نظری ہوگی۔ پھر وہ دو حال سے خالی نہیں ہے یا تو ان تصدیقات بدیہیہ کے ذہن میں پائے جانے سے اس تصدیق کا پایا جانا ضروری ہوگا یا نہ ہوگا پس اگر اس کا پایا جانا ضروری نہیں ہے تو ان مقدمات کے صادق ہونے سے اس مطلوب کا صادق ہونا لازم نہ آئے گا۔ جب سراسر استدلال یقینی نہ ہوگا بلکہ یا تو گمان ہوگا یا اعتقاد تقلیدی۔ اگر اس مطلوب کا پایا جانا ضروری ہو تو ان وجوہات کا پایا جانا ان قضایا بدیہیہ کے ساتھ ضروری ہوگا۔ پس ضروری ہوا کہ ان نظریات میں سے کوئی نظریہ بندے کی قدرت کے تحت داخل نہ ہو۔

2- انسان کسی شئے کو مرتبہ وجود میں اس وقت لاسکتا ہے جب اس شئے کو دوسرے سے تمیز دے سکتا ہو۔ اور علم کو جہل پر تمیز اس طرح ہے کہ علم معلوم کے مطابق ہوتا ہے اور جہل معلوم کے مطابق نہیں ہوتا اور یہ مطابقت یا معلوم سے مطابقت اس وقت معلوم ہوسکتی ہے جب پہلے سے اس معلوم کا علم ہو۔ اس سے لازم آیا کہ بندہ اس وقت ایک شئے کے علم کو مرتبہ وجود میں لاسکتا ہے جب کہ اس کو طلب کر سکتا ہو۔

3- نظری ہونے کا سبب یا تو یہ ہوتا ہے کہ عقل اس کو ضروری جانتی ہے یا خود نظر کی وجہ سے اس کا نظری ہونا ضروری ہوتا ہے۔ یا سننے کی وجہ سے یہ شئے نظری ہو جاتی ہے مگر ان میں سے احتمال باطل ہے اس واسطے کہ بدیہی وہ چیز ہوتی ہے جس پر سب عقلاء کا اتفاق ہو۔ اور فکر و نظر کا واجب ہونا ایسا امر ہے کہ اس پر سب عقلاء کا اتفاق نہیں ہے بلکہ بہت سے عقلاء اس کو قبیح جانتے ہیں اور کہتے ہوں کہ بسا اوقات اس کا انجام جہل ہوتا ہے۔

مقام تیسرا:

یہ ہے کہ اگر تسلیم کیا جائے کہ نظر و فکر سے علم حاصل ہو جاتا ہے اور یہ بھی تسلیم کر لیا جائے گا کہ وہ بندے کی قدرت میں داخل ہے اور اللہ تعالیٰ سے اس کے ساتھ اس کا صادر ہونا چند وجوہات کے ساتھ قبیح ہے۔

1- نظر اور فکر کا انجام بسا اوقات جہل ہوا کرتا ہے اور جو امر ایسا ہو وہ خواہ مخواہ قبیح ہوگا۔ درحقیقت امر کے اوپر اقدام کرنے کا انجام جہل ہوتا ہے۔

2- فقیر کہتا ہے کہ انسان کو طرح طرح کے شبہات اور پریشانیاں لاحق ہوتی ہیں اور وہ ایک ناچیز شئے ہے۔ پھر ایسی حالت میں اس کو حق و باطل کی تمیز کیسے ہوسکتی ہے۔

3- اگر دین کا مدار اس حقیقت پر ہو کہ دلائل پر غور و فکر کیا جائے تو اس سے لازم آتا ہے کہ انسان ایک گھڑی بھی ایمان پر قائم نہ رہے اس واسطے کے دلائل کے مقدمات میں غور و فکر کرتے وقت جب ایک شخص کو کوئی شئے یا سوال پیدا ہو تو ضروری ہے کہ اس شخص کے دل میں اس دلیل کے مقدمہ میں شک پیدا ہوگا۔

Marfat.com

جب دلیل کے بعض مقدمات مشکوک ہوں گے لامحالہ جو بھی اس کا نتیجہ ہوگا وہ گمان پر ہی ہوگا۔ اس واسطے کہ دلیل ظنی سے نتیجہ یقینی نہیں نکلے گا۔ پس لازم آیا کہ جس وقت ایسی صورت پیش ہو اس وقت شک کرنے والا دین سے نکل جائے گا۔

مقام چوتھا:

یہ ہے کہ اس مقام کو اگر تسلیم کر لیں کہ وہ فی نفسہٖ (ذاتی طور پر) ایک امر قبیح نہیں ہے مگر اسی بات پر کہ ہم اولاً قائم کر سکتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ نے اس کا حکم نہیں فرمایا۔ منجملہ ان دلائل کے ایک دلیل یہ بھی ہے کہ یہ مطلب دو حال سے خالی نہیں ہے۔ یا تو ان کے دلائل کا علم بدیہی ہوگا اور اس کی تعلیم اور استفادہ کی ضرورت نہ ہوگی اور یا ایسے نہ ہوں گے بلکہ ان کے تحصیل میں تامل اور غور و فکر اور استفادہ کی ضرورت ہوگی۔ پہلا احتمال باطل ہے۔ ورنہ لازم آتا کہ یہ علم لوگوں کو حاصل ہو اور یہ صریح باطل ہے بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض لوگ ذکی اور تیز ہوتے ہیں ان کو غور و تامل کرنے اور اساتذہ اور کتابوں سے مدد لینے کے بعد بھی یہ علم حاصل نہیں ہوتا۔ دوسرے احتمال کے مطابق ضروری ہے کہ مباحث شدیدہ اور کثیرہ کے بعد یہ علم حاصل ہوگا اور اس پر دین کا مدار سمجھا جائے تو ضروری تھا کہ رسول اکرم صلعم کسی شخص پر اسلام کا حکم اس وقت فرمایا کرتے جب اس کے علم کا کامل طور پر امتحان لے لیا کرتے اور اگر آپ ﷺ نے ایسا کیا ہوتا تو یہ بات مشہور ہو جاتی ہم دیکھتے ہیں کہ یہ بات مشہور نہیں ہے۔ بلکہ یہ بات مشہور بالتواتر آپ ﷺ سے منقول ہے کہ اس علم سے جو شخص ناآشنا ہوتا تھا اور اس کا تصور بھی اسے نہ ہوتا تھا تو آپ ﷺ اس کو اسلام کا حکم فرمایا کرتے تھے۔ اس بیان سے صاف معلوم ہو گیا کہ اس علم کی واقفیت کو دین کی صحت میں کچھ دخل نہیں ہے۔ اگر کوئی یہ بات کہے کہ دلائل کے جو کچھ اصول ہیں ان کا علم اکثر عقلا کو ہوا کرتا ہے البتہ اعتراضات اور شبہات کے دفع کرنے کے وقت حقائق کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔ دراصل اس کا دین کی صحت میں اعتبار نہیں ہے تو اس کا بھی علم نہیں ہے اس کے جواب میں فقیر کہتا ہے کہ یہ تمہارا قول ضعیف ہے اس واسطے کہ دلائل کے اندر کمی بیشی کا احتمال نہیں ہوتا۔ مثلاً اگر ایک دلیل دس مقدموں پر مشتمل ہو اور ایک شخص کو ان دس مقدمات کا علم اور یقین ہو تو اس شخص کو اس دلیل کا علم اور یقین ہوگا اور اس کا یہ علم ایسا ہوگا کہ اس میں کمی بیشی نہ ہوگی۔ اس واسطے کہ اس دلیل میں پائے جانے میں اگر کسی امر زاید کی ضرورت ہوگی تو ہمارا یہ کہنا درست نہ ہوگا کہ دلیل فقط دس مقدمات پر مشتمل ہے اگر اس دلیل کے پائے جانے میں اس امر کی اشد ضرورت نہ ہوگی تو اس امر زاید کا علم اس دلیل کے حق میں کچھ مفید نہ ہوگا۔ بلکہ وہ ایک جداگانہ علم ہوگا۔ فقیر کے اس بیان سے ظاہر ہو گیا کہ دلیل کے اندر کمی بیشی کا احتمال نہیں ہوتا وہ ہر حال میں ایک چیز پر ہوا کرتا ہے۔ رہی یہ بات کہ اس میں کسی کا احتمال بھی نہیں ہوتا تو اس کا ثبوت یہ ہے کہ اگر ان دس مقدمات میں سے نو مقدمات یقینی ہوں اور ایک پر گمان ہو تو بھی نتیجہ کا یقینی ہونا محال ہے۔ اس واسطے کہ ظنی کے اوپر جس کی بناء ہوتی ہے وہ بھی ظنی ہوا کرتا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ دلیل کے اندر نہ زیادتی کا احتمال ہوتا ہے نہ کمی کا۔ جب یہ بات باطل ہوئی تو وہ شبہ جو وارد کیا گیا تھا باطل ہوا۔

مقام پانچواں:

علم کلام کے اندر اشتغال رکھنا بدعت ہے اور اس کا ثبوت قرآن میں موجود ہے اور حدیث میں بھی۔ نیز اجماع قول سلف میں بھی یہی امر ثابت ہوتا ہے اور حکمت کا مقتضی بھی یہی ہے۔ قرآن سے اس کا ثبوت ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے نبی پاک ﷺ سے ارشاد فرماتا ہے:

اور نہ کوئی میرا ہمسر و ثانی ہے۔ دیکھئے یہاں جناب باری تعالیٰ نے کس طرح ہر پہلی صورت میں ابتداً پیدا کرنے کی قدرت سے اعادہ کی قدرت کو ثابت کیا۔ دوسری صورت میں اپنے یکتا ہونے سے جسمیت ولدیت اور مولودیت کی نفی کیسے فرمائی۔

3- عبادہ بن صامتؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ کی ملاقات کو دوست رکھتا ہے۔ اللہ اس سے ملاقات کو دوست رکھتا ہے۔ اور جسے اللہ کی ملاقات ناگوار ہے تو اللہ کو بھی اس سے ملاقات ناگوار ہے۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہمارا مرنا ناگوار ہے فرمایا نہیں کہ اللہ مومن کو محبوب رکھتا ہے اور مومن اللہ کو اور کافر اللہ کو دوست نہیں رکھتا اور اللہ تعالیٰ بھی اسے (کافر کو) دوست نہیں رکھتا۔

اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم ہے کہ بندہ دلائل پر غور و فکر کرے۔

Marfat.com

مخالف نے اپنے قول کو کئی طرح سے ثابت کیا ہے:

(۱) یہ کہ غور وفکر کرنے سے کسی چیز کا علم نہیں ہوسکتا، (۲) جس غور وفکر میں علم یقینی حاصل ہو وہ بندے کے اختیار میں نہیں ہے پھر اس کا نتیجہ کیا ہے، (۳) اللہ ورسول ﷺ کی باتوں پر غور وفکر کرنا ایک قسم کی بے ادبی ہے، (۴) رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو اس بات کا حکم نہیں دیا ہے کہ وہ ہر چیز کی دلیل تلاش کیا کریں، (۵) امام رازی کہتے ہیں کہ یہ تمام امور بدعت ہیں حضور ﷺ کے زمانہ میں ان چیزوں کا ذکر کہاں تھا پہلی بات کے اوپر مخالف نے چند دلائل پیش کئے ہیں:

پہلی دلیل:

کہ جب ہم کسی دلیل پر غور وفکر کریں اور اس فکر کے بعد ہمارا ایک چیز پر اعتقاد ہو جائے اور اس بات کا بھی علم ہو کہ ہمارا اس اعتقاد پر یقین ہے دو حال سے خالی نہ ہوگا۔ بدیہی ہوگا یا نظری۔ یعنی ظاہری ہوگا یا دلیل کی حاجت ہوگی۔ فقیر کے نزدیک اس کا بدیہی ہونا تو باطل ہے اس واسطے کہ جب کوئی شخص اپنے اعتقاد کی نسبت غور کرنے کہ میرا یہ اعتقاد ایک قسم کا علم ہے اس بات پر غور کرے کہ ایک دو کا نصف ہوتا ہے۔ یا آفتاب سے روشنی پیدا ہوتی ہے یا آگ جلا دیا کرتی ہے تو یہ بات ظاہر ہے کہ پہلے علم یعنی اس اعتقاد کے علم ہونے کا اس کو علم ہوا ہے۔ بہ نسبت ان چیزوں کے علم کی کسی قدر ضعیف ہوگا۔ اس سے ثابت ہوا کہ اس علم کے اندر ضعف پایا جاتا ہے۔ دوسرا احتمال بھی باطل ہے یعنی علم نظری بھی نہیں ہوسکتا۔ اس واسطے کہ ہم اس دوسرے فکر میں بھی اسی طرح کلام کریں گے جو پہلے میں کیا تھا اس سے تسلسل لازم ہوگا جو محال ہے۔

-6 امام رازی کہتے ہیں کہ ہم نے بہت سے علما کو دیکھا ہے کہ انہوں نے کسی مسئلے کی بابت اجتہاد کر کے اس پر اتفاق کر لیا ہو اور ان کو اس بات کا علم ہو گیا ہو کہ یہ علم یقینی ہے۔ پھر ان کو خواہ کسی علم سے یہ بات ظاہر ہو کہ ان کا یہ علم دراصل جہل تھا۔ اس بناء پر علماء نے اپنے اس قول سے رجوع کر لیا اور اسے بالکل چھوڑ دیا۔

جو امر ہم کو مطلوب ہوگا وہ دو حال سے خالی نہ ہوگا۔ یا تو ہم کو اس کی پہلے سے اطلاع ہوگی یا نہ ہوگی۔ تو اس کا طلب کرنا محال ہوگا۔ اس واسطے کہ اس میں تحصیل حاصل ہوگی۔ اور تحصیل حاصل محال ہے یہ کہ اس بات کا نظر سے علم پیدا ہوتا ہے دو حال سے خالی نہ ہوگا۔ بدیہی ہوگا یا نظری۔ اگر بدیہی ہے تو جان لیں کہ معقولیوں کا اتفاق ہو۔ حالانکہ اختلاف ہے اگر نظری ہے تو لازم آئے گا کہ ایک جنس کو ایک فرد سے ثابت کرنے کے لئے اس چیز کی جنس کو ثابت کیا جائے۔ یہ بات محال ہے جب کسی امر پر دلیل قائم کی جاتی ہے تو ایک مقدمہ وہاں کافی نہیں ہوسکتا یعنی اس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلتا۔ بلکہ مقدموں کے مجموعہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ بھی محال ہے کہ دونوں مقدمے ذہن کے اندر دفعۃً موجود ہو جائیں اس واسطے کہ فقیر نے یہ تجربہ کیا ہے کہ جب ہم اپنے ذہن کو ایک چیز کی طرف متوجہ کرتے ہیں اس وقت ذہن کا کسی دوسری چیز کی طرف متوجہ ہونا محال ہے۔ بعض لوگ اس کے خلاف کہتے ہیں انہوں نے دلیل قائم کی ہے کہ جناب باری تعالیٰ کی حقیقت تصور میں نہیں آسکتی اور جب حقیقت اس طرف مبذول نہ ہوئی تو پھر کسی امر کی حقیقت نہیں ہوسکتی نہ اس ذات پاک کے ثبوت کی نہ اس کی کسی صفت کی۔ پہلے امر کا ثبوت اس طرح ہوسکتا ہے کہ یہ بات سب کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ مکان وجہت سے پاک ہے اور اپنے علم وقدرت کے ساتھ موصوف ہے۔ مکان وجہت سے نہ ہوگا نہ ہے اور یہ صفات سلبیہ ہیں اور اللہ کی حقیقت میں نعوذ باللہ یہ سلب نہیں ہے کہ ان امور کے علم کے لئے اس کی حقیقت کا علم ضروری ہے اور علم اور قدرت کے ساتھ وجود نہ ہونے کے معنی یہی ہیں کہ ان چیزوں کو اس ذات پاک کے ساتھ علاقہ اور نسبت ہے۔ اس کی ذات پاک کو خود یہ انتساب اور علاقہ نہیں ہے۔ پس انتساب کا علم اس ذات پاک کا علم نہ ہوگا۔ دوسرے امر کا بیان یہ ہے کہ تصدیق دراصل تصور پر موقوف ہے تو جب ذات پاک کا تصور نہ ہوسکا تو اس کی تصدیق کیونکر ہو سکے گی۔ اس کا جواب محال ہے۔

-2 سب سے زیادہ ظاہر چیز جس کا ہم کو علم ہے ہماری ذات ہے جس کی طرف لفظ اَنَــا سے اشارہ کیا جاتا ہے۔ سو اس کے اندر بھی لوگوں کا اختلاف ہے کہ یہ اشارہ کس چیز کی طرف ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ جسم کی طرف اشارہ ہے کوئی کہتا ہے مزاج کی طرف اور کوئی کہتا ہے کہ انسان کے بعض اجزاء کی طرف اشارہ ہے جو اس کے بدن میں داخل ہیں کوئی کہتا ہے ایسی چیزوں کی طرف اشارہ ہے جو بدن کے اندر نہ داخل ہیں نہ خارج۔ پس جب ایسی چیزوں میں بھی اختلاف و پریشانی ہے جو سب سے زیادہ ہم پر روشن اور ظاہر ہیں۔ تو باقیوں کا کیا حال ہوگا۔

ترجمہ: اے نبی ﷺ انہوں نے تیرے لئے یہ بات جھگڑے کی غرض سے بیان کی ہے بلکہ وہ ایک جھگڑالو قوم ہے لیکن اللہ پاک نے جدل اور جھگڑے کو بطور مذمت

Marfat.com

بیان فرمایا ہے دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

ترجمہ: اے حبیب ﷺ! جب آپ ﷺ ان لوگوں کو دیکھیں جو ہماری بات میں مسخری کرتے ہیں تو ان سے اعراض کرنے کا حکم فرمایا۔ اور حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

ترجمہ: اللہ کی ذات میں غور مت کرو بلکہ اس کی مخلوقات میں غور کرو۔ نیز فرمایا تم کامل ترین عورتوں کا دین قبول کرو۔ جو بوڑھی ہیں نیز فرمایا جب تقدیر کا ذکر ہو رہا ہو تو سکوت کیا کرو۔ اور یہی حدیث تفسیر کبیر خزینۃ القرآن امام محمد باقر اور تفسیر نور القرآن میں ہے۔ دوسری حدیث خزینۃ القرآن میں بیان کرتے ہیں: جعفر ابن محمد باقر کی روایت سے وہ فرماتے ہیں۔ میں نے اپنے والد سے سنا وہ محمد باقر اپنے والد علی بن حسین سے علی ابن حسین حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ صحابہ کا جم غفیر تھا۔ جمعہ کا دن تھا اور آپ ﷺ جمعہ کا خطبہ فرما رہے تھے۔ آپ ﷺ کے قریب حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، و حیدرؓ تھے۔ مسجد بھری تھی۔ جلیل القدر صحابہ موجود تھے۔ سرکار نے یہ فرمایا بال و اقوام ان قوموں کا کیا حال ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کے اندر پہچاننے کا تصور قائم کرتے ہیں۔ فرمایا ایسا خیال کفر ہے۔ وہ ذات بے مثل ہے اور موجود دائمی ازلی وابدی ہے اس کی تمام صفات ازلی وابدی ودائمی ہیں۔ نہ تو اس کی ذات پاک کے اندر کوئی خیال کرو نہ ان کی صفات کے اندر نہ ان کی تقدیر کے اندر۔ ان باتوں میں سکوت اختیار کرو۔ جس نے اس بات میں دخل دیا وہ کفر پر ہے۔ وہ ذات پاک بے مثل ورئ الوریٰ ہے اپنی شان کے مطابق۔

حدیث 3:

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں جناب رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی ذات پاک اور اس کی صفات اور تقدیر پر دخل دیتا ہے تو وہ اپنے لئے کفر خریدتا ہے۔ ایسے خیالات سے بچنا چاہئے۔ فرمایا وہ ذات پاک کلمہ فَتَعَالَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ کے مطابق بلند ہے۔ انسان کو اس کی مخلوق کے اندر غور وفکر کرنا چاہئے۔ اور اللہ کی ذات پاک اس کی صفات اور اس کی تقدیر میں غور وفکر نہ کرے۔ سیدنا ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول ﷺ نے یہ حدیث صحابہؓ کے جم غفیر میں بیان فرمائی۔ نیز آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایسا ہی ایک بیان میں تمہیں جمعہ کے خطبہ میں بھی دے چکا ہوں۔ تو بس یہ دونوں حدیثیں تواتر سے ہیں۔ اور اجماع سے ان کا ثبوت یہ ہے کہ صحابہ کرام نے اس علم میں کلام نہیں فرمایا اس واسطے کہ کسی صحابی سے منقول نہیں ہے اور جب انہوں نے کلام نہیں فرمایا تو یہ لامحالہ بدعت ہوگا۔ بلکہ ان کا تو یہ حال تھا کہ جو شخص ایسے جھگڑوں میں پڑتا تھا اس کو منع کرتے تھے کہ یہ بات بالکل کفر ہے اور یکسر متوجہ ہو جاتے تھے۔ بہر حال ثابت ہوا کہ علم کلام میں مشغول ہونا بدعت ہے۔ اور ہر بدعت بالاتفاق حرام ہے اور قول سلف سے اس کا ثبوت موجود ہے۔ مالکؒ ابن انس فرماتے ہیں: اِيَّاكُمْ بِالْبِدَاعِ یعنی بدعتوں سے احتراز کرو۔ لوگوں نے ان سے دریافت کیا۔ بدعتیں کیا ہیں؟ ابو عبداللہ نے فرمایا۔ بدعتی وہ لوگ ہیں جو اللہ کے اسمائے صفات اور اس کے کلام میں گفتگو کرتے ہیں اور جس چیز میں صحابہ اور تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین نے سکوت کیا ہے اس سے وہ سکوت نہیں کرتے۔ اور سفیان بن عینیہ سے علم کلام کی نسبت دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا سنت کا اتباع کرو اور بدعت کو چھوڑ دو۔

صاحب خزینۃ القرآن نے مجموعۃ الاحادیث بحوالہ محمد باقرؒ، حضرت علیؓ درج کرتے ہیں کہ صحابہ موجود تھے کہ عمرو بن العاص بن سلام نے کہا۔ یا رسول اللہ ﷺ! علمائے یہود اللہ تعالیٰ کے اسماء اور اس کے کلام میں کلام کرتے ہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ سن لو۔ حدیث قدسی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس نے میری ذات، میری اسماء اور میرے کلام ازلی اور میرے صفات میں کلام کیا تو اس نے میرے ساتھ جھگڑا کیا اور کفر کیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء اور اس کے صفات اور اس کے کلام ازلی میں کلام کرنا صریحاً کفر ہے اور بدعت حرام ہے صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ یہی حدیث امام اعظمؒ کو میرے جد امجد جعفر صادقؒ نے سنائی۔ انہوں نے فرمایا کہ یہ حدیث میں نے اپنے والد محمد باقرؒ سے انہوں نے اپنے والد حضرت علی سے انہوں نے اپنے والد حضرت حسینؓ سے انہوں نے اپنے والد حضرت علیؓ سے اور حضرت علیؓ نے رسول اللہ ﷺ سے سنی۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی کے لئے وصیت کرے کہ میری کتابیں فلاں شخص کو دے دینا اور اس میں علم کلام کی کتابیں بھی ہوں تو یہ کتابیں اس وصیت میں داخل نہ ہوں گی اور مسئلہ شرعی یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے علماء کے لئے کچھ بیعہ کی وصیت کی تو علم کلام کا عالم اس میں داخل نہ

Marfat.com

ہوگا۔ یہاں تک جو بیان کیا تمام ان لوگوں کا بیان تھا جو نظر اور استدلال پر طعن کرتے ہیں۔ اب ہم ان کے تمام شبہات اور اعتراضات کا جواب دیتے ہیں۔ واضح ہو کہ جن شبہات کو انہوں نے ثابت کیا ہے کہ نظر اور فکر میں بندے کو اختیار نہیں ہے وہ تمام شبہات غلط ہیں اس واسطے کہ وہ خود ان شبہات کو پیدا کرتے ہیں ان کی قدرت اور اختیار کو دخل نہیں ہے۔ پس ان کا یہ کہنا کہ نظر اور فکر کا کرنا بندے کے اختیار سے باہر ہے۔ باطل ہوگا اور جن شبہات سے انہوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ نظر اور فکر پر اعتبار کرنا ایک قبیح امر ہے یہ خود ناقص ہے۔ اس واسطے کہ اس سے ان پر لازم آتا ہے کہ ان کا ان شبہات کو دور کرنا ایک قبیح امر ہے اور جن شبہات سے ثابت کیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کا حکم نہیں دیا تو یہ بھی غلط ہے۔ اس واسطے کہ ہم پہلے مکمل بیان کر چکے ہیں کہ تمام انبیاء علیہم السلام کا اپنے مخالفین کے ساتھ یہی جھگڑا رہا اور ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی حکم تھا کہ نظر اور استدلال سے مخالفین کے ساتھ پیش آیا کریں۔

مسئلہ دوئم:

عبادت کی حقیقت فقیر پہلے بیان کر چکا ہے اب ہم خلق کی حقیقت کو بیان کرتے ہیں۔ یاد رہے کہ امام فخر الدین رازی علم کلام کے مخالف ہیں۔ علم کلام وہ ہے جس میں کوئی اللہ تعالیٰ، اس کے اسماء اور صفات اور کلام ازلی میں کوئی کلام کرتا ہے۔ تو یہ بالکل کفر ہے۔ بقیہ متکلمین کے اوپر علماء کا اختلاف ہے۔ اب خلق کے بارے میں امام زہری مصنف التہذیب نے ابن البناری سے حکایت کی ہے کہ خلق کے معنی بنانے، ٹھیک کرنے اور برابر کرنے کے ہیں۔ ابن البناری کا ثبوت یہ ہے کہ فرمان الٰہی ہے کہ خالقین کے معنی بنانے والے کے ہیں۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: تم جھوٹ بناتے ہو اور ارشاد ہوا ترجمہ: ''یعنی ٹھیک کرے تو کسی سے ایک پرند'' اہل لغت کے کلام سے اس کی شہادت یہ ہے کہ جب جوتے کو سانچے میں کس کر درست اور برابر کرتے ہیں تو اس وقت کہا کرتے ہیں خلق النعل اس واسطے ان باتوں کو جن کی کوئی تصدیق نہیں ہو سکتی، عرب کے لوگ احادیث الخلق کہتے ہیں۔ قرآن پاک میں ان معنی کے اندر خلق کے لفظ کا اس آیت میں استعمال ہوا ہے اِنْ هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ یعنی کافر کہتے تھے کہ یہ تو پہلے لوگوں کی بنائی ہوئی باتیں ہیں۔ اور خلق کے معنی سزا کے بھی اس واسطے آتے ہیں کہ گویا اس میں برابری اور درستی پائی جاتی ہے۔ نشیب و فراز نہیں ہوتا۔ اس واسطے پرانے کپڑے کو خلق کہتے ہیں کہ پرانا ہو جانے اور گھس جانے سے کپڑے میں کمزوری پیدا ہو جاتی ہے۔ اور زیبائش کم ہو جاتی ہے۔ اس بیان سے واضح ہوا کہ خلق کے معنی درست، ٹھیک اور برابر کرنے کے ہیں۔ صاحب تفسیر خزینۃ القرآن نے اپنی تفسیر میں لغت بھی لکھی ہے۔ اہل لغت فرماتے ہیں کہ عربی زبان آپ کی مادری زبان تھی اس لحاظ سے انہوں نے لغت کو بھی اپنی تفسیر میں لکھا ہے اور اہل لغت نے اسے برابر کرنے کے معنی میں کہا ہے۔ امام رازی کا بھی اسی پر اتفاق ہے۔ زہری کے استاد ابو عبداللہ بصری بیان کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ پر لفظ خالق استعمال کرنا محال ہے۔ اس واسطے کہ ٹھیک۔ برابر اور درست کرنے میں فکر اور ظن پیدا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے۔ اور جمہور اہل سنت والجماعت کا مذہب یہ ہے کہ خلق کے معنی ایجاد کرنے اور پیدا کرنے کے ہیں۔ امام محمد باقرؒ نے اپنی تفسیر کی لغت میں لکھا ہے کہ خلق کے معنی ایجاد کرنے کے ہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ سب مسلمانوں کا قول یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی خالق نہیں۔ اگر خالق کے معنی یہی ہوتے جو انہوں نے بیان کئے ہیں تو اس میں ظن اور تخمین اور فکر کو دخل ہوتا تو یہ کہنا صحیح نہ ہوتا۔ صاحب تفسیر خزینۃ القرآن چونکہ لغت کے بڑے موجد اور ان کے جد اعلیٰ امام باقرؒ جو لغت کے ماہر ہیں اور تمام مفسرین نے انہیں امام مانا ہے زہری نے جو بیان کیا ہے موصوف نے اپنی تفسیر میں ابو یوسف الانصاری کے قول کو بیان کر کے کہا ہے کہ چونکہ انہوں نے خلق کے معنی بنانے اور ٹھیک ٹھیک درست کرنے کے لئے ہیں۔ اس میں موصوف ان تمام دلائل کو بیان فرماتے اور فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ساری خلقت کو پیدا کرنے والا ہے اور موجد ہے جس کے معنی ایجاد کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نطق اور فکر سے پاک ہے فرماتے ہیں اور حدیث سے ثابت ہو گیا کہ خلق کے معنی پیدا کرنے اور ایجاد کرنے کے ہیں۔ اوپر والے بیان کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ بالکل باطل ہے اور ہماری لغت عرب کے خلاف ہے اور مسلمانوں کے اقوال کے بھی خلاف ہے فرماتے ہیں میرے جد امجد محمد ابن علی ابن حسین ابن علی فرماتے ہیں۔ خلق بمعنی پیدا کرنے اور ایجاد کرنے کے ہیں اور اس کے حق میں قرآن سے کافی دلائل موجود ہیں یعنی اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ صاحب خزینۃ القرآن یہ معنی کرتے ہیں کہ اللہ ہر شئے کا موجد اور پیدا کرنے والا ہے۔ علامہ صاحب تفسیر طبری نے اپنے استاد کے معنی کو سراہا ہے اور بقیہ مفسرین نے بھی اور صاحب تفسیر نور القرآن نے بھی اور فخر الدین امام رازی نے بھی اپنی تفسیر کبیر میں انہی معنوں کو لیا ہے۔ صاحب تفسیر خزینۃ القرآن اس کا معنی کیا ہے کہ خلق کے معنی ایجاد اور پیدا کرنے کے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ اس کی دلیل قوی قرآن سے ملتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ یعنی اگر اللہ چاہے تو اس مخلوق کو ختم کر کے نئی تخلیق کو ایجاد کر کے لا سکتا ہے۔ تو یہاں قرآن سے خلق کے معنی ایجاد اور پیدا کرنے کے ثابت ہوئے۔

Marfat.com

مسئلہ سوئم:

جاننا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کرنے کے لئے حکم فرمایا ہے اور امر بالعبادت اس پر موقوف ہے۔ کہ پیشتر جناب باری تعالیٰ کا وجود ثابت ہو۔ چونکہ اللہ کا وجود بدیہی نہیں بلکہ اس میں ان کو استدلال کی ضرورت پیش آتی ہے اس لئے جناب باری تعالیٰ نے اپنے وجود مقدسہ پر دلیل قائم فرمائی۔ واضح رہے کہ امام رازی فرماتے ہیں کہ ہم نے معقول کی کتابوں میں بیان کر دیا ہے اور بندہ نے بھی اپنی کتاب شرح حمد اللہ میں بیان کیا ہے کہ اللہ کے وجود مقدسہ کو ثابت کرنے کے لئے دو چار طریقے ہیں۔ اول یہ ممکنات کی ذات کے امکان سے استدلال کرنا، (۲) صفات کے ممکن ہونے سے اس کے وجود پاک پر استدلال کرنا، (۳) اجسام کی حدوث سے استدلال کرنا، (۴) اعراض کے حدوث سے استدلال کرنا، یہ طریقہ تمام طریقوں سے آسان ہے اور مخلوق کی سمجھ میں اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ یہ دو باتوں پر منحصر ہے۔ (۱) دلائل الانفس، (۲) دلائل الآفاق اور کتب اللہ کے اندر انہی دو باتوں کا بیان ہے۔ اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے دونوں کو جمع کر کے فرمایا ہے۔ دلائل الانفس کا بیان تو اس سے یہ ہے کہ ہر شخص اس بات کو جانتا ہے کہ وہ پہلے وجود میں نہیں تھا۔ اب وجود میں آیا ہے لہٰذا اس کے لئے وجود کا ہونا ضروری ہے اور اس کا موجد ظاہر ہے کہ اس کی اپنی ذات تو ہو نہیں سکتی اور نہ ہی اس کے والدین ہو سکتے ہیں اور نہ دوسرے لوگ ہو سکتے ہیں اس لئے ایک ایسے موجود کی ضرورت ہے۔ جس کا وجود ان سب سے جداگانہ ہو۔ اس سے ان سب اشخاص کا ایجاد کرنا صحیح ہو مگر کوئی یہاں یہ کہہ سکتا ہے کہ کیوں نہیں ہو سکتا ہے عقول اور افلاک اور ستاروں کی طبیعت اس کی موجد ہو۔ چونکہ اس بات کا احتمال تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا جن سے ان اشیاء کا حادث ہونا لازم آتا ہے وہ چیزیں انسان کی ذات کے علاوہ ہیں۔ ان سے وجود پاک پر استدلال کرے اور اس کے اندر وہ تمام تغیرات داخل ہیں جو جہان کے لئے عارضی ہیں مثلاً گرج اور بجلی اور مختلف ہوائیں، مختلف فصلیں، اس کا حاصل یہ ہے کہ اجسام فلکیہ اور اجسام عنصریہ سب کے سب مجسم ہونے میں برابر ہیں۔ بعض اجسام کا بعض صفات کے ساتھ اور بعض کا بعض کے ساتھ خاص ہونا۔ مختلف مقداروں اور شکلوں کا ان کے لئے عارض ہونا اور ہر ایک کے لئے جداگانہ مکان کا خاص ہونا یہ نہیں ہو سکتا کہ جسمیت کی وجہ سے ہو۔ اور نہ ہو سکتا ہے کہ جسمیت کی وجہ سے لازم رہا ہو۔ ورنہ ضروری تھا کہ تمام اجسام ان صفات کے اندر شریک ہوتے لہٰذا ضروری ہوا کہ یہ سب کچھ ایک دوسری ذات کی طرف سے ہے جو سب سے نرالی ہو۔ وہ ذات اگر جسم ہو تو وہی گفتگو فقیر اس جسم کے اندر کرے گا یہ جسم موثر ہو اور دوسرے جسم اس سے اثر قبول کریں۔ اغراض اور مقاصد کے حادث ہونے سے صانع کے وجود پر استدلال کرنا اس وقت کافی ہوگا جب ان کے امکان سے دلیل لی جائے۔ یعنی امکان کی وجہ سے کسی موجد کے اور محتاج ہوں گے جب یہ معلوم ہو چکا واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر خاص ایسی دلیل بیان فرمائی ہے جس میں دو نکتے غور طلب ہیں:

(۱) یہ طریقہ تمام طریقوں سے اقرب اور سہل تھا۔ سب لوگ اس کو باسانی سمجھ سکتے ہیں۔ قرآن مجید میں ایسے دلائل کا ذکر کرنا ضروری تھا جو دقت سے خالی ہوں اور ہر شخص ان کو تسلیم کر چکے تاکہ سب لوگ ان سے نفع حاصل کر سکیں اور خاص و عام میں کچھ تخصیص نہ ہو لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک کے ابتداء میں اس قسم کی دلیل کو ذکر فرمایا۔

(۲) دلائل قرآنی کی حقیقت میں مجادلہ کرنا اور جھگڑا کرنا درست نہیں بلکہ کفر ہے۔ مقصود یہ ہے کہ لوگوں کو عقائد حقہ معلوم ہو جائیں اس قسم کے دلائل تمام دلیلوں میں اس بات میں قوی ہیں اس واسطے کہ ان دلائل سے جس وجود قوی کے خالق کا علم ہوتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے احکامات جو بندوں کے اوپر ہیں۔ اس سے یاد آتے ہیں۔ اس واسطے کہ جو حیات اس نے عطا فرمائی ہے۔ ایک بڑا انعام ہے جو بندوں پر کیا۔ اس نے فرمایا ہے۔ انعامات کی یاد آنے سے خواہ مخواہ انعام کرنے والے کے دل میں محبت پیدا ہوتی ہے اور دل چاہتا ہے کہ اس کے بارے میں کچھ جھگڑا اور قضیہ نہ کریں۔ اس کے سامنے گردن جھکا دیں اس کی تمام کلام ازل کو سچ سمجھیں۔ اس طرح ان دلائل کا ذکر کرنا اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام ازل میں ہی مناسب سمجھا۔ اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے باریک باریک نکتے بیان فرمائے۔ (۱) یہ نکات امام رازی نے اپنی تفسیر کبیر میں بعینہ تفسیر خزینۃ القرآن سے نقل کئے ہیں، (۱) پہلا نکتہ: صاحب خزینۃ القرآن بحوالہ امام محمد باقر امام رازی اپنی تفسیر کبیر میں نقل کرتے ہیں (فقیر کے نزدیک یہ اقوال قوی ہیں) روایت میں ہے کہ سیدنا امام جعفرؓ امام رازی اور امام جعفر صادقؒ نے بھی لکھا ہے اور موصوف صاحب تفسیر خزینۃ القرآن نے فرمایا ہے میرے جد امجد سیدنا امام جعفر صادقؒ فرماتے ہیں کہ یہ میں نے علیہ السلام کیوں کہا ہے۔ یہ پارہ نمبر ۲۲ کی چوتھی آیت میں بیان کروں گا۔ سیدنا امام جعفر صادقؒ کے سامنے ایک کافر زندیق نے اللہ تعالیٰ کے وجود مقدسہ کا انکار کیا تو آپ نے فرمایا تو کبھی کشتی پر بھی سوار ہوا ہے۔ کہا ہاں! فرمایا تو اس کی مصیبتوں کو بھی جانتا ہے؟ کہا ہاں!

Marfat.com

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ میں کشتی پر سوار تھا اور کافی سارے لوگ تھے۔ کشتی جب دریا میں چلی دریا کی فراوانی، ہوا کی لہریں اور موجوں کے تلاطم نے جب گھیرا تو کشتی بمعہ ملاح کے ڈوب گئی اور وہ تمام لوگ بمعہ ملاح غرق آب ہو گئے۔ اور ایک تختہ ٹوٹا دیکھ کر میں نے اس کا سہارا لیا اور پھر وہ تختہ بھی راستہ میں چھوٹ گیا فرمایا پھر بھی تمہیں بچنے کی امید تھی کہاں کہ شاید بچ جاؤں۔ پھر کیا ہوا؟ پھر میں بچ گیا آپ نے فرمایا وہی تو ہے جس نے تجھے بچایا۔ جب تو بے سہارا تھا۔ وہ بے دین خاموش ہو گیا۔

2- امام رازی کتاب دیانات العرب سے یہ قول نقل کرتے ہیں دیانات العرب والوں نے تفسیر خزینۃ القرآن سے صاحب خزینۃ القرآن حدیث درج کرتے ہیں حضور نے عمران بن حصین سے پوچھا کہ تمہارے کتنے معبود ہیں۔ اس نے کہا دس (10) ہیں۔ آپ نے پوچھا مصیبت میں تمہارے کام کون آتا ہے؟ اس نے کہا اللہ فرمایا اللہ تو تمہارا برحق معبود ہے وہ ایک ہے۔ پھر امام رازی وصاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ حضرت امام اعظمؒ سے دہریوں کا مناظرہ رہتا تھا۔ دہریوں کی ایک بڑی جماعت امام صاحب کے قتل کا ارادہ رکھتی تھی۔ ایک دن آپ مسجد میں تھے کہ دہریوں کی جماعت بے نیام تلواروں کے ساتھ آ گئی۔ امام صاحب نے فرمایا۔ میرا ایک سوال ہے پہلے اس کا جواب دو۔ پھر جو جی چاہے کر لینا انہوں نے کہا بتائیے۔ آپ نے فرمایا ایک آدمی کہتا ہے کہ کشتی دریا میں بغیر ملاح کے چل رہی تھی۔ موجوں کے تلاطم کی فراوانی بھی تھی اور وہ خود بخود جا رہی تھی۔ آپ نے فرمایا، کیا ایسے شخص کی بات سچی ہو سکتی ہے؟ انہوں نے کہا جھوٹ ہے آپ نے فرمایا جب ایک معمولی سی کشتی بغیر ملاح کے خود دریا میں نہیں تیر سکتی تو یہ سارا عالم خود بخود کیسے وجود میں آ گیا ہے؟ معلوم ہوا کہ اس کا کوئی صانع ہے۔ امام صاحب کی بات سن کر وہ رو دیئے اور آپ کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہو گئے۔ پھر فرماتے ہیں کہ امام شافعی سے لوگوں نے پوچھا کہ اللہ کے وجود پر کیا دلیل ہو سکتی ہے؟ فرمایا جیسے تم شہتوت کے پھل کھاتے ہو تو تمہاری طبیعت کیسی ہوتی ہے؟ انہوں نے کہا ٹھیک فرمایا جب ریشم کا کیڑا کھاتا ہے تو اس سے ریشم نکلتا ہے جب شہد کی مکھیاں کھاتی ہیں تو ان سے شہد بنتا ہے۔ جب ہرن کھاتا ہے تو اس کی کھال میں مشک بن جاتا ہے جب بکری کھاتی ہے تو مینگنی نکلتی ہے۔ امام صاحب نے فرمایا بتاؤ کہ وہ کون ہے جو ان چیزوں سے ایسی چیزیں پیدا فرماتا ہے باوجود یکہ پتے کی طبیعت ایک ہے۔ امام شافعی کی یہ بات ان لوگوں کو بہت پسند آئی اور وہ ان کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوئے۔ وہ ستر (70) آدمی تھے۔ امام صاحب سے لوگوں نے دوسری دفعہ پوچھا تو آپ نے فرمایا ایک باپ چاہتا ہے کہ لڑکا پیدا ہو لیکن لڑکی پیدا ہو جاتی ہے تو ثابت ہوا کہ پیدا کرنے والی کوئی اور ذات موجود ہے۔ (یہ قول امام باقرؒ کا ہے)۔

امام احمد بن حنبل بیان فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ کے وجود پر ایک دلیل دیکھی ہے (یہ قول امام محمد باقرؒ کا ہے) کہ ایک قلعہ ہے جو صاف اور چکنا بنا ہوا ہے۔ اس میں کوئی فرق نہیں۔ باہر چاندی کی طرح پگھلا ہوا ہے اور سونے کی مثل اس کی دیواریں ہیں تو وہ ایک جانور نکلا۔ معلوم ہوا کہ اس کا کوئی خالق اور صانع ہے۔ قلعے سے مراد انڈا ہے اور انڈے سے مرغی کا بچہ نکلا۔ امام محمد باقرؒ نے کیسی شان بیان فرمائی ہے جس کو امام احمد بن حنبل اور بقیہ تمام مفسرین نے سراہا ہے۔ ہارون الرشید نے امام مالکؒ سے اللہ تعالیٰ کے وجود پر دلیل پوچھی تو فرمایا کہ لوگوں کی آوازوں کا مختلف ہونا اللہ تعالیٰ کے وجود کی دلیل ہے۔ ابونوافض سے کسی نے اللہ کے وجود کے متعلق پوچھا تو انہوں نے تین شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے: ''زمین پر گھاس اگتی ہے جو مختلف رنگوں میں ہوتی ہے ان کی شاخیں سبز ہوتی ہیں اور سونا ظاہر ہوتا ہے'' معلوم ہوا کہ ایسی چیزیں پیدا کرنے والا اللہ ذوالجلال ہے۔ ایک طبیب سے کسی نے اللہ تعالیٰ کے وجود کے بارے میں پوچھا تو جواب دیا کہ میں ہلیلہ (ہرڑ) کے مزاج کو دیکھتا ہوں کیسا خشک ہے اور دستوں کو بند کر دیتا ہے۔ دوسرے طبیب نے کہا میں شہد کی مکھی کو دیکھتا ہوں کہ ایک جانب سے شہد نکلتا ہے اور دوسری جانب وہ کاٹتی ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن وامام رازی فرماتے ہیں کہ ہر کافر کے اعتراض پر ہر مومن اللہ تعالیٰ کو دلیل کے بغیر جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اے حبیب ﷺ کہ اگر تو ان سے پوچھے کہ زمین وآسمان کو کس نے بنایا تو کہیں گے اللہ تعالیٰ نے اور اگر ان سے کہا جائے کہ تمہیں کس نے پیدا کیا تو کہیں گے اللہ تعالیٰ نے۔ دوسرے مقام پر اللہ فرماتا ہے جب انہوں نے ہمارے عذاب کو دیکھا تو کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے جس کو ہم اللہ تعالیٰ کا شریک بناتے تھے ہم نے اس سے انکار کیا۔ مذکورہ بالا دلائل امام رازی نے تفسیر کبیر میں درج کیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا وجود بطور دلیل عقلیہ امام رازی نے جو بیان کیا ہے یہ تفسیر خزینۃ القرآن سے ماخوذ ہے۔ عقلیات پر امام رازی نے کتابیں لکھی ہیں اور صاحب خزینۃ القرآن نے بھی عقلیات پر کتاب بنام التصدیقات والتصورات لکھی۔ چوتھی تا چھٹی صدی کے تمام عقلاء اسی کتاب سے ماخوذ کرتے ہیں۔ صاحب خزینۃ القرآن نے جو کتاب عقلیات پر لکھی ہے وہ تفسیر امام محمد باقرؒ کا ماخذ ہے۔ امام رازی مصنف تفسیر کبیر نے عقلیات پر جو کتابیں لکھی ہیں وہ بھی کتاب التصدیقات التصورات سے اخذ ہیں اور امام رازی صاحب تفسیر خزینۃ القرآن کو بادشاہ مانتے ہیں بلکہ تمام عقلاء کا بھی یہی عقیدہ ہے۔ فقیر نے شرح حمد

Marfat.com

اللہ تعالیٰ میں بھی اپنے جدامجد کی کتاب التصدیقات والتصورات سے ہی ماخوذ کیا ہے۔ اللہ کے وجود پر جو دلائل بیان ہو چکے ہیں۔ ان میں سیدنا امام جعفر صادق وامام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک وامام حنبل وامام محمد باقر رحم اللہ علیھم کا موقف درج ہو چکا ہے۔ فقیر کے جدامجد نے بھی ان تمام دلائل کو اپنی تفسیر خزینۃ القرآن میں لکھا ہے اور اپنا فیصلہ بھی درج کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے وجود کے بارے میں بحث کرنا ناممکن ہے اور اللہ کا وجود موجود ہے۔ جو دائمی ازلی وابدی ہے اور مستقل ہے کتاب دیانات العرب میں اس موقف کے بارے میں جو حدیث درج ہے اسے صاحب دیانات العرب نے بھی تفسیر خزینۃ القرآن سے ماخوذ کیا ہے۔

مسئلہ چوتھا:

قاضی نے بیان کیا ہے اَلَّذِیْ خَلَقَ میں یہ نکتہ ہے کہ عبادت کا مستحق وہی ہے۔ اور جب اللہ نے عبادت کو بندوں پر لازم فرمایا تو فرمایا کہ عبادت کرنا کس لئے چاہئے؟ اگر کوئی کہے کہ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ کے کہنے میں کیا فائدہ ہے کہ پیشتر لوگوں کو پیدا کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس وجہ سے ان لوگوں پر عبادت کرنا فرض ہو جو کہ اب موجود ہیں تو فقیر دو طرح سے اس کا جواب دے سکتا ہے۔

1- اگر چہ تمہارا قول مسلم ہے مگر جس طرح سے ان کا علم تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو پیدا فرمایا ہے۔ اس واسطے اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ تعلیم بھی دی کہ جو لوگ تم سے قبل تھے ان کا پیدا کرنے والا بھی میں ہوں۔ اس واسطے کہ جس طرح کہ انہوں نے اس بات کو معلوم کیا ہے کہ ہمارا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ اس وجہ سے یہ معلوم کر سکتے ہیں کہ پہلے لوگوں کا خالق بھی وہی اللہ تعالیٰ ہے۔

2- جو لوگ ان سے قبل گزرے ان کے لئے یہ مکمل اصول تھے۔ گویا اللہ تعالیٰ ان کو یاد دلاتا ہے کہ میرا مقام تم پر ہزاروں سال پہلے ہے تم اس وقت موجود بھی نہ تھے۔ یہ گمان مت کرو کہ جب سے تم موجود ہوئے اس وقت سے تمہارے اوپر میرے احسانات ہیں۔ امام رازی نے بھی یہی قول خزینۃ القرآن سے نقل کیا ہے۔ اور زیادہ بحث فرمارہے ہیں اس امر میں انہوں نے کئی احادیث بھی نقل کی ہیں۔ حدیث ہے نبی اکرم صلعم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے خَلَقَ فرما کر اپنا خالق ہونا مخلوق کو یاد دلایا ہے اور وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ یہ ہے کہ میں جو تم سے پہلے لوگ تھے ان کا بھی خالق ہوں۔ میرے ان پر بھی اور تم پر بھی انعامات ہیں۔

مسئلہ پانچواں:

لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ میں دو بحثیں ہیں۔

بحث اوّل:

لَعَلَّ کا کلمہ عربی زبان میں تنبیہ اور ڈرانے کے لئے ہوتا ہے جس میں یقین کا درجہ نہیں ہے جس طرح کوئی کہے لَعَلَّ زَیْدٌ یُکْرِمُ شاید زید میری تعظیم کرے قرآن کریم میں لَعَلَّ کا لفظ جابجا آیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے لَعَلَّهٗ یَتَذَکَّرُ اَوْ یَخْشٰی شاید کہ وہ نصیحت پکڑے اور خوف کرے اور لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِیْبٌ یعنی شاید کہ قیامت کی گھڑی نزدیک ہو اللہ تعالیٰ تمام امور سے پاک ہے لہٰذا ضروری ہوا کہ اس کے اندر تاویل کی جائے اور ظاہری معنی کے اوپر اس لفظ کو محمول نہ کیا جائے۔ اب واضح ہوا کہ اس کی تاویل چند وجوہ کے ساتھ ہو سکتی ہے۔

وجہ اوّل:

یہ کہ اس امید اور ترجیح کے معنی بندوں کی طرف راجع ہیں نہ اللہ تعالیٰ کی طرف۔ اور لَعَلَّهٗ یَتَذَکَّرُ اَوْ یَخْشٰی کے یہ معنی ہیں کہ اے موسیٰ وہارون علیہم السلام تم دونوں فرعون سے ایمان کی برابر توقع کرتے رہو۔ باقی اصل حال اس کے کفر اور ایمان کا اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے۔

2- بادشاہوں کی عادت ہے کہ جب وہ کسی سے وعدہ کرتے ہیں تو ایسے الفاظ استعمال کرتے ہیں جو امید دلانے کے معنی میں ہوتے ہیں۔ اگر چہ ان کا مصمم ارادہ ہوتا ہے کہ وہ اس وعدہ کو پورا کریں گے۔ یا آنکھ سے اشارہ کر دیتے ہیں۔ غرض یہ کہ جو باتیں لوگوں کے لئے یقینی نہیں ہوتیں ان کا استعمال کرتے ہیں لیکن طالب کو اس کا کامل یقین ہوتا ہے کہ ہم کامیاب ہو گئے ہیں۔

Marfat.com

3- بعض نے بیان کیا ہے کہ لَعَلَّ جو قرآن کے اندر واقع ہوا ہے بمعنی کے، رکے ہیں، اور صاحب کشاف نے اس کے متعلق یوں کہاں ہے کہ لَعَلَّ بمعنی کے رکے نہیں آتے مگر لَعَلَّ کا لفظ طمع دلانے کے لئے آیا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ بندے کو کسی چیز کا طمع دلاتا ہے تو اس کا یہ طمع دلانا یقینی وعدہ ہوگا۔ اسی لئے بعض لوگ قائل ہیں کہ کلام الٰہی میں لَعَلَّ کا لفظ ''تاکہ'' کے معنی میں آتا ہے۔

4- اللہ تعالیٰ نے بندوں سے وہ کلام فرمایا ہے کہ اگر دوسرا شخص ایسا کرے تو مقصد حاصل ہونے کی امید ہوتی ہے۔ اس واسطے کہ جب اللہ نے بھلائی اور برائی کے اوپر قدرت عطا فرمائی اور ان کو عقل عنایت فرمائی جس سے کاموں کی طرف رہبری ہوتی ہے۔ اس کے مطابق فرمایا۔ جب کوئی شخص کسی کے ساتھ ایسا کرتا ہے تو اس کرنے والے سے اس طالب کو اپنے مطلوب کے حاصل ہونے کی قوی امید ہو جاتی ہے۔

5- قفال سے بیان کیا ہے۔ لَعَلَّ دراصل تکرار سے ماخذ ہے عرب کے لوگ اس لفظ سے تکرار کرتے ہیں۔ لَعَلَّ عطا کرنے کے بعد معنی کے لئے دوبارہ مقرر ہوتا ہے۔ اور اس کے اندر جو لام ہے وہ تاکید کا لام ہے جس طرح لقد وغیرہ میں ہے۔ صاحب تفسیر خزینۃ القرآن نے اس پر دلائل دیئے ہیں وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ لَعَلَّ کا لفظ قرآن میں امید اور تاکید کے لئے ہے۔ اللہ اپنے بندوں کو عطا فرماتا ہے تو یہ لَعَلَّ امیدوار رجا کے لئے آتا ہے۔

بحث دوم:

کوئی شخص اگر کہے کہ عبادت تو خود تقویٰ ہے اور خوف کھانے کا نام ہے۔

1- ہم تسلیم کرتے ہیں کہ عبادت تقویٰ کا نام ہے بلکہ عبادت ایسا فعل ہے کہ اس سے تقویٰ حاصل ہوتا ہے اس واسطے کہ تقویٰ دراصل ان چیزوں سے بچنے کا نام ہے جو انسان کے حق میں مضر ہیں اور عبادت ان افعال کے کرنے کا نام ہے جن کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔

2- اللہ نے اپنے بندوں کو اس لئے پیدا کیا کہ وہ اس کی عبادت کریں چنانچہ ارشاد ہوا وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ یعنی نہیں پیدا کیا جنوں اور انسانوں کو مگر اس لئے کہ وہ میری عبادت کریں۔ گویا اللہ نے اپنی عبادت کا حکم دیا ہے جس نے ان کو اس مقصود کے لئے پیدا فرمایا۔

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''لوگو! اللہ کی عبادت کرو کہ اس نے جنوں اور انسانوں کو اپنی عبادت کے لئے پیدا فرمایا ہے۔ عبادت سے تمہیں تقویٰ حاصل ہوگا۔ اللہ سے تم کو ڈر ہوگا عبادت و تقویٰ کے لئے اصل یہ ہے کہ جس نے تقویٰ اختیار کرنا ہو وہ اللہ کی اطاعت کرے اور اللہ سے ڈرے۔ مذکورہ حدیث سے مذکورہ قول کی تصدیق ہوگئی۔

مسئلہ ششم:

ابوعمرو نے خَلَقَكُمْ کو ادغام کے ساتھ پڑھا ہے اور زید بن علی بن حسین ابن علی نے وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ پڑھا ہے۔ اور ابو سیف نے خَلَقَكُمْ مِنْ قَبْلِكُمْ پڑھا ہے۔ صاحب کشاف لکھتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ موصول دوم کو موصول اوّل اور اس کے صلہ کے اندر داخل کیا ہے۔ اس سے تاکید مطلوب ہے۔ صاحب تفسیر خزینۃ القرآن نے فرمایا ہے کہ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ جناب رسول ﷺ نے اسی طرح پڑھا ہے۔ اور ہم بھی ایسے ہی پڑھیں گے۔

مسئلہ اوّل:

اَلَّذِیْ کا لفظ موصول اور صلہ سے مل کر محل نَصَب میں ہے۔ اور اَلَّذِیْ خَلَقَكُمْ کا وصف واقع ہوا ہے یا مدح اور تعظیم کے طور پر واقع ہونے کی وجہ سے اس کو نصب ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کو مبتدا ہونے کی وجہ سے بھی مدح پائی جائے گی۔ جس طرح نصب کے اندر پائی جاتی ہے۔

مسئلہ دوم:

اَلَّذِیْ کا لفظ اس لئے آتا ہے کہ جب کسی مفرد کی ایک قضیہ کے ساتھ تعریف کرنی مقصود ہوتی ہے تو اَلَّذِیْ سے اشارہ کر کے اس کی تعریف کرتے ہیں۔ جس طرح کوئی کہے ذَهَبَ الرَّجُلُ الَّذِیْ ابوہ منطلق یعنی جس شخص کا باپ چلنے والا ہے وہ شخص چلا گیا۔ پس اس کلام کے اندر ابوہ، منطلق ایک قضیہ معلوم ہوتا ہے جب کہنے والے کو رَجُل کا بتلانا اور اس کا معین کرنا مقصود ہوا تو اس پر اَلَّذِیْ کو داخل کرنے سے یہ بات حاصل ہوگئی اور علم نحو کا یہ قول ہے اَلَّذِیْ اس لئے

Marfat.com

آتا ہے کہ اس سے مفرد کا وصف جملہ کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ یہ بات ثابت ہوگئی ہے۔

مسئلہ سوئم:

اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر پانچ قسم کے دلائل بیان فرمائے ہیں۔ جن میں سے دو دلیلیں ایسی ہیں جو خود ان کی ذاتوں کے اندر موجود ہیں اور تین ایسی ہیں جو دوسرے موجودات سے حاصل ہوتی ہیں۔ ان میں اولاً یہ دلیل بیان فرمائی۔ الذی خلقکم اس کے بعد اس کے ماں باپ کے پیدا کرنے کا ذکر فرمایا۔ یعنی وَالَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ کے اندر تیسری دلیل یہ ہے کہ زمین کو بستر پیدا کیا۔ چوتھی دلیل یہ کہ آسمان کو چھت بنایا، پانچویں دلیل میں ان امور کا بیان فرمایا جو زمین و آسمان کے مجموعہ سے پیدا ہوتے ہیں۔

ترتیب کے ساتھ بیان کرنے کے کئی اسباب ہیں:

1- انسان کے لئے سب چیزوں سے زیادہ قریب اس کی اپنی ذات ہے۔ جس طرح انسان کو اپنے حالات کا صاف صاف علم ہوتا ہے اتنا دوسرے لوگوں کے حالات کا علم نہیں ہوتا اور چونکہ استدلال کا مقصود یہی ہے کہ انسان کو عقائد حقہ کا علم حاصل ہو۔ پس جس قدر دلالت کے اندر وضاحت ہوگی۔ اسی قدر افادہ زیادہ ہوگا۔ اس وجہ سے جناب باری تعالیٰ نے سب سے پہلے انسان کا ذکر فرمایا۔ اس کے بعد اس کے ماں باپ کا۔ تیسری بار زمین کا اور پھر آسمان کا کہ آسمان کو زمین سے قریبی نسبت ہے اور آسمان کا ذکر زمین سے بعد کیا کہ زمین کا علم انسان کو زیادہ ہوتا ہے اور آسمان کا نہیں ہوتا۔ آسمان کے بعد پھلوں اور پانی کا ذکر فرمایا کہ پھل اور درخت ایسی چیز ہیں کہ زمین و آسمان دونوں کے اکٹھے ہونے سے پیدا ہوتے ہیں۔ ہر چیز کا اثر بعد میں ہوتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے پہلے زمین کا ذکر کیا پھر آسمان کا پھر پانی کا کہ پانی سے پھل پیدا ہوتے ہیں۔

2- اللہ تعالیٰ نے انسان کو حیات بخشی پھر قدرت دی پھر انعامات عطا فرمائے۔ اور انسان کے اصل حاصل وہی ذات ہے وہ نعمت حیات خواہش کے بعد ہوتی ہے۔ لہٰذا یہی مناسب تھا کہ پہلے اصل کو ذکر کیا جائے۔ اس کے بعد فروع کو۔

3- زمین و آسمان میں اللہ تعالیٰ کے وجود کے جو دلائل پائے جاتے ہیں وہ انسان کے اندر موجود ہیں۔ جو دلائل زمین و آسمان میں ہیں وہ بھی انسان کے اندر موجود ہیں۔ انسان کے اندر خواہشات، قدرت اور عقل موجود ہے۔ یہ زمین کے اندر نہیں۔ یہ ایسے دلائل ہیں جو ذات باری کے سوا کسی میں نہیں۔ انسان کے اندر اللہ تعالیٰ کے وجود کے دلائل مکمل طور پر پائے جاتے ہیں۔ وہ ذات رب العالمین انسان کے وجود کی رگ جاں سے زیادہ قریب ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا جلوہ انسان کے اندر ہے۔ انسان چلتا پھرتا ہے تو یہ اسی کا جلوہ ہے۔ یہ ساری کائنات اسی کا ظہور ہے اور اسی کے جلوے سے جگمگا رہی ہے جس طرح ان تینوں چیزوں کو بیان کرنا ضروری تھا۔ فقیر اب دیکھتا ہے کہ ان کا بیان کرنا مناسب ہوگا کہ ان تینوں سے ہمیں کیا حاصل ہوتا ہے۔

مسئلہ چہارم:

واضح ہو کہ اس مقام پر فرمان الٰہی ہے کہ "زمین کو ہم نے تمہارے لئے بستر بنایا ہے" ایک اور مقام پر فرمایا کہ ہم نے ہر حال میں تمہارے لئے زمین کو قرار بنایا۔ وہ کون ہے جس نے زمین کو بنایا پھر فرمایا کہ زمین کو تمہارے لئے بستر بنایا۔ واضح رہے کہ زمین کو بستر بنانے کی کیا وجہ ہے زمین ساکن کیونکہ بغیر اس کے وہ فرش نہیں ہوسکتی اور اگر ساکن نہ ہو، متحرک ہو تو اس کی حرکت دو حال سے خالی نہ ہوگی۔ حرکت مستقیم ہوگی یا متدیرہ ہوگی۔ یا ادھر ادھر کو حرکت کرے گی یا اپنی جگہ پر گھومتی رہے گی۔ اور اگر اس کی حرکت استقامہ کے ساتھ ہو تو اس کا فرش ہونا محال ہے۔ اگر ایک شخص کسی بلند مقام سے گرا تو اس کی حرکت نیچے کو آئے گی۔ ظاہر ہے زمین کا وزن انسان سے بھاری ہے۔ یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ دو چیزوں میں ایک وزنی ہوگی تو جس کا وزن زیادہ ہوا اور تیز ہو تو سست چیز کو اس کا پکڑنا محال ہے۔ پس اگر زمین کی حرکت مستقیم ہوتی تو انسان کو دنے کے وقت کبھی نہ گرتا۔ اگر زمین کی حرکت ایسی ہوتی تو اس کا فرش ہونا محال تھا۔ اگرچہ یہ احتمال باقی رہا کہ حرکت متدیرہ ہو تو یہ بھی باطل ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو ہم کو زمین سے کامل فائدہ نہ ہوتا۔ مثلاً زمین کی حرکت اگر مشرق کو ہوتی اور مغرب سے انسان چلنے کا ارادہ کرتا وہ اس کی حالت کو کبھی نہ پہنچ سکتا۔ زمین کی حرکت انسان

Marfat.com

سے زیادہ تیز ہے۔ اگر تیز نہ ہوتی تو انسان اپنے مقصود کو نہ پہنچ پاتا۔ پس ثابت ہوا کہ زمین میں حرکت نہیں ہے نہ حرکت مستقیم نہ حرکت متدیرہ۔ جب حرکت نہ ہوگی تو وہ لامحالہ ساکن ہوگی۔ لوگوں کا اس امر میں اختلاف ہے کہ یہ ساکن ہے اس میں ان کے چند اقوال ہیں:

1- زمین ایک غیر متناہی چیز ہے پھر وہ حرکت کر کے کس جگہ گرے گی۔ اس لئے اس کا حرکت کرنا محال ہے۔ یہ قول غلط ہے کیونکہ دلیل قائم ہو چکی ہے کہ کوئی بھی جسم غیر متناہی نہیں ہوتا۔

2- جو لوگ تسلیم کرتے ہیں کہ سب جسم متناہی ہوتے ہیں اور زمین کروی نہیں بلکہ کرہ کا نصف ہوتی ہے جس کا اٹھا ہوا حصہ نیچے کی جانب اور ہموار حصہ اوپر کی جانب پانی اور ہوا کے اوپر رکھا ہے۔ سب بھاروں کا قاعدہ ہے کہ ان کی سطح پانی پر پڑ جائے تو اس پر تیرتا رہتا ہے جس طرح شیشہ حالانکہ شیشہ وزنی ہے لیکن اسے پتلا کر کے پانی کی سطح پر چھوڑا جائے تو اس پر تیرتا رہتا ہے۔ جب اس کو جمع کیا جائے تو پھر وہ پانی میں ڈوب جائے گا۔ یہ قول بھی باطل ہے جو فقیر کو زمین کے ساکن رہنے پر کلام تھا۔ وہی کلام ہم ہوا اور پانی کے لئے کریں گے۔ اس کی کیا وجہ ہے کہ زمین کی ایک جانب چوڑی رہے اور ایک جانب اٹھی ہوئی ہو۔

3- بعض لوگ زمین کے ساکن ہونے کا سبب یہ بیان کرتے ہیں کہ آسمان زمین کو جذب کرتا ہے یہ کشش ہر اطراف سے پھیلی ہوئی ہے۔ زمین کسی طرف کو نہیں جا سکتی۔ ایک وجہ قائم رہتی ہے۔ یہ قول بھی باطل ہے اس وجہ سے آسمان تیزی سے زمین کو جذب کر سکتا ہے اس لئے وہ زمین کے ایک ذرہ کو بھی جذب کر سکتا ہے حالانکہ دیکھتے ہیں کہ آسمان زمین کے ایک ذرہ کو بھی اپنی طرف جذب نہیں کر سکتا کیونکہ زمین سے بہت چھوٹا ہے اور ہلکا ہے۔

(ii) نسبت بعید سے قریب کی کشش زیادہ ہوتی ہے۔ پس اگر ایک ذرہ زمین کی طرف پھینکا جائے تو اس کو فوراً جذب ہوگا وہ ذرہ زمین کی طرف واپس نہ لوٹے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ زمین کو آسمان تمام جانب سے یک دم جذب کرتا رہتا ہے۔ ایک تھوڑی سی مٹی ایک گڑھے میں پھینکی جائے۔ اگر اسے تیزی سے حرکت دی جائے اور وہ اس میں ٹھہر جائے وہ کرہ تمام اطراف سے اس کو یک دم کرے گا۔ یہ قول بھی پانچ وجوہ سے باطل ہے:

1- جب آسمان کو زمین کے دفع کرنے کا یہ حال ہے تو کیا وجہ ہے کہ ہم کو اس کے دفع کرنے کا حال معلوم نہیں ہوتا۔

2- یہ کس قسم کی وجہ ہے کہ زمین تو رکی ہوئی ہے اور دُب اکبر آسمان سے زمین کی نسبت ہلکے ہوتے ہیں ان کی حرکت صرف ایک وجہ کو کیوں نہیں دفع کرتی۔

3- اس کی کیا وجہ ہے کہ مدافعت کی وجہ سے مغرب کی طرف حرکت آسان ہوگئی اور مشرق کی طرف کیوں مشکل ہوئی۔

4- یہ بات ضروری ہے کہ جو چیز جس قدر زیادہ جسیم ہوگی اسی قدر اس کی حرکت کمزور ہوگی۔ اس واسطے کہ دفع کرنے والا تیزی سے چھوٹے جسم کو حرکت دے سکتا ہے اور بڑے کو اتنی تیزی سے نہیں دے سکتا۔

5- یہ بات ضروری ہے کہ وزنی جسم جس قدر دور ہوگا اسی قدر تیزی سے حرکت کرے گا۔ اور جس قدر نزدیک ہوگا سستی ہوگی۔

6- بعض لوگ سکون کی وجہ یہ کہتے ہیں کہ زمین کی طبیعت خود اس بات کو پسند کرتی ہے کہ آسمان کے وسط میں رہے۔

7- ابو ہاشم نے اس کے سکون کا یہ سبب بیان کیا ہے کہ زمین کے نچلے حصے میں ایسے ستون موجود ہیں جو اسے نیچے نہیں گرنے دیتے۔ اور اوپر کے حصے میں ایسے سخت ستون لگے ہوتے ہیں جو اس کو اوپر نہیں جانے دیتے۔ یہ ستون ایک دوسرے کی مدافعت کرتے ہیں۔ اس وجہ سے زمین کو حرکت نہیں ہوتی۔ اس پر بھی اعتراض ہے کہ اس کو ایک صفت کے ساتھ مخصوص ہونا اور دوسرے کا دوسری صفت کے ساتھ اس کی کیا وجہ ہے۔ بغیر فاعل مختار نہیں ہو سکتا۔ پس ثابت ہوا کہ زمین کا سکون اللہ کی طرف سے ہے۔ یہ دلائل صاحب تفسیر کبیر نے بیان کئے ہیں۔ ان میں سے کچھ دلائل انہوں نے تفسیر خزینۃ القرآن سے اخذ کئے ہیں۔ اس میں صاحب تفسیر خزینۃ القرآن درج فرماتے ہیں۔ بحوالہ امام محمد باقرؒ لکھتے ہیں کہ میرے جد امجد حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ صحابہ کا جم غفیر تھا تو ہم سب نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا زمین متدیرہ ہے یا مستقیم ہے۔ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ زمین کو حرکت نہیں ہے اس کا سکون اللہ نے اپنے ذمہ میں لیا ہوا ہے۔ یعنی حرکت نہ کرنے کا۔ خواجہ حسن بصریؒ کی روایت میں بھی ہے۔

امام جعفر صادقؒ فرماتے ہیں کہ اگر زمین حرکت کرنے لگ جائے تو دنیا کا نظام درہم برہم ہو جائے۔ اس قول کے پیش نظر ایک اور حدیث ہے۔ حضرت حسن بن علیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوبکرؓ سے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کا سکون اپنے ذمہ لیا ہے۔ موجودہ سائنس دان اس کشمکش میں

Marfat.com

بتلا ہیں۔ کچھ کا خیال ہے کہ زمین حرکت کرتی ہے۔ بغیر حرکت کے زمین کا ہونا مشکل ہے۔ لیکن اکثر سائنسدانوں کا خیال یہی ہے کہ زمین حرکت کرتی رہی ہے اس کی وجہ یوں سمجھئے کہ گرمی کے موسم میں زمین کی اندرونی گرمی نکلتی ہے۔ جب وہ گرمی ظاہر ہوتی ہے تو سائنس دانوں کو یوں گمان ہوتا ہے کہ زمین حرکت کرتی ہے اور سردیوں کے موسم میں وہ گرمی زمین کے اندرون چلی جاتی ہے تو اس سے حرارت پیدا ہوتی ہے تو وہ اس حرارت سے سمجھتے ہیں کہ زمین حرکت کر رہی ہے اس کی مثال حدیث سے بھی واضح ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن بحوالہ امام محمد باقرؒ حضرت انسؓ کی اسناد سے حدیث درج کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ گرمیوں میں گرمی کے وقت زمین کے اندرون سے گرمی باہر کی طرف خارج ہوتی ہے لیکن اس سے معلوم ہوا کہ زمین کے اندر سردی و گرمی موجود ہے جو وقتاً فوقتاً تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ لہٰذا اگر زمین ابذات خود حرکت کرے تو پھر اس میں کافی دشواریاں پیدا ہو جائیں گی۔ کیونکہ اس کی ذاتی حرکت سے کئی حرکات نکل سکتی ہیں۔ اس وجہ سے زمین کا سکون قائم ہے اور زمین ساکن ہے۔ سائنس دان اگر اوائل گرما تجربہ کریں تو انہیں حدیث کی یہ بات ثابت اور واضح ہو جائے گی۔ کیونکہ اس وقت گرمی کا اخراج ہو رہا ہوتا ہے۔ اور اس وقت اس بات کا فوراً پتہ چل سکتا ہے۔ ایک اور دلیل یہ بھی ہے کہ اگر زمین کی حرکت کو مان لیا جائے تو پھر زمین کے ایک جگہ سے دوسری جگہ پر تبدیل ہونا لازم آئے گا جیسا کہ ایک بالشت زمین دوسری بالشت زمین کی جگہ چلی جائے اور دوسری بالشت تیسری کی جگہ پر تو یہ حرکت ہوگی۔ لیکن ایسا ہونا محال ہے قدرت نے زمین کو ساکن کر دیا ہے اور اس کا سکون وزنی ہے۔ اگر سکون کو وزنی نہ مانا جائے تو پھر بہت سی کمزوریاں پائی جا سکتی ہیں۔ زمین کے اوپر جتنی مخلوق ہے زمین کا وزن ان سب سے بھاری ہے۔ اگر زمین حرکت کرے تو نظام میں تبدیلی لازم آئے گی پھر اس کا وزن بھی ہلکا ہوگا۔ حرکت تو تب ہو جب زمین کے اندر کوئی کمزوری پائی جائے لہٰذا وزن کے اعتبار سے زمین بھاری ہے۔ اس لئے ساکن ہے پس زمین کے ساکن ہونے پر فقیر کافی بحث کر چکا ہے ہمیں سائنس دانوں کے گمان پر یقین نہیں کرنا چاہئے کہ یہ بات حدیث کے خلاف جاتی ہے۔ اب دیکھو اللہ نے زمین کو کس طرح ساکن پیدا کیا۔ زمین کے نیچے کوئی ستون نہیں ہے کوئی خلا نہیں ہے اس سے معلوم ہوا کہ زمین کو ایک ایسے صانع اور قادر و مختار کی ضرورت ہے جو اسے روکے رکھے لہٰذا فرمان الٰہی ہے: ''آسمانوں کو اور زمین کو گرنے سے کون روک رہا ہے؟ اگر وہ دونوں گر جائیں تو اس کے بعد ان دونوں کو کون روکے گا؟

شرط دوم:

کچھ سائنس دانوں کا خیال ہے کہ زمین سیارہ ہے۔ لیکن یہ خیال باطل ہے کیونکہ سیاروں سے روشنی ظاہر ہوتی ہے اور سیارے مدت میں ظاہر ہوتے ہیں۔ سیارے مرتے بھی ہیں اور زندہ بھی ہوتے ہیں جو سائنس دان یہ کہتے ہیں کہ زمین متحرک ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حرکت کرنے والی چیز (زمین) دوسری چیز کو سکون نہیں پہنچا سکتی۔ کیونکہ سکون کے معنی رکھنے کے ہیں۔ جب زمین خود حرکت میں ہوگی تو اس کا نظام کیسے باسکون ہوگا۔ کچھ یہ کہتے ہیں کہ زمین گیند کی مانند ہے یہ بھی بالاجماع باطل ہے گیند کی طرح ہو تو اس کو پتھر کی طرح ہونا چاہئے تھا لیکن ایسا نہیں ہے زمین ہمارے لئے سکون ہے سکون قرار کو ہی کہتے ہیں لہٰذا اللہ فرماتا ہے ''اللہ وہی تو ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو جائے قرار بنایا'' لہٰذا زمین قرار ہے۔ لہٰذا ساکن ہے۔ اب زمین سے آسمان بڑا ہے یا چھوٹا تو اس کا جواب۔

جواب: یہ ہے کہ سائنس دان کہتے ہیں کہ آسمان زمین سے چھوٹا ہے بلکہ وہ تو آسمان کے قائل ہی نہیں۔ آسمان کا وجود سائنس کے لحاظ سے بھی ثابت ہے۔ جب سائنس دان یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہمارا سیارہ چاند میں پہنچ چکا ہے تو چاند کا وجود وہ تسلیم کرتے ہیں حالانکہ چاند بہ نسبت زمین کے کثیف ہے اور زمین لطیف ہے لہٰذا درمیان میں جو راستہ ہے وہ لطیف ہے اس کی مدت پورے پانچ سو سال طے کرنے کی ہے جب پانچ سو سال کی مدت گزر جائے گی تو ایک آسمان کا راستہ طے ہوگا۔ سائنس کے لحاظ سے آسمان اس طرح مانا جاتا ہے کہ راستہ میں گرد و غبار ہے اور گرد و غبار سے چٹان محسوس ہوتی ہے تو آسمان مانند لطیف ہے اس کا رنگ دیکھنے میں نیلا ہے ہمیں نیلا نظر آتا ہے۔ جواب یہ ہے کہ زمین و آسمان کی وسعت برابر ہے کیونکہ جہاں تک زمین کی حدود ہیں وہاں تک آسمان کا حلقہ ہے۔ قرآن سے بھی یہی بات ثابت ہے۔

سوال: سائنس دان کہتے ہیں کہ زمین پہاڑوں سے ایجاد ہوئی ہے۔ پہاڑ پگھلے ہیں ان کے پگھلنے سے چٹان بنی ہے۔ یہ چٹان زمین کہلاتی ہے۔ یہ نظریہ بھی باطل ہے کیونکہ پہاڑ بغیر کسی ستون کے کھڑے نہیں رہ سکتے کیونکہ پہاڑوں کے لئے زمین سکون ہے۔ یوں سمجھئے کہ زمین فرع ہے یا کل ہے تو ماننا پڑے گا کہ پہاڑ جو ہیں یہ زمین

Marfat.com

کے اجزاء ہیں لہٰذا جزو پہلے ہوگا تو اجزا ہوں گے جزوں کا ہونا شرط ہے لہٰذا زمین پہاڑوں سے پہلے ہے۔ زمین پہلے ایجاد ہوئی اور پہاڑ بعد میں کیونکہ پہاڑوں کے لئے زمین جائے قرار ہے اس لحاظ سے زمین ساکن ہے۔ زمین کے اندر بہت سے خزانے پوشیدہ ہیں جن سے انسانی ضروریات پوری ہوسکتی ہیں۔ آج سے دوسو سال پہلے کے سائنس دانوں کا نظریہ اور تھا۔ جدید علوم کی بدولت بہت ترقی ہوئی ہے۔ زمین سے کافی معدنیات نکالی گئی ہیں اس لئے فقیر کے جدامجد صاحب خزینۃ القرآن آج سے بارہ سو سال قبل اپنی تفسیر میں یہ لکھ چکے ہیں کہ میرے خیال میں زمین کے اندر اتنے خزانے مدفون ہیں کہ جن سے سارا عالم بھوک وافلاس سے نجات پاسکتا ہے اور اس میں بہت بڑے بڑے ذرائع ہیں۔ فرماتے ہیں کہ جدید دور کے لوگ ان سے فائدہ اٹھائیں گے تو ان کی یہ بات ثابت ہورہی ہے۔ لوگ زمین سے بڑے بڑے ذرائع نکال رہے ہیں۔ ٹیکنالوجی کا بڑا زور ہے ہتھیاروں کی بڑی لہر ہے۔ فقیر یہ کہتا ہے کہ پاکستان کا خطہ اتنا عجیب ہے کہ اس کی زمین میں عجیب وغریب معدنیات اور اعلیٰ قسم کے ہتھیار تیار ہوسکتے ہیں جو شاید ہی کسی کے پاس ہوں۔ کیونکہ پاکستان کی زمین عمدہ معیار کی ہے۔ اس کے پاس بہترین بندرگاہ ہے۔ لیکن یہ ہتھیار انسانی جانوں کے لئے انتہائی مہلک ہیں۔ سائنس صرف اسی چیز کا نام نہیں کہ اس سے ہتھیار بنائے جائیں کیونکہ سائنس تو عقل کا نام ہے اور عقل انسان کی حفاظت کرتی ہے نہ کہ ہلاکت۔

سائنس دانوں کا تو یہ دعویٰ ہے کہ وہ اپنے جدید علوم کی مدد سے یہ معلوم کرلیتے ہیں کہ ماں کے پیٹ میں لڑکا ہے یا لڑکی؟ کیا یہ بات صداقت پر مبنی ہے؟

جواب: کچھ علماء نے اس کے برعکس کہا ہے وہ قرآن کی اس آیت کو لیتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے: ''بے شک اللہ تعالیٰ کے پاس ہے علم قیامت کا اور بارش کا نازل ہونا ماں کے رحم میں ہے جو کچھ ہے وہی جانتا ہے۔'' اس آیت کریمہ سے سائنس دانوں کے اس دعویٰ کی نفی ہوتی ہے لیکن سائنس دانوں نے اپنے تجربہ کے طور پر اس بات کا مشاہدہ کرلیا ہے تو پھر قرآنی آیت کا کیا جواب ہوگا۔ اس آیت کا جواب ایک دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ پارہ ۲۷ میں فرماتا ہے: ''جب تم عورت کے رحم میں منی ڈالتے ہو تو وہ نطفہ پانی کا قرار پاتا ہے اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ تین ماہ تک چار ماہ تک وہ پانی کا ہی بلبلا رہتا ہے اس وقت تک کوئی یہ اندازہ نہیں لگا سکتا کہ بچہ ہے یا بچی۔ جب پانچویں ماہ سے اوپر ہوتو پھر حمل ظاہر ہوجاتا ہے اور جب ظاہر ہوجائے تو اس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اس طرح سائنس دانوں کی بات درست ہے۔ یہ تو سائنس دان ہیں لیکن فقیر کہتا ہے کہ جو بزرگ کامل ہیں وہ اپنی روحانیت سے بھی یہ اندازہ لگا سکتے ہیں دیکھئے سائنس دانوں نے دعویٰ کیا ہے کہ ہم چاند تک پہنچ گئے ہیں۔ اس کے بارے میں کیا جواب ہے۔ پہلے لکھ چکا ہوں کہ زمین سے پہلے آسمان تک پانچ سو سال کا راستہ ہے۔ اور چاند پانچویں آسمان پر ہے اور چاند کی روشنی سورج سے ہے اور سورج زمین وآسمان سے بڑا ہے اور سورج کی روشنی سارے عالم پر حاوی ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ یہ ساتویں آسمان پر ہے حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سورج ساتویں آسمان پر ہے اور چاند کو پانچویں پر سمجھو لہٰذا جب سورج چلتا ہے زمین پر آتے ہوئے اس کی فراوانی لوگ بھی برداشت کرلیتے ہیں اور کھیتوں کو بھی فائدہ ہوتا ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن یہاں ایک بات فرماتے ہیں کہ اگر سورج کا عکس قائم کیا جائے تو سارے عالم کو رات کو بھی روشنی مہیا ہوسکتی ہے۔ انہوں نے یہ بات آج سے بارہ سو سال پہلے فرمائی۔ جو سائنس دان آج کل شمسی توانائی کے گھمنڈ میں لگے ہوئے ہیں۔ لیکن چاند پر سورج کی اتنی گرمی ہے کہ چاند بھی جل کر راکھ ہوسکتا ہے۔ لیکن جو سورج آسمان پر طلوع ہوتا ہے تو اس کی گرمی میں زمین تک آتے آتے نرمی آجاتی ہے پس جتنا اوپر کو جاؤ گے سورج کی گرمی بڑھتی جائے گی۔ لیکن صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ روحانی طاقت سے یہ گرمی قبضے میں آسکتی ہے جس سے انسان رات کو بھی اپنی روشنی کی ضرورت پوری کرسکتا ہے فرماتے ہیں کہ کوئی دور آئے گا جو روحانیت کا دور ہوگا تو یہ سلسلہ قائم ہوگا۔ لیکن جدید علم کوشش کررہا ہے ہوسکتا ہے کہ کامیاب ہوجائے کیونکہ اللہ نے زمین وآسمان کو انسان کے تابع کردیا ہے چاند پر پہنچنے کے لئے چاند اور پہلے آسمان سے قبل ایک چٹان ہے جہاں چاند کی روشنی پڑتی رہتی ہے۔ وہ چٹان چاند کے اتنی قریب ہے اور اتنی روشن ہے ایسے لگتا ہے کہ وہی چاند ہے لیکن چاند پر ہر وقت سورج کی روشنی پڑتی ہے اس وجہ سے وہاں اتنی گرمی ہوگی کہ وہاں رکنا دشوار ہے۔ اور یہاں تک سائنسی آلات کا لانا دشوار ہے اگر سائنس دانوں کا دعویٰ سچا ہے تو چاند کے اندر کی جو خاک وہ لائے ہیں وہ اتنی روشن ہونی چاہئے جو پورے عالم کو بقعۂ نور بنادے۔ کیونکہ چاند کا معمولی سا عکس جب دنیا پر پڑتا ہے تو سارا عالم روشن ہوجاتا ہے پھر چاند کی مٹی جو چاند کا ایک جزو ہوگی وہ کتنی روشن ہوگی۔ بلکہ وہ ہاتھ بھی روشنی دے گا اور اس کے عکس سے وہ جسم بھی لطف اور روشن ہوجائے گا۔ پس جو سائنس دان چاند سے ہو آئے ہیں وہ اپنے میں یہ خوبی دکھائیں جو محال ہے البتہ اس چٹان تک پہنچے ہوں گے جس کی مثال پہلے دی گئی ہے یہ بات مانی جاسکتی ہے کیونکہ سائنس نے بہت ترقی کرلی ہے دیکھئے روحانیت کی ترقی زیادہ ہے یا سائنس کی۔ روحانیت کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے اور سائنس کا عقل سے تو فقیر تو یہ کہے گا کہ انہوں نے سائنس کو قرآن سے ثابت کیا ہے نبی پاک ﷺ کو معراج ہوا تو سائنس دانوں نے واقعہ معراج سے استنباط کرکے چاند تک پہنچے

Marfat.com

کا دعویٰ کر دیا جسے آج کی دنیا نے مان لیا اور کہتے ہیں کہ سائنس دانوں کے سامنے یہ ناممکن نہیں جب کہ حضور انور ﷺ کی ذات سدرۃ المنتہیٰ سے آگے پہنچی لیکن یہی لوگ اس میں کیڑے نکالتے ہیں کش مکش کرتے ہیں اور سچ ماننے سے کتراتے ہیں حالانکہ لے جانے والی اللہ کی ذات ہے اور سائنس کا دعویٰ درست مانتے ہیں جب سیارہ چاند پر پہنچا ہے تو کہتے ہیں زمین پر بیٹھے ہوئے کنٹرولر نے چاند پر اترنے والے سیارے کی اس آہٹ کو بھی سنا جو اس کے چاند سے ٹکراتے یا اترتے وقت ہوئی۔ لیکن یہاں بھی قدرت کی طاقت کا مظہر ہے معراج کو اللہ نے اپنے بندہ کو سیر کرائی بمعہ ان کے جسم اطہر کے اور یہ اللہ کی طاقت ہے۔ اب دیکھئے کہ سائنس دان جو چاند پر اترنے کا دعویٰ کر رہے ہیں وہ ممکن ہے کیونکہ انسان خود بھی ممکنات سے ہے۔ لیکن اگر کل کوئی یہ کہے کہ سائنس دان سورج کو بھی پار کر گئے ہیں تو کیا بات مانی جاسکتی ہے؟

جواب: سورج تو سورج چاند تک بھی ان کا پہنچنا ممکن نہیں کیونکہ تین چیزیں ہیں۔ ایک واجب الوجود، (۲) ممتنع الوجود، (۳) ممکن الوجود، (۱) واجب الوجود تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، (۲) ممتنع الوجود اختتام ہے جسے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا، (۳) ممکن الوجود یہ کائنات اور اس کی ہر شئے ہے۔ صاحب معراج ﷺ ممکن الوجود سے بھی پار تشریف لے گئے۔ کیونکہ عالم کے تین درجے ہیں: (۱) عالم شہادت، (۲) عالم غائب، (۳) عالم غائب الغائب۔ پہلے سات آسمان عالم شہادت کہلاتے ہیں۔ پھر سدرۃ المنتہیٰ تک عالم غائب ہے۔ یہاں تک ممکنات ہے اس کے آگے غائب الغائب ہے جو جلال ربانی ہے تو ایسا الٹا سوال اس بات کا چاند تک پہنچنا یہ روحانی لوگوں کا کام ہے انشاء اللہ روحانی دور آئے گا جو سائنس سے زیادہ تیز ہوگا۔ یہ بات تمام کتابوں میں مسلمہ درج ہے کہ حضرت سلیمان کے ایک غلام نے چھبیس سو (۲۶۰۰) میل کا فاصلہ آنکھ جھپکنے سے پہلے طے کیا اور بلقیس کا تخت سلیمان کے قدموں میں لا رکھا۔ حالانکہ ہوا بھی اتنی جلدی نہ پہنچ سکتی۔ اور مرد کامل میں جو قدرت ہے سائنس دانوں کا ادراک وہاں تک کام نہیں کر سکتا۔ پس ایک دور آئے گا کہ روحانیت مادہ پرستوں کی طاقت کو ختم کر دے گی اور ان کا نام و نشان نہ رہے گا۔ دیکھئے روس اور امریکہ بڑی دھمکیاں دے رہے ہیں کہ ان کے پاس جدید ٹیکنالوجی اور ایٹم بم وغیرہ لاتعداد زہریلے ہتھیار ہیں لیکن روحانیت کے مقابلہ میں ان کی حیثیت ایک بوند پانی کی سمندر سے نسبت ہے۔ یا یوں سمجھئے کہ جیسی مثال قرآن میں سلیمانؑ کے غلام کی ہے یعنی قرآنی عمل سے عمل کرنے والا اور روحانیت سے تعلق رکھنے والا سارے عالم کو اپنے زیر فرمان کر سکتا ہے حالانکہ قرآن نے ہمیں اس قسم کی کافی مثالیں فراہم کی ہیں۔ تو بات ہو رہی تھی زمین کی، زمین کے فرش ہونے میں اس بات کی ضرورت ہے کہ وہ نہایت سخت چیز ہو نہ جیسے پتھر، اس لئے کہ اتنی سخت چیز پر تو اٹھنا بیٹھنا اور چلنا پھرنا تکلیف دہ ہوگا اور کھیتی کا ہونا بھی مشکل ہے کیونکہ اس کا کھودنا دشوار ہوگا اور مکانات نہ بنائے جاسکیں گے اور اگر نہایت درجہ نرم ہوتی جیسے پانی تو اس پر ثبات دشوار ہوتا تو اس پر بنی آدم کے قدم کھڑے نہ ہو پاتے۔

شرط سوم:

یہ کہ غایت درجہ لطیف اور شفاف نہ ہو کہ اگر شفاف ہوتی تو اس پر سورج چاند اور ستاروں کا نور قائم نہ رہتا اور اس کے اندر گرمی نہ پیدا ہو سکتی۔ اس وجہ سے وہ ہمیشہ سرد رہتی۔ اس وجہ سے اس کے اندر جو گرمی پیدا ہوتی ہے کہ وہ تمام حیوانات کے لئے فرش ہو سکے۔

شرط چہارم:

یہ کہ پانی سے باہر نکلی رہے اس لئے کہ زمین کی طبیعت کا تقاضا ہے کہ وہ پانی میں ڈوبی رہے اس لئے لازم ہوا کہ چاروں طرف پانی (سمندر) اس کے محیط ہوں جب اس کا تقاضا یہ تھا تو ہمارے لئے اس کا فرش ہونا مشکل تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کی طبیعت کو بدل کر پانی کے اوپر کھلا رکھا جس طرح جزیرہ ہوتا ہے تب وہ ہمارے لئے فرش بنی۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ زمین کا تقاضا فرش اس لئے ہے کہ وہ کروی نہ ہو اس آیت سے انہوں نے استدلال کیا ہے کہ زمین کی شکل کروی نہیں ہے۔ مگر یہ قول بعید ہے اس لئے کہ جب کوئی کرہ بہت بڑا ہو تو اس کا ایک ایک ٹکڑا برابر کے حکم میں ہوتا ہے اس کے اوپر قیام اور ثبات برابر ہو سکتا ہے اس کا ثبوت پورے طور پر ہو سکتا ہے کہ پہاڑ باوجود یہ کہ زمین کی میخیں ہیں مگر ان پر قیام ہو سکتا ہے پس زمین کے اوپر ثبات بطریق اولیٰ ممکن ہوگا۔

مسئلہ پانچواں:

زمین کے منافع اور اس کی صفات کے بیان میں:

Marfat.com

نفع پہلا:

زمین کے اندر اللہ نے عجیب طرح کی کانیں، نباتات، حیوانات سفلیہ اور علویہ پیدا فرمائے جن کی تفصیل پیدا کرنے والا خود ہی جانتا ہے۔

نفع دوسرا:

زمین تر ہو کر اس قابل بن جاتی ہے کہ مرکبات کی ترکیب اس سے ہو جاتی ہے۔

نفع تیسرا:

اللہ تعالیٰ نے زمین کے حصوں کو باہم مخلوط پیدا کیا ہے کہیں نرم کہیں سخت کہیں ریتلی اور کہیں چکنی۔ کہیں پیداوار بہت ہوتی ہے کہیں نہیں ہوتی۔ چنانچہ ارشاد ہوا وَفِی الْاَرْضِ قِطَعٌ مُتَجَاوِرٰتٌ یعنی زمین میں قریب قریب حصے ہیں۔ جو حصہ اچھا ہوتا ہے وہاں کی گھاس اچھی ہوتی ہے جو اچھا نہیں وہاں ناقص پیداوار ہوتی ہے۔

نفع چوتھا:

اللہ نے زمین کے مختلف رنگ بنائے ہیں کہیں سرخ کہیں سفید کہیں سیاہ وغیرہ ارشاد ربانی ہے: ''اور پہاڑوں میں گھاٹیاں ہیں کہیں سرخ کہیں سفید اور کہیں کالی۔''

نفع پانچواں:

سبزی نکلنے سے زمین پھٹ جاتی ہے اور سبزی آسانی سے نکل آتی ہے۔

نفع چھٹا:

زمین کے اوپر آسمان ہے جو مینہ کا پانی برساتا ہے وہ اسے محفوظ رکھتی ہے اسے ضائع نہیں ہونے دیتی۔

چنانچہ ارشاد ہوا: ''پس ہم نے اتارا آسمان سے پانی اندازے کے ساتھ پھر اسے زمین میں ٹھہرایا اور ہم اس کے لے جانے پر بھی قادر ہیں'' دوسری جگہ فرمایا: ''اے حبیب پاک ﷺ! کہہ دیجئے کہ تمہارا پانی خشک ہو جائے تو تمہیں بہتا ہوا پانی کون لا کر دیتا ہے۔''

نفع ساتواں:

زمین میں اللہ تعالیٰ نے بہت سے چشمے اور نہریں جاری فرمائیں۔ ارشاد ہوا ''بنائیں اس کے اندر پہاڑوں کی میخیں اور نہریں۔''

نفع آٹھواں:

قسم قسم کے معادن اور دھاتیں زمین کے اندر پیدا فرمائیں چنانچہ ارشاد ہوا کہ ''ہم نے زمین کو پھیلایا اس کے اندر میخیں ڈالیں اور ہر قسم کی موزوں چیزیں اگائیں۔ پھر فرمایا کوئی چیز ایسی نہیں جس کے خزانے ہمارے پاس نہ ہوں اور ہم ایک مقررہ اندازے کے مطابق اسے اتارتے ہیں۔''

نفع نواں:

اللہ تعالیٰ نے زمین میں یہ خوبی رکھی کہ جو دانہ اس کے اندر چھپا دیا جائے ایک عرصہ کے بعد اسے ظاہر کر دیتی ہے چنانچہ ارشاد ہوا: ''بے شک اللہ تعالیٰ پھاڑنے والا ہے دانے کا اور گٹھلی کا۔ دوسری جگہ فرمایا بے شک وہ نکالتا ہے زمین اور آسمان کی پوشیدگی کو''۔ پھر اللہ نے زمین میں سخاوت اور کرم کی صفت پیدا فرمائی ہے۔ اگر ایک دانہ اسے دیا جائے تو سات سو دانہ دیتی ہے چنانچہ ارشاد ہوا: ''مثال اس دانہ کی کہ نکالتا ہے ایک دانہ سے سات بالی اور ہر بالی سے سات سو دانہ۔''

نفع دسواں:

یہ کہ زمین بالکل مردہ ہو جاتی ہے پھر اس کے بعد زندہ ہوتی ہے۔ چنانچہ فرمایا: ''کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ ہم خشک زمین کی طرف پانی چلاتے ہیں پھر

Marfat.com

اس سے کھیتی نکالتے ہیں'' دوسرے مقام پر ہے: ''ایک اوران کے لئے نشانی ہے زمین مردہ کی ہم نے اسے زندہ کیا اور نکالا اس سے دانہ پھر یہ اسے کھاتے ہیں۔''

نفع گیارہواں:

زمین کے اندر طرح طرح کے حیوانات اور رنگ برنگی مخلوقات پیدا فرمائی ارشاد ہوا: ''آسمان کو بغیر ستون کے پیدا فرمایا جسے تم دیکھتے ہو اور زمین میں میخیں ڈال دیں کہ کہیں تم کو لے کر جھک نہ جائے اور ہر ایک چارپایہ اس میں چھوڑ دیا۔

نفع بارہواں:

زمین کے اندر نباتات اگائے جو جدا جدا رنگ کے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ: اگایا ہم نے زمین میں جوڑا جوڑا نر و مادہ، ان نباتات کا رنگ علیحدہ ہے جو اس کی وحدانیت پر دلالت کرتا ہے ان کا ذائقہ الگ ہے اور ان کی خوشبو الگ۔ بعض نباتات انسان کی غذا ہیں اور بعض حیوانات کی چنانچہ ارشاد ہوا کہ ''تم خود بھی کھاؤ اور اپنے چارپایوں کو بھی کھلاؤ بعض کھانا بن جاتے ہیں اور بعض سالن، بعض دوا اور بعض میوہ جات اور ایک ایک چیز کی قسمیں مختلف پیدا کیں کوئی ترش اور کوئی میٹھی پھر ارشاد ہوا کہ مقرر کیں ان کی غذائیں اس کے اندر چار دن میں۔'' سوال کرنے والوں کے لئے علاوہ بریں بعض نباتات ایسی ہیں کہ بنی آدم کا لباس بنتا ہے جیسے روئی، اون، ریشم وغیرہ۔ حیوانات کو بھی اس نے زمین کے اندر چھوڑا ہے پس انسان کا ٹھہرنا کھانا پینا زمین میں سے ہے۔ پھر ارشاد ہوا ''ہم نے ان چیزوں کو پیدا فرمایا جنہیں تم نہیں جانتے اور اس کے اندر بہت سے منافع ہیں'' جب آدمی مر جاتا ہے تو اسے زمین میں دفن کر دیتے ہیں زمین اس کی اچھائی اور برائی کو ڈھانپ لیتی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا: ''کیا نہیں بنائی زمین ہم نے زندوں کو اور مردوں کو سمیٹنے والی'' پھر فرمایا: ''تم کو پیدا کیا ہم نے مٹی سے۔ پھر واپس اسی میں لے جائیں گے'' اور اسی سے تم کو دوسری مرتبہ نکالیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کے تمام منافع جات کو اکٹھا کر کے فرمایا: ''اور تابع کر دیا ہے تمہارے جو کچھ زمین میں ہے اور آسمان میں ہے۔''

منافع تیرہواں:

زمین میں رنگا رنگ کے پتھر پیدا کیے۔ بعض پتھر زینت کے کام آئے ہیں لوگ ان سے نگینے بناتے ہیں اور بعض عمارات میں استعمال ہوتے ہیں۔ بعض قسم کے پتھروں سے آگ نکلتی ہے اور بعض قسم کے پتھر نہایت قیمتی ہیں مثلاً یاقوت، ہیرا وغیرہ، یہ اس کی عجیب قدرت ہے کہ جن پتھروں میں لوگوں کے لئے نفع ہے انہیں کثرت سے پیدا فرمایا اور قیمت کم ہے اور جن میں نفع کم ہے انہیں قلت میں پیدا کیا اور ان کی قیمت زیادہ ہے۔

منافع چودھواں:

زمین کے اندر اللہ تعالیٰ نے بہترین کانیں پیدا کیں سونے اور چاندی کی اور انسان کو شعور اور طاقت دی کہ وہ بڑے بڑے کام کر لیتا ہے۔ پانی سے مچھلی اور ہوا سے جانوروں کو زمین پر گرا لیتا ہے۔

منافع پندرہواں:

زمین میں اللہ تعالیٰ نے کثرت سے درخت پیدا فرمائے جن سے لوگ مکان بناتے اور آگ جلاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں ان سب کی نہایت عمدگی سے وضاحت فرما دی ہے۔ اور ارشاد فرمایا ''وہی تو ہے جس نے زمین کو تمہارے لئے فرش بنایا اور اس میں میخیں اور نہریں بنائیں اور تمام چیزوں کے جوڑے بنائے۔ بعض نہریں بہت بڑی ہیں جیسے نیل، سب نہروں کا پانی میٹھا اور پینے کے قابل ہے۔ کھیتی باڑی تمام کام اس سے نکلتے ہیں۔

مسئلہ چھٹا:

اس امر کے بیان میں کہ زمین افضل ہے یا آسمان! بعض کہتے ہیں کہ آسمان کو زمین پر فضیلت ہے بعض وجوہ کے ساتھ مثلاً:

1: آسمان فرشتوں کی عبادت گاہ ہے۔ وہاں ایک بالشت جگہ بھی ایسی نہیں جہاں فرشتے عبادت نہ کر رہے ہوں۔

Marfat.com

2- امام رازی فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام سے جب خطا ہوئی اور جنت سے نکالا گیا تو اللہ نے فرمایا کہ جو قصور وار ہو وہ ہمارے جوار میں نہیں رہ سکتا۔ رازی تو آدم علیہ السلام کا قصور بیان کرتے ہیں۔ آئندہ اوراق میں انبیاء کے معصوم ہونے کا بیان آئے گا۔

3- فرمان الٰہی ہے کہ ''ہم نے آسمان کو محفوظ چھت بنایا۔ نیز فرمایا کہ ہم نے آسمان میں برج بنائے۔''

4- قرآن پاک میں اکثر مقامات پر آسمان کا ذکر زمین سے مقدم فرمایا۔ لیکن بعض لوگوں کے نزدیک: مین کی فضیلت زیادہ ہے بعض وجوہ کے ساتھ:

1- زمین کا ذکر کلام اللہ تعالیٰ میں جہاں بھی فرمایا۔ برکت کے ساتھ فرمایا۔ چنانچہ ارشاد ہوا: ''بے شک پہلا گھر مکہ شریف میں ہے۔ لوگوں کے لئے برکت والا ہے ہدایت والا ہے اہل جہان کے لئے نیز مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) کو برکت والی مسجد فرمایا: اور اللہ تعالیٰ نے تمام زمین کو برکت والی فرمایا۔ اگر کوئی اعتراض کرے کہ جنگل وصحرا میں کیا برکتیں ہیں وہاں تو زہریلے اور موذی جانور ہیں تو جواب یہ ہے کہ جنگلات میں جانور چرتے ہیں اور وہ چراگاہ ہیں اور ضرورت کے تحت لوگ بھی وہاں رہتے ہیں۔ دوسری جگہ فرمایا: زمین میں یقین کرنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔ ایسی کہ جو لوگ یقین نہیں رکھتے ان کے لئے بھی لیکن ان کو نفع نہیں دیتیں۔ البتہ آخرت پر یقین رکھنے والوں کے لئے نشانیاں ہونا بیان فرمایا۔ تاکہ ان لوگوں کا شرف معلوم ہو سکے۔ بڑے بڑے پیغمبر مرسل زمین پر پیدا فرمائے چنانچہ ارشاد ہوا۔ آیت مذکورہ بالا یہ ہے: ''ہم نے تمہیں زمین سے پیدا کیا پھر اسی میں واپس لے جائیں گے۔ اور اسی سے نکالیں گے آسمان سے کچھ نہیں پیدا فرمایا۔ آسمان کو صرف مخصوص چھت بنایا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک ﷺ کو زمین پر پیدا فرما کر اسے یہ شرف بخشا کہ ساری زمین مسجد یعنی سجدہ گاہ بنادی اور اس زمین کی مٹی سے جہاں چاہیں تیمم کرلیں اور جو ارشاد ہوا: وَالسَّمَآءَ بَنَاءً اس میں چند مسائل ہیں۔ مسائل بیان کرنے سے قبل زمین کے بارے میں چند احادیث اوپر والے تمام فضائل صاحب خزینۃ القرآن نے لکھے ہیں جنہیں امام رازی نے بھی نقل فرمایا ہے۔ بعینہٖ عبارت خزینۃ القرآن کی ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن بحوالہ امام محمد باقر وابی بن کعب حسن بن علیؓ اور سدی حدیث درج کرتے ہیں حضرت عبداللہ ابن مسعود کی اسناد سے کہ صحابہ کرام کا جم غفیر تھا۔ ہم سب نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ۔ کیا زمین افضل ہے یا آسمان؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ نے زمین کو بابرکت فرمایا ہے کہ اللہ کا گھر اسی میں ہے اور مسجد اقصیٰ اسی میں ہے اللہ نے اس کو مبارک فرمایا ہے۔ مخلوق کی تخلیق اسی سے ہے۔ اولوالعزم انبیاء علیہم السلام کو زمین پر مبعوث فرمایا اور مجھے زمین پر مبعوث فرمایا اور اللہ زمین کی قسم کھاتا ہے۔ اللہ نے قرآن میں آسمان کی قسم نہیں اٹھائی۔ اس زمین کو میری امت کے لئے مسجد بنایا کہ ہم جہاں بھی چاہیں نماز پڑھ لیں۔ اور حدیث حضرت علیؓ کی اسناد سے۔ حضرت علیؓ لکھتے ہیں کہ ابو بکرؓ نے حضور ﷺ سے پوچھا یا رسول اللہ زمین افضل ہے یا آسمان، آپ ﷺ نے فرمایا: ''زمین کرامت والی ہے اللہ نے اس پر کرامت والی مخلوق کو بھیجا۔ انبیاء علیہ السلام بھی اسی پر آئے، میری بعثت بھی اور میری بعثت کی وجہ سے زمین کو آسمان پر شرف ہے جابر بن سمرہ کی اسناد سے بھی درج کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ زمین کو اللہ تعالیٰ نے بابرکت فرمایا ہے برگزیدہ انبیاء علیہم السلام اسی پر آئے ہیں ان کے روضے بھی اسی پر ہیں اور ہمارے لئے خوراک لباس بھی اسی سے پیدا فرمائے۔ اور اس طرح کی بہت سی احادیث رقم فرمائی ہیں۔

اب آسمان کے بارے میں مسائل:

پہلا مسئلہ:

اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان دونوں کا قرآن مجید میں بکثرت ذکر فرمایا ہے دونوں عظیم الشان ہیں اس میں کوئی شک نہیں اور جو ارشاد ہے کہ دونوں میں قدرت کے ایسے راز پوشیدہ ہیں جو انسانی فہم وادراک سے بعید ہیں کثرت کے ساتھ ہیں۔

مسئلہ دوم: فضائل آسمان:

1- اللہ تعالیٰ نے آسمان کو سات چیزوں سے زینت بخشی ہے:

(i) ستاروں سے: جو مثل چراغ کے ہیں۔ فرمان الٰہی ہے: بلاشبہ ہم نے آسمان کو دنیا کے لئے ستاروں کے ساتھ زینت بخشی ہے۔

(ii) چاند سے: ارشاد ہوا، ہم نے چاند سے اسے روشن فرمایا: جو چمکتا ہوا چراغ ہے تیسرے آفتاب کے ساتھ چوتھے عرش کے ساتھ پانچویں کرسی کے ساتھ چھٹے

Marfat.com

لوح محفوظ کے ساتھ ۔ بنایا ہے قلم کے ساتھ ۔ یہ سات چیزیں ہیں تین ظاہر ہیں اور چار آنکھ سے پوشیدہ۔

-2 اللہ تعالیٰ نے آسمان کو کئی نام بخشے جن سے اس کی عظمت ظاہر ہوتی ہے۔ کہیں سَمَا فرمایا کہیں سَقْفًا محفوظًا کہیں سبع سمٰوٰت طباقًا کہیں سبعًا شِداَدًا پھر آسمان کا جو انجام ہونے والا ہے اس کے اندر اس کا بیان فرمایا۔ اس کی ابتدائی حالت دو آیات میں بیان فرمائی۔ '' پھر برابر کیا آسمان کو اور ایک دھواں ہے کہ نہیں دیکھا بے شک زمین اور آسمان تک ارتقاء اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو بڑی حکمتوں کے لئے پیدا فرمایا چنانچہ ارشاد ہوا: ہم نے زمین و آسمان کو پیدا کیا اور جو کچھ اس کے درمیان ہے وہ باطل نہیں ہے جیسا کہ کافروں کا گمان ہے۔

-3 اللہ تعالیٰ نے آسمان کو دعا کا قبلہ بنایا کہ جب انسان دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتا ہے تو منہ آسمان کی طرف کرتا ہے۔ اللہ نے آسمان کو تمام گناہوں اور ناپاکیوں سے پاک رکھا کہ کسی قسم کا خلل و فساد وہاں واقع نہیں ہے۔

-4 بعض لوگ کہتے ہیں کہ زمین کا حال اور ہے اور آسمان کا اور کہ آسمان غیر مؤثر ہے کسی کا اثر قبول نہیں کرتا بلکہ اپنا اثر ڈالتا ہے جبکہ زمین خود اثر نہیں کرتی اور دوسروں کا اثر قبول کر لیتی ہے اور اثر کرنے والے سے اثر قبول کرنے والی چیز اشرف ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کے ذکر سے آسمان کا ذکر مقدم رکھا اور اکثر جگہ پر زمین پر غلاظت ہے۔ مکر و فریب اور جھوٹ بھی ہے۔ آسمان ان چیزوں سے پاک ہے آسمان کو جو عرش سے نسبت ہے اور عرش اللہ تعالیٰ کا تخت ہے۔ اسے لوح محفوظ سے نسبت ہے اور لوح محفوظ قرآن مجید کا گھر ہے۔ لوح محفوظ سے قرآن پہلے آسمان پر نازل ہوا تو آسمان کو قرآن نے پہلے شرف بخشا پھر قرآن کریم نبی کریم علیہ السلام پر اترا اور نبی ﷺ کو مبارک بنا دیا۔ حضور ﷺ قرآن کی وجہ سے ہی مبارک ہیں اور جس قرآن نے آپ ﷺ کو مبارک بنایا وہ قرآن پہلے آسمان پر اترا اور پھر زمین پر۔ پس زمین کو جو شرف ہوا وہ آسمان کی وجہ سے ہے کیونکہ قرآن آسمان سے نازل ہوا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے آسمان کو زمین پر شرف بخشا ہے۔ آسمان کو دو عظیم ترین مقامات سے نسبت ہے یعنی عرش اور لوح محفوظ سے۔ لوح محفوظ دار القرآن ہے۔ لوح محفوظ کو جو شرف ہے قرآن مجید کی وجہ سے ہے لہٰذا قرآن کے دلائل سے آسمان زمین سے افضل ہے۔ بحث ہو رہی تھی کہ آسمان افضل ہے یا زمین تو اس سلسلہ میں صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ سات چیزیں ایسی ہیں جن سے آسمان منسلک ہے یعنی عرش، کرسی، لوح محفوظ، قلم وغیرہ۔ تو اگر کوئی یہ کہے کہ نبی کریم ﷺ کی ذات زمین پر موجود ہے۔ اس لئے زمین افضل ہے تو اس میں شک نہیں کہ حضور ﷺ کی ذات مبارک ہے لیکن آسمان وہ ہے جس کا تعلق عرش سے ہے اور لوح محفوظ وہ ہے جس پر قرآن ہے اور قرآن پہلے آسمان پر اترا پھر زمین پر اترا۔ لوح محفوظ دار القرآن ہے لوح محفوظ کو جو شرف حاصل ہے قرآن کی وجہ سے ہے۔

آسمان کو جمع اور زمین کو بطور واحد ذکر فرمایا اس واسطے کہ آسمانوں کی کثرت کی ضرورت تھی بخلاف زمین کے کہ وہ اثر قبول کرتی ہے اور قبول کرنے کے لئے کثرت کی ضرورت نہیں ہے۔

-5 غور کرو کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان کا رنگ کیسا بنایا۔ اس میں حکمتیں ہیں۔ اور بڑی حکمت یہ کہ دنیا کے تمام رنگوں کی نسبت نیلا رنگ نگاہ کے لئے موافق ہے۔ اس سے نظر میں قوت بڑھتی ہے اسی لئے جس کی آنکھیں خراب ہوں ڈاکٹر اسے مشورہ دیتا ہے کہ نیلے رنگ کی طرف دیکھا کرے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اسے گول شکل میں بنایا۔ ارشاد ہے: کیا انہوں نے آسمان کو نہیں دیکھا کہ کیسا بنایا اور اسے آرائش دی اور اس میں شگاف نہیں۔ اگر آسمان چاروں طرف سے زمین کو گھیرے نہ ہوتا تو یہ بات نہ پیدا ہوتی۔ بلکہ اس میں شگاف پائے جاتے۔ یہ تمام دلائل صاحب خزینۃ القرآن بحوالہ امام محمد باقر و دیگر مفسرین درج فرماتے ہیں کہ حدیث شریف میں ہے کہ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلعم آپ ﷺ نے جو فرمایا ہے کہ آسمان کو سات چیزوں سے شرف ہے عرش سے، کرسی سے اور لوح محفوظ وغیرہ سے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ زمین بھی عظیم الشان ہے اور آسمان بھی ان سات چیزوں کی وجہ سے افضل ہے کہ اس میں کوئی برا کام نہیں ہوتا اور نہ ہی اس میں کچھ غلاظت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا آسمان افضل ہے کہ اس کو سات چیزوں سے نسبت ہے۔ چاند سے ستاروں سے سورج سے، کرسی سے، قلم سے اور لوح محفوظ سے۔ صاحب خزینۃ القرآن لکھتے ہیں کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ آسمان سے زمین افضل ہے۔ کیونکہ لوح و قلم اور عرش سے نبی کریم صلعم کی ذات افضل ہے اس لئے زمین کو آسمان پر فضیلت ہے لیکن یہ دونوں ہی عظیم الشان ہیں۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ

Marfat.com

آسمان افضل ہے اسی وجہ سے کہ حضور نے فرمایا ہے کہ آسمان سات چیزوں کے ساتھ منسلک ہے۔

مسئلہ سوئم:

آسمان کی فضیلت میں اور جو چیزیں اس میں ہیں ان کی فضیلت کے بیان میں: شمس وقمر اور سیارے، پہلے فقیر شمس کا حال بیان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شمس کے طلوع وغروب میں کیا کیا حکمتیں رکھی ہیں۔ اگر شمس طلوع نہ ہوتو نظام کائنات میں خطرہ ہوگا اور ہمارا معاشی نظام درہم برہم ہو جائے گا اسی طرح غروب میں بھی حکمت ہے کہ اگر سورج غروب نہ ہوتا تو لوگوں کا سکون ختم ہو جاتا یہ اس لئے غروب ہوتا ہے کہ لوگ کھائیں پئیں اور آرام کریں کیونکہ کھانے کے بعد آرام ہاضمہ کے لئے مفید ہے نیز اللہ نے فرمایا کہ ہم نے تمہارے لئے رات کو سکون بنایا ہے اور دن کو تمہارے لئے دیکھنا۔ علاوہ ازیں اگر غروب نہ ہوتا تو لوگ کاروبار کی حرص میں لگے رہتے اور کاروبار میں مصروف رہ کر تھکن سے ہلاک ہو جاتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ رات کو تمہارے لئے پردہ بنایا اور دن کو کاروبار کے لئے صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ غروب میں بڑی حکمت یہ ہے کہ اگر سورج غروب نہ ہوتا تو زمین اتنی گرم ہو جاتی کہ سب ذی روح ہلاک ہو جاتے فرمان الٰہی ہے کہ اے حبیب ﷺ کیا آپ ﷺ نے نہیں دیکھا کہ آسمان کو سایہ بنایا اگر وہ چاہتا تو اسے ساکن کر دیتا لیکن اللہ تعالیٰ کی حکمت ایسی ہے کہ آفتاب ایک وقت نکلے اور ایک وقت غروب رہے۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ چراغ کو ضرورت کے وقت روشن کر دیا جاتا ہے اور جب آرام کا وقت ہوتا ہے تو چراغ کو بجھا دیتے ہیں۔ پس اندھیرا اور اجالا دونوں مل کر سارے عالم کے لئے مفید ہیں۔ نہ محض اندھیرا کام دے سکتا ہے اور نہ محض اجالا۔ جہاں تک طلوع وغروب کا مقصد تھا وہ لکھا گیا اب آفتاب کے ارتقا وانحطاط پر غور کرتے ہیں۔ تو اس میں یہ حکمت ہے کہ اگر یہ بات نہ ہوتی تو چاروں خلعتیں پیدا نہ ہوتیں یعنی موسم۔

1- سرما: سردیوں میں حرارت درختوں کے اندر بند ہو جاتی ہے اور اس سے پھلوں کا مادہ پیدا ہوتا ہے۔ پھر ہوا لطیف ہو جاتی ہے۔ بارش ہوتی ہے اور حیوانات کے بدن میں طاقت آتی ہے۔ طبیعتوں میں حرکت پیدا ہوتی ہے اور مادہ جو سردیوں میں پیدا ہوا تھا اب ظاہر ہو جاتا ہے۔

2- بہار: بوٹیاں، پھول اور پھل پیدا ہونے لگتے ہیں۔ حیوانات کے اندر قوت پیدا ہوتی ہے۔

3- گرما: ہوا گرم ہو جاتی ہے اور اس کی گرمی سے پھلوں میں پختگی آتی ہے وہ طبیعت کے اندر تحلیل پیدا کرتے ہیں زمین اس قدر خشک ہو جاتی ہیں کہ زمین پر مکانات وغیرہ بنائے جاتے ہیں۔

4- خزاں: میں اس قابل ہو جاتے ہیں کہ سرما کے اثر کو قبول کر لیتے ہیں۔ اگر اچانک گرمی کی حالت میں سردی کی طرف منتقل ہو جاتے تو حیوانات اور درخت برداشت نہ کرتے اور ہلاک ہو جاتے۔ اب آفتاب کی حرکت پر غور کریں کہ اس میں کیا حکمتیں ہیں۔ اگر آفتاب ایک ہی جگہ ساکن رہتا تو جو جگہ آفتاب کے مقابل ہوتی وہ زیادہ گرم رہتی۔ اور باقی تمام مقامات پر سردی رہتی کیونکہ سورج کی گرمی ایک ہی جگہ زمین قبول نہیں کر سکتی۔ اللہ نے اسے عجیب حالت میں حرکت دے رکھی ہے۔ شروع دن میں جب آفتاب طلوع ہوتا ہے تو مغرب کی جانب سے جو زمین اس کے مقابلہ میں آتی ہے اس کی روشنی واضح ہو جاتی ہے اور بڑھتے بڑھتے تمام زمین پر اس کی روشنی پھیل جاتی ہے غروب آفتاب تک یہی حال رہتا ہے۔ جس وقت آفتاب غروب ہونے کے مقام پر پہنچتا ہے تو مشرق کی طرف سے اس کی روشنی واقع ہو جاتی ہے اس طرح کوئی ایسی جگہ نہیں بچتی جہاں آفتاب کا اثر اور اس کی روشنی واقع نہ ہو۔ غرض یہ کہ تمام زمین کے اطراف ہر روز اس روشنی سے اپنا اپنا حصہ لیتے ہیں اللہ تعالیٰ بندے سے مخاطب ہو کر فرماتا ہے کہ اگر تو مشرق کی جانب کھڑا ہوتا اور کسی دولت مند کے مکان کو حاصل کرنے کی کوشش کرتا تو سورج کی روشنی سے محروم رہتا۔ مگر میں آفتاب اور آسمان کو اس طرح گردش میں رکھتا ہوں جس طرح دولت مند دولت کو حاصل کرنے کے لئے ایک جانب ہوتا ہے۔ اگر وہ دولت کی دھن میں ہر وقت رہتا تو سورج کی روشنی سے محروم رہتا۔ ستاروں کی حرکت شمالاً جنوباً دائیں بائیں نہ ہوتی تو وہ حرکت مخصوص ہو جاتی اور باقی تمام اطراف ان منافع جات سے خالی رہ جاتے اور ان تمام حصوں کی حالت ایک جیسی ہوتی۔ اور ان مقامات کی کیفیت دو حال سے خالی نہ ہوتی۔ اگر گرم ہوتی تو اس میں رطوبت نہ ہوتی اور تاریکی پھیلی رہتی اور نباتات وغیرہ وہاں پیدا نہ ہوتے۔ جو مقامات ستاروں کی سیدھ میں پیدا ہوتے ان کی ایک خاص کیفیت ہوتی اور جو سیدھ پر نہ ہوتے ان کی کیفیت جدا ہوتی اور درمیان میں جو مقام ہوتا اس کی کیفیت جداگانہ ہوتی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ایک

Marfat.com

مقام پر ہوا اور سردی رہتی تو دوسری جانب گرمی ہوتی اور گرم حرارت رہتی دوسرے مقامات پر یا فصل ربیع یا فصل خریف رہتی۔ وہاں نفع اور پھلوں کی پختگی نہ ہوتی اور اگر پیا پے اس قسم کے دورے نہ کرتے تو دور زمانہ میں ایک ہی دور واقع ہوتا۔ میلان کا ہونا نہ ہونا برابر ہوتا اور کواکب کی تاثیر فرداً فرداً ہوتی۔ جس طرح میلان نہ ہونے کی صورت میں عدم میلان رہتا۔ اگر حالت موجودہ سے کواکب کی حرکت زیادہ تیز ہوتی تو بھی یہی ہوتا۔ جو منافع ان سے حاصل ہوتے ہیں وہ کامل نہ ہوتے اور جب ایک مقررہ حالت پر ان کا میلان پایا جاتا یعنی ایک جہت میں ایک مدت تک ان کا مقابلہ رہتا۔ پھر ایک جہت سے دوسری جہت تک بقدر ضرورت معاملہ رہتا۔ علیٰ ہذا القیاس۔ ایک مدت سے دوسری مدت تک مقابلہ رہتا اس طرح پائے جانے میں اللہ تعالیٰ کی بڑی حکمت ہے جس کی قدرت علم اور حکمت کی حد کا بیان نہیں۔ اس کا علم اور اس کی حکمت لامحدود ہے۔ قرآن کریم میں اللہ نے قمر کو آیت اللیل سے بھی تعبیر فرمایا ہے۔ اس کے طلوع و غروب میں بڑی حکمت ہے۔ مثلاً رات کی تاریکی میں کوئی شخص خفیہ اپنے دشمن کو تلاش کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا۔ اور اس سے اس شخص کی جان بچ جاتی ہے۔ یعنی اگر تاریکی نہ ہوتی تو وہ اپنی جان نہ بچا سکتا۔ چنانچہ فرقہ جتنیہ کہتا ہے کہ مجھے رات کی تاریکی نے بہت نفع دیئے۔ فرقہ ماتو یہ کہتا ہے کہ قمر کے نفع جات کا منکر ہے اس سے ان کا قول باطل ہوا۔ حدیث رسول ﷺ ہے: سرکار ﷺ نے فرمایا کہ رات کی تاریکی میں قمر کے اندر بہت سے نفع جات ہیں۔ اگر قمر ہمیشہ چھپا رہے گا تو گمشدہ چیز کا ملنا مشکل ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ میرے دوست عدنان بن سالبہ کا اونٹ رات کو گم ہو گیا۔ تاریکی میں وہ تلاش کرتا رہا۔ مگر نہ ملا۔ پھر جب قمر طلوع ہوا تو اس نے اپنے اونٹ کو پالیا۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ ہمارے وطن کے عربوں کا یہ دستور ہو اکرتا تھا کہ وہ چاند کی مذمت کرتے وہ کہتے کہ چاند چوروں کو پناہ دیتا ہے اور بھاگنے والوں کو پکڑا دیتا ہے اس کی وجہ سے موت جلدی آجاتی ہے اور عاشق رسول ﷺ کے وجود پر کپڑے پھٹے ہوئے ہوتے ہیں اور جوانوں کو بوڑھا اور کمزور کر دیتا ہے۔ احباب کی یاد دل سے بھلا دیتا ہے۔ دین کو قریب اور وقت کو نزدیک کر دیتا ہے یعنی وقت جلدی کے ساتھ کٹ جاتا ہے کافی سارے لوگ قمر کو شمس پر فضیلت دیتے ہیں بچند وجوہ۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں:

وجہ اوّل:

قمر مذکر ہے اور شمس مؤنث ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ہلال کی وجہ سے شمس پر فوقیت نہیں ہو سکتی انہیں قمرین بھی کہا ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ میرے جد امجد حضرت علیؓ اور حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ اور ابو بکرؓ اور بہت سے صحابہ موجود تھے۔ سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ کچھ یہودی اور عیسائی لوگ قمر کو شمس پر فضیلت دیتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ بالکل جھوٹ ہے۔ قمر شمس کے تابع ہے اور قمر کی روشنی بہ نسبت سورج کے زیادہ وسیع نہیں ہوتی۔ سورج کی روشنی بے بہا ہوتی ہے اور قمر کی روشنی سورج سے ہوتی ہے۔

نفع پہلا:

ستاروں سے شیاطین کو سنگسار کیا جاتا ہے۔

نفع دوسرا:

خشکی اور تری میں لوگ ستاروں سے بھٹکا ہوا راستہ معلوم کر لیتے ہیں۔

نفع سوم:

ستاروں سے قبلہ کی شناخت ہوتی ہے۔ چنانچہ یہی وجہ تھی کہ لوگ ستاروں کی مدد سے لمبے سفر کیا کرتے تھے لیکن آج کل جدید سائنسی آلات میں ستاروں کی ضرورت نہیں رہی۔ اب لوگ شمسی توانائی پر کنٹرول کی کوشش کر رہے ہیں اور یہ کچھ مشکل بات نہیں۔ ''اللہ وہی تو ہے جس نے تمہارے لئے ستارے بنائے۔ تم جنگل میں ہو۔ ان سے راستہ معلوم کرو۔ ستارے تین قسم کے ہیں ایک قسم تو وہ ہے جو ہمیشہ ڈوبے رہتے ہیں ان کو اکب جنوبیہ کہتے ہیں اور دوسری قسم وہ ہے جو ہمیشہ طلوع رہتے ہیں اور کبھی غروب نہیں ہوتے ان کو کواکب شمالیہ کہتے ہیں۔ تیسری قسم وہ ہے جو کبھی طلوع ہوتے ہیں کبھی غروب ہوتے ہیں۔ ان کے علاوہ بعض سیارات ہیں بعض ثوابت ہیں۔

Marfat.com

مسئلہ چوتھا:

اس بات کے بیان میں کہ آسمان کی چھت ہونے کی کیا صورت ہے؟ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ اگر کوئی جہان کو دیکھے تو وہ اسے مکان نظر آئے گا۔ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے لئے تمام قسم کی چیزیں ان میں مہیا کر رکھی ہیں۔ حافظ نے بھی یہی قول نقل کیا ہے جو صاحب کبیر نے بحوالہ حافظ نقل کیا ہے۔ یہ مکان چھت کی مانند ہے زمین اس مکان کا فرش ہے۔ستارے اس مکان کے لئے چراغ ہیں چنانچہ حدیث نبوی ﷺ ہے: اللہ نے انسان کو اس کا مالک بنایا ہے جو چاہے اس میں تصرف کرسکتا ہے اور طرح طرح کے نباتات اور حیوانات اس میں پیدا کئے ہیں جو اس کے نفع کے لئے ہیں۔ یہ چیزیں تمام عالم کے لئے مجموعہ کرنے والی ذات مدبر تدبیر اور اس کی حکمت کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ یہ اسی کے لئے ہی لائق تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب زمین کو پیدا کیا گیا تو وہ مانند سیپی کے تھی اور آدم اور اولادِ آدم اس میں مثل موتی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے انسان یہ زمین میں نے تیرے لئے بنائی ہے اور تجھے اپنے سوا کسی کا محتاج نہ رکھوں گا۔ یہ تیرے لئے ماں کی طرح ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے پانی کو بہایا اور زمین کو پھاڑا۔ اور اے بندے! تیرے لئے سونا اور چاندی نفع ہے اگر میں زمین سونے چاندی کی بنا دیتا تو تیرے لئے کچھ نفع نہ ہوتا۔ تیرے لئے اس کے اندر رہنا محال ہو جاتا۔ یہ دنیا ایک قید خانہ ہے تو پھر جنت میں تیرے لئے کیا کچھ نہ ہوگا۔ زمین تو تیرے لئے ماں کی طرح ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ تجھ پر مشفق ہے ماں تو تجھے صرف چند ماہ دودھ پلاتی ہے لیکن زمین میں عمر بھر کے لئے تیرے لئے طرح طرح کی نعمتیں ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوا: ''پھر ہم تجھ کو تیری ماں کی طرف واپس کردیں گے۔ یہ خوف نہیں کیونکہ بچہ جب ماں کے پاس جاتا ہے تو اسے کچھ خوف نہیں ہوتا۔ ماں کے پیٹ میں تو آرام سے رہتا ہے وہاں تجھے بھوک پیاس کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اب تو بڑی ماں (زمین) کے پاس جا۔ وہاں تیرے لئے سب کچھ ہوگا۔ اس ماں کے پیٹ میں جب تو سما رہا تھا تو تجھ سے کوئی لغزش نہ ہوئی جب زمین پر آیا تو تجھ سے کئی لغزشیں ہوئیں چہ جائیکہ کوئی بڑا گناہ وجود میں آتا۔ تیری اطاعت کا تو یہ حال تھا کہ جب تجھے ماں کے پیٹ سے نکلنے کا حکم ہوا تو تو سر کے بل باہر آیا۔ اللہ تعالیٰ تجھے نماز کے لئے ستر مرتبہ پکارتا ہے مگر تو اسے اپنے پاؤں سے کبھی جواب نہیں دیتا۔ اللہ تعالیٰ نے جب زمین و آسمان کا ذکر فرمایا تو اس کے بعد نکاح کا بیان کیا پھر پھلوں کا جو پانی آسمان سے اترتا ہے اس سے پھل پیدا ہوتے ہیں اور ان سب کو انسان کے لئے پیدا کیا۔ تاکہ اپنے اندر غور کرسکے۔ اور اپنے اندر نیچے والی مخلوقات کا غور کرے۔ ان میں کوئی ایسی شے نہیں جو اللہ کے سوا ان پر قادر ہوسکے۔ وہی قادر مطلق ہے۔ اس مقام پر چند سوال ہیں:

سوال پہلا: پانی کے برسنے کے بعد جو پھل پیدا ہوتے ہیں اس کے بارے میں تم کیا کہتے ہو کہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا ایسی ہے کہ یا اللہ تعالیٰ نے ان میں ایسی خاصیت رکھ دی ہے کہ زمین ان کا اثر قبول کرلیتی ہے۔ یا پانی کی ایسی طبیعت ہے جو اس کے اثر سے پیدا ہو جاتے ہیں۔

جواب: یہ ہے کہ ان دونوں میں صانع حکیم کی ضرورت ہے جس کی ذات سے ان کو پیدا ہونے کی قوت ملی ہے۔ حالانکہ ان کے اندر بُو بھی ہوتی ہے۔ رطوبت بھی ہوتی ہے۔ یہ صفات بلا کسی حیل و حجت اللہ تعالیٰ کی قدرت میں داخل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جنت کے اندر جو نعمتیں پیدا فرمائی ہیں بلا کسی حیل و حجت کے ہم یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے اندر یہ صفات موجود ہیں کہ وہ بلا حیل و حجت خود پیدا فرماتا ہے کسی کا محتاج نہیں اور حدیث میں ہے۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو پیدا فرمایا۔ آسمان کو چھت اور زمین اس کے لئے فرش بنایا۔ آسمان سے پانی برساتا ہے۔ اس سے طرح طرح کے پھل زمین سے پیدا ہوتے ہیں جس طرح جنت میں اس نے پیدا فرمائے ہیں۔ فرمایا: یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سوا اور کون ایسا کرسکتا ہے۔ اجسام کو پیدا فرما کر بعد میں اشیاء کو پیدا کیا لیکن کلام کے اعتبار سے ان کی نفی ثابت ہوتی ہے۔

سوال دوم: جب پھلوں کو بلا واسطہ پیدا کرنے کی قدرت رکھتا ہے تو پھر مدت کی کیا ضرورت ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ جس طرح چاہتا ہے کرتا ہے جس طرح حکم دیتا ہے اسی طرح ہوتا ہے لیکن علماء نے اس کی حکمتیں بیان کی ہیں:

1- اللہ تعالیٰ بتدریج پیدا فرماتا ہے۔ جب لوگ محنت کر کے فصل اگاتے اور کاٹتے ہیں تو طرح طرح کی مشقتیں اٹھا کر اسے حاصل کرتے ہیں حالانکہ اخروی زندگی کے انعامات تو لازوال ہیں پھر جس طرح ہم ان نعمتوں کو حاصل کرنے کی دھن میں دوڑتے ہیں۔ تو اخروی نعمتیں تو لازوال ہیں ان کے لئے ہمیں اور

Marfat.com

بھی مشقتوں کا اٹھانا بہت ضروری ہے۔ حالانکہ اس میں مشقت کم اور منافع بے شمار ہے۔ مثلاً یہ کہ بندہ بیماری کے وقت اللہ تعالیٰ سے صحت کی دعا کرتا ہے لیکن اس نے صحت کو دعا سے مقدم کیا۔ اس حدیث کا بھی بیان ہے جو صاحب خزینۃ القرآن بحوالہ امام محمد باقر اور بقیہ مفسرین نقل کیا ہے علماء نے بھی اسی سے استدلال کیا ہے اس روایت کو طبری اور میراں جیو نے بھی نقل کیا ہے۔

-2 اگر اللہ تعالیٰ بغیر کسی واسطہ کے یہ چیزیں پیدا فرماتا تو خواہ مخواہ لوگوں کو اس کا علم ہو جاتا کہ اس کے پیدا کرنے والا بھی کوئی حکیم ہے۔ وہ مشقت کراتا ہے۔ یہ بات تکلیف اور ابتلا کے خلاف ہے۔ اس واسطے بغیر کسی واسطے کے پیدا فرمایا تا کہ مکلفین اس پر باریک بینی سے غور کر سکیں اور اس کے باعث ان کو اجر و ثواب حاصل ہو۔

-3 بعض اوقات واسطہ کے اندر غور کرنے سے علماء اور اہل بصیرت کو ان میں عبرت اور فکر حاصل ہوتا ہے۔

سوال سوم: اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَاۤءً سے پانی کا آسمان سے نازل ہونا معلوم ہوا۔ لیکن مینہ کا برسنا اس سے نہیں ہے۔ کیونکہ ہوا کے بخارات اٹھ کر اکٹھے سردی کی لہر میں پہنچتے ہیں تو پھر سردی کی وجہ سے وہاں رک جاتے ہیں۔ پھر جب وہ برستے ہیں تو وہ مینہ یا بارش ہوتی ہے۔

جواب:

-1 اس کی کئی تاویلیں ہو سکتی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سما کے معنی بلندی کے ہیں۔ اس لئے ہر وہ شئے سماً ہے جو سر سے اوپر ہو۔ بادل کو بھی سماء کہا جا سکتا ہے۔ اور بادل سے پانی کا اترنا سماً سے اترنا ہو گیا۔

-2 اجزاء طبیعیہ جو زمین سے اوپر چڑھ جاتے ہیں ان کے محرک نے آسمان سے پانی اتارا ہے۔

-3 جو کچھ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ برحق ہے۔ اس کا فرمان ہے کہ آسمان سے پانی کو اتارا۔ پھر بعد میں ہم کو بھی علم ہو گیا کہ ابر سے پانی اترتا ہے۔ اب فقیر یہ کہے گا کہ ابر سے پانی اترتا ہے اور پھر زمین پر برستا ہے۔ حدیث شریف میں بھی ایسا ہی ارشاد ہے۔ فرمان رسالت ہے کہ اللہ آسمان سے پانی کو اتارتا ہے اور مینہ بھی آسمان سے اترتا ہے۔

سوال چہارم: مِنَ السَّمَآءِ کے اندر جو حرف من ہے اس کا کیا مقصد ہے۔

جواب: اس کے اندر دو صورتیں ہیں کہ مِن تبعیضیہ ہے اس کے اندر دو اسم نکرہ واقع ہوئے ہیں۔ ایک ماء اور دوسرا رزقا اور ان کے نکرہ کرنے سے تبعیضیہ کے معنی مقصود ہیں یعنی ہم نے آسمان سے پانی اتارا۔ اس میں سے تمہارے لئے کچھ رزق نکالا۔

-2 من بیانیہ ہے جس طرح انفق من الدرهم انفاقاً ہے۔ میں نے ایک درہم کو خرچ کیا۔ من تبعیضیہ نہیں ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ رزقاً کے منسوب ہونے کی کیا وجہ ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ من تبعیضیہ ہو تو رزقاً مفعول لہ ہو گا۔ اگر من بیانیہ ہے تو اخرج کا مفعول ہو گا۔

سوال پانچواں: پانی سے جو پھل پیدا ہوتے ہیں وہ تو بکثرت پیدا ہوتے ہیں۔ ثمرات کیوں فرمایا۔ اثمار کیوں نہیں فرمایا۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ثمرات اور ثمار میں صرف آخرت کو اس دنیا پر ترجیح دی گئی ہے اور آخرت کی عظمت کو بلند کیا گیا ہے۔

سوال: فَلَا تَجۡعَلُوۡا کا تعلق کس سے ہے؟

جواب: صاحب خزینۃ القرآن نے فرمایا کہ اس کا تعلق اعبدوا کے ساتھ ہو سکتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید کا اعلان فرمایا ہے کیونکہ عبادت کی اصل بنیاد توحید پر ہے۔ (۲) دوسرا احتمال لَعَلَّ کے ساتھ ہے اور مقصود یہ ہے کہ تم کو اللہ نے پیدا فرمایا۔ تیسرا احتمال کہ جَعَلَ لَكُمُ الۡاَرۡضَ فِرَاشًا اس سے اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید کے دلائل فرمائے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ پہلے احتمال کی وجہ حدیث سے ثابت ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے تمہیں فَلَا تَجۡعَلُوۡا فرما کر اپنی توحید کا ذکر فرمایا ہے کہ میں اپنی شان میں یکتا ہوں اور عبادت میرے ہی لئے ہے۔ امام رازی نے یہ تینوں احتمال خزینۃ القرآن سے نقل کئے ہیں اور

Marfat.com

فقیر بھی نقل کر رہا ہے۔

سوال دوئم: انداداً کے کیا معنی ہیں؟

جواب: ندّا اس مثل کو کہتے ہیں جو اپنی جنس کے ساتھ مخالفت اور منازعت رکھتا ہو۔

سوال سوئم: وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ کے کیا معنی ہیں؟

جواب: تمہاری عقلیں کامل ہیں تمہیں معلوم ہے کہ کوئی چیز اللہ تعالیٰ کی شریک نہیں ہو سکتی۔ سو تم جان بوجھ کر اس قبیح فعل کو اختیار نہ کرو جو تمہارے علم کامل میں ہو۔ تو اس فعل کا سرزد ہونا بہت ہی بدتر ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ اس میں کافی مسائل ہیں چند مسائل اخذ کروں گا:

مسئلہ پہلا:

یہ تو ہر کوئی جانتا ہے کہ اللہ کی قدرت اور اس کے علم وحکمت کے ساتھ کوئی برابر نہیں ہوا مثلاً بچے کو پیدا کرنا اور سورج کا طلوع کرنا پھر اسے غروب کرنا لیکن فرقہ ثنویہ دو معبود مانتے ہیں۔ ایک معبود حلیم اور دوسرا معبود سفیہ۔ معبود حلیم اچھے کام کراتا ہے اور معبود سفیہ شر کا فاعل ہے۔

فریق اوّل:

وہ فرقہ ہے جو ستاروں کی پرستش کرتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ ستارے اللہ کی پرستش کرتے ہیں ان ستاروں میں سے ایک ایسا مدبر ہے جو عالم کی تدبیر کرتا ہے۔ فرقہ نصاریٰ نے مسیح علیہ السلام کو اللہ مانا ہے۔ تیسر فرقہ بت پرست ہے۔ بت پرستی پرانا فعل ہے۔ فرماتے ہیں کہ جن انبیاء علیہم السلام کی تاریخ ہم تک پہنچی ہے۔ کہتے ہیں کہ شرک کا تعلق قوم نوح سے تھا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہرگز تم نہ وَدّ کو چھوڑ و نہ سواع کو نہ یعوق کو نہ نسر کو۔ چنانچہ حدیث شریف میں بھی فرماتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ بت پرستی حضرت نوح علیہ السلام کی قوم سے شروع ہوئی ہے جس کا قرآن میں بین ثبوت ہے اب تک بھی برابر ہے بلکہ بکثرت ہے۔ اگر لوگ اس پر جمے ہوئے ہیں لیکن یہ ضروری نہیں ہوتا لوگوں کو فوراً معلوم ہو جائے مگر اس کا علم بدیہی نہیں ہے کہ ایک پتھر تراش کر اپنے ہاتھ سے درست کیا اور یہ کہیں کہ زمین وآسمان کو ہم نے پیدا کیا۔ یہ بات محال ہے لیکن فقیر صاحب خزینۃ القرآن کی اس مثال کو قوی اور مدلل سمجھتا ہے۔ ایک جماعت کا خیال کچھ اور ہے پس ضروری ہوا کہ بت پرستوں کا مقصد کچھ اور ہے لیکن علماً نے کئی صورتیں نکالی ہیں:

1- صاحب خزینۃ القرآن نے یہ فرمایا ہے کہ چین اور ہندوستان کے لوگوں کا یہ حال ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو مانتے ہیں لیکن جسم ایک اور صورتیں دو۔ ایک اچھی اور ایک اور طرح فرماتے ہیں کہ فرشتوں کو بھی ایسا مانتے ہیں کہ وہ آسمان پر ہیں اور آسمان میں ان کی اچھی اچھی صورتیں ہیں۔ اس سے یہ مقصود ہوا کہ وہ عبادت کر کے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرلیں۔ فرماتے ہیں اگر یہ کہا جائے کہ بتوں کی پرستش کا سبب یہی ہوا تو پھر ان مورتیوں کو اللہ تعالیٰ کی صورت سے مشابہت دینا ہے۔

2- اکثر جب یہ غور کیا کہ عالم کے اندر جو تغیرات ہیں ان کا تعلق ایک سے ہے۔ جو آفتاب کے لئے دوری بھی اور قربت بھی ہوتی ہے۔ اس سے مختلف احوال اور تغیرات پیدا ہوتے ہیں ان کو معلوم ہوا کہ شقاوت اور سعادت کا تعلق طالع سے ہے جب ان کو یہ اعتقاد ہوا تو ستاروں کی تعظیم کرنے لگے۔ اکثر نے یہ کہا کہ ستارے واجب الوجود ہیں۔ اور یہی جہان کو پیدا کرنے والے ہیں۔ دوسرے فریق نے کہا۔ ان ستاروں کو اللہ نے بڑا معبود پیدا کیا ہے۔ فریق دوم نے جب یہ سمجھا کہ یہ معبود حقیقی ہیں۔ پرستش کرتے رہے تو جب یہ ستارے چھپ جاتے تھے تو انہوں نے ان کی صورتیں کر کے رکھ دیں اور پھر وہ ان کی عبادت کرتے رہے۔ یہ سمجھا کہ یہ اجسام علویہ ہیں اور ان کی قربت تھی۔ پھر انہوں نے عرصہ دراز سے کواکب کا ذکر چھوڑ کر ان کی صورتوں کی عبادت کرتے تھے۔

3- حکام لوگوں نے ہزار سال سے دوسرے ہزار سال تک وقت مقرر کر دیئے تھے کہ کوئی نیا طلسم جب ایجاد کرنے تو اس کی عبادت کی جائے اور اس کی نفع کی امید ہوگی۔ جب اس قسم کا کوئی طلسم نکالتے تھے اور اس کی تعظیم کرتے تھے ان طلسمات کی تعظیم کرتے کرتے ان کی عبادت شروع کر دی۔ عرصہ دراز سے عبادت

Marfat.com

کرتے کرتے بعد میں حقیقت سے ناواقف ہوکر ان طلسمات کی عبادت شروع کردی۔ گمراہی اور شرک کے گڑھے کے اندر دھنس گئے۔

4- جب کوئی بڑا شخص مرجاتا تو اس کی صورت کا بت تیار کرکے رکھ دیتے اور کہتے کہ اللہ کے حضور ہمارا سفارشی ہوگا۔ اللہ نے فرمایا کہ یہ میرے نزدیک بتوں کو سفارشی لائیں گے۔

یاد رہے کہ یہ نہ سمجھ لیں کہ اولیاء اللہ کی سفارش بھی ہمارے لئے ناقابل قبول ہے کیونکہ ہم انہیں بت نہیں سمجھتے۔ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ مقبولان خاص سمجھتے ہیں کہ ہم ان کی صورتوں کے بت نہیں بناتے۔

5- وہ ان مورتوں کی عبادت اس طرح کرتے جس طرح ہم قبلہ کی طرف رخ کرکے عبادت کرتے ہیں۔ وہ بتوں کی طرف منہ کرکے عبادت کرتے تھے خود ان کی عبادت نہیں کرتے تھے آہستہ آہستہ جہان کو گمان ہوا کہ ان ہی کی عبادت مقصود ہے۔

6- امام رازی فرماتے ہیں کہ شاید وہ بتوں کو اس لئے پوجتے ہوں کہ اللہ تعالیٰ جسم کے اندر حلول کرسکتا ہے۔ اس واسطے کہ وہ ان صورتوں کو اسی تصور سے پوجتے ہوں۔ بایں وجہ ان کا باطل ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

مسئلہ دوئم:

اگر کوئی یہ کہے کہ بت پرستی اس وجہ کے ساتھ ہو تو بت پرستی کا باطل ہونا کس وجہ کے ساتھ ہے۔ پھر صانع قدیم کی حقیقت کیسے معلوم ہوگی۔

جواب: فرمانِ الٰہی ہے کہ زمین و آسمان کو پیدا کیا ایک جسمیت کے ساتھ لیکن ان کے وجود خاص ہیں۔ پس اگر وہ مخصوص جسم ہو تو وہ خود کسی دوسرے مخصوص کا محتاج ہوگا۔ پس یہ ضروری ہوا کہ یہ مخصوص جسم نہیں ہے۔ فقیر کہتا ہے کہ جب یہ ثابت ہوگیا کہ جو لوگ مخصوص وجہ سے بت پرستی کرتے ہیں وہ باطل ہے۔ اس واسطے کہ وہ صانع جسم نہیں ہے اور نہ ہی اس کی کوئی شکل ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ یہ مشابہت کی وجہ سے ہے اور کواکب میں سے کوئی ایک سارے عالم کا مظہر ہے تو یہ باطل ہوگا۔

مسئلہ تیسرا: صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ قدیم یونانیوں نے سکندر کے زمانے میں ہیکل بنا لئے تھے اور اپنے اپنے ہیکلوں کی ہر کوئی عبادت کرتا تھا۔ ان کی شکل گول تھی اور علت اولیٰ کچھ مریخ اور ہیکل زحل وغیرہ کی شکلیں بنا کر ان کی عبادت کرتے تھے۔ صاحب خزینۃ القرآن نے عمرو بن لحی کا واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ عمرو بن لحی کسی وقت بیت اللہ کا مجاور تھا، سفر کو گیا تو ایک جگہ اس نے لوگوں کو بت پرستی کرتے ہوئے دیکھا۔ ان سے ان کی پرستش کا سبب دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ یہ ہمارے پروردگار ہیں۔ جب ہم دعا کرتے ہیں تو ہمارے لئے یہ مینہ برساتے ہیں۔ جو کچھ ہم مانگتے ہیں یہ ہم کو دیتے ہیں۔ اس نے کہا ان میں سے ہمیں بھی ایک عنایت کرو۔ انہوں نے ایک اسے دے دیا۔ اس نے اسے لاکر بیت اللہ کے اندر رکھ دیا۔ لوگوں سے کہا کہ تم اس کی تعظیم کیا کرو۔ یہ بت بڑے پرانے بادشاہ کے وقت کا ہے۔ واضح ہو کہ اس وقت کے بادشاہوں نے کافی سارے بت خانے بنوائے تھے چنانچہ ایک بت خانہ کا نام غمدان تھا جس کا قلع وقمع حضرت عثمان بن عفانؓ نے فرمایا۔ ایک بت خانے کا نام نوبہار تھا۔ جس کو منو بادشاہ نے چاند کے نام پر بنوایا تھا۔ عرب قبائل کے بت الگ الگ تھے۔ ایک بت کا نام وَد تھا جسے دومۃ الجندل میں رکھا گیا۔ قبیلہ کلب اس کی پرستش کرتا تھا۔ قبیلہ بنی ہذیل کا بت سواع تھا۔ بنی مذحج کا یغوث اور بنی ہمدان کا یعوق تھا۔ ذی الکلاع کا نسر تھا۔ یہ بت قمر کے علاقے میں رکھا ہوا تھا۔ دو بت اساف اور نائلہ صفا اور مروہ پہاڑیوں پر رکھے ہوئے تھے۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ میرے نانا نبی کریم ﷺ ان کی پرستش کرنے سے منع فرماتے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کا حکم دیتے تھے۔ زید بن فضیل بھی ان کی پرستش سے منع کرتے تھے۔ (یہاں تک تـعـلـمون کی تفسیر تھی۔ اب نبوت کے بارے میں کلام)

قال اللہ تعالیٰ: وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (۲۳)

ترجمہ: اگر تم اس کلام کے بارے میں شک میں ہو جو نازل کیا ہم نے اپنے خاص الخاص عبد مقدس (جناب محمد رسول اللہ ﷺ) پر پس تم بھی اس کی مثل ایک سورت لاؤ۔ اور اپنے مددگاروں کو بلاؤ، جو اللہ تعالیٰ کے ماسوا ہیں۔ اگر تم سچے ہو۔

Marfat.com

قال اللہ تعالیٰ: فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا وَلَنۡ تَفۡعَلُوۡا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیۡ وَقُوۡدُهَا النَّاسُ وَالۡحِجَارَةُ اُعِدَّتۡ لِلۡكٰفِرِيۡنَ (۲۴)

ترجمہ: پھر اگر تم نے نہ کیا اور ہرگز نہیں کرسکو گے پس اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن پتھر اور لوگ ہوں گے۔ یہ کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔

ان دونوں آیتوں کے اندر چند مسائل ہیں:

مسئلہ پہلا:

جب اللہ تعالیٰ نے اپنے صانع ہونے کے بارے میں دلائل تو یہ فرما دیئے۔ پھر شرک کو باطل قرار فرمایا۔ پھر نبوت کے بارے میں ارشاد فرمایا۔ فرقہ تعلیمیہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول کی معرفت ایک ہے۔ فرقہ حشویہ کا یہ خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قرآن نبی کریم ﷺ کا معجزہ ہے۔ اب قرآن کریم تین حال سے خالی نہیں۔ یاد رہے کہ فرقہ حشویہ کے فساد کا بھی ذکر ہے۔ یا تو تمام فصاحت اور بلاغت کے اندر مساوی ہوگا یا ان سے زاید ہوگا۔ زاید ہونے میں دو احتمال ہیں: یا تو یہ کہ یہ عادت اس دستور کے خلاف ہوگی یا نہ ہوگی۔ تیسرا احتمال اس کی عادت معجزہ ہے۔ پہلے دونوں احتمالوں کے باطل ہونے کی دلیل یہ ہے۔ اگر اس کی عادت کے مطابق ہوگا تو لامحالہ کچھ لوگ اس کی مثل بنالاتے خواہ اجتماعی طور پر یا انفرادی طور پر اگر اس کے اندر کچھ نتائج ہوتے تو حکام لوگ خوف کی وجہ سے اپنے شبہ کو زائل کرا سکتے تھے وہ لوگ اپنی قوت اور بڑی طاقت و معرفت کے ساتھ لغت میں کمال درجہ کو پہنچ چکے تھے۔ اور رسول اللہ ﷺ کے دین کو باطل کرنے کے لئے انہوں نے اپنی جانیں ہلاک کرنے سے بھی گریز نہ کیا حتیٰ کہ مال و جان سے کوشش کی، تکلیفیں برداشت کیں۔ اپنے باطل خیالات کو حق پر منوانے پر تلے رہتے تھے چہ جائیکہ انہیں حق بھی اگر معلوم ہو جاتا جب قرآن کی سورت تو کیا بلکہ اس کی ایک حرکت نہ بنا سکے تو اس کلام کی صفت میں وہ عاجز ہوگئے اس لئے یہ قرآن ان کے لئے معجز ہے۔ جو کچھ ان دونوں میں تفاوت ہے وہ معمولی نہیں غیر معمولی ہے۔

پس اس دلیل سے ثابت ہوا کہ قرآن کریم معجز ہے اور اس کا یہ مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح توحید میں معرفت بیان فرمایا۔ اس طرح نبوت اور معرفت کو بیان فرمایا۔ معلوم کرو کہ قرآن کے اندر وہ بلاغت ہے کہ جس کی کوئی انتہا نہیں۔ جس تک کسی کی رسائی نہیں۔ اس سے ثابت یہ ہوا کہ اس کی مثال کوئی نہیں لاسکتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ازلی ہے وہ کئی امر ہیں جن کی بلاغت کا امر مشکل ہے۔

1- اہل عرب کی فصاحت مشاہدہ کے ساتھ تھی جس طرح گھوڑا، عورت، تلوار، نیزہ بادشاہ طرح طرح کی چیزیں تو قرآن کریم ایسی فصاحت سے پاک ہے۔ غرض کہ ان کی مثل ایسی فصاحت قرآن میں نہیں ہے جن الفاظ کو اہل عرب ہمیشہ اپنے کلام میں استعمال کرتے تھے۔

2- قرآن کریم کے اندر صدق اور راستی ہے۔ کذب کا ہونا محال ہے۔ جب کوئی شاعر اپنے کلام صدق کو بیان کرے اور کذب کو بیان نہ کرے۔ لطف نہیں آتا تو اس کا شعر گر جاتا ہے۔ دیکھو کہ ربیعہ اور جناب حسان ابن ثابت جب مشرف بہ اسلام ہوئے۔ تو ان کے شعروں میں لطف نہ تھا لیکن کلام باری کے اندر وہ لطف ہے کہ جس کو بار بار پڑھنے سے لطف آتا ہے۔

3- ہر شاعر کا کلام اپنی شاعری میں فصیح ہوتا ہے یہ بہت مشکل امر ہے اور ایسا بہت کم ہوتا ہے۔ ایک قصیدے کے اندر جب شاعر پندرہ بیس شعر کہتا ہے تو چند اچھے ہوتے ہیں باقی معمولی۔ لیکن قرآن کریم میں جو آیات ہیں وہ فصیح و بلیغ ہیں وہ کسی کی مثل نہیں ہیں بلکہ قرآن سارا تو الگ، اس کی ایک آیت بلکہ قرآن کے ایک لفظ کی زیر، زبر، پیش کو بدلنا بھی غیر ممکن ہے۔

4- جب کوئی شخص فصیح کلام کرے اور دوسرے کے کلام کو فصیح انداز سے بیان کرے تو یہ ناممکن ہوگا۔ قرآن کریم کا یہ خاصہ ہے کہ اس کے اندر ایک مضمون دو دو بار آیا ہے اور وہ فصیح و بلیغ ہے لیکن اس کے اندر بہترین لطف ہے۔

5- قرآن کریم کے اندر اللہ تعالیٰ نے عبادت کو بکثرت بیان فرمایا ہے اور قبیح فعل کو حرام فرمایا۔ نہی عن المنکر کا حکم فرمایا اور آخرت کی ترغیب فرمائی۔ یہ وہ امور ہیں جن کے اندر فصاحت ہوتی تو ہے لیکن کم درجہ کی۔

باقلانی نے بیان کیا ہے کہ امراء القیس کا شعر گھوڑوں کو عورتوں کو اور اچھی چیزوں کو پھسلانے کے لئے ہوتا ہے۔ زہیر کا شعر امید اور رغبت کے وقت ایک

Marfat.com

دوسرے شخص کا شعر شراب کی تعریف میں غرض یہ کہ ہر ہر شاعر کو اپنے کمال فن میں قوت دی ہے لیکن سب پر برتری اور قوت ہونا یہ ناممکن ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں تمام فنون ہیں اور ایسی حقیقت اور کسی میں نہیں ہے بلکہ قرآن تمام علوم پر حاوی ہے۔ پھر کسی کو اس چیز کی خبر نہیں جو جنت میں آنکھوں کی ٹھنڈک کے لئے چھپا کر رکھی ہوئی ہے اور خوف دلاتے ہوئے فرمایا کیا تم اس گمان میں ہو کہ ہم تم کو خشکی کے اندر دھنسا دیں گے دوسری جگہ ارشاد فرمایا کہ بے خوف ہو کہ میں تمہیں زمین میں دھنسا دوں گا۔ یعنی ان میں سے کچھ ایسے ہیں جن کو گناہ میں ہم نے پکڑ لیا اور بعض کو غرق کر دیا۔ نصیحت کے طور پر ارشاد فرمایا کہ اے حبیب پاک ﷺ آپ ان کو دیکھیں جنہوں نے ان کی مدت تک نفع اٹھانے دیا۔ اعتقاد کے طور پر یعنی اللہ جانتا ہے جو کچھ عورتوں کے رحم میں ہے۔ وہی ان کو گھٹاتا اور بڑھاتا ہے۔

7- امام رازی فرماتے ہیں کہ قرآن کریم تمام علوم کا اصل الاصول ہے اور فقہ کے تمام علوم قرآن سے ماخوذ ہیں۔ یہ اصل قول امام باقرؒ کا ہے اور تمام مفسرین نے اس بات پر اتفاق کیا ہے۔

طریق دوئم:

فقیر یہ کہتا ہے کہ قرآن دو حال سے خالی نہیں۔ یا فصاحت میں ہے۔ یا حد اعجاز کو پہنچا ہوا ہے یا نہیں۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو قرآن کریم کا معجز ہونا ثابت ہو گیا۔ اور اگر یہ فصیح و بلیغ نہیں تو پھر اس کے لئے معارضہ اور مقابلہ ہو سکتا ہے۔ اس کے مقابلے میں سورت کا نہ لانا غیر ممکن ہے۔ اس قسم کی بحثیں کافی ہیں۔ یہ خود امر فارق اور معجز ہے۔ پس اس طرح قرآن کا معجز ہونا ثابت ہوا۔

مسئلہ دوئم:

نَزَّلنا فرمایا۔ اَنزَلنا کیوں نہیں فرمایا؟

جواب: اس کی وجہ یہ ہے کہ مقصود تھا کہ قرآن پاک بتدریج نازل ہو۔ اس واسطے یہاں نَزَّلنا فرمایا گیا۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ قرآن اگر اکٹھا نازل ہوتا تو بندوں کی عادت کے خلاف ہوتا۔ اس طرح تھوڑا تھوڑا نازل ہوا۔ ایسا تو خطیب واعظ اور شاعر لوگ کرتے ہیں کہ جوں جوں ان کو نئی ضروریات اور حادثات پیش آتے ہیں ان کے موافق تھوڑا تھوڑا بیان کرتے ہیں۔ ایسا کوئی شاعر نہیں جو سارا دیوان یک وقت سنا دے اور اسی طرح نہ کوئی ایسا شخص ہے جو دفعتاً ایک کتاب نصیحتوں کی یک وقت سنا دیتا۔ اگر اللہ کا کلام ہوتا تو یک وقت اترتا۔ اللہ نے ان کے مقولہ کو یوں ارشاد فرمایا۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً

یعنی کافروں نے کہا کہ اللہ نے پیغمبر ﷺ پر قرآن اکٹھا کیوں نہیں اتارا۔ اللہ جل جلالہ نے اس امر کو ثابت فرما دیا کہ قرآن معجز ہے اور پھر ان کے ساتھ ان کے اس شبہ کو زائل فرما دیا اور فرمایا کہ قرآن پاک کا بتدریج نازل فرمانا دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو ایسا کلام کہ بشر کو بھی اس پر قدرت حاصل ہو سکتی ہے یا اس کے قریب مثل بنانے پر قادر ہے۔ اگر ایسا نہیں تو ثابت ہوا کہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور معجز ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو کافی لوگ اس کی مثل بنا دیتے۔

مسئلہ سوئم:

یہ تو ثابت ہو گیا کہ قرآن معجز ہے کیا اس کے اندر کچھ لفظوں میں بھی کمی واقع ہو سکتی ہے۔ یہ بات غیر ممکن ہے۔ اللہ نے اپنے کلام ازلی کو جس طرح نازل فرمایا جبرائیل علیہ السلام نے اس امانت کو آنحضرت ﷺ تک پہنچایا حفاظت کے ساتھ اور آپ ﷺ نے بھی حفاظت فرمائی اور آپ ﷺ کی امت نے بھی اس کی حفاظت کی۔ دیکھئے نبی کریم ﷺ نے اس امانت کو اسی طرح پہنچایا جس طرح یہ امانت آئی اور امت نے بھی اس امانت کو ویسا ہی رکھا۔ کیونکہ یہ نبی کریم ﷺ کی نبوت کی برکات تھیں۔

1- اگر اس میں کوئی کمی مانتا ہے تو اسے حضور ﷺ کی نبوت کی برکات پر شک ہے کیونکہ حضور ﷺ کی نبوت کی برکات ابدالآباد ہیں۔ صاحب خزینۃ القرآن اسی آیت کے تحت لکھتے ہیں کہ یہ آیت جب مکہ میں نازل ہوئی تو صحابہ کرامؓ کا کہنا ہے کہ نذر بن حارث ابوجہل نے یہ کہا کہ محمد ﷺ قرآن کو خود بنا تا ہے یا اس کا کوئی جن

Marfat.com

وغیرہ معاون ہوتا ہے یا کوئی دوسرا شخص فرماتے ہیں یہی روایت میرے جد امجد حضرت علیؓ نے اپنے مجموعہ میں لکھی اور امام باقرؒ اور مفسرین نے بھی بیان کی۔ ابن عباسؓ نے بھی اسی طرح فرمایا اور ابن سعید، مسعود اور ابوسعید خدری بھی اسی طرح بیان فرماتے ہیں کہ جب کفار کا یہ مقولہ نبی کریم ﷺ نے سنا تو یہی آیت آپ ﷺ نے تلاوت فرمائی اور تمام کفار مکہ سے کہا کہ اگر یہ میرا کلام ہے تو اس کی مثل بنا کر لاؤ۔ چنانچہ ابوجہل و سرداران مکہ نے مصر سے اور عرب کی جگہوں سے ایک سو ستر (۱۷۰) شاعروں کو بلوایا جو نامی گرامی شاعر تھے جن کی عالم میں شہرت تھی۔ حضور ﷺ بھی تشریف لائے تو ان شاعروں کو یہ آیت دکھائی گئی اور ابوجہل نے کہا کہ اس کی مثل بناؤ۔ انہوں نے دیکھتے ہی یک زبان ہو کر کہا کہ یہ شاعر کا کلام نہیں۔ ہمیں لات و منات اور عزیٰ کی قسم ہے جو ہمارے بزرگ رب ہیں۔ یہ اصل رب کا کلام ہے۔ ابوجہل بہت نادم ہوا۔ انہوں نے کہا کہ ابوجہل آئندہ کبھی ایسی کوشش نہ کرنا۔ یہ کسی شاعر کا کلام نہیں ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن اسی طرح بکثرت احادیث اسی ضمن میں بیان فرماتے ہیں۔ اسی آیت کے تحت بیان کی ہیں کہ مجھے اس تیسری صدی میں یہ سنا گیا کہ قرآن کریم کے اندر کمی واقع کی گئی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے زمانہ اور حضرت علیؓ کے عہد تک وہ الفاظ اس میں شامل کئے گئے۔ فرماتے ہیں کہ ایسا کہنے والا شجعہ بن جعفر بن علی ہے۔ فرمایا کہ اسے شرم آنی چاہئے۔ دوسرا گروہ جن کا صدر فرح بن ثعلبہ ہے جو حضرت امام جعفر صادق کے شاگرد تھے۔ دعویٰ کرتا ہے کہ اس سے یہ سنا ہے مجھے اس نے کہا کہ اے ابن رسول تمہارے دادا امام جعفر صادق کی دو مجلسیں ہوتی تھیں ایک خاص و ایک عام خاص کے اندر وہ خاص قرآن ہمیں پڑھایا کرتے تھ جو اللہ کا کلام ہے اور عام مجلسوں میں وہ قرآن پڑھایا کرتے جسے لوگوں نے جمع کیا تو میں نے اس سے کہا کہ تو مجھے اس قرآن کی کوئی سورت سنا جو تجھے میرے دادا جان جعفر صادق پڑھایا کرتے تھے۔ یہ بات سن کر اس کے حواس باختہ ہو گئے۔ پھر فرماتے ہیں میں نے اس سے کہا اے زندیق! لعین میرے دادا حضرت جعفر صادقؒ کو تو صرف ترپن (۵۳) سال ہوئے ہیں وفات پائے ہوئے اور میرے دادا علی رضا اور میرے والد امام محمد تقی ان کے پیارے بیٹے تھے اور امام جعفر صادق کا وارث میں ہوں یا کوئی اور ہے؟ اس نے کہا۔ آپ پھر میں نے کہا میرے والد امام محمد ابن علی رضا نے مجھے اپنے دادا امام جعفر صادق کی تمام کتب مجھے دی ہیں اور امام جعفر صادق کا لکھا ہوا قرآن مجید بھی ان میں شامل ہے۔ اور تفسیر امام محمد باقر بھی دی ہے جو ایک عظیم تفسیر ہے۔ اس میں بھی یہی قرآن ہے جس پر آپ کے دستخط ہیں اگر کوئی اور قرآن ہوتا تو وہ ہمارے پاس تو ہوتا۔ پھر ہم اسے پڑھتے۔ پھر قرآن سارے عالم کے لئے ہے نہ کہ مخصوص لوگوں کے لئے۔ پھر فرماتے ہیں۔ میں نے اسے کہا اے مردود! تمہیں خیال کرنا چاہئے کہ تم اپنی اس نازیبا حرکت میں ہمارے دادا جعفر صادق کو تو شریک نہ کرو۔ اور ان پر یہ الزام باطل نہ لگاؤ۔ کیونکہ وہ سارے عالم کے امام ہیں۔ اور استاذ الائمہ ہیں۔ پھر فرماتے ہیں اسی اثنا میں یہ بدبخت مر تا رہا اور چالیس دن تک جاں کنی کے عالم میں رہا۔ اس کے جسم پر کوہڑ کی بیماری تھی۔ فرماتے ہیں اللہ ایسے لوگوں کو تباہ و برباد کرے اور لعنت کرے جو ہمارے آبا و اجداد پر الزام باطل لگاتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے استاد محترم جو میرے فن حدیث و تفسیر کے آخری استاد تھے احمد ابن یوسف ابن عبدالرحمٰن ابن زید ابن امام حسن ابن علی المرتضیٰ فرماتے ہیں یہ موصوف میرے دادا امام جعفر صادق کے شاگرد تھے اور فرماتے ہیں کہ آپ کے سات ہزار سے زاید شاگرد ہیں۔ میں نے اپنے استاد محترم سے پوچھا کیا یہ فرح بن ثعلبہ بھی امام موصوف کا شاگرد تھا۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے اسے امام کی مجلس میں بیٹھے ہوئے کبھی نہیں دیکھا بلکہ ایک دفعہ یہ عمان بن بشیر کے ساتھ آیا تھا اور امام صاحب تمہارے دادا جان ہمیں قرآن کریم کی تفسیر پڑھا رہے تھے اور آپ کی دو مجلسیں ہوتی تھیں۔ ایک مجلس میں علماء کو پڑھاتے تھے دوسری عوام کے لئے ہوتی تھی جو ان کے قرآن کو سنتے تھے۔ اس فرح بن ثعلبہ اور عمان بن بشیر نے تمہارے دادا امام جعفر صادق سے یہ پوچھا کہ کیا آپ قرآن میں حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ و عثمانؓ کی کمی کی ہوئی کو تسلیم فرماتے ہیں کیونکہ ان تینوں نے تم اہل بیت کے متعلق جو سورتیں تھیں نکال دیں تھیں۔ حتیٰ کہ سارا قرآن حذف کیا جن کی ایک ایک سورت کا وزن اونٹ کے برابر تھا۔ ان کو نکال کر چھوٹی چھوٹی سورتوں کو لکھا۔ آپ نے فرمایا۔ اللہم پر لعنت کرے تم حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے بارے میں ایسا کہتے ہو۔ پھر ان دونوں نے کہا کہ آپ بھی ان کو صدیقؓ کہتے ہیں۔ تب آپ اپنی جگہؓ سے اچھلے اور ان تینوں کے منہ پر تین تین طمانچے لگائے اور ہمیں حکم دیا کہ ان خبیثوں کو نکال دو۔ پھر ہمیں فرمایا کہ صدیقؓ، صدیقؓ، صدیقؓ! اگر قیامت تک میرا سانس آتا رہے تو میں صدیقؓ، صدیقؓ، صدیقؓ! کہتا رہوں۔ پھر یہ ہوا کہ عمان بن بشیر اور فرح بن ثعلبہ جب باہر نکالے گئے تو کہتے تھے کہ یار امام تو معصوم ہوتا ہے مگر کبھی کبھی ان کے بھی حواس باختہ ہو جاتے ہیں۔ ایسے شخص پر ہم کیا اعتماد کریں کہ کبھی کچھ کہتا ہے اور کبھی کچھ فرماتے ہیں، میں سن رہا تھا۔ فرح بن ثعلبہ سے عمان بن بشیر نے کہا۔ مجھے پیاس لگی ہے پانی دو۔ وہ پانی لینے گیا۔ قریب ایک کتا کھڑا تھا۔ اس نے پیشاب کیا تو وہ پیشاب اس کے منہ پر آ پڑا۔ تو اس نے سوچا کہ یہ پانی ہے، پی لوں۔ جب پیٹ میں چلا گیا تو ذائقہ پیشاب کا معلوم ہوا۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے

Marfat.com

ہیں کہ میں نے یہ سن کر الحمدللہ پڑھا کہ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ یہیں سزا فرما دیتا ہے۔ پھر اسی صفحہ پر آگے جا کر لکھتے ہیں کہ دیکھو یہ صاحبین کریمین ابوبکرؓ وعمرؓ یہ نبی کریم ﷺ کے افضل دوست ہیں۔ پھر جو لوگ ان پر طعن کرتے ہیں ان کا دین سے کوئی واسطہ نہیں۔ وہ مردود ہیں۔ فرماتے ہیں کہ یہ چاروں حضرات ابوبکر وعمر وعثمان و علی رضی اللہ عنہم میں اتنا بُعد بھی نہیں تھا جتنا سوئی کا سوراخ اور ان کے حق میں ارشاد باری ہے: رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ پھر دیکھئے اگر کوئی ایسی بات ہوتی تو میرے جدامجد حضرت علیؓ ان سے کیوں نہ لڑتے جھگڑتے۔ دوسرے یہ کہ انہیں حضور ﷺ سے کمال کا قرب تھا۔ پھر تو آپ ﷺ کی نبوت کا اثر نہ رہا۔ اور اتنا اثر بھی نہ رہا کہ آپ کے فوراً بعد لوگوں نے قرآن کے اندر اختلاف شروع کر دیا۔ فرماتے ہیں کہ جب یزید پلید میرے دادا حضرت حسینؓ کے خلاف ہوا اور وہ دین کی حدود کو پامال کر رہا تھا تو آپؓ نے اس کے خلاف آواز اٹھائی جسے سارا عالم جانتا ہے۔ پھر علی کے ہوتے ہوئے ایسا ظلم ہوا ہو اور وہ خاموش رہیں۔ ناممکن ہے۔ فرمایا یہ لوگ جو ہمارے ساتھ محبت کا دعویٰ کرتے ہیں یہی ہمارے اصل دشمن ہیں کیونکہ قرآن ہمارے گھر اترا پھر ہم نے اس امانت کو لوگوں تک پہنچایا اور پھر کوئی اس پر زیادتی کرے اور ہم خاموش بیٹھ رہیں پھر تو قصور ہمارا ہوگا۔ اور کیا کوئی ذی شعور ایسا قیاس کر سکتا ہے۔ یہ گروہ بالکل بے دین ہے اور اسے میرے نانا جان ﷺ اور قرآن کے ساتھ دشمنی ہے۔ فرماتے ہیں ان کی ایک اور روایت میرے سامنے ہے۔ فرح کا والد ثعلبہ بیان کرتا ہے۔ دونوں باپ بیٹا اس گروہ کے صدر ہیں۔ ثعلبہ کہتا ہے کہ میں نے اپنے والد علی بن جعفر سے سنا وہ کہتا ہے کہ میں نے سعید بن موسیٰ سے اور اس نے حضرت علیؓ عثمانؓ کے دور میں قوم انصار سے کھالوں پر لکھا ہوا ایک قرآنی نسخہ حاصل کیا جس کی دو سو سترہ (۲۱۷) سورتیں تھیں۔ انہوں نے کہا۔ اے انصار دیکھو یہ اصل قرآن ہے اس کی زیارت کرو۔ اس میں فضائل اہل بیت اور اقوام عالم کے لئے نصیحت ہے۔ جو قرآن تم پڑھ رہے ہو اسے ابوبکرؓ وعمرؓ، عثمانؓ نے از خود بنایا ہے۔ یہ قرآن وہ ہے جس میں دشمنان اہل بیت کے حالات ہیں اور ہمارا نام تک نہیں۔ کیا تم اس قرآن کو پڑھو گے اور میری حمایت کرو گے؟ انہوں نے کہا اے علی! یہ قرآن تم اپنے گھر میں رکھو ہم تو وہی قرآن پڑھیں گے جسے عثمانؓ نے لکھا ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا تم آئندہ اس قرآن کو کبھی نہ دیکھو گے اور کہا کہ ان تینوں نے اپنی مرضی کا قرآن بنایا ہے اور اپنی مرضی سے سورتیں آگے پیچھے لکھی ہیں۔ حماد بن موسیٰ کہتا ہے حضرت علی نے مجھ سے فرمایا، تو گواہ ہے۔ پھر حضرت علیؓ اس قرآن کو اپنے گھر لے آئے اور اپنے ماننے والوں کو چھپ کر پڑھاتے تھے پھر اپنی وفات کے وقت اپنے بیٹے امام حسینؓ سے فرمایا اے بیٹا! یہ اصل قرآن ہے۔ وہ عثمانؓ کا بنا ہوا ہے۔ تو اس کا خیال کرنا یہ تیری نسل میں رہے گا تیری نسل سے آخری امام مہدی ہوگا وہ سارے عالم میں اس قرآن کا پرچار کرے گا اور عثمانؓ کے جمع کئے ہوئے قرآن کو ختم کر دے گا۔ اس وقت تک تم یہی قرآن پڑھنا اور اسے چھپ کر پڑھنا۔ پھر یہی وصیت امام حسینؓ نے اپنے بیٹے زین العابدین کو کی۔ علی زین العابدین اس نصیحت پر عمل کرتے رہے اور انہوں نے وہ قرآن اپنے بیٹے امام باقر کو دیا۔ وہ بھی ایسا کرتے رہے اور انہوں نے وہ قرآن اپنے بیٹے جعفر صادق کو دیا۔ اور وصیت کی۔ پھر انہوں نے موسیٰ کاظم کو دیا۔ ان کے بعد پتہ نہیں وہ قرآن کدھر گیا بقول وصیت تو انہوں نے اسے اپنے بیٹے امام محمد تقی کو دینا تھا اور انہوں نے میرے اور میرے بھائی علی نقی کو سپرد کرنا تھا۔ حالانکہ میں امام محمد کا بڑا بیٹا ہوں۔ پھر اس قرآن کو ہمارے پاس ہونا چاہئے تھا پھر میرے بھتیجے عسکری کے بارے میں کہتے ہیں کہ امام مہدی ان کا بیٹا ہوگا۔ تو پھر اصل قرآن ہم اپنے بیٹے حسن عسکری کے سپرد کرتے تا کہ وہ اپنے بیٹے امام مہدی کو دیتے۔ وقت تو قریب آ گیا لیکن وہ قرآن غائب ہے۔ وہ کہاں گیا؟ میرے دادا موسیٰ کاظم نے اسے کہیں غائب کر دیا حالانکہ اسے ہمارے گھر میں ہونا چاہئے تھا۔ پھر لکھتے ہیں ہمارے ہوتے ہوئے بھی اتنا جھوٹ؟ فرمایا اللہ ایسے لوگوں پر لعنت کرے یہ مرتد ہیں اور ہمارے پاس وہی قرآن ہے جو سارے عالم کے لئے اترا جو عیاں ہے عورتوں، مردوں اور بچوں کے سینے میں ہے یہ سارے عالم میں پھیلا ہوا ہے۔ یہ قرآن بے مثل ہے اور رہے گا۔ پھر فرماتے ہیں اے مرتدو! اگر یہ عثمانؓ کا بنایا ہوا ہے تو تم بھی اس کی مثل بنا لاؤ لیکن وہ عاجز ہیں۔ قرآن کی حفاظت اللہ نے اپنے ذمے لے رکھی ہے۔ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ مرتد ہیں اہل بیت کا نام لے کر یہ کہتے کچھ ہیں اور چاہتے کچھ اور ہیں۔ فرمایا اسی صدی کے اندر ایک اور اختراع ہے فرماتے ہیں میں نے صوفی یونس سے سنا وہ کہتا ہے کہ میں نے بشر بن مغیرہ سے وہ کہتا ہے کہ میں نے زہری سے اور زہری کہتا ہے میں نے بہت سے صحابہؓ سے یہ سنا کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد ہماری دادی فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا نے کچھ کھجوروں کا مطالبہ کیا ورثہ کے لئے فرماتے ہیں کہ کافی لوگ اس روایت کو بیان کرتے ہیں عبیدہ ابن قرح کہتا ہے کہ میں نے حماد بن عثمان سے سنا وہ کہتا ہے میں نے زہری سے سنا۔ یاد رہے کہ زہری دو ہوئے ہیں ایک محمد بن مسلم بن شہاب ابن زہری جو محمد بن مسلم تھے آپ جید حافظ الحدیث تھے وہ میرے دادا امام باقر اور ان کے والد امام زین العابدین کے بھی شاگرد تھے اور صحابہ کے بھی۔ اور دوسرے زہری عبداللہ بن زہری بن شہاب نام تھا وہ ان کی مجلس میں بھی بیٹھتے اور دیگر صحابہ سے بھی ملتے تھے لیکن فرقہ تشیع کا بھی ان میں میلان تھا۔ تو یہ روایت انہی سے

Marfat.com

منسوب ہے۔ انہوں نے ابوبکرؓ سے کہا کہ جس طرح تو اپنے باپ کی وراثت کونہیں چھوڑتا میں بھی اپنے باپ کی وراثت کونہیں چھوڑوں گی اور یحییٰ بن قیس سے امام زہری نے کہا کہ حضرت فاطمہؓ نے قاصد کو بھیجا۔ دیکھئے ایسے شخص پر ہم کیسے اعتماد کریں جو ایک کو کہتا ہے کہ حضرت فاطمہؓ خود دوڑی ہوئی آئیں اور دوسرے سے کہتا ہے کہ انہوں نے اپنا قاصد بھیجا تھا۔ فرماتے ہیں بھلا ان کی کونسی بات کو ہم مانیں اور کونسی نہ مانیں؟ صاحب خزینۃ القرآن لکھتے ہیں کہ اصل بحث اس بات پر ہے کہ ہمارے دادا امام جعفر صادق کی املا میں یہ درج ہے کہ جو ہمارے پاس محفوظ ہے اور ہمارے دادا کی کتاب مجموعۃ الاحادیث بھی میرے پاس موجود ہے اور تفسیر امام باقر بھی جو ایک عظیم تفسیر ہے۔ اور ان دونوں میں یہ لکھا ہے کہ حضرت فاطمہؓ رسول اللہ ﷺ کے بعد صرف چھ ماہ زندہ رہیں اور اپنے والد کی محبت کے فراق میں بہت تکلیف میں رہیں۔ انہیں اپنے والد کی جدائی کا اس قدر صدمہ تھا کہ وہ میرے ساتھ بھی بہت کم گفتگو فرماتیں۔ اور حسنؑ حسینؑ اور زینب وام کلثوم کو بہت پیار کرتیں۔ ہمارے ان چاروں کے سوا انہوں نے کسی سے کوئی بات ہی نہیں کی۔ فرماتے ہیں کہ مجھے تو یہ سند اپنے گھر سے ملی ہے۔ پھر دوسروں کی بات کیوں سنوں۔ یہ اختراع ہے۔ فرمایا یہ کتنی غلط بات ہے کہ وہ زہری یہ کہتا ہے کہ حضرت فاطمہؓ دوڑتی ہوئی آئیں۔ فرمایا وہ تو شرم وحیا کی پیکر تھیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہتی تھیں تو حضرت فاطمہ آپ ﷺ کی کمر پر اپنی آنکھیں رکھ کر چلتی تھیں اور حضور ﷺ کے قدموں پر قدم رکھتیں اور ان کے قدموں پر حضرت علی کے قدم ہوتے اور آہستہ آہستہ چلتیں جیسے کوئی بوڑھی عورت چلتی ہے فرمایا کہ دیکھو یہ حدیث تواتر سے ہے پھر یہ کتنا بڑا بہتان ہے حضرت فاطمہؓ پر۔ فرمایا ھذا بھتان عظیم فرماتے ہیں اس پر بحث آئندہ سورۃ نساء میں ہوگی۔ فقیر بھی مکمل بحث وہیں کرے گا۔ فرماتے ہیں کہ محدثین کو سوچ سے کام لینا چاہئے۔ ان کی عبارت یہ ہے:

والناس سئلتمونی من المحدثین . کیف کانوا وعندی التی کانوا ولا یکون منهم العداوة والبغض والحسدو کانوا صدورهم وقلوبهم مطهرًا ولکن کان اختلاف بینهم شدید ویقولون کافرون من محدثین البغداد من محدثین بمکة . التی یقولونهم کافرون . قال کذلک تلمذی ابن اسماعیل من امام اعظم رضی الله عنه کان من الانعام النّاس ویعقول لهو حتی التی کان امام اعظم سراج الائمه من جدی رسول الله صلی الله علیه وسلم التی کان تلمیذ وجدّی امام محمد باقر

ترجمہ:

لوگ مجھ سے تمام محدثین کے بارے میں پوچھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ میرے نزدیک محدثین بغض اور حسد سے پاک ہیں۔ لیکن ایسا نہیں۔ ان کے درمیان سخت اختلاف ہے۔ بغداد کے محدثین نے مکہ کے محدثین کو کافر کہا اور انہوں نے ان کو۔ اسی طرح میرا شاگرد ابن اسمعیل امام اعظمؒ کو عام لوگوں میں سے کہتا ہے اور اس کا یہ کہنا ہرگز جائز نہیں۔ جبکہ امام اعظم تو میرے نانا کی امت کے چراغ ہیں۔ اور میرے دادا امام باقر کے شاگرد۔ تو فرماتے ہیں کہ محدثین کو ایسا رویہ اختیار کرنا ہرگز جائز نہیں۔''

پھر فرماتے ہیں کہ قرآن اصل الاصول ہے حضور ﷺ نے جم غفیر صحابہ سے یہ فرمایا کہ قرآن تمام علوم پر حاوی ہے۔ اور تمام علوم کا اصول ہے اور تمام فقہ اور ہر چیز اسی سے تلاش کرو۔ قرآن کے اندر بے بہا علوم ہیں۔ جو کہ لامحدود ہیں۔ فرماتے ہیں پھر عقل والے اسے تلاش کرتے ہیں جتنی کہ ان کی علمی وسعت ہوتی ہے۔

مسئلہ چوتھا:

سورۃ تو قرآن کے ایک ٹکڑے کا نام ہے اور سورۃ کے اندر حرف واوٗ اصلی ہے جو کہ سورۃ البلدء سے ماخذ ہے یعنی شہر پناہ۔ اسی لئے قرآن کی سورۃ محدود ہوتی ہے۔ وہ علوم کو اپنے میں احاطہ کئے ہوئے ہوتی ہے۔ اسی طرح سے رتبہ کے لحاظ سے یہ سورتیں نازل ہوئی ہیں۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ لوح محفوظ پر بڑی سورتیں پہلے ہیں اور چھوٹی بعد میں۔ سب سے پہلے سورۃ فاتحہ ہے اور آخر میں والناس ہے۔ یہ حدیث حضرت علی نے اپنے مجموعہ میں لکھی اور تفسیر

Marfat.com

امام باقر، ابی بن کعب، ابن عباس، ابو العالیہ، اسود بن یزید تابعی الانوی میں ہے۔ سرکار مدینہ نے صحابہؓ کے جم غفیر میں فرمایا کہ اس طرح قرآن کی سورتیں جب منزل پڑھنے والا پڑھتا ہے۔ منزل کو طے کرتا جاتا ہے کبھی بڑی سورتیں کبھی چھوٹی اور کبھی اوسط۔ اسی طرح قرآن کی سورتوں کا حال ہے۔ یا بعض قرآء نے اس کو علی عبادنا پڑھا تو اس سے حضور ﷺ کی امت مراد ہوگی۔ دیانت داری کے ساتھ لوگ ان کو پڑھیں کیونکہ سورتوں کی بلند عظمت وشان ہے اس کی واؤ ہمزہ سے بدلی ہوئی ہے تو ان سورتوں کا نام اس لئے سورۃ رکھا گیا ہے کہ جس قدر بھی سورتیں ہیں۔ وہ قرآن کے ٹکڑے ہیں۔ اس واسطے کہ سورۃ بالہمزان معنی کے ساتھ ہے کہ باقی ماندہ چیزیں۔

اگر کوئی کہے کہ قرآن کی سورتیں جو بنائی گئی ہیں اور قرآن کو یکساں کیوں نہیں رکھا گیا اور اس کا کیا فائدہ ہے تو اس کا جواب بچند وجوہ ہے۔

1- جس طرح مصنفین کتابوں میں ابواب اور فصول لکھتے ہیں قرآن میں بھی یہی صورت اختیار کی گئی ہے۔

2- یہ کہ ایک جنس کے اندر انواع پائے جاتے ہیں تو ہر نوع کے افراد دوسرے نوع کے افراد سے الگ ہوتے ہیں۔

3- قرآن کی تلاوت کرنے والا ایک سورۃ کو تمام کرتا ہے جیسا کہ کتاب پڑھنے والا اس کے باب یا کسی فصل کو پڑھ لیتا ہے تو اسے نفع ہو جاتا ہے اور خوشی خوشی تمام کتاب کو بتدریج پڑھ لیتا ہے۔

علی ھذا القیاس جب مسافر کو سفر کرتے وقت اس کا سفر ایک میل یا ایک فرلانگ کم رہ جائے تو اس وقت وہ بہت کم تھکان محسوس کرتا ہے۔ اور خوش خوش آگے قدم بڑھاتا ہے بخلاف اس کے کہ برابر راہ چلتا رہے اور کچھ بھی پتہ نہ چلے کہ کس قدر راستہ کم ہوا ہے اور کتنا باقی ہے۔

4- جب کوئی حافظ قرآن کو حفظ کرنا چاہتا ہے تو قرآن کی کوئی ایک سورۃ حفظ کرتا ہے تو خوشی محسوس کرتا ہے کہ میں قرآن کے ایک حصہ کا مستقل حافظ ہو گیا ہوں۔ اس کے دل کو اطمینان اور خوشی نصیب ہوتی ہے۔ پھر دوسری سورت یاد کرنے کی حرص بڑھتی ہے اور اسی طرح جب بتدریج وہ سارا قرآن حفظ کر لیتا ہے تو اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہوتا۔ اسی واسطے نماز میں پوری سورت کا پڑھنا افضل ہے۔

مسئلہ پانچواں:

فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ سے مراد قرآن پاک کی سورتوں کے مطابق ڈھلنا اور تنزیل کے موافق ہونا ہے۔ امام رازی فرماتے ہیں کہ مفسرین کا گروہ یہ کہتا ہے کہ یہ ترتیب حضرت عثمانؓ نے دی ہے اس طرح کہ کفار کے ساتھ اس کا معاوضہ کرنا درست ہوگا۔

مسئلہ چھٹا:

کفار کا مقابلہ قرآن کے ساتھ چند وجوہ سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے حبیب پاک ان سے کہہ دیجئے کہ تم اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں کوئی ایسی کتاب لاؤ جس میں زیادہ ہدایت ہو۔ دوسری جگہ فرمایا کہ اگر تمام جن وانس اس بات کا ارادہ کر لیں کہ ہم قرآن کی مثل لائیں تو نہ لاسکیں گے اگرچہ ایک دوسرے کی مدد کیوں نہ کرتے رہیں۔ قرآن پاک کا یہ تمام عالم انسانیت کو چیلنج ہے۔ اور چودہ سو سال ہو چکے ہیں آج تک قرآن بدستور اسی طرح پڑھا جاتا ہے جس طرح وہ نازل ہوا۔ اللہ فرماتا ہے کہ قرآن کی دس سورتوں کی مثل لاؤ لیکن وہ اس سے عاجز ہیں۔ جس طرح کوئی شخص ایک کتاب تصنیف کرے اور دوسرے سے کہے کہ تم بھی اس کی مثل بنا کر لاؤ مقابلہ کے طور پر یا نصف حصہ یا چوتھائی۔ اگر کوئی یہ کہے کہ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ سورۃ کی مثل بھی۔ اس میں وَالْعَصْرِ۔ اِنَّآ اَعْطَيْنَا۔ قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ان جیسی چھوٹی سورتیں بنانا انسان کے لئے ممکن نہیں۔ لیکن ایسا کہنا بالکل قرآن سے مقابلہ ہوگا۔ اور شدید کفر ہوگا۔ اگر یہ سورۃ فصاحت وبلاغت میں اعجاز کو پہنچی ہوئی ہے تو ہمارا کہنا بے جا نہ ہوگا۔ اس کی مثل لانا ناممکن ہے لہٰذا کفار سے ایسا نہ ہو سکا۔ یہ ایک معجزہ ہے اور اس کا اعجاز ثابت ہو گیا۔ اس ضمن میں احادیث گزر چکی ہیں۔

مسئلہ ساتواں:

من مثلہ کے اندر ضمیر کے اعتبار سے دو احتمال ہیں:

مانزلنا کے اندر جو ما ہے وہ موصولہ ہے صاحب خزینۃ القرآن اس کے معنی یہ فرماتے ہیں کہ یہ حسن عبارت کے اعتبار سے احسن ہے۔ جو قرآن نازل ہوا اس کی مثل لانا غیر ممکن ہے۔ اور نزلنا سے مراد قرآن ہے۔

Marfat.com

دوسرا یہ کہ عبدنا کی طرف اس کی ضمیر ہے کہ ہم نے اپنے حبیب ﷺ پاک پر یہ نازل فرمایا اور عبد کی چند قسمیں ہیں۔ عبد کی تین قسمیں ہیں: (۱) عبد رقیق (۲) عبد آبق، (۳) عبد با اختیار، عبد رقیق وہ ہے جس کے اندر کفار اور مومن و شرک سب شامل ہیں۔ عبد آبق وہ ہے جو اپنے مالک کا باغی غلام ہوتا ہے۔ عبد با اختیار اسے کہتے ہیں کہ جیسے کوئی اپنے تمام اختیارات کسی کو سونپ دے۔ باقی سب عبد ہیں اور عبدنا ، عبدہ یا عبدہ صرف نبی کریم ﷺ کی ذات ہے۔ بندوں کو عبد کیوں کہا گیا۔ عبد عبادت کے تعلق سے ہے۔ تمام عبادت مخلوقات میں سے سب سے زیادہ نبی پاک ﷺ کی ہے۔ عبادت کی وجہ سے آپ نے قرب حاصل کیا جو کسی کو حاصل نہیں۔ اس لئے آپ ﷺ کے لئے عبد کیساتھ ''نا'' کو داخل کیا گیا۔ یہ ''نا'' آپ ﷺ کی عظمت کے اظہار کے لئے ہے اور ''ھی'' اور ''ھو'' آپ ﷺ کے خاصیت کے لئے ہے لیکن ھی یا ھو سے لفظ ''نا'' زیادہ مقدم ہے۔ جب ''نا'' عبد کے ساتھ داخل ہوا تو آپ ﷺ کو یہ درجہ حاصل ہوا کہ آپ 'حبیب اللہ' ہو گئے۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ لفظ نا عبد کے ساتھ تعبیر ہوتا ہے تو آپ ﷺ کو یہ مقام حاصل ہوتا ہے تو اللہ فرماتا ہے جو میرے ساتھ حد درجہ قرب رکھتے ہیں۔ انہیں میں اپنا حبیب بنالیتا ہوں اور زمین و آسمان کی تمام اشیاء اس کے لئے مسخر کر دیتا ہوں۔ فرماتے ہیں کائنات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوق میں سے اپنے حبیب ﷺ کو پسند فرمایا اور سب سے زیادہ اختیار بھی آپ کو عطا فرمایا۔ سیدہ عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ تمام انبیاء علیہ السلام اللہ کے ارادہ پر چلتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ خود حضور ﷺ کے ارادہ پر چلتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہوں۔ یہ حدیث تفسیر امام باقر اور باقی کتب تفاسیر اور کتب احادیث میں موجود ہے اور امام بخاری نے بھی بیان کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اپنا حبیب پسند فرمایا یوں تو عام انسانوں کے لئے بھی ارشاد باری ہے کہ زمین و آسمان کی تمام اشیاء تمہارے لئے مسخر کر دی ہیں (پارہ ۲۵) تو حضور ﷺ تو تمام مخلوق سے اعلیٰ و اولیٰ ہیں۔ سرکار مدینہ اولیٰ بھی ہیں اور حبیب بھی فرماتے ہیں۔ اللہ کو اپنے حبیب سے کتنا پیار ہے کہ زمین و آسمان کی تمام چیزیں آپ کی خدمت کے لئے ہیں فرماتے ہیں میرے جد امجد حضرت علی اپنے مجموعہ میں لکھتے ہیں کہ ایک غزوہ کے موقع پر میری نماز عصر فوت ہو گئی کہ نبی پاک ﷺ میری گود میں سر مبارک رکھ کر استراحت فرما رہے تھے اور سورج غروب ہونے کو تھا۔ آپ ﷺ نے استراحت سے فارغ ہو کر حضرت علی سے فرمایا کہ کیا آپ نے نماز عصر ادا کی؟ عرض کیا نہیں! آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک دعا کے لئے اٹھائے تو سورج واپس لوٹا اور میں نے نماز ادا کی فرماتے ہیں اگر کوئی اس امر پر شبہ کرے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یوشع بن نون نے بھی اپنے زمانے میں اسی طرح دعا مانگی اور سورج واپس ہوا تھا۔ یہ بات حضور ﷺ نے ارشاد فرمائی اور یہ حدیث متواتر ہے۔ امام مسلم نے اسے جامع مسلم میں نقل کیا ہے۔ یہ دونوں حدیثیں تفسیر امام باقر، ابو العالیہ، ابی بن کعب، حسن بن علی، خواجہ حسن بصری، طاؤس ثوری اور کافی مفسرین نے درج کی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ یہ دونوں حدیثیں مرفوع ہیں۔ ان میں اعتراض کی گنجائش نہیں کیونکہ حضرت علی صحابہ میں بزرگ ہیں اور احادیث و تفسیر میں بے مثال ہیں۔ یہ واقع ان کے ساتھ ہوا اور خود ہی انہوں نے قلمبند کیا۔ فرمایا کہ اس پر جرح تعدیل۔ یہ دونوں روایتیں میں نے مجموعۃ الاحادیث میں پڑھی ہیں۔ حضرت علی لکھتے ہیں کہ میری نماز فوت کیوں ہوئی۔ ہم غزوہ تبوک سے واپس آ رہے تھے تو راستے میں حضور ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ سامان کا خیال رکھنا۔ باقی صحابہ آگے جا رہے تھے کیونکہ راستہ میں دشمن کا خطرہ اور اندیشہ تھا کہ کفار حملہ آور نہ ہو جائیں۔ جب غزوہ تبوک ختم ہوا ظہر کا وقت تھا ظہر ڈھلنے لگی تو راستہ میں آپ ﷺ نے دس ہزار صحابہ کے ہمراہ نماز عصر ادا فرمائی۔ حضرت علی کہتے ہیں کہ میں پیچھے رہا کہ حضور ﷺ نے مجھے یہی حکم دیا تھا اب حضور ﷺ میرے منتظر تھے۔ پس جب میں پہنچا تو سرکار دو عالم نے تمام صحابہ کو جانے کی اجازت فرمائی سوائے پانچ سو صحابہ کے جو آپ ﷺ کے ساتھ رہ گئے اور ان میں ابو بکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی۔ عبدالرحمٰن بن عوف بھی موجود تھے۔ میں آپ ﷺ کے قریب بیٹھ گیا تو حضور ﷺ نے حسب عادت پوچھا کہ کوئی چیز پیچھے تو نہیں رہ گئی؟ میں نے عرض کیا تمام چیزیں پہنچ گئی ہیں۔ آپ ﷺ حسب عادت قیلولہ فرماتے تھے مگر اس روز آپ ﷺ قیلولہ نہ فرما سکے آپ ﷺ نے میری گود میں اپنا سر مبارک رکھا اور ابو بکر صدیق، عمر فاروق، عثمان و عبدالرحمٰن آپ ﷺ کے چہرہ اقدس کو تک رہے تھے فرماتے ہیں کہ سورج غروب ہونے کو تھا کہ آپ ﷺ بیدار ہوئے۔ آپ ﷺ نے میری نماز کے متعلق پوچھا۔ میں نے عرض کیا کہ سوچا تھا کہ جماعت میں شامل ہو جاؤں گا مگر آپ ﷺ نے قیلولہ کا ارادہ فرمایا تو میں نے سوچا کہ نماز تو پھر بھی پڑھی جا سکتی ہے لیکن یہ موقع شاید دوبارہ نہ مل سکے۔ تب آپ ﷺ نے دعا فرمائی اور سورج اتنا بلند ہوا کہ میں نے نماز ادا کر لی اس وقت پانچ سو صحابہ کے حلقہ میں آپ ﷺ نے خطاب فرمایا کہ قبل ازیں حضرت یوشع بن نون نے بھی اسی طرح سورج کو واپس لوٹایا تھا۔ حضرت ابو بکرؓ اور عمر فاروقؓ نے عرض کیا کہ یوشع بن نون تو نبی تھے مگر آپ ﷺ تو نبی بھی ہیں اور حبیب رب العالمین بھی اور یہ تو آپ کا چھوٹا سا معجزہ ہے۔ جب ہم مدینۃ الرسول پہنچے تو مدینہ کے تمام مرد و زن آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضور ﷺ آج ایک انوکھی بات دیکھی گئی کہ سورج

Marfat.com

غروب ہونے کو تھا کہ واپس لوٹ آیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ علیؓ کی نماز فوت ہو رہی تھی میں نے دربارِ الٰہی میں دعا کی کہ میرے اللہ میرے دوست کی نماز فوت ہونے کو
ہے تو اپنے فضل سے سورج کو واپس بھیج دے جس طرح یوشعؑ بن نون کے زمانے میں ہوا تھا۔ بعدازاں شام، ترک اور گرد و نواح سے بھی یہی اطلاعات آئیں تو سرکارِ مدینہؐ
یوشع بن نون کی مثال دے کر اپنی دعا کا تذکرہ فرماتے ہیں۔ اب تعدیل۔ اب یہی روایت ابواللیث نے جو میرے دادا امام جعفر صادق کے شاگرد تھے اور ہارون الرشید کے
عہد کے مستند عالم تھے اور مدرسہ بغداد کے صدر مدرس تھے یہی روایت امام جعفر صادق سے بیان فرمائی اور پچپن ہزار کے مجمع میں بیان کی۔ امام باقر نے ان دو حدیثوں کو
بعینہٖ اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے۔ امام جعفر نے یہ روایت اپنے ماموں قاسم سے جو آپ کے پیرو مرشد بھی تھے۔ انہوں نے اپنے والد عبدالرحمٰن سے اور انہوں نے یہ مکمل واقعہ
حضرت ابوبکر سے انہی لفظوں میں سنا جو درج ہوا ہے۔ (۲) امام جعفر صادق نے یہی روایت اپنے والد محمد ابن علی ابن حسین ابن علی علیہ السلام سے اور انہوں نے حضرت
ابن عباس سے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ بڑے جلیل القدر صحابی ہیں جن کی نماز فوت ہو رہی تھی کہ حضور ﷺ نے شمس کو واپس لوٹایا۔ تیسری سند: امام جعفر
صادق فرماتے ہیں کہ یہ روایت میں نے اپنے چچا زید بن علی سے سنی۔ انہوں نے حضرت اسماء بنت عمیس سے۔ وہ فرماتی ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ نے یہ تمام واقعہ حضرت
علی سے سنا۔ اور فرمایا کہ تم بہت خوش قسمت ہو کہ تمہاری نماز فوت ہونے پر نبی پاک ﷺ نے سورج کو واپس لوٹایا جس طرح یوشع بن نون نے سورج کو لوٹایا تھا۔ سورج
لوٹانے کی بات سارے عالم میں عیاں ہوگئی ہے۔ اسماء الرجال مطبوعہ مصر جلد ۲ صفحہ ۴۶۴ پر امام بخاری نے حاشیہ لکھتے ہوئے اس حدیث کو مرفوع اور مستند لکھا ہے آپ
فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کا سورج کو لوٹانا تواتر سے ثابت ہے۔ یہی الفاظ انہوں نے نقل کئے ہیں۔ علامہ توری نے بھی شرح مسلم میں انہی الفاظ سے انہیں مستند فرمایا۔
محدثین کے صدر امام زہری نے بھی اسے عبداللہ بن عمیر، حضرت عمرؓ اور حضرت ابوبکر صدیق کی اسناد سے بیان فرمایا ہے۔ مسند عبدالرزاق میں بھی یہ تمام سندات درج ہیں
جو کہ امام بخاری کے استاد تھے۔ امام بخاری سے بھی اس کی سند مل گئی۔ شفا شریف میں امام مخفی، شرح شفا شریف میں امام ملا علی قاری نے بھی انہی الفاظ کے ساتھ تمام
سندات درج فرمائی ہیں۔ فی زمانہ لوگ چاند پر انسان کا پہنچنا تسلیم کر رہے ہیں لیکن حضور ﷺ پر اعتراضات کی بوچھاڑ ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے سورج کو کس طرح
لوٹایا۔ اگر یہ لوگ (سائنسدان) دعویٰ کریں کہ ہم لامکان تک پہنچ گئے ہیں تو لوگ بلاچون و چرا تسلیم کر لیں گے تو سرکارِ عالم کا شمس کو لوٹانا کیوں تسلیم نہیں کرتے۔ الغرض یہ
حدیث مرفوع ہے اور اکثر جید محدثین و مفسرین کی سندات سے ثابت ہے۔ کاذب لوگ اسے جھٹلاتے ہیں اور وہ حدیث کی اہمیت سے نابلد ہیں۔ صاحب خزینۃ القرآن
نے عمر و عبداللہ ابن مسعود، ابن عباس، حضرت امام حسن و امام حسین اور اکثر محققین کی رائے درج کی ہے یہی عبارت امام رازی نے بھی خزینۃ القرآن سے بعینہٖ نقل کی ہے۔

نوٹ:

یاد رہے کہ تفسیر کبیر کے مصنف اپنی تفسیر میں زیادہ تر عبارات خزینۃ القرآن اور تفسیر امام باقر کی نقل کرتے ہیں۔ جو تقابل کرنے سے سے واضح ہو جاتی ہیں۔

1- معنی تمام ان آیات کے مطابق ہیں جو تحدی اور معارضہ کے لئے وارد ہوئی ہیں۔ گفتگو یہی واقعہ ہے جو سورۃ یونس کے اندر ارشاد ہوا ہے۔

2- فَأْتُوا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ لیکن اللہ ارشاد فرماتا ہے وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا اور مثلہ کی ضمیر کا مرجع ما نزلنا ہے۔

3- اگر ضمیر مرجع کے موافق ہو تو یہی نتیجہ نکلے گا کہ چاہے جمع ہو کر اس کی مثل لانا چاہئیں یا تنہا ہو کر، پڑھے ہوئے ہوں، یا ان پڑھ ہوں۔ عاجز ہیں۔
جب ضمیر نبی اکرم ﷺ کی طرف راجع ہو تو یہی نتیجہ نکلے گا کہ حضور ﷺ نے کسی سے ایک حرف بھی نہیں پڑھا۔ آپ ﷺ امی ہیں اور آپ ﷺ پر اللہ کا
کلام اترا۔ اگر محمد ﷺ کی طرف راجع ہو تو آپ ﷺ کسی سے نہیں پڑھے کیونکہ دوسرا شخص ان پڑھ ہی آپ ﷺ کی مثل آئے تو یہ ناممکن ہے۔ اگر وہ اکٹھے ہو کر پڑھے
ہوئے اس کی مثل لانا چاہیں لیکن جماعت واحد کی مثل نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا یہ بھی غیر ممکن ہے تو قرآن کا اعجاز بقوت ثابت ہوا۔

4- اگر ہم اس کی ضمیر قرآن کی طرف مرتکز کریں تو اس کی فصاحت کامل ہوگی۔ اور اس کا قوت سے معجز ہونا ثابت ہوگا اور حضور ﷺ کی حدیث بھی یہی ہے۔
آپ ﷺ نے فرمایا کہ قرآن کا دعویٰ ساری مخلوق کے لئے ہے اور اس کا معجز ہونا نزلنا کو پڑھ لو۔ تو یہ بات خود حدیث سے ثابت ہوگئی۔ یہی حدیث تفسیر
امام باقر اور الاوفوی میں ہے اکثر مفسرین نے اس کی ضمیر کو قرآن کی طرف راجع کیا ہے اور کچھ مفسرین نے حضور ﷺ کی طرف لیکن فقیر کی رائے اکثر مفسرین کے ساتھ
ہے۔

5- اگر اس کی ضمیر آپ ﷺ کی طرف راجع کی جائے تو بہ نسبت آپ ﷺ کے دوسرا شخص اس کی مثل لانے میں کامیاب ہوگا۔

Marfat.com

لفظ اُمّی پر بحث:

اُمّی ان پڑھ کو کہتے ہیں تو کیا قرآن مجید میں لفظ امی نبی پاک ﷺ کے لئے وارد ہوا ہے؟ امی ان پڑھ اور جاہل کو کہا جائے تو جاہل شبہات میں پڑ سکتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ اگر امی اور ان پڑھ ہیں تو آپ ﷺ کو اپنی نبوت پر کس طرح صدق آ سکتا ہے؟ صاحب خزینۃ القرآن لکھتے ہیں اگر لفظ امی کے معانی ان پڑھ اور جاہل کے لئے جائیں تو جاہل شبہات میں پڑ سکتا ہے۔ کیونکہ یہ امر مسلم ہے کہ ان پڑھ سے پڑھا ہوا افضل ہوتا ہے لیکن نبی پاک امی کن معنی میں ہیں کیونکہ ان پڑھ نبی کو صدق اور کذب کی خبر کس طرح معلوم ہو سکتی ہے اور پڑھے لکھے لوگ ایک ان پڑھ کی تائید کیسے کر سکتے ہیں جبکہ سارا عالم نبی پاک ﷺ کا تابع ہے اور تابع ہونا اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ آپ کا علم سب سے زیادہ ہو۔ تبھی آپ کی پیروی ہو سکتی ہے اور لوگ آپ کے علم کے قائل ہوں۔ دوسرے نبی پاک ﷺ نے جو بھی خبر دی آج تک وہ صداقت پر مبنی ہے۔ قرآن میں ارشاد ہے کہ جو لوگ امی نبی کی اتباع کرتے ہیں یہ بات تورات میں بھی موجود ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن، حضرت علی، حضرت ابن عباس، ابن مسعود کی سندات درج کرتے ہیں اور امام باقر، مقاتل، ابوالعالیہ، نور القرآن اور الاوفوی فرماتے ہیں کہ صحابہ کا جم غفیر موجود تھا انہوں نے سرکار کی بارگاہ سے لفظ امی کے بارے میں دریافت کیا۔ اور عرض کیا یا رسول اللہ! ہمارے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان جائیں کہ عربی زبان میں امی ان پڑھ اور جاہل کو کہا جاتا ہے۔ آپ ﷺ کے لئے بھی لفظ امی قرآن میں ارشاد ہوا ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ امی اس کو کہتے ہیں جو کسی سے نہ پڑھا ہو۔ مجھے اللہ نے علم سے بہرہ ور فرما کر مبعوث فرمایا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی نبی کو کسی قوم پر بھیجتا ہے تو وہ رسول اس قوم کی زبان کو جانتا ہے پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی جس کا ترجمہ ہے: ''نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول جو اپنی قوم کی زبان کو نہ جانتا ہو۔ مجھے اللہ نے خود علم عطا فرمایا ہے۔ جب جبریل علیہ السلام امین پہلی وحی لے کر میرے پاس آئے اور کہا کہ پڑھئے تو میں نے کہا۔ اے جبریل علیہ السلام! میں پڑھنے والا نہیں بلکہ پڑھانے والا ہوں۔ فرماتے ہیں کہ میں اس دعویٰ کو قرآن سے ثابت کرتا ہوں کہ امی ان پڑھ یا جاہل کو نہیں کہا جاتا۔ اللہ تعالیٰ سورۃ جمعہ کی دوسری آیت میں فرماتا ہے: ''اللہ تو وہی ہے جس نے ان پڑھ جاہل لوگوں میں اپنا رسول بھیجا جو میری نشانی تلاوت کرتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور کتاب وحکمت سکھاتا ہے'' دیکھئے اس آیت میں یہی لفظ امی وارد ہے۔ جب عام لوگوں کے لئے لفظ امی وارد ہو تو اس کے معنی جاہل کے ہوں گے۔ لیکن جب نبی کے لئے ہو گا تو معنی یہ نکلیں گے کہ اس رسول نے کسی سے نہیں پڑھا۔ بلکہ اللہ نے خود اسے پڑھا کر بھیجا ہے۔ جس طرح کہ اللہ نے آیت مذکورہ میں وارد فرمایا۔ یعنی تمام لوگ جاہل تھے اور اللہ نے ان پر معلم رسول بھیجا۔ معلم وہی ہوتا ہے جو علم سے بہرہ ور ہو۔ بات ہو رہی تھی قرآن کے مثل کی۔ جیسا کہ کہا جا چکا ہے کہ قرآن کی مثل لانے سے سارا عالم عاجز ہے۔

سوال: کچھ لوگ کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کے عہد میں نسخہ قرآن جلا دیا گیا۔ صاحب خزینۃ القرآن لکھتے ہیں کہ شعبہ ابن حماد کہتا ہے امام زہری لکھتے ہیں کہ حضرت عثمان نے قرآن پاک کے اوراق کو جلا دیا۔ فرماتے ہیں کہ اس نے خواجہ ابوالحسن خرقانی سے سنا۔ بایزید بسطامی نے فرمایا کہ امام جعفر صادق نے فرمایا کہ میں نے اپنے والد سے سنا کہ حضرت عثمان کے زمانہ میں کچھ منافقوں نے یہ سازش کی اور قرآن میں تبدیلی کر دی۔ چونکہ حفاظ موجود تھے لہٰذا ان کی یہ سازش ناکام رہی اور اصل نسخہ جو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں لکھا گیا تھا ہمارے اجداد کے ورثہ سے میرے پاس موجود ہے۔ منافقین کے مرتب کردہ قرآن کو حضرت عثمان نے جلوا دیا۔ حضرت علی اپنے مجموعہ میں لکھتے ہیں کہ صحابہ کا جم غفیر تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پہلی قومیں اسی لئے تباہ ہوئیں کہ وہ تورات اور انجیل کے اصل نسخہ کو جلا دیتے تھے۔ فرمایا قرآن کی حرمت خود قرآن میں موجود ہے اور قرآن کے پرانے اوراق کو یا تم مدفون کر دو یا کنویں، دریا اور نہر میں بہا دو۔ پس بوسیدہ اوراق کو مدفون یا دریا برد کرنا چاہئے۔ قرآن کو جلانے والے احمق، مرتد اور بے دین ہیں۔ تو بات ہو رہی تھی اس امر پر کہ اگر ضمیر قرآن کی طرف راجع کی جائے تو پھر یہی ثابت ہو گا کہ چاہے کوئی پڑھا ہوا ہو یا ان پڑھ ہو۔ اس کی مثل لانے میں عاجز ہے۔

مسئلہ آٹھواں:

شہدا سے مشرکین مراد ہیں جو بتوں کو پوجتے تھے۔ یہ بت انہیں نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ رازی فرماتے ہیں کہ اگر بتوں کو محمد ﷺ کے مقابلے میں لانا چاہیں تو ان کے لئے سخت ہلاکت ہو گی۔ ان کو نفع تو صرف نبی اکرم ﷺ کی ذات سے مل سکتا ہے۔ یہ بت نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتے۔

Marfat.com

اس کلام میں دو طرح کا معارضہ اور مقابلہ پایا جا سکتا ہے:

1- یہ کہ ان کا معبود ہونا باطل ہے۔

2- تمہیں جو قرآن کے اعجاز سے انکار ہے وہ غلط ہے۔

شہدا سے مراد وہ بڑے اکابر ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی مخالفت میں شدید تھے حضرت علی نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ شہدا میں اکابر مشرکین
ہیں جو میرے مخالف ہیں۔ابن عباس سے بھی یہی روایت ہے۔مقصود یہی ہے کہ تم اپنے ساتھیوں کو بلاؤ جو تمہیں معارضہ میں لائیں گے۔اور تمہارا باہمی فیصلہ کرا دیں کہ تم
سے کیا چیز ممکن ہو سکتی ہے۔اگر کوئی یہ کہے کہ بات ممکن ہے یا نہیں تو شہدا کے اندر دونوں احتمال ہیں۔حالانکہ شہدا شہید کی جمع ہے اور امام رازی کے مطابق بمعنی گواہ اور
حاضر کے ہیں اور تمام مفسرین کا اسی پر احتمال ہے۔اور اتفاق ہے لہٰذا اس سے مجازی مدد مراد لی جا سکتی ہے۔

شہداء سے جب ان کو یہ گمان ہو گیا کہ ان کے بت اور ان کے اکابر ان کی مدد کریں گے تو ایسی صورت میں ہم شہدا کو اس کا محمول بنائیں گے۔دوسری بات یہ
ہے کہ شہدا کے اوپر محمول کرنا یہ بات اولیٰ ہے۔امام رازی اور صاحب خزینۃ القرآن ظاہراً شہدا اسی کو کہتے ہیں جو آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔امام محمد باقر اور تمام مفسرین کا
اسی پر اتفاق ہے۔امام رازی شہدا سے کہتے ہیں جو حاضر ہو کر آنکھوں سے دیکھے اور شہدا شہید کی جمع ہے۔صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ شہید کا لفظ کن کن کے لئے
وارد ہے۔شہید اللہ کے لئے ہے اور رسول اللہ کے لئے ہے یا شہید اسے کہتے ہیں جو اللہ کی راہ میں مارا جائے اسے بھی شہید کہا گیا ہے فرماتے ہیں کہ یہ امر ہے کہ شہید قطعی
طور پر حاضر کو کہا جاتا ہے۔جیسا کہ اللہ نے فرمایا تم اپنے جھوٹے گواہوں کو بلاؤ، حاضر کرو، تو معلوم ہوا کہ اس میں لفظ شہید آیا ہے قرآن کریم میں کافی مثالوں میں شہید
حاضر و ناظر کو کہا گیا ہے۔فرماتے ہیں کہ جب لفظ شہید اللہ کے لئے وارد ہو گا تو کن معنوں میں فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کے لئے بمعنی موجود کے ہو گا کیونکہ وہ ازلی ابدی ہے
وہ حاضر کے معنی میں نہ ہو گا۔کیونکہ حاضر والی چیز غائب بھی ہو سکتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے لئے غائب ہونا محال ہے۔اللہ تعالیٰ موجود ہے اور لفظ شہید اس کے مظہر اتم نبی
پاک ﷺ کی ذات پاک و بابرکت ہے کیونکہ قرآن کا اطلاق سارے عالم کے لئے ہے۔تو حضور ﷺ کا شاہد اور شہید ہونا سارے عالم پر ہو گا۔کیونکہ آپ ﷺ شاہد
اور شہید ہیں۔آپ کی یہ دونوں صفات اللہ کی صفات کا مظہر ہیں۔حضور ﷺ خود فرماتے ہیں۔حضرت علی روایت کرتے ہیں کہ صحابہ کا جم غفیر تھا آپ ﷺ نے فرمایا:
اَنَا شَاهِدٌ وَاَنَا شَهِيدٌ كُنتُ فِىْ كُلِّ حِيْنٍ میں ہر وقت شاہد بھی ہوں اور شہید بھی ہوں پھر آپ ﷺ نے بائیسویں پارے کی آیت تلاوت فرمائی: اِنَّا
اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا و ...... الخ یہ حدیث تفسیر امام باقر الاوفوی اور دیگر کافی تفاسیر میں ہے۔صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ عرب کے دستور میں جو
کسی کا گواہ ہوتا ہے وہ اسے عینی شاہد کہتے ہیں پھر لکھتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا كُنتُ شَاهِدًا لِلعالم میں (محمد ﷺ) سارے عالم کا شاہد ہوں۔مجھے
سارے عالم کا عینی شاہد سمجھو۔یہ حدیث تفسیر امام باقر میں ہے اور تفسیر خواجہ حسن بصری میں ہے اگر چاہو تو اس آیت کو پڑھ لو۔اللہ تعالیٰ کے لئے لفظ حاضر کا اطلاق کرنا
صریحاً کفر ہے کیونکہ حاضر کے لئے غائب اور غائب کے لئے حاضر لازم و ملزوم الفاظ ہیں۔فرماتے ہیں اگر کوئی کہے کہ اللہ تعالیٰ سمیع بھی ہے اور بصیر بھی تو فرمایا قدرتاً
انسانوں کے شعور و ادراک کے لئے ہے وگرنہ وہ قرآن ازلی و ابدی۔دائمی ہے اور قائم بالذات ہے۔اور لفظ شاہد عینی شاہد صرف نبی کریم صلعم کی ذات بابرکات ہے۔
حضور ﷺ آج بھی ہمارے عینی شاہد ہیں اور قیامت کو بھی سارے عالم کے عینی شاہد ہیں صرف نبی کریم صلعم کی ذات بابرکات ہے۔قرآن پاک میں دو جگہوں پر اللہ تعالیٰ
نے آپ ﷺ کو ہمارا عینی شاہد فرمایا اور تین جگہوں میں لفظ شہید فرمایا شاہد بمعنی مصدر کے ہیں۔دیکھئے مصدر سارے باب کی گردان میں موجود رہتا ہے۔لہٰذا سارا عالم
ایک باب ہے اور حضور ﷺ اس میں تصرف فرما رہے ہیں محمد راغب اصفہانی مفردات میں لکھتے ہیں کہ شاہد اسے کہتے ہیں جو آنکھ سے دیکھے اور اپنی آنکھ سے مشاہدہ
کرے۔یہ حقیقت اس حدیث سے واضح ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام سے مرفوعاً ہے کہ میرے نانا جان رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ سارا عالم میری آنکھوں
کے سامنے یوں ہے جیسے رائی کا دانہ۔چاہے اس دنیا میں یا برزخی زندگی میں۔یہ حدیث تفسیر خزینۃ القرآن ثعلبی طبری اور تفسیر امام باقر میں ہے۔امام راغب اصفہانی بھی
اس کی تصدیق کر چکے ہیں۔

نوٹ:

امام راغب اصفہانی کی مفردات بے نظیر اور لاجواب کتاب ہے۔امام موصوف نے تذکرۃ المبرقع کتاب بھی لکھی ہے جس میں لکھتے ہیں کہ میں نے خزینۃ

Marfat.com

القرآن سے تلخیص کیا ہے کیونکہ یہ تمام تفاسیر کی امہات ہے دنیا بھر کی تمام کتب تفاسیر میں یہ تفسیر یا امام تفسیر باقر معتبر ہے۔ موصوف اس میں لکھتے ہیں کہ مفردات میں جو لغات میں نے بیان کی ہیں وہ خزینۃ القرآن میں محاورہ عرب کی لغت ہیں۔ کیونکہ صاحب خزینۃ القرآن مدینۃ الرسول میں پیدا ہوئے اور ان کی مادری زبان عربی تھی۔ اور قرآن کے بے مثال مفسر ہوئے ہیں۔ (صفحہ ۱۴۶ مطبوعہ بیروت) ذکر جاری ہے لفظ شاہد پر بیان ہو چکا ہے۔ امام رازی نے بھی شاہد کے معنی کی تلخیص خزینۃ القرآن سے کی ہے۔ حتیٰ کہ جمہور مفسرین کا اسی پر اتفاق ہے کہ شاہد وہی ہوتا ہے جو اپنی آنکھ سے مشاہدہ کرے۔ یہ سارا عالم شہر کی مانند ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی ذات بابرکات کے ساتھ یہ ایسے ہے جیسے بوند پانی کو سمندر سے نسبت ہے! حضرت علی سے مروی ہے کہ سیدنا ابوبکر، عمر فاروق، ابوذر غفاری، عبدالرحمٰن بن عوف اور جابر بن سمرۃؓ بارگاہ نبوی میں موجود تھے اور سرکار دوعالم ﷺ نے ابن عوف سے فرمایا کہ قرآن کی کچھ آیات مجھے سناؤ۔ ابن عوف نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں آپ کے سامنے کیسے پڑھ سکتا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا مجھے دوسروں سے قرآن پاک سننے میں لطف آتا ہے۔ ابن عوف نے سورہ نسآء کی ایک آیت پڑھی۔ جس میں شہید کا لفظ تھا حضور ﷺ سن کر اتنا روئے کہ آنکھیں تر بتر ہوگئیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا! اے اللہ! میری امت کو ہر گناہ سے بچانا۔ پھر فرمایا میں اپنی امت کے افعال کا شاہد ہوں۔ ہر وقت اور ہر آن وہ جہاں کہیں بھی ہوں۔ اے اللہ! مجھے میری امت کے بارے میں شرمندہ نہ کرنا۔ ہم سب نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ! جب آپ ﷺ اس دنیا سے تشریف لے جائیں گے تو کیا پھر بھی آپ ﷺ شاہد ہوں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم نے قرآن مجید میں شاہد اور شہید نہیں پڑھا؟ میں شاہد بھی ہوں اور شہید بھی۔ فرمایا میں ہر وقت تمہارے قریب ہوں۔ اور قریب رہوں گا۔ پھر فرمایا میں تمہارے ساتھ ہوں اور ساتھ رہوں گا۔ تم مجھے وفات کے بعد بھی اپنے قریب سمجھنا۔ جہاں تک کہ تم ممکن جانو، اس حدیث کو پہنچا دینا کہ محمد ﷺ ہر ایک کے ساتھ اور قریب ہیں امام باقر فرماتے ہیں کہ یہ حدیث تواتر سے ہے۔ یہ حدیث خزینۃ القرآن میں بھی ہے۔ نیز لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے افعال کے شاہد ہیں اور ہر وقت ہمارے قریب ہیں۔ مجھے اس حدیث کا مشاہدہ ہو گیا ہے کہ جب میں تفسیر پڑھتا ہوں یا لکھتا ہوں یا حدیث قلمبند کرتا ہوں تو اپنے نانا جان سے حدیث کی تصدیق کر لیتا ہوں۔ یہی حدیث مستند عبدالرزاق کی جلد اول صفحہ ۱۶۹ کے حاشیہ پر ہے اور اسے امام زہری نے بھی بیان کیا ہے۔ حضرت ابوسعید خدری ابن عمر سے وہ اپنے والد سے اسی طرح عبداللہ ابن عباس حضرت علی سے ابوموسیٰ اشعری حضرت ابوبکر سے۔ ابو ہریرہ حضرت عمر سے۔ کعب بن اشرف حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف سے وہ حضرت ابوبکر وعثمان وحضرت طلحہ سے اور طلحہ سعید بن جبیر سے اور وہ حضرت ابوبکر سے۔ صاحب خزینۃ القرآن لکھتے ہیں کہ دیکھئے جلیل القدر صحابہ سے اس حدیث کا تواتر ہونا ثابت ہے۔ فرماتے ہیں کہ لفظ شاہد سے مراد عینی شاہد ہونے پر کسی کو کلام نہیں ہے۔ اب عرض کروں کہ اس زمانہ میں ایک نئی اختراع ہے اور نئی نئی باتیں جنم لے رہی ہیں۔ لفظ شاہد کے معنی پر جملہ مفسرین کو کلام نہیں ہے۔ موجودہ زمانہ میں انگریزی علماء نے من گھڑت معنی تیار کر لئے ہیں۔ ہندی علماء میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے بھی سابقہ اکابرین پر اتفاق کیا ہے۔ خطبہ مدارج النبوت میں ملاحظہ فرمائیں۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے بھی اس پر اتفاق کیا ہے۔ جد امجد میراں جیونوری ان کے بیٹے سد محمد عبداللہ بھی یہی معنی لیتے ہیں۔ سید محمد عبداللہ مفسر ابن میراں جیو فرماتے ہیں کہ میرے والد کے پاس مولوی نذیر احمد دہلوی آئے۔ آپ نے نذیر احمد سے فرمایا کہ تم شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے علم حاصل کر کے اب ان کے شکوے کرتے ہو۔ اس نے کہا جناب! یہ آپ کو کس نے غلط بتایا ہے۔ آپ نے مولوی نذیر احمد سے لفظ شاہد کے معنی پوچھے تو اس کی زبان پر کچھ نہ آیا۔ اس نے کہا آپ ہی اس کے معنی بتائیے۔ آپ نے فرمایا شاہد اسے کہتے ہیں جو اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرے۔ اور حاضر بھی ہو۔ کیا اس پر کسی کو کلام ہو سکتا ہے کہنے لگے بے شک نبی اکرم ﷺ ہمارے شاہد ہیں۔ اسی طرح سے مولوی محمد قاسم نانوتوی تحذیر الناس، رشید احمد گنگوہی امداد السلوک نیز احمد علی سہارنپوری ترجمہ بخاری شریف ج ۲ ص ۴۵۴ یہ سب باتفاق کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ہمارے قریب ہیں اور ہمارے افعال کے شاہد ہیں۔ اور یہی مسلکِ اہل السنّت والجماعت ہے۔

مسئلہ نواں:

دُوْنَ اسے کہتے ہیں جو ایک چیز کو دوسری کے قریب کر دے لیکن دون قریب کو بھی کہا جا سکتا ہے لیکن کتاب کو تدوین کرنے کے یہی معنی ہوں گے کہ ایک چیز کو دوسری کے قریب کر دیا جائے۔ جب ایک چیز دوسری کے مقابلہ میں نیچے ہوتی ہے۔ تو کہا جاتا ہے کہ هذا دون ذلك دون کے حقیقی معنی مِنَ دُوْنَكَ سے ہیں کہ اس چیز کو قریب کر کے پکڑے۔ اس کے بعد یہ لفظ تفاوت کے لئے ہوتا ہے۔ جس طرح زید عمر سے علم اور بزرگی میں کم ہو۔ پھر اس کو گنجائش کی وجہ سے ایک حد سے دوسری حد تک استعمال ہونے لگے اگر کوئی یہ پوچھے کہ من دون الله کا احتمال کس طرف ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں:

Marfat.com

1- اس کا احتمال شہداً کی طرف ہے کیونکہ عطف کو انہوں نے قرآن کے مقابلہ میں معارضہ ٹھہرایا حالانکہ یہ مانی ہوئی بات ہے کہ قرآن معجز ہے اور اللہ تعالیٰ نے یہاں انکی مذمت فرمائی ہے۔ قیامت کے دن وہ ان کے خلاف گواہی دیں گے۔ جب قرآن معجز ہے تو پھر قرآن کے مقابلہ میں ایسی چیزوں کو لانا جو بولنے سے بھی عاجز ہیں۔ یہ بات ان کے لئے فضول ہے۔

2- امام رازی لکھتے ہیں کہ مومن اور اولیاء اللہ کے سوا اپنے گواہوں کو بلاؤ تا کہ وہ اس بات کی گواہی دیں کہ تم قرآن کی مثل لے آؤ۔ ان کے اندر جو بڑے بڑے روساء ہیں وہ جھوٹی گواہی کو کس طرح قبول کریں گے۔ پس ثابت ہوا کہ مفسرین اسے حقیقت ثابت کرتے ہیں کہ اولیاء اللہ قیامت کے دن گناہ گار لوگوں کی سفارش فرمائیں گے۔ اگر کوئی اس پر اعتراض کرے کہ استمداد غیر اللہ کس طرح جائز ہے جبکہ حاجت روا اللہ تعالیٰ ہے۔ غیر اللہ کی استمداد ہمیں کس طرح میسر آسکتی ہے۔ اس مثال کو یوں سمجھئے کہ آئینہ سے انسان کو اپنی شکل نظر آتی ہے حالانکہ وہ شکل اس کی اپنی ہی ہوتی ہے لیکن اس سے غیر ہوتی ہے۔ اسی طرح اللہ کے نیک اور صالحین بندے اللہ کا مظہر ہوتے ہیں۔ اس کی مثال پھر یوں سمجھیں کہ نماز اور صبر عرض ہیں یا جوہر۔ تو یہ بات مسلم ہے کہ نماز اور صبر عرض ہیں۔ کیا نماز اور صبر مقبول ہیں یا غیر مقبول۔ یہ دونوں غیر مقبول ہیں۔ یہ نماز پڑھتے ہیں۔ کیا ہماری نماز قبول ہوئی یا نہیں؟۔ اسی طرح رب العزت کا ارشاد ہے اے ایمان والو! نماز اور صبر سے مدد طلب کرو۔ حالانکہ یہ دونوں غیر مقبول ہیں پھر بھی ان سے مدد طلب کرنے کا حکم ہے۔ تو کیا اولیاء اللہ مقبول ہیں یا غیر مقبول۔ یہ امر مسلمہ ہے کہ اولیاء اللہ مقبول ہیں۔ جب غیر مقبول سے مدد طلب کرنے کا حکم ہے تو ہم مقبول چیز کو کیوں چھوڑ دیں۔ لہٰذا اولیاء اللہ مقبول ہیں اور ان کی مقبولیت کے ساتھ ہماری بخشش بھی ہوسکتی ہے حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اپنے گناہ گار میتوں کو صالحین کی قبر کے ساتھ مدفون کرو تا کہ ان کی برکت سے ان کے عذاب میں تخفیف ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ان پر کرم ہو۔ یہ حدیث امام نوی نے شرح مسلم شریف میں نقل کی ہے۔ اسی طرح اور حدیث ہے جسے ابو سعید خدریؓ، ابو موسیٰ اشعریؓ نے روایت کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن ہر گروہ اپنے اپنے ائمہ کے ساتھ ہوں گے اسی طرح میری امت کے لوگ بھی جنہوں نے صالحین اولیاء اللہ کی پیروی کی وہ بھی قیامت کے دن ان کے ہمراہ اٹھائے جائیں گے اور انہی کے ساتھ ان کا حشر نشر ہوگا۔ یہ اللہ کی بارگاہ میں ان کے لئے سفارش کریں گے۔ یہ حدیث تواتر ہے اور تفسیر طبری اور ثعلبی میں موجود ہے۔ نیز حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کی بارگاہ میں جب کوئی شخص مقبول ہو جاتا ہے تو اللہ جبرائیل سے فرماتا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام تم اس شخص کے بارے میں منادی کردو کہ آج فلاں شخص اللہ کا مقبول ہوگیا ہے تو فرشتے خوش ہوتے ہیں اور آسمانوں سے اس کا طواف کرتے ہیں۔ پھر حکم ہوتا ہے اب زمین والوں میں منادی کردو۔ جب زمین پر منادی کی جاتی ہے تو سب لوگ اس کے گردیدہ ہو جاتے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا وہ جو بات منہ سے نکالتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرماتا ہے۔ یہ حدیث بخاری اور خزینۃ القرآن میں موجود ہے۔ (بحوالہ تفسیر امام باقر یہ حدیث تواتر ہے) ہمارا مدعا یہ ہے کہ ہم اولیاء اللہ کو اللہ تعالیٰ کا مظہر جانتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں انہیں اپنا ذریعہ نجات و بخشش سمجھتے ہیں۔ جو کام ان کے ذریعے سے ہوتا ہے۔ یوں سمجھو کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ ان شاء اللہ آئندہ اوراق میں اولیاء اللہ کے فضائل بیان کروں گا۔ ایک الگ کتاب بھی مرتب ہوگی ملاحظہ فرمائیں۔

2- من دون اللہ کا تعلق وَادْعُوا سے ہے کہ تم اپنی جھوٹی گواہی میں اللہ کو مت شریک کرو۔ اور یہ مت کہو کہ ہمارے قول کے سچا ہونے کا اللہ تعالیٰ گواہ ہے۔ جس طرح دلیل قائم ہونے کے ساتھ عاجز ہو جاتے ہیں اسی طرح جب حاکم باہم گواہوں کے ساتھ فیصلہ کرتے ہیں یہ اپنی چھوٹی سی اس گواہی سے جھوٹے اور عاجز ہیں اور اگر وہ صداقت پر اللہ کو اپنا گواہ بنائیں تو ان کا پیچھا نہیں چھوڑ سکتے۔

مسئلہ دسواں:

رازی کہتے ہیں کہ قاضی لکھتا ہے اگر یہ تحدی معارضہ کے لئے ہے تو اس میں چند وجوہ ہیں:

وجہ اوّل:

Marfat.com

جب وہ اپنی دلیل لانے میں عاجز آئے تو بندہ کی طرف سے جبریہ کے بارے میں کوئی جواب نہیں ہے۔

وجہ دوم:

جبریہ کے نزدیک یہ ہے کہ قرآن کی مثل نہ لانا۔ یہ عدم قدرت فعل ہے اس میں قرآن کا معجز ہونا یا نہ ہونا یکساں ہے۔

وجہ سوم:

جبریہ کے نزدیک یہ ہے کہ جو افعال بندوں سے واقع ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ بھی ان میں شریک ہوتا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کا ان سے معارضہ کرنا درحقیقت اللہ تعالیٰ سے ہی معارضہ ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ قرآن کی مثل لانے میں قادر ہے لہٰذا قرآن کا معجز ہونا اس کے خلاف ہوگا۔

وجہ چہارم:

قرآن کا معجز ہونا من عند اللہ یہ عادتاً فرق ہے۔

وجہ پنجم:

رسول اکرم ﷺ کی کفار سے یہی حجت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے قرآن کے ساتھ خاص فرمایا ہے تاکہ میرا صدق ظاہر ہو۔ اگر یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ ہوتو اعجاز نہ ہوگا۔ اور فرقہ جبریہ کے قول کے مطابق یہ جواب صحیح نہیں ہے۔ ان کے نزدیک فعل غیر متعدی جس طرح دوسروں سے ہوتا ہے ویسے ہی اللہ تعالیٰ سے ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جو یہ ارشاد فرمایا: فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ (الآیة) فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوا وَلَنْ تَفْعَلُوا اس سے قرآن کا معجز ہونا چند وجوہ کے ساتھ ہے:

وجہ پہلی:

یہ بات تواتر سے ثابت ہے کہ اہل عرب کفار و مشرکین کو نبی کریم ﷺ سے غایت درجہ دشمنی تھی اور یہ حرص تھی کہ آپ ﷺ کے دین کو باطل کر دیں۔ انہوں نے جان و مال سے گریز نہ کیا۔ وطن چھوڑا۔ کنبہ چھوڑا اور مخالفت میں ہلاکت کا سامنا کیا۔ لہٰذا مقابلہ کے ساتھ یہ کہہ دینا کہ پس تم نہ کرو اور ہرگز نہ کرسکو گے۔ اگر وہ قرآن کی مثل لاسکتے تو اپنا ہزار کام چھوڑ کر قرآن کی مثل لانے میں ذرا بھی گریز نہ کرتے۔ حالانکہ ان سے فرمایا جارہا ہے کہ تم ہرگز نہ کرسکو گے اور اس آگ سے بچو جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔ پھر بھی ان کو کس بات کا خوف تھا کہ وہ بیٹھ گئے؟

وجہ دوم:

دیکھئے کفار اور مشرکین نبی پاک ﷺ کی فضیلت اور صداقت کو مانتے تھے لہٰذا اگر آپ ﷺ کی نبوت مصنوعی ہوتی تو وہ ایسا کبھی نہ کرتے۔

وجہ سوم:

امام رازی لکھتے ہیں کہ اگر آپ ﷺ کو اپنی نبوت میں کچھ شک ہوتا تو آپ ﷺ غیب کی خبریں انہیں زور سے نہ فرماتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ تمام باتیں اللہ کی جانب سے تھیں۔ صاحب خزینۃ القرآن کا بھی یہی فیصلہ ہے بحوالہ امام باقر، ابوالعالیہ وطوس، حضور ﷺ پرنور کی ذات ان کو یہ غیب پہنچانے کے لئے محض واسطہ تھی۔

وجہ چہارم:

صاحب خزینۃ القرآن لکھتے ہیں کہ میرے نانا یعنی آپ ﷺ پر جو قرآن اترا اور آپ ﷺ نے جو خبر دی بالواقع پوری ہوئی۔ لیکن حضور ﷺ کے زمانہ سے لے کر آج تک ہر دور میں اسلام کے دشمن اور مخالف آرہے ہیں اور انہیں قرآن کی مخالفت کرنے کی سخت حرص ہے۔ انہوں نے بڑی بڑی کوششیں کی ہیں۔ قرآن کی مثل لانے میں بڑے بڑے لوگوں نے دعوے کئے ہیں لیکن یہ سب دعوے باطل ہوگئے۔ مثل تو کیا حرکت (زیر، زبر، پیش) لانے میں بھی ناکام اور عاجز ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا

Marfat.com

ہے: ''اگر تمام انسان اور جنات بھی اکٹھے ہو جائیں تو قرآن پاک کی مثل نہ لاسکیں گے۔''

یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جب اللہ تعالیٰ کی مثل کوئی چیز نہیں ہو سکتی تو قرآن کی مثل کون لاسکتا ہے کوئی یہ کہے کہ ان آیات کے اندر یہ چاروں استدلال نہیں۔ لیکن یہ استدلال چند سوالوں کی بناء پر ثابت ہوتے ہیں۔

سوال: جب یہ بات یقینی ہوگئی کہ قرآن کی مثل لانا ناممکن ہے تو هذا کا حرف کیوں داخل نہیں ہوا۔ اِنْ کا لفظ لایا گیا ہے جو شک کے لئے آتا ہے۔

جواب: اس کی دو وجہیں ہیں۔ اوّل یہ کہ کلام ان کے گمان کے مطابق نازل ہوا ہے کیونکہ انہیں یہ یقین نہیں تھا کہ ہم قرآن کے معارضہ سے عاجز ہوں گے۔ اور ان کو اپنی فصاحت پر اعتماد تھا۔ اور کلام پر قدرت تھی۔ دوم یہ کہ ان کی مذمت فرمائی۔ اگر کوئی ایک شخص دوسرے سے کہے کہ میں تم پر غالب آجاؤں گا تو اس کو یقین ہوتا ہے کہ میں غالب رہوں گا۔ تو یہ اس کا کلام سرزنش ہوتا ہے۔

سوال: اس میں کیا نکتہ ہے کہ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا کی بجائے (یعنی اگر تم نہ کرو) فان لم تاتوا کیوں نہیں آیا۔ یعنی اگر تم نہ لاؤ۔

جواب: یہ مختصر ہے اور فان لم تأتوا بسورة من مثله۔ ولن تاتو البسورة من مثله کے طویل ہے۔

سوال: لن تفعلوا کی ترکیب کے اندر کیا واقع ہوا ہے؟

جواب: یہ جملہ معترضہ ہے۔

سوال: لَنْ کی حقیقت کیا ہے؟

جواب: لاَ اور لَنْ یہ نفی مستقبل کے لئے آتے ہیں مگر اتنا فرق ہے کہ لَنْ کے اندر تاکید ہوتی ہے۔ اگر کوئی شخص دوسرے سے کہے کہ میں کل یہاں کھڑا نہیں ہوں گا تو وہ لا اقیم کی جگہ تاکیدًا لَنْ اقیم کہے گا۔ یعنی میں کل یہاں ہرگز کھڑا نہیں ہوں گا لَنْ کے اندر چند قول ہیں:

1- اس کے اندر اصل لاَ اَنْ ہے۔ خلیل نے یہی کہا ہے۔

2- اس کا اصل لا ہے الف کی بجائے نون لایا گیا ہے۔ فرا کا یہی قول ہے۔

3- لیکن یہ نفی کا حرف ہے اور مستقبل کو نفی کی تاکید ضروری ہے۔

4- یہ سیبویہ کا خیال ہے۔

سوال: قرآن کی مثل نہ لانا۔ اس کا ڈر جہنم کی آگ فرمایا گیا ہے۔ یعنی مثل نہ لاؤ تو آگ سے ڈرو۔ اس اشتراک کے کیا معنی ہیں:

جواب: صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ اس لئے آگ سے ڈرایا گیا کہ جب وہ یہ بات مان چکے کہ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا حکم ہے تو پھر بھی انہوں نے اپنے عناد کو نہ چھوڑا۔ تو ان کے عناد کے نہ چھوڑنے کی بناء پر جہنم کی آگ سے ڈرایا۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے یہی ارشاد فرمایا کہ جتنے میرے اور قرآن کے دشمن ہیں قیامت تک اللہ تعالیٰ نے انہیں دوزخ کی آگ سے ڈرایا۔ اور قرآن کی مثل لانا غیر ممکن ہو گیا۔ مشرکین یہ بات تسلیم کرتے ہیں یہ حدیث خزینۃ القرآن میں تواتر سے ہے۔

سوال: وقود کے کیا معنی ہیں؟

جواب: وقود آگ کے جلنے کو کہا جاتا ہے۔ اور وقود بالضم مصدر ہے اور اس میں فتح ہے۔

سوال: الذی کے اندر یہ بات ہے کہ اس سے پہلے ان کو یہ معلوم نہ تھا کہ ان کی سزا جہنم ہے جس کے اندر پتھر اور آدمی جلیں گے۔

Marfat.com

جواب: ہوسکتا ہے کہ ان کو اس سے پہلے بھی علم ہو۔ خواہ اہل کتاب سے سن کر یا رسول اللہ ﷺ سے سن کر کیونکہ سورۃ تحریمہ میں وقود ھا الناس والحجارہ آیا ہے۔

سوال: اس میں کیا نکتہ ہے کہ نار کا لفظ معرف باللام آیا ہے۔ اور سورۃ تحریمہ میں نکرہ کے ساتھ آیا ہے۔

جواب: یہ آیت کریمہ مکہ میں نازل ہوئی اور وہ آیت مدینۃ النبی میں نازل ہوئی۔ تو اس سے ان کو یہ معلوم ہو گیا کہ اس آگ کے اندر یہ صفت ہے کہ جو پتھروں اور آدمیوں کو جلا ڈالتی ہے۔

سوال: آدمیوں اور پتھروں کا آگ کا ایندھن ہونے سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس آگ اور اس آگ میں فرق ہے۔ یہ لکڑیوں سے جلتی ہے اور وہ آدمیوں اور پتھروں سے جلتی ہے۔ اس وجہ سے اس آگ کی قوت اور سختی ثابت ہوتی ہے۔ وہ آگ کیا ہوگی۔ صاحب خزینۃ القرآن بحوالہ امام محمد باقر لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جہنم میں اللہ کا جو غضب ہوگا وہ یہی آگ ہوگی۔

1- یہ آگ ایسی ہے کہ جب اس میں انسانوں اور پتھروں کو جلانا مقصود ہو تو اولاً یہ لکڑیوں سے جلائی جاتی ہے تب جا کر وہ آدمیوں اور پتھروں کو جلانے کے قابل ہوتی ہے۔ لیکن اس آگ کو لکڑیوں کی ضرورت نہ ہوگی۔ وہ خود بخود پھونک دے گی۔

2- وہ آگ اس قدر سخت ہے کہ پتھر اس میں لکڑیوں کی طرح جلتے ہیں۔ صاحب خزینۃ القرآن لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب اس میں پتھر جلیں گے تو یوں محسوس ہوگا جیسے کپاس جل رہی ہو۔

سوال: اس میں کیا حکمت ہے کہ بندوں کو پتھروں کے ساتھ اس آگ میں جلنے کی کیا نسبت ہے؟

جواب: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مشرکین کو پتھروں کے ساتھ محبت تھی وہ انہیں تراش کر بت بناتے اور پوجتے تھے، تو اللہ نے فرمایا کہ جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو وہ آگ کی جھونک ہیں۔ یہ آیت اس آیۃ کریمہ کی تفسیر ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس طرح مشرکین کو یہ گمان ہے کہ یہ پتھر قیامت کے دن ہمارے سفارشی ہوں گے۔ تو اللہ نے ان پتھروں کو جہنم کا ایندھن بنا دیا۔ اور ان مشرکین کو ان پتھروں سے تپا تپا کر جلائے گا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ ان کی عسرت کے مطابق انہیں سزا دے گا۔ جس طرح لوگ سونے چاندی سے محبت کرتے ہیں اللہ کی راہ میں صرف نہیں کرتے تو قیامت کے دن یہ سونا چاندی جہنم کی آگ میں جلایا جائے گا۔ اور دوزخ کی آگ میں گرم کر کے ان کو داغا جائے گا۔ بعض لوگ ان پتھروں کو گندھک سے تعبیر کرتے ہیں یہ بات بالکل واہی ہے۔ کیونکہ جہنم میں گندھک کا جلنا تو بہت معمولی بات ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ یہ تواتر سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وہ یہی پتھر ہوں گے جو پہاڑوں سے اور زمین سے نکلتے ہیں اور یہی بندوں کے ساتھ جہنم میں جلیں گے۔ کیونکہ مشرکین انہی پتھروں کو تراش کر بت بناتے تھے۔ پتھر پھینکنے سے یہ آگ تو بجھ جاتی ہے لیکن اس آگ میں یہی پتھر ڈالیں گے تو آگ بھڑک اٹھے گی۔ کیونکہ آگ کی سختی ظاہر کی گئی ہے حدیث سے بھی یہی ثابت ہوا ہے کہ یہ آگ کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ میرے دادا حضرت علی لکھتے ہیں کہ ہم سب صحابہ نے آنحضرت صلعم سے پوچھا کہ جہنم میں جو آگ کافروں کے لئے ہوگی؟ کیا وہی آگ مسلمان مجرموں کے لئے بھی ہوگی؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا جہنم میں اللہ تعالیٰ کا غضب آگ کی نسبت سے ہوگا اور جرم کے مطابق ان کو وہ غضب پہنچے گا۔

Marfat.com

معاد کا بیان

قال اللہ تعالیٰ:

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُؕ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِىْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ؕ وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (۲۵)

ترجمہ:

اور اے (حبیب) بشارت سنا دیں ان کے لئے جو ایمان لائے اور جنہوں نے عمل کئے اچھے۔ یقیناً ان کے لئے بہشت ہوگا جس کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ جب اس میں ان کو پھل دیئے جائیں گے رزق کے طور پر تو کہیں گے یہ وہی ہیں جو ہم کو پہلے دیئے گئے تھے اور وہ رزق انہیں دیا جائے گا باہم ملتا جلتا اور ان کے لئے اس میں پاکیزہ بیویاں ہوں گی یعنی حوریں اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔

پہلے اللہ تعالیٰ نے توحید کا ذکر فرمایا پھر نبوت کا پھر کفار اور مومنین کا اور ان کے حالات بیان فرمائے۔ اللہ کا یہ دستور ہے کہ اگر ایک آیت میں وعید فرماتا ہے تو دوسری میں وعدہ بھی فرما دیتا ہے۔ قرآن میں اگر پہلے جہنم کا ذکر ہوگا تو بعد میں جنت کا ذکر بھی ضرور ہوگا۔ اور اگر جنت کا ذکر پہلے آئے گا تو جہنم کو بھی بعد میں ضرور بیان کیا جائے گا۔ اس میں چند مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ:

معلوم کرو کہ حشر اور نشر کا مسئلہ ایسا ہے جس پر دین کی صحت مبنی ہے۔ پہلے یہ کہ ان امور پر حجت کی جائے یا ان کے وقوع پر ان پر دلائل عقلیہ ونقلیہ۔ لیکن عقل کو اس میں کوئی دخل نہیں یہ بات صرف نقل سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حقیقت اخروی کو حق ظاہر فرمایا۔ یہ بچند وجوہ ثابت کیا جا سکتا ہے۔

وجہ پہلی:

منکرین نے حشر اور نشر کا انکار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے انکار کا رد فرمایا اور قوی دلیل بیان فرمائی۔ نبوت کی صحت کا ثبوت عقل سے نہ ہو سکتا ہو تو نقل سے ہو سکتا ہے۔ یہ ایسا مسئلہ ہے کہ اس کو دلائل نقلیہ سے ثابت کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے توحید ونبوت کے بعد صالحین کا ذکر ارشاد فرمایا جو دلیل قوی سے بیان ہوا۔ اس پر عقل کو کوئی دخل نہیں۔ اس کا سبب وہی ہے جو فقیر پہلے بیان کر چکا ہے۔ سورہ النحل میں ارشاد ہے کہ کفار نے پکی قسمیں کھائیں کہ اللہ تعالیٰ دوبارہ زندہ نہیں کرے گا لیکن یہ وعدہ سچا ہوگا۔ اکثر لوگ ناواقف ہیں۔ سورہ تغابن میں ارشاد ہوا۔ کافر کہتے ہیں کہ ہم نہیں اٹھائے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے حبیب پاک ﷺ ان سے فرما دیجئے کہ تم ضرور اٹھائے جاؤ گے۔ اور پھر جو تم کرتے رہے ہو وہ سب کا سب تمہیں بتلا دیا جائے گا۔

وجہ دوسری:

اللہ تعالیٰ نے حشر ونشر کو ممکن فرمایا ہے اپنی قدرت کے ساتھ اس کی اصل حقیقت کو سورہ واقعہ میں مجموعی طور پر بیان کر دیا گیا ہے۔

Marfat.com

ارشاد ربانی پر غور:

کفار نے کہا جب ہم مر جائیں گے تو ہماری ہڈیاں بوسیدہ ہو جائیں گی یا ہمارے پہلے باپ دادا جو مر گئے ہیں وہ کیسے اٹھائے جائیں گے؟ اے حبیب پاک ﷺ ان سے فرما دیجئے کہ تم کو اور پہلے لوگوں کو ایک ہی دن اکٹھا کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر چار دلائل دیئے ہیں:

1- اللہ نے فرمایا کہ جب تم عورت کے رحم میں منی ڈالتے ہو۔ پھر کیا تم اسے پیدا کرتے ہو یا ہم؟ دیکھئے یہ منی انسان کے جسم میں شبنم کی طرح پھیلی ہوئی ہے اور جماع کے وقت تھوڑے تھوڑے سے قطرے سے ہی لطفہ قرار پا جاتا ہے۔ دیکھئے کہ پیشاب کی جگہ کے اندر کتنی قوت ہے کہ وہ منی پراگندہ ہو کر انسان کے جسم سے تحلیل ہو کر نکلتی ہے تو اس سے فائدہ یہ ہوتا ہے کہ نطفہ بچے کی تخلیق کا امکان ہو جاتا ہے۔ جب اس پراگندہ قطرہ منی سے اللہ تعالیٰ کو بچہ پیدا کرنے کی قدرت حاصل ہے تو اسی طرح موت کے بعد جب ہڈیاں پراگندہ ہو جائیں گی تو انہیں اکٹھا کرنا اس کے لئے کیا دشوار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کو سورہ حج میں یوں ارشاد فرمایا: لوگو! اگر تمہیں دوبارہ زندہ ہونے میں شک ہے تو وہ تمہیں کھڑا کرے گا۔ اے حبیب پاک ﷺ آپ ﷺ دیکھتے ہیں کہ زمین دبی ہوئی ہوتی ہے۔ مقصد یہ کہ وہ پانی سے پھر سیراب ہو جاتی ہے اسی طرح اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ قیامت آنے والی ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو کھڑا کرے گا جو قبروں میں ہیں۔ سورۂ مومنون میں ارشاد ہے کہ تم مردہ ہو گے پھر دوبارہ زندہ کئے جاؤ گے سورہ قیامہ میں ارشاد ہے کہ کیا وہ نطفہ نہ تھا پھر ہم نے اسے علقہ پیدا کیا پھر درست کیا۔ سورۂ طارق میں ہے کہ ''انسان کو دیکھنا چاہئے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے۔ اچھلنے والے پانی سے جو پشت اور سینے سے نکلتا ہے یاد رہے کہ مرد کی منی پشت سے خارج ہوتی ہے اور عورت کی سینے سے۔

2- کیا تم کھیتی کرتے ہو یا ہم۔ اس استدلال کا بیان یہ ہے کہ طرح طرح کے حبوب زمین میں ہوتے ہیں۔ کچھ لمبے ہوتے ہیں اور کچھ میں سکڑاؤ ہوتا ہے اور کچھ میں نہیں ہوتا۔ چاول اور گیہوں کا دانہ لمبا ہوتا ہے کوئی بیج مثلث شکل کا اور کوئی مربع شکل کا ہوتا ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ جب گیلی زمین کے اندر ان بیجوں کو ڈالا جاتا ہے تو حقیقتاً وہ بکھر جاتے ہیں لیکن پانی اور مٹی دونوں میں تاثیر ہے کہ دانے کو اصل حقیقت پر لاتے ہیں چہ جائیکہ ان میں دونوں موجود ہوں۔ مگر اللہ تعالیٰ کی قدرت بڑی عجیب ہے۔ اس سے وہ ہرگز خراب نہیں ہوتا۔ تری کی وجہ سے وہ پھل صحیح سلامت اگتے ہیں۔ بعض لمبے ہوتے ہیں اور بعض کی گٹھلی سخت ہوتی ہے انسان اسے ہاتھ سے نہیں توڑ سکتا۔ جب وہ گٹھلی تر زمین میں پڑ جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ پھٹ جاتی ہے۔ اور اندر سے نہایت نازک سا پتا پھوٹ آتا ہے۔ ہوا، پانی اور مٹی طبعی وجہ سے معتدل ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کاملہ کا نتیجہ ہے۔ تو کیا اللہ تعالیٰ کے لئے جو اس کا خالق ہے، یہ بعید ہے کہ مرنے کے بعد وہ زندہ کرے اور مردے کی ہڈیاں اور اعضاء درست فرما دے، اس پر قوی دلیل ہے۔ سورۃ الحج میں ارشاد باری ہے: ''آپ ﷺ اے حبیب پاک ﷺ یہ دیکھئے کہ جب زمین کو ہم دباتے ہیں تو اس سے پانی اترتا ہے اور وہ لہراتی ہے۔''

3- کیا اس پانی کو بھی تم نے دیکھا ہے جسے تم پیتے ہو پھر تم اسے بادل سے اتارتے ہو یا ہم۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا یہ پانی ثقیل ہے اور اللہ تعالیٰ ثقیل چیز کو اوپر چڑھا دیتا ہے۔ اس کی طبیعت ہوا کے خلاف ہے پس کوئی ایسا قادر مطلق ہو جو خاصیت کو مٹا دے اور جس چیز کو نیچے اترنا ہو۔ اسے اوپر چڑھا دے۔

2- پہلے پانی کے قطرات پراگندہ تھے پھر اللہ تعالیٰ نے اس پراگندہ کو جمع فرمایا۔

3- پانی کس طرح اس کے حکم سے ہوا پر سوار ہو کر سیر کرتا ہے اور بغیر اس کے حکم کے ایک قطرہ بھی نیچے نہیں گرتا۔

4- جہاں زمین خشک ہوتی ہے اور پانی کی اسے ضرورت ہوتی ہے وہاں اللہ تعالیٰ اسے برسا دیتا ہے۔ یہ سب چیزیں حشر کو ثابت کرنے کے لئے ممکن ہیں۔ بھاری چیز کے اوپر چڑھنے کو طبیعت پر انقلاب اس طرح آتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان امور کو ممکن فرمایا۔ اسی طرح حشر کا ممکن ہونا بھی ثابت ہوا۔ جس طرح پانی کے چند گندے قطرات سے اللہ تعالیٰ انسان کو پیدا فرما سکتا ہے اور مٹی سے پھل نکال سکتا ہے تو پھر دوبارہ زندہ کرنا اس کے لئے کیسے غیر ممکن ہے؟ جس طرح ہوا پانی پر چلتی ہے اس حرکت سے مٹی جمع ہو جاتی ہے تو اسی طرح اللہ تعالیٰ سے دوبارہ حشر کا ممکن کرنا کیسے بعید ہے؟ اللہ تعالیٰ نے بادلوں کو لوگوں کے نفع کے لئے پیدا فرمایا تو آخرت میں بھی ان کا پیدا کرنا ضروری ہوگا۔ اس واسطے کہ ثواب اور عذاب کی نسبت کے لئے ضروری ہے کیا تم نے یہ نہیں دیکھا کہ جو

Marfat.com

آگ تم جلاتے ہو کیا اس آگ اور درخت کو تم نے خود پیدا کیا ہے یا ہم نے۔ اس سے استدلال یہ ہے کہ آگ اوپر کو چڑھتی ہے اور درخت نیچے کو۔ آگ لطیف ہے اور درخت کثیف ہے آگ روشن چیز ہے اور درخت غیر روشن۔ درخت کی خاصیت سرد تر ہے جبکہ آگ کی طبیعت گرم خشک ہے جب آگ کے اجزا درخت سے ہیں اور ان کو کوئی نسبت نہیں اسی طرح حیوانات و نباتات کو اکٹھا کرنا اس ذات کے لئے کیا مشکل ہے۔ سورۂ یٰسین میں ہے ''کہ وہی تو ہے جس نے تمہارے لئے سبز درخت سے آگ پیدا فرمائی۔ واضح رہے کہ اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے آگ اور پانی کا ذکر فرمایا اور سورۂ نمل میں ہوا کا ذکر فرمایا۔ وہ کون ہے جو جنگل میں تمہیں راستہ بتاتا ہے۔ وہ کون ہے جس نے خلق کو پہلی بار پیدا فرمایا اور دوبارہ زندہ کرے گا۔ سورۂ حج میں زمین کا ذکر فرمایا یہ چاروں امور حشر ونشر کے لئے ممکن ہیں۔

قسم دوسری:

اس دلیل کو یوں سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جس طرح میں نے ابتداً خلقت کو پیدا کیا اور اس پر بھی قادر ہوں اسی طرح دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہوں۔ قرآن مجید میں اس قسم کے دلائل بہت سے ہیں سورۃ البقرہ میں ارشاد ہوا کہ تم کس طرح انکار کرتے ہو۔ تم مردہ تھے۔ اس نے تمہیں زندہ کیا۔ پھر مارے گا پھر زندہ کرے گا پھر اسی کی طرف تم لوٹ جاؤ گے۔ پندرھویں پارہ میں ہے۔ انہوں نے کہا جب ہم مرجائیں گے۔ ہماری ہڈیاں چورا چورا ہو جائیں گی پھر ہم دوبارہ کس طرح اٹھائے جائیں گے۔'' فرمایا کہ ''اگر تم پتھر ہو جاؤ یا تمہارے سینوں میں کوئی اور مخلوق ہو، زندہ کئے جاؤ گے۔ سورۂ عنکبوت میں ہے: ''کیا انہوں نے نہیں دیکھا کس طرح اس نے خلقت کو پیدا کیا ہے مرنے کے بعد وہ ان کو دوبارہ زندہ کرے گا۔ سورۂ روم میں یہ ہے کہ اس نے خلقت کو پیدا کیا ہے پھر دوبارہ پیدا کرے گا۔ اس کا قول بڑا ہے۔ سورۂ یٰسین میں ہے فرما دیجئے جس نے پیدا کیا ہے وہ ہڈیوں کو درست کر کے دوبارہ پیدا کرے گا۔

قسم سوئم:

آسمانوں پر قادر ہونا حشر کے لئے یہ دلیل مطلق ہے۔ پندرھویں پارہ میں ہے: ''کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ جس نے زمین اور آسمان کو پیدا فرمایا ہے تو اس کی مثل بنانے پر بھی وہ قادر ہے سورہ یٰسین میں ہے کہ: ''اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا تو ان کی مثل بنانے پر وہ کیوں قادر نہیں ہے۔'' پھر فرمایا: زمین اور آسمانوں کو پیدا کرنے میں اسے کوئی تھکن نہیں ہوئی کیا وہ مردوں کو زندہ کرنے پر قادر نہیں ہے۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے اپنی چاہت کے مطابق۔

قسم چہارم:

حشر کی دلیل اس پر قائم ہے کہ نیک کو ثواب دینا اور گناہ گار کو عذاب دینا یہ اللہ کی عظمت کا کمال ہے کہ وہ عادل ہے۔ اس کا استدلال کافی آیات سے ملتا ہے۔ سورہ یٰسین میں ہے: تمہارا اس کی طرف لوٹنا ایک سچا وعدہ ہے'' جو لوگ اس پر ایمان لائے اور اچھے کام کئے۔ ان کے ساتھ انصاف ہوگا اور ان کو اچھا بدلہ دے گا۔ سورہ طٰہٰ میں ہے: قیامت ضرور آئے گی قریب ہے کہ میں اسے پوشیدہ رکھوں گا اور جس نفس نے جو کچھ کیا اس کو اس کی جزا ملے گی۔ سورۂ جن میں ہے کہ جو کچھ زمین اور آسمانوں کے درمیان ہے سب کو پیدا فرمایا وہ فضول نہیں۔ یہ کافروں کا غلط خیال ہے اور آگ سے ان کفار کے لئے تباہی ہے۔

قسم پنجم:

زمین کے تروتازہ ہونے میں حشر کے لئے دلیل قائم کی گئی ہے۔ اولاً اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا۔ پھر اس گائے کا ذکر جو سورۃ البقرہ میں ہے کہ ذبح ہونے کے بعد وہ دوبارہ زندہ ہوگی۔ جو آئندہ اوراق میں بیان کیا جائے گا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ فرمائے گا۔ ابراہیم علیہ السلام کا وہ واقعہ کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ یا اللہ! مجھے دکھا دو ظاہر کہ تم مردوں کو کیسے زندہ کرتے ہو؟ تاکہ میرا اطمینان قلب ہو۔ یا اس شخص کی مانند جو ایک بستی سے گزرا اور وہ بستی چھت کے بل ڈھیر ہوگئی۔ پھر عیسیٰ علیہ السلام کا قصہ کہ میں نے تمہیں پیدا کیا اور تو کچھ نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کا قصہ اس طرح بیان فرمایا کہ اس کا وعدہ سچا ہے اور قیامت کے آنے میں کوئی شک نہیں۔ پھر حضرت ایوب علیہ السلام کے بارے میں ہے کہ ہم نے ان کو ان کے گھر والوں کو دے دیا۔ اس سے بھی دوبارہ حشر ہونے کی دلیل ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مردوں کو زندہ کرنا اور مٹی سے پرند بنانا اللہ کے حکم سے۔ یہ بھی اس پر دلیل ہے۔ اس کا مختصر بیان فقیر نے ان آیات کے ساتھ بیان کر

Marfat.com

دیا ہے۔ مکمل تشریح ان آیات کے ساتھ ان شاء اللہ جلد آئے گی۔ آپ انتظار فرمائیے۔

کفار نے حشر ونشر کا صریحاً انکار کیا ہے قرآن میں موجود ہے اس شخص کے باغ کا واقعہ کہ اس نے کہا میرا باغ کبھی ختم نہیں ہوگا۔ اور نہ ہی قیامت آئے گا۔ اس کے ساتھیوں نے کہا کہ یہ تو کیا کہہ رہا ہے۔ اس نے کہا اگر قیامت آ ہی گئی تو اللہ تعالیٰ مجھے اس سے بہتر بدلہ دے گا۔ دیکھئے کفار نے اللہ تعالیٰ کے حشر نشر کا انکار کیا حالانکہ حشر نشر ممکن الوجود ہے ممتنع الوجود تو خلاف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سب خلقت کو اولاً پیدا فرمایا مرنے کے بعد دوبارہ ممکن نہ ہونا اس سے اس کا عجز لازم آئے گا۔ جو اس کے لئے محال ہے۔ العیاذ باللہ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام ازلی میں حشر نشر کا بہت ذکر فرمایا ہے لہٰذا حشر ونشر کا انکار بلاشبہ موجب کفر ہے۔

مسئلہ دوم:

جنت دوزخ موجود ہے کفار کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کے لئے آگ تیار کی گئی ہے اس لئے دوزخ کا موجود ہونا لازم ہے کہ دوزخ موجود ہے جنت بھی موجود ہے۔ اللہ فرماتا ہے وہ متقیوں کے لئے تیار کی گئی ہے۔ اس مذکورہ آیت میں بھی ذکر ہے جس کی تفسیر ہو رہی ہے۔ دیکھئے اللہ نے فرمایا کہ جنت ایمان والوں اور اچھے عمل کرنے والوں کی ملکیت ہے جب کہ اس کا وجود پہلے سے موجود ہے اسی طرح جہنم بھی کفار کے لئے موجود ہے۔

مسئلہ تیسرا:

معلوم کریں کہ لذت ان تین چیزوں میں ہوتی ہے۔ مکان، کھانا، جماع یہ تینوں اس آیت میں مذکور ہیں کہ لوگ عیش و آرام میں رہتے ہیں لیکن عیش و آرام کے ختم ہونے کا بھی اندیشہ ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان اندیشوں کو رفع کر دیا کہ وہ جنت میں ہمیشہ رہیں گے۔ مذکورہ آیت جب نازل ہوئی صاحب خزینۃ القرآن بیان کرتے ہیں بحوالہ امام محمد باقر و دیگر مفسرین کہ حضرت عبداللہ ابن عباس اور حضرت حسن بن علی سے یہی مروی ہے کہ لوگوں نے جنت کے بارے میں آپ ﷺ سے پوچھا کہ اس میں کیا ہوگا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جنت میں بہترین محل ہوں گے۔ مرغوب کھانا ہوگا اور پھل ہوں گے اور جماع کے لئے پاکیزہ حوریں ہوں گی۔ اور یہ سلسلہ دوامی ہے۔ اس آیت میں چند سوال ہیں:

سوال: اس کا عطف کس کلام پر ہے؟

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ پچھلی آیت میں کفار کے عذاب کو یاد کرایا اب نیک لوگوں کے اعمال کا تذکرہ کیا جاتا ہے جس طرح کہ کہا جائے کہ زید کو سزا اور عمر کو معافی دی جائے۔ لیکن اس کا عطف امر اور نہی پر نہیں صاحب خزینۃ القرآن بحوالہ امام باقر و ابی بن کعب فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہی فرمایا کہ مذکورہ آیت میں کفار کا رد ہے جو وہ قرآن کے انکاری ہیں اور ان کے عذاب کا تذکرہ ہے اور اس آیت میں قرآن کے ماننے والوں کو جنت کی بشارت دی گئی ہے فرماتے ہیں یہ حدیث تواتر سے ہے۔ اس کا عطف فَاتَّقُوا النَّارَ پر ہے۔ جس طرح یہ کہا جائے کہ اے بنو تمیم تجھے بدکاری کی سزا دوں گا اور اے بنی اسد تم پر اچھا احسان کروں گا۔ اس کا عطف اس پر بھی ہو سکتا ہے جو مذکورہ حدیث سے واضح ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ اس کو زید بن علی بن حسین بن علی نے ماضی مجہول کے ساتھ پڑھا ہے۔ لہٰذا یہ اس کا عطف ہے۔

سوال: بَشِّر کا مخاطب کون ہے؟

جواب: ایک تو یہ کہ اس کا خطاب رسول اللہ ﷺ سے خاص ہے یا عام مومنین ہیں حدیث میں ہے کہ جس طرح لوگ اندھیروں میں مسجد کو جاتے ہیں قیامت کے دن ان پر نور کی چادر ہوگی تو یہ ان کو بشارت ہے یہ کتنی عمدگی ہے کہ ہر نیک شخص کے لئے یہ حکم عام ہے۔ حضرت امام حسین سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وبَشِّر کا مخاطب میں ہوں اور میری وجہ سے سب مومنین اس بشارت میں شامل ہیں ابن عباس نے بھی اس روایت کو نقل کیا ہے اور کافی مفسرین نے بھی۔ یہ حدیث تواتر ہے۔

سوال: بشارت کس کو کہتے ہیں؟

Marfat.com

جواب: بشارت وہ ہے جس سے دل میں سرور پیدا ہو اور فقہا کا قول ہے کہ جس طرح کوئی مالک اپنے غلاموں سے کہہ دے کہ مجھے فلاں شخص کے آنے کی بشارت ہے جس نے سب سے پہلے بشارت دی تو بشارت کا حق اس نے ادا کیا کیونکہ مالک نے کہا تھا کہ جو مجھے پہلے بشارت دے گا وہ آزاد ہو جائے گا۔ اگر خبر کہا جائے تو خبر تو سب لوگ دیتے ہیں لیکن اس سے سرور نہیں ہوتا سرور بشارت سے ہوتا ہے۔ اس کے اندر چند مسائل ہیں:

مسئلہ 1:

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ ایمان کے اندر عمل کو دخل نہیں ہے کیونکہ پہلے ایمان کا ذکر فرمایا اور جب اس عطف اعمال پر ہوا تو دونوں ایک دوسرے کے غیر ہو گئے۔ ورنہ تکرار لازم آئے گا۔ جو اصل کے خلاف ہے۔

مسئلہ 2:

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ ایمان اور عمل صالحہ کرنے سے جنت ملے گی کیونکہ اعمال ایمان سے ملتے جلتے ہیں اگر اس سے پوچھا جائے کہ اس شخص نے جو ایمان لایا اور نیک عمل بھی کئے پھر وہ کفر پر مر گیا تو وہ کہتے ہیں کہ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا۔ وہ تو اطاعت کی وجہ سے دائمی ثواب کا مستحق ہے۔ فعل کفر دائمی کی وجہ سے ہوتا ہے تو ان کا اجتماع بھی محال ہے اور قول بھی کفر کی وجہ سے اس کے اعمال ضائع ہو جائیں گے تمہاری یہ صورت ممتنع ہے بچند وجوہ محال ہے۔

وجہ پہلی:

فقیر سوال کرتا ہے کہ اگر یہ استحقاق ہے تو ان دونوں کی ضد ہے یا نہیں۔ یہ ضد کس وجہ سے محال ہوگی نمبر اول پر۔

-2 ان دونوں میں نفع ہے لیکن ایک عارضی نفع ہے جو محال ہے۔ بعد والا۔

-3 استحقاق کی نسبت سے جب ثواب دس حصہ کے مقابل اور عذاب بھی دس حصہ کے مقابل کیا یہ دونوں استحقاق برابر رہے یا عارضی۔ اگر دس حصہ ثواب کا حاصل ہوا اور دس حصہ عذاب تو استحقاق بطور اجزاء پر برابر ہیں۔ یہ بات کہ علت اور معلول دونوں برابر ہوں مستقل طور پر یہ محال ہے۔ ایک جز و ساتھ مخصوص ہونا یہ بھی محال ہے اس واسطے کہ ایک ممکن کو دوسرے ممکن پر قائم نہیں کر سکتے۔

یہاں امام رازی نے جز و کو شرط کے اندر مانا ہے لیکن شرط جب تک نہ ہو۔ اجزاء کا ہونا محال ہے جس طرح وضو شرط ہے۔ ہاتھ منہ دھونا اس کے اجزاء ہیں تو ان میں اگر ایک کم رہ جائے تو وضو مکمل نہ ہوگا۔ بعد میں امام رازی نے خزینۃ القرآن سے رجوع کیا۔ ایک سے زیادہ اجزاء ہونے کی صورت میں جب ایک دوسرے کو زائل کر دے تو فقیر یہ پوچھے گا کہ اس میں جز و اول کی کیا نسبت ہے اگر یہ ضائع ہو جائیں تو یہ بھی محال ہے۔ کم چیز سے زیادہ چیز کا زائل ہونا ناممکن ہے۔ لیکن اس کا اصل مطلوب کیا ہے جب یہ عارض ہونے والے موجود اجزاء کے بعد عارض ہوگا تو اس کے ازالے سے دو احتمال ہیں۔ یا تو یہ عارض ہونے والا باقی رہے گا یا خود بھی زائل ہوگا۔ یہ کہنا تو باطل ہے اور عارض ہونے والا باقی رہے اس لئے کہ کوئی عاقل اس کا قائل نہیں ہوا اس واسطے کہ دونوں کا زائل ہونا اس تاثیر سے دو حال سے خالی نہیں یا تو دونوں کی تاثیریں ایک دوسرے کے معاون ہوں گی یا علیحدہ علیحدہ ہوں گی۔ احتمال اول باطل ہے کیونکہ ازالہ کرنے والے کا وجود پہلے ہو تب وہ ازالہ کر سکتا ہے اگر دونوں اجزا ایک دوسرے کے معاون ہوئے تو دونوں ازالہ کرنے والے بھی معاون پائے جائیں گے۔ اس سے لازم آئے گا کہ معدوم ہونے کی صورت میں وہ دونوں موجود ہوں اور یہ بات محال ہے یکے بعد دیگرے پائی جائے تو ایک کا مغلوب ہونا محال ہے۔ باقی رہا یہ کہ مقدم اگر نسبت سے کم ہو تو اس کے اندر بھی دو احتمال ہیں یا تو مؤخر کے بعد اجزاء ان کا ازالہ کریں گے یہ بات تو محال ہے اس واسطے کہ تمام اجزاء کے اندر ازالہ کی صلاحیت ہے پھر بعض کا بعض کے لئے خاص ہونا ترجیح مرجح کے بغیر ہے جو باطل ہے دوسرا احتمال یہ ہے کہ ازالہ کے اندر سب موجود ہوں اس سے لازم آتا ہے کہ حصولِ واحد کے اوپر چند علتیں جمع ہو جائیں اور یہ امر محال ہے پس ثابت ہوا ان دلائل عقلیہ سے کہ کفر کی نسبت ان کے تمام اعمال ضبط ہیں کیونکہ کفر ایمان کو اس طرح جلا دیتا ہے جس طرح لکڑی کو آگ جلا دیتی ہے۔ اب وجود کے لئے دو قول متعین ہو گئے:

-1 جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ایمان کے بعد اگر کوئی کافر ہو جائے تو اولاً بھی اس کا ایمان نہ ہوگا، کفر ہوگا۔ بدیہی طور پر یہ باطل ہے۔ حدیث شریف میں بھی یہی ہے۔

Marfat.com

2- بندہ نہ تو اطاعت کی وجہ سے ثواب کا مستحق ہوتا ہے نہ ہی معصیت کی وجہ سے عذاب کا مستحق۔ اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ اللہ کی طرف سے عذاب یا ثواب دینا اللہ تعالیٰ پر واجب نہیں۔ حضرت ابن عباس سے ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! مگر گناہ گار اور صالح ان سب کو اللہ کی طرف سے جزا یا سزا ہوگی۔ اہل سنت کو دلیل حدیث سے واصل ہوئی۔ فقیر بھی اسی قول کو پسند کرتا ہے امام رازی نے بھی پسند کیا ہے۔ لیکن صاحب خزینۃ القرآن نے ایک حدیث بھی بیان کی ہے جو حدیث متواتر ہے۔ اور یہی قول ہے جو تاریکیوں سے نجات دیتا ہے۔

مسئلہ نمبر 3:

معتزلہ نے یہ کہا ہے کہ نیکوں کو اطاعت کی وجہ سے خوش خبری دی گئی ہے کیونکہ وہ جنت میں پہلے نہ تھے ان کی یہ حجت ہے۔ آیت کے ثواب کے لئے اس وجہ سے محمول کیا جائے گا اس واسطے کہ ایک وقوع کو دوسرے وقوع سے مجازاً تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

مسئلہ چہارم:

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ جنت ایک گنجان باغ کا نام ہے جس کے اندر طویل باغ ہیں اور یہی روایت مسند میں بھی ہے۔ جو امام احمد نے بیان کی ہے تفسیر معالم التنزیل میں حضرت علی سے مروی ہے کہ جنت کے معنی پوشیدگی کے ہیں۔ اہل عقل نے بھی اس کی توضیح کی ہے کہ اس کا مادہ اصل میں پوشیدہ چیز کا نام ہے۔ گویا کہ جنت ایک پردہ ہے جو تمام اشیاء کو محیط کئے ہوئے ہے۔ جنت کو جنت اس واسطے کہتے ہیں کہ اس کے اندر زیادہ باغات ہیں ہر قسم کی طبع کے مطابق اگر کوئی اس میں یہ شبہ کرے کہ جنت کو نکرہ لانے کی کیا وجہ ہے جنت نکرہ کیوں آیا ہے۔ اور انہار میں معرفہ کیوں آیا ہے تو جواب یہ ہے کہ جنت دار الثواب کا نام ہے۔ اور اس کے اندر بہت سے جنت ہیں انہار میں معرفہ لانے کا یہ نکتہ ہے کہ اس سے جنس مراد ہے۔ جس طرح کوئی کہے کہ فلاں شخص کے باغات زیادہ ہیں ان کے اندر پانی انجیر اور انگور سب جہ ہے اس کے مخاطب کو علم ہے امام رازی فرماتے ہیں کہ مخاطب سے مراد حضور ﷺ کی ذات ہے۔ نہروں کی طرف اس میں اشارہ ہے کہ اس جنت میں پانی اور دودھ کی نہریں ہیں نہ پانی کا رنگ تغیر ہوتا ہے اور نہ دودھ کا مزہ تبدیل ہوتا ہے۔ کُلَّمَا رُزِقُوْا میں دو احتمال ہیں یا تو مبتدا ہے یا جملہ معترضہ ہے جب اَنَّ لَھُمْ جَنّٰتٍ وارد ہوا تو خیال آتا ہے اس کی پہلی غذم کس قسم کی ہوگی۔ دنیا کی طرح ہوگی یا کسی اور طرح کی اس مقام پر چند سوال ہیں:

سوال: من ثمرات کی ترکیب کے اندر مِنْ کیا واقع ہوا ہے۔

جواب: اس کے اندر دو صورتیں ہوسکتی ہیں:

1- اس کے اندر ایسا کلام ہے کہ جس طرح کوئی یہ کہے کہ میں تیرے باغ سے انار کھاتا تھا تیری تعریف کرتا تھا۔ رزق کی پہلی ابتداء باغ سے ہے پھر اس کے درمیان واقعہ ہیں۔ وہ اس کے پہلو میں ہوئے۔ ثمرات سے ایک انار یا ایک سیب مراد نہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اس سے ہر قسم کے پھل مراد ہیں۔

2- من ثمراتٍ کے اندر من تبعیضیہ ہے اس سے ایک نوع مراد ہوسکتی ہے یا ایک پھل مراد ہوسکتا ہے۔

سوال: یہ کہنا کس حد تک درست ہوگا جو اس وقت دیا جائے گا ہم یہ محسوس کریں گے کہ اس سے پہلے بھی ہم کو دیا گیا تھا۔

جواب: چونکہ ان دونوں کی ماہیت ایک ہوگی خاصیت کے اعتبار سے ہم شکل ہوں گے جس طرح کوئی یہ کہے کہ فلاں کا بیٹا باپ پر ہے یعنی باپ کی شکل کے مطابق ہے۔

سوال: کیا جنت میں جو پھل جنتیوں کو ملیں گے تو کیا وہ جنت کے ہوں گے یا دنیا کے؟

جواب: اس کے اندر دو احتمال ہیں:

1- کہ جب کوئی ایک چیز کو دیکھ لیتا ہے تو دوبارہ اس کو دیکھنے سے اس کی محبت کا زیادہ میلان ہوتا ہے۔ جو چیز پہلی بار دیکھی جائے اس سے اتنی رغبت نہیں ہوتی۔ دیکھی ہوئی چیز کو اگر اعلیٰ عمدگی کے ساتھ دیکھے تو وہ خوش ہوتا ہے جنت میں بھی یہی ہوگا۔ جنت میں انار ملے گا تو دنیا کے انار سے وہ انار اعلیٰ ہوگا جس سے وہ

Marfat.com

خوش ہوگا۔

2- كُلَّمَا رُزِقُوا اپنے معنوی اعتبار سے تمام دفعات میں شامل ہے۔ جب ان کے سامنے جنت کے پھل لائے جائیں گے تو وہ کہیں گے کہ یہ وہی ہیں کیونکہ جب ان کو یہ پھل دیئے جائیں گے تو وہ بار بار کہیں گے کہ یہ وہی ہیں۔ جنت میں جب پہلی بار ان کو یہ پھل ملیں گے تو مشابہت کی وجہ سے یہی کہیں گے ورنہ ان کا کہنا بے مقصد ہوگا۔ اس سے ثابت ہوا دنیا کے پھل اور رزق ہی مراد ہیں چنانچہ حدیث تواتر سے بھی ثابت ہے۔

2- جنتی ان کو دنیا کے پھلوں سے مشابہ قرار دیں گے۔ لیکن اس مشابہت میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ثواب کی وجہ سے ان میں کوئی فرق نہ آئے گا۔ کھانے پینے میں وہ ہمیشہ ایک ہی حال میں رہیں گے ان کے درجات برابر ہوں گے۔ حضرت امام حسینؓ سے مروی ہے کہ جنت کے اندر یکسانیت ہوگی لیکن بعض اس میں اختلاف کرتے ہیں لیکن امام حسنؓ کی روایت کے اندر اختلاف رکھنا یہ بالکل ہی خلاف دین ہے۔ یہ خارجی طریقہ میں ہوگا فرماتے ہیں کہ جب کسی کو کسی چیز سے لطف ہوتا ہے تو وہ چاہتا ہے کہ مجھے یہ لطف آتا رہے لیکن جب جنتی ان پھلوں کو کھائیں گے لیکن ان کے ذائقے الگ الگ ہوں گے صاحب خزینۃ القرآن بحوالہ امام محمد باقر و امام حسنؓ و حسینؓ و ابی بن کعب کی اسناد سے حدیث درج کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب جنتی کے پاس ایک رکابی لائی جائے گی اس میں پھل ہوں گے پھر دوسری لائی جائے گی وہ کہے گا یہ تو وہی ہیں۔ فرشتہ کہے گا نہیں، رنگ ایک ہے لیکن ذائقے الگ الگ ہیں۔ یہ حدیث تواتر ہے صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ اہل معرفت یعنی اولیاء اللہ یہ کہتے ہیں کہ مومن کی معرفت الٰہی سے وابستگی ہوگی۔ ملائکہ مقربین اور ملائکہ روحانیین کے ساتھ ان کا تعلق ہوگا طبقات اور عالم سمٰوٰت کے جوار واح ہیں انسان کو چاہیئے کہ اس کا دل آئینہ کی طرح ہو جو عالم مقدس کے مجازی اس میں رکھا ہوا ہے۔ پھر یہ معرفت اگرچہ دنیا کے اندر انسان کو حاصل ہوتی ہے مگر اس کو کمال لذت و سرور حاصل نہیں ہوتا اس واسطے کہ شیاطین انسان کو اس عادت سے روکتے رہتے ہیں جب یہ شیاطین کے خیالات ختم ہو جائیں گے تو سعادتِ کبریٰ نصیب ہوگی۔ اس وقت وہ یہ کہے گا کہ یہ وہی سعادت ہے کہ جو مجھے دنیا میں بھی حاصل ہوئی۔ اس واسطے اس جانب اشارہ ہے کہ یہ وہی کمال ہوں گے زندگی اخروی میں جو پہلے دنیا میں حاصل تھے۔ یہ وہ کمالات اور وہ لذات ہوں گی جو دنیا میں راجع اس کو حاصل تھیں لیکن اتوبہ متشابھا کے اندر دو سوال ہیں:

سوال 1: یہ کہ اس کی ضمیر کس طرف ہے؟

جواب: صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ رُزِقُ کی طرف لے جائیں تو یہ وہی رزق مراد ہوگا جو دنیا میں بھی رہا ہے اور جنت میں بھی وہی۔ اور اگر اس کی ضمیر جنت کے ساتھ ہو تو پھر جنت کا رزق مراد ہوگا۔ آپ حدیث میں بیان فرماتے ہیں حضرت عمر سے مروی ہے کہ لوگوں نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ جنت کے رزق کیسے ہوں گے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھلوں کی مشابہت تو انہی پھلوں سے ہوگی لیکن وہ ہوں گے جنت کے جن کی شان اعلیٰ ہوگی۔ یہ حدیث تواتر سے ہے۔

سوال 2: وَاُتُوْبِهٖ مُتَشَابِهًا کی ترکیب کے اندر کیا ہے؟

جواب: اہل جنت جب جنت میں پہنچیں گے اور انہیں پھل دیئے جائیں گے تو جنتی لوگ کہیں گے کہ یہ تو وہی پھل ہیں جو ہم پہلے (دنیا میں) کھاتے تھے تو اللہ نے اس کی تصدیق فرمائی اور فرمایا کہ واقعی وہ پھل انہی پھلوں جیسے (شکل وصورت میں) ہوں گے۔ اور اس بات کی تصدیق حدیث شریف سے بھی ہوگئی۔ وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ اس پر صاحب خزینۃ القرآن بحوالہ تفسیر امام باقر اور ابی بن کعب حدیث درج کرتے ہیں۔ حضرت علی، ابن عباس، ابوسعید خدری اور ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے جنت کی عورتوں کے بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ عورتیں پاکیزہ ہیں حیض و نفاس سے یعنی جو اوصاف قبیحہ عورتوں میں ہوا کرتے ہیں وہ ان سے پاک ہیں لیکن ان میں ایسی خصوصیت ہے کہ اگر وہ زمین پر تھوک دیں ساری زمین اس کی خوشبو سے مہک جائے۔ ان عورتوں کے ساتھ وہ صرف لفظ ''عورت'' میں مشترک ہیں۔ خاوند کی اس قدر خدمت گزار ہیں کہ دنیا کی کوئی عورت ان جیسی خدمت گار نہیں۔ اگر بیوی اپنے شوہر کی نافرمانی میں کوئی لفظ کہہ بیٹھے تو وہ انہیں لعنت کرتی ہیں اور کہتی ہیں کہ جب یہ ہمارے پاس آئے گا تو ہم اس کی قدر کریں گی تو دیکھ لینا۔ پھر پوچھا گیا کہ ایک آدمی کے لئے کتنی عورتیں ہوں گی؟ فرمایا: ستر (۷۰) ہوں گی۔ لیکن مرد کی خواہش دنیا کی خواہش سے کہیں زیادہ ہوگی۔ جماع کے وقت ان سے جو پانی خارج ہوگا وہ پاکیزہ ہوگا کیونکہ انسان کی لذت کے لئے

Marfat.com

تین ہی چیزیں ہیں۔کھانا، مکان اور عورت۔یہ حدیث بھی تواتر سے ہے۔

1- حالت حیض میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں سے مباشرت کرنے کو منع فرمایا ہے۔ارشاد ہوا کہ اے حبیب پاک ﷺ فرمادیجئے کہ حیض میں عورتوں کے قریب مت جاؤ۔کیونکہ بحالت حیض عورتیں ناپاک ہوتی ہے۔لہٰذا مباشرت سے منع کیا گیا ہے کیونکہ وہ معذور لیکن انسان گناہوں میں غیر محدود ہے۔

2- صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ میرے جدامجد محمد ابن علی ابن حسین ابن علی حضرت عبدالرحمٰن سے سنتے ہیں وہ اپنے والد حضرت ابوبکر صدیقؓ سے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ انسان جنابت کے اندر ہے تو جب تک وہ غسل نہ کرلے مسجد میں داخل نہیں ہوسکتا۔حالانکہ نیک اور بد دونوں مسجد میں آتے ہیں تو اگر کوئی شخص حرام سے اپنی خواہش کو پورا کرے تو وہ جنت میں کیسے جاسکتا ہے۔اس لئے کہ جنت ایک پاک مقام ہے پاکیزہ لوگوں کے لئے۔حضرت آدمؑ کو جنت سے نکالا گیا اس کی حالت آئندہ اوراق میں بیان ہوگی۔امام فخرالدین رازی نے کہا ہے کہ آدمؑ سے لغزش ہوئی۔امام رازی نے یہ غلطی کی ہے۔

3- حضرت امام شافعی کے نزدیک کپڑے پر نجاست لگی ہو تو نماز نہیں ہوتی تو جس کا دل گناہوں سے بھرا ہوا وہ جنت میں کیسے داخل ہوگا۔صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں امام شافعی کے قول کے بعد کہ کپڑے پر جس جگہ نجاست لگی ہو، اسے دھولیا جائے تو نماز ہوجائے گی۔امام اعظم کا بھی یہی قول ہے۔اس مقام پر دو سوال ہیں۔یعنی موصوف تو جمع ہے اور صفت مفرد لائی گئی ہے۔

جواب: جمع کی صفت میں صیغہ جمع کا لانا بھی صحیح ہے اور مفرد کا بھی۔زوجہ کی جمع ازواج ہے۔یہ صاحب خزینۃ القرآن کے ایک شعر کا ترجمہ ہے۔

زید ابن علی ابن حسین ابن علی نے مطہرات جمع سے پڑھا ہے۔اور عبیداللہ ابن عمر نے اس متطہرہ پڑھا ہے۔اور امام جعفر صادق و امام محمد باقر نے متطہرہ پڑھا ہے۔

سوال 2: مطہرہ کی جائے طاہرہ کیوں ارشاد نہیں ہوا۔

جواب: مطہرہ اس لئے ہے کہ کسی پاک کرنے والے نے ان کو پاک کیا ہے۔وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کون ہے اس میں جنتیوں کے لئے بڑی عظمت و کرامت ہے اور جنت میں حوروں کو آراستہ و پیراستہ کردیا ہے ھُمْ خٰلِدُوْنَ میں معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ دائمی ثواب ہے۔جو کبھی منقطع نہیں ہوگا انہوں نے ایک آیت سے استدلال کیا ہے کہ تم سے پہلے ہم نے کسی کو ہمیشگی نہیں دی مرنے کے بعد ہمیشگی نہ ہوگی۔اس میں اللہ تعالیٰ نے بشر کے لئے خلد کی نفی فرمائی ہے۔منفیت کے لئے اثبات موجود ہوتے ہیں۔ہمارے علماء فرماتے ہیں کہ خلود سے مراد طویل مدت ہے خواہ اس میں ہمیشگی ہو یا نہ ہو۔اگر خلود کے معنوں میں ہمیشگی داخل ہو تو اَبَـــدًا فرمانے کی کیا ضرورت تھی۔جس طرح کوئی کہے کہ فلاں شخص نے فلاں شخص کی جائیداد وقف کردی۔عقل کا نتیجہ یہی ہے کہ یہ ثواب دائمی ہے۔لیکن صاحب خزینۃ القرآن اس عقل کو باطل فرماتے ہیں یہ عقل نہیں ہے بے وقوفی ہے۔اگر مرنے کے بعد بھی دوبارہ موت ہے تو پھر جنت میں لوگ کیسے جائیں گے پھر تو یہی دنیا ہونی چاہئے اگر ثواب دائمی ہو جب بشر کے لئے ثواب دائمی ہے یا جب وہ خود ہی خلد نہ ہوگی تو ثواب کاہے کے لئے ہوگا۔فرماتے ہیں ایسی عقل باطل ہے۔رازی نے اوپر والی عبارت نقل کی ہے لیکن نیچے والی چھوڑ دی جو دلائل میں قوی ہے۔فرماتے ہیں تو اتر احادیث سے ہے خـلـدون کے معنی میں خود فرمایا کہ نہ ثواب ختم ہوگا نہ انسانوں کو موت آئے گی موت کو ذبح کردیا جائے گا۔جب موت ہی نہیں ہوگی تو لامحالہ پھر خلد ہے۔اب اس آیت کی تفسیر ختم۔

قال اللہ تعالیٰ: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ط فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ج وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا م يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ط وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ (٢٦) الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ م بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ص وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ط اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ (٢٧)

ترجمہ: بے شک اللہ نہیں گریز فرماتا مثال بیان کرنے میں خواہ مچھر (حقیر) ہو یا اس سے بھی زیادہ (حقیر و کمتر) بڑھ کر۔بہر حال اہل ایمان جانتے ہیں کہ یہ مثال ان کے رب کی طرف سے ہے جو حق ہے کافر یہ کہتے ہیں کہ اللہ نے اس سے کیا مراد لیا ہے؟ وہ تو بہتوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہتوں کو ہدایت دیتا ہے اور نہیں گمراہ کرتا مگر

Marfat.com

انہی کو جو فاسق ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ سے عہد باندھ کر توڑ ڈالتے ہیں اور جس چیز کے جوڑنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اسے کاٹ دیتے ہیں اور زمین میں فساد ڈالتے ہیں۔ پس وہی لوگ ہیں گھاٹا پانے والے۔

جب اللہ تعالیٰ نے اس امر کو قطعی فرمایا کہ قرآن کریم معجز ہے تو پھر کفار نے اس کے کلام الٰہی ہونے میں کیوں شک کیا؟ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں شہد کی مکھی، مکڑی اور مچھر کی مثالیں بیان فرمائی ہیں اور یہ حقیر اور ذلیل چیزیں ہیں۔ کیا فصیح لوگ اپنے کلام میں ایسی ہی مثالیں بیان کرتے ہیں۔ تو اس میں نقصان کا اندیشہ ہو سکتا ہے۔ قرآن کریم کا معجز ہونا تو درکنار بلکہ اس امر کو بیان کرنے میں ایسی چیزوں کا ذکر بڑی بڑی حکمتوں کے ساتھ ہے تو پھر اس کو بیان کرنے میں کیا اندیشہ ہو سکتا ہے بلکہ یہ تو فصاحت و بلاغت ہے۔ اس آیت کے اندر چند مسائل ہیں:

مسئلہ اوّل:

صاحب خزینۃ القرآن حضرت علی و ابن عباسؓ سے بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو فرمایا گیا۔ سن لو کہ اللہ تعالیٰ نے مکھی کی مثال بیان فرمائی ہے۔ اس لئے کہ کفار کے خدا تو مکھی بھی نہیں بنا سکتے جن کی وہ عبادت کرتے ہیں ان کو مکڑی کے جالے کی مانند بتایا گیا ہے۔ یہودیوں نے جب یہ سنا تو انہوں نے کہا۔ اللہ تعالیٰ مچھر اور مکھی کی مثالیں کیوں بیان فرماتا ہے جو کہ اس کی شان کے لائق ہی نہیں۔ یہ حدیث تواتر ہے۔ دوسرا قول منافقوں کی طرف سے ہے کہ انہوں نے اس مثال کو ظلمت کی مانند کہا۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت میں مشرکین کو بیان فرمایا اور آیت کے آخری حصہ میں یہودیوں کو مراد لیا۔ پھر سرکار ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

ولیقول الذین فی قلوبھم آخر آیت تک فرمایا اس میں منافق اور کافر ہیں۔ یہ آیت اس آیت کی تفسیر ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ کے اوّل میں پہلے مومنوں۔ کھلے کفار اور منافقوں کا ذکر فرمایا ہے کیونکہ منافقوں اور یہودیوں کو آپ ﷺ سے دشمنی تھی۔ اور وہ آپ ﷺ کو ایذا پہنچاتے تھے۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے یہی فرمایا۔ اور فرمایا کہ اے علی! یہ آیت مستقل ہے اس کو ماقبل والی آیت سے ربط نہیں ہے۔

مسئلہ 2:

حیا ایک جوانمردی کا نام ہے جس سے انسان نامناسب کاموں سے ہٹ جاتا ہے۔ حیا دراصل حیات سے مشتق ہے۔ اللہ تو حیا سے پاک ہے جس طرح کوئی یہ کہے کہ گھوڑے کی پیٹھ پر تکلیف ہے پھر یہ کہ کوئی انسان حیا سے مر گیا۔ یا فلاں سے خوف کھا کے گھل گیا لیکن اللہ تو حیا سے پاک ہے حدیث شریف میں حضرت سلمان فارسی بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تو حیا کو پیدا کرنے والا اور کرم کرنے والا ہے۔ جب کوئی اللہ تعالیٰ کے دربار میں ہاتھ پھیلائے تو اگر وہ بغیر کرم کے خالی واپس کر دے تو یہ اس کے شان کریمی کے خلاف ہے۔ اس میں یہ احتمال ہے۔ قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جو امور انسان کے لئے ہوتے ہیں اگر وہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہوں تو وہ اغراض و مقاصد کے لئے ہوتے ہیں حقیقی معنوں میں اللہ تعالیٰ کے لئے ہرگز جائز نہیں وہ صرف انسان کے ادراک کے لئے ہوتا ہے جیسا انسان کی خصوصیت میں سے ہے مگر ان کا مبدا اور منتہا نکلتا ہے کہ بدنامی کی وجہ سے یہ انسان پر عارض ہو جائے۔ انسان جب بدنامی کے فعل کو ترک کرے گا تو وہ حیا ہو گا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے منزہ ہے۔ ہدایت یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی اپنے انتقام سے ہٹ جائے تو درست وگرنہ اس کے غضب سے دوسرے کو تکلیف پہنچے گی۔ اگر وہ معاف کر دے تو وہ حیا ہو گا۔ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے غضب ہو گا تو اس کو رغبت اس معنی میں نہ ہو گی۔ بلکہ یہ عذاب ہو گا۔ قاعدہ کلیہ یہی ہے۔

2- ابن عباس فرماتے ہیں کہ کفار نے کہا۔ محمد ﷺ کے پروردگار کو حیا نہیں آتی کہ وہ مکڑی اور مچھر کی مثالیں بیان فرماتا ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کفار تمہاری جہالت کے سبب میں مکڑی اور مچھر کی مثالیں بیان کیں۔ کیونکہ تمہاری عقل مکڑی اور مچھر کی طرح ہے لیکن ان امور کو جو انسانوں کے لئے واقع ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا کفر و جہالت ہے۔ اگر ان امور میں اللہ تعالیٰ کو شامل کیا جائے بایں معنی کہ اللہ حیا نہیں کرتا تو یہ بات اس کی شان کے خلاف ہے۔ صرف بیان کرنے میں یہ ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میری اولاد نہیں مجھے کوئی نہیں کھلاتا۔ دراصل ان امورات کو اس کی (اللہ تعالیٰ) جانب منسوب کرنا کہہ چکا ہوں کہ کفر ہے۔ نفی کے لئے بطور خبر دیا جائے تو بات درست ہو سکتی ہے اس واسطے کہ اس نفی کو بیان

Marfat.com

کرنے سے غیر کا ثبوت نہیں ہوسکتا۔ اگر یہ کہا جائے کہ یہ صفات اللہ تعالیٰ میں نہیں ہوسکتیں تو یہ بہتر ہے۔ پورے بیان کرنے میں اس پر کوئی تصریحات نہیں آئے گی کہ وہ حرام ہے۔

مسئلہ 3:

یہ ہے کہ حقیر چیزوں کی مثال دینا قباحت نہیں ہے صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ ہمارے وطن عرب کے لوگ حقیر چیزوں کی مثالیں بھی دیا کرتے تھے۔ یہ عقل کے نزدیک ایک اچھا امر ہے۔ مثال دیتے ہیں کہ پروانے سے مچھر زیادہ نادان ہے مچھر کو دماغ سے زیادہ نادر الوجود کہتے ہیں مجھے مچھر نے تکلیف دی یہ اس وقت کہتے ہیں جب کوئی کمزور ہوتا تو عرب کے لوگ اس پر مچھر پکڑ کر گرا دیتے تھے صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ اہل عجم بھی ایسی مثالیں دیتے ہیں جیسے کہ قصہ مشہور ہے کہ ایک درخت پر مچھر بیٹھا وہ اڑنے کا ارادہ کر رہا تھا۔ مچھر نے کہا اے درخت تو رک جا تا کہ میں اڑ جاؤں۔ درخت نے کہا اللہ تعالیٰ کی قسم! مجھے تو معلوم بھی نہیں کہ تو آ کر مجھ پر بیٹھا ہے صاحب خزینۃ القران اس کی مثال انجیل سے بیان کرتے ہیں ملکوت کی مثال ایسی ہے جس طرح ایک شخص نے اپنے گاؤں میں گیہوں کی کاشت کی۔ اس کے ایک دشمن نے آ کر پھندہ ڈال دیا۔ اس نے تمام گیہوں کو دبا دیا۔ جب اس کے نوکروں کو پتہ چلا تو وہ اپنے مالک کے پاس آئے اور کہا کہ جناب آپ کے گیہوں میں پھندہ ڈالا گیا ہے اس نے کہا اس پھندہ کو ابھی نہ اکھاڑنا ورنہ تمام گیہوں اکھڑ جائیں گے۔ جب گیہوں پک جائے تو چھانٹ چھانٹ کر پھندہ کو الگ کر دینا اور گیہوں کے ڈھیر الگ لگا دینا پھر پھندے کو جلا ڈالنا۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ وہ شخص کون ہے بتلا دوں حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور گاؤں عام دنیا ہے اور ہم ابناء الملکوت ہیں اور وہ پھندہ ابلیس ہے اور گیہوں اعمال ہیں جو ان کو کاٹنے کی کوشش کرتا ہے فرشتے حفاظت کے لئے ہیں جب لوگ دیکھیں گے اہل اللہ اعلیٰ مقام میں ہوں گے اور بدکار اسفل السافلین میں ہوں گے وہ پھندہ جسے چھانٹ چھانٹ کر جلا دیا گیا ہے وہ بدکار لوگ ہیں اور قیامت کے دن وہ بدکاران کی چیخ و پکار ہوگی وہ اپنے دانتوں سے ہونٹوں کو پیسیں گے اہل اللہ کے پاس جب پہنچیں گے خوش ہو کر۔ فقیر نصیحت سنانا چاہتا ہے اب ایک ملکوت سماوی مثال بیان کروں گا۔ مثال یہ ہے کہ جس طرح کوئی رائی سے بھی کم دانہ ہوا سے زمین میں بوئے پھر وہ دانہ اگ کر بڑا ہو جاتا ہے یہی حاصل نصیحت کرنے والوں کا ہے اللہ تعالیٰ اس کے اجر کو اور اس کے ذکر کو بلند فرماتا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تم چھلنی کی طرح ہو جس طرح اس میں سے باریک آٹا نیچے گر جاتا ہے اور بھوسہ اوپر رہ جاتا ہے اسی طرح حکمت کی باتیں جو بھی ہیں تمہارے دل سے نکل جائیں اور فریب کی باتیں تمہارے دل میں باقی رہ جائیں نیز حضور ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے دل پتھر کی طرح سخت ہیں نہ انہیں آگ جلا سکتی ہے نہ ہوا اڑا سکتی ہے فرمایا کہ تم اپنے مال کو ایسی جگہ مت جمع کرو جہاں ان کو دیمک چاٹ جائے۔ جنگل میں مت رکھو کہ وہاں چوروں کے چرا لینے کا خطرہ ہے اپنے مالوں کو اللہ کی راہ میں صرف کرو۔ نیز حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ جب ہم زمین سے کھیتی بوتے ہیں تو اس سے لباس نہیں چھوٹتے۔ اس کھیتی کو جانور نگلتے ہیں حالانکہ وہ جانور کھیتی نہیں کرتے بلکہ پتھروں سے بھی جانور نکلتے ہیں تو اللہ کے سوا ان کو کون روزی دیتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہ بھی فرماتے ہیں کہ بھڑوں کو مت چھیڑو وہ تمہیں کاٹ ڈالیں گی اور بے وقوفوں میں مت الجھو وہ تمہیں گالیاں دیں گے اسی طرح اللہ نے اپنی کتب میں چھوٹی چھوٹی چیزوں کو مثال بنا کر بیان فرمایا ہے۔ عقل سے یہ تائید ہوتی ہے کہ قوت خیالیہ کی عادت ہے وہ ایک چیز کو دوسری چیز سے مشابہت دیتی ہے پس اگر ایک معنی کا ذکر ہو تو عقل اس کا ادراک کر لیتی ہے مگر خیال اس کے خلاف معنی کے اندر ہر چیز نہیں آسکتی جب اس کے ساتھ تشبیہ اور مثال بیان کر دی جائے اور پھر عقل خیالات کے ساتھ مددگار ہوا کرتی ہے۔ ظاہر ہے کہ پہلا ادراک دوسرے ادراک سے معنوی اعتبار پر ہو لیکن معنی تو اس کے ذہن میں موجود ہوں لیکن اس چیز کا ظہور ہوا سے معلوم نہ ہو تو پھر وہ مثال بیان کرتا ہے۔ اسی طرح بڑی بڑی مثالوں کی ضرورت ہوتی ہے مثال دینا اس امر پر اعتبار ہے کہ جس امر کی مثال دی جائے اس کے مطابق جس جگہ مکھی اور مکڑی کی مثال دینا مناسب ہوگا وہاں اونٹ اور ہاتھی کی مثال ناممکن ہوگی جبکہ مشرکین بت پرستی کرتے تھے وہ عبادت الٰہی سے انکاری تھے تو یہ مکڑی اور مچھر کی مثال ان کے لئے مناسب تھی جس طرح وہ بت اپنے اوپر سے مکھی کو بھی نہیں اڑا سکتے اور مکڑی بھی کمزور ہے تو اس طرح ان کی عبادت ان کے لئے فضول ہے اور بے بنیاد ہے۔ کمزور چیز کی مثال اگر کمزور چیز سے دی جائے تو اس میں کوئی حرج نہ ہوگا۔ اسی قدر اس مثال میں وضاحت ہوگی۔

مسئلہ 4:

Marfat.com

صاحب خزینۃ القرآن لکھتے ہیں کہ موسیٰ بن ارواح کہتا ہے کہ مَثَلاً مَّا میں جو مَا ہے وہ زائد ہے جس طرح فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللهِ میں ما زائد ہے۔فرماتے ہیں کہ یہ خیال بالکل لغو ہے تو اتراحادیث ایک ہزار کے قریب ہیں جن میں یہ وضاحت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں کوئی لفظ فضول نہیں جو ایسا خیال کرے گا وہ کافر ہے۔قرآن کو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے ہدایت دینے والا فرمایا ہے اس میں کوئی امر فضول نہیں ہے۔ بَعُوْضَةً کے اندر دو قرأتیں ہیں:

1- یہ کہ وہ مبنی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب اسم نکرہ کے ساتھ ملتا ہو تو اس کے ابہام کو بڑھا دیتا ہے اور خصوصیت سے اس کو دوری ہو جاتی ہے۔اس کا بیان یہ ہے کہ جس طرح کوئی کہے اَعْطِنِي كِتَابًا اَنْظُرُ فِيْهِ اور وہ شخص اس کو کتاب لا کر دے دے۔اگر اس نے یہ کہا کہ یہ میری کتاب نہیں جس کے لئے میں نے تجھے کہا تھا تو یہ بات اس کتاب کی ضمیر کے مطابق درست ہوگی۔

2- یہ نکرہ ہے یہ صفت اس کی قائم مقام ہے اس کی تفسیر میں۔اس کے اندر دو احتمال ہیں: (۱) یہ کہ وہ اسم موصولہ ہے۔جس کا صلہ واقع ہوا ہے، (۲) یہ استفہامیہ ہے۔اللہ تعالیٰ نے جب یہ فرمایا کہ وہ مچھر کیا چیز ہے تو اس سے بڑھ کر کوئی اور چیز ہے۔اللہ تعالیٰ مچھر سے چھوٹی مثال بھی بیان کر سکتا ہے جس طرح کوئی کہے کہ فلاں شخص نے کسی کو ایک اشرفی دی تو وہ اس سے زیادہ بھی دے سکتا ہے۔

مسئلہ 5:

صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں اس کی مثال یہ ہے جس طرح انہیں بنانا اور اس پر مہر لگانا۔

مسئلہ 6:

بَعُوْضَةً کو نصب ہے اس واسطے کہ وہ مَثَلاً مَّا کا عطف ہے۔ اَنْ يَّضْرِبَ کا مفعول ہے اور مَثَلاً اس کا نکرہ ہے یا وہ اس کے اوپر مقدم ہے یا وہ اَنْ يَّضْرِبَ کا دوسرا مفعول ہے يضرب يَجْعَلُ کے معنی میں اس وقت ہوگا جب وہ ماصلہ کے لئے ہو۔معطوف معطوف مل کر عطف بیان یا مفعول واقع ہوا ہے اور مثلاً حال مقدم ہے اگر مرفوع پڑھا جائے تو وہ مبتداء کی خبر ہوگی۔اگر وہ موصوف یا موصولہ ہو تو استفہامیہ ہوگا۔اور وہ استفہامیہ ہو تو جواب واقع ہوگا۔کسی نے اس مقام پر کہا تھا ما اس کے جواب میں واقع ہوا۔ بَعُوْضَةٌ وہ ہے۔

مسئلہ 7:

صاحب کشاف لکھتے ہیں کہ بَعُوْضَةً کا لفظ بُعَضَ سے مشتق ہے جس کے معنی قطع کرنے کے ہیں۔جس طرح بِضَع اور غَضَبَ کے معنی قطع کرنے کے ہیں کہا کرتے ہیں بعضه البعوض اور بعض جو معنی جز کے آتا ہے وہ بھی اسی سے ماخذ ہے۔اس واسطے کہ بَعْض ایک چیز ایک شئے کا ٹکڑا ہے۔اور صیغہ مفعول کے ساتھ آیا ہے اس کا مصدر بعومة ہے۔

بعض کا خیال ہے کہ بعوضه بعض سے مشتق ہے جو بمعنی جزو کے آتا ہے۔مچھر کو بعوضہ اس لئے کہتے ہیں کہ اس کا جسم چھوٹا ہوتا ہے اس واسطے کہ ایک شئے کا جز یہ دوسری شئے سے چھوٹا ہوا کرتا ہے۔مگر وجہ قوی یہی ہے جو پہلے بیان ہو چکی ہے کشاف نے بھی خزینۃ القرآن سے یہ نقل کیا ہے۔رازی نے یہ جو بعض کا خیال لکھا ہے اس کا اشارہ بھی خزینۃ القرآن کی طرف راجع ہے کیونکہ یہ عبارت وہی ہے۔صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ مچھر ایک مخلوق سے عجب چیز ہے اور سب سے چھوٹا جانور ہے اور اس کا باریک سونڈ ہوتا ہے جو ہاتھی اور اونٹ کی کھال میں بھی گھس جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کے سونڈ میں زہریلا مادہ رکھا ہے فرمایا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔

مسئلہ 1:

فَمَا فَوْقَهَا کے اندر دو احتمال ہیں جو مچھر سے بڑھ کر جانور ہیں مکڑی، مکھی اور کتا وغیرہ کیونکہ کفار نے جو اعتراض کیا تھا قرآن کریم پر صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ دوسرا احتمال حدیث نبوی ﷺ سے ہے۔ لکھتے ہیں کہ بہت سے صحابہؓ سے یہی حضرت ابودردہ کہتے ہیں کہ مصر کے اندر جو جانور ہیں وہ مچھر سے بڑے ہیں۔یہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے۔

Marfat.com

روایت ملتی ہے۔ محققین نے بھی یہی پسند کیا ہے اس کے اندر کئی وجوہ ہیں:

1- صاحب خزینۃ القرآن لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ مثال اس لئے بیان فرمائی ہے کہ ان کے بتوں کو ذلیل وحقیر بتلانا مقصود ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ایک حقیری چیز کی مثال دینے سے نہیں شرماتا۔

2- ......جس کا اولاً حقیر ذکر کیا جائے وہ حقیر ہی ہوتی ہے۔

3- جس قدر کوئی چیز چھوٹی ہوتی ہے اس پر اطلاع پانا مشکل ہوتا ہے۔ جب کوئی چیز بہت چھوٹی ہو تو اللہ کے سوا کسی کو علم نہیں ہوتا ہاں اگر وہ خود خبر فرما دے تو اس سے کچھ بعید نہیں۔ اگر کسی بڑی چیز کے ساتھ مثال دی جائے تو وہ بات حاصل نہیں ہوتی۔

(۱) فریق اول نے فَوْق کے معنی بلندی اور زیادتی کے کیے ہیں۔

(۲) پہلے یہ کہ مچھر سے کوئی جانور چھوٹا کیسے ہوسکتا ہے کیونکہ مچھر سب سے چھوٹا جانور ہے۔ اور اگر کوئی چیز صفت کے لحاظ سے چھوٹی ہو تو کہا جا سکتا ہے کہ صفتاً یہ چیز اس سے بڑی ہے۔ مچھر چھوٹا ہی ہوتا ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ساری امت کو مچھر کا ایک پر فرمایا ہے۔

مسئلہ نواں:

مَا شرطیہ ہے۔ اس میں اس لئے مَا داخل ہے بمعنی شرط کی وجہ سے اس سے تاکید کا فائدہ ہوا کرتا ہے جس طرح کوئی کہے زَیْدٌ ذَهَبَ زید گیا تاکیداً ہو تو زَیْدٌ مَا ذَهَبَ زید ضرور جانے والا ہے۔

مسئلہ دسواں:

حق اسے کہتے ہیں جس کا کوئی انکار نہ کر سکے اور اسے حقیقی سمجھا جائے پھر قرآن میں موجود ہو۔ کیونکہ قرآن حق الیقین ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن بحوالہ امام باقر حضرت علی اور دیگر کافی صحابہ کی اسناد بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے یہی فرمایا۔ یعنی جس طرح تیرے رب کی یہ بات حق ہوگئی یعنی جس طرح کپڑا مستحکم بنا ہوا ہوتا ہے یا پتھر کتنا پکا ہوتا ہے۔

مسئلہ گیارہواں:

1- ماذا کے اندر دو احتمال ہیں: ذا اسم موصولہ ہے یعنی ارادا کے اس تقدیر پر دو کلمے ہوں گے۔

2- ذا مع ما کے ایک اسم ہو کر ایک کلمہ ہوگا۔ اس تقدیر پر دو احتمال ہوں گے۔

(۱) یہ کہ وہ مبتداء ہونے کی وجہ سے رفع کا محل ہے اور جزا اپنے اندر کے جزا کرتا ہے۔

(۲) کہ وہ نصب کے محل میں ہے۔

مسئلہ بارہواں:

ارادہ ایک صفت ہے جو انسان کے دل کے اندر ہوتا ہے۔ خیال کرنے سے جو کام وہ کرے اس سے پہلے جو خیال ہوگا وہ ارادہ ہوتا ہے۔ جب وہ بدیہی ہے تو تصور میں اس کی تعریف کی ضرورت نہیں ہوتی۔ متکلمین نے بھی یہی کہا ہے کہ ارادہ ایک صفت کا نام ہے۔ جو ایک چیز سے دوسری چیز کی طرف منتقل ہوتی ہے اور ہر ترجیح وقوع کے اندر نہیں ہوتی بلکہ ارتفاع کے اندر ہوتی ہے۔ یہ آخری خبر اس لئے ہے کہ قدرت کی وجہ سے اس کا امتیاز ظاہر ہے اور استاد حافظ اور خواجہ ابوالحسن بصری وغیرہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو اس بات کا علم ہے کہ یہ خبر اور مبتدا کے اوپر مشتمل ہے صاحب خزینۃ القرآن نے بہترین جواب دیا ہے۔ جسے جمہور علماء نے پسند کیا ہے آپ فرماتے ہیں کہ ارادہ علم کے اوپر ہوا کرتا ہے پھر اس صفت کے اندر کئی احتمال ہیں۔ ایک تو یہ کہ صفت ذاتی ہو اور فرماتے ہیں کہ فرقہ بخاریہ کا دوسرا قول ہے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ صفت معنوی ہو اور خطا بھی دو احتمال سے خالی نہیں یا تو قدیم ہوں گے یا حادث۔

Marfat.com

مسئلہ تیرہواں:

اَنَّہُ الحق کے ضمیر میں دواحتمال ہیں۔ مَثَلَ کی طرف بھی اور اَن یَّضرب کی طرف بھی۔

مسئلہ چودھواں:

مَثَلاً کو تمیز ہونے کی وجہ سے نصب ہے جس طرح کوئی شخص کسی چیز کا ناقص جواب دے تو کہا کرتے ہیں ماذا اَرَدْتَ جَوَاباً یعنی تو نے اس سے کیا مطلب نکالا۔

مسئلہ پندرھواں:

کفار کے انکار کے بعد اللہ تعالیٰ یُضِلُّ بِہٖ کَثِیْرًا وَّیَھْدِی بِہٖ کَثِیْرًا فرماتا ہے۔اس پرفقیر یُضِلُّ بِہٖ پر کلام کرے گا۔تا کہ جس جس مقام پر یہ لفظ وارد ہوا ہے اس کی تحقیق ہو سکے۔پہلے فقیر لفظ اضلال پر بحث کرے گا۔معلوم کرو کہ ہمزہ کے ساتھ لکھیں تو لازمی کو متعدی کرنے کے لئے ہمزہ آتا ہے مثلاً خَـرَجَ لازمی تھا ہمزہ لگا کر اَخْرَجَ ہو کر متعدی ہوا۔کبھی متعدی کو لازم بنانے کے لئے آتا ہے مثلاً جب میں نے اس کو اندھا کیا تو وہ اندھا ہو گیا۔

مفعول بمعنی مصدر کے آتا ہے۔اور ایسا کیا جائے تو ہمزہ لگانے سے متعدی لازم آتی ہے۔اگر کسی کی نسبت اللہ تعالیٰ سے یہ لفظ بیان کیا جائے تو اس کے دو معنی ہوں گے اور اگر تو یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے بھی گمراہ کر دیا یا گمراہ پایا تو پہلے کے اندر یہ احتمال نہیں سمجھا جاتا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے کیوں گمراہ کر دیا۔اس کے دو احتمال ہو سکتے ہیں کہ یا تو اسے دین سے گمراہ کر دیا اور یا جنت سے گمراہ کر دیا۔اللہ تعالیٰ نے اس اضلال کی نسبت شیطان کی طرف کی ہے جو لوگوں کو دین سے بہکاتا اور گمراہ کرتا ہے۔حدیث شریف میں بھی یہی وارد ہے۔وہ کہتا ہے کہ میں گمراہ کروں گا کفار لوگ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے کہیں گے یا اللہ تو ہمیں جنہوں اور انسانوں کو دکھلا جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا۔ہم انہیں اپنے قدموں کے نیچے روند ڈالیں۔دوسری جگہ ارشاد ہوا کہ شیطان نے ان کو آراستہ کر کے ان کے راستے سے ان کو روک دیا۔تو وہ کہے گا مجھے تم پر کچھ اختیار نہ تھا۔میں نے تمہیں بلایا تم نے قبول کیا۔فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کر دیا اور اللہ تعالیٰ کے لئے ان کو گمراہ کرنا یہ لفظ بایں معنی وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اور ان کے اعمالوں کو پیدا فرمایا۔پھر برائی اور اچھائی کے راستے بتلا دیئے۔عموماً بری فطرت برا کرتی ہے۔اللہ تعالیٰ نے ان کو کفر کرنے کا حکم نہیں دیا بلکہ برائی سے منع فرمایا ہے اور سخت عذاب کا حکم سنایا ہے۔جب لغت میں اضلال کے یہ معنی ٹھہرے اور اللہ بالاجماع اس سے پاک ہے ظاہری طور پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ پر اطلاق نہیں ہو سکتا۔اسی واسطے فرقہ جبریہ اور قدریہ کو تاویل کی ضرورت پڑی۔فرقہ جبریہ نے اس کو اس امر پر محمول کیا کہ اللہ نے ان کے اندر گمراہی اور کفر کو پیدا فرمایا۔اور ایمان سے ان کو روک دیا۔اور بعض اوقات وہ کہتے ہیں کہ اضلال کے حقیقی معنی یہی ہیں اس واسطے کہ یُضِلِّ کے معنی کسی کو گمراہ کرنے کے ہیں۔جس طرح اخراج خارج کرنے کو اور ادخال داخل کرنے کو کہتے ہیں۔اور معتزلہ کہتے ہیں باعتبار وضع دلائل عقلیہ سے یہ تاویل جائز ہے۔عقلیہ کے وضع لغوی کا بیان کئی طور پر ہے۔مثلاً:

1- لغت سے یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ کوئی کسی کو جبراً اس کے راستے سے ہٹا دے جس پر وہ چل رہا ہو۔راستہ سے روکنے سے یہ نہیں کہا جائے گا کہ اسے گمراہ کر دیا گیا بلکہ کہیں گے کہ راستہ میں اسے روکا گیا۔

2- فرعون اور ابلیس کو اللہ تعالیٰ نے یُضِلُّ نہیں فرمایا۔فرعون اور ابلیس نے اپنے تابعداروں کے دلوں میں بالاتفاق گمراہی کو پیدا نہیں کیا۔فرقہ جبریہ کہتے ہیں کہ بندہ اسے ایجاد نہیں کر سکتا۔ایجاد اللہ کرتا ہے۔پس اگر بندہ کسی کے دل میں گمراہی پیدا کر سکتا ہے تو لغت میں یُضِلُّ کے معنی گمراہی کے نہ ہوں گے۔

3- اضلال کا لفظ ہدایت کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے جس طرح یہ کہا جائے کہ میں نے اس کو ہدایت دی لیکن اس نے ہدایت نہ پائی۔پس اسی طرح جان لیں کہ ''میں نے اس کو گمراہ کیا لیکن وہ گمراہ نہ ہوا'' پس ثابت ہوا کہ اضلال کو گمراہی کے پیدا کرنے میں معمول نہیں کہا جا سکتا۔

اس کا ثبوت کئی وجہ سے ہو سکتا ہے:

1- اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر گمراہی پیدا کی ہو۔پھر اسے ایمان لانے کا حکم فرمایا ہو تو یہ دو ضدوں پر جمع کیا جا سکتا ہے۔یہ حکم تو احمقانہ اور ظلم ہے اور اللہ تعالیٰ

Marfat.com

فرماتا ہے کہ آپ ﷺ کا رب بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں اور ارشاد ہوا: اللہ تعالیٰ کسی نفس کو تکلیف نہیں دیتا ہے اس کی طاقت و وسعت سے زیادہ اور ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے دین میں کوئی دقت نہیں رکھی۔

2- اگر اللہ تعالیٰ نے جاہلوں کو دھوکے میں ڈالا ہے تو احکام شریعت کا حکم فرماتے کی کیا ضرورت تھی۔ حالانکہ تمام امت کا اس امر پر اتفاق ہے اور حدیث شریف میں بھی یہی وارد ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے دین کے اندر تمہارے لئے کوئی دقت نہیں رکھی۔ اللہ کسی کو گمراہ نہیں فرماتا۔ ہدایت کے مقابلے میں ضلال کا لفظ ہے۔ صحابہ نے عرض کیا کہ آپ ﷺ کے لئے بھی لفظ ضلال آیا ہے اس کا کیا مقصد ہے؟ فرمایا کہ وہ محبت کے طور پر ہے پھر فرمایا کہ ضلّ کو اگر کوئی پیغمبر کے لئے سمجھے تو کافر ہے۔ فرمایا پیغمبر کے لئے لفظ ضلّ بمعنی گمراہ نہیں ہوتا بلکہ محبت کے لئے ہوتا ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ یہ حدیث تواتر سے ہے۔ چاروں خلفائے راشدین سے اور دیگر صحابہ سے بھی یہی روایت ہے۔ فرمایا ضلّ کے پانچ معنی ہیں: (۱) جز کو کاٹنا، (۲) گم ہونا، (۳) بھٹکنا، (۴) غرق ہونا، (۵) محبت کے اندر غرق ہونا۔

پہلے چار معنی جو اولاً ہیں وہ اگر کوئی پیغمبر کے لئے استعمال کرے تو وہ کافر ہے۔ اور پانچویں معنی پیغمبر ﷺ کے لئے درست ہیں۔

3- اگر یضل کے معنی گمراہی پیدا کرنے کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں تو آسمانی کتب کا نازل کرنا اور رسولوں کا بھیجنا تو بالکل فضول ہے۔ جو چیز حاصل کرنا ممکن ہو اسے حاصل کیا جاتا ہے۔

4- یہ آخر کار قرآن کریم کے خلاف ہے۔ ارشاد ربانی ہے کہ: ان کو کیا ہوا ہے وہ دین سے روگردانی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایمان لانے کا حکم دیا ہے۔ اور وہ صرف اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کی رسالت کا انکار کرتے ہیں۔ کون سا امر ان کو مانع ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایمان لائیں اور اس سے بخشش مانگیں۔ ارشاد ہوا کہ ''وہ تم کیونکر کفر کرتے ہو۔ تم مردہ تھے تم کو زندہ کیا پھر تم کہاں بہکے پھرتے ہو۔

5- اللہ تعالیٰ نے ابلیس اور اس کے گروہ کی جو دین کے راستے سے منع کرتے ہیں۔ شدید مذمت فرمائی ہے۔

6- اللہ تعالیٰ نے اضلال عن الدین کی نسبت لوگوں سے فرمائی ہے۔ مثلاً فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کیا اور ان کو راستہ نہ بتلایا۔ سامری نے ان لوگوں کو گمراہ کر دیا۔ اے حبیب پاک ﷺ اگر تو اہل زمین کا کہا مانے تو وہ تجھے اللہ تعالیٰ کے راستے سے الگ کر دیں گے۔

یوم یقوم الحساب:

جو لوگ یوم حساب یعنی قیامت کے دن کو بھول چکے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے۔ ابلیس کی حکایت ہے کہ وہ لوگوں کو گمراہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے خود گمراہ کیا ہے یا لوگ اس کے ساتھ شریک تھے۔ اگر گمراہ کرنا اللہ کی طرف منسوب کیا جائے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ سخت کفر ہے اور سخت عذاب ہوگا۔ اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف گمراہ کرنے کی نسبت فرمائی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کلام کذب سے پاک ہے۔ اگر کوئی لوگ گمراہ ہیں، گمراہی میں اس کے ساتھ شریک ہیں تو اس نے مذمت کیوں فرمائی۔ جب یہ دونوں احتمال باطل ہیں تو گمراہی کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنا کفر ہے۔

7- اللہ تعالیٰ نے کافی جگہ پر اپنے کلام پاک میں بندوں کے گمراہ کرنے کا ذکر فرمایا ہے۔ مثلاً یعنی نہیں گمراہ کرتا اللہ مگر فاسقوں کو۔ یعنی یہ کہ ظالموں کو اللہ گمراہ کرتا ہے۔ پھر کافروں کو، حد سے بڑھنے والوں کو اور جو حد سے بڑھ کر جھوٹے ہوں گمراہ کرتا ہے۔ پس اگر جو نسبت گمراہی کی اللہ کی طرف منسوب ہے وہی ہے جو کافروں کے اندر ہے۔

8- اللہ تعالیٰ نے ان کے جھوٹے معبودوں کی ربوبیت کو باطل فرمایا ہے کہ وہ حق کی طرف رہبری نہیں کرتے چنانچہ ارشاد ہوا کہ: یعنی تابعداری کرنے کے لائق تو وہ ہے جو حق کی طرف ہدایت کرتا ہے یا یہ کہ جب تک اس کو راستہ نہ بتلایا جائے رہبری نہیں ہوسکتی۔ اور اپنی ربوبیت کو اس طرح سے ثابت فرمایا کہ ہم حق کی طرف ہدایت کرتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو گمراہ کرتا۔ راہ راست سے روکتا تو ان جھوٹے معبودوں کا بطلان کیسے ہوتا؟

9- اگر گمراہی اپنے حقیقی معنی میں گمراہی ہے جس کے اندر وہ جا پڑے ہیں تو وہ عذاب کے مستحق ہیں۔

10- اللہ تعالیٰ نے انسان کو فعل مختار بنایا ہے وہ اسے اس وقت گمراہ کرتا ہے کہ جب وہ اپنے فعل بد سے اس کا مرتکب ہوتا ہے۔

Marfat.com

11- صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ میرے جدامجد حضرت علی نے اپنے مجموعہ میں لکھا ہے (بحوالہ امام باقر کہ ہم سب صحابہ نے پوچھا، یا رسول اللہ ﷺ یُضِلُّ سے اللہ تعالیٰ کی طرف کیا مراد ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ قرآن مجید میں یَضِلُّ کہیں تو اللہ کی جانب ہوتا ہے تو وہ امتحان کے لئے ہوتا ہے۔

اس آیت میں بھی امتحان کیا جارہا ہے۔

اور وہ فرماتے ہیں کہ ہم نے اسی آیت کے متعلق پوچھا تو ارشاد ہوا کہ: ''نہیں مالک بنایا ہم نے آگ کا مگر فرشتوں کو، اور نہیں گردانی ہم نے ان کی تعداد مگر کافروں کے لئے'' حدیث کی تائید اس آیت سے بھی ہوگی۔ یہ حدیث تواتر ہے۔ اسی طرح فرمایا۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ اگر بندوں کو گمراہ کرنے کی صورت اللہ تعالیٰ پر ہوتی تو ان آیات کے مشابہ کوئی نہ کوئی اور آیت نازل فرماتا یعنی کوئی فعل مشبہ بیان فرماتا۔ لیکن جو شخص اس کے مقصود کا واقف نہیں اس کی حکمت پر غور نہیں کرتا۔ وہ کسی امر باطل کے ثابت کرنے میں ان آیات سے استدلال کرتا ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ ایسا استدلال کفر ہے جب کہ احادیث تواتر وارد ہیں۔ جو لوگ مشابہات سے استدلال کرتے ہیں۔ ان کا نتیجہ صرف فتنہ اور شر ہوتا ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اعمال کے مطابق ان سزاؤں کا ذکر فرمایا ہے۔ وہ زنجیریں اور طوق ان کے گلے میں ہوں گے۔ کھولتے ہوئے پانی میں ان کو کھینچا جائے گا۔ گمراہی کا بیان ان دو امور سے ہے۔ اضلال کی تفسیر وہی ہے جو ہمیں حدیث سے معلوم ہوگئی۔ دوسری طرف جانا کفر ہے اور گمراہی کے معنی گمراہی پیدا کرنے کے نہیں، باطل کو مٹانے کے ہیں۔ جو ان کے اندر قباحت ہو۔ اور رسول اللہ ﷺ نے بھی حضرت علی سے یہی فرمایا جو خزینۃ القرآن، تفسیر امام باقر اور دیگر کافی تفاسیر میں اور تفسیر طبری میں ہے۔ پس جبریہ کی تاویل حدیث کی رو سے باطل ہوگئی۔ اب دوسری تاویل نمبر 1 کے متعلق۔

اگر کوئی شخص اپنی طرف سے گمراہ ہوگیا۔ ایک چیز کے حاصل کرنے میں گمراہی ہو تو اسے گمراہی نہ سمجھے جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے بتوں کے بطلان کا ذکر فرمایا:

''اے ہمارے پروردگار! بتوں نے ان کو گمراہ کیا۔ بتوں کی وجہ سے وہ گمراہ ہوئے۔ بتوں نے ان کو گمراہ کیا۔ جو
آپ ﷺ کے پروردگار نے آپ ﷺ پر قرآن اتارا۔ بہت سے کافر اس سے روگردانی کرتے ہیں۔''

پھر حضرت نوح علیہ السلام کی حکایت بیان فرمائی کہ نوح علیہ السلام نے ان کو بلایا مگر وہ بھاگ گئے۔ اور ان کا بھاگنا ہی گمراہی تھا۔ تم نے نوح علیہ السلام سے مسخری کی۔ میری یاد کو تم نے بھلا دیا۔ وہ لوگ مسخریوں میں لگ گئے۔ ظاہر یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بلایا۔ انہوں نے روگردانی کی۔ سورۂ براۃ میں یہ ارشاد ہے کہ جب کوئی سورۃ نازل ہوتی ہے تو کہتے ہیں کہ اس سورۃ نے تمہارے ایمان کو بڑھا دیا۔ وہ اس پر خوش ہوتے ہیں۔ اور جن لوگوں کے دلوں کے اندر ناپاکی اور روگ ہے اس سورۃ سے ان کے دلوں کے اندر ناپاکی کو زیادہ پیدا کردیا۔ اس سورۃ کے نازل ہونے میں لوگوں کا ایمان بڑھ جاتا ہے وہ خوش ہوتے ہیں اور کافر ان کا اثر قبول نہیں کرتے وہ کفر میں بھی بڑھ جاتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی یہی فرمایا ہے۔ ابن عباس، حضرت علی اور زید بن ثابت سے بحوالہ خزینۃ القرآن، امام باقر و ابی بن کعب سورۃ نازل ہونے پر ان کا ایمان بڑھ جاتا تھا جو اثر قبول کرتے تھے جو نہ کرتے تھے وہ کفر میں بڑھ جاتے تھے۔ اس میں فساد اور اصلاح دونوں باتیں شامل ہیں۔ صاحب خزینۃ القرآن نے یہ بہترین فیصلہ کیا ہے اور فقیر کی رائے بھی یہی ہے۔ اسی طرح گمراہی یا ہدایت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں یہ مثال ہے زید بن ثابت نے بھی رسول اللہ ﷺ سے یہی فیصلہ سنا۔ مذکورہ حدیث تواتر ہے۔

سورۂ مدثر میں ہے کہ ہم نے دوزخ کے خزانے کافروں کے لئے مخصوص کردیئے ہیں جو اہل کتاب ہیں۔ اس سے ایمان والوں کا ایمان زیادہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ سے فرمایا کہ کفار کے لئے بوجہ امتحان دوزخ کے خزانوں کو بیان فرمایا ہے۔ اور مخلصین کے ایمان کی زیادتی کو بیان فرمایا ہے حضرت حسن اور حسین سے یہی روایت ہے اس کے نتیجہ میں جو مسلمان کی درستی اور کفار کی خرابی بڑھ گئی پھر بندوں کی طرف رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ کفر کی زیادتی اور ایمان کی زیادتی بندوں کی طرف فرمائی گئی۔

مثلاً کے بعد یُضِلُّ جو فرمایا ہے تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ امتحان ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ اغراء یعنی ملامت کی وجہ سے جو عاشق کو بھڑک اٹھتی ہے۔ بایں معنی استدلال کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو سکتی ہے اور ان آیات کی وجہ سے کافر لوگ گمراہ ہوں گے وہ جو امتحان کے لئے نازل ہوئی مثلاً جب کافروں نے یہ کہا کہ ایسی مثالوں کو اللہ تعالیٰ کیوں بیان کرتا ہے تو بمعنی امتحان یہ بات ثابت ہوگئی۔ اضلال کے معنی گمراہی کے ہیں۔ جس طرح یہ کہا جائے کہ فلاں شخص

Marfat.com

نے فلاں شخص کو گمراہی کے لئے (ایک شعر کا ترجمہ) یعنی تمہاری محبت نے مجھے کافر بنادیا اور گناہ گار تو قربان جاؤں کہ صاحب خزینۃ القرآن نے یہ کیسا فیصلہ فرمایا ہے اور یہ بھی یاد رہے کہ لکھ چکا ہوں کہ خزینۃ القرآن تفسیر کے امور تمام فنون جامع ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم لَدُنِی اور لاہوتی عطا فرمایا۔ تفسیر خزینۃ القرآن اپنے دادا امام باقر کی تفسیر سے ماخوذ ہے یہ دونوں تفسیریں قرآن بالقرآن کی ہیں اور ان میں احادیث متواتر ہیں۔ صاحب تفسیر طبری اور امام بخاری اور امام بغوی اور اکثر جمہور مفسرین اور محدثین نے یہی کہا ہے امام طبری نے تو آپ کے فضائل میں کتاب لکھی ہے جس کا نام ''فضائل موسیٰ البرقع'' ہے اور بیرت میں دستیاب ہے۔

جب ایک شخص کو گمراہ ہونے کا حکم دے دیا گیا گمراہی کا حکم کرنا لازم ہو گیا تو ملزوم مجازاً مشہور طریقہ پر ہوگا۔ کسی شخص نے کسی کو ضلال بتلایا تو دوسرا اس کو کہے کہ تو نے اس کو ضلال کیوں بتلایا۔ اس واسطے تو نے اس کو ضلال کیوں کہا تو اس واسطے مثال کو ضال کے لئے محمول کیا جائے گا۔

-3 اضلال کے معنی مطلق العنان کرنے کسی کو جبر سے روکنے کے ہیں۔ جب کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو مطلق العنان کر دیتا ہے تو کہا کرتے ہیں اضلہ۔ جس طرح کوئی شخص اپنے بیٹے کو تعلیم نہ دے تو کہا جاتا ہے اس نے اپنے بیٹے کو تباہی و ہلاکت میں ڈالا۔

-4 بمعنی اضلال عذاب اور تعذیب کے آئے ہیں نبی پاک ﷺ کی حدیث سے بھی یہی ہے کہ اللہ جسے چاہتا ہے اس کے سبب گناہ کے مطابق اضلال فرماتا ہے آیت کے اندر ہے کہ مجرم اضلال قیامت کے دن آگ میں ہوں گے۔ ان کو منہ کے بل آگ میں ڈالا جائے گا۔

ارشاد ہے کہ جب ان کی گردنوں میں طوق اور زنجیریں ہوں گی کھولتے ہوئے پانی میں ان کو گھسیٹا جائے گا پھر ان کو دوزخ میں جھونک دیں گے۔ پھر ان سے پوچھا جائے گا تم اللہ تعالیٰ کے سوا تمہارے شریک کہاں ہیں۔ وہ کہیں گے وہ ہم سے گم ہو گئے۔ بلکہ پہلے ہم کسی چیز کو نہیں پکارتے تھے اسی طرح اللہ تعالیٰ کافروں کو گمراہ کرتا ہے۔

-5 اضلال کو گمراہ کرنے اور باطل کرنے پر محمول کیا جا سکتا ہے۔

-6 اضلال سے اضلال عن الحیۃ مراد ہے۔ معتزلہ کہتے ہیں یہ تاویل نہیں ہے بلکہ ایک ظاہری معنی پر محمول کرتا ہے۔ اس واسطے آیت سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ ان کو گمراہ کرتا ہے۔

-7 ہمزہ تعدی کے لئے نہیں ہے بلکہ وجدان کے لئے ہے۔ اس طرح پہلے بیان ہو چکا ہے کہ جس طرح کہا جائے کہ اونٹ گم ہوا۔ یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ اضلال کے معنی گم ہونے کے بھی ہیں۔ پس اضلال کے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو گمراہ پایا۔

-8 حدیث میں ہے کہ صاحب خزینۃ القرآن درج کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس و حضرت علی سے یُضِلُّ بِہٖ کی تفسیر پوچھی کیونکہ وہ بہت عظیم مفسرین تھے اور انہوں نے قرآن کے ہر لفظ کی تفسیر رسول پاک ﷺ سے لی اور لکھی اور آپ ﷺ سے انہیں بہت زیادہ قرب ہے۔ قرآن کو جتنا انہوں نے سمجھا ہے اتنا کسی نے نہیں سمجھا۔ قرآن کی تفسیر کے زیادہ مقامات حضرت علی سے پوچھتا ہوں علی فرماتے ہیں کہ حبیب پاک ﷺ نے فرمایا کہ کفار یہ کہتے ہیں کہ اللہ جسے چاہے ہدایت دے اور جسے چاہے گمراہ کر دے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے قول کو بیان فرمایا ہے۔ فقیر یہ کہتا ہے کہ یہ حدیث مرفوع ہے اور مستحکم ہے۔ یُضِلُّ بِہٖ کَثِیْرًا وَّیَھْدِیْ بِہٖ کَثِیْرًا کی بہترین تفسیر ہے۔ پس

-1 وہ طاقت جو جاہل اور بے علم کو باعلم کرنے پر قدرت رکھتی ہے کیا وجہ ہے کہ جب اس نے ایک بار ہدایت دے دی تو دوسری باری بھی ہدایت دینے پر قدرت نہیں رکھتی؟ کیوں؟

-2 یہ بات خَتَمَ اللّٰہُ کی تفسیر میں بیان ہو چکی ہے اب تمہاری باریک بینی پوشیدہ نہیں اور اندھوں کی چال چلنا عقل والوں کا کام نہیں۔ ہمارا مدعا حدیث تواتر سے ثابت ہو گیا ہے اور دلائل عقلیہ بھی بیان ہو چکے ہیں۔

-3 اگر فعل کا پیدا کرنا بندے کے اختیار میں ہو تو پھر جو ارادہ وہ کرے ہو جاتا ہے۔ ہر شخص چاہتا ہے کہ مجھے علم نصیب ہو اور گمراہی سے اعراض کرتا رہے۔ پھر اس حالت میں بندے کو جہالت اور گمراہی کیوں حاصل ہوتی ہے حالانکہ وہ علم اور ہدایت حاصل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اور کوئی اگر یہ کہے کہ کفر اور ایمان مشابہ ہیں وہ شخص جہالت کو بوجہ علم ہونے کے اس کا ارادہ کر لیتا ہے اس لئے وہ جہالت اس کو حاصل ہو جاتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس جہالت کو علم تصور کرنا یہ

Marfat.com

بھی جہالت ہے۔ پس اس نے اگر اسے اختیار رکھا تو خود بخود اس نے جہالت کو اپنے لئے اختیار کیا۔

4- سب تصورات بدیہی ہیں اور تصدیقات بدیھیہ میں فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ امام رازی کے نزدیک تصورات اور تصدیقات دو قسم کی ہیں۔ کئی عقلا کے نزدیک اس کی پانچ قسمیں کئی ہیں ایک کے نزدیک دس (۱۰) ہیں اور سب سے زیادہ وہ قسمیں صاحب خزینۃ القرآن نے بیان کی ہیں جو سو (۱۰۰) ہیں جو امام باقر کی تفسیر سے اخذ کی گئیں ہیں اور ان کی وضاحت فقیر شرح حمد اللہ میں بیان کر چکا ہے۔

مقدمہ پہلا:

تصورات بدیہی میں جب کوئی شخص تصورات کو حاصل کرنا چاہتا ہے تو وہ دو حال سے خالی نہ ہوگا۔ یہ تصورات اس کو پہلے سے حاصل ہوں گے یا اسے حاصل نہ ہوں گے۔ اگر پہلے سے حاصل ہوں گے تو ان کے تصورات کو حاصل کرنا محال ہوگا۔ کیونکہ تحصیل حاصل لازم آئے گی۔ اگر پہلے حاصل نہ ہوں تو وہ جہل لازم آئے گی مطلوب کو اس وقت طلب حاصل کرنا محال ہوگا۔

مقدمہ دوئم:

تصدیقات بدیہی کیسی ہیں اس کی دلیل یہ ہے کہ تصدیقات کے دونوں طرف کا حاصل ہونا اس کے ذہن میں عزم اور یقین کرنے میں کافی ہوگا۔ صاحب خزینۃ القرآن نے اس پر کافی بحث کی ہے۔ اگر کافی ہے تو اس تصدیق کا مدار دونوں کے تصور پر ہوگا۔ اگر تصور پایا گیا تو وہ تصدیق پائی جائے گی۔ نہ پایا گیا تو تصدیق نہ پائی جائے گی۔ اور جو چیز ایسی ہو اس پر بندے کا اختیار نہیں ہوتا۔ تفسیر امام باقر میں تصورات اور تصدیقات کو پوری طرح بیان کیا گیا ہے۔ بلکہ وہ منطق وفلسفہ کے موجد ہیں۔

مقدمہ سوئم:

اس امر کے بیان میں کہ تمام تصدیقات غیر بدیہی ہیں اگر چہ جو نظریات بندے کی وسعت میں نہیں ہیں تو یہ نظریات بھی غیر اختیاری ہوں گے اور اگر یہ لازم نہ ہو تو ان تصدیقات بدیھیہ پر استدلال کرنا ممکن نہ ہوگا۔ اور وہ نظریات جو اعتقادات کے متعلقہ ہیں وہ علوم نہ ہوں گے بلکہ ایسے اعتقادات ہوں گے جو ایک مقلد کے لئے ہیں اور فقیر کا کلام ان اعتقادات پر نہیں ہے پس ثابت ہوا کہ اضلال اور ابتدا اللہ تعالیٰ کی طرف نیت نہ کرنے میں جو کلام کہا گیا ہے تو اولاً اس کے دلائل عقلیہ معارض ہیں جن کا جواب نہیں ہو سکتا یہ تو امام رازی نے کہا ہے لیکن صاحب خزینۃ القرآن نے دلائل عقلیہ اور نقلیہ کے ساتھ ثابت کیا ہے زیادہ عقلیات کو نقل میں رد کیا ہے۔ مثلاً:

1- خَتَمَ اللہُ کی تفسیر میں بیان ہو چکا ہے کہ جب ترجیح حاصل ہو جائے گی تو اس ممکن کا پایا جانا واجب ہوگا۔ اس وجوب کے اندر بطور نقیض کے مانع ہے یہ دونوں طرفوں کے برابر ہوتے ہیں کوئی واسطہ نہیں ہے۔ جب متشابہات کا نازل ہونا ترجیح کے لئے ہو تو ان میں ترجیح ہوگی اور حضرت عبداللہ ابن مسعود حضرت علی و ابن عباس اس آیت کریمہ کو متشابہات فرماتے ہیں بقول رسول اللہ ﷺ۔

2- اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ اس کے اندر وجوب نہیں پیدا ہو سکتا لیکن مکلفین کے لئے عذر کا موقع مل سکتا ہے اس کے اوپر متشابہات کا نازل ہونا اس کی وجہ سے جانب گمراہی کو ہدایت پر ترجیح پیدا ہونا مکلف پر اطاعت کا اندیشہ نہ کرنے کا ایک عذر ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہ ہوگا اگر ان متشابہات کے نازل کرنے کو جانب مخالف ترجیح دینے میں اثر نہ ہو تو ان متشابہات کی نسبت ان کی گمراہی کی طرف لغو اور فضول ہوگی۔ حدیث شریف میں ہے کہ اضلال کا معنی گمراہی کرنا گمراہی کا حکم دینا غایت درجہ دور ہے اور اشکال اس کے اوپر بھی باقی رہے گا اللہ تعالیٰ نے کسی کو گمراہی کا حکم دیا اور اس نے گمراہی نہ کی تو اللہ کے کلام میں کذب لازم آئے گا۔ جو محال ہے جس چیز سے محال لازم آتا ہے وہ بھی محال ہوگا پس مکلف کا اس گمراہی کو عمل میں لانا واجب ہوگا۔ یہ تو اس طرح بالجبر ہے جس سے تم بھاگ جاتے ہو اور تم پر یہ خواہ مخواہ لازم آجاتا ہے اس مقام پر دو جوابوں سے بحث مشہور ہوتی ہے۔ ہر شخص بدیہی طور پر بطور عقل اس کا بطلان ثابت کر سکتا ہے۔ تیسرے یہ کہ اضلال کے معنی مطلق العنان اور ممانعت کرنے کے لینا یُضِلُّ بِہٖ سے اس کی شہادت پیش کرنا۔ باپ کو بیٹے کے اولاً منع کرنا مناسب ہو۔ اگر بات کے منع کرنے پر وہ مطلق العنان ہے اس میں موجود برا ہو تو اس کی خرابی اسے بھی زیادہ ہوگی۔ تو اس بیٹے کو مطلق العنان کرنا کسی

Marfat.com

کے نزدیک نہ ہوگا۔اس کو کوئی یہ نہ کہے گا کہ اس نے اپنے بیٹے کو خراب کیا۔جب یہ بات ہو تو کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس بندے کو خراب کیا۔ اس کو گمراہی سے نہیں روکا۔یہ بڑا فساد لازم آئے گا۔جو اس کی شان کے لئے بالکل محال ہے۔قفال نے یہ کہا ہے کہ اضلال کے معنی ہم عذاب کے نہیں مانتے کہ یہ قول بالکل باطل ہے۔اوپر تواتر احادیث سے اس کا معنی عذاب ثابت ہوگیا ہے۔ہمارے سفارشیوں نے جن پر ہمیں توقع تھی انہوں نے ہماری کوئی سفارش نہ کی۔ارشاد ہے۔اسی طرح اللہ تعالیٰ کافروں کے اعمال کو ضبط کردے گا پارہ ۲۴ سورۃ مؤمن۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کو دنیا میں رسوا اور ذلیل وخوار کردیتا ہے آخرت میں عذاب زیادہ ہوگا۔جس میں اس خرابی کو اس سے کوئی نسبت نہیں ہے۔یہ حدیث تفسیر طبری، خزینۃ القرآن اور ثعلبی۔نور القرآن اور امام باقر میں ہے اللہ تعالیٰ نے کفار کو یہ ہدایت نہیں فرمائی جبکہ وہ حق کو قبول نہیں کرتے اور اس سے اعراض کرتے ہیں۔پس جب اللہ تعالیٰ ان کو رسوا فرمائے گا اور ان کے اعمال ضبط ہوجائیں گے جن پر ان کو امید تھی کہ وہ نفع دیں گے، وہ کچھ بھی نفع نہ دیں گے۔

پانچویں تاویل:

پانچویں تاویل بھی بمعنی ہلاکت کے یہاں تاویل کرنا ناممکن ہے اس واسطے کہ یھدی بہٖ کثیراً کے مقابلے میں درست نہ ہوں گے۔

چھٹی تاویل:

امام رازی کے نزدیک جنت کے راستے سے گمراہ کرنا اور ہٹانا مقصود ہے۔ یضل بہٖ سے گمراہ کرنے میں جنت کے راستے سے ہٹنا گمراہ ہونا مراد نہیں بلکہ گناہوں کا مرتکب ہونا اس کا سبب ہے۔حدیث میں بھی یہی وارد ہے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ گناہوں کا مرتکب ہونا، سمجھو کہ یہی گمراہی ہے۔پس اضلال سے یہ معنی ہلاکت والے یا جنت سے گمراہ کرنے کے کیسے ہوسکتے ہیں۔

ساتویں تاویل:

یہ کہ گمراہی پر پایا جانا پہلے بیان ہوچکا ہے کہ اس سے وہ مراد نہیں ہوسکتا۔ اس کے علاوہ یضل بہٖ کے با تعدی واقع ہوا ہے اور اضلال اس معنی میں تعدی نہیں ہے۔

آٹھویں تاویل:

یہ نقصان ہے کہ اس میں نظم قرآنی کے اندر انقطاع لازم آسکتا ہے۔ یضل بہٖ کثیراً ویھدی بہٖ کثیرا تک کفار کا کلام ٹھہرا۔جو اوپر حدیث سے بھی ثابت ہوچکا ہے۔اس کے بعد اللہ تعالیٰ وما یضل بہٖ الا الفسقین پر کلام فرماتا ہے اور دونوں کے اندر کچھ وصل نہیں پایا گیا۔حرف عطف درمیان میں موجود ہے مگر سورۃ المدثر میں پہلے وارد ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: کذالک یضل اللہ من یشآء ویھدی من یشآء اب تو اس بات میں شک تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے بلکہ کفار کی حکایت ہے کیونکہ سورۃ المدثر میں صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ یہ سورۃ البقر سے پہلے نازل ہوئی۔امام باقر اور مفسرین کا اسی پر اتفاق ہے۔ حدیث میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا، کہ دیکھو! یہ کفار کتنے باطل لوگ ہیں کہ گمراہی کا الزام اللہ تعالیٰ پر ٹھہراتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ گمراہ کرتا ہے اور وہی ہدایت دیتا ہے۔جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور ﷺ نے کفار کے ایک بڑے گروہ سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری باطلہ عادت کو دوبارہ دہرایا ہے۔صحابہ کہتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ آیت اس کی تفسیر ہے۔فرمایا ہاں۔بلکہ قرآن اپنے بعض کی تفسیر بھی آپ ہی کردیتا ہے۔اور ایک آیت دوسری آیت کی تفسیر بیان کرتی ہے۔یہ حدیث تواتر سے ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن آگے لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر فضل کیا ہے کہ میں قرآن کی تفسیر خود قرآن سے کرتا ہوں اور جیسا کہ میرے دادا امام محمد باقر نے ایسا فرمایا ہے تطبیق حدیث تواتر سے دیتا ہوں۔قول یا تاویل موافق بالحدیث ہو تو درست ہوگی۔ورنہ کفر اور فسق لازم آئے گا۔مفسرین نے اس تفسیر کی یہ خوبی مانی ہے۔جو تفسیر کا طریقہ اور طرز کماحقہٗ ہونا ضروری تھا یہ اسی طرح ہے۔اضلال پر ابھی صاحب خزینۃ القرآن کی کافی بحث ابھی باقی ہے لیکن فقیر یھدی اللہ تعالیٰ پر کلام کرے گا کہ ھدی کا لفظ قرآن مجید میں بار بار آیا ہے۔

Marfat.com

-1 بتلانا اور بیان کرنا اس آیت میں ہے۔ ''کیا نہیں ہدایت دی ان کو ہم نے۔ بہت کچھ ہلاک کر دیا'' پھر ارشاد ہوا: پس جس نے تابعداری کی اس نے خوف کیا۔ یہ معنی اس وقت مراد ہوں گے جب معنی ہدایت کے لئے ہوں گے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے کہ '' نہیں تابعداری کرتے مگر وہ اس چیز کی جس میں ان کو دل خواہش کرتے ہیں۔ اس میں شک نہیں ہے کہ ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے ہدایت آئی ہے۔ پھر ارشاد ہوا کہ بندہ شکر کرے یا کفر یعنی ناشکری کرے ہم نے اس کو راستہ بتلا دیا ہے۔ پھر ارشاد ہوا۔ ہم نے ثمود کو ہدایت دی اور انہوں نے اندھے پن کو اختیار کیا۔ صاحب خزینۃ القرآن نے اس پر بڑی بحث کی ہے اتنا ضرور ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ کے بس میں بھی ہدایت دینے کا اختیار نہیں ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی لیکن انہوں نے انکار کیا اس پر مکمل بحث اس آیت کے تحت ہوگی۔ ارشاد ہے: ہم نے موسیٰ کو کتاب دی جو کافی ہے اچھے کام کرنے والوں کے لئے اس میں ہدایت ہے کہ وہ اپنے رب سے ملنے کا یقین کریں۔ ظاہر ہے کہ مومن کے لئے یہ نہیں کہہ سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کا قصہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ایک شخص نے ان سے کہا کہ ہدایت کا راستہ بتلائیے۔ پھر انہوں نے ہدایت کے راستہ کو اپنی پشت کے پیچھے چھوڑ دیا اور شیطان نے ان کو دھوکا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ڈھیل دی۔ کافر کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ ہم پر کوئی کتاب اتارتا تو ہم اس سے ہدایت حاصل کرتے بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان آیات سے کفار کو بھی ہدایت دی ہے۔ ''پس تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس نشانی آ گئی ہے''

-2 مفسرین نے یہ بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے حبیب پاک ﷺ بے شک آپ ﷺ ان کو سیدھے راستے پر چلاتے ہیں۔ یعنی ہر قوم میں ایک شخص ایسا ہوتا ہے جو سیدھے راستے کی طرف چلاتا ہے اور بلاتا ہے۔ اور ایک وہ بھی ہے جو گمراہی کی طرف بلاتا ہے۔

-3 ہدایت کے معنی توفیق کے ہوتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے یہی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جن بندوں کی امداد فرماتا ہے اور ان کی اعانت فرماتا ہے یہ حدیث طبری میں ہے اور تواتر سے ہے جن سے روز بروز اعمال صالحہ میں زیادتی ہوتی ہے جو ان کے ایمان کا جزو ہے اور کفار اس کی ضد میں ہیں۔ اولاً تو ان کو گمراہ کرتا ہے ہدایت نہیں فرماتا۔ ارشاد ہے کہ ان کی رہبری ہوئی وہ کامیابی پا گئے۔ اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں فرماتا اور مومنوں کی جمی ہوئی بات پر جمائے رکھتا ہے دنیاوی زندگی میں بھی اور اخروی زندگی میں بھی۔ یہ حدیث شریف کا ترجمہ ہے جو حضرت ابی قتادہؓ نے روایت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کافروں کو ایمان لانے کے بعد ہدایت فرماتا ہے۔ وہ گواہی دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا رسولؐ سچا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو مجھ پر یقین کرے گا تو میں اس کے دل کو ہدایت سے بھر دوں گا۔ ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایمان لکھ دیا اور وہ اس میں کامیاب رہیں گے۔

-4 ہدایت کے معنی جنت کی طرف راہنمائی کے ہیں چنانچہ ارشاد ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور اس کے ساتھ دوستی کی اللہ تعالیٰ عنقریب ان کو اپنے فضل اور رحمت میں داخل فرمائے گا۔ اور اپنی طرف سے ان کو صحیح راستہ بتلائے گا۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ اللہ کی طرف سے تمہارے پاس ایک نور آیا اور کتاب روشن۔ یاد رکھو کہ نور سے مراد جناب محمد رسول اللہ ﷺ ہیں اور کتاب سے مراد قرآن پاک جو ان کی رضامندی کے طالب ہیں انہیں تاریکی سے نکالتا ہے رحمت نور کی طرف اور سلامتی کی طرف ان کا راستہ نکالتا ہے جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہوئے ان کے اعمال کو کم نہ کرے گا۔ عنقریب ان کو ہدایت فرمائے گا اور انہیں جنت میں داخل فرمائے گا۔ جس کا بیان اس نے فرما دیا ہے۔ قتل کے بعد انہیں جنت میں داخل کیا جائے گا۔ اور ارشاد ہوا۔ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے عمل کئے تو ان کو ہدایت کا راستہ بتلائے گا اور اس کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ یعنی جنت کے اندر ہدایت کا راستہ۔

-5 ہدایت کے معنی مقام کے آتے ہیں جس طرح کوئی یہ کہے کہ فلاں نے فلاں کو اپنے سامنے ہدایت کی۔ یعنی اصل معنی ہدایت کے راستہ بتانے کے ہیں اسی طرح اہل عرب کہتے ہیں کہ راستہ بتانے والا آگے آگے چلتا ہے یعنی آگے چلنے والے گھوڑے جب سامنے آتے ہیں تو گردن جھکا لیتے ہیں اور گردن جھکانے والے کو بھی ہادی کہتے ہیں۔

-6 یَهْدِیْ بمعنی مہتدی، بتلانے والا اور ہدایت کا حکم کرنے والا کے آتے ہیں دراصل هداه کوئی یہ کہے کہ کسی نے کسی کو ہدایت کی تو یہی مقصود نکلا کہ اس نے اس کو ہدایت یاب بنا دیا۔ اور جَعَلَ بمعنی حکم کرنے اور نام رکھنے کے آتا ہے۔ ہدایت وہی ہے جس کا حکم اللہ نے فرما دیا۔ ارشاد ہوتا ہے: ''جس کے لئے اللہ تعالیٰ فرما دے یہ ہدایت پر ہے پس وہی ہدایت پر ہے۔ اسی کو مہتدی کہا جاتا ہے۔ کرامیہ کا یہ خیال ہے کہ چند وجوہ کے ساتھ هدی کے معنی ہدایت پیدا

Marfat.com

کرنے کے نہیں ہیں۔

1- اگر کوئی شخص کسی کو جبراً ایک راستہ پر چلاتا ہے۔ تو وہ ہدایت نہ ہوگی بلکہ یہ کہا جائے گا کہ اس کو سیدھے راستے کی طرف گھسیٹا گیا یہ نہیں کہا جائے گا کہ یہ ہدایت ہے۔

2- اگر یہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے پیدا ہو تو امر ونواہی، عذاب وثواب سب کچھ زجر وتوبیخ لازم آتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ ہدایت اور گمراہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیدا ہوتی ہے تو یہ بالوجوہ باطل ہے۔

اس کی حرکت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو تو دو حال سے خالی نہیں ہے۔ یا اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے یہ حرکت بندے کے اندر خود پیدا فرما دی تو یہ بات محال ہوگی کہ اب وہ اس حرکت سے باز رہ سکے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ نے اس حرکت کو پیدا نہیں کیا تو بندے کے لئے اس کا ہونا محال ہے۔ اس صورت میں تمام اشکالات مذکورہ متوجہ ہو جائیں گے اگر یہ کہو کہ بندہ اس حرکت کا خالق ہے تو پھر یہی معتزلہ کا قول ہے۔

2- اگر اس کسب کو اللہ تعالیٰ بندے کے اندر پیدا فرماتا ہے تو تین حال سے خالی نہ ہوگا۔ یا تو بندہ کا کسب اللہ تعالیٰ کے پیدا فرمانے سے قبل واقع ہوگا یا اس کے بعد۔ یا دونوں امر ایک ہی وقت میں واقع ہوں گے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے پہلے اسے پیدا فرمایا تو بندہ اس کسب کے اندر مجبور ہوگا۔ اگر یہ کسب اللہ تعالیٰ کے پیدا فرمانے سے قبل واقع ہو جائے تو اس کے پیدا کرنے میں مجبوری لازم آئے گی۔ اور وہی الزام عائد ہوگا جو پہلے بیان ہو چکا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا خالق ہے اور ان کے اعمال کا بھی خالق ہے لیکن قدرت نے یہ فطرت رکھ دی ہے حدیث میں ہے کہ ہر بچہ ایک فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر ماں باپ یہودی ہوں، نصرانی ہوں، مجوسی ہوں وہ وہی طرز اختیار کرے گا۔ لیکن فطرت سب کی ایک ہی ہوتی ہے۔

مسئلہ سولہواں:

کوئی یہاں یہ کہہ سکتا ہے کہ ہدایت یاب لوگ تو کم ہیں لیکن کثرت سے کیوں بیان کیا گیا ہے؟ حالانکہ ارشاد ہے کہ میرے بندے میرا شکر کرنے والے بہت قلیل ہیں۔ حدیث شریف میں یہ ہے کہ سو اونٹ ہیں لیکن کوئی سوار نہیں ہے۔ بندوں میں میں ہدایت یاب کم دیکھتا ہوں۔ حدیث شریف میں ہے حضرت علی فرماتے ہیں ہم سب صحابہ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ ﷺ ہدایت میں تو لوگ کم ہوتے ہیں لیکن اللہ نے یہاں یھدی بہ کثیراً فرمایا ہے۔ تو ارشاد ہوا یہ ہدایت بمعنی مقابلہ اضلال کے ہے۔ ظاہر ہے اگر چہ گمراہ اور کافر لوگ ظاہری طور پر اگر ہدایت یاب کم نظر آئیں تو ان کی کثرت ہوگی ان کی زیادتی بمعنی ضلال کے لئے ہے۔ ضلال پر ایمان قوت رکھتا ہے۔ اس وجہ سے ہدایت یاب لوگوں کی کثرت ہے بمعنی ضلال کے۔ یہ حدیث تواتر سے ہے اور مشہور ہے۔

ستر ہواں مسئلہ:

قرآن نے بیان کیا ہے کہ فسق کے معنی نکالنے کے ہیں جس طرح کہتے ہیں کہ چھوہارے سے اس کی گٹھلی نکال لی جائے۔ فاسق بھی اسی لحاظ سے فاسق کہلاتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے نکلے ہوئے ہوتے ہیں جس طرح چوہا اپنا نقصان کرنے کے لئے اپنے بل سے باہر نکل آتا ہے اس امر میں کچھ لوگوں کو اختلاف ہے کہ فاسق مومن ہے یا کافر، امام رازی کہتے ہیں کہ ہمارے علماً اور ان کے صدر صاحب خزینۃ القرآن فاسق کو مومن کہتے ہیں اور خارجیوں کے نزدیک وہ کافر ہے۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ وہ نہ کافر ہے نہ مومن۔ متکلمین کے اندر اس پر کلام کیا گیا ہے۔ ارشاد ہے ایمان ہونے کے بعد فاسق ہونے کا نام برا ہے۔ یعنی فرمایا کہ منافق لوگ فاسق ہیں اور اللہ فرماتا ہے کہ تمہارے لئے ایمان کو محبوب بنایا۔ اسے تمہارے دلوں میں آراستہ فرمایا۔ کفر اور فسوق عصیان کو تمہارے لئے برا بنا دیا۔ یہ بہت بڑا مسئلہ ہے جس کا ذکر علم کلام میں کیا گیا ہے۔ (صاحب خزینۃ القرآن نے اس پر بڑی بحث کی ہے جو طویل ہے آخر میں اسی امر پر حدیث بحوالہ امام باقر فرماتے ہیں کہ ابن العاص کے مجموعہ میرے دادا حضرت علی کے مجموعہ میں بھی درج ہے۔ تینوں صاحب لکھتے ہیں کہ صحابہ کا جم غفیر تھا سب نے کہا کہ فاسق کافر ہے یا مومن تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ فاسق کافر اس وقت تک نہیں ہوتا جب تک اللہ تعالیٰ کی توحید اس کی کتب اور ملائکہ، انبیاء اور یوم آخرت سے انکار نہ کرے۔ اگر انہی چیزوں کو تسلیم کرتا ہے اور احکام شرعیہ کے اندر کوتاہی کرتا ہے۔ صحیح ماننے کے باوجود۔ فرمایا وہ فاسق ہے۔ یعنی فرمانبردار نہیں ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ یہ حدیث تواتر ہے اور ہمارے امام اعظم کا

Marfat.com

بھی میرے ساتھ اس پر اتفاق ہے ہیں اتنا کافی ہے)۔

انیسواں مسئلہ:

الذین ینقضون عھد اللہ من بعد میثاقہ سے کیا مراد ہے۔امام رازی نے مفسرین کے احتمالات اور تاویلات بیان کی ہیں لیکن صاحب خزینۃ القرآن نے قوی فیصلہ فرمایا ہے۔لکھا ہے حضرت علی وابن عباس ابوسعید خدری اور عبداللہ ابن مسعود بیان کرتے ہیں کہ ہم سب نے اس یثاق کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ اس یثاق کا کیا مقصد ہے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی توحید اور میری رسالت کو برحق ماننا اور اس کی تصدیق کرنا اور یہ اللہ تعالیٰ سے عہد ہے۔ہم نے یہ بات اوفوا بعھدی کے نازل ہونے کے بعد پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا۔یہ آیت اس کی تفسیر ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے عہد کو پورا کرو۔وہ تمہارا عہد پورا کرے گا۔یہ حدیث امام زہری نے بیان کی ہے اور امام باقر نے بھی۔یہ حدیث تواتر ہے۔رسول اللہ ﷺ نے اس امر میں بھی وضاحت فرمائی۔صاحب خزینۃ القرآن لکھتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ان یہودیوں نے پہلے مجھ سے کہا تھا کہ اگر کوئی ڈرانے والا ہمارے پاس آ گیا تو ہم تمام امتوں سے زیادہ ہدایت اختیار کریں گے لیکن انہوں نے مضبوط قسمیں کھائی تھیں۔آپ ﷺ نے فرمایا۔دیکھو! انہوں نے اپنی قسموں کو توڑ دیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی قسموں کے بارے میں فرمایا کہ وہ ناقص ہیں۔یہ بات ہر ایک کے لئے ہے کہ قسم کو مضبوط رکھا جائے۔پہلے امر کو دوسرے امر پر ترجیح ہے:

-1 تقدیر پہلی میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس آیت کا حکم سارے عالم پر ہے صحابہؓ نے کہا۔بے شک سارے عالم پر ہے۔فرمایا کہ انکار کفار اور مشرکین کی عادت ہے کہ قسمیں کھا کر ان کو توڑ دیتے ہیں۔فرمایا یہ حکم سارے عالم کے لئے ہے اس میں سب کے لئے ایک سبق ہے انہوں نے اس عہد کو توڑا۔اللہ نے ان کی مذمت بیان فرمائی اور اس کے لئے ظاہراً انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا۔پھر توحید و رسالت کا ذکر ہوا تو ان لوگوں نے اس کے خلاف کیا ظاہراً اس آیت میں ان کی خوب مذمت بیان کی گئی ہے یہ مذکورہ حدیث تواتر ہے۔

-3 صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ میرے جدامجد حضرت علی نے لکھا ہے کہ اس سے مراد اہل کتاب ہیں۔خود رسول اللہ ﷺ نے ہمیں فرمایا اس آیت کو تلاوت کرتے ہوئے کہ مجھ سے پہلے جتنی کتابیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیاء پر نازل ہوئیں۔ان میں میرا خوب ذکر تھا۔انبیاء علیہم السلام نے انہیں نصیحت فرمائی میرے بارے میں کہ محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری رسول ہوں گے اور ان کی امت تمام امتوں سے افضل ہو گی۔لیکن جان بوجھ کر انہوں نے ان تمام کتب میں میرے ذکر اور امت کے ذکر کی تحریف کر دی بغض وعناد کی وجہ سے مجھ سے اعراض کر لیا ہے یہ ان کا اعراض ان کو جہنم میں لے جائے گا۔

-4 بعض کا یہ خیال ہے کہ یہ عہد وہ ہے جو روز میثاق میں اللہ نے تمام مخلوق سے کیا کہ میں تمہارا رب ہوں یا نہیں؟ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ یہ باطل ہے کیونکہ ان کو تو ابھی تک خبر ہی نہیں پھر ان سے مواخذہ کس بات کا۔یہ تاویل غلط ہے۔

-5 صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں حدیث میں ہے کہ میرے جدامجد حضرت علی نے لکھا ہے کہ نبوت کے پندرہویں سال کے شروع میں جو پہلا جمعہ آیا تو نبی اکرم ﷺ نے ہمیں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تین عہد لئے ہیں۔ایک وہ جو تمام اولاد آدم کے لئے ہے دوسرا وہ جو انبیاء علیہم السلام جن میں تمام انبیاء موجود تھے اور میری عظمت ورسالت کا ان سے وعدہ لیا گیا انہیں تبلیغ فرمائی گئی۔تیسرے یہ کہ جب عہد لیا جو اہل کتاب کے علماء ہیں کہ تم لوگوں کے سامنے حق کو پس پشت نہ ڈالنا۔اور اس کو نہ چھپانا۔فرمایا میثاق کا اشارہ اللہ تعالیٰ کی طرف سمجھو۔صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ میثاق کے معنی توثیق کے بھی ہیں۔جس طرح میلاد بمعنی ولادت کے۔جب اللہ نے اس میثاق کو کتب میں میثاق کو استحکام کے ساتھ پورا کر دیا اور رسولوں نے بھی اسے پورا کیا لیکن لوگوں نے اس کے اندر اختلاف کیا۔

بیسواں مسئلہ:

صاحب خزینۃ القرآن حدیث درج کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جب اس آیت کو پڑھا۔ مَآ اَمَرَ اللّٰہُ بِہٖ تو آپ ﷺ کے آنسو آ گئے۔فرمایا اللہ تعالیٰ نے ان کا قرب میرے ساتھ وابستہ کیا لیکن انہوں نے مجھ سے قطع تعلق کر لیا جو ان کے حق میں خرابی ہے۔اور اللہ تعالیٰ نے ان کو میری رسی جسے مومنین پکڑے ہوئے ہیں

Marfat.com

اس کے پکڑنے کا حکم دیا لیکن انہوں نے اس رسی کو چھوڑ دیا اور یہ آیت پڑھی کہ ''اگر تم پھر گئے تو کیا تم اس کے قریب پہنچ جاؤ گے کہ زمین میں خرابی ڈالو اور اپنے اقربا سے قطع تعلق کرلو۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس آیت مذکورہ کی تفسیر یہی ہے اور یہ حدیث تواتر سے ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں یہ بے شک اس آیت کی قوی تفسیر ہے۔ ان کو تنبیہ کرو کہ وہ فتنوں سے باز آجائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر بھی یہ باز نہیں آتے۔

اکیسواں مسئلہ:

وَیفسدون فی الارض سے حضرت علی اور حضرت ابن عباس نے یہی لکھا ہے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے یہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ویفسدون فی الارض سے کیا مراد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم دیکھ نہیں رہے کہ شروع سے ہی کفار میری نبوت کی مخالفت کر رہے ہیں۔ اور مجھ سے دشمنی کر رہے ہیں اور اپنی جان و مال و تن من دھن سب کچھ میری مخالفت میں لگا رکھا ہے اور دین کے اندر جو لوگ آتے ہیں ان کو منع کرتے ہیں ابو جہل نے مکہ میں باہر سے آنے والوں کو بند کر دیا ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ ملک کے اندر اس وقت تک عدل قائم نہیں ہو سکتا جب تک فساد ختم نہ ہو جائے۔ کیونکہ زمین و آسمان عدل کے لئے قائم ہوئے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ فرعون نے کہا موسیٰ سے مجھے خوف ہے کہ وہ دین کو بدل ڈالے اور زمین میں فساد پیدا کرے۔ پھر فرمایا کہ جب خٰسِرُوْنَ کو پڑھو تو یہ سمجھو کہ یہ کفار جنت کی نعمتوں سے محروم ہوں گے اور جنت میں مومنوں کے لئے بیویاں ہوں گی اور مکان ہوں گے وہ جنت کے ہمیشہ کے لئے وارث ہوں گے۔ ارشاد ہے: آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی کہ جنت الفردوس کے وارث یہ لوگ ہوں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ حدیث امام باقر، ابو العالیہ، ساؤس، اسود بن یزید تابعی نے درج کی ہے۔ یہ حدیث تواتر ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ یہ بات بالکل درست ہے ہمیں اس آیت کی تشریح خود رسول اللہ ﷺ سے واضح ہوگئی اور تاویل کی یہاں کوئی ضرورت ہی باقی نہیں رہی کیونکہ حدیث کے سامنے تاویل باطل ہوتی ہے خسارہ پانے والے وہ لوگ ہیں جنہوں نے قیامت کے دن اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو خسارے میں ڈالا۔

-2 صاحب خزینۃ القرآن لکھتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ یہودی نیک کام بھی کرتے ہیں اور منافقین بھی بظاہر نیک کام کرتے ہیں۔ قیامت کے دن یہ سب مٹ جائیں گے انہوں نے میرے ساتھ سخت دشمنی کی ہے میری مخالفت ظاہری ہو یا باطنی یعنی دل میں میری عظمت میں ذرہ بھر خیال باطل بھی رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے سب سے سخت عذاب میں مبتلا کرے گا۔ اور گندی اور غلیظ پیپ انہیں پلائی جائے گی۔ یہ حدیث تفسیر امام باقر وغیرہ میں موجود ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ دیکھو یہودی نیک کام کرنے میں ہمت کرتے تھے کیونکہ ان کے پاس بھی کتاب تھی۔ بظاہر منافقین بھی اچھے کام کرتے تھے لیکن انہیں جہنم کا ایندھن اس لئے بنایا جائے گا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے رسولؐ کی مخالفت کی۔ کفار نے کھلی دشمنی کی اور منافقین نے اندرونِ دل وہ عظمت مصطفیٰ کے مخالف تھے اور اللہ تعالیٰ کو یہ دونوں امور ناپسند ہیں اور اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو شدید عذاب میں مبتلا کرے گا۔

-3 یہ وہ لوگ ہیں کہ لذائذ دنیا کو انہوں نے خوب پایا اور کفر پر جمع رہے۔ جب اللہ کے رسول اللہ ﷺ کو ان پر جہاد کا حکم ہوا تو آپ ﷺ نے جہاد فرمایا۔ پھر ان کے بارے میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مرتے وقت ان کے تمام اچھے عمل بھی ضبط کر لئے جائیں گے۔'' سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا۔ ان کا خسارہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بڑھ کر اور کون سا خسارہ ہے۔ آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی کہ ''بے شک انسان خسارے میں ہے مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور اچھے عمل کئے'' پھر یہ آیت بھی پڑھی ''اے حبیب پاک ﷺ! فرما دیجئے کہ میں تمہیں وہ لوگ بتا دوں جن کی دنیا میں دنیا کے کام کرنے کی کوشش ختم ہو چکی ہے۔'' اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

قال اللہ تعالیٰ: کَیْفَ تکفرون باللہ و کنتم امواتاً فاحیاکم ثم یمیتکم ثم یحییکم ثم الیہ ترجعون (۲۸)

ترجمہ:

کیونکر کفر کرتے ہو تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ حالانکہ تم مردہ تھے۔ پس اس نے تم کو زندہ کیا۔ پھر تم کو مارے گا۔ پھر تم کو زندہ کرے گا۔ اور پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

Marfat.com

صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ یہ آیت پچھلی آیت کی تفسیر ہے امام باقر اور دیگر مفسرین کا بھی یہی فیصلہ ہے۔ یہ بھی اس کے ساتھ ہی نازل ہوئی ہے۔ حضرت علی سے مروی ہے کہ ہم ساتھ تھے جب رسول اللہ ﷺ نے مذکورہ بالا آیت پڑھی۔ اور اہل کتاب کو سنائی تو وہ مذاق اڑاتے ہوئے بھاگ گئے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے رسول ؑ کی طرف گندہ کوڑا پھینکا۔ ہم نے اسے اپنی جانوں پر لے لیا۔ لیکن رسول اللہ ﷺ جب اس جگہ سے مسجد حرام کے قریب تشریف لائے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے ہمیں فرمایا کہ یہ کافر لوگ کفر میں زیادتی کر رہے ہیں کیونکہ یہ منعم حقیقی کا انکار کر رہے ہیں اور دنیا کی نعمتوں کو بڑا سمجھتے ہیں مد مقابل کا انکار بھی بدتر ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایک بہت بڑی نعمت کا ذکر فرمایا ہے اور وہ حیات (زندگی) ہے اور تمام نعمتیں اسی کے لئے ہوا کرتی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں کفار کے کفر کا ذکر فرمایا ہے اور اپنی عظمت کا اظہار فرمایا ہے کہ میں منعم حقیقی ہوں اور کفار کی مذمت بیان فرمائی۔ ثُمَّ کا عطف اس پر کیا گیا ہے کہ حیات اول تو موت کے بعد ہوتی ہے اور بلا تاخیر ہوا کرتی ہے پھر اس کے بعد جو موت ہوتی ہے وہ تاخیر سے ہوتی ہے اسی طرح حیات ثانی موت کے بعد تاخیر سے ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔ حضرت ثوبان اور کافی صحابہ سے آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس حیات سے مراد قیامت کے روز کا اٹھنا ہے۔ ابن عباسؓ، حضرت عمرؓ اور ابن مسعودؓ سے بھی یہی مروی ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن اور امام باقر نے اس پر چند مسائل بیان کئے ہیں۔

مسئلہ:

1- معتزلہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ کفر بندوں کی طرف سے پیدا ہوتا ہے اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو تو یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیوں اور کیسے کفر کرتے ہو؟ یہ تو زجر و توبیخ کے ساتھ ہے۔

2- جب اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے یہی ارادہ کیا تو ان کو کافر پیدا کیا عذاب کے لئے کہ وہ جہنم میں عذاب کھائیں گے تو یہ توبیخ ان کے لئے کیسے ہو سکتی ہے۔

3- یہ حکیم مطلق کے لئے کیسے لازم ہے کہ ان کو کافر بھی خود ہی پیدا کرے اور پھر کہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیونکر کفر کرتے ہو؟ حالانکہ ارشاد الٰہی ہے: وما منع الناس ان یؤ منوا اس نے ایمان سے لوگوں کو نہ روکا۔ اس کے بعد فرمایا۔ یعنی ان کو کیا ہوا ہے کہ وہ ایمان نہیں لاتے۔

4- اللہ تعالیٰ نے جب اپنے بندوں سے فرمایا کہ تم کیونکر ہمارے ساتھ کفر کرتے ہو۔ ان سے حجت قائم کرنا۔ جواب کا مطالعہ کرنا ان میں مقصود ہے یا نہیں۔ اگر یہ مقصود نہیں تو ان کے بیان کرنے کا کیا نتیجہ ہے۔ جب کوئی نتیجہ نہ ہوگا تو اس کا عبث لازم آئے گا۔ اگر یہ بندوں کی طرف سے ہے تو وہ کہہ سکتے ہیں کہ عجز و کفر کے سوا ہم سے کیا ہو سکتا ہے۔

(۱) کیا تمہیں معلوم تھا کہ میں کفر کروں گا۔ علم بالکفر تو خود کفر ہے۔

(۲) جب تو نے کفر کا ارادہ کیا تو وہ کفر ہو گیا۔

(۳) تو نے میرے اندر کفر کی قدرت پیدا کی جو میرے لئے موجب کفر ہو گئی۔

(۴) تو نے میرے اندر ارادہ پیدا کیا جس کی وجہ سے کفر واجب ہوا۔

(۵) تو نے میرے اندر ارادہ قدرت پیدا کیا جو ارادہ بموجب کفر ہے۔

(۶) اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب سے فرمایا کہ ان سے کہہ دو تم کیوں کفر کرتے ہو، اللہ تعالیٰ کے ساتھ جس نے تمہیں حیاتی (زندگی) جو کہ بڑی نعمت ہے۔ وہ عطا فرمائی۔

فرقہ جبریہ کے نزدیک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کافروں پر انعام نہیں کیا ہے۔ اس نے ان کو ڈھیل دے رکھی ہے۔

حدیث متواتر ہے جو تفسیر امام باقر، یزید بن ہارون، خزینۃ القرآن اور طبری میں ہے۔ حضرت علی فرماتے ہیں کہ مجمع صحابہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ کیف تکفرون میں کیا مقصود ہے؟ جب کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت و مشیت کے بغیر کوئی کام یا حرکت نہیں ہوتی تو پھر کفار کا اعتراض ہو سکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے اعمال کو پیدا کیا اور تم کو بھی پیدا فرمایا۔ اسی طرح کفر کو بھی پیدا کیا اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں عقل دی ہے اور دونوں راستے عقل کے ذریعے دکھا دیئے ہیں۔ اچھا اور برا۔ اسی میں حق و باطل کی تمیز ہوتی ہے۔ ہم نے عرض کیا کہ کنتم امواتاً سے کیا مراد ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ خلقت کا مٹی سے ہونا۔ پھر نطفہ کا

Marfat.com

ہوتا ہے۔صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ سب کا اسی پر اتفاق ہے۔

2- اس طرح حشر ونشر کی تصدیق ہوتی ہے! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔اس سے یہی سمجھو کہ جب تم کچھ نہ تھے تو اس نے تمہیں پیدا فرمایا۔پھر آخرت میں تمہارا دوبارہ زندہ کرنا اس کے لئے کچھ مشکل نہیں ہے اس نے تمہارے لئے جزا اور سزا کا نتیجہ مقرر فرما دیا ہے۔

3- اس آیت میں تکلیف، ترغیب اور ترھیب تینوں باتیں شامل ہیں۔

4- اس سے جبر وقدر کا باطل ہونا ثابت ہوتا ہے۔

5- آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس سے یہ اشارہ سمجھو کہ دنیا میں رغبت اور محبت کے ساتھ رہنا چاہئے یہ حدیث خزینۃ القرآن میں ہے۔حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ہم نے تم کو زندہ کیا پھر تمہیں مردہ کریں گے پھر زندہ کریں گے۔اس سے یہ لازم ہوا کہ موت کا آنا ضروریات میں سے ہے۔پھر اسی پر اکتفا نہیں ہوا۔فرمایا کہ تم سب ہماری طرف لوٹ کر آؤ گے۔موت کا آنا اس لئے بھی ضروری ہوا کہ اولاً وہ نطفہ تھا اور اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا فرمایا پھر اچھی صورت عطا فرمائی پھر اسے عقل وخرد عطا فرمائی۔مال ودولت، اولاد اور مکان کا اسے مالک بنایا۔یہ سب چیزیں عارضی ہیں۔جو اس سے چھین لی جائیں گی۔جب وہ مرے گا تو مرنے کے بعد سینکڑوں برس گزر جائیں گے۔ان کے پیچھے ایک عالم برزخ ہے۔قبر میں جانے کے بعد انسان کا عجیب حال ہوتا ہے نہ وہ کسی کی سنتا ہے چاہے اسے کتنی ہی آوازیں کیوں نہ دی جائیں وہ نہیں سنتا۔عزیز واقارب آئیں تو ان کی شناخت وشناسائی نہیں ہوتی۔عرصہ دراز کے بعد بال بچے بھی اسے بھول جاتے ہیں۔تفسیر کبیر میں ہے حضرت یحییٰ ابن معاذ فرماتے ہیں کہ جب تیرے عزیز تیری قبر سے گزریں گے تو یہی محسوس ہوگا کہ وہ تجھے نہیں پہچانتے۔وہ ایک مناجات درج کرتے ہیں کہ الٰہی! جب مجھے قبر میں وہ اکیلا چھوڑ جائیں تو عرض کروں گا کہ اے اللہ تعالیٰ! میں تیرا غریب، عاجز و ناتوان بندہ ہوں۔مجھے سب چھوڑ گئے ہیں تو اپنے فرشتوں سے کہہ دے کہ یہ اب تنہا ہے۔دنیا میں یہ مجھے پکارا کرتا تھا اور اس دن تو مجھے عبادت کرنے والوں میں شامل فرما۔تیری مغفرت بہت وسیع ہے۔اللہ تعالیٰ کا فرشتہ اس دن صور پھونکے گا تو زمین وآسمان کی سب مخلوق بے ہوش ہو جائے گی۔پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو تمام لوگ جلد از جلد قبروں سے نکل کر جو جہاں کہیں بھی ہوگا۔کھڑا ہو جائے گا۔پھر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سب حاضر ہو جائیں گے۔اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وہ سب صفت باندھے کھڑے ہوں گے اس دن کسی کو کلام کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔سب کی آوازیں پست ہوں گی۔صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں۔الٰہی! جس دن ہم مٹی سے نکلیں گے ہمارے سر پر خاک ہوگی اور تیری بارگاہ میں حاضر ہوں گے۔ہمیں بھوک کا غلبہ ہوگا اہل محشر کے سامنے ہم گناہوں میں غرقاب کھڑے ہوں گے۔ہماری کمریں گناہوں کے بوجھ سے ٹوٹ رہی ہوں گی اپنے گناہوں سے ہم پریشان ہوں گے۔اور ندامت ہم پہ چھا رہی ہوگی اے اللہ! ہم پر بڑی مصیبت ہوگی۔ہم خطا کار ہوں گے۔تیری رحمت بڑی وسیع ہے اپنی رحمت کے وسیع ہونے کے سبب ہمیں بخش دینا۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قال اللہ تعالیٰ: هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّافِی الْاَرْضِ جَمِیْعًاق ثُمَّ اسْتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍط وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ (۲۹)

ترجمہ:

وہی تو ہے جس نے پیدا کیا تمہارے لئے جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب پھر اس نے توجہ فرمائی آسمان کی طرف پھر سات آسمان کو سنوار اپس درست کیا ان کو برابر کیا اور وہ ہر شے کا علم رکھنے والا ہے۔

یقیناً یہ میری نعمت ہے۔ابن عباسؓ وحضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ یہ دونوں آیات اکٹھی نازل ہوئیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ دیکھو پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے حیاتی کا ذکر فرمایا جو بڑی نعمت ہے پھر اس کے بعد زمین وآسمان کا ذکر فرمایا۔ خَلَقَ کی تفسیر پہلے ہو چکی ہے۔ لَكُمْ کی حقیقت اس حدیث سے واضح ہو رہی ہے۔نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین میں جو کچھ پیدا فرمایا وہ ہمارے دین ودنیا کے لئے ہے۔اس میں سب کچھ واضح ہے۔یہ لام اکتفا ہے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ زمین میں ہمارے لئے حلال چیزوں کے لئے نفع ہے۔کچھ نباتات۔کچھ حیوانات اور کچھ پہاڑوں اور دوسری صنعتوں سے آپ ﷺ نے اس حدیث میں

Marfat.com

یہ وضاحت بھی فرمادی کہ مافی الارض کے یعنی جو زمین و آسمان میں ہے سب ہمارے تابع فرمایا۔ پھر انسان مردہ تھے انہیں زندگی دی تو کیا وہ مرنے کے بعد پھر دوبارہ زندگی دینے پر قادر نہیں ہے۔ سورۃ نحل اور سورۃ انعام میں بھی اسی قسم کے ارشاد ہیں۔ مذکورہ احادیث متواتر ہیں۔ اس پر چند مسائل:

مسئلہ 1:

صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے ابن عباس اور جد امجد حضرت امام جعفر صادق و امام باقر سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال میں غرض نہیں۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے افعال سے نفع اٹھانا مقصود نہیں ہوتا وہ نفع اپنی مخلوق کو عطا فرماتا ہے یہ نفع صرف بندوں کے لئے ہوتا ہے۔

-2 اگر کوئی شخص ایک فعل کرتا ہے تو اس فعل کے علاوہ کسی دوسرے فعل کو حاصل نہیں کر سکتا۔ اللہ کے لئے یہ محال ہے وہ کسی چیز سے عاجز نہیں ہے۔

-3 اللہ تعالیٰ کے افعال صرف اپنے بندوں کی بہتری کے لئے ہوتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے یہی فرمایا ہے۔

-4 حضرت ابن عباس اور حضرت علی فرماتے ہیں صاحب خزینۃ القرآن نے لکھا بحوالہ امام باقر کہ نبوت کا سولھواں سال تھا۔ صحابہ کا جم غفیر تھا۔ جمعہ کا دن تھا اور رمضان شریف کا آخری جمعہ تھا۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہودی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے افعال حادث ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ بڑا کفر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے جنگ ہے۔ فرمایا۔ سن لو کہ اللہ تعالیٰ کے افعال اور اس کا علم ازلی ہے۔ اگر وہ اپنے افعال کو پیدا کرتا ہے تو نقص لازم آئے گا۔ جو اس کے لئے محال ہے۔ اس کا علم اور افعال ازلی ہیں۔ عالم کا خلق ہونا حادث ہے فرماتے ہیں یہ حدیث تواتر سے ہے۔ صحابہ کے اس جم غفیر کے بعد تابعین میں سے ستر ہزار محدثین نے اسے روایت کیا ہے۔ علماء کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مشابہت کی وجہ سے یہ بیان فرمایا۔ اگر کوئی شخص اپنا کام کرتا ہے تو وہ اپنی غرض کے لئے کرتا ہے۔

مسئلہ دوم:

کچھ اہل اباحت نے اسے اپنی غرض کے لئے مدعا بیان کیا ہے۔ کہ جب اللہ تعالیٰ نے سب چیزیں سب کے لئے پیدا کی ہیں تو کوئی تخصیص نہیں ہے۔ مگر ان کا یہ استدلال ضعیف ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے کل بندوں کے واسطہ کل چیزوں کو پیدا فرمایا ہے ابن عباس سے یہی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو خزینۃ القرآن میں ہے۔ فقہا رحم اللہ عنہم نے یہ ثابت کیا ہے کہ تمام اشیاء کے اندر اصل اباحت ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن نے اس پر کافی بحث کی ہے جو تفسیر امام باقر سے ماخوذ ہے۔ اور فقہا نے اپنی کتابوں میں نقل کی ہے لیکن یہاں فقیر عرض نہیں کرے گا۔

مسئلہ 3:

بعض کا یہ خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مٹی کا کھانا ہم پر حرام کیا ہے جو چیزیں زمین سے پیدا ہوتی ہیں وہ ہمارے لئے ہیں۔

مسئلہ 4:

اس آیت سے رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید بن ثابت سے فرمایا کہ زمین کے اندر جو کچھ ہے وہ ہمارے لئے ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے۔ اب معلوم کریں کہ ثم استوٰی الی السماء میں چند مسائل بیان کروں گا۔

مسئلہ 1:

صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ ہمارے ملک عرب میں کلام عرب کے اندر استوٰی کے معنی سیدھے کے ہیں۔ عِوَجْ اس کی ضد ہے۔ یہ سب اجسام کی صفات میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ ان تمام امور سے پاک ہے۔ استواء کے معنی ٹھہرنے کے بھی ہیں اور اللہ تعالیٰ اس سے بھی پاک ہے۔ استوٰی کے معنی سیدھا ہونے کے بھی ہیں۔ جب لکڑی کو درست کر کے سیدھا کر دیا جاتا ہے تو اسے استوی العودُ کہتے ہیں۔ جب کوئی شخص کسی کے پاس سیدھا آتا ہے۔ ادھر ادھر نہیں دیکھتا تو کہتے ہیں کہ جس طرح تیر کمان سے سیدھا نکلا ہے۔

Marfat.com

مسئلہ 2:

آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس آیت کی تفسیر یہ بھی ہے۔ وہ فرماتا ہے کہ تم اس سے کیونکر شرک کرتے ہو کہ جس نے زمین کو دو دن میں پیدا فرمایا اور جس کے لئے تم شریک بتاتے ہو۔ وہ جہانوں کا پروردگار ہے۔ اس نے چار دن کے اندر غذاؤں کو پیدا کیا دو دن زمین کے لئے۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ جس طرح کوئی شخص یہ کہے کہ کوفے سے مدینہ تک بیس دن کا راستہ ہے اور مکہ تک تیس دن کا تو یہ کل تیس دن ہوئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو دو دن میں پیدا فرمایا۔ کل چھ دنوں میں۔ ارشاد باری ہے۔ پیدا فرمایا ہم نے زمین و آسمان کو چھ دنوں میں۔

مسئلہ 3:

بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ زمین کو آسمان سے پہلے پیدا فرمایا۔ یہ پارہ حٰـم ۲۴ سورۃ السجدہ کے دوسرے رکوع کی پہلی سے دوسری آیت تک استدلال کرتے ہیں۔ دوسری جگہ ارشاد ہوا: اور تمہارا پیدا کرنا مشکل ہے یا آسمان کا۔ اس نے آسمان کو بنایا اور بلند کیا اور برابر کیا اور تاریک کیا اس کی رات کو اور نکالا اس کی روشنی کو اور پھر زمین کو بچھایا۔ صاحب خزینۃ القرآن بحوالہ امام باقر و طاوس قیس بن مسلم کوفی و خواجہ حسن بصری حدیث درج کرتے ہیں۔ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص سے جو رسول اللہ ﷺ کے ماموں کے بیٹے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا کہ آسمان کو پہلے پیدا کیا گیا یا زمین کو تو آپ ﷺ نے سورۃ نازعات کی یہ آیت پڑھی کہ آسمان کو پہلے پیدا فرمایا اور زمین کو بعد میں۔ اگر کوئی یہ کہے کہ اس پر بدیں وجہ لازم آسکتا ہے:

(۱) زمین کا جسم بہت بھاری ہے کہ اگر کوئی یہ کہے کہ اس کو پھیلایا بعد میں گیا اور پیدائش پہلے تھی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ زمین بیک وقت پیدا کی گئی اور اس کا پھیلاؤ بھی بیک وقت ہوا ہے لیکن آسمان پہلے اور زمین بعد میں بنائی گئی۔

(۲) حدیث شریف میں وارد ہے کہ زمین پہلے پیدا کی گئی اور اس کے اندر جو اشیاء ہیں وہ بعد میں۔ جب زمین درست ہوئی تو بعد میں تمام اشیاء پیدا کی گئیں۔ یہ حدیث تفسیر طبری امام باقر، نور القرآن اور خزینۃ القرآن میں درج ہے اور حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے۔

(۳) صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ثُمَّ نعمت کو ظاہر کرنے کے لئے ہے۔

مسئلہ 4:

فَسَوّٰهُنَّ کی ضمیر مبہم ہے اور سبع سمٰوٰت صاحب خزینۃ القرآن لکھتے ہیں کہ یہ اس کی تفسیر ہے۔

مسئلہ 5:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سات آسمانوں کا وجود اس آیت سے ثابت ہو چکا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: زحل، عطارد، مریخ، قمران تمام کا تعلق سات آسمانوں سے ہے امام باقر فرماتے ہیں کہ یہ حدیث تواتر ہے۔ شمس پانچویں آسمان پر ہے اور اسی طرح بقیہ ستارے ان کے نیچے ہیں اور سب اسی سے روشنی لیتے ہیں۔ صاحب خزینۃ القرآن نے یہ حدیث حضرت علی و ابن عباس، ابو موسیٰ اشعری، حضرت ابو ہریرہ اور عبداللہ بن کعب سے بیان کی ہے۔ اور تفسیر امام باقر میں ہے۔ فرماتے ہیں کہ کچھ لوگ اور بھی خیال کرتے ہیں کہ جو تاویلیں ہیں۔ وہ باطل ہیں۔ اسی طرح کچھ کہتے ہیں کہ پہلا فلک قمر ہے پھر عطارد، زحل، مشتری، مریخ آپس میں ستارے ہیں ایک دوسرے سے منتقل ہوتے ہیں تو وہ ایک آجاتا ہے۔ یہی ستارے فلک ہیں۔ فرماتے ہیں کہ یہ بالکل لغو ہے کیونکہ ان کی ایسی کوئی سند نہیں ہے جبکہ ہمارے پاس اس کی مرفوع سند ہے جو کہ تواتر ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ بہت سے علماء کا قول یہ ہے کہ سورج مریخ کے نیچے ہے اور معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ کہاں ہے اور کہاں نہیں ہے۔ آپ اس پر حدیث درج کرتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ اور حضرت ابو حشام ابن عبیدہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ ملک شام میں کچھ لوگ ہلال کو سمجھنے والے ہیں اور چاند اور سورج کے بارے میں طرح طرح کی باتیں کرتے ہیں۔ فرمایا: سورج تمام ستاروں سے اوّل ہے جو پانچویں آسمان پر ہے جب یہ طلوع ہوتا ہے تو تمام ستاروں کی روشنی کالعدم ہو جاتی ہے کیونکہ اس کی روشنی بہت وسیع ہوتی ہے۔ باقی سب اس سے روشنی لیتے ہیں۔ یہ حدیث تواتر ہے۔ فرماتے ہیں کہ بہت سے علماء کا قول اس حدیث سے بالکل باطل ہو گیا ہے امام رازی نے بھی علمائے ہلال کی طرف رجوع کیا ہے لیکن ان کے ہاتھ بھی کچھ نہیں آیا۔

Marfat.com

صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ سات آسمانوں کے علاوہ دو اور فلک ہیں۔
ایک وہ فلک ہے جو سب سے بڑا ہے اس کے اندر کوئی سیارہ نہیں ہے رسول اکرم ﷺ نے ایک اعرابی کو یہی ارشاد فرمایا کہ سیاروں کے اندر حرکت بھی ہوتی ہے اور سستی
بھی ہوتی ہے۔ یہ حضرت انس بن مالک سے حضرت علیؓ نے سنا لہٰذا ثابت ہوا کہ سیارے آسمان پر رہتے ہیں فرماتے ہیں کہ ایک حدیث اور بعد میں ملی ہے جسے امام باقر نے اپنی
تفسیر میں نقل کیا ہے حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ہم کافی سارے صحابہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ ہم نے یہ سنا ہے کہ سورج پانچویں آسمان پر ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ
پانچویں آسمان سے طلوع ہوتا ہے۔ اس کا قیام ساتویں آسمان پر ہے ساتوں آسمان اور تمام زمین سورج کے گھیرے میں ہیں۔ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث تواتر ہے۔ صاحب خزینۃ
القرآن نے اس پر کافی بحث فرمائی ہے اور امام باقر کی تفسیر سے اخذ کیا ہے، لیکن فقیر مختصر بیان کر چکا ہے۔ امام رازی نے آگے دلائل دیئے ہیں مگر وہ حدیث کے مقابلے میں کچھ وقعت
نہیں رکھتے۔

صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ بعض علماء نے ایک آسمان کہا ہے۔
بعض کثرت ثوابت اور کثرت اعظم فرماتے ہیں اس پر حدیث میں میرے جد امجد حضرت علیؓ نے اپنے مجموعہ میں لکھی ہے لیکن اس کو امام باقر اور مفسرین نے بیان کیا
ہے، کہ ہم کافی صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ فلک کتنے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا فلک ۹ ہیں یا سات، قرآن نے سات بیان کئے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا کہ سات ہیں اور دو
فلک ان کا عکس ہیں اور انہیں کا کرہ ہیں تو لہٰذا سات ثابت ہوئے حدیث تواتر ہے۔ تو لہٰذا فلک سات ثابت ہوئے فرمایا میرے دادا علی رضا نے اپنی املا میں لکھا ہے کہ مامون الرشید
اور ہارون الرشید کے زمانے میں منطقیوں نے بہت کچھ کیا فرمایا یاد رکھو کہ وہ منطق وہ عقل جو قرآن پاک اور حدیث سے جھگڑے وہ باطل ہے وہ منطقی بھی باطل ہیں۔

مسئلہ چھٹا:

وھو بکل شئ علیم سے ثابت ہے صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں۔ ان دونوں کے اندر عجائب وغرائب ہیں اللہ تعالیٰ تمام جزئیات اور کلیات کا عالم ہے، صاحب
خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ اس سے باطل فلسفیوں کا قول باطل ہو گیا۔ علماءِ متکلمین کی بھی تصدیق ہوتی ہے۔ کیونکہ انہوں نے جزیات اور کلیات کا اللہ تعالیٰ کو عالم مانا ہے۔ فرماتے
ہیں کہ اس پر حدیث ہے صاحب خزینۃ القرآن حضرت علی وحضرت ابن عباس کی وامام محمد باقر ابی ابن کعب کی اسنادیں درج کرتے ہیں کہ یہ آیت حضور اکرم ﷺ نے جم غفیر صحابہ
کے مجمع میں پڑھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ زمین وآسمان کا علم اللہ کے علم کے سامنے ایسے ہے جس طرح سمندر سے ایک بوند پانی کو نسبت ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمام عالم کا
ہونا یہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے کہ عالم ہونے والا ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر اس چیز کے اندر کچھ شبہ کیا جائے تو باطل ہوگا۔
پھر ان کا خالق کون ہے؟ جو کسی چیز کو بناتا ہے تو اس کو اس چیز کا علم ہوتا ہے۔ فرمایا سارے عالم کا علم اور عالم کے ہونے کا علم یہ ازلی ہے اور اس کا یہ فعل ازلی ہے اور تمام
عالم کے اشیاء کے علم کو وہی نسبت ہے جو ایک بوند پانی کو سمندر سے ہے۔ آپ ﷺ نے پھر فرمایا یہ حدیث تواتر ہے۔ عبدالرزاق نے بھی اور امام مالک نے بھی اور میرے جد امجد
امام محمد باقر وجعفر، صادق نے بھی اور حضرت ابن عامر اور ابن العاص سے بھی فرمایا کہ اللہ کا علم لامحدود ہے اس کا کوئی احاطہ نہیں ہے۔
معتزلہ اور باقی تمام اس قسم کے لوگوں کے اقوال باطل ہو گئے اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو اپنے اندازے کے مطابق پیدا فرمایا ہے تو اس سے پہلے اس کا علم اس کو لازم سمجھو۔ یہ
نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لئے اجمالی علم ہو رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا علم لامحدود وازلی ہے حدیث تواتر ہے اور نصرانی کہتے ہیں بندہ اپنے فعل کا موجد نہیں ہے اور فرماتا ہے
پارہ نمبر ۱۳ میں اللہ تعالیٰ خود اس وقت تک کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود نہ بدلیں۔
صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ معتزلہ بے ہودہ باتیں کرتے ہیں۔ اس آیت سے استدلال لیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہر علم والے سے بڑھ کر دوسرا علم والا
ہوتا ہے، تو اللہ تعالیٰ عالم بذاتہٖ ہے لیکن جواب یہ ہے کہ عام ہے اور فرمایا کہ خاص کو عام کے اوپر تقدم ہوتا ہے، حدیث شریف میں ہے، حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ
نے ایک علم والے کو دوسرے علم والے پر ترجیح دی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا علم وسیع اس نے فرمایا ہے، نہیں کوئی معبود اس کے سوا اس کا علم ہر شئے کو محیط ہے دوسری جگہ ارشاد ہے اس کی رحمت
اور اس کا علم وسیع ہے اور نیز فرمایا کہ اس کے علم کا کوئی احاطہ نہیں کر سکتا یہ رسول اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا یہ حدیث خزینۃ
القرآن اور طبری امام باقر وغیرہ میں اور متواتر ہے۔

Marfat.com

قال اللہ تعالیٰ: واذ قال ربک للملئکۃ انی جاعل فی الارض خلیفۃ ط قالوا اتجعل فیھا من یفسد فیھا ویسفک الدمآء ج ونحن نسبح بحمدک ونقدس لک ط قال انی اعلم مالا تعلمون (۳۰)

ترجمہ: اے حبیب پاک ﷺ آپ ﷺ اس وقت کو یاد فرمایئے، جب آپ کے پروردگار نے فرشتوں سے فرمایا بے شک میں زمین میں ایک نائب بنانے والا ہوں انہوں نے عرض کیا کہ کیا تو زمین میں اس کو بنائے گا جو فساد کرے اور خون ریزی کرے اور ہم آپ کی تسبیح بیان کرتے ہیں اور آپ ﷺ کی تقدیس بیان کرتے ہیں فرمایا بے شک جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔

حدیث شریف میں ہے کہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی عظمت کا حال بیان فرمایا جو تمام انسانوں کے لئے عام ہے ان مذکورہ انعامات سے یہ تیسرا انعام ہے اس میں چند مسائل صاحب خزینۃ القرآن نے اس پر کافی مسائل بیان کئے ہیں بحوالہ امام محمد باقر۔

مسئلہ اوّل:

1- صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ اِذْ کے اندر دو قول ہیں۔

(۱) حدیث شریف میں ہے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ یہ عرب کے دستور کے مطابق ہے یہ تمام قرآن لغت عرب میں مجھ پر نازل ہوا ہے اس آیت کے نزول کی وجہ بھی یہی بیان کی ہے کہ مکہ کے اندر کفار نے اور کچھ لوگوں نے جو اہل کتاب تھے۔ انہوں نے حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ آدم علیہ السلام کے حالات کو بیان کریں کہ آپ رسول اللہ ﷺ ہیں۔ جس کے ضمن میں یہ آیت نازل ہوئی یہ حدیث تواتر ہے۔

(۲) صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ میرے جد امجد حضرت علیؓ اور حضرت ابن عباس حضرت ابوسعید خدری اور عمار بن یاسر و امام باقر و مقابل یہ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اکرم ﷺ سے عرض کیا کہ اِذْ کی عبارت تو اصل اُذْکُرْ ہے کیا آپ حضرت آدم علیہ السلام کے حالات میں موجود تھے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو فرمایا کہ آپ ﷺ اس وقت کو یاد کیجئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ قدرت کاملہ نے اس کا مشاہدہ مجھے پہلے فرمادیا ہے۔ مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ میرے سامنے ہو رہا ہے۔ فرمایا قرآن کا ہر لفظ حق الیقین ہے اصل عبارت ہے یہ ہے اذکر اذ قال جب ہم اِذْ قَالَ پڑھیں گے۔ تو فرمایا معنی اُذْکُرْ کا ہوگا اسی طرح قرآن پاک کے دو مطالب بھی حق ہیں۔

مسئلہ دوسرا:

صاحب خزینۃ القرآن نے فرمایا کہ مَلَکْ کے معنی قاصد کے ہیں اور ملک کی جمع ملائک ہے اس کے معنی سفارت کے بھی ہیں یوں سمجھو کہ جس طرح کوئی شخص کسی کو کسی کے پاس بھیجے۔

مسئلہ تیسرا:

بعض کا خیال ہے کہ ملائکہ کا بیان انبیاء کے بیان سے پہلے آنا چاہئے تھا کیونکہ اللہ کے ارشاد سے یہی ہے کہ اللہ کے بعد ملائکہ پھر رسل رسول اللہ ﷺ نے بھی یہی فرمایا کہ تم بھی اسی سے شروع کرو جس سے اللہ تعالیٰ نے اولاً شروع کیا۔

2- ملائکہ وحی کے لئے احکام شریعت لاتے ہیں انبیاء اور اللہ تعالیٰ کے درمیان میں واسطہ ہیں بعض کا یہ خیال ہے کہ پہلے سے نبوت کا بیان ہونا چاہئے کیونکہ ملائکہ کا بیان ہم نے رسول اللہ ﷺ سے سنا حدیث شریف میں یہی ہے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ملائکہ کا وجود ہماری بعثت سے پہلے ہے اور صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ ہماری عقول کی کتابوں میں ان کا ادراک بعد میں دلیل ثبوت سے ہوا عالم علوی کا شرف ملائکہ کے وجود سے اور عالم سفلی کا وجود عالم کے بعد ہے اس پر سب کا اتفاق ہے مگر ملائکہ کی ماہیت میں اختلاف ہے۔ اس میں دو احتمال ہیں ملائکہ یا اجسام ہیں یا اجسام نہیں ہیں اس پر چند قول ہیں:

Marfat.com

قول اوّل:

صاحب خزینۃ القرآن نے اس پر حدیث درج کی ہے رسول اکرم ﷺ نے حضرت ابی قتادہ سے بیان فرمایا کہ ملائکہ اجسام لطیفہ کا نام ہے۔ ان کی شکلیں مختلف قسم کی ہیں ان کا مسکن آسمان ہے اہل اسلام کے لئے یہی حدیث کافی ہے اور تواتر ہے۔

-2 بت پرستوں کا یہ خیال ہے، صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ ملائکہ ہی کواکب ہیں جو منحوس ہیں وہ باعث عذاب ہیں جو مسعود ہیں وہ باعث رحمت ہیں۔

-3 فرقہ مجوسیہ اور ثنویہ کا یہ خیال ہے کہ عالم کی ترکیب دو اصول ازلیہ سے ہے ایک نور اور دوسرا ظلمت، یہ دونوں حقیقت میں شفاف جوہر ہیں۔ ان کو اختیار اور قدرت حاصل ہے مدتوں کے نفس اور صورت میں تفاوت ہے لیکن عمل وفکر میں اختلاف ہے۔

قول دوسرا:

ملائکہ ذوات قائم بانفسہا ہیں وہ جسم اور مکان سے پاک ہیں اس کے اندر بھی دو قول ہیں:

-1 نصاریٰ یہ کہتے ہیں کہ وہ نفوس ناطقہ ہیں ان کے اپنے ابدان سے علیحدگی ہو گئی ہے، صفائی، پاکیزگی اور بالھدیٰ اور نفع ونقصان کی صفت ان کے اندر موجود ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ پاک صاف ہوں تو ان کو بدن سے علیحدگی ہوتی ہے۔ جب ناپاک ہوں تو پھر یہ خبیث اور شیاطین بن جاتے ہیں، ملک سے وہ حیاتی مراد ہے جن پر موت کا طاری ہونا ناممکن ہے، حیات کے اندر یہ تین حالتیں ہیں۔ حیات وہ ہے جو کلام کرے۔ اس پر اگر موت وارد ہو گی تو وہ انسان ہو گا اور جو کلام نہ کرے، لیکن حیات ہو وہ الہام ہوں گے اور تیرے اندر جو بولنے کی قوت ہو گی اس پر موت نہ ہو گی وہ ملائکہ ہوں گے۔

مسئلہ چوتھا:

صاحب خزینۃ القرآن نے ان کے بارے میں بکثرت احادیث بیان کی ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آسمان کی آواز بجا ہے، میں سنتا ہوں آسمانوں میں تل بھر کی جگہ نہیں، جہاں فرشتے رکوع اور سجود کے اندر نہ ہوں فرمایا ان کا مکان نہیں ہے یہ مکان سے پاک ہیں۔

روایت دوسری:

فرمایا! بنی آدم بہ نسبت جنات کے دسواں حصہ ہیں یہ دونوں مل کر جنگل کے جانوروں کا دسواں حصہ ہیں یہ سب مل کر پرندوں کا دسواں حصہ ہیں یہ سب مل کر دریائی جانوروں کا دسواں حصہ ہیں یہ سب مل کر زمین کے فرشتوں کا دسواں حصہ ہیں یہ سب مل کر دنیا کے فرشتوں کا دسواں حصہ ہیں۔ یہ سب مل کر پہلے آسمان کے فرشتوں کا دسواں حصہ ہیں اسی طرح ترکیب تمام آسمانوں کو لازم آئے گی یہ زمین وآسمان کے مقابلے میں کچھ نہیں ہیں یہ جو فرشتے عرش پر ہیں۔ وہ ان سب سے زیادہ ہیں آسمانوں میں تل دھرنے کی جگہ نہیں ہر جگہ رکوع، سجود اور اللہ تعالیٰ کی تقدیس بیان ہو رہی ہے آسمان سے عرش تک گونج آ رہی ہے یہ ملائکہ جو عرش کے نیچے گھومتے ہیں اس قدر ہیں کہ جس طرح سمندر سے ایک بوند ہو، کچھ فرشتے تو لوح محفوظ کے پاس ہیں، کچھ حضرت اسرافیل کے ساتھ ہیں کچھ حضرت جبرئیل کے ساتھ ہیں کچھ حضرت میکائیل کے ساتھ ہیں کچھ حضرت عزرائیل کے ساتھ ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا ان کی تعداد کوئی نہیں جانتا اس نے اپنے کرم سے مجھے بتا دیا ہے۔ اگر میں تمہیں بتاؤں تو تمہارے عقلیں ادراک نہ کر سکیں گی اللہ تعالیٰ کی عبادت میں وہ فرشتے سستی نہیں کرتے وہ اپنے مقام میں رطب اللسان ہیں عبادت کرنے میں ایک دوسرے سے سبقت حاصل کرنا چاہتے ہیں ان کو سستی نہیں ہوتی، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اے حبیب پاک ﷺ کہ تیرے رب کے جو لشکر ہیں سوائے اس کے اس کو کوئی نہیں جانتا۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ ظاہراً مذکورہ حدیث آیت کی تعارض میں ہے لیکن اس کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کا حقیقی مالک ہے اور اس نے پیدا کیا ہے رسول اکرم ﷺ نے یہی فرمایا کہ یہ اس کا ذاتی علم ہے۔ مگر اپنے کرم سے مجھے بیان کر دیا گیا ہے فرماتے ہیں اس طرح حدیث آیت کی تعارض میں نہیں ہے فرماتے ہیں حدیث شریف میں ہے کہ معراج شریف کی رات رسول اللہ ﷺ نے فرشتوں کو اس طرح دیکھا کہ جس طرح بازار میں لوگوں کا ہجوم ہوتا ہے رسول اکرم ﷺ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے دریافت کیا کہ یہ کون فرشتے ہیں۔ عرض کیا مجھے معلوم نہیں ہے میں اس طرح دیکھ رہا ہوں آپ ﷺ نے ایک فرشتے سے پوچھا کہ تمہاری کتنی عمر ہے عرض کیا کہ مجھے معلوم نہیں۔ اتنا علم ہے کہ چار لاکھ سال کے بعد اللہ تعالیٰ ایک سیارہ پیدا فرماتا ہے۔ اس طرح میں چار لاکھ سیارے دیکھ چکا ہوں۔

Marfat.com

اب مقربین فرشتوں کی تعداد اس آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اس روز آٹھ فرشتے تیرے رب کے تخت کو اٹھائے ہوئے ہوں گے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے کہ اس روز تو دیکھے گا کہ عرش کے نیچے فرشتے ہوں گے وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے ہوں گے نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ جو شخص اس کے رسولوں کا بھی جبرائیل اور میکائیل کا بھی دشمن ہے بلاشبہ اللہ تعالیٰ بھی کافروں کا دشمن ہے اسی طرح جبرائیل کی کافی فضیلتیں قرآن کریم میں موجود ہیں۔

1- یہ انبیاء علیہ السلام کے پاس وحی لاتے ہیں مذکورہ بالا احادیث تواتر ہیں۔

2- قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اس کو تمام ملائکہ پر مقدم فرمایا ہے۔

3- اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو اپنے ساتھ فرمایا ہے۔

4- اللہ تعالیٰ نے جبرائیل کو روح القدس فرمایا ہے۔

5- حضرت جبرائیل کے اندر یہ صفت ہے کہ وہ اللہ کے دوستوں کی ایک ہزار فرشتوں سے مدد کرتا ہے۔

6- اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جبرائیل علیہ السلام کی چھ صفتیں ایک ہی جگہ بیان فرمائی ہیں بے شک وہ رسول اللہ ﷺ کا قول ہے۔ فرشتہ جبرائیل یعنی عزت والے قاصد کا قول ہے جو قوت والا ہے، عرش کے قریب مرتبہ والا ہے اور اطاعت کیا گیا ہے۔ وہاں کا امانت دار ہے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام ایسے رسول ہیں جو انبیاء کے پاس وحی لاتے ہیں اور ان کے صاحب کریم ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اشرف العباد انبیاء کے پاس وحی لانے والا فرمایا اور قوت کا یہ حال ہے کہ لوط علیہ السلام کی قوم پر جب عذاب آیا تو زمین کے تختہ کو اکھاڑ کر آسمان سے لگایا اور پھر نیچے کو لے آئے اللہ کے نزدیک ان کا یہ مرتبہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے ساتھ فرمایا۔ منجملہ اکابرین سے اعتبار سے جبرائیل علیہ السلام اور اسرافیل علیہ السلام اور ملک الموت کا بھی وجود ثابت ہوا۔

ارشاد ہے اے حبیب پاک فرما دیجئے وفات دے گا تم کو ملک الموت جو تمہارے اوپر متعین ہے اسی طرح دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا۔ جہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کو موت آتی ہے تو ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے تم کو وفات دیتے ہیں، ملک الموت روح قبض کرنے والے فرشتوں کا آخری فرشتہ ہے۔ ارشاد ہے کہ اے حبیب پاک ﷺ جب کا فرمرتے ہیں آپ ﷺ ان کو دیکھتے ہیں فرشتے ان کے منہ اور پشتوں کو پیٹتے ہیں اسی طرح اسرافیل علیہ السلام کے صور پھونکنے کے بارے میں حدیث شریف میں بھی ہے اور قرآن پاک میں بھی ہے یاد رہے۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ جبرائیل کو رسول اللہ ﷺ نے اپنا رسول فرمایا کہ میں سارے عالم کا رسول ہوں۔ جبرائیل میرا رسول ہے اور اس کی رسالت صرف میری زندگی تک ہے اور سب مخلوق سے میرے بعد یہ اشرف ہے اور رسول بھی ہے رسالت صرف میری حیات تک ہے حدیث تواتر ہے صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں اسی طرح انبیاء کے بعد تمام بندوں سے جبرائیل افضل ہیں جو جبرائیل کی فضیلت قرآن سے ثابت ہے ان کے بعد بندوں میں حضرت ابوبکر صدیقؓ ساری مخلوق سے افضل ہیں امام باقر فرماتے ہیں کہ یہ مسلم امر ہے کہ ابوبکرؓ ساری خلقت سے افضل ہیں انبیاء کے بعد۔

چوتھی قسم:

جنت کے فرشتوں کی ہے جو ہر دروازے پر ہوں گے فرشتے ان کے پاس جائیں گے اور کہیں گے تمہارے اوپر رحمت ہو تم۔ نے صبر کیا تمہارے لئے آخرت کا انجام اچھا ہے۔

پانچویں قسم:

دوزخ کے فرشتوں کی ہے دوزخ کے ۱۹ فرشتے ہیں ان کے صدر کا نام مالک ہے جس کا ذکر پارہ نمبر ۲۵ میں ہے۔ باقی فرشتے زبانیہ ہیں۔

چھٹی قسم:

وہ فرشتے ہیں جو بنی آدم پر متعین ہیں دائیں بائیں ہیں۔

Marfat.com

ساتویں قسم:

وہ فرشتے ہیں جو لوگوں کے اعمال لکھتے ہیں انہیں کراماً کاتبین کہتے ہیں۔

آٹھویں قسم:

وہ فرشتے ہیں جو دنیا کے مدبر ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ محافظین کے علاوہ اور بھی فرشتے ہیں جو درختوں کے پتوں کو گرتا ہوا لکھتے ہیں جب کوئی جنگل میں جائے زخمی ہونے لگے تو پکارتے ہیں میری امداد کرو اللہ تعالیٰ تم پر رحم کر اسی طرح فرشتوں میں اور صفتیں بھی ہیں۔

فرشتے قاصد ہوتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے مقرب ہوتے ہیں عبادت میں بے حد مشغول رہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کی عبادت کے طریقے خود بیان فرمائے ہیں فرشتے اللہ تعالیٰ کے حکم کی عظمت کو تسلیم کرتے ہیں وہ قوت والے ہوتے ہیں۔ جو کام کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے کرتے ہیں اور ان کو وحی ہوتی ہے قوم لوط کا حال بیان ہو چکا ہے۔ اسی طرح فرشتے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی لذت میں مشغول رہتے ہیں جب ان کا دل گھبرا جائے تو کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے جو کچھ فرمایا وہ حق ہے جس طرح کوئی زنجیر پتھر پر مارے تو آواز پیدا ہو اسی طرح فرشتے جب ان کو وحی ہوتی ہے بعد میں ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا۔ دوسرے کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے حق فرمایا کہ وہ برتر ہے بلند عظمت والا ہے۔

صاحب خزینۃ القرآن حدیث درج کرتے ہیں، حضرت علی و ابن عباس کی روایت ہے کہ جبرائیل علیہ السلام اور نبی کریم ﷺ ایک طرف بیٹھے تھے۔ سرکار نے فرمایا کہ جبرائیل اللہ کا ذکر کر کے تم زمین پر چلے جاؤ اور ایک فرشتہ آیا اس نے کہا کہ اے حبیب اللہ تمہیں سلام فرماتا ہے اور فرماتا ہے کہ میں تمہیں اختیار دیتا ہوں آپ ﷺ نبی اور بادشاہ بن کر رہیں جبرائیل نے اشارہ کیا میں نے کہا کہ میں غلام ہی بن کر رہوں گا۔ میں نے سوچا کہ جبرئیل میری خیر خواہی کر رہا ہے۔ میں نے جبرائیل علیہ السلام سے کہا کہ اس کے بارے میں تم سے پوچھوں لیکن میں رک گیا وہ ڈر کر سکڑ گئے ہیں اب پوچھتا ہوں یہ کون تھا جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ یہ اسرافیل علیہ السلام فرشتہ ہے اس کی بڑی فوج ہے قیامت کو صور یہی پھونکے گا اور لوح محفوظ کے قریب رہتا ہے جب چاہتا ہے تو اس کی پیشانی پر صور آ جاتا ہے جو وہ مجھے حکم دیتا ہے میں اسی طرح کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کے اور میرے درمیان ستر (۷۰) پردے ہیں ایک بھی ہٹ جائے تو جل جاؤں میں نے پوچھا کہ میکائیل، اسرافیل اور عزرائیل کا کیا کام ہے کہا کہ اسرافیل صور پھونکے گے عزرائیل روح قبض کرتے ہیں، میکائیل بارش برساتے ہیں اور روزی کا انتظام کرتے ہیں میری ڈیوٹی ہواؤں اور لشکروں پر ہے۔

صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ میرے جد امجد حضرت علیؓ کے کلام سے بڑھ کر کسی کا کلام نہیں ہے وہ اپنے خطبوں میں فرماتے تھے کہ آسمان کے اوپر جو فرشتے ہیں کوئی رکوع میں لگا ہوا ہے تو وہ رکوع میں ہے کوئی سجدے میں ہے تو وہ سجدے میں ہے۔ قیام میں ہے تو قیام میں ہی ہے عبادت کا یہ عالم ہے کہ وہاں تل دھرنے کی جگہ نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کے حکم میں بجا آوری کر رہے ہیں کچھ فرشتے نیچے ہیں اور کچھ وہی ہیں جن پر وحی ہوتی ہے وہ وحی کو پیغمبروں تک پہنچاتے ہیں اور اسی طرح ان فرشتوں کی اپنے اپنے کاموں کی ڈیوٹیاں ہیں وہ ہر وقت خوف میں رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت کو دیکھتے ہیں اپنی نگاہوں کو اس کے سامنے نیچا رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے نہ ہی وہ اسے دیکھ سکتے ہیں یہ دونوں حدیثیں صاحب خزینۃ القرآن اور امام بیہقی نے بیان کی ہیں بحوالہ امام محمد باقر شعب الایمان میں اور امام فخر الدین رازی نے بھی تفسیر کبیر میں لکھی ہیں۔

مسئلہ پنجم:

ملائکہ کا لفظ تمام فرشتوں کے لئے ہے یا کہ خاص فرشتوں پر؟

ج، امام ضحاک نے ابن عباس سے یہ روایت فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان فرشتوں کے بارے میں فرمایا کہ جو فرشتے ابلیس کے ساتھ مل کر جنات سے لڑتے تھے انہیں قتل کر ڈالا کیونکہ زمین میں سب سے پہلے جنات پیدا کئے گئے ہیں لیکن اکثر صحابہ اور تابعین کا یہی قول ہے کہ ملائکہ کا لفظ عموم کے لئے ہے اس میں تخصیص نہیں

Marfat.com

ہے اصل کے خلاف ہوتی ہے یہی وجہ تھی کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں اپنا قائم مقام خلیفہ زمین میں پیدا کرنے والا ہو تو یہ وہی ملائکہ تھے جنہوں نے جنات کے فساد کا واقعہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا۔

مسئلہ چھٹا:

جَاعِلٌ جَعَلَ سے ہے اور دو مفعول کو چاہتا ہے یعنی فِی الْاَرْضِ خلیفہ کے او پر معنی ہی نکالا کہ میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں۔

مسئلہ ساتواں:

فِی الْاَرْضِ سے مراد تمام زمین ہے ظاہر یہی ہے لیکن عبدالرحمٰن ابن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ سب سے پہلے بیت اللہ کا طواف فرشتوں نے کیا ہے، اس سے مراد مکہ کی زمین ہے ایک اور حدیث ابوبکر و عمر و حضرت علیؓ کی روایت سے ہے، ہم نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ کیا فی الارض سے مراد مکہ کی زمین ہی ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ بیت اللہ کا طواف فرشتوں نے ہی سب سے پہلے کیا ہے اس زمین کو برکت والا سمجھو اور حالانکہ اس الارض سے تمام زمین مراد ہے مشرق سے مغرب تک زمین کا خطہ ہے۔

مسئلہ آٹھواں:

خلیفہ قائم مقام کو کہتے ہیں ارشاد ہے پھر ہم نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا یاد کرو کہ تم کو اس نے خلیفہ بنایا اب خلیفہ سے کیا مراد ہے، اس میں علماء کا اختلاف ہے بعض نے کہا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور بعض نے کہا ہے اولاد آدم حضرت ابن عباسؓ یہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جب جنوں کو دور کیا تو آدم علیہ السلام کو زمین پر کھڑا کیا اس پر بکثرت احادیث ہیں۔

حضرت ابوبکر حضرت عبداللہ ابن مسعود ابن عامر ابن العاص حضرت جابرؓ عرض کرتے ہیں ہم نے پوچھا یا رسول اللہ فی الارض، خلیفہ سے کیا مراد ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہمارا باپ آدم مراد ہے اللہ تعالیٰ نے جنوں کو دور کیا اور آدم علیہ السلام کی عظمت کو بیان فرمایا، یہ حدیث خزینۃ القرآن، طبری، ثعلبی و تفسیر امام باقر میں موجود ہے تواتر ہے، مسئلہ واضح ہو گیا کہ خلیفہ سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں جب کہ اس آیت کے اندر بھی اس کی وضاحت موجود ہے ایک اور حدیث خزینۃ القرآن میں درج کرتے ہیں۔ بحوالہ امام محمد باقر حضرت ابن عباس ابن مسعود و حسنؓ حضرت علی فرماتے ہیں رسول اکرم ﷺ سے ہم نے پوچھا خلیفہ سے کیا مراد ہے فرمایا کہ آدم بھی اور اولاد آدم علیہ السلام بھی کیونکہ خلیفوں کا لفظ مذکر بھی ہوتا ہے اور مؤنث بھی ہوتا ہے بعض قراء نے اس کو قاف کے ساتھ پڑھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہی ارشاد فرمایا کہ میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں۔ اللہ تعالیٰ تو مشورہ لینے سے پاک ہے، حضرت انس فرماتے ہیں کہ صحابہ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا یا رسول اللہ، اللہ تعالیٰ تو مشورہ لینے سے پاک ہے تو اس نے فرشتوں سے یہ کیوں مشورہ پوچھا آپ ﷺ نے فرمایا یہ مشورہ پوچھا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کو ظاہر فرمایا۔ تاکہ فرشتے سوال کریں پھر فرمایا کہ اس سے اللہ تعالیٰ نے تاکید فرمائی ہے کہ تم باہم ایک دوسرے سے مشورے کرتے رہا کرو یہ حدیث خزینۃ القرآن میں ہے تواتر ہے، خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مجموعۃ الاحادیث اور تفسیر ثعلبی میں بھی ہے۔

مسئلہ 1:

علماء جمہور اور معتزلہ کا فیصلہ ہے کہ فرشتے گناہ سے معصوم ہیں لیکن فرقہ حشویہ نے انکار کیا۔ اس پر فقیر کے چند دلائل۔

دلیل اوّل:

سورۂ تحریم کے اندر ارشاد ہے کہ جو ان کو حکم ہوتا ہے وہ اسی طرح کرتے ہیں اس میں وہ نافرمانی نہیں کرتے۔ یہ حکم عموم کے لئے نہیں ہے۔ ہمارا مطلب اسی امر سے ہے جو ملائکہ کی عظمت کو ثابت کر رہا ہے اور استدلال یہ ہے کہ وہ اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے جو ان حکم ہوتا ہے وہ وہی کرتے ہیں۔ وہ اس کی کسی بات میں پیش قدمی نہیں کرتے جو اس کا حکم ہوتا ہے اسی طرح اس کی بجا آوری کرتے ہیں اس طرح یہ تمام امور پر دلالت کرتا ہے۔ فرشتوں کی عظمت ثابت ہو گئی۔ حضرت علی

Marfat.com

لکھتے ہیں کہ صحابہؓ کا جم غفیر تھا حسن میں بیس ہزار صحابہ موجود تھے ہم سب نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ کیا ملائکہ سے بھی خطا ہوسکتی ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ سن لو کہ ملائکہ اور انبیاء معصوم ہوتے ہیں۔ جو ان کی عصمت پر ذرہ بھر بھی شک کرے اس نے اپنے لئے کفر کو خریدا۔ آپ ﷺ نے مذکورہ بالا آیت تلاوت کی جو فرشتوں کے حق میں ہے اور انبیاء کے بارے میں یہ آیت پڑھی الا عباد اللہ المخلصین یہ حدیث خزینۃ القرآن، طبری، نور القرآن اور امام باقر میں موجود ہے یہ حدیث تواتر ہے۔

-3 اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے بارے میں حکایت بیان فرمائی کہ انہوں نے بنی آدم پر طعن کیا تو اگر وہ خود گناہ گار ہوتے تو ان کا یہ طعن بے محل ہوتا۔ ظاہر ہے جو ایسے بندے ہوں ان سے گناہ کیسے سرزد ہوسکتا ہے۔

-4 اللہ تعالیٰ نے ان سے حکایت فرمائی ہے اور لوگ فرشتوں کے معصوم ہونے کے قائل نہیں ہیں ان کی چند وجوہ ہیں:

وجہ اوّل:

اَتَجعَلُ ان کا اعتراض ہے جو انہوں نے اللہ تعالیٰ پر کیا۔ اللہ تعالیٰ اعتراض سے پاک ہے۔

وجہ دوئم:

انہوں نے بنی آدم کے متعلق کہا کہ وہ زمین میں فساد کریں گے۔ قتل وغارت کریں گے تو یہ ایک قسم کی غیبت ہے اور غیبت گناہ کبیرہ ہے۔

وجہ سوئم:

انہوں نے بنی آدم پر طعن کر کے اپنے بارے میں یہ کہا کہ ہم تیری تسبیح اور پاکیزگی بیان کرتے ہیں تو یہ کلمہ اعتراض کے ساتھ ہے۔ ان کا یہ کہنا کہ ہمارے سوا اور کوئی تسبیح بیان نہیں کرتا نہ ہی کوئی پاکیزگی بیان کرتا ہے۔

وجہ چہارم:

یہ ان کی معذرت ہے اگر گناہ نہ ہوتا تو معذرت کیوں کرتے؟

وجہ پنجم:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ انہوں نے جو بات پہلے کی تھی وہ کذب ہے۔

وجہ ششم:

کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں زمین و آسمان کی پوشیدہ باتوں کو جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو۔ میں وہ سب جانتا ہوں۔

وجہ ہفتم:

کیا فرشتوں کو اس بارے میں علم تھا کہ بنی آدم زمین میں فساد اور قتل وغارت کریں گے۔ اس کا علم وحی سے ہوا یا اختیار سے۔ حدیث شریف میں ہے ابی بن کعب و حضرت علی سے مروی ہے کہ میں نے اللہ کے رسولؐ سے یہی بات پوچھی تو فرمایا بنی آدم کے فساد اور قتل وغارت کرنے کا فرشتوں کا اجتہاد تھا۔ حدیث سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ یہ فرشتوں کا اجتہاد تھا یہ حدیث خزینۃ القرآن میں ہے اور حدیث تواتر سے ہے۔

(۲) حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے شیطان کا لشکر بنا کر زمین پر بھیجا تو فرمایا کہ زمین میں اپنا خلیفہ پیدا کرنے والا ہوں تب فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا اَتَجعَلُ فِیھَا پھر اللہ تعالیٰ کا عتاب معلوم ہوا تو انہوں نے فوراً کہا: سبحنک لا علم لنا الا ما علمتنا ط اسی طرح حضرت امام حسن و حضرت ابی قتادہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جب حضرت آدم کو پیدا فرمانے لگا تو دو فرشتوں نے پوچھا اور کہا کہ ہمارا پروردگار جو چاہے سو پیدا کرے لیکن انہوں نے کہا کہ تمام مخلوق سے افضل ہم ہی رہیں گے اللہ تعالیٰ نے جب آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو ان ناموں کی تعلیم فرمائی جو فرشتوں کو معلوم نہ

Marfat.com

تھے پھر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا کہ اگر تم کو اپنے اس دعویٰ پر یقین ہے کہ تم اس مخلوق سے افضل ہو تو ان چیزوں کے نام بتاؤ۔ وہ گھبرا گئے اور کہا سُبْحٰنَکَ لَاعِلْمَ لَنَا یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ جب انہوں نے اَتَجْعَلُ کہا تو اللہ تعالیٰ نے اوپر سے آگ بھیجی اور آگ نے ان کو جلا دیا۔ یہ مذکورہ تینوں روایتیں تفسیر کبیر، خزینۃ القرآن و امام باقر میں ہیں صاحب خزینۃ القرآن اس حق میں ہیں کہ فرشتے معصوم ہیں اور آدم علیہ السلام بھی خلیفہ اور بنی آدم بھی خلیفہ ہیں قرآن مجید میں کافی مقامات پر یہ وارد ہے۔

شبہ دوم:

بعض لوگ دوسرا شبہ یہ بیان کرتے ہیں کہ ہاروت و ماروت بھی فرشتے تھے اگر فرشتے گناہ نہیں کرتے تو ہاروت ماروت سے یہ گناہ ہوا ہے۔ جب ان فرشتوں نے اہل زمین کو گناہ کرتے دیکھا تو ان پر تعجب کیا اور زمین والوں کے حق میں بددعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو وحی فرمائی کہ اگر میں تم کو بھی ان شہوات میں مبتلا کر دوں جن میں بنی آدم کو مبتلا کیا تو تم بھی اسی طرح گناہ کرو گے انہوں نے کہا ہم گناہ نہیں کریں گے۔ تو تجربہ فرمالے۔ اس پر اللہ نے زہرہ ستارہ کو آسمان سے زمین پر اتارا۔ زہرہ پر جو فرشتہ متعین تھا اس کو حکم دیا دونوں زمین پر اترو اور ان میں بنی آدم والی شہوت پیدا کر دی۔ جب ہاروت ماروت نے ان کو دیکھا تو ان کے اندر بھی وہی بنی آدم والی شہوت پیدا کر دی تو انہوں نے زہرہ سے اپنی خواہش کے بارے میں کہا۔ وہ فرشتہ جو زہرہ کے ساتھ تھا زہرہ کے گھر میں بت کی شکل بن کر کھڑا ہو گیا تو ہاروت و ماروت نے زہرہ کو بدکاری کی ترغیب دی تو زہرہ نے کہا کہ اس شرط پر کہ پہلے تم شراب پیو۔ انہوں نے کہا ہم نے شراب کبھی نہیں پی یہ گناہ ہے۔ پھر جب شہوت کا غلبہ ہوا تو انہوں نے شراب پی لی پھر زہرہ نے کہا دوسری شرط یہ ہے کہ اس بت کو سجدہ کرو۔ انہوں نے کہا ہم نے اللہ کے سوا کسی کو شریک نہیں بنایا۔ شہوت نے پھر زور مارا تو انہوں نے کہا ہم اس بت کو سجدہ کرتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگ لیں گے۔ اور بت کو سجدہ کر دیا اس وقت زہرہ اور وہ فرشتہ جو بت بنا تھا دونوں آسمان پر چلے گئے تب ہاروت ماروت نے سوچا کہ ہم نے بنی آدمی کو طعنہ دیا تھا تبھی ہمارا یہ حال ہوا ہے۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ زہرہ بدکار عورت تھی۔ ہاروت ماروت نے ایک قتل کیا اور بت کو سجدہ کیا شراب پی اور زہرہ سے بدکاری کی اور نشہ میں وہی اسم اعظم زہرہ کو سکھا دیا جس کے ساتھ وہ آسمان پر چڑھتے تھے۔ وہ عورت بھی وہ اسم پڑھ کر آسمان پر چڑھ جاتی تھی۔ اس عورت بدکار کو ستارہ بنا دیا گیا کیونکہ یہ دور حضرت سلیمان علیہ السلام کا تھا جب لوگ ایک دوسرے کو جادو سکھاتے تھے اللہ نے ہاروت و ماروت کو حکم دیا کہ تم نے بڑا گناہ کیا ہے اس کا عذاب چاہو تو دنیا میں لے لو۔ چاہے آخرت میں لو۔ دنیا میں عذاب تو چند روز ہو گا اور آخرت کا عذاب دائمی ہو گا۔ انہوں نے دنیا کے عذاب کو اختیار کیا۔ تب اللہ تعالیٰ نے انہیں بابل شہر میں اتارا اور کنویں میں لٹکا دیا۔ وہ لوگوں کو بلا بلا کر جادو سکھاتے۔ وہی ان سے جادو سیکھتے جو انہیں دیکھ پاتے۔ یہ دور سلیمانی تھا۔ یہ دونوں روایتیں تفسیر کبیر اور خزینۃ القرآن میں ہیں۔

شبہ سوم:

ابلیس اللہ تعالیٰ کا فرشتہ تھا اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی تو وہ ابلیس ہو گیا۔ پس ثابت ہوا کہ جن و ملائکہ سے بھی گناہ ہو سکتا ہے۔

شبہ چہارم:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے فرشتوں کو اصحاب نار بنایا ہے۔ ثابت ہوا کہ فرشتے بھی گناہ کرتے ہیں تبھی وہ جہنم میں جائیں گے۔ کیونکہ اصحاب نار وہی ہیں جن کو دوزخ میں عذاب ہو گا۔ جب کسی شخص کو دوسرے شخص کے حکیم ہونے کا یقین ہو جاتا ہے تو وہ جانتا ہے کہ وہ جو کام کرتا ہے حکمت کے ساتھ کرتا ہے۔ پھر اس سے کوئی ایسا کام دیکھتا ہے جو اس کے سمجھ میں نہیں آتا تو وہ اس پر تعجب کرتا ہے اسی طرح فرشتوں نے بھی تعجب کے طور پر عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ تو انہیں نعمتیں انعام فرمائے گا اور وہ تو نساد قتل و غارت کریں گے تو یہ بھی ان کا تعجب ہی تھا یہ حکمت ان کی سمجھ میں نہ آسکتی تھی۔ اَتَجْعَلُ فِیْهَا میں تعجب کرنا اللہ تعالیٰ کی حکمت اس پر تعجب کرنا جائز ہے۔

2- اگر یہ سوال کے طور پر ہے تو سوال کرنے کو بے ادبی نہیں کہتے گویا فرشتوں نے عرض کیا کہ ہمارے پروردگار تو بڑی حکمتوں و ہے تجھ سے کوئی کام خلاف حکمت نہیں ہوتا اور تیرا علم لامحدود ہے۔ باوجود اس کے جب تو ان کو پیدا کرے گا تو وہ فساد اور قتل و غارت کریں گے۔ البتہ اس پر شبہ ہو سکتا ہے۔ آپ اس کا راز ہم کو بھی بتلا دیجئے۔ پس ان کا یہ سوال اعتراض کے طور پر نہیں تھا اصل حکمت کو دریافت کرنا مقصود تھا فرشتوں سے یہ گناہ نہیں ہوا۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ ملائکہ

Marfat.com

تو ہمارے مذہب پر جیسے اور بقول ان کے دوطرح کے جواب سے ان کی تائید ہوتی ہے:

-1 انہوں نے فساد اور خون ریزی کی نسبت بندوں کی طرف کی اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں کی۔

-2 تسبیح جسم اور اجسام کے بارے میں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتے ہیں تقدیس یہ ہے کہ وہ اللہ کے افعال کی پاکیزگی بیان کرتے ہیں۔

-3 جو شر عالم سفلی کے اندر پائی جاتی ہے وہ خیرات کے لوازمات سے ہے جو اس عالم میں پائے جاتے ہیں۔ جو خوبیاں عالم سفلی کے اندر ہیں وہ ان پر بطور عذاب ہیں تھوڑی سی برائی کے لئے بڑی بھلائی کو چھوڑ دینا برا ہے۔ پس فرشتوں نے انہی برائیوں کا ذکر کیا جو عالم سفلی کے اندر خوبیاں ہیں وہ نسبتاً ان برائیوں کو جو اس کے اندر ہیں بہت زاید ہیں اور جو چیز اس قسم کی ہو۔ حکمت کا مقتضی یہی ہے کہ انہیں چھوڑ نا نہیں چاہئے بلکہ پیدا کرنا چاہئے۔ یہ جواب حکما نے دیا ہے۔

-4 فرشتوں کے سوال سے اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کی خوبیوں کو ظاہر کرنا مقصود تھا رسول اللہ ﷺ نے بھی یہی ارشاد فرمایا ہے حضرت انس بن مالک کہتے ہیں کہ کوئی مخلص غلام یہ گوارا نہیں کرتا کہ اس کے آقا کے پاس نافرمان غلام بھی رہے۔

-5 فرشتوں کا اَتَجۡعَلُ پر یہ کہنا کہ تو ہم کو بالکل زمین عطا فرمایا اس کا کچھ حصہ بشرطیکہ ہمارے لئے بہتر ہو۔ انہوں نے یہ درخواست اللہ سے کی کہ جو زمین تو نے ان کو عطا فرمائی ہے ہمیں عطا فرما۔ جس طرح موسیٰ علیہ السلام نے یہ عرض کیا کہ تو ہمارے یہودیوں کے فعل کے بدلے ہمیں ہلاک کرتا ہے مطلب یہ کہ ہم کو ہلاک مت کر۔

-6 چنانچہ فرشتوں کا مطلب یہ دریافت کرنا تھا کہ بنی آدم کو باوجود اس کے کہ وہ خون ریزی اور فساد کریں گے تو نے پیدا فرمایا۔ چنانچہ ارشاد ہوا کہ ''جس چیز کو میں جانتا ہوں، تم نہیں جانتے'' تم نے بنی آدم کے ظاہر کو دیکھا ہے باطن کو نہیں دیکھا باطن میں بڑی بڑی خوبیاں ہیں۔ تقاضا یہی ہے کہ میں ان کو پیدا کروں۔

وجہ دوم:

یہ کہ انہوں نے بنی آدم کی غیبت کی تھی۔ یہ غیبت نہیں بطور اشکال تھا۔ جب اشکال کا موقع ومحل موجود ہو تو دریافت کرنا ضروری ہوتا ہے۔ تو اشکال یہ تھا کہ وہ خون ریزی اور فساد کریں گے۔ تو اشکال کے دور کرنے کو غیبت نہیں کہا جا سکتا۔

وجہ سوم:

کہ فرشتوں نے اپنی تعریف بیان کی تھی کہ یہ ایک قسم کی خون ریزی کریں گے یہ انہوں نے اپنی خودستائی کی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اپنی تعریف کرنا ہر حال میں ممنوع نہیں ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اے حبیب پاک ﷺ اپنے رب کی نعمت کو بیان کر۔

وجہ چہارم:

یہ کہ فرشتوں کا یہ کہنا کہ لَا عِلۡمَ لَنَا بطور معذرت ہے کیا اس سے پہلے ان سے کوئی گناہ سرزد ہوا ہے؟ ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ فرشتوں کو یہ اعتراض کرنا اولاً مناسب تھا جب انہوں نے ترک اولیٰ کو ترک کر دیا تب انہوں نے یہ معذرت کی۔

وجہ پنجم:

یہ کہ فرشتوں کا یہ علم کہ بنی آدم قتل وغارت اور فساد کریں گے یہ ان کو وحی تھی یا ان کا ظن تھا۔ اس پر علماء کے دو قول ہیں۔ ابن عباس اور کلبی نے فرشتوں کو جنات پر محمول کیا ہے کہ جن اس سے پہلے آپس میں لڑتے جھگڑتے تھے۔ اس قیاس کے متعلق اوپر حدیث بیان ہو چکی ہے یہ حدیث تواتر ہے تو پھر قیاس کو کوئی وقعت حاصل نہیں ہوتی۔

وجہ ششم:

Marfat.com

امام رازی کے نزدیک یہ روایات ضعیف ہیں ان کا معارضہ نہیں ہوسکتا جب کہ فقیر اس سے اوپر وہ احادیث بیان کر چکا ہے یعنی:

1- قصہ ہاروت ماروت والا وہ بھی غلط ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں تم کو اسی چیز میں مبتلا کردوں جس میں بنی آدم کو مبتلا کیا ہے تو انہوں نے کہا ہم تیری نافرمانی نہیں کریں گے نعوذ باللہ اس سے اللہ تعالیٰ کی تکذیب لازم آئے گی۔ یہ صریح کفر ہے۔ فرقہ حشویہ یہ کہتے ہیں کہ زمین پر اترنے سے قبل وہ معصوم تھے جب وہ زمین پر اترے تو ان سے یہ گناہ سرزد ہوا۔

2- یہ بات بھی غلط ہے کہ ان کو دنیا کے عذاب کو اختیار کرنا یا آخرت کے عذاب کو اختیار کرنا اس پر ان کو اختیار دیا گیا ہے یہ بھی غلط ہے؟ حالانکہ ان کو لوگوں کے سکھانے کی ترغیب دی جاتی تھی۔

3- یہ بھی غلط ہے کہ وہ بابل شہر کے کنویں میں لٹکے ہوئے ہیں اور لوگوں کو جادو کی تعلیم دیتے ہیں حالانکہ وہ خود عذاب میں مبتلا ہیں۔ وہ عذاب میں گرفتار ہو کر جادو کی تعلیم کیسے دے سکتے ہیں۔

4- یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ بدکارہ عورت زہرہ تھی وہ آسمان پر چڑھ جایا کرتی تھی اس سے تو اس کی زینت بڑھتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے میں قسم کھاتا ہوں۔ پیچھے ہٹ جانے والوں کی۔ سیدھے چلنے والوں کی اور ایک طرف جانے والوں کی۔ پس اس واقعہ پر عقل سلیم اس کے کذب ہونے پر شہادت دیتی ہے۔

شبہ سوئم:

کہ ابلیس ملائکہ میں سے تھا۔ عنقریب فقیر بیان کرے گا کہ وہ ملائکہ میں سے نہیں ہے۔

شبہ چہارم:

کہ اصحاب نار سے فرشتوں کو عذاب ہوگا۔ یہ بالکل باطل ہے کفار کے عذاب کے متعلق دوسری آیات میں واقع ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ فرشتے دوزخ کے خازن، مالک اور وزیر ہوں گے۔ یہ حدیث خزینۃ القرآن اور تفسیر امام باقر میں درج ہے۔

مسئلہ دوم:

کیا فرشتے گناہ سے معصوم ہیں یا ان کو گناہ پر قدرت ہے یا نہیں۔ اکثر فلاسفر اور اہل جبر کا یہ قول ہے کہ وہ خوبیوں میں رہتے ہیں اور گناہ نہیں کر سکتے۔ معتزلہ اور اکثر فقہاء کا یہ خیال ہے کہ وہ معصیت پر بھی قدرت رکھتے ہیں جس طرح وہ بھلائی پر قدرت رکھتے ہیں۔ حدیث شریف حضرت علیؓ، ابوبکرؓ و ابوموسیٰ اشعری سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بنی آدم کو ایسا تقویٰ اختیار کرنا چاہئے جس طرح فرشتے تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور معصیت ان کے قریب نہیں آتی۔ یہ حدیث اس حق میں ہے کہ فرشتے گناہ سے معصوم ہیں یہ حدیث بھی تفسیر خزینۃ القرآن و امام باقر وغیرہ میں تواتر سے ہے۔ اسی قسم کی حدیث پہلے بھی بیان ہو چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا بھی ارشاد ہے کہ فرشتے اکڑ کر عبادت نہیں کرتے۔ یہی بات ہے کہ اکڑ غرور و معصیت کی موجد ہے اور قرآن کی اس دلیل سے بھی ثابت ہوا کہ فرشتے معصوم ہیں۔

رازی کہتے ہیں کہ ایک معتزلی سے میری بحث ہوئی۔ اگر کوئی بھلائیوں کو ترک کرے تو ترک میں وہ لازم نہیں آئے گی کیونکہ بھلائی کو تو ترک کرتا ہی کوئی نہیں۔ میں نے یہ کہا کہ ثواب اور بدلہ دینا اللہ پر واجب نہیں اور جب واجب ہونے کے معنی یہی ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ ثواب اور بدلہ نہ دے تو جہل یا حاجت لازم آئے گی جو اس کے لئے محال ہے وہ دونوں چیزیں ہی اللہ تعالیٰ کے لئے محال ہیں اور جب چیز سے محال لازم آئے وہ اس کے لئے محال ہوا کرتی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ سے بدلہ نہ دینا محال ہوگا۔

مسئلہ سوم:

وَنَحْنُ نُسَبِّحُ کے اندر واؤ حالیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کا یہی مقصد ہے کہ برائی اللہ تعالیٰ سے دور ہے۔ اور تقدس کے بھی یہی معنی ہیں کہ پانی میں تیرا اور زمین میں روانہ ہوا۔ حضرت علی نے فرمایا کہ یہی قول رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کیونکہ اس میں بھی دوری کے معنی پائے جاتے ہیں۔ ماننا چاہئے کہ برائی سے دور کرنے میں ہر قسم کی برائی سے دور کرنا داخل ہے۔ خواہ وہ برائی ذات کی ہو یا صفات کی۔ جس طرح صفات یا افعال کی ذات کا برائی سے دور کرنا ممکن ہے اس واسطے کہ عدم اسی

Marfat.com

طرح امکان عدم دونوں قسم کی برائیاں ہیں۔ جب امکان کی نفی ہوگی تو کثرت کی بھی نفی ہوگی اور جب کثرت کی نفی ہوگی تو جسمیت اور عرضیت کی بھی نفی ہوگی۔ اور ضد اور شرک کی بھی نفی ہوئی۔ وحدتِ مطلقہ اور وجوب کا ثبوت ہوگیا۔ صفات کا تنزیہ یہ ہے کہ جہل سے پاک ہو۔ علم لامحدود ہو۔ اور افعال کی پاکی یہ ہے کہ اس کے افعال اس کی ذات کے لئے تحصیل دفع ضرر کے مقصد سے نہیں ہیں اور کسی فعل سے اس کے فعل کے کمال میں کمی بیشی نہیں آتی۔ پس تمام موجودات اور معدومات سے اس کو استغنیٰ ہے۔ رسول اللہ ﷺ یہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جو موجودات اور معدومات کا مالک ہے وہ خود ان سے بے نیاز ہے۔ ان دونوں چیزوں کا وہ خالق ہے۔ موجودات اور معدومات پر اس کو قدرت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ جب چاہے موجودات کو معدومات کر دے اور معدومات کو موجودات کر دے۔ قرآن کریم میں جو تسبیح کا لفظ ہے اہل تزکیہ کے معنی لئے ہے یہ حدیث تواتر ہے۔

-1 اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نظر و شرک سے پاک ہوں۔

-2 آسمان اور زمین کا مدبر ہوں۔

-3 تمام جہانوں کا مدبر ہوں۔

-4 ظالموں کے قول سے مبرا اور پاک ہوں۔

-5 میں سب کا غنی اور سب کا بادشاہ ہوں۔ سب کچھ میرے حکم کے نیچے ہے۔

-6 میں ہر چیز کو جانتا ہوں۔ اور منکرین کی باتوں سے بالکل پاک ہوں۔

-7 میں بیوی اور اولاد سے پاک ہوں۔

-8 مشرکین میری نسبت جو قول بیان کرتے ہیں اس سے میں برتر اور پاک ہوں۔

-9 میری شان یہ ہے کہ میں نے بڑی بڑی طاقتور چیزوں کو کمزور انسان کے تابع کر دیا ہے۔

-10 میں وہ ہوں کہ تمام عالم کے پیدا کرنے سے مجھ پر تکان وارد نہیں ہوئی۔ سب کو حکم کُنْ سے پیدا کر دیا ہے۔

-11 میں وہ ہوں کہ کسی کے بتلائے بغیر مجھے ہر چیز کا علم ہوتا ہے۔ جو ہونا ہو۔

-12 میں وہ ہوں کہ ستر (۷۰) برس کے گناہ گاروں کو ایک ساعت کی توجہ سے بخش دیتا ہوں اے بندو دائمی طور پر میری تسبیح بیان کرتے رہو۔ اگر تم میری تسبیح نہ بیان کرو گے تو اس کا نقصان بھی تمہی کو ہوگا میری تسبیح بیان کرنے والے بہت ہیں۔

مسئلہ چہارم:

صاحب کشاف کا بیان ہے کہ بِحَمْدِکَ ترکیب میں حال واقع ہوا ہے یعنی ہم تیری تسبیح بیان کرتے ہیں۔ تیری تسبیح بیان کر رہے ہیں۔

-1 جب تیری تسبیح بیان کرتے ہیں تو تیری حمد کرتے جاتے ہیں۔

-2 اگر تو ہمیں حمد کرنے کی توفیق نہ عطا فرماتا تو ہم ہرگز تیری حمد نہیں کر سکتے تھے۔

حضرت داؤد علیہ السلام عرض کرتے ہیں کہ میں کس طرح شکر ادا کروں کہ شکر کرنا بھی تو ایک نعمت ہے اور علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ تسبیح سے کیا مراد ہے۔ حضرت ابوذر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ میرے غریب خانہ پر تشریف لائے۔ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ! میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہو جائیں اللہ تعالیٰ کو کون سا کلام مرغوب و محبوب ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ سبحان اللہ وبحمدہ مسلم اور بخاری میں بھی یہی حدیث ہے اور خزینۃ القرآن میں بھی۔ حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے۔ اسی اثناء میں ایک مسلمان گزرا اور ایک منافق بیٹھا تھا۔ مسلمان نے منافق سے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے رسول اللہ ﷺ نماز پڑھ رہے ہیں اور تو بیٹھا ہوا ہے نماز نہیں پڑھ رہا۔ اس منافق نے کہا جایئے۔ اپنا کام کیجئے۔ اس مسلمان نے کہا۔ ابھی ایک شخص تیرے پاس آئے گا وہ تمہیں ٹوکے گا۔ پھر یکایک حضرت عمر تشریف لے آئے۔ انہوں نے کہا۔ رسول اللہ ﷺ نماز پڑھ رہے ہیں تو نماز میں شریک نہیں ہوتا تو اس منافق نے پھر وہی جواب دیا۔ جو پہلے مسلمان کو دے چکا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اسے زدوکوب کیا اور پھر خود نماز میں شریک ہوگئے۔ جب حضور ﷺ نماز سے فارغ ہوگئے تو حضرت عمرؓ

Marfat.com

آپ ﷺ کے سامنے کھڑے ہوگئے اور تمام واقعہ بیان کیا۔آپ ﷺ نے فرمایا تو نے اسے قتل کیوں نہیں کر دیا؟ حضرت عمرؓ قتل کرنے کے لئے فوراً اٹھے لیکن رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا اور کہا تیرا غصہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہے۔اللہ تعالیٰ کے فرشتے آسمان میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو اس شخص کی عبادت کی ضرورت نہیں ہے۔حضرت عمرؓ نے عرض کیا نماز میں ان کا کلام کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے ابھی جواب نہیں دیا تھا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت عمر نے آسمان والوں کے بارے میں آپ ﷺ سے دریافت کیا ہے فرمایا ہاں! حضرت جبریل علیہ السلام نے حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا۔حضرت عمر کو میرا سلام فرما دیجئے اور فرمایئے کہ پہلے آسمان والے تو قیامت تک کے لئے دنیاوی زندگی میں سجدے میں ہیں اور وہ پڑھتے رہتے ہیں سُبْحَانَ ذِی الْمُلْکِ وَالْمَلَکُوْت اور دوسرے آسمان والے قیامت تک کے لئے کھڑے ہیں اور سُبْحَانَ ذِی الْعِزَّةِ سے جبروت تک پڑھتے ہیں۔ تیسرے آسمان والے قیامت تک کے لئے رکوع میں ہیں اور وہ سُبْحَانَ الْحَیِّ الَّذِی سے لَایَمُوْت تک ملائکہ کی تسبیح ہے۔

قول 2:

کہ تسبیح کے معنی یہ ہیں کہ ہم نماز پڑھتے ہیں اور تسبیح کے معنی نماز کے ہیں۔ابن عباس، ابن مسعود اور حضرت علی المرتضیٰ نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے یہ تینوں حدیثیں تفسیر کبیر، خزینۃ القرآن، طبری، ثعلبی اور تفسیر امام باقر میں مرقوم ہیں۔

مسئلہ پنجم:

تقدیس کے معنی پاک کرنے کے ہیں اسی لئے ارض مقدس کہا جاتا ہے۔علماً کا اس امر میں اختلاف ہے۔لیکن حدیث شریف میں ہے۔حضرت علی، عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن سلام فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ تقدیس الٰہی سے کیا مراد ہوسکتی ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے اوصاف حمیدہ کو بیان کرنا جو اس کی شان کے لائق ہیں اور یہ حدیث امام باقر اور خزینۃ القرآن میں ہے۔قول یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اپنی ذات کو گناہوں سے پاک رکھنا یا اپنے افعالوں کو گناہوں سے بچانا یا اپنے قلب کو دوسرے کی طرف متوجہ کرنا یہ اقوال ہیں لیکن اصل بات وہی ہے۔جو حدیث سے ثابت ہوسکتی ہے۔معتزلہ کہتے ہیں کہ نَحْنُ نُسَبِّحُ سے مراد چند وجوہ ہیں:

وجہ 1:

فرشتے اس تسبیح نَحْنُ نُسَبِّحُ سے یہ کہتے ہیں کہ ان کی نسبت اپنے افعال کی طرف ہے اگر یہ اللہ تعالیٰ کے افعال ہوتے تو اللہ تعالیٰ کی اس میں کیا تعریف ہے حالانکہ خوں ریزی پر تسبیح اور تقدیس کو کیا ترجیح ہوتی اور کیا فضیلت ہوتی۔

-2 اگر قتل اور فساد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا تو ان کے قول کا جواب کافی ہوتا کہ میں مالک ہوں جو چاہوں کرتا ہوں۔

-3 جب یہ تمام فحش اور بری باتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوں تو پھر تسبیح اور تقدیس کیسے ہوسکتی ہے۔

-4 اَعْلَمُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کفر انسان کے دل میں پیدا نہیں فرماتا۔بلکہ کفر اور شرک کا خود بندہ ہے۔فطرت پر اللہ تعالیٰ نے انسان کو قدرت دی ہے اور یہی بات حدیث سے ثابت ہے۔

-5 اگر افعال میں فساد اور قتل اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا جس طرح اپنی سیاہی سفیدی طول وعرض میں ان کو کچھ دخل نہیں اسی طرح افعال میں بھی کچھ دخل نہ ہوتا اور ان تمام کا وجود دائمی علم سے ہوسکتا ہے۔

مسئلہ ششم:

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اِنِّیٓ اَعْلَمُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ میں فرشتوں کے سوال کا جواب کیسے ہوسکتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان کے سوال کے کئی احتمال ہوسکتے ہیں۔احتمال کے موافق یہ جواب ہوسکتا ہے اور وہ احتمالات یہ ہوسکتے ہیں:

-1 ان کا سوال تعجب کے طور پر تھا۔اس طرح اس کا جواب اَعْلَمُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ سے ہوسکتا ہے اور حدیث میں ہے نبی کریم ﷺ نے حضرت سعدؓ بن ابی

Marfat.com

وقاص سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا کہ تم بنی آدم کے قتل و غارت پر نظر رکھتے ہو۔ اور تمہاری نظر صرف ان کے قتل و غارت پر ہے۔ لیکن بنی آدم میں بہت سی خوبیاں بھی ہیں۔ ان میں متقین، صالحین اور اولیاء اللہ ہیں جو تمہارے علم میں نہیں ہیں۔ یہ حدیث طبری، خزینۃ القرآن اور تفسیر امام باقر میں ہے۔

-2 یہ حدیث حضرت ابوذر غفاری سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ فرشتوں کا سوال علم کے طور پر تھا۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ بنی آدم میں مفسد لوگ ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تعجب نہ کرو۔ ان میں بڑی بڑی خوبیاں ہوں گی۔ صالحین اور اولیاء اللہ ہوں۔ جو اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھائیں گے اور ان کو پورا کریں گے ان کا علم تمہیں نہیں ہے اور میں جانتا ہوں۔ یہ حدیث طبری، خزینۃ القرآن، امام باقر اور مقاتل میں ہے۔

-3 صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ میرے جد امجد حضرت علی لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی حکمت جاننا چاہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کی حکمت تمہارے علم میں نہیں آسکتی۔ اس پر تعجب نہ کرو۔

-4 صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ میرے جد امجد امام جعفر صادق نے فرمایا کہ فرشتے چاہتے تھے کہ ہمیں زمین پر رکھا جائے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا نہیں تم آسمان پر ہی رہو۔ اس میں یہ ہے کہ تم بنی آدم کے بارے میں یہ کہتے ہو کہ وہ فساد کریں گے۔ خون ریزی کریں گے اور ہم تیری تسبیح بیان کرتے ہیں اس میں یہ ہے کہ تم نے ان کا بیان کیا ہے گویا میری تسبیح بیان نہیں کی۔ دیکھو بنی آدم جب پیدا ہوں گے تو وہ کہیں گے کہ ہم ہی نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تو ہمیں معاف فرما دے کوئی کہے گا والذی اطمع ان یغفرلی خطیئتی کوئی وادخلنی برحمتک فی عبادک الصالحین تو مجھے اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں میں داخل فرما۔

قال اللہ تعالیٰ: وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِيْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (۳۱)

ترجمہ: ''اور اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو سب کے نام سکھا دیئے پھر انہیں فرشتوں پر پیش کیا۔ پھر فرمایا ان کے ناموں کی تم مجھے خبر دو۔ اگر تم سچے ہو۔''

معلوم ہوا کہ جب فرشتوں نے اللہ کی بارگاہ میں درخواست کی کہ تم آدمؑ اور بنی آدم کو زمین پر کیوں پیدا فرماتے ہو؟ کہ وہ وہاں فساد کریں گے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے فرشتو! جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے اور وہ یہ ہے کہ ہم نے آدمؑ کو تم پر فضیلت دی ہے اور ان کا کمال علمی تمہارے سامنے ظاہر ہو جائے گا اور تم اس کے کمالات علمی کو تسلیم کر لو گے تاکہ اس اجمالی جواب کی تائید تفصیلی جواب سے ہو جائے۔

مسئلہ اوّل:

اشعری، جبائی اور کعبی یہ کہتے ہیں کہ دنیا میں جس قدر لغات ہیں وہ توقیفی ہیں۔ عقل کو ان میں کوئی دخل نہیں اللہ تعالیٰ نے الفاظ اور معنی کا تمام علم ہمیں عطا فرمایا ہے نیز الفاظ معنی کے لئے ہوتے ہیں اور معنی سے قبل الفاظ کا ہونا ضروری ہے۔ اس کی دلیل اس آیت سے بیان کی جاتی ہے۔ وعلم آدم الاسماء کلھا ابو ہاشم کہتا ہے کہ پیشتر سے واضع اور وضع کا علم ہونا ضروری ہوتا ہے۔

-1 اللہ تعالیٰ کو اس بات کا علم تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس لفظ کو کون سے معنی کے لئے وضع کیا ہے کہ اس علم کے اندر دو احتمال ہیں۔ یا تو عاقل کو حاصل ہو گا یا غیر عاقل کو۔ یہ ہو نہیں سکتا۔ اس واسطے کہ اگر اس بات کا علم بدیہی ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اس لفظ کو اس معنی کے ساتھ فرمایا ہے تو اللہ تعالیٰ کی یہ صفت بالعذی ثابت ہو گی کہ یہ بات عجیب ہے کہ دور سے ان کا علم عاقل کو ہو جاتا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ لغات کا توقیفی ہونا باطل ہے۔

-2 اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے یہ ارشاد فرمایا تو ثابت ہوتا ہے کہ اس سے پہلے بھی لغت کا وجود تھا وگرنہ اس سے پہلے یہ خطاب کرنا کیسے ہوتا؟

-3 علم ادم الاسماء کلھا کی تعلیم دینے سے پہلے اسماء موجود تھے۔ تو ثابت ہوا کہ لغت پہلے سے موجود تھی۔ اس پر حدیث بھی ہے۔ حضرت علی فرماتے ہیں کہ صحابہ کا جم غفیر تھا رسول اللہ ﷺ نے قرآن مجید کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ قرآن کے الفاظ معنی اور لغات یہ سب ازلی ہیں کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ذاتی ہے۔ یہ حدیث خزینۃ القرآن اسماء الرجال مؤلفہ امام موسیٰ المبرقع تفسیر طبری و مسند عبدالرزاق کی جلد اول صفحہ ۲۶۱ کے حاشیہ پر اور تفسیر امام باقر

Marfat.com

میں ہے اور حدیث تواتر ہے ثابت ہوا کہ قرآن کریم کے الفاظ معنی سب ازلی ہیں۔ امام رازی کا موقف بھی فقیر کے ساتھ ہے اور تمام آئمہ کا بھی اس اتفاق ہے۔

4- حضرت آدمؑ کا جب فرشتوں سے مقابلہ ہوا تو وہ اسماء جو فرشتوں کے علم میں نہ تھے جب آدمؑ نے بیان کئے تو حضرت آدمؑ کی صداقت ظاہر ہوئی۔ اگر اسماء نہ ہوتے تو صداقت کیسے ظاہر ہوتی۔ اس دلیل سے بھی ثابت ہوا کہ مسمی سے اسماء اور مسمی کے اسماء کی تعلیم میں سے اسماء موجود تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان اسماء کو واضح فرمایا ہے ان کی نسبت اللہ تعالیٰ سے ہے یا بنی آدم سے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اللہ تعالیٰ کا علم بالاستدلال ہے۔ اس کی صفت کا علم بالبداہت ہو۔ یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے عاقل کے اندر نہ فرمایا ہو اور غیر عاقل کے اندر فرمادیا ہو تو یہ کہنا مناسب ہوگا۔

مسئلہ دوم:

علماء کا ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ علم ادم الاسمآء کلھا سے اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء کا علم حضرت آدم کو عطا فرمادیا۔ وسم سے ہے یا غیر وسم سے۔ اگر وسم سے ہو تو مدلول سے پہلے ہوتا اور درحقیقت دلیل کو ایک قسم کی قوت ہوتی ہے۔ لغت علم کا معلوم کرنے میں عقل کو دخل نہیں لیکن نعمت کا علم تعلیم سے ہوتا ہے۔ اگر تعلیم پائی جائے تو علم حاصل ہوگا ورنہ نہیں۔ ان کے معلوم کرنے میں عقل کو دخل ہوگا۔ تب مقابلہ درست ہوگا۔

قول 2:

مشہور یہی ہے کہ اسماء سے تمام مخلوق کے نام مراد ہیں یعنی محدثات کی ہر جنس کی لغات جن کے ساتھ بنی آدم کلام کرتے ہیں۔ جب آدم علیہ السلام کا انتقال ہوا تو ان کی اولا اطراف عالم میں پھیل گئی تو اپنی اپنی لغتیں اختیار کرلیں۔ خاص لغتیں بھی تھیں جیسے عربی، فارسی، ہندی، رومی اور شامی وغیرہ۔ حدیث شریف میں ہے۔ حضرت علی، عبداللہ بن عباس و امام باقر فرماتے ہیں کہ صحابہ کا مجمع تھا رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کہ کُلَّھَا سے کیا مراد ہے؟ پھر آپ ﷺ نے فرمایا۔ حضرت آدمؑ کو اللہ نے کل اشیاء کا علم عطا فرمایا اور یہ لغتیں پہلے سے تھیں اور آدمؑ کے انتقال کے بعد ان کی اولاد نے اپنی اپنی لغتیں بنالیں۔ جس ملک کو سری لنکا کہتے ہیں اس کے اندر لنک کے نام پر جگہ تھی اور حضرت آدمؑ یہیں زمین پر اترے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ پہلے حضرت آدم کی زبان اپنی اولاد کے ساتھ ہندی تھی۔ بعد میں آپ نے عربی زبان کو اختیار کیا۔ یہ حدیث تواتر ہے اور صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں اور کثرت حدیث میں ہے کہ حضرت آدمؑ کے بعد سولہ سو یا اٹھارہ سو برس کے بعد حضرت نوحؑ کا زمانہ آیا۔ پھر ان کے پانچ بیٹوں سام، ہام، کام، یافث اور کنعان کا دور ہے کنعان تو مردود ہوا اور باقی چاروں کی اولاد سارے عالم میں ہے۔ نوحؑ کو آدم ثانی کہتے ہیں فرماتے ہیں کہ سام کی اولاد تمام عرب میں پھیلی۔ ہام کی اولاد ہند میں پھیلی۔ ہام کے تین بیٹے تھے ہند، سندھ، یوند، کام کی اولاد میں چین اور روس امریکہ اور تمام یورپی ممالک شامل ہیں اور یافث کی اولاد باقی تمام ممالک میں آباد ہے۔ پھر فرماتے ہیں حدیث سے بھی یہی ثابت ہے۔

مسئلہ 3:

بعض لوگ انبئونی باسمآء سے یہ کہتے ہیں کہ تکلیم علی مایربیک اور مالا یطاق جائز ہے۔ مگر ان کا یہ استدلال ضعیف ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم فرمایا ہے فعل کی طلب مقصود نہیں ہے۔ اللہ کو یہ علم تھا کہ یہ سب اس سے عاجز ہیں۔ یہ حکم بطور تکلیف کے نہیں ہے بلکہ بطور سرزنش کے ہے۔ اور ان کنتم صادقین سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔

نوٹ:

اس سے پہلے لکھ چکا ہوں کہ حضرت آدمؑ کو تمام اشیاء کا علم دیا گیا۔ فقیر کے ساتھ امام رازی بھی متفق ہیں اور حدیث سے بھی یہ واضح ہو گیا ہے۔ آیت مذکورہ کا نزول بھی گزشتہ آیت کے ساتھ ہے اور حضرت علی ابن عباس اور امام باقر فرماتے ہیں کہ یہود و مشرکین نے حضرت آدم اور فرشتوں کے بارے میں نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا۔ تب یہ دونوں آیات نازل ہوئیں۔

Marfat.com

مسئلہ چوتھا:

معتزلہ کہتے ہیں کہ حضرت آدم کو علم ہونا یہ بطور معجزہ تھا۔ کیونکہ حضرت آدم نبی تھے اوران کو حضرت حوا کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا یا فرشتوں کی طرف۔ کیونکہ فرشتے تھے رسول تھے تو رسولوں کے پاس بھی رسل آتے ہیں۔ حضرت آدم کا علم خرق عادت تھا۔ معجزہ اسی کو کہتے ہیں۔ جب معجزہ کا پایا جانا ثابت ہوگیا تو نبی کا ہونا بھی ثابت ہوا۔ اگر اس پر کوئی یہ کہے کہ ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ یہ خرق عادت ہے۔ اللہ تعالیٰ جس کو بتلا دے علم لغت حاصل ہوجاتا ہے۔ اور جس کو نہ بتلائے اس کے لئے خرق عادت نہیں ہے بلکہ عادت ہے علاوہ بریں ہم پوچھتے ہیں کہ فرشتوں کو اس کا علم تھا یا نہیں تھا۔ اگر علم تھا تو اس بات پر بھی قدرت تھی کہ وہ ان اسماء کو بیان کردیتے اور اگر علم ہوتا تو حضرت آدم کی کچھ فضیلت نہ تھی۔ اور جب مقابلہ ہوا تو انہوں نے یہ بات کیونکر تسلیم کی کہ ان اسماء کا علم ہمیں نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ فرشتے کی لغت الگ الگ ہو اور ایک فرشتے کو دوسرے فرشتے کی لغت کا علم نہ ہو۔ حضرت آدم نے جب تمام لغتیں بیان کیں تو سب فرشتے موجود تھے۔ اوران کو اپنی اپنی لغتوں کی تصدیق ہوگئی۔ حدیث میں بھی یہی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ فرشتوں کی الگ الگ لغتیں تھیں۔ حضرت آدم نے ہر فرشتے کو اس کی لغت بیان کردی۔ فرشتے اس سے عاجز ہوگئے۔ یہ حدیث خزینۃ القرآن، الاوفوی، امام باقر اور ثعلبی میں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے پہلے حضرت آدم کو بطور دلیل بیان فرمادیا اور فرشتے سن کر عاجز آگئے۔

جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ حضرت آدم اس فعل سے پہلے نبی نہیں تھے کیونکہ ان سے بڑی لغزش ہوئی۔ امام فخر الدین رازی کا بھی یہی عقیدہ تھا۔ اگر وہ آج زندہ ہوتے تو فقیر ان سے اس بات پر جرح کرکے ان کو منوالیتا کہ نبی سے پیدائش سے وفات تک کوئی گناہ صغیرہ و کبیرہ سرزد نہیں ہوتا۔ لیکن رازی کا یہ قول ہے کہ یہ فعل حقیر اور لعین اور مردود ہے۔ لیکن امام رازی سے یہ بڑی غلطی ہوئی ہے۔ حدیث میں ہے کہ حضرت علی فرماتے ہیں کہ صحابہ کا جم غفیر تھا۔ ہم سب نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ نبی کو نبوت کب عطا ہوتی ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تین اجلاس فرمائے ہیں۔ ایک انبیاء سے ایک بنی آدم سے اور ایک موسیٰ و ابراہیم کے درمیان۔ فرمایا کہ دو اجلاس جو پہلے ہیں یہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کی ارواح مقدسہ اور بنی آدم کی ارواح سے فرمائے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے میثاق کے دن سے جن کو نبی بنانا تھا ان کو نبی منتخب کرلیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کھڑے ہوئے۔ انہوں نے حضرت آدم کے بارے میں دریافت کیا کہ ہم نے یہودیوں سے یہ سنا ہے کہ حضرت آدم نے نبوت سے پہلے گناہ کیا پھر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے معافی طلب کی اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو پھر برگزیدہ کیا یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا۔ یہودیوں کی یہ بات لغو ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم سب کو میثاق کے دن سے انبیاء منتخب فرمایا۔ پھر فرمایا جو یہ خیال کرے کہ انبیاء گناہ کرسکتے ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کا منکر ہے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں اور ابوبکر حضور ﷺ کے قریب پہنچے اور آپ ﷺ کے دست مبارک پر بوسہ دیا۔ اور عرض کیا کہ حضرت آدم کس کے لئے نبی تھے۔ سوائے حوا کے ان کے پاس تو کوئی بشر نہ تھا۔ یا فرشتے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نبی روز میثاق سے نبی ہے۔ جب ان پر احکام وارد ہوتے ہیں وہ ان احکام کو بیان کرتے ہیں چہ جائیکہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان کے سامنے ایک ہی بشر ہو۔ اور حضرت آدم کے سامنے حضرت حوا بھی تھی اور فرشتے بھی۔ لیکن فرشتوں پر بھی حضرت آدم کو فضیلت ہے۔ اور فرشتوں پر آپ کی یہ فضیلت ثابت ہوچکی ہے۔ یہ حدیث خزینۃ القرآن اور تفسیر امام باقر وغیرہ میں مرقوم ہے۔

سوال: معتزلہ کہتے ہیں کہ فرشتے بشر سے افضل ہیں اور افضل کو ادنیٰ کیسے تبلیغ کرسکتا ہے؟ تو یہ ان کی اپنی بات تھی جو لغو ہے۔ اللہ فرماتا ہے۔ لقد کرمنا بنی آدم اس آیت سے ثابت ہوگیا کہ آدم اور بنی آدم کی فضیلت سب پر ہے جس میں فرشتے بھی شامل ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد بھی اس آیت کے مطابق ہے۔ ''یعنی ہم نے آدم کو برگزیدہ کیا۔ امام رازی اس آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس گناہ کے بعد آدم کو فضیلت دی۔ امام رازی کا یہ خیال بھی غلط ہے حدیث میں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے جب آدم کو زمین پر اتارا تو حضرت آدم کی فضیلت کو بڑھا دیا کہ حضرت آدم برگزیدہ نبی تھے۔ یہ حدیث خزینۃ القرآن میں تواتر سے ہے۔ حضرت عمر، حضرت علی و ابن عباس اس کے راوی ہیں۔ حدیث سے ثابت ہوا اور آپ ﷺ نے خود فرمادیا کہ حضرت آدم کی فضیلت کو بڑھا دیا کہ وہ برگزیدہ نبی تھے۔ چونکہ نبی کا لفظ حضور ﷺ نے پہلے فرمایا ہے لہٰذا امام رازی کا یہ قول اس آیت سے باطل ہوگیا۔ باقی امام رازی جو یہ کہتے ہیں کہ نبی متبوع ہوتا ہے اور امت تابع ہوتی ہے۔ جب نبی کی امت ہی نہیں تو نبی کس لئے؟ تو اس کا جواب بھی حدیث سے دیا گیا ہے۔ کہ ایک بشر کے لئے بھی نبوت ہوا کرتی ہے۔ دیکھئے جب حضرت حوا تھیں تو وہ بھی نسل بشری سے ہیں تو نبوت کے لئے آدمی ثابت ہوگیا۔

Marfat.com

مسئلہ پانچواں:

ان کنتم صٰدقین کے اندر دو احتمال ہیں پہلا یہ کہ فرشتوں سے اللہ نے فرمایا کہ تم بنی آدم کے بارے میں کہتے ہو کہ وہ فساد کریں گے۔ اگر تمہیں علم ہے تو بتاؤ کہ وہ اسماء جو آدم نے تم سے بیان کیئے تم کو ان کے بارے میں خبر تھی؟ تو انہوں نے اپنی عاجزی ظاہر کر دی۔

2- مخلوق بنی آدم کے متعلق بتلاؤ کہ ان کے اندر کون کون سی عادات ہیں اور ان کے کیا نام ہیں۔ ابن عباس اور ابن مسعود کا یہی قول ہے۔

مسئلہ چھٹا:

اس میں علم کی بہت بڑی فضیلت حاصل ہوتی ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال علمی کا اظہار فرمایا ہے اور آدم علیہ السلام کو علم عطا فرمایا ہے۔ علم سے بڑھ کر کسی چیز کی فضیلت نہیں۔ اس کا استدلال قرآن وسنت سے کئی وجوہ سے ہے۔

1- اللہ تعالیٰ نے علم کو حکمت کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ اللہ کے نزدیک علم کی بڑی فضیلت ہے۔ صاحب تفسیر خزینۃ القرآن اور امام باقر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وما انزل علیکم من الکتاب والحکمۃ قرآن میں حکمت نصیحت کے ساتھ ہے۔ اسی طرح سورۃ النساء میں ہے وانزل اللہ علیک الکتاب والحکمۃ حکمت کے معنی فہم اور علم کے ہیں قرآن کریم میں ارشاد ہے: لعلمھم الکتاب والحکمۃ حکمت سے مراد نبوت ہے۔ خود نبی کریم نے یہی ارشاد فرمایا ہے۔ سورۃ نساء میں یہ آیت تلاوت فرمائی۔ فقد آتینا الی الاخرۃ سورۃ نحل میں حکمت بمعنی قرآن بھی ہے۔ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ کی طرف بلانا۔ سورۃ البقرہ میں ہے جس کو حکمت عطا ہوئی اس کو خیر کثیر عطا ہوئی۔ ان تفاسیر کا ماحصل علم ہے اور اللہ تعالیٰ نے باقی سب کو تھوڑا تھوڑا علم عطا کیا مگر انبیاء کو بکثرت علم عطا کیا۔ اللہ تعالیٰ کا علم لامحدود ہے۔ اور مخلوق کو قلیل عطا فرمایا۔ ارشاد ہے: اے حبیب پاک ﷺ فرمادو کہ دنیا کا متاع قلیل ہے۔ اے حبیب پاک ﷺ فرمادو (جاہل اور عالم برابر نہیں ہیں)۔ اے حبیب پاک فرمادیجئے کہ گندی اور ستھری چیز برابر نہیں ہے۔ اس سے مراد حلال اور حرام ہے۔ اے حبیب پاک ﷺ کیا بینا اور نابینا برابر ہیں؟ اور کیا تاریکی اور روشنی برابر ہیں؟ اور ارشاد ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور ان لوگوں کی بھی اطاعت کرو جو تم میں سے اولوالامر ہیں۔ اور ارشاد ربانی ہے: یعنی اللہ گواہی دیتا ہے کہ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ فرشتے اور علماء بھی گواہی دیتے ہیں۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے علماء کا نام لیا۔ ارشاد ہے۔ تم میں سے جو ایمان لائے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے درجے بلند فرمائے گا اور ان کے بھی جن کو علم دیا گیا ہے۔ اہل بدر کے بارے میں ہے کہ بے شک مومن وہ ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں۔ مجاہدین کے بارے میں ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے گھر بیٹھنے والوں سے جہاد کرنے والوں کی فضیلت کو بلند فرمایا ہے۔ مومنین اور صالحین کے بارے میں ارشاد ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند کرتا ہے جن کو علم دیا گیا ہے۔ جاننا چاہئے کہ اہل بدر کے درجات دوسرے مومنوں سے بہت بلند ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے وہی لوگ ڈرتے ہیں جو عالم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے علماء کے پانچ مناقب قرآن مجید میں بیان فرمائے ہیں:

1- ایمان وَالرَّاسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ

2- توحید کی گواہی دینا

3- اللہ تعالیٰ کے لئے اقرار کرنا

4- خشوع

5- خشیت اور خوف الٰہی

اب ان احادیث کو فقیر بیان کرتا ہے جو علماء اور علم کے بارے میں ہیں:

1- حضرت ثابت حضرت انس سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص ان لوگوں کو دیکھتا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے دوزخ سے آزاد فرما دیا ہے قسم ہے جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے وہ طالب علم جو طلب علم کے لئے عالم کے دروازے پر جاتا ہے تو اس کے ایک ایک قدم کے بدلے اللہ تعالیٰ اس کے لئے ایک سال کی عبادت لکھ دیتا ہے اور ایک ایک قدم کے بدلے جنت میں اس کے لئے ایک ایک شہر بنا دیتا ہے۔ جب وہ زمین پر چلتا ہے تو

Marfat.com

زمین اس کے لئے بخشش مانگتی ہے۔ اور فرشتے بھی اس کے لئے بخشش مانگتے ہیں۔ جب شام کرتا ہے تو تب بھی اس کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ فرشتے گواہی دیتے ہے کہ یہ دوزخ سے آزاد ہے۔

-2 حضرت انس سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی علم صرف اللہ تعالیٰ کے لئے پڑھتا ہے تو وہ علم اس کے پاس اللہ تعالیٰ کے لئے آجاتا ہے۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے لئے علم پڑھتا ہے وہ ایسے ہے جیسے دن رات کا روزہ رکھتا ہو اور قیام میں ہو اور اگر بڑے سے بڑا پہاڑ سونے کا اس کے لئے خرچ ہو جائے تو وہ بھی اس کی نسبت کچھ نہیں ہے۔

-3 حضرت علی حضرت ابوبکر وعمر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے تخت کے پاس اعلیٰ تخت رکھے جائیں گے اور ان پر ایک جماعت بٹھادی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ جبریلؑ سے فرمائے گا کہ منادی کرادو کہ یہ اللہ تعالیٰ کے علم کے علماء ہیں اور لوگ ان کی فضیلت دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کریں گے کہ یا اللہ! ہمیں دنیا میں بھیج کہ ہم علماء بن کر تیری بارگاہ میں تیری رضا کے لئے آئیں۔ جبریلؑ ان کے سروں پر نور کی چادر اور تاج تانے ہوا ہوگا۔ اور ان کے وجودوں سے نور پھوٹ رہا ہوگا۔ جس سے سورج کی روشنی ماند پڑ جائے گی۔ لوگ ان کو آنکھ بھر کر نہ دیکھ سکیں گے نگاہیں چندھیا جائیں گی۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا، یہ وہ علماء ہوں گے جنھوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ان کے قرآن مجید کے معنی و تفسیر میں اپنی اپنی زندگیوں کو گزارا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے دیدار کے سوا اور کچھ نہ چاہیں گے۔ وہ علماء جو قرآن کے معنی اور تفسیر میں مستغرق ہیں ان کے لئے اللہ تعالیٰ کا دیدار ان کا اجر ہوگا وہ قیامت کے دن انبیاء کے ساتھ ہوں گے اور ملائکہ ہر وقت ان کا دیدار کریں گے۔

-4 سیدنا حضرت حسن سے یہ مرفوعاً روایت ہے کہ جو طالب علم تحصیل علم کے زمانہ میں مرجائے انبیاء اور اس کے مابین جنت میں صرف ایک درجے کا فرق ہوگا۔

-5 حضرت ابوموسیٰ اشعری سے مرفوعاً روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کو کھڑا کرے گا تو علماء کو ان میں سے علیحدہ کردے گا۔ پھر فرمائے گا اے گروہ علماء میں نے اپنا نور تمہارے اندر اس لئے نہیں رکھا کہ میں تمہیں جانتا تھا اور میں نے اپنا علم تمہارے اندر اس لئے نہیں رکھا کہ تمہیں عذاب ہو۔ (جاؤ میں نے تمہیں بخش دیا)۔

-6 آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ جب علم پڑھانے والا مرجاتا ہے۔ آسمان کے پرند، زمین کے چرند اور دریاؤں کی مچھلیاں یہ سب اس کے لئے روتے ہیں۔ اور مفسر قرآن کی وفات پر کائنات کا ذرہ ذرہ روتا ہے۔ اس کی وفات ایک عالَم کی وفات ہوتی ہے۔

-7 سیدنا ابوہریرہ اور حضرت علی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے کسی عالم کے پیچھے ایک نماز پڑھی وہ یوں سمجھے کہ میں نے نبی کے پیچھے نماز پڑھی۔ اس حدیث سے مراد مفسرین قرآن ہیں۔

-8 حضرت حسنؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے خلفاء پر اللہ کی رحمت ہو۔ لوگوں نے عرض کیا۔ آپ ﷺ کے خلفاء کون لوگ ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا جو لوگوں کو میری سنت پر چلاتے ہیں۔ اور میری سنتوں کو زندہ کرتے ہیں۔

-9 حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص گھر سے علم پڑھنے کے لئے اس غرض سے نکلا کہ میں حق کے ساتھ باطل کو مٹاؤں گا ہدایت کے ساتھ گمراہی کو ختم کروں گا تو اس کے لئے چالیس برس (۴۰) کی عبادت لکھ لی جاتی ہے۔

-10 حضرت علی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جب مجھے یمن بھیجا تو فرمایا کہ اگر ایک شخص بھی تیرے ذریعے ہدایت پا گیا تو وہ تیرے لئے اس چیز سے بہتر ہے جس کے اوپر آفتاب نکلتا ہے اور غروب ہوتا ہے۔ یعنی تمام دنیا سے بہتر ہے۔

-11 حضرت ابن مسعود سے مرفوعاً مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص علم اس لئے پڑھتا ہے کہ میں لوگوں کو دین کی باتیں بتلاؤں گا۔ اللہ کی رضا کے لئے تو اللہ تعالیٰ اسے نبیوں کا ثواب پہنچاتا ہے۔

-12 عامر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن شہید کے خون کو حاضر کیا جائے گا اور علماء کو بھی حاضر کیا جائے گا۔ کسی کو کسی پر فضیلت نہ ہوگی۔ لیکن ایک روایت تواتر سے ہے کہ علماء کو فضیلت ہوگی۔ یہ تمام مذکورہ احادیث خزینۃ القرآن و تفسیر کبیر۔ امام باقر و دیگر کافی تفاسیر میں ہیں۔ تفسیر کبیر

Marfat.com

میں رازی نے خزینۃ القرآن سے نقل کی ہیں۔صحابہ اور علماء کے فضائل میں بھی فقیر کچھ روایات بیان کرتا ہے:

1- عالم کی شفقت و مہربانی ماں باپ سے زیادہ ہوتی ہے۔ماں باپ دنیا کی آفتوں اور آتشوں سے بچاتے ہیں تو استاد آخرت کی آتش اور جہنم کی آگ سے بچاتا ہے۔

2- حضرت ابن مسعودؓ سے کسی نے پوچھا کہ تمہیں یہ علم کیسے ہوا۔فرمایا زبان سے جو بہت عدل کرنے والی ہے۔اور دل سے بہت قریب ہے۔

3- بزرگوں نے فرمایا کہ سوال تو احمق بن کر کرنا چاہئے اور یاد اس طرح کرنا چاہئے جس طرح عقل مند کرتے ہیں۔

4- حضرت مصعبؓ بن زبیر اپنی بیٹی سے فرماتے ہیں کہ علم سیکھ۔اگر تیرے پاس مال ہوگا تو علم جمال بن جائے گا۔اگر مال نہ ہوا تو علم مال بن جائے گا۔

5- حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ جاہل کے سامنے عالم کا سکوت ہوتا ہے۔اسی طرح علم ہوتے ہوئے سکوت کرنا درست نہیں ہے۔ علم کی تین قسمیں ہیں:

1- وہ علم جو اللہ تعالیٰ کی پہچان عطا کرے۔

2- وہ علم کہ جس سے معرفت کے قریب پہنچ جائے۔

3- وہ علم جو حقیقت کو ظاہر کردے۔

6- فتح موصلی فرماتے ہیں کہ جس طرح بیمار کھاتا پیتا دوائی چھوڑ کر مرجاتا ہے اسی طرح قلب کے اندر علم کا فکر نہ ہو تو وہ قلب بھی مردہ ہے۔

7- شفیق بلخی فرماتے ہیں کہ میرا جلسہ تین قسم کا ہوتا ہے۔اس میں خالص کافر بھی آتے ہیں اور اٹھ کر چلے جاتے ہیں۔اسی طرح دوسرے جلسہ خالص منافق اور میں تیسرے خالص مومن۔

8- حضرت علی حضرت ابوبکر حضرت عمر فاروق حضرت عثمان حضرت عبدالرحمان بن عوف حضرت عبادہ بن صامتؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ سے کون شخص زیادہ ڈرتا ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ علماء نیز فرمایا کہ قرآن مجید میں علماء کے پانچ مناقب درج ہیں نیز حضور اکرم ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ''اے نبی ﷺ! فرما دیجئے کہ عالم اور جاہل برابر نہیں۔فرمایا اللہ تعالیٰ کے وہی بندے علماء ہیں جو اس سے ڈرتے ہیں علماء کو قرآن نے راسخون بتایا ہے۔۴۔خشوع، خشیت اور خوف الٰہی۔پھر آپ ﷺ نے فرمایا یاد رکھو علماء انبیاء کے وارث ہیں۔میں یہ بات ابوہریرہؓ سے کہہ چکا ہوں کہ جس نے کسی عالم کے پیچھے ایک نماز پڑھی وہ یوں سمجھے کہ میں نے نبی کے پیچھے نماز پڑھی۔پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن علماء اور شہدا کے خون کو حاضر کیا جائے گا۔اور وزن میں تولا جائے گا تو علماء کی فضیلت کا پلہ بھاری ہوگا۔پھر آپ ﷺ نے فرمایا۔علماء کے چہرے کو دیکھیں تو عبادت متصور ہوگا۔پھر ہم سب نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم کس کے چہرے کو دیکھیں آپ ﷺ نے فرمایا علیؓ کے چہرے کو دیکھنا بھی عبادت ہے یہ مذکورہ حدیث تفسیر امام باقر و دیگر تفاسیر میں ہے اور حدیث تواتر ہے۔حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے انہوں نے حضرت علیؓ کو بتایا کہ آنحضرت ﷺ کے پاس صحابہ کا جم غفیر تھا لیکن آپ موجود نہیں تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص علم کی طلب میں گھر سے نکلتا ہے تو اس کے ایک ایک قدم پر پانچ برس کی عبادت لکھ دی جاتی ہے اور مجھے قسم ہے اللہ تعالیٰ کی جس کے قبضہ قدرت میں محمدؐ کی جان ہے۔اللہ تعالیٰ کے فرشتے اس کی گواہی دیتے ہیں کہ اس کے تمام گناہ معاف کردیئے گئے۔جہاں وہ صبح و شام کرتا ہے تمام فرشتے طواف کرتے ہیں۔حضرت علی، حضرت ابوبکر اور حضرت طلحہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جمعہ کا خطبہ دیتے ہوئے فرمایا۔کہ قیامت کے دن بارگاہ رب العزت پر ایک کثیر جماعت کھڑی ہوگی ان کا وجود نور چمکتا ہوگا۔اللہ تعالیٰ کے فرشتوں سے کہا جائے گا کہ ان کا استقبال کرو۔تمام فرشتے استقبال کریں گے۔لوگ پوچھیں گے یہ کون لوگ ہیں؟ اللہ تعالیٰ میری طرف اشارہ کر کے فرمائے گا یہ میرے حبیب ﷺ کی امت کے علمائے راسخین ہیں جنہوں نے قرآن کی تفسیر میں زندگی گزاری۔اور انہیں اعلیٰ تختوں پر بٹھایا جائے گا۔اور کاؤ تکئے ان کے پیچھے لگا دیئے جائیں گے۔پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے لوگو! میری طرف سے ان کا یہی صلہ ہے میرے دیدار میں مستغرق رہیں گے ان کے چہروں کی روشنی سے سورج کی روشنی ختم ہو جائے گی۔ہم سب صحابہؓ نے خطبہ سننے کے بعد عرض کیا کہ اے اللہ تعالیٰ کے رسول اللہ ﷺ! اللہ تعالیٰ کو کون سی چیز محبوب ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا۔اللہ تعالیٰ کو علم پسند ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں علم کی فضیلت کثرت سے بیان کی ہے۔پھر یہ آیت تلاوت فرمائی۔جس کا مطلب ہے کہ ہم

Marfat.com

درجات بلند کرتے ہیں ہر صاحب علم کے اوپر ہر چیز کے۔ اللہ تعالیٰ نے علماء کے درجات کو بلند فرمایا۔ یہ حدیث تفسیر امام باقرؒ میں ہے جو تواتر سے ہے۔
حضرت عبداللہ ابنؓ مسعود فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ علم کو برأت بناؤ۔ اگر تمہارے پاس مال ہوگا تو علم جمال بن جائے گا اور اگر مال نہ ہوگا تو علم مال اور جمال دونوں بن جائے گا۔ پھر حضرت علی کو مخاطب کر کے فرمایا۔ اے علیؓ! عالم کو چاہئے کہ وہ جاہل کے سامنے سکوت رکھے کیونکہ ہل مردے کی مانند ہے۔ پھر فرمایا کہ عالم کو سکوت کرنا بھی لازم آئے گا۔ ابوسعید خدری اور امام حسینؓ سے مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا۔ اے اللہ! میرے خلفاء پر رحمت فرمائیو۔ لوگوں نے پوچھا خلفاء کون ہیں۔ آپ نے کہا جنھوں نے میری سنتوں کو زندہ کیا۔ ان کو اور لوگوں تک پہنچایا وہ میرے خلفاء ہیں۔ حضرت علی، حضرت ثابت ابن زید سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے فرمایا ہے کہ مجھے دو چیزیں پسند ہیں ایک علم اور دوسرا تو۔ اے میرے محبوب ﷺ جو تیری عزت کرے اور علم پڑھے تو میں اس کی رضا بن جاتا ہوں۔

-8 حضرت عائشہ، حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یاد رکھو اگر تم نے اپنی عظمت کو بارگاہ رب العزت میں بڑھانا ہے تو علم سیکھو اور علم کو اپنا محبوب سمجھو کیونکہ علم والا اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہے۔ قیامت کے دن جو قرآن کے زیادہ ماہر ہوں گے فرشتے ان کا طواف کریں گے اور وہ دیدار الٰہی میں مستغرق ہو رہے ہوں گے۔ یہ تمام احادیث تفسیر امام باقر، ابوالعالیہ اوفوی اور دیگر تفاسیر میں موجود ہیں اور تواتر ہیں۔ فقیر کی معلومات اس ضمن میں کثرت حدیث پر ہے۔ موجودہ دور میں اکثر لوگوں کے قلوب خشیت الٰہی سے خالی ہیں حالانکہ ہماری زندگی کا معیار قرآن و سنت ہے جو ہماری دنیاوی اور اخروی زندگی کا ضامن ہے۔ تو ہمیں اپنی اصل حقیقت کی طرف لوٹنا چاہئے۔ علم سیکھنے کے بارے میں مشہور حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں وہی بہتر ہے جو قرآن پڑھے اور پڑھائے۔ آج کل اس کے برعکس ہے۔ مذکورہ تمام احادیث خزینۃ القرآن، تفسیر طبری، ثعلبی، نور القرآن و امام باقر میں موجود ہیں۔ علم بڑی دولت ہے۔ لازوال دولت ہے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ہم اس بات پر بہت خوش ہیں کہ ہمارے پاس علم ہے جو باقی ہے۔ لافانی ہے اور جہلا کے لئے مال ہے جو فانی ہے۔ علم کو اپنی میراث سمجھو کہ انبیاء اکرام کی میراث علم ہے۔

شفیق بلخی کا واقعہ:

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ ان کی مجلس میں تین قسم کے لوگ آتے تھے: (۱) خالص کافر، (۲) خالص منافق اور، (۳) خالص مومن۔ فرماتے ہیں جب میں قرآن کی تفسیر پڑھاتا ہوں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی باتیں سناتا ہوں تو جن کے دل پر اثر ہو جائے وہ مومن خالص ہو جاتا ہے اور جو ان باتوں کی تصدیق نہیں کرتا وہ خالص کافر ہو جاتا ہے اور جو میری باتیں سن کر تنگدلی کرتا ہے وہ خالص منافق ہوتا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ تین قسم کا سونا اور تین قسم کی ہنسی ایسی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہو جاتا ہے۔

تین قسم کا سونا یہ ہے:

(۱) فجر کی نماز کے بعد سونا، (۲) عشاء کی نماز سے پہلے سونا، (۳) نماز میں یا ذکر الٰہی کے جلسہ میں سونا۔

تین قسم کا ہنسنا یہ ہے:

(۱) جنازہ کے پیچھے ہنسنا، (۲) قبرستان میں ہنسنا، (۳) ذکر الٰہی کے جلسہ میں ہنسنا۔

-8 بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ فاحتمل السیل کا مطالبہ یہ ہے کہ علم کی مثال پانی کی مانند ہے اس میں پانچ وجوہ ہیں۔

-1 جس طرح آسمان سے پانی زمین پر برستا ہے اسی طرح علم بھی آسمان سے زمین پر اترتا ہے۔

-2 جس طرح زمین کی اصلاح بارش کے پانی سے ہوتی ہے اسی طرح خلق کی اصلاح علم سے ہوتی ہے۔

-3 جس طرح کھیتی اور سبزہ بغیر بارش کے پیدا نہیں ہوتا اسی طرح اعمال بھی علم و اطاعت کے بغیر نہیں ہوتے۔

-4 جس طرح بارش کا مدار گرج اور بجلی سے ہے اسی طرح علم کا مدار وعدہ اور وعید پر ہے۔

Marfat.com

5- جس طرح مینہ زمین کے حق میں مفید ہے لیکن کسی کے حق میں غیر مفید ہوتا ہے اسی طرح علم عقل و اطاعت کرنے والے کے حق میں مفید ہوتا ہے اور عمل نہ کرنے والے کے حق میں غیر مفید ہوتا ہے۔ یہ پانچ وجوہ خزینۃ القرآن سے ہیں اور انہوں نے تفسیر امام باقر سے اور امام رازی نے بھی انہیں نقل کیا ہے۔

6- کچھ لوگ ایسے ہیں جو دوسروں کو نصیحت کرتے ہیں خود اس پر عمل نہیں کرتے۔ اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو دوسروں کو ذکر الٰہی کی تلقین کرتے ہیں اور خود ذکر الٰہی نہیں کرتے۔ کچھ لوگ ایسے ہیں جو دوسروں کو اللہ تعالیٰ سے ملاتے ہیں اور خود دور رہتے ہیں۔ کچھ لوگ ایسے ہیں جو قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں لیکن ان کے دل اس سے برداشتہ ہیں یہی وجہ ہے کہ اس دور میں ہم نے قرآن مجید کو چھوڑ رکھا ہے۔ جس کی وجہ سے ہم آج ذلیل و خوار ہو رہے ہیں۔

7- دنیا ایک باغ ہے اور اللہ نے پانچ چیزوں سے ان کو تعبیر کیا ہے:

(۱) علماء کا علم، (۲) حکام کا عدل، (۳) عابدوں کی عبادت، (۴) تاجروں کی امانت، (۵) پیشہ وروں کی خیر خواہی۔ ابلیس نے اس میں پانچ نیزے ڈالے ہیں۔

(۱) حسد کا نیزہ، علم کے پہلو میں، (۲) جور کا نیزہ عدل کے پہلو میں، (۳) ریا کا نیزہ عبادت کے پہلو میں، (۴) خیانت کا نیزہ امانت کے پہلو میں، (۵) فریب کا نیزہ نصیحت کے پہلو میں۔

صاحب خزینۃ القرآن نے خواجہ حسن بصریؒ کے تابعی ہونے کی پانچ وجوہ بیان فرمائی ہیں:

(۱) اس وقت تک کسی کو نصیحت نہیں کی جب تک خود عمل نہیں کیا۔

(۲) اس چیز سے کسی کو نہیں روکا جب تک کہ خود اس چیز کو نہیں چھوڑا۔

(۳) کسی چیز کے اپنے پاس ہوتے ہوئے دوسروں کو دینے میں بخل نہیں کیا۔

(۴) علم کو پڑھانے میں غفلت نہیں برتی۔

(۵) علم کے ہوتے ہوئے کسی چیز کی پرواہ نہ کرتے تھے۔

5- نیز لکھتے ہیں کہ میرے جد امجد حضرت علی فرمایا کرتے تھے کہ جو میرے صحابہ کی پیروی کریں گے وہ ان پانچ چیزوں میں پورے اتریں گے اور ان کا ظاہر اور باطن یکساں ہوگا۔

ابن المالک کا کہنا ہے کہ دنیا میں اس وقت جو خرابی کا سبب ہے وہ خاص لوگوں کی وجہ سے ہے اور وہ پانچ قسم کے لوگ ہیں۔ (۱) علماء، (۲) مجاہد، (۳) زاہد، (۴) تاجر، (۵) حکام۔ سیدنا داتا گنج بخش علی ہجویری فرماتے ہیں۔ صاحب خزینۃ القرآن لکھتے ہیں کہ جب بھی امت کے اندر کوئی فتنے کا سبب ہوتا تو پہلے نمبر پر علماءِ سُو ہوں گے۔ پھر بد کردار حکام۔ کیونکہ علماء حکام کو ترغیب دیتے ہیں علماء دو وجہ سے قصوروار ہیں ایک تو خود بد کردار ہوتے ہیں دوسرے حکام کو بد کردار بناتے ہیں حالانکہ حکام تو جاہل ہوتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی حدیث بھی ہے کہ جو حکام اللہ تعالیٰ کا کلام اور میری سنت سے واقف نہ ہوں وہ حاکم بننے کی کوشش نہ کریں کہ میرا رب اور میں ہم دونوں اس پر لعنت کرتے ہیں کیونکہ اپنی جہالت کی وجہ سے دوسروں کو بھی جہالت کے گڑھے میں غرق کرتا ہے۔ عدل کے موضوع پر آئندہ اوراق میں پوری بحث ہوگی۔ علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ مجاہد اللہ تعالیٰ کا سپاہی ہے اور زاہد دین کا ستون ہے اور تاجر زمین میں امانت دار ہیں۔ حکام چوپائے ہیں۔ جن علماء میں حرص اور طمع ہوگی وہ کسی جاہل کی پیروی کریں گے۔ مجاہد اگر اپنا کام صحیح طور پر انجام نہ دیں گے تو فتح کیسے پائیں گے۔ تاجروں نے اگر دیانت داری سے تجارت نہ کی تو امانت دار کون ہوگا۔ زاہدوں نے توجہ نہ کی تو لوگ کس طرح توجہ کریں گے۔ اور جب حکام بھیڑیے بن جائیں تو لوگ کس سے فریاد کریں گے۔ صاحب خزینۃ القرآن کے اس قول کو نقل کرتے ہوئے عرض کردوں کہ اس دور کے علماء طمع اور حرص میں مبتلا ہیں اور معاشرہ بدترین ہوگیا ہے لوگ یورپین بن گئے ہیں حرام اور حلال کی تمیز نہیں رہی۔ پردہ کا کوئی امتیاز نہیں عورتیں بھیڑوں کی طرح پھرتی ہیں۔ عملی طور پر کوئی زاہد نظر نہیں آتا جس کا کردار مثالی ہو اور لوگ اس کی پیروی کریں۔ مجاہد بھی کوئی نہیں۔ فوج میں رشوت کا بازار گرم ہے اور مجاہدوں نے رشوت کو اپنی جاگیر سمجھ لیا ہے۔ تاجر تو اب رہے نہیں البتہ غریبوں کا خون چوس لینے والی جونکیں بہت ہیں۔ اچھی چیزوں میں گندی چیز کی ملاوٹ کر کے پھر اس کی خوبیاں بیان کرتے ہیں۔ روپے کی چیز کو وہ چھ روپے میں بیان کرتے ہیں۔ اب کیا حال بتایا جائے یہ سب تو آپ بھی جانتے ہیں

Marfat.com

حکمران ہمارے تو چیونٹی کی مانند کمزور ہیں اس وجہ سے رہزنی، ڈاکہ زنی اور ظلم و جور کا دور دورہ ہے اور انصاف کا ماتم ہو چکا ہے اور یہ پانچوں آدمی اس بدترین نحوست میں غرق ہیں۔ اگر آج بھی یہ پانچوں اپنی برائیوں سے آئندہ کے لئے توبہ کر لیں تو اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کو اپنی رحمت اور برکت سے نواز دے گا۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ میرے جد امجد حضرت علی نے علم کو سات وجہ سے مال پر فضیلت دی ہے:

1- علم انبیاء کی میراث ہے اور مال فرعونوں کی میراث۔
2- علم خرچ کرنے سے کم نہیں ہوتا اور مال خرچ کرنے سے کم ہو جاتا ہے۔ جبکہ علم بڑھتا رہتا ہے۔
3- مال کے لئے حفاظت کرنے والے کی ضرورت ہوتی ہے اور علم خود اس شخص کی حفاظت کرتا ہے۔
4- جب انسان مرجاتا ہے تو مال چھوڑ جاتا ہے لیکن علم قبر میں بھی اس کے ساتھ جاتا ہے۔
5- علم صرف مومن کو ملتا ہے کافر کو نہیں ملتا۔
6- تمام لوگوں کو دین کے معاملے میں علم کی ضرورت پڑتی ہے لیکن مال کی ضرورت سب کو نہیں پڑتی۔
7- علم کی وجہ سے لوگ پل صراط سے گزریں گے لیکن مال اس سے گزرنے میں رکاوٹ ڈالے گا۔

یہ سات صفات علم تفسیر امام باقر سے ہیں۔ امام باقر فرماتے ہیں کہ میرے دادا حضرت علی اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ قرآن کے ہر لفظ کی تفسیر رسول اللہ ﷺ سے دریافت کر کے لکھ لی تھی اگر زیادہ لکھوں تو سورہ فاتحہ کی تفسیر کو ستر اونٹ نہ اٹھا سکیں۔ فقیہی امام ابو اللیث فرماتے ہیں کہ علم کی سات خصلتیں ہیں:

1- جو شخص عالم کے پاس بیٹھتا ہے وہ گناہوں سے محفوظ ہو جاتا ہے۔
2- جب علم کی باتیں سنتا ہے تو اسے طالب علم لکھ دیا جاتا ہے۔
3- جب علم کی طلب میں گھر سے باہر نکلتا ہے تو اس پر اللہ کی رحمت نازل ہوتی ہے۔
4- جب کوئی علم کے حلقہ کے اندر بیٹھتا ہے تو اس پر رحمت الٰہی کا نزول ہوتا ہے۔ اور وہ بھی اس میں شریک ہوتا ہے۔
5- جب تک وہ علم کی باتیں سنتا ہے اس کی عبادت لکھی جاتی ہے۔
6- جب وہ باتیں سنتا ہے اور اسے یاد نہیں رہتیں تو اس کا دل اس کے غم میں تنگ ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو ایسا غم کرنے والا ہے میں اس کے قریب ہوں۔
7- سب مسلمان عالم کی عزت کرتے ہیں اور فاسق کی ذلت کرتے ہیں۔

ابو اللیث نے فرمایا جو شخص آٹھ قسم کے لوگوں کے پاس بیٹھے گا اس میں آٹھ چیزیں اللہ تعالیٰ زیادہ کرے گا۔ جو شخص تونگر کے قریب بیٹھے گا اللہ تعالیٰ دنیا کی محبت رغبت اس کے دل میں ڈال دے گا۔ جو شخص فقراء کے پاس بیٹھے گا۔ اللہ تعالیٰ شکر، رضا اور قضا اس کے اندر زیادہ کر دے گا جو شخص حرص و مال کے لئے بیٹھے گا اللہ تعالیٰ اس کے دل میں تکبر پیدا کر دے گا۔ جو شخص عورتوں کے پاس بیٹھے گا اللہ تعالیٰ اس میں شہوت و جہل زیادہ کر دے گا۔ جو شخص بچوں کے پاس بیٹھے گا اللہ تعالیٰ اس کے خون اور مزاج کو زیادہ خراب کر دے گا جو شخص فاسقوں کے پاس بیٹھے گا وہ گناہ کرنے کی زیادہ جرأت کرے گا۔ اور توبہ کرنے میں تاخیر کر دے گا۔ جو شخص صلحاء کے پاس بیٹھے گا۔ اطاعت میں اس کو زیادہ رغبت ہوگی۔ جو شخص علماء کے پاس بیٹھے گا اسے علم اور تقویٰ زیادہ حاصل ہوگا۔ یہی بات ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میرے صحابہ کے پاس بیٹھا کرو۔ اللہ تعالیٰ نے سات شخصوں کو سات چیزیں تعلیم فرمائیں۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ:

1- حضرت آدمؑ کو تمام چیزوں کا اسماء کا علم ہے،
2- حضرت خضرؑ کو فراست،
3- حضرت یوسفؑ کو تعبیر خواب کا علم،

Marfat.com

-4 حضرت داؤد کو زرہ بنانے کا علم،

-5 حضرت سلیمانؑ کو جانوروں کی بولی کا علم،

-6 حضرت عیسیٰؑ کو تورات اور انجیل کا علم اور،

-7 مجھے اپنے کلام ازلی قرآن مجید کا علم عطا فرمایا ہے۔ جو میں تم تک پہنچاتا ہوں اور اس میں ہر قسم کی شرع کا علم اور توحید کا علم ہے۔ نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

-1 حضرت آدم علیہ السلام کو علم کی وجہ سے فرشتوں نے سجدہ کیا اور اس کی تعظیم کی یہ حدیث تواتر سے ہے اور تفسیر امام باقر میں ہے۔

-2 حضرت خضرؑ کو حضرت موسیٰؑ اور حضرت یوشع بن نون کے استاد ہونے اور حضرت داؤد کو علم کی وجہ سے ریاست ملی۔ حضرت سلیمان کو بلقیس پر علم کی وجہ سے غلبہ حاصل ہوا اور وہ ان کی بیوی بنی۔ حضرت عیسیٰؑ نے علم کی وجہ سے اپنی ماں کی پاکیزگی بیان کی اور مجھے قرآن کی بدولت وجوب اور اور شفاعت کا علم ہوا۔ یہ حدیث خزینۃ القرآن میں ہے۔ تفسیر امام باقر، ابوالعالیہ، سدی، عطا، خراسانی میں ہے۔ مومن اس وقت طالب علمی کرتا ہے جب اپنے اندر چھ چیزیں دیکھ لیتا ہے۔

-1 وہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ مجھ پر فضل کیا وہ بغیر علم کے ادا نہیں کر سکتا۔

-2 اللہ تعالیٰ نے مجھے گناہ سے منع کیا ہے میں بغیر علم کے گناہ سے نہیں رک سکتا۔

-3 اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے نفس پر شکر کرنا واجب فرمایا اور میں بغیر علم کے اس کا شکر ادا نہیں کر سکتا۔

-4 مجھ کو حکم ملا ہے کہ خلقت میں انصاف کروں اور بغیر علم کے میں انصاف نہیں کر سکتا۔

-5 اللہ تعالیٰ نے مجھ کو حکم دیا ہے کہ مصیبت کے وقت صبر کرو۔ اور بغیر علم کے میں صبر نہیں کر سکتا۔

-6 مجھ کو حکم دیا گیا ہے کہ شیطان سے دشمنی رکھوں اور بغیر علم کے میں دشمنی رکھ نہیں سکتا۔ جنت کا راستہ چار شخصوں کے ہاتھ میں ہے: (۱) عالم، (۲) عابد، (۳) زاہد، (۴) مجاہد۔ اگر عالم اپنے وعدہ میں سچا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے حکمت عطا فرماتا ہے۔ زاہد اگر اپنے زہد میں سچا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے امن عطا فرماتا ہے۔ عابد اپنے وعدہ میں سچا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے خوف عطا فرماتا ہے مجاہد اپنے وعدہ میں سچا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے شفاء اور رحم دلی عطا فرماتا ہے۔

چار چیزوں کو چار چیزوں میں تلاش کرو:

مکان سے سلامتی، دوست سے عزت، مال سے فراغت، علم سے نفع۔ اگر مکان سے سلامتی نہیں ہوتی تو اس سے جیل خانہ اچھا ہے۔ دوست سے عزت نہیں ہوتی تو اس سے مٹی کا ڈھیلا اچھا ہے۔ علم سے نفع نہیں تو اس سے موت بہتر ہے۔

-21 چار چیزیں چار چیزوں کے بغیر حاصل نہیں ہوتیں:

(۱) دین بغیر تقویٰ کے، (۲) قول بغیر فعل کے، (۳) مروّت بغیر تواضع کے، (۴) علم بغیر عمل کے۔ جب دین ہو، تقویٰ نہ ہو تو بڑا اندیشہ ہے، قول ہو فعل نہ ہو تو فضول ہے۔ مروت کے ساتھ تواضع نہ ہو تو اس کی مثال درخت بغیر پھل کے ہے۔ علم کے ساتھ عمل نہ ہو تو وہ خشک بادل ہے جس کے اندر مینہ نہیں ہے۔

-22 حضرت علی حضرت جابر سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دنیا کا قیام چار چیزوں سے ہے۔ (۱) عالم باعمل، (۲) جاہل جسے علم سیکھنے سے عار نہ ہو، (۳) غنی جو اپنے مال میں بخل نہ کرے، (۴) فقیر جو اپنی آخرت دنیا کے عوض فروخت نہ کرے۔

-23 حضرت خلیل فرماتے ہیں کہ چار قسم کے آدمی ہیں: (۱) وہ عالم جو علم رکھتا ہے اور اسے جانتا ہے۔ اس کی اتباع کرو، (۲) وہ شخص جو جانتا ہے اور اپنے جاننے کا علم نہیں رکھتا یعنی وہ فصاحت کی قابلیت اور صلاحیت رکھتا ہے اس کو تعلیم دو، (۳) جو جانتا ہے لیکن اپنے جاننے کا علم نہیں رکھتا، اسے بیدار کرو اور جگاؤ، (۴) جو شخص نہیں جانتا اور اس کو اپنے نہ جاننے کی خبر نہیں ہے وہ شیطان ہے اس سے پرہیز کرو۔

-24 چار باتیں ایسی ہیں جن میں انسان کو عار نہیں ہونی چاہئے۔ اگرچہ وہ حاکم ہو۔ (۱) اپنے ماں باپ کی تعظیم کے لئے کھڑے ہونا، (۲) مہمان کی خدمت کرنا،

Marfat.com

(۳) استاد کی خدمت کرنا، (۴) جو بات معلوم نہ ہو، اس کا دریافت کرنا۔

چار چیزیں شریف آدمی کے لئے:

امام باقر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

1- جب علماء مال کو جمع کرنے لگیں تو عوام مشتبہ مال حاصل کریں گے۔ اور جب علماء مشتبہ مال کھائیں گے تو عوام حرام کھانے لگ جائیں گے اور جب علماء حرام کھانے لگیں گے تو عوام کافر ہو جائیں گے۔ یعنی اپنے حرام مال کو حلال سمجھنے لگ جائیں گے۔

آئندہ اللہ نور السموٰت کی تفسیر میں بیان ہوگا۔ اس میں شک نہیں کہ روح تمام چیزوں سے افضل ہے۔ تمام مخلوقات زمین و آسمان حیوانات و نباتات و جمادات ان سب پر علم کو شرف حاصل ہے۔ جب کوئی کسی عالم سے مسئلہ پوچھتا ہے اور اگر وہ جانتا ہو تو بتا دیتا ہے اگر نہ جانتا ہو تو شرم کے مارے گردن جھکا کر سر نیچا کر لیتا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ علم کی لذت تمام لذات سے اکمل ہے اور اشرف ہے قرآن کریم میں علم کے بارے میں اور بھی بہت کچھ فضائل ہیں جو بیان کرتا ہوں:

وجہ پہلی:

سورۃ اقرأ باسم ربک میں بھی علم کا ذکر ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ آیت کے اندر مناسبت ہونی چاہئے تو دیکھئے کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کا ذکر فرمایا جو خون کے لوتھڑے سے ہے اور جو ذلیل و حقیر چیز ہے۔ پھر جب وہ پیدا ہوا تو اس کی پہلی حالت اور دوسری حالت علم سے تعبیر فرمائی۔ دیکھئے معنی یوں ہوئے: ابتدائی حالت میں انسان ذلیل تھا پھر اس کی دوسری حالت علم نے اسے اعلیٰ بنا دیا۔ تو ظاہر ہوا کہ علم سے بڑھ کر کوئی چیز افضل نہیں جو انسان کے اندر موجود ہو۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے پہلے انسان کی ابتدائی حالت بیان فرمائی جو ذلیل چیز سے ہے اور دوسری چیز کو علم سے کامل بنا دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی فرمایا کہ انسان کامل علم کی وجہ سے ہوتا ہے پس علم سیکھو۔ پھر فرمایا قرآن کا علم سیکھو کہ اس سے تو میں کامل ہوا ہوں۔ یہ حدیث خزینۃ القرآن میں ہے بحوالہ تفسیر امام باقر، اسود بن یزید تابعی اور قیس بن مسلم کوفی۔

(۲) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اپنے پروردگار کے نام سے پڑھ جس نے قلم سے علم سکھایا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اکرام میں سے اپنا ایک بڑا وصف بیان فرمایا ہے جس سے علم کی فضیلت بہت بڑی معلوم ہوتی ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے صرف وہی بندے ڈرتے ہیں جو عالم ہیں۔ اس آیت سے چند وجوہ ثابت ہوتی ہیں۔

1- علماء اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور وہ جنت میں جائیں گے۔ جو کوئی اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہونے سے خوف کھاتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے دو جنتوں (جَنَّتَیْنِ) کا وعدہ فرماتا ہے۔ نیز اس حدیث قدسی سے ثابت ہوا۔ فرمان الٰہی ہے کہ مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم جس نے دنیا میں میرے ڈر اور خوف کو توڑا اسے امن میں جمع نہ کروں گا۔ یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جس نے دنیا میں مجھ سے خوف نہ کھایا۔ قیامت کے دن میں اسے خوف میں رکھوں گا اور جس نے دنیا میں مجھ سے خوف کھایا اسے قیامت کے دن امن میں رکھوں گا۔

2- اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ جنت میں صرف علماء ہوں گے کیونکہ انما حصر کا لفظ ہے۔ پس معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ سے علماء کے سوا کوئی نہیں ڈرتا۔ دوسری آیت میں خوش خبری ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کے لئے خوش خبری جنت ہے تو جنت میں صرف علماء ہی ہوں گے لیکن ان دونوں آیتوں میں تخصیص ہے۔ یاد رہے کہ علم صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا کے لئے ہو تو یہ قرب الٰہی کا سبب ہے۔ وہ عالم باللہ ہے اور جو علم مجادلہ اور جھگڑوں کا سبب ہو وہ عالم علم باللہ نہیں بلکہ ایسا علم ناقص ہے اور قرب الٰہی سے دوری کا سبب ہے۔

3- بعض قاریوں نے اولاً اس آیت کو رفع (یعنی لفظ اللہ کو اللہُ پڑھا ہے) اور دوسروں نے نصب کے ساتھ۔ العیاذ باللہ۔ تو پھر معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ علماء سے ڈرتا ہے۔ اور جاہلوں سے اپنی مہربانی نہیں فرماتا۔

4- اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے حبیب پاک ﷺ کہو۔ اے میرے پروردگار! میرے علم کو بڑھا۔ تو اس سے بھی یہ ثابت ہوا کہ علم کی عظمت بہت بڑی ہے کیونکہ

Marfat.com

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ سے کہا کہ: مجھ سے علم زیادہ ہونے کی دعا مانگو۔ اور سوائے علم کے اور کسی چیز کے لئے نہیں کہا گیا کہ مجھ سے اس کی زیادتی مانگو۔ علم کے متعلق اپنے حبیب کو فرمایا ہے۔ اور موسیٰ علیہ السلام نے خضر سے کہا کہ تو مجھے وہ بتا جو تجھے اللہ نے رشد و ہدایت کے بارے میں فرمایا ہے۔

-5 سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے روئے زمین کی بادشاہت دی۔ پھر وہ دعا کرتے ہیں کہ پروردگار تو مجھے وہ بادشاہت عطا فرما جو میرے بعد کسی کو حاصل نہ ہو۔ اور پھر بادشاہت پر بھی فخر نہ کیا بلکہ علم کی طلب کی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: سلیمان نے کہا لوگو! مجھے پرندوں کا علم دیا گیا ہے اور ہر چیز کا۔ نیز حضرت داوٗدؑ اور سلیمانؑ کو علم و حکمت عطا کی گئی۔ پس اس آیت سے بھی ثابت ہوا کہ علم سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔ علم سب سے افضل ہے۔

-6 علماء لکھتے ہیں کہ ہدہد ہر وقت سلیمان علیہ السلام کے محل میں رہتا تھا اس نے کہا کہ مجھے وہ علم حاصل ہے جو آپ کو نہیں۔ پس علم افضل تھا تو ہدہد نے کہا وگرنہ اس کی کیا مجال تھی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک آدمی فقیر و کنگال ہوتا ہے لیکن جب وہ عالم ہو جاتا ہے تو اس کے قول بادشاہوں پر نافذ ہوتے ہیں اور بادشاہ اور عوام سب اس کی عزت کرتے ہیں۔

-7 آپ ﷺ نے فرمایا: ایک گھڑی کا فکر، ساٹھ برس کی عبادت سے بہتر ہے تفکر اگر وصال الٰہی کے لئے ہو۔ تو قرب میں قریبی ہوگی لیکن وہ تفکر جو وصال الٰہی کے لئے نہ ہو تو وہ بالکل بے ہودہ ہے۔

(۲) تفکر قلب کا فعل ہے اور عبادت اعضاء کا فعل، اور قلب، تمام اعضاء پر اشرف ہے لہٰذا تفکر بھی تمام اعضاء کے افعال سے افضل ہے۔

-8 اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے حبیب پاک ﷺ میں نے تجھے وہ علم عطا فرمایا جو آپ ﷺ کے علم میں نہ تھا۔ اس آیۃ سے بھی علم کی فضیلت ظاہر ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے علم کو فضل عظیم کے ساتھ تعبیر فرمایا۔ ایک مقام پر حکمت کو خیر کثیر فرمایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے رحمٰن جس نے سکھایا قرآن۔ اس آیت سے بھی ظاہر ہوا کہ اس سورۃ میں بھی باقی نعمتوں کا ذکر بعد میں ہے اور علم کا مقدم ہے۔

-9 اللہ نے تمام کتب سماوی میں علم کی فضیلت کو بلند فرمایا، تورات میں اللہ فرماتا ہے اے موسیٰ! میں نے تجھے حکمت دی ہے اور حکمت خیر کثیر ہوتی ہے میرا مقصود حکمت بخشنا ہے۔ پس تو اس حکمت کو سیکھ۔ پھر اسے خرچ کر۔ میں قیامت کے دن تجھے عزت عطا کروں گا۔ زبور میں اللہ تعالیٰ داوٗد علیہ السلام سے فرماتا ہے کہ بنی اسرائیل سے کہہ دے کہ علماء کے پاس بیٹھا کریں۔ اگر وہ نہ ہوں تو اتقیا کے ساتھ بیٹھا کریں اور اگر وہ بھی میسر نہ آئیں تو عقل مندوں کے ساتھ بیٹھا کریں کیونکہ عقل اور یہ دونوں بہت بڑی منزلیں ہیں۔

اب ہم ان حدیثوں کا ذکر کرتے ہیں جو علم کی فضیلت میں ہیں:

-1 حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ علماء سے فرمائے گا کہ میں نے تمہارے اندر علم اس لئے نہیں رکھا کہ تمہیں عذاب دوں، جاؤ میں نے تمہیں بخش دیا۔

-2 حضرت علی، ابو ہریرہ اور ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں آخری دنوں میں مدینہ منورہ میں وعظ فرمایا۔ جو ایک بڑا وعظ تھا کہ جس شخص نے علم پڑھا اور پھر خاکساری اختیار کی اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے سکھایا۔ قیامت کے دن وہ جنت میں اس سے بڑھ کر کوئی شخص دینے والا نہیں ہوگا۔

-3 حضرت علی، ابن عمر اور حسین و حسن ابن علی سب فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن سونے کا منبر ہوگا جو یاقوت اور چاندی کے موتیوں سے جڑا ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ فرشتے کو حکم دے گا کہ منادی کرو کہ میرے حبیب ﷺ کی امت کے علماء کہاں ہیں جو لوگوں تک میرا علم پہنچاتے تھے۔ جب وہ آئیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو ان منبروں پر بٹھائے گا اور فرمائے گا کہ جنت میں داخل ہو جاؤ اور تم پر کوئی خوف نہیں ہے۔

-4 عیسیٰؑ بن مریم فرماتے ہیں کہ محمد ﷺ کی امت کے لوگ علماء اور حکماء ہوں گے۔ وہ دنیا میں انبیاء کی طرح تھوڑے رزق پر اکتفا کریں گے اور صرف لا الٰہ الا اللہ کی وجہ سے جنت میں داخل ہوں گے۔

-5 حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ علم کی تلاش کے اندر جس شخص کے قدم غبار آلود ہوئے اللہ تعالیٰ اس کے جسم پر دوزخ کی آگ حرام کر دیتا ہے۔ اگر

Marfat.com

طالب علمی میں مرگیا تو شہید ہوگا۔ اس کی قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہوگی۔ اور جہاں تک نگاہ پہنچے گی قبر فراخ ہوگی۔ چالیس قبریں اس کے دائیں جانب، چالیس قبریں بائیں جانب اور چالیس قبریں اس کے پیچھے اور چالیس قبریں اس کے آگے روشن ہوں گی۔ نیز فرمایا علم کا ہونا عبادت ہے۔ عالم کی گفتگو کا ایک ایک سانس صدقہ جاریہ ہے۔ جس نے عالم کی اہانت کی اس نے علم کی اہانت کی اور اس نے سرکار ﷺ کی اہانت کی اور جس نے میری اہانت کی اس نے جبریلؑ کی اہانت کی اور جس نے جبریل کی اہانت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اہانت کی اور اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی اہانت کرے گا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں تم کو نہ بتلا دوں کہ بنی آدم میں سب سے زیادہ جود کرنے والا کون ہے؟ فرمایا وہ میں ہوں اور میرے بعد وہ جو میری امت میں عالم ہوگا۔ اور قیامت کے دن اس عالم کی ایک جداگانہ جماعت اٹھائی جائے گی۔

6- حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص کسی تنگدست کے ساتھ بھلائی کرتا ہے اور کسی غریب کے ساتھ فراخ دلی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ بھلائی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ بھلائی کرے گا۔ جب کوئی مومن اپنے مومن بھائی کی مدد میں رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد میں رہتا ہے جب کوئی شخص علم کی تلاش میں نکلے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کا راستہ آسان کر دیتا ہے۔ لوگ مسجد میں جمع نہیں ہوتے مگر اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمت کا نزول فرماتا ہے۔

7- نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تین قسم کے لوگ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سفارش کریں گے۔ (۱) انبیاء، (۲) علماء، (۳) شہداء، حضرت علی فرماتے ہیں کہ انبیاء اور شہداء کے مابین علماء ہیں۔

8- حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مرنے کے بعد تمام اعمال انسان سے منقطع ہو جاتے ہیں لیکن تین چیزیں اس کے ساتھ رہتی ہیں۔ (۱) صدقہ جاریہ، (۲) علم جس سے لوگوں کو نفع پہنچا، (۳) نیک بخت اولاد جوان کے لئے دعا کرتی ہے۔

9- حضرت علیؓ اور ابو بکر صدیقؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ انسانوں سے ضرور تیں طلب کیا کرو۔ ہم نے عرض کیا، کون سے انسان؟ آپ ﷺ نے فرمایا اہل قرآن، پھر فرمایا اہل علم، پھر فرمایا جو صورتوں کے اچھے ہوں۔ پھر لوگوں نے پوچھا۔ یارسول اللہ ﷺ اہل قرآن سے کیا مراد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو لوگ قرآن کے معنی اور تشریح کے حافظ اور مفسر ہوں۔ وہ مراد ہیں۔ پھر فرمایا میرے بعد حضرت علی قرآن کے معنی اور تفسیر میں اول مرتبے پر ہوں گے۔ مرتبہ دوم میں ابن عباسؓ ہوں گے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اگر میں سورۃ فاتحہ کی تفسیر کروں تو سو (۱۰۰) اونٹ نہ اٹھا سکیں گے۔ صحابہ بھی حضرت علیؓ سے قرآن کے معنی اور تفسیر پوچھا کرتے تھے۔

10- حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو تم کو اچھی باتیں بتلائے اور بری باتوں سے روکے وہ اللہ تعالیٰ کا نائب ہے اور زمین میں کتاب اللہ تعالیٰ کا نائب ہے۔ وارث ہے اور اللہ تعالیٰ کے اسم مبارک کو ظاہر کرتا ہے اس سے یہ ثابت ہوا کہ علماء حرام اور حلال کی تمیز بتاتے ہیں۔

11- حضرت علی، ابو بکر، عمرو عثمان اور طلحہؓ فرماتے ہیں کہ صحابہ کا جم غفیر تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کو پڑھتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے بندے وہی ہیں جو علماء ہیں اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ عالم نبی (کی مثل) ہوتا ہے لیکن اس پر وحی نہیں آتی پیغمبر پر وحی آتی ہے وہ اس سے افضل ہوتا ہے۔ حضرت علیؓ اور ابو بکرؓ یہ حدیث بیان کرتے ہیں۔

12- رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یا عالم ہو جا یا طالب علم، یا سننے والا ہو جا یا سنانے والا، پانچواں مت ہو۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا عالم اور طالب علم اشرف ہوتے ہیں۔ ان کی نسبت باقی سب کمتر ہوتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا، نہیں ہیں بہتر لوگ عقل والے مگر علماء۔ بعض اعرابیوں نے اپنے بیٹے سے کہا۔ یا تو درندہ بن جا جو چیزوں کو پھاڑتا ہے یا بھیڑیا بن جا جو چھپ کر رہتا ہے یا کتا بن جا جو اپنے مالک کے گھر کی رکھوالی کرتا ہے لیکن ناقص انسان مت بن۔

13- حضرت علی و عبد اللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص کے ہاتھ کے سہارے پر عالم چلا تو اس کے ایک ایک قدم کے بدلے اللہ تعالیٰ اس کو غلام آزاد کرنے کا ثواب عطا کرے گا۔ جس شخص نے عالم کے سر کو چوما اسے اس عالم کے ایک ایک بال کے بدلے نیکیاں ملیں گی۔

Marfat.com

حضرت علیؓ، حضرت عمر فاروق، حضرت ابوبکر، حضرت عبدالرحمٰن، حضرت ابی قتادہ، حضرت ابوذر غفاری، حضرت عبداللہ ابن مسعود، حضرت عبداللہ ابن عباس، حضرت جابر بن سمرا، انس بن مالک، عبیدہ بن صامت حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے اپنی وفات سے کچھ دن پہلے ایک عظیم وعظ فرمایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ علم کو اپنی سفارش بناؤ۔ علم کی وجہ سے انبیاء ممتاز ہوئے ہیں۔ جہالت کی وجہ سے کوئی بزرگ نہیں ہوتا۔ بزرگی علم سے ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دو چیزوں کے رتبے کے بارے میں فرمایا۔ ''میری رحمت اور میرا علم ہر چیز سے وسیع ہے''۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا انبیاء پر کتب سماوی نازل ہوئیں اور وہ ان کی برکت سے صاحب فضیلت ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے بھی انبیاء پر قرآن کے ذریعے فضیلت دی۔ اللہ تعالیٰ نے علم کو ہر چیز پر مقدم فرمایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے سورۃ رحمٰن میں سب سے پہلے علم کا ذکر فرمایا۔ بعد میں اپنے انعامات کا ذکر فرمایا۔ اے حبیب پاک ﷺ جو آپ ﷺ کو علم نہ تھا میں نے آپ ﷺ کو عطا فرمایا۔ اور یہ آپ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہے۔ جس کی وجہ سے تمام انبیاء اور انسانوں پر مجھے سبقت دی کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء سے زیادہ علم مجھے عطا فرمایا۔ اور اللہ تعالیٰ کا علم اس قدر لامحدود ہے کہ ہمیں اس کے علم سے کیا نسبت ہو سکتی ہے جیسے سمندر سے ایک بوند پانی کو کیا نسبت؟ پھر فرمایا کہ میرا علم یوں سمجھو جیسے سمندر سے ایک بوند پانی۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے قرآن کے ذریعے بزرگی عطا فرمائی ہے لوگوں تک میری بات پہنچا دینا کہ اہل قرآن کی عزت کریں۔ کیونکہ اہل قرآن کی عزت کرنا اللہ تعالیٰ کی عزت ہے۔ ہم نے عرض کیا کہ اہل قرآن سے کیا مراد ہے؟ تو فرمایا کہ جو قرآن کے معنی اور اس کی تفسیر سے واقف ہو۔

یہ تمام احادیث تفسیر امام باقر او دیگر تفاسیر میں موجود ہیں۔ نیز اور احادیث بھی بیان کی جاتی ہیں۔

14- حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سات آسمان اور جو سات آسمانوں کے اندر موجود ہے اور باہر ہے اور سات زمینیں اور جو سات زمینوں کے اندر اور باہر ہیں۔ جب کوئی عزت دار آدمی ذلیل یا دولت مند ہو کر مر جائے تو فرشتے اس پر روتے ہیں۔ یا وہ عالم جس سے جاہل لوگ ٹھٹھا کریں، اس کے لئے بھی یہ بہت روتے ہیں۔

15- آپ ﷺ نے فرمایا، حاملین عرش، مفسرین و شہداء یہ سب اور اہل جنت کو کھینچنے والا اور انبیاء یہ سب اہل جنت کے سردار ہیں۔

16- آپ ﷺ نے فرمایا کہ علماء جنت کی چابیاں ہیں اور انبیاء کے نائب ہیں حضرت علی و ابوموسیٰ اشعری فرماتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! انسان کیسے جنت کی چابیاں ہو سکتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا۔ علماء کا علم جنت کی چابی ہے۔ جب کوئی خواب میں چابی کو دیکھے تو سمجھے کہ اسے علم دین عطا ہوگا۔

17- حضور ﷺ نے فرمایا کہ دن رات میں اللہ تعالیٰ کی ہزار رحمت نازل ہوتی ہے جن میں سے نو سو ننانویں (۹۹۹) علماء اور طلبہ پر اور باقی رحمت سب دنیا پر۔

18- نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کے لئے تمام اعمال میں سے کون سا عمل افضل ہے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا۔ علم۔ فرمایا اس کے بعد عرض کیا۔ عالم کی طرف دیکھنا۔ اس کے بعد عالم کی زیارت کرنا۔ جو شخص اللہ کی رضاء کے لئے علم پڑھے اللہ کی مخلوق کی اصلاح کرنے والا ہو۔ دین کے لئے علم پڑھے اور دنیا کے لئے نہ ہو۔ تو میں اس کے لئے جنت کا ضامن ہوں۔

19- حضرت انس بن مالک سے روایت ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا صحابہ کے جم غفیر میں کہ جس شخص نے عالم کی تھوڑی سی توہین کی تو اس نے اپنے اوپر جہنم کو واجب کر لیا۔

20- دس آدمیوں کی دعا اللہ کی بارگاہ میں جلد قبول ہوتی ہے: (۱) عالم، (۲) طالب علم، (۳) مریض، (۴) مسلمانوں کا خیرخواہ، (۵) یتیم، (۶) غازی، (۷) حاجی، (۸) خوش اخلاق، (۹) اپنے والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرنے والا، (۱۰) وہ عورت جو اپنے خاوند کی فرمانبردار ہو۔

21- رسول اللہ ﷺ ایک شخص سے کچھ باتیں فرما رہے تھے کہ اللہ نے آپ ﷺ پر وحی فرمائی کہ اے حبیب پاک ﷺ اس کی زندگی کے تھوڑے سے لمحے باقی رہ گئے ہیں۔ وہ شخص سنتے ہی عرض کرنے لگا۔ یا رسول اللہ ﷺ اب میں کیا عمل کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا علم سیکھ لے۔ راوی کہتا ہے کہ اگر علم کے علاوہ اور کوئی چیز بہتر ہوتی تو آپ ﷺ وہ چیز بتلاتے۔ حالانکہ اس وقت عصر کا وقت تھا جب کہ اس نے علم سیکھنا شروع کیا اور مغرب سے پہلے اس کی جان نکل گئی۔

22- حضور ﷺ نے فرمایا سب لوگ مردہ کی مانند ہیں مگر عالم مردہ نہیں ہوتا۔

Marfat.com

-23 حضرت انس سے مروی ہے کہ حضورﷺ نے فرمایا کہ انسان کے لئے سات چیزیں ایسی ہیں جو اس کے مرنے کے بعد بھی جاری رہتی ہیں: (۱) علم سکھے، (۲) نہر جاری کرائے، (۳) کنواں کھدوائے، (۴) مسجد بنوائے، (۵) کسی کو قرآن دے ڈالے، (۶) کوئی صدقہ جاریہ دے، (۷) یا نیک اولاد چھوڑ جائے جو اس کے حق میں دعا کرے۔ یاد رہے کہ اس حدیث میں حضورﷺ نے علم کو مقدم فرمایا کیونکہ یہ سات نفع ہیں ان میں سے روح کی غذا علم ہے جو اس کے لئے فائدہ مند ہے۔

-24 حضرت علی فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہﷺ نے نصیحت فرمائی کہ اے علی! توحید کو یاد رکھو۔ وہ میرا راس اعمال ہے۔ نماز قائم کر، کہ وہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ عمل کو قائم کر کہ وہ میرا پیشہ ہے۔ پروردگار کو یاد رکھ کہ وہ میرے دل کا سرور ہے۔ علم کو یاد رکھ کہ وہ میری میراث ہے یہ تمام مذکورہ احادیث تفسیر امام باقر یعنی بحر العلوم، ابوالعالیہ، ابن عباس، تفسیر کبیر، نور القرآن، قتادہ بن دعامہ وغیرہ اسود بن یزید تابعی، سدی، ابن عبادہ، توری اور خزینۃ القرآن میں درج ہیں اور تمام احادیث تواتر ہیں۔ علم کے بارے میں خزینۃ القرآن میں ابھی کافی احادیث ہیں۔ خزینۃ القرآن سے رجوع کیجئے۔

اب فقیر بزرگان دین کے آثار کو بیان کرتا ہے:

-1 حضرت کمیل بن زیاد فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ میرا ہاتھ پکڑ کر جنگل کی طرف لے گئے۔ آپؓ نے لمبا سانس کھینچا اور فرمایا۔ اے کمیل قلوب بہترین میں وہ قلب بہتر ہے جو حفاظت اور یاد الٰہی زیادہ رکھتا ہے دو قسم کے آدمی ہوتے ہیں عالم ربانی اور طالب علم اور بغاوت کا راستہ بھی یہی ہوتے ہیں ان کے علاوہ باقی سب لوگ کمینے ہوتے ہیں۔ فرمایا کمیل بن زیاد ان کو جو کوئی پکارتا ہے اس کے پیچھے بھاگے جاتے ہیں۔ جدھر کی ہوا ہوتی ہے ادھر کا رخ کرتے ہیں۔

-2 علم کی ایک ترتیب ہوتی ہے۔ علم کی زیبائش معرفت ہے۔ انسان اسے حاصل کرتا ہے مرنے کے بعد علم کی وجہ سے اس کا ذکر خیر ہوتا ہے۔ اے کمیل عالم وہ ہوتا ہے جو حال مکرم ہے۔ یہ قول تفسیر امام باقر میں ہے۔

-2 حضرت عمر فرماتے ہیں کہ جب کوئی آدمی گناہ سے بھرا ہوا گھر سے نکلتا ہے اور وہ گناہ میں غرق ہوتا ہے مگر جب علماء کے پاس بیٹھتا ہے اور علم کی باتیں سنتا ہے۔ پھر واپس گھر آتا ہے اور انا للہ وانا الیہ راجعون کہتا ہے تو اس کے گناہ بخشے جاتے ہیں۔ فرمایا، علماء کی مجلس کو نہ چھوڑو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے روئے زمین میں علم سے بڑھ کر کوئی چیز پیدا نہیں فرمائی۔ صاحب خزینۃ القرآن لکھتے ہیں کہ قیامت کے دن لوگ اللہ کی بارگاہ میں سوال کرنا چاہیں گے تو علماء سے پوچھیں گے کہ ہم اللہ کی بارگاہ میں سوال کس طرح کریں؟ نیز فرماتے ہیں کہ تقویٰ کے لئے علم منبع ہے اور تقویٰ منبع سے نکلتا ہے۔ پھر فرماتے ہیں کہ میرے آباؤ اجداد کی بزرگی مسلم ہے تو علم اور تقویٰ کے لحاظ سے۔ اسی لئے ہمیں بنو شرفا کہا جاتا ہے۔

-3 حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان کو اختیار دیا تھا کہ دونوں چیزوں میں سے ایک چیز اختیار کرلو۔ علم یا ملک و مال، انہوں نے علم کو پسند کیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے انہیں علم بھی عطا کیا اور روئے زمین کی بادشاہت بھی۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ علما اللہ تعالیٰ کے دوست ہوتے ہیں اگر علماء دوست نہیں تو روئے زمین پر کوئی اور اللہ تعالیٰ کا دوست نہیں ہوسکتا ہے۔

-4 حضرت سلیمانؑ کو ہدہد کی ضرورت کیوں پیش آئی کہ اس لئے کہ وہ پانی کا جاسوس تھا نافع بن ارزق کہتے ہیں کہ میں نے ابن عباس سے دریافت کیا کہ ہدہد کو پانی کی تلاش کے لئے کیوں مقرر کیا۔ فرمایا کہ ہدہد کے لئے زمین ایک شیشے کی طرح ہے۔ حضرت نافع نے عرض کیا کہ جب شکار کے لئے جال لگایا جاتا ہے تو وہ کیوں اس میں گر جاتا ہے۔ ابن عباس نے فرمایا جب تقدیر غالب آجائے تو آنکھیں اندھی ہوجاتی ہیں۔

-5 حضرت خواجہ حسن بصری فرماتے ہیں کہ علماء کی قلم کی آواز تسبیح ہے اور لکھنا عبادت ہے اگر ان کی لکھنے کی سیاہی کپڑے پر لگ جائے تو یوں سمجھو کہ شہداء کا خون لگ گیا جس کی رفتار تیز ہوجائے گی اس سے نور روشن ہوجائے گا۔ جب قبر سے وہ کھڑا ہوگا تو لوگ سمجھیں گے کہ اللہ کا جلیل القدر اور بزرگ بندہ ہے اور ان کا حشر انبیاء کے ساتھ ہوگا۔

-6 صاحب خزینۃ القرآن لکھتے ہیں کہ تین شخص ایسے ہیں جن کا حق ہلکا نہ سمجھو۔ عالم، بادشاہ اور مسلمان بھائی۔ جس نے عالم کے حق کو ہلکا سمجھا اس نے دین کو ہلکا سمجھا اور ہلاک کردیا۔ جس نے بادشاہ کو ہلکا سمجھا اس نے اپنی دنیا برباد کرلی جس نے مسلمان بھائی کے حق کو ہلکا سمجھا اس نے اپنی مروت کو تباہ کرایا۔

Marfat.com

7- صاحب خزینۃ القرآن کا قول ہے کہ علم کی یہ حقیقت ہے کہ باقی ہر شئے کسی سے کوئی چھین سکتا ہے لیکن علم وہ دولت ہے جسے کوئی نہیں چھین سکتا۔

8- صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کسی نے میرے دوست عبداللہ ابن عمرو حکیم سے کہا کہ تو آنکھ بند کر لے تب دیکھ، اس نے آنکھ بند کر لی۔ پھر اس نے کہا۔ تو مت سن۔ اس نے کان بند کر لیے۔ پھر کہا تو مت کلام کر۔ اس نے اپنے ہاتھ اپنے منہ پر رکھ لئے۔ پھر کہا کہ تو جاننا چھوڑ دے اس نے کہا کہ یہ بات میرے اختیار میں نہیں ہے۔

9- چور سویا ہوا ہو تو اس کے ہاتھ نہیں کٹ سکتے وہ کہہ سکتا ہے کہ یہ میری امانت تھی۔ اسی طرح شرابی شراب پی کر کہہ سکتا ہے کہ میں نے انگوروں کا سرکہ پیا ہے۔ زانی بھی کہہ سکتا ہے کہ میں نے نکاح کر لیا ہے لیکن یہ سب ان کے فاسد خیالات ہیں۔

10- صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ اپنے بھائیوں کا دل اپنے علم کے بیان کی روشنیوں سے زندہ کرو جس طرح وہ مردہ زمین کو پانی دے کر اسے زندہ کرتے ہیں اور اس سے گھاس نکلتا ہے اس زمین سے دل اچھا ہے جس میں تم گھاس بوتے ہو۔ آپ نے یہ شعر بھی پڑھا۔ جس کا مفہوم یہ تھا کہ ''جاہل زندہ ہوتے ہوئے بھی مردہ ہے اور جاہل کا جسم قبر میں جانے سے پہلے بھی ایک قبر ہے'' واہ کیا خوب صاحب خزینۃ القرآن نے فرمایا ہے۔

اب علم کی فضیلت میں چند نکات:

1- جاہل جو گناہ کرتا ہے اس کے خاتمے کی امید نہیں ہوتی۔ حضرت آدمؑ نے استغفار پڑھی اور شیطان گمراہ ہوا اور ہمیشہ کے لئے گمراہی میں رہے گا اس واسطے کہ اس کے گناہ کا صدور جہل پر تھا۔

2- جب حضرت یوسف علیہ السلام کو بادشاہت ملی تو انہیں ایک وزیر کی ضرورت تھی۔ جبرائیل نے عرض کیا کہ اللہ نے فرمایا ہے کہ تو کسی اور کو وزیر مت بنا سوائے فلاں شخص کے۔ جس نے یوسف سے کہا کہ وہ شخص تو بہت خراب حالت والا ہے۔ یہ وہی شخص تھا جس نے یوسفؑ کی گواہی دی تھی تو یہ وزارت کا مستحق قرار پایا۔

3- تفسیر، طبری، نور القرآن اور کبیر میں ہے کہ ایک شخص ابراہیم بن سنان نامی تھا لیکن امام رازی نے نام نہیں لکھا۔ باقی نے نام لکھا ہے۔ یہ ابراہیم خلیفہ متوکل باللہ کے پاس نوکری کی درخواست لے گیا لیکن خلیفہ نے کہا کہ تو علم پڑھ۔ وہ صاحب خزینۃ القرآن کے پاس علم پڑھنے کو حاضر ہوا۔ جب اس کے علم کی چاشنی زیادہ بڑھ گئی تو خلیفہ نے کہلوا بھیجا کہ اب علم پڑھنا چھوڑ دے اور میری خدمت کر کہ تو علم حاصل کر کے میری خدمت کے قابل ہو گیا ہے اس نے جواب دیا میں جاہل تھا اور تیری خدمت یہ سمجھ کر کرنا چاہتا تھا کہ تیرا دروازہ بڑا ہے۔ لیکن اب علم سے معلوم ہوا کہ اللہ کا دروازہ تمام دروازوں سے بڑا ہے پس میں اس کے علم کی خدمت کروں گا۔

4- علم حاصل کرنا دشوار کیوں ہوتا ہے کہ لوگوں کو دنیا کے مال سے محبت ہوتی ہے۔ اور آنکھ پر چھوٹی سی سیاہی پھیل جاتی ہے۔ جب یہ سیاہی آنکھ پر بیٹھ جائے تو قلب بھی گھیرے میں آجاتا ہے۔ جب چھوٹی سی چیز کو آنکھ کی پتلی پر رکھ لیا جائے تو کچھ نظر نہیں آتا۔ اسی طرح جب مال کو قلب پر رکھ لیا جائے تو کیا نظر آئے گا؟

5- ایک حکیم کا قول ہے کہ قلب مردہ ہے اور اس کی زندگی علم ہے اور علم مردہ ہے اور اس کی زندگی طلب سے ہے اور طلب ضعف ہے اس کی قوت پڑھنے اور پڑھانے سے قائم ہوتی ہے۔ جب مناظرہ کرتا ہے تو مناظرہ سے علم کا اظہار ہوتا ہے اور بغیر علم کے سب مردہ ہے۔

6- قرآن مجید میں وارد ہے کہ چیونٹی نے سب چیونٹیوں سے کہا کہ تم اپنے اپنے سوراخوں میں گھس جاؤ۔ وگرنہ سلیمان کا لشکر تمہیں بے خبری میں پامال نہ کر ڈالے۔ یہ حضرت سلیمانؑ کے معصوم ہونے کی دلیل ہے کہ معصوم اس وقت تک کسی کو ایذا نہیں پہنچاتا جب تک کسی کی طرف سے اسے ایذا نہ پہنچے۔ یہ چیونٹی علم کی وجہ سے ان چیونٹیوں کی سردار تھی کیونکہ وہ چیونٹیوں کی جنس سے تھی پھر وہ ذات کیونکر معلومات اور موجودات کی ریاست کی مستحق نہیں ہے۔ بے شک وہ مالک وخالق ہے۔

7- جس طرح کتے کو تعلیم دی جاتی ہے وہ شکار کرتا ہے تو اس کے شکار سے جو شکار ہوتا ہے وہ حلال ہوتا ہے حالانکہ کتا نجس ہے، علم کی برکت سے وہ شکار پاک ہو گیا ہے۔ نجس سے وہ شکار طیب ہو گیا ہے۔ اسی طرح انسان کا روح اور نفس پاک فطرت ہیں لیکن وہ اپنے گناہ کی وجہ سے نجس ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح وہ علم کی

Marfat.com

برکت سے اللہ سے پرامید ہے کہ نجس کو طاہر بنا دیتا ہے اور مردہ کو مقبول بنا دیتا ہے۔

-8 دل تمام اعضاء کا رئیس ہے کیونکہ ہڈی کی طاقت پر وہ رئیس نہیں ہے بلکہ علم کا پہرہ دل پر ہوتا ہے تو بے شک انسانی صفات میں علم افضل صفت ہے۔

اب فقیر علم کے فضائل میں حکایات بیان کرتا ہے:

-1 خزینۃ القرآن میں یہ واقعہ لکھا ہے کہ ہارون الرشید کے دربار میں کافی لوگ بیٹھے تھے جن میں قاضی امام ابو یوسف بھی تھے۔ ایک شخص نے دوسرے شخص پر دعویٰ کیا کہ یہ میرے گھر سے مال لے آیا ہے۔ اس نے کہا ہاں لے آیا ہوں۔ سب فقہا نے بالاتفاق کہا کہ اس کے ہاتھ کاٹ دو امام ابو یوسف نے کہا کہ ہاتھ نہ کاٹو کیونکہ اس نے مال چوری نہیں کیا۔ مال لے آنے کا اقرار کیا ہے۔ لوگوں نے اس سے پوچھا کہ تو مال کس طرح لایا ہے؟ اس نے کہا میں چوری کر کے لایا ہوں سب فقہاء نے کہا اب تو اس کے ہاتھ کٹنے چاہئیں۔ ابو یوسف نے فرمایا کہ اب بھی ہاتھ نہیں کاٹے جائیں گے۔ جب پہلے اس نے مال لے آنے کا اقرار کیا تو اس پر تاوان واجب ہو گیا۔ سب لوگ آپ کی بات سن کر متعجب ہوئے۔

-2 شعبی سے مروی ہے کہ میں حجاج بن یوسف کے پاس بیٹھا تھا کہ بلخ خراسان سے یحییٰ بن عمیر فقیہ کو لوہے کی زنجیروں میں جکڑ کر حجاج بن یوسف کے دربار میں لایا گیا۔ حجاج نے کہا کہ تمہارا یہ خیال ہے کہ حضرت حسن وحسین ذریت مصطفویٰ سے ہیں، کہا ہاں، تو حجاج نے کہا مجھے کتاب اللہ سے دلیل چاہئے۔ اس نے ساتویں پارہ کی یہ آیت تلاوت کی جس میں حضرت سلیمان، حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہ ہے کہ وہ اولاد نوح سے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ عیسیٰ حالانکہ ان کا کوئی والد نہیں۔ ان کو بھی اولاد نوح سے کہا گیا ہے۔ تب ان کے زنجیر کھول دیئے گئے۔ اور حجاج نے ان سے کہا کہ میں نے یہ آیت نہیں پڑھی تھی۔ اور کافی رقم دے کر انہیں واپس کیا گیا۔

-3 منقول ہے کہ اہل مدینہ امام اعظم کے پاس مناظرہ کرنے آئے کہ کیا خلف الامام سورۃ فاتحہ پڑھنی چاہئے؟ اور اگر امام صاحب مناظرہ میں اس کا جواب نہ دے سکے تو ہم سختی سے پیش آئیں گے۔ جب امام صاحب سے یہ بات کہی گئی کہ ہم مناظرہ کرنے آئے ہیں کہ تم خلف الامام سورۃ فاتحہ کیوں نہیں پڑھتے ہو؟ تو آپ نے فرمایا کہ تم سب سے مناظرہ کرنا درست نہیں تم اپنے میں سے جو زیادہ علم والا ہے اسے منتخب کر لو۔ انہوں نے ایک شخص کی طرف اشارہ کیا جس کا نام عمرو بن زید تھا۔ آپ نے فرمایا کہ جب تم اس کو مقرر کر لو گے تو پھر اس کی بات پر تم الزام نہ دو گے اگر الزام دو گے تو تم ہار جاؤ گے۔ انہوں نے کہا کہ ٹھیک ہے جو اس کی حجت ہوگی وہی ہماری حجت ہوگی۔ اس پر امام صاحب نے فرمایا کہ جب نماز میں امام مقرر کیا جاتا ہے تو اس کی قرآت ہماری قرآت ہوتی ہے۔ سب نے اس حجت کو مان لیا۔ آپ نے فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا ہے کہ جو امام کی قرأت ہے وہی مقتدی کی قرأت ہے یہ حدیث مشہور ہے۔

-4 فرزدق نے کہا کہ میرے شعر کی اس طرح بے عزتی ہوئی ہے جس طرح خالصہ کے موتیوں کی عزت خراب ہوئی۔ خالصہ سلیمان بن عبدالملک کی لونڈی تھی۔ سلیمان کی ہیبت تمام مردوں پر چھائی ہوئی تھی۔ خالصہ جو کہ ایک بڑی ادیبہ تھی فرزدق اس سے محبت کرتا تھا۔ ادیب ہونے کی حیثیت سے خالصہ نے اپنے آقا سلیمان سے شکایت کی کہ فرزدق ایسے کہتا ہے۔ اس نے حکم دیا کہ اسے سخت زنجیروں میں باندھ کر دربار میں پیش کرو۔ جب حاضر کیا گیا تو اس پر سلیمان کی ہیبت چھائی ہوتی تھی جان نکلنے کے قریب تھی۔ مشکل سے کھڑا تھا۔ سلیمان نے پوچھا تم نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے انکار کیا اور کہا کہ میرے کسی مخالف نے ایسا کہا ہے میں نے تو اس طرح کہا تھا کہ میرے شعر سے تیرے در پر اس طرح رونق چھائی ہے جس طرح خالصہ پر موتیوں کی رونق چھائی ہوئی ہے۔ وہ پردے کے پیچھے سن رہی تھی اس سے رہا نہ گیا۔ وہ فوراً پردے سے نکل آئی اور وہ موتی آ کر فرزدق کو دے دیئے۔ ان کی قیمت دس لاکھ درہم تھی لیکن جب وہ لینے لگا تو سلیمان کے ایک غلام نے جو کہ حاسد تھا لاکھ درہم فرزدق کو دے کر باقی واپس خالصہ کو دے دیئے۔

-5 حضرت امام اعظم کو خلیفہ منصور نے بلوایا۔ ربیع نے امام کی مخالفت کی اور کہا کہ یہ تمہارے دادا کے خلاف کہتے ہیں۔ وہ کہتے تھے کہ استثناء منفصل جائز نہیں۔ امام صاحب نے فرمایا۔ ربیع کہتا ہے کہ لوگ امیر المومنین کی بیعت نہیں ہوتے وہ ان شاءاللہ کہہ کر چلے جاتے ہیں۔ منصور ہنس پڑا۔ جب دونوں دربار سے باہر آئے تو امام صاحب نے ربیع سے کہا کہ تم نے میرے قتل کرانے کی بات کی۔ آپ نے فرمایا کہ پہل تم نے کی تھی میں نے اپنے سے اس مصیبت کو ٹالا۔ اسی طرح ایک ذمی کو ایک مسلمان نے قتل کر دیا تو قاضی ابو یوسف نے بدلہ میں اس کے قتل کرنے کا حکم دیا لیکن ملکہ زبیدہ نے امام صاحب سے کہلوا بھیجا کہ اس کو نہ

Marfat.com

قتل کرنا۔ زبیدہ کو اس پر عنایت تھی۔ ہارون الرشید کے سامنے اور فقہا بھی موجود تھے تو قاضی صاحب سے ہارون الرشید نے کہا کہ اسے قتل کرنے کا حکم دو۔ امام صاحب نے کہا کہ اس کے عادل گواہ نہیں ہیں کہ اس کا قاتل یہی ہے نہ ہی کوئی جرم قطعی جرم ہے۔ شہادت کے بارے میں میرے مذہب میں یہی ہے کہ جب تک کوئی قطعی شہادت نہ ہو، میں قتل کا حکم نہیں دیتا۔ اس کے ورثاء بھی موجود تھے۔

-6 عفیان نے اپنے دشمن عبدالرحمٰن بن محمد بن اشعث سے کہا کہ جب تو حجاج بن یوسف کے پاس پہنچے گا تو تجھے خبر لگ جائے گی۔ وہ پہنچا اور حجاج سے کہا کہ اسلام علیکم کا جواب کیا ہے؟ اس نے کہا وعلیکم السلام! اور کہا کہ اے عفیان اللہ تعالیٰ تجھ سے انتقام لے کہ تو نے میرے اوپر ایسی بات چلائی ہے۔ حالانکہ اس وقت اتنا غصہ تھا کہ تو ٹھنڈا پانی بھی نہیں پی سکتا تھا۔ میں ساری بات سمجھ چکا ہوں۔ دیکھو میرے علم میں ہے اور علماء بہتر ہیں یا جاہل۔ جاہل تو جاہل ہی ہوتا ہے۔

-7 ابومسلم نے سلیمان بن کثیر سے کہا کہ تو ایک جلسہ میں بیٹھا تھا اور کہہ رہا تھا کہ اے اللہ! حکم کا منہ کالا کر۔ اس کی گردن کاٹی جائے اور اس کا خوف مجھے ہلا نہ دے۔ کہا، کیا تو نے ایسا کہا تھا؟ کہا ہاں، میں نے انگوروں کو دیکھ کر یہ کہا تھا۔ مسلم کو یہ بات پسند آئی اور اس کا قصور معاف کر دیا۔

-8 ایک شخص کے گھر چور آئے، چوری کی اور اس سے حلفاً کہلوایا کہ اگر تو کسی کی توضیح بیان کرے تو تیری بیوی کو تین طلاق، جب دن چڑھا تو وہ بہت حیران تھا۔ چور چوری کا مال فروخت کر رہے تھے اور صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ وہ شخص میرے پاس آیا۔ میں نے اسے کہا کہ اپنے اہل محلہ اور امام مسجد کو بلاؤ جب وہ اکٹھے ہو گئے تو فرمایا کیا اگر اس کا مال اسے واپس مل جائے تو تم اس بات پر خوش ہو یا نہیں سب نے کہا ہم بہت خوش ہوں گے۔ فرمایا تم سب ایک مکان میں جمع ہو جاؤ کہ یہ تیرا چور ہے اس شخص سے پوچھتے جاؤ۔ جو چور نہ ہو۔ یہ کہہ دے کہ نہیں اور جو چور ہو اور یہ دیکھ لے تو سکوت کرے۔ پس اس کا مال اس سے واپس دلواؤ۔

-9 حضرت امام اعظم کے پڑوس میں ایک شخص رہتا تھا۔ امام صاحب سے کہا کہ میں نے فلاں لڑکی سے نکاح کرنے کا ارادہ کیا ہے اور اس کے وارثوں کو پیغام بھیجا ہے لیکن وہ مہر زیادہ مانگتے ہیں۔ آپ نے ترکیب بتائی کہ تو کسی سے قرض لے لے اللہ تعالیٰ تیرے لئے آسانی فرمائے گا۔ امام صاحب نے قرضہ دلوا دیا پھر کچھ دنوں کے بعد اسے کہا کہ تو سفر کا ارادہ کر اور بیوی کو بھی ساتھ لے جانے کا قصد کر۔ جب لوگوں نے یہ بات سنی تو بہت شاق گزری۔ لوگ امام صاحب سے فتویٰ پوچھنے آئے۔ آپ نے فرمایا کہ شریعت کے اندر یہ شرط ہے کہ جو کچھ تم نے اس سے لیا ہے اسے واپس دے دو۔ انہوں نے واپس دے دیا لیکن وہ بولا کہ میں اور بھی کچھ لوں گا۔ امام صاحب نے کہا کہ وہ اس طرح کہ عورت کا تجھ سے خلع پانے کا ارادہ ہو جائے تو دین کے اندر کچھ گرفت نہ ہوگی۔ تو امام صاحب کے علم کے طفیل اس شخص کی مشکل حل ہوگئی۔

-10 امام شافعیؒ سے کسی شخص کے بارے میں پوچھا گیا کہ اس نے رمضان شریف کے دنوں میں یہ مستحکم قصد کر لیا ہے کہ وہ اپنی بیوی سے جماع کرے گا اس کا کوئی جواب نہ دے سکا۔ امام صاحب نے فرمایا ان دنوں میں وہ اپنی بیوی کو سفر پر لے جائے اور سفر میں وہ جماع کر سکتا ہے۔

-11 لیث ابن سعد کہتے ہیں کہ ایک شخص امام صاحب کے پاس آیا اور کہا کہ میرے بیٹے کی عادت خراب ہے میں جو لونڈی اس کو خرید کر دیتا ہوں اسے آزاد کر دیتا ہے۔ اس طرح میری کافی رقم خرچ ہو رہی ہے۔ امام صاحب نے فرمایا تو اسے لوگوں کے ساتھ تطبیق لے جا۔ وہ لونڈیوں کو دیکھے گا۔ جس لونڈی کو وہ پسند کرے، اس سے اس کا نکاح کرا دینا۔ اگر وہ اسے طلاق دے دے یا آزاد کر دے تو وہ واپس تیرے پاس آ جائے گی کہ وہ تیری ملکیت ہے۔ لیث ابن سعد نے کہا کہ مجھے امام صاحب پر تعجب نہیں بلکہ ان کے اس جواب پر تعجب ہے۔

-12 ہارون الرشید جعفر بن یحییٰ کی لونڈی کو چاہتا تھا۔ جعفر بن یحییٰ نے حلف اٹھایا تھا کہ میں اسے نہ فروخت کروں گا نہ ہبہ کروں گا اور نہ آزاد کروں گا۔ قاضی ابویوسف سے ہارون الرشید نے پوچھا کہ یہ کس طرح آزاد ہو۔ انہوں نے فرمایا کہ نصف حصہ فروخت کر دے اور نصف حصہ ہبہ کر دے۔ یہ طریقہ ہے۔

-13 محمد بن حسن کہتے ہیں کہ میں ایک شب سو رہا تھا۔ میرے دروازے پر قاصد نے دستک دی کہ میں خلفیہ کا قاصد ہوں۔ مجھے اپنی جان کا خوف پڑ گیا اور میں اس قاصد کے ساتھ چلا گیا۔ جب ہارون الرشید کے پاس پہنچا تو اس نے کہا میں نے تمہیں ایک مسئلہ پوچھنے کے لئے بلایا ہے کہ میری بیوی زبیدہ مجھ سے ایک

Marfat.com

بحث میں الجھی ہے۔ یمین نے اس سے کہا ہے کہ میں عادل بادشاہ ہوں اور میں احسن ہوں۔ اس نے کہا کہ تو اللہ تعالیٰ کا گناہ گار ہے اور اللہ تعالیٰ پر جھوٹ کہا ہے اس لئے میں اس کے لئے حرام ہوں۔ محمد بن حسن نے کہا کہ اے خلیفہ! کیا تو اللہ تعالیٰ سے خوف کرتا ہے؟ اس نے کہا اللہ تعالیٰ کی قسم میں ہر وقت خوف کرتا ہوں۔ اس نے کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرے اس کے لئے دو جنتیں ہیں۔ آپ تو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں آپ کے لئے دو جنتیں ہیں۔ اس نے کہا۔ آپ تشریف لے جائیں۔ میں گھر نہیں پہنچا تھا کہ ایک تھیلی میرے گھر میں پڑی تھی۔

-13 قاضی ابو یوسف کے پاس رات کو ہارون الرشید کا قاصد آیا اور کہا کہ چلئے آپ کو خلیفہ نے بلایا ہے۔ قاضی صاحب کو اپنی جان کی پڑی اور جلدی سے تہمبند باندھا اور خلیفہ کے پاس چلے آئے اور السلام علیکم کہا۔ خلیفہ نے کہا کہ پریشانی یہ ہے کہ میرے گھر سے ایک زیور چوری ہو گیا ہے اور ایک لڑکی کو حلفاً کہا ہے کہ تیرے پاس ہے۔ تجھے قتل کر دوں گا۔ آپ فرمائیے کہ یہ میری قسم کس طرح ٹوٹ سکتی ہے۔ قاضی نے کہا۔ مجھے اس لڑکی کے پاس جانے کی اجازت دے دیجئے۔ میں نے اس سے کچھ کہنا ہے۔ ہارون الرشید نے اجازت دے دی اور وہ اس لڑکی کے پاس گئے۔ وہ لڑکی بہت خوب صورت اور چاند کا ٹکڑا تھی۔ اس سے پوچھا کہ کیا تو نے زیور چوری کیا ہے۔ اس نے کہا۔ اللہ کی قسم میں نے زیور نہیں چرایا۔ آپ نے دوسرے لوگوں کو بھی بلوایا اور لڑکی سے کہا کہ خلیفہ کے دربار میں جب وہ تجھ سے پوچھے کہ تم نے چوری کی ہے تو کہنا ہاں۔ وہ کہے کہ زیور لاؤ تو کہنا کہ میں نے چوری نہیں کی۔ پھر قاضی صاحب ہارون الرشید کے دربار میں آ گئے۔ اور لڑکی کو حاضر کرنے کا حکم دیا۔ خلیفہ نے پوچھا کیا تم نے چوری کی ہے؟ اس نے کہا ہاں! خلیفہ نے کہا لاؤ۔ کہا میں نے نہیں کی۔ قاضی صاحب نے کہا قسم ٹوٹ گئی۔ اقرار بھی اور انکار بھی۔ ہارون الرشید نے حکم دیا کہ قاضی کے گھر پر لاکھ روپے بھجوا دو۔ نوکروں نے کہا۔ جناب رات ہے حکم ہو تو صبح کو بھجوا دیں اس نے کہا نہیں۔ قاضی صاحب نے مجھے رات کو آرام دیا ہے چنانچہ دس (۱۰) تھیلیاں اسی وقت قاضی صاحب کے مکان پر بھجوا دی گئیں۔

-14 بشیر مری نے امام شافعی سے کہا آپ اجماع کے قائل میں مشرق سے مغرب والوں کو ایک چیز پر اتفاق کرانا معلوم نہیں ہوتا۔ امام شافعی نے کہا دیکھو یہ ہارون الرشید خلیفہ ہے اور بہت سے لوگ اس کی صداقت کے قائل ہیں۔ بشیر مری نے ہارون الرشید کے ڈر سے کچھ نہ کہا اور سکوت کیا۔ امام جعفر نے اسے اپنی تفسیر میں لکھا ہے۔ تفسیر کبیر اور خزینۃ القرآن میں بھی ہے۔

-15 حضرت امام حسینؓ کے پاس ایک اعرابی کچھ مانگنے کی غرض سے حاضر ہوا اور کہا کہ میں نے آپ کے نانا جان حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے اور آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ چار قسم کے آدمیوں سے سوال کیا کرو۔ (۱) عربی جو شریف ہو، (۲) جو حامل قرآن ہو، (۳) جو مولا صاحب کرم اور، (۴) خوشرو ہو۔ یہ تینوں وصف آپ ہی میں ہیں کہ سارے عالم کی شرافت آپ کے نانا جان حضرت محمد ﷺ کے طفیل ملی۔ آپ کے گھر میں قرآن اترا۔ آپ مولا صاحب کرم ہیں۔ یہ تینوں وصف آپ میں ہیں آپ کے پاس عراق سے ایک تھیلی آئی ہوئی تھی جو مہر سے بند تھی۔ فرمایا ایک سوال کا جواب دیا تو اس کا ایک حصہ تجھے دوں گا۔ دو سوالوں کا جواب دو گے تو دو حصے اور اگر تینوں کا جواب دو تو ساری تھیلی تمہیں دے دوں گا۔ اس نے کہا۔ جناب سوال کیجئے آپ نے فرمایا تمام اعمال میں سے کون سا عمل اچھا ہے؟ اعرابی نے کہا۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا۔ پھر آپ نے فرمایا۔ اگر کوئی ہلاکت میں ہو تو کیا کرے کہا، اللہ پر بھروسہ کرے آپ نے پوچھا آدمی کی زینت کس چیز سے ہے؟ اس نے کہا علم سے اور علم میں جس کے ساتھ حلم بھی ہو۔ آپ نے فرمایا اگر یہ بات حاصل نہ ہو۔ تو پھر کہا مال میں جس کے ساتھ کرم بھی ہو۔ فرمایا یہ نہ ہو تو کیا کہا شکر کے ساتھ صبر ہو۔ فرمایا اگر یہ بھی میسر نہ ہو تو۔ اس نے کہا پھر بجلی آسمان سے آئے اور اسے پھونک دے۔ امام حسین علیہ السلام کو ہنسی آ گئی اور آپ نے وہ ساری تھیلی اسے دے دی۔ تب اس نے کہا۔ جناب کرم سیرت آپ کی عادت ہے۔ آپ کے نانا جان رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے دیکھنا ہو تو حضرت حسنؓ و حسینؓ کو دیکھ لیا کرو۔ یاد رہے کہ فقیر نے حضرت امام حسن اور امام حسین کے ساتھ علیہ السلام کا لفظ لگایا ہے تو امام رازی نے تفسیر کبیر میں اسی واقعہ میں علیہ السلام کا لفظ بھی لکھا ہے اور یہ تمام مندرجہ بالا واقعات فقیر نے تفسیر خزینۃ القرآن سے لئے ہیں اور انہوں نے بھی علیہ السلام ہی لکھا ہے اور یہ رسول اللہ ﷺ کی وجہ سے ہے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا۔ میں حسینؓ سے ہوں اور حسینؓ مجھ سے ہے۔

اب فقیر علم کے بارے میں چند دلائل عقلیہ بیان کرتا ہے:

ہر شخص یہ خوب جانتا ہے کہ علم ایک کمال کی صفت ہے اور جب کسی عالم کو جاہل کہا جائے تو وہ ناراض ہوگا۔ اور جاہل کو عالم کہا جائے گا تو وہ خوش ہوگا۔ ثابت

Marfat.com

ہوا کہ علم کتنا محبوب ہے اور جہالت نقصان دہ ہے اور فائدہ اس میں ہے اگر علماء آپس میں تبادلہ خیالات کریں تو ان کا کمال علم بہت بلند ہوتا ہے کیونکہ لوگ ان کا اتباع کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ سے لوگوں کو کتنی مخالفت تھی کہ آپ ﷺ کے قتل کے درپے تھے لیکن جو بھی آپ کے چہرہ مبارک پر نظر ڈالتا آپ کا رعب اس پر چھا جاتا اور ایک شاعر نے کہا کہ نبی پاک ﷺ کے پاس نبوت کے کمالات نہ ہوتے تو آپ ﷺ کی صورت بھی یہ بات بتلا دیتی حالانکہ آپ ﷺ کی صورت کمال علم کی وجہ سے روشن اور منیر ہے۔ دیکھئے حیوانات میں بھی کچھ نہ کچھ سوجھ بوجھ ہوتی ہے لیکن انسان کے اندر جو قوت ہے اس کی وجہ سے انسان کو حیوان پر برتری حاصل ہے۔ تو یہ برتری علم کی وجہ سے ہے۔ قوت کی بدولت انسان کو حیوانات پر برتری نہیں ہو سکتی کیونکہ بہت سے حیوانات ایسے ہیں جو قوت کے لحاظ سے انسان سے بڑھ کر ہیں۔ لیکن انسان کی فضیلت عقل و شعور یعنی علم سے ہے۔ علم بذاتہٖ ایک صفت ہے جیسے بکریوں کے چرواہے بھی اپنے میں سے کسی ایک کو عقل والا مانتے ہیں۔ انسان عبادت الٰہی میں مشغول رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے جنوں اور انسانوں کو عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔ جاہل تاریکیوں میں رہتا ہے اور عالم عالم ملکوت کا سفر کرتا ہے اس کی عقل اپنے مطالعہ سے کتاب بن جاتی ہے پھر وہ یہ سمجھتا ہے کہ وہ معدومات اور موجودات کی خبر رکھتا ہے ممکن اور واجب کو سمجھتا ہے اور ممکن کی تعریف میں جو ہر اور عرض ہیں۔ جو ہر کی دو قسمیں ہیں۔ جو ہر اور حرکت، اور بسیط پھر اس میں اثر اور مؤثر معلول اور علت اور جزو اور کل اور اس کے اجزاء اور واالا اور کثیر کا علم کرتا ہے پس اس کو تمام معلومات ہو جاتی ہیں اور یہ سعادت صرف بنی آدم کے لئے ہے۔ جب یہ عالم ہو جاتا ہے تو دوسرے نفوس کو عالم بناتا ہے یہ عالم ارواح میں حیات ابدی کا سبب بنتے ہیں پھر وہ آفتاب کی طرح چمکنے لگ جاتا ہے لعل کامل پھر مکمل ہوتا ہے۔ جس طرح حیات بذات خود بغیر روح کے مردہ ہے رب العزت کا ارشاد ہے: ''اتارتا ہے فرشتے روح کے ساتھ'' روح سے مراد مفسرین نے قرآن مجید کو لیا ہے۔ پس انسانی روح کی غذا علم ہے۔ حضرت آدمؑ کے بارہ میں جب اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوا کہ میں زمین میں اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں تو فرشتوں نے اَتَجۡعَلُ کہا۔ اللہ نے فرمایا کہ جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے۔ اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے علم کا ذکر فرمایا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کے پاس علم کے علاوہ بھی لامحدود صفات ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے آدم کو سجدہ کروایا۔ یہ بھی حضرت آدم کا کمال علم تھا اور علم کی برکت تھی۔ فرشتے جو یہ کہتے ہیں کہ ہم تو تیری تقدیس و تسبیح بیان کرتے ہیں ظاہر ہے کہ علم کا ہونا بھی ضروری ہے۔ ورنہ یہ نفاق ہوگا۔ نفاق ذلیل درجہ کی چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ منافق جہنم کے نچلے درجے میں ہوں گے۔ تقدیس تو تب ہو جب کامل یقین ہو۔ امام رازی حضرت آدمؑ کا قصور بیان کرتے ہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ عمل اشرف بھی ہوتا ہے۔ اور ناقص بھی بن جاتا ہے تو یہ آئندہ اوراق میں بیان ہوگا کہ بندے کا قصور ہوتا ہے یا نہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کو دیکھیں کہ انہوں نے رات کو پہلے ستارے کی طرف دیکھا پھر چاند اور سورج کی طرف اور پھر ان کو اپنے کمال علم سے یہ کہا کہ میں متوجہ ہوں اس ذات کی طرف جس نے زمین اور آسمان کو پیدا فرمایا۔ اس کے بعد وہ اپنے رب سے یہ کہتے ہیں کہ تو نے دیکھا کہ مردوں کو تعلیم کے ذریعے کیسے زندہ کرتا ہے۔ اپنے چچا سے بھی جھگڑا کرتے ہیں اور کمال علمی کی وجہ سے بادشاہ نمرود سے بھی مناظرہ کرتے ہیں۔ یہ سب علم اور نور کی برکت ہی تو ہے۔

اسی طرح حضرت صالح، شعیب اور لوط علیہم السلام کے حالات کو دیکھئے کہ ابتداً وہ اپنی قوم کو تعلیم فرماتے ہیں پھر اپنے سیدنا و آقا و مولا جناب محمد رسول اللہ ﷺ کو دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے وہ اپنے غائب کو کسی پر ظاہر نہیں فرماتا مگر اپنے رسولوں میں سے جسے پسند کرے۔ تو اے حبیب پاک ﷺ آپ ﷺ کو وہ علم عطا کیا جو آپ کے پاس پہلے نہ تھا۔ اس طرح دلائل عقلیہ اور نقلیہ سے جس کو علم کی فضیلت معلوم نہیں ہوتی تو پھر ہو ہی نہیں سکتی۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں علم کے بہت سے بزرگ نام فرماتے ہیں جن میں حیات اور روح بھی ہے۔ حضرت یوسفؑ نے عزیز مصر سے کہا کہ تو خزانے میرے سپرد کر دے کہ میں حفاظت کرنے والا اور جاننے والا ہوں۔ آپ نے اپنا حسب نسب بیان نہیں کیا بلکہ علم کا ذکر کیا۔ فرمایا کہ انسان میں دو چھوٹی چھوٹی چیزیں ہیں قلب اور زبان، علماء بھی یہی کہتے ہیں کہ علم تین چیزوں پر ہے۔ (۱) قلب، (۲) تفکرات، (۳) زبان۔ کیونکہ علم کا تعلق زبان و دل سے ہے۔ لڑائی دل کے بہادر ہونے سے ہوتی ہے اور کلام زبان سے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ علم کا عین علو سے لام لطف سے اور میم مروت سے ہے۔

بعض بزرگ کہتے ہیں کہ علم کی گیارہ قسمیں ہیں:

(۱) علم توحید، (۲) علم معاشرت، (۳) علم زبان، (۴) علم سیاست، (۵) علم شریعت، (۶) علم جنگ، (۷) علم خواب، (۸) علم طب، (۹) علم فراست، (۱۰) علم حقیقت، (۱۱) علم قلب۔

Marfat.com

اللہ تعالیٰ نے علم کی مثال پانی سے دی ہے اور پانی کی چار قسمیں ہیں:

(۱) سمندر کا پانی، (۲) سیلاب کا پانی، (۳) تالاب کا پانی، (۴) چشمے کا پانی۔

علم توحید کو سمندر کے پانی سے مشابہت ہے اس کو حرکت نہیں ہوتی۔ ورنہ خراب ہو جائے گا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی ذات پر بحث کرنا فضول ہوگا کیونکہ نوبت کفر تک پہنچ جائے گی۔ علم فقہ کو تالاب سے نسبت ہے جس طرح تالاب کو کھودا جاتا ہے اسی طرح فقہ میں اجتہاد کو زیادہ پڑھنا علم کی فضیلت ہوگی۔ علم اجتہاد کو بند کے پانی کے ساتھ مشابہت ہے جس طرح وہ صاف رہتا ہے اجتہاد میں بھی اسی طرح صفائی رہتی ہے اور رہنی چاہئے کیونکہ طمع اس کو خراب کر دیتا ہے۔ بدعت کو سیلاب کے ساتھ کہ جس طرح سیلاب کا پانی فصلوں کو گھیرے میں لے لیتا ہے اور انہیں خراب کر دیتا ہے اسی طرح بدعت سے گمراہی چھا جاتی ہے اور اس سے ایمان کو نقصان پہنچتا ہے۔

مسئلہ ساتواں:

علم کی تعریف علماء نے کئی طرح سے کی ہے۔ ابوالحسن اشعری کہتا ہے کہ علم اسے کہتے ہیں جس سے کوئی چیز معلوم ہو۔ وہ ذات عالم بن جائے۔ علماء نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ علم معلوم ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے۔

علم کی نصرۃ:

-1 علم خود معرفت کا نام ہے۔ جب کسی ذات کی حقیقت معلوم ہو جائے لیکن علم کی تعریف ایک شئے کی ذات کے ساتھ کرنا محال ہے۔

-2 معرفت کا اطلاق اس وقت ہوتا ہے جب التفات اس کے ساتھ ہو۔

-3 اسحاق السفرائنی کہتے ہیں کہ علم معلوم ہونے کا نام ہے یا حقیقت کے ظاہر ہونے کا نام ہے۔

-4 علم واجب اور امتناع کو کہتے ہیں۔

-5 قفال کہتا ہے کہ علم اس معلوم کا نام ہے جو نفس الامر ہو۔ وہ اعتقاد قطعی جو واقع کے مطابق نہ ہو، جہل ہے۔ اس پر بھی چند وجوہ سے اختلاف ہے۔

-1 یہ تعریف تب تمام ہوگی جب ہم یہ دعویٰ کریں کہ یہ اعتقاد کے ساتھ ہے۔

-2 اس میں علم کی نفی اضداد یں پائی جاتی ہیں۔

-3 علم کبھی تصور ہوتا ہے اور کبھی تصدیق، تصدیق کے اندر یقین یا تردد صفت اور قوت کا احتمال نہیں ہوتا۔

اس تعریف میں چند نقصان ہیں:

-1 اس صورت کا اطلاق علم کی حقیقت پر پڑے گا پس معنی حقیقت کا بیان ہونا بھی ضروری ہے۔

-2 علم کی مطابقت کسی وصف کے بغیر لازم آئے گی جو محال ہے۔

-3 فلسفہ کے اندر بعض معلومات خارج ہوتی ہیں اور بعض معلومات خارج نہیں ہوتیں۔

-4 کبھی ہم کو معلومات کا علم ہوتا ہے پس ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ معدوم کا علم صورت عقلیہ کے مطابقت ہو سکتا ہے۔ کیونکہ مطابقت کے لئے دونوں چیزوں کا وجود ضروری ہے۔

امام غزالی نے خزینۃ القرآن سے نقل کیا ہے کہ بصیرت باطنی کا ادراک بصر ظاہر پر ہو سکتا ہے۔

امام رازی کہتے ہیں کہ قوت باصرہ میں محسوس کی صورت منقش ہو جائے۔

یہ قول چند وجوہ سے باطل ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن مذکورہ قول لکھ کر چند وجوہ کے ساتھ اسے باطل قرار دیتے ہیں:

-1 ابصار کی تعریف میں بصر کا ذکر ہو تو دور لازم آتا ہے۔

-2 اگر ابصار اسی انتقال کا نام ہوتا تو صرف بقدر تل کے لفظ کی کسی چیز کو دیکھ سکتی۔ اس سے بڑی چیز کو نہیں دیکھ سکتے اس واسطے کہ بڑی چیز چھوٹی چیز میں منقش نہیں

Marfat.com

ہوسکتی۔

3- ہم جس چیز کو دیکھتے ہیں اس کو اپنی نگاہ پر دیکھتے ہیں اگر وہ صورت منقشہ ہوتی تو اس شئے کو جز و اور مکان میں نہ دیکھتے۔اس میں یہ بھی بیان کیا تھا کہ اس طرح عقل کے اندر معقولات کی چیزیں منقش ہوتی ہیں۔ یہ قول بھی ضعیف ہے۔امام غزالی والا قول جو انہوں نے بیان کیا ہے اگر خزینۃ القرآن کا دوسری جگہ کا مطالعہ کر لیتے تو یہ بات حل ہو جاتی دراصل صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ وجہ یہ ہے کہ کسی چیز کی تعریف کے دو سبب ہوتے ہیں۔(۱) یا تو وہ چیز غایت درجہ پوشیدہ ہوتی ہے۔(۲) یا غایت درجہ ظاہر ہوتی ہے۔علم کی تعریف جو لوگ نہیں کر سکے۔صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ ظاہر یہی ہے کہ علم بدیہی ہے اس کو معرفت کی ضرورت نہیں۔امام باقر نے اس پر بہت بحث کی ہے۔

مسئلہ آٹھواں:

ان الفاظ کے بیان میں جو علم کے ہم معنی ہیں۔اور وہ تیس ہیں۔

1- ادراک: اس کے اصل معنی ملنے اور پہنچنے کے ہیں۔

2- شعور: اس کے معنی بلا قیام ادراک کرنے کے ہیں۔

3- تصور: جب قوت ایک جز و کو تمام ادراک کر لیتی ہے تو اسے تصور کہتے ہیں۔

4- لفظ: جب کوئی چیز عقل کے اندر آ کر جم جائے پھر اگر زائل ہو جائے تو قوت عاقلہ اس کو واپس لا سکتی ہے۔اس کا نام لفظ ہے۔

5- تذکرہ: جب کوئی چیز عقل کے اندر محفوظ کی ہوئی زائل ہو جائے تو دوبارہ ذہن دوڑانے سے واپس ہو جائے تو اسے تذکرہ کہتے ہیں۔

6- ذکر: جب کوئی صورت زائل ہو جائے تو اسے کو واپس لایا جاتا ہے اس کا نام ذکر ہے۔

7- معرفت: اس لفظ کی تفسیر میں علماء کا اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ جزئیات کے ادراک کا نام معرفت ہے اور کلیات کے ادراک کا نام علم ہے۔بعض کہتے ہیں معرفت تصور ہے اور علم تصدیق ہے وہ کہتے ہیں کہ عرفان کا درجہ علم سے بڑھ کر ہے اس واسطے کہ ان محسوسات کی ایک موجود واجب الوجود کی طرف نسبت کی تصدیق یا تکذیب ہوتی ہے مگر اس کی حقیقت اور تصور طاقت بشری سے خارج ہے۔اس پر صاحب خزینۃ القرآن نے کافی بحث کی ہے جسے فقیر اپنی کتاب شرح حمد اللہ میں بیان کر چکا ہے کہ آپ نے علم کی حقیقت کو عرفان سے افضل کہا ہے کہ عرفان بغیر علم کے نہیں ہو سکتا۔امام باقر نے حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ علم کے بغیر عرفان ناقص ہے۔

8- فہم: ایک شخص کے ذہن میں کلام کو متصل کرنا اس کا نام فہم ہے۔

9- فقہ: اس کی حقیقت خطاب سے مخاطب کی غرض معلوم کر لینا ہے۔

10- عقل: اس کے معنی اشیاء کی صفت معلوم کرنے کے ہیں کہ ان میں حسن پایا جاتا ہے۔

11- درائیت: اس کے معنی اس معرفت کے ہیں جو کہ ترکیب کے ذریعے سے حاصل ہو یعنی مقدمات اور تقدیم کے عمل کو فکر میں لانے کے لئے اس کی اصل فراست معلوم ہوتی ہے۔

12- حکمت: ہر علم حسن اور عمل صالح کا نام ہے اور وہ علم عملی کے ساتھ نسبتاً علم نظری کے زیادہ تر خاص ہے اور بہ نسبت علم کے عقل کا استعمال اس میں زیادہ ہوتا ہے۔

Marfat.com

13- علم الیقین: علم الیقین، عین الیقین، حق الیقین، علماء فرماتے ہیں کہ یقین اس وقت ہوتا ہے جب اعتقاد ہو جائے کہ یہ شئے ایسی ہے کہ خلاف اعتقاد کے ہونا ممتنع ہے۔ یہ تب ہوتا ہے جب اعتقاد بدیہی اور نظری ہو۔

14- ذہن: ذہن نفس کی اس قوت کا نام ہے جو علوم غیر حاصلہ کے حاصل کرنے پر قادر ہے۔

15- فکر: فکر روح کا تصدیقات حاصلہ سے جو تصدیقات غیر حاصلہ کی طرف منتقل ہونے کا نام ہے۔

16- حدث: اس میں کوئی شک نہیں کہ فکر کا کام اس وقت پورا ہوتا ہے جب کوئی شئے مل جاتی ہے۔ جو مجہول کے دونوں طریقوں کے درمیان ہو۔

17- ذکا: شدت ذہن اس کے کمال درجہ تک پہنچنے کا نام ہے۔

18- فطنۃ: کسی چیز پر تنبیہہ ہونے کا نام ہے۔

19- خاطر: نفس کی اس حرکت کا نام ہے جو دلیل کے حاصل کرنے کے لئے ہوتی ہے، اور حقیقت میں دل پر خطرہ ہوتا ہے۔

20- وہم: اعتقاد مرجوح کا نام ہے۔ کبھی کہتے ہیں کہ وہم اشخاص جزئیہ جسمانیہ کی بابت امور جزئیہ غیر محسوسہ کے حکم کرنے کا نام ہے۔

21- ظن: ظن اعتقاد راسخ کا نام ہے۔ چونکہ اعتقاد کی طاقت غیر محدود چیز ہے اس طرح ظن کے مراتب غیر محدود ہیں۔

22- خیال: اس صورت کا نام ہے جو محسوس کے غائب ہونے یا جانے کے بعد باقی رہتی ہے۔

23- بدیہہ: اس معرفت کا نام ہے جو بغیر فکر کے حاصل ہوتی ہے۔

24- اولیات: یہ ان بدیہات کا نام ہے جو اپنی ذات کے اعتبار سے بدیہہ ہوں۔

25- روایت: یہ وہ معرفت ہے جو بہت کچھ فکر کرنے کے بعد حاصل ہوتی ہے۔

26- کیاست: کیاست اس چیز کا نام ہے جس سے کسی چیز کا استنباط کیا جائے۔

27- فریت: اس معرفت کا نام ہے جو تجربہ سے حاصل ہو۔

28- رائی: یہ ذہن کے ان مقدمات کو احاطہ کرنے کا نام ہے جن سے مطلوب کے حاصل ہونے کی امید ہوتی ہے۔

29- فراست: فراست خلقت ظاہر سے خلقت باطنی کے اوپر استدلال کرنے کا نام ہے۔

30- حق الیقین: جس سے حق ظاہر ہو۔ یہ تیس چیزیں امام باقر نے بیان فرمائی ہیں اور ان پر کافی بحث کی ہے۔

مسئلہ نہم:

عَلَّمَ آدَمَ اور اَلرَّحْمٰنُ o عَلَّمَ الْقُرْاٰن

اس لئے یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ معلم ہے کیونکہ معلم صرف پڑھانے والے کو کہتے ہیں۔ اللہ اس سے پاک ہے۔ مدرس کو بھی معلم نہیں کہا جا سکتا۔ اگر کوئی کہے کہ میرا مال معلموں کو دے دینا تو اس میں مدرس شامل نہ ہوں گے۔ پس معلم کا لفظ اللہ کو نہیں کہا جا سکتا اگر یہ عرف نہ ہوتا تو اللہ پر اس کا اطلاق صحیح تھا۔ وہ ذات تو دوسرں کے اندر علم پیدا کرتی ہے۔

Marfat.com

قال اللہ تعالیٰ: قَالُوا سُبْحٰنَکَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ (۳۲) قَالَ یٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّکُمْ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا کُنْتُمْ تَکْتُمُوْنَ (۳۳)

ترجمہ:

فرشتوں نے کہا تو پاک ہے۔ ہمارے پاس تو وہی علم ہے جو تو نے ہمیں عطا فرمایا ہے۔ بے شک تو جاننے والا حکمت والا ہے۔ فرمایا (اللہ تعالیٰ نے) اے آدم! ان (فرشتوں) کو ان ناموں کی خبر دے دو۔ پس جب (آدم نے) ان کو خبر دی۔ فرمایا (اللہ تعالیٰ نے) کیا میں نے نہیں کہا تھا تم کو بے شک میں زمین اور آسمانوں کی پوشیدہ باتوں کو جانتا ہوں اور وہ بھی جانتا ہوں جو ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو تھے۔

جاننا چاہیے کہ اَتَجْعَلُ کے اندر فرشتوں نے جو اعتراض کیا تھا انہوں نے اپنے قصور کی معافی مانگنے کے لئے سبحٰنک لا علم لنا کہہ دیا اور جو لوگ فرشتوں کے گناہ کو تسلیم نہیں کرتے وہ اس آیت سے دو وجوہ نکالتے ہیں:

وجہ اوّل:

فرشتوں نے عاجزی وانکساری کی کہ ہم بتلانے سے قاصر ہیں۔

وجہ دوم:

اتجعل کے اندر وہ یہ کہتے ہیں کہ فرشتوں نے کہا کہ تو نے ہمیں بتلایا تھا کہ وہ زمین کے اندر فساد کریں گے۔

اس مقام پر چند مسائل ہیں:

مسئلہ اوّل:

ہمارے علماء نے لا علم لنا سے یہ دلیل پکڑی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لوگوں کو تمام معرفتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہیں۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کو جس قدر علم ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، خواہ اس کی تعلیم سے یا طریقہ بتلانے سے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ تعلیم کے معنی دوسرے میں علم کو موجود کرنے کے ہیں۔

مسئلہ دوم:

اہل اسلام کہتے ہیں کہ غیب کا علم سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کو نہیں ہوتا وہ جسے چاہے بتلا دے۔ نیز علم نجوم و قیافہ اور ہیئت اور علم کہانت وغیرہ سے غیب کی بات معلوم نہیں ہوتی۔ غیب کی چابیاں اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں۔ دوسری جگہ فرمایا: اللہ تعالیٰ غیب کا جاننے والا ہے اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ وہ اپنے غیب سے کسی کو مطلع نہیں فرماتا مگر جس کو پسند کرے اپنے رسولوں میں سے۔

مسئلہ سوم:

عَلِیْمٌ مبالغہ کا صیغہ ہے اور مبالغہ کو محیط کرتا ہے۔ واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم لامحدود ہے۔

مسئلہ چہارم:

حکیم کا استعمال دو معنوں میں آتا ہے۔ ایک بمعنی علیم کے اور دوسرے صفت ذاتی کے لئے۔

مسئلہ پنجم:

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو فرمایا کہ فرشتوں کو ان اسماء کے نام بتلا دو جو وہ نہیں جانتے۔ چنانچہ جب آدم علیہ السلام نے بتا دیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا میں

Marfat.com

نے فرمایا: اس کوغیب جانو اور اللہ تعالیٰ کا علم لامحدود ہے۔ حدیث رسول اللہ ﷺ ہے: آپ ﷺ نے تمہیں نہیں کہا تھا کہ میں زمین اور آسمانوں کی پوشیدہ باتوں کو جانتا ہوں۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ عالم کے ہونے کا علم ازلی ہے۔ وہ جانتا تھا کہ اب عالم پیدا ہونے والا ہے۔ عالم کے پیدا ہونے سے قبل عالم کا علم اس کے علم ازلی میں ہے۔ عالم کا پیدا ہونا حادث ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ غیب کلی مخلوق ہے اور اللہ تعالیٰ کے علم کی کوئی حد نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو اپنے لامحدود علم سے ایک قطرہ دیا۔ جس طرح سمندر سے ایک قطرہ کی نسبت۔

مسئلہ ششم:

جاننا چاہئے کہ اس آیت کے اندر قوت عظیم ہے اور بشارت بھی۔ اللہ تعالیٰ دلوں کے بھید جانتا ہے حالانکہ انسان کے دل میں جو کچھ ہوتا ہے اس کے ہونے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ کے علم میں وہ بات ہوتی ہے کیونکہ انسانی دل کے اندر بات کو پیدا کرنے کا خالق تو وہی ہے۔ فطرت کو وہی پیدا کرتا ہے۔ کیا انسان اپنے گناہ کو مخلوق سے نہ چھپائے اور خالق سے نہ ڈرے۔ گناہ کرتا رہے۔ حدیث میں بھی اسی پر تاکید ہے۔ فقیر اس سلسلہ میں چند حکایات بیان کرتا ہے:

1- عدی بن حاتمؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا۔ قیامت کے دل اللہ تعالیٰ لوگوں کو بلائے گا ان کے لئے جنت کا حکم ہوگا فرشتے انہیں جنت کی طرف لے جائیں گے۔ جب وہ جنت کے قریب پہنچیں گے تو انہیں خوشبو آئے گی اور وہ جنت کی نعمتوں اور محلات کو دیکھیں گے۔ پھر حکم ہوگا کہ ان کو جنت سے ہٹا کر جہنم میں داخل کر دو۔ وہ کہیں گے یا اللہ! یہ بہتر تھا کہ تو ہم کو جنت نہ دکھاتا ہمیں پہلے ہی جہنم میں بھیج دیتا تو ہمارے لئے آسانی تھی۔ یہ جنت تو تیرے دوستوں کے لئے ہے اور ہم دل میں حسرتیں لے کر واپس آرہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ میں نے قصداً ایسا کیا ہے۔ دنیا میں تم لوگوں کے پاس جاتے تھے انہیں کہتے کچھ تھے اور دل میں کچھ رکھتے تھے۔ لوگوں کے سامنے تواضع کرتے تھے اور میری بارگاہ میں تواضع نہ کرتے تم نے لوگوں سے خوف کھایا اور مجھ سے خوف نہ کھایا۔ لوگوں کو بڑا سمجھا اور مجھے بڑا نہ سمجھا۔ ان کی وجہ سے گناہ چھوڑے میری وجہ سے نہ چھوڑے۔ ان کی عزت کی اور میری عزت نہ کی آج میں تمہیں اپنا دردناک عذاب چکھاتا ہوں اور نعمتوں سے تمہیں محروم کر چکا ہوں۔

2- سلیمان بن علی نے حمید طویل سے کہا کہ مجھے کچھ نصیحت فرمائیں انہوں نے فرمایا کہ مجھے صاحب خزینۃ القرآن نے نصیحت کی تھی کہ جب تو تنہائی میں گناہ کرے تو کیا یہ دل میں خیال رہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے۔ اگر یہ خیال ہو تو اللہ تعالیٰ سامنے موجود ہے تو جرم اس کے سامنے کیا اور اگر یہ خیال نہ ہو کہ وہ دیکھ رہا ہے تو پھر کافر ہوا۔

3- حاتم اصم کہتے ہیں کہ تین حالتوں میں اپنے نفس کو پاک رکھ۔

(۱) جب تو ہاتھ پاؤں سے کوئی کام کرے تو یہ خیال کر کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہا ہے۔

(۲) جب تو کوئی بات زبان سے نکالے تو دل میں یہ خیال رکھ کہ اللہ تعالیٰ میری بات کو سن رہا ہے۔

(۳) جب سکون سے بیٹھ کر یہ دل میں کوئی خیال کرے تو یہ سمجھ کہ وہ تیری باتوں کو جانتا ہے۔

4- جاننا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے علم اور اپنے رازوں کو آپ ہی جانتا ہے۔ فرشتوں نے بشر کے لئے یہ کہا کہ وہ فتنہ وفساد اور خون ریزی کریں گے۔ انہوں نے بشر کو ناقص سمجھا اور ابلیس کی عبادت کو بڑا سمجھا۔ جبکہ بشر کی زبان سے یہ نکلا کہ اے میرے پروردگار! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ لیکن ابلیس نے یہ کہا کہ میں آدم سے بہتر ہوں۔ ہر عاقل کو ظاہری حالت پر نظر رکھنی چاہئے۔ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ سے یہی مراد ہے کہ ظاہر اور باطن کا میں ہی جاننے والا ہوں۔ جسے تم عابد اور مطیع جانتے ہو وہ عنقریب کافر ہو جائے گا۔ اور جن کے بارہ میں تمہارا یہ خیال ہے کہ وہ فاسق اور فسادی ہیں وہ عنقریب میری بارگاہ میں مشرف ہوں گے۔ پس مخلوق کے لئے جہل کے پردوں سے نکلنا ناممکن ہے اور عاجزی کو پھاڑ کر باہر نہیں آسکتے اور ان کا علم محیط نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم غیب کا اظہار فرمایا اور فرشتوں کا عجز اور بشر کے کمال عبودیت کو ظاہر فرمایا۔ آسمان والوں سے جو بڑا عابد تھا اس کے کمال کفر کو عیاں کیا تاکہ کوئی شخص اپنی عقل پر ناز نہ کرے اور تمام اشیاء کو اللہ تعالیٰ کی معرفت اور حکمت کے حوالے کرے یعنی سب چیزوں کی حکمت وہی جانتا ہے۔ اور تمام حکمتوں کو وہی پیدا فرماتا ہے اور اس کی کسی چیز پر اعتراض نہ کرے۔

Marfat.com

قال اللہ تعالیٰ: وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ ط اَبٰی وَاسْتَکْبَرَ وَکَانَ مِنَ الْکَافِرِیْنَ (۳۴)

ترجمہ: اور جب ہم نے فرشتوں سے فرمایا کہ آدمؑ کو سجدہ کرو۔ پس سب فرشتوں نے سجدہ کیا۔ مگر ابلیس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور کافروں میں سے ہو گیا۔

جاننا چاہئے کہ تمام دنیا پر جو اللہ تعالیٰ کے انعامات ہیں ان میں سے ایک نعمت یہ بھی ہے کہ فرشتوں سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے باپ حضرت آدم کو سجدہ کرایا اور حضرت آدم کی خدمت کا ذکر فرمایا پھر کثیر علم کے ساتھ ان کے کمال علمی کو بیان فرمایا اور فرشتوں سے حضرت آدم کو بلند کیا اور فرشتوں کو ان کے کمال علمی سے عاجز کیا۔ اس پر چند مسائل ہیں:

مسئلہ پہلا:

حدیث شریف میں ہے حضرت علیؓ و حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حضرت آدم کی پیدائش سے پہلے سجدہ کرنے کا حکم دیا۔ آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: میں ایک بشر کو مٹی سے پیدا کرنے والا ہوں، پس جب میں نے اسے درست کر لیا اور اس میں روح پھونک دی تو تم سجدہ میں گر جانا۔ پس جب آدم کو پیدا کر کے اس میں روح پھونکی گئی تو فرشتوں نے فوراً آدم کو سجدہ کیا۔ پس سمجھ لیں کہ فَقَعُوْ کے اندر فَا ترکیبیہ ہے۔ حضرت آدمؑ کا مناظرہ اس کے بعد ہوگا۔ حدیث شریف میں بھی یہی وارد ہے۔

مسئلہ دوم:

اسجدو لأدم فسجدوا اس امر پر اہل اسلام کا اتفاق ہے کہ حضرت آدم کو فرشتوں نے جو سجدہ کیا وہ سجدہ عبادت کے لئے نہ تھا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت جائز نہیں۔ اس پر علماء کے چند اقوال ہیں:

بعض علماء نے کہا ہے کہ حضرت آدم کو سجدہ نہیں ہوا بلکہ اللہ تعالیٰ کو ہوا۔ حضرت آدمؑ مثل قبلہ کے تھے ان کا یہ قول غلط ہے اگر یوں ہوتا تو پھر اس طرح ارشاد ہوتا اسجدو الی ادم ہوتا لیکن نہیں بلکہ اسجدو لأدم آیا ہے۔ (۲) الا ابلیس اگر آدم مثل قبلہ کے ہوتا تو وہ ابلیس آدم کی طرف سجدہ کرنے سے انکار نہ کرتا۔ حالانکہ اس کا سجدہ نہ کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ سجدہ حضرت آدم کو کرایا گیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے حالانکہ کعبہ کو آپ ﷺ پر فضیلت نہیں ہے۔ پہلے کا جواب یہ ہے کہ اس کا ثبوت قرآن اور حضرت حسان کے شعر سے ہوتا ہے۔ کیونکر درست نہ ہو کہ نماز اللہ تعالیٰ کے لئے ہو اور قبلہ کے لئے نہ ہو۔ ارشاد ہے: نماز قائم کرو۔ آفتاب کے ڈھلنے کو۔ نماز اللہ تعالیٰ کے لئے ہے نہ کہ آفتاب کے ڈھلنے کے لئے ہے۔ حضرت حسان یہ فرماتے ہیں کہ مجھ کو یہ خیال نہیں تھا کہ خلافت بنو ہاشم کو منتقل ہو گی کیا حضرت علی نے سب سے پہلے تمہارے قبلہ کی طرف نماز نہیں پڑھی، اور آپ قرآن کے مفسر اور محدث نہ تھے۔

دوسرے قول کا جواب یہ ہے کہ ابلیس نے حضرت آدم کی تعظیم کا شکوہ کیا۔ ہم یہ بات تسلیم نہیں کرتے کہ آدم کو عزت صرف سجدہ کی وجہ سے ملی۔ ان میں دیگر کافی اور لاتعداد خوبیاں موجود تھیں۔ یہاں تک تو پہلے قول کا جواب تھا دوسرے کا جواب یہ ہے کہ حضرت آدم کو یہ سجدہ تعظیمی ہوا اور آیت کے نزول سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ حضرت علی و حضرت عبداللہ ابن عمر فرماتے ہیں کہ مشرکین مکہ نے حضرت آدم اور ابلیس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا اور کچھ اور لوگوں نے بھی پوچھا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے سوا کسی کو عبادت کا سجدہ جائز نہیں ہے مگر ہمارے باپ حضرت آدم کو اللہ تعالیٰ نے یہ سجدہ تعظیماً کروایا جبکہ تم بھی ایک دوسرے کو تعظیمی سجدہ کر لیتے ہو۔ فرمایا کہ اب میں تمہیں منع کرتا ہوں کہ یہ تعظیمی سجدہ بھی نہ کرو کیونکہ شرک کا زیادہ خطرہ ہے اور ڈر ہے کہ لوگ شرک میں مبتلا ہو جائیں گے۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ یہ سجدہ تعظیمی تھا۔ یہ حدیث تفسیر امام باقر اور خزینۃ القرآن میں ہے۔ اسی طرح ہم ایک دوسرے کو اسلام علیکم کہتے ہیں۔ تو وہ لوگ ایک دوسرے کو تعظیمی سجدہ کرتے ہیں اور حضرت قتادہؓ کے زمانے میں بھی یہی تھا۔ حضرت جمائل حضرت معاذ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ جب وہ اسلام لانے کے لئے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے آپ ﷺ کو سجدہ کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا تو یہ کیا کر رہا ہے؟ انہوں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ میں نے یہود و نصاریٰ کو باہم ایک دوسرے کو سجدہ کرتے دیکھا ہے کہ وہ اپنے علماء اور سرداروں کو سجدہ کرتے ہیں۔ میں نے ان سے پوچھا کہ تم سجدہ کیوں کرتے ہو؟ تو انہوں نے کہا کہ یہ ہمارے انبیاء کے آداب میں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ انہوں نے انبیاء پر جھوٹ باندھا ہے۔

Marfat.com

صاحب خزینۃ القرآن لکھتے ہیں کہ یاسر میرے دادا حضرت علی کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور سجدہ کرنے لگا۔ آپ نے منع فرمایا کہ سجدہ صرف اللہ تعالیٰ کو کرو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر سجدہ کرنا کسی دوسرے کا حق ہوتا تو میں عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوندوں کو سجدہ کریں۔ خاوندوں کا عورتوں پر زیادہ حق ہوتا ہے۔ سجدہ کے معنی زمین پر جبیں رکھنے کے ہیں۔ تغیر کے ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ اصل عدم تغیر ہے۔ اگر کوئی اس پر یہ کہے کہ یہاں ہم امام فخر الدین رازی کا قول نقل کرتے ہیں۔

نوٹ:

فقیر نے تفسیر کبیر کا پورا مطالعہ کیا اور خزینۃ القرآن کو بھی مطالعہ کے دوران سامنے رکھا۔ لیکن یہی تقابل ہوا کہ تفسیر کبیر کی تمام عبارت خزینۃ القرآن سے نقل ہے البتہ کچھ جزئیات علیحدہ ہیں کہ امام رازی اپنا استدلال کرتے ہیں کیونکہ وہ شافعی ہیں۔ خزینۃ القرآن چونکہ عربی میں ہے اگر رازی بھی اس کا ترجمہ کر دیتے تو ان کے لئے بہتر تھا۔

غرض یہ کہ ہم سجدہ کو اصل عبادت نہیں کہتے۔ مقرر کر لینے اور ٹھہرا لینے سے کبھی فعل مثل قول کے ہو جاتا ہے اس کا ثبوت یہ ہے کہ جب کوئی کسی دوسرے کو دیکھ کر کھڑا ہو جائے جس طرح زبان سے کہنے میں تعظیم ہوتی ہے اسی طرح کھڑے ہونے سے بھی تعظیم ہوتی ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ لوگوں نے یہ بات بطور عادت مقرر کر لی ہے۔ جب یہ بات ثابت ہوگئی تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ زمین پر گرنا اور کھڑا ہونا وغیرہ پرانے زمانے میں یہی تعظیم تھی جسے حضرت آدم کو کرامات اور فرشتوں کے سجدہ تعظیمی سے ثابت کیا گیا ہے۔

مسئلہ سوم:

اس امر میں اختلاف ہے کہ ابلیس ایک جن تھا یا فرشتہ۔ بعض نے فرشتہ کہا ہے اور بعض نے جن۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ وہ فرشتہ نہیں تھا جن تھا۔ سورہ کہف میں اللہ تعالیٰ نے کان من الجن کہا کہ وہ جنوں میں سے تھا۔ جاننا چاہئے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جب ابلیس جن ثابت ہو گیا پس ضروری ہے کہ وہ فرشتہ نہ تھا۔ کیونکہ فرشتوں کی جنس اور ہے اور جنات کی اور۔ یہ قول ضعیف ہے جن اجتنان سے ماخوذ ہے۔ جن کو جن اس لئے کہتے ہیں کہ پوشیدہ ہوتا ہے اور ڈھال کو بھی جُنّہ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے صاحب کو چھپالیتی ہے۔ باغ کو بھی جنت اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ زمین کو چھپالیتا ہے۔ دیوانے کو مجنون بھی اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ عقل کو چھپالیتا ہے پس ثابت ہوا کہ جنوں کا اطلاق فرشتوں پر بھی ہوتا ہے کیونکہ وہ بھی پوشیدہ رہتے ہیں۔ پس اس قول سے مقصود تو ثابت ہوا لیکن ابلیس فرشتہ ثابت نہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس روز ہم ان کو اکٹھا کریں گے ان سے فرمائیں گے کہ تم ان کو پوجتے تھے وہ کہیں گے اے اللہ! ہمارا صاحب تو تو ہے وہ جن کو پوجتے تھے۔ اس آیت سے صراحۃ ثابت ہوا کہ فرشتوں کی جنس اور ہے اور جنات کی جنس اور ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ وہ جن تھا اور جنت میں رہتا تھا کہ کان من الجن آیا ہے۔ ابن مسعود نے بھی یہی تفسیر فرمائی ہے کہ ابلیس جنت کا داروغہ تھا۔ ابن عباسؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ فرماتے ہیں کہ صحابہ کا جم غفیر تھا۔ ہم سب نے پوچھا۔ یا رسول اللہ ﷺ جن اور فرشتے ایک ہی جنس ہیں یا الگ الگ آپ ﷺ نے فرمایا جن اور فرشتے الگ الگ جنس ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ نکال دیا انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اور جنوں کے مابین رشتہ، یہ آیت اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے رد میں فرمائی۔ وہ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں کہتے تھے۔ پس اس آیت سے ثابت ہوا کہ فرشتوں کو جن کہا جا سکتا ہے۔ کان من الجن سے یہ مراد نہیں ہو سکتا کہ وہ جنت کا داروغہ تھا۔ الا ابلیس اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ابلیس کو ترک سجدہ کی علت فرمایا ہے کہ وہ جنوں میں سے ہے۔ اس سے مراد ظاہر کے خلاف ہے پس بلاضرورت اس کی طرف رجوع نہ کیا جائے گا۔ جس طرح بعض کافر فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں کہا کرتے تھے۔ تو ہو سکتا ہے کہ بعض کافر جنات کا رشتہ بھی اللہ تعالیٰ سے نکالتے ہوں۔ بیان ہو چکا کہ اصل لغت کے مطابق فرشتہ کو بھی جن کہا جا سکتا ہے مگر عرف کے اعتبار سے جن کا لفظ فرشتہ میں شامل نہیں ہو سکتا۔ بلکہ وہ ایک متعین جنس کے ساتھ ہے۔

-2 قرآن مجید سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ شیطان کی اولاد بھی ہے اور فرشتوں کی اولاد نہیں ہوتی۔ شیطان کی اولاد ہونے کا ثبوت اس آیت سے ملتا ہے: یعنی تم شیطان اور اس کی اولاد کو میرے سوا اپنا دوست بناتے ہو۔ اس سے ثابت ہوا کہ شیطان کی اولاد ہے اور فرشتوں کی اولاد نہ ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ اولاد کا

Marfat.com

ہونا نر اور مادہ سے ہوتا ہے اور فرشتے اس سے پاک ہیں اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ: ''یعنی شریک کیا انہوں نے فرشتوں کو جو اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں'' اس میں اللہ تعالیٰ نے کفار کا رد فرمایا ہے کہ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں کہتے تھے پس ثابت ہوا کہ ان میں کوئی مادہ نہیں ہے اور یہ بھی ثابت ہوا کہ ان کی اولاد نہیں ہوتی۔

-3 فرشتے معصوم ہوتے ہیں بیان ہو چکا ہے اور شیطان معصوم نہیں پس ضروری ہوا کہ وہ فرشتہ نہ ہوگا۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضرت ابو بکر و عمر و عثمان و علی اور دیگر کافی صحابہ کا جم غفیر تھا۔ فرماتے ہیں کہ ہم سب نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ کیا فرشتے اور جن یکساں ہیں اور کیا ابلیس بھی فرشتوں میں سے ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ فرشتے معصوم ہوتے ہیں اور جنایت نر مادہ ہیں اور فرشتے اولاد اور نر مادہ سے پاک ہیں اور فرشتوں کی جنس علیحدہ ہے۔ امام رازی بھی اتفاق کرتے ہیں کہ شیطان فرشتہ نہیں ہے تفسیر بحر العلوم میں امام باقر نے لکھا ہے اور یہ حدیث خزینۃ القرآن میں بھی ہے۔

-4 رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ شیطان آگ سے ہے (وخلق الجآن من مارج من نار) اور فرشتے آگ سے نہیں جیسا کہ آپ ﷺ نے آیت تلاوت فرمائی۔ شیطان نے کہا: میں آدم سے بہتر ہوں کہ وہ مٹی سے پیدا کیا گیا اور میں آگ سے۔

-5 حضور ﷺ نے فرمایا: فرشتے رسول ہوتے ہیں اور فرمایا رسول معصوم ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''وہ فرشتوں کو رسول بناتا ہے اور اللہ جانتا ہے کہ وہ رسالت کو جہاں رکھتا ہے لیکن ابلیس ایسا نہیں۔ پس ضروری ہوا کہ وہ فرشتہ نہیں۔ لیکن جو لوگ اسے فرشتے کہتے ہیں وہ اپنے دعویٰ میں کہتے۔

اللہ تعالیٰ نے شیطان کو فرشتوں سے مستثنیٰ کیا ہے اور استثنا سے اسے نکالا جاتا ہے جو استثنا کے بغیر داخل ہو۔ یا اس کا داخل ہونا صحیح ہوتا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ وہ فرشتہ تھا اس طرح کلام عرب میں کوئی نہیں کہہ سکتا کہ استثنیٰ منقطع بھی کلام عرب میں بجا آتا ہے۔

دلیل دوم:

اگر ابلیس فرشتہ نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ نے جب فرشتوں سے فرمایا کہ سجدہ کرو آدم کو۔ تو ابلیس اس حکم میں شامل نہیں آتا۔ پھر اس کا سجدہ سے انکار کرنا اور استکبار اور معصیت میں داخل ہونا۔ اس کی وجہ سے وہ عذاب اور لعنت کا مستحق نہ ہوتا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ سب باتوں کا مستحق ٹھہرا۔ پس ثابت ہوا کہ یہ خطاب بشمول اس کے تھا۔ اور اس بات پر موقوف ہے کہ وہ فرشتوں میں داخل ہے۔ کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ شیطان اگرچہ فرشتہ نہیں تھا مگر فرشتوں میں پیدا ہوا تھا۔ اور ان میں رہتے رہتے ان میں شامل ہو گیا تھا۔ لہٰذا جو خطاب فرشتوں کو ہوا اس کو بھی شامل ہو گیا۔

حضرت ابو بکر و عمر و عثمان و حیدر فرماتے ہیں کہ ہم نے پوچھا۔ یا رسول اللہ ﷺ! جب شیطان فرشتہ نہیں تھا تو اسے حضرت آدم کو سجدہ کرنے کا حکم کیوں ہوا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کہ شیطان فرشتوں کے قریب رہتا اور انہیں عبادت کرتے دیکھا کرتا۔ اور ویسے ہی عبادت کیا کرتا تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو سجدے کا حکم دیا تو یہ بھی ایک مقام پر کھڑا دیکھ رہا تھا اس کو اللہ تعالیٰ نے بعد میں فرمایا کہ تو بھی سجدہ کر تو اس نے انکار کیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تجھے کون سی چیز نے روکا ہے؟ کہ تو اسے سجدہ نہیں کرتا جسے میں نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا'' تو فرمایا کہ شیطان کو سجدہ کرنے کا حکم فرشتوں کے بعد ہوا۔ اور یہی حدیث خزینۃ القرآن وطبری و امام باقر میں ہے امام رازی نے بھی اسی پر اتفاق کیا ہے۔ یہ حدیث مستند ہے اس کے علاوہ اور جو تاویلیں یا قول ہوں گے۔ اس بارے میں وہ باطل ہوں گے کیونکہ ہم نے قرآن اور حدیث سے قوی دلائل پیش کئے ہیں۔ دیکھئے یہ بھی فقہ کا اصول ہے کہ ''جو خطاب مردوں کے لئے ہوتا ہے وہ عورتوں کے لئے نہیں ہوتا۔ اور جو خطاب عورتوں کو ہوتا ہے وہ مردوں کو نہیں ہوتا۔ وجہ یہ کہ دونوں قسموں میں غایت دجہ کا احتمال ہے۔ جب ابلیس کو نفرت اور لعنت ہوئی تو فرشتوں پر اس حکم کے منحصر ہونے کی کیونکر مانع ہوگی۔

دوسرے کا جواب یہ ہے کہ ایک وصف پر کسی حکم کا مرتب کرنا اس بات کی دلیل ہوتا ہے کہ وہی وصف اس حکم کی علت ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے واذ قلنا للملئکۃ فرمایا تو بعد میں ابی واستکبر فرمایا۔ تو ثابت ہوا کہ اس مخالفت کی وجہ سے انکار اور تکبر کا حکم علت کے طور پر آیا نہ کسی دوسرے حکم کی مخالفت سے۔

مسئلہ چہارم:

اب یہ ثابت ہو گیا کہ شیطان فرشتوں سے نہیں ہے تو جاننا چاہیے کہ ہمارے علماء کا ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ انبیاء علیہ السلام کو فرشتوں پر فضیلت ہے وگرنہ آدم کو

Marfat.com

فرشتوں سے سجدہ کیوں کروایا گیا؟

معتزلہ اس کے خلاف ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ فرشتوں کو انبیاء پر فضیلت ہے۔ اور جمہور شیعہ کا مذہب بھی یہی ہے۔ جاننا چاہئے کہ ہم جانبین کے کلام کو ذکر کرتے ہیں۔ فقیہہ ابوبکر قلاتی اور عبداللہ نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ جو لوگ فرشتوں کو انبیاء پر فضیلت دیتے ہیں۔ ان کی چند وجوہ ہیں:

وجہ اوّل:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندوں سے ایسے بھی ہیں جو ہمارے پاس عبادت کرتے ہیں ان کو اکڑ نہیں ہوتی اور وہ دن رات تسبیح بیان کرنے میں سستی نہیں کرتے۔

وجہ دوم:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ فرشتے بخل نہیں کرتے۔ تکبر کرنا ان کے لائق نہیں کیونکہ وہ معصوم ہیں بشر کو فرشتوں پر فضیلت ہوتی تو ان کو یہ اولویت نہ ہوتی۔ مثلاً اگر کوئی بادشاہ اپنی رعیت پر اپنا حق ثابت کرتا ہے اور اپنی فرمانبرداری کا وجوب چاہتا ہے کہ بادشاہ میری فرمانبرداری میں دم نہیں مارتے اور اپنے آپ کو بڑا نہیں جانتے۔ فرشتوں کی خصلت کو جو انبیاء پر فضیلت دی ہے اور جن لوگوں نے یہ کہا ہے دلیل کا استدلال درست نہیں ہے۔ فقیر نے جو پہلے بیان کیا ہے وہ قوی ہے۔

-1 فرشتے عبادت میں بشر کے ساتھ شریک ہیں۔ جب مشاق زیادہ ہیں تو ان کا ثواب زیادہ ہوگا۔ ان کی عبادتوں کا مشاق ہونا ان وجوہ کے ساتھ ہے۔

(ا) فرشتوں کا میلان ثمر کی طرف زیادہ ہونا چاہئے۔

جبکہ ثمر کی طرف دھیان ہو۔ اس پر عبادت زیادہ مشاق ہوتی ہے۔ جب کسی شخص کو مصائب کی طرف تکلیف زیادہ ہوتی ہے تو وہ گھبراتا ہے۔ فرشتوں کو تکلیف نہیں ہوتی۔ ان کا عبادت کی طرف میلان زیادہ ہوتا ہے۔ یہ کسی چیز کو طلب نہیں کرتے۔

-2 بندہ جب ایک عبادت سے دوسری عبادت کرنے لگتا ہے تو اس کو تکان نہیں ہوتی۔ جس طرح کوئی ایک باغ کی سیر کر کے دوسرے باغ کی طرف چلا جائے۔ بخلاف اس کے کہ ایک ہی عبادت میں مشغول رہے۔ اس میں بہت زیادہ مشقت ہوتی ہے اور عبادت کی طرف بے رغبتی ہوتی ہے۔ اسی لئے لوگوں نے کتابوں کو ابواب اور فصول میں تقسیم کر دیا ہے تاکہ پڑھنے والوں کو بے رغبتی اور تھکن نہ ہو۔ اس واسطے اللہ تعالیٰ نے قرآن کو سورتوں میں تقسیم کیا ہے کہ پڑھنے والے کو بے رغبتی اور تھکن نہ ہو۔ یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرنے میں وہ صبح و شام سستی نہیں کرتے۔

دوسرے مقام پر ہے۔ یعنی ہم صف باندھے ہوئے ہیں اور تسبیح کرنے والے ہیں۔ جب یہ بات ثابت ہوئی تو ان کی عبادت بے حد شائق ہے۔ ضروری ہے کہ وہ افضل بھی ہوگی۔ اسی لئے حضور ﷺ نے فرمایا کہ افضل کام وہی ہے جو دشوار ہو۔ حضرت عائشہ سے حضور ﷺ نے فرمایا: تو جتنی زیادہ محنت کرے گی تجھے اتنا ہی زیادہ اجر ملے گا۔ جس طرح غلام اپنے مالک کی خدمت میں جتنی مشقت اٹھائے گا اتنی ہی اس کی عظمت بڑھے گی۔ امام رازی فرماتے ہیں کہ ہمارے صوفیاء نے جس قدر زیادہ مشقتیں عبادت میں کی ہیں حضور ﷺ نے بھی یقیناً اتنی ہی کی ہوں گی تب ہی سرکار دو عالم ﷺ کی فضیلت ان پر ہے۔ امام رازی نے یہاں فحش غلطی کی ہے۔ حدیث میں ہے حضرت ابوبکر، حضرت عائشہ، حضرت علی، اور حضرت عبداللہ ابن مسعود فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ عبادت میں اس قدر مشغول رہتے تھے کہ پاؤں ورم کر جاتے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ کیا میں اپنے اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اتنی مشقت کرنے سے منع فرمایا۔ حبیبؐ اللہ اگر ایک منٹ کی عبادت کریں تو اسے تمام دنیا کی عبادتوں پر فضیلت ہوگی۔ تمام جہان، فرشتے اور ان کی عبادت کو یوں سمجھ لیں کہ پانی کی ایک بوند کی سمندر سے نسبت۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری قلیل مدت کی عبادت بھی سارے جہان کی عبادت سے زیادہ ہے۔ آدمی اگر سو سال بھی عبادت کرتا رہے لیکن سرکار دو عالم کی ایک ساعت کی عبادت سے اس کی سو سالہ عبادت کو کیا نسبت؟ حضور ﷺ نے صرف امت کی مشقت کے لئے عبادت فرمائی۔ نیز حدیث میں یہ بھی درج ہے کہ صحابہ کرام نے پوچھا۔ یا رسول اللہ ﷺ کیا ملائکہ اور انبیاء معصوم ہوتے ہیں؟ ان میں کس کو کس پر فضیلت ہے۔ آپ نے قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی۔ ولقد کرمنا بنی ادم فرمایا کہ کرامت بنی آدم کی ہے لیکن فضیلت میری امّت کو فرشتوں پر زیادہ ہے۔ ان کے کروڑوں برسوں کی عبادت اور امتی کا ایک رات یا ایک منٹ کھڑا ہونا۔ ان کروڑہا برسوں سے زیادہ

Marfat.com

ہے۔فرمایا بنی آدم کو ہر چیز پر فضیلت حاصل ہے۔ بلکہ ہندوؤں کے عابدوں، زاہدوں اور سادھوؤں کی حکایات ہم نے سنی ہیں۔اور جس قدر وہ مشقت اٹھاتے ہیں اور خاکساری کرتے ہیں کسی نبی یا ولی نے نہ کی ہوگی اس کے باوجود ہم ان کو یقیناً کافر جانتے ہیں۔

-3 وہ کہتے ہیں کہ فرشتوں کی عبادت میں برگزیدگی پائی جاتی ہے۔اس لئے ان کی عبادت کی فضیلت ہے۔اس کا ثبوت اس آیت سے بھی ملتا ہے کہ فرشتے شب و روز عبادت کرتے ہیں ان میں سستی نہیں ہوتی۔ان کی عبادتوں کا یہ حال ہے کہ اگر ان کی عمریں بنی آدم کی عمروں کے برابر ہوتیں تو بھی ان کی عبادت بہت زیادہ ہوتی۔لیکن بشر کی عمر کو فرشتوں کی عمر سے کوئی نسبت نہیں چونکہ ملائکہ کی صفات میں فقیر یہ لکھ چکا ہے۔اس آیت پر ایک سوال ہے جو یہ ہے:

شعب الایمان میں ہے انہوں نے خزینۃ القرآن سے انہوں نے عبداللہ بن حارث بن نوفل سے روایت کیا ہے کہ میں نے کعب سے کہا کہ فرشتے جب صبح و شام تسبیح کرتے ہیں ان میں سستی نہیں آتی اور ان کی رسالت ان کی مانع ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان پر لعنت کرتا ہے اور فرشتے اور تمام لوگ۔تو کیا لعنت کرنے کا وقت ان کو مل جاتا ہے۔کعب الاحبار کہتے ہیں کہ جب ہم سانس لیتے ہیں تو ان کا سانس وہ نہیں ہوتا وہ اپنی عبادت میں مشغول رہتے ہیں تب بھی ان کی عبادت کافی بڑھ کر ہے۔ یہاں کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ سانس لینے کا آلہ اور ہے اور کلام کا آلہ اور ہے۔لیکن لعنت اور تسبیح آلہ کلام میں ہیں۔ان دونوں کا ایک حالت میں اکٹھا ہونا محال ہے۔اس کے کئی جواب ہو سکتے ہیں۔

-1 ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو کئی کئی زبانیں دے رکھی ہوں اور وہ کچھ زبانوں سے تسبیح کرتے ہوں اور کچھ زبانوں سے لعنت کرتے ہوں اللہ تعالیٰ کے دشمنوں پر۔

-2 لعن کے معنی نکالنے اور دور کرنے کے ہیں اور تسبیح کے معنی اللہ تعالیٰ کی ثنا میں مشغول ہونے کے ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ فرشتے اللہ کی ثنا کرتے ہیں اور اللہ کے دشمنوں پر لعنت کرتے ہیں یہ کوئی امر بعید نہیں۔

-3 لایفترون کے معنی ہیں کہ فرشتے تسبیح کے اوقات میں سستی نہیں کرتے۔بہت اہتمام کے ساتھ اسے ادا کرتے ہیں جس طرح کہتے ہیں کہ فلاں آدمی جماعت میں جلدی کرتا ہے سستی نہیں کرتا۔اس کے معنی یہ نہیں کہ وہ ہمہ وقت نماز کی جماعت میں مشغول رہتا ہے بلکہ یہ ہوئے کہ وہ نماز کی جماعت کے اوقات کی پابندی کرتا ہے۔جب فرشتے عبادت کرنے میں سستی نہیں کرتے تو ان کی عبادت افضل ہوئی بچند وجوہ:

(۱) لگاتار ایک عبادت کا کرنا نفس پر شاق ہوتا ہے۔اور جب شاق ہوگا تو اس کی فضیلت بھی ہوگی۔

(۲) آنحضرت ﷺ نے فرمایا بہترین بندہ وہ ہے جس کی عمر لمبی اور عمل نیک ہوں۔اور فرشتوں کی عمریں بہت زیادہ ہیں اور کام بھی اچھے ہیں۔پس ضروری ہے کہ وہ بہترین بندے ہیں۔اس کے علاوہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ بوڑھا آدمی اپنی قوم میں ایسا ہوتا ہے جیسے نبی اپنی امت میں۔اس حدیث سے امام رازی یہ اخذ کرتے ہیں کہ فرشتے بنی آدم کے لئے اس طرح ہیں جیسے نبی اپنی امت میں اس سے بشر پر ان کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

-4 تمام عبادتوں میں فرشتے سب پر سبقت رکھتے ہیں دین میں کوئی ایسی خصلت نہیں کہ فرشتے اس میں پہل نہ کرتے ہوں انہوں نے دین کے اندر بڑے بڑے راستے نکالے ہیں کہ وہ عبادت میں سبقت رکھتے ہیں اور عبادت میں سبقت بڑی عظمت کی موجب ہے بچند وجوہ:

(۱) اس بات پر سب کا اتفاق ہے اور اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو سبقت کرنے والے ہیں وہی مقرب ہوں گے۔

(۲) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اچھا کام کرے گا اسے اس کا اچھا اجر ملے گا۔اور ان لوگوں کا اجر بھی اسے ملتا رہے گا جو قیامت تک اس پر عمل کرتے رہیں گے۔

-5 فرشتے اللہ تعالیٰ کے رسول ہوتے ہیں امام رازی کہتے ہیں کہ فرشتے رسول ہیں اور رسولوں کو امت پر بھیجا جاتا ہے۔اور رسول انبیاء کے لئے رسالت کا پیغام لاتے ہیں تو فرشتوں کو انبیاء پر فضیلت ہے۔اس آیت سے استدلال ہوتا ہے کہ قوت والا فرشتہ محمد ﷺ پر وحی لے کر آتا ہے۔دوسرے مقام پر فرمایا کہ جبرئیلؑ قرآن لے کر محمد ﷺ پر اترتا ہے لہٰذا رسول کو امت پر فضیلت ہوتی ہے اسی طرح فرشتوں کو انبیاء پر فضیلت ہے۔

-6 فرشتوں کا تقویٰ بشر سے زیادہ ہوتا ہے لہٰذا فرشتوں کو بشر پر فضیلت ہوئی۔اس بات کا ثبوت یہ ہے کہ بشر سے ان کا تقویٰ زیادہ ہے وہ گناہ نہیں کرتے اور ان

Marfat.com

سے لغزش بھی نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور خوف اور ڈر تقاضی ہے کہ گناہ نہ کرسکیں۔ امام رازی کہتے ہیں کہ انبیاء کو ہر بشر پر فضیلت ہے لیکن ان سے کچھ نہ کچھ لغزش ہو جاتی ہے۔ امام رازی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہم میں سے کوئی ایسا نہیں جو گناہ نہ کرتا ہو۔ پس کہتے ہیں کہ جب ثابت ہو گیا کہ ان کا تقویٰ زیادہ ہے تو بشر پر ان کو فضیلت ہے۔

-7 اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ عیسیٰ دم نہیں مار سکتا لیکن ولا الملئکة المقربون یہ بھی تاکید کے ساتھ آیا ہے کہ اس قسم کی تاکید افضل کے ذکر کرنے سے ثابت ہوتی ہے۔ مثلاً کہا کرتے ہیں کہ اس لکڑی کو دس (۱۰) نہیں اٹھا سکتے اور نہ سو (۱۰۰) آدمی۔ یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس لکڑی کو نہ دس آدمی اٹھا سکتے ہیں اور نہ ایک اور یہ کہ عالم کی خدمت کرنے میں نہ وزیر کو عار ہوتی ہے اور نہ بادشاہ کو۔ یہ نہیں کہہ سکتے کہ وزیر کو عار ہوتی ہے نہ چوبدار کو۔ اگر کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ عیسیٰ پر ملائکہ مقربین کو فضیلت ہوسکتی ہے تو پھر یوں ماننا جائے گا کہ نبی کریم ﷺ پر بھی مقربین کو فضیلت ہے۔ والمقربون میں واؤ عاطفہ ہے۔ مذکورہ تمام تاویلات کا جواب احادیث سے دیا جاتا ہے:

-1 ابو موسیٰ اشعری نے انس بن مالک سے سنا کہ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ صحابہ کا جم غفیر تھا ہم سب نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ فرشتے زیادہ عبادت کرتے ہیں اس لئے ان کو تو بشر پر فضیلت ہوگی۔ کیونکہ یہ رسول بھی ہوتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ رسولوں کے قاصد ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا پیغام ہم تک لاتے ہیں اور ان کی رسالت میرے بعد ختم ہو جائے گی۔ اور یاد رکھو کہ جس پر اللہ تعالیٰ کے احکام نازل ہوں وہ افضل ہوتا ہے پھر فرمایا کہ چار فرشتے میری امت سے سب سے افضل ہیں۔ اور باقی فرشتوں پر میری امت کو فضیلت ہے۔ کیونکہ میری امت پر قرآن اترا ہے اور قرآن سارے عالم کے لئے ہے فرشتے پہلے بھی اس کو لوح محفوظ پر پڑھتے تھے۔ لیکن اس کا نزول میری امت کے لئے ہوا۔ یاد رہے کہ تلاوت قرآن پاک تمام عبادتوں سے افضل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تمام عبادتوں سے افضل قرآن کی تلاوت ہے۔ اگر فرشتے قرآن پڑھتے ہیں تو بشر بھی قرآن پڑھتے ہیں۔ اس عبادت میں سب کو یکسانیت ہے کیونکہ ان کے ایک لفظ پڑھنے سے دس گنا سے بڑھا کر سات سو تک نیکیاں زیادہ ہوتی ہیں۔ جب بھی کوئی پڑھے اس میں اوقات کی کوئی پابندی نہیں۔

-2 حضرت علی فرماتے ہیں کہ صحابہ سرکار ﷺ کا خطبہ سن رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ پہلے لوگ مقرب ہوں گے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اور میری امت کے پہلے لوگ بارگاہ الٰہی میں ہوں گے اور میری امت کے مقربین کا فرشتے طواف کر رہے ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ طواف افضل چیز کا کیا جاتا ہے۔ یہ خدشہ بھی باطل ہوا کہ مقربین لوگوں میں فرشتے نہیں امت مسلمہ کے مقربین لوگ ہوں گے۔ یہ حدیث تفسیر امام باقر وغیرہ میں ہے۔

-3 رسول اللہ ﷺ نے اس خطبہ کے آخر میں فرمایا کہ تم خوش رہو کہ جب اللہ تعالیٰ کے کلام کی تلاوت کرتے ہو تو اللہ تم پر راضی ہوتا ہے۔ قیامت کے دن فرشتے میری امت کے قدموں کے نیچے اپنے پر بچھائیں گے۔

-4 رسول اللہ ﷺ سے حضرت علی فرماتے ہیں کہ صحابہ کے جم غفیر میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ انبیاء فرشتوں سے بھی زیادہ معصوم ہوتے ہیں۔ فرشتوں کو بھی معصومیت انبیاء کے سبب سے ملی۔ نیز وہ مذکورہ حدیث جس میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہم میں سے کوئی ایسا شخص نہیں جو گناہ نہ کرتا ہو تو حضرت قتادہ اور سیدنا سلیمان فارسی اور ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ تم میں سے ہر شخص گناہ کرسکتا ہے۔ اس میں اَنْتُمْ کا لفظ ہے نَحْنُ کا نہیں۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ میں نے ستر (۷۰) آدمیوں سے یہی روایت لی۔ اس میں انتم کا لفظ آیا ہے یہ پانچ آدمیوں سے ملا ہے کہ انہوں نے نحن کہا۔ ان میں سے چار تو ضعیف العمر بوڑھے تھے بات کرتے ہوئے ان کا سر ہلتا تھا۔ فرمایا: اگر مان بھی لیا جائے تو یہ امت کو تلقین ہے۔ نیز صاحب خزینۃ القرآن نے دیگر بہت سی احادیث انبیاء کی فضیلت میں بیان کی ہیں جو ملائکہ پر بشر کی فضیلت پر ہیں۔ نیز فرماتے ہیں کہ اگر کوئی ملائکہ انبیاء پر فضیلت کو بیان کرے تو وہ اہل اسلام میں سے نہیں ہوگا۔ نیز فرماتے ہیں کہ اگر کوئی یہ کہے کہ جبریل قوت والا ہے تو اس فرشتہ کو قوت کے لحاظ سے فضیلت کی ہے۔ مذکورہ حدیث بھی امام باقر سے ہے اور امام باقر اس کو انتم اور انکم کے لفظ فرماتے ہیں۔ یہ متن حدیث ہے۔

-5 حدیث ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جبرئیل میرا قاصد ہے جو قرآن مجھ پر اتارتا ہے اور میں اسے قرآن کے بیان بھی سمجھاتا ہوں۔ نیز فرمایا میری قوت جبریل سے کئی گناہ زیادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم اس قرآن کو پہاڑوں پر نازل کرتے تو وہ بھی ریزہ ریزہ ہو جاتے اور ہم نے اس بار امانت کو آسمان

Marfat.com

اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے پہاڑ بھی۔ سب کو اٹھانے کو کہا لیکن سب نے انکار کر دیا۔ تو قرآن مجھ پر اترا۔ پھر فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے حبیب پاک ﷺ ہم آپ ﷺ پر اپنا کلام بھیج رہے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ کا کلام اس قدر بھاری ہے کہ اس کا کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا۔ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور جبرائیل بحیثیت شاگرد کے ہے اور اللہ تعالیٰ نے میری برکت سے اسے قرآن اٹھانے کی قوت دی ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن لکھتے ہیں کہ یہ حدیث مجموعۃ الاحادیث اور تفسیر امام باقر اور کافی میں مرقوم ہے اور بہت سے جلیل القدر صحابہ نے اسے روایت کیا ہے۔ اور تابعین کی اکثر جماعتیں اس روایت کو بیان کرتی رہی ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ آیت قرآنی اور احادیث سے انبیاء علیہم السلام کو ملائکہ پر فضیلت ہے۔

لیکن امام فخر الدین رازی نے کچھ دلائل دیئے ہیں ان میں سے کچھ تو کمزور ہیں جن کا حدیث سے رد ہو گیا ہے۔

2- ان میں سے بعض نے کہا کہ فرشتے عبادت میں سے امت مسلمہ پر کثرت رکھتے تھے تو ثواب زیادہ ہے اس کی وجہ پہلے بیان ہو چکی ہے کہ امت مسلمہ میں سے سب سے افضل فرشتے ہیں اور انبیاء کے بعد ان کا مقام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے چونکہ گواہی میں فرشتوں کو بھی شامل و مقرر فرمایا ہے۔ نیز امام رازی نے اس آیت سے استدلال کیا ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے میرے حبیب ﷺ! ان سے کہہ دو کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی خزانہ نہیں اور میں غیب نہیں جانتا اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں'' اس آیت کے ماتحت صاحب خزینۃ القرآن نے پانچ سو احادیث رقم کی ہیں نبی پاک ﷺ پر جب یہ آیت کریمہ اتری کیونکہ کافر کہتے تھے کہ ہمیں آسمان پر چڑھا دے تاکہ ہم اللہ تعالیٰ کو خود دیکھ لیں یا کہتے کہ خزانہ تیرے پاس ہو۔ نیز آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمام غائبات اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں غائب کو حاصل کرنے کا دعویٰ میں نہیں رکھتا۔ غائب کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور میں یہ نہیں کہتا کہ میں فرشتہ ہوں اور اس سے یہ مراد نہیں کہ فرشتہ کی عظمت رسول اللہ ﷺ سے بڑھ گئی ہے۔ بلکہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ کافر چاہتے تھے کہ فرشتے ہمارے پاس آئیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ چونکہ نبوت کا تقاضا بشریت ہے اور یہ تقاضا فرشتے کا نہیں کہ فرشتے تو صرف قاصد ہیں اور نبی کریم ﷺ بقول رازی قوت میں فرشتوں سے زیادہ ہیں جس طرح جبرئیل علیہ السلام نے قوم لوط کو غرق کر دیا۔ اس سے بشر پر فضیلت فرشتوں کو نہیں کیونکہ مالک و بادشاہ کا ایک غلام طاقتور ہوتا ہے۔ ایک کمزور ہوتا ہے پھر مالک یہ تو نہیں کہتا کہ میں اس طاقت ور کو بادشاہت سونپ دوں۔ اکثر بادشاہ پہلوانوں سے کشتی کرواتے تھے اور پہلوان کشتی لڑتے ہیں۔ جب ایک پہلوان دوسرے پہلوان کو کشتی میں پچھاڑ دیتا ہے تو اس کا مقصد یہ نہیں ہوتا تھا کہ جیتنے والے کو بادشاہ بنا دیا جائے۔ نیز امام رازی نے عورتوں کی حکایت بیان کی جسے قرآن حکایت فرماتا ہے کہ عورتوں نے کہا کہ یہ تو کوئی بزرگ فرشتہ ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وہ (مصری) عورتیں فرشتے کو افضل سمجھتی تھیں بشر سے۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ حکایت بیان فرمائی۔ لیکن امام رازی نے تو یہاں صورت اور سیرت اور بزرگی وغیرہ تمام خصوصیات کو مدنظر رکھا ہے۔ فقیر یہ کہتا ہے کہ ہمارا مدعا یہ ہے کہ امت مسلمہ سے ملائکہ مقربین افضل ہیں لیکن انبیاء پر ان کو فضیلت نہیں۔ امام رازی نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ فرشتے مومنوں کے لئے دعا مانگتے ہیں ظاہر ہے کہ وہ اپنے لئے نہیں مانگتے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ فرشتے بارگاہ الٰہی میں مومنوں کے لئے اپنی طرف سے معذرت پیش کر رہے ہیں۔ نیز رازی نے اس آیت سے استدلال کیا ہے جس کا مقصد یہ بنتا ہے کہ نبی پاک ﷺ پہلے اپنے گناہوں کی بخشش مانگتے ہیں اور بعد میں مومنوں کی۔ اس میں امام رازی سے زبردست غلطی ہوئی ہے۔ انہوں نے ایک آیۃ کو مدنظر رکھا ہے۔ حدیث میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی جو سورۃ محمد کے دوسرے رکوع کی آخری آیت ہے تو حضرت ابوبکر رونے لگے۔ آپ ﷺ نے پوچھا اے ابوبکرؓ تم کیوں روئے۔ عرض کیا آپ تو معصوم ہیں پھر لِـذَنۡبِکَ کا لفظ آپ ﷺ کے لئے ہے۔ آپ ﷺ مسکرائے اور فرمایا کہ میں اول سے آخر تک مُزَکّی ہوں اور اللہ نے مجھے مُزَکّی بنا کر بھیجا ہے اور مُزَکّی وہ ہوتا ہے جو دوسروں کو پاک کرے۔ اگر اس سے بھی کوئی گناہ ہو تو وہ مُزَکّی نہیں ہو سکتا۔ قرآن نے مُزَکّی کا لفظ ارشاد فرمایا ہے آپ ﷺ کے لئے۔ لیکن امام رازی نے تاویل کیا ہے کہ فرشتے نور سے پیدا ہوتے ہیں اور آدم مٹی سے۔ نور کی بھی کئی اقسام ہیں جو آئندہ اوراق میں بیان ہوں گی۔ یہاں یہ ہے کہ نور کے مدمقابل ظلمت ہوتی ہے لیکن آدمؑ اور اولاد آدم نبی کریم ﷺ کے نور کا عکس ہیں۔ صاحب خزینۃ القرآن ایک مشہور حدیث بیان کرتے ہیں۔ حضرت علی فرماتے ہیں کہ ہم سب صحابہ موجود تھے جب اللہ نور السمٰوٰت آیت نازل ہوئی تو ہم نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ کیا اللہ تعالیٰ بھی نور ہے آپ ﷺ نے فرمایا نہیں وہ واجب ازلی ہے۔ اور نور مخلوق ہے اور اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو میرے نور سے پیدا فرمایا اور روشن کیا اور سب سے پہلے میرا نور پیدا کیا گیا۔

Marfat.com

جس کی برکت سے سارے عالم کو روشن فرمایا۔ یہ دونوں مذکورہ احادیث خزینۃ القرآن اور بحر العلوم میں تواتر سے ہیں۔ نیز امام رازی اس آیت کو بیان کرتے ہیں۔ ولقد کرمنا بنی ادم اس آیت میں یہ بھی ہے کہ ہم نے ان کو بہت سی مخلوق پر فضیلت دی۔ اس پر صاحب خزینۃ القرآن نے آٹھ سو احادیث بیان کی ہیں جو تمام بیان نہیں جاسکتیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ عبداللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہت سی مخلوقات پر فضیلت دی ہے۔ ہم نے پوچھا کیا فرشتوں پر بھی، تو آپ ﷺ نے فرمایا فرشتے مقربین میں ہیں لہٰذا ان کی فضیلت انبیاء کے بعد سب پر ہے، کچھ فرشتے عبادت میں افضل ہیں، کچھ اپنی خصلت و ماہیت کے اعتبار سے اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ انبیاء کے بعد ملائکہ مقربین سب سے افضل ہیں لیکن اس میں زبردست اختلاف ہے کافی سارے مفسرین نے ملائکہ کو افضل مانا ہے۔ اس ضمن میں اور حدیث درج کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے دو فرشتے بشر کے لئے بطور غلامی ڈیوٹی دے رہے ہیں، ان کے اعمال لکھتے ہیں یاد رہے کہ ہر گواہ کامل نہیں ہوتا، کچھ کمزور بھی ہوتے ہیں جس کی گواہی دی جارہی ہو۔ ہوسکتا ہے وہ گواہ سے افضل ہو۔

نیز امام رازی نے اس آیت سے بھی استدلال کیا ہے کہ اس دن روح اور فرشتے صف باندھ کر کھڑے ہوں گے اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کوئی کلام نہ کرے گا۔ اس آیت میں بھی فرشتوں کی فضیلت ہے اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی جلالت ثابت ہو رہی ہے۔ آخر میں نیز دنیاوی زندگی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے حبیب پاک ﷺ تو دیکھتا ہے کہ فرشتے مقربین ملائکہ عرش کے اردگرد اللہ تعالیٰ کی حمد کررہے ہیں۔ نیز اس آیت سے بھی اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کا مقدم ذکر کیا۔ نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایمان لاؤ اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر، تو فرشتوں کا ذکر مقدم ہوا۔

امام رازی یہ کہتے ہیں کہ فرشتے مقربین کی فضیلت جزوی اعتبار سے ہے۔ اور نبی کریم ﷺ کو جزوی طور پر فرشتوں پر فضیلت کا امتیاز ہے، یہ بالکل باطل ہے۔ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی کریم ﷺ پر درود بھیج رہے ہیں۔ اس کا مقصد ہرگز نہیں کہ فرشتوں کی فضیلت نبی کریم سے جزوی طور پر ہوئی۔ نیز صاحب خزینۃ القرآن اس امر میں بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرا علم، میری رحمت ہر چیز سے وسیع ہے لہٰذا حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مظہر ہیں اور حضور ﷺ سارے عالم کے لئے رحمت ہیں۔ تو تمام فرشتے حضور ﷺ کی رحمت کے اندر ہیں تو جو راحم ہو ظاہر ہے کہ وہ مرحوم سے افضل ہوتا ہے۔ مرحوم راحم کا محتاج ہوتا ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ میرے جد امجد امام باقر لکھتے ہیں کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ اے حبیب پاک ہم نے نہیں بھیجا آپ ﷺ کو مگر رحمت کرنے والا سارے عالم کے لئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کا علم سب سے وسیع ہیں۔ میں اس کی رحمت اور اس کے علم کا مظہر ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا جو عالم ہے اور اس کے اندر جو مخلوق ہے وہ سب میری رحمت میں داخل ہے۔ عرش سے فرش تک جو مخلوق ہے وہ سب میری رحمت میں داخل ہے۔ یہ سارا عالم اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سامنے ایسے ہے، وہ اتنی وسیع ہے، جیسے ایک بوند کو سمندر کے پانی سے نسبت ہو، تو فرمایا، میری رحمت سارے عالم پر ہے، میں سب عالموں کا راحم ہوں۔ نیز آپ نے فرمایا کہ فرشتے عرض کررہے ہیں دن رات ہر وقت، اے اللہ تو ہمارے آقا و مولا سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی رحمت کو اور بڑھا کہ وہ ہمارا راحم ہے۔ یہ دعا سب سے پہلے جبرائیلؑ کرتا ہے ثابت ہوا کہ تمام ملائکہ کو بھی حضور ﷺ کی رحمت کا فائدہ ہے۔ حدیث شریف ہے، حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت ابن عباس لکھتے ہیں کہ یہ صحابہؓ بھی موجود تھے اور ان کے علاوہ بھی ہم نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ ملائکہ مقربین انبیاء سے افضل ہیں یا انبیاء ان سے افضل ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس طرح انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانا فرض ہے اسی طرح ملائکہ پر بھی ایمان لانا فرض ہے، اللہ تعالیٰ نے پہلے اپنے لئے حکم فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایمان لاؤ، پھر ملائکہ کا ذکر فرمایا بعد میں انبیاء اور رسولوں کا۔ کلی اعتبار سے انبیاء علیہم السلام ملائکہ پر فضیلت رکھتے ہیں۔ اسی طرح اگر کوئی یہ کہے کہ رحمت کا فائدہ فرشتوں کو کیونکر ہوسکتا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ بھی نبی کریم ﷺ پر رحمت بھیجتا ہے اور فرشتے بھی بھیجتے ہیں تو ثابت ہوا کہ راحم مرحوم سے افضل ہوتا ہے۔ اس کا جواب پہلے ہو چکا ہے کہ حضور ﷺ سارے عالم کے لئے رحمت ہیں۔ قرآن نے بھی یہی فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے جتنے عالم ہیں، نبی کریم ان تمام عالموں کے لئے رحمت ہیں تو فرشتے بھی ان عالموں کی مخلوق ہیں تو وہ بھی اس رحمت میں داخل ہیں۔ وہ یہی عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ تعالیٰ ہمارے آقا و مولا کی رحمت کو بڑھا دے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ حضور ﷺ پر ملائکہ رحمت بھیجتے ہیں تو لہٰذا رحمت بھیجنے والا افضل ہوتا ہے، یہ اعتراض بھی درست نہیں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، مومنو! تم بھی درود پڑھو، پھر تو اس لحاظ سے مومن بھی حضور ﷺ سے افضل ہوئے۔ مومن بھی اسی ذیل میں ہیں جس ذیل میں ملائکہ ہیں جو فائدہ اس رحمت کا ملائکہ کو ہوتا ہے، وہی مومنوں

Marfat.com

کو۔ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو مقرب خاص فرمایا ہے لیکن انبیاء کو یہ فرمایا الا عباد اللہ المخلصین ۔

چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ ستر ہزار فرشتے صبح کو روضہ رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوتے ہیں اور شام تک درود و سلام پڑھتے ہیں۔ وہ چلے جاتے ہیں اور شام کو ستر ہزار اور آجاتے ہیں وہ صبح تک درود و سلام پڑھتے ہیں۔ جو ایک دفعہ ستر ہزار آتے ہیں ان کو پھر قیامت تک باری نہیں ملے گی۔ تو حضور ﷺ پر درود و سلام پڑھنے سے فرشتوں کی اور عزت بڑھتی ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اے حبیب پاک ﷺ فرمادو اے لوگو! بے شک میں اللہ کا رسول ہوں تم سب کے لئے جو زمین میں ہیں اور جو آسمان میں ہیں۔ تو اس سے بھی ثابت ہوا کہ تمام مخلوق ملائکہ و جن، انسان، حیوانات، حضور ﷺ سب کے رسول ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ جمعہ کے خطبہ پر حضور ﷺ نے فرمایا، میری رسالت تا قیامت ہے بلکہ قیامت کے بعد بھی ہے۔ میں جنوں اور ملائکہ اور انسان سب کے لئے رسول ہوں، میرے چار وزیر ہیں۔ جبرائیلؑ، میکائیلؑ، آسمانوں کے وزیر ہیں اور ابوبکرؓ اور عمرؓ زمین پر وزیر ہیں۔ ثابت ہوا کہ رسول امت سے افضل ہوتا ہے۔

تمام مذکورہ احادیث خزینۃ القرآن، امام باقر و دیگر تفاسیر سے ہیں۔ نیز صاحب خزینۃ القرآن اسی بحث میں فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام بعض اعتبار سے ملائکہ سے افضل ہیں۔ اور بعض اعتبار سے ملائکہ انبیاء علیہم السلام سے بہتر ہیں۔ سوائے سرکار دو عالم ﷺ کے، کیونکہ آپ کا درجہ اللہ تعالیٰ کے بعد سب مخلوق سے افضل ہے، حدیث شریف بھی خزینۃ القرآن میں ہے۔ چاروں خلفائے راشدین کی اسناد سے درج کرتے ہیں۔ رسول اللہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی تمام مخلوق یعنی جن، انسان، ملائکہ، انبیاء علیہم السلام ان سب پر فضیلت دی ہے لیکن فخر یہ نہیں کہتا بلکہ میں ان سب کا سردار ہوں۔ مذکورہ بالا آیت تلاوت کی یہ حدیث تواتر سے تفسیر امام باقر میں ہے۔ امام رازی نے ایک دلیل پیش کی ہے کہ حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کے درمیان جھگڑا رہتا تو وہ نام کے طور پر تھا۔ اسی لحاظ سے کہنے والے نے کہا ہے کہ ملائکہ کو انبیاء پر فضیلت ہے۔ پہلے کہہ چکا ہوں کہ جزوی اعتبار میں امام رازی نے یہ بھی کہا کہ فرشتے کا علم بشر سے زیادہ ہوتا ہے۔ یہ بات بھی جزئیات میں سے ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اے آدم فرشتوں کو ان ناموں کی خبر دو۔ پھر فرمایا کہ میں نے تمہیں کہا نہیں تھا۔

اس سے ثابت ہوگیا کہ فرشتوں کا علم قطعی طور پر زیادہ ہیں۔ اگر کوئی یہ کہے کہ جبرائیل کی فضیلت نبی کریم ﷺ سے زیادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، بے شک یہ عزت والے فرشتے کا قول ہے جو بزرگ ہے، قوت والا ہے، عرش کے نزدیک رہتا ہے، اطاعت کیا ہوا ہے، وہاں کا امانت دار ہے۔ اس آیت میں جبرائیل کی چھ صفات بیان کی گئی ہیں کہ وہ کریم ہے، قوت والا ہے، عرش کے قریب رہتا ہے، امانت دار ہے، اطاعت کیا ہوا ہے اور اگر کوئی اس پر یہ کہے کہ قول رسولٍ کریم سے نبی کریم کی ذات بابرکات ہیں تو یہ بات باطل ہوگی۔ اللہ فرماتا ہے ولقد راہ بالافق المبین تو اس آیت سے مراد جبرائیل ہے۔ قوت والا ہے وہ عرش والا ہے کہ اس کا علم زیادہ ہے، اس کی عبادت بھی زائد ہے، عمر بھی اور تجربہ بھی۔ تو لہٰذا اس کا علم زیادہ ہوا اس آیت میں اس کے چھ صفات ہیں اور محمد ﷺ پر جبرائیل کو قطعی فضیلت ہے۔ اور ایک آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی چھ صفات بیان کی ہیں۔ ارشاد ہے، بے شک ہم نے آپ ﷺ کو حاضر ناظر اور گواہ بنا کر بھیجا، خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے بلانے والا اور آفتاب روشن۔ اس ایک آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی چھ صفات بیان کی ہیں۔

امام رازی نے کہا ہے کہ قرآن کریم میں علم کی فضیلت زیادہ بیان کی گئی ہے لہٰذا جبرائیلؑ علم میں حضرت محمد ﷺ سے زیادہ ہیں۔ کیونکہ فرشتوں کی تعداد بے بہا ہے جو آسمان اور پہاڑوں میں، جنگلوں میں، دریاؤں میں بے بہا ہیں۔ جو حضور ﷺ کے علم میں نہیں ہیں۔ باقی وحی کے ذریعے جو علم وہ حضرت محمد ﷺ کو بھی ہے اور جبرائیلؑ کو بھی تو جبرائیل کے علم کی فضیلت حضور ﷺ پر ہے۔ ارشاد ہے فرمادو کیا جاننے والا اور نہ جاننے والا برابر ہیں۔ نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اس کو سخت طاقت والے نے سکھایا تو اس نے علم کسی سے سیکھے تو لامحالہ سیکھنے والے سے سکھانے والا افضل ہوتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ علمہ شدید القویٰ امام رازی نے اس پر تاویل کی ہے۔ کوئی اگر یہ کہے کہ کیوں تاویل کی کہ جبرائیل کی حقیقت قوی ہے اور وہی قوی ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ذو القوۃ المتین تو قوی صرف صفت اللہ کی ہے۔ پھر ثابت ہوا کہ حضور ﷺ نے جبرائیلؑ سے علم سیکھا تو حضور ﷺ جبرائیلؑ کے شاگرد ہوئے۔ یہ بات بالکل محال ہے۔ احادیث میں اس پر حضرت علیؓ حضرت عبد اللہ ابن مسعود، حضرت ابن عباس یہ سب فرماتے ہیں کہ صحابہ کا جم غفیر تھا اور حضور ﷺ یہی آیت تلاوت فرمارہے تھے اور معراج کے واقعات کو بیان فرمارہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرا رب شدید القویٰ ہے جس نے مجھے علم سکھایا۔ لہٰذا حضور ﷺ سے خود ثابت ہوگیا کہ شدید القویٰ سے مراد اللہ تعالیٰ ہے۔ اس میں ایک دلیل نقلی یہ بھی بن سکتی ہے۔ یہ حدیث تفسیر امام باقر میں ہے کہ جبرائیل کے ساتھ ذی القویٰ کا لفظ ہے اور یہاں شدید پہلے ہے اور قویٰ بعد میں ہے۔ اگر شدید القویٰ سے

Marfat.com

مراد یہاں جبرائیل مان لیا جائے تو پھر اس میں خرابی پیدا ہوسکتی ہے کہ شدید القویٰ صرف اللہ ہے کیونکہ قرآن میں کوئی ایسی جگہ نہیں، جہاں قویٰ سے پہلے شدید کا لفظ آیا ہو، شدید القویٰ صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے کیونکہ اس کے معنی سخت طاقت والا ہیں۔ کیونکہ شدید کا لفظ قویٰ سے قبل اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ اگر جبرائیلؑ کے لئے مانا جائے تو اس کی قوت تو پھر اللہ تعالیٰ سے بھی زیادہ ہوجائے گی۔ حدیث شریف میں بھی اس کی حقیت واضح ہوتی ہے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت ابوبکر صدیقؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ اللہ شدید القویٰ ہے یہ اس کی صفت ہے کہ جس نے مجھے علم سکھایا۔ میرے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان جبرائیلؑ وحی کا واسطہ رہا۔ ایک اور حدیث میں حضرت عبداللہ ابن کعبؓ اور حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے معراج کے واقعات پوچھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہی اللہ تعالیٰ شدید القویٰ ہے جس نے مجھے علم سکھایا، وہ سخت طاقت والا ہے۔ یہ تفسیر امام باقر میں ہے۔ اس کے سوا کسی کی سخت طاقت نہیں ہے۔ وہ شدید قوت والا ہے اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ علمہ' سے مراد اللہ تعالیٰ ہے۔ اس ضمن میں انیس سوسولہ مستند اور تواتر احادیث ہیں صحابہ میں بھی تواتر ہیں اور تابعین میں بھی۔ انشاء اللہ وہ جب سورۂ نجم آئے گی تو علمہٗ پر مکمل بحث ہوگی۔ اب یہ یہاں ثابت ہوگیا کہ علمہٗ سے مراد جبرائیل نہیں ہے جو بیان کرے گا کہ اس سے مراد جبرائیل ہے تو بطلان ثابت آئے گا۔ کچھ لوگ یہ حدیث بیان کرتے ہیں۔ حدیث قدسی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم مجھے جلسے میں یاد کرو تو میں تجھے بہتر جلسے میں یاد کروں گا تو اس حدیث سے انبیاء پر ملائکہ کی فضیلت قطعی طور پر ثابت نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ جلسہ عام لوگوں کا ہوتا ہے، انبیاء مراد نہیں ہیں۔ تو بس ثابت ہوا مذکورہ احادیث سے کہ اللہ تعالیٰ کے بعد سب مخلوق سے درجہ نبی کریم کا ہے اور جبرائیلؑ آپ ﷺ کا خادم ہے بلکہ جبرائیل آپ ﷺ کا شاگرد بھی ہے۔ اس پر بھی مکمل بحث سورۃ نجم میں آئے گی۔ اب کچھ لوگ اس پر دلائل عقلیہ بیان کرتے ہیں۔

دلیل اوّل:

فلاسفر کہتے ہیں فرشتے بسیط ہیں اور کثرت سے پاک ہیں۔ انسان نفس اور بدن سے مرکب ہے اس طرح بدنی ترکیب کئی اجزا سے ہوتی ہے اور بسیط کا درجہ مرکب سے بہتر ہے۔

اعتراض:

ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ بسیط کو مرکب پر فضیلت ہے اس واسطے کہ جو چیز رہ جاتی ہے اس کو جسم سے واسطہ نہیں، وہ تو محض ایک امر ہے اور جس روح کو جسم سے تعلق ہے وہ دو امر ہیں۔ ایک روح اور ایک جسم، پس روح کے اعتبار سے وہ چیز عالم روحانیت اور عالم انوار سے ہے اور جسم کے اعتبار سے عالم اجسام میں ہے پس چونکہ وہ روحانی اور جسمانی کا جامع ہے۔ اس واسطے اس کو محض روحانی اور محض جسمانی پر فضیلت ہے اس راز کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں سے سجدہ کروایا۔ ایک اور وجہ یہ بھی ہے کہ ارواح ملائکہ مجرد ہیں اور علائق جسمانیہ سے الگ ہیں۔

دلیل دوسری:

جواہر روحانیہ شہوت سے پاک ہوتی ہیں کہ جو خوں ریزی اور فساد کا منشاء ہوتی ہیں اور ارواحِ بشریہ کو شہوت کے ساتھ تعلق ہوتا ہے جس میں شر کا منشاء پایا جائے۔ اس کو ایسے شخص پر فضیلت ہے جس میں وہ منشاء نہ پایا جائے۔

اعتراض:

اس میں شک نہیں ہے کہ باوجود کثرت مواقع اور عوائق کے خدمت اور اطاعت میں لگے رہنا اخلاص پر زیادہ دلالت ہے یہ اس سے افضل ہے کہ مانع نہ ہو اور عبادت پائی جائے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ صحت اور خلوص کے اعتبار سے بشر کا مرتبہ اعلیٰ اور افضل ہے۔ علاوہ بریں چونکہ روحانیات اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں، ان کی اطاعت سے شیاطین کچھ مغلوب نہیں ہوتے جو اللہ کے دشمن ہیں۔

دلیل سوم:

Marfat.com

روحانیات میں کسی جز کی استعداد نہیں ہوتی بلکہ جو کچھ کمال ان میں ہوتا ہے وہ ان کے فعل کے ساتھ ہوتا ہے اور انبیاء علیہم السلام میں یہ بات نہیں ہے۔

اعتراض:

ہم تسلیم نہیں کرتے کہ فرشتوں کے تمام کام فعلی ہیں بلکہ بعض امور ان میں بالقول پائے جاتے ہیں اس واسطے کہا گیا ہے کہ فرشتوں کا آسمانوں کو حرکت دینا اس واسطے ہوتا ہے کہ وہ معقولات کو قوت سے مرتبہ فعل میں لا دیں اور یہ تحریکات ان کے لئے اس طرح ہیں جس طرح ارواح کے لئے تحریکات جو قوائے نظریہ اور تخیل کے حامل ہوتے ہیں اور معقولات کو مرتبہ قوت سے مرتبہ فعل میں لانے کے لئے یہ تحریکات ہوتے ہیں۔

دلیل چوتھی:

فرشتے ابدی الوجود ہیں اور تغیر سے پاک ہیں بخلاف نفوس بشریہ کے کہ ان میں یہ بات نہیں ہے۔

اعتراض:

یہ دونوں مقدمے غیر مسلمہ ہیں۔ اس واسطے کہ روحانیات اپنی ذات کے اعتبار سے ممکن الوجود اور اپنے مادہ کے اعتبار سے واجب الوجود ہیں۔ اس واسطے وہ حادث ہیں۔

دلیل پانچویں:

روحانیت میں نورانیت اور علوم اور لطافت کے معنی پائے جاتے ہیں اور جسمانیات میں کثافت اور دنائت پائی جاتی ہے اور ہدایت عقلی اس بات کی شہادت دیتی ہے کہ نور کو ظلمت کے اوپر شرف ہے اس طرح اعلیٰ کو اسفل پر اور لطافت کو کثافت پر فضیلت ہے۔

اعتراض:

یہاں تک جو بیان ہوا وہ مادہ کے اعتبار سے تھا اور ہمارے نزدیک شرف کا درجہ رب العالمین کی فرمانبرداری پر ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے، فرما دو حبیب پاک ﷺ! کہ روح میرے رب کا امر ہے اور شراکت مادہ سے بندگی کا دعویٰ کرنا شیطان کی حجت ہے اس نے بنی آدم کے روبرو اسی وجہ سے اپنا شرف بیان کیا۔ اس حجت کے پیش کرنے سے وہ لعنت کا مورد ہوا۔

دلیل چھٹی:

روحانیت سماویہ کو جسمانیات کے اوپر قوئ علمی اور عملی کے اعتبار سے فضیلت ہے۔

اعتراض:

جو کچھ بیان ہے فقیر کا اس کے ساتھ اتفاق ہے مگر اس مقام پر ایک نہ ایک بات ہے کہ ایک شخص اگر ہمیشہ لطیف غذائیں کھاتا رہے تو اس کو ان غذاؤں میں وہ لذت نہیں آتی جو مدتوں کے بعد وہی چیز کھانے سے آئے گی۔ فرشتے چونکہ عبادت کے بلند مقامات میں مستغرق رہتے ہیں۔ اس لئے ان کو وہ لذت حاصل نہیں ہوتی جو بشر کو حاصل ہوتی ہے۔

دلیل ساتویں:

روحانیت میں یہ طاقت ہے کہ بڑی بڑی چیزوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر دیتے ہیں۔ اور ایک جسم کو دوسرے جسم کی طرف منتقل کر دیتے ہیں۔

اعتراض:

نفوس بشریہ میں بھی بعض نفوس اس درجہ میں کامل اور قوی ہوتے ہیں کہ جو تصرفات عالم میں فرشتے نہیں کر سکتے یہ وہ بھی کر سکتے ہیں۔

Marfat.com

دلیل آٹھویں:

فرشتوں کوانوار الٰہی سے اختیارات کا فیضان ہوتا ہے۔ان کی اچھے کاموں کی طرف توجہ رہتی ہے اور ہر وقت عالم کے انتظام میں مشغول رہتے ہیں۔شر اور فساد کی ان میں آمیزش نہیں ہوتی جس طرح بشر کے اندر ہوتی ہے۔

اعتراض:

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ فرشتے درحقیقت عبادت کرنے پر مجبور ہیں۔یعنی گناہ کرنا ان کے اختیار میں نہیں ہے، انبیاء علیہم السلام دونوں باتوں کے اندر مختار ہیں۔

دلیل نویں:

فرشتوں کو سیارات سے اور تمام ستاروں کے ساتھ ایک خاص تعلق ہے۔

اعتراض:

جو کچھ تم نے کہا اس میں ابھی نزاع باقی ہے اگر تسلیم کیا جائے تو اس میں بحث ہوتی ہے، کہہ چکا ہوں کہ جو ایک چیز کھائی جائے تو اس کے کھانے کے بعد لذت کو دوام نہیں ہوتا۔

دلیل دسویں:

روحانیات فلکیہ اور سفلیہ کے لئے مبدأ اور معاد باقی ہوتے ہیں۔اور مبداء کو ذی مبدا پر فضیلت ہوتی ہے۔

اعتراض:

اس دلیل کا منبع حشر کی نفی پر ہے جب تک اس کی نفی نہ کی جائے تو کچھ کام نہ چلے گا۔

دلیل گیارہویں:

انبیاء علیہم السلام کا اس پر اتفاق ہے کہ اللہ کی وحی کے سوا علم میں اور معرفت میں کوئی بات نہیں کرتے کہ ان کو تمام علوم فرشتوں کی طرف سے حاصل ہوتے ہیں، یہ بات بھی غلط ہے۔

دلیل بارہویں:

تقسیم عقلی کی رو سے تمام ذی حیات چیزیں تین قسم کی ہوتی ہیں۔ایک خیر، ایک شر اور ایک ان کے درمیان میں۔

اعتراض:

فضیلت سے کثرت مراد ہے پس اس معنی سے تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ فرشتہ کو فضیلت حاصل ہے۔فقیر نے جو دلائل عقلیہ بیان کئے ہیں جو ماحصل ہے فرشتہ کو بشر پہ کیسے فضیلت ہے اور صاحب خزینۃ القرآن نے یہی دلائل فرمائے ہیں جن کو رازی نے بھی بیان کیا ہے۔ابھی خزینۃ القرآن کے دلائل عقلیہ اس پر کافی ہیں۔دلائل عقلیہ کے بعد ایک حدیث بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے جمعۃ الوداع کے موقع پر خطبہ میں یہ بھی فرمایا جس کو ایک لاکھ چونتیس ہزار سے زائد آدمی سن رہے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ فرشتوں سے شیاطین نہیں ڈرتے۔اللہ کی کتابیں آسمانی بشر پر نازل ہوئیں اور اللہ تعالیٰ کے احکامات میں جتنا انبیاء حق ادا کرتے ہیں، نہ ملائکہ کر سکتے ہیں نہ باقی انسان۔آپ ﷺ نے فرمایا۔اسی بناء پر اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو ملائکہ پر فضیلت ہر اعتبار سے بخشی۔فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو زیادہ تواتر ہے، صحابہ میں بھی اور تابعین میں بھی۔صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ آخر میں میرا یہی فیصلہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو کلی اعتبار سے ملائکہ اور انسانوں پر فضیلت حاصل ہے۔

Marfat.com

-1 اللہ تعالیٰ نے سب ملائکہ کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کریں تو انہوں نے سجدہ کیا۔ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ بہ جہت قبلہ نہیں کیا گیا۔ یہ دراصل ان کو سجدہ کیا گیا۔ پہلی حدیث سے بھی ثابت ہو چکا ہے۔ جب یہ بات ثابت ہوئی تو ثابت ہو گیا کہ حضرت آدمؑ کو فرشتوں پر فضیلت حاصل ہے۔ حدیث شریف میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؑ سے فرمایا کہ انبیاء کو اسی لحاظ سے فرشتوں پر فضیلت حاصل ہے کہ فرشتوں نے حضرت آدمؑ کو سجدہ کیا، حضرت علی فرماتے ہیں کہ یہی حدیث حضور ﷺ نے صحابہ کے جم غفیر میں فرمائی۔ یہ حدیث تفسیر امام باقر وغیرہ میں ہے، ظاہر ہے کہ ساجد سے مسجود افضل ہوتا ہے۔

-2 اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو اپنا نائب اور خلیفہ فرمایا۔ یہ خلافت، حکومت اور ولایت کے اندر تھی۔ حضرت داؤد علیہ السلام سے ارشاد ہے، اے داؤد! ہم نے تجھے زمین میں خلیفہ فرمایا کہ تو لوگوں کے درمیان فیصلہ کر۔ بادشاہ کے نزدیک اس شخص کا درجہ بڑا ہوتا ہے جو ولایت میں اور تصرف میں اعلیٰ ہو اور حکمرانی میں بھی۔ ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حضرت آدم علیہ السلام تمام مخلوق سے افضل تھے۔ اس آیت سے بھی تائید ہوتی ہے کہ جو کچھ جنگلوں اور دریاؤں میں ہے سب کچھ تمہارے تابع کر دیا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اعلیٰ درجے کی خلافت عطا فرمائی۔

-3 حضرت آدم علیہ السلام کا علم ملائکہ کے علم سے زیادہ تھا جس قدر جس کا علم ہوتا ہے اس کے موافق اس کو درجہ دیا جاتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام کا علم فرشتوں سے زائد تھا۔ خلافت اللہ تعالیٰ نے سوائے انسان کے کسی کو نہیں دی۔ اللہ تعالیٰ نے جب فرشتوں سے فرمایا کہ تم مجھے ان ناموں کی خبر دو، انہوں نے عرض کیا کہ تو پاک ہے، ہم کچھ نہیں جانتے۔ ہمیں تو وہی علم ہے جو ہم کو تو نے دیا ہے، بے شک تو العلیم الحکیم ہے، جب حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم ان کو ان چیزوں کے نام بتلا دو تو حضرت آدم علیہ السلام نے جب ان کو بتلائے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے نہیں فرمایا تھا کہ تم نہیں جانتے زمین و آسمان کی پوشیدہ بات، میں جانتا ہوں اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور چھپاتے ہو، میں جانتا ہوں۔ اس سے حضرت آدم علیہ السلام کے اس علم کی فوقیت ثابت ہوئی۔ حضرت علیؑ فرماتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق سے بھی ملائکہ اور انسان سے انبیاء علیہم السلام کو بہت علم عطا فرمایا۔ ان کی بہ نسبت فرشتوں کو کچھ علم نہیں، مذکورہ بالا آیت بھی تلاوت فرمائی۔ یہ حدیث تواتر ہے اور تفسیر امام باقر وغیرہ میں ہے۔

-4 اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ نے چن لیا اور برگزیدہ کر لیا نوح علیہ السلام کو آل ابراہیم کو اور آل عمران کو تمام جہان والوں پر۔ اللہ تعالیٰ نے ان بزرگوں کو تمام پر فوقیت دی۔ فرشتے بھی ان میں موجود تھے۔ اس میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ اگر کوئی اس پر یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے بارے میں فرمایا۔ اے اولادِ یعقوب! تم میری نعمتوں کو یاد کرو، میں نے جو تم پر انعام کیا اور میں نے تم کو تمام جہان والوں پر فضیلت دی، پھر لازم آتا ہے کہ بنی اسرائیل کو حضور ﷺ پر فضیلت ہے۔ لیکن اس سے یہ نہیں ثابت ہو سکتا کہ فرشتوں پر ان حضرات کو فضیلت ہو۔ جس طرح حضرت مریم کے بارے میں بھی قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ ہم نے اے مریم تم کو تمام جہان کی خواتین میں چن لیا۔ تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت مریم کو حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا پر فضیلت ہو۔ اسی طرح ان انبیاء علیہم السلام کو فرشتوں پر فضیلت نہیں۔

جواب: جب اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو یہ ارشاد فرمایا کہ تو حضور ﷺ اس وقت موجود نہ تھے۔ اور جبرائیل علیہ السلام موجود تھے اور معدوم چیز پر اس کا اطلاق لازم نہیں آتا جب تک کہ وہ ظاہر نہ ہو۔ اس وقت جتنے لوگ تھے جہان میں ان سب پر بنی اسرائیل کو فضیلت تھی، کیونکہ جبرائیل علیہ السلام بھی شامل ہیں تو آیت کے اندر عموم ظاہر ہو رہا ہے۔ اس عموم کو ترک کرنے سے کافی خرابیاں وارد ہوئی ہیں۔ جب کہ ہمارے نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے سارے جہانوں کے لئے رحمت فرمایا۔ قاعدہ کلیہ یہی ہے کہ راحم مرحوم سے افضل ہوتا ہے۔ پہلے لکھ چکا ہوں کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے انوار کے فیضان ہیں ان کو اختیار ہے وہ صرف عبادت میں ہی مشغول ہیں۔ عبادت کے بغیر اور کوئی کام نہیں کرتے۔ انبیاء علیہم السلام کو دونوں طرح کا اختیار ہے حضور ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے، صحابہؓ کے جم غفیر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جن پر اپنے احکام کو نازل فرماتا ہے، وہ جمیع مخلوق سے افضل ہوتے ہیں، کیونکہ احکام اللہ تعالیٰ کے تمام احکاموں میں سے افضل ہیں وحی سے اللہ تعالیٰ کے احکام جن پر وہ نازل ہوتے ہیں۔ ان کو افضل کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے کسی کا حکم بڑا نہیں ہے۔ نیز فرمایا کہ انبیاء اس لئے افضل ہیں کہ ان پر کتب نازل ہوئیں اور فرشتوں پر کتب نازل نہیں ہوتیں۔ مجھے اس لئے تمام انبیاء پر دوامی فضیلت ہے کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کا قرآن نازل ہوا جو دائمی ہے اور سارے عالم کے لئے ہے اور ابدلآباد ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفت ہے اس صفت سے مجھ کو فضیلت ہے۔ یہ حدیث تفسیر امام باقر میں ہے اور تواتر ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو ملائکہ پر قطعی فضیلت ہے۔

Marfat.com

5- بشر کی عبادت فرشتوں سے زیادہ مشاق ہوتی ہے کیونکہ ان میں خواہشات اور شہوت بھی ہوتی ہے اور فرشتوں میں یہ خواہشات نہیں ہوتیں۔ وہ یہی کہتے ہیں لاعلم لنا اور مقام پر ارشاد ہے کہ وہ اپنے رب کے آگے پیش قدمی نہیں کرتے۔ تو بشر کی عقل فرشتوں سے قوی ہے۔ وہ استنباط نکالتے ہیں، حضرت معاذؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ رائے قائم کی اپنے اجتہاد سے رسول اللہ صلعم نے اسے پسند فرمایا۔ نسبت رائے کے نص پر عمل کرنا دشوار ہوتا ہے۔ فرشتوں کے شبہات سے بشر کو بڑا شبہ ہوتا ہے کہ آسمان کے اندر بہت سے حوادثات ہیں، فرشتوں کو اس کا امتیاز نہیں ہوتا، بشر کو اس کا امتیاز ہوتا ہے، فرشتے تو ان تمام کا مشاہدہ کرتے رہتے ہیں۔

فرشتوں کے دل پر شیطان کا غلبہ نہیں ہوتا۔ بشر کے دل کے اندر وسواس ڈالتا ہے۔ اس لحاظ سے فرشتوں کی عبادت سے بشر کی عبادت مشکل ہوتی ہے۔

فرشتوں کے اندر عقل اور شہوت پیدا نہیں کی گئی۔ جبکہ بشر کے اندر یہ دونوں چیزیں موجود کر دی گئی ہیں۔

فرشتے بنی آدم کے محافظ رہتے ہیں۔ بنی آدم محفوظ ہوتا ہے۔ ثابت ہوا کہ محافظ سے تو محفوظ کا درجہ زیادہ ہوتا ہے۔ امام باقر حدیث تواتر بیان کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ و حضرت ابوبکرؓ یعنی چاروں خلفائے راشدین اور صحابہؓ بھی اسے بیان کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ شب معراج کو میں براق پر سوار ہوا۔ جبرائیل علیہ السلام نے میری براق کی لگام کو تھاما، جب سدرۃ المنتہیٰ تک میں پہنچا تو جبرائیل نے عرض کیا کہ میں ایک قدم بھی آگے چلوں تو میرے پر جل جائیں گے۔ اس حدیث سے بھی ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی براق کی لگام کو جبرائیلؑ نے تھاما، پھر سدرۃ المنتہیٰ سے واپس ہٹ گیا۔ اس سے بھی رسول اللہ کی فضیلت قطعی ثابت ہوتی ہے۔ دنیا کے عظیم مشہور مفکر اسلام اعلیٰ حضرت امام اہل سنت شاہ احمد رضا خاں فرماتے ہیں۔ آپ کا یہ شعر ہے۔

تھکے وہ روح الامین کے بازو کہاں وہ دامن کہاں وہ پہلو
رکاب چھوٹی ، امید ٹوٹی نگاہ کی حسرت کے ولولے تھے

اب کچھ لوگوں کے ان پر اعتراضات ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ آدم کو جو سجدہ کیا گیا یہ قبلہ سمجھ کر کیا گیا اور کچھ کہتے ہیں کہ پیشانی کو زمین پر نہیں رکھا گیا۔ اور کچھ تسلیم کر گئے ہیں کہ رکھا گیا ہے۔ یہ سجدہ تواضع کا تھا۔ اس کا جواب فقیر بہت پہلے تواتر احادیث سے دے چکا ہے۔ اب وہ احادیث دوبارہ بیان کرنا مقصود نہیں۔ اس سے یہ ہے کہ اگر تواضع بھی ہو بادشاہ ایک آدمی کے درمیان میں ہو جائے تو بڑے بڑے لوگوں سے کہے کہ اس کی خدمت کرو تو اس خدمت سے وہ یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ وہ بادشاہ ہو گیا ہے اور یہ بھی نہیں مانا جا سکتا ہے ادنیٰ کی اعلیٰ تواضع کرے۔ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے۔ اس کے دربار میں کوئی حجت نہیں ہو سکتی۔ مفسر کہتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے بشر کے اندر جو عقل پیدا کی وہ اس کو ہمیشہ ذہن میں رکھے گا، پھر کیسے ہو سکتا ہے کہ اعلیٰ ادنیٰ کی تواضع کرے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو صرف زمین والوں کے لئے خلیفہ بنایا، آسمان والوں کا ذکر نہیں، اگر ایسا ہے تو پھر فرشتوں میں سے کیوں نہیں خلیفہ مقرر کیا گیا حالانکہ ہر جنس کو اپنی جنس کی حقیقت کا میلان ہوتا ہے۔

جواب: فرشتوں کو بنی آدم نہیں دیکھ سکتے اور نہ ہی ان کو نظر آتے ہیں چونکہ فرشتے پاکیزہ اور معصوم ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اگر ہم اس کو فرشتہ بنا کر بھیجتے تب بھی یہ آدمی ہوتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ کفار کی حکایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس فرشتے آتے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی بات کو رد کیا۔ اگر فرشتے ہوتے تب بشری شکل میں آتے۔ ایسی آیات کا جواب بھی پہلے گزر چکا ہے یہاں زیادہ بحث کرنے کی ضرورت نہیں۔

میری دلیل یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں کے علم سے زیادہ علم تھا، ان کے لئے صرف صفات کا علم ہے، حدیث شریف میں ہے، رسول اللہ ﷺ حضرت آدم علیہ السلام کی نسبت خصائل بیان کر رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ بشر کو بشر کا علم ملائکہ کے علم سے زیادہ ہوتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب آدم علیہ السلام نے علم کے باب کھول دیئے، آپ ﷺ نے فرمایا یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے سمندر بہہ رہا ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا جب انسان سمندر کے پانی کو دیکھتا ہے تو عقل دنگ رہ جاتی ہے اور انسان کو حیرت ہوتی ہے۔ فرمایا کہ جب فرشتوں نے آدم علیہ السلام کے علوم کو دیکھا جو سمندروں کی طرح بہہ رہے تھے انہوں نے عاجز آ کر کہا سبحنک علم لنا حضرت علیؓ فرماتے ہیں، ہم صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ، تمام انبیاء میں سے کس کا علم زیادہ ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام انبیاء اور رسولوں سے اپنا حبیب چنا ہے اور علم میں بھی مجھے سب سے چن لیا ہے اور مجھے بار بار علم کے زیادہ ہونے کی دعا ہوتی ہے۔ اول سے آخر تک میری نبوت ہے تمام انبیاء نے میری نبوت کی نیابت کا حق ادا کیا ہے تو اس کے بعد حضرت علیؓ فرماتے ہیں، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جو مسجد میں سب سے پیچھے بیٹھے تھے،

Marfat.com

انہوں نے اٹھ کر سب سے پہلے حضور ﷺ کے قدموں اور ہاتھوں کو بوسہ دیا اور حضرت ابو بکر نے فرمایا کہ ہم اللہ پر راضی ہیں کہ ہمیں اس نبی ﷺ کا امتی بنایا جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنا حبیب چن لیا اور علم میں بھی چنا۔ یہ حدیث تفسیر بحر العلوم اور بقیہ تفاسیر میں تواتر سے ہے۔ معلوم ہوا کہ حضور ﷺ تمام نبوت کے مرکز ہیں اور تمام انبیاء کی نبوتیں حضور ﷺ کی نبوت کے خزانے میں ہیں۔ یہ حدیث خزینۃ القرآن، طبری، مسند عبد الرزاق کے صفحہ نمبر ۲۶۱ جلد نمبر ۲ پر درج ہے، تفسیر نور القرآن میں بھی ہے، تفسیر کبیر کے حاشیہ پر ہے۔ اس ضمن میں تفسیر کبیر کے حاشیہ پر بھی ہے۔ اب تمام تاویلات کی ضرورت نہیں رہی۔ ہاں ایک تاویل ہے جس کا جواب ضرور دیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وما ارسلنک الا رحمۃ للعالمین اس سے ہوسکتا ہے کہ فرشتوں کو اس رحمت کا فائدہ نہ ہو، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اے حبیب پاک ﷺ آپ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے آثار کو دیکھیں کہ وہ زمین کو مرنے کے بعد کیسے زندہ فرماتا ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کو فرشتوں کی رحمت کا فائدہ ہوا اور فرشتوں کو حضور ﷺ کی رحمت کا فائدہ ہو حدیث شریف ہے، صاحب خزینۃ القرآن اسے سورہ نجم کی اس آیت کے تحت لکھتے ہیں فاوحیٰ الی عبدہ ما اوحیٰ امام باقر اور آیت سبحان الذی اسریٰ کے ماتحت حضرت علیؓ لکھتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے جب ہمیں معراج شریف کے واقعات کو بیان فرمایا تو آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جب ہم چوتھے آسمان پر پہنچے تو جبرائیلؑ نے یہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ آسمانوں کے تمام فرشتے آپ ﷺ کی رحمت سے فائدہ لے رہے ہیں اور سب یہ کہہ رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسا نبی نہیں بھیجا جس سے جنوں، انسانوں اور ملائکہ کو فائدہ پہنچے۔ وہ صرف محمدؐ رسول اللہ ہیں جن کی رحمت سے جن، فرشتے اور انسان فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ جبرائیلؑ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ کہ آپ ﷺ خوش ہو جایئے کہ آپ ﷺ کی رحمت ہم فرشتوں کے لئے جنوں اور انسانوں اور جمع مخلوق کے لئے ہے۔ آپ ﷺ کی رحمت عام ہے۔ یہ تفسیر امام باقر میں ہے اور تواتر ہے تو اس حدیث سے ثابت ہوا کہ آنحضور ﷺ کی ذات رحمت عام ہے، جن میں فرشتوں کو بھی فائدہ ہوتا ہے۔ مذکورہ آیت جو انہوں نے عزت کے طور پر پیش کی تو اس کے اندر فرشتوں کا ذکر ہی نہیں ایسی تاویل جن کے بارے میں کوئی ثبوت نہ ہو تو ایسی تاویل باطل ہے کہ ابلیس نے ہوسکتا ہے کہ کسی عذر کی بناء پر سجدہ نہ کیا ہو۔

مسئلہ چھٹا:

اللہ تعالیٰ نے ابیٰ کا لفظ فرمایا جس کے معنی انکار کے ہیں تو انکار بھی کسی عذر پر ہوسکتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے واستکبر فرمایا۔ انکار تکبر بھی ہوسکتا تھا کہ پھر کفر لازم نہ آئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وکان من الکافرین قاضی ابو بکر نے بیان کیا ہے کہ فرقہ جبریہ یہ کہتے ہیں کہ جب ابلیس نے انکار کیا تو یہ فعل اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھا۔ تو اس کو معذور ماننا چاہئے جب فعل کے وقوع فاعل کے اختیار میں ہے، وہ اس پر قادر ہے تو پھر یہ اعتراض کس پر ہوگا۔ ہم اس مسئلہ کو پہلے بیان کر چکے ہیں اور عنقریب بھی بیان کریں گے کہ اللہ تعالیٰ خیر و شر کا خالق ہے اور اس نے دونوں راستے دکھا دیئے ہیں۔ ابلیس کے سامنے یہ دونوں راستے تھے۔ اس نے لعنت کے راستہ کو اختیار کیا۔ حدیث شریف میں بھی ایسا وارد ہے۔ اگر مقصد سے ہے تو تسلسل لازم آئے گا۔ اور اگر بلا مقصد کے ہو تو وقوع لازم آگیا اور فقیر عنقریب ان کو بیان کرے گا۔ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو تو جو تم نے ہم پر اعتراض کئے ہیں وہ سب تم پر ہوں گے۔ اگر یہ کہو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مرجح لازم آئے گا اس سے صانع کا اثبات ثابت ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں اگر ایسا ہو تو اس فعل کا وقوع لازم ہوگا۔ کفر کا اختیار بندے کی طاقت میں نہیں ہوتا۔ پس اس کو کیونکر حکم دے سکتے ہیں۔ اور کس طرح منع کر سکتے ہیں۔ پس قاضی صاحب سے یہ پوچھتے ہیں کہ امر اور نہی کے تمسک کرنے سے اور ان میں وجوہات نکالنے سے جن کا مرجح ایک حرف کی طرف ہوتا ہے، کیا فائدہ ہے۔ یہ ایسا اعتراض ہے کہ قاضی صاحب کی کلام کو کاٹ دیتا ہے۔ اگر اولین و آخرین اس بات پر اتفاق کرلیں تو ان دو باتوں میں سے ایک بات لازم آتی ہے کہ صانع کا مسدود ہونا لازم آئے گا۔ یا اس بات کا قائل ہونا پڑے گا اور فقیر کا جواب بھی یہی ہے۔

مسئلہ ساتواں:

حضرت عبد اللہ ابن مسعود اور حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت معاذ بن جبل فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ابلیس عبادت کرتا تھا لیکن اس کی چال منافقانہ تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تورات میں یہ ہے کہ ابلیس کا فرشتے کے ساتھ مناظرہ ہوا۔ اس نے کہا کہ میں سوائے اللہ کے کسی کو سجدہ نہیں کرتا جس نے تمام خلقت کو پیدا کیا مجھے اللہ تعالیٰ پر سات سوال ہیں:

Marfat.com

1- خلقت کو پیدا کرنے میں کیا حکمت ہے؟
2- بندوں کو حکم دینے میں کیا فائدہ ہے؟
3- اس بات کو میں تسلیم کرتا ہوں کہ اس نے مجھے معرفت عطا کی۔مگر اس کی کیا وجہ کہ اس نے آدم کو سجدہ کرنے کا حکم دیا؟
4- جب میں نے اس کی نافرمانی کی تو اس نے مجھے کیوں ملعون کیا حالانکہ نہ اس کا کوئی نفع ہے نہ کسی دوسرے کا اس میں میرا بہت نقصان ہے؟
5- جب اس نے میرے ساتھ ایسا کیا تو مجھے جنت میں داخل ہونے کی اور آدم کے دل میں وسوسہ ڈالنے کی قدرت کیوں دی؟
6- جب میں نے ایسا کیا تو اس نے مجھے آدم کی اولاد پر کیوں مسلط کیا؟
7- جب میں نے اس سے ایک مدت دراز کے لئے مہلت مانگی تھی تو اس نے مجھے مہلت کیوں دی؟

وجہ دوئم:

صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں، حضرت علیؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ وہ ہمیشہ سے کافر تھا تو ایمان ان کے نزدیک ثواب دائمی کے استحقاق کے موجب ہوتا ہے اور کفر عذاب دائمی کے استحقاق کا موجب ہوتا ہے۔لہٰذا ثواب دائمی اور عذاب دائمی کا ترجمہ کرنا محال ہے۔صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں۔پس اگر ایک وقت میں ایک بندے سے کفر سرزد ہوا پھر العیاذ باللہ اس سے کفر صادر ہوا تو اس وقت میں یا تو دونوں استحقاق باقی رہیں گے یہ بات محال ہے۔مذکورہ حدیث تفسیر امام باقر میں ہے۔فقیر بیان کر چکا ہے کہ استحقاق عارضی استحقاق سابقہ کو زائل کر دے گا یہ بھی محال ہے۔یہ قول بالکل باطل ہے جب کہ ابلیس کا خاتمہ کفر پر ہوا۔تو وہ کسی وقت مومن نہیں تھا۔

قول دوسرا:

بعض کا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں وہ پہلے کافر تھا۔ایک وقت تک مومن رہا اور بعد میں کافر ہوا۔علماً نے کان من الکافرین کی تفسیر میں اختلاف کیا ہے۔ ہم اس کو حدیث کی رو سے اوپر بیان کر چکے ہیں کہ ازلی علم میں پہلے کافر تھا۔فرشتوں کو دیکھ کر منافقانہ چال چلتا رہا اور بعد میں اپنے نفاق کو ظاہر کیا۔پھر اپنی اصلی حالت کفر پر ہو گیا۔اوپر والی حدیث بھی اس حق میں ہے۔

بحث اوّل:

یہ کہتے ہیں کہ ابلیس سے پہلے بھی کوئی کافر تھا یا نہیں تھا۔حدیث شریف میں وارد ہے۔حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جب فرشتوں کو پیدا فرمایا اور فرمایا کہ میں زمین میں آدم کو خلیفہ پیدا کرنے والا ہوں۔جب وہ پیدا ہو گئے تو فرشتوں کو حکم ہوا کہ سجدہ کرو۔ایک جماعت نے انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر آگ مسلط کر دی اور وہ جل گئے۔

دوسری روایت:

حضرت علیؓ لکھتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ! شیطان کب سے کافر ہوا، آپ ﷺ نے فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کے علم ازل میں پہلے کافر تھا اور ایک جنات کی جماعت کو بھی اس نے کافر کیا جو فرشتوں کے ساتھ مل کر عبادت کرتے تھے۔جب اس نے سجدہ نہ کیا تو اس کی پیروی میں انہوں نے بھی نہ کیا تو فرمایا کفار کی ایک مکمل جماعت تھی جو شیطان کی جنس میں سے تھی۔یہی روایت ابن عباس اور موسیٰ اشعری، حضرت عمرؓ اور حضرت جابر بن سمرا، حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ سب راوی ہیں۔اب کسی تاویل کی ضرورت نہیں رہی۔یہ حدیث تفسیر امام باقر میں ہے، ثابت ہو گیا کہ کفار کی جماعت پہلے بھی تھی جن میں شیطان موجود تھا، یہ حدیث خزینۃ القرآن میں ہے، طبری میں بھی ہے۔پہلی روایت تفسیر کبیر میں بھی ہے۔دوسری روایت تفسیر کبیر کے حاشیہ پر ہے۔پس ثابت ہو گیا کہ پہلا کافر ابلیس تھا۔حدیث سے ثابت ہو گیا اب کسی تاویل کی ضرورت نہیں رہی۔

Marfat.com

بحث دوم:

ہمارے نزدیک بندہ معصیت سے کافر نہیں ہوتا، معتزلہ کہتے ہیں۔ اگر چہ ایمان سے خارج ہوا لیکن کافر نہیں ہوا۔ خوارج کہتے ہیں کہ ہر معصیت کفر ہے۔ لیکن یہ بات مان لی جائے۔ تو صورت اول میں وہ بات لازم آئے گی۔ اگر وہ ابتداً کافر نہ تھا۔ بعد میں کافر ہوا تو پھر وہی حالت ہوگی۔ حدیث شریف میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا اور اس کے حکم کو ماننا اور ملائکہ اور انبیاء کو تسلیم کرنا، یہ سب اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے حکم کو ترک کر دے گا تو اس پر کفر لازم آئے گا۔ اگر اس پر غفلت غالب آئے اس کے احکام کو حق مانے تو وہ معصیت ہوگی۔ ایمان سے خارج نہ ہوگا۔ یہ حدیث تواتر ہے۔ ابلیس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی کی جس کی وجہ سے وہ کافر ہوا۔

مسئلہ آٹھواں:

اس میں اختلاف ہے کہ تمام ملائکہ نے حضرت آدم کو سجدہ کیا یا بعض نے کہا کہ ملائکہ جمع کا صیغہ ہے عموم حاصل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فسجد الملئکۃ کلھم اجمعون اس سے ابلیس مستثنیٰ تھا بعض نے کہا ہے کہ ملائکہ اکابرین کو سجدہ کرنے کا حکم تھا اور بھی معقولات کے اندر تاویلیں آئی ہیں حدیث شریف میں ہے، حضرت علی مرتضیٰ فرماتے ہیں کہ صحابہ کا جم غفیر تھا، ایک روز بعد از نماز عشاء ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بیٹھے تھے اور کعب ابن اشرف نے کھڑے ہو کر عرض کیا یارسول اللہ مجھ سے انہوں نے پوچھا ہے کہ تم اپنے نبی ﷺ سے پوچھنا کہ حضرت آدم کو کتنے فرشتوں نے سجدہ کیا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا مجھے اللہ تعالیٰ کی قسم ہے کہ جو زمین پر فرشتے ہیں جو تمام آسمانوں پر ہیں اور جو ملائکہ مقربین ہیں سب نے حضرت آدم کو سجدہ کیا۔ یہ حدیث خزینۃ القرآن طبری، مسند عبدالرزاق، نور القرآن تفسیر حدائق ذات بھجہ اور تفسیر کبیر کے حاشیہ پر بھی درج ہے، تفسیر الاوفوی موسیٰ البرقع کی اولاد میں جتنے مفسرین ہوئے ہیں سب نے بیان کیا ہے۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ تمام ملائکہ نے سجدہ کیا۔

قال اللہ تعالیٰ: وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

ترجمہ: اور ہم نے فرمایا اے آدم علیہ السلام تو اور تمہاری زوجہ جنت میں ٹھہرو اور کھاؤ جو جی چاہے اور جہاں سے تم دونوں چاہو اس درخت کے قریب نہ جانا ورنہ تم حد سے تجاوز کرنے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔

جاننا چاہئے کہ اس مقام پر چند مسائل ہیں:

مسئلہ اوّل:

اس بات میں اختلاف ہے کہ اسکن کا امر جو اس آیت میں واقع ہے آیا وہ وجوب کے لئے ہے یا اباحت کے لئے ہے، حضرت قتادہؓ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں جس طرح فرشتوں کو بطور آزمائش وامتحان سجدے میں رہنے کا حکم فرمایا اسی طرح تمام چیزوں کی ان کو اجازت دے دی گئی ہیں، ایک درخت کے قریب جانے سے روکا گیا کافی دیر تک امتحان ہوتا رہا لیکن اس کے بعد مصلحت کے طور پر حضرت آدمؑ کو زمین پر اتارا گیا، جہاں ان کو ان کی ضرورت کے مطابق اشیاء ملیں چونکہ جنت کے اندر لذت کی چیزوں کو کھانے سے عبادت نہیں ہوسکتی تھی جس طرح کلوا من الطیبات کے اندر امر کا صیغہ ہے۔ یہ وجوب کے لئے نہیں اباحت کے لئے ہے۔ حدیث شریف میں ہے حضرت علیؓ وعمر و ابی بن کعب سے وہ معاذ بن جبل سے وہ حضرت عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ مت کہو کہ آدم سے لغزش ہوئی۔ پیغمبر سے لغزش نہیں ہوتی۔ اس میں مصلحت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے یہ فرشتوں سے وعدہ فرمایا کہ میں زمین میں اپنا ایک نائب بنانے والا ہوں اور تم اس میں کیا کہتے ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو پیدا کیا۔ کچھ دیر جنت میں ٹھہرایا اور مقصد یہ تھا کہ یہاں قیامت کے بعد تو اور تیری نیک اولاد اس میں رہو گے۔ اسی لئے حضرت آدم کو مصلحت کے طور پر زمین پر اتارا گیا تا کہ بدبخت کافر وہاں پیدا نہ ہوں۔ پہلے آدمؑ کو جنت خوشی کے طور پر دکھائی گئی کہ تو اور تیری اولاد جو میرے احکام کی فرمانبرداری کریں گے تو یہ نعمت ان کے ورثے میں ہوگی، جو حکم کی خلاف ورزی کریں گے، ان کے لئے جہنم ہوگی۔ تو حضرت آدمؑ مصلحت کے طور پر وہاں رہے۔ یہ

Marfat.com

حدیث تفسیر امام باقر وغیرہ میں ہے۔

مسئلہ دوم:

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کے بارے میں فرشتوں کو حکم دیا کہ تم آدم کو سجدہ کرو۔ سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے انکار کیا، پھر حضرت آدم کو حکم فرمایا کہ تم اپنی زوجہ کے ساتھ جنت میں رہو۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ حضرت حوا کو کب پیدا کیا گیا۔ حضرت سعدی ابن مسعود اور ابن عباس اور چند دوسرے صحابہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ جب ابلیس کو جنت سے نکالا اور حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں ٹھہرایا تو وہ وہاں تنہا رہا کرتے تھے اور ان کے پاس کوئی نہ تھا۔ ان کو نیند آئی۔ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی بائیں۔ پسلی نکال کر اس میں سے گوشت کا ٹکڑا لیا جس سے حضرت حوا علیہ السلام پیدا ہوئیں۔ وہ ان کے سرہانے بیٹھی تھیں۔ جب حضرت آدم بیدار ہوئے تو سرہانے ایک عورت کو پایا، پوچھا تو کون ہے، اس نے کہا میں عورت ہوں۔ فرمایا تو کس لئے پیدا ہوئی ہے۔ کہا کہ تمہاری دلجوئی کے لئے۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام سے فرشتوں نے پوچھا کہ ان کا نام کیا ہے۔ فرمایا حوا علیہ السلام ہے۔ علماء کہتے ہیں کہ حوا اس لئے ہے کہ ایک ذی حیات سے وہ پیدا ہوئیں۔ حضرت عمرؓ اور ابن عباسؓ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے وہاں فرشتوں کی ایک فوج بھیجی۔ انہوں نے حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہ السلام کو سونے کے تخت پر سوار کر کے اٹھالیا جس طرح بادشاہوں کو لے کر چلتے ہیں اسی طرح لے چلے۔ دونوں کا لباس نوری تھا۔ دونوں کے سر پر سنہری تاج تھے یاقوت اور مروارید سے جڑے ہوئے تھے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے سر پر جو دستار تھی وہ بھی یاقوت اور مروارید سے جکڑی ہوئی تھی۔ اس حالت کے اندر ان کو جنت میں داخل کیا گیا۔ صاحب خزینۃ القرآن نے اس ضمن میں کثرت سے احادیث بیان کی ہیں۔ یہ دو روایتیں جو پہلے بیان ہو چکی ہیں، تفسیر کبیر و خزینۃ القرآن میں ہیں ان پر کچھ اور احادیث نقل کرتا ہوں۔

حدیث نمبر 3:

حضرت علیؓ لکھتے ہیں کہ صحابہؓ کا جم غفیر تھا اور میں بعد میں آیا یثرب کی طرف سے دو یہودی آئے، انہوں نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ ہماری کتاب تورات کے اندر حضرت آدم علیہ السلام کا واقعہ ہے اگر تو اس واقعہ کو صحیح بتلا دے تو ہم تمہیں رسول تسلیم کر لیں گے کہ حضرت آدم کو جنت میں کس طرح رکھا گیا۔ تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے وحی کے طور پر القاء ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو سونے کے تخت پر جو تمام موتیوں سے جڑا ہوا تھا اس پر حضرت آدم کو بٹھایا گیا، نورانی لباس میں ملبوس تھے اور سر پر سونے کا تاج موتیوں سے جڑا ہوا تھا۔ فرشتوں نے کہا کہ ہم ایک بادشاہ کو لے کر جا رہے ہیں۔ جب حضرت آدم علیہ السلام جنت میں پہنچ گئے تنہا رہے اعلیٰ محل تھے۔ انہوں نے آرام کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے پہلو سے حضرت حوا کو پیدا فرمایا۔ پھر وہ سرہانے بیٹھی تھیں۔ حضرت آدم نے پوچھا کون ہو۔ کہا میں عورت ہوں اور میرا نام حوا ہے اور میں تیرے لئے آئی ہوں اور حضرت آدمؑ کو اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی کہ اسے میں نے تیرے نکاح میں دے دیا۔ کچھ عرصہ بعد تدبیری طور پر جنت سے زمین پر اترے۔

حدیث نمبر 4:

حضرت سعدؓ ابن ابی وقاص عرض کرتے ہیں یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان جائیں کہ مجھے حضرت آدمؑ اور حوا کے بارے میں ارشاد فرمائیں۔ حضرت حوا کیسے پیدا ہوئیں اور حضرت آدم کیسے زمین پر اترے۔ حضرت سعد نے فرمایا رسول اللہ سے فرمایا میرے ماموں جان کے بیٹے۔ میں اور میرے ماں باپ آپ پر قربان۔ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کی فوج کو جبرائیلؑ کی سرکردگی میں بھیجا۔ وہ سونے کا تخت اور تاج لے آئے جو سونے اور موتیوں سے جکڑا ہوا تھا اور حضرت آدم کو نوری لباس میں ملبوس کر کے بادشاہ کی طرح جنت میں داخل ہوئے۔ وہاں ایک اور فرشتوں کی فوج کھڑی تھی۔ انہوں نے حضرت آدم کو سلام کیا اور کہا اے اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ پیغمبر اللہ تعالیٰ نے تمہیں جنت میں ٹھہرایا ہے۔ کچھ دن کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کو تنہائی تکلیف دینے لگی۔ جب یہاں تک حضور ﷺ پہنچے تو حضرت ابوبکر بھی تشریف لے آئے۔ انہوں نے عرض کیا کیا واقعہ ارشاد ہو رہا ہے۔ آپ ﷺ نے مذکورہ واقعہ کو دوبارہ دہرایا۔ جب کہ حضرت علی فرماتے ہیں۔ میں آیا، میں نے بھی عرض کیا تو سرکار نے دوبارہ واقعہ کو دہرایا، اس کے بعد فرمایا۔ وہ سرہانے بیٹھی تھیں۔ حضرت آدمؑ نے پوچھا تو کون ہے؟ کہا میں ایک عورت ہوں جو تیری دلجوئی کے لئے اللہ تعالیٰ نے تیرے بطن سے پیدا کیا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے آدمؑ میں نے تیرے ساتھ اس کا نکاح کر دیا۔

Marfat.com

حدیث:

حضرت حسنؓ وحسینؓ سے مرفوعاً ہے کہ ہمارے نانا رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے حضرت آدمؑ کو جنت میں داخل فرمایا، پھر ان کی تنہائی اللہ تعالیٰ نے دور کرنے کے لئے حضرت حوا کو ان کے بطن سے پیدا فرمایا۔

حدیث نمبر 6:

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں اسماء بنت عمیس اور کافی عورتوں کے جم غفیر میں رسول اللہ سے حضرت حوا کے بارے میں پوچھا تو ان کو بھی حضور ﷺ نے اوپر والی حدیث کے مطابق ارشاد فرمائے۔ سیدہ عائشہ فرماتی ہیں، میں نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے انسانی مخلوق کو تو صرف ایک آدم سے ہی پیدا کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا بے شک حضرت آدم سے سب مخلوق کو پیدا کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وخلق منها زوجها یعنی آدم سے اس کی زوجہ کو پیدا کیا۔ پھر فرمایا کہ سمجھ لو کہ اس آیت نے ہمیں واضح کر دیا کہ حضرت حوا حضرت آدم کے بطن سے پیدا ہوئیں، صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں یہ بعد والے تمام الفاظ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ صحابہؓ کے جم غفیر میں بھی بیان ہوئے۔ ابھی اس پر کثرت احادیث ہیں جو اڑھائی سو کے لگ بھگ ہیں جو اس آیت کے تحت بیان ہوئی ہیں۔ آخر میں فرماتے ہیں کہ حضرت حوا حضرت آدم کی پسلی سے پیدا ہوئیں۔ فرماتے ہیں یہ روایت ضعیف ہے۔ امام باقر اور مفسرین کی بڑی جماعت بھی ضعیف کہتی ہے۔ کیونکہ اس کے بعد والی روایات جلیل القدر صحابہ سے ہیں، وہ اس کے برعکس ہیں۔ حضرت علیؓ نے اپنے مجموعہ میں اس کو نہیں لکھا اور حالانکہ حضرت ابوبکر صدیقؓ جیسے صحابہؓ بھی اس کے راوی ہیں۔ ادھر دونوں اطراف میں مردوں اور عورتوں کا جم غفیر اس کو روایت کر رہا ہے۔ جب کہ مجھے امام زہری سے ابن مسعود سے بھی اور حضرت عمر کی اسناد سے بھی روایت ملی ہے اور حضرت علیؓ کے مجموعہ میں بھی حضرت ابن مسعود وعمرؓ کا ذکر ہے، یہ ہمارے ساتھ تھے جب سرکار ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ حضرت عمرؓ جیسے شخص سے بھی دو قسم کی روایتوں کا احتمال ہو سکتا ہے؟ جو مختلف ہوں کبھی وہ بیان کر دیں کہ پسلی سے پیدا ہوئیں کبھی نہیں بطن سے پیدا ہوئیں، فرماتے ہیں، یہ بات درست نہیں اور حضرت عمرؓ کی شان کے لائق نہیں۔ ہم جماعت صحابہؓ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ پس ان کی روایت مستند ہے۔ اس پر سب کا اتفاق ہے۔ کہ حضرت آدمؑ کی زوجہ حوا ہے، جس کا قرآن کریم میں سورۃ نساء کے اندر ذکر ہوا ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ حضرت حسنؓ سے بھی ایک روایت ہے کہ حضرت حوا کے بارے میں میرے نانا فرماتے ہیں کہ وہ آدمؑ کی بائیں پسلی سے پیدا ہوئیں، عورت کو سیدھا رکھو تو سیدھی رہے ورنہ ہڈی کی طرح ٹوٹ جائے گی۔ فرماتے ہیں کہ یہ قول بالکل منفی ہے جمہور صحابہ کے خلاف ہے ادھر حضرت حسنؓ کی روایت مرفوعاً گزر چکی ہے اب اس اختلاف میں ہے کہ کیا جنت دارالثواب والی تھی یا کوئی اور جنت تھی۔ اس پر عقلا نے بڑی تاویلیں کیں ہیں۔ وہ سب موضوع ہیں جمہور صحابہؓ کا اس پہ اتفاق ہے کہ وہی دارالثواب والی جنت ہے جس کو سب مسلمان جانتے ہیں اور صاحب خزینۃ القرآن نے بھی دلائل عقلیہ کافی بیان کئے ہیں کہ وہی دارالثواب والی جنت ہے۔ جو ساتویں آسمان کے بعد ہے اس آیت میں اِهْبِطُوْا کو پڑھ کر فرمایا کہ حضرت آدمؑ پہلے زمین سے آسمانوں سے پار جنت میں گئے۔ واپسی حیثیت اسی سے ہوئی کہ آسمانوں سے زمین پر آئے یہ روایت بھی تواتر سے ہے۔ امام باقر نے بھی یہ بیان کیا ہے۔

مسئلہ پنجم:

صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ اسکن سکونت سے مشتق ہے۔ انتَ کی ضمیر اس کے اندر پوشیدہ ہے جو مکان کے لئے مبہم ہے۔ رَغداً سے پہلے یا مصدر محذوف ہے۔ یعنی اکلا رَغداً جو چیز چاہیں، کھائیں ان کو کسی چیز کی ممانعت نہ ہوئی۔ ایک درخت کا روک دینا ان کے لئے غور نہیں۔

مسئلہ چھٹا:

اگر کوئی یہ کہے کہ وکلا منها رغداً واقع ہوا ہے اس کے اندر کیا نکتہ ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جب ایک فعل پر کسی شئے کا عطف معطوف ہوتا ہے۔ وہ فعل مثل شرط کے ہوتا ہے اور وہ شئے مثل جزاء کے ہوتی ہے اس فعل کو فاء کے ساتھ عطف کرتے ہیں نہ واؤ کے ساتھ۔ اسی طرح سورہ اعراف میں کلوا کے اندر واؤ کا حرف عطف ہے۔ اسی طرح باغ میں جو رہتا ہے وہ کبھی کبھی کھاتا ہے اس طرح شرط کو جزاء کے ساتھ اتنا تعلق نہیں ہے لہٰذا واؤ کے ساتھ عطف ضروری ہوا۔ تو یہ ثابت ہوا کہ اُسْكُنْ اس کا ایک مکان ہے تو کہا جائے گا کہ تو اس مکان سے الگ مت ہو۔ لہٰذا اس اسکن سے یہی مراد ہے کہ حضرت آدمؑ ٹھہریں اور قیام کریں۔ لہٰذا ہم

Marfat.com

یہ کہہ چکے ہیں کہ اس کا دارومدار کھانے پر نہیں۔ واؤ کا عطف ہے سورہ اعراف والا حکم اس کے لئے ہے لہٰذا یہ جنت کے ساتھ ہے تو یہ کھانے پر موقوف ہوا۔ واؤ کا اس پر عطف ہے۔ صف یہ وعدہ خلافی ہے اور اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ یہ تاویل درست نہیں۔

مسئلہ ساتواں:

اس امر میں اختلاف ہے کہ **ولا تقربا** کے اندر لا نہی تحریمی ہے یا تنزیہی ہے تو یہ دونوں طرح ہوسکتا ہے تحریم کے لئے بھی آتا ہے۔ اور تنزیہہ کے لئے بھی کیونکہ اس کے معنی دونوں طرح ہیں جانب فعل اور دونوں طرح پر مشترک ہوتا ہے یہ اس کے سوا کہ وہ فعل پر مائل ہو یا اصل حکم پر اس کا اطلاق ہو۔ اصل میں اباحت ہے جب ہم نے دونوں کو ملایا۔ اس سے انبیاء علیہم السلام کی عصمت ثابت ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی یہی فرمایا کہ یہ لا تنزیہی کے طور پر سمجھو کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام معصوم تھے۔ یہ حرمت کے لئے نہیں ہے۔ بعض نے اس کو تحریمی کہا ہے لیکن اس پر کئی تاویلیں کی ہیں۔ اگر یہ تنزیہہ ہوتی تو **فتكون من الظلمين** کیوں کہا جاتا اس لحاظ سے وہ جنت سے علیحدہ ہوئے۔ اس کا جواب یہ ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام اوپر بیان ہو چکا ہے کہ مصلحت کے طور پر جنت سے زمین پر اترے لیکن **فتکون** ارشاد ہوا ہے اور **مِنَ الظّٰلِمِیْنَ** ارشاد ہوا معتزلہ کہتے ہیں ظاہر ہے کہ **ظالمین** کا لفظ جو ارشاد ہوا ہے بمعنی ظلم وتعدی کے ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو منع فرمایا اس درخت کے قریب مت جاؤ ورنہ تم ظالموں میں سے ہو جاؤ گے حضرت آدم علیہ السلام جب اس درخت کے قریب گئے اسے کھایا۔ تو ظاہر ہے کہ انہوں نے ظلم کیا تو ظلم کبیرہ گناہ ہے جواب ظلم کے معنی (ف ا) لغت میں زیادتی کے ہیں اور حد سے بڑھ جانا۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہ السلام کے لئے جب بھی کسی کو ایسا لفظ ارشاد فرمایا ہے تو وہ مصلحت کے طور پر ہے جیسا کہ باپ نے بیٹے سے کہا کہ تو نے اگر ایسا کام کیا تو میں تجھے ماردوں گا حالانکہ اگر وہی بیٹا وہی کام اسی طرح کر دے تو باپ اسے مارے گا نہیں۔ وہ تنبیہ کے طور پر ہے یہ تنبیہ بھی مصلحت کے طور پر تھی جس کا اظہار آئندہ اوراق میں کیا جائے گا۔ تفسیر یزید بن ہارون میں ہے جو حافظ الحدیث تھے، یہ تفسیر مشہور ہے۔ بحوالہ امام محمد باقر بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ سے صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! آدم علیہ السلام کے لئے لفظ **ظالمین** ارشاد ہوا ہے اس کا کیا مطلب ہے؟ آپ نے فرمایا: آدم علیہ السلام معصوم تھے اور یہ ظالمین کا لفظ تنبیہ کے طور پر ہے اور پیغمبر ظالم نہیں ہوتے، نہ ہی ظلم پر ان کی فطرت ہوتی ہے۔ وہ فطرتاً معصوم ہوتے ہیں۔ یہ حدیث متواتر ہے: (ف ا) یہ درست نہیں۔ بلکہ ظلم کی تعریف یہ ہے وضع الشی علی غیر موضعہ حضرت آدم کا درخت سے پھل کھانا بھول کر ہوا لہٰذا اسے صرف لغوی طور پر ظلم فرمایا گیا ہے کیونکہ اس سے آپ کو جنت سے زمین پر آنا پڑا یہ گناہ نہ تھا۔

قال اللہ تعالیٰ: فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ص وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ج وَلَكُمْ فِى الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ (۳۶)

ترجمہ: چنانچہ لغزش دلا دی ان دونوں کو شیطان نے پس نکالا ان دونوں کو اس سے جس عیش میں تھے اور ہم نے کہا اترو تم (زمین میں) اور بعض تمہارا بعض کے لئے دشمن ہے۔ وہ قرار کی جگہ ہے۔ ایک معیاد مدت تک کام چلاؤ۔

جاننا چاہئے کہ ماقبل آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اور ان کی بیوی حضرت حوا علیہ السلام کو جنت میں رہنے کا حکم فرمایا اور ساتھ یہ فرمایا کہ اس درخت کے قریب مت جانا۔ درخت سے روکنا ایک مصلحت کے طور پر تھا جس کی تفسیر اوپر ہو چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدے کو پورا فرمانا تھا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر خلیفہ بنا کر اتارنا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے اس عہد کو پورا فرمایا اور درخت کو ظاہری سبب بنا دیا۔

سوال: جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر خلیفہ بنانا چاہا تو جنت میں کیوں ٹھہرایا۔ اور سیدھا زمین پر کیوں نہ اتارا۔

جواب: اللہ تعالیٰ نے یہ تدبیر فرمائی کہ حضرت آدم علیہ السلام میرا نائب ہے اور اس نے زمین پر رہنا ہے اور ان کی اولاد بھی وہاں ہوگی لیکن پہلے جنت میں ٹھہرایا تا کہ زمین پر جانے سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام جنت میں اپنی اولاد اور اپنے لئے جگہ دیکھ لیں کیونکہ زمین کی زندگی عارضی ہے اور جنت کی زندگی دائمی ہے اور جن لوگوں نے برے کام کرنے ہیں ان کی جزا جہنم ہوگی اور اچھے افعال کرنے والوں کی جگہ جنت ہوگی اس لئے آدم علیہ السلام کو پہلے مشاہدہ کرایا گیا۔ پھر اس مشاہدہ کے بعد ان کو

Marfat.com

مصلحت کے طور پر زمین پر اتارا اگر وہ جنت میں رہتے تو بروں اور اچھوں کی پیدائش وہاں ہوتی۔ لیکن جنت نیکو کاروں کے لئے ہے لہٰذا اس مصلحت کے طور پر حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارا گیا تا کہ اولادِ آدم خوبیوں کی وجہ سے اللہ کے احکام کی بجا آوری کر کے جنت کے حق دار بنیں جب یہ بات تھی تو شیطان کے بارے میں فازلھما کیوں فرمایا۔ امام باقر اور فقیر کے تمام جدامجد مفسرین اس حدیث کو درج کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا شیطان ابتداً حضرت آدم علیہ السلام کا دشمن تھا اور وہ لعنت کا مستحق ہو چکا تھا۔ اب اللہ تعالیٰ نے مصلحت کے تحت اس کو لعنتی بنایا۔

ابلیس کی حکایت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس نے کہا تیری عزت کی قسم میں ان سب کو گمراہ کر دوں گا بجز ان کے جو خالص ہیں دیکھیئے کہ خالص بندوں کو تو ابلیس بھی چھوڑ رہا ہے سب سے خالص بندے انبیاء علیہم السلام ہیں ابراہیم علیہ السلام اسحاق علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام ایک کی عصمت ثابت گئی تو سب کی عصمت ثابت ہوگئی کیونکہ ہم سب انبیاء کے درمیان فرق نہیں کرتے۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ باقی سب نے ابلیس کی اتباع کی اور ایک فریق نے نہ کی ہم پوچھتے ہیں کہ وہ فریق کون ہیں؟ وہ فریق انبیاء علیہم السلام ہیں اگر انبیاء علیہ السلام بھی ابلیس کی اتباع کرتے تو وہ بھی اس کی زد میں آتے ثابت ہوگیا کہ وہ خالص جماعت انبیاء علیہم السلام کی ہے لکھ چکا ہوں کہ خالص مقرب سے اعلیٰ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو خالص فرمایا ہے اور کوئی دوسری جماعت ہو تو وہ انبیاء سے زیادہ ممتاز ہوگی۔

اللہ تعالیٰ نے خلقت کو دو حصوں میں پیدا فرمایا ہے، آگاہ ہو جاؤ شیطان کا گروہ خسارے میں ہے پھر فرماتا ہے کہ آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ تعالیٰ کا گروہ کامیاب ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ شیطان کا گروہ وہی لوگ ہیں جو شیطان کی اتباع کرتے ہیں اگر پیغمبر بھی گناہ کرے معاذ اللہ وہ بھی شیطان کے گروہ میں آئے گا۔ حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ امت میں کافی زاہد اور عابد لوگ ہوتے ہیں اگر نبی سے گناہ ہو تو وہ زاہد عابد ان سے حقیقت میں بڑھ جائیں گے۔ حالانکہ کوئی مسلمان بھی اس بات کو تسلیم نہیں کرتا۔ یاد رہے کہ رسول اکرم ﷺ کو فرشتے پر فضیلت ہے ورنہ یہ لازم آئے گا کہ اگر پیغمبر سے گناہ ہو تو پھر فرشتے کی فضیلت پیغمبر سے زیادہ ہوگی، فرشتوں پر انبیاء کو فضیلت ہے اس کے بارے میں پہلے بیان ہو چکا ہے نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ جو بدکار لوگ زمین میں فساد کرتے ہیں وہ ایمان والوں کے برابر نہیں ہو سکتے حدیث شریف میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کے دعویٰ میں موافقت کی گواہی دی آپ ﷺ نے فرمایا کہ تو نے میری تصدیق کیسے کی ہے اس نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ جب آپ ﷺ پر آسمانوں کے اوپر سے وحی آتی ہے تو میں اس کو دل سے تسلیم کرتا ہوں اور اس کی تصدیق کرتا ہوں تو اس بات کی تصدیق کیسے نہ کروں آپ ﷺ نے فرمایا تو نے صحیح کہا اور فرمایا کہ تیری گواہی دو گواہوں کے برابر ہے تو تصدیق بھی اس امر کے حق میں ہے کہ پیغمبر جو بات فرماتا ہے وہ حق ہوتی ہے اور وہ عصمت پر دلالت کرتی ہے۔ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ دیکھو انبیاء معصوم ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو امامت اور نبوت عطا فرمائی اور تمام لوگ ان کی اتباع کرتے تھے فرمایا کہ نبی بھی امام ہوتا ہے۔ فرمایا اتباع حق کی کی جاتی ہے کہ نبی امام معصوم ہو۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اوّل سے انبیاء کو امام چنا اور انہیں معصوم بنایا، پھر فرمایا یاد رکھو کہ پیغمبر فطرتاً معصوم ہوتا ہے اگر وہ فطرتاً معصوم نہ ہو تو اس پر وحی نہیں آسکتی اللہ تعالیٰ نے ازل سے ہماری فطرت کو معصوم بنایا نیز آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں تمہیں پڑھاؤں گا اور تو نہ بھولے گا مگر جو اللہ نے چاہا پھر سمجھ لو اس آیت سے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ میری معصومیت کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے۔

یہ حدیث خزینۃ القرآن میں ہے اور تفسیر امام باقر میں متواتر ہے، صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں یہ حدیث میں نے کتاب الاحادیث سے بھی نقل کی جس کو یزید بن ہارون نے سیکھا انہیں چار کتابوں سے احادیث کو اخذ کیا۔ جو میرے پاس ہیں جن کا ذکر پہلے کر چکا ہوں کہ ان میں کل تعداد احادیث کی بیس (۲۰) لاکھ ہے اور خبر واحد نہیں ہے جو مجھے بھی حفظ ہے اور میرے جدامجد امام باقر نے اپنی تفسیر ذکر بحر العلوم میں لکھا ان میں زیادہ متواتر ہیں اللہ تعالیٰ نے میرے سینے میں حفظ کر دی ہیں اسی طرح میرے دادا حضرت امام جعفر کو یہ بیس لاکھ حفظ تھیں اور ان کے والد امام محمد باقر کو بھی یہ بیس لاکھ احادیث یاد تھیں اور میرے دادا امام جعفر، صادق اور ان کے والد امام محمد باقر حافظ الاحادیث ہیں، امام بخاری نے اسماء الرجال کے جلد نمبر اول صفحہ نمبر ۳۶۹ کے حاشیے میں لکھا کہ میرے استاد سید موسیٰ اور ان کے دادا امام جعفر صادق و امام محمد باقر، حافظ الحدیث تھے ایسا حافظ حدیث اور تفسیر اور علوم میں کسی کا نہ تھا نہ ہوا ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن مذکورہ بالا احادیث یزید بن ہارون کتاب الاحادیث سے بھی بیان کرتے ہیں ابن ہارون نے انہیں مذکورہ چاروں کتابوں کی روشنی میں حدیث کی ایک کتاب لکھی۔

Marfat.com

مذکورہ حدیث کے بیان سے بھی ظاہر ہوا کہ انبیاء معصوم ہیں۔ نیز حضرت آدم علیہ السلام سے اس آیت سے طعن کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جب ان کو بچہ عطا فرمایا پس دونوں نے ان کو اللہ کا شرک بنا دیا اللہ تعالیٰ شرک سے برتر ہے۔ یہ اعتراض بالکل باطل ہے، حدیث شریف میں ہے کہ نصاریٰ نے حضرت آدم علیہ السلام پر یہ طعن کیا اور قریش نے بھی، رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ اس آیت کے اندر آدم علیہ السلام کی طرف اشارہ نہیں بلکہ یہ ہمارے آباؤ اجداد میں قبطی گزرے ہیں ان کی طرف اشارہ ہے کیونکہ قبطی کی وہ اولاد جن کی نسل سے میں آیا ہوں وہ نہیں جو ان کی دوسری اولاد ہے ان کی طرف اشارہ ہے۔ حدیث سے بھی یہ اعتراض باطل ہو گیا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ قبطی نے دعا کی کہ آئندہ مجھے اولاد عطا فرما یہ دعا۔ انہوں نے بے علمی کی بناء پر ایک بت کے قریب بیٹھ کر مانگی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو چار بیٹے عطا کئے ایک کا نام عبدالمنان دوسرے کا نام عبدالدار تیسرے کا نام عبدالعزیٰ چوتھے کا نام عبدالقصیٰ۔

حضرت ابراہیم کو اللہ تعالیٰ کی ذات کی شناخت تھی جب ستاروں کی طرف انہوں نے کہا ھٰذا ربی تو استفہام ہے۔ اسی طرح مردے کے زندہ ہونے کے بارے میں بھی کہا کہ تو کیسے زندہ کرتا ہے تو یہ اطمینان قلب کے لئے تھا حدیث شریف میں بھی اسی طرح وارد ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر تجھ کو شک ہے اس میں جو ہم نے تجھ پر اتاری ہے تو پہلے لوگوں سے جو کتاب پڑھتے رہے ہیں پس ان سے پوچھ لو۔ تو شک کرنے والوں میں سے نہ ہو تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کو وحی پر شک تھا جب یہ آیت نازل ہوئی صاحب خزینۃ القرآن نے حدیث درج کی ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ اور ابن عباسؓ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کا کلام بھاری ہے اور قلب پر ذکر کرتے ہوئے طبیعت پر بھاری گزرتا ہے قلب پر القاء ہوتا ہے۔ جو بشر کو ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے میرے دل کو اس آیت سے محفوظ اور پختہ کر دیا ہے نیز ہم نے نہیں بھیجے آپ ﷺ سے پہلے کوئی رسول نہ کوئی نبی مگر شیطان نے آرزو میں آمیزش کر دی انشاء اللہ آیت پر سورۃ حج میں مکمل بحث ہوگی۔ اب آپ انتظار کیجئے۔ اللہ فرماتا ہے کہ وہ عالم الغیب ہے اپنے غیب کو کسی پر ظاہر نہیں کرتا ہاں مگر رسولوں میں سے جس کو چن لے۔ وہ ان کے آگے پیچھے رصد کرتا ہے، تا کہ ظاہر کر دے ان کے رب سے جو پیغام ہیں ان کو ٹھیک ٹھیک پہنچا دیا ہے۔ اعتراض ہوتا ہے کہ وحی کے اندر ان کو رصد کی کیا ضرورت ہے۔ اسی آیت کے ماتحت صاحب خزینۃ القرآن نے کافی احادیث رقم فرمائی ہیں ان میں سے ایک حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ہم رصد کو اس لئے چلاتے ہیں تا کہ شیاطین کی مدافعت ہو جائے کیونکہ شیاطین وحی کے بڑے دشمن ہوتے ہیں بقیہ احادیث میں جب اس آیت کی باری آئے گی تو تمام احادیث مکمل بیان ہوں گی نیز اور تین آیتوں سے انبیاء کی وحی کے بارے میں استدلال کرتے ہیں ایک آیت سورت انبیاء میں ہے اس پر سورۃ انبیاء کے اندر بحث ہوگی۔

ارشاد ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے تم کو صاف کہا کہ تم نے ان کو کیوں اجازت دی سب کا جواب یہ ہے کہ فقیر ان تمام آیتوں کو ترک اولیٰ پر محمول کرتا ہے جن آیتوں میں امثال کے ساتھ قصد ہیں وہ بکثرت ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کو لوگ کہتے ہیں کہ قرآن میں عاصی کہا گیا ہے تو اس کا جواب پہلے حدیث سے ہو چکا ہے عاصی اسم ذم ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آدم کو ہم نے رشد میں چن لیا۔ جن لوگوں نے عاصی کو گناہ گار کہا ہے اس کی بحث بھی اوپر ہو چکی ہے نیز انہوں نے کہا ہے کہ آدم علیہ السلام نے توبہ کی توبہ وہ شخص کرتا ہے جو اپنے گناہ سے نادم ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس توبہ کے بعد آدم علیہ السلام کو برگزیدہ کیا، توبہ وہی شخص کرتا ہے جس کو یہ معلوم ہو کہ میں نے یہ گناہ کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو جس چیز سے روکا وہ اس کے مرتکب ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے تم دونوں کو منع کیا تھا کہ اس درخت کے قریب نہ جانا جب انہوں نے اس کے خلاف کیا تو گناہ کے مرتکب ہوئے۔

شیطان نے وسوسہ سے ان کو جنت سے علیحدہ کر دیا امام رازی نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ حضرت آدم سے جب یہ لغزش ہوئی اس وقت وہ نبی نہ تھے یہ جواب قابل اعتماد نہیں ہے۔ حدیث شریف میں حضرت علی فرماتے ہیں کہ میں نے یہ دونوں آیتیں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پیش کیں۔ عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اس سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام بمعہ اسلام کبیرہ گناہ کے مرتکب ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا نہیں حضرت آدم علیہ السلام پیدائش سے معصوم تھے ان کی تدبیر میں ان کے پیدا ہونے کی یہ بات لکھ دی گئی تھی کہ وہ جنت میں کچھ وقت ٹھہریں گے پھر زمین پر اتریں گے یہ دونوں آیتیں اللہ تعالیٰ اور آدم علیہ السلام کے درمیان راز ہیں۔ چونکہ حضرت آدم علیہ السلام نے زمین پر خلیفہ بننا تھا یہ درخت کا امر تدبیری تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آدم کو چند کلمات سکھائے اور آدم کو توبہ کا طریقہ سکھایا۔ تا کہ آگے

Marfat.com

تیری اولاد سے تقاضہ بشری کوئی لغزش ہو، تو ان کلمات سے وہ اللہ کی بارگاہ میں توبہ کریں پیغمبر کے لئے جب ایسے کلمات وارد ہوں فرمایا تو ان کے لئے کسر نفس سمجھو اللہ تعالیٰ کے دربار میں انبیاء دھتکارے نہیں جاتے۔ نہ اللہ ان پر غضب کرتا ہے ان دونوں آیتوں میں تدبیری امر ہے حضرت علی فرماتے ہیں ان دونوں آیتوں کو اس حدیث کے بعد میں نے خوب سمجھ لیا کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لغزش کا ذکر خود قرآن مجید میں موجود ہے۔ یہ تدبیری امر تھا۔ یہ حدیث تفسیر امام باقر میں ہے، نیز اس آیت کو استدلال کرتے ہیں کہ شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت اماں حوا سے کہا کہ مجھے قسم ہے کہ میں تمہارے لئے خیر خواہ ہوں میں سے ہوں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے یہ بھول نہیں ہوئی بلکہ انہوں نے یہ قصداً کیا، قصداً کیا جائے وہ گناہ کا ارتکاب ہوتا ہے حضرت ابن عباسؓ سے بھی مروی ہے فرماتے ہیں کہ جب ان دونوں نے اس درخت سے کھالیا تو دونوں کو اپنا ستر نظر آیا حضرت آدم علیہ السلام بھاگے راستے میں جنت کا ایک درخت حائل ہوا اس میں وہ گھس گئے اللہ تعالیٰ نے ندا دی کہ تو مجھ سے کہاں بھاگتا ہے، عرض کیا میں نے تیرے حیا سے یہ کیا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا میں نے درخت تجھ پر حرام نہیں کیا تھا۔ عرض کیا ہاں ضرور کیا تھا فرمایا کہ اب میں تجھے ضرور جنت سے زمین پر اتاروں گا تو بغیر نعمت کے زندگی نہیں گزارے گا عقل بھی تسلیم کرتا ہے، کہ بھولنے والے کو ایسا عذاب نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، کہ اللہ کسی نفس کو تکلیف نہیں دیتا اس کی وسعت کے مطابق دلائل نقلی سے ثابت ہوتا ہے کہ ایسے لوگ ہیں ان میں سے ایک بھولنے والا ہے، جب حضرت آدم علیہ السلام سے یہ ارتکاب ہوا یہ بھول کی وجہ سے نہیں قصداً ہوا ہم اس بات کو قطعاً تسلیم نہیں کرتے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے ابلیس کا کہنا مان کر یہ ارتکاب کیا جب کہ ان کو ابلیس نے کہا کہ تمہیں اس درخت سے کیوں روکا گیا ہے کہ کہیں تم فرشتے نہ بن جاؤ یا ہمیشہ رہنے والوں میں سے نہ ہو جاؤ ابلیس نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے دل میں یہ بات ڈال دی حالانکہ ابلیس کا کہنا مان کر وہ اس بات کی تصدیق کرتے رہے وہ تو اس درخت کے کھانے سے بھی زیادہ گناہ ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام شیطان کو اللہ سے زیادہ خیر خواہ سمجھتے تھے حالانکہ ان کو یہ علم تھا کہ یہ ہمارا دشمن ہے، دشمن کی بات کو بھلا دینے میں کون اچھا سمجھتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، بے شک یہ تیرا دشمن ہے، تیری بیوی کا، پس تم دونوں کو جنت سے نہ نکال دے، تم بدنصیب ہو جاؤ۔ یہ بات ثابت ہوگئی، قرآن پاک کی رو سے، کہ حضرت آدم علیہ السلام سے یہ قصداً نہیں ہوا ایسے کہنے والے باطل ہیں یہ امر تدبیری تھا۔ اور بحث مکمل ہو چکی ہے۔ نیز انبیاء کی عصمت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوتا ہے بے شک ہم نے ان کو زیادہ خالص کیا تو معلوم ہوا کہ انبیاء اخلص ہیں یہ آیت انبیاء کے حق میں معصوم ہونے کی قطعی دلیل ہے۔ جو قرآن کی رو سے ثابت ہوتا ہے۔ امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ انبیاء کا معصوم ہونا بدیہی طور ید ثابت ہوا ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کو یہ بخوبی علم تھا کہ اللہ تعالیٰ بھی ان کو دھوکے میں نہیں رکھتا اور شیطان کے بارے میں بھی علم تھا کہ ان کو سجدہ نہیں کیا اللہ تعالیٰ نے جو حضرت آدم علیہ السلام پر انعامات فرمائے ان پر بھی ان کو حسد تھا ہر کوئی عاقل اس بات کو سمجھتا ہے کہ کون اپنے دشمن کی بات کو تسلیم کرتا ہے نہ ہی اس آیت میں یہ کوئی وضاحت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے ابلیس کا کہنا مان لیا ہو۔

حضرت ابن عباسؓ والی روایت خبر واحد ہے، وہ قرآن پاک کی آیات کے معارض نہیں ہو سکتی امام رازی کہتے ہیں کہ حضرت آدم سے نسیان ہوا۔ تو جس طرح نسیان امت کے لئے معاف ہوتا ہے تو انبیاء پر اس نسیان کا بھی مواخذہ ہوگا جس طرح درجہ بڑا ہوتا ہے تو مقصد میں بھی مواخذہ بڑا ہوتا ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے نبی کی بیویو تم معمولی عورتیں نہیں ہو پھر ارشاد ہوتا ہے اے نبی کی بیویو اگر تم سے کوئی بے حیائی ہوئی تو تمہارے لئے دوہرا عذاب ہوگا۔

امام رازی فرماتے ہیں کہ یہ سہوا حضرت آدم علیہ السلام سے قصور ہوا ہے، ہرگز نہیں اس کا اوپر جواب ہو چکا ہے، یاد رہے حدیث شریف میں وارد ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ انبیاء پر آزمائش کے طور پر زیادہ مصیبتیں ہوتی ہیں چنانچہ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہوں اور میری آزمائش بھی زیادہ ہوئی ہیں اور مصیبتیں بھی زیادہ وارد ہوئی ہیں اسی طرح انبیاء پر زیادہ مصیبتیں ہوئی ہیں اس کے بعد وہ اولیاء کرام پر مصیبتیں ہوئی ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا یاد رکھو کہ نیکوں کی غلطیاں بھی اللہ کو مقرب ہوتی ہیں ان کی غلطیاں بھی نیکیاں بن جاتی ہیں ایک حدیث میں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم کو حضرت آدم کا سہو معلوم ہو تو اس سہو کو بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک نیکی سمجھو اللہ انبیاء کے سہو کو بھی نیکی فرماتا ہے پھر فرمایا جب وہ سہو بھی نیکی ہو جاتی ہے تو پھر وہ سہو سہو نہیں ہوتا وہ لوگوں کو سہو نظر آتا ہے کہ ان کی عقل اتنی ہوتی ہے۔ یہ حدیث خزینۃ القرآن کے اندر ہے اور تفسیر امام باقر ابو العالیہ میں بھی ہے اس پر چار قول ہیں:

Marfat.com

1- پہلے قول میں یہ نہی تنزیہہ یا تحریمی۔

2- نہ تنزیہی ہے نہ تحریمی، اس کا اوپر احادیث سے بیان ہو چکا ہے

باقی دو قول ہیں ان کو فقیر بیان ہی نہیں کرتا وہ معتزلہ کے قول ہیں جن کا ردّ حدیث سے ہو چکا ہے وہ قول باطل ہیں امام رازی نے یہاں ایک تاویل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ الفت میں اصل چیز کے معنی ہونے کو کرتے ہیں۔(ف ا) دوسرا کوئی قول اس کے برخلاف ہوگا وکلا منھا رغداً سے مراد ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو حقیقت کے اندر نفع کے طور پر تمام چیزوں کے کھانے کی اجازت تھی اور ان سے نفع تھا۔ بجز و اس درخت کے اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے جب یہ کھایا وہ عذاب کے مرتکب ہوئے یہ بالکل غلط ہے۔ (ف ا) اصل میں ایک چیز کی ممانت کا بیان کرتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا صحابہ سے کہ آدمؑ نے درخت کا پھل جو کھایا جنت کے اندر وہ خطا نہ سمجھو۔ یہ امر تدبیری تھا، بلکہ اس کو ثواب بھی سمجھو یہ حدیث تفسیر امام باقر میں، اس حدیث سے ثابت ہو گیا کہ آدم سے قطعاً غلطی نہیں ہوئی بلکہ بطورِ ثواب ہے کیونکہ حضرت آدم نے زمین پر خلیفہ بننا تھا یہ اللہ تعالیٰ کا مستقل وعدہ تھا۔

ھٰذا کے اندر کیا اشارہ شخص کی طرف ہے یا نوع کی طرف اس کے اندر کوئی قرینہ ہونا چاہئے تھا۔ یہ اشارہ اگر شخص کی طرف ہو تب بھی حضرت آدم سے خطا ہے اگر نوع کی طرف ہو تو حضرت آدم علیہ السلام نے جان بوجھ کر کوتاہی کی تو یہ قصداً گناہ ہوا تو یاد رہے معتزلہ نے کہا ہے کہ انبیاء کی اضطراری غلطی ہوتی ہے، انبیاء کے لئے اپنی مرضی سے اجتہاد جائز نہیں۔ کیونکہ انبیاء کو نفس پر قدرت ہوتی ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔

حضرت عائشہؓ و حضرت علیؓ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ انبیاء اجتہاد نہیں کرتے وہ غیر یقینی ہوتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام امر یقین پر قادر ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو اختیار دیا ہے یہ حدیث امام باقر میں اور تفسیر خزینۃ القرآن ونور القرآن میں ہے۔ اجتہاد ظن پر ہوتا ہے انبیاء کے لئے ہرگز جائز نہیں عقلاً و نقلاً اور شرعاً ان کو یقین پر قدرت ہوتی ہے۔

یہ بات حدیث سے بھی ثابت ہوگئی۔ امام رازی نے یہاں دو حالتیں بیان کی ہیں ظنی اور قطعی یہ اوپر حدیث سے بیان ہو چکا ہے کہ انبیاء ظن سے پاک ہوتے ہیں وہ امر یقینی پر قدرت رکھتے ہیں صاحب خزینۃ القرآن اس امر میں حدیث درج کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو جب بہشت سے اتارا گیا۔ تو حوا سے پہلے اترے۔ اور صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ان کی حالت کیسی تھی ان پر لباس تھا یا نہ تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ لباس کے بغیر اتریں یہ اللہ تعالیٰ کی شان کریمی کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ حیاء کو پسند فرماتا ہے پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ پیغمبر کو بغیر لباس کے زمین پر کیسے اتارا، یہ حدیث تفسیر امام باقر وغیرہ میں ہے صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں لوگوں سے یہ سنا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو بغیر لباس کے زمین پر اتارا گیا فرماتے ہیں کہ ان کے بارے میں ایسی کوئی حدیث صراحتاً نہیں اور یہ کہ لباس میں اترے۔ اس کے حق میں متواتر احادیث ہیں۔

مسئلہ دوئم:

اس امر میں کہ جب ابلیس کو جنت سے نکالا گیا تو اس نے حضرت آدم علیہ السلام کے دل میں کیسے وسوسہ ڈالا۔ حضرت سعدی نے ابن عباس سے بیان کیا ہے کہ شیطان جنت میں داخل ہونے لگا۔ محافظین نے اس کو داخل نہ ہونے دیا۔ اور کافی ساتھیوں سے اس نے کہا مگر ان سب نے انکار کیا اور ایک سانپ جو کہ جارحانہ بغدادی اونٹ کی مانند تھا۔ اس نے اس کا کہا مانا اس کو نگل لیا۔ جنت کے اندر جا کر نکال دیا اور شیطان نے آدم علیہ السلام اور حضرت حوا کے دل میں وسوسہ ڈالا تو اسی طرح سانپ لعنتی ہوا اس کے چاروں پاؤں کاٹے گئے وہ پیٹ کے بل چلتا ہے اس کا وزن مٹی میں رکھ دیا گیا اسی طرح سانپ بھی اولاد آدم کا دشمن ہے اس پر یہ بھی اعتراض ہو سکتا ہے، کیا شیطان خود سانپ کے بھیس میں نہیں جا سکتا تھا، قول دوسرا حضرت حسن سے ہے کہ شیطان زمین پر بیٹھ کر ان کے دل میں وسوسہ ڈالتا رہا صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ وسوسہ ایک کلام حقیقت ہے اس پر مشتہر خبر تواتر بحوالہ امام باقر، حضرت علی، حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت عبداللہ بن مسعود

Marfat.com

حضرت عائشہ، حضرت اسماء بن قیس یہ سب فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا، جب شیطان جنت سے نکالا گیا۔ تو حضرت آدم علیہ السلام کے دل میں اس نے کیسے وسوسہ ڈالا۔ آپ نے فرمایا، حضرت آدمؑ اور حضرت حوا دونوں سیر کے لئے نکل آئے تھے، حضرت آدم علیہ السلام جنت کے دروازے سے کچھ فاصلے پر رکے حضرت حوا دروازے پر پہنچیں تو دروازے سے باہر جھانکا تو شیطان نے حضرت حوا کے دل میں یہ وسوسہ ڈال دیا انہوں نے واپس آکر حضرت آدم سے کہا۔ کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں رہتے ہوئے کافی عرصہ گزر چکا تھا اللہ تعالیٰ کی محبت سے مستغرق تھے یہ بات درخت کے لئے جو منع کی گئی تھی کہ اس درخت کے قریب نہیں جانا اللہ کی محبت سے اس سے توجہ ہٹ گئی۔

امر تدبیری بھی یہی تھا۔ اسی حدیث کو کافی صحابہ نے روایت کیا ہے تابعین میں سے بھی کافی محدثین نے ابن عباس کے قول کو صاحب خزینۃ القرآن اس حدیث کے مقابلے میں ضعیف رکھتے ہیں، فرماتے ہیں کہ بعد میں جب ان کو یہ حدیث معلوم ہوئی تو انہوں نے اس حدیث کی طرف رجوع کر لیا۔ حضرت حسن نے بھی اسی حدیث کی طرف رجوع کر لیا۔

دلیل قول دوئم:

حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام شیطان کو جانتے اور پہچانتے تھے پھر اس کی بات وہ کیسے مان سکتے تھے اس مقام پر دو سوال باقی ہیں۔

پہلا سوال: اللہ تعالیٰ نے ازلال کی نسبت ابلیس کی طرف کی ہے فازلھما میں ان دونوں کو شیطان نے پھسلایا اور وہ اس فعل کے مرتکب ہوئے، جیسا کہ اس آیت میں وضاحت ہے، یعنی میرے سے بجز اس کے ان کو کچھ زیادہ نہ کیا۔ اور اللہ تعالیٰ ابلیس سے حکایت فرماتا ہے مجھ کو تم پر کچھ غلبہ نہیں کہ میں تم کو للکاروں، اور تم میری پکار کو قبول کرو معتزلہ کا جواب پہلے بیان ہو چکا ہے کہ انسان کو ہر فعل پر اختیار ہے۔ اوپر والی حدیث کا کیا مطلب ہوگا۔ جب حضرت آدم اور حوا شیطان کو جانتے تھے۔

حدیث دوئم:

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں اور حضرت ابو بکرؓ موجود تھے۔ حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کہ جب حضرت آدم اور حوا شیطان کو جانتے تھے تو حضرت حوا نے ان کو پہچان نہ لیا آپ مسکرائے فرمایا شیطان بڑا مکار ہے یہ ایک بوڑھے شخص کی شکل بن کر جنت کے دروازے پر آیا اور حضرت حوا سے کہا، کیونکہ وہ عورت تھیں جب کہ یہ دوسری شکل میں تھا پہچان نہ سکیں، یہ حدیث تفسیر امام باقر میں ہے اب یہ دعویٰ بھی ثابت ہو گیا کہ شیطان نے شکل انسانی بن کر حضرت حوا کو پھسلایا اور ان سے بحث و مباحثہ کیا۔

پس واضح ہو گیا کہ شیطان نے حضرت حوا کے سامنے قسمیں کھائیں کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ حضرت حوا نے اس پر بھی اعتبار نہ کیا۔ اس نے ان کو کوئی ایسی چیز کھانے کو دی جو جنت کے اندر کی چیزوں سے مشابہ تھی اور ان میں یہ درخت کا دانہ ان کے پاس تھا وہ اس میں ملا دیا اور حضرت حوا سے کہا کہ یہ چیزیں تو وہی ہیں جو جنت کے اندر ہیں اور جن کو تم کھاتے ہو، انہوں نے کہا ہاں کھاتے ہیں۔ حضرت حوا نے کچھ خود کھالیں اور کچھ آدم علیہ السلام کو دے دیں چنانچہ وہ شجر اس میں ملا ہوا تھا اور حضرت حوا نے حضرت آدم سے کہا یہ وہی چیزیں ہیں جو پہلے ہم کھاتے رہتے ہیں، چنانچہ حضرت حوا کے کہنے پر حضرت آدمؑ نے کھالیں کیونکہ یہ دانہ ان چیزوں کے اندر ملا ہوا تھا کھانے کے بعد جو اس دانے کے اندر حرکت تھی وہ حضرت آدم اور حضرت حواؑ سے ظاہر ہوئی تب ان کو جنت سے نکلنے کا حکم ہوا ابلیس نے یہ دانہ جنت کی چیزوں کے اندر ملا کے حضرت آدم اور حوا کے حوالے کر دیا صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ یہ حدیث بہت سے اجماع صحابہ اور اجماع تابعین نے بیان کیا ہے۔ اور امام باقر اور کافی مفسرین نے نقل کیا ہے، امام فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے سامنے تمام تاویلات باطل ہیں۔

Marfat.com

اب اِهبِطُوا پر چند مسائل:

1- اس امر میں اختلاف ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام آسمان والی جنت سے اتارے گئے یا نیچے والی جنت سے منتقل ہوئے جنھوں نے اھبطوا سے اوپروالی
جنت کو مراد لی ہے۔ ان میں بکثرت احادیث ہیں، حضرت علی و حضرت عبداللہ ابن مسعود فرماتے ہیں کہ صحابہ کا جم غفیر تھا ہم سب نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ
نصرانی کہتے ہیں کہ حضرت آدم زمین والی جنت سے دوسری جانب کو منتقل ہوئے ہیں۔ اس امر میں کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ان کی یہ بات لغو ہے اللہ
تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اوپر والی جنت میں بطور سیر کرنے کے بعد اوپر والی جنت میں کچھ مدت رکھا اور زمین والی جنت تو عارضی ہے بلکہ اس جنت
سے اس کو تشبیہ دی جاتی ہے۔

یہ جنت اس کے ٹکڑوں میں سے ایک ٹکڑا ہے ثابت ہوا کہ وہ اوپر والی جنت تھی جنھوں نے زمین والی جنت کی طرف اھبطوا مصراً سے اشارہ کیا ہے یہ ان
کی تاویل ہے۔ یہ حدیث تفسیر امام باقر وغیرہ میں ہے۔ اور تاویل حدیث کے سامنے باطل ہے، اب دوسری حدیث اس ضمن میں صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ
حضرت آدم اور حضرت حوا دونوں جنت سے اترے تو اس کو بھی ساتھ اتارا گیا؟ اکثر مفسرین کا بھی اسی پہ اتفاق ہے۔ یہ حدیث تفسیر امام باقر وغیرہ میں ہے۔

جاننا چاہئے کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ سے فرمایا کہ شیطان تمہارا اور تمہاری اولاد کا دشمن ہے اور
اھبطوا کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت آدم اور حضرت حوا کو ایک حکم ہوا اور ابلیس کو الگ حکم ہوا یاد رہے اوپر بیان ہو چکا ہے کہ حضرت آدمؑ کو یہ پہلے
معلوم تھا کہ شیطان میرا اور میری بیوی کا دشمن ہے۔

پس حدیث سے یہ ثابت ہو گیا کہ شیطان کو جنت سے کیسے نکالا گیا۔ یہ جنت کے دروازے کے ایک کنارے پر رہتا تھا۔ تاکہ اس کو حضرت آدم اور حضرت حوا
کے دل میں وسوسہ ڈالنے کا موقع مل سکے اور تدبیر بھی یہی تھی۔

بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ اھبطوا کا خطاب حضرت آدم اور حوا اور سانپ کو تھا۔ لیکن یہ سانپ والا قول ضعیف ہے۔ بیان ہو چکا ہے کہ جن انسان ملائک
یہی مکلفین ہیں اعتراض کرنے والا کہہ سکتا ہے کہ ان کے علاوہ اور بھی ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب ہدہد کے بارے میں یہ کہا کہ اگر اس نے کوئی معقول
دلیل نہ دی تو میں اس کو سزا دوں گا یا کوئی یہ کہے کہ بعضکم ببعض سے حضرت آدمؑ کی تمام اولاد مراد ہے تو یہ بات غلط نہیں ہے بنی آدم بھی باہم دشمن ہوتے ہیں۔
کیونکہ وہ حاضر نہ تھے۔ اوپر حدیث سے واضح ہو گیا ہے کہ صرف حضرت آدم اور حوا اور ابلیس مراد ہیں۔

اھبطوا وجوب کے لئے ہے یا اباحت کے لئے۔ اھبطوا وجوب کے لئے ہے۔ کیونکہ جنت سے اتر کر نیچے کو مشقت کی زندگی گزارنا لازم آتا ہے وجود
جب لازم آیا تو اس میں مشقت بھی لازم آئی۔ وجوب کے لئے یہ ہے کہ شریعت میں تکلیف شدت کے ساتھ گزارنا یہ ثواب عظیم ہے۔ یہ عقوبت نہیں ہوتی کیونکہ اگر یہ کہا
جائے تو حدود اور کفارہ بھی ہوتا ہے تو وہ حدود کے لئے ہوتا ہے بس امر وہی ہے جو شدت کے ساتھ قائم ہو۔

مسئلہ چوتھا:

بعضکم ببعض سے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ شیطان حضرت آدم کا دشمن تھا اس نے ان کو سجدہ نہ کیا اور ان کے ساتھ تکبر کیا اور دھوکے سے ان کو ورغلایا
اسی طرح اولاد آدمؑ کا بھی وہ دشمن ہے۔ ان کو کافر اور گمراہ بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم شیطان کو دشمن سمجھو اور تم بھی
اس کے دشمن رہو۔ نیز آپ ﷺ نے یہ آیت بھی تلاوت کی۔ اللہ فرماتا ہے اے اولاد آدم کہ شیطان تم کو فتنے میں نہ ڈالے جس طرح تمہارے ماں باپ کو جنت سے
نکالا فرمایا یہ آیت اس حق میں ہے کہ حضرت آدم آسمان والی جنت سے نیچے اترے یہ حدیث تفسیر امام باقر وغیرہ میں ہے۔

Marfat.com

مسئلہ پنجم:

مستقرٌ کے بارے میں حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے پوچھا کہ اس سے کیا مراد ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ ہمارے لئے یہ زمین قرار ہے کیونکہ اس میں نفع ہیں آپ ﷺ نے پھر یہ فرمایا سورۃ بقرہ والی آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بعض تمہارا، بعض کے لئے دشمن ہے۔ اور زمین تمہارے لئے جائے قرار ہے، فرمایا تم اس میں زندہ رہو گے اسی میں مرو گے اور اسی سے پھر نکالے جاؤ گے کیونکہ مستقر کے معنی جائے قرار کے ہیں۔ یہ حدیث تفسیر امام باقر ابو العالیہ میں ہے، حدیث سے بھی یہ واضح ہو گیا اور مستقرٌ کے معنی قرار کے بھی ہیں، تم کو بھی اپنے رب کی طرف اس دن قرار ہو گا۔ اسی طرح پارہ نمبر ۱۹ میں بھی ارشاد ہے لیکن اس مستقرٌ سے مراد حیاتی سے لے کر موت تک ٹھہرنا ہے موت سے پھر زمین سے نکلنا حدیث سے بھی واضح ہو گیا ہے۔

مسئلہ چھٹا:

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے الی حین کے متعلق حضور ﷺ سے پوچھا کہ اس سے کیا مراد ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت آدم اور اولاد آدم کو زمین پر ایک لمبی مدت تک رہنے کی مہلت دی گئی ہے۔ یہ حدیث تفسیر امام باقر میں ہے۔

ساتواں مسئلہ:

جاننا چاہئے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ان آیتوں میں اس امر عظیم کی طرف اشارہ ہے کہ جو شخص ان واقعات کو پڑھے اس کے لئے عبرت ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن ایک شعر فرماتے ہیں جس کا معنی یہ ہے کہ تو ایک قلیل مدت کے لئے آیا۔ گناہ پر گناہ کرتا گیا کیا تجھے یہ خیال ہے کہ عابدین والا درجہ مجھے ملے گا جس کے سبب تم جنت میں پہنچو گے نیز فرماتے ہیں کہ ہم جنت کے رہنے والے تھے ابلیس نے ہمیں نکالا جب تک ہم جنت میں نہ پہنچ جائیں تو ہمیں افسوس رہے گا۔

اَستکبار: بغض اور حسرت سے بچنا چاہئے۔ حضرت ابی قتادہ فرماتے ہیں ابیٰ و استکبر کی تفسیر میں کہ شیطان نے تکبر کیا کہ میں آتشی ہوں اور یہ حسد کیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ اسلام کو عزت اور کرامت عطا فرمائی ہے اور ابلیس نے کہا کہ آدم علیہ السلام خاکی ہے پھر حضرت آدم علیہ السلام کے دل میں حرص ڈالا اس کو جنت سے نکلوا دیا اسی طرح ہابیل کو قابیل نے قتل کیا تو بغض اور حسد سے بچنا ضروری ہے۔

Marfat.com

قَالَ اللہ تعالٰی: فَتَلَقّٰٓی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّہٖ کَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَیْہِ ط اِنَّہٗ ھُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ط (۳۷)

ترجمہ: پس سیکھ لیے آدم (علیہ السلام) نے اپنے پروردگار سے چند کلمات تو اس (اللہ تعالٰی) نے اپنی رحمت کا رخ موڑا بے شک اللہ تعالٰی بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

مسئلہ پہلا:

صاحب خزینۃ القرآن بیان فرماتے ہیں کہ ''تلقی'' کے معنی متی کے لئے حاضر ہونے کے ہیں پھر ہوتے ہوتے اس کا استعمال کسی آنے والے کے لئے ہوا۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے۔

یعنی بے شک قرآن کریم کو حکمت والے اور علم والے سے لیا ہے اور حاجیوں کے لئے استقبال کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے۔

تلقتنا الحاج: حدیث شریف میں ہے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا، حضرت ابن عباس وحضرت علیؑ فرماتے ہیں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا، اللہ تعالٰی نے حضرت آدم علیہ السلام کو یہ کلمات خود سکھائے اور اللہ تعالٰی نے ان کلمات سے حضرت آدم علیہ السلام کا سینہ روشن فرما دیا یہ حدیث تفسیر امام باقر میں ہے۔

مسئلہ دوئم:

کیا اس آیت سے یہ مراد ہوسکتا ہے کہ حضرت آدمؑ کو اللہ تعالٰی نے توبہ کا ذریعہ خود فرمایا ہو، حدیث شریف میں ہے حضرت عبداللہ بن عمرو ابن العاص فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود نے رسول اکرم ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ حضرت آدم کی توبہ کس طرح ہوئی آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالٰی نے حضرت آدم علیہ السلام کو جو کلمات ارشاد فرمائے ان میں توبہ کا کلمہ بھی فرما دیا کیونکہ توبہ واجب ہے تاکہ ہمارے باپ حضرت آدم سے یہ توبہ کا ذریعہ معلوم ہو جاتا اور یہ اولاد آدم کے لئے توبہ کا سبق ہے کیونکہ توبہ ایسی ہو کہ اس کے بعد پھر گناہ نہ ہو۔ حضرت آدم علیہ السلام نے یہ توبہ کسر نفسی کے لئے کی گناہ کے علاوہ بھی فرمایا اگر کوئی شخص توبہ کرتا ہے اللہ کے خوف سے تو اللہ تعالٰی ان کی عظمت کو بلند کرتا ہے اور اس پر اپنا انعام عظیم فرماتا ہے تو حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی اولاد کے لئے یہ سبق فرما دیا یہ حدیث تفسیر امام باقر میں ہے اور متواتر ہے۔

مسئلہ سوئم:

اس امر میں اختلاف ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو جو کلمات سکھائے گئے تھے وہ کیا تھے حضرت سعید بن جبیرؒ، حضرت ابن عباس سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ کے حضور میں عرض کیا اے میرے خالق تو نے مجھے اپنے دست مبارک سے بلا واسطہ پیدا نہیں فرمایا؟ فرمایا کیوں نہیں۔ مجھ میں تو نے اپنی روح نہیں پھونکی فرمایا کیوں نہیں فرمایا تیری رحمت ہر چیز سے وسیع نہیں ہے فرمایا کیوں نہیں عرض کیا میں نے توبہ کی ہے، میں عاجز ہوں، تو رحیم ہے اب تو مجھے جنت میں بھیج دے گا فرمایا کیوں نہیں، حضرت سعدیؒ نے اتنا لکھا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا تو نے میری تقدیر میں یہ تقدیر نہیں لکھی فرمایا کیوں نہیں۔

حضرت نخعی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس سے پوچھا کہ وہ کیا کلمات تھے جو حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالٰی نے سکھائے فرمایا وہی کلمات تھے جو حج میں کہے جاتے ہیں، حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ نے جب حج کر لیا تو اللہ تعالٰی نے وحی فرمائی کہ میں نے تمہاری توبہ قبول کر لی ہے، حضرت علیؑ فرماتے ہیں، حضرت عمرؓ نے فرمایا رسول اکرم ﷺ سے میں نے عرض کیا کہ وہ کلمات کیا تھے جو حضرت آدم علیہ السلام کو سکھائے گئے تھے آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ تمام تدبیر جو حضرت آدم علیہ السلام سے جنت سے زمین پر آنے تک جو کچھ ہوا انہیں سکھلائے کیونکہ اللہ کا وعدہ تھا آدم کو زمین پر خلیفہ بنانا ہے پھر فرمایا جیسے یوسف علیہ السلام کو تدبیر سکھلائی گئی، پھر فرمایا کہ حج کے کلمات بھی تھے اور توبہ کا ذریعہ بھی کہ اللہ تعالٰی کے دربار میں کس طرح توبہ کرنی ہے تو یہ امر واجب ہے حدیث سے بھی ان کلمات کے بارے میں ثابت ہو گیا یہ تمام احادیث خزینۃ القرآن میں ہیں اور تفسیر امام باقر وغیرہ میں ہے اور متواتر ہیں۔

مسئلہ چوتھا:

Marfat.com

صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں توبہ تین امور پر ہوتی ہے علم حال اور عمل، علم کا ہونا ضروری ہے، پھر حال کا ہونا علم کے لئے ضروری ہے اور حال سے ہی عمل کی خبر ملتی ہے اس پر انہوں نے کافی بحث کی ہے بس اتنا ضرور ہے، علم، حال، عمل، یہ تینوں ایک دوسرے کے لئے موجب ہیں ملک اور ملکوت میں جو بندہ کے لئے نقصان واقع ہوتا ہے وہ اس کو جان لیتا ہے کیونکہ جو نقصان والی چیز ہو جب وہ دل پر پہنچے تو اس کی رنج ہوتی ہے۔ انسان سوچتا ہے کہ میں آئندہ کے لئے اس کو نہیں کروں گا۔ کیونکہ تین حالتیں ہیں ماضی، حال، مستقبل، آنے والے زمانے کے لئے سوچتا ہے کہ اس کام کو قطعاً نہیں کروں گا۔ ماضی میں اس سے جو کچھ ہوتا ہے وہ سوچتا ہے کہ اس کے لئے ضرور اشارہ تلاش کروں گا دیکھئے جب کوئی محبوب چیز گم ہو جائے تو اس کے گم ہو جانے سے دل کو رنج ہوتا ہے تو وہ یقین کر لیتا ہے کہ اس کو ضرور تلاش کرنے کی کوشش کروں گا۔ یقین بھی ایک آفتاب کی طرح نور ہے اور یقین کے نہ ہونے سے تاریکی ہوتی ہے دیکھئے جب آفتاب طلوع ہو جاتا ہے تو انسان ہر چیز کی تمیز کر لیتا ہے تو اس طرح وہ محبت بھی اپنی محبوب چیز کو دیکھ کر اسے بھی خوشی ہوتی ہے دیکھئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا ندامت کا نام توبہ ہے اور توبہ گناہ کو دور کر دیتی ہے۔

صاحب خزینۃ القرآن نے توبہ کے لئے یہ بہترین امور فرمائے ہیں جیسے امام غزالی نے بھی نقل کیا ہے کہ گزشتہ گناہوں سے اپنا استغفار کرنا، فرمایا کہ مومن کا خوف اور اس کی امیدوں کا وزن برابر ہونا چاہئے۔ نیز خزینۃ القرآن نے یہ بھی فرمایا۔ یہ کہنا کہ فلاں معافی اس شخص کے حق میں مضر ہے اس کے ساتھ کہ وہ اس بات کا علم کہ وہ فعل اس نے کیا بلا شبہ یہ دل کے درد کا سبب ہوتا ہے ماضی، حال میں اس کو ترک کرنے کا ارادہ کرتا ہے اور مستقبل میں اس کے نہ کرنے کا عزم کر لیا ہے بعض اشیاء ایسی ہوتی ہیں جو یکے بعد دیگرے پیدا ہوتی ہیں، بندوں کے بس سے باہر ہوتی ہیں، بندہ کا توبہ کے ساتھ معمول ہونا محال ہے بندے علم تو حاصل کر سکتے ہیں سوائے علم کے اس کے بس میں کچھ نہیں ہوتا پھر بھی کوئی اعتراض کر سکتا ہے کہ مجہول کو بھی معلومات کرنی پڑتی ہیں۔ بغیر معلومات کے اس کو بھی علم حاصل نہیں ہو سکتا۔ مجہول کا علم دو حال سے خالی نہ ہوگا یا اس کا علم حاضر نہ ہوگا یا اس کو بھی معلوم کرنا ہوگا مجہول کا علم لازم ہوگا یا نہ ہوگا اگر لازم ہے تو مجہول کا علم مرتب ہوگا، بمطابق ضرورت، بندوں کو اس میں کوئی دخل نہیں اگر لازم ہے تو ان معلومات سے اس کا علم حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس واسطے کہ مقدمات دلیل میں اس بات کا ہونا ضروری ہے کہ ان کے ذہن میں تسلیم کرنے سے اس مطلوب کا علم لامحالہ لازم ہو، فقیر کہتا ہے کہ اس علم کی کیفیت دو حال سے خالی نہیں بدیہی ہوگا یا نظری اگر بدیہی ہے تو اس کے اختیار میں نہ ہوگا اگر نظری ہے تو اس کے حاصل کرنے میں وہی کلام پیش آئے گا جو پہلے کے حاصل کرنے میں تھا پس یا تو تسلسل محال لازم آئے گا یا کہنا پڑے گا کہ اس معلوم کے لئے مجہول کا حاصل ہونا لازم ہے اس تقدیر پر وہی مذکورہ کلام لازم آئے گی لیکن اس حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جاہل علم کو حاصل کرتا ہے علم کے حاصل کرنے سے پہلے وہ جاہل ہوتا ہے چاہے اس کے ذہن میں خود خیال ہوں تو اپنے ذہن کے خیالوں میں بھی وہ کچھ اختیار نہیں کرتا۔ یہ حدیث تفسیر امام باقر میں ہے۔

مسئلہ پانچواں:

حدیث شریف میں ہے حضرت علی فرماتے ہیں کہ ہالا بن عمرو نے صحابہ کے مجمع میں رسول اللہ ﷺ سے پوچھا، یا رسول اللہ ﷺ اب ہم کس کس گناہ میں توبہ کریں آپ ﷺ نے فرمایا چاہے صغیرہ گناہ ہو یا کبیرہ توبہ کرو اس نے عرض کیا، یا رسول اللہ اگر توبہ کر کے پھر بھی گناہ کرے آپ ﷺ نے فرمایا توبہ نہیں ہوتی وہ مذاق ہوتا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا توبہ کرے اور پھر کبھی گناہ نہ کرے تو یہ توبہ ہے۔ فرمایا توبہ گناہ کو اس طرح ختم کر دیتی ہے جیسے گناہ ہوا ہی نہیں۔

مسئلہ چھٹا:

صاحب خزینۃ القرآن نے توبہ کے معنی رجوع کے کئے ہیں جیسے:

تَابَ یَتُوبُ توبا ومَتَاباً فھوا تائبٌ وَاتوبٌ اس طرح یہ آیا ہے:

آب یؤُبُ اوبۃً فھواُ ایبٌ وَاوّابٌ

اس طرح توبہ مشترک معنوں میں ہے فرماتے ہیں کہ جدّ امجد حضرت علیؓ فرماتے ہیں، رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ بندہ جب گناہ کرتا ہے تو وہ اللہ سے بھاگ جاتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس سے اعراض فرماتا ہے جب وہ اللہ تعالیٰ سے رجوع کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اپنے کرم سے اس کی طرف رجوع فرماتا ہے۔

مسئلہ ساتواں:

Marfat.com

توّاباً میں مبالغہ ہے کہ اللہ تعالیٰ توبہ کو قبول فرماتا ہے یہ لفظ ثواب اللہ تعالیٰ کے لئے کمالِ صفت کے لئے مبالغہ ہے وہ دو طرح سے ہے، جس طرح کسی بادشاہ کا دوست کوئی قصور کر کے وہ اس سے معذرت کرے۔ تو وہ اسے معاف کر دیتا ہے، اگر وہ دوسری مرتبہ قصور کرے تو بادشاہ کو گراں گزرتا ہے۔ حضرت ابن العاص فرماتے ہیں۔ صحابہ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم بار بار توبہ کرو تو معاف کر دیتا ہے ایک گھڑی میں کسی بات سے صبر کرو تو وہ معاف کر دیتا ہے، وہ بڑا رحیم و کریم ہے۔ نبی کریم ﷺ نے یہ بھی فرمایا ''کہ تواب'' اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ کیونکہ اس کے سامنے سب بندے توبہ کرتے ہیں اور وہ توبہ کو قبول فرماتا ہے اور وہی ثواب عطا فرماتا ہے۔ وہ رحیم ہے۔

مسئلہ آٹھواں:

اس آیت سے چند فائدے معلوم ہوئے:

-1 بندے کو ہر ساعت توبہ کرنی چاہئے۔

-2 حضرت علیؓ فرماتے ہیں ایک شخص نے پوچھا کہ مغفرت کا کیا طریقہ ہے آپ ﷺ نے فرمایا گناہ کرنے کے بعد مغفرت مانگے پھر گناہ ہو تو پھر مغفرت مانگے حتی کہ شیطان تھک جائے کہ مجھ میں ہمت نہیں ہے۔ اس طرح وہ شیطان پر محال ہو جائے گا۔

-3 حضرت ابوبکر صدیقؓ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا جس شخص نے استغفار پڑھا اس نے گناہ پر اصرار نہیں کیا چہ جائیکہ دن کو ستر مرتبہ بھی گناہ کا ارادہ کرے۔

-4 حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ اپنے رب سے توبہ کرے کہ میں دن کو سو مرتبہ توبہ کرتا ہوں۔

-5 حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی رسول اکرم ﷺ نے اپنے صحابہؓ سے فرمایا کہ تم اپنی جانوں کو خدا سے خرید لو آپ ﷺ نے فرمایا اے گروہ قریش اللہ کے مقابل میں میں تمہارے کچھ کام نہ آؤں گا اے عباس ابن عبد المطلب اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں میں تمہارے کچھ کام نہ آؤں گا۔ اے میری پھوپھی صفیہ اللہ کے مقابل میں تمہارے کچھ کام نہ آؤں گا اے میری دختر فاطمہ اللہ تعالیٰ کے مقابل میں تیرے کچھ کام نہ آؤں گا۔ یہ تمام حدیث صاحب خزینۃ القرآن تفسیر امام باقر نے درج کی ہیں۔ یہ بھی حدیث میں آیا ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ دن کو میرے دل پر غبار ہوتا ہے اور میں سو مرتبہ توبہ کرتا ہوں۔ دیکھئے حدیث کے اندر ہی توبہ کا لفظ آیا ہے۔ پس حدیث میں توبہ کا کلمہ وارد ہوا ہے کہ قلب کو غبار ڈھک لیتا ہے۔ حالانکہ وہ رفیق ہوتا ہے۔ جس طرح بادل آفتاب کو ڈھانپ لیتا ہے اور اس کی روشنی کم ہو جاتی ہے خزینۃ القرآن میں ہے حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ کے دل میں کیوں غبار ہوتا ہے آپ ﷺ نے فرمایا میری امت کے اندر کافی حوادث ہوں گے، اتنی بات ہوئی تو کافی صحابہ آگئے اور اس کلمہ کو سننے میں شریک ہو گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اپنی امت کے غم کا غبار ہو جاتا ہے میں امت کے لئے استغفار کرتا ہوں تم دیکھتے ہو کہ میری حالت تبدیل ہوتی رہتی ہے پہلی حالت بھی اعلیٰ و افضل ہوتی ہے۔ دوسری حالت اس سے بھی اعلیٰ و افضل ہوتی ہے جو تم سوائے میرے رب کے نہیں پہچان سکتے اگر تم میری اس حالت کی تھوڑی سی جھلک کو بھی دیکھ لو تو تاب نہ لاسکو گے۔ فرمایا کہ میں اس فکر میں محبت میں مستغرق ہوتا ہوں۔ اور مجھے اللہ کے ساتھ قرب نصیب ہوتا ہے۔ جو کسی کو نہیں ہوا۔ میری ذات اس ذات کے اندر فنا ہو جاتی ہے۔ یہ خاصہ کسی نبی و مرسل و فرشتے کو سوائے میرے حاصل نہیں ہوا۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ صحابہ ہر وقت حضور اکرم ﷺ کی حالت فنا کو دیکھنا چاہتے تھے۔ لیکن وہ نہ دیکھ سکے۔ یہ حدیث تفسیر امام باقر اور کافی تفاسیر میں بھی ہیں۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں اس حدیث میں تواتر ہے۔ صحابہ میں بھی تابعین میں بھی۔ اور میرے زمانے کے جو محدثین ہیں ان میں بھی مشہور ہے اور حافظ الحدیث یزید ابن ہارون نے اپنی کتاب الحدیث فی خصائص النبی ﷺ میں لکھی ہے اس حدیث کو ارباب ذوق نے بڑا پسند کیا ہے۔

-6 علماً نے یہ بیان کیا ہے کہ آپ ﷺ کے دل میں امت کے لئے فکرات ہوتے تھے اور آپ ﷺ ان کو رفع فرماتے ہیں۔

-7 حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر تُوبُوا اِلَى اللهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا کے بارے میں کہتے ہیں کہ ایک شخص ایسا تھا جو ایک مرتبہ گناہ سے توبہ کرتا تو پھر

Marfat.com

کبھی گناہ نہ کرتا تھا۔ حضرت ابن مسعود نے اس کے یہ معنی فرمائے ہیں کہ قصداً جو گناہ کیا جائے پھر اس کو کبھی نہ کیا جائے۔

-8 حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے حکایتاً رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب میرا بندہ ایک نیکی کا ارادہ کرے تو اس کی ایک نیکی لکھ دو جب اسے عمل میں لے آئے تو دس نیکیاں لکھ دو۔ اگر بدی کو عمل میں نہ لائے تو یہ نیکی لکھ دو۔ یہ حدیث خزینۃ القرآن میں ہے۔

-9 روایت ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے ابراہیم علیہ السلام کو یا الکریم الغفور کہتے ہوئے سنا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ کیا آپ جانتے ہیں کہ الکریم الغفور اللہ تعالیٰ کس طرح ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا۔ اے جبرئیل نہیں۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ الکریم الغفور کے یہ معنی ہیں کہ برائی کو دور کر کے اس کو نیکی لکھ دے۔

-10 ابو ہریرہ نے آنحضرت ﷺ سے روایت کی ہے۔ جو شخص اپنے دن کی ابتداء نیکی سے کرے اور ختم بھی اس کو نیکی کے ساتھ کرے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتا ہے میرے بندے کے وہ گناہ مت لکھو جو اس کے مابین ہوئے ہیں۔

-11 حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم سے پہلے ایک شخص تھا اس نے ننانوے آدمیوں کو قتل کیا تھا اس نے روئے زمین کے بڑے عالم سے دریافت کیا تو اس نے بتلایا کہ تو فلاں راہب کے پاس جا وہ راہب کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے ننانوے آدمیوں کو قتل کیا تھا۔ پس آیا قاتل کے لئے توبہ ہے یا نہیں اس نے کہا نہیں اس شخص نے اس راہب کو بھی قتل کر ڈالا اور پورا سینکڑہ کر لیا پھر لوگوں سے دریافت کیا کہ بڑا عالم دنیا میں کون ہے لوگوں نے ایک عالم کے متعلق بتلا دیا وہ اس عالم کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے سو (۱۰۰) قتل کیے ہیں کیا میرے لئے توبہ ہے یا کہ نہیں، عالم نے کہا ہاں تجھ کو کون سا شخص توبہ سے منع کر رہا ہے تو فلاں فلاں ملک میں جا وہاں کچھ لوگ عبادت کرتے ہیں بس تو بھی ان کے ساتھ اس خدا کی عبادت کر اور اپنے ملک کو کبھی واپس نہ آنا وہ بڑا ملک ہے وہ شخص روانہ ہو گیا یہاں تک کہ جب نصف راہ میں پہنچا تو حضرت ملک الموت علیہ السلام اس کے پاس آئے۔ رحمت اور عذاب کے فرشتوں نے اس کے اندر جھگڑا کیا اور رحمت کے فرشتوں نے کہا یہ شخص توبہ کر کے توجہ قلبی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف آیا ہے اور عذاب کے فرشتوں نے کہا اس نے کوئی نیک کام نہیں کیا بس ایک فرشتہ آدمی کی صورت میں ان کے پاس آیا اس نے کہا دونوں طرف کی زمین کو ناپ کر دیکھو جونسی قریب ہو اس کے حوالے کر دو بس ناپ کر دیکھا تو جس ملک کی طرف جانے کا اس نے ارادہ کیا تھا اسی ملک کو ایک بالشت قریب پایا بس رحمت کے فرشتوں نے اس کی جان نکال لی مسلم نے اس حدیث کو نقل کیا ہے اور بخاری شریف میں بھی یہ حدیث ہے۔

حدیث نمبر 12:

صاحب طبرانی نے روایت بیان کیا ہے کہ ہم کو یہ بات پہنچی ہے کہ ابلیس نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا اے میرے پروردگار تو نے آدم کو پیدا کیا میرے اور اس کے درمیان عداوت پیدا کر دی۔ مجھے ان کی اولاد پر کچھ غلبہ عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے ان کے سینے میں تیری جگہ کو بنا دیا عرض کیا کہ اور بڑھا اللہ تعالیٰ نے فرمایا اولاد آدم ایسی نہ ہوگی گمراہ تیرے لئے ہوں گے عرض کیا اور بڑھا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تو آدمی کے بدن میں خون کی طرح دوڑے گا۔ عرض کیا اور بڑھا فرمایا سوار اور پیادے ان کے اوپر کھینچ لا۔ اور احوال اور اولاد میں ان کا شریک ہو جا صاحب طبرانی نے کہا کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں درخواست کی کہ اے رب العالمین تو نے مجھے پیدا فرمایا اور ابلیس کو میرا مخالف کر دیا وہ میرے اور میری اولاد کے ساتھ عداوت اور بغض رکھے گا اللہ تعالیٰ نے فرمایا تیری اولاد نہ ہوگی مگر میں دو فرشتے مقرر کر دوں گا جو برے ہم نشینوں میں ان کی حفاظت کریں گے عرض کیا اور بڑھا فرمایا ایک نیکی اگر تیری اولاد میں سے کوئی کرے گا تو اس کو دس نیکیوں کی مثل دوں گا عرض کیا اور بڑھا فرمایا کہ تیری اولاد کی توبہ قبول کروں گا اس وقت تک جب تک اس کے حلق سے جان نکل رہی ہوگی۔

حدیث نمبر 13:

حضرت موسیٰ اشعری فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ رات کو اپنا دستِ رحمت پھیلاتا ہے کہ دن کا خطاوار توبہ کرے اور دن کو پھیلاتا ہے تاکہ رات کا خطاوار توبہ کرے اسی طرح جب شام کو سورج غروب ہوتا ہے اس وقت تک یہ سلسلہ جاری رہتا ہے جب سورج مغرب سے طلوع ہوگا اس وقت توبہ کا

Marfat.com

دروازہ بند ہو جائے گا۔

حدیث نمبر 14:

حضرت علی فرماتے ہیں کہ میں جب کوئی حدیث رسول اکرم ﷺ سے سنتا تھا تو اسے لکھ لیتا تھا اور اللہ تعالیٰ جس قدر مجھے اس کا نفع پہنچاتا تھا مجھے پہنچ جاتا تھا اس طرح میں نے حدیث کی ضخیم کتاب لکھی جس میں 6 لاکھ سے زائد حدیثوں کو درج کیا جو قرآن پاک کی تفسیر ہیں میں نے قرآن پاک کے ہر لفظ کی تفسیر رسول اکرم ﷺ سے دریافت کر کے لکھ لی ہے۔ امت کے نفع کے لئے جب میں کسی اصحاب سے کوئی حدیث سنتا ہوں تو اس سے قسم لیتا حضرت ابوبکر صدیق نے مجھے قسمیہ فرمایا ان کی بات تصدیق شدہ ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ جب کوئی وضو کر کے دو رکعت نماز نفل پڑھ کر بخشش مانگے اللہ تعالیٰ بخش دیتا ہے اس آیت کی تلاوت کی اور ''وہ لوگ جب اپنے حق میں کوئی برائی کر بیٹھتے ہیں یا ظلم تو اپنے رب سے بخشش مانگتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو بخش دیتا ہے''۔

حدیث نمبر 15:

حضرت عبداللہ ابن مسعود فرماتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ کہ میں مدینہ اقصیٰ میں ایک عورت کا علاج کرتا رہا ہوں میں اس تک پہنچا مگر ملنے کی نوبت نہ آئی اب میرے لئے کیا حکم ہے، حضرت عمر نے فرمایا کہ تو نے اپنے راز کو ظاہر کیا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ پردہ فرماتا ہے رسول اللہ ﷺ نے کچھ جواب نہ فرمایا وہ آدمی چلنے لگا۔ حضور اکرم ﷺ نے اس کو بلا لیا اور یہ آیت تلاوت فرمائی۔

''کہ نماز قائم کرو دو طرفہ دن کے اور کچھ حصہ رات کی طرف پہلے، بے شک نیکیاں گناہوں کو دور کر دیتی ہے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ تو ایک کے لئے ہے آپ نے فرمایا یہ تمام لوگوں کے لئے ہے اس کا حکم عام ہے۔

حدیث نمبر 16:

ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ایک شخص نے گناہ کیا اس شخص نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ مولا میرے گناہوں کو معاف کر دے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس بندے نے یہ جانا ہے کہ میرا ایک پروردگار ہے جو گناہوں کو بخشتا ہے اور مواخذہ بھی فرماتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کو معاف کر دیا جب تک اللہ تعالیٰ کو منظور رہا وہ ٹھہرا رہا پھر اس نے گناہ کیا پھر اس نے توبہ کی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس نے جانا ہے کہ اس کا یہ پروردگار ہے جو بخشتا بھی ہے اور مواخذہ بھی کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کے گناہ کو معاف کر دیا پھر جب تک اللہ تعالیٰ کو منظور رہا وہ وہاں ٹھہرا رہا پھر گناہ کیا پھر بخشش مانگی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس نے جانا ہے کہ میرا ایک پروردگار ہے وہ بخشتا اور مواخذہ بھی کرتا ہے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں نے اپنے بندے کو بخش دیا وہ جو چاہے کرے یہ تمام احادیث خزینۃ القرآن میں ہیں اور انہیں بخاری مسلم نے بھی بیان کیا ہے اور تفسیر امام باقر میں بھی ہیں۔

حدیث نمبر 17:

حضرت ابوبکر صدیق فرماتے ہیں ررسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے بخشش مانگی اس نے گناہ پر اصرار نہیں کیا ہے چہ جائیکہ وہ دن کو ستر مرتبہ بھی گناہ کرے۔

حدیث نمبر 18:

ابومسلم اصفہانی حضرت ابوذر غفاریؓ سے وہ رسول اللہ ﷺ سے، رسول اللہ ﷺ جبرائیل علیہ السلام سے، جبرائیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اپنی ذات پر ظلم حرام کر دیا ہے اور تمہارے اوپر بھی ظلم حرام کیا ہے فرمایا کہ تم ایک دوسرے پر ظلم مت کرو تم دن رات گناہ کرتے رہو اور میں بخشار ہوں اور میں پرواہ نہیں کرتا تم مجھ سے بخشش مانگو میں تمہیں بخش دوں گا۔ اے میرے بندو تم بھوکے ہو تم میں سے میں جس کو کھانا کھلاؤں تم مجھ سے کھانے کو مانگو، تم

Marfat.com

اگر ننگے ہو میں جس کو لباس دوں تم مجھ سے لباس مانگو اگر تم اگلے پچھلے سب انسان اور جن ایک شخص کو بزرگ مان لو تو میری بادشاہت میں کمی نہ آئے گی اگر تم اگلے پچھلے انسان اور جن ایک بدکار شخص کی طرف راغب ہو جاؤ تو میری بادشاہت میں کچھ نقصان نہ آئے گا۔ اگر تم اگلے پچھلے جن انسان ایک میدان میں اکٹھے ہو کر مجھ سے سوال کرو تو میرے سوال پورا کرنے میں کمی نہ آئے گی جس طرح سمندر میں سوئی ڈال کر نکالنے میں کمی آجاتی ہے، میرے میں کمی نہیں آسکتی، جو شخص اپنے اعمال کو اچھا پائے وہ اللہ تعالیٰ کا شکر کرے اپنے اعمال کو برا پائے تو کئے ہوئے پر نادم ہو، یہ حدیث تفسیر امام باقر میں ہے، حضرت ادریس اس حدیث کو بیان کرتے ہوئے اس کی عظمت کے سبب گھٹنوں کے بل کھڑے ہو جاتے احمد ابن موسیٰ المبرقع فرماتے ہیں۔ خزینۃ القرآن کے مقدمہ میں کہ میرے والد گرامی کا جب انتقال ہوا تو آیت وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ؕ کی تشریح پڑھا رہے تھے اور اسی حدیث کو بیان کر رہے تھے آپ نے توبہ کے چھ معنی بیان کئے ہیں آپ نے سورۃ الناس کے بارے میں فرمایا ہے کہ جو مجھے پانچ کتابیں احادیث کی ملیں جس میں میرے دادا امام باقر کی تفسیر ہے جو امہات العلوم ہے اس میں ضخیم تفسیر نہیں ہے جس میں بیس لاکھ احادیث کا مجموعہ ہے اور یہ میں نے اپنی تفسیر میں درج کردی ہیں فرماتے ہیں کہ ان میں ایک کتاب تو وہ ہے جو میرے جدامجد مولا علی نے لکھی جو جلیل القدر بزرگ ہیں حضرت ابوبکر سے لے کر بڑے بڑے صحابہ آپ کی تفسیر و حدیث میں فخر کرتے ہیں انہوں نے چھ لاکھ سے زائد احادیث لکھیں کتاب دوئم ابن العاص نے کتاب تیسری حضرت حسن بصری کتاب چوتھی عمر بن عبدالعزیز کے زمانے میں امام زہری نے جو تدوین کرائی اور پانچویں امام باقر کی تفسیر ہے وہ ہے ان میں بیس لاکھ احادیث ہیں فرماتے ہیں کہ ان بیس لاکھ احادیث کی تصدیق اپنے نانا جان رسول کریم ﷺ سے بھی ہو چکی ہے کیونکہ آپ مجھے براہ راست احادیث پڑھاتے تھے یاد رہے جو صحاح ستہ کے اندر احادیث ہیں ان کے اندر جو مستند ہیں وہ تفسیر خزینۃ القرآن میں درج ہیں جو ان کے اندر ضعیف ہیں ان کی فہرست ہمیں اسماء الرجال میں ملتی ہے جو صحاح ستہ میں ہیں ان کا ضعف آپ نے اسماء الرجال میں بیان کیا ہے۔

عرض کیا جا رہا تھا کہ توبہ کے چھ معنی ہیں:

(۱) گزرے کام پر ندامت، (۲) آنے والے زمانے میں گناہ نہ کرنے کا ارادہ، (۳) ہر اس قرض کو ادا کرنا جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے درمیان ہے، (۴) مظلوم کے حقوق اس کو دلانا چاہے مالی ہوں یا عزت کے اعتبار سے، (۵) جو گوشت مال اور خون حرام سے پیدا ہوا ہے اس کو پگھلانا، (۶) جس طرح بدن معصیت کی شرینی کا مزہ چکھتا ہے اسی طرح اطاعت کر کے نیکی کا مزہ چکھنا، صاحب خزینۃ القرآن نے بہت بہترین معنی کئے ہیں۔

فائدہ دوئم:

منجملہ فواید کے جس طرح حضرت آدم علیہ السلام ذی شان پیغمبر نے توبہ کی اسی طرح ہمیں بھی اس سبق سے توبہ کا دامن نہیں چھوڑنا چاہئے۔

فائدہ سوئم:

جس طرح حضرت آدم علیہ السلام توبہ کے وقت روئے ہمیں بھی اس طرح رونا چاہئے اللہ تعالیٰ رونے کو بہت پسند کرتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا اگر تمام اہل دنیا کا رونا حضرت داؤد علیہ السلام کے رونے کے ساتھ ملا دیا جائے تو حضرت داؤد علیہ السلام کا رونا غالب آجائے گا۔ اسی طرح اہل دنیا اور داؤد علیہ السلام کا رونا حضرت نوح علیہ السلام کے رونے کے ساتھ ملا دیا جائے تو حضرت نوح علیہ السلام کا رونا غالب آجائے گا۔ اسی طرح اہل دنیا کا رونا حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کا رونا حضرت آدم علیہ السلام کے رونے سے ملایا جائے تو آدم علیہ السلام کا رونا غالب آجائے گا۔ یہ حدیث تفسیر امام باقر میں ہے۔

مسئلہ چہارم:

اس آیت میں حضرت آدم علیہ السلام کے توبہ کے ساتھ حضرت حوا کا ذکر نہیں کیا گیا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وہ ان کے تابع تھی جس طرح عورتیں طبعاً مردوں کے تابع ہوتی ہیں فرمایا اس آیت میں ذکر کیا گیا ہے ان دونوں نے کہا اے ہمارے پروردگار ہم نے اپنی جانوں پر ستم کیا یہ حدیث تفسیر امام باقر میں ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (۳۸)

Marfat.com

ترجمہ: ہم نے کہا اترو تم بعض اس سے پس جب آئے تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت تو جس نے میری ہدایت کی پیروی کی تابعداری کی پس ان پر کوئی خوف نہ ہوگا نہ وہ غمگین ہوں گے اس آیت کے اندر چند مسائل ہیں:

مسئلہ پہلا:

حضرت علی فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت اتری ہم نے پوچھا یارسول اللہ ﷺ اس اھبطوا سے کیا مراد ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ دوبارہ (ف ا) تاکیداً فرمایا گیا ہے کہ آدم جنت سے زمین پر اترے کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا مِنهَا پہلی آیت کی تفسیر ہے اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا کہ قرآن پاک اپنی تفسیر آپ کرتا ہے مزید فرمایا کہ قرآن کی تفسیر قرآن سے تلاش کرو یا میرے فرمان سے اصل تفسیر وہی ہوگی۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ جس نے قرآن پاک کی تفسیر حدیث کے بغیر کی اس نے قرآن پاک کے ساتھ ظلم کرنے کی کوشش کی بمطابق اس حدیث کے صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک ایک اور بھی قوی دلیل ہے جو حدیث ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود حضرت علی فرماتے ہیں جب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پہلے اھبطوا کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب حکم فرمایا تو انہوں نے توبہ کی کہ ہوسکتا ہے ہمیں ٹھہرنے کی اجازت مل جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَه سے فرمادیا یہ وعدہ تھا اس وعدہ کو پورا کرنا تھا تو تاکیداً یہ ارشاد فرمایا گیا یہ حدیث مستند ہے جو خود رسول اکرم ﷺ نے اس کی تفسیر فرمادی، فرماتے ہیں کہ اس کا جواب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس طرح کوئی تمہارے پاس آئے تم کہہ دو کہ میں نے تجھ پر احسان کیا یہ حدیث بھی اس دعویٰ کی تاکید میں ہے یہ تینوں مذکورہ احادیث تفسیر امام باقر ابو العالیہ ابن ہارون ابن جذی وغیرہ میں ہیں۔

(ف ا) تفسیر فتح العزیز شاہ عبدالعزیز محدث محقق دہلوی میں ہے کہ یہ اھبطو۔ استقرا کے لئے یعنی نیچے اترے رہو۔ تاکید نہیں ہے۔

مسئلہ دوئم:

صاحب خزینۃ القرآن نے یہاں کچھ احادیث درج کی ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حوا کہاں اتارے گئے فرماتے ہیں اس پر سو احادیث ہیں تمام رقم نہیں کروں گا یہ تمام احادیث تفسیر امام باقر میں درج ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود حضرت ابوبکر فرماتے ہیں رسول اللہ صحابہ کے جم غفیر میں تھے صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ حضرت آدم علیہ السلام کہاں اتارے گئے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا حضرت آدم ہند میں، حضرت حوا جدّے میں، جدہ اسی لئے کہا گیا ہے اور ابلیس کو بغداد کی جانب آپ ﷺ نے اشارہ فرمایا اور سانپ اصفہان میں۔

اسی حدیث کو حضرت علی و حضرت عائشہ نے بیان کیا ہے، فرماتے ہیں کہ میرے جد امجد حضرت امام جعفر صادق اپنے والد محمد سے وہ اپنے والد حضرت علی سے وہ اپنے والد حضرت حسین سے، حضرت حسین حضرت عائشہ سے فرماتے ہیں صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں یہ حدیث متواتر ہے۔

مسئلہ سوئم:

ہدایت کے اندر کئی احتمال ہیں، دلائل عقلی بھی اور اثری بھی، حضرت علی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہدایت اسے کہتے ہیں جو کلام اللہ نبی پر نازل ہو لوگ اس سے اثر اختیار کریں یہ حدیث خزینۃ القرآن میں ہے اور امام باقر میں ہے، حضرت امام حسن فرماتے ہیں، جب حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے زمین پر اتارا گیا تو ان پر وحی ہوئی اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آدم چار فضیلتیں ایسی ہیں جن پر تیرا اور تیری اولاد کا دارومدار ہے۔ (۱) ایک میرے لئے، (۲) ایک تیرے لئے، (۳) ایک تیرے اور میرے درمیان مشترک ہے، (۴) چوتھی تیرے اور لوگوں کے مابین مشترک، میرے لئے وہ ہے کہ تو میری عبادت کر کسی کو میرا شریک نہ بنا اور جو تیرے لئے ہے وہ یہ ہے کہ اگر تو عمل کرے گا تو تجھ کو اس کی مزدوری ملے گی، میرے اور تیرے درمیان مشترک یہ ہے کہ تو دعا کرے اور میں قبول کروں، پھر لوگوں کے اور تیرے مابین یہ ہے کہ جس طرح تو چاہتا ہے کہ لوگ میرے ساتھ پیش آئیں، تو بھی ان کے ساتھ اسی طرح پیش آ۔

مسئلہ چوتھا:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو شخص کما حقہ اس کی ہدایت پر عمل اور عمل کے اعتبار سے تابعداری کرے گا اور امر و نواہی کی فرمانبرداری کرے گا تو اس کے لئے یہ ثمرہ

Marfat.com

ہو گا کہ اس کو کوئی غم نہ ہو گا یہ جملہ مختصر ہے لیکن کلام جامع ہے۔

مسئلہ پانچواں:

فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ سے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ہدایت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ازلی ہے اس حدیث سے علوم شرعیہ بدیہی ثابت ہوئے، نیز نبی کریم ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ جو شخص ہدایت کی تابعداری کرے گا وہ جنت کا حق دار ہو گا اسے میری طرف سے اور اللہ کی طرف سے بشارت ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَکَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَآ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ (۳۹)

ترجمہ: جن لوگوں نے کفر کیا ہماری آیتوں کو جھٹلایا ایسے لوگ دوزخی ہیں ایسے لوگ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے

جب اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی تابعداری کرنے والوں کے لئے عذاب اور غم سے محفوظ رہنے کا وعدہ کیا تو اس کے بعد ان لوگوں کا ذکر فرمایا ہے جن کے لئے اس نے ہمیشہ کا عذاب مہیا کیا اور فرماتا ہے جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کی تکذیب کی خواہ وہ انسان ہوں یا جن وہ ہمیشہ عذاب میں رہنے والے ہیں۔

اس بات کا بیان کہ عذاب دینا امر حسن ہے یا نہیں۔ اگر حسن ہے تو علی الدام عذاب دینا حسن ہے یا نہیں، وَعَلٰٓی اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ کی تفسیر میں اوپر بیان ہو چکا ہے اور یہ آیت تمام آیات کی آخیر ہے جن میں اللہ تعالیٰ نے بنی آدم پر انعامات کا بیان فرمایا ہے۔ اور ان سب آیات سے توحید بھی ثابت ہوتی ہے اس واسطے کہ یہ نعمتیں سب امور حادثہ ہیں، حادث کے لئے محدث کا ہونا درکار ہے اور نبوت کا ثبوت بھی ہوتا ہے اس واسطے محمد ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے سیکھے بغیر توراۃ اور انجیل کے مطابق ان چیزوں کی خبر دی اور آخرت کا ثبوت بھی اس سے ہوتا ہے اس واسطے کہ جو شخص ابتداً ان چیزوں کو مہیا کرتا ہے دوبارہ بھی اعادہ کرسکتا ہے۔ (وباللہ التوفیق)

ان نعمتوں کا بیان کہ جو بنی اسرائیل کے ساتھ خاص کی گئی ہیں

جاننا چاہئے کہ اس میں ان نعمتوں کا ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو بیان فرمائیں اس میں توحید، رسالت اور نبوت کا بیان ہے جو تمام اولاد آدم کے لئے انعام ہیں، اس کے بعد وہ انعامات کا بیان فرماتا ہے جو یہودیوں پر اور ان سے پہلے لوگوں پر انعام کئے اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ان یہودیوں کو ان نعمتوں کے سبب عناد نہیں رکھنا چاہئے۔

نبی کریم ﷺ کے لئے اس واسطے تنبیہ ہوئی ان کو انہوں نے اس لئے انکار کیا کہ وہ غائب کی خبریں فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان نعمتوں کو اجمالاً ذکر فرمایا، وہ فرماتا ہے یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْکُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْکُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِیْٓ اُوْفِ بِعَهْدِکُمْ اے بنی اسرائیل یاد کرو ان نعمتوں کو جو میں نے تم پر انعام فرمائی ہیں تم میرے عہد کو پورا کرو، میں تمہارے عہد کو پورا کروں گا پھر اس بات کا حکم دیا کہ تم سرکار دو عالم ﷺ پر ایمان لاؤ، فرمایا، وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَکُمْ اور ایمان لاؤ اس کے ساتھ جو میں نے نازل کی ہے تصدیق کرتی ہے اس کی جو تمہارے پاس ہے پھر وہ امور بیان فرمائے جن سے وہ روگردانی کرتے ہیں۔ پھر دوبارہ اجمالاً ان نعمتوں کا ذکر فرمایا کیونکہ وہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں، اے بنی اسرائیل یاد کرو ان نعمتوں کو جو میں نے تمہارے اوپر انعام فرمائیں۔ اس کے بعد ان کو یہ فرمایا کہ میں نے تم کو جہان والوں پر فضیلت دی ہے پھر اس کے بعد ترتیب سے مفصل ذکر فرمایا ان کو خوف دلایا، پھر ہر شخص اس تفصیل کو

Marfat.com

پڑھ کر ہدایت کی طرف آسکتا ہے اور دوسروں کو بھی ہدایت کی ترغیب دے سکتا ہے اس بات سے تساہل نہ کرے،

قال اللہ تعالیٰ: یٰبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْۤ اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِیْۤ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ وَاِیَّایَ فَارْهَبُوْنِ (۴۰)

ترجمہ: اے اولاد یعقوب تم ان نعمتوں کو یاد کرو جو میں نے تم پر انعام فرمائی ہیں، تم میرا عہد پورا کرو میں تمہارا عہد پورا کروں گا۔ اور مجھ سے ڈرو،

جاننا چاہئے کہ اس آیت کے اندر چند مسائل ہیں۔

مسئلہ پہلا:

حضرت علی وعبد اللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ گزشتہ آیت اور اس آیت کا آپ میں ربط ہے اور یہودی جو مدینہ میں حضرت یعقوب کی اولاد سے ملتے تھے، انہوں نے نبی کریم ﷺ پر طعن کیا، تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا، رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اس سے مراد اولاد یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو اسرائیل فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ کا نام ہے، اور اسراء یعقوب (اللہ کا بندہ) آپ ﷺ نے فرمایا کہ عراق میں اسراء انسان کو کہتے تھے، فرمایا یعقوب اللہ کا مقبول بندہ ہے یہ حدیث خزینۃ القرآن اور امام باقر میں ہے اور سب مفسرین کا اس پر اتفاق ہے اسی طرح جبرائیل اور میکائیل کا معنی بھی اللہ کا بندہ ہے، نبی کریم ﷺ سے صحابہ نے نعمت کے بارے میں دریافت کیا آپ ﷺ نے فرمایا جو کسی پر احسان کرتا ہے اور اسے اپنا ذاتی مفاد نہیں سمجھتا تو وہ نعمت ہوگی اور اس کا شکر بھی ادا ہو سکتا ہے، فرمایا کہ نعمت اسے کہتے ہیں جس سے کسی کو نفع پہنچے۔

اسی طرح حدیث سے واضح ہوا کہ نفع اس نعمت کا نام ہے جو کسی سے احسان کر کے اس کو بھول جائے اگر چہ فاسق بھی کسی پر احسان کرتا ہے لیکن اس کو نعمت نہ کہا جائے گا چونکہ نعمت کے اندر قباحت نہیں ہے جس طرح کوئی حلوے میں زہر ملا کر کسی کو دے دے تو وہ نعمت نہ ہوگی، حدیث شریف میں ہے حضرت علی وسیدنا ابو بکر صدیق فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جو نعمت ہم کو عبادت کے ذریعے عطا فرماتا ہے، یہ اس کا کرم ہے اگر عبادت میں ہدایت کے ذریعے ہماری مدد نہ کرتا تو ہم کس طرح عبادت کے قریب آسکتے تھے۔

یہ تمام نعمتیں اسی کی طرف سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ تمہارے پاس تمام نعمتیں اللہ کی طرف سے ہیں، جب نعمت کی تعریف معلوم ہوگئی، تو اب ہم اس پر چند فروعات پیش کرتے ہیں:

فرع اوّل:

جاننا چاہئے کہ جو کچھ شب وروز ہم پر انعام ہوتے ہیں اور مصیبتیں رفع ہوتی ہیں اور جو کچھ آخرت میں امور ہوں گے یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔

فرع دوئم:

اللہ تعالیٰ کی نعمتیں جو بندوں پر ہیں ان کا شمار ناممکن ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ط یعنی اگر تم اللہ کی نعمت کو شمار کرو گے تو اس کا احاطہ نہ کر سکو گے یہ سب چیزیں شمار سے باہر ہیں ان کا خالق اللہ تعالیٰ ہے یہ سب منافع ہیں، اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوقات بندوں کے حق میں نعمت ہیں، اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا، وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ط اگر کوئی کہے جب اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتیں غیر متناہی ہیں اور بندے کو اس کا علم نہیں ہو سکتا پھر کس واسطے اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمت کے یاد کرنے کا حکم دیا ارشاد فرمایا اذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْۤ اَنْعَمْتُ تو ہم کہتے ہیں کہ انواع اور اشخاص کے اعتبار سے غیر متناہی ہیں لیکن اجناس کے اعتبار سے متناہی ہیں۔

فرع سوئم:

سب سے پہلی نعمت جو اللہ تعالیٰ نے بندوں پر کی ہے وہ یہ ہے کہ ان کو زندہ پیدا کیا اس کا ثبوت اس آیت سے ہوتا ہے۔ اس آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تمام نعمتوں کی اصل حیات ہے اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سب نعمتوں سے پیشتر حیات کا ذکر کیا ہے باقی نعمتوں کو اس کے بعد بیان فرمایا ہے۔

Marfat.com

فرع چہارم:

معتزلہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو دنیا اور دین کی نعمتیں عطا فرمائی ہیں، اور وہ نعمتیں سب کے لئے یکساں ہیں، دین کی نعمتیں تو اس واسطے کہ جو الطاف اور کرم ممکن ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ کئے اور جو ممکن نہیں ہیں ان سے قدرت متعلق نہیں ہوئی اس واسطے کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی پر لطف اور کرم پر قادر ہے اور کسی بندے کے ساتھ نہ ظاہر فرمائی تو اس بندے کو عذر کی گنجائش ہوگی۔ اور دنیا کی نعمتیں خاص ان معتزلہ کے نزدیک جو کہ بغدادی ہیں سب کے ساتھ برابر ہیں اس واسطے کہ ان کے نزدیک دنیا میں اصلح کی رعائت واجب ہے اور دوسروں کے نزدیک واجب نہیں ہے، اہل سنت کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کو دوزخ کے لئے اور عذاب ضروری کے لئے پیدا کیا ہے اس بات میں اختلاف ہے کہ دنیا میں بھی کافروں کے لئے کوئی نعمت ہے یا نہیں، دنیا کی نعمتیں ادنیٰ درجے کی ہیں آخرت کے اعتبار سے، اور ہمیشہ ضرر کی موجب ہیں اس واسطے جو شخص حلوے میں زہر ملا دے، تو حلوہ کھانے سے جو لذت حاصل ہوگی اس کو نعمت نہ شمار کریں گے۔ کیونکہ اس کے ذریعہ سے ضرر عظیم حاصل ہوگا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے یعنی جو لوگ کافر ہوئے وہ یہ خیال نہ کریں کہ ہم ان کے لئے جو تاخیر کرتے ہیں ان کی جانوں کے لئے بہتر ہے ہم تو اس لئے تاخیر کرتے ہیں کہ وہ اور زیادہ گناہ کریں، لیکن بعض کہتے ہیں کہ اگر چہ اللہ تعالیٰ نے کافر کو دین کی نعمت نہیں دی ہے مگر دنیا کی نعمت عطا فرماتا ہے، یہ قاضی ابو بکر باقلانیؒ کا قول ہے اور یہی قول زیادہ تر صواب ہے اس کا ثبوت چند وجوہ سے ہے۔

1- اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میری طرف سے اگر ان کو یہ نعمتیں نہ ہوتیں تو یہ خطاب ان کو کیوں ہوتا۔

2- آیت صریح سے یہ ثابت ہے کہ کفار کو نعمتیں ملتی ہیں، رسول اللہ ﷺ نے بھی یہی فرمایا کہ کفار اور مومن سب کے لئے نعمتیں یکساں ہیں فرمایا کہ یہ اشارہ اہل کتاب کی طرف ہوا ہے وہ کافر ہیں میرے رب کی نعمتیں لے رہے ہیں وہ بڑا حوصلے والا بردبار ہے۔

3- کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ اس سے پہلے ہم نے قرن کے لوگوں کو ہلاک کردیا کہ زمین میں ہم نے ان کو تم سے زیادہ قدرت دی تھی۔

4- اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے حبیب پاک ﷺ کہ تم کو خشکی اور تری میں کون نجات دیتا ہے تم کس کو پکارتے ہو۔

5- اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمہارا رزق زمین میں ہے تم تھوڑا سا شکر کرتے ہو ابلیس کے قصہ میں بھی یہ ہے کہ ان پر نعمت تھی وگرنہ کیا نتیجہ ہوتا۔

6- اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یاد کرو اس وقت کو کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو عاد کے بعد زمین میں قائم مقام بنایا۔

7- ارشاد ہوتا ہے بے شک اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا جب تک وہ خود نہ بدلے۔

8- اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے آفتاب کو روشن اور چاند کو منور بنایا جن سے تم برسوں کا حساب لگا سکتے ہو اللہ تعالیٰ نے ان کو ناحق پیدا نہیں کیا۔

9- اور فرماتا ہے کہ جب ہم نقصان ہونے کے بعد ان کو رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں۔

10- وہی اللہ کی پاک ذات ہے جو تم کو جنگل اور دریا میں چلاتا ہے کشتی میں سوار ہوئے اور وہ کشتیاں پاکیزہ ہوا کے ساتھ لے چلتی ہیں۔

11- وہ ایسا ہے جس نے رات کو تمہارے لئے لباس بنایا کہ تم اس سے سکون لو اور دن کو تمہارے لئے دیکھنے والا بنایا۔

12- کیا آپ نے ان کو نہیں دیکھا کہ جنہوں نے نعمت کو کفر سے بدل ڈالا اور اپنی قوم کو انہوں نے جہنم کے گھر اتار دیا وہ برا ٹھکانہ ہے۔

13- اللہ تعالیٰ ایسا ہے کہ جس نے زمین اور آسمان کو پیدا فرمایا آسمان سے زمین پر پانی برسایا جس سے تمہارے لئے پھل پیدا ہوئے اور کشتیوں کو اپنے حکم سے تمہارے تابع فرمایا۔

14- اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنے لگ جاؤ تو نہ کر سکو گے انسان ناشکرا اور ظالم ہے، اللہ تعالیٰ نے یہ چیزیں اس لئے پیدا فرمائیں تا کہ لوگ اس کا احسان سمجھیں اور ان کے صالح ہونے پر استدلال کر سکیں ان پر کئی امور ہیں۔

1- اللہ تعالیٰ فرشتوں کو اتارتا ہے تا کہ وہ لوگوں کی روح قبض کریں انبیاء علیہم السلام کو اس لئے بھیجتا ہے تا کہ لوگ اللہ کی توحید پر اور ان کی رسالت پر ایمان لائیں اور عمل پیرا ہوں۔

Marfat.com

زمین و آسمان کو اس ﷻ نے ٹھیک ٹھاک پیدا فرمایا اور وہ اس سے بلند ہے جو تم شرک کرتے ہو، انسان کو ایک نطفے سے پیدا کیا وہ جھگڑتا ہے اور خسارے میں ہے۔

-2 اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ نعمت کی ناشکری کرنا نعمت کا بدل جانا ہے۔

-3 اللہ تعالیٰ نے قصہ قارون میں فرمایا کہ تو بھی اس طرح احسان کر جس طرح تجھ پر احسان ہوا ہے، زمین و آسمان اور جو کچھ اس میں ہے، تمہارے تابع کیا ظاہری نعمتیں اور باطنی نعمتیں بھی، بھلا دیکھتے ہو تم منی ڈالتے ہو پھر ہم پیدا کرتے ہیں یا تم پیدا کرتے ہو اے دونوں گروہ پھر تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے یاد رکھو کہ سورۃ الرحمٰن میں نعمتوں کا ذکر ہے خواہ وہ دینی ہوں یا دنیاوی یہاں تک جو فقیر نے بیان کیا وہ نعمت کے متعلق تھا۔

مسئلہ سوئم:

بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ نے بکثرت انعامات عطا فرمائے جن کا خاص اس میں ذکر ہے، جب امت محمد ﷺ کا موقع آیا تو فرمایا تم مجھے یاد کرو میں تم کو یاد کروں گا یہ سب سے بڑی نعمت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایسی نعمت کسی امت کو نہیں ملی، جو میری امت کو ملی اس لئے میری امت تمام امتوں پر اشرف ہے یاد رکھو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر بڑی نعمتیں عطا فرمائیں ان کو فرعون سے نجات دلائی اور ان پر بڑی بڑی کتابیں نازل فرمائیں اور ان میں کافی انبیاء مبعوث ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرعون کے بعد انہی کو بادشاہت اور حکومت بھی عطا فرمائی اللہ فرماتا ہے کہ ہم نے اسی طرح بنی اسرائیل کو وارث بنایا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا کہ یاد رکھو اللہ تعالیٰ تم پر اپنی نعمتیں بکثرت عطا فرماتا ہے تم میں سے انبیاء بھیجے اور تمہیں بادشاہت بھی عطا کی۔

ہشام ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر جو نعمت عطا فرمائی ان میں سے یہ ایک بڑی نعمت تھی کہ ان کو فرعون سے نجات دلائی جنگل میں ان پر ابر کا سایہ کیا اور ان پر من و سلویٰ اترا۔ ان میں سے ایک آدمی تھا جس کو پتھر دیا گیا اس پتھر کی خصوصیت یہ تھی جس قدر چاہتے تھے وہ ان کو پانی دیتا تھا جب اس سے اپنی ضرورت پوری کر لیتے تھے تو اسے زمین سے اٹھا لیتے تھے پانی بند ہو جاتا تھا، ان کو رات کے لئے ایک روشنی کا ستون بھی عطا فرمایا رات کو وہ روشنی میں رہتے تھے اور اس کے ارد گرد جمع ہوتے تھے، جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ نعمتیں کئی وجہ سے یاد دلائی ہیں۔

-1 منجملہ نعمتوں کے توراۃ، انجیل زبور بھی ہیں جن سے محمد ﷺ کی تصدیق ہوتی ہے۔

-2 ان نعمتوں کی کثرت کے سبب اپنے منعم حقیقی کی نعمتوں کا شکر کریں اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت نہ کریں نبی کریم ﷺ پر ایمان لے آئیں۔

-3 ان نعمتوں کا بیان کرنے کا سبب یہ ہے کہ ان کو ان نعمتوں کے سننے کے بعد اللہ تعالیٰ کا حیاء ان کے دل میں پیدا ہو۔

-4 بہت ساری نعمتوں کا ذکر کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ معلوم ہو جائے کہ منعم حقیقی نے کسی کو خاص منتخب کیا ہے اور قاعدہ یہی ہے کہ نعمتوں کے ظاہر کرنے سے مالک حقیقی کی عظمت کا پتہ چلے اگر کوئی یہ کہے کہ یہ نعمتیں ان کے باپ دادا کے لئے تھیں ان کو خاص خطاب نہیں ہے حدیث شریف میں یہی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان نعمتوں کو عموم فرمایا ہے کیونکہ بنی اسرائیل کے لوگ اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں۔

-1 اس کا جواب اس طرح بھی ہو سکتا ہے کہ یہ نعمتیں ان کے باپ دادا پر تھیں تو یہ نسل باقی رہی ہے نعمت نہ ہوتی تو ان کی نسل کیسے باقی رہ سکتی تھی۔

-2 اللہ تعالیٰ نے ان کے باپ دادا کو نعمتوں سے نوازا وہ دینی اور دنیاوی نعمت سے سرفراز تھے۔

-3 باپ دادا پر جو نعمتیں دینی و دنیاوی انعام ہوئیں تا کہ ان کی اولاد ان کو دیکھ کر ان کی اتباع کرے، جو کام والدین کریں گے اولاد بھی وہی کام کرے گی۔

-1 اللہ تعالیٰ نے اس نعمت کو اس عہد کے ساتھ نصیب فرمایا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان پر عہد کو پورا کرنا واجب فرمایا خود بھی ان پر اس نعمت کو واجب کیا کیونکہ یہ نعمت اللہ تعالیٰ نے ان پر تمام فرمادی۔

-2 حضرت حسنؓ فرماتے ہیں کہ یہ عہد بنی اسرائیل سے تھا، جو بنی اسرائیل کو حکم ہوا کہ تم میرے عہد کو پورا کرو میں تمہارے عہد کو پورا کروں گا۔ حدیث شریف میں بھی ہے ارشاد ہے کہ یہ عہد بنی اسرائیل سے رسول اکرم ﷺ سے تھا۔

-3 حدیث شریف میں ہے، حضرت علی فرماتے ہیں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ انسان سے فرماتا ہے تم میرا عہد پورا کرو اور میری عبادت کرو میں اپنی نعمتوں کو تم پر تمام کروں گا اور اپنے عہد کو پورا کروں گا تم پر راضی ہو جاؤں گا اور تمہیں جنت میں داخل کروں گا۔ جمہور مفسرین کا بھی اسی پر اتفاق ہے یہ

Marfat.com

حدیث خزینۃ القرآن میں ہے اور تفسیر امام باقر میں بھی ہے۔

1- حضرت عباسؓ سے مروی ہے کہ اس آیت سے بھی تحقیق ہوتی ہے بے شک اللہ تعالیٰ مومنوں سے ان کے جان و مال خرید کرتا ہے اور اس کے عوض ان کو جنت عطا کرتا ہے نیز فرمایا جس نے میرے عہد کو پورا کیا پس وہ خوش رہے۔

2- نبی کریم ﷺ نے فرمایا یہ عہد سابقہ کتب میں میرے بارے میں تھا کہ میں ان کو عنقریب ثبوت کروں گا آپ ﷺ نے پھر یہ آیت پڑھی، ایمان والو اپنے عہد کو پورا کرو، نیز آپ نے یہ آیت بھی تلاوت کی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، میری رحمت ہر شئے سے وسیع ہے میں اسے لکھتا جاتا ہوں اور متقیوں کے لئے ہے جو زکوٰۃ دیتے ہیں اور جو میری آیتوں پر یقین رکھتے ہیں۔

وہ ایسے رسول کی اتباع کرتے ہیں، جو رسول اُمی ہے اور اس عہد کو پورا کرتے ہیں۔ جو انہوں نے توراۃ میں لکھا ہوا پایا میں اس عذاب کو دور کروں گا جس میں ان کی گردنیں پھنسی ہوئی ہیں۔ نیز عیسیٰ ابن مریم نے بنی اسرائیل سے فرمایا کہ میں تمہارے پاس اللہ کی طرف سے رسول بھیجا ہوا آیا ہوں جو میرے سامنے توراۃ ہے اس کی تصدیق کرتا ہوں جو میرے بعد نبی آئے گا اس کا نام احمدؐ ہوگا، حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ توراۃ میں یہ بات تحریر تھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں اولاد اسماعیل سے رسول مبعوث کروں گا وہ میرا کلام ازلی لے کر آئے گا جس نے اس کی تصدیق کی۔ میں اس پر راضی ہو جاؤں گا اور اس کو جنت میں داخل کروں گا۔ اس کو اجر بھی دوں گا یہ تصدیق قرآن پاک میں موجود ہے۔

اس آیت سے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اے ایمان والو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اس کے رسول کے ساتھ ایمان لاؤ تو اس کی رحمت سے تم کو دو حصے اجر ہوگا اس کی تائید حدیث سے بھی ہوتی ہے ابو موسیٰ اشعری فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ تین شخص دو اجر کے مستحق ہوں گے اول یہ کہ اہل کتاب میں سے جو عیسیٰ پر ایمان لے آیا دوم وہ جو مجھ پر ایمان لے آیا تیسرے وہ کہ جس نے اپنی باندی کو تعلیم دلا کر اسے آزاد کیا اور اس کا نکاح بھی کرا لیا اور اپنے آقا کی اطاعت میں فرمانبردار رہا، اس مقام پر دو سوال ہیں۔

سوال پہلا:

اگر تمہارا کہنا درست ہے تو انہوں نے حضور اکرم ﷺ کی نبوت کا انکار کیوں کیا حدیث شریف میں ہے، حضرت علیؓ فرماتے ہیں حضور اکرم ﷺ سے ہم نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ بنی اسرائیل آپ کی نبوت کا انکار کیوں کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان کے علماً توراۃ کے واقف نہیں جس میں میرے بارے میں نص جلی بیان کی گئی ہے اور ان کے علماً اس کو پوشیدہ رکھتے ہیں یاد رہے کہ یہ حدیث تفسیر امام باقر وغیرہ میں ہے حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ حضور اکرم ﷺ کی فضیلت نص جلی میں تھی، صرف علماء یہود اور نصاریٰ نے بغض کیا لیکن امام رازی اس کو نص خفی فرماتے ہیں غور سے انہوں نے اس حدیث کا مطالعہ نہیں کیا۔

1- توراۃ کے صفحۂ اول فصل نہم میں لکھا ہے کہ حضرت ہاجرہ حضرت سارہؓ سے رخصت ہوئیں تو ان کو اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ نظر آیا اس فرشتے نے ان سے کہا اے ہاجرہ کہاں کا ارادہ رکھتی ہے انہوں نے فرمایا کہ میں یہاں سے نکل جانے کا ارادہ رکھتی ہوں اس فرشتے نے کہا کہ نہیں کہ تم حضرت سارہؓ کے پاس جاؤ اللہ تمہاری کھیتی کو ہرا کرے گا۔ اور تمہارا ایک لڑکا پیدا ہوگا جس کا نام اسماعیل ہوگا تمام اپنے خاندان پر اس کو فوقیت ہوگی وہ بے نیاز رہے گا، سب خاندان والے اس کے آگے ہاتھ پھیلائیں گے۔ جاننا چاہئے کہ یہ کلام حضور اکرم ﷺ کی قوت کی بشارت کیونکر ثابت ہوسکتی ہے کہ فرشتہ نے ظلم و ستم کی خبر اللہ تعالیٰ کی طرف دینا تھا یہ تو پہچان ہے یہ بھی ظاہر ہے کہ حضرت اسمٰعیل اور ان کی اولاد کا ہر جگہ تصرف نہ تھا اور نہ ہی ان کو سارے ملک کی حکومت تھی اور نہ ہی اپنی جگہ سے دوسرے علاقے جا سکتے تھے وہ جنگل میں رہتے تھے، کعبہ کی مجاورت تھی جب اسلام مشرق سے مغرب تک ابھرنے لگا تو اس وقت لوگ ان کے پاس آنے لگ گئے توراۃ کی فصل گیارہ میں بھی آیا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ میں تمہاری مثل نبی مبعوث کروں گا حضرت علیؓ وعبداللہ ابن مسعود ابن العاص، حضرت جمیلؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے صحابہ میں اسی حکایت کو بیان کیا فرمایا کہ انبیاء کی شریعتوں میں میرے بارے میں واضح ظاہر احکام تھے آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی جس میں عیسیٰ ابن مریم نے بنی اسرائیل کو حضور اکرم ﷺ کی آمد کی خبر دی آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس میں توراۃ کا بھی ذکر ہے فرمایا توراۃ کے فصل بارہ میں میری آمد کا ذکر اور میرے اوصاف کے بارے میں ہے۔ فرمایا جس کو اس وقت کے یہود علماً نے اس کو پوشیدہ کر دیا ہے نیز

Marfat.com

صحابہ نے یہ پوچھا کہ اس آیت کا کیا مقصد ہے جو تورات میں ہے کہ موسیٰ تمہاری مثل نبی آئے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں اولاد اسماعیل سے ہوں اور اسحاق اسماعیل کے بھائی ہیں یعقوبؑ ان کے بیٹے ہیں فرمایا اسحاق کے بھائی عیس بھی ہیں جن میں حضرت ایوبؑ ہوئے ہیں جو موسیٰؑ سے کچھ پہلے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ اسحاقؑ اور یعقوبؑ بھی میرے خاندان سے ہیں، مثال دی جس طرح کوئی کہے کہ بنی ہاشم تمہارے بھائیوں سے امام ہوگا فرمایا وہ اصل ہاشم سے نہ ہوگا۔ ان کے بھائیوں کی اولاد سے ہوگا فرمایا میں حجاز میں پیدا ہوا وہ شہر مکہ ہے اور شام کے علاقے میں ملحق ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ مدینے کے اردگرد یہودیوں کی بستیاں ہیں، خیبر کنعانہ اور روس وغیرہ۔ نیز آپ ﷺ نے فرمایا کہ ابوبکر، عمر، عثمان، علی ان کے اوصاف بھی تورات اور انجیل میں درج ہیں ان کا نام تورات کی فصل چوداں میں شبیر وشبر فرمایا گیا ہے کہ میری نبوت اور میری آمد کے بارے میں نص تھی اللہ تعالیٰ نے تورات فصل پندرہ کے اختتام میں یہ فرمایا اے موسیٰؑ میں اپنا حبیب محمد ﷺ جو مجھے تمام انبیاء سے زیادہ حبیب ہے اسے مکہ میں مبعوث کروں گا ان پر قرآن اپنا کلام ازلی اتاروں گا، جن کی حفاظت میں خود کروں گا، یہ حدیث تفسیر امام باقر اور کبیر وغیرہ میں ہے، یاد رہے کہ نبی کریم ﷺ کی آمد کے بارے میں بھی تورات میں نص کے طور پر واضح فرما دیا صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ یہ حدیث تواتر سے ہے جو میرے پاس ۵ کتابیں احادیث کی ہیں ان میں بھی درج ہے امام زہری نے بھی بیان کی اور میرے جد امجد امام محمد باقر نے بھی اور یزید بن ہارون نے بھی کتاب الحدیث میں لکھی یہ حدیث بہت تواتر سے ہے۔ اللہ تعالیٰ طور سینا سے آیا ساغر سے اس نے طلوع کیا اور فاران کے پہاڑوں سے ظاہر ہوا اور اس کے دائیں طرف سے قدسیوں کا گروہ صف باندھ کر کھڑا ہوا اور اس نے ان کو عزت بخشی اور ان کو گرد اطراف اور جواب کا محبوب بنایا اور سب قدسیوں کے لئے اس نے دعا کی اس بیان سے حضور اکرم ﷺ کی نبوت کا اسی طرح استدلال ہو سکتا ہے کہ وہ فاران حجاز میں ہے۔ فاران کے جنگل میں حضرت اسماعیل علیہ السلام نے تیراندازی سیکھی، امام رازی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد حضرت اسماعیل علیہ السلام نہیں ہو سکتے کیونکہ حضرت اسماعیل کے رہنے کے بعد وہاں کے لوگوں کو کسی قسم کا غلبہ اور عزت حاصل نہیں ہوئی۔ نہ ہی کوئی قدسیوں کا بڑا گروہ جمع ہوا۔ جس میں لامحالہ حضور اکرم ﷺ کی ذات مبارک اس سے مراد ہیں، یہودی کہتے ہیں کہ جب کوہ طور پر آگ ظاہر ہوئی اور ساغر اور فاران کے پہاڑ پر بھی آگ ظاہر ہوئی۔

صاحب خزینۃ القرآن اس کو یہودیوں کا واقعہ لغو قرار دیتے ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ طور سینا پر اور پہاڑ جبل اور فاران پر جو آگ ظاہر ہوئی اللہ تعالیٰ نے اس کو بطور جلوہ وحی کے فرمایا یہ بات مسلم ہے کہ اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ طور سینا پر آیا تو وہ مقید ہو جائے گا وہ ہر جگہ موجود ہے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے ساتھ وحی کے ذریعے کلام فرمائی یا حجاب سے یہ مقام نبی کریم ﷺ کو حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے براہ راست کلام فرمائی حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا یہ مقام تھا کہ جب وہ چلتے، ان کے ساتھ جو چلتے ان کا بھی نور چمکتا۔ شہر مکہ اور مدینہ کی عظمت بھی بلند ہوئی۔ یہ دونوں احادیث خزینۃ القرآن میں موجود ہیں، اور تفسیر امام باقر میں ہے صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں، حضرت علیؑ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے محمد ﷺ جب تو زمین پر چلتا ہے زمین تیرے دبدبے سے خوف کھاتی ہے تیرے حکم سے تیرے لئے لشکر بن جاتے ہیں پانی کی دوری آب تھم جاتی ہے، گھوڑے تیرے سامنے فرمانروا ہیں، پہاڑ تیرے سامنے کپاس کی روئی کی مانند ہیں تو جدھر اشارہ کرتا ہے ادھر ہو جاتے ہیں شمس و قمر تجھ سے نور حاصل کرتے ہیں اور تیرے سامنے تاب نہیں لا سکتے اور تمام فرقے تیرے قدموں کے نیچے روند گئے ہیں تیری ذات اور تیرے اختیار کو میں نے وسیع کر دیا ہے اور تو نے اپنے باپ دادا کی تعمیل کی عظمت کو بلند کیا، اور میں نے سارے عالم میں تیری عزت کو بلند کیا اور تجھ جیسا میرے نزدیک کوئی نہیں ہے مگر وہ اختیار جو تو چاہے اور میں نے تجھے زمین و آسمان کی حکومت میں چن لیا ہے جو زمین و آسمان میں تیری حکومت اور تیرے اختیار کو مانے گا وہ میرا ہوگا جو اس کے خلاف ہوگا اس کے لئے جہنم واجب کر دی گئی، یہ حدیث بڑی متواتر ہے اور تفسیر امام باقر و خزینۃ القرآن سے ابن جریرؒ، امام فخر الدین رازی نے بعینہٖ نقل کی ہے۔

اب ہم نصاریٰ کا قول بیان کرتے ہیں خزینۃ القرآن میں یہ حدیث درج ہے، حضرت علی فرماتے ہیں کہ یہودیوں کو مغالطہ ہوا کہ انہوں نے فاران کے پہاڑ پر جو گھوڑے پر سوار دیکھا، نور کی چمک ہوئی انہوں نے سمجھا کہ اللہ تعالیٰ ظاہر ہو رہا ہے، یہ بات غلط ہے وہ نبی کریم ﷺ کی ذات تھی آپ ﷺ نے یہی فرمایا کہ میں مظہر رب العالمین ہوں یہودیوں نے اللہ کو مثل آدمی کے سمجھا حالانکہ اللہ تعالیٰ کو ان چیزوں کے ساتھ موصوف کرنا ناممکن ہے کہ وہ گھوڑوں پر سوار ہوگا اور اس کے چہرے کی شعاع نور کی مانند ہوگی اور شاعر قدیمہ پر اس کا گزر ہوگا۔ یہ حدیث تفسیر امام باقر اور کبیر میں ہے باقی رہا مسیح کا جھگڑا، تو اس سے مسیح علیہ السلام کو یہود و نصاریٰ کے کذب

Marfat.com

اور افتریٰ سے بری کرنا مقصود ہے جو محمد ﷺ سے ظہور میں آیا۔

تورات کی فصل نمبر ۲۲ میں مکہ کی نسبت لکھا ہے کہ تو کھڑا ہو اور اپنا مقام روشن کر کہ تیرا وقت آ گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی کرامت تیرے اوپر ظاہر ہونے والی ہے اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر اپنا نور ڈالے گا اور اپنا کرم تیرے اوپر ظاہر فرمائے گا اور تمام گروہ تیری جانب روانہ ہوں گے اور بادشاہ تیرے طلوع کی روشنی کی طرف چلیں گے اور اپنے گردنگاہ اٹھا کر دیکھ اور فکر کر کہ وہ تمہارے پاس جمع ہوں گے اور تیراج کریں گے اور تیری اولاد تیرے پاس دور دور سے آئے گی۔ اس واسطے کہ تو ام القریٰ ہے یعنی سب قریوں کی اصل ہے پس تمام شہروں کی اولاد گویا مکہ معظمہ کی اولاد ہے اور تیرے کپڑے تختوں کے اوپر آراستہ ہوں گے جب تو ان کو دیکھے گا تو خوش وخرم ہوگا کیونکہ تیرے پاس دریاؤں کے ذخیرے آ جائیں گے اور امتوں کے لشکر تیراج کریں گے اور شہروں کے دنبے تیری طرف قربان کئے اور اہل سوار تیرے پاس آئیں گے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور تیری بزرگی کا بیان کریں گے اور فاران کی بکریاں تیری طرف روانہ ہوں گی۔ اور ذبح کے مقام پر میرے لئے وہ چیزیں آئیں گی جن سے میں راضی ہوں گا اور اس وقت میں تعریف کئے گئے گھر کی تعریف بیان کروں گا تمام لوگ مکہ کے حج کو جاتے ہیں اور سمندر کے ذریعے مکہ میں پہنچتے ہیں اور نئی تعریف کرنے سے یہ مقصود ہے کہ بیشتر عرب کے لوگ اس طرح کہا کرتے تھے لبیک لاشریک لک الاشریک ھو لک، تملکه وما ملک ، پھر اسلام میں یہ کلمہ مقرر ہوا لبیک اللّٰھُمَّ لبیک لاشریکَ لک لبیک پس یہ وہ تعریف جدید ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی تعریف اپنے گھر کے لئے مقرر فرمائی سلمان نے اپنی تفسیر میں توراۃ کے فصل اول کے اندر بحث کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس وحی بھیجی کہ اسماعیل علیہ السلام کے بارے میں تیری دعا میں نے قبول کر لی۔ اس کے اوپر برکت نازل کی اور اس کا نام بلند کیا اور بہت بہت اس کو عظمت دی۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں بغیر نبی محمد ﷺ کے اور کوئی بڑی امت والا نہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے ہمارے نبی محمد ﷺ کے لئے بھی دعا کی تھی کہ جب وہ دونوں کعبہ شریف کو بنا کر فارغ ہوئے تو یہ دعا کی رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ سے لے کر انتَ الْعَزِيزُ الحكيم تک، اس واسطے حضور اکرم ﷺ ارشاد فرماتے تھے۔ میں اپنے باپ ابراہیم کی دعا اور عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں۔ عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے ارشاد فرمایا ہے کہ میں جاتا ہوں اور عنقریب فارقلیط تمہارے پاس آئے گا۔ وہ روح الٰہی ہوگا۔ اپنی طرف سے کلام نہ کرے گا۔

بخت بادشاہ نے حضرت دانیال علیہ السلام سے اپنا خواب بیان کیا کہ اس کی کیا تعبیر ہے حضرت دانیال علیہ السلام نے فرمایا، جو خواب میں تو نے دیکھا ہے کہ ایک چیز جس کا سر کچھ سونے کا ہے کچھ لوہے کا اور کچھ تانبے کا اور پاؤں سونے کے ہیں اس کی تعبیر یہ ہے کہ جب تک تیری بادشاہت رہے گی اور دوسری بادشاہت آئے گی اس کا مرتبہ تیری بادشاہت سے کم ہوگا اور تیری بادشاہت میں اس سے کچھ زیادہ عزت ہوگی ایک اور بادشاہت آئے گی اس کا غلبہ تمام بادشاہوں پر ہوگا اور تمام بادشاہ اس کے دبدبے میں ہوں گے جب تک یہ زمانہ رہے گا اس بادشاہت کا تسلط رہے گا۔ جو پھر تو نے دیکھا ہے وہ اسی بادشاہت کے لئے ہے یہ بادشاہت نبی کریم ﷺ کی تھی۔ جس کی بشارت دی گئی معتزلہ اوفوا بِعَهْدِكُمْ سے یہ مراد لیتے ہیں کہ جب وہ عہد کو پورا کریں گے۔ تو اللہ تعالیٰ پر ان کو ثواب دینا واجب ہے معتزلہ کا یہ قول باطل ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ پر اطاعت کے کرنے سے ثواب دینا اس پر واجب نہیں کیونکہ اس نے بندوں کو اپنی اطاعت کے لئے پیدا کیا ہے وہ اپنی رحمت کے سبب ثواب عطا فرمائے گا ہمارے علماء بھی اسی حدیث پر اتفاق کرتے ہیں اس کی تفسیر دو طرح پر ہے کہ اَوْفُوا بِعَهْدِكُمْ جس طرح لفظوں کا مقابلہ ہے۔ جس طرح يُخٰدِعُوْنَ اللهَ وَهُوَا خَادِعُهم وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللهُ ط اوف کے معنی امر کے بھی ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اوف بطور حکم ہے اس پر دو طریق ہیں فرمایا ایک یقین اور ایک ظن یقین علم سے ہوسکتا ہے کہ یہ چیزیں میرے لئے بطور حکم کے ہیں اور یہ خبریں میرے لئے منع ہیں۔ آنے والے وقت میں ان سے احتیاط کرنا ہے جو ظن کے طور پر ہوتا ہے جن چیزوں کو وہ عمل میں لاتا ہے پھر وہ خوف کرتا ہے نیز آپ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرشتے سے منادی فرمائے گا کہ جس نے دنیا میں رہ کر مجھ سے خوف کیا اس کے لئے آج وہ امن ہوں گے جس نے دنیا میں رہ کر مجھ سے خوف نہ کیا وہ آج خوف میں رہے گا آپ ﷺ نے فرمایا خوف کی دو قسمیں سمجھ لو، ایک عذاب کی وجہ سے اور ایک جلال کی وجہ سے جلال والا خوف عارفوں کے دل میں ہوگا آپ ﷺ نے فرمایا اوف بعهدكم میں اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے جو اس کا وعدہ ہے وہ اس کو پورا فرمائے گا ورنہ بطلان ثابت آئے گا جو اس کی شان میں محال ہے یہ حدیث تفسیر امام باقر وغیرہ میں ہے جاننا چاہئے کہ جس قدر مالک حقیقی کی نعمتیں زیادہ ہوتی ہیں اسی قدر گناہ سے عذاب بھی زیادہ ہوگا۔ یہ نبی کریم ﷺ کی نبوت جس طرح دوسرے لوگوں کے لئے تھی ویسے ہی بنی

Marfat.com

اسرائیل کے لئے تھی بنی اسرائیل کو چاہیے تھا کہ وہ تصدیق کرتے دیکھئے فارھبون کے معنی ڈرنے کے ہیں تو صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے اور اپنی امیدوں کو بھی اسی سے وابستہ کرنا چاہیے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ فارھبون سے یہ معنی نہ سمجھو کہ اللہ تعالیٰ بھی کسی سے ڈرتا ہے حالانکہ وہ ساری کائنات کا خالق ہے سب کو اسی سے ڈرنا چاہیے بندہ اپنی ذات سے بھی نہ ڈرے اور صرف اللہ سے ڈرے کیونکہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا برحق ہے اسی میں فائدہ ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۭ بِهٖ ۖ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۡ وَاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ (۴۱)

ترجمہ: اور ایمان لاؤ اس کے ساتھ جو میں نے نازل کیا تصدیق کرنے والا ہے جو تمہارے پاس ہے اور پہلے تم منکر مت ہو اور میری آیتوں کو تھوڑے دام پر مت بیچو اور مجھ سے ڈرو جاننا چاہیے اس میں چند مسائل ہیں:

مسئلہ پہلا:

حضرت علی وعبداللہ ابن مسعود فرماتے ہیں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا، یہ دونوں آیتیں جو مجھ پر نازل ہوئی ہیں بنی اسرائیل کو تبلیغ کرنے کے لئے خاص کر ان کو قرآن کریم کے ساتھ ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا اس سے پہلے یہ منکرین یہودی اللہ کی آیتوں کو تھوڑے داموں سے بیچتے رہتے تھے حضرت علی فرماتے ہیں اس سے واضح ہوا کہ یہ قرآن کریم ہے کیونکہ نزلنا اور انزلت کے لفظ سے قرآن پاک کی حکمت واضح ہو جاتی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ یہ بات قرآن پاک میں پائی جاتی ہے، یہ حدیث تفسیر امام باقر میں ہے حضرت ابی قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کا مقصد یہی ہے کہ تم قرآن پاک پر ایمان لاؤ اور رسول اکرم ﷺ کی رسالت پر بھی، لہٰذا قرآن کریم پر ان کو ایمان لانا فرض تھا۔ جس طرح کہ وہ تورایت اور انجیل میں آپ ﷺ کی صفت پڑھ چکے ہیں اگر کوئی یہ کہے کہ نبی کریم ﷺ کی نبوت پر ان کو ایمان لانا ضروری نہیں تھا تو جواب یہی ہے کہ جب ادھر حدیث میں ثابت ہو چکا ہے کہ نبی کریم ﷺ اور قرآن پاک کا ذکر توریت اور انجیل میں موجود تھا تو اگر تورایت اور انجیل کو وہ مانتے ہیں تو قرآن پاک اور نبی کریم ﷺ پر بھی ان کو ایمان لانا ضروری ہو گیا جو شخص قرآن پاک پر ایمان لایا نبی کریم ﷺ پر ایمان لایا، وہ توریت اور انجیل پر ایمان لایا جس نے قرآن پاک کو نہ مانا اور نبی کریم ﷺ کی نبوت کو نہ مانا اس نے تورایت اور انجیل کی تکذیب کی اس سے کیا مراد ہے کہ تم منکر ہو حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ ابن مسعود و حضرت ابوبکر فرماتے ہیں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اس آیت کا اشارہ اس طرف ہے کہ علماء یہود اور نصاریٰ اپنی تکلیف میں میرا وسیلہ بیان کرتے ہیں جو کہ ان کو توریت اور انجیل میں بتایا گیا ہے کہ اگر کسی تکلیف میں اے قوم موسیٰؑ اے قوم عیسیٰ میرے نبی محمد ﷺ کا وسیلہ پیش کیا تو میں تمہاری تکلیف کو رفع کر دوں گا آپ ﷺ نے فرمایا یہ جان بوجھ کر انکار کر رہے ہیں نیز آپ ﷺ نے فرمایا کہ مشرکین کے سبب یہ پہلے منکر ہیں کیونکہ انہوں نے تورایت میں قرآن پاک کا اور میرا ذکر پڑھ کر ان کو جھٹلایا اسی وجہ سے انہوں نے تورایت اور انجیل کی عبارتوں کو بدل ڈالا کیونکہ ان میں جا بجا میرا اور قرآن پاک کا ذکر تھا فرمایا میری شہادت اور قرآن پاک کی شہادت تمام انبیاء علیہ السلام دیتے آئے ہیں، اسی طرح قرآن پاک تورایت اور انجیل موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کی تصدیق کرتا ہے فرمایا قرآن پاک تمام کتابوں، انبیاء کا اور میرا مصدق ہے۔ جو اس پر اور مجھ پر ایمان لے آیا اس نے تمام کتابوں اور تمام انبیاء کو مان لیا اگر ان میں ذرا فرق کیا تو اس نے تمام کتابوں اور تمام انبیاء سے انکار کیا، حدیث شریف میں ہے کہ جب کوئی برا عمل کرے گا تو اس کو دیکھ کر دوسرے بھی ایسا کریں گے۔

حدیث نمبر 2:

حضرت ابن عباسؓ و عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ یہودیوں سے فرماتا ہے کہ میں نے تم کو تمام جہان والوں پر عزت دی پھر آپ ﷺ نے فرمایا یہ یہودی نبی کریم ﷺ کا انکار کرتے ہیں۔

حدیث نمبر 3:

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ یہودیوں کے فقراء علماء کعب بن اشرف، جذیب، عبیدہ اس میں تھے میری شان کو چھپاتے ہیں

Marfat.com

کہ لوگ ان کو تحفے دیتے ہیں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ لوگ کہیں محمد ﷺ کی اتباع کرنے نہ لگ جائیں۔

حدیث نمبر 4:

حضرت علی فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ علماء یہود کا حال دیکھو کہ یہ رشوتیں لے کر تورایت کو بدل رہے ہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو فرمایا کہ تم پہلے جیسے نیک بنو کہ تم کتاب الٰہی کو جانتے ہو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ مشرکین قریش سے بھی زیادہ بدتر ہیں۔ کیونکہ وہ جہالت کی وجہ سے شرک کرتے ہیں اور یہ کتاب الٰہی کے ساتھ جان بوجھ کر کفر کرتے ہیں۔ حضرت علی فرماتے ہیں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا یہ اگر ایسا کرتے رہیں گے کہ بعد والے لوگ اگر ان کو دیکھ کر ایسا کریں تو یہ کفر میں زیادہ ہوں گے حضرت علی فرماتے ہیں اشتراء کے معنی ہیں ہدایت کو گمراہی سے تبدیل کرنا۔

حدیث نمبر 5:

رسول اکرم ﷺ نے یہودیوں کے گروہ کو اکٹھا کر کے جو مدینے میں رہتے تھے بنو خزاج اور بنو کعنانہ سے آپ ﷺ نے فرمایا وہ آئتیں جو تورایت میں اور انجیل حضور ﷺ اور قرآن پاک کے ذکر میں تھیں آپ ﷺ نے جب پڑھیں ان یہودیوں پر سناٹا چھا گیا انہوں نے سر نیچا کر لیا اور حیران ہوئے آپ ﷺ نے خطبہ فرمایا اے گروہ یہود تم اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو تھوڑے دام پر بیچتے ہو جو ثواب غیر متناہی کے معاملے میں کچھ بھی وقعت نہیں رکھتا آپ ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی تم مشرکین سے بھی زیادہ کافر ہو پہلے کہ تم نے تورایت اور انجیل کو جان بوجھ کر ان کی خلاف ورزی کی میرے ساتھ اور قرآن پاک کے ساتھ عناد کیا یہ تمام احادیث خزینۃ القرآن میں ہیں اور تفسیر امام باقر میں بھی ہیں فَاتَّقُوْنِ فارھبون آپس میں ملتے ہیں رھبٌ کے معنی خوف کے ہیں اور فاتقون کے معنی میں حکم ہے کہ تم مجھ سے ڈرو۔

قال اللہ تعالیٰ: وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ. (۴۲)

ترجمہ: اور تم حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ اور حق کو نہ چھپاؤ حالانکہ تم جانتے ہو۔

حدیث نمبر 1:

حدیث شریف میں ہے حضرت علیؓ فرماتے ہیں جب یہ آیت نازل ہوئی نبی کریم ﷺ نے مدینۃ الرسول میں ایک مرتبہ پھر یہودیوں کو اکٹھا کیا یہ آیت تلاوت کی آپ ﷺ نے فرمایا کہ دیکھو پہلے تمہیں قرآن پاک پر ایمان لانے کا حکم ہوا ہے اب تمہیں حق اور باطل کو ملانے سے منع کیا گیا ہے آپ ﷺ نے فرمایا حق اور باطل کا ملانا اس طریق سے ہے کہ اگر کوئی شخص دلائل حق جانتا ہے تو ان کو پراگندہ کر کے ان سے روگردانی کرنا فرمایا یہ اول درجے کی گمراہی اور اول درجے کا کفر ہے پھر فرمایا کہ جو حق کے دلائل نہ جانتا ہو ان سے حق کے دلائل کو چھپانا آپ ﷺ نے فرمایا یہ بھی اول درجے کا کفر اور گمراہی ہے آپ ﷺ نے فرمایا اگر لوگ قیامت تک اسی پر قائم رہے تو ان کے عذاب کا وبال بھی تم پر ہوگا کیونکہ تم نے ان کو گمراہ کیا ہے۔

حدیث نمبر 2:

حضرت ابوبکر صدیق فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ یہودیوں کے علماء جو میرے بارے میں اور قرآن پاک کے بارے میں انجیل اور تورایت میں نصوص ہیں وہ ان کو چھپاتے ہیں فرمایا اللہ کو حق کا چھپانا سب سے ناپسندیدہ امر ہے فرمایا اس میں یہود کے علماء جھگڑا کرتے ہیں، نیز آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی وَجٰدَلُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ نیز آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگرچہ اس کا خطاب یہودیوں سے ہے لیکن حکم اس کا قیامت تک عام ہے یہ حدیث تفسیر امام باقر وغیرہ میں ہے اور یہ استنباط کے لئے ہے اور ترکیب میں بھی وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ اسی امر کو ظاہر کرتا ہے۔

حدیث نمبر 3:

Marfat.com

حضرت انس فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ یہودیوں کے علماء خود بھی کافر ہیں اور لوگوں کو کافر بناتے ہیں اور حق ان تک ظاہر نہیں کرتے جو تورایت اور انجیل میں میرے بارے میں اور قرآن پاک کے بارے میں نص ہیں نیز فرمایا کہ توریت اور انجیل میں زیادہ میرے بارے میں قرآن پاک کے بارے میں نصوص ہیں۔

حضرت انس فرماتے ہیں یہ حدیث حضور اکرم ﷺ نے صحابہ کے جم غفیر میں بیان فرمائی ایک اور حدیث بھی درج ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تعلمون سے یہی یہودی علما سمجھو کہ وہ لوگ توریت اور انجیل میں میری شان جانتے تھے اور اس میں جان بوجھ کر کمی واقع کرتے تھے یہ دونوں احادیث تفسیر امام باقر میں ہیں۔

قال اللہ تعالیٰ: وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَارْکَعُوْا مَعَ الرّٰکِعِیْنَ (۴۳)

ترجمہ: اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور رکوع کرو رکوع کرنے والوں کے ساتھ۔

جاننا چاہئے کہ جب پہلے اللہ تعالیٰ نے ان کو ایمان لانے کا حکم دیا اور نبوت کے احکام ان پر وارد فرمائے حق اور باطل کی تمیز ان کو بیان کی ان کے بعد اور احکام شرعیہ کے بارے میں حکم فرمایا تو نماز کو مقدم فرمایا جو بدنی عبادت ہے زکوٰۃ کو فرمایا جو کہ مالی عبادت ہے۔ حدیث شریف میں ہے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ نماز کے بارے میں ان کو معلوم نہیں تھا کہ نماز کس طرح واجب ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کو نماز کا حکم فرمایا۔ اگر چہ اس خطاب سے مراد یہودی ہیں لیکن حکم عام ہے صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں اسے یوں سمجھو کہ جس طرح کوئی مالک اپنے غلام کو حکم دے کہ کل تمہیں ایک کام بتاؤں گا تاکہ وہ غلام کمر بستہ رہ سکے نیز معتزلیوں نے اس پر تاویلیں کی ہیں کہ صلوٰۃ کے عام حکم میں ہے اب ہم حدیث شریف سے بیان کرتے ہیں، حضرت علیؓ فرماتے ہیں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا صلوٰۃ دعا ہے جس میں بندے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ گہرا ربط ہے اس لئے صلوٰۃ دعا بھی ہو تو بھی کل کے ہوگی کیونکہ یہاں خاص نماز ہے وَارْکَعُوْا مَعَ الرّٰکِعِیْنَ بیان ہوا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ نماز قائم کرو، رکوع کرو رکوع کرنے والوں کے ساتھ فرمایا نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے پھر فرمایا نماز کے ساتھ زکوٰۃ کو بھی اہم کیا گیا ہے۔ جو شخص صاحب نصاب ہو وہ سو روپے پر اڑھائی روپے زکوٰۃ دے زکوٰۃ کے معنی لغت میں پاک کرنے کے ہیں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ زکوٰۃ کا دینا مال کو پاک کرنا ہے وہ مال بڑھ جاتا ہے چہ جائیکہ وہ لوگوں کو قلیل نظر آئے اس آیت کو بھی دیکھئے قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی نیز نبی کریم ﷺ کو ارشاد ہوتا ہے کہ ان کے مالوں میں سے صدقات لے کر ان کو پاک کرو حدیث شریف میں ہے حضرت علی وعبداللہ ابن مسعود فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کو خاص خطاب فرمایا ہے کہ نماز قائم کرو، زکوٰۃ اور صدقات دیں اس میں کفار کو بھی خطاب ہے وارکعوا مع الراکعین سے آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم دیکھتے ہو یہودیوں کی نماز ہماری طرح نہیں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تم بھی مسلمانوں کی طرح نماز پڑھو رکوع کے معنی لغت میں خضوع خشوع کے ہیں زکوٰۃ کا حکم اس لئے دیا گیا ہے کہ یہودی زکوٰۃ کے منکر تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ حکم فرمایا نیز رکوع کے معنی انکساری کے بھی ہیں تاکہ انسان نماز کے اندر رب العزت کی بارگاہ میں انکساری ظاہر کرے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ نماز میں رکوع ایسا رکن ہے جس میں عجز وانکساری ظاہر ہوتی ہے بندہ تکبر سے بچ جاتا ہے نیز رب العزت اپنے حبیب پاک ﷺ کو ادب سکھاتا فرماتا ہے کہ جو بعض آپ ﷺ کی اتباع کرتے ہیں ان کے لئے اپنے بازو کو پھیلا دیں نیز اپنے حبیب پاک ﷺ کی امید درج فرماتا ہے بسبب رحمت کے پس آپ ﷺ اللہ کی طرف سے رحمت ہیں اگر آپ ﷺ کا مزاج نرم نہ ہوتا آپ کا دل سخت ہوتا تو یہ گروہ آپ ﷺ سے بھاگ جاتے نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ اور اس کا رسول تمہارے دوست ہیں۔ وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں وہی رکوع کرنے والے ہیں دیکھئے نماز کے اندر رکوع جزو ہے نماز ایک مرکب ہے تو نماز کا ایک خاص حصہ رکوع ہے نماز اصل ہے ہر رکوع کرنے سے انسان کی اکڑ ٹوٹ جاتی ہے نیز یہ بھی ہے لکھ چکا ہوں کچھ یہودی بد اعمال تھے اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے وہ حرام کا مال کھاتے ہیں اور جگہ فرمایا ہے اور سود کھاتے ہیں لوگوں کا مال ناجائز طریقے سے معلوم ہوا ناجائز مال کھانا حرام کھانا یہ یہودیوں کا طریقہ ہے اب جو اس کو اختیار کرے گا وہ اس ذیل میں داخل ہوگا۔ نماز کے مسائل ایک فتاویٰ میں تحریر کروں گا۔

قال اللہ تعالیٰ: اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَکُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْکِتٰبَ ط اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (۴۴)

ترجمہ: کیا لوگوں کو تم بھلائی کا حکم کرتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو حالانکہ تم کتاب پڑھتے کیا پھر تم عقل سے کام نہیں لیتے ہو؟ جاننا چاہئے کہ اَتَاْمُرُوْنَ

Marfat.com

النَّاسَ کے اندر ہمزہ تقریری ہے جس کے اندر سرزنش ہے اور تعجب کے معنی پائے جاتے ہیں۔ بِرّ ایک ایسا لفظ ہے جو تمام نیک اعمال کو شامل ہے بِر والذین سے ماخذ ہے نبی کریم ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ میرے تمام نیک اعمال کو شامل ہے ماں باپ سے نیک سلوک کرنا اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی فرمانبرداری کرنے اللہ تعالیٰ نے ان کو جو حکم دیا ہے اول ان کو ان پر قائم رہنا ضروری ہے۔لیکن یہ یہودی اس کے خلاف کرتے ہیں۔

اَتَامُرُوْنَ النَّاسَ سے مراد کیا ہے حدیث شریف میں ہے عبداللہ ابن مسعود اور حضرت علی وابن عباس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ منافق یہودی کتنے بدکردار ہیں کہ لوگوں کو ظاہراً میری اتباع کا حکم دیتے ہیں اور خود اس پر عمل نہیں کرتے فرمایا یہ کس چیز کی خیرخواہی ہے کہ دوسروں کی خیرخواہی کرے اور اپنی خیر خواہی نہ کرے اس حدیث کو ابن جریر نے خزینۃ القرآن سے نقل کیا ہے امام رازی نے بھی اور امام باقر میں بھی ہے۔

حدیث نمبر 2:

حضرت ابوبکر وعمر وحضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ جمعہ کے خطبہ میں نبی کریم ﷺ نے یہودیوں کے حالات کو بیان کیا جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ان کو ڈانتا ہے کہ میری بعثت سے پہلے یہ مشرکین مکہ قریش کو میری رسالت کی خبر دیتے تھے کہ تم میں سے ایک رسول مبعوث ہوگا میری اتباع کا ان کو شوق دلایا کرتے تھے آپ ﷺ نے فرمایا وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ اس کی حقیقت یہ ہے کہ علم کے بعد نسیان ہوتا ہے لیکن اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ فرمادیا ہے کہ تم اپنی جانوں کو نہ بھولو تم کتاب کو پڑھتے ہو یعنی تورایت تمہارے پاس ہے آپ ﷺ نے فرمایا جو تورایت میں اللہ تعالیٰ نے میرا ذکر فرمایا ہے آپ خود اس سے اعراض کرتے ہیں کیونکہ باہر سے ان کو تحائف آ ۔ ہے ہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا یہ عقل کے خلاف ہے دوسروں کو نصیحت کریں اور خود اس پر عمل نہ کریں یہ حدیث تفسیر امام باقر میں ہے۔

حدیث نمبر 3:

حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ فرماتے ہیں کہ میں یہودیوں کے علماء کے پاس گیا جن میں کعب بن اشرف خدیب بن خویلد جو بوڑھے عالموں میں سے تھا اس نے کہا یارسول اللہ میں نے آپ ﷺ کے بارے میں ان سے پوچھا انہوں نے کہا کہ بے شک محمد ﷺ سچے ہیں۔اور تورایت میں جابجا ان کا ذکر ہے میں نے کہا پھر تم آپ ﷺ کی اتباع کیوں نہیں کرتے ہو وہ خاموش ہو گئے۔اس حدیث سے واضح ہوا کہ یہودی نبی کریم ﷺ کی عظمت کو جانتے اور پہچانتے تھے یہ تمام احادیث خزینۃ القرآن سے ہیں وامام باقر نے بھی کافی احادیث بیان کی ہیں مگر فقیر نے چند بیان کردی ہیں اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ سے عقل کے بارے میں یہ سمجھو کہ دوسروں کو حکم دینا اور خود نہ کرنا یہ عقل اور نقل کے خلاف ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم جس کی عبادت کرتے ہو اللہ تعالیٰ کے سوا تم اس بات کو کیوں نہیں سمجھتے ہو۔دیکھئے کہ جب کوئی وعظ کرنے والا وعظ کرے اور خود عمل نہ کرے تو لوگوں پر بھی اس کا اثر نہیں ہوتا۔وہ کہتے ہیں کہ اگر اثر ذاتی چیز ہوتی تو یہ خود عمل کیوں نہ کرتا اس کے وعظ کو صرف چند لوگ سمجھتے ہیں۔کیونکہ عمل نہ کرنے کی وجہ سے اثر ختم ہو جاتا ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ نصیحت کرنے والا اس وقت تک زبان نہ کھولے جب تک کہ خود اس نصیحت پر عمل نہ کرے کیونکہ اس کی نصیحت سے لوگ نفرت کریں گے۔حضرت علیؓ فرماتے ہیں شریعت کے علم نے میری کمر کو توڑ دیا اور جاہل نے بھی مجھے تکلیف پہنچائی۔دیکھئے یہ بات عقل کے بھی بالکل خلاف ہے کیونکہ نصیحت تب اثر کرتی ہے جب تک خود انسان کے دل کے اندر وہ نصیحت اثر نہ کر جائے، جب واعظ خود عامل ہوتا ہے تو لوگ اس کے حلقہ بگوش ہو جاتے ہیں اور اس کی اتباع کرتے ہیں، صرف یہ عقل کا نتیجہ ہوتا ہے جس طرح نصیحت پر خود عمل نہ کرے اور نصیحت دوسروں کو کرے۔جس طرح کوئی مرد کسی زنا کے وقت کسی عورت سے کہے کہ تم شرمگاہ کا منہ کیوں نہیں ڈھانپتی ہو تو اس وقت یہ بات اس تنبیہ میں داخل ہوگی کہ وہ کوششوں میں بھی امر نسیان ہے اس پر فقیر پہلے حدیث بیان کر چکا ہے۔اب اس پر دوبارہ تاکید کرنے کی ضرورت نہیں۔

مسئلہ دوئم:

معتزلی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی کے افعال کا خالق نہیں ہے تو اس کا جواب یہ ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے تم کو پیدا کیا اور تمہارے اعمالوں کو بھی خزینۃ القرآن میں یہ حدیث ہے رسول اکرم ﷺ نے اسی آیت کو بیان کرتے ہوئے صحابہ میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اعمالوں کا اور ہمارا موجد ہے وہ ہماری فطرت کا بھی

Marfat.com

موجد ہے یہ تمہارے اپنے بس میں ہے کہ تم فطرت کو جہاں چاہو لے جاؤ اب اس حدیث کے سامنے کسی اور تاویل کی ضرورت نہیں حدیث کے ہوتے ہوئے تاویل حرام ہے۔

مسئلہ سوئم:

اس میں چند احادیث ہیں۔

1- حضرت انس سے روایت ہے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ معراج کی رات کو میں نے دیکھا کہ کچھ لوگ اپنے ہونٹوں کو قینچیوں سے کاٹ رہے تھے میں نے پوچھا حضرت جبرائیل علیہ السلام یہ کون ہیں انہوں نے جواب دیا یہ وہ لوگ ہیں جو دنیا میں وعظ کرتے تھے اور خود اس پر عمل نہ کرتے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ بھی فرماتا ہے تم وہ بات کیوں کہتے ہو جس پر خود عمل نہیں کرتے ہو۔

2- نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ دوزخیوں کو ایک شخص سے بدبو آئے گی۔ وہ اس کی تکلیف میں ہوں گے آپ ﷺ نے فرمایا وہ وہی عالم ہوگا جس نے اپنے علم سے خود نفع نہ اٹھایا۔

حدیث نمبر 3:

نبی کریم ﷺ نے فرمایا ایک گروہ دوزخ میں داخل ہوگا جنتیوں کا ایک گروہ ان سے کہے گا کہ ہم تو تمہاری تعلیم سے جنت میں داخل ہوئے تمہیں کیا ہوا کہ تم جہنم میں داخل ہو گئے وہ یہی کہیں گے کہ ہم لوگوں کو نصیحت کرتے تھے اور خود اس پر عمل نہ کرتے تھے۔

حدیث نمبر 4:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ عالم جو علم کو چھپاتا ہے۔ قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی لگام ڈال کر اسے جہنم میں بھیجا جائے گا بزرگان دین بھی یہی فرماتے ہیں کہ ہزار میں سے ایک ہی نصیحت کرنے والا کافی ہے یہ قول صاحب خزینۃ القرآن کا ہے۔ یہ تمام احادیث تفسیر امام باقر میں ہیں نیز فرماتے ہیں کہ یہ آپ نے درست بات کی ہے ہزار آدمی ایک کو نصیحت کرنے کے لئے نہیں بلکہ ایک آدمی ہزار کو نصیحت کرنے کے لئے کافی ہے۔

صاحب خزینۃ القرآن یزید ابن ہارون کا قصہ بیان فرماتے ہیں کہ وہ میرے دادا امام جعفر صادق کے شاگرد تھے حافظ الحدیث بھی تھے اور میرے دادا جان کے مرید بھی تھے آپؒ کا جب انتقال ہوا تو خواب میں کسی نے اس سے پوچھا کہ کیا ہوا آپؒ نے فرمایا کہ منکر نکیر نے جب مجھ سے پوچھا کہ تمہارا رب کون ہے میں نے کہا کہ تمام عمر تو مجھے حدیث پڑھاتے ہوئے گزری آج تم بوڑھے آدمی سے پوچھتے ہو کہ تمہارا رب کون ہے؟ ابوبکر شبلی سے لوگوں نے ان کے انتقال کے وقت کہا کہ کلمہ لَآ اِلٰہ پڑھو آپ نے فرمایا کہ چراغ کے بغیر اندھیر ہوتا ہے، چراغ کے ہوتے ہوئے اندھیرا نہیں آسکتا دیکھئے بات بھی درست ہے۔

کہ نصیحت کرنے والا نصیحت پر خود عمل نہ کرے تو یوں سمجھ لو کہ چراغ دوسروں کو تو روشنی دیتا ہے لیکن خود اس کے نیچے اندھیرا ہوتا ہے نصیحت تب کامیاب ہوگی جو واعظ خود اس پر عامل ہو آج کل یہی عمل ہے کہ لوگ علماء کو حقیر و ذلیل جانتے ہیں انہوں نے اپنے آپ کو خود ذلیل کر رکھا ہے کہ عمل کم ہے اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق دے۔ (آمین)

قال اللہ تعالیٰ: وَاسۡتَعِيۡنُوۡا بِالصَّبۡرِ وَالصَّلٰوةِ ‌ؕ وَاِنَّهَا لَكَبِيۡرَةٌ اِلَّا عَلَى الۡخٰشِعِيۡنَۙ (۴۵) الَّذِيۡنَ يَظُنُّوۡنَ اَنَّهُمۡ مُّلٰقُوۡا رَبِّهِمۡ وَاَنَّهُمۡ اِلَيۡهِ رٰجِعُوۡنَ (۴۶)

ترجمہ: نماز اور صبر سے مدد چاہو یہ بہت کٹھن ہے مگر عاجزی کرنے والوں پر (کٹھن نہیں) وہ جو گمان کرتے ہیں کہ ان کو اپنے پروردگار سے ملنا ہے اور اس کی طرف لوٹ کر جانا ہے جاننا چاہئے کہ اس میں چند مسائل ہیں اس میں اختلاف ہے کہ اس سے مراد بنی اسرائیل ہیں یا مومن، حدیث شریف میں ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود ابن عباس و حضرت علی سے ہے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو پہلی آیتوں میں جو بیان ہو چکی ہے ان میں اپنے احکام فرمائے اور ان میں ان کو نماز اور صبر کرنے کا حکم دیا آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان کی نماز اور ہماری نماز علیحدہ ہے لیکن صلوٰۃ دونوں کو مشترک ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم اسی طرح نماز پڑھو جس

Marfat.com

طرح مسلمان پڑھتے ہیں پھر فرمایا کہ یہ مسلمانوں کو بھی خطاب ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہودی ریاست اور جاہ وجلال کی خواہش رکھتے تھے دیکھئے وَاسْتَعِيْنُوْا کا عطف یا بنی اسرائیل پر ہے اگر کوئی اور مراد لیا جائے تو اس طرح قرآن پاک میں بہت بدنظمی پیدا ہوگی تقدیر تقدیم وہی ٹھہری کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی نعمتوں کو یاد کرایا اب بعد میں صبر اور نماز کا حکم فرمایا۔ حضرت علی فرماتے ہیں کہ نماز کے پڑھنے سے ہر قسم کی بے حیائی انسان سے دور ہو جاتی ہے اللہ تعالیٰ بھی فرماتا ہے کہ نماز بے حیائی اور برائی سے منع کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ایمان والو صبر اور نماز سے مدد چاہو بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ نماز کے پڑھنے سے انسان دنیاوی غرضوں کو چھوڑ دیتا ہے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ نماز پڑھنے سے انسان قرآن پاک کی تلاوت سے لطف اندوز ہوتا ہے۔

جاننا چاہئے کہ اِنَّهَا کی ضمیر میں کئی احتمال ہیں۔

-1 اس ضمیر کا مرجع صلوٰۃ ہے یعنی نماز دشوار چیز ہے مگر عاجزی کرنے والوں پر دشوار نہیں ہے۔

-2 اس کا مرجع استعانت ہے جو استعینوا کے ضمن میں پایا جاتا ہے۔

-3 اس کا مرجع تمام امور ہیں جن کا بنی اسرائیل کو حکم ہے۔ اور جن سے منع کیا ہے اُذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْ سے وَاسْتَعِيْنُوْا تک اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے یعنی اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے ظلم کی وجہ سے پکڑے تو زمین کے اوپر چلتا پھرتا نہ چھوڑے حالانکہ پیشتر زمین کا کہیں ذکر نہیں ہوا اور یہ جو ارشاد ہوا ہے لَكَبِيْرَةٌ تو اس کے یہ معنی ہیں کہ وہ ان کے اوپر شاق اور گراں ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے یعنی جس چیز کی طرف تو مشرکوں کو بلاتا ہے۔ وہ بات ان کے اوپر دشوار ہے اگر کوئی شخص یہ کہے کہ جب نماز کا پڑھنا عاجزی کرنے والوں کے لئے آسان ہے دوسرے کو دشوار ہے تو چاہئے کہ عاجزی کرنے والوں کو نماز کا ثواب کم ملے اور دوسروں کو زیادہ ملے حالانکہ یہ بات غلط ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ نماز دوسروں کے لئے بھی دشوار نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس عاجزی کرنے والا جب نماز پڑھتا ہے اس کے اعضاء دل، کان اور ناک درحقیقت سب نماز پڑھتے ہیں اور اپنی زبان سے جو الفاظ نکالتا ہے ایک ایک لفظ میں غور وفکر کرتا ہے۔

غفلت کے ساتھ زبان سے ان کو نہیں نکالتا۔ پس دوسرے لوگوں کے اوپر دشوار ہونے سے یہ مراد ہے کہ وہ لوگ جب اس کے کرنے میں ثواب اور نہ کرنے میں عذاب پر یقین نہیں کرتے تو ان کو یہ فعل بے سود ہونے کی وجہ سے دشوار معلوم ہوتا ہے پس حاصل یہ ہے کہ بے دین آدمی چونکہ نماز پڑھنے میں کوئی نفع نہیں سمجھتا اس لئے نماز پڑھنا اس کو گراں معلوم ہوتا ہے اس واسطے کہ جس چیز میں فائدہ نہ ہو اس فعل میں مشغول ہونا طبیعت کو ناگوار ہوتا ہے۔ اور جو آدمی اس کے کرنے میں بے انتہا نفع اور نہ کرنے میں بے انتہا نقصان سمجھتا ہے اس کے لئے نماز گراں نہیں ہوتی اس لئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کیونکہ ان لوگوں کو اپنے پروردگار سے مل کر ثواب کے حاصل کرنے اور اس کے عذاب سے رہائی پانے کی امید ہوتی ہے اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی مریض سے کہا جائے تو اس تلخ دوا کا استعمال کر پس اگر مریض کو اپنی شفا کا یقین ہو تو دوا کا کھانا اس کو آسان ہوتا ہے۔ اگر اس دوا سے کچھ نفع کا یقین نہ ہو تو اس دوا کا کھانا بہت دشوار ہوتا ہے اور حضور اکرم ﷺ نے فرمایا یعنی میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے۔

اس کے معنی یہ ہیں کہ جن امور کا اوپر ذکر ہو چکا ہے حضور اکرم ﷺ نے نماز کی یہ صفت فرمائی ہے نہ اس واسطے کہ نماز میں تم کو مشقت کرنی پڑتی ہے یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ حدیث شریف میں ہے کہ نماز پڑھتے پڑھتے حضور اکرم ﷺ کے پاؤں میں ورم آجاتے تھے اَلَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ میں مفسرین کے دو (۲) قول ہیں:

-1 ظن بمعنی علم کے ہے۔

-2 ظن سے ظن حقیقی مراد ہے جو بہت مشہور ہے اب اس میں چند احتمال ہیں:

-1 اللہ تعالیٰ سے ملنے سے مراد مجازاً موت ہے اس واسطے کہ موت کا آنا اللہ تعالیٰ سے ملنے کا سبب ہے اور یہ مجازاً مشہور ہے کہ جو شخص مرجائے تو کہا کرتے ہیں کہ اپنے پروردگار کے پاس پہنچ گیا جب یہ بات ثابت ہوگئی۔ تو اس سے یہ مقصود ہوا کہ نماز دشوار چیز ہے مگر عاجزی کرنے والوں پر دشوار نہیں ہے جن کو ہر دم اپنی موت کا خیال اور ظن رہتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جو شخص ہر دم اپنی موت کا خیال رکھے گا تو برابر اس کے دل میں خشوع کے معنی قائم رہیں گے اور وہ شخص جلد توبہ کرے گا اس واسطے کہ موت کا خوف توبہ کا نہایت قوی سبب ہے اور انسان سے ہر وقت کچھ نہ کچھ قصور ہوتا رہتا ہے۔ جب بندے کے دل میں خشوع ہوگا۔ تو

Marfat.com

برابر اس کی تلافی کرتا رہے گا اور فوراً اس کے لئے توبہ کرنے کا باعث ہوگا۔

2- اللہ تعالیٰ سے ملنے کی یہ تفسیر کی گئی ہے کہ اس کے ثواب سے ملیں گے اور ثواب کے ملنے کا بندے کو ظن ہوتا ہے اور اپنے افعال پر پورا اعتماد اور یقین نہیں ہوتا اس واسطے کہ زاہد اور عابد کو اس بات کا یقین نہیں ہوتا کہ مجھ کو ضرور ثواب ملے گا اور میرے افعال اس قابل ہیں بلکہ ظن ہوتا ہے اور یہ ظن اس کے لئے باعث خشوع ہوتا ہے۔

3- اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کو اس چیز کا ظن ہوتا ہے کہ اپنے گناہوں کے ساتھ وہ اپنے پروردگار سے ملیں گے اس واسطے جو بندہ فرمانبردار ہوتا ہے اس کو اپنے نفس اور اعمال کی طرف سے بدگمانی رہتی ہے اس کو خوف رہتا ہے کہ یہ نفس گناہوں کے ساتھ مجھ کو اللہ سے ملائے گا۔

مسئلہ پہلا:

علماء نے اس بات میں اختلاف کیا ہے کہ مُلٰقُوْا سے مراد اللہ کا دیدار نہیں کیونکہ ملاقات کے اندر کئی معنی پائے جاتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ کا اس سے جسم ثابت ہوتا ہے معتزلہ نے بھی یہی کہا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے پس ڈال دیا ہم نے ان کے دلوں میں نقاب جس روز وہ اپنے رب سے ملیں گے انہوں نے اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کفار سے غصے میں ہوگا اگر مُلٰقُوْا سے دیدار اللہ مراد لیا جائے تو پھر کافر بھی اس کے مستحق ہوں گے یہ بات بالکل محال ہے:

1- معتزلہ کہتے ہیں کہ اللہ کا جسم نہیں، وہ جسم سے پاک ہے دیدار میں چھونا ضروری ہے تو کافر کس طرح اللہ تعالیٰ کو چھوسکیں گے نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ سے ڈرو جس روز تم اس سے ملو گے تو اس سے سب نے ملنا ہے کافروں نے بھی اور مومنوں نے بھی مُلٰقُوْا کے معنی ملنے کے ہیں جس طرح کہتے ہیں کہ فلاں فلاں کو ملا یا ڈر ہے جس طرح مرنے کے وقت بھی لفظ لقٰی کا استعمال ہوتا ہے۔

2- کوئی نابینا اپنے بادشاہ سے ملنا چاہتا ہے تو وہ بادشاہ اس کو اجازت دے دے تو وہ صرف کہے گا کہ مجھے بادشاہ سے ملاقات ہوئی، دیدار کہتے ہیں آنکھ سے دیکھنے کو تو اس میں کوئی شک نہیں اہل جنت اللہ کا دیدار کریں گے معتزلہ کے علاوہ فرقہ معاونیہ فرقہ حشویہ یہ سب اللہ تعالیٰ کے دیدار کے منکر ہیں اب ہم حدیث کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

حدیث نمبر 1:

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ جمعہ کا موقع تھا رسول اکرم ﷺ نے خطبہ فرمایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مومنو! خوش رہو قیامت کے دن تم اللہ کا دیدار بلاحجاب کرو گے فرمایا جس طرح سورج کو دیکھنے میں تمہیں کوئی دشواری نہیں ہوتی اسی طرح اللہ تعالیٰ کے دیدار میں بھی تمہیں کوئی دشواری نہ ہوگی۔ صحابہ نے رسول اکرم ﷺ سے خطبہ کے بعد عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اللہ تو جسم اور ہیئت سے پاک ہے اس کا دیدار کیسے ہوگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا بے شک وہ جسم بالہیت سے پاک ہے ایسا جسم کہ جو ہمارا انسانوں کا ہے اللہ کا وجود ہے جو بے مثل ہے تم اللہ کے وجود بے مثل کو قیامت کے دن دیکھو گے اور اس کا دیدار کرو گے بلاحجاب۔

حدیث نمبر 2:

حضرت ابوبکر، حضرت علی کو فرماتے ہیں کہ وہ وقت تمہیں یاد کرنا چاہئے، جب رسول اللہ ﷺ نے صحابہ میں یہ فرمایا تھا:

ہر مومن بلاحجاب اللہ کا دیدار کرے گا آپ ﷺ نے یہ آیت بھی تلاوت فرمائی تھی:

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۝ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۝

ترجمہ: اس دن کافی چہرے رونق دار ہوں گے۔ جو اپنے رب کے محو دیدار ہوں گے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا الحمدللہ یہ بات قرآن پاک کے نص سے ثابت ہوگئی کہ ہم قیامت کے دن اپنی امت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا دیدار بلاحجاب کریں گے، آپ ﷺ نے صحابہؓ سے مخاطب ہوکر فرمایا، اے میرے صحابہؓ قیامت کے دن تم میرے ہمراہ اللہ کا دیدار کرو گے جو میری اور تمہاری اتباع کرے گا جنت میں

Marfat.com

صرف اللہ تعالیٰ کا دیدار ہر وقت اس کو ہوتا رہے گا۔

حدیث نمبر 3:

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے صحابہ سے فرمایا جب تم اللہ تعالیٰ کا دیدار کرو گے تو تمہاری زبان پر اللہ تعالیٰ کا کلام ورد ہوگا اور میں تمہارے ہمراہ ہوں گا، فرمایا اس دن سوائے اللہ تعالیٰ کے ہمارا کوئی مالک نہ ہوگا وہی ہمارے نفع اور نقصان کا مالک ہوگا آپ نے فرمایا۔ جو اللہ تعالیٰ کے دیدار کا انکار کرے گا وہ میرا اور قرآن کا منکر ہوگا۔ میرا اور قرآن پاک کا منکر کافر ہے۔

حدیث نمبر 4:

حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ سے کچھ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمیں اللہ کا دیدار کرنے میں کوئی تکلیف نہ ہوگی آپ ﷺ نے فرمایا نہیں جس طرح کوئی اپنے بادشاہ کے پاس جانے میں جھجک محسوس نہیں کرتا اسی طرح ہم قیامت کو بادشاہ حقیقی کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے وہ ہمیں اپنا دیدار عطا فرمائے گا۔

حدیث نمبر 5:

نبی کریم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے روزہ میرے لئے ہے اور میں اس کی جزا دوں گا۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ کیا جزاء اللہ تعالیٰ عطا فرمائے گا آپ ﷺ نے فرمایا وہ اپنا دیدار روزہ دار کو فرمائے گا یہ تمام احادیث تفسیر امام باقر وغیرہ میں تواتر سے ہیں، خزینۃ القرآن سے نقل کی گئی ہیں تفسیر خزینۃ القرآن میں اس ضمن میں کافی احادیث ہیں جب مذکورہ بالا آیت کی باری آئے گی تو وہ تمام احادیث بیان کی جائیں گی اب آپ انتظار کیجئے اہل اسلام اور تمام جمہور مفسرین ومحدثین کا اتفاق ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کا دیدار ہر مومن کو سرکی آنکھ سے بلاحجاب ہوگا اور کافر پر غضب ہوگا اور دیدار الٰہی سے محروم ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہر مومن کو اپنے دیدار سے نوازے۔ (آمین)

قال اللہ تعالیٰ: یٰبَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ وَاَنِّیْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ ط (۴۷)

ترجمہ: اے اولاد یعقوب یاد کرو ان نعمتوں کو جو میں نے تم پر انعام کی ہیں اور میں نے تم کو جہان والوں پر فضیلت دی ہے۔

جاننا چاہئے کہ یابنی اسرائیل کلام میں دوبارہ تاکید کے لئے آیا ہے نبی کریم ﷺ نے ہی ارشاد فرمایا کہ ان کو تاکید اس لئے کی گئی ہے کہ یہ میری نبوت کا انکار نہیں نہ کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جہان والوں پر فضیلت دی صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ان کو آپ ﷺ پر بھی فضیلت ہے فرمایا نہیں عالمین کے اندر عموم ہے لیکن اس وقت تک جہاں تک کہ ان کا زمانہ تھا فَضَّلْتُكُمْ کے اندر بھی اس طرح کئی امور ہیں یاد رہے کہ عالمین سے یہ بھی ہوسکتا ہے کہ عالم علم سے مشتق ہے علم اس کو کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے وجود کے لئے جو دلائل ہیں وہ عالم میں ہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو موجود فرمایا لیکن اللہ تعالیٰ ان کے ماسوا ہے وہ عالم کا موجد ہے یاد رہے کہ عالمین پر اگر کوئی یہ کہے کہ ان کی فضیلت سب پر ہے اس آیت کو دلائل کے طور پر لائے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے بے شک اللہ تعالیٰ نے چن لیا آدم علیہ السلام کو اور نوح علیہ السلام کو اور آل عمران کو تمام جہان والوں پر اس سے یہ ثابت نہیں ہوسکتا کہ ان کو نبی کریم ﷺ پر بھی فضیلت ہو۔

حضرت علی فرماتے ہیں کہ اس آیت پر یہ سمجھو کہ نبی کریم ﷺ اس وقت موجود نہیں تھے اور جو چیز موجود نہ ہو اس پر اس کا اطلاق محال ہے اور اس آیت سے استدلال کرے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے ان کو چن لیا ہم نے ان کو پسند کیا۔ علم پر اور جہان والوں پر، یہ وہی صورت اول ثابت آئے گی اس کا جواب بھی وہی ہے جو پہلے دیا گیا ہے۔ چونکہ وہ اس وقت کا عالم مراد ہے۔ حضرت امام حسینؓ فرماتے ہیں کہ میرے نانا نبی کریم ﷺ فرمایا کرتے تھے اللہ نے جتنے عالم بنائے ہیں ان سب پر مجھے فضیلت دی ہے میری وجہ سے عرب کو تمام لوگوں پر شرف دیا ہے۔

یہ حدیث بھی متواتر سے ہے نعمت سے مراد نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر احسان کیا اور آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی وَنَعْمَةٍ كَانُوْا

Marfat.com

فِيهَا فَاكِهِينَ ۔

آپ نے فرمایا کہ منعم حقیقی نے ان پر انعام فرمائے جس طرح ان پر انعام فرمائے ہیں اسی طرح ان پر گرفت بھی زیادہ ہوگی حدیث سے یہ واضح ہو گیا جس قدر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں جس پر زیادہ ہوں گی اتنا اس پر گناہ کے سبب عذاب بھی زیادہ ہوگا آپ کا ایک اور ارشاد بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ جس پر نعمت کو واجب فرمائے وہ دین کے اندر اور دنیا کے اندر جس طرح چاہے کر سکتا ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: وَاتَّقُوا يَوْمًا لَّا تَجْزِي نَفْسٌ عَن نَّفْسٍ شَيْئًا وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ (۴۸)

ترجمہ: اور اس دن سے ڈرو جب کوئی نفس کسی نفس کو کفایت نہ کرے گا نہ ان کی طرف سے کوئی سفارش قبول کی جائے گی نہ ان کی کوئی بدلہ ہوگا نہ ان کی مدد کی جائے گی۔

جاننا چاہئے نبی کریم ﷺ نے اس دن کی اہمیت سے ڈرایا کوئی اس دن کسی کے کام نہ آئے گا۔ آپ نے ان کی مثال دی جس طرح اس وقت میں عربی میں یہ کہتے ہیں کہ ان کا کوئی دشمن ہو۔ تو ان کے چھوڑانے میں پوری کوشش کرتے ہیں، لڑتے بھی ہیں اور جان بھی دے دیتے ہیں پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ لوگ پیسے دینے سے بھی گریز نہیں کرتے جب یہ معاملہ بھی نہیں ہوتا تو برادری کو اکٹھا کرلاتے ہیں جب قابو میں نہیں چڑھتا تو اپنی ہمت کو ہار دیتے ہیں یاد رہے کہ لَا تَجْزِي میں نے یہ کہا ہے کہ کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا یعنی ہر شخص اپنا بوجھ خود اٹھائے گا شفاعۃ سے یہی حقیقت ہے۔ جس طرح اس دنیا میں کوئی نہ کوئی معاملہ کر کے ایک دوسرے کو سفارش کر کے بچالیتا ہے۔ اس دن یہ نہ ہوگا رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ یہ آیت فدیہ کے طور پر فدیہ ہوگا نہ اس کا بدل ہوگا آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی کہ بلاشبہ کافر مر گئے اس کے بعد اگر وہ زمین کو بھر دیں تو فدیہ قبول نہ ہوگا۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ یہ آیت انسان کو سخت خوف دلاتی ہے اور اس میں سخت وعید ہے اور اس دن کے اندر بہت خوف ہے اہل جنت اور اہل دوزخ اس دن سے ان سب کو ڈرنا چاہئے صاحب خزینۃ القرآن نے لَا تَجْزِي نَفْسٌ عَن نَّفْسٍ شَيْئًا کے اندر فرمایا ہے کہ شَيْئًا مفعول ہے اور ضمیر اس کے اندر پوشیدہ ہے ظاہر یہی ہوا کہ اس دن کسی کی سفارش قبول نہ ہوگی اور يُنصَرُونَ سے یہ فرمایا ہے کہ اس کے معنی نصر کے طور پر بمعنی بارش کے بھی ہو سکتے ہیں کیونکہ بارش سے مخلوق کو رزق ملتا ہے اور ان کو اس سے مدد ملتی ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کاش ان کے لئے تمام زمین مثل فدیہ ہو تو ان سے وہ قبول نہ کی جائے گی تو بعض مفسرین نے کہا کہ اس آیت کا اطلاق سب پر ہے اس دن کوئی بھی کسی کی سفارش نہ کرے گا۔

1- حدیث شریف میں ہے صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ قیامت کے دن اس آیت سے ہی واضح ہو رہا ہے کہ کوئی کسی کی سفارش نہ کرے گا فرمایا یہ آیت کفار کے لئے ہے کیونکہ وہ میری نبوت اور قرآن پاک کا انکار کرتے ہیں۔

2- حضرت علیؓ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے جم غفیر صحابہ میں یہ فرمایا کہ قیامت کے دن جب سورج سوا نیزے پر ہوگا لوگ تلخئ سورج سے تنگ آرہے ہوں گے سب لوگ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور عرض کریں گے آپ ہمارے باپ ہیں ہماری سفارش کیجئے حضرت آدم فرمائیں گے میرے غیر کے پاس جاؤ اسی طرح چلتے چلتے علی ہذا القیاس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے وہ سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت میں بھیجیں گے آپ ﷺ فرمائیں گے انا لها یہ میرے لئے ہے میں اس کے لئے ہوں آپ اللہ کی بارگاہ میں سر رکھیں گے اللہ فرمائے گا اے حبیب آج تم سر کو اٹھاؤ آج جو مانگو گے وہی پاؤ گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں امت کے بارے میں عرض کروں گا اللہ فرمائے گا اے حبیب ﷺ تیری امت میں سے جس کسی کا ایمان رائی کے دانے سے بھی کم ہوا اسے جنت میں لے جاؤ آپ ﷺ نے فرمایا مذکورہ آیت کفار کے لئے ہے۔

جاننا چاہئے کہ اس امر میں ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے معصیت کا خوف دے دیا ہے کیونکہ وہ دن آنے والا ہے جس دن جزا اور سزا ہوگی ہر انسان کو جزا اور سزا کا فکر کرنا چاہئے۔

پہلا مسئلہ:

Marfat.com

اس امر میں جمہور کا اتفاق ہے کہ نبی کریم ﷺ سفارش کریں گے اس امر پر اختلاف ہے کہ حضور اکرم ﷺ کن کن کی سفارش فرمائیں گے اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ حضور اکرم ﷺ کفار کی سفارش نہیں کریں گے۔ اب رہی یہ بات کیا مومن کی سفارش ہوگی یا فاسق کی، اس کا جواب پہلی حدیث سے گزر چکا ہے معتزلہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ فاسقوں کی سفارش بھی نہیں کریں گے۔ کیونکہ شفاعۃ کا ذکر ہے اس میں عموم ہے پھر لا تجزی نفس کے کیا معنی ہوئے اگر حضور اکرم ﷺ نے کسی کی سفارش کی تو معاذ اللہ اس آیت کا بطلان ثابت ہو جائے گا اگر حضور اکرم ﷺ نے کسی کی مدد کی تو تب بھی بطلان ثابت آئے گا کہ حضور قاصر ہیں ہم اس میں کہتے ہیں کہ ثواب کے لئے وہ اس کا جواب یہ دیتے ہیں پھر اللہ یوں فرماتا ہے کہ ڈرو اس دن سے کہ کوئی نفس کسی نفس کی کفالت نہ کرے گا، بجز ثواب کے ہم کہہ چکے ہیں اوپر والی حدیث میں ان کا جواب یہ ہے کہ چہ جائیکہ اس کا خطاب ہی اسرائیل کو ہے حکم عام ہے۔ نبی کریم ﷺ کسی کی سفارش نہ کریں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس دن ظالموں کا نہ کوئی دوست ہوگا نہ کوئی شفیع اب ہم ان تمام کا جواب یہ دیتے ہیں کہ مطیع سے مطاع کا درجہ افضل ہوتا ہے، قیامت کے دن اللہ مطاع ہوگا اس سے بڑھ کر کوئی نہ ہوگا اور اس بات پر تمام عقلاء کا اتفاق ہے حدیث شریف میں ہے:

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا صحابہ کرام میں کہ قیامت کے دن میں لوگوں کی سفارش کروں گا صحابہ نے مذکورہ آیت کو عرض کیا آپ ﷺ نے فرمایا درست ہے انہوں نے کہا حضور ﷺ ظالم کفار میں بھی ہو سکتے ہیں اور مسلمانوں میں بھی آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس آیت سے ان کو ڈانٹ ہے تاکہ وہ عبادت کے اندر مصروف رہیں اور گناہ کو ترک کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا میری سفارش کفار کے حق میں نہ ہوگی:

1- اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ حبیب پاک ﷺ کہ قیامت کے دن میں تمہیں مقام محمود عطا کروں گا اللہ تعالیٰ مجھے مقام محمود عطا فرمائے گا۔

2- اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس دن کسی کو کسی کی سفارش نفع نہ دے گی مگر جس کا کہنا اس نے پسند کیا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سب سے پہلے میرے کہنے کو پسند کرے گا اور اس آیت میں میری طرف اشارہ ہے۔

3- اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے حبیب پاک ﷺ میں تمہیں اتنا دوں گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے میں اس وقت تک راضی نہ ہوں گا جب تک کہ میری امت کا ہر فرد جنت میں داخل نہ ہو جائے۔

4- حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اس میں شفیع کی نفی نہیں جو قیامت کے دن سفارش فرمائے گا ہاں اگر کوئی ظالم بھی ہو تو ظالم کے لئے یہ ہے کہ ظالم مجرم کا فرنہ ہو ظالم مجرم کی میں سفارش کروں گا بڑے بڑے گناہ گار میری سفارش میں ہوں گے یہ حدیث شریف بہت مشہور ہے کیونکہ ظالم مجرم بھی ہو سکتا ہے۔ سوائے کافر کے۔ تو نبی کریم ﷺ اس حدیث کی رو سے ظالم کی بھی سفارش فرمائیں گے۔

حدیث نمبر 5:

رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ قیامت کے دن تم مجھے پل صراط پر تلاش کرنا اگر وہاں نہ ہوں تو بڑے گناہ گاروں کے جھرمٹ میں دیکھنا اگر وہاں نہ ہوں تو مجھے حوض کوثر پہ تلاش کرنا اس حدیث سے بھی ثابت ہو گیا کہ بڑے گناہ گار کبیرہ گناہ کے مرتکب بھی حضور اکرم ﷺ کی سفارش میں ہوں گے۔

حدیث نمبر 6:

رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ اور حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ سے فرمایا کہ قیامت کے دن میں اپنی امت کی سفارش کروں گا علماء صالحین بھی سفارش کریں گے اللہ ان سب کی سفارش کو قبول فرمائے گا۔

حدیث نمبر 7:

صحابہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرما دیا ہے اے حبیب پاک ﷺ قیامت کے دن آپ ﷺ کو اتنا دوں گا کہ آپ ﷺ راضی ہو جائیں گے میں اس وقت تک راضی نہ ہوں گا جب تک کہ میری امت کا ہر فرد جنت میں داخل نہ ہو جائے گا۔

حدیث نمبر 8:

Marfat.com

یہ بھی سرکارِ دوعالم ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ قیامت کے دن ایک سو بیس صفیں مخلوق کی ہوں گی لمبائی اور چوڑائی کی کوئی حد نہیں فرمایا ان میں اسی صفیں میری امت کی ہوں گی۔ اور چالیس صفیں بقیہ امتوں کی ہوں گی۔

حدیث نمبر 9:

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ صحابہ کا جم غفیر تھا سرکار دوعالم ﷺ ہمارے درمیان جلوہ گر تھے آپ ﷺ کے چہرہ انور پر رونق تھی آپ ﷺ مسکرا رہے تھے۔ ہم نے عرض کیا یارسول اللہ آپ ﷺ بھی ہمیں کچھ ارشاد فرمایئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ نے مجھے بشارت دی ہے کہ اے حبیب پاک ﷺ قیامت کے دن آپ کی امت جنت میں اس طرح داخل ہوگی جس طرح آسمان سے زمین پر موسلا دھار بارش ہوتی ہے اور تیری سفارش کو ہرگز نہ چھوڑا جائے گا۔ اور قبول کیا جائے گا یہ تمام احادیث خزینۃ القرآن سے لی گئی ہیں۔ اور تفسیر امام باقر میں بھی ہیں۔

کچھ لوگوں نے یہ کہا ہے جس میں امام رازی بھی شامل ہے کہ ظالموں کے لئے کوئی شفیع نہ ہوگا کیونکہ شفیع کا درجہ مشفوع سے کم ہوتا ہے اس آیت سے انہوں نے استدلال کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ ظالموں کی سفارش نہیں کریں گے اور ان کی سفارش بھی نہیں کریں گے جو گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوئے ہیں یاد رہے کہ اس قول کا رد اوپر حدیث سے ہو چکا ہے۔

نیز امام رازی نے یہ دلائل دیئے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا لِلظَّالِمِينَ مَنۡ انصار ظالموں کے لئے کوئی مددگار نہ ہوگا۔ اگر حضور اکرم ﷺ ان ظالموں کی سفارش کریں تو ان کے حامی و ناصر ہوئے۔ یہ آیت کے خلاف ہے نیز حضور اکرم ﷺ فاسقوں کی سفارش نہ کریں گے اس سے یہ ثابت ہوا کہ بندہ فسق پر مرے تو پھر ثابت ہوا کہ اس نے فسق کو اس خوشی سے اختیار کیا کہ میں نبی کریم ﷺ کی سفارش کا مستحق ہوں گا۔

جیسے حدیث شریف میں ہے اللھم اجعلنی مِنَ التَّوابِينَ اس سے یہ ہے کہ اس نے توبہ کی تاکہ مجھ سے فسق اور منفعت نہ ہو یا یہ کہ اعمال صالح کر کے سفارش کرنے کے قابل ہو جائے۔

جواب: پھر انہوں نے اس آیت سے بھی استدلال کیا ہے کہ فاسق اور کافر جہنم میں ہوں گے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے بے شک کافر لوگ جہنم میں ہوں گے ان سے اس دن کے بارے میں سوال کیا جائے گا، نہ وہ جہنم سے باہر آئیں گے نہ وہ جہنم سے نکلیں گے۔

تو ثابت ہوا کہ کافر اور فاسق سفارش کے مستحق نہ ہوں گے نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کوئی شخص رحمٰن کی اجازت کے بغیر کلام نہ کرے گا جب وہ اجازت دے گا تو ٹھیک ٹھیک بات کرے گا۔ نیز اس آیت سے بھی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان کو قیامت کے دن سفارش کرنے والوں کی شفاعت نفع نہ دے گی۔

یاد رہے کہ جب یہ سفارش نفع نہ دے گی تو وہ سفارش کیسے کریں گے جب سفارش کریں گے تو ان کی سفارش ضائع جائے گی نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ فرشتے بھی سفارش نہ کریں گے۔ ظاہر ہے جب فرشتے کسی کی سفارش نہ کریں گے تو انبیاء علیہ السلام بھی سفارش نہ کریں گے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر سفارش کرے۔ اس سے بھی سفارش کی نفی ہوتی ہے نیز ارشاد ہے کہ فرشتے عرش اٹھائے ہوئے ہیں اور وہ اپنے پروردگار کی حمد کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ایمان لے آئیں اور ایمان والوں کے لئے بخشش مانگتے ہیں اے ہمارے پروردگار تیری رحمت اور تیرا علم ہر چیز سے وسیع ہے اور ان کو بخش دے جنہوں نے توبہ کی اور تیرے راستے کی اتباع کی اس سے بھی ظاہر ہوا کہ فرشتے بھی توبہ کے بارے میں کہہ رہے ہوں گے اگر فاسق کے لئے سفارش ہوتی تو فرشتے کیوں کہتے کیونکہ فرشتے ہر وقت یہی تسبیح بیان کر رہے ہیں نیز نبی کریم ﷺ کی چار احادیث ایسی ہیں جن سے کبائر گناہ کی سفارش کا نہ ہونا ثابت ہے نیز اگر کوئی دن رات یہی دعا کرے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ کی سفارش نصیب فرما جو کہ دعا پر کلمات اس طور پر ہوں گے کہ اس فسق اور فجور کو زندگی میں ترک کر دے کیونکہ فسق اور فجور کی نفی ہو چکی ہے وہ چار احادیث یہ ہیں:

حدیث نمبر 1:

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ہمارے ہمراہ قبرستان میں تشریف لے گئے فرمایا اے مومن بھائی السلام علیکم ہم بھی عنقریب تمہیں ملنے والے ہیں

Marfat.com

صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم آپ کے بھائی نہیں فرمایا تم میرے دوست ہو وہ آنے والے بھائی ہیں صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا قیامت کے دن آپ اپنی امت کو پہچان لیں گے آپ ﷺ نے فرمایا دیکھو اگر سیاہ گھوڑا سفید گھوڑوں میں مل جائے تو مالک اپنے گھوڑے کو پہچان لے گا تو میری امت بھی وضو کے سبب ان کے ہاتھ پاؤں اور چہرے چمکتے ہوں گے اور میں حوض کوثر پر ہوں گا میرے ہاتھ میں کاسا ہو گا لوگ پینے آئیں گے میں ان کو پلاؤں گا ایک گروہ کو روک دیا جائے گا جنہوں نے میرے دین کے اندر تبدیلیاں کیں ان کے لئے ہلاکت ہوگی۔ اس حدیث سے بھی یہ استدلال ہوگا کہ فاسق لوگ آپ ﷺ کے قریب نہ آئیں گے اور نہ ان کی سفارش ہوگی نیز یہ بھی فرمایا کہ جو حرام کے مال سے گوشت کھائے گا وہ بھی جنت میں نہ جائے گا۔

حدیث نمبر 2:

عبداللہ بن سلام حضرت جابرؓ بن عبداللہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے کعبؓ بن اشرف سے فرمایا کہ اے کعب میں تمہیں بیوقوفوں کی امارت سے اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں کہ ظالم، حاکم، جھوٹے آدمیوں کی تصدیق کریں گے وہ مجھ سے نہ ہوں گے اور نہ میں ان سے ہوں گا اور جس نے اس کی تصدیق نہ کی وہ مجھ سے ہوگا میں اس سے ہوں گا وہ حوضِ کوثر پر میرے پاس آئے گا۔

1- جس کو پیغمبر ﷺ سے واسطہ نہ ہوگا تو ظاہر ہے حضور ﷺ کو بھی اس سے کوئی واسطہ نہ ہوگا۔

2- جب حضور اکرم ﷺ سے ان کو روکا جائے گا تو سفارش سے بھی منع کیا جائے گا۔ حضور اکرم ﷺ کی سفارش ان کے حق میں نہ ہوگی۔

3- کہ حرام کے مال سے گوشت کھانے والا بھی جنت میں نہ جائے گا۔ ظاہر ہے اس میں بھی کبیرہ گناہ کے لوگ شامل ہیں۔

حدیث نمبر 3:

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن ایک ایسا شخص ہوگا کہ اس کی گردن پر آگ جل رہی ہوگی وہ مجھ سے کہے گا یا رسول اللہ ﷺ میری فریاد سنیے میں کہوں گا کہ اللہ تعالیٰ کے پاس میں تیرے لئے کچھ نہیں کرسکتا۔ میں حکم پہنچا چکا جب حضور اکرم ﷺ اس کی فریاد نہ سنیں گے اور یہ فرمائیں گے کہ میں کچھ نہیں کرسکتا تو اس کی سفارش سے حصہ نہ ملا۔

حدیث نمبر 4:

1- حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ تین شخص ایسے ہوں گے جن سے میں جھگڑا کروں گا اور غالب آجاؤں گا۔ ایک وہ جس کو میری وجہ سے کچھ ملا اور اس نے فریب کیا۔

2- دوسرا وہ جو اپنے غلام کو بیچ کر اس کی قیمت کھا گیا۔

3- تیسرا وہ جس نے نوکر سے پورا کام لیا مگر مزدوری پوری نہ دی۔ تو جب حضور اکرم ﷺ ان سے جھگڑا کریں گے تو اس کی سفارش کیسے کریں گے یہ دلائل معتزلہ کے تھے جو امام فخر الدین رازی نے بیان کئے یہ ان کے اپنے دلائل نہیں ہیں اہل سنت کے دلائل یہ ہیں۔

1- اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام سے حکایتاً فرمایا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ اگر تو ان سب کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اگر تو ان کو بخش دے تو تو غالب حکمت والا ہے دیکھئے ان تعذبھم کے اندر کون لوگ ہیں کافر ہیں یا مومن وہ جو صغیرہ کبیرہ کے مرتکب ہوئے اسی طرح حضرت علیؓ و حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بھی اپنی امت کے حق میں یہی کلمے فرمائے اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ سوائے کافروں کے میری امت میں جو کبیرہ صغیرہ گناہ کے مرتکب ہوں گے ان کو یہ نفع پہنچے گا آپ ﷺ نے فرمایا کہ عیسیٰؑ کا یہ حکم بھی ان کی امت میں جو کبیرہ گناہ کے مرتکب تھے ان کے لئے تھا یہ حدیث خزینۃ القرآن اور نور القرآن میں ہے اور امام باقرؒ میں ہے اس حدیث سے ثابت ہوا کہ وہ کبیرہ گناہ کے مرتکب جن سے توبہ نہ ہوسکی وہ بھی اس حدیث میں شامل ہیں۔

حدیث نمبر 2:

صحابہ کرام نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ قیامت کے دن آپ کن کن لوگوں کی سفارش کریں گے آپ ﷺ نے فرمایا نہ سفارش کروں گا مگر جو میری امت میں

Marfat.com

بڑے بڑے گناہ گار ہوں گے وہ سب میرے ہی وسیلے سے جنت میں جائیں گے۔

حدیث نمبر 3:

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو فرماتے سنا کہ قیامت کے دن ہر شخص کو اپنے نفس کی پڑی ہوئی ہوگی سوائے میرے اور وہ مشکل دنیاوی تمام مشکلات سے بڑی ہوگی دنیاوی مشکلات تو ان کے مقابل کچھ نہیں اور وہ میری وجہ سے حل ہوگی۔

حدیث نمبر 4:

حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اللہ تعالیٰ عنہا فرماتے ہیں کہ صحابہ کا بڑا جم غفیر تھا آپ ﷺ نے جمعہ کے خطبے میں فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے عرش کے نیچے میں سجدہ کروں گا اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ آپ اپنے سر کو کیوں نہیں اٹھاتے، اور مانگیے جو مانگنا چاہتے ہو، آج آپ کو اتنا دوں گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضىٰ فرمایا کہ یہ آیت میری سفارش کے حق میں ہے قرآن پاک نے واضح اعلان کر دیا ہے۔ فرقہ معتزلہ نے یہ دعویٰ کیا کہ حضور ﷺ کی سفارش میں نہ تو کوئی خبر متواتر ہے جو اہل اسلام کو معلوم ہوا اور خبر واحد اگر ہو تو اس کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ وہ ظنی ہوتی ہے کیونکہ یہ اعتقاد کا مسئلہ ہے۔

جاننا چاہئے کہ معتزلہ فرقہ بڑا پلید فرقہ ہے تو یہ قرآن پاک کے دشمن ہیں کبھی تو یہ کہتے ہیں کہ قرآن کلام اللہ ازلی نہیں وہ حادث ہے کبھی کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ امت کی سفارش نہ فرمائیں گے۔ جو ان کے استدلال گزرے ہیں وہ تمام آیات قرآنی کفار کے حق میں تھیں کہ کفار قیامت کے دن کوئی حجت نہ کر سکیں گے نہ وہ اپنے دوستوں کو اپنا شفیع بنا سکیں گے۔

صاحب خزینۃ القرآن نے فرمایا کہ جو شخص فرقہ معتزلہ کی طرف رجوع کرے گا وہ گمراہ بھی ہو جائے گا اور اس کا دماغ بھی پاگل ہو جائے گا فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے نانا جان رسول اکرم ﷺ سے براہ راست ان معتزلیوں کے بارے میں پوچھا کہ معتزلیوں کے بارے میں کیا حکم ہے آپ ﷺ نے فرمایا اے میرے لخت جگر کہ قیامت کے دن یہ معتزلی جہنم ہیں کفار کے ساتھ جہنم کے نچلے درجے میں ہوں گے اور ان کی بات پر تو کان نہ رکھ کہ تو میری امت کا عظیم مجتہد ہے یہ ضرور لکھ دے فرمایا کہ یہ حکم مجھے کہنا تو نہیں چاہئے تھا کہ اس میں خودستائی ہوتی ہے مگر فرمان رسالت تاکیداً ہوا ہے اب فقیر اس بارے میں لکھتا ہے کہ فرقہ معتزلہ دین اسلام سے خارج ہیں اور بلاشبہ کافر ہیں اور امام فخر الدین رازی نے معتزلہ کے دو فرقے بتائے ہیں ایک کو اچھا کہا اور دوسرے کو برا، ہمارے نزدیک یہ دونوں کافر ہیں۔ جو اس قسم کا خیال رکھیں گے وہ تمام اس ذیل میں آئیں گے۔

حدیث نمبر 5:

حضرت عبداللہؓ ابن مسعود حضرت علیؓ حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے رمضان شریف کے آخری جمعہ میں خطبہ ارشاد فرمایا خطبہ تو بہت لمبا ہے لیکن مختصر عرض کروں گا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے روز ظالم کفار اور مشرکین کے لئے میری سفارش نہ ہوگی۔ ان کے علاوہ میری امت میں جو کبیرہ گناہ کے مرتکب ہوں گے ان سب کے لئے میری سفارش ہوگی یہ آیت تلاوت فرمائی۔

فرمایا رب تعالیٰ نے قطعی فیصلہ کر دیا ہے کہ میں اپنے حبیب کو قیامت کے دن جس طرح وہ راضی ہوں گے میں اسی طرح راضی کروں گا نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں کہ جس شخص نے میری اطاعت کی وہ مجھ سے ہے اور جس نے میری نافرمانی کی تو بے شک تو بخشنے والا مہربان ہے یہ حدیث تفسیر امام باقر میں ہے۔

حدیث نمبر 6:

بیہقی نے کتاب شعب الایمان میں یہ حدیث درج کی ہے نبی کریم ﷺ نے اسی مذکورہ آیت کو دہرایا اور حضرت علیؓ کو حضور اکرم ﷺ نے ان تعذبھم فرمایا اور اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف کھڑے کئے اور کافی روئے اللہ تعالیٰ نے جبرئیل کو بھیجا کہ میرے حبیب ﷺ سے جا کر کہو کہ میں خوب جانتا ہوں کیا وجہ ہے جبرئیل نے آکر دریافت کیا سرکار یہی عرض کر رہے تھے اللّٰھم اغفر لامتی جبرئیل نے عرض کی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے حبیب ﷺ سے جا کر کہو کہ میرے

Marfat.com

حبیب ﷺ میں تجھے رنجیدہ نہ کروں گا اور تیری امت کو بخش دوں گا۔ یہ حدیث خزینۃ القرآن اور معالم شریف میں بھی موجود ہے اور تفسیر امام باقر میں بھی ہے۔

حدیث نمبر 7:

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے آخری خطبہ میں مذکورہ حدیث کو بھی دوبارہ ارشاد فرمایا اور ان آیات کو بھی تلاوت فرمایا وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ سے فَتَرْضٰى تک، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس آیت کے اندر میری سفارش میں صاحب کبیرہ بھی شامل ہوں گے نیز فرمایا کہ فرشتے بھی سفارش کریں گے پھر فرمایا فرشتوں میں سے جو پسندیدہ سفارش ہوگی تو فرشتوں سے سب سے میری سفارش عظیم ہوگی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نہ اجازت دے گا کسی کو سفارش کی بجز میرے، اللہ تعالیٰ سب سے پہلے سفارش کرنے کی مجھے اجازت فرمائے گا، فرمایا جب میں قبر سے اٹھوں گا تو سب سے پہلے اٹھوں گا۔ اٹھتے ہی اللہ تعالیٰ سب سے پہلے مجھے اپنا دیدار فرمائے گا ''تجھے اجازت ہے اے حبیب پاک تو جس کی سفارش کرے گا میں قبول کروں گا'' یہ سارا عالم تو میں نے تیرے لئے بنایا ہے بعد میں پھر تمام خلقت کھڑی ہوگی۔ نفسا نفسی کا شور ہوگا سب انبیاء کے پاس سے پھر کر لوگ پھر آخر میں میرے پاس آئیں گے میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ کروں گا اللہ تعالیٰ فرمائے گا، اے حبیب پاک اپنے سر کو اٹھا لیجئے جو مانگیں گے آج آپ ﷺ کو ملے گا۔ میں اس وقت تک چین نہ لوں گا جب تک میری امت کا ہر فرد جنت میں داخل نہ ہو جائے۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں یہ حدیث حجۃ الوداع کے موقع پر نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمائی۔ امام باقر فرماتے ہیں یہ حدیث متواتر ہے، ثابت ہوا کہ فاسق گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے اور وہ اپنے فسق کے سبب جہنم میں جائے گا کیونکہ جب فسق ہی بری چیز ہے تو فسق کا رد ہونا بھی محال ہے دیکھو قرآن پاک کی اس آیت سے استدلال کیا گیا ہے۔ وَلَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى الآیہ اس سے صاحب کبیرہ کے حق میں سفارش ہونا ممکن ہے۔ یہ قول بالکل باطل ہے کیونکہ کلام الٰہی کی تفسیر اصل حقیقت کی طرف ہونی چاہئے۔

حدیث نمبر 8:

نبی کریم ﷺ نے اسی آیت کو تلاوت کرتے ہوئے فرمایا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں صرف اس کی سفارش کریں گے جن کی اللہ انہیں اجازت دے گا۔

حدیث نمبر 9:

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ خطبے کے اندر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ الآیہ کے لئے مغفرت مانگنے کا حکم دیا ہے اور ہم اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ کی تفسیر میں بیان کر چکے ہیں کہ صاحب کبیرہ مومن رہتا ہے اور جب ایسا ہونا ثابت ہو گیا کہ محمد ﷺ نے ان کے لئے مغفرت مانگی اور جب ایسا ہوا تو اس سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بخش دیا اور شفاعت کے معنی یہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ؕ الآیہ

یعنی تم کو تحفہ بھیجے تو تم کو اس سے بہتر تحفہ بھیجو پس اللہ تعالیٰ نے سب لوگوں کو حکم دیا ہے یعنی ان کے پاس جب کوئی تحفہ بھیجے تو وہ اس کے بدلے میں اچھا تحفہ بھیجیں اور فرمایا محمد اللہ ﷺ کے لئے تحفہ درود و سلام کا بھیجنے کا حکم دیا گیا ہے اور فرمایا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ؕ یعنی اے ایمان والو نبی پر درود بھیجنا اور سلام بھیجنا اللہ کی رحمت کا بڑا تحفہ ہے اور جب ہم نے محمد ﷺ کے لئے اللہ کی رحمت طلب کی تو اَحْسَنَ مِنْهَا اَوْ رُدُّوْهَا کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم بھی اسی کی مثل کریں یعنی تمام مسلمانوں کے لئے اللہ تعالیٰ سے رحمت طلب کریں اور شفاعت کے معنی یہ ہیں کہ ہم سب کا اتفاق ہے کہ آپ کی دعا رد نہ ہوگی پس ضروری ہوا کہ اللہ تعالیٰ سب کے حق میں آپ کی شفاعت قبول کرے گا اور یہی مطلوب تھا۔ جب ہم لوگ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ پڑھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے آپ ﷺ کے لئے علو درجہ اور زیادتی فضیلت طلب کرتے ہیں تو ہم بھی آپ کے شفیع ہو گئے حالانکہ یہ بات بالکل باطل ہے اگر کوئی شخص اعتراض کرے کہ ہم لوگوں پر دو وجہ سے شفیع کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔

1- شفیع کے لئے ضروری ہے کہ اس کا مرتبہ مشفوع سے زیادہ ہو اور ہم اگرچہ آنحضرت ﷺ کے لئے فضیلت طلب کرتے ہیں مگر چونکہ سب کا درجہ آپ ﷺ کے

Marfat.com

درجہ سے کم تر ہے اس واسطے آپ کے شفیع نہیں ہو سکتے۔

-2 ابوالحسین کہتے ہیں کسی دوسرے لئے منافعت کا سوال کرنا اس وقت شفاعت ہوتا ہے کہ وہ منافعت اس کی درخواست اور سائل کی غرض اس سوال سے مسؤل کے ساتھ قربت حاصل کرنا ہوا گر مسؤل کو اس سوال کی وجہ سے زیادتی منافعت کا استحقاق ہو تو یہ درخواست کرنا داخل شفاعت نہ ہوگا۔ ہم جو کچھ اللہ تعالیٰ سے آپ ﷺ کے لئے سوال کرتے ہیں اس میں اپنا درجہ بلند کرانا ہوتا ہے لہٰذا ہم شفیع نہیں ہو سکتے اور پہلی بات کا جواب یہ ہے کہ اس بات کو ہم تسلیم نہیں کرتے کہ شفاعت کے اندر علو درجہ کا اعتبار نہیں ہے اللہ تعالیٰ فرشتوں کی صفت میں بیان فرماتا ہے اَلَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَیُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَیَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اور صاحب کبیرہ کو ان میں داخل کریں پس ان لوگوں میں ضرور داخل ہوگا جن کے لئے فرشتے مغفرت مانگتے ہیں زیادہ سے زیادہ یہ قباحت ہے کہ اس کے بعد آیا ہے۔ فَاغْفِرْ لِلَّذِیْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِیْلَکَ مگر اس سے اس عام کی تخصیص نہیں آئی اس واسطے کہ اصول فقہ میں ثابت ہو چکا ہے کہ لفظ عام کے بعد اگر اس کے اقسام ذکر کئے جائیں تو اس سے اس عام کی تخصیص اس خاص کے ساتھ نہیں لازم آتی۔ بہت سی احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ اہل کبائر کے لئے شفاعت کریں گے اور ہم ان میں سے اس مقام پر صرف تین حدیثیں ذکر کرتے ہیں۔

حدیث نمبر 1:

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میری شفاعت اپنی امت کے اہل کبائر کے لئے ہوگی معتزلہ نے اس حدیث پر تین اعتراض کئے ہیں۔

-1 یہ خبر واحد ہے جو قرآن پاک کے خلاف وارد ہوئی ہے اس واسطے کہ بہت سی آیات قرآنی سے شفاعت کی نفی ثابت ہوتی ہے اور خبر واحد جب قرآن پاک کے مقابل وارد ہو تو اس پر ہرگز عمل نہیں کیا جاتا۔

-2 اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی شفاعت صرف اہل کبائر کے لئے ہوگی اور یہ بات درست نہیں اس لئے کہ آپ کی شفاعت کے نصیب ہونے کا بڑا درجہ ہے اور اہل کبائر کی تخصیص سے اہل ثواب کا محروم رہنا ثابت ہوتا ہے اور یہ بات ناممکن ہے۔

-3 یہ مسئلہ مسائل اعتقادیہ سے تعلق رکھتا ہے ظنیات سے اس کا ثبوت نہیں ہو سکتا اور یہ خبر واحد ظنی ہوتی ہے لہٰذا خبر واحد سے ایسے مسائل کا استدلال نہیں ہو سکتا، پھر اگر بالغرض تسلیم کر لیا جائے کہ یہ خبر صحیح ہے لیکن اس میں کئی احتمال ہو سکتے ہیں۔

حدیث نمبر 2:

-1 یہ حدیث استفہام انکاری کے طور پر ہو سکتی ہے جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قول میں ہے کہ یہ میرا رب ہے تو یہ معصیت کا کبیرہ گناہ پر اطلاق نہیں کرتی۔

-2 کبیرہ کا لفظ معصیت کے ساتھ خاص نہیں ہے، نہ اصل لغت کے اعتبار سے نہ شریعت کے اعتبار سے، بلکہ جس طرح معصیت پر اس کا اطلاق آتا ہے اسی طرح عبادت پر بھی آتا ہے۔

-3 یہ بات ظاہر ہے کہ یہ حدیث فسق پر احتمال ہو۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ فاسقوں نے پہلے ابتداً توبہ کی ہو بعد میں اعمال صالح پر محمول ہوئے ہوں تو اس وجہ پر یہ حدیث محمول کی جاتی ہے، حضرت حسنؓ فرماتے ہیں کہ میرے نانا رسول اکرم ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ میری شفاعت اہل کبائر کے لئے ہوگی۔

پھر تو یہ ثابت ہوا کہ صرف اہل کبائر ہی سفارش کے مستحق ہوئے تو حضور اکرم ﷺ کی سفارش میں سے محروم رہنا بڑا نقصان ہے ہم ان تمام حدیثوں کو بیان کرتے ہیں جو شفاعت کے باب میں آتی ہیں حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ہر نبی کی دعا مقبول ہوتی ہے میں نے ایک دعا خاص چھپا کر رکھی ہے جو قیامت کے دن اپنی امت کے حق میں کروں گا۔

Marfat.com

حدیث نمبر 3:

حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک دن کسی نے دستی کا گوشت پیش کیا اور آپ ﷺ نے اپنے منہ مبارک سے چکھا اسے تناول فرمایا آپ ﷺ کو دستی کا گوشت پسند تھا اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں قیامت کے دن سب کا سردار ہوں گا تم اس بات کو جانتے ہو تو سب نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمام اولین اور آخرین کو ایک میدان میں جمع فرمائے گا آفتاب قریب آ جائے گا اور ایک منادی دینے والے کی منادی اس کو سنائی جائے گی، پھر ایک دیکھنے والا اس کو دیکھے گا لوگ غم میں مبتلا ہوں گے، بعض بعض سے کہیں گے کہ تمہارا کیا حال ہو رہا ہے تم کسی کے پاس کیوں نہیں چلتے ہو کہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس چلو، جو سب کا باپ ہے، وہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے ان سے کہیں گے کہ تم ابوالبشر ہو اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ میں اپنی روح پھونکی اور آپ ﷺ کو اپنے دست قدرت سے پیدا کیا اور فرشتوں سے سجدہ کروایا تم نہیں دیکھ رہے کہ ہمارے ساتھ کیا ہو رہا ہے، آپ فرمائیں گے کہ میرا رب آج بہت غضب میں ہے ایسا غضب اس کو نہ پہلے کبھی آیا ہے اور نہ آئندہ آئے گا مجھے اس نے شجر سے منع کیا تھا میں نے وہ کھا لیا تھا۔ اچھا نوح کے پاس جاؤ وہ نوح کے پاس آئیں گے ان سے عرض کریں گے کہ آپ بیشتر پہلے رسول ہیں آپ کو معلوم نہیں کہ ہمارے ساتھ کیا ہو رہا ہے آپ ہماری سفارش کیجئے آپ فرمائیں گے کہ میرا رب آج ایسے غضب میں ہے، ایسا غضب اس کو نہ پہلے کبھی آیا ہے نہ آئندہ آئے گا۔ میں ایک دعا پہلے کر چکا ہوں تم کسی اور کے پاس جاؤ اچھا ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور ان سے کہیں گے کہ یہ اہل زمین ہیں اور آپ اللہ تعالیٰ کے خلیل ہیں آپ کو معلوم نہیں کہ ہمارے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ آپ فرمائیں گے کہ آج میرا رب ایسے غصے میں ہے نہ پہلے کبھی اس کو ایسا غصہ آیا ہے نہ آئندہ آئے گا'' اور فرمائیں گے اور اپنی کس کس بات کو یاد کر کے کہیں گے نفسی نفسی تم کسی اور کے پاس جاؤ اچھا موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ وہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے ان سے کہیں گے کہ آپ اللہ کے کلیم ہیں اور اللہ تعالیٰ کا کلام لوگوں کو سناتے رہے ہیں اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے فضیلت دی ہے، آپ نہیں دیکھتے کہ ہم کس حال میں ہیں، وہ فرمائیں گے ''کہ آج میرا رب غصہ میں ہے اس سے پیشتر ایسا غصہ نہ کبھی ان کو آیا ہے نہ آئندہ کبھی آئے گا۔ اور میں نے ایک لڑکے کو قتل کیا تھا جس کی وجہ سے میں نفسی نفسی کہہ رہا ہوں، تم کسی اور کے پاس جاؤ اچھا عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ وہ سب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور عرض کریں گے کہ آپ اللہ کے روح ہیں اور حضرت مریمؑ پر اللہ نے آپ کو القا فرمایا آپ اپنے گہوارے بچپن میں لوگوں کو کلام سناتے رہے ہیں آپ روح اللہ ہیں اور آپ نہیں دیکھتے کہ ہم کس حال میں ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کو کوئی عذر پیش نہ کریں گے وہ یہی کہیں گے نفسی نفسی تم کسی اور کے پاس جاؤ اچھا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے پاس جاؤ وہ سب لوگ میرے پاس آئیں گے مجھے کہیں گے اے حبیب اللہ آپ ﷺ معصوم ہیں اللہ کے حبیب ﷺ ہیں آپ ﷺ نہیں دیکھ رہے کہ ہم کس حال میں ہیں میں ان سب کو لے کر اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں اجازت چاہوں گا۔ اجازت ہو جائے گی، میں اپنے رب کو دیکھوں گا۔ تو میں سجدہ میں سر رکھوں گا اللہ تعالیٰ کو جتنا منظور ہوا اللہ تعالیٰ فرمائے گا، اے حبیب پاک ﷺ مانگیے اور سفارش کیجئے تمہاری سفارش پوری کی جائے گی اور تمہاری سماعت ہوگی۔ میں سر کو اٹھاؤں گا اور اپنے رب کے محامد بیان کروں گا جو مجھے وہ تعلیم فرمائے گا میری سفارش قبول ہوگی اللہ تعالیٰ میرے لئے ایک حد مقرر کرے گا، میں پھر آؤں گا، سر سجدے میں رکھوں گا اللہ تعالیٰ کو جتنا منظور ہوگا میں سر رکھوں گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے اے حبیب پاک ﷺ سر کو اٹھاؤ تمہاری سماعت ہوگی اور جو مانگو گے دیئے جاؤ گے جس کے حق میں سفارش کرو گے اس کے حق میں سفارش قبول ہوگی۔ پھر میں سر کو اٹھاؤں گا اور اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے حبیب پاک ﷺ سر کو اٹھائیں تمہاری سماعت ہوگی اور تمہاری سفارش قبول ہوگی اور جو مانگو گے دیئے جاؤ گے۔ پھر میں سر اٹھاؤں گا اللہ تبارک وتعالیٰ میرے لئے حد مقرر کرے گا۔ پھر سب لوگوں کو جنت میں داخل کر کے آؤں گا اور عرض کروں گا کہ سب جنت میں داخل ہو چکے بجز ان کے جن کو قرآن نے روک رکھا۔

اس پر دوام واجب ہوا اس حدیث کو لفظ بہ لفظ بخاری ومسلم نے بیان کیا ہے لیکن معتزلہ اس پر انکار کرتے ہیں وہ کہتے ہیں یہ حدیث خبر واحد ہے، خبر واحد قطعی نہیں ہوتی، اگر تواتر سے ہوئی تو اس کی روایت بکثرت کیوں نہ ہوتی انہوں نے راوی پر الزام ٹھہرایا ہے کہ یہ راوی کے اپنے لفظ ہیں، اور خبر واحد قرآن پاک کے خلاف ہونا یہ بالکل ناممکن ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ معتزلہ کا یہ قول بالکل باطل ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن نے اسی حدیث پر جرح کرتے ہوئے فرمایا کہ یہی روایت حضرت علیؓ کے مجموعہ میں ہے۔ حضرت علی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں دستی کا گوشت پیش ہوا آپ اس کو پسندیدہ گوشت سمجھتے تھے وہ گوشت میرے سامنے آیا اور مسجد میں آیا اور مسجد میں صحابہ کا جم غفیر تھا لے آنے والے دو شخص تھے جن کا نام عبدالملک ابن یحییٰ اور ابراہیم بن موسیٰ، یہ قبیلہ بنو اوس کے تھے یہ نئے نئے مسلمان ہوئے

Marfat.com

اورانہوں نے نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں یہ تحفہ پیش کیا۔حضرت علیؓ نے اس ساری روایت کو بیان کر کے فرمایا کہ صحابہ سن رہے تھے یہ لفظ بہ لفظ سرکار ﷺ کا ارشاد ہو رہا تھا فرمایا کہ قیامت کے دن نبی کریم ﷺ اپنی امت کے ہر فرد کو جنت میں داخل کرائیں گے، بجز ان کے جن کو قرآن پاک نے روک لیا۔ یہ حدیث تفسیر امام باقر کے علاوہ دیگر تفاسیر میں موجود ہے اور تواتر سے ہے لیکن معتزلہ کو اس کا تواتر نظر نہیں آیا قرآن پاک کے نہ ماننے والوں کو قرآن سخت عذاب میں مبتلا کرائے گا، یہی روایت حضرت ابوبکر صدیقؓ سے بھی ہے اسی روایت کو حضرت عمرؓ و حضرت عثمانؓ نے بھی بیان کیا حضرت عبداللہ ابن مسعود، حضرت عائشہ، حضرت جائیل، حضرت انس صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ انہوں نے الگ الگ بیان کیا اور حضرت علی نے اپنے مجموعہ میں لکھا ہے فرمایا کہ صحابہ کے جم غفیر میں سرکار ﷺ نے یہ حدیث بیان فرمائی فرمایا تابعین میں بھی یہ حدیث تواتر ہے۔ یزید ابن ہارون حافظ الحدیث نے بھی اپنی کتاب الحدیث میں لکھی، حضرت امام جعفر صادق بھی اسی حدیث کو کافی اسناد سے بیان فرماتے ہیں۔ اب یہ حدیث تواتر ثابت ہوئی، صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں اس سے بھی قوی حدیث بیان کرتا ہوں۔

حدیث نمبر 4:

حضرت علیؓ اپنے مجموعہ میں لکھتے ہیں کہ حجۃ الوداع کے موقع پر نبی کریم ﷺ نے اڑھائی گھنٹے خطبہ فرمایا جو حضرت علیؓ نے سارا خطبہ اپنے مجموعۃ الحدیث میں لکھا ہے اسے مکمل میں بحوالہ امام باقر اپنی تفسیر خزینۃ القرآن میں نقل کر رہا ہوں فقیر اس میں درمیان کا کچھ حصہ بیان کرتا ہے جو اس شفاعت کے باب میں آتا ہے نبی کریم ﷺ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کی حکایت کو بیان فرمایا اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ الآیہ پھر آپ ﷺ نے فرمایا اے تمام مسلمانو جو میرے ساتھ اس حج میں شریک ہو قیامت کے دن میں بنی آدم جن اور ملائکہ سب مخلوق کا سردار ہوں گا مجھے اللہ تعالیٰ نے سب اولین و آخرین کا سردار بنایا ہے میں اہل دنیا میں بھی سردار ہوں اور میں آخرت میں بھی سب کا سردار ہوں گا یاد رکھو اللہ تعالیٰ نے میری دعا کو فضیلت بخشی ہے میری دعا سب مومنوں کے لئے سکون ہے۔ جو مومن صغیرہ کبیرہ گناہ کے مرتکب ہوں حتیٰ کہ جو صالحین مومن ہوں تیری دعا سب کے لئے سکون ہے آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ الآیۃ آپ ان پر دعا کیجئے بے شک آپ کی دعا ان کے لئے سکون ہے آپ نے فرمایا کہ میری دعا کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے یہاں بھی سکون فرمایا اور آخرت میں بھی پھر آپ نے اس آیت کو تلاوت کیا۔ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ الآیۃ، آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آپ ﷺ سے پہلے جو امتیں ہیں جو آپ کی امت میں مومن مرد اور مومن عورتیں ان سب کے لئے بخشش مانگیں فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے بخشش مانگنے میں چن لیا ہے فرمایا حضور اکرم ﷺ نے کہ میں معصوم ہوں مجھ سے اول سے آخر تک کوئی گناہ نہیں ہوا نہ کسی پیغمبر سے گناہ ہوتا ہے باقی امتوں کو میرے ساتھ مخصوص کیا گیا ہے اور میری امت تو میرے سامنے ہے۔ فرمایا جو قیامت تک میری امت کے لوگ آئیں گے میں ان کے افعال پر حاضر رہوں گا آپ ﷺ نے فرمایا، ''پھر میرا رب رحیم ہے اس نے مجھے دعا کا حکم دیا ہے۔ پھر وہ اس کے خلاف نہیں فرمائے گا اگر وہ خلاف کرے تو اس کی شان کریمی کے خلاف ہوگا، پھر کلام میں فضول بات ہو جائے گی اللہ کا کلام تمام فضولیات سے پاک ہے اس کا کلام ازلی اور حق ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم میرے لئے تحفہ دیا کرو۔ آئندہ آنے والے لوگوں تک بھی یہ بات پہنچا دینا آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی جس کا مقصد یہ ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے'' جب تم تحفہ دینے جاؤ پس تم اس کو اچھا تحفہ دو اگر اچھے کی طاقت نہیں تو تم اسی تحفے کو تحفے کے طور پر لٹا دو، فرمایا تم بھی مجھے تحفہ دو جس کے عوض میں تمہاری سفارش کروں گا اور تم اس کو میری طرف سے تحفہ سمجھو۔ آخرت میں بڑی مشکل کے وقت میری سفارش کا یہ تحفہ تمہارے کام آئے گا فرمایا میرے لئے تحفہ تم درود و سلام کا دو، حضرت علی فرماتے ہیں صحابہؓ کی دور دراز سے اور قریب سے روتے ہوئے آواز آ رہی تھی یا رسول اللہ ہم سلام کس طرح پڑھیں یا بعد والے لوگ کس طرح پڑھیں گے آپ ﷺ نے فرمایا یوں پڑھا کرو اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اور بعد والوں کے لئے بھی یہی عمل لازم ہوگا اللہ تعالیٰ نے مجھے شاہد بنایا ہے جو تم قرآن پاک میں پڑھ چکے ہو فرمایا شاہد کلام عرب میں اقرب کو کہتے ہیں فرمایا میں قیامت تک اپنی امت کے افعال کا عینی شاہد و اقرب ہوں پھر آپ ﷺ نے فرمایا مجھے تمہاری طرف سے اور بعد والوں کی طرف سے درود و سلام کا تحفہ پسند ہوگا آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا آپ ﷺ نے فرمایا کہ دیکھو اللہ تعالیٰ نے میرے لئے درود و سلام کو پسند فرمایا ہے جب تم میرے لئے یہ تحفہ دو گے تو وہ اس تحفے کو قبول کرتے ہوئے میری سفارش کو تمہارے حق میں قبول فرمائے گا۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب وہ لوگ اپنے نفسوں پر ظلم کر بیٹھیں اے حبیب پاک ﷺ وہ تمہاری بارگاہ میں آئیں بخشش مانگیں اور رسول اکرم ﷺ بھی ان کے لئے بخشش مانگیں فرمایا یہ آیت ظالموں کے کبیرہ گناہ کے حق میں ہے کہ اہل کبائر جب ظلم کریں

Marfat.com

سوائے میرے وسیلے کے ان کی بخشش نہ ہوگی اگر تم نے اہل دنیا میں میرے وسیلے سے دعا مانگی تو مجھے قریب پاؤ گے پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ کفار کو مشرکین کو کسی کی سفارش نفع نہ دے گی۔ وہ میرے منکر اور قرآن پاک کے منکر ہیں قیامت کے دن میں سب کا شفیع ہوں گا اور قرآن پاک بڑا شفیع ہوگا۔

قرآن پاک کی مرضی جس کے حق میں ہوگئی تو تم اس کو حتمی سفارش سمجھو قرآن پاک کا راضی کرنا اللہ تعالیٰ کا راضی کرنا ہے قرآن پاک کو ناراض کرنا اللہ تعالیٰ کا ناراض کرنا ہے یہ حدیث نقل متواتر ہے امام باقر نے اپنی تفسیر میں سنہری الفاظ میں نقل کیا ہے اوپر والی آیات معتزلہ نے سفارش کی نفی میں کی ہیں نبی پاک ﷺ نے اسی خطبہ میں ان سب کفار کے متعلق فرمایا ان آیات کو بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ میری سفارش اور قرآن پاک کی سفارش حتمی ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے خود دعا مانگنے اور بخشش مانگنے کا حکم دیا ہے پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا اور میں تم اگلے اور پچھلے سب کا شفیع ہوں گا۔ بحکم قرآن نیز آپ نے یہ آیت بھی پڑھی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "اے حبیب پاک ﷺ میں تجھے عنقریب اتنا دوں گا کہ راضی ہو جائے فرمایا اللہ تعالیٰ مجھے قیامت میں اتنا دے گا اگر چہ تمام دنیا کی نعمتیں اور انبیاء کی نعمتیں اور کائنات میں جو کچھ ہے ان سب کو جمع کیا جائے اور آخرت میں جو اللہ مجھے دے گا وہ یوں اس کے مقابلے میں سمجھ لیجئے جس طرح سوئی سمندر میں ڈبو دی جائے واپس نکالی جائے تو اس سمندر سے ایک قطرہ پانی کا نکل آئے گا لیکن مجھے جو عطا ہوگا وہ ایک قطرہ بھی کم نہ ہوگا۔ دنیا میں جو کچھ ہے وہ سب اسی قطرے کی مثال ہے مجھے جو کچھ دیا جائے گا وہ لامحدود ہوگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم خوش رہو اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنے حبیب کا امتی ہونا پسند فرمایا آپ نے فرمایا کہ یہ میرا پیغام جہاں تک تم سے پہنچ سکے میرے آج کے تمام خطبہ کو پہچانا حضرت علی فرماتے ہیں جو آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر خطبہ دیا نہ آج تک کسی نے دیا ہے نہ کوئی خطبہ دے سکے گا اسی مکمل خطبہ کو حضرت علیؓ نے مجموعۃ الحدیث میں قلم بند کیا ہے اور امام باقر نے اپنی تفسیر میں حضرت علیؓ کے تمام مجموعے کو قلم بند کر دیا ہے اور یہ حدیث عظیم متواتر ہے، امام زہری نے بھی قلم بند کیا اور یزید ابن ہارون حافظ الحدیث نے بھی فرمایا کہ سرکار کا شفیع ہونا از روئے قرآن وحدیث تواتر ہے جو خطبہ حج میں مذکور ہے اس جیسا تواتر تو کوئی اور تواتر ہی نہیں ہے۔

اب عرض کروں کہ نص قرآنی اور احادیث تواتر کا منکر بالاتفاق کافر ہے امت مسلمہ کا بھی اسی پر اتفاق ہے اب کسی تاویل کی ضرورت نہیں۔ جو آیات معتزلہ نفی میں بیان کرتے ہیں وہ ان کی اسی خطبہ میں وضاحت ہوگئی کہ خود سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ یہ تمام مذکورہ آیات کفار کے لئے ہیں۔ معتزلہ نے جو پارہ نمبر ۳ کے پہلے رکوع کی پہلی آیت کو نفی میں ٹھہرایا ان کا جواب بھی اسی حدیث میں ہو چکا ہے کیونکہ اس میں کفار ظاہر ہیں ہم تسلیم نہیں کرتے کہ کفار کی سفارش ہوگی مَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنْصَار میں بھی نقیض کے طور پر ہے یہ کفار کے لئے واقع ہے ظلم ظلم کی بھی قسمیں ہیں کفر خود کفر ہے اور کفر بڑا ظلم ہے مسلمان سے اگر کوئی ظلم ہو وہ تو حید اور رسالت کا قائل ہوتا ہے جب کہ اوپر آیت بیان ہو چکی ہے خطبے میں بھی حضور ﷺ نے اسی آیت کو دہرایا۔ اہل فلسفہ نے صاحب خزینۃ القرآن کے اس بے نظیر فلسفہ سے انبیاء کا شفیع ہونا ثابت کیا ہے۔ جاننا چاہئے کہ فلاسفہ نے شفاعت کا ثبوت اس طرح پر کیا ہے کہ واجب الوجود کی ذات جو عام اور فیض عام کا منبع ہے پس جس جگہ اس کا فیض حاصل نہیں ہوتا اس کا اصل نہ ہونا اس چیز کی عدم قابلیت سے ہوتا ہے اور یہ بات ہو سکتی ہے کہ ایک شئے میں واجب الوجود سے فیض کے قبول کرنے کی صلاحیت نہ ہو مگر اس چیز سے فیض قبول کرنے کی صلاحیت ہو۔ جس نے واجب الوجود سے فیض کو حاصل کیا پس وہ شئے اس کے لئے واجب الوجود سے فیضان حاصل کرنے کا واسطہ ہو جائے گی اور خارج میں اس کی مثال یہ ہے کہ آفتاب کی روشنی کو وہی چیز قبول کرتی ہے جو آفتاب کے مقابل ہو اور مکان کی چھت اس کو قبول نہیں کر سکتی۔ کیونکہ آفتاب کے جرم سے اس کا مقابلہ نہیں ہے اس واسطے اس میں آفتاب کا نور قبول کرنے کی استعداد نہیں ہے لیکن اگر صاف پانی کسی برتن میں بھر کر اس مکان میں رکھ دیا جائے اور اس کے اوپر آفتاب کی روشنی پڑے تو اس پانی سے اس روشنی کا عکس چھت کے اوپر پڑتا ہے پس وہ آفتاب صافی آفتاب سے اس چھت میں نور کے پہنچنے کے لئے واسطہ ہے اگر خود چھت میں صلاحیت نہیں ہے اسی طرح انبیاء علیہم السلام کی ارواح واجب الوجود سے اور عام خلق کی ارواح کے درمیان میں فیضانِ الٰہی کی عام خلق کی ارواح تک پہنچنے میں واسطہ ہے فلاسفہ نے اپنے اصولوں کو صاحب خزینۃ القرآن کے اس فلسفہ سے ثابت کیا ہے یہ فلسفہ نہایت قوی اور دقیق ہے) یہ فلسفہ امام باقر نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے ان تمام آیات کا جواب خود رسول اکرم ﷺ کی احادیث پاک سے ہو چکا ہے۔

Marfat.com

حدیث نمبر 5:

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں قرآن کریم کی اہمیت بیان کرتے ہوئے یہ فرمایا کہ تم خوش رہو کہ قرآن پاک اور دین مکمل ہو گیا پھر فرمایا کہ یہ اللہ ازلی و ابدی و دائمی کا کلام ازلی و ابدی و دائمی ہے یہ قرآن پاک وہ ہے بے بہا خزانے عطا فرماتا ہے اور اس میں بے بہا علوم ہیں کمی نہیں آتی فرمایا مثال کہ سمندر کے اندر سوئی ڈبو دو پھر اس کو نکالو تو سمندر میں ایک قطرہ پانی کی کمی آجائے گی لیکن قرآن کریم میں وہ بے بہا علوم ہیں جن میں اس قطرہ پانی کے مثل بھی کمی نہیں آسکتی اس کے علوم ویسے کے ویسے رہیں گے یہ فرمایا کہ قرآن پاک جس کو چاہے گا جہنم میں بھیجے گا جس کو چاہے گا جنت میں بھیجے گا فرمایا قرآن پاک کا فیصلہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا فیصلہ ہوگا۔ کیونکہ یہ اس کا کلام ہے آپ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے دو وصف ہوں گے ایک جمال اور ایک جلال، قرآن پاک ان دونوں رنگوں میں نظر آئے گا جب قرآن پاک سفارش کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس وقت جمال میں ہوگا جب جلال میں ہوگا تو اس وقت قرآن پاک اللہ تعالیٰ کے جلال میں ہوگا قرآن پاک اللہ کا جمال بھی ہے اور جلال بھی ہے نیز فرمایا کہ قرآن پاک جب سفارش کرے گا تو اللہ تعالیٰ سے وہ علیحدہ نہ ہوگا وہ یہی صورت ہوگی کہ اللہ تعالیٰ کا اس وقت جمال اور کرم ہوگا کیونکہ کلام اللہ اللہ کی حقیقی صفت اور یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ازلی ہے اس کی ازلی اور حقیقی حقیقت اس سے کیسے جدا ہو سکے۔ فرمایا تم قرآن پاک کی اتباع کرو اللہ تعالیٰ بھی فرماتا ہے قرآن پاک کی اتباع کرو اور قرآن پاک سے ڈرو تمہاری آخری قسمت کا فیصلہ قرآن پاک کے ہاتھ ہوگا اور میں بھی تمہاری سفارش کروں گا یہ خطبہ حجۃ الوداع صاحب خزینۃ القرآن نے اسی آیت وَاتَّقُوْا یَوْمً کی تفسیر میں بیان کیا ہے رہا سوال اس بات کا کہ فاجر لوگ دائمی عذاب میں ہوں گے کیا ان کی سفارش بھی ہوگی یہ آئندہ وعید میں بیان ہوگا آپ حضور اکرم ﷺ کی سفارش کے متعلق احادیث تو اتر بیان ہو چکی ہیں اور قرآنی آیات سے بھی واضح بیان ہو چکا ہے دو مقدمے عرض کر رہا ہوں۔

⌘⌘⌘⌘⌘

Marfat.com

مقدمہ اوّل

صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ قرآن پاک کی تفسیر اصل قرآن سے کی جائے اور ہر لفظ پر حضور اکرم ﷺ کا ارشاد اس تفسیر کے بارے میں ہو تب تو ہے وہ تفسیر کیونکہ قرآن پاک کی اصل حقیقت کو میرے نانا جان نبی کریم ﷺ نے سمجھا ہے آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ میری ہر بات قرآن پاک کے مطابق ہے۔ فرماتے ہیں الحمد للہ میں نے اپنی تفسیر خزینۃ القرآن قرآن از قرآن اور مطابقت حدیث سے کی ہے میرے جد امجد کی تفسیر بھی ایسی ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے جس طرح آپ ﷺ نے فرمایا ہے اس طرح کہا اور جب اس تفسیر کو انسان پڑھتا ہے تو تفسیر خزینۃ القرآن کو ہر وقت پڑھنے کو دل چاہتا ہے اور دل میں یہ آتا ہے کہ اس تفسیر کو انسان نہ چھوڑے اسماء الرجال کے حاشیہ جلد دوئم صفحہ ۲۵۹ پر امام بخاری یہی فرماتے ہیں کہ تفسیر خزینۃ القرآن دنیا کی بہترین تفسیر ہے اور جی چاہتا ہے کہ میرے تمام سانس اسی کو پڑھتے ہوئے گزریں اس میں قوی دلائل ہیں تفسیر اور قرآن بالقرآن ہے اور مطابق حدیث ہے معقول فلسفہ فقہ حتی کہ تمام علوم پر جامع ہے یہ اس تفسیر کا نہایت منفرد خاصہ ہے یہ امام بخاری کے لفظ بلفظ کا فقیر نے ترجمہ کیا ہے۔ اسی قول کو صاحب نہایا شریف والوں نے جلد نمبر ۴۵ صفحہ ۲۶۲ پر لکھا ہے کہ تفسیر خزینۃ القرآن جامع ہے قرآن بالقرآن ہے مطابق بالحدیث ہے اور تمام علوم پر جامع ہے کسی تفسیر کو پڑھنے کا لطف نہیں آتا سوائے اس تفسیر کے یا تفسیر امام باقر جو امہات التفاسیر جوامُ العلوم اور قرآن بالقرآن ہے اور متواترا حادیث ہیں اکثر مفسرین کا یہی فیصلہ ہے انہوں نے امام بخاری کے مذکورہ قول کو دہرایا کہ امام بخاری نے یہ بھی فرمایا چونکہ اس تفسیر میں مصنف نے پہلے لوگوں کی بھی عقدہ کشائی کر دی۔

مقدمہ دوئم:

صاحب تفسیر خزینۃ القرآن نے یہ فرمایا ہے اصح الْكِتَابَ كِتَابَ اللهِ بَعْدُ الكتاب مجموعة الاحاديث ما كاتب جَدِّيِ عَلِيٌّ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کے بعد مجموعہ الکتاب جو میرے جدی امجد حضرت علی نے لکھی ہے وہ ہے فرماتے ہیں کہ جمعہ کے مجمع میں حضرت ابو بکر صدیق ؓ نے صحابہ میں فرمایا جو ابوالحسن نے احادیث پر کتاب لکھی ہے قرآن پاک کے بعد اس کا مقام ہے اور تمام صحابہ نے اس پر اتفاق کیا اور قرآن پاک کی اصل تفسیر ہے امام باقر اور اکثر مفسرین کا یہی فیصلہ ہے اور اسی کتاب کو صحابہ کے زمانہ میں بھی یہ مقام حاصل رہا۔ اور تابعین کے وقت میں بھی یہی فیصلہ رہا۔ امام زہری نے جب حدیث کی تدوین کی عمر بن عبدالعزیز کے عہد میں انہوں نے بھی حضرت ابو بکر صدیق کے اسی فیصلے کو دہرایا اور تمام محدثین اور مفسرین نے اس پر اتفاق کیا میرے جدے امجد حضرت امام جعفر صادق بھی یہی فرماتے ہیں کہ میرے دادا حضرت علیؓ کی لکھی ہوئی کتاب جو احادیث پر ہے اس کا مقام قرآن پاک کے بعد ہے فرماتے ہیں کہ میرے نانا ابو بکر صدیق ؓ نے بھی یہی فرمایا، فرماتے ہیں کہ اسی کتاب میں لکھا ہوا ہے رسول اکرم ﷺ نے جب اس کتاب کو لکھا ہوا دیکھا ہے جو حدیث کو جمع کیا جا رہا تھا آپ ﷺ نے فرمایا میری امت کے لئے یہ کتاب نفع مند ہوگی پھر یہی کتاب حدیث پر جامع ہے اس میں 6 لاکھ سے زائد احادیث ہیں امام جعفر صادق نے فرمایا کہ حدیث کی کتب میں سے مجموعہ الاحادیث ہے اور قرآن پاک کی پہلی تفسیر ہے اور صحابہ اور تابعین کے زمانے میں قرآن پاک کی تفسیر احادیث سے کی جاتی تھی امام بخاریؒ بھی فرماتے ہیں کہ میں نے کچھ احادیث راویوں سے اکٹھی کیں اور آٹھ لاکھ احادیث میں نے خزینۃ القرآن کا مطالعہ کر کے یاد کیں کہ اس میں بیس لاکھ احادیث ہیں اسی طرح دس لاکھ احادیث یاد ہیں یہ قول امام بخاری کا اسماء الرجال کے جلد نمبر ۲ حاشیہ ۳۶۸ پر ہے اب اس زمانے میں یہ ہے کہ بخاری شریف کو کتاب اللہ تعالیٰ کے بعد درجہ دیا جاتا ہے امام محمد راغب اصفہانی تذکرۃ المفسرین میں فرماتے ہیں کہ احادیث کی کتب میں اصلح الْكِتَاب بعد الكتاب الله مجموعة الاحاديث كاتب علي امير المؤمنين . اسی طرح اس

Marfat.com

میں شک نہیں کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے لکھی گئی آپ ﷺ نے بھی اسے امت کے لئے نفع مند فرمایا اور حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بھی اس کی تائید کی اور صحابہ نے بھی اتفاق کیا اور تابعین نے بھی سید میراں جیو رحمۃ اللہ علیہ خیرآبادی نے جو شرح ابن ماجہ اور شرح مسلم شریف لکھی ہے اس میں اس پر کافی وضاحت ہے جس میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے چھ اقوال بھی درج ہیں اب سید میراں جیو نے یہی فیصلہ کیا ہے کہ قرآن کریم کے بعد جو جد امجد حضرت علیؓ نے مجموعہ الحدیث لکھی اس کا مقام ہے سید میراں جیو برقعی نوری فرماتے ہیں کہ بخاری کو اہمیت تب ہوتی کہ اس سے قبل احادیث پر کوئی کتابیں نہ ہوتیں حالانکہ پہلے کافی کتب موجود تھیں مجموعہ الاحادیث جامعیت کے لحاظ سے بھی اس سے زیادہ ہے حالانکہ بخاری میں چار ہزار احادیث ہیں اور تکرار کر کے ملاؤ تو سات ہزار دو سو ۷۵ ہیں فرمایا اس کتاب میں چھ لاکھ سے زائد احادیث ہیں پھر اس کے لکھنے والے امیر المومنین حضرت علی ہیں۔ جو رسول اللہ ﷺ کے قریبی ہیں فرمایا اس میں دو گروہ ہیں ایک گروہ بخاری کو قرآن پاک کے بعد مانتا ہے کہ اس کا مقام ہے لیکن اکثریت اسی پر ہے کہ مجموعہ الکتاب کا نمبر قرآن کریم کے بعد ہے جس کی تائید خود رسول اللہ ﷺ نے بھی فرمادی جس کی تائید خود رسول اللہ ﷺ فرمادیں اس کے سامنے کسی اور قول کی ضرورت نہیں اس میں ایک یہ وجہ ہے کہ وہ رسول اکرم ﷺ کے زمانے میں لکھی گئی اور آپ ﷺ نے بھی اسے دیکھا اور جب کوئی آیات نازل ہوتی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کی تفسیر رسول اللہ ﷺ سے دریافت کر کے تحریر کر لیتے اور بخاری شریف تیسری صدی میں لکھی گئی حالانکہ امام جعفر صادق نے بھی اس کی تائید کی جو امام اعظمؒ کے استاد ہیں اور امام اعظمؒ امام بخاری کے استادوں کے استادوں کے استاد ہیں ان کی بھی یہی تاکید ہے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی پر اتفاق کیا اب فقیر کلام پاک کی تفسیر کی طرف رجوع کرتا ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ۚ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ط (۴۹)

ترجمہ: اور جب ہم نے تم کو آل فرعون سے نجات دی وہ تمہیں برا عذاب پہنچاتے تھے تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے تھے اور تمہاری عورتوں (بیٹوں) کو زندہ رکھتے تھے اس میں تمہارے رب کی طرف سے تمہارے لئے بڑا امتحان تھا۔

جاننا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ان پر جو بنی اسرائیل تھے انعام فرمایا اور اس آیت میں انعام کے بعد ان کی اصل حقیقت کو واضح فرمایا اَنْجَيْنَا کے اندر قراء نے اس کو نَجَّيْكُمْ بھی پڑھا ہے اور اَنْجَيْنَاكُمْ بھی پڑھا ہے اور اَنْجَاكُمْ بھی صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ اصل نَجَّيْنَا ہے کیونکہ نَجَا کے معنی بلند مقام کے بھی ہیں اور بلند جگہ جو ہوتی ہے وہ باقی زمین سے علیحدہ جگہ ہوتی ہے اَنْجَا کا یہی مقصد نکلا کہ اللہ تعالیٰ نے فرعون کے برے عذاب سے نجات دی اور ان کی راہنمائی کی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں رسول اکرم ﷺ پر جب یہ آیت نازل ہوئی آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو بڑی نجات فرمائی فرعون کے ظلم سے اور ان کے لئے دریا کو پھاڑا، اب لفظ آل پر تحقیق یہ ہے کہ حضرت عبداللہ ابن کعب فرماتے ہیں کہ آل جو لوگ بڑے لوگوں کے ساتھ مخصوص ہوں ان کو کہا جاتا ہے صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں اس کے اندر جو ہمزہ ہے وہ خاصیت کو ظاہر کرتا ہے۔ کیونکہ لفظ آل اس کو یوں سمجھ لیجئے۔ یعنی اہل مکہ اہل اللہ یعنی مکہ والے اللہ کا کنبہ ہیں فرماتے ہیں حدیث شریف میں بھی ہے رسول اللہ ﷺ نے صحابہ میں یہ فرمایا کہ حسنؓ حسینؓ میرے نواسے ہیں۔ جو ان کی اولاد ہوگی وہ میری آل ہوگی۔ ایک اور حدیث میں صحابہ میں یوں فرمایا حسن حسین میرے بیٹے ہیں ان کی نسل قیامت تک رہے گی وہ میری آل ہوں گے۔ پھر یوں فرمایا کہ پرہیزگار و متقی میری آل ہے یہ تمام احادیث امام باقر نے اپنی تفسیر میں بیان کی ہیں۔ سلیمان فارسی میری آل میں سے ہے پھر فرمایا مسلمان میری آل ہیں اور فرمایا آل بادشاہ کی رعیت کو بھی کہا جاتا ہے جیسا کہ فرعون لاولد تھا اس کی رعایا کو قرآن پاک نے آل فرمایا ہے۔ فرمایا میں تمام زمین و آسمان کا بادشاہ ہوں اور تمام مسلمان جو قیامت تک ہوں گے میرا کلمہ پڑھنے والے سب میری آل ہوں گے یہ حدیث تفسیر امام باقر میں ہے اور تواتر سے ہے یاد رہے کہ قرآن و حدیث کی رو سے آل کا لفظ عموم ہے اور اس کو عموم پر مقید رکھنا چاہئے لیکن یہاں عجیب حال ہے کہ لوگ عزت نفس کی خاطر صرف حسن و حسین کی اولاد کو آل کہتے ہیں حالانکہ قرآن کریم کے حکم کے منافی ہے اور حدیث اور لغت کے بھی خلاف ہے۔ لیکن آج کل یہ حال ہے کہ جیسا کہہ چکا ہوں کہ لوگ اپنی عزت نفس کی خاطر قوم کو بدل لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی اولاد ہیں اس کا کوئی فائدہ نہیں بلکہ گناہ کبیرہ ہے اس سلسلے میں حدیث درج ہے۔

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اپنی قوم کو تبدیل کرے گا وہ لعنتی ہے۔

نوٹ:

یاد رہے کہ نسبی تعلق سے روحانی تعلق اعلیٰ وممتاز ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سب مسلمان میری آل ہیں اور حضور اکرم ﷺ عالم کے بادشاہ ہیں اور سارا عالم آپ کی آل اور رعیت ہے جیسا کہ فرعون کی رعیت کو آل کہا گیا ہے۔ حالانکہ وہ تمام روئے زمین کا بادشاہ نہ تھا صرف مصر کا بادشاہ تھا۔ معلوم ہوا کہ لفظ آل میں مسلمان اور غیر مسلمان سب شامل ہیں جیسا کہ فرعون کی آل مسلمان نہ تھی بلکہ وہ کافر تھی۔ اگر کوئی سوال کرے کہ جیسا فرعون کے لئے لفظ آل بمعنی رعایا کے وارد ہے اسی طرح کسی اور پیغمبر کے لئے بھی ہے جس کی امت کو آل کہا گیا ہو جی ہاں بالکل آیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

تَرَکَ اٰلُ مُوْسٰی وَاٰلُ هٰرُوْنَ

ترجمہ: جو کچھ آل موسیٰ اور آل ھارون نے چھوڑا۔

ظاہر ہے کہ یہاں آل کے لفظ سے بھی امت مراد ہے امام باقر اپنی تفسیر میں حدیث درج کرتے ہیں، صحابہ کے مجمع میں حضور اکرم ﷺ اور حضرت علیؓ نے آل کے بارے میں پوچھا فرمایا: آل اہل علم ہوتے ہیں، اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ آل اہل علم ہے نیز ارشاد ہوتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤی اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِیْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ۝

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے چن لیا ہے نبوت کے لئے آدم کو اور حضرت نوح علیہ السلام کو اور آل ابراہیم اور آل عمران کو تمام جہان والوں پر۔ دیکھئے لفظ آل تخصیص نہیں عمومیت ہے لیکن جہلاء نے اسے مخصوص کر لیا ہے تاکہ ان کی عزت نفس بڑھتی رہے یہ بالکل بے بنیاد ہے جیسا کہ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ آل کا مقصد روحانیت سے ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ اہل علم تو اصل آل کا مقصد روحانیت اور علم کے ساتھ ہے آپ نے بہت خوب فرمایا ہے کیونکہ فرمایا میرے آباؤ اجداد دونوں طرف سے رسول اللہ ﷺ کی آل ہیں نسب کے اعتبار سے تقویٰ روحانیت علم اور شرافت کے اعتبار سے علم میں بھی ان کو سب سے ممتاز دیکھو اور شرافت میں بھی یہ حال ہے کہ سارا جہان ان سے شرافت سیکھتا ہے اور تقویٰ بھی لوگ انہی سے سیکھتے ہیں نبی کریم ﷺ نے صحابہ سے فرمایا میری اہل بیت نوح کی کشتی کی مانند ہے اور تقویٰ شرافت علم انہی میں دیکھنا ان تینوں چیزوں میں اللہ تعالیٰ نے ان کو چن لیا ہے۔ یہ احادیث تفسیر امام باقر وغیرہ میں ہیں۔

مزید آل پر کافی بحث ہے لیکن اب فقیر فرعون پر عرض کرتا ہے، اس میں اختلاف ہے بعض لوگوں نے فرعون کے نام میں اختلاف کیا ہے صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کا نام مصعب بن ریان تھا اور دوسرے قول میں جو یہود نے بیان کیا ہے اس کا نام قابوس تھا۔ فرمایا یہ دونوں قول باطل ہیں فرماتے ہیں میرے جدامجد امام محمد باقر بحوالہ حضرت علی فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے فرعون کے بارے میں پوچھا کہ اس کا کیا نام تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا جو فرعون یوسف علیہ السلام کے زمانے میں تھا اس کا نام مصعب بن ریان بادشاہ تھا۔ چونکہ یوسف علیہ السلام کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام چار سو سال بعد آئے ہیں۔ ان کے فرعون کا نام مصعب بن ولید تھا جس نے بنی اسرائیل پر ظلم کئے۔ حضرت علی فرماتے ہیں میں نے اسی روایت کو اور صحابہ سے بھی سنا، حضرت عائشہؓ بھی فرماتی ہیں۔

پس اب کسی قول کی ضرورت نہیں حدیث سے اس کی وضاحت ہوگئی اور یہ حدیث تواتر ہے لَیَسُوْمُوْنَکُمْ میں یہ ہے کہ فرعون ان کو عذاب پہنچانے کا عزم کرتا تھا سو مصدر ہے ساء کا بمعنی سی یعنی بری چیز کے کیا کرتے ہیں جس طرح یہ کہا جائے:

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ سُوْٓءِ الْخَلْقِ وَسُوْٓءِ الْفِعْلِ

یعنی میں بداخلاقی اور بدفعلی سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں

سُوْٓءَ الْعَذَابِ: عذاب خود ایک عذاب ہوتا ہے جب سُوْٓاء بیان ہو تو سخت عذاب، صاحب خزینۃ القرآن اس پر کافی احادیث بیان کرتے ہیں لیکن یہاں ان میں سے چند احادیث بیان کی جاتی ہیں، بحوالہ امام باقر

Marfat.com

حدیث نمبر 1:

حضرت انسؓ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ فرعون نے بنی اسرائیل کو اپنی (بیگار) میں رکھا ہوا تھا ان جزیہ لیتا تھا وہ جو کچھ کماتے تھے وہ خود لے لیتا تھا وہ تنگدست رہتے تھے۔

حدیث نمبر 2:

مالک ابن سنان فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بنی اسرائیلیوں نے فرعون کے عہد میں بڑی ذلت سے وقت گزارا ہے وہ ان سے بھنگیوں کا کام کراتا تھا کبھی ادھر کبھی ادھران کو بھگائے رکھتا تھا اور اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنی نعمت فرمائی کہ ان کو فرعون سے آزاد کرایا کیونکہ آزادی بہت بڑی نعمت ہے اس کے مقابلے میں گرفت عذاب ہے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا حکایتاً وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا یعنی یہ میری نعمتیں ہیں، تجھ پر اے موسیٰ تم بنی اسرائیل پر انعام کرو، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کا بنی اسرائیل پر بڑا احسان ہوا اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنا احسان یاد کرایا کہ اس نعمت کی ناشکری نہ کرو۔

حدیث نمبر 3:

نبی کریم ﷺ نے صحابہ میں فرمایا کہ فرعون ان کے لڑکوں کو ذبح کراتا تھا۔ اور لڑکیوں کو زندہ رکھتا تھا اس میں یہ بڑا عذاب تھا کہ اس سے نسل منقطع ہو جاتی عورتیں زیادہ ہو جاتیں مرد نہ رہتے یونہی ہوتے ہوتے عورتوں اور مردوں کا خاتمہ ہو جاتا اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اس عذاب سے بچایا جو ان کے لئے بڑی نعمت ہے۔ مزید فرمایا کہ ماں باپ کو اولاد کی پیاس ہوتی ہے اور ماں کتنی مدت تک بچے کو حمل میں رکھتی ہے اور اگر بچہ کو پیدا ہوتے ہی قتل کر دیا جائے تو ماں پر کتنا سخت شاق ہوگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ بڑا بدترین عذاب ہے فرمایا فرعون بنی اسرائیل کی نسل کو ختم کرنا چاہتا تھا مزید آپ ﷺ نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام سے بنی اسرائیلیوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو حکایتاً فرمایا اے موسیٰ تمہارے آنے سے پہلے بھی ہم عذاب میں تھے اور اب بھی فرمایا کہ بنی اسرائیل سخت عذاب میں تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں نجات دی آپ ﷺ نے پھر فرمایا کہ جس طرح دستور عرب ہے کہ بچیاں پیدا ہو جائیں تو وہ لوگ ان کو ندامت سمجھتے ہیں اور انہیں قتل کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب ان کو لڑکی کی خوش خبری دی جاتی ہے تو ان کا رنگ سیاہ ہو جاتا ہے مزید اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تنگ دستی کی وجہ سے اپنی اولادوں کو قتل مت کرو اب فقیر یہ کہتا ہے کہ یہاں يُذَبِّحُونَ ہے اور تیرہویں پارے میں واؤ کے ساتھ آیا ہے اس میں بھی حکمت ہے کہ اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے صرف اس نعمت کو یاد کرایا کہ جو ان کے بیٹوں کو ذبح کیا جاتا تھا اور دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے موسیٰؑ کو نشانیوں کے ساتھ مبعوث فرمایا کہ تو قوم کو تاریکیوں سے نکال کر نور کی طرف لے آئے تم اللہ تعالیٰ کے ان دنوں کو یاد کرو یہاں یہ دن جو ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت سے ہیں اس نعمت کا ذکر ہوا بعد میں دوسری نعمت کا پھر واؤ کی ضرورت ہوئی۔

بحث سوئم:

بعض نے بیان کیا ہے کہ يُذَبِّحُونَ أَبْنَاءَكُمْ سے اطفال مراد نہیں تاکہ نِسَاءَكُمْ کا مقابلہ صحیح ہو جائے اس واسطے کی نساء عورتوں کو کہتے ہیں پس ابناء سے بالغ مرد مراد ہوتے ہیں لیکن اکثر مفسرین نے ابناء سے اطفال مراد لیا ہے بالغ مراد لئے یہ چند وجوہ۔

وجوہات:

-1 ابناء سے اطفال کی مراد لینے میں لفظ کے ظاہر معنی پر محمول کرنا ہے۔

-2 تمام مردوں کا باوجود اتنی کثرت کے قتل کرنا دشوار تھا۔

-3 مردوں کی اس کو ضرورت رہتی تھی اس واسطے کہ اس سے ان کا کام نکلتا تھا۔

-4 اگر مرد مراد ہوتے تو حالت سفر میں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو صندوق میں بند کر کے دریا میں ڈالنے کی کیا وجہ تھی اور یہ جو کہا ہے نِسَاءَكُمْ کے مقابل مراد مرد ہونے چاہئیں اس کے دو جواب ہیں۔

Marfat.com

-1 جب اطفال کو طفولیت کے وقت قتل کر دیا گیا تو وہ مرد نہیں ہونے چاہئیں لہٰذا مرد کا اطلاق ان کے اوپر صحیح نہیں ہوتا۔ بخلاف لڑکیوں کے جب وہ نہیں قتل کی گئیں اور بالغ ہو کر نسآء یعنی عورتوں کی حد کو پہنچ گئیں تو ان کے اوپر نسآء کا حق صحیح ہو گیا۔

-2 بعض نے یَسۡتَحۡیُوۡنَ نِسَآءَ کُمۡ کے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ عورتوں کے حیا یعنی فرج کی تلاشی لیتے تھے یعنی ان کو حمل ہے یا نہیں یہ قول باطل ہے یعنی اگر آنکھوں سے حمل ظاہر نہ ہوتا تو اس طرح تفتیش کرنے سے بھی کوئی نتیجہ نہ پیدا ہوتا۔

بحث چہارم:

لڑکوں کے ذبح کرنے کے چند وجوہ بیان کئے گئے ہیں۔

-1 حضرت ابن عباس کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے جو وعدہ کیا تھا کہ تیری اولاد میں انبیاء اور بادشاہ پیدا کر دے گا اس کا حال فرعون اور ان کے گروہ کو معلوم تھا اس وجہ سے وہ ڈرتے تھے آخر کار سب نے بالاتفاق کچھ لوگ مقرر کئے ان کے ہاتھوں میں چھریاں رہتی تھیں اور بنی اسرائیل کے گھروں کی تلاشی لیتے رہتے تھے۔ جو لڑکا پیدا ہوتا اس کو قتل کر دیتے تھے پھر جب ان کو یہ خدشہ ہوا کہ بڑے اپنی موت آپ مرتے چلے جاتے ہیں اور بچے ذبح کر دیئے جاتے ہیں اب ہمارا کام کیسے چلے گا کیونکہ وہ سخت کام بنی اسرائیل سے لیتے تھے۔ تو انہوں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ ایک سال قتل کرتے تھے اور ایک سال نہ کرتے تھے۔

-2 سدی کا قول یہ ہے کہ فرعون نے خواب دیکھا تھا کہ بیت المقدس کی طرف سے ایک آگ نکلی اور مصر کے گھروں پر پھیل گئی اور تمام قبطیوں کو جلا دیا مگر بنی اسرائیل کو چھوڑ دیا فرعون نے کاہنوں کو بلا کر خواب کی تعبیر دریافت کی کاہنوں نے کہا کہ بیت المقدس کی طرف سے ایک ایسا شخص نکلے گا جس کے ہاتھ سے قبطی ہلاک ہو جائیں گے۔

بحث پنجم:

جاننا چاہئے کہ اس نعمت کا ذکر کرنے میں چند فائدے ہیں:

یہ اشیاء جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے قیامت کے عذاب اور مصیبت کے امور سے ہیں جو لوگوں کو بادشاہوں اور ظالموں کے ہاتھ سے خلقت کو پہنچتے ہیں ان چیزوں سے ان کو نجات دینا اس درجہ نعمت اور کرم تھا اس واسطے انہوں نے بھی آنکھوں سے اپنے ان لوگوں کو ہلاک ہوتے دیکھا۔ جنہوں نے ان کی ہلاکت کا مقصد کیا تھا اور اپنی آنکھوں سے ان لوگوں کو ذلیل و خوار دیکھ لیا۔ جنہوں نے ان کی ذلت اور خواری کی تھی۔ یہ شک نہیں کہ یہ بہت بڑی نعمت ہے۔ جس قدر نعمت بڑی ہوتی ہے اسی قدر اس کی تابعداری ہوتی ہے۔ یہ جو ارشاد ہوا ہے:

وَفِیۡ ذٰلِکُمۡ بَلَآءٌ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ عَظِیۡمٌ

قفال نے بیان کیا ہے۔

یہ اصل حکم ابتلاء ہے اس کے معنی امتحان لینے اور جانچنے کے ہیں، چونکہ امتحان خوشی میں بھی ہوتا ہے اور رنج میں بھی اس واسطے نعمت کو بھی بلاء کہتے ہیں اور سخت محنت کو بھی بلاء کہتے ہیں، بلا کو نعمت کے اوپر محمول کرنا بہتر ہے اس واسطے کہ رب کی طرف اس کی نسبت واقع ہوئی ہے اسی واسطے کہ اللہ تعالیٰ نے بیشتر نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے جو یہودیوں کے باپ دادا کو اس نے عطا فرمائیں۔

قال اللہ تعالیٰ: وَاِذۡ فَرَقۡنَا بِکُمُ الۡبَحۡرَ فَاَنۡجَیۡنٰکُمۡ وَاَغۡرَقۡنَاۤ اٰلَ فِرۡعَوۡنَ وَاَنۡتُمۡ تَنۡظُرُوۡنَ ط (۵۰)

ترجمہ: اور جب ہم نے تمہارے ساتھ دریا کو پھاڑا پس ہم نے تم کو نجات دی اور فرعون کے آدمیوں کو ڈبو دیا اور تم دیکھتے تھے، یہ دوسری نعمت ہے اور فَرَقۡنَا کے معنی ہیں ہم نے اس کے حصے جدا جدا کر دیئے یہاں تک کہ تمہارے لئے اس میں راستے بن گئے اور بعض قراء نے فَرَّقۡنَا تشدید کے ساتھ پڑھا ہے اس کے معنی بھی یہ ہیں کہ ہم نے اس کو جدا جدا کر دیا اور بنی اسرائیل کے لئے دریا میں بارہ راستے ہو گئے تھے۔ جس طرح ان کے بارہ قبیلے تھے۔ اگر کوئی اعتراض کرے کہ بِکُمۡ کے یہاں کیا

Marfat.com

معنی ہیں اس کے دو معنی ہیں۔

1- ایک وہ اس پانی میں چلتے تھے اور پانی الگ الگ ہو جاتا تھا۔ گویا انہیں سے پانی کو جدا جدا کیا جس طرح دو چیزوں کے اندر ایک چیز ڈال کر ان دونوں کو اس سے جدا کیا جاتا ہے۔

2- یہ معنی ہے کہ تمہارے سبب سے اس کو جدا جدا کیا اس مقام پر چند بحثیں ہیں۔

بحث اوّل:

مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرعون اور قبط کو ہلاک کرنا چاہا تو جناب باری تعالیٰ کے علم میں یہ بات تھی کہ ان میں سے کوئی بھی ایمان نہ لائے گا۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ قبط کے زیور منگنی کے طور پر لے لیں، اس میں بھی دو حکمتیں تھیں۔

1- یہ کہ مال کی خاطر سب قبطی ان کے پیچھے پیچھے چلے جائیں۔

2- یہ کہ ان کا مال ان کے پاس رہ جائے حدیث شریف میں بھی ہے قبطی کا ذکر ہے فضول ضائع نہ ہو فتح سے پہلے وہ غنیمت حاصل ہو جائے۔

حدیث شریف میں ہے کہ بعد میں موسیٰ کے پاس جبرائیلؑ اللہ کا پیغام لے کر آئے انہوں نے کہا موسیٰ تم میرے بندوں کو رات کو لے نکلو تو یہ لوگ چھ لاکھ آدمی تھے ان کے بارہ قبیلے تھے 50 ہزار آدمی ایک قبیلے کا تھا فرعون کو جب خبر ملی کہ موسیٰ اور ان کے پیرو نکل چلے ہیں راوی کہتا ہے کہ اس رات مرغ نے اذان ہی نہ دی۔ فرعون نے صبح کو بکری منگوائی اسے ذبح کرایا اور کہا کہ اس کے جگر کو کھاؤ اور فوراً اس کے کھانے سے پہلے حضرت ابی قتادہؓ فرماتے ہیں کہ چھ لاکھ قبطی موجود ہو جائیں، چنانچہ بارہ لاکھ قبطی اکٹھے ہوئے، اللہ تعالیٰ بھی فرماتا ہے فَاَتْبَعُوْهُمْ مشرقین یعنی طلوع آفتاب کو انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کے لشکر کا پیچھا کیا جب قریب پہنچے تو موسیٰ علیہ السلام کے لشکر نے دیکھا کہا اے موسیٰ وہ ہمارے قریب آ گئے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا میرے ساتھ میرا پروردگار ہے وہ عنقریب میری رہنمائی فرمائے گا۔

پس حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کو لے کر دریا کی جانب چلے جب دریا کے پاس پہنچے، حضرت یوشع بن نون علیہ السلام جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھانجے تھے انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ نے کہاں کا حکم دیا ہے فرمایا تیرے آگے کو حضرت یوشع بن نون علیہ السلام نے گھوڑے کو دریا کے اندر داخل کیا پانی ان کو ڈبونے لگا انہوں نے گھوڑے کو واپس کیا موسیٰ سے عرض کیا کہ کہاں کا حکم ہوا ہے فرمایا دریا میں داخل ہو، چنانچہ تین دفعہ اس طرح کیا اللہ تعالیٰ نے جبرائیلؑ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس بھیجا کہ اپنے عصا کو دریا کے اندر مار جب انہوں نے دریا کے اندر اپنا عصا مارا دریا پھٹ گیا اس میں پہاڑ بن گیا اور اس طرح کے بارہ پہاڑ بن گئے اور آپ نے فرمایا اب دریا کے اندر داخل ہو جاؤ۔ جب داخل ہوئے تو دریا میں کیچڑ تھی۔ ہوا چلی تو راستہ خشک ہو گیا پارہ نمبر ۱۶۔ میں بھی یہی مذکور ہے جب لوگ پہاڑ کے اندر چلے تو اپنے اپنے راستے اختیار کر لیے انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا کہ ہمیں اپنا بعض سے بعض نظر نہیں آتا آپ نے عصا مارا پہاڑوں میں کھڑکیوں کی مانند سوراخ ہو گئے اور ایک دوسرے کو نظر آنے لگ گئے۔ ادھر فرعون کا لشکر بھی دریا پر پہنچا تو دریا پر ابلیس کھڑا تھا۔ اس نے فرعون کو منع کیا کہ دریا میں داخل نہ ہو فرعون نے داخل نہ ہونے کا ارادہ کر لیا اللہ تعالیٰ نے جبرائیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ گھوڑے پر بیٹھ کر آئے انہوں نے اپنے گھوڑے کو فرعون کے گھوڑے کے آگے کر دیا تو فرعون کا گھوڑا حضرت جبرائیلؑ کے گھوڑے کے پیچھے بھاگا اور دریا کے اندر داخل ہو گیا۔ ادھر میکائیل علیہ السلام نے پچھلے لشکر کو آواز دی کہ دریا کے اندر داخل ہو جاؤ راستہ درست ہے جب سارے کا سارا لشکر داخل ہو گیا تو اس وقت دریا موج میں آیا فرعون بمعہ اپنے تمام لشکر کے غرق ہو گیا نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی موسیٰ علیہ السلام کے لشکر پر یہ نعمت ہوئی کہ دریا نے اس کو راستہ دیا اور فرعون کا لشکر ان کی آنکھوں کے سامنے اس میں غرق ہوا۔ یہ حدیث تفسیر امام باقر وغیرہ میں ہے۔

بات درست ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ یہ مدد نہ فرماتا تو وہ موسیٰ علیہ السلام کا لشکر توقف فرماتا تو وہاں فساد کا خطرہ تھا دریا کے اندر داخل ہوتے تو غرق ہونے کا اندیشہ تھا، یہ کیسی نعمت ہوئی کہ دشمن ان کی آنکھوں کے سامنے غرق ہوئے اور دریا نے ان کو راستہ دیا اور یہ بھی نعمت کہ جب وہ غرق ہو رہے تھے ان کے دشمن کو تو سرور آ رہا تھا دشمن کو آنکھوں کے سامنے غرق ہوتے دیکھ کر سرور آتا یہ بہت بڑی نعمت ہے اور یہ بھی نعمت ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ فرعون کے لشکر کو دریا میں غرق نہ فرماتا تو آئندہ فساد کے ہونے کا احتمال تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کے لشکر کو ہمیشہ کے لئے غرق کر دیا جو بنی اسرائیل پر بڑی مصیبت تھی اور موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو ہمیشہ کے لئے فتح عطا فرما دی چونکہ فرعون ان کی لڑکیوں کو زندہ رکھتا تھا اور ان کے لڑکوں کو ذبح کرواتا تھا دیکھے عورت بغیر مرد کے بے سہارا ہے اور در بدر اس کو دھکے ملتے ہیں اللہ تعالیٰ

Marfat.com

نے بنی اسرائیل کو اس سے نجات دلائی حدیث شریف میں ہے کہ رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس شکریہ کا روزہ محرم کے عاشورے کا روزہ رکھتے تھے ان پر یہ واقعہ محرم کے عاشورے کو پیش آیا۔ موسیٰ علیہ السلام کی فضیلت کو اللہ تعالیٰ نے بلند فرمایا کہ ان کو یہ معجزہ قاہرہ عطا فرمایا کیونکہ اس کی وجہ سے دریا کا پھٹنا راستوں کا بننا یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عظیم معجزہ تھا یہ اللہ تعالیٰ کے صانع ہونے پر دلالت کرتا ہے اور قوم موسیٰ نے اس کی تصدیق کی چونکہ بڑا معجزہ تھا اور انہیں موسیٰ علیہ السلام کی نبوت اور اللہ تعالیٰ کی توحید پر یقین کامل ہونا ضروری ہوا نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ یہ ان کے لئے نعمت تھی باوجود اس کے کہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کی پورے طور پر اطاعت نہ کی دیکھئے نبی کریم ﷺ کی امت پر اللہ تعالیٰ کی بکثرت نعمتیں ہیں جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اہل کتاب اور تم سب لوگ جانتے ہو کہ میں نے کسی سے حرف نہیں پڑھا اور نہ ہی میں نے لوح وقلم کو ہاتھ میں پکڑا اور لوح وقلم کے تمام احوال تمہارے سامنے سنا دیئے ہیں جو اہل کتاب کی کتابوں میں موجود ہیں اس لئے انہیں میری تصدیق کرنی چاہئے چنانچہ نبی کریم ﷺ کے اس کمال معجزہ کو دیکھ کر آپ ﷺ کی امت آپ ﷺ کی تصدیق کرتی آرہی ہے حالانکہ موسیٰ علیہ السلام کی قوم پر موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے ان کے لئے بہت نعمتیں طلب کیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا فرمائیں اس کے باوجود بھی انہوں نے مخالفت کی لیکن امت محمدیہ علیٰ صاحبھا ﷺ آپ کی فرمانبردار ہیں آپ پر جو قرآن پاک اللہ تعالیٰ کا کلام ازلی معجزہ کے طور پر آیا جو حق الیقین ہے انسان کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو دینی و دنیاوی نعمتیں عطا فرمائی ہیں دنیا میں زیادہ توجہ نہ دے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت میں سرگرم عمل رہے دیکھئے موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے جب ان پر یہ نعمتیں ہوئیں لیکن انہوں نے شکر نہ کیا اور مخالفت کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ پھر کیا فیصلہ فرمایا امت محمدیہ ؐ کو بھی اس واقعہ سے عبرت حاصل کرنی چاہئے۔

اب سوال:

معتزلی کہتے ہیں کہ جب ایمان بالغیب کا حکم ہے تو پھر دریا کو پھاڑنے کی کیا ضرورت تھی اس کا جواب صاحب خزینۃ القرآن نے یہ دیا ہے کہ بعض فتنہ باز لوگ ہوتے ہیں وہ جہالت میں غرق ہوتے ہیں۔ تو ان کو ایسے واقعہ کی ضرورت ہوتی ہے معتزلیوں کی کعب نے اس واقعہ کو دہرایا ہے اور اسی پر اتفاق کیا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کی قوم بالکل جاہل تھی انہوں نے جو کہا کہ ہمارے لئے بھی ایسے معبود ہونے چاہئیں جس طرح ان کے معبود ہیں کیونکہ وہ عقل میں عرب سے زیادہ استوار تھے چونکہ عقل ہوتے ہوئے ان کی جہالت ان پر زور کر گئی تھی نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ فرعون جان بوجھ کر اللہ تعالیٰ کے ساتھ عناد کرتا تھا بطور کفر جس میں اللہ تعالیٰ نے ان کو ہلاک فرمایا وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ کے یہ معنی لیتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ ہمیں ان کا غرق ہونا دکھایا جائے چونکہ دریا جب موجیں مار رہا تھا تو وہ ان کا غرق ہونا دیکھ رہے تھے نبی کریم ﷺ نے یہ فرمایا کہ فرعون کی نحوست سے دریا بھی تنگ آ گیا اللہ تعالیٰ نے اس کو بمعہ اس کے لشکر کے دریا سے باہر نکال دیا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آج کے دن میں تجھے جنگل کی طرف لے جاتا ہوں تاکہ لوگ تمہیں دیکھیں اور ان کے لئے عبرت ہو۔

قال اللہ تعالیٰ: وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ (۵۱) ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (۵۲)

ترجمہ: اور جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے چالیس راتوں کا وعدہ لیا پھر تم نے بچھڑے کو معبود بنالیا اس کے بعد اور تم ظالم تھے پھر اس کے بعد ہم نے تم کو معاف کیا تاکہ تم شکر کرو۔

جاننا چاہئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا ان پر تیسرا انعام تھا یا درہے کہ بعض نے اس کو بغیر الف کے پڑھا ہے یہاں بھی اور سورۃ اعراف میں بھی، باقیوں نے وٰعَدْنَا الف کے ساتھ تینوں مقام پر پڑھا ہے اس واسطے کہ وہ وعدہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھا۔ مگر مواعدت مفاعلت سے ہے اس کے اندر دو شخصیتوں کی ضرورت ہوتی ہے مفاعلت جس تقدیر پر پڑھا جائے تو اس کے کئی دلائل ہیں، حدیث شریف میں ہے رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا جب یہ آیت نازل ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر حاضر ہونے کا حکم دیا اور ان سے وحی کا وعدہ فرمایا اور موسیٰ ؑ کے معنی یہ ہیں خوب صورتی سے تیز رفتار چلنا پیدائش کے وقت سے ان کا یہی حال تھا۔

-2 موسیٰ مفعل کے وزن پر ہے اس میں میم زائدہ ہے جب کوئی شخص ایک درخت کے پتے توڑ کر اس کو ننگا کر دے تو کہتے ہیں اوسیت الشجر اور حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ موسیٰ ؑ کے سر پر بال کم تھے یہی وجہ ہے ان کا یہ نام رکھا گیا ہے۔

Marfat.com

-3 موسیٰ ایک مشترک کلمہ ہے مو اور سا سے یہ دونوں عبرانی زبان کے کلمے ہیں ما یانی کو کہتے ہیں اور سا درخت کو کہتے ہیں اس وجہ سے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے فرعون سے خوف کھایا تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان کو صندوق میں ڈال کر دریا میں ڈال دیا دریا کی موجیں اس صندوق کو بہا لے گئیں فرعون کے گھر کے قریب جہاں وہ دریا جارہا تھا دریائی درختوں میں صندوق رک گیا آسیہ فرعون کی بیوی اور ان کی باندیاں غسل کرنے کے لئے ادھر آئیں انہوں نے اس صندوق کو دیکھ کر پکڑ لیا اس جگہ کے اعتبار سے حضرت موسیٰؑ کا یہ نام رکھا گیا اس لئے کہ وہاں درخت اور پانی موجود تھے یہ تینوں احتمال باطل ہیں وہ لوگ عربی نہیں جانتے تھے۔ نہ ہی عربی میں گفتگو کرتے تھے موسیٰ ایک اسم علم ہے جو لوگ نام رکھتے تھے موسیٰ علیہ السلام کا شجرہ اس طرح ہے موسیٰ بن عمران بن یسھر بن قامیث بن لاوی بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام جب موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جب ہمیں فرعون کی قوم سے نجات عطا فرمائی تو میں تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کتاب لوں گا جب وہ دریا عبور کر چکے تو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ جس کتاب کا آپ نے وعدہ کیا وہ اللہ تعالیٰ سے لے آئیں حدیث شریف میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے صحابہ سے فرمایا اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے چالیس راتوں کا وعدہ فرمایا بعد میں سورۃ اعراف والی آیت پڑھی پھر فرمایا یعنی ۳۰ راتیں ذوالعقدہ کی اور دس راتیں ذوالحج کی اس طرح چالیس راتوں کو تمام فرمایا آپ نے یہ آیت بھی پڑھی، وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ ط تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ط یعنی اس طرح اللہ تعالیٰ نے تیس راتوں میں دس راتوں کو کامل فرمایا آپ نے یہ بھی صحابہ سے ارشاد فرمایا کہ جب حضرت موسیٰؑ تورایت لینے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف روانہ ہوئے تو اپنے بھائی حضرت ہارونؑ سے فرمایا کہ میرے بعد اس قوم کا خیال کرنا اور اسے نصیحت کرنا، آپ جب روانہ ہوئے تو حضرت ہارون علیہ السلام نے ان سے فرمایا جو ان کے پاس فرعون کے لشکر کے زیور تھے تم ان کو جلا دو یہ تمہارے لئے حلال نہیں ہیں انہوں نے جلا دیئے اور جب حضرت جبرائیل علیہ السلام کا گھوڑا فرعون کے گھوڑے کے آگے سے گزرا تو سامری نے مٹی لے لی گھوڑے کے قدموں کی اس نے زیورات کو اکٹھا کر کے مورت بنالیا اس خاک کو اس پر ڈالا تو صحیح بچھڑے کی طرح اس سے آواز آنے لگ گئی اس نے ان سے کہا کہ یہ تمہارا رب ہے وہ سب اس کی طرف مائل ہو گئے۔ اگر کوئی اعتراض کرے کہ کیا ان میں ہوشمند نہ تھے جب جہالت غالب آجائے تو ہوش اڑ جاتے ہیں۔ ان پر جہالت غالب آچکی تھی جس کے سبب وہ گمراہ ہوئے، عقل اس بات کو تسلیم نہیں کر سکتی کہ جب وہ موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ قاہرہ دیکھ چکے تھے تو پھر وہ آسمان اور زمین کے معبود کو چھوڑ کر باطل کی طرف کیسے جھک گئے حالانکہ موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ قاہرہ نے ان کو اللہ تعالیٰ کے معبود ہونے پر مجبور کر دیا تھا پھر وہ کیوں ایسے خراب ہوئے حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سامری نے ان کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ موسیٰؑ بھی طلسم سے کام لیتے تھے اور میں بھی اسی طرح طلسم سے بڑے بڑے کام کر سکتا ہوں نیز آپ نے فرمایا وہ فرقہ صوریہ سے تھے جو یہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ مورتوں میں اور بندوں میں حلول ہو جاتا ہے۔

-1 نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ یہ نہایت بے عقل تھے بلاشبہ نبی کریم ﷺ کی امت کو تمام امتوں پر فضیلت ہے وہ اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے کسی سے ایک حرف نہیں پڑھا اور وحی کے ذریعے تمام علوم کی خبر دے دی اس پر امت محمدیہ عاقل ہیں یہ تمام مذکورہ احادیث تفسیر امام باقر میں ہیں۔

-2 نبی کریم ﷺ کی امت قرآن پاک کو معجزہ سمجھتے ہیں اور بے ہودہ باتوں کی طرف مائل نہیں ہوئے اس پر نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے تسلی فرمائی کہ جس طرح آپ کو مشرکین تکلیف پہنچاتے ہیں آپ صبر فرمایئے اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کو وہ جو ایذا دیتے تھے، وہ بھی صبر فرماتے تھے چنانچہ نبی کریم ﷺ بھی مشرکین کی ایذاؤں پر صبر فرماتے رہے۔

-3 حضرت علیؑ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے توریت زمرد کی تختیوں پر لکھی ہوئی عطا فرمائی یہ کلام بغیر جبرائیل کے موسیٰ علیہ السلام کو عطا ہوا اور موسیٰ علیہ السلام نے لوح وقلم کے لکھنے کی آواز بھی سنی مجھے شب معراج کو موسیٰ علیہ السلام نے یہی واقعہ سنایا یہ حدیث تفسیر امام باقر میں ہے۔

اب ظلم کی تفسیر میں چند احادیث:

Marfat.com

حدیث نمبر 1:

حضرت عبداللہ ابن مسعود اور حضرت علی فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کو پڑھتے ہوئے فرمایا کہ بنی اسرائیل نے اپنا نقصان کیا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا بچھڑے کی پرستش کی فرمایا کہ شرک بہت بڑا ظلم ہے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ظلم کے معنی نقصان کے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یعنی شرک بڑا ظلم ہے۔

ظلم کی دوسری حقیقت یہ ہے کہ انسان اپنے اوپر ایسا ظلم کرے جیسے شرک، تو وہ عذاب کا مستحق ہوگا، فرقہ معتزلہ نے معصیت کے متعلق یہ کہا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ نے پیدا نہیں کی یہ ان کا قول بالکل باطل ہے اس کا جواب ہم کئی بار دے چکے ہیں اللہ تعالیٰ نے انسان اور اس کے اعمال کو خود پیدا فرمایا ہے پھر آگے ان کی فطرت بنادی ہے لَعَلَّكُمْ پر بحث ہو چکی ہے اب تشکرون پر آئندہ بحث آئے گی۔ انشاء اللہ

قال اللہ تعالیٰ: وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۵۳﴾

ترجمہ: اور جب ہم نے عطا فرمائی (حضرت) موسیٰ علیہ السلام کو کتاب اور فرقان تا کہ تم ہدایت پر چلتے جاؤ۔

جاننا چاہئے کہ بنی اسرائیل پر یہ چوتھا انعام ہوا اور اللہ تعالیٰ نے ان کو توریت عطا فرمائی، فرقان پر تین احتمال ہیں:

احتمال اوّل: کہ توریت ہے۔

احتمال دوئم: توریت کے اندر کوئی چیز ہے حدیث شریف میں ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود اور حضرت علی فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ سے ہم نے پوچھا کہ فرقان، موسیٰ علیہ السلام کو کیا عطا ہوا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ توراۃ اور توریت کے اندر جو احکام اور معجزات موسیٰ علیہ السلام یہ سب حق اور باطل کے مابین تمیز کرنے کے لئے تھے۔ فرمایا کہ توریت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات ید بیضا، عصا یہ ان سب کا توریت کے اندر ذکر تھا اور احکام اللہ تعالیٰ کا بھی۔ اللہ تعالیٰ نے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عصا دیا تو اس کا ذکر پہلے توریت میں موجود تھا وہ عصا بھی فرقان تھا، کیونکہ توریت دین موسوی اور معجزات موسوی کا جز ہے فرمایا یہ عصا بھی ان کے لئے حق اور باطل کے مابین فرقان ہوا۔ فرمایا اصل فرقان توراۃ ہے باقی جزو ہیں، یہ حدیث تفسیر امام باقر میں ہے۔

حدیث سے بھی اس بات کی وضاحت ہوگئی کہ فرقان توراۃ ہے عصا اور ید بیضا وغیرہ سب اس کے جزو ہیں۔ حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ دیکھو فرقان فتح کو بھی کہتے ہیں کہ جنگ بدر کے موقع پر ہر شخص یہ گمان کر رہا تھا کہ ایک طرف ہر شخص کو اپنی فتح پانے کا خیال تھا اللہ تعالیٰ نے غزوۂ بدر کے موقع پر مسلمان کو نصرت عطا فرمائی کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے یہ انعام فرمایا کہ دریا کو ان کے لئے پھاڑا اور فرعون اور اس کے لشکر کو شکست دی یہ بھی انعام اور کتاب عطا فرمائی۔

حدیث نمبر 5:

حضرت عبداللہؓ بن مسعود اور حضرت ابن العاصؓ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو فرعون پر غالب کیا۔ حالانکہ فرعون کی معزز شخصیت تھی تو اس کی شخصیت کو فوراً دریا کے اندر تباہ کر دیا۔

اس کے بعد فرمایا پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو ہدایت کے لئے کتاب عطا فرمائی معتزلی منحوس انکار کرتے ہیں کہ ہدایت کے کیا معنی؟ جب کہ ہدایت اور گمراہی اللہ تعالیٰ خود لوگوں کے دل میں پیدا کرتا ہے، تو پھر کتابوں کے نازل کرنے کی کیا ضرورت، کیونکہ اگر ہزار کتابیں بھی ہوں تو وہ ان کو ہدایت نہیں آئے گی یہ قول ان کا باطل ہے اس کا جواب پہلے ہو چکا ہے، اب ایک اور حدیث ابن مسعودؓ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہدایت اور گمراہی کا خالق اللہ ہے پھر وہ فطرت ڈال دیتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے، جس کو اللہ ہدایت دے اس کو کوئی گمراہ نہیں کر سکتا جسے وہ گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ فرمایا اللہ تعالیٰ تمام امورات ہر چیز جو ممکنات اور موجودات ہے وہ اس کا موجد اور خالق ہے اس نے ہمیں اچھائی اور برائی کے راستے بتلا دیئے ہیں کتابوں اور نبیوں کے ذریعے ہدایت کی خبر ملتی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب تک ہم کسی رسول کو نہ بھیجیں تو ہم عذاب نہیں کرتے تو معتزلیوں کا جواب اس حدیث اور آیت قرآنی سے ہوا۔ یہ حدیث تفسیر امام باقر میں ہے۔

فرقان سے بعض لوگوں نے قرآن پاک مراد لیا مجوسیوں کے فرقہ اور دوسرے لوگوں نے بھی، لیکن یہ قول ضعیف ہے انہوں نے یہ کہا ہے کہ ہم نے موسیٰ کو

Marfat.com

کتاب دی اور محمد ﷺ کو فرقان عطا فرمایا کیونکہ یہ واؤ تخصیص کررہی ہے اس امر کی، یہ قول باطل ہے اگر ایسا ہوتا تو مذکورہ حدیث میں بھی اس کی وضاحت ہوتی بس فرقان تو رایت ہی ہے اجماع امت کا اسی پہ اتفاق ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: وَاِذْ قَالَ مُوسٰی لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰی بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ ؕ فَتَابَ عَلَیْكُمْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ (۵۴)

ترجمہ: اے حبیب پاک اس وقت کو یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم نے بچھڑے کو معبود بنایا اپنی جانوں پر ظلم کیا اپنے پیدا کرنے والے کے حضور توبہ کرو پس اپنے آپ کو قتل کرو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے تمہارے پیدا کرنے والے کے نزدیک ہے، پس تمہارے اوپر اس نے رجوع کیا وہ رجوع کرنے والا مہربان ہے۔

جاننا چاہئے کہ یہ ان پر پانچواں انعام ہے کہ ان کو توبہ کرنے کا موقع فرمایا گیا مفسرین نے یہ فرمایا ہے کہ قتل کا ہونا انعام نہیں ہوتا اس پر کچھ احادیث ہیں۔

حدیث نمبر 1:

حضرت عبداللہ ابن مسعود اور حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جب انہوں نے بچھڑے کو معبود بنالیا تو یہ اپنے حق میں بہت ظلم کیا اللہ تعالیٰ نے ان کو شرک کی سزا دینے کے لئے اپنے آپ کو قتل کرنے کا حکم دیا جب وہ ایسا کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف فرمادیا اس حدیث سے واضح ہوا کہ اس وقت ان کو قتل کرنے کا حکم ہوا بعد میں معافی کا اعلان ہوا اگر یہ حکم نہ اٹھتا تو آج تک یہ حکم جاری رہتا۔

حدیث نمبر 2:

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری وجہ سے میری امت پر انعام فرمایا ہے کہ ان کو صرف یہی حکم ہے کہ میرے حبیب ﷺ کی رسالت پر ایمان لے آو یہی تمہارے حق میں بہتر ہے اس حدیث سے نتیجہ یہ ظاہر ہے کہ نبی کریم ﷺ کی امت پر یہ احسان ہے کہ گناہ کریں تو ان پر اسی وقت عذاب پیش آتا نبی کریم ﷺ کی وجہ سے توبہ کے یہ معنی ہیں کہ انسان کئے ہوئے گناہ پر نادم ہو ظلم کے یہ معنی ہیں کہ اپنے نفس کو ظلم پہنچانا یا دوسرے کی طرف متعدی ہو۔ اس سے ظاہر ہے۔

حدیث نمبر 3:

حضرت علیؓ اور حضرت ابوبکرؓ فرماتے ہیں کہ جب انہوں نے بچھڑے کو معبود بنالیا تو یہ شرک تھا اور رابدلآباد ذات کے ساتھ ناانصافی تھی۔ کیونکہ عبادت کے لائق وہ ہے، غیر کی عبادت کرنا یہ ان کا اپنے حق میں ظلم تھا۔

حدیث نمبر 4:

حضرت امام جعفر صادق اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر یہ احسان کیا کہ ان کو معافی کا اعلان فرمادیا اسی طرح جس وقت قاتل قتل کرتا ہے تو اس قاتل کو ورثاء مقتول کے حوالے کرنا ہوتا ہے، بطور قصاص۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے شرک بڑا عظیم گناہ ہے تو ان کو اس گناہ کا عذاب یہی کہ اپنے آپ کو قتل کرو آپ ﷺ نے فرمایا میرے وقت میں یہ حکم اٹھالیا گیا ہے کیونکہ اب بھی یہودی موجود ہیں میں جہاں بھی ہوں گا۔ عذاب نہ ہوگا۔ حتیٰ کہ سخت عذاب میری وجہ سے تمام زمین پر نہ ہوگا، جیسا کہ ظاہر عذاب قوم عاد، قوم ثمود اور قوم لوط پر ہوا یہ تمام احادیث تفسیر امام باقر وغیرہ میں ہیں، صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں۔ یہ حدیث حضرت علیؓ نے بھی اور آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے نہیں ہے اللہ کے لئے تاکہ عذاب کرے، ان کو جن میں اے حبیب پاک ﷺ آپ موجود ہوں اپنے مجموعہ میں لکھی بعض مفسرین کا یہ خیال ہے فرمایا، میرا شاہد ہونا سارے عالم اور روئے زمین پر ہے عذاب نہ آئے گا کہ ان کو کچھ اپنا جسم توڑنے کا حکم ہوا قاضی عبدالجبار کا بھی یہی قول ہے ادھر جو مذکورہ مستند احادیث گزر چکی ہیں ان کی روشنی میں یہ باطل ہیں بِاتِّخَاذِكُمُ کے اندر با زائد ہے اس کا کیا مقصد ہے یعنی انہوں نے بچھڑے کو بنایا اس میں کوئی جرم نہیں تھا یہ اس معنی کو ظاہر کرتی ہے کہ انہوں نے بچھڑے کو معبود بنایا۔ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ میں بالمشافہ ان

Marfat.com

کے ساتھ خطاب ہے پس یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر فرد کے ساتھ بلکہ بعض خاص ہوتا ہے اگر یہ آیت عام بھی ہو تو عام کے اندر بھی تخصیص روا ہوتی ہے اور یہ ارشاد ہوا ہے۔ ذَالِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ تو اس میں اس بات پر آگاہ کرنا ہے جس کی وجہ سے ان کو اس مشقت کا اٹھانا آسان ہو اس واسطے کہ ان کی حالت خرید دنیاوی اور خرید آخروی کے درمیان میں حائل تھی یعنی دونوں میں سے ایک کا اٹھانا ان کو ضروری تھا اور دنیاوی ضرر کا اٹھانا بہ نسبت اس کے بہت مناسب ہے اس واسطے کہ دنیا کا ضرر متناہی اور آخرت کا ضرر غیر متناہی ہے علاوہ بریں ایک دن مرنا ضرور ہے پس قتل کا تحمل کرنے میں صرف تقدیم اور تاخیر کا فرق ہے عذاب سے نجات حاصل کرنا اور ثواب کا مستحق ہونا نفع نہایت مہتمم بالشان اور ضروری ہے اور جو ارشاد ہوا ہے فَتَابَ عَلَيْكُمْ تو اس میں کچھ عبارت محذوف ہے۔ اس میں دو احتمال ہیں:

1- یہ کہ اس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قول سمجھا جائے۔ تو اس وقت اصل عبارت یہ ہوگی۔

2- اگر یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطریق التفات خطاب ہو اس وقت اصل عبارت یہ ہوگی۔

یعنی جس بات کا تم کو موسیٰؑ نے حکم دیا تھا اور تم نے وہ کام کیا پس تمہارے پروردگار نے تمہاری توبہ قبول کی۔ اور فَتَابَ عَلَيْكُمْ اِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ کے متعلق جو کچھ بیان ہے وہ اس سے قبل فَتَابَ عَلَيْهِ اِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ کی تفسیر میں حضرت آدم علیہ السلام کے قصہ کے اندر بیان کر چکے ہیں۔

قال اللہ تعالیٰ: وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ (۵۵) ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (۵۶)

ترجمہ: جب تم نے کہا اے موسیٰ ہم تمہارے ہم ہرگز آپ کا یقین نہ کریں گے۔ جب تک اللہ تعالیٰ کو آنکھوں کے سامنے نہ دیکھ لیں تو تم کو تمہاری آنکھوں کے دیکھتے کڑک نے پکڑ لیا حالانکہ تم دیکھ رہے تھے پھر تمہارے مرنے کے بعد ہم نے تم کو اٹھایا شاید تم شکر کرو۔

جاننا چاہئے یہ چھٹا انعام ہے بچند وجوہ:

1- گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تم میری نعمت کو یاد کرو جب تم نے موسیٰ سے کہا تھا ہم ہرگز آپ کا یقین نہ کریں گے جب تک کہ آنکھوں کے سامنے اللہ تعالیٰ کو نہ دیکھ لیں پس تم کو کڑک نے ہلاک کر دیا پھر میں نے تم کو زندہ کیا تا کہ اپنے شرک سے توبہ کرو اور عذاب سے رہائی پاؤ اور ثواب حاصل کرو۔

2- اس میں ان لوگوں کے لئے خوف دلایا گیا جو حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں موجود تھے کہ تم ایسا فعل نہ کرنا ورنہ تمہارے ساتھ بھی وہی معاملہ کیا جائے گا جو ان کے ساتھ کیا گیا ہے۔

3- جو حضور اکرم ﷺ کے معجزات اور آپ کی نبوت سے انکار کرتے تھے اور ان کے سلف کے ساتھ تشبیہ دینا بھی مقصود ہے کہ وہ بھی اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے منکر تھے۔ باوجود یہ کہ ایسے ظاہر معجزے آنکھوں سے دیکھتے تھے اس بات پر آگاہ کرنا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ کو اس قسم کے معجزے ظاہر نہیں کرتا کیونکہ اس کو علم ہے کہ اگر محمد ﷺ نے ایسے معجزے ظاہر کئے تو یہ جب بھی انکار کریں گے تو عذاب کے مستحق ہوں گے جیسے کہ ان کے پہلے عذاب کے مستحق ہوئے۔

4- اس میں حضور اکرم ﷺ کو اطمینان تسلی دلانا ہے اور حضور اکرم ﷺ کو قائم کرنا ہے جس طرح پہلے انبیاء علیہ السلام نے صبر کیا آپ ﷺ کو بھی صبر کرنا چاہئے۔ اس بات کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ حضرت علی فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے صحابہ میں فرمایا یہ کفار میری نبوت کا انکار کرتے ہیں۔ اور یہ کہتے ہیں کہ محمد ﷺ اگر نبی ہیں اور ہم ان کا انکار کرتے ہیں تو ہم پر عذاب کیوں نہیں آتا۔ فرمایا میری نبوت تمام انبیاء کا اصل ہے اگر میں ان معجزات کو ظاہر کروں جو بطور عذاب کے ہوں تو زمین پر کچھ بھی نہ رہے اللہ تعالیٰ نے مجھے نہیں بھیجا مگر اس حالت میں سارے عالموں کے لئے رحمت کرنے والا ہوں۔ یہ حدیث تفسیر امام باقر میں ہے اور متواتر ہے۔

لہٰذا اس حدیث سے بھی واضح ہوا کہ حضور ﷺ کا اپنی امت کے حق میں عذاب نہ مانگنا یہ بھی رحمت کی دلیل اوّل ہے دوئم یہ کہ آپ کی رحمت ہمارے لئے نعمت

Marfat.com

ہے سوم یہ کہ آپ ﷺ کا صبر بھی ہمارے حق میں بہتر ہے آپ ﷺ کا صبر تمام انبیاء کے صبر سے بڑا صبر ہے۔

-5 حضرت علی فرماتے ہیں کہ یہودیوں نے نبی کریم ﷺ کی نبوت پر شک کیا کہ اگر آپ کی نبوت صحیح ہوتی تو اہل کتاب آپ کو نبی مان لیتے اگرچہ انہوں نے آپ ﷺ کی نبوت کے واقعات اپنی کتابوں میں پڑھے ہیں پھر انہوں نے آپ کو کیوں نبی نہ مانا۔

-6 رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے ان کی کتابوں کے اندر جو واقعات ہیں ان کی صحیح خبر دی جو یہ تسلیم کر چکے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا میں نے ایک حرف کسی سے نہیں پڑھا مجھے اللہ تبارک وتعالیٰ نے خود تعلیم فرمائی ہے۔اور مجھ پر وحی ہوتی ہے۔

-7 مفسرین کے اس واقعہ میں کئی قول ہیں۔ہم اقوال کی طرف رجوع نہیں کرتے ہم احادیث کی طرف رجوع کرتے ہیں خزینۃ القرآن میں اسی ضمن میں حدیث ہے نمبر 7: حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام نے رسول اللہ ﷺ سے اس بچھڑے کے بارے میں پوچھا جس کی لوگ پرستش کرتے تھے آپ ﷺ نے یہ واقعہ بیان فرمایا کہ مجھے شب معراج کو موسیٰ علیہ السلام نے یہ واقعہ سنایا تھا کہ میں جب کوہ طور پر کتاب لینے کے لئے گیا تو قوم گمراہ ہوگئی سامری کے کہنے پر، سامری نے بچھڑا بنالیا جس کی وہ پرستش کرتے رہے جب میں کتاب لے کر آیا اور حال دیکھا تو مجھے غصہ آیا میں نے سامری سے حالات دریافت کئے اور بچھڑے کو جلا کر دریا میں ڈال دیا اس قوم کے ستر معزز آدمیوں کو ہمراہ لے کر گیا اور انہوں نے مجھے کہا کہ ہم بھی اللہ کا کلام سننا چاہتے ہیں جب میں کوہ طور پہاڑ کے قریب پہنچا تو اس پر ابر کھڑا ہو گیا میں اس ابر کے نیچے داخل ہو گیا ان ستر آدمیوں کو کہا کہ یہاں میرے پاس آجاؤ وہ آگئے ہیں میں نے کہا کہ توجہ سے اللہ کے کلام کو سنو، جب اللہ کا کلام ہوا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ فلاں کام کرنا ہے فلاں کام نہیں کرنا جب یہ کلام پورا ہوا تو ابر ہٹ گیا اور انہوں نے کہا کہ ہم یقین نہیں کرتے جب تک کہ ہم اللہ تعالیٰ کو سامنے نہ دیکھ لیں ان پر کڑک ہوئی اور وہ سب مر گئے موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ میں نے رب العزت کی بارگاہ میں التجا کی کہ اے رب العالمین میں اس قوم میں سے ستر آدمی بطور گواہ لے آیا اگر میں اکیلا جاؤں تو وہ لوگ کیا کہیں گے یہ دعا پوری ہوئی اور وہ زندہ ہوئے اور ایک دوسرے کو دیکھنے لگے کہ کیسے زندہ ہوئے ہیں۔پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں یا رسول اللہ اور انہوں نے مجھے کہا کہ آپ اپنے رب سے کوئی سوال کیوں نہیں کرتے کہ وہ ہمیں نبی بنادے اور نبی ہو گئے نیز رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جب موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے کلام کرتے تھے۔تو ان کی پیشانی پر نور رہتا تھا کوئی بنی آدم ان کو نہ دیکھ سکتا تھا۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جب یہ عرض کیا کہ الٰہی میں تو ان کو توبہ کرانے کے لئے تیری بارگاہ میں لے آیا کیونکہ تو نے ان کو اور ان کی جانوں کو قتل کرنے کا حکم دیا پھر آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے موسیٰ تم اس قوم کے کچھ لوگ میرے پاس لاؤ وہ مجھ سے معذرت کریں اس بات کی جو انہوں نے کی ہے۔

موسیٰ علیہ السلام نے مجھے کہا اے محمد ﷺ جب میں نے انہیں کی قوم سے جو ستر معزز آدمی تھے کہ تم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنے اس گناہ کی توبہ کرو جب میں انہیں طور پر لے آیا انہوں نے کہا کہ ہمارے سامنے اللہ تعالیٰ کو ظاہر کرو ان پر کڑک ہوئی اور وہ مر گئے پھر میں نے دعا کی یا اللہ میں ان کو توبہ کی غرض سے لے آیا ہوں اگر اکیلا جاؤں تو لوگ مجھے کیا کہیں گے تو وہ موسیٰ علیہ السلام کی دعا پر زندہ ہوئے ان دونوں حدیثوں سے واضح ہوا۔یہ احادیث تفسیر امام باقر میں ہے اور متواتر ہیں۔

کہ جنہوں نے کلام اللہ سنا موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ وہ اور تھے اور جو معذرت مانگنے کے لئے گئے وہ ستر اور تھے یہ حدیث خزینۃ القرآن میں ہے۔

تفسیر نور القرآن اور دیگر مفسرین عالی نے بھی نقل کیا ہے اب لَنۡ نُّؤۡمِنَ لَکَ کے معنی یہ ہیں انہوں نے کہا اے موسیٰ ہم اس وقت تک تیری تصدیق نہ کریں گے جب تک ہم اللہ کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں جهرة مصدر ہے صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ جَهۡرَ زور کی آواز کو بھی کہتے ہیں اور کسی چیز کے ظاہر کرنے کو بھی کہتے ہیں۔

-8 حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے سنا انہوں نے جَهۡرَةً کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے پوچھا یا رسول اللہ جَهۡرَةً سے ان کا کیا مقصود تھا آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھ سے ظاہر دیکھنا چاہتے تھے فرمایا اللہ تعالیٰ کی قسم یہ تو موسیٰ بھی نہیں دیکھ سکا نہیں دیکھ سکتا کوئی بشر مگر میں نے اپنے رب کو سر کی آنکھ سے دیکھا۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جهرةً کے یہی معنی ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھ سے ظاہر دیکھا چاہتے تھے جن پر ان کو کڑک ہوئی اور وہ مارے گئے۔

Marfat.com

ابوالحسین نے کتاب التصفح میں لکھا ہے کہ رویت بہت بڑی چیز ہے یہاں جو لَنْ نُّؤْمِنَ فرمایا گیا ہے اس میں یہی ہے کہ جس طرح انبیاء علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے مردوں کو زندہ کرنے کے لئے کہا تو وہ زندہ ہوئے اس میں بھی کوئی تعجب نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اہل کتاب آپ سے کہتے ہیں کہ تم آسمان سے کتاب لے آؤ جیسا کہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے بھی بڑا سوال کیا تھا کہا کہ ہم کو اللہ تعالیٰ کو دکھاؤ۔

-2 پارہ نمبر ۱۹ کے اوّل میں بھی یہی ارشاد ہے کہ انہوں نے ہمارے ملنے کے لئے کہا کہ ہم رب کو دیکھیں اور فرشتے ہم پر ظاہر آئیں کیونکہ انہوں نے کہا ہے کہ دیدار بڑی نعمت ہے۔

حدیث نمبر 3:

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب ان کو چنگھاڑ نے پکڑا تو صحابہ نے عرض کیا کہ وہ چنگھاڑ کیا تھی فرمایا کہ وہ چیخ تھی جس کے سبب وہ مر چکے، موسیٰ علیہ السلام کے سوا۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے۔ خَرَّ مُوْسٰی صَاعِقًا یعنی موسیٰ علیہ السلام پر بھی وہ صاعقہ ہوا تجلیات الٰہی پھر ان کو آفاقہ ہوا۔ آپ نے فرمایا آفاقہ موت کے بعد نہیں ہوتا۔ فرمایا ان ستر آدمیوں کی موت بھی خواب کی مانند تھی جیسا کہ پارہ نمبر ۳ والی آیت پڑھی اَوْ کَالَّذِیْ پھر ان کے وجود سے جان نکل چکی تھی اور دوبارہ جان پڑی آپ نے فرمایا کہ کوئی اس پر یہ اعتراض نہ کرے کہ پھر وہ مکلف کیوں ہوئے آپ نے فرمایا اس کے دو وجوہ ہیں وجہ اول یہ ہے کہ ان کی موت خواب کی مانند تھی یوں تو سب کو اپنی موت قیامت کے دن نیند کی طرح نظر آئے گی سورۂ یٰسین میں بھی اس کا ارشاد ہے آپ نے وہ ارشاد پڑھا۔

حدیث نمبر 1:

حضرت علی فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہ السلام پر کتابوں کو نازل فرمانا لازم کر دیا ہے اس کے ساتھ دیدار بھی ممکن ہے۔

حدیث نمبر 2:

حضرت علی فرماتے ہیں کہ صحابہ کا جم غفیر تھا سب صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یعنی جب آخرت میں ہمیں اللہ کا دیدار ہوگا تو اب کیوں نہیں ہوتا آپ مسکرائے فرمایا کہ دنیا میں اس کے سامنے یہ تنبیہ ہے کیونکہ دیدار کے بعد پھر تم مکلف نہ رہو گے اس کے کلام پر عمل کر کے اور اس کے قرآن پاک کو راضی کر کے جب تم قیامت کو اس کے پیش ہو گے تو وہ قیامت کو اس کا تحفہ تمہیں اپنا دیدار عطا فرمائے گا یہ حدیث تفسیر امام باقر وغیرہ میں ہے۔ امام رازی نے اس ضمن میں جو اپنی تاویلات بیان کی ہیں وہ سب ختم ہو گئیں اس حدیث کے سامنے محققین نے بھی اسی حدیث کو پسند کیا ہے ثُمَّ بَعَثْنٰکُمْ پر بحث۔

وجہ دوئم:

پھر فرمایا کہ اس وقت لوگ اللہ کا دیدار کریں گے مکلف نہ ہوں گے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس وقت موت بھی دنبے کی طرح ذبح کی جائے گی اور موت کا وجود نہ ہوگا اس حدیث کے اندر کافی فوائد اور کافی نکتے نکلے۔ یہ حدیث تفسیر امام باقر میں ہے اور متواتر ہے لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ کے اندر یہ رد ہے کہ وہ شکر کریں اس بات کا کہ وہ مرے اور دوبارہ زندہ ہوئے اور احکام الٰہی ان پر وارد ہوئے وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ کے بارے میں بھول گیا تھا مناسب ہے ذکر کروں وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ میں بھی حدیث ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب ان کو چنگاڑ نے پکڑا وہ ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے یہاں تک کہ ان کو موت آ گئی۔

صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں اس حدیث کے سامنے کسی اور قول تاویل کی ضرورت نہیں اس پر آپ نے فلسفی اور عقلی بہت بحث کی ہے جو بڑی دقیق ہے، تفسیر خزینۃ القرآن سے رجوع کیجئے۔

قال اللہ تعالیٰ: وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ط كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ (۵۷)

ترجمہ: اور ہم نے ابر کو تم پر سایبان کیا اور تم پر منّ اور سلویٰ اتارا کھاؤ پاکیزہ جو ہم نے تم کو رزق دیا ہے۔ اور ان لوگوں نہ ہم پر ظلم نہ کیا تھا۔ لیکن وہ اپنی جانوں پر ظلم

Marfat.com

کرتے تھے۔

جاننا چاہئے کہ یہ ان پر ساتواں انعام ہے یہی آیت سورۃ اعراف میں بھی وارد ہوئی ہے حدیث شریف میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب ان کو دوبارہ زندہ کیا گیا اور ان پر شکر کا حکم دیا گیا تو اس وقت وہ جنگل میں موجود تھے اللہ تعالیٰ نے ان پر ابر کو مسخر فرمایا اور ان پر ترنجبین نازل فرمائی اور سماز قسم کے جانور، ترنجبین بھی طلوع آفتاب سے لے کر غروب آفتاب تک اور جانور بھی آتے تھے جس قدر کسی کو ضرورت ہوتی وہ لے لیتا آپ ﷺ نے فرمایا انہوں نے زیادتی کی اپنے اوپر ظلم کیا کہ وہ زیادہ لینے لگ گئے۔ پھر انہوں نے دوسری غذا کی درخواست کی یہ حدیث خزینۃ القرآن اور امام باقر میں ہے اس ضمن میں اور بھی حدیثیں ہیں، لیکن فقیر نے ایک ہی بیان کی ہے کافی ہے اور وَمَا ظَلَمُونَا اختصار کے ساتھ ہے اور اس کا عطف قبل پر ہے۔

حدیث سے یہی ظاہر ہوا کہ وہ ظالم قوم ناشکرے لوگ تھے اللہ تعالیٰ کی حدود کو پامال کیا اور اپنے پر یہ ظلم کیا۔

قال اللہ تعالیٰ: وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ط وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ (۵۸) فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ (۵۹)

ترجمہ: اور جب ہم نے کہا کہ داخل ہو جاؤ اس بستی میں اور کھاؤ جس طرح چاہو اور اس دروازے میں بستی کو سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو جاؤ اور کہو ہمارے گناہ دور کر، ہم عنقریب نیکوکاروں کے لئے زیادہ کریں گے پس ان ظالموں نے ہمارے ارشاد کو بدل دیا جو ان کو کہا گیا تھا یعنی میری بات، پس ہم نے ان ظالموں پر آسمان سے عذاب اتارا کہ وہ فاسق تھے۔

جاننا چاہئے کہ یہ آٹھواں انعام ہے ان آیتوں پر معطوف ہے اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے دنیاوی نعمتوں کا انعام فرمایا اب ان کو توبہ کرنے کا حکم فرمایا قریہ سے ظاہراً قرآن پاک سے تو پتہ نہیں چلتا کہ وہ کون سی بستی تھی اب ہمیں اخبار کی طرف رجوع کرنا ہوگا ابی قتادہ کہتے ہیں بیت المقدس قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ اے قوم داخل ہو جاؤ مقدس زمین میں جو تمہارے لئے لکھی گئی ہے اس زمین سے مراد بیت المقدس ہے، ابن عباس نے بیان کیا جو بیت المقدس کے قریب بستی ہے بعض نے معر بیان کیا اب اس پر احادیث اصل۔

حدیث نمبر 1:

حضرت علی فرماتے ہیں کہ صحابہؓ نے رسول اکرم ﷺ سے پوچھا کہ وہ کون سی بستی تھی جس کے بارے میں قرآن پاک میں حکم ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا وہ بیت المقدس ہے آپ نے مذکورہ آیت کو دہرایا يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ فرمایا بیت المقدس مراد ہے پھر انہوں نے کہا کہ ہم نے سنا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا انتقال جنگل میں ہوا آپ ﷺ نے فرمایا یہ جھوٹ ہے ان کا انتقال بیت المقدس میں ہوا یہ حدیث تفسیر امام باقر ہے اور متواتر ہے۔

حدیث سے واضح ہو گیا کہ اب کسی قوم کی گنجائش نہ رہی، فَكُلُوْا مِنْهَا کی تفسیر میں ہم آدم علیہ السلام کے قصہ میں کر چکے ہیں کیونکہ اس سے کھلا کھانا مراد ہے ۔اللہ تعالیٰ نے ان کو کھانے پینے کی نعمتوں کی کھلی اجازت دے رکھی تھی۔

حدیث نمبر 2:

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ یہ حکم ان کو بطور تکلیف اور امتحان اور عبادت کی مشقت میں تھا آپ ﷺ نے فرمایا حِطَّةٌ والا دروازہ بیت المقدس کا ہے انہوں نے اس کو بدل کر حِنْطَةٌ کہا کہ ہمیں گیہوں عطا کر، سجدہ سے آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان کو تواضع کے ساتھ توبہ کرنے کا حکم ہوا۔

حدیث نمبر 3:

حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا انہوں نے جب حِنْطَةٌ کہا بجائے حِطَّةٌ کے جوان کے گناہ کے لئے ازالہ تھا۔ انہوں نے اپنے پر یہ بڑا ظلم کیا اور ان پر اللہ تعالیٰ نے سخت عذاب کیا الحمدللہ فقیر قرآن پاک کی تفسیر حدیث مصطفیٰ ﷺ سے کر رہا ہے اور یہاں تاویل کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

Marfat.com

اس امر میں کافی مفسرین نے تاویلیں کی ہیں لیکن صاحب خزینۃ القرآن امام المفسرین اور بیشتر مفسرین نے احادیث مصطفیٰ سے ان سب کو رد کر دیا ہے ان کے بیان کی حدیث کے ہوتے ہوئے ضرورت نہیں جب تم ان تاویلات اور ان احادیث کا مطالعہ کرو گے تو پھر آپ کو بخوبی تحقیق کا علم ہو جائے گا اگر ایک شخص سے گناہ صادر ہو جائے تو اس کو لازم ہے اس گناہ کی توبہ کرے دل سے بھی اور ظاہراً بھی تا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اس نے اپنے گناہ سے توبہ کی ہے حدیث شریف میں ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ توبہ کرتے وقت اظہار کرو تا کہ لوگ بھی تمہاری توبہ کے گواہ بن جائیں یہ امر ضروری ، ہوا کہ توبہ کرتے وقت وہ لوگوں کو ضرور گواہ بناتے تا کہ لوگ بھی یہ معلوم کر لیں کہ اس نے اس گناہ سے توبہ کر لی ہے اسی طرح اگر کوئی شخص مذہب باطل کے ساتھ تعلق رکھتا ہے جب اس کو حق نظر آ جائے تو وہ لوگوں پر اس امر کو مطلع کرے کہ میں نے اس مذہب باطلہ سے اپنا تعلق منقطع کر دیا ہے تا کہ لوگ بھی اس سے محبت کریں یہی امر تھا کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو دروازے سے گزرنا خشوع و خضوع کے ساتھ حکم دیا تا کہ وہ اپنے گناہوں کی استغفار کریں کیا ان کے لئے یہ فقط حِطَّةٌ تھا؟ اور حِطَّةٌ اصل میں فعلٌ کے وزن پر ہے اگر یہ مقصود لیا جائے کہ وہ یہ کہتے کہ اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْتَغْفِرُکَ وَنَتُوبُ اِلَیک تو یہ بھی ان کا استغفار یہ کلمہ ادا ہو سکتا ہے اور حِطَّةٌ عربی کا لفظ ہے ان کی زبان عربی نہ تھی حدیث شریف میں ہے کہ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ حِطَّةٌ کا کلمہ مقصود تھا جس کا معنی یہ حِطَّةٌ بن رہا ہے صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں بعض لوگوں نے اس کو نون کے ساتھ بکسر االف پڑھا ہے اور بعض نے یا کو فتح کے ساتھ پڑھا ہے، باقی اہل مدینہ اور جبلہ نے فضل سے پڑھا ہے حضرت حسن اور ابی قتادہؓ نے بفتح الف کے پڑھا صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں۔ان سب قرأتوں کے ایک ہی معنی ہیں، صاحب خزینۃ القرآن حضرت علیؓ کی اسناد سے بحوالہ امام محمد باقر حدیث درج کرتے ہیں، حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ گناہ بخش دے گا تب بھی بخشا گیا اس کا کرم ہوا جواب بخشا گیا تو تب بھی کرم ہوا ان سب قرأتوں سے معنی ایک ہی ہوا اللہ تعالیٰ نے جب بخش دیا تو تب بھی گناہ بخشا گیا جو بخشا چاہے گا اللہ بخش دے گا تو بخشنے والا تو وہی اللہ تعالیٰ مذکر اور مونث لانا دونوں جائز ہیں کیونکہ فاعل کے مابین کوئی چیز حائل نہیں ہو سکتی۔

کسائی سے خَطَایَاکُمْ ہمزہ ساکنہ بَعدُ الخطا قبل الف یا پڑھا ہے ابن کثیر نے ہمزہ ساکنہ بعد الف یا قبل الکاف پڑھا ہے۔کسائی نے بکسر الطاء والیاء اور باقی لوگوں نے فقط یا سابقہ الف یا پڑھا ہے اور یہ جو ارشاد ہوا ہے، وَسَنَزِیْدُ الْمُحْسِنِیْنَ o دو حال سے خالی نہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ حضرت علیؓ فرماتے ہیں ہم نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ کہ محسنین کے اندر کون لوگ مراد ہیں آپ ﷺ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل میں سے جو شخص فرمانبردار اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے احکام کی پابندی کرتا ہے وہی اس سے مراد ہے۔جیسے ارشاد ہے کہ ان لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے گا اور زیادہ ہوگا جیسے نیکی کے بدلے نیکی ملے گی اور اس سے زیادہ۔

اگر تم اور نیک عمل کرو گے تو ان کا ثواب جدا ملے گا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب کسی نے خطا کی تو اس کی خطا کو بخش دے گا اور فرمانبرداروں کے لئے اللہ تعالیٰ ان کو نیکیوں کے بدلے میں ان کو ثواب عطا فرمائے گا۔اور حدیث شریف میں ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جو حکم دیا انہوں نے اس حکم کو تبدیل کیا، آپ ﷺ نے فرمایا جیسا کہ ارشاد ہے کہ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّبَدِّلُوا کلام اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کا کلام ازلی جو مجھ پر نازل ہوا ہے۔اس کو وہ بدلنا چاہتے ہیں اس کی مخالفت کر رہے ہیں۔

اس حدیث سے واضح ہوا کہ انہوں نے فَبَدَّلَ الَّذِیْنَ میں جو تبدیلی کرنا چاہی، وہ انہوں نے حکم کو بدل دیا جمہور مفسرین کا بھی اسی پہ اتفاق ہے۔

جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں کہ وہ کلام میں تغیر نہ چاہتے تھے۔ بلکہ مخالفت قولاً غیر الذی میں اختلاف ہے حضرت ابن عباس فرماتے ہیں جس دروازے سے ان کو سجدہ کرتے ہوئے گزرنے کا حکم ہوا تھا وہ سروں کو اونچا کر کے حِنْطَةٌ کہتے جاتے تھے حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ وہ دروازے سے اٹھے ہوئے گزرتے تھے۔صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں یہ دونوں قول ضعیف ہیں۔ہم حدیث کی طرف رجوع کرتے ہیں حضرت علی وحضرت ابوبکر صدیق فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مسخری کر رہے تھے یہ حدیث تفسیر امام باقر میں ہے، یہ جو ارشاد ہے اَلَّذِیْنَ ظَلَمُوا اس سے کیا وصف ہے؟ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ انہوں نے (بنی اسرائیل) دنیا میں دین کی بھلائی کر دینے سے دور کر دیا تو ان کا یہ اپنی جانوں پر بڑا ظلم تھا۔

حدیث سے واضح ہو گیا کہ انہوں نے دین کو بدلا اور اپنے سے دور کیا۔تو یہ ان کی اپنی جانوں پر ظلم تھا چونکہ ظَلَمُوا ۔بعض مقام پر انبیاء کے لئے بھی وارد ہوا

Marfat.com

ہے جیسے رَبَّنَا ظَلَمْنَا کیونکہ جزاً اس کے بعد آیا ہے رجز کے معنی عذاب کے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا رجزا الشیطان رجز کے لغت میں کفر کے ہیں چونکہ کفر کرنا بھی ایک عذاب ہے تو ظلموا یہ صغیرہ گناہ کے لئے بھی ہے اور کبیرہ کے لئے بھی جیسا کہ ارشاد ہے اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ o اس لئے اس کو عظیم وصف کے ساتھ بیان کیا گیا نبی کریم ﷺ نے بھی فرمایا کہ ظلموا صغیرہ کبیرہ دونوں کے لئے ہے۔ فرمایا رب العزت نے مشرک کو بھی عظیم ظلم فرمایا پھر فرمایا کہ بنی اسرائیل نے جوان کو اللہ کا حکم ہوا انہوں نے اس میں تبدیلی کرنے کی کوشش کی۔

حدیث شریف میں ہے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت علیؓ فرماتے ہیں ہم نے رسول کریم ﷺ سے پوچھا کہ ان پر کیا عذاب ہوا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر طاعون کی بیماری بھیج دی جس سے صبح سے شام تک پچاس ہزار آدمی روزانہ مرجاتے تھے اور ابن عباس فرماتے ہیں کہ ایک ساعت میں چوبیس ہزار آدمی مرگ مفاجات سے مرجاتے تھے۔

صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں یہ قول ضعیف ہے اور حدیث کے سامنے اس کی کوئی وقعت نہیں ظلموا کے بعد یفسقون ارشاد ہوا ہے۔ فسق کے معنی یہ ہے کہ ضرر کا ہونا خارج ہونا، جیسے کھجور کی گٹھلی کھجور سے باہر آجائے چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جوان پر انعام فرمائے ان کی یاد دہانی ان کو کرائی اور شکر کرنے کا حکم دیا لیکن انہوں نے بجائے شکر کے نعمتوں کا انکار کیا اور دین سے نکل گئے۔ دیکھئے ظلم گناہ ہے تو اس کو عظیم وصف کے ساتھ بیان کیا اور فسق بھی کبائر گناہ سے ہے تو لہٰذا یہ جو کہا گیا تھا کہ اس میں تکرار کا حق نہیں تھا، تکرار کا حق باقی تھا، چونکہ ان کے ظلم کو فسق کے ساتھ بیان کیا گیا کیونکہ یہ کبائر میں ہے۔ کلام کے شروع میں، ادخلوا ارشاد ہوا اور سورہ اعراف میں اُسْکُنُوا کے ساتھ، جیسا کہ ارشاد ہے اور جیسا کہ کہا گیا ہے ان کے لئے کہ تم اس قریہ میں ٹھہرو اور اس میں سے جسے چاہو کھاؤ اور دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہوجاؤ، اور حِطَّةٌ کہو اور ہم تمہارے گناہ بخش دیں گے اور ہم نیکوکاروں کو زیادہ دیں گے پس انہوں نے ان میں سے جو تھے ظلم سے اس قول کو بدل دیا، پس ہم نے ان پر آسمان سے عذاب بھیجا کہ وہ ظلم کرتے تھے۔

جاننا چاہئے کہ رب العزت نے ان پر نعمتیں انعام فرمائیں۔ انہوں نے ناشکری کی جس کے سبب وہ عذاب کے مستحق ہوئے سورت اعراف میں اسکنوا ہے اور بقرہ میں کلوا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: داخل ہونا اسکنوا سے مقدم ہوتا ہے، کیونکہ سکون داخل ہونے کے بعد ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو پہلے داخل ہونے کا حکم دیا تاکہ وہاں سکون سے رہ سکیں کیونکہ سورۃ بقرہ مقدم ہے اور اعراف مؤخر ہے اس کے بعد سورۃ بقرہ میں وَکُلُوْا مِنْهَا حَیْثُ شِئْتُمْ فرمایا اور سورۃ اعراف میں رغدًا نہیں ہے۔

جواب: اس قول کی نسبت اللہ تعالیٰ نے توجہ فرمائی کیونکہ ان کے بعد یہ بات دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنا کرم فرمایا، نَغْفِرْلَکُمْ سورۃ بقرہ میں اس کے بعد خطایاکم فرمایا۔ جواب: خطایاکم جمع کثرت کے لئے اور خطیئتُکم جمع سالم کے لئے، جوقلت کے لئے وارد ہے۔

اس لئے فرمایا کہ وہاں گناہوں کے جمع قلت کی وجہ سے اس واسطے سورۃ بقرہ میں فاعل کے ساتھ اس لئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کافی گناہوں کو معاف فرمادیا سورۃ اعراف میں فاعل کو اس لئے ذکر نہیں فرمایا کہ وہاں ان کا ذکر نہیں کیا جو کثرت پر دلالت کرتا ہے۔

سوال: یہ ہے کہ سورہ بقرہ میں رَغَدًا فرمایا کہ کھاؤ پیو جس طرح چاہو یہاں سورۃ اعراف میں رغداً نہیں فرمایا اس کی کیا وجہ ہے۔

جواب: اس میں بھی وہی نکتہ ہے جو خطایا اور خطیات کے اندر ہے اس واسطے سورۃ بقرہ میں قول کی نسبت اپنی طرف فرمائی اور انعام کثیر کا ذکر کرنا بطور انعام فرمایا گیا۔ اس واسطے سورۃ بقرہ میں من وسلوی کھانے کا ذکر ہوا اور اس میں کوئی روک ٹوک نہ ہوئی اس لئے اس جگہ ذکر نہیں فرمایا۔ سورۃ بقرہ میں وَادْخُلُو الْبَابَ سُجَّدًا فرمایا سورۃ اعراف میں اس کے برعکس ہے۔

جواب: واؤ جمع مطلق کے لئے ہے اور اس کا دوبارہ ذکر نہ کرنا اس میں کوئی حرج نہیں بس کافی ہے۔

سوال: اس کی کیا وجہ ہے کہ سورۃ بقرہ میں وَسَنَزِیْدُ الْمُحْسِنِیْنَ واؤ کے ساتھ ہے۔ اور سورۃ اعراف میں واؤ کے بغیر ہے۔

Marfat.com

جواب: سورۃ اعراف کے اس میں دو امر کا بیان ہے پہلا امر یہ ہے کہ ان کو زبان سے حِطَّةٌ کہنے کا حکم ہوا اور دروازے سے سجدے کے ساتھ یعنی بطور عبادت گزرنے کا حکم ہوا اس میں دو جزائیں ہیں اور دوسری جزاء وَسَنَزِيدُ الْمُحْسِنِينَ ہے اور وہ وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا کے ساتھ معلق ہے پس واؤ کے ترک کرنے کے ساتھ معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ جزاء شرط مطلق کے ساتھ ہوتی ہے اور سورۃ بقرہ میں زیادہ مغفرت او زیادہ کا مجموعہ وقول باب اور قول حِطَّةٌ کی جزاء ہونا ثابت ہوتا ہے۔

سوال: فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا میں سورۃ بقرہ میں ظَلَمُوا کے بعد قولاً ہے اور اعراف میں اس کے بعد منھم ہے اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے قصہ کی ابتداء میں مِنْ کا لفظ ارشاد فرمایا کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام کی امت کے دو گروہ تھے ایک ظالم اور ایک عادل اور نیک اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کا ذکر فرمایا تاکہ امت عادلہ اور امت ظالمہ کی تخصیص ہو جائے جیسا کہ ارشاد ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور قوم موسیٰ میں سے ایک امت ہدایت یاب لوگ حق کے ساتھ تھے اور عادل تھے یعنی اس میں بھی مِنْ کا ذکر ہے۔ تاکہ فبدل الذین سے پہلے کوئی امتیاز نہ ہو اللہ تعالیٰ نے ان کو کافی انعامات فرمائے جن میں سے کچھ تو عادل تھے اور نیک تھے اور کچھ ظالم۔

سوال: فَأَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا سورۃ بقرہ میں ارشاد ہوا۔ اور سورۃ اعراف میں فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ ارشاد ہوا اس کی کیا وجہ ہے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ ان دونوں سورتوں میں برعکس ہے سورۃ بقرہ میں اَنْزَلْنَا ہے اور اعراف میں اَرْسَلْنَا ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں عذاب کے شروع ہونے کا ذکر فرمایا کہ ان پر عذاب کو مسلط کر دینا لازم ہو چکا ہے۔

پس جب عذاب آیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمادیا ہے کہ ہم نے ان پر عذاب بھیج دیا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ سورۃ بقرہ میں ہے اور اعراف میں يَظْلِمُونَ فرمایا پہلے ان کے فسق کا ذکر کیا کہ وہ دین سے دور ہو گئے تھے اس سورۃ میں دین سے ان کا دور ہونا یہ ان کا ظلم بیان فرمایا گیا ہے۔ یہ حدیث تفسیر امام باقر میں ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: وَإِذِ اسْتَسْقَىٰ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ ط فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ط قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَشْرَبَهُمْ ط كُلُوا وَاشْرَبُوا مِنْ رِزْقِ اللَّهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ (٦٠)

ترجمہ: اور جب موسیٰ علیہ السلام نے قوم کے لئے پانی مانگا پس ہم نے فرمایا کہ تو اپنے عصا کو پتھر پر مار (جب انہوں نے مارا) تو اس پتھر میں سے بارہ چشمے جاری ہوئے ہر گروہ نے اپنا اپنا گھاٹ معلوم کر لیا۔ کھاؤ اور پیو اللہ تعالیٰ کے رزق میں سے اور زمین میں دوڑ کر مت فساد پھیلاؤ۔

جاننا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر جو انعام کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جنگل بیابان میں پانی عطا فرمایا کیونکہ جنگل میں پانی کی انسان کو بہت سخت ضرورت ہوتی ہے تو جب اس کو پانی مل جائے تو اس کے ہم پلہ کوئی اور نعمت نہیں سمجھتا اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر جنگل میں من اور سلویٰ اتارا اسی لئے ان کے لئے پانی کا بھی انتظام فرمادیا رب العزت کا ارشاد ہے کہ ہم نے کوئی جسم ایسا نہیں بنایا جو بغیر کھانے کے رہ سکے۔ اور پانی کے بغیر ہر شئے کا زندہ ہونا مشکل ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے ہر چیز کو پانی کے ساتھ زندہ فرمایا کیونکہ پانی کے بغیر زندگی ناممکن ہے جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ پانی کے بغیر زندگی ناممکن ہے، جنگل بیابان میں یعنی اس وقت ایسی مصیبت میں پانی کا نہ ہونا، پھر پانی کا مل جانا اللہ تعالیٰ کے حکم سے یعنی پتھر سے لکڑی مار کر پانی کا نکلنا وہ اپنے لئے اس نعمت کے سامنے اور کسی نعمت کو قبول نہیں کرے گا، نہ ہی اس کے برابر کسی اور نعمت کو سمجھے گا اس میں دو فائدے ہوئے دنیاوی و دینی، دنیاوی یہ ہوا کہ ان کو پانی حاصل ہوا اور دینی یہ کہ اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی قدرت کاملہ کا اظہار ہوا اور موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا معجزہ ثابت ہوا اس پر چند مسائل ہیں۔

مسئلہ پہلا:

حدیث شریف میں ہے کہ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام نے رسول اکرم ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ یہ پانی انہوں نے کہاں سے مانگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جنگل میں، کیونکہ جنگل میں ان کو پانی کی سخت ضرورت ہوتی ہے وہاں ان پر من وسلویٰ بھی اترتا تھا جمہور مفسرین کا اسی حدیث پر اتفاق ہے چونکہ نبی کریم ﷺ

Marfat.com

اسی وقت میں جب اللہ تعالیٰ نے ان پر ابر کھڑا کیا اور ان کے کپڑے پرانے نہیں ہوتے تھے اور نہ ہی پہلے ہوئے تھے۔
نے فرمایا کہ پانی جنگل میں ان کے لئے ہوا۔
انہوں نے اپنی پیاس کا خوف کیا پس اللہ تعالیٰ نے اس پتھر سے ان کو پانی عطا فرمایا۔

مسئلہ دوئم:

صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ حضرت امام حسن وامام باقر فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وہ عصا لکڑی سے خود کاٹا لیکن فرماتے ہیں۔
حضرت امام حسن نے بعد میں اس قول کو ترک کر دیا، حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے حضرت عمر اور حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام کا عصا جنت سے آیا وہ دس ہاتھ لمبا تھا اور موسیٰ علیہ السلام کے قد کے برابر تھا اور موٹا بھی تھا جس سے سہارا بھی لیا جا سکے اور بڑا اژدھا بھی بن سکے آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ بات قرآن پاک سے ثابت ہوتی ہے، یہ حدیث تفسیر امام باقر میں ہے اور متواتر میں ہے۔ امام فخر الدین رازی نے اس کے برعکس لکھا ہے کہ اس میں عمل کو دخل نہیں، نہ ہی اس کے بارے میں کوئی نص تواتر سے ہے خبر احاد موجود ہیں جو ظنی ہیں امام رازی کو یہ بات بھول گئی ہے کہ یہ خبر واحد بھی ظنی نہیں ہوا کرتی صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ اگر ہر خبر واحد حدیث کو ظنی کہی جائے تو پھر کافی احادیث خبر واحد ہیں جن پر عمل کرنا لازم ہے اگر یہی ثابت ہو تو پھر ان تمام واحدیثوں پر بطلان ثابت ہو جائے گا کیونکہ ظن کو باطل بھی کہا جا سکتا ہے لیکن اس پر حضرت ابوبکر وحضرت عمر کی اسناد سے حدیث ہے جن کو حضرت علی نے بیان کی تو یہ حدیث کافی ہے اور ایسی حدیث ظنی نہیں ہو سکتی اگرچہ خبر واحد کیوں نہ ہو۔

مسئلہ تیسرا:

الحجر کے اندر صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں الف لام عہد کا ہے فرماتے ہیں حضرت ابن اعمر وابن العاص اپنی کتاب میں لکھتے ہیں رسول کریم ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ پتھر خاص حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سنگ مرمر کا عطا فرمایا جو وہ طور سے لے کر آئے تھے مربع شکل کا تھا اس میں چار طرفین تھیں اور ہر طرف تین تین چشمے تھے، جو پہاڑ کی شکل ہر قبیلے کے لئے ایک چشمہ تھا چھ لاکھ آدمی تھے اور بارہ میل پر ان کا احاطہ تھا پچاس ہزار آدمیوں کے لئے ایک چشمہ تھا صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں یہی حدیث حضرت علی نے بھی اپنے مجموعہ میں لکھی اور تفسیر امام باقر میں ہے۔ خواجہ حسن بصریؒ بھی اسے بیان کرتے ہیں اور ابوموسیٰ اشعری بھی بیان کرتے ہیں، حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ بھی رسول اللہ ﷺ سے یہی بیان کرتی ہیں، صاحب خزینۃ القرآن اس حدیث کے بعد فرماتے ہیں کہ حضرت مجاہد یہ فرماتے ہیں کہ وہ پتھر حضرت آدم علیہ السلام کا تھا جو نسل در نسل حضرت شعیبؑ تک پہنچا انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیا فرماتے ہیں کہ یہ قول بالکل ضعیف ہے اور اس کی کوئی سند نہیں کیونکہ اوپر جو حدیث گزری ہے وہ مشہور صحابہؓ سے ہے اس کے سامنے ایسے اقوال کی کوئی وقعت نہیں بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ اس پتھر پر حضرت موسیٰؑ غسل کرتے اور کپڑے بھی رکھتے تھے اور حضرت موسیٰ کو برص کی بیماری ہو گئی تھی یہ پتھر ان کے کپڑوں کو لے بھاگا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے لوگوں پر یہ بات ظاہر کر دی۔ اور ان کو معلوم ہو گیا کہ موسیٰ علیہ السلام کی یہ بیماری دور ہو چکی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جبرائیل نے کہا کہ اس پتھر میں تمہارے لئے معجزہ ہے اور برکت ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام اس پتھر کو غسل خانے میں لے گئے فرمایا صاحب خزینۃ القرآن نے کہ یہ قول درست ہے اور فرمایا کہ کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ الف اور لام کا ہے اور جنس کا ہو تو کسی خاص پتھر کی طرف اشارہ ہے یہ تاویل باطل ہے جب کہ اوپر حدیث گزر چکی ہے اب تاویل کی ضرورت نہیں حضرت امام حسن فرماتے ہیں کہ یہ پتھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کے اظہار کے لئے تھا۔

یہ بھی روایت میں ہے کہ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ ہم اپنی زمین میں جا رہے ہیں جہاں ہمارے لئے کوئی پتھر نہ ہوگا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام غسل خانے میں سے پتھر اٹھا کر لائے اس پر عصا مارتے تھے۔ تو پانی شروع ہو جاتا تھا اور عصا مارتے تھے تو پانی بند ہو جاتا تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے لوگوں نے کہا کہ اگر پتھر گم ہو گیا تو ہم پیاس سے مر جائیں گے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ علیہ السلام تم ان کو مت مارو ان سے کلام کیا کرو اب لوگ پتھر میں اختلاف کرتے ہیں کہ اس کا کیا رنگ تھا وہ کس چیز کا تھا بعض نے سنگ مرمر اور بعض نے کہا کہ وہ انسان کے سر کی مانند تھا جنہوں نے سنگ مرمر کی طرف اشارہ کیا وہ حدیث کی طرف رجوع کرتے ہیں، اور دوسرا قول باطل ہے۔

Marfat.com

مسئلہ چہارم: فَانْفَجَرَتْ ضرب فعل محذوف کے ساتھ متعلق ہے یعنی فَضَرَبَ فَانْفَجَرَتْ یا یہ کہیے کہ فَإِن ضَرَبْتَ فَقَدْ انْفَجَرَتْ اس مقام پر چند سوال باقی ہیں۔

سوال پہلا: آیا یہ ہوسکتا ہے یا نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو پتھر میں عصا مارنے کا حکم دیا ہو اور بغیر عصا مارنے کے چشمے جاری ہو گئے ہوں اگر ایسا ہو تو فعل کو محذوف کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔

جواب: حدیث شریف میں ہے کہ حضرت علی فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پتھر پر عصا مارنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا، جس سے بارہ چشمے جاری ہوئے۔ یہ حدیث تفسیر امام باقر میں ہے حدیث سے بھی یہ بات ثابت ہوگئی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پتھر پر عصا مارا اور بارہ چشمے جاری ہوئے یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پیغمبر کو حکم کردے اور وہ اس پر عمل نہ کرے۔ یہ تو نافرمانی ثابت ہوگی۔

سوال دوئم: یہاں فَانْفَجَرَتْ ہے سورۃ اعراف میں فَانْبَجَسَتْ ہے یعنی فانفجرت میں کثرت ہے اور فَانْبَجَسَتْ میں قلت ہے تو تناقص لازم آتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ فانفجرت سے یوں سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے پتھر سے چشموں کو پھاڑ ڈالا۔ فجر کے معنی اصل میں پھاڑنے کے ہیں اور انفجار کے معنی پھٹنے کے ہیں اور اسی واسطے فَالْسِق کو فاجر کہتے ہیں کہ وہ فسق کی طرف خارج ہونے سے مسلمانوں کی جماعت کو پھاڑ دیتا ہے، یہ حضرت علیؓ کو رسول کریم ﷺ نے فرمایا اور فَنْبَجَسَتْ کمی کے ساتھ پھاڑنے کو کہا جاتا ہے۔ پس ان دونوں میں اختلاف ہے جو عام اور خاص میں ہوتا ہے، پس اس میں کوئی نقص نہیں ہے، اوپر حدیث سے بھی اسی قسم کی وضاحت ہوگئی ہے۔

سوال سوئم: حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ مشرکین کی ایک جماعت نبی پاک ﷺ کی بارگاہ میں آئی اور انہوں نے کہا کہ چھوٹے سے پتھر سے اتنے چشمے کیسے جاری ہوسکتے ہیں عقل تسلیم نہیں کرتی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم یہ بتلاؤ کہ زمین و آسمان کو کس نے پیدا کیا ہے انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ صانع کے وجود پر یہ بات دلالت کرتی ہے کہ جب کچھ نہ تھا اس نے پیدا فرمادیا جب سمندر نہ تھے تو اس نے پیدا کر دیئے وہ چھوٹی چیز سے بڑی چیز کو پیدا فرماسکتا ہے یہ حدیث تفسیر امام باقر میں ہے، اس حدیث کے بعد اگر کوئی اس امر پر اختلاف کرے تو وہ قرآن و حدیث سے جھگڑتا ہے۔

صاحب خزینۃ القرآن جو بڑے فلسفی ہیں۔ اور فلسفہ کے موجد ہیں وہ چاروں عناصر کو ممکن تسلیم فرماتے ہیں، فرماتے ہیں کہ ہوا پانی کی طرف منتقل ہوتی رہتی ہے اور پانی ہوا کی طرف منتقل ہوتا رہتا ہے اگر چاندی کے برتن میں برف کو رکھ دو تو برتن کی دوسری طرف پانی کے قطرے ہوں گے وہ ہوا سے اڑ جائیں گے انہوں نے اس کو حوادث سفلیہ کے اندر مانا ہے جمہور فلاسفر نے بھی اسی قول کو پسند کیا ہے اور جمہور فلاسفر نے صاحب خزینۃ القرآن کو اپنا استاد مانا ہے اور موجد فلسفہ کہتے ہیں اور جد امجد امام باقر کو تمام فلسفیوں کا امام مانا ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے یہ بات بعید از عقل نہیں کہ کوئی انفال فلکی اس قسم کا پیدا ہو جو اس عالم میں اس امر عجب کا مقتی ہو پس ثابت ہوا کہ فلاسفہ اپنے احول کے موافق اس کا ابطال نہیں کر سکتے، باقی رہی معتزلہ کی بات وہ کہتے ہیں کہ بندہ فعل کو خود پیدا کر سکتا ہے تو ہم ان کو یہ کہتے ہیں کہ جب بندہ فعل کو پیدا کر سکتا ہے تو جسم کو بھی پھر پیدا کر سکتا ہے یہ محال ہے۔

سوال چہارم: کیا پتھر سے پانی خود بخود پیدا ہوتا تھا یا ان میں اجزاء پیدا ہو جاتے تھے یا ہوا کی طرف سے پانی بن جاتا تھا رسول اللہ ﷺ سے صحابہ نے یہ مسئلہ پوچھا آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اسی وقت پانی کو پیدا فرمادیتا تھا جس طرح غزوات میں میرے کافی معجزات کو دیکھ چکے ہو یہ حدیث تفسیر امام باقر میں ہے صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں، غزوہ تبوک کے بعد جب غزوہ تبوک، فتح ہوا راستے میں صحابہ کو پانی کی ضرورت ہوئی تو تین قافلے سوداگروں کے بعد بھی آرہے تھے جن میں چار ہزار کا قافلہ تھا ان کو بھی پانی کی ضرورت ہوئی، حضرت ابوبکرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے عبداللہ ابن جریر کو فرمایا کہ مشکیزہ سے کچھ پانی کے قطرے لاؤ وہ دو بوند پانی مشکیزہ سے رسول اللہ کی خدمت میں پیالے میں لے آئے آپ ﷺ نے اپنی انگشت مبارک کو اس میں رکھا پانی جوش مارنے لگ گیا صحابہ نے بھی پیا اور جو چار ہزار کا قافلہ آیا اس نے بھی اور گھوڑوں نے بھی پیا جب سیراب ہوگئے تو پیالہ پانی سے ویسے کا ویسا بھرا ہوا تھا اس معجزہ کو دیکھ کر وہ سردار بمعہ قافلہ مسلمان ہوگیا شام کی طرف

Marfat.com

سے ایک جزیرے میں یہ مسافر قافلہ رہتا تھا یہ اپنے گھر کو شام کی جانب جا رہے تھے پھر سرکار نے اپنی انگشت رکھی تو پانی ختم ہوگی۔ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی قسم اگر میں اپنی انگشت نہ اٹھاتا تو قیامت تک یہ پانی ختم نہ ہوتا تو حضور اکرم ﷺ کے معجزوں سے بھی یہ بات ثابت ہوگئی کہاں وہ پتھر کہاں وہ پیالہ۔

سوال پنجم: کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ بڑا ہے یا رسول اللہ ﷺ کا۔

جواب: معجزے دونوں بڑے ہیں، لیکن سرکار دو عالم ﷺ کا معجزہ بڑا ہے کیونکہ پتھر سے پانی کے نکلنے کا اتنا تعجب نہیں جتنا انگلی سے پانی کے نکلنے کا کمال ہے۔

سوال ششم: پانی کو پتھر سے نکالنے میں کیا حکمت تھی۔

جواب: رسول اللہ ﷺ نے حضرت انسؓ سے فرمایا کہ وہاں لوگوں کی کثرت تھی اس لئے پانی پر بڑا اختلاف ہوسکتا ہے اس میں کافی فتنوں کا اندیشہ ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ہر قبیلے کے لئے ایک چشمہ مقرر فرما دیا جیسا قوموں میں اختلاف ہوتا ہے۔ ایک فرقے میں اتنا اختلاف نہیں ہوتا۔

سوال ہفتم: پتھر سے پانی نکلنا اس کا معجزہ ہونا کتنی وجوہ پر ہے۔

جواب: پانچ طور پر رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

(۱) خود پتھر سے پانی کا نکلنا (۲) چھوٹے سے پتھر سے پانی کا نکلنا (۳) حسب ضرورت ان کو پانی ملنا (۴) عصا کے مارتے وقت پانی کا نکلنا (۵) عصا کے مارنے سے پانی کا بند ہونا۔

قال اللہ تعالیٰ: وَاِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰی طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّکَ یُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ؕ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰی بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَکُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ وَضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْکَنَةُ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِکَ بِاَنَّهُمْ کَانُوْا یَکْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَیَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ الْحَقِّ ؕ ذٰلِکَ بِمَا عَصَوْا وَّکَانُوْا یَعْتَدُوْنَ (۶۱)

ترجمہ: اور جب تم نے کہا اے موسیٰ ہم ایک طعام پر ہرگز صبر نہ کریں گے تو اپنے رب سے دعا مانگ کہ وہ ہمارے لئے نکالے وہ چیز جسے زمین اگاتی ہے اپنی ترکاری سے اور اپنی گکڑی سے اور اپنی گندم سے اور اپنے مسور اور اپنے پیاز سے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ کیا تم اعلیٰ چیز کو ادنیٰ چیز سے بدلتے ہو، اترو کسی شہر میں پس بے شک تمہارے لئے ہے وہ جو تم نے مانگا ہے تم پر ذلت اور مسکینی چسپاں کردی گئی ہے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے غصہ کے ساتھ رجوع کیا اور اس کے سبب کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں سے کفر کرتے اور انبیاء علیہم السلام کو ناحق قتل کرتے۔ یہ اس لئے کرتے کہ نافرمانی کرتے تھے اور حد سے تجاوز کرتے تھے۔

جاننا چاہئے کہ بنی اسرائیل پر جو اللہ تعالیٰ نے انعام کیا یعنی من اور سلویٰ انہوں نے اس پر اکتفانہ کیا بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دعا کرائی یہ من وسلویٰ واجب نہیں تھا ان کے لئے بلکہ اباحت اور اجازت تھی اس لئے ان پر معصیت نہ تھی کہ انہوں نے دوسرے کھانے کو طلب کرلیا، حدیث شریف میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ چالیس سال وہ ایک ہی کھانا کھاتے رہے اور جنگل میں تھے اور جنگل میں ان کو خوشی نہ تھی۔ بلکہ جنگل سے شہری زندگی اعلیٰ ہوتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ انہوں نے ایک تو جنگل سے شہر کی جانب کا ارادہ کیا دوسرا یہ کہ دوسرے کھانے کو طلب کیا آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک کھانا کھانے سے معدہ کمزور ہوجاتا ہے اور بدل بدل کر غذا کھائی جائے تو معدے کے اندر ہاضمہ ہوتا ہے اور معدے کو تقویت ملتی ہے یہ بات از روئے حدیث ثابت ہوگئی کہ ان پر کوئی معصیت نہ تھی۔

1- دوسرا کھانا جب انہوں نے طلب کیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دعا کرائی تو وہ دعا قبول ہوگئی اگر اس پر معصیت ہوتی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کے لئے دعا کیوں کرتے اور کیونکر دعا قبول ہوتی۔ جب انہوں نے دعا کی تو دعا فوراً قبول ہوئی تو معصیت پر دعا قبول نہیں ہوتی ایک کھانا اور دوسرا کھانا طلب کرنا یہ بھی معصیت میں داخل نہیں جن لوگوں نے اعتراض کیا ہے جب اللہ تعالیٰ نے ان کو کہا کہ کھاؤ اور پیو اللہ کے رزق سے تو انہوں نے جب انکار کیا تو انکار معصیت ہے اسی لئے انہوں نے لَنْ نَّصْبِرَ کہا یعنی بے صبری کی۔

Marfat.com

جواب: یہاں لن نصبرَ فعل مستقبل ہے اور لَنْ نفی استفہام پر دلالت کرتا ہے اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ انہوں نے یہ کہا ہو کہ ہم یہ کھانا نہیں کھاتے۔ بلکہ کہا کہ ہم ایک کھانے پر صبر نہیں کرتے بلکہ ہمارے لئے زمین سے بھی کھانا پیدا ہو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انہوں نے جیسا کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ایسے کھانے کبھی نہیں کھائے تھے اور ان کی طلب کی پھر اگر کوئی اعتراض کرے موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ تم ادنیٰ چیز کو اچھی چیز کے ساتھ کیوں بدلتے ہو تو یہ بھی انکار ہے رسول کریم ﷺ نے فرمایا اس قوم کو کہ دیکھو تم اچھی چیز کو ادنیٰ سے کیوں تبدیل کرتے ہو انہوں نے کہا کہ ہماری طبیعت کو یہ پسند ہے کیونکہ طبیعت کو اگر چہ کوئی چیز ادنیٰ بھی کیوں نہ پسند ہو تو وہ اعلیٰ چیز کو پسند نہیں کرتی، حدیث سے بھی ہمارے قول کی تائید ہوئی۔ چونکہ ایک چیز غائب مشکوک اور غیر حقیقی ہو اگر مشقت کے بغیر ہو تو وہ چیز ادنیٰ ہوتی ہے لہٰذا ان کے لئے جو چیز اور من سلویٰ آتی تھی وہ اعلیٰ تھی جو ان کی طبیعت کے موافق نہ تھی کیونکہ ان کو کھاتے کھاتے کافی دیر ہو گئی تھی انہوں نے گیہوں، لہسن، پیاز دال مسور کو پسند کیا۔ اور قرأت فومها کو ابن عباس نے وفومها پڑھا ہے اس کے معنی وہ گیہوں کے لیتے ہیں یعنی ہمارے لئے روٹی پکاؤ کیونکہ گیہوں اشرف چیز ہے لیکن ان تمام اقوال کو رسول اللہ ﷺ کے ارشاد سے مناسب کراتے ہیں رسول کریم ﷺ نے فرمایا ان کو گیہوں لہسن پیاز یہ چیزیں پسند تھیں تم یہ نہ سمجھو کہ ان پر جو فقیری اور مسکینی آ طا وہ صرف اس معصیت کی وجہ سے نہیں تھی بلکہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی دعا کو قبول فرمایا اور ان کو شہر جانے کی اجازت دے دی انہوں نے کفر کیا سبب کفر کے ان پر مسکینی اور ذلالت آئی۔ دیکھو کہ اگر اس کھانے سے کوئی معصیت نہیں یعنی انہوں نے ایک قسم کا کھانا طلب کیا جیسا کہ ایک دسترخوان پر کئی قسم کے کھانے رکھے جائیں وہ کھانا ہی کہلائے گا چہ جائیکہ ایک قوم کے نزدیک ایک کھانا لذیذ ہو اور دوسری قوم کے نزدیک وہ کھانا لذیذ نہ ہو تو یہ طبیعت کے موافق ہوتا ہے طبیعت جس طرح چاہتی ہے اس قسم کا کھانا اس کو مناسب ہوتا ہے چونکہ قوم موسیٰ نے من وسلویٰ کا اعتراض نہیں کیا بلکہ انہوں نے اس کے سوا اور کھانے طلب کئے جس میں ان کو خود محنت کرنی لازم ہو گئی اهبطو مصراً میں ابن عباس اور مجاہد اور ابی بن کعب نے تنوین کے ساتھ پڑھا ہے حضرت امام حسن فرماتے ہیں کہ الف زائد ہے، یعنی اس میں تم شہر کو جاؤ تو شہر مراد ہے ربیع نے بھی یہی پسند کیا ہے اور فرعون بھی اس شہر میں تھا۔ مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کیا وہ یہی شہر تھا جس میں پہلے رہتے تھے یا کوئی اور شہر تھا اکثر نے کہا کہ دوسرا شہر ہے نبی کریم ﷺ نے بھی یہی ارشاد فرمایا کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کا شہر عطا فرمایا جو اعلیٰ شہر تھا جس شہر میں وہ رہتے تھے اس شہر سے بدرجہا بہتر فرمایا۔ حدیث شریف میں ہے کہ رسول اکرم ﷺ سے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے عرض کیا کہ فومها سے کیا مراد ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا گیہوں، کیونکہ تمام کھانوں سے گیہوں کا کھانا زیادہ پسندیدہ ہے یہ حدیث تفسیر امام باقر میں ہے۔

اس آیت سے تین طور پر استدلال ہے۔

1- پاک ملک میں داخل ہونا جس سے دوسرے ملک میں داخلے کی ممانعت ہے۔

2- وہ ملک پاک مقدس جس کے بارے میں یہ ارشاد ہے۔

کَتَبَ اللّٰہُ لَکُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓی اَدْبَارِکُمْ

3- ارض مقدس میں داخل ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے ان کے لئے چالیس سال کی مدت مقرر کر دی۔ جب اس ملک میں پہلے رہائش کا حکم دیا پھر عذر کرنے کی ممانعت ہے۔

اس پر اعتراضات ہیں کیا وہ ملک مصر یا بیت المقدس تھا یا اور کچھ لوگوں نے کَتَبَ اللّٰہُ کو امر میں داخل کیا ہے کہ اس سے کوئی ملک مراد ہو سکتا ہے اور مصر والی بات ضعیف ہے حدیث شریف میں ہے حضرت انس بن مالکؓ اور حضرت عبداللہ ابن عمروؓ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے ارض مقدس کو بنی اسرائیل کے رہنے کی جگہ منتخب فرمائی یہی مذکورہ بالا آیت آپ نے تلاوت فرمائی۔ صاحب خزینۃ القرآن اسی امر میں حدیث نمبر ۲ میں ارشاد فرماتے ہیں خولہ بنت حکیم سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت میں یہودیوں کی ۶ عورتوں کو لائیں انہوں نے رسول کریم ﷺ سے بنی اسرائیل کے بارے میں پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو پہلے کہاں جانے کا حکم دیا۔ آپ نے یہ آیت پڑھی اهبطوا مصراً فرمایا مصر سے ان کو بیت المقدس کی طرف حکم ہوا پھر اس سے چالیس سال پہلے اس مقام پر رہے جو مقام جنگل بیابان تھا اللہ تعالیٰ نے ارض مقدس ان کے حصہ میں داخل کر دی وَلَا ترتدوا کے معنی جن لوگوں نے واپس جانے کے لئے ہیں وہ غلط ہیں صاحب خزینۃ القرآن حضرت علیؓ کی اسناد حدیث بیان کرتے ہیں رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ وَلَا تَرتَدُّوا پڑھتے ہوئے کہ بنی اسرائیلیوں نے نافرمانی کی اور وَلَا

Marfat.com

ترتدو کے معنی اہل عرب کے اندر یہ ہیں یعنی اپنی ایڑی کے اوپر لوٹ گیا اور نافرمانی کے معنی یہ ہوں گے کہ بیت المقدس میں داخل ہونے کی الویت سے انکار کرے۔

یہ تمام احادیث تفسیر امام باقر وغیرہ میں ہیں۔

2- ہر نبی کو ہم ایک وقت معین کے ساتھ اتارتے ہیں کیونکہ اصول فقہ میں ثابت ہو چکا ہے کہ ظاہر امر وجوب کے لئے آتا ہے پس قاعدہ کی بنا پر ہماری دلیل تمام ہوتی ہے نیز ہم نے تسلیم کیا ہے امر استحباب کے لئے ہے لیکن اس کے ترک کی اجازت مستحب کی اجازت ہوگی یہ بات انبیاء کی شان کے خلاف ہے اور یہ جو کہا تھا کہ ہم تسلیم نہیں کرتے کہ لاترتدوا کے معنی یہ ہیں کہ واپس مت جاؤ تو ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ ان کے معنی کہنے کی یہ مراد ہے کہ یہ نہی بھی اسی چیز کی طرف راجع ہے جس کے ساتھ امر متعلق ہوا تھا۔

مسلم اصفہانی نے ان پر دو تجویزیں کی ہیں پہلی یہ کہ اگر ہم اھبطوا مصراً میں نون تنوین پڑھیں تو وہ ایک معین شہر ہوگا جس میں فرعون کا شہر تعبیر ہوتا ہے پھر اس میں اعتراض ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو مصر کا وارث بنا دیا تو ان کو پھر ان سے ممانعت کیوں کی جا سکتی ہے جو چیز جس کی وارثت ہوتی ہے وہ اس کی ملکیت ہو جاتی ہے اس کی مثال یوں سمجھو جیسے کوئی شخص ایک مکان کا مالک ہے۔ تو وہ مسجد میں معتکف ہے تو اس کو اپنے مکان میں جانا روا نہیں ہے ان تمام اعتراضات کا ہم یہ جواب دیتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو مصر کا وارث بنایا اور ان کے تصرف میں یہ زمین عطا فرمائی، پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اب یہودیوں پر جو مسکینی اور ذلت ہے وہ محض صرف میری نبوت کے انکار سے اور میرے معجزات کو دیکھتے ہوئے انکار کر گئے ہیں۔ یہ حدیث تفسیر امام باقر وغیرہ میں ہے۔ کچھ علماً نے اسی حدیث پر عمل کیا ہے اور کچھ نے یہ بھی کہا ہے جس طرح ارشاد ہے یہ خواری ہے دنیا میں ان کے لئے پھر کچھ لوگوں نے کہا کہ یہ جزیہ کے طور پر ہے ہم اس آیت سے استدلال کرتے ہیں۔

حتی یوتوا الجزیة: جب ایک ہاتھ سے سب جزیہ ادا کریں تو اس میں ان کا قول بعید ہے اس واسطے کہ پہلے ان پر جزیہ نہ تھا اور جو والمسکنہ فرمایا اس میں فقیری اور محتاجی ہے ان پر حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ یہودیوں پر مسکینی اور فقیری اس وجہ سے ہوئی کہ انہوں نے احکام اللہ کو توڑا اور انبیاء علیہم السلام کو ناحق قتل کیا اللہ تعالیٰ نے ان کو مقام عطا فرمایا تھا لیکن انہوں نے ناشکری کی جس کے سبب اللہ تعالیٰ نے ان پر طرح طرح کی ذلت اور مسکینی چسپاں فرما دی یوں سمجھو کہ جس طرح دیوار پر مٹی جم جاتی ہے اسی طرح ان پر ذلت اور فقیری جم چکی تھی یہ حدیث تفسیر امام باقر میں ہے۔

وباءو: کے کئی معنی ہیں رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ وَبَاءو اللہ تعالیٰ نے ان کے شر کی وجہ سے فرمایا کیونکہ حدیث سے یہ واضح ہوا کہ جو شر کی طرف رجوع کرے اس پر اس کا اطلاق ہے۔ ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ کانوا یکفرون بآیات اللہ میں یہی امر ہے۔ حضرت امام حسنؑ فرماتے ہیں کہ میرے نانا جان رسول کریم ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ یہودی اپنی غفلت میں پڑے ہوئے تھے امر الٰہی کا انکار کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے ذلت اور مسکینی کو ان کا مقدر بنا دیا فرقہ معتزلہ باطلہ کا یہ خیال ہے جب مسکینی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تو پھر کفر بھی اس کی طرف سے ہے وہ معذور نہ ہوں گے فقیر اس پر پہلے بحث کر چکا ہے جو علم اور دائمی کے متعلق ہے۔

سوال پہلا: یکفرون کے اندر جب کفر کا ذکر ہو گیا تو یقتلون النبیین کا کیا ذکر ہے کیونکہ کفر آیات الٰہی کے ساتھ ہونا لازم ہے انبیاء علیہم السلام اس کے نیچے داخل نہیں ہیں پھر بغیر الحق میں کیا نکتہ ہے کیونکہ انبیاء کا قتل سوائے حق کے۔

جواب: اس کا جواب دو طرح پر ہے:

1- کبھی فعل باطل کا عمل بھی لا نادیدہ دانستہ ناحق نہیں ہوتا۔ بلکہ اس فعل کا کرنے والا کسی شبہ سے اس کو حق سمجھ کر عمل میں لاتا ہے کبھی جان بوجھ کر باطل سمجھ کر اس کو کرتا ہے اس میں شک نہیں کہ دیدہ دانستہ عمل میں لانا بہ نسبت پہلی صورت کے زیادہ ترقبیح ہے۔

نبی کریم ﷺ کی حدیث ہے رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ ان کا یہ اعتقاد تھا کہ انبیاء علیہ السلام کو قتل کرنا باطل ہے۔

2- یہ تکرار تاکید کے لئے ہے۔ یہ حدیث تفسیر امام باقر وغیرہ میں ہے۔

3- اگر اللہ تعالیٰ قتل پر ان کی مذمت فرماتا تو وہ کہہ سکتے تھے کہ اللہ تعالیٰ بھی قتل کرتا ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ ان کو قتل کرے تو اس کا حق ہے دوسرا

Marfat.com

کسی کو قتل کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتا ہے۔

سورۃ آل عمران میں ارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ وَیَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ حَقٍّ الآیۃ الف لام کے بغیر آیا ہے اور اسی سورۃ میں ایک اور جگہ بھی بغیر الف، لام کے آیا ہے۔ اس میں کیا نکتہ ہے؟

اہل اسلام سمجھتے ہیں کہ قتل ناحق ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ آدمی کا خون بہانا ناحق ہے سوائے تین باتوں کے:

1- ایک وہ جو کفر کرے بعد ایمان کے

2- زنا بعد احسان

3- ناحق کسی جان کا قتل کرنا۔ پھر قاتل کو قتل کرنا اس کے بدلہ میں۔

پس الحق معرف بالام اسی کے ساتھ ہے جہاں حق بغیر الف، لام کے ہے اس سے عموم کی تاکید مقصود ہے یعنی ان کو کسی کا حق نہیں تھا۔ نہ وہ حق جس کو مسلمان جانتے ہوں اور نہ کوئی دوسری قسم کا حق۔

قال اللہ تعالیٰ: اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰی وَالصّٰبِئِیْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ (۶۲)

ترجمہ: بے شک وہ لوگ ایمان لائے وہ جو لوگ یہودی اور نصاریٰ ہوئے اور بے دین جو شخص اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت کے ساتھ ایمان لائے اور نیک عمل کرے پس ان کے لئے پروردگار کے پاس ان کا صلہ ہے اور ان پر کوئی خوف نہ ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

جاننا چاہئے هادوا مشہور قرأت سے وال کے حکم سے ہے مجاہد اور ضحاک سے فتح الدال اور واؤ ساکن سے مروی ہے اور قرأت مشہور والصائبین وضابیون ہمزہ کے ساتھ ہے اگر ہمزہ کو ترک کیا جائے تو پھر یہ صبا یَصْبُوْا سے ہوگا جس کے معنی ایک چیز کو ترک کرنے اور ایک چیز کو دوست رکھنے کے ہوں گے۔

حضرت امام باقر اور صاحب خزینۃ القرآن اور امام جعفر سے دونوں واؤ کے ساتھ ہمزہ کی جگہ مروی ہے اس کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں:

1- ہمزہ کو ترک کرنے سے صبا یَصْبُوْا سے ہوگا جس کے معنی ایک شئے کی طرف توجہ کرنے اور اس کو دوست رکھنے کے ہوں گے۔

2- یا، ہمزہ کو بدل کر والصائبین والصابیون کہہ سکتے ہیں مگر ہمزہ کا پڑھنا پسندیدہ ہے صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ اکثر کی قرأت یہی ہے فرماتے ہیں کہ مجھے وہی قرأت پسند ہے جو میرے جد امجد حضرت امام جعفر صادق نے پسند کی ہے اور سرکار دو عالم ﷺ کی پسندیدہ قرأت جس کو امام ابوحفص نے پڑھا ہے امام جعفر صادق کی یہی قرأت ہے، حدیث شریف میں ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ قرآن پاک مجھ پر سات قرأتوں میں اترا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ قرآن پاک سے اپنے دلوں کو مزین کرو اور بہترین آواز سے قرآن پاک کو پڑھو۔ آج کل حافظ قرآن مجید کو پڑھتے ہیں لیکن ان کی تلاوت سمجھ نہیں آتی ایسا پڑھنا بجائے ثواب کے گناہ ہے صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ قرآن پاک کو ایسی آواز اور ترتیل سے پڑھو کہ لوگوں کے دل قرآن پاک کی طرف مائل ہو جائیں اور قرآن پاک کو سنتے وقت ان کی آنکھوں میں آنسو آجائیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صاحب خزینۃ القرآن کی لکھی ہوئی کتابیں اسماء الرجال پر حاشیہ لگاتے ہوئے جلد نمبر ۲، صفحہ نمبر ۵۶۵ پر فضائل قرآن پاک میں لکھا ہے کہ صاحب خزینۃ القرآن، حافظِ قرآن اور حافظ الحدیث تھے آپ کو بیس لاکھ احادیث یاد تھیں رمضان شریف میں روزانہ دو قرآن پاک ختم کرتے ایک صبح اور ایک رات کو تراویح میں۔ آپ بیس رکعات تراویح پڑھتے تھے اور تین وتر۔ میں بھی آپ کے پیچھے اکثر قم شہر جا کر ماہ رمضان المبارک میں قیام کرتا تھا۔ حضرت کے پیچھے بیس رکعتیں تراویح بھی پڑھتا تھا اور تین وتر بھی جماعت کے ساتھ ادا کرتا تھا اور مجھے بھی شوق ہوا چنانچہ میں بھی آپ کی طرح رمضان شریف میں دو ہی قرآن پاک ختم کرتا تھا ایک صبح اور ایک شام کو بیس تراویح میں مجھے ذرا بھی تھکان محسوس نہ ہوتی تھی۔

Marfat.com

نوٹ:

-1 منکرین بیس رکعات تراویح کو امام بخاری کے اس قول سے رجوع کرنا چاہیئے وگرنہ امام بخاری سے ان کو انکار کرنا چاہئے۔

-2 ان کو چاہئے کہ اس کتاب اسماء الرجال جس کا حوالہ فقیر نے نقل کیا ہے کا مطالعہ کریں، حوالہ کی ذمہ داری فقیر پر ہے۔ رجوع کرنا چاہئے اگر اس میں یہ حوالہ نہ ہو تو فقیر عند اللہ وعند الرسول مجرم ہوگا۔ مشہور کتاب ''النہایہ'' جو کہ اسی (۸۰) جلدوں پر مشتمل ہے کی جلد نمبر ۸ باب التراویح میں اسی عبارت کو لفظ بہ لفظ نقل کیا گیا ہے۔

اب اتفاقاً تراویح کے مسئلے پر بحث چل پڑی ہے تو اس کو مکمل ہونا چاہئے صاحب خزینۃ القرآن نے اپنی کتاب اسماء الرجال کے جلد نمبر ۲ میں باب تراویح کے نام پر باب باندھا ہے یہ باب دو سو صفحات پر مشتمل ہے اس میں سے صرف چیدہ چیدہ اقتباسات پیش کروں گا تفصیل کے لئے اصل کتاب مطبوعہ مصر اور دہلی سے رجوع کریں اس باب کے آغاز میں مصنف نے ایک عجیب بات تحریر فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ رمضان المبارک کی پہچان قرآن پاک زیادہ پڑھا جاتا ہے پھر آپ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ پر جب رمضان شریف کے روزے فرض کئے گئے تو چوتھے رمضان میں نبی کریم ﷺ نے قرآن پاک کو تراویح میں پڑھنے کا اہتمام فرمایا، فرمایا کہ میرے جد امجد امام محمد باقرؓ نے اپنی تفسیر میں لکھا وہ فرماتے ہیں کہ:

نبی کریم ﷺ کے زمانے میں قرآن پاک کی تکمیل اس طرح سے نہیں ہوئی تھی جس طرح اب ہے اور ہم نے عہد حضرت عثمانؓ میں اس کو ترتیب دیا ہے، حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ خوش ہو کر فرماتے تھے کہ رمضان شریف میں بیس تراویح میں قرآن سناؤں اور تم سنو تاکہ قیامت کے دن قرآن ہمارا اور تمہارا گواہ بن جائے چونکہ اس وقت تک قرآن پاک مکمل نازل نہیں ہوا تھا تو نبی کریم ﷺ تراویح میں قرآن پاک کا اتنا حصہ جو رمضان شریف تک نازل ہو چکا ہوتا اول سے لے کر آخر تک اس حصہ کو ختم فرما دیتے تھے حضرت حسنؓ فرماتے ہیں میں نے والد صاحب سے پوچھا کہ وہ کتنی رکعتیں پڑھتے تھے آپؓ نے فرمایا کہ فصل رسول اللہ ثلاثته الوتر آپ تین وتر وعشرین رکعات اور بیس رکعات تراویح، پھر حضرت علی فرماتے ہیں جب نبی کریم ﷺ کی حیاتِ طیبہ کا آخری رمضان پھر آیا۔ تو اس سارے مہینہ میں آپ ﷺ نے تراویح پڑھائی اور پورا قرآن پاک (چھ ہزار دو سو ستالیس آیات) الحمد سے والناس تک قرآن پاک کی ترتیب، حضرت عثمان کے عہد میں ہوئی تاکہ امت کے لئے پورے قرآن پاک کا ختم کرنا سنت ہو جائے نیز حضرت علی فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ختم قرآن پاک ۲۹ رمضان المبارک کو کیا اور فرمایا کہ تم بھی میری طرح اسی طرح رمضان شریف میں قرآن پاک ختم کیا کرو اور اسی طرح بیس تراویح اور تین وتر بمعہ جماعت پڑھا کرو، حضرت علی فرماتے ہیں، سارا مہینہ حضور ﷺ ہمیں بیس تراویح اور تین وتر باجماعت پڑھایا کرتے تھے، نیز آپ نے فرمایا کہ منزل ہر رات اپنی مقدار میں پڑھو جس میں نمازیوں کو تھکان نہ ہو برابر کا حساب ہوتا رہے اور کیونکہ تراویح کا مطلب بھی یہی ہے کہ بیٹھنا، اٹھنا، تو مقدار جو حضرت علیؓ نے بیان کی ہے فرماتے ہیں روزانہ بیس رکوع کی مقدار مقرر کرنے سے قرآن پاک کے پانچ سو ستاون رکوع بنتے ہیں تو بیس رکوع پر تقسیم کرنے سے اور بڑے رکوعوں میں کچھ تخصیص کر دی جائے تو ۲۹ رمضان المبارک کو قرآن پاک بخوبی ختم ہو سکتا ہے نمازیوں کو تھکان بھی نہ ہوگی۔

حدیث نمبر 2:

صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ حضرت ثوبان سے ایک روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے رمضان شریف میں صرف تین راتوں کو جماعت فرمائی ہے وہ بھی ایک رات چھوڑ کر دوسری رات کو۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ یہ روایت مذکورہ حدیث کے مقابلہ میں کچھ بھی وقعت نہیں رکھتی کیونکہ اس کے راوی حضرت علی ہیں اور وہ حدیث مرفوع اور متواتر ہے اصل یہ ہے کہ میرے جد امجد حضرت امام جعفر صادق نے فرمایا کہ عمرو بن ثعلبہ ایک رات میرے پیچھے تراویح پڑھ رہا تھا میں ہر رات قرآن پاک بیس رکعتوں میں ختم کرتا تھا، عمرو بن ثعلبہ نے کہا کہ میں نے حضرت ثوبان سے سنا تھا کہ آپ ﷺ کے نانا رسول اکرم ﷺ نے تین راتوں کو جماعت کرائی وہ بھی ایک رات چھوڑ کر دوسری رات کو۔ تمام لوگوں نے جو کہ پانچ ہزار پر مشتمل تھے ثعلبہ کو پکڑ لیا امام پاک فرماتے ہیں کہ میں نے کہا کہ تم اس کو چھ نہ ہو میں اس کے ساتھ دلائل سے بات کرتا ہوں پھر آپ نے فرمایا کیا یہ بات عقل تسلیم کرتی ہے؟ کہ نبی کریم ﷺ ایک رات تو جماعت کرائیں اور دوسری رات نہ کرائیں یہ تو

Marfat.com

خلاف دستور ہے پھر فرمایا تیری عمر کتنی ہے؟ اس نے عرض کیا میں پچیس سال کا ہوں۔ فرمایا حضرت ثوبانؓ کو تو فوت ہوئے سینتیس (۳۷) برس سے بھی زیادہ ہو چکے ہیں تیری ملاقات ان سے کب ہوئی؟ وہ شرمندہ ہوا اور اپنے قول سے ہمارے سامنے توبہ کی ان پانچ ہزار آدمیوں نے یک زبان ہو کر کہا کہ ہم نے صحابہ کرام سے یہ سنا ہے کہ رسول اکرم ﷺ رمضان کے پورے مہینے میں بیس رکعت تراویح اور تین وتر خود پڑھایا کرتے تھے اور آخری رمضان میں پورا قرآن پاک ختم فرمایا۔ نیز صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ میرے جد امجد حضرت امام جعفر صادق نے ارشاد فرمایا کہ میں رمضان شریف میں بیس رکعت تراویح اور تین وتر خود پڑھاتا ہوں کیونکہ یہی میرے نانا نبی کریم ﷺ کی سنت ہے اور میری والدہ ماجدہ حضرت ام فروہ کے دادا ابوبکر صدیق بھی میرے نانا کریم حضور اکرم ﷺ کی وفات کے بعد جب پہلا رمضان شریف آیا تو بیس رکعتیں پڑھائیں۔ میرے جد امجد امام جعفر صادق فرماتے ہیں کہ میرے والد گرامی امام محمد باقر بھی اپنی زندگی میں بیس رکعتیں تراویح اور تین وتر پڑھا کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ میں نے اپنے والد امام زین العابدین کو بھی تمام زندگی میں ایسے کرتے ہوئے دیکھا۔ وہ فرماتے ہیں کہ میرے والد حضرت امام حسین فرماتے ہیں کہ میرے ابا حضور حضرت علی نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ رمضان المبارک میں بیس رکعتیں تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے جس قدر قرآن پاک کا نزول ہو چکا ہوتا وہ پڑھتے اور جب آخری سال تھا آپ ﷺ نے بیس رکعتیں تراویح اور تین وتر پڑھائے اور پورا قرآن پاک ختم فرمایا اس کے بعد چچا ابوبکر صدیق نے بھی ایسا کیا حضرت عمرؓ نے حضرت ابی ابن کعب کو فرمایا کہ تم لوگوں کو بیس رکعات تراویح اور تین وتر پڑھایا کرو اور بیس رکوع کی مقدار قرآن پاک کا حکم دیا اور آپ بھی خود پڑھا کرتے تھے۔ حضرت علی نے اپنے مجموعہ میں ایسی روایت کو اسی طرح لکھا ہے۔ پھر حضرت علی فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ وحضرت عمرؓ کی طرح حضرت عثمان کا اپنی خلافت میں ایسا ہی معمول رہا۔ حضرت علی فرماتے ہیں کہ میں بھی نبی کریم ﷺ اور اصحاب ثلاثہ کی طرح بیس رکعات تراویح اور ۳ وتر کبھی خود پڑھاتا ہوں کبھی خادم کو حکم دیتا ہوں صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ چنانچہ میرے جد امجد حضرت علی المرتضیٰ نے جب ان کی شہادت ہوئی ان کو ضربیں لگیں تو انہوں نے اپنے دونوں صاحبزادوں حسنین کریمین کو فرمایا کہ نماز کا خاص خیال رکھنا بیس تراویح اور تین وتر باجماعت پڑھانا لہٰذا حضرت امام حسن کا یہی معمول رہا۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا مشہور ارشاد ہے عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ خُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ اور علیکم کے اندر لزوم ہے اور لزوم اپنے تقاضا کو چاہتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی سنت اور خلفاء راشدین کی سنت ہم پر لازم ہے آپ ﷺ فرماتے ہیں اسی طرح ایک اور مشہور ارشاد ہے سرکار دو عالم ﷺ نے آخری خطبے میں ارشاد فرمایا۔ ابوبکرؓ وعمرؓ وعثمانؓ وعلیؓ کی سنت میری سنت ہوگی جس نے ان کی سنت پر عمل کیا اس نے میری سنت پر عمل کیا جس نے میری سنت پر عمل کیا اس نے اللہ تعالیٰ کی سنت پر عمل کیا اور اپنے لئے جنت کو واجب کرالی۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا جس نے ان کی سنت کو ترک کیا اس نے میری سنت کو ترک کیا جس نے میری سنت کو ترک کیا اس نے اللہ کی سنت کو ترک کیا لہٰذا اس پر جہنم واجب ہوگئی۔ پھر آپ نے فرمایا کہ میرے سب صحابہ کی پیروی جنت کا راستہ ہے جس نے میرے ایک صحابی کی پیروی کی اس کے لئے بھی جنت کا راستہ ہے فرماتے ہیں کہ اصل راستہ وہی ہے جو صحابہ کا راستہ ہے۔ نیز صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ دو روایتیں اور بھی ملی ہیں جس میں بیان کیا گیا ہے کہ بعض لوگ چالیس تراویح اور تین وتر پڑھتے تھے، صاحب خزینۃ القرآن نے فرمایا ان کی باقی بیس رکعتیں نوافل کے طور پر ہوں گی اصل تراویح بیس رکعتیں ہیں نیز حافظ الحدیث یزید ابن ہارون نے اپنی کتاب الاحادیث کے باب التراویح میں لکھا ہے کہ میں چونکہ حضرت امام جعفر صادق کا شاگرد ہوں انہوں نے ایک مرتبہ طویل خطبہ دیا جس میں فرمایا کہ میرے نانا نبی کریم ﷺ سے لے کر چاروں خلفاء راشدین کے دور میں بیس رکعات تراویح اور تین وتر باجماعت ہوتے رہے ہیں اس پر تمام صحابہ عمل کرتے رہے ہیں اب بھی یہی عمل جاری ہے آپ نے اپنے والد کے بڑے شاگرد امام اعظم سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم رمضان شریف میں شام کے ملک میں کتنی رکعت نماز پڑھاتے ہو؟ عرض کیا کہ میں بیس رکعات تراویح اور تین وتر بمعہ جماعت پڑھاتا ہوں فرمایا میں تمہارے نانا اور صحابہ کی سنت پر عمل کرتا ہوں فرمایا میں تمہارے والد حضرت امام محمد باقر کے پیچھے بیس رکعات تراویح اور تین وتر پڑھتا ہوں۔ امام جعفر صادق بہت خوش ہوئے۔

یزید ابن ہارون فرماتے ہیں کہ مجھے بھی حضرت امام جعفر صادق نے بیس رکعات تراویح اور تین وتر باجماعت پڑھنے کا حکم فرمایا میں نے عرض کیا حضور میں پہلے بھی ایسے کرتا ہوں۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ جب حضرت عمر بن عبدالعزیز کا زمانہ تھا تو امام شہاب ابن زہری کو محدثین کے گروہ کا جب صدر منتخب کیا گیا تو اسی مسئلہ پر امام زہری نے فرمایا کہ رمضان شریف میں ہمیں بیس رکعات تراویح اور تین وتر پڑھنے چاہئیں کیونکہ صحابہ اور خلفاء راشدین کا یہی عمل رہا ہے ان سب محدثین نے کہا کہ ہم ایسا ہی تو کرتے ہیں۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ اس گروہ میں بیس ہزار محدثین کی جماعت تھی۔ قرن ثانی اور قرن اولیٰ کے مفسرین فرماتے ہیں

Marfat.com

کہ ہارون الرشید کے زمانے میں بھی امام شافعی اور امام لیث ابن سعد امام ابو یوسف اور میرے دادا امام علی رضا کے والد امام موسیٰ کاظم بھی بیس رکعات تراویح اور تین وتر پڑھا کرتے تھے میرے والد امام محمد تقی ان کے والد امام علی رضا نے بھی اس پر عمل کیا ہے۔ پھر صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ شیخ المحدثین حضرت امام مالک کا ارشاد ہے کہ میرے والد انس ابن مالک بیس رکعات تراویح اور تین وتر جماعت کے ساتھ پڑھتے تھے۔ اور میں بھی اسی طرح کرتا ہوں کہ میرے والد نے فرمایا کہ رسول اکرم ﷺ بیس رکعات تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ بھی بیس رکعات تراویح اور پہلے ایک وتر پڑھتے تھے۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ بھی بیس رکعات تراویح اور پہلے ایک وتر پڑھتے تھے اور بعد میں جماعت کی طرف رجوع کر کے تین وتر پڑھتے تھے صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں بلکہ ایک روایت میں امام زہری نے فرمایا کہ حضرت امیر معاویہ نے چند دن ایک وتر پڑھا جب پتہ چلا کہ رسول کریم ﷺ نے کبھی بھی ایک وتر نہیں پڑھا تو تین وتروں کو اپنا معمول بنایا۔

صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ یہ قول مشہور ہے، نیز فرماتے ہیں کہ امام احمد ابن حنبل بھی رمضان شریف میں بیس رکعات تراویح اور تین وتر باجماعت پڑھاتے تھے صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ بیس رکعات تراویح اور تین وتر پر کسی کو اختلاف ہی نہیں۔ اور یزید ابن ہارون جو امام بخاری کے استاد ہیں انہوں نے بھی یہی ارشاد فرمایا اور امام مسلم بھی بیس رکعات تراویح اور تین وتر پڑھتے تھے امام ابوداؤد اور امام ترمذی بھی، امام نسائی اور امام ابن ماجہ بھی بیس رکعتیں اور تین وتر، امام بخاری کے بارے میں اوپر بیان ہو چکا ہے اور امام بیہقی، امام دارقطنی، امام دارمی یہ بھی بیس رکعات تراویح اور تین وتر پڑھتے رہے ہیں، صاحب تفسیر طبری، امام محمد راغب اصفہانی نے تذکرۃ المرقع میں لکھا ہے کہ بیس (۲۰) تراویح اور تین وتر پڑھتا ہوں۔ صحابہ سے لے کر بارہویں صدی تک تمام مفسرین ومحدثین کا معمول چلا آرہا ہے۔ امام فخر الدین رازی نے کتاب التراویح کے نام پر ایک کتاب لکھی مذکورہ تمام دلائل اس میں موجود ہیں۔

آخر میں فرقہ معتزلہ کے بارے میں فرمایا کہ اس فرقہ معتزلہ باطلہ نے چھٹی صدی کے اوائل میں امت مسلمہ کے لئے ایک فتنہ کھڑا کر دیا ہے کہ تراویح آٹھ رکعتیں ہیں فرمایا پورے پانچ سو سال میں نہ کوئی ایسا محدث نہ کوئی ایسا مفسر ہوا امام جس نے آٹھ رکعت والی روایت کو بیان کیا نیز فرماتے ہیں کہ میں نے پانچ سو معتزلہ سے اسی امر پر مناظرہ کیا اور مذکورہ تمام دلائل دیئے اور ان سے کہا کہ تم امت مسلمہ کے جمہور مفسرین ومحدثین اور فقہا میں سے کسی ایک کی روایت کو اپنے دعویٰ میں بیان کرو اور خبر واحد ہی لا کر دکھاؤ لیکن وہ اس سے عاجز رہے۔ امام رازی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بیس رکعات تراویح اور تین وتر پڑھنے کی توفیق دے اور ایسے فتنوں سے بچائے یاد رہے کہ امام فخر الدین کے نزدیک آٹھ رکعات تراویح کو رائج کرنے والا فرقہ معتزلہ ہے۔ بلکہ معتزلہ تراویح کے سرے سے منکر ہیں جن کے بانی ابو ہاشم ہیں آگے امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں کہ معتزلہ کا یہ خیال تو عقل کے بھی خلاف ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت انس سے فرمایا کہ تراویح کے پانچ تروتح پڑھا کرو۔ فرمایا کہ میں نے ابو ہاشم کے شاگرد مالک بن نہبان معتزلی سے پوچھا کہ تراویح کے کیا معنی ہیں اس نے کہا دو حصوں میں بیٹھنا اٹھنا فرمایا کہ تمہارے اسی قول میں میرے دعوے کی تائید ہوئی کہ پانچ تراویح حدیث سے ثابت ہے تو پانچ کو چار سے ضرب دینے سے کتنے ہوں گے اس نے کہا بیس، میں نے کہا کہ حدیث کے مطابق ہمارا دعویٰ درست ہے تو لہٰذا امام رازی کے مناظرے میں معتزلیوں نے شکست کھائی۔ اسی صفحہ پر امام رازی فرماتے ہیں کہ معتزلیوں کی طرح غیر مقلد بھی آٹھ تراویح پڑھنے لگے۔ ان سے بھی میرے پچپن (۵۵) مناظرے ہوئے کچھ مناظروں میں تو ان کے علماء آئے اور کچھ میں نہ آئے جو علماء مناظروں میں آتے رہے انہوں نے بھی فرقہ معتزلہ کی طرح ٹال مٹول کی اور اپنے حق میں کوئی حدیث پیش نہ کر سکے میں نے ان سے پوچھا کہ اگر تراویح آٹھ ہیں تو حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی نے پھر بارہ رکعتوں کا اضافہ کیوں کیا۔ جو دین کے اندر اضافہ کرے اس کا کیا حشر ہوگا۔ کیا حضرت علی نے جو حدیث بیس رکعات اور تین وتروں والی بیان کی ہے۔ وہ صحیح نہیں ہے اور کیا حضرت علی حدیث کے حق میں قوی امام نہیں ہیں؟ تو آٹھ والی روایت تمہارے پاس ان کے علاوہ کہاں سے آگئی ہے؟ تمہارا دعویٰ بالکل کمزور ہے کیونکہ امت مسلمہ صحابہ کی پیروی میں ہے اور صحابہ کی پیروی جنت کی پیروی ہے انہوں نے ایک دلیل دی وہ یہ کہ حضرت عمر نے بیس پڑھیں ہم نے کہا کہ یہ دلیل تمہارے خلاف ہے یعنی چاروں خلفاء نے رسول اکرم ﷺ کے مطابق بیس پڑھیں فرماتے ہیں دیکھو اگر تم نے حضرت عمر کا کہا نہیں مانا تو جمعہ کے دن تم کتنی آذانیں دیتے ہو انہوں نے کہا دو (۲) میں نے کہا کہ پہلی اذان جمعہ کی تو حضرت عثمان کے زمانہ میں ہوئی پھر وہ کیوں دیتے ہو اس پر وہ خاموش ہو گئے ان کے پاس کوئی جواب نہ تھا انہوں نے اپنی بے بسی قبول کر لی اب فقیر بھی عرض کرتا ہے از روئے انصاف صحابہ کی سنت ہم پر لازم ہے کہ وہی رسول اکرم ﷺ کی سنت ہے۔ الحمد للہ مسئلہ تراویح دلائل قاطعہ و براہین

Marfat.com

ساطعہ سے ثابت ہو گیا مزید بحث دیکھنی ہو تو اسماء الرجال جلد دوئم باب التراویح پڑھیے مسئلہ واضح ہو جائے گا، اب تفسیر کی طرف، جب اس مقام پر کفار کے عذاب کا ذکر فرمایا وہاں مومنوں کے عمل صالح کا ذکر فرمایا تاکہ ان کی نعمتیں ان پر تمام ہو جائیں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اللہ تعالیٰ جزا دیتا ہے بروں کو برے اعمال کی وجہ سے اور اچھوں کو اچھے اعمال کی وجہ سے اِنَّ الَّذِینَ اٰمَنُوْا کے بارے میں مفسرین کا اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ اٰمَنُوْا میں کچھ اور ہے اور مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ میں کچھ اور ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اے ایمان والو، ایمان لاؤ اللہ کے ساتھ اور حدیث شریف میں ہے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اس آیت میں ایمان مفصل اور مجمل کی طرف اشارہ ہے چنانچہ علماء نے اس کی کئی وجوہ بیان کی ہیں حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ جو لوگ حضرت عیسیٰ پر ایمان رکھتے تھے وہ عام یہود اور نصاریٰ کے باطل عقائد سے مبرا تھے جیسے کیف بن سعدہ اور بجرہ راہب، حبیب نجار، زید بن عمرو، ورقہ بن نوفل اور سلمان فارسی اور ابوذر غفاری اور نجاشی، پس آیت کے یہ معنی ہوئے کہ نبی کریم ﷺ کی بعثت سے پہلے جو یہود اور نصاریٰ کے دین باطل سے حضرت محمد ﷺ پر ایمان لے آئے۔ اور نیک عمل کئے ان کے رب کے پاس ان کا صلہ ہے۔

سورۃ کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے منافقوں کا ذکر فرمایا اور اِنَّ الَّذِینَ اٰمَنُوْا میں یہودیوں کا ذکر فرمایا کہ وہ بھی زبان سے کچھ کہتے ہیں اور دل میں کچھ، یعنی کچھ منافقت کرتے ہیں۔ اولاً منافقوں کا ذکر فرمایا۔ پھر یہود و نصاریٰ کا۔ فرمایا جو ان میں حقیقی ایمان کے ساتھ متصف ہو گا وہی مومن صالح ہے۔

حدیث شریف میں ہے حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ اِنَّ الَّذِینَ اٰمَنُوْا میں زمانہ گزشتہ میں اور مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ سے مستقبل میں دل و جان سے مجھ پر ایمان لائیں۔ تب ان کا ایمان کامل ہو گا۔ صاحب خزینۃ القرآن نقل کرتے ہیں کہ میرے جد امجد حضرت علی نے فرمایا کہ اٰمَنُوْا سے وہ لوگ ہیں جو گاؤ سالہ کی عبادت کرتے رہے پھر وہ دل و جان سے نبی کریم ﷺ کی رسالت پر ایمان لائے یہ حدیث تفسیر امام باقر، ابوالعالیہ، تنزیل القرآن وغیرہ میں بھی موجود ہے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ یہودی ان کو اس لئے کہا جاتا ہے کہ ایک تو یہ یہود کی اولاد سے ہیں اور دوسرا یہ لوگ تورات پڑھتے وقت تحریف زیادہ کرتے ہیں۔ اسی طرح نصاریٰ کی بھی کئی وجہ تسمیہ ہو سکتی ہیں:

1- کہ حدیث شریف میں حضرت علی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس بستی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی اس بست کا نام نصران تھا جس کی وجہ سے ان کو نصرانی کہا جاتا ہے، پھر آپ نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰؑ اپنے حواریوں سے فرماتے تھے کہ تم میں سے کون ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے میری مدد کرے تو انہوں نے کہا کہ ہم آپ کے انصار ہیں۔ اسی وجہ سے ان کو نصاریٰ کیا گیا ہے۔ ابن عباس اور حضرت امام حسن کی بھی یہی روایت ہے۔ صاحب کشاف کہتے ہیں کہ نصاریٰ کے اندر یاء مبالغہ ہے، جیسے اہل القرآن کہا جائے اور ابن جریر نے بھی یہی قول اختیار کیا ہے، حضرت قتادہ یہ فرماتے ہیں کہ صابی ایسا گروہ ہے جو فرشتوں کی عبادت کرتے ہیں حضرت علی المرتضیٰ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ نصاریٰ کے ایسے گروہ ہیں جو مجوسی آتش پرست ہیں ایک گروہ وہ ہے جو بت پرستی کرتا ہے اور تیسرا گروہ وہ ہے جو اللہ کی بھی عبادت کرتے ہیں اور ستاروں کی بھی عبادت کرتے ہیں فرمایا ان کا عقیدہ باطل ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ تمہارے اللہ تعالیٰ نے ان کو مدبر عالم بنایا ہے۔ اس لئے ہم ان کی تعظیم کرتے ہیں اور ان کی عبادت کرتے ہیں فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناپسندیدہ امر ہے۔

صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ صابی عرب میں اسے کہتے تھے کہ جو کسی چیز کو چھوڑ کر دوسری چیز کو پسند کرے نبی پاک ﷺ کی حدیث بھی اسی ضمن میں بیان فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ نصاریٰ مجوسی ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں تو اس شہر میں ان کا یہی حال تھا اور اسی وجہ سے اس شہر کا نام نصران پڑ گیا۔ یہ روایت حضرت عبداللہ ابن مسعود نے بیان کی، حضرت علی فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ یہ آیت حضرت سلمان فارسی کے حق میں ہے۔ اور اسی میں منافقوں کی بھی نشاندہی کی گئی۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے انبیاء اور یوم آخرت پر ایمان لانا اور دین میں دین کے احکامات اور آخرت کے اندر جو احکامات ہیں ان پر ایمان لانا یہ حدیث صاحب خزینۃ القرآن نے بیان کی ہے جو مختصر اور جامع ہے فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا، کہ لوگو جو اللہ اور اس کے رسولوں اور یوم آخرت پر صحیح معنوں میں ایمان لے آیا تو اس کا اجر یقینی ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے احکامات کی بجا آوری کریں گے تو نہ ان کو دنیا میں کوئی خوف ہو گا نہ آخرت میں کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے یاد رہے کہ یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ کے پاس ان کا اجر رکھا ہوا ہے۔ یہ نہیں بلکہ ان کا

Marfat.com

اجر یقینی ہے اور ارشاد ربانی فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ اپنے عموم پر ہے نہ ان کو دنیا میں تکلیف ہوگی۔ اور نہ ہی آخرت میں۔

حدیث شریف میں ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں جنت میں لازوال نعمتیں عطا فرمائے گا اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اگر زوال ہو جائے۔ تو پھر مخلوق کو بڑا رنج ہوگا فرمایا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے اندر زوال نہ ممکن ہے اگر کوئی اس پر اعتراض کرے کہ سورۃ مائدہ میں یہ ارشاد ہے اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِئُوْنَ اور اسی طرح سورۃ حج میں وَالصّٰبِئِيْنَ آیا ہے، ان تینوں آیات میں کہیں رفع کے ساتھ آیا ہے کہیں نصب کے ساتھ آیا ہے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام نے بھی رسول اللہ ﷺ سے یہی سوال کیا آپ نے جمعہ کے خطبہ میں قرآن حکیم کے فضائل بیان کرتے ہوئے فرمایا ''کہ تم جس طرح کلام مجھ سے سنو اس پر کاربند رہو۔ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ احکام الحاکمین کا کلام ہے۔ حکمتوں سے بھرا ہوا ہے، ان میں وہ علوم ہیں جن کی نہ ابتداء ہے نہ انتہاء اور لوح محفوظ پر اسی طرح لکھا ہوا ہے۔ جس طرح میں تم کو سنا رہا ہوں۔ یہ کلام ازلی ہے۔ پھر صحابہ نے سوال کیا کہ آیت مذکورہ میں تو مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ آیا ہے اور اس میں انبیاء کا ذکر نہیں تو یہودی کہتے ہیں تو پھر کسی شخص کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ تمام انبیاء پر ایمان لائے کیونکہ آیت میں صرف اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت کا ذکر ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس آیت میں ایمان مجمل کا ذکر ہے دوسری آیت میں ایمان مفصل کا ذکر ہے یہ حدیث تفسیر امام باقر اور تبیان القرآن اور الفتح المبین میں ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ط خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (۶۳) ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ ۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ج فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ (۶۴)

ترجمہ: اور یاد کرو ہم نے جب تم سے عہد لیا پھر تم پر طور کو بلند کیا پھر فرمایا لے لو جو کچھ ہم نے تم کو دیا۔ طاقت کے ساتھ اور یاد کرو جو کچھ اس میں ہے تاکہ تم خوف کرو پھر تم پھر گئے اس کے بعد پس اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی تو تم خسارا پانے والوں میں سے ہو جاتے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بنی اسرائیل پر دسواں انعام ذکر کیا جا رہا ہے۔ مفسرین نے کئی امور بیان کئے ہیں حضرت علی نے رسول اللہ ﷺ سے یہ ارشاد سنا ہے فرمایا کہ اس عہد میں اللہ تعالیٰ کے وجود کی دلیل ہے۔ اس حدیث کو مفسرین نے بھی پسند کیا ہے۔

صاحب خزینۃ القرآن، حضرت علی، حضرت ابوبکر، حضرت عبداللہ ابن مسعود کی اسناد سے بیان کرتے ہیں یہ حضرات فرماتے ہیں کہ ہم تینوں نے رسول اللہ ﷺ سے مل کر پوچھا کہ حضرت موسیٰ پر تورات کس طرح نازل ہوئی اور اس کی شکل کیا تھی آپ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تختیوں پر لکھی ہوئی تورات لے کر آئے قوم سے فرمایا کہ یہ تورات اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمائی ہے انہوں نے کہا کہ ہم اس وقت تک نہ مانیں گے جب تک اللہ خود نہ فرمائے کہ یہ میری کتاب ہے ان سب کو بجلی کی کڑک نے پکڑا اور وہ سب مر گئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کتاب کو پکڑو۔ انہوں نے انکار کر دیا پھر ان پر طور کو کھڑا کیا فرمایا کہ یہ کتاب لے لو ورنہ طور کو تم پر گرا دیا جائے گا تب انہوں نے کتاب پکڑ لی، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ یہ معجزہ تھا آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کے بعد انہوں نے توبہ کر لی کہ اب آئندہ ہم قطعاً شرک نہ کریں گے، یہ حدیث تفسیر امام باقر اسباب النزول فضائل القرآن اور ابن منظر العوفی میں ہے۔

حدیث نمبر 1:

صاحب خزینۃ القرآن نے حضرت عبداللہؓ ابن مسعودؓ اور ابن عباسؓ اور حضرت علیؓ اور ابوموسیٰ شعری سے حدیث بیان کی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تین عہد لئے، ایک عہد میں حضرت آدم علیہ السلام کی پشت میں تمام بنی آدم سے اپنے رب ہونے کے بارے میں ان سے گواہی لی۔ دوسرا اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء سے میرے بارے میں لیا عہد نمبر ۳۔ جو بنی اسرائیل سے لیا یہ حدیث تفسیر امام باقر، حکمت القرآن، الفتح المبین ابن جریر میں ہے۔ فرمایا قرآن پاک کی اصل تفسیر نبی کریم ﷺ کی ذات پاک ہے۔ امام باقر فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ قرآن پاک کی تفسیر قرآن اور حدیث سے کرو۔ اور اسی سے استنباط نکالو اور اقوال کو نہ لاؤ، فقیر نے بھی صاحب خزینۃ القرآن کی یہ بات پسند کی ہے۔ قرآن پاک کی تفسیر ارشادات مصطفیٰ ﷺ سے ہونی چاہئے۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں قرآن پاک کی تفسیر کے ہر لفظ پر میں نے اپنے نانا جان نبی کریم ﷺ کی حدیث بیان کی ہے تمہیں مطالعہ کرنے سے معلوم ہوگا کہ ہر مقام پر حدیث موجود ہے ہر حدیث سے استنباط نکالتا ہوں یہ جو فرمایا وَرَفَعْنَا تو اس کی نظیر اور جگہ پر بیان فرمائی کہ ہم نے ان کے اوپر پہاڑ کو سائبان کی طرح کھڑا کر دیا اس میں کئی بحثیں ہیں۔

Marfat.com

بحث اوّل:

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں وَرَفَعْنَا میں واؤ عاطفہ ہے اس سے پہلے حکم ہو چکا تھا۔ پہاڑ کو ہم نے ان پر بلند کیا ابو مسلم نے اپنی تفسیر میں اس کو واؤ حالیہ مانا ہے کہا کہ ایک خاص پہاڑ نہیں کئی پہاڑ مراد ہو سکتے ہیں اب ہم حدیث کی طرف رجوع کرتے ہیں، صاحب خزینۃ القرآن نے بھی اس کو واؤ عاطفہ مانا ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے مجھے (حضرت عبداللہ بن مسعود) فرمایا کہ میں نے قرآن پاک کے ہر لفظ کی تفسیر رسول کریم ﷺ سے پوچھی ہے وَرَفَعْنَا کے بارے میں جب پوچھا آپ نے فرمایا کہ وہ پہاڑ ہوا میں رہتا تھا۔ وہ اس کے گرنے سے خود ڈرتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا کہ اس کتاب کو لے لو جو کچھ ہم نے تم کو دیا ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کمال ہے کہ اس نے ثقیل چیز کو ہوا میں رکھا اور بنی اسرائیل نے اسے آسمان پر بغیر ستون کے دیکھا۔

حدیث نمبر 2:

حضرت ابو ہریرہ اور ابو ذر غفاری فرماتے ہیں رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ پہاڑ سائبان کی طرح ان کے سروں پر کھڑا رہتا ہے وہ خاص طور پر جن سے ان کو دیکھنے میں کئی جلوے بھی نظر آتے تھے۔ جب انہوں نے اس معجزہ قاہرہ کو دیکھا تو سجدے میں گر گئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ دیکھو یہودی منہ کے ایک بل کو سجدہ کرتے ہیں ان دونوں احادیث سے معلوم ہوا کہ وہ پہاڑ خاص طور تھا اور ہوا میں رہتا تھا اللہ تعالیٰ کی یہ قدرت ہے کہ جس طرح وہ موجودات اور ممکنات کا خالق ہے اسی طرح پہاڑ کو بھی ہوا میں چلا سکتا ہے یہ دونوں احادیث تفسیر امام باقر الجواہر، خلاصۃ التفاسیر، ذکر المبین میں ہے خُذُوْا مَآ اٰتَیْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ اس میں یہ ہے نبی کریم ﷺ نے حضرت علی سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے کہا کہ تم میری اس کتاب کو قوت کے ساتھ یاد رکھو، یعنی مضبوطی سے پکڑ لو کیونکہ نسیان ہونا ضروری ہے۔

حدیث نمبر 3:

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر احسان فرمایا کہ ان کو کتاب عطا فرمائی لیکن انہوں نے اس کو یاد کیا۔ یاد کرنے کے بعد اس سے اعراض کیا ہے اور جنگل میں رہنے لگے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کو سنتے اور ان کی مخالفت بھی کرتے رہتے اور انبیا علیہم السلام کو قتل کرنا ان کا بڑا جرم تھا۔

حدیث نمبر 4:

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ صحابہ کا جم غفیر تھا رسول اللہ ﷺ سے ہم نے پوچھا کہ ثُمَّ تَوَلَّیْتُمْ سے کیا مراد ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر جو عہد لیا تھا انہوں نے عہد کو پورا کیا ورنہ عہد کے معنی غلط ہو جاتے عہد کو پورا کرنے کے بعد انہوں نے تورات سے اعراض کیا اور تورات میں تحریف کی یہ اللہ کی رحمت تھی کہ ان کو پہلے مہلت دے دی تا کہ وہ یہ نہ کہہ سکیں کہ یکا یک ہم پر عذاب آ گیا۔

حدیث نمبر 5:

نبی کریم ﷺ نے کعب بن عمرو یہودی سے اس آیت کو تلاوت کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے تمہارے اسلاف کے عناد کو بیان فرمایا جو تورات میں موجود ہے۔ جب انہوں نے اللہ کے عہد کو توڑا تو کئی پر طاعون کی بیماری آئی اور کئی آگ میں جلے کعب نے پوچھا کہ کیا آپ ﷺ ان کے گناہوں کی نشاندہی کر سکتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا بے شک ان میں یہ بڑا عناد تھا کہ تورات کے اندر جو میرے فضائل مذکور تھے۔ جو ان کو انبیاء نے بتائے تھے ان میں تحریف کر دی یہ گناہ کبیرہ ہے۔ دوم یہ کہ اگر ان کی لڑکیاں خوب صورت ہوتیں تو کسی کو نکاح میں نہ دیتے بلکہ خود ان سے برائی کرتے یہاں تک کہ ان سے اولادیں بھی ہوتیں اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آسمان کی جانب سے ان پر آگ مسلط کی جس سے وہ جل کر راکھ ہو گئے آپ ﷺ نے فرمایا کیا یہ بات نہیں ہوئی تو کعب نے سر کو نیچا کر لیا اور وہ نہ بولا۔ یہ تمام احادیث تفسیر امام باقر خصائص القرآن اور فوائد القرآن اور الاستغنا میں ہیں۔

Marfat.com

حدیث نمبر 6:

لَکُنتُم مِنَ الْخَاسِرِینَ کے بارے میں حضرت علیؓ نے پوچھا کہ اس کا کیا مقصد ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ مہربانی نہ کرتا ان کو مہلت نہ فرماتا تو وہ موت کی گھاٹی میں اترتے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی شان کریمی میں نہیں ہے کہ بغیر ان کو آزمائے ہوئے ان پر عذاب کرے۔

قال اللہ تعالیٰ: وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِينَ اعْتَدَوْا مِنكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ (٦٥) فَجَعَلْنَاهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ (٦٦)

ترجمہ: البتہ یقیناً تم نے معلوم کرلیا کہ ہفتہ کے دن کو تم میں سے بعض نے نافرمانی کی پس ہم نے ان سے فرمایا کہ تم بندر ذلیل ہو جاؤ پس پھر بنادیا ہم نے اس واقع کو عبرت ان کے لئے جو اس واقعہ کے سامنے تھے اور جو اس کے پیچھے تھے اور متقیوں کے لئے نصیحت۔

جاننا چاہئے کہ بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ نے جب انعام فرمائے تو انعام کے بعد ان میں سے کچھ لوگ ایسے تھے کہ جن کی بداعمالی کی وجہ سے ان پر مصیبتیں وارد ہوئیں صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں مقام ایلہ میں سمندر کے کنارے پر یہ لوگ رہتے تھے یہ مدینہ اور شام کے درمیان میں تھا۔ سال بھر کی مچھلیاں ایک مہینے میں اس جگہ جمع ہوتی رہتی تھیں۔ انہوں نے دریا سے حوض بنالیے اور دریا سے نالیاں کاٹیں، حوض میں مچھلیوں کو جمع کرتے رہتے ہفتہ کے دن کو خوب شکار کرتے اور خوف بھی کرتے کہ ہم پر کہیں ناگہانی عذاب نہ آجائے۔ مدینہ سے کچھ لوگ گئے انہوں نے کہا کہ یہ تمہارا کافی عرصہ سے دستور ہے۔ تم اس سے باز آجاؤ لیکن اللہ تعالیٰ نے ہم پر بڑا فضل کیا ہوا ہے اور تم اپنی ہٹ دھرمی سے باز نہیں آتے۔ لیکن وہ باز نہ آئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ذلیل بندر بنادیا۔ تین دن تک بہت خوار ہوتے رہے پھر مر گئے اور ان کا نسل در نسل یہی دستور رہا۔

مسئلہ دوسرا:

حضرت علی فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ یہ میرا بڑا معجزہ ہے بنی اسرائیل کو چاہئے کہ سمجھ لیں کہ میں نے کسی سے ایک حرف نہیں پڑھا نہ ہی اہل کتاب کے پاس بیٹھا ہوں یہ اللہ تعالیٰ کی تسلیم ہے۔ وہ مجھے مطلع فرماتا رہتا ہے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں جب یہ آیت نازل ہوئی تو نبی پاک نے اپنی امت سے فرمایا یہ واقعہ تمہارے لئے بطور عبرت بیان کیا گیا ہے تاکہ تم اس سے نصیحت پکڑو۔

مسئلہ تیسرا:

وَلَقَدْ عَلِمْتُمْ میں تقدیری عبارت اس طرح ہے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ اعْتَدَوْا میں ان کی یہی زیادتی تھی کہ انہوں نے مچھلی کا شکار اپنے اوپر حلال سمجھا۔ حالانکہ یہ ان پر حرام تھا اس کی حقیقت سورۃ اعراف آیت وَسْئَلْهُمْ پارہ نمبر 9 میں ہے نیز نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ یہ دن تعظیم کا تھا اور اس دن مچھلیاں زیادہ آجاتی تھیں اور باقی دنوں میں نہ آتی تھیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان پر آزمائش کی لیکن وہ اس آزمائش پر پورے نہ اترے۔

حدیث نمبر 2:

نبی کریم ﷺ نے حضرت انسؓ سے فرمایا کہ ہفتہ کے دن کو اللہ تعالیٰ نے ان کو شکار نہ کرنے کا حکم دیا ان کے لئے یہ حد مقرر ہوئی۔ اور انہوں نے حد کو توڑا جب وہ مچھلی کا گوشت کھانے لگے۔ تو صورت یوں ہوئی کہ گوشت خون کی شکل بن جاتا جس کو وہ پورے طور پر نہ کھا سکتے تھے یہ بھی ان پر عذاب مسلط تھا وہ اس حرکت سے باز نہ آئے۔

مسئلہ پہلا:

کونو اقردۃً خبر ہے۔ (یہ خبر نہیں فعل امر ہے)

Marfat.com

مسئلہ دوسرا:

حضرت علیؓ وعبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جب ان کو کہا کہ بندر بن جاؤ تو فوراً بندر بن گئے۔اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ خود ان کو بندر بننے کا اختیار نہ تھا۔اللہ تعالیٰ نے ان کو بندر بنا دیا۔

حدیث نمبر 3:

نبی پاک ﷺ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت علیؓ سے فرمایا اس آیت کو پڑھا یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ فرمایا کہ یہ آیت یہود کے حق میں نازل ہوئی ہے اس کے آخر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو لعنت کی ہے کہ وہ ہفتہ کے دن کو شکار کرتے تھے۔نیز آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جب ہم کسی شئے کو پیدا کرنے کا ارادہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں ہو جا وہ فوراً ہو جاتی ہے۔نیز آپ نے یہ آیت بھی تلاوت فرمائی کہ زمین وآسمان کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے فرمانبردار ہیں وہ ان پر عذاب لانے پر قادر ہے۔

حدیث نمبر 4:

حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسی سزا دی کہ ان کے جسم کو معدوم کر دیا اور تبدیل کر کے ان کو بندر کی شکل بنا دیا اور ان کی انسانی شکل کو مسخ کر دیا اور میری امت پر ایسا نہ ہو گا وہ کتنے ہی گناہ کیوں نہ کریں۔حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے یہودیوں سے فرمایا کہ تمہارے بڑوں کی شکلیں مسخ ہوئیں اور وہ بندر ہوئے ان کا نام ونشان تک ختم ہو گیا۔اس سلسلے میں اگر کوئی یہ اعتراض کرے کیا انسانی شکل تبدیل ہو سکتی ہے؟

جواب: ضرور تبدیل ہو سکتی ہے ورنہ نوبت شک تک پہنچ جائے گی۔

انسان کبھی بیماری میں مبتلا ہوتا ہے۔کبھی لاغر کبھی فربہ لیکن ان کی انسانیت تو ویسی ہی رہتی ہے۔مگر ان کے اجزاء بدلتے رہتے ہیں۔انسان کی اصلیت باقی رہتی ہے کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ کوئی دوسرا شخص ہے،لیکن شکل تبدیل ہو سکتی ہے۔

فلاسفہ نے کہا ہے کہ وہ چیز موجود اور مجرد باقی رہ سکتی ہے جو قلب اور دماغ میں ہوتی ہے۔جب انسان اپنی جہالت میں رہتا ہے تو اس کو عرف میں گدھا بھی کہا جا سکتا ہے۔جیسے استاد بھی شاگرد کو کہہ دیتے ہیں او گدھے! اس کی مثال قرآن پاک میں موجود ہے۔جیسے کَمَثَلِ الْحِمَارِ

سوال اوّل: جب انسان بندر ہو جائے گا تو اس میں عقل وفہم نہ رہے گا یہ تو اس پر عذاب نہیں ہے۔کیونکہ بندروں کی جنس پہلے ہی ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ رسول کریم ﷺ سے مشرکین مکہ نے بھی یہی سوال کیا آپ نے فرمایا جو اصلی بندر ہو وہ بندر ہوتا ہے جب انسان کو بندر بنایا جائے تو اس کی صرف شکل کو مسخ کیا جاتا ہے اور ان کا شعور باقی رہتا ہے۔تو یہ ان پر عذاب ہی ہے کہ ان کی عقل زائل ہوتی ہے اور نہ علم، یہ تمام مذکورہ احادیث تفسیر امام باقر انوار التنزیل محمد عبداللہ ابن میراں جیو فرماتے ہیں، حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ صحابہ نے خٰسِئِیْنَ کے بارے میں پوچھا کہ خٰسِئِیْنَ سے کیا مراد ہے۔آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ان کو رد کر دیا صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ لغت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ جس طرح کتے کو کہا جائے لنو خسنا کہ تو دور ہو یہاں تیرے کھڑے ہونے کا مقام نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے بَصَرَ خَاسِئاً فرماتا ہے کہ تو اگر نگاہ آسمان کی طرف پھیر پھیر کر دیکھتا ہے۔تو وہ نگاہ شگاف نہ دیکھ سکے گی ذلیل ہو کر رہ جائے گی جس طرح کوئی شخص کسی چیز کو تلاش کرنے میں نگاہ کو لگاتا ہے وہ چیز نہ ملے تو نگاہ ذلیل ہو جائے گی اور شرمندگی ہوتی ہے۔فَجَعَلْنَا پر علماء کا اختلاف ہے ہم اس اختلاف سے ہٹ کر حدیث کی طرف رجوع کرتے ہیں صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ اس کی ضمیر امت کی طرف راجع ہے نبی کریم ﷺ سے صحابہ نے پوچھا کہ اس سے کیا مراد ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کے لئے عبرت ہے۔اور جب اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو بندر بنایا تو اس کا بھی اشارہ ہے یہ اس حدیث سے واضح ہوا کہ امت کو بھی عبرت ہے اور کُوْنُوْا خٰسِئِیْنَ کی طرف بھی اس کا اشارہ ہے۔یہ حدیث تفسیر امام باقر، ابی بن کعب، یزید بن ہارون میں ہے۔حضرت ابی قتادہ اور حضرت

Marfat.com

انس سے بھی یہی روایت ہے حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے دریافت کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا یہ بندر موجودہ انہیں بندروں کی نسل ہے؟ آپ ﷺ فرمایا کہ وہ تین دن تک زندہ رہے اس کے بعد مر گئے یہ حدیث بھی تفسیر امام باقر سدی، ابی بن کعب میں ہے اور حضرت ابن عباس نے بھی یہی قول کیا ہے۔

حدیث شریف میں ہے۔ حضرت علی فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو سخت سزا فرمائی ہے فرمایا نـکـالاً سزا کو کہتے ہیں۔ جیسے ارشاد ہے اِنَّ لَـدَیْـنَـا اَنْکَالاً یعنی ہمارے پاس بیڑیاں ہیں اور نکال کے معنی منع کرنے اور روکنے کے بھی آتے ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس طرح جانور کو لگام لگائی جاتی ہے اسی طرح ان پر سختی ہوئی اور یہ کہ بیماری کے وقت بھی تو انسان کی شکل تبدیلی سی ہو جاتی ہے لیکن یہ اعتراض غلط ہے۔ کیونکہ وہ وقتی طور پر کمزوری کی وجہ سے ہوتا ہے نیز بعض بیماریوں کی وجہ سے چہرہ پر معمولی داغ وغیرہ پڑ جاتے ہیں اسے مسخ نہیں کہا جاسکتا، اور بیماری ایک فطری امر ہے۔ اور انسانی شکل سے بندر وغیرہ کی شکل میں مسخ ہو جانا بیماری ہرگز نہیں ہے۔ اور نکال کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ یہ کسی بڑے جرم پر سزا کے طور پر بولا جاتا ہے جس طرح چوروں کے ہاتھ کاٹے جاتے ہیں یہ ان کی سزا ہے وَمَا خَلْفَهَا کی تفسیر میں صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں۔

حدیث نمبر 1:

حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ ابن مسعود اور حضرت ابوبکرؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کی امت کے واقعات اور انبیاء علیہم السلام کے ذریعے ان تک پہنچے جو ان سے پہلے بھی واقعات تھے جواب تک یہودی موجود ہیں ان میں شامل ہیں کیونکہ توراۃ اور زبور میں۔ ان کے واقعات موجود ہیں اسی میں فرمایا کہ نکالاً بمعنی خزانہ کے ہے اور وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِیْنَ کی تفسیر میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ سورۃ بقرہ کے شروع میں هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ فرمایا گیا کہ ہدایت یاب متقی ہیں اس واقعہ سے نصیحت اور عبرت پکڑلیں جو ان میں سے ایسا کرے گا وہ اسی طرح دنیا میں بھی عذاب میں مبتلا ہوگا۔ اور آخرت میں بھی بڑے عذاب کے اندر مبتلا ہوگا۔ پھر فرمایا کہ متقی لوگوں کو بھی نصیحت کریں اور خود بھی اس پر عمل کریں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا یہ عبرت ناک واقعہ ہے یہ حدیث تفسیر امام باقر، ابوالعالیہ سدی ابن وہب میں ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: وَاِذْ قَـالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ط قَالُوْٓا أَتَتَّخِذُنَا هُزُواً ط قَـالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَکُوْنَا مِنَ الْجٰهِلِیْنَ (٦٧) قَـالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّکَ یُبَیِّنْ لَّنَا مَاهِیَ ط قَـالَ اِنَّهٗ یَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِکْرٌ ط عَوَانٌۢ بَیْنَ ذٰلِکَ ط فَـافْعَلُوْا مَاتُؤْمَرُوْنَ (٦٨) قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّکَ یُبَیِّنْ لَّنَا مَالَوْنُهَا ط قَالَ اِنَّهٗ یَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ لا فَـاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِیْنَ (٦٩) قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّکَ یُبَیِّنْ لَّنَا مَاهِیَ لا اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَیْنَا ط وَاِنَّـآ اِنْ شَـآءَ اللّٰهُ لَـمُهْتَدُوْنَ (٧٠) قَالَ اِنَّهٗ یَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّاذَلُوْلٌ تُسِیْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِی الْحَرْثَ ج مُسَلَّمَةٌ لَّاشِیَةَ فِیْهَا ط قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ط فَـذَبَحُوْهَا وَمَا کَادُوْا یَفْعَلُوْنَ (٧١) وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْساً فَادّٰرَءْ تُمْ فِیْهَا ط وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّاکُنْتُمْ تَکْتُمُوْنَ (٧٢) فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ط کَذٰلِکَ یُحْیِ اللّٰهُ الْمَوْتٰی لا وَیُرِیْکُمْ اٰیٰتِهٖ لَعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَ ط (٧٣)

(ف ا) کہ کیسی ہے وہ۔ بیشک وہ گائے متشابہ ہوگئی ہے ہم پر

ترجمہ: اور یاد کرو جب فرمایا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے لئے کہ بے شک اللہ تعالیٰ تم کو گائے ذبح کرنے کا حکم فرماتا ہے انہوں نے کہا کہ تو ہم سے مسخری کرتا ہے موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ میں پناہ مانگتا ہوں اللہ تعالیٰ سے یہ کہ میں جاہل لوگوں میں سے ہو جاؤں انہوں نے کہا کہ تو اپنے پروردگار سے ہمارے لئے دعا مانگ کہ وہ ہمارے لئے ظاہر کرے کہ وہ کیا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ بے شک وہ فرماتا ہے کہ یقیناً وہ ایسی گائے ہے جو نہ بوڑھی ہو نہ بچی اس کے درمیان میں ہو پس جس چیز کا تمہیں حکم دیا ہے۔ وہ تم کرو انہوں نے کہا کہ ہمارے لئے اپنے پروردگار سے دعا مانگ کہ وہ ہمارے لئے ظاہر کرے کہ اس گائے کا کیا رنگ ہو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا وہ تمہیں فرماتا ہے کہ بے شک وہ گائے زرد رنگ کی ہو، دیکھنے والوں کو اچھی معلوم ہوتی ہو انہوں نے کہا کہ تو اپنے پروردگار سے ہمارے لئے دعا مانگ کہ وہ ہمارے لئے ظاہر کرے کیا گائے متشابہ (ف ا) ہوگی؟ بے شک اللہ تعالیٰ نے چاہا تو ہم راہ پر آ جائیں گے۔ فرمایا موسیٰ علیہ السلام نے بے شک وہ فرماتا ہے وہ ایسی گائے ہے جو محنت کرنے والی نہ ہوگی جو نہ تو جوتنے والی ہو نہ کھیتی کو پانی دیتی ہو تندرست ہو اور اس میں داغ نہ ہو اور سالم ہو انہوں نے کہا کہ اب تو حق کے ساتھ آیا

Marfat.com

ہے۔ اور اس گائے کو ذبح کیا اور کرتے ہوئے معلوم نہ ہوتے تھے اور جب تم نے ایک شخص کو قتل کر ڈالا پھر اس میں تم نے جھگڑا کیا۔ اور اللہ تعالیٰ ظاہر کرنے والا ہے جو تم چھپاتے ہو پس ہم نے فرمایا کہ اس گائے کا کوئی ٹکڑا اس کو مارو کہ اسی طرح زندہ کرے گا اللہ تعالیٰ مردوں کو اور تم کو اپنی نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم سمجھ جاؤ تم عقل سے کام لو۔

جاننا چاہئے کہ بنی اسرائیل پر یہ دوسری سختی تھی جو پہلی سختی سے بھی کہیں زیادہ شدید تھی اور حضرت علیؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل میں سے ایک شخص ایسا تھا کہ اس نے اپنے عزیز کو ورثہ کے لالچ میں قتل کر دیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے آ کر کہا کہ ہمارا عزیز قتل ہو گیا ہے اس کے قاتل کی تحقیق کی جائے۔ حضرت موسیٰؑ نے تحقیق کرنا شروع کی اللہ تعالیٰ نے یہ وحی بھیجی کہ گائے ذبح کرو لیکن وہ بار بار پوچھتے رہے کہ گائے کیسی ہو۔ اس کا رنگ کیسا ہو اس کی عمر کتنی ہو آخر کار جب گائے اور اس کا رنگ معلوم ہو گیا تو ایک شخص کے پاس پہنچے۔ اس کے والد نے اس کے ورثہ کے لئے ایک گائے چھوڑ دی تھی اس کا والد کامل ولی اللہ تھا اس لڑکے نے گائے کی منہ مانگی قیمت کا مطالبہ کیا۔ انہوں نے اس کو دے دی۔ گائے کو ذبح کیا اور موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ اس گائے کے جسم کا ٹکڑا مقتول کے مارو جب انہوں نے ایسا کیا تو مقتول زندہ ہو گیا اور اس نے اپنے قاتل کا نام بتلایا جو وہی شخص تھا جو کہ اس مقتول کا عزیز تھا اور موسیٰ علیہ السلام کے پاس شکایت لے گیا تھا۔ اس کا نام یعولہ تھا۔ ان لوگوں نے اس کے عوض اس کو قتل کر ڈالا۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ گائے کو ذبح کرانے کا کیا مقصد تھا؟

آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مالک الملک ہے، ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ بغیر گائے کے بھی اس کو زندہ کر سکتا تھا۔ مصلحت یہ ہے کہ ایک تو اللہ تعالیٰ نے اس ولی کے لڑکے کے روزگار کو اس سبب سے متعین فرمانا تھا دوسرے یہ کہ اس ولی کی عظمت کو ظاہر کرنا مقصود تھا کہ وہ گائے اس ولی کے ہاتھ میں رہی ہے۔ اور اس کی برکات اس پر پڑتی رہی ہیں فرمایا اس کا حال یہ تھا اگر وہ جنگل کو چرنے کے لئے جاتی۔ اور اس ولی کا بیٹا گھر بیٹھ کر جب اسے آواز دیتا تو وہ دور دراز سفر سے فوراً اس کے پاس پہنچ جاتی۔ جب انہوں نے گائے کو خریدا تو خود بخود کہا کہ یہ تو فلاں صالح بزرگ کی گائے ہے جس کا ابھی انتقال ہوا ہے۔ اور اس کی شہرت پورے اس ملک میں پھیلی ہوئی تھی موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے بندوں کا کمال دکھاتا ہے کہ دیکھو وہ گائے جو ایک ولی کے ہاتھ میں تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس ولی کے کمال کو اس گائے کے وجود سے تمہیں دکھایا کہ اس ٹکڑے کی برکت سے مقتول زندہ ہو گیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ گائے اسی لئے مخصوص کی گئی تھی۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ یہ متواتر حدیث ہے اور تفسیر امام باقر تنزیل القرآن العوخوی میں ہے اس کے سامنے کسی قول کی ضرورت نہیں۔ ابن عباس نے بھی اسی کو بیان کیا ہے۔ حضرت امام حسین سے بھی یہ مروی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ اَنْ تَذْبَحُوْا سے لَا تَذْبَحُوْا کا تعین ہے۔ تو اب واضح ہوا کہ وہ خاص گائے تھی۔ اگر کوئی اعتراض کرے۔ کیا وہ مطلق گائے تھی یا خاص گائے تھی۔ فریق ثانی یہ کہتا ہے کہ مطلق گائے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا۔ مگر ان لوگوں نے اس حکم کو بدلا۔ اور نافرمانی کی تو پھر اس کو منسوخ کر کے دوسری طرح تبدیل کر دیا گیا۔

حدیث شریف میں ہے حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ پہلے ان کو عام گائے کا حکم دیا گیا تھا انہوں نے بار بار سوالات کئے جس کی وجہ سے گائے مقرر کی گئی اور اس کے اوصاف بھی بیان کئے گئے۔ جو حقیقی اوصاف تھے، جو ایک ولی کی گائے تھی، اہل اسلام بھی اسی پر اتفاق کرتے ہیں اور ہمارا مدعا یہی ہے۔

اگر اس بات میں ان کو عناد تھا تو عناد کی وجہ پر موسیٰ علیہ السلام کے کہنے پر ان کا شک دور نہیں ہو سکتا تھا۔ ابن عباس والی روایت کو امام فخر الدین رازی نے خبر واحد کہا ہے۔ لیکن اوپر احادیث جو گزر چکی ہیں۔ وہ متواتر ہیں ایک اور روایت یہ بھی ہے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود فرماتے ہیں رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ ان لوگوں نے پہلے گائے کی صفت پوچھی تھی بولے ان کو مطلق گائے کا حکم تھا انہوں نے تَرَدُّد کیا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جیسا کہ آیت سے ظاہر ہوتا ہے پہلے ان کو یہ کہا گیا کہ اپنی گائے ذبح کرو جو نہ بوڑھی ہو نہ بچھیا ہو اس کے درمیان میں ہو۔ انہوں تَرَدُّد کیا پھر حکم ہوا کہ زرد رنگ کی گائے پھر انہوں نے تَرَدُّد کیا پھر یہ حکم ہو کہ زمین میں جوتی ہوئی نہ ہو سالم ہو کوئی داغ نہ ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا انہوں نے جب وہ گائے خریدی اس ولی کے لڑکے سے، تو تمام مذکورہ اوصاف اس میں موجود تھے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ کیا حضرت موسیٰ کی شریعت میں بھی ناسخ اور منسوخ کا سلسلہ تھا؟ آپ نے فرمایا ہاں بہت سا تھا جیسا کہ تمہیں اس حکم سے واضح ہو رہا ہے

Marfat.com

حدیث تواتر سے نقل کی گئی ہے اس ﷺ کے سامنے اور کسی تاویل کی ضرورت نہیں یہ حدیث تفسیر امام باقر میں ہے۔۔۔

حدیث شریف میں ہے حضرت علی وعبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جب انہوں نے قتل کی درخواست کی تو لوگوں نے کچھ عجب سا سمجھا کہ قتل کے ساتھ کیسے مناسبت ہے فرمایا کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تمسخر کی بات کرتے تھے فرمایا کہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کرسکتا جو مردوں کو زندہ کرے فرمایا ایسا قول کرنا کفر ہے۔ پھر فرمایا کہ انہوں نے یہ سمجھا کہ موسیٰ علیہ السلام نے وصی کے اندر خیانت کی ہے۔ اس طرح انہوں نے اللہ تعالیٰ کے نبی کو خائن سمجھا یہ بھی کفر ہے تو فرمایا یہ ان کا کفر تھا پھر حضرت علی فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام اگر مجازاً کوئی بات فرماتے ہیں تو ان کی بات حق ہوتی ہے اور وہ بھی وحی الٰہی ہوتی ہے۔ فرمایا قال اعوذ باللہ میں یہ نہ سمجھو کہ موسیٰ علیہ السلام نے استہزاء کیا۔ استہزاء اور مسخرپن کا منشاء جہل ہوا کرتا ہے۔ اور نبوت کا منصب جہل سے پاک اور مبرا اور منزہ ہے بعض کا قول ہے کہ تمسخر بھی جہل ہے۔ اہل لغت کہتے ہیں جیسا کہ صاحب خزینۃ القرآن نے فرمایا کہ جہالت علم کی ضد ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کا تمسخر اڑانا کبیرہ گناہ ہے انبیاء اس سے معصوم ہوتے ہیں۔

جاننا چاہئے کہ موسیٰؑ سے بنی اسرائیل نے گائے کے متعلق تین سوال کئے کہ اپنے رب سے ہمارے لئے دعا مانگے کہ وہ ہمارے لئے ظاہر کرے کہ گائے کیسی ہو! اس کے بارے میں کئی بحثیں ہیں۔

بحث اوّل:

اس میں لفظ بقرہ اپنی ذات کے اعتبار سے معین اور صفات کے اعتبار سے غیر معین۔

بحث دوئم:

ماہیت کا سوال ماہیت کی حقیقت کے لئے ہوتا ہے ماہیت کی تعریف اور اس کے اجزاء اور مقدمات سے ہوتی ہے۔ ان کی صفات بیان کرنے سے ماہیت کی تعریف نہیں ہوتی۔ جو ماہیت سے خارج ہوتی ہیں۔ پس اس میں تمہارے جواب کی اصل حقیقت معلوم نہیں ہوتی ہو سکتا ہے کہ ان لوگوں کا اس میں ماہیت کا سوال کرنا مراد ہے۔ حدیث شریف میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ان لوگوں نے گائے کی صفات کو معلوم کرنا چاہا جس میں آیت سے مطابقت ہے کہ ان کو گائے کی صفات معلوم ہوگئیں اب بکر اور فارضؔ کے کیا معنی ہیں۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ ہماری زبان عرب میں فَارِضٌ عمر رسیدہ عورت کو کہتے ہیں۔ اور بکر اس عورت کو کہتے ہیں۔ جس سے صحبت نہ ہوئی ہو رسول کریم ﷺ نے بھی یہی فرمایا کہ ان کو جو گائے کا حکم ہوا وہ بکر کا ہوا ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اس آیت کو دیکھو سورۃ واقع میں ہے۔ اَبْکَاراً یعنی کہ وہ حوریں نوجوان بغیر صحبت کئے ہوئے ہوں گی۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ بکر اس لڑکی کو کہتے ہیں جو بغیر صحبت کئے ہوئے ہو۔ یہ حدیث تفسیر امام باقر ابی بن کعب میں ہے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو درخت پر پہلی بار پھل لگیں۔ تو اس کو بکورا کہتے ہیں۔ عربی کے اندر صبح کو بُکرۃٌ کہا گیا ہے۔ صبح کے لئے قرآن پاک میں بھی لفظ بُکرۃٌ استعمال ہوا ہے۔ جس طرح کہتے ہیں کہ صبح کے وقت کوئی شخص فلاں کے گھر گیا۔ عوان وہ جانور ہے جس کے ایک مرتبہ بچہ پیدا ہوا۔ جس لڑائی میں ایک مرتبہ قتال ہوا دوسری مرتبہ قتال ہوا۔ اس کو حرب عوان کہتے ہیں اور جو حاجت ایک مرتبہ سے دوسری مرتبہ پوری ہو جائے اس کو حاجت عوان کہتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا احکام کے اندر ظن کامل کیا کرو جس طرح بوڑھے اور جوان کے درمیان اجتہاد اور ظن معلوم ہو۔

سوال نمبر 1: بَیْنَ جب ایک سے زائد کو چاہتا ہے۔ تو ذَالِکَ اس پر کیوں داخل ہوا؟

جواب: ذَالِکَ سے درحقیقت دو چیزیں مراد ہیں کیونکہ فَارِضٌ اور بکرٌ کی طرف اشارہ ہے۔

سوال نمبر 2: ذَالِکَ مونث اور مذکر دونوں کے لئے کیوں آیا ہے؟

جواب: اس میں لفظ ذَالِکَ اشارہ دونوں کو لازم آسکتا ہے۔

سوال نمبر 3: جب فاقع صفراً کی تائید ہے تو فَاقِعَۃً کیوں نہیں فرمایا؟

Marfat.com

جواب: اس کا ذکر کرنا تاکید کے طور پر ہے۔ کیونکہ یہ لون کی زردی اور شکل کا نام ہے۔

سوال نمبر 4: فَاقِعٌ لَّوْنُهَا کی خبر واقع ہوا ہے اور صفراء کی تائید اس سے کیونکر ہوسکتی ہے؟

جواب: یہ لون کی خبر نہیں بلکہ صفرا کی تاکید ہے۔ مگر لَوْنُهَا فَاقِعٌ کے لئے بطور فعل ہے۔ کیونکہ لون اس کا سبب اور اس کے متعلق ہے، پس صفراء فاقع اور فَاقِعٌ لَّوْنها میں کوئی فرق نہیں۔

لفظ تَسُرُّ کے یہ معنی ہیں کہ وہ گائے دیکھنے والوں کو اپنے رنگ سے خوش کرتی ہے۔ حضرت حسنؓ فرماتے ہیں کہ صفراء سیاہ رنگ کو کہتے ہیں جو کہ عرب کے لوگ سیاہ رنگ کی چیز کو صفراء کہا کرتے ہیں لیکن نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اس گائے کا رنگ زرد تھا صفرا بھی اسی معنی میں ہو ابکرؔ بھی اس چیز کو کہتے ہیں جو چیز اپنی حقیقت میں لذیذ ہو، حضرت امام حسنؓ فرماتے ہیں کہ میرے نانا جان رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ مجھے قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان پاک ہے۔ اگر وہ ان شاءاللہ تعالیٰ نہ کہتے تو اس گائے کو کبھی ذبح نہ کرسکتے۔

جاننا چاہئے کہ جس کام کا کرنا مقصود ہو اس کے لئے ان شاءاللہ کہنا مستحب ہے معلوم ہونا چاہئے کہ انشاءاللہ کہنا ہر کام کے لئے مستحب ہے۔ انسان اپنے ہر کام کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرے جیسا کہ اپنے حبیب پاک ﷺ کو رب العزت نے فرمایا کہ آپ یہ نہ کہیں کہ میں یہ کام کل کو کرنے والا ہوں۔ مگر جو اللہ چاہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان شاءاللہ کہہ کر اپنے کاموں کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا چاہئے اب اس میں دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تمام مشیات الٰہی مقدم ہیں لیکن فرقہ معتزلہ نے اس پر انکار کیا ہے کہ لفظ اِن سے یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیتیں حادث ہیں یہ بالکل باطل ہے کیونکہ اس بارے میں پہلے کافی بیان ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام علوم قدیم ہیں اور اب تفسیر کی طرف رجوع کرتے ہیں يُبَيِّنْ لَّنَا مَاهِيَ سے حقیقت معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ ماہیات حقیقت کو کہتے ہیں اور صفات عرضہ مفارقہ مذکور ہیں۔ یہ سوال کا جواب کیونکر ہوسکتا ہے اوپر بیان ہو چکا ہے۔ تَشَابَهَ عَلَيْنَا سے یہ ہے بعض نے شَابَهَا کہا ہے اور بعض نے شین کو سین سے تبدیل کیا ہے اب اس پر کچھ احادیث ہیں۔

حدیث نمبر 1:

حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عبداللہ ابن زبیر، حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ تَشَابَهَ عَلَيْنَا سے یہ مراد ہے کہ انہوں نے گائے کے مشابہ رنگ کو طلب کیا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ ہم کو ہدایت کے راستے پر گامزن کردے۔

حدیث نمبر 2:

حضرت ابوذر غفاری اور حضرت انس ابن مالکؓ اور سنان ابن مالک رسول کریم ﷺ کی خدمت میں عرض کرتے ہیں یا رسول اللہ اِنْشَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ کہنے کا کیا مقصد تھا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ چاہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے چاہا تو اس گائے کو ذبح کرنے کے بعد ہم ہدایت پر آجائیں گے اور اصل قاتل کی بھی ہم کو خبر مل جائے گی۔

حدیث نمبر 3:

حضرت عبداللہ ابن کعب اور جابر بنؓ سمرہ اور حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ انہوں نے انشاءاللہ کہہ کر یہ عزم کرلیا تھا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے راستے پر اگر اس نے چاہا تو چلیں گے اور اپنے مقصد میں کامیاب بن جائیں گے یہ تمام احادیث تفسیر امام باقر ابی بن کعب العوفی اور تنزیل القرآن میں ہیں بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ، ذَلُوْلٌ بقرہ کی صفت ہے پہلا لا نفی ہے اور دوسرا لا تاکید کے لئے۔ اصل عبارت یوں بنتی ہے بَقَرَةٌ لَّا شِيَةَ فِيْهَا۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود فرماتے ہیں اور حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ صحابہ کا مجمع تھا رسول اللہ ﷺ سے اس گائے کے متعلق پوچھا گیا کہ وہ گائے کیسی تھی آپ نے فرمایا زرد رنگ کی تھی جس کو زمین میں نہ جوتا گیا کیونکہ کام کرنے سے اس کی صحت میں نقص آسکتا ہے۔ فرمایا تو وہ بغیر جوتنے کے معنی بغیر بچہ دیئے ہوئے یعنی وہ خود بخود جنگل میں چرتی ہو فرمایا ان مذکورہ باتوں سے وہ سالم ہو فرمایا لَاشِيَةَ فِيْهَا سے یہی مراد ہے کہ زرد رنگ کے سوا اس کا کوئی اور رنگ نہ تھا حضرت ابوبکر اور حضرت عمرؓ

Marfat.com

فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جس گائے کے ذبح کرنے کا بنی اسرائیل کو حکم دیا وہ زمین میں جوتنے کے بغیر تھی اور زرد رنگ تھا اس کے سوا اور کوئی رنگ نہ تھا۔ حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ سے عرض کیا یا رسول اللہ مسلّمہ سے کیا مراد ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جب ان کو حکم دیا کہ ایسی گائے ذبح کرو۔ جو کہ بوڑھی نہ ہو، جوان ہو، بغیر بچہ دیئے ہوئے ہو اور زمین میں جوتی ہوئی نہ ہو اور نہ اس سے کھیتی کو پانی دیا گیا ہو۔ فرمایا اللہ تعالیٰ کی منشاء الٰہی تھی کہ وہ ان عیوب سے سالم ہو۔ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے زرد رنگ کی گائے کو ذبح کرنے کا حکم دیا اس کے کھر اور سینگ بھی زرد رنگ کے تھے نبی کریم ﷺ نے فرمایا پھر ان لوگوں نے اس بات پر قناعت کی اور ٹھہر گئے اور موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ اب آپ حق پر آئے ہیں یہ دونوں احادیث تفسیر امام باقر ابو العالیہ ابی بن کعب میں ہے۔ قاضی عبد الجبار نے یہ کہا ہے کہ کیا موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے ان کو جتنے حکم ہوئے وہ حق نہ تھے۔ یہ کلمہ کفریہ ہے یہ ان کی بات بالکل غلط ہے کیونکہ جب ان کو یہ معلوم ہو گیا کہ زرد رنگ کی گائے کو ہمیں ذبح کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس کی حقیقت واضح ہو گئی ہے اب ہمیں معلوم ہو گیا ہے کہ ہم نے زرد رنگ کی گائے کو ذبح کرنا ہے کہ دوسری گائیوں سے اس کی خاصیت علیحدہ ہے۔

منقول ہے کہ بنی اسرائیل میں سے ایک بوڑھا شخص تھا اس کے پاس ایک بچھیا تھی وہ اسے جنگل میں لایا اور کہا اے الٰہی یہ بچھیا میرے بیٹے کے لئے ہے لیکن ایک روایت میں آیا ہے وہ ضعیف ہے اور تواتر احادیث بیان ہو چکی ہیں کہ اس کے پاس لڑکا تھا۔ وہ گائے اچھی فربہ تھی اس لڑکے اور اس کی ماں سے اس گائے کو خریدا اور اس کی کھال کو سونے سے بھر دیا۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضرت ابی قتادہ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وہ گائے صرف تین دینار کی تھی ایسی گائے وہ چالیس سال تک تلاش کرتے رہے اللہ تعالیٰ نے اس ولی کے لڑکے کے روزگار کو اس گائے کی قیمت سے وسیع کرنا تھا تا کہ اس کی زندگی آرام سے بسر ہو سکے حضرت عبد اللہ بن مسعود اور حضرت علی فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ان کو خود حکم تھا اللہ تعالیٰ کی طرف سے کہ تم گائے ذبح کرو انہوں نے ذبح کی۔ عرض کردوں کہ حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کہا ہے کہ متحیر کرنا ذبح کرنے کے خلاف ہے جیسا کہ حدیث شریف میں سے معلوم ہو گیا ہے کہ ان کو ذبح کرنے کا حکم تھا۔

وَمَا كَادُوا يَفْعَلُوْنَ میں کیا وجہ ہے اس میں فَذَبَحُوا کے دو معنی ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے مَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ کی وجہ یہ فرمائی کہ ان کو گائے ذبح کرنے کی دشواری ہو رہی تھی اور ان کو حکم کا بجا لانا بھی ضروری تھا نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اس سے وہ ذبح کرنے کے قریب تھے آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ ان کو شہرت اور وصیت کا خوف تھا۔

لغوی معنی یہ ہیں کہ وہ ذبح کرنے کے قریب نہیں ہوئے تھے منافات میں تناقض ہے شیخ عبد القاہرؒ نے اس کو یہ کہا ہے کہ كَادُوْا کے معنی مقاربت کے ہیں۔

پس كَادُوْ يَفْعَلُوْنَ کے معنی یہ ہیں کہ قریب ذبح کرنے کے اور مَا كَادُوْ يَفْعَلُوْنَ کے یہ معنی کہ کرنے کے قریب نہیں ہوئے۔

بظاہراً اللہ تعالیٰ نے ان کو گائے ذبح کرنے کا حکم دیا یہ حکم ان پر واجب تھا اور واجب کا عمل بھی واجب ہوتا ہے یہ جو مسئلہ ہے کہ سفر میں اگر پانی کی قلت ہو تو تیمم کر لینا چاہئے۔ کیونکہ اس میں شارع شریعت کا حکم ہے اگر شارع شریعت کی طرف سے حکم نہ ہوتا تو ان کو خواہ پانی کی کتنی ہی قلت کیوں نہ ہوتی ان کو پانی سے ہی وضو کرنا لازم ہوتا۔ وصیت کے خوف سے حکم الٰہی مرتفع نہیں ہو سکتا۔ جیسے کوئی قاتل کسی کو قتل کرے تو قاتل کو اس کا قصاص دینا واجب ہے اور جب اس مقتول کا ولی دعویٰ کرے تو قاتل اپنے آپ کو اس ولی کے حوالے کر دے بسا اوقات قاتل کی خبر دینا دوسرے لوگوں کو لازم ہوتی ہے۔ کیونکہ دوسرے لوگ بھی شر اور فتنہ سے محفوظ رہیں۔ اس لئے کہ وہ قاتل کے شر سے محفوظ رہیں کہ قاتل اس قتل کو اپنے سر سے ہٹا کر دوسروں کے سر پر بطور الزام دھرنے کا ارادہ کرتا ہے۔ تا کہ اس کا یہ ارادہ باطل ہو جائے۔

بعد از حقیقت اللہ تعالیٰ کے حکم پر پرستش اور کاہلی نہیں ہے۔ جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ اگر وجوب کے لئے آتا ہے تو ان لوگوں نے اس گائے کو ذبح کرنے میں تاخیر کی۔ اور اس امر میں سستی کی اور امر وجوب کے لئے ضروری ہوتا ہے انہوں نے تاخیر کی تو ان کی مذمت ہوئی۔ حدیث شریف میں بھی ایسا وارد ہے یہ جو وَاِذْ قَتَلْتُمْ کے اندر قتل کا قصہ ہے یہ گائے کے قصہ سے اول ہے کہ گائے کا وقوع اس کے بعد میں ہوا کیونکہ مقتول پر گائے کے ٹکڑے کو مارنا ضروری نہیں بلکہ اس سے اللہ تعالیٰ کی عظمت کا اظہار ہوتا ہے جنہوں نے یہ کہا ہے کہ اس قصہ کو تلاوت کردہ پہلی آیت میں مقدم ہونا چاہئے۔ یہ ان کا قول غلط ہے اس واسطے کہ یہ قصہ اس آیت سے مقدم ہونا چاہئے۔ اور ذکر میں مقدم ہونے کی کوئی ضرورت نہیں اس واسطے کی بسا اوقات سبب کا حکم ذکر سے مقدم ہوتا ہے اور بسا اوقات اس کے خلاف ہوتا ہے۔ پس جب یہ ثابت ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ گائے ذبح کرو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس قتل کے تنازعہ میں تم نے اختلاف کیا آؤ میں تم کو وہ بتلاؤں جو تم چھپاتے تھے۔ اس طرح

Marfat.com

اس گائے کا ایک ٹکڑا اس مقتول کو مارا جائے۔ جس سے وہ زندہ ہوگا اگر کوئی اس پر یہ کہے کہ ترتیب درست نہیں ہے۔ اگر ترتیب یکساں ہوتی تو معلوم نہ ہوتا کہ اس امر کا ضروری حکم دیا جارہا ہے اسی لئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے گائے کے ذکر کو مقدم فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ قتل کا حصہ قلیل ہے اور قاتل کی خبر کا حصہ طویل ہے۔ جس میں قاتل کی خبر نہیں مل رہی تھی۔

سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ گائے کے اندر کئی وقوع ہیں وہ کیسی ہو۔ کس رنگ کی ہو، عمر کتنی ہو یہ طویل بحث ہے اللہ تعالیٰ نے اس امر کو پہلے بیان فرمایا ہماری سہولت کے لئے اور قتل کے ذکر کو بعد میں فرمایا وہ قلیل ہے یہ حدیث حضرت علیؓ نے روایت کی ہے یہ حدیث تفسیر امام باقر میں ہے۔

فادّٰرَءتُم کے کئی معنی ہیں جب تم آپس میں جھگڑا کر رہے تھے اِدّٰرَءتُم کے معنی ہیں مدافعت کرنا اور جھگڑے کے وقت بھی ایک شخص دوسرے شخص سے مدافعت کرتا ہے۔ اس میں یہ ہے کہ جو شخص قتل کرتا ہے تو وہ قتل کو اپنے سر نہیں لیتا دوسرے پر ڈالتا ہے۔ اس کے معنی حجت کے بھی آئے ہیں جو شخص کسی کے سامنے حجت لے کر آتا ہے تو وہ اس کی حجت کو بطور تہمت سمجھتا ہے صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ فِيهَا کی ضمیر نفس کی طرف ہے اس واسطے کہ قتلتم پر یہ ضمیر راجح ہے کہ تم نے قتل کیا۔

فادّٰرَاتُم اور فقُلنا کے اندر چند مسائل ہیں:

مسئلہ پہلا:

حدیث شریف میں ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ وَاللهُ مُخرِجٌ سے اللہ تعالیٰ ان کی تمام مخفی باتوں کو ظاہر کرنے والا ہے۔

مسئلہ دوسرا:

نبی کریم ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ غائب اور حاضر علم کا وہی خالق ہے۔ اور بنی اسرائیل فساد کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کو فساد کرنا ناپسند ہے۔

مسئلہ تیسرا:

نبی کریم ﷺ نے یہ بھی صحابہ سے فرمایا کہ کوئی اگر عام بولے یا آہستہ بولے تمام ظاہر و پوشیدہ باتیں اللہ تعالیٰ کے سامنے ہیں۔

مسئلہ چہارم:

نبی کریم ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی کہ وہ میرے لئے اعمال چھپ کر کریں۔ میں ان کے اعمال ظاہر کردوں گا۔ آپ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی آدمی ستر (۷۰) پردوں میں چھپ کر نیکی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو ظاہر فرما دیتا ہے گناہ کے لئے بھی ایسا ہے یہ حدیث تفسیر امام باقر ابی ابن کعب الفرقان میں ہیں۔

فقُلنا اضربُوہ پر چند مسائل:

پہلا مسئلہ:

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ وہ چالیس سال تک گائے کو تلاش کرتے رہے آخر گائے مل گئی۔

صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں یہ قرآن پاک کے ظاہر کے خلاف ہے کیونکہ اِنَّ اللهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا کے خلاف ہے آپ نے حدیث بیان کی ہے نبی کریم ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ جب ان کو گائے ذبح کرنے کا حکم ہوا۔ تو انہوں نے فوراً بھاگ دوڑ کرنا شروع کردی یہ حدیث تفسیر امام باقر ابوالعالیہ میں ہے۔

مسئلہ دوسرا:

اِضْرِبُوْا کا ضمیر یا نفس کی طرف ہے یا اس کے مذکور ظاہر کی طرف اس کے مذکور ہونے کی صفت میں توجیہ ہے کہ اس سے شخص یا انسان مراد ہو۔

حدیث شریف میں ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک خاص گائے ذبح کرنے کا حکم فرمایا تاکہ وہ خاص گائے ذبح کر سکیں۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ گائے کو ذبح کر کے اس کے ٹکڑے کو مقتول پر مارنے کی کیا حکمت تھی آپ ﷺ نے فرمایا تاکہ حجت تمام ہو جائے اور وہ یہ نہ کہہ سکیں کہ نعوذ باللہ موسیٰ

Marfat.com

فرمایا اللہ تعالیٰ ہم انبیاء علیہم السلام کو جو تعلیم کرتا ہے۔ اس میں دھوکہ نہیں ہوتا۔ علاوہ
علیہ السلام نے جادو کردیا بلکہ وہ اپنے ہاتھ سے ذبح کریں کیونکہ ان کو کوئی شبہ نہ رہے
ازیں آپ ﷺ نے فرمایا کہ چونکہ ان کو گائے کی تلاش کرنے میں بڑی مشقت پیش آئی، پھر جب ان کو گائے مل گئی تو انہوں نے اس پر زر کثیر خرچ کیا فرمایا کہ اس سے
قربانی کا عظیم ثواب ہوتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس زر کثیر خرچ کرنے سے گائے کے مالک کو کافی مال ہاتھ آیا۔ اور اس کی غربت دور ہوگئی۔ یہ حدیث تفسیر امام باقر
وغیرہ میں ہے۔ اگر کوئی اس پہ اعتراض کرے کہ گائے کے علاوہ کسی اور جانور کا حکم کیوں نہیں دیا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اعتراض تو ہر جانور کے بارے میں ہوسکتا
تھا۔ حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ گائے کا اللہ تعالیٰ نے ان کو اس لئے حکم فرمایا کہ بنی اسرائیل گائے کے بچھڑے کی پوجا کرتے تھے
اور انہیں سے گائے ذبح کرا کے شرک کی جڑیں اکھیڑ دیں گائے کا کون سا عضو اس مقتول پر مارا گیا اس میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا کہ زبان کا ٹکڑا مارا گیا بعض نے کہا
کہ ریڑھ کی ہڈی، بعض نے کہا کہ دل کا ٹکڑا لیکن حدیث متواتر ہے کہ حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے صحابہ کے مجمع میں پوچھا
یارسول اللہ ﷺ گائے کے گوشت کا کون سا ٹکڑا اس مقتول کو مارا گیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ زبان کا ٹکڑا، آپ ﷺ نے فرمایا اس میں کئی حکمتیں ہیں: حکمت اول یہ ہے
کہ بنی اسرائیل مردوں کے زندہ ہونے کو نہ مانتے تھے۔ تا کہ ان کی آنکھیں اس بات کا مشاہدہ کرلیں اور ان کا دل مطمئن ہوجائے اور مرنے کے بعد زندہ ہونے کے
منکرین کو بھی مشاہدہ کرانا مقصود تھا۔ نیز مشرکین پر واضح کردیا گیا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ایک مردے کو زندہ کردیا ہے اسی طرح وہ تمام مردوں کو زندہ کردے گا۔ اسی

لئے لفظ الموتیٰ ارشاد ہوا۔

بعض لوگوں نے كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى سے یہ کہا کہ مقتول ایک سے زیادہ تھے۔ لیکن امام رازی کے نزدیک یہ قول ضعیف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے
اس مقتول کے اثبات کو مَوْتیٰ کے اثبات پر قیاس فرمایا۔ پس اس سے مقتول کی خاصیت مراد نہیں یہ امام رازی کی تاویل ہے جو حدیث کے خلاف ہے اور یہ جو ارشاد ہوا

ہے وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ تو اس سے صرف ایک ہی نشانی مراد ہوسکتی ہے۔
جواب: یہ نشانی ظاہراً تو ایک نظر آتی ہے لیکن یہ کافی نشانیوں پر محمول ہے۔ ایک تو اس مردے کا زندہ ہونا اور گائے کا ٹکڑا اس پر مارنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا گائے کو

ذبح کرنے کا حکم دینا۔

اسی طرح یہ تمام آیات ایک آیت میں ہیں لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ پر دو بحثیں ہیں:
لَعَلَّكُمْ کی بحث ہم لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ میں کرچکے ہیں اب تَعْقِلُوْنَ پر بحث کرتے ہیں، ظاہر میں تو تم عقل سے کام لیتے ہو۔ کیا اس سے پیشتر ان کو عقل نہ
تھی۔ عقل تو تھی لیکن یہاں پر سبق دینا مقصود ہے کہ تم عقل کے مطابق اللہ تعالیٰ کے احکام کو سمجھو، آیت کی تفسیر میں ایک سوال باقی ہے وہ یہ ہے کہ کیا قتل میں اس قاتل کو
اس ورثہ کا حق ملا یا نہ ملا۔ قرآن کریم کی اس آیت میں اس قاتل کی وراثت کو بیان نہیں کیا گیا یا یہ بھی کہ وہ شریعت ہماری شریعت کی مانند ہو۔ یہ بھی قیاس نہیں ہے اب
مسئلہ کہ بعض لوگوں نے یہ کہا ہے کہ قاتل کو مقتول کی وراثت سے کچھ نہیں ملنا چاہئے۔ چاہے وہ قتل عمداً ہو یا خطاً ہو۔

مسئلہ :

جیسا کہ مجتہدین کا اختلاف ہے، امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر عادل بادشاہ کسی باغی کو قتل کرے عمداً اور خطاً امام شافعی کے نزدیک وہ قاتل مقتول کے ورثے کا

حق دار نہیں۔

مسئلہ :

امام اعظمؒ کے نزدیک یہ ہے کہ جان بوجھ کر قتل کرنے والا قاتل مقتول کے ورثہ کا وارث نہیں ہوتا بجز قتل خطاء کے مسئلہ اس طرح اگر قاتل نابالغ یا مجنون ہو تو
اس کو بھی وراثت نہ ملے گی امام شافعی کے نزدیک، امام اعظم کے نزدیک قاتل طفل ہو یا مجنون تو اس کو وراثت ملے گی۔ عثمان فقیہی کا قول ہے کہ خطاء قاتل کو ورثہ ملے گا

عمداً کو نہیں۔

Marfat.com

مسئلہ :

امام مالک یہ فرماتے ہیں کہ دیت میں نہ ملے گا اور باقی مال میں ملے گا۔ حضرت حسن، مجاہد زہری اور ائمہ کا قول بھی یہی ہے۔ امام شافعی نے مشہور حدیث سے استدلال کیا ہے۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ قاتل کے لئے اس کے مقتول کے میراث میں سے کچھ نہ ہوگا لیکن یہ حدیث خبر واحد ہے۔ اس کو درست نہ مانا جائے یا کتاب اللہ تعالیٰ کے عموم کے موافق ہو، یہ بھی یاد رہے حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت عائشہؓ، یہ سب فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر میرا قول متواتر ہو، اور کتاب اللہ تعالیٰ میں عموم نہ ہو یا کوئی آیت بھی ہو وہ اس پر غالب ہے۔ تو یہ حدیث بھی ظاہر ہوئی کہ کوئی حدیث نقل متواتر ہو یا خبر واحد ہو۔ قرآن پاک کا حکم اس پر غالب ہے یہ حدیث تفسیر امام باقر میں ہے اور اکثر مفسرین کا اسی پہ اتفاق ہے۔ جو یہ کہتے ہیں کہ خبر تواتر قرآن پاک کی آیت پر غالب ہے یہ باطل ہے، لغو ہے اور بے بنیاد ہے اس میں ایک دقیقہ ہے عام طور پر جب ایک نقیض جاری ہو تو اس میں ایک قسم کی منفعت پیدا ہو جاتی ہے۔ پس اگر اس حد کو بعض صورتوں کے ساتھ خاص کریں تو اس میں ضعف کے لئے کافی اسباب جمع ہو جائیں گے مذکورہ حدیث تفسیر امام باقر وغیرہ میں ہے۔

حدیث شریف میں حضرت ابوبکر، حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، عبداللہؓ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ صحابہؓ کا جم غفیر تھا، قاتل کے بارے میں مسائل پوچھے جا رہے تھے ہم نے پوچھا، حضرت علی فرماتے ہیں یا رسول اللہ ﷺ کہ ہم نے آپ ﷺ سے سنا ہے، کہ قاتل کو مقتول کے ورثے سے کچھ نہیں ملتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس دن جب یہ ارشاد ہم نے تم کو فرمایا ہے اس کی پوری وضاحت تم نے مجھ سے نہیں سنی سن لو کہ قاتل کو اس مقتول کے ورثہ سے کچھ نہیں ملے گا جس کو اس نے عمداً قتل کیا ہو اگر چہ وہ اس کا خاص قریبی رشتہ دار ہو کیونکہ مقتول کی وراثت کا میں اقربہ پر اطلاق ہے۔ جو اس کے قریبی رشتہ داروں میں سے ہو، ایسا قاتل عمداً قتل کے بعد اس کے ورثے کا کوئی حق نہیں رکھتا بجز خطا کے بجز طفل کے بجز مجنوں کے یہ حدیث خبر متواتر ہے حضرت علی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ جب کہیں سے یہ وضاحت سنو تو میرے قول سے رجوع کر لیا کرو امام اعظمؒ کا موقف بھی یہی ہے۔ یہ حدیث تفسیر امام باقر میں ہے۔ اور ابوبکر رازی نے اس سے ثابت کیا ہے کہ اگر عادل کے ہاتھ سے باغی مارا جائے تو وہ عادل وراثت سے محروم نہ ہوگا اور دلیل یہ بیان کی ہے کہ اگر ایک شخص کا قصاص دوسرے کے ذمہ ہو اور وہ اس کے عوض میں اسے قتل کر ڈالے تو بالاتفاق قتل کرنے والا وراثت سے محروم نہ ہوگا۔

اور جاننا چاہئے کہ شافعیہ نے اس صورت سے انکار کیا ہے۔ حالانکہ حدیث متواتر ہے رسول کریم ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ قاتل مقتول کے قصاص میں جب آ جائے تو اس قاتل کو وراثت سے محروم نہ سمجھو۔ امام اعظمؒ بھی اسی حدیث سے استدلال کرتے ہیں یہ حدیث تفسیر امام باقر میں ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ط وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ط وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ط وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ط وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ (۷۴)

ترجمہ: پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے پس وہ پتھروں کی مانند ہیں یا اس سے بھی زیادہ سخت وہ پتھر جن سے نہریں جاری ہوتی ہیں، بعض پھٹ جاتے ہیں۔ جن سے پانی جاری ہوتا ہے۔ اور بعض گر جاتے ہیں اللہ تعالیٰ کے خوف سے اور جو تم عمل کرتے ہو اللہ تعالیٰ ان سے بے خبر نہیں ہے۔

جاننا چاہئے ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ کے اندر چند مسائل ہیں۔

مسئلہ اوّل:

جو چیز اپنی ذات کے اعتبار سے دوسرے کا اثر قبول کرتی ہو پھر یہ چیز کسی وجہ سے ایسی ہو جائے کہ اثر کو قبول نہ کرے تو کیسے کہہ سکتے ہیں کہ وہ چیز بہت سخت ہے اس آیت کے مطابق دل بھی اسی پتھر کی طرح ہے کیونکہ پتھر بھی ایسا ہوتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے رسول اللہ ﷺ نے صحابہ میں اسی آیت کو پڑھتے ہوئے فرمایا کہ انسان کا قلب پتھر سے بھی زیادہ سخت ہے کیونکہ پتھر کو ٹکڑے ٹکڑے کیا جا

Marfat.com

سکتا ہے لیکن قلب میں اس سے بھی زیادہ سختی ہے۔

مسئلہ دوئم:

حدیث شریف میں ہے حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہؓ بن مسعود فرماتے ہیں ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ میں اہل کتاب کو خطاب کیا گیا ہے کیونکہ انہوں نے تورات کو پڑھا اور انبیاء علیہم السلام کا تذکرہ اس میں موجود ہے اور ان کے معجزات کا ذکر بھی ہے انہیں بتایا جا رہا ہے کہ تمہارے اسلاف نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کی۔ اور ان کو عذاب نے گھیر لیا بعض علماء امت فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے اپنے زمانہ کے اہل کتاب کو یہی بات ارشاد فرمائی کہ تمہارے دل کتنے ٹیڑھے اور سخت ہو گئے ہیں کہ تم نے اپنے اسلاف کے عذاب کے تذکروں کو پڑھا ہے اور تورایت میں میرے بارے میں اللہ تعالیٰ نے جو کچھ فرمایا ہے اس کو جانتے ہو۔ لیکن عناد کی وجہ سے تسلیم نہیں کرتے حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ یہودیوں کے ایک مرتبہ قیس بن مغیرہ نے مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ کے بارے میں پوچھا کہ اس کا کیا مطلب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں وہ مقتول زندہ ہوا اس نے قاتل کا نام بتلایا۔ قاتل نے کہا یہ جھوٹ ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا ان لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ اب اس قاتل کا کیا کرنا چاہئے۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ تم رکو اگر یہ سچا ہے تو اس کے وجود پر کوڑھ کی بیماری نہیں ہوگی۔ تھوڑی ہی دیر بعد اس قاتل کے وجود پر کوڑھ کی بیماری نمودار ہوئی اور سخت قسم کا کوڑھ تھا۔ قاتل نے تسلیم کر لیا کہ میں نے قتل کیا ہے، قیس بن حمزہ نے جب یہ بات سنی تو یہ کہا کہ محمد ﷺ کی نبوت حق ہے۔ میں اس پر ایمان لاتا ہوں کچھ اور بھی یہودی اور اہل کتاب ایمان لے آئے باقی یہودی اور اہل کتاب اپنے بغض اور عناد پر رہے۔ یہ دونوں احادیث تفسیر امام باقرابی بن کعب خزینۃ القرآن اور میراں جیو میں ہیں۔ یہ جو ارشاد ہے اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ط اس کے اندر چند مسائل ہیں:

مسئلہ اوّل:

اوعلام العیوب کی شان کے مناسب نہیں ہے۔ بلکہ اَوْ بمعنی واؤ کے ہے۔ جیسے اس آیت میں ارشاد ہے اِلٰی مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ ○ یعنی ایک لاکھ یا زائد، مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں سے اس کو مبہم رکھے یا دوسرے سے بیان کیا جائے۔ جیسے کوئی کہے۔ میں نے روٹی کھائی یا چھوہارے کھائے، کھانے والا تو جانتا ہے دوسرا شک میں نہ رہے اسی طرح فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى میں دیکھنے والے دو گوشوں کی کمان کے قریب دیکھا اس سے بھی کم دیکھے۔ اس سے بھی یہی ثابت ہے کہ اُن کے دل پتھر کی مانند سخت ہیں۔ بلکہ اس سے بھی زائد، اَوْ بمعنی حرف جیسے اس شعر میں دیکھے کہ مجھے اللہ کی قسم میں نہیں جانتا کہ یہ بات سلمیٰ نے بنائی ہے یا قوم نے مجھے سب محبوب ہیں۔

مسئلہ دوئم:

اَشَدُّ کا عطف کاف پر ہے۔ یا اس طور پر اَوْ مَثَلَ اشدَّ مضاف محذوف ہے اور مضاف الیہ اس کے قائم مقام ہے یا تقدیر عبارت یہی ہے اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً اگر ہم اس قرآن پاک کو پہاڑ پر نازل فرماتے، تو وہ پہاڑ اللہ تعالیٰ کے خوف سے ریزہ ریزہ ہو جاتا۔

2- حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں رسول کریم ﷺ نے اس آیت کو پڑھتے ہوئے فرمایا کہ پتھر زیادہ سخت ہونے کی وجہ سے اللہ کے تابع ہیں۔ اور اس کے حکم سے سرتابی نہیں کرتے اس کے زیر فرمان ہیں۔ پھر فرمایا بنی آدم ایسے ہیں کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو بھی حاصل کیا پھر بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے سرتابی کرتے ہیں۔ نیز آپ نے یہ فرمایا کہ بنی آدم کے علاوہ حیوانات، پتھر، سب اللہ کے حکم کے مطابق ہیں فرمایا یہ کفار، نابکار، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے ہوتے ہوئے اللہ کے حکم سے سرتابی کرتے ہیں۔

حدیث نمبر 2:

حضرت علی فرماتے ہیں کہ میں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ اس آیت میں پتھر سے انسان کے دل کو زیادہ سخت فرمایا گیا ہے؟ اس کی کیا وجہ ہے؟ سرکار دو عالم ﷺ نے مسکرا کر فرمایا کہ پتھر سے اگرچہ مخلوق کو نفع ہوتا ہے اور مخلوق کے نفع کے لئے پتھر سے پانی نکلتا ہے۔ لیکن انسان کے دل سے کچھ نفع نہیں نکلتا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو پتھر سے بھی زیادہ سخت فرمایا۔

Marfat.com

مسئلہ سوئم:

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ پتھروں کو اگر عقل ہوتی اور وہ یہ نشانیاں دیکھتے تو اس کو قبول کرتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا جیسا کہ قرآن پاک میں ہے اگر ہم اس قرآن پاک کو کسی پہاڑ پر نازل فرماتے۔ اے حبیب پاک ﷺ آپ اس کو دیکھتے وہ پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جاتا اور پھٹ جاتا اللہ تعالیٰ کے خوف حکم سے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ پہاڑوں میں عقل نہیں ہے تب بھی وہ اللہ تعالیٰ کے فرمان کے تابع ہیں کفار نے اللہ تعالیٰ کے طرح طرح کے کرشموں کو دیکھا تب بھی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔ اور ان کے دل سخت رہے یہ تمام احادیث تفسیر امام باقر ابی بن کعب تنزیل القرآن اور الفرقان میں ہیں۔

مسئلہ چہارم:

قاضی عبدالجبار نے یہ کہا ہے کہ ان کا کفر دوامی نہیں تھا۔ اگر دوامی ہوتا تو وہ موسیٰ علیہ السلام سے کہہ سکتے تھے کہ اس نے ہمارے دلوں کو پتھر سے زیادہ سخت کیوں کیا ہے۔ حالانکہ وہ طرح طرح کے معجزات بھی دیکھ سکتے تھے۔ وہ یہ کہہ سکتے تھے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے پتھر کو زیادہ سخت بنایا ہے اور اس سے نہریں جاری کر سکتا ہے۔ تو ہمارے دلوں میں بھی ایمان ظاہر کر سکتا ہے اور ہم معذور نہیں ہیں یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ شر اور خیر کا خالق ہے۔ اس نے ہدایت اور گمراہی کے راستوں کو الگ الگ کر دیا ہے اس پر کافی بحث پہلے گزر چکی ہے۔

مسئلہ پنجم:

اَوْ اَشَدُّ قَسْیٰ نہیں فرمایا قَسْوَہ فرمایا ہے اَقْسِیٰ کی بجائے قَسْوَۃ میں زیادہ مصلحت ہے۔

گویا کہ پتھر بہت سخت ہیں مگر ان کے دل ان پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہیں۔ بعض نے اس کو قَسْوَۃَ پڑھا ہے اور اس کی ضمیر ظاہر نہیں ہے اَوْ اَشَدُّ قَسْوَۃً مِنْھَا نہیں ارشاد ہوا۔ کیونکہ یہاں ضمیر کو چھوڑ دینے سے کچھ نقصان لازم نہیں آتا۔ جیسے زَیْدٌ، کَرِیْمٌ، اِکْرِمْ پھر اللہ تعالیٰ نے پتھروں کی فضیلت ان پر تین وجہ سے بیان کی ہے تینوں پتھروں سے تین قسم کے منافع حاصل ہوتے ہیں ان کے دلوں سے کوئی بھی نہیں، وہ تین نفع درج ذیل ہیں:

1- پتھر اللہ تعالیٰ کے فرمان کے تابع ہیں اس کی اطاعت کرتے ہیں۔

2- ان میں پانی جاری ہوتا ہے۔

3- ان میں سے نہریں بھی نکلتی ہیں۔ اس کے اندر چند مسائل ہیں:

مسئلہ اوّل:

بعض نے اس کو اِنْ بالتخفیف پڑھا ہے اور اِنَّ مُخَفَّفَہ من المثقلہ ہے جس کو لام تعریف لازم آتا ہے۔

مسئلہ دوئم:

فجراً کے معنی کثرت کے ساتھ کشادہ ہونے اور پھٹنے کے ہیں جب کسی کا زخم پھوٹ کر اس سے خون نکلتا ہے تو کہتے ہیں انفجرت الجرحة اور فجر اور فجور بھی اس سے ماخوذ ہے۔ مالک بن دینار نے اس کو یتفجر پڑھا ہے۔ جس میں یہ لازم آتا ہے کہ بعض پتھروں سے پانی نکلتا ہے۔ اس کی نہریں بن جاتی ہیں۔ بعض حکماء نے کہا ہے کہ نہروں کا توازن بخارات سے ہوتا ہے جو زمین کے اندر اندر جمع ہوتے ہیں اگر وہ زمین نرم ہوتی ہے تو وہ بخارات پراگندہ ہو کر نکلتے ہیں اگر زمین سخت اور ترین ہو تو ایک جگہ جمع ہو کر پے در پے جمع ہوتے جاتے ہیں۔ جس سے وہ زمین پھٹ جاتی ہے اس میں سے دریا اور نہریں نکلتی ہیں۔ بعض پتھر ایسے ہیں جن سے پانی نکلتا ہے اور نہریں نہیں جاری ہوتیں اور بعض پتھر ایسے ہوتے ہیں۔ جن میں چشمے جاری ہوتے ہیں پانی بھی زیادہ ہوتا ہے اور بعض پتھروں سے کم پانی نکلتا ہے۔

اکثر مفسرین نے یہ کہا ہے کہ ضمیر حجارۃ کی طرف راجع ہے۔ مگر پتھروں کے اندر عقل اور شعور نہیں ہوتا۔ حجارۃ ایسے پتھر جو اوپر سے نیچے کو آئیں، لیکن ان کفار کے دل بغض وعناد میں برابر رہتے ہیں۔ اور پہاڑ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں مصروف رہتے ہیں مِنْ خَشْیَۃِ اللہ سے یہ ہے کہ کسی عاقل ومختار کا خوف کرے جیسے کہ پتھر

Marfat.com

کے اندر شعور نہیں اس آیت میں دیکھئے۔

حضرت خضر علیہ السلام نے جو دیوار گرنے کو تھی اس کو سیدھا اور درست کر دیا تو چونکہ پتھر بھی اپنے مقام پر ایسی مخلوق ہیں کہ ان میں شعور نہیں پھر بھی ان میں خَشْیَتْ ہے یہاں مِن ابتدائی ہے۔

مِنْ خَشْیَةِ اللّٰہ کے بارے میں چند احادیث:

حدیث نمبر 1:

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ پہاڑ اللہ تعالیٰ کے خوف سے لرزتے ہیں اور انسان کا دل بھی ان کو دیکھ کر خشیتِ الٰہی سے لرز جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا جب اولے پڑتے ہیں انسان ان اولوں سے ڈرتا ہے۔

حدیث نمبر 2:

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں رسول کریم ﷺ نے فرمایا جس طرح انسان کا دل اولے پڑنے سے لرز جاتا ہے اس طرح ان کا دل اللہ تعالیٰ کے ڈر سے لرز جاتا ہے۔

مِــنْ خَشْیَةِ اللّٰہ کے معنی میں جو من ہے یہ کبھی کبھی نفی میں بھی آتا ہے۔ یعنی ان میں کفار کے لئے زجر وتوبیخ ہے اور قیامت کے دن ان پر شدید ہلاکت ہوگی۔ یہ جو ارشاد ہوا ہے۔

وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ٥ یعنی اللہ ان کے اعمال کا دنیا سے آخرت تک کا نگران ہے غافل کے معنی اللہ کی شان میں یہ لینا کہ وہ کسی وقت اس میں غفلت ہو سکتی ہے یہ بالکل کفر ہے کیونکہ غافل بمعنی ترک کے ہے۔ حدیث شریف میں بھی ہے۔ حضرت علیؓ، حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے اور اس کا علم لامحدود ہے۔ وہ کسی چیز کو نہیں چھوڑے گا۔ قیامت کے دن ذرہ ذرہ حاضر ہوگا۔ آپ نے یہ آیت تلاوت کی لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ نیز آپ ﷺ نے یہ آیت بھی تلاوت فرمائی وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا اے حبیب پاک ﷺ آپ کا رب بھولنے سے پاک ہے، مذکورہ احادیث تفسیر امام باقر ابی بن کعب اور احمد ثانی ابن محمد عبداللہ نور القرآن میں موجود ہیں۔

قال اللہ تعالیٰ: اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ یُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ یَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ یُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ (۷۵)

ترجمہ: کیا پھر تم امید کرتے ہو کہ تمہارے ساتھ یقین کریں گے۔ حالانکہ ان میں ایک فریق ایسے تھے۔ جو اللہ تعالیٰ کا کلام سنتے تھے۔ پھر اس کو بدلتے تھے اس کے بعد کہ انہوں سمجھ لیا اور وہ جانتے تھے۔

جاننا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں تک پہلے یہودیوں کے واقعات کو بیان فرمایا۔ اور اب ان یہودیوں کا ذکر ہے۔ جو نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں موجود تھے۔ ان پر چند احادیث حضرت علی وحضرت ابی قتادہؓ فرماتے ہیں رسول کریم ﷺ نے فرمایا یہودیوں کے ایک گروہ میں جن میں مالک ابن عبیدہ اور مشرکین کی ایک بھاری جماعت بھی تھی۔ آپ ﷺ نے ان سے خطاب فرمایا کہ تمہیں میری نبوت کی صداقت پر ایمان لانا چاہئے کیونکہ میں نے تمہارے اسلاف اور یہودیوں کے واقعات کو بیان کر دیا ہے۔ میں اس زمانہ میں موجود نہ تھا رب العزت جلّ مجدہٗ نے مجھے وحی کے ذریعے مطلع فرما دیا ہے فرمایا کہ نہ میں نے تمہاری توریت کو پڑھا ہے فرمایا کہ جو واقعات میں نے یہاں بیان کئے ہیں کیا توریت میں نہیں ہیں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو طرح طرح کی نعمتیں عطا فرمائیں موسیٰ علیہ السلام نے انہیں طرح طرح کے معجزات قاہرہ دکھلائے پھر بھی انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کی۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو فرعون کی غلامی سے نجات دلائی ان کو ملک عطا فرمایا۔ اور وہ ملک پر قابض ہوئے۔ فرمایا جب کہ وہ جنگل بیابان میں تھے اللہ تعالیٰ نے پتھر سے میٹھا پانی نکالا پھر ان کو مَنّ و سَلْوٰی عطا فرمایا پھر آپ ﷺ نے فرمایا جب موسیٰ علیہ السلام توریت کو لینے کے لئے طور پر تشریف لے گئے انہوں نے گاؤ سالہ کی پرستش شروع کر دی۔ فرمایا وہ موٹی عقل کے احمق لوگ تھے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس قصور کو معاف کیا۔ پھر انہوں نے مَنّ وسَلْوٰی سے اعراض کیا۔ پیاز اور گیہوں کی درخواست کی وہ بھی قبول ہوئی پھر وہ ہفتہ کے دن کو شکار کرتے تھے۔

Marfat.com

اللہ تعالیٰ نے ان کو منع کیا اور انہوں نے اس کا بھی انکار کیا پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب ان کو سجدہ کرتے ہوئے دروازے سے داخل ہونے کا حکم ہوا اور حطۃ کہنے کا حکم ہوا کہ میں تمہارے گناہوں کو بخش دوں گا اور میں تم کو ملک عطا کروں گا انہوں نے اس قول کو بدل ڈالا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کبھی موسیٰ علیہ السلام کو یہ کہتے کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا ہے تو ان پر بجلی کڑکی موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ سے وہ دوبارہ زندہ ہوئے پھر توریت سے انکار کیا اور اللہ تعالیٰ نے طور کو ان پر کھڑا کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ گائے کو ذبح کرنے کا حکم دیا انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ تم ہم سے تمسخر کرتے ہو۔ اور مردے کا زندہ ہونا۔ پھر بھی انہوں نے انکار کیا اور منحرف ہوتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو سخت کر دیا۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں حضور اکرم ﷺ کی مذکورہ تقریر کے دوران یہ آیت اَفَتَطْمَعُوْنَ نازل ہوئی۔ حضرت علی فرماتے ہیں کہ اس کا خطاب رسول کریم ﷺ اور امت مسلمہ کو ہے۔ ابن عباس بھی یہی فرماتے ہیں۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ان واقعات کا سنانا یہودیوں اور عرب اور مشرکین کو تھا کہ یہودیوں کے اسلاف نے زیادتیاں کیں تو ان پر عذاب آیا کہیں ایسا نہ ہو کہ تم بھی زیادتی کرتے ہوئے ایسے گناہ کے مستحق نہ ہو جاؤ۔ نیز حضرت علیؓ و حضرت حسین ابن علیؓ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے تسلی عطا فرمائی کہ اے حبیب پاک ﷺ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بنی اسرائیلیوں نے طرح طرح کے انعامات اور معجزات کو دیکھ کر انکار کیا ہے یہ احادیث تفسیر امام باقرابی بن کعب محمد ابن احمد ثانی حقائق الکرم میں ہے اگر آپ کی نبوت کا یہ انکار کر رہے ہیں تو اس کا کوئی تعجب نہیں، کیونکہ ان کے اسلاف کا یہی دستور رہا ہے۔ حضرت ابو قتادہ و حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ قَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ میں ان میں سے ایک ایسی جماعت تھی ان کا کام یہ تھا کہ وہ اللہ کے کلام کو سن کر اس کی تحریف میں لگے رہتے، کلام کے معنی جراحت کے ہیں اور موثر کرنے کے ہیں اور کلام الفاظ سے ہی بنتا ہے اس پر پہلی جلد میں کافی بحث کر چکا ہوں۔ کچھ لوگوں کے نزدیک کلام کی دو قسمیں ہیں اس پر چند مقدمات:

مقدمہ اوّل:

جلد اول میں فقیر نے کلام اللہ تعالیٰ کے ازلی ہونے میں کافی بحث کی ہے آپ نے بغور مطالعہ کیا ہوگا، لیکن کلام لفظی پر بحث نہیں ہوئی تھی۔ چنانچہ کچھ علماء نے لکھا ہے کہ کلام لفظی کو کلام نفسی سے تعبیر کیا جاتا ہے اور کلام لفظی کلام نفسی پر دال ہے۔ اور کلام نفسی اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم ہے جو الفاظ ہم پڑھتے ہیں۔ یہ ہمارے تلفظ حادث ہیں اب اس پر جن جن علماء نے لکھا ہے ان میں سے چند ایک کا ذکر بمطابق کتاب شرح عقائد درج ذیل ہے۔

-1 ملاجیون صاحب نور الانوار نے بھی اس پر طویل بحث کی ہے اور صاحب مسلم الثبوت نے بھی بحث کی ہے۔

-2 صاحب شرح عقائد نے کلام کی دو قسمیں بیان کی ہیں۔

-1 کلام لفظی -2 کلام نفسی

-1 کلام لفظی کو کلام نفسی سے تعبیر کیا گیا ہے ملاجیون نے ان دونوں کے متعلق کلیھما فرمایا ہے۔ شرح عقائد میں یہ بحث ہے کہ کلام لفظی میں جو معنی ہے وہ قدیم ہے۔ علامہ تفتازانی کی یہ بات قوی نہیں ہے اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ الفاظ حادث ہیں اور معنی قدیم ہے۔ تو پھر الفاظ کے معنی تو کئی زبانوں میں ہو سکتے ہیں مثلاً ہندی، فارسی، اردو، سنسکرت وغیرہ تو ان زبانوں میں سے کس زبان کے معنی قدیم مانیں گے کیونکہ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ معنی لفظ کے مطابق نہ ہو تو پھر الفاظ اور معانی میں مطابقت نہ رہے گی جب ہم یہ اعتراض کرتے ہیں تو وہ اپنی جان چھڑانے کے لئے ایک اور جواب دیتے ہیں کہ معنی کے اندر جو مفہوم ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم ہے۔ تو گویا انہوں نے مفہوم کو قدیم مانا اس صورت میں اعتراض کی گنجائش موجود ہے وہ یہ کہ کون سا مفہوم اللہ تعالیٰ سے قائم ہے اور کون سا نہیں؟ یا وہ مفہوم جس کو ہم معنی سے تعبیر کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم ہے تو اس صورت میں موصوف کہتے ہیں کہ وہ مفہوم اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم ہے۔ جو اس کی شان کے لائق ہے پھر بھی اعتراض کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے وہ یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ سے جو مفہوم اس کی شان کے لائق ہے وہ اس کے ساتھ قائم ہے۔ اور وہ الفاظ جو ہم پڑھتے ہیں کیا یہی الفاظ اس مفہوم کے لئے بھی آتے ہیں جو صاحب موصوف نے اپنی تعبیر لفظی کی شرح میں واضح کئے ہیں۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے؟ کہ ہر وہ لفظ جو زبان سے نکلتا ہے۔ وہ بھی کلام نفسی کی تعبیر و شرح کے مطابق ہے۔ عام پہچان اور تمیز کی خاطر کوئی واضح جامع اور صاف اصول یا قاعدہ یا تعریف کا مقرر کرنا نہایت ضروری ہے۔ ورنہ ہر عمومی اور خصوصی ذہن میں شکوک و شبہات کا ایک خلجان سا پیدا ہو جائے گا اور قاری و سامع

Marfat.com

دونوں کی بات بے معنی ہو کر رہ جائے گی۔

-3 اللہ تعالیٰ کے کلام پاک (کلام اللہ) میں لفظی کی کوئی ضرورت نہیں ہے بلکہ وہی کلام نفسی ہے۔

-4 مناظرین سے پہلے جتنے متقدین، مفسرین اور فقہا گزرے ہیں انہوں نے کلام لفظی کا کلام نفسی سے علیحدہ وجود بیان ہی نہیں کیا۔ بلکہ انہوں نے اسی پر اتفاق کیا ہے کہ جو کلام ہم پڑھتے سنتے ہیں وہی کلام ربانی اور ازلی ہے اور پھر جو لفظ ہم پڑھتے یا سنتے ہیں اور ہماری آواز، ہمارا سننا، اور ہمارا نقش کرنا حادث ہیں جو الفاظ ہم پڑھتے، سنتے اور نقش کرتے ہیں۔ وہ ازلی ہیں۔ تفسیر ابی بن کعبؓ میں ہے، وہ لکھتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے جو تفسیر پر ایک بڑا مسودہ لکھا وہ اس کلام پر مشتمل ہے جو آنحضرت ﷺ نے کلام پاک کی تفسیر میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ارشاد فرمایا تھا۔ اس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کا خطبہ جو اڑھائی گھنٹوں کا تھا ارشاد فرمایا کہ ''الحمد اللہ اللہ تعالیٰ کا کلام جو مجھ پر اترا ہے وہ عربی میں ہے اور جبرائیل علیہ السلام نے ان عربی کے الفاظ کو رب ذوالجلال سے سنا اور مجھ تک پہنچائے، الحمد اللہ سے لے کر والناس تک ہے یہ ایسا کلام ہے کہ ان میں علوم غیر محدود ہیں۔ اور یہ کلام غیر مخلوق ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ کلام پاک اس ذات کا کلام ہے کہ جس کا کوئی اول نہیں اور اس طرح اس کے کلام کا بھی کوئی اول نہیں ہے یعنی یہ کلام ازلی ہے۔ یہی حدیث خطبہ کے کلمات، حضرت ابن عباسؓ نے بھی اپنی تفسیر میں بیان فرماتے ہیں اور یہی حدیث ابی بن کعب نے بھی نقل کی ہے۔ اور تفسیر امام محمد باقرؒ ''ذکر علم القرآن میں بھی ہے انہوں نے بھی اپنے دادا حضرت علی المرتضیٰؓ کے تفسیر مذکورہ کو اپنی تفسیر میں مکمل طور پر قلم بند کیا ہے اور مذکورہ حدیث کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ جو شخص قرآن پاک کے خلق ہونے کا قائل ہے وہ مُـرتَـدْ ہے اور مذکورہ حدیث قطعی ثبوت، قطعی دلالت اور نقل متواتر ہے۔ اسی حدیث کے کلمات امام محمد باقرؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے دادا حضرت علیؓ کے مذکورہ مسودہ کے علاوہ حضرت ابو ہریرہؓ حضرت ابو سعید خدریؓ، حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ اور حضرت انسؓ بن مالکؓ اور ابوذر غفاریؓ سے بھی سنی۔ اور وہ فرماتے ہیں کہ ہم حجۃ الوداع کے موقعہ پر موجود تھے۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کو بھی یہی حدیث بیان کرتے ہوئے سنا۔ امام محمد باقرؒ فرماتے ہیں کہ ان حضرات کے علاوہ میں نے پانچ سو اور صحابہ سے بھی یہی حدیث سنی۔ مزید ایک اور حدیث بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد حضرت عمرؓ سے سنا'' کہ میں اور ابو بکرؓ سرکار دو عالم ﷺ کی بارگاہ عالیہ میں موجود تھے۔ کہ حضرت علیؓ اور حضرت عثمان بھی تشریف لے آئے۔ اس کے بعد اور بھی بہت سے صحابہ کرام کا جم غفیر اکٹھا ہو گیا اور اس وقت نبی کریم ﷺ نے فضائل قرآن بیان فرمائے۔ اور یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا کلام جب پڑھو اور سنو تو خاموش ہو کر سنو اور کلام اللہ پڑھنے والا یوں سمجھے کہ میں اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوں مزید فرمایا کہ قرآن پاک سے جو کچھ پڑھو اور سنو وہی کلام، کلام اللہ ہے اور وہی الفاظ اللہ تعالیٰ کے ہیں۔ اور یہ حدیث بھی حضرت علیؓ نے اپنے مسودہ مذکورہ میں لکھی ہے۔ اور یہ بات امام باقرؒ نے فرمائی ہے۔

یہی حدیث تفسیر ابن عباس میں بھی ہے اور تفسیر ابو العالیہ جو امام باقرؒ کے شاگرد ہیں انہوں نے بھی درج کی خواجہ حسن بصریؒ نے بھی اپنی تفسیر میں لکھا ہے اور تفسیر سعید بن جبیر تفسیر مجاہدی تفسیر ابو سفیان ثوری، تفسیر، مالکی، تفسیر عطاء تفسیر امام جعفر صادق، تفسیر جوینی، تفسیر قیس بن مسلم تفسیر احمد ابن یوسف اور تفسیر خزینۃ القرآن میں درج ہے۔ اور یاد رہے کہ تفسیر خزینۃ القرآن، تفسیر بحر العلوم، ضخامت اور جامعیت کے اعتبار سے تمام تفاسیر سے زیادہ ضخیم اور واضح ہے۔

ذکر ہو رہا ہے کہ یہ دونوں مذکورہ بالا احادیث متواتر اور سلسلۃ الذہب ہیں مسئلہ مذکورہ اپنے اعتبار سے احادیث کی روشنی میں واضح ہو گیا کہ جو کلام ہم پڑھتے سنتے ہیں وہی کلام اللہ تعالیٰ ہے۔

صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ میرے جد امجد حضرت امام محمد باقرؒ اپنی تفسیر بحر العلوم میں تحریر فرماتے ہیں کہ قرآن پاک کے الفاظ جو ہم پڑھتے ہیں۔ وہی کلام اللہ تعالیٰ ہیں اور دلیل کے طور پر یہ آیت تلاوت فرمائی حَتّٰـى يَسْـمَـعَ كَلَامَ اللّٰهِ یعنی اگر مشرکوں میں سے کوئی آپ کے پاس پناہ مانگنے کو آئے تو اسے پناہ دے دیجئے یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کا کلام سن لے۔ فرمایا کہ یہ آیت اسی امر پر واضح ہے کہ جو کلام سنو، پڑھو وہی الفاظ اللہ تعالیٰ کے سمجھو۔ نیز ارشاد ہے: فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ ۝ ترجمہ: پس البتہ حکم اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ جو بڑا بلند عالی شان ہے۔

Marfat.com

دیکھئے کہ یہ قرآن پاک کا حکم ہے اور حکم بھی عَلِیُّ الْکَبِیْر ہے پھر حکم میں لفظی کا کیا تعلق حکم کا تعلق نفس سے ہے تو گویا کہ حکم نے لفظی والی بات کو ختم کر دیا۔

یاد رہے کہ مناطقہ کے نزدیک دو قاعدے ہیں، عین اور غیر، عین کی ضد میں غیر ہوتا ہے اور غیر کی ضد میں عین۔ اللہ تعالیٰ عین اور غیر سے پاک ہے۔ تو گویا اس کا قرآن پاک عین اور غیر سے پاک ہے اگر ہم لفظی و نفسی کی تقسیم پیدا کریں تو یہاں عین اور غیر دونوں ثابت ہو جائیں گے۔ یہ محال ہے۔ اور قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کی صفت وجودی ہے۔ یہ عین اور غیر سے پاک ہے یہی قرآن پاک جو ہم پڑھتے ہیں یہ غیر مخلوق ہے۔

صاحب خزینۃ القرآن اپنے جد امجد حضرت محمد باقرؒ کی تفسیر ''ذکر علم القرآن'' سے یہ حدیث بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو ان ستر (۷۰) آدمیوں نے کہا کہ ہم اللہ تعالیٰ کا کلام سننے آپ کے ساتھ کوہ طور پر جاتے ہیں۔ چنانچہ حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام ان کو اپنے ہمراہ کوہ طور پر لے گئے اور موسیٰ علیہ السلام پر جب ایک ابر (بادل) نے سایہ کیا تو آپؑ نے اپنے ساتھیوں کو اس کے نیچے بلا لیا۔ وہ بھی اللہ کا کلام سننے لگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰ فلاں کام نہیں کرنا اور فلاں کام ایسے کرنا ہے اور فلاں کام کرنے کا لوگوں کو حکم کرنا ہے تو آپؑ کے ساتھیوں پر موت طاری ہوگئی۔ یہ حدیث متواتر ہے اور موسیٰ علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ سے کلام کرنا خود قرآن پاک سے ثابت ہے۔ اب ہم ان متاخرین کو کہتے ہیں کہ جو کلام لفظی کے گھمنڈ میں ہیں کیا انہوں (سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی) نے اللہ تعالیٰ کے کلام کے الفاظ سنے تھے کہ معانی سنے تھے اور اگر وہ معانی تھے تو تب بھی الفاظ ہی تھے پس ثابت ہوا کہ قرآن پاک تمام کلاموں سے افضل کلام ہے اور جو پڑھتے سنتے ہیں۔ یہی الفاظ ربانی ہے پہلے لکھ چکا ہوں کہ اللہ کے نزدیک کلام لفظی نہیں ہے بلکہ کلام نفسی ہے اور ذہن کے اندر جو کچھ وجود ہوتا ہے وہی کلام کی شکل اختیار کرتا ہے اس کی مثال یوں سمجھ لیجئے کہ قرآن پاک میں ہے کہ جب منافق رسول کریم ﷺ کی بارگاہ میں آئے تو کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ بلاشبہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ بے شک آپ رسول اللہ ﷺ ہیں اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق جھوٹے ہیں اب کلام نفسی کی صورت کو دیکھئے درحقیقت اس واقعہ میں منافقین سچے تھے کہ آپ ﷺ کے رسول ہیں۔ مگر ان کو ماننے میں انکار تھا تو یہی بات ہے کہ جب کلام اپنے ذہن میں چھپالیا جائے تو وہ نفسی ہے اگر اسی کلام کو بعینہٖ ظاہر کر دیا جائے جو ذہن میں موجود ہوتا ہے تو وہ الفاظ ہوں گے نہ کہ کلام نفسی۔ تو اللہ تعالیٰ کی ذات حقیقی میں ایک ہی صفت ہے اور وہ صرف کلام نفسی اور اسی کلام کو ہم پڑھتے سنتے ہیں یہی کلام نفسی ہے۔ ان تمام مذکورہ بالا احادیث کو امام زہری نے اپنے مسند میں درج کیا ہے۔ حضرت امام اعظمؒ کے ساتھ امام بزدویؒ کا مناظرہ اسی امر پر ہوا اتفاق اسی پر ہوا کہ جو کلام اللہ کو خلق مانے وہ بالاتفاق کافر ہے۔ جو کلام ہم پڑھتے سنتے ہیں یہی کلام اللہ ازلی ہے۔ تمام صحابہ کا یہی فیصلہ ہے۔ اور تابعین، مفسرین ومحدثین، متقدمین و متقدمین سب کا اسی پر اتفاق ہے۔

اور امام فخر الدین رازیؒ صاحب تفسیر کبیر نے بھی اسی پر کافی بحث کی ہے۔ اور کلام لفظی کے وجود کا تو انہوں نے ذکر ہی نہیں امام قرطبیؒ نے کلام نفسی پر ایک رسالہ تحریر فرمایا ہے اور اس میں بھی کلام لفظی کا ذکر نہیں ہے۔ انہی الفاظ کو جو ہم پڑھتے سنتے ہیں کلام نفسی مانا ہے۔ ہمارے جد امجد حضرت میراں جیونوری، برقی مفسر خیر آبادی نے بھی اپنی تفسیر الاستغنا میں مکمل بحث فرمائی ہے۔ جس میں ملاجیون اور شرح عقائد پر بحث کی ہے اور انہی مذکورہ بالا دلائل کو اپنے دعویٰ میں بطور دلیل پیش کئے ہیں، مولانا حضرت شاہ احمد رضا خان کے ملفوظات حصہ چہارم صفحہ اٹھارہ پر یہ بات مسلم ہے اور فرماتے ہیں کہ ہم تو کلام باری عزوجل میں لفظی اور نفسی کا تفرقہ نہیں مانتے اور وہ ایک ہے۔ مناظرین اور متکلمین شدید غلطی پر ہیں ہمارے جد امجد سید میراں جیو نے فرمایا کہ ہمارے آباؤ اجداد اسی مسلک پر قائم ہیں۔ چنانچہ کلام لفظی اور کلام نفسی کے ایک ہونے پر دلائل قاطعہ و براہین ساطعہ سے مسئلہ ثابت ہو گیا ہے۔

⌘⌘⌘⌘⌘

Marfat.com

مقدمہ دوئم

مسئلہ پہلا:

کچھ علماً کا یہ خیال ہے کہ قرآن کریم عربی زبان کے علاوہ اور زبانوں میں پڑھا جا سکتا ہے؟ کیا قرآن وحدیث کی روشنی میں درست ہے؟

جواب: یہ قول بالکل مہمل اور غلط ہے کیونکہ قرآن کریم زبان عربی میں نازل ہوا اور اسی زبان میں ہی نماز میں پڑھا گیا۔ اگر کسی اور زبان میں پڑھنا درست ہوتا تو نبی کریم ﷺ خود صحابہ کرام کو دوسری زبانوں میں قرآن پاک کو پڑھنے کا حکم صادر فرماتے۔

اس مسلک کے بعض علماء نے ایک قول حضرت امام اعظمؒ کی ذات سے منسوب کیا ہے کہ امام صاحب فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک اعرابی آیا، اس نے کہا یا رسول اللہ ﷺ مجھے قرآن پاک نہیں آتا۔ نماز میں کیا پڑھوں آپ ﷺ نے فرمایا کہ تو سبحان اللہ والحمد للہ پڑھ لیا کر اس حدیث سے امام صاحب کا استدلال ثابت کرتے ہیں۔ جب کہ اس حدیث شریف کا استدلال اس مسئلہ کے ثبوت میں پیش کرنا قطعاً مراد نہ ہے کیونکہ جن کلمات کے نماز میں پڑھنے کی اجازت اللہ عزوجل کے حبیب پاک ﷺ نے دی وہ خود عربی میں ہیں۔ اس مسئلہ پر کچھ دلیلیں درج ذیل ہیں:

دلیل اوّل:

حدیث کی تین قسمیں ہیں: (۱) حضور اکرم ﷺ کا تقریر فرمانا، (۲) آپ ﷺ کا فعل، (۳) آپ ﷺ کا قول۔ اسی طرح تین اصول ہیں: خبر متواتر، خبر مشہور اور خبر واحد۔

خبر متواتر کیسے ہے؟ ایک حدیث کو اتنے اشخاص بیان کریں کہ وہ جھوٹ پر قادر نہ ہو سکیں۔ قرآن پاک کے بعد ایسی حدیث کا درجہ ہے۔ ایسی حدیث کا انکار کفر ہے۔ خبر مشہور کو چند آدمی روایت کریں۔ خبر واحد کو ایک آدمی لیکن یہ دونوں قسمیں ظنی ہیں اور خبر متواتر قطعی ہے بلکہ امام باقر فرماتے ہیں مطلق ہے۔

دلیل دوئم:

جب کہ حضرت امام اعظمؒ کا یہ اصول ہے کہ خبر واحد پر اعتماد نہ فرماتے تھے تو پھر وہ ایسی خبر واحد پر خود کیسے عمل فرما سکتے تھے۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ میں نے شیخ بالیؒ سے یہ سنا کہ حضرت امام صاحبؒ نے کوئی ایسا قول بیان نہیں فرمایا بلکہ وہ اس کے خلاف تھے۔ انہوں نے یہ قول حضرت امام ابو یوسف سے سنا۔ مزید فرماتے ہیں کہ میرے جد امجد امام موسیٰ کاظم بھی حضرت موصوف کے بارے میں یہی ارشاد فرماتے ہیں صاحب خزینۃ القرآن اس میں اپنی دلیل علمی بیان فرماتے ہیں کہ:

1- اگر قرآن پاک کو کسی اور زبان میں پڑھا جائے تو اس میں کافی تغیر وتبدل ہو سکتے ہیں۔ اگر یہی سلسلہ جاری رہے تو پھر قرآن حکیم کی حقیقت ختم ہو سکتی ہے جب کہ قرآن حکیم کو اہم زبانوں میں پڑھا جائے پھر فرماتے ہیں کہ قرآن کریم عربی میں اترا ہے اور باقی زبانوں میں اسے بیان کیا جائے تو وہ اس کا معنی ہوگا۔ کیا نماز میں قرآن حکیم عربی زبان میں پڑھنے کا حکم ہے یا کہ معنی کے ساتھ۔

حدیث شریف میں ہے کہ حضرت امام باقرؒ نے فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ قرآن پاک جس طرح مجھ پر اترا ہے اسے اسی طرح نماز میں اور غیر نماز میں پڑھو اور اس کے مطلب ومعانی پر غور کرو صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ یہ حدیث نقل متواتر ہے اور خبر متواتر کا انکار کفر ہے قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ

Marfat.com

اے گروہ جن وانس! اگر تمام مل کر قرآن پاک کی مثل لانا چاہو تو نہ لا سکو گے۔اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اگر معنی کو پڑھا جائے اور یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر عربی لفظ کا معنی اس زبان کے مطابق ہو۔ناممکن ہے۔پھر جب کہ قرآن پاک کو دوسری زبانوں میں پڑھا جائے گا تو یہ دعویٰ ممکن ہو جائے گا کہ قرآن پاک بے مثل ہے جب دوسری زبانوں میں اس کا پڑھنا درست ٹھہرالیا جائے تو منکرین قرآن پاک کو مکمل طور پر بدل ڈالیں گے اور اپنے ارادہ باطل میں زیادہ کامیاب ہو جائیں گے اور اس طرح تحریفات کا ایک باب کھل جائے گا حالانکہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام عربی میں ہے صاحب خزینۃ القرآن اپنے جدامجد حضرت امام محمد باقرؒ کی تفسیر سے حدیث بیان کرتے ہیں کہ حضرت امام محمد باقرؒ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ کا جم غفیر تھا جب رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جتنی کتابیں انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوئی ہیں وہ قرآن حکیم کے علاوہ لکھی ہوئی اُتریں۔مگر قرآن پاک تلاوت کی شکل میں نازل ہوا۔اللہ تعالیٰ نے اس کلام کو جو الفاظ مجھ (نبی ﷺ) پر عربی میں اترے ہیں اللہ نے وہی الفاظ حضرت جبرائیل علیہ السلام سے فرمائے اور حضرت جبرائیل علیہ السلام نے وہی الفاظ مجھ تک پہنچائے اور میں آپ تک بقیہ الفاظ پہنچا رہا ہوں اور یہی اس کلام (قرآن پاک) کا خاصہ ہے کہ قیامت تک اس میں کسی قسم کی کوئی تحریف نہ ہو سکے گی اور قرآن پاک کا خود بھی یہی دعویٰ ہے۔صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ امام موصوف کا مذکورہ قول استغراقی حالت میں تھا بعد میں انہوں نے رجوع کیا اور فرماتے ہیں کہ یہ قول تفسیر فرایابی میں ہے۔لیکن یہ قول بالکل مہمل ہے۔جب کہ اس کی سند اس کے برعکس میرے پاس موجود ہے پس مسئلہ اسی پر مسلم ہے کہ قرآن پاک نماز میں عربی میں پڑھا جائے گا جو مسلمان کسی دوسری زبان میں اسے نماز میں پڑھنے کا خیال بھی دل میں لائے تو کفر ہے۔امام فخر الدین رازی نے بھی یہی قول تفسیر کبیر میں بیان کیا ہے مذکورہ بالا حدیث میں تمام مفسرین ومحدثین فقہا کا اسی پر اتفاق ہے۔

⌘⌘⌘⌘⌘

Marfat.com

مقدمہ سوئم

قرآن پاک کے علوم پر

یاد رہے کہ علوم قرآن پاک پر پہلے اسماء قرآن میں کچھ بحث ہو چکی ہے اب مناسب ہے کہ اس عنوان پر کچھ مزید بحث ہو جائے تا کہ مفصل مطالب و معانی ذہن میں آ جائیں اور اشکال ختم ہو جائیں بیان ہو چکا ہے کہ قرآن جمعیت سے ماخوذ ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن اپنے جد امجد حضرت امام باقرؒ کی تفسیر سے بیان کرتے ہیں کہ امام محمد باقرؒ نے فرمایا میرے جد امجد حضرت علیؓ نے اپنے مجموعہ الاحادیث میں لکھا ہے کہ خطبہ حجۃ الوداع کا جو طویل خطبہ ہوا اس میں نبی کریم ﷺ نے جو فضائل قرآن بیان فرمائے ان فضائل میں سے چند ایک کا ذکر درج ذیل ہے:

1- فرمایا کہ قرآن پاک جو مجھ پر نازل ہوا ہے۔ اس میں وہ علوم ہیں جن کی نہ ابتداء ہے اور نہ انتہاء ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ قرآن پاک کے ایک ایک لفظ سے علوم کے بے بہا سمندر نکلتے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کے علوم کا سمندر ہیں مثال یوں سمجھو کہ سمندر میں سے اگر چڑیا ایک قطرہ پانی کا لے لے تو سمندر سے ایسا لیا ہوا پانی کا ایک قطرہ تو ختم ہو سکتا ہے۔ لیکن قرآن پاک کے علوم کے سمندروں میں سے ایک قطرہ لے لیا جائے تو یہ قرآنی علوم سے لیا جانے والا قطرہ کبھی بھی ختم نہیں ہوگا بلکہ اپنے معارف و اسرار و رموز اور مزید علوم ربانی کے سمندر اس قطرہ سے پھٹتے چلے جائیں گے۔ آپ ﷺ نے سورۃ کہف کی آخری آیتیں تلاوت فرمائیں فرمایا کہ دنیا بھر میں جتنے سمندر ہوتے رہیں اور وہ سیاہی بنتے رہیں زمین کے تمام درخت قلمیں بنتے رہیں تو کلام الٰہی کے ''کلمات'' (فضائل) ختم نہ ہوں گے اور کلام ربانی کے سمندر میں غوطہ زنی کرنے والوں پر روز افزوں اور عجائب و غرائب انکشافات کھلتے چلے جائیں گے یہ آیت پڑھی کہ اللہ جل شانہ فرماتا ہے: وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ نبی کریم ﷺ نے اس آیت کا معنی خود فرمائے کہ اے حبیب ﷺ ہم نے جو آپ پر کتاب نازل فرمائی ہر چیز کو بیان کرنے والی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اے خطبہ حج سننے والو! جو میں نے اوپر فضائل قرآن علوم کے بارے میں بیان کئے ہیں وہ سب اس حکم میں عام ہیں میں نے یہ جو فرمایا ہے کہ قرآن پاک کے ہر لفظ سے بے بہا اور بے کراں سمندر بہتے ہیں تو اسی آیت کو دلیل کے طور پر اللہ تعالیٰ نے مجھے یہی وضاحت فرما دی ہے مزید آیت فرمائی: مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ آپ نے فرمایا گویا کہ یہ آیت اس آیت کی تفسیر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز ایسی نہیں چھوڑی جو قرآن پاک میں بیان نہ کر دی ہو فرمایا یہ حکم بھی عام ہے۔ مزید آیت پڑھی: وَمَا مِنْ غَآئِبَةٍ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ○ فرمایا کہ تمام زمین و آسمان کے غائبات بھی قرآن حکیم میں ہیں۔ مزید پڑھا: اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ آپ نے ایک اور آیت فرمائی: وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ○ آپ ﷺ نے فرمایا یہ حکم بھی عام ہے کہ کائنات کی ہر چیز کے پیدا ہونے سے قبل لوح محفوظ میں لکھی ہوئی موجود تھی فرمایا کہ لوح محفوظ کائنات کی ہر چیز کا مجموعہ ہے۔ فرمایا کہ لوح محفوظ کا مجموعہ بھی بتا دوں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ قرآن کی شان نہیں ہے اللہ تعالیٰ کے سوا اتارا جائے لیکن یہ کہ تصدیق ہے تمام کتابوں کی اور لوح محفوظ کی تفصیل ہے۔ کچھ شک نہیں کہ یہ پروردگار عالم کی جانب سے اتارا گیا ہے مزید فرمایا کہ قرآن پاک کے جو علوم بیش بہا ہیں یہ میرے لئے خاص ہیں۔ ہر ایک کے لئے نہیں۔ مزید یہ آیت تلاوت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اور ہم نے آپ کی طرف قرآن کریم اتارا تاکہ آپ لوگوں پر ظاہر فرمائیں۔ فرمایا کہ میں نے قرآن پاک کی تفسیر کو پوری طرح تم پر واضح کر دیا ہے۔ نیز فرمایا کہ لفظ قرآن مطلق ہے اس کا معنی یہ ہے کہ علوم کے لئے بیش بہا سمندر ہے خود رسول کریم ﷺ سے بھی لفظ قرآن کا معنی معلوم ہو گیا۔

امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ میں جو بھی تفسیر کرتا ہوں اس تفسیر سے جو میرے دادا حضرت علیؓ نے قرآن پاک کی تفسیر رسول اللہ ﷺ سے سنتے اور لکھتے تھے۔ وہ تفسیر

Marfat.com

کی کتاب میرے سامنے ہے جو میں نے اپنے والد بزرگوار سے پڑھی۔ اس کی روشنی میں مبسوط تفصیل لکھ رہا ہوں اور اپنا قول بھی اسی تفسیر کی طرف واضح کرتا ہوں کیونکہ قرآن پاک کے اصل مفسر میرے نانا جان جناب رسول کریم ﷺ ہیں جن پر یہ قرآن پاک اترا۔

فرماتے ہیں کہ جیسا کہ انہوں نے اپنی حدیث میں فرمایا کہ میں نے قرآن پاک کی تفسیر تمہاری طرف پہنچادی ہے جس طرح مجھے اسے پہنچانے کا حکم ہوا ہے۔
مزید امام محمد باقرؒ فرماتے ہیں کہ قرآن پاک کی تفسیر کو رسول اللہ ﷺ کی تفسیر کے مطابق کرنا چاہئے۔ جب کہ اصل حق یہی ہے فرماتے ہیں کہ مذکورہ بالا احادیث میں نے مجموعہ الکتاب کے علاوہ کافی صحابہؓ سے سنی ہے۔ مزید فرماتے ہیں کہ ایک آیت جس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے زمین و آسمان کے تمام غائبات ایک کتاب مبین میں بیان کر دیئے ہیں فرماتے ہیں کہ اسی میں حضرت ابی بن کعبؓ اس کتاب سے مراد لوح محفوظ لیتے ہیں اور حضرت ابن عباسؓ بھی لوح محفوظ لیتے ہیں۔
فرماتے ہیں کہ یہ ان دونوں حضرات کا اپنا قول ہے جب کہ ان کے قول کے حق میں کوئی حدیث نہیں ہے۔ اوپر والی مذکورہ حدیث کتنی سند میں قوی ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر سرکار دو عالم ﷺ نے بیان فرمائی اور ایک لاکھ چونتیس ہزار سے زائد صحابہؓ نے سنا۔ فرماتے ہیں کہ جب خود حضور اکرم ﷺ نے اس کی وضاحت فرمادی ہو کہ اس سے مراد قرآن پاک ہے تو پھر قول اور تاویل کی کیا ضرورت ہے؟ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ میرے جدامجد کا کیا عمدہ فیصلہ ہے۔ جو مستند حدیث سے ثابت ہوا فرماتے ہیں کہ تفسیر سعدی والوں نے بھی اسی پر اتفاق کیا ہے۔ تفسیر سفیان ثوری میں یہی ہے اور امام نخعی نے بھی یہی بیان کیا ہے اور طاؤس نے بھی ایسا ہی بیان کیا ہے فرماتے ہیں کہ تفسیر امام جعفر صادق میں بھی یہی ہے اور تفسیر ''فرقان القرآن'' میں بھی یہی ہے فرماتے ہیں کہ میرے جدامجد حضرت امام محمد باقرؒ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کے علوم اللہ تعالیٰ کے علوم کی نسبت ایسے ہیں جیسے سمندر بے کراں سے ایک قطرہ لیا جائے پھر فرماتے ہیں کہ میرے نانا نبی کریم ﷺ کے علوم تمام انبیاء علیہم السلام اور ساری کائنات کے علوم کی نسبت ایسے ہیں جیسے بے کراں سمندر سے ایک قطرہ لیا جائے اس پر ایک حدیث بیان فرماتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی اسناد سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ ہم صحابہ کے درمیان جلوہ گر ہوئے اور ہم کو کائنات کی ابتداء سے لے کر جو کچھ ہونے والا ہے، جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ قیامت تک ہوگا سب کی خبر فرمادی یہی حدیث حضرت علیؓ نے اپنے مجموعہ میں درج کی، اور صاحب خزینۃ القرآن نے اپنے جدامجد امام باقرؒ کی تفسیر سے بیان کی اور امام بخاریؒ نے بھی اس حدیث کو صحیح بخاری میں درج کیا ہے۔ حدیث کے آخری الفاظ یوں ہیں۔ صحابہؓ فرماتے ہیں جس نے یاد رکھا۔ وہ یاد رہا اور جو بھول گئے سو بھول گئے۔ حضرت امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ میرے دادا جان حضرت علیؓ نے اپنے مجموعہ میں لکھا کہ اللہ کے فضل و کرم اور حبیب ﷺ کی برکت سے ایک لفظ بھی نہیں بھولا۔
اب فقیر ان مقدمات کے بعد تفسیر کی طرف رجوع کرتا ہے پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک ﷺ کو تسلی دلائی۔ کیونکہ سرکار دو عالم ﷺ کی یہ خواہش تھی کہ یہ لوگ جلد ایمان لے آئیں۔ صحابہ بھی اس میں شریک ہیں کہ وہ بھی لوگوں کو تبلیغ کریں اور حق کی طرف بلائیں جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وجہ سے ان کو عزت ملی۔ پھر بھی انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر بڑے بڑے معجزات دیکھے۔ پھر بھی انکار کیا تب وہ ذلیل ہوئے اور ان کے علماء نے تصدیق سے انکار کیا جان بوجھ کر اَفَتَطْمَعُوْنَ میں کیا نکتہ ہے؟ حدیث شریف میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ان کو ضروری ہے کہ وہ میری نبوت پر ایمان لے آئیں۔ حضرت علی فرماتے ہیں کہ اس آیت کے اندر واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا تب کامل ہوگا جب وہ نبوت پر ایمان لے آئیں فرماتا ہے اللہ تعالیٰ، فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ یعنی اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ نبوت پر ایمان لانا فرض ہے فرمایا کہ ہم کو اس آیت میں یہ بھی تاکید ہے کہ ہم ان پر ایمان لانے کے لئے سختی کریں یہ جو ہے لَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ اس سے کون سا فریق مراد ہے۔ بعض مفسرین نے یہ کہا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی قوم مراد ہے اور يَسْمَعُوْنَ كلام الله سے کیا مراد ہے کہ بعض کہتے ہیں کہ وہی لوگ مراد ہیں جنہوں نے میقات پر کلام الٰہی سنا تھا۔ یہ قول بالکل غلط ہیں بلکہ ان مفسرین کو اس سے توبہ کرنی چاہئے۔ چاروں خلفاء راشدین فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی۔ تو یہ خطاب موجودہ وقت کے یہودیوں کو ہے جنہوں نے تورایت کو بدل ڈالا فرمایا ان کا کلام یہی تھا۔ عقل بھی اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ کیونکہ جب آیت کا اطلاق ان کے حق میں ہے تو پھر یہ ظاہر پر محمول ہے۔ يُحَرِّفُوْنَ سے کیا مراد ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ ہمارے عرب میں یہ دستور ہے کہ جس کو وہ تغیر و تبدل واقع ہو تو اس کو تحریف کہتے ہیں جیسا کہ قرآن کریم میں بھی ہے۔ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ یعنی ایک چیز کو دوسری چیز سے بدل دینا جیسے کوئی لکھنے کے وقت میں قلم کے خط کو تبدیل کر دے اور اس قلم کا خط تبدیل کیا ہوا ہو۔ تو اس کو محرف کہتے ہیں۔

صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کیا کلام کے الفاظ کو وہ بدلتے تھے یا معنی کو فرماتے ہیں کہ اگر وہ معنی کو بدلتے الفاظ بدستور رہتے تو پھر اس میں کوئی فرق نہ

Marfat.com

تھا۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کیا تحریف سے تحریف لفظی مراد ہے یا معنوی تحریف لفظی بہ نسبت معنوی کے زیادہ نقصان دہ ہے اگر وہ معانی کو بدل لیں لفظ بدستور رہیں تو کچھ فرق نہ آئے گا۔ کیونکہ ان الفاظ کے دوبارہ معنی اسی طرح کئے جا سکتے ہیں جب اصل لفظ موجود ہیں تو معنی کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی جب لفظ ہی موجود نہ ہوں گے تو پھر معنی کس کا ہوگا۔ فرماتے ہیں کہ میرے جدامجد حضرت علیؓ فرماتے ہیں رسول کریم ﷺ نے صحابہؓ کے مجمع میں فرمایا کہ یہود کے علماء کا کردار دیکھو انہوں نے تورات کا معنی تو معنی بلکہ تورات کے اصل الفاظ کو بدل دیا ہے نہ الفاظ ہوں گے نہ اصل معنی ہوگا۔ حضرت ابن عباس کا بھی یہی قول ہے۔ پس ثابت ہوا کہ ان یہودیوں نے تورات کے الفاظ کو بدل ڈالا معلوم ہوا کہ معنی سے اولاً الفاظ کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔ اب اس قول اور حدیث نے ان لوگوں کے اس گھمنڈ کو ختم کر دیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ یہ الفاظ اس کلام پر دال ہیں جو کلام نفسی ہے۔

اس پر پہلے بیان ہو چکا ہے تو وہ کلام کے الفاظ کو بدل رہے تھے معلوم ہوا کہ کلام کا تعلق الفاظ سے ہے نہ کہ معنی سے، پس ان کو بھی توبہ کرنی چاہئے جو کلام کی دو قسمیں بتاتے ہیں اور ان کو الگ الگ کرنے میں نقصان واقع ہوگا۔ آپ کو بخوبی سمجھ آ گیا ہوگا، حضرت علی ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ ان یہودی علماء نے کلام الٰہی میں کمی بیشی واقع کر دی ہے اگر تحریف لفظی مراد لینا ممکن نہ ہو تو تحریف معنوی خواہ مخواہ مراد ہوگی اگرچہ الفاظ بدستور مراد ہوں تو تحریف لفظی کا امتناع اس وقت واقع ہو سکتا ہے۔ جس طرح قرآن پاک کا ایک ایک لفظ تواتر سے ظاہر ہو، ورنہ تحریف لفظی کا امتناع ثابت ہوگا لیکن اس میں غور کرنا چاہئے۔ اگر ان کی تحریف اور تغیر کو حجت کے قائم مقام ہونے میں دخل ہو تب تو ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی ممانعت ہوگی۔ اگر اس میں دخل نہ ہو تو وہ تحریف واقع ہو سکتی ہے پس کلام الٰہی کی تحریف الٰہی دو طرح سے ہو سکتی ہے کیونکہ ایک لفظ کے معنی تو کئی زبانوں میں ہو سکتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن کریم کے معنی کو عربی، ہندی، فارسی میں کیا جائے اگرچہ فارسی کے معنی کو بدل کر انگریزی میں کیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہ ہوگا۔ ہاں اگر اصل کے خلاف کیا جائے تو پھر حرج ہوگا لیکن تحریف تب لازم آئے گی۔ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان الفاظ میں دخل ہو جن کا معنی دوسرے لفظوں میں کیا جائے ان کی تحریف تب صادق آئے گی۔ جب ان الفاظ کو بدلا جائے نہ اصل ہوگا نہ اس کا معنی مراد لیا جا سکے گا۔

مسئلہ تیسرا:

جاننا چاہئے کہ اگر ہم اس بات کے قائل ہوں کہ تحریف کرنے والے وہی لوگ مراد ہوں گے امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں کہ میرے قریب فہم میں یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کے لوگ مراد ہوں جتنے آدمیوں نے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا اور جو نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں ہوں۔ انہوں نے حضور اکرم ﷺ کے اوصاف کی تکذیب نہ کی ہو وہ کہتے ہیں وہی ستر آدمی مراد ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا آخر کلام میں انہوں نے یہ سنا اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا کہ تم نے میرے احکامات پر عمل کرنا ہے۔ اگر عمل نہ کیا تو تمہارے اوپر کوئی زجر نہ ہوگی لیکن یہ قول حدیث کے خلاف ہے اوپر حدیث گزر چکی ہے اب اس پر چند احادیث ہیں۔

حدیث نمبر 1:

حضرت ابو ہریرہ و عبداللہ ابن کعب فرماتے ہیں جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں اور میرے دل کو تسلی دینے کے لئے یہ آیت نازل کی ہے امام فخر الدین رازی کا قول حدیث نمبر دوم کے بیان کرنے سے قبل کرتا ہوں وہ یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے کس چیز کی تحریف کی مثلاً رجم کی تحریف کی یا کسی اور چیز کی وہ یہ فرماتے ہیں کہ رجم کا حکم تو قرآن پاک سے ثابت نہیں ہے جب کہ حدیث سے واضح ہے وہ ایسی حدیث کو بھی حدیث ظنی کہتے ہیں نیز اسی نمبر پر یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کے اوصاف حمیدہ کی تحریف کی۔

حدیث نمبر 2:

حضرت انسؓ اور حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ یہودیوں نے نبی کریم ﷺ کے اوصاف حمیدہ کی تحریف کی انہوں نے تورات کی تحریف بھی اسی وجہ سے کی کہ تورات کے اندر بکثرت نبی کریم ﷺ کے اوصاف حمیدہ موجود تھے جن کی انہوں نے تحریف کی۔

Marfat.com

حدیث نمبر 3:

حضرت ابن اعمر وابن العاص فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تسلی دی ہے یہ بات واضح کردی ہے کہ انہوں نے ایمان نہیں لانا اگر کوئی اس حدیث پر اعتراض کرے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں ایمان نہیں رکھا ہے تو پھر وہ معذور نہیں ہوں گے اس پر پہلے کافی بحث ہو چکی ہے۔ جان بوجھ کر انہوں نے تورات کو تبدیل کیا۔ دو عناد کی وجہ سے حق کو چھپایا کیونکہ جماعت قلت پر، جماعت عظیم کی فوقیت زیادہ ہوتی ہے۔ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ o تکرار کی یہی وجہ ہے کہ وہ حق کو جانتے تھے اور عناد کی وجہ سے ان کو بدل رہے تھے مذکورہ بالا حدیث تفسیر امام باقر حامد ابن محمود نے تفسیر البینات میں لکھی ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا ۚ وَإِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ قَالُوا أَتُحَدِّثُونَهُم بِمَا فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَاجُّوكُم بِهِ عِندَ رَبِّكُمْ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ (٧٦) أَوَلَا يَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ (٧٧)

ترجمہ: اور جب وہ ایمان والوں سے ملتے ہیں کہتے ہیں ہم ایمان لائے ہیں جب اکیلے بعض اپنے بعض کے پاس ملتے ہیں تو کہتے ہیں کیا تم ان سے وہ بات کہہ دیتے ہو جو تمہارے لئے اللہ تعالیٰ نے کھول دی ہے تا کہ اس کے ذریعے اپنے رب کی طرف سے ان پر حجت قائم کرو پس تم نہیں سمجھتے۔ کیا نہیں جانتے کہ وہ بے شک اللہ جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں۔ (٧٧)

جاننا چاہئے کہ یہودیوں کے سات افعال پیچھے بیان کئے گئے ہیں۔ اس پر چند احادیث ہیں۔

حدیث نمبر 1:

حضرت علی وابن عباس فرماتے ہیں کہ یہودیوں میں کچھ ایسے منافق تھے جو ہم سے ملتے تھے ہمیں کہتے تھے کہ ہم اس پر ایمان لائے ہیں۔ جس پر تم ایمان لائے ہو۔ ہم نے تورایت میں نبی کریم ﷺ کی نعت وصفت پڑھی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے تورایت میں بیان فرمائی ہے فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ سے یہی مراد ہے فرماتے ہیں جب وہ اپنے سردار روؤسا سے ملتے ہیں ان کو کہتے ہیں کہ تم وہ چیز ان کو نہ بتلایا کرو جو چیز اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی نعت اور صفت تورایت میں بیان فرمائی ہے۔

حدیث نمبر 2:

حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت ابی قتادہؓ اور حضرت علیؓ نے فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی صفت تورایت میں بیان فرمائی ہے۔ یہ منافقین اس حق کو چھپاتے ہیں۔ فرمایا یہ اس سے بدترین گناہ ہے۔ جو دیدہ دانستہ گناہ کرے۔ آپ ﷺ نے فرمایا حالانکہ ان کو علم ہے کہ اللہ تعالیٰ واحد ذات ہے جس طرح وہ ظاہر کو جانتا ہے۔ اسی طرح وہ پوشیدہ کو جانتا ہے۔ یہی روایت حضرت حسنؓ نے بھی بیان کی ہے۔

حدیث نمبر 3:

حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا عَلَيْكُمْ لِيُحَاجُّوكُم بِهِ عِندَ رَبِّكُمْ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ اللہ کے ساتھ حجت کرتے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کے دین کے ساتھ حجت کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ حجت کرتا ہے۔

حدیث نمبر 4:

حضرت علیؓ وحضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ عِندَ رَبِّكُمْ سے مراد یہی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جب وہ احمقوں کی طرح کھڑے ہوں گے ان پر ان کے گناہ کا وبال ہوگا۔ جو اللہ تعالیٰ کی شان میں جھگڑا کرتے تھے۔

حدیث نمبر 5:

حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت علیؓ، حضرت ام سلمیٰؓ یہ سب فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ یہود روؤسا جان بوجھ کر توریت میں فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ جو قرآن پاک میں ارشاد ہوا ہے اللہ تعالیٰ نے میری مدح و توصیف تورات میں بیان کی ہے۔ جس میں میری نبوت کی صداقت توریت سے واضح ہوتی ہے۔ اور اس حق کو

Marfat.com

وہ جان کر چھپاتے ہیں اوز اللہ تبارک وتعالیٰ کا ان سے یہ جھگڑا ہے اور اللہ تعالیٰ نے میری صفت کے ساتھ تورایت کو واضح کر دیا ہے تو رایت میں اکثر میری مدح اور تعریف بیان کی گئی ہے وہ ان کو دیدہ دانستہ چھپاتے ہیں اس کا ان پر قیامت کے دن سخت وبال ہوگا اور زیادہ عذاب کے مستحق یہی لوگ ہوں گے فرمایا یاد رکھو، جو میرے اوصاف میں کمی بیشی کرے گا وہ قیامت کے دن شدید عذاب کا مستحق ہوگا جو میرے اوصاف حمیدہ کو بیان کرتا ہے، قیامت کے دن وہ اللہ تعالیٰ کے قریب ہوگا یہ تمام احادیث تفسیر امام باقر اور الرحمٰن میں محمود ثانی ابن احمد نے لکھی ہیں۔ یاد رہے کہ مسلک اہل السنّت والجماعت کا یہی عقیدہ ہے۔ اس حدیث کے مطابق اہل سنت کا یہ عقیدہ ہے کہ جو نبی کریم ﷺ کے اوصاف میں کمی پیشی کرے گا شدید عذاب کا مستحق ہوگا۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کی صفت اللہ تعالیٰ خود بیان فرماتا ہے۔ یہودیوں کو یہی تو پھٹکار ہوئی تھی کہ انہوں نے تورات کو اسی وجہ سے بدل دیا کہ نبی کریم ﷺ کی اس میں بکثرت تعریف تھی۔ وہ یہ بھی سمجھتے ہیں کہ تورات نبی کریم ﷺ کی نعت سے بھری ہوئی ہے اللہ تعالیٰ نے اس کو فَتَحَ اللّٰہُ فرمایا ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ (۷۸) فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ط فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ (۷۹)

ترجمہ: ان میں سے بعض لوگ ان پڑھ ہیں جو کتاب کو نہیں جانتے۔ صرف آرزو میں رہتے ہیں وہ گمان میں رہتے ہیں پس خرابی ہے ان لوگوں کے لئے جو کتاب کو اپنے ہاتھ سے لکھتے ہیں۔ پھر کہتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے آیا ہے تاکہ اس کو تھوڑے دام پر فروخت کرتے رہیں پس خرابی ہے ان کے لئے جو اپنے ہاتھوں سے کتاب کو لکھتے ہیں۔ اور خرابی ہے ان کے لئے جو یہ کسب کرتے ہیں۔

جاننا چاہئے کہ جیسے میں یہ لکھ چکا ہوں کہ اُمِّیُّوْنَ سے مراد یہودی لوگ ہیں۔ صاحب خزینۃ القرآن نے اپنے جد امجد امام محمد باقرؒ کی تفسیر سے بیان فرمایا وہ فرماتے ہیں کہ میرے دادا حضرت علیؓ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ میں نے رسول کریم ﷺ سے سنا۔ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ یہودیوں کے کئی فرقے ہیں ایک وہ ہے جو کلام الٰہی کے الفاظ کی تحریف کرنے میں مصروف رہتا ہے۔ فرقہ دوئم وہ ہے جو لوگوں کو گمراہ کرتا ہے خود بھی گمراہ ہے تیسرا وہ فرقہ جو منافق ہیں۔ چوتھے وہ جوان پڑھ جاہل ہیں۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کا عناد بیان فرمایا ہے۔ ہر ایک فرقہ عناد کی وجہ سے جداگانہ طور پر حق سے منہ پھیر لیتا ہے۔ پھر حضور کریم ﷺ نے فرمایا کہ میری امت میں بھی اسی طرح کے فرقے ہوں گے جو عناد کی وجہ سے حق کو چھوڑ دیں گے اور گمراہی کو اختیار کریں گے فرمایا کہ ان پڑھ لوگ لوگوں کی تقلید پر رہیں گے فرمایا کہ ظالم وہ لوگ ہوں گے۔ جو ان پڑھ سیدھے سادھے لوگوں کو گمراہ کریں گے۔ یہ حدیث تفسیر امام محمد باقرؒ سے صاحب تفسیر طاؤس نے بھی نقل کی۔ ابن جریر نے بھی نقل کی۔ تفسیر صاحب حسن بصری نے بھی نقل کی۔ اور صاحب نخعی نے بھی اور صاحب تفسیر قلبی نے بھی۔ اور امام فخر الدین رازی نے بھی نقل کیں اب اس آیت کریمہ میں چند مسائل ہیں۔

مسئلہ پہلا:

اُمّی کے اندر اختلاف ہے۔ صاحب تفسیر نخعی نے یہ کہا کہ اُمّی اسے کہتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ اور کتاب کا اقرار نہ کرے۔ حضرت ابی بن کعبؓ نے یہ فرمایا ہے کہ میں نے حضرت علیؓ کی تفسیر میں یہ پڑھا ہے کہ اُمّی اس کو کہتے ہیں جو لکھ پڑھ نہ سکے۔ حضرت امام محمد باقرؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے عرب کا دستور ہے کہ اُمّی اس کو کہتے ہیں جو لکھ پڑھ نہ سکے فرمایا میرے دادا جان حضرت علیؓ نے یہ فرمایا ہے اپنی تفسیر میں کہ رسول کریم ﷺ نے اس کو تلاوت کرتے ہوئے فرمایا کہ اُمّی یہودی ہیں جو کتاب اللہ اور رسولوں کو مانتے نہیں۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اُمّی اس لئے فرمایا ہے کہ میں کسی سے نہیں پڑھا ہوں۔ جیسا کہ لوگ دوسروں سے لکھنا پڑھنا سیکھتے ہیں پھر فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے تعلیم سے بہرہ ور فرما کر بھیجا ہے (لفظ اُمّی جو حضور اکرم ﷺ کے لئے قرآن مجید میں آیا ہے پارہ نمبر ۹ میں مکمل بحث کروں گا انشاء اللہ) پھر فرمایا کہ اُمّی وہی لوگ ہیں جو یہودی لکھ پڑھ نہیں سکتے فرمایا لَا یَعْلَمُوْنَ الْکِتٰبَ سے یہی ہے۔ کہ وہ کتاب کا علم، یعنی لکھنا پڑھنا نہیں جانتے۔ حضرت ابن عباس نے یہی حدیث حضرت علیؓ کی تفسیر سے نقل کی سعید بن جبیرؓ نے حضرت امام باقرؒ سے نقل کی۔ اور تفسیر طاؤس تفسیر سعدی اور تفسیر قلبی، صاحب خزینۃ القرآن امام ابوسفیان ثوری بحوالہ تفسیر امام محمد باقرؒ میں ہے۔

Marfat.com

مسئلہ دوئم:

اَمَانِیّ ۔ اُمِیْنَۃ کی جمع ہے۔ حضرت امام باقر نے فرمایا کہ میرے نانا جان رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اَمَانِیَہ اس چیز کو کہا جاتا ہے کہ جو چیزوں کے اندر فرض کرلی جائے فرمایا یہی حال ہے یہود کا کہ وہ اس خیال میں ہیں کہ ہمارے گناہوں کے لئے ہمارے انبیاء ہماری سفارش کر کے ہم کو چھڑالیں گے۔ فرمایا ان کے علماء یہ کہتے ہیں کہ ہم دوزخ میں چند ہی روز رہیں گے اتنا وقت کہ جتنا وقت گاؤ سالہ کے پوجنے میں لگا پھر امام باقر فرماتے ہیں کہ اُمْنِیَہ اس کو بھی کہا جاتا ہے کہ جب کسی فلاں نے فلاں سے وعدہ کیا یا یہ کہ رات کے حصہ میں کتاب اللہ تعالیٰ کی ابتداء کی پھر اس پر احتراز کیا اور اس کو مان لیا نیز آپ نے ایک اور حدیث بیان کی جو حدیث فرماتے ہیں۔ کہ یہ حدیث حضرت علی کی تفسیر میں بھی ہے اور حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی سنی۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہودی اپنی جھوٹی آرزوئیں اپنے دل میں لئے بیٹھے ہیں۔ آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: وَقَالُوْا لَنْ یَّدْخُلَ الْجَنَّۃَ اِلٰی اٰخرہٖ فرمایا اس آیت میں یہودی کی وضاحت بیان فرمائی گئی ہے۔ نیز یہ آیت بھی تلاوت فرمائی یَعِدُھُمْ یُمَنِّیْھِم نیز یہ آیت بھی تلاوت فرمائی اِذَا تَمَنّٰی اَلْقَی الشَّیْطٰنُ پر یہ آیت بھی تلاوت فرمائی: لیس بامانیھم الٰی اٰخرہٖ آپ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہودی دل میں جھوٹی آرزوئیں بناتے رہتے ہیں فرمایا کہ ان کے علماء کتاب اللہ تعالیٰ کو بدلنے میں مصروف رہتے ہیں مزید فرمایا کہ جب وہ کتاب اللہ تعالیٰ کو سنتے ہیں قرآن پاک میں تدبر اور تامل نہیں کر سکتے اور اَمَانِیّ کے معنی خود رسول کریم ﷺ کے ارشادات عالیہ سے معلوم ہو گئے اور اس کی حقیقت قرآن پاک کی اس آیت سے دیکھئے وَقَالُوْا مَاھِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا اور اس آیت کے آخر میں اِنْ ھُمْ اِلَّا یَظُنُّوْنَ ہے۔ معلوم ہوا کہ یہودی صرف اپنے گمان باطلہ کے اوپر قائم ہیں جو ان کو کوئی فائدہ نہ دے گا اور یہی آیت امت محمد یہ علی صاحبھا صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی صادق آتی ہے کہ گمان کو اپنے اوپر قائم کر لینا یہ باطل ہے تُمْنیٰ کے معنی حضرت ابن عباسؓ نے ایک اعرابی سے فرمایا کہ یہ بات جو تو کر رہا ہے۔ یہ بات تو نے خود تو نہیں بنالی تو ثابت ہوا کہ تُمْنیٰ کے معنی دل کے اندر ابات کو بنانے کے ہیں اور گمان بھی اسی چیز کا نام ہے جو دل کے اندر ایک بات کو بنالے بات وقوع میں جھوٹی ہوا سے گمان کہا جاتا ہے امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ گمان پر قائم رہنا اس پر عمل کرنا بدترین گمراہی ہے اللہ تعالیٰ اس سے محفوظ رکھے۔

مسئلہ سوئم:

اِلَّا اَمَانِیَّ کا استثنا منقطع ہے جیسا کہ بعض چیزوں سے گمان رکھنا اور بعض چیزوں سے علم رکھنا حدیث شریف میں ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ یہ لوگ یہودی جو ان پڑھ ہیں یہی کہتے ہیں کہ ہمیں کوئی کتاب اللہ تعالیٰ سناتا ہے۔ ہم سنتے رہیں اور کلام الٰہی کا مطلب ہمارے ذہن میں پہنچتا رہے اِنْ ھُمْ اِلَّا یَظُنُّوْنَ سے ہمارے دعویٰ کی تائید ہوتی ہے کہ وہ محض صرف ظن پر قائم تھے اور ایسی تقلید لازم ہے جیسا کہ میں اپنے دادا حضرت علیؓ اور صحابہؓ کی تقلید کرتا ہوں۔ فرمایا اصول میں ظن کے اوپر اعتماد کرنا درست نہیں ہے۔ فرماتے ہیں ہاں اگر حکم عام ہو اور اس کا اطلاق عام ہو تو وہ عندالعقل درست ہے۔ اسی ظن کو تفسیر امام ابو سفیان ثوریؒ نے امام موصوف کی بات کو نقل کیا اور درست مانا اور تفسیر مالکی میں بھی ایسا ہے اور تفسیر جوینی میں بھی ہمارے امام اعظمؒ اپنے استاد امام محمد باقرؒ کے قول پر اقرار کرتے ہیں اور گمراہ کرنے والا بدتر بن جاتا ہے۔ یہ جو ارشاد ہوا ہے فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ ویل کو اکثر مفسرین نے بحوالہ امام محمد باقر لکھا ہے۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ ویل مصیبت کے لئے ہوتا ہے۔ جو غم پر ظاہر ہوتا ہے فرمایا ویل عذاب عظیم ہے۔ جب کافر ویل میں داخل ہوں گے تو وہ اتنا عظیم گڑھا ہے کہ ان میں گرتے وقت چالیس سال ختم ہو جائیں گے۔ تب بھی اس کے گڑھے کے نیچے تک پہنچنے میں مزید دیر لگے گی۔

حضرت ابن عباسؓ نے بھی اسے عذاب عظیم فرمایا ہے۔ امام ابو سفیان ثوری نے بھی مذکورہ بالا حدیث کو درج کیا۔ اور حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ ویل درخت کی ٹہنیاں سے نیچے کو آنا پھر اسے پیپ کہتے ہیں جو ان کو جہنم میں پلائی جائے گی۔ یہ بھی درست ہے کہ ویل کے اندر وہ پیپ پئیں گے یَکْتُبُوْنَ الْکِتَابَ کے اندر دو احتمال ہیں۔

احتمال اول یہ ہے کہ جب کوئی کتاب اپنے ہاتھ سے نہ لکھے دوسرے سے لکھوائے تو وہ بھی تعبیر اسی سے ہوگی جو لکھوا رہا ہے۔ حدیث شریف میں ہے نبی کریم ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ اس آیت کے اندر یہودیوں کے دو گناہ بیان فرمائے گئے ہیں۔ ایک خود جھوٹی بات کو اپنے ہاتھ سے لکھنا۔ پھر ان باتوں کو اللہ تعالیٰ کی

Marfat.com

طرف منسوب کرنا یہ دونوں عظیم گناہ ہیں۔ یعنی جھوٹ کو لکھنا پھر جھوٹ کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا۔ پھر فرمایا کہ لِيَشْتَرُوْا کے اندر ان کی یہی بدبختی ہے کہ وہ تھوڑے دام پر جھوٹ کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیتے ہیں فرمایا یہ دیانت داری پر نہیں یہ صرف جاہ وجلال اور مال کو حاصل کرنے کے لئے ایسا کرتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ جو ایسا کرتے ہیں وہ اپنی آخرت کو تباہ کرتے ہیں فرمایا کہ دنیا میں اگر کسی کو اجر عظیم بھی ملے۔ آخرت میں نقصان ہو تو اس کے لئے بڑا خسارہ ہے اور جب جھوٹ سے نقصان ثابت ہو تو اس سے بھی وہ عظیم گناہ ہے۔ دیکھئے کہ جب بدتر گمراہ اپنے فریب جھوٹ سے کسی کو گمراہ کرتا ہے۔ تو یہ بڑا ضرر ہے۔ جو اس کے لئے بڑا گناہ ہوگا۔ یاد رہے کہ جو حرام فعل سے مال کمایا جائے وہ مال بھی حرام ہوگا جب وہ پیٹ کے اندر داخل ہوگا تو اس کی فطرت عام ہو جائے گی آج کل تو ہمارے دور میں یہ ہے بڑے حاکم سے لے کر چھوٹے تک یہی دستور ہے کہ انہوں نے اپنے پیٹ کو حرام کا گڑھا بنالیا ہے اور ان کی فطرت ایسی بدترین ہو چکی ہے۔ جب دکھی ان کے پاس جاتا ہے تو وہ بڑے حاکم سے لے کر چھوٹے تک اس دکھی کو ایسے دیکھتے ہیں جیسے بھیڑیا بکری کو نظر غیظ سے دیکھتا ہے کہ اس کے کھانے میں مجھے ذرا دیر تک نہ لگے یاد رہے کہ مذکورہ حدیث جس میں یہ بیان ہوا ہے کہ ویل کے اندر ان کو جاتے چالیس سال ختم ہو جائیں گے مزید دیر لگے گی گڑھے کے آخر تک پہنچنے میں یہ سزا الٰہی کی ہے۔ جو حرام مال کھاتے ہیں اور ملازم اور مزدور صحیح ڈیوٹی نہیں دیتے یہ سب کم بخت اسی ویل میں آئیں گے یاد رہے معاشرہ تب درست ہو سکتا ہے جب حرام مال سے اپنے پیٹ کو بچایا جائے۔

اس آیت میں وضاحت فرمادی گئی ہے۔ حضرت امام محمد باقر فرماتے ہیں کہ ان کو یہ اگر مال باہمی رضامندی سے ان کے معتقدین دیتے تھے یہ مال بھی اس امر میں تھا کہ وہ جھوٹ لکھتے تھے اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے مال کو حرام فرمایا اور ان پر یہ گناہ لازم کر دیا کہ یہ مال حرام ہے یہ جو ارشاد ہوا ہے: فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان کا یہ جھوٹ لکھنا فی نفسہٖ بہت بڑا گناہ تھا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے مقرر فَوَيْلٌ لَّهُمْ فرمایا مِمَّا يَكْسِبُوْنَ کے اندر اختلاف ہے کیا یکسبون سے ان کے تمام گناہ مراد ہیں۔ یا وہی مراد ہے جو انہوں نے اپنے ہاتھوں سے جھوٹ لکھا۔ کلام کے سیاق وسباق سے یہی مراد ہے رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ وہ جھوٹ لکھتے تھے۔ ان کا جھوٹ لکھنا، کسب کرنا دونوں عظیم گناہ ہیں۔ پھر فرمایا کہ عموم سے اس کی قید اس پر لازم نہیں کہ کسب سے ہر کسب مراد ہے۔ کیونکہ کسب اچھا بھی ہو سکتا ہے اور برا بھی لیکن یہ تاکید مقرر اس لئے ہے کہ انہوں نے فِيْ نَفْسِهٖ ظلم کیا کہ ہاتھ سے جھوٹ لکھا اور اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا۔ امام باقر فرماتے ہیں کہ اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ ان کا لکھنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ تھا اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے ہوتا تو مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ کہنا یقینی ہوتا۔ اگر اس واسطے اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیدا کرنا ہوا اگرچہ اس کا کسب بندے کی طرف سے ہوتا تو نسبت خالق کی طرف اضافت ہوتی زیادہ تر قوی تھی اس کتاب کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی یہ نسبت بندے کی طرف نسبت کرنے سے بہتر وہ جو اس کو مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ کہتے تھے قابل تعریف ہوئے نہ کہ قابل مذمت جب ہم کو معلوم ہوا کہ یہ کلام الٰہی نہیں تھی جب اس کا داعیہ فعل موجب بحق ربی بالضرور ہے جس کا ثبوت دلائل سے ثابت ہوتا ہے پس اس کا حال بھی وہی ہوگا۔ مزید امام باقر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا کلام خلق سے پاک ہے وہ ازلی ہے معلوم ہوا کہ جو وہ تحریف کرتے بدلتے تھے وہی الفاظوں کو بدلتے تھے تو معلوم ہوا وہی الفاظ اللہ کے ہیں۔ اگر معنی پر دال کیا جائے۔ تو پھر وہ الفاظ کو بدل رہے ہوں گے یا معنی کو معلوم ہوا کہ وہی الفاظ اللہ کے ہیں جن کی بحث پہلے ہو چکی ہے

قال اللہ تعالیٰ: وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ط قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (۸۰)

ترجمہ: اور کہتے ہیں یہودی کہ ہم کو جہنم ہرگز نہ چھوئے گی۔ مگر چند دن تک اے حبیب پاک ﷺ فرما دیجئے کیا پکڑا تم نے اللہ تعالیٰ کے پاس سے عہد کو پس وہ تو اپنے عہد کو ہرگز خلاف نہیں کرتا۔ کیا تم ایسا کہتے ہو اللہ تعالیٰ پر جو تم نہیں جانتے۔

جاننا چاہئے کہ ان کی تیسری قسم کی بداعمالی کا بیان ہے۔ اس بات پر مکمل ارادہ کر لینا کہ اللہ تعالیٰ چند دن عذاب دے گا پھر معاف کر دے گا۔ صاحب خزینۃ القرآن اپنے جد امجد امام محمد باقر کی تفسیر سے بیان کرتے ہیں رسول کریم ﷺ نے فرمایا یہ یہودیوں کا کتنا تمسخر ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں چند دن عذاب دیا جائے گا فرمایا کہ وہ اپنے تکبر غرور میں ہیں۔ فرمایا کہ ان کو اپنے حق میں تورایت سے قطعی دلیل پیش کرنی چاہئے یہ امر تو ضرور ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کرتا ہے جو چاہتا ہے لیکن جو اس کا

Marfat.com

ارادہ ہوتا ہے وہ حکم ہوتا ہے پس اس امر صدور میں جب تک دلیل سمعی نہ ہو کچھ نہیں ہو سکتا اللہ تعالیٰ جو کرتا ہے۔اس پر کوئی اعتراض نہیں کر سکتا۔

معتزلہ کے قول کے موافق عذاب گناہ کی وجہ سے ہوتا ہے لیکن یہ مقید کر لینا کہ عذاب کی اتنی مدت ہے تو اس کے لئے دلیل سمعی کی ضرورت ہے۔جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے: اَیَّامًا مَّعْدُوْدَۃً کے اندر اکثر مفسرین نے امام باقر کی تفسیر سے یہ بیان کیا ہے کہ ایام کا لفظ عشرہ سے زائد پر نہیں ہوتا۔جیسے امام باقر نے فرمایا کہ ایام کی تفسیر میں دو امر ہیں یا عشرہ تک مضاف ہوتا ہے یا اس سے کم۔اس سے زیادہ کی طرف مضاف نہیں ہو سکتا۔پس ایام خمسہ اور ایام عشرہ کہہ سکتے ہیں۔پس احد عشرہ ایام کہنے میں اس آیت سے اشکال لازم آتا ہے۔ کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ آخر آیت تک،امام باقر فرماتے ہیں اس سے ایک مہینہ کے دن مراد ہیں ثابت ہوا کہ دس سے کم مراد ہیں یا زائد،یا دس سے زائد یا کم جو لوگ تین دن مراد لیتے ہیں،تو عند العقل وہ تین پر محمول کر دیتے ہیں۔جو دس کہتے ہیں وہ جمع قلت پر محمول کر کے کہتے ہیں ہر ایک کے پاس کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہے دس سے کم اور تین سے زائد مراد لینا اس کی کوئی وجہ نہیں۔کیونکہ اعداد سب یکساں میں روایت صحیحہ کے مطابق عمل کرنا چاہئے۔اور مفسرین کی ایک جماعت نے بقول امام باقر یہ بیان کیا ہے کہ سات روز بھی کہا جاتا ہے جیسا کہ یہود کہتے ہیں کہ انسانوں کی عمر سات ہزار برس ہے۔انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف یہ نسبت کر کے کہا ہے کہ ایک ہزار برس کے بدلے ہمیں ایک دن عذاب ہوگا یعنی ہم کو کل سات دن تک عذاب ہوگا۔

امام باقر فرماتے ہیں یہ دونوں وجوہ ضعیف ہیں۔امام باقر فرماتے ہیں کہ یہودی کہتے ہیں کہ ہم نے سات دن تک گاؤ سالہ کی پوجا کی تھی۔تو ہمیں وہی سات دن عذاب ہوگا،فرماتے ہیں یہ وجہ بھی ضعیف ہیں۔جب انسان کی عمر سال ہزار سال تک ہو تو ہزار کو ایک سے کیا نسبت ہے۔فرمایا یہ بھی ضعیف ہے۔معتزلہ کہتے ہیں کہ عصیان کی وجہ سے انسان دائمی عذاب کا مستحق ہوتا ہے۔اور بشرطیکہ توبہ کر لی جائے یا بخشش مانگ لی جائے۔ہمارا قول اس امر پر ہے کہ یوں تو اللہ تعالیٰ مالک الملک ہے جیسا چاہتا ہے وہ کرتا ہے اور گناہ جتنا ہوتا ہے اتنی سزا ہوتی ہے۔اس سے زائد نہیں ہوتی۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ گناہ کی جزا اس کی مثل ہے اللہ تعالیٰ کی جتنی نعمتیں عظیم انسان پر ہوتی ہیں۔اسی قدر نافرمانی پر سزا بھی ہوتی ہے۔اللہ تعالیٰ جب اپنے بندوں پر عظیم نعمتیں فرماتا ہے تو اس کی ادنیٰ سی نافرمانی بھی گناہ ہے۔امام باقر مزید فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ نے جو اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ چالیس روز تک انہوں نے گاؤ سالہ کی عبادت کی فرماتے ہیں کہ مجھ کو اس پر بھی وہی کلام ہے فرماتے ہیں کہ جیسے میرے نانا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے چند کھوٹے درہموں پر فروخت کر دیا قرآن پاک میں بھی موجود ہے۔نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی ادنیٰ نافرمانی بھی اس کے لئے جہنم کا موجب بن سکتی ہے۔اور معاف کر دے تو بڑے بڑے گناہ معاف فرما دیتا ہے۔صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ اکثر مفسرین نے میرے دادا امام باقر کی تفسیر سے نقل کیا۔

مسئلہ دوئم:

احناف کے نزدیک حیض کی مدت تین دن یا دس دن تک ہے اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ نماز حیض کے دنوں میں تین دن سے یا زائد از زائد دس دن تک چھوڑ دے۔امام رازی نے اوپر والے کلام کو ترجیح دی ہے۔لیکن امام باقرؒ نے یہ بھی فرمادیا ہے کہ حیض کی مدت تین سے سات ایام تک ہے اور اس پر چالیس احادیث ہیں۔ان میں سے ایک حضرت امام باقر فرماتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ ﷺ سے حیض کی مدت دریافت کی آپ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔اول تین دن میں بعض عورتیں جسامت بھاری ہونے کی وجہ سے دس ایام تک آخری حد ہے اس کے بعد اگر خون آئے تو وہ حیض نہ ہوگا۔وہ خون استحاضہ ہوگا۔جو بیماری کی وجہ سے جاری ہوتا ہے لیکن شوافع کے نزدیک تین دن سے زائد نہیں۔

مسئلہ سوئم:

یہاں ایامًا معدودہ اور آل عمران میں اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ہے اگر کوئی اعتراض کرے کہ ایسا کیوں ہے۔

جواب: جہاں جمع مذکر ہو تو آخر میں جمع کی صفت یہ ہے کہ اس کے آخر مین تا لانا اصل ہوتا ہے جیسے کُوْزٌ، وکنیزان، مکسورۃ، ثباب، مقطوعہ، اگر مؤنث ہو تو اس کی جمع کی صفت میں آخر میں تا اور الف کا لانا اصل ہوتا ہے۔جیسے جرۃ، مکسورۃ خابیۃ، وخوابی، مکسوراۃ مگر کبھی نادر طور الف اور تا کے ساتھ آتا ہے۔جس کا واحد مذکر جیسے حمام وحمامات وجمل سبطر وغیرہ پس اسی طرح (اِنّی ایام معدودات) اور فی ایام معلومات واقع ہوا ہے،اللہ تعالیٰ نے سورۃ

Marfat.com

بقرہ میں ایسے لفظوں سے تکلم فرمایا: قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ کے اندر چند مسائل ہیں:

مسئلہ پہلا:

عہد اس مقام پر بمنزلہ وعدہ خبر کے ہے۔ حدیث شریف میں ہے رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے عہد کو اس لئے خبر فرمایا ہے کہ وہ تمام عہود سے قوی ہیں۔ خواہ کسی قسم کا وعدہ بھی ہو۔ یہ حدیث خزینۃ القرآن تفسیر امام باقر ابی بن کعب ابن عباس وغیرہ میں بھی ہے۔ امام باقر نے رسول کریم ﷺ سے ایک اور حدیث بیان کی ہے۔

مسئلہ دوئم:

رسول کریم ﷺ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ جو وعدہ فرماتا ہے جس امر کی بھی وہ خبر فرمائے وہ حق ہے وہ اپنے امر کے خلاف ہرگز نہیں کرتا۔ یہ حدیث اکثر مفسرین نے بھی بیان کی ہے۔

مسئلہ سوئم:

بحوالہ امام باقر: اَتَّخَذْتُمْ کے اندر استفہام ہے کہ بطور انکار یعنی حجت کے طور پر رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ یہود نے اپنی مرضی پر دن مقرر کر دیئے ہیں کہ ہم کو اتنے دن تک عذاب ہوگا۔ فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے میں تمہیں بشارت دیتا ہوں کہ تمہارے لئے دائمی عذاب ہوگا۔ یہ حدیث حضرت امام باقر نے حضرت علی کے مجموعہ سے لی جسے صاحب خزینۃ القرآن نخعی سعید بن جبیر اور ابوالعالیہ نے اپنی اپنی تفسیروں میں لکھا ہے فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗ حدیث شریف میں ہے کہ حضرت امام باقر اور ابی بن کعب حضرت علی سے بیان کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا اللہ جل جلالہ نہ اپنے وعدہ کے خلاف کرتا ہے۔ نہ وعید کے خلاف کرتا ہے۔ خلاف ورزی کرنا کذب ہے فرمایا اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے وہ کذب اور صدق کا خالق ہے۔ مفسرین بھی کہتے ہیں کہ کذب ایک نقص ہے تو اللہ تعالیٰ کے لئے یہ محال ہے صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قبیح کی قباحت کو جانتا ہے اور اپنے غنی ہونے کو بھی جانتا ہے۔ جو قباحت اور غنا سب کو جانتا ہو اسے ایسا کرنا محال ہے بس مذکورہ بالا حدیث سے بھی ہمارے دعویٰ کی تائید ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کذب اور صدق کا خالق ہے۔ اگر کوئی اعتراض کرے کہ عہدہٗ میں صرف عہد خبر ہے اور وعید کی خبر نہیں اور عدم اپنے اس بات کو چاہتا ہے۔ تو جو بات وعدہ میں ہوگی وہ وعید میں ہوگی۔ اگر کوئی یہ کہے کہ وعید پر تو کرم بھی ہو سکتا ہے تو اس کا جواب یہی ہے کہ وہ صرف خالق ہے اس کی جیسی مرضی ہوگی۔ وہ اپنی چاہت کے موافق فرمائے گا ایک شئی کے ذکر کرنے سے ماسواء کی نفی ثابت ہوتی ہے پس جب کہ وعدہ کے ساتھ عدم کرنا کرم ہے پس دلیل مذکورہ سے تمام اقسام کا کذب ثابت ہونا محال ہوتا ہے خواہ وعدہ میں ہو یا وعید میں۔

مسئلہ پنجم:

ابیؓ بن کعبؓ اور صاحب تفسیر خزینۃ القرآن بیان کرتے ہوئے یہ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰؑ سے اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ نہیں فرمایا کہ میں جو کبائر گناہ گار ہیں۔ ان کو جہنم سے نکال دوں گا اور ایسی حقیر خبر دینا بالکل ناممکن ہے۔ فرقہ وعید یہ کہتے ہیں کہ سب کبائر امتوں کے گناہ گار یکساں نہیں یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ کی امت کے کبائر گناہ گاروں کو کیسے بخش دے گا جب کہ کبائر گناہ گاروں کے لئے قانون یکساں ہے فرقہ مرجیہ کا خیال بھی یہی ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ ہم اس کو از شرع ثابت کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں میرے دادا جان حضرت امام محمد باقرؒ نے اپنی تفسیر میں حضرت علیؓ کے مجموعہ سے حدیث درج کی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے جن امور کا وعدہ فرمایا ان کو مکمل کیا بعض امور ایسے ہیں جن کو قیامت کے دن اظہار فرمائے گا آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہودیوں نے یہ دعویٰ کیا کہ ہم کو جہنم میں چند دن آگ چھوئے گی نہ ان کے پاس کوئی دلیل تھی اور نہ کوئی ان کے پاس امر محکم جس پر وہ یقین کرتے۔ بہتر تھا کہ وہ اس پر توقف کرتے اور یہ کہتے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی رضا ہوگی اسی طرح ہوگا لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ خود بخود جہنم سے نجات پانے کا دعویٰ کر دیا فرمایا یہ اللہ تعالیٰ سے انہوں نے مذاق کیا ہے۔ اور توبہ کر لیتے تو ان کے حق میں بہتر تھا اور وہ دائمی جہنمی ہوں گے فرمایا کہ یہود تو یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ جیسے جنت ہماری ملکیت ہو۔ لیکن انہوں نے رضا الٰہی کو مقدم نہیں کیا۔ بلکہ اپنی مرضی کو آگے رکھا ہے۔ اب اس حدیث شریف کے بعد فقیر یہ کہتا ہے کہ بے شک موسیٰ علیہ السلام کے امتی جو کبائر گناہ گار ہیں

Marfat.com

وہ دائمی عذاب میں مبتلا ہوں گے اسی طرح کافر، مشرک بھی ابدالاباد جہنم میں رہیں گے۔ اب فقیر یہ کہتا ہے کہ امت محمد یہ علی صاحبھا ﷺ کے کبائر گناہ گار جو ہوں گے وہ جہنم میں ہمیشہ کے لئے نہیں رہیں گے۔

صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ تفسیر امام محمد باقر ابی بن کعب ابوالعالیہ سعید بن جبیران سب نے حضرت علی کے مجموعہ سے بیان کیا ہے رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ وعید کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی ذات بعض کو عذاب دے گی اور بعض کو اپنا فضل فرمائے گی اور اوپر والے قول کو اس حدیث نے باطل کر دیا یہ جو ارشاد ہوا ہے کہ: اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَالَا تَعْلَمُوْنَ اس میں تمام حجت مذکور ہوئی کسی بات کو بغیر دلیل سمعی کے کہنا ناروا ہے تو اس امر میں اللہ تعالیٰ کی طرف ایسا کہنا ثابت ہوا کہ جس پر نہ کوئی دلیل ہے اور عذاب کی مدت کا مقرر کرنا فضول ہوگا۔ جب کہ ایک بات کا کہنا بغیر دلیل کے اللہ تعالیٰ نے اس کو باطل فرمایا تو ظاہر ہے کہ دلیل قطعی کا ہونا امر لازم ہوگا۔ امام باقر فرماتے ہیں کہ اس آیت کے متعلق میرے نانا جان رسول کریم ﷺ کا فرمان موجود ہے کہ کسی بات پر بغیر دلیل قطعی کے عمل نہ کرو تو پھر ہم کو خبر واحد پر عمل کرنا ناروا ہے۔ ہمارے امام اعظم نے بھی اپنے استاد امام باقرؒ کے قول پر اتفاق فرمایا ہے۔ امام باقرؒ فرماتے ہیں جب کہ وجود اور عدم از روئے عقل دونوں ظاہر ہوں۔ اثبات اور نفی بغیر دلیل سمعی اور قطعی کے روا نہیں تو امام باقر نے بہترین فرمایا ہے جس کو امام صاحب خزینۃ القرآن اور امام رازی نے نقل کیا ہے۔ جو لوگ قیاس اور خبر واحد کے منکر ہیں انہوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ قیاس اور خبر واحد روا نہیں مذکورہ بالا حدیث کو اپنے دعویٰ میں بطور دلیل ثابت کیا ہے یہ کہ خبر واحد پر اعتقاد کو حکم کے مقید نہیں جیسا کہ مذکورہ بالا آیت میں یہ واضح ہو گیا ہے کہ وہ بات تم اللہ تعالیٰ پر کیوں کہتے ہو جس کا تم کو علم نہیں ہے۔ یاد رہے کہ خبر واحد اور قیاس اور ظن پر عمل کرنا واجب نہیں۔ امام رازی کے نزدیک واجب ہے۔ امر وجوب معلوم ہو گیا۔ نہ کہ غیر واجب معلوم ہوا اور اس کا قائل ایک امر قائل کا معلوم ہوا۔

قال اللہ تعالیٰ: بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓئَتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (۸۱)

ترجمہ: بلکہ جس نے برائی کمائی اور اس کی خطا نے اس کو گھیر لیا۔ پس ایسے لوگ آگ میں رہنے والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

جاننا چاہئے صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ بَلٰى اس چیز کے بعد آتا ہے جو نفی کے بعد ذکر ہو۔ لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ کے معنی یہ ہوئے کہ تم کو ہمیشہ کے لئے آگ نہ چھوئے گی۔ بدلیل جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ جاننا چاہئے کہ سَيِّئَةً ہر گناہ کو کہتے ہیں جیسا کہ ارشاد ہے۔ وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا. وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ یہ گمان ہو سکتا تھا کہ سَيِّئَةً ہر گناہ کو کہتے ہیں صغیرہ ہو یا کبیرہ اس کا مرتکب ابدالاباد جہنم میں رہے گا۔ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ خُلُود کا حق تب رہے گا جب انسان کو ہر طرف سے گناہ گھیر لے گا۔ یہ حدیث تفسیر امام باقر ابی بن کعب طاؤس ابن عباس خزینۃ القرآن میں ہے۔ بحوالہ مجموعۃ الکتاب یہ بات کہ امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ احاطہ کی نسبت حقیقت میں جسم کی طرف ہوتی ہے یہ بات ظاہر ہے اور اسے محیط کر لیتی ہے جیسے شہر شہر کو پیالہ پانی کو محیط کر لیتا ہے کیونکہ گناہ مجسم چیز نہیں ہے۔ پس اس واسطے کہ ہم سَيِّئَةً سے مراد گناہ کبیرہ لیتے ہیں بدویں وجہ:

1- محیط چیز کا یہ قاعدہ ہوتا ہے دوسری چیز کو اپنے محاط میں چھپا لیتی ہے۔ گناہ کبیرہ بھی ثواب اور اطاعت کو گھیر لیتا ہے۔ اسی طرح ان میں بھی مشابہت پائی جاتی ہے۔

2- جب گناہ عبادات کو گھیر لیتا ہے تو اس پر غالب آ جاتا ہے جس طرح دشمن کا لشکر کسی پر غالب آ جاتا ہے۔ اس سے جان چھڑانی مشکل ہو پڑ جاتی ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ گناہ گاروں کو جب گناہ گھیر لے گا تو وہ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔

حدیث شریف میں ہے۔ امام باقر فرماتے ہیں کہ میرے دادا حضرت علیؓ نے اپنے مجموعہ میں لکھا ہے۔ کہ صحابہ نے سَيِّئَات کے بارے میں رسول کریم ﷺ سے پوچھا کہ سَيِّئَات صغیرہ گناہ ہیں یا کبیرہ آپ ﷺ نے مذکورہ بالا آیت فرمائی کہ سَيِّئَات کبیرہ گناہ ہے۔ جن کے خالدون فرمایا گیا ہے اگر اس حدیث کے بعد یہ ہے کہ یہ آیت تو یہودیوں کے لئے ہے اور یہ بات بھی متواتر احادیث سے ثابت ہے کہ قرآن پاک کا حکم عموم ہے نزول کے اعتبار سے اگر چہ ان کا سبب خاص ہو فرقہ معتزلہ نے یہ کہا ہے کہ اہل کبائر دائمی ابدالاباد جہنم میں ہوں گے اب ان کا ذکر کرنا یہاں مناسب ہے بعض نے بیان کیا ہے وعدہ اور وعید جب کہ اہل کبائر کے حق میں ہے اور وہ دائمی عذاب میں ہوں گے اور یہ مدت عذاب ان سے منقطع نہ ہوگی اور بعض نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض کے گناہوں کو بخش دے گا اور بعض کے گناہوں کو

Marfat.com

نہ بخشے گا۔ اور ہم یہ یقین نہیں کر سکتے کہ کس کے گناہوں کو بخشے گا اور کس کے گناہوں کو نہ بخشے گا۔ اور بعض نے سلیمان بن مقاتل کے بارے میں یہ کہا ہے کہ وہ عذاب کے منقطع نہ ہونے کے قائل تھے، حضرت امام باقرؒ فرماتے ہیں اپنی تفسیر میں کہ تفسیر کے حق میں مفسر پر یہ فرض ہے کہ اپنے قول کو تفسیر میں حدیث کے موافق بیان فرمائے اور جو رسول کریم ﷺ سے قرآن پاک کے بارے میں تفسیر ہو۔ فرمایا کہ جو اپنے قول کو حدیث کے مطابق نہیں کرتا یا قرآن پاک کے موافق ہوا ایسا قول تفسیر کے حق میں ہر گز روا نہیں بلکہ کفر ہے یاد رہے کہ فرقہ معتزلہ اور خارجہ اسی کے قائل ہیں کہ اہل کبائر ابدالا باد جہنم میں ہوں گے لیکن یہ مسئلہ بھاری ہے۔ اب ہم حدیث کی روشنی میں عرض کرتے ہیں۔ حضرت امام باقرؒ اور ابی بن کعبؓ حضرت علیؓ کے مجموعہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا کہ قیامت کے دن اہل کبائر میری سفارش سے جہنم سے نجات پا کر جنت میں آئیں گے پھر رسول کریم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ مجھے فرماتا ہے: وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ کہ میں آپ کو اتنا دوں گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔ فرمایا یہ آیت میری امت کے اہل کبائر کے حق میں فائدہ مند ہوگی اور قرآن پاک کا ہر حکم عموم ہے مجھ پر جو قرآن پاک اترا ہے اس کا ہر حکم عموم ہے اور سارے عالم کے لئے ہے۔ پھر فرمایا کہ میں اس وقت تک چین نہ لوں گا جب تک میری امت کا ہر فرد جنت میں داخل نہ ہو جائے فرمایا میری امت جنت میں یوں داخل ہوگی جس طرح موسلا دھار بارش ہوتی ہے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ صحابہ نے دوران خطبہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ اگر وعید ہو تو پھر اس کے بارے میں کیا حکم ہے۔ کملی والے مسکرائے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مالک ہے وہ فرماتا ہے اللہ تعالیٰ مٹا دیتا ہے جو چاہتا ہے اور ثابت رکھتا ہے اور اصل کتاب اسی کی ہے۔ فرمایا کہ یہ مٹانا اور لکھنا اس کے اختیار میں ہے جب میں سفارش کروں گا تو اللہ تعالیٰ میری امت کی اس وعید کو ٹال دے گا اگرچہ ان کے حق میں وعید لکھی ہوئی ہو۔ امام باقر فرماتے ہیں کہ مجموعہ کے علاوہ میں نے اکیس سو (۲۱۰۰) صحابہ سے یہ حدیث سنی اور سعید بن جبیر ابو العالیہ طاؤس، امام ابو سفیان ثوری مفسر قلبی احکام القرآن تفسیر فریابی خزینۃ القرآن اور فرقان القرآن ان کے علاوہ کافی مفسرین نے بحوالہ امام محمد باقر یہی حدیث درج کی ہے اور امام زہری نے بھی اپنی مسند میں بحوالہ امام محمد باقر درج کی ہے اور یزید بن ہارون نے بھی درج کی ہے۔ اور یہ حدیث نقل متواتر ہے اوپر والے تمام مذکورہ بالا فرقہ باطلہ کے لئے دندان شکن جواب ہے۔ اور اکثر صحابہ اور تابعین اہل سنت و جماعت اور فرقہ اہل شیعہ اسی پر متفق ہیں۔ اگر عذاب منقطع نہ ہو تو آیت ان کو ثابت کرنی چاہئے کہ جو دوام ہو اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ اوّل:

وعید کے بیان میں ہے اور معتزلہ نے جو دلائل دیئے ہیں۔ فقیر انشاء اللہ ان کو بیان کرتا ہے پہلے نمبر پر یہ ہے کہ کچھ صیغے مَنْ کے ساتھ ہیں۔ اور کچھ جمع کے ساتھ شرط ہے۔ جو چند آیتیں ہیں۔ ہم اسی میں فرقہ مرجیہ کا خیال بھی بیان کریں گے بعد میں اہل سنت کے دلائل ذکر ہوں گے۔ فرقہ معتزلہ نے جن عموم کا ذکر کیا ہے۔ جیسا کہ لکھ چکا ہوں کچھ صیغہ مَنْ کے ساتھ ہیں اور کچھ جمع شرط کے ساتھ ہیں۔ آیت وراثت کے ضمن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کی وہ جہنم میں داخل ہوگا اور اس میں ہمیشہ رہے گا جس نے اللہ تعالیٰ کی حد کو توڑا۔ ظاہر ہے کہ جو شخص صوم وصلوٰۃ حج زکوٰۃ ترک کرتا ہو اور قتل کا مرتکب ہو۔ اور زناء اور شراب خوری میں لگا ہوا ہو وہ اس آیت کے ذیل میں ہے۔ ایک مخالف فریق نے اس آیت کو کفار پر محمول کیا ہے مومن گناہ گار پر نہیں جب کہ اصول فقہ میں یہ قاعدہ ہے کہ مَنْ شرط عموم کا فائدہ دیتا ہے علاوہ ازیں ایک فریق نے کہا کہ گناہ گار کو اس سے مستثنیٰ کرنا باطل ہے بدوں وجہ مخالف کا یہ اعتراض باطل ہے اللہ تعالیٰ نے آیت مواریث میں فرمایا جو اللہ تعالیٰ کی حدود کی پابندی کرتا ہے۔ اس کو ثواب کا وعدہ اور جو خلاف ورزی کرتا ہے اس کو وعید ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لائے۔ اور ان پر حدود کی پابندی کرنا لازم ہے اور اللہ تعالیٰ کے تمام احکام پر اس کو سر تسلیم ہونا ضروری ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے انبیاء علیہ السلام پر ایمان نہیں لاتا جو اللہ تعالیٰ کے احکام کا مکذب ہے ان کو رغبت دلانا ضروری ہے۔ جو آیت کے ابتداء میں مومن کے لئے حکم ہوگا۔ آیت کے آخر میں بھی وہی حکم ہوگا۔ تِلْكَ حُدُودُ اللهِ اس میں شبہ نہیں کہ جس طرح وعدہ کی حدود مذکور ہیں۔ اسی طرح وعید بھی کیونکہ حدود جیسی کافر کے لئے ویسی ہی مومن کے لئے ہیں جس طرح ان کے وعدہ پر پابندی فرمائی ہے۔ اسی طرح وعید پر بھی کلام کے سیاق و سباق سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ اس کا مقتضیٰ یہی ہے۔ یہی حدود ہوں یا ان کے ساتھ کوئی اور حدود بھی شامل کی جائیں۔ ان حدود میں تعدّی کرنے میں اہل ایمان کو زجر ثابت ہوگا۔ اگر تعدی نہ ہو تو اہل ایمان پر یہ زجر نہ ہوگا۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ اس سے سب لوگ مراد ہیں کافر ہوں۔ یا مومن تو کافر سے خاص کرنا باطل ہوگا۔ اگر کوئی اعتراض کرے (وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهُ) میں جمع مضاف عموم کا فائدہ دیتا ہے جیسے (ضَرَبْتُ عُبَيْدِي) تو سارے غلاموں کا مارنا لازم آیا۔ اور جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ یہ آیت اس شخص کے لئے خاص ہے جو حدود الٰہی میں سے گریز کرے کافر ہے نہ مومن ہے اگرچہ لفظا

Marfat.com

تمہارا قول درست ہے چند قرینوں کے ساتھ ہر متعدی کرنے میں عموم نہیں ہوتا۔ تمام حدود میں متعدی کرنا مراد نہیں (وَیَتَعَدَّ حُدُودَهٗ) سے تِلْكَ حُدُودُ اللّٰهِ فرمایا گیا ہے اور وہی حدود ان دونوں آیتوں میں مراد ہوں گے۔

2- اہل اسلام کا اس بات پہ اتفاق ہے کہ حدود الٰہی میں مسلمانوں کو بھی وہی اثبات ہے لیکن کافروں کے لئے ممانعت ہو پھر مومنین کے لئے ممانعت ثابت ہو۔

3- اگر حدود سے تمام حدود مراد ہوں تو وعید فرمانے کا کیا نتیجہ مرتب ہوگا۔ ایسا کوئی شخص نہیں کہ تمام حدود میں تعدی نہیں کر سکتا۔ بیشتر ایسے حدود ہیں کہ تعدی کے اندر جمع نہیں ہو سکتے اس میں تضاد ہے ایک شخص مذہب میں فرقہ تنویر اور فرقہ نصرانیہ میں نہیں ہو سکتا انبیاء علیہ السلام کے علاوہ کوئی ایسا شخص نہیں کہ گناہ چھوڑا ہو۔

4- جو شخص مومن کو قصداً قتل کر ڈالے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس نے کسی مومن کا قصداً خون بہا ڈالا پس اس کی سزا جہنم ہے اس میں ہمیشہ رہے گا۔ اس آیت سے ثابت ہوا کہ قاتل مومن کی جزا خلود فی النار ہے۔ اور اس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ جیسا کہ ارشاد پاک ہے جو شخص برے عمل کرتا ہے اس کو اس کی جزا ملے گی۔ اے ایمان والو جب تم کفار سے لڑائی کے لئے بڑھ جاؤ تو ان کی طرف پیٹھ مت پھیرو اور جو شخص ان کی طرف پیٹھ پھیرے گا، سوا اس شخص کے جو داؤ کو لے اور اپنے گروہ سے ملنے آئے پس اس نے اللہ تعالیٰ کے غصہ کے طرف رجوع کیا۔ ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بری جگہ ہے پس جو شخص ذرا بھر بھی نیکی کرے گا۔ اسے دیکھ گا جو ذرا بھر برائی کرے گا اسے دیکھ لے گا۔

5- اے ایمان والو لوگوں کا مال مت کھاؤ اپنے درمیان از روئے ناحق ارشاد ہے۔ جو شخص از روئے زیادتی ظلم کرے گا پس ہم عنقریب اس کو جہنم میں داخل کریں گے۔

6- اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بے شک اس کی شان یہ ہے جو شخص اپنے پروردگار کے پاس مجرم بن کر آیا پس بے شک اس کے لئے جہنم ہے اس میں نہ وہ مرے گا، نہ زندہ ہوگا۔ اور جو شخص اپنے رب کے پاس مومن بن کر نیک اعمال کر کے آئے گا پس ان لوگوں کے لئے بلند درجے ہیں۔ تو اس آیت سے **معلوم ہوا** کہ کافر اور فاسق دائمی عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ جس طرح مومن مطیع ثواب کا مستحق ہے۔

7- ارشاد ہے نامراد ہوا وہ شخص جس نے ظلم کو اختیار کیا اسے معلوم ہوا کہ جو شخص روزہ نماز قضا کرتا ہے وہ بھی اس وعید میں داخل ہے۔

8- اللہ تعالیٰ معاصی کا بیان ارشاد فرماتا ہے کہ جس شخص نے ایسا کیا۔ گناہوں سے ملا قیامت کے دن ہم اس کا عذاب بڑھا دیں گے اس کے لئے ہمیشہ وہ ذلت میں رہے گا۔ بجز اس کے جس نے توبہ کی۔ اور اچھے عمل کئے۔ اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ کافر اور فاسق کا ایک ہی حال ہوگا۔ وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

9- جو شخص نیکی کو ساتھ لائے گا۔ وہ اس میں امن میں رہیں گے جو شخص برائی کرے گا۔ اور اس کو اس کی سزا ملے گی۔ **معلوم ہوتا ہے** کہ جس طرح نیکیوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا انعام نہیں ویسے ہی اس کی سزا برائی پر ایسے ہوگی۔

10- ارشاد ہوتا ہے جو شخص سرکشی کرے اور حیات دنیا کو اختیار کرے پس یقیناً اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

11- جو شخص اللہ اور رسول کی نافرمانی کرے اس کے لئے دوزخ کی آگ ہے۔ اس میں کافر اور فاسق کی کوئی تفصیل نہیں۔

12- جس آیت کی تفسیر ہو رہی ہے بَلٰی مَنْ كَسَبَ اس سے اللہ تعالیٰ نے فرقہ مرجیہ کے قول کو رد فرمایا ہے کہ انہوں نے کہا تھا کہ ہمیں آگ ہرگز نہ چھوئے گی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا۔ یہ دلائل تھے فرقہ معتزلہ اور فرقہ خارجہ نے جو بچند وجوہ استدلال کیا ہے اور موقعہ پر صرف مَنْ شرط کا **عموم ثابت کیا ہے**۔

1- اگر مَنْ حرف شرط عموم نہ ہوتا تو دو احتمال تھے۔ خلوص کے لئے موضوع ہوتو لازم ہے جب ہر متکلم اس قسم کا کلام بولے ہر شخص کو ہر شرط عمل میں آئے۔ دنیا میں خبر خوف نہ ہو۔ اس واسطے کہ اس تقدیر پر وہ خبر اس شرط پر مرتب نہ ہوگی۔ حالانکہ سب جانتے ہیں کہ جو شخص یہ بات کہے کہ جو شخص میرے گھر آئے گا۔ میں اس کی تعظیم کروں گا۔ اس کو چاہئے کہ ہر آنے والے کی تعظیم کرے۔ ہر لفظ مشترکہ بھی نہیں ہو سکتا۔ بدو وجہ ایک تو اشتراک اصل کے خلاف ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر مشترک ہوتو متکلم پر تمام احکامات کا استفسار نہ کیا جائے۔ خبر پر شرط کی کیفیت مرتب معلوم نہیں ہوتی۔ مثلاً کوئی شخص کہے کہ جو شخص میرے گھر آئے گا۔ میں

Marfat.com

اس کی تعظیم کروں گا اُن سے پوچھا جائے کہ تیری مراد مردوں سے ہے یا عورتوں سے ہے یا عورتوں سے وہ کہے مردوں سے ہے پھر پوچھا جائے کہ وہ مرد عرب سے ہیں یا عجم سے وہ کہے عرب سے تو پوچھا جائے کہ ربیعہ سے ہے یا مضر سے (دھم صبرا) یہاں سے تمام احتمالات اس سے پوچھنے چاہئیں۔ تمام اہل زبان جانتے ہیں ظاہر ہوا کہ تمام زبان والے اس اشتراک کو پسند نہیں کرتے تو یہ اشتراک باطل ہوا۔

-2. جب اس نے یہ کہا کہ میرے گھر جو آئے گا۔ اس کی تعظیم کروں گا تو ہر صاحب عقل کا استثنا اس سے درست ہوگا اور ہر استثنا سے چیز خارج ہوتی ہے کہ جس کا استثناء اس سے پہلے موجود ہو۔ اس واسطے کہ استثنا متصل میں مستثنیٰ عموم کی طرف ہونا ضروری ہوتا ہے۔ اب رہی یہ بات کہ صحیح ہونے کے اعتبار سے ضروری ہو یا نہ ہو۔ ان دونوں میں سے پہلا احتمال بچند وجوہ باطل ہے۔

نمبر 1: اگر یہ بات صحیح ہو تو لازم آتا ہے (جاء نی فقھا الاّزیدٌ) کے اندر جس میں سے جمع مکسر سے استثناء ہے (جآء نی الفقھا الازیدٌ) کے اندر جن میں جمع معرفہ ہے استثناء ہے۔ کچھ فرق نہ ہو اور دونوں کلاموں کے اندر زید کا داخل ہونا صحیح ہو دونوں میں فرق بالحقیقت فرق ہو۔ جی عدد سے استثناء سے وہ چیز خارج کی جاتی ہے کہ اگر استثنیٰ نہ ہو تو اس چیز کا داخل ہونا واجب ہے اس سے ثابت ہوا کہ حرف مَنْ شرط عموم کے لئے آتا ہے۔

نمبر 3: جب یہ آیت نازل ہوئی۔ جس میں ارشاد ہے۔ جب تم اللہ تعالیٰ کے سوا جن کو پوجتے ہو وہ جہنم کا ایندھن ہوں گے (ابن زبعری) کہتا ہے کہ میں محمد ﷺ سے بحث کروں گا۔ سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت میں آ کر عرض کیا کیا فرشتوں کی پوجا نہیں ہوئی؟ عیسیٰ ابن مریم کی پوجا لوگوں نے نہیں کی تو حضور اکرم ﷺ نے اس کے قول کو رد نہیں فرمایا ثابت ہوا کہ حرف مَنْ عموم کا ہے۔

قسم دوئم:

کہ معتزلہ کے دلائل میں سے ہے کہ مجھے معرف بالام وہ اس صیغہ سے استدلال کرتے ہیں اور یہ صیغہ کی آیات میں وارد ہوا ہے۔

نمبر 1: بے شک فاجر جہنم میں ہوں گے۔ یہی صیغہ عموم کا ہوتا ہے۔ جبائی اور ابوالحسن وغیرہ کے نزدیک یہ عموم کا فائدہ دیتا ہے۔ لیکن ابو ہاشم کہتا ہے کہ عموم کا فائدہ نہیں ہوتا۔ ہم کہتے ہیں کہ کئی طرح پر یہ صیغہ عموم کا فائدہ دیتا ہے۔ انصار نے حضرت ابو بکرؓ سے امامت کی درخواست کی۔ انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا کہ امام قریش میں سے ہوگا۔ حدیث سے استدلال کیا۔ انسؓ نے اس حجت کو قبول کیا۔ اگر یہ مجھے معرف بالام جنس استغراق سے نہ ہوتا تو یہ حجت کیسے قائم ہوتی اس بات کے منافی نہیں کہ بعض آئمہ قریش کے بعد دوسری قوم کا کوئی امام ہی نہ ہو۔ جیسا کہ حدیث شریف تفسیر امام باقر میں ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن نے نقل کی ہے۔ جب حضرت ابوبکر صدیقؓ نے منکرین زکوٰۃ کے ساتھ قتال فرمایا ہے۔ حضرت عمرؓ نے یہ کہا کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ ان قَاتَلَ النَّاسِ حَتّٰی یَقُوْلُوْا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کہ مجھے حکم دیا گیا ہوں کہ لوگوں سے قتال کروں یہاں تک کہ وہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کہہ دیں حضرت عمرؓ نے لفظ عموم سے استدلال کیا حضرت ابوبکرؓ یا اور کسی صحابی نے کہا کہ اس سے یہ فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ زکوٰۃ بھی اس کے حق میں ہے۔

نمبر 2: اس جملے کی تاکید ایسی چیز سے ہوتی ہے جو استغراق کی مقتضی ہوتی ہے۔ پس ضروری ہوا کہ جمع معرف بالام استغراق کے مفید ہو۔ پس تاکید ہونے کا ثبوت اس آیت سے ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے پس سجدہ کیا ان تمام فرشتوں نے مگر ابلیس اور بعد تاکید کے جمع معرف بالام کو استغراق ہونا متفق ہے موکدہ کا اصل میں استغراق کے لئے ہونا اس واسطے ضروری ہے یہ الفاظ تاکید کے ہیں اور تاکید کے معنی یہ ہیں۔ جو ایک حکم اصل میں ثابت تھا۔ پس اگر اصل میں استغراق نہ ہوتا۔ اور ان الفاظ کی وجہ سے حاصل ہوا کرتا۔ تو ان الفاظ سے اصل حکم کی تقویت نہ ہوتی ایک نیا حکم پیدا ہوتا اور لفظ مجمل بیان ہوتے اور تاکید نہ ہوتے جب یہ لفظ اصل حکم استغراق کے لئے آئے ہیں تو مطبوع کے اندر استغراق پایا جاتا ہے۔

: اسم پر جب الف، لام استغراق کا پایا جاتا ہے تو امام باقر فرماتے ہیں کہ لغت عرب میں وہ اسم معرفہ ہو جاتا ہے۔ پس الف لام استغراق کا ہونے سے ایسی چیز مراد ہے جس کے جسم کا تعین مراد ہو جائے یہ تعین جمع کے اندر اس وقت مراد ہو سکتا ہے جب تمام افراد مراد ہوں اس واسطے تمام افراد کا علم بالا جمال مخاطب کو ہوتا ہے۔ اور بعض افراد مجہول ہوتے ہیں اگر کوئی اعتراض کرے کہ ایک جنس سے خاص جماعت مراد لی جائے تو وہ جماعت روشن مطلق ہوگی۔ اس میں یہ

Marfat.com

جواب ہے کہ اس تقدیر پر الف لام کا فائدہ کیا ہوگا یہ بات الف لام کے سوا بھی موجود ہوتی ہے۔ اگر کسی شخص نے کہا کہ رَأَیْتُ رِجَالاً اس میں جنس رجال غیر رجال سے تمیز حاصل ہوگئی۔ پس ثابت ہوا اس کے علاوہ الف لام کا فائدہ ہوتا ہے۔ وہ فائدہ بجز استغراق کے نہیں ہوتا۔

-4 جمع معرف بالام خاص ایک فرد کے لئے ہوتی ہے کا استثنا صحیح ہوتا ہے۔ خواہ کوئی فرد بھی ہو ثابت ہوا کہ وہ جمع معرف بالام ہوتی ہے، جمع معرف بالام کے اندر نکرہ کے کثرت کے معنی پائے جاتے ہیں اس واسطے جمع منکر سے جمع معرف بالام کا استثنا کرنا ثابت ہوتا ہے جمع معرف بالام عموم کا فائدہ دیتا ہے اور اس کے برعکس صحیح نہیں ہوتا۔ رأیت رجالاً من الرّجالِ کہہ سکتے ہیں اور رأیت رجالاً من الرّجالِ نہیں کہہ سکتے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ استثنٰی کی نسبت مستثنٰی عموم میں بکثرت ہوتی ہے۔ مذکورہ بالا تقریر سے معلوم ہوا کہ جمع معرف بالام کل افراد پر ہوگی اس کا بعض بعض سے ہونا باطل ہے۔ کل سے باقی جتنے عدد ہوتے ہیں ان کا مجمع معرف بالکل صحیح ہوتا ہے۔ یہ بحث اوپر ہو چکی ہے کہ مستثنٰی عموم میں استثنٰی بکثرت ہوتا ہے ثابت ہوا مجھے معرف بالام استغراق کو مفید ہوتی ہے۔

ابو ہاشم کہتے ہے کہ مجھے معرف بالام استغراق کے عموم کا فائدہ نہیں دیتی تو ایک حکم کا وصف اس کی علت ہوتا ہے فجور دخول دوزخ کے لئے ملت ہے تو یہ حکم عام ہوا۔ اس باب میں تیسرا طریقہ بھی ہے۔ جس کو نحوی بیان کرتے ہیں وہ یہ ہے اِنَّ الفجار میں لام تعریف نہیں بلکہ اَلَّذِیْ کے معنی میں ہے دو وجہ سے ہے۔

-1 اس کے جواب میں حرف فا آتا ہے۔ جیسے اس آیت کے اندر جس طرح وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا یا جس طرح کوئی کہے جو مجھ سے ملاقات کرے اس کے لئے ایک درہم۔

-2 جس پر الف لام داخل ہو اس فعل پر عطف کا داخل ہونا ضروری ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ الْمُصَّدِّقِیْنَ اِنَّ الَّذِیْنَ اَصَّدَّقُوْا آتا ہے اگر اِنَّ المصدقین میں بمعنی ان الذین اصدقوا نہ آتا تو وَاَقْرَضُوا اللّٰہَ کا عطف اس پر نہ آتا اور جب کہ یہ واضح ہو گیا تو اِنَّ الَّذِیْنَ فَجَرُوْا وَاِنَّ الْجَحِیْمَ آیا۔

-2 آیت میں امر پر استدلال ہے جس امر پر استدلال ہوا ہے۔ پس جس روز ہم لوگ سوار ہو کر رحمٰن کی طرف جمع ہوں گے۔ تو ہم مجرموں کو جہنم کی طرف پیاسا جھونکیں گے معلوم ہوا کہ مجرموں کے لئے جمع معرف بالام ہے۔

-3 اور ظالموں کو ہم اس میں پوری طرح دھکیل دیں گے۔

-4 اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے ظلم کے سبب پکڑے تو روئے زمین پر ایک جاندار کو بھی نہ چھوڑے۔ مگر ان کو ڈھیل دیتا ہے۔ اس آیت کے اندر اللہ تعالیٰ نے فرما دیا ہے کہ میں عذاب میں تاخیر فرماتا ہوں اس کا صدق ان پر موقوف ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک دن ان کو عذاب دے۔

قسم سوئم:

عمومات میں اَلَّذِیْ کے ساتھ جو صیغے مقرون ہیں، وہ یہ ہیں۔

-1 خرابی ہے کہ ان کے لئے جو ڈنڈی مارتے ہیں اور ناپ تول کر لیتے ہیں تو پورا کر لیتے ہیں۔

-2 جو لوگ یتیموں کا مال از روئے ظلم کھاتے ہیں۔ وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں۔ ہم عنقریب ان کو دوزخ میں داخل کریں گے۔

-3 بے شک ان کو فرشتے موت دیتے ہیں وہ اپنے نفسوں پر ظلم کئے ہوئے ہیں۔ اور جو شخص حضور اکرم ﷺ کی نصرت کے لئے، ہجرت نہ کرے۔ چہ جائیکہ رسول کریم ﷺ کی نبوت کا اقرار بھی کرتا ہو تو اس کی سزا بھی وہی ہے۔

-4 جن لوگوں نے برائی کے عمل کمائے اس کی جزاء اس کی مثل ہوگی اور ان پر ذلت ہوگی اس آیت میں کافر اور غیر کافر کی کوئی تمیز نہیں۔

-5 جو لوگ سونا اور چاندی کو جمع کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔

-6 ان لوگوں کی توبہ نہیں ہے جو برائیاں کرتے ہیں یہاں تک کہ ان کو موت آجائے اس وقت کہے کہ میں توبہ کرتا ہوں اگر توبہ نہ ہو تو اس وعید میں کیا معنی ہوں گے پس اگر خالص اصل وعید اہل عذاب نہ ہو تو اس قول کے کیا معنی ہوں گے۔

Marfat.com

7- ایسے لوگوں کی جزا یہ ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے لڑتے ہیں اور زمین میں فساد مچاتے ہیں کہ ان کو قتل کر دیا جائے یا سولی پہ چڑھا دیا جائے۔

8- بے شک وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے عہد اور اپنی قسموں کے بدلے ثمن قلیل لیتے ہیں ایسے لوگوں کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔

9- قسم چہارم عمومات کے اندر کل کا لفظ ہے جیسا کہ اس آیت میں وَلَوْ اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ پس ہر ایک ظالم نفس کے پاس جو کچھ زمین میں ہے وہ اپنے بدلے میں دے ڈالے تو اللہ تعالیٰ ہر نفس کا قیامت کے دن محاسبہ کرے گا اور اس کے ظلم کی سزا اس کو ملے گی۔

قسم چہارم:

اللہ تعالیٰ نے جو وعید فرمائی ان کو پورا فرمائے گا۔ جیسے وہ فرماتا ہے کہ میرے پاس جھگڑا مت کرو۔ میں تمہاری طرف وعید بھیج چکا ہوں اور میری بات میں فرق نہیں آتا میں اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا معلوم ہوا اس کی بات تبدیل نہ ہوگی وہ اپنی وعید کو پورا کرے گا۔

1- اب عذر کے لئے علت موجود ہے کہ پہلے ان کے پاس وعید آچکی اب عذاب سے رہائی پانا ناممکن ہو جائے گا۔

2- مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ سے جس طرح حکم ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کو اس طرح ظاہر فرمائے گا یہ ان کے مدعا ہیں جو قرآنی علوم سے انہوں نے پیش کیں۔ اسی طرح انہوں نے اپنے مدعا میں بکثرت احادیث بھی بیان کی ہیں۔ جیسا کہ آیت میں صراحت ہو چکی ہے، ویسا ہی ہوگا۔ حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے اپنے بھائی کی خوراک سے ایک لقمہ کھایا۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو آگ کھلائے گا۔ جس نے اپنے بھائی کا جوڑا پہنا قیامت کے دن اس کو اللہ تعالیٰ آتش کا جوڑا پہنائے گا جو شخص دوسروں کے مفاد کے لئے کھڑا ہوا اللہ تعالیٰ اس کو جزا دے گا یہ حدیث شریف فاسق کے حق میں نص ہے رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص کی دنیا میں کلام کی دو (۲) زبانیں ہوں گی جہنم میں ابھی اس کی دو (۲) زبانیں ہوں گی اور حدیث شریف میں ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ وہ شخص اچھا ہے جس سے لوگ امن میں رہیں، مسلم وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان کو تکلیف نہ پہنچے، مہاجر وہ ہے جو برائی کو اختیار نہ کرے۔ مجھے قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضۂ قدرت میں محمد رسول کریم ﷺ کی جان پاک ہے کہ وہ شخص جنت میں کبھی داخل نہ ہوگا جس کے ہمسائے اس سے تنگ رہے ہوں معتزلہ نے کہا ہے یہ حدیث مسلم مومن کے حق میں ہے نہ کہ کافر حق میں کے حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہر نشہ شراب ہے ہر شراب حرام ہے۔ جو دنیا میں پیتا ہے وہ آخر میں نہیں پیے گا اس سے ظاہر ہوا کہ فاسق جہنم میں رہیں گے معتزلہ کفر اور اسلام کے اندر یہ تمیز نہیں کرتے۔ حضرت ثوبانؓ فرماتے ہیں۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص، تکبر، غرور فریب اور قرض قیامت میں لے کر آیا تو وہ کبھی جنت میں داخل نہ ہوگا۔ یہ کلام پھر فضول ہوگا جو شخص دین میں توبہ نہ کرے گناہ کرتے ہوئے اس دنیا سے گیا اس کے لئے جہنم ہوگی۔

6- مذکورہ بالا حدیث سے ثابت ہوا کہ یہ فاسق کے لئے صریح وعید ہے، جنت میں وہ چیزیں ہوں گی جن کے لئے دل خواہش کرے گا۔ اور ان سے سرور ہوگا۔

7- حضرت ام سلمیٰؓ فرماتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہاری طرح بشر ہوں، جب تم میرے پاس جھگڑا لاتے ہو تو جس میں وہ شخص اپنی دلیل کی نسبت صفائی پیش کرتا ہے میں اس کے بھائی کا حق اس کو دے دوں تو یوں سمجھ لو کہ میں نے اس کو جہنم کی آگ سے ایک ٹکڑا دے دیا ثابت بن ضحاکؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص سوائے اسلام کے جھوٹی قسم کھاتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نصرانی ہوں اور یہودی ہوں اور ویسا ہی ہوگا جس شخص نے اپنی جان کو خود قتل کیا تو قیامت کے دن آتش جہنم میں ڈالا جائے گا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے نماز کی پابندی کی وہ اس کے لئے نور اور برہان ہوگی۔ اور اس کے ذریعے اس کو نجات ہوگی ورنہ اس کو عذاب ہوگا قیامت کے دن قارون اور ہامان ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔ معلوم ہوا کہ نماز کا ترک اس کو جہنم میں بڑے بڑے کفار کے ساتھ ملا دے گا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص شراب کا عادی ہو کر اللہ تعالیٰ سے ملے گا وہ بت کی شکل میں اللہ تعالیٰ سے ملے گا۔

حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے اپنے ہتھیار سے اپنے آپ کو قتل کیا تو قیامت کے دن وہ ہتھیار جہنم میں اپنے پیٹ میں مارتا رہے گا۔ جو شخص پہاڑ سے قصداً گر کر مرا تو وہ ابدالاباد جہنم میں رہے گا۔ حضرت ابو ذر غفاریؓ فرماتے ہیں رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ تین (۳) شخص ایسے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کلام نہ فرمائے گا۔ قیامت کے دن ان کی جہنم میں روانگی ہوگی۔ نہ ان کی طرف نظر فرمائے گا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ وہ کون نامراد ہیں جو

Marfat.com

خسارے میں رہے۔ پہلا وہ شخص جو ٹخنے سے نیچے چادر لٹکا کر رکھے احسان جتانے والا، جھوٹی قسمیں کھانے والا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو چادر کو نیچے کرتا ہے تکبر سے چادر کو گھسیٹتا ہوا چلے اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کلام نہ فرمائے گا۔ وہ جہنم میں ہوگا۔ یہ حدیث فاسق کے حق میں نص ہے، حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص علم اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے سیکھے وہ جنت میں داخل ہوگا اور جو شخص دنیا کمانے کے لئے سیکھے اس کو جنت کی خوشبو نہ آئے گی۔ ظاہر ہے کہ جس کو جنت کی خوشبو نہ آئے گی۔ وہ جہنم میں ہوگا۔ اس واسطے کہ بندہ دو حال سے خالی نہیں یا جنت میں یا دوزخ میں ہوگا۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص علم کو چھپائے گا۔ جہنم کی آگ کی لگام اس کے منہ میں ڈالی جائے گی، حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جس شخص نے اپنے بھائی کے مال کو غصب کرنے کے لئے جھوٹی قسم کھائی اس کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہ ہوگا جب کہ یہ آیت کفار کے حق میں ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ تو فاسق کے لئے بھی وہی وعید ہے۔ حضرت ابوامامہؓ فرماتے ہیں رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس نے اپنے بھائی کا مال غصب کیا اللہ تعالیٰ اس پر جہنم واجب کر دیتا ہے۔

حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابن عباسؓ کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک شخص ابن عباسؓ کے پاس آیا اور کہا کہ حضرت میرا گزارہ تصویریں بنانے پر ہوتا ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو فرماتے سنا کہ جو شخص تصویر بنائے گا یا بنوائے گا وہ جہنم میں جائے گا آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ جان تو نہیں ڈال سکتا مزید فرمایا جو شخص کسی کی باتیں سن کر بھاگ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر جہنم واجب قرار دیتا ہے، ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ جو شخص خواب کو بنا کر کہتا ہے دراصل اس کو خواب نہیں آتا ایسے شخص کو بھی اللہ تعالیٰ جہنم میں دھکیل دے گا ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو حاکم وقت اپنی رعیت پر ظلم کرتا ہے جب اللہ تعالیٰ اس کو جہنم میں ڈالے گا تو ویل کے نیچے گڑھے میں پہنچنے تک چالیس سال ختم ہو جائیں گے۔ اس سے بھی مزید مدت گڑھے کے آخر تک پہنچنے میں لگے گی۔ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے مجھے کہا کہ تم میرے عہد میں قاضی بنو آپ نے عرض کیا کہ میں نے رسول کریم ﷺ سے فرماتے سنا ہے کہ جو قاضی بنے اور جہل سے حکم دے وہ بھی دوزخی ہے اور جو قاضی ظلم سے حکم دے وہ بھی دوزخی ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص مسلمان ہونے کے بعد کسی کو اپنا باپ کہے وہ اس کا باپ نہ ہو ایسے شخص پر بھی جنت حرام کر دی جاتی ہے حضرت حسن ابی بکرؓ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم نے فرمایا کہ جس شخص نے کسی نفس کو قتل کیا اس سے عہد ہو چکا ہو وہ جنت کی خوشبو نہ سونگھے گا۔ یہ تو کفار کے قتل کا حال ہے عام لوگوں کا کیا حال ہوگا جو اولادِ رسول کریم ﷺ کو ناحق قتل کرے اس کا کیا حال ہوگا۔ حضرت ابو سعید خدری فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے دنیا میں ریشم پہنا وہ آخرت میں نہ پائے گا۔ جب آخرت میں پائے گا تو اس کا ماحاصل بھی یہی نکلا اب بقولہ تعالیٰ مَاتَشْتَهِیْهِ الْاَنْفُسُ اسی طرح قسم دوسری ادھر بھی بکثرت احادیث ہیں جن میں مَنْ صرف عموم نہیں۔ حضرت نافع جو رسول کریم ﷺ کے غلام تھے فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ بوڑھا مسکین اور بوڑھا متکبر اور بوڑھا زانی یہ جنت میں داخل نہ ہوں گے ظاہر ہے کہ ان کے لئے بھی وعید ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ تین شخص جنت میں داخل ہوں گے شہید، وہ غلام جو اپنے مالک کی خیر خواہی کرے اور دوسرا وہ شخص جو عبادت میں اللہ کا حکم مانے تیسرا وہ جو اپنی جان کو ظلم سے روکے رکھے۔ تین شخص جنت میں داخل نہ ہوں گے، حاکم ظالم اور وہ دولت مند جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتا۔ اور مسکینوں کو ان کا حق ادا نہیں کرتا۔ تیسرا متکبر حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جب رحم کو پیدا فرمایا رحم کھڑا ہو کر عرض کرنے لگا کہ میں پناہ مانگتا ہوں، جو مجھے قطع کرے اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو تجھے قطع کرے گا میں اس سے قطع کروں گا جو تجھے جوڑے میں اسے جوڑ دوں گا عرض کیا ہاں میں راضی ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ بات اس طرح ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ تمہارا دل چاہے اس آیت کو پڑھ لو، وَتُقَطِّعُوْا اَرْحَامَكُمْ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ یہ آیت اس آیت کی تفسیر میں نص ہے۔

ترجمہ: پس اگر تم حاکم بن جاؤ تم اس کے قریب ہو جاؤ گے کہ زمین میں فساد کرو اور اپنے رحموں کو قطع کرو فرمایا یہ وہ لوگ ہیں۔ جن پر اللہ کی لعنت ہے وہ بہرے ہیں اور آنکھوں سے اندھے ہیں۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں رحمٰن ہوں۔ میں نے رحم کو پیدا کیا اور اپنے نام سے نام رکھا جو اس رحم کو جوڑے گا میں اسے جوڑ دوں گا جو اسے قطع کرے گا میں بھی اسے قطع کروں گا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی حدیث میں ہے کہ کسی گناہ کے سبب سے اتنا خوف نہیں کرتا کہ اللہ تعالیٰ اس کے لئے دنیا میں عذاب بھیج دے اور آخرت میں اس کے لئے جدا عذاب ہو، جس قدر میں قطع رحم اور ظلم سے خوف کرتا ہوں

Marfat.com

حضرت معاذؓ بن جبل فرماتے ہیں کہ بعض حاضرین نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کا بندوں پر کیا حق ہے۔ حاضرین نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول خوب جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حق یہ ہے کہ بندے اس کی عبادت کریں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں پھر فرمایا کہ بندوں کا حق اللہ تعالیٰ پر کیا ہے، عرض کیا اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول خوب جانتا ہے فرمایا حق یہ ہے وہ ان کو بخش دے اور ان کو عذاب نہ دے یہ بات ظاہر ہے کہ ایک شرط ایک چیز پر موقوف ہوتی ہے۔ شرط کے نہ پائے جانے سے وہ چیز معدوم ہوتی ہے پس ثابت ہوا کہ جب بندے اس کی عبادت نہ کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو نہ بخشے گا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ دو مسلمان تلواروں سے آپس میں لڑ رہے ہوں ایک مرجائے آپ ﷺ نے فرمایا قاتل اور مقتول دونوں جہنم میں جائیں گے۔ عرض کیا یا رسول اللہ مقتول جہنم میں کیسے جائے گا آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ مقتول اپنے صاحب قاتل کے قتل کرنے کی حرص میں تھا۔ حضرت ام سلمیٰؓ فرماتی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا جس شخص نے سونے اور چاندی کے برتن سے پانی پیا وہ اپنے پیٹ میں دوزخ کی آگ بھرتا ہے۔ حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اہل بیت میں سے جہنم میں داخل نہ ہوں گے مگر جس نے بغض کیا۔

یاد رہے یہ تو بغض کا حال ہے قتل کا حال تو بدرجہ اولیٰ ہوگا۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ خیبر کے سال ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تشریف لے گئے اس حال میں ایک شخص رسول کریم ﷺ کی حفاظت کر رہا تھا اسے تیر لگا وہ قتل ہو گیا لوگوں نے کہا کہ یہ جنتی ہے آپ نے فرمایا کہ یہ جنتی نہیں حنین میں ایک شخص نے شملہ لے لیا تھا جو اس کا حق نہ تھا۔ وہ آتش دوزخ بن کر بھڑک رہا ہے لوگوں نے جب سنا ان میں سے ایک شخص نے ایک تسمہ یا دو تسمہ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں پیش کئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ دوزخ کے تسمے ہیں ابو درداؓ اور ابو موسیٰ اشعریؓ نے فرمایا کہ رسول کریم ﷺ کا قول ہے کہ تین شخص جنت میں داخل نہ ہوں گے ہمیشہ شراب پینے والا قطع رحم کرنے والا اور جادو کی تصدیق کرنے والا۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ایسا شخص جس کے پاس مال ہو وہ اس میں زکوٰۃ نہ دے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ آتش جہنم سے پتھر اس کی پشت پر رکھے گا جو اس کو داغ دار کر دیں گے جب تک اپنے بندوں میں فیصلہ نہ کرلے اس روز کی مقدار پچاس (۵۰) ہزار برس کی ہوگی یہ تمام دلائل معتزلہ کے تھے جنہوں نے قرآن واحادیث سے عموم ثابت کیا ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ میرے دادا جان امام محمد باقر نے ان سے پہلے اپنی تفسیر میں مذکورہ تمام دلائل بھی بیان کئے ہیں جو ان مذکورہ آیت احادیث کے متعلقہ تھے اور انہوں نے اب جو جواب دیئے ہیں بچند وجوہ ہمارے اہل سنت کے حق میں ہیں جو ہمارے اہل سنت بیان کرتے ہیں۔ ہم نہیں تسلیم کرتے کہ شرط کے مقام پر مَنْ عموم کے لئے آتا ہے اور نہ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ جمع معرف بالام عموم کے لئے آتی ہے اس کا ثبوت، کئی طرح پر ہو سکتا ہے ان میں لفظ کل اور بعض کا کلمہ داخل ہو سکتا ہے، پس کہہ سکتے ہیں کہ جب وہ تمام میرے گھر آئیں گے میں ان کی تعظیم کروں گا یا ایک آئے تو میں اس کی تعظیم کروں گا یہ دونوں کے لئے لفظ ہے اور جب من شرط استغراق کے لئے ہوتا تو لفظ کل کے اوپر اس کی تکرار لازم آتی اور لفظ بعض کے داخل کرنے میں اجتماع النقیضین ہو جاتا، پس جمع معرف بالام کا حال بھی یہی ہے پس ثابت ہوا کہ لفظ عموم کے لئے نہیں آتا۔

2- جو الفاظ کتاب اللہ تعالیٰ میں وارد ہوئے ہیں کہیں ان سے استغراق مراد ہے کہیں بعض افراد مراد ہیں۔ اس واسطے کہ اکثر عمومات قرآن پاک کے مخصوص ہیں رسول کریم ﷺ نے بھی یہی فرمایا اور فجار یا اشتراک کے اصل کے قائل ہونا خلاف ہے۔ ضرورت کے ساتھ ایسا کہنا پڑے گا یہ الفاظ معنی کے لئے مخصوص ہیں، عموم اور خصوص کے اندر مشترک ہیں اس پر محمول کرنا چاہئے کہ ان الفاظ سے اکثر افراد کا فائدہ ہوتا ہے اس بات کی تفصیل نہیں ہونی چاہئے کہ استغراق کے لئے مفید ہوتے ہیں یا نہیں۔ اگر یہ الفاظ عموم کے لئے قطعی ہوتے تو ان کا داخل کرنا محال ہوتا۔ اس واسطے کہ تحصیل کی محال ہوتی ہے جب کہ ان کے اوپر تاکید کے الفاظ بخوبی داخل ہوتے ہیں تو معلوم ہوا کہ یہ الفاظ عموم کے لئے مفید نہیں ہوتے اگر مان بھی لیا جائے کہ یہ قطعی طور پر عموم ہیں اور بعض اعتبار پر ظنی بھی ہو سکتے ہیں اس میں دو احتمال بھی ہو سکتے ہیں یا قطعی طور پر عموم ہوں گے اگر قطعی طور پر ظنی ہوں تو یہ باطل ہوگا۔ اس پر کچھ کلام نہیں کہ اکثر کو بسا اوقات کل کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے جیسے اُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ جیسا کہ عورت کل چیز کی مالک نہیں اور اس کے پاس سب کچھ ہوتا ہے۔ اگرچہ یہ الفاظ عموم کے طور پر مفید ہوں تو ظنی طور پر مفید ہوں گے اور یہ مسئلہ مسائل ظنیہ سے نہیں اور اس لئے ان عمومات سے اس کا استدلال کرنا درست نہ ہوگا۔ اگر قطعی طور پر عموم کے لئے مفید ہوں تو شرط کے طور پر اس کا مخصص کوئی نہ ہو اس واسطے بالاتفاق عام کے لئے مخصص ہوتا ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ان کے لئے کوئی مخصص نہیں پایا

Marfat.com

جاتا اتنا کہا جاسکتا ہے کہ تلاش کرنے میں کوئی مخصص معلوم نہیں ہوا اور عدم علم سے عدم وجود ثابت نہیں ہوتا۔ جب استغراق مخصصات پر اس کا ہونا موقوف نہ ہوا جب یہ شرط نا معلوم ہے۔ تو استغراق کی حالت بھی نا معلوم ہوئی۔ ضروری ہوا کہ مدت نہ پائی جائے اس کی تاکید اس آیت سے بھی معلوم ہوتی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے پارہ نمبر ایک میں اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سے حقیقت معلوم ہو جاتی ہے تمہارے قول کے موافق اس آیت میں پہلے عدم ایمان کی خبر دی گئی ہے کہ کفار ازل سے کافر تھے۔ معدوم سے پہلے ان کا وجود ثابت ہوا۔ بہت سے کافر مشرک مشرف بہ اسلام ہوئے معلوم ہوا کہ یہ صیغہ عموم اور شمول کے لئے موضوع نہیں ہے۔ جیسا کہ رسول کریم ﷺ کے زمانے میں قرینہ موجود تھا۔

یہ جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کو اس عموم سے خصوص مراد ہے نبی پاک ﷺ کا ارشاد بھی ہے۔ امام باقر فرماتے ہیں کہ ہمارے دادا حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ سے ہم نے پوچھا اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا کی نسبت اور جب وہ ازل سے کافر تھے تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ کیسے سچا ہوتا ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ حکم عام پر اللہ تعالیٰ نے کفار کی خاصیت کو بدلنا تھا بعض وقت میں عموم کو اللہ تعالیٰ خاص فرما دیتا ہے کیونکہ وہ مالک ہے فرمایا مَایَشَآءُ وَیُثْبِتُ مٹا دیتا ہے جو چاہتا ہے اور ثابت رکھتا ہے اور اصل کتاب اسی کی ہے، فرمایا یہ عموم مطلق ہے تو اللہ تعالیٰ نے خاص کیا ازل میں یہ عموم تھا یہ کافر ہیں، پھر مَایَشَآءُ کے ساتھ یہ عموم کے لئے مخصوص ہوا۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو اس عموم مطلق سے خاص مراد ہے۔ اگر تسلیم کیا جائے کہ تخصیص کے لئے مخصص کا بیان ہونا ضروری ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ جن آیات میں لفظ عفو کا بیان ہے۔ وہ مخصص ہیں لیکن قرآن پاک کے احکام عموم مطلق ہیں اور بعض مقام پر عموم کی مراد مخصوص ہوتی ہے۔ امام باقر فرماتے ہیں یہ حدیث حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاد ہوئی جو مجموعۃ الکتاب میں موجود ہے اس کے علاوہ اکثر صحابہؓ سے بھی سنا ہے کہ خطبہ حجۃ الوداع میں رسول کریم ﷺ نے فضائل قرآن پاک کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ یہ قرآن پاک وہ حکم ہے جو حکم بلند ہے یہ اس کا حکم ہے جو علی اور کبیر ہے۔ جس طرح وہ الْعَلِیُّ الْکَبِیْر ہے فرمایا اس کا حکم قرآن پاک میں بھی العلی الکبیر ہے۔ پھر فرمایا کہ اس کا ہر حکم العلی الکبیر ہے، فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ قرآن حکم العلی الکبیر ہے اور سارے عالم کے لئے عموم ہے اس کا حکم عام ہے لیکن اس میں بعض آیات سے مخصوص مراد ہوتا ہے لیکن وہ اصلاً عموم ہیں۔ یہ حدیث نص ہے ہمارے دعویٰ میں بطور حجت ہے اس حدیث کو کافی مفسرین نے بیان کیا ہے ابدی و دائمی ہے اور یہ سارا قرآن پاک وحی جلی ہے اور مسند امام زہری میں بھی ہے۔ تفسیر امام محمد باقر اور خزینۃ القرآن میں ہے اور ہمارے دعویٰ کی تائید ہے کہ وہ آیت عفو والی آیت وعید کے لئے خاص ہیں۔ جیسا کہ حدیث نص سے ثابت ہو گیا کہ قرآن پاک کا حکم مطلق عام ہے اور اللہ تعالیٰ کی مراد بعض آیت میں خاص ہوتی ہے آیت وعید عام ہیں اور آیت عفو خاص ہیں خاص کو عام پر تقدم ہے۔ اگر تسلیم کیا جائے کہ مخصص نہیں پایا جاتا آیات وعید میں تعارض ہے لہٰذا اس کے لئے ترجیح کی ضرورت ہے، وہ ترجیح چند وجوہ سے ہمارے ساتھ ہے وجہ اول وعدہ پورا کرنا وعدہ کی صفت کرم میں بہ نسبت وعید کے کرم کو ترجیح ہے۔ بہت ساری احادیث میں یہ وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت غضب پر ثابت اور غالب ہے تو معلوم ہوا کہ وعدہ عموم وعید کے عموم سے مقدم ہوا۔ حدیث شریف میں بھی ہے حضرت امام باقر فرماتے ہیں کہ میں نے سات سو صحابہ سے یہ حدیث سنی رسول کریم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا کرم عام ہے۔ جو اس نے اپنی کلام میں فرمایا ہے یہ اس کے وعید عام پر بھی یہ عام مقدم ہے تو یہ حدیث بھی امام باقر فرماتے ہیں کہ ہمارے دعویٰ میں قوی ہے عمومات وعدہ بہ نسبت مذکورہ حدیث کے اس کو ترجیح ہے۔ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ وعید اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور وعدہ بندے کا حق ہے، وہ اس کو حاصل کرنے میں محتاج رہتا ہے صاحب خزینۃ القرآن نے اپنے دادا امام باقر کی تفسیر سے ان تمام احادیث کو نقل فرمایا ہے۔ جو رحمت کے طور پر غضب پر سابق و غالب ہیں۔ اللہ تعالیٰ غنی ہے وہ اس کی مرضی وہ اپنا حق لے یا نہ لے۔ حضرت امام باقر فرماتے ہیں کہ مذکورہ تمام آیات جو وعید کے حق میں ہیں۔ انہوں نے اپنے مجموعے میں لکھا ہے کہ میں نے ان کے بارے میں رسول کریم ﷺ سے تفسیر دریافت کی فرمایا یہ کفار کے حق میں ہے اور اس حدیث کے موافق قطعی طور پر عموم ثابت نہیں ہوتا اگر لفظ میں کوئی اعتراض کرے کہ لفظ میں عموم ہو تو اعتبار کے سبب میں خصوص نہیں ہوتا۔ بس یہی بات ہے کہ ہم نے دیکھا کہ الفاظ عام اسباب خاصہ کے اندر وارد ہوئے ہیں مراد وہی خاصہ اسباب ہیں حدیث شریف میں بھی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ و حضرت عمرؓ کو کہ جو الفاظ عام قرآن میں آئیں مگر ان کا عموم کسی وقت میں سبب خاص میں ہوتا ہے۔ امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے دعویٰ کی تائید اس حدیث سے بھی ہوئی فرماتے ہیں کہ اب کافر اور فاسق کے مابین کیا فرق ہے کہ کافر بمعنی انکار کے ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ اور رسول پر ایمان نہیں رکھتا یہ تو ہو گئی اس کی بنیاد اور فاسق جب احکام الٰہی سنتا ہے تو اس سے تجاوز کرتا ہے یہ فسق ہے تو اہل فساق کے بارے میں قرآن پاک میں جہاں بھی اعلان فرمایا ہے اصل میں وہ کفار کے لئے ہے۔ کافر اور فاسق ان میں کوئی فرق نہیں کیونکہ وہ بھی زنا کرتا

Marfat.com

کہ وہ کافر فاسق ہیں یعنی کافر وَمَا یَکْفُرُوا بِهَا اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ہے شراب پیتا ہے از روئے حدیث ﷺ یہی ارشاد ہے۔ پھر امام باقر فرماتے ہیں قرآن پاک فرماتا ہے
جب احکام الٰہی کو سن کر واضح دلائل کو ترک کر دیتا ہے تو یہ اس کے دو جرم ہوئے ایک کفر کا اور ایک نافرمانی کا امام باقر فرماتے ہیں اب ہمارے زمانہ میں صحابہ کا دور ہے
قرآن پاک میں جتنی وعید کی آیات نازل ہوئی ہیں وہ کفار و فساق دونوں کے لئے ہیں کیونکہ وعید جب بھی نازل ہوئی ہیں تو ان کا عموم کفار اہل فساق کے حق میں ہے۔
کیونکہ قرآن پاک کے نزول کے وقت تو وہ کافر ہی تھے بعد میں انہی میں سے مسلمان ہوئے تو لہٰذا وعید بھی کفار کے حق میں نازل ہوئیں۔ اب اگر ہمارے نانا کی امت
مسلمہ میں کوئی فسق کا مرتکب ہو تو اس کا فسق نیکیوں سے بھی بدلہ جا سکتا ہے۔ جیسے کہ نبی کریم ﷺ کی حدیث ہے یہ متواتر ہے جم غفیر صحابہ میں فرمایا کہ میری امت مسلمہ
میں اگر کوئی فسق کا مرتکب ہو وہ میری طرف رجوع کرے اس آیت کو پڑھ کر وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں
میری جان پاک ہے جو کوئی اہل فسق میری طرف رجوع کرے گا تو اس کا اللہ تعالیٰ فسق ختم کر دے گا۔ امام باقر فرماتے ہیں کہ یہ آیت امت مسلمہ کے لئے ضمانت ہے اور
نبی کریم ﷺ ہر کسی کے ضامن ہیں۔ فرمایا یہ آیت بھی عموم ہے اور تواتر سے ہے امام زہری اس حدیث کو مسند میں لکھتے ہوئے فرمایا کہ یہ حدیث نص ہے۔ صاحب خزینۃ
القرآن نے اپنی اسماء الرجال میں لکھا اور امام بخاری نے اس کو مرفوع اور نص کہا ہے۔ ہمارے اہل سنت کا اسی حدیث پر عمل ہے اور ہم رسول کریم ﷺ کو اپنا ضامن
سمجھتے ہیں۔ از روئے قرآن پاک اور ہمارا کسی سے تنازعہ نہیں ہم تو اپنی بگڑی بنانے کے لئے عمل کرتے ہیں امام باقر اور ابی بن کعب حضرت ابو ہریرہ حضرت ابو بکر،
حضرت عمر، حضرت عثمان و حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم نے فرمایا قیامت کے دن امت مسلمہ کے فساق لوگ میرے دامن میں پناہ لیں گے میں اس وقت تک
چین نہ لوں گا جب تک میری امت کا ہر فرد جنت میں داخل نہ ہو جائے اور انہی اصحاب نے اہل فساق جو امت ہیں ان کے بارے میں پوچھا یا رسول اللہ فساق کے
بارے میں وعیدات آ چکی ہیں فرمایا کہ وعدہ عموم وعید کے عموم پر مقدم ہے اور میری سفارش امت کے حق میں چاہے فساق ہوں تو وہ حتمی ہوگی اور قرآن پاک کی سفارش
بھی حق ہوگی پھر فرمایا کہ نیکیاں فسق کو ختم کر دیتی ہے اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ ط اور یہ حدیث بھی ہمارے دعویٰ میں نص ہے، جن مفسرین نے یہ کہا ہے کہ اہل
کبائر کو جہنم میں عذاب ہوگا انہوں نے بچند وجوہ استدلال کیا ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے بے شک اس دن کفار کے لئے برائی اور رسوائی ہوگی۔ اور وہ ذلیل و خوار ہوں
گے اس آیت سے ثابت ہوا کہ کفار کو رسوائی ہوگی جم غفیر میں اسی آیت کو نبی کریم ﷺ نے پڑھتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا بدی کے مرتکب کفار ہوں گے ماہیت کفار کی ہوگی
مزید آپ نے بھی یہ آیت فرمائی۔ فرمادو اے حبیب پاک ﷺ اے میرے بندو جب تم اپنے اوپر زیادتی کر بیٹھو میری رحمت سے ناامید نہ ہو بے شک اللہ تعالیٰ تمام
گناہ معاف کر دے گا بے شک وہ بخشنے والا مہربان ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا دیکھو اس آیت کے اندر توبہ اور عدم توبہ کا ذکر نہیں ہے۔ فرمایا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی
ہے تم کو معلوم ہونا چاہئے کہ مشرکین نے بھی کہا ہے کہ ہم کو بھی اس آیت کا حصہ ملے گا۔ جو رحمت عام ہے۔ مزید نبی کریم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے بے شک،
آپ کا پروردگار البتہ صاحب بخشنے والا ہے لوگوں کے ظلم پر نبی پاک ﷺ نے فرمایا یہ حکم عام ہے۔ اس پر کافر اور مشرک بھی خوشیاں منا رہے ہیں آیت کا تقاضا بھی عموم
میں یہی ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ یعنی شرک عظیم ظلم ہے فرمایا بجز کفر کے شرک عظیم ہے اور کافر بھی یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ محمد ﷺ پر جو یہ
آیت نازل ہوئی ہے اس میں ہمارا ذکر نہیں ہے۔

امام باقر فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے ضمن میں تقاضا یہ ہے کہ میں نے بادشاہ کو کھانا کھاتے ہوئے دیکھا۔ یہی تقاضا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مذکورہ
حدیث کے مطابق جب وہ عذاب میں ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو بخش دے گا مزید یہ فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ گناہ گاروں سے فرمائے گا کہ میں تمہارے گناہوں
کو خوش آمدید کہتا ہوں کہ تم نے یہ سمجھا ہے کہ ہمارا رب غفور الرحیم ہے۔ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ ظلم کے وقت توبہ کرنا ان سے محال ہوتا ہے فرمایا آیت کا تقاضا یہی ہے
کہ کافر بھی بخشے جائیں کیونکہ شرک کے علاوہ کفر کا عمل علیحدہ ہوا بجز اس کے کہ آیت کا تقاضا جب کہ عام ہے فرق یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ کفر کا درجہ گناہوں
سے زیادہ ہے لیکن آیت کا تقاضا اپنی جگہ پر مبنی ہے جیسا کہ ارشاد ہے کہ جب وہ کفار جہنم میں ڈالے جائیں گے تو داروغہ ان سے پوچھے گا کہ تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا
نہیں آیا تھا کہیں گے آیا تھا ہم نے تکذیب کی تھی اور کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے تو کوئی سند نازل ہی نہیں کی تھی۔ مگر تم بڑی گمراہی میں تھے کفار کے بھی دو درجے ہیں ایک درجہ
وہ جو مکذب ہے اس مذکورہ آیت میں ہے۔ مکذب کفار کے بارے میں ہے جب کہ بعض کفار کے بارے میں نہیں اور انہیں کفار کے بارے میں ماقبل ارشاد ہے کہ ان کفار
کے لئے عذاب جہنم ہے۔ وہ جہنم بہت بری جگہ ہے تو ثابت ہوا کہ یہ وعید مکذب کفار کے بارے میں ہے...... اور مابعد والی آیت میں عموم مراد نہ ہو یہ قول کفار کے حق میں

Marfat.com

نہیں ہے عام غیر مسلم کے لئے بھی ہے۔ جیسا کہ نصاریٰ یہود نے کہا تھا کہ محمد ﷺ پر اللہ تعالیٰ نے کوئی سند نہیں اتاری ثابت ہوا کہ وہ مَآ اَنۡزَلَ اللّٰهُ کہتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم نہ بدلہ دیں گے مگر ناشکرے کو اس آیت میں لفظ کفور استعمال ہوا ہے۔ اس سے بھی یہود نصاریٰ مراد ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی دو قسمیں بیان کی ہیں ایک وہ جن کا منہ روشن ہوگا اور دوسرے قسم کے لوگوں کے منہ سیاہ یعنی کالے ہوں گے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایمان لانے کے بعد تم نے کیوں کفر کیا ظاہر ہے کہ اس آیت میں بھی کفار کی رسوائی ہے جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس دن کفار رسواء ہوں گے اپنی بداعمالی اور کفر کی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ صاحب کبیرہ کو جہنم میں داخل فرمائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی تین قسمیں بیان فرمائی ہیں ایک سَابِقُوْن ، اَصْحَابُ الْمَيْمَنَه ، اَصْحَابُ الْمَشْئَمَه ، اصحاب الميمنة اور سابقون جنت میں ہوں گے۔ اصحاب المشئمه یہ جہنم میں ہوں گے جو یہ کہتے ہیں کہ ہمارے باپ دادا مر چکے۔ ان کی ہڈیاں بوسیدہ ہوگئیں۔ وہ کیسے زندہ ہوں گے۔ تو ظاہر ہے کہ کفار کے بجز دوسرے لوگ جہنم میں داخل نہ ہوں گے کہ صاحب کبیرہ جہنم میں نہ جائے گا۔ اس کا بیان فقیر وَالَّذِیْنَ یُوْمِنُوْنَ کی تفسیر میں کر چکا ہے۔ امام باقر فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا یہ بات قطعی عموم سے ہے۔ قرآن پاک نے واضح کر دیا ہے کہ مومن جہنم میں نہ جائے گا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اس دن نبی اور جو اس کے ساتھ ایمان لائے ہیں رسواء نہ ہوں گے۔ آپ نے فرمایا کہ اس دن کفار کے لئے رسوائی اور برائی ہوگی۔ آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی کہ جو لوگ اللہ کا ذکر کرتے ہیں کھڑے ہو کر بیٹھ کر پہلو کے بل مزید فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو لوگ ایمان لے آئے ہیں اس پر اے حبیب پاک ﷺ جو آپ ﷺ پر نازل کی گئی ہے۔ جو آپ سے پہلے نازل کی گئی ہے۔ اس آیت میں بھی مومنوں کی صفت بیان فرما کر مومنوں کو مفلحون فرمایا اور مومنوں کی فلاح کی ضمانت فرمائی۔ اور فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میری رحمت ہر چیز سے وسیع ہے۔ فرمایا کہ رحمت جب ہر چیز پر وسیع ہے تو گناہ بھی اس کے اندر شامل ہیں۔ اس قسم کی کافی آیات ہیں جن کی تفسیر خزینۃ القرآن تفسیر وامام باقر میں مذکور ہیں۔

اب مسلک اہل سنت نے جن آیات سے استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ صاحب کبیرہ کو جہنم میں داخل فرمائے گا اور بعد میں نکال لے گا۔ نیز امت کا اجماع بھی اسی پر ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو بخش دے گا نیز یہ بھی امت کا اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو عفو فرمائے گا۔

حجت اوّل:

حدیث شریف میں ہے کہ نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہی تو ہے جو تمہاری توبہ کو قبول کرتا ہے۔ اور تمہارے گناہوں کو معاف کرتا ہے معلوم ہوا کہ عفو کا لفظ عذاب کے سقوط کے لئے ہے جو عذاب کے مستحق ہیں نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ عَفُوُّ اللّٰہ کا نام ہے یہ نام انہیں کے لئے ہوگا جو عذاب کے مستحق ہیں اللہ تعالیٰ کا یہ نام قیامت کو کرم پر ہوگا۔

اس حدیث سے واضح ہوا کہ عفو انہیں کے لئے ہے جو عذاب کے مستحق ہیں ورگرنہ جو عذاب کا مستحق ہی نہ ہو تو ان پر عفو کیسے ہوسکتا ہے ہمیشہ کسی سے کوئی قصور ہوتا ہے اس کو اس کے قصور کی معافی دی جاتی ہے۔ اگر قصور بھی نہ ہو تو معافی کس چیز کی ہوگی۔ معلوم ہوا کہ معافی قصور کے وقت ہوتی ہے۔ یہ ارشاد ہے وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی اور تم معاف کر دو یہ بہت بڑا ہے اور تقویٰ کے قریب ہے۔ معلوم ہوا کہ عفو عذاب کو ساقط کرنے کے لئے ہوگا، جیسا کہ ارشاد ہے کہ تم کو مصیبت اس وقت پہنچتی ہے جب تم اپنے ہاتھوں سے کسب کرتے ہو پھر وہ تمہیں معاف بھی کر دیتا ہے پھر ان دونوں آیتوں کو دیکھو وَمِنْ اٰیٰتِهِ الْجَوَارِ اَوْ یُوْبِقْهُنَّ ثابت ہوا کہ عفو سقوط کے لئے ہے۔ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ عفو اس چیز کو سمجھو جو کسی چیز کا نام مٹادے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ میری امت کے گناہوں کو مٹادے گا۔ نبی کریم ﷺ پڑھا کرتے تھے اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ اور اللہ تعالیٰ ان کو مجرم بنا کر ان کو معاف نہ کرے ایسا امر قبیح ہے جو اس کی الوہیت سے خارج ہے۔ اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ یہ آیات صرف دنیا کے عذاب کے لئے ہیں جواب یہ تاخیر آخرت کے لئے ہے جیسا کہ اوپر حدیث سے واضح ہو چکا ہے اور فرماتا ہے پھر ہم نے ان کو معاف کر دیا۔ اس کے بعد معلوم ہوا کہ اس کے اندر عفو ثابت ہوگئی کہ جو اس دور میں بھی عفو ہے وہ آخرت میں بھی عفو ہوگا امام باقر و سعید ابن جبیر فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ عفو اللہ کی دائمی صفت ہے جو ابدالاباد تک ہے۔

Marfat.com

حجت دوئم:

اللہ تعالیٰ کی ذات نے جن آیات میں غفور اور غفار فرمایا اور غافر فرمایا ہے یہ بھی فرماتا ہے کہ غافر الذنب اس آیت کو نبی پاک ﷺ نے پڑھ کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں ہوگی۔ گناہ گار اس میں نہائیں گے۔ جس طرح انسان نہر کے پانی میں نہالیتا ہے اور وعدہ کے حق میں قرآن پاک میں کافی آیات ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ ہر ایک پر باری باری بحث ہوگی۔ ثواب کے اوپر کیا رحمت ثواب کے لئے مخصوص ہوگی یا عذاب کے لئے۔ اگر کوئی نیکی کرے گا تو اس کو نیکی کے بدلے جزاء ملے گی یہ رحمت نہیں چونکہ اس مثال کو لیا جائے کہ اگر کسی شخص نے کسی سے سو (۱۰۰) دینار لینے ہیں تو وہ اس کو ادا کر دیتا ہے یہ نہیں ہے کہ دینے والے نے اس پر رحمت کی بلکہ اس نے اپنا قرض ادا کیا جو اس پر واجب تھا جس طرح کوئی سلطان معظم کسی امیر کبیر کو کوئی ریاست دے دیتا ہے تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس نے رحمت کی بلکہ یہ اس پر انعام کی شکل ہوگی اب رحمت کا بھی یہ حال ہے مہربانی صرف ان پر ہوگی جو عذاب کے مستحق ہیں تفسیر امام باقر ابی بن کعب اور ابوالعالیہ امام ابوسفیان ثوری خزینۃ القرآن میں حدیث ہے۔ بحوالہ اسناد امام محمد باقر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ان لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی رحمت ہوگی جو عذاب کے مستحق ہیں فرمایا اللہ تعالیٰ کی رحمت دائمی ہے اور ابدالاباد ہے۔ فرمایا دنیا کی نسبت قیامت کے دن زیادہ رحمت ہوگی اجماع امت کا اسی پر اتفاق ہے لیکن فرقہ وعیدیہ فرقہ معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ صغائر اور کبائر میں تخفیف نہ ہوگی۔ صرف بعض صغائر میں تخفیف ہوگی یہ بالکل باطل ہے۔ تفسیر امام محمد باقر میں ہے میرے دادا حضرت علیؓ نے اپنے مجموعہ میں لکھا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی اِنَّ اللہ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ یعنی بے شک اللہ تعالیٰ شرک کو نہیں بخشے گا باقی جو اس کے سوا چاہے گا بخش دے گا۔ فرمایا اس آیت نے میرا حوصلہ بلند فرما دیا ہے کہ شرک کے سوا باقی تمام گناہ توبہ یا قبل توبہ معاف فرمادے گا۔ فرمایا یہ آیت آخرت میں میری امت کے لئے توشہ ہے فرمایا کافر دنیا میں بھی ذلت میں ہوں گے اور آخرت میں بھی ذلت میں ہوں گے فرمایا لفظ ما کے اندر شرک کے سوا کل کے لئے عموم ہے۔

حدیث دوئم:

حضرت ابوبکر اور حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن رب العزت وَیَغْفِرُ مَادُوْنَ اپنے فضل کے ساتھ زانی، قاتل، شرابی کو بھی، اس آیت کا فائدہ ہوسکتا ہے رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ یہ حکم مادون کا عام ہے آپ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے اس کو اس معنی سے تعبیر فرما کر پڑھا اِنَّ اللہ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ کُلَّ مَادُوْنَ وَبَعْدَ مَادُوْنَ پھر فرمایا کہ مجھے قوی امید ہے کہ کُلَّمَا دُوْنَ ہوگا۔ حضرت امام باقر وابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ کے مجموعہ میں ہے کہ صحابہ کرام و حضرت علی فرماتے ہیں کہ جمعہ پڑھ رہے تھے کہ نبی کریم ﷺ نے اسی آیت کو پڑھا کہ قیامت کے دن میری امت کے اہل کبائر اور اہل صغائر جنت میں جائیں گے۔ اس آیت کی تفصیل میں یہ آیت پڑھی وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ فرمایا کہ میں اس کا پیارا حبیب ہوں اور رحمت بھی اس کی وسیع اور عام ہے اور میری امت کے اہل کبائر بھی جہنم میں جائیں تو وہ رحمت کس کے لئے ہوگی۔ جب کہ وہ اس بات پر خوش ہے کہ میری رحمت عام ہے۔ فرمایا کہ رحمت کے عام ہوتے ہوئے گناہ باقی رہیں اور عذاب بھی اسقاط نہ ہو تو رحمت کا اظہار پھر کیسے ہوگا۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کو کس پر عام فرمائے گا۔ جیسے کوئی نہر میں نہائے پھر یہ خیال نہیں کرسکتا کہ میرے وجود پر نجاست رہ گئی ہے اس کو امید ہو جاتی ہے کہ نہر میں نہانے سے میری نجاست دور ہو چکی ہے یعنی نہر کے پانی سے اس غلاظت کا مقابلہ بھلا اس پانی سے ہوسکتا ہے۔ صحابہؓ نے کہا نہیں۔ پھر فرمایا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی رحمت وسیع طور پر بے کنار سمندر کی طرح موجیں مار رہی ہوں گی تو میری امت کے کبائر گناہ کو بھی اس سے ایک قطرہ مل جائے گا۔ جیسے سمندر سے ایک قطرہ پانی کا لو تو سمندر سے ایک قطرہ کم ہوسکتا ہے۔ وہ قطرہ نکل سکتا ہے فرمایا اللہ تعالیٰ کی رحمت بے کنار سمندر سے ایک قطرہ نکلا ہوا۔ اس سمندر میں ایک قطرہ کی کمی بھی واقع نہ ہوگی۔ فرمایا وہ قطرہ جو اس رحمت بے کنار سے ملے گا وہ بھی ایک سمندر بے کنار کی نسبت ہوگا جو میری امت سے کم نہ ہوگا۔ پھر فرمایا جو آیا ہے۔ وعید میں آیات وعدہ کا عموم زیادہ ہے اور آیات بھی بکثرت ہیں محدثین اور مفسرین نے بھی اس حدیث کو نص کہا ہے پس یہ حدیث فرقہ معتزلہ کے تمام اعتراضات کو باطل کر دیتی ہے، کثرت اوّل میں ترجیح دینا شرع میں ایک معتبر امر ہے۔ اصول فقہ میں یہ ثابت ہو چکا ہے کہ نیکیاں بدی کو ختم کر دیتی ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے بے شک نیکیاں برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں اور ارشاد ہے کہ جو شخص نیکی کے ساتھ آیا اس کا اجر کئی گناہ ہے۔ جو برائی کے ساتھ آئے گا اس کو اس کی مثل ہے مزید نیکیوں کے بارے میں ارشاد ہے مثال ایک دانے کی اس میں سات سال ہوتے ہیں ہر ایک میں سو دانہ اور اللہ تعالیٰ دوگنا کرتا ہے۔ یعنی دوگنا عطا فرماتا ہے حدیث شریف میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ مسلمان کی ایک نیکی کو اتنا بڑھا دے گا کہ اس کے گمان سے باہر ہوگا۔ فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے کرم کی صفت ہے وعید تو اس کے کرم کے مقابل کچھ بھی نہیں آپ ﷺ نے یہ فرمایا دیکھو اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء والی آیت کو اِنَّ اللہ لَا یَغْفِرُ اس کو دو مرتبہ نازل

Marfat.com

فرمایا ہے۔فرمایا یادرکھو اس آیت میں وضاحت کردی گئی ہے کہ عدم توبہ سے اصل کبائر کے گناہ معاف ہوں گے۔اگر توبہ کے ساتھ ہو تو اس آیت کے کچھ معنی نہ ہوں گے حدیث سے بات واضح ہوگئی کہ مــادونَ کا محمول عدم توبہ پر ہے۔کیونکہ اس آیت میں اسی امر کی وضاحت ہے آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نیکی کو بدی پر ترجیح دیتا ہے کامل طور پر جیسا کہ فرمان الٰہی ہے کہ ایک نیکی کی مثل دس گناہ یعنی ایک برائی کرو تو اس کے بدلے صرف جزا ہوگی۔تو اللہ تعالیٰ نے نیکی کو ترجیح دی ہے سورۃ النساء میں یہ بھی ارشاد ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے ہم عنقریب ان کو جنت میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں وہ ان میں ابدالاباد تک ہیں گے اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ حق ہے اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ کون سچ کہنے والا ہے۔معلوم ہوا کہ اس وعدہ کو حق اور سچ کے ساتھ فرمایا گیا اور وعید کے بارے میں کہیں بھی وعید اللہ تعالیٰ نہیں فرماتا نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ وعدہ کی آیات تاکید کے لئے ایک سورۃ سے دوسری سورتوں میں بھی نازل ہوئی ہیں۔جب کہ آیات وعید ایسی نہیں ہیں تو لہٰذا ثابت ہوا کہ اس وعدہ میں اہل کبائر بھی شامل ہیں بجز کفار اور مشرکین کے۔

یہ جو ارشاد ہے مَایُبَدَّلُ الْقَوْلُ نبی کریم ﷺ نے فرمایا یہ آیت وعدہ اور وعید دونوں کو لازم ہیں بلکہ وعدہ کو زیادہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو برائی کا عمل کرے گا یا ظلم کرے گا اپنے پر پھر اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگے گا وہ اللہ کو غفور رحیم پائے گا نبی کریم ﷺ نے اس آیت کے بارے میں فرمایا اے صحابہ اس میں طلب استغفار ہے اور استغفار توبہ کے لئے غیر ہوتی ہے جب بھی وہ اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگے گا بخش دے گا نیز ارشاد ہوتا ہے جو شخص برائی کمائے گا اس کی برائی اسی پر ہوگی۔

اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے اس آیت میں یہ نہیں فرمایا کہ جو شخص برائی کرے گا میں اس کو عذاب دوں گا بلکہ اس کی حقیقت بخشش کی طرف ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نیکی کو ترجیح دیتا ہے آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔اگر تم نیکی کرو گے تو وہ نیکی تمہارے لئے ہوگی۔اگر برائی کرو گے تو وہ بھی تم پر ہوگی فرمایا کہ نیکی کے لئے اس میں تکرار ہے۔مذکورہ حدیث میں یہ ہے کہ نیکی کو تکرار سے فرمایا برائی کو خفیہ رکھا اس میں نیکی کو ترجیح ہے۔بیان ہو چکا ہے کہ اعادہ تاکید کے لئے ہوتا ہے اور آیت وعید میں اعادہ تاکید کے لئے نہیں ہوا بلکہ لفظ خاص ہیں حدیث شریف میں ہے کہ صحابہ کرام نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے سنا کہ وعدہ میں آیات کو عموم سمجھو جو اہل کبائر کے حق میں ہیں اور وعید کی آیات کفار فساق کے لئے ہیں حدیث سے مسئلہ واضح ہوگیا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کے غافر اور غفور ہونے کا اور رحمٰن ہونے کا بکثرت ذکر ہے اور رحمت والی حدیث بھی تواتر سے ہے اللہ تعالیٰ غفران بھی ہے اور رحیم اور کریم ہے اگر وعید کو لیا جائے تو قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کے کریم ہونے کی صفت بلاشبہ بکثرت موجود ہیں۔وعدہ کو وعید پر عموم ہے نبی کریم ﷺ کی حدیث ہے کہ سب سے بڑی نیکی اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا ہے۔حضرت امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ یا اللہ تعالیٰ میں تجھ پر اور تیرے حبیب ﷺ پر ایمان لے آیا تو اس میری نیکی کو قبول فرمالے جو تمام نیکیوں سے عظیم نیکی ہے مفسرین نے آپ کی اس بات کو بہت سراہا ہے۔ بیان ہو چکا ہے دلیل کے ساتھ وَيَغْفِرُ مَادُوْنَ اگر یہ توبہ کے بعد ہو تو اس کے کچھ معنی نہ ہوں گے۔یہ عدم توبہ پر محمول ہے اب ہم ان کا ذکر کرتے ہیں جو معصیت کو حلال سمجھتے ہیں۔تو صرف عموم کی تخصیص لازم آتی ہے اور تخصیص کا پایا جانا اس کی نسبت آسان ہے معتزلہ نے یہ ثابت کیا ہے کہ فاسق پر لعنت ہوتی ہے۔ارشاد ہے اور اللہ تعالیٰ کا غضب اس پر اور اس کی لعنت اس پر اور ان کے لئے ہم نے عذاب عظیم تیار کر رکھا ہے اس پر معتزلہ کو ہم یہ جواب دیتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ قاتل پر جب حد لگ جاتی ہے تو وہ دنیا میں اس کے لئے عذاب ہوتا ہے وہ يَغْفِرُ مَادُوْنَ کی ذیل میں آجائے گا۔اسی طرح معتزلہ نے یہ آیت بھی بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے ظالموں پر تو اس کا بھی وہی جواب ہے۔جو آیت کی تفسیر میں حدیث ہے اسی طرح چور مرد کے لئے جو حد مقرر ہے وہ بھی دنیا میں اور زانی کے لئے جو ارشاد ہے جب تم ان کو عذاب دو تو ایک مومنوں کا گروہ ساتھ ہو تو یہ آیت بھی دنیا کے عذاب میں ہے نبی پاک ﷺ نے فرمایا جب ان کو حد لگائی جاتی ہے تو اس وقت بعدہٗ پاک ہو جاتے ہیں معلوم ہوا کہ تمام آیات کا عموم دنیا میں ہے اور آیات اُخروی جن کا تعلق آخرت سے ہے وہ بکثرت ہیں اور ان کے ساتھ جو احادیث ہیں وہ بھی متواتر ہیں۔

معتزلہ نے جب یہ کہا ہے کہ ملعون منافق ہو چکے ہیں تو فاسق کے لئے رسوائی ہے۔اور فاسق کے لئے جب حد ثابت ہوگئی تو معلوم ہوا کہ آیت وعید کا تقدم آیات وعدہ پر ہوا جو عام ہیں خاص کو عام پر ترجیح ہوتی ہے جب کہ یہ ارشاد ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِيْنَ تا آخر معلوم ہوا کہ فساق کے لئے دنیا میں بھی رسوائی ہے۔اور آخرت میں بھی بڑے عذاب کے مستحق ہوں گے کیونکہ عذاب اور منافع یہ دونوں چیزیں جمع نہیں ہو سکتیں معتزلہ کہتے ہیں کہ امت کا اس پر اجماع ہے۔

جواب: جب کہ ہم اپنے دعویٰ میں پہلے کہہ چکے ہیں کہ وعدہ کی آیات عام میں اور دنیا میں بھی جیسے کہ فاسق کے لئے حکم آیا ہے اور فرماتا ہے جب وہ تمہارے پاس آئیں ایمان لائیں ہماری آیتوں کے ساتھ آپ انہیں فرمادیں اے حبیب پاک ﷺ تم پر سلام ہو تمہارے پروردگار نے اپنی ذات پر تمہارے لئے رحمت لکھ دی ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو رحمت اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پر لکھ دی ہے وہ بے کنار سمندر ہے اور میری امت کے اہل کبائر اس میں غوطہ زن ہوں گے عذاب پر رحمت

Marfat.com

غالب ہے اور آپ نے فرمایا میری امت کے اہل کبائر لوگ اس رحمت کا حق رکھتے ہیں نبی پاک ﷺ نے فرمایا یہ انعام میری امت کو ایمان لانے کی دولت لانے میں نصیب ہوئی۔ جس طرح آیاتِ وعدہ آیات وعید کے معارض ٹھہرتی ہیں قرآن کی کوئی آیت بھی ایک دوسری کے معارض نہیں ہوتی صرف سمجھ کا خیال ہوتا ہے اول یہ کہ جو دنیا میں چور اور زانی پر حد لگائی جائے اور آخرت میں بھی ان کو عذاب دیا جائے تو یہ جزا کے خلاف ہوگا۔ جیسا کہ چور کی سزا ہاتھ کاٹنا ہے تو اگر اس کے بعد بھی اس کو عذاب ہو یہ فائدہ کے خلاف ہے کیونکہ جزاء اس کو کہتے ہیں جو پوری دی جائے جس طرح چور کے ہاتھ کا کاٹنا اس کی جزا ہے تو اس سے یہ عذاب نہیں ہے۔ یہ جزا ہے اس کے بعد توبہ کرے یا نہ کرے تو یہ اس پر مشروط ہے۔ اب فقیر یہ بیان کر چکا ہے آیات وعید اور آیات وعدہ اب ہم ان کو تطبیق دیتے ہیں اول یہ کہ پہلے ان کو ثواب دے، پھر عذاب، امام باقرؒ فرماتے ہیں یہ باطل ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا اگر میرے امتی جہنم میں گئے تو بعد میں میری سفارش سے ان کو دار ثواب کی طرف بھیج دیا جائے گا۔ اس بات پر امت کا اجماع ہے کہ نبی کریم ﷺ کی شفاعت اہل کبائر کے حق میں ہوگی پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اب اس بات کو بیان کرتے ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ بے شک تمہارے تمام گناہ بخش دوں گا آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے مستقبل اور حال میں قوی امید ہے اور آیت میں بھی صراحت ہے آگے فرمایا اللہ تعالیٰ مزید فرماتا ہے کہ میری طرف رجوع کرو۔ فرمایا رجوع سے بھی یہ سمجھو کہ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے اب اس پر کلام ہو چکا ہے مزید تفصیل تفسیر خزینۃ القرآن و تفسیر امام باقر میں موجود ہے اب ہم آیت مذکورہ کی طرف رجوع کرتے ہیں ہم آیت کی تفسیر میں اختصار کرتے ہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ گناہ کا احاطہ ظاہری باطنی طور پر کافر کو محیط ہوتا ہے اور کافر زبان اور دل سے ایک جیسا رہتا ہے اور دوسرے اعضاء سے گناہ بھی کرتا ہے تو یہ کافر کی خاصیت ہے فرمایا مومن دل سے اقرار کرتا ہے اور ظاہر ان سے گناہ ہو جاتے ہیں فرمایا اَصْحٰبُ النَّارُ میں کفار ہوں گے۔ جو اس میں ہمیشہ رہیں گے اہل کبائر کو میری سفارش سے نجات ہوگی۔

قال اللہ تعالیٰ: وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ج هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ع

ترجمہ: اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے وہی لوگ جنت میں رہنے والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

جاننا چاہئے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ قرآن پاک کے اندر یہ خاصہ ہے کہ جہاں وعید کا ذکر ہوا ہے، وہاں وعدہ کا ذکر بھی ہوا ہے کیونکہ ذات باری کا عدل قائم ہو جاتا ہے جس طرح کفار کو ان کے کفر پر سزا دے گا اسی طرح نیکوں کو ان کا ثواب عطا فرمائے گا۔

حدیث دوئم:

حضرت امام باقر اور ابی بن کعب حضرت علی سے بیان کرتے ہیں رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ ایمان سے عمل خارج ہیں کیونکہ ایمان شرط ہے اسی لئے اٰمَنُوْا کے بعد عَمِلُو الصّٰلِحٰتِ فرمایا گیا ہے۔ فرمایا اعمال ایمان کے بعد ہیں اور حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ایمان چابی ہے اور اعمال تالا ہے اور اسی طرح اٰمَنُوْا کا مقدر ایمان ہے۔ فرمایا کہ ایمان مقدم ہے۔ اور امام ابوسفیان ثوری مجاہد طاؤس ابوالعالیہ سعید بن جبیر تفسیر سعدی اس پر سب نے اتفاق کیا ہے کہ اس کی تفسیر رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق ہے۔ اور باقی مفسرین نے اقوال بیان کئے ہیں وہ برعکس ہیں۔ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ ان پر تاویل کرنا درست نہیں۔

حدیث سوئم:

ابی بن کعب، حضرت ابن عباسؓ، امام باقرؒ، مجاہد، صاحب خزینۃ القرآن بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص نیک عمل کرتا ہے اس سے کوئی کبیرہ گناہ ہو جاتا ہے تو وہ بھی آیت کے ذیل میں آئے گا کیونکہ فرمایا نیکی گناہ کو ختم کر دیتی ہے بعض مفسرین نے یہ کہا ہے کہ ایمان لانے کے بعد تمام اعمالِ صالح اچھے ہوں گناہ مٹا دیتے ہیں۔ جب تک وہ توبہ نہ کرے لیکن حدیث سے واضح ہو گیا کہ جس طرح نیکی گناہ کو مٹا دیتی ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا اللہ کی رحمت اتنی وسیع ہے کہ ایک نیکی بھی تمام گناہوں پر غالب آجاتی ہے فرمایا جب مومن خوف اور رجا کرتا ہے تو ان دونوں کا وزن برابر ہوتا ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ یہ وعدہ اس کی کمال رحمت سے ہے جو سبب معرفت حاصل ہوتا ہے اور وعید کمال حکمت سے ہے فرمایا کہ تمام مومنین کو یہ خلود لازم ہے جس طرح کفار کے لئے خلود ہے جہنم میں اور اہل کبائر بھی خلود جنت کے حق سے دور نہیں۔

Marfat.com

قال اللہ تعالیٰ: وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ (۸۳)

ترجمہ: اور جب ہم نے میثاق لیا بنی اسرائیل سے کہ تم نہ عبادت کرو اللہ کے سوا کسی کی اور والدین کے ساتھ احسان کرو۔ رشتہ داروں، یتیموں اور مساکین کے ساتھ اور لوگوں کے ساتھ اچھی بات کرو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو، پھر تم اس سے پھر گئے مگر تم میں سے تھوڑے (قائم رہے) اور تم منہ پھیرنے والے ہو۔

جاننا چاہئے یہ دوسری قسم کی نعمت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو بنی اسرائیل پر بڑی نعمت فرمائی۔ ان کو نعمت جنت عطا فرمانے کا وعدہ کیا اور جو نعمت عطا کی جائے وہ بھی ایک بڑی نعمت ہوتی ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ان نعمتوں کے ساتھ مکلف بھی فرمایا ان کو حکم ہوا کہ تم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ اس میں چند مسائل ہیں۔

مسئلہ اوّل:

تَعْبُدُوْن کی بجائے قرأت میں ابن کثیر حمزہ اور کسائی نے يَعْبُدُوْن پڑھا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان میں غیب کی خبر دی ہے کہ وہ بنی اسرائیل غیب تھے اب ہم نے یہ دیکھنا ہے کہ یہ خطاب غیب کو ہے یا حاضر کو ابی بن کعب اور سعید بن جبیر اور حضرت عبداللہ ابن عباس اور حضرت امام محمد باقر، حضرت علی فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے زمانہ کے یہودیوں کو عبادت کا حکم دیا ہے جیسا کہ ان کے پہلوں کو بھی حکم دیا گیا تو مشہور قرأت تَعْبُدُوْن اسی حدیث سے مشہور ہے کلام کے سیاق وسباق سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ لَا تَعْبُدُوْنَ کے بعد فرمایا گیا ہے یہ امر حاضر کا صیغہ ہے۔

مسئلہ دوئم:

اس میں پانچ اقوال ہیں۔

قول اوّل:

لَا تَعْبُدُوْن ترکیب میں اَن کے ساتھ واقع ہے۔ اور اَن کو ساقط کیا گیا ہے۔ حاضر کی تقدیر اس پر حاضر کی گئی ہے۔ اور اَن کا عطف اس پر موقوف کیا گیا ہے۔ اس کو اخفش فرا، قطرب اور زجاج علی بن عیسیٰ اور ابومسلم نے روا رکھا ہے۔

قول دوئم:

اور اس میں قول دوم کو قطرب وغیرہ یوں کہتے ہیں وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْل غیر عابدین الا اللہ روا رکھا ہے۔

قول سوئم:

قطرب کا قول ہے کہ یہ حال کی جگہ پر ہے اور محل نصب میں واقع ہے۔

قول چہارم:

لا تعبدون نہی کے محل میں ہے۔ لیکن خبر میں مطلق کیا گیا ہے۔ مشہور قول یہی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو غیر کی عبادت کرنے سے منع کیا اور مشہور قرأت بھی اسی پر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو عبادت کرنے کا حکم دیا انہوں نے اس میں سستی کی اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو تنبیہ فرمائی۔

قول پنجم:

تقدیر عبارت یوں ہے الا تعبدوا اور فعل ان کے میثاق کا بدلہ واقع ہوا ہے گویا کہ یہ معنی ہیں کہ ہم نے بنی اسرائیل سے توحید کا عہد لیا۔

مسئلہ سوئم:

Marfat.com

حدیث شریف میں ہے ابی بن کعب سعید بن جبیر حضرت علی کے مجموعہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ یثاق ضروریات دین سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو غیر کی عبادت سے منع فرمایا اس میں یادرکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ پر جو چیزیں واجب ہیں ان کو واجب سمجھو۔ جو تمہارے علم میں آئیں اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے ساتھ یہ بتلادیا کہ جو چیزیں میری ذات کے لئے واجب ہیں ان کو واجب سمجھو اور میری واحدانیت پر اقرار کرو لَا تَعْبُدُوْنَ میں کلام ظاہر ہوا اس میں علوم قرآن اور علوم حدیث اور علوم فقہ اسی سے ماخوذ ہوسکتے ہیں۔

صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ میرے دادا حضرت امام باقر نے قرآن پاک کے ایک ایک لفظ سے 50 ہزار سے زائد مسائل نکالے ہیں اور اپنے دادا حضرت علی کی تفسیر کی مطابقت کی ہے اسی طرح مفسرین نے قرآن پاک سے مسائل کو اخذ کیا۔

مسئلہ :

عبادت الٰہی کے بعد والدین کے ساتھ احسان فرمانے میں کئی وجوہ ہیں اس کی نعمت کا شکر ہی بجالانا بڑی نعمت ہے بندوں پر اس کا شکر بھی تمام شکروں پر مقدم ہونا چاہئے۔

مسئلہ چہارم:

وَاَحْسِنُوْا بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَاناً زجاج کا قول ہے بعض کہتے ہیں اس کی تقدیر وَبِالْوَالِدَیْنِ احسانا ہے اس واسطے کہ اس وقت میں بالوالدین کے معنی خوب حاصل ہوں گے اور احسنوا بالوالدین احسان کے معنی اچھے طور پر نہیں ہوسکے بلکہ الوالدین ہونا چاہئے تھا۔ بعض کہتے ہیں یہ نصب خبر کی وجہ سے ہے۔ گویا یہ معنی ہیں ان تعبدوا واحسنوا اور عطف علی المعنی ہے۔

مسئلہ پنجم:

احادیث:

حدیث نمبر 1:

ابی بن کعب سعید بن جبیر ابی قتادہ امام باقر اور حضرت علیؓ فرماتے ہیں رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ دنیا میں انسان کے لئے اللہ تعالیٰ کے بعد والدین کا احسان ہوتا ہے وہ بچپن میں ان کی تربیت کرتے ہیں اور ان کی پورے طور پر حفاظت کرتے ہیں فرمایا حقیقت میں ان کا موثر خالق ہوتا ہے اور ظاہراً والدین ہوتے ہیں۔

حدیث نمبر 2:

حضرت علی فرماتے ہیں کہ صحابہ کے جم غفیر میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے بعد والدین جتنا احسان کرتے ہیں۔ اتنا کوئی نہیں کرتا اور اللہ تعالیٰ کی نعمتیں یوں ہیں کہ اللہ تعالیٰ جب نعمتیں عطا فرماتا ہے نہ ان سے کوئی عوض مانگتا ہے اور نہ ان سے احسان جتلاتا ہے اور والدین بھی ایسا کرتے ہیں جب ان کی تربیت میں نہ ان سے کوئی عوض مانگتے ہیں اور نہ احسان جتلاتے ہیں آپ ﷺ نے مزید فرمایا کہ والدین اولاد کے لئے مال اکٹھا کرتے ہیں اور ان کو ضائع نہیں کرتے۔ اور ایک ایک چیز ان کے لئے اکٹھی کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی اسی طرح مہربانیاں اور نعمت والدین سے بھی زیادہ ہیں۔ وہ بھی اپنے بندوں کے لئے ان کی نیکیوں کو اکٹھا فرماتا ہے۔ فرمایا کہ والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو۔

حدیث نمبر 3:

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ جمعہ کا خطبہ فرمارہے تھے اور والدین کے متعلق ارشاد فرمارہے تھے تو صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ والدین اگر کافر ہوں تو اس صورت میں ہم کیا کریں اسی آیت کو تلاوت فرما کر ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں والدین کے ساتھ احسان کرنے کا حکم دیا ہے اور اس میں کافر اور غیر کافر کی تخصیص نہیں کی۔ اور فرمایا کہ والدین کافر ہوں چاہے غیر کافر ان کی تعظیم کرو۔ آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اے

Marfat.com

حبیب پاک ﷺ آپ کے پروردگار نے یہ حکم فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ احسان کرو مزید فرمایا کہ والدین کے سامنے اُف تک نہ کہو۔ فرمایا اے حبیب پاک ﷺ آپ فرمادیں اے پروردگار تو ان دونوں پر رحم فرما جس طرح انہوں نے مجھ کو بچپن میں پالا آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس آیت میں والدین کی تعظیم کا حکم دیا گیا ہے اور ان کی تعظیم فرض ہے اور اگر والدین کافر ہوں تو کوشش کر کے ان کو مسلمان کرلو یہ بھی تمہارے اوپر ایک نعمت ہوگی۔ فرمایا والدین فاسق ہوں تو ان کو نصیحت کرو۔

حدیث نمبر 4:

حضرت علیؓ ابوبکر صدیقؓ فرماتے ہیں کہ حضرت حلیمہؓ جب نبی پاک ﷺ کی بارگاہ میں پہلی مرتبہ آئیں تو حضور اکرم ﷺ نے اپنی چادر مبارک ان کے نیچے بچھادی۔ صحابہ کرامؓ ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کہ یہ عورت کون ہے جن کے نیچے یہ چادر بچھی ہوئی ہے۔ اور یہ وہ چادر ہے جس کی قسم اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے اور صحابہ نے جواب دیا کہ یہ عورت حضور اکرم ﷺ کو دودھ پلانے والی ماں ہے۔ جب دودھ پلانے والی ماں کا یہ مقام ہے تو حقیقی ماں کا کیا مقام ہوگا۔

حدیث نمبر 5:

چاروں خلفائے راشدین بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اللہ کی قسم ہے جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ وہ شخص خوار ہوا۔ وہ شخص غضب کے نیچے آیا۔ وہ شخص جہنم کے نچلے گڑھے میں غرق ہوا۔ جو ویل کے نام پر ہے۔ وہ شخص تمام جہنمیوں کی پیپ پئے گا۔ وہ عظیم بد بخت ہے۔ وہ عظیم بد بخت ہے۔ وہ عظیم بد بخت ہے؟ اس نے اللہ کے غصہ کو لیا۔ ہم سب صحابہ رو پڑے اور کہا یا رسول اللہ وہ کون شخص ہے؟ جواب ایسا بد بخت ہے فرمایا جس نے والدین کو ایذا پہنچائی؟ والدین کی ایذاء اللہ تعالیٰ کا غصہ۔ جن کے والدین زندہ ہیں وہ ابھی ان سے معافی مانگ لیں۔

مسئلہ ششم:

وَذِی الْقُرْبٰی میں چند مسائل ہیں:

مسئلہ اوّل:

امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک اگر کوئی شخص یہ کہہ گیا ہے کہ وصیت کی ہے کہ اس قدر مال فلاں کو دے دینا اس میں محرم اور غیر محرم شامل ہوں گے اور اس مال میں باپ اور بیٹا دونوں شامل ہیں عرف میں باپ اور بیٹا ایک دوسرے سے دور نہیں ہوتے۔ پوتا دادا، نانا سب اس میں شامل ہوں گے اور بعض کے نزدیک اصول اور فروع اس میں داخل نہ ہوں گے اور بعض کہتے ہیں سب لوگ داخل ہوں گے اور اس مقام پر ایک دقیقہ ہے اور وہ یہ ہے کہ عرب کے لوگ جد علیؓ کو یاد رکھتے ہیں اور پھر اس کی اولاد میں جس قدر ہوتے جائیں وہ سب اس کے اقارب سمجھے جائیں گے۔ جد علیؓ کا حساب کیا جائے اس میں کافی اقارب نکل آئیں گے امام شافعیؒ نے فرمایا ہے کہ قریب جد علیؓ کا حساب لگایا جائے گا جو جد ان کے قریب ہوگی اس قدر اس کے مال کے حق دار ہوں گے۔ شافعیہ نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ ہم بنی شافعی میں جائیداد کی نسبت شافعی کی طرف کریں گے اور بعد مناف کی طرف نہ ہوگی۔ امام غزالی فرماتے ہیں کہ یہ نسبت شافعی کے زمانہ میں جو اولاد تھی اس وقت تک ہوگی بعد میں نہ ہوگی ہمارے نزدیک اقارب بنی شافعیؒ ہی ہو سکتے ہیں اور ماں کی قرابت اہل عجم میں داخل ہو سکتی ہے اہل عرب کی وصیت میں داخل نہ ہوگی اس واسطے ماں کی قرابت کو عرب والے شمار نہیں کرتے۔ اگر ارحام میں ہو تو ماں کی قرابت باپ کی قرابت کو اکٹھا سمجھا جاتا ہے۔ ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے شافعیہ کے نزدیک۔

مسئلہ دوئم:

اہل قرابت کا حق بمنزل مقابل والدین کے ہوتا ہے اس واسطے انسان کی قرابت ماں باپ سے بلا واسطہ ہوتی ہے اور اس کے بعد دوسرے لوگوں سے ہوتی ہے اور اسی بات سے ماں باپ کو مقدم کیا گیا لیکن مسئلہ شافعیہ میں ہمیں اتفاق نہیں ہے کہ دادا کی جائیداد کا پوتا بھی حق دار ہوگا۔ امام اعظم نے اس کے برعکس فرمایا ہے۔ حدیث تواتر سے ہے رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ نطفے کی قرابت کو خیال کرو اور دادا پوتا سے دور ہے وہ اپنے والد کی وراثت کا حق دار ہوگا۔ امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ

Marfat.com

یہ حدیث ہمارے دعویٰ میں حجت ہے اور ماں کی قرابت ارحام کے علاوہ بھی ہوتی ہے نبی کریم ﷺ کی یہ حدیث بھی تواتر سے ہے۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ ماں بچے سے زیادہ قریب ہے اس سے بڑھ کر اور کوئی قریب نہیں تو ہمارے دعویٰ کا استدلال اس حدیث سے ہوگا تو لہٰذا اس بات میں ارحام کو مدنظر رکھا گیا ہے اور والدہ بھی ارحام میں ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جب رحم کو پیدا کیا تو قیامت کے دن رحم کھڑا ہوگا اللہ کی بارگاہ میں عرض کرے گا۔ یا اللہ میرے ساتھ ظلم ہوا اور لوگوں نے مجھے قطع کیا اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے رحم کیا تو راضی ہے کہ تجھ کو جس نے قطع کیا میں اسے قطع کردوں جس نے تجھے جوڑا میں اسے جوڑ دوں آپ نے آیت تلاوت فرمائی ارشاد ہوتا ہے کیا تم حاکم بن جاؤ زمین میں فساد کرو اور رحم کو قطع کرو فرمایا کہ رحم کو قطع کرنا بڑا ظلم ہے آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رحم میں اتحاد الفت محبت رعایت، اور نصرت برتی جائے ورنہ رحم نہ ہوگا۔ اگر یہ بات نہ پائی جائے تو نفس کو شاق گزرتی ہے دل پر وحشت طاری ہوتی ہے اور رنج و الم طاری ہوتا ہے جس قدر قرابت قریب ہوتی ہے اور اس قدر یہ امور اس کے اندر گم ہوتے ہیں اس واسطے کہ اس کو دور کرنے میں تکلیف ہوتی ہے تو والدین کے بعد اقارب کے حق کو ضروری سمجھا گیا۔

دلیل چہارم:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَالْيَتٰمٰى اس کے اندر دو مسئلے ہیں:

مسئلہ اوّل:

یتیم کی جمع یتامیٰ اور ایتام ہے، جیسے ندیم کی جمع ندامیٰ ہے حدیث شریف میں ہے حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت عمر فاروقؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول کریم ﷺ سے پوچھا کہ یتیم کی تعریف کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا یتیم اس کو کہتے ہیں جس کا ماں اور باپ مرجائے فرمایا کہ وہ بلوغت سے پہلے یتیم ہوتا ہے۔ پھر فرمایا کہ یتیم کی پرورش کرنے والا کوئی نہیں ہوتا۔ یہ حدیث تفسیر امام باقر میں ہے۔

اب کچھ مفسرین نے اس پر کلام کیا ہے یہ کہا ہے کہ جس کا باپ مرجائے بلوغت سے پہلے بچہ یتیم ہوتا ہے اور ماں کے مرنے سے یتیم نہیں ہوتا۔ کیونکہ ان کی پرورش کرنے والا نہیں ہوتا ایک اور مفسر نے کہا کہ جانوروں کی جنس سے ماں کے مرنے کے بعد بچہ یتیم ہوتا ہے لیکن یہ دونوں قول حدیث کی صراحت کے خلاف ہیں۔ عند العقل بھی یہی ہے کہ ماں کے مرنے کے بعد بچہ تنگ ہوتا ہے اور اس کو نئی دشواریاں ہوتی ہیں اس لئے حدیث شریف میں بھی آیا کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ اپنی ماں سے زیادہ احسان کرو تو یہ بہتر ہے ثابت ہوا کہ ماں کے بعد بھی بچہ یتیم ہوتا ہے ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ بچہ کے لئے ماں باپ سے زیادہ شفیقہ ہوتی ہے۔ کیونکہ بچپن میں ان کی تربیت کے لئے والدہ کی گود ہوتی ہے۔ اب باپ کے ذمہ یہ ہوتا ہے کہ اس کا نان ونفقہ اور خرچ کا ذمہ دار ہوتا ہے باپ کے مرنے کے بعد بھی اس کا کوئی وارث نہیں ہوتا تو اس کو ایسے ایک شفیق کی ضرورت ہوتی ہے جو اس پر شفقت کرے اور اس کی کفالت کا ذمہ اٹھائے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ یتیم پر شفقت کا ہاتھ پھیرنا بھی ایسے ہے کہ اس کے گناہوں کو دھو دیتا ہے جتنا کہ اس کے سر کے بال ہوتے ہیں فرمایا کہ یتیم اس مہربانی کا خواہش مند ہوتا ہے لیکن آج کل الٹی بات ہے کہ یتیموں کے مال کھانے میں لگے رہتے ہیں یہ نہیں سوچتے کہ یتیم کے مال کھانے میں سخت وعید ہے نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ جس نے یتیم کے مال سے ایک پیسہ بھی کھایا یا بچوں کو کھلایا اس نے اپنی آخرت اور بچوں کی آخرت کو بھی تباہ کیا اور ان کا پیٹ حرام سے بھرا۔ یاد رہے کہ حرام کھانے سے بچوں کی فطرت بھی بدل جاتی ہے۔

دلیل پنجم:

يَتٰمٰى کے بعد مساکین کا ذکر ہوا مساکین مسکین کی جمع ہے یہ سکون سے ماخوذ ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مسکین اپنے سکون محتاجی کی وجہ سے بیٹھا رہتا ہے؟ امام شافعیؒ نے مسکین سے فقیر کا درجہ اول فرمایا ہے فقیر کی پشت پر پتھر لدے ہوتے ہیں لیکن خلاف اس کے کہ مسکین کو زیادہ احتیاج ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مسکین کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔

آیت سے یہ ہے کہ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ یعنی مسکین خاک پر رلنے والا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مجھے بھی مساکین کے گروہ میں

Marfat.com

کھڑا فرمائے گا جب کہ ان کو شدت کا احتیاج ہوتا ہے لیکن مسکین وہ ہوں فرمایا کہ جن کے پاس دن کو کھانے کو ملے اور رات کو نہ ملے فرمایا اس میں وہ مسکین ہیں اور آج کل کے دور میں ہر کوئی مسکین بنا پھرتا ہے۔ گداگروں نے بھی مسکینی کا ڈھونگ اختیار کر لیا ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مساکین اپنی تنگ دستی سے خود پہچانے جاتے ہیں اس کے بعد قولوا للناس حسنا فرمایا گیا ابن کثیر اور کسائی نے اس کو حسناً پڑھا ہے لیکن مشہور قرأت حُسناً ہے ہم اس آیت سے بھی استدلال کرتے ہیں ووصینا الانسان بوالدیہ اور اس آیت سے ثُمَّ بَدَّلَهٗ وَوَصَّیْنَا سے استدلال کیا ہے حُسناً مصدر ہے۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ حسنا کا یہ خطاب کس کو ہے۔

بعض نے کہا کفار کے ساتھ نہیں مسلمانوں کے ساتھ ہے اور ان سے لڑائی اور جنگ ہوتی ہے اور بعض نے یہ کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت کو حکم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور لوگوں سے اچھا سلوک کرو بعض نے یہ کہا کہ جن سے قتال اور ظالم سے اچھا کہنا درست نہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

لایحب اللہ الجھر بالسُّوء اِلاَّ اس میں اللہ تعالیٰ نے برائی کو اعلانیہ فرمایا اور مظلوم کو بیان کرنے کا حکم دیا۔ لیکن مفسرین کہتے ہیں کہ یہ آیت قتال پر ہے اور احادیث سے آپ رجوع کرتے ہیں حضرت علی اور ابی بن کعب امام محمد باقر اور ابن عباس فرماتے ہیں رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ قولو للناس حسنا کا حکم عام ہے۔

فرمایا گفتار کلام اچھا کیا کرو جس میں تمہارا اگر دشمن بھی گرم دوست بن جائے فرمایا اس آیت کے چھوٹے سے حصے نے یہ درس دیا ہے کہ لوگوں سے اچھی کلام کرو جو کلام شہد سے بھی میٹھی ہو۔ فرمایا کہ کافر مشرک سب کے لئے ہے۔ کیونکہ وہ تمہارے دین کی طرف رغبت کریں فرمایا۔ اللہ کے دربار میں وہی شخص مقبول ہوتا ہے۔ جو زبان اور کلام میں اچھا ہے۔ فرمایا اچھی کلام کے ذریعے انسان اپنے درجہ کو بلند کر سکتا ہے۔ فرمایا بری زبان کے طور سے خلقت کو بھی نقصان ہوتا ہے بری زبان درازی سے بھی لوگ نفرت کرتے ہیں۔ فرمایا یہی زبان انسان کو جنت میں لے جائے گی اور یہی جہنم میں لے جائے گی۔ حضرت امام باقر فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ ایک مرتبہ اپنی زبان کو پکڑ کر مروڑ رہے تھے۔ حضرت عمرؓ آئے انہوں نے کہا کہ اے خلیفۃ المسلمین یہ کیا کر رہے ہیں آپؓ نے کہا زبان کو سزا دے رہا ہوں کہ اس نے کسی کو تنگ تو نہیں کیا فرمایا سب سے بدترین عمل میں زبان کا بدترین کردار ہوتا ہے بدترین شخص بھی وہی ہے جس کی زبان گندی ہے۔ فرمایا زبان سے تم لوگوں کو جیت لو فرمایا اسی لئے اللہ تعالیٰ نے مجھے معلم اخلاق بنا کر بھیجا ہے۔ فرمایا زبان کے ذریعے اخلاق کا عمدہ معیار ہوگا۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے جو مجھے اخلاق دیئے ہیں وہ کسی اور کو نہیں دیئے۔ تو مساکین کا ذکر یتٰمٰی کے بعد اس لئے ہوا کہ یعنی یتیم کوئی کام نہیں کر سکتا۔ اس کی ذمہ داری دوسرے پر ہوتی ہے۔ اور مساکین کام کر سکتے ہے اور جیسا کہ ارشاد ہے کہ ہر حال وہ کشتی مساکین کی تھی۔ تو معلوم ہوا کہ مساکین کام کر سکتے ہیں اور مال زکوٰۃ میں سے ان اقرباء کو نہ دو جو امیر ہوں، غریب ہوں تو ان کو دیا جا سکتا ہے۔ لیکن زکوٰۃ زیادہ مساکین کا حق ہے جیسا کہ عرض کر چکا ہوں ہر مومنین کے لئے تخصیص ہے کہ لوگوں کو امر بالمعروف کی طرف بلائیں حسن سلوک سے پیش آئیں۔ امام رازی نے اپنی تفسیر کبیر میں امام محمد باقر کی تفسیر سے یہ بیان کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ یہ عموم اپنے ظاہر کے اعتبار سے باقی ہے۔ اس میں تخصیص نہیں یہ قول تمام اقوال سے قوی ہے۔

دلیل یہ ہے کہ امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ جس طرح موسیٰ و ہارون علیہ السلام نے رفع کیا اور فرعون سے نرمی کا حکم ہوا۔ اسی طرح ارشاد ہوا فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ لوگوں کے ساتھ نرمی سے پیش آؤ۔ اور کفار کو برا نہ کہو۔ ارشاد ہے کہ تم ان کے جھوٹے معبودوں کو برا مت کہو وہ تمہارے رب کو برا کہیں گے۔ جس طرح انہوں نے کفار کو کہا کہ ان پر لعنت کرنا واجب ہے بطور مذمت کے اور لعنت کرنا کفار کو اس طریق پر واجب نہیں کہ مذکورہ بالا آیات آیت سے استدلال لازم آتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی شان میں فرماتا ہے کہ جب وہ لغویات کی طرف سے گزرتے ہیں تو بزرگوں کی طرح گزر جاتے ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، اے حبیب پاک ﷺ ان کو اپنے پروردگار کے راستے کی طرف بلاؤ حکمت کے ساتھ اور احسن طریقے سے تو معلوم ہوا کہ اخلاق سب سے بہتر عمدہ چیز ہے ہاں کافر کو ایک طرح کی مذمت کی جا سکتی ہے۔ امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ جس طرح کوئی باپ اپنے بیٹے کو فعل بد سے روکے اور ان کو جھڑک دے تو وہ اس فعل بد پر جھڑک ہوگی تو لہٰذا کفار کے لئے بھی یہی صورت ہوگی لیکن ان کو لعن طعن سے نہ کہا جائے احسن طریقے سے، جیسا کہ اس آیت سے ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ برائی کو پسند نہیں کرتا لیکن اس میں مظلوم کو حق ہے کہ وہ ظالم کا ظلم بیان کرے۔ امام باقرؒ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ فاسق کا جو کچھ سنو اس کو بیان کرو نبی کریم ﷺ کو حکم ہوا ہے اے حبیب پاک ﷺ! آپ ﷺ جاہلوں سے اعراض فرمائیں۔ امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ میرے دادا حضرت علیؓ نے فرمایا کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ کافر کو اس کے منہ پر تنزل کے ساتھ کافر مت کہو اور اسے کافر سمجھو اور کفار سے بھی بحث اچھے طریقے سے کرو، اصل محققین نے بیان کیا ہے لوگوں کا کلام لوگوں کے ساتھ امور دینی و دنیاوی میں ہوتا ہے۔ اور دنیاوی میں جو تصویریں ہیں، یا ایمان کی طرف بلانا ہوتا ہے۔ یا ایمان کی طرف ظاہر ہے کہ ایسے لوگوں سے قول حسن سے پیش آیا جائے۔ کیونکہ قول حسن سے پیش آنا امر

Marfat.com

بہتر ہے جیسا کہ ہارون موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا ہے کہ فرعون سے نرمی سے بات کہو ان کا درجہ بہت بلند تھا۔ نبی پاک ﷺ کو یہی ارشاد ہوتا ہے کہ اپنے پروردگار کی طرف ان کو حکمت کے ساتھ بلاؤ، نبی پاک ﷺ کی حدیث ہے آپ ﷺ نے فرمایا کفار اور منافقین کے ساتھ نرمی سے بات کرو۔ تاکہ امور دینی ہوں یا دنیاوی اور کفار کے ساتھ ذاتی دوستی مت رکھو اور ان کے ساتھ زیادہ مجلس میں نہ بیٹھا کرو وہاں اگر بیٹھو تو تمہارا بیٹھنا اللہ کی رضا کے لئے ہو۔ جیسا کہ ارشاد ہے اے حبیب پاک ﷺ ان کو اچھا جواب دو کیونکہ آپ کے ان کے درمیان دشمنی ہے وہ تمہارا گرم دوست بن جائے گا۔ نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے حبیب پاک ﷺ آپ کے دل میں مہربانی اور نرمی نہ ہوتی تو یہ لوگ آپ کے قریب نہ آتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کفار اور فساق کے ساتھ دین کے معاملے میں خوش اخلاقی سے گفتگو کرو تاکہ وہ تمہارے قریب آکر دین میں داخل ہو جائیں۔ آپ نے فرمایا یہی مثال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو حکم دیا ظاہراً کہ تم والدین کے ساتھ اور رشتہ داروں اور مسکینوں کے ساتھ حسن سلوک کرو اور ان سے اچھی گفتگو کرو، رشتہ داروں پر حق دینا واجب تھا ہماری شریعت میں بھی یہ بات واضح ہے حضرت امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ میں اپنی تفسیر میں ابن عباس کا قول بیان کر رہا ہوں ابن عباس فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ کے تمام حقوق کو منسوخ کر دیا فرماتے ہیں کہ یہ قول بالکل ضعیف ہے۔ ہمارے دادا حضرت علیؓ کے مجموعہ میں ہے کہ صحابہ نے رسول کریم ﷺ سے عرض کیا کہ اگر مسکین ہوں تو زکوٰۃ کے لئے اگر کوئی صاحب زکوٰۃ نہ ہو تو کیا کیا جائے فرمایا کہ ان کی صدقہ سے مدد کر دو تاکہ وہ بھی خوشحال ہو سکیں امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ پھر ہم پر صدقہ کرنا واجب ہے۔ اگر زکوٰۃ کی توفیق نہیں تاکہ وہ بھی کچھ خوش حال ہو جائے۔ اسی طرح کلام بھی ایسی ہونی چاہئے جن میں لوگوں کو نقصان نہ پہنچے۔ امام باقر فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ زبان کی کلام سخت پتھر سے بھی زیادہ سخت ہے۔ پتھر ختم ہو سکتا ہے۔ لیکن زبان کی کلام بد دل پر تمام زندگی اثر کرتی رہتی ہے۔ فرمایا چاہے کلام اچھا ہو یا برا دونوں کا یہی حال ہے۔

جاننا چاہئے وَاَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ کا بیان ہو چکا ہے جاننا چاہئے کہ یہ ان آٹھ امورات کا بیان تھا جو اللہ تعالیٰ نے بیان فرما دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر انعام فرمائے اور ان سے جو عہد لئے اور یہ کہ ان تمام عہد کو قبول کر لے لیکن انہوں نے تمام عہد کی نافرمانی کی کیونکہ حق یہ تھا کہ عہد قبول کرتے اور یہ نہیں کہ انہوں نے نادانی کی وجہ سے حق قبول نہیں کیا بلکہ جان بوجھ کر مخالفت کی اور ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ کے اندر مفسرین کے تین قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ وہ اسلاف یہودی تھے یا نبی کریم ﷺ کے زمانہ کے یہودی مراد ہیں۔ حضرت امام باقرؒ اور ابی ابن کعبؓ اور حضرت علیؓ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ میں اسلاف یہودیوں کی حالت کو بتلایا جا رہا ہے کہ انہوں نے مشاہدات اور معجزہ قہرہ کا انکار کیا اور اس زمانہ کے یہود کو یہی بتلایا جا رہا ہے کہ جس طرح وہ تمہاری اسلاف نے معجزات قاہرہ کو دیکھ کر انکار کیا تم بھی وہی ہو کہ معجزات کو دیکھ کر انکار کر رہے ہو اور یہودیوں کا ایک گروہ نبی پاک ﷺ کی اس بات کو سن رہا تھا فرمایا کیا تم اس بات کو جان بوجھ کر نہیں انکار کر رہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے بارے میں توراۃ شریف میں بکثرت حال بیان فرمائے ہیں۔ تم ان سے منہ پھیر رہے ہو جان بوجھ کر اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے اسلاف پر بہت انعام فرمائے لیکن انہوں نے بھی بجائے اس کے کہ شکر کرتے لیکن ناشکری کی آپ ﷺ نے فرمایا جو تم میں سے تھوڑے عقل دان تھے وہ توراۃ کو پڑھ کر میری نبوت پر ایمان لے آئے لیکن قیامت کو تم سے اس بارے میں پرسش ہوگی ایک تو تم نے توراۃ کے اندر تحریف کی جو میرے حالات کی تحریف تھی اس کو بھی تم نے بدلا اور باقی احکامات کو بھی تم نے بدل ڈالا اس کی سزا تم کو ملے گی۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ یہ تقریر سن کر پچاس آدمی ایمان لے آئے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آیت کے اندر سلف یہودیوں کے حالات کو یاد کرا کرو وَاَنْتُمْ مُعْرِضُوْنَ میں موجودہ یہودیوں کو تنبیہ کی گئی کلام کے سیاق اسباق سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے اور تفسیر ابوسفیان ثوری احکام القرآن ابوالعالیہ سعدی خزینۃ القرآن، طبری اور باقی مفسرین نے اقوال اور تعمیل کی ہے جو اس حدیث کے سامنے ان کی کوئی وقعت نہیں۔

قال اللہ تعالیٰ: وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ

ترجمہ: اور جب ہم نے تمہارا عہد لیا کہ اپنے خونوں کو نہ بہاؤ گے اور اپنی ذاتوں کو تم اپنے گھروں سے نہ نکالو گے پھر تم نے اقرار کیا اور تم حاضر گواہ تھے۔

جاننا چاہئے یہ دوسری قسم کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر جو انعامات کئے اور یہودیوں نے جیسا کہ بیان ہو چکا ہے انہوں نے ناشکری کی یہ جو ارشاد ہوا ہے کہ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ حضرت ابی بن کعبؓ اور امام محمد باقرؒ مجموعہ حضرت علی سے بیان کرتے ہیں کہ جب دونوں آیتیں اکٹھی نازل ہوئیں تو نبی پاک ﷺ نے

Marfat.com

یہود کے علماء کو فرمایا کہ یہ تم کو خطاب ہے اور جو تمہارے پہلے اسلاف ہیں ان کی حقیقت مجھ پر واضح ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا تھا کہ تم اپنے خون کو نہ بہاؤ آپ ﷺ نے فرمایا کہ بے گناہ ایک انسان کا قتل ساری انسانیت کا قتل ہے تو ان کو یہ واضح حکم ہوا ہے تو کسی کا قتل کرنا یہ تمہارا اپنا قتل ہے تم کسی سے لڑو گے تو اگر مر جاؤ تم اپنے آپ کو خود قتل کیا فرمایا اس میں اللہ تعالیٰ نے قتل کو ایک ناگوار فعل قرار دیا ہے۔ یہ حدیث اس امر پر ثابت ہوگئی کہ یہ میثاق بنی اسرائیل کو تاکید کے لئے تھا جو اس سے پہلے میثاق گزر چکا ہے۔ حضرت امام باقرؑ یہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ اس آیت میں یہ بھی وضاحت کردی گئی ہے کہ تم اپنے آپ کو قتل مت کرو آپ ﷺ نے فرمایا کہ بعض غریب یہودی بھوک کی وجہ سے اپنے آپ کو قتل کر دیتے تھے آپ نے فرمایا کہ یہ سب حقیقت اس بات میں واضح کردی گئی ہے۔

صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں جیسا کہ ہند میں بھی یہ حال ہے کہ لوگ کئی مصیبتوں کی وجہ سے اپنے آپ کو قتل کر دیتے ہیں فرمایا کہ ان دونوں احادیث سے بات ثابت ہوگئی ہے یہ جو ہے وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ امام باقر اور ابی بن کعب اور ابی قتادہؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ یہودیوں کا یہ بھی دستور تھا کہ وہ غریبوں کو ان کے گھروں سے نکال دیتے تھے۔ فرمایا یہ بھی قتل کے برابر جرائم ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ اقرار لیا کہ تم ایسا نہ کرو گے اور ہر شخص نے اپنی ذات کی گواہی دی فرمایا جیسے کوئی اقرار کر کے یہ کہتا ہے کہ میں اپنے اقرار کا گواہ ہوں اور دوسرے بھی ہو جائیں تو فرمایا انہوں نے بھی ایسا کہا ہر شخص نے کہا کہ میں گواہ ہوں اور فلاں فلاں میرا گواہ ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ یہ موجودہ یہودیوں کو ان کے اسلاف کا حال بیان فرمایا جا رہا ہے کہ وہ اپنے باپ دادا کے حالات کو سن لیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا اے علماء یہود، میں نے جو کچھ تمہیں بتلایا ہے اور اس آیت کے اندر جو کچھ مجھ پر یہ وارد ہوا ہے کیا تمہاری توراۃ میں ایسا نہیں تمہارے باپ دادا کے حالات ایسے نہیں۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں سرکار دو عالم ﷺ کے قریب کھڑا تھا۔ حضور اکرم ﷺ ایک دیوار سے ٹیک لگا کر فرما رہے تھے اور آپ ﷺ کے ہاتھ مبارک میں ایک چھڑی تھی۔ علما یہود موجود تھے۔ معتبر علماء تھے جن کو توراۃ یاد تھی جنہوں نے اس میں تحریف کی تھی انہوں نے یہ قول سن کر سر کو نیچے کر لیا فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا عہد میں نے تم پر پہنچا دیا ہے اب اسی روایت کو تفسیر فاریابی خزینۃ القرآن طاؤس اور تفسیر ابو مسلم نے نقل کیا ہے بحوالہ امام محمد باقر و ابی بن کعب۔ اب ایسی تفسیر کے ہوتے ہوئے ہم کو کسی احتمال کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں لوگوں نے بڑی بڑی تاویلیں کی ہیں۔ ہم کو ان سے کوئی سروکار نہیں۔

قال اللہ تعالیٰ: ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ؕ وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ ؕ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ○

ترجمہ: پھر تم ویسے ہی خون کرتے ہو اور آپس میں نکال دیتے ہو اپنے ایک فریق کو ان کے وطن سے چڑھائی کرتے ہو۔ ان کے اوپر گناہ اور ظلم سے اگر وہی آئیں تمہارے پاس کسی کی قید سے تو چھڑا دو حالانکہ ان کا نکالنا بھی تم پر حرام ہے۔ کیا تم بعض کتاب پر ایمان لاتے ہو اور بعض سے انکار کرتے ہو پس تم میں سے ایسا کرے دنیا کی زندگی میں رسوائی اس کے لئے ہے۔ اور قیامت کے دن سخت عذاب میں مبتلا ہوں گے اللہ تعالیٰ غافل نہیں ان کاموں سے جو تم کرتے ہو۔

ثُمَّ اَنْتُمْ میں ایک اشکال ہے کہ انتم حاضر کے لئے ہے اور هٰٓؤُلَآءِ غائبت کے لئے ہے۔

جواب: اصل عبارت یوں ہے ثُمَّ اَنْتُمْ یا هٰٓؤُلَآءِ اس کی اصل یہ ہے اَنْتُمْ اَعْنِیْ هٰٓؤُلَآءِ حَاضِرِیْنَ هٰٓؤُلَآءِ بمعنی اَلَّذِیْنَ کے ہے اور اس کا صلہ تقتلون ہے اور تقتلون محلاً رفع ہے اگر اس کو خبر کہا جائے۔ یا صلہ کہا جائے تو اس کے لئے کوئی اعراب نہ ہوگا۔ امام باقر فرماتے ہیں اسی کی مثل حیلہ میں یہ آیت ہے وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى، تِلْكَ الَّذِیْ یَمِیْنِكَ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تاکید ہے تَقْتُلُوْنَ اس کی خبر ہے اور تَقْتُلُوْنَ کے اندر جو احتمال ہیں وہ بیان ہو چکے ہیں۔

حدیث سے واضح ہوا کہ بعض کو بعض کا قتل کرنا یہ اپنا قتل کرنا ہوتا ہے ان کو گھروں سے نکالنا اس کا اشارہ بھی ہو چکا۔ اب تَظٰهَرُوْنَ کے اندر چند مسائل ہیں:

مسئلہ اوّل:

Marfat.com

حمزہ وکسائی اور قاسم نے تـظـاهـرُون کوظا کے ساتھ خفیف پڑھا ہے باقی لوگوں نے شد کے ساتھ پڑھا ہے اور تخفیف میں سے ایک طا کو محذوف پڑھا ہے جیسے آیت وتعاونوا میں تا کو طا پڑھا ہے اور اس میں ادغام ثابت ہوا ہے۔

مسئلہ دوئم:

امام باقر اور ابی بن کعب نے حضرت علی سے یہ بیان کیا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے تـظـاهـرون کو بمعنی تـعـاونـوا فرمایا یہ ارشاد ہوا ہے جیسے انہوں نے بعض کو بعض سے قتل کیا اور ان کو ملک سے نکالا ایسے کرنے سے فتنہ عظیم ہوتا ہے اور اقتدار کی ہوس ہوتی ہے جس میں وہ ایک دوسرے کی پشت پناہی کرتے تھے۔فرمایا اسرائیل نے ملک میں پہلے بڑی قتل وغارت کی نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ یہ اقتدار کی بڑی ہوس رکھتے ہیں اور اللہ تعالی نے ان کو زیادہ فتنہ باز کہا اور قتل کرنے میں ذلیل اور ظالم فرمایا ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا اب یہ قیامت تک انسانوں سے لڑتے رہیں گے ان کی یہ بری فطرت ہے ہمارے آقا ومولیٰ کی پیش گوئی اب بھی ثابت ہو رہی ہے کہ اسرائیلوں نے پورے عالم کے لوگوں کو درہم برہم کر رکھا ہے۔

مسئلہ سوئم:

امام باقر فرماتے ہیں ابی بن کعب ابی قتادہ اور ابوسعید خدری وابوبکر،عمر وعثمان وحضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس طرح اس آیت میں ظلم کرنا حرام ہے تو ظالم کی مدد کرنا بھی حرام ہے۔صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ ظالم کو ظلم کرنے کی قوت کیوں دی آپ ﷺ نے فرمایا العیاذ باالله اگر ظالم کے لئے اسباب ظلم موجود ہیں تو اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کو ظلم کے نہ کرنے کی بھی قوت دے دی ہے۔جس طرح ظلم کرنے پر قوت دی ہے اسی طرح نہ کرنے پر بھی قوت دی ہے۔ظالم جب ظلم کرتا ہے تو اسی کی جو مدد کرتا ہے تو ظالم کا حوصلہ بڑھ جاتا ہے۔فرمایا ظالم جس طرح ظالم ہے اس کی مدد کرنے والا بھی اسی طرح ظالم ہے فرمایا یہ دونوں حرام ہیں ظالم کی مدد کرنا اور ظالم کا ظلم۔

مسئلہ چہارم:

صحابہ نے پوچھا کہ یارسول اللہ ﷺ کیا ظلم اور قتل وغارت برابر ہیں۔فرمایا نہیں۔ظلم کا درجہ بڑا ہے کیونکہ ظلم نہ ہو تو مظلوم کا کچھ نقصان نہ ہوگا۔تو معلوم ہوا کہ اعانت ہوتی رہے۔جب تک ظلم نہ ہو تو اعانت کچھ نہیں کرسکتی ایسی صورت میں ظلم مقدم ہے اور اعانت مؤخر ہے اعانت ظلم کے واسطے سے ہوتی ہے جب ظلم نہ ہو تو خالی اعانت کا کوئی فائدہ نہیں اور کچھ نہیں یہ جو ارشاد ہے وَاِنْ يَاتُوْكُمْ تو اس کے اندر چند مسائل ہیں:

مسئلہ اوّل:

نافع عاصم اور کسائی نے ان دونوں کو الف کے ساتھ پڑھا ہے حمزہ نے دونوں کو بعد الف پڑھا ہے اور باقی قاریوں نے اُساریٰ الف کے ساتھ اور تُفدُوْهُم بغیر الف کے پڑھا ہے اُساریٰ اَسِیـــر کی جمع ہے جیسے سکاریٰ اور سکریٰ اساریٰ سے قیدی معلوم ہوتے ہیں اور اُسریٰ ہو جو کسی ملک کے قبضہ میں ہوں اور ثعلب نے اس کا انکار کیا ہے عیسیٰ بن علی نے کہا ہے کہ مشہور یہی ہے کہ آئمہ نے اُساریٰ کہا ہے کہ یہ جمع پر دلائل کرتا ہے اور حدیث سے بھی ثابت ہوتا ہے امام باقر اور سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ یہودیوں نے اپنے غریب یہودیوں کو قید کر دیا تُفدُوْهُم اور تُفدُوْهُم لغت میں دونوں مشہور ہیں فدیہ اس کو کہا جاتا ہے جو کسی کے بچانے کے عوض میں دیا جائے رسول کریم ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ فدیہ جان کے عوض میں قاتل کی طرف سے ہوتا ہے جمہور مفسرین کا یہ قول ہے کہ تُفدُوْهُم انہوں نے اطاعت کی تھی مال وغیرہ سے دیگر قیدیوں کو چھڑاتے تھے تا کہ وہ اپنے کفر کی طرف لوٹ آئیں رسول کریم ﷺ نے یہی فرمایا جس کو امام باقر نقل کرتے ہیں ابومسلم نے اس کے خلاف کیا ہے کہا ہے باوجود نقل اور اجراح کے کہ تم یہ کہتے ہو اگر تمہارے پاس کوئی قیدی آئے تو بغیر مال کے راضی نہیں ہوئے۔اگر یہ بات تم پر حرام ہے تو تم کیسے نکال دیتے ہو ابومسلم نے یہ بات کہی ہے کہ مفسرین نے اَفَتُؤمِنُوْنَ پر نظر کر کے یہ کہی ہے یہ قول ضعیف ہے اس واسطے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اے یہود یو تم بعض کتاب کو تسلیم کرتے ہو اور بعض سے انکار کرتے ہو جس سے میری تعریف بیان کی گئی ہے اس میں انکار کرتے ہو فرمایا یہ عظیم کفر ہے۔معلوم ہوا کہ کوئی از روئے اس حدیث جیسا کہ امام باقرؒ نے فرمایا کہ نبی پاک ﷺ کی شان تعریف سے نقطہ بھر بھی کسی نے کی عظیم کفر ہے اپنے اوپر اس نے جہنم کو واجب قرار دے

Marfat.com

دیا نبی کریم ﷺ نے یہ فرمایا کہ ببعض الکتاب سے جوان پر احکام نازل ہوئے۔ ان کو بعض کا اقرار اور بعض کا انکار، جو مجھ پر کتاب نازل ہوئی ہے ان کے اس فعل کو ذکر کیا گیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ فدیہ مال دینے والے کی طرف سے بھی ہوسکتا ہے اور لینے والے کی طرف سے بھی، قیدی سے بھی فدیہ لیا جا سکتا ہے اور فدیہ سے اس کو چھڑایا بھی جا سکتا ہے۔ مفسرین کا اجماع بھی اسی حدیث پر ہے۔ کئی آیات ایسی ہیں جوان میں بعض چیزوں کا ذکر ان سے یہی آیتوں میں کر دیا جاتا ہے بعض مفسرین کا یہ قول ہے کہ جنہوں نے نکالا تھا اور فدیہ بھی تھا وہ ایک ہی فریق تھے یعنی قریظہ اور نضیر دو بھائی تھے جیسے اوس اور خزرج پھر علیحدہ ہو گئے جیسے نضیر اوس کے ساتھ اور قریظہ خزرج کے ساتھ بس ان سب نے رفاقت کر لی اور حلف اٹھالیا اور ہر ایک اپنے اپنے حلف کے ساتھ مل کر قتال کرتے تھے اور لوگوں کے گھروں کو ویران کر دیتے تھے۔ جو قیدی بنا لیتے تھے اور ان کو فدیہ سے چھڑا لاتے تھے اور عرب نے ان کو غیرت دلائی کہ تم یہ کیا کرتے ہو قتال بھی کرتے ہو پھر جن کو قید کر لیتے ہو پھر فدیہ سے ان کو چھڑا بھی لیتے ہو انہوں نے کہا ہاں ہم کو یہ حکم ہے اور یہ از روئے حدیث بھی ثابت ہوتا ہے اور بعض مفسرین نے بھی اس کے برعکس کہا ہے وَهُوَ مُحَرَّمٌ کے اندر هُوَ ضمیر کے ساتھ ہے کیونکہ اِخْرَاجُهُمْ وهو محرم کے اندر ایک کلام فاصل ہے اسی لئے یہ اِخْرَاجُهُمْ تاکید کے طور پر ہے۔

ابن عباس امام باقرؓ یہ فرماتے ہیں فدیہ پر ان میں مذمت نہیں کی بلکہ منافق پر چونکہ انہوں نے ایک واجب کو ادا کیا اور ایک واجب کو ترک کیا بس اس وقت منافقت کا کرنا کہ جب کمال ندامت ہوتا ہے اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ ان کا گھروں سے نکالنا ایک بڑا گناہ ہے لیکن یہ کفر سے کیسے تعبیر ہوگا۔

جواب: نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ان کی شریعت میں گھروں سے نکالنا بھی کفر تھا اور اصول یہی ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ اور موسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر صحیح طور پر ایمان لاتے لیکن انہوں نے اس سے انکار کیا اور نبی کریم ﷺ کے جو نبوت کے فضائل تھے ان سے روگردانی کی۔ اور ان کو ان کے اسلاف کا ذکر بیان کیا گیا کیونکہ ان کو یہ حکم تھا کہ تم جس طرح موسیٰ علیہ السلام کے معجزات ہوئے انہوں نے انکار کیا اس طرح نبی پاک ﷺ کے معجزات کا بھی انہوں نے انکار کیا اور بعض کتاب کو تسلیم کیا اور بعض کا انکار کیا یہ جو ارشاد ہوا ہے خِزْيٌ اس کے کیا معنی ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ انہوں نے جب کتاب سے انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو خوار کر دیا امام باقر یہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی شرمساری کے بھی ہیں اور شرمساری بھی، یہ بڑی خواری ہوتی ہے جب انہوں نے کتاب کا انکار کیا تو بڑے شرمسار ہوئے یہ بھی خواری ہے خِزْيٌ کے معنی نبی پاک ﷺ نے فرمائے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی مہربانی سے دور کر دیا اور اسی دوری میں وہ رہیں اللہ تعالیٰ سے دوری بہت سخت برائی ہے حضرت حسن کا قول ہے کہ ان سے جزیہ مراد ہے اگر یہ بات درست ہے نبی کریم ﷺ کے زمانے کے یہودی مراد ہیں اوپر سے واضح ہو چکا ہے جزیہ، کیونکہ جزیہ ان کی شریعت میں نہ تھا اور نبی کریم ﷺ کی شریعت میں جزیہ ہے تو یہ نبی کریم ﷺ کے زمانے کے یہودی مراد ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضرت امام باقرؓ فرماتے ہیں کہ بنونضیر، اور بنوقریظہ ان کی اولادوں کو قتل کیا گیا اور گھروں سے نکالا گیا اور یہ وہی لوگ ہیں جو ایک مدینہ میں ایک ہیں اور کلام کے سیاق وسباق سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے۔ ان میں ان کی ذلت مراد ہے۔ خِزْيٌ کے اندر جو نون تعظیم کا ہے معلوم ہوا کہ یہ خواری ان کے لئے بطور مذمت ہے وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰى اَشَدِّ الْعَذَابِ ط وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ۔

سوال: دہریہ جو اللہ تعالیٰ کے وجود کے منکر ہیں یہودیوں سے تو ان کو سخت عذاب ہونا چاہئے تھا لیکن یہ اشد کا لفظ یہودیوں کے لئے استعمال ہوا ہے۔

جواب: امام باقرؓ سے بھی یہ سوال ہوا ہے کہ آپ نے جواب دیا کہ اشد اگرچہ مطلق ہے لیکن یہ دنیا کے لئے ہے، پوری دنیا میں خوار ہوں گے اور داہریہ کو ان سے زیادہ عذاب ہوگا اور یہ امر متفق ہے۔ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ کے اندر چند مسائل ہیں:

مسئلہ اوّل:

ابن کثیر اور عاصم نے تَعْمَلُوْنَ پڑھا ہے اور باقی قاریوں نے يَعْمَلُوْنَ پڑھا ہے مشہور قرأت تَعْمَلُوْنَ ہے اَفَتُؤْمِنُوْنَ سے یہ ثابت ہوتا ہے اور اول کلام سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تَعْمَلُوْنَ ہے اَفَتُؤْمِنُوْنَ سے یہ ثابت ہوتا ہے اور اول کلام سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تَعْمَلُوْنَ کا اطلاق لازم ہے اور کلام کے آخر کو دیکھو تو دوسری قرأت بھی درست ہے۔

Marfat.com

مسئلہ دوئم:

غـافِلاً کے اندر یہ احتمال کہ اللہ قادر اور مطلق ہے وہ کسی چیز سے غفلت نہیں کرتا یہ اس کی شان کے خلاف ہے۔ امام باقرؒ نے غافلا کے یہ معنی فرمائے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو پیدا کیا ہے۔ اپنے علم سے اس کو ترک نہیں فرمایا یہ بہتر معنی ہیں اور مفسرین نے اس معنی کو سراہا ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا بِالْاٰخِرَةِ فَلَا یُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ ع (۸۶)

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت کے بدلے خریدا ہے پس نہ ان سے عذاب کی تخفیف ہوگی اور نہ ان کی مدد ہوگی۔

جاننا چاہئے کہ نبی کریم ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ دولذتوں کا اجتماع نہیں ہوسکتا یعنی دنیاوی لذات اور آخرت کی لذات آپ ﷺ نے فرمایا کہ انہوں نے کفر کے بدلے آخرت کی لذات کو ترک کیا اور دنیا کی لذات کو اختیار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت کی اور اس کو خرید وفروخت کی مثال دی جیسے کوئی چیز خریدتا ہے۔ تو خریدار اس میں غلطی کر جائے تو لوگ اس کی مذمت کرتے ہیں ان کا بھی یہی حال تھا کہ انہوں نے کتاب کے احکامات کو دنیاوی لذات کو خریدا اور احکامات سے انکار کیا

فَلَا یُخَفَّفُ کے اندر دو مسئلے ہیں:

مسئلہ اوّل:

فا کے دخول کی کیا وجہ ہے تو اس کا عطف اشترا پر ہے اصل معنی یوں ہوں گے کہ تم نے گمراہی کو خریدا اس میں تمہاری خیر نہیں ہے اور عذاب کی تخفیف سے کیا مراد ہے۔ حضرت امام باقر ابی ابن کعب ابی قتادہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ ان پر عذاب مقرر ہوگا ان میں تخفیف نہ ہوگی یعنی جس حال میں شروع ہوگا اسی حال میں رہے گا فرمایا کہ ان کی مدد بھی کوئی نہیں کرے گا یعنی یہ کہ عذاب دینے والے سے ان کو عذاب سے کوئی رہائی نہیں دلوائے گا، از روئے حدیث یہ مقصد ثابت ہوا کہ ان کے عذاب جس حال میں شروع ہوگا اسی حال میں رہے گا اور کوئی بھی ان کے عذاب میں رہائی نہیں کرائے گا بعض لوگوں نے یہ کہا ہے کہ یہ عذاب دنیا میں ہے امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ یہ بات غلط ہے کیونکہ دنیا میں جب کوئی قصور کرتا ہے تو اس کے لئے حد ہے لیکن ان کے لئے اس فعل کے بدلے انہوں نے کتاب اللہ کے احکام کو بدلا کتاب اللہ کو بدلا۔ دنیا میں اس کے لئے آخرت کے عذاب سے کوئی بڑی سزا نہیں یہ بہتر فیصلہ ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ وَقَفَّیْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ وَاٰتَیْنَا عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ الْبَیِّنٰتِ وَاَیَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ط اَفَکُلَّمَا جَآءَکُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓی اَنْفُسُکُمُ اسْتَکْبَرْتُمْ ج فَفَرِیْقًا کَذَّبْتُمْ وَفَرِیْقًا تَقْتُلُوْنَ (۸۷)

ترجمہ: اور ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا فرمائی اور ان کے بعد پے در پے رسول مبعوث فرمائے اور ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو معجزات عطا فرمائے اور ہم نے روح القدس کے ساتھ ان کو مدد فرمائی کیا پس جب تمہارے پاس رسول کریم ﷺ وہ چیز لے کر آئے جو تمہارے نفس خواہش نہیں رکھتے تھے پس ایک فریق کو تم نے جھٹلایا اور ایک فریق کو تم قتل کرتے ہو۔

جاننا چاہئے کہ یہ دوسری قسم کا بیان ہے اللہ تعالیٰ نے یہود پر انعام کئے اور انہوں نے تمام کو توڑ ڈالا۔ اور آخرت کے بدلے گمراہی کو خریدا اور احکامات الٰہی کو بدلا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے عذاب کی خبر فرمادی اور یہ جو ارشاد ہے موسیٰ الکتاب اس سے مراد تو رایت شریف ہے امام باقرؒ اور ابن عباسؓ کے مجموعہ سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے تو رایت ایک ہی دفعہ نازل فرمائی اور وہ اس کو نہ اٹھا سکے۔ فرشتے اٹھانے کے لئے حاضر ہوئے وہ بھی نہ اٹھا سکے۔ پھر ایک ایک آیت کو اٹھانے کا حکم ہوا تو نہ اٹھا سکے ایک ایک حرف کو اٹھانے کا حکم ہوا۔ تو وہ بھی نہ اٹھا سکے اللہ تعالیٰ نے خود اس بوجھ کو ہلکا فرمادیا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اٹھالی۔

اور یہ جو ارشاد ہوا ہے قَـفَّیْنَـا امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ ہماری زبان عرب میں اس کو پیچھے آنے والی چیز کہتے ہیں یعنی موسیٰ علیہ السلام کے بعد پے در پے رسول آئے۔ فرماتے ہیں ایک قول یہ ملا ہے کہ آنے والے رسول شریعت موسوی پر تھے تو انہوں نے اسی پر تبلیغ کی فرمایا کہ یا تو موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کا کچھ حصہ معدوم ہوگیا کچھ حصہ باقی رہا۔ جو معدوم ہوا ان کی جگہ اس رسولوں پر نئے احکامات جاری ہوئے اور یہ بھی قول ملا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی شریعت عیسیٰ علیہ السلام کے وقت تک رہی

Marfat.com

فرماتے ہیں اب حدیث شریف میں ہے ہمارے دادا حضرت علیؓ نے اپنے مجموعہ میں لکھا ہے صحابہ نے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد جتنے رسول آئے۔انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کی شریعت پر عمل کرنے پر اکتفاء کیا۔اس وقت کے یہودیوں نے توراۃ کا کچھ حصہ بدل ڈالا۔ جو اس کا اکثر حصہ تھا۔اور اب کے کچھ یہودیوں نے بدلا ہے، یوشع، داؤد، شموئیل، سلیمان، شعیا، ارمیا، عزیر، حزقیل، الیاس، السیع، یونس، ذکریا، یحییٰ علیہم السلام تھے وَاٰتَيۡنَا عِيۡسَى ابۡنَ میں چند مسائل ہیں:

مسئلہ اوّل:

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اس کا بعد میں ذکر یوں ہوا کہ پہلے پیغمبر موسیٰ علیہ السلام کی شریعت پر عمل کرتے تھے اور عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر جدا اس لئے ہوا کہ ان کی شریعت نے پہلی شریعت کو منسوخ کر دیا۔فرمایا یہ صرف بنی اسرائیل کے رسولوں پر تھی یہ جو ارشاد ہوا ہے۔

مسئلہ دوئم:

عیسیٰ اصل سریانی زبان ہے اور مریم کے کیا معنی ہیں بعض نے کہا کہ اس کے معنی خادمہ کے ہیں۔امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ مریم اس کا نام ہے جو عورت خواہش سے پاک ہو درست ہے جیسا کہ کہا جائے کہ زید کو عورت کی خواہش نہیں تو اسی وجہ سے حضرت مریم بھی خواہش سے پاک تھیں اب بَيِّنَاتْ سے کیا مراد ہے حضرت امام باقر و حضرت ابن عباس اور حضرت أبي قتادہ اور حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ بَيِّنَاتْ کے متعلق رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے وہ معجزات جن میں مردے کو زندہ کرنا اور کوڑھے کو درست کرنا اور انجیل حتیٰ کہ تمام معجزات مراد ہیں فرمایا بَيِّنَاتْ کے نبیؑ کے معجزات اور شریعت مراد ہوتی ہے وَاَيَّدْنَاهُ کے اندر چند مسائل ہیں۔

مسئلہ اوّل:

اس کو تخفیف بھی پڑھا گیا ہے اور غیر تخفیف بھی جیسے رعب اور رعب اور روح القدس سے کیا مراد ہے حضرت امام محمد باقر چاروں خلفاء اور کافی صحابہ سے روایت کرتے ہیں کہ روح القدس سے جبرائیلؑ مراد ہیں کہ جبرائیل علیہ السلام کا نام اس لئے رکھا گیا ہے کہ روح تو بدن کی زندگی ہوتی ہے اس لئے جبرائیل کے ذریعے سے اسلام کو زندگی ملتی ہے اس کے ذریعے انبیاء علیہ السلام پر وحی نازل ہوتی ہے اور جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے بنی آدم کو دین کی زندگی نصیب ہوتی ہے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے اندر روحانیت کے معنی غالب ہیں اسی طرح دوسرے فرشتوں کی نسبت اس کی روحانیت اعلیٰ ہے جبرائیل علیہ السلام باپ کے نطفے اور ماں کے شکم کے بغیر پیدا ہوئے ہیں۔

حضرت امام باقر ابن عباس، سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ یہ وہ روح القدس ہے جس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردہ کو زندہ کیا کرتے تھے اور ربیع فرماتے اور امام باقر فرماتے ہیں کہ یہ روح وہ اسم ہے جو اللہ تعالیٰ نے مریم کی طرف پھونکا اور اس کی نسبت اپنی طرف فرمائی اور جبرائیل اور انجیل کو روح مجازاً کہا جا سکتا ہے کیونکہ روح ہوا ہے اور ہر اعضاء کے اندر حرکت کرتا ہے اور جیسا کہ لکھ چکا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس روح کو اپنی طرف اظہار فرما کر شرف بخشا ہے بیت اللہ یا ناقۃ اللہ، اور یاد رہے کہ روح سے انسانی بدن کو زندگی ملتی ہے جبرائیل سے بھی اسی طرح علوم کے اندر زندگی ملتی ہے، جو انسان اپنی دنیوی زندگی کو دین سے ڈھال سکے اسی طرح انجیل سے بھی روحانیت ملتی ہے اور قلوب کو زندگی ملتی ہے روحانیت سے انسان اپنے اعراض و مقاصد پورے کرتے ہیں اسی طرح جبرائیل کے روح ہونے میں بھی چند وجوہ ہیں:

وجہ اوّل:

حدیث شریف ہے کہ جبرائیل علیہ السلام کی پیدائش نورانی لطیف چیز سے ہے۔حدیث کے اعتبار سے اس کے اطلاق کو بہت مناسبت ہوتی ہے۔حدیث سے ثابت ہو گیا کہ روح سے مراد حضرت جبرائیل ہیں اور انجیل کو اگر روح کہا جائے، تو مجازاً اطلاق ہوگا مشہور بھی یہی ہے کہ روح القدس جبرائیل ہیں۔حضرت امام باقر اور ابی ابن کعبؓ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ روح جبرائیل ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جبرائیل کے ساتھ بہت نسبت ہے جیسا کہ ان کی

Marfat.com

ولادت کی خبر حضرت مریم کو دی اور ان میں پھونک ماری اور معجزات کے وقت بھی ان کے ساتھ ہوتے اور جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر تشریف لے گئے تو وہ ان کے ساتھ تھے روح القدس جبرائیل ہیں یہ جو ارشاد ہوا اَفَکُلَّمَا جَآءَ کُمْ رَسُوْلٌ تو انہوں نے اپنی خواہش لذات اور سرداری کو ملحوظ خاطر رکھا اور لوگوں کے مال لوٹنے میں گریز نہ کیا اور تکبر کرتے تھے جیسا کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ یہودی انبیاء پر ایمان لانے کو عار سمجھتے ہیں انبیاء علیہ السلام کی تکذیب کرتے ہیں جس طرح میرے قتل کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو یہی سمجھایا ہے کہ تمہارا ایک فریق جھٹلاتا ہے میرے رسول کو اگر میں ان کی حفاظت نہ کرتا تو تم ان کے قتل کا ارادہ کر چکے تھے اگر کوئی اعتراض کرے کہ کَذَّبْتُمْ صیغہ ماضی کا ہے اور تقتلون کی بجائے قَتَلْتُمْ کیوں نہیں آیا کَذَّبْتُمْ بمعنی حال کے ہے جیسا کہ حدیث شریف میں بھی مقصد واضح ہو چکا ہے کہ تم جھٹلاتے ہو اگر میں ان کی حفاظت نہ کرتا۔ تو ان کو تم قتل کر دیتے۔

قال اللہ تعالیٰ: وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ط بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ (۸۸)

ترجمہ: اور کہا انہوں نے ہمارے دل غلافوں میں ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے کفر کی وجہ سے ان کو لعنت فرمائی تھوڑا ہے جو وہ ایمان رکھتے ہیں۔

جاننا چاہئے کہ غلف کے اندر تین احتمال ہیں:

1- غلف جمع ہے اغلف کی اور اغلف اس چیز کو کہا جاتا ہے جو غلاف کے اندر ہوتی ہے ہمارے دل غلافوں کے اندر ہیں۔ جو پردے میں ڈھکے ہوئے ہیں اور آپ کی بات کا اثر ہم پر نہیں ہوتا فرقہ معتزلہ نے یہ کہا کہ ان کے دل اصل میں غلافوں میں نہ تھے بلکہ یہ ظاہراً بات کہہ رہے تھے تو پھر ان پر کفر صادر کیوں کیا گیا جب کہ سورۃ یٰسین کے پہلے رکوع میں اس آیت سے نظیر ملتی ہے اِنَّا جَعَلْنَا اب اس کا جواب یہ ہے۔ حضرت امام باقر اور ابن کعبؓ فرماتے ہیں رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ یہودیوں کا کفر عناد کی وجہ سے ہے مجھ پر ایمان نہیں لائے حالانکہ یہ مجھے پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کی حکایت کو نقل فرمایا کہتے ہیں ہمارے دل غلافوں میں ہیں۔ ہمارے کانوں میں بہرہ پن ہے اور آپ کے ہمارے درمیان حجاب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ ہم نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے۔ اور ان کے دل نبی پاک ﷺ کی صداقت سے خالی ہیں۔ امام باقرؒ فرماتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے نبی پاک ﷺ کی نبوت میں کوئی دلیل نہیں دیکھی۔ حالانکہ سب کچھ جان کر یہ عناد کی وجہ سے کہہ رہے ہیں اللہ تعالیٰ نے لعنت اس لئے نازل فرمائی ایک تو وہ دلائل کو جان کو عناد کی وجہ سے کفر کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے اس عناد پر لعنت فرمائی کہ ان کا یہ عناد کفر تھا، جیسا کہ ارشاد ہے وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ یا اسی آیت کے مابعد والی آیت میں بھی ان کا ذکر بیان کیا گیا ہے یہ جو ارشاد ہوا ہے: فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ میں یہ ہے کہ وہ تھوڑی کتاب پر بھی ایمان لائے اور نبی پاک ﷺ نے یہ فرمایا کہ وہ کچھ بھی ایمان نہ لائے جیسا کہ کوئی شخص یہ کہے کہ میں زمین پر پھرا تو زمین تھوڑی سی بھی شاداب نہ تھی تو اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کا ایمان لانا کامل طور پر ثابت نہیں ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ج صلے فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ط (۸۹)

ترجمہ: اور جب ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے کتاب آئی جو تصدیق کرنے والی ہے اس کلام کی جو ان کے پاس ہے اور اس سے پہلے سے وہ فتح مانگتے تھے۔ ان لوگوں پر جو کافر ہیں پس جب ان کے پاس آئی وہ چیز جس کو وہ پہچانتے تھے تو اس کے ساتھ کفر کیا تو لعنت ہے اللہ تعالیٰ کی کافروں پر (۸۹)

اس کتاب سے مراد قرآن پاک اور یہ سب کتب کا مصدق ہے کیونکہ قرآن پاک کے علاوہ ان کے پاس جو دوسری کتابیں تھیں قرآن پاک ان کا مصدق ہے اور قرآن کریم میں ان کی حقیقت کو واضح کیا گیا ہے اس آیت میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ اوّل:

Marfat.com

اھل کتاب کو حکم دیا گیا تھا کہ محمد ﷺ کی نبوت کی تصدیق کریں تو اس بارے میں قرآن پاک بھی ان کا مصدق ہے حدیث شریف میں ہے حضرت امام باقرو ابی قتادہ اور ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں مُصدق ہوں اور قرآن پاک مصدق ہے اور میں تمام نبیوں کا صدق ہوں اور قرآن پاک تمام کتب سماوی کا مصدق ہے انہیں باتوں میں قرآن پاک کا مصدق ہونا از روئے حدیث ثابت ہے اور وہ جانتے تھے کہ قرآن پاک تورایت اور انجیل نہیں کرتا اگر تسلیم کرلیا گیا تو یہ احتمال ہو جائیں گے۔ حدیث شریف میں ہے کہ علامات نبوت اور صفات نبوت میں موافقت ہے اور شرع کے اندر ان کی اور ہماری شریعت میں علیحدہ علیحدہ قانون ہیں۔

مسئلہ دوئم:

بعض قراء نے اس کو مصدقا حال کی بنا پر پڑھا ہے اگر کوئی اعتراض کرے کہ اس مقام پر ذوالحال کے بعد یہی اس کا عامل ہوسکتا ہے اس کا یہی جواب ہے کہ نکرہ میں جب خصوصیت پیدا ہوتی ہے تو ذوالحال بن سکتا ہے اور یہاں پر لفظ سے کتاب کے اندر خصوصیت پیدا ہوگئی لَمَّا کے جواب میں تین احتمال ہیں:

1- مِنْ عِنْدِ اللهِ کے ان قرآنا سیرت بہ الجبال کہ اس کا جواب محذوف ہے یعنی لَوْ کَانَ ھٰذَا القرآن اخفش اور زجاج سے اسی طرح مروی ہے۔

2- طول کلام کی وجہ سے اس کو مقرر کر دیا اور جواب اس کا عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوا بہ ہے جیسے اس آیت میں اَيَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَ كُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ o مبرد سے اسی طرح مروی ہے۔

3- فائے اوّل فَلَمَّا اول کا جواب ہے كَفَرُوا بِہٖ لَمَّا ثانیہ کا جواب ہے اور اسی کی نظیر یہ آیت ہے فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَىَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ فراء سے اسی طرح مروی ہے اور یہی جو ارشاد ہوا ہے وَ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تو اس کے سبب نزول میں بہ چند وجوہ اختلاف ہے۔

1- محمد ﷺ کی بعثت سے اور قرآن پاک کے نزول سے قبل یہودی لوگ کہا کرتے تھے کہ یاالٰہی ہماری فتح فرما طفیل نبی امی کے اور حضرت ابن عباسؓ اور ابن قتادہ اور سدی سے مروی ہے کہ یہود نبی پاک کی بعثت سے پہلے جب دشمنوں سے لڑتے تو کہا کرتے تھے کہ ایک نبی امّی آنے والا ہے ہم تم سے لڑیں گے۔ وہ ہماری مدد کرے گا۔ حضرت امام محمد باقر و ابی قتادہ سے روایت ہے کہ یہودی اہل عرب سے پوچھا کرتے تھے کہ تمہارے عرب میں کوئی نبی پیدا ہوا ہے یعنی یہودیوں کو نبی پاک ﷺ کے پیدائش ولادت کا بہت خیال تھا ابو سعید خدری بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت علماء یہود کے حق میں نازل ہوئی اس میں چند مسائل ہیں:

مسئلہ اوّل:

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ علماء یہود تورایت کے اندر نبی پاکؐ کی نبوت کا حال جانتے تھے اور مشرکین عرب سے پوچھتے تھے کہ محمد ﷺ کی بعثت ہوئی ہے۔ وہ حضور پاک ﷺ کے اوصاف حمیدہ کو جانتے تھے نبی پاک ﷺ کی صداقت کا علم تھا اور تورایت میں متواتر منقول تھا پس وہ دو حال سے خالی نہیں تو یہی کہا جاتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ تورایت کے اندر میرا مفصل بیان تھا جو یہودیوں کو پورے طور پر معلوم تھا اور اللہ تعالیٰ نے مجھے فرما دیا ہے اے حبیب پاک ﷺ کہ تورایت میں میں نے آپ کا مفصل بیان فرمایا اور جب ان کو کوئی مصیبت ہوتی تھی تو یہ آپ کا وسیلہ لیتے تھے میں ان کی مصیبت ٹال دیتا تھا اور جنگوں میں بھی آپؐ کے طفیل فتح مانگتے تھے کہ اے اللہ آنے والے حبیب پاک ﷺ کے طفیل ہم کو فتح فرما۔

امام باقرؒ فرماتے ہیں اس کے اندر دو قرینے ہو گئے جو حدیث سے ثابت ہو گئے، قرینہ اوّل کہ نبی پاک کے عدم بعثت سے پہلے ان کے نام سے یہودیوں کو برکت اور فتح ہوتی تھی جن کا وجود ابھی ظہور نہیں ہوا بلکہ ان کے کمال اور انوار اور اوصاف کا ظہور بعثت سے پہلے ہوگیا جب ان کے کمال کا فائدہ ان کی بعثت سے پہلے مخلوق کے لئے فائدہ مند تھا معلوم ہوا کہ حقیقت محمدیہ کا وجود سب سے اوّل ہے اور قرینہ دوسرا کہ جس طرح پہلے لوگوں کو آپ کے کمال سے فائدہ ہوتا تھا اسی طرح اب بھی قیامت تک آپ کے کمال کا فائدہ ساری انسانیت کے لئے ہوتا رہے گا۔ امام نخعی فرماتے ہیں کہ امام باقر نے ایک موقع پر تقریر فرمائی جس میں کئی ہزار لوگ اس تقریر

Marfat.com

مذکورہ تقریر صاحب تفسیر، خزینۃ القرآن سعدی اور تفسیر فرقان القرآن میں موجود ہے۔ اب یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ تو رایت کے اندر تو حضور اکرم ﷺ کو سن کر مشرف بہ اسلام ہوئے۔
کے اوصاف مفصل طور پر تھے جو اس آیت کے اندر ذکر کئے گئے ہیں اور کفار نے صداقت کو پہچان کر آپ سے عناد کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو یاد دلایا کہ اس سے پہلے تم میرے حبیب ﷺ کے نام کا وسیلہ لیتے تھے اور ان کی آمد کے منتظر تھے اب جب اس ذات کا ظہور ہوا تم نے ان کو پہچان کر انکار کیا تو تم لعنت کے مستحق ہوئے امام باقر اس میں ایک اور وجہ بیان کرتے ہیں کہ جب کوئی شخص نبی پاک کی فضیلت کو جان کر اس سے ذرہ بھر عناد کرے یہ عظیم کفر ہے اور لعنت کا مستحق قرار پاتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ یہودیوں کو یہ گمان تھا کہ وہ نبی محمد ﷺ جن کی پیش گوئی تورات نے دی ہے وہ ہمارے بنی اسرائیل سے ہوگا اور چونکہ بنی اسرائیل سے اس سے پہلے کافی انبیاء بھیجے گئے ہیں نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ جب میں نسل اسماعیلی سے تشریف لے آیا ہوں۔ تو ان کے دل پر یہ شاق ہوا ہے کہ ہماری ریاست کا زوال ہو جائے گا کیونکہ وہ ریاست اور طمع کے حرص میں بہت رہتے ہیں۔ اور انہوں نے یہ سمجھا ہے کہ رسول کریم ﷺ کی نبوت صرف عرب کے لئے ہوگی۔ آپ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ وہ اس گمان میں مبتلا تھے۔ جس وجہ سے انہوں نے میری نبوت کا انکار کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت فرمائی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت کیوں فرمائی ہے سبب کفر میں میرے بارے میں پہلے لوگوں سے پوچھا کرتے تھے کہ وہ محمد ﷺ ان اوصاف والا نبی نہیں آیا جن کی پیشانی نور سے چمکتی ہوگی اور اس سے پہلے لوگوں کو یہ کہتے تھے کہ تو رایت میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ لڑائی کے وقت مصیبت کے وقت بیماری کے وقت جو کوئی محمد ﷺ کا وسیلہ میری بارگاہ میں پیش کرے گا اس کے سبب میں ان کی مصیبتیں ٹال دوں گا۔ اب جب میری بعثت ہوئی ہے انہوں نے مجھے پہچان کر میرے ساتھ کفر کیا ہے اللہ تعالیٰ نے بطور ٹھٹھہ ان پر لعنت فرمائی ہے کہ تم نے میرے حبیب کو پہچان کر اور ان کے اوصاف جو تو رایت میں مذکور ہوئے دانستہ تم نے ان سے انحراف کیا تو تم لعنت کے مستحق قرار پاؤ گے۔ اگر کوئی اس پر یہ کہے اس آیت کے اندر تو لعنت کا ذکر نہیں ہوا اور اس آیت کے اندر لعنت کا ذکر ہے امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ آیت میں کہیں عموم ہوتا ہے اور کہیں تخصیص ہو جاتی ہے اور یہ قول اَقوٰی ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ یَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْیًا اَنْ یُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ؕ وَلِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ (۹۰)

ترجمہ: بری چیز ہے کہ خریدا انہوں نے اس کے بدلے اپنی جانوں کو خریدتے ہیں یہی ہے کہ وہ کفر کرتے ہیں اس چیز کے ساتھ، جو اللہ تعالیٰ نے اتاری۔ اس ضد سے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے نازل کرتا ہے۔ چنانچہ وہ رجوع لائے غصہ کے ساتھ پہلے غصہ پر اور کافروں کے لئے عذاب ہے رسوا کرنے والا۔

جاننا چاہئے کہ بِئْسَمَا کی حقیقت چند مسائل سے ظاہر ہوسکتی ہے:

مسئلہ اوّل:

نِعْمَ بِئْسَ کی اصل ہے نعم اور لبس بفتح اور کسرہ کے ساتھ یہ فائدہ ہے کہ جس کلمہ کا دوسرا حرف حلقی ہے علم کے ساتھ مگر جس کا حرف کسرہ نہ ہو تو اس میں چار لغت درست ہوتے ہیں:

1- اصل کے موافق یعنی حرف اوّل کو فتح اور دوسرے کو کسرہ۔
2- حرف اوّل کو دوسرے کے تابع کرنا یعنی نعم یا کسرہ نون وسکون عین پڑھنا اور اس طرح فخر بکرہ فا اور خا اہل عرب اگر چہ اجتماع دوسرے کو تجویز نہیں کرتے مگر یہاں روا رکھتے ہیں اور حلقی دوسرے کے تابع کر دیتے ہیں۔
3- حرف حلقی کو مکسور کو ساکن کر کے اور اس کے ماقبل کو اپنی حالت پر چھوڑ دینا یعنی نعم اور لبس بفتح اوّل سکون دوم پڑھنا فخر بفتح فاو سکون خا پڑھنا۔
4- حرف حلقی کو ساکن کر کے اس کا کسرہ ماقبل کو نقل کر کے پڑھنا یعنی نعم باکسرہ نون اور اس کان عین پڑھنا اور اسی طرح فخر باکسرہ فاد اسکان خاء پڑھا جاتا ہے اور

Marfat.com

جاننا چاہئے کہ یہ تیسرا قبرا گرچہ ان دونوں کلموں میں فقط جائز ہے مگر اہل عرب نے ان دونوں کلموں کے لئے اس کو لازم کر دیا ہے اس واسطے کہ یہ دونوں کلمے اس چیز سے خارج ہو گئے ہیں جس کے لئے فعل ماضی موضوع ہوتا ہے یعنی زمانہ ماضی مصدر کے پائے جانے کی خبر دینے کے لئے اور یہ دونوں مدح اور ذم کے کلمے ہو گئے ہیں اور ان دونوں سے مدح اور ذم میں مبالغہ مراد ہوتا ہے تا کہ یہ تغیر لازم دلالت کرے اس کے اصل معنی میں بھی کچھ ضرور تغیر ہو گیا ہے اور افعال کی طرح ان کو ذکر نہیں کرتے۔ جیسا کہ فائدہ ہے بلکہ اس طرح کہتے ہیں نعم الرّجال اَیدٗ البتہ ضرورت اُخری کے وقت فائدہ ہوا موافق ذکر کرتے ہیں جیسے کہ مبرد کے شعر سے ثابت ہوتا ہے۔

مسئلہ دوئم:

یہ دونوں فعل نعم بمعنی اور بئس سے اس کی دلیل یہ ہے کہ ان کے اوپر حرف تا جو تانیث کی علامت ہے داخل ہوتی ہے یعنی نعمت بئست آتا ہے اور قراء ان دونوں کو بمنزلہ اسماء کہتا ہے اور اس نے حسان بن ثابت کے اس قول سے استدلال کیا ہے جیسے کہ ایک اعرابی کی لڑکی کے پیدا ہوتے ہوئے ایک شخص نے اس کو مبارک دی اور کہا بصریوں نے اس کا یہی جواب دیا کہ اس کا یہ قول بطور حکایت کے تھا یعنی اس نے مبارک دینے والوں کے کلام کو اسی طرح سے نقل کر دیا تھا۔

مسئلہ سوئم:

نعم اور بئس کا فاعل ایک ایسا اسم ہوتا ہے کہ تمام جنس جن کو یہ برائی اور اچھائی دونوں پر دلالت کرتے ہیں یہ تمام جنس کو شامل ہوتا ہے خواہ اسم ظاہر ہو یا ضمیر اسم ظاہر دو طرح پر ہوتا ہے:

1- جس نے نعم الرّجال ایدٗ کہ اس میں کوئی دلیل معین مراد نہیں ہے۔ بلکہ مطلق اجل مراد ہے۔

2- نعم، غلام، زید الرجل صاحب الرکب اسی پر دلالت کرتا ہے عثمان بن عفان نے جواب یہ دیا ہے بطور نادر کے ہے صاحب الراکب مقصود پر دلالت کرتا ہے۔ اس واسطے کہ دونوں سے نسب ہی مراد ہے۔

پس جب کہ الرکب پر الف لام داخل کیا گیا تو گویا القوم کے اوپر داخل کیا گیا ہے۔ اگر اس کا فاعل ضمیر ہو تو اس کی یہی شکل ہو گی تو نعم الرجل زیدٌ کہ اس کی اصل نعم الرجل ہے رجلا زیدٌ اوّل کا ذکر اس واسطے ترک کر دیا گیا کہ نکرہ منصوبہ اس کے اوپر دلالت کرتا ہے اور رجلا تو تمیز ہونے کی وجہ سے نصوب ہے۔

رجلاً کے اندر ہمیشہ نکرہ ہوا کرتا ہے اسی واسطے یہ کہنا درست نہیں ہے العشرون ورھماً اور اگر اس کے اوپر الف لام داخل کیا جاتا اور نعم الرجال نصب کے ساتھ کہتے تو غرض اصلی مفقود ہو جاتی اس واسطے کہ اگر الف لام کے ساتھ ساتھ لانے کا ارادہ کرتے تو اس کو رفع کر دیتے نعم الرجل کہتے اور اضمار کی یہ دقت نہ اٹھانی پڑتی اور فاعل کی ضمیر قصداً اختصار کے لئے لائے ہیں اس واسطے کہ نعم الرجل اس جنس پر دلالت کرتا ہے جس پر فضیلت دی گئی ہے۔

مسئلہ چہارم:

جس نعم الرجل زیدٌ میں دو صورتیں ہوں گی اور اس میں مبتداء کو مؤخر نہیں کیا گویا کہ اصل عبارت یوں ہے زید نعم الرّجل زید کو اگرچہ مؤخر کر دیا ہے مگر مراد تقدیم ہے جیسے کہا کرتے ہیں به المسآ کین اور مراد المساکین مرة به ہوتا ہے یا ضمیر مبتدا کی طرف راجع اس واسطے کہ رجل کے اندر چونکہ شمول کے معنی پائے جاتے ہیں اور جنس کے تمام افراد اس میں داخل ہیں اس واسطے زید بھی اس کے نیچے داخل ہے پس گویا کہ وہ مذکور ہے اور اس کی طرف ضمیر کا اعادہ ہو سکتا ہے وجہ دوئم یہ ہے کہ نعم الرجل زیدٗ زید کے اندر مبدا محذوف کی خبر ہے اس واسطے کہ جب نعم الرجل کہا گیا تو گویا کسی نے سوال کیا وہ کون سا رجلٌ ہے جس کی ثنا بیان کی گئی ہے اس کے جواب میں کہا ہو زیدٌ

مسئلہ پنجم:

مخصوص بالمدح اور مخصوص بالذّم اسی چیز کی جنس سے ہوتا ہے جو نعم اور بئس کے بعد مذکور ہوتی ہے جیسے زید رجال کی جنس سے ہے اور جب ایسا ہوا تو ساء مَثَلَ القَوم کے اندر ہے کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا مضاف محذوف ہے اس کی تقدیر ساء مَثَلاً مَثَلَ القَوْمِ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا ہے اور جب کہ ہم نے ان مسائل کو بیان کر دیا۔

Marfat.com

تو اب ہم تفسیر کی طرف رجوع کرتے ہیں واضح ہو کہ بِئْسَ مَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا مخصوص بالذّم ہے اس کے اندر دو مسئلے ہیں۔

مسئلہ اوّل:

مانکرہ منصوبہ ہے اور بئس ما کے فاعل کی تفسیر واقع ہوا ہے یعنی بئس اشیاء شَيْئٌ اِشْتَرَوْبِهٖ اَنْفُسَهُمْ مخصوص بالذّم ہے۔

مسئلہ دوئم:

اشترا سے کیا مراد ہے یہ بمعنی ہے حضرت ابی بن کعب امام باقرؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے بندے کو اختیار دیا ہے ایمان اور کفر کو اختیار کرنا جیسا کہ ان یہودیوں نے اپنی خواہش لذت سے اپنے اوپر کفر کو مسلط کر دیا اور نفس کی حرص میں گمراہی کو خرید لیا کیونکہ انسان کو اعمال میں اختیار ہوتا ہے تو یہودیوں نے جان کر ایمان کے بدلے کفر کو خریدا حضرت امام باقرؓ فرماتے ہیں کہ بیع اور بتداء میں یہ ہے کہ بیع کو بایں بھی کہتے ہیں جیسے کہ ایک ملک سے دوسرے ملک چلا جائے اسی طرح یہودیوں نے کفر صحافت کی وجہ سے اپنے اعمال کو بدتر کیا اور اپنے اعمال کو خراب کیا جب کہ ان کے نفس کا انجام بدتر ہوا کیونکہ انہوں نے اپنے نفس کو خواہش کے مطابق بیچ ڈالا اور یہ بِئْسَ مَا اشْتَرَوْا کی حدیث تفسیر سے بہتر ثابت ہوئی کہ جو ارشاد ہوا ہے (بَغْيًا) نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ ان کے دل کفر کی وجہ سے بغض اور حسد سے بھرے ہوئے ہیں کیونکہ فرمایا کفر ایسی خبیث چیز ہے کہ انسان کے اندر حسد اور بغض کو بھر دیتا ہے یعنی جیسا کہ کہا جائے کہ فلاں شخص حسد کی وجہ سے عداوت رکھتا ہے۔ بغیًا کیوں فرمایا گیا ہے اس لئے کہ وہ ان پر کفر صادر ہوا ہے اگر بغیًا نہ ہوتا تو لازم آتا ہے یہ کفران کو جہل پر ہے اس لئے بغیًا فرمایا گیا ہے کہ انہوں نے یہ کفر عناد کی وجہ سے کیا۔ یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ بغض اور حسد حرام ہے اور ان کے اندر بغض، حسد بھرا ہوا تھا حضرت امام باقرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ پہلے میری نبوت کے منتظر تھے جب میری نبوت کا ظہور ہوا تو ان پر شاق ہوا ہے حدیث شریف میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے صحابہ سے فرمایا جب یہ میری فضل نبوت کے منتظر تھے۔ اور کہتے تھے کہ یہ بنی اسرائیل پر نبوت کا فضل اللہ تعالیٰ نے زیادہ لکھا ہے جب میں اس دنیا میں مبعوث ہوا ہوں عرب میں اور قوم قریش میں تو اب اس فضل کو دیکھ کر حسد اور بغض سے بھر گئے ہیں کہ دل میں جانتے ہیں کہ یہ نبی فضل اور نعمت کبریٰ ہے اور یہ فضل ہمارے میں ہونا چاہئے تھا لیکن اس حسد سے یہ بھر رہے ہیں۔

مسئلہ دوئم:

فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ کے اندر دو غضب ہیں ان پر کئی قول ہیں لیکن فقیر حدیث کی طرف رجوع کرے گا۔ امام باقرؓ اور ابی بن کعب حضرت علیؓ کے مجموعہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پہلا غضب وہ ہے کہ انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کی۔ غضب دوسرا سخت ہے انہوں نے میری اور قرآن پاک کی تکذیب کی ہے حضرت علی المرتضیٰؓ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا کہ غضب تو وہ ہوتا ہے جو انسان کے اندر خون اور جذبے سے بھر جاتا ہے آپ ﷺ نے جواباً فرمایا کہ اللہ کی شان کے لئے محال ہے اس کا غضب یوں ہوتا ہے کہ وہ لعنت سے مذمت فرما دیتا ہے اور اس کی لعنت بڑا غصہ ہے اور ابو العالیہ ابی قتادہ وغیرہ نے اسی حدیث کی طرف رجوع کیا ہے۔

حدیث نمبر 2:

انہیں مذکورہ صاحبوں سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ان کا کفر کئی قسم کا تھا انہوں نے عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا بنایا عیسیٰ کو بھی اللہ کا بیٹا بنایا رسول کریم ﷺ نے یہ بھی فرمایا اگرچہ ایک بھی کفر تھا مگر کفر عظیم تھا اب وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ اس میں چند مسائل ہیں:

مسئلہ اوّل:

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ وَلِلْكٰفِرِيْنَ کے اندر تمام کفار نہیں اسی لئے وَلَهُمْ نہیں فرمایا جہاں وَلَهُمْ آتا ہے تو وہاں بعض کفار مراد ہیں بعض نے یہ کہا ہے کہ یہ عذاب صرف کفار کے لئے ہوگا۔ فاسق کے لئے نہیں ہوگا۔ بعض نے کہا فساق بھی کفار ہیں تو اس کی بحث پہلے ہو چکی ہے کہ اہل کبائر فساق جنت میں جائیں گے

Marfat.com

دراصل عذاب کی صفت مہین نہیں ہوسکتی کیونکہ مہین اہانت اور تحقیر کے لئے ہوتا ہے یہ عذاب کی صفت نہیں ہوسکتی نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مہین اللہ کا نام ہے وہ ان کی اہانت فرماتا ہے مسئلہ ثابت ہوا کہ جو گناہ کا مرتکب ہو اس کی اہانت فرماتا ہے اور اللہ کی اہانت ان پر عذاب ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ اٰمِنُوا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (۹۱)

ترجمہ: اور جب کہا گیا ہے ان کے لئے ایمان لاؤ اس چیز کے ساتھ جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے تو کہتے ہیں ہم ایمان لاتے ہیں اس پر جو ہمارے اوپر نازل فرمائی گئی ہے اور کفر کرتے ہیں اُس کے ساتھ جو اس کے علاوہ ہے۔ حالانکہ وہ تصدیق کرنے والی ہے۔ اس کلام کی جو ان کے پاس ہے اے حبیب پاک ﷺ ان سے ارشاد فرمادو پس تم کیوں قتل کرتے ہو اللہ تعالیٰ کے نبیوں کو اگر تم مومن ہو۔

جاننا چاہئے کہ یہ ان کی دوسری بداعمالی کا سبب ہے وَاِذَا قِيلَ لَهُمْ سے یہودی مراد ہیں اور اٰمِنُوا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ سے مراد اللہ تعالیٰ نے جو کچھ اتارا کیونکہ مَا موصولہ ہے اور موصولہ عموم کے لئے فائدہ دیتا ہے حدیث شریف میں بھی یہی ارشاد ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس آیت میں حکم عام ہے یعنی جو کچھ پہلے اترا اور جو کچھ مجھ پر اترا۔ وہ سب کچھ اس میں شامل ہے۔ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم فرمایا ہے کہ تم ایمان لاؤ انہوں نے یہ کہا کہ ہم ایمان لے آئے ہیں فرمایا یہودیوں کا حال دیکھو کہ وہ بعض پر ایمان لائے ہیں اور بعض پر ایمان نہیں لائے۔ اگر موصولہ نہ ہوتا تو عموم کیسے ہوتا جیسا کہ یہ حدیث امام باقرؒ اور سدیؒ نے بیان کی اگر یہ موصولہ نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ ان کی مذمت کیوں بیان فرماتا امام باقرؒ اور ابی ابن کعب اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سے حکایت فرماتا ہے یہودیوں نے کہا ہم توراۃ پر ایمان لائے ہیں۔ اور جو کتابیں حضرت موسیٰؑ کی شریعت کے موافق تھیں۔ نبی پاک ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ ان کو انجیل اور قرآن پاک سے انکار ہے۔ حالانکہ یہ ان کو معلوم ہے کہ دونوں کتابیں من عند اللہ ہیں اور وہ اس حق سے انکار کرتے ہیں یہ تکلیف ان کے لئے مالایطاق تھی آپ ﷺ نے فرمایا جب ان کو معلوم ہو گیا ہے کہ منزل من اللہ ہیں ان پر ایمان لانا ان کا فرض ہے۔ حضرت ابی بن کعبؓ اور امام محمد باقرؒ ابی قتادہ ابوالعالیہ، یہ سب حضرت علی سے بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ سے بعض پر ایمان لانا اور بعض پر ایمان نہ لانا اس میں نقص ہے جب یہ حق ان پر ثابت ہو چکا ہے کہ مجھ سے وہ طرح طرح کے معجزات دیکھ چکے ہیں اور جو ان سے پیشتر ان کے انبیاءؑ نے ان کو ایسے معجزات نہیں دکھائے تھے پھر آپ نے فرمایا کہ میرا نبوت کا ہونا ان کو اس امر پر دلیل قطعی سمجھنا چاہئے کہ میں نے کسی سے تعلیم نہیں پڑھی اور مجھے اللہ تعالیٰ نے تعلیم فرمائی اور میں نے ان کو ان کے واقعات کی پوری خبر دی اور قرآن پاک میرا مصدق ہے اور میری نبوت بھی حق ہے اس وجہ سے کہ میں نے جو ان کو واقعات بیان کئے قرآن پاک کے ذریعے وہ توراۃ میں مذکور ہیں فرمایا میرے صادق ہونے کی اور قرآن پاک کے مصدق ہونے کی یہ عظیم دلیل ہے فرمایا اگر ان کے واقعات جو میں نے ان کو بیان کئے ہیں اگر وہ توراۃ میں مذکور نہ ہوتے نہ قرآن پاک کا مصدق ہونا ثابت ہوسکتا تھا اور نہ میرا صادق ہونا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس لئے قرآن پاک میرا اور تمام انبیاء کا اور تمام کتب سماوی کا مصدق ہے اور میری نبوت بھی قرآن پاک سے صداقت پر ظاہر ہوئی ہے فرمایا یہ عظیم کفر ہے کہ بعض انبیاء پر ایمان لانا اور بعض کتب پر ایمان لانا۔ فرمایا تمام انبیاء پر اور تمام کتب پر ایمان لانا فرض ہے جیسا کہ اس آیت میں ذکر ہے فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ کے اندر چند مسائل ہیں:

مسئلہ اوّل:

ابی بن کعبؓ، امام محمد باقر، حضرت حسن، حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ توراۃ کے اندر میری نبوت کے واقعات اور اوصاف موجود تھے اور ان کی نبوت کے معجزات پر ایمان لانا فرض ہے جس طرح ان کو توراۃ پر ایمان لانا فرض ہے اور فرمایا انبیاء علیہ السلام کا قتل بھی کفر ہے۔ اور ان کے قتل کا ارادہ بھی کفر ہے۔ اور میرے اوصاف حمیدہ پر نکتہ چینی کرنا بھی کفر ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ ان کو فرماتا ہے کہ اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو تم یحییٰ، عیسیٰ زکریا علیہ السلام کے قتل کا ارادہ کیوں کرتے ہو۔

مسئلہ دوئم:

Marfat.com

امام باقرؓ فرماتے ہیں کہ مجادلہ بحث کرنا انبیاء علیہ السلام کا دستور ہے اور مخالف کے الزام کا جواب دینا یہ بھی طریقہ ہے۔

مسئلہ سوئم:

فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ کا خطاب ظاہراً حاضرین کو ہے لیکن اشارہ غائب کو ہے یہ بات چند وجوہ سے ثابت ہے:

وجہ اوّل:

نہ تو کوئی اس وقت زیادہ نبی ﷺ تھے اور اس پر اگر موجودین کو محمول کیا جائے تو درست نہ ہوگا اور نہ موجودین سے انبیاء کا قتل سرزد ہوا ہے موجودین کے ساتھ خطاب ہوتو مِنْ قَبلُ کے معنی نہ بن سکیں گے جیسا کہ حدیث شریف میں بھی وارد ہوا ہے۔ نبی پاک ﷺ نے فرمایا موجودہ یہودیوں کو ان کے اوصاف کی بداعمالی بیان فرمائی جارہی ہے اٰمِنُوْا کے اندر اگر کوئی اعتراض کرے کہ امنوا کا خطاب موجودین کو ہوا اور تَقْتُلُوْنَ کا خطاب غیب کے لئے ہو تو ان دونوں اجتماعوں میں مطابقت کیسے ہوگی۔ امام باقرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ میری تکذیب کی وجہ سے خارج از ایمان ہو گئے جیسا کہ ان کے اسلاف انبیاء کو قتل کرنے کی کوششوں میں لگے رہتے ہیں اور بعض انبیاء پر ایمان لانا اور بعض انبیاء پر ایمان نہ لانا ان کا کفر تھا۔ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ نے بھی یہ روایت کی ہے اور اس آیت میں حاضرین کو بھی سلف کے حالات کو بیان فرما کر ان کی موجودین کی بداعمالی کی وجہ بیان فرمائی گئی۔

قال اللہ تعالیٰ: وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ (۹۲)

ترجمہ: اور یقیناً تمہارے پاس موسیٰ علیہ السلام تشریف لائے روشن دلائل کے ساتھ پھر تم نے بچھڑے کو معبود بنالیا اس کے بعد حالانکہ تم ظالم تھے۔

جاننا چاہئے کہ یہ آیت دوبارہ تاکید کے ساتھ بیان فرمائی گئی ہے کیونکہ پہلے وہ حالات گزر چکے ہیں جب بنی اسرائیل نے گاؤ سالہ کی پرستش کی اور بدترین کفر میں مبتلا ہو گئے نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے دوبارہ یہ آیت تاکید کے لئے فرمائی ہے کہ ان کے اسلاف نے موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کی اور گاؤ سالہ کی عبادت کی اور کفر میں غرق تھے جب کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر طرح طرح کی نعمتیں انعام فرمائیں اللہ تعالیٰ مجھے تسلی فرماتا ہے کہ جب ان کے اسلاف نے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ایسا کیا تو یہ کوئی تعجب نہیں یہ کم بخت آپ کے بڑے بڑے معجزات قاہرہ کو دیکھ کر بغض کرتے ہیں جب کہ یہ سب توریت میں آپ کی شان پڑھ چکے ہیں۔

قال اللہ تعالیٰ: وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاسْمَعُوْا ؕ قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا ق وَاُشْرِبُوْا فِىْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ؕ قُلْ بِئْسَمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖٓ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (۹۳)

ترجمہ: اور جب ہم نے تم سے عہد کیا اور تمہارے سروں پر طور کو بلند کیا پکڑلو جو کچھ ہم نے تم کو عطا فرمایا ہے قوت کے ساتھ اور سن لو، کہا انہوں نے کہ ہم نے سن لیا اور نافرمانی کی اور جو ان کے دلوں میں بہ سبب کفر کے گاؤ سالہ سرایت کر گیا فرما دیجئے اے حبیب پاک ﷺ بری ہے وہ چیز کہ حکم دیتا ہے اس کا تمہارا ایمان نہیں اگر تم مومن ہو۔

جاننا چاہئے حدیث شریف میں ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا دیکھو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں دوبارہ اس حقیقت کا اعادہ فرمایا ہے، اتمام حجت کے طور پر فرمایا جیسا کہ ہمارے کلام عرب میں دستور ہے پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ رَفَعْنَا کہ طور کا ان کے سر پر کھڑا ہونا بہت بڑی تکلیف تھی۔ اور انہوں نے زبان سے کہا کہ ہم نے سن لیا اور نافرمانی کی فرمایا یہ کلام ان کے ظاہری زبان پر تھی حدیث سے ثابت ہوگیا کہ یہ کلام ان کی زبان سے جاری ہوا۔ اب دوسرے کسی قول کی اس حدیث کے مقابل کوئی وقعت نہیں۔

حدیث پاک:

ابی بن کعبؓ ابن عمرؓ اور حضرت علیؓ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جب انہوں نے سَمِعْنَا کہا اور ساتھ وَعَصَيْنَا بھی کہہ دیا اس کا مقصد یہ ہے کہ ان کے دل کے اندر بچھڑے کی محبت بیٹھ گئی تھی امام باقرؓ فرماتے ہیں کہ جب محبت قلب میں سرایت کر گئی تو وہ بچھڑے کی پرستش کرنے میں مصروف ہو گئے

Marfat.com

اور محبت اس حد تک بڑھ گئی جیسے کہ کیڑا پانی کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا اسی طرح وہ بھی۔ بچھڑے کی عبادت کے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔ امام باقرؒ نے اس کی ایک اور مثال یوں دی ہے کہ جیسے پھل کا درخت زمین سے باہر نکل کر بڑا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح محبت بھی جب قلب کے اندر ہوتی ہے تو وہ بھی درخت کی مانند ہوتی ہے جیسے وہ درخت چھوٹا ہوتا ہوا بڑھتا جاتا ہے پھر وہ اپنے طول کو پہنچ جاتا ہے۔ اسی طرح محبت کو بھی قیاس کرنا چاہئے۔ بچھڑے کی محبت بھی انہیں ایسے طور پر لے گئی وہ ایمان سے خارج ہو کر کہیں کے بھی نہ رہے، معتزلہ نے کئی مثالیں دی ہیں لیکن اس حدیث اور اس قول کے سامنے وہ باطل ہیں۔ سب مفسرین کا بھی اسی حدیث پر اتفاق ہے۔

مسئلہ دوئم:

ابی بن کعبؓ ابوسعید خدری فرماتے ہیں رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ تورایت کے اندر ان کو گاؤ سالہ کی عبادت کرنے کا حق نہ تھا بلکہ ایمان لانے کا حکم تھا کیونکہ ایمان کا حکم مقدم ہے۔ جیسا کہ شعیب علیہ السلام کے قصہ میں حکم ہے کہ تیری نماز تجھ کو کیا فائدہ دے گی تو یہ سبب یہ فعل حکم یعنی دوسرے فعل کے سبب کا حکم ہے ثابت ہوا کہ تورایت پر ایمان لانا ان پر فرض تھا۔ لیکن انہوں نے ایمان تو لانا کیا تورایت کے اندر تحریف کر دی اس میں ایمان کا حکم ثابت ہے کیونکہ فعل ایمان امر کا تقاضا ہے جس طرح دو فعل اکٹھے ہوتے ہیں۔ جس طرح اس آیت میں ہے نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے لہٰذا وہ اپنے دعویٰ میں باطل ہے کیونکہ عدم ایمان تمام فعلی ترجیحات کو ختم کر دیتا ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (۹۴) وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًام بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ط وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ (۹۵)

ترجمہ: اے حبیب پاک ﷺ فرما دو اگر تمہارے لئے دار الآخرت اللہ تعالیٰ کے نزدیک خالص ہے لوگوں کے ماسواء پس تم موت کی آرزو کرو اگر تم سچے ہو وہ موت کی آرزو ہمیشہ کے لئے ہرگز نہیں کریں گے اس وجہ سے کہ ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجا اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جاننے والا ہے۔

جاننا چاہئے ابی بن کعبؓ حضرت امام باقر ابی قتادہ حضرت علیؓ کے مجموعہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا یہ ان کی اور بداعمالی کا بیان ہے یہ کہتے ہیں کہ دار الآخرت خاص ہمارے لئے ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے مخصوص کر دی ہے تو اس میں یہ ہے کہ جب تک کوئی اپنے مذہب میں شرط کو مکمل نہ سمجھے تو قصداً عمل میں نہیں آسکتی لہٰذا یہ دعویٰ ان کا باطل ہوا۔

حدیث پاک:

نبی پاک ﷺ نے یہودیوں کی وجہ بیان فرمائی یہ کہتے ہیں کہ جنت ہمارے لئے ہے۔ ہمارے سوا اس میں کوئی داخل نہ ہوگا اور کہتے ہیں کہ تمام فرقے باطل ہیں اور ہمارا مذہب حق ہے جیسا کہ اس آیت میں ارشاد ہے وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ فرمایا کہ یہ اپنے دعویٰ میں افتراء کرتے ہیں۔

حدیث پاک:

وہ بھی انہیں مذکورہ صاحبوں سے ہے نبی کریم ﷺ نے یہودیوں کے بارے میں یہ فرمایا کہ یہودی یہ خیال کرتے ہیں کہ ہمارے اکابرین انبیاء یعنی حضرت ابراہیم اور حضرت اسحٰقؑ، حضرت یعقوب علیہ السلام ہمارے ہیں ہم انہیں کی اولاد ہیں ہم جو بھی گناہ کریں گے ہم پر عذاب نہ ہوگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا آپ کو یاد ہوگا کہ میری بعثت شریف سے قبل پورے عرب پر اپنا فخر بیان کرتے تھے کہ ہم اولاد یعقوبؑ سے ہیں ہمارے جد بزرگوار اولوالعزم پیغمبر ہیں۔ جو تورایت اور تمام کتابوں میں لکھا ہوا ہے۔ کہ نبی محمد ﷺ آخری نبی ﷺ ہوگا اس کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا وہ ہمارے میں سے ہوگا۔ جب ہماری بعثت قوم عرب سے ہوئی ہے تو ان کو شاق گزرا ہے اور میری طرف بری آنکھ سے دیکھتے ہیں اور دار الآخرت کو اپنا گھر سمجھتے ہیں۔ جب کہ یہ دنیاوی لذات میں مصروف ہیں اور دنیاوی تمام نعمتوں اور تمام لذات سے آخرت کی نعمتیں اور لذات بیش بہا اور دائمی ہوں گی۔ جب کہ دنیا کی نعمتیں اور لذات ان کے مقابل کچھ نہیں تو فرمایا کہ وہ بغیر موت کے حاصل نہیں ہوسکتیں اگر یہودی اپنے دعویٰ میں سچے ہیں تو موت کی آرزو کریں فرمایا اللہ تعالیٰ نے ان کو فرمادیا ہے کہ اگر تم آخرت کی نعمتوں کو چاہتے ہو تو موت کی آرزو کرو لیکن یہ کبھی نہیں کریں گے دنیا

Marfat.com

کی لذات اور دنیا کی زندگی ان کو پیاری ہو چکی ہے فرمایا کہ ہر شخص یہ کوشش کرتا ہے کہ میں اعلیٰ چیز کو تلاش کروں وہ زیادہ ہو فرمایا کہ آخرت کی نسبت دنیا کی نعمتیں قلیل اور معدوم ہیں جب کہ قلیل کو کوئی نہیں چاہتا اور کثیر کی طرف ہر کوئی لوٹتا ہے تو فرمایا کہ یہودی موت کی تمنا کریں۔ بلکہ آئندہ کے لئے دعویٰ ان کا باطل تھا وہ موت کی تمنا کبھی نہیں کرتے اگر کوئی اعتراض کرے کہ نبی کریم ﷺ کی امت کے لئے یہ موت کی آرزو نہ تھی جب کہ ہر کوئی موت سے گریز کرتا ہے اور نہ ہی محمد ﷺ نے اپنی امت کو فرما دیا اور یہودی یہ بھی کہہ سکتے تھے کہ یہ دعویٰ تمہاری امت میں بھی ہو سکتا ہے تو جب کہ حدیث شریف میں ہے کہ انسان موت کی تمنا نہ کرے اور کہے کہ اللہ اگر تو مجھے زندہ رکھنا ہے تو اچھائی سے رکھ تو اس سے ثابت ہوا کہ موت کی تمنا کرنا ناممکن ہے جیسا کہ ارشاد ہے کہ کافر قیامت کے آنے میں جلدی کرتے ہیں اور ایمان والے اس سے ڈرتے ہیں تو اس میں یہ ہے جو کسی کا مطلوب ہوگا تو مطلوب علیہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ تو لہٰذا محمد ﷺ کی امت کے لئے یہ مطلوب نہیں ہو سکتی یا یہودی یہ کہیں کہ حبیب پاک ﷺ دار الآخرت کے لئے انتظار سب کو لازم ہو۔ ان تمام کا جواب یہ ہے ابی بن کعبؓ اور حضرت امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا یہ ارشاد یہودیوں کے امتحان کے لئے ہے اور وہ اس امتحان میں کامیاب نہیں ہیں دنیا کی تکلیف کو آخرت کی تکلیف کے لئے راحت سمجھے موت بھی ایک تکلیف ہے جیسے کوئی حجامت کروانے والا حجامت کو تکلیف نہیں سمجھتا۔ اگر چہ حجام ان پر استرا یا قینچی چلاتا ہے اسی طرح مومن بھی موت سے نہیں ڈرتا اگر نبی کریم ﷺ پر مذکورہ یہودی اعتراض کرتے تو آپ ان کو یہ جواب دیتے کہ میں تبلیغ کرنے کے لئے آیا ہوں اور جب یہ تبلیغ پوری ہو جائے گی تو میں بھی اس دنیا سے رحلت فرما جاؤں گا۔ حضرت عمار بن یاسر نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں آپ کے ان دوستوں کے پاس جانا چاہتا ہوں جو پہلے چنے گئے ہیں یعنی گروہ انبیاء علیہ السلام اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مصیبت کے وقت موت کا طلب کرنا شریعت کے خلاف ہے۔

حدیث پاک:

2- کیا وہ یہودی موت کی تمنا زبان سے یا دل سے کرتے تھے امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا تمنا وہ ہوتی ہے جس کا دل سے اظہار ہو اور زبان سے اقرار ہو جب تک دل کے اندر وہ بات خالص نہ ہو اس وقت تک زبان سے اظہار نہیں ہو سکتا جس پر محمد ﷺ کی نبوت اور عدم نبوت پر صحت کا اعتبار تھا پس یہ امر ہے کہ اس کا متواتر ہونا منقول چاہئے تھا۔ معلوم ہوا کہ تمنا پائی نہیں جاتی۔ باوجود عقل اور کمال اندیشی آپ کو یہ حکومت عطیہ کے طور پر ملی۔ جب آپ ﷺ اس حکومت پر جلوہ افروز ہوئے تو طوعاً وکرہاً آپ کا حکم ماننا پڑا ایسی چیز کا حکم آپ کیوں فرماتے جس کا آپ کو علم نہ تھا تو معلوم ہوا کہ انجام کار قرآن پاک کے ذریعے آپ کو معلوم تھا اور آپ کا علم وسیع ہوا اور اللہ تعالیٰ نے جو عقل آپ کو عطا فرمائی وہ کسی میں نہیں تو اس لئے آپ ﷺ نے جو خبر دی وہ حق دی امام باقرؒ اور ابی قتادہ ابو بکرؓ و عمرؓ و حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا اگر یہ یہودی موت کی تمنا کر لیتے تو ان کو موت آ جاتی فرمایا کہ مباہلہ میں وہ لوگ نہ آئے اگر وہ آتے تو ان کا کوئی فرد بچ کر نہ جاتا حدیث سے معلوم ہوا کہ انہوں نے موت کی تمنا نہیں کی خوشی سے موت کی تمنا کوئی کرتا ہی نہیں۔

اب ہم تفسیر کی طرف رجوع کرتے ہیں دار الآخرت سے مراد نبی پاک ﷺ کی حدیث ہے کہ وہ جنت ہے (مِنْ دُوْنِ النَّاسِ) الناس میں الف لام بعد میں عہد کا ہے۔ یعنی ان لوگوں کے ماسوا جو مسلمان ہیں یعنی یہودی اور نبی پاک ﷺ کی حدیث بھی انہی کے حق میں ہے فرمایا یہ کافر یہ یہودی جہنم میں جائیں گے اور جنت میں داخل نہ ہوں گے۔ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ کے اندر احتمال ہے کہ وہ اگر اپنے دعویٰ میں سچے ہوتے تو موت کی آرزو کرتے۔ لیکن انہوں نے آرزو نہیں کی۔ تو جنت کے داخلہ سے خارج ہوئے۔ موت کی وجہ سے وہ جنت سے خارج نہیں ہوئے بلکہ کفر کی وجہ سے اب وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ پر اگر کوئی اعتراض کرے کہ سورۃ جمعہ میں تو لا یتمنونہ آیا ہے جواب کہ وہاں یہ انہوں نے دعویٰ کیا کہ ہم اللہ کے زیادہ دوست ہیں اور پہلے کی نسبت وہ زیادہ قوی ہے اس لئے لَنْ تاکید کے لئے آتا ہے۔ اب ابداً نبی کریم پاک ﷺ نے فرمایا کہ ابداً اس لئے آیا ہے کہ ان کو دنیا سے اتنا حرص ہے کہ کبھی موت کی خواہش نہ کریں گے اور اللہ تعالیٰ نے اس لئے تاکید کے ساتھ فرما دیا بِمَا قَدَّمَتْ کے بارے میں بھی آپ نے یہ فرمایا کہ جتنے ان کی سب بداعمالیاں ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں موجود ہیں اور اللہ فرماتا ہے جو تم کرتے ہو وہ میرے پاس آ رہا ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ دلوں کے بھیدوں کا واقف ہے اور بِالظّٰلِمِيْنَ فرمایا اور کافرین نہیں فرمایا چونکہ کافر بھی ظالم ہوتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے ظلم کو بیان فرمایا ہے۔

Marfat.com

قال اللہ تعالیٰ: وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ج وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ج يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ج وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ط وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ م بِمَا يَعْمَلُوْنَ ع (۹۶)

ترجمہ: اور بلاشبہ آپ ان کو لوگوں سے زیادہ حریص پاؤ گے اور مشرکین سے بھی ان میں سے ایک ایک تمنا کرتا ہے کہ اسے ہزار برس کی عمر دے دی جائے۔ یہ اس عمر کا ملنا ان کو عذاب سے نہیں چھوڑا سکتا اور اللہ تعالیٰ دیکھنے والا ہے۔ جو وہ کرتے ہیں۔

جاننا چاہئے نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ اس آیت میں سابقہ آیت کی خبر دی گئی ہے کہ یہودی زندہ رہنے میں حریص ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کچھ شخص ایسے بھی ہوتے ہیں جو نہ موت کی تمنا کرتے ہیں نہ زندگی کی فرمایا اس میں وضاحت کر دی گئی یعنی یہودی زندہ رہنے میں زیادہ خوش ہیں وَلَتَجِدَنَّهُمْ میں یہ احتمال ہے اس کے معنی علم کے ہیں۔ جیسے کوئی کہے کہ میں نے زید کو حافظہ میں قوی پایا (اَحْرَصَ النَّاسِ) میں بھی مفصل ہے۔ عَلٰى حَيٰوةٍ کے اندر بھی دو قراتیں ہیں جیسے عَلَى الْحَيٰوةِ اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا کیا وہ پہلی آیت کے لفظ الناس میں شامل نہ تھے جواب ان کا جدا بیان کرنا اس لئے ہوا کہ مشرکین بھی موت کی تمنا نہیں کرتے امام باقرؒ اور ابو سعید خدری فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ مشرک آخرت کے منکر ہوتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہماری جنت یہی دنیا ہے اور ہمارے لئے دوبارہ زندگی نہ ہوگی آپ ﷺ نے فرمایا جیسا کہ یہودی مشرکین سے بھی عمر کے لئے زیادہ حریص ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ وہاں پچاس ہزار سال کا ایک دن ہوگا اس دن سے وہ ڈرتے ہیں وہ موت کی تمنا نہیں کرتے بیان ہو چکا ہے کہ یہودی زیادہ مشرکین سے حریص تھے اور وہ اس بات کا خیال کرتے تھے کہ ہم نے مرنا ہے اور جہنم کو بھی جانا لازم ہو سکتا ہے اور مشرکین کو اس بات کا انکار ہے کہ بعد الموت دوبارہ زندگی نہیں ہوگی اس لئے مشرکین سے زیادہ یہودی حریص تھے اور اسی لئے يَوَدُّ استینا فیہ ہے یعنی مِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لِلنَّاسِ اور پوری آیت یوں ہے وَلَتَجِدَنَّهُمْ وَطَائِفَةٌ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ میں یہ نبی پاک ﷺ کا ارشاد ہے کہ وہ لوگ دنیا کی زیادہ محبت رکھتے ہیں اور موت کو گوارہ نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کلام میں یہودیوں کے لئے خطاب فرمایا ہے فرمایا اَلْفَ سَنَةٍ سے بھی صرف ایک تعداد معین ہے ورنہ اس سے بھی زیادہ عمر ہو تب بھی یہ موت کی خواہش نہیں کریں گے۔ اور فرمایا یہ ان کو بھول ہے کہ یہ عمر ان کو عذاب سے چھڑا سکے گی۔

یہ کلام عرب میں دستور تھا کہ وہ جب کسی بادشاہ کو ملتے کہتے زندہ رہو آپ کی ہزار برس عمر ہو امام باقرؒ و ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اہل عجم کا بھی یہ دستور ہے کہ وہ جب کسی سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں تیری عمر بڑی ہو۔ اب وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ کے بارے میں امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ زحزح کے معنی دور کے ہیں اور امام باقرؒ نے اس پر بڑی بحث کی ہے مفسرین فرماتے ہیں کہ امام باقرؒ قرآن پاک کے ہر لفظ کی عظیم تفسیر بیان کرتے ہیں۔ اتنی کوئی نہیں کر سکتا اور نہ کوئی کرے گا آخر تک جب آپ نے اتنی لمبی تفسیر لکھی جو سو جلد پر ہے اور مفسرین بھی ان کو نہ سمجھ سکتے تھے۔ انہوں نے تھوڑی تھوڑی اپنی سمجھ کے مطابق اخذ کر لی۔ زحزحہ کے بارے میں امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ اس کی تفسیر ہے یعنی عذاب ان کے لئے دور نہیں ہوگا چہ جائیکہ زیادہ عمر کا بھی تقاضا کرتے رہیں وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِمَا يَعْمَلُوْنَ میں فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ تمام عالم کا ذرہ ذرہ ظاہر و باطن اس کے مشاہدہ علم میں ہے اور بصیر بمعنی مشاہدہ علم کے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ کے لئے لفظ بَصِيْر بمعنی بَصَرْ کے نہیں حدیث سے واضح ہوا کہ بَصَر بمعنی اللہ تعالیٰ کے لئے مشاہدہ علم کے لئے ہے اور شاہد بمعنی حاضر اللہ تعالیٰ کے لئے نہیں ہے اس کی بحث آئندہ اوراق میں ہوگی۔

قال اللہ تعالیٰ: قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ (۹۷) مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ (۹۸)

ترجمہ: اے حبیب پاک ﷺ فرما دو جو جبرائیل علیہ السلام کا دشمن ہے پس بے شک اس کی شان یہ ہے کہ نازل کیا ہے اس نے آپ ﷺ کے قلب کا اطہر پر اسے قرآن پاک کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے ساتھ جو مصدق ہے تصدیق کرنے والا ہے جو اس کے سامنے ہے مومنوں کے لئے ہدایت اور خوش خبری ہے۔ جو اللہ اور ملائکہ اور رسولوں اور جبرائیل اور میکائیلؑ کا دشمن ہے۔ پس بیشک اللہ تعالیٰ کافروں کے لئے دشمن ہے۔

Marfat.com

جاننا چاہئے کہ یہ یہودیوں کی بد اعمالی کا بیان ہے۔ قُلْ مَنْ کَانَ کے اندر چند مسائل ہیں:

مسئلہ اوّل:

امام باقرؒ فرماتے ہیں رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ یہودیوں کی مذمت سرزد ہوئی ہے جن کی وجہ سے مجھے یہ فرمانے کا حکم ہوا ہے جو یہود سے جبرائیل کے خلاف بات سرزد ہوئی ہے۔ امام باقرؒ وابی بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ عبداللہ ابن تور بہ یہودی نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا کہا کہ اے محمد ﷺ میں آپ ﷺ سے چند سوال کروں گا جواب صحیح ہوا تو آپ ﷺ کو نبی مان لوں گا۔ آپ ﷺ کس طرح سویا کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا میرا دل جاگتا ہے اور آنکھیں نیند کرتی ہیں۔ پھر اس نے کہا کہ بچہ مرد سے پیدا ہوتا ہے یا عورت سے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہڈیاں پٹھے رگیں مرد سے ہوتی ہیں۔ خون بال، ناخن عورت سے ہوتے ہیں اس نے کہا کہ آپ نے سچ کہا کہ توراۃ میں لکھا ہوا ہے کہ ایک نبی محمد ﷺ تشریف لائیں گے۔ وہ یعقوب علیہ السلام کے بارے میں یہ فرمائیں گے کہ وہ کیا کھانا کھایا کرتے تھے آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے قسم ہے اس ذات کی جس نے توراۃ موسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمائی کہ میں سچ فرماؤں گا حضرت یعقوب علیہ السلام کافی بیمار ہو گئے تھے اور ان کی بیماری جب طویل ہو گئی تھی تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں نذر مانی کہ میں ٹھیک ہو جاؤں تو بہترین کھانا اپنے اوپر حرام کر دوں گا تو جب ان کو صحت آ گئی وہ اونٹ کا گوشت کھاتے تھے اور اونٹنی کا دودھ پیتے تھے۔ اس نے کہا سچ ہے اس نے کہا ایک اور سوال ہے آپ سے دریافت کرتا ہوں اگر آپ ﷺ نے سچ فرمایا تو آپ ﷺ پر ایمان لاؤں گا آپ ﷺ پر وحی کون لاتا ہے جواباً فرمایا کہ جبرائیلؑ لاتے ہیں۔ اس نے کہا کہ میں آپ ﷺ پر ایمان نہیں لاتا کیونکہ جبرائیل ہمارا دشمن ہے وہ ہم پر قتال کی خبریں لاتا ہے۔ اگر میکائیل ہوتا تو میں آپ ﷺ پر ایمان لاتا میکائیل ہم پر بشارت کی خبریں دیتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اس کی وجہ کیا ہے ابتداء میں اس نے کہا ہمارے نبی ﷺ نے یہ فرمایا تھا کہ ایک بخت نصر شخص پیدا ہو گا وہ بیت المقدس کی تحریف کرے گا ہم نے اس کو تلاش کرنے میں کوشش کی چند آدمی بھیجے جب ہم قتل کرنے لگے تو جبرائیل نے اس کی حفاظت کی کہا کہ یہ وہ شخص نہیں جن پر تم کو اللہ تعالیٰ نے مسلط کر دیا ہے۔ جبرائیل نے کہا یہ وہ شخص نہیں ہو سکتا جن کی نسبت اللہ تعالیٰ نے تم کو کہا تو وہ شخص پھر بادشاہ ہو گیا اور بیت المقدس کو تخریب کے ساتھ ہم سے چھین لیا اور ہم کو قتل کر دیا۔ اس وجہ سے ہم جبرائیل کو دشمن سمجھتے ہیں انہوں نے کہا کہ میکائیل کو جبرائیل سے دشمنی ہے اور ایک دوسرے کے دشمن ہیں امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر نے کہا کہ جبرائیل اور میکائیل دونوں دوست ہیں۔ وہ دونوں ان کے دشمن ہیں۔ حضرت عمرؓ کی زمین مدینہ عالیہ میں تھی۔ حضرت امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ راستے میں یہودیوں کا مدرسہ تھا۔ حضرت عمران کے پاس بیٹھا کرتے تھے انہوں نے کہا کہ ہم کو آپؓ سے محبت ہو گئی ہے۔ اور اب ہمارے پاس بیٹھا کریں آپؓ نے فرمایا کہ میں تمہارے پاس اس لئے نہیں بیٹھتا ہوں کہ تمہارے دین کی کچھ باتیں سنوں۔ بلکہ میں تمہارے پاس اس لئے بیٹھتا ہوں کہ تمہاری کتابوں میں حبیب اللہ ﷺ کا حال معلوم کروں تم یہ کہتے ہو کہ میکائیل اور جبرائیل میں کیا فرق ہے انہوں نے کہا کہ میکائیل روزی لاتا ہے۔ اور ہمارے لئے خوشخبری لاتے ہیں اور آسائش کی چیزیں لاتا ہے اور جبرائیل کو اس سے دشمنی ہے۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ اللہ کے ہاں جبرائیل کا درجہ بلند ہے یا میکائیل کا انہوں نے کہا کہ جبرائیلؑ کا درجہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بلند ہے اور جبرائیل اللہ کے دائیں ہاتھ کی طرف اور میکائیل بائیں ہاتھ کی طرف ہوتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ وہ آپس میں دوست ہیں ان کی دشمنی نہیں ہو سکتی یہ تمہارا کفر ہے اور تم گدھے سے بھی بدتر ہو۔ حضرت عمرؓ واپس آئے تو یہ دونوں آیتیں نازل ہو چکی تھیں رسول کریم ﷺ نے فرمایا اے عمرؓ آج اللہ تعالیٰ نے بھی تمہاری بات کے موافق کلام فرمایا ہے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ میں دین میں بھی پتھر سے زیادہ سخت ہوں۔ امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ یہودیوں کو یہ گمان تھا کہ نبوت ہمارے پاس آنی تھی لیکن جبرائیل نے دوسرے لوگوں کے پاس پہنچا دی۔ یہ ہم سے زیادتی ہوئی جبرائیل کی وجہ سے، کہ جبرائیل نبی پاک ﷺ کی ذات پر قرآن پاک کا نزول کرتے تھے اس وجہ سے ان کو دشمنی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں۔ حضرت امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ جبرائیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے کلام کو جب لاتے ان میں جو احکام ہوتے۔ قتال، روزہ اور احکامات ان کی مرضی پر نہ تھے حکم الٰہی تھے یہ بات یہودی بھی جانتے ہیں کہ حکم الٰہی کے بغیر کوئی حکم جبرائیل نہیں لا سکتے۔ پھر وہ جبرائیل کو کیوں دشمن کہتے تھے۔ یہ ان کا دشمن کہنا تو بے موقع تھا۔ اس میں چند وجوہ ہیں:

وجہ اوّل:

Marfat.com

کہ یہودیوں کو جس طرح محمد ﷺ کی نبوت شاق گزری اسی طرح ان کو جبرائیل سے عداوت ہوئی۔ جس کو جبرائیلؑ سے عداوت اس کو اللہ تعالیٰ سے عداوت جس کو اللہ تعالیٰ سے عداوت ہے وہ کافر ہے۔ اسی لئے جبرائیل علیہ السلام کی عداوت بھی کفر ٹھہری۔ اگر میکائیل کتاب کو لاتے معاذ اللہ کتاب کے اندر کم و بیش کرتے۔ ایسا تو ہو نہیں سکتا۔ کیونکہ ملائکہ معصوم ہوتے ہیں وہ حکم عدولی نہیں کرتے۔ جس طرح کفار یہودیوں کو نبی پاک ﷺ کی نبوت شاق گزری اسی طرح کہہ چکا ہوں کہ جبرائیل کا آنا بھی رسول اللہ ﷺ کے پاس ان کو شاق گزرا معاذ اللہ۔ اگر قرآن پاک میں کوئی نقص لازم ہوتا تو پھر تو رایت میں بھی ایسا نقص ہو سکتا ہے بوقت نزول جیسا کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ تو رایت کے نزول ہونے کے بعد بھی لوگوں نے ان کے ساتھ کفر کیا جیسا کہ آج میرے اور قرآن پاک کے ساتھ لوگ کفر کر رہے ہیں۔

مسئلہ دوئم:

ابن کثیر نے جبرائیل بفتح جیم، کسرہ را بغیر ہمزہ کے پڑھا ہے۔ کسائی حمزہ ابو بکر نے عاصم سے بفتح جیم و راہمزہ کے ساتھ روایت کیا ہے، باقی نے بغیر ہمزہ ورا وزن قندیل پر پڑھا ہے۔ سات لغت میں سے تین بیان ہو چکی اور چار یہ ہیں۔ جبرائل، جبرائیل اور جبرین یہ لفظ غیر منصرف ایل ہے، کیونکہ عجمی ہے اور علم ہے۔ امام باقرؒ اور ابن عباس حضرت علیؓ کے مجموعہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ جبرائیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا بندہ ہے بمعنی جبر کے اور ایل اللہ کا نام ہے اہل علم نے بھی اسی حدیث پر عمل کیا ہے۔

سوال: فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ کے اندر کیا مرجع ہے؟

جواب: دو قول ہیں یہی ضمیر کا مرجع لفظ پہلے کا جبرائیل دوسرے کا قرآن ہے۔ اگر چہ قرآن کا ذکر نہیں مگر حکماً مذکور ہے جیسے مَا تَرَکَ عَلٰی ظَهْرِهَا کے اندر زمین کا ذکر نہیں مگر حکماً ذکر ہے۔ ابن عباسؓ اور امام باقرؒ اور اکثر اہل علم کا یہی قول ہے اگر ان کی عداوت جبرائیل سے ہے تو صرف اسی واسطے ہے کہ جبرئیل علیہ السلام حضور اکرم ﷺ پر قرآن لاتے ہیں۔ امام باقرؒ نے فرمایا جس چیز کا ذکر نہ ہو تو ضمیر لے آئیں۔ تو اس میں اس کی عظمت اور شان بلند ہوتی ہے کہ وہ موجود نہ ہو اور اس کا ذکر ہو اس میں اس کی شان اور عظمت کی شہرت ہوتی ہے بعض اوقات صریح ذکر کرنے سے اس کے ضمیر کو ذکر کر دیا جاتا ہے یہ بھی ہے کہ یہ سبب موجود ہونے کے بھی اس کی شان اور عظمت کی شہرت ہوتی ہے۔ انہٗ کے اندر ’’ہٗ‘‘ ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف ہے اور جبرائیل از خود نازل نہیں ہوئے بلکہ ان کو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا اپنے حکم کے ساتھ اب عَلٰی قَلْبِکَ کہنے کی کیا وجہ ہے۔ فقیر اس پر سورۃ شعراء میں بحث کرے گا یعنی قرآن پاک آپ کی ذات پر نازل ہوا نہ کہ آپ کے قلب پر مگر نازل ہو کر قلب اطہر میں محفوظ ہے پس آپ ﷺ نے اپنی امت کو پہنچایا قلب اطہر میں رہنے کی وجہ یہی ہے کہ قلب میں محفوظ رہا اور امت کو پہنچایا پس قلب کے محفوظ رہنے میں اس کے پہنچانے میں قدرت ہوئی یہی وجہ درست ہے کہ قلب پر نازل ہوا۔ اگر چہ قلب پر نازل نہ ہوا ہو۔

سوال: عَلٰی قَلْبِهٖ کی بجائے عَلٰی قلبک آیا ہے۔ حالانکہ عَلٰی قَلْبِهٖ ہونا چاہئے تھا۔ جو کلام الٰہی کی حکایت ہے۔ اصل عبارت یوں ہے قُلْ مَا تَکَلَّمَ قَوْلِیْ مَنْ کَانَ عدوًا لِّجِبْرِیْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰی قَلْبِکَ۔

جواب: اس کی دو وجہ ہیں:

وجہ اوّل:

کہ جبرائیل علیہ السلام سے یہودیوں کو عداوت کس طرح ہے جب کہ وہ اللہ کا حکم لے کر آتے ہیں۔ اس میں بشارت کے علاوہ اوامر اور نواہی کے احکام بھی ہوتے ہیں یعنی جبرائیل اپنی طرف سے کچھ نہیں لاتے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کو لاتے ہیں۔ جب کہ اپنی طرف سے کچھ کہنے سے وہ معذور نہیں تو ان کے ساتھ عداوت کرنا سراسر ناحق ہو گا۔

وجہ دوئم:

حدیث پاک میں ہے حضرت امام باقرؒ و ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جبرئیلؑ یہودیوں کو کیسے اچھا لگ سکتا ہے۔ جب کہ وہ اللہ

Marfat.com

ان کے دل پر شاق گزرتا ہے اور جبرئیل کا آنا ان کو
تعالیٰ کے کلام کے الفاظ عربی مجھے پڑھاتے ہیں اور جو میرے لئے دلیل برہان ہے اور میرے صدق کو ظاہر کرتی ہے۔
کیسے اچھا لگ سکتا ہے۔ اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اذن بمعنی امر اللہ ہے اس سے اللہ تعالیٰ کے علم کا اظہار ہوتا ہے فرمایا اذن یہاں اس لئے نازل ہوا ہے قرآن
پاک کا نازل ہونا فرض ہے اور اس سے قرآن پاک کی فرضیت ظاہر ہو چکی ہے۔ جیسا کہ قرآن پاک مجھ پر فرض کیا گیا ہے یعنی فرمایا کہ قرآن پاک کا فرض ہونا یہ حجت
کامل ہے۔ اور قرآن پاک کا نازل ہونا امر فرض ہے۔ جب جبرئیل علیہ السلام کو نازل کرنے کا حکم تھا تو انہوں نے اس حکم کی تعمیل کی اب مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ سے

کیا مراد ہے۔
ابی بن کعبؓ حضرت امام محمد باقرؒ و ابن عباسؓ حضرت علیؓ کے مجموعہ سے بیان کرتے ہیں کہ صحابہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ مصدق سے
کیا مراد ہے ارشاد ہوا کہ قرآن پاک تمام کتابوں کا مصدق ہے کیونکہ ان میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور میری نبوت کی صداقت کا ذکر تھا۔ پھر فرمایا کہ ان کتابوں میں جو
احکامات تھے وہ منسوخ ہوئے اس طرح قرآن پاک ان کی منسوخی کا بھی مصدق ہے پھر فرمایا وہ کتابیں علاقوں کے لئے خاص تھیں اور ان میں احکامات بھی خاص علاقوں
کے لیے تھے اور قرآن پاک کے احکامات سارے عالم کے لیے ہے۔ پھر هُدًا کے بارے میں پوچھا آپ ﷺ نے فرمایا کہ قرآن پاک سارے عالم کے لیے ہدایت
اور ذکر ہے۔ مومنوں کے لیے یہ ہدایت خاص اس لیے ہے کہ مومن اس کو مانتے ہیں اور قرآن پاک کے احکامات پر عمل کرتے ہیں بشارت اسی لیے ہے کہ ان مومنوں کو
نیک اعمال کی خوشخبری دیتا ہے۔ اس لئے پہلے ہدایت کا ذکر ہوا۔ اور پھر بشارت کا، یاد رہے کہ قرآن هُدًا لِّلْمُتَّقِينَ ہے۔ اس کی ہدایت کا فائدہ مومنوں کو ہوگا۔
قرآن پاک مومنوں کو بھلائی کی خوشخبری دیتا ہے۔ جاننا چاہئے کہ یہ جو ارشاد ہوا ہے۔ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ اس آیت سے یہ ظاہر فرمادیا کہ جو جبرئیل کا دشمن

ہوگا۔ وہ اللہ تعالیٰ کا دشمن ہوگا۔
سوال: اللہ تعالیٰ کا کوئی دشمن کیسے ہوسکتا ہے جب کہ دشمن ایک دوسرے کو ضرر پہنچا سکتے ہیں حدیث شریف میں امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ میرے دادا حضرت علیؓ کے
مجموعہ میں ہے۔ صحابہؓ کی جماعت نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا یا رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو دشمنی کیسے ہوسکتی ہے جبکہ لوگ ایک دوسرے کو ضرر یا
نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دشمنی یوں ہے۔ جو کوئی ان کے دوستوں کا دشمن ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے۔ جو ان کو ایذا پہنچائے گا اس نے اللہ
تعالیٰ کو ایذا دی۔ مزید فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے احکامات سے منہ پھیرنا بھی ایک دشمنی ہوتی ہے اور دشمن کی فرمانبرداری کوئی نہیں کرتا بلکہ مخالفت ہوتی ہے۔ فرمایا جو میرا دشمن
ہے مجھے ایذاء پہنچاتا ہے۔ یا ایذا دینے کی کوشش کرتا ہے۔ ہاتھ سے ایذاء دینے کی کوشش کرتا ہے۔ یا زبان سے چاہے کسی وقت یا کسی کونے میں بھی ہو۔ یہ اللہ تعالیٰ کے
لئے بڑی دشمنی ہے آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی جو لوگ اور اس کے رسول کریم ﷺ کو ایذا دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان پر لعنت فرماتا ہے۔ پھر فرمایا کہ جرائیل
علیہ السلام کے ساتھ ان کو یہی دشمنی ہے کہ وہ میرے پاس آتا ہے اللہ تعالیٰ کے کلام عربی کو مجھ تک پہنچاتا ہے۔ اس میں لوگ جرائیل کی مخالفت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے
جرائیل کی مخالفت کو اپنی مخالفت فرمایا ہے اس طرح میرے ساتھ مخالفت کرنا کفر ہے اور میری مخالفت اللہ تعالیٰ کے ساتھ دشمنی کرنا ہے فرمایا، اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ یہ
دشمنی کرے گا کہ قیامت میں ان کو ابدالآباد تک جہنم میں رکھے گا۔ اور فرمایا جب کہ اللہ تعالیٰ کو کسی کی دشمنی نقصان نہیں دے سکتی۔ اور نہ ہی کسی کی دشمنی مجھے نقصان پہنچا سکتی
ہے۔ اگر کوئی میری تعریف کرے گا تو اس کے لئے فائدہ مند ہے اور اگر کوئی میری تعریف نہ کرے تو مجھے کوئی غرض نہیں میرے لئے اللہ تعالیٰ کافی ہے۔ جو میرا ذکر اور
میری تعریف کرتا ہے۔ میں اس کا شکر کرتا ہوں اس کی تعریف کرنا میرے لئے انسانوں اور سب مخلوق سے بڑا ہے جرائیل کے لئے اسی طرح سمجھ لو۔ حضرت علیؓ فرماتے
ہیں کہ صحابہؓ نے یہ پوچھا کہ جبرئیل افضل ہے یا میکائیل آپ ﷺ مسکرائے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے جرائیل کا ذکر مقدم فرمایا ہے۔ جو چیز مقدم ہوتی ہے وہ افضل ہوتی ہے
صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ پھر تو آپ سب نبیوں کے بعد آئے ہیں۔ تو آپ ﷺ کو سب نبیوں پر فضیلت ہے۔ آپ ﷺ مسکرائے فرمایا آج میں تم پر ظاہر کر
دوں کہ میری حقیقت نورانی سب سے مقدم ہے۔ اور باقی تمام مخلوق مؤخر ہے۔ فرمایا کہ میری نبوت مقدم ہے اور مؤخر بھی ہے اور تمام نبیوں نے میری نبوت کی نیابت کا
حق ادا کیا ہے۔ اصل میں نبوت میری ہے۔ اور تمام نبی میری نبوت کے تابع ہیں پھر فرمایا کہ میکائیل صرف بارش لاتا ہے اور روزی لاتا ہے جن میں لوگوں کے بدن کو
فائدہ پہنچتا ہے اور جبرئیل اللہ تعالیٰ کے کلام کو سنتا ہے اور براہ راست اس کے علم کو لاتا ہے جس میں لوگوں کے روح کے لئے فائدہ ہے اور علم ہر چیز سے بالاتر ہے پھر صحابہؓ
نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اس میں ملائکہ کا ذکر کرنے کی کیا وجہ ہے۔ فرمایا بطور شرف کیونکہ جبرئیل اور میکائیل کی تمام ملائکہ پر فضیلت ثابت ہے تو وہ بھی بطور شریف

Marfat.com

شامل ہیں۔فرمایا جبرائیل کی فضیلت بھی اس آیت سے ثابت ہوتی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جبرائیل امین ہے اور اطاعت کیا ہوا ہے فرمایا مطیع سے مطاع کا درجہ افضل ہوتا ہے اور اس لئے میکائیل اور تمام فرشتے جبرائیل کی اطاعت کرتے ہیں۔یہ حدیث تفسیر ابن عباس اور تفسیر امام ابوسفیان ثوری طبری اور مقاتل فرایا بی نخعی نور القرآن حقائق الاسلام اور ترجمہ نور القرآن میں بھی درج ہے۔بحوالہ تفسیر امام محمد باقر اور یزید بن ہارون نے بھی درج کیا ہے اور خزینۃ القرآن میں بھی ہے اور اسماء الرّجال میں امام بخاری نے حاشیہ پر اس کو مرفوع فرمایا ہے اور یہ حدیث نص ہے۔نافع نے میکائیل یا کے کسرہ سے پڑھا ہے۔اور باقی سب نے میکائیل پڑھا ہے اور ایک لغت میں مِیکَئِیلُ اور ایک لغت میں مِیکَیلُ بھی ہے۔ابن جنی کہتے ہیں کہ عجمی جب کوئی عربی لفظ بولتے ہیں تو اسے گڑا کر بولتے ہیں۔جبرئیل میکائیل میں جو واو ہے وہ عاطفہ اور بعض نے ان کو اَوْ کے معنی میں لیا ہے۔جو بھی کوئی ان کا دشمن ہوگا اللہ تعالیٰ سب کافروں کا دشمن ہے اس میں لِلْكٰفِرِیْنَ کی بجائے لَهُمْ اور یَکُوْنَ کیوں نہیں آیا۔

جواب: تا کہ ظاہر ہو جائے کہ جو ان کا دشمن ہے وہ اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے اور ان کی دشمنی کفر ہے اور اسی طرح تمام رسولوں کی دشمنی کفر ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ اٰیٰتٍ بَیِّنٰتٍ ج وَمَا یَکْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ (۹۹)

ترجمہ: اور ہم نے آپ کی طرف آیات بَیِّنٰت اور ان کا انکار نہیں کرتے مگر صرف فاسق لوگ (۹۹)

جاننا چاہئے کہ یہ ان کی بداعمالی کا نتیجہ ہے۔امام محمد باقرؒ ابی بن کعبؓ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت یہود کو وہ بات یاد دلانے کے لئے نازل ہوئی کہ جو نبی پاک ﷺ کی آمد سے پہلے وہ حضور ﷺ کے طفیل دعا مانگتے تھے اور آپ کی آمد کی دعائیں کرتے تھے۔جب آپ تشریف لائے۔حضور ﷺ نے ان کو احکامات پہنچائے تو انہوں نے اس سے روگردانی کی۔حضرت امام حسینؓ فرماتے ہیں کہ معاذ بن جبل نے قبیلہ بنو اوس اور خزرج سے یہ کہا کہ نبی پاک ﷺ کی آمد سے پہلے جب تم ہمارے ساتھ لڑتے تھے تو نبی پاک ﷺ کی آمد کی دعا کرتے تھے اور وہ کہتے تھے کہ وہ نبی آئے گا وہ تمہیں معجزات دکھائے گا اور وہ ہماری امداد کرے گا اور اس وقت ہم مشرک تھے اس آیت میں چند مسائل ہیں:

مسئلہ اوّل:

حضرت امام باقرؒ وابی بن کعبؓ اور ابن عباسؓ حضرت علیؓ مجموعہ سے فرماتے ہیں۔حضرت علیؓ نے فرمایا ہم سب صحابہ نے آیت بَیِّنٰت کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ اس سے کیا مراد ہے۔آپ نے فرمایا قرآن کریم کی اس آیت میں یہ وضاحت کر دی گئی ہے کہ اگر تمام جن و انسان اکٹھے ہو جائیں۔قرآن پاک کے مقابل ایک لفظ نہیں بنا سکتے۔فرمایا اس کو اس لئے اس آیت میں بَیِّنٰت فرمایا گیا ہے۔اکثر مفسرین کا بھی اسی پر اتفاق ہے کہ قرآن پاک مراد ہے لیکن کچھ لوگوں نے یہ کہا ہے کہ قرآن پاک کے علاوہ اور بھی مراد ہو سکتا ہے امام باقرؒ اس سے یہ فرماتے ہیں کہ ایک شرط پر یہ وجہ درست ہے کہ ہمارے نانا رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ میری ہر کلام وحی ہے میں جو کچھ بولتا ہوں وہ وحی الٰہی ہے وحی الٰہی کے بغیر ہم کلام نہیں فرماتے۔قرآن وحی جلی ہے اس کے مضامین والفاظ اللہ کے ہیں۔اور وحی خفی کے اندر جو کلام ہے وہ الفاظ ہمارے ہوتے ہیں۔وہ مضمون اللہ تعالیٰ کا ہوتا ہے حضرت امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ قرآن پاک بمعہ دوسری دلیل کے بھی بَیِّنَات ہو سکتا ہے جیسے مباہلہ اور موت کی تمنا ہو سکتے ہیں۔امام باقرؒ وابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کا چاند کو دو ٹکڑے کرنا اور انگشت سے پانی کا جاری ہونا یہ سرکار کے معجزات عظیم سے ہیں۔اور اسی طرح سورج کا واپس لوٹنا یہ بھی قرآن پاک کے دلائل سے ہے دیکھئے ردشمس کا ہونا بھی انہیں معتبر اشخاص سے روایت ہو رہا ہے جن کی شخصیت عالم اسلام میں تفسیر قرآن پاک میں مسلم ہے حضرت امام جعفر صادقؒ فرماتے ہیں آیت بَیِّنٰت سے خاص مراد ہے اور قاضی نے بھی بیان کیا ہے اس واسطے کہ اَنْزَلْنَا سے قرآن پاک کا تعین معلوم ہوتا ہے۔دونوں قول یہ بدرجہ اولیٰ ہیں۔قرآن پاک کو اَنْزَلْنَا سے اس لئے نسبت ہے کہ آیات قرآن پاک کے لئے حقیقت ہے نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ قرآن پاک کا ہر لفظ میرا صدق ظاہر کرتا ہے۔اور اللہ تعالیٰ کے وجود اور میری نبوت کی صداقت ان دونوں امور کے لئے قرآن دلیل ہے۔
نبی پاک ﷺ نے فرمایا قرآن کے اندر کافی آیات ہیں جو غائب پر دلالت کرتی ہیں۔اس واسطے بھی ان کا آیت ہونا درست ہوا اگر کوئی اعتراض کرے کہ دلیل ظاہر کرنے کے لئے خواہ مخواہ لازمی ہوتی ہے۔تو بَیِّنَات کو دلائل کہنے میں کیا نکتہ ہے۔اس واسطے یہ کوئی نہیں کہہ سکتا۔بعض کی نسبت بعض کی طرف زیادہ ظاہر نہیں

Marfat.com

اگر اس کو علم بطور اعتقاد نقیض کہا جائے تو نقیض اس کے لئے علم ۱۱ سمجھو جب بعض علوم بعض علوم کی نسبت زیادہ ہوتے ہیں۔
کرتیں نبی پاک ﷺ نے فرمایا اس وقت لازم
میں ناممکن ہوگی یہ احتمال قوی نہ ہوا جواب یہ ہے کہ نفس کے اندر بعض طور پر موافقت ہوتی ہے اور بعض طور پر نہیں۔ قرآن کریم کی آیت سے توحید اور نبوت کا اظہار ہوتا
ہے۔ ان کے علاوہ اور علوم بھی ظاہر ہوتے ہیں۔ اگر کوئی اعتراض کرے کہ آیات بھی علوم کو ظاہر کرتی ہیں۔ تو اس میں بینات کہنے کا کیا نکتہ ہے۔

مسئلہ سوئم:

قرآن پاک کو نزول کہنے میں کیا نکتہ ہے انزال اوپر سے نیچے آنے والی چیز کو کہتے ہیں جو جسم کی طرف اس کی حرکت ہو اور یہ صفت بندے میں ہو سکتی ہے۔ یہ کلام کی صفت نہیں چونکہ اللہ تعالیٰ کا کلام جبرئیل سنتے اور اوپر سے نیچے کو نازل ہوتے حبیب پاک ﷺ کے قلب پر اتارتے تھے وَمَا يَكْفُرُ بِهَا اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ اس میں چند مسائل ہیں:

مسئلہ اوّل:

آیت سے کفر کرنے کی دو صورتیں ہیں صورت اوّل یہ ہے کہ آیت سے انکار کرنا بوجہ جہل یا دیدہ دانستہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا چاہے دیدہ دانستہ انکار کرے یا جہل کے طور پر وہ کفر ہے۔ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ کے اندر یہ ہے کہ فساق ان کو کہتے ہیں جو ایک حد سے دور ہو جائے جیسے اللہ تعالیٰ نے ابلیس کی حکایت فرمائی کہ اس نے سجدہ نہیں کیا۔ وہ جنوں میں سے تھا۔ دور کر دیا گیا۔ امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ فاسق کلام عرب میں اسے کہتے ہیں جیسے کھجور سے گھٹلی نکل جائے۔ وہ کھجور دراصل ایسی ہوتی ہے۔ جب زمین میں ہوتی ہے تو پانی سے فصل کو خراب نہیں ہونے دیتی۔ یعنی فصل کے لئے ایک دیوار ہوا کرتی ہے۔

امام باقرؒ اور ابی بن کعب ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ ہر کافر فاسق ہوتا ہے۔ اور ہر فاسق کافر نہیں ہوتا لیکن یہاں اس آیت میں واضح طور پر فاسق کو بیان کیا گیا ہے۔ آیت سے بھی یہی مقصد ہے کہ آیات سے انکار کرنا یہ بھی فسق ہے فرمایا کہ صاحب کبیرہ اور صغیرہ یعنی صغیرہ کو فسق و فجور میں شامل نہیں کیا جاتا۔ یعنی اس طرح سے کوئی چھوٹی سی غلطی ہو جائے تو وہ کبیرہ میں داخل نہیں ہوگی۔ حدیث سے ثابت ہوا کہ کفار کو بھی قرآن پاک نے فاسق کہا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام کو سن کر اس سے تجاوز کرنا کفر بھی ہے۔ اور فسق بھی ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ (۱۰۰)

ترجمہ: کیا اور جب کبھی انہوں نے عہد کیا کوئی سا عہد تو پھینک دیا اسے الگ گروہ نے ان میں سے بلکہ ان میں سے اکثر ایمان نہیں رکھتے ہیں۔

جاننا چاہئے کہ اس آیت میں ان کی بداعمالی کا بیان ہے۔ اس میں چند مسائل ہیں۔

مسئلہ اوّل:

واؤ عاطفہ ہے اور ہمزہ استفہامیہ ہے بعض کہتے ہیں کہ واؤ زائد ہے۔ یہ بات درست نہیں اس واسطے کہ جب اس کے معنی صحیح ہوئے تو واؤ زائد نہیں کہہ سکتے۔

مسئلہ دوئم:

امام باقرؒ فرماتے ہیں واؤ عاطفہ ہے کہ یہ ایک محذوف ہے اور عطف ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے اَكَفَرُوْا بِالْبَيِّنٰتِ اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا امام جعفر صادقؒ اور امام حسنؓ نے اس کو سکون واؤ سے پڑھا ہے اس واسطے اَلْفٰسِقُوْنَ بمعنی الذین فَسَقُوْا کے ہی معنی میں ہے گویا کہ یہ معنی ہوئے وَمَا يَكْفُرُ بِهَا اِلَّا الذين فَسَقُوْا نَقَضُوْا عَهْدَ اللہ مراد یہ ہے کہ وہی فاسق جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے عہد کو توڑا بعض نے اَوْ عٰهَدُوْ پڑھا ہے۔ امام باقرؒ ابی ابن کعبؓ حضرت حسینؓ اور ان کے صاحبزادے امام زین العابدینؒ یہ فرماتے ہیں کہ استفہام ان کے کفر کی مذمت کرتا ہے استفہام اس وقت ہوتا ہے جب کہ انکار کامل طور پر بیان ہو جائے جیسا کہ سابقہ آیتوں میں ان کی عہد شکنی کا بیان ہوتا چلا آرہا ہے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی کہ ان کے سابقہ سلف بھی عہد شکنی کرتے چلے آرہے ہیں اور کتابوں کے ساتھ اور رسولوں کے ساتھ عہد شکنی کرنا ان کی عادت ہو چکی ہے تو اس لئے آپ کا انکار کر رہے ہیں اس میں کوئی تعجب نہیں اگر ایک شخص کی ہمیشہ مخالفت کی عادت ہو چکی ہو تو وہ

Marfat.com

مخالفت آپ پر شاق نہیں گزرتی جیسا کہ اس شخص کو مخالفت شاق گزرتی ہے، جو مخالفت نہ کرتا ہو لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پاک کو تسلی فرمائی کہ مخالفت کرنا ان کی عادت ہے۔

مسئلہ چہارم:

ان میں چند احتمال ہیں:

احتمال اوّل:

حضرت امام باقرؓ اور ابی بن کعبؓ حضرت علیؓ کے مجموعہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ انہوں نے میری بعثت سے قبل یہ عہد کیا تھا کہ جب محمد ﷺ پیدا ہوں گے ہم ان پر ایمان لائیں گے اور مشرکوں کو عرب سے باہر نکال دیں گے اور فرمایا انہوں نے جب میری بعثت ہوئی تو انہوں نے اس عہد کو توڑ ڈالا فرمایا کہ جیسا خندق میں انہوں نے ہمارے خلاف قریشیوں کی مدد کی اور ہماری مخالفت کی فرمایا ان کا دستور چلا آرہا ہے کہ جو عہد کرتے تھے اس کو توڑ دیتے تھے فرمایا کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے عہد توڑنے کا ذکر فرمایا ہے کیونکہ یہودیوں نے اپنے کسی عہد پر بھی عمل نہیں کیا۔ اور میری شریعت پر ان کو ایمان لانا چاہئے تھا بلکہ انہوں نے اس عہد کو توڑا یہ بات ان کی کتب میں موجود تھیں کہ ہم نبی پاک ﷺ کی ہر طرح مدد کریں گے حدیث کے بعد ہم یہ کہتے ہیں کہ نَبَذَ فَرِيقٌ اس لئے فرمایا گیا تاکہ یہ نہ کہہ سکیں کہ اکثر ایمان لائے اور تھوڑے نہ لائے یہ بھی کہا جا سکتا تھا کہ سارے ایمان نہیں لائے تو اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ فرمادیا کہ اکثر ایمان نہیں لائیں گے یہ درست ہے کیونکہ تھوڑے یہودی ایمان لے آئے تھے۔

قال اللہ تعالیٰ: وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (۱۰۱)

ترجمہ: اور جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے پاس ایک رسول آیا۔ تصدیق کرنے والا اس کلام کی جو ان کے پاس ہے پھینک دیا ایک فریق نے ان لوگوں میں سے جنہیں کتاب دی گئی۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب کو پس پشت گویا کہ وہ نہیں جانتے تھے۔

جاننا چاہیے حضرت ابی بن کعبؓ امام محمد باقرؓ فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ کے مجموعہ میں ہے رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ یہ ان کی کتنی بداعمالی ہے کہ میں نے ان کو تورایت کے اندر جو کچھ احکام تھے ان کی خبر دی اور تورایت کے اندر میری نبوت کے جو اوصاف تھے انہوں نے ان کا انکار کیا۔ حالانکہ مجھے اللہ تعالیٰ نے تورایت کا مصدق بنایا ہے انہوں نے تمام چیزوں کا انکار کیا ہے اور اپنی کتاب کے اندر جو کچھ احکامات تھے ان کو پڑھ کر ان سے روگردانی کی ان کو پڑھ کر پس پشت ڈال دیا نَبَذَ کی مثال خود حدیث سے وارد ہوگئی کہ اس کے معنی پھینکنے اور ترک کرنے کے ہیں جیسا کہ انہوں نے کتاب کو پس پشت ڈالا مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ پر امام باقرؓ اور ابی بن کعبؓ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس سے کتاب پڑھنا مراد ہے جیسا کہ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ میں علم کی مثال دی گئی ہے۔ وہ کتاب کو محض اسی وجہ سے پس پشت ڈالتے تھے کہ اس میں نبی پاک ﷺ کے اوصاف حمیدہ تھے اس میں دونوں صفتیں ہیں چاہے کتاب پڑھنے والا ہو یا نہ پڑھنے والا ہو اور اس کو اہل کتاب کہتے ہیں جیسے قرآن پڑھنے اور نہ پڑھنے والے کو اہل قرآن کہا جاتا ہے اور قرآن پر عمل سب پر لازم ہے اسی وجہ سے ان سب پر بھی یہ عہد ضروری تھا۔ جس طرح وہ تورایت پر ایمان لا چکے تھے تو ان کو رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانا فرض تھا لیکن انہوں نے اس کے خلاف کیا اس سے اوّل مراد وہی ہیں جو کتاب سے تمسک کرنے کا دعویٰ کرتے تھے اب کتاب اللہ سے مراد کیا ہے بعض نے کہا ہے امام باقرؓ فرماتے ہیں کہ بعض نے قرآن کہا ہے، اور بعض نے تورایت فرماتے ہیں کہ میرے نانا حضرت حسن اور میرے دادا حضرت علیؓ لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہودیوں کی ایک عظیم جماعت ایسی ہے جس نے تورایت کو جو کتاب اللہ ہے دیدہ دانستہ پس پشت ڈال دیا ہے۔ میرے ساتھ بغض کی وجہ سے کہ یہ محمد ﷺ قریش میں کیوں پیدا ہوئے ہیں۔ ہمارے میں سے نہیں آئے رسول ہمارے میں سے ہونا چاہیے تھا جو تمام کتابوں اور رسولوں کا مصدق ہے اس وجہ سے ہم کتاب اللہ تورایت کو پس پشت ڈال دیتے ہیں فرمایا اللہ تعالیٰ نے یہ بات موسیٰ علیہ السلام کو فرمادی تھی کہ آخر میں یہ یہودی تمام عہد کو توڑ دیں گے۔ جان بوجھ کر اور اوّل جس طرح تمہارے زمانہ میں بھی کر رہے ہیں میرے حبیب کے ساتھ بھی بغض کر کے تورایت کو بھی چھوڑ دیں گے۔ آخر میں یہ کہیں گے کہ حبیب باری ﷺ ہمارے بنی اسرائیلیوں میں سے کیوں نہیں ہوا۔ پس ثابت ہوا کہ کتاب اللہ سے مراد تورایت ہے۔

Marfat.com

قال اللہ تعالیٰ: وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ق وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ط وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ط فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَايُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ط وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ط وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَايَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ط وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَالَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ط قف وَلَبِئْسَ مَاشَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ (۱۰۲)

ترجمہ: اور انہوں نے اس کی پیروی کی جو شیاطین سلیمان کی بادشاہی کے زمانہ میں پڑھا کرتے تھے اور سلیمان علیہ السلام نے کفر نہیں کیا۔ اور لیکن شیطانوں نے کفر کیا تھا۔ وہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے اور تابعداری کی اس چیز کی جو اتاری گئی دو فرشتوں پر شہر بابل میں ہاروت ماروت پر اور وہ کسی کو نہیں سکھاتے تھے یہاں تک کہ وہ کہتے تھے کہ ہم خاص آزمائش ہیں پس تو کفر مت کر چنانچہ لوگ وہ چیز سیکھ لیتے تھے ان دونوں سے کہ جس کے ساتھ وہ لوگ جدائی ڈال دیتے تھے مرد اور اس کی بیوی کے درمیان اور وہ اس سے کسی کو ضرر پہنچانے والے نہ تھے۔ مگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے اور وہ چیز سیکھتے تھے جو ان کو ضرر دیوے اور نفع نہ دیوے اور انہوں نے یہ بھی جان لیا کہ جو شخص اس کو خریدے گا اس کے لئے آخرت میں کچھ حصہ نہ ہوگا بری ہے وہ چیز کہ بیچا انہوں نے اس کے بدلے اپنی جانوں کو اور کاش کہ وہ جانتے ہوتے (۱۰۱)

جاننا چاہئے کہ جادو سیکھنا اور سکھانا کفر ہے۔ یہ بھی انہیں یہودیوں سے خطاب ہے وَاتَّبَعُوْا کے اندر چند مسائل ہیں:

مسئلہ اوّل:

ابی بن کعبؓ اور حضرت امام محمد بن باقرؒ، حضرت علیؓ کے مجموعہ سے فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ اس آیت کے اندر میرے زمانہ کے یہودی اور اس سے پیشتر یہودی مراد ہیں اور سلیمان علیہ السلام کی نبوت سے بھی انہوں نے انکار کیا اور وہ ان کو منجملہ بادشاہوں کے کہتے ہیں اور سلیمان علیہ السلام نے جادو سے منع کیا جیسا کہ آج کل یہ بھی جادو کرتے ہیں انہوں نے مجھ پر جادو کیا اور خیبر میں مجھے زہر بھی دلائی۔

حدیث:

نبی پاک ﷺ جب تشریف لائے تو یہودیوں نے آپ ﷺ سے تو رایت کا معارضہ کیا اور تو رایت اور قرآن ایک دوسرے کے موافق ہوئے اور ان کی ایک بھاری جماعت نے تو رایت کو چھوڑ دیا اور آصف اور ہاروت اور ماروت کے جادو کو اختیار کیا جو قرآن پاک کے خلاف نکلا وہ اس پر عمل کرنے لگ گئے۔ پھر اسی وجہ سے انہوں نے قرآن اور تو رایت کو چھوڑ دیا اور رسول اللہ ﷺ کے مصدق ہونے کا انکار کیا اور جادو کو اختیار کیا۔

مسئلہ دوئم:

تَتْلُوْا کی تفسیر بعض مفسرین نے اس کے معنی پڑھنے کے لئے ہیں جو غیب کی خبر دی جائے اور بعض نے اس کے معنی جھوٹ کے کئے ہیں جیسا کہ انہوں نے کہا کہ سلیمان نے بھی جادو سکھایا کلام عرب میں تَتْلُوْا جھوٹ کو بھی کہا گیا ہے اور بات ثابت ہو سکتی ہے کہ اوّل قول اقرب ہے کیونکہ تَتْلُوْا سے صدق اور کذب کی خبر پہچانی جا سکتی ہے جیسا کہ عرب میں کوئی جھوٹ کہتا تھا تو کہتے تھے تَتْلَا اِفْتِرَاء کہ تو نے جھوٹ کہا تو معنی ثابت ہوا کہ تَتْلُوْا میں دونوں چیزیں شامل ہیں اور شیاطین سے کیا مراد ہیں تو امام باقرؒ ابی بن کعبؓ سعید بن جبیر حضرت علیؓ کے مجموعہ سے رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ شیاطین اہل جن ہیں اور شیاطین انسان بھی ہیں اور شیاطین جن وہ ہیں جو آسمان کے قریب پہنچ کر فرشتوں کی باتوں کو سن لیا کرتے تھے پھر اس میں جھوٹ ملا کر دیتے تھے اور لوگوں نے سمجھ لیا کہ جنات غیب دان ہیں اور سلیمان علیہ السلام کے پاس بھی یہی بیٹھتے ہیں انہی کی وجہ سے سلیمان کے تابع ہیں ہوا اور جن اور درندوں پرندوں کی زبانیں سب سلیمان علیہ السلام کے مسخر ہیں جس کی وجہ سے ان کی ساری بادشاہت ہے اس سے انہوں نے جادو کو اختیار کر لیا۔

حدیث:

انہیں مذکورہ اصحاب سے روایت ہے کہ صحابہ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ شیاطین انسانوں میں کیسے ہوتے ہیں آپ ﷺ

Marfat.com

نے فرمایا کہ شیاطین انسانوں اور جنات کی حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں ایک ایسی جماعت تھی جوان کے علم کو لکھتے تھے جب حضرت سلیمان کا علم انہوں نے پورا لکھ لیا تو حضرت سلیمان علیہ السلام کے انتقال پر انہوں نے تخت کے نیچے دفن کر دیا بعد عرصہ کے ایک اور جماعت نے اس مدفون علم کو تخت کے نیچے سے نکال کر اپنی طرف سے جھوٹا جادو اس میں لکھ دیا اور لوگوں کو سکھانے لگے مگر کہا کہ یہ سلیمان علیہ السلام کا علم ہے تو وہ لوگ اس سے جادو سیکھنے لگ گئے امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں سوال ہے جب جن اہل شیاطین نہیں تو کیا سلیمان علیہ السلام ان کی شریعت یا اور کسی شریعت میں تغیر تبدل نہیں کر سکتے۔ اگر کریں تو ادیان میں بڑا تغیر آ سکتا ہے۔

جواب: جب کسی کتاب کے اندر تغیر و تبدل کرے گا تو انسان کی تحریر کی نسبت پہنچائی جائے گی اور جنات سے کوئی ایسی حرکت نہیں ہوئی جب کہ انسان کا لکھنا ظاہری طور پر ہوتا ہے اور اس کا اطلاق انسان پر ہے انہوں نے یہ سوچا کہ سلیمان علیہ السلام کی تحریر کو بدل کر ہم اپنے جادو کا ڈھنگ بنالیں گے۔ چنانچہ انہوں نے ایسا کیا بعض مفسرین نے عَلٰی مُلْکِ سُلَیْمٰنَ یعنی فی ملک سلیمان کہا ہے۔ امام باقرؑ ابی بن کعبؓ اور ابن عباسؓ حضرت حسنؓ اور حسینؓ حضرت علیؓ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اس آیت کو تلاوت فرماتے تو حضرت عمرؓ سے یہ فرماتے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان کو ملک عطا فرمایا اور ان کی شریعت کو اس عظیم ملک پر نافذ کیا کہ ان کی نبوت کا کمال تھا کہ وہ جنوں اور ہواؤں پر بھی حکمرانی کرتے تھے۔

جاننا چاہئے کہ بعض لوگوں نے یہ کہا کہ جادو کی ترغیب حضرت سلیمان علیہ السلام سے ہوتی ہے اور لوگ ان سے سیکھتے ہیں۔ حضرت امام باقر فرماتے ہیں کہ یہودیوں نے کہا کہ محمد ﷺ کو تم دیکھو وہ سلیمان علیہ السلام کو نبی مانتے ہیں حالانکہ وہ ایک بادشاہ تھا اور جادوگر تھا اور جادو کے کفر میں مبتلا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی پاکیزگی کو بیان فرمایا اور فرمایا کہ یہ شیاطین کا کفر تھا کہ وہ سلیمان علیہ السلام کو جادوگر کہتے تھے نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ جن اور ہوا حضرت سلیمان کے تابع تھے اور ان کا عظیم ملک تھا اور وہ جن ان کے پاس بیٹھتے تھے۔ وہ جنات کا حال پوچھا کرتے تھے اور لوگوں نے یہ سمجھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام ان سے جادو سیکھ کر لوگوں کو سکھاتے ہیں اور کفروا سے مراد صرف جادو کا کفر نہیں۔ نبی پاک ﷺ نے فرمایا لوگوں کا جادو سکھانا کفر ہے۔

اب ہم سحر کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ سحر کس کو کہتے ہیں۔ اہل لغت نے امام باقر کی تفسیر سے بیان کیا ہے لغت سے پہلے ایک بات کہہ دوں کہ ایک فرقہ ایسا ہے جو یہ کہتا ہے کہ ہم کو جادو صرف سلیمان علیہ السلام کی طرف سے پہنچا ہے یاد رہے یہ (نعوذ باللہ) سلیمان علیہ السلام کی نبوت کے منافی تھا اللہ تعالیٰ نے ان کو اس آیت میں پاک فرمایا اور کفار شیاطین کے حال کو بیان کیا اور فرمایا صرف جادو کرنا ہی کفر نہیں بلکہ جادو سکھانا بھی کفر ہے اب سحر کسے کہتے ہیں۔ سحر کے معنی کیا ہیں؟

سحر بالنصب غذا کو بھی کہتے ہیں۔ اس لئے کہ پوشیدہ وقت میں کھائی جاتی ہے لبید کے ایک شعر کا معنی یہ ہے کہ ہم دھوکہ دیئے جاتے ہیں جیسا کہ مسحور دھوکہ دیا جاتا ہے دونوں معنی درست ہیں لیکن سحر ذو معنی ہے پھیپھڑے کو بھی اور اس چیز کو بھی جو حلقوم میں رک جائے چنانچہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی پاک ﷺ نے وفات کے وقت یہ فرمایا کہ جادو چھپی چیز ہے۔ جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد ہے کہ تو ہماری طرح سحر ہو جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کو یہودیوں نے کہا کہ تم جادو لے کر آئے ہو اور اللہ تعالیٰ تمہارے جادو کو باطل کر دے گا جیسا کہ ارشاد ہے جادوگروں نے اپنی رسیوں کو ڈالا تو وہ جادو کے ذریعے سانپ بن کر چلنے لگیں اسی طرح پارہ نمبر سولہ (۱۶) میں بھی ان کی رسیوں کو جادو کہا گیا ہے اور قرآن پاک میں اور جگہ ارشاد ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے عصا کو ڈالا تو وہ لوگوں کی نظروں میں بڑا سانپ نظر آیا۔ تو جادو کے اصل معنی یہ نہیں سحر عرف شرع میں اس امر کا نام ہے جس میں مخفی بات ظاہر ہو حقیقت میں اس کا ہونا نہ ہونا ہو جیسا کہ ان کی آنکھوں کے سامنے رسیوں کا چلنا جادو تھا اور جادو مدح کے طور پر بھی آتا ہے امام باقرؑ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کے پاس دو شخص آئے ایک کا نام زبر برفان بن بدر تھا اور دوسرے کا نام عمر بن الہتم تھا رسول اللہ ﷺ نے عمرو بن الہتم سے فرمایا زاہد کا ہن کا حال بیان کرو اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ اپنے جلسہ کا مخدوم و مکرم ہے اور اپنے اوپر پیچھے کی طرف سے تیر کے حملے کو نہیں ہونے دیتا۔ اس نے کہا یا رسول اللہ سچ کہتا ہے کہ آپ سے مجھ کو افضل جانتا ہے۔ عمرو نے کہا یا رسول اللہ یہ بے مروت ہے اس کا تیر ہاتھ سے نہی چلتا اس کا والد احمق ہے اور اس کا ماموں لعین ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تو ایسا کیوں کہتا ہے اس نے عرض کیا یا رسول اللہ جب تک کہ مجھ کو خوش کرتا تھا تو میں اس پہ راضی تھا جب یہ مجھ کو خوش نہیں کرتا تو میں اسے کہتا ہوں آپ ﷺ نے فرمایا بعض بیان جادو ہوتے ہیں پس بعض کو سحر کہا کہ روشن بیانی کو ظاہر کرتا ہے اگر بعض بیان سحر روشن بیان کو ظاہر کرتا ہے تو ایک روشن چیز فصاحت اور بلاغت کے ساتھ ظاہر ہو جاتی ہے تو یہ فصاحت ظاہر ہونے میں کیسی ہے امر مخفی کو ظاہر کرنا چاہا تھا نہ کہ امر ظاہر کو اس وجہ سے اس کا نام رسول اللہ ﷺ نے سحر رکھا اس کلام سے لطف کی طرف مرغوب ہونا ہوتا ہے لوگوں کو خواہ مخواہ اس سے محبت ہوتی ہے اس وجہ سے اس کا نام رسول اللہ ﷺ نے سحر رکھا

Marfat.com

جس شخص میں قوت بیان ہوتی ہے وہ اچھے امر کو صحیح انداز میں بیان کرسکتا ہے اس واسطے اس کا نام سحر ہے سحر کی کئی قسمیں ہیں:

قسم اوّل:

فَــلا اس قسم سے تعلق رکھنے والا فرقہ ستاروں کی پرستش کرتا تھا ان کا یہ عقیدہ تھا کہ نیکی بدی حیات سب انہیں کی طرف سے ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی فرقہ کے رد کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھیجا اور اس پر معتزلہ کا بھی اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سواء جسم اور رنگت کوئی پیدا نہیں کرسکتا۔ یہ ایک عقلی نکتہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی دلیل ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرا فاعل پیدا کرنے والا کرسکتا ہو تو وہ بھی متحیز ہوگا یہ متحیز ضرور ہے اللہ تعالیٰ کی قدرت سے قادر ہوا گر قادر بِـذَاتِـہٖ تو پھر تمام اجسام کا پیدا کرنا یکساں ہوگا جو چیز اللہ تعالیٰ کی قدرت سے قادر ہو وہ جسم کو اور حیات کو پیدا نہیں کرسکتی۔ قادر کی عطا کردہ قدرتیں مختلف ہوتی ہیں جس طرح ابتداً جسم کو اور حیات پیدا کرنے کی قدرت ہے تو یہ قدرت ہم سب کے لئے یکساں مشترک ہے مشترک کے لئے ایک علت کا ہونا ضروری ہوتا ہے اس سے ثابت ہوا جس شخص کو قادر کی عطا سے قدرت حاصل ہو اس کے لئے جسم اور حیات کا پیدا کرنا ذاتی قدرت نہ ہوگا بلکہ عطائی قدرت سے ہوگا اور ذاتی اور عطائی قدرت میں فرق واضح ہے۔ جس میں کسی چیز کو پیدا کرنے کی قابلیت ہو تو وہ قدرت بالعطا کہلائے گی اگر یہ تسلیم نہ کیا جائے تو معجزات نبوت پر استدلال کرنا ناممکن ہوگا اس واسطے اگر قوت سماویہ کو قوت ارضیہ کے ساتھ ترغیب دے کر عجائب کو پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی میں نہیں ہاں جو معجزات انبیاء کے ہوئے ہوسکتا ہے انہوں نے بھی جادو کے ذریعے ان کا اظہار کیا ہو یہ کیسے تعین کیا جاسکتا ہے کہ وہ معجزات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوں ہوسکتا ہے کہ انبیاء علیہ السلام جادو کے ذریعے معجزات دکھاتے رہے ہوں اس طرح سے وحی پر نقصان لازم آتا ہے ہم نے بنی آدم میں سے کوئی ایسا نہیں دیکھا جو ادنیٰ سے ادنیٰ چیز کو کافی مال میں تبدیل کردے ہمیشہ جادوگر مفلس ہوتے ہیں اسی طرح ہم کیمیا گروں کو بھی باطل کہتے ہیں جیسے وہ تھوڑے سے تانبے سے کیمیا بنالیتے دوائی کے ذریعے وہ کافی مالدار بن جاتے اگر وہ مال کثیرہ سے کیمیا کو بنا سکتے تو بادشاہوں سے بھی وہ مال میں زیادہ ہوتے اگر وہ مال بنالیتے تو بادشاہ ان کی مدد کرتے، حالانکہ بادشاہوں کو مال کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ جنگوں کے وقت مال اور جان کی ضرورت ہوتی ہے خزانے ختم ہوجاتے ہیں تو پھر اگر ایسا ہوتا تو بادشاہوں کو تکلیف نہ ہوتی تو اس سے معلوم ہوا کہ جادوگر کوئی بھی چیز پیدا نہیں کرسکتے یہ تمام دلائل مذکورہ باطل ہیں۔

دلیل پہلی کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا بہت سی چیزیں بمعنی جسم عقلا اور فلسفہ اور وعقول نفوس فلکیہ اور ناطقہ بیان کرتے ہیں پہلے اس فساد کا جواب دو نہ اگر کوئی متخیر جسم بنانے میں قائم ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کا شریک ہوجائے گا اس واسطے ہم تسلیم نہیں کرتے کہ صفاتِ جدیدہ میں ماہیت کو کوئی نقصان نہیں آتا یہ تسلیم کیا جائے کہ بعض اجسام بِـذَاتِہٖ اس پر قادر ہوسکتے ہیں یہ جو کہا تھا اقسام ایک دوسرے کی مثل برابر ہیں ایک صفت جسم کے بایں صفت کے موصوف ہونے میں ہر جسم کا موصوف ہونا لازم آئے گا۔ تمام اجسام کے برابر ہونے میں کیا دلیل ہے اگر یہ تسلیم کرلیں کہ جسم اسی چیز کا نام ہے طول وعرض میں عمق اور ممتد د ہو خیر جسم کو بھرے ہوئے ہو اس بات میں تمام اجسام برابر ہیں (امـقـدار فـی الـحیـات الـشـاغـل الاحیاء) جسم کی ایک صفت ہے اور اس کے کسی ازم میں اگر فرق ہو تو تمام لوازمات میں فرق آئے گا۔ اگر ماہیت میں مشترک ہوں یہ بھی تسلیم کیا جائے اس جسم کا قادر بامعذرت ہے مگر تم یہ کیسے کہہ سکتے ہو کہ قادر بامعذرت سے جسم اور حباب پیدا نہیں ہوسکتے یہ جو تسلیم کیا تھا یہ قدرت ہمارے امتناع میں شریک ہے اور یہ امتناع ایک حکم مشترک ہے بجز اس کے کہ ہم قادر بالقدرت نہیں۔ ہم اس امتناع کو مشترک نہیں مانتے نہ ہی ان مقدمات کو مانتے ہیں نہ ہی ہم کسی علت کو معلول مانتے ہیں یہ امتناع امر عدمی کے لئے علت نہیں ہوتی لیکن یہ امر وجودی ہے تمہارا یہ کہنا کہ بہت سے احکامات علت نہیں ہوتے۔ یہ امر بھی اسی قسم کا ہو تو اس میں کیا مضائقہ ہے مگر یہ تسلیم کیا کہ علت ہے یہ جو کیسے ہوسکتی ہے حکم مشترک میں علت بھی مشترک ہوتی ہے دیکھو ظلم کے اندر ظلم کا ہونا علت ہے کذب کے اندر کذب ہونا جہل کے اندر جہل ہونا قبیح کے اندر قباحت کا ہونا یہ سب معلّل ہیں یہ بھی تسلیم کہ علت مشترکہ ہونی چاہئے لیکن یہ تسلیم نہیں کرتے قادر بالقدرت ہونے کی چیز مشترک نہیں نکلتی یہ بھی ہوسکتا ہے ہمارے وصف میں یہ قدرت ایک وصف کے لئے ایک وقت میں معین ہو۔

وصف سے خارج ہو اس بات کی کیا دلیل ہے یہ امر اس طرح پر نہیں ہے یہ وجہ اوّل بیان کی گئی ہے ہماری قدرت عطائی ہے اور اس کی قدرت ذاتی ہے یہ قول ضعیف ہے ہم یہ تسلیم نہیں کرتے جسم کے پیدا کرنے کی صلاحیت کو ہم اس امر سے معلول نہیں کرتے کہ وہ ان قدرتوں کے مخالف ہے پس اسی خصوصی معین کے ساتھ اس کو تصور کرتے ہیں جس کی وجہ سے وہ تمام قدرتوں کے مخالف ہے اس بیان سے یہ ظاہر ہوتا ہے جس طرح کوئی یہ کہے کہ کسی کی آواز دوسرے کی آواز سے مخالف نہیں ہوتی۔ جیسے سیاہی اور سفیدی میں مخالفت ہے۔ قاضی ابوبکر نے دلائل بیان کئے ہیں اس پر تعجب ہے روایت کے اندر انہوں نے جو کچھ کہا وہ ضعیف ہے قاضی نے خود اشعری نے ان

Marfat.com

کوضعیف کہا پھر جن کتابوں سے تمسک کیا یہ مسئلہ اثبات نبوت میں اور اصل و اصول میں ان لوگوں کا رد ہے۔ ہمارے درمیان اور اللہ تعالیٰ کے درمیان واسطہ ثابت کرتے ہیں اگر اس کو تسلیم کیا جائے تو نبوت کے معجزات کا انکار ہو جائے گا ہم کہتے ہیں کہ نبوت کی صحت اس قاعدہ میں فرع ثابت ہوگی یا نہ ہوگی پس تقدیر پر نبوت کے تقدیر ہونے میں امتناع اور دور لازم آئے گا جو محال ہے دوسری تقدیر پر یہ کلام بالکل ساقط ہو جائے گا تیسری دلیل یوں ثابت ہو سکتی ہے امکان اور چیز ہے وقوع اور چیز ہے ہر شخص کے لئے ایسی حالت نہیں ہو سکتی بلکہ زمانہ دور دراز میں کی کسی کسی شرط کو حاصل ہوئی ہے یہاں تک جو بیان کیا سحر کی اول قسم ہے۔

سحر کی دوسری قسم عامہ ہے ایک چیز مبینہ یا بدن سے مشتق ہو تو بعض کہتے ہیں کہ اس سے ایک اور جسم مراد ہے کہ اس کی تفسیر کے اندر اختلاف ہے جس سے وہ تعبیر کرتے ہیں یعنی جیسا کہ لکھ چکا ہوں بعض کے نزدیک مبینہ اور بعض کے نزدیک کوئی اور جسم ہوتا ہے اس میں اختلاف ہے جو اس مبینہ میں سرایت کر رہا ہے بعض کہتے ہیں موجود تو ضرور ہے لیکن وہ جسم نہیں نہ جسمانی ہے پس اگر یہ کہیں کہ انسان اسی مبینہ کا نام ہے اس میں شک نہیں کہ یہ مبینہ احاطہ اربعہ سے مرکب ہے ہو سکتا ہے کہ بعض زمانوں میں اور اطراف میں بقضاء اپنے مزاج اور اس ترکیب پر قادر ہو۔ جسم کو پیدا کر سکے اور غائب کا علم پیدا کر سکے۔ اگر انسان مبینہ سے ہو تو وہ بھی اس جسم کے اندر کلام کر سکتا ہے اگر انسان نفس کا نام ہو تو نفس مختلف ہو سکتے ہیں۔ بعض نفوس ایسے ہیں جن کو غائبات اور عجائبات سے اطلاع ہو سکتی ہے یہ ایسا احتمال ہے کہ اس پر کسی دلیل کا فساد لازم نہیں آتا بجز مذکورہ بالا دلائل کے ان دلائل کا باطل ہونا ثابت ہو گیا چند وجوہ یہ دلائل اس احتمال کے دلائل سے ثابت ہوتے ہیں اگر ایک لکڑی کو زمین پر رکھ دیا جائے تو آدمی اس پر بخوبی چل سکتا ہے اگر گڑھے پر لکڑی کو بطور پل رکھ دیا جائے تو انسان گر جائے گا، کیونکہ جب گر جانے کا وہم ہوتا ہے تو انسان گر جاتا ہے طبیعت جس قدر ہوا سی طرح موافقت ہوتی ہے جیسے کہ کسی کو نکسیر کی بیماری ہو جائے اس کو سرخ چیزوں سے دیکھنے سے منع کریں۔ مرگی کی بیماری والے کو چمکدار چیزوں اور چلتی پھرتی چیزوں سے روکا جائے اسی طرح دماغ وہم کے تابع ہوتا ہے۔ صاحب شفا نے ارسطو حکیم سے یہ نقل کیا ہے مرغی اور مرغے کی لڑائی کے نتیجے میں ایک کانٹا پیدا ہوتا ہے۔ صاحب شفاء نے کہا ہے کہ حالت دماغ جسمانیہ کے تابع ہوتا ہے امت کا اس حدیث پر اتفاق ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بندوں کی دعا قبول ہوتی ہے۔ جو دعا دل سے کی جائے اس کا اثر زیادہ ہوتا ہے اور جو دعا زبان سے کی جائے اس کا اثر کم ہوتا ہے اس سے ثابت ہوا کہ ہمت کو اور نفس کو ایک چیز کے پیدا کرنے سے اثر ہوتا ہے یہ اتفاق کسی خاص حکمت اور خاص وجہ کے ساتھ مخصوص نہیں۔ اگر انصاف کیا جائے افعالِ حیوانیہ تصورات کے قریب ہوتے ہیں اس واسطے عضلات میں جو طاقت رکھی گئی ہے ایک فعل کو ترک کرنے اور دوسرے فعل کو اختیار کرنے کی قدرت ہے ایک طرف دوسری طرف راجع ہوتا ہے اس مرجع کو فعل پسندیدہ قوی بھی کہا جاتا ہے اور ملامت کرنے والا بھی کہتے ہیں یہ تصورات طاقت عضلیہ کو فعل بنانے میں مبادلہ فعل ہوتا ہے ان کے بعد طاقت صدور کا ہونا آتا ہے جب یہ تصورات مبادی فعل کے لئے مبادی ہوتے ہیں اگر یہ افعال مبادی ہوں اگر واسطہ کو درمیان سے ساقط کر دیا جائے تو کیا مشکل ہے تجربات اور مشاہدہ سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ بدن کے اندر افعال مبادی ہوتے ہیں مثلاً کسی امر کے تصور کرنے میں انسان کو غصہ آتا ہے تو اس کا وجود گرم ہو جاتا ہے۔

ایک بادشاہ فالج کا مریض تھا حکیموں نے اس کا علاج کیا اور کوئی فائدہ نہ ہوا۔ وہاں حکیم حاذق اچانک آیا اور اس نے چپکے سے بادشاہ کو گالی دینا شروع کر دی وہ بادشاہ بستر سے اچھلا اس کا وجود گرم ہو گیا جب یہ سادہ افعال گرمی کی حرارت سے بدن سے خارج ہو سکتے ہیں تو ان افعال کا بدن سے خارج ہونا کیا بعید ہے نظر کا لگنا ایک امر ہے جس کو تمام طبیبوں نے تسلیم کیا ہے۔ جب نفس کو بدن پر علو ہوتا ہے تو اس کو سننے کے لئے اس کی کشش ہو جاتی ہے تو نفس بمنزلہ ارواح کے اوپر آتا ہے۔ اس عالم میں ماداؤں میں اثر کے ڈالنے کی قوت ہوتی ہے جب ضعیف یہاں پر اس کا اثر مفقود رہتا ہے۔ جب انسان اس چیز کا ارادہ کرتا ہے تو انسان کے اندر بھی وہ قابلیت ہو جاتی ہے اس کے بدن سے دوسرے بدن میں تاثیر پہنچ جاتی ہے تو اس میں وہ اپنے اندر غیر کی مثال بنا لیتا ہے اور برابر اس کو خیال میں رکھتا ہے اور نفس ناطقہ اس کی طرف توجہ کرتا ہے۔

اس طرح تاثیرات نفسانیہ اور تصرفات روحانیہ قوی ہو جاتی ہیں اسی واسطے کہ سب لوگوں کا اتفاق ہے ایسے تمام اعمال کی ہمیشگی کے لئے لذات اور مالوفات سے انقطاع کرنا اور کھانے کی تقلیل اور خلقت کے اختلاط سے تنہائی کا ہونا ضروری ہے جس قدر یہ عمل کامل ہوگا تاثیر کی قوت اسی قدر زیادہ ہوگی اور جب یہ کام اپنی ماہیت خاص کے ساتھ ہو تو یہ تاثیر کامل طور پر قوی ہوگی سبب اس کے جب اس کا نفس ایک جانب مشغول ہوتا ہے تو اس کی تمام قوتیں اسی طرف ہوتی ہیں جب ان افعال میں مصروف ہوتا ہے تو ان کے ذہن پر گندگی چھا جاتی ہے اور وہ ان کے افعال متفرق ہو جاتے ہیں اس کے فعل کی ایک نئی شاخ ہو جاتی ہے جس طرح نہر سے ایک ندی نکال لی جائے جب ان آدمیوں میں سے ہر آدمی مصروف ہو ایک کا ایک ہنر ہو اور دوسرے کے دو ہنر ہوں تو ایک ہنر والا دو (۲) ہنروں والے سے اقویٰ ہوگا جب انسان کو کسی مسئلہ کی ضرورت

Marfat.com

ہوتو تمام چیزوں کو دل سے خالی کر کے اس مسئلہ کی طرف رجوع کرے۔ تب اس کا ذہن اس مسئلہ کو قبول کرے گا پھر اس طرح اس مسئلہ کی وضاحت خوب ہو جائے گی اس طرح نفس دنیا کے لذات میں مشغول رہتا ہے اور دنیا کمانے کی دھن میں ہوتا ہے۔ دنیا کی خواہشات اور شہوات کی لذت ہوتی ہے تو پھر نفس دنیاوی لذات کا عادی بن جاتا ہے ان افعال عجیبہ کا پیدا کرنے کا ان کو موقع ہی نہیں ملتا کیونکہ وہ لذات دنیاوی میں مستغرق رہتا ہے۔ پھر ان افعال دنیا کو ترک کر کے دوسرے افعال کی طرف رجوع کرنا بڑی مشکل ہو جاتا ہے ابتدائے نفس کو نفس افعال عجیبہ اور افعال دنیاوی سے منہ پھیر لیتا ہے پس جب اس نفس کو مطلوب حاصل ہو جاتا ہے ابتدائے نفس کو نفس افعال عجیبہ اور افعال دنیاوی سے منہ پھیر لیتا ہے پس جب اس نفس کو مطلوب حاصل ہو جاتا ہے تو دوسری طرف اس کی توجہ نہیں ہوتی جب تک انسان اپنے نفس کو دنیا کی لذات سے نہ چھوڑے تو اس کو علو اور ارواح تک رسائی نہیں ہو سکتی اس واسطے منتر کا حال بھی یہی ہے۔

منتر دو قسم کے ہوتے ہیں ایک تو ان کا الفاظ اور معنی کی طرف مقصود ہوتا ہے جس طرح ہم حس بصر کو ان امور کی طرف متوجہ کرتے ہیں وہ مناسب ہوتے ہیں جس طرح ہم قوت سامعہ کو ان پر مناسب کرتے ہیں جب دونوں حواس ایک طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اس میں نفس کی قوت زیادہ قوی ہو جاتی ہے۔ جب اس منتر کے الفاظ اور مطلب معلوم نہ ہوں تو اس کو اس پر دہشت ہوتی ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ یہ عجیب الفاظ ہیں جب ان کا نفس اس حقیقت کو معلوم نہیں کر سکتا تو ان کو دہشت ہوتی ہے اور اس اثناء میں نفس محسوسات کی طرف سے منقطع ہو جاتا ہے۔ اس فعل پر پوری توجہ اس کا انتظار ہو جاتا ہے۔ اس وجہ سے تاثیر نفسانی قوی ہو جاتی ہے اور غرض حاصل ہو جاتی ہے پس ثابت ہوا کہ قوت نفسانیہ تاثیر میں مشغول ہوتی ہے اگر اس میں سحر کی قسم اوّل کو لیا جائے تاثیرات کواکب میں زیادہ قوت ہوگی۔ سحر کی اور بھی دو قسمیں ہیں۔

1- جب نفس کو بدن سے علیحدگی ہو جاتی ہے تو ان نفوس کو بعض نفوس کے ساتھ قوت میں مشابہت ہوتی ہے جب یہ نفس صافی ہو جاتے ہیں تو دوسرے نفوس کے ساتھ اس کی کوشش ہوتی ہے اور ان نفوس کو اس بدن کے ساتھ ایک تعلق سیدا ہو جاتا ہے اور بہت سے نفوس اس فعل کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اور جب قوت کامل ہوتی ہے تو تاثیر بھی قوی کامل ہو جاتی ہے۔

2- یہ نفوس ناطقہ کدورات بدنیہ سے صاف ہوتی ہے تو ارواح سماویہ اور نفوس فلکیہ سے ان میں انوار کی قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ ان نفوس کو ان ارواح سے قوت ملتی ہے۔ پھر ان سے امور عجیبہ اور عادات خوارق ثابت ہو جاتے ہیں یہ اصحاب اوہام منتر کے جادو کرنے والوں کا بیان تھا۔

3- ارواح سفلیہ سے مدد لی جاتی ہے اور جاننا چاہئے کہ جنات کی حقیقت سے فلاسفہ نے انکار کیا ہے مگر اکابر فلسفہ نے انکار نہیں کیا، لیکن وہ جنات کو ارواحِ ارضیہ سے تعبیر کرتے ہیں اور وہ نفوس مختلف ہے۔ کوئی نیک ہے کوئی بدکار ہے کوئی جن مومن ہیں اور کچھ جن بد شیاطین ہیں متاخرین فلسفہ نے کہا ہے کہ نہ کوئی ان کی ہیئت ہے، نہ وہ کسی مکان میں ہیں اور نہ وہ کسی پتھر چیز میں محلول ہیں اور ان کے اندر قدرت اور علم ہوتا ہے اور جزئیات کا ان کو ادراک ہوتا ہے۔ نفوس ناطقہ کا اتصال بہ نسبت ارواح سماویہ کے آسان ہوتا ہے ارواح ارضیہ سے مجرد نفوس ناطقہ کے ان کی قوت کمزور ہوتی ہے۔ ارواح سماویہ کے ساتھ اتصال ہوتی ہے؟ نسبت ارواح ارضیہ کے اتصال آسان ہونے کی یہ وجہ ہے کہ ارواح ارضیہ اور ہماری نفوس سے یہ اتصال آسان ہے ان دونوں کے مابین بہت مشابہت ہوتی ہے ارواح سماویہ کے نسبت ارواح سماویہ کے اتصال سے قوت میں ہوتی ہے۔ اس کے زیادہ ہونے کی یہ وجہ ہے کہ ارواحِ سماویہ کو ارواح ارضیہ سے وہ نسبت ہے جو آفتاب کو شعلہ سے دریا کو قطرہ سے یا سلطان کو رعیت کے ساتھ ان لوگوں نے یہ کہا ہے اگرچہ ان کے وجود پر کوئی قطعی دلیل نہیں پائی جاتی، لیکن ان کے وجود کا نہ ہونا یہ بھی محال ہے، بہت سے اصحاب صنعت اور تجربہ کاروں نے یہ مشاہدہ کیا ہے کہ دھونی کے ساتھ بھی ان کا مشاہدہ ہو جاتا ہے اس جادو کو جن کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں۔

4- وہ سحر ہے جو تخیلات اور بنیائی کی طاقت سے پیدا ہوتا ہے اس کے بیان کے لئے چند مقدمات درکار ہیں:

مقدمہ اوّل:

ہم کثرت سے دیکھتے ہیں کہ بنیائی کی طاقت کو غلطی معلوم ہوتی ہے۔ جب سوار کشتی پر ہوتا ہے تو کشتی اس کو ساکن نظر آتی ہے دیکھنے میں کبھی ساکن چیز متحرک اور کبھی متحرک چیز ساکن نظر آتی ہے۔ پانی کا قطرہ اوپر سے اترتے وقت خط مستقیم کی شکل میں نظر آتا ہے اگر آگ کے شعلہ کو تیزی سے گھمایا جائے تو دائرہ معلوم ہوتا ہے۔ اگر جسم چھوٹا ہو تو بڑا نظر آتا ہے۔ انگور کو جب پانی کے اندر ڈالا تو اس کی اصل جسامت تبدیل ہو جاتی ہے علیٰ ہذا القیاس زمین کے بخارات سے آفتاب بڑا نظر آتا ہے۔ جب وہ

Marfat.com

آفتاب بخارات سے اوپر ہوتا ہے تو اس کا جسم چھوٹا نظر آتا ہے یہ تو ظاہر ہے کہ دور سے چیز چھوٹی نظر آتی ہے اور قریب سے بڑی، پس ثابت ہوا کہ قوت باصرہ کبھی کبھی اسباب عارضیہ کو دیکھنے میں واقع کے خلاف نظر آتی ہے۔

مقدمہ دوئم:

یہ قاعدہ ہے کہ قوت باصرہ کو دیکھنے میں عرصہ دراز کے بعد ادراک ہوتا ہے اگر تھوڑے وقت میں باصرہ محسوسات کے بعد اور محسوسات جائیں تو ان کا یہ ادراک مشکل ہو جاتا ہے ان کو باہم تمیز نہیں رہتی اگر میز پر ایک خط کو رکھا جائے اور کئی اور خطوط بھی ہوں تو ان تمام کا ادراک نہ کر سکے گا۔

مقدمہ سوئم:

جب نفس ایک چیز میں مشغول ہوتا ہے اس کی قوت باصرہ میں دوسری چیزیں آجائیں تو وہ دیکھنے میں قاصر رہ جاتا ہے۔ وہ اسی چیز کو دیکھ سکتا ہے جس کے دیکھنے میں مشغول ہے جیسے بادشاہ کے سامنے ایک شخص توجہ کر کے کھڑا ہوتا ہے اس کی توجہ بادشاہ کی طرف ہوتی ہے دوسرا کوئی شخص اس کے پاس سے گزر جائے اس پر وہ توجہ نہیں کرتا۔ اور اس کی توجہ بادشاہ کی طرف رہتی ہے۔ جس طرح انسان آئینہ کو دیکھتا ہے تو اس کے چہرے پر بڑے بڑے نشانات نظر آتے ہیں تو قصداً اس کو دیکھتا ہے کہ ہموار ہیں یا ناہموار آئینہ جب دیکھتا ہے تو جو کچھ اس کے چہرے پر ہوتا ہے اس کو اس آئینہ سے نظر آتا ہے یہ مقدمات تھے جو سحر کے تصور میں آسان تھے جب کوئی مداری اپنے کرتب لوگوں کو دکھاتا ہے۔ لوگ اس کے کام کو دیکھنے میں تعجب کے ساتھ مصروف ہو جاتے ہیں اور دیکھنے میں ہمہ تن مصروف ہو جاتے ہیں پھر مداری کوئی اور چیز بنالیتا ہے تو لوگ پھر اس کی طرف مصروف ہونے لگ جاتے ہیں۔ اگر وہ مداری ایک کام پر رہے تو لوگ اس کو مداری نہ کہیں گے کیونکہ مداری تب ہی ہوگا جب لوگوں کو نئے نئے کرتب دکھائے گا اور جو لوگوں کے عقل اور ذہن میں نہیں ہوتے۔ مداری اکثر رات کو کام کرتے ہیں سیاہ چیزوں کو دیکھ کر آج کل تو مداری بہت کام کر لیتے ہیں۔ تو لوگوں کے ذہن اور فراست میں نہیں بدلتے جب کوئی نئی چیز ظاہر کرتا ہے تو لوگ اس دھیان میں لگ جاتے ہیں اگر وہ اپنے اس کام کو ساکن کر دے تو لوگ اس کی طرف توجہ نہ کریں گے۔ اکثر مداری روشنی کو چاہتے ہیں اور مختلف رنگوں کو سامنے رکھ کر اپنا کام بناتے ہیں اور ان کو رات کو سیاہی کی بڑی ضرورت ہوتی ہے اور ایسا نہ ہو تو ان کی قوت باصرہ کمزور ہوتی ہے۔ لہٰذا مداری کسی کو نظر بند کرتے ہیں تو نظر بندی میں اپنا سود کھاتے ہیں اور جس کو نظر بند کرتے ہیں اور اس کے دل اور ذہن میں کچھ بھی نہیں رہتا۔

5- آج کل انسان نئی نئی ترکیبات بناتے ہیں کبھی گھوڑے پر دو سوار بیٹھ کر لڑتے ہیں ایک دوسرے کو قتل کر دیتا ہے یا ایک ڈھوتو بنا کر اس کے ہاتھ میں دے دیتا ہے اور اس ڈھوتو سے نئی نئی آوازیں پیدا ہوتی ہیں اور ہر گھنٹے کے بعد نئی آوازیں نکلتی ہیں اس کے بعد نئی نئی قسم کی تصویریں بناتے ہیں۔ انسانی تصویر میں جب تصویر کو بنایا جاتا ہے تو اس تصویر میں یہ کمال ہوتا ہے کہ اس میں رونے کی تصویر الگ ہوتی ہے اور ہنسنے کی تصویر الگ ہوتی ہے اور حیاء کی تصویر الگ کر دیتے ہیں دیکھنے میں اصل میں اور نقل میں فرق معلوم نہیں کر سکتا جیسے لکھ چکا ہوں کہ ہنسنے کی تصویر جدا ہوتی ہے۔ کمال رنگ کے عجائبات وہ تصویر میں ظاہر کر دیتے ہیں جیسا کہ فرعون کے جادوگروں کے جادو میں گھڑی اور ایسے ایسے عمدہ جادو تھے جو انسان کے خیال سے باہر ہیں یہ ایک باریک نکتہ ہے یہ جرثقیل کا علم ہے۔ اس کو جادو میں شمار نہیں کیا گیا۔ ظاہری اصول میں بھی اسے جادو کے اقسام میں بیان کیا گیا ہے۔

حکیم جالینوس نے ایک قدیم ہیکل کو ایجاد کیا اصل یہ ہے حدیث شریف میں ہے کہ حکیم جالینوس نے جنگل میں جانوروں کا ایک بچہ دیکھا جو غم کی سیٹی بجاتا تھا۔ باقی تمام جانور سیٹی کی آواز سن کر اکٹھے ہو جایا کرتے تھے اس کی سیٹی میں ایسی محبت تھی کہ تمام جانور اکٹھے ہو جایا کرتے تھے۔ اور اس کے لئے زیتون کے پتے لاتے اور کچھ وہ کھاتا اور کچھ چھوڑ دیتا اور حکیم جالینوس یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کئی دن ہوئے وہ جانور کا بچہ مر گیا۔ حکیم جالینوس نے لوگوں سے پوچھا یہ کب مرا ہے انہوں نے کہا کہ پہلی تاریخ کو اس نے جانور کے بچے کی تصویر بنائی تو اس تصویر سے بھی سیٹیوں کی آوازیں آنے لگیں۔ تو تمام جانور اکٹھے ہو گئے اور زیتون کے پتوں کو لا کر اس کے سامنے رکھ دیا حکیم جالینوس نے اس تصویر کو مدفون کر دیا اور کہا کہ جب مہینے کی پہلی تاریخ آئے تو اس مدفونہ کو نکال لیا کرو جب مہینے کی پہلی تاریخ آئی تو وہ مدفونہ کو نکالتے وہ غم کی سیٹیاں مارنے لگ جاتا وہ تمام جانور اس کے سامنے اکٹھے ہو جاتے آپ ﷺ نے فرمایا کہ تصویر بنانا بھی جادو ہے اور ایسا جادو کفر ہے فرمایا

Marfat.com

فوٹو بنوانے والا اور بنانے والا دونوں جہنم میں ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر جہنم کی آگ کو واجب قرار دے دیا ہے رسول کریم ﷺ حضرت علی سے فرماتے ہیں۔ تین شخصوں کے گھر میں رحمت کا فرشتہ داخل نہیں ہوتا جس کے گھر جاندار چیز کا فوٹو ہو، جس کے گھر میں کتا ہو تیسرے جنابت کی حالت میں جو شخص غسل نہیں کر لیتا۔

یاد رہے کہ ان مذکورہ بالا احادیث میں فوٹو کی سخت وعید ہے۔

سحر کی ساتویں قسم:

بعض شخص ایسے ہیں جو دل کی توجہ سے جادو کا اثر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے پاس جادو ہے اور جنات ہمارے تابع ہیں اس سے وہ بھولے بھالے لوگوں کو ایسا ڈراتے ہیں کہ ان کے وجود میں بیماری نہ ہو تب بھی وہ ڈر کی وجہ سے وجود میں بیماری بن جاتی ہے۔ اس طرح انہوں نے اپنے جادو سے لوٹ کھسوٹ کا سلسلہ شروع کر دیا ہے۔ ساتھ ساتھ وہ اپنے جادو کے ذریعے اپنی بزرگی کو ظاہر کرتا ہے۔ جو بھولے بھالے لوگ۔ اس کے اس کمال جادو کو دیکھ کر ان کو ولی اللہ مان لیتے ہیں لیکن ایسے لوگ آج کل بکثرت ہیں جو اولیاء اللہ کے نام کو بدنام کر کے خواہ مخواہ توہین کرتے ہیں اس میں سیدھے سادھے لوگ ان دونوں صورتوں میں اچھائی اور برائی کی تمیز نہیں کر سکتے ایسے لوگوں نے بھی اپنے سحر اثر سے لوگوں کو مطیع بنالیا ہے تو یہ بھی ایک قسم کا سحر ہے۔ یہ سحر کے اقسام تھے جو بیان کئے گئے ہیں وہ جادوگر یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہمارے پاس اسم اعظم بھی ہے تا کہ لوگ زیادہ مطیع ہو جائیں۔

مسئلہ چہارم:

یہ امکانات سے ہے یا ممکنات سے ہے یا غیر ممکنات سے تو اللہ تعالیٰ نے تخیل کو بھی ممکن فرمایا لیکن وہ قدر نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جن کو عطا کیں وہ قدریں ان کے ساتھ مشترک نہیں کیونکہ وہ قادر ہے اور ممکنات کو وجود میں لاتا ہے اب یہ ہے معتزلہ نے تمام قسم کے جادو کا انکار کیا ہے وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سحر ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ مگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے اور سحر کا بچند وجوہ احادیث سے بھی ثابت ہو سکتا ہے نقل تواتر یا نقل احاد سے حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں رسول کریم ﷺ پر بھی جادو کیا گیا اور آپ پر جادو کا اثر ہوا۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ مجھے بھی اس کا اثر ہو گیا ہے میں کچھ کام کرتا ہوں اور کچھ کر بیٹھتا ہوں وہ کام ذہن میں نہیں رہتے وہ جادو کنویں کے اندر یہودیوں نے ڈلوا دیا اور نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ مجھ کو اس کا اثر زیادہ ہو گیا ہے جس کے سبب یہ دونو سورتیں قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ نازل ہوئیں جس کے سبب سے جادو کا اثر ختم ہو گیا۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میرے پاس ایک عورت آئی وہ یہودیوں سے کہنے لگی کہ میں جادوگرنی ہوں کیا میری توبہ بھی قبول ہو جائے گی۔ میرا حال یہ ہے کہ میں بابل کے شہر میں ہاروت اور ماروت کے پاس جادو سیکھنے کے لئے گئی تو میں نے ان سے کہا کہ مجھے بھی جادو سکھلاؤ انہوں نے کہا کہ تو مت سیکھ اس کے ذریعے تو دنیا کے اسباب کو پسند کرتی ہے اور عذاب کو اپنے اوپر ترجیح دیتی ہے۔ میں نے ان کو مجبور کیا اور کہا کہ تو پیشاب تنور کے اندر کر کے آ۔ اور جب میں پیشاب کر کے آئی تو انہوں نے کہا کہ کچھ دیکھا ہے کہا نہیں انہوں نے کہا کہ اب بھی تو ایمان پر ہے اور واپس گھر لوٹ جا میں نے ان کو مجبور کیا انہوں نے پھر کہا کہ دوبارہ پیشاب کرنے کے لئے جا۔ میں گئی پیشاب کر کے آئی تو انہوں نے پوچھا کہ تو نے کچھ دیکھا ہے کہا ہاں ایک آدمی گھوڑے پر سوار تھا ہاتھ میں تیر لئے ہوئے آسمان کی جانب کو اڑ گیا انہوں نے کہا کہ تو کامیاب ہے۔ اب تو جو بات کہے وہ ہو جائے گی۔ جب میں گیہوں کے دانے کے لئے اشارہ کرتی ہوں تو وہ پیدا ہو جاتا ہے بلکہ کئی قسموں کے دانے جم جاتے ہیں اب میرا یہ حال ہے کہ میں جو کہتی ہوں ہو جاتا ہے۔ کیا اب میری توبہ قبول ہو سکتی ہے حضرت عائشہؓ نے فرمایا نہیں اب فرقہ معتزلہ نے بچند اں وجوہ ان دونوں احادیث سے انکار کیا ہے۔

حدیث:

وہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ پر جادو نہیں ہوا۔ یہ بات غلط ہے وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ نہ تابعداری کرو تم اس شخص کی جو جادو کیا گیا ہے اگر نبی پاک ﷺ پر جادو کیا گیا ہوتا تو ان کفار کو بطور مذمت یہ ارشاد نہ ہوتا۔ اب دوسری آیت سے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے نہ کامیاب ہوگا ان کا جادو جہاں بھی جائیں گے ان دونوں کا جواب امام باقرؒ نے یوں دیا ہے فرماتے ہیں کہ پہلی حدیث سند کے اعتبار سے ضعیف ہے۔ اور نبی کریم ﷺ پر جادو نہیں کیا گیا بلکہ

Marfat.com

اس کا اثر نہیں ہوا اور دونوں آخری سورتوں کا نزول اسی لئے ہوا کہ وہ اپنی امت کو ترغیب فرمائیں۔

ان دونوں سورتوں میں سے امت کے لئے ترغیب ہے تاکہ امت اپنے جادو کا ازالہ کر سکے۔

سوال: اہل سنت کا اتفاق ہے کہ جادو گر ہوا پر اڑ سکتا ہے اس میں بزرگانِ دین سے کافی حکایات ہیں اب سوال کیا جادو کا علم سیکھنا کفر ہے؟ یا غیر کفر؟

جواب: جادو کا علم سیکھنا کوئی کفر نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے حبیب پاک ﷺ فرما دو، جاہل اور عالم برابر نہیں ہیں۔ اس میں کسی علم کی تخصیص نہیں کہ فلاں علم کو سیکھو کہ فلاں کو نہ سیکھو تاکہ جادو کے سیکھنے سے معجزات اور نبوت کی خبر ہو جائے۔ اب سوال کیا جادو گر کا قتل واجب ہے یا غیر واجب۔ اول قسم کا قتل واجب ہے باقی جادوگروں کا قتل واجب نہیں۔

سوال: کیا ہر جادو کفر ہے۔

جواب: یہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ سلیمان علیہ السلام نے کفر نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہر قسم کا جادو کفر ہے جیسا کہ ہاروت ماروت کے بارے میں فرمایا گیا۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم کسی کو نہیں سکھاتے۔ اور ہم تو آزمائشی ہیں تو کفر مت کر۔ ثابت ہوا کہ ہر قسم کا جادو کفر ہے۔ لیکن ان تمام اقسام میں قسم اول مراد ہے جو ستاروں کو الہ اور مدبر مانتے ہیں۔ ایسا جادو کفر ہے اور باقی دھونی وغیرہ دینے کے جادو کو معتزلہ نے کفر کہا ہے لیکن یہ ایک طبی تدبیر ہے جو ان کا نکما قول ہے۔ جادو گر اپنے منتروں سے بڑے کام کرتے ہیں لیکن ایسا جادو کسی پر بطور تکلیف مکلف ہو تو فسق ہے لیکن بعض نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ ہر کاہن کافر ہے لیکن یہ خبر بھی احاد ہے۔ جادو گر کا قتل واجب ہے نہیں کہ قسم پہلی اور دوسری کا جادو کفر ہے۔ جو ستاروں کی الوہیت کو تسلیم کرتا ہو یا ساحر امام یا حیات یا عقل ترکیب و اشکال پر قدرت رکھتا ہو۔ اگر کوئی مسلمان ایسا کرے وہ بھی مرتد کی طرح ہے۔ اگر اس نے توبہ نہیں کی اسی پر قائم رہا تو وہ مرتد اور اس کا قتل واجب ہے۔ امام محمد باقر اور ابی بن کعبؓ حضرت علیؓ کے مجموعہ سے بیان کرتے ہیں رسول کریم ﷺ سے صحابہؓ نے سحر کے بارے میں پوچھا کہ ساحر کافر ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ ساحر وہ ساحر جو ستاروں کو مدبر مانے اور یہ کہے کہ حیات اور جسم کی تدبیر پر بھی قدرت ہے سحر کے ذریعے فرمایا یہ شدید کفر ہے۔ اگر مسلمان ایسا ہو جائے یہاں تک کہ وہ توبہ نہ کرے۔ تو اس کو قتل کر ڈالو کیونکہ اس کا سحر ملک کے لئے فتنہ اور فساد کا سبب نہ ہو۔ بہتر ہے اسی فساد کو قتل کر ڈالو۔ امام مالک اور امام اعظم رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ توبہ ساحر کی نہ قبول کی جائے گی کہ یہاں تک کہ وہ اسلام قبول کر لے۔ امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا نَحنُ نَحکُمُ باالظّاھِرِ یعنی ہم ظاہر پر حکم صادر کرتے ہیں تیسری قسم کالے سحر کا اعتقاد ہے۔ بعض منتروں کے پڑھنے اور پڑھانے بعض کیمیا گری سے اجسام یا حیات شکلوں کو تغیر کر دیتا ہے۔ پس جادو گر کو یہ اعتقاد ہوتا ہے کہ شکل و حیات کے پیدا کرنے میں رسائی ہو جاتی ہے پہلے بیان ہو چکا ہے معتزلہ کہتے ہیں جس کا اعتقاد ایسا ہو تو اس کو انبیاء کی معجزات کی تصدیق نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ قول بھی رقیق ہے نبی اور غیر نبی میں اس طرح فرق ہو جاتا ہے اگر مدعی نبی اپنی نبوت پر صادق ہو اس سے عادات خوارق ضرور ظاہر ہوتی ہے اگر جھوٹا ہو تو اس سے یہ فعل ظہور میں نہیں آتے پس ثابت ہوا کہ ایسا کرنے والا کافر نہیں ہے اس کا اس حدیث سے بھی استدلال ہو سکتا ہے نبی اکرم ﷺ نے ابو ہریرہؓ سے فرمایا کہ جادو گر اگر نبوت کا دعویٰ کر دے وہ جھوٹ ہو گا اس کا جھوٹ اس طرح ظاہر ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی محنت سے سحر کو اختیار کرتا ہے اور نبی ﷺ کی نبوت اللہ تعالیٰ کی رضا پر ہوتی ہے اور جسے چاہتا ہے رسول بناتا ہے حضرت ابو ہریرہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ نبی کے معجزہ اور سحر میں تمیز کیسے کریں۔ آپ ﷺ نے مثال دی تو اس وقت حضرت ابو بکر اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی آ پہنچے انہوں نے دوبارہ بات دہرائی جب تمام بات ہو چکی پھر نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اس کی مثال یوں سمجھو اور اس میں یہ تمیز کرو فرمایا کہ ساحر کتنا بھی ساحر ہو وہ نہ تو سورج کو دوبارہ لوٹا سکتا ہے نہ وہ چاند کے دو ٹکڑے کر سکتا ہے فرمایا ان دونوں معجزوں کے فعل مجھ سے ظاہر ہوئے ہیں یعنی شق القمر بھی ہوا اور حضرت علیؓ کی نماز کے اعادہ کے لیے سورج بھی لوٹا آپ ﷺ نے پھر مثال دی فرمایا کہ جادوگر ہوا میں اڑ بھی جاتے ہیں اور غائب بھی ہو سکتے ہیں اور تصویریں بنا کر ان میں آوازیں بھی پیدا کر سکتے ہیں آپ ﷺ نے جالینوس کی مذکورہ بات کو دہرایا پھر فرمایا کہ ہوا میں اڑنے اور تصویروں کے اندر آواز کو بلوانے سے یعنی وہ بھی اپنی نبوت کا جھوٹا دعویٰ کر سکتا ہے پھر فرمایا تو موسیٰ علیہ السلام اور سحر کے مابین نبی کے معجزہ کی نبوت کا کمال ہے اور جادوگر سجدے میں گر پڑے یعنی ان کا جادو اس معجزہ سے عاجز آ گیا۔ پھر فرمایا تمام قسم کے ساحر اکٹھے ہوں اور میرے ان معجزات کو یعنی (چاند کو دو ٹکڑے کرنا اور سورج کو واپس لوٹا دینا) یہ تمام معجزات سے عظیم معجزے ہیں اور میری نبوت کے اجزاء میں سے۔ تو فرمایا جس طرح اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام نبیوں کی

Marfat.com

نبوت پر فضیلت دی اسی طرح انبیاء کے معجزات سے میرے معجزات قوی ہیں۔ میرے ان دونوں مذکورہ معجزات پر غور کیجیے یہ حدیث تفسیر حضرت امام محمد باقرؒ ابی بن کعب اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مجموعہ میں بھی ہے حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث دوبارہ نبی کریم ﷺ نے ایک عظیم اجتماع میں بیان فرمائی اس حدیث کو امام زہریؒ نے اپنی مسند میں اور عبدالرزاق کی مسند میں بھی تفسیر خزینۃ القرآن اور جو صاحب تفسیر خزینۃ القرآن نے اسماء الرجال لکھی اس میں بھی ہے۔ جلد اول صفحہ نمبر ۵۴۴ کے حاشیہ پر امام بخاری نے اس کو نقل متواتر اور نص فرمایا ہے کہ ثابت ہوا اس حدیث کے اندر تیسری قسم کے سحر کو حضور ﷺ نے کفر نہیں فرمایا اس کا وقوع بھی ممکن ہے حضرت امام حسنؓ اور حسین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اگر ساحر نے یہ سمجھا کہ سحر مباح ہے تو اس نے حرام کو اختیار کیا تو یہ کفر ہے اگر حرمت کو عمل میں لایا تو بھی کفر ہے۔

امام شافعی فرماتے ہیں کہ اس ساحر کا حال ایسا ہے جیسے ہاتھ سے کسی کا خون ہو جائے جو سزا ہاتھ سے خون کرنے والے کی ہے اس کی بھی وہی ہوگی اگر ساحر یہ کہے کہ میرا جادو بڑا سخت ہے ہر شخص پر چل جاتا ہے اور اس سے بندہ مرجاتا ہے تو اس پر قصاص لازم ہوگا اگر یہ کہے کہ میرا جادو کبھی چل جاتا ہے کبھی نہیں چلتا۔ اگر وہ اس سے قتل ہو جائے تو یہ قتل عمد ہوگا تو اس کا اقرار ثابت ہو گیا اگر وہ یہ کہے کہ میں سحر کسی اور پر کر رہا تھا وہ بھی اسی نام کا تھا اس لیے یہ مرگیا ہے تو یہ قتل خطا ہوگا تو اس میں اس کو مال دینا واجب ہوگا۔ کیونکہ ثبوت ظاہر ہو گیا ہے یہ امام شافعیؒ کے مذہب کی تفصیل ہے جو بیان ہو چکی ہے حسن بن زیاد نے حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت بیان کرتے ہیں جب ساحر کا حال معلوم ہو جائے تو اس کو قتل کردو اس کی توبہ نہ لی جائے پس جادوگر جب اپنے جادو کا اقرار کرے تو اس کا خون حلال ہو جائے گا اگر لوگ اس کے ساحر ہونے کی گواہی دے دیں تو اس کا کچھ اور حال بیان کریں اس کی توبہ قبول نہ کی جائے اور اس کو قتل کیا جائے گا اگر یہ کہے کہ میں پہلے جادو کیا کرتا تھا عرصہ دراز سے میں نے یہ چھوڑ دیا ہے تو اس وقت اس کی توبہ قبول کی جائے گی اور قتل نہ کریں گے محمد بن شجاع علی رازی سے اور انہوں نے امام ابو یوسف سے اور انہوں نے امام اعظمؒ سے ساحر کے بارے میں دریافت کیا فرمایا اسکو قتل کیا جائے گا۔ اور اس کی توبہ قبول نہ کی جائے گی۔ دریافت کیا کہ مرتد کا حکم کیوں ہوا۔ فرمایا کہ اس کے اس کفر سے ملک میں فساد برپا ہوتے ہیں اور اس وجہ سے ملک میں امن نہیں رہتا۔ اس واسطے اس کا قتل واجب ہے اور توبہ نہ ہوگی اور اس واسطے پہلے بیان ہو چکا ہے اول کہ دونوں قسم کے سحر کفر ہیں۔ اور امام صاحب کا یہ جو ارشاد ہے کہ توبہ قبول نہ ہوگی۔ قتل واجب ہے تو توبہ کی عدم قبولیت میں امام صاحب نے کوئی نقل تواتر سے اپنے دعویٰ کو ثابت نہیں فرمایا۔ اس میں یہ ہو سکتا ہے کہ اگر ساحر یہ کہے کہ میں سحر سے باز نہیں آؤں گا تو تب اس کا قتل واجب ہے کیونکہ ملک میں بدامنی پھیلے گی اگر وہ صدق دل سے توبہ کرتا ہے تو اس کی توبہ قبول ہوگی ہم اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جو نقل متواتر ہے امام محمد باقرؒ اور ابی بن کعب سعید بن جبیر حضرت ابوبکر، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے ہیں کہ صحابہؓ نے رسول کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ کافر کی توبہ قبول ہو سکتی ہے فرمایا کہ توبہ کا دروازہ ہر وقت کھلا ہے کافر مسلمان ہو سکتا ہے توبہ کرے تو کفر سے پہلے اس کے جو گناہ سرزد ہوئے وہ بھی معاف ہو جائیں گے مسلمان ہر وقت توبہ کر سکتا ہے اگر اس سے کوئی عظیم تر گناہ سرزد ہو جائے تو اس کی توبہ قبول ہو سکتی ہے۔ مزید فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے بیشک وہ لوگ جو ایمان لائے پھر کفر کیا پھر ایمان لائے پھر کفر کیا ایسے کفر کی بخشش بالکل نہ ہوگی اور نہ ہی ان کو ہدایت کا رستہ ملے گا فرمایا ایسی صورت میں توبہ قبول نہ ہوگی حدیث کی رو سے ثابت ہو گیا ہمارا دعویٰ اس میں یہ ہے کہ اگر ایک ہی وقت میں ساحر توبہ کرے تو توبہ قبول ہو جائے گی اگر توبہ کر کے پھر سحر کرتا رہے تو ایسی صورت میں مذکورہ آیت کا اطلاق اس پر ہوگا ایسی صورت میں اس کا قتل واجب ہوگا صورت اول اس کے لیے موقعہ ہے یہ بھی ہے کہ اگر جادو کفر سے کرتا ہے توبہ نہیں کرتا بار بار کرتا ہے تو اس کا کفر فسق ہے اس کی اقسام ہم اوپر کے بیان کر چکے ہیں اگر ساحر اپنے جادو سے کسی کو ملک میں نقصان نہیں دیتا تو وہ اس کا سحر اس تک محدود ہے یہودی مرد ساحر کو اور یہودیہ جادوگرنی کو قتل نہ کیا جائے گا بحکم اس حدیث جیسا کہ خیبر کے موقعہ پر لبید بن آصیعہ یہودی ساحر اور زینب یہودیہ جادوگرنی نے مل کر نبی ﷺ پر جادو کیا آپ نے ان کے قتل کا حکم نہ فرمایا اور نبی پاک ﷺ کا فرمان ہے تو اس لیے مسلمان جادوگر کو بھی قتل نہ کیا جائے گا نبی پاک ﷺ نے فرمایا جو مسلمان کے لیے ہے وہ ان کے لیے ہے جو مسلمانوں پر ہے وہی ان پر ہے حضرت امام اعظمؒ نے اپنے دعویٰ میں چند وجوہ استدلال فرمایا ہے نافع حضرت ابن عمرؓ سے بیان کرتے ہیں حضرت حفصہؓ کی باندی نے حضرت حفصہؓ پر جادو کیا اور لوگوں نے ان کو بتایا کہ اس نے سحر کا اقرار کرلیا اور حضرت حفصہؓ نے عبدالرحمن بن زید کو حکم دیا کہ اس کو قتل کردو اور چنانچہ اس کو قتل کر دیا گیا حضرت عثمان نے اعتراض کیا حضرت عمرؓ نے کہا کہ ہم نے حضرت حفصہؓ کے حکم سے قتل کیا ہے حضرت عمر بن دینارؒ فرماتے ہیں حضرت عمر نے فرمایا کہ ہر جادوگر کو قتل کردو ہم نے تین جادوگر قتل کیے ہیں حضرت امام المشارق والمغارب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ عراقی کاہن کے پاس نہ بیٹھا کرو کیونکہ وہ حبیب باری ﷺ پر جو کچھ اقرار کرتے ہیں وہ اس کی تصدیق نہیں کرتے ان تمام روایات سے امام باقرؒ یہ فرماتے ہیں کہ وہی جادو مراد ہیں جو قسم اول اور جو قسم دوم کا ہے۔

اب ہم یہ کہتے ہیں کہ مداری اپنے کام سے جو کچھ کرتے ہیں اور طرح طرح کا کام دکھاتے ہیں یہ گناہ ہے لیکن کفر نہیں اسی طرح جو چورا ہے میں نجس چیزیں ڈال دیتے ہیں اور وہ

Marfat.com

جنوں کی غذا ہوتی ہے جو کوئی چیز کسی کو کھانے میں ملا کھلا دیتے ہیں تو وہ عقل سے بے عقل کر دیتی ہے جیسے کہ لوگ گدھے کی کھوپڑی لوگوں کو کھلا دیتے ہیں اس سے وہ بھی گدھا بن جاتا ہے اور اس کی عقل گدھے کی عقل ہو جاتی ہے اسی طرح بعض لوگ الو کھلا کر الو کر دیتے ہیں۔ یہ سب امور گناہ عظیم میں شامل ہوتے ہیں کفر نہیں اور قتل صرف کفر کے سحر پر ہے۔ یہ سحر کے بارے میں بیان تھا جو ہم نے بیان کیا۔ واللہ الموفق۔

اب ہم تفسیر پر کلام کرتے ہیں یہ جو ارشاد ہے وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ یعنی شیاطین کافر جادو سکھاتے تھے معلوم ہوا کہ جادو کفر ہے اور اس کا سیکھنا بھی کفر۔ بظاہر آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ وصف حکم کی علت ہے یہ بات ظاہر ہے کہ جو چیز کفر نہ ہو اس کی تعلیم بھی دیتے تھے اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ اس آیت میں اشکال پایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آخر میں ہاروت اور ماروت کا بیان فرمایا جب کہ فرشتے معصوم ہوتے ہیں اس کا جواب احادیث سے حضرت امام باقر اور ابی بن کعب اور سعید بن جبیر حضرت علی کے مجموعہ سے بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کرام نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ شیاطین کا سحر وہ تھا جو ستاروں کی الوہیت کو تسلیم کرتے اور معجزات انبیاء کو اپنا جادو سمجھتے تھے فرمایا ایسا جادو شیاطین کا تھا اور شیاطین یہ بھی کہتے تھے کہ عورت اور مرد کے مابین تفریق ڈال دیں فرمایا یہ بھی وہ لوگ جب سیکھتے تھے تو لوگوں کو وہ کہہ دیتے تھے کہ ہم آزمائش کے لیے آئے ہیں تو کفر مت کر فرمایا جب وہ کفر سے نفی کر رہے ہیں وہ خود اس ذیل میں کیسے داخل ہوتے ہیں اور نہ ہی ان کی عادت تھی صرف ایک آزمائش تھی تو مذکورہ اعتراض کا جواب اس حدیث سے کامل طور پر ہو گیا کہ اس میں سحر اول قسم اور دوم قسم مراد ہے اور ہاروت ماروت کا اس میں کوئی دخل نہ تھا بلکہ ہاروت اور ماروت سے پہلے بھی شیاطین کافر ستاروں کی الوہیت کو مانتے تھے اور جادو کو چلاتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کو بیان کیا وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لوگ ان اشیاء کی حقیقت کو ان سے معلوم کرنا چاہتے تھے تا کہ ہم کو جادو کی حقیقت معلوم ہو جائے وہی ایک آزمائش تھی کہ ہاروت اور ماروت بطور آزمائش ان کو کہتے تھے کہ ہم آزمائش کے لیے آئے ہیں اور وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ کو نافع ابن کثیر ابو بکر نے اس کو لکن تشدید نون سے پڑھا ہے۔ اور شیاطین کو نصب کے ساتھ پڑھا ہے لیکن معنی میں کوئی فرق نہیں جیسا کہ سورۃ الانفال میں وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ اور وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى کے اندر اختلاف ہے لیکن پسندیدہ قول یہ ہے کہ واؤ ہو تو زیادہ مناسب ہوتی ہے اور بجز واؤ کے تخفیف زیادہ مناسب ہوتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ لکن صرف عطف کے ساتھ تخفیف ہے پس اتصال کلام کے لیے واؤ کی ضرورت نہیں لکن با تشدید صرف مشبہ بالفعل سے ہے اس کلام اتصال میں واؤ کا ہونا مناسب ہے وما انزل علی الملکین ببابل ھاروت و ماروت کے اندر چند مسائل ہیں۔

مسئلہ اول:

وما انزل کے اندر جو ما ہے اس میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ وہ بمعنی الذی کے ہے پھر الذی کے معنی میں کہتے ہیں ان کے تین قول ہیں ایک یہ کہ سحر پر عطف ہے کہ وہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے وہ بھی تعلیم کرتے تھے جو فرشتوں پر اتاری گئی ما کا عطف ماتتلوا الشیطین پر ہے جو انہوں نے اس کی اتباع کی اور اس پر بھی عطف ہے کہ جو لوگوں کو شیاطین کفر سکھاتے تھے یعنی جو کچھ فرشتوں پر اترا وہ بھی سکھاتے تھے انہوں نے دونوں کی اتباع کی کسی ایک پر قناعت نہ کی۔ بلکہ دونوں کو سیکھا جو شیاطین کا کفر تھا اس کو بھی اور جو بیوی اور مرد کے درمیان لڑائی ڈالی جاتی تھی وہ بھی تیسرا قول وما انزل کا عطف محذوف یہ ہے اصل عبارت یوں ہے ماتتلوا الشیطین افتراء علی ملک سیلمن و علی ما انزل علی الملکین یعنی یہ خبر ہے یہودیوں کے لیے جو حضرت سلیمان علیہ السلام پر بہتان باندھتے تھے لیکن حدیث شریف کے اندر امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ لوگ شیاطین کا جادو سیکھتے تھے جو کفر پر تھا اور یہ بھی کہ خاوند اور بیوی کے درمیان تفریق ڈالتے تھے فرمایا کہ اس کے جادو کا چرچا گھر گھر ہوا کہ لوگ عورتوں اور مردوں کے اندر تفریق کر کے دشمنی بنا لیتے تھے اور لوگوں کو برباد کر دیتے تھے۔ بستے ہوئے گھر اجڑ جاتے تھے پھر فرمایا کہ یہودیوں کو بھی اس آیت سے خبر دی گئی ہے کہ وہ سلیمان کو نبی نہیں مانتے اور جادوگر کہتے ہیں اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کی معصومیت کو بیان فرمایا اور یہودیوں کی مذمت فرمائی ابو مسلم نے اس کو اختیار کیا ہے۔ اور اس بات پر اعتراض کیا ہے کہ جو کچھ فرشتوں پر نازل ہوا بچند وجوہ ان پر جادو اترتا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اترتا۔ یہ بات ناممکن ہے یہ جادو فعل خبیث ہے اللہ تعالیٰ کی شان کے خلاف ہے اس کا نازل کرنا اگر فرشتوں سے جادو کرنا سحر سکھانا درست مان لیا جائے تو ولکن الشیطین کفروا کے اندر یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ یہ بات کفر ہے اور اس کا سکھانا بھی کفر ہے تو فرشتوں پر کیسے نازل ہو سکتا ہے جس طرح انبیاءؑ کے لیے جادو کی تعلیم سکھانا واجب نہیں اسی طرح فرشتوں پر بھی یہ واجب نہیں ہے جادو کی نسبت فاسقوں اور لعنتیوں کی طرف ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے عذاب فرمایا اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کیسے ہو سکتی ہے جب سحر فعل باطل ہے تو اللہ تعالیٰ

Marfat.com

اس باطل فعل کو کرنے کا حکم کیلئے دیتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام سے کفار نے کہا جو تم لائے ہو یہ وہ جادو ہے اللہ تعالیٰ عنقریب اس کو باطل کر دے گا تو معلوم ہوا کہ اس آیت سے بھی جادو کا بطلان ثابت ہوا ابو مسلم نے اس آیت کی تفسیر میں جو قول بیان کیا ہے وہ اکثر مفسرین کے خلاف ہے جس طرح جادوگروں نے ملک سلیمان کی طرف نسبت کی تھی سلیمان کا ملک اس سے بری تھا جو چیز ہاروت اور ماروت پر نازل کی گئی وہ جادو تھی حالانکہ وہ جادو سے برے تھے ان پر شریعت لازم ہوئی نیکی کی طرف اور اعمال صالح کی طرف ان کو بلانا مقصود تھا اور جب وہ شریعت اتری انہوں نے کہا کہ ہم تمہارے لیے آزمائش کے طور پر آئے ہیں تو کفر مت کر کچھ لوگوں نے اس کی بات پر عمل کیا اور کچھ لوگوں نے اس عمل کے خلاف کیا اور وہ جادو کی رغبت کر گئے وَيَتَعَلَّمُونَ مِنْهُمَا کا عطف اس طرف سے فتنہ پر ہے یعنی اس قدر لوگ جادو سیکھتے تھے کہ بیوی اور خاوند کے درمیان فرق ڈال دیا جاتا تھا یہ ابو مسلم کی حدیث کا بیان تھا۔

قول دوئم:

مَا انزل علی الملکین کا عطف ہے مَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ پر یعنی نہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کفر کیا نہ فرشتوں پر جادو اترا اور لوگ یہ کہتے تھے کہ سلیمان علیہ السلام جادو سکھاتے ہیں اور فرشتوں پر بھی جادو اترا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کے کلاموں کو رد فرمایا اور مَا يُعَلِّمٰنِ کے اندر مَا نافیہ ہے وہ کسی کو تعلیم نہیں کرتے تھے اور شدت سے روکتے تھے اور کہتے تھے کہ تو کفر نہ کر لفظ فتنہ سے مراد امتحان ہے نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اس کو حکم نہیں دیا بلکہ اگر تو ایسا کرے گا تو مصیبت ہو گی یعنی میں نے اس کو ڈرایا پہلے قول سے بھی زیادہ مناسب ہے اس امر میں واسطے کہ ما انزل کا عطف متصل کے طور کرنا زیادہ مناسب کلام کی دور کی نسبت زیادہ بعید ہے یہ جو کہا تھا کہ ہاروت اور ماروت پر جادو نازل نہیں کیا گیا تھا امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جب ایک صفت کو کسی چیز کی صفت سے ظاہر کیا جائے تو اس کو بالترتیب ظاہر کیا جاتا ہے جیسے بعض اوقات کسی چیز کو وجود میں اس لیے لانا پڑتا ہے کسی چیز کی حقیقت ظاہر کرنے کے لیے جیسا کسی شاعر کا قول ہے کہ میں نے ایک چیز شر کو شر کے لیے نہیں سیکھا بلکہ اس سے بچنے کا تدارک کرلو یہ جو کہا تھا ولكن الشيطين كفروا نبی پاک ﷺ نے فرمایا ان کے جادو سے یہ چیز سیکھی جاتی تھی یعنی سیاروں کی الوہیت درست ہے یہ جو کہا تھا کہ انبیاء سحر کے لیے ان کا معجزہ نہیں ہوتا اور فرشتے سحر کے لیے نازل نہیں ہوتے ایک وجہ سے ان کو تسلیم نہیں کیا جا سکتا تو یہ ناممکن ہے کہ انبیاء کی بعثت اور فرشتوں کی بعثت تعلیم کے لیے نہ ہو بلکہ انبیاءؑ کی بعثت اس لیے ہوتی ہے خود نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ ہم دنیا میں اس لیے آئے ہیں کہ وہ تمہیں آگاہ کر کے تم کو بچائیں اور اچھائی کی طرف تم کو حکم دیں اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ہر شے کے لیے پیغمبر تعلیم کرتا ہے ایک تعلیم دینا اور دوسرا عمل کرنا۔

عمل اور تعلیم میں فرق ہے حضرت امام حسنؓ نے ملکین کو بکسر الام پڑھا ہے امام ضحاک اور ابن عباسؓ سے یہ مروی ہے حضرت امام حسنؓ فرماتے ہیں کہ بابل کے شہر میں دو بڑے بڑے جادوگر رہتے تھے وہ جادو سکھاتے تھے اور بعض نے کہا ہے کہ بادشاہوں میں دو صالح مرد رہتے تھے اور مشہور قرأت یہ ہے بفتح اللام دونوں فرشتے آسمان سے اترے تھے ان کا نام ہاروت ماروت تھا نبی پاک ﷺ نے یہی ارشاد فرمایا کہ ہاروت اور ماروت فرشتے اترے۔ امام باقر فرماتے ہیں یہ حدیث متواتر ہے اور بعض نے جبرائیل اور میکائیل علیہ السلام اور بعض فرشتوں کے بارے میں بھی کہا ہے لیکن یہ قول ضعیف ہے جنہوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے اس آیت سے ارشاد ہے اگر ہم فرشتے اتارتے تو کام ختم ہو جاتا اور ان کو مہلت نہ دی جاتی اور جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ فرشتہ اگر نبی بن کر اترتا تو یہ آیت کیوں ارشاد ہوتی ہے۔ ملکین کا نازل کرنا کیونکر تسلیم کیا جائے گا پس اگر فرشتے نازل ہوتے تو اس کی یہ صورت ہوتی کہ وہ مردوں کی شکل میں رہتے تو لوگوں کے حق میں ایک قسم کی تلبیس اور تجمیل ہوتی یہ انبیاءؑ کے لیے ناممکن ہوتا جیسا کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو شرف دیا ان میں نبی بھیجے ہر شخص کہتا کہ فرشتے بہ شکل انسانی ہیں اگر انسان کی شکل میں پیغمبر مبعوث نہ ہوتے تو نقصان لازم آتا اگر میں ان کو فرشتہ بنا کر اتارتا تو لوگ ان کو گردانتے پہلی بات کا جواب یہ ہے فرشتوں کے تعلیم کرنے کی حکمت تھی اس کا عنقریب جواب ہوگا یہ آیت عامہ ہے اور ملکین کے اندر قرأت بفتح لام متواتر اور خاص ہے خاص کو عام پر تقدم ہوتا ہے حدیث شریف میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ انسانوں میں اترنا پہلے انبیاءؑ کے زمانوں میں یہ بات واجب تھی کہ ہر انسان کو دیکھ کر قطعی یقین نہ کرلیں کہ وہ آدمی کی صورت ہے جو شخص میرے اوپر وحی لے کر آتا ہے اگر تم اس کو دیکھ کر اس کا تعاقب کرلو اب یہ ثابت ہو گیا ہے کہ فرشتے تھے تو ان کے نازل ہونے میں کیا سبب تھا۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ فرشتوں نے اللہ تعالیٰ سے کہا کہ تو ان کو کیوں پیدا کرتا ہے وہ خون ریزی کریں گے اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے جیسا کہ حدیث پاک میں ہے کہ کراماً کاتبین کے ساتھ اور فرشتے آتے ہیں وہ اعمال خبیثہ کو لے کر آسمان کی طرف بڑھ جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے جو میں جانتا ہوں وہ تم

Marfat.com

نہیں جانتے بنی آدم کو شرف ہوتا ہے تو بنی آدم نے جادو کرنا بھی شروع کر دیا جو اعمال خبیثہ ہیں امام باقر اور ابی بن کعب فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ فرشتوں نے زیادہ تعجب کیا اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی آزمائش کی اے فرشتو دو فرشتے ایسے منتخب کرو جو علم میں ریاضیت رکھتے ہوں اور علم زہد میں پڑھانے کی فوقیت بھی ان کو ہو اور وہ بزرگ ہوں تا کہ میں ان کو زمین پر اتاروں وہ لوگوں کو علم اور دیانت سکھائیں فرشتوں نے ہاروت اور ماروت کا انتخاب کیا اللہ تعالیٰ نے ان دونوں فرشتوں کو انسانی شکل میں اتارا وہ زمین پر بابل کے شہر میں اترے ایک اور روایت میں ہے جب وہ زمین پر اترے تو سب سے پہلے زہرہ نامی عورت جو کہ کمال درجہ کی خوبصورت تھی وہ ان کے پاس آئی ان دونوں فرشتوں نے ان کو دیکھ کر زنا کی خواہش کی اس نے کہا تم اس بت کی عبادت کرو پہلے تو انہوں نے اس بات سے خوف کیا تو خواہش ان کو زیادہ ہوئی تو انہوں نے اس کو قتل کر دیا پھر اس نے شراب کے بارے میں ان سے کہا آخر انہوں نے شراب کو بھی پی لیا اسی اثناء میں وہ آسمان پر گئی ایک قول میں یہ ہے کہ جب وہ بابل کے شہر میں اترے تو زہرہ اور فلک یہ دونوں سیارے نیچے اترے وہ سیارہ عورت کی مانند تھا جو ان مذکورہ افعال کے بعد وہ آسمان کی طرف سیارہ چلا گیا اور ایک قول میں یہ ہے کہ وہ عورت فاجرہ تھی جب ان دونوں فرشتوں سے عمل ثابت ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو فرمایا کہ تم یا دنیا کا عذاب اختیار کر لو یا آخرت کا عذاب انہوں نے دنیا کے عذاب کو اختیار کر لیا وہ بابل کے شہر کے کنویں میں لٹکے ہوئے ہیں اب بھی وہ جادو سکھاتے ہیں۔

سوال: ان کو اللہ تعالیٰ نے یہ فرمادیا کہ عذاب دنیوی اختیار کر لو یا آخروی کو اللہ تعالیٰ نے ان سے توبہ کیوں نہ کرا ڈالی۔ حالانکہ کوئی شخص پسند نہیں کرتا کہ مجھے عذاب اخروی ہو یا عذاب دنیوی ہو۔ اگر وہ عذاب میں ہیں تو وہ جادو کیسے سکھا سکتے ہیں۔؟

جواب: ہاں تو ایک قول یہ بھی ہے کہ انہوں نے اس زہرہ عورت کو بھید کا تخت کا عمل بتلا دیا اس منتر کو پڑھ کر وہ آسمان کی طرف چلی جاتی ہے اور بعض میں اللہ تعالیٰ نے ان کو مسخ کر کے سیارہ بنا دیا قول کا بطلان ثابت ہوا جب کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے فرشتے معصوم ہوتے ہیں کہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ عذاب کو اختیار کرتے اور ساری عمر اس شرک میں رہتے کیا وہ توبہ نہیں کر سکتے اب بھی وہ اسی فعل میں مصروف ہیں اور جادو سکھانے کی وجہ سے وہ عذاب میں مبتلا ہیں ان کے نازل ہونے کے سبب یہ ہیں۔

امام باقر ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت علیؓ کے مجموعے سے بیان کرتے ہیں رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ اس زمانے میں جادوگروں کی بکثرت تعداد تھی اور وہ لوگوں کو سحر کے ذریعے عجیب عجیب حالات دکھاتے تھے معجزہ کہتے تھے اور جھوٹی نبوت کا دعویٰ کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے اس وقت ہاروت اور ماروت کو نازل فرمایا وہ جا کر لوگوں کو سحر سکھائیں تا کہ جھوٹے جادوگروں سے لوگ مقابلہ کر سکیں یہی بات ظاہر کرنے کے لیے بھیجے گئے تا کہ لوگوں کو سحر کی تعلیم دیں جھوٹے سحروں سے بخوبی مقابلہ ہو سکے جو لوگ اپنے سحر سے لوگوں پر جھوٹا دعویٰ کر رہے تھے تو اسی جنس سے ان کا مقابلہ ضروری تھا اس حدیث سے ہاروت اور ماروت کے نازل ہونے کا سبب ظاہر ہوا اور پر والے تمام اقوال باطل ہیں۔

حدیث:

انہیں اصحاب سے ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس بات کو خوب سمجھو کہ معجزہ اور سحر دو مختلف چیزیں ہیں تو اس سے پہلے لوگوں کو اس وقت سحر اور معجزہ کی حقیقت معلوم نہ تھی اور سحر اور معجزہ کے درمیان ان کا فرق کرنا ان کے لیے دشوار تھا اللہ تعالیٰ نے اس لیے ہاروت اور ماروت کو نازل فرمایا تا کہ وہ ان کو سحر سکھائیں جس کی وجہ سے لوگ معجزہ اور سحر میں امتیاز کر سکیں یہ بات بھی از روئے حدیث ثابت ہوگئی کہ ہاروت اور ماروت کا نزول اس وجہ سے ہوا۔

حدیث:

امام باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جس سحر سے اولیاء اللہ اور دشمنان باری تعالیٰ میں فرق پیدا ہو سکے اس لیے ہاروت اور ماروت کو بھیجا گیا تا کہ وہ یہ امتیاز پیدا کر سکیں لیکن لوگوں نے سحر سیکھ کر برائی میں استعمال کیا اولیاء اللہ میں فرق ڈالا جائے اور اللہ تعالیٰ کے دشمنوں میں محبت پیدا ہو ہر چیز کے علم کا حاصل کرنا اچھا مگر جادو سے روکا گیا تھا تا کہ لوگوں کو حقیقت بتلائی جائے جس چیز کی حقیقت معلوم نہ ہو اس کے لیے احتراز کیا جا سکتا ہے امام باقر فرماتے ہیں کہ میں یہ آیت پڑھ رہا تھا کہ میری والدہ فاطمہ بنت حسن فرماتی ہیں کہ میں نے اپنے والد سے یہ سنا وہ فرماتے ہیں کہ نانا جان رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ جنات کو مختلف اقسام کے جادو کا علم تھا بنی آدم ان سے جادو کے ذریعے مقابلہ نہ کر سکتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ہاروت اور ماروت کو اس لیے نازل کیا تا کہ وہ لوگوں کو سحر سکھائیں اور وہ جنات سے مقابلہ کر سکیں کہ وہ جنات کی تمام حرکات کو جانتے تھے اور جنات چونکہ جادو پر ان کی دسترس تھی حضرت امام حسن فرماتے ہیں کہ یہ حدیث میں نے اپنی والدہ گرامی حضرت فاطمہ سلام اللہ سے سنی تو اب ان مذکورہ بالا احادیث سے واضح ہو گیا ہے

Marfat.com

کہ فرشتوں کا نازل ہونا صرف سحر کی تعلیم کے لیے تھا حضرت فاطمہ یہ بھی فرماتی ہیں کہ ان کے لیے یہ آزمائش تھی کہ دنیاوی لذات میں ان کا مشغول رہنا اور اس میں شفقت کرنا تکلیف کا باعث تھی جیسا کہ ارشاد ہے طالوت کی قوم کو نہر عبور کرنے کا حکم ہوا جیسے فمن شرب منه کی آیت میں اور یہ بھی ان کے لیے ایک امتحان تھا یہ فرشتے سحر کی تعلیم کے لیے نازل ہوئے۔ واللہ الموفق

حضرت امام باقرؓ اور ابی بن کعبؓ حضرت علی کے مجموعہ سے بیان کرتے ہیں کہ یہ دونوں فرشتے حضرت ادریس علیہ اسلام کی نبوت کے لئے معجزہ ہیں۔ ہاروت اور ماروت ملکین کا عطف بیان ہے۔ یہ علم ہیں اور یہ دونوں عجمی ہیں ہرت اور مرت سے مشتق ہیں جس کے معنی توڑنے کے ہیں جیسا کہ بعض کا خیال ہے یہ منصرف ہیں امام زہری نے اس کو رفع کے ساتھ پڑھا ہے۔ کیونکہ یہ محذوف کی خبر ہے یعنی ہما ہاروت و ماروت اور یہ جو ارشاد ہوا ہے امام باقرؓ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ جب وہ فرشتے نازل ہوئے تو ان سے سحر کا ذکر نہیں کرتے تھے۔ اور اس سے تنبیہ کرتے تھے کہ اگر تو نے سیکھ کر اس سے برائی کی تو تو کفر میں ہوگا اور اسباب لذات دنیا اس سے کمائے دنیا کو حاصل کرے اور اس سے معصیت ہوگی فرمایا کہ اس سے وہ فرشتے منع کرتے تھے۔ اور لوگ ان سے سیکھتے اور وہ برائی کو اختیار کر لیتے جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے اس حدیث سے واضح ہوا کہ فرشتے معلم ہیں وہ صرف سحر اس لئے سکھاتے تھے کہ لوگ جادو اور معجزات میں امتیاز پیدا کر سکیں کہ حقیقت خالص ہو جائے کہ ہم صرف آزمائش کے لئے آئے ہیں۔ امام باقرؓ فرماتے ہیں کہ ہم لفظ فتنہ کو اپنی زبانِ عرب میں ''فتنہ الذہب'' سے لیتے ہیں۔ یعنی سونے کو آگ کے ساتھ پرکھا جاتا ہے۔

ویتعلمون منهما کے اندر امام باقرؓ فرماتے ہیں کہ جس مرد یا عورت نے اپنے درمیان تفرقہ کے لئے سحر کیا تو وہ عورت نکاح سے خارج ہو جائے گی۔ فرمایا یہ جو کہا گیا ہے کہ وہ فرشتے عورتوں اور مردوں کے درمیان تفریق ڈالنے کے لئے فرشتے سحر لکھاتے تھے۔ ظاہر آیت میں یہ حکم ہے لیکن فرشتے یہ نہیں کرتے تھے۔ کیونکہ عورت اور مرد کے ساتھ جو محبت کا تعلق ہوتا ہے۔ وہ باقی سب لوگوں کی نسبت سے زیادہ ہوتا ہے تو اس لئے بغرض محال عورت مرد کا ذکر یہاں الفت کے طور پر کیا گیا ہے پست عقیدہ عورتیں کرتی ہیں کہ عورت خاوند کے ساتھ تفریق ڈالنے کے لئے جادو کا راستہ اختیار کرتی ہیں کہ ہمارے خاوند سے ہماری تفریق ہو جائے یاد رہے کہ جس عورت نے اس نیت سے جادو کیا تو جادو کفر ہے۔ اوپر فلا تکفر کا ارشاد ہے تو امام باقرؓ کے بقول فی الفور نکاح سے خارج ہو جائے گی۔ آج کل ہم دیکھتے ہیں کہ عورتیں ملعونہ شریف خاوندوں پر ناجائز تہمت لگا کر تعویذ گنڈوں میں مصروف رہتی ہیں کہ ہمارے خاوند ہمارے تابع ہوں جس طرح بھیڑ کا بچہ بھیڑ کے پیچھے بھاگا بھاگا پھرتا ہے۔ عورتیں بھی چاہتی ہیں کہ ہمارے خاوند بھی اسی طرح رہیں۔ تو اسی دھن میں رہتی ہیں اور کئی ایسی ہیں جو ان سے بھی ظالم ہیں وہ ناجائز طور پر بچارے شریف خاوندوں کو جن کا کوئی قصور نہیں ہوتا وہ ان کو ذلیل و خوار کرنے میں لگی رہتی ہیں اور تفریق ڈالنے میں کوشاں رہتی ہیں۔ ان کو جادو کا سہارا لینا ہوتا ہے۔ تو ان دونوں صورتوں میں دونوں قسم کی عورتیں فسق اور لعنت کی مستحق ہیں یاد رہے کہ جس عورت نے جادو کے سہارے خاوند کے درمیان تفریق کرنے کی کوشش کی تو جادو کفر ہے۔ تو یہ تفریق بھی کفر ہوگی۔ جب یہ تفریق کفر ٹھہرے گی تو عورت نکاح سے خارج ہو جائے گی۔ چونکہ اس کی نیت کفر ہے۔ تو عورتوں کو ایسے اہانت آمیز خیال سے اعراض کرنا چاہیے۔ نکاح کا مسئلہ بہت نازک ہوتا ہے۔ اور یہ جو ارشاد ہوا ہے وما هم بضارين امام باقرؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے سوا ان کو ان کا جادو ضرر نہیں پہنچا سکتا۔ اذن کے معنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے حقیقی امر کے ہیں۔ اگر جادو اللہ کی طرف سے ہوتا تو ان کی مذمت کیونکر بیان ہوتی۔ لہٰذا اذن بھی امر حقیقی سے ہے۔

سحر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا تو مذمت کی کیا وجہ تھی حضرت امام حسنؓ فرماتے ہیں کہ سحر کا ضرر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مرضی ہو تو ساحر کے جادو کو روک دیتا ہے۔ اگر نہ مرضی ہو تو اس کے ضرر کو نہیں روکتا وہ اپنے کام کو پورا کر لیتا ہے۔

حضرت امام باقرؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا اذن اللہ تعالیٰ کا امر حقیقی ہوتا ہے وہ اپنے امر کو اپنے اذن حقیقی سے اظہار فرماتا ہے۔ امام باقر فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ بات واضح ہوئی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ فرماتے ہیں کان کو بھی اذن اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ علم کی باتیں سنتا ہے جیسے اذان بمعنی اعلان ہوتا ہے تو اس کے کان سنتے ہیں اور یہ ارشاد ہوتا ہے فَاْذَنُوْا اور ارشاد فقل اٰذَنْتُكُمْ اور ارشاد ہوتا ہے۔ جب ہم کسی چیز کا ارادہ فرماتے ہیں کہتے ہیں۔ تو ہو جا۔ تو وہ ہو جاتی ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ تفریق خاوند اور بیوی کے مابین ہوگی جادو کی وجہ سے کیونکہ جادو کفر ہے۔ کیونکہ یہ شرعی نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کے احکام شرعیہ عین حکمت ہوتے ہیں۔ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ کے اندر چند مسائل ہیں:

Marfat.com

مسئلہ اوّل:

شراء بمعنی اشترا کے ذکر فرمایا ہے اشتراء کے چند وجوہ ہو سکتے ہیں: (۱) نبی پاک ﷺ نے فرمایا جب انہوں نے کتاب اللہ کو پس پشت ڈال دیا۔ اور شیاطین کی کتابوں پر مائل ہو گئے۔ بعوض کتاب اللہ کے سحر کو خریدا۔ اور فرشتوں کا مقصود یہ تھا کہ سحر کی تعلیم سے اس سے اعراض کرائیں اور منافع اخروی ان کو حاصل ہو انہوں نے شرع کے اندر اسباب دنیوی کی وجہ سے اس کو خریدا۔ جادو سیکھنے کی محنت اس لئے کی تا کہ وہ اس محنت سے سحر کو حاصل کر لیں پس انہوں نے محنت کے بدلے میں اس کو استعمال کرنے کی قدرت کو خریدا۔

مسئلہ دوئم:

اکثر کا قول یہ ہے کہ خلاق کے معنی حصہ کے ہیں رسول کریم ﷺ نے بھی یہ فرمایا قفال نے یہ بیان فرمایا ہو سکتا ہے کہ یہ کلمہ خلق سے ماخوذ ہوا ہو اس کے معنی اندازہ کرنے کے ہیں جیسے کہ چمڑے کے تراشنے کو خلق کہتے ہیں اسی طرح جس کام کی کوئی اجرت مقرر کی جائے تو خلق قضاللرجال درہما ہوتا ہے۔ باقی مفسرین نے خلق کے معنی فلاحی کے کئے ہیں۔ اس آیت میں ایک سوال باقی ہے قطرب اور اخفش یہ کہتے ہیں ان کے لئے یہ علم ثابت ہوا ولقد علموا لمن اس سے علم کی نفی کی گئی اور ارشاد ہوا لو کانوا یعلمون اس کا جواب چند وجوہ سے ہو سکتا ہے امام محمد باقرؒ فرماتے ہیں کہ جاننے اور نہ جاننے والوں کے دو گروہ تھے۔ جاننے والے تو وہ تھے جو جادو کی تعلیم و ترغیب دیتے تھے جن کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے نبذ فریق آخر میں لایعلمون فرماتا ہے۔ جاہل وہ تھے جن کو سحر کی طرف ترغیب دی جاتی تھی لو کانوا یعلمون سے وہی مراد نہیں۔

-2 موصوف فرماتے ہیں کہ اگر تسلیم کیا جائے، دونوں سے ایک گروہ مراد ہیں تو اس کی یہ صورت ہو سکتی ہے وہ ایک چیز کا علم رکھتے تھے ایک چیز سے جاہل تھے۔ علم یہ رکھتے تھے کہ آخرت کے لئے ہمارے لئے کچھ بھی نہیں۔ جاہل اس بات سے تھے کہ منافع اخروی ان سے فوت ہوئے اور کیا کیا ضرر اور عذاب حاصل ہوا اور دونوں سے ایک صورت یہ ہے اگر دونوں سے ایک فریق مراد ہو جس چیز کا علم ہو اس سے بھی ایک چیز مراد ہو اس سے یہ کہہ سکتے ہیں جب انہوں نے اپنے علم سے نفع نہیں اٹھایا بلکہ اس سے اعراض کیا تو یہ علم کالعدم ہو گیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کو بہرہ گونگا بیان فرمایا ہے اسی وجہ سے کہ انہوں نے اپنے علم سے اور حواس سے نفع نہیں اٹھایا اور جب کوئی شخص کوئی کام بے موقعہ کرتا ہے تو کہا کرتے ہیں اَنْ تفعلُ و لَنْ تفعلُ تو نے یہ کام کیا اور کچھ نہیں کیا۔

قال اللہ تعالیٰ: وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ط لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ (۱۰۳)

ترجمہ: اور اگر وہ ایمان لاتے اور ڈرتے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں بہتر ثواب ہوتا۔ اگر وہ جانتے ہوتے۔

جاننا چاہئے کہ امام باقرؒ اور ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ یہ ضمیر یہود کی طرف راجع ہے۔ کیونکہ آیت کی ترکیب ہی بتلاتی ہے۔ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ پہلی آیت میں ان کے لئے وعید کا ذکر ہے۔ پھر بعد میں وعدہ کا بیان فرمایا گیا ہے۔ فرمایا کہ یہ دونوں آیتیں اکٹھی نازل ہوئی ہیں۔ فرمایا اس سے وہی لوگ مراد ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے کتاب پر ایمان لانے کا حکم دیا۔ انہوں نے چھوڑ دیا کتاب کو پس پشت ڈالا فرمایا قرآن پاک ان کتابوں کا مصدق ہے نہ انہوں نے قرآن پاک کو مانا نہ تورات کو اور شیاطین کی کتابوں کی طرف رجوع کیا انہوں نے چونکہ شیاطین کی کتابوں کی طرف رجوع کیا اور سحر کو اسی واسطے اختیار کیا اور اگر قرآن پاک پر ایمان لاتے تو تورات میں قرآن پاک کی تصدیق کا واقع موجود ہے۔ جیسا کہ حدیث سے واضح ہو چکا ہے اگر تورات مراد ہو تو درست ہے ایسی صورت میں اگر توریت کو مان لیا جائے تب بھی اس میں قرآن پاک کی تصدیق موجود ہے۔ یہ جو ارشاد ہوا ہے ولو انهم امنوا اس پر ایمان لاتے اور انہی سے اعراض کرتے۔ اور اعمال کی بجا آوری کرتے تو آخرت میں ثواب کے حق دار ہوتے ہیں لیکن انہوں نے اس کے خلاف کیا اصل عبارت یوں ہے کہ واتقوا الا یعبثوا مگر جملہ فعلیہ کی بجائے جملہ اسمیہ کو اختیار کیا اس واسطے کہ اس بات میں دوام کے معنی پائے جاتے ہیں۔ اگر کوئی سوال کرے لمثوبة الله کیوں نہیں فرمایا گیا۔

جواب: حدیث شریف میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ادنیٰ ثواب بھی ہو تو وہ بھی بہتر ہے اور حدیث سے

Marfat.com

بھی من عند اللہ کی کیفیت ثابت ہوگی ولو انھم امنوا اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجاز اُہوگا اور لمثوبۃ سے جملہ مستقل ہوگا۔

قال اللہ تعالیٰ: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ؕ وَلِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابٌ اَلِیْمٌ (۱۰۴)

ترجمہ: اے ایمان والوتم راعنا نہ کہواور کہو انظرنا اور سنواور کافروں کے لئے درد دینے والا عذاب ہے۔

جاننا چاہئے کہ یہودیوں کی بداعمالی کا سبب ہے ان کے حالات نبی پاک ﷺ کی بعثت سے پہلے بیان کئے گئے اور ان کے حال کو بیان کیا گیا کہ انہوں نے نبی پاک ﷺ کے دین پر طعن تشنیع کی۔ اللہ تعالیٰ کی ذات نے ان کی اس خباثت کو بیان کیا لا تقولوا راعنا کے اندر چند مسائل ہیں:

مسئلہ اوّل:

جاننا چاہئے کہ قرآن پاک میں ایمان والوں کا ذکر اٹھاسی مرتبہ فرمایا گیا ہے رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے ارشاد فرمایا جب کہ توراۃ میں ان کو یاایھا المساکین بیان فرمایا گیا اور ان پر اسی وجہ سے مسکنت اور غربت ہوئی نبی پاک ﷺ نے اس کے بعد فرمایا میری امت کو اللہ تعالیٰ نے اول ایمان کے ساتھ ذکر فرمایا ہے تو آخرت میں بھی ان کو عذاب کی نسبت ایمان کے لفظ سے ارشاد ہوگا تو اس سے ثابت ہوا کہ مومن تمام اسماء صفاتیہ میں اشرف لفظ ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کی امت کے لئے پسند فرمایا تو یہ اشرف نام جس طرح امت کو اول میں خطاب ہوا ہے اس طرح قیامت کو بھی یہی نام امت کے لئے بطور شرف ہوگا۔

مسئلہ دوئم:

حضرت امام جعفر صادق کی تفسیر میں ہے انس بن مالکؓ نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے کلمے ایسے فرمائے ہوں جو ایک دوسرے کے مترادف ہوں تو یہ اس کی مرضی ہے کہ ایک کلمہ کی اجازت فرمائے اور دوسرے سے منع فرمائے لیکن امام شافعی کے نزدیک سورۃ فاتحہ کو نماز میں فارسی یا عبرانی زبان میں پڑھیں تو نماز نہ ہوگی تو راعنا کے لفظ سے جو منع کیا گیا ہے تو ان کی زبان میں راعی چرواہا کو کہتے تھے۔ جو انہوں نے نبی پاک ﷺ کی ذات پر طعن اور تشنیع کے لئے استعمال کیا تو لہٰذا ثابت ہوا کہ یہ راعنا بایں معنی کہ انہوں نے جب پیغمبر ﷺ کے صحابہ کو یہ کہتے سنا تو بڑی خوشی نصیب ہوئی اور اس کو بطور طنز یہ کہنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے اس بات کو ناپسند فرمایا جیسا کہ راعنا یہ معنی درست نہیں اس کا معنی ہے ہماری رعایت فرمائیں۔ توجہ فرمائیں جیسا کہ آگے بھی لکھا ہے۔ سعید بن معاذ فرماتے ہیں کہ میں نے جب یہودیوں سے یہ کہا کہ آئندہ کسی یہودی نے نبی پاک کی شان میں یہ لفظ کہے تو میں ان کی گردن اڑادوں گا تو اسی وقت یہ آیت نازل ہوئی اگر چہ ہے۔ اس کے معنی صحیح ہیں اور اہل حجاز اکثر مسخرہ پن اور استہزاء کے قیام پر یہ کلمہ کہتے تھے اس واسطے مسلمانوں کو اس کلمہ استہزاء سے منع فرمایا گیا کیونکہ یہودی راعنا کہا کرتے ہیں اور کہتے تھے کہ آپ ہمارے راعی اور چرواہے ہیں اس واسطے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ راعنا مت کہا کرو راعنا باب حفظ علت ہے جس کا مقصد یہ ہوسکتا ہے کہ آپ ہماری رعایت کیجئے ہم آپ کی رعایت کرتے ہیں۔ چونکہ اس لفظ سے مخاطب اور متکلم کی مساوات کا شبہ ہوسکتا ہے اس واسطے اللہ تعالیٰ نے ان کو منع فرمایا اور ظاہر فرمایا ہم کلام ہوتے وقت ادب کے الفاظ کے ساتھ ہم کلام ہوا کرو پیغمبر ﷺ سے، جیسا کہ امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ کے مجموعہ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میرے ناموں کو باہم اپنے ناموں کی طرح مت پکارو اس میں تمہارے اعمال ضبط ہو جائیں گے انہوں نے کہا کہ ہم کیسے پکاریں فرمایا کہ جس میں میرے نام کی توقیر اور تعظیم ظاہر ہو سکے وہ تم پر فرض ہے اللہ تعالیٰ کو یہی پسند ہے کہ تم مجھے رسالت کے لفظ سے پکارو یعنی یوں کہو یا رسول اللہ ﷺ فرمایا مجھے رسول اللہ ﷺ کے نام سے پکارنا اس میں مجھے عظیم خوشی ہوتی ہے۔ جیسا آپ ﷺ نے سورۃ نور کے آخری آیت کو تلاوت فرمایا۔ فرمایا اس آیت کے اندر اسی امر کی وضاحت ہے۔ راعنا کے اندر خطاب افعال مکرر پایا جاتا ہے گویا اس کے یہ معنی ہیں کہ ہماری بات کا خیال کیجئے اس سے غافل نہ ہوجایئے دوسرے کام میں مشغول نہ ہوجایئے اور انظرنا کہنے میں یہ بات نہیں ہے بلکہ اس میں توقف کا سوال ہے یعنی اپنے کلام اور زبان میں اتنا توقف فرمایئے کہ ہم آپ کے کلام کو بخوبی سمجھ لیں۔

امام باقرؒ اور ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ جو میری تعظیم و توقیر کے اندر ذرا بھر بھی طعن کرے گا تو یوں سمجھو اس نے اللہ پر بھی طعن کیا جیسا کہ یہودی میرے اندر عیب تلاش کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہ السلام کو عیوب سے معصوم بنایا ہے۔ جو شخص پیغمبر کی

Marfat.com

ذات میں عیب تلاش کرے وہ کافر ہے۔اسی لئے اللہ تعالیٰ نے میری تعظیم میں ذرا بھر طعن کرنے والوں کو کفار سے تعبیر فرمایا اور ان کے لئے عذاب الیم ہے۔فرمایا کہ وہ عذاب الیم کے مستحق ہیں۔اس آیت کی صورت اور حدیث کی حقیقت دوام ہے عذاب کی تفسیر اوپر ہو چکی ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: مَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِينَ أَنْ يُنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِنْ خَيْرٍ مِنْ رَبِّكُمْ ط وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ ط وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ (۱۰۵)

ترجمہ: ذرا پسند نہیں کرتے کافر خواہ اہل کتاب ہوں یا مشرک ہوں یہ کہ اتاری جائے تم پر کوئی بھلائی تمھارے رب تعالیٰ کی طرف سے ہو۔اور اللہ خاص کرتا ہے۔ اپنی رحمت کے ساتھ جسے چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ صاحب فضل عظیم ہے۔

جاننا چاہئے کہ اس آیت میں کفار کی عداوت اور معاندت کا بیان ہے۔اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس سے روکا ہے کہ کفار اور مشرکین تمہارے دشمن ہیں اور اس آیت کے اندر خاص وضاحت فرمادی گئی ہے۔نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ کفار اور مشرکوں کے ساتھ دوستی رکھنا اپنے اعمال کو ضائع کرنے کا نتیجہ ہے مایود الذین کے اندر دو مسئلے ہیں:

مسئلہ اوّل:

جو مِنْ ہے یہ من بیان کے لئے ہے یعنی الذین کفروا من اهل الكتب دوسرا من خبر کے لئے استغراق کیا ہے اور تیسرا مِنْ ابتداء غائت کے لئے ہے ابتداء میں جو من بیانیہ ہے اس میں دو گروہوں کا ذکر ہے یعنی اہل کتاب اور ان کے نیچے مشرکین جیسے سورۃ بَيِّنَات کے اندر دیکھئے۔

مسئلہ دوئم:

امام باقر فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ کے مجموعہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ یہ قرآن پاک جو مجھ پر نازل ہو رہا ہے اور یہودی اس سے حسد کر رہے ہیں۔یہ ان کا حسد اس لازوال نعمت کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتا۔آپ ﷺ نے فرمایا جیسا کہ ارشاد ہے کیا تیرا پروردگار یہ چاہتا ہے کہ رحمت کو تقسیم کردے۔ فرمایا یہودی اس حسد میں ہیں کہ یہ رحمت وحی کی ہماری طرف آنی چاہئے تھی۔اور اس میں طرح طرح کے حسد اور بغض کرتے ہیں یہ اللہ کی مرضی ہے کہ وہ اپنی رحمت کو جس پر چاہتا ہے خاص فرمادیتا ہے چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ یہ رحمت خاص مجھ پر انعام فرمائی۔

قال اللہ تعالیٰ: مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنْسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِنْهَا أَوْ مِثْلِهَا ط أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللّٰهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (۱۰۶)

ترجمہ: ہم نہیں منسوخ فرماتے ہم کوئی آیت یا نہیں بھلاتے ہم اسے مگر اس سے بہتر یا اسی کی مثل لاتے ہیں اے حبیب پاک ﷺ آپ کو معلوم نہیں کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

جاننا چاہئے کہ امام باقرؒ اور ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں یہودیوں کی بداعمالیوں کا بیان ہے۔انہوں نے نبی پاک ﷺ پر طعن کیا۔کہ مسلمانوں کے نبی کا یہ حال ہے کہ لوگوں کو کبھی کچھ حکم دیتا ہے آج کچھ کہتا ہے کل کچھ،کبھی اس حکم کو بدل کر دوسری طرف رجوع کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی مَا نَنْسَخْ اس کے اندر چند مسائل ہیں:

مسئلہ اوّل:

صاحب خزینۃ القرآن نے فرمایا کچھ لغت دانوں نے نسخ کے معنی مٹنے اور باطل ہونے کے لئے ہیں قفال نے یہ بیان کیا ہے کہ نسخ کے معنی تبدیل کرنے کے ہیں۔جیسا کہ قوم عرب یوں کہتے ہیں کہ ہم نے تبدیل کر کے ہوا کے نشانوں کو مٹا دیا نیز کہا کرتے ہیں سورج کے سایہ کو مٹا دیا۔لیکن سایہ کے اندر مٹنے کے نشانات نہیں ہوتے سایہ کے اندر انتقال اور تبدیلی نہیں پائی جاتی تاکہ اس کے معنی انتقال اور تبدیل کے سمجھے جائیں۔جیسا کہ ارشاد ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب شیطان آرزو کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی مدافعت کو مٹا دیتا ہے۔جب یہ معلوم ہو گیا کہ یہ کلام حقیقت پر مبنی ہے تو اس کے معنی اصل میں ابطال کے آئے اور نقل کے نہیں اس

Marfat.com

میں نقاط مشترک نہیں تا کہ دونوں معنی حقیقی ہو جائیں جب ان دونوں دلائل میں کہ ہوا کی طرف اور سورج کے سایہ کے اندر نشانات کا مٹنا مجازاً طور پر ہو تو حقیقی معنی ہیں۔
اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کا اس معنوں میں حقیقت میں ابطال لازم نہ آئے گا ہم تمہارے قول کا معارضہ کرتے ہیں۔

امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ میں قاسم بن محمد سے وہ اپنے چچا عبدالرحمٰن سے وہ حضرت ابوبکر صدیق سے فرماتے ہیں رسول کریم ﷺ کی بارگاہ میں جم غفیر تھا کہ یہودیوں کی طرف سے یہ بات پہنچی کہ محمد ﷺ کبھی کچھ کہتا ہے کبھی کچھ حکم دیتا ہے آج کوئی حکم کل کوئی حکم تو اس وقت نبی پاک ﷺ پر یہ آیت نازل ہوئی حضرت علی سرکار کے قریب تھے۔ہم سب صحابہ نے یہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ ننسخ سے یہاں کیا مراد ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ ننسخ کے معنی تحویل اور انتقال اور روکنے کے ہیں۔

فرمایا کہ جب موریث ہو یا ارواح مراد ہوں اور قرآن پاک مراد ہوں فرمایا وہ یہ ہی معنی ہوں گے۔یعنی انتقال جمعی کتاب کو لکھنے کے آپ ﷺ نے فرمایا کہ نسخ کے معنی یہ نہ سمجھو کہ وہ آیت ختم ہوگئی ہے۔فرمایا بعض آیات حکم میں تھوڑی ہوتی ہیں۔اور ان کا عموم بھی اتنا ہوگا اور بعض آیات کا حکم بھی زیادہ ہوتا ہے اور آیات بھی زیادہ ہوتی ہے۔فرمایا یوں سمجھو کہ بعض آیات کا حکم بعض آیات کے حکم کی تفسیر ہوتا ہے فرمایا کہ ان آیات میں جو احکام بطور تفسیر ہوتے ہیں وہ ان آیات کے خصوص کے لئے تفسیر ہوتے ہیں اور قرآن پاک اپنے بعض کی خود تفسیر کرتا ہے فرمایا جن آیات میں حکم تھوڑا ہوتا ہے۔وہ یوں ہی اسی طرح لکھی ہوئی ہیں اور ان کا لکھا ہوا انتقال دوسری آیات میں بطور تفسیر ہے جس طرح آیات مواریث میں کچھ خلوص ہیں اور دوسری آیات مواریث کے احکام ان کے احکامات پر بطور تفسیر لکھے ہوئے ہیں فرمایا کہ جیسا ارشاد ہے یہ ہماری کتاب تمہارے لئے حق کے ساتھ کلام کرتی ہے۔ہم اس کو لکھتے جاتے ہیں جو تم عمل کرتے ہو۔اس آیت سے بھی لکھنا اور اعمال کا نقل کرنا مراد ہے امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ اس کے اصل معنی نقل کرنے اور روکنے کے ہیں حقیقت میں یہ لفظ مشترک نہیں ہیں۔اصل معنی وہی ہوئے۔تا کہ دونوں معنی حقیقی ہو جائیں بدو وجہ وجہ اوّل ان کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف مذکور ہو۔جیسا کہ آفتاب کے اندر سایے کا اثر ازالہ تاثیر سے ہوتا ہے۔کیونکہ ان کا ازالہ تاثیر احمل کو قبول کرتا ہے ثابت ہوا کہ اہل لغت کو اس میں غلطی ہوئی ہے کیونکہ انتقال خاص ہے۔اور بطلان عام ہے،پس ان تمام دلائل میں ہمارا دعویٰ مذکورہ حدیث پر ہوگا کہ آیات قرآن منسوخ بمعنی انتقال کے ہوں گی۔اگر کوئی یہ کہے کہ منسوخ کے معنی نشان مٹنے کے کئے جائیں۔تو یہ بالکل باطل ہے۔بلکہ ان کو اپنے فعل سے تو بہ لازم آتی ہے۔

حضرت امام باقرؒ مدینۃ الرسول میں قرآن پاک کی تفسیر لکھ رہے تھے۔تو مدینہ منورہ سے ایک جماعت آئی۔انہوں نے امام موصوف سے آیات قرآنی کے منسوخ کے بارے میں پوچھا۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ منسوخی کا مقصد جو تم لیتے ہو۔وہ ہرگز نہیں انہوں نے کہا کہ تمہارے دادا حضرت علیؓ نے یہ فرمایا ہے کہ مسلمان کو قرآن پاک کے اندر ناسخ اور منسوخ کی خبر ہونی چاہئے۔تب وہ تبلیغ کرنے کا حق دار ہے۔اگر یہ ان کو معلوم نہیں اگر وہ تقریر کرے تو وہ بھیڑیا ہے۔لوگ اس سے بچنے کا تدارک کریں۔تو تم بھی اس بھیڑیا سے بچو۔اب امام موصوف نے فرمایا یہ بات درست ہے مجھے اس پر کلام نہیں کلام صرف اس پر ہے۔منسوخ پر فرمایا۔اگر انہوں نے منسوخ کے بارے میں فرمایا ہے تو وہی مذکورہ بات ہوگی۔جو اوپر حدیث سے گزر چکی ہے اور مذکورہ حدیث کو انہوں نے بیان کیا فرمایا یہ حدیث نص سے متواتر ہے۔تو تواتر کا انکار کفر ہے اس قوت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مبلغین جو تبلیغ کرتے ہیں کم از کم وہ قرآن کے ظاہر سے تو واقف ہوں یہ قول اسی امر کی خاصی تائید کرتا ہے۔

مسئلہ دوئم:

ابن عمر اس کو ما ننسخ یا نون سین کسرہ اور باقی قاریوں نے ننسخ دونوں کو فتح کے ساتھ پڑھا ہے اور ابن امر کی قرأت میں دو وجہ ہیں۔پہلی ننسخ اور انسخ کے ایک ہی معنی ہیں،دوم ننسخہ کے یہ معنی ہیں کہ معنی اس کو صاحب ننسخ کر دیا ہے جیسے حجاج نے ایک شخص کو سولی پر لٹکا دیا تھا تو لوگوں نے حجاج سے کہا تھا۔اس کو قبر میں مدفون کر دو ابن کثیر اور ابن عمر نے اس ننسخ کو نون با فتح کے ساتھ اور ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے۔اس کو خبر اکی وجہ سے جزم ہے اور ابو عمر ایسی صورت کو ہمزہ نہیں چھوڑتے اس واسطے کہ اس اس کو سکون خبرم کی علامت ہے اور یہ نسو سے ہے اور جس کے معنی تاخیر کے ہیں۔چنانچہ ارشاد ہے دونوں کو بڑھانا کفر ہے۔جس طرح آج کل بیع کو یعنی زیادتی کی جاتی ہے۔جن کو اپنی عمر اور رزق کے بڑھانے میں ضرورت ہو تو وہ لوگوں کے ساتھ صلہ رحمی کرے باقی قراء نے نون کو فتح اور سین کو کسرہ پڑھا ہے،یہ نسیان سے ہے۔اثر نے

Marfat.com

نسین سے سہو مراد لیا ہے اور بعض نے چھوڑ نا مراد لیا ہے۔ جیسے اس آیت میں ہے فنسی ولم نجدلهٗ عزماً ط پس اس نے چھوڑ دیا اور ہم نے اس میں ہمت نہیں پائی۔ اور دوسری آیت میں ہے پس اس دن ہم ان کو بھلا دیں گے۔ جیسا کہ انہوں نے اس دن کی ملاقات کو بھلا دیا تھا۔ اور بظاہر نسیان ترک ہوتا ہے اور اس ترک پر بعض نے اس کے لئے یاد دہانی کو لازم قرار دیا ہے۔ بعض نے اس کو ننسها پر تشدید پڑھا ہے۔ بعض نے ننسخه خطاب کے ساتھ پڑھا عبداللہ نے ما ننسخ او ننسها اور حذیفہ نے ما ننسخ من آیۃ ننسها پڑھا ہے۔

مسئلہ سوئم:

ما اس آیت کے اندر شرط کا ہے۔ مَاتَصْنَعْ اصنع کے اندر کا موصولہ ہے اور جب شرط و جزا کے اندر فعل مضارع ہوتے ہیں تو یہ ما ان دونوں کو جزم کرتا ہے اور یہاں ننسخ شرط اور نات اس کی جزا ہے اور دونوں کو جزم ہے۔

جاننا چاہئے کہ علماء کی اصطلاح میں نسخ اس طریق شرعی کا نام ہے جس سے معلوم ہو جائے کہ جو حکم ایک طریق شرعی سے ثابت تھا۔ وہ اب نہیں پایا جاتا۔ اس میں تلافی بھی ضرور ہے۔ اس طرح کہ اگر یہ ناسخ نہ ہوتا تو یہ حکم برابر رہتا پس طریق شرعی حکم عقلی میں داخل ہیں اور موافق ایک قول کے اجماع امت اس سے خارج ہے اس واسطے کہ وہ طریق شرعی بایں معنی نہیں اور یہ لازم نہیں آتا اور شرع میں سب داخل ہیں اس حکم عقلی کے لئے ناسخ ہوا۔ اس واسطے عقل کوئی طریقہ شرعی نہیں ہے اور معجزے کا ہونا بھی ناسخ ہونا۔ واسطے حکم شرعی کے نہیں لازم آتا اس واسطے کہ معجزہ کوئی طریق شرعی نہیں ہے اور غایت با شرط یا استثنٰی کے ساتھ اگر کوئی حکم مقید ہو تو وہ بھی نسخ میں داخل نہیں ہے اس واسطے کہ نسخ میں تلافی ضرور ہے۔ اور قید میں تلافی نہیں ہوتی۔ اور اسی طرح کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو ایک فعل کا حکم دیا اور پھر اس کی مثل سے منع فرمایا تو وہ بھی نسخ میں داخل نہیں ہو سکتا۔ اس واسطے کہ اگر ایسی نہی ناسخ نہ ہو تو حکم امر کی مثل ثابت نہ ہوگا۔

مسئلہ چہارم:

ہمارے نزدیک عقلاً بھی نسخ درست ہے۔ لیکن اس کو بعض یہودیوں نے عقلاً تسلیم نہیں کی۔ جو مطابق نقل کے بھی ثابت ہو سکتا ہے اور بعض نے عقلاً تجویز بھی کیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ نقلاً نسخ پایا نہیں جاتا اس سے اہل اسلام بھی انکار کرتے ہیں۔ اور جمہور اہل اسلام نے اس کو نسخ بایں معنی تجویز کیا ہے وہ ان سے استدلال کرتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ کی شریعت نے سابقہ تمام شریعتوں کو منسوخ کر دیا پس نبی پاک ﷺ کی نبوت اسی دلیل پر ثابت اور موقوف ہے کہ سابقہ تمام شریعتیں منسوخ ہو جائیں۔

1- ہم یہودیوں سے یہ کہتے ہیں تورات میں ہے جب نوح علیہ السلام کشتی سے باہر واپس آئے تو اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا ہم نے تیری اولاد پر ہر دابہ جانور جو گھاس کھاتے ہیں ان کو کھانے کی اجازت ہے لیکن ان کا خون مت کھانا اور جیسا کہ غیر یہودیوں پر کافی جانوروں کا کھانا حرام کر دیا گیا۔ جیسا کہ آدم علیہ السلام کی شریعت میں جائز تھا کہ بہن کا نکاح بھائی سے ہوتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت نے ان کو بہن بھائی کا نکاح ختم کر دیا گیا منکرین یہ کہتے ہیں کہ ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ محمد ﷺ کی شریعت نے باقی شریعتوں کو منسوخ ہے کیا اور نبی پاک ﷺ کی صحت نبوت اسی پر موقوف ہے۔ دلیل کے طور پر کہ آپ کی شریعت نے تمام شریعتوں کو منسوخ کر دیا۔ حضرت ابی بن کعب فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ عیسیٰ اور موسیٰ علیہ السلام نے اپنی اپنی امتوں کے لوگوں کو فرما دیا تھا کہ تم محمد مصطفیٰ ﷺ کی شریعت کے آنے تک ہماری شریعتوں پر عمل پیرا ہونا۔ جب محمد مصطفیٰ ﷺ نے فرمایا جب کہ میری بعثت ہوئی ہے۔ اور میرا دین تمام ادیان پر غالب ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہی تو ہے جس نے رسول کو بھیجا ہدایت کے ساتھ اور دین حق کے ساتھ تا کہ غالب کرے اس دین کو اوپر ہر دین کے فرمایا یہ آیت آدم کی شریعت سے لے کر عیسیٰ کی شریعت تمام ادیان کے حکم زائل ہو گئے۔ امام باقر نے بھی اس کو حضرت علی کے مجموعہ سے روایت کیا ہے۔ منکرین بد کہتے ہیں۔ یہ نہیں جیسا کہ ارشاد ہے کہ تم روزہ کو پورا کرو رات تک سے ان ادیان سابقہ کا بھی یہی حال ہے، اہل اسلام نے جنہوں نے وقوع نسخ کا انکار کیا ہے۔ وہ یہ کہتے ہیں سب کے مذہب کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے کہ موسیٰ اور عیسیٰ نے اپنی امتوں کو کہا کہ تم اپنی شریعت پر عمل کرنا اس بات کی بشارت دی کہ جب محمد مصطفیٰ ﷺ تشریف

Marfat.com

لے آئیں تو ان کی شریعت کی طرف رجوع کرنا ان دونوں مذکورہ الزاموں کا جواب یہ دیتے ہیں منکرین یہ کہتے ہیں عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت نے جو الفاظ بیان کئے۔ محمد مصطفیٰ ﷺ کی شریعت کو دوام یا عدم دوام پر یقینی بیان فرمایا۔ تو دونوں خبروں میں تناقص لازم آ گیا۔ امام باقر ابی بن کعب فرماتے ہیں رسول کریم ﷺ نے جب خطبہ حج دیا تو آیت کریمہ اَلْیَوْمَ ، اَکْمَلْتُ اس کو جب تلاوت فرمایا تو فرمایا آج سے میری شریعت مکمل ہو چکی نہ کوئی دوسرا نبی آئیگا نہ کوئی دوسری شریعت آئے گی قیامت تک یہی شریعت ہو گی اور جو قرآن مجھ پر اترا ہے یہ سارے عالم کے لئے ہے۔ اور یہ ابدالآباد تک یہ کلام ہو گا تو یہ حدیث نبی پاک ﷺ کی نقل متواتر اور نص ہے۔ اور قرآن پاک کا ثابت ہونا بھی سچ ہو گیا نیز انہیں صاحبوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ قرآن پاک اللہ کا وہ دائمی کلام ہے اور میرے دین کو تمام ادیان پر غلبہ ہے۔ اور مذکورہ آیت تلاوت فرمائی جب اس قسم کا کلام موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کی شریعت میں دیکھیں گے تو پھر اس کے عدم دوام کو معلوم کریں گے۔ تو تمام شریعتوں سے اعتماد اٹھ جائے گا ایسا ہو سکتا ہے کہ شارع نے وہ الفاظ فرمائے ہوں جو دوام پر دلالت کرتے ہیں۔ پھر اس کے ساتھ ساتھ وہ ہماری طرف منقول نہ ہوں یہ قول بچند وجوہ ضعیف ہے وہ الفاظ جو دوام پر دلالت کرتے ہوں۔ ذکر ہوں اور وہ الفاظ جو عدم دوام پر دلالت کرتے ہیں۔ تو اس میں جمع بین المنافقین لازم آئے گا یہ بات اللہ تعالیٰ کی طرف سے محال ہے یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے اصل شریعت کو منقول فرمایا ہو۔ اور امر کو منسوخی کے ساتھ فرمایا ہو۔ تو اس طرح ہماری شریعت میں بھی روا ہو گا ہم کو اس بات کا یقین کس طرح سے ہو گا کہ ہماری شریعت منسوخ نہ ہو گی۔ یہ امر واقعات عظمیہ سے ہے کہ نقل سے دائمی اور اسباب کثرت سے پائے جاتے ہیں، جب ایسا ہے حد تواتر تک پہنچنا لازمی ہے تو کسی نے قرآن پاک کا معارضہ بھی کیا ہو۔ ہم سے لوگوں نے نقل نہ کیا ہو۔ اور نبی پاک ﷺ نے اس شریعت کو تبدیل نہ کیا ہو۔ اگر ایسا ہوتا تو یہ متواتر منقول ہوتا۔ یہ تواتر یا بعد ابتداء ہوتا کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کو عدم دوام ہے۔ تو بات منقول متواتر ہوئی۔ جیسا کہ ایک جماعت سے یہ بات وقوع نسخ سے نہیں۔ تو جیسے یہود اور نصاریٰ جھگڑتے ہیں تو یہ بات واضح ہوتی کہ نبی پاک ﷺ موسیٰ اور عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت کی منسوخی کو متواتر بیان ہوتی۔ اصول فقہ میں ہے کہ مجرد کے تقرار سے امر کا فائدہ نہیں ہوتا، بلکہ اس فعل کو عمل میں لانے کا مرتبہ ہوتا ہے اور فائدہ ہوتا ہے پس جب ایک مرتبہ عمل میں لایا تو وہ امر کے عہدہ سے خارج ہو گیا اس کے وارد ہونے میں امر اوّل کا نسخ نہیں۔ پس اس تقسیم سے ثابت ہوا کہ قول بانسخ محال ہے۔ یہ اصول امام باقر نے اصول فقہ میں بیان فرمائے ہیں۔

جب ہم یہ بات ثابت کر چکے کہ نسخ محال ہے۔ اور اس سے نسخ کا استدلال کرنا بھی ضعیف ہے کہ یہ ماشرطیہ ہے۔ جس طرح من جاء فقد اعظم آنے کے وجود پر نہیں کرتا دلالت جس طرح کوئی آئے اس کی تعظیم کی جاتی ہے۔ اس طرح اس آیت نسخ کے وقوع پر دلالت نہیں کرتی یہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نسخ پایا جائے تو ضروری اللہ تعالیٰ اس کی مثل یا اس سے بہتر لے آئے۔ امام باقر اور ابی بن کعب اور سعید بن جبیر ابی قتادہ حضرت علی کے مجموعہ سے بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ سے صحابہؓ نے دریافت کیا کہ اَوْمِثْلِهَا سے کیا مراد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ آیت نسخ کے وقوع میں نہیں بلکہ اس قسم کے نسخ پر ہے کہ اس کی مثل یا اس سے بہتر اس واقعہ کی تفسیر میں آتے ہیں اسی حدیث میں یہ بھی فرمایا کہ میری شریعت کو دوام ہے اور میرا دین تمام ادیان پر غالب ہے مذکورہ آیت تلاوت کی۔

اوپر والے تمام قول ضعیف ہیں اور فضول ہیں جب کہ اس شریعت کے دوام ہونے کا تواتر خود قرآن اور حدیث سے ثابت ہے اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ آیت مَانَنْسَخْ وقوع میں ناسخ نہیں ہے کیونکہ اس کی مثل آتا ہے اگر وقوع میں نسخ ہوتی تو مثل لانے کی کیا ضرورت تھی؟ معلوم ہوا کہ یہ لفظ مثل اس کی تفسیر میں آتی ہے امام باقرؒ، ابی بن کعب اور ابن عباس، حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی واذا بدلنا اٰیۃ تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے آپ کی خدمت اقدس میں تلاوت کی اور اس آیت کے بارے میں پوچھا، آپ نے فرمایا کہ ایک آیت دوسری آیت کے قائم مقام ہوتی ہے اور پہلی آیت کی تفسیر ہوتی ہے پھر یمحو اللہ مایشاء کے بارے میں پوچھا آپ نے فرمایا واقعہ درست ہے۔ اللہ جو چاہتا ہے مٹاتا ہے اور ثابت رکھتا ہے اصل کتاب اسی کی ہے فرمایا یہ امور دوسرے امور پر ہیں جب قرآن پاک کے متعلق اس کو بطور نسخ پیش کیا جائے تو یوں سمجھو کہ ایک واقعہ کی تفسیر دوسری آیت میں ہوتی ہے۔ آیت کے الفاظ میں تبدیلی نہ ہو گی۔

مسئلہ ششم:

بعض علماء نے قرآن پاک کے اندر مسئلہ نسخ کا جواب کہا ہے ابو مسلم بن بحر نے قرآن پاک کے اندر نسخ کو تسلیم نہیں کیا اور علماء نے اس کی چند وجوہ بیان کی

Marfat.com

ہیں۔

1- ابو مسلم نے علماء کو یہ جواب دیا ہے کہ ماننسخ من اٰیۃ سے توراۃ کے احکام جو منسوخ ہیں۔ وہ مراد ہیں اور جیسا کہ ہفتے کے دن یہودیوں کے لئے شکار کرنا ان کو منع تھا، مشرق سے مغرب کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا منع تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ہم کو یہ معاف کر دیا ہے۔ اور ہم کو دوسری باتوں کا حکم صادر کر دیا۔ جیسا کہ یہودی یہ کہا کرتے تھے ولا تؤمنوآ الا لمن تبع دینکم ابو مسلم کے حق میں ہیں اسی امر پر احادیث بھی ملتی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے کلام کو رد فرمایا اس آیت سے یہ مراد ہے کہ لوح محفوظ پر سے نقل اور ظاہر کتاب میں برابر اور وہ نقل لوح محفوظ میں منسوخ ہے جو بطور نسخ ہے۔ اس نسخ کا تعلق بعض قرآنی آیات سے ہے اور آیات سے مراد صرف قرآنی آیت نہیں بلکہ اور احکام مراد بھی ہو سکتے ہیں جیسا کہ کلام عرب میں ہر علامت کو آیت کہتے تھے، اور یہ عقل بھی تسلیم کرتی ہے کہ آیت علامت کا نام ہے معلوم ہوا اس نسخ سے وہی مراد ہے کہ آیت کے وقوع میں نسخ نہیں ہوتی۔ بلکہ واقعہ کو وہ اس کے اندر نسخ کا پایا جانا ہوتا ہے۔ امام باقر فرماتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا اگر آیت کو اللہ تعالیٰ واقعہ میں نسخ فرماتا تو مثل کا لفظ نہ ہوتا اور نہ ہی ان منسوخہ آیات کا نماز کے اندر تلاوت کرنے کا حکم ہوتا آپ نے فرمایا فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنْہُ اگر وہ آیت منسوخی واقعہ میں قطعی طور پر منسوخ ہوتی تو نماز میں پڑھنے کو لازم نہ آتی۔ اور باقی قرآن پاک کے ساتھ اس کو برابری نہ ہوتی۔ حالانکہ سارا قرآن پاک برابر ہے۔ اور صرف واقعہ کے حکم کو دوسرے واقعہ کے حکم میں تبدیل کر دیا جاتا ہے۔ قرآن پاک میں منسوخی کو یوں بیان کرتے ہیں کہ عدت وفات کی ایک سال ہے۔ جیسے آیت وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ پھر اس کے بعد سال سے گھٹا کر اس کی عدت چار ماہ دس دن مقرر ہوئی۔ ابو مسلم نے یہ کہا ہے کہ ایک سال کی مدت کا حکم زائل نہیں ہوا۔ عورت حاملہ ہو تو اس کی مدت ایک سال ہے جب یہ حکم دوسری صورتوں میں باقی رہا تو اس آیت کے ساتھ بھی خاص ہوا اور اس کا نسخ نہیں ہوا۔ مدت حمل ایک سال ہو یا زائد ہو یا کم ہو تو حکم زائل ہو گیا جب اول رسول کریم ﷺ کے ساتھ مشورہ کرنے کے لئے صدقہ کا حکم دیا گیا تو جیسا کہ پارہ اٹھائیس میں موجود ہے اس واسطے کہ صدقے کا حکم دیا گیا تھا تا کہ مسلمان اور منافق میں تمیز ہو جائے بلکہ اس کا حکم زائل نہیں ہوا اس کا سبب زائل ہوا ہے۔ جب یہ منافق صدقہ نہ دیں گے تو مسلمانوں کے ساتھ ان کی تمیز ہو جائے گی حکم کے ساقط ہونے میں سبب زائل نہیں ہوتا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جنہوں نے صدقہ نہیں دیا وہ منافق ہوں یہ باطل ہے بلکہ یہ دلیل ابو مسلم کی درست ہے۔ حدیث شریف میں یہ آتا ہے کہ منافق نبی پاک ﷺ کے قریب بیٹھتے تھے۔ اور دوسرے کسی غریب کو قریب تر نہ آنے دیتے تھے۔ تو اس حکم کا عموم صرف منافقین کے لئے عام ہوا۔ اگر اس کو منافقین کے لئے عام نہ مانا جائے تو پھر تو تمام صدقات کے اوپر اس کا اطلاق لازم ہوگا۔ بلکہ یہ حکم تو صرف منافقین کے لئے محدود تھا۔ اس سبب سے کہ نبی پاک ﷺ کی وفات کے بعد ان کو کتنی محبت ہے اور ان کی مکاری کو ظاہر کرنا مقصود تھا۔ اب حضور اکرم ﷺ کے انتقال کے بعد صدقہ کرنے کا حکم بھی باقی ہے تو معلوم ہوا کہ یہ حکم صرف منافقوں کے لئے تھا۔ اول یہ کہ حضرت علی کے سوا باقی سب نے صدقہ دیا اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت علی کے پاس تو تھا بھی کچھ نہیں۔ جن کے پاس تھا وہ صدقہ دیتے تھے۔ پس اگر تم نہ کر سکو تو تمہارے لئے یہ ہے کہ تم گناہ سے توبہ کر لو تو اس کا جواب کہ وہ مذکورہ آیت صرف منافقوں کے لئے تھی وہ مکاری کا جال بچھاتے تھے جب منافقوں کو نکال دیا گیا تو یہ آیت اس کی تفسیر میں حکم واقع ہوئی کہ اب تم نبی پاک ﷺ کی بارگاہ میں آئے تو توبہ کر لو۔ اگر تمہارے پاس صدقہ کرنے کو کچھ نہیں۔ ہاں اگر کوئی صدقہ کر دے تو اس میں ممانعت نہیں تھی تاب اللہ کا لفظ صرف اسی لئے ہے کہ جس کے پاس کچھ نہ ہو تو صدقہ نہ کرے۔ اگر ہے تو نہ کرنے کی ممانعت نہیں جب صدقے کی ممانعت پر حکم قطعی نہ ہوا تو معلوم ہوا کہ صرف سبب زائل ہوا ہے۔ اور حکم صدقے کا باقی ہے۔

دلیل چہارم:

جیسا کہ ارشاد ہے کہ پہلے دس کافر کے مقابل میں ایک مسلمان کو رکھا۔ پھر تبدیلی ہوتی گئی اس تبدیلی سے بھی نسخ ثابت کرنا محال ہے، کیونکہ نبی پاک ﷺ کی حدیث ہے اللہ تعالیٰ کافروں کو بزدل کر دیتا ہے۔ جب مسلمان ثابت قدمی پر ہوں تو چاہے دس کافر ایک کے مقابل ہوں تو وہ ان کو ختم کر دے گا اس آیت میں یہی یہ ہے۔ جوں جوں مسلمانوں کا حوصلہ بڑھتا گیا اسی طرح ان کی ہمت بڑھتی گئی۔ جیسے کوئی مزدور مزدوری کرتا ہے تو مزدوری کرنے کے موافق اس کو معاوضہ ملے گا۔ اگر

Marfat.com

تھوڑی مزدوری کرے گا تو معاوضہ بھی تھوڑا ملے گا۔ اور زیادہ کرے گا تو معاوضہ بھی زیادہ ملے گا۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کو اس بات کا اختیار دیا ہے کہ اگر تم حوصلہ کو بڑھاؤ گے تو میں بھی تمہارے ساتھ ہمت کو بڑھاؤں گا یعنی ایک کے بمقابلہ دس کا فر اور دس کے مقابل ایک سو کافر اگر تم نے حوصلہ کو نہ بڑھایا جتنا ہو گا اتنی ہی مدد ملے گی۔ اس میں شرط ہے۔ اور شرط کے بارے میں ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ اس کو مذکورہ حدیث سے بھی یہ بات ثابت ہوگئی ہے۔ ابومسلم نے بیت المقدس کے قبلہ کو بھی منسوخ نہیں مانا اور کہتا ہے کہ اشکال ہے۔ اس میں بھی اور کیونکہ مجبوری کے وقت بھی بیت المقدس کی طرف سجدہ کیا جا سکتا ہے۔

جواب: ابومسلم کا یہ قول قابل اعتماد نہیں ہے۔ کیونکہ جہاد کے وقت لوگ اسی قبلہ کو منہ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے بلکہ ایک اور دلیل ہے کہ بیت المقدس قبلہ کی عظمت ابھی بحال ہے۔ تو کعبۃ اللہ کا شرف تمام مساجدوں سے افضل واعلیٰ ہے اس میں جواب ہے کہ وہ آیت پارہ نمبر ۲ کی ابتداء ہے وہ اس آیت کی تفسیر ہے۔ اگر منسوخ قطعاً بمعنی وقوع کے ہوتی تو اس کو قبلہ کہنا بھی وقوع میں باطل ہوتا ہے۔ بلکہ نبی پاک ﷺ نے خود ارشاد فرمایا جس کے راوی حضرت عبداللہ بن عمرؓ ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قبلہ اوّل سے کعبۃ اللہ کی تفسیر قرآن پاک میں زیادہ فرمائی گئی ہے۔ یہ حدیث بھی حد تواتر تک پہنچ گئی ہے۔

دلیل:

یہ ارشاد وَاِذَا بَدَّلْنَا جب ہم بدلتے ہیں کسی آیت کو دوسری آیت کے مکان سے اللہ جانتا ہے جو کچھ اس نے اتارا وہ کہتے ہیں کہ یہ افترا ہے اس کے جواب میں بھی ہم وہی بیان کریں گے۔ جو اوپر بیان ہو چکا ہے۔

مسئلہ ہفتم:

منسوخ کی بھی تین قسمیں ہیں: منسوخ الحکم، منسوخ التلاوت اور منسوخ الحکم والتلاوت پہلے منسوخ الحکم کی مثالیں بیان کرنا مقصود ہے کہ ابومسلم کی ایک دلیل اور ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قرآن پاک وہ ذکر ہے کہ باطل کو آگے پیچھے سے نہیں آنے دیتا لوگوں نے یہ جواب دیا ہے کہ آسمانی کوئی کتاب بھی اس کے مقابل نہیں آسکتی یا کوئی دوسری کتاب بھی تو یہ سب کو باطل کر دے گا۔ ابومسلم کی دلیل اس ضمن میں بن سکتی ہے۔ امام باقرؒ فرماتے ہیں ابی بن کعب اور ابن ام رسول ﷺ نے فرمایا کہ قرآن پاک الحمد سے لے کر والناس تک برابر مکمل ہے۔ یہ حجۃ الوداع میں فرمایا تو جو چیز منسوخ وہ جائے۔ وہ چیز کامل نہیں ہو سکتی پھر تو یوں ہوگا کہ قرآن پاک کا جو حصہ منسوخ ہے وہ اکمل ہے اور جو منسوخ آیات ہیں وہ کامل نہیں پھر تو یہ ہوا کہ قرآن پاک کی بعض آیات بوجہ کامل منسوخ نہیں تو ایسا ہونا محال ہے کیونکہ قرآن پاک سارا اکمل ہے۔ اور اس کے سامنے اس کی ہر چیز مخالف باطل ہے منسوخ الحکم کی مثالیں بیان ہو چکی ہیں اور ایک دلیل حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ ہم یہ پڑھا کرتے تھے۔ **الشیخ والشیخۃ اذا زینتا فارجموھما نکالا من اللہ واللہ عزیز حکیم** یہ آیت تلاوت سے منسوخ ہے۔ حکم اب بھی باقی ہے۔ حضرت امام باقر اور ابی بن کعب فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ رجم کا حکم یہ وحی خفی ہے تو معلوم ہوا کہ قرآن پاک وحی جلی ہے اور یہ آیت وحی خفی ہے فرمان آنحضرت ﷺ اور یہ ایک آیت بھی مروی ہے **لو کان لابن آدم** یہ بھی انہیں صاحبوں نے فرمایا یہ بھی وحی خفی ہے۔ حجۃ الوداع میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھ پر جو قرآن پاک اترا ہے اس میں چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ آیتیں ہیں۔ جو ہم تلاوت کرتے ہیں۔ نہ ان میں کمی نازل ہوئی ہے نہ زیادتی فرماتے ہیں کہ یہ سب روایات ہیں۔ یہ وحی خفی ہیں پھر رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں فرمایا کہ قرآن پاک جو مجھ پر نازل ہوا ہے وہ وحی جلی ہے اور اس میں کمی زیادتی وغیرہ نہیں ہوگی یہ وحی جلی کے لئے فائدہ ہے۔ وہ وحی جلی امر قطعی ہوتی ہے اور امر قطعی میں زیادتی یا کمی نہیں ہو سکتی۔ جیسا کہ قرآن پاک کے نزول کے اندر کمی و زیادتی نہ پاؤ گے یہ دونوں احادیث قوی ہیں۔

Marfat.com

مسئلہ ہشتم:

مَا نَنسَخ کے بارے میں مفسرین کے دو گروہ ہیں ایک گروہ نے یہ کہا ہے کہ نسخ بمعنی منسوخی ازالہ کے ہے لیکن اکثر مفسرین نے امام باقرؒ کی تفسیر سے رجوع کر کے نسخ کے معنی انتقال کے لیے ہیں۔ چنانچہ عطا اور سعید بن میسب نے امام باقرؒ کی تفسیر سے کئی وجوہ بیان کی ہیں جو کچھ تم پڑھتے ہو قرآن پاک کے اندر منسوخ کرتے ہیں۔ اور جو تم قرآن پاک کے اندر پڑھتے ہو ہم اس کو بھلا دیتے ہیں۔ حسن اور اصم کہتے ہیں کہ اکثر متکلمین کا قول ہے نسخ بمعنی حکم منسوخ ہے تلاوتاً منسوخ نہیں اور ننسہا سے دونوں چیزوں کے نسخ کا مراد ہے حکم کا بھی اور تلاوت کا بھی۔ اگر کوئی اعتراض کرے کہ قرآن پاک کے اندر نسیان نہیں ہو سکتا عقل بھی یہی چاہتی ہے کہ قرآن پاک کے اندر نسیان ممنوع ہے تواتر کے ساتھ لوگوں تک قرآن پاک کا پہنچ جانا مقصود ہے اور یہ بات ناممکن ہے کہ سب اہل تواتر کو اس کا نسیان ہو جائے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بے شک ہم نے قرآن پاک کو نازل فرمایا تو بلاشبہ ہم اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ اور قرآن پاک کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمے لی ہے تو قرآن پاک کا تواتر نسیان سے الگ ہے اس کی ایک اور دلیل ہو سکتی ہے جب کوئی قرآن پاک کو یاد کرتا رہے پھر اس کے بعد چھوڑ دے تو قرآن پاک اس کو بھول جائے گا۔ یہ خبر واحد ہے اور قرآن پاک کا علم تواتر ایسا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آیات بینات علم والوں کے سینے میں ہیں جن کو قرآن پاک کا علم دیا گیا ہے اور اس سے بھی سینے میں حفظ رہنا اپنے ذمے پر لیا ہے۔ ایک حدیث متواتر ہے کہ قرآن پاک کا نازل ہونا حضور ﷺ کا معجزہ ہے۔ لوگوں کے سینوں میں محفوظ رہنا یہ بھی حضور ﷺ کا معجزہ ہے۔ حدیث میں ہے کہ صبح کو لوگ ایک سورۃ کو یاد کرتے تھے تو شام کو وہ بھول جاتی تھی۔

قول دوئم:

نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس آیت سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے سینے کو علوم سے بھر دیا ہے اور قوت حافظہ آپ کے مقابل کسی کی بھی نہیں فرمایا پھر میرے معجزات عظیم سے وہ معجزہ ہو گا۔ کہ قیامت تک لوگ بڑے چھوٹے اس قرآن پاک کو حفظ کر لیں گے جب کہ دوسری کسی کتاب کو یاد کرنا بڑا دشوار ہوتا ہے۔ لیکن اس کے یاد کرنے میں لوگوں کو نہایت محبت ہو گی۔

مسئلہ سوئم:

مـا ننسخ من ایة۔ سے جب ہم کوئی آیت منسوخ کرتے ہیں رفع کے ساتھ ننسها بقرأت ہمزہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ ہم لوح محفوظ سے نازل کرنے سے تاخیر فرماتے ہیں اس کے نسخ میں تاخیر کرتے ہیں اس کو منسوخ نہیں فرماتے ہم اس کے بدل میں وہ آیت نازل فرماتے ہیں اس کے مثل یا اس کے قائمقام ہوتی ہے یہ حدیث امام باقرؒ، ابی بن کعبؓ اور سعید بن جبیر حضرت امام محمد باقر حضرت علیؓ کے مجموعہ سے بیان کرتے ہیں اور ابوالعالیہ ابومسلم اور فرقان القرآن ظہری خزینۃ القرآن مسند امام زہری میں ہے۔ اور اسماء الرجال میں درج ہے جو صاحب خزینۃ القرآن نے لکھی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث نص قطعی اور تواتر ہے۔ اسی قسم کی ایک اور حدیث بھی ہے حضرت امام محمد باقرؒ ابی بن کعبؓ اور حضرت علیؓ کے مجموعہ سے بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ کے جم غفیر میں جماعت نے مذکورہ بالا آیات کے بارے میں پوچھا کہ بدلنا۔ آیۃ مکان آیۃ سے کیا مقصود ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے کلام میں منسوخی نہیں فرماتا بلکہ ایک آیت کو دوسری آیت کے قائمقام لاتا ہے اور خیر کے ساتھ فرمایا ہے جیسے کوئی ایک چیز دوسری چیز کے قائمقام ہوتی ہے اسی طرح فرمایا کہ وہ آیت بعض آیت کے مثل قائمقام کے خبر واقع ہوتی ہے فرمایا کہ کلام اللہ میں منسوخی نہیں ہے۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ نسخ سے کیا مراد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس سے ترک مراد ہے۔ جیسے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا کہ آج ہم نے تم کو بھلا دیا۔ جس طرح تم نے ملاقات کے دن کو بھلا دیا تھا۔ فرمایا اس کو بھلانے سے یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر اپنی مہربانی نہیں فرمائے گا۔ وہ اب تو بھولنے سے پاک ہے جیسے فرماتا ہے کہ آپ ﷺ کا پروردگار بھولنے والا نہیں ہے بھولنے کی فطرت انسان کی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ہم میں بھولنے کی فطرت فرمائی ہے۔ جب کہ تم بھولو تو اپنے پروردگار کو یاد کیا کرو۔ یہ حدیث بھی متواتر ہے۔ قرآن پاک کی منسوخی نہیں۔ بلکہ آیت بعض آیتوں کے قائمقام کے طور پر ہو تو وہ اس کا وجود ہو گا تو قائمقام بھی اس کی مثل ہو گا۔ جیسے کوئی صدر باہر کے ملک میں جائے تو اپنا قائمقام ایک صدر کو بٹھا کر جاتا ہے تو صدارت تو اسی صدر کی ہو گی جو جا رہا ہے تو بعد والے کو ہم یہ کہیں گے کہ وہ اس کے قائمقام صدر ہے اگر جانے والے صدر کی صدارت باقی ہے تو یہ قائمقام صدر ہے۔ اگر جانے والے کی صدارت ختم ہو جائے تو قائمقام صدر خود بخود ختم ہو گا۔ تو اَوْ مِثْلِهَا۔ کا حکم تب باقی رہے گا۔ تو یہ آیت نہ منسوخ ہوتی ہے نہ تلاوت۔ اور بعض آیات ان

Marfat.com

کی مثل قائمقام باقی ہوتی ہیں حضور ﷺ کی ایک حدیث بھی ہے۔انہیں مذکورہ صحابہ سے رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ مثل سے پہلے اصل ہوتی ہے اصل کا وجود ہوگا تو اس کی مثل
نظر آئے گی فرمایا وہ آیتیں اصل ہیں جو نسخ ہیں جو دوسری آیتیں ہیں ان آیتوں کے مثل کے قائم مقام ہیں یا اس سے بھی بہتر تفسیر کو لایا گیا ہے۔اکثر مفسرین کا اسی پر اتفاق ہے اب
دوسرے لوگوں کا قول۔قول دوم کے لوگوں کے ذکر کو ہم بیان بھی نہیں کرتے کیونکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ آیت کبھی تلاوت میں منسوخ ہوتی ہے کبھی حکم میں اس کا جواب اوپر ہو چکا ہے
پھر ان لوگوں کا یہ خیال ہے کہ قرآن پاک کی آیات لوح محفوظ سے منسوخ ہوتی ہے وہ تلاوتا حکم منسوخ نہیں ہوتی اس کی بحث بھی اوپر ہو چکی ہے اب امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ کچھ
لوگ کہتے ہیں کہ قرآن پاک کے بعض حکم کو حدیث منسوخ کر دیتی ہے۔یہ بات فرماتے ہیں غلط ہے صحابہ کرامؓ کے جم غفیر میں حضرت علیؓ کے مجموعہ میں ہے کہ صحابہ کرام نے رسول
اللہ ﷺ سے پوچھا کہ نات بخیر سے کیا مراد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مصلحت کے وقت پر مبنی پہلے دشواری پھر دشواری کو آسانی سے بدل دیتا ہے۔تاکہ ان پر دشواری
نہ ہو فرمایا کہ یہ قرآن پاک کی جنس سے قرآن پاک کی جنس بطور واقع ہو سکتی ہے صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اقــــرب کے لیے وصیت کرنے کی
ضرورت نہیں فرمایا کہ وہ بھی قائمقام حکم کے ہے۔فرمایا کہ جس خیر کو اللہ تعالیٰ لاتا ہے وہ قرآن پاک ہی ہے قرآن پاک سے بڑھ کر اور خیر کون ہے میرا ہر حکم قرآن پاک کے تابع
ہوتا ہے پھر فرمایا کہ پہلے عاشورہ کا روزہ تھا اس روزے کے قائمقام بدل دیا فرمایا یہ بھی مصلحت ہے چونکہ پہلے بھی لوگوں پر ایک روزہ نہ تھا بلکہ کئی روزے تھے پھر فرمایا اسی طرح
تہجد مجھ پر ہے۔اس حدیث سے تواتر سے ثابت ہوا کہ قرآن پاک کے کسی حکم کو حدیث متواتر کسی حکم کو منسوخ نہیں کر سکتی جیسا کہ عاشورے کا روزہ اور تہجد اور یہ سب امور مذکورہ
حدیث سے وضاحت ہو چکے ہیں اگر کوئی یہ کہے کہ آیت إذاتـنا حَبِيْتُم۔کے اوپر اور کوئی حکم نہیں بعد میں نہیں آیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم صدقہ کے سبب کو اوپر بیان کر چکے
ہیں اب کوئی یہ کہے کہ پہلے دو رکعت تھیں بعد میں چار ہوئیں۔اور خیر مقدم تھی دشواری بعد میں ہوئی یہ غلط ہے اس میں بھی مذکورہ حدیث میں وضاحت ہو چکی ہے اور یہ بھی ثابت
ہو گیا کہ حدیث متواتر کسی حکم قرآنی کو منسوخ نہیں کر سکتی۔کیونکہ قرآن پاک کی جنس قرآن پاک ہے۔کیونکہ خیر قرآن ہے۔اور یہ خیر قرآن پاک جنس سے ہے جب اس جنس سے
بڑھ کر اور کوئی خیر جنس نہیں ہو سکتی تو دوسری جنس اس جنس کو کیسے منسوخ کر سکے گی جب کہ قرآن پاک خیر ہے جو جس پر اللہ تعالیٰ لاتا ہے وہ قرآن پاک ہے۔ثابت ہوا کہ نقل متواتر
کا قرآن پاک کے حکم کا منسوخ کرنا محال ہے جب کہ قرآن کلام اللہ ہے اور سنت حدیث کلام مصطفیٰ ہے جب کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں قرآن پاک کے تابع ہوں اور
مجھے قرآن پاک کی اتباع کرنے کا حکم ہوا ہے اب اگر کوئی یہ کہے کہ زناء کی آیت یعنی پہلے زانی کو گھر میں مقید رکھنے کا حکم تھا۔پھر درّے مارنے کا حکم صادر ہوا یہ دونوں آیتیں ایک
دوسری کے قائمقام ہیں تو چونکہ حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔ابی بن کعب امام باقر حضرت علی کے مجموعہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ کنوارہ مرد اور کنواری
عورت زنا کے مرتکب ہوں آیت قرآنی سے حکم ہے کہ ان کو درے لگاؤ فرمایا کہ جو شادی شدہ مرد عورت زنا کرے ان کو رجم کر دو یعنی سنگسار کر دو فرمایا کہ یہ وحی خفی ہے۔ثابت ہو گیا
کہ آیت رجم وحی خفی ہے۔اور امام شافعی کا بھی اسی پر اتفاق ہے۔کہ نقل متواتر حدیث قرآن پاک کے حکم کو منسوخ نہیں کر سکتی۔

اب سوال فرقہ معتزلہ کہتے ہیں کہ قرآن پاک کا مخلوق ہونا کئی وجوہ پر ثابت ہو سکتا ہے۔ا۔جو آیت جس آیت کے لیے منسوخ ٹھہری جو چیز مقدم ہو اور جو مؤخر ہو اس کا
درجہ کم ہوتا ہے۔معلوم ہوا کہ قرآن پاک کی اول آیت مقدم اور منسوخ والی آیت مؤخر تو لہٰذا وہ مخلوق ٹھہری۔کیونکہ ایک حکم دوسرے حکم کے بعد آنے کو لازم آیا یعنی دونوں محدثات
میں سے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کے نیچے ہیں جو چیز قدرت کے نیچے آئے وہ حادثات ہوتی ہے تو لہٰذا یہ کہا جائے کہ بعض قرآنی آیات بعض قرآنی آیات سے افضل
ہیں۔جب بعض کے اندر کمی واقعی ہوئی تو کمی والی چیز محدث ہو سکتی ہے اس سے بھی قرآن پاک کو حدوث لازم آیا اور وہ ازلی نہیں امام رازی نے بھی ان کو ایک جواب دیا وہ یہ ہے
کہ قرآنی الفاظ اور عبارات کو حادثات تسلیم کرتے ہیں اور مدلولات کو ازلی مانتے ہیں جو کلام حقیقی ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ جواب باطل ہے وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا کلام قدیم
ہو ناسخ اور منسوخ قدیم ہونے سے یہ بات محال ہے کہ ناسخ کے لیے ضروری ہے کہ وہ منسوخ سے مؤخر ہو جو چیز کسی چیز سے مؤخر ہو وہ محال ہے اور قدیم اور منسوخ ایسی چیز کا نام
ہے جو چیز زائل ہو جائے وہ قدیم ہرگز نہیں ہو سکتی اس کے اوپر سب کا اتفاق ہے وہ کہہ چکے ہیں جو چیز قدرت کے نیچے داخل ہو وہ قدیم نہیں ہو سکتی اہل سنت کے کچھ لوگ یہ کہتے
ہیں کہ الفاظ اور عبارات اور لغات عوارض میں سے ہیں وہ ہمارے نزدیک حوادثات سے ہیں اہل سنت کہتے ہیں کہ مدلولات حقیقی جو الفاظ اور عبارات میں مدلول ہے وہ حوادث
ہیں معتزلہ کہتے ہیں یہ مدلولات جن کا تعلق الفاظ اور عبارات میں مدلول ہے تو ظاہر ہے کہ ان کا تعلق سابق جاتا رہا۔اور تعلق جدید پیدا ہو گیا ہم کہتے ہیں کہ تعلق اول زائل ہو گیا اس
واسطے معلوم ہوا کہ وہ حادث ہے اور تعلق دوم بھی حادث ہے اس واسطے کہ یہ تعلق ان کے بعد پیدا ہوا ہے۔اور کلام حقیقی ان سے جدا نہیں ہوتا۔جو چیز محدث سے جدا نہ ہو وہ محدث
ہوتی ہے پس ثابت ہوا کہ وہ کلام بھی محدث ہوگا ہمارے اکثر اہل سنت نے امام باقر کی تفسیر سے یوں جواب دیا ہے اللہ تعالیٰ کی قدرت تمام عالم کی موجد ہے اب جب عالم وجود

Marfat.com

میں آ گیا تو عالم کا علم ہونا اللہ کے علم میں ہے باقی رہا یا نہ رہا اگر کہو باقی رہا تو موجد کے ایجاد پر بھی قدرت باقی ہے حالانکہ موجد کا ایجاد کرنا محال ہے اور اگر تعلق باقی نہ رہا تو بعین ھذا الالیل تعلق کا حادث ہونا لازم آیا حدیث شریف میں ہے امام باقرؓ اور ابی بن کعبؓ حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ کے مجموعہ سے بیان کرتے ہیں کہ حضورﷺ نے صحابہؓ کے جم غفیر میں طویل خطبہ ارشاد فرمایا۔ اس کی ابتدا کچھ یوں ہے آپﷺ نے فرمایا نصرانی عیسیٰؑ کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں فرمایا وہ اس سے پاک ہے اسکا علم ازل سے ابد تک ہے یعنی دائمی ہے اور وہ ایسا موجد ہے کہ اس کا کوئی موجد نہیں وہ دائمی ابدی ہے سارے عالم کا وجود میں آنا اس کے علم دائمی قدیم میں ایسے ہے جیسے سمندر سے ایک قطرہ پانی کو کیا نسبت ہو؟ پھر فرمایا کہ قطرہ اگر سمندر سے نکل جائے تو سمندر سے اس قطرے کی کمی واقع ہو سکتی ہے فرمایا اس علم سے عالم کے ہونے کا علم قطرے کے برابر ہے اس کے علم کے سمندر میں ایک قطرے کی بھی کمی واقع نہ ہوگی۔ جب یہ تعلق روئے حدیث ثابت ہے تو ان معتزلہ کا اعتراض باطل ہو گیا یہ جو اہل سنت نے کہا ہے کہ الفاظ عبارت قرآنی حادث ہیں مدلول قدیم ہے جو کلام حقیقی میں ہے ہم اس کو تسلیم نہیں کرتے کیونکہ مذکورہ حدیث سے جب یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم قدیم ہے تو یہ الفاظ عبارات ان کے علم میں نہ تھے اگر یہ علم میں نہیں تو جہل لازم آئے گا جب اور پر تم نے یہ بات مان لی ہے تو خوامخواہ ایسی تاویل باطل کے کرنے کا کیا حق ہے حدیث شریف میں ہے کہ حجۃ الوداع کے خطبہ میں رسول کریمﷺ نے فرمایا کہ کلام قرآن عربی میں جو مجھ پر اترا ہے یہی الفاظ عربی کلام ربانی ہیں جو تم پڑھتے سنتے ہو۔ یہ حدیث پہلے بھی اسی بحث میں گزر چکی ہے۔ نیز حدیث نمبر ۳ بھی اسی ضمن میں ہے۔

قَالَ امام باقرؓ کَتَبَ جَدِّیْ عَلِیٌّ فِیْ مَجْمُوْعَۃِ الْاَحَادِیْث سَمِعْنَا مِنْ رَسُوْلِ اللّٰہِﷺ فِیْ خُطْبَۃِ حِجَّۃِ الْوِدَاعِ وَکَانَ صفات اللہ تعالیٰ وَعُلُوْمُہٗ غَیْرُ مَعْدُوْدٍ وَغَیْرُ مَخْلُوْقٍ کان علمُ العالمِ وَ خَلَقَ قبل ان یَکُوْنَ العالم فی علمہٖ ایُّھاالنَّاسُ ھذا القرانِ مانزَّل اللہ علیَّ منہُ العلم ما تلوْتُ علیکمْ بغیرِ مَخْلُوْق کان صِفتُ نَفْسَہٗ تعالیٰ یَخْرُجُ البحور العُلُوْمُ مِنْ کُلِّ الفاظ ولا بدایتِہٖ لہٗ ولاَ وکانہایۃ لہٗ اقول اٰمِنُوْا بہ نحن قلنا اجمعون سمعنا اٰمنا بہ مَا اَنتَ تقولُ نَقْلاً مُتواتراً بلاَ شُبْہَتِہٖ عنہُ قالَ امام باقرو کُلُّھُمْ اَجمَعُوْنَ اصحاب الرسولﷺ متفقٌ علیہِ مَنْ قالَ خلق القراٰن فَھُوا کافِر ھٰذا لقرآن وَالْمَکْتُوب فی المصحف وَھُوَ کلام اللہ وَغَیْرُ مَخْلُوْقٍ۔ (قال امام باقر وعندی حقٌ)

ترجمہ: امام باقر فرماتے ہیں کہ میرے جد امجد حضرت علیؓ نے اپنے مجموعہ کلام میں لکھا ہے کہ ہم نے حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہﷺ سے سنا کہ اللہ تعالیٰ کے صفات اور اس کے علوم غیر محدود ہیں غیر مخلوق اور سارے عالم کا علم اس کے پیدا ہونے سے پہلے اس کے علم میں تھا جو قرآن پاک مجھ پر نازل ہوا ہے وہ اسکے علم میں سے ہے قرآن پاک اسکی صفت وجود ہی ہے جو میں تم پر تلاوت کرتا ہوں وہ غیر مخلوق ہے لوگو قرآن پاک کے ایک ایک لفظ سے علم کے بے بہا سمندر نکلتے ہیں نہ جن کی ابتدا ہے اور نہ انتہا۔ میں یہ کہتا ہوں کہ اس کے ساتھ ایمان لاؤ ہم سب نے کہا ہم نے سن لیا ہم سب نے کہا کہ ہم اس پر ایمان لے آئے تھے جو آپﷺ نے فرمایا یہ حدیث بلاشبہ نقل متواتر ہے امام باقرؓ فرماتے ہیں کہ تمام صحابہؓ متفقہ طور پر یہ کہتے ہیں کہ جو شخص قرآن پاک کو مخلوق کہے وہ کافر ہے امام باقر فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک یہ حق ہے۔ اللہ تعالیٰ لفظ ازلی اور قدیم سے بھی پاک ہے قدیم اور ازلی کہنا صرف ہمارے ادراک کے لیے ہے اور اس کا کلام بھی یہی حیثیت رکھتا ہے۔

اب اس پر بحث نہ ہوگی اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر ۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ معدوم پر شیءٍ کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ اس کا بیان پہلے ہو چکا ہے اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر ۔ کے اندر ایک حدیث امام باقر اور ابی بن کعب ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ایسا قادر ہے کہ اس کی قدرت میں کسی کو دخل نہیں جو وہ چاہتا ہے کرتا ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰہَ لَہٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا لَکُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ (۱۰۷)

ترجمہ: کیا نہ جانا تو نے اے مخاطب کہ بے شک اللہ تعالیٰ کے لیے حقیقی بادشاہت ہے زمینوں اور آسمانوں کی اور تمہارے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ کے سوا نہ کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی مددگار ہوگا۔

جاننا چاہیے کہ یہ بات واضح حدیث شریف میں ہے امام باقر اور ابی بن کعب فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ کے مجموعہ سے ہے مذکورہ آیت کے بعد جب یہ آیت نازل ہوئی

Marfat.com

تنبیہ کردی گئی کہ یہ ملک سارا عالم میرا ہے اور زمین آسمان کی بادشاہت میری ہے اور میں جو چاہوں کروں۔ اس حدیث کے بعد امام باقرؒ کا قول یہ ہے۔ کہ مکان ملک سب چیز اسی کی ہیں اور حقیقت میں وہ جسے چاہتا ہے مجازاً حکومت عطا فرما دیتا ہے قفال نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ مکان عزت ملک سب اسی کا ہے اس کا اشارہ قبلہ کی طرف بھی ہو سکتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کی عظمت کو بیان فرمایا ہے اسی طرح کعبۃ اللہ کی عظمت بھی اسی آیت سے ظاہر ہوتی ہے۔ اب ملک اور قدرت میں فرق ہے اگر فرق نہ ہوتا تو انّ اللّٰہ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ کا ذکر پہلے نہ ہوتا تو معلوم ہوا کہ ملک اور قدرت کو الگ الگ بیان کیا گیا ہے قدرت پر بحث فقیر نے مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ۔ میں کر دی ہے۔ وَلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ۔ بروزن فصیل ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا آخرت میں کوئی مددگار نہ ہوگا۔

قال اللہ تعالیٰ: اَمْ تُرِیْدُوْنَ اَنْ تَسْئَلُوْا رَسُوْلَکُمْ کَمَا سُئِلَ مُوْسٰی مِنْ قَبْلُ ط وَمَنْ یَّتَبَدَّلِ الْکُفْرَ بِالْاِیْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ (۱۰۸)

ترجمہ: کیا تم اس بات کا ارادہ کرتے ہو کہ اپنے رسول سے سوال کرو جیسا کہ موسیٰ سے اس سے پہلے سوال کیا گیا تھا اور جو شخص کفر کو ایمان سے بدل ڈالے تو وہ راہِ راست سے گمراہ ہو گیا۔

جاننا چاہیے اس میں چند مسائل ہیں۔

مسئلہ اول:

اَمْ کی دو قسمیں ہیں۔ متصلہ اور منقطعہ بمعنی الف کے ہوتا ہے اور اس سے ایک چیز کی تفریق ہو جاتی ہے جس طرح اَوْ سے تفریق ہوتی ہے یعنی اگر ایک کا مارنا مقصود ہو تو اَوْ کہیں گے یعنی اَضْرِبْ زیداً عمرواً۔ اور منقطع بعد کلام تام کے ہوتا ہے اس واسطے کہ وہ بمعنی بل اور الف کے ہوتا ہے جیسے کہتے ہیں انّھا الابل ام شاۃ ام یقولون افتراہ بل یقولون اَمْ تریدون ۔ سے کون مراد ہیں۔ امام باقرؒ اور ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ مسلمان مراد ہیں حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ مسلمانوں کو خطاب ہے جیسا کہ موسیٰ کی قوم نے ایسے سوال کیے تھے حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ کچھ مسلمانوں نے یہ کہا کہ ہمارے لیے بھی ایسا درخت ہونا چاہیے جیسا کہ مشرکین کے لیے ایک درخت ہے جس سے وہ پھل کھاتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اس ضمن میں یہ تنبیہ فرمائی کہ ایسا کرنا کفر ہے وہ ایمان کو کفر سے بدل ڈالے گا۔ اور اس سے اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی کہ تم موسیٰ کی قوم کی طرح حبیب اللہ ﷺ سے ایسے سوال کرتے ہو۔ اگر کوئی یہ کہے اَمْ تُرِیْدُوْنَ ۔ کوئی معطوف الیہ نہیں ہے۔ جواب: جیسے لا تقولوا راعنا کے اندر وقولوا انظرنا ۔ اس کے معنی ہیں یہ بھی کہ موسیٰ کی قوم نے اجعل لنا الٰھا۔ حضرت امام باقرؒ اور ابن عباسؓ اور مجاہدؒ یہ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن امیہ کچھ قریشیوں کو ساتھ لے کر نبی پاک ﷺ کی خدمت میں آیا اور کہا اے حبیب ﷺ ہم اس وقت تک آپ ﷺ پر ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ آپ کا گھر سونے کا نہ ہو اور آپ ﷺ کے انگوروں کے باغات نہ ہوں اور سونا زمین میں بے بہا ہو یا آپ ﷺ زمین سے چشمہ نکالیں آپ ﷺ آسمان پر چڑھ جائیں پھر کوئی احکام ہمارے لئے لائیں یا ایسا نوشتہ لائیں جس میں میرا نام درج ہو عبداللہ بن امیہ اگر یہ نہ ہو سکے تو ہمارے لیے کوئی ایسی کتاب لائیں جس میں حلال اور حرام کے احکامات ہوں اور ان میں حدود بھی ہو۔ ایسے لائیں ایک وقت جیسے موسیٰ تختیوں پر لکھی ہوئی کتاب لے آئے تھے۔ تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیت مدینہ میں نازل ہوئی ہے کیونکہ اس سے پیشتر آیت میں یہودیوں کا ذکر چلا آ رہا ہے۔ اسی طرح ایک اور آیت بھی ہے جیسے یہودیوں نے نبی پاک ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ ﷺ ہمارے لیے کوہ صفا کو سونا بنا دیں آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں ایسا ہوگا جیسے عیسیٰ کی قوم پر دسترخوان آیا تھا وہ اٹھ کر چلے گئے۔ امام باقرؒ یہ فرماتے ہیں کہ یہ مسلمانوں کو خطاب نہیں کیونکہ مسلمان ایسے سوال اپنے نبی پاک ﷺ پر نہیں کرتے تھے ایک اور روایت کہ تم اس تنبیہ سے جیسے ستر آدمیوں نے موسیٰ سے سوال کیا تھا کہ تم بھی ایسا کرنا چاہتے ہو اپنے رسول کریم ﷺ سے ایسے سوال نہ کرو جیسے موسیٰ کے ساتھ ستر آدمیوں نے سوال کیا تھا۔

سوال:

مگر کوئی معجزہ کی دلیل طلب کرے تو اس پر کفر کیوں لازم آ سکتا ہے کیونکہ معجزہ کا طلب کرنا ضروریات سے ہے پھر ان کو کفر سے کیوں تعبیر کیا گیا ہے۔

Marfat.com

جواب:

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ان کو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بطور معجزہ یہ بات طلب نہیں کی بلکہ ٹھٹھہ مذاق کیا ہے۔ اگر وہ معجزہ طلب کرتے تو وہ ایمان لاتے لیکن ان کے دل میں ایمان کی کوئی علامت نہ تھی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس شخص تک دلیل بھی پہنچ گئی اور اس دلیل پر اس نے انکار کیا تو گویا کہ اپنی دلیل ایمان کو کفر سے بدل دیا۔ اب سوآ السبیل۔ اس کے معنی وسط راہ کے ہیں نبی پاک ﷺ نے فرمایا جس شخص نے دین حق کو اختیار کیا وہ حقیقت پر ہے جس نے ترک کیا اس راستے سے ہٹ گیا جو میرا راستہ ہے تو وہ گمراہ ہو گیا۔

قال اللہ تعالیٰ: وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّونَكُم مِّنْ بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا ج صلے حَسَدًا مِّنْ عِندِ أَنفُسِهِم مِّنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا حَتّٰى يَأْتِيَ اللّٰهُ بِأَمْرِهِ ط إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (۱۰۹)

ترجمہ: کافی اہل کتاب نے چاہا کاش کہ وہ تمہیں واپس پھیر دیں تمہارے ایمان کے بعد کافر بنا کر بوجہ حسد اپنی جانوں کی طرف سے اس کے بعد کہ ان کے لیے حق ظاہر ہو گیا پس معاف کر دو اور درگزر کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لائے بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

جاننا چاہئے کہ یہ تیسری کوشش اور خواہش ہے جو یہودیوں نے مسلمانوں کے ساتھ کی قصہ یہ ہے کہ فخاص بن عازوراا ور زید بن قیس اور کچھ اور یہودیوں نے خذیفہ بن یمان اور عمار بن یاسر سے یہ کہا کہ دیکھو تمہارا دین حق ہوتا تو تمہیں شکست کیوں ہوتی ہم اب بھی تم کو کہتے ہیں کہ ہمارا دین حق ہے، ہمارا دین قبول کر لو۔ یہ واقعہ غزوہ احد کے بعد کا ہے انہوں نے کہا کہ تمہیں بہت شکست ہوئی ہے حق کو کبھی شکست نہیں ہوا کرتی۔ حضرت عمارؓ نے یہودیوں سے فرمایا کہ تمہارے پاس عہد کی کیا صورت ہے انہوں نے کہا کہ عہد کو پورا کرنا چاہئے۔ آپؓ نے فرمایا کہ میں حبیب اللہ ﷺ سے عہد کر چکا ہوں کہ تادم زیست آپ ﷺ کے ساتھ گزاروں گا۔ انہوں نے کہا کہ اب تو گمراہ ہو گیا۔ حضرت خذیفہؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ میرا رب ہے اور قرآن پاک میرا امام ہے اور مومن میرے بھائی ہیں میں اسی پر رہوں گا۔ ان دونوں نے آ کر نبی پاک ﷺ کی خدمت میں واقعہ عرض کیا تب یہ آیت نازل ہوئی فرمایا کہ تم بہتری کو پہنچے اور کامیاب ہو گئے اب حسد پر کلام چند احادیث نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ حسد نیکیوں کو کھا جاتا ہے جس طرح لکڑی کو آگ کھا جاتی ہے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اس راستے میں سفید ریش آدمی ہم سے ملا السلام علیکم کہا دوسرے روز بھی نبی پاک ﷺ اس راستے سے گزرے ایک نیک شخص نمودار ہوا۔ ہمیں وہی شخص پھر تیسری مرتبہ ملا آپ ﷺ نے ہمیں ایسا فرمایا ہم نے ایسا کیا تو ابن عبد بن عمر بن العاص اس کے پیچھے ہوئے اس شخص سے کہا کہ تین دن ہو گئے ہیں میرے اور میرے والد کے درمیان ایک رنجش پیدا ہو گئی ہے میں نے ان سے کلام نہیں کی میں غصے سے ہوں مجھے اپنے گھر لے چلو چنانچہ وہ مجھے اپنے گھر لے گئے رات کو دیکھا تو وہ اتنا عبادت گزار نہ تھے سوتے وقت جب کروٹ بدلتے تو اللہ تعالیٰ کہہ دیتے تین دن کے بعد میں نے ان سے کہا کہ میں نے تمہارا کوئی اچھا عمل نہیں دیکھا۔ نہ تم اتنے عبادت گزار ہو اور میری اپنے والد سے کوئی اتنی رنجش نہ تھی تمہارے عمل کا کیا سبب ہے خاموش ہو گیا جب میں چلا تو اس نے مجھے بلایا کہا کہ میرے میں اور تو کچھ بھی نہیں میں اپنے مسلمان بھائی کے عیب نہیں نکالتا ہوں اور نہ حسد رکھتا ہوں تو حضرت عبداللہ نے کہا کہ یہی وجہ ہے کہ تو درجہ کو پہنچ گیا ہے یہ عمل بھی مشکل ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ پہلی امتوں کے اندر بھی یہی بیماری تھی کہ وہ حسد کرتے تھے ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کو بھی ایک بیماری لگنے والی ہے جو پہلی امتوں کو لگنے والی تھی۔ صحابہؓ نے عرض کیا کون سی بیماری ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تکبر، اکڑ، حرص، مال حسد جس سے وہ ایک دوسرے کی غیبت کریں گے اور ظلم کریں گے اور قتل کریں گے اس میں وہ خانہ جنگی کا شکار ہو جائیں گے مزید فرمایا کہ حسد کی وجہ سے وہ بغاوت کریں گے حضرت موسیٰ نے عرش کے سایہ کے نیچے ایک آدمی کو دیکھا لوگ اس پر رشک کر رہے تھے اور گرویدہ ہو رہے تھے حضرت موسیٰ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں درخواست کی کہ اس کا نام مجھے بتلائے۔ اللہ تعالیٰ نے نام نہیں فرمایا بلکہ اس کے تین عمل فرما دیئے۔ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ اپنے فضل سے دیا وہ ان پر حسد نہیں کرتا تھا اور ماں باپ کی نافرمانی نہیں کرتا تھا اور چغل خوری نہیں کرتا تھا نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے بھی لوگ دشمن ہیں کسی نے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ اللہ کی نعمتوں کے کیسے دشمن ہو سکتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ سات قسم کے گروہ جہنم میں جائیں گے۔

اول: وہ جو حکام ظالم ہوں گے۔ حکام بوجہ ظلم کے عرب بوجہ حماقت کے دہقانی بوجہ تکبر کے دیہاتی بوجہ صالف کے تاجر بوجہ خیانت کے وہ جو شادی کرنے کے بعد لڑکی کو گھر

Marfat.com

حضرت امام حسنؓ سے کسی نے پوچھا کہ اگر کوئی مومن کسی سے حسد کرے۔فرمایا کہ تو یعقوبؑ میں بٹھا لیتے ہیں۔علماء بوجہ حسد کے اب بزرگان دین نے بھی حسد پر کچھ فرمایا ہے۔
کے بیٹوں کو بھول گیا حضرت ابن زبیرؓ فرماتے ہیں کہ اگر میں کسی سے حسد کروں تو ہوسکتا ہے وہ شخص جنتی ہو۔اور جنت کی نعمتیں دنیا کی نعمتوں سے کچھ نہیں ہیں۔تو میں اس سے
کیونکر حسد کروں۔اگر وہ جہنمی ہے تو وہ عذاب میں جائے گا۔میں پھر کیوں اس پر حسد کروں دنیا کی نعمتیں تو کچھ بھی نہیں ہیں۔بمقابلہ آخرت کے حضرت امیر معاویہؓ فرماتے ہیں
کہ حاسد اپنے آپ کو راضی نہیں کرسکتا وہ مال بطور کسی کو عطا ہوا ہے نہ اس پر زوال آئے گا نہ اس کا حسد ختم ہوگا۔امام باقرؓ فرماتے ہیں کہ حاسد کو مذمت کے سوا اور کچھ نصیب نہیں
ہوتا کہ وہ حسد سے بیٹھا ہے فرشتوں سے بھی ان کو لعنت نصیب ہوتی ہے اور خلقت سے پریشانی اور غم کے سوا کچھ نہیں ملتا نزع کے وقت شدت اور خوف کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا
میدان حشر میں فضیحت عذاب کے سوا اور کچھ نہیں نصیب ہوگا۔

دوئم: حسد کے بیان میں نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ تیرے مسلمان بھائی کو اپنے فضل سے مال عطا فرمائے اور تو اس کا زوال چاہے اسی کا نام حسد
ہے۔اگر اس بات کی تمنا کرے کہ ایسا مال مجھے بھی ملتا۔اس کو کیوں ملا ہے۔یہ بھی حسد ہے اور حسد حرام ہے۔ہاں اسے کافر فاجر کے مال پر حسد کرے جس سے یہ نقصان لازم آتا
ہو کہ یہ اپنے مال سے دین کو نقصان پہنچائے گا۔اور اپنے مال سے مسلمانوں سے جنگ کی تیاری کرے گا ایسے آدمی کے ساتھ حسد کرنے میں کوئی حرج نہیں۔حسد کے یہ ہی معنی
نہیں جو بیان ہوئے ہیں چند آیات بھی جس کی تفسیر ہورہی ہے اس میں بھی حسد کا لفظ ہے۔آیت نمبر۲ سورۃ یوسف میں بھی یہ بیان ہے کہ بھائیوں نے یوسف پر حسد کیا اور آیت
میں بھی ارشاد ہے کافر یہ چاہتے ہیں کہ تم بھی اس طرح کفر کرو جس طرح وہ کافر ہیں۔جیسے ارشاد ہے اللہ تعالیٰ نے جو کچھ دیا ہے وہ اپنے دلوں میں تنگی نہیں پاتے معلوم ہوا کہ اس
آیت میں حسد کے نہ کرنے کی تعریف کی ہے اور قرآن پاک میں کئی جگہ بَغْیًا۔ارشاد ہوا ہے اس کی تفسیر بھی مفسرین نے حسداً کے ساتھ کی ہے نیز ارشاد ہوتا ہے کیا وہ لوگوں
سے حسد کرتا ہے۔اس کے اوپر جوان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے عطا فرمایا ہے معلوم ہوا کہ وہ علم پر حسد کرتے ہیں حالانکہ علم کے ذریعے وہ اطاعت الٰہی میں مصروف ہوتے ہیں
لیکن اللہ کے فضل سے حسد کرنے لگ گئے ہیں ہر شخص جانتا ہے کہ حسد بری بلا ہے لیکن متکبر یہ چاہتا ہے حسد کی وجہ سے تمام مال بھی میرا ہو مجھ جیسا مال کسی کے پاس نہ ہو لوگ میری
غلامی کے شکنجے میں پھنسے رہیں اور اپنے سردار بننے کی کوشش کرتا ہے۔قیامت کے دن نبی پاک ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ حاسد کو کھڑا کرے گا اور اس کے حسد کو اس پر مسلط کر کے
جہنم میں ڈالے گا۔وہ ایسی آگ میں ہوگا جس آگ کے شرارے بادشاہوں کے محلات سے بھی اونچے ہوں گے۔اس پر تو وہ چیخ و پکار کر کہے گا ہائے میرے حسد نے مجھے ہلاک کیا
اگر دنیا میں جانے کے لیے تھوڑی سی مہلت مل جائے تو میں اپنے دل کو حسد سے پاک کر کے لاؤں گا۔حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اپنے لیے آخرت کی بھلائی چاہتا ہے تو وہ
اپنے دل کو حسد سے پاک رکھے۔تو معلوم ہوا کہ از روئے حدیث حسد بہت بدترین عمل ہے اس سے ہر مسلمان کو اجتناب کرنا چاہیے۔امام باقرؓ اور ابی قتادہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں
کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے قبل یہودی جب قتال کیا کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں نبی پاک ﷺ کے طفیل فتح مانگتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ اے اللہ نبی آخر الزماں ﷺ کے
طفیل ہماری مدد فرما۔اور اس کتاب۔کے طفیل کہ جس کا تو نے وعدہ فرمایا ہے تو ان کو فتح ہو جاتی تھی جب نبی پاک ﷺ اولاد اسماعیلؑ سے تشریف لے آئے اور ان یہودیوں نے
آپ ﷺ کو پہچان لیا جیسا کہ وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے تھے اور انہوں نے آپ ﷺ سے حسد کیا نبی پاک ﷺ نے خود فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہودی لوگ آپ ﷺ کے آنے
سے پہلے آپ ﷺ کے بارے میں پوچھا کرتے تھے لیکن جب سے میری بعثت ہوئی ہے اب یہ مجھ سے حسد کرنے لگ گئے ہیں۔صفیہ بنت حزیں کہتی ہیں کہ میرا والد اور میرا چچا
حضور کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے کچھ دیر بیٹھ کر جب چلے میرے والد نے میرے چچا سے پوچھا کہ اس شخص کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے اس نے کہا کہ میں نے
دل میں عہد کر لیا ہے کہ تمام زندگی اس کے ساتھ دشمنی رکھوں گا۔تو معلوم ہوا کہ حسد بہت بری چیز ہے۔جو اعمال کو ضائع کر دیتی ہے۔ہاں البتہ مدافعت جائز ہے اللہ تعالیٰ
فرماتا ہے اور اس میں مدافعت ہے اور اس میں مدافعت کرنے والوں کے لیے اور مدافعت از روئے قرآن جائز ہے۔لیکن مدافعت ایسی نہ ہو جو حسد کے قریب پہنچ جائے جیسے کوئی
مالک دو غلاموں کو خدمت کرنے کے لیے بلائے ہر ایک غلام یہ خواہش کرے کہ مجھے خدمت کرنے کا موقعہ پہلے حاصل ہو جائے یہ درست ہے یہ چونکہ مستحب ہے اگر دل میں
مباح سمجھ کر کرے گا تو مباح ہو جائے گا اگر کوئی یہ نیت کرے کہ کسی دوسرے کی نعمت کے اندر زوال آ جائے تو یہ حسد ہے۔یا یہ کہے کہ یہ نعمت میرے پاس ہونی چاہیے تھی اس کے
پاس کیوں ہے؟ تو یہ حسد ہے۔اور جس مدافعت کا ذکر ہوا ہے۔وہ حرام نہیں ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا اور علم کے اندر پہل کرنا یہ سب مستحبات میں سے ہے۔نبی
پاک ﷺ نے فرمایا نہیں ہے حسد مگر دو چیزوں میں بغض اور گمان ایک وہ شخص جو مالدار اپنے مال کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں صرف کرے دوسرا وہ جس کو اللہ تعالیٰ نے علم دیا ہے وہ اس پر
عمل کرتا ہے اور دوسروں کو بھی سکھاتا ہے یاد رہے کہ حسد کا لفظ کبھی مستحب کبھی مباح پر کبھی واجب پر جیسے نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ اگر ان چیزوں میں حرص نہ کرے گا تو گناہ کا عادی

Marfat.com

بن جائے گا۔تو معلوم ہوا کہ یہ حرص کرنا ضروری ہے۔ایسی مدافعت جو واجبات سے نہ ہو فضائل مستحبات میں سے ہو۔یعنی اللہ کی راہ میں مال کو صرف کرنا دین کی تعلیم دینا اور اس کے علاوہ جب دوسرے کے پاس کوئی نعمت دیکھے تو وہ چاہے اس کا زوال ہو جائے یا اپنی طرف سے اس کا نقصان ظاہر کرنا یا یہ کہنا کہ ایسی نعمت اس کے پاس کیوں ہے یہ تو میرے پاس ہونی چاہئے تھی تو سب حرام ہیں۔ بلکہ حسد ہیں اور یہ سب نقصان ہیں یہ ایسی تین چیزیں ہیں جو حسد گمان بغض از روئے حدیث ثابت ہوئی ہیں انسان ہر وقت بچتا ہے اور ان سے خوف کرے کیونکہ مومن سے یہ تینوں چیزیں جدا نہیں ہوسکتیں۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ مومن کو چاہئے اگر اس کے دل میں حسد آجائے تو اس حسد کا پیچھا مت کرے اور اس کو ترک کرے دل کے اندر خوف باری کرے خوف حسد کو دور کر دیتا ہے یہ حسد کا بیان تھا جو حضرت امام محمد باقرؒ نے اپنی تفسیر میں بیان فرما دیا پھر ان کے پوتے حضرت صاحب خزینۃ القرآن نے نقل کیا امام باقرؒ نے حسد کے مراتب بیان فرمائے۔

حسد کے چار درجے ہیں اول یہ کہ نعمت کسی کے پاس ہو تو اس کا زوال چاہے یہ غایت درجہ حسد ہے دوسرے یہ تمنا کرے کہ فلاں شخص سے وہ نعمت زائل ہو کر مجھ کو مل جائے جیسے مکان، عورت، حکومت ان سب چیزوں کی یہ خواہش کرے کہ یہ مکان جو فلاں کے پاس ہے وہ مجھے مل جائے یہ حکومت جو فلاں کے پاس ہے۔وہ بھی مجھے ملے خوبصورت عورت جو فلاں کے پاس ہے وہ بھی مجھے مل جائے۔

قسم تیسری:

جو شخص یہ خیال کرے کہ فلاں نعمت اگر چہ میرے پاس نہیں تو اس کے پاس بھی نہیں ہونی چاہئے چوتھے یہ کہ یہ نعمت جو اس کو ملی ہے مجھ کو ملنی چاہئے تھی آخری درجہ ضعیف ہے دنیا کے لیے ہو یا دین کے لیے ہو درجہ اول محض مذموم ہے قسم دوئم مذموم ہے۔قسم سوئم مذموم کے اعتبار سے ضعیف ہے یہ بھی امام باقرؒ کی تفسیر سے ہے اور ان کے پوتے صاحب خزینۃ القرآن نے بھی نقل کی ہیں نیز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم آرزو نہ کرو جو اللہ تعالیٰ نے فضیلت دی ہے بعض کو بعض کے ساتھ تو اس سے بھی حسد کی برائی ظاہر ہے فضیلت ایک دوسرے کی نعمت کی اپنی طرف کو خواہش کرنا یہ سب اس میں داخل ہیں امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ حسد کے سات اسباب ہیں۔

سبب اول:

بغض عداوت جب کسی کو رنج سے ایذا پہنچتی ہے تو ایذا پہنچانے والے کی طرف سے رنج اور دل میں بغض اور کینہ پیدا ہو جاتا ہے اور وہ انتقام چاہتا ہے اگر اس کے پاس انتقام لینے کی قدرت نہیں ہوتی تو وہ چاہتا ہے زمانہ اس انتقام کو لے جو اس نے میرے ساتھ کیا ہے جب اس پر قدرت کی طرف سے آفت یا بلا آجاتی ہے تو وہ خوش ہوتا ہے اور اس خوشی سے اس کے دل کے اندر آگ بھڑک جاتی ہے وہ سمجھتا ہے کہ میں مراد کو پہنچا کیونکہ حسد اس سے جدا نہیں ہوتا اور وہ ہر وقت حسد کے اندر چاہتا ہے اور اپنے مخالف کی تباہی چاہتا ہے۔ایسے حسد کو اللہ تعالیٰ نے کفر کے ساتھ تعبیر کیا ارشاد ہوتا ہے جب وہ تم کو ملتے ہیں کہتے ہیں ہم ایمان لائے ہیں جب وہ اکیلے ہوتے ہیں تو انگلی غصے سے کاٹ کھاتے ہیں۔اے حبیب ﷺ ان سے فرما دو اپنے غصے کے ساتھ مر جاؤ۔بیشک اللہ تعالیٰ سینے کے بھیدوں کو جاننے والا ہے۔اگر تم کو اچھائی پہنچے تو برا مانتے ہیں اگر تم کو تکلیف پہنچے تو خوشی کرتے ہیں ارشاد ہوتا ہے کہ جو چیز تم کو ایذا پہنچاتی ہے وہ ان کو اچھی معلوم ہوتی ہے اور ان کے منہ سے بغض ظاہر ہوتا ہے حسد کی تعریف یہ ہے کہ انسان قتل و غارت تک پہنچ جاتے ہیں۔

سبب دوئم:

جو لوگ طلب عزت میں اپنے نفس کو اونچا رکھنا چاہتے ہیں یہ اس کے لیے اچھا نہیں ہوتا کہ دوسرا شخص بھی بلندی تک پہنچے بلکہ وہ تو مساوات ہی نہیں چاہتا وہ یہ چاہتا ہے کہ میں اعلیٰ رہوں اور وہ ادنیٰ رہے۔

سبب سوئم:

ایک شخص یہ چاہتا ہے کہ میں سردار اور مخدوم بن کر رہوں لوگ میرے ماتحت رہیں دوسرے شخص کو فوقیت ملنے لگ جائے تو وہ یہ چاہتا ہے کہ یہ میری غلامی سے نکل جائے گا اور میں سردار اور مخدوم ہوں اور مجھ سے یہ بہتر کیوں ہو جائے؟ جب کہ یہ ادنیٰ ہے اسی طرح کفار بھی نبی کریم ﷺ سے حسد کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ یتیم لڑکا ہے اور غریب گھرانے کا ہے جب کہ ہم امیر ہیں اور سردار ہیں اور سردار اعلیٰ ہوتا ہے وہ ادنیٰ کو کیسے اپنا رہنما اور آقا بنائے؟ یہ ان کا حسد تھا انہوں نے یہ کہا کہ یہ قرآن پاک ان دونوں بستیوں میں سے کسی بڑے شخص پر کیوں نہیں اتارا گیا۔اللہ تعالیٰ نے قریش سے حکایتاً فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جن پر ہم نے احسان فرمایا ہے وہ ہمارے احسان کی قدر نہیں کرتے ان کا

Marfat.com

مذکورہ قول ضعیف ہے۔

سبب چہارم:

جب امم گزشتہ کی حکایت فرمائی وہ کہتے تھے کہ تم ہماری مثل معمولی آدمی ہو پھر ارشاد ہوا پس وہ کہتے ہیں کیا ہم ان دو آدمیوں پر ایمان لائیں جو ہماری مثل ہیں ان کی قوم ہماری پرستش کرتی ہے اگر تم نے اس بشر کی تابعداری کی جو ہماری مثل معمولی آدمی ہے تو تم نقصان اٹھاؤ گے۔ امام باقرؒ یہ فرماتے ہیں انیس آیتوں کو رسول اللہ ﷺ نے تلاوت کرتے ہوئے فرمایا کہ گزشتہ امتوں کا یہ بدترین کفر والا حسد تھا جو وہ انبیاء کو اپنی مثل محض معمولی آدمی کہتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کا حسد بطور مذمت بیان کیا ہے اور انبیاء کو اپنی مثل معمولی آدمی کہنا اور ان کے وجود اور ان کے کاموں کو اپنے جیسا کہنا یہ عظیم کفر ہے اور یہ حسد ہے اور یہ حرام ہے۔

سبب پنجم:

طلب مقصود یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے شخص کی راہ میں مزاحم ہوتا ہے جیسے ایک سوکن دوسری سوکن سے حقوق زوجیت سے حسد کرتی ہے۔ اور اس کو ایسی سوکن سے سخت حسد ہوتا ہے۔ اسی حسد سے کافی گھر تباہ ہو جاتے ہیں۔ جو شخص دو شادیاں کر لیتا ہے اور ان کی اولادیں حسد کرتی ہیں اور بیویاں آپس میں حسد کرتی ہیں اسی طرح بھائی بھائی کا دشمن ہو جاتا ہے۔ وہ یہ چاہتا ہے کہ ماں باپ کے دل کے اندر میری محبت رہے اور اسی وجہ سے مجھے مال اور عزت حاصل ہو۔

سبب ششم:

اسی طرح علماء بھی حسد کرتے ہیں کہ دوسرے کے پاس علم کیوں زیادہ ہے علماء ایک دوسرے سے سخت حسد کرتے ہیں۔ طلب سرداری اور طلب جاہ کا مقصود حاصل کرنا ہو جیسے کوئی اپنے فن میں دوسرا ثانی نہ رکھتا ہو مگر اس کو معلوم ہو جائے کہ فلاں شہر میں آپ کا ہمسر موجود ہے تو یہ ہمسری ان کو اچھی نہیں لگتی۔ وہ اس کے مرجانے کا خیال کرتا ہے۔ کہ یہ شخص مرجائے اور یہ میرا ہمسر کیوں ہے؟ اس میں اس کو ہر وقت تڑپ رہتی ہے اس میں سب علماء بھی آسکتے ہیں۔ عالم دوسرے عالم کے علم کی خوشی نہیں چاہتا کہ کہیں یہ میرے ہمسر نہ ہو جائے۔ اور لوگ اسی کی طرف رجوع کریں گے اور بادشاہ اپنی بادشاہت میں یہ سمجھتا ہے کہ میرا کوئی ثانی نہ ہو کہ میری ریاست سب سے بڑی ہو اور اس کے مقابل کوئی ریاست نہ ہو اس کو بھی اس سے حسد ہو جاتا ہے وہ جنگ کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔

سبب ہفتم:

اس امر میں بخل ہے کہ کوئی اس بات کو ناپسند کرے کہ اولیاء اللہ آرام میں ہیں، جب بادشاہ کو یہ معلوم ہو جائے کہ اس کی ریاست کے اندر لوگ آرام میں ہیں تو وہ بخل کرتا ہے خلق اللہ کا آرام میں رہنا اس کو ناگوار گزرتا ہے خلق اللہ پر اگر کوئی تکلیف آجائے تو خوش رہتا ہے اگر ان کو اچھائی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی نعمت مل رہی ہو تو یہ کہتا ہے کہ یہ میرے خزانے سے لے رہے ہیں اور یہ ان کی جبلت اور ان کی سرشت ہے ان نعمتوں کا ازالہ کرنا ان سے اس کو دشوار ہوتا ہے۔ ان کی جبلت اور نفس ہمیشہ خباثت میں رہتی ہیں۔ اور یاد رہے یہ سب اسباب کسی ایک کو حاصل ہونا مشکل ہیں یہ تمام اسباب جب کسی ایک کے اندر موجود ہوں تو حسد پورا ہو جائے گا اگر ان میں بعض اسباب موجود ہیں تو پھر بعض چیزوں کا ذکر ہوگا اب حسد ضعف، کثرت اور قلت کے بیان میں اس واسطے کہ تمام اقسام حسد کے زوال میں ہیں یاد رکھنا چاہئے یہ سب خباثت کی وجہ سے ہے کسی سبب کے عارض نہیں ہے یہ تمام حسد بغض ہوتے ہیں اگر سارے حسد کسی میں پائے جائیں تو وہ اپنے اس حسد کو چھپا نہیں سکتا اسے سے چھپانا دشوار ہو جاتا ہے وہ خود بخود ان اسبابوں کو بے اختیار ظاہر کر دیتا ہے۔ حسد کرنے والا حسد پر پورا اترتا ہے۔ حسد، قلت، قوت، ضعف یہ تمام صفات جن لوگوں میں پائے جائیں تو وہ حاسد ہوتا ہے۔ عزت نفس کے لیے مانع ہوتا ہے وہ متکبر ہوتا ہے۔ ایک شہر کے اندر دو لوگ رہتے ہوں تو ان کے درمیان حسد ہوگا اگر وہ علیحدہ علیحدہ شہروں میں ہوں تعلق نہ ہوگا۔ اسی لیے انسانوں کو انسانوں سے حسد ہوتا ہے، شہر کے اندر دو عالم ہوں تو ان کو ایک دوسرے سے سخت حسد ہوگا، اگر اسی شہر میں ایک عابد رہتا ہے تو ان کو اس سے حسد نہ ہوگا۔ اسی طرح عالم کو عالم سے حسد ہوگا اور عابد سے حسد نہ ہوگا اور عابد کو عالم سے حسد نہ ہوگا اور عابد کو عابد سے حسد ہوگا اور موچی کو موچی سے حسد ہوگا، اور کاتب کو کاتب سے حسد ہوگا اسی طرح سے ایک شخص اگر ایک پیشہ اختیار کرتا ہے تو دوسرا شخص جو کہ اسی پیشہ سے تعلق رکھتا ہے اس سے حسد کرے گا۔ جیسا کہ ایک شخص کے کپڑے کی دکان ہے اس کے ساتھ دوسری بھی کپڑے کی دکان ہے اور وہ ایک دوسرے سے حسد کریں گے اور اسی طرح جن کی دکان کچھ دور ہے وہ بالکل حسد نہ کریں گے اسی طرح کوئی چیز کسی کو محبوب ہوتی ہے تو اگر دوسرا بھی اس کو محبوب سمجھ کر پیار کرنے لگ جائے تو اس

Marfat.com

سے حسد کرے گا۔اسی طرح معرفت الٰہی کو حاصل کرنے کے لیے کوئی بھی حسد نہیں کرتا چہ جائیکہ اربوں آدمیوں کی تعداد بھی کیوں نہ ہوایک چیز کی معرفت میں اگر اس کو سارے لوگ حاصل کرنے لگ جائیں تو اس میں کوئی حسد نہ ہوگا۔سارا جہان بھی اگر معرفت الٰہی میں حاصل کرنے لگ جائے تو کوئی بھی حسد نہ کرے گا۔جیسا کہ بیان کر چکا ہوں کہ یکتائی میں جملہ کمالات سے ایک اعلیٰ کمال ہے وہ دوسرا اس کے اندر اپنا شریک گوارہ نہیں کرتا اور یکتائی تمام کمالات سے اعلیٰ صفت ہے۔اور یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اسی طرح معرفت الٰہی کے اندر جب وہ محبت کرتے ہیں ان کو ملائکہ سے بھی محبت ہوتی ہے اور اسی طرح عارفین کو بھی محبت ہوتی ہے اسی طرح دنیا آخرت کی نسبت تنگ ہے آخرت کی مثال ایسے ہے۔

جیسے کہ یہ علم بے کنار سمندر ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی معرفت بھی بے کنار سمندر ہے۔عارفین جب اس میں غوطہ زن ہوتے ہیں تو ایک دوسرے سے حسد نہیں کرتے چونکہ اللہ تعالیٰ کی معرفت سے بے کنار سمندر بہتے ہیں اگر اربوں عارفین ہوں تو وہ ایک دوسرے کی مخالفت نہیں کریں گے اسی طرح علماء بھی چونکہ علم سے بھی بے کنار سمندر بہتے ہیں کہ عارفین کو ایک دوسرے سے موقعہ بھی نہیں ملتا چونکہ معرفت تب بھی حاصل ہو سکتی ہے جب حسد بغض اور کینہ سے سینہ پاک ہو کیونکہ حسد کی جڑ عداوت ہے اور عداوت کی جڑ بغض ہے جب تک ان تینوں کی جڑوں کو انسان نہ کاٹے گا تو معرفت الٰہی کو وہ نہیں پا سکتا۔جس کو معرفت الٰہی حاصل ہو جاتی ہے وہ اپنی ایک نظر سے مرد کامل ان تینوں چیزوں کی جڑ کا صفایا کر دیتا ہے۔کیونکہ ان کو ان تینوں چیزوں سے نفرت ہوتی ہے۔جیسے کوئی حرام چیز کا گوشت اپنے اوپر کھانا از روئے نفرت حرام سمجھتا ہے ویسے یہ بھی ان تینوں چیزوں سے عارفین لوگ نفرت کرتے ہیں۔

یاد رہے کہ علماء علم اگر اس لیے حاصل کرتے ہیں کہ مال ان کے ہاتھ میں آجائے تو دوسرا عالم اس کی مخالفت کرتا ہے جیسے ایک عالم کے ہاتھ کافی سارے مال اسباب آگئے دوسرے کا ہاتھ خالی رہ گیا وہ حسد کرتا ہے۔امام رازیؒ نے بھی یہی لکھا ہے ہمارا بھی یہی حال ہے کہ اگر ہمارے ایک عالم کی علمی تعظیم زیادہ ہوتی ہے لوگ اس کے گرویدہ ہو جاتے ہیں تو دوسرے عالم کو یہ شاق گذرتا ہے وہ حسد کرتا ہے کہتا ہے کہ میں تب خوش ہوں جب تک یہ ذلیل نہ ہو جائے اور یہ لوگ اس کی تعظیم کیوں کرتے ہیں؟ میری کریں۔ اور چہ جائیکہ وہ نکمے کا کام بھی نہ کرے لیکن وہ صرف مال وجاہ کی دوڑ میں لگا رہتا ہے کہ درس گاہ کی عمارت بھی بہترین ہو چندے بھی زیادہ میرے پاس آئیں اور ملک میں برتری بھی میری ہو عالم بھی میرے سوائے اور کسی دوسرے کو نہ کہیں اور اگر کسی دوسرے عالم کی شہرت زیادہ ہوتی ہے تو اس کو یہ ناگوار گزرتی ہے وہ ان کی مخالفت کرتا ہے از روئے عمل لوگوں سے ان کی غیبت کرتا ہے۔اور اپنی برتری کو زیادہ بیان کرتا ہے۔اور دوسرے عالم کے لیے ذلت اور خواری چاہتا ہے اس کی چاہت صرف یہ ہوتی ہے کہ بس سارے ملک کی کھالیں اور زکوٰۃ کے پیسے روپے میرے ہی ہاتھ آجائیں اور میں ان کو ہڑپ کر جاؤں آج کل ایسے حسد کا بازار گرم ہے۔بلکہ علماء کے اندر سخت حسد ہے جو عوام میں نہیں پایا جاتا۔ امام رازیؒ لکھتے ہیں کہ صاحب خزینۃ القرآن نے تفسیر امام باقرؒ سے نقل کی کہ جو علماء مال اور جاہ کی طلب میں ہوں وہ حسد کی جڑ ہوں گے امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ حسد کی جڑ کو دیکھو تو علماء کو دیکھو فرماتے ہیں کہ ہاں علماء جو عارفین کی اتباع میں ہیں وہ حق ہیں کیونکہ عارفین ایک دوسرے سے حسد اور بغض نہیں کرتے۔بلکہ ان کی معرفت سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں جب لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں تو وہ خوش ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی صفت بیان فرماتا ہے جو ان کے دلوں میں رنجش تھی وہ ہم نے نکال ڈالی وہ آپس میں بھائی بھائی ہیں قیامت کو وہ تختوں میں آمنے سامنے ہوں گے تو علماء عارفین اولیاء اللہ کی اتباع کرنے والے قلیل ہیں قلیل مثل معدوم کے ہوا کرتی ہے۔ہم علماء سے یہ درخواست کرتے ہیں کہ تمہارے دل سے حسد تب نکلے گا کہ تم اولیاء اللہ کے دامن پکڑ لو تمہاری عزت اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہوگی۔اگر ایسا نہ کیا تو تم کو یہاں ذلت کا سامنا کرنا ہوگا اور آخرت میں بھی شدید ذلت ہوگی۔اللہ تعالیٰ ہم کو حسد سے محفوظ رکھے اور اولیاء کی اتباع میں ہمارا وقت گزرے۔

مسئلہ ششم:

اس امر کے بیان میں کہ حسد کن چیزوں سے زائل ہوتا ہے۔علم اور عمل کرنے سے علم دو قسم کا ہوتا ہے اجمالی اور تفصیلی اس چیز کو جاننا چاہئے۔اجمالی جو چیزیں ہوتی ہیں وہ قضاوقدر سے ہوتی ہیں ممکن کا وجود خود بخود نہیں ہوتا۔تو پھر اس نعمت سے نفرت کرنے کا کیا فائدہ راضی بقضاء رہنا چاہئے۔جب راضی بقضاء ہو گیا۔تو حسد جاتا رہے گا۔علم تفصیلی کا جاننا یہ ہے کہ حسد کا دین و دنیا میں کچھ نفع نہیں ہوتا اور نہ کوئی ضرر۔لیکن حاسد کے لیے بچند اں وجوہ دین میں نقصان آتا ہے۔

نمبر ا۔ حاسد کو چاہئے تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی رہتا لیکن اس نے اللہ تعالیٰ کے عدل کو ناپسند کیا اور اس میں محسود کا کوئی نقصان نہیں تھا۔۲۔وہ مسلمانوں کے ساتھ مخالفت کرتا ہے۔حالانکہ اللہ تعالیٰ کے دوستوں کی ذلت چاہتا ہے۔تو ان میں بھی محسود کا کوئی نقصان نہیں ہوگا۔۳۔آخرت میں حاسد کے لئے عذاب ہے دنیا میں جب تو حسد

Marfat.com

کرے گا رنج اور مصیبت میں مبتلا رہے گا۔ وہ رنج تیرے بدن کے لیے بیماری بن جائے گی۔ اس حسد سے تو شدید مرض میں مبتلا ہو جائے گا۔ جیسا اس میں محسود کا کچھ نقصان نہ ہوگا۔ جب تو کسی پر حسد کرے گا کہ فلاں سے یعنی نعمت چھینی جائے اور اس نعمت میں اس کو زوال آجائے تو تیری نعمت کے لیے بھی کئی حاسد ہوں گے۔ جو تیری نعمت کے زائل ہونے کی خواہش کر رہے ہوں گے۔ بلکہ حاسد سے محسود کو نفع بھی ہوتا ہے۔ جب حاسد اس کے لیے زبان سے حسد کرے گا اس کی غیبت کرے گا۔ تو وہ محسود مظلوم ہوگا۔ کیونکہ اس پر یہ ظلم ہو رہا ہے۔ ۴۔ یہ بھی کہ وہ محسود کے لیے تحفہ جات ہیں کیونکہ محسود کی برائیاں تجھ کو لگیں گی اور تیری نیکیاں اس کے پاس جائیں گی۔ اور محسود کو اس بارے میں خوشی ہوگی کہ میرا حاسد میرا فائدہ کر رہا ہے کہ میری تمام برائیاں خود لے رہا ہے اور اپنی تمام نیکیاں وہ مجھے دے رہا ہے اس میں تیرے لیے کتنی بری بات ہے کہ تو کفار کا شریک ہوا کہ حسد کرنا کفار کا شیوہ ہے۔ جب حاسد کسی کے لیے یہ چاہتا ہے کہ اس سے تمام نعمتیں زائل ہو جائیں وہ ذلیل و خوار ہو تو حاسد اپنے اوپر بھی یہ خیال کرے کہ جس ذات نے اس کو نعمتیں عطا فرمائی ہیں اور جس ذات نے مجھے بھی اس نعمتوں سے تنگ کر رکھا ہے۔ اور جو نعمتیں مجھے دی گئی ہیں وہ مجھ سے بھی چھینی جا سکتی ہیں اور یاد رہے کہ حاسد جب محسود کی غیبت کرتا ہے تو محسود خوش ہوتا ہے کہ اس کی عمر بڑی ہو میری غیبت کرتا رہے اور اپنی نیکیاں مجھے دیتا رہے۔ کیونکہ وہ میرا خیر خواہ ہے اپنی نیکیاں مجھے بطور تحفہ دے رہا ہے۔ دشمن کی عمر کی قلت کی دعا نہیں کرنی چاہئے بلکہ حاسد جیسے کہتا ہے کہ میرے دشمن کی عمر بڑی ہو وہ ذلیل ہوتا رہے اور دوسرے بھی اس کے حاسد اس کے لیے ایسی دعا کر سکتے ہیں حاسد کو یہ سمجھنا چاہئے کہ جس طرح میں کسی کا حاسد ہوں میرے بھی حاسد ہیں جب کوئی کسی کے لیے حسد کرتا ہے حسد کرنا بڑا ظلم ہے اور آخرت میں بڑا عذاب ہے تو مظلوم اس کے حسد سے پناہ مانگتا ہے۔ تو اس حاسد کے لیے بھی کچھ اور حاسد پیدا ہوتے ہیں جس طرح کوئی یہ حسد کرے کسی عالم کے لیے اور دوسرے عالم کی غلطی نکالتا ہے کہ یہ لوگوں کے سامنے رسوا ہو یا اس کی زبان بند ہو جائے تو یہ اس کا لوگوں پر حسد ہوا کہ اس نے لوگوں کو از روئے حسد علم سے محروم کیا اس لیے شیطان بڑا حاسد ہے۔ کہ وہ لوگوں پر ہر وقت تلا رہتا ہے کہ بنی آدم میں ہر وقت سوائے حسد کے اور کچھ نہ رہے یاد رہے کہ اس کی مثال یہ ہے کہ ایک حاسد نے کسی کی آنکھ پر پتھر مارا تو وہ پتھر اس پر خاک کی طرح ہو گیا اور الٹا اسی کی آنکھ پر پتھر نے چوٹ لگا دی ہو اور پھر اس نے غصہ کھا کر اس کی دوسری آنکھ پر مارا تو اس کو خاک کی طرح لگا لوٹ کر اس کی آنکھ پر لگا اور اس کی آنکھ نکل گئی اور وہ نابینا ہو گیا پھر اس نے اس کے سر میں مارا تو پتھر الٹا اسی کے سر میں لگا اور سر پھوٹ گیا۔ اور اس کے دشمن دیکھ کر ہنس رہے ہیں دیکھو یہ حاسد کا حسد ہے اور اس کے حسد سے اس کے دشمن خوش ہو رہے ہیں حاسد کو یہ سوچ لینا چاہئے کہ حاسد دنیا میں حسد کی بیماری میں ذلیل و خوار ہوتا رہتا ہے اور آخرت میں بھی اس کو سخت عذاب ہے اور نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ حاسد پر اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں کی لعنت برستی رہتی ہے۔ کیونکہ حاسد جب بھی کسی مجلس میں بیٹھے گا سوائے اس کے کہ حسد کے بغیر اس کا کوئی کام نہ ہوگا اور خلق اللہ تعالیٰ بھی اس کو ایک بدترین شخص تصور کرتے ہیں اور نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ حاسد ہر وقت اپنے حسد میں غلطان رہتا ہے۔ اور اس تلاش میں رہتا ہے کہ کس کے پاس کتنا مال ہے وہ کس عظمت میں ہے جب کسی کو دیکھتا ہے کہ دنیاوی مال میں وہ مجھ سے زیادہ ہے تو وہ جل جاتا ہے حسد کی آگ میں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اس کی حسد کی آگ کو زیادہ بھڑکا دیتا ہے وہ ہر وقت دوسروں کے لیے سوچتا رہتا ہے ان کے پاس اتنا مال کیوں ہے اور میرے سے زیادہ مال دار ہونے لگ گئے ہیں اسی بیماری میں وہ مریض ہو جاتا ہے۔ یہ بیماری اس کے دل اور بدن میں اثر کرتی ہے۔ اسی بیماری کی وجہ سے وہ موت کے گھاٹ اتر جاتا ہے۔ اور اپنی قبر کو نامراد بنا دیتا ہے اور اپنے حسد کو اپنے لیے عذاب عظیم بنا دیتا ہے اس کا حسد اتنا برا ہوتا ہے کہ اس کے پاس جو اپنا مال ہوتا ہے وہ نہیں کھا سکتا وہ اس کے نصیب میں نہیں ہوتا حسد کی بیماری سے اس کو یاد رکھنا چاہئے کہ جس طرح میں کسی کی نعمت کا زوال چاہتا ہوں اسی طرح میرے دشمن بھی میری نعمت کا زوال چاہتے ہیں آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی وَلَا یَحِیْقُ الْمَکالسَّیِّئُ۔ یہ حدیث تفسیر امام محمد باقرؒ خزینۃ القرآن اور ابو العالیہ اور تفسیر ابو مسلم میں ہے یعنی رجوع نہیں کرتا برا مکر مگر اپنے کرنے والے کی طرف یعنی اس سے ثابت ہوا کہ حسد بدترین چیز ہے۔

اب ہم اس حسد سے بچنے کی ترکیب بتاتے ہیں۔ جب حاسد کے دل میں حسد ظاہر ہو تو وہ محسود کی تعریف کرے اس سے حسد زائل ہو جائے گا۔ جب وہ حاسد اپنے محسود کی تعریف کرے گا تو وہ محسود اس پر خوش ہوگا تو وہ کام وہ حاسد کرے گا محسود بھی وہی کرے گا دوسرے یہ کہ حاسد کے اندر جب بھی بخیلی ظاہر ہو تو وہ ان کو دور کرنے کی کوشش کرے تب ان تمام چیزوں کے رفع کرنے کے حصول کی عادت بن جائے گی اور وہ محسود جتنے بھی ہوں وہ اس کے گرم دوست بن جائیں گے اور اس طرح حسد اور بغض بھی اس کے اندر سے نکل جائے گا یہ تب نکلے گا جب حسد اور بغض کو پاک کرے گا۔ کیونکہ حسد بدترین لعنت ہے اس سے انسان کو بچنے کے لیے تدارک کرنا چاہئے۔

اب تفسیر کی طرف رجوع وَدَّ كَثِيْرٌ۔ کے اندر چند مسائل ہیں۔

مسئلہ اول:

Marfat.com

امام باقرؒ وابی بن کعبؓ حضرت علیؓ کے مجموعہ سے بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ان یہودیوں کی چاہت یہی ہے کہ ان کو دین حق سے جو بھی ہماری کوشش ہو مال سے زبان سے اور ان کو ارزوئے حسد کند کی طرف لوٹایا جائے۔ جب کہ وہ اس دین کے حق کی صداقت کو سمجھ بیٹھے ہیں۔

مسئلہ دوئم:

حضرت امام باقرؒ اور ابی بن کعبؓ حضرت ابی قتادہؓ اور حضرت عمرؓ بیان فرماتے ہیں کہ حَسَداً مِنْ عِنْدِ۔ یہ وُدّ کثیر کے متعلق ہے کہ یہودیوں نے تورایت کے اندر جو حق تھا اس کی تحریف کردی اور اپنی طرف سے اس کے اندر لکھ دیا۔ اور اس کفر کی طرف ہمیں دین حق سے ان کی چاہت ہے کہ ہمیں الگ کردیں ان کا یہ عناد دین کے خلاف حسد ہے۔ یَرُدُّوْ۔ کے ساتھ یہ مراد ہے جس طرح یہودی آرزو کرتے تھے کہ تم دین حق سے لوٹ آؤ انہوں نے کئی حیلے بہانے کیے جیسا کہ یہ بھی کہا کہ اگر یہ دین حق پہ ہوتا تو تم کو مصیبتیں کیوں آتیں۔ کیونکہ حق کی طرف سے مصیبت نہیں آتی اس لحاظ سے یہودیوں نے بہت سخت بہانے کیے۔ لیکن یہ تمام حیلے بہانے از روئے حسد تھے۔ فَاعْفُوا واصفحوا۔ معاف کرو اور درگزر کرو اس سے یہ مراد نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی بات کو بطور حق حکم نہیں دیا اس میں مفسرین کے کئی قول ہیں جیسا کہ نبی پاک ﷺ کو مشرکین کے ساتھ درگزر کرنے کا حکم ہوا اور معاف کرنے کا بھی حکم ہوا اور چونکہ جب یہ یہودیوں کو حکم ہوا کہ ابھی وہ وقت نہ تھا کہ آتش فتنہ سے بھڑک جاتے۔

امام رازیؒ نے امام محمد باقرؒ اور حضرت حسنؓ ان دونوں نانا دوتا کو عظیم مفسر سمجھا ہے۔ اور ان کے حوالے اپنی تفسیر کبیر میں کافی درج ہیں اور امام حسنؓ فرماتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا۔ وَاهْجُرْهُمْ هَجْراً جَمِيْلاً۔ فرماتے ہیں کہ اس کے قائمقام پھر اور حکم آیا اور فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ یعنی اللہ تعالیٰ ان کو قیامت کے دن سزا فرمائے گا۔ باقی صحابہ کرامؓ اور تابعین کا یہ قول ہے کہ اس سے مراد قتال ہے۔ قَاتِلُوْ الَّذِيْنَ لَا يُوْمِنُوْنَ۔ لیکن امام محمد باقرؒ فرماتے ہیں کہ قتال کا حکم رسول اللہ ﷺ کو اس وقت تک نہیں ہوا جب تک جبرائیل علیہ السلام یہ آیت اُذِنَ لِلَّذِيْنَ۔ لے کر نہیں آئے۔ اول قتال جو میرے نانا رسول اللہ ﷺ نے کیا وہ بطن نخل میں عبداللہ بن جحش کے ہمراہیوں سے کہا۔ اور اس کے بعد جنگ بدر کا واقعہ پیش آیا اور اس مقام پر دو سوال ہیں۔

بعض مفسرین نے اس پر کئی توجیہات کی ہیں کہ اس آیت کی منسوخی لازم آئی ہے امام باقرؒ تو منسوخی کے قائل ہی نہیں وہ فرماتے ہیں کہ آیت ایک دوسرے کے قائمقام ہوا کرتی ہے۔ جیسا کہ انہوں نے اس موضوع پر ستر ہزار اناسی دلائل بیان کیے ہیں جن میں اپنے دعویٰ میں دو ہزار حدیث مستند نقل متواتر بیان کی ہیں یہ حوالہ خزینۃ القرآن میں موجود ہے کیونکہ تفسیر امام محمد باقرؒ سو جلد میں ہے۔ وہ مطبوعہ ہے کہ جس کا ہر جلد پانچ ہزار صفحہ پر ہے۔ جس کا حوالہ علماء دیوبند ڈاکٹر عبدالصمد سہارن اظہری نے اپنی تفسیر میں دیا ہے۔ خزینۃ القرآن میں اس تفسیر سے کافی بیان کیا گیا ہے۔

اسی طرح اکثر مفسرین نے اس کو عظیم نسخہ سمجھا ہے یہ میں مقدمہ میں بیان کر چکا ہوں۔

سوال دوئم:

کفار سے عفو و درگزر کرنے کی کیا حیثیت ہے جب کہ وہ کمزور نہ تھے قوی تھے؟

جواب:

خود نبی پاک ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ ان میں درگزر کرنے کا حکم اس لیے ہوا۔ کہ وہ ہوسکتا ہے کہ راہ راست پر آجائیں اور ان کو مہلت دی گئی ہے حضرت علیؓ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اس میں خاص حکمت کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو مہلت دے دی ہے تا کہ یہ اب بھی دین حق کے ساتھ جتنی مخالفت کرنا چاہیں کرلیں اور عذاب کا انتظار کرو اور مسلمان کو حکم دیا گیا۔ کہ جتنا بھی ہوسکے تم اپنے اندر عفو و درگزر کو اختیار کرو کیونکہ یہ قتل کے فتنہ سے اچھا ہے اگر وہ اپنے فتنہ سے باز نہ آئیں تو پھر ان کے لیے اور تدبیر ہوگی یہ حدیث امام باقرؒ اور ابوالعالیہ اور تفسیر ابو مسلم میں ہے کیونکہ کافر لوگ صاحب شرکت ہوتے تھے۔ اور وہ اپنے کمزوروں کو معاف کرنے کی عادت بھی رکھتے تھے اور مسلمان بھی ایک کافر کی نسبت ان سے اپنے ہمراہیوں سے مدد لے کر لڑ سکتا تھا۔ اور وہ اس بات پر قادر تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ قتال تک نوبت آئے فاعفوا واصفحوا۔ کے اندر تشدد کا حکم نہیں اور چہ جائیکہ معاف کرنا زیادہ بہتر ہے یہ حدیث اس امر پر دال ہے کہ یہ آیت اپنے حکم کے موافق قائم ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ سے سرکار نے فرمایا کہ ان کو عذاب سے خوف دلانا مقصود ہے چاہے عذاب دنیاوی ہو چاہے عذاب اُخروی۔

Marfat.com

قال اللہ تعالیٰ: وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ (۱۱۰)

ترجمہ: اور قائم کرو نماز کو اور زکوٰۃ دو۔ اور جو تم آگے بھیجو گے اپنی جانوں کے لئے کوئی بھلائی۔ تم اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کو پاؤ گے بے شک اللہ تعالیٰ دیکھنے والا ہے جو تم کرتے ہو۔

جاننا چاہئے کہ یہ بھی تنبیہ ہے جس طرح یہودیوں سے ان کی اصلاح کرنا ضروری ہو۔ اسی طرح یہودیوں کے علاوہ دوسرے کی اصلاح کرنا بھی لازم ہے اسی طرح اپنی اصلاح بھی لازم ہے۔ امام باقرؓ اور ابی قتادہؓ حضرت علیؓ کے مجموعہ سے بیان کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ دوسروں کو اصلاح کرنے کے بعد تم کو اپنی اصلاح کا حکم دیتا ہے۔ کہ اپنی اصلاح نماز اور زکوٰۃ سے کرو تو معلوم کہ مومن کی اصلاح نماز اور زکوٰۃ سے ہوتی ہے اور نماز اور زکوٰۃ واجبات سے ہے۔ اسی طرح اپنی اصلاح کرنا بھی ضروری واجبات سے ہوئی۔ صحابہ کرامؓ نے پوچھا کہ کیا ہم قیامت کے دن اپنے اعمال کو وہاں پائیں گے یہ جو ارشاد ہوا ہے وَمَا تُقَدِّمُوْا۔ ارشاد ہوا آپ ﷺ نے فرمایا نہیں۔ اعمال تو انسان کو یاد ہی نہیں رہتے مقصود ہے اس کی جزا اور سزا فرمایا کہ انسان نوافل اور نماز اور زکوٰۃ اس کے علاوہ دوسرے صدقات سب اعمال صالح ہیں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں انسان اعلیٰ زیادہ اعمال کو لے کر جائے گا ان کو اتنی جزا ملے گی۔ یعنی جزا کے بدلے ثواب عطا ہوگا نیز یہ بد اعمالیاں کرنے پر اس کی سزا لازم آئے گی۔

اس حدیث سے یہ مقصود حاصل ہوا کہ آخرت میں اعمال نہیں ہوں گے وہاں اعمال کا ثواب حاصل ہوگا اور اعمال بد کے لیے سزا ملے گی اسی طرح اگر کوئی عمل زیادہ کرتا ہے یا تھوڑا کرتا ہے برا کرتا ہے یا اچھا کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں ہے اسی لیے اعمال کے بدلے ثواب ہی عطا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اور اچھے کام کرو تا کہ تم فلاح پا جاؤ، اس آیت سے معلوم ہوا کہ وہاں اعمال موجود نہیں ہوں گے وہاں اعمالوں کی سزا ملے گی۔

قال اللہ تعالیٰ: وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (۱۱۱)
بَلٰى ۚ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۪ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (۱۱۲)

ترجمہ: اور انہوں نے کہا کہ کوئی ہرگز جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ مگر جو یہودی یا نصریٰ ہوگا یہ ان کی آرزوئیں ہیں اے حبیب ﷺ آپ ﷺ ارشاد فرما دو کوئی اپنی دلیل لاؤ جو تمہارے پاس ہے اگر تم اس دعویٰ میں سچے ہو ہاں وہ شخص جس نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی ذات کے حوالے کر دیا اور وہ نیک بھی ہو اس کا پس اس کے لیے اجر ہے۔ اس کے رب کے ہاں اور نہ ہی وہ غمگیں ہوں گے۔

جاننا چاہئے کہ یہ یہودیوں کے چوتھے فریب کا بیان ہے یہودی یہ نہیں کہتے کہ نصاریٰ جنت میں جائیں گے۔ اصل عبارت یوں ہے۔ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا وَقَالَتِ النَّصٰرٰى لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ نَصٰرٰى۔

یعنی یہودی کہتے تھے کہ نصاریٰ جنت میں نہیں جائیں گے اور نصاریٰ کہتے تھے کہ یہودی نہیں جائیں گے اصل میں بات یہی ہے کہ کوئی فرقہ اپنے سوا دوسرے فرقہ کو جنت میں جانے کا خواہاں نہیں ہوتا۔ ہر شخص کو یہی دھن رہتی ہے کہ میں حق پر ہوں۔ دوسرے سب باطل ہیں جس طرح لکھ چکا ہوں یہودیوں نے یہ کہا کہ ہمارے سوا کوئی جنت میں نہیں جائے گا۔ اور نصاریٰ نے بھی یہی کہا کہ ہمارے سوا کوئی جنت میں نہیں جائے گا۔ اس آیت کے معنی اس طرح پر ہوئے اس میں بھی اس کی نظیر ملتی ہے۔ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى۔ جیسے جمع ہے ھائذلی اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ کان ھودا کس طرح فرمایا گیا ہے حالانکہ ھودا جمع ہے اور کان اسم واحد ہے اور کان کو من پر محمول کیا گیا ہے اور نصاری اسم لفظ مَنْ پر محمول ہے اور خبر اس کے معنی پر محمول ہے۔ ابی بن کعبؓ نے من کان ھودا او نصرانیا۔ پڑھا ہے حضرت امام باقرؓ نے ھودا او نصری پڑھا ہے فرماتے ہیں کہ یہ ان کی بڑی آرزوئیں تھیں ہر شخص کوئی نہ کوئی اپنی آرزو کرتا ہے ان کی یہ آرزو تھی کہ ہم مسلمانوں کو ان سے بہکا کر کافر کر دیں گے یعنی تلک امانیُهُم۔ کے اندر ان کی ایک آرزو تھی بلکہ کئی آرزوئیں تھیں ابی بن کعب اور حضرت امام محمد باقرؓ حضرت علیؓ کے مجموعہ سے بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ان کی کئی آرزوئیں ہیں ان کی پہلی آرزو یہ ہے کہ یہودیوں کے سوا جنت میں اور کوئی نہیں جائے گا۔ جنت ہماری میراث ہے اور نصرانی بھی یہ ہی کہتے ہیں دوسری آرزو یہ ہے کہ مومنوں کو جتنا بھی چارہ لگے دین سے بہکا کر کافر کر دو ایک دوسرے سے کہتے ہیں فرمایا اچھا ہے وہ شخص جس نے اپنے نفس کو قابو کر کے مرنے کے بعد آخرت کا کچھ انتظام کر لیا عاجز ہے وہ جس نے اپنے نفس کی پیروی کی اور مرنے کے لیے کچھ نہ کیا حضرت علیؓ فرماتے ہیں امیدوں پر بھروسہ مت کرو امیدیں کبھی کامیاب نہیں ہوئی ہیں اور دوستی کے ساتھ امید کام آتی

Marfat.com

ہے۔ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰی۔ کے لیے حقیقت ہے اس کے لیے قل ھاتوا جملہ معترضہ ہے اور قل ھا توا کے اندر چند مسائل ہیں۔

مسئلہ اول:

هَاتَ، اسمائے اور صوات میں سے ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا حضرت امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ برھان کا لفظ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو تو وہ بمعنی دلیل کے ہوتا ہے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام دائمی میں مجھے بھی بروھان فرمایا ہے۔ فرمایا برھان اسی دلیل کو کہتے ہیں جو دعوٰی کے لیے ہوتی ہے فرمایا چاہے وہ دعوٰی نفی میں ہو یا اثبات میں۔ فرمایا میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے دلیل آخری ہوں اور میں اپنے رب کا دعوٰی ہوں مجھ سے اللہ تعالیٰ اپنے کلام کو بطور دلیل ظاہر فرماتا ہے۔ یہ بھی نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے دلیل حق فرمایا ہے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے دلیل شاہد ہوں ہر وقت فرمایا کہ دعوٰی حق ہو دلیل حق ہو اور اس کا شاہد موجود حاضر ہو تو دعوے بغیر دلیل کے باطل ہو جاتا ہے۔ بَلٰی کے اندر کئی صورتیں ہیں۔ امام باقرؒ اور ابی قتادہؓ حضرت علیؓ کے مجموعہ سے بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بَلٰی اس لیے فرمایا ہے کہ ان کی اس حقیقت کو رد کیا ہے تو وہ یہ کہتے ہیں جنت ہماری میراث ہے اور اللہ تعالیٰ کے حق کو جھٹلا رہے ہیں اور اپنی حالت کو جنت کے قابل نہیں بنا رہے اور کفر کی حالت میں برابر کر رہے ہیں اور جو جنت کے وارث ہیں ان کو کہتے ہیں کہ وہ جنت میں نہیں جائیں گے فرمایا کہ جنت کے جانے کے لیے جب تک انسان اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر اپنے آپ کو نہ جھکا دے گا۔ جنت میں قطعاً نہیں جا سکتا۔ اَسْلَمَ۔ فرما کر ان کے دعوے کی نفی کر دی یعنی جنت میں وہی جائے گا جو اپنی خواہش کی تابعداری نہ کرے میری ﷺ رضا اور اللہ تعالیٰ کی رضا پر وقف کر دے جو میری رضا ہے۔ وہی اللہ تعالیٰ کی ہے۔ وَجْهَه۔ کے اندر چند وجوہ ہیں۔

ا۔ حضرت امام باقرؒ اور حضرت ابو سعید حذریؓ فرماتے ہیں جب یہ آیت نازل ہوئی نبی پاک ﷺ نے اس کی خصوصیات ارشاد فرمائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وجهه کا لفظ اس لیے استعمال فرمایا گیا ہے کہ منہ تمام اعضاء کا بہترین عضو ہے۔ اور قلب کی بات بھی اسی سے ظاہر ہوتی ہے اور یہ تمام اعضاء سے اشرف ہے جب یہ اللہ تعالیٰ کی نیازمندی میں جھکے گا تو تمام عضو اس کے پیچھے جھک جائیں گے مزید فرمایا کہ وجهه کا لفظ ساری ذات اور سارے وجود کے لیے بھی مستعمل ہوتا ہے۔ اور وجهه ذات کو بھی کہتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ اپنے لیے فرماتا ہے كُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وجهه۔ فرمایا اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰی۔ جیسے اللہ تعالیٰ کی عبادت سجدہ سے ظاہر ہوتی ہے وہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرے اور عبادت الٰہی کے اندر شرک کی آمیزش نہ ہو اللہ تعالیٰ کے صفات جو ازلی ہیں ان میں کسی کو شریک نہ کرے اور وَهُوَ مُحْسِنٌ۔ کے اندر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں افعال خیر سے پیش ہو اور افعال قبیحہ سے اجتناب کرنا چاہئے خلوص کے ساتھ افعال قبیحہ سے بچے اور ہندوستان میں بھی ہندو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے افعال قبیحہ کرتے ہیں، لیکن افعال قبیحہ باطل ہیں اور ایسے افعال اختیار کرے جن سے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو جب رضا حاصل ہوگی اس کے بعد غم نہ ہوگا۔ نہ خوف ہوگا معلوم ہوا کہ اس کو غم کا خوف ہوتا ہے۔ جو آنے والے غم سے خوف کھاتے ہیں۔ گزرے ہوئے غم سے کوئی خوف نہیں کھاتا۔ اسی طرح خوشی بھی آنے والے کی ہوتی ہے اور گزری ہوئی خوشی نہیں ہوتی اب ہم خلوص کی حقیقت کو بیان کرتے ہیں اس کے اندر چند مسائل ہیں۔

مسئلہ اول:

نیت کی فضیلت میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ۔ عملوں کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ نہ تمہارے مالوں کو دیکھتا ہے نہ تمہاری صورتوں کو دیکھتا ہے۔ جیسے بنی اسرائیل میں سے ایک شخص ریت کے ٹیلوں میں سے گزر رہا تھا یہ قول قبیحہ کی مانند نہ ہوتا۔ تو میں لوگوں میں ریت تقسیم کر دیتا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تیرا صدقہ قبول کر لیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے نبی کو اس شخص کے بارے میں وحی فرمائی۔

مسئلہ دوئم:

انسان کو جب ایک فعل کرنے کا ظن یا اعتقاد نفع اور نقصان کے بارے میں ہوتا ہے کہ کام کروں اس کام کے کرنے پر دل پختہ ہوتا ہے اور اس کو میلان پیدا ہوتا ہے یہ ایسی صفت ہے کہ اس فعل کے نہ کرنے یا کرنے کو ترجیح ہوتی ہے تو اس کا نام ارادہ ہے۔ یہی ایک نیت ہے اور ایک امر مستقل ہے۔ اس تقدیر پر کہ فعل یا ایک مستقل ہوگا یا دو مستقل ہوگا۔ انہی چاروں احتمالوں کا نام فعل ہے اس فعل کی بحث کی مثالیں کئی ہیں۔ ایک شخص پر کوئی درندہ حملہ کرنے لگ جائے وہ کھڑا ہو جاتا ہے وہ کہتا ہے اس سے بھاگ جانے میں میرا فائدہ ہے اور بیٹھے رہنے سے میرا نقصان ہے اس نیت کو خالص نیت کہا جائے گا اور یہی اخلاص ہے یہ کہ فعل کے دو باعث مستقل ہوں ایک شخص کا دوست محتاج ہو وہ کوئی

Marfat.com

حاجت اس کو کہے تو وہ اس کی حاجت پوری کر دیتا ہے۔

یہ سبب بھی ایک مستقل ہے ان دونوں فعل کے بحثوں سے کیونکہ اس میں منافقت کی صورت ہے دونوں امروں میں سے ایک باعث مستقل نہ ہو مگر دونوں مل کر باعث مستقل ہوں اس کا نام مشارک الباعث ہے ایک باعث مستقل ہو دوسری سے اس کی قوت اور تائید ہو جائے جیسے کوئی شخص عبادت میں مصروف رہتا ہے لوگ اس کو ملنے کے لیے آئے اس کے اندر ان کو دیکھ کر تھکان میں خفت پیدا ہو گئی اس میں اس کی معاونت ہے۔ محدثین نے نیت کے معنی پر کئی باتیں کہی ہیں نیت باطنی چیز ہے اور عمل ظاہری چیز ہے خفیہ عبادت ظاہری عبادت سے افضل ہے۔ امام باقرؓ فرماتے ہیں کہ لازم آتا ہے کہ نماز کی نیت نماز سے بہتر ہو کیونکہ نیت کو دوام ہے اور اعمال کو دوام نہیں ہے امام باقرؓ فرماتے ہیں دائم چیز منقطع نہیں ہوتی تو یہ معنی بھی درست نہ ہوئے قلیل عمل پر کثیر عمل کو فوقیت ہوتی ہے جیسے کہ نیت قلیل ہے اور نماز زیادہ ہے نیت کا زمانہ تھوڑا ہوتا ہے اور نماز کا زمانہ زیادہ ہوتا ہے تو معلوم ہوا کہ عمل کو نیت پر دوام ہے فرماتے ہیں عمل نیت سے بہتر ہے اور نیت عمل سے بہتر ہے۔ فرمایا یہ بھی درست نہیں فرماتے ہیں عمل بھی خیر ہے اور نیت بھی خیر ہے کیونکہ عمل خیر بھی نیت خیر سے ہوگا کیونکہ عمل سے نیت مقدم ہے تو نیت بھی خیر ہوئی اور عمل بھی خیر ہوا فرماتے ہیں حدیث شریف میں نیت کو اچھے اعمال کے ساتھ خیر کرو تو معلوم ہوا اس حدیث سے کہ عمل بھی خیر اور نیت بھی خیر اور حدیث بیان کرتے ہیں فرماتے ہیں رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ نیت کو عمل کے ساتھ قائم رکھو بشرطیکہ نیت برائی کی طرف راغب نہ ہو۔ اس سے ثابت ہوا کہ نیت اور عمل جدا نہیں ہیں ہمارا مدعا ان میں سے یہ نہیں کہ نیت کی فضیلت اور عمل کی فضیلت کا موازنہ کیا جائے لیکن عمل اور نیت جدا نہیں بچند اں وجوہ۔

۱۔ امام باقرؓ حدیث بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نیت قلب سے ہوتی ہے اور عمل ظاہر کا نام ہے مقصود یہ ہوا کہ معرفت الٰہی سے اللہ تعالیٰ کے سوا اسکو پاک کرنا ہے اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ نیت عمل سے افضل ٹھہری کیونکہ نیت قلب کی صفت ہے اور قلب سارے بدن کا بادشاہ ہے جو ارادہ اس سے ہوگا اسی طرح اس فعل پر اس کو ترجیح ہوگی کیونکہ باطن کو ظاہر پر ترجیح ہے۔ تو معلوم ہو کہ نیت قلب کی صفت ہے اور ارادہ جو بھی ہوگا قلب کا ہوگا تو معلوم ہوا کہ نیت عمل سے مقدم ہے عمل کو ترجیح نہیں بلکہ نیت کو ترجیح ہے۔

مسئلہ چہارم:

جاننا چاہئے کہ اعمال کی تین اقسام ہیں، طاعات، معاصی اور مباحات۔ جو افعال معاصی ہیں وہ اپنی حالت سے نہیں بدلتے یہ اگر کوئی شخص اسے حرام فعل کی نیت سے کرے تو کہے کہ اس کا دارومدار بھی اس نیت پر ہے جو کہ حرام ہوگا۔ اگر کوئی شخص کسی محتاج کو مال حرام سے کھانا کھلاتا ہے تو وہ کھانا حرام ہوگا۔ اسی طرح کوئی شخص کسی حرام مال، چوری کے مال، جوئے کی رقم سے اور عورت کے زنا کے مال سے کوئی مسجد تعمیر کروائے تو یہ مسجد بنوانا حرام ہوگا۔ یاد رہے کہ نیت اچھے اعمال پر کرنی چاہئے، جیسے مسجد کا بنوانا یا نیت کا دارومدار اعمالِ صالح پر ہے جیسے کوئی شخص مسجد میں بیٹھتا ہے وہ یہ نیت کرتا ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا تو یہ افضل نیت ہے۔ حدیث شریف میں بھی ہے۔ حضرت امام باقرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ انسان مسجد میں بیٹھ کر یہ نیت کرے کہ میں اللہ تعالیٰ کا دیدار کر رہا ہوں اور اس کی ملاقات کر رہا ہوں اور یہ نیت کرے کہ اللہ تعالیٰ کے دیدار سے کوئی بڑی نعمت نہیں۔ امام باقرؓ دوسری حدیث میں بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کی درویشی مسجدوں میں ہے کہ وہ اس میں دیدار الٰہی کو پسند کرتے ہیں۔

حدیث:

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ایک نماز کے پڑھنے کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرے وہ بھی اس کے لئے اعلیٰ ثواب ہوگا۔ مسجد کے اندر بیٹھ کر بے ہودہ کلام نہ کرے۔ تمام معاصی سے اجتناب کرے، کان بری باتوں کے سننے میں نہ لگائے۔ زبان سے بری بات نہ کرے بری بات کرنے سے تمام اعمال ضبط ہو جاتے ہیں اور یہ کہ کوئی خوشبو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے لگاتا ہے تو قیامت کے دن جب وہ آئے گا تو اس کے وجود کو خوشبو سے مہکا دیا جائے گا۔ اگر کوئی خوشبو اس نیت سے لگاتا ہے کہ عورتیں میری طرف دیکھیں اور لوگ مجھ سے خوش ہوں قیامت کے دن جب وہ آئے گا تو اس کے وجود سے بدبو آئے گی۔ ہاں خوشبو اگر اللہ کی رضا کے لئے لگاتا ہے کہ بندگانِ الٰہی کے دل بھی خوش ہوں تو یہ اعلیٰ اور ارفع عمل ہے اور خوشبو کو لگائے تو سنت سمجھ کر اگر ریاکاری کی تو عمل برباد ہو جائیں گے جیسا کہ نماز کی مثال دی گئی ہے۔ ایک نماز سے دوسری نماز کا انتظار کرنا، یہ نیت بہت بہتر عمل ہے۔ کیونکہ اس میں تعظیم کرنا مقصود ہے تو یہ تعظیم بھی اللہ کی بارگاہ میں مقبول عمل ہے۔ لیکن اس کے اندر ریاکاری نہ ہو، اپنی نیت کو ریاکاری سے بچائے۔ امام باقرؓ فرماتے ہیں کہ

Marfat.com

جب مومن نماز کے لئے نیت کر کے اس عمل کو خالص کر کے اپنے ہاتھوں کو باندھ کر کھڑا ہوتا ہے تو نیت عمل پر خالص ہوتی ہے، ہاتھوں کا باندھ کر کھڑا ہونا اس میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عجز اور انکساری ثابت ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول کریم ﷺ اور آپ کے صحابہؓ ہاتھ باندھ کر نماز پڑھا کرتے تھے۔ فرماتے ہیں کہ ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنے کی کیا کیفیت ہے۔ یہ میں سورۃ النساء میں بیان کروں گا اس سے ثابت ہوا کہ حضرت امام باقرؒ ہاتھ باندھ کر نماز پڑھتے تھے جب انہوں نے اپنی تفسیر میں ایسا لکھا ہے۔ یہ روایت خزینۃ القرآن ابو مسلم فرایابی اور وعظاؒ نے بھی بیان کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ تمام آئمہ اہل بیت ہاتھ باندھ کر نماز پڑھا کرتے تھے۔

مسئلہ پنجم:

کوئی نادان ہمارے اس بیان کو سن کر یہ کہے کہ نیت بخیر ہے کہ میں نماز اللہ کے لئے پڑھتا ہوں تو اللہ کے لئے تجارت کرتا ہوں تو یہ زبان سے کہنا نیت کے بغیر نہیں ہو سکتا یہ نفس کا فریب ہے بلکہ زبانی بات ہے اور نیت سے اس کو کچھ تعلق نہیں ہے۔ نیت حقیقت میں ایک چیز کی طرف میلان کا نام ہے جس میں نفس کو غرض دینی یا دنیاوی ہو۔ جب تک میلان نہیں پایا جاتا اس وقت تک انسان اس فعل کو نہیں کر سکتا۔ اگر نیت بخیر نہیں تو اس شخص کا حال ایسا ہے جیسے اس کا پیٹ بھرا ہوا ہو وہ کھانا کھانے کی نیت کرے یا کوئی شخص کہے کہ خواہ مخواہ میں عشق کی نیت کرتا ہوں اس پر میلان تب ہوگا جب ایک اسباب کو حاصل کیا جائے اس اسباب کو حاصل کرنے میں یہ حکمت ہے جس فعل سے ان کے لئے نفع ہو ان اسبابوں کو معلوم کرے اس وقت ایسے فعل کی بحث طلب ہوتی ہے۔ جب دل ان تمام امور سے خالی ہو۔ جب ایک شخص شادی کرتا ہے اس کے دل میں اولاد کی نیت نہ ہو وہ خواہش کی وجہ اور لذات کی وجہ سے جماع کرے گا تو یہ اس کی نیت ہے۔ پس نیت باطنی ارادے کا نام ہے۔ جس کا بھید اللہ تعالیٰ کو معلوم ہوتا ہے یہ ایک بہت مشکل امر ہے۔

مسئلہ ششم:

بعض لوگ نماز اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے پڑھتے ہیں اور بعض لوگ جنت کو حاصل کرنے کی وجہ سے، یعنی یہ ایک محنت مزدوری ہے۔ یہ بالکل احمقانہ خیال ہے۔ اس میں وہی طریقہ ہے جو انسان دنیاوی لذات آرام کے لئے بڑی بڑی محنت کرتا ہے تو جنت کی لذات کو بھی وہ اسی طرح چاہتا ہے۔ دل میں یہ سمجھتا ہے کہ میں نماز اسی طرح پڑھتا ہوں۔ امام باقرؒ اور ابی قتادہؓ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نماز اللہ کی رضا کے لئے پڑھو اور دیدار الٰہی کی خواہش کرو اور دیدار الٰہی سب سے بڑی نعمت ہے۔ اور جنت کی تمام لذات اسی سے وابستہ ہیں۔

حدیث سے ثابت ہے مومن کا مقصود صرف رضائے الٰہی اور دیدار الٰہی کو حاصل کرنا ہے، اور اگر یہ نعمت حاصل کرنی ہے تو تمام ریاکاری سے اجتناب کرے تب یہ مقصود حاصل ہوگا۔

قال اللہ تعالیٰ: وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ ص وَقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلٰى شَيْءٍ لا وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ط كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ (۱۱۳)

ترجمہ: اور کہتے ہیں یہ یہودی نہیں ہیں نصاریٰ کسی چیز پر اور نصاریٰ کہتے ہیں یہودی کسی چیز پر نہیں ہیں حالانکہ وہ کتاب پڑھتے ہیں اسی طرح کہا ان لوگوں نے جو نہیں جانتے ہیں انہی کی بات کی مثل۔ پس اللہ تعالیٰ قیامت کے روز ان کے درمیان فیصلہ فرما دے گا جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔

جاننا چاہئے کہ اس آیت میں ان کا جدا جدا ذکر فرمایا اس آیت کے اندر ان کو جمع کر کے فرمایا تھا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک فرقہ دوسرے فرقے کی بھلائی چاہتا ہو الغرض ان کا اختلاف تھا اس میں چند مسائل ہیں۔

مسئلہ اول:

لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ۔ کے یہ معنی ہیں کہ فلاں چیز لاشی سے بھی کم تر ہے اس کی نظیر یہ آیت ہے اے حبیب ﷺ فرما دو! اے اہل کتاب تم کسی چیز پر نہیں ہو تا حتیٰ کہ تم توراۃ پر قائم ہو۔ اگر کوئی اعتراض کرے کہ یہودیوں نے یہ بات کیوں کر کہی جب کہ وہ اللہ تعالیٰ کی صفات کو جانتے تھے اور نصاریٰ بھی اللہ تعالیٰ کی صفات کو مانتے تھے۔ امام محمد باقرؒ فرماتے ہیں انہوں نے قول حق کے ساتھ قول باطل کو شامل کر لیا جس کی وجہ سے ان کے اعمال ضبط ہو گئے اور اس کا عدم اور وجود برابر ہو گیا یہ عام امور کے

Marfat.com

ساتھ ہے کہ انہوں نے نبوت ﷺ کے اندر اختلاف کیا منقول ہے امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ قبیلہ نجران کے لوگ رسول کریم ﷺ کے پاس آ رہے تھے اور علماء یہود بھی ان کے ساتھ آئے اور ان کا آپس میں اختلاف ہو گیا۔ اور شور وغل مچ گیا اور ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ تمہارا دین نہیں وہ ان سے کہتے تھے کہ تمہارا دین نہیں ہے۔ نصاریٰ کہتے تھے کہ ہم توراۃ کو نہیں مانتے اور ایک دوسرے کے مذہب کا انکار کرتے رہے حضرت امام باقرؒ اور ابی بن کعبؓ حضرت علیؓ کے مجموعہ سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰؑ کے بعد کے اور پہلے کے لوگ نصرانی اور یہودی ایک دوسرے سے یہی بات کہتے تھے اس آیت کا شان نزول بھی یہی ہے کہ ایک یہودی نے نبی پاک ﷺ سے عرض کیا کہ نصاریٰ اسی چیز پر نہیں ہیں اس کا نام ابران بن قیس تھا تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس آیت کے اندر حکم عام ہے چاہے عیسیٰؑ کے وقت کے اہل کتاب ہوں یا اس وقت کے نصاریٰ ہوں اس زمانے سے لے کر یہ سب اس وقت تک اس حکم عام میں شامل ہیں تو معلوم ہوا کہ حکم عام ہے یہاں تخصیص کی ضرورت نہیں بلکہ یہ آیت عام پر محمول ہے۔ وَهُمْ يَتْلُونَ الْكِتَابَ ۔ کے اندر واؤ حالیہ ہے حالانکہ وہ کتاب پڑھتے اور پڑھاتے ہیں جو شخص کتاب پڑھتا اور پڑھاتا ہو وہ کسی آسمانی کتاب کا انکار نہیں کر سکتا۔ امام باقرؒ حضرت علیؓ کے مجموعہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر ایک کتاب ایک دوسرے کی شہادت دیتی ہے اور ہر ایک کی تصدیق کرتی ہے۔ اسی موسیٰؑ کا حال انجیل میں تھا اور عیسیٰؑ کا حال توراۃ میں تھا اسی طرح **لایعلمون** سے ان کے بارے میں یہ فرمایا کہ وہ جان بوجھ کر ایک دوسرے پر تنقید کر رہے ہیں معلوم ہوا کہ **یعلمون** سے مراد وہی لوگ یہودی اور نصرانی سب اس آیت کے اندر شامل ہیں اور مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۔ ان سے غیر ہیں وہ کتاب کو پڑھتے تھے اور ایک دوسرے کے اوپر کفر کا فتویٰ لگاتے تھے جیسا کہ امت محمدیہ ﷺ کا یہ حال ہے کہ ایک دوسرے کے اوپر کفر کا فتویٰ عائد کرتے ہیں حالانکہ یہ سب کتاب قرآن پاک کی تلاوت کرنے میں متفق ہیں لیکن ایک دوسرے پر کفر کا فتویٰ نہیں چھوڑتے۔ كَذَٰلِكَ قَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۔ سے امام باقرؒ فرماتے ہیں اور ابی بن کعبؓ بھی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ **یعلمون** سے کیا مراد ہے؟ کفار عرب میں جس دین کی مخالفت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے بھی یہی فرمایا کہ یہود اور نصاریٰ جس طرح مخالفت کرتے ہیں نیز ان کے قول کی بطریق اولیٰ پرواہ نہیں کرنی چاہئے آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ یہ آیت بھی شامل ہے فَاللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ ۔ کے اندر یہ تفصیل ہے امام حسنؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سب کی تکذیب کرے گا اور ان کو جہنم میں ڈال دے گا فرماتے ہیں کہ میں نے نانا جان رسول کریم ﷺ سے بھی یہی سنا ہے کہ یہ جس طرح تکذیب کرتے ہیں اللہ تعالیٰ بھی ان کی تکذیب فرما کر ان کو جہنم میں ڈالے گا۔ امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ ان کو آنکھوں سے دکھائے گا کہ کون جنت میں جاتا ہے اور کون دوزخ میں جاتا ہے، اور کون حق پر ہے اور کون ناحق پر نہیں۔ تو یہ فیصلہ اللہ تعالیٰ ہی فرمائے گا فیصلے کا ہر گروہ کو انتظار کرنا چاہئے۔

قال اللہ تعالیٰ: وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللَّهِ أَنْ يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعَىٰ فِي خَرَابِهَا ۚ أُولَٰئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ أَنْ يَدْخُلُوهَا إِلَّا خَائِفِينَ ۚ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ (۱۱۴)

ترجمہ: کون زیادہ ظالم ہے اس شخص سے جو اللہ کی مسجدوں سے روکے کہ اس میں ذکر کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا نام اور وہ اس کو ویران کرنے کی کوشش کرے مناسب نہیں ہے ان کے لئے کہ وہ داخل ہوں ان میں مگر ڈرتے ہوئے اور ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں بڑا عذاب ہے۔

جاننا چاہئے۔ مسئلہ اول: کہ مفسرین نے اس آیت کے اندر شرط اور جزا بیان نہیں کی بلکہ جو بھی ایسا کرے گا وہ اس آیت کے اندر داخل ہے یعنی جو مسجدوں کو ویران کرے گا وہ اس سزا کا مستحق ہے۔ حضرت ابن عباسؓ اور سدیؒ کا یہ قول ہے کہ نصاریٰ کے بادشاہ نے بیت المقدس کو تخت و تاراج کر دیا اور توراۃ کو جلا دیا اور مسجدوں کو ویران کر دیا جو ان کے باشندے تھے ان کو قتل کروا دیا اور بیت المقدس میں جانوروں کو اندر بند کر دیا اس زمانہ سے لے کر حضرت عمرؓ کے زمانے تک یہی حال رہا اور مسلمانوں نے جب شام کو فتح کیا تو بیت المقدس کو آباد کیا۔

قول دوئم:

حضرت حسنؓ اور ابی قتادہؓ اور سدیؒ بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت بخت نصر بادشاہ کے حق میں نازل ہوئی اس نے بیت المقدس کو منہدم کر دیا اور اس کے اندر تخریب کاری کی بعض نصاریٰ نے بغض کی وجہ سے نصرانیوں کی مخالفت کی۔ امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیت بخت نصر میں کیسے نازل ہو سکتی ہے؟ جب کہ بخت نصر کا زمانہ حضرت عیسیٰؑ سے پیشتر ہے

Marfat.com

اور یہ آیت ان کے حق میں نازل نہیں میرے نانا جان حضرت حسنؓ نے دوسرے قول کی طرف رجوع فرمایا ہے اور نصاریٰ کا زمانہ عیسیٰؑ کے بعد میں ہوا تو بخت نصر نے اس کو کیسے ویران کیا؟ اور نصاریٰ بیت المقدس کی تعظیم کرتے ہیں وہ بیت المقدس کو کیسے ایذا پہنچا سکتے تھے؟

امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ مشرکین عرب رسول اللہ ﷺ کو دین کی تبلیغ سے روکتے تھے جس کی وجہ سے کعبۃ اللہ کو تکلیف پہنچی اور امام باقرؒ فرماتے ہیں جیسا کہ ہمارے سردار حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مکہ میں چھوٹی سی مسجد بنائی تھی قریش کی عورتیں اور بچے اس میں پتھر پھینکتے تھے ان کو تکلیف ہوتی تھی جیسا کہ ہمارے نانا جان رسول کریم ﷺ پر ابوجہل نے گندگی پھینک دی۔ امام باقرؒ یہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کی نظیر ان آیتوں سے بھی ملتی ہے۔

نمبر۱: هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ۔ اور وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ۔ اس آیت میں بھی ملتی ہے فرماتے ہیں کہ اوپر والے تمام قول ضعیف ہیں۔ فرماتے ہیں کہ میرے دعویٰ میں حدیث میں رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ ان مشرکین نے ہم کو صلح حدیبیہ کے موقع پر مسجد حرام سے داخل ہونے سے منع کیا تھا۔ اور مشرکین نے ہم کو کعبۃ اللہ سے ہجرت کروائی تھی۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت بیان کی ہے۔ فرمایا مخالفین سے بھی یہ حقیقت مراد ہے میری امت کے لوگ مسجدوں کے ویران کرنے سے خوف کرتے ہیں امام باقرؒ کے دلائل عمدہ ہیں باقی مفسرین سے اور ابومسلم نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ اب امام باقرؒ اس پر احتمال بیان کرتے ہیں۔

جاننا چاہئے کہ امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ ماقبل سے آیت کو یوں ربط دیتے ہیں کہ اس میں وہی یہود مراد ہیں کہ جنہوں نے مسجد بیت المقدس کو ویران کیا تھا۔ اور اس میں اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت بیان کردی۔ کیونکہ وہ مسجد بیت المقدس کو ویران کرنے میں لگے رہے۔

۲۔ دوسرا قول یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے گھر کے نزدیک ایک مسجد تھی اور ہجرت سے پہلے مشرکین نے ان کو ایذا دی اور ہجرت کے بعد مشرکین نے اس کو ویران کر دیا اور ابومسلم نے بھی صلح حدیبیہ کا سال مراد لیا ہے یعنی رسول کریم ﷺ کو انہوں نے مسجد حرام سے روکا اور اس میں اختلاف ہے بعض نے کہا ہے کہ مساجد اللہ سے مراد مسجد حرام ہے اور بعض نے کہا کہ مسجد اکرام یعنی بیت المقدس اور کعبۃ اللہ مراد ہیں بعض نے ابوبکرؓ کے گھر کے نزدیک جو مسجد تھی اور کعبۃ اللہ کو مراد لیا ہے اور بعض نے کافی مسجدیں مراد لی ہیں جیسے یوں کہا جائے کہ کوئی ایک نیک بخت کو تکلیف دیتا ہے تو کہا جائے کہ یار تو نے نیک بخت لوگوں کو تکلیف دی۔

امام باقرؒ حضرت علیؓ کے مجموعہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ مسجد الحرام کی تعظیم تمام مساجد کی تعظیم ہے اور سب مسجدوں سے افضل مسجد حرام ہے۔ اور کسی مسجد کی توہین کی جائے تو مسجد الحرام کی توہین تصور ہوگی۔ اَنْ يُّذْكَرَ محل نصب ہے اس میں اختلاف ہے اس کا عامل کون ہے۔ منع دو مفعول کو چاہتا ہے کہ اس کا دوسرا مفعول ہے۔ وما منعنا ان نرسل۔ دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے وما منع الناس۔ اصل عبارت یوں ہے۔ مَنَعَ مَسْجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ۔ اور امام باقرؒ فرماتے ہیں یہ بھی ہوسکتا ہے کراھۃ اَنْ يُّذْكَرَ۔ اور اس کا عامل منع ہے۔ امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ مسجد کے ویران کرنے کا یہی سلسلہ ہے کہ نمازیوں کو مسجد سے روکا جائے اور مسجد کے کام کرنے والوں کو اس سے روکا جائے۔ اور یہ اس قوم کی تخریب کاری ہوگی۔ اس حدیث کے بعد اگر کوئی یہ کہے کہ اس میں منہدم کرنے کی کوشش بیان نہیں کی گئی۔ تو اس کا جواب یہ ہے۔

جواب:

کہ مسجد سے روکنا اور مسجد کا ویران رہنا یہ منہدم ہے جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے گھر کے قریب نماز کی جگہ بنائی تھی تو ہجرت کے بعد مشرکین نے اسکو منہدم کر دیا تو اس سے بھی منہدم ہونے کی دلیلیں ظاہر ہوئیں ہیں۔ اور دوسرے نمبر پر یہ کہ آیت کا ظاہری تقاضا یہی ہے کہ مسجد سے روکنا اور منع کرنا یہ نہایت ہی بڑا ظلم ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ شرک ظلم عظیم ہے اور زنا اور قتل یہ بھی غایت اعلیٰ درجے کے گناہ ہیں۔

حضرت امام باقرؒ فرماتے ہیں اس حکم عام میں الگ الگ تخصیص ہے۔ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ۔ کے اندر چند مسائل ہیں۔

مسئلہ اول:

ظاہر کلام کا تقاضا یہی ہے جن لوگوں نے روکا اور مسجد کی ویرانی میں کوشش کی ان کو مسجد کے اندر داخل ہونے کا حق نہیں مگر ڈرتے ہوئے کہتے ہیں اس سے سب لوگ

Marfat.com

مراد ہیں اس کی تفسیر یوں ہے کہ مسلمانوں کی ہیبت کے مارے ڈرتے اور کانپتے ہوئے مسجد میں داخل ہوں یہ تو درکنار بلکہ ان کا کفران کو مانع تھا حق یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے وعدہ فرمایا کہ تمام مساجد پر تمہارا غلبہ ہوگا یہی وجہ تھی کہ مشرکین ڈر کے مارے مسجد میں داخل نہ ہوتے کہ کہیں مسلمان ہمیں قیدی نہ بنالیں یا ہمیں قتل نہ کردیں کیونکہ مسلمانوں کے غالب ہونے کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ کوئی مشرک بھی مسجد حرام میں داخل نہ ہوگا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حج کے پہلے سال میں فرمایا خبردار آئندہ کوئی مشرک حج کرنے کے لیے نہ آئے۔ اور اسی طرح نبی پاک ﷺ نے حج کرنے کے وقت تمام مساجد پر قبضہ فرما کر حج فرمایا اور یہ بھی حکم فرمایا کہ یہودیوں کو عرب کے جزیرہ سے نکال دو۔ چنانچہ یہودیوں کو جزیرہ عرب سے نکال دیا گیا۔ اسی طرح نبی پاک ﷺ اور آپ ﷺ کی امت کا غلبہ اس سے مشرکین کا خوف کرنا مراد ہے۔

ا۔ کہ خوف کی وجہ سے یہ داخل نہ ہوں گے یا ہوں گے تو خبر دے کر لیکن ان کا داخل ہونا مسجد حرام کے اندر حرام ہے۔ مگر ایسے امر کے اندر جس میں خوف پایا جائے مثلاً مخاصمت اور محاکمت یہ سب امور خوف کے لیے ہیں جیسے اس آیت میں ہے۔ مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا۔ ابی قتادہؓ اور سدیؒ بیان کرتے ہیں اِلَّا خَآئِفِيْنَ ۔ سے یہ مراد ہے کہ نصاریٰ بیت المقدس میں داخل نہ ہوں گے مگر ڈرتے ہوئے نصرانی اس میں داخل نہ ہوگا ورنہ مار کھائے گا۔ لیکن یہ قول ضعیف ہے ہمارے دیکھنے میں یہ آیا ہے کہ بیت المقدس پر سینکڑوں برس تک ان کا قبضہ رہا۔ اور کوئی مسلمان اس میں داخل نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ سلطان صلاح الدین ایوبی نے اس پر حملہ کیا اور بیت المقدس کو ان سے آزاد کرایا۔ اور امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ آئندہ کوئی مشرک مسجد حرام میں داخل نہیں ہوگا۔ اور ہمیں اللہ تعالیٰ نے غلبہ عطا فرمایا ہے۔ لیکن یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ ازروئے قرآن پاک پیغمبر کو ایذا پہنچانا حرام ہے۔ خِزْیٌ۔ کے اندر یہ ہے کہ ان سے جذیہ لینا یہ بھی ان کے لیے رسوائی ہے۔

دوسرا قول:

نبی پاک ﷺ نے فرمایا اس میں مشرکین کی مذمت ہے کہ انہوں نے مسجد حرام کو ویران کرنے کی کوشش کی اور مجھے ایذا پہنچانے کا ارادہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے عذاب عظیم بطور مذمت فرمایا چونکہ وہ بڑے ظلم کی وجہ سے عذاب عظیم کے مستحق ہوئے اس میں دو مسئلے ہیں۔

مسئلہ اول:

قرآن پاک اور احادیث کے ذریعے مساجد کے فضائل اور عقیدت سے بھی بے شک مسجد کی تعظیم مسلمانوں پر واجب ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے بے شک حکم ہے جس شخص نے مسجد کو آباد کیا تو اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان لایا۔ لفظ اِنَّمَا اس آیت میں وارد ہے۔ اِنَّمَا کلمہ حصر کے لیے ہوتا ہے۔ اور ارشاد ہے اِنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَداً۔ اور یہ مسجدیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اس میں لام اختصاص کا ہے۔ مسجد کی نسبت اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی طرف بڑھائی ہے۔ فَلَا تَدْعُوْ مَعَ اللّٰهِ سے تاکید فرمائی کہ اس کے سوا اور کوئی ذکر نہ ہو۔ اور ارشاد ہے گھروں میں جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ بلند کیے جائیں اور اس کا نام ذکر کیا جائے صبح و شام اس کی تسبیح بیان کی جائے جس آیت کی ہم تفسیر کر رہے ہیں امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ ظاہر آیت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ مسجد کو ویران کرنے والا اعلیٰ درجے کا فاسق ہے اور مسجد کو آباد کرنے والا اعلیٰ درجے کا مومن ہے۔ احادیث حضرت امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ حضرت امیر المومنین سیدنا عثمانؓ ابن عفانؓ مسجد کو تعمیر کر رہے تھے لوگوں نے تعمیر کرنے سے منع کیا آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے حبیب ﷺ کو فرماتے سنا کہ جو شخص مسجد کو تعمیر کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسی صورت میں جنت میں اس کا گھر بنا دیتا ہے۔

امام باقرؒ فرماتے ہیں ایک اور حدیث بھی اسی ضمن میں ہے رسول کریم ﷺ نے فرمایا جس شخص نے مسجد کو تعمیر کرنے کا ارادہ کیا۔ اللہ تعالیٰ اس کا گھر جنت میں تعمیر کر دیتا ہے۔ امام باقرؒ فرماتے ہیں ابو ہریرہؓ سے روایت ہے رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ لوگوں کے لیے ان کے شہروں میں اچھی جگہ مسجد ہے اور ان کے شہروں میں بری جگہ لوگوں کے لیے ان کا بازار ہے اس حدیث سے ظاہر یہ ہوتا ہے کہ مسجد ذکر کی جگہ ہے اور مسجد میں اگر غافل بھی آجائے تو اس کو بھی سکون حاصل ہوجاتا ہے وہ غافل بھی ذکر الٰہی کرنے لگ جاتا ہے اور بازار خرید و فروخت کے لیے جگہ ہے اگر مسجد میں ذکر کرنے والا بھی بازار چلا جائے تو وہ بھی ذکر الٰہی سے غافل ہوجاتا ہے اس راز کی طرف اشارہ ہے کہ مسجد نہایت اعلیٰ درجے کی واجب التعظیم ہے مکان کی عظمت زیادہ ہوتی ہے مکانوں میں ذکر الٰہی ہوتے ہیں اور مسجد اللہ کے ذکر کے لیے مکان ہے لہٰذا تمام مکانات سے مسجد کی عظمت شرف واجب التعظیم ہوئی اور بازار بری اور ذلت کی جگہ ہے مسجد کی طرف چلنے کی فضیلت کے بیان میں۔

Marfat.com

حضرت امام باقرؒ فرماتے ہیں ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جس شخص نے گھر سے وضو کیا اور مسجد کی طرف اللہ تعالیٰ کے فریضے کو ادا کرنے کا ارادہ کیا کہ میں ایک فریضہ ادا کر آؤں تو ایک ایک قدم سے ایک گناہ دور ہوگا اور دوسرے قدم سے اس کا درجہ بلند ہوگا۔ امام باقرؒ کی تفسیر میں ہے حضرت ابو ہریرہؓ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو صبح کو مسجد میں گیا یا شام کو مسجد میں گیا ہر بار جانے کے بدلے اللہ تعالیٰ اس کا ایک مکان تعمیر فرما دیتا ہے۔ ابی ابن کعبؓ اور امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ ایک شخص ایسا تھا کہ اس کا گھر مسجد سے بہت دور تھا اور وہ روزانہ رسول کریم ﷺ کے پیچھے نماز ادا کرتا تھا اور نماز کو قضا نہیں ہونے دیتا تھا۔ لوگوں نے اس سے کہا کہ آپ ایک خچر لے لیں اس پر سوار ہو کر آیا کریں اس نے کہا نہیں واللہ میں یہ نہیں چاہتا کہ میرا گھر مسجد سے ملا ہوا اور لوگوں نے اس کا حال نبی کریم ﷺ سے بیان کیا آپ نے اس سے واقعہ پوچھا اس نے بیان کر دیا آپ ﷺ نے فرمایا تو سچا ہے جو تیرا ارادہ ہے وہ تجھ کو ملے گا۔ اس نے رسول کریم ﷺ سے یہ بھی عرض کیا کہ میں چاہتا ہوں کہ میرے قدموں کے نشان اسی طرح زمین پر پڑتے رہیں میں پیدل آتا جاتا رہوں رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو تو نے ثواب کے لیے کیا ہے وہ تجھے ملے گا حضرت امام باقر فرماتے ہیں کہ یہ آیت بھی اسی وقت نازل ہوئی حضرت امام باقرؒ فرماتے ہیں حضرت جابرؓ نے فرمایا کہ مسجد کے اردگرد سے مکانات کی جگہ خالی ہوگئی ہم نے چاہا کہ مسجد کے قریب سے اٹھ آئیں رسول کریم ﷺ کو جب یہ معلوم ہوا آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہم نے سنا ہے کہ تم مسجد کے قریب سے اٹھ جانا چاہتے ہو ہم نے کہا کہ ایسا ارادہ کیا ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم وہاں رہو اور تمہارے قدم لکھے جائیں گے۔ امام باقرؒ فرماتے ہیں اِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتٰى ۔ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری فرماتے ہیں رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص دور سے چل کر نماز پڑھنے کے لیے آتا ہے اس کا درجہ بلند ہوتا ہے جو شخص امام کا انتظار کرتا ہے اور اس کی نسبت اس کا درجہ اور زیادہ ہے جو شخص سو رہا ہے اس سے اس کا درجہ بہتر ہے عقبہ بن عامر فرماتے ہیں رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص وضو کر کے نماز کا ارادہ کر کے روانہ ہو تو فرشتے ہر قدم پر دس نیکیاں لکھتے ہیں۔ جو مسجد کی طرف روانگی کر کے آتا ہے جو مانند بیٹھے ہوئے کے ہو جس وقت وہ اپنے گھر سے نکلتا ہے تو گھر واپس آنے تک برابر نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ حضرت سعید بن معصبؓ فرماتے ہیں ایک انصاری کا انتقال ہونے لگا اس نے پوچھا گھر کون کون ہیں جواب ملا کہ تمہارے عزیز و اقارب بیٹھے ہیں اور کہا کہ باقی لوگ مسجد میں ہیں فرمایا کہ مجھے سہارا لگا کر بٹھاؤ ایک شخص نے ان کو سہارا لگا کر بٹھایا آنکھ کھولی اور ان سب کو سلام کہا اور کہا واللہ میں تمہیں وہ حدیث سناؤں جو آج تک کسی سے بیان نہیں کی جیسا کہ آنحضرت ﷺ سے لوگوں نے پوچھا کہ تمہاری طبیعت کیسی ہے صحابہ کرامؓ نے عرض کیا۔ الحمد للہ۔ آپ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے گھر سے خوشی سے وضو کیا مسجد کے لیے چلا تو ایک قدم کے بدلے میں ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے جب کہ وہ دوسرا قدم اٹھاتا ہے تو گناہ بخش دیئے جاتے ہیں پھر وہ مسجد جا کر مسلمانوں کے ساتھ باجماعت نماز ادا کرتا ہے جب واپس آتا ہے تو اس کے سب گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔

نمبر ۸۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص گھر سے مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے جاتا ہے تو جماعت ہو چکی ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اس کو بھی اسی کی مثل ثواب عطا فرماتا ہے۔

۹۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ آج میں وہ چیز تم کو بتلا دوں جس سے گناہ معاف اور درجات بلند کیے جاتے ہیں صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ فرمائیے۔ فرمایا کہ تکلیفوں کے وقت وضو کرنا مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے جانا اور جماعت کا انتظار کرنا یہ سب گناہ کو مٹا دیتا ہے یہی وہ رباط ہے یہی وہ رباط ہے۔

۱۰۔ ابو سلمٰی نے بن ابوداور و صالح سے یہ سنا انہوں نے فرمایا کہ تم جانتی ہو آل عمران کی آخری آیت کس کے حق میں نازل ہوئی۔ انہوں نے کہا اے میرے بھائی کے فرزند مجھے معلوم نہیں انہوں نے فرمایا میں نے ابو ہریرہؓ کو فرماتے ہوئے سنا کہ رسول خدا ﷺ کے زمانے میں کوئی جہاد نہیں تھا جس میں گھوڑے باندھے جاتے یہی وہ رباط تھا جن کی انتظار کی جاتی تھی۔

۱۱۔ حضرت امام باقر بریدہ سے بیان کرتے ہیں رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص رات کو مسجد میں اندھیرے میں جائے گا اللہ تعالیٰ اس پر نور کو قیامت کے دن تام کر دے گا امام باقرؒ فرماتے ہیں یہی وجہ تھی کہ صحابہ کرامؓ اندھیری راتوں کو مسجدوں میں جایا کرتے تھے۔

۱۲۔ حضرت امام اوزاعی امام باقر سے بیان کرتے ہیں کہ میرے نانا کے اصحاب ہم جن کے پیرو ہیں ہمارے پانچ طریقے ہیں لزوم جماعت، اتباع، آبادی، مسجد تلاوت کلام الٰہی اور جہاد فی سبیل اللہ۔

۱۳۔ امام باقرؒ فرماتے ہیں حضرت علیؓ و ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس نے حلال مال سے اللہ تعالیٰ کا گھر بنایا اس نے عبادت کی۔ قیامت کے دن

Marfat.com

اللہ تعالیٰ اس کا گھر جنت میں یاقوت اور مرجان سے بنائے گا۔

۱۴۔ حضرت ابوذر غفاریؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جس شخص نے اللہ کا گھر بنایا اس کا ثواب جانوروں کے قطار دھڑ کے برابر ہو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کا جنت میں بہترین گھر بنائے گا۔

۱۵۔ حضرت ابوسعید خدری فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ جس شخص کو تم مسجد کا عادی دیکھو اس کے ایمان کی گواہی دو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ۔

۱۶۔ امام باقرؒ فرماتے ہیں بعض اصحاب سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص مسجد میں اللہ تعالیٰ کی زیارت کرے کیونکہ مساجد اس کا گھر ہے اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ وہ ان کی عزت کرے۔

۱۷۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں زمین پر عذاب کرنے کا قصد فرماتا ہوں تو جب میں ان لوگوں کو دیکھتا ہوں جو میرے گھروں کو آباد رکھتے ہیں جو میری وجہ سے محبت کرتے ہیں جو لوگ صبح کے وقت استغفار کرتے ہیں ان وجوہ میں سے زمین پر عذاب نہیں کرتا ہوں۔

۱۸۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو کوئی آسمان سے بلا نازل ہوتی ہے جو لوگ مسجدوں کو آباد کر رہے ہوتے ہیں اس وجہ سے بلا ٹل جاتی ہے۔

۱۹۔ حضرت سلمان نے ایک مرتبہ حضرت ابوداؤد کو لکھا کہ بھائی تیرا گھر مسجد میں ہونا چاہیے کیونکہ مسجد متقی کے لیے مکان ہے ایسے متقیوں کو جو مسجد میں گھر بناتے ہیں اللہ تعالیٰ پل صراط سے اتار کر اس کے بھائیوں کی طرف پہنچائے گا اللہ تعالیٰ اس بات کا ضامن ہے۔

۲۰۔ حضرت سعید بن مسیّب حضرت عبداللہ بن سلام سے بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو لوگ مسجد کے لیے عطیات دیں فرشتے ان کے ساتھی ہیں جب وہ گم ہو جاتے ہیں تو فرشتے ان کو تلاش کرتے ہیں جب وہ بیمار ہوتے ہیں تو فرشتے ان کی عیادت کرتے ہیں جب ان کو حاجت پیش ہوتی ہے تو وہ ان کی حاجت کو پورا کرتے ہیں۔

۲۱۔ حضرت امام حسنؓ فرماتے ہیں کہ میرے نانا رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ ایک زمانہ آئے گا لوگ مسجدوں میں بیٹھ کر دنیاوی باتیں کریں گے تم ان کی باتوں کو مت سننا اور نہ ان کے پاس بیٹھنا۔

۲۲۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ منافقوں کی چند علامتیں ہیں۔ ان کا باہم ادب اور ان کا کھانا لعنت ہے۔ ان کا فریب یہ ہے کہ وہ مسجدوں کے پاس نہیں آتے۔ اگر کبھی کبھی وہ نماز کو آتے ہیں وہ آپس میں محبت نہیں رکھتے۔ نہ کسی کی تکلیف رفع کرتے ہیں رات دن شور وغل کرنا ان کا کام ہوتا ہے۔

۲۳۔ حضرت ابوخدری فرماتے ہیں اور ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن سات شخص اللہ کے سائے کے نیچے ہوں گے جس روز سایہ نہ ہوگا۔ ۱۔ ایک امام عادل ۲۔ وہ جو جوانی میں عبادت میں مصروف رہا ۳۔ وہ شخص جس کا دل مسجد میں لگا رہتا ہے جب وہ مسجد سے باہر آتا ہے اور مسجد میں فوراً لوٹنے کو جی کرتا ہے اور فوراً لوٹ جاتا ہے۔ ۴۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے محبت رکھے اور ان کا مرنا جینا اسی پر ہو۔ ۶۔ وہ جس کو حسین وجمیل عورت بلائے وہ کہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ کا ڈر ہے۔ ۷۔ وہ جو صدقہ دے دائیں ہاتھ سے اور بائیں ہاتھ کو خبر نہ ہو۔

۲۴۔ حضرت عقبہ بن عامر فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص گھر سے وضو کر کے مسجد کو روانہ ہوتا ہے ایک قدم رکھتا ہے تو اس کے ایک قدم کے بدلے میں دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔

۲۵۔ عبداللہ بن مبارک حکیم بن زریق سے وہ بن حکم سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ میں نے سعید بن مسیّب سے سنا میرے والد نے دریافت کیا کہ جنازے میں جانا افضل ہے یا مسجد میں بیٹھنا افضل ہے۔ انہوں نے کہا کہ جنازے میں جا کر صرف شرکت کرے گا لیکن بہتر یہ ہے کہ مسجد میں بیٹھ کر تسبیح کرے اس وجہ سے مسجد میں بیٹھنا افضل ہے۔ سعید بن مسیّب نے فرمایا کہ وہ مسجد میں بیٹھ کر استغفار بھی کرے اور جس شخص کا جنازہ ہو رہا ہے اس کے لیے بھی مسجد میں بیٹھ کر استغفار کرتا رہے تو اس کے حق میں بہتر ہوگا اور اس کو ثواب پہنچتا رہے سعید بن مسیّب نے کہا کہ مجھے بھی یاد رکھنا اور میرے لیے بھی استغفار کرنا۔

Marfat.com

مسئلہ سوئم:

مسجدوں کے آراستہ کرنے کے بیان میں۔

حضرت امام باقرؒ حضرت علی ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں نے حکم دیا ہے کہ مسجدوں کو بلند کرو۔ حضرت عمر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے معمار سے فرمایا کہ مسجد کو تعمیر کرتے وقت مکانوں کی طرز پر نہ بناؤ اور اس میں زردی اور سرخی نہ ہو حضرت ابوسعید خذری کہتے ہیں رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ قرآن پاک کے نقش نگار کو اور مسجد کی زینت کو فخریہ طور پر نہ بناؤ۔ ایسی مسجد میں کوئی فائدہ نہیں۔ حضرت عثمانؓ مسجد کو تعمیر کرا رہے تھے اس میں نقش ونگار والے تراشے ہوئی پتھر لگ رہے تھے اس کو اکھیڑ ڈالا۔ ابوداؤد فرماتے ہیں ہم حضرت انسؓ کے ساتھ جا رہے تھے صبح کے وقت راستے میں ایک مسجد آئی۔ آپؓ نے فرمایا اس میں نماز پڑھ لی جائے۔ لوگوں نے کہا کہ اگلی میں چل کر پڑھیں گے۔ آپؓ نے کہا وہ تعمیر ہو رہی ہے۔ آپؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول کریم ﷺ سے فرماتے سنا کہ لوگ مسجدیں فخریہ بنائیں گے۔ نماز کم ادا کریں گے۔ فرمایا پھر وہ لوگ بھی ویران ہو جائیں گے۔ جو مسجدوں کو ویران کریں گے۔

مسئلہ چہارم:

صحیحین میں ہے ابی قتادہ ابوسلمیٰ بیان کرتے ہیں رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی مسجد میں داخل ہو مناسب یہی ہے کہ بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نفل پڑھ لے۔ حضرت حسن بصریؒ اور امام شافعیؒ اور احمد بن حنبل اور بعض علماء کا یہ مذہب ہے کہ کچھ نہ پڑھے اور خاموش بیٹھا رہے۔ امام مالک اور ابوسفیان ثوری اصحاب الرائے کا یہی مذہب تھا۔

مسئلہ پنجم:

مسجد کے داخل ہونے کے بیان میں۔

حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراؓ فرماتی ہیں کہ میرے ابا جان رسول کریم ﷺ جب مسجد میں داخل ہوتے تو اپنے اوپر درود وسلام پڑھتے اور فرماتے رَبِّ اغْفِرْ ذُنُوْبِی اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ۔ جب مسجد سے باہر آتے تو اپنے اوپر درود وسلام پڑھتے اور کہتے رَبِّ اغْفِرْ ذُنُوْبِی اَبْوَابَ فَضْلِکَ۔

مسئلہ ششم:

مسجد میں نماز کے انتظار کے بیان میں۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو مسجد میں بیٹھ کر نماز کا انتظار کرتا ہے جہاں نماز پڑھی جاتی ہے تو فرشتے اس پر رحمت بھیجتے رہتے ہیں۔

حضرت عثمان بن مطعونؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھے خصی ہونے کی اجازت دے دیجئے۔ ارشاد ہوا جو خصی کرے یا خصی ہو وہ مجھ سے نہیں ہے خصی ہونا میری امت کے لیے حرام ہے پھر اس نے عرض کیا کہ مجھے سیاحت کی اجازت دے دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا میری امت کے لیے سیاحت جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ پھر عرض کیا کہ مجھے فقیری کی اجازت دے دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا میری امت کی فقیری مسجدوں میں ہے جو مسجد میں بیٹھ کر نماز کا انتظار کرتا رہتا ہے۔

مسئلہ ہفتم:

مسجدوں میں خرید وفروخت کے مکروہ ہونے کے بیان میں۔

عمر بن شعیب اپنے والد سے انہوں نے اپنے دادا سے انہوں نے رسول کریم ﷺ سے مسجد میں اشعار پڑھنے خرید وفروخت کرنے اور اس بات میں کہ قبل از جمعہ کی نماز کے لوگ حلقہ بنا کر بیٹھیں اور دنیا کی باتوں میں منع فرمایا ہے۔ جاننا چاہئے کہ ایک علما کی جماعت نے مسجد میں خرید وفروخت کو مکروہ فرمایا ہے۔ احمد بن حنبل اور اسحاق عطا ابن زیاد کا قول ہے کہ اگر کوئی مسجد میں خرید وفروخت کی نیت سے آئے تو اس کو یہ کہو کہ تو خرید وفروخت دنیا کے بازار میں کر یہ آخرت کا بازار ہے۔ سالم مولیٰ عبداللہ بن عمر بن خطاب

Marfat.com

نے مسجد سے الگ ایک چبوترہ بنوایا تھا کہ خرید وفروخت کرنا ہوتو اسی پر کرو اس مسئلے میں جاننا چاہئے کہ قبل از جمعہ اکٹھا ہو کر بیٹھنا مسجد میں لغویات کی باتیں کرنا یہ سب منع ہیں۔ہاں ذکر الٰہی میں اگر مشغول رہے تو بہتر ہے۔اور اسی طرح نماز اور خطبہ کے انتظار میں رہنا بہتر ہے۔اور نماز کے بعد کچھ لوگ جمع ہو کر بیٹھیں۔تو کچھ نقصان نہیں۔اور مسجد میں گمشدہ چیز کا تلاش کرنا لوگوں سے دریافت کرنا یہ منع ہے۔حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ لوگ اگر گمشدگی کے بارے میں مسجد میں آکر پوچھیں تو کہہ دو اللہ کرے وہ چیز گمشدہ تجھے نہ ملے۔ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ مسجد میں اگر کوئی گمشدہ چیز کا اعلان کرائے تو کہو کہ اللہ کرے۔تجھے کبھی نہ ملے۔اور کسی کو خرید وفروخت کرتا دیکھو تو کہو کہ اللہ تعالیٰ تیری تجارت میں نفع نہ دے۔حضرت ابوسلمان خطابی فرماتے ہیں کہ دنیا کے تمام امور اور معاملات کے لیے مسجدیں نہیں بنائی گئیں اور بعض لوگوں نے مسجد کے اندر سوال کرنے کو مکروہ کہا ہے۔کہا ہے کہ اس کو مسجد میں یعنی سائل کو صدقہ نہ دیا جائے۔بعض نے مسجد کے اندر حدود قائم کرنے کو منع کیا ہے۔اور نہ حکم اس میں کوئی وارد ہے۔مسجد کے اندر حدود قائم کرنے کا لازمی امر ہوا ایک حد قائم لازمی ہوئی تھی۔حضرت عمرؓ نے دو آدمیوں سے فرمایا کہ اس کو مسجد سے باہر حد لگاؤ ہاں البتہ یہ ہے کہ مسجد کے اندر فیصلہ کرنا قاضی کے لیے درست ہے جیسے نبی پاک ﷺ نے ایک مرد عورت کے لعان کا حکم فرمایا تھا۔اور حضرت عمر فاروقؓ نے حضور ﷺ کے منبر کے اندر سامنے لعان کرایا۔حضرت علیؓ سے مروی ہے حضرت معاذ بن جبل فرماتے ہیں کہ پانچ چیزوں سے مسجدیں پاک کی گئی ہیں۔ا۔حدود کا قائم کرنا یا محلول تحلیل کیا جائے یا ان میں اشعار پڑھے جائیں،دنیاوی ہوں دینی نہ ہوں یا ان میں سے گم شدہ چیز تلاش کی جائے۔یا اس کو بازار بنایا جائے بعض فقہا کہتے ہیں کہ مسجد میں قاضی فیصلہ کرے تو کوئی حرج نہیں شرعی اور یحییٰ بن عامر شعبی مسجدوں میں فیصلہ کرتے تھے۔اور حسن اور زرارہ کہتے ہیں مسجد سے باہر ایک چبوترے میں مقدمات کا فیصلہ کرتے تھے۔

مسئلہ ہشتم:

مسجد میں سونے کے بیان میں۔

صحیحین میں ہے حضرت عبادہ بن ثامتؓ فرماتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ مسجد میں سوتے تھے اپنی ٹانگ مبارک کو دوسری ٹانگ مبارک پر رکھ کر سوتے تھے حضرت امام باقرؒ فرماتے ہیں حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ اور میرے دادا علی بھی ایسا کرتے تھے یعنی مسجد میں سہارا لگا کر سونا اور جس طرح گھروں میں سونا ہوتا ہے اسی طرح مسجد میں سونا کوئی حرج نہیں ہے لیکن مسجد میں منہ کے بل سونا یہ ناجائز ہے۔نبی پاک ﷺ نے فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کو ناپسندیدہ امر ہے نافع سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ ایک مجرد نوجوان تھے ان کی بیوی نہیں تھی وہ مسجد میں سوتے تھے اور علماء کی ایک جماعت نے مسجد میں سونے کی اجازت دی ہے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ مسجد کو دن رات سونے کے لیے مت بناؤ۔

مسئلہ نہم:

اس بات کے بیان میں کہ مسجد کے اندر تھوکنا مکروہ ہے۔

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ مسجد میں تھوکنا گناہ ہے اور اس کا کفارہ یہ ہے کہ اس پر خاک ڈال دی جائے۔صحیحین میں ابوذر غفاریؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کے تمام اچھے اور برے اعمال پیش کئے گئے ہیں اچھوں میں یہ بھی پیش کیا گیا ہے کہ راستے سے تکلیف والی چیز کو ہٹانا اور بروں میں سے مسجد میں تھوکا جائے اور اس پر خاک نہ ڈالی جائے اور حدیث شریف میں ہے کہ امام باقر فرماتے ہیں کہ تھوکنے سے مسجد ایسی سکڑتی ہے جس طرح آگ میں چمڑا سکڑتا ہے۔بعض علماء نے یہ بیان کیا ہے کہ مسجد کی عظمت تعظیم کی مقتضی ہے اور تھوک کا ڈالنا تحقیر کا مقتضی ہے ان دونوں کے اندر نقصان ہے آنحضرت ﷺ نے سکڑنے کے ساتھ تعبیر فرمایا ہے جیسے چمڑا آگ میں سکڑتا ہے۔امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ مسجد کا سکڑنا یہ ہے کہ تھوک سے فرشتوں کا سکڑنا مراد ہے۔علماء نے بھی اس کو پسند کیا ہے۔صحیحین میں حمام بن شفیق سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حبیب اللہ ﷺ سے سنا۔اور حدیث ہم سے بیان کی فرمایا آنحضرت ﷺ نے جب کوئی تم میں سے نماز کو کھڑا ہو تو نہ وہ دائیں طرف کو اور نہ منہ کے آگے تھوکے۔کیونکہ داہنی طرف فرشتہ ہوتا ہے بلکہ بائیں طرف کو اور پیر کے نیچے کو تھوکے۔لیکن امام باقر نے فرمایا کہ وہ پیروں کے نیچے بھی رومال رکھے اور بائیں طرف کو رومال رکھے جب تک نماز سے فارغ نہ ہو اس وقت تک نہ تھوکے۔فرماتے ہیں بعض کہتے ہیں کہ تھوک کو دفن کر دے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ دفن کر دے۔حضرت امام باقرؒ نے فرمایا کہ میں نے صحابہؓ سے سنا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ مسجد میں بالکل نہ تھوکے کیونکہ اس سے مسجد کی تعظیم میں فرق آتا ہے حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے قبلہ کی طرف بلغم پڑا ہوا دیکھا آپ کو ناگوار گزرا۔آپ ﷺ نے اسے راستے سے ہٹا دیا جب تم میں سے کوئی شخص نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو اپنے

Marfat.com

پروردگار سے کلام کرتا ہے تم میں سے کوئی شخص اپنے سامنے کو نہ تھوکے بلکہ بائیں طرف سے یا قدم کی طرف تھوکے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ انہوں نے ایک گوشہ کو لے کر اس میں تھوکا اور اس کو مل دیا۔ فرمایا کہ اسی طرح کیا کرو۔ لیکن حضرت امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ یہ حرکت نماز کے اندر نہیں ہونی چاہئے میرے دادا حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نماز کے اندر نہ تھوکے۔ نماز پڑھتے وقت نہ تھوکے۔ جب تک نماز تمام نہ کرلے۔ لیکن بخاریؒ نے اس کی ماقبل والی روایت کو بیان کیا ہے۔ لیکن نماز کے اندر تھوکنا یہ الفاظ ضعیف ہیں۔

مسئلہ دہم:

لہسن یا پیاز کے کھانے کے بیان میں۔

صحیحین میں ہے کہ حضرت انسؓ اور ابن عمرؓ اور جابرؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص درخت بدبودار کو کھائے وہ ہماری مسجد کے پاس نہ آئے کہ جس چیز سے انسان کو اور فرشتوں کو بھی تکلیف پہنچتی ہے حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص لہسن یا پیاز کھائے وہ ہماری مسجد سے الگ ہو جائے۔ رسول کریم ﷺ کے پاس ہنڈیا میں پکی ہوئی ترکاری کو لایا گیا۔ اس میں بدبو تھی آپ ﷺ نے دریافت کیا جو ترکاری اس میں پڑی تھی۔ بعض نے بیان کیا آپ ﷺ نے حاضرین کی طرف اشارہ فرمادیا کہا کہ وہاں رکھ دوان سے فرمایا کھالو میں اس شخص سے کلام نہیں کرتا ہوں جس سے تم کلام نہیں کرتے۔

مسئلہ گیارہواں:

گھروں میں مسجد بنانے کا طریقہ۔

ہشام بن عروہ نے اپنے باپ سے وہ حضرت عائشہؓ سے بیان کرتے ہیں وہ فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ گھروں میں مسجد بنائی جائے اور اس کو پاک اور صاف رکھا جائے۔ حضرت انسؓ بن مالک فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ بمعہ اصحاب کرام مسجد میں جلوہ فرما تھے اور ایک اعرابی آیا وہ مسجد میں پیشاب کرنے لگ گیا صحابہؓ نے کہا کہ مسجد میں تو کیا کر رہا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اسے مت روکو۔ جب وہ فارغ ہوا آپ ﷺ نے فرمایا کہ مسجدیں پیشاب اور پاخانہ سے پاک ہوتی ہیں اس میں پیشاب اور پاخانہ نہیں کرتے۔ آنحضرت ﷺ نے پانی کا ایک ڈول منگایا اسے اپنے دست مبارک سے دھویا۔

مسئلہ بارھواں:

فقہائے کے اندر اختلاف ہے کہ کافر کا مسجد میں داخل ہونا درست ہے یا نہیں؟ امام اعظم صاحب نے اسکو مطلقاً جائز فرمایا ہے اور امام مالک نے مطلقاً تجویز نہیں کیا۔ اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ حرم کے اندر اور مسجد الحرام میں اس کا داخل ہونا روا نہیں اور امام شافعی بچند ان وجوہ استدلال فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مشرکین نجس ہیں اور وہ مسجد حرام کے قریب نہ آئیں اس سال کے بعد امام شافعی فرماتے ہیں کہ کبھی مسجد الحرام سے حرم معنی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ پاک ہے وہ ذات جو راتوں رات لے گیا اپنے عبد مقدس ﷺ کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک آنحضرت ﷺ خدیجہؓ کے گھر سے تشریف لے گئے تھے۔ اس لفظ سے مسجد حرام یا حرم مراد ہے یا تمام حرم مقصود حاصل ہے اس مسئلے میں اختلاف دونوں صورتوں میں ہے اگر کوئی اعتراض کرے کہ مطلقاً کافر کے لیے ممانعت نہیں فرمائی گئی۔ بلکہ حج کے لیے ممانعت فرمائی گئی ہے اس واسطے کہ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا۔ فرمایا گیا ہے کہ حج سال میں ایک مرتبہ ہوتا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ یہ خیال ضعیف ہے۔

بچند وجوہ:

اس میں بلاسبب کے ظاہر کا ترک کرنا ہے۔ نمبر۲۔ اصول فقہ میں ثابت ہے کہ ایک وصف پر حکم کو مرتب کیا جاتا ہے اور اس بات کی دلیل ہے کہ وہ وصف اس حکم کی علت ہو پس اس میں مانع یعنی بیت الحرام سے مشرکین کی نجاست ہے اس کا مقتضی یہ ہے کہ جب تک ان کے شرک کے معنی رہیں ہمیشہ ان کے لیے مسجد الحرام میں داخل ہونے کی ممانعت ہو۔ اگر اس سے حج مقصود ہوتا تو اللہ تعالیٰ ذکر نہ فرمایا بلکہ اس چیز کا ذکر نہ فرماتا جس میں حج کا بڑا رکن ادا ہوتا ہے۔ اس بات کا ثبوت کہ فقط حج مراد نہیں بلکہ حرم میں داخل ہونا مراد ہے اس آیت سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً۔ یعنی اس میں تجارت کے لیے داخل ہونا مراد ہے۔ نمبر۲۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان لوگوں کو مناسب نہیں کہ

Marfat.com

وہ ان (مساجد) میں داخل ہوں مگر ڈرتے ہوئے یعنی ان کو مسجد میں داخل ہونے کا حق نہیں ہے اس کا مقتضی بھی یہی ہے کہ کفار کو مسجد میں داخل ہونا منع کیا جائے۔ جب وہ مسجد میں آئیں تو ان کو نکالنے کا حکم ہوا ہے یہ صورت مستثنیٰ ہے۔ اگر کوئی اعتراض کرے یہ آیت ان لوگوں کے لیے مخصوص ہے جن لوگوں نے بیت المقدس کو ویران کیا جنہوں نے رسول کریم ﷺ کو عبادت کرنے سے روکا نیز مَا كَانَ اَنْ يَّدْخُلُوْهَا اِلَّا خَآئِفِيْنَ ۔ سے مسجد سے نکالے جانے کا خوف مراد نہیں بلکہ آخرت کا خوف مراد ہے تو ہم پہلے کہتے ہیں۔

پہلی بات کا جواب یہ ہے وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ ۔ بظاہر عموم کے لیے ہے پس بعض صورتوں میں تخصیص کے لیے ظاہر کے خلاف ہے دوسری بات کا جواب یہ ہے مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَا اِلَّا خَآئِفِيْنَ ۔ کا ظاہر یہ ہے کہ خوف داخل ہونے کی وجہ سے پیدا ہوا اور تمہارے قول کی وجہ سے خوف پیدا نہ ہوگا۔ بلکہ دوسری چیز سے پیدا ہوگا۔ پس ان کا کلام لغو کے ساقط ہوا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ مشرک مسجدوں کو ویران کرتے ہیں اور اپنے کفر پر گواہ رہتے ہیں اور مشرکوں کو مناسب نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مسجدوں کو آباد کریں اس حال میں کہ وہ اپنے شاہد ہیں مسجد کی آبادی دو طرح ہوتی ہے مسجد کو بنانے اور اس میں نماز پڑھنے اور اس کا انتظام کرنے سے نبی پاک ﷺ نے فرمایا جو شخص مسجد میں رہنے کا عادی ہو اس کے ایمان کی گواہی دو اللہ تعالیٰ فرمایا ہے اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ آنحضرت ﷺ نے کسی شخص کے مسجد میں حاضر ہونے کو اس کی عمارت فرمایا ہے حرم کی تعظیم واجب ہے۔ آنحضرت ﷺ نے دعا کی ہے۔ اے اللہ مسجد حرام کی عظمت کو اور شرافت کو بلند فرما اور زیادہ فرما پس اس چیز سے محفوظ رکھنا واجب ہے جس میں اس کی تحقیر پائی جائے اور کافروں کو حرم میں داخل ہونے کی اجازت دی جائے تو آ کر اس میں نفرت پھیلائیں گے اور نجاست کریں گے اور اس کی تحقیر کریں اس کا سخت اندیشہ ہے۔ اس واسطے کہ وہ کفر کے سبب اس کی بے حرمتی کریں۔ ۵۔ اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کو پاک کرنے کا حکم دیا ہے۔ فرمایا اس کو پاک کرو اور اس میں طواف کرو اس واسطے کہ شرک نجاست ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مشرک نجس ہیں بیت اللہ کو پاک کرنا واجب ہے اور کفار کو دور کرنا بھی واجب ہے۔ ۶۔ اس بات میں آئمہ کا اتفاق ہے کہ اجنبی کو مسجد میں آنے سے منع کیا جائے پس کافر کو بطریق اولیٰ منع کرنا چاہیے امام باقر کی بھی یہی دلیل ہے لیکن امام مالک کے مذہب میں یہ ہے کہ وہ کافروں کے لیے یہ کہتے ہیں کہ سب مسجدوں میں داخل نہ ہوں اور امام صاحب نے بچند ان وجوہ استدلال کیا ہے۔ آنحضرت ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ کے پاس یثرب کے لوگ آئے تھے اور آپ ﷺ نے ان کو مسجد میں بٹھایا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جو شخص ابوسفیان ؓ کے گھر داخل ہو جائے یا کعبۃ اللہ میں چلا جائے تو وہ امن میں ہوگا۔ اور اس کا مقتضی بھی یہی ہے کہ کافر کو کعبۃ اللہ میں جانا روا ہے۔ اسی طرح کافر کا تمام مساجد میں داخل ہونا جائز ہے۔ جس طرح مسلمانوں کو مسجد حرام میں داخل ہونا جائز ہے ان دونوں حدیثوں کا جواب یہ ہے کہ یہ حکم ابتداء اسلام میں تھا۔ اس کے بعد دوسرا حکم اس کے قائم مقام ہوا۔ قیاس یہ چاہتا ہے کہ مسجد الحرام کا درجہ تمام مساجد سے افضل ہے پس یہ ظاہر فرق ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۔ (۱۱۵)

ترجمہ: اور اللہ کے لیے مشرق اور مغرب ہیں جدھر تم منہ کرو ادھر اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے بے شک اللہ تعالیٰ فراخی والا ہے پورے علم والا ہے۔

جاننا چاہیے کہ اس میں چند مسائل ہیں اس آیت کے شان نزول میں اختلاف ہے بعض نے کہا ہے کہ یہ آیت نماز کے متعلق نازل ہوئی ہے اور بعض نے کہا ہے کہ نماز کے علاوہ پہلا قول زیادہ ترقوی ہے۔ نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس کا بھی یہی ارشاد ہے کہ یہ آیت نماز کے حق میں میری امت کے لیے نازل ہوئی ہے فرمایا فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ ۔ اس کی تفسیر ہے تابعین اور صحابہ ؓ بھی اسی پر عمل فرماتے ہیں ان کا قول ہمارے لیے حجت ہے۔ ورنہ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ ۔ کے معنی اور کچھ نہ ہوں گے۔ جب کہ ثابت ہو گیا تو اس قول کے قائلین نے بوجوہ اختلاف کیا ہے۔ اس میں بیت المقدس کی طرف سے منہ پھیر کر مومنین کو کعبہ کی طرف منہ کرنا مراد ہے۔ کیونکہ مشرق مغرب اور جہت اطراف سارا عالم اللہ تعالیٰ کا ہی ملک ہے۔ اور اس کی مخلوق ہیں پس جس طرف کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا وہی قبلہ ہے اور قبلہ خود نہیں بنا بلکہ قبلہ کو بندوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے خود مقرر فرمایا ہے جو کعبۃ اللہ تعالیٰ نے بندوں کا قبلہ مقرر کیا ہے اس پر اعتراض مت کرو وہ مالک ہے جو قبلہ تمہارے لیے پسند کرتا ہے اسی پر عمل کرو کیونکہ اس کا علم وسیع ہے وہ بندوں کی مصلحت کو بخوبی جانتا ہے اس نے اس قبلہ کو منسوخ فرما کر کعبۃ اللہ کو منتخب فرمایا۔ یہ قبلہ بطور تمہید اور مقدمہ کے تھا جب یہودیوں نے اعتراض کیا تو ابن عباس ؓ فرماتے ہیں یہ آیت اس وقت نازل ہوئی اور اس کی نظیر یہ آیت ہے۔ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۔ ابو مسلم یہ کہتے ہیں کہ نصاریٰ اور یہود کہتے تھے کہ جنت میں ہمارے سوا کوئی نہ جائے گا۔ جیسے یہودیوں نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو آسمان کی طرف اٹھا لیا ہے۔ اور نصرانی مشرق کو قبلہ مانتے ہیں وہ یہ کہتے تھے کہ عیسیٰ یہاں پیدا ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے

Marfat.com

فرمایا۔ واذکر فی الکتاب المریم۔ دیکھیے اس آیت میں مکاناً شرقیاً استعمال ہوا ہے ہر ہر گروہ نے اپنے اپنے معبود بنالیے اور اللہ تعالیٰ کو نصرانی اور یہودی مکان میں حلول مانتے ہیں کہ وہ اپنی مخلوق میں حلول ہے پھر ان کا دعویٰ باطل ہے کہ جنت میں ہم جائیں گے جب کہ وہ خالق اور مخلوق کے درمیان امتیاز نہیں سمجھتے تھے۔ بعض کا یہ قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قبلہ بیت المقدس کو نسخ فرما کر یہ عزت بخشی کہ جدھر کو چاہو منہ کر کے نماز پڑھ لیا کرو۔ تو نبی کریم ﷺ بھی اپنی مرضی کے مطابق بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے۔ اور بعد میں اللہ تعالیٰ نے اس کو منسوخ کر کے کعبۃ اللہ کو معین فرمایا۔ ابی قتادہ اور سدی یہ کہتے ہیں کہ جس کو کعبہ نظر آتا ہو وہ جس طرف سے چاہے ادھر ہی اور اس اطراف سے منہ کر کے نماز پڑھ لے۔ عبداللہ بن ربیعہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے تاریکی کا وقت تھا رات کو کعبہ کا پتہ نہ چل سکا ہم نے اپنے اپنے اندازے کے مطابق کہا کعبہ اس طرف ہوگا۔ پتھر رکھ کر نماز پڑھ لی جب صبح ہوئی تو دیکھا تو پتھروں کے اندازے غلط تھے۔ تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ بیت اللہ کی طرف نماز پڑھنے کا حکم نازل ہو چکا تھا۔ اور قتال کا حکم بعد از ہجرت ہوا۔

اس آیت سے پہلے قبلہ کا نسخ ہو چکا تھا یہ آیت مسافر کے حق میں ہے یعنی مسافر کو سفر کے وقت دقت پیدا نہ ہو جیسا کہ حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ ہجرت کے وقت جب آپ ﷺ سواری پر تھے تو مدینہ کی طرف رخ کر کے نوافل پڑھتے رہے سواری جدھر کو جاتی تھی اسی طرف آپ ﷺ اپنے سر مبارک سے سجدہ فرماتے تھے۔ فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ۔ کے یہی معنی ہوئے کہ حالت سفر میں جدھر کو چاہو اسی طرف رخ کر کے نوافل ادا کر لو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے گنجائش رکھی ہے کیونکہ اس کا فضل اور غنا اور اس کا علم وسیع ہے یہ آیات نہ ہوتیں تو نقصان لازم آتا یعنی قبلہ کی طرف کرنا پڑتا نوافل کی حالت میں سفر کو چھوڑنا پڑتا مسافروں سے پیچھے رہ جاتا سفر میں دقت پیدا ہوتی اس نے یہ فضل فرما دیا اس میں کوئی قید نہیں کہ اس قبلہ پر کوئی قید لگائی جائے اگر کوئی سوال کرے کہ ان تمام اقوال میں سے کون سا قول زیادہ صحیح ہے فاینما تولوا۔ سے مصلی کو اختیار ہے کہ نوافل کے وقت ان دو صورتوں میں یعنی رات کے وقت تاریکی ہو تو نبی کریم ﷺ نے حکم دیا کہ نوافل میں مصلی کو اختیار ہے پھر فرمایا کہ یہ بوجہ قبلہ بیت المقدس کی تحویل پر نہیں بلکہ یہ کعبۃ اللہ کی عظمت پر ہے جن لوگوں نے یہ کہا تھا کہ یہ مصلی کو بوجہ بیت المقدس کی فضیلت کی صحیح رعایت حاصل ہے۔ تو ان کا یہ قول اس حدیث کی رو سے ضعیف ہو گیا نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا جس طرح یہودیوں کو ہمارے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے پر کلام تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمادیا ہے کہ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنا بھی درست تھا اس حدیث کو حضرت امام حسنؓ اور امام باقر نے بیان کیا ہے تو حضور ﷺ نے یہ حدیث صحابہ کے مجمع میں ارشاد فرمائی اس حدیث میں کافی معترضین کے اعتراضوں کا جواب بھی ہو گیا۔

حضرت امام باقر حضرت علیؓ کے مجموعہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان دونوں صورتوں میں سے جدھر کو تم منہ کر کے نماز پڑھو میری ذات موجود ہے۔ اور میرے سامنے اس عالم کی حیثیت رائی کے دانے سے بھی کم ہے۔ فرمایا یہ سارا عالم یوں ہے جیسے کوئی شخص اپنی مٹھی میں رائی کے دانے کو لے کر مٹھی کو بند کر دے۔ آپ ﷺ نے یہ آیت بھی پڑھی مَطْوِیّٰتٌ بِیَمِیْنِہٖ۔ فرمایا یہ سارا عالم اللہ تعالیٰ کی مٹھی میں یوں ہے جیسے کوئی شخص مٹھی میں چیونٹی کو لے لے۔ اس کو کیا وزن محسوس ہوگا فرمایا وہ موجود ہے۔ اور یوں ہی سمجھو کہ جب کوئی چیونٹی مٹھی میں لے لے تو اس کا وزن کچھ نہ ہوگا۔ اس حدیث کو بیان کیا ہے۔ اور امام باقر فرماتے ہیں یہ حدیث بھی نص ہے مطابق قرآن صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ مجھ سے پہلے جتنے مفسرین محدثین ہوئے ہیں اس حدیث کو بیان کرتے چلے آئے ہیں انہوں نے یہی فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے لفظ موجود کا اطلاق ہے حاضر ناظر کا لفظ اطلاق کیا جائے تو حدیث کے سراسر خلاف ہوگا اور کفر لازم آئے گا۔ جب کہ سارا عالم اللہ تعالیٰ کی مٹھی میں چیونٹی کی مانند ہے تو پھر حاضر ناظر کا وزن یا اس کا غیب ہونا یا اس کا حاضر ہونا یہ کس وزن پر ہو گا زمین و آسمان تو اس کی امانت کو نہیں اٹھا سکتے اس کو کیسے اٹھا سکتے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس سارے عالم کے وزن کو اپنی مٹھی میں لیا ہوا ہے۔

حدیث:

امام باقر فرماتے ہیں اور صحابہ کرامؓ کے مجمع میں رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں سارے عالم کا موجد ہوں اور عالم میری ایجاد ہے اور یہ میری مٹھی میں ہے جیسے کوئی چیونٹی کو اپنی مٹھی میں لے لے پھر اس کو مسل ڈالے تو چیونٹی کے مسل جانے کی خبر تک نہ لگے گی۔ فرمایا میں وہ ذات ہوں کہ سارا عالم میری ایجاد ہے اور اس کی وقعت میرے سامنے ایسے ہے جیسے چیونٹی کی وقعت ہتھیلی پر کچھ نہیں ہوتی۔ فرمایا میں وہ ذات ہوں جو موجود ہوں سارا عالم چیونٹی کی مانند میری ہتھیلی پر ہے۔ یہ دونوں حدیثیں

Marfat.com

صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ اس امر کی مقتضی ہیں ان کا ظاہر بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ سارے عالم کا موجد ہے اور سارا عالم اس کی ہتھیلی پر ہے اور عالم اس کا وزن کیسے اٹھا سکے پس اس سے ظاہر ہوا کہ اس کا حاضر ناظر پر اطلاق کرنا کفر ہے۔ محدثین، مفسرین، فقہاء، مناطقہ اور فلاسفر نے اللہ تعالیٰ کے لیے حاضر ناظر استعمال نہیں کیا کیونکہ یہ ممکنات میں سے ہے وہ ذات ازلی ہے بلکہ لفظ ازلی ہمارے ادراک کے لیے ہے وہ اس سے بھی وراء الورا ہے۔ بس مسئلہ اسی امر پر ہے کہ حاضر جو چیز ہوتی ہے وہ غائب بھی ہوسکتی ہے کیونکہ حاضر اور ناظر اور غیب کا اطلاق زمین اور آسمان پر ہوسکتا ہے کیونکہ پوشیدہ بھی ہوسکتا ہے اور حاضر بھی۔ لیکن یہ سارا عالم اللہ تعالیٰ کی مٹھی میں ہے تو بس وہ موجود ہے یعنی جو چیزیں حاضر اور غیب ہوتی ہیں یا وہ آسمان پر ہوسکتی ہیں یا زمین پر یہ دونوں چیزیں تو اللہ تعالیٰ کی مٹھی میں ہیں۔ اگر ہم اللہ تعالیٰ کو حاضر ناظر مان لیں تو ہمارے جد امجد میراں جیو فرماتے ہیں ہمارے جد امجد اعلیٰ صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ پر حاضر ناظر کا اطلاق مان لیا جائے تو ماننا پڑے گا کہ وہ زمین پر قائم اور مقید ہے تو یہ اس کی شان کے خلاف ہے پھر اس کے لیے اور کوئی موجد ماننا پڑے گا یا تسلسل لازم آئے گا۔ جو محال ہے معلوم ہوا کہ زمین و آسمان اس ذات کی ایجاد ہے وہ زمین و آسمان کا موجد ہے تو موجد کو ایجاد کا احتیاج لازم آتا ہے۔ معلوم ہوا کہ وہ موجد ہے کہ زمین و آسمان اس کی ہتھیلی پر ہیں امام باقر فرماتے ہیں حدیث میں ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ زمین و آسمان اس کے قبضے میں ہیں قیامت کے دن وہ اپنی مٹھی میں لے لے گا فرمایا اللہ تعالیٰ مجھے فرماتا ہے کہ میں وہ ذات ہوں کہ میرا کوئی احاطہ نہیں ہے۔ زمین و آسمان سارا عالم قیامت کے دن میری مٹھی میں ہوگا۔ جیسا کہ زمین و آسمان سارا عالم ہر وقت میری مٹھی میں ہے قرآن پاک میں بھی اسکی نظیر ملتی ہے نبی کریم ﷺ نے یہ آیت پڑھی وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ وَالْاَرْضُ الٰی آخرہ۔ فرمایا کہ یہ میرا فرمان قرآن پاک کے مطابق نص ہے اس آیت کی تفسیر میں، عرض کرتا ہوں جو لوگ اللہ تعالیٰ کو حاضر ناظر پر رٹ لگاتے ہیں یہ کفر ہے بلکہ وہ اللہ کو زمین و آسمان میں حلول مانتے ہیں حالانکہ یہ سارا عالم اسکی مٹھی میں ہے پھر یہ زمین و آسمان اس کے وزن کو کیسے اٹھا سکیں یہ ان کے لیے محال ہے حالانکہ اس کی کرسی ہمارے عالم سے وسیع ہے جب عالم اس کی کرسی کا وزن نہیں اٹھا سکتا تو ذات کا وزن کیسے اٹھا سکیں گے۔ حالانکہ وہ خالق ہے یہ مخلوق ہیں یہ نصرانیوں کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ زمین میں حلول ہے۔ یہ بالکل باطل عقیدہ ہے خالق مخلوق کے مابین کوئی امتیاز نہیں رہتا بس وہ موجد ہے اور سارا عالم اس کی مخلوق ہے وہ موجود ہے جب کہ یہ دونوں چیزیں یعنی زمین و آسمان فنا ہونے والی چیزیں ہیں اگر اس ذات کو زمین و آسمان پر قائم بمعنی حاضر ناظر مانا جائے۔ جب یہ زمین و آسمان فنا ہو جائیں تو پھر وہ کہاں ٹھہرے گا۔ اگر تم حاضر ناظر اس ذات کو مانتے ہو تو یہ تمام دلائل اس پر اطلاق کریں گے یہ باطل ہے بس اس کی ذات کے بارے میں یہی عقیدہ رکھنا چاہیے کہ وہ موجود ہے سارا عالم اس کے قبضے میں ہے اور وہ ایسی ذات ہے جس کا کوئی احاطہ نہیں۔

اگر کوئی اس پر یہ اعتراض کرے کہ اللہ تعالیٰ کا جو یہ ارشاد ہے کہ ہم انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ تو پھر قریب بمعنی حاضر ناظر کے ہوا۔

جواب: پہلے جیسا کہ حاضر ناظر کے متعلق کہہ چکا ہوں کہ وہ ممکن ہے اور حاضر ناظر کا اطلاق جسم بالہیت پر ہوتا ہے اور ذات باری تعالیٰ کا وجود ہئیت سے پاک ہے جیسا کہ وہ ارشاد فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو اپنے علم سے احاطہ کیے ہوئے ہے۔ یہاں بھی وہی مراد ہے کہ اس کا قرب بمعنی علم کے ہے جب اس آیت کی باری آئے گی اس پر خوب بحث ہو گی۔

اب بات ہو رہی تھی قبلہ کی تو ان آیتوں میں یہی ظاہر ہے کہ جس طرف اس کا حکم ہے اسی جانب مصلی کو نماز پڑھنی پڑے گی۔ اللہ تعالیٰ کی ذات موجود ہے وہ ذات فرماتی ہے کہ اسی طریق کو آیت پر محمول کرنا بدرجہ اولیٰ ہے اس واسطے یہ حکم ہر مصلی کے لیے عام ہوگا۔ اگر پہلی صورت پر محمول کیا جائے تو عام نہ ہوگا اس واسطے کہ اس سے نماز نفل مراد ہوگی اور سفر میں حالت مخصوصہ مراد ہوگی نہ حضر میں جب کہ لفظ عام کا ہو اپنے عموم پر جاری کرنا ممکن ہے۔ وہ تخصیص سے بہتر ہے اس میں ایک ضروری بات ہے اس پر بھی قید لگائی جائے یعنی کہا جائے اَیْنَ مَا تُوَلُّوْا ۔ کو اس جہت کے ساتھ مامور کیا جائے مگر یہ ناممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ تم کو یہ اجازت فرمائے کہ جس طرف تمہارا میلان ہو۔ اپنی طبیعت کو موافق منہ کر لیا کرو۔ بلکہ یہ سمجھو کہ ادھر اللہ تعالیٰ کی ذات موجود ہے۔ لیکن قبلہ کی طرف منہ کرنا لازم ہے۔ جب کہ اختیار کا طریقہ زائل ہو گیا جیسے کوئی اپنی لڑکی کو یہ کہے کہ میں تمہیں ان امور میں اختیار دیتا ہوں تو یہ کام کر اور ان امور کو تصرف میں لا تو یہ اختیار اس کے لیے مطلق ہوگا۔ وہاں بھی یہی عقیدہ مقید ہے۔ جن لوگوں کا یہ قول ہے کہ یہ صرف اللہ تعالیٰ نے ان کو تنبیہ کی ہے۔ کہ تم جدھر کو بھی نماز پڑھو گے میں وہیں ہوں اور مجھ سے تم کہیں نہیں جا سکتے۔ یہ سارا عالم میری مخلوق ہے۔ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ۔ کی یہی تفسیر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے گروہ جن و انس زمین و آسمان اور اس کے اطراف سے تو نکل جاؤ۔ تو نکل جاؤ غلبہ کے سوا تم نہیں نکل سکتے نیز ارشاد ہے ہر چیز

Marfat.com

سے اس کی رحمت اور اس کا علم وسیع ہے۔ فرماتا ہے جہاں تم ہو میں وہاں ہوں تمہارے ساتھ ہوں مَا يَكُونُ مِنْ نَجْوىٰ الیٰ آخره۔ اس کا احاطہ اس کے علوم اور اس کی رحمت ہر چیز سے وسیع اور عام ہے حضرت ابی قتادہؓ فرماتے ہیں کہ تمہارا بھائی نجاشی مر گیا۔ اس کا نماز جنازہ پڑھو۔ ہم ایسے شخص کی نماز جنازہ پڑھیں جو مسلمان نہیں تھا اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی بے شک جو اہل کتاب سے ایمان لائے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس پر جو تم پر نازل کی گئی ہے۔ اور جو ان پر نازل کی گئی ہے۔ حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ سے خوف کرتے ہیں وہ ثَمَناً قَلِيلاً۔ سے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو نہیں بیچتے ایسے لوگوں کے لیے ان کے رب کے ہاں اجر ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ جلدی حساب لینے والا ہے۔ لوگوں نے کہا یہ غیر قبلہ کی سمت نماز پڑھتا تھا تب یہ آیت نازل ہوئی اور اس سے ثابت ہو گیا کہ مشرق اور مغرب اور ان کے اطراف میں تمام جہتوں میں سے کوئی جہت بھی ہو وہ سب میرا ملک ہے۔ جدھر کو منہ کر کے پڑھے گا میں اس کو ثواب دوں گا۔ پس نجاشی اور اس کے ہم راہیوں کے لیے جو غیر قبلہ کی سمت نماز پڑھ کر مر گئے ان کی نظیر اس آیت میں ملتی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ ان کے ایمانوں کو ضائع نہیں کرتا حضرت امام حسنؓ اور مجاہدؒ اور ضحاک فرماتے ہیں کہ لوگوں نے کہا کہ ہم اپنے پروردگار کو کیسے پکاریں تب یہ آیت نازل ہوئی اس میں مسلمانوں کو خطاب ہے کہ جنہوں نے مسجد کو ویران کر دیا مسجد کا ویران ہونا تمہارے لیے ذکر الٰہی میں مانع نہ تھا تم جس سرزمین پر ہو خواہ مشرق کی طرف خواہ مغرب کی طرف ہو مجھے وہاں پاؤ گے۔ نبی پاک ﷺ نے فرمایا آیت کا حکم عام ہے لیکن اس کا قبلہ کعبۃ اللہ کے لیے ہے بعض علماء کا یہ خیال ہے کہ یہ مجتہدین کے لیے نازل ہوئی ہے خواہ ان کا اجتہاد نماز میں ہو یا کسی اور امور میں یا وہ اپنا اجتہاد کو تجویز کرے جہاں تک انسان کا اجتہاد پہنچے امام باقر حضرت علیؓ کے مجموعہ سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت محمد ﷺ فرماتے ہیں کہ یہودیوں نے ہمارے قبلہ پر اعتراض کیا ہے اور کہا کہ بیت المقدس ہمارا قبلہ ہے اور اللہ تعالیٰ اس میں حلول ہے یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کو مقید مانا تب یہ آیت نازل ہوئی مشرق مغرب اس کا اطراف سب اللہ کا ملک ہے۔ وہ مقید نہیں وہ موجود ہے۔ یہ سب ملک اسی کا ہے۔ نبی پاک ﷺ نے اس آیت کی تفسیر بیان فرمائی یہ حدیث متواتر ہے اور آیت کے نزول میں یہ حدیث کافی ہے اور اسی حدیث میں یہ بھی فرمایا کہ اس آیت کی تفسیر دیگر آیات کے ساتھ ہے۔ امام باقرؒ نے فرمایا کہ یہ آیت اسی کے قائمقام ہے اور کوئی آیت نازل نہیں ہوئی۔ وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ۔ کے اندر لام اختصاص کا ہے نبی کریم ﷺ نے یہ فرمایا کہ وہ ذات موجود ہے سب مشرق و مغرب اور تمام اسی کا ملک اور اسی کی ملکیت ہے اور اسی ذات میں قائم ہے یہ سارا عالم ایسے ہے جیسے ہتھیلی پر چیونٹی۔ اس آیت کی تلاوت کی بِرَبِّ الْمَشَارِقِ وَالْمَغَارِبِ۔ یعنی رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَالْمَغْرِبَيْنِ رَبُّ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ۔ یعنی جو کچھ مشرق اور مغرب کے درمیان ہے۔ اور سب اسی کا ہے اس کی نظیر اس آیت سے ہے ثُمَّ اسْتَوىٰ اِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ الیٰ آخره۔ یہ آیت تجسیم بالہیت کی نفی اور تنزیہ کے اثبات کے لیے نہایت قوی دلیل ہے۔ اور اس کا بیان بدوجہ کیا جاتا ہے وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ۔ یعنی یہ اسی کا ملک ہے حاجت بھی ایک ایسا امر ہے طول و عرض میں معتمد ہے معتمد بھی ایسا جو منقسم ہو ہر منقسم مرکب ہوتا ہے ہر مرکب کے لیے خالق اور موجد کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ دلیل تمام جہات کیلیے عام ہے یعنی فوق اور تحت اس میں سب موجود ہیں پس معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ تمام جہات کا خالق ہے اور تمام خالق جہات سے مقدم ہوا کرتا ہے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ تمام عالم خلق کے جہات احیاز سے منزہ اور پاک ہے بلکہ وہ سب عالم کا موجد ہے پس ضرور ہوا کہ بعد عالم خلق کے لیے بھی پاک ہو۔ انقلاب ماہیت کو محال ہے۔

جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ میرے دادا حضرت علیؓ نے اپنے مجموعہ میں لکھا ہے کہ ہم سب صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ یعنی اس سے یہ ہوتا ہے کہ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللهِ۔ یعنی تم جہاں کہیں بھی پھر ادھر اللہ تعالیٰ کا منہ ہے کیا اللہ تعالیٰ کے لیے منہ کا اطلاق ہو سکتا ہے آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ جسم بالہیت سے پاک ہے اگر اس کا جسم بالہیت ہوتا تو اس کے لیے اطراف معین ہوتیں لہٰذا پھر فَاَيْنَمَا تُوَلُّوا۔ کے کوئی معنی نہ ہوتے آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم سمجھ سکتے ہو کہ ایک شخص کا منہ ایک جانب کو ہوتا ہے لیکن ہر طرف کو منہ کیسے ہو سکتا ہے؟ فرمایا کہ یہ صرف قبلہ کے لیے معین کر دیا گیا ہے۔ قبلہ تمہارے لیے معین ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں جسم جہت بالہیت سے پاک ہوں یہ سب ملک میری ملکیت ہے پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کی مصلحت کے لیے فرمایا ہے آیت میں یہ ہے کہ منہ ایک جسم ہے اور حجم بھی لوازمات اجسام سے ہے امام باقرؒ فرماتے ہیں یہ بھی اسی اثناء میں سوال کیا گیا آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ بمعنی وَسِعَتْ وسعت کے ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی وسعت ہر چیز سے وسیع ہے۔ ہر چیز اسی کے قبضے میں ہے منہ کے بارے میں بھی ایسا فرمایا کہ یہ صرف بندوں کی مصلحت کے لیے فرمایا گیا ہے صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہمیں تو اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی ذات سے نظر آتا ہے۔ اور آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے مظہر ہیں رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ وجهُ اللهِ۔ بطور شرف اضافت کے یہ مخلوق کے لیے نہ صرف جیسے نَاقَةُ اللهِ۔ اور بیت اللہ فرمایا گیا ہے اگر چہ وجہ کے معنی لغت میں منہ کے ہیں لیکن اوپر بیان ہو چکا ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللهِ۔ یعنی ہم محض تم کو اللہ کی رضامندی کے

Marfat.com

لیے کھلاتے ہیں نبی پاک ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ کُلُّ شَیْءٍ ھَالِکٌ اِلَّا وَجْھَہٗ۔ ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے مگر جو اس کی رضامندی کے لیے ہو استفادہ صرف اسی میں ہے جو شخص کسی کے پاس آتا ہے اس کے منہ کی طرف برابر چلا آتا ہے جس کو کسی ذات کی وجہ سے ہم تعبیر کرتے ہیں اسی امر میں اوپر احادیث بھی گزر چکی ہیں اس واسطے طلب الرضی کو طلب کی وجہ کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے۔ وجہ۔ بطور حیلا کے ہے اس کے معنی جداگانہ نہیں ہیں جیسے اس آیت میں ہے۔ کُلُّ شَیْءٍ ھَالِکٌ اِلَّا وَجْھَہٗ۔

امام باقر فرماتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے چہ جائیکہ وجہ کا لفظ فرمایا ہے لیکن وہ مکان سے منزہ ہے اسی لحاظ سے وَسِعَ وسعت پر فرمایا ہے تو ہم مخالف کے قول کا اسی حدیث سے جواب دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مکان اور زماں سے منزہ ہے یہ لفظ وجـــــہ۔ صرف قبلہ کے معین کرنے کے لیے ہے یعنی اس ذات کی رضامندی باقی لفظ وَسِعَ اگر ظاہر مراد لیا جائے تو دور لازم آئے گا جو محال ہے وَسِعَ سے یہی مراد ہے کہ اس کی وسعت اور قدرت وسیع ہے یہ سب ملک اسی کی ملکیت ہے اور وہ اپنی رحمت عطا فرماتا ہے بوجہ نعمت اور ثواب حاصل کرنے کے لیے اس کی رضامندی ضروری ہے اب وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ارشاد فرمایا ہے نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ علیم اس لیے فرمایا گیا ہے وہ فرماتا ہے کہ میں موجود ہوں یہ سارا عالم میرا ملک اور میرے ملکیت ہے اور حقیقی مالک میں ہوں اور پوشیدہ سے پوشیدہ بھی مجھ سے باہر نہیں ہے تم نماز کے اندر اگر کوتاہی کرو گے یا سستی کرو گے تو وہ مجھ سے پوشیدہ نہیں۔ اب مخالف کے تمام اعتراضات کا جواب اسی حدیث سے ہوا یہ حدیث تفسیر امام باقر میں ہے اسی تفسیر سے ابومسلم اور نخعی فرایابی، خزینۃ القرآن اور نور القرآن نے نقل کی ہے۔ اب باقی کسی تاویل کی ضرورت نہیں۔

قال اللہ تعالیٰ: وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ لَّهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ (۱۱۶) بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاِذَا قَضٰۤی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ۔ (۱۱۷)

ترجمہ: اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد بنائی ہے پاک ہے وہ بلکہ زمین و آسمان میں جو کچھ ہے وہ اسی کا ہے سب اس کے فرمانبردار ہیں زمین و آسمان کو پیدا کرنے والا ہے اور جب وہ کسی امر کا ارادہ فرماتا ہے پس یقیناً اس کے لیے فرماتا ہے ہو جا بس وہ ہو جاتی ہے۔

جاننا چاہیے کہ اس میں یہود اور نصاریٰ کی دسویں بری خصلت کا ذکر ہے یاد رہے ہم نے اوپر بیان کیا ہے آیت وَمَنْ اَظْلَمُ اس میں بعض نے یہود مراد لیے بعض نے نصاریٰ اور بعض نے مشرکین۔ امام باقرؒ فرماتے ہیں حضرت علیؓ نے اپنے مجموعہ میں لکھا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ یہودی حضرت عزیز کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہتے ہیں۔ اور نصرانی حضرت عیسیٰ کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں جیسے مشرکین عرب فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں کہتے ہیں یعنی ہر فرقہ نے اپنی خباثت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی اولاد کو ثابت کرنا چاہا ہے اور اس آیت میں لفظ سبحانہ بطور تنزیہہ بیان فرمایا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے رد میں سبحانہ فرمایا ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے۔ سُبْحٰنَهٗۤ اَنْ یَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ۔ یعنی یہاں اختصار فرمایا گیا ہے۔ کل کلام کی دلالت صرف اسی پر ہے کہ وہ زمین و آسمان کا مالک ہے حضرت امام باقرؒ اور حضرت ابن عباسؓ اس آیت کے شان نزول میں یہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت کعب بن اسد اور وہب بن یہود کے حق میں نازل ہوئی ہے کہ وہ عزیز کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہتے تھے نبی کریم ﷺ نے بھی یہی ارشاد فرمایا، یاد رہے کہ دو چیزیں ہیں اللہ تعالیٰ اولاد سے پاک ہے وہ واجب ہے اور اولاد کا ہونا ممکن ہے۔ اور مـمـكـن لذّۃ۔ حادث ہے اور جو حادث ہو وہ واجب کی صفت نہیں ہو سکتی تو کہہ چکا ہوں اولاد ممکن ہے اور ممکن حادث ہے اور حادث مخلوق واجب کی اولاد نہیں ہو سکتی۔ اگر دو واجب پائے جائیں تو دونوں واجبوں میں مع الاشتراک لازم آئے گا۔ ہر واجب ایک دوسرے سے ممتاز ہوگا۔ اور صاحبہ الاشتراک لازم آئے گا۔ جو اس کے غیر ہو گا اس سے ہر ایک کا دو قاعدوں سے مرکب ہونا لازم آئے گا۔ اور ہر مرکب اپنی ہر خبر کی طرف محتاج ہوتا ہے۔ اور ہر خبر اپنے مرکب کے غیر ہوتی ہے ہر مرکب غیر کی طرف محتاج ہوتا ہے اور ہر محتاج ممکن بالذات ہوتا ہے پس جس نے دونوں کو واجب مانا وہ دونوں واجب بالذات ہو گئے یہ خلاف فرض ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ اگر دونوں واجب ہوں قاعدہ کے مطابق ہر اک میں وہ خبر جاری ہو گی۔ ان دونوں خبروں میں ہر ایک واجب ہو تو یہی دلیل جاری کی جائے گی اس اجزاء میں سے اجزاء کا واجب کے لیے ان اجزاء کا ہونا غیر متناہی ہو جائے گا دور کو تسلسل لازم آئے گا جو محال ہے اگر تسلیم کر لیا جائے تو یہ بھی محال ہے تو مقصود حاصل ہے ہر کثرت کے لیے واحد ہوتا ہے اگر یہ احاد ممکن لذات ہیں تو ان کا مرکب ہونا لازم آئے گا جیسا کہ اوپر ثابت ہوا ہے کہ بسیط کا مرکب ہونا لازم آئے گا یہ خلاف قاعدہ ہے جو احاد مرکب ہوں گے چونکہ مراد احاد کو مرکب لازم آتا ہے تو مرکب کو محتاج ہونا لازم آئے گا اس طرح ثابت ہوا کہ وہ واجب الوجود ہے باقی سب ممکن لذات ہیں اور ممکن لذات واجب الوجود کا محتاج ہوتا ہے اس موثر کی تاثیر دو حال سے خالی نہیں۔

Marfat.com

حالت عدم میں ہوگی یا حالت وجود میں اگر حالت عدم میں ہوگی تو وہ محدث ہوگا اگر حالت وجود میں ہوگی تو اس کو وجود موثر کی طرف بقا ہوگا یا حالت حدوث میں ناممکن ہے حالت بقا لازم ہے کیونکہ وہ موجد ہے حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بَلْ لَّهُ مَافِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ سے ہم کو یہ فرماتا ہے کہ میں موجد ہوں اور ابدی ہوں یہ سارا عالم میری ملکیت ہے میں اولاد سے پاک ہوں جو ساری خلقت کا موجد ہو فرمایا اس کے لیے اولاد کا ہونا ناممکن ہے آپ ﷺ نے فرمایا ہم کو یہ برہان قطعی ثابت ہوگئی۔ امام باقر فرماتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ نے مشرکوں اور یہودیوں سے فرمایا کہ وَلَدٌ کے لیے جنس کا ہونا ضروری ہے فرمایا وَلَدٌ والد کی جنس سے ہوتا ہے فرمایا العیاذ باللہ اس کے لیے اگر کوئی اولاد ہوتی تو اس کی شریک ہوتی فرمایا شریک ایک دوسرے سے ممتاز ہوا کرتے ہیں تو یہودی اس بات کو سن کر بھاگ گئے آپ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان مشرکوں کا رد فرما رہا ہے کہ والد کے لیے اولاد اس کے لیے بڑھاپے میں کام آتی ہے اور والدین کو اس وقت عمر انکساری ہوتی ہے۔ کہ ہماری اولاد ہمارے کام آئے فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کے لیے ناممکن ہے نہ کوئی اس کو اس سے عجز ہے اور وہ سب زمین و آسمان کا مالک ہے۔

ثابت ہوا کہ ہمیں اس آیت سے دلیل ملی کہ سب زمین و آسمان اسی کی ملکیت ہیں اور وہ موجد ہے وہ جب بھی کسی چیز کے پیدا فرمانے کا امر فرماتے ہیں تو کہتا ہے کُنْ ہو جا فوراً ہو جاتی ہے۔ امام باقرؒ فرماتے ہیں حضرت علیؓ نے اپنے مجموعہ میں لکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہؓ سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے سارے عالم کے ایجاد کو لوح محفوظ ہو کن فرما کر امر کر دیا ہے پھر وہ بتدریج اپنے عالم کو ظاہر فرما رہا ہے۔ اور عالم کا وجود لوح محفوظ ہیں کلمہ کُن سے لوح محفوظ بھی ہوگئی اور سارے عالم کا ہونا اس پر ہوگیا اللہ تعالیٰ اسی آیت میں اس امر کو ظاہر فرما رہا ہے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ان کا کئی جگہوں پر رد فرمایا ہے کہا انہوں نے اللہ تعالیٰ نے اولاد بنائی ہے تم بھاری چیز لائے ہو قریب ہے کہ آسمان پھٹ جائے اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ٹوٹ کر گر پڑیں اور انہوں نے رحمان کے لیے اولاد نو بتلائی ہیں رحمان کے لیے ہیں کہ وہ اولاد بنائے کوئی چیز زمین و آسمان میں ایسی نہیں جو بندہ بن کر رحمان کے پاس آنے والی ہو اگر کوئی سوال کرے کہ اس آیت میں مَافی السموات ہے اور مریم میں مَن فی السموات ہے اور اس میں کیا حکمت ہے۔

جواب: ما ذو العقول اور غیر ذوی العقول سب کو شامل ہے بخلاف من کے اور کُلٌّ لَّهُ قٰنِتُوْنَ۔ کے اندر چند مسائل ہیں۔

مسئلہ اول:

قانتون کے معنی دوام کے ہیں اس کے بعد اس کے استعمال چار معنوں میں ہوتا ہے ا۔ اطاعت جیسے آیت اس میں ہے۔ یٰمَرْيَمُ اقْنُتِي۔ تیسرے یہ کہ جیسے نبی کریم ﷺ سے کسی نے پوچھا کہ کون سی نماز بہتر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا طول القنوت جیسے زید بن ارقم فرماتے ہیں کہ ہم نمازوں میں مابین امتیاز کرتے ہیں پھر یہ آیت نازل ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کے حضور خاموشی کے لیے کھڑے ہو جاؤ معلوم ہوا اس کے معنی سکوت کے بھی ہیں اور اس کے معنی دوام کے بھی ہیں جیسے کُل میں نون تنوین ہے اور مضاف الیہ کی طرف راجع ہے جن مفسرین نے دوام کے معنی کیے ہیں اگر کوئی سوال کرے کہ کفار اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں کیسے ہیں تو جواب میں کہتے ہیں کہ قیامت کے روز سب اس کے فرمانبردار ہوں گے حدیث میں آیا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ زمین و آسمان اور اس کی ہر مخلوق اللہ تعالیٰ کے تابع ہے وہ جو چیز چاہتا ہے کسی انسان کے تابع کر دیتا ہے فرمایا جن کو یہ مشرکین اس کی اولاد بتلاتے ہیں وہ سب ان کی عبادت میں مصروف ہیں امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ میرے دادا حضرت علی نے نصرانیوں سے کہا کہ حضرت عیسیٰ اللہ تعالیٰ کے دین کو تمرد نہ کرتے۔ تو میں ان کا دین کبھی اختیار نہ کرتا آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم یہ مانتے ہو کہ عیسیٰ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے اس نے کہا ہاں فرمایا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ اِلٰہ۔ ہو کر دوسرے اِلٰہ۔ کی عبادت کرے جب کہ عبادت کرنا تو بندوں کا کام ہے اور تو کس کی عبادت نہیں کرتا یہ بات سن کر نصرانی ششدر رہ گیا۔

مسئلہ دوئم: قنوت کے معنی دوام کے ہیں یہ چاہے سارا عالم ممکن ہے چاہے عالم بقا میں ہو یا حدوث میں ہو تو اسکو موثر کا احتیاج لازم آتا ہے تو معلوم ہوا کہ سب ملک اسی کا ہے وہ موجد ہے۔

سوال:

غیر ماذوی العقول کے لیے ہے؟ اور قانتون ذون العقول کی صفت واقع ہوا ہے۔؟

جواب:

Marfat.com

ما تحقیر کے لیے ہے یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ زمین وآسمان میں جو کچھ ہے وہ سب میری ملکیت ہے میں جو چاہوں سو کروں بَدِیۡعُ السَّمٰوٰتِ ۔ کے اندر چند مسائل ہیں۔

مسئلہ اول:

بدیع اور ملاع کے ایک ہی معنی ہیں امام باقرؒ فرماتے ہیں جیسے الیم بمعنی عالم کے اور حکیم بمعنی حکم کے اسی لیے مبدع کے معنی میں مبالغہ ہے۔ امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی نئی چیز کے ایجاد کرنے کے ہیں اَمۡ اَخۡتـــراعَ ۔ اس کے خلاف ہے کہ اختراع کے لیے بدیہی مثال ہوتی ہے اس بات میں اس شخص کو جو نیا کام یا نئی چیز عمل میں لائے۔ امام باقرؒ فرماتے ہیں حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مذکورہ کلام کا کرشمہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس طرح زمین وآسمان کے اندر ہر چیز کو پیدا کرنے کی قدرت میری ہے اسی طرح زمین وآسمان کا مالک ہوں اور جس چیز کے بنانے کا کام کرتا ہوں فرماتا ہوں ہو جا فوراً ہو جاتی ہے کن فیکون کے اندر چند مسائل ہیں۔

مسئلہ اول: قضا اصل میں مصدر ہے مصدر کے ساتھ نام رکھ دیا گیا ہے اس کی جمع اقضیہ آتی ہے جیسے غطاء اور اغطیہ اور قضیہ اسی کے معنی میں ہے اس کی جمع قضایا ہے اور اقضا کا وزن افعال ہے اور اس کا مادہ قضی ہے جب اصل قضاء ہے تو الف زائدہ واقع ہوا تو اس کو الف سے بدل لیا پھر جب الف فعال کے ساتھ اس کا اتصال ہوا تو ہمزہ سے بدل لیا اس واسطے تلفظ میں دو الفوں کا اتصال منع ہے اس واسطے قضا کے معنی پورا کرنے کے ہوتے ہیں جیسے قاضی فیصلہ کو پورا کر دیتا ہے اور اس کو منقطع کر دیتا ہے اسی طرح محتاج کی حاجت مندی کو بھی پورا کرنے کو قضا کہتے ہیں دین کے اندر بھی کسی چیز کے پورا کرنے کو قضاء کہتے ہیں جب کوئی اپنے صاحب سے جدا ہو جائے اس کو بھی قضاء کہتے ہیں جیسے قضیت قضینا دین میں بھی اس لیے کہتے ہیں کہ تقاضا دین کے اندر بھی منقطع ہو جاتا ہے ایک کام کے پورا کرنے اور حکم لانے کو بھی قضاء کہتے ہیں اور اس سے انقطاع ہو جاتا ہے مضبوط ورع کو بھی ورع کہتے ہیں یعنی چیز کو بھی قضا کہتے ہیں جیسے بیمار مریض ہو اور مر جائے اس کو بھی قضا کہتے ہیں اور قتل کو بھی قضاء سے تعبیر کیا گیا ہے یعنی دیوار کے منہدم ہونے پائے بغیر منہدم ہو جائے تو اس کو بھی قضاء کہیں گے یعنی جس طرح انڈے کو کھول دیا جائے زردی باہر نکل آئے اس کو بھی قضا کہتے ہیں اور تلوار کو بھی باریکی معنی میں نضیم کہتے ہیں اسی طرح دانتوں میں جو چیز چبائی جاتی ہے اس کو بھی انقطاع کے معنی میں قضاء کہتے ہیں یہ سب اس کے لغت کے معنی تھے جو بیان کیے گئے۔

مسئلہ دوئم:

قرآن پاک میں قضا کن کن معنوں میں وارد ہوتا ہے مفسرین نے فرمایا ہے کہ قضا کئی معنوں میں ہے۔ا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَقَضٰهُنَّ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ ۔ یعنی پورا کیا ان آسمانوں کو خلق هنّ کے ساتھ بھی آیا ہے یعنی اس کے معنی بنانے کے بھی ہیں دوسری جگہ ارشاد ہے وَقَضٰی رَبُّكَ ۔ یعنی تیرے پروردگار نے حکم دیا ہے اور فرمایا ہے جب فراغت ہوئی تو قوم کی طرف ڈرانے کے لیے روانہ ہوئے اور ارشاد ہے کہ کفار کی ہلاکت کے بعد فارغ ہوئے یعنی اس کا معنی ہوا کہ قاضی کا فیصلہ کرنے میں بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس چیز کو وہ کرتا ہے اپنا حکم فرماتا ہے تو اس حدیث سے ثابت ہوا کہ قضا کے معنی حکم کرنے کے ہیں بس اس کے مقابل ہم مفسرین کے اختلاف کو بیان نہیں کرتے مفسرین کا اتفاق ہے کہ امر کے حقیقی معنی قول مخصوص کے قاطع ہیں اور اس بات میں اختلاف ہے کہ فعل کے معنی بھی آتے ہیں امام باقر فرماتے ہیں کہ دونوں حق کا نہیں اس کا پورا پورا بیان اصول فقہ میں مذکور ہے۔

مسئلہ سوئم:

ابن عامر نے کُنۡ فَیَکُوۡنَ کو تمام قرآن پاک میں نصب کے ساتھ پڑھا ہے لیکن آل عمران کے شروع میں کُنۡ فَیَکُوۡنَ ۔ رفع کے ساتھ پڑھا ہے یعنی کُنۡ فَیَکُوۡنَ قَوۡلُهُ الۡحَقُّ ۔ سورۃ انعام میں رفع کے ساتھ پڑھا ہے۔ باقی تمام قراۃ نے رفع کے ساتھ پڑھا ہے نصب پڑھنے کی وجہ یہ ہے کہ امر کا جواب ہے بعض کہتے ہیں کہ قول بعید ہے رفع پڑھنے کے ساتھ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں جملہ مستانفہ ہے یعنی فَهُوَ یَکُوۡنَ ۔ جاننا چاہئے کہ اِنَّمَا یَقُوۡلُ لَهٗ کُنۡ فَیَکُوۡنَ اسی وقت وہ کہتا ہے تو وہ چیز موجود ہو جاتی ہے ایسا نہیں ہو سکتا اس کا ثبوت بچند ان وجوہ ہے۔ نمبر ا۔ کُنۡ فَیَکُوۡنَ ۔ دو حال سے خالی نہیں یہ حادث ہوگا یا قدیم یہ دونوں احتمال باطل ہیں۔

پس حدوث اشیاء کا لفظ کُنۡ پر موقوف ہونا باطل ہوا اور کن کے قریب ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔

Marfat.com

حجت اوّل:

لفظ کن کاف اور نون سے مرکب ہے اور کاف نون پر مقدم ہے پس نون سے پہلے جب اس کا کاف ہونا پایا گیا تو یہ حادث ہوا کاف چونکہ بزبان واحد حادث پر مقدم ہے اس واسطے بھی اس کا حادث ہونا ضروری ہوا صرف اذا استقبال کے لیے آتا ہے پس اس کا حکم حادث ہونا ضروری ہے اس واسطے کہ صرف اذا کے اوپر داخل ہے کُنْ فقا کے اوپر بفاء ترکیب مرتب ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کُنْ فَیَکُوْن ۔حادث ہے جو چیز حادث سے موخر ہو وہ ضرور حادث ہوتی ہے پس کُنْ کا قدیم ہونا محال ہے اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے پیدا کرنے کو لفظ کُن سے بفاء ترکیب مرتب فرمایا ہے پس مخلوق کے پیدا کرنے پر لفظ کُنْ واحد زمانہ مستقبل پر مقدم ہوا اس سے حادث ہونا ضروری ہوا پس لفظ کُنْ قدیم نہیں ہوسکتا اور امام باقر فرماتے ہیں کہ کُنْ حادث نہیں ہوسکتا وہ پہلے مال کو باطل فرماتے ہیں اگر حادث کُنْ کا محتاج ہوتو کن بھی ایک حادث ہے۔اس کو بھی دوسرے کُنْ کی ضرورت ہوگی دور کو تسلسل لازم آئے گا جو محال ہے پس اس دلیل سے ثابت ہوا کہ لفظ حوادث کا حدوث کُنْ پر موقوف ہیں۔

حجت دوئم:

کُـن کا خطاب مخلوق کے وجود کے پیدا ہونے کے قبل ہوگا یا بعد میں تو محال ہے حالت معدوم میں عدم کو خطاب کرنا نہیں ہے اس صورت میں صورت اول باطل ہوئی درست نہیں ہے۔دوسرا احتمال بھی باطل ہے کیونکہ اس میں خلل پائی جاتی ہے۔

حجت سوئم:

اس میں نباتات اور جمادات بھی شامل ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو مکلف نہیں کیا۔

حجت چہارم:

قادر کے یہ معنی ہیں کہ فعل کے باعتبار فعل کے اس کو ترک کرنے بااختیار کرنے میں صحیح ہو جب ہم نے قادر مطلق کو کُـنْ کے فرض سے جدا کیا تو ایجاد کی قدرت پائی جائے گی یا نہیں اگر پائی گئی تو کن پر قدرت کو کُـنْ پر ایجاد وقوف نہ ہوا۔اگر نہیں پائی گئی تو ثابت ہوا کہ اس وقت قادر کو کُن کے تکلم کی قدرت حاصل ہوئی حاصل یہ ہوا کہ تمہارے نزدیک کُـنْ قدرت کا نام ہے اور یہ نزع لفظی ہے اگر کُـنْ کو موجودات کے موجود ہونے میں دخل ہوتا۔اگر ہم بھی اس کے ساتھ تکلم کرتے تو قدرت کا موجود ہونا لازم ہوتا پس ظاہر ہے کہ ایسا تکلم کرنے سے کچھ بھی نہیں ہوتا پس معلوم ہوا کہ کُنْ کو قدرت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔

حجت پنجم:

نون سے قاف مقدم ہے یا کُـنْ شرط کے قاف نون کے اوپر مقدم ہو موجودات میں یا ان میں سے ایک حرف کو دخل ہوگا یا دونوں کو مل کر مجموعہ کو دخل ہوگا یا مجموعہ سے ایک حرف کو دخل ہوگا یہ بھی محال ہے اس وقت اس مجموعہ کا وجود ہی نہیں تھا تو یہ محال ہے کہ دوسرے کے وجود ہونے میں اس کو دخل ہو۔

حجت ششم:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ عیسیٰؑ کی مثال اللہ تعالیٰ کے لیے ایسے ہے جیسے اس نے آدمؑ کو مٹی سے بنایا کہا ہو جا تو ہو گیا۔معلوم ہوا کہ کُنْ کو اشیاء سے کوئی دخل نہیں ان کے مذہب کا بطلان ثابت ہو گیا قول قوی ہے امام باقرؒ فرماتے ہیں ہمارے نانا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سارے عالم کا موجد ہے اسے کسی چیز کے بنانے میں کسی تجربہ کی ضرورت نہیں ہوتی نہ اس کو کوئی فکر مندی بلکہ لفظ کُـن کو اپنے زمین و آسمان کے نافذ کرنے کے لیے فرماتا ہے جیسے اس آیت میں ہے کہ زمین و آسمان فرماتا ہے کہ آ و خوشی سے یا نہ خوشی سے تو وہ آجاتے ہیں اس میں اس کے قول کا نافذ کرنا مراد ہے بس اس حدیث سے تاویل کی ضرورت نہیں بعض نے یہ کہا ہے کہ یہ موجودات سے خطاب ہے اور بعض نے یہ کہا ہے کہ زندہ کرنے اور مارنے کے لیے ہے اور زندہ کرنے کے لیے ہے امام باقرؒ فرماتے ہیں حضرت علیؓ کے مجموعہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے صحابہ اللہ

Marfat.com

تعالیٰ موجود ہے سارے عالم کا اس کے علم کی کوئی حد نہیں نہ اس کی طاقت کی کوئی حد ہے فرمایا جیسے وہ دائمی ابدی ہے ویسے اس کی طاقت اور علم بھی دائمی ابدی ہے فرمایا کہ اس کے علم کا کوئی احاطہ نہیں۔ اس کی طاقت کا بھی کوئی احاطہ نہیں اس حدیث سے ثابت ہوا کہ کُنْ زمین و آسمان کو نافذ کرنے کے لیے ہوتا ہے جب کسی چیز کو نافذ فرماتا ہے۔ کُنْ سے خطاب کرتا ہے اور وہ فرشتوں سے وہ خطاب ظاہر ہوتا ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ تَشَابَهَتْ قُلُوبُهُمْ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۔(۱۱۸)

ترجمہ: اور کہتے ہیں وہ لوگ نہیں جانتے ہمارے ساتھ اللہ تعالیٰ کیوں نہیں کلام فرماتا یا آئے ہمارے پاس کوئی نشانی اس طرح ان سے پہلے بھی ان کی مثل قول کہا کرتے تھے اور ان کے دل یک رنگ ہوگئے ہیں ہم نے ان لوگوں کے لیے نشانی بنا کر ظاہر فرمادی ہے جو یقین رکھتے ہیں۔

جاننا چاہیے کہ یہ ان کی گیارہویں حرکت کا بیان ہے امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ پہلے یہ اللہ تعالیٰ کی توحید میں خلل ڈالتے رہے ہیں اور ان کی اولاد بتاتے رہے ہیں اب یہ آیت اس امر میں واقع ہوئی ہے یہ میری نبوت کے اندر خلل ڈالنے کے درپے ہیں اس حدیث کے بعد چند مسائل ہیں۔

مسئلہ اول:

اکثر مفسرین یہ فرماتے ہیں کہ اس میں مشرکین عرب مراد ہیں جیسے ارشاد ہے کہ۔ وَقَالُوا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا وَقَالُوا لَوْلَا تَاْتِيْنَا اِلٰى اٰخِرِه ۔ وقالوا لولا اُنْزِلَ اِلیٰ آخِرِہ ۔ امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ ظاہر ہے کہ یہود نے آپ ﷺ سے درخواست کی تھی يَسْئَلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اِلٰى آخِرِه ۔ اگر کوئی اعتراض کرے کہ لَا یعلمون ۔ سے مشرکین مراد ہیں یہود کیسے مراد ہو سکتے ہیں جب کہ وہ جانتے تھے ہاں لیکن جانتے تھے ان کو نبی کریم ﷺ کی ذات سے عناد تھا وہ نبوت کو جان کر ان میں خلل ڈالتے تھے جیسا کہ حدیث میں ارشاد ہے امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ کے مجموعہ میں لکھا ہے کہ صحابہ موجود تھے اور نبی پاک ﷺ جلوہ گر تھے اور کعب بن اشرف کے ہمراہ ایک جماعت آئی آپ ﷺ سے کہا کہ اے محمد ﷺ اللہ تعالیٰ ہم سے کلام کیوں نہیں کرتا جیسا کہ موسیٰؑ کے ساتھ اس نے کلام کیا اور فرشتوں سے بھی کلام فرماتا ہے آپ ﷺ کے ساتھ بھی کلام کی جیسا کہ ارشاد ہے فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس سے براہ راست کلام کی ہم بھی اس کے منہ سے براہ راست کلام سننا چاہتے ہیں یا یہ نہیں ہوسکتا تو آپ ﷺ کے ساتھ کوئی معجزہ عطا ہو جائے تاکہ ہمارے لیے دلیل ہو نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص طلب حق کے لیے ہوتا ہے اس کے لیے ایک دلیل کافی ہوتی ہے اور وہ ایک دلیل پر اکتفا نہیں کرتا تو اس کو عناد ہے اگر میں تم کو جتنے معجزات دکھاؤں وہ معجزہ قاہرہ ہوں تب بھی ایمان نہ لاؤ گے پھر فرمایا کہ قرآن پاک کا نازل ہونا یہ مجھ پر بڑا معجزہ ہے اور جتنے تم مجھ سے معجزات دیکھو گے تم ایمان نہ لاؤ گے تم خوامخواہ کے لیے بطور عناد مجھے تنگ کرنے کے درپے ہو جاؤ گے حالانکہ تم بڑے بڑے معجزات دیکھ چکے ہو چاند کا ٹکڑے ہونا سورج کا واپس لوٹنا تم دیکھ چکے ہو آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی فرمایا انہوں نے کہا کیوں نہیں نازل کی گئی ہمارے اوپر نشانی ان کے پروردگار سے ان حبیب پاک فرمادو یقیناً نشانی اللہ تعالیٰ کے پاس ہے میں تو ڈرانے والا ہوں کیا یہ ان پر کافی نہیں ہے ہم نے کتاب اتاری جو ان پر تلاوت کی جاتی ہے ظاہر ہے اس حدیث سے اور قرآنی آیات سے کہ وہ کبھی بھی معجزات پر ایمان نہ لاتے۔ اگر چہ زمین پہاڑ سے ٹکرا کر آسمان کو لگ جاتی تب بھی وہ تسلیم نہ کرتے ان کا صرف خیال یہی تھا کہ وہ نبی کریم ﷺ کو تنگ کریں عقلمند کے لیے ایک معجزہ بھی کافی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علم ازل میں یہ بات تھی کہ اگر ان کو معجزات میرا حبیب ﷺ دکھائے بھی تو یہ ایمان نہ لائیں گے۔ جیسا کہ موسیٰؑ کو کہتے ہیں لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ ۔ یا کہتے ہیں اَجَعَلْنَا اٰلِهَةً ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اگر اللہ ان میں بہتری فرماتا ان کو سناتا اگر چہ یہ سنتے تب بھی یہ منہ پھیر جاتے۔ نبی پاک ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ انبیا کے انکار میں ان کے دل یک رنگ ہو چکے ہیں اگر یہ معجزات کو دیکھتے رہتے تو ان کی عادت بن جاتی فرمایا یہ ہر بات پر معجزہ ہی طلب کرتے جبکہ یقین کرنے والوں کے لیے قرآن پاک کا نازل ہونا معجزہ ہے۔ یہ مجھ سے معجزہ طلب نہیں کرتے بلکہ ان کی یہ عادت بد ہے کہ یہ صرف محض مجھے تنگ کرنے کے لیے اور میری نبوت کی تکذیب کرنے کے درپے ہیں جیسا کہ یہ بھی دیکھ چکے ہیں کہ تھوڑے طعام سے کثیر کا سیراب ہونا اور درخت کا میرے پاس چلا آنا اور بھیڑیے کا مجھ سے کلام کرنا یہ سب کچھ دیکھ چکے ہیں حالانکہ درخت کا انسان کے پاس آنا محال ہے اور بھیڑیا کا انسان سے کلام کرنا بھی محال ہے پتھروں کا کلام کرنا بھی محال ہے یہ سب کچھ دیکھ چکے ہیں تب بھی یہ عناد سے باز نہیں آتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے حبیب ﷺ یہ معجزات قاہرہ ان کے لیے ہیں جو صاحب عقل ہیں اگر چہ یہ کتاب کو جانتے بھی ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کو باطل فرمایا ہے کہ

Marfat.com

قرآن پاک کے نزول ہونے سے بھی اور کوئی معجزہ ہے یہ ان کے لیے ہے۔ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ۔ جو یقین رکھتے ہیں۔

قال اللہ تعالیٰ: اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ۔(۱۱۹)

ترجمہ: بے شک اے حبیب ﷺ ہم نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا اور آپ ﷺ سے دوزخیوں کے بارے میں کچھ ہی سوال نہ کیا جائے گا۔

جاننا چاہئے کہ یہودیوں کی یہ بارہویں بداعمالی کا بیان ہے کہ ان کا کفر وجود عناد پر تھا نیز اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ ہم اپنے انبیاءؑ سے جتنے بھی معجزے دکھائے ہیں وہ کافی ہیں امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مجھے فرماتا ہے اے حبیب ﷺ آپ ﷺ ان کے کفر کا خیال مت کریں اور نہ ان کے کفر کا کوئی غم کریں آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی ولا تذهب نفسک۔ مقصود یہ ہے کہ کفار کے طنز اور طعن سے نبی پاک ﷺ کو تسلی دی جارہی ہے کہ یہ جتنے معجزے دیکھ چکے ہیں کافی ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے انا ارسلنک بالحق۔ یعنی ارسل بالحق۔ حق سے مراد نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ قرآن پاک ہے۔ فرمایا کہ میں قرآن پاک کے ساتھ بھیجا گیا ہوں اگر ارسلنک کو لیا جائے تو یعنی بالحق بشیراً ونذیراً میں دو قرآتیں ہیں اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ قرآن مجید کے ساتھ مبعوث ہوئے ہیں یعنی ارسلنک کا تعلق بالحق سے ہے اور بالحق کا تعلق بشیراً ونذیراً سے ہے امام باقرؒ اور ابی بن کعب فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کی بہتری کے لیے اولاً جو کچھ فرمایا ہے وہی ان کے لیے کافی ہے فرمایا کہ وہ ان کیلئے تنبیہ ہے اور مجھے ان کے کفر کی خبر دی ہے اور مجھے یہ حکم ہوا ہے کہ آپ ان کے کفر کا غم نہ کریں۔

حدیث:

انہیں صحابہ سے رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ قرآن پاک میں میری صفت بشیر اور نذیر ہے اور میں مؤید بن کر آیا ہوں اور خوشخبری اسی کے لیے جو میرے دین کی اتباع کرے گا اور جو میرے دین کی اتباع نہ کرے گا ان کے لیے جہنم کا ڈر ہے۔ اور ولا تسئل۔ کے اندر دو قراتیں ہیں جمہور تا اور لام رفع کے ساتھ پڑھتے ہیں بنابراین نافع وغیرہ جزم کے ساتھ بفتح پڑھتے ہیں نہی کے صیغہ کے ساتھ ہے قرات اول میں یہ موافق ہے کہ اس کی تفسیر یوں ہے امام باقرؒ اور ابی بن کعب فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس آیت کا مقصد یہ ہے کہ دوزخیوں کے بارے میں مجھ سے کچھ پوچھا نہ جائے گا ہر شخص اپنے گناہ کا ذمہ دار خود ہوگا فرمایا کہ یہ کفار کے لیے ہے اللہ تعالیٰ مجھے فرماتا ہے اے حبیب ﷺ ان کافروں کی طرف آپ ﷺ خیال نہ کریں ان کو جہنم میں جانے دیجیے ان کا کفران کو جہنم میں لے جائے گا اس حدیث میں فرماتے ہیں کہ مجھے کفار کے حالات کا اچھی طرح علم ہے اب مجھے ان کے متعلق کچھ فکر اور غم نہیں صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں ایک حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اپنے والدین کے بارے میں مجھے خیال نہیں کہ ان کے بارے میں کیا ہوگا صاحب خزینۃ القرآن فرماتے ہیں کہ یہ حدیث بالکل من گھڑت ہے امام رازیؒ نے بھی اسی کو تفسیر کبیر میں لکھا ہے۔ اور امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ کے مجموعہ میں ہے کہ جب رسول کریم ﷺ حج کرنے کے بعد واپسی پر اپنی والدہ کی قبر پر تشریف لائے اور ان کے بارے میں دعا فرمائی ہم سب نے ان کے والدین کے بارے میں دریافت کیا آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے سب خلقت کو پیدا کیا ہے اس میں بنی آدمؑ کو چنا پھر ان سے نوحؑ کو چنا پھر نوح سے ابراہیم، ابراہیم سے اولاد اسماعیل کو اولاد اسماعیل سے عرب کو عرب سے ہاشم کو ہاشم کو بنی ہاشم سے میرے والدین کو مجھے خیر سے چن کر خیر کی طرف منتقل فرمایا پھر فرمایا کہ آدم سے لے کر میرے والد تک جن جن نفوس سے میں آیا ہوں اور ان میں شرک وکفر نہ تھا پھر فرمایا کہ اسماعیلؑ کے بعد وہ میرے آنے تک زمانہ فطرت تھا یعنی ان کو دین ابراہیمی کی تبلیغ کرنے والا کوئی نہ تھا پھر فرمایا کہ حضرت ابراہیمؑ نے دعا کی ربنا وجعلنا۔ پھر ربنا وابعث فیھم۔ اللہ تعالیٰ پیغمبر کی دعا کو رد نہیں فرمایا کہ یہ دعا حضرت ابراہیمؑ نے ایک میری بعثت کے لیے کی دوسری اپنی اولاد کے لیے اپنے مذہب پر رہنے کے لیے کی اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو قبول کیا۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ حضرت آدمؑ سے لے کر جن نفوس سے رسول اللہ ﷺ منتقل ہوتے آئے ہیں وہ سب شرک اور کفر سے پاک تھے۔ امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ اسی ضمن میں کثرت احادیث ہیں جو متواتر ہیں صاحب خزینۃ القرآن نے سب کو نقل کیا ہے ان میں سے کچھ میں نے اپنی کتاب ذکر میلاد میں لکھ دی ہیں جو شائع ہو چکی ہے اب تفسیر میں اس پر زیادہ بحث نہ کروں گا۔ اب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ سے کفار کے بارے میں کچھ نہ پوچھا جائے گا۔

قال اللہ تعالیٰ: وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ

Marfat.com

اَهْوَآءَ هُمْ بَعْدَ الَّذِیْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَالَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ۔(۱۲۰)

ترجمہ: اور ہرگز یہ یہودی آپ ﷺ سے راضی نہیں ہوتے اور نہ نصاریٰ یہاں تک کہ آپ ﷺ ان کے مذہب کی پیروی کریں اے حبیب ﷺ فرمادو! بے شک اللہ کی ہدایت وہی ہدایت ہے اور اگرچہ آپ ﷺ ان کی خواہشوں کی پیروی کریں اس کے بعد آپ ﷺ کے پاس علم آچکا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ ﷺ کا کوئی دوست نہ ہوگا، نہ کوئی مددگار۔

جاننا چاہئے سابقہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسول کریم ﷺ کی دلجمعی فرمائی کہ کفار جو کچھ کرتے ہیں ان کا خیال آپ ﷺ مت کریں اور یہ اپنی خواہشات کی اتباع کرتے ہیں اور قیامت کے دن ان کے بارے میں آپ سے کوئی پرستش نہ ہوگی امام باقرؒ اور ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لوگ دین حق سے ہٹ کر باطل کو اختیار کررہے ہیں اللہ تعالیٰ مجھے فرماتا ہے اے حبیب ﷺ ان کو کفر پر جمے رہنے دو اور ان کا کفران کی ذلت کا سبب ہوگا ملت سے مراد دین ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ قرآن پاک دین کامل ہے اس کے سوا اور کوئی دین کامل نہیں یہ سب ادیان پر غالب ہے وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ انہیں اصحابوں سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہودی دین کامل کو چھوڑ کر مجھ سے یہ راضی نہیں ہوتے اور مجھے اپنی خواہشات کے پیچھے لگانا چاہتے ہیں۔اس حدیث کے بعد بعض مفسرین یہ کہتے ہیں کہ اگر ایک فعل کسی سے سرزد نہیں ہوا تو وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے کہ اس سے سرزد نہیں ہوگا تو وہ اس فعل کو بطور تنبیہ فرما دیتا ہے امام باقر اور ابی بن کعبؓ اور سعید بن جبیرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ ظاہراً یہ خطاب مجھے ہے اور حقیقت میں میری امت مراد ہے یعنی علم آنے کے بعد جو حق ہے انہوں نے اگر اس کو چھوڑا ان کے لیے کوئی مددگار اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ ہوگا فرمایا مجھے حکم ہوا ہے کہ اپنی امت کو یہ فرمادو کہ کفار یہودی اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں جو ان کی خواہشات ہیں وہ ان کو جہنم میں لے جائیں گی میری امت کو یہ تنبیہ ہے کہ تم خیر الامم ہو۔اگر تم نے بھی ان یہودیوں کی طرح خواہشات کی پیروی کی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارا بھی کوئی دوست اور مددگار نہ ہوگا۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ آیت کفار کے حق میں ہے فرمایا کہ کفار کی سفارش نہیں کروں گا بجز اپنے مومن امتی گناہ گار کے ہمارا بھی اسی حدیث پر اتفاق ہے کہ کفار کی سفارش کوئی نہیں کرے گا۔اور مومن گناہ گار کی سفارش نبی کریم ﷺ فرمائیں گے۔

قال اللہ تعالیٰ: اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ یَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ۔(۱۲۱)

ترجمہ: جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ تلاوت کرتے ہیں اس کو جیسے تلاوت کرنے کا حق ہے جو لوگ اس کے ساتھ ایمان لائے ہیں اور جس نے اس کے ساتھ کفر کیا پس ایسے لوگ خسارہ پانے والے ہیں۔

جاننا چاہئے کہ اس آیت میں چند مسائل ہیں۔

مسئلہ اول:

اَلَّذِیْنَ حالت رفع ہے اور ترکیب میں مبتدا واقع ہوا ہے اور اولئک مبتدا دوم ہے اور یومنون اس کی خبر ہے اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ سے کیا مراد ہے اس میں دو قول ہیں۔ا۔حضرت امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ اس میں قرآن پاک کا عطا کرنا مراد ہے اور اہل ایمان کا ذکر ہے اور اس میں تلاوت کی ترغیب اور تلاوت کی مدح بیان کی گئی ہے اس حدیث کے بعد ہم یہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد تورایت ہے تو یومنون سے مراد کیا ہے حضرت امام باقر اور ابی بن کعب فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہی یہودی ہیں جو نبی پاک ﷺ پر ایمان لائے جب کہ تورایت میں نبی کریم ﷺ کی نبوت اور قرآن پاک کا ذکر تھا وہ اس کو پڑھ کر قرآن پاک اور نبی پاک ﷺ کی نبوت پر ایمان لے آئے جبکہ تورات میں نبی پاک ﷺ کی نبوت اور قرآن پاک کا ذکر تھا وہ اس کو پڑھ کر قرآن پاک اور نبی پاک ﷺ کی نبوت پر ایمان لے آئے۔یہی صاحب ایک اور روایت بیان کرتے ہیں فرماتے ہیں یتلونہٗ کے اندر اور تلاوت کے اندر مبالغہ ہے فرماتے ہیں کہ تلاوت کے کیا معنی ہیں؟ یعنی پیچھے آنے والی چیز یعنی جو کوئی شخص کسی کے پیچھے پیچھے چلا آتا ہے اور وہ اس کی اتباع کرتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے قسم ہے چاند کی جب کہ وہ پیچھے کو ہٹتا ہے فرماتے ہیں حدیث میں ہے رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ تم قرآن پاک کے حکم کے پیچھے پیچھے چلو تو اس حدیث سے بھی یہی معنی ہوا کہ پیچھے کو چلنا تلاوت کو معنی ہے فرماتے ہیں ہمارے عرب کہتے ہیں تلا بالجدار یعنی دیوار کے پیچھے

Marfat.com

چلو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ قرآن پاک کا حق یہی ہے کہ تلاوت کرتے وقت اس سے فروگزاشت نہ کرے حضرت امام باقرؓ فرماتے ہیں کہ دوسری قرات میں اس کی تفسیر یوں ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ قرآن پاک کو پڑھتے وقت ان کے موافق تدبیر کرو اور اس پر عمل پیرا ہو نماز کے اندر اگر پڑھو تو خشوع خضوع کے ساتھ پڑھو۔ اور خلوت میں ہو تب بھی تلاوت کلام پاک میں خشوع خضوع کے ساتھ ادا کرو اور لفظاً اور معناً اس کا پورا خیال کرو کہ اس کے معنی و مطالب تمہارے دلوں تک بیٹھتے جائیں حضرت امام باقر فرماتے ہیں کہ اس کی دوسری تفسیر بھی حدیث سے ثابت ہوگئی کہ تلاوت سے یہی مراد ہے کہ اس کے پڑھتے وقت اس کے موافق تدبیر کرنا اور اس کے موافق عمل کرنا۔ پھر فرماتے ہیں کہ اصل حقیقت اسی میں ہے کہ تمام عبادتوں سے افضل عبادت تلاوت کلام الٰہی ہے یعنی کلام الٰہی کو پڑھنے سے فوائد بکثرت حاصل ہوتے ہیں۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ تمام عبادتوں سے افضل عبادت کلام الٰہی ہے جب کوئی کلام الٰہی کی تلاوت کرے وہ یوں سمجھے کہ میں اپنے پروردگار سے ہم کلام ہوں یہ جو ارشاد ہے کہ وَمَنْ یَّکْفُرْ بِہٖ یعنی جس نے قرآن پاک سے انکار کیا اس کے لیے نقصان ہے حضرت امام باقرؓ اور ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ اس کا اشارہ کفار اور یہودیوں کے حق میں ہے کہ وہ قرآن پاک سے اعتراض کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو فرمایا ہے کہ جو قرآن پاک سے انکار کرے گا اس کے لیے نقصان ہے یعنی وہ دائمی عذاب کا مستحق ہوگا۔

قال اللہ تعالیٰ: یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْکُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْکُمْ وَاَنِّیْ فَضَّلْتُکُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ (۱۲۲) وَاتَّقُوْا یَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْئًا وَّلَا یُقْبَلُ مِنْھَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُھَا شَفَاعَةٌ وَّلَا ھُمْ یُنْصَرُوْنَ۔ (۱۲۳)

ترجمہ: اے اولاد یعقوبؑ یاد کرو ان نعمتوں کو جو میں نے تم پر انعام فرمائی ہیں اور میں نے تم کو تمام جہان والوں پر فضیلت عطا فرمائی ہے اس دن سے ڈرو کوئی نفس کسی نفس کے کچھ کام نہ آئے گا اور اس سے بدلہ نہ قبول کیا جائے گا اور نہ کوئی شفاعت اس کو نفع دے گی اور نہ ان کی مدد کی جائے گی حضرت امام باقر فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ ان دونوں آیتوں کا تعلق پچھلی آیت سے ہے کہ کفار کو تاکیداً فرمایا جا رہا ہے یہ آیت تیسری مرتبہ نازل ہوئی ہے۔ اس پر بحث پہلے ہو چکی ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: وَاِذِ ابْتَلٰٓی اِبْرٰھٖمَ رَبُّہٗ بِکَلِمٰتٍ فَاَتَمَّھُنَّ ؕ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ ؕ قَالَ لَا یَنَالُ عَھْدِی الظّٰلِمِیْنَ۔ (۱۲۴)

ترجمہ: اور جب ابراہیمؑ کو آپ ﷺ کے پروردگار نے چند کلمات کے ساتھ آزمایا تو انہوں نے ان کو پورا کیا فرمایا بے شک تم کو لوگوں کا امام بنانے والا ہوں اور کہا اور میری اولاد سے فرمایا کہ میرا عہد ظالموں کو نہ پہنچے گا۔

جاننا چاہیے کہ پہلے یا بنی اسرائیل سے لے کر یعنی یُنْصَرُوْنَ تک یہود کے حالات یعنی جو کچھ ان کو نعمتیں عطا ہوئیں ان کا بیان اور پھر ان کی بداعمالی کا بیان ہے تفسیر کے ساتھ یعنی جیسے شروع کیا تھا اسی حال میں اس کو ختم فرمایا اب دوسرا قصہ یعنی حضرت ابراہیم کا بیان ہوتا ہے یعنی حضرت ابراہیمؑ کی نبوت کو ہر فرقہ تسلیم کرتا ہے جس طرح یہود اور نصاریٰ مشرکین اس بات کا فخر کرتے تھے کہ ہم حضرت ابراہیم کی اولاد سے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان میں سے چند امور کو بیان فرمایا۔ حضرت امام باقر اور ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ اب یہ ابراہیمؑ کی اولاد ہونے کا فخر کرتے ہیں اور نصاریٰ مشرکین اور یہودی تو ان کو میری نبوت پر ایمان لانا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو پہلے مکلف کیا۔ ان کے بعد ان کی عظمت کو بلند کیا پھر ان کو لوگوں کے لیے امام چن لیا یہودی اور نصاریٰ اور مشرکین بھی اس امامت کو پسند کرتے ہیں جب تک وہ ان بد حرکات سے باز نہ آئیں گے اور احکام الٰہی پر پورے طور پر عمل نہ کریں گے تو یہ منصب ان کو کیسے حاصل ہو سکتا ہے؟ اب یہ عناد اور حسد میں ہیں۔

حدیث:

عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیمؑ سے جن امور کی آزمائش کی ان میں سے یہ ہے کہ بدن کو پاک صاف رکھو۔ جیسا کہ یہودی اور مشرک اپنے بدن پر خون زیادہ استعمال کرتے ہیں تو ان کو حکم ہوا ہے کہ تم اگر دین الٰہی پر قائم رہنا چاہتے ہو اور مذہب ابراہیمیؑ کو چاہتے ہو تو ان کی طرح اپنے بدن کو صاف شفاف رکھو۔

حدیث:

Marfat.com

حضرت امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ چاند اور ستارے ان سب کو دیکھنا اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر قائم رہنا اور بیٹے کو ذبح کرنا یہ سب ان
امتحانات میں سے ہیں یہ قصہ مجھ کو اس لیے سنایا جارہا ہے کہ یہ مشرکین یہودی اور نصاریٰ سن کر آپ ﷺ کی نبوت کی اتباع کریں فرمایا اگر ابراہیمؑ کو اپنا راہی سمجھتے ہیں اب یہ
میرے دین کی اتباع کریں یہ بات ان یہودیوں کو شاق گزرے گی اس حدیث کے بعد یہ امر ظاہر ہے حضرت ابراہیمؑ نے امامت کے لیے یہ درخواست کی کہ یہ منصب میری
اولاد میں بھی ہو لیکن اللہ تعالیٰ نے ظالموں کے لیے یہ عہد نہیں فرمایا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ابراہیمؑ کو مکلف فرمایا پھر ان کی عظمت کو بلند فرمایا عموماً یہ درجہ تکلیف کے بعد ملتا ہے ہم
ابراہیمؑ کے درجے کا ذکر عنقریب کریں گے اب اس میں چند مسائل ہیں۔

مسئلہ اول:

امام باقر فرماتے ہیں کہ اِذْ کا عامل مقدر اُذْکُر ہے واذْکُر اِذْ بَتْلٰی ابراہیم یا اَذابْتلاۃَ کان کیت وکعیت یا اس کا عامل قَالَ انیَّ جاعلُک
۔اللہ تعالیٰ نے اس تکلیف کو اِذبْتلٰی کے ساتھ موصوف کیا بطور توسیع کے اس واسطے کہ بندوں میں باہم ایسے حکم دینا بطور امتحان کے ہوتے ہیں۔ اس شخص کا حال بیشتر سے
معلوم نہیں ہوتا جب عرف میں اس کو (ابتلیٰ کو) امتحان کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں درست ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے امر اور نہی کو بطور مجاز کے ابتلا کے ساتھ تعبیر کیا ہے ورنہ حقیقت اس
میں امتحان کے معنی نہیں پائے جاتے اس واسطے اللہ تعالیٰ کو تمام معلومات کا علم (ازل اور ابد کا) تفصیلی ہے۔ اس کے علوم غیر متناہی ہیں۔ ہشام رافقی کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ازل
سے ابد تک علوم کی ماہیت کا علم تھا بعد میں ان اشیاء کے وجود کا ہونا بعد میں ان اشیاء کے موجود ہونے کے بعد ان کے حدوث اور وجود کا علم ہوا معلوم کیا جیسے اللہ تعالیٰ مجازاً اپنے
بندوں کا امتحان لیتا ہے۔ آیت وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى اِلٰی آخِرہ لِيَبْلُوَنَّكُمْ۔ اور اسی صورت میں لِيَبْلُوَنَّكُمْ۔ آیا ہے یاد رہے کہ ہشام کے دلائل سے معلوم ہوتا ہے
کہ حوادث کے موجود ہو جانے کے بعد اللہ تعالیٰ کو ان کا علم ہوتا ہے کا قول باطل ہے اس میں کافی اعتراضات لاحق ہو سکتے ہیں۔

مقدمہ

اگر اللہ تعالیٰ کو قبل از وجود اشیاء کا علم ہو تو خالق سے خلق کی قدرت کی نفی لازم آئے گی اور یہ محال ہے اس واسطے وقوع اور عدم وقوع کا علم جمع نہیں ہو سکتا۔ اس واسطے
ایک دوسرے کی ضد ہے دو ضدوں کا اکٹھا ہونا محال ہے اور اسی طرح جس چیز کے عدم وقوع کا علم ہو اس دلیل کے ساتھ اس کا وقوع محال ہے اگر باری تعالیٰ کو قبل از وجود اشیاء ان
کے وجود کا علم ہو تو بعض اشیاء کا وجود اور بعض کا واجب اور بعض کا ممتنع ہو جائے گا۔ اس تقدیر پر خالق اور قدرت کی نفی لازم آئے گی۔ اس واسطے محال ہے کہ ثابت ہے کہ عالم
حادث ہے اور ان کے لیے کوئی موثر ہے اور اس موثر کے لیے یہ بات ضروری ہے کہ وہ قادر ہو اس واسطے کہ وہ موجد لـذا ہو گا اس کے قدیم ہونے عالم کا قدیم ہونا لازم آئے
گا۔ یا عالم کے حدوث سے اس کا حدوث لازم آئے گا خلق کے حق میں بھی قدرت کی نفی محال ہے اس واسطے ہم کو اپنے وجدان سے یہ بات بالبداہت معلوم ہوئی ہے اگر نہ کرنا
چاہیں تو نہ کرنے پر قدرت ہوتی ہے اگر اس چیز کا فعل یا عدم فعل واجب یا ممتنع ہوتا تو یہ قدرت ہرگز حاصل نہ ہوتی جو بالبداہت ہم کو حاصل ہے ایک معلوم کے ساتھ دوسرے معلوم
کا علم ہے وہ تعلق غیر ہے۔ ایک تعلق کا ہم کو علم اور تصور ہوتا ہے اور دوسرے تعلق سے غفلت ہوتی ہے اور اگر دونوں تعلق ایک ہی تعلق ہوتے تو یہ بات محال تھی اس واسطے کہ ایک چیز
معلوم اور غیر معلوم نہیں ہو سکتی جب یہ بات ثابت ہو گئی تو ہم یہ کہتے ہیں اگر اللہ تعالیٰ کو ان تمام جزئیات کا علم ہوتا تو علوم غیر متناہی یا اس کے علم تعلقات غیر متناہی ہوں گے۔ ہر
تقدیر ایک مرتبہ میں موجودات غیر متناہیہ کا پایا جانا لازم آئے گا۔ اور یہ بات محال ہے اس واسطے کہ ان اشیاء کا مجموعہ ان مجموعہ سے زیادہ ہے۔ اگر بیس سے دس کم کر دیے جائیں تو وہ
مجموعہ متناہی ہو گیا۔ اگر وہ مجموعہ دس سے بقدر زیادہ ہو تو وہ متناہی ہے۔ جب متناہی کے ساتھ متناہی ملتا ہے وہ بھی مجموعہ متناہی ہو جاتا ہے پس ثابت ہوا کہ امور غیر متناہیہ کا وجود محال
ہے اگر کوئی اعتراض کرے کہ موجود بھی علم ہے تو یہ امور کی طرف اضافت ہے خارج میں ان کے لیے وجود نہیں نکلتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ علم کی علیت معلوم ہونے کے اوپر
موقوف ہے۔ پس اگر یہ تعلق نفس الامر ہیں حاصل نہ ہو تو لازم آئے گا وہ نفس الامر میں علم علم نہ ہو۔ اور یہ بات محال ہے ان معلومات کو غیر متناہیہ کی نسبت ہم کہتے ہیں کہ ان کے

Marfat.com

جاننا چاہئے کہ ضمیر کے لیے ایسی چیز مرجع ہونا چاہئے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہو پس ضمیر میں لفظاً معناً تقدم ہوگا یا لفظ معناً تاخر ہوگا۔ یا لفظاً تقدم اور معناً تاخر ہوگا یا اس کے برعکس ہوگا۔

قسم اول:

لفظ معناً اس کو تقدم ہو تو علماء کے نزدیک یہی مشہور ہے کہ یہ جائز نہیں مگر ابن عربی اس کے جواز کے قائل ہیں اور شعر سے اور نیز دلائل عقلی سے اس کو ثابت کیا ہے یعنی اس کا پروردگار عدی بن حاتم کو ایسے جزا دے جیسے بھونکنے والے کتوں کو جزا دی گئی ہے اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی کہا ہے دلیل عقلی یہ ہے کہ فاعل موثر اور مفعول پر اثر کیا ہوا ہوتا ہے ان دونوں کا فعل کے ساتھ شدید تعلق ہوتا ہے پس ان دونوں میں سے ایک دوسرے پر مقدم کر دیا جائے تو کچھ بعید نہیں اس پر سب کا اتفاق ہے کہ فاعل کا مفعول پر تقدم کرنا جائز ہے پس اس طرح اس کے ضمیر کو مقدم کر دیا جائے تو یہ جائز ہوگا۔

قسم دوئم:

یعنی لفظوں میں بھی ضمیر موخر ہو اور معنی میں بھی موخر ہو اس کی صحت میں کسی کو نزاع نہیں جیسے ضَرَبَ زَيْدٌ غلافة۔

قسم سوئم:

ضمیر لفظوں میں مقدم ہو اور معنی میں موخر ہو جیسے ضرب غلامه زيد اس جگہ ضمیر لفظ میں مقدم ہے اور معنی میں موخر ہے اس واسطے اصل میں مفعول موخر ہے فاعل مقدم ہے اور اصل عبارت یوں ہے زَيْدٌ ضَرَبَ غلافة۔ پس لامحالہ یہ صورت جائز ہوگی۔

قسم چہارم:

ضمیر معنی میں مقدم اور لفظ میں موخر ہو جیسے اِذِ ابْتَلٰى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ۔ میں فاعل معنی کے اعتبار سے مفعول پر مقدم ہے اور تقدیر عبارت یہ ہے وَاِذِ ابْتَلٰى رَبُّهٗ اِبْرٰهِيْمَ۔ لیکن معنی کے اعتبار سے اگرچہ ایسا ہے چونکہ لفظ میں خبر مقدم نہیں ہے بلکہ موخر ہے اس واسطے یہ صورت بھی بخوبی جائز ہے۔

مسئلہ چہارم:

ابن عمرو نے اس کو ابراہام اور باقیوں نے ابراہیم پڑھا ہے اور یہ دونوں لغت میں آئے ہیں اور ابن عباسؓ اور ابوحیاتؒ نے ربّہ۔ کی نصب اور ابراہیم کو رفع کے ساتھ پڑھا ہے جو قرات مشہورہ کے خلاف ہے مقصود یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے چند امور کی درخواست کی کہ اللہ تعالیٰ ان کو قبول فرماتا ہے یا نہیں۔

مسئلہ پنجم:

مفسرین کا اس بات پر اختلاف ہے کہ یہ لفظ ظاہری ان کلمات پر دلالت کرتا ہے ان امور میں وہ کلمات مراد ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم تجھ کو امام بنائیں گے۔
امام باقرؒ وابی بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس آیت کو بیان فرما کر کہ ان میں وہ امور مراد ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو وہ نبوت عطا فرمائی جو لوگوں کے لیے امام اور راہنما ثابت ہوئی۔ تمام فرقے ان کی عظمت کا اقرار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ میں تجھ سے بیت اللہ کو پاک کراؤں گا۔ نیز میری بعثت کے دعا کرنے کا حکم فرمایا۔ کہ میرے حبیب ﷺ کی بعثت کے لیے ابراہیمؑ جیسا برگزیدہ پیغمبر دعا کرے تو دعا قبول کرے۔
اس حدیث کے بعد امام باقرؒ فرماتے ہیں کیونکہ یہ امر شاق تھا نبی کے لیے اس کی نبوت سے بڑھ کر اور مشکل کام کوئی نہیں ہوتا سب سے یہی امر مشکل ہوتا ہے کہ نبی کو تبلیغ کرنے میں بڑی بڑی دشواریاں لاحق ہوتی ہیں جو شخص نبوت کے منصب پر فائز ہوتا ہے وہ اپنے منصب پر ذرا بھر خیانت نہیں کرتا ان کے لیے خیانت کرنا بڑی دشواری ہوتی ہے اگر وہ ایسا کریں تو ان کی نبوت کفر تک جا پہنچے گی۔ تو لہٰذا حضرت ابراہیمؑ کو جن امور کے بارے میں حکم ہوا اور ان میں نبی کریم ﷺ کی بعثت کی دعا کی۔ کعبۃ اللہ کو پاک کرنا

Marfat.com

اگر اللہ تعالیٰ کوان کی تعداد کا علم نہیں تو اللہ تعالیٰ کا علم تفصیلی
عدد کو علم اللہ تعالیٰ کو ہوگا یا نہ ہوگا ان کی تعداد معلوم ہے تو وہ متناہی ہوئی اس واسطے کہ جس کی تعداد معین ہو وہ متناہی ہوتا ہے
نہ ہوگا در ہمارا کلام علم تفصیلی میں ہے ہر معلوم ذہن کے اندر اپنے ماسوا سے ممتاز ہوتا ہے اور ہر متمیز سے اس کا ماسوا خارج ہوتا ہے۔ اور جس سے اس کا غیر خارج ہو وہ چیز متناہی
ہوئی ہے پس معلوم ہوا کہ ہر معلوم متناہی ہے اگر متناہی ہے تو غیر متناہی چیز معلوم نہیں ہو سکتی۔ ایک شے جب معلوم ہوئی ہے جب علم کو اس کے ساتھ تعلق اور نسبت ہوتی ہے اور ایک
شے کی نسبت دوسری شے کی طرف فِی نَفْسِہٖ۔ دوسری شے کے وجود کو مستعرم ہے اگر اس واسطے کہ دوسری چیز کے لیے تعین اور وجود نہ ہوگا اس کی طرف نسبت نہیں ہو سکتی
اور شے شخص قبل اپنے وجود کے شخص اور متعین نہیں ہو سکتی بش یہ امر محال ہوا۔ کہ علم اس کے ساتھ متعلق ہو سکے اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ یہ فائدہ محالات اور مرکبات سے باطل ہوتا
ہے اس واسطے کہ وجود میں داخل ہونے سے پہلے ہم ان کو معلوم کر سکتے ہیں اور یقین کی ضرورت نہیں ہوتی تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس اعتراض سے ہمارا کلام بطور نقیض ہوتا ہے
اور ہمارے کلام کا جواب نہیں ہوتا اور فقط نقیض ہونے سے شک اور شبہ زائل نہیں ہوتا یہ تمام قول ہشام رافعی کے ہیں جو روافض کا رئیس تھا ہمارے اہل اسلام کے نزدیک یہ ہے کہ
اللہ تعالیٰ کو بعد از وقوع تمام مخلوق کو جانتا ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کے موجود ہونے کا علم ہے اس کا علم بے کنار سمندر ہے۔ ہم بنی آدمؑ کافی ساری وقوع کی چیزوں کو
پہلے جانتے ہیں کہ کل مشرق سے سورج طلوع ہوگا۔ یہ امکان وقوع پر دلالت کرتا ہے جب ان چیزوں کا معلوم ہونا ضروری ہوا تو ہم یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو ان چیزوں کا علم ہے
علم الٰہی کا تعلق علوم کے ساتھ ایک ایسا امر ہے واجب تعالیٰ کو لذاتہ ثابت ہے پس بعض کے ساتھ تعلق اولیٰ اور بعض کے ساتھ غیر تعلق اولیٰ نہ ہوگا۔ اور تخصیص پائی جائے تو مخصص کی
حاجت ہوگی یہ محال ہے پس ضرور ہوا جس طرح اس کا بعض کے ساتھ تعلق ہے اسی طرح سب کے ساتھ تعلق ہے وہو المطلوب اور ان کے شبہات کا جواب یہ ہے کہ علم بالوقوع
وقوع کے تابع ہے اور وقوع قدرت کے تابع ہے پس تابع متبوع نہیں کے منافع نہیں ہوتا علم لازم ہوا اور قدرت بھی برقرار رہی مراتب اعداد غیر متناہی کا وجود ثابت ہوگیا۔ اور
تمہارا قول غلط ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کو ان کی تعداد کا علم نہ ہو تو کچھ نقصان لازم نہیں آتا اگر تعداد میں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ کو علم نہ ہوتا تو نقصان تھا جب ان کی تعداد میں نہیں تو علم کس چیز
کا ہوگا؟ معلوم میں یہ شرط نہیں کہ عالم کو بھی اس کے غیر کا امتیاز ہو اس سے علم کے بجز کا امتیاز جب ہو سکتا ہے غیر کا بھی علم ہو اس فائدہ کے موافق اس غیر کا علم جب ہو کہ اس غیر
کا بھی علم ہو جب انسان کو علم ہو اس سے بیشتر غیر متناہی اس کو علم ہو جائے اوپر سے پہلے بیان کر چکے ہیں کہ تمہارا شبہ منقول ہوا اور ساقط ہو گیا علوم الٰہی پر ہم نے دلیل بیان کر دی
ہے تمام معارضات سالم رہے۔ حضرت امام باقرؓ فرماتے ہیں کہ ہمارا مدعا یہ ہے مطابق حدیث کہ اللہ تعالیٰ کا علم دائمی ازلی ابدی اور غیر متناہی مخلوق کے لیے ہیں نبی پاک ﷺ نے
فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے علم کو دائمی و ابدی سمجھو نیز حضرت امام باقرؓ فرماتے ہیں کہ علم تفصیلاً و اجمالاً مخلوق کے لیے ہے جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ ایک مجموعہ یا دو مجموعے یا یہ کہ بیس
سے دس کر دینا یا بیس سے بڑھا دینا متناہی و غیر متناہی سلسلہ ہے یہ عالم کے لیے ہے اللہ تعالیٰ کا علم ابدی ہے۔ وہ ذات مستقل ہے عالم کی مثال جیسے کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اس
کی ہتھیلی پر چیونٹی یا مچھر کی مانند ہے تو عالم کا علم بھی ایسے ہی ہے جب چیونٹی اور مچھر کو کوئی وقعت نہیں تو اس ذات کے سامنے عالم اور عالم کے علم کی کوئی وقعت نہیں وہ بھی اسی کی
مانند ہے علم ابدی کے سامنے متناہی و غیر متناہی کا سوال نہیں یہ مخلوق کے لیے ہے اس میں حرکات کا ہونا ضروری ہے اس کی مثال یہ ہے کہ جیسے دریا کے اندر پانی حرکت کرتا ہے
حالانکہ دریا کا پانی غیر متناہی ہے اود سمندر کے پانی میں کوئی حرکت نہیں اس طرح متناہی و غیر متناہی کے اندر حرکات ہیں اور اللہ تعالیٰ کا علم ابدی ہے وہ حرکات سے پاک ہے۔ ذات
نے متناہی و غیر متناہی کا سلسلہ مخلوق کے لیے خود پیدا فرمایا ہے وہ ذات اس سے پاک ہے وہ ابدی ہے ابدی کے لیے متناہی اور غیر متناہی کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ دونوں ممکن ہیں
اسی پر امام باقرؓ نے اپنی تفسیر میں دو لاکھ دلائل عقلیہ بیان کیے ہیں فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے ہم اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ اللہ
تعالیٰ وہ ذات ہے موجد ہے سارے عالم کا وہ ابدی دائمی ہے اس سے معلوم ہوا کہ وہ ازلی اور ابدی ہے فرمایا عالم کا علم اس کے علم میں ایسے ہے جیسے سمندر بے کنار سے ایک قطرہ
پانی کا لے لے تو اس قطرہ کے نکلنے کے بعد سمندر میں کمی واقع نہ ہوگی۔ اس کا علم غیر متناہی ہے۔ اور دائمی و ازلی ابدی ہے اور عالم کے ہونے سے قبل اس نے اپنے علم میں یہ یاد
فرما دیا کہ اب میں عالم کو ممکن میں لانے والا ہوں امام باقرؓ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں تمام مذہب باطلہ کا رد ہے۔ فرماتے ہیں جب اس نے اس جہان کو پیدا کیا تو اس وقت یہ
جہان ممکن میں آیا تب اس کو حدوث لازم ہے اللہ تعالیٰ کے علم کو جو حدوث کہتا ہے وہ صریحاً کفر ہے۔ اس پر اتنا کافی ہے اہل اسلام کا بھی اسی پر اتفاق ہے، لیکن عقلاء نے اس پر
اپنے جو دلائل دیئے ہیں اس حدیث سے ان سب کا بطلان لازم آ گیا۔

مسئلہ سوئم:

Marfat.com

اور کعبۃ اللہ کو بلند کرنا اور ان کی تعمیر کرنا اور صاحبزادے کا ذبح کرنا۔ یہ امور ان کے لیے بطور امتحان تھے نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ یہی امور تھے جن کو حضرت ابراہیمؑ نے بآسانی پورا کیا اور نبی اپنے کام میں ذرا بھر فرق نہیں کرتا اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی کو جو نبوت حکمت ادا کی جاتی ہے وہ اس حکمت میں مستغرق رہتا ہے۔ چہ جائیکہ ان کو کتنی دشواری کیوں نہ آئے اہل سنت کا یہ عقیدہ ہے کہ نبی کے درجہ کو غیر نبی نہیں پہنچ سکتا۔ امام باقر حدیث بیان کرتے ہیں رسول کریم ﷺ نے اس آیت کو تلاوت کر کے فرمایا کہ نبی کے درجات جو ہوتے ہیں وہ کسی کو حاصل نہیں ہو سکتے۔

اس حدیث کے بعد یہ نتیجہ نکلا کہ حضرت ابراہیمؑ کو بڑی آزمائشیں آئیں کعبۃ اللہ کو تعمیر کیا مناسک حج کی ابتدا فرمائی اور نبی کریم ﷺ کی بعثت کے لیے دعا کرنا چہ جائیکہ آسان امر نہیں دشوار ہے۔ بلکہ یہ آزمائش تھی جیسا کہ شیطان کی طرف سے حضرت ابراہیمؑ کی آزمائش ہوئی اور حضرت ابراہیمؑ نے اس کو پورا کیا نبی پاک ﷺ کی بعثت کے لیے نہایت درجہ اخلاص اور کلی عمل کے طور پر حسد کے ازالہ کی ضرورت ہے یہ ارزوئے حدیث ثابت ہوا کہ یہ وہی امور ہیں جن کی آزمائش ہوئی ہے کیونکہ ان کے اندر لفظ بغیر عطف کے ہے یعنی میں تجھ کو لوگوں کا امام بنانے والا ہوں یہ بغیر عطف کے ارشاد فرمایا۔ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا۔ امام باقرؒ اور ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ یہ بغیر واؤ کے ہے۔ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ یہ وہی امور ہیں جن کا پہلے ذکر ہو چکا ہے، جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو مکلف فرمایا۔ حضرت امام باقر اور ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ کے مجموعہ میں ہے کہ لوگوں نے امامت کے بارے میں رسول کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ امامت کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب حضرت ابراہیمؑ نے ان امور کو پورا کیا تو اللہ تعالیٰ نے میری بعثت کے لیے ان کو دعا کے لیے فرمایا تھا۔ اور انہوں نے دعا کی اس ضمن میں اللہ تعالیٰ نے ان کو اس دعا کی وجہ سے امام فرما دیا۔ اور بیت اللہ کو پاک کرنے کا درجہ بھی ان کو حاصل ہوا۔ فرمایا کہ یہ تمام امور ان کے اندر شامل ہیں۔ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان تمام مجموعہ امور سے حضرت ابراہیمؑ کا امتحان فرمایا۔ اسی امر میں ان ہی اصحابوں نے اور حدیث درج کی ہے۔ رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ ان امور میں وہ امور بھی شامل ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ کو اللہ تعالیٰ نے جن آزمائشوں کے ساتھ آزمایا کہ ان میں یہ بھی ہے کہ انہوں نے اپنی قوم کو امر اور نہی کے ساتھ تکلم فرماتے تا کہ ان پر حجت قائم ہو جائے مفسرین نے بھی اسی قول کو بیان کیا ہے حضرت ابن عباسؓ اور حضرت امام باقرؒ اور ابی بن کعبؓ نے دس صفات بیان کی ہیں حضرت علی فرماتے ہیں کہ دس صفات یہ ہیں ان کے اندر شامل ہیں تقسیم غنیمت اور ان سب امور میں وہ ثابت قدم رہے امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ یہ تمام آزمائشیں حضرت ابراہیمؑ کو نبوت کے اعلان کے بعد آئیں صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ سیارے کو ایک شمس وقمر کا دیکھنا کس امر میں تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نبی کو نبوت ابتدا سے ملی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے روز میثاق کو جن کو نبی بنانا تھا منتخب کر دیا۔ بلکہ نبوت کی اصل حکمت اس سے بھی اول ہے پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ لوگ شمس وقمر سیارے اور بتوں کی پرستش کرتے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے بطور امتحان حضرت ابراہیمؑ کی آزمائش کی کہ آیا وہ ان معبود باطلہ کو اپنا معبود ٹھہراتے ہیں جو عارضی ہیں لیکن حضرت ابراہیمؑ اس آزمائش پر پورے اترے اور انہوں نے ان کو دیکھ کر فرمایا کہ یہ میرے معبود نہیں ہو سکتے میرا معبود وہ ہے جو دائمی اور ابدی ہے۔ یہ آزمائشیں اعلان نبوت سے پہلے تھیں اور باقی تمام امور یعنی کعبۃ اللہ کا بنانا، میری بعثت کی دعا کرنا، صاحبزادے کا ذبح کرنا، آگ میں جانا اور قوم کو تبلیغ کرنا۔ یہ سب امور اعلان نبوت کے بعد ہیں فرمایا یہ سب امور اس آیت میں نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ حضرت ابراہیمؑ کی شریعت میں فرض ہوئیں اور میری امت کے لیے وہ سنت ہیں پانچ سر میں اور پانچ باقی بدن میں یعنی کلی کرنا۔ ناک میں پانی ڈالنا، سر کے بالوں کی مانگ بنانا، اور مونچھوں کو ترشوانا، مسواک کرنا، باقی بدن کی یہ ہیں ختنہ کرنا، بغل کے بال، ترشوانا، زیر ناف بالوں کا کاٹنا، پانی سے استنجا کرنا اور ناخن کٹوانا، حضرت امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ کل حضرت ابراہیمؑ کی چالیس شرائط تھیں۔ دس اس آیت میں اَلتَّآئِبُوْنَ اِلیٰ آخرہ۔ اور دس سورۃ احزاب میں اِنَّ الْمُسْلِمُوْنَ اِلیٰ آخرہ۔ اور دس سورۃ معارج میں وَالَّذِیْنَ فِیْ اَمْوَالِھِمْ۔ میں اور دس سورہ مومنون میں یعنی اللہ سے لے کر خَالِدُوْنَ۔ تک حضرت ابراہیمؑ نے ان سب کو پورا کیا ارشاد ہے اِبْرَاهِیْمَ الَّذِیْ وَفّٰی۔ یعنی حضرت ابراہیمؑ کی تبلیغ کے وقت اپنی قوم سے اور نمرود سے اور اپنے چچا سے توحید کے اندر جو تکالیف پیش آئیں وہی ہیں ان سب سے مناظرہ کا پیش ہونا یعنی نماز اور زکوٰۃ روزہ حج یہ تمام امور شامل اور اللہ تعالیٰ نے جن کے سبب حضرت ابراہیمؑ کو امامت کے درجے پر بھی فائز کیا۔ تو ثابت ہوا کہ حضرت ابراہیمؑ نے ان تمام کو پورا کیا۔ آپ ﷺ نے یہ آیت بھی پڑھی وَاِبْرَاهِیْمَ الَّذِیْ وَفّٰی۔ تو بس جب ایک روایت مستقل مل جائے تو پھر اقوال کی طرف رجوع نہیں کرنا چاہئے کیونکہ قفال بھی رکھتا ہے کہ اگر اس کے بارے میں مستند روایت مل جائے۔ یہ تمام امور وہی تھے اس پر عمل کرنا چاہئے یا بعض امور کے بارے میں ہو تو تب بھی درست ہے لیکن اگر کوئی روایت نہ ملے تو توقف کرنا چاہئے تو اب یہ دیکھتے ہیں کہ فَاَتَمَّھُنَّ کے اندر ضمیر حضرت ابراہیمؑ کی طرف راجع ہے اس کی نظیر یہ آیت ہے وَاِبْرَاهِیْمَ الَّذِیْ وَفّٰی۔ دوسری قرات سے یہ مقصود ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے جو دعا کی تھی اللہ تعالیٰ نے ان کو پورا فرمایا دیا اللہ تعالیٰ نے ان

Marfat.com

کے ساتھ جو وعدہ فرمایا اس کو پورا فرمایاؐ کہ لوگ تمہاری اقتدا کریں گے۔اس کے اندر چند مسائل ہیں۔

مسئلہ اول:

نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو منصب نبوت عطا
امامت سے کیا مراد ہے؟ حضرت امام باقر اور ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ
امامت سے کیا مراد ہے؟ حضرت امام باقر اور ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو منصب نبوت عطا
فرمایا آپ ﷺ نے فرمایا ہر نبی امام ہوتا ہے۔امام وہ ہوتا ہے جس کی لوگ اتباع کریں آپ ﷺ نے فرمایا کہ امام خلیفہ کو بھی کہتے ہیں۔حضرت امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث
سے ثابت ہوتا ہے کہ امام نبی ہوتا ہے اگر وہ امام نہ ہو دوسری اقتداء کی کرے تو وہ امام نہیں ہوسکتا امام تب ہی ہوگا جب لوگ اس کی اتباع کریں گے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان
کو لوگوں کے لیے چن لیا اور امام بنا دیا یعنی امام نبی تب ہوتا ہے جب اس پر کوئی شریعت وارد ہو وہ ان احکام کو تبلیغ کرے اور لوگ اس کی پیروی کریں تو اس وقت وہ امام تصور ہوگا
یوں سب نبی امام ہیں اور نبیوں کا درجہ تمام مخلوق سے اعلیٰ اور ممتاز ہوتا ہے اور ہر نبی امام ہے۔اور قاضی بھی امام ہوتا ہے اور عالم بھی امام ہوتا ہے اور جو خلیفہ وقت ہو وہ بھی امام ہوتا
ہے اور امام جو امامت کراتا ہے وہ ابھی امام ہے۔جیسا کہ حدیث میں ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ امام کی پیروی کرو اور جس طرح وہ رکوع کرے اسی طرح رکوع کرو جس
طرح وہ سجدہ کرے اسی طرح سجدہ کرو اور امام کے خلاف مت کرو۔
فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ کے مجموعہ میں ہے کہ رسول کریم ﷺ سے صحابہ کرامؓ نے
پہلے بیان ہو چکا ہے کہ انبیاء بھی امام ہوتے ہیں حضرت امام باقرؒ اور ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ کے مجموعہ میں ہے کہ رسول کریم ﷺ سے صحابہ کرامؓ نے
امامت کے بارے میں پوچھا امام کون ہوتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ امام راہنما ہوتا ہے اصل میں امام نبی ہوتا ہے فرمایا اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو امام فرمایا ہے۔ارشاد فرمایا
وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ ۔فرمایا یہ انبیاء کے لیے عام ہے اس کا مطلق عموم انبیاء کے لیے ہے جو انبیاء کی پیروی کریں گے وہ مقید امام ہوں گے یہ بھی فرمایا کہ باطل امور
کے لیے بھی امام ہوتے ہیں حضرت امام باقرؒ اس کی تفسیر یوں کرتے ہیں کہ امامت کا مطلق کا حق ہدایت پر حق ہوگا۔اور جو باطل امور کا امام ہوتے ہیں وہ مقید ہوتے ہیں جیسے کہ
اس آیت میں ہے وَجَعَلْنَا اَئِمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۔فرماتے ہیں کہ ان الا ان کی امامت کو مقید کر رہا ہے کیونکہ وہ آگ کی طرف اشارہ ہے یہ اشارہ مقید ہے یہ مطلق
الا کا لفظ اس پر ہوگا جو امور حق اور امور خیر کی طرف ہوگا۔تو اس پر یہ امامت کا لفظ مطلق ہوگا اگر امور باطلہ کی طرف ہو تو پھر مقید ہو جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی آئمہ خلال کے ساتھ
تعبیر فرمایا ہے جیسا کہ اِلٰـه کا لفظ معبود حق پر اور معبود باطل پر بھی بولا جاتا ہے جب حق پر مطلق بولا جائے تو وہ مطلق ہوگا اور باطل پر بولا جائے تو مقید ہوگا جیسا کہ اس آیت میں
ہے فَمَا اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِىْ یا وَانْظُرْ اِلٰى اِلٰهِكَ ۔جب ثابت ہوا کہ امامت کا لفظ عموم پر صادق آیا تو سب سے درجہ نبی کا بہتر ہے۔اور اللہ تعالیٰ نے اس کو
بطور احسان فرمایا چونکہ اللہ تعالیٰ کی بیش بہا نعمتوں میں اور مخلوق بھی شریک ہے اس بنا پر ضرور مطابق حدیث کے کہ امامت سے نبوت مراد ہے۔

مسئلہ دوئم:

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کے وعدہ کو پورا فرمایا کہ ان کو قیامت تک امام رکھے گا ہر فرقہ حضرت ابراہیمؑ کی نبوت کا اقرار کرتا ہے کوئی ان کے ساتھ نصب کے ساتھ
تعلق قائم کرتا ہے کوئی ان کی شریعت کو ساتھ تعلق قائم کرتا ہے۔بت پرست بھی حضرت ابراہیمؑ کی عظمت کے قائل ہیں اور مذہب میں بھی ہر فرقہ ابراہیمؑ کے مذہب کے اختیار
کرنے کی کوشش کرتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے پھر ہم نے وحی فرمائی آپ ﷺ کی طرف کہ آپ ﷺ مذہب ابراہیمؑ کی پیروی فرمائیں اسی طرح حضرت ابراہیمؑ کا بارے
میں ارشاد ہوتا ہے کہ تمہارے باپ کا ابراہیم کا مذہب سیدھا ہے۔اور اسکا نام سلمان ہے اور وَمَنْ يَّرْغَبُ ۔اور نبی پاک ﷺ کی امت کو حکم ہے کہ نماز میں ان پر درود بھیجو تو وہ
پنج گانہ جائے گانہ نمازوں میں ان پر درود بھیجتے ہیں۔

مسئلہ سوئم:

جو لوگ اس کے قائل ہیں کہ تنقیص اور تسریح سے امامت نہیں ہوتی انہوں نے اپنے قول کو اس آیت سے ثابت کیا ہے جب اللہ تعالیٰ نے ان کی امامت کی تصریح
فرمادی تو اس وقت وہ امام بنے اس کی نظریہ ہے اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ۔اس سے تنصیص سے یہ ثابت ہوئی کہ جب شارع کی طرف سے حکم نہ ہو اس وقت
تک امام کوئی نہیں ہوسکتا ان کا یہ قول ضعیف ہے کیونکہ پہلے حدیث سے بیان ہو چکا ہے کہ نبی امام ہوتا ہے یہ احادیث متواتر ہیں اور اگر کوئی ان کے پاس دلیل ہو بھی تو اس آیت

Marfat.com

میں نہ نفی ہے نہ اثبات۔

مسئلہ چہارم:

حضرت امام باقرؒ فرماتے ہیں حضرت علیؓ کے مجموعہ میں ہے کہ صحابہ نے رسول کریم ﷺ کی عصمت کے بارے میں دریافت کیا کہ انبیاء سے بھی کوئی معصیت ہوسکتی ہے فرمایا اگر ان سے معصیت ہو تو وہ پیغمبر نہیں ہوسکتے فرمایا انبیاء اول سے لے کر آخر تک معصوم ہوتے ہیں ان سے کوئی لغزش یا معاصی سرزد نہیں ہوسکتی فرمایا تب ہی تو لوگ ان کا اتباع کرتے ہیں کہ شارع ان کو ہر گناہ سے معصوم رکھتا ہے اس حدیث سے بھی ان کا قول ضعیف ہوگیا۔ مِن ذُرِّيَّتِي۔ کے اندر چند مسائل ہیں۔

مسئلہ اول:

ذُرِّيَّت اولاد کو کہتے ہیں اور اولادوں کی اولاد کو بھی ذریت کہا جاتا ہے یہ ذریت ذراء اللہ الخلق سے ماخوذ ہے یعنی اس کے اصل معنی بکھیرنے کے ہیں تخفیف کے لیے ہمزہ کو دور کر دیا گیا ہے جیسے بدیئت اور بریت ایک احتمال یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان کی نسبت ذر کی طرف ہوسکتی ہے جیسے ذر چیونٹی کو کہتے ہیں۔

مسئلہ دوئم:

من ذریتی کا عطف ضمیر پر ہے گویا یہ معنی ہیں وَجَاعِلُ بعد ذُرِّيَّتِي۔ جس طرح ایک شخص دوسرے سے کہے کہ میں تیری تعظیم کروں گا وہ یہ کہے کہ وہ زید کی بھی تعظیم کرے گا۔

مسئلہ سوئم:

حضرت امام باقرؒ ابی بن کعبؓ اور سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو مطلع فرما دیا کہ تیری اولاد میں سے انبیاء مبعوث کیے جائیں گے اور ظالموں کو یہ حق نہ ہوگا۔ جو ظالم نبوت کے قابل نہیں ہوسکتے۔ آپ ﷺ نے یہ فرمایا کہ حضرت ابراہیمؑ کو ایسی دعا کرنے کی اجازت دی گئی کہ اگر کوئی اعتراض کہ جب اجازت دی گئی تھی تو پھر ان کی دعا کو قبول کیوں نہ کیا گیا۔ یہ بھی انہیں اصحاب سے روایت ہے رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو جو دعا کی اجازت فرمائی تھی اس کو پورا بھی فرمایا ان میں سے ان کی اولاد میں سے یعقوب، اسماعیل، اور اسحاق، یعقوب، یوسف، الیاس، موسیٰ، ھارون، سلیمان، ذوالکفل، یحییٰ، زکریا علیہم السلام اور عیسیٰؑ اور آخر میں مجھے تمام انبیاءؑ کا سردار بنا کر مبعوث فرمایا۔ جو ظالم تھے وہ اس عہد میں داخل نہیں ہوئے۔

اب لاینال کے اندر چند مسائل ہیں۔

مسئلہ اول:

کہ ہمزہ نے یا کو سکون کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی قراء نے فتح الیاء میں چند امور بیان کیے ہیں انہوں نے کہا ہے کہ عہد سے نبوت مراد ہو تو امامت مراد ہوگی بعض نے یہ کہا ہے کہ اللہ کی مرضی مراد ہوگی۔ بعض نے یہ کہا کہ اس سے رحمت مراد ہے اور کئی اقوال بیان کیے گئے ہیں لیکن قول اول حدیث کے موافق ہے اگر خلاف ہوتا تو امامت کے فرمانے سے کیا مقصد ہوتا؟ حدیث سے ثابت ہوگیا کہ امامت سے مراد نبوت ہے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا حضرت ابراہیمؑ کو یہ معلوم نہ تھا کہ ان کی اولاد ظالم ہوگی آپ ﷺ نے فرمایا کہ بعض اولاد کو اللہ تعالیٰ نے انبیا بنایا اور بعض اولاد بوجہ ظلم نبوت پر فائز نہ ہوسکی یعنی اس وقت حضرت ابراہیمؑ بقیہ اولاد کے حالات پر توجہ نہیں فرما رہے تھے وہ اسی خوشی میں دعا کر رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح مجھے نبوت اور امامت پر فائز کیا ہے میری اولاد کے لیے بھی یہ حکم ہوگا اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کر دیا کہ بعض ہوں گے اور بعض نبی ہوں گے اور بعض بوجہ ظلم نبی نہیں ہوں گے۔ جو بھی ہوں گے وہ اول سے ہی منتخب کر دیئے گئے ہیں اب اس حدیث کے بعد کسی قول یا کسی حجت کی ضرورت نہیں رہی اور جن لوگوں نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی خلافت کا انکار تین طور پر ثابت کیا ہے اول یہ کہ حضرت عمرؓ اور حضرت ابوبکرؓ اسلام لانے سے پہلے کافر تھے اور کافر ظالم ہوتا ہے اور ظالم عہد

Marfat.com

اعتبار سے خطاوار ہو وہ ظالم ہوتا ہے جب تک یہ امامت پر فائز نہیں ہوسکتا۔ جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ وہ کافر تھے تو وہ کسی طرح بھی امامت کے حق دار نہیں ہیں جو شخص باطن کے اعتبار سے خطاوار ہو وہ ظالم ہوتا ہے جب تک یہ ظاہر نہ ہوجائے جب تک یہ ثابت نہ ہوجائے کہ یہ دونوں صاحب ظاہر اور باطن سے خطاوار نہ ہوں اور ان سے خطا نہ ہوئی ہوتب وہ امامت کے حق دار نہیں۔ جب کہ امامت معصوم کے لیے ہوتی ہے۔ یہ بالاتفاق ثابت ہے وہ معصوم نہ تھے ان کو امامت کا حق کیسے مل سکتا ہے تیسرے یہ کہ وہ اسلام لانے سے قبل مشرک تھے ہر مشرک کافر ہوتا ہے اور ہر مشرک ظالم ہوتا ہے اس کی نظیر اس آیت میں ہے۔ انَّ الشِّرۡكَ لَظُلۡمٌ عَظِيۡمٌ ۔ کہ شرک بہت بڑا ظلم ہے اس وجہ سے وہ امامت کے حق دار نہیں ہوسکتے کفر کا ظلم اور اس کا مشرک ظالم ہوتا ہے اس کی نظیر اس آیت میں ہے۔ یعنی ایک مفہوم دوسرا مفہوم کی طرف نسبت کرے گا۔

زوال اسلام کے بعد ہے یعنی جب اسلام کے بعد اس کا زوال ہوگیا تو ہم یہ کہتے ہیں کہ ظلم ماضی میں یا حال میں یعنی ایک مفہوم دوسرا مفہوم کی طرف نسبت کرے گا۔ ثابت ہوا کہ زوال کے بعد مفہوم اول کی نفی ہوگئی جیسے شرع کی رو سے خواب میں بھی کسی کو مومن کہتے ہیں حالانکہ ایمان تصدیق کا نام ہے خواب کے اندر یہ تصدیق نہیں پائی جاتی پس ثابت ہوا کہ تصدیق مطابقت کی وجہ سے اس کو مومن کہتے ہیں نیز ظلم سابق کی وجہ سے بھی اس کو کہا جاسکتا ہے جیسے کلام جو کہ حروف کا نام ہے جو ایک دوسرے کے بعد بولے جاتے ہیں غرض اس اشیاء کے مجموعہ کے لیے وجود نہیں نکلتا پس اگر مشتق کے صادق آنے پر مشتق عموم کا پایا جانا ضروری ہوتا تو متکلم یا ماشی وغیرہ کا نام حقیقتاً صادق نہ آتا اور یہ قطعاً بالکل باطل ہے۔ پس ثابت ہوا کہ مشتق کے لیے عموم مشتق کے لیے ضروری نہیں ہے اگر کوئی شخص حلف اٹھائے کہ میں کافر کو سلام نہ کروں گا اگر ایسے شخص کو جو پہلے کافر تھا اور بعد میں مسلمان ہوا تو اس کے حلف پر کچھ نقص نہ آئے گا یہ قول اس کا معارض ہے اس کے علاوہ جو شخص کفر سے توبہ کرے اس کو کافر نہیں کہا جائے گا۔ جو شخص معاصی سے توبہ کرے ان کو گناہ گار نہیں کہا جائے گا یا اس کی نظیر اس آیت میں ہے وَلَا تَرۡكَنُوۡۤا اِلَى الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا ۔ کہ ظالموں کے ساتھ میلان مت کرو یا اس آیت سے مَا عَلَى الۡمُحۡسِنِيۡنَ ۔ جو احسان پر قائم بھی اللہ تعالیٰ کی راہ پر یعنی احسان پر جو قائم ہے اس کو محسن کہا جائے گا۔ ہم اوپر بیان کرچکے ہیں کہ یہ امامت نبی کے لیے ہے اور نبی سے ایک لحظہ بھی کفر ہوجائے تو وہ نبی نہیں ہوسکتا۔ جمہور فقہا اور متکلمین کا قول یہ ہے فاسق کو امام بنانا درست نہیں اور اس میں باہم اختلاف ہے کہ اگر بعد کو فسق پیدا ہو تو اس سے امامت باطل ہوجاتی ہے یا نہیں جمہور نے اس بات پر اس آیت سے استدلال بدو طریق کیا ہے ہم اوپر بیان کرچکے ہیں جیسا کہ لا ینال عهدی الظَّالِمِيۡنَ ۔ سے وہی جواب نبوت مراد ہوگا ورنہ جواب اور سوال میں مطابقت نہ ہوگی پس معلوم یہ ہوگیا کہ ظالم کو یہ نبوت حاصل نہ ہوگی ہر عاصی اپنے گناہ کے لیے توبہ کرتا ہے کیونکہ ثابت ہوچکا ہے کہ پیغمبر معصوم ہوتے ہیں اور ان سے ظلم وارد نہیں ہوتا کیونکہ ظلم ایک بہت بڑا گناہ ہے اس میں ثابت ہے کہ ظاہری وہ ظالم نہ ہوں اور باطن میں ان کا ظلم ہو شیعہ اس آیت سے ثابت کرتے ہیں کہ ظاہری اور باطن دونوں چیزیں بیان کرتے ہیں کہ عصمت کے لیے دونوں چیزیں ظاہر ہوں ہمارا مدعا ظاہر پر ہے باطن پر نہیں اگر کوئی اعتراض کرے کہ حضرت یونسؑ نے سُبۡحٰنَكَ اِنِّىۡ كُنۡتُ مِنَ الظّٰلِمِيۡنَ ۔ کہا تو ان کا ظلم ثابت ہوا جیسے آدمؑ نے ربنا ظلمنا کہا اس کا جواب یہ ہے کہ وہ ظلم مطلق طور پر ہے اور اس میں مطلق نہیں ہے اور قرآن کریم میں یہ ارشاد ہے کہ عہد کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کیا ہم نے تمہاری طرف عہد نہیں لیا اے اولاد آدم تم شیطان کی عبادت مت کرو یہ بھی ارشاد ہوتا ہے عَهِدۡنَاۤ اِلَيۡنَا ۔ امام باقر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا عہد بمعنی امر کے ہے یعنی عہد اللہ اور امر اللہ اس بات سے مراد لینا ضروری ہو کہ عہد الظّٰلِمِيۡنَ ۔ یہ عہد ظالموں کے لیے نہیں بلکہ ظالم ان سے خارج ہیں اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو اپنے احکام پر مامور نہیں فرماتا اور نہ لوگ ان ظالموں کی اقتدا کرتے ہیں کیونکہ ظالم احکام شریعت کے لیے نہ پہنچا سکیں گے؟ حدیث میں ہے کہ ظالم راہنما نہیں ہوں گے بجز صالحین کے یہ حدیث بھی اسی امر پر دلالت کرتی ہے کہ ظالم امام نہیں ہوسکتے الغرض اس آیت سے ثابت ہوا کہ فاسق کی امامت جائز نہیں حدیث میں بھی آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرکے کسی مخلوق کی اطاعت روا نہیں اس سے ثابت ہوا کہ فاسق امام نہیں بن سکتا وہ حاکم نہیں بن سکتا قاضی نہیں بن سکتا اگر وہ حدیث کو روایت کرے گا تو اس پر اعتبار نہ کیا جائے گا فتویٰ دے گا تو فتویٰ قبول نہ ہوگا۔ اس کی گواہی قبول نہ ہوگی امامت بھی درست نہ ہوگی اگرچہ اس کے پیچھے نماز درست بھی ہو اور ابوبکر رازی نے یہ کہا ہے کہ فاسق کے پیچھے نماز درست ہے۔ لیکن عدالت درست نہیں یہ لوگوں کا غلط خیال ہے اس واسطے کہ امام صاحب نے خلیفہ اور قائم ہونے پر عدالت کو شرط کیا ہے جب کہ اس کی عدالت کرنا اور اس کی روایت غیر مقبول ہے تو اس کی خلافت کیسے درست ہوگی امام صاحب کی طرف اس قول کی نسبت کیسے ہوسکتی ہے وہ اس قول کے کیسے قائل ہوسکتے ہیں جب کہ بنی امیہ میں سے ابن ہبیرہ نے آپکو قضات کے عہدے کیلیے درخواست کی آپ نے انکار کیا اور اس نے امام صاحب پر سختی کی اور قید میں بند کردیا زدوکوب کیا۔ اور کوڑے لگاتا تھا۔ جب لوگوں کو امام صاحب کی حالت کا اندیشہ ہوا تو فقہا نے آپ سے درخواست کی کہ آپ اس کی مزدوری اختیار کرلیجئے تاکہ زدوکوب سے نجات مل جائے گی تو آپ نے ان کے جو گھاس کی بوریاں آتی تھیں ان کو شمار کرتے تھے چنانچہ ابن منصور کے وقت میں بھی ایسا ہوا اس نے بھی قضاۃ کی درخواست کی لیکن آپ نے بھی اس کی ملازمت اختیار کرلی اور اس کے شہر کے اندر دیواریں بنتی تھیں ان میں آپ مزدوری کرتے تھے اس کی مثل زید بن علی کا حال مشہور ہے زید بن علی نے

Marfat.com

جو حال بھیجا تھا آپ کو یہ خفیہ طور پر فتویٰ دیا کہ ان کی اعانت واجب ہے اور ان کی نصرت واجب ہے اور اس کے ساتھ قتال کرنے کا حال علیٰ ھذا القیاس۔ یعنی محمد بن عبداللہ بن حسن اور ابراہیم بن عبداللہ بن حسن یہ قصہ مشہور ہے پھر ابوبکر رازی نے بیان کیا ہے کہ روایت کرنیوالے کو غلطی ہوئی ہے امام صاحب کا قول یہ ہے کہ اگر قاضی خود عادل ہو اور حاکم جابر کی طرف سے مقرر ہو تو اس کے احکام نافذ ہوں گے اور اس کے پیچھے نماز درست ہوگی اور اس وقت جبکہ قاضی خود عادل ہے وہ احکام نافذ کر سکتا ہے تو اس وقت اس کے احکام نافذ ہوں گے۔ جس طرح کسی شہر کا بادشاہ نہ ہو تو لوگ ایک متقی پرہیزگار کو قاضی مقرر کر دیں تو حکم اس کا ہوگا اور لوگ جو اس کی پیروی کریں گے وہ حکم چلانے میں اس کی مدد کریں گے یعنی حکم اس قاضی کا نافذ ہوگا اور اس کا لحاظ بھی کیا جائیگا۔ جیسا کہ وہ قاضی کسی امام عادل سلطان کی طرف سے نہ ہو اور لوگوں نے اس کو خود بخود مقرر کیا ہو یعنی وہ سلطان کی طرف سے اس کو ودیت نہ ہو۔ اس آیت سے بدوجہ انبیاء کی عصمت ثابت ہوتی ہے اوپر ثابت ہو چکا ہے کہ اس عہد سے مراد امامت ہے اور ہر نبی امام ہوتا ہے اور امام ثابت ہو چکا ہے کہ فاسق کے لیے امامت جائز نہیں معلوم ہوا کہ نبی معصوم ہوتا ہے اور نبی کی عصمت ضروری ہوتی ہے اولاً نبی ایسا شخص ہوتا ہے کہ لوگ اس کی پیروی کریں اور ظلم ان کے قریب تک نہ آیا ہو کہ یہ صفت نبی میں موصوف ہے۔ اگرچہ اس سے مراد امامت ہے تو تب بھی نبی کے لیے ہے کیونکہ لوگ نبی کی پیروی کرتے ہیں اور ان کی احکام سب لوگوں پر مسلط ہوتے ہیں اب ہم عہد کے بارے میں تحقیق بیان کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ سے فرمایا کہ میں جو تجھ سے عہد کرتا ہوں میں اس کو پورا کروں گا جو تیرا عہد ہے مجھ سے وہ تو مجھ سے پورا کر ارشاد ہوتا ہے وَاوفوُا بِعَھدی اُوف بِعَھد کُم۔ یعنی اس کے اندر اللہ تعالیٰ نے اپنے عہد اور بندوں کے عہد سے جدا فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ والَّذِیْنَ ھمُ لَامَانٰتِھِمْ و عھد والمُوفُون بعھدھمَ۔ سورۃ مائدہ کی پہلی آیت بھی وہی آیت کے بارے میں ہے اور اللہ تعالیٰ بنی آدم سے عہد لیتا ہے الم اعھد الیکُم۔ پھر اور جگہ ارشاد ہوتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے عھد الینا۔ اور اللہ تعالیٰ انبیاء سے بھی عہد لیتا ہے اسی آیت میں وَعھدنا اِلیٰ ابراھیم۔ اور حضرت آدمؑ سے اللہ تعالیٰ عہد لیتا ہے ولقد عھدنا الیٰ آدم۔ ہم اب اس عہد کی تحقیق کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو بندوں سے عہد لیا وہ یہی ہے کہ وہ ان کی اطاعت کریں اور ان کے حکم میں بجا آوری کریں اور اللہ تعالیٰ کے عہد سے یہ ہے کہ وہ اپنے بندوں پر اپنی رحمت فضل فرماتا ہے۔ بندوں کو سوچنا چاہیۓ کہ وہ غور کریں اس امر میں کہ ہم نے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ عہد کیا ہے اس کی بجا آوری صحیح طور پر ہو رہی ہے یا نہیں اسی لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ومن اوفیٰ بِعَھدہ مِنَ اللّٰہ۔ اللہ تعالیٰ عہد کو پورا کرنے کی تلقین کرتا ہے اور عہد کی پرسش بھی ہوگی جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس خلقت کو بے مقصد پیدا نہیں کیا خالق کا مخلوق کو پیدا کرنا یہ رائیگاں نہیں ہوتا اور فرماتا ہے کہ میں نے جنوں اور انسانوں کو ایسے پیدا نہیں کیا مگر بندگی کے لیے یعنی یہ بھی اللہ تعالیٰ کو عہد تھا یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی خلقت کو بے سود پیدا نہیں کیا اس کا بھی مقصود ہے ارشاد ہوتا ہے کہ ہم نے زمین و آسمان پیدا فرمائے اور جو کچھ اس کے درمیان میں ہے وہ کھیل اور تماشہ نہیں ہے ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ ہم نے جو کچھ زمین و آسمان میں پیدا کیا وہ حق ہے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو زندگی حیات عقل آلات شعور بخشا انسان کو اس کا شکر ادا کرنا چاہیۓ اور اس کی بندگی میں اپنے آپ کو جھکانا چاہیۓ اور اس کو اپنا خالق سمجھنا چاہیۓ یہ سمجھنا چاہیۓ کہ میں نے جو اللہ کے ساتھ عہد کیا ہے ان میں عہد شکنی کر رہا ہوں اور جو اس نے مجھ سے عہد کیا ہے وہ اس کو بخوبی پورا فرما رہا ہے اور مجھے اپنی نعمتوں سے نواز رہا ہے تو بندے کو یہ حق ہے کہ اس کی عبادت کے اندر ذرا بھر بھی فرق نہ لائے اور جس طرح اس کو حکم ہے اس طرح اس کو پورا کرے اور اس کی نعمتوں کو یاد رکھے اور ارشاد ہوتا ہے کہ جو کچھ تمہارے پاس نعمتیں ہیں وہ اللہ تعالیٰ طرف سے ہیں یہ بھی کتنی عظیم بات ہے کہ وہ نعمت دے کر اپنے احسان کو بطور نعمت فرما رہا ہے۔ کہ اس کو اس نعمت کا شکر ادا کرنا چاہیۓ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے اُولٰٓئِک کَانَ سَعْیُھُمْ مَشْکُوْرًا۔ اللہ تعالیٰ نے تیری کتنی قدر دانی کی ہے تو اس کا شکر کر کہ تجھ کو اس نے ہدایت کا راستہ دکھایا اور ذرا ذرا میں ھادی پیدا کر دے اور اپنے احکام کو ان ھادیوں کے ذریعے تمہارے تک پہنچائے اور اللہ تعالیٰ اپنے عہد کو پورا کرتا ہے اور انسان اس کی ناشکری کرتا ہے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے مارا جائے انسان کہ وہ ناشکری کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے بندے کو یہ فرمایا کہ تجھے میں انعام عطا فرماؤں گا لیکن تو میری مرضیات پر چل لیکن بندے نے اس کی بجائے اس کی مرضیات کو اختیار نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو یہ کہا کہ تم میری نعمتوں کو میری مرضی پر صرف کرنا میں اس قدر نعمتیں بڑھاتا جاؤں گا لیکن بندوں سے یہ کوتاہی ہوئی اللہ فرماتا ہے ہرگز نہیں انسان سرکشی کرتا ہے کہ اس نے اپنے آپ کو دیکھا تو بے پرواہ ہو گیا اللہ تعالیٰ نے تجھ کو انعام فرمائے تھے وہ فرماتا ہے کہ تم لوگوں پر احسان کرو بے شک اللہ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے لیکن تو نے اس کے خلاف کیا اور تو نے لوگوں کی ایذا رسانی کی۔ ارشاد ہوتا ہے جو لوگ بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بخل کا حکم دیتے ہیں تو اس کا مصداق ہونا چاہیۓ تھا کہ تو اللہ تعالیٰ کی نعمت کی طرف رغبت کرتا۔ اور ان کے احسانات کو برباد کرتا اور اس کی حمد و ثناء کرتا لیکن تو نے اسکی حمد کو چھوڑ کر دوسروں کی حمد کو شروع کر دیا جیسے کوئی بادشاہ کسی کو بہترین چیز عطا کرے تو وہ اس کی طرف ادنیٰ لوگوں کی طرف رجوع کرے گا۔ اور اس کی طرف رجوع نہ کرے تو بادشاہ کو اس پر کتنا غصہ ہوگا لیکن اللہ تعالیٰ انسان کو بے شمار نعمتیں عطا کرتا ہے اور انسان باوجود ان کے اس کو

Marfat.com

یاد نہیں کرتا حالانکہ چاہیے تو یہ تھا کہ انسان کو ابتدا عمر سے لے کر آخر عمر تک اعلیٰ اعلیٰ نعمتیں عطا کی ہیں لیکن وہ ایک ایک نعمت پر اس کو شکر کرنا واجب تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر ایسا شکر کرنا سخت تاکید کے ساتھ نہ فرمایا بلکہ انسان ابتدا عمر سے لے کر آخر عمر تک غفلت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ ان پر بے شمار نعمتیں عطا فرماتا ہے حالانکہ انسان روز بروز افعال قبیحہ میں مصروف رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے انعام کبیرہ جاری فرماتا رہتا ہے سب سے بات بڑی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو ایمان کی دولت سے نوازا اگر ایمان نہ ہوتا تو انسان ابدالآباد تک شقی رہتا جیسا کہ کہہ چکا ہوں کہ انسان اپنے افعال قبیحہ میں مصروف رہتا ہے ابتداء عمر سے لے کر آخر عمر تک لیکن اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمت فضل کو جاری رکھتا ہے انسان اپنے فعل قبیحہ کو منقطع نہیں کرتا اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اور انعام کا سلسلہ یہ بھی ختم نہیں ہوتا بس اللہ تعالیٰ نے فرمادیا ہے کہ میرا عہد ظالموں کے لیے نہیں ہوگا اس آیت سے نبوت مراد ہے لیکن انعام ہر کسی کے لیے ہے لیکن ظالم ہو یا کوئی ہو بس ہمیں ہر وقت یہ دعا کرنی چاہیے اے اللہ تعالیٰ ہم تیرے بندے عاجز ہیں اور اپنے نفسوں پر ظلم کرتے رہے ہیں اگر چہ ہم تیرے عہد کو پورا نہیں کر سکتے تو اپنی رحمت اور فضل عام کے طفیل ہم پر رحم و کرم فضل فرما کہ تو ارحم الراحمین ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ۭ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ۭ وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّاۗىِٕفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۔(۱۲۵)

ترجمہ: اور جب ہم نے بیت اللہ کو ان لوگوں کے لیے مرجع اور امن کی جگہ بنایا اور بناؤ تم اس مقام ابراہیم سے نماز کی جگہ اور ہم نے عہد لیا ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ سے کہ اس گھر کو پاک کرو طواف کرنے والوں کے لیے اور اعتکاف کرنے والوں کے لیے اور رکوع کرنے والوں کے لیے اور سجدہ کرنے والوں کے لیے۔

جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کے امام بنانے کا حال بیان فرمایا تھا اور دوسرے حکم کی شرح بیان فرماتا ہے جو حضرت ابراہیمؑ کو ہوا تھا یعنی بیت اللہ کے پاک کرنے کا اور جاننا چاہیے کہ البیت سے مسجد الحرام مراد ہے البیت پر اس واسطے اکتفا فرمایا کہ اس پر الف لام داخل ہے اس واسطے کہ الف لام جس کے لیے آتا ہے مخاطبین کو یہ معلوم کہ اس سے جنس مراد نہیں ہوتی جو چیز ان کے لیے مقرر ہوگی وہ ہی مراد ہوگی کعبہ کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ اس سے کعبہ نفس مراد نہیں اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اٰمنا کے ساتھ موصوف فرمایا ہے اور یہ بات تمام حرم میں پائی جاتی ہے نہ کہ صرف کعبہ میں۔ البیت بول کر کل حرام کا مراد لینا درست ہے جیسا کہ دوسری آیت میں هٰذا یٰبالغ الکعبۃ ۔ کہ یہاں کل حرم مراد ہے نہ فقط کعبۃ سے اور نہ ہی مسجد حرام سے کوئی قربانی ہوتی ہے حدیث شریف میں ہے حضرت امام باقرؒ فرماتے ہیں رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ اس بیت اللہ سے مسجد حرام اور کعبہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیمؑ سے فرماتا ہے رَبِّ اجعل هٰذَا الْبَلَدِ۔ اس واسطے کہ کعبہ بیت اللہ کے ساتھ متصف ہوا اور اس واسطے تمام حرم کی عظمت اللہ کی وجہ سے لازم آئی نیز فرمایا کہ مشرکوں کے لیے کعبۃ اللہ کے اندر داخلہ ممنوع ہے حرم کی عظمت کعبۃ اللہ کی وجہ سے ہے۔ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ ۔ کے اندر چند مسائل ہیں۔

مسئلہ اول:

اہل لغت کہتے ہیں اس کی اصل ثاب ثیوب مثابۃ اور ثوبا سے ہے۔ جس کے معنی رجوع کرنے کے ہیں جیسا کہ کہتے ہیں کہ پانی نہر سے گیا اور واپس لوٹ آیا اور کہا کرتے ہیں کہ فلاں شخص سیلاب کا شکار ہو گیا اور کہا کرتے ہین کہ فلاں شخص کے افعال سے لوگ تنگ ہیں۔

مسئلہ دوئم:

حضرت حسنؓ کے نزدیک اس کے معنی یہ ہیں کہ ہر سال لوگ اسے رجوع کریں گے اور حضرت ابن عباسؓ اور مجاہدؒ یہ کہتے ہیں ارشاد ہوتا ہے کہ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ ۔ بعض کہتے ہیں کہ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ ۔ کے یہ معنی ہیں کہ لوگ بیت اللہ کا حج کریں اور اس کا ثواب ہے اگر کوئی اعتراض کرے بیت اللہ کا اس کی طرف لوگوں کا عود کرنا حاصل ہوتا ہے اور یہ بندوں کا فعل ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کا پس جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ کے معنی یہ ہوئے کہ ہمارے نزدیک اس حدیث سے استدلال ہے نبی پاک ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بندے کے دل میں فعل پیدا فرماتا ہے اس حدیث کے مطابق یہ آیت ہمارے قول کی دلیل ہے اور معتزلہ کے قول کے موافق اس کے یہ معنی ہوں

Marfat.com

گے کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے دل میں بیت اللہ کی عظمت ڈال دی ہے۔ اور وہ اس بات کی طرف راغب ہوتی ہے کہ بار بار کی طرف، بیت اللہ کی طرف عود کرنا ہوتا ہے۔

ابی بن کعبؓ اور امام حسنؓ اور امام باقرؓ حضرت علیؓ کے مجموعہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حج کے آنے پر جو لوگ دور دراز سے آتے ہیں مشرق و مغرب سے لوگ جمع ہوتے ہیں ان میں لوگ تجارت کی نیت بھی کرتے ہیں اور یعنی سیر و تفریح کے راستے میں ملکوں میں چلے آتے ہیں اس میں ان کو منافع ہوتا ہے نیز فرمایا کہ دینی فوائد اس سے یہ ہیں جب وہ گھر سے حج کے لیے قصد کرتے ہیں تو اس کے ایک ایک قدم کے چلنے پر اس کو حج کا شوق ہوتا ہے اور قربت الٰہی کی طلب ہوتی ہے وہاں مسجد حرام میں پہنچ کی کعبۃ اللہ کا طواف کرتا ہے اور اعتکاف میں بیٹھتا ہے اور عبادت الٰہی میں ہر وقت مصروف رہتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے نیز فرمایا کہ اس کے ایک ایک قدم کے بدلے جو گھر سے چلتا ہے اور کعبۃ اللہ کے پہنچنے تک جتنے قدم پر ہر قدم کے بدلے میں ایک سال کی نیکی لکھ دی جاتی ہے اسی طرح عظیم ثواب کا مستحق ہوتا ہے۔

مسئلہ سوئم:

ہمارے بعض علماء نے جَعَلْنَا الْبَيْتَ سے عمرہ کا وجوب ثابت ہو گیا ہے وجہ استدلال یہ ہے مثابۃ النّاس موصوف بایں صفت ہونے کی خبر بیان فرماتا ہے آیت کا اس کے اوپر جاری کرنا غیر ممکن ہے مثابۃ النّاس کے صفت بندوں کے اختیار میں ہے جو چیز بندوں اختیار میں ہو وہ جبر اور اضطرار کے ساتھ اس کا حاصل کرنا ممکن ہوتا ہے جب ظاہر پر آیت کا محمول کرنا ناممکن ہو تو وجوب کے اوپر محمول کرنا لازم ہو گیا جب وجوب پر محمول کیا جائے تو مثابۃ الناس کی صفت کا پایہ جانا ضروری ہو گا بخلاف اس کے اس کو اس استحبات پر محمول کیا جائے پس ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں پر واجب کیا ہے مرۃ بعد اخری بیت اللہ کی طرف عود کریں اور اس پر اتفاق ہے یہ سورۃ سوائے طواف کے دوسری نہیں نکل سکتی پس طواف کا مراد میں ضروری ہوا اس طرح اس آیت پر آیت سے عمرہ کے وجوب کا اس آیت سے ثابت کیا اکثر جن لوگوں نے اکثر قرآن پاک میں کلام کی ہے انہوں نے اس کے وجوب پر کلام کیا ہے اور ہم بھی استدلال کو بیان کر چکے ہیں اس امنا سے امن مراد ہے۔ جعلنا البیت مثابۃ للناس۔ کبھی اس کو ظاہر پر چھوڑ کر خبر کہہ سکتے ہیں کبھی امر کہتے ہیں قول اول یہ ہے حدیث میں ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حرم شریف کو قحط سالی اور خشک سالی سے امن میں رکھا یہ آیت بھی اس کی نظیر ہے اَوَلَمْ یروا انّا جَعَلْنَا حَرَماً۔ اسی طرح اور جگہ بھی ارشاد ہے لهم حَرَماً۔ اس میں یہ مراد نہیں ہو سکتا کہ اس کے اندر قتل واقع نہیں ہو سکتا اس آیت سے استدلال ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم ان کو مسجد حرام کے قریب قتل مت کرو یہاں تک کہ وہ اس میں تم سے قتال کریں تو تم بھی ان سے قتال کرو قتل حرام کبھی حرام کے اندر واقع ہو جاتا ہے کبھی قتل مباح بھی مسجد حرام میں ہو جاتا ہے نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ لوگ بیت اللہ کو قتل اور غارت سے امن میں رکھیں آپ ﷺ نے فرمایا زمانہ جاہلیت میں ایسا ہوتا تھا کہ قاتل اگر حرم کے اندر آ جاتا تو اس کو لوگ نہ چھیڑتے اور لوگ کعبۃ اللہ کی تعظیم کرتے اور قریش کو اہل اللہ کہتے اسی طرح اگر کعبۃ اللہ کے باہر سے کتا ہرن کے پیچھے لگ جاتا تو ہرن اگر حرم شریف میں آ جاتا تو کتا اس کا پیچھا نہ کرتا تھا بلکہ اس کی طرف نہ دیکھتا تھا اسی طرح جانور بھی کعبۃ اللہ کی تعظیم کرتے تھے اسی طرح مکہ شریف کی بکثرت احادیث ہیں حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مکہ کو حرمت دی ہے مجھ سے قبل کسی کے لیے حلال نہیں نہ مجھ سے اور کسی سے حلال ہے میرے لیے دن میں ایک ساعت حلال کر دیا تھا اور پھر اس کی وہی حرمت تھی جو قبل از تھی۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ مراد ہے کہ مکہ کے اندر قتال نہ کیا جائے جب کہ رسول اللہ ﷺ کے لیے ایک خاص وقت میں حلال لڑائی ہوگئی تھی مگر جس شخص کے اوپر حد مارنا واجب ہو تو لوگ اس کو حرم کے اندر نہ گھسنے دیں اور امام بھی یہی حکم دیں اس لیے وہ تنگ آ کر باہر نکل آئے گا۔ اگر وہ نہ نکلے تو وہیں مارا جائے تو کوئی حرج نہیں درست ہو گا۔ لیکن امام اعظمؒ اس کے خلاف ہیں امام شافعیؒ کی یہ دلیل ہے عاصم بن ثابت بن عقلا خویب مقتول ہو گئے تھے رسول کریم ﷺ نے حکم دیا کہ اگر قابو پائیں تو ابو سفیان کو مکہ میں قتل کر دیں امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس وقت جب مکہ اپنی حرمت میں بدستور تھا جو چیز جس پر واجب ہے مکہ اس کے لیے معنی نہیں فقط لڑائی کرنا وہاں ممنوع ہے امام ابو حنیفہ نے اسی آیت سے دلیل لی ہے کہ وامنا میں اس بات کا بیان نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مکہ کو کسی چیز سے امن دی ہے قحط سے امن مراد ہو سکتا ہے اقامت جنگ اقامت حدود سے بھی امن مراد ہو سکتی ہے اور یہ الفاظ عامہ میں سے نہیں ہیں تا کہ اس سے تمام صورتیں مراد لی ہیں بلکہ قحط سے امن مراد لینا زیادہ تر مناسب ہے اس تفسیر میں لفظ خبر کو امر کے معنی پر محمول کرنے کی ضرورت نہ ہو گی اور باقی صورتوں میں اس کی ضرورت ہو گی اور امام شافعیؒ کا قول اپنے مقام پر مناسب ہے امام باقرؒ ابی بن کعبؓ اور سعید بن خذریؒ فرماتے ہیں رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ خطبہ حج میں کہ کعبۃ اللہ کے اندر حرم میں قتل مت کرنا اور لڑائی نہ کرنا۔ اور کعبۃ اللہ کے اندر اگر قاتل داخل ہوں جب تک وہ باہر نہ آئے قتل نہ کرنا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

Marfat.com

وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا۔ بن امام اعظم کے قول کو تقویت ہوئی حدیث اور قرآن کی آیت سے وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ۔ کے اندر چند مسائل ہیں۔

مسئلہ اول:

ابن کثیر اور ابو عمر و اور حمزہ عاصم اور کسائی نے اس کو واتَّخِذُوْا۔ بکسر الخاء پڑھا ہے بصیغہ امر اور نافع اور ابن امر بفتح الخاء پڑھا ہے بصیغہ جز پڑھا ہے جو قرات اولی کے موافق ہے اس بات میں اختلاف ہے کہ اس عطف کس پر ہے۔

قول اول:

اس کا عطف اذکرو نعمتی التی الی آخرہ تک ہے یعنی میری نعمت کو یاد کرو اور مقام ابراہیم کی جگہ نماز کی جگہ بناؤ۔

قول دوئم:

اِنِّی جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا۔ پر عطف ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے ابراہیمؑ کو چند کلمات کے ساتھ جانچا اور اس میں پورے اترے اور میں نے فرمایا کہ میں تجھ کو امام بنادوں گا اور لوگوں کو حکم دیا کہ مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بناؤ۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ حکم ان کی اولاد کے لیے ہو جیسے اس آیت میں وَظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ۔

قول سوئم:

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیت نبی پر حکم ہوا کہ تمام مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بناؤ لیکن یہ جملہ معترضہ ہے حضرت ابراہیمؑ کے قصہ میں یہ واقعہ ہوا ہے گویا اس کے معنی یہ ہیں کہ جب ہم نے بیت اللہ کو لوگوں کا مرجع اور امن کا مقام بنایا تو اس کو اپنی نماز کی جگہ بناؤ یعنی ہم نے جب اس کو شرف عطا فرمایا تو اس میں یہ حقیقت الٰہی رکھی کہ وہ لوگوں مرجع ہے تو تم اس کو اپنے لیے قبلہ بناؤ ایسے مقام پر واؤ آیا کرتی ہے اور فا بھی آتی ہے اگر چہ امن معنی کے لئے زیادہ تر ظاہر ہوتی ہے اور جو لوگ وَاتَّخَذُوْا۔ ماضی کے ساتھ پڑھتے ہیں تو اس تقدیر کے اوپر یہ حضرت ابراہیم کی اولاد سے اخبار ہوگا۔ کہ انہوں نے مقام ابراہیم کو جائے نماز بنایا اور جعلنا البیت کے اوپر اس کا عطف ہوگا اور اذ جعلنا البیت کے اوپر یہی عطف ہوسکتا ہے یعنی از جعلنا البیت واتخذو مصلی کے اندر کچھ مسائل ہیں۔

مقام ابراہیم کیا چیز ہے؟ یہ وہی پتھر ہے جس پر حضرت ابراہیمؑ کھڑے تھے اس میں علیؓ کے دو قول ہیں حضرت حسنؓ اور ابی قتادہؓ کا یہ قول ہے اور ابن عباسؓ بھی یہ فرماتے ہیں کہ یہ وہی پتھر ہے جو حضرت اسماعیلؑ کی زوجہ نے حضرت ابراہیمؑ کو پیش کیا انہوں نے اس پر پاؤں رکھ کر پاؤں دھویا اور وہ پتھر سر د ہو گیا اسی طرح دوسرے پاؤں کے نیچے رکھ کر دھویا پتھر سرد ہو گیا یہ حضرت ابراہیمؑ کا معجزہ تھا۔

سعید بن جبیرؓ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کعبۃ اللہ کو بنائے جاتے اور یہ دعا کرتے جاتے اے ہمارے پروردگار تو ہماری دعا کو قبول فرما اور بے شک تو سننے والا اور جاننے والا ہے جب دیواریں اونچی ہو گئیں تو حضرت ابراہیمؑ کو تھکان پیدا ہوئی تو ان دونوں نے اس پتھر پر کھڑے ہو کر دیواروں کو بلند کیا اسی کا نام مقام ابراہیم ہے صحابہؓ کا قول ہے کہ مقام ابراہیم سے تمام حرم مراد ہے تمام حج مقام ابراہیم ہے یہ ابن عباس کا قول ہے بلکہ محققین کا اس پر اتفاق ہے کہ قول اصول کو سب اقوال پہ چنداں وجوہ ترجیح ہے حضرت جابر سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ طواف کعبہ سے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ نے مقام ابراہیمؑ پر تشریف لے آئے یہی آیت تلاوت فرمائی یہی اس مقام پر آیت کا تلاوت کرنا اس امر کا قرینہ ظاہر ہے کہ مقام ابراہیمؑ سے بھی وہی جگہ مراد ہے۔ عرف بھی اسی امر پر دلالت کرتا ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر کسی جگہ کے رہنے والے سے مقام ابراہیم کے بارے میں پوچھا جائے تو اس کے سوا اور کوئی جواب نہ دے گا اسی کو مقام ابراہیمؑ بتلائے گا مقام ابراہیم اسی کو سمجھے گا مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ مقام ابراہیم پر ہو کر گزرے تو حضرت عمرؓ آپ ﷺ کے ساتھ تھے حضرت عمر نے حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ کیا یہ مقام ابراہیم نہیں ہے آپ ﷺ نے فرمایا کیوں نہیں عرض کیا پھر ہم اس کو نماز کی جگہ نہ منتخب کرلیں آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کے بارے میں مجھ پر کوئی حکم نہیں آیا تب یہ آیت نازل ہوئی یہ بات ظاہر ہے کہ یہ پتھر بالاتفاق حضرت ابراہیمؑ کے نام سے مشہور ہے۔

Marfat.com

حضرت ابراہیمؑ کے قدم مبارک کے نیچے یہ پتھر گیلی مٹی کا مانند ہو گیا تھا اور ان کے قدم مبارک اس میں بیٹھ گئے تھے اور یہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور حضرت ابراہیمؑ کی صداقت کے اوپر ایک روشن دلیل تھی پس اسی موضوع کے حضرت ابراہیمؑ کے لیے زیادہ خصوصیت پائی گئی مقام ابراہیم کہنا زیادہ تر مناسب ہوا حضرت امام باقرؑ اور ابی بن کعب فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حج کے موقع پر کعبۃ اللہ کا طواف کرتے ہوئے اسی پتھر پر کھڑے ہو کر صحابہ سے فرمایا

یہ وہی پتھر ہے جو میرے جد امجد حضرت ابرہیمؑ کے قدموں کے نیچے تھا جوان کے لیے صداقت کی ایک روشن دلیل ہے اس سے ثابت ہوا یہ حدیث متواتر ہے بس یہ پتھر وہی ہے جو حضرت ابراہیمؑ کے نام سے منسوب ہے حدیث شریف میں ہے اس مصلّیٰ سے مراد وہی مقام ابراہیم ہے۔

اب مصلّیٰ پر بحث:

مصلّیٰ جائے نماز کو کہتے ہیں اور مجاہد نے اس آیت سے تعبیر کیا ہے اے ایمان والو تم درود پڑھو نبی کریم ﷺ کی ذات پر تو اس میں لفظ صلوٰۃ ہے۔ اور ہر نماز کے اندر بھی لفظ صلوٰۃ تعبیر کیا جاتا ہے حضرت امام باقرؑ فرماتے ہیں کہ مصلّیٰ نماز کی جگہ کو کہا جاتا ہے کیونکہ رسول کریم ﷺ نے خود اس جگہ پڑھی آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ نماز کی جگہ ہے اسی جگہ ہمارے باپ حضرت ابراہیمؑ نے بھی نماز پڑھی۔

حدیث:

انہیں اصحاب سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا تم مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ سمجھو کیونکہ میں نے بھی اس میں نماز پڑھی ہے اس جگہ پر ایک نماز پڑھنے سے لاکھ نماز کا ثواب ہے۔ امام باقرؑ فرماتے ہیں یہ حدیث متواتر اس کو امام زہری نے بھی لکھا ہے اور یزید بن ہارون نے بھی لکھا ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن نے اسماء الرجال کے اندر لکھا ہے۔

حدیث:

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا کہ ابوبکرؓ ہیں انہوں نے کہا نہیں چنانچہ ان کو بلوایا گیا آپ ﷺ نے مسئلہ کی وضاحت فرمائی آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ مقام ابراہیم نماز کے لیے جگہ ہے۔ اس میں دو رکعت نماز پڑھنا فرض ہے اور بعض علماء نے اس پر اختلاف کیا ہے اور دو رکعت پڑھنے کو سنت کہا ہے۔ اور اکثر علماء نے فرض کہا ہے اب حدیث کی رو سے نماز پڑھنا فرض ہوا بعض نے کہا ہے کہ اگر طواف نفلی کے بعد نماز پڑھ لی جائے تو وہ سنت ہوگی لیکن ہم ان تاویلات کو قطعاً تسلیم نہیں کرتے کیونکہ حدیث موجود ہے حضرت امام باقرؑ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے بیٹے جعفر کے نانا حضرت قاسم سے سنا وہ اپنے دادا محمد سے وہ اپنے بھائی عبدالرحمن وہ حضرت عثمان سے کہ رسول کریم ﷺ حج پر جب تشریف لے گئے تو طواف نفلی سے پہلے آپ ﷺ نے دو رکعت پڑھیں اور حضرت علیؓ بھی ساتھ کھڑے تھے رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ اس جگہ دو رکعت نماز مجھ پر اور میری امت پر فرض کی گئی ہیں حضرت امام باقرؑ اپنی والدہ فاطمہ بنت حسنؓ سے بیان کرتے ہیں وہ فرماتی ہیں میں ایک سال اپنے چچا حسینؓ کے ساتھ حج کو گئیں تو آپ نے طواف نفلی سے پہلے دو رکعت پڑھیں اور فرمایا یہ ہم پر فرض ہیں میرے نانا نے ان کو فرض فرما دیا ہے اب اندازہ لگائیے کہ اتنی احادیث موجود ہیں تو پھر تاویل کی کیا ضرورت ہے؟ اور بعض لوگ اس نماز کو سنت کہتے ہیں کیونکہ امام شافعی نے اس کو فرض کہا ہے کیونکہ وَاتَّخِذُوا کے اندر امر ہے اور امر وجوب کے لیے آتا ہے اور جنہوں نے یہ کہا کہ نماز پڑھنا سنت ہے انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ سے ایک اعرابی نے دریافت کیا یعنی دو رکعت کے علاوہ میرے اور کچھ اور بھی ہے آنحضرت ﷺ نے اس کے جواب میں فرمایا اور کچھ نہیں ہے مگر یہ کہ تو کچھ اپنی طرف سے کر لے۔ حضرت امام باقرؓ اسی حدیث کو بیان کر کے فرماتے ہیں جو میں نے پہلے احادیث بیان کی ہیں ان میں ظاہری دلالت موجود ہے اور اس کے اندر ظاہر نہیں ہے جب کہ ظاہر موجود ہو تو مبہم سے استدلال کرنا درست نہیں فرماتے ہیں کہ میں نے جو احادیث بیان کی ہیں وہ ظاہر امر پر دلالت کرتی ہیں اور امر بھی وجوب کو چاہتا ہے اگر چہ انہوں نے کہا ہے کہ اگر چہ نفل یا طواف نفل مثل طواف لزوم ہوں تو یہ دونوں رکعتیں سنت ہیں امام اعظم سے بھی یہی روایات منقول ہیں لیکن امام صاحب کی جو روایات ہیں ان میں کوئی ایسی حدیث نہیں جو حد تواتر ہو لیکن وہ خبر مشہور ہیں بیت اللہ کی فضیلت کے بارے میں شیخ احمد بیہقی نے کتاب شعب الایمان میں حدیث درج کی ہیں حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ تمام مسجدوں سے کون سی مسجد افضل ہے آپ ﷺ نے فرمایا مسجد الحرام ہے اس کے بعد کونسی مسجد کا درجہ ہے فرمایا مسجد الاقصیٰ ہے ان کی تعمیر میں کتنے عرصے کا فرق ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ چالیس سال کا۔

Marfat.com

صحیحین میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ کعبۃ اللہ کوزمین سے دو ہزار سال پہلے پیدا کیا گیا اس کے بعد تمام زمین پھیلائی گئی اور بچھائی گئی حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں اول جگہ جوزمین پر رکھی گئی وہ بیت اللہ کی جگہ ہے پھر اسی کے پھیلانے سے زمین پھیلائی گئی اور بچھائی گئی پھر اس کے بعد پہاڑ جو اللہ تعالیٰ نے زمین کے اوپر رکھا ہے وہ جنت البقیع ہے پھر اس کے پھیلانے سے تمام پہاڑ پیدا کیے گئے اور پھیلائے گئے اور وہب بن منبہ اور امام باقرؓ فرماتے ہیں کہ جب حضرت آدمؑ کو زمین پر اتارا گیا تو زمین کی فراخی کو دیکھ کر ان کو تنہائی محسوس ہوئی اور ان پر وحشت طاری ہوئی اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی کہ میرے پروردگار میرے سوا اس زمین پر اور بھی کوئی رہنے والا ہے اور انہوں نے فرمایا کہ نہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں عنقریب زمین پر تیری اولاد میں سے وہ لوگ پیدا کروں گا جو میری تسبیح اور میری حمد اور میری پاکیزگی کو بیان کریں گے عنقریب میں زمین پر وہ مکانات پیدا کروں گا جو میرے ذکر سے بلند ہوں گے میری مخلوق ان مکانات میں میری تسبیح بیان کرے گی زمین کے اندر میں تجھ کو وہ مکان دوں گا جو میں اپنے لیے پسند کروں گا اور اپنی مہربانی کے ساتھ اس کو خواص کروں گا زمین میں تمام مکانات سے اس کو اپنے نام کے ساتھ پسند کروں گا اپنے بیت کا نام بیت اللہ رکھوں گا۔ اور اپنی عظمت سے اس کو عظمت دوں گا اور اپنی حرمت سے اس کا احاطہ کروں گا اور تمام مکانات میں سے اپنے ذکر کے ساتھ اس کو سزاوار اور مستحق کروں گا میں اس کو اس حصہ زمین کے اندر رکھوں گا جو میں نے اپنی ذات کے لیے خواص کیا ہے کہ جس روز سے میں نے زمین وآسمان کو پیدا کیا اسی روز سے اس جگہ کو میں نے پسند فرمایا ہے اس مکان کو تیرے لیے اور تیرے بعد والوں کے لیے حرم اور اسے جائے امن بناؤں گا اور اپنی عزت سے اس کے مافوق اور ماتحت اور گروہ کو عزت دوں گا پس جس نے میری عزت سے اس کی عزت کی۔ اس نے میری عزت کی اور جس نے اس کو قتال کیا یعنی لڑائی وغیرہ کو اس میں تجویز کیا اس نے میری آبروریزی کی جس نے اس کے رہنے والوں کو امان دی وہ اس وجہ سے میری امن کا مستحق ہوا جس نے ان کو خوف میں ڈالا۔ اس نے گویا میرے ساتھ ایسا کیا جس نے اس کی عظمت شان کی وہ میری نگاہ میں عزت دار ہوا اور جس نے اس کی تحقیر کی وہ میری نگاہ میں حقیر ہو گیا جو اس کے رہنے والے ہیں میرے جوار میں رہنے والے ہیں اور اس کے آباد کرنے والے میرے مہمان ہیں اور اس کی زیارت کرنے والے میرے مہمان ہیں میں اس کو اول وہ مکان کروں گا جو لوگوں کے لیے بنایا جائے گا اور آسمان والوں اور زمین والوں کے ساتھ اس کو آباد کروں گا دور سے جو گردوغبار میں آلودہ ہو کر وہاں آئیں گے اور لوگوں کو حج کی خبر دینے آئیں گے وہ تیری طرف پیدل اور ہر دبلی اونٹنی پر جو آئیں گے ہر راہگیر سے وہ لوگ میری طرف تکبیر کی آوازیں بلند کرتے آئیں گے اور لبیک کہیں گے پس جس نے اس کا عمرہ کیا اس کا مقصود سوائے میرے کچھ نہیں ہے تو اس نے میری زیارت کی اور میرا مہمان ہوا اور میرے یہاں آکر اترا اور میرے پاس اس نے قیام کیا پس میرے اوپر لازم ہے کہ اپنی رحمت کے ساتھ اس پر جنت واجب کروں گا۔ اور کریم کے اوپر لازم ہے کہ اپنے مہمانوں اور پردیسیوں کو ملاقات کے لیے آنے والوں کی عزت کرے اور ان میں سے ہر ایک کی حاجت روائی کرے اے آدم تو جب تک زندہ رہے گا تو اس کو آباد کرتا رہے گا اور تیرے بعد جو تیری اولاد ہوگی اور ان میں جو انبیاء ہوں گے وہ ہر دور میں اس کو آباد کرتے رہیں گے حتیٰ کہ ان سب کے بعد تیری اولاد میں سے ایک نبی کے اوپر یہ آبادی کا سلسلہ منتہی ہوگا جس کا نام محمد ﷺ ہوگا اور وہ خاتم النبیین ہوگا اور میں اس کے رہنے والوں اور اس کے آباد کرنے والوں اور حمایت کرنے والوں پر اپنا کرم کروں گا جب تک وہ موجود رہیں گے جب میرے پاس وہ لوٹ کر آئے گا تو مجھ کو ہر حال میں پائے گا کہ میں نے اس کے واسطے اس کا اجر جمع کر رکھا ہوگا جس کی وجہ سے وہ میرا قرب اور میرا وسیلہ حاصل کرے گا اس کا مکان اور اس کا نام اور ذکر اس کا شرف اور بزرگی اور زیبائش جیسی تمام عظمتیں تیری اولاد میں سے ایک نبی کے ساتھ وابستہ کروں گا جو اس نبی سے پہلے ہوگا۔ اور وہ اس کا باپ ہوگا اسکا نام ابراہیمؑ ہوگا۔ اس لیے اس مکان کی عمارت کو بلند کروں گا اور اس کے ہاتھوں سے اس کی عمارت کی تعمیر کراؤں گا اور اس کو اس مکان کے مشاعر اور عبادات بتلاؤں گا اور اس کو میں امت واحد اور عاجزی کرنے والا اور میرے حکم پر قیام کرنے والا اور میری راہ کی طرف لوگوں کو بلانے والا کروں گا اور اس کو برگزیدہ کروں گا اور راہ راست کی طرف اس کو ہدایت کروں گا جب اس کے اوپر بلا کو نازل کروں گا تو وہ اس پر صبر کرے گا اور جب اس کو آرام دوں گا تو وہ شکر کرے گا اور جب حکم دوں گا تو وہ بجا آوری کرے گا اور اس کو پورا کرے گا اور مجھ سے دعا کرے گا تو میں اس کی دعا قبول کروں گا اور ان کو اس مکان کا اول والی حامی اور ساقی خادم اور خازن اور حاجت روا بناؤں گا اور ابراہیم کو امام اور اس کی شریعت کو اصل بناؤں گا اور تمام جن انس جس قدر آئیں گے وہ ابراہیمؑ کا اقتدا کریں گے حضرت عطاؒ اپنی تفسیر میں امام باقر کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت آدمؑ کو جب آسمان سے ہند میں اتارا گیا تو حضرت آدمؑ نے عرض کیا اے پروردگار میرا کیا حال ہے جس طرح میں جنت میں فرشتوں کی آواز کو سنتا تھا اور یہاں میں اکیلا ہوں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ تو مکہ کی طرف جا ایک مکان بنا اور اس کا طواف کر جیسا فرشتے طواف کرتے ہیں۔

جب حضرت آدمؑ ہند سے مکہ کی جانب روانہ ہوئے جو جو زمین ان کے قدموں کے نیچے آئی وہ آباد ہو گئی جو قدموں کے نیچے نہ آئی وہ جنگل کی طرح ویران ہو گئی حضرت

Marfat.com

عمر نے کعبؓ سے کہا کہ مجھے بیت اللہ کا حال بیان کرو انہوں نے کہا کہ بیت اللہ کو اللہ تعالیٰ نے آدمؑ پر یاقوت نازل فرمایا جو اندر سے خول تھا اور فرمایا اے آدمؑ یہ میرا مکان ہے بس اس کے گرد طواف کر جیسے فرشتے طواف کرتے ہیں اور نماز پڑھتے ہوئے اور نماز پڑھتے ہوئی ان کو دیکھا ہے حضرت آدمؑ کے ساتھ کچھ فرشتے بھی نازل ہوئے انہوں نے پتھروں کے ساتھ بیت اللہ کی بنیادیں رکھیں حضرت آدمؑ نے انہیں بنیادوں پر بیت اللہ کو رکھ دیا پھر جب اللہ تعالیٰ نے حضرت نوحؑ کی قوم کو غرق کیا تو بیت اللہ کو آسمان پر اٹھا لیا اور صرف بنیادیں باقی رہیں۔

حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ بیت المعمور آسمان کے اوپر ایک مکان ہے اس کو مزاح بھی کہتے ہیں اور بالکل کعبہ کی مانند ہے اور جس طرح زمین پر بیت اللہ کی عزت ہے اسی طرح آسمان پر اس کی عزت ہے اور ستر ہزار فرشتے اس میں نماز پڑھتے ہیں جس کو ایک بار نماز پڑھنے کی باری ملتی ہے اور پھر نہیں ملتی۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم نے جب اس کو تعمیر کیا عرصہ دراز گزر گیا تو بیت اللہ منہدم ہو گیا پھر پتھروں سے اس کو تعمیر کیا پھر ایک عرصہ دراز تک رہا اس کی عمارت پھر منہدم ہو گئی تو قریش نے اس کو تعمیر کیا تو اس وقت رسول کریم ﷺ کی جوانی کا عالم تھا اور حجر اسود کو اس میں رکھنے کی نزاع پیدا ہو گئی فیصلہ یہ ہوا کہ جو شخص صبح کو سب سے پہلے آئے جو فیصلہ وہ کرے سب کو ماننا پڑے گا چنانچہ رسول اللہ ﷺ سب سے پہلے آئے اور آپ ﷺ نے فرمایا ایک چادر لے لو اور سب قبائل اکٹھے ہو جاؤ اور اس کو اٹھانے میں ہاتھ لگاؤ سب نے یہ بات تسلیم کی چنانچہ ایسا کیا گیا کہ حجر اسود کو اٹھایا گیا حضور ﷺ نے اپنے دست مبارک سے اس کے مقام پر رکھ دیا۔

زہری امام باقرؒ سے بیان کرتے ہیں کہ مقام ابراہیم میں تین صفحے لکھے ہوئے پائے پہلے میں یہ لکھا ہوا تھا کہ میں اللہ ہوں مالک مکہ جس روز میں نے چاند اور آفتاب بنایا اسی دن اس کو بنایا۔ اور سات فرشتوں سے اس کا احاطہ کیا اس کے رہنے والوں کے لیے دودھ اور گوشت میں برکت دی دوسرے صفحے میں لکھا ہوا تھا کہ میں مالک مکہ ہوں میں رحم کو بنایا ہے جو اسے بنائے گا میں اسے بناؤں جو اسے کاٹے گا میں اسے کاٹوں گا تیسرے میں یہ تھا کہ میں مالک مکہ ہوں اور میں نے نیکی بدی کو پیدا کیا جس کے ہاتھ میں نیکی ہوئی اس کے لیے اچھائی ہے۔ جس کے ہاتھ میں بدی ہوئی اس کے لیے خرابی ہے۔

مسئلہ پنجم:

حجر اسود کی فضیلت اور مقام ابراہیمؑ کے بیان میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حجرہ اسود رکن یمانی جنت کی یاقوتوں میں سے یاقوت ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے نور کو مٹا دیا ہے ورنہ مشرق سے مغرب تک ان کی روشنی ہو جاتی کوئی آفت زدہ یا مریض ان کو ہاتھ سے نہ چھو سکتا مگر حضرت عباسؓ اور امام باقرؒ کی تفاسیر میں ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ وہ برف سے زیادہ سفید تھا اہل شرک کی خطاؤں نے اس کو سیاہ کر دیا ہے جب وہ قیامت کے روز آئے گا تو اس کی دو آنکھیں ہوں گی جن سے وہ دیکھے گا زبان بھی ہو گی جس سے وہ کلام کرے گا جس نے اس کا سچے دل سے بوسہ دیا اس کے لیے وہ گواہ رہے گا۔ اور حضرت عمرؓ بن خطاب حجر اسود کے پاس آئے اور اس کو بوسہ دیا اور یہ کہا کہ اگر تجھے اللہ کے رسول ﷺ نے بوسہ نہ دیا ہوتا تو میں تجھے کبھی بوسہ نہ دیتا۔

حضرت امام باقرؒ اس حدیث سے یہ توجیہ کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے یہ ثابت کر دیا حجر اسود سے تب نفع حاصل ہوتا ہے کہ اس کو رسول اللہ ﷺ نے بوسہ دیا ہے۔ جس کی وجہ سے حجر اسود کو شرف ملا محدثین نے بھی اس کو روائت کیا گیا ہے اور جو یہ ارشاد ہوا ہے۔ وَعَهِدْنَا اِلٰى اِبْرَاهِيمَ وَ اِسْمٰعِيلَ۔ اس سے مراد یہ لینا زیادہ تر مناسب ہے کہ ہم نے ان پر یہ بات لازم کر دی اور ان کو اس بات کے حکم نے محکم کر دیا۔ یہ جو ارشاد ہو اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ۔ پر امر سے تطہیر اور پاکی مراد ہے بیت اللہ کی شان کے مناسب نہیں ہے یہیں اس کے ارد گرد نماز کی جگہ ہے لہٰذا نجاستوں سے ان کی تطہیر اور پاکیزگی ضروری ہے چونکہ وہ احترام اور عبادت کا مقام ہے ہر قسم کی تطہیر اس آئت میں داخل ہے حضرت علیؓ اور حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بیت اللہ کے لیے لفظ تطہیر استعمال ہوا ہے فرمایا کہ اس کو ہر شرک اور بدترین نجاست سے پاک رکھا جائے اور لوگوں کو اس کی پاکیزگی بیان کی جائے حضرت انس بن مالکؓ حضرت عائشہؓ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ بیت اللہ کو شرک کی علامت اور ہر قسم کی نجاست سے پاک رکھا گیا ہے چونکہ اس کے اندر جب مومن داخل ہوتا ہے تو ان کو تقویٰ حاصل ہو جاتا ہے یعنی بیت اللہ کی پاکیزگی کو بیان کرو جو کہ تقویٰ پر ساتھ منحصر ہے حضرت حسنؓ اور ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ کعبۃ اللہ کی تطہیر ایسی تطہیر ہے کہ شرک اور عبادت غیر اللہ اس کے قریب سے نہیں گزر سکتا انہوں نے یہ آیت پڑھی: اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ۔ نبی پاک ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ کعبۃ اللہ کی بنیاد انبیاء نے رکھی ہے جو تقویٰ میں سب سے ممتاز ہوتے ہیں اس وجہ سے کعبۃ اللہ کو ہر نجاست سے اور ہر شرک سے

Marfat.com

پاک رکھا گیا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ کعبۃ اللہ کی عظمت کو بیان کو تا کہ جو لوگ حج پر آئیں کعبۃ اللہ ان کو پاک کر دے جب اس کے اندر مومن داخل ہوتا ہے تو اس کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں کہ وہ ماں کے پیٹ سے ابھی پیدا ہوا ہے حضرت امام باقر وابی کعبؓ اور سعید بن جبیرؓ اور عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کعبۃ اللہ کو اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو شرک کو دور کرنے کے لیے منتخب کیا ہے اور تمام عظمتیں اور پاکیز گی اسی میں ہے یہ خود پاک ہے جو اس میں داخل ہوتا ہے اسے پاک کر دیتا ہے فرمایا جیسے چراغ خود بھی چمکتا ہے اور دوسرے کو بھی چمکا دیتا ہے حضرت امام باقر اور صدی حضرت علیؓ کے مجموعہ سے بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ کعبہ میں جگہ موجود ہے یہ جگہ تو پہلے سے تھی۔ آپ ﷺ مسکرائے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو ابتداً پاک پیدا فرمایا کہ جس طرح حوریں پاک ہوتی ہیں اسی طرح وہ بھی پاک ہے فرمایا کہ یہ جگہ پہلے علم آ گہی تھی کہ کعبہ اسی جگہ منتخب ہوگا لہٰذا اس جگہ کو کعبۃ اللہ کے ساتھ شرف بخشا گیا بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ کعبۃ اللہ سے پہلے اسی جگہ جانور اور مردار چیزیں رکھی جاتی تھیں تو یہ قول ضعیف ہے کہ اس کا جواب مذکورہ حدیث سے ہو چکا ہے۔

حضرت حسنؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کعبۃ اللہ کو شرک سے پاک رکھو کیونکہ یہ پاکیزہ ہے اس کی عظمت کا احترام کرو یہیں یہ حدیث اسی امر کی دلیل ہے کہ کعبۃ اللہ پہلے سے ہی پاک تھا اور یہ جو ارشاد ہوا ہے لطّا ئفین والعَاکفین۔ اس کے اندر چند مسائل ہیں۔

مسئلہ اول:

بعض نے عاکف کو کسرہ پڑھا ہے اس کے معنی لزوم کے ہیں جب کوئی شخص ایک چیز کے پیچھے پڑ جائے اس سے علیحدگی نہ کر سکے تو اس کو عاکف کہتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ وہ یکلف علیہ ماخوذ ہے اس وقت بولا کرتے ہیں جب ایک چیز کی طرف نہایت توجہ کی جائے اور توجہ کرنے والا اس سے منہ نہ پھیر سکے۔

مسئلہ دوئم:

ان تین صفتوں میں دو قول ہیں: ۱۔ قیاس یہ ہے کہ اس سے تین قسم کے لوگ جدا جدا اصرار ہوں اس واسطے کہ اصل عطف میں معطوف اور معطوف علیہ ہیں کہ طواف کرنے والوں سے ایک قسم کے لوگ مراد ہیں عاکفین سے ایک قسم کے لوگ اور رکوع وسجود سے دوسری قسم کے لوگ مراد ہیں تا کہ عطف کا فائدہ ظاہر ہو جائے حدیث میں ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ جب لوگ کعبۃ اللہ میں داخل ہوتے ہیں اور وہ طائف بھی وہی لوگ ہوتے ہیں اور جو بیٹھتے ہیں جو عاکفین ہیں فرمایا جو نماز بھی اسی میں پڑھتے ہیں شامل ہیں لیکن بعض نے یہ کہا ہے کہ طائف سے وہ لوگ جو حج کرنے آئیں اور عاکفین سے مراد جو وہاں رہتے ہیں اور رکوع وسجود سے مراد وہ ہیں جو اس میں نماز پڑھتے ہیں لیکن اصل مقصد حدیث کی طرف ہے۔

تیسرا مسئلہ:

یہ آئت چند امور پر دلالت کرتی ہے کہ حدیث پاک میں ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ طواف کرنے والے وہاں کے رہنے والوں سے افضل ہیں فرمایا کہ انصاریوں کے لیے طواف افضل ہے اور مکہ والوں کے لیے اس میں نماز افضل ہے یہ قید نہیں کہ اس میں کسی قسم کی نماز پڑھی جائے کہ نماز نفل اور نماز فرض اور سب درست ہوں گے امام مالکؒ اس کے خلاف ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے رکوع سجود بالبیت نہیں فرمایا اس طرح حکم ہوتا جس طرح بیت اللہ کے اندر طواف کرنے کا حکم ہے بلکہ بیت اللہ کے باہر طواف کرنے کا ثبوت ہے یہ آیت اسی پر دلالت کرتی ہے کہ البیت اللہ کے باہر اور بیت اللہ کے اندر نماز پڑھنے کا ثبوت ہے آیت سے ظاہر اُرکوع سجود کرنے کا ثبوت ہوتا ہے۔ خواہ وہ رکوع سجود بیت اللہ کے اندر ہوں یا باہر ہوں خارج از بیت اللہ کے وجود کا اس طرح ثبوت کہا ہے کہ طواف کے معنی گرداگرد گھومنے کے ہیں پس بیت اللہ کے اندر داخل ہو کر کس طرح طواف نہیں ہو سکتا اسی واسطے خارج از بیت اللہ کا ہونا ضروریات سے ہے اور اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کے طواف کرنے کا حکم دیا ہے نہ کہ اس کے اندر کا اس واسطے ارشاد ہوتا ہے۔

معنی۔ تا کہ چاہئے کہ طواف کریں پرانے گھر کا۔ علاوہ ازیں یہ بات ہے کہ اگر وہاں نماز کا حکم دینے سے یہی مقصود ہوتا اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھیں یعنی خارج از بیت اللہ نماز پڑھیں اور بیت اللہ کی طرف نماز میں منہ کریں تو رکوع وسجود کرنے والوں کے لیے بیت اللہ کی تطہیر کا حکم دینے کے کیا معنی ہیں اس واسطے کہ غائبین اور حاضرین

Marfat.com

بیت اللہ کی طرف منہ کرتے ہیں اور تمام یکساں ہیں امام مالکؒ نے اس آیت سے اپنے دعویٰ کا ثبوت کیا ہے (معنی پس تم اپنے منہ کو مسجد حرام کی طرف پھیر لو) ظاہر ہے کہ جب ایک شخص نے بیت اللہ کے اندر نماز پڑھی تو بیت اللہ کی طرف اس کا منہ نہ ہوگا بلکہ ایک جز کی طرف ہوگا۔ اور اس کا جواب یہ ہے کہ پورے بیت اللہ کی طرف کسی وقت بھی ہر انسان کا منہ نہیں ہوسکتا خواہ اس کے اندر نماز پڑھے یا باہر پڑھے اس کا ایک جز کی طرف منہ ہوگا خواہ کسی جز کی طرف ہو جب اس بارہ میں دونوں شخص یکساں ہوئے تو بیت اللہ کے اندر نماز پڑھنے والا اس آیت کا مصداق ہوگیا اور آیت کے حکم میں بھی داخل ہوگیا۔

مسئلہ چہارم:

لِطَّآ ئِفِین ۔ میں ہر قسم کے طواف کرنے والے داخل ہیں خواہ اس طواف کو عمل میں لانے والے ہوں جس کی تشریح قرآن پاک کے اندر ہے۔

ترجمہ: چاہئے کہ تم پرانے گھر کا طواف کرو اس آیت سے یہ مراد ہے طواف سنت ہو مستحب۔

قال اللہ تعالیٰ: وَاِذْ قَالَ اِبْرَاهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرَاتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗٓ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ۔(۱۲۶)

ترجمہ: اور جب کہا ابراہیمؑ نے اے ہمارے پروردگار اس شہر کو امن والا بنا اور اس کے رہنے والوں کو پھلوں سے رزق دے جو شخص ان میں سے ایمان لائے اللہ کے ساتھ اور یوم آخرت کے ساتھ اور کہا کہ جو کفر کرے اور اس کو میں تھوڑا سا نفع دوں گا اور پھر اس کو عذاب دوزخ کی طرف مجبور کردوں گا اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔

جاننا چاہئے کہ پہلے حضرت ابراہیمؑ کے حالات کو مفصل بیان کیا اب دوسرے حالات کو بیان فرماتا ہے آیت وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرَاهِيْمُ الْقَوَاعِدَ ۔ تلاوت کے لحاظ سے بعد میں ہے اور معنی کے لحاظ سے مقدم ہے حضرت امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ جب ابراہیمؑ نے کعبۃ اللہ کو تعمیر کیا تو تعمیر کرنے کے بعد اس کے شہر ہونے کے لیے دعا کی آیت کے ظاہر سے بھی مقتضی یہی ہے اب اس میں چند مسائل ہیں۔

مسئلہ اول:

حضرت امام باقرؒ اور ابی بن کعبؓ حضرت علیؓ کے مجموعہ سے بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب مشرکین مکہ نے حضرت ابراہیمؑ کے بارے میں پوچھا یہ آیت نازل ہوئی آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت ابراہیمؑ نے مکہ والوں کے لیے امن کی دعا کی پھر رزق کے کشادہ ہونے کی یعنی یہ جگہ ویران تھی اس میں کچھ نہیں ہوتا تھا اور قحط سخت تھا حضرت ابراہیمؑ نے قحط کے دور ہونے کے لیے دعا فرمائی اور اس میں ان کی دعا پوری ہوئی آپ علیہ السلام نے یہ فرمایا کہ اے اللہ اس مکہ کو امن میں رکھ اور اس کو ہر برائی شر اور قتل وغارت سے محفوظ رکھ لہٰذا یہ حرم اور مکہ امن میں رہا اس حدیث کے بعد اگر کوئی سوال کرے کہ اصحاب فیل کا قصہ مشہور ہے اور حجاج نے کہا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ سے لڑائی نہیں ہوئی اس سے مکہ کے اندر تخریب لازم آتی ہے۔

جواب:

حضرت امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ حجاج کا مقصد مکہ اور کعبۃ اللہ کی توہین کے لیے نہیں تھا اس کا اور مقصد تھا چونکہ نبی پاک ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ مکہ امن میں آئے گا اور کوئی اس کی توہین نہ کرسکے گا چونکہ ابراہیمؑ نے اس کے لیے دعا کی ہے فرمایا ان کی دعا پوری ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو امن کی جگہ بنا دیا اور اس کے اندر باغات ہوگئے حضرت امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی اس پر یہ سوال کرے کہ حضرت ابراہیمؑ نے رزق کے لیے بھی دعا کی تو رزق کے لیے دعا کرنا اور رزق کا طلب کرنا یہ انبیاءؑ کی شان کے خلاف ہے حضرت امام باقرؒ فرماتے ہیں۔ یہ بات بالکل غلط ہے حضرت ابراہیمؑ کا مدعا یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ اس شہر کو امن کی جگہ بنا دے چونکہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ یہ مکہ سارے عالم کا مرجع ہے اس کو خوش حال رہنا چاہئے کیونکہ دور دراز جگہ سے لوگ حج کرنے آئیں گے تو اگر یہ ویران رہے تو لوگوں کو دشواری ہوگی اس لیے حضرت ابراہیمؑ نے دعا کی کہ یہ شہر امن میں ہوگا اور لوگ قحط سالی سے بچے ہوں گے اور اس شہر میں لوگ اچھی طرح عبادت کرسکیں گے تو امام باقرؒ فرماتے ہیں اس حدیث سے ثابت ہوا کہ دین کے منافع

Marfat.com

کے لیے ایسے امور کا مطلب کرنا کوئی مذموم نہیں ہے فرماتے ہیں کہ بَلَدًا اٰمِن بمعنی فی کے ہیں اس کا مقصد یہ ہے کہ اس شہر کو تو مامون فرما ہر قسم کی تکلیف و وبا سے امن میں رہے۔ حضرت ابراہیمؑ کی دعا کی وجہ سے خوشحال اور شاداب ہے۔ حضرت امام باقر فرماتے ہیں کہ مجھے اس اَمر میں لوگوں کا کچھ اختلاف معلوم ہوا ہے۔ کہ آیا وہ کون لوگ تھے فرمایا میرے دادا حضرت علیؑ نے اپنے مجموعہ میں لکھا ہے کہ صحابہ کرامؓ سے حضورﷺ نے فرمایا کہ حضرت اسماعیلؑ اور ان کی والدہ حضرت حاجرہ کو جب حضرت ابراہیمؑ چھوڑ نے کے لیے گئے تو اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے اس جگہ کا انتخاب فرمایا کہ اے ابراہیمؑ تو اپنی بیوی اور بچے نو مولود کو اس جگہ میں چھوڑ کیونکہ یہ جگہ میں نے تمام زمین سے پسند کی ہے اور یہ سارے عالم کا مرجع ہے فرمایا کہ تیرے اور تیرے اس صاحبزادے کی وجہ سے یہ شعاعر ہوگی اور میں اس کو شعائر اللہ کہوں گا چونکہ اس وحی کے مطابق حضرت ابراہیمؑ نے اس جگہ پر اپنی بیوی اور صاحبزادے کو چھوڑا جیسا کہ اس آیت میں بھی اس کی نظیر ہے پارہ تیرہ سورۃ ابراہیمؑ کے چھٹے رکوع کے شروع میں یہ قصہ مشہور ہے اور اگر کوئی اعتراض کرلے کہ اٰمنا کے اور رزق کے تکرار کی کیا ضرورت ہے؟ جب امن کا لفظ آگیا ہے جواب کہ امن کا لفظ قحط سالی کے بارے میں ہے اور وررزق رزق کی کشادگی کے بارے میں ہے اب تکرار کا اس وجہ سے کوئی حرج نہیں اس امر کے ثبوت میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ مکہ کی حرمت حضرت ابراہیمؑ سے قبل ہوئی یا بعد میں بعض نے کہا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ سے قبل مکہ اور شہروں کی مثل تھا اور بعض نے یہ کہا ہے کہ اس کو حضرت ابراہیمؑ کی دعا سے حرمت ملی اس پر حضرت امام باقر اور ابی بن کعبؓ حضرت علیؑ کے مجموعہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہﷺ سے صحابہؓ نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہﷺ مکہ کی حرمت حضرت ابراہیمؑ سے پہلے تھی یا بعد میں آپﷺ نے فرمایا اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ مَکَّۃَ یوم خلق السمٰوٰت والارض وطلاع عند بیتک المحرام کما قال ابراھیم علیہ السلام سبحانہ تعالیٰ نقلاً متواتراً۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے جس روز سے زمین و آسمان کو پیدا فرمایا اسی روز مکہ کو بھی حرمت عطا فرمادی فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ابراہیمؑ نے کہا کہ اے میرے پروردگار میں نے اپنی اولاد کو اس جگہ چھوڑا ہے جہاں کھیتی نہیں ہوتی تھی اور جنگل تھا آپﷺ نے فرمایا کہ مکہ کی حرمت ابتداء سے ہے لیکن حرمت کی قسمیں ہیں پہلی وہ قسم جیسے حرمت تھی اور ہر قسم کی توہین سے اس کو حرمت میں رکھا ہے اللہ تعالیٰ مکہ کی حرمت کو انبیاءؑ کے ذریعے ظاہر فرماتا ہے تا کہ جس طرح وہ حرمت ابتدا سے ہے اور انبیاءؑ کی برکت سے اس کی حرمت باقی رہے جیسے ہم بھی فرماتے ہیں اے اللہ تعالیٰ تو مدینہ کی حرمت فرما جیسے مکہ کی حرمت میرے دادا حضرت ابراہیمؑ کی دعا سے کی تھی اب مسئلہ واضع ہوگیا اور کسی قول کی ضرورت نہ رہی۔ اب لفظ بَلَدًا جس آیت کی تفسیر ہورہی ہے اس میں نکرہ کے ساتھ ہے اور سورۃ ابراہیم میں تعریف کے ساتھ آیا ہے۔ اس کی تطبیق حدیث سے بھی ملتی ہے حضرت امام باقرؒ فرماتے ہیں رسول کریمﷺ نے فرمایا جب حضرت ابراہیمؑ نے پہلی دعا کی اس وقت یہ جنگل تھا آپﷺ نے فرمایا کہ اے باری تعالیٰ اس کو شہر کردے تو شہر ہوگیا تو پھر اس کے امن کے لیے دعا کی اے اللہ جس طرح اور شہر امن میں ہیں اس کو تو امن کا مرکز بنادے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے اس شہر کو عالم کے لیے مرکز بنایا ہے تو معلوم ہوا کہ بَلَدًا کے اندر تنکیر ہے اور ادھر سورۃ ابراہیمؑ کی آیت میں تعریف ہے اب آیت کا ظاہر مقتضٰی بھی یہی ہے کہ جب شہر امن میں ہوگیا تو اس کے اندر طرح طرح سے ہر چار سو میوہ جات اگنے لگ گئے اور کھیتی ہونے لگ گئی جب کہ یہ علاقہ پہلے کھیتی کے قابل نہ تھا۔ مِنَ الثَّمَرَاتِ۔ کی تفسیر میں یہی ارشاد ہوا اَبْ اٰمَنَ اٰمَنَ مِنْھُمْ۔ یہ ترکیب اَھْلَہٗ کا بدل ہے کیونکہ اس میں ان کے لیے مفاد ہے جو ایمان لائیں چونکہ پہلی آیت میں حضرت ابراہیمؑ کو یہ فرمادیا گیا لَا یَنَالُ عَھْدِی الظّٰلِمِیْنَ۔ کہ یہ ظالموں کے لیے عہد نہ ہوگا۔

حضرت امام باقرؒ اور ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو آگاہ فرمادیا تھا کہ کافر بھی ہوں گے اس لیے حضرت ابراہیمؑ نے ان نعمتوں میں مومنوں کو یاد فرمایا یہ بات از روئے امن ہے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے اے حبیبﷺ آپﷺ کافروں کا غم نہ فرمائیں حدیث میں ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ نے اپنی اولاد کے لیے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ سوال بطور ادب فرمادیا کہ کافر اور مومن میں تخصیص ہے کہ یہ حکم مومنوں کے لیے ہے۔ اور کفار کے لیے نہیں ہے اس وجہ سے حضرت ابراہیمؑ نے اس بارے میں مومنوں کو خاص یاد فرمایا فَاُمَتِّعُہٗ۔ کے اندر حضرت امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ رسول کریمﷺ نے فرمایا فَاُمَتِّعُہٗ۔ میں نبوت اور رزق یعنی نبوت اور امامت فاسق کو حاصل نہیں ہوسکتی کیونکہ نبوت کے اندر سخت سے سخت تکلیف ہوتی ہے وہ ان کو برداشت کرنی پڑتی ہے سوائے اپنے رب کے دوسرے کسی کا خوف نہیں ہوتا نہ وہ کسی جابر سے ڈرتا ہے صرف اس کو رضائے الٰہی مقصود ہوتی ہے پھر آپﷺ نے فرمایا کہ امرونواہی میں دین کے احکام میں وہ کوتاہی نہیں کرتا اور کسی جابر کا جبر کچھ اثر نہیں کرسکتا پھر آپﷺ نے فرمایا کہ مومنوں کے لیے اور کافروں کے لیے رزق پہنچے گا اور مومنوں کو اس کے ساتھ ساتھ نعمت دنیوی میں اور نعمت اُخروی بھی اس کا حاصل ہوگی۔

حضرت امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ کافر جب دنیا میں رہتا ہے تو اس کا عرصۂ حیات قلیل ہوتا ہے کیونکہ کافر کے لیے اگرچہ زیادہ مال و متاع بھی ہو تو ان کے لیے چند روز کا

Marfat.com

ہوتا ہے جب وہ مرے گا تو تمام نعمتیں اس سے منقطع ہو جائیں گی جیسا کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ کافر کی نعمتیں عارضی ہوتی ہیں کیونکہ دنیا میں وہ چند دن آرام کرتا ہے یوں سمجھ لو جیسے کوئی گرمی کے موسم میں چند منٹ درخت کے سائے میں آرام کے لیے اور اسی طرح چند منٹ کا سایہ اس کے لیے نفع ہوتا ہے تو کافر کے لیے بھی دنیا کی نعمتیں اسی کی مانند ہیں مرنے کے بعد سلسلہ تمام نعمتوں کا ختم ہو جائے گا۔ فرمایا کہ مومن دنیا میں بھی سکون میں رہتا ہے اور اس کے لیے نعمتیں ہوتی ہیں اور ان نعمتوں سے فائدہ اٹھاتا ہے جب وہ مرے گا تو مرنے کے بعد لازوال نعمتوں کا سلسلہ شروع ہو جائے گا جو ابدالآباد ہے تو فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کافر کو میں رزق دیتا ہوں لیکن اس کے کفر کے سبب اس کو جہنم میں داخل کروں گا اسی ضمن میں ایک حدیث ہے۔

حضرت امام باقرؑ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد علی ابن حسینؑ سے سنا وہ حضرت عائشہؓ سے فرماتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ حضرت ابراہیمؑ نے یہ دعا شہر کے امن اور نفع کے لیے کی آپ دیکھ رہے تھے کہ اس میں کفار آئیں گے تو ان کی قوت نہ بڑھ جائے تا کہ وہ مغلوب رہیں اور میری اولاد میں سے محمد ﷺ مبعوث ہوں گے اور وہ ان کو قتل کرنے کا ارادہ نہ کر سکیں نہ اس کو پوری طرح سے نکال سکیں۔ اب فَأُمَتِّعُهُ ۔ کو ابن عامر نے بسکون میم تخفیف تاء پڑھا ہے اور باقی بفتح الف میم سے پڑھا ہے اور تشدید مبالغہ کے اوپر دلالت کرتی ہے بخلاف تخفیف کے امتعہ کی تفسیر میں اختلاف ہے کسی چیز سے انتفاع اور تمتع حاصل کرنا مراد ہے بعض کہتے ہیں کہ رزق سے تمتع مراد ہے اور بعض نے کہا ہے کہ بقا کے دنیاوی سے انتفاع مراد ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ دونوں چیزوں سے انتفاع مراد ہے اس وقت تک کہ وہ نبی پاک ﷺ کے معاذ اللہ قتل کرنے کا ارادہ کریں یا ان کو نکالیں جو کفر کے اوپر قائم رہیں معنی یہ ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا اے ابراہیمؑ کہ میں کافروں کو بھی رزق دوں گا جس سے وہ دنیا کی زندگی گزار سکیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے ابراہیمؑ کفار بھی رزق لیں گے دنیا کی زندگی گزارنے تک یعنی ان کو ازل اور ابد کی مدت کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں بلکہ وہ قلیل ہے چہ جائیکہ کافر کے پاس جتنا مال بھی ہو وہ قلیل ہے اور اس کی زندگی کے بعد اس کو عذاب ہوگا۔

نبی پاک ﷺ نے فرمایا جیسے کوئی شخص کسی سخت تکلیف میں ہو وہ اس سے آزادی چاہتا ہے اس کو اس سے آزادی نہیں ملتی اور کفار بھی اسی طرح عذاب سے فلاح نہ پائیں گے جیسے کہ فرمایا کہ اس دن ان کو آگ کی طرف دھکیلیں گے دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے ان کو اس روز منہ کے بل آگ میں ڈالا جائے گا جیسے کہتے ہیں یعنی میں نے ایک شخص کو فلاں کام کی طرف بھیجا لیکن اس کو مجبور کیا وہ جانا نہیں چاہتے تھے اصل میں اس کے معنی قریب کے ہیں حضرت امام باقرؑ فرماتے ہیں ہماری زبان میں اضطرہ کا اصل ضر ہے ہم ضــرہ سوکن کو کہتے ہیں کہ سوکن عورت کے قریب رہتی ہے اہل لغت نے بھی حضرت امام باقرؑ کی تفسیر سے اخذ کیا ہے یعنی وہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے اور عذاب ان کے پاس رہے گا یعنی نہ عذاب ان کی جان چھوڑے گا وہ جان چھڑانے سے مجبور ہوں گے حضرت امام باقرؑ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوتا ہے کہ جو شخص مضطر ہو اور زیادتی کرنے والا اور تجارت کرنے والا نہ ہو اس میں اللہ تعالیٰ نے مردار کے گوشت کو اس پر مضطر فرمایا۔ حالانکہ کھاتے وقت اس کو اپنے ارادے اختیار سے کھاتا ہے پس اس تقدیر پر عذاب النار کے یہ معنی ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ اس کو فرمائے گا کہ کافر تو نے جان کر میرے حکم کا انکار کیا طوعاً او کرھاً تیرے لیے عذاب میں رہنا ضروری ہے پس اس کو مجبوراً اس میں رہنا پڑے گا کیونکہ اس نے عذاب کو اپنے لیے پسند کیا ہے پس اس وقت ہمیشہ کے لیے عذاب میں رہے گا یعنی جہنم بری بازگشت ہے نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ وہ بری بازگشت اس وجہ سے ہے کہ جنت کے اندر بے شمار نعمتیں ہوں گی اور ان میں سرور ہوگا اور طرح طرح کی لذات ہوں گی اور جو ان امور کے برعکس ہو آپ ﷺ نے فرمایا ظاہر ہے کہ بری بازگشت ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ ط رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ط إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ (۱۲۷) رَبَّنَا
وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُسْلِمَةً لَكَ ص وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ج إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ (۱۲۸) رَبَّنَا
وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ط إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ۔ (۱۲۹)

ترجمہ: اور جب اٹھا رہے تھے ابراہیمؑ کعبۃ اللہ کی بنیادوں کو وہ اور اسماعیلؑ یہ کہہ رہے تھے اے ہمارے پروردگار ہماری دعا کو قبول فرما بے شک تو سننے والا اور جاننے والا ہے اے ہمارے پروردگار ہم کو تابعدار کر اور ہماری اولاد سے کہ وہ تابعدار رہے اور دکھلا ہم کو اپنی عبادتوں کی جگہ اور ہماری طرف رجوع فرما بے شک تو رجوع فرمانے والا مہربان ہے اے ہمارے پروردگار انہیں میں سے ایک رسول مبعوث فرما جو ان پر تمہاری آیتیں تلاوت فرمائے اور ان کو کتاب حکمت سکھائے اور ان کو پاک کرے بلاشبہ تو غالب حکمت والا ہے۔

Marfat.com

جاننا چاہئے کہ یہ چوتھے امر کا بیان ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کعبہ کی دیواروں کو بنا رہے تھے اس میں چند مسائل ہیں۔

مسئلہ اول:

وَاِذْ یرفعُ ۔ ماضی حال کا صیغہ ہے اور قاعد کی جمع قواعد ہے اس کی معنی بنیادیں اور بیچ کے ہیں اور یہ صفات غالبہ میں سے ہے اس کے معنی اصلی ثابت رہنے کے ہیں جیسے کہا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تجھے ثابت اور قائم رکھے چونکہ دیواروں کی بنیادوں پر عمارت بنتی ہے اس لیے پہلے بنیاد بنائی جاتی ہے پھر اسی بنیادوں پر تمام عمارت قائم کی جاتی ہے حضرت امام باقرؒ اور سدیؒ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے قواعد کو بنیاد سے لے کر ستون تک فرمایا اکثر مفسرین کا خیال ہے کہ حضرت ابراہیمؑ سے پہلے کعبۃ اللہ موجود تھا ہم اوپر حدیث بیان کر چکے ہیں کہ اس کی دیواریں منہدم ہو چکی تھیں اور بنیادیں باقی تھیں اور حضرت ابراہیمؑ نے از سر نو تعمیر فرمایا۔

مسئلہ دوئم:

اس امر میں اختلاف ہے کہ حضرت اسماعیلؑ کعبۃ اللہ کے بناتے وقت اپنے والد کے ساتھ شریک تھے یا نہیں تھے۔

جواب:

اکثر کا یہ خیال ہے کہ وہ ساتھ تھے اصل عبارت یوں ہے وَاِذْ یرفعُ ابراھیم و اسماعیلُ القواعد مِنَ البیت ۔ حضرت امام باقرؒ اور ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ صحابہؓ کے مجمع میں جب یہ آیت نازل ہوئی آپ ﷺ نے یوں پڑھی وَاِذْ یرفعُ ابراھیم القواعدَ مِنَ البیت اسماعیلُ ۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کا مطلب یوں ہے (وَاِذْ یرفعُ ابراھیمَ وَ اسماعیلُ القواعد مِنَ البیت ۔) حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ سنا ہے کہ حضرت اسمٰعیلؑ صغیر نہ تھے ۔ آپ ﷺ نے فرمایا جب حضرت ابراہیمؑ حضرت اسمٰعیلؑ کی والدہ کو لے کر چلے تو وہ سات دن کے تھے جب اس مقام پر پہنچے تو حضرت ابراہیمؑ نے وہاں بنیادوں کے نشان دیکھے اور آپؑ کو وحی آئی کہ یہ کعبۃ اللہ کی جگہ ہے تو نے اس کی تعمیر کرنی ہے تیرے ساتھ یہ بچہ بھی تعمیر کرانے میں ہوگا اب تو ان دیواروں کو کھڑا کر دے حضرت ابراہیمؑ نے ان دیواروں کو تھوڑا تھوڑا کر کے کھڑا کر دیا ان میں حضرت اسمٰعیل اور ان کی والدہ کو ٹھہرایا فرمایا پیغمبر دیواروں کے یا بغیر مکان کے عورت کو بٹھانا پیغمبر کی شان کے خلاف تھا کہ یہ کوئی بے عقلی بھی نہیں کرتا پھر فرمایا کہ حضرت ابراہیمؑ نے ان دیواروں کو کھڑا کیا اور عورت اور بچے کو اکیلا چھوڑ دینا حکمت الٰہی تھی وہ واپس آئے تو جب حضرت اسمٰعیل کو پیاس نے تنگ کیا تو جبرائیلؑ نے ان کو آواز دی کہا کہ اپنے پیروں کی ایڑی کو لگاؤ انہوں نے لگایا پانی کا چشمہ جاری ہو گیا جو چشمہ آب زم زم ہے فرمایا جب حضرت اسمٰعیلؑ جوان ہوئے ان کی والدہ فوت ہو چکی تھیں اور ان کی شادی ہوئی اور حضرت اسمٰعیلؑ شکار کا بہت شوق کرتے تھے اور اس وقت لوگوں کا روزگار بھی شکار کا ہوتا تھا اور اسی اثناء میں حضرت ابراہیمؑ ان کے گھر تشریف لائے اور ان کی بیوی موجود تھی اور انہوں نے حضرت اسماعیلؑ کے بارے میں پوچھا کہا کہ وہ گئے ہوئے ہیں پوچھا کہ تمہارا کیا حال ہے کہا کہ بس کوئی حال نہیں ہے کھانے پینے کو کچھ نہیں ملتا آپؑ نے فرمایا کہ جب وہ آئیں ان کو میرا اسلام کہنا کہ ایک بوڑھا شخص تم کو سلام کہتا تھا اور یہ بھی کہتا کہ اپنی چوکھٹ کو بدل دے حضرت اسماعیلؑ تشریف لے آئے گھر داخل ہوئے کہا کہ محسوس ہوتا ہے کہ آج ہمارے گھر کوئی آیا ہے انہوں نے کہا کہ ہاں ایک بوڑھا شخص آیا اور آپ کو سلام کہہ گیا اور انہوں نے مجھے یہ کہا ہے کہ اس کو کہنا کہ تو اپنی چوکھٹ کو بدل دے آپؑ نے فرمایا کہ وہ تو میرے والد تھے تو نے تو ان کا احترام کرنا تھا آپؑ نے ان کو طلاق دے دی اس کی دوسری بہن سے شادی ہوئی پھر حضرت اسماعیلؑ شکار کرنے گئے اسی اثناء میں پھر حضرت ابراہیمؑ تشریف لائے اور خچر پر سوار تھے سلام فرمایا اور وہ عورت بولیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ آپؑ حضرت اسماعیلؑ کے والد ہیں حضورؑ آپ اتریں آپؑ کھانا تناول فرمائیے آپؑ نے فرمایا کہ میں نے اترنا نہیں وہ پانی لے آئیں اور ایک پتھر رکھا حضرت ابراہیمؑ نے اس پر پاؤں مبارک رکھ کر دھویا اور وہ کھانا لے آئیں انہوں نے کھانا کھایا اور جب چلنے لگے فرمایا کہ میں اسماعیلؑ کا والد ہوں ان کو میرا اسلام کہنا اور کہنا کہ اب تیری چوکھٹ درست ہے جب حضرت اسماعیلؑ واپس تشریف لائے اور فرمایا کہ آج کوئی شخص ہمارے گھر آیا ہے مائی صاحبہ نے مذکورہ حالات بیان کئے اور حضرت اسماعیلؑ نے خوشی کا اظہار فرمایا اس کے بعد حضرت ابراہیمؑ اپنے صاحبزادے کو ملے اور قربانی کا سلسلہ اسی میں ہوا تو اس وقت حضرت اسماعیلؑ نے اپنی نبوت کا اعلان فرما دیا تھا کیونکہ یہ بوجھ نبی اٹھا سکتا ہے اور اس کے بعد مکمل طور پر کعبۃ اللہ کی تعمیر میں دونوں شریک تھے ساتھ ساتھ یہ دعا بھی کرتے تھے اے ہمارے پروردگار ہماری دعا کو قبول فرما۔

Marfat.com

اب اس حدیث کے بعد بعض لوگوں نے یہ کہا ہے کہ حضرت اسماعیلؑ گارا دیتے تھے اور حضرت ابراہیمؑ تعمیر کرتے تھے اور بعض نے یہ کہا کہ وہ دعا میں شریک تھے یہ قرآن پاک کے ظاہر کے خلاف ہو جب وہ تعمیر ہی نہیں کر رہے تو دعا کرنے کا مقصد کیا ہوگا حضرت امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ مذکورہ روایت میں نے گیارہ ہزار صحابہ سے سنی اور یہ حدیث خزینۃ القرآن میں مذکورہ ہے حضرت عطاؒ نے بھی درج کیا۔اور مفسر فرقان القرآن نور القرآن فرایابی میں درج ہے اب ہم یہ کہتے ہیں یہ حدیث متواتر ہے اور اس کے سامنے کسی اور تاویل کی ضرورت نہیں۔حضرت امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ ابراہیم القواعد اس لیے فرمایا تاکہ کعبۃ اللہ کی عظمت ظاہر ہو جائے اور اس میں حضرت ابراہیمؑ کی تین دعائیں تھیں نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ پہلی دعا جب دونوں باپ بیٹا کعبہ کو تعمیر کر رہے تھے تو کہہ رہے تھے کہ اے ہمارے پروردگار ہمارے اس کعبۃ اللہ کی تعمیر کو قبول فرمایہ بھی قبول ہوئی۔دوسری دعا یہ تھی کہ ہم کو اپنا تابعدار بنا ہماری اولاد سے ایک گروہ ایسا فرما جو تیرا تابعدار ہو فرمایا وہ گروہ حضرت اسماعیل کی اولاد سے نسل در نسل تابعدار چلا آیا اور اللہ تعالیٰ نے مجھے بھی اسی گروہ سے چنا جو تابعدار تھا اللہ تعالیٰ کے حکم کا فرمانبردار تھا ہاں یہ ضرور ہے۔یہ زمانہ فطرت رہا ان کو صحیح معنوں میں تبلیغ نہ ہو سکی فرمایا یوں سمجھو کہ انبیاء کے والدین کفار نہیں ہوتے پھر فرمایا جب حضرت ابراہیمؑ نے یہ دعا کی کہ ہماری اولاد میں سے گروہ تابعدار بنا حضرت ابراہیمؑ کہتے تھے اسماعیل اور میری اس دعا کو قبول کرے گا کہ ہماری اولاد جو تجھ سے ہوگی اس میں ایک گروہ اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار اور مطیع ہوگا اور ہم دعا کر رہے تھے کہ اسی گروہ میں سے ایک رسول مبعوث فرمایہ دعا بھی قبول ہوگئی آپؐ نے فرمایا کہ ابراہیمؑ کی دعا کو اللہ تعالیٰ نے پورا کیا اسی گروہ میں سے جو ابراہیمؑ کی دعا کا نتیجہ ہوا اللہ تعالیٰ نے مجھے اسی گروہ سے مبعوث فرمایا کہ میں شکر کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسے لوگوں میں مبعوث کیا جو ساجدین تھے اور فرماتا ہے کہ ہم نے آپ کو سجدہ کرنے والوں میں سے مبعوث کیا ہے۔پارہ نمبر ۱۹ میں اس آیت کی تشریح بھی خود فرما دی حضرت امام باقرؒ فرماتے ہیں یہ حدیث بھی قرآن پاک کے مطابق اپنے مقام پر نص ہے کیونکہ پیغمبر کی تینوں دعائیں نص ہوئی ہیں اولاً کعبۃ اللہ کی قبولیت کی دعا کی۔دوم اپنے تابعدار اپنی اولاد کے تابعدار ہونے کی دعا کی تیسرے اس گروہ میں سے رسول کے مبعوث ہونے کی دعا کی فرمایا کہ تینوں نصوص میں سے اگر ایک نص قبول نہ ہو تو وہ نص فضول ہو جائے گی۔ معلوم ہوا کہ یہ تینوں نصوص قطعی ہوئیں حضرت امام باقرؒ پر قربان ہو جاؤں کہ کیسا عجیب عالمانہ فاضلانہ فیصلہ فرمایا نتیجہ یہ ہوا جو حضور اکرم ﷺ کے والدین کے ایمان کا انکار کرتا ہے وہ نص کا انکار کرتا ہے اور نص کا انکار صریح کفر ہے۔ایک نص کا انکار سارے قرآن پاک کا انکار ہے۔

دعا کی قبولیت میں مفسرین کا اختلاف ہے ہم حضرت امام باقرؒ کی طرف رجوع کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ دعا کے تین مقصد ہوتے ہیں ایک تو یہ کہ دعا کرنے والا جب دعا کرتا ہے قبول ہوتی ہے اس کو ثواب بھی ملتا ہے اگر دعا قبول نہ ہو تو ثواب نہیں ملتا بلکہ اس کو بدل کر آخرت کے لیے ثواب بن جاتا ہے۔فرمایا جیسے مثال سمجھو کوئی شخص کسی کو تحفہ دیتا ہے تو لینے والا شخص بھی اس کو ہدیہ سمجھتا ہے پھر فرمایا کہ اسی طرح جب کوئی بندہ کوئی اچھا فعل کرتا ہے تو اس فعل کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہی وہ اپنا تحفہ پیش کر سکتا ہے۔اس سے وہ ثواب کا مستحق ہوتا ہے حضرت امام باقرؒ فرماتے ہیں میرے نزدیک پسندیدہ امر یہ ہے کہ جیسے کوئی خادم اپنے مخدوم کی خدمت کرے تو وہ مخدوم اس پر راضی ہو جائے۔وہ اس کو کچھ بھی نہ دے تو وہ اس کی رضا پر خوش ہو جاتا ہے کہ میرا مخدوم میرے اوپر خوش ہو گیا ہے فرمایا اہل اللہ یہی کرتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کوئی محبوب عمل پیش کرتے ہیں تو وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم اس قابل نہ تھے کہ تیری بارگاہ میں کوئی عمل پیش کر سکتے لیکن یہ ہمارا حقیر سا عمل کہ وہ مالک حقیقی راضی ہو جائے اگر مالک حقیقی راضی ہو گیا تو ان کی اسی میں خوشی ہے وہ جب بھی کوئی فعل کرتے ہیں اسی سخت محبت سے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے فعل پر راضی ہو جائے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کو زیادہ مخصوص سمجھتے ہیں کیونکہ ان کی خوشی ثواب کے لیے نہیں ہوتی بلکہ رضائے الٰہی مقصود ہوتی ہے ان کو زیادہ محبت رضائے الٰہی میں ہوتی ہے ان پر زیادہ بحث انشاء اللہ اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ۔کے ماتحت ہوگی لیکن یاد رہے کہ اولیاء اللہ کی ایک کثیر جماعت نے حضرت امام باقرؒ کے اسی فیصلے کو اپنایا ہوا ہے یاد رہے کہ تیسرے نمبر کی دعا وہ ہوتی ہے کہ دعا کرنے سے وہ اس قابل نہیں ہوتا تو اس کو رد کر دیا جاتا ہے۔

حضرت امام باقر فرماتے ہیں کہ جب ان دونوں حضرات نے اس عمارت کو پورا کیا اور پھر اس کے بعد انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں دعا کی کہ ہمارے عمل کو قبول فرما تو متکلمین کے قول سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ اگر فعل اخلاص کے ساتھ ہو تو اللہ تعالیٰ کے اوپر اس کا ثواب عطا کرنا واجب نہیں ہے۔اگر اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ پر اس کا ثواب دینا واجب ہوتا تو دعا کرنے کا کیا فائدہ جیسے کوئی شخص یہ دعا کرے کہ یا الٰہی تو اس آگ کو گرم کر دے اور برف کو ٹھنڈا کر دے بلکہ یہ دعا بہتر ہے اس واسطے کہ متکلمین کے نزدیک آگ کا اپنی صورت کے اوپر رہ کر خار ہو جانا یا برف کا اپنی صورت کے اوپر رہ کا خار ہو جانا کچھ محال نہیں ہے۔

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں حضرات کے بارے میں فرمایا کہ ان کی یہ دعا خلوص نیت کے لیے تھی جو فعل اخلاص عمل پر تھا اللہ تعالیٰ نے اس عمل کو

Marfat.com

قبول فرمایا اس امر کے بیان میں ہے کہ اِنَّکَ اَنۡتَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ ۔ میں یہ ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ تو ہماری دعا کو خوب سنتا ہے اور ہمارے دل میں جو
اخلاص ہے تو اس کو خوب جانتا ہے ۔ دوسرے کی طرف سے جو بے التفات ہے تو اس کا علیم ہے اگر کوئی اس پر یہ اعتراض کرے کہ سمیع اور علیم ہونا یہ مخلوق کی صفت ہے اور واجب
تعالیٰ کی صفت نہیں ہو سکتی اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت امام باقرؒ بیان کرتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ سے یہ ہوا آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ میں جو اوصاف اور کمالات پائے جاتے
ہیں وہ دوسرے میں نہیں ہوتے اس واسطے اگر اللہ تعالیٰ نے کمال صفت میں منحصر کرے تو حرج نہیں رَبَّنَا واجعلنا مُسلِمین ۔ اسی کے اندر چند مسائل ہیں۔

مسئلہ اول:

ہمارے علماء نے مسئلہ خلق کو اعمال میں اس آیت سے استدلال کیا ہے یعنی اے ہمارے پروردگار تو ہم کو تابعدار بنا اور ہماری اولادوں کو بھی اسلام سے بھی دین اور
اعتقاد مراد ہو گا یا تابعداری اور فرمانبردار بنا انہوں نے اللہ تعالیٰ سے اس امر کا سوال کیا کہ ان کے اندر یہ صفت پیدا کر دے اور ان کو اس صفت کے ساتھ موصوف کر دے یہ معنی
ہیں کہ یہ صفت ان کے اندر پیدا کر دے اس واسطے کہ فعل کے معنی خلق کے آتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوۡرَ ۔ پس اس سے ثابت
ہوا کہ اسلام اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے اگر کوئی اعتراض کرے کہ یہ آیت متروکۃ الظاہر ہے اس واسطے کہ یہ اس آیت کا مقتضی تحصیل حاصل تھی اور تحصیل حاصل باطل ہے اور ہم دیکھتے
ہیں کہ باجماع اسلام وہ اس سوال کے وقت متعصب بالاسلام تھے حدیث میں ہے کہ حضرت امام باقر ابی کعبؓ حضرت علیؓ کے مجموعہ سے بیان کرتے ہیں کہ صحابہ موجود تھے اور
نصرانیوں نے یہی سوال رسول کریم ﷺ سے کیا دعا سے قبل کیسی حالت تھی آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ انبیاء کو ابتداً فطرت خیر پر پیدا فرماتا ہے تب تو انہوں نے خیر کی دعا کی۔
اس حدیث سے ظاہر ہے کہ اسلام خیر ہے وگرنہ اس دعا کا کیا مطلب ہو گا انبیاء کے بارے میں ایسا سوال کرنا بھی باطل ہے بلکہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ یہ ان کی دعا اس لیے تھی
ہم اسلام میں ہیں تیری راہ پر ہیں ہمیں اپنے اسلام سے زیادہ سیراب کر دے ہماری وسعت کو اسلام میں اور بڑھا دے ۔ اس حدیث نے قول کو بالکل باطل کر دیا۔ ہم اس آیت کو
اگر متروکۃ الظاہر بھی مان لیں تو جعل کے معنی خلق کے نہیں آتے حضرت امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ جعل کبھی کبھی فعل کے گرنے پر ہوتا ہے ہماری لغت عربی میں اس کے معنی سیراب
کے ہیں جیسے ارشاد ہے وَهُوَ الَّذِیۡ جَعَلَ لَكُمُ الَّيۡلَ لِبَاسًا اِلٰی آخرہ ۔ یعنی وہی تو ہے جس نے رات کو تمہارے لیے لباس بنایا اور دن کو تمہارے لیے چلنے پھرنے کا
وقت مقرر کیا پس یہ آیت بھی اسی پر محمول ہے جعل کے معنی وہب کے بھی ہیں جس طرح کوئی کہے میں نے تجھ کو اسباب دے دیا گھوڑا دے دیا حضرت امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ
جعل بمعنی موصوف کرنے کے بھی آتے ہیں اور حکم کرنے کے بھی ہماری لغت میں جعل حکم کو بھی کہتے ہیں یعنی جیسے ارشاد ہے وَجَعَلَ الۡمَلٰٓئِكَةَ الَّذِیۡنَ هُمۡ اِلٰی
آخرہ ۔ آیت کے معنی یوں ہوں گے اے ہمارے پروردگار ہم کو اپنے اسلام پر قائم رہنے کا حکم فرما یعنی ہم تیری تابعداری پر قائم ہیں اور تیرے دین کی تیرے حکم کے مطابق تبلیغ
کریں یعنی بتلایا انہوں نے فرشتوں کو جو ان کے مؤنث بندے ہیں بتلایا انہوں نے اللہ تعالیٰ کا جنوں کو شریک جعل کے معنی امر کرنے کے بھی آتے ہیں جس طرح ارشاد ہے یعنی
ہم نے ان کی اقتدا کا حکم دے دیا ایک اور جگہ ارشاد ہے ہم نے ان کو لوگوں کا امام بنایا جعل بمعنی تسلیم کے بھی آتا ہے جیسے کہا کرتے ہیں جعل مکتب شاعرا ۔ یعنی میں
نے اس کو کتاب اور شاعری کی تعلیم دی جعل کے معنی بیان کرنے اور دلالت کرنے کے بھی آتے ہیں یعنی اول سے فلاں شخص کی کلام کا بطلان ظاہر کر دیا جیسا کہ حدیث سے ثابت
ہو چکا ہے کہ ان کا اسلام کا پانا موصوف بمعنی حکم ہیں حضرت امام باقر فرماتے ہیں کہ اس سے یہ مراد ہے اسلام میں موصوف ہو جانا حکم میں پابندی کرنا اور فاضل ہو جانا یعنی اے اللہ
تو ہم کو اپنے دین میں فاضل کر دے اس سے بھی یہ مراد ہے جیسے کہا کرتے ہیں کہ فلاں شخص نے مجھ کو چور بنا دیا فلاں شخص نے مجھ کو ادیب اور فاضل کر دیا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ان
کے اوصاف کے ساتھ موصوف کر دیا اس سے یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ اگر بمعنی خلق کے لیا جائے تو جیسا کہ اسلام کے داعی ہوتے ہیں اور جن سے اسلام کی توفیق پیدا ہوتی ہے پس
جب اللہ تعالیٰ نے ان اوصاف اور الطاف کی توفیق دی اور بندہ ان امور کو عمل میں لایا گویا درحقیقت اللہ تعالیٰ نے ان کو مسلمان کیا اگر کوئی شخص اپنے بیٹے کو تربیت کے طور پر ادیب
اور فاضل بنا دے وہ کہہ سکتا ہے کہ میں نے تجھ کو ادیب اور فاضل بنایا اگر چوری اور دغا بازی کرے تو وہ کہہ سکتا ہے کہ تو چوری اور دغا بازی کیوں کرتا ہے؟ اگر ہم اسلام کو مخلوق مان
لیں تو یہ قول عقلیہ کے خلاف ہو گا اگر بندہ کا فعل اللہ تعالیٰ کی طرف سے مخلوق ہوتا یعنی بندہ کا مخلوق نہ ہونا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتا بندہ کسی فعل میں مدح ثواب یا عذاب کا مستحق
نہیں ہو سکتا معاذ اللہ بندہ کیسے پھر اللہ تعالیٰ کا مطیع اور فرمانبردار ہوتا بلکہ تمام افعال اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہوتے جواب یہ ہے کہ تم یہ کہتے ہو یہ آیت متروکۃ الظاہر ہے اس کو ہم
تسلیم نہیں کرتے بچند ان وجوہ اسلام ایک عرض ہے جس کو خود قیام نہیں ہو سکتا بلکہ اس کے دل کے اندر قیام ہوتا ہے اور وہ دو زمانوں میں اس کے لیے قیام نہیں ہو سکتا پس اس تعذیر

Marfat.com

پر واجعلنا مسلمین لک ۔کے یہ معنی ہوں گے اس عرض کو ہمارے اندر زمانہ مستقبل میں ہمیشہ پیدا کرو اور زمانہ استقبال میں اس کی تحصیل کا سوال نہ کر نا زمانہ حال میں اس کی حاصل ہونے کی منافی ہیں اور اس سے صفت اسلام اور اس کی ترقی مراد ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ لیزدادوا ایمانا والذین ھتدوا۔اور حضرت ابراہیمؑ عرض کرتے ہیں میرے دل کو اطمینان ہو جائے کہ تو مردے کیسے زندہ کرتا ہے؟ پس اس میں انہوں نے ایمان کی زیادتی بطور برکت سوال کیا ہے اس میں کوئی حرج نہیں اصل موقف یہی ہے جو اوپر حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔حضرت امام باقرؓ فرماتے ہیں یہ تمام مذکورہ دلائل انہوں نے فرمائے ہیں فرماتے ہیں اسلام جب مطلق دور پر بولا جاتا ہے اس سے ایمان اور تصدیق مراد ہوتی ہے حدیث میں بھی ہے رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ اسلام اس وقت مکمل ہوگا جب صدق دل سے اس پر ایمان لایا جائے گا اور اس کی تصدیق کی جائیگی حضرت امام باقرؓ فرماتے ہیں جب اس کا الف لام صلہ کے طور پر واقع ہوتا ہے یعنی جیسے یہاں پر ہے۔

اس میں فرمانبرداری قدر و رضا بقضاء اور خوشی دل سے احکام الٰہی کو قبول کرنے کے معنی ہوا کرتے ہیں پس اس سے ثابت ہوا کہ ان کو معرفت اسلام پہلے تھی۔اور انہوں نے اس کی برکت اور زیادتی کے لیے سوال کیا اب یہ جو کہا تھا کہ وجعل کے معنی حکم کے ہیں حضرت امام باقرؓ فرماتے ہیں یہ غلط ہے موصوف کے لیے جب صفت حاصل ہوتی ہے تو اس کے صفت کے حاصل کرنے میں کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔جب دعا سے محض وصف مطلوب نہ ہو صفت کا محمول کرنا اس وقت ضروریات سے ہوتا ہے اور یہ نہیں کہہ سکتا کہ اللہ تعالیٰ کا ایک صفت کے ساتھ موصوف کرنا ایک قسم کی مدح اور ثناء ہے یہ ایک ایسا امر ہے کہ مقصود بالذات مطلوب ہو سکتا ہے یہ نہیں کہہ سکتے کہ ایک شے کو حاصل کرنے میں ضرورت محسوس نہیں ہوتی بلکہ زیادہ رغبت ہوتی ہے یا اس کے ساتھ موصوف ہونے یا حکم پانے کی طرف رغبت ہو پس پہلی صورت پر آیت کا محمول کرنا زیادہ مناسب ہے جب ان دونوں حضرات کے اندر اسلام کی صفت پائی گئی تو بلاشبہ اسلام ان کے اندر پایا گیا۔اس بات کے مستحق ہوگئے کہ وہ مسلمان بنیں تو اللہ تعالیٰ کی ذات کے اندر کذب کا ہونا محال ہے از روئے حدیث ان کے اندر یہ وصف تھا امام باقرؓ ان تمام بیان عقلیہ کو بیان فرما کر یہ کہتے ہیں کہ عقل کامل وہی ہے جو قرآن حدیث کے تابع ہو بس ہم کو از روئے حدیث یہ معلوم ہو گیا کہ نبی اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک ان کے اندر اسلام کے کمالات کی قوت پیدا نہ کر دے پس ہم اس آیت کو اسی مذکورہ حدیث پر محمول کرتے ہیں ثابت ہو گیا کہ انبیاء کے اندر اسلام با کمالات صفت پہلے ممکن ہوتی ہے اگر یہ ممکن نہ ہوں تو وہ پیغمبر عام لوگوں کی طرح تصور ہوگا کیونکہ اس سے خطا کا ہونا لازم آئے گا کیونکہ پیغمبر کی عصمت اسی دلیل پر موقوف ہے کہ اس کا ظاہر اور باطن گناہ سے معصوم ہو۔حضرت امام باقرؓ اور ابی بن کعبؓ حضرت علیؓ کے مجموعہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ صحابہ کے مجمع میں انبیاء کے اوصاف بیان فرما رہے تھے فرمایا جو انبیاء اللہ تعالیٰ نے روز میثاق منتخب فرمائے اور جو ان کو احکامات بھیجتے تھے وہ پہلے سے ان کو اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا اس حدیث سے ثابت ہوا کہ انبیاء احکامات الٰہی سے پہلے مامور ہوتے ہیں پھر وحی کا ذریعہ ان پر اس لیے ہوتا ہے کہ مخلوق کو جو گمراہ اور کفر میں مبتلا ہوتی ہے۔آہستہ آہستہ ان تک وہ احکامات پہنچائے جائیں تا کہ ان کے دل میں وہ اثر کریں تو لہٰذا یہ آیت اسی امر پر محمول ہوئی کہ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ اولاً مسلمان تھے اور اسلام کی صفت ان کے قلب میں موجود تھی۔اب اور دلائل عقلیہ۔پس یہ وصف ان دونوں کے اندر حاصل تھا اور دعا سے اس کی طلب کرنے کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔اس سے صرف تقیہ مراد ہو تو لازم آتا ہے کہ جو شخص حضرت ابراہیمؑ کو مسلمان بتلائے اس کی نسبت یہ کہنا درست ہو کہ اس نے ان کو مسلمان بنا دیا اور یہ جو کہا تھا اس سے ان الطاف اور اوصاف کا پیدا کرنا مراد ہے جو اسلام کا باعث ہوتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بھی بچند اں وجوہ غلط ہے۔نمبر ۱: لفظ وجعل کا اسلام کی طرف مضاف ہے پس اس سے اس کے غیر مراد ہونا خلاف ظاہر ہے۔نمبر ۲: یہ الطاف اللہ تعالیٰ کی ایجاد اور اس کے فعل سے ہوں گے جیسا کہ معتزلہ کا مذہب ہے پس لک کا طلب کرنا بھی تحصیل حاصل ہوگا اور تحصیل حاصل جائز نہیں۔نمبر ۳۔ان الطاف کے لیے یا تو جانب وجود کو جان عدم پر ترجیح دینے میں اثر ہوگا یا نہ ہوگا۔پس اگر اس کو اس ترجیح میں اثر نہیں ہے تو یہ امر الٰہی نہ ہوا۔اور اگر اس کے لیے ترجیح میں اثر ہے تو ہم کہتے ہیں جب یہ رجحان پایا جائے تو واجب ہوگا اس واسطے کہ ترجیح کی صورت میں تین صورتیں نکل سکتی ہیں یا تو اس فعل کا پایا جانا واجب ہو یا ممتنع یا نا واجب نا ممتنع، پس اگر واجب ہوا تو فہم مراد اور اگر فعل کا پایا جانا ممتنع ہو تو یہ مرجع نہ ہوگا۔بلکہ اس فعل کے معنی ہوگا۔اور اگر اس فعل کا پایا جانا نا واجب ہو تو اس وقت میں بھی اس فعل کا وقوع ممکن ہوگا اور کبھی وقوع نا ممکن ہوگا۔پس اب ہم کہتے ہیں کہ صفت وقوع کا وقوع کے ساتھ خاص ہو وہ دو حال سے خالی نہیں ہے یا کسی امر کے اہتمام سے یہ اختصاص ہوگا اور اس لطف کو اس ترجیح میں اصلاً اثر نہ ہو اور ہم پیشتر اس کو مرجع بدوں کر چکے ہیں یہ خلاف فرض ہے اور اگر دوسری صورت ہے تو ممکن کی ایک طرف کو دوسری طرف پر بلا کسی مرجع کے رائج ہو لازم آ گیا۔اب یہ محال ہے پس ثابت ہوا کہ آئندہ مذکورہ سے الطاف کا مراد لینا صحیح نہیں ہے۔اور جو یہ بیان کیا ہے کہ دلائل عقلیہ اس پر دلالت کرتی ہے کہ بندہ کا فعل مخلوق الٰہی نہیں ہے وہ دلائل یہی ہیں بندہ کو ذم مدح عذاب کے ساتھ معذور کرنا درست نہ ہوگا۔تو ہم کہتے ہیں یہ بمعنی مسلم اور داعی کے اوپر لازم آتی ہے۔صبر و کثیرہ کے بارے میں پہلے کافی بیان ہو چکا ہے اور احادیث

Marfat.com

بھی کافی گزر چکی ہیں حضرت امام باقرؒ اور ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو اور ان کے فرزند اسماعیلؑ کو اولاً اسلام سے ممتاز فرمایا۔ اور انہیں کے مذہب
کو تمام فرقے قبول کرتے ہیں اور اپنا اپنا دعویٰ کرتے ہیں اس پر ہم پہلے دلائل عقلیہ اور جوابات عقلیہ بیان کر چکے پھر اس بات کا ثبوت کہ ان کا مسلمان ہونا اور فرمانبردار
ہونا اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھا اس طرح ہو سکتا ہے کہ اسلام کی صلاحیت ان میں پیدا ہوئی اسی طرح اسلام کو چھوڑنے کا بھی اختیار تھا۔ اگر ترک کرنے کی صلاحیت نہیں تو یہ قدرت
کی موج تھی پس اس موج کا پیدا کرنا یہی مراد ہوگا کہ ان کو مسلمان کرنا ہوگا اگر یہ انہیں قدرت کے ترک کرنے کی صلاحیت تھی تو یہ امر باطل ہے اگر اس کے امکان کو تسلیم کیا جائے
تو بھی مقصود حاصل ہے کیونکہ مقصود امکان پر حاصل ہے۔ بطلان کی دلیل یہ ہے کہ ایک ترک کا عدم شے پر باقی رہتا ہے۔ عدم نفی محض یہ محال ہے کہ قدرت کا اثر اس میں ہو سکے
اور علاوہ بریں کہ وہ عدم خود باقی ہے اور باقی کے ساتھ قدرت کا کوئی تعلق نہیں ہوا کرتا۔ پس ثابت ہوا کہ اس عدم کو مستمر پر قدرت نہیں پس قدرت وجود پر بجز وجود کے ہوگی کسی چیز
کی صلاحیت نہ ہوگی پس اگر قدرت میں اور عدم دونوں کی صلاحیت موجود ہو تب بھی مقصود حاصل ہے اس واسطے اس قدرت صانع کا تعلق کسی مرجع کی وجہ سے ہوگا تمام مرجعات کا
انقطاع فعل باری تعالیٰ سے ہوگا ورنہ تسلسل لازم آئے گا جو محال ہے جب مرجع اللہ تعالیٰ کی طرف سے پایا گیا تو ان کا وقوع واجب ہوا پس دلائل عقلیہ سے رَبَّنَا وجعلنا کی
صحت ثابت ہوگئی جو اوپر از روئے احادیث متواتر کے ہوئی۔

حضرت امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ آیت کے اندر حصر ہے اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی طرف اپنی رضا کو قائم کر دے اور قضاء قدر پر راضی رہے اپنے دل
کو خوش رکھے یہی کمال سعادت ہے اور دل کو دوسری طرف متوجہ نہ کرے سوا رضائے الٰہی کے جیسا کہ ارشاد ہے ابراہیمؑ نے کہا اللہ کے سوا میرے سب دشمن ہیں۔ نبی پاک ﷺ
نے فرمایا کہ انسان اپنی رضا کو رضائے الٰہی میں منحصر کر دے اور اسی کی طرف رجوع کرے اور اس میں فنائیت حاصل کرے۔ جب اس کو اس رضا کے اندر رضا حاصل ہوگئی وہ دنیا
میں مستغرق ہوا۔ پھر یوں سمجھئے کہ وہ جو فعل کرے گا وہ فعل الٰہی ہوگا یہ حدیث امام باقرؒ نے اپنی تفسیر میں لکھی اور صاحب تفسیر ابومسلم نخعی خزینۃ القرآن نور القرآن میں مذکور ہے۔ اب
اس آیت کے معنی یہ ہوئے نبی پاک ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا اس سے مراد یہ ہے کہ تو جو اپنی شریعت اسلام عطا کرتا ہے اس کو تبلیغ کرنے میں میرے
مذہب میں وسعت فرما اور میں تیری شریعت کا نافذ کرنے میں کوئی کوتاہی نہ کرسکوں فرمایا یہ حضرت ابراہیمؑ کا کلمہ انکسار تھا۔ جس کی وجہ سے قدرت نے ان کو کامل کر دیا اور ان کی
اولاد میں زیادہ انبیاءؑ کو مبعوث فرمایا۔ آیت کا ظاہر مقتضی یہی ہے کہ یہ عموم ہے یعنی اسلام کے احکام بھی اس میں عموم مراد ہوئے ہیں۔

حضرت امام باقرؒ اور ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دن کے ساتھ رات کا ہونا ضروری ہے اس پر ہم پارہ نمبر ۲۴ سورہ مومن میں تفسیر بیان کریں
گے جو دعا کی شرائط میں ہے یہ جو ارشاد ہے مِنْ ذُرِّيَّتِنَا۔ تو اس کے اندر مِنْ تبعیضیہ ہے یعنی ہماری بعض اولاد کو بھی اسی طرح فرمانبردار اور مسلمان بنانا کیونکہ پہلے یہ گزر
چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرما دیا تھا کہ یہ امر ظالموں کے لیے نہ ہوگا۔ اب ذُرِّيَّت سے کون مراد ہے بعض نے کہا ہے کہ اہل عرب مراد ہیں جو حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں سے
ہیں اور بعض نے کہا کہ حضور ﷺ کی امت کے لیے ہے۔ اس میں چند سوال ہیں۔ ا۔ جس طرح یہ ارشاد ہوا کہ ظالموں کو یہ عہد نہ پہنچے گا اور اگر یہ معلوم کیا جائے کہ ان کی بعض
اولاد کے لیے ہے اور بعض اولاد مسلمان ہوگی تو پھر دعا کرنے کا کیا مقصد اس میں قابل طور پر قطعی نہیں کہ دعا نہ کرنا جس طرح شفیق دوست کو اپنے دوست کی تکلیف کا اندیشہ زیادہ
ہوتا ہے تو مستقل پر دعا کرنا لازم ہے۔

۲۔ اگر کوئی سوال کرے کہ حضرت ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ نے اپنی دعا میں اپنی اولاد کو کیوں شامل کیا یہ تو بخل ہے؟

جواب: حضرت امام باقرؒ ابی بن کعبؓ سعید بن جبیرؓ حضرت ابوبکرؓ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت ابراہیمؑ و اسماعیلؑ نے اپنی اولاد کو اس لیے شامل کیا
کہ شفقت پدری دوسرے لوگوں کی نسبت زیادہ ہوتی ہے اس کو عقل بھی تسلیم کرتی ہے ارشاد ہے ایمان والو اپنی جانوں کو اور اپنے گھر والوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ ثابت ہوا کہ
انبیاء کی اولاد اگر راہ راست پر آجائے تو دوسرے بھی ان کو دیکھ کر ان کی اتباع کریں گے اور راہ راست پر آجائیں گے حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ذُرِّيَّت سے
مراد کون اولاد ہے آپ ﷺ نے فرمایا اسماعیلؑ سے لے کر سارا عرب پھر ان میں سے میرے آباؤ اجداد خاص کر چن لیے گئے ہیں کئی مرتبہ ہم فرما چکے ہیں کہ انبیاءؑ کے والدین
نجاست کفریہ سے پاک ہوتے ہیں کیونکہ انبیاء پاک اور معصوم ہوتے ہیں اور نجاست کفریہ اور نجاست شرک تمام نجاستوں سے بدترین نجاست ہے تو انبیاء اللہ تعالیٰ کو ان گھروں
میں مبعوث فرماتا ہے جو ان نجاستوں سے پاک ہوں تو اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اسماعیلؑ سے ان کی مراد اولاد اہل عرب ہے دوسرے یہ کہ پہلے علماء سلف کی حالت کو دیکھ کر بعد
والوں نے بھی ان کی اتباع کی مجھے امام رازیؒ پر ایک افسوس ہے کہ انہوں نے بھی یہ بات تسلیم کی ہے کہ اس دعا سے مراد اسماعیلؑ کی اولاد اہل عرب لوگ تھے پھر یہ قبول ہوئی یا رد

Marfat.com

ہوئی کیونکہ پیغمبر کی دعا رد نہیں ہوتی امام رازیؒ نے جو یہ کہا ہے کہ حضور ﷺ کے والدین اسلام پر نہ تھے یہ انہوں نے اپنے وعدے کے خلاف کہا ہے۔

سوال سوئم: اگر اللہ تعالیٰ ان کی دعا کو رد فرماتا تو تشریح فرما دیتا اور جب کہ رد کرنے کی تشریح نہیں فرمائی تو معلوم ہو کہ اس نے اس دعا کو قبول فرمالیا اس وقت ایک اشکال متوجہ ہوتا ہے اور یہ کہ حضور ﷺ کے باپ دادا سے پہلے کوئی مسلمان نہ تھا اور سوائے عرب کے کوئی حضرت اسماعیلؑ اور ابراہیمؑ کی اولاد میں سے نہیں تھا حضرت امام باقرؒ ابی بن کعبؓ نے جو بیان فرمایا ہے کفال نے اس کو بیان کیا ہے ان کی اولاد میں برابر ایسے لوگ چلے آئے جو خالص اللہ کے پجاری تھے اور شرک سے بری تھے چنانچہ ایام جاہلیت میں زید بن عمرو بن نفیل توحید کے پجاری تھے امام باقرؒ فرماتے ہیں نبی پاک ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ اسماعیلؑ کی اولاد اہل عرب ہیں اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ کی دعا کو قبول فرمایا اور ان کی اولاد میں اہل عرب سے برابر اللہ تعالیٰ کو ماننے والے چلے آئے جیسے میرے دادا عبدالمطلب اور ہاشم دین ابراہیمیؑ پر قائم تھے۔ اللہ کو ایک جانتے تھے اور شرک نہ کرتے تھے نہ کراتے تھے۔ اور قطرب بن مستیف بھی اسی پر قائم تھے۔ امام رازیؒ نے بھی اسی بات کو لکھا ہے بس حدیث سے ثابت ہوا کہ جب عبدالمطلب اور ہاشم دین ابراہیمیؑ پر قائم تھے تو حضور ﷺ کے والد اس دین سے کیسے خارج ہوئے ہوں گے۔ جب کہ ان کی پشت میں نور محمد ﷺ موجود تھا۔ اس بات کو امام رازیؒ نے بھی تسلیم کیا ہے باحوالہ کفال اب ثابت ہوگیا کہ نبی پاک ﷺ آدم سے لے کر جن جن نفوس سے تشریف لے آئے وہ مشرک سے اور کفر سے پاک تھے اس پر کافی بحث ہوچکی ہے۔ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا۔ کے اندر چند مسائل ہیں۔ اَرِنَا کے اندر دو قول ہیں حضور پاک ﷺ نے فرمایا کہ ابراہیمؑ نے فرمایا کہ ہم کو حج کے مناسک بتلاؤ جب کہ تو نے ہمیں کعبہ بنانے کا حکم دیا اور حج کرنے کا حکم فرمایا اور لوگوں کو بلانے کا حکم فرمایا۔ پہلے اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ۔ یعنی ہم کو ان کی تعلیم فرمادے ۲۔ وہ احکام ہم کو ظاہر فرما کہ ہم آنکھوں سے دیکھیں چنانچہ امام باقرؒ اور حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ حضرت جبرائیلؑ نے حضرت ابراہیمؑ کو حج کے تمام احکام بیان کردیئے جب وہ عرفات پہنچے تو جبرائیلؑ نے ان کو کہا کہ آپ وہ احکام پہچان گئے اس وجہ سے اس جگہ کا نام عرفات ہے۔ پس جب قربانی کا روز ہوا تو حضرت ابراہیمؑ نے بیت اللہ کی زیارت کا ارادہ کیا تو شیطان راستے میں حائل ہوگیا اور جبرائیلؑ نے اس کو سات کنکر مارنے کا حکم دیا۔ انہوں نے سات کنکر مارے پھر وہ بھاگ گیا پھر تیسرے چوتھے روز ایسا ہوتا رہا۔ اور وہ کنکر مارتے رہے اور اس مقام پر ایک تیسرا قول یہ بھی ہے کہ علم اور روئت مراد نہیں اور قاضی کا قول یہی ہے اس واسطے کہ حج کے اندر مختلف عبادتیں ہیں۔ بعض جاننے کے متعلق ہوتی ہیں اور بعض دیکھنے کے متعلق ہوتی ہیں اور اس لفظ کا دونوں کے اوپر محمول کرنا ضروری ہے اور یہ قول ضعیف ہے اور وہ دونوں قول زیادہ معتبر ہیں پس جو لوگ قول دوم کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ مناسک سے وہ مقامات اور مواقع مراد ہیں جہاں صبح کے احکام پورے کئے جاتے ہیں۔ مثلاً منیٰ عرفات اور مزدلفہ وغیرہ کے اور جو لوگ قول اول کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس میں حج کے اعمال اور عبادات مراد ہیں مثلاً طواف اور سعی اور وقوف مناسک کے معنی عبادت کرنے کے ہیں۔ اس واسطے عبادت کرنے والے کو ناسک کہتے ہیں پھر حج کو بھی ناسک کہتے ہیں اور ذوالحج کو بھی ناسک کہتے ہیں اور اعمال حج کو مناسک کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں جیسا کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ تم مجھے اپنے مناسک دکھاؤ شاید اس سال کے بعد میں تمہیں نہ ملوں اور جن مقامات میں حج کے مناسک پورے کئے جاتے ہیں ان کو بھی مناسک کہتے ہیں۔ اور مناسک فتح بمعنی فعل کے ہیں اور بکسرہ لس کے معنی عبادت کے مقام کے آتے ہیں مثلاً مسجد اور مشرق اور مغرب وغیرہ۔ اور ارشاد ہے کہ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا۔ بافتح باکسرہ دونوں طرح پڑھا ہے اور ظاہر کلام فعل کے اور دلالت کرتا ہے علیٰ ہذا القیاس، حضور ﷺ کا یہ ارشاد کہ تم مناسک کو پورا کرو جب یہ معلوم ہوگیا تو ہم کہتے ہیں اگر ہم مناسک کو حج پر محمول کریں پس اگر اس سے افعال مراد ہوں تو ارادہ نامراد ہوں گے کہ وہ اعمال معلوم ہوجائیں اور اگر مواقع مراد ہوں تو رات سے ان مقامات کا شفاعت کرانا مراد ہوگا اور بعض مفسرین نے مناسک سے صرف قربانی مراد لی ہے اور یہ مراد صحیح نہیں کیونکہ مناسک ہر ایک ذبیحہ پر اس واسطے محمول کرتے ہیں کہ وہ ایک قسم کی عبادت ہے۔ لہٰذا کوئی جانور اپنے کھانے کے لیے ذبح کیا جائے تو اسے مناسک نہیں کہتے۔

اور یہ وجہ تسمیہ تمام اعمال حج میں پائی جاتی ہے بنابریں اس کو تمام اعمال کے اندر داخل ہونا ضروری ہوا گر مناسک سے اصلی معنی مراد ہوں یعنی عبادت اور تقرب الی اللہ اور اس کی رضامندی اتباع اور اس سے تمام آیات مراد ہوں جو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کے لیے مقرر فرمائی ہوں پس اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ہمیں اس امر کی تعلیم فرما کہ ہم تجھے کس طرح اور کہاں پوجیں اور کن امور کے ساتھ ہم تیری قربت حاصل کریں اور کس طرح خادم اپنے مولا کی خدمت گاری کرتا ہے ہم تیری خدمت گزاری کریں۔ ابن عمرو اور ابن کثیر نے تمام قرآن میں اَرِنَا کو سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور عاصم نے اور ابن عامر نے ایک قرآت میں ان کے ساتھ اتفاق کیا ہے یعنی سورہ سجدہ میں اَرِنَا الَّذِيْنَ اَضَلَّنَا پڑھتے ہیں اور ابوعمرو نے بعض روایات ظاہرہ میں بعض قرآن میں بحذف قراۃ شیبہ سے مروی ہے اور باقی نے کسرہ اور اشیاء کو ساتھ پڑھا ہے اور اس کی اصل اَرِنَا ہے باہمزہ کا کسرہ را کی طرف منتقل ہوکر دور ہوگیا اور ہر قرات زیادہ تر پسندیدہ ہے اس واللہ سے ل کسرہ پڑھا جاتا ہے علاوہ ازیں یہ بات ہے کہ جب ھمزہ ساکت ہوگیا تا کہ نکتہ لازم آئے اور

Marfat.com

ہمزا کے اوپر کوئی دلالت کرنے والا نہ ہو ساکن کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ہمزہ لام سے دور ہو گیا اور اس کو حرکت تھی اور جو اسماء اس قسم کے آئیں اور ان کو سکون پایا گیا اور ان کے ساتھ مشابہت ہونے کی وجہ بھی صحیح ہے۔ فَخذَ اور کَبدَ اور کبد وغیرہ اور را کا کسرہ دور کرنے میں بھی ہو اور ہمزا کے محذوف ہونے پر بھی اس پر دلالت ہو جاتی ہے حضرت ابراہیمؑ نے جناب باری میں عرض کیا وَتُب عَلَینَا کہ تو ہماری طرف رجوع فرما اس میں چند مسائل ہیں۔

مسئلہ اول:

بعض لوگوں نے ارنـا سے یہ تجویز کیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے گناہ صغیرہ ہو سکتے ہیں اور معتزلہ نے بھی اسکو تجویز کیا ہے۔ لیکن یہ امر بالکل باطل ہے۔ امام باقر ابی بن کعبؓ اور سعید بن جبیرؓ حضرت علیؓ کے مجموعہ سے بیان کرتے ہیں کہ صحابہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ تُـب عَلَینَا کے کیا معنی ہیں یعنی حضرت ابراہیمؑ سے کوئی خطا سرزد ہوئی تھی جس کی وجہ سے وہ یہ حکم کہہ رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ انبیاءؑ معصوم ہوتے ہیں۔ نہ ان سے کوئی صغیرہ گناہ ہوتے ہیں نہ کبیرہ گناہ ہوتے ہیں انبیاءؑ باطن کی طرح ظاہراً بھی معصوم ہوتے ہیں اس طرح ان کا باطن بھی معصوم ہے ان کے بارے میں یہ خیال کرنا کہ ان سے صغیرہ یا کبیرہ گناہ ہو سکتا ہے تو فرمایا یہ کفر ہے اللہ تعالیٰ نے یہ بات حرام کردی ہے انبیاءؑ سے کبیرہ اور صغیرہ گناہ نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے انبیاءؑ پر گناہ کا ہونا حرام کیا ہے۔ صغیرہ ہو یا کبیرہ ہو اور ان کے ظاہری باطن کو اولاً مطہر بنا دیا ہے۔ فرمایا یہ دعا انہوں نے اپنی اولاد کے حق میں کی تھی یعنی جو اولاد نیک ہوگی اگر اس سے بھی کوئی خطا سرزد ہو جائے تو میں ان کی طرف سے تیری طرف رجوع کرتا ہوں۔ حضرت امام باقرؓ فرماتے ہیں یہ حدیث متواتر ہے بلکہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے کہا ہے جب یہ دونوں صدیق خلیفے اس حدیث کو بیان کرتے ہوں تو یہ صحابہؓ کے اجماع میں بھی مشہور ہے۔ اب اس کے بعد اور دلیل۔ باپ اپنی اولاد کے لیے بڑا شفیق ہوتا ہے۔ اگر کسی کے بیٹے سے کوئی قصور سرزد ہو جائے تو وہ باپ اس کو کہتا ہے کہ بھئی یہ خطا جو مجھ سے ہوئی ہے مجھے معاف کردے کیونکہ باپ بیٹا کا ایک ہی معاملہ ہوتا ہے چنانچہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنی اولاد پر یہ شفقت فرمائی یہ بات چند وجوہ سے ثابت ہے۔ ا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ابراہیمؑ نے عرض کیا اے میرے پروردگار میری اولاد کو گمراہی سے بچا۔ انہوں نے بہت لوگوں کو گمراہ کردیا ہے جو میرا اتباع کرے وہ مجھ سے ہے جو میری نافرمانی کرے تو بے شک تو غفور ہے۔ اور تو اس پر قادر ہے کہا اگر وہ کوئی خطائیں کریں تو تو ان کو معاف فرما کہ تو معاف فرمانے پر قادر ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عامرؓ کی قرآت سے بیان کیا گیا ہے وَلَا ھُمْ مَنَا سِکَنَا وَتُبْ عَلَیْنَا ۔۲۔ اس کے اوپر عطف کر کے انہوں نے رَبَّنَا وَابعَث فیھم ۔ پڑھا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ آدمؑ کا پیدا کرنا سب کے پیدا کرنے سے تعبیر فرمایا ہے کہ اس واسطے کہ سب حضرت آدمؑ سے پیدا ہوئے۔ اس لیے یہ کہا جائے کہ ہماری اولاد کو مناسک حج دکھادے۔

مسئلہ دوم:

توبہ سے کیا مراد ہے؟ اللہ کی طرف سے تو حضرت ابراہیمؑ کو یہ لازم آئے گا یہ اعتراض باطل ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ تو ہمیں توبہ کی توفیق فرما کہ ہم توبہ کر سکیں اور میری اولاد کو توبہ کرنے کی تلقین ہو جائے دوسرے امر یہ ہے کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ہر فعل کا پیدا کرنا اللہ کر طرف سے ہوتا ہے جب توبہ اللہ تعالیٰ بندے کے دل میں نہ ڈالے تو اس کو توبہ کرنے کا اختیار ہی نہ ہوگا۔ توبہ کی تین صورتیں ہیں۔ علم، مال، عمل۔ علم مال کا اور حال عمل کا منشاء موجب ہوتا ہے اور علم سے اس ضرر کو معلوم کرنا مراد ہے جب گناہ کی معرفت پیدا ہو جاتی ہے تو دل کو رنج و غم ہوتا ہے اور درد کا نام ندامت ہے اور ندامت سے ایک صفت پیدا ہوتی ہے جس کا نام ارادہ ہے اس ارادے کا حال ماضی مستقبل سے تعلق ہوتا ہے حال کے ساتھ یہ تعلق ہوتا ہے کہ وہ اس گناہ کو فوراً چھوڑ دیتا ہے جس میں وہ مبتلا ہوتا ہے۔ مال کے لیے یہ ارادہ ہوتا ہے کہ تمام زندگی اس گناہ کو عمل میں لایا جائے اس کی وجہ سے جو نفع انسان کو ہوتا ہے وہ فوت ہو جاتا ہے۔ ماضی کے ساتھ یہ تعلق ہوتا ہے کہ ماضی میں جو گناہ اس نے سرزد کئے ہوتے ہیں ان کو دل سے نکالنے کی کوشش کرتا ہے۔ صورت اول ہر قسم کی بہتری اور تمام نیکی کا مبدا ہوتی ہے۔ جس کو ہم تعبیر کرتے ہیں کیونکہ علم کے ساتھ ہمارا یقین اور ایمان ہوتا ہے۔ ایمان اور یقین کے ساتھ اور گناہ ایک بہت بد عمل ہے۔ جب یہ قلب پر بیٹھ جائے تو اسی کا نام یقین ہے۔ تو جب آتش عادت غالب کی مداخلت ہوتی ہے تو اس کے دل کے اندر بھڑک پیدا ہوتی ہے۔ جیسے کوئی شخص تاریکی میں ہو اور آفتاب طلوع ہو جائے اور اس کے علم میں یہ بات آئے کہ میرے محبوب کو تکلیف دے رہا ہے تو وہ یہ دل میں سوچتا ہے کہ میں اس سے بدلہ لوں اس کی بھی یہی وجہ ہے کہ جب ان کی آتش بھڑکتی ہے اپنے گناہ کی وجہ کہ میرا محبوب مجھ سے جدا ہو گیا ہے۔ تو وہ اس کو راضی کرنے کی کوشش کرتا ہے پس اس عمل کا نام ارادہ ہے جب ارادہ ہوگا تو تب وہ فعل اس پر مترتب ہوگا۔ فعل کے مترتب ہونے سے پہلے ارادہ ہوتا ہے۔ ایک امر ناگوار کے مشاہدہ کرنے سے قلب کو تکلیف ہوگی وہ اس کے لیے الم بن جائے گا۔ وہ الم

Marfat.com

اس کے لیے تکلیف دہ ہوگا تو اس سے یہ مراد ہے کہ بندہ کے لیے جب یہ امور ضروری ہیں تو اس کے اختیار میں کیونکر داخل ہوگا اور بندہ ان کے ساتھ کیونکر مکلف ہو سکتا ہے بس یہ بات باقی رہ گئی۔ اگر یہ کوئی کہے کہ علم تکلیف کے نیچے ہے وہ دو حال سے خالی نہ ہوگا اس میں بھی اشکال ہے یا وہ علم بدیہہ ہوگا یا نظری گر نظری نہ ہو تو ہمیں پھر وہ بالبداہت معلوم ہوگا اب ہم یہ کہتے ہیں کہ علم بالبھیدی معلوم ہوگا تو وہ دو حال سے خالی نہیں اور اس علم نظری کے حاصل کرنے کے لیے کافی ہوگا یا نہ ہوگا اگر کافی ہو تو اس علم نظری کا اس مجموعہ کے بعد پیدا ہونا ضروری ہوگا۔ جب ایک چیز کا پیدا ہونا اختیار سے باہر ہوتا ہے تو وہ دوسری چیز بھی اختیار سے باہر ہوتی ہے اگر کافی نہیں تو دوسری چیز کا ہونا اس کے لیے ضروری ہے پس وہ دوسری چیز بھی دو حال سے خالی نہ ہوگی اگر علوم بدیہہ سے ہے تو پیشتر حاصل ہوگی یا نہ ہوگی اگر جس کو ہم نے پہلے فرض کیا تھا وہ کافی نہ ہوگا۔ خلاف فرض کے اگر اول علوم نظریہ سے ہے تو وہ علوم نظریہ دوسرے علوم نظریہ کا محتاج ہوگا۔ اگر وہ جو اس کے اوپر مقدم ہو پس ان علوم کا اول باقی نہ رہا اور یہ خلاف فرض کے ہے پھر ہم وہی کلام کریں گے جو اس کے ماقبل میں کلام تھا پس اس تعذیر کو تسلسل محال لازم آئے گا۔ ہمارے بیان آخری سے ظاہر ہوا کہ وَتُبْ عَلَيْنَا اپنے ظاہر پر محمول ہے یہی قول حق دلائل عقلیہ کے ساتھ مطابق ہے۔ یہ تمام دلائل حضرت امام باقرؒ کے تھے جو خزینۃ القرآن نے نقل کئے اور باقی تمام ان کے حدیث کے معارض ہیں ان کے ساتھ تطبیق دینا ضروری ہے اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ کے بارے میں اوپر بیان ہو چکا ہے۔ اس دعا سے مراد ہے حضرت امام باقرؒ اور ابی بن کعبؓ حضرت علیؓ کے مجموعہ سے بیان کرتے ہیں۔ رسول کریم ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ یہ تیسری دعا حضرت ابراہیمؑ نے جو فرمائی یہ ان کی اولاد کے لیے ہے فرمایا میں ابراہیمؑ کی دعا کی بشارت ہوں اور اسماعیلؑ کی دعا کی بھی بشارت ہوں امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ کا عطف مذکورہ آیت پر ہے یعنی ثابت ہو جائے کہ یہ حضرت ابراہیمؑ کی ہی اولاد ہے جن کے بارے میں انہوں دعا فرمائی تا کہ وہ لوگ اس رسول مقبول ﷺ کی صحیح معنوں میں اتباع کریں وہ انہی کی قوم میں سے ہوگا جب یہ بات لازم ہو جائے گی کہ رسول اور مرسل الیہ دونوں آپس میں ایک دوسرے کے باہم واقف ہوں۔ اس آیت میں انہیں صاحبوں نے فرمایا کہ رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر اولاد ابراہیمؑ کو ذکر فرمایا تا کہ ان کے لیے یہ فخر ہو جائے کہ آخری رسول انہیں میں سے مبعوث ہوا ہے۔ تا کہ ان کے دل خوش ہو جائیں بنی آدمؑ کے لیے یہ سب سے بڑی خوشی ہوتی ہے۔ تو اب ان کے لیے لازم ہوگا کہ وہ اس رسول کریم ﷺ کی اتباع ان پر لازم ہے۔ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ یہ آیت حکم عام میں ہے۔ فرمایا ظاہری فیض اگر چہ کسی کو کسی سے بھی پہنچے تو وہ بجز میرے کوئی بھی اور تصور نہ کرے۔ اب نکتہ یہ کہ امت محمد یہ حضرت ابراہیمؑ پر درود پڑھتے ہیں اس کی وجہ کیا ہے؟ حضرت امام باقرؒ اور ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس طرح حضرت ابراہیمؑ نے میرے لیے دعا کی اور اس دعا کو اللہ تعالیٰ نے قبول کیا اور میری تشریف آوری ہوئی اور میرے ساتھ دین محکم نازل ہوا۔ اب مجھ پر حق ہے اور میری امت پر بھی حق ہے کہ ہم ان کو پنج گانہ نماز میں یاد کریں۔ حضرت امام باقرؒ اور ابی بن کعبؓ حضرت علیؓ کے مجموعہ سے بیان کرتے ہیں رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ حضرت ابراہیمؑ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ دعا کی اے اللہ امت محمد یہ کی زبان پر میرے لیے اچھی ثناء جاری رکھنا اور اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو قبول فرمایا ہے اور قیامت تک ابراہیمؑ کا ذکر میرے ذکر کے ساتھ ہوگا آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے حبیب ﷺ جہاں تیرا ذکر ہوگا وہاں خلیل اللہ کا ذکر ہوگا تم دونوں کا ذکر تا قیامت جاری ہوگا۔ پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ابراہیمؑ دین کے باپ ہیں اور میں رحمت کا باپ ہوں۔ فرمایا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے لِلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ فرمایا میں مومنوں کی جان سے زیادہ قریب ہوں جب مومن کو کسی وقت بھی کوئی تکلیف ہو تو وہ پہلے مجھے ہوتی ہے۔

پھر فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے بالمومنین رؤفُ الرَّحِیْم حضرت ابن مسعود مذکورہ بالا آیت کا معنی یوں بیان کرتے ہیں کہ نبی مومنوں کی جان سے زیادہ مقدم ہے هُوَ اقرب لِهُمْ ابی بن کعب اور امام باقرؒ اور حضرت عبداللہ بن عمر حضرت حسنؓ حضرت علیؓ اس کا معنی یوں بیان کرتے ہیں هُو اقرب الِهُمْ کیونکہ مذکورہ حدیث بھی اس معنی کے حق میں ہے۔ حضرت ابن مسعود روایات کرتے ہیں رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ (انما انالکم مثل والد) یعنی میں تمہارے لیے باپ سے بھی زیادہ شفیق ہوں اور ایک حدیث میں فرمایا کہ میں والد سے بھی زیادہ امت کا مہربان ہوں اور قریب بھی ہوں تو نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو میرے ساتھ مخصوص فرما دیا ہے اور مجھے بھی منادی کریں اور مجھے ان کی دین کی پیروی کا حکم دیا ہے اور ان کو ارشاد ہوتا ہے حج کے مناسک کا یعنی لوگوں کو منادی کریں اور مجھے بھی منادی کرنے کا حکم ہوا ہے۔ جیسا کہ مُنَادِيْ يُّنَادِيْ فرمایا ہمارا ذکر جمیل اللہ تعالیٰ نے اپنے ذکر کے ساتھ رکھا ہے۔ نماز کے اندر بھی اور غیر نماز میں بھی فرمایا میں حبیب اللہ ہوں اور وہ خلیل اللہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے ان کی اولاد سے مبعوث فرمایا۔ اب صفت يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ بھی رسول کریم کی صفت ہے۔ حضرت امام باقرؒ اور ابی بن کعبؓ حضرت علیؓ کے مجموعہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ مجھے بجز قرآن کی تلاوت کے اور کوئی چیز اچھی نہیں اور اللہ تعالیٰ کا یہ عظیم الشان کلام جو مجھ پر نازل ہوا ہے میں تم تک

Marfat.com

پہنچاؤں اور اس کے الفاظ و معنی تمہارے ذہن میں محفوظ ہوتے چلے جائیں اور ان کی کوئی تحریف نہ کر سکے جیسا کہ سابقہ لوگوں میں یہ دستور رہا ہے پھر فرمایا: قرآن کریم کے ذریعے
میں تم کو اللہ تعالیٰ کے وجوہ اور دلائل حقہ سے ان کو قائل کروں جو مشرک اور گمراہ ہیں۔ فرمایا اس آیت سے یوں سمجھنا کہ میرا تلاوت کرنا قیامت تک باقی رہے گا۔ پھر فرمایا کہ
وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ یعنی کتاب قرآن کریم اللہ تعالیٰ نے جو ہم پر اتاری ہے۔ اس کے انوار و برکات بے کنار ہیں فرمایا ارشاد ہے (هُدًى وَّنُورٌ) فرمایا کہ قرآن کریم کے
انوار میرے معجزہ سے تم تک پہنچے ہیں اور قرآن کے انوار میرے وجوہ میں محفوظ ہیں ان کے انوار کی وہ جلالت ہے۔ اگر تم تک ظاہر کروں تو تم مجھے نہ چھو سکو نہ تم میری طرف دیکھ
سکو کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا ذاتی کلام ہے اور اس کی تجلی کا برداشت کرنا انسانی وصف سے باہر ہے۔ اب میں اس تجلی کا مظہر ہو چکا ہوں۔ اول سے ہوں اور ابدالاباد تک رہوں
گا۔ حضرت امام باقرؓ فرماتے ہیں کہ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اگر یہ انوار نبی پاک ﷺ کے نور سے ہم اپنی حالت میں دیکھیں تو نہ چھو سکیں کیونکہ آپ اللہ تعالیٰ کی ذاتی تجلی کا
مظہر ہیں۔ جب اللہ کی ذاتی تجلی قرآن آپ پر نازل ہوا ہے ظاہر ہے اس تجلی کو وہی برداشت کر سکتا ہے جو اس کا مظہر ہے۔ تو لہٰذا نبی پاک ﷺ کے کمال آپ کے وجود میں بے بہا
ہیں اور پوشیدہ ہیں۔ جس کمال کو جب ظاہر کرنا چاہیں، اسی وقت ظاہر ہو جاتا ہے۔ مذکورہ اوپر ایک حدیث بیان ہو چکی ہے۔ کہ اگر حجر اسود کا نور اپنی شوخی اور جوش میں آ جائے تو
سرکار مدینہ نے فرمایا تم اس کو نہ دیکھ سکو گے نہ چھو سکو گے۔ حضرت عمرؓ عرض کرتے ہیں یا رسول اللہ ﷺ اس کا نور تو آپ ﷺ کے نور کا محتاج ہے۔ فرمایا ہاں میں سراج منیر ہوں اور
میری صفت سراج منیر ہے۔ یاد رہے کہ حجر اسود کے نور پر تو کسی کو اختلاف نہیں، تو جو ذات سراج منیر ہے اس پر کسی کو کیسے اختلاف ہو سکتا ہے۔ جب آپ کی صفت قرآن مجید سے
سراج منیر ہے حضرت امام باقرؓ فرماتے ہیں کہ قیامت تک جس کسی کو بھی فیض پہنچے گا تو وہ کملی والے کے انوار سے ہے کیونکہ سرکار کے انوار باقی ہیں کیونکہ آپ کے انوار پر قرآن
مجید باقی ہے تو ظاہری اور باطنی ہر قسم کا فیض نبی پاک ﷺ سے ہوگا۔ چاہے بلاواسطہ ہو یا بالواسطہ اس کا کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا کہ حضور ﷺ کے انوار باقی ہیں جب یہ دین بھی
حضور ﷺ کے انوار کا کمال ہے تو آپ کے انوار کو کیسے زوال ہو سکتا ہے کیونکہ دین کا تعلق بھی حضور ﷺ کے انوار سے ہے جب آپ کے انوار باقی ہیں تو آپ کی ذات بھی باقی
ہے۔ صاحب خزینۃ القرآن اور امام باقرؓ نے اس پر کافی بحث کی جو لطف اندوز ہے۔ حکمت سے مراد حکمت کے معنی یہ ہیں قول اور فعل اصابت اور راستی کے ہیں حکیم اس کو کہا جا سکتا
ہے جس کے اندر دونوں شرائط موجود ہوں نبی پاک ﷺ سے پوچھا گیا کہ حکمت سے کیا مراد ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کسی چیز کو پرکھنے یا کسی چیز کو رد کرنے کے ہیں قول اور فعل
اور اصابت میں درستی ہو جو امام باقرؓ فرماتے ہیں۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ حکمت بقدر اور اللہ تعالیٰ کے مشابہت پیدا کرنے کے ہیں اور بعض فلاسفہ نے بھی اس کو بیان کیا ہے
اور مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ یہاں حکمت سے کیا مراد ہے؟ ابن وہب کہتے ہیں کہ میں نے امام مالک سے پوچھا حکمت کے کیا معنی ہیں؟ انھوں نے فرمایا دین کی معرفت
اور اس سے آگاہی اور اس کی اتباع اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں: نبی پاک ﷺ کی طرف اصول کی نسبت حضرت امام باقرؓ اور ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ کے مجموعہ میں
رسول اللہ ﷺ سے حکمت کی اسی آیت کے متعلق دریافت کیا گیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اولاً اس میں قرآن کی تلاوت کا ذکر ہے۔ دوئم کہ کتاب کی تعلیم کا ذکر ہے۔ پھر اس میں
حکمت بمعنی دانائی کے ہیں یعنی میں تم کو قرآن کریم سناتا ہوں اس کے علاوہ جو میری سنت ہے۔ وہ مطابق قرآن ہے۔ اس کا نام حکمت ہے۔ جس میں عدل احکام شریعت کو نہایت
اسرار کے ساتھ تم تک پہنچاتا ہوں۔ فرمایا اس حکمت سے میری نبوت کے اصول مراد ہیں کہ میں تم کو قرآن کی اوصاف سے منجملہ کمالات کے بیان کرتا ہوں جو آیات محکمانہ ہیں وہ
حکمت کے ساتھ ہیں ان کا محکم بیان تم تک پہنچاتا ہوں۔ اور جو متشبہات ہیں ان کو بھی ٹھیک تم تک پہنچاتا ہوں۔ فرمایا میری سنت جو مطابق قرآن ہے وہی میرا اصول ہے وہی
تمہارے لئے حکمت ہے جس پر میری نبوت قائم ہے اس حدیث کے بعد کسی اور تاویل کی ضرورت نہیں۔ اب وَيُزَكِّيهِمْ اس سے کیا مراد ہے؟ امام باقرؓ ابی بن کعبؓ اور ابن
عباسؓ اور حضرت حسنؓ حضرت علیؓ کے مجموعہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ سے صحابہؓ نے عرض کیا کہ زکی سے کیا مقصود ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس آیت سے تزکیہ نفس
مراد ہے۔ فرمایا تزکیہ نفس وہ شخص کر سکتا ہے جو افعال اور اطاعت الٰہی اور معرفت الٰہی اس کو حاصل ہو اور گناہ نہ اس کے ظاہر تک آ سکیں نہ اس کے باطن تک وہ تزکیہ نفس
کر سکتا ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے اول سے مجھے پاک اور مطہر بنایا۔ اور مخلوق کے نفس کے لیے مجھے تزکیہ ٹھہرایا۔ اور میں شرک اور کفر ہر قسم کی نجاست سے ترک کرتا ہوں۔ جیسے
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ امام رازیؒ یہ فرماتے ہیں کہ نبی کو اس امر کی ضرورت نہیں ہوتی کہ بندوں کے دل کے اندر
تصرف پیدا کر سکیں بالفرض اگر چہ ہو بھی جائے تو اس قدرت کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عمل میں لانے کا حکم نہیں ہے۔ وگرنہ تزکیہ اس کے اندر خود بخود حاصل ہوتا اور ان کو کسی کا اختیار
نہ ہوتا۔ بلکہ وہ اس میں مجبور ہوتے اس میں دو تدبیریں ہو سکتی ہیں جو قرآن پاک کی تلاوت تعلیم کتاب اور حکمت کے ظہور ہوں جو امت کے لیے پاکیزگی اور طہارت کا سبب واقع
ہوں یعنی وعدہ اور وعید سنانا ان کو بطور نصیحت کرنا اور شب و روز ان کے ساتھ دنیاوی امور میں شامل رہنا نبی پاک ﷺ سے ایسے امور ظاہر میں آئے ہیں یعنی مومن کو ایمان صالحہ کی

Marfat.com

طرف اور اعمال صالحہ کی طرف رغبت امام باقرؒ فرماتے ہیں۔ نبی پاک ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ اگر میرا تصرف بندے کے قلب میں بطور نبوت بیٹھتا ہے تو اس کو بھی اللہ تعالیٰ کا کمال ظاہر ہوتا ہے۔ قیامت تک میں مومن کا تزکیہ کرتا رہوں گا چونکہ مجھ پر لازم ہے کہ میں مومن کو پاک کروں اور اس کا تزکیہ نفس کروں فرمایا یہ کام سوائے میرے نہیں ہوسکتا۔ اب بھی مجھے تا قیامت اپنے امتی کے اعمال پر نظر رہے گی وہ مجھے اپنے قریب پائے اور میں بھی اسے اپنے قریب پاؤں گا۔ بس اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مومن کا قلب بغیر نبی کریم ﷺ سے پاک نہیں ہوتا۔ ان تمام اوپر والی احادیث کو امام زاہریؒ نے بھی نقل کیا ہے۔ تفسیر المسلم نے بھی اور عطاؒ نے بھی۔ اور نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ میں انسان کا تزکیہ دو طرح سے کرتا ہوں اور ہدایت نصیحت کی وجہ سے اور اپنے خلق سے ان کے قلب پر اثر کرتا ہوں اللہ نے میرے خلق کو عظیم فرمایا۔ اور میری بعثت مکارمہ اخلاق ہوئی ہے۔ حدیث میں ہے رسول کریم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے میری صفت ذکی کے ساتھ تعلیم فرمائی جو حضرت ابراہیمؑ نے دعا فرمائی اپنی اولاد کے لیے کہ اگر وہ بوجہ جہالت ہوں تو یہ میری اولاد کو جہالت سے پاک کر دیں فرمایا قیامت کے دن میں تمام نبیوں کی امتوں اور اپنی امت کے لیے گواہ ہوں گا۔ بس حدیث سے یہ ثابت ہوگیا کہ نبی پاک ﷺ کی نظر اپنے امتی کے اعمال پر ہے۔ اور ان کا آپ تزکیہ فرماتے ہیں۔ یہ صرف اس کے لیے ہے جو آپ کو اپنے قریب ترسمجھے اگر نہ سمجھے تو بغیر آپ کے مومن کا ہونا اور تزکیہ نفس کا ہونا ناممکن ہے کیونکہ آیت کا حکم عموم ہے۔ یاد رہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ابراہیمؑ کی دعاؤں کو حمد وثناء کے ساتھ ختم کرتا ہوں اِنَّکَ اَنتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْم عزیز کے معنی اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ میں وہ قادر مطلق ہوں کہ مجھے کوئی مغلوب نہیں کرسکتا حکیم ایسا عالم ہوں میرا وہ علم ہے کہ مجھے کسی کا احتیاج نہیں بات بھی درست ہے کہ اگر اس کے علم کی وسعت اتنی وسیع نہ ہوتی تو عبث اور سفاہت اور جہل اس کو لازم آتا۔ جب یہ چیزیں لازم آئیں تو وہ نبی کیسے بھیج سکتا ہے؟ اور کتابوں کو کیسے نازل کرسکتا ہے؟ تو ضروری ہوا کہ وہ ان اوصاف سے پاک ہے حکیم اور قادر مطلق ہے جاننا چاہئے جب ظاہراً کسی چیز پر اس کو غالب ہونا اور کسی پر نہ غالب ہونا مراد لیا جائے تو یہ صفات ذات میں سے ہوگا۔ جب وہ تمام حاجتوں سے منزہ اور پاک ہو اور اس کو کسی کی طرف احتیاج نہ ہو گرنہ جہل لازم آئے گا۔ تو یہ محال ہے کوئی چیز اس کو اس کے ارادہ سے باز نہیں رکھ سکتی ورنہ عجز لازم آئے گا۔ جب اللہ تعالیٰ کی ذات سے متصف ہے تو ان کا عزیز ہونا ثابت ہوگیا اگر حکیم کے معنی علم سے ہوں تب وہ صفات مراد ہیں۔ اگر عزت سے کمالِ عزت مراد نہ ہو یعنی یہ بات کہ دوسرے کا غلبہ اس کے اوپر محال ہو اور حکمت سے افعال حکمت مراد ہوں۔ تو اس صورت میں حکیم اور عزیز کمال ذات اور صفات سے نہ ہوگا۔ بلکہ صفات فعل میں سے ہوگا۔ ان دونوں قسم کی صفات میں بچندان موجود ضروری ہے۔ حضرت امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ صفات ذات ازلی ہے اور فعل کا کرنا وہ صفات ازلی میں سے نہیں ہوتا یوں تو اللہ تعالیٰ کے تمام صفات ازلی ہیں رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جیسے دائمی وابدی ہے۔ اس کی صفات بھی دائمی وابدی ہیں۔ صفات ذات کے نقیض کے وقت صادق نہیں کرسکتیں بخلاف صفات فعل کے صفات ذات امور نسبیہ پر ہوتے ہیں لہٰذا ان کی تحقیق میں ان کے آثار کے ثابت ہونا معتبر ہے اور صفات ذات کا یہ حال نہیں ہے کہ نظام میں اس امر کے اوپر قبیح کے ساتھ قدرے واجبی کو تعلق نہیں ہوتا۔ بایں طور پر استدلال کیا ہے کہ جب حکم لِذَاتِہٖ ہوگا تو قبیح اس سے ہرگز صادر نہ ہوسکے گا۔ حکمت لِذَاتِہٖ قبیح کے ساتھ صادر ہونا ناممکن ہے۔ پس واجب سے قبیح کا صادر ہونا محال ہوا جو چیز محال ہوتی ہے وہ قدرت کے تحت میں نہیں داخل ہوتی۔ یہ بات کہ واجب کے لیے حکیم کا ہونا ضروری ہے۔ بایں طور پر ثابت ہوتا ہے۔ اگر واجب کے لیے حکم کا ہونا ضروری نہ ہو تو اس کی نقیض کے ساتھ تغیر ہونا جائز ہو۔ پس لازم آئیگا کہ اگر ہو اس کے ساتھ حکمت نہ ہو تو بالاتفاق اس کو لازم محال آئے گا۔ جس چیز کے لیے منافی کا پایا جانا لازم آتا ہے وہ چیز بھی منافی ہوتی ہے۔ پس الوہیت میں سفاہت کا پایا جانا محال ہوگا۔ یہ بات ظاہر ہے کہ محال کے ساتھ قدرت کو کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ پس اس تمام تقریر سے ثابت ہوا کہ واجب کو قبیح پر قدرت نہیں ہوتی۔ اور اس کا جواب ہمارے مذہب کے موافق ہے۔ اللہ تعالیٰ میں کسی محال امر کا پایا جانا شفاہت ہے۔ اور نہ اس میں قباحت ہے۔ وہ قباحت بندوں کے اعتبار سے ہے چونکہ وہ تو قباحت نیکی اور بدی کا خالق ہے پس سوال مذکورہ زائل ہوگیا۔

قال اللہ تعالیٰ: وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِى الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ

ترجمہ: اور وہ کون اعراض کرے گا مذہب ابراہیمؑ سے مگر وہ شخص جو حماقت کرے اور ہم نے حضرت ابراہیمؑ کو برگزیدہ چن لیا۔ یقیناً آخرت میں صالحین میں سے ہوگا۔

جاننا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیمؑ کا حال اور ان کے ساتھ جن کا اوپر بیان ہو چکا ہے یعنی بیت اللہ کا بنانا اور لوگوں کا اس میں بلانا یہ حضرت ابراہیمؑ کو حرص تھا۔ کہ وہ لوگوں کی خیرخواہی کو مطلوب رکھتے تھے اور لوگوں کی خیرخواہی چاہتے تھے ان کو یہ حرص تھا کہ وہ لوگوں کو حج کرنے کے لیے بلاتے اور جو مذکورہ امور بیان ہوئے وہ یہ نہیں۔ اس کے بعد نصاریٰ اور یہود اور مشرکین کو اس میں تو بیخ نہیں چونکہ یہودی حضرت یعقوبؑ کی نسبت سے اپنے واسطہ حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ بیان کرتے تھے۔ اور نصاریٰ حضرت

Marfat.com

عیسیٰؑ کی والدہ کو حضرت یعقوبؑ کی اولاد سمجھتے تھے۔اور مشرکین جو حضرت اسماعیلؑ کی اولاد سے تھے وہ ہر خیر خواہی کو اللہ کی طرف سمجھے تھے یعنی یہ سب حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ
فخریہ تعلق بیان کرتے تھے کہ ہم حضرت ابراہیمؑ کی اولاد ہیں۔اور وَمَنْ یَّرغب کے اندر چند دلائل ہیں۔یَرغَبُ عَنِ الامر۔یعنی میں نے اس امر کو مکروہ سمجھا میں نے
اس سے نفرت کی یَرغَبُ فیہِ کے یہ معنی ہیں۔میں نے اسی کی طرف توجہ کی من یرغب استفہام انکاری ہے۔اور من سفہ۔کے اندر جو مَن ہے وہ الَّذِی
یرغبُ۔کی ضمیر میں بدل واقع ہوا ہے اور محل رفع میں ہے اور بدل ہونا اس کے واسطے صحیح ہے کہ مَنْ یرغبُ۔مکرم غیر موجب ہے جیسے ھل جاءك احذا لا
زَیْدا۔اگر کوئی یہ کہے کہ جو دین حضور ﷺ لیکر آئے ہیں وہ ملت ابراہیمؑ ہے جس کا اس واسطے اللہ تعالیٰ کو دین محمدی کی طرف رغبت مراد ہے پس دو حال سے خالی نہیں ہے۔یا یہ کہو
گے کہ اصول اور فروع میں دین محمدی اور ملت ابراہیمؑ ایک ہیں۔یا یہ کہو کہ توحید اور نبوت اخلاص میں اور افعال خیر کی طرف فروع نہیں۔احتمال اول باطل ہے نبی پاک ﷺ کا
ارشاد ہے کہ میری شریعت تمام شریعتوں کے لیے ناسخ ہے تو پھر ثابت ہوا کہ نبی پاک ﷺ نے خود حضرت ابراہیمؑ کے دین سے اعراض کیا یعنی اصول عدل توحید اور نبوت اور
اخلاق اور معاد کا اقرار کرنے سے محمد ﷺ کی نبوت کا اقرار کرنا لازم نہیں آتا پس اس کلام سے مطلوب کس طرح استدلال ہو سکتا ہے جب نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہوا کہ میری
شریعت تمام شریعتوں کے لیے ناسخ ہے۔اور حضرت ابراہیمؑ کی بھی شریعت ہے۔منجملہ تمام اصول اور فروع داخل نہیں پس لازم آیا کہ نعوذ باللہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ جب
میرے جدامجد حضرت ابراہیمؑ نے عاجزی کے ساتھ اللہ کی بارگاہ میں میری بعثت کے لئے دعا کی اور میرے دین کو جاری کرنے کے لیے کہا اور ان کی یہ دعا تھی کہ وہ جو دین جاری
کرے وہ عین میرا ہی دین ہوگا تو اسی پر اسی کی نبوت قائم رہے اس سے ثابت ہوا کہ حضرت ابراہیمؑ نے نبی پاک ﷺ کے دین کو جاری کرنے کی دعا کی اور آپ کے دین کو اپنا
دین سمجھا۔اگر کوئی اعتراض کرے کہ حضرت ابراہیمؑ اور نبی پاک ﷺ کو دو ہزار برس کا زمانہ ہے لوگوں کو کیسے معلوم تھا؟ کہ یہ وہی شخص ہے کہ جن کے بارے میں حضرت ابراہیمؑ
نے دعا کی۔یا حضرت ابراہیمؑ کی دعا کے بارے میں ان کو کیسے علم ہو سکتا تھا؟ جواب: کہ حضرت ابراہیمؑ کی دعا تورات اور انجیل میں مذکورہ تھی۔اور نبی پاک ﷺ کی نبوت کا ان کو
علم تھا اگر نہ ہوتا تو وہ اس بات کی تکذیب کر دیتے۔حضرت امام باقرؓ اور ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ کے مجموعہ میں ہے رسول کریم ﷺ نے فرمایا نصاریٰ اور یہود سے کہ
حضرت ابراہیمؑ نے جو میری بعثت کے لیے دعا فرمائی وہ بجز میرے اور کوئی شخص نہیں ہو سکتا جو تم نے تورات اور انجیل میں پڑھا ہے فرمایا کہ اگر یہ بات تورات انجیل میں نہ ہوتی
تو تم میری تکذیب کر سکتے تھے اور تورات اور انجیل میں دعا کا مذکور ہونا میری نبوت پر صحت ہے فرمایا قرآن کا نازل ہونا یہ بھی میری نبوت پر صحت ہے فرمایا ان کے علاوہ جو تم کو میں
غیب کی خبریں دیتا ہوں تم ان کو تسلیم کرتے ہو یہ بھی میری نبوت پر صحت ہے۔فرمایا نبی کے لیے شرط ہے امت کو وہ غیب کی خبریں بتائے جو ان کے عقل اور ادراک میں نہ ہوں وہ
ان کو بتائے اور ان کا عقل ادراک تسلیم کرلیا جائے تو وہ نبوت پر صحت ہوگی۔امام رازی نے بھی اسی دعا کے سلسلے میں یہ بات رقم کی ہے۔جواز روئے حدیث ثابت ہوئی نَفْسَهُ
کے دو حال ہیں ایک یہ کہ مفعول ہے مبرو نے بیان کیا ہے کہ وہ متعدی بھی آتا ہے۔اس قول کے موافق کئی معنی ہو سکتے ہیں اس کے یہ معنی کہ اس نے اپنے نفس کو ذلیل وخوار کیا۔
سِفْہِ کے اصل معنی ضعف کے ہیں۔اس لیے ہلکی لگام کو زمام اور سفید کہتے ہیں۔حدیث میں ہے کہ کبر کے معنی یہ ہیں کہ حق کو ہلکا کرے اور لوگوں کو حقیر جانے اس کی وجہ یہ ہے ایک
ایسی صورت سے انسان نے اعراض کیا جو حق میں قوی تھی اور جان بوجھ کر اس سے اعراض کیا اور عقلاء بھی اس کو پسند کرتے ہیں۔اور عقلاء کے راستے سے بھی خلاف کیا۔حضرت
امام حسنؓ اس کے یہ معنی فرماتے ہیں کہ جان کو ہلاکت میں ڈالا اور گھاٹے میں ڈالا یعنی شریعت ابراہیمیؑ سے اعراض کیا حضرت ابوعبیدہ فرماتے ہیں کہ اس نے اپنی جان کو ہلاکت
میں ڈالا اور اس حقانیت سے اعراض کیا اور دین محمد ﷺ سے انکار کیا اور حضرت ابراہیمؑ کی دعا کا انکار کیا۔حضرت امام باقرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس شخص نے
اپنے آپ کو ہلاک کیا جس نے میرے دین سے روگردانی کی اور اپنی جان کو تباہی میں ڈالا۔

قول دوئم:

نَفْسِہِ کا نص محل رفع پر ہے یعنی یَرغَبُ یہاں پر محذوف ہے اور اصل عبارت سَفِهَ فِیْ نَفْسِہِ ہے۔نمبر۲۔قراء سے منقول ہے کہ یہ نصب اس بنا پر تفسیر اس کے
معنی یہ ہیں سَفِهَ نَفْسًا اور پھر اس کا مضاف کر دیا۔اور اصل عبارت الا اسلفه ہے۔اور نفس کا ذکر بطور تاکید ہے جس طرح کہا کرتے ہیں ھذا لامرُ نفسه اور اس
سے سفاہت مقصود مبالغہ ہے۔بعض قراء نے اس کو اِلّا مَنْ سَفَّهَ نَفْسَهٗ تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔جب اللہ تعالیٰ نے ملت ابراہیمیؑ کیساتھ سفاہت کو بطور اعراض بیان
فرمایا۔اب حضرت ابراہیمؑ کی بزرگی کا ذکر فرماتا ہے حضرت امام باقرؓ اور ابی بن کعبؓ اور سدّی کہتے ہیں۔نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو کمال درجہ

Marfat.com

کے ساتھ ان کے درجات کو علو فرمایا۔ ان کی نبوت کو توحید عدل اور شریعت کے لیے جامع فرمایا اور ان کو وہ حکومت دی جو سب پر غالب ہے اس حدیث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کا درجہ مخلوق سے بلند فرمایا گیا۔ اور ان کو بادشاہت جو عطا فرمائی گئی ان کے درجہ کمال کی بلندی ہے جیسے کوئی بادشاہ کسی کو بادشاہت عطا کر دے اسکو فخر ہوتا ہے۔ جب شہنشاہ حقیقی نے حضرت ابراہیمؑ کو درجہ، بزرگی عطا کیا ہر ذی عقل اس کو پسند کرتا ہے۔ اور بے عقل جو اس سے اعراض کرتا ہے وہ خوانخواہ اپنے آپ کو احمق بناتا ہے لَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ کے اندر عبارت یوں ہے۔ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ دونوں طرح سے درست ہے۔ حضرت حسنؓ فرماتے ہیں کہ میرے نانا رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا ابراہیمؑ ان لوگوں سے ہے جو کرم الٰہی کی وجہ سے کرامت اور ثواب کے مستحق ہیں۔ جس طرح حضرت ابراہیمؑ کا درجہ اس دنیا میں بلند ہے۔ آخرت میں بھی ویسا ہی بلند ہوگا۔ بلکہ اس سے بھی زائد، حضرت امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن انبیاءؑ کے درجات دنیا کی نسبت زیادہ بلند ہوں گے بس جو شریعت محمد یہ ﷺ اور ابراہیمؑ کی شریعت سے اعراض نہ کرے گا۔ وہ قیامت کے دن اسی جماعت میں شامل ہوگا۔

قال اللہ تعالیٰ: اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (۱۳۱)

ترجمہ: جب اس کے پروردگار نے اس سے فرمایا کہ تو فرمانبردار ہو جا۔ عرض کیا میں فرمانبردار ہو گیا پروردگار عالم کے لیے۔

جاننا چاہیے کہ یہ ان امور میں سے پانچواں امر ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے اس میں چند مسائل ہیں:

مسئلہ اول:

اِذْ محل نصب کے ہے اس میں دو عامل کا احتمال ہو سکتا ہے اس کا عامل اصْطَفَيْنٰهُ ہم نے ان کو برگزیدہ فرمایا۔ اولاً ان کی برگزیدگی کا اعلان فرمایا پھر ان کے لیے اَسْلِمْ کا ذکر فرمایا بس گویا کہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنی ذات کو پروردگار عالم کے حوالے کر دیا جب ان کی بزرگی کا سبب بیان فرمایا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے جب ان کو برگزیدہ کر دیا تو وہ پورے طور پر اس ذات کے فرمانبردار رہیں گے کسی بات کا ان پر کوئی تغیر نہ ہوگا۔ وہ ہر وقت میں اللہ تعالیٰ کے نیاز میں مصروف رہیں گے یاد رہے کہ پیغمبر گناہوں سے پاک ہوتا ہے رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ پیغمبر ابتدا سے لے کر آخر تک معصوم رہتے ہیں۔ اسی ضمن میں امام رازیؒ نے بھی تسلیم کیا ہے۔ نبوت اور رسالت ایسے شخص کو ہو سکتی ہے جس کا اول و آخر گناہ سے پاک ہو۔ چنانچہ حضرت ابراہیمؑ ایسے برگزیدہ تھے جب وہ ایمان کے کمالات سے منور ہوئے تو وہ اللہ تعالیٰ کے حضور عجز و نیاز مندی میں ہر وقت مصروف رہتے تھے اس کی حقیقت اس آیت سے ثابت ہو گئی۔ اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنَا متکلم کی ذات کے ساتھ ہے اِذْ قَالَ لَهٗ ربہ غیب کے ذات سے ہے تو کلام کے اندر نزع ہے خلاف ہے۔ جواب یہ از قبیل التفات سے ہے۔ اوپر ہم جا بجا اس کا بیان کر چکے ہیں اس کا نصب اُذْكُـــــــر کے ساتھ ہے۔ ارشاد ہوتا ہے اے حبیب ﷺ آپ ﷺ حضرت ابراہیمؑ کے اس وقت کو یاد فرمائیے جب وہ اپنے پروردگار کے فرمانبردار ہو گئے۔ یہ بھی یاد فرمائیے کہ حضرت ابراہیمؑ برگزیدہ ہیں اور ان کی حقیقت اسلام پر مکمل ہے۔ اور ان کے دین سے اعراض کرنا کسی کو مناسب نہیں۔

مسئلہ سوم:

اس امر میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ اَسْلِمْ اور اللہ تعالیٰ نے ان کو قبل از اعلان نبوت فرمایا بعد از اعلان نبوت اگر بعد از اعلان نبوت ہے۔ تو کیا نبی ہونے کے وقت ان کا اسلام نہ تھا۔ کچھ مفسرین نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ بات اعلان نبوت سے قبل ہے جب انھوں نے سورج اور چاند ستاروں کو دیکھا اور ان کا حدوث ثابت ہو گیا۔ تو حضرت ابراہیمؑ نے یہ سمجھا کہ وہ ایسا مدبر ہے جس کا جسم نہیں۔ وہ جسمیت اور اس کے لوازمات سے پاک ہے تب اللہ تعالیٰ نے ان کو فرمایا کہ اب تو صحیح معنوں میں ثابت قدم ہو جا اور بعض نے یہ کہا کہ قوم کو تبلیغ کرنے کے وقت یہ ان کو امر ہوا کہ تم کسی تکلیف کی پرواہ نہ کرو اور پورے طور پر جو بھی امر آپ کو شاق گزریں ان پر ثابت قدم رہ کر میرے فرمانبردار رہنا۔ حضرت امام باقرؒ اور ابی بن کعبؓ اور ابن عباسؓ حضرت علیؓ کے مجموعہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے صحابہؓ سے اس آیت کے بارے میں فرمایا کہ اَسْلِمْ سے یہ مراد ہے۔ کہ ایمان قلب کے ساتھ تعلق ہے۔ یعنی اس کی صفائی صدق دل سے ہو۔ اور اسلام کا تعلق باقی اعضاء سے ہے اللہ فرماتا ہے۔ اے ابراہیمؑ جس طرح تو مجھے صدق دل سے پہچانتا ہے اسی طرح اپنے اعضاء کو میرے اسلام میں قائم کر دے اور ان کی پختگی کر تیری وجہ سے باقی لوگوں میں بھی اسی طرح ہم آہنگی پیدا ہو اور پروا لے تمام

Marfat.com

قول ضعیف ہیں اور حدیث سے جو تفسیر ہوئی ہے وہ مستند ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: وَوَصّٰی بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِیْهِ وَیَعْقُوْبُ ؕ یٰبَنِیَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰی لَكُمُ الدِّیْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (۱۳۲)

ترجمہ: اور وصیت فرمائی ابراہیمؑ نے اپنی اولاد کو اور یعقوبؑ نے اے میرے بیٹے بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے دین کو چن لیا ہے پس مرنا تو مسلمان ہو کر مرنا۔

جاننا چاہیے یہ ان امور پسندیدہ میں سے ہے جو حضرت ابراہیمؑ کے لیے پسند ہوئے یہ چھٹا امر ہے۔ اس میں چند مسائل ہیں مثلاً اول نافع اور عامر ابن کثیر نے وَوَصّٰی کو اُوْوَصٰی کے ساتھ پڑھا ہے۔ مدینہ اور شام کی قرأتوں میں اس طرح پایا جاتا ہے۔ اور باقی قراء بغیر الف اور تشدید کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ معنی میں دونوں امر درست ہیں۔

مسئلہ دوم:

ان کی قرأت میں دو قول مختار ہیں جزیہ ضمیر اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کی طرف راجع ہے۔ بتاویل کلمہ اور جملہ کے اور اس طرح اس آیت میں ہے وَاجعلها كَلِمَةً بَاقِيَةً اِنَّنِیْ بَرَآءٌ ان دونوں آیتوں میں ہے۔ اور كَلِمَةً بَاقِيَةً خود معلوم ہوتا ہے۔ اور یہ تانیث بتاویل کلمہ کے ہے یہ ضمیر ملت کی طرف راجع ہے۔ جو مَنْ یَّرْغَبُ کے اندر واقع ہے۔ حضرت امام باقرؒ نے بھی یہی کہا ہے حدیث شریف میں ہے رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنی اولاد کو وصیت فرمائی اور اپنے مذہب اسلام کی تلقین فرمائی اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اس ضمیر کا مرجع ملت پر ہے۔ کیونکہ حدیث سے ثابت ہو چکا ہے۔ اور وَوَصّٰی بِهَا فرمایا اور امر نہیں فرمایا نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ وَصّٰی کے لفظ کے اندر امر سے زیادہ تاکید ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے آخری وقت بھی دین کا اہتمام فرمایا آپ ﷺ نے فرمایا کہ جیسا حضرت ابراہیمؑ ہمیشہ لوگوں کو تبلیغ فرماتے رہتے تھے۔ آخر وقت میں اپنی اولاد کو بھی دین کے ساتھ مخصوص فرمایا۔ کیونکہ اولاد کے ساتھ ہر ماں باپ شفیق ہوتا ہے۔ اولاد کا خیال کرتا ہے یعنی حضرت ابراہیمؑ نے آخری وقت میں اپنے گھر والوں کیساتھ اور اپنی اولاد کے ساتھ دین کو یاد رکھا۔ سوائے دین کے اور کوئی نصیحت یاد نہ تھی۔ اور دین کا ان کو خیال تھا۔ نیز آپ ﷺ نے فرمایا کہ انسان دین کو ہر وقت پیش نظر رکھے اور یہ یاد رکھے کہ موت قریب ہے اور اس سے غفلت نہ کرے کہ دین کے ساتھ علیحدگی ہلاکت کا سبب ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ حضرت ابراہیمؑ نے جب اپنی اولاد کو نصیحت فرمائی تو حضرت یعقوبؑ ان کے پوتے تھے۔ فرمایا کہ اس میں ایک تو یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی بزرگی کا ہر لحہ دین کی تبلیغ میں گزرا۔ چہارم یہ کہ حضرت ابراہیمؑ نے آخری وقت بھی دین کی وصیت فرمائی۔ تاکہ یہ نصیحت وصیت رہ جائے کہ آخری دم بھی دین کی وصیت میں گزرے انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے دین کو خالص فرما دیا ہے۔ اور کسی دوسرے دین باطل کی طرف رغبت نہ کرنا تمہارا جینا مرنا اسی دین پر ہو۔ کوفیوں اور بصریوں نے یٰبَنِیَّ کو الگ الگ طریقے پر پڑھا ہے۔ اور ابن مسعود نے اِنَّ یٰبَنِیَّ پڑھا ہے بس آخر یہی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے وصیت دین آخری دم میں فرمائی جس پر ہر فرقہ حضرت ابراہیمؑ کی بزرگی اور نبوت کا قائل ہے۔ چاہے وہ دین باطل پر ہیں چاہے وہ دین حق پر ہیں حضرت ابراہیمؑ کی بزرگی کو مسلم جانتے ہیں اور قائل ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کی بزرگی دین حق کی طرف راجع ہے۔ جس کی صداقت کو حبیب باری ﷺ نے واضح فرمایا۔

قال اللہ تعالیٰ: اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ یَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِیْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ بَعْدِیْ ؕ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ ۖ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ (۱۳۳) تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ (۱۳۴)

ترجمہ: کیا تم اس وقت حاضر تھے جب یعقوبؑ کی وفات کا وقت ہوا جب انھوں نے اپنی اولاد سے فرمایا تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟ کہا ہم عبادت کریں گے جس کی ہمارے باپ دادا یعنی ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ اور اسحاقؑ عبادت کرتے رہے ہیں۔ ہم بھی اسی کی عبادت کریں گے جو ایک معبود ہے اور ہم اس کیلئے فرمانبردار ہیں۔ یہ ایک جماعت ہے جو گزر چکی ہے ان کے لیے جو انھوں نے کمایا تمہارے لئے وہ ہے جو تم کماؤ گے اور وہ جو کرتے رہے ہیں ان کے بارے میں تم سے کچھ سوال نہ ہوگا۔

جاننا چاہیئے کہ حضرت ابراہیمؑ نے اہتمام کے ساتھ دین کے بارے میں اپنی اولاد کو وصیت فرمائی اللہ تعالیٰ ان کی وصیت کو نقل فرماتا ہے۔ حضرت یعقوبؑ نے اپنے بیٹوں کو وصیت فرمائی۔ جو نصاریٰ اور یہودی کے لیے حجت قائم ہو جائے اس میں چند مسائل ہیں۔

Marfat.com

مسئلہ اول:

جاننا چاہئے کہ ام کے معنی کبھی استفہام کے آتے ہیں کبھی عطف کے حروف عطف میں سے ان کو اَوْ کے ساتھ مشابہت ہے۔ اور وہ دو قسم پر آتا ہے۔ یا متصل یا منقطع متصل کی مثال یہ ہے کہ جیسے کوئی شخص کہے بلٰی یقول۔

کیا تیرے پاس زید ہے یا عمر سائل کو یہ معلوم نہیں کہ ان دونوں میں سے کوئی ان کے پاس ہے یا نہیں اس واسطے کہ جواب میں نعم آئے گا اگر ان دونوں میں سے ایک کا ہونا یقینا معلوم ہو۔ لیکن یہ معلوم نہ ہو کہ وہ کون ہے؟ یعنی یہ سوال کیا جائے کہ ان دونوں میں سے تیرے پاس کون ہے؟ تو لا نعم جواب نہ ہوگا۔ جب منقطع کا یہ حال ہے جب اس کے ساتھ ہمزہ ہوتا ہے تو ان کے لیے مانع نہ ہوگا اگر کوئی یہ کہے دور آنے والے جانوروں میں سے یہ اونٹ ہے یا بکری ہے؟ دور سے دیکھا تو اس کو اونٹ معلوم ہوا جب اس کو یہ ثابت ہوگیا کہ یہ بکری نہیں تو تب یہ معنی بَل کے ہوگا۔ منقطع کی مثال قرآن میں بھی وارد ہے۔ ءَ اَنْتُمْ اَشَدُّ خَلقا اس میں منقطع ہے اور متصل کی مثال بھی قرآن میں موجود ہے۔ یہ دونوں مفرد طور پر آتے ہیں جیسے قرآن شریف میں ہے۔ تَنْزِیْلُ الْکِتٰب کے بعد اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰی واقع ہوا ہے۔ کلام اول سے اخراج اور کلام ثانی سے استفہام ہے جیسا کہ اس کلام کے اندر اَمْ کے معنی نہ پائے جائیں۔ زَیْدٌ عِنْدَكَ عَمْرٌ میں یہ بات بھی پائی جاتی ہے۔ بعض مفسرین نے جن کو تحقیق مناسب نہیں انھوں نے ام کو بمنزلہ ہمزہ کے پڑھا ہے۔ یہ بھی خلاف ہے اوپر بیان ہو چکا ہے اور منقطع ہے اور بل کے معنی میں ہے حضرت امام باقرؒ نے بھی اس کو یہ تعبیر کیا اب ہم یہ کہتے ہیں کہ اس کے اندر ام منفصلہ ہے یا منقطع اس میں دو قول ہیں۔ نمبرا۔ یہاں اَمْ منقطع منفصلہ ہے۔ اور ہمزہ استفہام کے لیے ہے گویا تم اس وقت موجود نہیں تھے جب حضرت یعقوبؑ کی وفات کا وقت آیا۔ حضرت امام باقرؒ اور ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں رسول کریم ﷺ نے فرمایا یہ خطاب اہل کتاب کو ہے۔ کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا یہ یہود اور نصاریٰ کا خیال ہے کہ ہم ابراہیمؑ اور یعقوبؑ کے دین پر قائم ہیں یعنی جس دین پر تم قائم ہو یہ تمہاری اپنی محبت ہے یعنی جس دین پر حضرت یعقوبؑ نے اپنی اولاد کو وصیت کی تھی نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم اس وقت موجود تھے ہاں اگر موجود بھی ہوتے تو تم اس دین کو ترک کرتے کیونکہ حضرت ابراہیمؑ اور ان کے بعد جتنے انبیاءؑ تشریف لائے ہیں۔ وہی اس دین پر قائم رہے ہیں تمہیں چاہئے کہ جس دین کی طرف میں تمہیں بلاتا ہوں اسی دین کی طرف آؤ تمام ابراہیمؑ سے لے کر جتنے انبیاءؑ مبعوث ہوئے ہیں وہ اسی پر قائم رہے ہیں جو میرا دین ہے اب اس حدیث کے بعد ایک اور دلیل اگر کوئی یہ کہے کہ استفہام انکاری مکرم باطل کی نسبت ہوتا ہے۔ حضرت یعقوبؑ کی نسبت جس امر کی حکایت فرمائی وہ باطل نہیں وہ کلام حق ہے پس یہ استفہام انکاری حضرت یعقوبؑ کی طرف نہیں بلکہ اصل کتاب کے دعویٰ باطل کو رد ہے پس وہ حضرت یعقوبؑ کے پاس موجود ہونے کا دعویٰ رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے دعویٰ کو رد فرمایا حضرت علیؓ فرماتے ہیں رسول کریم ﷺ نے فرمایا یہ یہودی کتنے احمق ہیں کہ نہ تو یعقوبؑ کے وقت موجود تھے اور یہ کذب بیانی کرتے ہیں اور اپنے آپ کو ان کے پاس موجود ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اس دعویٰ کو رد فرمایا تھا۔ اس حدیث سے یہ واضح ہوگیا کہ یہ ان یہود کے دعویٰ باطلہ کا رد ہے وہ ان کا یہ خیال تھا کہ ہم یعقوبؑ کے پاس موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دعویٰ کو رد فرما کر حضرت یعقوبؑ کی وصیت کو نقل فرمایا تو ان کے ساتھ یہ ایک جداگانہ کلام ہے نبی پاک ﷺ نے بھی یہ فرمایا کہ پہلے آیت کے حصے میں یہودیوں کے دعویٰ باطلہ کو اللہ تعالیٰ نے بیان فرما کر حضرت یعقوبؑ کی وصیت کا ذکر فرمایا جو انھوں نے اپنے بیٹوں کو فرمائی تھی اس میں اَمْ منفصلہ ہے ان میں ایک محذوف مقدر ہے گویا یہ معنی ہیں انبیاءؑ کی نسبت یہودیت کا دعویٰ کرتے ہو حضرت یعقوبؑ کی وفات کا وقت تھا کہ تم موجود تھے ان کے پاس قریب تھے امام باقرؒ اور ابی بن کعبؓ اور حضرت ابن عباسؓ اور حسنؒ فرماتے ہیں رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ کیا یہود یو تم یا تمہارے باپ دادا بنی اسرائیل اس وقت موجود تھے جب حضرت یعقوبؑ نے اپنے بیٹوں سے وصیت فرمائی تھی اللہ تعالیٰ کی توحید کے بارے اور دین خالص کے متعلق تم ان کو خواہ مخواہ یہودیت پر کہتے ہیں اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ تم اس وقت موجود نہ تھے۔ اور نہ تمہارے باپ دادا بنی اسرائیل حضرت یعقوبؑ کی وفات کے وقت موجود تھے تم ان پر ایسا افتراء کیوں باندھتے ہو جو بے بنیاد ہے قرآن مجید بھی انہیں اس سے باز رہنے کا حکم فرماتا ہے۔ اِذْقَالَ لِبَنِیْهِ یہ جو ارشاد ہے۔ اس کے اندر دو مسائل ہیں۔

مسئلہ اول:

اذحضر سے شہادت کا وقت ہے اور اذقال سے وفات کا وقت قریب ہے۔

Marfat.com

مسئلہ دوئم:

حضرت امام باقرؒ اور ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ کے مجموعہ میں ہے رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ انبیاؑ کو اپنی اولاد کے لیے جو خیال ہوتا ہے۔وہ دین کے لیے ہوتا ہے دین کے سوا ان کو اپنی اولاد کے لیے کوئی فکر نہیں ہوتا۔تو حضرت یعقوبؑ نے اپنی اولاد کو وصیت فرمائی تم دین پر قائم رہنا۔اب ما تعبدون کے اندر چند مسائل ہیں۔اس کے اندر جو مَا ہے یہ غیر ذوالعقول کے لیے آتا ہے تو اس کا معبود اطلاق حقیقی پر کیسے ہوگا؟ یہ ما عموم ہے یعنی ما شی یعنی یہ عاقل کے لیے آتا ہے۔اور غیر عاقل کے لیے جیسے کہا جاتا ہے مالا انسان مِنْ بَعْدِیْ اِلٰھَکَ اسماعیل و اسحٰق تک چند مسائل ہیں:

مسئلہ اول:

اس آیت سے دو فریق جاہلوں نے استدلال کیا ہے۔فرقہ مقلدہ راودہ یہ کہتے ہیں حضرت یعقوبؑ کے بیٹوں نے تقلید پر قناعت کی فرقہ تعلیمیہ کہتا ہے۔اللہ کی معرفت کا طریقہ بجز رسول یا امام کے نہیں نکل سکتا۔حضرت یعقوبؑ نے بیٹوں کو وصیت فرمائی تو انہوں نے یہ نہیں کہا کہ ہم اس معبود کو پوجیں گے جس کی عقل دلالت کرتا ہے بلکہ یہ کہا کہ ہم اس کو پوجیں گے جس کو آپ پوجتے ہیں یا آپ کے باپ دادا نے پوجا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کا طریقہ سوائے تعلیم کے نہیں ہوتا اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کو دلیل عقلی سے پہچانا تھا۔ورنہ یہ نہیں ثابت ہوتا کہ انھوں نے عقل کے ساتھ پہچانا ہو بلکہ تعلیم کے ذریعہ سے تعلیم اور تقلید کے ذریعے سے ان کو اللہ تعالیٰ کی شناخت ہوئی تھی تو یہ باطل ہو گیا کہ انھوں نے دلائل تقلید کے ساتھ پہچانا ہو بلکہ دلائل عقلیہ کے ساتھ اس کا جواب یہ ہے کوئی زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتا ہے کہ انھوں نے اپنے طریقے کا استدلال حضرت یعقوبؑ کے سامنے کیوں نہیں کہا۔اس کا جواب بچند اں وجوہ ہو سکتا ہے۔نمبرا۔ان کا یہ قول کہ ہم آپ کے اور آپ کے باپ دادا کے معبود کو پوجیں گے۔بخلاف اس کے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات اور اس کی علم اور اس کے قدرت کا بیان فرماتے ہیں اس میں حضرت یعقوبؑ کی پورے طور پر دل جمعی تھی کہ میری اولاد جو کچھ میں ان کو کہہ رہا ہوں مختصر طور پر وہ اس احتمال پر قائم رہیں گے وہ اس احتمال پر کوئی تغیر نہ ہوگا۔حضرت امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ میرے نانا حضرت امام حسنؓ نے یہ فرمایا ہے کہ حضرت یعقوبؑ مصر کے اندر داخل ہوئے انھوں نے لوگوں کو بت پرستی کرتے دیکھا اور آپ کو اندیشہ ہوا کہ میری اولاد اس کے اندر مبتلا نہ ہو جائے تو آپ نے آخری وقت اپنی اولاد کو مصر کا یہ حال بتلایا اور ان کے شرک باطلہ سے اپنی اولاد کو تنبیہ وصیت فرمائی۔فرمایا کہ چند ماہ پہلے مصر گیا ہوں اور یہ حالات ان کے دیکھے ہیں میں بس وصیت کرتا ہوں۔میرے نانا حضرت حسنؓ نے یہ رسول کریم ﷺ سے سنا اور اپنے والد حضرت علیؓ سے بھی حضرت امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ نے یہ فرمایا ہے کہ حضرت یعقوبؑ کے بیٹے بت پرستی کرتے تھے۔تو ان کو آخر وقت حضرت یعقوبؑ نے یہ وصیت کی حضرت امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ ابن عباسؓ کا یہ قول قیاس سے بھی خلاف ہے۔نا قیاس چاہتا ہے اس کو نہ عقل چاہتا ہے فرماتے ہیں میرے نانا حضرت حسنؓ نے اپنے والد سے یہ سنا اور انھوں نے رسول کریم ﷺ سے سنا کہ حضرت یعقوبؑ اولاد صالحہ تھے جیسا قرآن کریم نے بھی ذکر کیا ہے اور انھوں نے اپنے باپ کی وصیت کو سنتے ہی اس پر فوراً جواب دیا کہ ہم اسی کو پوجیں گے جس کو آپ کے باپ دادا پوجتے رہے ہیں جو معبود ایک اور برحق ہے اس حدیث سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ صالح مرد تھے اگر وہ شرک کرتے تو اس کا جواب کیسے دیتے کیونکہ مشرک آدمی اتنا جواب جلدی نہیں دیتا اور نہ ہی اپنے بتوں سے بے زار ہوتا ہے۔

مسئلہ سوم:

ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ ترکیب میں سے اٰبَآئِکَ کا بدل واقع ہوا ہے۔حضرت امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ اسمٰعیلؑ کو اسحٰقؑ پر اس لئے مقدم کیا گیا ہے کہ وہ حضرت ابراہیمؑ کے پہلے فرزند تھے اور عمر میں حضرت اسحٰقؑ سے بڑے تھے۔اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں۔ اخ اور اخت خواہ عینی ہو یا علاتی جد کے مقابل میں ساقط نہیں ہوتے اور حضرت عمر اور عثمان اور علیؓ اور عبداللہ ابن مسعود اور زیدؓ کا یہ قول ہے۔امام مالک اور ابو یوسف امام محمد بھی اسی کے قائل ہیں امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ جد کے مقابل میں وہ ساقط ہو جاتے ہیں۔حضرت امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ میرے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عائشہؓ اور میرے نانا حضرت حسنؓ ہم اسی کے قائل ہیں کہ جد سے وہ دونوں ساقط ہو جاتے ہیں۔حضرت عائشہؓ ہماری نانی یہ فرماتی ہیں کہ حضرت امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ میرے دادا حضرت علیؓ نے پہلے وہ قول بیان کیا کہ جد سے وہ دونوں ساقط نہیں

Marfat.com

ہوتے جب انھوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے اس بات پر ان کی توجہ مبذول کرائی کہ نبی پاک ﷺ ایک وفد کو فرما رہے تھے جو طائف کی جانب سے آیا تھا۔تو تم بھی فوراً گھر سے اس وفد کو دیکھنے آئے تھے تو رسول کریم ﷺ نے وفد کے ساتھ آخری کلام فرمایا تھا ان میں یہی فرمایا کہ اس وفد نے وراثت کے بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ دادا بھی بمنزلہ باپ کے ہوتا ہے۔اور باپ بہن بھائی کے لیے حاجت پوری کرنے والا ہوتا ہے۔حضرت علیؓ نے پھر اس حدیث کی جانب رجوع کیا حضرت امام باقرؒ اور امام اعظم ہیں کہ مراد بھی ظاہر ہوجائے گی اور دادا کا بھی باپ ہونا قرآن سے ثابت ہوتا ہے۔حضرت امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ نے اسی آیت کو پڑھتے ہوئے فرمایا: الٰھک وَالٰہ ابائِکَ فرمایا۔قرآن نے بھی دادا کو بمنزلہ باپ کے کہا ہے اس آیت میں ابائک کا اطلاق دادا پر بھی آیا ہے۔اب کوئی اعتراض کرے کہ ابائک کا اطلاق چچا پر بھی آیا ہے۔جسے بالاتفاق حضرت اسماعیلؑ کے لیے چچا کو باپ کا حکم نہیں ہے اس کا حکم یہ ہے کہ بظاہر استعمال حقیقت کے دلیل ہوا کرتا ہے۔مگر دلیل کی وجہ سے چچا پر اس کا عمل نہیں ہوسکتا۔اور باقی میں اس کا حکم باقی رہا۔دوسری آیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسفؑ سے یہ کہا کہ میرے باپ دادا یعنی جب باپ دادا کے نام کو گنتی شروع کیا تو باپ اپنے یعقوبؑ کو ذکر نہیں کیا۔حالانکہ ان کا باپ یعقوبؑ ہے۔یعنی یہ کہا کہ میرے باپ دادا ابراہیمؑ اسحٰقؑ کو اور یعقوبؑ حالانکہ حضرت یوسفؑ حضرت ابراہیمؑ کے پڑپوتے ہیں۔لیکن انھوں نے اپنا باپ حضرت ابراہیمؑ کو بمنزلہ باپ شمار کیا پھر حضرت اسحٰقؑ کو پھر یعقوبؑ کو حضرت امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ کے مجموعہ میں ہے رسول کریم ﷺ نے جم غفیر صحابہؓ میں فرمایا کہ حضرت ابراہیمؑ ۱۸ برس کے تھے ان کے والد تارخ وہ فوت ہوچکے تھے وہ شرک پر نہ تھے۔اور نوحؑ کے دین پر تھے۔اور ان کے والد کی فوتگی کے بعد ان کی پرورش ان کا چچا آذر کرتا رہا جو وہ ان کا بمنزلہ باپ کے سمجھتے تھے۔چونکہ قرآن نے جہاں بھی ذکر کیا ہے والد کے نام سے نہیں کیا بلکہ ابی کے نام سے کیا ہے کیونکہ حکماً یہ اطلاق چچا پر بھی ہوسکتا ہے چہ جائیکہ وہ چچا باپ نہیں ہے بلکہ وہ اس حکم میں باقی ہے جیسا کہ اس آیت میں مذکور ہے۔از روئے حدیث بھی یہ بات ثابت ہوگئی ہے بلکہ یہ حدیث امام باقرؒ فرماتے ہیں یہ حدیث تواتر ہے۔تو حضرت ابراہیمؑ کے والد تارخ تھے اور آذر چچا تھے۔حضرت عطا نے اکثر صحابہ کے بارے میں حضرت ابن عباسؓ کا یہ قول نقل کیا ہے۔جس کا دل چاہے کہ میں حجر اسود کے پاس ملانعت کرسکتا ہوں کہ دادا کی ابا کے اندر داخل ہے۔کہ زید بن ثابت اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا کہ وہ ابن الابن کو ابن کہہ سکتا ہے۔اور ابوالاب کو اب نہیں کہتا۔جب دادا اب کے اندر داخل ہوئے تو ضرور ہوا کہ وَوَرِثَهٗ ابواهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ کا مصداق ہوگا۔اور دادا وراثت کا مستحق ہوگا۔اور بھائی مستحق ہوں گے جس طرح باپ مستحق ہوتا ہے اور باپ کے ہوتے ہوئے بھائی مستحق نہیں ہوتے۔ایک ضروری بات بیان کردوں امام رازیؒ کی ایک بہت بڑی غلطی کہ انھوں نے حضرت حسنؓ کو تابعین میں شمار کیا ہے۔یہ غلطی ہے بلکہ محدثین کا اس بات پر اجماع ہے کہ پانچ سال کے بچے کی روایات حدیث کے اندر قبول ہے۔اور حضرت حسنؓ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ساڑھے سات برس کی عمر میں تھے اور امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ میرے نانا حضرت حسنؓ نے لکھا کہ میرے نانا رسول اللہ ﷺ کی وفات دس ہجری کو ہوئی اور میں اس وقت پونے آٹھ برس کا تھا۔اور حسینؓ بھائی سات سال کے تھے ہم دونوں بھائیوں نے پورا قرآن اپنے نانا سے یاد کیا تو رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جو میرے زمانے میں بھی بچہ پیدا ہوگا وہ صحابی ہوگا چہ جائیکہ وہ مجھ سے کلام کرے یا نہ کرے اب ثابت ہوگیا کہ رات کا بچہ بھی پیدا ہو۔رسول کریم ﷺ کے زمانے میں وہ صحابی ہے تو اب حسنؓ نے تو سرکار سے کافی روایات منقول کی ہیں تو وہ کیسے تابعی ہوسکتے ہیں۔امام رازیؒ نے یہ سوچ کر فیصلہ نہیں کیا۔

قول دوم:

امام باقرؒ فرماتے ہیں دادا کو دو امور میں سے جو بہتر ہوگا وہی ملے گا کل مال کا وراثتی حصہ یا کل مال کا چوتھائی حصہ اور باقی میں بہن بھائی شریک ہوں گے اور بھائی کو دو چند ملے گا۔حضرت امام باقرؒ فرماتے ہیں زید بن ثابت کا یہی مذہب ہے اور بعض میں امام شافعیؒ نے بھی اسی کو اختیار کیا۔نمبر۲۔دادا بمنزلہ باپ کے ہیں جب تک اس کا حصہ ششم حصہ سے کم نہ ہوگا اگر ششم سے کم ملتا ہو تب بھی اس کو ششم دلایا جائے گا اس میں کمی نہیں کی جائے گی۔امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے مذہب میں یہ درست نہیں کیونکہ اس کے موافق نہ کوئی حدیث ہے نہ کوئی قرآن کی آیت قطعی اس کے ظاہر میں محمول ہے۔امام اعظمؒ بھی اسی دلیل پر ہیں جو امام باقرؒ کی دلیل ہے حضرت حسنؓ کی بھی یہی دلیل ہے۔حضرت عائشہ، حضرت ابوبکرؓ، حضرت علی ان کا یہی مذہب ہے۔حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت عبداللہ ابن مسعود اور حضرت زید بن ثابتؓ کا وہ مذہب ہے جو اوپر بیان ہوچکا ہے لیکن دلائل اقراء اسی مذہب میں ہیں جو امام باقرؒ اور امام اعظمؒ کے دلائل ہیں اور طاعوس حضرت عطا کا بھی یہ مذہب ہے۔کہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ دادا ابا کے اندر داخل نہیں ان کے چند وجوہ ہیں۔نمبر۱۔امام شافعیؒ فرماتے ہیں جس طرح تم نے ایک آیت ووصّٰی کے اندر ابا کا دادے کا ہونا داخل کیا ہے اور ہم ثابت کرتے ہیں کہ ابا کے اندر دادا داخل نہیں

Marfat.com

ہے۔حضرت یعقوبؑ کو ابراہیمؑ کے ابنا کے اندر داخل ہے۔حضرت یعقوبؑ کو ابراہیم کے ابنا کے اندر داخل نہیں کیا۔ بلکہ جدا جدا فرمایا ہے پس اگر ابو اور ابا کو اب کے اندر داخل
مانا جائے تو ضرور تھا کہ ابن الابن بھی ابن کے داخل ہوتا جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ ابو الاب نہیں داخل ہوسکتا ہم کہتے ہیں کہ دادا ابا کے اندر کیسے داخل ہے۔جبکہ کسی کا باپ مر
جائے دادا موجود ہو یہ نہیں کہا جاتا کہ اس کا دادا باپ ہے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ اس کا باپ فوت ہو چکا ہے جب یہ کہنا صحیح ہوا تو ثابت ہو گیا کہ ابا کے نیچے داخل نہیں ہے اب کوئی
اعتراض کرے کہ اسم ابوء دونوں میں پایا جاتا ہے مگر قریب کا رشتہ بعید کے نسبت اقرب ہوتا ہے اس لیے یہ نفی صحیح ہوگی تو اس کا جواب یہ ہے کہ ابا کا اطلاق دونوں حقیقتاً ہوتا تو
ضرب تقدیری تاخیر کی وجہ سے اب کی نفی دادا سے صحیح نہیں ہوتی۔نمبر۳۔اگر دادا پر ابا کا اطلاق حقیقی ہوتا تو یہ کہنا صحیح ہوتا کہ فلاں شخص مر گیا اور اس نے ایک ماں اور کافی اباء
چھوڑے حالانکہ کوئی فقہ یا کوئی اہل لغت یا اہل تفسیر نہیں کرسکتا اگر دادا ابا کے تحت داخل ہوتا تو اس میں شک نہیں کہ صحابہ بھی خوب لغت جانتے تھے تو وہ جد کی میراث میں
اختلاف نہ کرتے اور اگر جد کو ابا کا حکم ہوتا تو دادی کو ماں کا حکم ہوتا اگر ایسا ہوتا تو دادی کی میراث میں بشر واقع نہ ہوتا حالانکہ بشر واقع ہوا ہے حتیٰ کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو
اس کی تحقیق پیش ہوئی۔پس ان دلائل سے ثابت ہوا کہ دادا ابا کے نیچے داخل نہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ اولادِکُمْ۔

اگر دادا ابا کے نیچے داخل ہوتا تو ابن الابن بھی خواہ مخواہ ابن کے نیچے داخل ہوتا اور مقتضی تھا اس آیت سے بیٹے کے ہوتے ہوئے پوتے کو میراث ملنا لازم آتا۔اب جبکہ
ایسا نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ ہر جد ابا کے نیچے داخل نہیں ہے جن آیات کو تم نے اپنے مدعا میں ثابت کیا ہے۔بچند اں وجوہ اس کا جواب ہوسکتا ہے۔حضرت ابی نے اس کو ولا
ابراھیمؑ پڑھا ہے۔تو قرأت میں ابائک نہیں ہے۔مگر اس میں ہماری مدعا میں نقصان نہیں آسکتا۔اس واسطے قرات شاذہ قرات متواترہ کے مقابلہ میں نہیں ہوسکتی۔بلکہ جواب
یہ ہے حضرت امام باقرؒ فرماتے ہیں رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابا چچا پردادا کے لیے وارد ہے۔جہاں کہیں بھی آیا ہے قرآن میں تو وہ مجازاً آیا ہے۔حضرت امام باقرؒ فرماتے ہیں
ہمارے اوپر کے قول جو لفظ ابا پر۔ہے۔وہ مجازاً ہے۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے اور اس میں چاروں خلفاء راشدین بھی اسی کے قائل ہیں حضرت امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ
حضرت عباس کی نسبت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ھٰذا بقیہ آبائی فرمایا کہ یہ ابا کا لفظ مجازاً ہے حضرت عباسؓ تو حقیقتاً رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد نہ تھے۔فرمایا کہ ایک اور
حدیث بھی ہے جو حضرت علیؓ کے مجموعہ میں ہے۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب ابن کے نیچے نہ آئے گا نہ ابن الابن ابن کے نیچے آئے گا۔حضرت امام باقرؒ فرماتے ہیں اس پر
ہمیں کلام نہیں بعض لوگ لفظ ابا کو مجازاً باپ دادا چچا کے اس اطلاق کے انکاری نہیں۔وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ وقتاً استعمال ہوا ہے جبکہ اس کا مجاز ظاہراً قرآن کریم میں جا بجا ہے۔رسول
کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث بھی ہے کہ ابن الابن اور دادا کے بیٹے بھی یعنی اس کے بیٹے کے بیٹے کو ہوتے ہوئے پوتا وارث نہ ہوگا۔ہاں بیٹے کے مرنے کے بعد اس کا اطلاق ضرور
آئے گا۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر بیٹا زندہ ہو تو پوتا بجز بیٹے کے ہوتے ہوئے وہ دادا کی وراثت کا وارث نہ ہوگا کیونکہ وہ نطفہ دور ہے پہلے حق بیٹے کو ہے اور بیٹے کے مرنے
کے بعد یعنی وہ پوتا اس کا حقدار ہے کیونکہ اس کا باپ اس کے دادے کا بیٹا ہے حضرت امام باقرؒ فرماتے ہیں ہمارے اوپر والے قول اسی حدیث پر ہیں۔حضرت امام باقرؒ نے ابن عباسؓ
کے قول کا یہ جواب فرمایا ہے۔کہ اب کا اطلاق اس حکم شرعی کے اعتبار سے کیا ہے نہ کہ لغت کے اعتبار سے اس واسطے کہ اہل زبان کے نزدیک لغت کا اختلاف نہیں ہوسکتا۔اِلٰھاً
واحداً قول واقع ہوا ہے۔چند احتمال ہیں۔نمبر۱۔یہ بصد کے فاعل یا اس کے مفعول سے واقع ہوا۔حضر کا مرجع بھی وہی مفعول ہے۔نمبر۲۔ہوسکتا ہے کہ یہ جملہ بصد کے اوپر
معطوف ہو۔نمبر۳۔جملہ معترضہ بطور تاکید کے ہوسکتا ہے ہمارا حال یہ کہ ہم مخلص اور فرماں بردار اور اس کے مطیع نہیں تِلْکَ اُمَّۃٌ کے اندر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ انھیں لوگوں
کی طرف اشارہ ہے جو اس کی ماقبل کی آیت میں جن کے بارے میں خطاب ہے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ ان یہودیوں کو خطاب ہے کہ میں نے تم کو ان کا حال بتلا دیا کہ وہ دین
پر قائم تھے اور میرے فرماں بردار تھے اور جو ان کے افعال تھے وہ ان کے ساتھ نہیں اگر تم وہی افعال کرو گے تو تم بھی انہی کے نقش قدم پر ہو گے اگر خلاف کرو گے تو تمہارا ان سے کوئی
تعلق نہ ہوگا۔فرمایا ابراہیمؑ، اسماعیلؑ، اسحٰقؑ، اور یعقوبؑ کو ایک جماعت فرمایا گیا۔یعنی وہ ایک جماعت گروہ ہے جو کامل گروہ ہے اس آیت کے اندر چند مسائل ہیں:

مسئلہ اول:

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تقلید اعتقادات پر کرنا درست نہیں لَھَا مَا کَسَبَتْ سے ثابت ہوتا ہے کہ جو کچھ کوئی کرتا ہے اس کو اس کا بدلہ ہوگا ہر ایک کا عمل اس کے ساتھ
ہے دوسرے کو اس کا کچھ نفع نہیں ہوگا۔اس واسطے کہ تقلید جائز ہوتی تو متبوع کا عمل تابعین کے حق میں ہوتا اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے ان کے حالات اس واسطے بیان کئے
کہ تم بغیر سوچے سمجھے ان کی باتوں کو قبول کرلو اس واسطے تم کو تنبیہ کی جاتی ہے کہ تم اس پر غور کرو۔کہ وہ جس دین پر تھے وہ دین سچا تھا۔

Marfat.com

مسئلہ دوم:

نبی پاک ﷺ نے فرمایا اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کو میری طرف وارد ہوا اور میرے دین کی طرف رغبت دلائی ہے تاکہ وہ میرے سے اور میرے دین سے اعراض نہ کریں۔

مسئلہ سوم:

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ باپ دادا کے اعمال اولاد کے لیے کچھ فائدہ نہ ہوں گے اس ضمن میں کافی احادیث اور کافی آیات وارد ہیں۔حضور ﷺ نے فرمایا اے صفیہ رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی اے فاطمہؓ رسول اللہ ﷺ کی بیٹی قیامت کے دن تم میرے پاس اعمال کو لے کر آنا بجز اعمال کے اللہ کی طرف میں تمہارے لیے کچھ نہ کروں گا۔

حدیث دوم:

رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس کا عمل تاخیر ہوا اس کو اس کا نسب تاخیر میں کچھ فائدہ نہ دے گا۔قرآن کریم میں بھی ارشاد ہے کہ قیامت کے روز پس نہ نسب ہوں گے نہ ان کے بارے میں سوال ہوگا۔اور ارشاد ہوتا ہے کہ نہیں تمہاری آرزوئیں اہل کتاب کی جس نے برا عمل کیا وہ اپنے لیے کوئی مددگار دوست نہ پائے گا۔اور ارشاد ہوتا ہے کوئی شخص نہیں کرتا کمائی مگر اپنے لئے دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے کوئی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔بوجہ بوجھ کہ ان سب آیات میں ثابت ہوا ہے کہ نسب پر بھروسہ کرنا اور باپ دادا کی عظمت کو بیان کرنا بایں معنی کہ وہ ان کی عظمت ہمارے لیے فائدہ مند ہوگی۔ازروئے شریعت یہ بالکل لغو ہے اور فضول ہے۔

مسئلہ چہارم:

بعض کہتے ہیں کہ باپ دادا کے کفر کی وجہ سے ان کو عذاب ہوگا جسے یہودیوں نے گاؤ سالہ کی پرستش کی اور یہ کہا کہ ہم کو آگ نہیں چھوئے گی مگر چند یوم۔

مسئلہ پنجم:

کسب کے اندر معتزلہ اور اہل سنت کا اختلاف ہے کہ کسب بندہ اپنے افعال سے کسب کرتا ہے اہل سنت وجماعت اور معتزلہ کے مابین کسب کے معنی میں اختلاف ہے۔اھل سنت بالاتفاق یہ کہتے ہیں کہ کسب کے یہ معنی نہیں کہ کوئی عرض بندہ کے قدرت کے عدم سے وجود میں آتا ہے۔اہل سنت نے کسب کی بھی تین تفسیریں کی ہیں۔نمبرا۔اشعریؒ کہتے ہیں کہ قدرت ایک ایسی صفت جو مقدور کے ساتھ متعلق ہوتی ہے۔قدرت کو مقدور کے اندر کچھ اثر نہیں ہوتا بلکہ قدرت اور مقدور دونوں اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے ہوتے ہیں۔جسطرح علم اور وجود کا وجود اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے وجود ہوتا ہے۔جو چیز اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے جو قدرت حاصل ہوتی ہے اور یہ صفت قدرت حادثہ سے پیدا ہوتی ہے۔نمبر۳۔جب قدرت حادثہ اور قدرت قدیمہ کا ایک مقدر کے ساتھ تعلق ہوتا ہے تو ان دونوں کی وجہ وہ مقدور پیدا ہو جاتا ہے۔گویا کہ بندہ کا فعل اللہ تعالیٰ کی مدد سے ہوتا ہے اسی کا نام کسب ہے یہ قول ابواسحٰق اسفرائی کی طرف منسوب ہے کسب ایک فعل ہے جو معیّن کے سبب سے واقع ہوتا ہے اور جو لوگ قدرت حادثہ کو موثر بتلاتے ہیں ان کے دو فریق ہیں فریق اوّل یہ کہتا ہے قدرت داعی کے ساتھ مل کر فعل کے موجب ہوتی ہے پس اللہ تعالیٰ تمام افعال کا خالق ہے۔جو اسباب افعال کے لیے مرتبہ وجود میں آنے کے باعث ہوتے ہیں۔ان کے پیدا کرنے والا بھی اللہ تعالیٰ ہوتا ہے اور بندہ کسب کرتا ہے یعنی فعل کے واقع ہونے میں قدرت داعی کو اثر ہوتا ہے اور دونوں بندہ کی ذات میں قائم ہوتی ہے۔اور یہ مذہب امام الحرمینؒ کا ہے۔اپنی کتاب نظامیہ میں انھوں نے بیان کیا ہے اور ابوالحسنؒ بھی اسی کے قریب قریب ہے۔اگر چہ ابوالحسنؒ نے اس کی تصریح نہیں کی۔فریق دوم: یہ کہتا ہے کہ قدرت داعی کے ساتھ مل کر موجب نہیں ہوتی بلکہ بندہ فعل اور ترک پر قادر ہوتا ہے۔خواہ کرے نہ کرے اسی کا نام فعل اور کسب ہے۔معتزلہ اشاعرہ کے مقابل کہتے ہیں جب کہ بندہ کا مقدور اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے ہوتا ہے تو جس وقت اللہ تعالیٰ اس کو پیدا کرے گا۔تو اس وقت میں بندہ کا اس فعل کے ساتھ متصف ہونا محال ہے۔اگر اللہ تعالیٰ پیدا نہ فرمائے گا تو بندہ کا اس فعل کے ساتھ متصف ہونا محال نہیں ہے۔اس تقدیر پر بندہ کو فعل اور ترک پر قدرت نہ ہوئی۔اور بندہ مجبور ہوگیا اور نیز جس فعل کا بندہ کسب کرتا ہے وہ فعل دو حال سے خالی نہیں ہوتی اس کا وقوع اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ہوگا یا اس کی قدرت سے وقوع نہ ہوگا۔یا دونوں قدرتوں سے وقوع ہوگا۔یا اس کا وقوع اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ہوا تو بندہ اس سے موثر نہ ہوا پس اس فعل کا کسب کرنے والا کس طرح ہو سکتا ہے؟ اگر بندہ کی قدرت سے وہ فعل واقع ہوا تو مدعا ثابت ہوگیا۔اگر

Marfat.com

متعلق ہےاور جس چیز پر اللہ تعالیٰ کی قدرت اس کے ساتھ متعلق ہے اس واسطے اللہ تعالیٰ کی قدرت اس فعل کے دفع کرنے میں مستقل ہے
دونوں قدرتوں کے ملنے سے واقع ہو۔ یہ محال ہے اس واسطے غصب کے مکان میں شرعاً بیٹھنا حرام ہے اور حرام صرف یہ ہے کہ بیٹھنے والا اس جگہ کو گھیرے پس ہم یہ
ہے۔ بندہ کی قدرت کا کچھ اثر نہ ہوگا اور باقلانی کا قول ضعیف ہے تو حرام فعل کو درحقیقت اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور یہ تکلیف مـالا یُطاق ہے۔ اگر بندہ کی قدرت سے یہ بات پیدا
کہتے ہیں کہ اس جگہ پر گھیرنا اگر اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے ہے تو حرام فعل کو درحقیقت اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور یہ تکلیف مـالا یُطاق ہے۔ اگر بندہ کی قدرت سے یہ بات پیدا
کہتے ہیں کہ اس جگہ پر گھیرنا اگر اللہ تعالیٰ کی قدرت تاثیر میں مستقل ہے، پس بندہ کی قدرت کو اس میں اثر نہیں ہوسکتا۔ اور اہل سنت نے بیان
ہوتو مدعا ثابت ہوگیا اور اسغر ائی کا قول بھی ضعیف ہے اس واسطے اللہ تعالیٰ کی قدرت تاثیر میں مستقل ہے، پس بندہ کی قدرت کو اس میں اثر نہیں ہوسکتا۔ اور اہل سنت نے بیان
کیا ہے کہ بندہ کا ایجاد اور خلق میں مستقل لینا چند ان وجوہ محال ہے اگر بندہ اپنے افعال کا موجد ہوتو ضرور ہو کہ اس کو اپنے فعل کا علم تفصیلی ہو۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اس کو اپنے فعل کا علم
تفصیلی نہیں ہوتا تو وہ اپنے فعل کا موجد بھی نہیں ہوسکتا؟ نمبر۲۔ اگر بندہ اپنے فعل کا موجد ہوتو جس امر کا ارادہ کرے فوراً اس چیز کا واقع ہونا ضروری ہو لیکن ایسا نہیں ہوتا اس واسطے
کافر تحصیل علم کا قصد کرتا ہے مگر اس کو جہل حاصل ہے۔ نمبر۳۔ اگر بندہ اپنے فعل کا موجد ہوتو اس فعل کے موجد ہونے کی صفت اس فعل کی ذات پر اور اس قدرت کی ذات پر زائدہ
ہوگی۔ اس واسطے بسا اوقات ہم فعل کی ذات کا اور قدرت کا تصور کرتے ہیں بندہ کے موجد ہونے کا گمان بھی نہیں ہوتا۔ معلوم ہوا کہ دو چیزیں جدا جدا ہیں اس کے علاوہ یہ جدید
حادث ہے پس اس کا حدوث اگر بندہ کی طرف سے ہے تو اس کے لیے دوسری قدرت کی ضرورت ہوگی اور تسلسل محال لازم آئے گا۔ جو محال ہے اگر اللہ تعالیٰ کی موجدیت کے
پائے جانے سے اثر کا پایا جانا ضروری ہوتا ہے۔ اس فعل کا تضاد اللہ تعالیٰ کی طرف لازم ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی موجدیت میں یہ قباحت لازم نہ آئے گی اس واسطے کہ اس کی موجدیت
ازلی ہے اور اس کو دوسری موجدیت کی ضرورت نہیں فریقین کے معنی اور الفاظ میں اختلافات نہیں بس امور یہ ہے جو اصل بیان ہوا ہے جو اہل سنت نے بیان کیا ہے۔ اور صاحب
خزینۃ القرآن نے امام باقرؓ کی تفسیر سے نقل کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ حضرت امام باقرؓ کی تفسیر جو سو جلد میں ہے جو حضرت علیؓ نے مجموعہ لکھا۔ امام باقرؓ نے اس کو بھی اپنی تفسیر میں لکھ
دیا۔ اور حضرت حسنؓ نے جو تفسیر لکھی وہ بھی اپنی تفسیر میں لکھ دی اس کے علاوہ علوم کے بے بہا فوائد اپنی تفسیر میں بیان کئے تمام مفسرین اپنی اس تفسیر کو عظیم نسخہ سمجھتے ہیں کہ یہ وہ تفسیر
ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تفسیر کی اس کے مطابق ہے۔ مجھے بھی اپنے دادا سے یہ ورثے میں تفسیر ملی ہے اکثر مفسرین اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔

قال اللہ تعالیٰ: وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ط قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا ط وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ .(۱۳۵)

ترجمہ: کہا ہو جاؤ یہودی یا نصاریٰ ہدایت پر ہو جاؤ گے اے حبیب گرامی علیہ وسلم ان سے فرمادو کہ مذہب ابراہیمؑ سیدھا سادا تھا اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے۔
جاننا چاہئے جب اللہ تعالیٰ نے دلائل مذکورہ کے ذریعہ دین اسلام کی صحت فرمادی تو اب ان چند مخالفوں کا ذکر فرمایا جو اسلام پر طعنہ زنی کرتے تھے اور ان کے شبہ کو ذکر
نہیں فرمایا کہ وہ کس بارے میں یہ کہتے تھے، حضرت امام باقرؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہود اور نصاریٰ اپنے استدلال قائم کرتے ہیں اگر وہ تقلید کریں۔ تو ان کی
تقلید حضرت ابراہیمؑ کی ذات ہے۔ جن کو تمام فرماتے ہیں ان کے دین کو محکم سمجھتے ہیں اس حدیث کے بعد یہ ثابت ہوا کہ ان کے استدلال محض سنی سنائی باتوں پر تھے اور نبی
پاک علیہ وسلم کی نبوت پر طعنہ زنی کرتے تھے حالانکہ اس پر کوئی یہ کہے کہ جب ہر فرقہ حضرت ابراہیمؑ کو مانتا تھا تو پھر یہ اعتراضات ان پر کیوں ہوتے اس کا جواب کہ نصاریٰ تثلیث
کے قائل تھے۔ اور یہودی حضرت عزیرؑ کے قائل تھے۔ جو سراسر شرک ہے اور نبی پاک علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ انبیاءؑ اول سے آخر تک معصوم ہوتے ہیں اور ان کے ظاہر باطن کے
قریب ظاہر نہیں ہوسکتا۔ صغیرہ کبیرہ گناہ سے پیغمبر معصوم ہوتا ہے۔ آپ علیہ وسلم نے فرمایا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور زکریاؑ اور یحیٰؑ اور عیسیٰؑ اور الیاسؑ اور ہر نبی صالحین میں سے
ہیں فرمایا کہ نبی صالحہ وہ ہوتا ہے جو ہر گناہ سے معصوم ہو۔ فرمایا یہ آیت ہمارے انبیاءؑ کے جنس کے لیے عام ہے اور اسماعیلؑ، الیاسؑ، اور یونسؑ ہر جنس نبی کو ہم نے تمام جہان والوں
پر فضیلت دی ہے۔ فرمایا یہ آیت کل انبیاءؑ کے لیے عام ہے۔ جو فضیلت ان کو دی گئی ہے وہ اس وجہ سے ہے کہ وہ معصوم ہیں۔ یہ تم میرے اس قول کو نص سمجھو یہ قرآن کی تفسیر کی
ہے۔ حضرت امام باقرؓ فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ کے مجموعہ میں ہے۔ اور جم غفیر صحابہؓ میں یہ ارشاد فرمایا۔ اب ہم آیت کی تفسیر میں کلام کرتے ہیں یہ جو ارشاد ہے قَالُوْ هُوْدًا
اَوْ نَصَارٰى اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ نصاریٰ یہ کہیں کہ تم یہودی ہو جاؤ یا یہودی یہ کہیں کہ تم نصاریٰ ہو جاؤ۔ یہ بات ہرگز کیونکہ ہر فرقہ اپنے ماسوائے ہر دوسرے فرقہ کو کافر
سمجھتا ہے اور اپنے ہی آپ کو حق بجانب سمجھتا ہے۔ تو لہٰذا یہودی یہ کہتے تھے کہ تم یہودی ہو جاؤ تمہارے لیے ہدایت ہوئی اصل یہی راستہ ہے۔ اور یہودیوں نے اپنے راستے کو
کامل بتلایا۔ ان میں ہر فرقے کا یہی خیال تھا جو ہمارا مذہب ہے ہمارا بھی یہ ہی مذہب ہے لیکن ان تمام فرقوں کا مذہب باطل تھا۔ اور شرک میں مبتلا تھے اور حضرت ابراہیمؑ کی بزرگی
کا ہر فرقہ قائل ہے۔ اب لفظ مِلَّةِ کا نسب پر چار قول ہیں معنی کے اعتبار سے اس کا عطف کُوْنُوا هُوْدًا او نَصَارٰى پر ہے۔ تو مذہب یہودیت کا اتباع آپ فرمادیجئے کہ میں

Marfat.com

مذہب ابراہیمؑ کا اتباع کرتا ہوں۔اس کا نصب اس واسطے ہے یہودیوں سے فعل محذوف ہے اصل عبارت یوں ہے بَل مِلَّةَ ابراهيم اسکی تقدیر یہ ہے: تكُونُ بَلْ مِلَّةَ ابراهيم پس ہم ابراہیمؑ کی ملت کو مانتے ہیں۔اور مضاف کو دور کر دیا گیا ہے اور مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام کر دیا گیا ہے جس طرح سئل القريه میں یعنی اهل القريه اس کی اصل یہ ہے کہ بِل مِلَّة ابراهيم اور زجاج نے اس کو مِلَّةِ ابراهيم پڑھا ہے یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے ہماری ملت ابراہیمؑ کی ملت ہے اس بات کا اختیار ہے خواہ اسکو مبتدا کہو یا خبر۔اور اس کے اندر دو مسائل ہیں۔اصل لغت کے اندر حنیف کے دو قول ہیں۔حنیف کے معنی سیدھے اور مستقیم کے ہیں۔جیسے لنگڑے کو بھی احنف کہتے ہیں جس طرح مار گزیدہ کو سلیم اور جنگل کو ہلاکت کی جگہ سے مغازہ کہتے ہیں جو شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا اور دوسرے تمام ادیان سے اعراض کیا تو اس کو حنفیہ کہتے ہیں حضرت امام باقر کا قول ہے حنیف کے معنی مائل کے بھی آتے ہیں اس لیے اس کو تحنف کہتے ہیں کہ لنگڑے آدمی کو چلتے وقت اس کا ایک قدم دوسرے قدم کی طرف چلنے میں مائل ہوتا ہے۔اور تحنف کے معنی بمعنی مائل ہونے اور جھکنے کے آتے ہیں۔حضرت ابراہیمؑ بھی اللہ تعالیٰ کے احکام کے آگے جھک گئے تھے اور حضرت ابراہیمؑ اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف ان کو میلان تھا اور اسی کی طرف وہ جھکتے تھے۔یہود اور نصاریٰ سے بے زار تھے اور مفسرین نے اس میں کئی عبارات فرمائی ہیں حضرت ابن عباسؓ اور حضرت حسنؓ اور مجاہد کا یہ قول ہے کہ حقیقت میں بیت اللہ کا حج کرنا مراد ہے۔مجاہد کا یہ قول ہے حقیقت کے معنی حق کا اتباع کرنے کے ہیں حضرت امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ اے یہودی اے نصاریٰ میرا باپ حضرت ابراہیمؑ وہ تھا جو حق کا اتباع کرتا اور ہمیشہ حق پر رہا اور یہودیت اور نصرانیت سے بیزار تھا اس لیے ان کو حنیف کہا گیا ہے۔عاصم یہ کہتے ہیں کہ اس کے معنی اخلاص عمل کے ہیں تقدیر عبارت یوں ہے بَلْ نَتَّبِعُ اِبْرَاهِيْمَ وَالَّتِيْ هِيَ الْقَوَاعِد حضرت امام باقر نے بھی یہ فرمایا کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ ابراہیمؑ سوائے توحید کے کسی مذہب پر نہ تھے جو یہودی اور نصاریٰ ان کو اپنی اپنی طرف منسوب کرتے ہیں حنيفا کے نسب میں دو قول ہیں زجاج کہتے ہیں کہ اس کا نسب حال پر ہے یعنی ابراہیمؑ سے حال واقع ہے۔اصل عبارت یوں ہے بَلْ مِلَّةِ ابراهيمُ الحنيف پس جب الف لام ساقط ہو گیا تو نکرہ معرفہ کے تابع نہ رہا۔اس سے منقطع ہو کر منسوب ہو گیا یہ کوفہ کے نحویوں کا قول ہے۔اور وما كانا من المشركين کے اندر چند صورتیں ہیں۔نمبر ۱۔اس میں متنبہ ہے کہ یہود اور نصاریٰ کے اندر شرک پایا جاتا ہے اور یہودی حضرت عزیرؑ کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہتے تھے اور نصاریٰ حضرت عیسیٰؑ کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا مانتے ہیں۔یہ شرک ہے۔نمبر ۲۔حنیف اس شخص کو کہتے ہیں جو حضرت ابراہیمؑ کی اتباع کرے چونکہ حضرت ابراہیمؑ احکامات دین کے اندر پورے طور پر بجا آوری فرماتے تھے۔مثلاً حج کرنا اور ختنہ کرنا یہ بھی حدیث میں ہے۔حضرت ابراہیمؑ نے ایک سو پچیس برس کی عمر میں ختنہ فرمایا۔حضرت امام باقر فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے چونکہ حضرت ابراہیمؑ اپنی نبوت کو احکام کے طور پر فرماتے تھے۔اور نبی پاک ﷺ نے اپنی نبوت کا استدلال اپنے معجزہ قاہرہ سے ثابت فرماتے تھے جو آپ کے دست مبارک سے ثابت ہوتے تھے یاد رہے کہ حضرت امام باقر فرماتے ہیں کہ مخالف کے سامنے حجت کے طور پر معاوضہ کرنا کوئی حرج نہیں چونکہ فی نفسه دلائل قائم کرے اس کی نظیر اس آیت میں ہے وما انا من الْمُشْرِكِيْنَ حُنَفَاءَ لله غَيْرَ مُشْرِكِيْن به مناظرہ کے اندر ایسی دلیل پیش کرتے ہیں جو ان کے قول کو نقص اور ساقط کر دے تو درست ہے اگر چہ حجت فی نفسہ قائم نہ ہو سکتا ہو اسی آیت سے اس کی نظیر ہے جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔اسی طرح نبی پاک ﷺ اپنی نبوت کا استدلال سے بیان نہیں فرماتے بلکہ معجزہ قاہرہ سے بیان فرماتے ہیں آپ کی نبوت معجزہ قاہرہ سے صحت ہوتی تھی جب آپ اپنی نبوت کو قائم فرما دیتے، حجت قائم ہو جاتی تو وہ بھی اپنے خیالات باطلہ سے باز نہ آتے اگر کوئی اس پر اعتراض کرے کہ جب یہود اور نصاریٰ کو یہ معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیمؑ تثلیث کے قائل ہیں۔اور حضرت عزیرؑ کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا نہ جانتے تھے تو یہود اور نصاریٰ حضرت ابراہیمؑ کو اپنی طرف کیسے منسوب کرتے جبکہ وہ تثلیث کے قائل ہیں اور یہودی حضرت عزیرؑ کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہتے ہیں یہ بات تواتر سے ثابت ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نہ تثلیث کے قائل ہیں اور نہ عزیرؑ کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہتے تھے وہ اس مشرک باطلہ سے بیزار تھے جس کی تصریح مذکورہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرما دی ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: قُولُوا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَا اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَا اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۔(۱۳۶)

ترجمہ: کہو ایمان لاؤ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو ہماری طرف نازل کی گئی ہے اور اس کے ساتھ جو ابراہیمؑ کی طرف نازل کی گئی ہے اور اسماعیلؑ اور اسحٰقؑ اور یعقوبؑ اور ان کی اولادیں اور جو دیا گیا ہے موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کو دیا گیا ہے جو انبیاء علیہ السلام کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا ہے ہم ان کے درمیان کسی ایک میں فرق نہیں کرتے

Marfat.com

اورہم ان کے لیے فرماں بردار ہیں۔
جاننا چاہیے حضرت امام باقر اور ابی بن کعب اور سدی بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا پہلی سورت میں اللہ تعالیٰ نے اس سے مجادلہ فرمایا اب برہان کے طور پر
ہے کہ انبیاء علیہ السلام کے معجزات کو تم دیکھ چکے ہو آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے جو معجزات ان کو دکھائے ہیں وہ تمام انبیاء کی مثل زاکر ہیں تو ان کو چاہیے تھا کہ اپنے مذہب باطلہ
کو ترک کر کے میرے مذہب پر ایمان لائے جو میرے معجزہ قاہرہ سے دیکھ چکے ہیں فرمایا بعض نبی پر ایمان لانا اور بعض انبیاء سے انکار کرنا کفر ہے فرمایا ایک نبی کا انکار تمام انبیاء کا
انکار لازم آتا ہے بس فرمایا یہ عقل بھی تسلیم نہیں کرتی۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں یارسول اللہ ﷺ جب ان کی شریعتیں منسوخ ہو چکی ہیں تو آیت کے اول سے آیت کے آخر تک ان پر
ایمان لانا لازم ہو چکا ہے۔ اس کا کیا مقصد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس آیت کا یہ مطلب ہے کہ ان کی شریعتیں اپنے اپنے زمانے میں برحق تھیں۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ
نے ان کو حجت کو طور پر فرمایا ہے۔ کہ جیسا تم شرک کر چکے ہو اور تم مذہب باطلہ کی طرف سے میرے حبیب ﷺ اور ان کی امت کو دعوت دیتے ہو۔ مجھے حکم ہوتا ہے کہ تم بھی فرمادو
اپنی امت کو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایمان لاؤ فرمایا اس میں میری امت کو حکم عام ہے۔ ان کو تخصیص نہیں ہے۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ ایمان لانے کا مقدم اس لئے
فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایمان لانا اول فرض ہے۔ کتابوں اور انبیاء اور ان کی صفت یہ تمام امور بعد میں ہیں۔ اس حدیث میں اس فرقہ کا بھی رد ہے جو یہ کہتا ہے کہ کتاب اللہ کی
معرفت سنت سے ہونی چاہئے۔ یہ غلط ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا مقدم ہے اب اس آیت کے اندر اثبات کا ذکر ہے اس بات پر تمام آئمہ کا اتفاق ہے حسنؓ اور حسینؓ کو نبی
پاک ﷺ کی اولاد کہا جاتا ہے۔ اسی طرح یعقوبؑ کی اولاد اور ان کی اولادوں کی اولاد کو بھی ان کی اولاد کہا جاتا ہے اوپر والی حدیث حضرت حسن اور ابن عباسؓ نے بھی اپنی اپنی
تفسیروں میں بیان کی ہیں لَا نُفَرِّقُ کے اندر تفریق کو اور عدم تفریق کو یوں بیان کرتے ہیں کہ ان کے اندر ہم کسی قسم کا فرق نہیں کرتے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ دین کے اصول میں ان
کا اختلاف تھا۔ یعنی اصول اور فروغ پر ان سب کا اتفاق تھا۔ جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَكُمْ مِنَ الَّذِيْنَ اِلىٰ آخِرِهٖ پہلے سورت میں آیت سے ساتھ زیادہ سیاق ہے۔ وَنَحْنُ لَهٗ
مُسْلِمُوْنَ کے اندر یہ ہے نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ تم کہو کہ ہم دین حق میں صحیح معنوں میں فرمانبردار ہیں اور انبیاء کے اندر ہم تفرقہ نہیں کرتے ان کے تمام ادیان حق تھے اور تم
ان ادیانوں پر رجوع کرتے ہو اور ہمارے نبی کے معجزہ قاہرہ کو دیکھا ہے۔ جس طرح دوسرے انبیاءؑ دکھاتے تھے۔ انھوں نے ان سے بھی زیادہ معجزات دکھائے ہیں تو تم اپنی
خواہشوں کے فرماں بردار ہو اور دین حق کی مخالفت کرتے ہو۔ اور ہم اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق اس کے فرماں بردار ہیں جو جو اس نے نازل فرمایا ہے ہم اس کو برحق سمجھتے ہیں۔

قال اللہ تعالیٰ: فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ط (۱۳۷)

ترجمہ: "پس اگر یہ ایمان لائیں اسی مثال کے ساتھ جیسے تم ایمان لائے ہو پس ان کو ہدایت ہوگئی پس اگر وہ ان سے پھریں تو یقیناً وہ ظاہراً اختلاف میں ہیں پس عنقریب ان
کے مقابل اللہ تعالیٰ تیرے لیے کافی ہے اور سننے اور جاننے والا ہے جاننا چاہئے"

حضرت امام باقر فرماتے ہیں رسول کریم ﷺ نے فرمایا یہودیوں سے کہ یہ جو آیت مجھ پر نازل ہوئی ہے اللہ تعالیٰ نے تم کو دین حق کا راستہ بتلا دیا ہے اور میرے
معجزات قاہرہ تم دیکھ چکے ہو اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ معجزہ قاہرہ سے ثابت کر دے۔ تو اس کی نبوت حق ہوتی ہے تو فرمایا کہ اب تم کو نزع اور اختلاف کرنے کی کیا صورت ہے۔ فان
اٰمَنُوْا بِمِثْلِ کے اندر ایک اشکال ہے۔ وہ یہ کہ جس طرح اہل ایمان ایمان لائے ہیں اس کی مثل ایمان لاؤ یہ چند وجوہ ہے۔ نمبرا۔ ہدایت اور کامیابی دین کے اندر منحصر ہے
جو اور کسی دین میں نہیں ہے دوسرے کسی چیز میں ہدایت اور کامیابی نہیں ہو سکتی ان کو کوئی دین مل جائے جیسا تمہارا دین لانا محال ہے اور جب محال ہوا تو ہدایت صرف دین اسلام
میں ہے اس کی مثال ایسے ہے کہ اگر کوئی شخص کسی عاقل شخص کی طرف اشارہ کر کے بیان کرے کہ تو مجھے یہ رائے بتلا۔ وہ یہ سمجھتا ہو کہ اس کی رائے کے موافق دوسرا کوئی شخص نہیں
بتلا سکتا۔ زیادہ ثواب اسی کی رائے میں ہے۔ تو اسی کو کامل سمجھتا ہے اور ثواب اسی میں سمجھتا ہے وہ شخص یہ کہہ دے کہ کسی اور کی رائے طلب کر لو وہ یہ کہے کہ مجھے آپ ہی کی رائے
کے اندر جواب معلوم ہوتا ہے تو وہ مخاطب کی دل جمعی کرتا ہے اور اس پر قائم رہتا ہے اور اس سے بھی یہ ہے۔ اس دین اسلام پر قائم رہنا چاہئے کہ جس کے ہاتھ سے معجزہ قاہرہ
ثابت ہو چکے ہیں اس کی نبوت کا اقرار کرنا فرض ہے جو دین کے مغائر ہو۔ اس میں لامحالہ تناقص ہوگا۔ تناقص سے غیر تناقص کامل ہوتا ہے مثل کا لفظ کلام عرب میں صلہ کے لیے آیا
کرتا ہے جیسے لَيْسَ مِثْلِهٖ شَيْئٌ اللہ کی مثل کوئی چیز نہیں اگر وہ قرآن پر ایمان لائیں اس میں تحریف نہ کر لینا تو تم اسلام پر قائم اور دائم ہو جاؤ گے۔ کیونکہ قرآن پر ایمان لانا
نبی پاک ﷺ نے فرمایا فرض ہے جیسا کہ قرآن پر میں اور میری امت قائم ہے قرآن میرے اور اللہ تعالیٰ کے لیے تمام انبیاء اور تمام کتب کے ثابت کرنے کے لیے قرآن دلیل اور

Marfat.com

اصل بنیاد ہے۔ اللہ تعالیٰ کی توحید اور اللہ تعالیٰ کا وجود اور انبیاءؑ کی نبوت اور تمام کتابوں کی تصدیق قرآن سے ہوتی ہے۔ حضرت امام باقر فرماتے ہیں یہ حدیث صحابہؓ کے مجمع میں بیان ہوئی۔ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ جب وہ تورات پر ایمان لائیں گے ان کو میری نبوت کی حقانیت معلوم ہو جائے گی۔ اس کے یہ معنی ہوں گے جیسے تم ایمان لائے ہو اگر وہ بھی ویسے ایمان لائے ہیں تو ہدایت پر ہو جائیں گے پس یہ تمثیل دونوں کے ایمان اور تصدیق میں ہے تفسیر طبری میں ہے کہ ابن عباس فرماتے ہیں اس طرح مت کہو کہ اللہ مثل نہیں بلکہ یوں پڑھو فَاِنْ اٰمَنُوْا بِالَّذِیْ حضرت امام باقر فرماتے ہیں کہ معنی کی وجہ سے اگر اشکال ہو تو ہم قرأت متواتر کو ترک نہیں کر سکتے ورنہ اس قاعدہ کے موافق تمام شبہات متشبہات کو بدل ڈالیں پس اس کا جواب یہ ہے۔ حضرت امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ جس نے ہدایت کو قبول کر لیا۔ وہ ہدایت پر ہوگا۔ مَا اٰمَنْتُمْ کے یہی معنی ہیں وہ اللہ تعالیٰ اور اس کی انبیاءؑ اور اولیاء کی حق میں داخل ہوگا۔ اس سے پہلے ہدایت موجود تھی اور اس سے ہدایت یابی مراد ہے جو اللہ تعالیٰ نے دلائل سے ان کو بیان فرمایا ہے پس اس میں بطور اجر فرماتا ہے اگر انھوں نے مخالفت کی اور فَاِنَّمَا هُمْ فِیْ شِقَاقٍ کے اندر دو بحثیں ہیں بحث اول شقاق کے معنی بعض اہل لغت نے یہ کیے ہیں۔ شقاق کا اخذ شق ہے جو شخص مخالفت کرتا ہے وہ دوسرے شق میں ہو جاتا ہے۔ اور جو شخص اسلام سے نکل جائے اس کو بھی شق عصاء المسلمین کہتے ہیں اسی نظیر کی مثل ہے کہ دوسری ضمیر ہو جانا اور اسی کی نظیر سے استفادہ کیا ہے یعنی دوسرے گروہ سے ہو جانا اور علیٰ ہذا القیاس مجانبت ہے۔ یعنی دوسری جانب ہو جانا اور اسی کی نظیر سے استفادہ کیا ہے یعنی شق مشقت سے ہے جیسے کوئی شخص کسی کے ساتھ اختلاف کرتا ہے اور دشواری ہو جاتی ہے۔ اور وہ مشقتیں اٹھاتا ہے جیسے اس آیت میں ہے۔ وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ پس اگر تم ان دونوں میں مخالفت کے خواہاں ہو ظاہر یہ کہ مخالفت ایک دوسرے کے لیے مخالفت اور ایذا رسانی کے درپے ہوتا ہے۔

دوسری بحث:

اگر انہوں نے اس ہدایت کو قبول نہ کیا تو اس میں منافقت ہے ہر ذی عقل کے نزدیک مناقضب باطل ہے تو نقص کی مناقضت لازم آئے گی کیونکہ نقص کے خلاف مناقضت بھی نقص ہے بس ان کی مخالفت عداوت جھگڑا ہے اور اس میں مفسرین کی کئی قول ہیں حضرت ابن عباس فرماتے ہیں۔ جب انہوں نے حق کے ساتھ مخالفت کی تو یہ ان کی مخالفت ان کے لیے گمراہی کا سبب ہوئی اور عبیدہ اور مقاتل رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ فِیْ شِقَاقٍ کے معنی یہ نہیں کہ وہ گمراہی میں ہے ابن زید کہتے ہیں اس کے معنی منازعت اور مجاریت کے ہیں حضرت حسن کہتے ہیں کہ یہ معنی عداوت کے ہیں اور قاضی نے بیان کیا ہے کہ اس عداوت کو جو بوجہ حق کے ساتھ مخالفت کے ہو اس کو شقاق نہیں کہتے بلکہ اس مخالفت عظمیہ کو شقاق کہتے ہیں۔ جس کی وجہ سے وہ عداوت کر کے بوجہ مخالفت اللہ تعالیٰ کی لعنت اس کے غضب اور جہنم کا مستحق ہوتا ہے۔ یہ قول اس بات کی وعید ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے مخالفت اور عداوت رکھتے ہیں پھر وہ برائی کے منتظر رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کے مکر سے محفوظ رکھا۔ اور مومنین کو بھی مکر سے محفوظ رکھا جو ان کے ساتھ حفاظت کا وعدہ فرمایا ان کو پورا کیا مسلمانوں کو اعلیٰ حکومت عطا فرمائی۔ یہود اور نصاریٰ کو مغلوب کیا اور ان کے ہاں کا ان کو مالک بنایا متکلمین کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے لیے اضیار عین الضیب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے شر سے آپ کو محفوظ رکھا اور آپ ﷺ کی دل جمعی فرمائی اس سے آپ کی تصدیق ہوتی ہے جس طرح آپ نے فرمایا اس طرح ظہور میں آیا ان مسلمانوں کے پنجہ سے چھوٹنا مشکل ہے کہ یہ نبی کا معجزہ ہے اور بے دین اس معجزہ سے انکاری نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ آپ کو فرماتا ہے کہ آپ صبر فرمایئے۔ اگر کوئی یہ کہے کبھی ایسا ہو سکتا ہے کبھی بھی نہیں۔ اور ہم یہ کہتے ہیں کہ نبی کی شان میں کذب محال ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ ایسی خبر محمد ﷺ کو خواب میں ہو سکتی ہے یا نجومی بھی ایسی غیب کی خبریں دیتے ہیں ہمارا مدعا اس سے یہ نہیں کہ اس سے نبوت کا ثابت ہونا اسی معجزہ سے ہے بلکہ ایسی خبریں تو ان کے اندر تفصیلاً ہیں یعنی اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کی دل جمعی فرماتا ہے کہ آپ ﷺ انتظار فرماتے رہیں کہ اللہ تعالیٰ فیصلہ کرنے والا ہے وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ کے اندر دو احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ جو کچھ کرتے ہیں آپ کی مخالفت کرتے ہیں۔ اس کا تدارک فرمانے والا ہے اور قیامت کے دن ضرور ان کو ان کا بدلہ دے گا۔ وہ اس کو بھی جانتا ہے جو ان کی زبان پر ہے۔ اور جو ان کے دل میں ہے دوسرا یہ ہے کہ اے حبیب ﷺ آپ انتظار کریں اور دعا فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی دعا کو پورا کرنے والا ہے۔ اور آپ کی دعا کو پورا کرے گا۔

سمیع کے اندر ہمارے علماء نے یہ کہا ہے کہ اس کا علم بالسموعات سے زائد ہے۔ اس واسطے کہ علم مبالغہ کا صیغہ ہے پس عام معلومات کے علم کو شامل ہے۔ اگر اس کا سمیع ہونا بالسموعات سے عبارت کو اور تکرار لازم آئے گا۔ اور تکرار جائز نہیں ہے۔ پس معلوم ہوا کہ سمیع ہونے کی صفت علم ہونے کی صفت پر زائد ہو۔

Marfat.com

قال اللہ تعالیٰ: صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ۔ (۱۳۸)

ترجمہ: اس کے رنگ سے کون اچھا ہے اور ہم اس کی عبادت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کو روشن فرمایا ہے اور اس سے بڑھ کر اور کوئی چیز محکم نہیں۔

اس میں چند مسائل ہیں صبغ کے معنی رنگ کے ہیں اور صبغ یصبغ بفتح الباء ضمہ اور کسرہ کے ساتھ تینوں طرح پر آیا ہے اس طرح صبغ مصدر صاد اور کسرہ کے ساتھ دونوں طرح آیا ہے۔ صبغ حالت کے واسطے صبغ آیا ہے جیسے جلس جلسہ اور صبغ اسی حالت کا نام ہے جس سے رنگ ظاہر ہوتا ہے۔ اس میں چند قول ہیں کہ یہودی جب اپنے بچوں کو پانی میں ڈبوتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ پاک ہو گئے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو رد کر دیا کہ تم اپنے آپ کو پانی سے پاک نہ کرو بلکہ دین سے پاک کرو جو اللہ کا رنگ ہے۔ دین کے ساتھ صبغۃ اللہ کی چند وجوہات ہیں۔ چونکہ نصاریٰ ان کو زرد کے پانی سے غوطہ دیتے تھے۔ اپنی اولادوں کو اور کہتے تھے کہ اب انسان پاک ہو گیا۔ اور وہ نصرانی ہو گیا۔ ان کا جواب یہ ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم دین اسلام کا رنگ طلب کرو اور ان رنگوں کو مت طلب کرو اور اس میں مخاصمت ہے اور مقابلت ہے جس طرح کوئی شخص درخت کو بوئے اور کہے کہ تم بھی اسی کی مانند درخت بوؤ۔ اسی کی نظیر اس آیت میں ہے اِنَّمَا نَحْنُ مستهزون ان المنافقين اور مكروا مكرالله وجزاء سيئة ان تسخر ويعني جیسے نصاری یہود اپنی اولادوں کو ان باتوں کی تلقین کرتے تھے تا کہ ان کے دل میں یہ محبت پیدا ہو جائے ابی قتادہ فرماتے ہیں کہ جیسے کوئی شخص کہے کہ فلاں چیز کو رنگ دیا گیا۔ یا جیسے کپڑوں کے اوپر رنگ جذب ہو جاتا ہے۔ دین کے ساتھ رنگ کو اسی لیے تعبیر فرمایا جس طرح کپڑے سے رنگ ظاہر ہو جاتا ہے۔ اور اسی طرح دین دار کے چہرے سے بھی دین کا رنگ ظاہر ہو جاتا ہے۔ جیسے اس آیت میں ہے۔ ان کے چہرے پر اثرات ہیں اور سجدے کے نشانات ہیں۔ جس دین کو اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے۔ اس کو اصل باطن نے اختیار کیا ہے۔ فرق بین ہے آنکھوں سے نظر آجاتا ہے۔ جس طرح ایک رنگ کو دوسرے رنگ سے امتیاز کیا جاتا ہے۔ صبغة الله سے فطرة الله مراد ہے۔ جیسے ارشاد ہے فطرة الله التی انسان اپنی فطرت پیدائش کے اعتبار سے ان کو حدوث لازم ہے۔ وہ بوجہ انکساری اور عجز کے ہے۔ پس یہ آثار ان کے لئے علامات رنگ کے ہیں۔ اس کو قاضی نے کہا ہے کہ فطرة الله جن لوگوں نے صبغة الله بمعنی دین کے کئے ہیں۔ ان کا قول کے قریب قریب ہے۔ اٰمنا بالله سے جو چیز مراد ہے وہی چیز مراد ہے۔ حضرت امام باقر اور ابی بن کعب فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایمان لانا۔ اور اس کے دین میں مکمل رہنا۔ یہی اس کے لیے رنگ ہے تو ایسا دین اور ایمان اللہ کے سوا کون عطا فرماتا ہے۔ تو یہ ومن احسن کی تفسیر ہے۔ فرمایا کہ ہم پھر اسی کی عبادت خالص کرتے ہی اس حدیث کے بعد کسی اور تاویل کی ضرورت نہیں۔

قال اللہ تعالیٰ: قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِی اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ۔ (۱۳۹)

ترجمہ: اے حبیب ﷺ فرما دو کہ تم اللہ کی شان میں جھگڑا کرتے ہو وہ تمہارا رب ہے اور ہمارا رب ہے اور تمہارے لیے تمہارے اعمال اور ہمارے لئے ہمارے اعمال ہم تو اس کے لیے مخلص ہیں۔

جاننا چاہئے امام باقر فرماتے ہیں جب یہ آیت نازل ہوئی نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ یہودی یہ کہتے ہیں کہ سوائے ہمارے نبوت کسی پر نہیں آسکتی تھی۔ کیونکہ بیشتر انبیاء ہمارے ہوئے ہیں۔ اور کتاب سوائے ہمارے کسی پر نہیں اتر سکتی اور ہم اللہ کے زیادہ مقرب ہیں اور ہم اس کے بیٹے ہیں اور اس کے دوست نہیں۔ نصرانی یہ کہتے تھے کہ جنت میں سوائے ہمارے کوئی نہ جائے گا یہودی یہ کہتے تھے کہ جنت میں سوائے ہمارے کوئی نہ جائے گا۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ان کا یہ مدعا کہ عرب ہمیشہ شرک میں مبتلا رہے ہیں اور نبوت ہمارے خاندان میں رہی ہے اور حضرت محمد ﷺ خاندان قریش میں غریب ہیں۔ اور نبوت ہماری وراثت رہی ہے۔ تب یہ آیت نازل ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کے اس امر میں تم کیوں جھگڑا کرتے ہو جب کہ وہ تمہارا اور ہمارا رب ہے۔ وہ جس کو چاہے نبوت عطا کر دے اس کے یہ معنی ہیں کہ تم اللہ تعالیٰ کے دین سے جھگڑا کرتے ہو۔

مسئلہ دوم:

اس میں مفسرین کے چند قول ہیں: یہ کن لوگوں سے خطاب ہے۔ یہود اور نصاریٰ سے ہے۔ نمبر ۲۔ مشرکین سے بھی خطاب ہے مکہ یا مدینہ کے کسی بڑے شخص پر قرآن کیوں نہ نازل ہوا۔ اور مشرکین عرب کو اللہ تعالیٰ سے کیا جھگڑا تھا۔ حدیث امام باقر اور ابی بن کعب فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مشرکین اور یہود و نصاریٰ کی کتنی احمقانہ

Marfat.com

بات ہے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ قرآن مکہ یا مدینہ کے رئیس شخص پر کیوں نہیں اترا حالانکہ یہ اللہ کی مرضی ہے کہ وہ اپنا کلام جس پر چاہے اتار دے۔اور جس کو چاہے نبی بنائے مشرکین نصاریٰ اور یہود اپنی خباثت میں غرق تھے۔پہلا قول یہ خطاب حدیث سے ثابت ہوا کہ مشرکین نصاریٰ اور یہود مراد ہیں اور جن مفسرین نے اس کو اختیار کیا ہے درست ہے۔مفسرین نے یہ معنی کئے ہیں۔اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کی حقیقت اور تدبیر کو خوب جانتا ہے۔اس کے علم میں ہے کہ رسالت اور نبوت کی قابلیت کس میں ہے یہ بات پہلے ہی حدیث میں ہو چکی ہے پس چاہئے کہ اپنے آپ کو اس کی ذات کے حوالے کر دینے پر پروردگار پر اعتراض مت کرو۔اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ تمہارا اور کوئی رشتہ نہیں۔بجز اسکے کہ تم اس کے بندے ہو۔وہ تمہارا مالک حقیقی اور معبود ہے۔رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ یہود اور نصاریٰ اور مجوسی صرف اس کی مخلوق ہوئے ہیں اور اس کے معبود ہوتے ہیں صرف ایک ہی رشتہ یکساں ہوسکتا ہے۔پس تم ہمارے اور پرائی جان کو کیوں ترجیح دیتے ہو؟ تم نے ترجیح کا خیال کیا تو یہ ترجیح تمہاری باطل ہوگی۔نبی پاک ﷺ نے یہود کو فرمایا کہ ہم تم سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی خالصتاً عبادت کرتے ہیں۔تم اس طور پر اس کی عبادت نہیں کرتے جس طرح ہم اس کی عبادت کرتے ہیں۔اور ہم اس کے لیے نحن له مخلصون سے یہ مراد ہے لنا اعمالنا سے ان کو نصیحت کرنا مراد ہے۔گویا اللہ تعالیٰ نبی پاک ﷺ سے ارشاد فرماتا ہے کہ تم ان کو فرما دو کہ تمہارے افعال واعمال اور مشقت سے مجھے کچھ تکلیف نہیں۔حضرت حسن فرماتے ہیں کہ ہمارے نانا حضور اکرم ﷺ پر یہ آیت نازل ہوئی۔آپ نے یہودیوں کو فرمایا کہ تم مجھے کچھ تکلیف نہیں پہنچا سکتے ہو۔میں نے اپنی حجت تم پر تمام کر دی اور قرآن بھی تم پر اپنی حجت تمام کر چکا ہے تا کہ تم سے ضرر دفع ہو جائے۔بلکہ میں تمہاری خیر خواہی اور بہتری چاہتا ہوں۔انسان کی بات اپنے قدر اور اعتبار واعتماد سے مکمل ہے کہ اس کو دنیا سے کوئی غرض نہ ہو۔اگر اس کا قول غرض دنیوی پر مبنی ہوتا ہے تو دل میں اس کے قول کا اثر نہیں ہوتا۔جس بات سے غرض مطلوب نہ ہو تو اس بات کو کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا نہ اس کام میں کوئی فائدہ ہوتا ہے۔اس سے رکنا چاہیے جس سے خوف ہوتا ہے۔اور اس کی بات کو غور وفکر کرنا چاہئے اور حق کو قبول کرنا چاہئے جیسے کہ خلاص کے معنی پہلے بیان ہو چکے ہیں۔

قال اللہ تعالیٰ: اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ۔(۱۴۰)

ترجمہ: "تم کیا کہتے ہو کہ یعنی ابراہیم، اسماعیل، یعقوب اور ان کی اولادیں یہود ونصاریٰ تھے۔اے حبیب ﷺ فرما دو کہ کیا تم جانتے ہو۔یا اللہ کو زیادہ علم ہے؟ کون زیادہ ظالم ہے اس شخص سے جو گواہی چھپاتا ہے جو اللہ کے ہاں کے ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے نہیں غافل جو تم کرتے ہو"

جاننا چاہئے کہ عامر حمزہ اور نسائی نے حاضر صیغہ کے ساتھ پڑھا ہے اس کی ضمیر صیغہ حاضر کے ساتھ موصوف ہے۔ارشاد فرماتا ہے کہ تم ہم سے جھگڑتے ہو یا یہ کہتے ہو۔باقی قراء نے غیب کے صیغہ کے ساتھ پڑھا ہے اور وہ ضمیر غیب کی طرف راجع ہے۔پس پہلی تقدیر اَمْ متصل ہوسکتا ہے۔اور دو حجتوں میں سے کون سی حجت اختیار کرتے ہو؟ اس لیے ارشاد فرماتا ہے کہ دین کا اتباع کرتے ہو اگر منقطع ہو تو بھی بَلْ کے ہوگا۔پہلی تقدیر یہ ہے کہ اگر ضمیر غائب کی طرف راجع ہو تو اَمْ منقطع ہوگا۔دوسرے اس کے معنی منقطع ہو کر دوسری حجت کا بیان شروع ہو گیا اگر یہ یہود ونصاریٰ انبیاء کے موجد ہیں یا اللہ تعالیٰ ان کا موجد ہے۔اللہ تعالیٰ ان کو تنبیہ فرماتا ہے کہ انبیاء کا موجد میں ہوں یا تم ہو؟ تو تم خواہ مخواہ اپنی مرضی کو حجت کیوں بتاتے ہو؟ اللہ تعالیٰ نے نبی پاک ﷺ کی نبوت بذریعہ معجزہ قاہرہ کے ثابت ہو چکی ہے۔اور آنحضرت ﷺ کی نبوت اور معجزہ قاہرہ سے ان کا کذب ثابت ہوگا۔

نمبر۲۔ تم تورات اور انجیل اور زبوران تمام کو مسخ کر چکے ہو جو نبی پاک ﷺ کی نبوت اور آپ کے معجزات کا ذکر تھا پس وہ یہودیت نصرانیت پر کس طرح ہو سکتے ہیں۔

نمبر۳۔ ان لوگوں نے جب ان کی مخالفت کی تو رات انجیل کی تحریف کی تو ان کی زجر وتوبیخ ہوئی اور چونکہ یہ قول ضعیف ہے۔ان کو سزا مراد ہے تا کہ ان کو اپنی خوبی معلوم ہو جائے۔نبی پاک نے فرمایا یہ جو ارشاد ہے ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ یعنی اللہ تعالیٰ کا علم وسیع اور بے حد ہے۔اور ان کا بیان حق ہے اللہ تعالیٰ نے میری زبانی اور قرآن کے حقیقت سے ان کی یہ بات واضح کر دی ہے کہ وہ اللہ کے دین اسلام پر قائم ہیں اور نہ وہ یہودی تھے نہ وہ نصاریٰ تھے نہ وہ مشرک تھے۔چونکہ انھوں نے بے ہودہ مذہب باطلہ کو اختیار کر رکھا ہے۔لیکن آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ اس بات کو جانتے ہیں اور حق کو چھپاتے ہیں اس کا یہ جواب ہے جو لوگ اس بات کے قائل ہیں۔جس کی خبر اللہ تعالیٰ نے دی ہے اور اس امر کا اقرار نہیں کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے پس تمہارا یہ اقرار گویا کہ اس کے یہ معنی ہوئے وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً اس کے تین معنی کئے گئے ہیں اس آیت کے معنی پر کس وجہ سے اعتراض لازم آئے گا یہ بات یوں ہے کہ وَمَنْ اَظْلَمُ عندہ جس طرح کوئی ہے۔

Marfat.com

وَمَنْ اَظْلَمُ زَیْدٌ اس میں تقدیم اور تاخیر پائی جاتی ہے اور تقدیر کی عبارت یوں ہے کہ ان کے لیے یہودی اور نصاریٰ تھے اللہ تعالیٰ نے اس گواہی کا گمان کیا تو یہ نعوذ باللہ بڑا ظلم ہوا۔ اور کسی گواہی کا کتم لشھادۃ اس واسطے اللہ کی جناب میں یہ امر محال ہے اس واسطے کہ ظلم اور جھوٹ سے پاک تو معلوم ہوا کہ اس سے چھپانے والا ظالم نہیں ہوسکتا۔ لیکن یہود اور نصاریٰ سے حکم ہے کہ اگر تم نے اس گواہی کو چھپایا تو تم سے اور کون ظالم ہوگا۔ پس من اللہ کا تعلق قول اول کے موافق کے چھپانے والے نہیں تھے۔

نمبر۲۔ اس کے معنی یہ نہیں یعنی اللہ تعالیٰ ساتھ ہے فرماتا ہے کہ اس سے زیادہ کون ظالم ہے جس سے گواہی موجود ہو۔ اللہ کے سامنے چھپائے۔ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ یہی وجہ ہے قیامت کے دن انسان کا ہر عضو کلام کرے گا اور اس کے خلاف گواہی دے گا اور بیان لانے والے کے ساتھ اور قول دوم کی موافق مقتوم ہوا ہے معنی یہ ہیں اس سے زیادہ ظالم کون ہے جو اللہ کی گواہی کو چھپائے اور اس سے انکار کرے اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی کہے کہ عندی نقری میرے نزدیک یہ چیز موجود تھی۔ لیکن میں نے اس کا جان کر ظاہر نہ کیا۔

نمبر۳۔ مَنْ شَھَادَۃً کا صلہ واقع ہوا ہے مَنْ حُجَّتِک وَمَنْ عِنْدَکَ یہ جو ارشاد ہوا ہے۔ وَمَا اللّٰہُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ہر قوم کی وعید کے لیے جامع ہے۔ یعنی جو شخص اس بات کا تکرار کرے شھادت من سمعھا منک و شھادۃ جانتے ہوئے کوئی پوشیدگی نہیں ہے۔ اور اس نے نیکی اور بدی کے لیے جزا اور سزا کا فیصلہ فرمایا ہے تو وہ شخص ہر وقت لرزاں اور ترساں بھی رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ تمام ظاہر اور باطن کو جانتا ہے اور جو ہر سانس کی کیفیت بادشاہ کو خط لکھتا ہو تو اس کو خوف وخطر رہتا ہے کہ مجھ سے کوئی غلطی نہ ہو جائے۔ جس کی وجہ سے میں سزا کا مستحق نہ ہو جاؤں۔ باوجودیکہ وہ نگاہ بان سوائے ظاہری حالت کے اور کچھ نہیں جانتا پس وہ آدمی بادشاہ کی طرف سے فصیح نگہبان دلوں کے بھید اور اس سے بھی زیادہ پوشیدہ چیز کو جانتا ہے۔ میں تمہارے عمل سے باخبر ہوں۔

قال اللہ تعالیٰ: تِلْکَ اُمَّۃٌ قَدْ خَلَتْ ج لَھَا مَا کَسَبَتْ وَلَکُمْ مَّا کَسَبْتُمْ ج وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ۔ (۱۴۱)

ترجمہ: یہ لوگ گزر چکے ہیں جو انھوں نے کمایا اور تمہارے لیے جو تم کماؤ گے اور تم سوال نہ کیے جاؤ گے۔ جو وہ کرتے تھے۔

جاننا چاہیے کہ انبیاءؑ کے بارے میں یہودیوں کے قول کا رد فرمایا۔ اور ان کے گفتگو کا موقف دیا اور انھوں نے بے پرواہی کی اس وجہ سے ان کے اعمال کی پرسش ہوگی۔ کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ وہ ہم تک اپنے باپ دادا کی فضیلت بیان کرتے ہیں اور اپنے آپ کو یعنی جنت کے جانے کا مستحق سمجھتے ہیں ہر شخص اپنے عمل کے اعتبار سے متغیر ہوتا ہے یعنی ایک شخص کے اوپر ایک چیز فرض ہوتی ہے جو دوسرے پر فرض نہیں ہوتی۔ اگر کوئی اعتراض کرے کہ دین کے اندر مثلاً نماز روزہ عمل ہیں تو سب یکساں ہیں تو اس میں تمہارا یہ کہنا کیسے درست ہوگا جواب کہ نبی کریم ﷺ ایک ملت کو دوسری ملت کی طرف منتقل کر دیں تو یہ عمل قابل اعتراض نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاءؑ کی احسن طریقہ سے فضیلت بیان فرمائی۔ ان کی فضیلت سے ہمارا کام نہیں چل سکتا۔ بلکہ ہر انسان کے عمل کی پرسش ہوگی۔ پس یہ کہنا کہ ہم انبیاء سابقہ کے طریقے پر چلنے والے ہیں یا ان کی اولاد ہیں کیونکہ ان میں ان کے اعمال کو کوئی فائدہ نہیں دے سکتے۔ چاہے وہ اچھے ہوں یا برے وہ ان تک محدود نہیں اور اگر کوئی اعتراض کرے کہ یہ آیت دوبارہ کیوں نازل ہوئی تو اس کے دو جواب ہو سکتے ہیں۔ نمبر۱۔ اولاً حضرت محمد ﷺ کے زمانے کے یہودی اور ان کے اسلاف مراد ہیں بعض نے اس قول کو بعید کہا ہے اس واسطے یہود و نصاریٰ ابراہیمؑ کی اولاد کو یہودی بتلاتے تھے اور اپنے اسلاف کو یہود کے طریقہ پر بتلاتے تھے کہ وہ اسی طریقے پر موجود تھے اس امر کی حقیقت واضح دلیل میں یہ کہنا درست ہوا نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ یہ اسلاف یہودی اور یہ یہودی اس آیت کے اندر مراد ہیں۔ جب حقیقت مختلف نہ ہو تو حالات مقامات اور تکرار نہیں ہوتے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ لوگ جو پہلے گزرے ہیں وہ اپنی اپنی شریعتوں اور دین پر قائم ہیں۔ ایسے امور میں باپ دادا کی تقلید دور نہیں ہوتی پس جس شریعت پر محمد ﷺ بلاتے ہیں تم اس میں غور وفکر کرو۔ یہ تمہارے لیے بہتر ہے تمہارے حق میں انجام وہی نجات کا سبب ہوگا جو تم حضور اکرم ﷺ کے فرمان پر عمل کرو گے جو تمہیں ارشاد فرمائیں۔ ان میں ذرا فرق نہ کرو تو وہی تمہارے حق میں بہتر ہوگا۔

تمت بالخیر

Marfat.com

قارئین سے التماس

قارئین سے التماس ہے کہ اس کتاب میں کوئی لفظی یا اعرابی غلطی رہ گئی ہو تو برائے مہربانی ادارے کو مطلع کر کے اپنا دینی فرض ادا کریں تا کہ ادارہ اگلے ایڈیشن میں اُسے دور کر سکے۔

(شکریہ)

علامہ حافظ سید غلام حسین مصطفیٰ رضا رضوی رازی قادری
چک نمبر 3MR مخدوم رشید تحصیل وضلع ملتان

محمد اقبال قصرانی ولد حاجی قیصر خان

قاضی نثار احمد ولد قاضی ریاض احمد گورنمنٹ اپملائز پنجاب سوسائٹی لاہور 5182647

دعا ہے اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں اپنی محبت مؤیّن کرے اور ان کو صالحین کے زمرے میں اٹھائے۔ آمین

Marfat.com

وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا (القرآن)

اور قرآن پاک کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرو (القرآن)

تفسیر سراجِ منیر

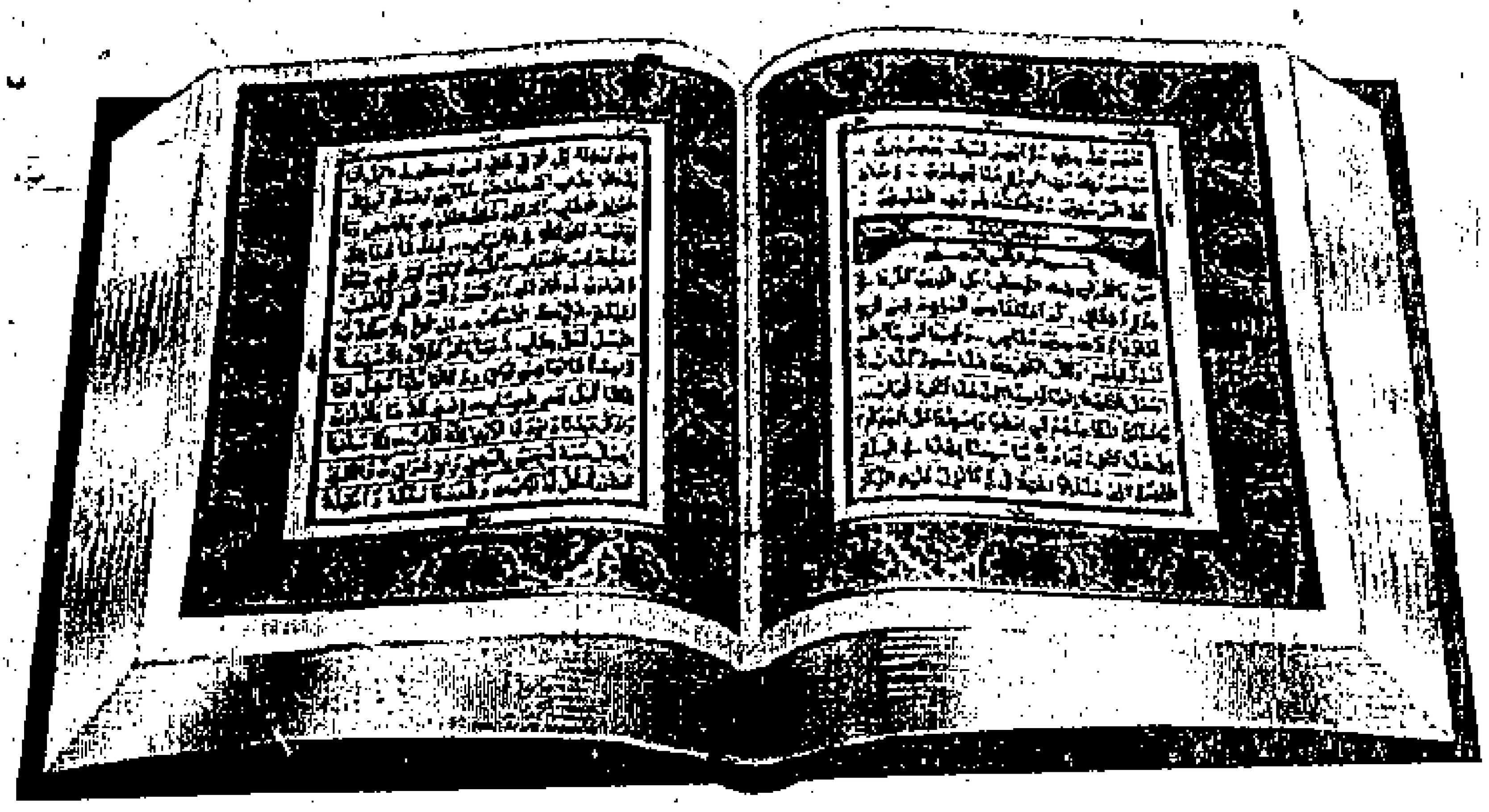

پارہ اول جلد اول

بحر العلوم امام المفسرین سند المحدثین
مفسر اعظم جامع المعقول والمنقول حاوی الاصول
والفروع ابو لمکارم علامہ

حافظ سید غلام حسین مصطفٰے رضا
رضوی رازی قادری

مغل دار الکتب
دوکان نمبر 13 پنجاب پلازہ سرکلر روڈ بالمقابل
جلال الدین ہسپتال نزد چوک اردو بازار لاہور
Ph: 042-7311042,7311131

Marfat.com